DUE DATE

Cl. No. ______________ *Acc. No.* 225672

Late Fine **Re. 1.00** per day for first 15 days.
Rs. 2.00 per day after 15 days of the due date.

لکھنؤ

تعمیرِ حیات

پندرہ روزہ

کی محمدؐ سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں

رسولؐ کی مخلصانہ اور مکمل اطاعت، نبوی اخلاق کو اپنانا، شریعت کو خواہشات نفس اور رسم و رواج و عادات پر ترجیح دینا اور دعوت اسلامی کی راہ میں جانی و مالی فداکاری، بغیر اس دلی محبت کے جو دل کی گہرائیوں میں موجود ہو اور انسان کے عقل و دل و نگاہ پر محیط و مستولی ہو ممکن نہیں۔

اسی لئے صحابہ کرامؓ رسول کی اطاعت کے حریص، اس کی طرف لپکنے والے، اس میں نشاط محسوس کرنے والے اور اس پر صبر کرنے والے تھے، اور اسی لئے انھیں اس باب میں ہمیشہ سبقت و خصوصیت حاصل رہے گی۔

آج عالم اسلامی میں شریعت پر عمل میں کوتاہی اور طاعات سے غفلت اور نفس پر ہر گراں گزرنے والی چیز سے وحشت، اور نبی کی سنتوں کے معاملے میں نئے تعلیم یافتہ طبقہ کی غفلت، سب اسی عظمت رسولؐ کا احساس نہ ہونے کا نتیجہ ہے جس پر قرآن زور دیتا ہے اس کے ساتھ ہی رسولؐ سے محبت کی کمی کو بھی اس میں بہت دخل ہے، یہ وہی جذبہ ہے جو پہلے اور اب بھی حیرت انگیز قوت کا سرچشمہ اور تاریخ میں عجائبات و معجزات کے لئے مشہور رہا ہے اور اس جذبہ کی کمی عقل، عزم، نظام کے بڑی سے بڑی مقدار سے بھی پوری نہیں ہوسکتی۔ اور یہ ایسا نقصان ہے جس کی تلافی ممکن نہیں۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

(از: منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین ص ۱۲۹)

۱۰ر نومبر ۱۹۹۹ء | سالانہ ۱۳۰/ روپے | فی شمارہ ۶ روپے



حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی صحابۂ کرامؓ کے سوال کئے بغیر خود سے کسی بات کو سمجھانا شروع فرما دیتے تھے

(۲)

شیخ عبدالفتاح ابو غدہ رحمۃ اللہ علیہ — ترجمہ: شمس الحق ندوی

ابن حبان اپنی (کتاب) صحیح میں امیر علاء الدین فارسی کی ترتیب سے فرماتے ہیں شروع میں معلم کا ایسی باتوں کا ذکر مباح و مناسب ہے جو ان مسائل کی طرف ذہن کو موڑتی ہوں جنہیں وہ اپنے شاگردوں کو سمجھانا یا ان پر آمادہ کرنا چاہتا ہے۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سورج ڈھلنے کے بعد نکلے اور ظہر کی نماز پڑھائی، جب آپؐ نے سلام پھیرا تو منبر پر کھڑے ہوئے، اور قیامت کا ذکر فرمایا اور قیامت آنے سے قبل نہایت خوفناک حوادث کے پیش آنے کا ذکر فرمایا۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: جو مجھ سے کوئی سوال کرنا چاہے کرے، خدا کی قسم جب تک میں منبر پر ہوں مجھ سے جو بات بھی پوچھو گے میں اس کا جواب دوں گا۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال سن کر لوگ بے تحاشا رونے لگے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بار بار فرماتے مجھ سے پوچھو مجھ سے پوچھو۔

چنانچہ عبداللہ بن حذافہ کھڑے ہوئے اور پوچھا اللہ کے رسولؐ میرے باپ کون ہیں؟ آپ نے جواب دیا تمہارے باپ حذافہ ہیں۔ [1]

[1] حضورؐ سے اپنے باپ کے بارے میں ان کے پوچھنے کی وجہ یہ تھی کہ جب ان کی کسی سے لڑائی ہو جاتی تو وہ ان کو دوسرے باپ کی طرف منسوب کرکے ذلیل کرنے، طعنہ دیتے، جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگوں کی عادت تھی۔

اس روایت کو امام بخاری اور مسلم نے بھی ذکر کیا ہے الفاظ مسلم کے ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سورج ڈھلنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے، ظہر کی نماز پڑھائی جب سلام پھیرا تو منبر پر کھڑے ہوئے، اور قیامت کا ذکر فرمایا اور فرمایا قیامت آنے سے پہلے بڑے خوفناک واقعات پیش آئیں گے، پھر فرمایا جو کوئی مجھ سے کسی چیز کے بارے میں سوال کرنا چاہے سوال کرے خدا کی قسم جب تک میں اپنی جگہ کھڑا ہوں مجھ سے جو سوال بھی کروگے جواب دوں گا۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سوال سن کر لوگ بے تحاشا رونے لگے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بار بار فرماتے مجھ سے پوچھو مجھ سے پوچھو، چنانچہ عبداللہ بن حذافہؓ کھڑے ہوئے اور سوال کیا اللہ کے رسولؐ! میرا باپ کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا حذافہ۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار سوال فرمایا تو حضرت عمرؓ دو زانو بیٹھ گئے اور فرمایا ہم نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب تسلیم کر لیا، اسلام کو اپنا دین مان لیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا رسول مانا۔ حضرت عمرؓ نے یہ بات فرمائی تو آپؐ خاموش ہو گئے۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قریب تھا کہ تم ہلاک ہو جاتے (عرب ایسے موقع پر اولیٰ کا لفظ بولتے تھے) آپؐ نے فرمایا اس دیوار کی سمت مجھ پر ابھی ابھی جنت اور دوزخ پیش کی گئی، آج جیسی ہلاکت و تباہی اور خیر و نعمت کبھی نہیں دیکھی۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ کے بارے میں امام مسلم نے عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ "عبداللہ بن حذافہ کی والدہ نے عبداللہ بن حذافہ سے کہا تجھ سے بڑھ کر ماں کا بے وفا بیٹا میں نے آج تک نہیں دیکھا! کیا تمہیں یہ یقین آگیا کہ تمہاری ماں نے ایسے جرم کا ارتکاب کیا ہے جس کا ارتکاب زمانۂ جاہلیت کی عورتیں کیا کرتی تھیں کہ برسر عام تم اپنی ماں کو رسوا کرو؟ عبداللہ بن حذافہ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ کے رسول مجھے کسی کالے غلام کی طرف منسوب کرتے تو میں اسی کو اپنا باپ یقین کرتا، حضرت عبداللہ کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد جھوٹا نہیں ہو سکتا۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار فرمایا کہ مجھ سے پوچھو مجھ سے پوچھو تو حضرت عمرؓ دو زانو بیٹھ گئے اور عرض کیا اللہ کے رسول! ہم نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مانا اور اسلام کو اپنا دین تسلیم کیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا رسول یقین کیا۔

راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔

اس کے بعد آپؐ نے فرمایا اس دیوار کی سمت ابھی ابھی جنت اور دوزخ مجھے دکھائی گئی، آج جیسی نعمتیں اور مصیبتیں نہیں دیکھیں

تمنا ہے درختوں پر ترے روضے کے جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طائر روح مقید کا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پندرہ روزہ لکھنؤ

تعمیر حیات

مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۳۶ — شمارہ نمبر ۱

۱۰ نومبر ۱۹۹۹ء — مطابق — یکم شعبان ۱۴۲۰ھ

زیر نگرانی

- مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
- مولانا عبد اللہ عباس ندوی
- پروفیسر وصی احمد صدیقی

مدیر مسئول

شمس الحق ندوی

مجلس ادارت

مولانا نذر الحفیظ ندوی — مولانا محمد خالد ندوی

مولانا عبد اللہ حسنی ندوی — ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ ۱۳۰/ روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں ——

زر تعاون

سالانہ —— ۱۳۰/ روپے

فی شمارہ —— ۶/ روپے

بیرونی ممالک فضائی ڈاک —

ایشیائی، یورپ، افریقی و امریکی ممالک ۳۰ ڈالر

بیرونی ممالک بحری ڈاک —

بحری ڈاک جملہ ۱۵ ڈالر

خط و کتابت کا پتہ

منیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس نمبر ۹۳

ندوۃ العلماء لکھنؤ، ۲۲۶۰۰۷ یوپی

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں ——

گزارش

خط و کتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کے ساتھ مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے (منیجر)

پرنٹر پبلشر شاہد حسین نے پارکو آفسٹ میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا۔

حامد

اس شمارے میں

شرائط ایجنسی

۱۔ پانچ کاپی سے کم کی ایجنسی جاری نہیں کی جاتی۔
۲۔ فی کاپی =/Rs. 15 کے حساب سے زر ضمانت روانہ کرنا ضروری ہے۔
۳۔ کمیشن جوابی خط سے معلوم کریں۔

نرخ اشتہار

۱۔ تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر اندرونی صفحہ =/Rs. 30
۲۔ تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر پشت پر رنگین صفحہ =/Rs. 40
۳۔ کمیشن تعداد اشاعت کے مطابق ہوگا جو آرڈر دینے پر متعین ہوگا۔
۴۔ اشتہار کی نصف رقم پیشگی جمع کرنا ضروری ہے۔

بیرون ملک نمائندے

Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb. P O Box No 842, Madina Munawwara (K.S.A.)	مدینہ منورہ
Mr. M. AKRAM NADWI O C I S , St Cross College, Oxford Ox1 3TU-U K.	برطانیہ
Mr. M. YAHYA SALLO NADWI Sb. P O Box 388, Vereninging,(S Africa)	ساؤتھ افریقہ
Mr. ABDUL HAI NADWI Sb. P O Box No 10894, DOHA-QATAR	قطر
Mr. QARI ABDUL HAMEED NADWI Sb. P O Box No. 12525, DUBAI (U A E) P·H·NO: — 3970927	دبئی
Mr. ATAULLAH Sb. Sector A-50, Near sau Quater H No 109, Town Ship Kaurangi, KARACHI-31 (Pakistan)	پاکستان
Dr. A. M. SIDDQUI Sb. 98-Conklin Ave. Woodmere NEW YORK 11598 (U S A)	امریکہ

اداریہ

شمس الحق ندوی

مصائب کی یورش اور آفات کا یہ تسلسل!

کیا ہم اس سے کچھ بھی سبق لیتے ہیں؟

زلزلے، طوفان، قحط سالی، وبائی امراض، برسات کی کثرت اور سیلاب، یہ سب باتیں تاریخ میں برابر پیش آتی رہی ہیں، اور تاریخ کی کتابوں میں ان کے تذکرے بھی ہیں، مؤرخین نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ بعض وقت اتنا شدید اور طویل قحط پڑا ہے کہ انسانوں نے خود اپنے بچوں کو کھا کر پیٹ کے جہنم کو بھرا ہے۔ یہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے وہ آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آخری آسمانی کتاب آجانے کے بعد کی تاریخ سے تعلق رکھتا ہے، اور یہ اس وقت ہوا ہے جب انسانوں نے اپنے مالک کو بھلا کر غرور و گھمنڈ، ظلم و زبردستی، ناچ گانے اور بے حیائی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس آخری نبی اور آخری کتاب کے آنے سے پہلے کی تاریخ میں اپنے مالک و خالق یعنی اس کائنات کو پیدا کرنے والے اور انسان کو اپنی مخلوق میں سب کا شاہکار بنانے والے خدا کی خدائی سے انکار کرنے والے، اس کے بھیجے ہوئے نبیوں اور رسولوں کو اور ان کے ساتھ اتاری جانے والی کتابوں اور صحیفوں کو جھٹلانے والی قوموں کے ساتھ جو کچھ پیش آیا ہے اس کی تاریخ قرآن کریم نے اسی لئے بیان کردی ہے کہ انسان ہوشیار اور متنبہ رہے، اپنے مالک کو مالک جانے اس کے بھلائے اور بتائے ہوئے راستہ پر چلے اور اگر اس نے ایسا نہ کیا اور اپنی عقل و خرد اور فکر و سوچ کی صلاحیت سے حاصل ہونے والی قوت و صلاحیت کے نشہ میں اپنے مالک کو بھلا بیٹھا اور گمان و خیال کے اس دھوکے میں کہ مر کر سڑ گل جانے کے بعد کون زندہ ہوگا، جو کچھ مزہ اڑانا ہے اور جیسی بھی رنگ رلیاں منانی ہیں اور اپنی قوت و طاقت بالکثرت تعداد کے سبب یا اسباب و وسائل کی فراوانی کی وجہ سے جس پر جو ظلم چاہو ڈھالو اور اپنی انا و بڑائی، عیاشی و بدمعاشی کا کھیل کھیل لو اس کے بعد کچھ نہیں۔ قرآن کریم نے ایسے لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے پچھلی قوموں کی بربادی کی داستانیں اسی لئے بیان کی ہیں کہ انسان ان سے سبق لے۔

پچھلی قوموں میں خدا کی خدائی کا مذاق اڑانے، اس کے نبیوں کو ستانے اور جھٹلانے والی قوموں کو کبھی اس طرح ہلاک و برباد کیا گیا کہ سات دن اور سات رات لگا تار ایسی طوفانی ہوائیں چلی ہیں کہ وہ تباہ ہو کر رہ گئیں، اور کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ پانی کا طوفان آیا ہے، تمام کے تمام لوگ ڈوب کر ہلاک ہوگئے سوائے ان چند لوگوں کے جو اللہ کے نبی حضرت نوحؑ کے ساتھ ان پر ایمان لانے کی وجہ سے خدا کے حکم سے کشتی میں سوار کر لئے گئے تھے اور اس وقت دنیا کی جو آبادی ہے انھیں کشتی والوں کی اولاد ہے، پھر جب ان میں بھی خدا کے حکموں کو توڑنے والے پیدا ہوئے تو ان کو بھی سبق دیا گیا، بعض بستیوں کو الٹا کر پلیٹ دیا گیا اور اوپر سے پتھر برسائے گئے اور پوری بستی تباہ ہو کر رہ گئی، بعض قوموں کی ناشکری و نافرمانی پر بند ٹوٹا اور ایسا سیلاب آیا کہ بستیوں کا نام و نشان تک نہ باقی رہا۔

ہماری آج کی دنیا سائنس و ٹکنالوجی کی ترقی کے آخری درجہ کو پہونچ گئی ہے کہ اس سے اب گاؤں اور دیہات کے لوگ بھی واقف ہیں اور اس کو جانتے ہی نہیں بلکہ اس سے فائدہ بھی اٹھا رہے ہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ انسان انسانیت کی جس پستی کو پہونچ گیا ہے اور جدید ترقیات نے خدا فراموشی اور من مانی زندگی گذارنے، ظلم و بربریت، مار دھاڑ، بے حیائی اور فحاشی کی جس آخری منزل کو پہونچا دیا ہے وہ بھی ہر عام و خاص سب کے سامنے ہے، انسانیت کی اس پستی کی وجہ سے تھوڑے تھوڑے وقفے سے وہ چیزیں مختلف انداز سے برابر پیش آتی رہتی ہیں کہ انسان جو اپنی ترقی کے نشہ میں مدہوش ہے ہوش میں آئے، مگر وہ ہوش میں آنے کے بجائے کچھ اسباب و وجوہات بیان کر کے اپنی پرانی حالت ہی پر قائم رہتا ہے اس کے کردار میں کوئی معمولی سا بھی فرق نہیں آتا بلکہ غفلت کے پردے اور موٹے و دبیز ہوتے جاتے ہیں، یہ ہے اصل خطرہ کی بات کہ انسان اپنے کرتوتوں کا انجام دیکھے پھر بھی سنبھلے اور سنبھالنے

کی فکر نہ کرنے۔

اڑیسہ کے طوفان سے ہونے والی تباہ کاریوں کی جو تفصیلات آرہی ہیں شہر کے شہر بلکہ اڑیسہ کا ایک تہائی حصہ جس طرح تباہ ہوکر رہ گیا ہے کیا اس میں اور طوفان نوح میں کوئی مماثلت نہیں۔ کیا ان مرنے والوں میں صرف غریب لوگ ہیں یا کسی ایک خاص قوم اور برادری کے لوگ ہیں، ان مرنے والوں میں ڈاکٹر بھی ہوں گے انجینیر بھی، بڑے بڑے افسران بھی ہوں گے تاجر و سرمایہ دار بھی، ظالم بھی ہوں گے مظلوم بھی بھوکے پیٹ سوجانے والے بھی ہوں گے اور ایسے بھی جو دوسروں کا پیٹ کاٹ کر اپنا پیٹ اس طرح بھرتے ہوں کہ پیٹ کے مریض ہوں گے۔ لاشیں ہیں کہ بے گور و کفن پڑی ہیں، کوئی اٹھانے والا نہیں، ان کو کھانے والے درندے بھی ڈوب مرے ہیں۔ ہمارے پاس فوج، جدید آلات اور جدید ساز و سامان کی بھی کمی نہیں ہے لیکن اس جگہ کون جاسکتا ہے اور کیا کرسکتا ہے؟

سب کچھ ہوتے ہوئے ہماری یہ مجبوری ہم کو کیا سبق دیتی ہے؟ ہم اس سے کیا عبرت حاصل کرتے ہیں؟

اس سے پہلے ابھی کچھ ہی ماہ گذرے ہیں جب گجرات کے علاقہ میں یہ طوفان آیا تھا اور اس جگہ آیا تھا جہاں فوج اور فوج کا پورا ساز و سامان بھی موجود تھا، لیکن کیا فوج اس کا مقابلہ کرسکی وہ کسی اور کو کیا بچاتی خود اپنی جانوں اور ساز و سامان کے لالے پڑ گئے، بستیاں جس طرح تباہ ہوئیں اور لوگ بھاگے اور مرے وہ کچھ کم عبرت کی چیز نہ تھی، اور ابھی بنگال کے طوفان کے کتنے دن گذرے ہیں، یہ تو چند مہینوں کے اندر پیش آنے والی طوفانی تباہی کا ذکر ہے جس کا اگر صحیح جائزہ لیا جائے تو ایک چھوٹے سے ملک کی تباہی کا نمونہ ہوگا جس طرح پچھلی پوری کی پوری قومیں تباہ ہوگئی ہیں، یہ تو طوفان کی تباہ کاری ہے۔ صرف اس سال سیلاب بارش سے گرنے اور تباہ ہونے والے مکانات کے اعداد و شمار تیار کئے جائیں تو وہ کسی بڑے زلزلے سے کم نہ ہوں گے، ترکی کے زبردست زلزلہ کی مدت ابھی کچھ زیادہ طویل نہیں ہے، تائیوان، چین اور ایران کا زلزلہ گو اتنا شدید نہیں لیکن بہرحال انسان کی بے بسی کا مظہر تو ہے ہی، اور چند ہی سال قبل لاتور عثمان آباد کے زلزلہ سے جو تباہی آئی ہے، گھروں کی ویرانی کے ساتھ لاشوں کے جو ڈھیر لگے تھے وہ کسے نہ یاد ہوگا۔ یہ زخم مندمل نہ ہونے پایا تھا کہ سورت کے ...... طاعون نے کئی ہفتوں تک باہر آنے جانے والی فلائٹوں تک کو منسوخ کردیا تھا، لوگ سورت چھوڑ چھوڑ کر بھاگ رہے تھے اور جہاں جارہے تھے وہاں کے لوگ ان کو بھگا رہے تھے کہ تم سے یہاں بھی طاعون پھیل جائے گا، باہر آنے جانے والی فلائٹوں کی رکاوٹ کا سبب بھی یہی تھا کہ کہیں یہ وبا دوسرے ملکوں میں نہ پہنچ جائے۔

ایسا کیوں ہورہا ہے؟ مصائب کی یہ یورش اور آفات کا یہ لامتناہی تسلسل کیوں ہے؟ اس کے پیچھے کون سی طاقت کام کررہی ہے کیا ہم کبھی اس پر بھی غور کرتے ہیں؟ نہیں بلکہ غور نہ کرکے ہم اس کا کوئی سائنسی یا جغرافیائی سبب بیان کرکے مطمئن ہوجاتے ہیں۔ اور ہماری آزادی انسان کی جدید تہذیب اور حب مال و جاہ کی لت نے خدا کے غضب کو بھڑکانے والے جس ڈھرے پر ڈال دیا آنکھ بند کرکے اس پر چلتے رہتے ہیں کوئی اگر کچھ کہنا چاہے اور اس روش سے روکے تو وہ خود مجرم قرار پاتا ہے بالکل ایسے ہی جیسے پچھلی قوموں نے اپنے نبیوں اور پیشواؤں کے ساتھ کیا ہے اور پھر تباہ و برباد ہوئی ہیں۔

عہد جدید کے بڑے بڑے محققین صاحب علم اور مفکرین سائنسدان اور ٹکنالوجی کے ماہرین سب دیکھ رہے ہیں اور محسوس کررہے ہیں کچھ لوگ لکھتے بھی ہیں کہ زندگی کی گاڑی ڈگمگا رہی ہے، جھٹکے کھا رہی ہے، لوگ گر اور مر رہے ہیں، مگر کسی کو یہ معلوم کرنے کی فکر نہیں ہوتی کہ گاڑی کا کون سا پرزہ ڈھیلا ہے جس سے جھٹکے لگ رہے ہیں اور لوگ گر اور مر رہے ہیں۔ زندگی کی گاڑی اپنے ڈھیلے پرزوں کے ساتھ پوری برق رفتاری کے ساتھ دوڑ رہی ہے اس کی فکر نہ کی گئی تو نہیں کہا جاسکتا کہ کس لمحہ اور کس آن پوری گاڑی ٹوٹ کر چکنا چور ہوجائے گی۔

اس لئے اس کی بہت جلد فکر کرنے کی ضرورت ہے، اور انسان خدا فراموشی، اخلاقی انارکی، بہیمیت و درندگی، بے حیائی و فحاشی ظلم و زیادتی کی جس پستی کو پہنچ گیا ہے اس کو اس سے نکالنے کی فکر کرنے کی ضرورت ہے، ورنہ مذکورہ حوادث و واقعات یہ پتہ دیتے ہیں کہ انسان نے اگر اپنے آپ کو بدلا نہیں۔ ان مصائب و آفات سے جن پر کنٹرول کرنے سے وہ عاجز و بے بس ہے کوئی سبق نہ لیا تو وہ دن دور نہیں جب اس کے مکمل تباہی کا فیصلہ کردیا جائے، اور اس کی جدید ترقیات کا سارا دھرا کا دھرا رہ جائے۔

إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ۔ جب ہو پڑے ہو پڑنے والی نہیں ہے اس کے ہو پڑنے میں کچھ جھوٹ۔

خالق کائنات کس وضاحت کے ساتھ ہم کو آگاہ کررہا ہے، مگر ہم ہیں کہ غفلت سے باز نہیں آتے۔

اس کی وجہ وہ ہے جو قرآن نے خود اس طرح فرمادیا ہے لیکن لوگ غور نہیں کرتے۔

بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْآخِرَةِ ۚ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِّنْهَا ۖ بَلْ هُم مِّنْهَا عَمُونَ۔

(سورہ نمل۔٦٦)

بلکہ تھک کر گر گیا ان کا فکر آخرت کے بارے میں بلکہ ان کو شبہ ہے اس میں، بلکہ وہ اس سے اندھے ہیں۔

مسلمان اپنے دین کے ایک نقطہ سے بھی دست بردار نہیں ہوسکتا

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

۲۸، ۲۹ اور ۳۰ اکتوبر ۱۹۹۹ء کو آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا تیرہواں اجلاس بمبئی میں منعقد ہوا جس میں بورڈ کے صدر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم اپنی علالت کے سبب شرکت نہ فرما سکے لیکن اپنا فکر انگیز اور رہنما خطوط پر مشتمل خطبۂ صدارت بھیجا جو اجلاس میں پڑھ کر سنایا گیا۔ افادۂ عام کی غرض سے ہم یہ خطبۂ صدارت ہدیۂ ناظرین کر رہے ہیں۔

(ادارہ)

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین محمد وآلہ وصحبہ أجمعین ومن تبعهم باحسان ودعا بدعوتهم الی یوم الدین۔

حضرات سامعین کرام!

ہم مسلمانوں نے پورے عزم کے ساتھ سوچ سمجھ کر اپنے وطن ہندوستان میں رہنے کا فیصلہ کیا ہے، ہمارے اس فیصلہ کو ارادہ الٰہی کے سوا کوئی طاقت نہیں بدل سکتی، ہمارا یہ فیصلہ کسی کم ہمتی، مجبوری، یا بے چارگی پر مبنی نہیں ہم نے سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے۔

ہمارا دوسرا فیصلہ یہ ہے (جو اپنے عزم اور قطعیت میں پہلے فیصلہ سے کسی طرح کم اور غیر اہم نہیں) کہ ہم اس ملک میں اپنے پورے عقائد، دینی شعائر، قانون شریعت اور اپنی پوری مذہبی و تہذیبی خصوصیات کے ساتھ رہیں گے، ہم ان کے کسی ایک نقطہ سے دست بردار ہونے کے لیے تیار نہیں۔

اس ملک کے باشندے کی حیثیت سے ہمیں یہاں آزادی اور عزت کے ساتھ رہنے کا پورا حق حاصل ہے، یہ اس ملک کی جمہوریت اور دستور و آئین کا بھی فیصلہ ہے، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم اپنی خصوصیات، قانون شریعت، احکام دین، اپنے عقائد و شعائر، اپنی زبان و تہذیب اور اپنی ان چیزوں کو چھوڑ کر جو ہم کو عزیز ہیں اس ملک میں رہیں، اس طرح رہنے سے یہ وطن، وطن نہیں بلکہ ایک جیل خانہ اور قفس بن جاتا ہے، جس میں گویا پوری قوم کو زندگی کی عزتوں اور لذتوں سے محروم رکھ کر سزا دی جاتی ہے، ہمارا خمیر ضرور اس ملک سے تیار ہوا ہے اور یہ خاک ہم کو بہت عزیز ہے، لیکن ہماری تہذیب ابراہیمی ہے اور مسلمان جس ملک میں رہے گا اس کی وطنیت خواہ کچھ ہو، اس کی تہذیب ابراہیمی ہوگی ہم یہاں زندہ اور باعزت انسانوں کی طرح رہنا چاہتے ہیں، ہم اس ملک میں آزاد ہیں، اس کی تعمیر و ترقی اور دستور سازی میں شریک ہیں، اس لیے اس کا کوئی سوال نہیں کہ ہم دوسرے درجہ کے شہریوں کی طرح زندگی بسر کریں، اپنے ملک میں آزادی کے ساتھ زندگی گزارنا ہر شخص کا فطری انسانی، اخلاقی اور قانونی حق ہے اور اس حق کو جب بھی چھیننے کی کوشش کی گئی تو اس کے ہمیشہ سنگین نتائج نکلے۔

زندگی اور موت بھی اسلام پر ہوگی، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے اس بات کا مطالبہ کیا ہے کہ وہ اسلام اور ایمان پر قائم رہنے کی کوشش کریں، اسی پر اپنی زندگی گزاریں اور جب موت آئے تو اسی دین و ملت پر آئے۔

وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ (تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔) (سورہ آل عمران - ۱۰۲)

اسی کی وصیت ابراہیم و یعقوب علیہما السلام نے اپنی اولاد کو کی کہ تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔

وَوَصَّىٰ بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ يَا بَنِيَّ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ لَكُمُ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ (سورہ بقرہ - ۱۳۲)

اسی طریقہ پر چلنے کی ہدایت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کو کی تھی اور اس کی وصیت یعقوب نے اپنی اولاد کو کی، انھوں نے کہا تھا میرے بچو! اللہ نے تمہارے لیے یہی دین پسند کیا ہے لہٰذا مرتے دم تک مسلم ہی رہنا۔

شریعت اسلامی نے ایک مسلمان کے لیے پیدائش سے لے کر موت

تک اس کے انتظامات کئے ہیں اور ایسا ماحول تعمیر کرنے کی کوشش کی ہے جس میں مسلمان اس حقیقت کو فراموش نہ کرنے پائے، اس کو ہر وقت یاد رہے کہ اس کا تعلق اسی دین وملت سے ہے جس کے داعی ابراہیم اور محمد علیہما السلام تھے جس کی بنیاد توحید پر ہے اور وہ ایک الگ اُمت ہیں، مسلمان جس وقت بھی پیدا ہوتا ہے، اس کے کان میں اذان دی جاتی ہے۔ اس کا اسلامی نام رکھا جاتا ہے، ناموں میں ان ناموں کو ترجیح دی گئی ہے جن میں عبدیت وحمد کا اظہار ہے، اس سے ابراہیمی سنتیں ادا کرائی جاتی ہیں اور جب مرتا ہے تو سب اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہوئے اپنے۔ لیے اور سب مسلمانوں کے لیے دعا کرتے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهٗ مِنَّا فَاَحْيِهٖ عَلَى الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَى الْاِيْمَانِ۔ (اے اللہ ہم میں سے تو جس کو زندہ رکھے اس کو اسلام پر زندہ رکھیو اور جس کو موت دے تو اس کو ایمان کے ساتھ دنیا سے اٹھائیو)

یہاں تک کہ قبر میں اتارتے ہوئے اور آخری ٹھکانے پر پہنچاتے ہوئے بھی یہی لفظ زبان پر ہوتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ، اللہ کے نام پر اور رسول اللہ کے دین وملت پر، اس کا مقصد اور پیغام یہ ہے کہ ہمیں اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے اور زندگی کی ہر منزل پر اس کو یاد رکھنا ہے کہ ہم ملت ابراہیمی اور امت محمدیہ کے فرد اور ایک مخصوص شریعت اور آئین ومسلک زندگی کے پیرو اور خدا کے موحد اور وفادار بندے ہیں، ہماری زندگی بھی اسی آئین ومسلک کی وفاداری میں گزرے اور ہمیں موت بھی اسی حال میں آئے، ہماری موجودہ نسلیں بھی اسی راستہ پر گامزن رہیں اور ہماری آئندہ نسلیں بھی اسی صراط مستقیم پر چلیں۔

ملتِ ابراہیمی اور دین محمدی کی اس دعوت کو آج صراحت اور تعین کے ساتھ پیش کرنے کی ضرورت ہے، یہ اس تہذیب کی دعوت ہے جس کی بنا ابراہیم علیہ السلام نے ڈالی ہے اور تکمیل وتجدید حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے، اجتماع واخلاق میں اس کے معین اصول ہیں، یہ فرد کی حریت اور فلاح کی ضامن ہے، چند معین عقائد، معین اصولوں اور معین کرداروں نے اس کو وجود بخشا ہے، یہ ابراہیم علیہ السلام ومحمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشترکہ دعوت اور میراث ہے اور اس کے سوا کوئی تیسری چیز خدا کو قبول نہیں۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر — خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک ونسب پر انحصار — قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری
دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں — اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

(اقبالؒ)

جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے، ان کے ایمان وعقیدہ کا جزء ہے کہ ان کا عائلی قانون (FAMILY LAW) اسی خدا کا بنایا ہوا ہے جس نے قرآن اتارا اور عقائد وعبادات کا قانون عطا کیا، سارا قرآن مجید ان تصریحات سے بھرا ہوا ہے، مسلمان اس عقیدہ پر ایمان لانے پر مجبور ہیں اور اس کے بغیر وہ مسلمان نہیں رہ سکتے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قانون خدائے علیم وخبیر کا بنایا ہوا ہے، جو انسان کا بھی خالق ہے اور اس کائنات کا بھی، وہ فطری ضرورتوں اور کمزوریوں دونوں سے واقف ہے، وہ فرماتا ہے:

اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ط — کیا وہی آگاہ نہ ہوگا جس نے پیدا کیا
وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ — ہے وہ تو بڑا ہی باریک بیں اور
(ملک ۱۴) — پورا باخبر۔

اس طرح وہ زمانہ کا خالق ہے، ہمارے لحاظ سے ماضی حال و مستقبل کی تقسیم کتنی ہی صحیح اور ضروری ہو اس کے لحاظ سے سب ماضی ہی ماضی ہے، اس لیے ایک بار یہ مان لینے کے بعد کہ وہ خدا کا بنایا ہوا قانون ہے جو ایک زندہ جاوید اُمت اور ایک عالمگیر اور دائمی شریعت کے لیے بنایا گیا ہے تو ترمیم وتبدیلی کی ضرورت کا مطالبہ ایک کھلے منطقی تضاد (اور جہاں تک مسلمان کہلانے والے اشخاص کا تعلق ہے) ایک اعتقادی وعلمی نفاق کے سوا کچھ نہیں، پھر معاملہ صرف ایمان بالغیب اور مذہبی عقیدت اور عصبیت کا نہیں اس قانون کے مکمل متوازن اور عادل ہونے اور زمان ومکان کی تبدیلی پر حاوی ہونے کے عقلی وعلمی شواہد اور مسلم وغیر مسلم، مشرقی ومغربی فضلاء، جری وانصاف پسند مقننین کے واضح اعترافات اور عملی تجربے اتنے ہیں کہ کوئی ”شپرہ چشم“ ہی ان سے انکار کر سکتا ہے، اس موضوع پر متعدد نامور فضلاء نے قلم اٹھایا ہے اور بڑا قیمتی مواد جمع کر دیا ہے۔

ہندوستان میں جب یہ مسئلہ اٹھا اور دیکھنے والوں کو یہ نظر آیا کہ افق پر خطرہ کی علامتیں نمایاں ہوگئی ہیں اور یہ بادل جو ابھی کسی کسی وقت گرجتا ہے کسی وقت ضرور برسے گا تو انھوں نے ”مسلم پرسنل لا بورڈ“ کے نام سے دسمبر ۱۹۷۲ء میں بمبئی میں ایک متحدہ پلیٹ فارم بنایا جس سے وقتاً فوقتاً قانون سازی

کی نوعیت اور اس کے رُخ کا جائزہ لیا جا رہا ہے، اور مسلمانوں کی رائے عامہ کو بیدار رکھنے کا سامان کیا جاتا ہے، تاکہ اچانک ان پر یہ یا کوئی دوسرا مسئلہ شب خون نہ مارنے پائے یہ ایک ایسا نمائندہ بورڈ تھا جس کی مثال اپنی وسعت اور عمومیت اور مختلف مکاتب خیال کی نمائندگی کے لحاظ سے تحریک خلافت کے بعد نہیں ملتی، ۱۹۴۷ء کے بعد اتنے بڑے اجتماعات دیکھنے میں نہیں آئے، اس بورڈ کی تشکیل اور اس کے ان شاندار اور بے نظیر جلسوں کا اتنا از ضرور ہوا کہ حکومت اور مسلم پرسنل لا میں اصلاح و ترمیم کی آواز بلند کرنے والے حضرات کو ہوا کا رُخ معلوم ہو گیا، اور اتنا ثابت ہو گیا کہ مسلمان اس مسئلہ پر صد فیصد متفق ہیں، اس لیے دانشمندی، حقیقت پسندی اور انتخابی سیاست کا بھی تقاضا ہے کہ اس مسئلہ کو اٹھانے میں احتیاط کی جائے۔

حضرات! یہ دین جو ہم تک پہنچا ہے اور جس دولت کے ہم آپ امین اور (محافظ کا لفظ تو بہت بڑا ہے) اس دولت کے حامل ہیں، وہ دین ہمیں دانشوروں، سماجی خدمت گاروں، اصلاحی کام کرنے والوں (ریفارمرس (REFORMERS)) یا بانیانِ سلطنت کے ذریعہ نہیں پہنچا ہے، یہ سارے گروہ قابل احترام ہیں، لیکن کسی دین میں اور کسی تہذیب، نظام فکر و دبستان خیال (SCHOOL OF THOUGHT) اور خالص مطالعہ، غور و فکر اور تجربہ کے نتائج میں ایک حدِّ فاصل، سرحدی لکیر (LINE OF DEMARCATION) ہوتی ہے جو ایک کو دوسرے سے جدا کرتی ہے، اس خط کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، حدِ فاصل یہ ہے کہ آسمانی مذاہب (ادیان) ان برگزیدہ افراد کے ذریعہ پہنچے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے نبوّت کے منصب سے سرفراز فرمایا تھا، اور جن پر وحی آتی تھی، اس نکتہ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے خلط مبحث (CONFUSION) ہوتا ہے، زیادہ تر لوگ نادانستہ طریقہ پر ان مذاہب سے توقع اور بعض اوقات آگے بڑھ کر ایسی چیزوں کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں جن کی ان مذاہب میں گنجائش اور ان کا کوئی جواز نہیں وہ بعض اوقات ان کی تشریح کا فرض اپنے ذمہ لے لیتے ہیں، اپنی وسعت مطالعہ اور وسعت اظہار کے لیے وہ مذاہب کی ترجمانی ایسی کرنے لگتے ہیں جیسے کہ یہ سب فلسفے یا انسانوں کے بنائے ہوئے تہذیب و تمدن کے نظام اور سماجی تجربے اور معاشرتی نظریات ہیں، یہ ہے وہ غلطی جو نادانستہ طریقہ پر بعض بڑے ذمہ دار اور سنجیدہ لوگوں سے ہوتی ہے وہ یہ نہیں جانتے کہ دین اور غیر دین میں حدِ فاصل اور امتیازی نشان کیا ہے، فلسفہ، سماجیات (SOCIAL SCINCE) کا علم تہذیب و تمدن (CIVILIZATION) سوسائٹی اور انسانی معاشرہ یہ سب اپنی جگہ حقائق ہیں، ہم ان کا انکار نہیں کرتے، ان کا احترام کرتے ہیں اور اپنے ذمہ ان کے حقوق سمجھتے ہیں، خود مسلم ملت ایک معاشرہ، تہذیب و تمدن اور فکر و دانش کا ایک مستقل مدرسہ (SCHOOL OF THOUGHT) بھی ہے لیکن اس کی جو اصل حقیقت ہے وہ یہ ہے کہ وہ ایک "دین" ہے اور اس دین کو دنیا میں پیش کرنے والے اور اس کو بروئے کار لانے والے، اس کو ہماری زندگی میں داخل کرنے والے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں اور یہ ان کی زبان اور ان کا طرز فکر نہیں، اس کا بنیادی چشمہ ان کے دماغ میں نہیں تھا بلکہ ان سے باہر اور ان سے بلند تھا اور وہ ان کے لیے اسی درجہ قابل احترام اور قابل اطاعت تھا، جیسے ہمارے آپ کے لیے اور سارے اُمتیوں کے لیے۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝ (سورۃ النجم: ۳،۴)	اور وہ خواہش نفس سے منہ سے بات نہیں نکالتے ہیں یہ (قرآن) تو حکم خدا ہے (اور ان کی طرف بھیجا جاتا ہے)
مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَٰكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا نَهْدِي بِهِ مَنْ نَشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا ۚ وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ (الشوریٰ: ۵۲)	آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب (اللہ) کیا چیز ہے نہ یہ خبر تھی کہ ایمان کا انتہائی کمال کیا چیز ہے، لیکن ہم نے اس (قرآن) کو ایک نور بنایا جس کے ذریعہ سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ ایک سیدھے رستہ کی ہدایت کر رہے ہیں۔

وحی و نبوّت کا فرق اساسی فرق ہے، ہمیں غیر مسلم بھائیوں اور غیر مسلم فضلاء سے زیادہ شکوہ نہیں کہ وہ وحی و نبوّت کے عہد سے اتنے دور ہو چکے ہیں کہ ان کے مفہوم سے بہت سے حضرات ناآشنا ہیں، بعثت محمدی سے پہلے خود عربوں کا یہی حال تھا، اس میں نہ کسی ذہانت کا انکار ہے اور نہ کسی کی نیت پر حملہ ہے، ایک تاریخی یا نفسیاتی تجزیہ ہے کہ جو شخص نبوّت اور وحی کی حقیقت سے واقف نہیں اور یہ نہیں جانتا کہ اس کا کیا مرتبہ اور حق ہے اور اس کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں، وہ کس چیز کی متقاضی ہے، وہ مسلمانوں کے بارہ میں مشورہ دینے یا

فیصلہ کرنے کے اخلاقی یا قانونی طور پر مجاز نہیں۔

دوسری ضروری بات یہ ہے کہ دین اسلام کے دائرہ کو سمجھ لیا جائے، اس بارہ میں مذاہب میں خود اختلاف ہے اور اس میں درجوں کا فرق ہے، کئی مذاہب ایسے ہیں کہ دینی و نبوّت سے ان کا آغاز ہونے کے باوجود انھوں نے مذہبی زندگی کو ایک خاص دائرہ میں محدود کر لیا ہے، مثلاً عبادات کے دائرہ میں، لیکن اسلام کا معاملہ یہ نہیں ہے، اسلام میں دین کا دائرہ پوری زندگی پر محیط ہے، یہ ایک اساسی حقیقت ہے جو عبد و معبود کے تعلق کو سمجھے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتی، ہر مسلمان خدا کا فرمانبردار بندہ ہے اور اس کا تعلق خدا سے دائمی ہے، عمومی ہے، عمیق بھی ہے اور وسیع بھی ہے، محدود بھی ہے اور جامع بھی، قرآن شریف میں ہے:۔

يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا	اے ایمان والو! اسلام میں
فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَلَا تَتَّبِعُوْا	پورے پورے داخل ہو جاؤ
خُطُوَاتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ	اور شیطان کے پیچھے نہ چلو، وہ
لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (البقرۃ: ۲۰۸)	تو تمہارا صریح دشمن ہے۔

میں یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مسلمان اگر مسلم پرسنل لا (شرعی، عائلی قانون) میں تبدیلی قبول کریں گے تو آدھے مسلمان رہ جائیں گے، اس کے بعد خطرہ ہے کہ آدھے مسلمان بھی نہ رہیں، فلسفۂ اخلاق، فلسفۂ نفسیات اور فلسفۂ مذاہب کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ مذہب کو اپنے مخصوص نظام معاشرت و تہذیب سے الگ نہیں کیا جا سکتا، دونوں کا ایسا فطری تعلق اور رابطہ ہے کہ معاشرت مذہب کے بغیر صحیح نہیں رہ سکتی، اور مذہب معاشرت کے بغیر مؤثر و محفوظ نہیں رہ سکتا، اس کا نتیجہ ہوگا کہ آپ مسجد میں مسلمان ہیں (اور مسجد میں کتنی دیر مسلمان رہتا ہے اپنے سارے شوق عبادت کے باوجود؟) اور گھر میں مسلمان نہیں، اپنے معاملات میں مسلمان نہیں، اپنے عائلی و خاندانی روابط و تعلقات میں مسلمان نہیں، حقوق کی ادائگی اور ترکہ کی تقسیم میں مسلمان نہیں، اس لیے ہم اس کی بالکل اجازت نہیں دے سکتے کہ ہمارے اوپر کوئی دوسرا نظام معاشرت، نظام تمدن اور عائلی قانون مسلط کیا جائے، ہم اس کو دعوت ارتداد سمجھتے ہیں اور ہم اس کا اس طرح مقابلہ کریں گے جیسے دعوت ارتداد کا مقابلہ کرنا چاہئے اور یہ ہمارا شہری، جمہوری اور دینی حق ہے اور ہندوستان کا دستور اور جمہوری ملک کا آئین اور مفاد نہ صرف اس کی اجازت دیتا ہے بلکہ اس کی ہمت افزائی کرتا ہے کہ جمہوریت کی بقا اپنے حقوق کے تحفظ اور اظہار خیال کی آزادی اور ہر فرقہ اور اقلیت کے سکون و اطمینان میں مضمر ہے۔

یہاں سے یہ عہد کر کے جائیے کہ اب قانون شریعت پر آپ چلیں گے، یہ جہیز کی کیا مصیبت ہے؟ لڑکے والوں کی طرف سے مطالبات کی ایک لمبی چوڑی فہرست پیش ہوتی ہے، شرائط پیش کئے جاتے ہیں، ان کے پورا نہ ہونے پر یہ معصوم لڑکیاں جلا دی جاتی ہیں، ملک میں سیکڑوں واقعات پیش آتے ہیں، صرف دہلی میں ہر بارہ گھنٹے پر ایک نئی بیاہی دلہن کو جلا کر مار ڈالا جاتا ہے[1] کیا اس کائنات کے خالق اور نوع انسانی کے مربیّ (جس کی مخلوق مرد و عورت دونوں ہیں) کو یہ چیز گوارا ہو سکتی ہے؟ کیا اس ظلم کے ساتھ کوئی ملک، کوئی معاشرہ پنپ سکتا ہے؟ خدا کی رحمت و نصرت کا مستحق ہو سکتا ہے؟ آپ رحمۃ للعالمین کی اُمت ہیں، آپ کے ہوتے ہوئے دوسروں کو بھی اس کی ہمت نہیں ہونا چاہیئے تھی، میں نے دہلی کے ایک جلسہ میں کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ	اور خدا ایسا نہ تھا کہ جب تک
وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ	تم ان میں تھے انہیں عذاب
مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ	دیتا اور نہ ایسا تھا کہ وہ بخشش
يَسْتَغْفِرُوْنَ (الانفال: ۳۳)	مانگیں اور وہ انہیں عذاب دے۔

آپ رحمۃ للعالمین کی اُمت ہیں، آپ کے ہوتے ہوئے ہندوستانی سماج میں ہندوستان کے معاشرہ اور سوسائٹی میں یہ ظلم ہو؟ اس کو عقل قبول کرنے کے لیے تیار نہیں، آپ کے ہوتے بھی یہ نہیں ہونا چاہیئے تھا، چہ جائیکہ آپ کے ہاتھوں ہو، عہد کیجئے کہ آپ اسلامی طریقہ پر شریفانہ انسانی طریقہ پر شادی کا پیام دیں گے، آپ لڑکی مانگیں گے، اپنے لیے رفیقۂ حیات کی تلاش کریں گے، بیٹے کے لیے پیام دیں گے تو جہیز کے لیے آپ کے بڑے بڑے مطالبات نہیں ہوں گے کہ ہمیں یہ ملنا چاہیئے، وہ ملنا چاہیئے۔ لڑکوں کو اور ان کے وارثوں اور بزرگوں کو اس کا عہد کرنا چاہیئے کہ ہم اپنے یہاں تو کیا ہم اس ملک سے اس رسم کو ختم کر دیں گے۔

---

[1] "قومی آواز"، دہلی ۱۰ جون ۱۹۸۴ء

امن وسلامتی کا علمبردار مذہب اسلام

تحریر: مولانا سعید الرحمٰن صاحب اعظمی ندوی
ترجمہ: سید محمد یوسف ندوی

انسان اپنی زندگی میں جن چیزوں کو اولیت دیتا ہے اور اپنی تمام دوسری ضرورتوں پر انھیں مقدم رکھتا ہے، ان میں حفاظت وسلامتی سرفہرست ہے، اس لئے کہ اس کی آرزو ہوتی ہے کہ وہ تمام خطرات سے دور رہ کر مامون وپرسکون زندگی گذارے، وہ چاہتا ہے کہ ہر اس چیز سے دور رہے جو زندگی کے لطف کو مکدر کرتی ہو، اور دل میں خوف وحزن کی کیفیت پیدا کرکے انسان کو رنج والم اور اضطراب وانتشار سے دوچار کرتی ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانی زندگی کی اس اہم ضرورت کا لحاظ فرماتے ہوئے ان لوگوں کو خوش خبری دی ہے جو ایمان واطاعت پر ثابت قدم رہ کر اللہ کی شریعت کو اپنا دستور العمل اور اس کی رضا کو اپنی منزل قرار دیتے ہوں، ایسے باتوفیق اور خوش نصیب انسان کو اللہ تعالیٰ یہ بشارت دیتے ہیں کہ ان کو نہ خوف ہوگا نہ رنج ہوگا، اس میں کوئی شک نہیں کہ امن وعافیت اور قلبی سکون وچین، دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہے، اس کی وجہ سے ایک صاحب ایمان اپنی دنیاوی زندگی میں بہرحال مطمئن اور خوش رہتا ہے، مالدار اپنی مالداری میں، اورغریب اپنی غربت میں، مریض وبیمار بھی اپنے مرض وبیماری میں، صحت مند وتندرست اپنی صحت وتندرستی میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔

دین اسلام، انسان کو صرف آخرت ہی کی کامیابی کی ضمانت وخوش خبری نہیں دیتا ہے، بلکہ وہ اس دنیا میں بھی اس کے دلی سکون واطمینان کا ضامن ہے، دین اسلام کی یہ خوبی اس قدر نمایاں تھی کہ اسلام کا نام ہی سلامتی سے مشتق ہے، لہٰذا امن پسندی، صلح جوئی اور ایسی تمام چیزوں سے بیزاری جو امن وسلامتی کے مفہوم کے منافی ہو مرد مسلماں کی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے تنہا اسلام ہی کو آخری دین قرار دیا اور اسکو امن وسلامتی اور سکون واطمینان کا ضامن بنایا اور اس کے اندر تمام مسائل ومشکلات کا حل پیدا کر رکھا ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمادیا ہے کہ جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو اختیار کرے گا تو اس کا دین ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، اس لئے وہ قدرتی طور پر ایسے مخالف حالات سے دور رہے گا، جو اس کے امن وامان کو برباد کرنے والے ہوں اور اس کے چین وسکون کو ختم کرنے کے درپے ہوں، اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ مسلمان کے لئے امن ولمان کی زندگی بسر کرنے کے واسطے یہ ضروری ہے کہ وہ اس دین کو مکمل طور پر اختیار کرے اور کسی بھی حال میں اس کی کسی معمولی چیز کو بھی ترک نہ کرے، اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو مختلف انداز سے باربار پورے طور پر اسلام میں داخل ہونے، اور خواہشات نفسانی، اور شیطان کی پیروی سے بچنے اور دور رہنے کا حکم دیتے ہیں کہ شیطان مومن کا کھ ہوا ازلی دشمن ہے، وہ ہمیشہ کوشاں اور متمنی رہتا ہے کہ سیدھے راستے سے مسلمانوں کے قدم پھسل جائیں اور خواہشات نفسانی کی طرف وہ مائل ہو کر ایمان اور عمل صالح سے دور ہو جائیں، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

"اے ایمان والو پورے طور سے اسلا میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چ اس لئے کہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے"۔

اسلام نام ہے پورے طور پر اللہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنے اور اللہ ورسول کی اطاعت میں داخل ہونے کا، اس کے بعد مسلمان اللہ کی حفاظت میں داخل ہو کر اس کی برکتوں ورحمتوں اور اس کی عنایت وتوجہ کا مستحق بن جاتا ہے، دنیا وآخرت میں اس کے پیار ومحبت اور اس کے انعام واکرام کا حقدار ہو جاتا ہے، اور اخلاص، اور اللہ کے ساتھ نہایت مخلصانہ اور مضبوط تعلق قائم کر کے اس کی نعمتو سے سرفراز ہوتا ہے، اور اس شریعت سے وابستگی کی اسے توفیق ہوتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے دا اور انسان کیلئے قیامت تک کیلئے مکمل طریقہ کار کے طور پر نازل کیا ہے، اسی قانون الٰہی سے سماج انفرادی واجتماعی وابستگی زندگی کو خوشگوار بنا ہے اسطاقتور کمزور پر ظلم کرنے کی جسارت نہیں کر اور نہ بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو نگلنے کی جرأت نہیں کرتی ہے۔

معاشرہ کو تمام برائیوں اور نقائص سے پاک کر کے اسے جنت نشاں بنانے کی اسلام کو کتن

فکر ہے،اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ: تم لوگ جنت میں داخل نہ ہوگے، یہاں تک کہ مومن ہو جاؤ، اور تم لوگ مومن نہیں ہوسکتے یہاں تک کہ ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو، کیا میں تمہیں ایسی بات نہ بتاؤں کہ جب تم اس کو اختیار کرو تو ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو ، وہ بات یہ ہے کہ اپنے درمیان سلام کو عام کرو، اور دوسری روایت میں ہے کہ اے لوگو سلام کو عام کرو، اور کھانا کھلاؤ، اور صلہ رحمی کرو، اور نمازیں پڑھو اس حال میں کہ لوگ سو رہے ہوں، تاکہ تم جنت میں بحفاظت تمام داخل ہو جاؤ۔

غرض اسلام صرف سلامتی ومحبت اور آپسی میل ملاپ کا نام ہے، لیکن افسوس کہ مسلمان کی زندگی کامل اسلام سے بہت دور ہو چکی ہے، پھر اس کے پاس امن وعافیت اور محبت وسلامتی کی زندگی کہاں سے آئے، اور کیسے وہ اس جسد واحد کا نمونہ پیش کرے جس کے ایک عضو کو اگر تکلیف ہو تو سارا جسم پریشان ہو جائے۔

ہم لوگوں کو اپنا بے لاگ محاسبہ کرنا چاہئے کہ ہمارا عمل اسلام سے میل کھاتا ہے یا نہیں، ہماری فکر اسلام سے کتنی دور ہے، ہمارا معاشرہ اسلامی ہے یا غیر اسلامی، معاشرہ میں رائج رسم ورواج شریعت سے متصادم تو نہیں ہیں۔ اس پر سنجیدگی سے ہم کو غور کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خیانت، اور دلوں میں جو چیزیں مخفی ہیں اس سے خوب واقف ہے۔

دبئی میں مولانا معین اللہ صاحب ندوی اور مولانا محمد رضوان صاحب ندوی کی وفات پر تعزیتی جلسہ

دار العلوم ندوۃ العلماء کے فرزندان، اہل تعلق اور ذمہ داران، ابھی ندوہ کے نائب ناظم مولانا قاضی معین اللہ ندوی کی وفات کی خبر کے صدمہ سے نکل بھی نہیں پائے تھے کہ دار العلوم کے جواں سال استاذ مولانا محمد رضوان ندوی کی حادثاتی موت کے صدمہ سے دوچار ہوئے۔

دونوں حادثوں کی خبر کو امارات میں مقیم ندوی برادری اور ندوہ کے ہمدردوں نے گہرے صدمہ اور انتہائی رنج والم کے ساتھ سنا، بہت سے احباب نے ذمہ داران ندوہ اور متعلقین سے فون پر رابطہ قائم کر کے تعزیت کی اور ۷ر اکتوبر ۹۹ء کو ابناء ندوہ کا ایک تعزیتی جلسہ منعقد ہوا جس میں دبئی کے علاوہ ابوظبی، العین، شارقہ اور راس الخیمہ سے ندوی احباب کی ایک بڑی تعداد نے شرکت فرمائی۔

جلسہ کی صدارت مولانا تقی الدین ندوی مظاہری نے کی اور مولانا نظام الدین ندوی، مولانا حبیب اللہ ندوی، مولانا قمر علی ندوی، قاری عبد الحمید ندوی، مولانا ظفر ندوی، مولانا نعمت اللہ ندوی وغیرہ نے اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے مولانا معین اللہ صاحب ندویؒ اور مولانا محمد رضوان صاحب ندویؒ کی دینی خدمات پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی۔ اور مولانا معین اللہ ندوی اور مولانا محمد رضوان ندوی کے لئے دعائے مغفرت کی۔

آخر میں صدر جلسہ مولانا تقی الدین ندوی کی دعا پر جلسہ کا اختتام ہوا۔

دعوت کا کام کرنے والوں کے لئے

حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ کی ہدایات

انتخاب : ——— مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری

دعوت کے عظیم میدان میں حضرت جی ثالث مولانا انعام الحسنؒ کی بلندی وفکری پختگی اور اس عمل نبوت سے متعلق آپ کے روح پرور ایمان افروز حقائق ومعارف پر مشتمل تقریری ارشادات وفرمودات کا ایک جامع انتخاب جس کا مطالعہ بالخصوص تبلیغ میں لگے ہوئے پرانے حضرات کے لئے ضروری ہے جس کی روشنی میں کام کرنا زیادہ مفید ہوگا۔ ہدیۂ ناظرین ہے (ادارہ)

فرمایا۔ امارت کوئی عہدہ نہیں ہے بلکہ فکر کے ساتھ بوجھ اوڑھنے کی چیز ہے جہاں امیر سیدھا سادھا ہو وہاں کام اچھا چلتا ہے۔ اگر کوئی امیر بنا دیا جائے اور وہ اسے عہدہ اور منصب سمجھنے لگے تو بالکل نااہل اور نااہل ہے اور اگر کوئی امیر نہ ہو اور کام کی فکر کرتا ہو، تو وہی اللہ کے یہاں سے نوازدیا جاتا ہے۔

● طبیعت میں تکبر، خودرائی اپنے کو بڑا سمجھنا یہ دل کے منکرات ہیں اور دل کے منکرات بدن کے منکرات سے زیادہ سخت ہیں، یعنی باطن کے منکرات ظاہر کے منکرات سے زیادہ سخت ہیں۔ آدمی اپنے بارے میں بہت جلد طے کرلیتا ہے کہ میں مخلص ہوں، ہم لوگ اپنے زعم میں مبتلا ہوکر خود ہی اپنا ایک مقام طے کر لیتے ہیں۔ یہ حب جاہ ہے، یہ موت تک بھی اگر نکل جائے تو بہت بڑی بات ہے، اول تو ہم محنت کرتے نہیں اور کرتے ہیں تو اس میں عُجب اور بڑائی پیدا ہوجاتی ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ وہ معصیت جس سے ندامت اور دل شکستگی پیدا ہو وہ اس طاعت اور عبادت سے اچھی ہے جس سے عجب پیدا ہوتا ہو۔

● فرمایا۔ ہماری اس دعوت کی غرض جمیع ما جاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زندگیوں میں آجانا ہے وہ ناسمجھ ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ ہم نے دین کو چھ نمبروں میں محدود کردیا ہے اس دعوت کی غرض یہ ہے کہ حضور پاک علیہ السلام جو کچھ لے کر آئے ہیں وہ زندگیوں میں آجائے۔

● فرمایا۔ اگر تمہاری نیت صرف دوسروں کی اصلاح کی ہوگی تو اپنی اصلاح سے غافل ہوجاؤگے پھر چاہے کام زیادہ ہوتا ہوا نظر آئے لیکن کام میں جان نہیں ہوگی، کام میں جان آتی ہے کام کرنے والے کے تواضع کرنے سے اور اپنے آپ کو محتاج سمجھنے سے۔

● فرمایا۔ یہ دعوت والا عمل اندر کی صفات اخلاص اور سچائی کے ساتھ چلے گا چاہے ظاہری اسباب کی کمی ہو۔ اس میں اپنی کمی پر اور خامی پر نظر کرنا ہی کمال کا ذریعہ ہے جو شخص اپنی کمی پر نظر نہیں کرتا، اس میں کمال بھی پیدا نہیں ہوتا۔

● فرمایا۔ اہل علم کے پاس جاؤ تو دعوت کی نیت سے مت جاؤ، ناصح نہ بنو۔ طالب بن کر جاؤ، تواضع سے بات کرو، عرض ومعروض کے طور پر بات کرو، دریافت فرمائیں تو کارگذاری کے طور پر عرض کردو، اہل اللہ کے پاس جاؤ تو اور بھی زیادہ ادب احتیاط کے ساتھ جاؤ۔ وہ اہل دل ہیں، ان سے دعا کے لئے عرض کرو، صرف اتنی دیر بیٹھو جتنی دیر انھیں بشاشت رہے۔

● فرمایا۔ جماعت میں نکلنا اپنے فرائض اور واجبات کو ادا کرنے کی مشق کے لئے ہے، بات سمجھاؤ لیکن نرمی سے سمجھاؤ، بات میں سختی لانے کے بجائے اور نرمی اور خوشامد سے کرنا ہے یہ نہیں کہ تم بھی سختی پر آجاؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ تعالیٰ نے نرمی برتنے کا حکم دیا تھا۔

● ایمان کی دولت خدا کو محبوب ہے اور خدا کے یہاں سب سے قیمتی ہے، ایمان کے علاوہ کوئی چیز خدا کے عذاب سے بچا نہیں سکتی، لا الٰہ الا اللہ یہ زندگی کا ایک اقرار نامہ ہے وہ یہ ہے کہ ہم ہر چیز میں خدا کے حکموں پر چل رہے ہوں۔

● فرمایا۔ کسی کو اپنے بارے میں یہ فیصلہ کرنے کا حق نہیں ہے کہ اللہ مجھ سے راضی ہیں یہ تو اس وقت معلوم ہوگا جب محنت کا میدان ہاتھ سے نکل چکے گا اور جنت کی تمام نعمتوں کے ملنے کے بعد رضا کا پروانہ دے دیا جائے گا، ہمیں خدا نے موقع دیا ہے اس درخت کو سرسبز کرنے کا۔ لیکن ہمارا دشمن شیطان ہے اس درخت کو کھوکھلا کرنے کے درپے ہے۔

● بزرگوں نے لکھا ہے کہ وہ معصیت جس سے آدمی میں چھوٹا پن آئے وہ اس طاعت سے بہتر ہے جس سے آدمی میں بڑائی اور کبر پیدا ہو۔ جنت میں وہ آدمی داخل نہیں ہوگا، جس کے اندر ذرہ برابر بھی کبر ہو۔ دوسروں کے اوپر تنقید کرنا اور اعتراض

نا یہ بھی کبر کا ایک شعبہ ہے اور اخلاص کے منافی ہے۔ جس کے سامنے اللہ کو راضی کرنا ہوتا ہے وہ ہر چیز سے جو لبھانے والی ہو، بچتا ہوا چلتا ہے۔

● فرمایا۔ جب آخرت سامنے ہوتی ہے تو پھر قربانی میں مزہ آتا ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ انسان جاہ کے پیچھے پڑ جاتا ہے اور طلب جاہ سے بڑھ کر کیا حماقت ہوگی کیونکہ طلب جاہ یہ ہے کہ لوگ ہم کو بڑا سمجھیں اور بس ایسا آدمی اپنے آپ کو بڑا منانے کے چکر میں ہی الٹتا پلٹتا رہتا ہے۔

● فرمایا۔ امیر کو نرم ہونا چاہئے بار بار گرم نہ ہو، اگر امیر نرم ہوگا تو ساتھی بھی نرم رہیں گے امیر کو چاہئے کہ درگذر کرے باخبر رہ کر بھی بے خبر ہے یہ سوچ کر میں امیر ہوں آمر نہیں ہوں۔ آمر وہ ہے جو حکم دے اور امیر وہ ہے جو مشورے سے کام کرے۔

● فرمایا۔ دنیا کیا چیز ہے؟ دنیا نام ہے کسی کام کا خدا سے غافل ہو کر کرنا، بیوی بچے، کاروبار، یہ دنیا نہیں ہے لے بھی خدا کے حکم کے پابند ہو کر کرے تو یہ بھی دین بن جاتا ہے۔

دنیا نام ہے شیطان کے جال میں آجانے کا اور شیطان کے جال میں پھنس جانے کا اور دین نام ہے خدا کے حکموں پر مر مٹ جانے کا۔ آج ہم دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ ہمیں اپنے آپ کو اس دھوکے سے نکالنا ہے جس کی بہترین شکل یہ ہے کہ ہم اپنے اندر حقیقت رکھنے والی چیزوں میں لگ جائیں۔

● فرمایا۔ کبر کا ایک شعبہ حب جاہ ہے، یہ ایک ایسا شوشہ آدمی کو لگ جاتا ہے جو سارے کئے کرائے پر پانی پھیر دیتا ہے۔ اپنی رائے پر اڑنا، اپنے کو کسی کا پابند نہ سمجھنا یہ اپنے لئے تباہی کی راہ ہے۔ اس کام میں دنیاوی غرض کا آجانا تباہی کا آجانا ہے ایسا شخص اپنی بڑائی میں مگن رہتا ہے اور اس کا یہ گھن اندر ہی اندر اسے کھائے جاتا ہے۔ خدا عمل کے ساتھ اندر کی نیت کو دیکھتے ہیں۔ اخلاص کے ساتھ اگر غلطی ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دیتے ہیں لیکن بغیر اخلاص کا عمل چاہے وہ کتنا ہی بڑا ہو اور چاہے اس کی کتنی ہی بڑی صورت ہو لیکن وہ اللہ کے یہاں ہباءً منثورا (اڑتا ہوا غبار) ہے۔

● ایک بادشاہ آرہا تھا ادھر سے ایک بزرگ آرہے تھے، بادشاہ کا مزاج "ہم چوں من دیگرے نیست" والا تھا، ان بزرگ نے سلام نہیں کیا بس بادشاہ کی اس میں توہین ہوگئی، اس نے ان بزرگ کو بلایا اور پوچھا کہ کیا آپ مجھے نہیں پہچانتے؟ ان بزرگ نے جواب دیا ہاں، خوب پہچانتا ہوں۔ ابتدا، آپ کی منی سے ہے اور انتہا کیڑوں کی غذا ہے اور درمیان میں پاخانہ کی پوٹلی لے کر پھر رہے ہو۔ بادشاہ نے کہا کہ بے شک آپ نے خوب پہچانا۔ تو جب انسان کا یہ حال ہو تو پھر خواہ مخواہ اکڑفوں کیوں کرتا پھرے۔

● فرمایا۔ حسن اخلاق کا خلاصہ یہ ہے کہ مجھ سے ہر ایک کو راحت پہونچے۔ اور حسن معاشرت کا خلاصہ یہ ہے کہ میں جہاں رہوں ایسا بن کر رہوں کہ میری وجہ سے کسی کو اذیت نہ پہونچے۔

● فرمایا۔ خدائے پاک کے کسی حکم میں حکمتوں اور علتوں کو دیکھنا یہ ایمانی ضعف کی بات ہے۔ بس عبدیت کا تقاضا تو یہ ہے کہ جو حکم بھی سامنے آجائے اس پر نثار ہو جائے یہی بندہ کا کمال ہے، ہاں یہ یقین ضرور رکھو کہ کوئی حکم بھی حکمتوں سے خالی نہیں ہے۔

بات کیا ہے لوگ حکم خداوندی پر چلنے کے بجائے اپنے نفس پر چلنے کے ایسے عادی ہو گئے ہیں کہ حکم خدا بجا بھی لاتے ہیں تو اس میں اپنی کوئی حکمت اور غرض ہوتی ہے۔

● فرمایا۔ ضروریات زندگی میں کم سے کم پر گذر کرنا یہ زہد ہے اور ضروریات کو بالکلیہ چھوڑ دینا یہ رہبانیت ہے اور پورے طور پر اسی میں منہمک ہو جانا یہ حب دنیا ہے بس یوں سمجھو کہ ضروریات کے علاوہ سب فضولیات ہیں۔

● فرمایا تسلیم و اطاعت سے اختلاف دفع ہوتا ہے اور دلائل سے جھگڑا بڑھتا ہے نیز فتنہ و فساد اور جھگڑے سے علم ملنا تو درکنار، آتا ہوا علم بھی چلا جاتا ہے جیسے شب قدر کی تعیین کا علم آرہا تھا لیکن جھگڑے کی وجہ سے اٹھا لیا گیا۔

● فرمایا۔ برکت ایسے کہتے ہیں کہ چیزیں چاہے کم ہوں لیکن کوئی ضرورت اٹکی نہ رہے اور بے برکتی یہ ہے کہ چیزیں چاہے جتنی زیادہ ہوں لیکن ضرورتیں اٹکی رہیں۔

● فرمایا۔ آدمی اگر خالص دنیادار ہے اور خوب دولت کما رہا ہے لیکن دوسرا آدمی دین کے نام پر دنیا بٹور رہا ہے تو یہ دوسری قسم کا آدمی زیادہ خطرناک ہے۔

● فرمایا۔ امارت ایک ذمہ داری ہے، کوئی عہدہ و منصب نہیں ہے وہ قربانیوں کا اور اللہ کے یہاں جواب دہی کا مقام ہے۔ اب اگر اس کے ذریعہ سے آدمی میں بڑائی اور کبر پیدا ہو جائے تو بڑے خطرے کی بات ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ دو بھوکے بھیڑیے اگر بکریوں کے گلے میں چھوڑ دیئے جائیں تو وہ اس گلے کو اتنا نہیں بگاڑتے جتنا کہ حب جاہ انسان کو بگاڑ دیتا ہے۔ حب جاہ وہ رذیلہ ہے جو سب سے آخر میں نکلتی ہے۔ اب اگر کوئی یہ سمجھے کہ میرے اندر تو کوئی غلطی اور خطا نہیں ہے تو وہ دھوکے میں ہے، ہر شخص اپنے بارے میں فکر رہے، بے فکر ہو جانا ہی ترقی کو روکتا ہے، قیامت کے دن کے محاسبہ سے پہلے اپنا محاسبہ کرتے رہو اگر محاسبہ کرتے رہوگے تو اپنے اندر کی بیماریاں سامنے آتی رہیں گی اور اگر محاسبہ نہیں کروگے تو یہ بیماریاں سامنے نہیں آئیں گی اور پھر کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم

خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق بن جائیں ۔

● فرمایا۔ ایمانیات، عبادات، اخلاقیات، معاشرت اور معاملات ان سارے شعبوں کا ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ ہے، ایمان مضبوط ہوگا تو عبادات میں جان پڑے گی، اور عبادات صحیح نہیں ہو سکتیں جب تک کہ ایمان صحیح نہیں ہوگا۔ اب ہم پانچ شعبوں میں چلنے والے نہیں، کوشش کرنے کا نام دعوت ہے جتنی کوشش کی جائے گی اتنے ہی یہ شعبے زندہ ہوں گے اور دعوت چلے گی۔ اللہ کی رضا سب سے بڑی دولت ہے اللہ کو راضی کرنے کے لئے انسان کا اپنی زندگی کے اندر ان پانچ چیزوں کو داخل کرنا ضروری ہے۔ اللہ کی رحمت نازل ہوگی جو انسانوں پر ہی نہیں بلکہ حیوانوں پر بھی نازل ہوگی کوشش کرنا ہے کہ اللہ ہم پر اور پوری امت پر اپنی رحمت نازل کرے۔

● بھائی! یہی ہمارے اصول ہیں، رضا والے کام کرتے رہیں، تبلیغ اس واسطے ہے کہ خدا کے راضی ہونے کا سبب ہے۔ سارے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام یہی غرض لے کر آئے ہیں، جتنی یہ غرض ہوگی اتنا استحضار ہوگا، اتنا اللہ کو راضی کرنے میں ترقی ہوگی اور بدعملی سے حفاظت ہوگی۔ اور اگر غرض سامنے نہ ہوگی تو پھر جو جی میں آئے گا وہ کرے گا اور یہ اللہ کی ناراضگی کا سبب بنے گا، جہنم کو خواہشات سے ڈھکا گیا ہے، خواہشات پر چلنا یہ ناراضگی کا راستہ ہے۔ مقصد کو سامنے رکھنا ہے جتنا مقصد کو سامنے رکھیں گے اتنا اللہ ہمارے قدموں کو ثابت رکھیں گے۔ اللہ کا فضل ہے کام ہو رہا ہے، دین کی جتنی چیزیں ہیں اور جتنے اعمال ہیں وہ اللہ کو راضی کرنے کے لئے ہیں، بے دینی کے اندر جتنی چیزیں ہیں وہ خدا کو ناراض کرنے والی ہیں، ہم جو عمل کریں اس کے اندر فکر ہو اور ڈر ہو کہ کہیں خدا ناراض تو نہیں ہو لے۔ امید و بیم کے درمیان ایمان ہے ہمیں اس کی کوشش کرنی ہے کہ قدم اللہ کی رضا کی طرف اٹھ رہا ہو۔ اللہ جل شانہ ہمیں استحضار نصیب فرمائے اور اپنی ناخوشنودی کے راستے سے حفاظت فرمائے۔

(بشکریہ ماہنامہ یادگار شیخ جولائی ۱۹۹۹ء)

(بقیہ) مطالعہ کی میز پر

اور وطنی نظمیں غزلیں اور شخصی نظمیں پیش کی گئیں ہیں ان کی نعت کا یہ بند ملاحظہ فرمائیے اور لطف اٹھائیے ؎

ذکر ان کا ہے اور با چشم پر نم
نازاں ہے جن پر تاریخ آدم
ایمان مطلق ارشاد محکم
نور مجسم جان دو عالم
روح ہدایت احمد بہ نامے
یثرب مقامے بطحٰی خرامے

یہ کتاب اردو ادب کے طلباء، اساتذہ، اور صاحبان علم و قلم کے لئے ایک اچھا تحفہ ہے۔

نام کتاب ۔ الفوز السامی (پاکی کے مسائل)
شارح : مولانا اصغر قاسمی
صفحات : ۳۲۸، سائز ۲۲×۱۸/۸، قیمت درج نہیں۔
ملنے کا پتہ : ۔ مکتبہ اصغریہ، اعزاز العلوم ویسٹ دنایگی آباد (یوپی)

سنن نسائی حدیث کے موضوع پر امام عبدالرحمٰن نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک معتبر ترین کتاب ہے۔ اس کی اہمیت اور مقبولیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے۔ اس کتاب کو صحاح ستہ میں ایک اہم مقام حاصل ہے۔ سنن نسائی کی جلد اول (الفوز السامی) پاکی کے مسائل کا نسخہ ہماری نظر کے سامنے ہے اس میں پانی کے احکام و مسائل اور آداب طہارت تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ کتاب میں فن حدیث کی اصطلاحات پر جامع سند پر کلام۔ اور سنن نسائی کی خصوصیات اور مصنف کے حالات زندگی کا ذکر بھی شارح نے کیا ہے۔

حدیث شریف سے شغف رکھنے والے طلبہ کے لئے ایک اچھی کتاب ہے۔

(بقیہ) امت مسلمہ کا عملی کردار

نہیں تھا جو اس نے یہاں دیکھا تھا، ہمارے لئے بس اتنا ہی ذکر کرنا کافی ہے تاکہ ہم اپنی تہذیب و تمدن کے ابتدائی دور میں اس کے رعب و جلال اور عظمت و شوکت کا کچھ اندازہ کر سکیں۔

انگلستان کے شاہی خاندان کی

ایک نومسلمہ خاتون

۔بیگم مولانا عزیز گل اسیر مالٹا۔

مولانا عتیق احمد بستوی

اس مضمون میں ایک ایسی انگریز نومسلمہ خاتون کا تذکرہ ہے جنھوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد اپنی پوری زندگی ذکر و عبادت اور خدمت و مجاہدہ میں گذاری اور اپنی آخری زندگی میں تحریک ریشمی رومال کے اہم رکن مولانا عزیز گل رحمۃ اللہ علیہ کے عقد نکاح میں آگئی تھیں، ان کے حالات کا مطالعہ خاص طور سے خواتین کے لئے بڑی عبرت کا سامان رکھتا ہے۔ افادۂ عام کی غرض سے ہم اس مضمون کو ہدیۂ ناظرین کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

مولانا عزیز گل

نومسلمہ خاتون بیگم عزیز گل کا تذکرہ کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند سطروں میں تحریک ریشمی رومال و تحریک آزادی کے عظیم مجاہد مولانا عزیز گل صاحب کا تذکرہ کر دیا جائے۔

مولانا عزیز گل صاحب صوبہ سرحد (پاکستان) کے باشندے ہیں۔ آپ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے لائق و معتمد ترین شاگردوں اور مریدوں میں سے ہیں۔ شیخ الہندؒ نے تحریک ریشمی رومال کے خطرناک و نازک کام کے لئے اپنے ہزارہا شاگردوں اور مریدوں میں سے جن چند حضرات کا انتخاب فرمایا تھا ان میں ایک اہم شخصیت مولانا عزیز گل صاحب کی بھی تھی۔ شیخ الہندؒ کے ساتھ آپ نے بھی قید و بند کے تمام مراحل طے کئے۔ مالٹا کے طویل زمانہ اسارت میں آپ اپنے استاذ شیخ الہند کی خدمت میں لگے رہے۔ تحریک آزادی میں آپ کا کتنا حصہ ہے؟ اس کا اندازہ سی۔آئی۔ڈی۔کی اس رپورٹ سے ہوتا ہے۔

۶۹ ـــ عزیز گل

پسر شہید گل، کاکا خیل پٹھان درگاتی شمال مغربی سرحدی صوبہ میں رہتا ہے۔ بڑا آتش مزاج ہے۔ جب وہ دیوبند میں طالب علم تھا اسی وقت سے مولانا محمود الحسن کا پکا مرید ہو گیا تھا۔ بڑا اہم سازشی ہے۔ ہجرت کا بڑا خواہشمند ہے۔ ان لوگوں میں سے ایک یہ بھی ہے جنھوں نے ہمیشہ مولانا کو اکسایا ہے کہ وہ جہاد کے لئے ہجرت کر جائیں۔

وہ دیوبند میں خفیہ جلسوں میں شریک ہوا کرتا تھا اور دسمبر ۱۹۱۵ء میں مولانا محمود الحسن کے ہمراہ عرب گیا تھا۔ اس کے سفر حجاز سے قبل مولانا محمود الحسن نے اس کو آزاد علاقہ میں بھیجا تھا تاکہ حاجی صاحب، سیف الرحمٰن اور دوسرے منحرف لوگوں کو مطلع کر سکے کہ حضرت مولانا کا ارادہ ہندستان سے ہجرت کرنے کا ہے۔ نیز لڑائی اور جہاد کی تیاریوں کا مشاہدہ کر سکے۔ وہ حضرت مولانا کے ساتھ (عرب میں) اس وقت بھی ٹھہرا رہا، جب کہ ان کے اکثر پیرو اور مریدین ہندوستان کو واپس کروائے گئے۔ یہ کہا جاتا کہ عزیز گل، انور پاشا اور جمال پاشا کے فرمان لے کر عنقریب ہندوستان آ لے گا اور اس فرمان کو افغانستان لے جانا ہوگا لیکن بعد کی تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو مکہ میں شریف مکہ کے حکم سے ۲ر دسمبر کو یا اس کے لگ بھگ گرفتار کر لیا گیا اور جدہ بھیج دیا گیا، جہاں سے ۱۲ر جنوری ۱۹۱۷ء کو اسے مصر روانہ کر دیا گیا۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں مولوی عزیز گل کا نام لے کر اسے کرنل دکھایا گیا ہے۔ (ریشمی خطوط کے کیس میں کون کیا ہے؟ پنجاب سی۔آئی۔ڈی۔ شائع کردہ الجمعیۃ بکڈپو، دہلی۔

مولانا عزیز گل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے طویل عمر سے نوازا۔ موصوف نے ملک کی آزادی کے لئے بڑی خدمات انجام دی ہیں۔

مولانا عزیز گل کی نومسلمہ اہلیہ اور ان کا خاندان

واقعہ یہ ہے کہ نومسلموں میں جس طرح کا ایمان و یقین، جذبہ و ولولہ، للّٰہیت و اخلاص ہوتا ہے خاندانی مسلمانوں میں عموماً اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہوتا۔ خاندانی مسلمان عام طور پر اسی لئے مسلمان بنے رہتے ہیں کہ ان کی پیدائش مسلم گھرانوں میں ہوئی۔ ان کے آبا و اجداد مسلمان تھے۔ اس کے برخلاف نومسلم صرف اس لئے اسلام قبول کرتا ہے کہ وہ اسلامی عقائد، احکام و تعلیمات کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔ اسلام اس کے دل کی آواز ہوتی ہے۔ وہ بصیرت کے ساتھ اسلام ہی کو اپنی اور سب کی نجات کا واحد راستہ تصور کرتا ہے۔ اس لئے اس کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ پوری دنیا اسلام کے سانچے میں ڈھل جائے۔ وہ اسلام کی اشاعت اور سربلندی کے لئے سراپا جد و جہد بن جاتا ہے نومسلموں کے ذریعہ ہمیشہ امت مسلمہ کے جسم کو تازہ خون ملتا رہا ہے۔ جب بھی مسلمانوں کے اوپر انحطاط اور مایوسی کے سیاہ بادل چھائے اللہ تعالیٰ نے

نومسلموں کے ذریعہ مسلمانوں کے اندر ایمان و عمل کی روح پھونکی۔ نومسلموں کے حالات اور واقعات کا پڑھنا اور سننا بھی ہمیشہ ایمان کی تازگی کا باعث بنتا رہا ہے۔

مسلمانوں کی بداعمالیوں اور کوتاہیوں کے باوجود آج کل بھی اسلام کی خوبیاں سعید روحوں کو اپنی طرف کھینچ رہی ہیں۔ ہر طبقہ اور ہر خطے کے بہت سے لوگ اسلام کے دائرے میں داخل ہوکر تبلیغ ودعوت کے کام کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ بیسویں صدی کی انہی سعید روحوں میں سے انگلینڈ کی ایک انگریز نومسلمہ "مس جینی" ہیں، جو حلقہ بگوش اسلام ہونے کے بعد مشہور مجاہد و عالم مولانا عزیز گل کی زوجیت میں آگئیں۔

یہ "بیم صاحبہ" انگلستان کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کا نام "جینی" تھا، ایڈورڈ سوئم کی اولاد میں سے تھیں۔ ان کو بچپن سے علمی ذوق ملا تھا۔ ان کے شوہر محکمہ ریلوے کے ایک بڑے افسر تھے۔ کافی عرصہ سے وہ ہندوستان میں اپنے شوہر کے ساتھ رہتی تھیں۔ ان کا بس ایک لڑکا تھا اور ایک لڑکی تھی۔ مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے ایک بار مجھے بتایا کہ اس خاتون کی دو اور بہنیں بھی ہندوستان میں تھیں، ایک اس وقت کے گورنر یوپی کی بیوی تھیں، اور دوسری ریاست رامپور کے انگریز ریزیڈنٹ کی بیوی۔

ان کے شوہر ریٹائرڈ ہوکر انگلینڈ چلے گئے اور یہ منگلور (ضلع سہارنپور) میں اپنا بنگلہ بناکر مقیم ہوگئیں، ان کے اسلام لے آنے کے بعد بھی شوہر انگلینڈ سے ماہوار دو سو روپیہ بھیجتا رہا۔ اس زمانہ میں ارزانی تھی۔ دو سو روپیہ اچھے گزارے کے لئے بالکل کافی رقم تھی۔ لیکن مولانا عزیز گل سے شادی کرلینے کے بعد پہلے شوہر نے روپیہ بھیجنا بند کردیا اور مولانا کی تھوڑی آمدنی میں بڑی مسرت سے انھوں نے وفات تک گذارہ کیا۔

اسلام کی طرف

مولانا عزیز گل صاحب کے بھتیجے اور مولانا عبدالحق صاحب نافع کے صاحبزادے مولانا عبداللہ کاکاخیل نے اپنی چچی صاحبہ مرحومہ کی زبانی ان کے اسلام لانے کی کہانی اس طرح قلمبند کی ہے۔

"چچی صاحبہ مرحومہ نے اپنی حیات میں مجھے اپنے قبول اسلام اور اس کے بعد کی ازدواجی زندگی کا قصہ زبانی سنایا تھا، اس قصے کے جو اجزاء مجھے اپنے خیال کے مطابق یقینی طور پر یاد ہیں سپرد قلم کرتا ہوں۔

"چچی صاحبہ نے جن کو ہم سب "مدر" کے نام سے پکارا کرتے تھے فرمایا کہ مجھے بچپن کے زمانہ ہی سے موجودہ عیسائی مذہب کی حقانیت میں شبہ ہونے لگا تھا۔ بائبل پڑھ کر طرح طرح کے اعتراضات میرے دل میں پیدا ہوتے تھے جو بسا اوقات ایک عجیب قسم کی بے چینی اور بے اطمینانی کا بھی باعث بن جاتے تھے۔ لیکن میں جب اپنی والدہ سے اس قسم کے شکوک وشبہات کا ذکر کرتی، تو وہ فوراً دھمکا کے مجھے خاموش تو کردیتیں مگر دلیل و برہان سے کبھی انھوں نے مجھے مطمئن کرنے کی کوشش نہیں کی اور نہ وہ مطمئن کرسکتی تھیں۔ جوں جوں عمر بڑھتی گئی میرے اس یقین میں اضافہ ہوتا گیا کہ جس دین کو ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لایا ہوا برحق سماوی دین سمجھ کر قبول کئے ہوئے ہیں، وہ اپنی حد تک اپنی حقانیت کھو چکا ہے۔ تحریف کے ہاتھوں سے وہ محفوظ نہیں رہ سکا اور اس تقدس وحی میں بشری اذہان کے پیدا کردہ افکار وخیالات اور خودساختہ حکایات وبیانات کی آمیزش ہوگئی ہے۔ جس کی وجہ سے حق وباطل اور صدق وکذب کی تمیز ہی مشکل ہوجاتی ہے۔ چنانچہ میں نے اس دین کو چھوڑنے کا فیصلہ کرکے حق کی تلاش شر[illegible] مشرف بہ اسلام ہونے سے قبل میں نے کئ[illegible] کا قریب ہوکر جائزہ لیا، بعض مذاہب [illegible] اور مجاہدات کے مراحل بھی بڑی حد [illegible] کرلیے۔ لیکن کسی بھی مذہب سے قلب[illegible] نصیب نہیں ہوا، اور حق کی تلاش بد[illegible] رہی۔ یہاں تک کہ اسلام کے بارے م[illegible] حاصل کرنے کے لئے میں نے انگریزی [illegible] قرآن مجید کا مطالعہ کیا، اور پہلی بار[illegible] میں مجھ پر اسلام کی حقانیت منکشف ہ[illegible] دل نے یہ فیصلہ کیا کہ یہی وہ دین ہے ج[illegible] کرنے کے بعد مزید تلاش وجستجو کی [illegible] نہیں رہے گی۔ قرآن مجید کے بعض ح[illegible] میں میری وہ ریاضت اور مجاہدات [illegible] ہوئے، جن کے مراحل میں نے بعض [illegible] کی روشنی میں طے کئے تھے۔

قرآن مجید کے مطالعہ کے بع[illegible] معتقدات، عبادات، معاملات اور ا[illegible] طور پر علم تو تھا لیکن ان کی تشریح [illegible] کے لئے میری طلب ابھی جاری تھی، اطمینان حاصل کرنے کے لئے بھی دی[illegible] علماء کے پاس جانے کی ضرورت تھی، معتقدات اور قرآن مجید کے بعض دو[illegible] جس طرح میں اپنے مطالعہ سے سمجھی ہوا [illegible] کے نزدیک صحیح بھی ہیں یا نہیں۔

مولانا حسین احمد مدنیؒ کی [illegible]

اس مقصد کے لئے میں نے بعض مسلمانوں کے مشورہ سے دیوبند [illegible] کے کسی خاص عالم یا بزرگ کا نام [illegible] کرکے میں نہیں گئی تھی، بلکہ دارالعلو[illegible] کرمیں نے یہ دریافت کیا کہ یہاں ک[illegible]

عالم دین کون ہیں جن کے پاس جاکر میں دین کی کچھ معلومات حاصل کرسکوں؟ اتفاق سے جس شخص سے میں نے دریافت کیا تھا وہ حضرت میاں اصغر حسین صاحب مرحوم کے عقیدت مند یا مرید تھے، وہ مجھے علماء کی ایک مجلس میں لے گئے جہاں حضرت میاں صاحب مرحوم اور ان کے علاوہ اور بہت سے علماء تشریف فرما تھے۔ میرے ساتھ میری جوان بیٹی بھی تھی۔ اس شخص نے حضرت میاں صاحب کی طرف اشارہ کیا کہ آپ ان کے پاس چلی جائیں، یہ بہت بڑے عالم اور بزرگ ہیں۔

میری نگاہ اچانک شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی مرحوم پر پڑی جو اس وقت بالکل ایک غیر نمایاں جگہ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اگرچہ اس وقت مجھے ان کے کچھ زیادہ حالات معلوم نہیں تھے، صرف ان کا نام ہی سنا تھا، لیکن تمام حاضرین مجلس کے مقابلہ میں ان کی عظمت اور شان میرے دل میں جاگزیں ہوئی۔ شاید میرے قبل از اسلام کے مجاہدات کو بھی اس ادراک میں کچھ دخل ہو، ویسے مجھے اول وہلہ میں جس چیز نے زیادہ متاثر کیا وہ حضرت مدنی مرحوم کی ایک خاص ادا تھی، اور وہ یہ کہ جب ان علماء کرام نے ہم دونوں (ماں بیٹی) کو بے پردہ دیکھا تو کسی نے منہ پر چادر ڈال لی، کسی نے منہ دوسری طرف موڑا، اور کسی نے اعراض کا کچھ اور طریقہ اختیار کیا، لیکن حضرت مدنی نے اس قسم کی کوئی حرکت نہیں کی، صرف اپنی نگاہیں نیچی کرلیں اور نہایت وقار وسکون کے ساتھ اپنی جگہ بیٹھے رہے ہمیں اس وقت کچھ یوں محسوس ہوا کہ اس ایک شخص کے علاوہ بقیہ حضرات ہمیں نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ حالانکہ اگر ان کو ہمارے مسلمان ہونے کا علم نہیں تو ایک انسان ہونے کی حیثیت سے بھی احترام کا سلوک ہونا چاہئے۔ دین کے احکام سے تفصیلی واقفیت نہ ہونے کی وجہ سے ہم (ماں بیٹی) یہ نہیں سمجھ سکیں کہ ان میں سے ہر شخص نے غیر محرم اور بے پردہ عورتوں سے نگاہ بچانے کے لئے اپنا اپنا طریقہ اختیار کیا ہے۔ بہر حال دل یہی کہہ رہا تھا کہ ہمیں اسی بزرگ (حضرت مدنیؒ) کی خدمت میں حاضر ہونا چاہئے۔ چنانچہ ہم دونوں ان کے پاس جاکر کھڑی ہوگئیں۔ حضرت نے جو کہ غض بصر کئے ہوئے تھے دریافت فرمایا کہ آپ اسلام قبول کرنے کے لئے آئی ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں، اسلام تو میں قبول کرچکی ہوں، میں اپنے اسلام کا امتحان دینے آئی ہوں کہ آیا میں نے کس حد تک قرآن مجید کو صحیح سمجھا ہے؟ نیز قرآن مجید کے جو مجمل احکام تفسیر وتشریح کے محتاج ہیں، ان کی معلومات حاصل کرنا بھی میرا مقصد ہے۔

حضرت نے مجھ سے میرے اسلامی عقائد کے بارے میں چند سوالات کئے اور میں نے ان کے جوابات دیئے۔ حضرت نے تواضعاً فرمایا کہ آپ مجھ سے اچھی مسلمان ہیں، پھر حضرت نے کلمۂ شہادت کی تلقین ایک ایک لفظ کرکے عربی میں کرادی، اختصار کے ساتھ دین کے کچھ احکام اور حقائق بیان فرمائے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت کیا جنت میں جانے کے لئے آپ سے بیعت مفید ثابت ہوگی؟ ہنسنے لگے اور فرمایا کہ "شاید"۔ پھر میں نے بیعت کی درخواست کی۔ حضرت نے اپنی چادر پکڑا کر بیعت کرادی۔ اس وقت میرے دل کی عجیب کیفیت تھی، اور حضرت مدنیؒ کی عقیدت کچھ اس طرح دل میں جاگزیں ہوئی کہ میری نگاہوں میں اس وقت کے انسانوں میں ان سے عظیم تر انسان کوئی اور نہ تھا۔

(یہ باتیں آپ کے مکان پر ہوئیں)

مولانا مدنیؒ کی دور اندیشی

اتنے میں کھانے کا وقت ہوا۔ حضرت نے فرمایا کہ آپ دونوں میری مہمان ہیں۔ لیکن جس دین کو آپ قبول کرچکی ہیں اس کے احکام میں سے یہ بھی ہے کہ غیر محرم عورتوں کے ساتھ اختلاط جائز نہیں ہے۔ اس لئے ہم اپنی مجلس میں آپ کو شریک کرنے سے معذور ہیں۔ اس کو آپ توہین نہ سمجھیں بلکہ یہ دین کا حکم ہے، جس کو قبول کرنے میں ہم سب کے دین ودنیا کا فائدہ ہے۔ یہ سن کر حضرت مدنیؒ کی عظمت اور دل میں بڑھ گئی کہ یہ کس درجہ کے حساس وباریک بیں بزرگ ہیں۔ دین کا حکم بتلانے میں حکمت کے کن دقیق اصولوں کا لحاظ رکھتے ہیں۔ انھوں نے نہ صرف یہ کہ دین کا حکم سمجھایا بلکہ ہماری نفسیات کا بھی کتنا خیال رکھا۔

الغرض اپنی ایک ایک ادا سے وہ اسلامی اخلاق کا مجسم نمونہ ثابت ہورہے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت اس بات کی آپ فکر نہ کیجئے کہ ہم مجلس سے علاحدگی کو ناگوار محسوس کریں گے۔ اگر ہمیں اسلام کا یہ حکم نہ بتایا جاتا تو طبعاً بھی ہمیں یہ گوارا نہ تھا کہ آپ کے ساتھ بیٹھ کر ایک ہی تھال میں سب ہاتھ ڈال کر اکٹھے کھانا کھائیں۔ ہمارا ابھی وہ تزکیہ نہیں ہوا ہے اور نہ ہی توکل کا وہ مقام ہمیں حاصل ہے کہ طبی ہدایات سے چشم پوشی کرکے جراثیم کے متعدی ہونے سے بالکل بے خوف وخطر بن جائیں۔ دین کا حکم ہونے کے علاوہ ہماری طبیعت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہم الگ کھانا کھائیں۔ چنانچہ ہمارے کھانے کا علاحدہ انتظام ہوا۔

مولانا عزیز گل صاحب سے استفادہ وتعلق

مولانا سیاح الدین صاحب کاکاخیل جو مولانا عزیز گل کے قریبی عزیز ہیں اپنے مقالہ میں تحریر فرماتے ہیں:

قصبہ منگلور (جہاں ان نومسلم خاتون کا قیام تھا) دیوبند سے تقریباً ۱۴ میل دور ہے، مگر یہ راستہ پیدل کا ہے۔ اس زمانہ میں کسی قسم

(باقی صـ۲۷ پر)

اقبال کا تصوّرِ شاہین

انیس چشتی، پونہ

عالمی ادبیات میں پرندوں کا تذکرہ کچھ نیا نہیں۔ رامائن جیسی قدیم دیو مالائی تصنیف سے لے کر شیکسپیر اور کیٹس جیسے شاعروں تک نے پرندوں کو اپنے جامد تصورات کو ایک جہانِ معنیٰ پہنانے کے لئے استعمال کیا ہے۔ رامائن میں جٹایو (گروڈا)، شیکسپیر کی شاعری میں PHOENIX اور KEATS کی شاعری میں NIGHTINGALE ایک مستقل کردار کے حامل رہے ہیں۔

ہمیں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ شاہین کا تصور خالصۃً مشرقی ہے۔ آج سے تقریبًا ساڑھے چار ہزار سال پہلے نمرود نے حضرت ابراہیمؑ کے خدا کو مار ڈالنے کے لئے بھوکے عقابوں کا سہارا لیا تھا اور انھیں اپنے تخت سے باندھ کر پرواز بھری تھی۔

شاہین بازی، شاہین پروری، اور شاہین سرائی بابل اور ایران کے بادشاہوں اور شاعروں کے خاص مشغلے رہے ہیں اور روم اور پرشیا اور بازنطینی عیسائی فرمانرواؤں نے صلیبی جنگوں میں اپنی تقدس مآبی کو دوام بخشنے کے لئے شاہین کو بطور شجاعت و ہمت، طاقت و سرعت اور وسعت و ہمہ جہتی کی علامت کے طور پر استعمال کیا تھا۔ آج بھی شاہین امریکہ کے جھنڈے اور سکّے کا نشانِ امتیاز ہے اور علاماتی طور پر PHOENIX کہلاتا ہے۔ PHOENIX دراصل عربی لفظ فقنُس کی انگریزی ہے اور THE READER'S ENCYCLOPEDIA. II EDITION کے مطابق:

"A MYTHICAL ARABIAN BIRD, THE ONLY ONE OF ITS KIND. AT THE END OF A CERTAIN NUMBER OF YEARS, IT WAS SAID TO MAKE A NEST OF SPICES, SING A MELODIOUS DIRGE, FLAP ITS WINGS TO SET FIRE TO THE PILE, CONSUME IT SELF IN THE ASHES, BUT COME FORTH WITH NEW LIFE TO REPEAT THE FORMER ONE.

ترجمہ:۔ ایک عربی اساطیری (فرضی) پرندہ، جو اپنی مثال آپ ہے۔ برسہا برس گذر جانے پر مصالحہ دار اور معطر شاخوں سے اپنا آشیانہ بناتا ہے اور نہایت سریلی آواز میں موت کا نغمہ چھیڑ دیتا ہے اور اپنے پروں کو پھڑپھڑاتا ہے یہاں تک کہ تیلیاں جل اٹھتی ہیں اور وہ اپنے ہی گھونسلے کی چتا میں جل کر راکھ ہو جاتا ہے۔ لیکن ایک مدت گذر جانے کے بعد اسی راکھ سے دوبارہ جی اٹھتا ہے۔

بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی۔ اس اساطیری پرندے کے عربی نژاد ہونے کی ایک اور دلیل یہ بھی ہے کہ پچھلے ہزارے کے نصف آخر سے یورپ کے دوا سازوں نے اپنی دوکانوں کی تختیوں پر ققنس کی تصویر کو علامت کے طور پر استعمال کرنا شروع کر دیا ہے اور یہ کیمیا داں آج بھی اپنے آپ کو ALCHEMISTS کہتے ہیں اور یہ حقیقت ساری دنیا کو معلوم ہے کہ الکیمیا کے موجد عرب سائنسداں ہیں اور چونکہ یہ پرندہ اپنے آپ کو کیمیا زدہ شاخوں میں جلا کر راکھ کر لیتا ہے۔ اس لئے یہ تناظر ادویہ اور لافانی حیات کی علامت بن گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ ققنس کا عرصۂ حیات ۵ سو برس سے لے کر پندرہ سو برس پر محیط ہوتا ہے۔ شاہین (EAGAL) بھی اسی تلمیح کا ایک جز ہے۔

شاہین اپنی ان تمام تر صفتوں کے باوجود اقبال کے معیار پر پورا نہیں اترتا تھا۔ اس لئے انھوں نے اپنے تخیل کے خزانے سے اسے مزید صفتیں عطا کی ہیں۔ ریاضیات کی طرح فلسفے کی بھی کئی گر ہیں ہیں۔ اور وہ اپنے اصول اور معیار کو ثابت کرنے کے لئے جبر و مقابلے کی طرح کئی منزلیں طے کرتا ہے۔ یعنی جب کسی تصور کو ثابت کرنے کے لئے اثبات (POSITIVITY) کا پیمانہ ختم ہو جاتا ہے تو نفی (NEGATION) یا (NONENTITY) کے پاتال کو آسمان کے قلابوں سے ملانا پڑتا ہے اور 'لا' و 'الّا' کے سہارے بات آگے بڑھانی پڑتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اقبالؔ، شاہین کی عظمت کو ثابت کرنے کے لئے اس کے مقابلے میں کُلنگ، تدرو، عُصفور، دُرّاج، بلبل، کرگس، کبوتر، تیتر، شپّرک، اُلّو، چکور، زاغ، قمری، عندلیب، طاؤس اور کوئل جیسے کمزور، گداگر، شاطر، ناتواں، پست ہمت، بد ذوق، ضعیف، غلام صفت، رنگین، مُردار خور، خوشنوا، جاذبِ نظر اور دلپسند پرندے لائے ہیں۔

فلسفے کا ایک اور عیب یہ ہے کہ وہ 'معلوم' کو 'نامعلوم' اور 'نامعلوم' کو چیستاں بنا دیتا ہے۔

اقبالؔ کا خطاب ایک ایسی قوم سے تھا جو "دو جمع دو چار" اور "دو ضرب دو چار" پہ یقین رکھنے کے ساتھ ساتھ "دو جمع کو قوسین میں دو تقسیم کا جواب تین" $2 + (2 \div 2) = 3$ کی موجد تھی۔ ہماری مراد الجبرا سے ہے۔ اسی قوم نے غزالیؒ، فارابی اور ابن تیمیہؒ کو بھی پیدا کیا تھا۔ یہ وہی افراد تھے جنھوں نے مغربی فلسفیوں کو مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا کرکے ان کے ہاتھ سے کتابیں چھین لی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ اقبالؔ نے فلسفے کے غیر مرئی اور ماورائی تصورات کو رفاہِ عام کے لئے نامیاتی پیکر عطا کیا تھا۔ اگر فلسفے کا مقصد علوئے آدمؑ اور تسخیرِ کائنات ہے تو اقبالؔ بجا طور پر انسانیت کی فلاح کے لئے فاطمہ بنت عبداللہ کی شہادت، دلِ مرتضیٰؓ، اسمٰعیلؑ کے آدابِ فرزندی، صدیقیؓ سوز، بوئے اسداللہیؓ، ضربِ کلیمیؑ، ٹیپو کی باطل شکنی، طارق ابن زیاد کی بے سامانی، عبدالرحمٰن اوّل کی نخیل بانی، رومیؔ اور رازیؔ کی حکمت شناسی اور پھر محمودؔ، شوپن ہارؔ، ایاز، چشتیؒ، رام، نانک، سوامی رام تیرتھ، لولابی، بھرتری ہری اور ایسی ہی لاتعداد شخصیتوں کے احسان مند ہیں جو دراصل کمالِ انسانیت کی تفسیریں ہیں۔

اقبالؔ صرف شخصیات پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ وہ زندگی کی رمق پائی جانے والی دیگر علامتوں کی تلاش میں بھی رہتے ہیں۔ پھر چاہے وہ مسجد قرطبہ ہو یا مسجد قوت الاسلام، کاروانِ بہار ہو یا جوئے کہستاں، چاندی ہو یا سونا، پارہ ہو یا آئینہ، اقبالؔ اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اپنا پیغام انسانیت کے نام پہونچا ہی دیتے ہیں۔ ذرا یہ اشعار سنئے:

وہ جوئے کہستاں اچکتی ہوئی
اٹکتی، لچکتی، سرکتی ہوئی
اچھلتی، پھسلتی، سنبھلتی ہوئی
بڑے پیچ کھا کر نکلتی ہوئی
رکے جب تو سل چیر دیتی ہے یہ
پہاڑوں کے دل چیر دیتی ہے یہ

ذرا دیکھ اے ساقیٔ لالہ فام
سناتی ہے یہ زندگی کا پیام

اسی نظم کے یہ اشعار بھی ملاحظہ ہوں:

دمادم رواں ہے یمِ زندگی
ہر اک شئے سے پیدا رمِ زندگی
پسند اس کو تکرار کی خو نہیں
کہ تو میں نہیں اور میں تو نہیں
چمک اس کی بجلی میں، تارے میں ہے
یہ چاندی میں، سونے میں، پارے میں ہے
اسی کے بیاباں، اسی کے ببول
اسی کے ہیں کانٹے، اسی کے ہیں پھول
کہیں اس کی طاقت سے کہسار چور
کہیں اس کے پھندے میں جبریلؑ و حور
کہیں جرّہ شاہین سیماب رنگ
لہو سے چکوروں کے آلودہ چنگ
کبوتر کہیں آشیانے سے دور
پھڑکتا ہوا جال میں ناصبور

(ساقی نامہ: بالِ جبریلؑ)

اقبالؔ کا شاہین بھی اسی طویل اور نہ ختم ہونے والی نامیاتی فہرست کا ایک رکنِ رکین ہے۔ وہ اقبالؔ کی فکرِ فلک رس کا محض ایک خاموش تماشائی نہیں بلکہ اس طویل سفر کا ایک ساتھی بھی ہے۔ وہ اقبالؔ کا پروردہ ہے لیکن خانہ زاد نہیں، ندیم ہے لیکن غلام نہیں، وفادار ہے لیکن چوکیدار نہیں۔ اقبالؔ کی ہدایت کے مطابق وہ قصرِ سلطانی کے گنبدوں پر آشیانہ نہیں بناتا بلکہ پہاڑوں کی چٹانوں پر بسیرا کرتا ہے۔ مہینوں بھوکا پیاسا رہ جاتا ہے لیکن مردار کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا، اسے شکارِ زندہ کی لذت نصیب ہے۔ وہ بھی اقبالؔ کی طرح پرندوں کی دنیا کا درویش ہے، وہ زاہد ہے لیکن زاہدِ خشک نہیں، وہ راہب ہے لیکن حیات کی نمو پر یقین رکھتا ہے، وہ پرندہ ہے لیکن خیابانوں سے پرہیز کرتا ہے اسی لئے اپنا آشیانہ نہیں بناتا۔ اقبالؔ نے لفظ "رزق" کا آفاقی نظام سمجھا دیا ہے کہ رزق صرف آب و دانہ، کھانا پانی، رینک اور 'PAY SCALE' رشوت و چاپلوسی یعنی LIVELIHOOD کے نعرے کے طور پر "جو کچھ کروں گا پیٹ کے لئے کروں گا اور پیٹ کے سوا کچھ نہ کروں گا" کا نام نہیں بلکہ یہ ایک روحانی اور کائناتی نظام کا عنوان ہے جو بندوں کو مل کر ہی رہتا ہے۔ انسان کی سماجی، معاشی، تعلیمی، علمی، روحانی اور ہر قسم کی برتری اور ترقی کا نام رزق ہے۔ یہاں تک کہ موت رزق کی اعلیٰ ترین قسم ہے۔ بقول قاری طیب صاحبؒ کہ "سردیوں میں گرم پانی اور گرمیوں میں ٹھنڈا پانی بھی رزق ہے"۔ اقبالؔ کے شاہین نے اپنے آقا کے رزق کا مطلب سمجھ لیا ہے، اسی لئے اسے اس دنیا سے نفرت ہوگئی ہے جہاں انسان، نوعِ انساں کا شکاری اور پیٹ کا پجاری ہے۔ چنانچہ اقبالؔ کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے اس نے خلوتوں کی تلاش میں دور جنگل بیابانوں کی راہ اپنائی ہے۔ فضائی دنیا کا وہ ایک مثالی پرندہ ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ اقبالؔ بلا تکلف یہ کہہ بیٹھتے ہیں کہ:

نوا پیرا ہو اے بلبل کہ ہو تیرے ترنم سے
کبوتر کے تنِ نازک میں شاہیں کا جگر پیدا

(خضرِ راہ: بانگِ درا)

گرماؤ غلاموں کا لہو سوزِ یقیں سے
کنجشکِ فرومایہ کو شاہیں سے لڑا دو

(فرشتوں کا گیت: بالِ جبریلؑ)

کلامِ اقبالؔ میں "شاہین" کے عنوان سے ایک مستقل نظم ہے۔ اس سے قطع نظر ہم چاہتے ہیں کہ شاہینی صفات کو بدرجۂ اتم سمجھ لینے کے لئے آپ مندرجہ ذیل اشعار بھی سنتے چلیں:

گذر اوقات کرلیتا ہے یہ کوہ و بیاباں میں
کہ شاہیں کے لئے ذلت ہے کارِ آشیاں بندی

(غزل ۵۸: بالِ جبریلؑ)

ہیں، اقبال کو اپنی اولاد کی طرح عزیز ہے۔ اس
خبر گیری اور دعوتِ کج کلاہی و پاکبازی کے
ران اقبال اپنے بیٹے کا عکس اس میں دیکھتے ہیں:

وہ فریب خوردہ شاہیں، جو پلا ہو کرگسوں میں
اسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسمِ شاہبازی

(غزل ۱۳: بالِ جبریلؒ)

برہنہ سر ہے تو عزمِ بلند پیدا کر
یہاں فقط سرِ شاہیں کے واسطے ہے کلاہ

(غزل ۲۳: بالِ جبریلؒ)

تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا
ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں

(غزل ۶۰: بالِ جبریلؒ)

چیتے کا جگر چاہئے، شاہیں کا تجسس
جی سکتے ہیں بے روشنیٔ دانش و فرہنگ
کر بلبل و طاؤس کی تقلید سے توبہ
بلبل فقط آواز ہے، طاؤس فقط رنگ

(غزل ۵۸: بالِ جبریلؒ)

ترا اندیشہ افلاکی نہیں ہے
تری پرواز لولاکی نہیں ہے
یہ مانا اصل شاہینی ہے تیری
تری آنکھوں میں بے باکی نہیں ہے

(رباعی: بالِ جبریلؒ)

ترا جوہر ہے نوری پاک ہے تو
فروغِ دیدۂ افلاک ہے تو
ترے صیدِ زبوں افرشتہ و حور
کہ شاہینِ شہِ لولاک ہے تو

(رباعیات: بالِ جبریلؒ)

ہوئی نہ زاغ میں پیدا بلند پروازی
خراب کر گئی شاہیں بچے کو صحبتِ زاغ

(جاوید کے نام: بالِ جبریل)

نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں پر

(ایک نوجوان کے نام: بالِ جبریلؒ)

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

(حال و مقام: بالِ جبریلؒ)

اپنے دسترخوان پر بھنا ہوا تیتر دیکھ کر عربی کے مشہور شاعر اور فلسفی ابو العلا معرّی کا REACTION ملاحظہ فرمائیں:

افسوس صد افسوس کہ شاہیں نہ بنا تو
دیکھے نہ تری آنکھ نے فطرت کے اشارات
تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

(ابو العلا معرّی: بالِ جبریلؒ)

اسی لئے وہ نوجوان نسل کو شاہینی تناظر میں تلقین کرتے ہیں کہ:

شاہیں کبھی پرواز سے تھک کر نہیں گرتا
پُردم ہے اگر تو، تو نہیں خطرۂ افتاد

(اسرارِ پیدا: ضربِ کلیم)

اے جانِ پدر نہیں ہے ممکن
شاہین سے تدرو کی غلامی

(جاوید سے: ضربِ کلیمؒ)

اب یہ بحث بہت پرانی ہو چکی ہے کہ شاہین کے مزاج میں خونخواری ہے اور وہ اہنسا کا انکاری ہے کیونکہ وہ فضا کے اچھوتوں کا شکار کرتا ہے اور ان کے گرم گرم خون سے اپنی پیاس بجھاتا ہے۔ اب اس کا کیا علاج کہ اقبال کے شاہین کے علاوہ بھی جو عام باز، عقاب یا شکرے ہیں وہ بھی بین الاقوامی سطح پر فطرتاً گوشت خور (NON-VEGETARIAN) واقع ہوئے ہیں۔ ہندوستان میں رہنے والے چند مٹھی بھر افراد کی باتوں میں آکر تو شاہین گھاس کھانے سے رہا۔ جب کہ بھارتی شیر بھی آج تک سبزی خور نہ بن سکا۔ ان تمام اصولی بحثوں سے قطعِ نظر خود اقبال نے معصوم پرندوں پر ٹوٹ پڑنے کے لئے شاہین کی تخلیق نہیں کی ہے۔ وہ خود اس کے انکاری ہیں اور کہتے ہیں کہ:

جو کبوتر پر جھپٹنے میں مزا ہے اے پسر
وہ مزا شاید کبوتر کے لہو میں بھی نہیں

(نصیحت: بالِ جبریلؒ)

اور اقبال کی شہرہ آفاق نظم "شاہین" کے یہ اشعار:

حمام و کبوتر کا بھوکا نہیں میں
کہ ہے زندگی باز کی زاہدانہ
جھپٹنا، پلٹنا، پلٹ کر جھپٹنا
لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ

(شاہین: بالِ جبریلؒ)

ان اشعار کو نقل کر کے ہم یہ بالکل ثابت نہیں کرنا چاہتے کہ اقبال کا شاہیں ولی صفت ہے لیکن اتنا ضرور کہنا چاہیں گے کہ وہ تکمیلِ خودی، نفس شناسی، علوئے کردار، قول و فعل کی ہم آہنگی، بے نیازی و یکسوئی اور بلندی و آفاقیت کی جانب ایک مجسّم پیش رفت ہے ؎

کتابِ ملّتِ بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے
یہ شاخِ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

(طلوعِ اسلام: بانگِ درا)

(یہ مقالہ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے زیرِ اہتمام منعقدہ ایک سیمینار "فلسفۂ اقبال اور دورِ حاضر" کے تحت مورخہ ۷ راگست ۱۹۹۹ء کو عروس دکن پونہ میں ایک مؤقر مجلس میں پڑھا گیا۔)

(پانچویں و آخری قسط)

سلسلہ کے لئے ۲۵ اگست ۱۹۹۹ء کا شمارہ ملاحظہ فرمائیں

امتِ مسلمہ کا عملی کردار

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

تمدن و حسن انتظام کی خوبی

تمدن و حسن انتظام میں مسلمانوں نے اپنے دور عروج میں بڑا مقام پیدا کیا تھا جو آج کے متمدن دور سے کم نہیں بلکہ بڑھا ہوا نظر آتا ہے اس کی بعض تفصیلات بطور نمونہ ذیل میں پیش ہیں۔

عبدالرحمٰن ثالث کے زمانے میں اسلامی اندلس کا پایہ تخت قرطبہ تہذیب و تمدن کی بلندیوں پر تھا ... کے وقت چراغوں سے پورا شہر جگمگا ... راہ گیر دس میل (سولہ کیلومیٹر) اس کی روشنی ... چلتا تھا' اور کہیں سے روشنی غائب نہ ہوتی۔ اس کی گلیاں بلاط کے قیمتی ٹائلس سے مزین اور اس کی سڑکیں کوڑا کرکٹ سے پوری طرح پاک تھیں اس کے ارد گرد ہرے بھرے گھنے باغات تھے' آنے والا شہر میں داخل ہونے سے پہلے کئی گھنٹے ان چمن زاروں سے جی بہلاتا۔ اس کی آبادی دس لاکھ سے زیادہ تھی (یہ اس زمانہ کی بات ہے جب یورپ کے ..... بڑے سے بڑے شہر کی آبادی بھی پچیس ہزار سے زیادہ نہ تھی) اس میں نو سو حمام خانے دو لاکھ تراسی ہزار مکانات' اسّی شاندار محل اور چھ سو مسجدیں تھیں۔ اس کا دائرہ تیس ہزار گز تھا۔ اس کا ہر باشندہ تعلیم یافتہ تھا۔ اس کی صرف ایک سمت یعنی مشرقی حصہ میں ایک سو ستر ایسی خواتین تھیں جو ہر وقت خطاطی میں مصاحف لکھنے میں مشغول رہتیں۔ اس میں اسّی مدارس تھے جہاں غریب و ... تعلیم پاتے تھے' اور پچاس اسپتال ... اس کی مسجد آج تک فن تعمیر کی زندہ جاوید نشانی ہے۔ اس کے اذان خانے کی بلندی چالیس گز تھی' اس کا باریک گنبد چھید دار لکڑی کے ستونوں پر قائم تھا جس کو مختلف قسم کے ایک ہزار ترانوے (۱۰۹۳) سنگ مرمر کے ستون سہارا دیئے ہوئے تھے جو شطرنج کی بساط کی طرح معلوم ہوتے تھے۔ ستونوں کی اس ترتیب سے لمبائی میں انیس (۱۹) اور چوڑائی میں اڑتیس (۳۸) صحن بنتے تھے۔ اس مسجد میں رات کے وقت ۴ ہزار ۷ سو چراغ روشن کئے جاتے جس میں ہر رات بارہ سیر تیل خرچ ہوتا۔ مسجد کے جنوبی رخ پر پیتل سے جڑھائے ہوئے انیس (۱۹) دروازے تھے جو عجیب و غریب انداز سے بنائے گئے تھے۔ اور بیچ کے دروازے پر سونے کی تختیاں لگائی گئی تھیں۔ مشرقی اور مغربی سمت میں ان دروازوں سے ملتے جلتے نو (۹) دروازے اور تھے' جہاں تک اس کے محراب کا تعلق ہے تو وہ تعریف سے بالاتر ہے انگریز مورخ کی یہ بات کافی ہے کہ یہ سب سے حسین و جمیل چیز ہے جس پر کسی انسان کی نظر پڑی ہو۔ اس سے زیادہ خوبصورت چیز نہیں دیکھی گئی نہ قدیم میں نہ دور جدید میں۔

اس میں ایسی حسین و جمیل' دلکش' جاذب نظر اور عجیب و غریب چیزیں تھیں جو بالخصوص اس زمانہ کے اعتبار سے ذہن رسا سے بالاتر تھیں' دیکھنے والا چونک جاتا اور اس کی حیرت کی انتہا نہ رہتی اور وہ یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا کہ دنیا میں ایسا خوبصورت کوئی محل نہیں ہے۔

قرطبہ کے ترقیاتی حالات کے ساتھ قصر زہرا کا بھی تذکرہ قابل ذکر ہے۔ جو دلکشی و جاذبیت کی وجہ سے تاریخ کے صفحات میں پائندہ ہے یہاں تک کہ ترکی مؤرخ ضیا پاشا نے لکھا ہے کہ یہ ایسا نادرہ روزگار ہے جس کی نظیر ابتدائے آفرینش سے کسی عمارت ساز کے ذہن میں نہیں آئی اور نہ ہی کسی انجینئر کے عقل و فکر میں اس کی تصویر ابھری' جب سے عقل و خرد کا وجود ہے۔

زہرا کی تعمیر میں چار سال لگے تھے' زمین پر لگے ہوئے پتھروں کے علاوہ جو پتھر ہر روز بنائے جاتے تھے ان کی تعداد چھ سو تھی' اور ہر دن کام کرنے والے دس ہزار ہوتے تھے اور اس میں ہر روز چودہ سو خچروں سے کام لیا جاتا۔ ہر تین دن پر گیارہ سو ہودج سے بھرا ہوا چونا اور گچ آتا۔ جہاں تک زہرا کی جامع مسجد کا تعلق ہے تو اس میں ہر روز ایک ہزار ماہر کاریگر کام کرتے تھے۔ جن میں سے تین سو مستری ہوتے' دو سو بڑھئی اور پانچ سو مزدور اور دوسرے کاریگر' اس کی تعمیر صرف اڑتالیس دن میں مکمل ہوئی تھی' اور یہ ایسی سرعت و جلدی کے ساتھ ہوا جس کی نظیر نہیں ملتی۔

اس شاندار محل میں خلیفہ مستنصر نے ۳۵۱ھ میں اسپین کے بادشاہ اردون بن اذفونش کو استقبالیہ دیا۔ جب وہ زہرا میں داخل ہوا اور اس کی شان و شوکت' حشم و خدم' ہتھیار اور سپاہیوں کو دیکھا تو اس کے ہوش اڑ گئے۔ اس کا کروفر دیکھ کر دہ دنگ رہ گیا' اس کی آرائش و زیبائش سے اس کی آنکھیں پھٹی اور کمر جھکی جا رہی تھی' اور فرط حیرت سے سیدھے کھڑا نہیں ہوا جاتا تھا' وہ اپنی قسمت پر نازاں تھا کہ زندگی میں اس کی ایک مرتبہ زیارت

نصیب ہوئی، اس کے روئیں روئیں سے تشکر و احسانمندی کے چشمے ابل رہے تھے۔ پھر جب وہ خلیفہ کی نشست گاہ پر پہونچا جس کے ایک طرف اعیان مملکت اور بڑے بڑے فاضل و قابل علماء و خطباء اور سپہ سالار تھے تو وہ اور بھی ششدر ہوا۔ پھر جب اسپین کا بادشاہ خلیفہ مستنصر سے قریب ہوا تو اپنا سر کھول لیا، ٹوپی اتار لی، اور کھلے سر رہا۔ یہاں تک کہ خلیفہ نے قریب ہونے کی اجازت دی۔ پھر جب وہ خلیفہ کے بالمقابل کھڑا ہوا تو کچھ دیر کے لئے سجدہ ریز ہوگیا، پھر سیدھا کھڑا ہوا، پھر چند قدم آگے بڑھا پھر دوبارہ سجدے میں گر پڑا، یہ عمل کئی بار کیا، یہاں تک کہ خلیفہ کے سامنے آگیا، اور ان کے ہاتھ کا بوسہ لینے کی غرض سے بڑھا تو خلیفہ نے ہاتھ بڑھا دیا۔ پھر وہ ایڑی کے بل پر خلیفہ کی جانب پشت کئے بغیر پچھلے پاؤں واپس ہوا، پھر ایک تخت پر بیٹھا جو خاص طور سے اسی کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ مستنصر نے کہا کہ آپ کا آنا مبارک ہو اور آپ کے لئے فرحت بخش ثابت ہو، آپ کی آرزوئیں پوری ہوں اور آپ مسرور ہوں، ہمارے پاس اس سے کہیں زیادہ ہے جو آپ کے خیال میں رہا ہوگا۔ جب خلیفہ کی بات کا ترجمہ کیا گیا تو اس کا چہرہ کھل اٹھا اور اپنی کرسی سے نیچے اتر کر فرش کو بوسہ دیا پھر کہا میں غلام ہوں، امیر المومنین میرے آقا ہیں، جو فضل و احسان میں اپنی مثال آپ ہیں اور عظمت و بزرگی کے مقام بلند پر فائز ہیں، اپنے ماتحتوں کے بارے میں بڑے پختہ ہیں، اپنے فضل سے مجھے جو مقام دیں اور اپنی خدمت کا موقع دیں آپ کا احسان ہے، میری خواہش ہے کہ میں آپ کو کچھ مشورہ دوں اور خیر خواہی کی بات کہوں، خلیفہ نے ان سے کہا آپ کا مقام ہمارے نزدیک ایسے شخص کا ہے جو ہماری بہتر رائے کا مستحق ہے، اور حسن رائے رکھتا ہے، اور ہم آپ کو آپ کی قوم پر وہ فوقیت اور ترجیح دیں گے جو آپ کو خوش کردے گی، اور جس کے ذریعے آپ ہماری جانب اپنے میلان اور ہمارے ظل سلطانی سے سایہ لینے کی اہمیت کو جان لیں گے۔

جب وہاں سے غرناطہ گئے تو ہم پر فن تعمیر کی عظمت قصر الحمراء کی شکل میں آشکارا ہوئی، یہ ایک نادر اور عجیب و غریب مثال ہے۔ جس کے زائرین دہشت زدہ رہ جاتے ہیں، مرور زمانہ کے باوجود یہ قصر دنیا بھر کے زائرین کا مرکز توجہ بنا ہوا ہے، یہ قصر ایک پہاڑ کی ڈھلوان پہ ہے جہاں سے غرناطہ کا پورا شہر اور آس پاس کے وسیع و عریض لہلہاتے سبزہ زار نظر آتے ہیں، یہ دنیا کی تمام جگہوں سے خوبصورت اور دیدہ زیب لگا، اس میں کئی ہال ہیں جن میں سے قاعۃ الأسود، غرفۃ الأختین، قاعۃ العدل اور قاعۃ السفراء وغیرہ ہیں۔ اس مختصر سے بیان میں ہمارے لئے ممکن نہیں ہے کہ پورے طور پر حمراء کی منظر کشی کریں۔ ہمارے لئے اس کے سلسلہ میں فرانس کے شاعر نیکتور ھوجو نے جو کہا ہے وہی کافی ہے۔

"اے حمراء اے حمراء! اے وہ محل کہ تم کو ملائکہ نے اپنے خیال کے مطابق زینت بخشی اور تمہیں ہم آہنگی کی مثال بنا دیا۔ اے معزز و خوبصورت پھولوں اور ٹہنیوں جیسے نقش و نگار سے سجا ہوا قلعہ! تو اس طرح جھکا ہوا ہے لگتا ہے کہ گرنے کے قریب ہے، جب مہتاب کی سیمیں کرنیں تمہاری دیواروں پر تمہارے عربی ڈیزائن کے دریچوں سے عکس ڈالتی ہیں تو رات میں سحر انگیز آواز سنائی دیتی ہے۔

جہاں تک اندلس کے دوسرے شہروں اور ان کی عظمت و سربلندی کا تعلق ہے تو یہ ایسا موضوع ہے جو بہت طویل ہے، ہم یہاں صرف اشبیلیہ کا ذکر کر رہے ہیں، جس میں صرف ریشمی کپڑا بننے کے لئے چھ ہزار پاور لوم ہیں، یہ شہر اپنے چہار جانب سے زیتون کے پیڑ سے گھرا ہوا ہے، اسی وجہ سے وہاں ایک لاکھ زیتون کا تیل نکالنے کے کارخانے ہیں۔

عام طور پر اسپین کے شہر آباد ہیں، ہر شہر مختلف صنعتوں میں مشہور ہے، یورپ بہت دلچسپی سے متوجہ ہوتا ہے جس کی کوئی مثال نہیں ہے۔ حتی کہ یہ زرہ، خود اور فولاد پر پانی چڑھانے کی فیکٹریوں میں مشہور ہے۔ یورپ والے ہر جانب سے اس کے خریدنے کے لئے آتے ہیں۔ زینو اپنی کتاب "الغارۃ علی فرنسا" میں رقم طراز ہے۔ عربوں نے جب اندلس سے فرانس کے جنوب پر حملہ کیا اور انھوں نے سمح خولانی، عیسہ کلبی اور حر ثقفی کی قیادت میں اربونہ، قرتشونہ، افینون اور لیوں کو فتح کر لیا اس وقت وہ سب اس طرز کے ہتھیاروں سے لیس تھے کہ اس کی نظیر فرانسیسیوں میں نہیں ملتی۔

اس کے بعد عالم اسلامی کی مشرقی جانب چلتے ہیں، تاکہ ہم اس کے بڑے شہر اور اس کی دلکش تہذیب و ثقافت کی مثالیں دیکھیں، میں یہاں صرف بغداد پہ اکتفا کرتا ہوں، جب اس کو آباد کیا گیا تو وہ کس طرح دنیا کے عجائبات میں سے تھا جس کی نظیر زمانہ قدیم میں نہیں ملتی۔

مشہور عباسی خلیفہ منصور کے بغداد بسانے سے قبل بغداد بہت مختصر اور چھوٹی سی اناج کی منڈی تھا۔ وہاں ہر سال کے آغاز میں قریبی جگہوں کے تاجر جمع ہوتے تھے۔ جب منصور نے اس کو بسانے کا ارادہ کیا تو انجینیروں اور عمارت سازی، کھیتی باڑی، پیمائش اور آراضی کی تقسیم سے واقف کاروں کو بلایا پھر اس کی بنیاد کے موقع پر پہلی اینٹ خود اس نے اپنے ہاتھ سے رکھی اور کہا۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم والحمد للہ یورثها من يشاء من عباده والعاقبة للمتقين" اس اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور بہت رحیم ہے، اور تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، وہ بندوں میں سے جس کو چاہے اس کا وارث بناتا ہے۔ اور انجام کار متقیوں کے لئے ہے۔ پھر کہا "ابنوا علی برکۃ اللہ"

اللہ کی برکت سے تعمیر شروع کرد۔ اس کی تعمیر میں زرکثیر صرف ہوا یعنی چار ملین آٹھ لاکھ درہم، اس میں کام کرنے والوں کی تعداد ایک ہزار تھی، اور اس کی تین فصیلیں تھیں جو ایک دوسرے سے ملی ہوئی تھیں اس کی آبادی دو ملین تھی، مشرقی جانب اس کے راستوں اور گلیوں کی تعداد چھ ہزار اور مغربی جانب چار ہزار تھی، اور وہاں دجلہ وفرات کے علاوہ گیارہ دوسری چھوٹی نہریں تھیں، ان کا پانی بغداد کے تمام گھروں اور محلوں میں پہونچتا تھا۔ صرف دجلہ میں ایک کنارے سے دوسرے کنارے پر جانے کے لئے تیس ہزار کشتیاں تھیں۔ یہاں ...... کے حمام .... کی تعداد ساٹھ ہزار تھی۔ عہد عباسی کے اواخر میں یہ تعداد گھٹ کر لگ بھگ بیس ہزار رہ گئی۔ مسجدوں کی تعداد تین لاکھ تھی، اس کے باشندوں اور علماء وادباء اور فلاسفہ کی اتنی کثرت تھی جس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا ہے۔ ہم یہاں خطیب بغدادی کی وہ بات نقل کر رہے ہیں جو انھوں نے اس کی منظر کشی کرتے ہوئے لکھی ہے۔

ایک طرف یہ ہے تو دوسری طرف ہم اس کے بہت سے مناقب کو ترک کر رہے ہیں جس میں پوری دنیائے مشرق ومغرب میں خدا نے اسے امتیاز بخشا ہے، اور اس کی تشریح کرتے ہوئے کہا کہ وہ اخلاق فاضلہ اور اوصاف جمیلہ، شیریں اور رواں چشمے، کثیر تعداد میں عمدہ و پختہ پھل، دلکش مناظر، ہر فن میں مہارت، ہر ضرورت کی فراہمی، بدعتوں کے ظہور سے امن، علماء ومتعلمین وفقہاء ومتفقہین، رؤساء ومتکلمین، حساب ونحو کے ماہرین، بہترین قادر الکلام شعراء، تاریخ وانساب، فنون وآداب کے واقف کاروں کی کثرت، غرض ہر اچھی چیز کی دستیابی اور مختلف موسموں کے پھلوں کی ایک وقت میں موجودگی کہ دنیا کے کسی شہر میں کوئی ایسا پھل نہیں پایا جاتا تھا جو یہاں نہ ملتا ہو، بالخصوص موسم خریف میں یہ سب چیزیں تھیں، جس کی وجہ سے اس کا سر سب سے اونچا تھا۔ پھر اگر کسی شہری کے لئے رہنے کی جگہ تنگ پڑتی تو اس سے اچھی جگہ مل جاتی۔ اور اگر اسے کوئی مکان کسی جانب اپنے مکان سے اچھا نظر آتا تو اس میں منتقل ہونے میں اسے کسی طرح کی کوئی دشواری نہ ہوتی۔ بلکہ بڑی آسانی کے ساتھ وہ اپنے مقصود کو پالیتا تھا، اور جب وہ اپنے دشمن سے راہ فرار اختیار کرتا تو کہیں بھی دور و نزدیک اسے پناہ مل جاتی۔ اور اگر وہ پسند کرتا کہ ایک گھر کو دوسرے گھر سے یا ایک راستے کو دوسرے سے ایک سڑک کو دوسری سڑک سے یا ایک گلی کو دوسری گلی سے بدلے تو جب موقع اس کے لئے ممکن ہوتا۔ پھر ایک طرف اس کے بڑے بڑے تجار، باشوکت سلاطین اور معزز گھرانے کے لوگ تھے، جو مسلسل بلاناغہ ان لوگوں کو مال فراہم کرتے جو ان سے کم درجے کے لوگ تھے۔" حقیقت یہ ہے کہ پورا بغداد اللہ کے ان عظیم خزانوں میں سے ہے جس کی حقیقت سے وہی آشنا ہے۔

مزید لکھتے ہیں کہ عظمت وبلندی، علماء ودانشمندوں کی کثرت، خواص وعوام میں امتیاز، اس کے علاقہ کی وسعت اس کی وادیوں اور ساحل کی کشادگی، گھروں اور رہائش گاہوں، گلی کوچوں اور گھاٹیوں، بستیوں اور بازاروں، سڑکوں اور گزرگاہوں، مساجد اور غسل خانوں، عمدہ کپڑے کی بنائی کے کارخانوں اور تجارتی منڈیوں اور دکانوں کی کثرت، ہوا کی نرم خرامی، پانی کی شیرینی، سایوں کی ٹھنڈک وخنکی، موسم سرما وگرما کا اعتدال، موسم بہار وخریف کا توازن، باشندوں کی کثرت اور گہما گہمی اس دنیا میں بغداد کی کوئی نظیر نہیں تھی۔

رشید کے دور میں اس کی آبادی سب سے زیادہ تھی۔ جب کہ پورا بغداد اطمینان کی نیند سوتا تھا اور ہر طرف راحت وآرام تھا اس کی چراگاہیں سرسبزی وشادابی سے لہلہا رہی تھیں اور اس کے گھاٹ پر بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ پھر فتنے ومصائب رونما ہوئے۔ اس کے باشندوں پر مسلسل آزمائشیں وبلائیں آتی رہیں، تو اس کی آبادی بربادی میں تبدیل ہوگئی۔ اور باشندے منتقل ہوگئے۔ مگر ہمارے اس زمانہ سے قبل تک وہ اپنی ساری خرابیوں اور بربادیوں کے، باوجود دوسرے علاقوں سے مختلف اور سارے شہروں سے ایک جداگانہ حیثیت رکھتا تھا۔

ہم اپنی بات معتضد باللہ کے عہد میں اس کی عظمت وبلندی اور اس کے زمانہ خلافت میں اس کی شان وشوکت کے تذکرے پر ختم کریں گے۔ جب رومن امپائر کے فرستادہ نے اس کی زیارت کی، اس وقت دار الخلافہ اپنی وسعت میں آج کے سرمایہ کے بڑے سے بڑے شہر سے فائق تھا۔ وہاں خدمت گزاری کی حیثیت سے گیارہ ہزار خواجہ سرا تھے، اور ان کے علاوہ ہزاروں ایسے تھے جن کا کوئی شمار نہیں، اور ہر باری میں فراشوں (جاروب کشوں) کی تعداد چار ہزار تھی۔

جب رومن امپائر کا قاصد آیا تو اس کو مہمان خانہ میں ٹھہرایا گیا۔ پھر مہمان خانہ سے خلیفہ کے محل تک لشکر کی ترتیب دی گئی ان کی تعداد پیدل وسوار کے بشمول ایک لاکھ ساٹھ ہزار تھی۔ وہ ان کے درمیان چلا، یہاں تک کہ محل تک پہونچ گیا، وہاں سات ہزار خادم سات سو پہرے دار اور چار ہزار کالے غلام تھے، خزانے کھول دیئے گئے، ہتھیار اور سامان حرب وضرب ترتیب دیا کسی دلہن کے سامان کی طرح سجا ہوا تھا۔ جب رومن امپائر کا قاصد دار الشجرہ میں داخل ہوا تو اسے دیکھ کر وہ ہوش وحواس کھو بیٹھا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جب رومن قاصد نے دار الخلافہ کی عظمت اور ہیبت وجلال کو دیکھا تو وہ آخری حد تک مبہوت ہوگیا اور اس کے اوسان خطا ہوگئے کیونکہ اس وقت دنیا میں اس طرح کا کوئی محل

(باقی صفحہ ۱۵ پر)

شب براُت اور شب قدر

محمد شاهد ندوی بارہ بنکوی

اسلام ایک مکمل، جامع اور فطرت
دین ہے، اس دین کی بنیاد قرآن وسنت
ہے۔ یہ دین جہاں زندگی کے تمام مرحلوں
بلائی کا حکم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا
ہیں غیر اسلامی طریقوں اور رواجوں پر
ں لگاتے ہوئے افراط وتفریط سے مسلمانوں
کے ساتھ روکتا ہے۔

ماہ شعبان کی پندرہویں شب شب براُت
ے بارے میں حدیث شریف میں بڑی فضیلت
ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس شب کی
ضیلت قرآن وحدیث سے ثابت نہیں،
رات میں جاگنا اور اس شب میں عبادت
صی طور پر باعثِ اجر وثواب سمجھنا بےبنیاد
یح نہیں ہے انھیں احادیث رسول اور
ے اقوال سے رجوع کرنا چاہئے۔

یہ صحیح ہے کہ شب براُت کے سلسلہ میں بہت
احادیث پر محدثین نے کلام کیا ہے اور درجہ
سے فروتر سمجھا ہے لیکن پھر بھی "صحاح" میں
حدیثیں ایسی آئی ہیں جس سے اس رات
یلت ثابت ہوتی ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق
دہلویؒ نے "ماثبت بالسنۃ" میں "فِیْہَا
ُ کُلُّ اَمْرٍ حَکِیْمٍ" کی تفسیر میں حضرت
سے یہ نقل کیا ہے۔ قال فی لیلۃ النصف
شعبان یبرم امر السنۃ وینسخ
یاء ویکتب الحاج فلا یزاد فیھم
ولا ینقص منھم احد۔ (رواہ ابن جریر
منذر وابن ابی حاتم)

فرمایا کہ وہ رات شعبان کی پندرہویں شب ہے۔ جس میں سال بھر کا معاملہ طے ہو جاتا ہے زندوں کی فہرست بن جاتی ہے، حجاج کی نشاندہی کر دی جاتی ہے۔ پھر اس مرتب شدہ فہرست میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوتی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی رات میں اپنی تمام مخلوق کی طرف اپنی خاص توجہ فرماتے ہیں اور مشرک وکینہ پرور کے سوا سب کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔ (ترغیب وترہیب ص۲۱۰)

شب براُت کے اسماء

علماء نے شب براُت کے چار نام تحریر فرمائے ہیں۔ صاحب کبیر وغیرہم ارشاد فرماتے ہیں۔ (۱) لیلۃ المبارکہ (۲) لیلۃ البراُت (۳) لیلۃ الصک (۴) لیلۃ الرحمت، المبارکۃ (یعنی برکت والی رات) وجہ برکت چند فرمائی گئیں۔ ایک قول کے مطابق اس شب میں قرآن نازل ہوا، دوئم اس شب میں ملائکہ کا نزول ہوتا ہے جو کہ خیر وبرکت کا ذریعہ ہیں۔ سوئم اس شب میں اللہ رب العزت ماء زمزم (یعنی زمزم کے پانی) کو زائد فرماتے ہیں اور یہ زیادتی ظاہری بھی ہوتی ہے، دوسرا نام البرات (یعنی بری کرا دینے والی رات) اس شب میں اللہ جل شانہ ایک بڑی تعداد کی مغفرت فرما کر جہنم سے بری فرماتے ہیں، تیسرا نام لیلۃ الصک ہے (لغت میں صک اقرارنامہ کو کہتے ہیں) لہٰذا لیلۃ الصک اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ اللہ رب العزت اس شب میں گناہوں کی مغفرت فرما کر ایک اقرارنامہ (پروانۂ نجات) اس بندہ کو عطا فرما دیں گے چوتھا نام لیلۃ الرحمت (یعنی رحمت والی رات)۔ (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ص۳۵۱)

ابن ماجہ اور بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبانی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان تحریر کیا ہے کہ پندرہویں شعبان کو شب بیداری کرو اور دوسرے دن روزہ رکھو۔ کیونکہ اس شب میں اللہ تعالیٰ مغرب کے وقت ہی سے آسمان دنیا پر نزول اجلال فرماتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ ہے کوئی مجھ سے طالب مغفرت تاکہ میں اس کی مغفرت کر دوں ہے کوئی روزی مانگنے والا تاکہ اسے خوب روزی دوں۔ ہے کوئی مصیبت کا مارا، عافیت کا خواہاں تاکہ اسے عافیت دے دوں، اور اسی طرح طلوع فجر تک اللہ تعالیٰ نوازنے کے لئے دریافت کرتا رہتا ہے۔ (مومن کے ماہ وسال ص۱۹۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر نہ پایا تو میں تلاش کے لئے نکلی، آپ بقیع میں تھے یعنی (مدینہ کے قبرستان بقیع میں تھے) آپ نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل تشریف لائے اور کہا کہ آج نصف شعبان کی رات ہے اس میں اللہ تعالیٰ اتنے لوگوں کو جہنم سے نجات دے گا جتنے قبیلۂ کلب کی بکریوں کے بال ہیں۔ مگر چند بدنصیب شخصوں کی طرف اس رات میں بھی نظر عنایت نہ ہوگی، مشرک، کینہ پرور، قطع رحمی کرنے والے، پائجامہ یا تہبند ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والے، والدین کی نافرمانی کرنے والے، شراب نوشی کرنے والے (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ص۳۵۲)

اس لئے مسلمان شب برأت میں قبرستان جانے کا اہتمام کرنے لگے۔ لیکن مسلمانوں کو یہ بات معلوم ہونا چاہئے کہ جو بات جس درجہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو اس کو اسی درجہ میں رکھنا چاہئے۔ اس میں افراط و تفریط سے بچنا چاہئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پوری زندگی میں صرف ایک مرتبہ جنت البقیع شعبان کی پندرہویں شب میں تشریف لے گئے۔ اس لئے مسلمان بھی ایک مرتبہ چلے جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن ہر شب برأت میں جانے کا اہتمام کرنا، التزام کرنا اور اس کو لازمی سمجھنا بلکہ شب برات کا لازمی جزء سمجھنا صریح طور پر غلط ہے، ہاں اگر کبھی کوئی مسلمان اس نیت سے قبرستان چلا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تھے اور وہاں جاکر عبرت حاصل کرے اور اس رات میں ذکر و اذکار، تسبیح و دعا، تلاوت قرآن، نفلی نماز اور دوسرے دن روزہ رکھنے کا اہتمام کرے ...تو انشاء اللہ اجر و ثواب ملے گا۔

غیر اسلامی باتوں سے اجتناب کیجئے

لیکن شب برأت کے موقع پر در و دیوار پر جلائی جانے والی دیکیں اور موم بتیاں، گھروں اور دوکانوں میں کی جانے والی چونا کاریاں اور روشنیاں، رات میں کی جانے والی پرشور پٹاخے بازیاں اور اذیت رسانیاں، قبرستانوں کی دہائی، پھول مالوں اور بیوی بچوں کے ساتھ کی جانے والی قبروں کی زیارتیں، اور دندان مبارک کی شہادت کی یاد میں دانت شکن حلوہ خوریاں اور اس کو دین کا جزء سمجھنا وغیرہ یہ ساری باتیں دور نبوت اور دور صحابہؓ میں ہمارے اس دین کا جزء اور حصہ نہیں رہی ہیں، اور آج بھی یہ چیزیں دین کا حصہ نہیں ہیں۔ بلکہ سراسر غلط، صریح بے دینی اور گمراہی کی بات ہے اور یہ ہندوؤں کے تہوار دیوالی کی نقالی ہے، مسلمانوں کو ان خرافات اور فضول باتوں سے احتراز کرنا چاہئے۔

اسی طرح پندرہویں شب کو عورتیں عرفہ کہتی ہیں اور یہ خیال کرتی ہیں کہ مردوں کی روحیں آج آپس میں ملتی ہیں اور اس سال جس کی وفات ہوتی ہے وہ خاص طور پر آج کی رات مردوں کی برادری میں شامل ہو جائے گا۔ لہٰذا اس کے نام سے حلوہ کا فاتحہ دلاتی ہیں یہ صریح جہالت کی بات ہے۔ بعض جگہوں پر تو نئے برتنوں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ جس طرح ہندو دیوالی کے موقع پر کرتے ہیں۔ یہ سب وہ باتیں ہیں جن سے ہر مسلمان کو بچنا چاہئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات کی روشنی میں اگر کوئی بات ہو سکتی ہے تو صرف یہ ہے کہ مسلمان اس رات میں جاگ کر نماز پڑھیں ذکر و تلاوت کریں، عبرت حاصل کرنے کے لئے قبرستان جائیں اور شب برأت کی صبح یعنی پندرہویں تاریخ کو روزہ رکھیں، یہی اعمال مسنون ہیں۔

پندرہویں شب میں قرآن کریم کے نزول کے بارے میں بھی مختلف اقوال علماء سے نقل کئے گئے ہیں۔ اور بعض علماء اور اہل علم حضرات کا اس میں اختلاف بھی ہے۔ کہ قرآن کریم آیا شب برأت میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے یا شب قدر میں؟ اس کے بارے میں اختصار کے پیش نظر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

"صاحب بیان القرآن حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ دراصل یہ ایک تحقیق ہے جو کہ اقوال مفسرین کو جمع فرمانے کی صورت ہے کہ ہر دو صورت ممکن ہے۔ ارشاد فرمایا۔ نزول دفعی دو مرتبہ ہوا یا اس طرح ہو سکتا ہے کہ ایک رات میں حکم نازل ہو دوسری میں اس کا وقوع ہوا۔ یعنی شب میں حکم ہوا کہ اس دفعہ رمضان میں لیلۃ القدر آئے گی اس میں قرآن نازل کیا جائے گا۔ میں اس کا وقوع ہوگیا اور یہ بات کلام شائع ذائع (یعنی مشہور و ظاہر) ہے کہ کو وقوع کے حکم میں کر دیتے ہیں مطلب یہ کہ "اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ" الخ میں مراد حقیقی نز ہے کہ وہ لیلۃ القدر ہے اور "اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ" میں حکمی نزول ہے۔ جو کہ شب میں ہوا ہے۔ اور دونوں راتیں ہیں قریب اس لئے قرب نزول کے حکم میں کر دیا۔"

علامہ ابو مسعود رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی فرمایا۔ قرآن پاک کی ابتدائے نزول اس برأت سے ہوئی۔ ابتداء "فیھا انزلہ" قول، اس شب برأت میں تمام کا تمام قر ہوا لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف کیا اس کو جبرئیل علیہ السلام نے تھوڑی تھوڑی پر میں)۔

بعض علماء کا قول ہے کہ اس شب میں لوح محفوظ سے تحریر ہونا شروع اور لیلۃ القدر میں فراغت واقع ہوئی۔ بیڈیا آف اسلام ص ۳۵۲)

بہر حال اس تفصیل سے یہ حتمی طو ہرگز نہیں کہا جا سکتا ہے کہ قرآن کریم ش میں نازل ہوا۔ بلکہ اس سلسلہ میں زیادہ اصح بات یہی ہے کہ قرآن کریم (رمضان ا کی شب) شب قدر ہی میں نازل ہوا۔

شب برات کا حلوہ

حلوہ بنانا اور کھانا یقیناً جائز ہے مسلمان کھاتا ہے، لیکن شب برات کے

سلامی تہوار اور دین کا جز سمجھ کر حلوہ بنانا شیرینی بنانا کھانا یا پتھر نما یا نرم شبراتی حلوؤں کو اس عقیدے کے ساتھ بنانا اور کھانا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دو دانتوں کے شہید ہو جانے پر کھایا تھا۔ یا آپ کے عاشق صادق محب رسولؐ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ نے مارے غم اور محبت کے اپنے سارے دانت توڑ کر حلوہ کھایا تھا۔ قطعاً بے دلیل، غلط اور بے بنیاد بات ہے، نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کا کوئی حلوہ کھایا اور نہ ہی حضرت اویسؓ قرنی نے اپنے دانت توڑ کر نرم نرم حلوہ کھایا تھا یہ بھی غلط ہے۔ شب برأت کو تہوار سمجھنا بھی غلط ہے کیونکہ اسلام میں صرف دو تہوار ہیں ایک عید الفطر اور دوسرا عید الاضحیٰ۔ اس کے علاوہ کوئی تیسرا تہوار مسلمانوں کو منانا جائز نہیں۔

شیعوں کی شبِ برأت

شبِ برأت شیعوں کے یہاں شبِ تبرّا کے نام سے معروف ہے اور شب برأت تبرّے بازیوں کے ساتھ منائی جاتی ہے۔ شیعوں کا عقیدہ ہے کہ اس رات میں ان کے بارہویں امامؑ امام مہدی غائب عدم سے وجود میں آئے تھے۔ اس خوشی میں وہ اس رات میں صحابہ کرامؓ، ازواج مطہرات کو لعن طعن کرتے ہیں۔ ان سے نفرت و برأت کا اظہار کرتے ہیں اور ان کے خلاف اپنے دل کے پھپھولے پھوڑتے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ انھیں شیعوں نے ہی شب برأت (جو ایک عبادت اور دعا و مناجات والی رات ہے) میں یہ خرافات سنی مسلمانوں میں پھیلا دی ہو۔ تاکہ ان کے جوان کھانے پکانے اور پٹاخے پھوڑنے میں مصروف رہیں، بوڑھے اور ضعیف لوگ روزہ و نماز میں لگے رہیں۔ اور یہ شیعہ حضرات پوری آزادی اور بے خوفی کے ساتھ سنیوں کی آتش بازیوں کے دھن پر حلوے مانڈوں کی اضافی طاقت کے ساتھ صحابہؓ کرام کو لعن طعن کرتے پھریں، اور سنی مسلمان صرف حلوے خوریوں، آتش بازیوں اور قبرستانوں میں مدفون مردوں میں مست ہو کر ان شیعوں کے مکر و فریب کی خبر نہ لے سکیں۔

اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو غیر اسلامی طریقوں سے بچا کر اس مبارک شب، شبِ برأت کی قدر کرنے اور اس شب میں عبادت کرنے کی توفیق عطا فرمائے

(بقیہ)

ایک نومسلمہ خاتون

کی سواری کے لئے دونوں قصبوں کے درمیان کوئی سڑک نہیں تھی۔ دیوبند تک ریل کے ذریعہ آنا جانا ہوتا تھا تو رڑکی اور سہارنپور ہوتے ہوئے دیوبند جانا پڑتا تھا۔ اس طرح فاصلہ ۵۰ میل سے زائد بنتا تھا۔ ان دنوں مولانا عزیز گل صاحب مدرسہ رحمانیہ واقع جامع مسجد رڑکی میں صدر مدرس تھے اس لئے حضرت مدنیؒ نے ان نومسلم خاتون کو مشورہ دیا کہ قرآن مجید کا مزید تحقیقی مطالعہ کرو اور جہاں کہیں مضامین قرآنی سمجھنے میں کوئی اشکال پیش آجائے تو یہاں کی بہ نسبت رڑکی آپ سے قریب ہے۔ وہاں جاکر حضرت مولانا عزیز گل صاحب کے سامنے اپنا اشکال پیش کر کے اسے حل کیا کرو اور ان کی رہنمائی میں دینی کتب کا مطالعہ کر کے تحقیقی طور پر دینی مسائل کے سمجھنے کی کوشش کرو۔ وہ آپ کے لئے علمی طور پر زیادہ مفید ثابت ہوں گے۔ یہاں دیوبند آنا جانا راستہ کی دوری کی وجہ سے مشکل ہے اور ان کو میرا قائم مقام سمجھو اور ان سے استفادہ کرو۔

ان کا شوہر اگرچہ ریٹائرڈ ہو کر انگلینڈ چلا گیا لیکن ان کے گذارے کے لئے دو سو روپئے ماہوار پابندی سے بھیجتا رہا۔ اس ماہوار آنے والی رقم سے وہ منگلور میں اچھی طرح گذارہ کرتی رہیں اور خوب دروز مطالعۂ قرآن مجید اور دینی مسائل کی تحقیق میں مشغول رہا کرتی تھیں۔ دوران مطالعہ کوئی خاص اشکال پیش آتا یا کوئی مسئلہ قابلِ تحقیق ہوتا تو حضرت مدنیؒ کے مشورہ کے مطابق بہ آسانی رڑکی جاکر مولانا عزیز گل سے پورے طور پر علمی اطمینان حاصل کر لیا کرتی تھیں۔ اس آمد و رفت میں حضرت مولانا کی اہلیہ (مرحومہ) سے بھی اچھا خاصا تعارف و تعلق پیدا ہو گیا اور اسی طرح مولانا کے چھوٹے بچے بچیوں سے بھی خوب مانوس ہو گئیں اور بچے ان سے مانوس ہو گئے۔

اس زمانہ میں مولانا کے یہ بچے ان کو "مدر" کہا کرتے تھے۔ چھوٹے بچے زبیر کو جس کی عمر تقریباً پانچ سال تھی بارہا وہ رڑکی سے منگلور لے گئیں اور یہ بچہ اپنے گھر کی طرح دو دو تین تین راتیں وہاں ہنسی خوشی گذارتا۔ سب چھوٹے بڑے اہلِ خانہ ان کو "مدر" کہتے، اور وہ ان سب کے ساتھ انتہائی شفقت و محبت کے ساتھ پیش آیا کرتی تھیں۔ مولانا عزیز گل صاحب کے علمی اور عملی کمالات و فضائل کی خوب معتقد و معترف ہو گئی تھیں۔ پورے خاندان کے ساتھ آمد و رفت، محبت و خلوص اور ارسالِ ہدایا و تحائف کا یہ سلسلہ دو تین سال تک چلتا رہا۔ (جاری)

حمد

سارہ رئیس۔ شاداب کالونی

پروردگار عالم سن لے دعا ہماری
تیرے سوا جہاں میں کوئی نہیں ہے حامی
ربِ رحیم تو ہے دانا کریم تو ہے
لاریب ذات تیری تیری ہی مہربانی
تو نے کیا ہے پیدا ارض و سماں جہاں یہ
چھ دن میں کر کے قائم قدرت کی دی نشانی
اعلیٰ مقام تیرا اونچا ہے نام تیرا
تیری صفت بقا ہے ہر شئے ہے اور فانی
تیری صفت سمیع ہے سنتا ہے تو سبھی کی
پروردگار عالم سن لے دعا ہماری

مختصر

عالمی خبریں

معید اشرف ندوی

● مکہ مکرمہ سے ۴۰ کلومیٹر کے فاصلے پر نجی سرمایہ سے ہوائی اڈہ تعمیر کرنے کی تجویز پیش کی گئی ہے تاہم اس کا فیصلہ وزارت دفاع و شہری ہوا بازی کرے گی۔ یہ بات میئر مکہ مکرمہ ڈاکٹر فواد غزالی نے مقامی جریدہ سے گفتگو کرتے ہوئے کہی۔ انھوں نے کہا کہ میونسپلٹی حکام، ماہرین کے تعاون سے ایک موزوں جگہ کی نشاندہی کر چکے ہیں جو ہوائی اڈے کے لئے ہر لحاظ سے نہایت موزوں ہے۔ ڈاکٹر غزالی نے کہا کہ مسجد الحرام کے نواح میں قائم عمارتوں کو ایک دوسرے میں ضم کرکے شہر کے مرکزی علاقے کو جدید خطوط پر استوار کیا جاسکتا ہے۔ انھوں نے المعصم مذبح کے قیام پر اطمینان کا اظہار کیا جس پر ۴ کروڑ ریال لاگت آئی ہے۔

● ناروے جو ایک ترقی یافتہ ملک ہے اس کے شہر اوسلو میں فلسطین اور اسرائیل کے درمیان امریکی صدر کی کوششوں سے امن معاہدہ ہوا تھا اس کے بارے میں ایک سیاح کے تاثرات ایک اخبار نے شائع کئے ہیں جو اس ترقی یافتہ دور کی انتہائی کربناک اور لائق افسوس تصویر پیش کرتا ہے، اخبار لکھتا ہے کہ معاشی ترقی اور معاشرتی آزادی کے باعث ناروے میں فیملی سسٹم ٹوٹ چکا ہے، ۷۰ فیصد جوڑے شادی کے بغیر ایک دوسرے کے ساتھ رہ رہے ہیں، عورت کو اس معاشرے میں غیر ضروری اہمیت حاصل ہے وہ جس کے ساتھ رہنا چاہے رہے اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ اس بے راہ روی کے نتیجہ میں جب کوئی خاتون خاوند بدلتی ہے تو وہ اپنے مختلف رنگ و نسل کے بچے بھی ساتھ لے جاتی ہے اس طرح نئے گھر میں تین قسم کے بچے پائے جاتے ہیں میرے بچے، تمہارے بچے اور ہمارے بچے۔ الکوحل اس معاشرے کا سب سے بڑا فساد ہے بچوں سے لے کر بوڑھوں تک اتنی شراب پی جاتی ہے کہ لوگ پانی کا ذائقہ بھولتے جارہے ہیں۔ ناروے میں بوڑھے مرد و زن سب سے زیادہ مظلوم ہیں یہ طویل عمری کی یہ سزا اولڈ ہومز اور اسپتالوں میں گذارتے ہیں۔ اولڈ ہومز میں رہنے والے اکثر بوڑھے شہر میں ذاتی رہائش گاہوں کے مالک ہیں لیکن وہ اپنے گھروں کے برعکس یہاں رہنا پسند کرتے ہیں کیونکہ انھیں معلوم ہے کہ اگر وہ اپنے گھر میں مر گئے تو ان کے انتقال کی خبر ساتھ والے گھر تک پہونچتے پہونچتے ایک دو ہفتے لگ جائیں گے۔ دنیا میں انسانی رشتوں سے زیادہ قیمتی اور انسانی محبت سے بڑھ کر عظیم کوئی جذبہ نہیں لیکن افسوس یہاں یہ دونوں چیزیں ناپید ہیں۔

سوال وجواب

محمد طارق ندوی

سوال: ایک شخص نے ایک جگہ شادی کی اور ابھی وہ دوسری جگہ رہتا ہے جو اس کی سسرال سے مسافت شرعی پر ہے، یہ شخص کبھی کبھی سسرال جاتا ہے جب یہ سسرال جائے تو قصر کرے یا اتمام۔

ج:۔ شوہر جب سسرال جائے گا اور پندرہ دن سے کم رہنے کا ارادہ ہے تو قصر کرے گا البتہ اگر سسرال میں رہنا اختیار کرے تو نماز پوری پڑھے۔

س:۔ مسلمان کا راکھی بندھوانا کیسا ہے؟

ج:۔ ہندوانہ رسم ہے وہ رکھشا بندھن (جو ان کا ایک تہوار ہے) اس موقع پر بہنوں سے راکھی بندھواتے ہیں اور کچھ دیتے لاتے ہیں مسلمان کے لئے مذکورہ طریقہ ناجائز ہے، اسے راکھی نہیں بندھوانا چاہئے اگر ایسا کرے گا تو گنہگار ہوگا۔ اس پر توبہ واستغفار لازم ہے۔

س:۔ نفل نماز میں واجب چھوٹ گیا تو سجدہ سہو کرے گا یا نہیں؟

ج:۔ نماز واجب ہو یا فرض، سنت ہو یا نفل تمام نمازوں میں سجدہ سہو کا یکساں حکم ہے البتہ نماز عیدین اور جمعہ میں جب کہ مجمع بہت زیادہ ہو اور سجدہ سہو کرنے سے نمازیوں میں انتشار پیدا ہو جائے تو ایسی صورت میں سجدہ سہو معاف ہو جاتا ہے۔

س:۔ بعض مقامات میں بیوہ کو تیجا پر نیا دوپٹہ اوڑھایا جاتا ہے شرعاً اس کا کیا حکم ہے۔

ج:۔ بیوہ کو تیجے میں نیا دوپٹہ اوڑھانے کی رسم غلط اور خلاف شریعت ہے، نہ تیجے چالیسویں کی کوئی اصل ہے اور نہ نیا دوپٹہ اوڑھانے ہی کی کوئی بنیاد ہے اس بے اصل طریقہ کو چھوڑنا چاہئے۔

س:۔ کیا مؤذن کو اجرت دے سکتے ہیں؟

ج:۔ مؤذن کو اجرت دے سکتے ہیں۔

س:۔ کیا بیٹھ کر اذان دے سکتے ہیں؟

ج:۔ بلا عذر بیٹھ کر اذان دینا مکروہ ہے البتہ اذان ہو جائے گی۔

س:۔ کیا صرف دل سے ارادہ کرے تو نیت ہو جائے گی؟

ج:۔ ہاں! صرف دل سے ارادہ کر لینے سے نیت ہو جائے گی زبان سے کہنا ضروری نہیں ہے۔

س:۔ جاندار چیزوں کی تصویروں کا گھروں میں لگانا حرام ہے کیا جاندار چیزوں کے حکم میں پیڑ پودے بھی آتے ہیں، کیونکہ سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ ان میں بھی زندگی ہوتی ہے۔

ج:۔ صورت مسئولہ میں جاندار چیزوں کی تصویروں کا لگانا حرام ہے مگر پیڑ پودوں میں جو نشو ونما پائی جاتی ہے وہ اس حکم میں نہیں ہے ان کی تصویروں کو گھر میں لگا سکتے ہیں۔

س:۔ ایک صاحب مغرب کے بعد اوابین پڑھتے چلے آرہے ہیں اب ان کے گھر سے بالکل قریب جمعہ کو درس قرآن شروع ہو گیا ہے یہ درس قرآن میں نہ جا کر اپنی نفلوں میں مشغول رہتے ہیں ان کا یہ فعل از روئے شرع کیسا ہے؟

ج:۔ مذکور شخص کا عمل از روئے شرع درست ہے، ان کا دل چاہے تو اوابین کے بعد درس میں شریک ہو جائیں کسی کو درس قرآن میں شریک ہونے کے لئے مجبور نہیں کیا جا سکتا ہے۔

سوال:۔ ایک شخص اللہ تعالیٰ پر یقین رکھتا ہے نماز بھی پڑھتا ہے لیکن وہ حضورؐ کو نہیں مانتا تو اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

ج:۔ مذکور شخص کافر ہے اس کا اللہ پر ایمان لانا کافی نہیں جب تک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان نہ لا دے۔

مطالعہ کی میز

تبصرے کیلئے کتابوں کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے!

● محمد شاہد ندوی بارہ بنکوی

نام کتاب : تعلیم الحدیث (حصہ دوم)
مرتب : مولانا عبد الکریم پاریکھ
صفحات : ۳۰۴، سائز $\frac{۲۳×۱۸}{۸}$، قیمت درج نہیں
خوبصورت سرورق، عمدہ کاغذ، بہترین طباعت
ملنے کا پتہ : فرید بک ڈپو (پرائیویٹ لمیٹڈ) ۴۲۲ مٹیا محل، اردو مارکیٹ جامع مسجد دہلی ۱۱۰۰۰۶۔

قرآن کریم کے بعد مسلمانوں کے لئے قیمتی سرمایہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ہیں جسے قرآن کریم کے بیان و شرح کی حیثیت حاصل ہے۔

مسلمانوں نے ہر زمانہ میں علم حدیث سے گہری دلچسپی دکھائی۔ اور اس کی تحفیظ و تعلیم میں بھرپور حصہ لیا۔ اور اس پر باقاعدہ عمل بھی کیا۔

مولانا عبد الکریم پاریکھ صاحب نے حدیث کے موضوع پر "تعلیم الحدیث" کے نام سے جو کتاب تالیف کی ہے وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کی نفسیات اور ان کی فکر کو متاثر کرنے والی ایک مفید کتاب ہے۔ حدیث کی تشریح میں ان کا اسلوب بیان عام فہم ہے۔ ان کی یہ کتاب عوام و خواص سب کو دعوت دیتی ہے کہ لوگ صرف معلومات حاصل کرنے کے لئے نہیں بلکہ عمل کی نیت سے حدیث شریف کا مطالعہ کریں۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی دامت برکاتہم فرماتے ہیں :-

اللہ تعالیٰ کا انعام اور توفیق اور صاحب تصنیف کا اخلاص اور قبولیت ہے کہ ان کے قلم سے "تعلیم الحدیث" کا دوسرا حصہ نکلا۔ جو صحاح ستہ کے ذخیرۂ احادیث میں سے ۴۳۱ ان احادیث پر مشتمل ہے جو عوام الناس کی روزمرہ کی زندگی میں پیش آنے والے مسائل سے متعلق ہیں۔ اور جن کی ملت اسلامیہ اور اس کے دینی ذوق رکھنے والے افراد کے لئے ضرورت اور ان میں افادیت ہے۔ یہ عنوانات جن پہ مواد جمع کیا گیا ہے۔ عام زندگی، معاشرت اخلاق اور رضائے الٰہی کے حصول سے خاص تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے اس کی عمومی قدر و قیمت بھی ہے اور افادیت بھی۔

اللہ تعالیٰ جامع اور مرتب کو بہترین جزاء عطا فرمائے اور پڑھنے والوں کو قدر و عمل کی توفیق۔

نام کتاب : "عورت" ثریٰ سے ثریا تک
تالیف : مولانا عظمت اللہ قاسمی
قیمت : درج نہیں۔
ملنے کا پتہ :- ادارۃ الصدیق نوگانوہ بہٹ سہارنپور (یوپی)

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں

اسلام نے عورت کو جو حقوق عطا کئے ہیں اور جو تقدس بخشا ہے۔ دنیا کے دوسرے مذاہب و ادیان (عیسائی، یہودی وغیرہ) اس سے یکسر محروم ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اسلام کے علاوہ دنیا کے تمام مذاہب نے عورت کو بڑی حقارت اور ذلت کی نظر سے دیکھا ہے۔ پیش نظر کتاب "عورت ثریٰ سے ثریا تک" میں عورت کا عروج و زوال، اسلام کی نظر میں عورت کا تقدس اور حقیقی مقام و مرتبہ کیا ہے؟ اور دوسرے مذاہب (عیسائی اور یہودی وغیرہ) نے عورت کی کتنی تحقیر کی ہے؟ تقابلی مطالعہ کی روشنی میں مؤلف نے مؤثر اسلوب اور آسان زبان میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

عورت اسلام کے آنگن میں، عورت بیٹی، بیوی اور ماں کے روپ میں، نئے جال لائے پرانے شکاری، تومیزح کا انجام، پردے کی عظمت، گھروں میں رہنے کا حکم اور اس کی اخلاقی، معاشرتی، اور دینی حکمتیں، عورت کے فرائض وغیرہ کتاب کے اجمالی عناوین ہیں۔

اللہ تعالیٰ کتاب کو قبولیت اور نافعیت سے نوازے، یہ کتاب خواتین کے لئے ایک مفید تحفہ ہے۔

نام کتاب : عزم محکم
مصنف : نشور واحدی
مرتب : شفاعت علی سندیلوی
صفحات : ۱۵۴، سائز $\frac{۲۳×۱۸}{۸}$، خوبصورت سرورق عمدہ کاغذ، قیمت -/۵۰ روپئے۔
ملنے کا پتہ : مکتبہ دین وادب امین آباد لکھنؤ

نشور واحدی۔ ایک صاحب طرز ادیب اور باکمال شاعر ہونے کے علاوہ بہت سی خوبیوں کے حامل تھے ان کی شخصیت کی تعمیر میں ان کی علمی ادبی اور مذہبی خداداد ذہانت وصلاحیت اور ان کے کلام میں اسلامی تعلیم کا عکس نظر آتا ہے۔

زیر نظر کتاب "عزم محکم" نشور واحدی کا ایک خوبصورت مجموعہ کلام ہے، جس میں چند اہل قلم نے ان کے کلام اور ان کی حیات و خصوصیات پر روشنی ڈالی ہے، اس کے بعد ان کی نعتیں، قومی اور

(باقی ص ۱۵ پر)

ہم کہاں اور وہ کہاں

● حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڈھی رحمۃ اللہ علیہ

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ مغرب کے بعد کا ت تھا حضرت فاروق اعظمؓ اپنے حجرہ کے تشریف فرما تھے اور چراغ جلا کر کچھ لکھ رہے ، اتنے میں حضرت علیؓ تشریف لائے اور داخلہ کی زت چاہی۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ اس وقت کو مجھ سے کوئی ذاتی کام ہے یا امور خلافت سے ق کوئی کام ہے؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ اس ت تو مجھ کو اپنے ذاتی امور سے متعلق گفتگو کرنی ہے بنے دروازہ کھول دیا۔ اور فوراً ہی چراغ بھی گل دیا حضرت علیؓ نے پوچھا کہ آپ نے میرے آتے ہی راغ کیوں گل کر دیا؟ تو فرمایا کہ بھائی یہ چراغ ت المال کا ہے۔ اس کو امور خلافت میں تو صرف کیا سکتا ہے۔ لیکن اس وقت ہماری گفتگو ذاتی ر میں ہوگی اس لئے اس میں بیت المال کے نی استعمال کرنا خیانت ہے۔

مسلمان ذرا کان کھول کر سنیں اور اس قعہ سے عبرت حاصل کریں۔ آج مسلمان معلوم نہیں نی خرافات میں مال کو بے دریغ صرف کرتے ہیں جیسے علوم ہوتا ہے کہ اس کے متعلق ان سے سوال ہی نہ گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "والعصر ان الانسان فی خسر الا الذین آمنوا وعملوا الصلحت وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر" (پ ۳۰) سم ہے زمانہ کی انسان بڑے خسارہ میں ہے مگر جو وگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے ور ایک دوسرے کو حق کی فہمائش کرتے رہے اور ایک دوسرے کو پابندی کی فہمائش کرتے رہے۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں اگر یہی ایک سورت نازل ہوئی ہوتی تو ہدایت کے لئے کافی تھی اس لئے کہ اس چھوٹی سی سورت میں اللہ تعالیٰ نے سب کچھ بیان فرما دیا ہے، فرماتے ہیں کہ قسم ہے زمانہ کی، اس میں اللہ تعالیٰ نے زمانے کی قسم اس لئے کھائی ہے تاکہ وقت کی اہمیت معلوم ہو۔ مگر ہم ایسے غافل ہیں کہ ہم کو کچھ پتہ نہیں، زندگی برف کی طرح گھلتی اور کم ہوتی جا رہی ہے۔ ہمارے گناہ بڑھتے جا رہے ہیں، طاعات کا پتہ ہی نہیں ہم کو اللہ کے سامنے جانے کا کھٹکا ہی نہیں، قیامت کا یقین نہیں، گناہ کر کے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور سرکشی کر کے، نماز، روزہ اور زکوٰۃ کو ترک کر کے ہم مطمئن ہیں اور فاروق اعظمؓ کو دیکھئے جن کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے، ان کی رائے کے مطابق وحی آتی تھی مگر ان کے خوف و رجاء کا یہ حال تھا کہ فرماتے تھے کہ اگر قیامت میں یہ ندا ہو کہ دوزخ میں صرف ایک آدمی جانے والا ہے تو مجھ کو خیال ہوگا کہ وہ میں ہی ہوں اور اگر یہ ندا ہو کہ جنت میں جانے والا صرف ایک ہی شخص ہے تو میں سمجھوں گا کہ وہ میں ہی ہوں۔

خواجہ حسن بصریؒ کا نام آپ نے سنا ہوگا کتنے بڑے محدث تھے، اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے تھے عاشق رسول تھے، ان کا حال سنئے..... ایک مرتبہ حدیث شریف پڑھا رہے تھے حدیث میں ذکر آیا کہ جہنم سے جو شخص سب سے اخیر میں نکالا جائے گا وہ۔ وہ شخص ہوگا جو پچاس ہزار سال کے بعد جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا، تو فرمایا کاش وہ شخص میں ہی ہوتا، کیوں کہ اس کے لئے وعدہ تو ہے کہ وہ جہنم سے نکالا جائے گا۔

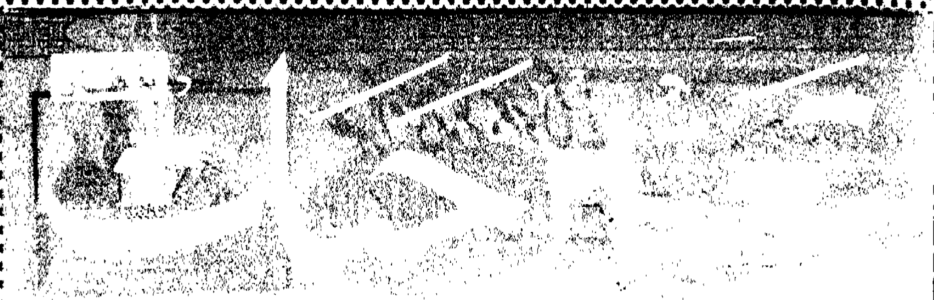
یہ دیکھئے! اللہ کی اطاعت کر کے، اس کی بندگی اور فرماں برداری کر کے، تقویٰ کی زندگی اختیار کر کے یہ حضرات رو رو کر اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی کوشش کرتے تھے اور پھر بھی مطمئن نہیں تھے اور ہم ہیں کہ ہزار نافرمانی کر کے بھی مطمئن اور بے فکر ہیں ہم کو چاہیئے کہ اس تجارت کو اختیار کریں جس پر اللہ تعالیٰ یہ وعدہ فرماتے ہیں کہ "تنجیکم من عذاب الیم" یعنی یہ سوداگری تم کو ایک دردناک عذاب سے نجات دینے والی ہے۔

حضرت طاؤسؒ جو ایک بڑے درجہ کے تابعی ہیں ان کے خوف کا یہ حال تھا کہ جب رات میں اپنے بستر پر جاتے تو نیند نہیں آتی تھی اور تڑپ تڑپ کر اٹھ جاتے تھے اور اس مضمون کا یہ شعر پڑھتے تھے کہ عابد کی نیند یاد جہنم میں اڑ گئی، جب اللہ کا خوف دل میں ہوتا ہے تو یہی حال ہوتا ہے اور بندہ قدم پھونک پھونک کر رکھتا ہے۔ اور اگر از راہ بشریت اس سے نادانی ہو جاتی ہے تو نادم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے روتا گڑگڑاتا ہے تو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتے ہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی رحمت ہے کہ بندہ کتنا ہی گناہ کرتا ہے مگر جب نادم ہو کر اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتا ہے تو معاف فرما دیتے ہیں۔ واقعی ایسے مولیٰ پر قربان ہو جانا چاہیئے۔ اور یہی نہیں کہ گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں بلکہ جب بندہ صدق دل سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں..... سے فرماتے ہیں کہ اس کی جتنی برائیاں ہیں ان کو نامۂ اعمال سے مٹا دو اور ان کی جگہ حسنات درج کر دو "ان الحسنات یذھبن السیئات" بیشک نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں اور فرماتے ہیں "فأولئك یبدل اللہ سیئاتھم حسنات" یہ توبہ کرنے والے وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیتے ہیں۔ (از روح البیان)

Fax No.: (0522)330020 Guest House : 323864

AMEER-E-HAYAT

NADWATUL-ULAMA, LUCKNOW-226 007 (India) Rs 6



محبت کی چمک

خدا نے (فرشتوں) سے یہ فرمایا کہ تم کو معلوم نہیں کہ انسان میں کیسے کیسے گن ہیں. اس سے علم کا دریا کیسا ابلتا ہے، سمندروں میں وہ وسعت اور گہرائی نہ ہوگی جو اس میں ہے، اس کی آنکھوں میں محبت کی جو چمک ہے وہ پیش کرنے سے تم قاصر ہو، اس کے دل میں نرمی ہے، محبت ہے، گداز ہے، اس پر درد کی چوٹ لگتی ہے جس سے تم محروم ہو۔ فرشتوں کے پاس یہ دولت نہیں، انسان خدا کے یہاں فرشتوں کے مقابلہ میں وہ دل پیش کر سکتا ہے جو چوٹ کھایا ہو۔

انسان کے پاس جو سب سے بڑا سرمایہ ہے وہ رحم کا سرمایہ ہے، وہ محبت کا سرمایہ ہے، وہ ایک آنسو ہے، جو انسان کی آنکھ سے کسی بیوہ کے سر کو ننگا، کسی غریب کے چولہے کو ٹھنڈا، کسی مریض کی کراہ کو سن کر ٹپک پڑتا ہے۔ آنسو کا وہ قطرہ جو سمندر میں ڈال دیا جائے۔ تو اسے پاک کر دے، گناہوں کے جنگل میں ڈال دیا جائے تو سب کو جلا کر نور سے بدل دے۔ فرشتے سب کچھ پیش کر سکتے ہیں لیکن آنسو کا وہ قطرہ نہیں پیش کر سکتے۔ جس کی قیمت آپ نے بھی نہیں پہچانی۔ جو ایک انسان دوسرے انسان کے لئے بہاتا ہے۔ فرشتے اپنے مالک کو دیکھ دیکھ کر اور اس کی ذات و صفات کو پہچان کر نہیں سو سکتے، لیکن وہ انسان جو کسی انسان کی مصیبت و درد کی وجہ سے نہیں سو سکتا اس کے جاگنے کو فرشتوں کی بیداری نہیں پہونچ سکتی۔ انسان کے پاس سب سے انمول چیز یہ ہے کہ وہ دوسرے کے درد سے متاثر ہوتا ہے، اس کے اندر محبت کا مادہ ہے اس کو حرکت دینے والی کوئی چیز مل جائے تو حرکت میں آجاتا ہے پھر نہ مذہب کو دیکھتا ہے نہ ملت کو، نہ فرقے کو، نہ علاقے کو، نہ وطن کو دیکھتا ہے نہ ملک کو دیکھتا ہے، انسان، انسان کا دل دیکھتا ہے، اس کے درد کو محسوس کرتا ہے، جس طرح مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے اور وہ کھینچنے پر مجبور ہے، اسی طرح انسان کے دل کا مقناطیس انسان کے دل کو کھینچتا ہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی (اسلام کا تعارف ص۲۴)

۲۵ نومبر ۱۹۹۹ء | سالانہ ۱۳۰ روپے | فی شمارہ ۶ روپے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سوال کرنے والے کے سوال کا جواب دیتے تھے



شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ : شمس الحق ندوی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوال کرنے والے کے سوال کا جواب دیا کرتے تھے۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے شرعی احکام ومسائل اور دین کی باتوں کو صحابہ کرامؓ کے سوال کے جواب میں سکھایا۔ آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو ہدایت فرمائی کہ جو مشکلات وپریشانیاں پیش آئیں ان کے بارے میں پوچھ لیا کریں۔ ایسے ہی جو دینی فرائض اور شرعی مسائل نہ معلوم ہوں ان کو بھی معلوم کر لیا کریں۔

ابوداؤد نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے فرمایا کہ "ناواقفیت وجہالت کا علاج سوال ہے"۔

شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ حدیث کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ فَاسْئَلُوا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" (سو اگر تم کو علم نہیں تو اہل علم سے پوچھ لو)

قرآن وحدیث میں جس سوال کی ممانعت آئی ہے وہ کیسے سوالات کے بارے میں ہے جو بلا وجہ کئے جاتے ہیں۔ یا غیب کی باتوں کے بارے میں سوال کرنا جن پر ایمان لانا ضروری ہے ان کی کیفیت کا جاننا ضروری نہیں ہے کہ سوال کیا جائے۔ یا بلاوجہ محض بحث ومباحثہ کے لئے سوال کرنا یہ سب منع ہے ضرورت کے مطابق سوال منع نہیں بلکہ اس کا حکم ہے جیسا کہ مذکورہ بالا آیت سے معلوم ہوا۔

صحابۂ کرام کو جو سوالات مشکل معلوم ہوتے تھے، ان میں شک شبہ ہوتا تھا۔ ان کو سمجھنے اور وضاحت کے لئے یا ایمان میں اضافہ کی غرض سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کے سوال پر کافی وشافی جواب دیا کرتے تھے جس سے ان کے دل مطمئن ہو جایا کرتے تھے۔

دینی باتوں کے سلسلے میں تو صحابۂ کرامؓ کے سوالات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جوابات سے حدیث شریف کی کتابیں بھری ہوئی ہیں جنہیں سے کچھ احادیث کا ذکر اس کتاب میں مختلف جگہوں پر آیا ہے۔

امام مسلم نے نواس بن سمعان کلابی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے بیان کیا ہے کہ "میں مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سال رہا۔ ہجرت کی نیت کرنے میں صرف یہ بات رکاوٹ بنی کہ پھر سوالات نہ کرسکوں گا۔ اس لئے کہ مہاجرین ادب ورعب کی وجہ سے سوالات کرنے میں بہت محتاط تھے۔ چنانچہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نیکی اور گناہ کے بارے میں سوالات کئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نیکی اچھے اخلاق ہیں اور گناہ وہ ہے جس کی تمہارے دل میں کھٹک پیدا ہو۔ اور یہ ناپسند کرو کہ لوگوں کو اس کا علم ہو۔

شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ چونکہ مہاجرین سوال کرنے میں ادب واحتیاط سے کام لیتے تھے۔ اس لئے اس بات کے خواہشمند ہوتے تھے۔ کہ کوئی سمجھدار دیہاتی یا پردیسی آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرے اور یہ حضرات مستفید ہوں۔ مہاجرین کو سوال کرنے سے روکا نہیں گیا تھا۔ بلکہ جب تک کوئی شدید ضرورت نہ ہو سوال کرتے ہوئے گھبراتے تھے جس کی تفصیلات احادیث کی شرحوں میں موجود ہیں سمجھنے کے لئے مختصراً اشارہ کر دیا گیا کہ زیادہ تفصیل میں جانا علماء ومحققین کا کام ہے۔

مسلم اور ابوداؤد نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے بیان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں اسلمی کو بھیجا اور ان کے ساتھ ۱۸ عدد قربانی کے اونٹ بھیجے۔ اسلمی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔ اللہ کے رسولؐ! اگر ان میں سے کوئی اونٹ تھک گیا اور چلنے سے معذور ہو گیا تو کیا کروں گا۔ آپؐ نے فرمایا اس کو ذبح کر دینا اور اس کے پاؤں میں لگے ہوئے لوہے کو (اونٹ کے پاؤں میں لوہا لگا دیا جاتا تھا جیسے یہاں گھوڑے کے پاؤں میں لگایا جاتا ہے) اس کے خون سے رنگ دینا۔ اس کے بعد اس کے منہ پر چھڑک دینا، اس کا گوشت نہ تم کھانا نہ تمہارے ساتھی کھائیں"۔

امام بخاری ومسلم نے رافع بن خدیج سے روایت کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ "میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا ہمیں کل دشمن سے مڈبھیڑ کا اندیشہ ہے اور ہمارے پاس چھریاں نہیں ہیں آپؐ نے فرمایا اللہ کہہ کر جس چیز سے بھی ذبح کیا جا سکے ذبح کرو اور کھاؤ لیکن دانت اور ناخن سے ذبح نہ کرنا۔ اس کی وجہ بعد میں بتاؤں گا

(باقی صفحہ ۳۰ پر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پندرہ روزہ لکھنؤ

تعمیر حیات

مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۳۶ شمارہ نمبر ۲

۲۵ر نومبر ۱۹۹۹ء — مطابق — ۱۶ر شعبان ۱۴۲۰ھ

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ ۱۳۰/- روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں ——

زر تعاون

سالانہ —— ۱۳۰/- روپے

فی شمارہ —— ۶/- روپے

—— بیرونی ممالک فضائی ڈاک ——

ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک ۳۰ ڈالر

—— بیرونی ممالک بحری ڈاک ——

بحری ڈاک جملہ ۱۵ ڈالر

خط و کتابت کا پتہ

منیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس نمبر ۹۳

ندوۃ العلماء لکھنؤ، ۲۲۶۰۰۷ یوپی

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں ——

گذارش

خط و کتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کے ساتھ مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے (منیجر)

پرنٹر پبلشر شاہد حسین نے ... میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا۔

اس شمارے میں

اداریہ

رمضان کا احسان

مبارک ہو زندگی میں ایک بار پھر آپ کو ماہ رمضان کی دولت حاصل ہو رہی ہے۔ ایمان کا موسم اور تقویٰ کی فصل کا زمانہ آگیا۔ اس موسم خیر و برکت کے اتنے احسانات ہیں کہ کوئی شمار کرنا چاہے تو شمار نہیں کرسکتا۔ دلوں میں نرمی، آنکھوں میں نمی، مزاج میں اعتدال پسندی، عفو و درگذر کی طرف طبیعت کا میلان، دعاؤں کی بہتات اور آنکھوں کی برسات، تلاوت قرآن میں یکسوئی، فرائض کی ادائیگی میں چستی، تراویح کی برکتیں اور تہجد کی لذتیں، وہ پچھلے پہر اٹھ اٹھ کے نمازیں، ناک رگڑتی سجدوں پہ سجدے، مغفرت کی طلب، رحمت کی آرزو۔ یہ سب رمضان کی سوغاتیں ہیں، دینے والے کی بخشش کا بہانہ اور انداز کرم ہے ؎

عشق رہبر ہو تو ملتی ہے تمنا ان کی
بخت یاور ہو تو ہاتھ آتا ہے داماں ان کا

طالب خیر آگے بڑھ یا باغی الخیر اقبل! اور اے بدی و برائی پر اکسانے والے پیچھے ہٹ یا باغی الشر اُدبر کی صدا عام ہے، خیر و شر دونوں کے دواعی خود ہمارے نفوس کے اندر موجود ہیں، مگر اس آوازۂ فطرت کو سمجھنے کے لئے دماغ و دل میں قوت چاہئے جو حاصل نہیں ہے بقول عارف رومی ؎

سرّ من از نالۂ من دور نیست
لیک چشم و گوش را آں نور نیست

(بانسری کہتی ہے) میرا راز میرے نالے سے دور نہیں ہے۔ مگر آنکھ اور کان کو (ادراک کا) نور حاصل نہیں ہے)۔ ورنہ ایک اُقبل کی صدا زندگی کو پلٹنے، انقلاب فکر مزاج کے لئے کافی تھی۔

لیکن اس صدا کے لئے بھی مدت مقرر ہے، اگر اس رمضان میں اس صدا کو ہم نہیں سن سکے تو کیا ضروری ہے کہ عمر یہ مہلت دے گی کہ آئندہ سن سکیں گے۔ دور نہ جائیے، اپنے محلہ اور پڑوس میں دیکھ لیجئے کیا ممکن ہے اپنے ہی خاندان میں یہ واقعہ پیش آچکا ہو کہ گذشتہ رمضان میں جو آپ کے ساتھ تھے آج منوں مٹی کے نیچے آسودۂ خاک ہیں۔ ان میں عالی جناب اور فضیلت مآب بھی تھے، نوخیز و نوجوان بھی تھے، پیران کہن سال بھی تھے۔ انھوں نے بھی رمضان کی بہاریں دیکھی تھیں، اس سال وہ رحمت الٰہی کے سائے میں اپنی بندگی اور طاعت مجسم شکل میں دیکھ رہے ہوں گے۔ "روح وریحان وجنة النعیم" مشک بیز ہوائیں، پھولوں اور آسائش کے باغ۔

فطوبیٰ لمن مضیٰ علیه هذا الشهر المبارک رضی عنه
وویل لمن سخط علیه فمنع من البرکات

مبارک ہے وہ شخص جس سے رمضان کا مہینہ خوش ہو کر گزرا۔
اور تباہی ہے اس کے لئے جس سے یہ مہینہ ناراض گیا اور وہ اس
ماہ کی برکتیں نہ پاسکا اور اس کی نعمتوں سے محروم رہا۔

سورۂ فاتحہ کا جمال و جامعیت اور زندگی پر اس کا اثر

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی دامت برکاتہم

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ ۝ (آمین)

سب تعریف خدا ہی کو سزاوار ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ انصاف کے دن کا حاکم ہے اے پروردگار، ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں، اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں، ہم کو سیدھا راستہ چلا، ان لوگوں کے راستہ پر جن پر تو اپنا فضل و کرم کرتا رہا، نہ ان کے جن پر غصہ ہوتا رہا، اور نہ گمراہوں کا

ایک بے مثال شہ پارہ

یہ سورہ آسمانی معجزات کا ایک لعلِ بے بہا اور قرآن مجید کی آیاتِ بینات کا ایک بے مثال شہ پارہ ہے۔ اگر ساری دنیا کے ذہین اور ساری قوموں کے ادیب و انشاپرداز، ماہرینِ نفسیات معلمین اخلاق اور روحانی پیشوا یکجا ہو کر کوئی ایسا مضمون تیار کرنا چاہیں جو تمام انسانی طبقات کے لئے ان کی ضرورتوں اور خواہشات کے اختلاف کے باوجود کافی ہو، اور وہ اس کے ذریعہ اپنی عبادتوں میں اپنے مافی الضمیر کو مکمل طور پر ادا کر سکیں تو وہ سورۂ فاتحہ جیسا مضمون تیار نہیں کر سکتے جو ہر انسانی گروہ اور فرد کی تسکین کے لئے کافی ہے اس سورۃ کے متعلق ارشادِ ربّانی ہے:

وَلَقَدْ آتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ (حجر۔ ۸۷)

اور بالیقین ہم نے آپ کو (وہ) سات آیتیں دیں (جو) مکرر (پڑھی جاتی ہیں) اور قرآن عظیم (دیا)

"حمد" بہترین وسیلہ ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ جو شکر و تعریف کا جامع کلمہ ہے۔ اور ان معجزانہ اور بلیغ کلمات میں سے ہے۔ جن کا کسی اور زبان میں صحیح ترجمہ بے حد مشکل بلکہ ناممکن ہے۔

"حمد ہی وہ بہترین وسیلہ ہے جس کے ذریعہ ایک وفاشعار اور محسن شناس بندہ اپنی دعا و مناجات کا آغاز اور اس مقامِ محمود اور قیام و سجود (نماز) کا افتتاح کر سکتا ہے۔

پھر نمازی یہ محسوس کرتا ہے کہ جس رب کی وہ حمد و ثنا بیان کر رہا ہے۔ اور جس کی عبادت میں مشغول ہے، وہ صرف کسی قبیلہ اور قوم، کسی خاندان اور برادری۔ اور کسی ملک و وطن کا رب نہیں، بلکہ "رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ" ہے۔

دو وحدتوں کا اعلان

یہ انقلاب آفریں اور نیا عقیدہ ان تمام مصنوعی اور خودساختہ تقسیموں کے خلاف اعلانِ جنگ ہے جنھوں نے انسانیت پر ظلم عظیم کیا ہے۔ اس طرح مسلمان دو وحدتوں کا اعلان کرتا ہے اور ان ہی دونوں وحدتوں پر انسانی معاشرہ کے امن و سکون کی بنیاد ہے۔ اور ان ہی دونوں ستونوں پر اسلام انسانیت کی تعمیرِ نو کا کام انجام دیتا ہے۔ ایک نوعِ انسانی کے خالق و صانع کی وحدت اور ایک نسلِ انسانی کے بانی و مورث کی وحدت، اس طرح رنگ و نسل اور ملک و وطن کی تفریق کے بغیر نسلِ انسانی کی وحدت ثابت ہوتی ہے اس لئے کہ ہر انسان دوسرے انسان سے دوہرا رشتہ رکھتا ہے۔ ایک روحانی اور حقیقی طور پر وہ صحیح کہ ان سب کا رب ایک ہے۔ دوسرے جسمانی و ثانوی طور پر۔ وہ یہ کہ سب ایک باپ (آدم) کی اولاد ہیں!

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَاءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَاءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا (سورہ نساء۔ ۱)

اے لوگو! اپنے پروردگار سے تقویٰ اختیار کرو جس نے تم (سب) کو ایک ہی جان سے پیدا کیا۔ اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا۔ اور ان دونوں سے بکثرت مرد اور عورتیں پھیلا دیئے، اور اللہ سے تقویٰ اختیار کرو جس کے واسطے تم ایک دوسرے سے

مانگتے ہو، اور قرابتوں کے باب میں بھی (تقویٰ اختیار کرو) بیشک اللہ تمہارے اوپر نگراں ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (سورۂ حجرات ۱۳)

اے لوگو! ہم نے تم (سب) کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور مختلف قومیں اور خاندان بنا دیئے ہیں کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو، بیشک تم میں سے پرہیزگار اللہ کے نزدیک معزز تر ہے، بیشک اللہ خوب جاننے والا ہے، پورا خبردار ہے۔

اس حکم اور اصول کی شرح و تفصیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کا تعصب اور آباء و اجداد کا فخر تم سے دور فرما دیا ہے۔ اب صرف (دو قسم کے لوگ ہیں) پرہیزگار مسلمان یا بدنصیب فاسق و فاجر، سب انسان آدم کے بیٹے ہیں، اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے تھے، کسی عربی کو عجمی پر فضیلت حاصل نہیں، مگر تقویٰ کے ساتھ۔" (ترمذی)

صفت رحمت کا استحضار

نمازی اللہ تعالیٰ کی ان بہترین صفات کریمہ میں سے جن پر وہ پہلے ہی ایمان لا چکا ہے سب سے پہلے اس کی صفت رحمت کا استحضار کرتا ہے (الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ) اس لئے اس موقع اور محل کے لئے اس سے بہتر صفت کوئی اور نہیں ہو سکتی، یہ وہ موقع ہے جب مسلمان خشوع و عبادت، دعا و ابتہال توبہ و انابت اور احتیاج و فقر کا استحضار کرتے ہوئے خدا کے حضور سر بسجود ہوتا ہے۔ یہ امید اور خوش گمانی کا موقع ہے، نہ کہ ناامیدی و بدگمانی کا۔

اس کے بعد وہ آخرت اور جزا و سزا کا دن (مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ) یاد کرتا ہے۔ وہ دن جس میں اللہ تعالیٰ کی حکومت مطلقہ اور اقتدار اعلیٰ اپنی پوری شان کے ساتھ جلوہ گر ہوگا۔ اور کسی بادشاہ امیر اور وزیر کو اس کے حضور میں دم مارنے کا یارا نہ ہوگا۔" لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ، لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ" آج کے روز کس کی حکومت ہے؟ بس اللہ واحد و غالب ہی کی ہے (سورۂ مومن۔ ۱۶)

اس وقت وہ اپنے دل میں آخرت کے ایمان کو از سر نو تازہ کرتا ہے۔ جو ہر خوف، باز پرس کے ڈر اور نفس اور ضمیر کی نگرانی کا سرچشمہ ہے، ایک مسلمان کو جو ترغیبات سے بھری ہوئی دنیا میں رہتا ہے اس ایمان اور یقین کی جو شدید ضرورت ہے، اس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔

پھر وہ عربی زبان کے (جس میں قرآن مجید نازل کیا گیا، اور جس کو نماز کی عالمی اور سرکاری زبان قرار دیا گیا) پورے زور اور کلام اور بلیغ انداز میں کہتا ہے کہ "وہ نہیں عبادت کرتا کسی کی سوائے اللہ کے، اور نہیں مدد چاہتا کسی سے سوا اس کے" "اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ"

عبادت و استعانت

زندگی دراصل عبادت و استعانت کا دوسرا نام ہے۔ اسی سے ایک انسان دوسرے انسان سے کمزور کا طاقتور سے، غریب کا امیر سے، محکوم کا حاکم سے اور عابد کا معبود سے رشتہ قائم ہوتا ہے۔ اگر یہ دونوں صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص کر دی جائیں تو زندگی کے سارے بندھن اور آہنی زنجیریں خود بخود پاش پاش ہو جائیں گی۔ اور شرک اور دوسرے تمام فتنے ختم ہو جائیں گے، وہ یہ سب سے بڑا معاہدہ اور اعلان ہے۔ جو مسلمان اپنے خدا سے دن رات میں بار بار کرتا ہے اس کو دیکھنا چاہیئے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے نماز سے باہر زندگی کا سارا نظام اس کو دو چیزوں پر ہمہ وقت مجبور کرتا ہے، ایک خضوع و استکانت پر، دوسرے سوال و استعانت پر، اور یہی وہ دو چیزیں ہیں جن کے خلاف وہ پہلے اعلان کر چکا ہے۔

ہدایت کی دعاء

پھر وہ اللہ تعالیٰ سے صراط مستقیم کی طرف ہدایت کی دعا کرتا ہے۔" اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" یہ وہ ہدایت ہے جو اس کی سب سے بڑی ضرورت ہے اور جس کے دم سے جنت کی رونق قائم ہے، وہ ہدایت جس سے محروم ہو جانے کے بعد کسی چیز کی کوئی قیمت نہیں، اور اس سے بہرہ اندوز ہونے کے بعد کسی چیز کے چھوٹنے کا کوئی غم نہیں۔ اس کی طلب و جستجو انسان کی فطرت میں داخل اور اس کی آرزو قلب و روح میں پیوست ہے۔

لیکن یہ ہدایت خلا میں قائم نہیں ہو سکتی، یہ اسی وقت قابل فہم اور قابل عمل ہو سکتی ہے جب اس کے زندہ اور عملی نمونے ہماری نگاہوں کے سامنے ہوں، یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم تاریخ انسانیت میں انبیاء و صدیقین، شہداء و صالحین کے نام سے یاد کرتے ہیں۔" اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصّٰلِحِيْنَ" قرآن مجید اور تمام گذشتہ آسمانی صحیفوں نے دنیا کے عام انسانوں کو ان کی پیروی و تقلید، ان کی محبت واطاعت ان کی جماعت میں شمولیت اور ان کی طرف اپنا انتساب کرنے کی دعوت دی ہے۔

اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ (سورۂ انعام۔ ۹۰)

یہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی تھی۔ سو آپ بھی ان کے طریقہ پر چلئے۔

اور اسی کے ساتھ ان لوگوں سے برأت اور

بے تعلقی کا مطالبہ کیا ہے جو ہدایت کی راہ سے ہٹ کر ناشکری، ہوا پرستی اور تباہی و خودکشی کے راستہ پر پڑ گئے، جنھوں نے سرکشی اور انتہا پسندی کی حد کر دی، اور غضب الٰہی کے مورد قرار پائے، یا دین میں تحریف و تفریط اور ترمیم و تنسیخ کے مرتکب ہوئے اور کھلی ہوئی گمراہی کے شکار ہوئے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝ (ترجمہ) چلا ہم کو سیدھا راستہ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا ہے۔ نہ ان لوگوں کا (راستہ) جو زیر غضب آچکے ہیں۔ اور نہ بھٹکے ہوؤں کا۔ (۱) (ارکان اربعہ ص۵۵ - ص۶۱)

قرآن مجید کا کھلا اعجاز

یہاں پر قرآن مجید کا کھلا اعجاز معلوم ہوتا ہے۔ تاریخ و مذاہب و ادیان کا ایک انصاف پسند طالب علم اگر صرف اس ایک جملہ پر ایمان لے آئے کہ صحرا میں پیدا ہونے والے اور صحرا میں زندگی گذارنے والے ایک اُمّی پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زبان سے کتنی بڑی تاریخی حقیقت ادا کی گئی ہے کہ مسیحیت کے پیروؤں کو "ضالین" کے وصف و لقب سے مخصوص کیا گیا ہے یہ ایک ایسی تاریخی حقیقت ہے جس پر خود تاریخ ادب سے اپنا سر خم اور پورا تاریخی ذخیرہ سرافگندہ ہو کر اس کی تصدیق کرتا ہے اور مؤرخین حیران ہو کر رہ جاتے ہیں۔

میں آپ کی توجہ اس لسانی تجربہ پر مبذول کرتا ہوں کہ جو الفاظ دوسری زبانوں میں منتقل ہوئے ہیں بعض اوقات ان کی طاقت اور ان کے اپنے مفہوم کے ادا کرنے میں فرق واقع ہو گیا ہے۔ الفاظ کا بھی تاریخی سفر ہوتا ہے، جیسے انسانی قافلوں، تہذیبوں اور افکار انسانی کا تاریخی سفر ہے۔ جب وہ سفر طے کرتے ہیں تو اپنی بہت سی تازگی کھو دیتے ہیں۔ اور بہت سے خارجی و مقامی اثرات قبول کر لیتے ہیں۔ اردو میں بھی عربی کے بہت سے الفاظ ہیں جن کو اپنے صحیح مفہوم و معنیٰ میں سمجھنا مشکل ہو گیا ہے، اور ان میں وہ زور و قوت باقی نہیں رہی جو اصل زبان میں تھی۔

ان میں ایک لفظ "ضلالت" بھی ہے۔ "ضلالت" کو ہر طرح کے فساد عقیدہ، ہر درجہ کے فساد عمل معمولی انحراف، اور چھوٹی بڑی غلط فہمی کے معنی میں لیا جاتا ہے، لیکن لسانیات کا مطالعہ بتاتا ہے کہ جیسے اشیاء اور خارجی موجودات کا درجہ حرارت (TEMPERATURE) ہوتا ہے ویسے ہی الفاظ کا بھی ایک ٹمپریچر ہوتا ہے، اور جیسے اجسام کا ایک سائز ہوتا ہے۔ الفاظ کا بھی ایک سائز ہوتا ہے۔

حیرت انگیز بات ہے کہ جس برگزیدہ ہستی نے مسیحیت کی تاریخ نہیں پڑھی تھی اس کے لئے کوئی ذرائع معلومات نہیں تھے۔ اور جس کا ایک مسیحی ملک میں جانا صرف چند دن کے لئے۔ اور کسی مسیحی سے ملنا چند منٹوں کے لئے ثابت ہے اس کی زبان سے اللہ تعالیٰ نے یہ حقیقت ادا کی ہے کہ یہودیوں کے لئے "المغضوب علیھم" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اور عیسائیوں کے لئے "ولا الضالین" کا لفظ آیا ہے۔

تنہا یہ لفظ قرآن مجید کے مُنَزَّل من اللہ اور وحی الٰہی ہونے کے لئے کافی ہے۔ مسیحیوں کے لئے دس الفاظ استعمال کئے جا سکتے تھے عربی جیسی وسیع زبان میں پچاس لفظ...... ہو سکتے تھے اور سب منطبق ہوتے، لیکن اس میں ایک کھلا ہوا فرق رکھا گیا ہے یہود کے لئے "المغضوب علیھم" کا لفظ آیا ہے۔ یہود کی تاریخ بتاتی ہے کہ وہ "المغضوب علیھم" (غضب الٰہی کے مورد و مستحق) ہیں۔ انھوں نے انسانی اخلاقیات و رجحانات، انسانی کردار و عمل اور معاشرۂ انسانی پر جو سلبی اور انتشار انگیز اثرات ڈالے ہیں، اور صدیوں تک تاریخ انسانی میں تخریبی و سازشی کردار ادا کیا ہے۔ ان کے ساتھ خدا کا جو معاملہ رہا ہے، اور ان میں ہر دور میں جس طرح کی بغاوت اور جس طرح کی سرکشی پیدا ہوئی ہے۔ انھوں نے جس طرح اپنے آپ کو خدا کی برکتوں اور نصرتوں سے محروم کیا ہے۔ اس کے لئے "المغضوب علیھم" سے زیادہ کوئی لفظ موزوں نہیں۔

اور یہ بھی قرآن کریم کا معجزہ ہے کہ اس نے عیسائیوں کے لئے "الضالین" کا لفظ استعمال کیا ہے! "ضالین" کے کیا معنی ہیں؟ آپ کلکتہ جا رہے ہوں اور دہلی جانے والی گاڑی پر بیٹھ جائیں اس کو کہتے ہیں راستہ بدل دینا۔ اور پھر اسی راہ پر چلتے رہنا۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی جتنا زیادہ چلتا ہے، منزل مقصود سے اتنا ہی زیادہ دور ہوتا چلا جاتا ہے۔

عیسائیت تیز چلی اور اب تو ہوائی جہاز پر جا رہی ہے۔ (ہوائی جہاز بھی اسی کے پیروؤں کی دین ہے) تو یہ عیسائیت صرف زمین کے رقبہ پر نہیں۔ اپنے مذہبی اور دینی سفر میں بھی ہوائی جہاز کی رفتار سے چلی یعنی چل کر منزل مقصود سے دور نہیں بلکہ اڑ کر دور ہوئی۔ آج کی موجودہ مسیحیت بالکل دوسری مسیحیت ہے۔ جس کو سینٹ پال کا تحفہ اور اس کی دین کہنا چاہیئے۔

(قرآنی افادات)

بغیر عمل کے علم انسان پر وبال ہے

مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی رح

علم کی دو قسمیں ہیں ایک وہ علم جو صرف زبان پر ہے عمل کچھ نہیں یہ علم انسان پر وبال ہے۔ دوسرا وہ علم جس کا اثر قلب پر ہے یہ علم نافع ہے۔

۱۔ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا جس علم سے نفع نہیں اٹھایا جاتا اس کی مثال اس خزانہ کی سی ہے جو راہِ خدا میں خرچ نہیں کیا جا سکتا۔

۲۔ حضرت ابوالدرداءؓ کا قول ہے جو نہیں جانتا اس لئے عمل نہیں کیا اس کے لئے ایک ہلاکت ہے مگر جو جانتا ہے اور عمل نہیں اس کے لئے سات ہلاکتیں ہیں۔

۳۔ حضرت فاروقؓ نے حضرت کعبؓ سے پوچھا وہ کیا چیز ہے جو حفظ و فہم کے بعد بھی علم کو سینوں سے نکال لے جاتی ہے، حضرت کعبؓ نے جواب دیا وہ لالچ ہے اور مخلوق کے سامنے دست سوال کی درازی ہے۔

۴۔ حضرت عبدالرحمن بن غنمؒ کہتے ہیں مجھ سے دس صحابیوں نے روایت کیا ہے کہ ہم مسجد قبا میں بیٹھے علمی مذاکرہ کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ہمیں دیکھ کر فرمایا جتنا چاہو علم حاصل کر لو مگر خدا ثواب اسی وقت دیگا جب اپنے علم پر عمل کرو گے۔

۵۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے۔ باتیں بنانا سب جانتے ہیں لیکن اچھا وہی ہے جس کا قول و فعل یکساں ہے بڑھ بڑھ کے باتیں کرنا اور عمل کچھ بھی نہ کرنا خود اپنے منھ کو چڑانا ہے۔

۶۔ حسن بصریؒ کہا کرتے تھے لوگوں کو ان کے افعال سے پرکھو نہ کہ اقوال سے، خدا نے کوئی ایسا قول نہیں چھوڑا جس کی تصدیق یا تکذیب کے لئے کوئی نہ کوئی عمل نہ ہو۔ کسی کی میٹھی باتوں سے دھوکہ نہ کھاؤ بلکہ یہ دیکھو فعل کیسا ہے۔

۷۔ قاسم بن محمد نے کہا میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا جنھیں قول پسند نہ تھا صرف عمل سے خوش ہوتے تھے۔

۸۔ حضرت علیؓ نے فرمایا اے اہل علم اپنے علم پر عمل کرو کیونکہ عالم وہی ہے جو علم حاصل کر کے عمل کرتا ہے۔ اور جس کے علم و عمل میں اختلاف نہیں ہوتا، جلد ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو علم تو رکھیں گے مگر علم ان کے حلق کے نیچے نہ اترے گا ان کا باطن ان کے ظاہر سے مختلف ہوگا۔ ان کا علم ان کے عمل کے خلاف رہے گا۔ مجلسیں جما کر بیٹھیں گے۔ آپس میں فخر و مباہات کریں گے اور لوگوں سے صرف اس لئے ناراض ہو جایا کریں گے کہ ان کی مجلس میں کیوں چلے گئے۔ ایسے عالموں کے اعمال خدا تک نہیں پہونچیں گے۔

۹۔ حضرت سلمان کا قول ہے قریب ہے کہ علم عام ہو جائے اور عمل غائب ہو جائے، لوگ زبان سے ملیں گے اور دل سے دور رہیں گے جب یہ حالت ہو جائے گی تو خدا ہی لوگوں کے کانوں آنکھوں اور دلوں پر مہر لگا دے گا۔

۱۰۔ حضرت حسن بصریؒ فرمایا کرتے تھے ابن آدم یہ تیری حکمت و دانائی کس کام کی جب تیرا عمل احمقانہ ہے۔ ایک مرتبہ فرمایا جو علم میں سب سے آگے ہے اس کو عمل میں بھی سب سے آگے ہونا چاہئے

۱۱۔ حضرت ابوالدرداءؓ کا قول ہے آدمی متقی نہیں ہو سکتا جب تک عالم نہ ہو۔ اور علم اسے زیب نہیں دیتا جب تک عمل نہ کرے۔

۱۲۔ حضرت مالک بن دینارؒ حضرت حسن بصریؒ کے ذریعہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص بھی وعظ کہتا ہے حق تعالیٰ شانہ اس سے قیامت کے دن مطالبہ فرمائیں گے کہ اس کا کیا مقصد تھا (یعنی اس سے کوئی دنیوی غرض تھی مالی منفعت یا جاہ و شہرت یا خالص اللہ کے واسطے تھا)

۱۳۔ حضرت امام مالکؒ کے شاگرد کہتے ہیں کہ امام مالکؒ جب اس حدیث کو بیان کرتے تو اتنا روتے کہ آواز نہ نکلتی پھر یوں فرماتے کہ تم سمجھتے ہوگے کہ وعظ سے میری آنکھ ٹھنڈی ہوتی ہے یعنی میرا دل خوش ہوتا ہے۔ حالانکہ مجھے معلوم ہے کہ مجھ سے قیامت کے دن اس کا سوال ہوگا کہ وعظ کا کیا مقصد تھا۔ (ترغیب)

اس کے باوجود کہنے کی مجبوری یہ تھی کہ وعظ و نصیحت نہ کرنے پر سخت وعید آئی ہے۔

۱۴۔ مالک بن دینارؒ کا قول ہے آدمی کے لئے اس سے بڑا کوئی عذاب نہیں کہ دل سخت ہو جائے اور اچھی باتوں پر عمل نہ کرے۔

۱۵۔ حضرت ابوالدرداءؓ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اس کا خوف ہے کہ قیامت کے دن ساری مخلوق کے سامنے مجھے آواز دی جائے اور میں عرض کروں لبیک ربی (میرے رب میں حاضر ہوں) وہاں سے مطالبہ ہو کہ اپنے علم میں کیا عمل کیا۔

۱۶۔ سوّار کا مقولہ ہے جو بات دل سے نکلتی ہے دل میں اتر جاتی ہے۔ اور جو بات محض زبان سے کہی جاتی ہے کانوں میں رہ جاتی ہے۔

۱۷۔ حضرت عمار بن یاسرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ قیس کی تعلیم کے لئے بھیجا میں نے جاکر دیکھا کہ وہ وحشی اونٹوں کی طرح سے ہیں۔ ان کا ہر وقت دھیان اپنے اونٹ اور بکری میں لگا رہتا ہے۔ ان کے سوا کوئی دوسری فکر نہیں (ہر وقت بس دنیا کے دھندوں میں لگے رہتے ہیں) میں وہاں سے واپس آگیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا کرکے آئے میں نے ان کا سارا حال بیان کردیا۔ اور ان کی غفلت کی خبر سنائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ عمار اس سے زیادہ تعجب کی بات اس شخص کی حالت ہے جو عالم ہونے کے باوجود دین سے ایسا ہی غافل ہو جیسا کہ یہ غافل ہیں۔

۱۸۔ ایک حکیم کا مقولہ ہے کہ اگر میری زندگی احمقانہ اور موت جاہلانہ ہوتی تو حکمت کا یہ بھرا خزانہ کس کام کا۔

۱۹۔ حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ مجھے اس امت پر زیادہ خوف منافق عالم کا ہے۔ کسی نے پوچھا منافق عالم کون ہے۔ آپ نے فرمایا کہ زبان کا عالم دل اور عمل کا جاہل۔ یعنی تقریر تو بڑی لچھے دار کرے مگر عمل کے میدان میں صفر ہو۔

۲۰۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ تو ایسا نہ بن کہ علماء کے علم کا جمع کرنے والا ہو، حکیموں کے نادر کلام کا حامل ہو مگر عمل میں احمق ہو۔

۲۱۔ ایک حدیث پاک میں فرمایا کہ علم اس غرض سے نہ سیکھو کہ اس سے علماء کے ساتھ فخر کرو اور بے وقوفوں سے بحث کرو اور لوگوں کے منھ اپنی طرف پھیرو جو کوئی ایسا کرے گا وہ دوزخ میں جائے گا۔

۲۲۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ علم کی طرف لوگوں کی رغبت اس لئے کم ہوگئی ہے کہ عالموں کو علم سے زیادہ نفع اٹھاتے نہیں دیکھتے۔

۲۳۔ ایک حدیث میں فرمایا میری امت کی بربادی کا سبب عالم بدکار اور عابد جاہل ہے اور سب بروں سے برے علماء بد ہیں اور سب اچھوں سے اچھے نیک علماء ہیں۔

۲۴۔ فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایسا سنا ہے کہ قیامت میں بت پرستوں سے بیشتر علماء بد کا حساب ہوگا۔

۲۵۔ شعبیؒ فرماتے ہیں جنت کے کچھ لوگ دوزخ کے بعض لوگوں کو دیکھ کر کہیں گے کہ تم دوزخ میں کس لئے گئے۔ ہم کو تو خدا تعالیٰ نے تمہاری تعلیم اور تادیب کے طفیل جنت میں داخل کیا وہ کہیں گے کہ اوروں کو خیر کا حکم کرتے تھے اور خود نیک کام نہ کرتے تھے۔

۲۶۔ حاتم اصمؒ نے فرمایا کہ قیامت میں اس عالم سے زیادہ حسرت اور کسی کو نہ ہوگی جس نے لوگوں کو سکھایا اور لوگوں نے اس پر عمل کیا اور خود اس نے عمل نہ کیا لوگ اس کے سبب اپنے مقصد کو پہنچ گئے اور وہ خود تباہ ہوگیا۔

۲۷۔ مالک بن دینارؒ نے فرمایا کہ عالم جب اپنے علم کے بموجب عمل نہیں کرتا تو اس کی نصیحت دلوں پر ایسی پھسل جاتی ہے جیسے قطرہ پتھر پر سے پھسل جاتا ہے۔

۲۸۔ ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ خدا کی یاد دلاتے ہیں اور خود اس کو بھولے ہوئے ہیں اللہ سے ڈراتے ہیں اور خود اس پر دلیر ہیں۔ اللہ سے نزدیک کرنے والے ہیں۔ اور خود اس سے دور ہیں دوسروں کو اللہ کی طرف بلاتے ہیں اور خود اس سے بھاگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھتے ہیں اور اس کی آیات سے علیحدہ ہیں۔

۲۹۔ ابراہیم بن ادہمؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے کلام کو فصیح کیا تو اس میں غلطی نہ کی مگر اعمال میں غلطی کی تو اس کو درست نہ کیا۔

۳۰۔ اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ جب اچھی تقریر سے دلچسپی ہوجاتی ہے اور آدمی اس کے درپے ہوتا ہے تو خشوع جاتا رہتا ہے۔

۳۱۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب عالم لغزش کرتا ہے تو اس کی لغزش سے ایک عالم کو لغزش ہوجاتی ہے اور یہ بھی آپ کا ارشاد ہے کہ تین باتیں ہیں جن سے دنیا کے لوگ برباد ہوجاتے ہیں ایک ان میں سے عالم کی لغزش ہے۔

۳۲۔ حضرت قتادہؒ فرمایا کرتے تھے کہ علماء کی مثال نمک جیسی ہے کہ دوسری چیزوں کی اصلاح نمک سے ہوتی ہے (یعنی طعام میں لذت کا ذریعہ نمک ہے) اگر نمک ہی خراب ہوجائے تو اب پھر اصلاح کی کوئی صورت نہیں۔

۳۳۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ لوگوں پر ایک وقت ایسا آئے گا کہ دل کی شیرینی کھاری ہوجائے گی اور عالم کو اس وقت علم سے فائدہ نہ ہوگا۔ اور نہ طالب علم کو کچھ نفع ہوگا ان کے علماء کے دل مثل شور زمین کے ہوں گے کہ اس پر پانی کے قطرے گرتے ہیں اور ذرا بھی سبزی ان میں معلوم نہیں ہوتی ہے۔ اور یہ حال اس وقت ہوگا کہ علماء کے دل دنیا کی محبت کی طرف مائل ہوں گے اور آخرت پر اس کو ترجیح دینے کی طرف مائل ہوں گے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ دلوں سے حکمت کے چشمے نکال لے گا اور ہدایت کی شمعوں کو گل کردے گا۔ جب ان کے عالموں سے تم ملوگے تو زبان سے کہیں گے کہ ہم خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں مگر بدکاری ان کے عمل سے ظاہر ہوگی، زبان کی بڑی ارزانی ہوگی اور دل کی نہایت گرانی ہوگی۔ قسم ہے اس ذات کی

(باقی صفحہ ۳۰ پر)

فضائل و مسائل رمضان المبارک

ماہ رمضان کی فضیلت و عظمت :

رمضان شریف اسلام میں ایک نہایت ہی مقدس اور برگزیدہ مہینہ ہے اس کی سب سے بڑی اور بنیادی عبادت روزہ ہے جو نفس کو مانجھنے اور صاف کرنے میں خاص اثر رکھتا ہے اس مبارک مہینے میں نفل کا ثواب فرض کے برابر اور فرض کا ثواب ستّر گنا ہو جاتا ہے۔

رمضان شریف کا خاص مشغلہ تلاوت قرآن حکیم اور اپنے اوقات کو یاد خداوندی سے بھرپور رکھنا ہے۔ روزہ میں جھوٹ، غیبت چغل خوری وغیرہ معاصی روزہ کو کالعدم اور روزہ دار کو قریب بہ ہلاک کر دیتے ہیں جس سے بچنا ضروری ہے۔

روزہ میں نیت کی ضرورت :

روزہ میں نیت شرط ہے (نیت کے معنی دل کے ارادہ کے ہیں) اگر روزے کا ارادہ نہیں کیا اور تمام دن کچھ کھایا پیا نہیں تو روزہ ادا نہیں ہوگا۔

رمضان کے روزے کی نیت نصف دن شرعی سے پہلے تک کر سکتا ہے بشرطیکہ صبح صادق کے ہونے کے بعد کچھ کھایا پیا نہ ہو، اور کوئی کام جو روزہ کا مفسد ہو نہ کیا ہو، اس کے بعد اگر نیت کرے گا تو معتبر نہ ہوگی۔ زبان سے نیت کرنا فرض نہیں لیکن بہتر اور مستحب یہ ہے کہ سحر کا کھانا کھا کر اس طرح نیت کر لیا کرے۔

بِصَوْمِ غَدٍ نَوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَان۔

اگر افطار کے وقت ہی اگلے روزے کی نیت کر لی تب بھی جائز ہے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ نیت کے بعد کھانا پینا جائز نہیں یہ خیال بالکل غلط ہے بلکہ صبح صادق ہونے سے پہلے تک کھانا پینا وغیرہ بلاشبہ درست ہے نیت کی ہو یا نہ کی ہو

جن چیزوں سے روزہ نہیں جاتا :

بھول کر کھانا پینا روزہ کو نہیں توڑتا، بلا اختیار حلق میں گرد و غبار یا مکھی مچھر چلے جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، آٹا پیسنے والے تمباکو کوٹنے والے کے حلق میں جو آٹا وغیرہ اڑ کر جاتا ہے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، کان میں پانی چلا جائے یا خود بخود قے آئے یا خواب میں غسل کی حاجت ہو جائے یا قے آکر خود بخود لوٹ جائے۔ ان سب باتوں سے روزہ نہیں جاتا۔ اور کچھ خلل نہیں آتا۔ آنکھ میں دوا ڈالنے سے روزہ نہیں جاتا۔ خوشبو سونگھنے سے کچھ خلل نہیں آتا۔ بلغم یا تھوک نگلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اگر قصداً قے کی مگر تھوڑی سی (یعنی منہ بھر سے کم) تو روزہ نہیں جاتا۔ تھوڑی سی قے آئی اور قصداً لوٹا کر نگل گیا تو اس میں اختلاف ہے۔ اگر روزہ میں کوئی بھول کر کھا پی رہا ہے اور قوی و تندرست ہے تو اس کو یاد دلا دینا ضروری ہے، اگر ضعیف و ناتواں ہے تو نہ یاد دلانا درست ہے۔ اگر خود بخود یا مسواک وغیرہ کرنے سے دانتوں سے خون نکلے لیکن حلق میں نہ جائے تو روزہ میں خلل نہیں آتا، اگر خواب میں یا صحبت کرنے سے رات کو غسل کی حاجت ہوئی اور صبح صادق ہونے سے پہلے غسل نہ کیا تو روزے میں خلل نہیں آتا۔ اگر دن کو سوتے ہوئے غسل کی حاجت ہوگئی تو روزہ میں ذرا بھی نقصان نہیں آتا۔ انجکشن لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ لیکن دماغ اور معدہ میں اگر براہ راست کوئی دوا وغیرہ پہنچائی جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

جن چیزوں سے قضا واجب ہوتی ہے :

کان یا ناک میں دوا ڈالنا قصداً منہ بھر قے کرنا منہ بھر قے آئی تھی اس کو نگل جانا یا کلی کرتے ہوئے حلق میں پانی چلا جانا یہ سب چیزیں روزے کو توڑنے والی ہیں مگر صرف قضا آئے گی کفارہ واجب نہیں کنکر یا لوہے، تانبے وغیرہ کو نگل جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اور صرف قضا واجب ہوگی کفارہ نہیں یا رات سمجھ کر صبح صادق کے بعد سحری کھائی تو اس روزے کی قضا واجب ہوگی۔ دن باقی تھا غلطی سے یہ سمجھ کر کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ روزہ کھول لیا تو صرف قضا واجب ہوگی۔ کفارہ نہیں، جان بوجھ کر بدون بھولنے کے صحبت کرنا، کھانا پینا روزہ کو توڑتا ہے اور قضا بھی آتی ہے اور کفارہ بھی۔ کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کیا جائے۔ اس کی طاقت نہ ہو تو متواتر ساٹھ روزے رکھنا۔ اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت کھانا کھلانا

جن چیزوں سے روزہ مکروہ ہوتا ہے اور جن چیزوں سے مکروہ نہیں ہوتا :

بلا ضرورت کسی شئے کو چبانا، نمک وغیرہ کا ذائقہ چکھ کر تھوک دینا مکروہ ہے، قصداً منہ میں تھوک اکٹھا کر کے نگل جانا مکروہ ہے، تمام دن ناپاک رہنا سخت گناہ ہے اور روزہ مکروہ ہو جاتا ہے فصد کرانا، پچھنے لگوانا، روزہ میں مکروہ ہے غیبت

بدگوئی، لڑائی جھگڑا روزے کو مکروہ کر دیتے ہیں۔ اور ثواب بہت کم رہ جاتا ہے۔ مسواک کرنا سر یا مونچھوں پر تیل لگانا مکروہ نہیں ہے۔ اگر بیوی کو اپنے خاوند یا نوکر کو اپنے آقا کے غصہ کا اندیشہ ہو تو کھانے کا نمک چکھ کر تھوک دینا مکروہ نہیں آنکھ میں دوا ڈالنا مکروہ نہیں۔

روزہ نہ رکھنے کی اجازت:

اگر مرض کی وجہ سے روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو تو رمضان میں روزے نہ رکھے تندرست ہو جانے پر قضا کرے۔ اگر روزہ رکھنے کی وجہ سے مرض کے زیادہ ہو جانے کا خوف ہے تب بھی روزہ چھوڑ دینا جائز ہے۔ پھر قضا رکھے۔ حاملہ کو اگر بچے یا اپنی جان کو نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہو تو روزہ چھوڑ دینا اور پھر قضا کر لینا جائز ہے، اپنے یا غیر کے بچہ کو دودھ پلاتی ہو اور روزہ رکھنے کی وجہ سے ضرر ہو تو قضا کر لینا جائز ہے، ہمارے نواح کے ۳۶ کوس ۴۸ میل (۷۷ ۱/۲ کلومیٹر) کا سفر یا اس سے زیادہ کا سفر شرعی سفر کہلاتا ہے۔ یعنی ایسے سفر میں مسافر کو اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھے، واپس آنے کے بعد قضا کرے۔ اگر کوئی مسافر دوپہر سے پہلے اپنے وطن پہونچ گیا اور اب تک کچھ کھایا پیا نہیں تو اس پر واجب ہے کہ روزہ پورا کرے، کیونکہ اب سفر کا عذر باقی نہ رہا۔ اگر کوئی شخص کسی تیز سواری یا ریل میں تین گھنٹے میں ۷۷ ۱/۲ کلومیٹر پہنچ جائے گا تو اس کے لیے بھی سفر رخصت یعنی نماز کا قصر اور افطار کی اجازت حاصل ہو جائے گی، بہت بوڑھا ضعیف جس کو روزہ میں نہایت شدید تکلیف ہوتی ہے روزہ نہ رکھے۔ اور ہر روزہ کے بدلے پونے دو سیر بوزن انگریزی یا ایک کلو ۶۳۳ گرام گندم ایک مسکین کو دے لیکن اگر کبھی طاقت آجائے گی تو قضا ضروری ہوگی۔ عورت کو اپنے نسوانی عذر یعنی حیض کے ایام میں روزہ رکھنا جائز نہیں، اسی طرح پیدائش کے بعد جتنے روز نفاس کا خون آئے۔ جب خون بند ہو جاوے روزہ رکھنا چاہیئے۔ اور رمضان شریف کے بعد ان دونوں کے روزوں کی قضا ضروری ہے جن دنوں یہ عذر رہا ہے جن لوگوں کو روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے ان کو بلا تکلف سب کے سامنے کھانا پینا نہیں چاہیئے بلکہ تعظیم رمضان المبارک لازم ہے۔

روزہ توڑنا اور اس کی قضا:

فرض روزے کو بلا کسی شدید تکلیف اور قوی عذر کے توڑنا جائز نہیں، پس اگر سخت بیمار ہو گیا کہ اگر روزہ نہ توڑے تو جان کا اندیشہ غالب ہے، یا بیماری بڑھ جانے کا احتمال قوی ہے یا ایسی شدید پیاس لگی ہے کہ مر جائے گا تو روزہ توڑ ڈالنا جائز بلکہ واجب ہے، اگر کسی عذر سے روزے قضا ہو گئے ہوں تو جب عذر جاتا رہے تو جلد ادا کر لینا چاہیئے، کیونکہ زندگی کا بھروسہ نہیں کیا خبر موت آجائے اور فرض ذمہ رہے مثلاً بیمار کو مرض سے صحت پانے کے بعد اور مسافر کو سفر سے آنے کے بعد جلد ادا کر لینا چاہیئے۔ قضا رکھنے میں اختیار ہے کہ متواتر (یعنی لگاتار رکھے) یا جدا جدا متفرق، اگر قضا رکھنے کا وقت پایا لیکن بغیر ادا کئے مر گیا تو مناسب ہے کہ وارث ہر روزہ کے بدلے پونے دو سیر (ایک کلو ۶۳۳ گرام) گندم صدقہ کریں اور اگر مال چھوڑ گیا ہے اور روزہ کی وصیت کر گیا ہے تو ادا کرنا لازم اور واجب ہے۔

سحری کھانے کا بیان اور فضیلت:

روزے کیلئے سحری کھانا مسنون ہے اور باعث ثواب ہے، رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "سحری کھایا کرو کہ اس میں برکت ہوتی ہے۔" یہ ضروری نہیں کہ پیٹ بھر کر کھائے بلکہ ایک دو لقمہ یا چھوارے کا ٹکڑا یا دو چار دانے چبالے تب بھی ثواب پائے گا۔ افضل اور بہتر ہے کہ رات کے آخری حصے میں صبح صادق ہونے سے ذرا پہلے کھالے اور اگر دیر ہو گئی اور گمان غالب یہ ہے کہ صبح ہو گئی اور کچھ کھا لیا تو شام تک رکنا اور پھر قضا رکھنا لازم ہے اور اگر کسی مرغ یا مؤذن نے صبح صادق سے پہلے اذان دیدی تو سحری کھانے کی ممانعت نہیں جب تک صبح صادق نہ ہو جائے بلا تکلف کھاؤ پیو۔

افطار: آفتاب غروب ہو جانے کے بعد افطار میں دیر نہ کرنی چاہیئے۔ البتہ جس روز ابر ہو احتیاط کے لیے دیر کرنا بہتر ہے، کھجور یا خرما سے افطار کرنا مسنون اور باعث ثواب ہے اور یہ نہ ہو تو پانی بہتر ہے۔ آگ کی پکی ہوئی چیز مثلاً روٹی، چاول، شیرینی وغیرہ سے افطار کرنے سے ہرگز کراہت اور نقصان روزہ میں نہیں آتا۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ کوئی پھل وغیرہ دوسری چیز ہو۔ اور خرما و کھجور وغیرہ سب سے افضل ہے۔ اگر کسی دوسرے کی دی ہوئی چیز سے روزہ افطار کر دگے تو تمہارا ثواب ہرگز کم نہ ہوگا اس کو اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے ثواب عطا فرمائے گا۔ پھر تم اس کو واپس کہہ کے کیوں بخیل کہلاتے ہو، البتہ یہ مال حرام اور مشتبہ ہو تو ہرگز قبول نہ کرو، یہ حدیث و فقہ سے ثابت ہے۔ اگر روزہ افطار کرنے اور کھانے پینے کی وجہ سے مغرب کی نماز و جماعت میں غروب کے بعد دس بارہ منٹ کی تاخیر کر دی جائے۔ تو کچھ مضائقہ نہیں اور افطار کرنے سے پہلے یہ دعا پڑھ لینا کافی ہے۔

اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ" اور افطار کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے:
ذَھَبَ الظَّمَاءُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْشَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔

تراویح اور وتر: عشاء کے فرض اور سنت کے بعد بیس رکعت تراویح باجماعت مسنون ہے۔ اگر حافظ بلا معاوضہ پڑھنے والا مل جائے تو تمام رمضان میں ایک قرآن مجید ختم کردینا چاہیے۔ اس قدر زیادہ پڑھنا مکروہ ہے جس سے اکثر مقتدیوں کو تکلیف ہو اور تین دن سے کم میں ختم کرنا اچھا نہیں۔ اگر تراویح میں دو رکعت پر بیٹھنا بھول گیا اور پوری چار رکعت پر ...... سلام پھیرا۔ تو ان چاروں کو دو کی جگہ شمار کرنا چاہیے۔ چار نہ سمجھے، جس شخص کی دو یا چار رکعت تراویح کی رہ گئیں وہ امام کے ہمراہ باجماعت وتر پڑھ لے اور پھر اپنی باقی تراویح ادا کرے تو درست ہے جس شخص کو عشاء کے فرض باجماعت نہیں ملے وہ وتر کو امام کے ساتھ باجماعت پڑھ سکتا ہے

جو حافظ روپئے کی طمع میں قرآن شریف سُناتا ہے اس سے بہتر وہ ہے جو الم ترکیف سے پڑھائے اگر اجرت مقرر کرکے قرآن مجید سنایا جائے تو نہ امام کو ثواب ہوگا نہ مقتدیوں کو، اس قدر جلد پڑھنا کہ حروف کٹ جائیں سخت گناہ ہے۔ نابالغ کو تراویح میں بھی امام بنانا جائز نہیں، حدیث وفقہ سے ایسا ہی ثابت ہے۔

اعتکاف اور شب قدر:

اخیر عشرہ میں اعتکاف سنت ہے اگر بستی میں کوئی بھی اعتکاف نہ کرے تو سب کے ذمہ ترک سنت کا وبال رہتا ہے۔ اعتکاف اس کو کہتے ہیں کہ اعتکاف کی نیت کرکے مسجد میں رہنا اور سوائے حاجت ضروری اور غسل و وضو کے باہر نہ آنا۔ خاموش رہنا اعتکاف میں ہرگز ضروری نہیں البتہ نیک کلام کرنا چاہیئے بدکلامی اور لڑائی جھگڑے سے بچنا چاہیئے اعتکاف اس مسجد میں ہوسکتا ہے جس مسجد میں پنجگانہ نماز جماعت سے ہوتی ہے۔ اگر پورے اخیر عشرہ کا اعتکاف کرنا ہو تو بیس تاریخ کو آفتاب غروب ہونے سے پہلے مسجد میں چلا جائے۔ اور جب عید کا چاند نظر آجائے تو اعتکاف سے باہر ہو یہ بھی جائز ہے اور باعث ثواب ہے کہ ایک دو روز یا ایک آدھ گھنٹہ کے لیے اعتکاف کی نیت سے مسجد میں رہے۔ شب قدر کا رمضان کے اخیر عشرہ میں ۲۱ یا ۲۳ یا ۲۵ یا ۲۷ یا ۲۹ کو ہونا احادیث میں وارد ہے۔ لہٰذا ان مخصوص راتوں میں بہت محنت سے عبادت میں مشغول رہنا چاہیئے۔

صدقۃ الفطر: صدقۃ الفطر اس شخص پر واجب ہے جس شخص کے پاس ضروریات خانہ کے علاوہ ساڑھے باون تولہ (تقریباً ½۶۱۲ گرام) چاندی یا اسی قدر وزن کے چاندی کے روپے ہوں یا زیور، مال و جائداد یا تجارت کا مال ہو یا ساڑھے سات تولہ تقریباً ½۸۷ گرام سونا یا اسی قدر وزن کی اشرفیاں یا زیور ہوں یہ ضروری نہیں کہ اس پر سال بھی گذر گیا ہو۔ اگر کسی کے پاس بہت مال ہے لیکن قرض اس قدر ہے کہ اگر ادا کیا جائے تو ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا اسباب باقی نہیں رہتا تو اس پر صدقۂ فطر واجب نہیں جس شخص کے پاس مذکورہ بالا یا اس سے زیادہ ہو وہ اپنی طرف سے صدقۃ الفطر ادا کرے اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے بھی۔

صدقۃ الفطر ایک آدمی کا ایک کلو ۶۳۳ گرام گندم یا ۳ کلو ۲۶۶ گرام جو، یا ان کی قیمت ہے، یہ وزن پونے دو سیر اور ساڑھے تین سیر کے مساوی ہے، اپنے نادار عزیز و اقارب سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ ایک شخص کو کئی آدمیوں کا صدقۂ فطر دیا جائے تو درست ہے، اور اگر ایک آدمی کا صدقۂ فطر کئی محتاجوں کو دیدیں تو بھی درست ہے عید کی نماز سے پہلے ادا کردینا بہت زیادہ باعث ثواب ہے۔

جس نے عذر یا غفلت سے روزے نہیں رکھے اس پر بھی صدقۃ الفطر واجب ہے بشرطیکہ مذکورہ بالا مقدار کے بقدر مال رکھتا ہو۔ صدقۃ الفطر مؤذن یا امام وغیرہ کو اجرت میں دینا جائز نہیں اور مسجد کی تعمیر اور اس کے مصارف میں لگانا درست نہیں۔

زکوٰۃ: مال کی جس مقدار پر صدقۃ الفطر واجب ہوتا ہے اس مقدار پر زکوٰۃ فرض ہوجاتی ہے۔ زکوٰۃ کا نصاب یہ ہے کہ مال کی مقدار کا چالیسواں حصہ یعنی (½۲ فیصدی) ادا کیا جائے مگر اس میں مال کا نامی ہونا اور مال پر سال کا گذرنا ضروری ہے، سال ختم ہونے سے پہلے زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی، رمضان المبارک میں زکوٰۃ ادا کرنے میں زیادہ فضیلت ہے طالبانِ علم دین زکوٰۃ کے بہترین مصرف ہیں۔ اس میں دوہرا ثواب ہے، فرض کی ادائیگی کا۔ اور اشاعت علم دین کا۔

رُویتِ ہلال: اگر مطلع صاف ہو تو رمضان اور عید کے چاند میں

بہت سے لوگوں کا دیکھنا بہتر ہوگا۔ ایک یا دو کے قول کی سند نہیں۔ اگر مطلع صاف نہیں تو رمضان کے چاند میں ایک مسلمان کا خبر دینا کافی ہے خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ فاسق نہ ہو، چاند کے ثابت ہونے میں جنتری کا اعتبار نہیں ہے۔ ریڈیو پر چاند کی اطلاع کے معتبر ہونے نہ ہونے کی شرائط مستند علماء سے سمجھ لی جائیں۔ اور عید کے لئے دو مرد ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں یہ کہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ چاند دیکھا ہے۔ اور شرط یہی ہے کہ فاسق اور بدکار نہ ہوں۔

ترکیب نماز عید

پہلی تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ کر سبحانک اللّٰھم آخر تک پڑھے اور دوسری و تیسری تکبیر میں ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں اور چوتھی تکبیر میں ہاتھ باندھ لئے جائیں۔ امام سورۂ فاتحہ اور کوئی سورۃ پڑھے اور مقتدی خاموش رہیں۔

دوسری رکعت میں بعد فاتحہ اور سورۃ کے تین مرتبہ تکبیر کہیں اور ہر بار ہاتھ اٹھا کر چھوڑتے رہیں۔ پھر بغیر ہاتھ اٹھائے چوتھی تکبیر کہتے ہوئے رکوع کریں۔ اس نماز کا وقت آفتاب بلند ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اور زوال سے پہلے تک رہتا ہے، بعد نماز امام خطبۂ ماثور پڑھے اور مقتدی خاموشی کے ساتھ سنیں، خطبہ کے بعد دعا ثابت نہیں ہے، بلکہ نماز کے بعد ہی دعا سے فراغت کریں، نماز عید الفطر سے پہلے کوئی میٹھی چیز کھانا مستحب ہے۔

امانتداری و سچائی جس پر ناز کرتی ہے

خلیل پرتاپ گڑھی

ہوا آغاز جب حضرت محمدؐ کی جوانی کا
عجب ماحول تھا اہل عرب کی زندگانی کا

وہاں سب، ماسوا احمدؐ، شرابی تھے لٹیرے تھے
جوا بازی، فحش کاری و بدکاری کے ڈیرے تھے

ذرا سی بات پر وہ مارتے تھے اور مرتے تھے
اگر پیدا ہوئی بیٹی تو زندہ دفن کرتے تھے

دلوں میں تھی کدورت ذہن میں کچھ ایسی مستی تھی
محبت آدمیت پاس آنے کو ترستی تھی

نرالے لوگ تھے ان کی نرالے ڈھب کی بستی تھی
خدا کو چھوڑ کر ان کے گھروں میں بت پرستی تھی

خلیل اللہ نے وحدت کا جس جاگیت گایا تھا
بتوں سے مشرکوں نے اس کو جی بھر کے سجایا تھا

غرض چاروں طرف بس شیطنت کا ہی بسیرا تھا
نہ تھی ایماں کی دولت تو اندھیرا ہی اندھیرا تھا

اجالے کی کرن کوئی اگر تھی اس اندھیرے میں
تو وہ تھی آمنہ کے لال کے نادر وتیرے میں

بلا کی تھی کشش حضرت کی صورت اور سیرت میں
سموئی تھی محبت اور وفا ہی ان کی فطرت میں

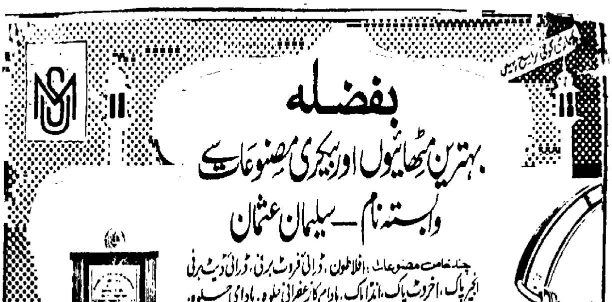
امانت داری و سچائی جس پر ناز کرتی تھی
برائی ان کی قربت سے نہ بھولے سے گذرتی تھی

لڑائی اور جھگڑے سے ہمیشہ دور رہتے تھے
وہی کرتے تھے جو اپنی زباں سے آپ کہتے تھے

نہیں کچھ وقت لگتا تھا فراست کے نکھرنے میں
کیا تھا فیصلہ کیا حجر اسود نصب کرنے میں

کشادہ دل کشادہ دست اور محنت کے عادی تھے
غرض بعثت سے پہلے آپ فیاض اور ہادی تھے

اشارے مل رہے تھے یوں مشیت جیسے گویا تھی
کرے گا کل یہی انسانیت کی گلہ بانی تھی



کتب برائے تبصرہ

تبصرہ کے لئے براہ کرم کتاب کے دو نسخے ارسال کریں۔ صرف ایک کتاب بھیجنے کی صورت میں تبصرہ شائع نہیں کیا جائے گا۔ اور نہ ہی کتاب واپس کرنے کی ذمہ داری ادارہ پر ہوگی۔ (ادارہ)

روشنی کا سفر

میں دولتِ ایمان سے مالا مال ہوگیا

تحریر:۔ عبداللطیف ایڈون ایم آر سیو ——— ترجمہ:۔ عبدالرشید ارشد

انسانی زندگی کے اہم فیصلے کہیں اور ہوتے ہیں، میری یہ سوچ روشنی کے سفر سے پہلے نہ تھی اور انسانی زندگی کا ہر فیصلہ پہلے سے طے ہے، ہم تو صرف اس کے مطابق حالات وواقعات کو جنم دیتے ہیں، یہ بات میرے علم میں، روشنی کے سفر کے دوران آئی۔

میرا نام جو والدین نے بڑی چاہت سے رکھا تھا "ایڈون" تھا اور خاندان کے حوالے سے "ایڈون ایم آر سیو" مکمل نام تھا۔ میں فلپائن کے دارالحکومت منیلا سے ۷۵ کلومیٹر دور "ملکن" میں پیدا ہوا اور منیلا یونیورسٹی سے اکاؤنٹس میں اعلیٰ ترین ڈگری لی۔ میری تعلیمی صلاحیت کے پیش نظر مجھے مقامی بینک نے ملازمت کی پیش کش کی جسے میں نے قبول کر لیا۔

میرا گھرانہ بڑا تھا یعنی ہم بارہ بھائی بہن اور والدین لہٰذا بینک کی معقول تنخواہ بھی کفالت نہ کرتی تھی۔ والدہ ایک پروویژن اسٹور اپنے قصبہ میں اسی مجبوری سے چلاتی تھی۔ بہن بھائی زیر تعلیم تھے۔ کفایت شعاری سے باعزت گذر ہو رہی تھی۔

میرے والد مسیحی موحد فرقے سیونتھ ڈے ایڈونچرسٹ سے متعلق تھے۔ باقی گھرانہ کیتھولک تھا۔ مذہب گھر میں اگرچہ واجبی سا تھا مگر میں پکا مذہبی کیتھولک تھا اور بائبل کے بہت سے حصے مجھے ازبریاد تھے۔ کیتھولک عقیدے کے مطابق عبادت سے کبھی غافل نہ ہوا تھا۔ باقاعدگی سے بائبل پڑھتا تھا اور گھر کی بے عملی پر کڑھتا بھی تھا۔

قسمت کی بات کہ ایک روز اخبار میں اشتہار آیا کہ سعودی عرب کے لئے اکاؤنٹس کلرک درکار ہیں۔ فلاں تاریخ کو فلاں ہوٹل میں انٹرویو ہوگا۔

میں اگرچہ چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ تھا اور سعودی ملازمت میرے مرتبے سے کمتر تھی مگر فلپائنی کرنسی میں سعودی تنخواہ، بینک کی تنخواہ سے بہرحال زیادہ تھی اور پھر باہر کی دنیا دیکھنے کا موقع بھی تھا، سو میں تیار ہو کر مقررہ تاریخ پر بروقت انٹرویو کے لئے پہنچ گیا میری تعلیمی صلاحیت اور بینک میں اعلیٰ ملازمت کے تجربہ کے سبب مجھے چن لیا گیا۔

میں نے جب سعودی عرب میں اپنی ملازمت کی خبر اپنے گھر اور دفتر میں سنائی تو دونوں جگہ ملا جلا ردعمل تھا۔ گھر میں ماں مغموم تھی۔ بھائی بہن خوش تھے۔ دفتر میں ایک طرف رشک تھا تو دوسری طرف دوستوں سے دوری کا رنج بھی تھا۔ ویزہ لگنے اور روانگی کے انتظامات کی تکمیل کے مراحل تک ہمہ جہت مختلف تاثرات وجذبات سے واسطہ رہا اور جب ہر کام مکمل ہو کر، منیلا سے جہاز میں سوار ہو کر روانگی کی گھڑی آئی تو والدہ کے علاوہ وہ بھی سوگوار کھڑے تھے جو پہلے خوش تھے کہ دولت آئے گی۔

منیلا سے اڑے تو سعودی عرب کے دارالحکومت ریاض پہنچے۔ ہوائی اڈے پر کمپنی کا نمائندہ کھڑا تھا جو سیدھا کمپنی کی رہائش گاہ پر ہم سب آنے والوں کو لے گیا۔ وہاں پرانے فلپائنی بھی تھے۔ ایک دوسرے سے ہم وطن بڑی چاہت سے ملے، پرانے ساتھیوں نے نئے آنے والوں سے تعارف حاصل کیا، ملک کی خیر خیریت معلوم کی اور یوں ہلکے پھلکے ہوگئے گویا سفر کی تھکاوٹ ہی نہ تھی۔

سعودیہ میں پہلی صبح ہوئی تو نہا دھو کر پرانے ساتھیوں کے ساتھ نئے دفتر حاضر ہوئے۔ معلوم ہوا کہ یہ "آرتش میسٹوک" کمپنی ہے جو ڈیری فارم چلاتی ہے، بین الاقوامی کمپنی ہے جس کے ریاض دفتر میں، جو سعودیہ کے لئے مرکزی دفتر ہے، مختلف ممالک کے لوگ کام کرتے ہیں۔ دفتر کے لوگوں سے تعارف ہوا، ذمہ داریاں سمجھائی گئیں بلکہ اگلے ہی لمحے نئے آنے والوں کو ان کی ذمہ داریاں سونپ دی گئیں۔ یہ کمپنی میں میرا پہلا دن تھا۔ دفتر میں ہم وطن ضرور تھے مگر شناسائی یا بے تکلفی کسی سے نہ تھی۔

دفتر میں ایک خوبی جو میں نے محسوس کی وہ یہ تھی کہ دفتر کے ماحول میں کسی قسم کی گھٹن نہ تھی۔ نہ افسری نہ ماتحتی تھی، ہر کوئی اپنی اپنی میز پر مصروف۔ جس کمرے میں مجھے جگہ ملی وہاں ایک پاکستانی پراجیکٹ اکاؤنٹنٹ اور ایک فلپائنی کلرک جنر جورڈن تھا۔ میرے آنے کے چند روز بعد جنر جورڈن کو کسی دوسرے دفتر منتقل کر دیا گیا اور یوں میں اور پاکستانی اکاؤنٹنٹ کمرے میں رہ گئے۔ کام کے حوالے سے ہمارے فرائض الگ الگ تھے، بس کمرہ مشترک تھا اور کسی مسلمان کے ساتھ بیٹھنے بلکہ قریب سے مسلمان دیکھنے کا یہ پہلا موقع تھا، اس لئے ایک مخصوص جھجک تھی جس کی وجہ سے ایک ڈیڑھ ماہ تک بات ہیلو ہیلو سے آگے نہ بڑھی۔

پاکستانی اکاؤنٹنٹ بڑی عمر کے داڑھی والے صاحب تھے اور دن میں دفتری اوقات کے

دوران، میز کے پاس ہی دو مرتبہ کھڑے ہوکر عبادت کرتے جسے میں بغور دیکھتا رہتا۔ میرے ذہن میں یہ خیال بار بار آتا کہ خشک سے ہوں گے اس لئے بات بڑھانے میں ہچکچاہٹ مانع تھی۔ پھر آہستہ آہستہ ہمارے درمیان اجنبیت کی دیوار گرنے لگی۔ ایک دوسرے کا تعارف تبدریج تفصیل کے ساتھ سامنے آتا رہا۔ تعارف بڑھا تو مذہب کے حوالے سے کبھی کبھار گفتگو ہو جاتی، میں انھیں بائبل سناتا اور جواباً کبھی وہ کہتے کہ قرآن بھی اس بات کی تائید کرتا ہے اور کہیں کہتے کہ قرآن میں یہ واقعہ یوں درج ہے۔ غرض اس طرح جھجک دور ہوئی اور کھل کر باتیں ہونے لگیں۔ جس طرح مجھے بائبل کے بہت سے حصے یاد تھے اسی طرح اتفاقاً انھیں بھی قرآن کے بہت سے حصے یاد تھے۔

اسی طرح کم و بیش چھ سات ماہ گذر گئے۔ کمرے کا ماحول بہت خوشگوار تھا۔ کام کرتے کرتے درمیان میں چند لمحے گفتگو کے لئے بھی نکل آتے اور اب موضوع بالعموم اسلام اور عیسائیت ہی ہوتا۔ ایک سہ پہر اچانک میرے سر میں اس قدر شدید درد ہوا کہ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پاکستانی ساتھی نے آنسوؤں کا سبب پوچھا تو میں نے بتایا کہ شدید سر درد ہے۔ کہنے لگے ابھی نماز کا وقت ہو رہا ہے میں نماز پڑھ لوں، اللہ سے دعا کرتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے نماز کے بعد کچھ پڑھ کر میرے سر پر پھونک دیا اور چند منٹ میں درد ختم ہو گیا۔

چند منٹ میں سر درد غائب ہوا تو مجھے حیرت اس بات پر تھی کہ پڑھا کیا گیا جس کے اثر سے درد فوراً جاتا رہا۔ میں نے پوچھا تو کہنے لگے کہ قرآن سے چند آیتیں پڑھی ہیں، اللہ سے دعا کی ہے۔ شکر ہے کہ اس نے قبول کر لی۔ میرے لئے یہ سب معجزہ سے کم نہ تھا۔ یوں قرآن کے لئے میرے اندر تجسس پیدا ہوا تو میں نے خواہش ظاہر کی کہ مجھے وہ آیتیں لکھ کر دو۔ انھوں نے قرآن کا یہ حصہ اور جہاں جہاں حضرت مریم اور عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے فوٹو اسٹیٹ کر کے دیئے۔ انگریزی ترجمہ کسی بہت ہی فاضل علامہ یوسف علی کا تھا۔ میں نے بڑی توجہ سے یہ حصے پڑھے تو کہیں اختلاف نظر نہ آیا۔

نماز کی بات ہوئی تو میں نے بتایا کہ ہم تو اتوار کے اتوار گرجا جا کر عبادت کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں اور ویسے بھی ہمارے گناہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صلیب پر اپنے سر لے لئے تھے تو انھوں نے جواب دینے کے بجائے پہلے ایک کتاب ISL AM IN ROCUS پڑھنے کو دی، پھر دوسری کتاب TOWARDS UNDER STANDING IS. LAM۔ دونوں کتابیں پڑھ چکا تو انھوں نے MYTH OF THE CROSS دی جسے میں نے بغور پڑھا۔ ان کتابوں کے مطالعہ نے مجھے اس بات پر آمادہ کر لیا کہ میں اعلیٰ تعلیم یافتہ کیتھولک ہونے کے ناطے عیسائیت اور اسلام کا تقابلی مطالعہ کرنا بہت مفید رہے گا چنانچہ میں نے اپنے پاکستانی ساتھی سے دو مطالبات کئے۔ ایک یہ کہ مجھے مکمل قرآن دو اور دوسرا یہ کہ جو نماز پڑھتے ہو مجھے لکھ کر دو۔

اگلے روز صبح مجھے علامہ یوسف علی کے ترجمے کے ساتھ قرآن بھی مل گیا۔

اور رومن عربی میں لکھی مکمل نماز اور پانچوں نمازوں کی ادائیگی کا طریقہ بھی مل گیا۔ میں نے قرآن کا مطالعہ شروع کیا تو مجھے یہ احساس ہوا کہ اس میں ایک متحرک پیغام ہے جسے فوری طور پر دوسروں تک پہنچانا پڑھنے والے کی ذمہ داری ہے اور جوں جوں میں پڑھتا گیا یہ احساس شدید ہوتا گیا۔ میں اپنی سوچ اپنے ساتھی کے سامنے رکھتا سوال کرتا اور وہ مجھے مطمئن کرتے۔ اس طرح مزید ۶ ماہ گذر گئے۔ نماز کے الفاظ مجھے یاد ہو گئے جب الفاظ کے معنی پر غور کرتا تو دل میں سکون سا محسوس ہوتا پھر فوراً ہی مسیحیت میرے سامنے آ کھڑی ہوتی۔ میں سوچتا، تقابلی سوچوں میں گم ہو جاتا ہے۔

میں نے جس طرح اپنے پاکستانی ساتھی کو نماز پڑھتے اپنے دفتر میں دیکھا تھا اسی طرح سکون دل کی خاطر، دوپہر اور بعد دوپہر کی نماز دفتر کے اوپر اپنے کمرے میں جا کر پڑھ لیتا کیونکہ سبھی ہم وطن نیچے دفتر میں کام کر رہے ہوتے، باقی میں نیچے دفتر میں آ کر پڑھ لیتا کہ سبھی ساتھی اوپر اپنے اپنے کمروں میں یا ٹی وی کے گرد مصروف ہوتے۔ میرے خیال میں میری چند منٹ غیر حاضری کا کوئی نوٹس نہ لیتا تھا۔ میں اندر سے قرآن کی حقانیت کا قائل ہو چکا تھا مگر میں نے کبھی کھل کر اس کا اظہار اپنے پاکستانی ساتھی سے نہ کیا اور نہ ہی اس نے مجھے اسلام قبول کرنے کو کہا۔ وہ اپنی دھن میں مجھے کتابیں پڑھائے جا رہے تھے یا میرے سوالات کے جواب دیتے رہے۔

میری خواہش تھی کہ میں گھر چھٹی میں جاؤں اور وہاں سب گھر والوں کو روشنی کے سفر کی تفصیل بتا کر، انھیں ہم نوا بناؤں پھر سب مل کر ہم خود کو حضرت عیسیٰؑ کے سچے پیرو ثابت کرتے ہوئے اس سردار کے پیغام پر جھک جائیں جس کے متعلق بائبل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیغام ملتا ہے کہ "میرے بعد دنیا کا سردار" آنے والا ہے جب تم اسے پاؤ تو اس کی بات سنو" یہ پیغام پورے شعور کے ساتھ میں سن چکا تھا۔

میری سوچ ادھوری رہ گئی کہ ایک صبح جب میں نماز کے لئے نیچے دفتر کے کمرے میں آیا تو میرا روم میٹ جمی، جو کئی دن سے میری ناک میں

تھا دبے پاؤں پیچھے آیا اور مجھے وضو کرتے دیکھ کر کہنے لگا، اچھا تو تم بھی اپنے پاکستانی ساتھی کی نقل کرنے لگ گئے ہو، تم نے اپنا دین چھوڑ دیا ہے، باوضو حالت میں جھوٹ بول کر جمی کو ٹالنا اب میرے بس میں نہ تھا لہٰذا میں نے صاف صاف کہہ دیا کہ اگرچہ میں نے باضابطہ اسلام کو قبول نہیں کیا مگر دل سے میں اسلام کی سچائی تسلیم کر چکا ہوں۔ جمی الٹے پاؤں بھاگا اور تمام فلپینی ملازمین کو میری تبدیلی سے آگاہ کر دیا۔

دفتر کا وقت ہوا تو جمی نے وہاں بھی ڈھنڈورا پیٹا۔ ہر کمرے میں ایک ہی موضوع تھا کہ پاکستانی اکاؤنٹنٹ نے ہمارا بندہ مرتد کر دیا ہے اور ایڈون مرتد ہو گیا ہے۔ ایڈمنسٹریشن منیجر میری نے مجھے بلایا کہ میں خبر کی تصدیق یا تردید کروں۔ میں نے صاف کہہ دیا کہ میں نے اپنے سچے مسیحی ہونے کا ثبوت دیا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بائبل میں پیشین گوئی پر عمل کیا ہے جس میں انھوں نے اپنے بعد آنے والے دنیا کے سردار کی خبر دیتے ہوئے اپنے پیروؤں کو اس کی پیروی کی تاکید کی ہے۔ منیجر میری کے لئے یہ بات عجب تھی۔

دوسرے کھڑے لوگوں کی موجودگی میں میں نے مسٹر میری سے کہا کہ تمہیں مسیحی ہونے کا دعویٰ تو ہے، کیا تم نے کبھی بائبل پڑھی بھی ہے۔ اگر دعویٰ ہے تو بائبل سے مجھے مسئلہ تثلیث نکال دو میں تمہارے پاؤں چوم لوں گا، میری اور دوسرے لوگوں کے پاس میری بات کا جواب نہ تھا۔ دفتر کا یہ ماحول دیکھ کر میں نے اپنے پاکستانی ساتھی سے مشورہ کیا تو کہنے لگے کہ اب کسی ممکنہ انتقامی کارروائی سے بچنے کے لئے اپنے اسلام کا اعلان ضروری ہو گیا ہے لہٰذا مذہبی امور کے وزیر شیخ بن باز کے پاس چل کر ضابطے کی کارروائی مکمل کر لیتے ہیں۔ یہی مناسب راستہ ہے۔

اتفاقاً اسی دن پاکستان سے میرے پاکستانی دوست کے چھوٹے بھائی حج کے لئے مکہ پہونچے جن سے وہ فون پر بات کر رہے تھے۔ میرے پوچھنے پر انھوں نے بتایا کہ میرے چھوٹے بھائی نے مکہ مکرمہ پہونچ کر فون پر اطلاع دی ہے۔ میں نے نام پوچھا تو کہنے لگے کہ اس کا نام عبداللطیف ہے۔ مجھے یہ نام اچھا لگا۔ میں نے کہا کہ ٹھیک ہے ایک آپ کا چھوٹا بھائی عبداللطیف ہے اور آج سے دوسرا عبداللطیف آپ کا یہ روحانی بیٹا ہے۔ ہم شیخ بن باز صاحب کے دفتر گئے۔ نابینا تھے، ہماری بات سنی، مجھے کلمہ طیبہ پڑھایا، مبارکباد دی اور میں عبداللطیف بن گیا۔

اب دفتر میں میں عبداللطیف ایڈون ایم آر سیو تھا۔ میری نماز پر اب کوئی پابندی نہ تھی دفتری چہ می گوئیاں بھی دم توڑ گئیں۔ البتہ دوسرے فلپائنی مجھ سے کھنچے کھنچے ضرور رہنے لگے۔ میں نے دین سیکھنے کے لئے زیادہ پڑھنا شروع کر دیا۔ میرے پاکستانی ساتھی کے ایک دوست، جو ایک دفتر میں ملازمت کے ساتھ ساتھ پی ایچ ڈی کے مقالے کی تیاری میں مصروف تھے، نے اپنی کمپنی میں جزوقتی کام کا انتظام کر دیا گویا ایک طرف اللہ تعالیٰ نے ہدایت سے نوازا تو دوسری طرف رزق میں برکت سے بھی نواز دیا۔ میں دفتر سے چار بجے چھٹی کرتا تو اپنے پاکستانی ساتھی کے ساتھ نئے دفتر آجاتا کہ یہ دفتر ان کے گھر کے ساتھ تھا۔ یہاں مجھے ایک اور اچھے پاکستانی کی صحبت مل گئی اور میری تربیت کا اللہ تعالیٰ نے بہتر انتظام فرما دیا۔ یہ تربیت کنندہ اب..... ڈاکٹر محمد امین ہیں۔ جو وطن جا چکے ہیں۔

ایک روز جمعہ کی نماز ادا کر کے مسجد سے نکلا تو تین چار پاکستانی ملے۔ میں نے بڑے چاؤ سے آگے بڑھ کر انھیں السلام علیکم کہا، اور بتایا کہ "انا مسلم" "انا پاکستانی" مگر انھوں نے خوش[...] بغیر سوال شروع کر دیئے جو میرے علم اور م[...] سمجھ سے بالاتر تھے کہ میرے پاکستانی ساتھی مجھے کبھی یہ بتایا ہی نہ تھا۔ پوچھنے لگے کہ "انت سنی انت شیعہ مسلم؟ انت فلاں مسلم، فلاں مسلم" پریشان حال کمرے میں آیا، تھوڑی دیر بعد پاک[...] ساتھی بھی آ گئے۔ پریشان دیکھا تو خود بھی پریش[...] ہو گئے۔

میں نے انھیں مسجد کے باہر پیش آنے صورت حال سے آگاہ کیا تو کہنے لگے کہ تم قرآ[ن] اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم پڑھ کر مسل[مان] بنے ہو۔ کیا تم نے قرآن و حدیث میں کسی جگہ شیعہ، اہل حدیث لکھا پڑھا ہے اگر نہیں۔ تو یقین کر لو کہ تمہیں اس تفصیل کی ضرورت [نہیں] ہے، تم اول و آخر صرف اور صرف مسلمان ہو [قرآن] و حدیث والے مسلمان۔ پھر انھوں نے میرے اطمینان کی خاطر شیعہ سنی کی تفصیل بھی بتا دی میرے لئے بہرحال ان کی پہلی بات ہی وزنی [تھی] اور آج تک اسی پر قائم ہوں۔

اسلام قبول کر کے عبداللطیف بن [جانے] کے بعد میں نے وقت ضائع کئے بغیر اپنے وا[لدین،] رشتہ داروں اور دوستوں کو بھی اسلام کی [دعوت] قبول کرنے کی ترغیب کے لئے خطوط لکھے، فو[ن] کئے، بڑے حوصلہ شکن جواب ملے۔ سالانہ چھٹی [پر] گھر گیا تو والدین اور سب بھائی بہنوں کے [ساتھ] تفصیل سے بات ہوئی۔ والد صاحب نے کہ[ا] تم میرے پادری کو قائل کر لو۔ میں تیار ہو گیا[۔] صاحب نے قرآن مانگا اور ایک ہفتے کی مہلت [لی] بھی کہ پھر بات ہوگی۔ جب مقررہ دن میں والد[ین] کے ساتھ پادری صاحب سے ملنے گیا تو وہ غا[ئب] تھا۔ میں نے والد صاحب سے کہا کہ اگر سچائی ا[ن] کی جھولی میں ہوتی تو غائب کیوں ہوتے، خفا تو

اکستے۔ چھٹی اسی طرح کی مصروفیت میں ختم
ں اور میں طول دل کے ساتھ واپس ریاض آگیا۔
نے ہمت نہ ہاری اور مسلسل خطوط کے ذریعے
ے کرتا رہا اور اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کہ یہی
تنی میرے اہل خانہ کا مقدر بنے۔

ریاض میں میں نے فلپینیوں کے لئے ایک
فی مرکز بنایا جہاں ہم ہر جمعرات کی شام کو مل
تے اور جمعہ کی شام کو اپنے اپنے ٹھکانے پر واپس
۔ پہنچ جاتے۔ تین چار ماہ کی محنت رنگ لائی،
ے ایک، پھر دو اور پھر تین، چار، یوں پانچ افراد
ے اس مرکز میں دولت ایمان پائی اور الحمد للہ یہ
سلسلہ بتدریج بڑھ کر یہاں تک پہونچ گیا کہ
ے نے منیلا میں ایک ہزار ڈالر ماہانہ پر ٹی وی پر چند
ٹ ٹائم خرید کر اسلام کا پیغام نشر کرنا شروع
یا۔ میں نے چند کتابچے بھی اس دوران مرتب کئے
پنے خرچ پر چھاپ کر اپنے ہم وطنوں میں پھیلائے
ور آج میرا کام اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان اور
نئے ہم سفروں کے تعاون سے وسیع ہو چکا ہے۔

میں نے شعور کے ساتھ ایک مسیحی عورت
سے شادی کی، میرا لالچ یہ تھا کہ میں اسے قائل کر کے
جب دائرہ اسلام میں لے آؤں گا تو میرے کھاتے
میں اضافہ ہوگا اور بحمد اللہ یہ ہو گیا کہ وہ امینہ عبد اللطیف
بن گئی۔ امینہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھے احمد اور مریم
سے نوازا جو آج کل اسکول جاتے ہیں۔ میری
محنت کو میرے خالق نے شرف قبولیت سے نوازا
کہ ایک بھائی کے علاوہ میرے والدین اور بہن
بھائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سچے پیروکار
بن کر دنیا کے سردار کے پیغام محبت و نجات کے
سامنے جھک گئے۔ وہ دن، وہ لمحہ میرے لئے
مسرت وانبساط کا خزینہ تھا۔ اب مجھے ان کی
اسلامی تربیت کی فکر تھی کہ وہ محض کاغذی اور
روایتی مسلمان نہ بنے رہیں۔ خوشی کے ساتھ ایک
دکھ بھی تھا کہ میرا بھائی اس روشنی سے محروم اپنے
خالق کے پاس چلا گیا، وہ اگر دوزخ میں گیا تو کہیں
مجھ سے یہ نہ پوچھا جائے کہ تم نے بہتر طور پر اسے
سچے پیغام سے آگاہ نہ کیا ورنہ یہ بھی جہنم کا ایندھن
نہ بنتا۔

جس روز کویت پر عراق نے حملہ کر کے قبضہ
کیا، میں اپنی کمپنی کی طرف سے وہاں برانچ آفس
کھولنے گیا ہوا تھا۔ حملے کے سبب وہاں سے نکلنے
والوں میں میں بھی شامل تھا مگر اس حال میں کہ
میرا سامان ہوٹل میں تھا اور دو کپڑوں میں قافلے
کے ساتھ پیدل عمان کی جانب صحرا میں سفر کر رہا
تھا۔ دن انتہائی گرم، راتیں انتہائی سرد، جس کے
ردعمل میں بخار آنے لگا۔ دوران سفر معمولی پانی
اور خوراک ملتی، یہ سفر ۲۶ دن پر محیط رہا۔ اس
دوران میں میرے اہل خانہ اور میرے دفتر والے
عراقی حملے کے سبب میری زندگی سے ناامید ہو چکے
تھے۔

میں پورے شعور کے ساتھ سوچتا ہوں کہ
مجھے اس اذیتناک سفر میں اگر کسی چیز نے سہارا
دیا تو میرے خالق کے طے کردہ نظام عبادت نے۔
یہی بات ہے کہ اگر اسلام قبول کرنے کے بعد میں
نے باقاعدگی سے روزے نہ رکھے ہوتے اور
بار بار حج کی "مشقت" سے نہ گزرا ہوتا تو صحرا میں
کسی جگہ بے گوروکفن میرا ڈھانچہ بھی پڑا ہوتا۔ ۲۶
دن بعد عمان پہونچ کر میں نے ریاض فون کیا تو
کمپنی نے میری واپسی کا الحمد للہ انتظام کر دیا۔

میری کمپنی غیر ملکی ہے۔ جہاں میں نے
جز وقتی کام شروع کیا تھا وہاں آج میں مستقل سینئر
اسٹاف ممبر ہوں، مجھے باعزت ملازمت میں معیاری
معاوضہ ملتا ہے۔ میری انتظامیہ مجھ سے خوش ہے کہ
میں اپنے دفتری اوقات کار اور فرائض منصبی میں
کوتاہی نہیں کرتا۔ یہ انتظامیہ کے خوف سے
نہیں بلکہ صرف اس لئے کہ دیانت وامانت میرے
رب کا حکم ہے یہ دیانت وامانت وقت اور صلاحیتوں
کے استعمال کے لئے بھی ویسے ہی اہم ہے جیسے
عملی زندگی کے دیگر معاملات میں اور کمپنی میں یہی
میری ترقی اور کامیابی کا راز ہے۔

آج برسوں بعد میں سوچتا ہوں کہ منیلا کے
بینک میں ملازمت کے دوران میں نے کبھی یہ سوچا
بھی نہ تھا کہ میں کسی دن بہت بڑی بین الاقوامی
کمپنی میں اعلیٰ عہدے پر فائز ہوں گا۔ سعودیہ میں
میرا داخلہ "ماسنوک" میں بطور اکاؤنٹس کلرک
ہوا، جہاں کام کے دوران مجھے دولت ایمان ملی
تو دولت دنیا میرے پیچھے بھاگنے لگی۔ میں خود کو
اپنے رب کے بے پناہ انعامات کے نیچے دبا ہوا پاتا
ہوں، رشد و ہدایت جن میں سب سے بھاری
اور سر فہرست ہے۔ الحمد للہ رب العالمین۔ پہلے
دن سے آج تک میں اپنے روحانی باپ، اپنے
پاکستانی ساتھی کے لئے دعا گو ہوں جو میری
ہدایت کا سبب بنا جس کی رہنمائی میں میں نے روشنی
کا سفر خود بھی طے کیا اور پھر بہت سے ہم سفر اپنے
گرد اکٹھے بھی کر لئے خصوصاً اپنا خاندان۔ ثم الحمد للہ

(بحوالہ ماہنامہ بیدار ڈائجسٹ لاہور۔ اکتوبر ۱۹۹۹ء)

(چھٹی و آخری قسط)

امتِ مسلمہ کا عملی کردار

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

علاج و معالجہ کا اہتمام اور شفاخانوں کا اعلیٰ انتظام

جہاں تک شفاخانوں کا تعلق ہے تو قصبات و شہر ان سے بھرے ہوئے تھے۔ بلکہ اس زمانہ میں عالم اسلام کے چھوٹے سے چھوٹے شہر میں بھی ایک سے زیادہ شفاخانے ہوتے تھے، صرف قرطبہ کے شفاخانوں کی تعداد پچاس تھی۔

متعدد اقسام کے شفاخانے تھے، ایک قسم فوجی ہسپتال کی تھی جہاں مخصوص و ماہر اطبار اپنی خدمات انجام دیتے تھے، خلیفہ، قائدین اور امراء کے اطباء ان سے مختلف تھے، اسی طرح قیدیوں کے شفاء خانے بھی الگ تھے، جہاں ہر روز اطبار آکر ضروری دواؤں سے بیماروں کا علاج معالجہ کرتے تھے۔ وزیر علی بن عیسیٰ بن الجراح نے رئیس الاطباء سنان بن ثابت کو جو خطوط لکھے ہیں ان میں سے ایک خط میں لکھتے ہیں:

"قیدیوں کے معاملہ میں سوچ بچار سے کام لے کر میں اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ وہ اپنی بڑھتی ہوئی تعداد اور جگہوں کے راس نہ آنے کے باعث مختلف امراض سے دو چار ہوتے ہیں تو مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان کے لئے مخصوص اطبار رکھیں جو ہر روز وہاں جایا کریں اور دوائیں اور ٹانک بھی وہاں پہونچائی جائیں، یہ اطباء تمام جیل خانوں کا دورہ کریں اور بیماروں کا علاج کریں[1]

ابتدائی طبی امداد پہونچانے کے لئے بھی دواخانے تھے جہاں عام لوگوں کی بھیڑ رہتی تھی، مقریزی نے ذکر کیا ہے کہ جب ابن طولون نے مصر کی مشہور جامع مسجد کی تعمیر کی تو اس کے پیچھے کی طرف ایک وضو خانہ اور دواخانہ بنایا جہاں ہر قسم کی ٹانکیں اور دوائیں مہیا تھیں جہاں خدمتگار بھی متعین تھے، ہر جمعہ کو ایک طبیب آکر اس میں بیٹھتا تھا اور نمازیوں میں سے جو حضرات بیمار ہوتے ان کا علاج کیا کرتا تھا۔

اس کے علاوہ پبلک ہسپتال بھی تھے، جن کے دروازے عوام کے لئے کھلے رہتے تھے۔ مردوں کے لئے الگ اور خواتین کے لئے الگ انتظام تھا اور ہر شعبہ کے متعدد ہال تھے اور ہر ہال کسی خاص بیماری کے لئے مخصوص تھا، کوئی داخلی بیماریوں کے لئے، کوئی امراض چشم کے لئے، کوئی سرجری کے لئے، کوئی ہڈی وغیرہ کو جوڑنے کے لئے اور کوئی دماغی بیماریوں کے لئے تھا، اور داخلی بیماریوں کا شعبہ کئی کمروں پر مشتمل تھا، کوئی بخار کے لئے، کوئی اسہال اور پیچش کے لئے، اسی طرح اور دوسری بیماریوں کے لئے مخصوص کمرے تھے، اور ہر ڈپارٹمنٹ کے لئے چند مخصوص اطباء تھے جن کا ایک ہیڈ ہوتا تھا۔ چنانچہ داخلی بیماریوں کے لئے ایک سربراہ، سرجنوں کا ایک سربراہ اور جوڑ بٹھانے والے ڈاکٹروں کا ایک سربراہ اور ماہرین امراض چشم کا سربراہ تھا۔ اور ہر ڈپارٹمنٹ پر چیف نگراں کی حیثیت سے ایک ڈاکٹر مامور ہوتا تھا جس کو "ساعور" کہتے تھے، اسپتالوں میں رئیس الاطباء کا بھی لقب تھا۔ ڈاکٹر باری باری سے اپنی خدمت انجام دیتے تھے، ہر ڈاکٹر کا متعین وقت تھا جس میں وہ ان ہالوں میں موجود ہوتا جہاں بیماروں کا اسے علاج کرنا ہوتا تھا۔ ہر ہسپتال میں جاروب کشوں کا بھی ایک عملہ ہوتا تھا جس میں مرد بھی ہوتے تھے اور عورتیں بھی، اسی طرح تیمار دار، کپاؤنڈر اور ہیلپر بھی ہوتے تھے اور ہر ایک کو معقول تنخواہ بھی ملتی تھی۔ اور ہر ہسپتال میں دواؤں کی ایک دوکان ہوتی جس کو "خزانۃ الشراب" کہا جاتا تھا اس میں مختلف قسم کی دوائیں اور معجون ہوتے اور ایسی ایسی نادر جڑی بوٹیاں جو صرف وہیں دستیاب ہوتی تھیں، اسی طرح سرجری کے آلات اور کانچ اور مٹی کے برتن بھی ہوتے تھے اور ایسی چیزیں ہوتی تھیں جو بادشاہ کے خزانوں میں نہیں ملتی تھیں۔

یہ اسپتال میڈیکل کالج کی بھی حیثیت رکھتے تھے، ہر ہسپتال میں لکچرز کے لئے ایک بڑا سا ہال تھا جس میں ایک ماہر اسپشلسٹ ڈاکٹر بیٹھتا، اس کے ساتھ دوسرے ڈاکٹر اور طلبہ ہوتے۔ اور ان کے دائیں بائیں علاج معالجہ کے اوزار اور کتابیں رکھی ہوتی تھیں، طلبہ مریضوں کا جائزہ لینے کے بعد استاد کے روبرو بیٹھتے، پھر استاد اور شاگردوں کے درمیان طبی مسائل پر تبادلۂ خیال ہوتا، اور طبی کتابیں پڑھی جاتیں، اور اکثر ایسا ہوتا کہ استاد شاگردوں کو اپنے ساتھ وارڈ کے اندر لے جاتا

[1] ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی۔ من روائع حضارتنا ص ۱۴۰

ان کے سامنے مریضوں پر عملی کارروائی کرے ان کو تجرباتی فائدہ ہو جیسے آج کل میڈیکل کالجوں میں رواج ہے۔

ابن ابی اصیبعہ نے لکھا ہے (وہ خود ایک ماہر طبیب تھے انھوں نے دمشق کے "بیمارستان نوری" (نوری ہسپتال) میں طب کی تعلیم پائی تھی) کہ:

"حکیم مہذب الدین اور حکیم عمران ہسپتال میں مقیم بیماروں کے علاج سے جب فارغ ہوتے جب کہ میں ان کے ساتھ ہوتا تھا، اس کے بعد میں حکیم شیخ رضی الدین رحبی کے ساتھ بیٹھ جاتا اور بیماریوں کی تشخیص کا طریقہ اور جو نسخے وہ ان کے لئے تجویز کرتے تھے اس کا معائنہ کرتا اور بہت سی بیماریوں اور ان کے علاج کے سلسلہ میں تبادلۂ خیال کرتا تھا۔"

رئیس الاطباء کے سامنے امتحان دینے سے قبل کسی طبیب کو معالجہ کی اجازت نہیں تھی۔ امتحان کا طریقہ یہ تھا کہ رئیس الاطباء اس فن کی جس میں وہ اجازت حاصل کرنا چاہتا تھا کسی بڑے طبیب کا کوئی رسالہ جس پر اس کی تعلیقات اور حواشی ہوتے اس طبیب کے سامنے پیش کرتا اور اس فن سے متعلق ساری چیزوں کے بارے میں اس کی جانچ کرتا، جب وہ ٹھیک سے جواب دیتا اور امتحان میں کامیاب ہوتا تو اس کو سند دیتا کہ وہ طب وحکمت کا پیشہ اختیار کر سکتا ہے، خلیفہ عباسی مقتدر باللہ کے زمانہ میں ۳۱۹ھ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ کسی طبیب کی غلطی سے ایک شخص کی جان چلی گئی، تو خلیفہ نے آئندہ کے انسداد کے لئے رئیس الاطباء سنان بن ثابت کے نام یہ حکم صادر کیا کہ اطبائے بغداد کا از سر نو امتحان لیا جائے، ابن ثابت نے فرمان خلافت کی تعمیل میں کل اطبائے بغداد کا امتحان لیا تو صرف بغداد کے اطباء کی تعداد آٹھ سو ساٹھ سے زائد تھی، مزید برآں وہ اطباء اس شمار سے خارج ہیں، جو بوجہ شہرت فضل وکمال امتحان سے مستثنیٰ رہے یا جن کا دربار خلافت سے تعلق تھا اور وہ خلیفہ، وزراء اور امراء کے معالجین تھے۔

چلتے چلتے اس کا بھی ذکر کر دیں کہ ہر ہسپتال سے متصل طبی کتابوں اور ان ساری کتابوں (جن کی اطباء اور ان کے شاگردوں کو ضرورت پڑتی تھی) سے بھرپور ایک کتب خانہ ہوتا تھا، یہاں تک کہ مورخین نے لکھا ہے کہ قاہرہ میں ابن طولون کے اسپتال میں ایک کتب خانہ تھا جس میں مختلف علوم کی ایک لاکھ سے زیادہ کتابیں تھیں۔

ہسپتالوں میں انٹری بالکل فری تھی۔ مالدار، غریب، شہری، پردیسی، مشہور ومعزز اور گمنام کسی کے درمیان کوئی فرق روا نہیں رکھا جاتا، ہر ایک کے ساتھ یکساں برتاؤ ہوتا تھا، ہسپتال سے باہر ہال میں اولاً مریضوں کی جانچ کرائی جاتی، مرض ہلکا ہوتا تو نسخہ لکھ دیا جاتا اور ہسپتال کے دواخانہ سے اس کو دوا دلا کر بھیج دیا جاتا، لیکن مریض کی حالت اگر اتنی نازک ہوتی کہ ہسپتال میں بھرتی کرنا ضروری ہوتا تو پہلے اس کی انٹری کر دی جاتی، پھر اس کو حمام خانہ لے جایا جاتا اور کپڑے اتار کر مخصوص الماری میں رکھے جاتے، پھر عمدہ بستر بچھی ہوئی چارپائی دی جاتی، پھر ڈاکٹر جو دوا تجویز کرتا اور اس کی صحت کے موافق جو غذا جتنی مقدار میں بتاتا وہ دی جاتی۔ مریض کی غذا عموماً گائے بکری پرندے اور مرغی کے گوشت پر مشتمل ہوتی، اور جب ایک وقت میں پوری چپاتی اور پوری مرغی کھا لیتا تو سمجھا جاتا کہ مریض اچھا ہو گیا، یہی شفایابی کی علامت تھی۔ جب نقاہت کی حالت میں ہوتا تو اس ہال میں داخل کیا جاتا جو ایسے ہی لوگوں کے لئے مخصوص ہوتا تھا، یہاں تک کہ جب مکمل شفایاب ہو جاتا تو ایک نیا جوڑا اور اتنا پیسہ دیا جاتا جو اچھی طرح کام کرنے کی قدرت پیدا ہونے تک اس کی کفایت کر سکے۔

ہسپتال کے کمرے بالکل صاف ہوتے جس میں پانی جاری ہوتا تھا اور اس کے ہالوں میں خوبصورت ترین فرش بچھے ہوتے، ہر ہسپتال میں صفائی کی جانچ پڑتال کرنے والے اور مالی معاملات کی نگرانی کرنے والے افراد متعین تھے۔ اور اکثر اوقات خلیفہ یا امیر خود مریضوں کی عیادت کرنے جاتا تھا اور ان کی حالت دریافت کرتا تھا۔ اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے پر پوری نگرانی رکھتا تھا۔

عالم اسلامی کے سارے ہسپتالوں میں یہی نظام رائج تھا، خواہ مغرب میں ہوں یا مشرق میں، بغداد، دمشق، قاہرہ، بیت المقدس، مکہ، مدینہ، مغرب اقصیٰ اور اندلس ہر جگہ کا یہی حال تھا۔

اقوام مغرب کی پسماندگی اور تمدنی بے مائگی

ساتویں صدی اور اس سے قبل افریقہ اور ایشیا کے سارے علاقوں میں جہاں رومیوں یا بازنطینیوں کا اقتدار تھا طب سے شدید نفرت پائی جاتی تھی اور دینی اعتبار سے کسی مرض کے لئے دوا کے استعمال کو نامناسب عمل تصور کیا جاتا تھا۔ مرض پر قابو پانا یا اس سے چھٹکارا دلانا طبیب کا کام نہ تھا، بلکہ یہ فریضہ کاہنوں، جادوگروں، یا پھر عبادت گاہوں میں رہنے والے دینی رہنماؤں کا تھا، بعض یورپین مؤرخین نے لکھا ہے کہ رومن سلطنت کے زوال کے بعد کئی سو سال تک کلیسا نے یونانی طبی علم کو جاہلیت (HEA-THEN) سے تعبیر کر کے الحاد بتایا اور امراض کے علاج کے لئے صرف روحانی علاج کی اجازت دی۔

علاج ومعالجہ کے سلسلہ میں یورپ کا حال فارس، عراق، شام ومصر سے زیادہ خراب تھا۔ وہاں تو سوائے جادو، ٹونا اور گنڈہ، تعویذ کے مرض سے نجات پانے کا کوئی دوسرا طریقہ ہی نہ تھا طبی علاج

کرنے والے سزا کے مستحق قرار دیئے جاتے۔ ڈونالڈ کیمبل (DONALD CAMBELL) نے اپنی کتاب ARABIAN MEDICINE - 1926 میں یورپ کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے[۱]

"DURING THE PERIOD OF ISLAMIC SCIENCE, EUROPE WAS IN DARK AGES AND EVELS OF PEDANTRY, BIGOTRY, CRUELTY, CHARMS, AMULETS AND RELICS WERE COMMON THERE."

ترجمہ: اسلامی سائنس کے فروغ کے دور میں یورپ تاریکی کے دور سے گزر رہا تھا، جہل کی برائیاں، کٹرپن، ظلم، جادو ٹونا اور تعویذ عام تھے۔

کیمبل کے نزدیک یورپ میں علم سے بیزاری کی اصل وجہ کلیسا کا رول تھا چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ[۲]

"CHRISTIAN CHURCH HELPED IN LOWEWRING FURTHER INTELLECTUAL DEPTHS IN EUROPE DURING DARK AGE."

ترجمہ: عیسائی کلیسا نے یورپ کی علمی سطح (ماحول) کو مزید گرانے میں مدد کی۔

یورپ کی جاہلیت کا ماحول کا تذکرہ کرنے کے بعد کیمبل عیسائیت اور اسلام کا موازنہ بر سلسلہ طب ان الفاظ میں کرتا ہے کہ[۳]

"WHILE CHRISTIANAOM WAS STILL IN DARK AGE, THE ARABIC SCHOIARE OF ISLAM BEGAN TO ALSBLAY REMARKABLE ACTIVITY IN THE DEPARTMENT OF MEDICINE."

ترجمہ: جن دنوں عیسائی دنیا تاریک دور سے گذر رہی تھی اس وقت اسلام کے عالموں نے علم الطب میں حیرت انگیز سرگرمی کا مظاہرہ شروع کر دیا۔

جارج سارٹن کے خیالات کیمبل کے احساسات کی ترجمانی کرتے ہیں وہ لکھتا ہے کہ[۱]

"MEDICINE WAS MORE OF A MAGIC THAN MEDICINE BEFORE ISLAM." (HISTORY OF SCIENCE - 1927)

ترجمہ: اسلام سے قبل دوا کے معنی جادو کے زیادہ تھے۔

یورپ میں علاج و معالجہ کے لئے کلیسا کی مخالفت لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کے پیش نظر ڈی بوئر (DEBOIRE) نامی دانشور یہ لکھنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ[۲]

"MUSLIMS MADE SCIENCE SECULAR, FREE FROM DOGMOS." (ISLAMIC THOUGHT - 1937)

ترجمہ: مسلمانوں نے سائنس کو فرسودہ اعتقادات سے پاک کر دیا۔

ڈگلس گتھری (DOUGLAS GUTHRIE) نے روم اور بازنطین کے علاقوں میں طبی طریقہ علاج کے خلاف عام رجحان کی بہت سی مثالیں دی ہیں اور تحریر کیا ہے کہ اگر کوئی طبی علاج کیا بھی جاتا اور اس سے فائدہ ہوتا بھی تو یہ تاثر دیا جاتا کہ کامیاب علاج دعا کا نتیجہ ہے نہ کہ دوا کا۔

امراض کو تقدیر الٰہی سمجھ لینا اور اس کے لئے کسی طبی علاج کو غیر ضروری سمجھنا ایک ایسا فکر تھا جو رومن سلطنت میں عام تھا، اور کہا جاتا ہے کہ یہی منفی طرز عمل اس کے زوال کا سبب بنا بنایا جاتا ہے کہ ایک زبردست طیبر یا کی وبا نے رومن سلطنت کی کافی آبادی کو موت سے ہمکنار کر دیا، لاکھوں افراد دماغی اور جسمانی اعتبار سے مفلوج ہو گئے، سلطنت کا ڈھانچہ گرنے لگا، لیکن صورتحال پر قابو پانے کے لئے کوئی طریقہ نہ اپنایا گیا کیونکہ ایسا کرنے سے دین کی مخالفت سمجھی جاتی۔

غرضیکہ جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو اس دور میں سارا عالم بالعموم اور عرب دنیا بالخصوص طب یا طبی علم سے بے خبر ہی نہ تھی بلکہ اس پر اعتقاد کو دین کی ضد تصور کرتی تھی، پانچویں صدی عیسوی قبل مسیح کا یونانی طبی علم تاریکیوں میں کھو چکا تھا، بقراط (HIPPOCRATUS) کا کوئی نام لیوا نہ تھا۔ ایسے دور میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طب، دوا و علاج، صحت و تندرستی، صفائی و ستھرائی اور پاکی کے لئے انقلابی ہدایات عطا فرمائیں، دوا اور فسوں کاری کے رشتہ کو توڑنے کا مشورہ دیا۔ امراض کے تدارک کے لئے طبی طرز علاج کو اپنانے کا حکم صادر فرمایا۔ بامعنی دعا کی اجازت دی لیکن بے معنی جھاڑ پھونک کی ممانعت فرمائی، دعا سے قبل مناسب دوا کا راستہ اپنانے کی تلقین کی، مرض کو اور مرض کے علاج دونوں کو تقدیر الٰہی سے تعبیر کیا۔

طب میں مسلمانوں کی تحقیقات و کمالات

عربوں نے اپنی فکری و اجتہادی قوتوں سے کام لے کر طریقہ ہائے علاج اور اعمال فن میں بیشمار تجربات و اضافات کئے، چنانچہ ابن وافد پہلا طبیب تھا جس نے علاج بالغذا پر زور دیا، حکیم رضی الدین نے غذائے دوائی کو دوائے خالص کے مقابلہ میں ترجیح دی، اور حکیم اوحد الزماں ابو البرکات نے ایک خاص وبائی مرض میں قطع انامل کا علاج اختراع کیا۔

---

[۱] احادیث میں مذکور نباتات، ادویہ اور غذائیں۔ ایک طائرانہ جائزہ از ڈاکٹر اقتدار حسین فاروقی ص ۲۱ [۲] ایضاً ص ۲۲
[۳] ایضاً ص ۲۲

[۱] احادیث میں مذکورہ نباتات، ادویہ اور غذائیں۔ از ڈاکٹر اقتدار حسین فاروقی ص ۲۲ [۲] مرجع سابق ص ۲۳

ابوالمنصور صاعد بن بشر بن عبدوس نے تمام حکمائے یونان کے قدیم طریقہ علاج کے خلاف اکثر امراض باردہ مثلاً فالج، لقوہ، اور استرخار کے لئے نظام طب عربی میں ادویہ باردہ اور منع غذا کا علاج رائج کیا، جو آگے چل کر بے حد کامیاب ثابت ہوا، یونانیوں کے یہاں حفظان صحت باقاعدہ ایک علم کی صورت میں موجود نہیں تھا، عرب اطبار نے حفظان صحت کے اصول مرتب کئے اور اسے ایک منظم فن کی حیثیت سے رائج کیا، اسی طرح انھوں نے امراض چشم کے متعلق تحقیق کی، فن جراحت کو ترقی دی، شکر سازی کے معمل تیار کئے شکر بنائی اور مرکب ادویہ کی تیاری میں شکر کے استعمال کو رواج دیا۔

مسلمان اطبار کی ایجادات کے سلسلے میں مشہور مصنف جرجی زیدان نے اپنی کتاب "تاریخ التمدن الاسلامی" میں ایک علاحدہ باب "ما الذی احدثہ المسلمون فی الطب" عنوان متعین کیا ہے جس میں تفصیل سے عربوں کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے :-

" عربوں نے پہلی مرتبہ علاج بالجراحت میں کاوی ادویہ کا استعمال شروع کیا مسلولین کے ناخنوں کی کیفیت بیان کی، یرقان اور ہوائے اصفر کے علاج کا ذکر کیا، جنون کے لئے افیون کو بمقدار کثیر استعمال کرنے کی اجازت دی، نزف الدم کے لئے سر پر سرد پانی ڈالنا تجویز کیا، خلع کتف اور نزول الماء کے آپریشن کا طریق کار بتایا، تنقیت سدد کے طریقے بیان کئے، نیز بعض ایسی فروغ طب پر کتابیں لکھیں جن کا ذکر کتب متقدمین میں موجود نہیں تھا، مثلاً یوحنا ابن ماسویہ نے جذام پر اور الرازی نے چیچک وغیرہ پر پہلی مرتبہ کتابیں تصنیف کیں۔" لہ

عربوں نے فن طب میں جو اضافات و اختراعات کئے، وہ آگے چل کر عصر حاضر کی معلومات و تحقیقات کی اساس بنے، چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

منصور بن محمد نے ۱۳۹۶ء میں تشریح منصوری لکھی جو اعضائے اجسام انسانی کی تصاویر سے مزین تھی، اسی طرح علم جراحت میں ابوالقاسم الزہراوی کی کتاب بھی تشریحی تصاویر و نقوش سے آراستہ ہے، برہان الدین نے اعلان کیا کہ خون میں سکر العنب پائی جاتی ہے، اور الرازی نے بیان کیا کہ معدہ میں ایک ترش رطوبت موجود ہے، ابن النفیس نے پہلی بار نظریۂ دوران خون کو بیان کیا جسے بعد میں سر ولیم ہاروے سے منسوب کیا گیا، مانچسٹر یونیورسٹی کے ڈاکٹر جے، بلاتھ نے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے۔ (دائرۃ المعارف الاسلامیہ علم طب جلد ۱۴)۔

لہ تاریخ التمدن الاسلامی: جرجی زیدان جزء ثالث ص ۲۰۲-۲۰۳

بقیہ: مطالعہ کی میز پر

نام کتاب : حقوق والدین

مؤلف : ابوصادق عاشق علی اثری

صفحات : ۱۷۶، سائز $\frac{18\times22}{8}$، قیمت ۷۰ ستر روپے

ملنے کا پتہ : مکتبہ اثریہ سی ۱۰۷، ابوالفضل انکلیو ۲ جامعہ نگر نئی دہلی ۔ ۱۱۰۰۲۵ ۔

احکام الٰہی کی پابندی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے بعد تمام لوگوں میں فرمانبرداری اور تابعداری میں والدین کا مرتبہ و مقام سب سے بلند اور سب پر مقدم ہے۔

پیش نظر کتاب میں والدین کے حقوق قرآن و حدیث کی روشنی میں آسان اور عام فہم زبان میں بیان کئے ہیں۔ اطاعت والدین کی اہمیت و فضیلت خدمت و اطاعت والدین کے فیوض و برکات، والدین کی نافرمانی کا حکم اور اس کا انجام، غیر مسلم والدین کے بارے میں اسلام کا حکم، والدین کے متعلقین کے بارے میں اسلام کا حکم، کتاب کے جلی موضوعات ہیں، جس سے کتاب کی اہمیت و افادیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

باری تعالیٰ اس کتاب کو نوجوانوں کی اصلاح کے لئے بہترین ذریعہ بنائے۔

روزہ ایک مقدس ترین عبادت

محمد شاهد ندوی بارہ بنکوی

روزہ دین اسلام کا ایک اہم رکن اور مقدس ترین عبادت ہے۔ یہ روزہ انسانوں کی روحانی و اخلاقی تربیت و تزکیہ کا بہترین ذریعہ ہے، روزے کی فضیلت اور اہمیت کا اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس دنیا کے تمام قدیم و جدید مذاہب و ادیان میں روزے کی عبادت رائج رہی ہے۔ اگرچہ اس کی شکل مختلف رہی ہے۔ تاریخ انسانی اس بات کی شاہد ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مسعود تک کوئی شریعت انبیاء اور امت ایسی نہیں ہے جس میں روزے جیسی اہم عبادت جاری نہ رہی ہو۔

اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک کے یہ روزے مسلمانوں پر ۲ھ میں فرض فرمائے۔ اور ارشاد فرمایا: "یَاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ" : اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جس طرح تم سے پہلی امتوں پر فرض کئے گئے تھے، (روزوں کا یہ حکم تم کو اس لئے دیا گیا ہے) تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو۔ (سورہ بقرہ)

درحقیقت روزے کا مقصد اور غرض و غایت یہ ہے کہ انسان متقی ہو جائے کیونکہ یہی خصوصیت تمام اعمال صالحہ کا سرچشمہ اور خیر کا باعث ہے اور اس خصوصیت کے بغیر انسان کامل ترین مومن اور متقی نہیں بن سکتا ہے۔ تقویٰ نام ہے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا ان کاموں کی ادائیگی کے ذریعہ جن کا حکم دیا گیا ہے اور ان کاموں سے بچنے کے ذریعہ جن سے روکا گیا ہے۔ اس حال میں کہ انسان اللہ تعالیٰ کے لئے مخلص ہو۔ اور اپنے دل میں اس کا خوف و ڈر اور محبت و چاہت رکھتا ہو۔ تقویٰ اور پرہیزگاری ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے بندہ اللہ تعالیٰ کے غصہ اور عذاب سے نجات پاتا ہے۔ تقویٰ کا منشأ نفس کشی نہیں بلکہ ضبط نفس ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں روزہ کو در اصل تریاق فرمایا ہے جو نفس کے زہر کو مارنے کے لئے مہیا کیا جاتا ہے، روزہ درحقیقت تمام انسانی خواہشات پر کنٹرول کرنے کا نام ہے۔

روزہ رکھنے سے روحانیت بیدار ہوتی ہے، اور حیوانی خصائلں پر روحانی قوتیں غالب آتی ہیں اور انسان کو اللہ رب العزت کا قرب حاصل ہوتا ہے، اگر روزہ سے قرب خداوندی، شغائے روحانی حاصل نہ ہو تو درحقیقت وہ روزہ، روزہ نہیں بلکہ فاقہ ہے، وہ ایک بے رنگ و بو پھول کی طرح ایک جسم بے روح ایک گوہر بے آب اور ایک آئینہ بے جوہر کی طرح بے حقیقت ہے جس کی کوئی قدر و قیمت نہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کتنے روزے دار ہیں جن کو روزے سے بھوک و پیاس کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا، اور کتنے تہجد گزار ہیں جن کی نماز تہجد سے بیداری کے سوا کچھ نہیں ملتا ہے۔ (ابن ماجہ)

روزہ انسان کی روح میں پاکیزگی، اعمال میں پرہیزگاری اور نفس پر قابو پانے کی طاقت و قوت پیدا کرتا ہے۔ روزہ انسان کو تمام شرور و فتن سے بچاتا ہے، اور اصلاح نفس کا بہترین ذریعہ ہے۔ روزہ دار کا سونا، جاگنا اور خاموش رہنا عبادت ہے۔ روزہ دار کی دعا رد نہیں کی جاتی، روزے کی جزا خود اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہے۔ حدیث قدسی میں ارشاد خداوندی ہے۔ الصوم لی وانا اجزی بہ روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا اور بدلہ ہوں۔

روزہ ایسی عظیم ترین عبادت ہے جو انسان کو خیر کی طرف رہنمائی کرتی ہے، تواضع و انکساری ہمدردی و غمخواری، نظم و ضبط، صبر و شکر، اخوت و مروات، ایثار و قربانی اور پابندی وقت کا درس و عبرت جتنا روزہ میں پایا جاتا ہے اتنا اور کہیں ملنا دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔

روزہ مسلمان کو کینہ، تکبر، حسد، بخل، جھوٹ، غیبت، گالی گلوچ جیسے برے اخلاق سے بچاتا ہے، اور صبر و استقامت، ایثار و ہمدردی، تحمل و بردباری اور سخاوت و صداقت جیسے اوصاف کا عادی بناتا ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر چیز کے لئے زکوٰۃ ہوتی ہے اور بدن کی زکوٰۃ روزہ ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

روزہ کے ذریعہ جہاں ظاہر و باطن کا تزکیہ ہوتا ہے وہیں صحت و تندرستی بھی حاصل ہوتی ہے چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جہاد کرو غنیمت حاصل ہوگی۔ روزے رکھو تندرست رہوگے۔ سفر کرو مالدار ہو جاؤگے۔ اور ڈاکٹروں اور حکیموں نے بھی یہ بات تسلیم کی ہے اور بتاتے ہیں کہ روزے کا صحت جسمانی سے خاص تعلق و ربط ہے، جسمانی نظام میں جہاں جہاں بسیار خوری

کی وجہ سے جو خرابی پیدا ہو جاتی ہے وہ خاص وقت تک کھانا پینا چھوڑنے سے درست ہو جاتی ہے، اور روزہ اس سلسلہ میں اکسیر کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ روزہ اندرونی گندگی کو دور کر کے بدن کو صحت و توانائی بخشتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ روزہ مسلمانوں کے لئے بہار و نشاط ہے، جسمانی لحاظ سے بھی، روحانی لحاظ سے بھی اور اخروی لحاظ سے بھی۔

جہاں تک مادی فوائد کا تعلق ہے یہ ضمنی ہیں اصلاً دین اسلام کے تمام احکامات کا تعلق روحانی یعنی رضائے خداوندی، اخروی اجر و ثواب اور فلاح و نجات سے ہے قرآن و حدیث میں بہت سی جگہوں پر روزے کی فضیلت، برکت، اہمیت، افادیت، حکمت اور رمضان کے روزے کی قدر و قیمت بیان کی گئی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔

حضرت ابن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت کے دروازوں میں ایک خاص دروازہ ہے جس کو "باب الریان" کہا جاتا ہے اس دروازہ سے قیامت کے دن صرف روزہ داروں کا ہی داخلہ ہوگا۔ ان کے سوا کوئی اس دروازے سے داخل نہیں ہو سکے گا۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے کسی عمل کا حکم فرمائیے۔ جس سے اللہ تعالیٰ مجھے نفع دے؟ آپ نے ارشاد فرمایا روزہ رکھا کرو۔ اس کے مثل کوئی بھی عمل نہیں (سنن نسائی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ رمضان کے روزے ایمان واحتساب کے ساتھ رکھیں گے ان کے سب گذشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور ایسے ہی جو لوگ ایمان واحتساب کے ساتھ رمضان میں نوافل (تراویح و تہجد) پڑھیں گے ان کے بھی سب پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے، اور اسی طرح جو لوگ شب قدر میں ایمان واحتساب کے ساتھ نوافل پڑھیں گے ان کے بھی سارے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ماہ شعبان کی آخری تاریخ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایک خطبہ دیا۔ اس میں آپ نے فرمایا: اے لوگو! تم پر ایک عظمت اور برکت والا مہینہ سایہ فگن ہو رہا ہے اس مبارک مہینہ کی ایک رات (شب قدر) ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس مہینے کے روزے اللہ تعالیٰ نے فرض کئے اور اس کی راتوں میں بارگاہ خداوندی میں کھڑا ہونے (یعنی نماز تراویح پڑھنے) کو نفل عبادت مقرر کیا ہے (جس کا بہت بڑا ثواب ہے)، جو شخص اس مہینے میں اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے کوئی غیر فرض عبادت (یعنی سنت یا نفل) ادا کرے گا تو اس کو دوسرے زمانہ کے فرضوں کے برابر اس کا ثواب ملے گا۔ اور یہ صبر کا مہینہ ہے، اور صبر کا بدلہ جنت ہے، یہ ہمدردی اور غمخواری کا مہینہ ہے، اور یہی وہ مہینہ ہے جس میں مومن بندوں کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے، جس نے اس مہینہ میں کسی روزہ دار کو (اللہ کی رضا اور ثواب حاصل کرنے کے لئے) افطار کرایا تو اس کے لئے گناہوں کی مغفرت اور آتش دوزخ سے آزادی کا ذریعہ ہوگا۔ اور اس کو روزہ دار کے برابر ثواب دیا جائے گا۔ بغیر اس کے کہ روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر ایک کو تو افطار کرانے کا سامان میسر نہیں ہوتا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی دے گا جو دودھ کی تھوڑی سی لسی پر یا صرف پانی کے ایک گھونٹ پر کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرادے۔ اور جو کوئی کسی روزہ دار کو پورا کھانا کھلادے اس کو اللہ تعالیٰ میرے حوض (یعنی کوثر) سے ایسا سیراب کرے گا جس کے بعد اس کو کبھی پیاس ہی نہیں لگے گی تا آنکہ وہ جنت میں پہونچ جائے گا۔ (اس کے بعد آپ نے فرمایا) اس ماہ مبارک کا ابتدائی حصہ رحمت ہے اور درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ آتش دوزخ سے آزادی ہے (اس کے بعد آپ نے فرمایا) اور جو آدمی اس مہینے میں اپنے غلام و خادم کے کام میں تخفیف اور کمی کر دے گا اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دے گا۔ اور اس کو دوزخ سے رہائی اور آزادی دیدے گا۔

مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ رمضان المبارک اور عبادت کے اس موسم بہار میں نماز، روزہ، ذکر و تلاوت، تراویح و تہجد کا دعا و استغفار کا اہتمام کریں اور اپنے مالک سے رحمت و مغفرت اور جہنم سے نجات طلب کریں اور اپنے گناہوں پر افسوس و ندامت کے آنسو بہائیں۔

یا باغی الخیر اقبل ویا باغی الشر ادبر۔
(اے خیر کے تلاش کرنے والے آگے بڑھ اور برائی اور بدی پر اکسانے والے پیچھے ہٹ) کی صدا گونج رہی ہے۔

مبارک ہے وہ شخص جس سے رمضان کا مہینہ خوش ہو کر گذرا۔ اور تباہی ہے اس کے لئے جس سے یہ مہینہ ناراض گیا۔ اور اس ماہ کی برکتیں نہ پا سکا۔ اور اس کی رحمتوں سے محروم رہا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو رمضان کی تمام خصوصیات کے ساتھ رمضان گذارنے اور اس کی برکات سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

سوال و جواب

محمد طارق ندوی

س:۔ آج کل تراویح کی نماز ایک ہی رات میں ادا کی جاتی ہے جسے شبینہ کہتے ہیں، اس میں کچھ لوگ کھڑے ہوکر امام کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں تو کچھ لوگ بیٹھ کر نفل پڑھتے ہیں، تو کچھ لوگ کھانے پینے میں مصروف رہتے ہیں، کیا شبینہ کا یہ طریقہ شرعاً درست ہے۔

ج:۔ شبینہ کا مروجہ طریقہ کراہت سے خالی نہیں کہ کچھ لوگ تو جماعت میں شریک ہیں اور کچھ لوگ کھانے پینے میں لگے ہیں اس طرح جماعت اور تراویح دونوں کے احترام کے خلاف عمل ہوتا ہے، البتہ اگر سارے مقتدی چست اور صحت مند ہوں اور جماعت کے ساتھ نشاط کے ساتھ نماز تراویح ادا کریں اور حافظ بھی صاف اور واضح الفاظ میں قرآن پڑھے تو ایسی صورت میں شبینہ درست ہوسکتا ہے۔

س:۔ آج کل رمضان میں لوگ رواداری کے طور پر ہندوؤں اور لادین افراد سیاسی لیڈروں کو افطار کے موقع پر بلاتے ہیں، اور اس موقع پر علماء اور دیندار طبقہ کے لوگ بھی ہوتے ہیں، اور نماز چھوڑ کر وہ لوگ ماڈرن طرز پر کھڑے ہوکر افطار کرتے ہیں کیا یہ طریقہ درست ہے؟

ج:۔ اس طرح کی افطار پارٹی جن سے سیاسی و دنیوی اغراض وابستہ ہوں اور اس کا مقصد اللہ کی رضا نہ ہو بلکہ مقصود شہرت و ناموری ہو، ساتھ ہی اس میں روزہ کا احترام بھی نہ کیا جائے اور کھانے کے اسلامی آداب کو بھی ملحوظ نہ رکھا جائے اور پھر نماز کا چھوڑنا اس پر مستزاد تو ایسی پارٹیوں کا انعقاد شرعاً درست نہیں ہے رواداری کے لئے مذہب کی روح اور اس کے احترام کے خلاف عمل کرنا سخت گناہ کا کام ہے۔ اس سے مکمل احتراز لازم ہے۔

س:۔ میری طبیعت خراب رہتی ہے، اور عمر بھی تقریباً ۷۵ سال سے اوپر پہونچ چکی ہے، نیز آپریشن ہونے کی وجہ سے میں اس بار رمضان میں صرف تین روزے ہی رکھ سکا اور بقیہ روزوں کا فدیہ ادا کیا ہے ابھی کمزوری برقرار ہے کیا قضاء روزے رکھنا ہے یا ادا کیا ہوا فدیہ کافی ہوگا؟

ج:۔ صورت مسئولہ میں چونکہ سائل کافی عمر دراز ہیں اس لئے اگر ضعف و ضعیفی کی وجہ سے قضاء پر قادر نہیں ہیں تو ان کا ادا کیا ہوا فدیہ کافی ہوگا۔

س:۔ بعض لوگ رات میں دیر سے کھانا کھاتے ہیں اور سحری کے وقت بیدار نہیں ہوتے ہیں اور یونہی روزہ رکھ لیتے ہیں کیا یہ درست ہے۔؟

ج:۔ روزہ کے لئے سحری کھانا مستحب ہے بغیر سحری کھائے روزہ رکھنا جائز ہے البتہ استحباب کے خلاف ہے۔

س:۔ انجکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں، قضا لازم ہوگی یا کفارہ؟

ج:۔ انجکشن لگوانے سے چونکہ دوا جوف دماغ یا معدہ میں نہیں پہونچتی ہے اس لئے روزہ نہیں ٹوٹتا لہٰذا نہ قضا لازم ہوگی نہ کفارہ۔

س:۔ داڑھی منڈوانے والے کی شہادت رویت ہلال میں جبکہ عرفاً وہ ثقہ ہو معتبر ہے یا نہیں؟

ج:۔ داڑھی منڈوانے والا اگرچہ عرفاً ثقہ اور قابل اعتماد ہو مگر اس کی گواہی شرعاً غیر مقبول ہے، لہٰذا رویت ہلال میں اس کی شہادت غیر مقبول ہوگی۔

س:۔ آنکھ میں سرمہ یا دوا ڈالنے سے روزہ فاسد ہوتا ہے یا نہیں؟

ج:۔ آنکھ میں سرمہ یا دوا ڈالنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا آنکھ میں ڈالی ہوئی دوا اور سرمہ کا رنگ و مزا کبھی حلق اور تھوک میں جو محسوس ہوتا ہے تو وہ مسامات میں ہوکر پہونچتا ہے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

س:۔ کیا روزہ دار کسی چیز کا مزہ چکھ سکتا ہے یا اس کو چبا سکتا ہے؟

ج:۔ کسی چیز کا مزہ چکھنا یا اس کو چبانا مکروہ تنزیہی ہے بشرطیکہ کسی عذر کی وجہ سے نہ ہو مثلاً کوئی عورت اپنے شوہر کے لئے کھانا پکاتی ہو اور اس کی بدمزاجی سے یہ خوف ہو کہ اگر نمک درست نہیں ہوگا تو وہ خفا ہوگا تو چکھنا درست ہے۔ اسی طرح سے کوئی چھوٹا بچہ ہو اور کوئی چیز اس کو کھلانا ہو اور اس کا بدل نہ ہو تو ایسی صورت میں چبا کر بچہ کو دینے کی اجازت ہے بشرطیکہ حلق کے نیچے اس کا اثر نہ جائے۔

س:۔ بھول کر کچھ کھا پی لینے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے یا نہیں اور دوسرے لوگوں کو یاد دلانا چاہئے یا نہیں؟

ج:۔ کسی شخص کو روزہ کا خیال نہ رہا اس بنا پر اس نے کچھ کھا پی لیا تو روزہ فاسد نہ ہوگا، خواہ فرض روزہ ہو یا نفل، ایسی صورت میں اگر اس میں روزہ رکھنے کی بھرپور قوت ہو تو دیکھنے والوں کو یاد دلانا واجب ہے اور اگر اس میں قوت نہ ہو تو یاد دلانا ضروری نہیں ہے۔

س:۔ کیا سر میں تیل لگانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

ج:۔ سر میں تیل لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے۔

س:۔ کیا کان میں تیل ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

ج:۔ کان میں تیل ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

س:۔ کیا ناک میں دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

ج:۔ ہاں! ناک میں دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

عالمی خبریں

معید اشرف ندوی

● سعودی عرب کے نائب خادم حرمین شریفین شہزادہ عبداللہ بن عبدالعزیز کی زیر صدارت اجلاس میں عمرہ و زیارت سے متعلق نیا نظام جاری کر دیا گیا ہے جو جودہ دفعات پر مشتمل ہے اب اس نئی اوپن ڈور پالیسی کے نتیجہ میں توقع ہے کہ ایک کروڑ افراد سالانہ سعودی عرب آئیں گے اور دنیا میں سعودی عرب وہ واحد ملک بن جائے گا جس میں ہر سال اتنی بڑی تعداد میں زائرین آئیں گے یہ نئی پالیسی عمرہ اور زیارت کے لاکھوں خواہش مندوں کے لئے بڑی اہمیت کی حامل ہے اب عمرہ کرنے والے صرف حرمین شریفین تک محدود نہیں رہیں گے بلکہ انھیں سارے ملک میں ہر جگہ گھومنے پھرنے کی مکمل آزادی ہوگی اس سلسلہ میں ماہرین اقتصادیات نے کہا ہے کہ اگر سرکاری اعداد و شمار معتمرین کے متعلق جو ہیں فرض کر لیا جائے تو سال بھر میں ۲۰ لاکھ اور صرف رمضان المبارک میں ۱۰ لاکھ کے لگ بھگ عمرہ کرنے والے افراد آتے ہیں اور ایک آدمی ڈھائی ہزار ریال خرچ کرتا ہے اس طرح ملک کی آمدنی ساڑھے سات ارب ریال سالانہ ہونے کی امید ہے، دیگر ماہرین کا کہنا ہے کہ اس نئے نظام سے رہائش، خوراک، نقل وحمل، مواصلات، اشیائے صرف کے دوکاندار، مزدور اور ادارہ صحت میں سرمایہ لگانے والے بھی خوب فائدہ اٹھائیں گے۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ سعودی عرب میں مقیم غیر ملکیوں کے اہل خانہ جو تقریباً ۵۰ لاکھ ہیں ان کو بھی عمرہ کے نظام سے فائدہ پہونچنے کی امید ہے۔

● ترکی عالم اسلام کا ایسا ملک ہے جس کا کچھ حصہ ایشیا اور کچھ یورپ میں واقع ہے۔ اس کے تین طرف سمندر ہے یہاں اونچے اونچے پہاڑ اور وسیع میدان ہیں اور زیادہ تر لوگ دیہاتوں میں رہتے ہیں۔ ترکی کا رقبہ ۷ لاکھ ۸۰ ہزار ۵ سو اسی کلومیٹر اور آبادی ۶ کروڑ نفوس پر مشتمل ہے اس کی آبادی کا ۸۰ فیصد ترکوں پر اور ۲۰ فیصد کردوں پر مشتمل ہے ترکی کے مغرب میں یونان، شمال میں بلغاریہ، شمال مشرق میں شام، جنوب میں عراق، شمال مشرق میں آرمینیا اور جارجیا اور مشرق میں ایران واقع ہے۔ ترکی کے ۹۸ فیصد لوگ مسلمان ہیں۔

۱۷ اگست ۱۹۹۹ء اور ۱۳ نومبر ۱۹۹۹ء کو ترکی میں شدید زلزلہ آیا اس سلسلے میں ترکی کا ایک بڑا با اثر مذہبی حلقہ زلزلے کو اللہ کے احکامات سے نافرمانی کی سزا اور عذاب الٰہی قرار دیتا ہے۔ خلیج ٹائمز نے اپنے نمائندے کے حوالے لکھا ہے کہ اس کے نمائندے کو ایک سن رسیدہ ترکی نے بتایا کہ خدا نے ہمیں سزا دی ہے ہم اپنے راستے سے بھٹک گئے ہیں۔ سابق وزیر اعظم نجم الدین اربکان جن کی رفاہ پارٹی پر اسلام پرست ہونے کا الزام لگایا گیا اور ان کی پارٹی پہ پابندی لگائی گئی۔ اس پارٹی کی طرف سے روزنامہ ملی گزٹ شائع ہوتا ہے اس میں بھی کہا گیا کہ یہ زلزلہ نہیں قدرت کا انتقام تھا۔ نجم الدین اربکان کا کہنا تھا کہ جس ملک میں ایک خاتون پارلیمنٹرین پر اس لئے پابندی لگا دی جائے کہ وہ اسکارف پہن کر پارلیمنٹ میں آگئی تھی، طالبات کے اسکارف اوڑھنے پہ پابندی لگ جائے۔ مذہبی اسکول ادارے بند ہو جائیں تو پھر یہی کچھ ہونا تھا۔ اربکان نے کہا کہ "اللہ ہمیں معاف کرے ہم گناہوں کی طرف دھکیلے جا چکے تھے"!

نبوّت محمدی کو خراج عقیدت

فرانس کا مشہور ادیب لیمرٹائن (LAMARTINE) نبوت محمدی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

کسی بھی انسان نے کبھی بھی شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنے لئے اتنا رفیع الشان مقصد منتخب نہیں کیا، اس لئے کہ یہ مقصد انسان کی طاقت سے باہر تھا، توہمات اور خوش اعتقادیوں کو جو انسان اور اس کے خالق کے درمیان حجاب بن گئی تھیں۔ زیر و زبر کرنا انسان کو خدا کے حوالے کرنا اور خدا کی جوکھٹ پر انسان کو لانا، اس زمانے کی اصنام پرستی کے مادی خداؤں کی جگہ خدائے واحد کے پاکیزہ اور عقلی تصور کو از سر نو بحال کرنا، یہ تھا وہ عظیم مقصد .... کسی انسان نے کبھی بھی ایسے عظیم الشان کام کو جو کسی صورت سے انسانی طاقتوں کے بس کا نہ تھا اتنے کمزور ذرائع کے ساتھ بیڑا نہیں اٹھایا ....

خدا کی توحید کا ایسے دور میں اعلان کرنا جبکہ دنیا لاتعداد فہمی خداؤں کی پرستش کے بوجھ سے دبی ہوئی تھی، بذات خود ایک قوی معجزہ تھا، محمدؐ کی زبان سے جیسے ہی اس عقیدے کا اعلان ہوا، بتوں کے قدیم معبدوں میں خاک اڑنے لگی، اور ایک تہائی دنیا ایمانی حرارت سے لبریز ہوگئی، جان ولیم ڈریپر (JOHN WILLAM DRAPER) یورپ کی ذہنی و علمی تاریخ کے ضمن میں لکھتا ہے،

۵۶۹ء میں جسٹی نین (JUSTINIAN) کی موت کے چار سال بعد سرزمین عرب کے شہر مکہ میں وہ شخص پیدا ہوا جس نے نسل انسانی پر سب سے زیادہ اثر ڈالا۔

حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی دامت برکاتہم (ماخوذ: انسانیت کے محسن اعظم صـ ۱۶)

تاثرات حرم

● پروفیسر طفیل احمد مدنی

کعبے کی شان و جاہ و حشم دیکھتے رہے
ہم دم بخود جمال حرم دیکھتے رہے
محو طواف کعبہ بصد شوق و احترام
اک اژدہام خیرامم دیکھتے رہے
ہر سمت گرد کعبہ بہت دور دور تک
پیشانیاں سجود میں خم دیکھتے رہے
ہر رنگ و نسل و قوم کے لوگوں کے درمیاں
ہمدردی و خلوص بہم دیکھتے رہے
رحمت کی شکل میں کبھی زم زم کی شکل میں
بندوں پہ رب کا لطف و کرم دیکھتے رہے
آنکھوں میں اشک چہروں پہ آثار انبساط
آمیزش مسرت و غم دیکھتے رہے
صحن حطیم، رکن یمانی و ملتزم
ہر جا جمال رب حرم دیکھتے رہے
اظہار عجز و گریہ و توبہ بصد خشوع
یہ سب بھی ہم بہ دیدۂ نم دیکھتے رہے
بنیاد کعبہ رکھی تھی جس نے بحکم رب
اس آدمی کا نقش قدم دیکھتے رہے
سنگ سیاہ اور در کعبہ کے آس پاس
اب کیا بتائیں تم سے جو ہم دیکھتے رہے
مکہ کے واپسی میں بصد رنج و غم طفیل
جب تک دکھا غلاف حرم دیکھتے رہے

بہترین اور بدترین مال

بہترین مال وہ ہے جو حلال طریقے کمایا جائے، اور بھلائی کے کاموں میں خرچ کیا جائے، اور بدترین مال وہ ہے جو حرام طریقے کمایا جائے اور گناہ کے کاموں میں خرچ کیا جائے

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا کل ہند اجلاس

منعقدہ ممبئی کی مختصر رپورٹ

محمد سلمان خان ندوی

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا تیرہواں کل ہند اجلاس ۲۸ تا ۳۰ اکتوبر ۱۹۹۹ء کو بمبئی میں منعقد ہوا، یہ انتخابی جلسہ تھا، بالعموم ہر تین سال پر بورڈ ارکانِ عام وغیرہ کے انتخاب کے لئے ایک اجلاس منعقد کرتا ہے جس میں ایک صدر، پانچ نائب صدور اور جنرل سکریٹری اور تین سکریٹریز، ۵۱ میقاتی ممبران کا انتخاب عمل میں آتا ہے۔ یہ اجلاس بھی انتخابی تھا جو تقریباً ۴ سال بعد ہوا۔ چنانچہ اس جلسہ میں مختلف اسلامی تنظیموں کے نمائندگان کے علاوہ علماء اور دانشور شریک ہوئے، اس موقع پر بورڈ کے جنرل سکریٹری مولانا سید نظام الدین صاحب نے رپورٹ پیش کی جس میں گذشتہ چند سالوں کے درمیان بورڈ کی کارروائیوں اور سرگرمیوں کا جائزہ لیا گیا۔

بورڈ کے صدر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ العالی اپنی علالت کی وجہ سے بنفس نفیس شریک نہ ہو سکے، ان کے نمائندہ کی حیثیت سے ڈاکٹر عبداللہ عباس صاحب ندوی (معتمد تعلیمات دارالعلوم ندوۃ العلماء) نے حضرت مولانا کا لکھا صدارتی خطبہ پڑھ کر سنایا۔ خطبہ صدارت میں حضرت مولانا دامت برکاتہم نے آگاہ کیا کہ مسلمان اگر پرسنل لا یعنی شرعی، عائلی قانون میں تبدیلی قبول کریں گے تو بس آدھے مسلمان رہ جائیں گے، اس کے بعد خطرہ یہ ہے کہ آدھے مسلمان بھی نہ رہ جائیں، فلسفۂ اخلاق، فلسفۂ نفسیات اور فلسفۂ مذاہب کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ مذہب کو اپنے مخصوص نظام معاشرت و تہذیب سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔

اسی اجلاس میں بورڈ کا ایک بار پھر آئندہ مدت کے لئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ ہی کو بالاتفاق صدر منتخب کیا گیا، اس کے بعد صدر نے ازروئے دستور بمشورۂ مجلس عاملہ ۴ نائب صدور کا انتخاب کیا، مولانا محمد سالم صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند (وقف) مولانا کلب صادق صاحب (شیعہ عالم) مولانا مختار احمد ندوی صاحب، مولانا سراج الحسن (امیر جماعت اسلامی ہند)۔

اس انتخابی جلسہ میں ۳۰ ارکان عاملہ کا بھی انتخاب ہوا، اور دس ارکان عاملہ کو دستور کی رو سے صدر نے نامزد کیا، کل ۴۱ ارکان عاملہ میں سے چند کے نام یہ ہیں۔

(۱) مولانا مجاہد الاسلام قاسمی صاحب (۲) مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب (۳) مولانا محمد برہان الدین صاحب (۴) مولانا سید سلمان حسینی ندوی صاحب (۵) ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی صاحب (۶) ظفریاب جیلانی ایڈوکیٹ صاحب (۷) مولانا محمد ولی رحمانی صاحب (۸) مولانا احمد علی قاسمی صاحب (۹) عبدالرحیم قریشی صاحب (۱۰) سید شہاب الدین صاحب سابق ایم پی (۱۱) شیخ عبدالستار صاحب (۱۲) شبیر بھائی نورالدین صاحب۔

بورڈ کے اندر جو تجاویز منظور ہوئیں ان میں سے ایک میں صدر جمہوریہ ہند کے اپنے پارلیمانی حالیہ افتتاحی خطبہ میں دستور ہند میں ترمیم کی طرف اشارہ کرنے کے خلاف سخت ردعمل ظاہر کیا گیا کیونکہ اس تبدیلی سے مسلم پرسنل لا اور اقلیتوں دیگر حقوق متاثر ہونے کا شدید خطرہ پیدا ہو گیا ہے، بورڈ کو زیادہ متحرک اور فعال بنانے کے لئے صوبائی سطح پر اس کی ایک ہیئت وجود میں لانے کا بھی مشورہ ہوا۔

ایک تجویز مسلمانوں میں شادی بیاہ کے موقع پر فضول خرچی سے بچنے اور اسلامی قوانین و ہدایات کی پابندی کرنے کے بابت منظور ہوئی۔

بابری مسجد سے متعلق مقدمات کی جو کارروائی یو پی ہائی کورٹ میں چل رہی ہے اس میں تیزی لانے کی بابت بھی بورڈ کے ذمہ داروں نے حکومت کو توجہ دلائی۔

اور بعض ہائی کورٹوں کے مسلم پرسنل لا مخالف فیصلوں کی چارہ جوئی کرنے اور اس کے تدارک کے لئے اور مناسب تدابیر اختیار کرنے کا بھی فیصلہ کیا گیا۔

بورڈ کے اجلاس کے موقع پر حسب معمول ۳۰ اکتوبر کو جلسہ عام بھی ہوا جس میں محتاط اندازہ کے مطابق ایک لاکھ سے زائد افراد نے شرکت کی، اس جلسہ کو بورڈ کے ممتاز علماء و دانشوروں نے (جن میں ارکان بھی شامل ہیں) خطاب کیا ان میں سے چند کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

سید شہاب الدین سابق ایم پی، مولانا سراج الحسن امیر جماعت اسلامی، مولانا احمد علی قاسمی، مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، مولانا سید سلمان حسینی ندوی، عبدالرحیم قریشی سکریٹری بورڈ۔

یہ جلسہ ارکان اور دیگر معزز افراد کی شرکت نیز حاضرین کی تعداد کے لحاظ سے بہت ممتاز رہا۔

مطالعے میز پر

تبصرے کیلئے کتابوں کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے!

محمد شاہد ندوی بارہ بنکوی

نام کتاب : افادات صدیق (جلد اول)
جمع و ترتیب : مفتی محمد زید مظاہری ندوی
صفحات : ۴۴۴، سائز ۱۸×۲۳/۸، قیمت ۱۰۰/- روپئے
ملنے کا پتہ : مکتبہ ندویہ، پوسٹ بکس ۹۳ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

اسلاف اور بزرگوں کے تذکرے محیرالعقول آثر مجسمۂ حیرت بنا دینے والی حکایات مصائب و مشکلات کے وقت صبر و شکر اوران کے مجاہدات کو سن کر اور پڑھ کر پست ہمت اور کمزور نفوس افراد کو جلا ملتی ہے، عزائم بلند ہوتے ہیں اور دینی، اصلاحی اور علمی کام کرنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔

راحت و آرام قربان کرکے اپنی شہرت و رفعت کو پس پشت ڈال کر جن بزرگوں نے علم و دین کی خدمت انجام دی۔ ان میں ایک نمایاں بزرگ عالم دین مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے جنھوں نے اللہ تعالیٰ پر اعتماد و بھروسہ کرکے اپنی روحانی عزیمت اور بلند ہمتی سے بڑا کام کیا۔ اور اپنے پیچھے ایسے اصلاحی نقوش چھوڑے ہیں جو عوام و خواص سب کے لئے مفید اور قابل تقلید ہیں۔

زیر نظر کتاب میں مولانا قاری سید صدیق احمد باندویؒ کے ملفوظات، ملفوظات اور ارشادات خود ان کے سادہ الفاظ میں مفتی محمد زید مظاہری ندوی نے تقریباً ۱۸ سال کی رفاقت کے دوران جمع کئے ہیں۔ ملفوظات کی یہ کتاب طلباء و اساتذہ، اراکین مدارس اور مبلغین سب کے لئے ایک قابل قدر اور قابل تقلید علمی، عملی، اصلاحی، دعوتی اور تربیتی تحفہ بھی ہے اور ملت اسلامیہ کے مختلف طبقات میں انفرادی و اجتماعی طور پر اصلاح و دعوت کا کام کرنے والے اور تزکیۂ نفوس کے طالبوں کے لئے ایک قیمتی ہدیہ بھی۔

اس کتاب میں قاری صاحب کے مشاہدات و تاثرات کے علاوہ ان کے ساتھ پیش آنے والے واقعات بھی درج ہیں جو اپنے اندر بڑی کشش اور نافعیت رکھتے ہیں۔

یہ کتاب پڑھنے سے ایسا لگتا ہے جیسے ایک ماہر نفسیات یعنی روحانی طبیب، علماء اہل مدارس، مبلغین اور دینی اداروں میں پھیلنے والے ظاہری و باطنی روحانی امراض کی تشخیص کرکے ان کے لئے مناسب علاج تجویز کر رہا ہے۔ کامل یقین ہے کہ قاری صاحبؒ کے ان علمی اصلاحی اور تربیتی ارشادات و فرمودات عوام و خواص سب کے لئے مفید اور نافع ثابت ہوں گے۔

نوٹ :۔ کتاب کے اندر مختلف جگہوں پر پروف پڑھنے میں غلطیاں رہ گئی ہیں مثلاً ص ۲۲۷ پر پانچویں سطر میں "کام" کی جگہ "کالم" ہو گیا ہے۔ ص ۲۲۸ پر پانچویں سطر میں ایک جگہ سے "زائد" ہو گیا ہے ص ۳۲۵ پر نویں سطر میں "کے" کی جگہ "سکے" ہو گیا ہے اسی طرح کتاب میں بہت سی جگہوں پر کہاں، کہا، تنہا، کہیں، نہیں، ہی، کہو، وغیرہ میں "ہ" کی علامت "ھ" چھوٹ گئی ہے، آئندہ ایڈیشن میں مذکورہ غلطیوں کی اصلاح کرلی جائے تو بہتر ہوگا۔ اگر دستی کتابت ہوتی تو بہتر ہوتا۔

نام کتاب : مکالموں کا گلدستہ (حصہ دوم)
تالیف : مولانا محمد انعام اللہ قاسمی
صفحات : ۲۸۸، سائز ۱۸×۲۲/۸،
عمدہ کتابت، خوبصورت سرورق۔ قیمت درج نہیں

لوگوں کی اصلاح و تبلیغ کے لئے تقریر و تحریر کے علاوہ ایک طریقہ مکالماتی گفتگو بھی ہے اس کے ذریعہ بھی اپنی بات آسان اور دلچسپ انداز سے پیش کی جاتی ہے، یہ مکالماتی گفتگو عموماً بڑے ذوق و شوق سے سنی جاتی ہے۔ مکالموں اور سوال و جواب کا یہ انداز گفتگو قدیم بھی ہے اور دلچسپ بھی اور سامعین اس کے ذریعہ بات کو صحیح ڈھنگ سے ذہن نشین بھی کر لیتے ہیں۔

مولانا محمد انعام اللہ قاسمی نے "مکالموں کا گلدستہ" (حصہ دوم) کے نام سے اس موضوع پر ایک مفید اور اچھی کتاب تیار کی ہے۔ انھوں نے اس اچھوتے موضوع پر معاشرہ و زندگی کے حساس و نازک مسائل، دینی و اصلاحی، علمی، فکری اور ادبی مکالمے تالیف کرکے عوام کی اصلاح کے لئے ایک بہتر کوشش کی ہے۔

مکالموں کے اجمالی عنوانات ہیں: قرآنی معلومات عام معلومات، اللہ کا ذکر، ایمان ایک عظیم طاقت، جہیز یا میراث، تعلیم، قرآن پاک سے ایک انٹرویو وغیرہ، یہ مکالمے مختصر بھی ہیں اور طویل بھی، دو نفری بھی ہیں۔ اور چھ نفری بھی ـــ ان سارے مکالموں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا پہلو نمایاں طور پر مدنظر رکھ کر عوام و خواص کی اصلاح اور معاشرہ میں پھیلے ہوئے بگاڑ و فساد پر بڑے سلیقہ سے نکیر کی گئی ہے۔

مجموعی طور پر یہ مکالمے عوام و خواص کیلئے مفید اور معلوماتی اور مؤثر بھی ہیں اور دینی مدارس کے طلباء کیلئے بیش قیمت تحفہ بھی۔

خدا کرے مکالموں کی یہ کتاب سب کے لئے نافع ثابت ہو۔

(باقی ص ۳۲ پر)

(بقیہ) درس حدیث

دانت سے اس لئے کہ وہ ہڈی ہے اور ناخن سے اس لئے کہ وہ حبشی لوگوں کی چھری ہے ؎۱

امام بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ "میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ہم لوگ اہل کتاب کے علاقہ میں رہتے ہیں (یعنی شام میں) تو کیا ان کے برتنوں میں کھا سکتے ہیں اور اس علاقہ میں شکار گاہیں بھی ہیں میں اپنے تیر سے شکار کرلیتا ہوں اور ایسے کتے سے بھی شکار کرتا ہوں جو سدھایا ہوا نہیں ہوتا۔ اور ایسے کتے کے ذریعہ بھی شکار کرتا ہوں جو سدھایا ہوا ہوتا ہے ان میں ہمارے لئے کون سا درست بہتر ہے؟

آپ نے فرمایا جہاں تک اہل کتاب کے علاقہ میں رہنے کا تعلق ہے تو ان کے برتنوں میں نہ کھاؤ، الا یہ کہ کوئی اور صورت نہ ہو ایسی صورت میں اس برتن کو دھولو پھر اس میں کھاؤ اور رہا شکار کا معاملہ تو اگر بسم اللہ کرکے تیر سے شکار کیا ہے تب تو کھاؤ، ایسے ہی سدھائے ہوئے کتے سے بسم اللہ کرکے شکار کیا ہے تو اس کو بھی کھاؤ۔

ابوداؤد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

"اے اللہ کے رسول ہم اہل کتاب کے پڑوس میں رہتے ہیں وہ اپنے برتنوں میں خنزیر پکاتے ہیں۔ اپنے برتنوں میں شراب پیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر ان برتنوں کے علاوہ برتن مل جائیں تو ان میں کھاؤ پیو۔ اور اگر دوسرے برتن نہ ملیں تو ان کے برتنوں کو اچھی طرح دھوکر پھر اس میں کھاؤ پیو!

؎۱ لوگ زمانہ جاہلیت میں اس طرح ذبح کرتے تھے۔

بقیہ: بغیر عمل کے علم

جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ یہ امر اس لئے ہوگا کہ استادوں نے غیر اللہ کے لئے سکھایا اور شاگردوں نے غیر اللہ کے واسطے سیکھا۔

۳۴۔ حضرت کعبؓ نے فرمایا کہ آخر زمانہ میں ایسے عالم ہوں گے کہ لوگوں کو دنیا میں زہد کرنے کو کہیں گے اور خود زہد نہ اختیار کریں گے اور لوگوں کو ڈرائیں گے اور خود نہ ڈریں گے۔ اور حکام کے پاس آنے جانے سے اوروں کو منع کریں گے اور خود ان کے پاس جائیں گے اور دنیا کو آخرت پر اختیار کریں گے۔ اور اپنی زبان کی بدولت کھائیں گے۔ تونگروں کو اپنے پاس بٹھائیں گے اور فقیروں اور غریبوں کو نہ بٹھائیں گے۔ علم پر ایسا لڑیں گے جیسے عورتیں مردوں سے لڑتی ہیں۔ جب اور کوئی ان کا ہمنشین دوسرے کے پاس بیٹھے گا تو وہ اس پر غصہ ہوں گے۔ یہ لوگ متکبر اور اللہ کے دشمن ہوں گے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان تم پر کبھی علم ہی کے ذریعہ سے غالب ہوجائیگا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یہ کیسے ہوگا آپ نے فرمایا کہ یوں کہے گا علم سیکھ اور جب تک سیکھ نہ لے تب تک عمل مت کر۔ پس آدمی علم میں مصروف رہتا ہے اور عمل میں لیت و لعل کرتا ہے۔ یہاں تک کہ مرجاتا ہے اور کچھ عمل نہیں کرپاتا۔

۳۵۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ علم کثرت روایت کا نام نہیں بلکہ خوف خدا کا نام ہے اور جو عالم عمل نہیں کرتا اس کی مثال ایسی ہے جیسے بیمار کی دوا کی صفت بیان کرے اور استعمال نہ کرے یا بھوکا شخص جو لذیذ کھانوں کے نام۔ اور مزے بیان کرے۔ اور خود نہ کھائے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ تین چیزوں سے میں اپنی امت پر ڈرتا ہوں ان میں عالم کی لغزش اور قرآن میں منافق کا جھگڑنا ہے۔ (طبرانی بروایت ابوداؤد)

۳۶۔ حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ علم عمل کو پکارتا ہے۔ اگر عمل کیا تو علم باقی رہتا ہے ورنہ رخصت ہوجاتا ہے۔

۳۷۔ فضیل بن عیاض فرماتے ہیں کہ مجھ کو تین شخصوں پر ترس آتا ہے۔ ایک وہ شخص کہ اپنی قوم میں عزت رکھتا تھا اور ذلیل ہوگیا۔ ایک وہ شخص کہ قوم میں تونگر تھا اور مفلس ہوگیا، ایک وہ عالم جس سے دنیا کھیلتی ہے۔

۳۸۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ علماء کا عذاب دل کا مردہ ہوجانا ہے۔ اور دل کی موت یہ ہے کہ آخرت کے عمل سے دنیا کی طلب ہو۔

۴۰۔ علامہ شعرانیؒ نے فرمایا کہ جس شخص نے علم کو عمل کے لئے نہ حاصل کیا تو جس قدر اس کا علم بڑھے گا اسی قدر اس میں برائیاں اور عیوب بڑھیں گے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء

تعارف • خدمات • ضروریات

دارالعلوم ندوۃ العلماء محتاج تعارف نہیں ہے اس کے قیام کو بفضلہ تعالیٰ سو سال سے زائد ہو گئے ہیں خدا کا شکر ہے کہ اس اثناء میں اس نے گرانقدر
ی خدمات انجام دی ہیں۔ عرصۂ دراز سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ کی توجہ اور سرپرستی حاصل ہے جن کے دور نظامت میں وہ ایک عظیم
رکز بن گیا ہے۔ اسلامی تعلیمات کی نشر و اشاعت اور دینی زندگی کے لئے اس کے طلبہ، اساتذہ اور کارکنان حسب توفیق کوشاں ہیں۔

اس وقت دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ہندوستان کے مختلف علاقوں کے علاوہ ملیشیا، تھائی لینڈ، انڈونیشیا، نائجیریا اور دوسرے ممالک کے طلباء بھی
ہیں مختلف ملکوں سے برابر داخلہ کی درخواستیں آتی رہتی ہیں۔ اللہ کے فضل سے عرب ممالک میں ندوۃ العلماء بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور وہاں
یں اس کی تعلیم و تربیت سے استفادہ کی خواہش روز افزوں ہے۔ ان اسباب کی بنا پر داخلوں کی تعداد میں ہر سال غیر معمولی اضافہ ہو رہا ہے۔

قارئین اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء اور دیگر دینی مدارس مسلمانوں کے مالی تعاون سے ہی چلتے ہیں، اور یہ ان کے لئے صدقۂ جاریہ
ب آخرت کا ذریعہ ہے، دینی تعلیم کی جو اہمیت ہے وہ کسی سے مخفی نہیں، خاص طور پر ہندوستان جیسے سیکولر ملک میں یہ ذمہ داری خود ملت کو انجام دینا ہوتی ہے
بھی ان کے تعاون کی ضرورت بڑھی ہوئی ہے۔ ندوۃ العلماء اپنے مرکزی ادارہ دارالعلوم اور اس کی مقامی شاخوں کی پوری مالی ذمہ داری انجام دیتا ہے
ب میں ہزاروں طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ملحقہ مدارس اس کے علاوہ ہیں جو ملک کے مختلف اطراف میں پھیلے ہوئے ہیں ان کی جزوی ذمہ داری
ۃ العلماء پر ہے۔ ندوۃ العلماء میں تعلیمی شعبے کے ساتھ کئی شعبے اصلاح و تربیت اور دعوت و ارشاد کے بھی ہیں۔ اس طرح ندوۃ العلماء پر ملی اور دینی ذمہ داریوں
دینے کے مصارف کا بڑا بوجھ ہے جو دینی و ملی درد رکھنے والے مسلمانوں کے تعاون سے ہی اٹھایا جاتا ہے۔

لہٰذا اللہ کے کام پر خرچ کرنے والے بھائیوں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے مال کی نعمت سے نوازا ہے، ہماری پُرزور اپیل ہے کہ اس کام میں دل کھول کر
ا کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا اجر بے حد و حساب ہے جس کو قرآن مجید میں یوں ادا کیا گیا ہے: مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
بَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَّاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ط جو لوگ اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ
ہیں ان کے مال کی مثال اس دانے کی سی ہے جس سے سات بالیں اگیں اور ہر ایک بال میں سو سو دانے ہوں اور خدا جس (کے مال) کو چاہتا ہے زیادہ کرتا
، بڑی کشائش والا ہے۔

ہمیں امید ہے کہ اہل خیر حضرات اس میں دل کھول کر حصہ لیں گے۔

وما ذلک علی اللہ بعزیز

محمد رابع حسنی ندوی
(نائب ناظم ندوۃ العلماء)

(مولانا) عبداللہ عباس ندوی
(معتمد تعلیم۔ ندوۃ العلماء)

(بریگیڈیر) وصی احمد صدیقی
(معتمد مال ندوۃ العلماء)

نوٹ: چیک، ڈرافٹ، منی آرڈر مندرجہ ذیل پتہ پر روانہ فرمائیں، مرسلہ رقم جس مد کی ہو اس کی صراحت ضروری
ہے۔ چیک یا ڈرافٹ پر صرف یہ لکھئے:۔

ناظم ندوۃ العلماء پوسٹ بکس نمبر ۹۳، ندوہ لکھنؤ ۔ ۲۲۶۰۰۷
NAZIM, NADWATUL ULAMA, P.O.BOX 93-LUCKNOW-226007

No.: (0522) 333020 ... House: 323864

TAMEER-E-HAYAT

Rs 6

لکھنؤ

تعمیرِ حیات

پندرہ روزہ

عید کی برکات

رمضان کی برکتوں کا کیا کہنا اور پھر آخر عشرہ کی راتوں کی قدر و قیمت کا تو کوئی حساب ہی نہیں لیکن انھیں رحمتوں کی وسعت بے کراں ملاحظہ ہو کہ عید کی رات کا شمار اجر و برکت کے لحاظ سے انھیں رمضان کی راتوں میں ہے جو اس رات کو جاگا اس نے گویا اخیر رمضان ہی کی ایک اور رات کو پایا' اور پھر یہ ارشاد بھی ایک سچے کی زبان سے ہو چکا ہے کہ عید کو تڑکے ہی سے فرشتے یہ صدا دینے لگتے ہیں کہ لوگو! نماز کو چلو اور عبادت کو آمادہ ہو' فرشتوں کی آواز بھلا ہمارے یہ مادی کان کیا سن سکتے ہیں' لیکن دل کے کان ہوں نہ ہو اس آواز غیبی سے کچھ ربط ضرور رکھتے ہیں' جب ہی تو مشاہدہ ہے کہ نمازیوں کے پرے کے پرے عیدگاہ اور مسجدوں کو روانہ ہو رہے ہیں۔ جنھیں سال بھر بھی دو ٹکریں زمین پر لگانا نصیب نہیں ہوتیں وہ آج خوشی خوشی دوگانہ پڑھنے آ رہے ہیں' اور بڑے بڑے نمبری بے غسلے آج بغیر کسی کے ٹھیلے اور ڈھکیلے خود ہی نہانے دھونے میں لگے ہیں۔

عید کا صدقہ کس مقدار میں ہو' یہ تفصیل کسی فقہ کی کتاب میں دیکھ لیجئے یا کسی پڑھے لکھے سے پوچھ لیجئے۔ بہرحال تاکید اس کی آئی ہے کہ اسے نماز سے قبل ہی ادا کر دیا جائے' نہ ادا ہو تو خود رمضان کے روزوں کی مقبولیت ہی کے ادھر میں پڑے رہ جانے کا خطرہ ہے۔ خالق تنہا اپنی عبادت سے راضی ہی کب ہوتا ہے جب تک مخلوق کے بھی حق ادا نہ کر لئے جائیں۔

عید کا دن احتساب کا دن ہے مہینہ بھر کے حساب کتاب کا دن ہے خوش نصیب ہے وہ جس کا کھاتا آج نیکیوں اور طاعتوں سے لبریز نظر آئے۔ بس زبانوں پر حمد کے زمزمے اور ہونٹوں پر توحید کے نغمے! جی ہاں! اللہ کے ان بندوں کی شریعت کے مزاج ہی میں بانکپن ہی کچھ ایسا ہے۔ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔

مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ

(از: نشریات ماجدی۔ دوم صفحہ ۳)

فی شمارہ ۶ روپے | سالانہ ۱۳۰ روپے | ۱۰ دسمبر ۱۹۹۹ء



حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی سوال کرنے والے کے سوال سے زیادہ باتیں بتادیتے تھے

سائل کا جواب دینے کے بعد کبھی کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بات کو ذہن میں اچھی طرح بٹھانے کے لئے سائل سے پھر پوچھتے کہ تم نے کیا سوال کیا تھا؟

شیخ عبدالفتاح ابو غدہؒ

ترجمہ: شمس الحق ندوی

کبھی کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوال کرنے والے کے جواب میں سوال سے زیادہ باتیں بتادیا کرتے تھے اور یہ آپؐ اس وقت کرتے جب محسوس فرماتے کہ سوال کرنے والے کو مزید باتیں بتانے کی ضرورت ہے وہ ان سے ناواقف ہے یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال شفقت اور سیکھنے سمجھنے والوں کے ساتھ بے پناہ رعایت وخیال کی وجہ سے تھا۔

حضرت امام مالکؒ نے "مؤطا" میں روایت فرمایا ہے، اور ابو داؤد نے بھی روایت کی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایک شخص نے جو بنو مدلج سے تعلق رکھتا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول ہم لوگ سمندر کی سفر کرتے ہیں اور ساتھ میں پینے کا پانی کم رکھتے ہیں اب اگر اس پانی سے وضو کریں تو پیاسے رہیں گے تو کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کرسکتے ہیں؟ آپ نے جواب میں فرمایا سمندر کا پانی پاک ہے اس میں کے مرے ہوئے (حلال) جانوروں کا کھانا بھی حلال ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بنو مدلج کے اس شخص کو جو بحری سفر زیادہ کیا کرتا تھا، سمندر کے پانی سے وضو کا بھی حکم بتایا اور جب آپ کو یہ اندیشہ ہوا کہ وہ سمندر کی مردار چیزوں کے بارے میں شک وشبہ میں پڑے گا اور یہ ایسی چیز ہے کہ سمندری سفر میں اس کی ضرورت پڑتی ہے تو آپ نے جواب میں یہ بھی واضح فرمادیا کہ سمندر کے جانوروں میں سے جو حلال ہیں ان کا کھانا اور ان سے فائدہ اٹھانا بھی جائز ہے چنانچہ اس سے زائد بات بھی فرمادی کہ اس کا مردار بھی حلال ہے۔

جواب میں یہ اضافہ ضروری تھا اس لئے کہ اس سے یہ بات صاف ہوگئی کہ سمندر میں کوئی چیز مرجائے تو بھی سمندر کا پانی پاک رہے گا، ساتھ ہی اس حلال مردار کے کھانے کا حکم بھی بتادیا کہ اس کا کھانا حلال ہے اور اس کا جاننا ضروری ہے، اس لئے کہ مسافر کبھی ان چیزوں کے کھانے پر مجبور ہوتا ہے کبھی اختیاری طور پر اور کبھی مجبور کھانا پڑتا ہے اس کو کھا بھی سکتا ہے اور مزید مدت کے لئے رکھ بھی سکتا ہے جیسی وہ ضرورت محسوس کرے اس کے عمل میں کوئی حرج نہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا یہ انداز اچھی طرح تعلیم دینے کا لب لباب ہے جس کی متعلم کو ضرورت ہوتی ہے۔

امام مسلمؒ نے کتاب الحج میں "باب صحۃ حج الصبی واجر من حج بہ" اور ابو داؤد اور نسائی نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ "ایک عورت نے دوران حج اپنے بچے کو اٹھایا اور کہا اے اللہ کے رسول! کیا اس بچہ کا حج ہے، آپؐ نے فرمایا ہاں! اور ثواب تم کو ملے گا۔

کبھی کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوال کرنے والے کے سوال کو پھر اس سے پوچھتے تھے کہ تم نے کیا سوال کیا تھا؟ اس سے سوال کرنے کے علم کو محکم فرماتے تھے، تاکہ اس کا علم بڑھے یا جو کچھ اس نے پوچھا ہے وہ اچھی طرح اس کے ذہن میں بیٹھ جائے، یا آپؐ مزید اس کی وضاحت فرمادیں، اس طرح کے اور بھی مقاصد ہوتے تھے۔

امام مسلم اور نسائی نے حضرت قتادہؓ سے روایت کیا ہے کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام کے درمیان کھڑے ہوئے اور فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد اور اللہ پر ایمان یہ دونوں سب سے اچھے عمل ہیں۔ یہ سن کر ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا اللہ کے رسول آپ بتائیے کہ اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کردیا گیا تو قتل ہونا میرے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! اگر تم اللہ کی راہ میں قتل کردیئے گئے اور اس طرح قتل ہوئے کہ صبر و برداشت سے کام لیا، ثواب کی امید میں جہاد کیا، دشمن کی طرف برابر بڑھتے رہے میدان چھوڑ کر بھاگے نہیں۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے کیا سوال کیا تھا؟ اس نے کہا آپ یہ فرمائیں کہ اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کردیا جاؤں تو یہ قتل ہونا میرے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا؟ آپؐ نے فرمایا ہاں جبکہ تم صبر سے کام لو اور صرف اللہ کی رضا وثواب کے لئے لڑو، دشمن کی طرف بڑھتے جاؤ میدان چھوڑ کر بھاگو نہیں، ہاں اگر کسی کا قرض باقی ہے اور

(بقیہ صفحہ ۳۰ پر)

پندرہ روزہ لکھنؤ

تعمیر حیات

مجلس صحافت ونشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر (۳۶) شمارہ نمبر (۳)

۱۰؍دسمبر ۱۹۹۹ء — مطابق — یکم شعبان ۱۴۲۰ھ

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین وادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ ۱۳۰/ روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں

گزارش

خط وکتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کے ساتھ مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے منیجر

خط وکتابت کا پتہ

منیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس نمبر ۹۳

ندوۃ العلماء لکھنؤ ۲۲۶۰۰۷ یوپی

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت ونشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں

زر تعاون

سالانہ	۱۳۰/ روپے
فی شمارہ	۶/ روپے
بیرونی ممالک فضائی ڈاک	
ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک	۳۰ ڈالر
بیرونی ممالک بحری ڈاک	
بحری ڈاک جملہ	۱۵ ڈالر

پرنٹر پبلشر شاہد حسین نے ابرکو آفسٹ میں طبع کرکے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا۔

حامد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس شمارے میں

شرائط ایجنسی

۱۔ پانچ کاپی سے کم کی ایجنسی جاری نہیں کی جاتی۔
۲۔ فی کاپی Rs. 15/= کے حساب سے زر ضمانت روانہ کرنا ضروری ہے۔
۳۔ کمیشن جوابی خط سے معلوم کریں۔

نرخ اشتہار

۱۔ تعمیر حیات کالی کالم فی سینٹی میٹر اندرونی صفحہ Rs. 30/=
۲۔ تعمیر حیات کالی کالم فی سینٹی میٹر پشت پر رنگین صفحہ Rs. 40/=
۳۔ کمیشن تعداد اشاعت کے مطابق ہوگا جو آرڈر دینے پر متعین ہوگا۔
۴۔ اشتہار کی نصف رقم پیشگی جمع کرنا ضروری ہے۔

بیرون ملک نمائندے

Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb. P O Box No 842, Madina Munawwara (K S A)	مدینہ منورہ
Mr. M. AKRAM NADWI O C I S , St Cross College, Oxford Ox1 3TU-U K	برطانیہ
Mr. M. YAHYA SALLO NADWI Sb. P O Box 388 Vereninging,(S Africa)	ساؤتھ افریقہ
Mr. ABDUL HAI NADWI Sb. P O Box No 10894, DOHA-QATAR	قطر
Mr. QARI ABDUL HAMEED NADWI Sb. P O Box No 12525, DUBAI (U A E) P·H·No: — 3970927	دبئی
Mr. ATAULLAH Sb. Sector A-50, Near sau Quater H No 109, Town Ship Kaurangi, KARACHI-31 (Pakistan)	پاکستان
Dr. A. M. SIDDQUI Sb. 98-Conklin Ave, Woodmere NEW YORK 11598 (U S A)	امریکہ

اداریہ

شمس الحق ندوی

دل میں کپٹ اور میٹھی باتیں

اس وقت ہم جس دور سے گذر رہے ہیں اس میں شاید ہی کسی دن اخبار خالی جاتا ہو جس میں ہم ڈکیتی و رہزنی کی خبریں نہ پڑھتے ہوں پھر اس سے ناگواری اور ڈاکوؤں پر لعنت ملامت کا اظہار نہ کرتے ہوں، یہ کیسی افسوسناک بات ہے کہ ایک شخص نے تنکے چن چن کر خون پسینہ ایک کرکے کمایا اور یک لخت آن کی آن میں کچھ درندہ صفت انسانوں نے اس کو تہی دست کردیا۔ بلکہ بسا اوقات جان بھی لے لی۔

ہمارا خیال ہے کہ ایسے لوگوں کی تعداد تھوڑی ہی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے وہ لوگ جو معاشرہ میں با اثر ہیں، اور اپنے ماحول اور سوسائٹی کے لئے مثبت کردار ادا کر سکتے ہیں، ان کا دل کچھ اچھا نہیں۔ وہ اپنے اثر و رسوخ سے غلط فائدہ اٹھاتے ہیں، اور باور یہ کرلیتے ہیں کہ ان کی ساری تگ و دو عوام کو فائدہ پہونچانے کے لئے ہے، ان کے نظریات و منصوبے سراسر عوام کی فلاح و بہبود پر مبنی ہیں، بڑے شیریں کلام و خوش گفتار مگر اس کی تہ میں خود غرضی و مفاد پرستی کا دیو استبداد چھپا ہوتا ہے، جو عوام کو سبز باغ دکھاکر ان کا خون چوستا رہتا ہے۔

یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ کے رسولؐ نے فرمایا ہے: السنتهم احلى من العسل وقلوبهم قلوب الذئاب ان کی زبانیں شہد سے زیادہ میٹھی ہیں اور دل بھیڑیوں جیسے ہوں گے۔

ہم ذرا سنجیدگی کے ساتھ اپنے بگڑتے ہوئے سماج اور معاشرہ کا جائزہ لیں، تو معلوم ہوگا کہ پڑھے لکھے اور خوش پوشاک مہذب ڈاکوؤں کی تعداد بہت زیادہ ہے، جس نے ہمارے معاشرے کو کرب و بے چینی میں مبتلا کر رکھا ہے، مگر ایسے لوگوں کو ہم ڈاکو نہیں تصور کرتے، یہ پڑھے لکھے ڈاکو اپنی ذہانت و ہوشیاری سے لوگوں کا خون چوستے رہتے ہیں، اور رہتے ہیں پارسا کے پارسا، یہ یا اس قسم کے دیگر لوگ اپنا حق لینے میں تو پیش پیش رہتے ہیں مگر دوسروں کا حق دینے میں بڑے لیت و لعل اور ہزار حیلے بہانے سے کام لیتے ہیں۔ صاحب حق تڑپ تڑپ کر رہ جاتا ہے۔ اور آہ و کراہ بھی نہیں کر پاتا۔ ایسے لوگوں کی پکڑ قرآن کریم ہی کرسکتا ہے۔ جس کو خالق کائنات نے اتارا ہے۔ جو بندوں کے مزاج و طبیعت اور ذہانت نفس سے خوب واقف ہے۔ قرآن ان مہذب ڈاکوؤں پر لعنت بھیجتا ہے اور ویل (بربادی ہو) جیسے سخت لفظ ان کے لئے استعمال کرتا ہے۔ پڑھئے قرآن کریم کیا کہتا ہے: وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ۔ ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے خرابی ہے، جو لوگوں سے ناپ کرلیں تو پورا لیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو کم دیں۔

کیل اور وزن ناپ اور تول کا مفہوم عام طور پر لوگ یہی لیتے ہیں کہ ناپنے اور تولنے میں کمی کرنے والوں پر یہ لعنت بھیجی گئی ہے۔ حالانکہ آیت کا مفہوم ان تمام صورتوں پر حاوی ہے جن میں اپنا حق پورا پورا لیا جاتا ہو اور دوسروں کا حق مارا جاتا ہو۔

مثال کے طور پر کوئی شخص ملازم ہے تنخواہ تو پوری لیتا ہے۔ لیکن اپنے فرض منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے۔ اس کے برعکس ملازم سے کام تو پورا لیا جاتا ہے لیکن تنخواہ اس کے کام کے تناسب سے کم دی جاتی ہے۔ یا اس میں بلاکسی عذر کے تاخیر کی جاتی ہے۔ تو اس کا شمار بھی تطفیف ہی میں ہونا چاہئے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے قبل دے دو" مزدور سے مراد وہی نہیں جو بوجھ ڈھونے یا اینٹ گارے کا کام کرتا ہو بلکہ ہر وہ شخص اس زمرہ میں شامل ہے جس کے سپرد بالمعاوضہ کوئی بھی ذمہ داری کی گئی ہو۔ اسی طرح دو شخص شرکت میں کاروبار یا دوکانداری کرتے ہیں ایک دوسرے سے کچھ زیادہ لے لیتا ہے۔ یا اپنے لئے اچھے سامان کا انتخاب کرلیتا ہے، تو یہ بھی اسی قبیل میں شامل ہوتا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم نے احتیاط و تقویٰ کی تعلیم دی ہے۔ اور ہوشیار و متنبہ کرتا ہے، إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ۔ (اور اکثر شرکاء کی عادت ہے کہ) ایک دوسرے پر (یوں ہی) زیادتی کیا کرتے ہیں)

(سورۂ ص ۲۴)

زندگی کے دیگر تمام شعبوں میں جہاں باہم ایک دوسرے کے حقوق متعلق ہیں ان سب کو اسی پر قیاس کر لیجئے، اپنا حق پورا پورا لینا، دوسرے کے حق میں کمی و کوتاہی کرنا، بلکہ اکثر دبنتر چالاکی و ہوشیاری سے دوسرے کا حق مار لینا اس جرم سے کم نہیں ہے جس کو ہم ڈکیتی و رہزنی سے تعبیر کرتے ہیں، اس وقت ہمارے معاشرے میں یہ مہذب ڈاکہ عام ہو گیا ہے۔ جس نے معاشرے کے بے شمار افراد کو کرب و بے چینی میں مبتلا کر رکھا ہے مگر معاشرہ کی کمزوری پر ہمارے اخبارات و رسائل کبھی روشنی نہیں ڈالتے جس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ ہوشیاری و چالاکی سے سیدھے سادے یا مجبور انسانوں کا حق مار لینا یا حق سے زیادہ ان سے وصول کر لینا برا نہیں، ہاں یہی کام اگر بندوق کی نال اور چاقو وغیرہ کی نوک پر کیا جائے تو قابل ملامت ہوگا۔ جرم اور ڈاکہ کہلائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کا دل ایسا بنایا ہے کہ اگر وہ دل سے خیر و شر اچھے اور برے کا فیصلہ لینا چاہے۔ تو قلب دو ٹوک فیصلہ دے دیتا ہے۔

اسی لئے انسان ذرا بھی غور کرے اور انصاف کی میزان میں اپنے اعمال کو تولے تو دل کا فیصلہ دو ٹوک ہوگا اسی لئے جرم کرنا گناہ و پاپ ہے، لیکن جرم کو جرم نہ سمجھنا مہا پاپ ہے۔ جرم کو جرم سمجھنے کی شکل میں تو کبھی نہ کبھی رجوع و انابت توبہ و استغفار کی توفیق مل جائے گی، مگر جرم کو جرم نہ سمجھنے کی شکل میں یہ توفیق بھی نہ ملے گی۔ یوم حساب کو جب بندہ علیم و خبیر آقا کے سامنے کھڑا ہوگا تو ساری چالاکی بھول چکی ہوگی۔ اور نہایت حسرت و ندامت اور افسوس کے ساتھ کہے گا۔ یَا لَیْتَنِی قَدَّمْتُ لِحَیَاتِی۔ کاش میں نے اپنی زندگی کے لئے کوئی سامان پہلے سے کر لیا ہوتا۔

لہٰذا ہمیں خدا سے ڈرتے رہنا چاہئے اور اپنے دائرۂ اختیار میں کسی بھی صاحب حق کا حق مارنے، یا اپنے پر واجب حقوق کو ادا کرنے میں کوتاہی کرنے سے بچنا چاہئے کہ یہ اس رہزنی اور ڈاکہ سے زیادہ خطرناک ہے جس کو ہم اپنے عرف میں ڈاکہ کہتے ہیں، آج ہمارے سماج و معاشرہ میں یہ بیماری عام ہو گئی ہے۔ اور اس میں خدا معاف کرے بہت سے وہ لوگ بھی مبتلا ہیں جو دیندار کہلاتے ہیں۔ اور پڑھے لکھے لوگوں میں شمار ہوتے ہیں، ہم جس عالم الغیب پر ایمان لائے ہیں وہ دل کے چوروں کو خوب جانتا ہے، اس سے چار سو بیسی نہ چل سکے گی۔ ہم کو یہ ہرگز نہ بھولنا چاہئے کہ ہمارا آج کا دن عمل کے لئے ہے اور کل کا دن حساب کے لئے۔

یَوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ (جس دن تمام لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے) ظالم و مظلوم دونوں خدا کے روبرو ہوں گے اور ظالم خوف و شرم سے سر جھکائے ہوں گے۔ اس رسوا کن دن کی ہیبتناکی کا بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو مخاطب کر کے فرماتا ہے۔ وَلَوْ تَرٰی اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاکِسُوْا رُءُوْسِھِمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ اور (تم تعجب کرو) جب دیکھو کہ گنہگار اپنے پروردگار کے سامنے سر جھکائے ہوں گے) وہ ہیبتناک دن ہوگا جب ہوشیاری و چالاکی کے پردے میں چھپے ہوئے ڈاکو اپنی اصل شکل میں سامنے آجائیں گے اور عذر و معذرت کا وقت ختم ہو چکا ہوگا لیڈری و با اختیار ہونے کی بساط لپٹ چکی ہوگی اور قرآن کی زبان میں کہا جائے گا۔ ذُقْ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْکَرِیْمُ (عذاب مزہ چکھ، تو بڑی عزت والا اور کشش والا ہے۔

اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم جو خیر امت کہلاتے ہیں اپنی علمی عملی اور اخلاقی ذمہ داریوں کو سمجھیں اور اپنی ذمہ داری کو ان مردان کار کی طرح ادا کرنے کی کوشش کریں، جن کے کارناموں اور انسانیت کو سنبھالا دینے والے مجاہدات و قربانیوں سے تاریخ اسلام پر ہے۔

زمانہ کا حقیقی خلا

تقریر: حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی ـــــــ ترجمہ: مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی

یہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی دامت برکاتہم کی وہ اہم اور تاریخی تقریر ہے جو انھوں نے "جامعۃ الامارات العربیہ العین" میں منتخب دانشوروں، ممتاز فضلاء مسلمان عرب نوجوانوں اور طلبہ وطالبات کی ایک بڑی تعداد کی موجودگی میں ۵ صفر ۱۴۰۴ھ مطابق ۱۹ر نومبر ۱۹۸۳ء کو فرمائی جس میں حضرت مولانا نے امت کی مقدار اول اس کے مقصد حیات، اور عام انسانی مسائل پر زمان و مکان سے بلند ہوکر موقع و حاضرین کی مناسبت سے پوری طاقت وقوت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔
افادۂ عام کی غرض سے ہم اس اہم تقریر کو ہدیۂ ناظرین کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین محمد والہ وصحبہ اجمعین ومن تبعھم باحسان ودعا بدعوتھم الی یوم الدین

سب سے پہلے میں اللہ تعالیٰ کی توفیق پر شکر ادا کرتا ہوں جس نے ایسے منتخب دانشوروں ممتاز فضلاء، مسلمان عرب نوجوانوں اور جزیرہ کے باشندوں اور ہونہار دوستوں سے ملاقات کا موقع عنایت فرمایا۔ جو ابدی عزت وشرافت کے وارث وامین ہیں اور جن سے مستقبل میں امیدیں وابستہ ہیں۔

میرے بھائیو! آجکل پڑھے لکھے دل سوز انسانی مشکلات اور اسلامی مسائل سے دلچسپی رکھنے والوں نے ان مشکلات اور مسائل پر کثرت سے اظہار خیال شروع کر دیا۔ یہی ان کی بحث ومباحثہ کا موضوع بلکہ زمانہ کا فیشن بن گیا ہے ان میں سے بہت سے اقتصادی مسئلہ کو اٹھاتے ہیں اور اس کو موضوع گفتگو بناتے ہیں بعض قیادت کا مسئلہ پیش کرتے ہیں اور اس کو اصل ٹھہراتے ہیں کچھ سیاسی مسائل پر اظہار خیال کرتے ہیں، بات یہاں تک پہونچ گئی ہے کہ مزدوری کا مسئلہ، کارخانوں میں کام کرنے والے ملازمین کا مسئلہ، کاریگروں کا مسئلہ غرضیکہ مسائل کا ایک انبار ہے، لیکن سارے مسائل ذیلی ہیں اور طفیلی ہیں یا وہمی اور خیالی حقیقی مسئلہ پوری انسانی برادری کا عالمی مسئلہ ہے۔

میرے بزرگو اور دوستو! قوم اور ملت کی سطح پر صالح نمونہ کے وجود کا مسئلہ ہے، میرا روئے سخن افراد کے مسئلہ کی طرف نہیں، افراد تو ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے، کوئی زمانہ ان سے خالی نہیں، لیکن تنہا افراد انقلاب نہیں لا سکتے، زمانہ کا رخ نہیں بدل سکتے، مسئلہ اس وقت اس کامل زندہ مثالی نمونہ کا ہے۔ جو قوموں کی سطح پر وجود میں آئے، آج تمام قومیں اور ملتیں بھیڑ بکریوں کے اس ریوڑ کی طرح ہو گئی ہیں جس کا کوئی چرواہا نہ ہو۔

چھٹی صدی مسیحی انسانی دنیا کی تاریک ترین صدی ہے جس میں نہ انسانیت، نہ زندگی کی رمق تھی۔ نہ ضمیر کی کسک، نہ دین کا خیال تھا، نہ اخلاقی حس، نہ آسمانی ہی کوئی کتاب محفوظ تھی، نہ محفوظ اور صادق دین کی رہنمائی، پورا عالم ایک لاشۂ بے جان، ایک جسم بے روح کی طرح تھا، نور کی کوئی کرن نہیں، انسانیت کے قلب میں کوئی درد نہیں تھا۔ غرضیکہ لوگ تاریکیوں میں بھٹک رہے تھے، کہ اللہ تعالیٰ نے اس جزیرہ پر جس پر ہم اور آپ مل رہے ہیں، جو ہم کو اور سارے مسلمانوں کو دل وجان سے زیادہ عزیز ہے۔ اپنے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ آپ کی بعثت ایک نبی کی بعثت تھی، لیکن وہ منسلک تھی ایک پوری امت کی بعثت کے ساتھ اس کا ادراک بہت سے لوگ نہیں کر سکے، اللہ تعالیٰ نے اس امت کی ایسی صفات بیان کی ہیں، جو کسی مبعوث پر ہی منطبق ہو سکتی ہیں، جو مامور من اللہ ہو۔

"كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ (آل عمران)

تم بہترین امت ہو، لوگوں کے لئے نکالے گئے ہو، تم بھلائی کا حکم کرتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

ہم نے ایسا مابہ الامتیاز وصف نہیں دیکھا جو دو امتوں اور دو قوموں میں لکیر کھینچ دے ایسی امت جو مامور من اللہ ہو جس کو ایک ایسی ذمہ داری سونپی گئی ہو جس سے بڑھ کر کوئی ذمہ داری نبوت کے علاوہ نہیں ہو سکتی، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت بعثت مقرونہ تھی وہ ایک امت کی بعثت سے وابستہ تھی

یہی وہ چیز ہے جو انسانیت کے انجام پر اثر انداز ہوئی۔ مذاہب کی تاریخ، قوموں کے عروج و زوال کی تاریخ، اور نظریات و مقاصد کی تاریخ میں یہ ایک نیا تجربہ تھا۔ ہوسکتا ہے قرآن و حدیث کے ماہرین کو اس تعبیر میں انوکھا پن محسوس ہو، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اس میں جدت اور حد سے تجاوز سمجھیں۔ لیکن اس موقعہ پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام استشہاد میں پیش کرتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا:

بُعثتم مُیَسِّرِیْنَ وَلَمْ تُبْعَثُوا معسّرین
(تم آسانی پیدا کرنے کیلئے مبعوث ہوئے ہو دشواریاں پیدا کرنے کے لئے نہیں)

آپ نے بعثت کا لفظ اختیار کیا، اور اس سے صحابہ کرامؓ کو مخاطب کیا۔ یہ ان کے اندر ذمہ داری کا احساس پیدا کرنے کے لئے تھا، جو بھیجا جاتا ہے۔ اس کی ذمہ داری ہوتی ہے جو مامور ہوتا ہے، اس کی ذمہ داری ہوتی ہے اس احساس نے صحابہ کرامؓ اور ان کے پیروکاروں کو ایک مہمیز دیا ان کا ہر فرد اگرچہ مرتبہ و مقام کے اس درجہ کو نہ پہونچے، اور ثقافت اور تہذیب کے اس معیار پر نہ اترے مگر اس کو یہ احساس رہتا تھا کہ وہ بھیجا ہوا ہے، (مبعوث ہے) اس سے خدا کے سامنے سوال ہوگا، کہ تمہاری موجودگی میں اور تمہارے رہتے ہوئے انسانوں اور قوموں کا یہ انجام کیوں ہوا۔

ایران کے سپہ سالار اعظم رستم نے حضرت ربعیؓ بن عامرؓ[1] سے جب اسلامی فوج جو عربوں پر مشتمل تھی ایران پر آئی۔ پوچھا، تم کو یہاں کیا چیز لائی ہے، کس چیز نے تم کو جزیرۃ العرب سے نکلنے پر مجبور کیا؟ انھوں نے اس کے جواب میں وہ زلزلہ خیز واثر انگیز اور تاریخی جملہ کہا، جس کی نظیر حکومتوں اور سربراہوں کے قاصدوں اور سفراؤں کی زبان سے ادا کئے ہوئے جملوں میں نہیں ملتی۔ انھوں نے کہا کہ "ہم کو کوئی چیز لے کر نہیں آئی ہے۔ ہم اپنے لئے نہیں نکلتے ہیں" تاریخ ایک ریکارڈ ہے خاص طور سے عربی تاریخ، کیوں کہ عرب تاریخ میں بڑے امانتدار ثابت ہوئے ہیں، جو تاریخ عربوں نے ریکارڈ کی ہے وہ اپنی باریک بینی اور امانت میں ممتاز ہے، تاریخ نے یہ کلمات نوٹ کر لئے ہیں، یہ شہ پارے محفوظ کر لئے ہیں جو آج بھی میرے کان سن رہے ہیں

اللہُ ابتعثنا (اللہ نے ہم کو بھیجا ہے)

میرے بھائیو! ذرا اس اعتماد کو دیکھو جو اس اعرابی کی رگ رگ میں سما گیا تھا، کس بلندی سے وہ بات کر رہا ہے، احساس کمتری کی کوئی قسم اس کے قریب پھٹکتی نہیں۔

رستم سپہ سالار ایران شاہانہ تزک و احتشام اور اپنی شوکت و سطوت کے ساتھ جلوہ آرائے مسند ہے، ایک دیہاتی آکر اپنے معمولی گھوڑے سے اترتا ہے اور اس کے کمخواب اور ریشم و دیبا کے فرش و فروش کو روندتا ہوا آگے بڑھ جاتا ہے، وہاں کی ٹیپ ٹاپ نے اس کو ذرا بھی مرعوب نہیں کیا، جب رستم نے اس سے کہا، تم کو کیا چیز یہاں لائی، اس کے سینکڑوں جواب ہوسکتے تھے، کم از کم یہ تو ممکن تھا کہ کہتے فقر و فاقہ ہم کو یہاں لایا ہے، یا ذرا آگے بڑھ کر کہتے کہ خوش حالی اور فارغ البالی کی زندگی گزارنے کے شوق میں نکلے جو ایران میں پائی جاتی ہے، یا قبائل کے ظلم و ستم سے مجبور ہو کر یہ اقدام کیا ہے۔ یہ سب کچھ نہیں بلکہ بڑے اطمینان اور قلبی سکون کے ساتھ انھوں نے (ایمان ان کی زبان سے بول رہا تھا۔ بلکہ امنڈ رہا تھا اور بہہ رہا تھا) کچھ نہیں! ان میں سے کوئی چیز ہم کو لے کر نہیں آئی ہے، صرف اللہ نے ہم کو بھیجا ہے، چھٹی صدی مسیحی کے اسلامی پیغام کے اولین حاملین کے اعتماد کا یہی حال تھا۔

رستم اس بات کی توقع بھی نہیں کرسکتا تھا۔ میرے بھائیو! میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ رستم کو اس کی ہرگز توقع نہیں تھی، خواب میں بھی اسکو دیکھ نہیں سکتا تھا۔ ایک دیہاتی جو معمولی لباس پہنے ہوئے تھا، جس کو ایرانی نہایت حقارت آمیز نگاہ سے دیکھتے تھے۔ یہ ایرانی کون تھے۔ اگر ان میں سے کوئی پٹکا لگاتا اور اس کی قیمت ایک لاکھ سے کم ہوتی تو وہ ننگا ہوں میں، جیتا نہیں تھا بلکہ لوگ اس کو حقیر جانتے تھے۔ اور ٹوپی ایک لاکھ سے کم ہوتی تو لوگ اس کو گھٹیا تصور کرتے تھے، وہ بڑوں کے ساتھ بیٹھ نہیں سکتا تھا، یہ بدوی جس کا لباس مکمل نہ تھا، ہوسکتا ہے اس نے کلنٹے سے اپنا لباس باندھ رکھا ہو۔ وہ کہتا ہے "اللہ نے ہم کو بھیجا ہے"۔ یہ کلمہ کیا ہے، اس کا جلال ہے، ایک رعب ہے، جس کی گونج دلوں میں ہوگی۔ جس کا ریکارڈ تاریخ میں ہے، اس نے جواب دیا، نہیں! "اللہ نے ہم کو بھیجا ہے، تاکہ ہم نکالیں"۔ عقیدۂ توحید سے سرشار، ایمان و یقین کی دولت سے مالا مال اس اعرابی نے نہایت دقیقہ رسی سے کلام کیا، کیونکہ وہ ایک دین کی اور عقیدہ توحید کی آخری آسمانی پیغام کی نمائندگی کر رہا تھا، اس نے کہا کہ ہم خود نہیں آئے ہیں، ہم کو اللہ نے بھیجا ہے، یہ بات صرف ایک موحد اور ایک صاحب ایمان ہی کہہ سکتا تھا، کہ اگر نکلنا ہی ہوتا تو ہم کب کے نکل چکے ہوتے، مقدر کی بات ہے کہ یہ پیغام ہم کو اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ملا اسی لئے انھوں نے کہا "اللہ نے ہم کو بھیجا ہے"۔ ہر ہر کلمہ نہایت دقیق اور نپا تلا ہے، جیسے کہ سینکڑوں دفعہ اس پر غور کیا گیا ہو، ماہرین قانون کی دقیق دفعات سے زیادہ عمیق اور دقیق، لیکن یہ سب

---

[1] حضرت ربعی بن عامرؓ صحابی تھے، اور عرب کے ایک شریف اور ممتاز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔

دفعتاً ہوگیا، ایمان کی زبان سے بول رہا تھا، انھوں نے کہا اللہ نے ہم کو بھیجا ہے تاکہ ہم بندوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر خدائے واحد کی بندگی میں داخل کریں۔ اس جملہ سے انھوں نے صاف اشارہ کردیا۔ کہ تم نے اللہ کے بندوں کو اپنی بندگی کی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے۔ جو ایران کے طرز حکومت و معاشرت اور کسریٰ اور قیصر کے طرز عمل سے دنیا کو معلوم تھا۔ اور اس شاہانہ نشست اور شاہانہ ٹھاٹ باٹ سے بھی ظاہر ہو رہا تھا۔

حضرت ربعی بن عامرؓ نے یہ بات واضح کرتے ہوئے کہہ دیا کہ ہم کو اللہ نے بھیجا ہی ہے کہ لوگوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر ایک اللہ کی بندگی میں داخل کریں اور دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا کی وسعت میں لائیں، ان جملوں کو سوچ سوچ کر میں عالم حیرت میں کھو جاتا ہوں اگر وہ کہتے کہ دنیا کی تنگی سے نکال کر آخرت کی وسعت میں لائیں تو ذرا بھی تعجب کی بات نہ تھی، اگر آخرت کی وسعت کہتے تو بالکل حیرت نہ ہوتی، لیکن انھوں نے تو کہا، دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا کی وسعت میں لائیں۔ تم پنجڑے میں زندگی گزار رہے ہو، تمھاری زندگی ان خوبصورت، پرندوں کی طرح ہے، جن کو پنجڑے میں قید کردیا گیا ہو۔ پنجڑا سونے کا ہو، اس کی تیلیاں سونے کی ہوں۔ اور جن برتنوں میں ان کو کھانے پینے کو دیا جاتا ہے وہ بھی سونے کے ہوں۔ لیکن بہر حال پنجڑا پنجڑا ہی ہے۔ تو ہم اس لئے آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ تم کو دنیا کی تنگی سے نکال کر جس کو تم نے اپنی کم علمی، وحی الٰہی سے محرومی، بلند اغراض، پاکیزہ جذبات اور اس اعلیٰ مقام انسانیت جس سے اللہ نے تم کو عزت بخشی ہے، سے ناآشنائی کی وجہ سے وسعت تصور کر رکھا ہے۔ اس کی تنگی کو اپنی عبادت مذاہب سے ناواقفیت، اور انسانیت کی حقیقت ناشناسی سے تم نے وسعت سمجھ رکھا ہے، ہم تم کو اسی تنگ و تاریک زندگی سے نکالنے کیلئے آئے ہیں۔ تمھارے سینے تنگ ہیں، تمھارے دل تاریک ہیں، تمھاری آنکھیں بند ہیں، تمھاری سانسیں رک چکی ہیں، تم کو آزادی کا شعور نہیں تم حریت آشنا نہیں، روحانی لذت سے واقف نہیں، اور انسانی رفعت، روحانی پرواز، آسمانی بلندی سے آگاہ نہیں۔ اسی تنگی سے تم کو چھٹکارا دلانے کے لئے جس میں تم صدیوں سے گرفتار ہو۔ ہم آئے ہیں اسی دنیا کی وسعتوں میں تم کو لانے کے لئے، انھوں نے اس انداز سے یہ بات کہی جیسے کہ ان کو پورا یقین تھا۔ کہ وہ اور ان کے تمام ساتھی جوان کے ہمراہ آئے ہیں فراخی۔ اور کشادگی و وسعت کی زندگی گزار رہے ہیں۔

بھائیو! وہ وسعت والی زندگی کیا تھی جس پر ان کو ناز تھا۔ کیا وہ عیش و عشرت کی زندگی گزار رہے تھے۔ وہ تو سخت تنگ دستی اور اقتصادی بدحالی کا شکار تھے۔ نہ غذا کی، نہ سامان کی فراوانی، نہ مکانات و رہائش کی آسانی تھی۔ خیموں کی زندگی تھی اور صحرانوردی، لیکن ہاں! ان کے دل ایمان کی دولت سے مالا مال۔ اور یقین کی لذت سے سرشار تھے۔ اسی لئے ان کی زبان کھلی تو یہ لازوال الفاظ اور جملے نکلے،

اللہ نے ہم کو بھیجا ہے تاکہ جس کو وہ چاہے بندوں کی بندگی سے نکال کر صرف ایک اللہ کی بندگی میں داخل کریں۔ اور دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا کی وسعت میں پہونچائیں اور مذاہب و ادیان کے ظلم و ستم سے نجات دلاکر اسلام کے عدل و انصاف کے سایہ میں لائیں۔

اس امت کا بھیجا جانا جو اپنے ایمان میں نرالی، اپنے اعتماد میں مثالی اپنی سیرت و کردار میں بے نظیر، انسانیت پر رحم و کرم کرنے میں انوکھی، اپنی سادگی و بے کاری میں ضرب المثل، اور انسانی ہمدردی و غمخواری اور جن تکلیف دہ حالات سے انسانیت دوچار ہے اس پر بے قراری و بے چینی میں اپنی مثال آپ ہے، ایک نیا تجربہ تھا، یہ بھیجا جانا (بعثت) اجتماعی بعثت تھی، قومی بعثت تھی۔ اس لئے پورا عرب اس لڑی میں پروگیا۔ اور وہ سب کے سب پیغام آسمانی کے حامل، رہنما و رہبر اور منارہ نور بن گئے، اسی نے تاریخ کو نیا رخ دیا، کیوں کہ چھٹی اور ساتویں صدی مسیحی اس سے کہیں آگے جا چکی تھیں کہ چند صالح افراد اس میں اثرانداز ہوسکیں، قرآن کی شہادت موجود ہے، کہ وہ یہود جو قرآن کے نزدیک اور قرآن کے نازل کرنے والے کی نظر میں مبغوض ترین قوم تھے۔ ان میں نیک اور صالح افراد پائے جاتے تھے، قرآن فرمارہا ہے۔

لَيْسُوْا سَوَاءً مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اُمَّةٌ قَائِمَةٌ
يَتْلُوْنَ اٰيَاتِ اللّٰهِ اٰنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ
يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ
بِالْمَعْرُوْفِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ وَاُولٰٓئِكَ
مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ (آل عمران)

ترجمہ:۔ سب یکساں نہیں (انھیں) اہل کتاب میں ایک جماعت قائم ہے یہ لوگ اللہ کی آیتوں کو اوقات شب میں پڑھتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں، یہ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور بدی سے روکتے ہیں، اور اچھی باتوں کی طرف دوڑتے ہیں یہی لوگ نیکوکاروں میں سے ہیں۔

قرآن گواہی دے رہا ہے کہ یہودی معاشرہ نیک اور صالح افراد سے خالی نہ تھا لیکن انسانی سوسائٹی پر ان کا کوئی اثر نہیں تھا۔ اور نہ انسانیت کے انجام پر وہ اثرانداز تھے، اس لئے کہ وہ گنے چنے

افراد تھے، ایک پوری قوم کی جو عقیدہ کی پختگی ایمان و یقین کی حلاوت، اخلاق و کردار کی بلندی ایثار و قربانی کے جذبہ، شہسواری و سپہ گری کے حوصلے اور سنجیدگی و متانت کے اس معیار پر ہو تب ہی وہ ایسا عظیم اور غیر معمولی انقلاب برپا کر سکتی ہے، جس کا انسانی تاریخ نے مشاہدہ کیا۔

میرے بھائیو! یہی راز ہے، درحقیقت اصل جو دشواری ہے، جو سب سے بڑا خلا ہے وہ کسی ایسی قوم کا موجود نہ ہونا ہے جو تمام قوموں کیلئے مثالی ہو، قومیں افراد کو خاطر میں نہیں لاتیں۔ یہ ایک حقیقت ہے اور خاص طور سے موجودہ دور کی جن کے ہاتھ میں زمام قیادت ہے۔ وہ چند افراد کے صلاح و تقویٰ کو نہیں دیکھتیں کیوں کہ چند افراد تو ہر قوم میں پائے جاتے ہیں۔ عربوں میں بھی ہیں، مسلمانوں میں بھی ہیں لیکن یہ قومیں افراد کو نہیں دیکھتیں، ان کی نظریں منتظر ہیں ایسی قوموں کی یا ایسی قوم کی جو انسانیت کی قیادت کی صلاحیت رکھتی ہو۔ جو دوسری قوموں سے عقیدہ کی صلابت میں، ایثار و قربانی کے جذبہ میں سادگی اور مجاہدہ میں خواہشات نفس سے بلند ہو کر اور انانیت سے بالاتر ہو کر زندگی گزارنے میں ممتاز نظر آئے اور اس کو اس چیز میں کوئی کشش اور جاذبیت محسوس نہ ہو جس میں دوسری قوموں کو محسوس ہوتی ہے، چاہے وہ قومیں سیادت و قیادت، تہذیب و ثقافت علوم و فنون اور فلسفہ و حکمت کے بام عروج پر کیوں نہ پہنچ جائیں۔ تمام یورپی قومیں بلکہ پوری انسانی دنیا ذرا بھی ماننے کو تیار نہیں اور سر اٹھا کر کسی ایسی قوم کو دیکھنے کے لئے تیار نہیں جو ان قوموں کے مقابلہ میں شان امتیازی نہیں رکھتی، کیوں کہ ان کے مقابلہ میں ان کو دنیا کم ملی ہے اگر یہ بھی اس دنیا کے پیچھے لگے اور انھیں خواہشات کے چکر میں پڑ گئے۔ اور اسی طرح عیش کوشی اور لذت پسندی کا شکار ہو گئے جس کی یورپ میں پوجا ہو رہی ہے تو میرے بھائیو، آپ یقین کیجئے کہ ہمارے مسلمان بھائی ان سے کئی گنا بڑھ جائیں۔

ان تمام وسائل عیش و عشرت میں مال و دولت کی فراوانی میں وسیع و عریض حکومتوں میں، اور علوم و فنون کی ترقی میں تو معاصر دنیا مسلمانوں کو اور عربوں کو خاطر میں لانے والی نہیں ہے۔ اسی لئے کہ وہ سمجھ رہے ہیں بلکہ ان کو ناز و غرور ہے کہ وہ دنیا کے پیشوا ہیں، تہذیب و تمدن کے امام ہیں۔ تمام قومیں ان کے دسترخوان کی زلہ ربا اور ان کی خوشہ چیں ہیں، کوئی بڑے سے بڑا آدمی امریکا یا یورپ، متمدن سے متمدن شہر میں چلا جائے۔ دولت کے انبار لگالے۔ اونچی اونچی بلڈنگیں اٹھالے، ایک خیالی دنیا بسالے۔ اور ایسی داد عیش دے کہ داستان الف لیلی کی یاد تازہ ہو جائے، تو بھی کوئی یورپین میں سر اٹھا کر دیکھنے کو اور نہ کسی طرح کا احترام دینے کو تیار ہوگا۔ اور نہ جبیں سائی کے لئے آمادہ ہوگا۔

اسی کے برخلاف اگر وہ کسی ایسے شخص کو پالے جو اگرچہ فقیر ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن ان تمام خواہشات سے بلند و بالاتر ہو جن کی یورپین اقوام پرستش میں مبتلا ہیں۔ وہ دیکھیں کہ چمک دمک اس کی آنکھوں کو خیرہ نہیں کرتی، یہ صنعت و حرفت کا رعب اور اس کی رعنائی اس کو مرعوب نہیں کرتی۔ یہ تہذیب تمدن کی ٹیپ ٹاپ اس کو لبھا نہیں سکتی، بلکہ وہ اس بحر متلاطم میں کوہ گراں کی طرح ثابت قدم ہے۔ وہ سمندر کی تاریکیوں میں منارۂ نور ہے اس تہذیب کی اس کو ذرہ برابر پرواہ نہیں بلکہ وہ اس کا مذاق اڑاتا ہے، اور چوسی ہوئی گٹھلی کی طرح اس کو حقیر سمجھ کر پھینک دیتا ہے اور صاف صاف کہہ دیتا ہے، وہ ایک قاصد اور حامل پیغام ہے۔ وہ انسانیت کا نجات دہندہ ہے، سارا عالم جل رہا ہے وہ آگ بجھانے والا، اور ان کا مددگار ہے، ساری دنیا امراض کا شکار ہے۔ وہ طبی کیمپ لے کر آیا ہے۔ یہی وہ اعتماد اور یقین ہے، جو ایک یورپین، ایک ہندو، ایک چینی ایک جاپانی کو مجبور کردے گی۔ کہ سو دفعہ غور کریں کہ اسلام میں ایسی نسل اور ایسی قوم پیدا کرنے کی پوری قدرت اور صلاحیت ہے۔

جہاں تک مال و دولت کا تعلق ہے اس سے موازنہ ہوتا ہے۔ حساب لگایا جاتا ہے کیلکیولیٹ کیا جاتا ہے کوئی ملینیر ہے تو کوئی نہیں، ایک لکھ پتی ہے تو دوسرا نہیں، اور کوئی اس سے بھی آگے بڑھ جاتا ہے، یہ چیز کسی انسان کو اس دنیا میں اس شخص کے احترام اور عزت پر آمادہ نہیں کر سکتی جس کے پاس عیش و عشرت کے سارے وسائل موجود ہوں۔

جس خلا کو ساتویں صدی مسیحی میں امت اسلامیہ نے پر کیا تھا وہ عالمی قیادت کا خلا تھا جس کو پوری صلاحیت اور قدرت کے ساتھ اس نے پر کیا، یہ پوری امت کی بعثت کا کرشمہ ہے۔ جس کا ایک ایک فرد منارۂ نور، حامل ایمان و یقین تھا جس نے ظلمتوں میں اپنی راہ پیدا کی۔

حضرت عقبہ بن نافعؓ نے فرمایا تھا کہ یہ سمندر حائل نہ ہوا ہوتا تو میں برابر چلتا چلا جاتا یہاں تک کہ آخری کنارہ تک اسلام کا پیغام پہنچا دیتا۔ اسی طرح وہ اعتماد و یقین کی دولت سے مالا مال تھے مسلمانوں کا ایمان تھا کہ ان کو بھیجا گیا ہے۔ وہ اللہ کی طرف سے مامور ہیں ان میں سے ہر فرد ذمہ داری کا پورا احساس رکھتا تھا، وہ یہ سمجھتا تھا کہ اس کے حوالہ ایک قیمتی امانت کی گئی ہے، انسانی

انجام کی امانت، جس کے بارے میں اس سے سوال کیا جائے گا۔ اسی نے اسلامی عرب امت کا مقام متعین کیا، اس کا کام اور میدان متعین کیا، اور دین و ملت کی اقتصادی و سیاسی معرکہ آرائی میں اس کے قائدانہ کردار کی نشاندہی کی۔ غرض کہ اس وقت ہم کو ایک اجتماعی صالح نمونہ پیش کرنے کی قوموں اور ملتوں کی سطح پر ضرورت ہے۔

آج زمانہ لہو و لعب اور ذلت و رسوائی سے عبارت ہے۔ اور اسی طرح کی خبریں شائع ہوتی ہیں، رسواکن یا پھر پریشان کن، اگر آپ ایسی خبریں تلاش کرنے لگیں جو رسوائیوں اور پریشانیوں سے تعلق نہ رکھتی ہوں تو آپ تھک ہار کر بیٹھ جائیں گے۔ یہ بات اس لئے پیش آئی کہ ہم مقصدیت سے رشتہ توڑ کر لہو و لعب کا شکار ہو گئے، رسوائی قبول کر لی، ایمان صحیح اور اعتماد و یقین سے بیگانہ ہو گئے۔ وہ اعتماد جس سے ہر مسلمان کو لیس ہونا چاہیئے، کیوں کہ جس مدد کی موجودہ دنیا کو سخت ضرورت ہے اور دنیا جس کی بار بار دہائی دے رہی ہے امت اسلام کو پکار پکار کر مدد کے لئے بلا رہی ہے، وہ یہی ایمان و یقین ہے۔

پورا یورپ اس کتے کی طرح ہو چکا ہے جو ہانپتا رہتا ہے، مار دو اور دوڑاؤ تو بھی ہانپے اور چھوڑ دو تو بھی ہانپے، اور یورپین تمدن اس جگالی کرنے والے اونٹ کی طرح ہے جو برابر جگالی میں لگا رہتا ہے، یورپین تمدن اپنی افادیت کھو چکا ہے اس کے پاس کوئی نئی اور مفید چیز باقی نہیں رہ گئی ہے، یورپ کے دانشور سترھویں، اٹھارہویں، انیسویں صدیوں میں جدت پیدا کرنے سے ہار چکے ہیں، وہ ایک ہی چیز دہر لئے چلے جا رہے ہیں، لے دے کے ان کے دو کام رہ گئے ہیں۔ غلام بنانا، بے جا دباؤ ڈالنا، رسوا کرنا۔ مسائل کھڑے کرنا، وہ بامقصد اور مفید کام کی صلاحیت کھو چکے ہیں، وہ دیوالیہ ہو چکے ہیں۔ نہ ان کے یہاں جدت ہے نہ نافعیت، ایمان میں تو پہلے سے دیوالیہ تھے۔ انسانیت کی چارہ سازی، انسانی ترقی اور تہذیب و تمدن کے ارتقاء میں بھی وہ دیوالیہ ہو چکے۔ ایسا دیوالیہ پن جس کی کوئی نظیر نہیں اس وقت صرف ایک خلا ہے، ہیں کسی دوسرے خلا کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں، عالمی تمدن اور انسانی انجام کار کے نقشہ میں صرف ایک خلا ہے وہ ایک ایسی امت کا خلا ہے جو حامل پیغام ہو، سیرت و کردار کی آئینہ دار ہو، اخلاق و عادات کی بلندیوں پر فائز ایمان و یقین سے سرشار ہو، سنجیدہ ہو اور عزم و حوصلہ والی ہو۔ ایثار و قربانی کا جذبہ رکھتی ہو۔ روحانی بالیدگی سے ہمکنار اور سپہ گری سے متصف ہو، انسانی دنیا کے نقشہ میں یہی تنہا ایک خلا ہے جس کو ایک مسلمان ہی پُر کر سکتا ہے جس کو ایک مسلمان قوم ہی پُر کر سکتی ہے کیونکہ وہ ساتویں صدی عیسوی سے اخیر تک قیادت کے فرائض انجام دیتی رہی ہے۔ اگر آج بھی اپنی قیمت جان لے اس کو اپنے پیغام کی عظمت و جلال کا احساس ہو جائے اور اپنے قوت کے سرچشموں سے اس کو آگاہی حاصل ہو جائے تو انسانیت کی قیادت و رہنمائی کا فریضہ انجام دیتی رہے گی لیکن ہم خود لہو و لعب کا شکار اور غفلت شعار ہو چکے ہیں، میں معافی چاہتے ہوئے یہ کہنے کی اجازت چاہتا ہوں (اگرچہ میری پیدائش اور میر النشو و نما ہندوستان میں ہوا) لیکن میری رگوں میں عربی خون خود بخود دوڑ رہا ہے میں اس پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں، میرا نسب نامہ حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔ اگر آپ کچھ کہنا سنا تو ایک بھائی کے ناطہ سے جو آپ کا دینی بھائی بھی ہے اور نسبی بھائی بھی جس سے ادب کا، زبان کا اور احساسات کا رشتہ قائم ہے تو میرے بھائیو! آپ مجھ پر ناراض نہ ہوں۔

یہ اسلامی عربی امت کب اپنے پیروں پر کھڑی ہوگی۔ اور کب از سر نو پیغام انسانی کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوگی۔ زمانہ پلٹ کر پھر وہیں جا پہونچا جہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کام کی ابتداء کی تھی۔ آج پھر جاہلیت کا دور دورہ ہے، ایک عالمی جاہلیت، ایک یوروپی جاہلیت، امریکی روسی جاہلیت لیکن جاہلیت جاہلیت ہے۔ صرف ایک روشنی ہے، وہ اسلام کا نور ہے، وہ نور آج بھی قرآن مجید کے واسطہ سے عربوں کے پاس قرآن کے صفحات میں اور سیرت کی کتابوں میں موجود ہے، ہم ہندوستان والے، برصغیر کے رہنے والے جزیرۃ العرب کی طرف نگاہیں اٹھا اٹھا کر دیکھتے ہیں، ایک تو ندامت کی حیثیت سے اور ایک حامل پیغام امت کی حیثیت سے بڑے افسوس اور شرمندگی کی بات ہے کہ ہم کو ایک تجربہ ہوا جو نہ ہمارے حسب حال تھا، اور نہ آپ کے شایان شان ہمارے بہت سے بھائی آپ کے دریوزہ گر ہیں آپ کے خوان نعمت کے خوشہ چیں ہیں، لیکن حقیقی خوشہ چینی اور دریوزہ گری قرآن و ایمان کے دسترخوان اور اس کی نعمت ہائے لازوال ہے۔

ہم اپنے ہندوستانی اور پاکستانی بھائیوں سے کہتے رہتے ہیں کہ ہم جو دولت اپنے عرب بھائیوں سے پٹرول کی شکل میں حاصل کر رہے ہیں یہ اصل دولت نہیں ہے بلکہ اصل وہ نور ہے جو مکہ و مدینہ میں چمکا وہی عربوں کی اصل دولت ہے۔ اس میں ہمارا حصہ ہونا چاہیئے۔ میں اپنے نوجوانوں سے بہت پر امید ہوں کہ وہ اپنے کو اس بلند منصب کے لئے تیار کریں گے۔ قیادت و رہنمائی کے منصب کے لئے اور ان تہذیب یافتہ لوگوں کے لئے ایسا ایمانی د

قابل تقلید نمونہ پیش کریں گے جو تہذیب و تمدن اور ترقی پسندی و پیش قدمی کے دعویدار ہیں۔

امریکہ اور یورپ کے دورہ میں یونیورسٹیوں کے بڑے اساتذہ سے یہ سن کر بہت افسوس ہوا کہ ہم نے اپنے عرب مسلمان نوجوانوں میں شان امتیازی نہیں دیکھی۔ وہ دوسروں کے رنگ میں رنگے ہوئے اور انھیں کے سانچہ میں ڈھلے ہوئے نظر آئے، رہم جزیرۃ العرب میں رہیں تو نمونہ بن کر رہیں، اور جب امریکہ اور جاپان جائیں یا کسی بھی ملک میں جائیں تو وہاں بھی قابل تقلید نمونہ بن کر رہیں مسلمان تو ایک نور ہے اور نور چھپ نہیں سکتا۔

یہ ایک امانت ہے جو میں آپ سے کہنا چاہتا تھا۔ میرے دوستوں اور بھائیوں کی طرف سے یہ پیغام نہیں ہے بلکہ یہ انسانیت کا پیغام ہے اگرچہ میں بہت چھوٹا ہوں لیکن میں انسانیت کا نمائندہ ہوں۔

میرے کان، دلوں کی دھڑکنیں، ضمیر انسانی کی آواز، اندرون کی سرگوشیاں سن رہے ہیں، میں یہاں کہہ رہا ہوں، لیکن دنیا کے آخری حصہ میں امریکہ اور یورپ والوں کے جذبات و خیالات میرے کان سے ٹکرا رہے ہیں، آپ بھی ان کو سن کر محسوس کر سکتے ہیں۔ اگر زندہ ٹرانسمیٹر سے رابطہ قائم کریں۔

میں اپنی بات اپنے نوجوانوں سے کہتا ہوں کہ اپنے آپ کو تیار کرو اپنی بیٹری ایمانیات سے چارج کرو سنجیدگی و متانت، پختگی اور حوصلہ مندی کا اپنے کو عادی بناؤ، شہسواری اور اولوالعزمی اپنے اندر پیدا کرو، خواہشات نفس اور انانیت سے بالاتر ہو کر کام کرو، نہ مال کے غلام بنو، نہ جاہ کے اور نہ مادہ پرستی میں مبتلا ہو، تم خالص اللہ کی بندگی میں داخل ہو کر اس کے بندے بن کر رہو، تاکہ یہ کہہ سکو۔ "اللہ نے ہم کو بھیجا ہے کہ جس کو وہ چاہے اس کو بندوں کی بندگی سے نکال کر صرف ایک اللہ کی بندگی میں داخل کریں۔ اور دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا کی وسعت میں داخل کریں۔ اور مذاہب ادیان کی زیادتیوں سے نجات دلا کر اسلام کے انصاف میں داخل کریں"۔

پورا عالم ہمہ تن گوش ہے کہ اس کے کان میں یہ صدا پھر گونجے، یہ محبت آمیز کلمے وہ سنے جس نے تاریخ کے دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور انسانیت کو اور قوموں کو دو خانوں میں بانٹ دیا۔ ایک خوش بخت اور نصیب آور، دوسرا بدبخت اور شقی، ایک نجات پانے والی، دوسری ہلاک و برباد ہونے والی۔ میں اس پر اکتفا کرتا ہوں اور اس قیمتی موقع کی فراہمی پر دوبارہ شکریہ ادا کرتا ہوں، کہ اپنے نوجوانوں سے ملاقات کا اور ان سے صاف صاف کھل کر سچائی اور اخلاص کے ساتھ بات کرنے کا موقع ملا۔

دعائے مغفرت

● مولانا سلطان الہدیٰ ندوی (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء) کے والد محترم جناب شمس الہدیٰ خاں کا ۱۹ر شعبان ۱۴۲۰ھ مطابق ۲۸ر نومبر ۱۹۹۹ء کی صبح فالج کے تیسرے حملے میں ۷۵ سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم دینی حمیت و اخلاق کے حامل تھے اور ہر کار خیر میں تعاون کرتے، بزرگوں سے بھی تعلق رکھتے تھے، حضرت مولانا وصی اللہؒ کے چچازاد بھائی کے لڑکے تھے اور ان سے بیعت بھی تھے، ان کے انتقال کے بعد حضرت مولانا محمد احمدؒ سے بیعت ہوئے تھے۔ اس کے بعد حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے بہت زیادہ عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ اور ندوہ کے اکثر اساتذہ کرام سے بھی ربط و تعلق تھا۔

● معروف عالم دین مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری ۳۰ر نومبر ۱۹۹۹ء کو اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

مولانا نے دینی تعلیم دہلی کے مدرسہ رحمانیہ میں حاصل کی اس کے بعد اپنے والد محترم کے قائم کردہ "مدرسہ سراج العلوم (جھنڈانگر نیپال) میں تدریسی خدمات انجام دی اور مدرسہ کی ترقی میں انتھک کوشش کی۔ مختلف دینی کتابیں تصنیف کیں اور ایک علمی و ادبی رسالہ "السراج" کے نام سے جاری کیا۔

مولانا رحمانی علمی دینی اور دعوتی میدان میں بھی کام کرتے تھے، وہ ایک عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے مقرر اور مصنف بھی تھے۔

باری تعالیٰ مرحومین کے درجات بلند فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔

عصری تحریکات اور دعوتِ اسلامی کا طریقۂ کار

تحریر:- مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ——— ترجمہ:- محمد فرمان نیپالی

مسلمان داعی کے منجملہ آداب دعوت میں سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ وہ اپنی دعوت وتبلیغ میں الفت ومحبت اور ملاطفت ونرمی پر کاربند ہو، اور تشدد وسختی سے حتی الامکان اجتناب کرتا ہو، داعی کی یہ صفت اس کی دعوت کی اثرانگیزی اور کامیابی کے لئے اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔

اس کے برعکس اگر مسلمان داعی غیر مسلموں کے سامنے کسی دشمن یا مخالف کی صورت میں ظاہر ہو تو یہ چیز اس کی حقیقی شبیہہ کو بگاڑ دیتی ہے اور مدعوئین کی نگاہ میں اس کی دعوت کے تئیں اس کی خیرخواہی اور اخلاص کی حقیقت سے پھیر دیتی ہے اور مخاطبین کو اس کے سمجھنے اور قبول کرنے سے روک دیتی ہے، اسی وجہ سے لوگوں کے نفوس اسلامی دعوت اور اس کی قبولیت سے عام طور پر دور رہتے ہیں، مسلمان داعیوں کے لئے کامل ومکمل نمونہ اس سلسلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت کے طریقۂ کار کو مصالحانہ رکھا، اور تشدد وٹکراؤ کی صورت اسی وقت اختیار کی جب مخالفوں نے سختی کا سختی سے مقابلہ کرنے پر مجبور کیا، آپ نے اسلام کی صلح پسند تصویر کو اپنے رخ انور سے ظاہر کیا جس پر اخلاص وخیرخواہی کا نور ہویدا تھا، آپ نے عرصۂ دراز تک جوانمردی کے ساتھ صبر کیا، مسلمان بھی آپ کے ساتھ ظلم وزیادتی اور ذلت ورسوائی اور دیگر مصائب سے دوچار ہوئے، حتی کہ اس کا تذکرہ صحابۂ کرامؓ نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، جیساکہ حضرت ابوعبداللہ خباب بن ارتؓ نے فرمایا کہ ہم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فریاد کی، آپ اس وقت چادر کا تکیہ بنائے ہوئے تھے اور ہمارا حال یہ تھا کہ مشرکین کے سخت مظالم سے دوچار ہونا پڑا تھا، تو ہم نے عرض کیا کہ کیا آپ ہمارے لئے ایسی صورت میں مدد نہیں چاہیں گے اور دعا نہیں کریں گے، تو آپ نے فرمایا، پچھلی امتوں کے کسی فرد کو پکڑا جاتا اور اس کے لئے گڈھا کھودا جاتا پھر اس میں ڈال دیا جاتا، پھر آری اس کے سر پر رکھ کر اس کے دو ٹکڑے کر دیئے جاتے، اور لوہے کی کنگھیوں سے اس کا سر چھیدا جاتا، تو صرف گوشت اور ہڈی باقی رہ جاتی، اور یہ چیز اس کو دین سے نہیں روکتی تھی، "خدائے ذوالجلال کی قسم اللہ تعالی اس دین کو مکمل کر کے رہے گا، یہاں تک کہ ایک سوار صنعاء سے حضر موت تک سفر کرے گا اور اللہ کے سوا وہ کسی کا خوف محسوس نہیں کرے گا، حتی کہ چرواہے کو اپنی بکریوں پر کسی بھیڑیے کا ڈر نہ ہوگا، لیکن تم عجلت بازی سے کام لیتے ہو۔" (بخاری شریف)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقۂ کار کا دوسرا نمونہ اسی سے متعلق ہے کہ آپ نے مقام حدیبیہ میں صلح ومصالحت قائم کرنے کا وہ اہم فریضہ انجام دیا، جس کی وجہ سے ساری کشمکش ختم ہوگئی جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد ہی سے کفار اور مسلمانوں کے مابین جاری تھی، اور دونوں میں صلح ہوئی جس نے مسلمانوں کو اس بات کا موقع دیا کہ وہ اسلام کی فطری تصویر کو غیر مسلموں کے سامنے پیش کریں، اور کفار کے لئے یہ موقع فراہم کیا کہ وہ لوگ اس تشدد سے دور رہ کر جس کا لازمی نتیجہ اختلاف اور جنگ کی سیاست تھی، اسلام کا بغور مطالعہ کریں، اسی وجہ سے صلح کے عرصہ میں اتنے کفار اسلام میں داخل ہوئے جتنے اس سے پہلے کی پوری مدت میں بھی نہیں ہوئے تھے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا یہ نرم مصالحانہ طریقۂ کار عصر حاضر میں دعوت وتبلیغ کے کام کا بہترین نمونہ ہے، جو حقیقی اسلام سے دوری کے سبب اس جاہلی دور کے مشابہ ہے، جس میں اللہ کے رسولؐ نے اہل عرب کو دعوت اسلام پیش کی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ مسلمان داعیوں نے عہد اول ہی میں جو آپ کی بعثت سے تیرہ سال کی مدت پر محیط ہے قسم قسم کے مصائب ومشکلات کا سامنا کیا، لیکن ان حضرات نے اسلامی دعوت کی مصالحانہ روش کو باقی رکھا، اس مسئلہ کو سیاست وقیادت اور جدال وانتقام کا مسئلہ نہیں بنایا، کیونکہ سیاسی مزاحمت کا طریقۂ کار ایک ایسا طریقۂ کار ہے جو اپنی فلاح ونجات کے لئے مکر وفریب حیلہ سازی وچالبازی اور ہتھیاروں کے استعمال کا متقاضی ہے، اور جب بھی کوئی اس طرز کو اختیار کرے گا، اور اس پر کسی بھی دعوت کی بنیاد رکھے گا تو جاہلوں اور اس کی حقیقت سے ناآشنا لوگوں میں یہ دعوت ایک سیاسی تحریک کی شکل میں ظاہر ہوگی، جس کا بانی اور اس کا قائد ابتدا ہی سے غلبہ واقتدار کو پہونچنا چاہتا ہے، اور وہ سمجھیں گے کہ یہ اسی غلبہ واقتدار کی لالچ اور حرص کی بنا پر ہے، جو اس کے خواہشمند حضرات کے دلوں میں جنم لیتی ہے، یا جاہ ومنصب، مال ودولت اور سلطنت وحکومت حاصل کرنے کے لئے ہوتی ہے، یہ وہ چیز ہے جو انسانی خیر اور جبلت

میں داخل ہے، اور اسی کا گمان عام حاسدوں میں یا دُگوں کے ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے، یہ صورت حال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی پیش آئی کہ ایک دن عتبہ بن ربیعہ نے کہا جو اپنی قوم کا سردار تھا اور قریش کی محفل میں حاضر تھا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خانۂ خدا میں تنہا تھے، اس نے کہا: اے قریشیو! کیوں نہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤں اور ان سے بات کروں اور ان کے سامنے چند باتیں پیش کروں، شاید کہ ان میں سے بعض کو قبول کرلیں، تو ہم ان کی خواہش کے مطابق ان کو عطا کردیں، تاکہ وہ اور ہم دونوں آرام سے رہیں، یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ حضرت حمزہؓ جلد ہی حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے، اور کفار قریش نے دیکھا کہ آپؐ کے متبعین کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہورہا ہے، تو انھوں نے کہا: ہاں کیوں نہیں، ضرور بالضرور، ابو الولید! ان کے پاس جاؤ اور ان سے بات کرو، لہٰذا وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور آپؐ کے قریب بیٹھا، اور کہا: بھتیجے! تمہیں جو خاندانی برتری اور عالی نسبی حاصل ہے، اس سے تم اچھی طرح واقف ہو، تم اپنی قوم کے پاس ایک ایسا معاملہ لے کر آئے ہو جس سے تم نے ان کی جماعت کو منتشر کردیا ہے اور ان کے عقلمندوں کو کم عقل ٹھہرایا ہے اور ان کے معبودوں اور ان کے دین کی تحقیر و تذلیل کی ہے، اور تم نے اسی کی وجہ سے ان کے بڑوں اور اسلاف کی تکفیر کی ہے، تو میری سنو! میں تمہارے سامنے چند امور رکھتا ہوں تم اس کے تئیں غور کرلو، شاید کہ بعض کو قبول کرلو، آپؐ نے فرمایا کہ ابو الولید! جو کچھ کہنا ہے کہو، میں ہمہ تن گوش ہوں، تو اس نے کہا بھتیجے! اگر تمہیں اپنے لائے ہوئے دین کے بدلے مال کی خواہش ہے تو ہم تمہارے سامنے مال کا ڈھیر لگادیں گے حتیٰ کہ تم ہم میں سب سے زیادہ مالدار ہوجاؤ گے، اور اگر تم عزت و سرداری کے خواہاں ہو تو ہم تم کو اپنا سردار بنالیں گے، حتیٰ کہ کوئی فیصلہ بھی بغیر تمہارے طے نہیں کریں گے، اور اگر تمہیں بادشاہت کی تمنا ہے تو ہم تم کو اپنا بادشاہ بنالیں گے، اور اگر کسی جنون کی وجہ سے یہ سودا سوار ہے، جس کا ازالہ نہیں کرسکتے تو ہم تمہارے لئے علاج و معالجہ کی تدبیر کریں گے، اور ہم اپنے مالوں کو اس میں بے دریغ صرف کریں گے، حتیٰ کہ تم اس سے صحت یاب ہوجاؤ، کیونکہ کبھی کبھی انسان کا مؤکل جن خود اس پر سوار ہوجاتا ہے جب تک اس کا علاج نہ کرایا جائے، اور اسی جیسی دیگر باتیں کہیں، جب عتبہ اپنی بات سے فارغ ہوا جسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غور سے سن رہے تھے تو آپؐ نے فرمایا: ابو الولید! کیا تم اپنی بات کہہ چکے ہو، اس نے کہا، جی ہاں! تو آپؐ نے فرمایا تو اب میری سنو! اس نے کہا، فرمائیے، میں سن رہا ہوں، تو آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی، حٰمٓ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (اتارا ہوا ہے بڑے مہربان رحم والے کی طرف سے ایک کتاب ہے کہ جدا جدا کی ہیں اس کی آیتیں۔ قرآن عربی زبان کا، ایک سمجھ والے لوگوں کو) (حٰمٓ سجدہ-۲)

جب یہ تحریکیں عملی سیاست کا طریقہ اپناتی ہیں، تو خاص طور پر لوگ شک کرتے ہیں، اور بہت کم ہی ان پر اعتماد کرتے ہیں، ہمارے سامنے بہت سی ایسی دعوتیں اور تحریکیں ہیں جنھوں نے ابتدا ہی سے تشدد و ٹکراؤ والی سیاست اپنائی تو وہ لوگوں کو باور کرانے میں ناکام رہیں کہ وہ دعوت خیر ہیں، اور وہ لوگوں میں حق و انصاف، نیکی اور بھلائی کو پھیلانا چاہتی ہیں، البتہ یہ بات ضرور ہے کہ ان دعوتوں کی تاریخ میں ایک ایسا دور بھی گذرا ہے، جس میں ان کے قائدین اور متبعین نے اچھے کاموں اور انسانی خدمات اور مخلصانہ جدوجہد سے ایک طویل زمانے تک اخلاق و صفات عالیہ سے اپنے کو متصف رکھا، حتیٰ کہ انھیں عوام الناس میں اپنی اچھی نیتوں اور خیر خواہی کی وجہ سے اچھی شہرت ملی۔

لیکن وہ تحریکیں جو اپنی بنیاد عملی سیاست کے طریقے پر رکھتی ہیں جو تشدد و ٹکراؤ پر مبنی ہوتی ہیں، ان کے دلوں پر جاہ و منصب، مال و دولت اور سلطنت و اقتدار کی محبت کے علاوہ اور کوئی چیز اثر انداز نہیں ہوتی، اور لوگ ان سے اچھائی و خیر خواہی، حسن سلوک اور صلاح کا درس نہیں لیتے۔

ہم اس کی بہت ساری مثالیں تاریخ اسلام میں پاتے ہیں، جس کے وہ ممالک گواہ ہیں جن پر مسلمانوں نے خاص جنگی طریقہ پر یورش کی، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ ممالک مخلصانہ طور پر ان کے تابع نہیں ہوئے، بلکہ جب بھی مسلمانوں کی مادی طاقت کمزور پڑی تو ان کے خلاف ایک نہ ایک دن صورتحال پلٹ گئی، الا یہ کہ ان کی حکومت کی ان صلاح و تقویٰ والے مخلص داعیوں نے پشت پناہی کی، جو انسانی فضائل و مکارم کو دلوں اور جانوں سے قریب کرنے کا کام لوگوں کے ساتھ اپنی محبت اور پاکیزہ و اچھی سیرت و کردار سے کرتے ہیں، اور سب کے لئے بھلائی اور خیر خواہی چاہتے ہیں۔ اور اسلامی خوبیوں کو سمجھنے اور ان کی جانب آنے کے لئے لوگوں کو مائل کرنے کی انتھک کوشش کرتے ہیں، اور اسے اپنی محبت و خیر خواہی اور احسان والی مثالی زندگی سے ثابت کرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو اسلامی حکومت کی مفتوح قوم کی ناگواری سے حفاظت کرتے ہیں، اور جب یہ لوگ اسلامی حکومت کی پوری تاریخ میں اس کے ساتھ ہوتے ہیں۔ تو اپنے دلوں میں مسلمان حکمرانوں کی جانب سے پائی جانے والی مخالفت کے باوجود اسلام قبول کرلیتے ہیں، اور

اس ملک کے عوام ان مخلصین حضرات کی کوششوں سے ایک نئی دینی جماعت میں بدل جاتے ہیں، جس کی وجہ سے حاکم ومحکوم میں دوری ختم ہو جاتی ہے، اور حکومت ہر ایک کی اپنی ہوتی ہے نہ کوئی حاکم ہوتا ہے اور نہ کوئی محکوم۔

اس اہم طریقۂ کار کی کمی کا مشاہدہ ہم اسپین کی تاریخ میں کرتے ہیں، جہاں مسلمانوں نے صدیوں تک حکومت کی، لیکن اس ملک کے عوام کو تبدیل نہ کر سکے، اور نہ ہی انھیں کوئی ایسا فرد ملا جو ایسا کرتا، اس طرح وہاں کے باشندوں کی اکثریت اسلام سے دور رہی، پھر جب دشمن کا فوجی محاذ طاقتور ہوگیا، تو انھوں نے اس ملک کو اس کی پہلی حالت یعنی مسیحی مذہب پر لے آئے، اور مسلمانوں کو ملک سے نکال دیا۔

برصغیر کی صورت حال اندلس سے بڑی حد تک مختلف ہے، کیونکہ یہاں مسلمانوں کی حکومت کے آغاز ہی سے داعیوں اور مصلحین نے جو اسلامی لشکر کے ساتھ رہے یا اس کے بہت بعد آئے، ہندوستانی گمراہ مفتوح معاشروں میں سیاسی طور پر سرایت کرنا شروع کیا، اور انھوں نے اسلام کی رحیمانہ زندگی کی نمائندگی کرکے اس معاشرہ کو بدل ڈالا، چنانچہ انھوں نے رفتہ رفتہ فرزندان وطن کی بڑی تعداد کو حسن سلوک اور اسلامی سیرت وکردار کی اثر انگیزی سے اسلام کی جانب مائل کیا، یہی لوگ ہندوستان میں فرزندان اسلام کی کثرت کا سب سے بڑا اور اولین سبب تھے، حتیٰ کہ برصغیر کے بعض علاقے خالص اسلامی شہروں میں تبدیل ہوگئے، جیسے پنجاب، سندھ، بلوچستان، مشرقی پاکستان، کشمیر اور بنگلہ دیش کے علاقے، آج بھی مسلمان ان علاقوں میں بھاری اکثریت میں ہیں، جن کی تعداد تقریباً بیس کروڑ سے زائد ہے، اگر ہم ان لوگوں کے اسلام کا دقیقہ رسی اور بالغ نظری سے جائزہ لیں، تو ہم ان کی تاریخ کو انھیں داعیوں اور علماء کی محنتوں اور کاوشوں سے بھر پائیں گے، نہ کہ بادشاہوں اور مسلمان حکمرانوں کی کوشش سے۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ جنگی مقابلے یا سیاسی یورش یا حکومت کی اسلام میں کوئی قدر وقیمت اور اہمیت نہیں ہے لیکن وہ دلوں کی اصلاح اور خیر کو عام کرنے کے لئے اخلاقی کوششوں کے ذریعہ بطور سند ظہور میں آتے ہیں، اسی وجہ سے اسلامی جہاد کی کارگذاریوں میں اس کے علاوہ اور کسی بات کی گنجائش نہیں کہ پہلے پہل دشمنوں کو دین کی دعوت دی جائے، اگر وہ اسے قبول کر لیتے ہیں تو ان کے جان ومال حرام ہیں، اور وہ لوگ اپنے ذاتی اختیار کی بقاء کے مستحق ہو جائیں گے، اور جب اس کا انکار کریں تو ان سے اسلام اور مسلمانوں کی ذمہ داری میں داخل ہونے کا مطالبہ کیا جائے گا، اس طرح مسلمان داعیوں کے لئے ان میں بغیر کسی جبر واکراہ اور ظلم کے دعوت کا کام کرنے کا موقع مل جائے گا، لیکن جب وہ لوگ اس کا بھی انکار کر دیں تو پھر جہاد کا حکم ہے، اور ان سے جنگ کی جائے گی، یہاں تک کہ وہ اسلام لے آئیں، یا اس کے سامنے سر تسلیم خم کریں، یہی اسلامی طریقہ ہے۔

آج کی مسیحی دنیا اپنے ملحدانہ مادی نظام حیات سے تنگ آ چکی ہے، کیونکہ وہ نرم انسانی جذبہ سے خالی ہے، اور مسیحی مذہب سے اس کا ربط ٹوٹ چکا ہے، اس لئے کہ اس میں اب کسی دینی خلا کو پر کرنے کی استعداد نہیں رہی لہٰذا وہ حیران وپریشان کسی ایسے دین کی تلاش میں ہے جو اسے زندگی کی بھول بھلیوں سے نکال کر منزل کی صحیح رہنمائی کرے، اور اس کی استعداد اسلام کے علاوہ کسی دوسرے مذہب میں نہیں ہے۔

لیکن آج ہمارے کچھ افراد اسلام کو غیروں کے سامنے بھلائی اور نیکی سے ہٹ کر خود غرضی اور نفرت کے طرز عمل کے طور پر پیش کر رہے ہیں، اور جب تک ہم اسلام کا چہرہ نفرت اور معاندانہ طرز پر مغرب کے سامنے پیش کرتے رہیں گے ہم مغرب سے اس کا جواب اعراض اور روگردانی کے سوا کچھ نہیں پائیں گے، ایسے حالات میں یہ لازم ہے کہ ہم اسلام کو مغرب کے سامنے ایک ایسے حکیمانہ انداز میں پیش کریں جو اس کی موجودہ زندگی کو اجتماعی اور اخلاقی زوال سے چھڑا سکے، کیونکہ مغرب زدہ لوگوں کی طبیعت اس سے ہٹ چکی ہے، اور وہ اس سے راہ فرار اختیار کرنا چاہتی ہے، چنانچہ وہ اپنے ان پیچیدہ مسائل کا حل تلاش کرنے میں حیران وپریشان ہے۔

لہٰذا ایسی صورت میں غیر مسلم دنیا کے سامنے اسلام کا روشن چہرہ ظاہر نہ کیا گیا تو پھر اسلام ان کے دلوں کو اپنی جانب لانے میں کامیاب نہیں ہو سکتا، اور یہ دنیا اسی طرح در در کی ٹھوکریں کھاتی پھرے گی، اور ایسی چیزوں کا سہارا لے گی جس کو اپنے درد کا درماں سمجھ بیٹھے گی، اور اس کی سیکڑوں مثالیں ہمیں ملتی ہیں، اس لئے مسلمان داعیوں پر بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اسلامی دعوت کے لئے مناسب ودرست طریقہ اختیار کریں کیونکہ دعوت کا کام انھیں سے مربوط ہے، خدائے وحدہٗ لاشریک کا ارشاد گرامی ہے "كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ" "تمہیں لوگ بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے نکالے گئے ہو نیکی کی ہدایت کرتے ہو اور بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

لیکن آج اسلام کے نقش قدم پر چلنے والے لوگ مختلف ٹولیوں میں بٹے ہوئے ہیں، کچھ تو وہ ہیں جو اسلام کے صرف نظریۂ جنگ وجدال کو مانتے ہیں اس سلسلے میں صرف عملی اظہار پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ

اس کو اسلام کی اولین اساس و بنیاد بتلاتے ہیں، وہ ایسا کرتے وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و کردار اور طریقۂ کار کو نہیں دیکھتے، وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرز عمل کو نہیں دیکھتے کہ آپ نے بعض منافقین کے نفاق کو اچھی طرح جان لینے کے بعد بھی ان کو قتل کرنے سے احتراز کیا کہ وہ کفار کے مقابلے میں جانی دشمن ہیں اور آپ نے خالص اسلام کی مصلحت کی بنا پر کیا کہ دشمنان اسلام کو کھلے طور پر یہ موقع ہاتھ نہ آجائے کہ محمدؐ نے اپنے ساتھیوں میں سے کسی شخص کو قتل کر دیا، اسی وجہ سے آپ اسلام کو بدنام ہونے سے بچاتے تھے، اور آپ کے سامنے کوئی لا الہ الا اللہ کا اقرار کرتا تو آپ اس کا اعتبار کرتے، ایک صحابیؓ کو اس بات کی خلاف ورزی کرنے پر زجر و توبیخ کرتے ہوئے فرمایا "کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا ہے"۔

دوسرا گروہ اسلام کو صرف عقلی نقطۂ نظر سے پیش کرنے پر اکتفا کر رہا ہے، اور اسے مغربی نقطۂ نظر سے ہم آہنگ بنانے پر اپنی محنت صرف کر رہا ہے جبکہ مغرب خود اس طرز زندگی سے بیزار ہو رہا ہے، اس لئے کہ اب اس کو اس میں قلبی راحت اور زندگی کا سکون میسر نہیں ہو رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کے افراد وقتاً فوقتاً اس زمانے سے منہ موڑ کر زندگی کے عام وسائل راحت کو بھی چھوڑ کر تارک الدنیا شخص کی زندگی اپنانے لگتے ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ مغرب نے خوب ترقی کی، سیاسی اور اقتصادی نظام اور عسکری قوت وسائل معیشت اور تمدنی ارتقاء میں اوج ثریا تک پہونچ گیا، اس کے ذریعہ اس نے انسانی مشکلات حل کرنے، اور ذاتی رنج و الم کو ختم کرنے کی کوشش کی لیکن اس کی ہر کوشش صدا بصحرا ثابت ہوئی، آج مغربی نوجوانوں کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے مسائل کے حل کی تلاش میں ہر وادی کی خاک چھان رہا ہے، اور ہر جگہ سے ناکام اور نامراد لوٹ رہا ہے، یہ اخلاقی ابتری اور ذہنی کشمکش جس کا آج مغربی نوجوان شکار ہے یہ اس معاشرے کا نتیجہ ہے جو اخلاقی اور دینی پابندیوں سے یکسر خالی اور آزاد ہے، اور یہی ان کی بیماری کی اصل جڑ اور بنیاد ہے ایسے میں مغرب کے سامنے صرف ایک ہی راستہ ہے وہ یہ کہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات اور خاص طور پر خاتم الرسل حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہے، جن کی دعوت یہ ہے کہ خالق کائنات سے ربط اور تعلق پیدا کیا جائے اور اعتدال و توازن کے ساتھ اسباب زندگی اختیار کئے جائیں، جن کا موقف یہ ہے کہ سامان راحت اور اسباب زندگی پر نہ ٹوٹ پڑا جائے اور نہ ہی رہبانیت اختیار کر کے ضروریات زندگی سے منہ موڑ لیا جائے، ارشاد خداوندی ہے "قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ" ترجمہ: اے محمدؐ! آپ کہہ دیجئے کس نے حرام کر دیا اللہ کی زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں، اور ستھری چیزیں کھانے کی، آپ کہہ دیجئے! یہ نعمتیں اصل میں ایمان والوں کے واسطے دنیاوی زندگی میں اور خالص انھیں کے لئے ہیں قیامت کے دن"۔

دنیاوی زندگی کے تعلق سے صحیح رائے یہی ہے کہ اس کے بارے میں یہ مانا جائے کہ یہ ایک محدود اور ختم ہونے والی زندگی اور دھوکے کا سامان ہے، لہٰذا بھلائی اور خیر اسی میں ہے کہ اس کو اعتدال کے ساتھ لیا جائے اور دل کو اس طرح نہ باندھ دیا جائے کہ اس کا کھولنا مشکل ہو۔

آج مغرب اپنے موجودہ صنعتی اور سیاسی نظام کو چھوڑ کر نئے نظام کی خواہش نہیں رکھتا، اس لئے کہ اس نے اعلیٰ قسم کے نظامہائے حیات کا تجربہ کر لیا ہے، اور اس کا علم، تحقیق اور فراست انتہا کو پہونچ چکی ہے، لہٰذا وہ مزید کسی نئے نظام حیات کا خواہش مند نہیں، کیونکہ اسے اس میں اپنے مسائل کا حل نظر نہیں آتا، آج مغرب کے لوگوں کو قلبی چین و سکون کی تلاش ہے جس سے آج انسانی دنیا کا ماحول دیوالیہ ہو چکا ہے۔

لہٰذا حق کے داعیوں کے لئے ضروری ہے کہ اسباب زندگی اور سامان زندگی سے مستفید ہونے اور ان کی حیثیت کی تعیین کے تعلق سے ان کی زندگی اعتدال اور جامعیت کا ایک قابل تقلید نمونہ ہو اور اس سلسلے میں علمی تشریح سے زیادہ عملی نمونے مؤثر ثابت ہو سکتے ہیں۔ اسی کے ساتھ علمی تشریح کی بھی ضرورت ہے، جس سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا، تو کیا ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی سنت کے عین مطابق اپنی عملی زندگی کے قافلے کو از سر نو آگے بڑھانے کا اقدام کرتے ہیں۔

واللہ من وراء القصد وھو یھدی السبیل

اسلام اور علم

مولانا عبداللہ عباس ندوی

رابطہ عالم اسلامی کے موسم ثقافی ۱۴۰۰ھ کے موقع پر یہ مقالہ مغرب میں پیش کیا گیا مقالہ کے بعد اس پر جو تبصرے ہوئے ان میں سے تعریف و تحسین کے الفاظ حذف کر کے اصل اعتراض کو بھی نقل کر دیا گیا ہے۔

آسمانی صحائف میں صرف قرآن مجید ہے جس نے علم و معرفت کو صرف "الٰہیات" یا مافوق الطبیعات تک محدود نہیں رکھا ہے بلکہ علم کے تنوع، وسعت اور اس کے ناپیدا کنار ہونے کی طرف واضح اشارہ کیا ہے،

سورۂ یوسف میں ہے:

"وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ" (سورۂ یوسف ۷۶)

"اور ہر علم والے سے دوسرا علم والا بڑھ کر ہے"

(یہ مختصر سی آیت اپنی بلاغت کے لحاظ سے بجائے خود ایک معجزہ ہے، اثباتی انداز میں اس بات کو کسی اور زبان میں ادا کرنے کی کوشش کیجیے[۱] تو کامیابی نہیں ہوگی)

قرآن نے جس سیاق میں یہ بات کہی ہے وہ مرنے کے بعد کی زندگی سے متعلق مضمون نہیں ہے بلکہ اسی دنیا سے متعلق اور تدبیر و حکمت، سیاست و مصلحت پر عمل کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا گیا ہے۔

سورۂ علق کی ابتدائی پانچ آیتیں جو اولین وحی ہیں، بتا رہی ہیں کہ انسان کی تخلیق جس طرح قدرت خداوندی کو ظاہر کرتی ہے۔ اسی طرح اس کو قلم کا استعمال سکھانا اور نامعلوم کو معلوم کرنے کا سلیقہ دینا خدمتِ الٰہی کا اعلیٰ ترین مظہر ہے، جو خدا جمے ہوئے خون (علق) میں جان ڈالتا ہے۔ اسی نے انسان کو علم دے کر تمام مخلوقات پر شرف دیا ہے۔

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ
خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ. اِقْرَأْ وَرَبُّكَ
الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ. عَلَّمَ الْإِنْسَانَ
مَا لَمْ يَعْلَمْ [۲]

"(اے محمدؐ) اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو جس نے (عالم کو) پیدا کیا جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا۔ پڑھو، اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جن کا اس کو علم نہ تھا۔"

حیات بخشنا اور علم دینا، دونوں کا ایک ساتھ ذکر اور ایک ہی سلسلۂ بیان میں کہ اس مالک حقیقی کا نام لیجیے جس نے تخلیق اور تعلیم سے اپنے بندے (انسان) کو نوازا، علم کی اہمیت بتا رہا ہے، نیز تاریخی لحاظ سے ان آیات کا وحی اول ہونا ثابت ہے جس میں

کسی زمانہ میں کسی کو اختلاف نہیں ہوا ی
تک کہ معاندین یہود و نصاریٰ نے بھی ق
کے ترجمے کیے اور سورتوں کی ترتیب با
قائم کی۔ وہ بھی مانتے ہیں کہ پہلی آیتیں ح
صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئیں وہ
آیتیں تھیں۔ لہٰذا اگر یہ کہا جائے کہ ن
(پڑھیے) قبل نبوت اور بعد نبوت کے ز
کے درمیان حد بندی کی لائن ہے تو غلا
یہی وجہ ہے کہ قبل نبوت کے زمانہ کو جا
(IGNORANCE) کا زمانہ کہا جا

دنیا میں جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے اپ
کو عطا فرمائی ہیں ان میں مال و متاع، جاہ
عزت و وجاہت سب کچھ ہے، مگر ک
کے بارے میں یہ نہیں کہا ہے کہ اس
کی تمنا کرو۔ یہ دعا نہیں سکھائی کہ ا
"رب زدنی مالاً" (اے اللہ میرے مال م
کرتا رہ) یہ دعا ضرور تلقین کی کہ "رب ا
(اے اللہ مجھے رزق دے) مگر اس میں تناء
توسط کی راہ پر چلنے کی ہدایت فرمائی۔
علم ہی ہے جس کے لیے یہ دعا سکھائی۔

رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا (سورۂ طٰہٰ ۱۴
(میرا پروردگار مجھے اور زیادہ علم د

---

۱ مثلاً اردو میں آپ کہہ سکتے ہیں، علم کی گہرائی او
و تنوع کی کوئی انتہا نہیں ہے، علم کی کوئی تھاہ
علم کا میدان بے پایاں ہے، علم ایک دریا ہے
ہے، اسی طرح فارسی میں، انگریزی میں اور جو
جانتے ہیں ان میں سوچیے، بغیر حرف نفی لگا
کو نہیں بیان کر سکتے۔ اور اس پر بھی وہ پورا
قرآن کے الفاظ سے ظاہر ہے نہیں پیدا ہوت
بلاغت کے لحاظ سے اس پر بہت کچھ کہ

۲ سورۂ علق پ ۳۰،

جو لوگ صاحب علم ہیں ان کے مقام کی اہمیت قرآن کریم نے اس انداز میں بتائی ہے کہ ناخواندہ یا بے علم لوگوں کے مقابلہ میں ان کو بلند دکھایا ہے:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (سورۂ زمر۔ ۹)

"کہو بھلا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو نہیں رکھتے دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟"

یہ انداز بیان ایسا ہے جیسے آپ کہیں کہ کیا شیر اور مکھی برابر ہو سکتے ہیں؟ لغت میں اس سوالیہ لفظ "هَلْ" (کیا) کو "سوال انکار" کہتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ مذکورہ قرآنی آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ اہل علم اور بے علم برابر نہیں ہو سکتے۔

اصحاب علم و معرفت کا درجہ اللہ نے اپنے بندوں کے درمیان ممتاز رکھا ہے۔

يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ (سورۃ المجادلہ۔۱۱)

"جو لوگ تم میں سے ایمان لائے ہیں اور جن کو علم عطا کیا گیا ہے خدا ان کے درجے بلند کرے گا۔"

بے علم ایسے ہی ناقابل التفات اور مضر لوگ ہیں کہ ان سے اعراض کرنے اور ان کی صحبت سے بچنے کا حکم قرآن نے دے دیا ہے۔ اور اس کا یہ پہلو واضح ہوتا ہے کہ علم کی کیا اہمیت ہے:

وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ (سورۃ الاعراف: ۱۹۹)

"اور جاہلوں سے کنارہ کرلو"

قرآن کریم نے اور مقامات پر جہاں جہاں وضاحت کے ساتھ یا اشارہ سے اس امر کی تاکید کی ہے ان سب کو اس مقالہ میں یکجا کرنے کی کوشش نہیں کی گئی صرف چند آیات جو مفہوم کو نمایاں طور پر پیش کر رہی ہیں انہی پر اکتفا کرتے ہوئے اب ہم احادیث نبویہ کی طرف آتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان قرآنی اشارات و احکامات کو اللہ کے رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح سمجھا، اور آپ کے عمل سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔

مشہور حدیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"طلب العلم فريضة على كل مسلم"

"علم کا طلب کرنا فریضہ ہے ہر مسلمان مرد اور عورت پر"

مجھے معلوم ہے کہ بعض معاصر محدثین اس حدیث کو ضعیف بتلاتے ہیں اور اطلبوا العلم ولو بالصين (علم طلب کرو خواہ چین جا کر علم حاصل کرو) کو موضوع شمار کرتے ہیں لیکن دوسری احادیث سے اس مفہوم کی توثیق اس طرح ہوتی ہے کہ اگر یہ روایت باللفظ ضعیف بھی ہے تو بالمعنی بالکل صحیح ہے۔ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اذا مات ابن آدم انقطع عمله الا من ثلاث

۱۔ صدقة جارية أو (۲) علم ينتفع به۔ أو (۳) ولد صالح يدعوله۔

"جب آدمی فوت ہو جاتا ہے تو اس کے سارے اعمال کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے سوائے اس کے کہ اس کی تین باتیں باقی رہ جاتی ہیں: (۱) صدقہ جاریہ (ایسا رفاہ عام کام جس سے خلق خدا برابر فائدہ اٹھاتی رہے یا (۲) ایسا علم جس سے لوگوں کو فائدہ پہونچے، یا (۳) ایسی اولاد یا کوئی لڑکا چھوڑ گیا ہو جو اس کے لیے دعائے مغفرت کرے۔"

اس حدیث میں علم کے ساتھ ينتفع به کا لفظ بتا رہا ہے کہ محض تفریحی، لفاظی، سحر و جادوگری کا علم ایسا نہیں ہے جس سے کسی کو فائدہ پہنچ سکے۔ دعائے ماثورہ میں اس لیے تلقین فرمائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے علم نافع طلب کیا جائے اور علم غیر نافع سے پناہ طلب کی جائے۔

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ

"اے اللہ! ہم تجھ سے ایسے علم سے پناہ مانگتے ہیں جو فائدہ نہ پہونچانے والا ہو۔"

علم اللہ کی قدرت عطا و بخشش کا مظہر ہے۔ اور تخلیق آدم کے بعد سب سے اہم نعمت علم ہی ہے اس لیے اس کے حصول کو عبادت کا درجہ دیا گیا ہے اور جس طرح عبادت میں کبر و ریا کا جذبہ عبادت کی روح کو ختم کر دیتا ہے اسی طرح علم کے حاصل کرنے کا مقصد بھی رضائے الٰہی ہونا چاہیئے۔

من طلب العلم ليباهي به العلماء ويماري به السفهاء ويصرف وجوه الناس اليه ويقول: أنا، فليتبوأ مقعده من النار

"جس نے علم اس لیے حاصل کیا کہ اس سے علماء کے درمیان اپنی بڑائی جتائے یا ناواقفوں کے درمیان اپنا سکہ جمائے اور لوگوں کو اپنی طرف مائل کرے کہ "میں تم میں بڑا ہوں" تو ایسے شخص کو چاہیے کہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ تلاش کر رکھے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو ترغیب دی کہ "لکھنا" سیکھیں، غزوۂ بدر میں بعض قیدیوں کا فدیہ یہ مقرر کیا گیا کہ مدینہ منورہ کے دس بچوں کو لکھنا سکھا دیں۔

علم کے لیے مرد و عورت کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی، پہلی حدیث جو نقل کی گئی اس میں وضاحت ہے کہ علم کا حصول ہر مرد و عورت کا فریضہ ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اہم مسائل احکام شریعت کو معلوم کرنے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم رجوع کرتے تھے[۱] احکام شریعت سے صرف واقفیت

---

[۱] خذوا نصف دينكم من هذه الحميراء، یعنی دینی معلومات کا نصف حصہ اس گوری رنگت والی سے حاصل کرو۔

موضوع ہے: (الدرالمنيف في الموضوع والضعيف تحقيق عبدالفتاح ابوغدة)

ا نہیں بلکہ اہم مسائل میں قرآن کریم سے استدلال ی بعض خواتین سے ثابت ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک بار منبر پر خطبہ دے رہے تھے۔ اس زمانہ میں بعض لوگ اپنی بیٹیوں کے مہر زیادہ مانگتے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تجویز کے طور پر فرمایا کہ مہر کے تعیین میں امہات المومنین کا اسوہ اختیار کرنا چاہئے ایک خاتون نے اعتراض کیا اور کہا کہ یہ پابندی ازروئے قرآن درست نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا [1]

"اور پہلی عورت کو بہت سامال دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ مت لینا۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

أَصَابَتْ امْرَأَةٌ وَأَخْطَأَ عُمَرُ [2]

"عورت نے ٹھیک بات کہی عمر سے خطا ہوئی۔"

استاذ احمد امین "فجر الاسلام" میں لکھتے ہیں:

اسلام نے مندرجہ ذیل تین اسباب کی بنا پر علمی سرگرمیوں کو آگے بڑھایا۔

اسلام کی تبلیغ کے لیے پڑھے لکھے لوگوں کی ضرورت تھی، اس لیے قدرتی بات تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فکر لاحق ہوئی کہ لوگ حصول علم کی طرف متوجہ ہوں۔

دوسرے یہ کہ قرآن کریم میں جو سابقہ امتوں کے واقعات بیان کئے گئے ہیں ان کو سمجھنے اور مزید معلومات حاصل کرنے کے لیے ضروری تھا کہ لوگ پڑھنا سیکھیں تاکہ اسرائیلی روایات کا مطالعہ کرسکیں۔

[1] سورۂ نساء: ۲۰ [2] تاریخ اسلام (حسن ابراہیم حسن) ج ۱، قاہرہ ۱۹۶۴ء ص ۴۶۴

اور سب سے اہم سبب یہ تھا کہ قرآن کی تعلیم نے ان کے اندر غور و فکر کا مادہ پیدا کیا۔ ان کو دعوت دی کہ وہ آسمان، زمین، چاند، ستاروں، صبح شام کی تبدیلی، لیل و نہار کی گردش ہواؤں کے چلنے، پودوں کے اگنے، پرندوں کے اڑنے پر غور کریں اور سوچیں کہ یہ سب کچھ خود بخود بلا ارادہ و مشیت عمل میں نہیں آرہا ہے۔ قرآن کریم نے ان کی فکر و نظر کو مدعو کیا کہ وہ ان امور پر غور کریں۔

"أَوَلَمْ يَنْظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ" [1]

"کیا انھوں نے آسمان اور زمین کی بادشاہت میں اور جو چیزیں خدا نے پیدا کی ہیں ان پر نظر نہیں کی؟"

اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مسلمانوں کی توجہ صرف دینی علوم کی طرف تھی، دینی علوم سے مقصود وہ آیات و احادیث ہیں جن کی شرح و تفسیر ایک دوسرے سے نقل کرتے رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل، تاریخ غزوات (مغازی) کو قلم بند کرنے کا ذوق عام تھا۔ اس کے بعد جب مسلمانوں کی حدود سلطنت میں توسیع ہوئی تو طب یونانی فلسفہ و منطق، ریاضیات، علم الفلک سے مسلمانوں کی دلچسپی ہوئی۔

[1] سورۂ الاعراف: ۱۸۵

طبقات الامم کے مؤلف قاضی صاعد بن احمد الطلیطلی لکھتے ہیں:

ابتدا میں مسلمانوں کی کاوش علمی کا محور قرآن و حدیث تھا یا سیرت نبوی۔ ہاں ایک علم طب بھی ضرور تھا جو خال خال عرب جانتے تھے چونکہ اس علم کی ضرورت انسان کو ہمیشہ اور ہر جگہ رہتی ہے۔ اور چونکہ اسلام نے اس کا انکار نہیں کیا بلکہ ترغیب دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک اثر مروی ہے، آپ نے فرمایا:

یا عباد اللّٰہ تداووا فان اللّٰہ عز وجل لم یضع داءً الا وضع له دواءً الا واحداً وھو الھرم۔

"اللہ کے بندو! دوا علاج کرتے رہو کوئی مرض اللہ نے ایسا پیدا نہیں کیا ہے جس کا علاج بھی پیدا نہ کیا ہو۔ ہاں بڑھاپے کے سوا (یعنی اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔)"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم کا اس درجہ اہتمام تھا کہ مدینہ منورہ کے باہر بھی آپ جزیرۂ عرب کے مختلف علاقوں میں ایسے معلمین کو بھیجتے جو لوگوں کو قرآن پڑھنے کی تعلیم دیا کرتے تھے۔

اسلامی فتوحات کے بعد صحابہ و تابعین صرف تعلیم کی غرض سے مختلف شہروں میں جاکر قیام کرتے اور لوگوں کو لکھنا پڑھنا سکھاتے۔ قرآن کریم کی تلاوت کا طریقہ اور احکام شریعت بتایا کرتے تھے۔ (جاری)

دعائے مغفرت

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی دامت برکاتہم اور اپنے اساتذہ سے گہرا تعلق رکھنے والے ندوہ و ندویوں کے قدرداں مولوی محمد ابراہیم ندوی (ممبئی) کے چچازاد بھائی محمد مصطفیٰ صاحب جو ندوۃ العلماء کے معاون و ہمدرد بھی تھے۔ ۱۲ نومبر ۱۹۹۹ء کو تہتر سال کی عمر میں انتقال فرماگئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

قارئین کرام سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے ادارہ پسماندگان سے تعزیت کرتا ہے۔

ایک مطالعہ

میرِ کارواں

از: مولانا عبداللہ عباس ندوی

پروفیسر وصی احمد صدیقی

یہ حقیر مضمون نگار جب مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی کی اس بے مثال تصنیف پر اپنے احساسات کو لکھنے چلا تو سوچ میں مبتلا ہو گیا کہ اس کتاب کے مندرجات کی تعریف کرے یا مصنف کتاب کے حسنِ تحریر کی داد دے یا صاحبِ کتاب کی عظمت کو خراجِ عقیدت پیش کرے۔ اس لف ونشر مرتب کا حق ادا کرنے سے اپنے کو قاصر پاتا ہے مگر انگریزی کے محاورہ کے پیشِ نظر جہاں عقلمند پیر رکھنے سے گھبراتے ہیں وہاں نادان گھس پڑتے ہیں وہ اس تحریر کے ساتھ تعمیر حیات کے قارئین کے سامنے حاضر ہے۔

ہمارے مولانا عبداللہ عباس صاحب علمی اور دینی حلقوں کی ایک بڑی معروف شخصیت ہیں۔ ان کا تعارف تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی سورج کو چراغ دکھا رہا ہو۔ زبردست عالم، بہترین مصنف۔ انھیں زبان وادب کے میدان کا شہسوار کہوں یا علوم دینیہ کے آسمان کا سورج۔ یہ استعارہ دہرا گیا ہے مگر الفاظ کے سلسلے میں اس لکھنے والے کی کم مائگی اس کا عذر ہے۔

ایک مصور اپنے کینوس پر کسی شخص یا کسی منظر کی خاکہ کشی کرتا ہے۔ فاضل مصنف نے افکار، جذبات اور واقعات کی ایک مصور کی طرح خاکہ کشی کی ہے۔ یہ تصنیف بیانیہ ہے مگر اس میں لذت مصنف کی جذباتی قوت سے پیدا ہوتی ہے اور اس کو فلسفہ، تاریخ اور عام سوانح نگاری پر مضمون کے حساب سے ترجیح ہے۔ اس میں زندہ انسانوں کے افکار اور جذبات بیان ہوئے ہیں اور حسنِ بیان نے اسے اس نوع کی دوسری کتابوں سے مافوق کر دیا ہے۔ مصنف خود اپنے بیان سے حظ اٹھا رہا ہے۔ اس کتاب کے پڑھنے والے کے سامنے منزل کی کشش بھی ہے اور رستہ کی دلچسپیاں بھی۔ یہ مسلسل طور پر جاذبِ توجہ ہے اور اس کے ایک حصہ سے جو لطف ملتا ہے وہ مجموعی طور پر ملتا ہے یہاں جیتے جاگتے انسان ملتے ہیں۔ جہاں کہیں ملت کے حال پر مصنف کے آنسو بہے ہیں وہ فرشتہ کے آنسو نہیں بلکہ ایک دردمند دل کے انسان کے آنسو ہیں۔ ایک ایسا انسان جسے عام لوگوں سے زیادہ فطرتِ انسانی کا علم ہے۔ اور جس کی روح میں ہمہ گیری اور وسعت ہے۔

مصنف نے اپنے ممدوح کی ذات کو ایک پاک سیرت، ایک مبارک شخصیت، ایک پرجمال ہیئت اور ایک شاندار تاریخ سے روشن کر کے مجسم کیا ہے۔

سوانح نگار اگر وہ مؤرخ بھی ہو اس کے سامنے بہت سی دقتیں ہوتی ہیں۔ مصنف کتاب نے ان دقتوں کی طرف واضح اشارے کئے ہیں اور کتاب کو سوانح عمری کہنے سے گریز کیا ہے گر جانتے ہیں کہ ایسا ساز اور مدح اور کون ممدوح ہوگا۔ بین السطور میں لکھا ہوا ہے کہ لاکھ منزل کی کشش ہو خدا کرے وہ کبھی نہ آئے۔ یہ قافلۂ نوبہار جرس غنچہ کی صدا پر چلتا ہی رہے۔ میرِ کارواں نے جو رختِ سفر ساتھ لیا ہے وہ پھول جھڑنے والی زبان ہے۔ موتی بکھیرنے والا قلم ہے۔ دلوں کو بدلنے والی نگاہ ہے اور ایک ایسی روح ہے جو علم و عشق کا مرکز بھی ہے اور محیط بھی ہے۔ یہ روح وہ پیغام دے رہی ہے جس سے ہدایت کی تخلیق ہوتی ہے اور جو تعلیم اور عمل کا ذریعہ ہے۔ ملت نے مفکر اسلام کا خطاب یہ دیکھ کر دیا ہے کہ اس قافلہ سالار کی ذات زندگی اور مذہب کی تمام کیفیتوں کی آئینہ دار ہے اور ایک سرمدی نغمہ اس سے ابل رہا ہے۔ اقبال نے آسماں ڈوبے ہوئے تاروں کے ماتم سے روکا ہے۔ حضرت مولانا اس بات سے متفق نظر نہیں آتے۔ رات کے اندھیرے میں پرانے راہبر انھیں تاروں سے راہ متعین کرتے تھے اور کبھی بھٹکتے نہ تھے۔ تاریخ دعوت وعزیمت اور پرانے چراغ ان ہی چاند تاروں کے ذکر سے مملو ہے۔ ان کا ماتم نہیں بلکہ ان کی یاد ہے۔ ان کتابوں کو ہاتھ میں لینا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کسی خدا رسیدہ بزرگ کے خانقاہ پر دستک دی جا رہی ہے۔ اب دروازہ کھلے گا اور وہاں داخلہ ہوگا جہاں عالم مثال سے براہ راست تعلق ملے گا وہ سکون محسوس ہوگا جو ربودگی سے ملتا ہے۔ دل کے تار مرتعش ہوں گے اور ایک خاموش موسیقی سنائی دے گی۔

مصنف کتاب جناب مولانا عبداللہ عباس صاحب نے ایک بات بڑی دلچسپ لکھی ہے کہ وہ اس اندیشہ میں مبتلا رہے ہیں کہ لفظ "میں" کے مسلسل استعمال سے کہیں پڑھنے والا یہ فیصلہ نہ کرے کہ نقوش سوانح حضرت مولانا کے ہیں یا مصنف کا اپنا بیان حسنِ طبیعت ہے۔ مولانا کا یہ اندیشہ بجا نہیں۔ جب داستان گو خود داستان میں شامل ہو تو وہ کیا کرے "میں" کا استعمال تو ہوگا ہی۔ اس "میں" کے استعمال میں جو اخلاص اور للہیت ہے وہ اس اندیشہ کو رد کرتا ہے۔ یوں بھی اچھے ذوق کا آدمی اپنی تعریف یا ایسے واقعہ کا بیان جس میں اس کے لئے داد کا پہلو نکلتا ہو خود کیوں کرے گا۔ یہ تو صرف پیغمبروں کی شان ہے کہ

انھیں اپنی پیغمبری کا اعلان کرنا ہوتا ہے۔ ولی کو بھی اپنی ولایت چھپانی پڑتی ہے اور مولانا تو بقول شاعر "ولی پوشیدہ اور عالم کھلا" کے مصداق ہیں۔

یہ حقیر مضمون نگار اکثر اس بات پر غور کرکے حیرت زدہ رہ جاتا ہے کہ حضرت مولانا کے معاملہ میں قانونِ ارتقا کیوں ختم ہوگیا۔ ہر مصنف کی تصنیفات درجہ بدرجہ ترقی کرتی ہیں نقشِ ثانی ہمیشہ نقشِ اوّل سے بہتر ہوتا ہے مگر حضرت مولانا نے وہ مبارک اور مسعود کتاب سیرت سید احمد شہیدؒ ۲۴ برس کی عمر میں لکھی جس کے متعلق حضرت مولانا منظور احمد نعمانیؒ نے یہ بات لکھی کہ اس کو پڑھ کر اپنے اندر ایک آگ سی بھڑک اٹھی۔ اس جذبہ کو جانے دیجئے جو پڑھنے والے کے دل میں یہ کتاب پیدا کرتی ہے، یہ ریسرچ اور تحقیق کے اعلیٰ ترین کسوٹی پر پوری اترتی ہے کیونکہ زبردست عقیدت رکھنے کے باوجود حضرت مولانا نے توازن اور احتیاط کا دامن کہیں نہیں چھوڑا۔ پھر تیس برس کی عمر میں ماذا خسر العالم لکھی جس نے عرب دنیا میں ایک ہلچل مچا دی اور اس کی مقبولیت نے عند اللہ اور عند الناس کے عروج پر حضرت مولانا کو پہونچا دیا اور خود ان کے قول کے مطابق عرب دنیا میں حضرت مولانا کی یہ وزٹنگ کارڈ بن گئی۔ مشرقِ اوسط کی ڈائری میں حضرت مولانا نے وہ دلچسپ واقعہ لکھا ہے جس میں ایک سفیر نے حضرت مولانا کو بحیثیت مصنف جانے بغیر ان سے اس کتاب کی تعریف کی۔ یہ واقعہ ہے کہ ابن خلدون کا فلسفہ تاریخ پر مشہور مقدمہ جس نے یورپ کو حیرت میں مبتلا کر دیا تھا اس کتاب کے آگے گرد ہے۔

پھر تاریخ دعوت وعزیمت کی سیریز سامنے آئی جس میں حضرت مولانا اپنی ملت کے روحانی وارثوں کے نام اور کام کو ایک لوح سیمیں پر ثبت کیا ہے۔ بقول ایک قاری کے "یہ وہ انگارے تھے جو بجھے نہ تھے مگر تاریخ کے خاکستر میں دب گئے تھے"۔ انھیں حضرت مولانا نے کرید کرید کر نکالا اور پھونک پھونک پھر روشن کیا۔ یہ وہ سیریز ہے جس کے حوالے سے لوگ سند اعتبار حاصل کرتے ہیں۔

کاروانِ مدینہ حضرت مولانا کی مختلف تحریروں اور سیرت پر مضامین کا مجموعہ ہے۔ ان مضامین کے تاریخ کا تعین نہیں ہوسکتا۔ اقبال کا یہ شعر پوری طرح اس کتاب پر منطبق ہے۔

سیاہ تازہ برانگیزم از ولایت عشق
کہ در حرم خطر از بغاوتِ خرد است

ایسے ہی حضرت مولانا کی بے مثال کتابیں سامنے آتی گئیں۔ نبی رحمت، المرتضیٰ، پرانے چراغ وغیرہ وغیرہ۔ جو نہ معلوم کتنی زبانوں میں ترجمہ ہوئیں اور نہ معلوم کتنے اڈیشن اجازت سے یا بے اجازت نکلے۔

میں ذرا بھٹک گیا مجھے تو کتاب میر کارواں پر اپنے احساسات لکھنے تھے یہ الگ سے بات کیوں شروع کر دی۔ خیر پھر صحیح ڈگر پر آگیا۔

مولانا نے اپنے ممدوح کو بزرگانِ سلف میں سے کسی کا قائم مقام یا مثنیٰ قرار نہیں دیا ہے۔ مولانا کی شخصیت اپنی جگہ منفرد ہے۔ انھوں نے مسلمانوں کے اہم مسائل پر توجہ کی۔ وطنیت اور حدود و ثغور سے بالکل الگ۔ قومیت عربیہ کی اصل حقیقت کو پہچانا اور اس کے خلاف نعرۂ جہاد بلند کیا۔

ملک کے اندر الجھے ہوئے سیاسی مسائل ہیں لیکن مولانا اس میں کبھی نہیں الجھے۔ کسی پارٹی کی سفارش نہیں کی اور مسلمانوں کی منزلِ مقصود نہیں بتایا مختلف جماعتوں سے درخواست کی کہ خونِ مسلم کو ارزانی سے بچالیے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے تشخص کو مٹانے کی سازش کے خلاف مردانہ وار کھڑے ہوگئے اسلم پرسنل لا کی حفاظت کے لئے زبردست جد و جہد کی۔ بندے ماترم جیسے مشرکانہ ترانہ کے متعلق کہا کہ یہ حرام ہے اور صاف صاف کہہ دیا کہ اگر حکومت نے مجبور کیا تو ہم مسلمانوں کو مشورہ دیں گے کہ وہ اپنے بچوں کو اسکولوں سے نکال لیں۔ یہ حضرت مولانا کی شخصیت تھی جس کے زیر اثر گورنمنٹ جھک گئی اور مسلمان بچے اس مشرکانہ عمل سے محفوظ رہے۔

بیرونِ ہند میں حضرت مولانا کی جو مقبولیت ہے اس سے سب واقف ہیں۔ ایک مرتبہ اس راقم نے ایک محفل میں کہا تھا کہ ایسا لگتا ہے کہ حضرت مولانا کی مقبولیت بیرونِ ہند سے ہند میں درآمد ہوئی ہے۔ لوگ اس پر راضی نہیں ہوئے بلکہ کچھ خفا بھی ہوئے لیکن میں نے اپنی رائے نہیں بدلی گو اسے دہرایا نہیں۔

مولانا عبد اللہ عباس صاحب نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا کو جو عزت و توقیر عطا فرمائی ہے وہ کسی جماعت۔ درسگاہ یا ادارے قومی یا بین الاقوامی کے صدر یا رکن ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ خود آپ کی ذاتی شخصیت نے ان تنظیموں کو فائدہ پہونچایا اور ان کی عزت بڑھائی۔ رابطۂ عالم اسلامی کی سالانہ نشست میں ایک سال مولانا شریک نہ تھے تو اس کے سکریٹری جنرل نے کہا کہ مجلس پھیکی معلوم ہو رہی ہے، دوسرے سربراہ نے کہا کہ اگر شیخ ایک گھنٹہ کے لئے بھی سیشن میں شریک ہو جائیں تو اس سیشن کی عزت بڑھ جائے بہرحال دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ایک طرف آکسفورڈ۔ پھر ادھر خلیج عرب کی ریاست دوبئی اور مشرقِ بعید کی ریاست برونائی گویا دنیا کے طول وعرض میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک ایسی شخصیت دی جو سب کے لیے باعث افتخار ہے۔

مولانا عبد اللہ عباس صاحب نے حضرت مولانا کی زندگی کے ہر پہلو کو لیا ہے۔

کتاب کی ابتدا شکر و اعتراف، عرضِ ناشر اور تقریبِ سخن سے ہے۔ مولانا کی لکھی ہوئی تو پوری کتاب ہے مگر ڈاکٹر محسن عثمانی نے جو چند صفحے تحریر کئے ہیں انھیں بھی کتاب کے بہترین صفحوں میں گنا جاسکتا ہے

کتاب دل کی تفسیر انھوں نے بھی کی ہے گو تفسیر کبیر نہیں ہے۔ ذکر حضرت مولانا کا اور بیان مولانا عبداللہ عباس صاحب کا۔ یہ کتاب اور راز دانوں کے لئے باعث رشک ہو سکتی ہے۔

مولانا عبداللہ عباس صاحب ٥٣ سال سے حضرت مولانا سے وابستہ ہیں اور بقول ان کے سفر وحضر، خلوت وجلوت رنج وراحت کے لمحات بہت نزدیک سے دیکھے ہیں۔ نجی گفتگو بھی سنی ہے اور مجمع عام کا خطاب بھی۔ نشاط وانبساط کے لمحے بھی دیکھے ہیں اور تکدر اور انقباض کی ساعتیں بھی۔ بری بحری اور فضائی سفروں میں رفاقت کا شرف بھی حاصل رہا ہے۔ تین سال تک شاگردی کا شرف بھی حاصل رہا اور ایک مرتبہ شاگرد ہمیشہ شاگرد کے محکم اصول پر کاربند رہے ہیں اور ندوہ کی اس عطا کردہ نعمت پر شکر ادا کرتے ہیں کہ انھوں نے اسلاف کے نام صالح طریق کار اور عصر جدید میں جو بھی خیر ہے اس کو ساتھ لیکر چلے ہیں۔ اس کتاب میں حضرت مولانا کی شخصیت دعوت، انداز تحریر، اسلوب تقریر، مرکزی خیال، فکری رجحان علمی اور ادبی ذوق اور طرز تحقیق کا پورا بیان ہے۔

اس سیرت ساز گھرانہ کا بیان ہے جس کے حضرت مولانا ایک فرد ہیں۔ دینی عقلیت کے مظاہر ہیں۔ جذب وانجذاب کی داستان ہے۔ خلق سے تعلق خالق کی رضا کے لئے ہے، اس کی وضاحت کی ہے۔ پھر معمولات کا ذکر ہے۔ حضرت مولانا کا طرز تدریس خاص طور پر مطالعہ قرآن کریم کی روشنی میں اس کا بے حد تفصیل سے بیان ہے اور نکتہ آفرینی کے دینی ذوق پر نگاہ ڈالی ہے۔ عربی تحریر وتقریر کی دل آویزی کے سلسلے میں ایک بڑا لمبا گوشہ قلموں کا ذکر۔ مدرسہ کیا ہے اس کا سیر حاصل بیان عالم عربی سے تعلق۔

غرض مولانا عبداللہ عباس صاحب نے اپنی کتاب میں ہر کجا گرمی نگر م انجمنے ساختہ اند کو صحیح

(بقیہ ص ٣٥ پر)

الوداع اے ندوۃ العلماء عزیز از جان من

دار العلوم ندوۃ العلماء میں حسب معمول امسال بھی ١٣ر نومبر ١٩٩٩ء کو فضیلت اول کے طلباء نے فارغ ہونے والے فضیلت دوم کے طلباء کے اکرام میں الوداعی جلسہ منعقد کیا۔ اس موقع پر فارغ ہونے والے طلباء نے اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔ جلسہ میں مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، مولانا عبداللہ عباس ندوی مولانا سید الرحمٰن اعظمی ندوی، مفتی محمد ظہور ندوی کے علاوہ اساتذہ وطلباء نے شرکت کی۔ اس موقع پر رخصت ہونے والے طلباء نے حسب ذیل الوداعی نظم پیش کی جو ہدیۂ ناظرین ہے۔ (ادارہ)

نتیجۂ فکر: خالد سیف اللہ ندوی۔

پیش کردہ: شکیل احمد ندوی

الوداع اے ندوۃ العلماء عزیز از جان من
الوداع اے بوستاں جس پر فدا ہے جان وتن

الوداع اے میرے پیارے دوستو اے جان جاں
الوداع اے ناظم اعلیٰ امیر کارواں
الوداع شمع فروزاں محترم استادگاں
الوداع اے مخزن علم وادب کے پاسباں
الوداع گل ہائے رنگا رنگ کے پیارے چمن
الوداع اے ندوۃ العلماء عزیز از جان من

مادر علمی سے ہے ہم کو بچھڑ جانے کا غم
ہر در و دیوار کو تکتے ہیں ہم با چشم نم،
پڑتے ہیں ہر رہ گزر پر آج رک رک کر قدم
یہ فضا بدلی ہوئی ہے یا کہ کچھ بدلے ہیں ہم
سوچ کر شاید کہاں پائیں گے ایسی انجمن
الوداع اے ندوۃ العلماء عزیز از جان من

یہ جہاں یہ یہ فضا ماحول یہ رعنائیاں
رونق شبلی کتب خانہ یہ بزم آرائیاں
بج دقتہ گونجتی ہے جس جگہ دلکش اذاں
اس جہاں کو چھوڑ کر پہونچیں نہ جانے ہم کہاں
آنے والا دن نہ لائے ساتھ میں رنج ومحن
الوداع اے ندوۃ العلماء عزیز از جان من

چھوڑ کر ایسی بہاروں کو چلے جائیں گے ہم
پھر کہیں ایسا سکوں شاید نہیں پائیں گے ہم
یاد میں اس بوستاں کی جب کبھی کھو جائیں گے ہم
صبر کی تلقین سے قابو میں دل لائیں گے ہم
یاد رفتہ سے ہی بہلائیں گے ہم سب اپنے من
الوداع اے ندوۃ العلماء عزیز از جان من

جاتے جاتے دل سے نکلی ہے ہمارے یہ دعا
گلستان ندوہ کو سرسبز ہی رکھے خدا
مخزن علم وہنر سے دور ہو ہر اک بلا
ہر بانحہ ہر طرح سے ہی سدا رب العلیٰ
ہو یہ بس راہ ترقی پر ہمیشہ گامزن
الوداع اے ندوۃ العلماء عزیز از جان من

عین ممکن ہے کہ ہم سے ہو گئی ہوں غلطیاں
آج کے بچھڑے نہ جانے پھر ملیں ہم سب کہاں
معاف کردیں سارے طلباء اور سب استادگاں
چاہتے ہیں آپ سے یہ ہو نہ کوئی بدگماں
بعد جانے کے دل میں ہو کبھی کوئی چبھن
الوداع اے ندوۃ العلماء عزیز از جان من

اپنے استادوں کا کرتے ہیں ادا ہم شکریا
جن کی کوشش سے ہی ان ذروں نے پائی ہے ضیا
نفضل رب سے التفات بوالحسن نے یہ کیا
گوہر مقصود سے دامن ہمارا بھر دیا
ہے دعا، اچھی صحت دے ان کو رب ذوالمنن
الوداع اے ندوۃ العلماء عزیز از جان من

آپ کی کوشش کبھی رائیگاں نہیں جائیگی

دینی تعلیمی کونسل کا اجلاس مولانا علی میاں کی زیر صدارت

رخصت ہونیوالی صدی میں کاموں کا احتساب اور آئندہ صدی کا لائحہ عمل طے ہوا

رپورٹ: حسین امین

دینی تعلیمی کونسل نے اپنے صدر مفکر اسلام حضرت ولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی زیر صدارت اس مدی کے آخری جلسے میں جہاں اس بات پر مسرت ا اظہار کیا کہ مولانا کی زیر قیادت کونسل نے متعدد امیابیاں حاصل کیں اور ہندوستان سے لے کر امریکہ ل میڈیا نے دینی تعلیم سے متعلق مسائل کو مثبت ندار میں پیش کیا وہیں یہ بھی انتباہ دیا کہ مسائل ختم نہیں ہوئے ہیں اور ہم ان اثرات سے مکمل طور پر محفوظ نہیں ہیں جو خاص نظریئے اور کلچر وعقیدے کے فروغ سے متعلق ہیں اور جن کو پیدا کرنے میں خود حکومت ملوث ہے۔

کونسل کے جلسے میں جو دارالعلوم ندوۃ العلماء کے سلیمانیہ ہال میں ۱۲ر نومبر ۹۹ء کو ہوا۔ مولانا علی میاں نے نہ صرف شرکت کی بلکہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے اراکین کونسل کو مبارکباد دی کہ انھوں نے اکثر معاملات میں احتجاج کیا اور کامیابی حاصل کی اور کہا کہ آپ کی کوشش کبھی رائیگاں نہیں جائے گی۔ مولانا علی میاں نے مسلمان بچوں کی ان کی مادری زبان میں دینی تعلیم کو مذہبی فریضہ قرار دیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی آخرالزماںؐ پر "اقرأ" کی سورہ کے ذریعہ خطاب کیا جو امی تھے۔ اس لئے آپؐ کی امت کو ہر جگہ ہر زمانے میں صحیح عقیدے پر قائم رکھنے کے لئے دینی تعلیم پر توجہ ضروری ہے۔ ہندوستان میں بھی اس ضرورت کا احساس کیا گیا ہے۔ مولانا علی میاں خاصی دیر تک جلسے میں بیٹھنے اور کونسل کے سکریٹری ڈاکٹر مسعود الحسن عثمانی کی پیش کردہ سابقہ کارروائی کی رپورٹ کی توثیق کے لئے دستخط کرنے اور جنرل سکریٹری ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی کی زبانی رپورٹ سننے کے بعد ندوہ کے مہمان خانے چلے گئے اور تب ان کی جانشینی مولانا محمد شفیع مونس نے کی جو مولانا رفیق قاسمی کے ہمراہ دہلی سے تشریف لائے تھے اور مولانا مونس نے بچوں کی ابتدائی تعلیم پر خاص توجہ دینے پر زور دیتے ہوئے یہ بھی کہا کہ عائلی قوانین اور بچوں کی تعلیم میں "آپ اور برادران وطن کے خیالات میں بہت فرق ہے"۔

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے جو کونسل کے جنرل سکریٹری ہیں اپنی رپورٹ زبانی پیش کی اور اس کا اختتام ان حوصلہ افزا الفاظ پر کیا کہ اگر حقیقت پسندی ہے تو کوئی آپ سے کچھ نہیں چھین سکتا، جمہوریت بہرحال جمہوریت ہے۔ اخلاقی طاقت، ایمان اور کردار کو کامیابی کی ضمانت قرار دیا۔ انھوں نے تنظیم کو مضبوط اور خود کفیل بنانے کی ضرورت پر زور دیا۔ ڈاکٹر صاحب نے حکومت کے ان احکامات کو پڑھ کر سنایا جو سنسکرت کو لازمی قرار دینے، دندے ماترم لازمی کرنے، اسکول کو آشرم کی شکل دینے، بھوجن منتر وغیرہ سے متعلق تھے اور جس کا نوٹس کونسل نے لیا اور پھر مولانا علی میاں نے اپنا بیان دیا جس کے بعد بھارت ماتا کی پوجا وغیرہ کا حکم واپس لیا گیا۔ اس کامیابی پر ہم نے بہرحال کوئی جشن نہیں منایا۔ یہ پہلا موقع تھا جب ایک دھماکہ ہوا اور انگریزی میڈیا جو مسلمانوں کی خبر چھاپنے سے پرہیز کرتا تھا۔ ٹی وی یہاں تک کہ وائس آف امریکہ نے مثبت رویہ اختیار کیا یہ بہت اہم واقعہ تھا۔ لیکن ہمیں اپنے کو محفوظ نہیں سمجھنا چاہئے، انھوں نے یاد دلایا کہ علمی اداروں کو آئی ایس آئی کا اڈہ بتایا جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ مسئلہ کسی فرد کا نہیں اجتماعی ہے، اس لئے سب کو مل کر کام کرنا چاہئے۔ کونسل کا مزاج کبھی جارحانہ نہیں رہا ہے اگر اپنی بات آئینی اور مضبوط بنیاد پر کہی جائے اور اگر پیچھے کوئی طاقت ہو قانونی اور اخلاقی نوعیت کی تو اور مضبوطی آئے گی۔ اس ملک میں مقامی اداروں کو ساتھ لے کر چلنا ضروری ہے ورنہ مشکل ہوگی انھوں نے کہا کہ ہماری ذمہ داری ہے کہ حکومت میڈیا اور برادران وطن کو بتائیں کہ مدرسہ کیا ہے؟ دارالعلوم کیا ہے؟ مکتب کیا ہے اور اسکول کیا ہے؟ تاکہ بدگمانیاں دور ہوں۔ ہماری مطبوعات بھی سب کو لینا چاہئے۔

ڈاکٹر قریشی نے ملائم سنگھ یادو حکومت میں اردو اساتذہ کے تقرر اور اردو مترجمین کے تقرر کا ذکر کیا اور یہ بھی بتایا کہ اس وقت کی حکومت کی دلچسپی کی وجہ سے مسٹر سید حامد کی زیر صدارت مائنارٹیز ایسوسی ایشن کی کوشش کے نتیجے میں ۲ سو اداروں کو اقلیتی تسلیم کیا گیا لیکن موجودہ حکومت میں ڈھائی ہزار درخواستیں پڑی ہیں۔

حبیب اللہ اعظمی صاحب نے حکومت کی تعلیمی پالیسی پر روشنی ڈالی جو ایک مخصوص کلچر، مذہب اور زبان اور نظریات کو مسلط کرتی ہے۔ پرائمری اسکولوں کو پنچایتوں کے تحت کر دیا گیا ہے جس سے تعلیمی معیار گرے گا اور تعلیم میں سیاست داخل ہوگی۔ انھوں نے بتایا کہ اسکولوں میں "شکشا متر" کا عہدہ قائم کیا

جارہا ہے جو مخصوص مذہب کو مسلط کریں گے۔

کونسل کے سکریٹری ڈاکٹر مسعود الحسن عثمانی نے جو کارروائی چلا رہے تھے دینی تعلیمی تحریک پر روشنی ڈالی جس کے بانی قاضی عدیل عباسی صاحب ایڈوکیٹ تھے۔ انھوں نے بتایا کہ یہ قاضی صاحب تھے جنھوں نے اس شرط کو پورا کرنے کے لئے کہ جس جگہ دس بچے ہوں گے وہاں اردو ٹیچر رکھا جائے گا تین سو بچوں کا ایک جلوس انسپکٹر آف اسکولس کے دفتر بھیجا جسے دیکھ کر وہ دنگ رہ گئے۔ اس طرح ارباب اقتدار میں یہ دبی ہوئی خوشی فکر میں بدل گئی کہ دس بچوں کی شرط کون پوری کرے گا۔ انھوں نے ایک واقعہ یہ بھی بتایا کہ مولانا حفظ الرحمن نے قاضی صاحب سے سوال کیا تھا کہ دینی تعلیم کی اتنی بڑی تحریک کے لئے سرمایہ کہاں سے آئے گا تو قاضی صاحب نے چنگی کے نظام سے تحریک چلا کر ان کو حیرت زدہ کر دیا تھا انھوں نے اس تحریک میں مولانا علی میاں کی دلچسپی اور سرگرمی کا ذکر کیا کہ کس طرح وہ تحریک کے لئے سفر کرتے تھے اور اس کی صعوبتیں برداشت کرتے تھے۔ انھوں نے بتایا کہ اس جلسے کا ایجنڈا اس بات کو نظر میں رکھ کر تیار کیا گیا ہے کہ نئی صدی میں داخل ہوتے وقت رخصت ہونے والی صدی میں اپنی کارکردگی کا جائزہ لیں اور اپنا احتساب کریں۔ انھوں نے کہا کہ ہماری کوشش ہے کہ پرائمری درجات میں بچے مادری زبان میں پڑھیں اور وہ عقیدۂ توحید پر قائم رہیں انھوں نے قرار دادیں پیش کرتے ہوئے سب سے پہلے قرار داد مولانا علی میاں سے متعلق پیش کی جس میں ان کی سرپرستی اور رہنمائی میں مسلمانوں کے مسائل حل کرنے کی تحریکیں چلیں اور کامیابی بھی ہوئی۔ مولانا کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے صحت کاملہ کی دعا کی گئی ان تمام لوگوں کا شکریہ بھی ادا کیا گیا جنھوں نے بندے ماترم کے حکم پر عمل نہ کرنے کے رویہ میں ساتھ دیا اور کہا کہ ہم اس ضمن میں ساتھ دینے والی تنظیموں اور مدارس کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں خاص طور سے میڈیا کا۔ قرار داد میں ملک کے دانشوروں سے اپیل کی گئی کہ ہر اس مہم کی مخالفت کی جائے جو ملک کے مفادات کو متاثر کرے، مسلم علماء سے اپیل کی گئی کہ مسلمانوں میں صحیح شعور پیدا کریں، نفرت کے ماحول کی مخالفت کریں اور آر ایس ایس کے نام پر جو کچھ ہو رہا ہے اس کے بارے میں ارباب اختیار کو باخبر کریں تعلیمی اداروں سے اپیل کی گئی کہ تعلیم کو معیاری بنایا جائے، دینی تعلیمی تحریک کو فعال بنانے میں تعاون دیا جائے، علماء اور اراکین سے اپیل کی گئی کہ دینی تعلیمی کونسل کی شائع کردہ کتابوں کے جعلی نسخوں پر نظر رکھی جائے، یہ بات باعث تشویش ہے۔ حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ سرکاری طور پر منظور شدہ درسی کتابوں سے منافرت پھیلانے والے مواد کو خارج کیا جائے۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کو مجاز کیا گیا کہ سکریٹریوں کی تعداد تین سے بڑھا کر سات کرنے کے سلسلے میں اور یوپی کو چار ریجنوں میں تقسیم کرنے کی بابت لائحہ عمل تیار کریں۔

جلسے میں یوپی کے ممتاز وکیل عبدالمنان صاحب ایڈوکیٹ ہائی کورٹ نے پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں صدر جمہوریہ ہند کے خطبے میں دستور پر نظر ثانی کرنے کے ارادے میں پنہاں اس خطرے سے آگاہ کیا کہ بنیادی حقوق سلب کرنے کے لئے آرٹیکل ۲۵ اور ۳۰ میں ترمیم کی جائے گی۔ اور کہا کہ اس ارادے کا سختی سے مقابلہ کرنا ہے۔ ہائی کورٹ کے ہی ایک ممتاز وکیل مسٹر ظفریاب جیلانی ایڈوکیٹ نے کہا کہ ہمیں خود درسی کتابوں کا جائزہ لینا چاہئے اور مختلف اسکولوں کے اساتذہ سے رابطہ رکھنا چاہئے تاکہ پتہ رہے کہ کتابوں میں کوئی قابل اعتراض مواد تو نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں انھوں نے ایک کتاب کا ذکر کیا جس میں حضورؐ کی شان میں گستاخی ہوئی ہے انھوں نے عدالتی فیصلوں پر بھی نظر رکھنے کی ضرورت پر زور دیا تاکہ اگر کوئی فیصلہ اپنے خلاف ہوا ہو تو اس لحاظ سے عدالتی چارہ جوئی کی جا سکے۔ جلسے میں علی گڑھ کی ایک ممتاز شخصیت پروفیسر نفیس نے بتایا کہ کس طرح وہاں ارتداد کی ایک لہر چل پڑی تھی اور اس کا مقابلہ کیا گیا۔ یوپی کے کم سے کم آٹھ شہروں میں ارتداد کی لہر چل رہی ہے جس کا سبب مسیحی، قادیانی، اور آریا سماجی اسکول ہیں اور مسلم عوام کی دین سے دوری اور غربت ہے۔ بہرحال مسلمانوں کے اسکولوں کے سبب سے ہیں۔ بستی کے ارشد عباسی صاحب نے کہا کہ ان کی انجمن تعلیمات دین سے ۹۲ مدرسے ملحق ہیں۔ انھوں نے تعلیم میں ایک متوازی نظام کی ضرورت پر زور دیا کیونکہ حکومت کے محکمہ تعلیم کا نجی کرن ہونے والا ہے۔ شاہ جہاں پور کے محمد رضا نے کہا کہ سرکاری اسکولوں میں بچوں کو جو وظیفہ دیا جا رہا ہے اس سے ہمارے مکتبوں کو نقصان پہونچ رہا ہے کیونکہ بچے وظیفے کی لالچ میں چلے جاتے ہیں۔ سدھارتھ نگر کے اسحاق عثمانی صاحب نے تعلیمی معیار کے زوال پر تشویش ظاہر کی۔ مولانا رفیق قاسمی نے تجربوں کی ترتیب پر زور دیا اور اس سلسلے میں ڈاکٹر قریشی نے کونسل کی سرگرمی کا ذکر کیا۔ مولانا قاسمی نے چاہا کہ مسلکی بٹوارہ ختم ہو جو دینی تعلیم کی اسپرٹ کے خلاف ہے اور ضرورت ہے کہ میدان عمل میں اترا جائے، مختلف تنظیموں کا تعاون حاصل کیا جائے، انھوں نے تعلیم بالغان کی ضرورت پر بھی زور دیا اور اس پر تشویش ظاہر کی کہ آٹھ شہروں میں ارتداد کی لہر ہے، اجلاس سے خطاب اور شرکت کرنے والوں میں مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، مولانا سعید الرحمن اعظمی ندوی، ڈاکٹر کلیم اللہ خاں، چودھری شرف الدین، مولانا سید سلمان حسینی ندوی، شفیق احمد ایڈوکیٹ (میرٹھ) محمد رضا (شاہجہانپور) مولانا برہان الدین سنبھلی، عمار سنبھلی، اور مولانا سید اسحاق حسینی ندوی شامل تھے۔

(بذریعہ انڈیپنڈنٹ نیوز سروس لکھنؤ)

یاد یار مہرباں

مولانا ابوالبرکات فاروقی ندوی کی وفات

مولانا عبداللہ عباس ندوی

اندور کے مدرسہ ریاض العلوم کے مؤسس
ظم علی مولانا ابوالبرکات فاروقی ندوی کا، ار نومبر
۱۹ کو سحر کے وقت انتقال ہوگیا۔ موصوف ندوة
اکے فاضل اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے
ملا میں تھے جنھوں نے اس کے ابتدائی زمانہ
لیم حاصل کی تھی۔ جبکہ علامہ شیخ بن باز رحمۃ اللہ
س کے نائب صدر تھے۔ اور علامہ شیخ محمد بن
لعبودی امین عام تھے۔ اس بیچ کے اکثر طلبہ
ریا۔ یوگنڈہ، نیجر، اور دوسرے افریقی ممالک میں
ی بچوں کو تعلیم دینے کے لئے مبعوث کئے جاتے
۔ اگر مولانا ابوالبرکات چاہتے تو بغیر کسی دشواری
ہیں نہ کہیں بھیج دیئے جاتے۔ اور ایک آسودہ حال
ی گذارتے۔ لیکن انھوں نے جامعہ اسلامیہ کے
صد دعوت اور ندوة العلماء کی مقصدیت تعلیم
وت دونوں کو ہمیشہ ترجیح دی اور اپنے وطن میں
۔ بہت سنگلاخ زمین میں مدرسہ کی بنیاد ڈالی
امیں ان کو جان توڑ محنت کرنا پڑی۔ اور ایسے عناصر
کرنا پڑا جو ندوة العلماء اور مدینہ منورہ کے فارغ
رے سے مسلمان ہی نہیں سمجھتے تھے اور ان کی
نسے اس درجہ سختی تھی کہ وہاں اپنا مدرسہ قائم
کے بیرجانا تو بڑی بات ہے وہاں سے گذرنا مشکل
۔ مالی بے سروسامانی اپنی جگہ پر تھی۔ مگر مرحوم نے
نے ایمانی جوش، عالمانہ اخلاص اور اللہ کی تائید
مدرسہ کرتے ہوئے زمین شور میں سنبل اگایا۔

ان کے رفقاء سے میں نے سنا ہے کہ جب مدرسہ کی ابتدائی کوٹھریاں تعمیر ہو رہی تھیں اور اس وقت وہ سرزمین جو ایک ویرانہ تھی زہریلے کیڑوں اور سانپ بچھو کی کثرت تھی اور دوسری طرف سامان عمارت کی حفاظت کے لئے کسی کا رہنا بھی ضروری تھا مولانا ابوالبرکات نے وہاں راتیں گذاریں اور اللہ پر بھروسہ کرکے ہر قسم کے حشرات کا تنہا مقابلہ کیا۔ اب وہ مدرسہ اس کی خوشنما اور مضبوط مسجد ان کی ہمت کی نشانی ہے۔ اور مدرسہ عزم و کردار کی کہانی ہے۔

مولانا ابوالبرکاتؒ نے اپنے کام کی تکمیل کے لئے سفارشوں اور امت کے معروف افراد کے توسط کا سہارا نہیں لیا، ان کا کام ان کے مدرسہ کی خود سفارش کر رہا تھا۔ بیرون ملک واندرون ملک کے جو افراد وہاں گئے انھوں نے اپنی آنکھوں سے جو دیکھا اس بنا پر جو خدمتیں کرسکتے تھے کرتے رہے، مرحوم نے زندگی بھر جان توڑ محنت کی، اپنا نام اونچا کرنے کے بجائے دین کی سربلندی کو پیش نظر رکھا، مرحوم فاروقی نے اپنے عمل سے ایک نمونہ پیش کردیا کہ اگر کوئی جدوجہد اخلاص کے ساتھ کرے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی غیبی تائید حاصل ہوتی ہے۔

وہ ندوہ کے قابل احترام فرزند تھے۔ جس نے ندوہ کے رسوخ اور نفوس سے اتنا فائدہ نہیں اٹھایا جتنا کہ اس کا نام بلند کیا۔ وہ مرشد و مربی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے قابل اعتماد افراد میں تھے، اور حضرت مولانا نے گذشتہ رمضان میں یا اس کے بعد ان کو اجازت مرحمت فرمائی تھی امید ہے کہ ان کے اخلاف اور احباب اور معاونین اس ادارے کو باقی رکھیں گے اور پروان چڑھائیں گے۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی رحمتوں سے نوازے۔ اور ان کے عمل کو امت کے لئے نمونہ بنائے۔

(بقیہ)

میر کارواں

کر دکھایا ہے۔ میں اس مضمون کو ختم کر رہا ہوں اس اقرار کے ساتھ کہ

ہزار بادۂ ناخوردہ در رگ تاک است

شبِ قدر

محمد شاہد ندوی بارہ بنکوی

شبِ قدر کثرتِ عبادت، نفل نمازوں کے اہتمام، تلاوتِ قرآن، ذکرِ الٰہی، توبہ و مناجات، دعا و استغفار اور انابت و مغفرت کی شب ہے۔

رسول کریم رمضان المبارک میں عموماً اور اس کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں خصوصاً عبادت کا بہت زیادہ اہتمام فرماتے تھے، اور دوسرے لوگوں کو بھی اس کی تعلیم و ترغیب دیتے تھے، اور وہ شب قدر کی تلاش و جستجو میں بڑا مجاہدہ اور شب بیداری کرتے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں عبادت وغیرہ میں وہ مجاہدہ کرتے اور مشقت اٹھاتے جو دوسرے دنوں میں نہیں کرتے تھے۔ (مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رمضان کا آخری عشرہ شروع ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کمر کس لیتے اور شب بیداری کرتے (پوری رات ذکر و عبادت، تلاوت و مناجات، دعا و استغفار میں مشغول رہتے) اور اپنے گھر کے لوگوں (یعنی ازواج مطہرات اور دوسرے متعلقین) کو بھی جگا دیتے (تاکہ وہ بھی ان راتوں کی برکتوں اور سعادتوں میں حصہ لیں۔ (بخاری و مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شب قدر کو تلاش کرو رمضان کی آخری دس راتوں میں سے طاق راتوں میں۔ (صحیح بخاری)

ان حدیثوں کا مفہوم یہ ہے کہ شب قدر زیادہ تر عشرۂ اخیر کی طاق راتوں (یعنی اکیسویں یا تیئسویں یا پچیسویں یا ستائیسویں یا انتیسویں) میں سے کوئی ایک رات ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کو اس طرح پوشیدہ اور مبہم رکھا کہ قرآن کریم میں ایک جگہ فرمایا گیا ہے کہ قرآن کریم کا نزول شب قدر میں ہوا۔ اور دوسری جگہ فرمایا گیا ہے کہ قرآن کریم کا نزول ماہ رمضان المبارک میں ہوا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شب قدر رمضان المبارک کی راتوں میں سے کوئی رات تھی۔ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید نشاندہی کے طور پر ارشاد فرمایا کہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں اس کا زیادہ امکان ہے۔ اس لئے ان راتوں کا خاص اہتمام کیا جائے۔ لیکن آپ نے کسی رات کے بارے میں تعیین نہیں فرمائی اس عدم تعیین کی بڑی حکمت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اور اس کی رضا کے طالب بندے مختلف راتوں میں عبادت و ذکر و تلاوت اور دعا و استغفار کا اہتمام کریں۔ اور ایسا کرنے والوں کی کامیابی یقینی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب شب قدر ہوتی ہے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کے جھرمٹ میں نازل ہوتے ہیں۔ اور ہر اس بندے کے لئے دعائے رحمت کرتے ہیں جو کھڑا یا بیٹھا اللہ کے ذکر و عبادت میں مشغول ہوتا ہے۔
(شعب الایمان للبیہقی)

بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا خیال تھا کہ شب قدر عموماً رمضان المبارک کی ستائیسویں ہی تاریخ میں ہوتی ہے، اور بہت سے اصحابِ ادراک اور علماء کبار کا تجربہ بھی یہی ہے کہ وہ زیادہ تر ستائیسویں شب میں ہوتی ہے اس لئے مسلمان عام طور پر اسی رات میں عبادت، دعا و استغفار، ذکر و تلاوت کا خاص اہتمام کرتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ بتائیے کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ کون رات شب قدر ہے تو میں اس رات کو اللہ تعالیٰ سے کیا عرض کروں اور کیا دعا مانگوں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: یہ عرض کرو۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ (مسند احمد، جامع ترمذی)

اے میرے اللہ تو بہت معاف فرمانے والا ہے اور بڑا کرم فرما ہے اور معاف کر دینا تجھے پسند ہے پس تو میری خطائیں معاف فرما دے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ رمضان المبارک کی آخری شب میں آپ کی امت کے لئے مغفرت اور بخشش کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ آپ سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ! کیا وہ شب قدر ہوتی ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ شب قدر تو نہیں ہوتی لیکن بات یہ ہے کہ عمل کرنے والا جب اپنا عمل پورا کرلے تو اس کو پوری اجرت مل جاتی ہے۔ (مسند احمد)

اس حدیث نبوی سے یہ معلوم ہوا کہ رمضان المبارک کی آخری شب بھی خاص مغفرت کی شب ہے۔ مگر اس شب میں مغفرت اور بخشش کا فیصلہ انہی بندوں کے لئے ہوگا جو رمضان المبارک کے اعمال خاص روزہ، نماز، اوراد و وظائف اور ذکر و عبادت، دعا و استغفار کرکے اس کا استحقاق پیدا کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیک عمل کرنے کی توفیق دے اور بخشش و مغفرت کا فیصلہ فرمائے (آمین)

محمد طارق ندوی

سوال و جواب

س:۔ کوئی شخص رمضان کے اخیر عشرہ کا اعتکاف توڑ دے تو اس پر قضا لازم ہے یا نہیں؟

ج:۔ جس دن اعتکاف توڑ دیا ہو فقط اس دن کے اعتکاف کی قضا روزہ کے ساتھ ضروری ہے بقیہ دنوں کی قضا ضروری نہیں، البتہ اگر کوئی شخص رمضان کے بعد پورے عشرہ کی قضا مع الصوم کرلے تو بہتر ہے۔

س:۔ اگر کوئی شخص زبردستی معتکف سے باہر نکال دیا جائے تو اعتکاف برقرار رہے گا یا نہیں؟

ج:۔ اگر کوئی شخص زبردستی اعتکاف کی جگہ سے باہر نکال دیا جائے تب بھی اعتکاف باقی نہ رہے گا مثلاً کسی جرم میں حاکم کی طرف سے وارنٹ جاری ہو اور سپاہی اس کو گرفتار کرے جائے یا کسی کا قرضدار ہو اور وہ اس کو باہر پکڑ لے جائے یا کسی شرعی طبعی ضرورت سے باہر نکلے اور قرض خواہ وہیں روک لے ان تمام صورتوں میں اعتکاف ختم ہو جائے گا۔

س:۔ کیا اعتکاف کی حالت میں خاموش رہنا مکروہ ہے؟

ج:۔ حالت اعتکاف میں بالکل خاموش رہنا مکروہ ہے معتکف کو چاہئے کہ قرآن مجید کی تلاوت کرے ذکر میں مشغول رہے یا کسی دینی کتاب کا مطالعہ کرے بالکل خاموش نہ بیٹھا رہے۔

س:۔ کیا معتکف اپنے گھر جا کر کھانا لا سکتا ہے؟

ج:۔ نہیں! اپنے گھر کھانا لانے نہیں جا سکتا ہے اس کا انتظام کرنا ہوگا۔

س:۔ اگر کوئی شخص یہ نذر مانے کہ اگر میرا فلاں کام ہو جائے گا تو میں اعتکاف کروں گا کام پورا ہونے پر اس پر اعتکاف کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

ج:۔ مذکورہ صورت میں اعتکاف کرنا واجب ہے نہیں کرے گا تو گنہگار ہوگا۔

س:۔ رمضان کے آخری عشرے کے اعتکاف کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟

ج:۔ رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف کرنا سنت کفایہ مؤکدہ ہے، اگر اہل محلہ میں سے کوئی بھی محلہ کی مسجد میں اعتکاف کرے تو سارے محلہ والوں کی طرف سے کافی ہوگا، ورنہ سارے محلہ والے گنہگار ہوں گے۔

بہارِ رمضان

قمر رام نگری

ہر طرف اللہ کی رحمت ہی رحمت دیکھئے
آئیے رمضان کی یہ خیر و برکت دیکھئے

کھانے پینے میں ہے ملتی کیسی لذت دیکھئے
ایک ساتھ افطار کرنے کی بدولت دیکھئے

گوشہ گوشہ روح پرور چپہ چپہ خلد زار
ہو جو جنت دیکھنی دنیا میں جنت دیکھئے

ہر طرف افطاری و سحری کی ہے کیا دھوم دھام
آئیے اور روزہ داروں کی ضیافت دیکھئے

بھوکے پیاسے رہ کے بھی ہیں کتنے خوش اور مطمئن
روزہ داروں کی ذرا روزے کی حالت دیکھئے

ان کے منہ کی بو بھی ہے مشکِ ختن سے بھی سوا
مومنوں سے ان کے رب کی یہ محبت دیکھئے

مچھلیاں دریا کی کرتی ہیں دعائے مغفرت
اللہ اللہ روزہ داروں کی یہ قیمت دیکھئے

رزق بڑھ جاتا ہے بیشک مومنوں کا ان دنوں
سحری و افطار میں اس کی شہادت دیکھئے

عرش سے ہر روز دی جاتی ہے رحمت کی نوید
اللہ اللہ اپنے رب کی شانِ رحمت دیکھئے

رکھتی ہے کس شوق سے روزے یہ روزے تیس دن
تاجدارِ گنبدِ خضرا کی امت دیکھئے

ہے تراویح و تہجد اور روزے کے عوض
آخرت میں ہم کو جنت کی بشارت دیکھئے

روزہ داروں کو ملائک پیش کرتے ہیں سلام
ہم غلامانِ شہِ طیبہ کی عظمت دیکھئے

کس طرح اک ساتھ ہوتے ہیں نمازی سجدہ ریز
آ کے مسجد میں نماز باجماعت دیکھئے

لطف کتنا روزے میں آتا ہے اب کیسے کہیں
روزہ رکھ کر آپ بھی اس کی مسرت دیکھئے

اس مہینے میں قمر نازل ہوا قرآن پاک!
دے رہا ہے اس کی خود قرآن شہادت دیکھئے

مختصر

عالمی خبریں

معید اشرف ندوی

• سعودی عرب کے ولی عہد عبد اللہ بن عبد العزیز نے اپنے ایک اخباری بیان میں بڑے اہم اقدامات کرنے کا اعلان کیا ہے جن کا مقصد یہ ہے کہ مملکت سعودی عربیہ کو نئے تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کے لئے اقتصادی طور پر کھول دیا جائے گا منجملہ ان اقدامات کے مملکت کو بین الاقوامی تجارت کے لئے بھی کھول دیا جائے گا اور اس راہ میں حائل تمام حدود وقیود وشرائط کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔ غیر ملکی سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی کی جائے گی اور مملکت سعودی عربیہ میں مقیم غیر ملکیوں کو اجازت دی جائے گی کہ وہ سعودی عرب میں سرمایہ کاری بلکہ اب شاید اس کی بھی اجازت ہوگی کہ وہ سعودی عرب میں جائداد کے مالک بن سکیں خواہ یہ سرمایہ کاری کے ضمن میں ہو یا اپنی ذاتی رہائش کی خاطر یہ سب اقدامات مملکت کی اقتصادی پالیسی میں آئندہ ایک سنگ میل کی حیثیت رکھیں گے۔

• ازبکستان کی حکومت کے اعلان کے مطابق ملک میں علمائے دین کی کمی کو پورا کرنے اور مستقبل میں دینی رہنمائی کا مکمل نظام ترتیب دینے کی غرض سے ایک اسلامی یونیورسٹی اور متعدد ایسے اسکول قائم کئے جائیں گے جن میں دینی وشرعی علوم کی تدریس کا مکمل بندوبست ہوگا اور وہاں سے فارغ طلبا کو امام اور خطیب کی ڈگریاں دی جائیں گی، ملک کے صدر کے اس اعلان کے بموجب آئندہ چند ماہ میں یونیورسٹی کی سطح پر شرعی علوم کی تدریس کا آغاز کر دیا جائے گا، نیز اس یونیورسٹی میں داخلے کے قابل طلبا تیار کرنے کی غرض سے معاہد اور اسکولز بھی قائم کئے جائیں گے۔

• اتر پردیش کے مئو ضلع میں ایک نوجوان عورت اپنے شوہر کی جلتی چتا میں کود کر اپنی جان دے دی اس وقت وہاں سیکڑوں کی تعداد میں لوگ موجود تھے مگر کسی نے بچانے کی کوشش نہیں کی بلکہ دلہن کی طرح سجی عورت نے جب خود کو شوہر کی چتا کے سپرد کیا تو وہاں موجود لوگوں نے "جے ستی ماتا" کے نعرے لگائے۔

(۱۶ نومبر دعوت)

• جدہ۔ رابطہ عالم اسلامی کے سکریٹری جنرل ڈاکٹر عبد اللہ العبید نے یورپی ملکوں پر زور دیا ہے کہ وہ چیچنیا میں قتل وغارت گری کی روک تھام کے لئے اپنا کردار ادا کریں۔ انھوں نے یورپی یونین پارلیمنٹ کی سربراہ   کو ایک مکتوب ارسال کیا جس میں یونین کے ملکوں پر زور دیا گیا ہے کہ وہ وہاں مقیم مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ کریں۔ انھوں نے بوسنیا اور کوسوو کے سلسلے میں یونین کے موقف کو سراہا۔

• اسرائیل سے جاری ہونے والی رپورٹ کے اعداد وشمار کے مطابق اسرائیل کی ہر تیسری خاتون کے ساتھ زندگی میں کم سے کم ایک بار ظلم وزیادتی کی جاتی ہے اور صرف ۱۰ فیصد خواتین پولیس کو اپنے ساتھ کی جانے والی زیادتی کی رپورٹ درج کراتی ہیں رپورٹ کے مطابق گذشتہ ایک سال کے عرصہ میں گیارہ ہزار ۶ سو ۹۹ اسرائیلی عورتوں پر ظلم وزیادتی کی گئی ہے ۸۰ فیصد ایسی خواتین ہیں جن پر ان کے قریبی رشتہ داروں نے ظلم وزیادتی کی ہے۔ زیادتی کی شکار ۶۰ فیصد خواتین کی عمر ۱۸ برس سے کم بتائی گئی ہے۔

یہودی معاشرہ میں عورتوں کو مردوں کے مساوی مقام وحقوق حاصل نہیں ہیں، یہودی عورتیں مردوں کے ساتھ عبادت میں حصہ نہیں لے سکتیں۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء

تعارف • خدمات • ضروریات

دارالعلوم ندوۃ العلماء محتاج تعارف نہیں ہے اس کے قیام کو بفضلہ تعالیٰ سو سال سے زائد ہو گئے ہیں خدا کا شکر ہے کہ اس اثناء میں اس نے گرانقدر علمی و دینی خدمات انجام دی ہیں۔ عرصۂ دراز سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ کی توجہ اور سرپرستی حاصل ہے جن کے دور نظامت میں وہ ایک عظیم اسلامی مرکز بن گیا ہے۔ اسلامی تعلیمات کی نشر و اشاعت اور دینی زندگی کے لئے اس کے طلبہ، اساتذہ اور کارکنان حسب توفیق کوشاں ہیں۔

اس وقت دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ہندوستان کے مختلف علاقوں کے علاوہ ملیشیا، تھائی لینڈ، انڈونیشیا، نائجیریا اور دوسرے ممالک کے طلباء بھی زیر تعلیم ہیں مختلف ملکوں سے برابر داخلہ کی درخواستیں آتی رہتی ہیں۔ اللہ کے فضل سے عرب ممالک میں ندوۃ العلماء بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور وہاں کے طلبہ میں اس کی تعلیم و تربیت سے استفادہ کی خواہش روز افزوں ہے۔ ان اسباب کی بناء پر داخلوں کی تعداد میں ہر سال غیر معمولی اضافہ ہو رہا ہے۔

قارئین اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء اور دیگر دینی مدارس مسلمانوں کے مالی تعاون سے ہی چلتے ہیں، اور یہ ان کے لئے صدقہ جاریہ اور ثواب آخرت کا ذریعہ ہے، دینی تعلیم کی جو اہمیت ہے وہ کسی سے مخفی نہیں، خاص طور پر ہندوستان جیسے سیکولر ملک میں یہ ذمہ داری خود ملت کو انجام دینا ہوتی ہے اس لئے بھی ان کے تعاون کی ضرورت بڑھی ہوئی ہے۔ ندوۃ العلماء اپنے مرکزی ادارہ دارالعلوم اور اس کی مقامی شاخوں کی پوری مالی ذمہ داری انجام دیتا ہے ان سب میں ہزاروں طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ملحقہ مدارس اس کے علاوہ ہیں جو ملک کے مختلف اطراف میں پھیلے ہوئے ہیں ان کی جزوی ذمہ داری بھی ندوۃ العلماء پر ہے۔ ندوۃ العلماء میں تعلیمی شعبے کے ساتھ کئی شعبے اصلاح و تربیت اور دعوت و ارشاد کے بھی ہیں۔ اس طرح ندوۃ العلماء پر ملی اور دینی ذمہ داریوں کو انجام دینے کے مصارف کا بڑا بوجھ ہے جو دینی و ملی درد رکھنے والے مسلمانوں کے تعاون سے ہی اٹھایا جاتا ہے۔

لہٰذا اللہ کے نام پر خرچ کرنے والے بھائیوں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے مال کی نعمت سے نوازا ہے، ہماری پُرزور اپیل ہے کہ اس کام میں دل کھول کر حصہ لیں کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا اجر بے حد حساب ہے جس کو قرآن مجید میں یوں ادا کیا گیا ہے: مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۭ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۔ جو لوگ اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کے مال کی مثال اس دانے کی سی ہے جس سے سات بالیں اگیں اور ہر ایک بال میں سو سو دانے ہوں اور خدا جس (کے مال) کو چاہتا ہے زیادہ کرتا ہے وہ بڑی کشائش والا ہے۔

ہمیں امید ہے کہ اہل خیر حضرات اس میں دل کھول کر حصہ لیں گے۔

وما ذلک علی اللہ بعزیز

(بریگیڈیر) وصی احمد صدیقی	(مولانا) عبداللہ عباس ندوی	(مولانا) محمد رابع حسنی ندوی
(معتمد مال ندوۃ العلماء)	(معتمد تعلیم۔ ندوۃ العلماء)	(نائب ناظم ندوۃ العلماء)

نوٹ: چیک، ڈرافٹ، منی آرڈر مندرجہ ذیل پتہ پر روانہ فرمائیں، مرسلہ رقم جس مد کی ہو اس کی صراحت ضروری ہے۔ چیک یا ڈرافٹ پر صرف یہ لکھئے:۔

ناظم ندوۃ العلماء پوسٹ بکس نمبر ۹۳، ندوہ لکھنؤ۔ ۲۲۶۰۰۷

NAZIM.NADWATUL ULAMA. P.O.BOX 93-LUCKNOW-226007

مطالعہ کی میز

تبصرے کیساتھ کتابوں کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے!

● ـــــ محمد شاہد ندوی بارہ بنکوی

نام کتاب: الامام عبد الحی اللکنوی (عربی)
تالیف: ڈاکٹر ولی الدین ندوی
صفحات: ٣٣٩ - سائز: $\frac{18\times22}{8}$
ملنے کا پتہ: جامعہ اسلامیہ مظفر پور (قلندر پور) یوپی

سرزمین ہند پر خدا تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں اور اس کے فضل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہاں بعض وہ مبارک اور عظیم شخصیتیں پیدا ہوئیں جن کے علمی دینی اور روحانی فیض نے اس ملک کو چار چاند لگا دیئے اور جن کی وجہ سے ہندوستان کا شہرہ دنیا کے کونے کونے اور گوشہ گوشہ تک پہونچا۔

انھیں شخصیتوں میں مفسر کبیر و محدث جلیل علامہ عبد الحی لکھنوی علیہ الرحمہ کی عظیم شخصیت ہے جنھوں نے قرآن و حدیث، فقہ و تاریخ، صرف و نحو، منطق و فلسفہ اور حکمت و بلاغت کی جس طرح اپنی ٣٩ سال اور ٤ ماہ کی مختصر عمر میں اتنی بڑی خدمت انجام دی اور اللہ تعالیٰ نے انھیں جو مقبولیت و محبوبیت عطا فرمائی ہے اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔

پیش نظر کتاب علامہ عبد الحی فرنگی محلی علیہ الرحمہ کی سیرت و شخصیت پر مبنی عربی زبان میں ایک اہم کتاب ہے۔ جس میں علامہ کی زندگی کے نمایاں پہلوؤں اور اہم اہم گوشوں پر ڈاکٹر ولی الدین ندوی نے روشنی ڈالی ہے۔

یہ کتاب تین فصلوں پر مشتمل ہے، الفصل الاول میں "نشأته وحياته" کے ضمن میں علامہ کی ولادت و طفولیت، تعلیم و تربیت، مطالعہ کا شوق، فن تفسیر و حدیث اور فقہ میں مہارت، حسب و نسب صفات و خصوصیات، امتیازات و کمالات، تقوئیت و طریقہ تربیت، مجتہدانہ طرز تعلیم اور حالات و وفات کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے۔ الفصل الثانی میں "شيوخه وتلاميذه" کے تحت علامہ کے اساتذہ و تلامذہ، شیوخ اور ان کے علمی مقام اور دینی خدمات کا ذکر ہے، اور الفصل الثالث میں "ثقافته، مؤلفاته، مناقشته العلمية مع أقرانه" کے زیر عنوان علامہ کی تصنیفات و تالیفات ان کی علمی حیثیت اور علامہ کی دینی اصلاحی، ثقافتی اور دعوتی سرگرمیوں کا تذکرہ بڑے دل نشین انداز میں کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر ولی الدین ندوی لائق مبارکباد ہیں کہ انھوں نے علامہ عبد الحی فرنگی محلی کی سیرت و شخصیت کا انتخاب کرکے یہ اہم کتاب (مقالہ) لکھ کر اپنے علم و تحقیق کا ثبوت دیا۔ امید ہے کہ کتاب کے مطالعہ کے بعد اس عہد اور نسل کے طالبان علم و دین اور فارغین مدارس اور راسخین فی العلم کے دل میں ان کی تقلید کا جذبہ اور خدمت علم و دین کا ولولہ اور عالی حوصلگی و بلند ہمتی پیدا ہوگی اور کتاب سے دینی، علمی، تعلیمی اور تربیتی حلقوں میں پورا فائدہ اٹھایا جائے گا۔

نام کتاب: تذکرۃ الامین
مؤلف: محمد کاظم
ناشر: مولانا شبیر احمد ندوی
صفحات: ١١١ - سائز: $\frac{18\times22}{8}$ - قیمت: ٣٠ روپئے
ملنے کا پتہ: مکتبہ ندویہ پوسٹ بکس ٩٣ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مولانا سید محمد امین صاحب نصیر آبادیؒ اپنے زمانے کے ایک عظیم داعی، مصلح اور بڑے عالم دین تھے۔ ان کی ذات سے رائے بریلی، پرتاب گڈھ، اعظم گڈھ جونپور وغیرہ میں عقائد کی بڑی اصلاح ہوئی اور اخلاق و معاشرہ کی درستی وجود میں آئی۔

زیر نظر کتاب میں مولانا کی سیرت، ان کے خاندانی حالات، اخلاق و عادات اور ان کی دینی اصلاحی، دعوتی اور تبلیغی خدمات کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ جناب محمد کاظم صاحب نے کیا ہے۔

یہ کتاب دعوت و ارشاد کے کاموں میں لگے ہوئے افراد کے لئے ایک بہترین تحفہ ہے۔

خداوند قدوس اس کتاب کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو نفع پہونچائے۔ اور پڑھنے والوں کے ذہن میں اصلاح کا جذبہ پیدا ہو، اور اس کے ساتھ دعوت کا بھی۔

بقیہ:- درس حدیث

دینے کی نیت نہیں تو یہ نہ معاف ہوگا، آپؐ نے فرمایا یہ ہم کو حضرت جبرئیلؑ نے بتایا ہے۔

شیخ حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں "اسی طرح سے دوسرے حقوق العباد کا معاملہ بھی ہوگا کہ وہ نہ معاف ہوگا۔" قرض کا ذکر فرما کر آپؐ نے سارے حقوق العباد کی طرف اشارہ کر دیا کہ جہاد و شہادت سے صرف حقوق اللہ معاف ہوں گے۔

پندرہ روزہ

FORTNIGHTLY TAMEER-E-HAYAT

تعمیر حیات لکھنؤ

NADWATUL - ULAMA, LUCKNOW-226 007 (INDIA) Rs. 6/-

2000 — ۱۴۲۰ھ

JAN رمضان۔شوال ۱۴۲۰ھ جنوری

Day					
SUN اتوار	30 ۲۲	2 ۲۴	9 ۱	16 ۸	23 ۱۵
MON پیر	31 ۲۳	3 ۲۵	10 ۲	17 ۹	24 ۱۶
TUE منگل		4 ۲۶	11 ۳	18 ۱۰	25 ۱۷
WED بدھ		5 ۲۷	21 ۴	19 ۱۱	26 ۱۸
THU جمعرات		6 ۲۸	13 ۵	20 ۱۲	27 ۱۹
FRI جمعہ		7 ۲۹	14 ۶	21 ۱۳	28 ۲۰
SAT سنیچر	1 ۲۳	8 ۳۰	51 ۷	22 ۱۴	29 ۲۱

FEB شوال۔ ذیقعدہ ۱۴۲۰ھ فروری

Day					
SUN اتوار		6 ۲۹	13 ۷	20 ۱۴	27 ۲۱
MON پیر		7 ۱	14 ۸	21 ۱۵	28 ۲۲
TUE منگل	1 ۲۴	8 ۲	15 ۹	22 ۱۶	29 ۲۳
WED بدھ	2 ۲۵	9 ۳	16 ۱۰	23 ۱۷	
THU جمعرات	3 ۲۶	10 ۴	17 ۱۱	24 ۱۸	
FRI جمعہ	4 ۲۷	11 ۵	18 ۱۲	25 ۱۹	
SAT سنیچر	5 ۲۸	12 ۶	19 ۱۳	26 ۲۰	

MAR ذیقعدہ۔ ذی الحجہ ۱۴۲۰ھ مارچ

Day					
SUN اتوار		5 ۲۸	12 ۵	19 ۱۲	26 ۱۹
MON پیر		6 ۲۹	13 ۶	20 ۱۳	27 ۲۰
TUE منگل		7 ۳۰	14 ۷	12 ۱۴	28 ۲۱
WED بدھ	1 ۲۴	8 ۱	15 ۸	22 ۱۵	29 ۲۲
THU جمعرات	2 ۲۵	9 ۲	16 ۹	23 ۱۶	30 ۲۳
FRI جمعہ	3 ۲۶	10 ۳	17 ۱۰	24 ۱۷	31 ۲۴
SAT سنیچر	4 ۲۷	11 ۴	18 ۱۱	25 ۱۸	

APR ذی الحجہ۔ محرم ۱۴۲۰-۲۱ھ اپریل

Day					
SUN اتوار	30 ۲۴	2 ۲۶	9 ۳	16 ۱۰	23 ۱۷
MON پیر		3 ۲۷	10 ۴	17 ۱۱	24 ۱۸
TUE منگل		4 ۲۸	11 ۵	18 ۱۲	25 ۱۹
WED بدھ		5 ۲۹	12 ۶	19 ۱۳	26 ۲۰
THU جمعرات		6 ۳۰	13 ۷	20 ۱۴	27 ۲۱
FRI جمعہ		7 ۱	14 ۸	21 ۱۵	28 ۲۲
SAT سنیچر	1 ۲۵	8 ۲	15 ۹	21 ۱۶	29 ۲۳

MAY صفر۔ محرم ۱۴۲۱ھ مئی

Day					
SUN اتوار		7 ۲	14 ۹	21 ۱۶	28 ۲۳
MON پیر	1 ۲۵	8 ۳	15 ۱۰	22 ۱۷	29 ۲۴
TUE منگل	2 ۲۶	9 ۴	16 ۱۱	23 ۱۸	30 ۲۵
WED بدھ	3 ۲۷	10 ۵	17 ۱۲	24 ۱۹	31 ۲۶
THU جمعرات	4 ۲۸	11 ۶	18 ۱۳	25 ۲۰	
FRI جمعہ	5 ۲۹	12 ۷	19 ۱۴	26 ۲۱	
SAT سنیچر	6 ۱	13 ۸	20 ۱۵	27 ۲۲	

JUN صفر۔ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ جون

Day					
SUN اتوار		4 ۱	11 ۸	18 ۱۵	25 ۲۲
MON پیر		5 ۲	12 ۹	19 ۱۶	26 ۲۳
TUE منگل		6 ۳	13 ۱۰	20 ۱۷	27 ۲۴
WED بدھ		7 ۴	14 ۱۱	21 ۱۸	28 ۲۵
THU جمعرات	1 ۲۷	8 ۵	15 ۱۲	22 ۱۹	29 ۲۶
FRI جمعہ	2 ۲۸	9 ۶	16 ۱۳	23 ۲۰	30 ۲۷
SAT سنیچر	3 ۲۹	10 ۷	17 ۱۴	24 ۲۱	

2000 — ۱۴۲۰ھ

JUL ربیع الاول۔ ربیع الآخر ۱۴۲۱ھ جولائی

Day					
SUN اتوار	30 ۲۷	2 ۲۹	9 ۶	16 ۱۳	23 ۲۰
MON پیر	31 ۲۸	3 ۳۰	10 ۷	17 ۱۴	24 ۲۱
TUE منگل		4 ۱	11 ۸	18 ۱۵	25 ۲۲
WED بدھ		5 ۲	12 ۹	19 ۱۶	26 ۲۳
THU جمعرات		6 ۳	13 ۱۰	20 ۱۷	27 ۲۴
FRI جمعہ		7 ۴	14 ۱۱	21 ۱۸	28 ۲۵
SAT سنیچر	1 ۲۸	8 ۵	15 ۱۲	22 ۱۹	29 ۲۶

AUG ربیع الآخر۔ جمادی الاولیٰ۔ جمادی الآخر اگست

Day					
SUN اتوار		6 ۵	13 ۱۲	20 ۱۹	27 ۲۶
MON پیر		7 ۶	14 ۱۳	21 ۲۰	28 ۲۷
TUE منگل	1 ۲۹	8 ۷	15 ۱۴	22 ۲۱	29 ۲۸
WED بدھ	2 ۱	9 ۸	16 ۱۵	23 ۲۲	30 ۲۹
THU جمعرات	3 ۲	10 ۹	17 ۱۶	24 ۲۳	31 ۱
FRI جمعہ	4 ۳	11 ۱۰	18 ۱۷	25 ۲۴	
SAT سنیچر	5 ۴	12 ۱۱	19 ۱۸	26 ۲۵	

SEP جمادی الآخر۔ رجب ۱۴۲۱ھ ستمبر

Day					
SUN اتوار		3 ۴	10 ۱۱	17 ۱۸	24 ۲۵
MON پیر		4 ۵	11 ۱۲	18 ۱۹	25 ۲۶
TUE منگل		5 ۶	12 ۱۳	19 ۲۰	26 ۲۷
WED بدھ		6 ۷	13 ۱۴	20 ۲۱	27 ۲۸
THU جمعرات		7 ۸	14 ۱۵	21 ۲۲	28 ۲۹
FRI جمعہ	1 ۲	8 ۹	15 ۱۶	22 ۲۳	29 ۳۰
SAT سنیچر	2 ۳	9 ۱۰	16 ۱۷	23 ۲۴	30 ۱

OCT رجب۔ شعبان ۱۴۲۱ھ اکتوبر

Day					
SUN اتوار	1 ۲	8 ۹	15 ۱۶	22 ۲۳	29 ۱
MON پیر	2 ۳	9 ۱۰	16 ۱۷	23 ۲۴	30 ۲
TUE منگل	3 ۴	10 ۱۱	17 ۱۸	24 ۲۵	31 ۳
WED بدھ	4 ۵	11 ۱۲	18 ۱۹	25 ۲۶	
THU جمعرات	5 ۶	12 ۱۳	19 ۲۰	26 ۲۷	
FRI جمعہ	6 ۷	13 ۱۴	20 ۲۱	27 ۲۸	
SAT سنیچر	7 ۸	14 ۱۵	21 ۲۲	28 ۲۹	

NOV شعبان۔ رمضان ۱۴۲۱ھ نومبر

Day					
SUN اتوار		5 ۸	12 ۱۵	19 ۲۲	26 ۲۹
MON پیر		6 ۹	13 ۱۶	20 ۲۳	27 ۳۰
TUE منگل		7 ۱۰	14 ۱۷	21 ۲۴	28 ۱
WED بدھ	1 ۴	8 ۱۱	15 ۱۸	22 ۲۵	29 ۲
THU جمعرات	2 ۵	9 ۱۲	16 ۱۹	23 ۲۶	30 ۳
FRI جمعہ	3 ۶	10 ۱۳	17 ۲۰	24 ۲۷	
SAT سنیچر	4 ۷	11 ۱۴	18 ۲۱	25 ۲۸	

DEC رمضان۔ شوال ۱۴۲۱ھ دسمبر

Day					
SUN اتوار	31 ۵	3 ۶	10 ۱۳	17 ۲۰	24 ۲۷
MON پیر		4 ۷	11 ۱۴	18 ۲۱	25 ۲۸
TUE منگل		5 ۸	12 ۱۵	19 ۲۲	26 ۲۹
WED بدھ		6 ۹	13 ۱۶	20 ۲۳	27 ۳۰
THU جمعرات		7 ۱۰	14 ۱۷	21 ۲۴	28 ۱
FRI جمعہ	1 ۴	8 ۱۱	15 ۱۸	22 ۲۵	29 ۲
SAT سنیچر	2 ۵	9 ۱۲	16 ۱۹	23 ۲۶	30 ۳

Regd No. LW/NP56
Fax No.: (0522)330020

FORTNIGHTLY

Principal off : 372336
Guest House : 323864

TAMEER-E-HAYAT

NADWATUL-ULAMA, LUCKNOW-226 007 (India)

Rs 6









پندرہ روزہ
تعمیر حیات
لکھنؤ

عالم اسلام کی عہد آفریں شخصیت سے محروم

ندوۃ العلماء اپنے سرپرست سے محروم

ندوۃ العلماء کے ناظم آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر
رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے بنیادی رکن عالمی رابطہ ادب اسلامی
کے صدر اور متعدد عالمی و مقامی اسلامی تنظیموں اور علمی و دعوتی
اداروں کے روح رواں اور سرپرست مفکر اسلام

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی

۲۲ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ جمعہ کے دن نماز جمعہ سے قبل تلاوت کلام پاک
کرتے ہوئے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے
انا للہ وانا الیہ راجعون

۲۵ دسمبر ۱۹۹۹ء و ۱۰ جنوری ۲۰۰۰ء | سالانہ ۱۳۰ روپے | صرف اس شمارہ کی قیمت ۱۲ روپے

حرمین شریفین میں حضرت مفکر اسلام کی غائبانہ نماز جنازہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم علماء کرام، گرامی قدر ذمہ داران ندوۃ العلماء اور ملت اسلامیہ ہند

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

شدید قلبی رنج اور اندوہ غم کے ساتھ عالم جلیل اور داعی عظیم حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کی وفات کی خبر ملی۔ اللہ اس عظیم صدمہ کو جھیلنے کی سکت آپ اور ہم سب کو عطا فرمائے، اور آپ اور تمام پس ماندگان کو بیش از بیش اجر سے نوازے اور اس خسارے کی تلافی فرمائے۔ ہم آپ سے تعزیت کرتے وقت خود بھی تعزیت کے مستحق ہیں، بلکہ ساری امت اسلامیہ سے تعزیت کی جانی چاہیے۔ حضرت مولانا کا سانحۂ وفات ایک زبردست حادثہ ہے اور شدید آزمائش ہے جس سے تمام مسلمانان عالم اس وقت دوچار ہیں۔ اس لیے کہ مولانا مرحوم نے دعوت الی اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کے لئے اپنی زبان و قلم اور جسم و جان کو وقف کر دیا تھا اور اس میدان میں ان کے کارنامے ناقابل فراموش ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں، آپ کو اور تمام برادران اسلام کو اس صدمۂ جانکاہ کو سہارنے کی طاقت عطا کرے اور عالم اسلام کی اس محرومی کی تلافی فرمائے۔

ہم اس موقع پر آپ کو یہ اطلاع بھی دینا چاہیں گے کہ خادم الحرمین الشریفین فہد بن عبد العزیز فرماں روائے مملکت سعودی عربیہ نے حرم مکی و حرم مدنی دونوں جگہ ۲۶ رمضان ۱۴۲۰ھ بروز دوشنبہ بعد نماز عشاء (یعنی ستائیسویں شب) حضرت مرحوم کے لئے غائبانہ نماز جنازہ ادا کرنے کا حکم جاری فرمایا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ علامہ مرحوم کو اپنی رحمتوں سے ڈھانپ لے اور انھیں اپنے نیکوکار بندوں میں شامل فرمائے اور انھیں ابرار واتقیاء، شہداء و صالحین کے ساتھ اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا بھائی

محمد بن عبد اللہ السبیل

صدر نشین امور حرمین شریفین، امام و خطیب مسجد حرام۔ مکہ مکرمہ

نوٹ: ۲۷ رمضان کو مکہ مکرمہ سے آمدہ اطلاع کے مطابق حرم شریف میں لگ بھگ ۲۰ لاکھ اور مسجد نبوی میں تقریباً پانچ لاکھ فرزندان توحید نے نماز ادا کی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پندرہ روزہ — لکھنؤ

تعمیر حیات

مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۳۶ — شمارہ نمبر ۴-۵

۲۵ر دسمبر ۱۹۹۹ء و ۱۰ر جنوری ۲۰۰۰ء ـــــ مطابق ـــــ ۱۶ر رمضان و ۳ر شوال ۱۴۲۰ھ

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ ۱۳۰/ روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں ـــــ

زر تعاون

سالانہ ـــــ ۱۳۰/ روپے

فی شمارہ ـــــ ۶/ روپے

ـــــ بیرونی ممالک فضائی ڈاک

ایشیائی، یورپ، افریقی و امریکی ممالک ۳۰ ڈالر

ـــــ بیرونی ممالک بحری ڈاک

بحری ڈاک جلد ۱۵ ڈالر

خط و کتابت کا پتہ

منیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس نمبر ۹۳

ندوۃ العلماء لکھنؤ، ۲۲۶۰۰۷ یوپی

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں ـــــ

گزارش

خط و کتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کے ساتھ مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے (منیجر)

پرنٹر پبلشر شاہد حسین نے پدیکو آفسٹ میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا۔

قطعۂ تاریخ وفات

فقیدِ عالمِ اسلامی، مولانا سیّد ابوالحسن علی الحسنی ندویؒ

'آفتابِ لاجوابِ علم رخصت ہوگیا'

۱۹۹۹ عیسوی

ایسا صدمہ جھیلنا پڑتا ہمالہ کو اگر ریزہ ریزہ اس کا ہوجاتا فضا میں منتشر
کم نہ تھیں آفات پہلے ہی دلِ ناشاد پر اور اس پر انتقالِ ندویؒ والا گہر
خرمنِ ہوش و خرد پر صاعقہ بن کے گری ہوگیا شل جسم، سُن کے اُنؒ کی رحلت کی خبر
کون ہے اس شہر میں جو انؒ کا گرویدہ نہیں "تُرکِ خرگاہی ہو یا اعرابیِ والا گہر"[۱]
صرف دہلی، لکھنؤ، لاہور ہی غمگیں نہیں ہے فسردہ مکّہ و جدّہ، مدینہ الخبر
داعیِ اسلام تھے پھر ان کا ماتم کیوں نہ ہو "نیل کے ساحل سے لیکر تا بخاکِ کاشغر"[۱]

اے نعیم دل شکستہ یہ ہے تاریخ وفات
آفتابِ علمِ دیں، جادو قلم، نورِ بصر

۱۴۲۰ ہجری

(تاریخ وفات: ۳۱ر دسمبر سنہ ۱۹۹۹ء)

سیّد نعیم حامد علی الحامد
المدینۃ المنورۃ
۲۴ر رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ / یکم جنوری سنہ ۲۰۰۰ء

[۱] و [۱] علامہ اقبالؒ

اداریہ

(پروفیسر) وصی احمد صدیقی

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ کا

سانحۂ وفات

وہ عالی مقام سید، وہ شریعت کے رمز شناس، وہ عالم بے بدل، وہ ملت کے درد مند، وہ مفکر اسلام اپنے پیدا کرنے والے کے پاس پہونچ گئے، علم ان کا راس المال تھا یقین ان کی قوت تھی انکسار ان کا مزاج تھا، خُلق ان کا رفیق تھا اور ان کی روح محبت سے رچی بسی تھی، ۲۲؍ رمضان کی دوپہر کو جمعہ کے دن غسل سے فارغ ہو کر سورۂ کہف پڑھنے کا ارادہ کر رہے تھے لیکن پھر سورہ یٰسین کی تلاوت شروع کر دی، سورہ یٰسین مکمل نہیں ہوئی تھی کہ وقتِ موعود آگیا اور حضرت رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ وہ ۲۳ویں رمضان المبارک کی شب تھی ممکن ہے شب قدر ہو، رحمتوں کا نزول ہو رہا تھا جب اللہ کا یہ محبوب بندہ تکیہ شاہ علم اللہ کے گنج شائگاں میں اپنی ابدی نیند سو گیا، سفر تمام ہوا، اللہ تعالیٰ نے کہا ہو گا کہ "اے مطمئن بندے لوٹ آ، اپنے رب کے پاس تو مجھ سے راضی اور میں تجھ سے، آ میرے خاص بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

حضرت کی ذات میں علم ظاہر و باطن کی جامعیت تھی۔ مطالعہ اور فکر نے آپ کو معرفت کے اس درجہ پر پہونچا دیا تھا جو اولیائے کاملین اور کبار مخلصین کا درجہ رہا ہے۔ حضرت کے پاس بیٹھنے سے دعوت کا جذبہ اور اصلاح کی فکر پیدا ہوتی تھی۔ حضرت کا اخلاق نبوت کے چراغ سے منور تھا۔ دوسرے اس نور سے مستنیر ہوتے تھے۔

ادھر حضرت مولانا نے کئی لوگوں کو مرید کیا اور خلافت عطا کی، وقت موعود کا اندازہ ہو گیا تھا۔ یہ حضرات اس شرف سے بہرہ مند ہوئے، مگر مرشد کا ساتھ شعلہ مستعجل تھا۔

حضرت نظام الدین اولیاء سے عطائے خلافت کے وقت ان کے شیخ و مرشد حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر نے فرمایا۔

"باری تعالیٰ ترا علم و عشق دادہ است و ہر کہ بدیں صفت موصوف باشد و خلافتِ مشائخ نیکو آید"

حضرت مولانا کی سیرت اس جامعیت کا مرقع ہے، یہاں علم و عشق و عقل تینوں پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں۔۔۔۔ حضرت

مولانا کے انتقال پر سب سوگوار ہیں، ندوے نے اپنا باکمال ناظم کھودیا، ملت اسلامیہ نے اپنا سرپرست کھودیا، ہر طرف سے پیغامات آرہے ہیں، اتنے بڑے لوگوں کے پیغامات بھی جو ہر روزنامہ میں شائع ہورہے ہیں اور ان کے پیغام بھی جو نہ کہہ سکے اور نہ لکھ سکے، ان کا غم بھی سب کے غم میں ملا ہوا ہے۔

یہ اداریہ حضرت مولانا کے دینی اور علمی کارناموں کے بیان کیلئے نہیں لکھا جارہا ہے، سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کیلئے۔ ان کی خدمات کا ذکر جو انھوں نے ملت کے لئے انجام دی ہیں جاری اور ساری رہے گا۔ حضرت مولانا پر نہ معلوم کتنی کتابیں لکھی جائیں گی، کتنے مضامین شائع ہوں گے، کتابِ دل کی کتنی تفسیریں ہوں گی۔ ابھی حال ہی میں مولانا عبداللہ عباس صاحب کی کتاب "میر کارواں" آئی ہے، بے حد جامع، مصنف کتاب کو کیا اندازہ تھا کہ چند دن اور اگر گذر جاتے تو بجائے مدظلہ العالی کے رحمۃ اللہ علیہ لکھنا ہوتا، آج بھی وہ شام مجھے یاد آتی ہے جب مہمان خانہ کے سامنے حضرت مولانا تشریف فرما تھے اور مصنف نے اپنی کتاب انھیں پیش کی، مسکرائے۔ فرمایا کہ آنے کیا اکسپلوزن کیا ہے۔ کھول کر صفحات پر نگاہ ڈالی، قدر دانی کے کلمات کہے اور بند کردی، کتاب قبول ہوگئی۔۔۔ مہمان خانہ کی محفل نظر کے سامنے ہے۔ حضرت مولانا تشریف فرما ہیں۔ ایک طرف کرسیاں لگی ہیں۔ ایک طرف لمبا چبوترہ ہے۔۔۔ لوگ آتے جارہے ہیں، سلام کرکے بیٹھتے جارہے ہیں، شاہ و گدا کی کوئی تفریق نہیں، کوئی اعلان کرنے والا نہیں، کوئی دربان نہیں فالج کے اثرات ہاتھ پر آگئے تھے، مصافحہ سے روکا جاتا تھا، مگر حضرت مولانا کسی کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو کیسے نظر انداز کردیتے، کسی نووارد سے نام پوچھتے، کہاں سے آرہے ہیں کا سوال ہوتا، کچھ مہربانی کے کلمات کہتے، اگر ضرورت مند ہوتا تو اس کی ضرورت پوری کرتے اور، اور زیادہ تکریم کرتے پھر خاموش ہوجاتے، سب لوگ خاموش اس ہوا میں سانس لیتے جس میں حضرت مولانا کی سانسوں کی خوشبو ہوتی، اس شرف سے بہرہ مند ہوتے جس کا احساس حضرت مولانا کے پاس بیٹھنے سے ہوتا، ایک مقناطیس کی طرح لہریں اٹھ اٹھ کر لوگوں کے دلوں پر اثر انداز ہوتیں، یہ محفل برخاست ہوگئی، میر محفل اٹھ گیا۔۔۔ یہ اداریہ کلام پاک کی آیت کے ترجمہ پر ختم کرتا ہوں "اے لوگو! تمہارے پاس ایسا پیغمبر آیا جو تمہاری جنس سے ہے، جس کو تمہاری تکلیف و مضرت کی بات گراں گذرتی ہے، جو تمہاری منفعت کا بڑا خواہش مند رہتا ہے، ایمان والوں کے ساتھ بڑا ہی شفیق و مہرباں ہے"۔

حضرت مولانا کا برتاؤ اور شفقت دراصل نبی کی شفقت کی وراثت اور نیابت ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات عالی کرے۔ سب کو ایک دن مرنا ہے اور بقا صرف اس ذوالجلال والاکرام کی ذات کو ہے۔

مولانا عبد اللہ عباس ندوی

طـــاب حیـــاً وطـــاب میتـــاً

زندگی بھی خوش گوار، موت بھی شاندار

وہ واقعہ جس کو ایک نہ ایک دن آنا ہی تھا، وہ ۲۲ر رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ (۳۱ر دسمبر ۱۹۹۹ء) کو پیش آگیا۔ یعنی حضرت مخدوم و مربی مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے وفات پائی۔ اللهم قدس روحه واكرم مثواه

يانفس أجملي جـزعا　　　　فإنك ماتحذرين قدوقعا

اے نفس شورش غم پر قابو رکھ، جس بات کا تجھے ڈر تھا وہ بات پیش آگئی۔

خلود، ہمیشگی کی زندگی، آخرت کے لئے ہے، عالم ناسوت کے لئے فنا مقدر ہے۔

بہ گیتی گر کسے پائندہ بودے　　　　ابو القاسم محمدؐ زندہ بودے

کسی کی موت پر اظہار غم کوئی نئی بات نہیں ہے، اس کے سیکڑوں اور ہزاروں انداز بیان ہیں، نظم و نثر دونوں میں یہ صنف ادب مشہور ہے، لیکن ہر طرح کے مبالغوں سے پاک، انتہائی حقیقت پسندانہ سادہ اور سچا دل کی گہرائیوں سے نکلا ہوا، بے تصنع، اور سخن سازی سے مبرا جملہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جملہ ہے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے جسد اطہر کے پاس تشریف لائے، جبین مبارک کو چوما اور کہا "طبت حيا و طبت ميتا" آپ کی زندگی پاکیزہ اور اچھی رہی اور آپ کی موت بھی پاکیزہ اور اچھی رہی۔ آج رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک امتی، اللہ کے بندہ بے نوا ابوالحسن علی پر یہی جملہ ہر طرح صادق نظر آتا ہے۔ آج وہ اللہ کے لطف و کرم کے محتاج، اس کی مغفرت کے طلبگار، اس کی رحمتوں کے امیدوار ایک جسد خاکی ہیں، حضرت مولانا، سیدنا مرشدنا اور اسی قافیہ و ترکیب کے سیکڑوں الفاظ نام کے پہلے اور نام کے بعد لکھے جا سکتے ہیں۔ مگر یہ سب دنیاوی زندگی کے القاب تھے، آخرت کا لقب صرف وہی ہے جس میں عبدیت کا اظہار ہو۔

بات کہی تھی خلیفہ رسول برحق نے، اور جس کے حق میں کہی تھی وہ سرور کائنات اور فخر موجودات تھے، مثال و تشبیہ تعریف و تشخص میں نہیں دی جارہی ہے۔ ہاں اس نور کا ایک شمہ، اس سمندر کا ایک قطرہ، ایک بندہ خدا اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع سنت فرد پر صادق آرہا ہے۔

طاب حیا۔۔۔ زندگی کامیاب، بلند اقبال رہی، مقبولیت عنداللہ کا تاج زریں آخری سانس تک سر پر رہا، مقبولیت و نورانیت ایسی جو عہد قریب میں کہئے یا اس صدی میں اس درجہ وسیع پیمانے پر شاید ہی کسی کو حاصل ہوئی ہے۔

ایک فقیر بے نوا، بے تاج و گہر نے بادشاہی کی، دلوں پر حکومت کی، ملک سے باہر صرف عرب کے کسی ایک خاص حصہ میں نہیں بلکہ تمام

عرب ممالک میں، مشرق قریب، اوسط، اور بعید کے ہر خطے میں، وہ دینی کتابوں کا مصنف جس کی کتابیں پڑھنا علم و ثقافت کی دلیل ہو اور جس سے ناواقفیت جہل و نادانی کی علامت ہو، جو بغیر کسی فکر و فن، اور بغیر سیاسی قلابازیوں، انجمن سازیوں کے پارٹیوں اور جماعتوں پر بھاری ہو، جس کے ایک بول سے "موراق حکومت پر شکن" آجاتی ہو، جو زندگی بھر کسی گورنر یا صدر حکومت کی یا وزیر اعظم یا وزیر اعلیٰ کی کوٹھیوں کا چکر لگاتا ہو نہ دیکھا گیا ہو، بلکہ خود حکمراں ہی، اپنی حکمرانی کے زمانے میں بھی اور حکمرانی ختم ہونے کے بعد بھی اس کے در پر آئے ہوں، جو بادشاہوں اور جمہوریتوں کے صدروں سے نہ ملنے سے ڈرا ہو، اور نہ ڈر کر بات کی ہو، ایک ہی وقت میں متعدد آل انڈیا اور آل ورلڈ جماعتوں کا صدر ہو، مگر اپنے بوریہ فقر سے ایک انچ ٹلا نہ ہو، جس کو اگر کسی غیر مسلم نے دیکھا تو برملا کہا "یہ چہرہ کسی جھوٹے کا نہیں ہو سکتا"، اور مسلمان نے دیکھا تو اس کی عقیدت و محبت کا دم بھرتا رہا۔ جس نے کسی بڑی سی بڑی کانفرنس یا بڑے سے بڑے مہمان کی خاطر اپنے معمولات ورد و وظائف میں ایک لمحہ کی تقدیم و تاخیر نہ کی ہو۔ غیرت دینی اور حب نبوی میں جس نے وقت کے کسی بڑے سے بڑے جابر حکمراں کی پرواہ نہ کی ہو۔ "طاب حیًا" کی اس سے زیادہ روشن، واضح، بے داغ تصویر اس عہد میں نمایاں دیکھی گئی ہے؟

فرمودۂ صدیقی کا دوسرا جملہ "طاب میتًا" اور دعائے ماثورہ" اللهم بارك في الموت ومابعد الموت "کی قبولیت بھی دنیا نے دیکھ لی۔ رمضان المبارک کا مہینہ، فالج زدہ اور کمزور جسم کے ساتھ تمام روزے پورے کئے، ایک وقت کی فرض نماز کیا سنت و مستحب بھی فوت نہیں ہوئی، تلاوت و اوراد میں کوئی لمحہ بھر کا فرق نہیں آیا، شدید علالت میں بھی جس کی جماعت نہ چھوٹی ہو، جمعہ کا دن اور جمعہ کے تمام آداب مسنونہ، حجامت، غسل و وضوء سے آراستہ، معمول کے مطابق مسجد جانے کے لئے تیار، تلاوت کے دوران جب سورہ یٰسین کی گیارہویں آیت "فبشره بمغفرة و أجر كريم" پر آخری سانس لی ہو، "طاب میتا" کی اس سے اچھی تفسیر کس نے دیکھی اور پڑھی ہے۔

حرم بیت اللہ اور حرم نبوی شریف کے مئذنہ (اذان دینے کی جگہ) سے یہ آوازیں بلند ہوتی ہیں، الصلوٰة علی المیت الغائب، علی سماحة السید ابی الحسن علی الحسنی الندوی، ۔اس نماز میں خادم الحرمین الشریفین اوران کے وزراء و حکام شریک تھے، تو دوسری طرف اللہ کے وہ اشعث واغبر (پراگندہ حال پراگندہ بال) بندے بھی تھے جو ہزاروں میل کی مسافتیں طے کر کے حرمین میں ستائیسویں شب گذارنے آئے تھے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی جنازے کی نماز پڑھا رہے تھے، صلاۃ جنازہ کی دعاء کے الفاظ سن کر صف بستہ نمازیوں میں ایک صحابی نے کہا" ليتني كنت الميت "کاش میں ہی میت ہوتا اور میری نماز جنازہ ہوتی۔ امت اسلامیہ میں آج بھی ایسے ہزاروں نفوس ہیں جن کے دل میں یہ بات آئی ہوگی جب ایک ہندی المولود قصباتی مسلمان کے لئے مسجد حرم میں بیس لاکھ اور مسجد نبوی میں ۸ لاکھ مسلمان زائر جنازہ غائبانہ پڑھ رہے تھے۔

اس غم کی کہانی میں یہ شادمانی تابناک روشنی ہے!!

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوئ پر

تفصیلی مضامین

آئندہ شماروں میں ملاحظہ فرمائیں۔

مرد مومن کا آخری سفر

روایت :
حاجی عبد الرزاق (خادم خاص)
مولوی سید بلال حسنی ندوی
مولوی سید محمود حسنی ندوی
ترتیب : نذر الحفیظ ندوی

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا معمول یہ تھا کہ تہجد سے قبل بیدار ہو جاتے، استنجاء اور وضو سے فارغ ہو کر نوافل کی نیت باندھ لیتے۔ کبھی چار، کبھی چھ، کبھی آٹھ رکعت پڑھتے، اس رمضان میں نوافل کا اہتمام بہت بڑھ گیا تھا، سحری ختم ہونے سے دس منٹ قبل سحری کھاتے، اس کے بعد کبھی تو ہاتھ اٹھا کر اور کبھی بغیر ہاتھ اٹھائے دعا فرماتے، اذان کے بعد فجر کی سنت پھر فرض کے بعد منزل پڑھتے اور لیٹ جاتے ۔ آخری عشرہ میں فجر بعد جو لوگ واپس ہوتے وہ مصافحہ کے لئے حاضر ہوتے، ان کو لیٹے لیٹے رخصت فرماتے، اور دعائیہ کلمات کہتے۔ رمضان کے دنوں میں کوشش فرماتے کہ ساڑھے نو بجے اٹھ جائیں۔ استنجاء اور وضو سے فارغ ہو کر دو رکعت نفل پڑھتے، پھر قرآن شریف کم از کم آدھا پارہ ورنہ عام طور پر ایک پارہ تلاوت فرماتے۔ اس کے بعد سورہ یٰسین روزانہ گیارہ مرتبہ اور جمعرات کے دن تیرہ بار تلاوت فرما کر حضور اکرم ﷺ سے لے کر اس وقت تک کے تمام مجددین و مصلحین، مجاہدین اور اصحاب دعوت و عزیمت، ربانی و حقانی علماء، اور اپنے اساتذہ اور محسنوں، اور عزیز و اقارب اور عام مسلمانوں کو ایصال ثواب کرتے، اسفار میں جس شہر اور بستی سے گذرتے وہاں کے مدفون مسلمانوں کے لئے ایصال ثواب کا اہتمام فرماتے۔

جان لیوا مرض سے سنبھالا لینے کے بعد اہل تعلق کا یہ تاثر تھا کہ یہ عارضی صحت ہے، کسی وقت بھی یہ دولت بے بہا ہم سے چھن سکتی ہے۔ خود حضرت والا بھی اس طرح کے جملے بڑے درد و کرب سے مختلف اوقات میں فرماتے تھے اللھم لقائك، کبھی فرماتے، اب ہم بھی چلے، خدا یا عاقبت محمود کر دی، کبھی فرماتے اے اللہ اب تو بلالے، اس معذوری کے ساتھ کب تک؟ ایک خادم سے مختلف وقتوں میں فرمایا تم پر کام کا بوجھ بہت ڈال دیتے ہیں، بس کچھ ہی دن تک ہے۔

شعبان کا آغاز ہوتے ہی یہ سوال خدام اور حضرت کے معالجین کے درمیان گردش کرنے لگا کہ رمضان کا مہینہ کہاں گذرے گا۔ ڈاکٹروں نے اصرار کیا کہ ندوہ میں گذرے، آخر میں حضرت والا کے انشراح اور مرضی پر چھوڑ دیا گیا۔

حضرت نے فرمایا کہ رمضان سے قبل رائے بریلی جانا ہے۔ چنانچہ ۲۷ر شعبان کو تکیہ تشریف لائے، ۲۸ر کو قیام کر کے خلاف معمول مولوی سید بلال حسنی سے فرمایا کہ مجھے مسجد لے چلو، مسجد کے صحن میں جانماز بچھا دی گئی، دو رکعت نماز ادا کی، پھر مسجد کے اندرونی حصے میں تشریف لے گئے، وہاں بھی دو رکعت نماز ادا کی، پھر فرمایا کہ ندی کی طرف لے چلو، چنانچہ جہاں نئے زینے بنے ہیں وہاں کھڑے ہو کر چاروں طرف دیکھا۔ فرمایا، ماشاء اللہ، ماشاء اللہ اس کے بعد فرمایا کہ مسجد کی پشت پر لے چلو، جہاں سید صاحب کے زمانہ کا ایک پتھر رکھا ہوا ہے۔ تکان کے خیال سے یہ فرمائش نہیں پوری کی گئی۔ مسجد سے نکلتے وقت سامنے ہی شاہ علم اللہ کا روضہ ہے جہاں محبوب والدین اور بھائی بہن کے علاوہ بھی گنجہائے گراں مایہ دفن ہیں۔ وہیں زینہ کے پاس ٹیک لگا کر کھڑے کھڑے دیر تک ایصال ثواب کرتے رہے۔ وہاں سے واپسی پر تکان کے باوجود گھر کے اندر تشریف لے گئے جہاں گھر کی تمام مستورات جمع تھیں، مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی بھی موجود تھے۔ پندرہ منٹ کے بعد گھر سے واپس بنگلہ پر تشریف لے آئے۔ بعد ظہر آرام کر کے اول وقت عصر کی نماز پڑھی پھر گھر تشریف لے جا کر ملاقات کی، اور لکھنؤ روانہ ہو گئے۔

پہلا روزہ شروع ہوا تو فرمایا کہ معلوم نہیں پورا رمضان ملتا ہے یا نہیں۔ اے اللہ تو پورے رمضان کی برکتوں سے نواز دے۔

وطن میں آخری عشرہ گذارنے کے بارے میں حضرت والا نے اپنے معالجوں سے اجازت لے لی تھی۔ ڈاکٹر نظر، ڈاکٹر عبد المعبود خاں، ڈاکٹر سید قمر الدین اور ڈاکٹر کرنل شمسی اس مشورہ میں شریک تھے۔

۲۰ر رمضان ۲۹ر دسمبر کو رائے بریلی ایک بڑے قافلہ کے ساتھ روانگی ہوئی۔ یہاں معتکفین سے مسجد بھر گئی۔ پہلے دن حضرت والا نے دریافت فرمایا کہ مسجد میں کتنے لوگ ہیں۔ مولوی سید بلال حسنی نے عرض کیا کہ مسجد بھر گئی ہے۔ فرمایا : "بانی کا اخلاص ہے۔" آخری شب تراویح کے بعد ساڑھے نو بجے مجلس میں معمول کے مطابق تشریف فرما مختلف سوالات کے جوابات دیئے، دمشق سے چھپ کر حضرت والا کی جو تصنیفات آئی تھیں ان کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ سب اللہ تعالیٰ نے لکھوائی ہیں۔ ایک خادم نے جو باہر کے دورے سے حاضر ہوئے تھے، حضرت کو جب یہ

اطلاع دی کہ ایک صاحب خیر نے ستائیس ہزار ڈالر ترکی کے ایک ناشر اور مترجم کو دیکھیں کہ وہ حضرت کی تمام تصنیفات شائع کر کے ترکوں میں مفت تقسیم کریں۔ تو اس خبر پر بڑی مسرت کا اظہار فرمایا۔ مجلس میں العاقبۃ للمتقین سے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ عاقبت مذموم بھی ہوتی ہے اور محمود بھی، آخر میں استفسار فرمایا کہ کیا کل جمعۃ الوداع ہے؟

وصال کے دن بھی مذکورہ بالا روزانہ کے تمام معمولات پورے فرمائے۔ ساڑھے نو بجے بیدار ہو کر استنجاء گئے، وضو کے بعد نوافل پڑھے پھر قرآن شریف کی تلاوت کی، سجدہ تلاوت بھی کیا، لکھنؤ میں قرآن مجید ختم کر چکے تھے، تیرھواں پارہ آخری دن پڑھا، بھائی صابر جو برسوں سے حضرت کا خط بناتے آئے تھے ان سے خط بنوایا، اس کے بعد نہانے کی تیاری کی، بھائی ذکاء اللہ خاں اندوری راوی ہیں: غسل خانہ جانے سے پہلے سوال کیا کہ کیا آج بائیس رمضان ہے۔ پھر فرمایا کہ کیا نماز جمعہ پندرہ منٹ تاخیر سے ہو سکتی ہے۔ بھائی عبدالرزاق نے عرض کیا کہ آپ فرمائیں تو تاخیر سے نماز ہوگی، ساڑھے گیارہ بجے غسل کے لئے تشریف لے گئے، پندرہ منٹ بعد غسل سے فارغ ہو کر آگئے۔ کپڑے زیب تن کئے، شروانی کے بٹن مولوی سید بلال حسنی نے لگائے۔ فرمایا کہ تم لوگ تیار ہو جاؤ، نماز میں پندرہ منٹ تاخیر کرادو، فرمایا کہ اب ہم سورہ کہف پڑھیں گے۔ (اس سورہ کے پڑھنے کا معمول آٹھ سال کی عمر سے تھا) یہ فرما کر بستر پر بیٹھ گئے، لیکن بجائے سورہ کہف پڑھنے کے سورہ یٰسین پڑھنے لگے، اندازہ ہے کہ دس بارہ آیتیں ہوئی ہوں گی کہ زبان رک گئی، جس طرح بیٹھے تھے اس سے تھوڑا سا پیچھے کی طرف جھک گئے، مولوی بلال حسنی نے سر کو اور خادم خاص بھائی عبدالرزاق نے پاؤں کو اٹھا کر تخت پر لٹا دیا، ڈاکٹر سید قمر الدین اور ڈاکٹر عبدالمعبود خاں قریب ہی تھے، آکسیجن لگائی گئی۔ انجکشن جب رگوں میں نہیں لگ سکے تو کولھے میں لگائے گئے، ڈاکٹر قمر الدین صاحب نے ایک انجکشن دل پر لگایا، ہاتھ سے قلب کی مالش کی، اور منہ سے ہوا بھی بھرنے کی کوشش کی، لیکن راہ حق کا یہ مسافر روانہ ہو چکا تھا، اس وقت بارہ بجنے میں دس منٹ باقی تھے۔ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیلی اور محبین واہل تعلق کے قافلے دیوانہ وار رائے بریلی پہونچنا شروع ہو گئے۔

غسل دینے میں حسب ذیل حضرات شریک تھے، مولوی سعید بنو ندوی (جنوبی افریقہ)، جو رمضان گذارنے آئے تھے، حضرت کے مجاز بھی ہیں، خادم خاص بھائی عبدالرزاق، سید حسن عسکری طارق صاحب (مدینہ منورہ) مولوی سید بلال حسنی ندوی، حضرت کے کاتب خاص مولوی نثار الحق ندوی، مولوی نیاز احمد ندوی بھی شریک ہو گئے، اور اس موقعہ پر مولانا محمد سید رابع حسنی ندوی، مولوی سید سلمان حسینی ندوی، مولوی عبداللہ حسنی ندوی موجود تھے اور بھائی عبدالحمید (خادم) عزیزان محمود حسنی، محمد معاذ کاندھلوی اور سید شارق سلمہم موجود رہ کر معاونت کر رہے تھے۔

بعد مغرب سات بجے سے پونے دس بجے تک آخری دیدار کرنے والوں کا ہجوم رہا۔ جو بتدریج بڑھتا ہی جا رہا تھا، نماز جنازہ کا اعلان دس بجے کیا گیا تھا، چنانچہ ٹھیک پونے دس بجے جنازہ اٹھایا گیا، دو منٹ کا راستہ پچیس منٹ میں طے ہوا، مسجد کے اندر منبر کے قریب جنازہ رکھا گیا، مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی نے نماز جنازہ پڑھائی۔

ساڑھے دس بجے جنازہ قبر میں اتارا گیا، قبر میں جن لوگوں نے جنازہ اتارا ان میں مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مولوی سید عبداللہ حسنی ندوی، خادم خاص بھائی عبدالرزاق تھے، بھائی عبدالرزاق اور سید بلال حسنی لکڑی کے پٹرے لگا رہے تھے، محبوب منصورپوری پٹرے دے رہے تھے، آخری پٹرا لگانے سے پہلے کسی نے توجہ دلائی کہ کفن کا بند کھولا نہیں جا سکا، چنانچہ مولوی بلال حسنی نے قبر میں اتر کر بند کھول دیا، پھر آخری پٹرا بھی لگا دیا گیا، تدفین روضہ شاہ علم اللہ میں ہوئی، جہاں آخری جگہ باقی تھی۔

مجمع غیر معمولی تھا، ساڑھے آٹھ بجے تھانیدار ایس پی کو رپورٹ دے رہا تھا کہ پونے دو لاکھ آدمی آچکے ہیں اور جوں جوں نماز کا وقت قریب آ رہا تھا (موسم کی سختی، سردی اور شدید کہرے کے باوجود) آنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو تا رہا، اور سلسلہ تو تدفین کے بعد تک جاری رہا، دور دراز کی گاڑیاں سحر تک آتی رہیں۔ ع آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے

حادثہ جمعہ کو پیش آیا، جمعرات کو ڈاکٹر عبادالرحمن نشاط صاحب نے (جو حضرت کے مجاز بھی ہیں) حج کے سفر کی بات رکھی تھی حضرت نے منظور فرما لیا تھا اور ارادہ کر لیا تھا۔ اس کی بھی حضرت کو بڑی فکر تھی کہ روپے پیسے جمع نہ رہیں، جو آ رہا ہے جا تا رہے، اس کے لئے بار بار بھائی عبدالرزاق کو آواز دیتے اور مولوی بلال اور مولوی محمود کو بھی تاکید کی کہ جہاں مناسب سمجھو بتا دو، ہم دیں گے۔

اسطرح حضرت حج کے سفر کی نیت کر کے، اور روزے کی حالت میں، نماز کی تیاری اور انتظار میں، دیتے دلاتے اور اپنی عملی زندگی سے زہد و عبادت، واستغناء اور تعلق مع اللہ کی دعوت دیتے ہوئے رخصت ہو گئے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہباں

سال ۹۹ھ دم توڑ رہا تھا، چند گھنٹے باقی تھے کہ وہ ماضی کے دھندلکوں میں گم ہو جاتا، لیکن رخصتی سے قبل اس نے ایسی کاری ضرب لگائی کہ دنیا ہائے کہہ کر رہ گئی۔ سال، صدی اور ہزارہ نے ہم سے ہمارے علی میاں کو چھین لیا، مولانا ابوالحسن علی ندوی اللہ میاں کے پاس چلے گئے۔ بڑے بزرگ کہتے ہیں کہ صدی میں صرف ایک مجدد اور ایک بڑا عالم پیدا ہوتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو وہ علی میاں ہی کی ہستی تھی۔ اب اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ اگلی صدی میں سرمایہ ملت کی نگہبانی کرنے کے لئے کوئی دوسرا ابوالحسن علی پیدا کرے۔ آمین

عروس موت کہتی ہے کہ دولہا بن کے آ پیارے ‌ ‌ ‌ ‌ رگڑتا ایڑیاں آیا تو پھر کیا کامیاب آیا

اللہ اللہ! کیا موت پائی علی میاں نے۔ ماہ رمضان المبارک کا جمعہ، نماز کی تیاری اور غسل، سج دھج کے تیار، گویا کہ موت سے رشتہ جوڑنے اور فرشتہ اجل کا استقبال کرنے کے لئے تیار ہوں۔ قرآن شریف پڑھ اور سن رہے تھے۔ خالق حقیقی سے ملنے کا ماحول تیار کر لیا تھا۔ پاکیزہ اور معطر ماحول۔ فرشتہ نے آواز دی اور علی میاں نے لبیک کہا۔ قصہ تمام ہوا۔ شمع گل ہو گئی۔ لکھنؤ سے جدہ، دبئی سے لندن، نیویارک سے خرطوم ہر جگہ صف ماتم بچھ گئی۔ اللہ کے نیک بندے جو محبتوں کے امین ہوتے ہیں، جو گفتار و کردار دونوں کے غازی ہوتے ہیں، جو دنیا کو امن و آشتی کی تعلیم دیتے ہیں، وہ ایسے ہی دولہا بن کر اٹھتے ہیں، زمانہ ان کے جانے کا ایسے ہی افسوس کرتا ہے کہ کیا مسلمان، کیا ہندو اور کیا عیسائی، سبھی کو ایسا لگا جیسے ان کا کوئی اپنا چلا گیا جو ان کا غم گسار تھا، چارہ ساز تھا۔

مولانا مرحوم کو دیکھ کر کسی ثمردار شاخ کی یاد آتی تھی۔ پھل پھول سے لدی ہوئی لچک دار اور جھکی ہوئی شاخ۔ ندوہ میں بعد نماز عصر ہماری ان سے کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ لب کشا ہوتے تو لگتا محبت کا زمزمہ بہہ رہا ہو۔ نرم دم گفتگو والی بات سنی تھی، لیکن علی میاں کی یہ نرمی بے مثال تھی۔ باتیں بے لاگ لپیٹ کرتے، انداز بھی فیصلہ کن ہوتا، لیکن بالکل ملائم ریشم جیسا۔ اس پھول کی پتی نے کئی ہیروں کے جگر کاٹے، جو آنکھوں میں شعلے لئے ہوئے ان کے حضور میں آتے وہ بے دام غلام بن کر پرنم آنکھوں کے ساتھ واپس جاتے۔

مولانا کیا نہیں تھے، کون سا رتبہ ان کے پاس نہ تھا، آکسفورڈ یونیورسٹی کے شعبۂ اسلامیات نے انھیں اپنا سربراہ بنا رکھا تھا، فیصل ایوارڈ ان کے پاس، یو اے ای (عرب امارات) کا سب سے بڑا اعزاز ان کے پاس، اسلامی دنیا ان کی قدم بوسی اور پذیرائی کی خواہاں۔ لیکن مولانا ہیں کہ ان سب سے بے نیاز میٹھی میٹھی باتیں کر رہے ہیں۔ اسلامی علوم کے چراغ جلائے چلے جا رہے ہیں۔

دل میں ایک آرزو کہ ہند میں ملت کا سرمایہ محفوظ رہے، کوئی ڈاکہ نہ مارے، کوئی نقب نہ لگائے، مسلم پرسنل لاء پر آنچ نہ آئے۔ اگر کوئی شرپسند ان کی رہائش گاہ پر چھاپہ مارتا ہے تو مارا کرے، ندوہ کے ہوسٹلوں کی تلاشی ہوتی ہے تو ہوتی رہے، چاند پر تھوکے گا تو منہ پر گرے گا، لہذا ایسا ایک نہیں، کئی بار ہوا۔

انعام و اعزاز میں جو کچھ ملا، ملت اور ندوۃ العلماء کے حوالے کر دیا۔ خود دمڑی تک نہ لی۔ وقت آیا تو حکومت کی حج پر جانے کی پیش کش ٹھکرا دی، وہ ملائم ہوں یا کلیان، جس نے ڈنڈی ماری مولانا نے خبردار کہنے میں دیر نہیں کی، جب یوپی میں نصابی کتابوں کو گیروا رنگ دینے کی سازش کی گئی تو مولانا شمشیر برہنہ ہوگئے۔ ایسے تھے ہمارے علی میاں۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی، اللہ انہیں غریق رحمت کرے، مشرق اور مغرب کے درمیان ایک پل کی حیثیت رکھتے تھے۔ ہماری نظر میں یہی ان کی سب سے بڑی صفت تھی۔ ایک نہیں کئی بار صلیب و ہلال کے محاذ پر مولانا نے دلوں کی کدورتیں دور کیں، غلط فہمیوں کا خاتمہ کیا۔ اسلام کی عظمت کا پھریرا بلند کیا، اس کو صحیح تصور میں پیش کیا۔ جاتے جاتے کہہ گئے کہ جہاز کا اغوا، قتل و خون اور مطالبہ تاوان سب کچھ غیر اسلامی ہے۔ یہ اعلان یہ فرمان آخری ثابت ہوا۔ مولانا اپنا فیصلہ سنانے کے بعد اپنے وطن کی سرزمین پر منوں مٹی کے نیچے سوگئے۔ لیکن ملت کا فرض ہے کہ وہ جاگتی رہے۔

علمائے دین اور دانشوران قوم کے لئے مولانا نے بہت کچھ چھوڑا ہے، کتابوں کی صورت میں ایک ذخیرہ ہے۔ انھوں نے کئی راہیں بنائیں اور روشن کی ہیں۔ ان راہوں پر پیش قدمی کی ضرورت ہے۔ مولانا کو خراج عقیدت پیش کرنے کا صرف یہی ایک طریقہ ہے۔

اے اللہ! ہم سب کے پیارے مولانا علی میاں کی قبر کو جگ مگ جگ مگ کر دے، کہ تیرا یہ بندہ سرمایہ ملت کی حفاظت اور نگہبانی کر کے تیرے پاس واپس لوٹا ہے۔ آمین

(روزنامہ انقلاب۔ ممبئی)

[illegible]

ڈاکٹر عبد اللہ صالح العبید

[illegible]

رہنمائے قوم وملت دیدہ ور جاتا رہا

تاثرات

اتحاد و یگانگت کا نمونہ

☆ قضاء وقدر پر ایمان کیساتھ اپنے رفقاء کی طرح میں نے بھی علامہ سید ابوالحسن علی صاحب ندوی کے سانحہ وفات کی خبر سنی، انھوں نے ایک طویل عرصہ تک مسلمانان عالم کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا، اور اسلام کے اصل پیغام اور اس کی صحیح روح سے دنیا کو متعارف کرایا، اور دین حنیف کی دعوت پوری حکمت اور دانائی کے ساتھ مسلسل دیتے رہے، جس میں سلف صالحین کے اسوۂ حسنہ کو برابر مشعل راہ بنائے رکھا، اپنی آخری سانس تک قرآن وسنت پر مضبوطی سے قائم رہنے کی تلقین کرتے رہے، انھوں نے بتایا کہ انشاء اللہ اتحاد ویگانگت میں ہی امت اسلامیہ کی فلاح وبہبود مضمر ہے۔ انھوں نے بتایا کہ مسلمانوں کے زوال وانحطاط کا اصل سبب صحیح عقیدہ اور عمل سے ان کی دوری، اور ان مفید علوم سے غفلت ہے جو عقیدہ و عمل کی پختگی اور سیاست ومعیشت کے استحکام کے ضامن ہیں۔

شیخ ابوالحسن ان اولین رہنماؤں میں تھے جنھوں نے مسلمانوں کے اتحاد کے سلسلہ میں قابل قدر خدمات انجام دیں، چنانچہ عالمی سطح پر وہ رابطہ عالم اسلامی کے بانیوں میں تھے، اور رابطہ ہی کی متعدد ذیلی تنظیموں) مثلاً مؤتمر اسلامی، عالمی مجلس اعلی برائے مساجد، اور اسلامی فقہ اکیڈمی کے رکن رکین تھے۔ نیز جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی مشاورتی کونسل اور یونیورسٹی کورٹ کے ممبر بھی تھے۔

وہ عالمی رابطہ ادب اسلامی کے بانیوں میں تھے، جس کا صدر دفتر (ان ہی کے زیر صدارت) ہندوستان میں ہے، اور اس کے علاوہ بھی متعدد اسلامی تنظیموں اور اداروں کے قیام اور ان کی سرگرمیوں میں ان کا اہم ترین حصہ رہا ہے۔

شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ کو عالم اسلام کے تمام شاہان وسربراہان حکومت نہایت احترام اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اسی طرح ساری اسلامی دنیا کے علماء اور تمام دینی ودعوتی اداروں میں ان کا مقام بہت بلند تھا۔

آج ہم امت کے اس جلیل القدر عالم کو رخصت کر رہے ہیں، اور ابھی چند ماہ قبل ہی ہم ایسے قابل احترام علماء کو الوداع کہہ چکے ہیں جو اسی راہ کے رہرو تھے جس پر شیخ مرحوم ساری زندگی گامزن رہے، میری مراد محدث جلیل شیخ ناصر الدین البانی، اور فقیہ عصر شیخ عبدالعزیز بن باز سے ہے۔

اللہ تعالی ان سب کی روحوں پر اپنی رحمتوں کی بارش فرمائے، انھیں جنت الفردوس میں جگہ دے اور امت اسلامیہ کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ (آمین)

ڈاکٹر عبد اللہ صالح العبید

جنرل سکریٹری رابطہ عالم اسلامی۔ مکہ مکرمہ

خیر وبرکت کی علامت

☆ ہم سب کے مخدوم و مشفق حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے محرومی کا غم محض رسمی تعزیت سے کم نہیں ہو سکتا، ہندوستانی مسلمان اپنے سرپرست سے محروم ہو کر یتیموں کے مانند ہو گئے ہیں، اس عظیم شخصیت کا رعب مخالف و موافق سبھی کے دلوں پر تھا، اور ان کا بدترین مخالف بھی انھیں نظر انداز کرنے کی جسارت نہیں کر سکتا تھا، اور رابطہ ادب اسلامی اپنے بانی صدر کے بعد دختر یتیم کے مانند ہے کہ اس کی تمام سرگرمیاں اسی ذات والا صفات کی رہبری اور دعاؤں کی رہین منت تھیں۔

جملہ مسلمانان عالم اور بالخصوص ہندوستانی مسلمان اس دانائے راز سے محروم ہو کر اب کدھر جائیں اور کس کا سہارا لیں کہ ان کے درمیان سے خیر و برکت کی علامت گویا اٹھ گئی، اور وہ مسلسل کئی نسلوں کے معلم و مربی، اور اس عہد کے سب سے بڑے عالم اور داعی سے محروم ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے مخدوم محترم کو اپنی بے پایاں رحمتوں سے نوازے، فردوس بریں کو ان کا ٹھکانہ بنائے، انبیاء، شہداء اور صدیقین میں شامل فرمائے (آمین)

ڈاکٹر عبد القدوس ابو صالح

نائب صدر عالمی رابطہ ادب اسلامی

پروفیسر ٹیچرس ٹریننگ کالج، ریاض

ناقابل تلافی نقصان

☆ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی وفات کی خبر سے ہمارے اوپر غم کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑا، اس عالم جلیل اور یگانہ روزگار شخصیت سے محرومی مسلمانان عالم کے لئے ناقابل تلافی نقصان ہے، اور ان کے دل پر پڑنے والی ایسی چوٹ ہے جس نے ان کے اس زخم کو تازہ کر دیا جو حال ہی میں ممتاز علماء دین کی ایک پوری کہکشاں کے غروب ہو جانے سے انھیں پہونچا تھا، چنانچہ بیشتر لوگ بجا طور پر اس کو سال غم قرار دیتے ہیں۔

خلیفہ جاسم الکواری

مدیر ادارۃ الشئون الإسلامیۃ

وزارۃ الاوقاف والشئون الإسلامیۃ۔ قطر

صدمہ :

... حضرت مولانا کی رحلت کی اطلاع سے جو صدمہ وافسوس ہوا وہ ظاہر نہیں کر سکتا۔ آپ حضرت کو جو صدمہ وغم ہو وہ کم ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو خاص کر آپ حضرات کو صبر جمیل کی توفیق بخشیں اور حضرت مولانا کے مدارج بلند فرماویں، اوران کی ہدایت پر عمل کی توفیق عطا فرماویں...۔

(محی السنۃ حضرت مولانا شاہ) ابرا ر الحق (صاحب دامت برکاتہم)

نعمت خداوندی:

حضرت علیہ الرحمۃ کی ذات عالم اسلام کے لئے عموماً اور مسلمانان ہند کے لئے خصوصاً بہت بڑی نعمت خداوندی تھی، وہ اول دن سے بورڈ کے کارواں کے سالاروں میں تھے، حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ صاحب کی وفات کے بعد بورڈ آپ ہی کی قیادت ورہنمائی میں کامیابی کے ساتھ منزل کی طرف رواں دواں تھا، آپ کی علمی و دینی بصیرت اور مدبرانہ سرپرستی سے ملت اسلامیہ کو روشنی ملتی تھی۔۔۔۔ افسوس کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بوڈ اپنے مخلص وبااثر اور متفقہ صدر سے محروم ہو گیا۔

(مولانا) نظام الدین (صاحب)
جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

ساری دنیا کے لئے قابل احترام:

حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی کا انتقال صرف جمعیۃ علماء ہند کے لئے ہی نہیں بلکہ تمام عالم اسلامی کے لئے ایک بڑا سانحہ ہے اپنی قابلیت اور دینی خدمت کی بنا پر ساری دنیا کے لئے قابل احترام تھے۔ ندوۃ العلماء لکھنؤ اور مسلم پرسنل لاء بورڈ کے سربراہ کی حیثیت سے ان کی شخصیت سارے ملک کے لئے محترم تھی ان کے انتقال سے ملک میں اور اسلامی دنیا میں جو خلاء پیدا ہوا ہے اس کا پر ہونا دشوار نظر آتا ہے، انھوں نے جو اسلامی سرمایہ ورثہ کے طور پر چھوڑا ہے اس سے ملک وملت کو استفادہ حاصل ہوتا رہے گا۔

(مولانا) اسعد مدنی (صاحب)
صدر جمعیۃ علماء ہند

ہم سب کے مقتدا اور بزرگ :

کل شام کو یہ جانکاہ خبر ملی کہ ہم سب کے مقتدا اور بزرگ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ہمیشہ کے لئے ہم سے جدا ہو گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ موصوف علیہ الرحمۃ کو دارالعلوم دیوبند اور اکابر دارالعلوم سے جو لگاؤ تھا ہم اسے فراموش نہیں کر سکتے، موصوف علیہ الرحمۃ کی وفات سے علمی حلقہ میں بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے۔ حضرت مولانا مرحوم ہمارے اکابر کی یادگار تھے، علم واخلاق شرافت وانسانیت کے پیکر تھے ان کی علمی اور تصنیفی خدمات سے ساری دنیا نا آشنا اور متاثر ہے۔

آج یہاں سے تعزیتی ٹیلیگرام جا چکا ہے اور مزید تعزیت کے لئے قبلہ حضرت مہتمم صاحب کی ہدایت پر مولانا مفتی حبیب الرحمان صاحب خیر آبادی کو بھیجا جا رہا ہے حضرت مہتمم صاحب قریب قریب دو مہینے سے علیل چل رہے ہیں۔ وطن بجنور ہی میں قیام ہے جملہ اساتذہ کرام چھٹی کی وجہ سے اپنے اپنے وطن جا چکے ہیں۔ راقم الحروف حضرت موصوف کے دفتر میں کام انجام دے رہا ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ حضرت مرحوم کی مغفرت فرما کر جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

(مولانا) عبد الخالق (صاحب)
نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند

مفکر اسلام کی رحلت :

جمعہ کی نماز کے بعد قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول تھا کہ دارالعلوم دیوبند کے مناروں سے ۲،۵۵ پر اچانک اس اعلان نے سکتے میں ڈال دیا کہ مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا آج انتقال ہو گیا ہے۔ دیر تک ہم لوگ غم والم کی عجیب کیفیت سے دوچار رہے۔ پھر لکھنؤ فون کیا تو معلوم ہوا کہ خبر صحیح ہے، ساڑھے ۱۲ بجے کے قریب نماز جمعہ سے قبل، حضرتؒ نے جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

اس خبر کے عام ہوتے ہی یہاں کے مسلمان حسب توقع غم والم میں ڈوب گئے، ہر ایک دوسرے کی تعزیت کرنے لگا، ایصال ثواب اور دعاء کا بھی اہتمام کیا گیا۔

(مولانا) نور عالم امینی
ایڈیٹر پندرہ روزہ 'الداعی'۔ دارالعلوم دیوبند

مولانا کی علمی ودینی بصیرت اور مدبرانہ سرپرستی سے ملت اسلامیہ کو روشنی ملتی تھی۔

مولانا نظام الدین صاحب
جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

بیسویں صدی کی آخری چوتھائی میں پورے عالم اسلام میں کوئی دوسری شخصیت ان کی ہم پلہ نظر نہیں آتی۔

مولانا محمد سالم صاحب قاسمی
وقف دارالعلوم دیوبند

ان کی وفات سے دنیا ایک مفکر اور مؤرخ اسلام، عربی کے صاحب طرز ادیب، اور ملت اسلامیہ ہند ایک عظیم قائد سے محروم ہوگئی۔

عبد الستار شیخ
سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل بورڈ

دنیا ایک قد آور شخصیت سے محروم ہوگئی۔

غلام محمود بنات والا
صدر کل ہند انڈین یونین مسلم لیگ

مولانا کی سرپرستی ورہنمائی میں ملک وملت کی جو خدمات انجام پارہی تھیں اللہ انھیں شرف قبولیت بخشے

مولانا محمد سراج الحسن
امیر جماعت اسلامی۔ ہند

انھوں نے ساری ہندوستانی پیڑھیوں کی سوچ کو نئی سمت دی۔

نائب صدر جمهوریہ هند کرشن کانت

میں نے ایک عظیم مفکر ودانشور کھودیا

وزیر اعظم هند

حضرت مولانا کی وفات ہمارا ذاتی نقصان ہے۔ (مولانا مرحوم کیساتھ ان کے ذاتی تعلقات تھے اور نازک موقعوں پر وہ ان سے (مولانا علی میاں) قیمتی صلاح لیا کرتے تھے۔)

وی پی سنگھ سابق وزیر اعظم هند

ہم نے نہ صرف ایک اسلامی دانشور بلکہ دنیا کا سب سے بڑا قابل تعظیم مذہبی رہنما کھودیا ہے۔

سونیا گاندھی

اسلام کے جید عالم نے پیام انسانیت کو اپنی زندگی کا مقصد جانا

وزیر اعلیٰ۔ اتر پردیش

وہ جن باتوں کی تلقین کرتے تھے ان پر عمل بھی کرتے تھے۔

ملائم سنگھ یادو

مرکزی وزیر رام بلاس پاسوان نے ان کی وفات سے ملک ایک مایہ ناز مدبر اور شہرۂ آفاق عالم سے محروم ہوگیا۔ مولانا علی میاں ہمارے درمیان سے ایسے وقت میں چلے گئے کہ جب کہ ہمیں ان کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔

رام بلاس پاسوان
مرکزی وزیر برائے مواصلات

☆ شیخ ابوالحسن علی ندوی کا سانحۂ وفات مسلمانانِ عالم کے لئے ایک بڑی آزمائش۔

امام حرم شیخ محمد بن السبیل

☆ شیخ ندوی کی وفات عالم اسلامی کا ایک بڑا خسارہ ۔

سکریٹری جنرل رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ

☆ وہ رہنما جس نے دنیا سے اسلامی تشخص کا لوہا منوالیا۔

روزنامہ "عکاظ" ۔ سعودی عرب

☆ بیسویں صدی کے ساتھ اس کا مایہ ناز سپوت بھی رخصت۔

روزنامہ "المدینة" مدینہ منورہ

☆ علی میاں کی رخصت اس صدی کا آخری نقصان۔

روزنامہ اردو نیوز ۔ جدہ

☆ ایک چراغ اور بجھا اور بڑھی تاریکی۔

عربی پریس

☆ وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان

☆ صدی کی عظیم شخصیت مفکر اسلام ابوالحسن علی ندوی اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

☆ اسلامی تاریخ و ادب کا آفتاب غروب ہو گیا۔

☆ خانہ کعبہ کا کلید بردار نہ رہا۔

☆ ایک عہد اور ایک صدی کا خاتمہ۔

ہندوستانی اخبارات

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

ایک نظر میں

ولادت: ۶ ر محرم الحرام ۱۳۳۳ھ (۱۹۱۴ء) بمقام تکیہ کلاں رائے بریلی، رائے بریلی

تعلیم: تعلیم کا آغاز والدہ محترمہ سے قرآن مجید سے ہوا پھر اردو اور عربی کی باقاعدہ تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا۔

۱۳۴۱ھ (۱۹۲۳ء) میں والد صاحب حکیم سید عبد الحی صاحب کا انتقال ہوا اس وقت آپ کی عمر نو سال سے کچھ اوپر تھی تو تعلیم وتربیت کی ذمہ داری آپ کی والدہ محترمہ اور برادر بزرگ مولانا حکیم سید عبد العلی حسنی پر آپڑی جو خود بھی اس وقت دار العلوم ندوۃ العلماء اور دار العلوم دیوبند سے فراغت کے بعد میڈیکل کالج میں زیر تعلیم تھے۔

☆ ۱۳۴۲ھ (۱۹۲۴ء) میں علامہ خلیل عرب سے باقاعدہ عربی تعلیم کا آغاز کیا اور اصلاً انھیں کی تربیت میں عربی تعلیم مکمل کی۔

☆ ندوۃ العلماء کے اجلاس ۱۹۲۶ء منعقدہ کانپور میں شرکت کی اور اپنی عربی بول چال سے شرکاء کو محظوظ کیا، جس کی وجہ سے بعض عرب مہمانوں نے اپنے گھومنے پھرنے میں بطور رہبر مولانا کو ساتھ رکھا۔

☆ ۱۹۲۷ء میں لکھنؤ یونیورسٹی میں داخلہ لیا اس وقت مولانا یونیورسٹی کے سب سے کم سن طالب علم تھے۔ یونیورسٹی سے فاضل ادب کی سند حاصل کی۔

☆ عربی زبان کی تعلیم کے دنوں میں اردو کے ادب عالی کی چوٹی کی کتابوں کا مطالعہ کیا جس سے مولانا کو دعوت کے کام کی انجام دہی اور عصری زبان وتعبیر میں صحیح اسلامی فکر وعقیدہ کی تشریح میں مدد ملی۔

☆ ۱۹۲۷ء سے ۱۹۳۰ء کے درمیان انگریزی زبان کے سیکھنے کی بھی مشغولیت رہی جس کی وجہ سے اسلامی موضوعات اور عربی تہذیب وتاریخ وغیرہ پر انگریزی کی کتب سے مولانا کے لئے براہ راست استفادہ ممکن و آسان ہوا۔

☆ ۱۹۲۹ء میں دار العلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ لیا اور علامہ محدث حیدر حسن خاں کے درس حدیث میں شریک

ہوئے۔ اور ان سے صحیحین اور سنن ابی داؤد اور سنن ترمذی حرفاً حرفاً پڑھی۔

☆ اپنے شیخ خلیل انصاری سے منتخب سورتوں کی تفسیر کا درس لیا اور مولانا احمد علی صاحب لاہوری سے ان کے ترتیب دادہ نظام کے مطابق ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۲ء میں لاہور میں مقیم رہ کر پورے قرآن کریم کی تفسیر پڑھی

☆ شیخ الاسلام حسین احمد مدنی سے استفادہ کے لیے ۱۹۳۲ء میں چند ماہ کا دار العلوم دیوبند میں قیام کیا اور صحیح بخاری و سنن ترمذی کے اسباق میں شریک ہوئے اور ان سے تفسیر و علوم قرآن میں بھی استفادہ کیا، نیز شیخ اعزاز علی سے فقہ کا اور قاری اصغر علی صاحب سے روایت حفص کے مطابق تجوید کا درس لیا۔

علمی دعوتی زندگی

☆ ۱۹۳۴ء میں دار العلوم ندوۃ العلماء میں مدرس بنائے گئے اور تفسیر و حدیث اور ادب عربی و تاریخ و منطق کا درس دیا۔

☆ ۱۹۳۹ء میں دینی مراکز سے واقفیت کیلئے ایک سفر کیا جس میں شیخ عبد القادر رائے پوری اور مصلح کبیر مولانا محمد الیاس کاندھلوی سے واقفیت حاصل ہوئی اور پھر ان سے مستقل ربط و تعلق رہا چنانچہ اول سے روحانی تربیت حاصل تھی اور دوسرے کی اتباع و اقتداء میں فریضۂ دعوت اور معاشرہ کی اصلاح کی انجام دہی کا کام کیا چنانچہ دعوت و تربیت اور اصلاح کے لئے مسلسل سفر کئے اور ان اسفار کا سلسلہ ایک زمانہ تک جاری رہا۔

☆ انجمن تعلیمات دین کے نام سے ۱۹۴۳ء میں ایک انجمن قائم کی اور اس میں قرآن کریم اور سنت نبویہ کے درس کی سلسلہ جاری کیا جو بے حد مقبول ہوا۔ خاص طور سے تعلیم یافتہ اور ملازمت پیشہ طبقہ بڑی مقدار میں متوجہ ہوا۔

☆ ندوۃ العلماء مجلس انتظامی کے رکن کی حیثیت سے ۱۹۴۵ء میں منتخب کے گئے اور علامہ سید سلیمان ندویؒ کی تجویز پر ۱۹۵۱ء میں نائب معتمد تعلیم کی حیثیت سے متعین کئے گئے اور ۱۹۵۴ء میں علامہ کی وفات کے بعد بحیثیت معتمد قرار پائے اور ۱۹۶۱ء میں برادر بزرگ ڈاکٹر عبد العلی حسنی صاحب کی وفات کے بعد ندوۃ العلماء کے ناظم اعلیٰ بنائے گئے۔

☆ ۱۹۵۱ء میں تحریک پیام انسانیت کی بنیاد ڈالی۔

☆ ۱۹۵۹ء میں مجلس تحقیقات و نشریات اسلام قائم کی۔

☆ عربی میں سب سے پہلا مقالہ سید رشید رضا مصری کے مجلّہ "المنار" میں ۱۹۳۱ء میں شائع ہوا جو سید احمد شہید کی تحریک کے موضوع پر تھا۔

☆ اردو میں اولین کتاب و تالیف ۱۹۳۸ء میں بعنوان سیرت سید احمد شہید شائع ہوئی جو دینی و دعوتی حلقوں میں بہت مقبول ہوئی۔

☆ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے اسلامیات کے نام سے بی۔ اے۔ کے طلباء کے لیے نصاب و کورس مرتب کرنے کے لئے

متعین کیا۔

☆ اور جامعہ ملیہ دہلی کی دعوت پر ۱۹۴۲ء میں جامعہ کے اندر ایک لکچر دیا جو بعد میں دین ومذہب کے نام سے طبع ہوا۔

☆ ۱۹۶۳ء میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں کئی لکچرس دیئے جو "النبوة والانبياء في ضوء القرآن" کے نام سے شائع ہوئے۔

☆ ۱۹۶۸ء میں سعودی وزیر تعلیم کی دعوت پر ریاض تشریف لے گئے تاکہ کلیۃ الشریعۃ کے نصاب ونظام کے جائزہ کے کام میں شریک ہوں اور اس موقع سے وہاں جامعۃ الریاض اور کلیۃ المعلمین میں کئی لکچرس ہوئے۔

☆ ندوۃ العلماء سے عربی میں نکلنے والے پرچے "الضیاء" کی ادارت میں ۱۹۳۲ء میں اور اردو پرچے "الندوۃ" کی ادارت میں ۱۹۴۰ء میں شریک رہے اور ۱۹۴۸ء میں "تعمیر" کے نام سے بزبان اردو ایک پرچہ نکالنا شروع کیا۔ اور دمشق سے نکلنے والے پرچے "المسلمون" کے اداریے کی ذمہ داری ۵۸-۱۹۵۹ء میں متعلق رہی، پہلا اداریہ بعد میں "ردة ولا ابابكر لها" کے نام سے شائع ہوا جیسے کہ استاذ محب الدین خطیب کے پرچے "الفتح" میں بہت سے مقالات شائع ہوئے۔

☆ ۱۹۶۳ء سے لکھنؤ سے "ندائے ملت" اردو میں نکلنا شروع ہوا تو اس کے شعبۂ ادارت کی نگرانی متعلق رہی اور ندوہ سے ۱۹۵۵ء سے نکلنے والے عربی پرچے "البعث الاسلامی" اور ۱۹۵۹ء سے نکلنے والے عربی پرچے "الرائد" نیز ۱۹۶۳ء سے نکلنے والے اردو پرچے "تعمیر حیات۔ ان تینوں کے نگرانِ عام رہے۔

اسفار:

☆ ۱۹۳۹ء میں لاہور کا سفر کیا جو دور دراز کے مقام کا سب سے پہلا سفر تھا وہاں شہر کے علماء وخواص سے ملاقاتیں کیں اور شاعر اسلام ڈاکٹر محمد اقبال سے بھی ملے، اس سے پہلے مولانا ان کی بعض نظموں کا عربی نثر میں ترجمہ کر چکے تھے۔

☆ ۱۹۳۵ء میں بمبئی کا سفر اس غرض سے کیا کہ دلتوں کے لیڈر ڈاکٹر امبیڈکر کو اسلام کی دعوت دی جاسکے۔

☆ ۱۹۳۹ء میں ہندوستان کے دینی مراکز سے واقفیت کے لیے ایک سفر کیا۔

☆ ۱۹۴۷ء میں حج کا سفر کیا اور چندماہ حجاز میں قیام رہا۔ یہ بیرون ملک سب سے پہلا سفر تھا۔

☆ مصر کا پہلا سفر ۱۹۵۱ء میں کیا جبکہ مولانا کی کتاب "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمين" مولانا سے پہلے ہی وہاں کے تمام علمی حلقوں میں پہونچ کر متعارف ہو چکی تھی اس لیے وہ خود مولانا کے لئے تعارف کا بہترین ذریعہ بنی۔

☆ فلسطین کا بھی سفر کیا تو بیت المقدس کی زیارت کی اور مسجد اقصیٰ کی بھی اور رمضان کے آخری دن وہیں گذارے۔ اور "مدینۃ الخلیل وبیت اللحم" کی زیارت کی، واپسی میں اردن کے شاہ، شاہ عبداللہ سے ملاقات کی۔

☆ ۱۹۵۶ء میں ترکی کا سفر کیا اس موقع سے دو ہفتے کا قیام رہا اس کے بعد کئی سفر ہوئے۔

☆ کویت اور دول خلیج کا بار بار سفر ہوا۔

☆ رابطۃ العالم الاسلامی کے وفد کی سربراہی میں افغانستان و ایران و لبنان و عراق کا سفر کیا۔

☆ ۱۹۷۶ء میں مغرب اقصیٰ کا سفر ہوا اور برما کا ۱۹۷۷ء میں، جبکہ پاکستان کے اسفار بار بار ہوئے۔

☆ یورپ کا پہلا سفر ۱۹۶۳ء میں ہوا جس میں جنیوا، لندن، پیرس، کیمبرج و اکسفورڈ وغیرہ جانا ہوا اور اسپین سے اہم شہروں میں بھی اس سفر میں بہت سے عرب اور مغربی فضلاء سے ملاقاتیں رہیں اور کئی لکچرس ہوئے۔ اس سفر کے علاوہ بھی یورپ کے سفر ہوئے بالخصوص ادھر اکسفورڈ کے اسلامک سنٹر کی وجہ سے بار بار سفر ہوتا رہا۔

☆ ۱۹۷۷ء میں امریکا کا پہلا سفر کیا اور دوسرا ۱۹۹۳ء میں۔

☆ ۱۹۸۵ء میں بلجیم کا اور ۱۹۸۷ء میں ملیشیا کا سفر ہوا اور ۱۹۹۳ء میں تاشقند و سمرقند وغیرہ کا سفر ہوا۔

اعزازات:

☆ دمشق کی "مجمع اللغۃ العربیۃ" کے مراسلاتی ممبر ۱۹۵۶ء میں قرار پائے۔

☆ رابطۃ العالم الاسلامی کی تاسیس و قیام کا پہلا اجلاس جو ۱۹۶۲ء میں مکہ مکرمہ میں ہوا جس پر جلالۃ الملک سعود بن عبد العزیز اور لیبیا کے حاکم ادریس سنوسی بھی شریک تھے اس اجلاس میں نظامت کے فرائض مولانا نے انجام دیئے۔

☆ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی تاسیس و قیام کے وقت ۱۹۶۳ء سے اس کی مجلس شوری کے ممبر طے پائے اور اس کا نظام بدلنے تک برابر یہ منصب برقرار رہا۔

☆ رابطۃ الجامعات الاسلامیہ کے ممبر ابتداء سے رہے۔

☆ اردن کی مجمع اللغۃ العربیہ کے ۱۹۸۰ء میں رکن بنائے گئے۔

☆ ۱۹۸۰ء میں اسلام کی خدمات پر فیصل ایوارڈ سے نوازے گئے۔

☆ کشمیر یونیورسٹی کی طرف سے ۱۹۸۱ء میں ادب میں پی ایچ ڈی کی اعزازی ڈگری سے نوازے گئے۔

☆ آکسفورڈ کے مرکز دراسات اسلامیہ کے ۱۹۸۳ء میں صدر بنائے گئے۔

☆ ۱۹۸۴ء میں رابطۃ الادب الاسلامی العالمیۃ کے قیام کے ساتھ اس کے صدر قرار پائے۔

☆ رمضان ۱۴۱۹ھ (جنوری ۱۹۹۹ء) میں دبئی عالمی حسن قرأت کے مقابلے کے موقع پر سال کی عظیم اسلامی شخصیت کے وقیع ایوارڈ سے سرفراز کئے گئے جس کی قیمت سوا کروڑ ہندوستانی روپئے کے قریب تھی۔

☆ ۱۴۲۰ھ (۱۹۹۹ء) میں اکسفورڈ اسلامک سنٹر کی طرف سے تاریخ دعوت وعزیمت کے سلسلے میں سلطان برونائی ایوارڈ سے نوازے گئے۔

ترتیب: عمیر الحسینی ندوی

(ماخوذ از مفکر اسلام کی اردو تصانیف)

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ کا

آنے والی صدی کے نام آخری پیغام

تحریر: شاہ نواز خاں
ترجمہ و تلخیص معید اشرف ندوی

رائے بریلی کے علاوہ مولانا علی میاں کو لکھنؤ سے خاصا لگاؤ تھا۔ اسی شہر میں پلے بڑھے اور پڑھے تھے اس شہر کی لگاتار بگڑتی جا رہی تصویر انھیں ہمیشہ پریشان کیے رہتی تھی اپنی اس پریشانی کا خلاصہ انھوں نے اس دنیا کو الوداع کہنے سے پہلے "روزنامہ ہندوستان لکھنؤ" کے ساتھ ایک خاص گفتگو میں بیان کیا تھا، اس جاتی ہوئی صدی کے بارے میں مولانا کے خیالات جاننے کے لئے ہندوستان کے نمائندہ سے بدھ کی صبح (۲۰؍رمضان ۱۴۲۰ھ) ندوے میں ہوئی مختصر بات چیت میں مولانا نے فرمایا:

"لکھنؤ میرا وطن ثانی ہے لوگ بدل گئے لیکن یہ نہیں بدل سکا میں نے اس کو بچپن سے دیکھا ہے، اس سے پہلے کہ میری روح جسم سے نکل جائے میں اس کشادہ شہر کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کر دینا چاہتا ہوں۔ کیوں کہ ا[illegible] موت کو کسی نے نہیں دیکھا ہے "میرے بچپن میں یہ آبادی کے لحاظ سے بالکل فٹ تھا، جتنی شہر کی وسعت تھی اتنی ہی آبادی تھی۔

انھوں نے لکھنؤ اور اس کے بدلتے ہوئے مزاج پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ جب لوگ اس شہر کو چھوڑ کر اپنے وطن واپس جاتے تھے تو اس کو یاد کرتے و تعریف کرتے نہیں تھکتے تھے۔ چونکہ یہ شہر صوبائی حکومت کا مرکز رہا ہے اس لئے یہاں پر ہر طرح کے لوگ آتے ہیں اس پرانے وقت میں صوبائی حکومت بھی شہر کو سنہرا رکھنے کی کوشش کرتی تھی۔

یہاں کی تہذیب کی شہرت دور دور تک تھی میں نے اپنی زندگی کا زیادہ حصہ اس شہر میں بسر کیا ہے۔ مجھے لکھنؤ بہت پسند ہے، کسی شہر کی پہچان اس کی تہذیب سے ہوا کرتی ہے لکھنؤ اپنی پہچان بنا چکا ہے، اس پہچان کو اب برقرار رکھنا ہوگا۔

مولانا علی میاں کا کہنا تھا کہ اس شہر کی تہذیب کو بنائے رکھنے کے لئے اکیلے حکومت کو نہیں بلکہ عوام کو بھی اس کام میں مدد کرنی ہوگی۔ اس شہر کے لوگوں کو اس بات کا خیال رکھنا ہوگا کہ:

"آنے والی صدی میں اس صدی کی گذری ہوئی باتوں کو دہرایا نہ جائے کیوں اس سے اختلاف بڑھتا ہے۔ ہمارا فرض لڑوانا نہیں بلکہ لڑتے ہوؤں کو روکنا ہے شہر بھلے ہی اب سنہرا نہ رہا ہو، لیکن اس کے مستقبل کو سنہرا بنانا ہوگا۔ کیوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اچھی تہذیب بھی گم ہو جائے۔ اس صدی کے اختلافات اگلی صدی میں نہ دہرائے جائیں یہی میری گذارش ہے، حکومت کے سربراہوں کو بھی اپنے عوام کا خیال رکھنا چاہئے۔ تاکہ عوام ان کے قریب آئیں، لوگوں کو ایسا رخ اختیار کرنا چاہئے جس سے یہ نہ لگے کہ ہم نے اپنی تہذیب کھو دی ہے، انسان کے عمل ہی سے اس کی پہچان ہوتی ہے میں نے دیکھا ہے کہ اب انسان کا عمل بدلتا جا رہا ہے۔ لوگوں میں عمل کو لے کر خیالات بدلتے جا رہے ہیں، یہ آخری نصیحت ہے کہ صدی بدل جائے لیکن عمل نہیں بدلنا چاہئے۔

(روزنامہ ہندوستان۔ لکھنؤ یکم جنوری ۲۰۰۰ء)

ندوۃ العلماء کے ناظم آہ! حضرت بوالحسن

— خلیل پرتاب گڑھی —

ندوۃ العلماء کے ناظم آہ! حضرت بوالحسن
حیف تجھ سے ہوگیا خالی یہ ندوہ کا چمن

ایک عالم، صاحبِ فکر و نظر جاتا رہا — ایک دانشور، مؤرخ، راہبر جاتا رہا
رہنمائے قوم و ملت، دیدہ ور جاتا رہا — اک مبلغ، لائق و فائق بشر جاتا رہا
دل میں تیری جانے کتنی خوبیاں ہیں موجزن
ندوۃ العلماء کے ناظم آہ! حضرت بوالحسن

یوں تو فانی ہے ہر اک شئے اس جہاں کا ہر بشر — لیک تیرا جانا چھلنی کرگیا دل اور جگر
ہوک سی اٹھتی ہے دل میں ہو رہی ہے چشم تر — چاہتا ہے جی کہ ہو جائے یہ سب جھوٹی خبر
دل نہیں آمادہ سننے کو یہ روداد محن
ندوۃ العلماء کے ناظم آہ! حضرت بوالحسن

ہے وہی ہریالی گلشن میں مگر بھاتی نہیں — ہیں وہی گلہائے رنگا رنگ، بو آتی نہیں
اب وہی پُرکیف نغمے کیوں فضا گاتی نہیں — روشنئ ماہ و انجم نور برساتی نہیں
لٹ گئی کیسی بہار گلستان و انجمن
ندوۃ العلماء کے ناظم، آہ! حضرت بوالحسن

ماہ رمضاں بھر جہاں سنتے تراویح میں قرآن — فیض پاتے کتنے طلباء، عالم و استادگان
جمع ہوتے دور سے آکر ہی کتنے میہمان — خوش دلی سے جس جگہ ہوتا تھا سب کا میزبان
آج لیٹا ہے وہیں وقت عشاء اوڑھے کفن
ندوۃ العلماء کے ناظم آہ! حضرت بوالحسن

سب کے دل میں تیری عزت، سب کے دل میں تیری چاہ — باہری ملکوں کی کتنی انجمن کا سربراہ
درس حق پایا تھا اس نے جس پہ ڈالی اک نگاہ — دینے والا کچھ نہ کچھ بے لوث ہے، خاموش آہ!
ہائے اس دنیائے فانی کا ہے یہ کیسا چلن
ندوۃ العلماء کے ناظم، آہ! حضرت بوالحسن

ایک عالم کو دیا انسانیت کا ہی پیام — دے دیا چینیر ٹیٹی میں جو ملے کروروں کے انعام
کعبہ کی کنجی کے پانے میں ہوا تھا کتنا نام — کتنی عزت، کتنا رتبہ تھا ترا عالی مقام
اب کہاں سے لائیں گے ایسا بشر شیریں سخن
ندوۃ العلماء کے ناظم، آہ! حضرت بوالحسن

سیکڑوں لکھیں کتابیں جن سے دفتر بھر گیا — جاتے جاتے قوم کی خاطر بہت کچھ کر گیا
صاحبِ اوصاف کتنی آنکھ کرکے تر گیا — کرکے گرویدہ سبھی کو، ہائے! جادو کر گیا
سونی ہے نہان خانے کی وہ علمی انجمن
ندوۃ العلماء کے ناظم آہ! حضرت بوالحسن

ہو ترا مرقد منور دل سے ہے اپنی دعا — مغفرت فرمائے تیری ہر طرح سے ہی خدا
صبر گھر والوں کو دے وہ مالکِ روز جزا، — جنت الفردوس ہو تیرے لئے اس کی عطا
یہ چمن فانی ہے مل جائے بقا میں بھی چمن
ندوۃ العلماء کے ناظم، آہ! حضرت بوالحسن

علی میاں جو اللہ میاں کو پیارے ہو گئے

عشرت علی صدیقی صاحب

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے ایسی موت پائی جس کی تمناسب کو ہوتی ہے رمضان کی ۲۲؍ تاریخ کو جمعہ کے دن نماز کے لئے تیار ہو کر وہ کلام اللہ کی تلاوت کر رہے تھے جب اللہ میاں نے انھیں اپنے وہاں بلالیا۔ انھوں نے زندگی بھی ایسی پائی جس کی تمناسب کو ہوتی ہے آخر وقت تک اور بیماری، آزاری اور معذوری کے دنوں میں بھی پابند شریعت رہے، زندگی بھر دین کی خدمت کرتے رہے، اور دنیا کو انسانیت کا پیام سناتے اور انسانوں کو انسانیت کی طرف بلاتے رہے انھیں دنیا مفکر اسلام کہتی اور مانتی ہے۔ بلاشبہ اسلام کو ان کی فکر اور عمل میں کلیدی حیثیت حاصل تھی۔ اور انھیں اپنے عہد کی سب سے بڑی اسلامی شخصیت کئی بار قرار دیا گیا، حکمرانوں کے نام سے منسوب اس اعزاز کے لئے ان کا انتخاب حکومتوں نے نہیں بلکہ جید عالموں نے کیا، اور اس اعزاز کو بھی انھوں نے قدرے تکلف سے اور بعض اوقات بادل نخواستہ قبول کیا۔ ان کی رہائش فقیرانہ تھی۔ مگر علم و فکر کی دنیا میں انھیں شاہانہ بلکہ شہنشاہانہ حیثیت حاصل تھی۔ وہ مفکر اسلام ہونے کے علاوہ مفسر قرآن بھی تھے محدث بھی تھے کئی سو ایسی کتابوں کے مصنف بھی تھے جو کئی زبانوں میں بار بار شائع اور عجمی و عربی درسگاہوں کی ابتدائی جماعتوں سے لے کر اعلیٰ ترین جماعتوں تک کے نصاب میں شامل ہوئیں۔ ان کی بہت سی کتابیں پہلے عربی میں لکھی گئیں۔ اس کے بعد دوسری زبانوں میں ترجمہ ہوا۔ ان کی عربی تحریروں نے عربی ادب کے صفحہ اول کے عالموں اور ناقدوں سے خراج تحسین وصول کیا۔ ایسی کئی تصانیف اس زمانے کی ہیں جب گلا کوما اور موتیابند کی وجہ سے مولانا تقریباً پندرہ سال تک نہ تو خود کچھ پڑھ پاتے تھے نہ لکھ پاتے تھے، دوسروں سے اخبار اور کتابیں پڑھوا کر سنتے تھے۔ اور املا کرا کے لکھواتے تھے ان کی اسی زمانے کی کئی کتابیں عرب ملکوں میں نشٹ بک بن گئیں، مختلف اسلامی علوم میں انھیں مہارت حاصل تھی۔ آج کے بہت سے بڑے بڑے عالم کل ان کے شاگرد تھے، وہ اپنے کو تاریخ کا طالب علم کہتے تھے۔ اور علم کے دوسرے میدانوں کی طرح اس میدان میں بھی انھوں نے اپنا سکہ جمالیا۔ یہ سکہ انھیں ترکہ میں ملا تھا۔ ان کے والد مولانا حکیم سید عبدالحئی نے ۹؍ جلدوں پر مشتمل اپنی عربی کتاب "نزھۃ الخواطر" میں ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد سے لے کر اپنے زمانے تک ہندوستان کے ہر شعبۂ حیات سے تعلق رکھنے والے قابل ذکر مسلمانوں کا ذمہ دارانہ تبصرہ کے ساتھ کیا تھا۔ یہ کتاب آج تک ایک ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ علی میاں کی پانچ جلدوں پر مشتمل تصنیف "تاریخ دعوت و عزیمت" اور چار جلدوں پر مشتمل کتاب "پرانے چراغ" دو جلدوں پر "سیرت سید احمد شہید"، "سوانح شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ"، "تذکرہ شاہ فضل الرحمن گنج مراد آبادیؒ"، "سوانح مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ"، تذکرہ نویسی اور سوانح نگاری کے اعلیٰ ترین نمونوں کے علاوہ اردو کے نثری ادب میں روشن ستاروں کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ادب پاروں کی اس کہکشاں میں "نبی رحمت" اور "المرتضیٰ" کو سورج اور چاند سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ اور "کاروان مدینہ میں تاجدار مدینہ سے عشق و عقیدت کے اظہار کا جو اسلوب علی میاں نے اختیار کیا ہے وہ چودہ سو برس سے بار بار اور لگاتار نت نئے انداز سے بیان کی جانے والی اس داستان کو سحر آگیں بنا دیتا ہے۔ علی میاں نے "کاروان زندگی" کے عنوان سے اپنی سوانح حیات بھی سات جلدوں میں لکھی ساتویں جلد کا آخری حصہ ان دنوں لکھا گیا اور شائع ہوا جب مولانا پر فالج کا حملہ ہو چکا تھا۔ ان دنوں میں تقریباً روزانہ حاضر خدمت ہوتا رہتا تھا اور مولانا برابر کتاب کی طباعت واشاعت کے سلسلہ میں ہونے والی پیش رفت کا ذکر کرتے رہتے تھے، مسلمانوں کے حوالے سے مولانا نے تاریخ کا جو مطالعہ اور تجزیہ کیا اس کا نچوڑ انھوں نے اپنی کتاب "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر" پیش کر دیا ہے۔ یہ کتاب انھوں نے پہلے عربی میں لکھی تھی بعد میں اس کا ترجمہ دنیا کی بہت سی دوسری زبانوں میں اور کئی کئی اڈیشنوں میں شائع ہوا۔ ان کی تصنیفی زندگی کے ابتدائی دور کی اس کتاب نے دنیا بھر میں زبردست مقبولیت حاصل کی۔ جس اثر کا ذکر اس کتاب میں ہے۔ اس کی تفصیل "کاروان زندگی" میں بیان کی گئی ہے۔ ہندوستان اور عالم اسلام میں بیسویں صدی کے دوران جو کچھ ہوا اور اس صدی کے واقعات سے مسلمانوں کا جو تعلق رہا اس کے مطالعہ اور تجزیہ میں مولانا کے کاروان زندگی سے جتنی مدد مل سکتی ہے اتنی کسی دوسری کتاب سے نہیں مل سکتی۔ مولانا کا خاص شغل لکھنا پڑھنا رہا، مگر ایک دردمند انسان اور وطن دوست مسلمان کی حیثیت سے انھیں سیاسی اور سماجی معاملات سے بھی دلچسپی رہی۔ عملی سیاست، اور الکشنی خلفشار سے وہ ہمیشہ الگ رہے لیکن مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور وطن کی خوشحالی اور نیک نامی کے تقاضوں کی طرف اہل وطن کو برابر توجہ دلاتے رہے ان کی یہی فکر مسلم مجلس اور مجلس مشاورت سے ان کے تعلق اور تحریک "پیام انسانیت" کی تاسیس کا باعث تھی۔ ان کا خلوص مسلمانوں کے ساتھ مجلس مشاورت کے پلیٹ فارم پر خواص اور عوام کو جمع کرتا رہا۔ اور ان کی دردمندی والی باتوں کا ملک کے فرقہ وارانہ ماحول پر خوشگوار اثر پڑا۔ جب مسلم مجلس الکشن کے خارزار میں جانے لگی تو علی میاں نے اسے اس جنجال سے الگ رکھنے کی صلاح دی۔ مگر جب اہل سیاست نے مجلس کو اپنا آلہ کار بنانے کی کوشش کی تو مولانا اس سے الگ ہو کر "پیام انسانیت" کی ترویج اور تبلیغ میں لگ گئے۔ مسلم پرسنل لا بورڈ کا قیام ان کے ایماء پر ہوا یہ ان کا ایک لافانی کارنامہ ہے۔ کہ شاہ بانو کے معاملہ سے مسلم پرسنل بورڈ میں حکومت کی مداخلت کا جو راستہ کھل گیا تھا اسے انھوں نے بند کرادیا اور اس زمانے کے وزیر اعظم راجیو گاندھی کو اس بات کا قائل کر دیا کہ مسلمانوں کا پرسنل لا ان کے مذہب کا جزء ہے۔ علی میاں کے عملی سیاست سے الگ رہنے کے باوجود ارباب سیاست چاہے وہ جس جماعت سے تعلق رکھتے ہوں انکے در پر حاضری دیتے رہے۔ اور ہر ایک کو انسانیت کا پیام سناتے رہے اور ہر ایک سے یہ شکوہ کرتے رہے کہ ملک لاوارث ہو رہا ہے اس کو واپس پٹری پر لانے کے لئے مولانا کہتے تھے کہ آزادی کی تحریک کے رہنماؤں نے اور آزادی کے بعد ہندوستان کے آئین نے جمہوریت، سیکولرزم اور عدم تشدد کے جو تین بنیادی اصول بیان کئے تھے، ان تینوں کی پابندی اور ملک کی خوشحالی، نیک نامی اور استحکام کیلئے ضروری بلکہ لازمی ہے۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کا ناظم ندوۃ العلماء کے منصب پر انتخاب

مجلس نظامت ندوۃ العلماء کے جلسہ منعقدہ ۲۶ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ زیر صدارت مولانا عبد الکریم پاریکھ صاحب، میں اتفاق رائے سے مندرجہ ذیل تجویز منظور ہوئی۔

"نظامت ندوۃ العلماء کے لئے جس صلاحیت اداری اور صلابت دینی، اصابت رائے اور قوت تنفیذ کی ضرورت ہے وہ سب موجودہ نائب ناظم مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کو حاصل ہے۔ وہ عرصہ دراز سے حضرت ناظم ندوۃ العلماء کی نیابت میں ان کی ہدایت کی روشنی میں یہ خدمت انجام دیتے آرہے ہیں، اور ایک متفق علیہ شخصیت ہیں، جن کا علم، تقویٰ اور علمی بصیرت ملک اور ملک کے باہر تسلیم شدہ ہے، حضرت مرحوم کے رنج وراحت کے شریک اور ندوۃ العلماء کی روایات سے واقف ہیں، ندوہ سے تعلق رکھنے والوں سے متعارف اور ان کا اعتماد رکھنے والی شخصیت کے مالک ہیں۔ اس لئے یہ تجویز پیش کی جاتی ہے کہ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کو ناظم ندوۃ العلماء کا منصب سپرد کیا جائے، اور ہم سب مل کر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ انھیں صحت وقوت عطا فرمائے اور وہ اس قافلہ کے قافلہ سالار بن کر "خير خلف لخير سلف" ہوں۔

مندرجہ بالا تجویز جناب ڈاکٹر مولانا عبد اللہ عباس صاحب ندوی معتمد تعلیم نے پیش کی اور جناب وصی احمد صدیقی معتمد مالیات نے تائید کی۔ اور اراکین مجلس نظامت نے اتفاق رائے سے منظوری دی۔ مزید برآں مجلس نظامت نے دار العلوم ندوۃ العلماء کے منصب اہتمام کے لئے ڈاکٹر مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی کو مقرر کیا۔ اور ان کی چالیس سالہ خدمات اور ان کی بہترین تدریسی وتنظیمی صلاحیتوں کی ستائش کی۔

(**محمد حمزہ حسنی**)
ناظر عام ندوۃ العلماء۔ لکھنؤ
۲۷ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ

متهمم دار العلوم ندوة العلماء كو صدمه

مولانا سعید الرحمٰن صاحب ندوی اعظمی کی والدہ ماجدہ طویل علالت کے بعد ۳ شوال المکرم ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۰ جنوری ۲۰۰۰ء کو (مئو میں) انتقال فرما گئیں۔ إنا لله وإنا إليه راجعون۔

مرحومہ بڑی خدا رسیدہ صابرہ شاکرہ خاتون تھیں۔ مرحومہ نے تقریباً ۹۰ سال کی عمر پائی، یہ حادثہ مولانا سعید الرحمٰن صاحب اور دیگر افراد خاندان کے لئے بڑا جانکاہ ہے، مرحومہ کا وجود پورے خاندان کے لئے باعث خیر وبرکت تھا۔

دار العلوم میں جو حضرات اس وقت موجود تھے انھوں نے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کا اہتمام کیا۔

قارئین کرام خصوصاً مولانا سعید الرحمٰن صاحب کے شاگردوں سے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کے اہتمام کی درخواست ہے ادارہ تعمیر حیات مولانا اور دیگر تمام اہل خاندان کی تعزیت کرتا ہے اور اس غم میں برابر کا شریک ہے۔ (ادارہ)

اُمتِ مُسلمہ کا فرضِ منصبی
اور
اس کے انقلابی اثرات

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

> یہ تقریر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی صدامت برکاتہم نے اسلامک فاؤنڈیشن مارکفیلڈ لسٹر (برطانیہ) میں ۱۸ر ستمبر ۱۹۹۴ء کو شہر و قرب و جوار کے مقامات کے چیدہ اور منتخب حضرات کی موجودگی میں فرمائی۔
> افادۂ عام کی غرض سے ہم اس اہم تقریر کو ہدیۂ ناظرین کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

حضرات! میں قرآن مجید کا ایک حقیر طالب علم ہوں، اور آپ سب جانتے ہیں کہ قرآن مجید روزانہ پڑھا جاتا ہے اور جب تو کتنی بار بار اور زیادہ سے زیادہ پڑھا جاتا ہے، قاعدہ یہ ہے کہ جب آدمی کسی چیز کو حیرت سے دیکھتا ہے، اور اس سے وہ متعجب ہوتا ہے تو اس کا یہ تعجب ہمیشہ قائم نہیں رہتا، وہ زائل بھی ہو جاتا ہے، لیکن میں اپنا حال آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں (اسی سے میں نے اپنی بات کہنے کا مضمون اخذ کیا ہے) کہ جب میں قرآن مجید میں سورہ انفال کی یہ آیت کریمہ پڑھتا ہوں "اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ" (تو سنو اگر تم یہ کام نہ کرو گے تو ملک میں فتنہ برپا ہو جائے گا اور بڑا فساد مچے گا)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان مہاجرین اور انصار کو مخاطب فرمایا ہے، جو مشرف بہ اسلام تھے، جہاں تک ان مہاجرین کا تعلق ہے جو مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آ گئے تھے، وہ چند سو کی تعداد میں تھے، آپ جانتے ہیں کہ ہجرت کوئی ہنسی کھیل نہیں ہے، ہجرت میں آدمی کو گھر بار چھوڑنا پڑتا ہے اعزہ و اقرباء سے دور ہونا پڑتا ہے اور ان سہولتوں کو خیرباد کہنا پڑتا ہے، جو موروثی اور مقامی طور پر اس کو حاصل ہوتی ہیں، ظاہر ہے کہ ان مہاجرین کی تعداد محدود تھی، اور جن لوگوں نے مدینہ طیبہ میں اسلام قبول کیا تھا ان کی تعداد بھی اس وقت تک کچھ زیادہ نہ تھی، حدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ مدینہ طیبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے تین مرتبہ مسلمانوں کو شمار کیا گیا، پہلی مرتبہ شمار کرنے میں مسلمانوں کی تعداد پانچ سو، دوسری مرتبہ چھ سو اور سات سو کے درمیان تھی، تیسری مرتبہ شمار میں مسلمان ڈیڑھ ہزار تھے، اس تعداد پر مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اطمینان کی سانس لی کہ اب ہم ڈیڑھ ہزار ہو گئے، اب ہمیں کیا ڈر ہے؟ ہم نے تو وہ زمانہ دیکھا ہے جب ہم میں سے کوئی اکیلا نماز پڑھتا تھا، پھر بھی دشمنوں کا ڈر لگا رہتا تھا۔

گویا یہ مٹھی بھر انسانوں کی آبادی تھی جس نے اسلام قبول کیا تھا، اور جس نے اس کی ذمہ داری قبول کی تھی کہ اس کے چاروں طرف انسانی آبادی کا جو سمندر پھیلا ہوا ہے، اس میں وہ ہدایت و تبلیغ کا کام کرے گی اس کا آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ساری دنیا میں زیادہ تر وہ لوگ تھے جنھوں نے اسلام کا نام بھی نہیں سنا تھا، قبول کرنے کا کیا ذکر! پھر اس وقت دنیا کی دو عظیم الشان سلطنتیں تھیں جن کو (EMPIRE) کہنا چاہئے، وہ صرف امپائر ہی نہیں تھیں اور ان کی حیثیت محض انتظامیہ اور حکومت ہی کی نہیں تھی، ان کے ساتھ مستقل تہذیب تھی، مستقل تمدن، طرزِ زندگی اور معیار و اقدار (IDEALS & VALUES) تھے، متمدن دنیا کا سب سے بڑا حصہ جس پر یہ دونوں شہنشاہیاں بلاواسطہ یا بالواسطہ قابض تھیں، وہیں سے وہ تہذیب لیتے تھے، وہیں سے فیشن اخذ کرتے تھے، وہیں سے قانون لیتے تھے، آپ کو معلوم ہے کہ (ROMAN LAW) دنیا میں کتنی وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، اور ایرانی تہذیب ہندوستان اور دور دراز ملکوں تک پہونچ گئی تھی۔

حضرات! میں جب اس آیت پر پہونچتا ہوں تو ہمیشہ تصویرِ حیرت بن کر رہ جاتا ہوں، سوچنے لگتا ہوں کہ یا اللہ یہ کس سے کہا جا رہا ہے اور کیا کہا جا رہا ہے اور کہاں کہا جا رہا ہے؟ یہ آخری مسلم شماری جس میں مسلمان ڈیڑھ ہزار نکلے، بعض شراحِ حدیث اور محققین کی تحقیق میں جنگِ احد کے موقع پر ہوئی جو ۳ھ میں پیش آئی اور بعض کے نزدیک جنگِ خندق (جس کو غزوۃ الاحزاب بھی کہا جاتا ہے) کے موقع پر ہوئی جو ۵ھ میں پیش آئی اس طرح یہ مدت زیادہ سے زیادہ پانچ سال کی ہوتی ہے، جس میں مسلمانوں کے شمار کرنے کا یہ کام ہوا اس طرح یہ زیادہ سے زیادہ

دو ہزار مسلمان تھے جن سے کہا جا رہا ہے کہ تم اپنی شیرازہ بندی کرو اور ایک نئی وحدت (UNIT) قائم کرو، جس کی اساس ایمان پر ہو، قرآن پر ہو، صحیح عقیدہ پر ہو اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سرپرستی میں ہو۔

یہ وحدت اس لئے قائم کرنے کے لئے کہا جا رہا ہے کہ تم اس وحدت کے ذریعہ دنیا میں اسلام کا پیغام پہونچاؤ اور دنیا کو "جاہلیت" (من مانی آزادی اور نفس پرستی) کی زندگی سے نکال کر دنیا کو اسلام (خدا پرستی اور خود سپردگی) کی دعوت دو، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو دنیا میں فتنۂ کبریٰ اور فساد عظیم برپا ہوگا۔

میں اس موقع پر سوچتا ہوں کہ جن سے کہا جا رہا ہے اور جو اس آیت کے مخاطب ہیں اس میں اور ان پر جس کام کی اور دنیا کی جس آبادی کی ذمہ داری ڈالی جا رہی ہے، دونوں میں کیا تناسب تھا؟ لیکن فارسی میں ایک محاورہ ہے، اور ہم اس کو عربی میں بھی ادا کر دیا کرتے ہیں کہ "بقامت کہتر و بقیمت بہتر" یعنی قد و قامت کے لحاظ سے چھوٹا لیکن قیمت کے لحاظ سے کہیں بڑا اور بہتر، میں نے اپنی عربی تقریروں میں بھی اس کو اس طرح ادا کیا تھا کہ "العبرة بالقيمة لا بالقامة" یہ اس جماعت سے کہا جا رہا ہے جو بقامت کہتر تھی لیکن بقیمت بہتر، اصل چیز جو فیصلہ کن ہے وہ قیمت ہے "قامت" نہیں چنانچہ اس کہتر قامت اور بہتر قیمت نے اپنی انقلاب انگیزی اور عہد آفرینی ثابت کر دی، ایرانی سلطنت کا چراغ گل ہو گیا، صرف سلطنت کا نہیں ایرانی تہذیب کا اُن کے معیاروں اور ان کی قدروں (IDEALS & VALUES) کا جو حقیقی طور پر حکومت کرتے اور زندگی کی تشکیل کرتے ہیں، جن کو عربی میں المثل والقیم کہتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری دور یا زیادہ سے زیادہ خلافت راشدہ کے اختتام تک دنیا کا متمدن ترین حصہ جو مہذب اور ترقی پسند انسانوں کے لئے نمونہ اور معیار (IDEAL) کا درجہ رکھتا تھا، وہ بدل گیا تھا یا برابر بدل رہا تھا، معیار بدل گئے تھے، سوچنے کے طریقے بدل گئے تھے، ایران اور روم کی ذہنی و فکری غلامی سے آزاد ہو رہے تھے، معیار مہذب اور ترقی یافتہ کہلانا، احترام اور وقعت کی نگاہ سے دیکھا جانا معیار نہیں رہا تھا، حکم خداوندی کی تعمیل اور سنت نبوی کی پیروی اور عہد رسالت اور اس کے معتبر نمائندوں سے مشابہت، تہذیب میں، معاشرت میں، رسوم و عادات میں اور لباس و مظاہر میں تعریف اور قدر کی چیز سمجھی جانے لگی تھی، اس کی مثالیں آپ کو بڑے بڑے دولتمندوں اور با اقتدار لوگوں کی زندگی میں، تاریخ کی کتابوں میں ملیں گی۔

آپ کو معلوم ہے کہ زندگی کے آلات و وسائل تو بدلتے رہتے ہیں، تمدن کی شکلیں بدلتی رہتی ہیں، لیکن ذلت و عزت کے پیمانے، علم و جہالت کے معیار اور علامتیں، بہت دیر اور بہت مشکل سے بدلتی ہیں، اس میں بعض اوقات صدیاں لگ جاتی ہیں، اگر آپ تہذیب انسانی کی تاریخ پڑھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ بعض پیمانے صدیوں تک حکومت کرتے رہے لیکن یہاں سوچنے کے طریقے بدل گئے، کرنا تو الگ چیز ہے، کرنے میں تو بہت جلد تغیر آ جاتا ہے، لیکن سوچنے کا طریقہ بہت بڑی طاقت ہے، اور وہی زندگی پر حکمرانی کرتا ہے، ہم بھی بہت سے اسلامی ممالک میں دیکھتے ہیں کہ مغربی اقتدار اور تہذیب کے اثر کے پیمانے نہیں بدلے، پیمانوں میں ناپنے والی چیزیں بدل گئیں، عزت و شرافت، خوش نصیبی و بد نصیبی، علم و جہالت، ترقی و پسماندگی کے وہی معیار ہیں، جو باہر کی حکومت کرنے والی قوموں اور تہذیبوں نے عطا کئے ہیں۔

اب آپ ان حقائق کی روشنی میں دیکھئے کہ کس پر اور کس وقت ساری دنیا میں انقلاب لانے کی اور اس کو خدا پرستی، خدا ترسی، انسان دوستی، ایثار و قربانی اور ہدایت و ربانی کے راستہ پر چلنے اور چلانے کی عالمگیر ذمہ داری ڈالی جا رہی ہے، اور اس ذمہ داری کے ادا کرنے اور اس کے سلسلہ میں ... حاصل کرنے میں اس "بقامت کہتر و بقیمت بہتر" جماعت کو کتنی بڑی کامیابی حاصل ہوئی، اس کے ... آپ چھٹی صدی عیسوی کے بعد کی مختلف زبانوں ... (اور خاص طور پر انگریزی) میں لکھی ہوئی کتابوں ... مطالعہ فرمالیے۔

حضرات! میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ ... نے اس مرکز (...LAMIC FOUNDATION) کے قیام کے لئے صحیح جگہ کا انتخاب کیا، آپ یہاں ... تہذیب کے سینہ پر بیٹھ گئے، اگر یہاں سے ... بڑے مغربی ملک یا مغربی تہذیب کے بڑے ... سے انقلاب شروع ہوا تو وہ طاقت میں اور گہ... میں، وسعت میں بھی اور حجم میں بھی، قابل لحاظ ... خدا کرے وہ دن آئے کہ ان ملکوں میں بھی لوگو... میں حق کی طلب اور اپنی زندگی کے خلا کا احسا... پیدا ہو، اور کہیں کہ آپ ہم کو اس تاریکی کی زند... اور کوتاہ نظری کی زندگی سے نکالئے، یہاں پر ... یاد رہے کہ قرآن مجید میں تاریکی کے لئے اکثر جمع ... صیغہ "ظلمات" آتا ہے اور روشنی کے لئے وا... کا صیغہ "النور" آتا ہے "يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُ... إِلَى النُّوْرِ" وغیرہ وغیرہ، اس سے معلوم ہوا کہ ظلم... بے شمار ہیں اور نور ایک ہے، وہ کہیں کہ ہمیں یہ د... آپ ہی کے یہاں سے مل سکتی ہے۔

اور یہ بات جب ہی حاصل ہوگی جب آ... کی زندگی اور اخلاق میں شان امتیازی ہوگی، م... نے ایک واقعہ آکسفورڈ کی جامع مسجد میں ایک ... مجمع میں سنایا تھا، آپ کو بھی سنا دوں کہ اس ... ہر مرتبہ ایک نئی لذت محسوس ہوتی ہے، وہ یہ کہ ... حضرت سید احمد شہیدؒ نے پشاور فتح کیا اور ... بیتنے گذر گئے، فوج مجاہدین وہاں پڑی ہوئی ... تو ایک پٹھان نے ایک ہندوستانی کا ہاتھ پکڑا ... کہ یہاں ایک بات تم سے پوچھتا ہوں، ٹھیک ...

...ن نے کہا کہ کہئے، اس نے کہا کہ کیا تم ہندوستانیوں ...ر کی نگاہ کمزور ہوتی ہے، تم دور کی چیز نہیں دیکھ ...ہ فوج مجاہدین کے اس سپاہی نے کہا نہیں! ...ب دیکھتے ہیں، اور دیکھ رہے ہیں کہئے تو آپ کو ...ں کہ ہمارے سامنے وہ دور کی چیز کیا ہے؟ اس ...ہا نہیں ایکو ئی بات ضرور ہے، ہندوستانیوں کی ...ر کی نگاہ فطری طور پر کمزور ہوتی ہے، ہندوستانی ...کہا مگر آپ یہ بتائیے کہ آپ کو اس کے پوچھنے کی ...ورت کیا آئی؟ وہاں کے پٹھان باشندہ نے کہا کہ ...ں یہ دیکھ رہا ہوں کہ کئی ہفتہ سے آپ کی فوج یہاں ...ی ہوئی ہے، اور آپ میں سے بعض کئی کئی مہینے سے ...ر بعض کئی کئی سال سے اپنا گھر چھوڑے ہوئے ہیں، ...ادی شدہ ہیں یا شادی کی عمر ہے، لیکن ہم نے آپ ...یں سے کسی کو کسی نامحرم کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے ...ہوئے نہیں دیکھا، تو ہم نے کہا کہ ایک ہو دو ہوں تو ہو سکتا ہے، لیکن سب کے سب کیوں نہیں دیکھتے؟ ادھر جوانی ہے ادھر حسن ہے، لیکن کسی کو بدنگاہی کرتے ہوئے نہیں دیکھتے۔

اس ہندوستانی نے جواب دیا کہ الحمدللہ ہم ...ب کی نظر بالکل ٹھیک ہے، مگر قرآن کی تعلیم ہے۔ "قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ" "اہل ایمان سے کہہ دیجئے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں" پھر یہ ہمارے امام کی تربیت کا بھی نتیجہ ہے اس خصوصیت کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے کہ "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا" (اے ایمان والو! اگر تم اللہ کے معاملہ میں تقویٰ واحتیاط کا عمل اختیار کروگے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اندر ایک شانِ امتیازی پیدا کر دے گا۔

اگر آپ نے اس ملک میں رہتے ہوئے زندگی کا ایک نیا ماڈل (MODEL) نیا سانچہ اور ایک نیا نمونہ پیش کیا، جس میں یہاں کی زندگی، طرز معاشرت نفس پرستی اور دولت پرستی اور ہر قسم کی آزادی سے امتیاز ظاہر ہوا، تو لوگوں کے اندر اسلام کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوگا، وہ آپ کے یہاں آئیں گے اور کہیں گے کہ ہمیں کوئی کتاب دیجئے جس سے ہم سمجھیں کہ اس انقلاب کا سرچشمہ کہاں ہے؟ کہاں سے یہ تبدیلی آئی اور آپ میں امتیاز پیدا ہوا؟

اللہ تبارک وتعالیٰ توفیق دے کہ یہ مرکز زیادہ سے زیادہ ہدایت اور نفع کا سرچشمہ بنے، اللہ وہ دن ہمیں دکھائے کہ جیسے پہلے اس ملک سے دنیا پرستی اور نفس پرستی اور مادیت کی ہوا چلی تھی، الحاد اور لادینیت کا رجحان پیدا ہوا تھا ویسے ہی اب ایمان کی، اخلاق کی، انسانیت اور شرافت کی اور ہدایات کی ہوا چلے۔

آخر میں اقبال کے ان چند اشعار پر اس خطاب کو ختم کرتا ہوں، جو اس مقام وماحول، عہد وزمانہ اور مسلمانوں کے مقام وپیغام سے بھی خاص مناسبت رکھتے ہیں ؎

ناموس ازل را تو امینی تو امینی
دارائے جہاں را تو یساری تو یمینی
اے بندۂ خاکی تو زمانی تو زمینی
صہبائے یقیں درکش واز دیر گماں خیز
از خواب گراں، خواب گراں، خواب گراں خیز
از خواب گراں خیز
فریاد ز افرنگ ودلآویزی افرنگ
فریاد ز شیرینی وپرویزی افرنگ
عالم ہمہ ویرانہ ز چنگیزی افرنگ
معمار حرم! باز بہ تعمیر جہاں خیز
از خواب گراں، خواب گراں، خواب گراں خیز
از خواب گراں خیز

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین۔

مولانا احمد رفیع ندوی کا انتقال پُرملال

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے قدیم کارکن مولانا احمد رفیع ندوی کا ۱۸؍دسمبر ۱۹۹۹ء مطابق ۹؍رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ کو اپنی قیام گاہ حسین آباد لکھنؤ میں انتقال ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

مرحوم ضلع لکھنؤ کے قصبہ نگرام کے رہنے والے تھے جہاں انھوں نے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے سب سے قدیم ملحقہ مدرسہ عربیہ بدریہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کی اس کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم کی تکمیل کی فراغت کے بعد مختلف جگہوں پر تدریس کے فرائض انجام دیئے ۱۹۵۸ء میں اپنے فاضل اور سینیئر دوست مولانا عبدالماجد ندوی صاحب معلم الانشاد کے حکم اور ایماء پر دارالعلوم کے شعبہ تعمیر وترقی سے وابستہ ہوگئے۔ جہاں تقریباً ۲۵ سال تک فرائض منصبی انجام دینے کے بعد ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔

مولانا مرحوم کے تعلیمی معاصرین میں مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نائب ناظم ندوۃ العلماء، ڈاکٹر راشد حسین ندوی، مولانا عبدالماجد ندوی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

مولانا مرحوم کی یہ خوش نصیبی تھی کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی دامت برکاتہم نے باوجود علالت وضعف کے نماز جنازہ میں شرکت کی۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرما کر ان کے درجات بلند فرمائے۔

قارئین کرام سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

چار چیزیں

چار چیزوں سے چار چیزیں حاصل ہوتی ہیں۔ (۱) خاموشی سے سلامتی حاصل ہوتی ہے، (۲) سخاوت سے سرداری حاصل ہوتی ہے (۳) نیکی سے بزرگی حاصل ہوتی ہے (۴) شکر سے زیادتی حاصل ہوتی ہے۔

اسلام اور علم

(دوسری و آخری قسط)

مولانا عبداللہ عباس ندوی

مسجدیں علمی درسگاہیں تھیں

مسجد عبادتِ نماز کے علاوہ بھی دوسرے انواع و عبادت کے کام آتی تھیں مسلمانوں کی مجلسِ شوریٰ مساجد ہی میں منعقد ہوا کرتی تھیں، ان کی سیاسی و اجتماعی فلاح و بہبود کے لئے دعوتِ اسلام کو بڑھانے اور پھیلانے کا کام مسجدوں میں ہوا کرتا تھا، علم قرأت کے واقف علماء تجوید کی تعلیم دیتے، علمائے تفسیر و حدیث کے حلقۂ درس علیحدہ ہوتے، قاضی حضرات مسجد ہی میں فریقوں کے بیانات اور گواہیاں اور حلف لیتے اور فیصلہ دیتے۔

اساتذہ و معلّمین کی خدمات کی ابتدا قاری حضرات سے ہوئی جو لوگوں کو قرآن کریم کا تلفظ سکھاتے تھے۔ ۱۷ھ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دوسرے شہروں میں معلّموں کے بھیجنے کا سلسلہ شروع کیا تھا[۱] اور عوام کو ہدایت ہوتی تھی کہ جمعہ کے روز مسجد میں جمع ہوا کریں اور دینی معلومات حاصل کریں۔

مسلمانوں نے مسجدوں کو پہلے دینی درسگاہ بنایا کیونکہ تعلیم ہمیشہ اجتماعی طور پر دی جاتی تھی۔ اور اجتماع کی جگہ مسجد ہی تھی، اساتذہ کو تنخواہ دینے کا سلسلہ پانچویں صدی ہجری سے شروع ہوا ہے[۲] ساتویں صدی ہجری کے اواخر میں مصر کی جامع عمرو بن العاص کے متعلق ابن سعید نے لکھا ہے:

مصر کے مرکزی شہر (قاہرہ) میں علمائے کرام کا حلقۂ درس تھا۔ ہر عالم طلبہ کے وسط میں مسند تدریس پر بیٹھتا۔ ان حلقوں میں کہیں تجوید قرآن کی مشق ہوتی کہیں فقہ اور نحو کے درس ہوتے تھے میں نے معلوم کیا کہ ان طلبہ کا ذریعۂ ذوق کیا ہے؟ تو مجھے بتایا گیا کہ زکوٰۃ اور دوسرے اقسام کے عطیے اور ہدایا پر ان کی گزر ہوا کرتی ہے[۱]

ابن عبدون الاشبیلی کہتے تھے کہ مساجد عبادت کی جگہیں ہیں، یہاں ان کو مکتب کے طور پر استعمال نہیں کرنا چاہیئے، کیونکہ یہ بچے طہارت کے آداب سے واقف نہیں ہوتے اور ان کے کپڑوں میں نجاست لگی ہوتی ہے۔ لیکن اگر یہ ضروری ہے کہ مسجد ہی کو اس مقصد کے لئے استعمال کیا جائے تو ان کی چھتوں پر اس کا نظم کیا جائے[۲]

لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں۔ عام طور پر مسجدیں مدرسہ اور مکتب کے لئے استعمال ہوا کرتی تھیں اور ابتدائی کتابوں سے لے کر حدیث و تفسیر کے علوم بھی یہیں پڑھائے جاتے تھے۔

مشہور سیّاح المقدسی (چوتھی صدی ہجری) علمائے فقہ کے حلقہ ہائے درس کی تعریف کرتا ہے اس نے مشرقی ممالک میں قاریوں اور ادیبوں کو تعلیم دیتے ہوئے دیکھا۔

علوم دینیہ کے علاوہ مسجدوں میں زبان و ادب کی بھی تعلیم ہوا کرتی تھی اور ان حلقہ ہائے درس میں عام مسلمانوں کو بیٹھنے اور استفادہ کرنے کی اجازت تھی[۱]

مرکزی شہروں کی بڑی بڑی مسجدیں جو کسی زمانہ میں ابتدائی کتابوں کی تعلیم اور تجوید قرآن کریم کے لئے مکتب کا کام دیا کرتی تھیں۔ آگے چل کر یونیورسٹیاں بن گئیں، اندلس کی مسجد قرطبہ، مغرب کی جامع قروین، قاہرہ کی جامع ازہر، دمشق کی مسجد اموی، تیونس کی مسجد زیتونہ، یہ سب مسجدیں، مکتب سے مدرسہ اور مدرسہ سے جامعہ (یونیورسٹی) میں تبدیل ہو گئیں۔ انہی قرآنی مکتبوں کے ذریعہ عالم اسلام میں ہر جگہ علم کی روشنی پھیلی۔ مغربی سوڈان کے شہر تنبکتو میں سولہویں صدی عیسوی (دسویں صدی ہجری) میں تین بڑی مسجدیں تھیں۔ جن میں مشہور مسجد "سنکری" جو بعد میں یونیورسٹی بن گئی اور جو اب بھی مغربی سوڈان کی بڑی درسگاہ ہے اور تمام علوم و فنون کی تعلیم کا ذریعہ ہے[۲]

مدارس اور جامعات (یونیورسٹیز) کا قیام

ابتدائی تعلیم کے مکتب جن کو عربی میں "کُتّاب" کہتے ہیں ہر مسجد کے ساتھ ملحق ہوا کرتے تھے۔ اگر مسجد سے ملحق سائبان اور حجرے نہ ہوتے تو یہ کام مسجد کی دالانوں سے لیا جاتا تھا۔ ان مکاتب کی ابتداء تو دراصل صرف قرآن مجید پڑھنے، حفظ کرنے اور تجوید و قرأت کے لئے ہوتی تھی اور اس کے ساتھ

---

[۱] ہٹی تاریخ عرب (انگریزی) مطبوعہ لندن ۱۹۴۳ء صفحہ ۳۵۴
[۲] حسین مؤنس المساجد (سلسلہ عالم المعرفۃ) کویت ۱۹۸۱ء صفحہ ۳۵

[۱] احمد المقری الطیب نفح الطیب، ج ۱ بیروت ۱۹۸۸ء صفحہ ۳۴۱
[۲] ابن خلدون رسالۃ فی القضاء والحسبۃ قاہرہ ۱۹۵۵ء صفحہ ۳۴

[۱] ہٹی، ص ۴۱۲۔
[۲] کعت محمود تاریخ الفتاش پیرس ۱۹۶۴ء ص ۱۸۰

ہی نماز، روزہ، طہارت کے مسائل بتائے جاتے تھے، سیرت نبویہ اور سیر الانبیاء کے اسباق بھی ہوتے تھے، بعد میں زبان و لغت، حساب، علم العروض کی طرف توجہ دی جاتی، چونکہ اصل مقصد ان مسجدی مکاتب کا یہ تھا کہ یہاں سے لوگ شریعت کے احکام پڑھ کر نکلیں، اس لئے ان مکتبوں سے پڑھ کر نکلنے والوں کو فقیہ کہا جاتا تھا جیسا کہ اب بھی نائجیریا یوگنڈا وغیرہ میں رواج ہے۔

اس زمانہ میں جس کو یورپ میں تاریک صدیاں کہا جاتا ہے اور یورپین سوسائٹیاں جہالت کی تاریکیوں میں بھٹک رہی تھیں اس وقت اسلام کے زیر نگیں ممالک میں درسگاہیں قائم تھیں اور علم کا حصول عبادت الٰہی سمجھا جاتا تھا۔

مشہور مغربی سیاح ابن بطوطہ ہندوستان کے ایک ساحلی شہر "ملیبار" کے بارے میں لکھتا ہے کہ وہاں خواتین کے اندر حفظ قرآن کرنے کا رواج تھا۔

ورأیت بالمدینة ثلاثة عشر مکتباً لتعلیم البنات وثلاثة وعشرین مکتباً لتعلیم الاولاد ولم ار ذالک فی سواها[1]

"میں نے اس شہر (ملیبار) میں تین مدرسے لڑکیوں کے اور ۲۳ مدرسے لڑکوں کی تعلیم کے دیکھے۔ یہ بات اس شہر کے کہیں اور دیکھنے میں نہ آئی"۔

تنبکتو جو نہر سوڈان کے مغربی موڑ پر ایک شہر ہے[2] اس میں سولہویں صدی عیسوی (دسویں صدی ہجری) میں مدرسوں کی تعداد ڈیڑھ سو سے ایک سو اسی (۱۸۰) کے درمیان تھی[3]

اہل اندلس کے اندر حصول علم کا شوق بہت زیادہ تھا، یہ لوگ علوم دینیہ کے علاوہ صنعت و حرفت کی تعلیم کی طرف بھی متوجہ تھے۔ ایک اندلسی عالم ابن سعید کا بیان ہے کہ:

"اہل اندلس کا طلب علم میں جواب نہیں وہ صرف معارف اسلامیہ ہی نہیں بلکہ صنعت و حرفت میں بھی دستگاہ رکھتے تھے اور اس کے حصول کے لئے جانفشانی کرتے تھے اگر علم کتابی میں کوئی کمال حاصل نہ کر سکا تو چاہتا تھا کہ صنعت کے میدان میں نمایاں ہو، بیکار اور دوسروں پر بار بن کر رہنا ان کا شیوہ نہ تھا، علماء کی ان کے یہاں بڑی قدر و منزلت تھی، لوگ دور دراز سے سفر کر کے ان کے پاس آتے اور ان کی صحبت میں چند دن گزارنا عبادت سمجھتے، لیکن باوجود ان اوصاف کے یہ عجیب بات ہے کہ وہاں مدارس کے لئے علیحدہ عمارتیں بنانے کا رواج نہ تھا، مسجدوں ہی کو وہ مدرسہ سمجھتے تھے۔ فقیہ، عالم دین کا مرتبہ سب سے اونچا تھا، یہاں تک کہ حکام وقت کو بڑے آداب و القاب سے یاد کرنا چاہتے تو اس کے نام کے آگے "فقیہ" بڑھا دیتے یہ صورتحال ساتویں صدی ہجری کی ہے، دربار ماہرین لغت علم و نحو کے فضلاء سب پر فقیہ کو فوقیت حاصل تھی"۔

قرطبہ میں علم و فن کا عروج تھا، کسی شاعر نے قرطبہ کی تعریف ان دو شعروں میں کی ہے: ؎

بأربع فاقت الامصار قرطبة
منهن قنطرة الوادی وجامعها
هاتان ثنتان، والزهراء ثالثة
والعلم أعظم شئی وهو رابعها

"قرطبہ کا شہر چار باتوں میں دوسرے شہروں پہ فائق ہے۔ ان میں سے ایک وادی قرطبہ کا پل ہے اور اس کی مسجد، یہ دو ہوتے، قصر زہرا تیسرا ہے اور ان سب میں اعلیٰ و افضل بات جو چوتھی ہے وہ یہ کہ وہاں علم ہے"۔

تاریخ اسلام میں اعلیٰ تعلیم کا سب سے پہلا مرکز بیت الحکمۃ جو عباسی خلیفہ مامون الرشید نے ۲۳۰ھ (۸۳۰ء) میں قائم کیا تھا۔ اس مرکز میں حکمائے یونان کے علوم کا عربی میں ترجمہ کیا گیا اس مرکز سے ملحق علم فلک کی تعلیم کے لئے ایک رصدگاہ بھی تھی۔ قاضی صاعد بن احمد لکھتے ہیں جب خلافت کی مسند پر مامون الرشید متمکن ہوا اس نے روم کے والیانِ ریاست سے روابط قائم کئے اور ان کے پاس فلاسفۂ روم کے جو علوم تھے ان کی چھان بین کی، ان والیانِ حکومت نے مامون الرشید کو افلاطون، ارسطو، بقراط، جالینوس کی قلمی یادداشتیں بھیجیں۔ مامون نے اچھے اور کامیاب مترجمین کو جمع کر کے ان سے ان کی کتابوں کا ترجمہ کرایا، اور لوگوں کو ان کے پڑھنے کی ترغیب دی۔ ان علوم منطق و فلسفہ کو پڑھ کر علماء اسلام نصرانی دانشوروں سے مناظرہ کرتے اور مامون کے دربار میں ان کے مقابلے ہوتے جن سے وہ محفوظ ہوتا۔ ان علماء کو انعام و اکرام سے نوازتا۔ تاکہ ان کا ذوق بڑھے۔

عباسی دور کے عروج کا یہ زمانہ تھا[1] اس وقت بغداد کا علمی مرکز روم کے علمی مرکزوں کا ہم پلہ ہو گیا تھا۔ اور جہاں تک تیسری صدی ہجری کا تعلق ہے اس عرصہ میں کوئی ملک بھی بغداد کا ہم پلہ نہیں کہا جا سکتا۔ اسلامی تاریخ، حدیث فقہ، اصولِ فقہ، نحو، بلاغت، نقد، جغرافیہ، علوم فلکیات

---

[1] ابن بطوطہ۔ رحلۃ ابن بطوطہ بیروت ۱۹۶۸ء ص ۵۴۵

[2] اس زمانہ میں یہ علاقہ "مسالی" میں پڑتا ہے۔

[3] تاریخ افتاش ص ۸۰۔

[1] اسلامی علوم میں یونانی فلسفہ و منطق کا رواج اسی وقت سے ہوا۔ اور اس وقت اور بعد کی صدیوں میں جو کتابیں تفسیر و علم کلام پر لکھی گئیں ان میں منطق کی آمیزش اور اعتدال کے لئے اس فن سے فائدہ اٹھایا گیا۔

کیمیا، طب، منطق میں جو کتابیں مرتب ہوگئی تھیں عالم اسلام آج تک انہی کو علوم کا مصدر اور اصل الاصول مانتا ہے، مثلاً چاروں فقہی مسلک کے اصول، حنفی، حنبلی، شافعی، مالکی اسی دور میں مدون ہوئے صحاح ستہ بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اسی عصر میں تمام و کمال کو پہنچیں۔

مسلمانوں میں اسی اعلیٰ تعلیم کا پہلا مرکز مدرسہ نظامیہ ہے جس کو نظام الملک نے بغداد میں قائم کیا تھا۔ اس کی تاسیس ۴۵۹ھ مطابق ۱۰۶۵ء میں عمل میں آئی۔ نظام الملک دو سربراہان حکومت سلطان الپ ارسلان سلجوقی اور سلطان ملک شاہ سلجوقی کے وزیر رہ چکے تھے اور خود علمی ذوق میں ممتاز تھے، تاریخ کے ساتھ موسیقی میں بھی مہارت رکھتے تھے۔

اس مرکز کے قیام کا اولین مقصد تو فقہ شافعی کی تعلیم تھی، کیونکہ اکثریت شافعی اشعری تھی لیکن اس کے ساتھ قرآن کی تجوید و تفسیر، علم التوحید، فرائض، تاریخ اور جغرافیہ کے دروس ایک منظم اصول کے ماتحت اور وقت کی پابندی کے ساتھ ہوتے تھے، طلبہ کی بڑی تعداد مدرسہ ہی میں رہتی تھی، اور ان میں بہت سے ایسے تھے جن کو گزارہ (اس زمانہ کی زبان میں "اسکالرشپ" کہہ لیجئے) ملا کرتا تھا۔ ہٹی تاریخ العرب میں لکھتا ہے کہ "یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ مدرسہ نظامیہ وہ معیاری درسگاہ تھی جس کی تقلید یورپ کے ان دانش کدوں نے بھی کی جو بعد میں جامعات (یونیورسٹیز) کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔[1]"

۱۳۹۳ء میں مدرسہ نظامیہ مدرسہ مستنصریہ سے ملحق ہوگیا جس کو عباسی خلیفہ المستنصر باللہ نے فقہ کی تعلیم کے لئے قائم کیا تھا اس میں اہلسنت کے تسلیم شدہ چاروں مذاہب کے مطابق فقہ کی تعلیم ہوتی تھی۔

مدارس کا قائم کرنا ایک بڑا کار ثواب سمجھا جاتا تھا۔ ابن جبیر (بارہویں صدی ہجری) نے لکھا ہے کہ بغداد میں تیس اور دمشق میں بیس مدرسے تھے۔[2]

غرناطہ کے حکمراں سلطان محمد بن اسماعیل کے حاجب رضوان النصری نے ۷۴۹ھ میں ایک مدرسہ، مدرسۂ غرناطہ کے نام سے قائم کیا جو حقیقی معنوں میں ایک یونیورسٹی تھی۔ ابن الخطیب کہتے ہیں:

"ابوالنعیم رضوان النصری نے غرناطہ میں ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی اس سے پہلے وہاں کوئی درسگاہ نہ تھی۔ اس کے اخراجات کا بندوبست کیا۔ اور اس کے لئے جائدادیں وقف کیں۔ یہ مدرسہ اپنی مثال آپ تھا خوشنمائی، وسعت، حسن ذوق اور شان و شکوہ کا نمونہ تھا۔ اور اس کے لئے ایک کثیر مقدار میں نہر سے پانی آنے کا راستہ بنایا۔"

اصول تعلیم اور علماء کا مقام

علمائے تدریس نے اصول تعلیم پر کافی لکھا ہے، تعلیم کا مقصد، تدریس کا طریقہ، طلبہ کے فرائض، اساتذہ کا معیار، تدریس کے لئے کیسی جگہ ہونی چاہئے قلم دوات رکھنے کا سلیقہ، قلم تراشنے کے اصول، املاء کا طریقہ، مسودات کی حفاظت، روشنائی سے کپڑوں کو بچائے رکھنے کے آداب، اس طرح کے ۷۵ عناوین ابن خالویہ نے اساس العلم میں شمار کرائے ہیں۔ ابن خلدون (ان کا عصر ابتدائی چھٹی صدی ہجری کا ہے) کہتے ہیں:

"مؤدب (معلم) کو چاہئے کہ بچوں کی تعداد زیادہ نہ بڑھائیں۔ اہل فن اس کی ممانعت کرتے ہیں یعنی ہر مدرس کے پاس اتنے ہی طلبہ ہوں جن میں سے ہر ایک کی طرف وہ پوری توجہ دے سکے۔"

ابن خلدون اس کے بعد لکھتے ہیں:

"تعلیم بھی ایک صنعت ہے اس کے لئے اچھی واقفیت، وسیع علم اور صاحب ذوق ہونا چاہئے۔ تعلیم بچوں کی ایسی ہی ہے جیسے جنگلی گھوڑوں کو رام کرنا اور ران کو قابو میں رکھنا جس کے لئے سیاست و سائنس کا علم ہونا چاہئے کبھی شفقت سے چمکارنا تھپکانا کبھی آنکھیں دکھانا اور کسانا بھی ضروری ہے تاکہ بچہ علم کے حصول کا عادی ہو جائے جیسے گھوڑا متعین راہ پر مناسب چال سے چلنے کا عادی ہو جائے۔ اور تادیب کا مطلب ہے کہ اس کو اچھے الفاظ بولنے کا انداز سکھایا جائے تعلق کی تصحیح کی جائے۔ حروف تہجی بتائے جائیں۔ دنیا میں انسان کے لئے دو باتوں سے زیادہ کوئی چیز مفید نہیں ہے۔ اگر وہ لکھنے پڑھنے کا کام کرے تو اس کو تہجی کی مشق کرائی جائے۔ اور اگر وہ بائع یا مشتری ہونے والا ہے تو اس کو حساب سکھایا جائے۔[1]"

ابن خلدون نے لکھا ہے:

"حصول علم کے لئے سفر اور علماء کی صحبت اور ان کے درس میں بیٹھنا، طلب علم میں ترقی کا سبب ہے، علمائے فن سے جس قدر کثرت سے ملا جائے گا علم میں اسی درجہ رسوخ اور

---

[1] HITTI P.K. "HISTORY OF THE ARAB" LONDON 1943 - P. 260.

[2] HITTI.P.K. "HISTORY OF THE ARAB" LONDON. 1943 - P. 412

[1] ابن خلدون عبد الرحمٰن: المقدمۃ، قاہرہ، تاریخ طباعت غیر مذکور ص ۵۳۲۔

پختگی حاصل ہوگی. علمی منافع کے لئے سفر
از بس ضروری ہے۔"

ابن خلدون کی رائے میں:

کتابوں کی تلخیص اور ہر مضمون کو مختصراً قاعدہ کلیہ کے طور پر بتا دینا استعداد پیدا کرنے میں مانع ہوتا ہے کیونکہ مبتدی کو خلاصہ مطالب یاد کر لینے سے موضوع کی صحیح فہم نہیں پیدا ہوتی، "حاصل کلام" کو سمجھنے کے لئے اس موضوع کی جزئیات کا علم ہونا ضروری ہے اور طالب علم کا ذہن جب تک پختہ نہ ہو مضمون کا خلاصہ اس کی گرفت میں نہیں آسکتا [1]

فقیہہ الاحدابی الطرابلسی کا بیان ہے کہ انھوں نے علم صرف ان علماء کی مجلسوں سے حاصل کیا جو طرابلس الغرب [1] آیا کرتے تھے، علامہ تیجانی کا بیان ہے کہ فقیہ الاحدابی کبھی طرابلس سے باہر نہیں گئے۔ تو لوگ ان سے پوچھا کرتے تھے کہ آپ کبھی ملک سے باہر نہیں گئے پھر کس طرح فقیہ (عالم) ہوگئے؟ وہ کہتے تھے کہ میں نے علم ھُوّارہ اور زنّانہ سے سیکھا۔ یہ دونوں طرابلس شہر کے دروازے تھے۔ (اس زمانہ میں ہر شہر میں داخل ہونے کے دروازے ہوا کرتے تھے) ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ علماء جو طرابلس میں آتے اور مشرقی و مغربی دروازوں سے داخل ہوتے۔ میں نے انہی سے علم حاصل کیا۔ فقیہ الاحدابی شہر میں آنے والے علماء و مشائخ کی پذیرائی کرتے اور اپنا مہمان بنایا کرتے تھے [3]

اس وقت کے علماء کسی ایک فن پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ حصولِ علم میں تنوع پسند تھے، چنانچہ عبداللہ بن سہل الغرناطی چھٹی صدی ہجری کے عالم ہیں۔ ان کے بارے میں تذکرہ نویس اخبار غرناطہ میں لکھتے ہیں۔

" ان کو تفسیر، حدیث، نحو میں اختصاص حاصل تھا، اس کے بعد منطق، ریاضیات اور تمام قدیم علوم میں کامل دستگاہ پیدا کرلی تھی ان علوم میں مہارت کی وجہ سے ان کی بڑی شہرت تھی، اور اس وقت کے نہ صرف مسلمان بلکہ یہود و نصاریٰ کا بھی اتفاق تھا کہ ان کے زمانہ میں کوئی ان کا ہم پلہ نہ تھا۔ نصرانی علماء دور دور سے ان کی خدمت میں ریاضیات اور منطق پڑھنے کے لئے آیا کرتے تھے، کبھی کبھی نصرانیوں کے علماء (قسیس) سے دینی امور پر بحث مباحثہ ہوتا اور مناظرہ کی مجلس ہوتی جس میں شیخ عبداللہ الغرناطی ہمیشہ غالب رہتے۔" [1]

قیروان کے قاضی اسد ابن الفرات سلمان فوج کی سربراہی کے لئے جب صقلیہ ۲۱۲ھ میں جانے لگے تو ان کو وداع کہنے کے لئے شہر کے چھوٹے بڑے سب نکل پڑے۔ ایک کثیر جماعت کو دیکھ کر وہ اپنی سواری پر بیٹھ گئے تاکہ لوگ ان کو دیکھ سکیں، اور ایک تقریر کی جس میں انھوں نے کہا:

"یامعشر المسلمین! واللہ ما ولی لی اب ولا جد ولا ولایۃ قط، وما بلغت ما ترون الا بالعلم والاقلام فاجھدوا انفسکم فیھا، وثابروا علی تدوین العلم تنالوا بہ خیر الدنیا والآخرۃ" [2]

" جو رتبہ حاصل ہوا جسے تم دیکھ رہے ہو وہ صرف علم اور قلم کی بدولت ہے، لہٰذا اس چیز کے حصول میں کوشش کرو، اور علم کی تدوین میں استقامت کے ساتھ مشغول رہو۔ اس کے ذریعہ دنیا و آخرت کی نعمتیں تمہیں ملیں گی۔"

بنو امیہ کی حکومت جب اندلس میں تھی اس زمانہ میں منصب قضا کی بڑی اہمیت تھی۔ ابو محمد الرشاطی کا بیان ہے کہ قرطبہ کے خلفاء اپنی جگہ پر خود عالم ہوا کرتے تھے۔ اور ان میں جو منصب قضا کو بھی اپنے ہاتھ میں لیتا اس کی بڑی اہمیت ہوتی تھی، اور اس کام کے لئے ایسے ہی افراد کا انتخاب کیا جاتا جو احکام و فتاویٰ پر بصیرت رکھتے ہوں، اور عوام و خواص اور حکومت وقت ان کا پاس و لحاظ رکھتی اور ان کے حقوق ادا کرتی، اور خلفاء بھی ان کے احکام کے پابند ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قاضیوں میں بڑی آن بان اور شان و شوکت پائی جاتی اور لوگ ان پر رشک کرتے تھے۔ امیر عبداللہ بلقین جو بنو زیری کے غرناطہ میں آخری خلیفہ ہیں۔ ان کے قول سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ اندلس پہلے زمانہ میں اور میرے عہد تک (پانچویں صدی کے آخر تک) علماء و فقہاء، اور اہل دین کا مسکن رہا ہے اور یہی لوگ تھے جن کی طرف ہر معاملہ میں رجوع کیا جاتا تھا [1]

دسویں صدی ہجری میں سوڈان کے اندر جو علمی نشاط تھا اور خاص کر شہر تنبکتو میں اس کے متعلق سوڈان کے مؤرخ محمود کعت لکھتے ہیں:

" لیس فیھا حکم الا حکم متولی الشرع ولا سلطان فیھا والقاضی ھو السلطان وبیدہ الحل والربط وحدہ" [2]

---

[1] مراکش میں جو طرابلس ہے اس کو طرابلس الغرب کہتے ہیں تاکہ طرابلس الشام سے ممتاز ہو [2] التیجا عبداللہ رسالۃ التیجانی تونس ۱۹۵۸ء ص ۲۶۲، ۲۶۴.

[1] الاحاطہ ۳/ص ۴۴

[2] ملاحظہ ہو آداب المعلمین از محمد سحنون کا مقدمہ از عبدالوہاب حسنی طبع تیونس ۱۹۷۲ء ص ۶۱-۶۲.

[1] ابن بلقین عبداللہ۔ کتاب التبیان القاہرہ ۱۹۵۵ء ص ۱۷

[2] تاریخ الفتاش ص ۹، (حوالہ اوپر گذر چکا ہے)

"اس ملک میں اگر کسی کی حکومت تھی تو وہ صرف امورِ شریعت کے جاننے والے کی اور کسی بادشاہت کی نہیں تھی، قاضی خود سلطانِ وقت تھا اور اسی کے ہاتھ پر معاملہ کی سفید و سیاہ کرنا تھا"[1]

کُتُب خانے :

بیت الحکمت اور دار العلم جیسے اداروں کی اصل روح وہ کتب خانے تھے جو تمام اہلِ علم کے لئے کھلے ہوئے تھے۔ دار العلم ایک سرکاری کتبخانہ تھا۔ اس کا مقصد دعوت اور طبیعاتی علوم سے واقفیت پیدا کرنا تھا، دار العلم سے ہی مدرسے کھلے لہٰذا یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ کتب خانے ہی یونیورسٹیز کا منبع تھے۔

تقریباً چوتھی صدی ہجری میں المقدسی نے اس کتب خانہ کو دیکھا تھا جسے عضد الدولہ البویہی نے شیراز میں تیار کیا تھا۔ وہ لکھتا ہے :

"میں نے عضد الدولہ کے کتب خانہ کو دیکھا اس کی عمارت مستقل تھی۔ اس کا ایک ناظر تھا، ایک امین اور ایک عمومی محافظ۔ اور یہ سب ملک کے منتخب ایماندار، صاحب امانت اور ثقہ لوگ تھے۔ اس زمانہ تک کوئی ایسی کتاب نہ تھی جو کسی فن میں تالیف کی گئی ہو۔ اور وہ اس کتب خانہ میں نہ ہو تمام مخطوطات الماریوں میں تھیں جن کے لئے فن دار خانے بنے ہوئے تھے اور فہرستیں تھیں جن میں ہر کتاب کا نام درج تھا۔"

فاطمی خلیفہ الحاکم بامر اللہ نے قاہرہ میں جو کتب خانہ قائم کیا تھا اس میں ہر طرح کے علمی ماخذ موجود تھے، کہا جاتا ہے کہ وہ علوم جو مشکل سمجھے جاتے ہیں اور جن کے جاننے والوں کی تعداد کم ہوتی ہے جیسے ریاضیات اور علم الفلک ان پر جو کتابیں تھیں ان کی تعداد چھ ہزار پانچ سو تھی۔ اس کتبخانہ میں ایک پیتل کا گلوب (زمین کا نقشہ) تھا، جسے بطلیموس نے تیار کیا تھا۔ پورے کتب خانہ میں کتابوں کی تعداد بقول مقریزی ایک لاکھ بیس ہزار مجلد تھی، اور ابوشامہ کے قول کے مطابق بیس لاکھ سے زیادہ تھی۔ جب یہ کتب خانہ فروخت ہوا ہے تو سب سے زیادہ کتابیں جس نے خریدیں وہ مشہور ادیب القاضی الفاضل (جن کے مقلد حریری اور بدیع الزماں ہیں) تھے انھوں نے ایک لاکھ کتابیں لیکر اپنے مدرسہ "المدرسۃ الفاضلیۃ" کے لئے وقف کر دیں[1]

یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ بہت سے مشہور مصنفین جن کے نام ہم سنتے ہیں ان میں خاصی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو کسی کتب خانہ کے ناظر یا امین تھے، چنانچہ مشہور مؤرخ ابن مسکویہ کتب خانہ وزیر ابوالفضل بن العمید کے ناظر تھے، یہ کتب خانہ فارس کے شہر "رے" میں تھا، جو ایک زمانہ میں مستقل علاقہ تھا، طہران سے بہت دور تھا تاریخ میں "رے" کی سلطنت کا ذکر آتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اپنے ایک شعر میں اسی طرف اشارہ کیا ہے :

کیا بات ہے کہ صاحبِ دل کی نگاہ میں
جچتی نہیں ہے سلطنتِ روم و تختِ رے"

اس کا صحیح تلفظ "نَے" کے وزن پر مجھے اسی شعر سے معلوم ہوا۔ بہر حال یہ کتب خانہ اور تمام ہی کتب خانے عوام و خواص کے لئے عام تھے، مطالعہ کے لئے کسی قسم کی اُجرت نہیں لی جاتی تھی، بلکہ بعض کتب خانوں میں مطالعہ کرنے والے علماء کو قلم روشنائی اور کاغذ بھی مفت دیا جاتا، خاص طور پر اگر کوئی دور دراز سے سفر کر کے آیا ہو تو اس کا یہ حق سمجھا جاتا تھا کہ کتب خانہ کا عملہ وقف کردہ مال سے اس کے لئے کاغذ قلم فراہم کرے، البتہ جو لوگ کتابیں کتب خانہ سے باہر لے جا کر پڑھنے کے لئے عاریۃً مانگتے ان سے کوئی مالی ضمانت طلب کی جاتی یا کوئی قیمتی چیز بطور رہن کے رکھنا پڑتا تھا۔ یاقوت الحموی کا بیان ہے کہ ان کو بلا رہن رکھے ہوئے کتابیں مل جایا کرتی تھیں۔ شہر "مرو" جسے انھوں نے ۶۱۶ھ میں چھوڑا ہے اس کے بارے میں لکھتا ہے کہ "یہاں ایک نہیں کئی کتب خانے تھے اور مجھے سب بلا رہن کے عاریۃً دے دیا کرتے تھے۔ میرے گھر پر ہمیشہ دو سو سے کم کتابیں نہیں رہیں جن کی قیمت دو سو دینار سے کم نہ ہوگی۔

یاقوت الحموی لکھتے ہیں :

"کنت ارتع فیھا واقتش عن فرائدھا۔ وانسانی حبھا کل بلد والھانی عن الاھل والولد و اکثر فرائد ھذا الکتاب (معجم البلدان وغیرہ مما جمعتہ فھو من تلک الخزائن"

"میں اس دبستانِ علم کے میوے کھاتا اور منتخب و نادر اشیاء کی جستجو کرتا رہا۔ اس نے ہر شہر کی یاد فراموش کرا دی اور اس کی محبت نے ایسا لبھایا کہ اہل و عیال سے غافل کر دیا۔ اس کتاب (معجم البلدان) اور اس کے علاوہ کتابوں میں جو کام کی چیزیں جمع ہو گئی ہیں وہ سب انہی کتب خانوں کا فیض ہے۔"[1]

قابل ذکر بات ہے کہ علامہ ابن خلدون نے جب اپنا شہرۂ آفاق مقدمہ مسجد قروین کے ملحق کتب خانہ کے لئے وقف کر دیا تھا، اور وقف نامہ مورخہ ۱۲ صفر ۷۹۹ھ مطابق (۲۴ نومبر ۱۳۹۶ء) میں یہ

---

[1] عربی لفظ کے معنی ہیں "کھولنا" اور "باندھنا" مگر یہ محاورہ ہے اس لئے اس کا لفظی ترجمہ نہیں کیا گیا ہے۔

[1] ابوشامہ عبدالرحمن کتاب الروضتین، قاہرہ ۱۹۶۲ء ص ۶۸۷

[1] یاقوت الحموی، معجم البلدان، ج ۵، بیروت ۱۹۷۹ء ص ۱۱۴۔

شرطیں لکھی گئی تھیں

۱۔ یہ کتاب مستعار صرف اسی کو دی جائے جس پر مکمل اعتماد ہو۔

۲۔ بطور رہن کے بڑی رقم یا چیز رکھالی جائے

۳۔ دو ماہ سے زیادہ عرصہ کے لئے ایک شخص کو مستعار نہ دی جائے کیونکہ یہ مدت مطالعہ یا نقل کے لئے کافی ہے۔

۴۔ ناظر کتب خانہ کا فرض ہوگا کہ اس "وقفیہ" (دستاویز وقف) کی پابندی کرے اور کتاب جب مستعار دی جائے تو واپسی کا مطالبہ کرتا رہے [۱]

اہل اندلس کے اندر حصول علم اور نایاب علمی کتابوں کی جستجو کا مادہ بہت زیادہ تھا، خود خلفاء (سربراہان مملکت) اور ان کے اثر سے عام حکام بھی کتابیں نقل کرانے اور نقل شدہ کا پیاں خریدنے کا خاص ذوق رکھتے تھے۔ ان خلفائے اندلس میں حکم ثانی المستنصر باللہ (زمانۂ حکومت ۳۵۰-۳۶۶ھ) کو علمی شغف زیادہ تھا۔ قرب وجوار یا دور دراز میں کہیں کسی اہم کتاب کا ذکر سنتا تو اس کو حاصل کرکے قصر قرطبہ کے کتب خانہ میں داخل کراتا تھا، صاعد بن احمد کا بیان ہے کہ:

"خلیفہ حکم نے بغداد، مصر اور دوسرے شہروں سے نادر کتابیں منگاکر اپنے کتب خانہ میں جمع کی تھیں، ہر علم وفن کی کتابیں قرطبہ کے شاہی محل سے ملحق کتب خانہ میں موجود تھیں اس نے تنہا اتنا بڑا اور ضخیم کتب خانہ تیار کرالیا تھا کہ خلفائے بنو العباس اپنے دور حکمرانی میں سب مل کر جمع نہیں کرسکتے تھے۔ بات یہ تھی کہ خود اس کے اندر علمی ذوق تھا اس کی وجہ سے اس کے وزیر اور دوسرے حکام کے اندر بھی علم کا ذوق اور کتابیں جمع کرنے کا شوق بڑھا، ان کی تقلید میں دوسرے سفید پوش کھاتے پیتے گھرانوں میں اس کا ذوق عام ہوا۔ حکام سے جو تقرب چاہتا وہ کسی نایاب کتاب کی نقل کرکے حاضر کرتا، غرض حصول علم کا ایک عام چلن ہوگیا اور لوگ اس کو دینی ودنیوی ترقیات کا ذریعہ سمجھتے تھے" [۱]

کتابیں جمع کرنے کا شوق صرف خلفاء اور حکام ہی میں نہیں بلکہ عام اہل علم، مؤرخین، ادباء اور فقیہوں میں بھی تھا۔ ایسے بہت سے علماء وادباء کے نام ملتے ہیں۔ جن کے کتب خانے مشہور تھے، قاضی عبدالرحمن فطیس، جن کو ۳۹۴ھ میں قرطبہ کے قاضی کا عہدہ تفویض ہوا تھا۔ کتابیں جمع کرنے کے بڑے شائق تھے اور کتابوں کا اچھا خاصا ذخیرہ ان کے پاس تھا مگر وہ کتابوں کے حریص اور بخیل دونوں مشہور تھے کبھی کسی کو مستعار کتاب نہیں دیتے تھے، بس اس کی اجازت تھی کہ "یہاں پڑھو یا نقل کرو۔ اگر کسی نے بہت ہی اصرار کیا تو اپنے پاس سے معاوضہ دے کر مطلوبہ کتاب کی ایک نقل کرا دیتے۔ اگر وہ واپس کر دیتا تو دوسرے شائق کے لئے رکھ لیتے، اور اگر واپس نہ کرتا تو چشم پوشی کرتے [۲]

اندلس کے مشہور ادیب اور جغرافیہ کے ماہر ابو عبید البکری (م ۴۸۷ھ) کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ کتابوں کے صرف رسیا ہی نہ تھے بلکہ اگر کوئی کتاب مل جاتی تو تعویذ کی طرح اس کی حفاظت کرتے اور اپنے شانے کے رومال میں لپیٹ کر رکھتے [۳]

امیر اسامہ بن منقذ نے "کتاب الاعتبار" میں صلیبیوں کے اس حملہ کا ذکر کیا ہے جو انھوں نے عکا[۱] کی بندرگاہ پر کیا، وہاں جس بحری بیڑے پر وہ اپنے اہل وعیال اور اثاثہ کے ساتھ مصر سے آرہے تھے، اس کو صلیبیوں نے لوٹ لیا اس میں تیس ہزار دینار تھے جو نصرانیوں کے بادشاہ نے اپنی تحویل میں لے لیا۔ اور پانچ سو دینار ان کو واپس کر دیئے کہ یہ تم سب کو واپسی کے لئے کافی ہوگا۔ اس بحری بیڑے میں خاندان کے پچاس نفر تھے۔ مال جو گیا سو گیا ہی۔ لیکن اس میں میری کتابیں بھی تھیں، کتابوں کی پانچ ہزار جلدیں تھیں اور سب اہم مراجع اور نایاب قسم کی کتابیں تھیں۔ ان کے جانے کا زخم زندگی بھر تازہ رہے گا [۲]۔

یہ واقعہ ۱۱۹۱ء (چھٹی صدی ہجری) کا ہے اس وقت انگلستان کا جو تعلیمی معیار تھا اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ وہاں کا بادشاہ ایڈورڈ دوم ان پڑھ نہیں تھا مگر اس کے پاس جو کتابیں تھیں ان کی تعداد صرف ۹ تھی، اور یہ تعداد ان لوگوں کے نزدیک اتنی اہم تھی کہ اس کا تذکرہ فخر سے کرتے ہیں کیونکہ یہ "علم ومعرفت" کی دلیل ہے، اس زمانہ میں چرچ آف انگلینڈ کی طرف سے کتابوں کے حاصل کرنے پر پابندی تھی، یہاں تک کہ اگر دوسرے ممالک کے سربراہوں کی طرف سے ہدیہ میں بھی کتاب ملے، وہ قبول نہیں کرسکتے تھے [۳]

---

[۱] دائرۃ المعارف الاسلامیہ ۶/ص ۱۹۹

[۱] طبقات الامم [۲] ایضاً

[۳] ابن بشکوال خلف، کتاب الصلہ، قاہرہ، ۱۹۵۵ء، ص ۲۹۹، ۲۹۸،

[۱] عکا بحر متوسط کے ساحل پر ایک فلسطینی شہر ہے جو پہلے یونان کے قبضے میں تھا اور انھوں نے اس کا نام پتر لماس رکھا تھا عربوں نے ۲۲۸ھ میں اس پر قبضہ کیا صلیبیوں نے ۱۱۹۱ء میں اس پر حملہ کیا اور اپنے قبضہ میں لے لیا۔ آخری دور میں ابراہیم پاشا نے ۱۸۴۰ء میں اس کو واپس کیا۔ اس وقت اسرائیل کے قبضے میں ہے۔ [۲] ابن منقذ اسامہ کتاب الاعتبار مطبع پرنسٹن یونیورسٹی ۱۹۲۰ء ص ۳۵-۳۴۔

[۳] الانصاری محمد بن القاسم: اختصار الاخبار عما کان بثغر سبتۃ من سنی الآثار، رباط ۱۹۸۲ء ص ۲۹۔

فقیہ محمد بن القاسم الانصاری السبتہ (مراکش) کے اور پندرہویں صدی عیسوی کے بزرگ ہیں) لکھتے ہیں کہ سبتہ پر پرتگالیوں کے حملہ سے پہلے (۸۱۸ھ / ۱۴۱۵ء) وہاں ۶۲ کتب خانے تھے ان میں سب سے بڑا کتب خانہ شیخ ابوالحسن الشاری کا تھا جو انھوں نے اپنی ذاتی رقم سے کتابیں خرید کو جمع کیا تھا۔ یہ پہلا کتب خانہ تھا جو بلاد مغرب میں اہل علم کی خاطر وقف کیا گیا۔

علمائے اسلام کو پڑھنے پڑھانے میں جو یکسوئی اور انہماک تھا اس کا ایک نمونہ یہ ہے کہ ایک بزرگ تھے محمد بن ہانی اللخمی (م ۷۳۳ھ) وہ سبتہ کی "مسجد قفال" میں درس دیتے تھے ان کا معمول تھا کہ نماز فجر کے بعد قبلہ رو بیٹھ جاتے اور اسباق پڑھانا شروع کر دیتے۔ ایک کتاب کا سبق ختم ہوتا تو دوسری شروع کر دیتے اور ظہر تک یہی سلسلہ جاری رہتا، بعض اوقات طلبہ ان سے کہتے حضرت! ایک جنازہ آیا ہوا ہے اس کی نماز جنازہ پڑھا دیجیے تو پھر وہ مجبوراً اٹھتے، اس وقت طلبہ اپنی ٹانگیں سیدھی کر لیتے۔[۱]

علمائے اسلام کے نزدیک علم کی اہمیت

اس کا اندازہ کرنے کے لیے صرف دو مسلمان عالموں کے اقوال کا حوالہ بطور نمونہ ذکر کرتا ہوں ابن حزم القرطبی (م ۴۵۶ھ) نے لکھا ہے:

"اگر علم کا صرف یہی فائدہ بھی ہوتا کہ جاہلوں کی نظر میں عالم کی وقعت بڑھ جاتی ہے اور اہل علم اس کی توقیر کرتے ہیں تو یہ بات بھی معمولی درجہ کی نہیں ہے۔ مگر علم تو دنیا و آخرت دونوں کو سنوارنے کا ذریعہ ہے"۔[۱]

ابن حزم مزید کہتے ہیں:

"علم کا بخل کرنے والا، مال کا بخل کرنے والے سے زیادہ ملامت کا مستحق ہے، کیونکہ مالدار کو تو یہ خوف ہے کہ اس نے اگر خرچ کر دیا تو ہاتھ سے دولت نکل گئی، مگر علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے اس میں بخل کرنا حماقت ہے"۔[۲]

انہی ابن حزم نے ایک جگہ لکھا ہے:

"علم اور علماء کو نقصان پہونچانے والے بر خود غلط قسم کے لوگ ہیں جو جاہل ہوتے ہوئے اپنے کو عالم سمجھتے ہیں۔ ان کے ذریعہ تعمیر سے زیادہ تخریب ہوتی ہے۔"

ابن حزم لکھتے ہیں:

"اگر تم کسی عالم کی مجلس میں بیٹھو تو دل و دماغ سے اس کی طرف متوجہ رہو اور ہر لفظ کو غور سے سنو، تاکہ وہاں سے کچھ لے کر اٹھو اور صرف برکت کے لیے ان کے پاس بیٹھنا عالموں کی نشان نہیں ہے"۔[۳]

دوسرے عالم شیخ عبداللطیف البغدادی (م ۶۲۹ھ) کا نام لیا جا سکتا ہے جنھوں نے اپنے صاحبزادے کو خط میں لکھا تھا کہ:

"میری وصیت یہ ہے کہ خواہ تم کو اپنے ذہن و فہم پر جس قدر بھی اعتماد ہو، مگر صرف کتابوں پر بھروسہ نہ کرنا، کتابیں علم نہیں دیتی ہیں، علم عالم سے حاصل ہوتا ہے۔ علم ایک جاندار چیز ہے اس کو جاندار سے حاصل کرو، کم از کم دو استادوں سے ہر فن میں مراجعت کرو"۔[۱]

اوپر ابن خلدون کا مقولہ گذر چکا ہے، جس کا مفہوم بھی تقریباً یہی ہے کہ علم کے لیے سفر کرنا، اور علماء کے حضور ان کی مجلسوں میں بیٹھنا اور ان سے سننا ضروری ہوتا ہے، مطلب یہ کہ صرف کتابوں سے اپنے آپ کو پڑھاؤ (TEACH YOURSELF) کا اصول انتہائی غلط ہے۔

شیخ بغدادی اپنی وصیت میں مزید لکھتے ہیں:

"جس وقت تم مطالعہ کرو تو ذہن کو صرف اسی موضوع اور اسی کتاب پر مرکوز رکھو، خبردار پڑھتے وقت دماغ ادھر ادھر نہ ہو اور ایک وقت میں ایک ہی فن کی کتاب دیکھو، بیک وقت ایک سے زیادہ کام کرنا وقت ضائع کرنا ہے، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ایک فن کی کتاب یا کتابیں پڑھنے اور ان کے نوٹ لینے کے بعد دوسرے فن کی طرف توجہ دی جائے۔ مطالعہ کے بعد اس موضوع پر ہم مذاق اور ہم پلہ علم رکھنے والوں سے مباحثہ مفید ہوتا ہے۔"

علامہ بغدادی آخر میں کہتے ہیں:

"تمہاری سیرت کو پاکیزہ اور بزرگان سلف کا نمونہ ہونا چاہیئے تاکہ علم طبیعت کا جزء بن جائے، سیرت النبیؐ کے مطالعہ سے کبھی اپنے کو مستغنی نہ سمجھنا، قرآن کے بعد یہی خزانہ ہے۔"

البغدادی نے آخر میں بڑے پتے کی بات کہی ہے جس کو نقل کر کے یہ مضمون ختم کرتا ہوں:

"من لم يحتمل ألم التعلم لم يذق لذة العلم"

جس نے حصولِ علم کی دشواریاں برداشت نہیں کیں وہ کبھی علم کا لذت آشنا نہ ہو سکا۔[۲]

---

[۱] اہل مغرب میں سے ایک نامعلوم مصنف کا رسالہ ہے جس کا نام بُلغة الامنية ومقصد اللبيب فيما كان بتغرسبتة فى الدولة المرينية من مدرس واستاذ وطبيب رباط ۱۹۸۳ء ص ۲۹

[۱] ابن حزم: علی۔ کتاب الاخلاق والسیر بیروت ۱۹۶۱ء ص ۲۱ [۲] ایضاً ص ۲۲

[۳] ابن حزم: علی۔ کتاب الاخلاق والسیر بیروت ۱۹۶۱ء ص ۸۹

[۱] ابن خلدون مقدمہ ص ۵۴

[۲] ابن ابی اصیبعہ ص ۶۹۳

مخلوق کو نصیب ہو عیشِ دوامِ عید

● مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری

اونچا ہلال ہی کی طرح ہے مقامِ عید
اوجِ فلک ہے یعنی بلندیِ بامِ عید
تابانیِ ہلال سے روشن ہوا اُفق
اہلِ معاشرہ! تمہیں میرا سلامِ عید
ہے چرخ پر ہلال زمیں پر مسرتیں
ارض و سما میں جاری ہے کیا فیضِ عامِ عید
اس دورِ ہاؤ ہو میں ہے مفتیوں کی یہ دعا
مخلوق کو نصیب ہو عیشِ دوامِ عید

آج کا دن یہ وہ مبارک دن ہے جو رحمت و برکت کا مظہر بھی ہے اور مسلمانوں کے لئے قومی جشن اور تہوار کا دن بھی۔ دنیا میں بسنے والا ہر انسان فطری طور پر مسرت اور خوشی کا متلاشی رہا ہے، جس دن کو وہ سارے غم و اندوہ بھلا کر اپنے قومی جشن کی یادگار سمجھکر اپنے رسم و رواج کے مطابق مناتا ہے کسی میں لہو و لعب کا رنگ غالب ہوتا ہے کوئی شراب و کباب کی مستی سے لطف اندوز ہوتا ہے تو کوئی ناچ و گانے میں مگن رہتا ہے غرض یہ کہ خوشی منانے کے ایام اور ان کے اطوار و طریقے ہر قوم کی تہذیب کے ترجمان اور اس کی ثقافت کے غماز ہوتے ہیں۔

عید الفطر یہ ایک مبارک اور خوشی کا دن ضرور ہے مگر اس کی نوعیت کچھ اور ہی ہے، ایک ماہ کے روزے کے بعد بندہ کو نجات و مغفرت کا پروانہ اس کے رب کے حضور سے ملتا ہے، چنانچہ امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں حضرت انسؓ سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ:

"جب عید کا دن ہوتا ہے تو حق تعالیٰ شانہٗ اپنے روزہ دار بندوں کے ساتھ فرشتوں میں فخر فرماتے ہیں اور دریافت فرماتے ہیں اے میرے فرشتو ایسے مزدور کا بدلہ کیا ہے جو اپنا کام پورا کر چکا ہو، وہ عرض کرتے ہیں اے پروردگار اس کا بدلہ یہی ہے کہ اس کا ثواب اسے پورا پورا دیا جائے۔ پھر فرماتے ہیں اے میرے فرشتو! میرے ان بندوں اور بندیوں کا بدلہ کیا ہے جنھوں نے میرے اس فریضہ کو پورا کر دیا جو ان پر لازم تھا۔ اور اب پھر دعا کے لئے گڑگڑانے کیلئے نکلے ہیں، میری عزت و جلال کی، میری بخشش و بلندی کی اور میرے اپنے بلند مرتبہ کی قسم میں ضرور ان کی دعائیں قبول کروں گا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ جاؤ میں نے بخش دیا، اور تمہارے گناہوں کو حسنات سے بدل دیا، آقائے نامدار احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ وہاں سے بخشے بخشائے لوٹتے ہیں، جس طرح ایک طالب علم سال بھر میں محنت اور کد و کاوش کے بعد امتحان دیتا ہے تو اس کو نتیجے کا شدید انتظار رہتا ہے اور وہ اپنی کامیابی معلوم کر کے خوشی و مسرت سے پھولے نہیں سماتا۔ اسی طرح عید الفطر کا دن بھی مہینہ بھر کی محنت کے اجر ملنے کا دن ہے یہی وجہ ہے جہاں اس کے بہت سے نام ہیں وہیں اس کا نام "یوم مغفرۃ الذنوب" بھی ہے یعنی گناہوں سے بخشش کا دن، یہ عید کے عظیم الشان دن کی وہ اہمیت و فضیلت ہے جو اس کی رحمت و مغفرت اور خیر و برکت کی آئینہ دار ہے۔

عید الفطر کا دن جس میں خدائے ذوالجلال نے بہشت کو پیدا فرمایا۔ طوبیٰ کا بابرکت درخت اس میں نصب کیا، جبرئیل کو پیغامِ خداوندی بھیجنے کے واسطے عید کا دن منتخب کیا۔ فرعون کے جادوگروں نے عید کے دن نورِ ہدایت پایا۔ اور مالکِ حقیقی نے انھیں بخشش سے نوازا،

آج یہ دن ان لوگوں کے لئے پیغامِ مسرت ہے جنھوں نے اس بابرکت مہینے رمضان المبارک کی قدر کی، دنوں میں روزہ دار اور راتوں میں شب بیدار رہے تلاوت قرآن پاک کے ذریعہ اپنے مالک سے رشتہ استوار کیا، جھوٹ، کینہ، بغض، عداوت، نفرت حسد، چغلی اور دیگر برائیوں سے بچتے رہے اور ایک مہینہ پورے استغفار اور تذکرے کے ساتھ گذارا، ان کے لئے یہ دن حقیقی مسرتوں، شادمانیوں، کیف و سرور اور انبساط کا ہے اور جنھوں نے اس مہینے کو پامال کیا۔ حکمِ الٰہی کو توڑا۔ ان کے لئے ان مسرتوں کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے نسوا اللہ فانسٰھم انفسھم انھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو فراموش کیا تو "نتیجۃً" "انعام و اکرام کے وقت" اپنے آپ کو فراموش کر دیا۔

عید کی خوشی زرق برق لباسوں میں نہیں نوع بنوع کی سویوں میں نہیں، دوستوں کے ازدحام و کثرت میں نہیں، عظیم الشان اجتماع میں نہیں بلکہ اس میں ہے کہ ہلالِ عید کا استقبال ہم نے اس مالک کے بتائے ہوئے طریقے پر کیا ہے یا دنیا کی ریت و رسم و رواج کے مطابق نئے نئے جوڑے تیار کرنے میں کھانے پینے کی اشیاء کی فراہمی میں عیدی کارڈ کی ترسیل میں پیسہ اور وقت صرف کر کے کیا ہے۔ اور پھر عیدگاہ پہونچکر دوگانہ ادا کر کے فلمستانوں پر لمبی قطاریں لگا کر اور پارکوں میں جا کر وقت گذارنے سے کیا ہے، بلاشبہ

یہ دوسرا طریقہ عید کی کیف و مسرت کو پراگندہ کرنے والا ہے اور ایک مومن کا یہ شیوہ نہیں ہے کہ وہ آلودہ عصیاں ہو" لہٰذا یاد رکھئے آج کا دن جسطرح روزہ رکھنے والوں کے لئے امن و امان اور نیک پیغام کا دن ہے اسی طرح خدا کے نافرمانوں کیلئے عبرت، ندامت اور محرومی کا دن ہے۔

روزہ کا مہینہ اس کے بعد عید کا یہ دن ہمیں زندگی اور موت کے بعد آنے والی کیفیت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ نیک لوگوں کی زندگی دنیا میں ایک آزمائش ہوتی ہے اور موت کے بعد دائمی مسرت اس حصے میں آتی ہے۔ ایک مہینہ کی نفس کشی اور مجاہدہ کا یہی وہ اہم سبق ہے جو عید کی شکل میں ہم کو دیا گیا ہے۔

یاد رکھئے خوشی کے اس مبارک دن میں خدا کی نظر میں اس کی خوشی خوشی نہیں جو غریبوں، بیکسوں، ناداروں، پڑوسیوں اور شہر والوں کو بھلا کر بزم مسرت سجاتا ہو۔ اس لئے آج کے دن صدقۂ فطر کو واجب قرار دیا گیا جو صدقۂ فطر ادا نہیں کرتا اس کا روزہ معلق ہوتا ہے اسلام نے اس دن کو سرتاپا عبادت اور انس و محبت کی آماجگاہ بنایا ہے اس نے آج خوشی کا حق دیا لیکن اس کی بھی تلقین کی کہ اللہ کے دوسرے بندوں کو بھی اس میں شامل کیا جائے لہٰذا عید الفطر ہمیں اس حقیقت کی یاد بھی دلاتی ہے کہ انسان کی زندگی کا مقصد ایک ایسے معاشرہ اور سماج کی تشکیل کرنا ہے جس میں انسان محسن بن کر جئے اسی طرح ہر فرد نہ یہ کہ صرف ظاہراً صاف اور پاکیزہ رہے بلکہ دوسروں کی زندگی کو بھی مکمل حسین اور دلکش بنائے، یاران وطن کی خدمت کرنا ان کی ضرورتوں کا خیال رکھنا۔ اپنی خوشیوں کا اہم حصہ جانے۔ عید اصل میں کردار سازی کی دعوت دیتی ہے۔ اور حقوق انسانی کی ادائیگی کا سبق سکھلاتی ہے۔ اگر عید کی مسرتوں میں ہمسایہ اور نادار بچوں کی فریادیں ہمارے دل و دماغ کو متاثر نہ کر سکیں تو ہماری یہ خوشیاں ہمارے ضمیر پر بوجھ ہوں گی۔

ایک بار محسن انسانیت غمگساران عالم صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز کے لئے تشریف لے جارہے تھے۔ مدینہ کی گلیوں میں ننھے منے بچے نئے نئے کپڑے پہنے ہوئے عید کی خوشیاں منارہے تھے بچوں کے جھرمٹ میں ایک بچہ بیحد غمگین اور اداس بیٹھا تھا حسرت و یاس کے آثار اس کے معصوم اور کومل چہرہ پر نمودار تھے۔ آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے، گندے اور میلے کپڑوں میں نہ جانے وہ کیا سوچ رہا تھا۔ تاجدار مدینہ یہ منظر دیکھ کر حیران و بے قرار ہوگئے۔ اس بچے کے پاس تشریف لے گئے فرمایا پیارے! بچے کھیل رہے ہیں اور تم خاموش کسی فکر میں غرق ہو، سب عید کی خوشیوں میں مست اور تم ایک طرف سست کھڑے ہو۔ آخر کیا بات ہے۔ تجھے کیا ہوگیا ہے تو فکر میں کیوں ڈوبا نظر آتا ہے۔ یہ بتا تو کون ہے؟ آپ نے دریافت فرمایا

بچے نے کہا یا رسول اللہ "انا یتیم" میں یتیم ہوں میرے ماں باپ زندہ نہیں، میرے پاس مال و دولت نہیں۔ میرے پاس گھر بار نہیں۔ میرا اس دنیا میں کوئی غمخوار نہیں کس پہ ناز کروں پھر کیسے خوشیاں مناؤں؟

دل اگر فارغ نہ ہو نا ساز ہے ساز نشاط
عید کے دن رنج بڑھتا ہے دل محبوس کا

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دل یہ سن کر پارہ پارہ ہوگیا۔ آپ بے چین ہوگئے۔ بچہ کا ہاتھ پکڑا اور گھر لے گئے۔ حضرت عائشہؓ سے فرمایا اسے نہلاؤ، نئے کپڑے پہنا کر عطر لگادو۔ اور ارشاد فرمایا پیارے! آج سے محمدؐ تیرا باپ ہے اور عائشہؓ تیری ماں، فاطمہؓ تیری بہن ہے اور حسنینؓ تمہارے بھائی ہیں، یہ سننا تھا کہ بچہ باغ باغ ہوگیا اور خوشی سے جھوم اٹھا تھوڑی دیر پہلے جو بچہ مایوس تھا وہ فرط مسرت سے بے خود اس احساس میں ڈوبا ہوا تھا، آج ہے کسی کا باپ جو میرے باپ کی طرح ہو، کسی کی ماں ہے جو میری ماں کی طرح ہو۔ کون ہے جو میرے بھائیوں کے مثل ہو سچ ہے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یتیموں کی غمخواری اور بیواؤں کی دادرسی نہ فرماتے ہوتے تو آج ان کا پرسان حال کون ہوتا۔ اس دنیا میں کوئی نہ ہوتا وہ لوگ جو عید کو محض یوم مسرت کے طور پر مناتے ہیں۔ انھیں اس حقیقت کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔ آیئے آج ہم ملک اور قوم کی سلامتی کے لئے خدا کے دربار میں دعا کریں اور خوف خدا، غریبوں کے ساتھ، ہمدردی کی صفت اور بھلائی کا جذبہ پیدا کریں۔

عید مذہبی روح کو زندہ کرتی ہے:-

عید اگر شعائر اسلام کو قائم رکھتی ہے، مذہبی روح کو زندہ کرتی ہے مذہب کے کارنامۂ اعمال کو دنیا کے سامنے پیش کرتی ہے عہد محبت اور میثاق الٰہی کی تجدید کرتی ہے تمام امت کو ایک نظام میں مربوط کردیتی ہے۔ مختلف ممالک کے مسلمانوں کے درمیان سفارت کا کام دیتی ہے۔ تو بلاشبہ وہ عید ہے، ورنہ وہ صرف کھجور کی ایک گٹھلی ہے جس کو ایک سنت کے احیاء کے لئے ہم کھا کر پھینک دیتے ہیں،

رسول رحمت ص: ۶۲۷

مولانا ابوالکلام آزاد،

لامی طریقۂ کار ہی موجودہ مسائل کا حل

تحریر: مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی — ترجمہ: محمد فرمان نیپالی

ر مسائل ومشکلات کا دور ہے سیاسی مسائل بھی
ر اقتصادی مسائل بھی، اخلاقی مسائل بھی، بھی
روحانی مسائل بھی، فکری بحران بھی ہے اور تعلیمی بحران
مسائل بڑھتے گئے اور ان کی شاخیں نکلتی گئیں۔ قسم
ے مسائل پیدا ہوتے گئے، حتی کہ ان مسائل نے
پیچیدگی اختیار کرلی، لیکن یہ سب مصنوعی مسائل
ر لوگوں کے اپنے لائے ہوئے ہیں، بلکہ یہ سب ضمنی
ی اور غیر ضروری مسائل ہیں، جن کا اس حقیقی مسئلہ
وئی تعلق نہیں، اصل مسئلہ جس سے پوری انسانیت
ص طور پر امت مسلمہ دوچار ہے وہ ہے ایمان
ن کا مسئلہ اور اخلاص واحسان کا بحران، جس کی
ے ایمان ویقین کا شعلہ رفتہ رفتہ بجھتا جا رہا ہے
ل اللہ کی رضا جوئی وخوشنودی سے خالی ہوتے
ے ہیں، اور اعمال صفتِ احسان سے دوچار ہوتے
ے ہیں، یہی حقیقی مسئلہ ہے یہی واقعی بحران ہے
ن ام المسائل اور اصل بحرانِ اقوام وملل کے لئے
حسنہ اور کامل نمونے کے فقدان کا مسئلہ ہے،
کچھ ایسے لوگ ضرور ہیں جن کو اسوہ بنانے میں کوئی
ائقہ نہیں ہے، جو اچھے خاصے نمونے بن سکتے ہیں
ن ایسی کوئی جماعت نہیں پائی جاتی جو امتوں اور
لوں کے لئے نمونہ ہو، اور رسول اکرمؐ کی شریعت
وئی اچھی اور دلکش مثال اور نمونہ پیش کرے،
ر آپؐ کی کامل ومکمل اتباع اور تقلید اسی صورت
ممکن ہے جبکہ کوئی ایسی جماعت موجود ہو جو آپؐ کی
ریعت کو اپنے اوپر نافذ کرے، اور آپ پر نازل شدہ
احکام خود پر جاری کرے، اسی وجہ سے آپؐ کی بعثت
مقرونہ اور دہری بعثت ہے جس پر آپؐ کی زبان کے
نکلے ہوئے الفاظ دلیل وشاہد ہیں، بعثتم میسرین
ولم تبعثوا معسرین "تم لوگ آسانیاں کرنے
والے بنا کر بھیجے گئے ہو مشکلات پیدا کرنے والے بنا کر
نہیں بھیجے گئے ہو" اور اسی طرح کے الفاظ رسول اکرمؐ
کے قاصد ربعی بن عامر کی زبان سے قائد اعظم رستم
کے سامنے نکلے کہ اللہ نے ہم کو اس واسطے بھیجا ہے
تاکہ ہم اللہ کی مشیت کے مطابق لوگوں کو بندوں کی
بندگی سے صرف اللہ کی بندگی کی جانب اور مذاہب
وادیان کے ظلم وستم سے اسلام کے عدل وانصاف
کی جانب اور دنیا کی تنگی سے کشائش عالم کی جانب
نکالیں اسی کی طرف اس آیت کا بھی اشارہ ہے "کُنْتُمْ
خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ
وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ" تم ہی بہترین امت ہو جو لوگوں
کے لئے نکالے گئے ہو نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے
روکتے ہو۔

بعثت اور اخراج کے الفاظ اس بات کی واضح دلیل
ہیں کہ آپؐ تنہا مبعوث نہیں کئے گئے یعنی آپؐ کی بعثت
انفرادی طور پر نہیں تھی بلکہ آپؐ کی بعثت مقرونہ تھی
کیونکہ آپؐ کے ساتھ ایک پوری امت مبعوث کی گئی تو
اسی مقام ومرتبہ کو دیکھتے ہوئے جو آپؐ کی قوم کو حاصل
ہوا آپؐ نے پوری امت کو روز قیامت تک صحابہ کرامؓ
کے بارے میں دشنام طرازی سے کام لینے سے
روکا، اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کا یہ وصف
بیان فرمایا کہ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی،
اسی طرح مشہور روایات ان کے ممتاز مقام ومرتبہ
اور بلند درجے پر دلالت کرتی ہیں۔

اسی کی جانب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے
اس قول سے بھی اشارہ ملتا ہے جو آپ نے اس وقت
فرمایا جبکہ فرعون اور اس کی قوم نے ان کا مع ان کی
قوم کے پیچھا کیا تو ان کے لوگوں نے کہا کہ اب تو ہم
پکڑے گئے تو آپ نے فرمایا نہیں! میرا رب میرے
ساتھ ہے وہ ضرور مجھے راہ دکھلائے گا، یہ نہیں کہا کہ
ہمارا رب ہمارے ساتھ ہے، بلکہ آپ نے فرمایا کہ میرے
ساتھ ہے باوجودیکہ آپ کی قوم آپ کے ساتھ تھی،
دوسری جگہ ان کو نہیں چھوڑا تھا، بلکہ وہ ان کے ساتھ
گھٹا ٹوپ تاریکی میں ڈرتے ہوئے چل رہے تھے،
لیکن رسول اکرمؐ جس وقت مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت
کے ارادے سے نکلے تو آپؐ کے ساتھ آپ کی قوم نہیں
تھی بلکہ آپؐ کے ساتھ صرف حضرت ابوبکرؓ تھے لیکن
اس وقت آپؐ نے فرمایا غم نہ کرو کیونکہ اللہ ہمارے
ساتھ ہے، حضرت ابوبکرؓ کو خود پر خوف نہ تھا بلکہ
انھیں اپنے رفیق غار جناب محمد رسول اللہ پر خوف تھا،
تو اس جملے نے یہ بتا دیا کہ اللہ کی حفاظت اور اس کی
معیت صرف آپ کے ساتھ نہیں تھی، بلکہ آپ کے
ساتھ آپ کی امت اور صحابہ کے ساتھ تھی، کیونکہ آپ
کی بعثت مقرونہ تھی۔

جناب رسول اکرمؐ کی بعثت ہوئی اور آپ
کے ساتھ ایک ایسی قوم مبعوث ہوئی جس کے گوشت
وپوست میں اللہ کا پسندیدہ دین اور اس کی شریعت
سرایت کر گئی تھی، اور وہ پوری انسانیت کے لئے
زندہ جاوید نمونہ اور بہترین مثال بن گئی، چنانچہ دوسری
قوموں اور امتوں نے اس مثالی قوم اور نمونے والی جماعت
کو دیکھا تو وہ سب کے سب حلقہ بگوش اسلام ہوگئیں
اور اسلام کا کلمہ پڑھ لیا، اور اس کے سانچے میں اس
طرح ڈھل گئیں کہ نئے اسلام لانے والوں اور پرانے

اسلام لانے والوں کے مابین کوئی فرق و امتیاز نہ رہا، اس کی بہترین مثال شامی، مصری اور عراقی اور مغربی قومیں ہیں۔

آج کا بحران اجتماعی نمونہ کا فقدان ہے، جبکہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے اس اجتماعی نمونہ کو باقی رکھنے کا حکم دیا ہے کہ یہ جماعت منظم و متحد ہو، اور اس میں تیر (نہ بندی ہو، انتشار و افتراق نہ ہو، اور ہم دینی امور کی اجتماعی شکل میں بجا آوری کریں یہاں تک کہ ہم اجتماعی طور پر عبادتوں کو ادا کریں، جیسے نماز باجماعت، ایک مہینہ ہی میں روزہ، ایک مخصوص مقام میں حج، ایک بینک میں زکوٰۃ کی ادائیگی یعنی بیت المال میں، اور تمام لوگوں کو امر بالمعروف کرنا، اور تمام لوگوں کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ وہ جماعت سے منسلک ہو کر رہیں کیونکہ اللہ کی خصوصی توجہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ ہوتی ہے، اور تفرقہ بازی سے گریز کرنے کا حکم دیا، کیونکہ جو شخص جماعت سے الگ ہوا، اس کا ٹھکانہ جہنم ہے، اور ان کو ان آداب کی بجا آوری کا حکم دیا جو اجتماعی نظام کو باقی رکھنے کے لئے بمنزلہ مضبوط ستون کے ہیں جیسے مریضوں کی عیادت کرنا، دوستوں سے ملاقات کرنا، نیکی اور تقویٰ پر آپس میں باہم تعاون کرنا، چھوٹوں بڑوں اور انجانے مسلمانوں کو سلام کرنا، کھانا کھلانا، ہمسایوں اور بھائیوں کو ہدیے بھیجنا، لعن و طعن، چغل خوری، جھوٹ اور دھوکا دہی سے پرہیز کرنا، ان کے علاوہ اور بھی دیگر آداب و اطوار ہیں جو بیان کئے گئے ہیں۔

بلاشبہ مسلمانوں نے ان مذکورہ بالا امور کی بجا آوری میں کوتاہی کی، اور انھیں جس بات کا حکم دیا گیا تھا اس سے غفلت برتی یعنی اسے فراموش کر ڈالا، اور غیروں سے متاثر ہوئے جو ضمنی اور فروعی مسائل میں الجھے ہوئے ہیں اور ایمان و یقین، اخلاص و احسان اور اچھے نمونہ کے فقدان جیسے حقیقی مسائل کو پس انداز کر دیا۔

بلاشبہ یہ امت دوسری امتوں کے مقابلے میں افراد و شخصیات کے اعتبار سے زیادہ مالا مال ہے، کیونکہ آپ کو ہر ملک بلکہ ہر شہر اور گاؤں میں کچھ شخصیتیں اور افراد ایسے ملیں گے، جن میں پاکیزہ بابرکت نمونہ، کامل و مکمل اسلامی آئیڈیل اور زندہ و دلکش مثال موجود ہے لیکن یہ جگنو نہ بہ تہہ تاریکیوں کو چھانٹ نہیں سکتے ہیں، اور نہ یہ برسات کی تاریک ترین راتوں کو روشن کر سکتے ہیں، یقیناً نبی اکرمؐ کی بعثت سے پہلے کا زمانہ جس کو دور جاہلیت کے نام سے موسوم کرتے ہیں، وہ دور بھی اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے باقی ماندہ افراد سے بہرور تھا، لیکن گرجا گھروں کے اندر کی عبادت، اور گھروں میں ان کی بزرگی، ان کا اپنے تک محدود رہنا، اور عبادت خانوں اور گرجا گھروں میں ان کا بیٹھنا یہ انسانیت کی ڈوبتی کشتی کو پار نہیں لگا سکتا، اور انسانیت کی کشتی اس طرح ڈوب رہی یہاں تک کہ ڈوبتوں کو نجات دلانے والے اور راستوں کو روشن کرنے والے سب کے پیشوا، سردار عالم، ہادی برحق، خیر خواہ انسانیت، امانتدار و صداقت شعار جناب محمد رسول اللہ تشریف لائے، جنھوں نے پوری انسانیت کی امن و سلامتی کے ساحل کی رہنمائی کی، اور شاہراہوں کو اس طرح روشن کیا کہ رات و دن میں کوئی فرق نہ رہا، اور رسول اکرمؐ نے اپنے ساتھ بھیجی گئی امت کی اتنی اچھی اور دقیقہ رسی سے تربیت کی کہ وہ آپ کی دائمی رسالت پاکیزہ نمونہ اور بہترین مثالوں کے ساتھ دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئی، جس سے دنیا بدل گئی اور ترقی کی راہ پر گامزن ہو گئی، اور چپہ چپہ روشن ہو گیا، اور مقصد حقیقی کی طرف رواں دواں ہو گیا، اور انسانیت کی ایسی نئی تشکیل کی کہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ ان حالات کو دیکھتے ہوئے جو اس وقت عالم پر چھائے ہوئے تھے اس راستے پر چلے گی، کیونکہ وہ حالات جو عالم پر چھائے ہوئے تھے ان کے پیش نظر یہ بات بہت بعید از قیاس معلوم ہو رہی تھی۔

لہٰذا، اے نسل اوّل کے فرزندو! اور کامل و مکمل پہلی جماعت کے اخلاف:۔ اپنے اسلاف کے کارناموں کی جانب رجوع کرو، اور ایسی جماعت بناؤ اگرچہ تعداد تھوڑی ہو، لیکن پورے عالم اور پوری انسانیت کے لئے نمونہ ہو، یہاں تک کہ بستیوں اور دیہاتوں میں پھیلے ہوئے داعیوں اور مربیوں کو اس نیک قابل اقدار جماعت کی جانب حیران و پریشان لوگوں کو کھینچنے کا موقع مل جائے جو موجودہ زمانے کی جہالتوں میں بھٹک رہے ہیں، اور عصر حاضر کی گمراہیوں میں حیران و سرگرداں ہیں، جس کی علامت یہ ہے کہ چہرہ ہشاش و بشاش، مسلسل قہقہے لگاتا ہوا لیکن دل مضطرب و پریشان اور تاریک اور عقل حیران و پریشان سرگرداں ہے۔ لہٰذا اپنی اونگھ سے ہوش میں آؤ، اور اپنی نیند سے بیدار ہو جاؤ، اور اپنے مقام و مرتبہ کی جانب رجوع کرو، یہ ایک ایسا خلا ہے جس کو تمہارے علاوہ کوئی پُر نہیں کر سکتا کیونکہ اس کے لئے صلاحیتوں کی ضرورت ہے، جو تم کو اپنے آبا و اجداد سے وراثت میں ملی ہے، تو اٹھو کھڑے ہو جاؤ اے اہل عرب، اے صحابۂ کرامؓ کے فرزندو! اور اس پہلی جماعت کے فرزندو! جس کی رسول اکرمؐ نے براہ راست تربیت کی۔

نقوش وتأثرات

مولانا معین اللہ ندوی کا سانحہ ارتحال

ڈاکٹر مولانا تقی الدین مظاہری ندوی

۲۲ر اگست ۱۹۹۹ء کو نماز فجر کے بعد اچانک یہ اطلاع ملی کہ محترم جناب مولانا معین اللہ صاحب ندوی صبح چار بجے اس دار فانی سے رخصت ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا عرصہ سے علیل چل رہے تھے مگر اتنی جلد ان کے رخصت ہو جانے کا تصور بھی نہیں تھا خبر سننے کے بعد دل ودماغ پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہوئی۔ یقین اس لئے بھی نہ ہوا کہ ابھی ایک ماہ پیشتر مولانا کی جانب سے دو مرتبہ ان کے صاحبزادے حافظ عبید اللہ صاحب نے فون کیا اور میری والدہ صاحبہ کی خیریت معلوم کی، جو عرصہ سے بیمار چل رہی ہیں۔ انھوں نے فون پر یہ بھی بتلایا کہ والد صاحب کو شدت سے ملاقات کا اشتیاق ہے۔ اس ناچیز نے کئی بار اپنے ہندوستان کے سفر میں اندور حاضری کا پروگرام بنایا مگر اپنے حالات کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکا۔

ما کل ما یتمنی المرء یدرکہ
تجری الریاح بما لا تشتہی السفن

وہ حضرت مولانا علی میاں مدظلہ کے عزیز ترین شاگرد تھے، انھوں نے حضرت کی ذات گرامی سے اپنے کو وابستہ کر رکھا تھا، بلکہ زیادہ صحیح تعبیر یہ ہے کہ پیوستہ کر رکھا تھا۔ بقول

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

سہارنپور اور نظام الدین سے ان کا خصوصی تعلق تھا، انھوں نے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا زمانہ پایا تھا، بعد میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ سے بیعت بھی ہو گئے تھے اس لئے حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے اور تبلیغی کام اور مرکز نظام الدین سے ان کا بہت گہرا تعلق تھا جو تا دم آخر قائم رہا۔ حضرت مولانا علی میاں مدظلہ کا جو تبلیغی سفر حجاز مقدس، مصر اور شام کے لئے ہوا تھا اس میں وہ بھی شریک تھے حضرت مولانا کی واپسی کے بعد بھی کچھ مدت تبلیغی کام کے سلسلہ میں ان کا قیام حجاز مقدس میں رہا، اور اس کے بعد ہندوستان واپسی ہوئی، چونکہ دار العلوم ندوۃ العلماء کی ذمہ داری علامہ سید سلیمان ندویؒ پاکستان ہجرت کرنے کے موقع پر حضرت مولانا علی میاں مدظلہ کو سپرد کر گئے تھے، اس لئے حضرت مولانا نے اپنے زمانے میں جو ترتیب دار العلوم کے لئے بنائی تھی اس کے مطابق مولانا معین اللہ صاحب کو چھوٹی بورڈنگ کی نگرانی اور ابتدائی درجات کی تدریس سپرد ہوئی۔ چھوٹی اور بڑے بورڈنگ دونوں کے طلباء کی تعداد بمشکل اسّی کے قریب تھی اس لئے مولانا دونوں بورڈنگوں کی نگرانی فرماتے اور نماز فجر کے لئے طلبا کو جگایا کرتے تھے، تبلیغی جماعت کا ہفتہ وار اجتماع ندوہ کی مسجد میں ہوا کرتا تھا، مولانا اس میں شرکت کے لئے طلباء کو متوجہ کرتے اور کبھی کبھی خود بھی بیان کرتے۔

ندوہ میں میری مدرسی کا زمانہ ۱۹۵۶ء کے اخیر کا ہے اس وقت مولانا عمران خاں صاحبؒ دار العلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم تھے، دو تین ماہ کے بعد مولانا بھوپال تشریف لے گئے ان کے جانے کے بعد دار العلوم شدید مالی بحران میں مبتلا ہو گیا، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مولانا عمران خاں صاحبؒ نے تقسیم کے بعد جس طرح دار العلوم کو سنبھالا اور مختلف شہروں کا دورہ کر کے مالی امداد حاصل کی اور ادارہ کو باقی رکھا، یہ ان کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ حضرت مولانا علی میاں مدظلہ ندوۃ العلماء کو اس کے مقاصد کے تحت ترقی دینا چاہتے تھے، مگر وسائل بالکل نہیں تھے، حضرت مولانا کو اللہ تعالیٰ نے مولانا معین اللہ صاحبؒ جیسا مخلص اور فہیم دست راست عطا فرمایا جنھوں نے اپنے اخلاص اور ذہانت اور حکمت عملی سے دار العلوم کی ترقیات کی بہت بڑی ذمہ داری اپنے سر لے کر حضرت مولانا علی میاں مدظلہ کے بار کو ہلکا کر دیا۔ اس لئے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ وہ جدید ندوۃ العلماء کے مہندس اور مخطط تھے ۱۹۵۹ء میں مولانا کو نائب ناظم تعمیر وترقی بنایا گیا۔ درحقیقت وہ صرف تعمیرات ہی کے نہیں بلکہ تعلیم وتربیت اور دار العلوم کے جملہ معاملات میں ان کی رائے کو اہم سمجھا جاتا تھا، اللہ تعالیٰ نے مسلسل بیماری کے باوجود ان کو عزم وہمت اور بلند حوصلہ کی نعمت سے نوازا تھا، دار العلوم کی تعمیر وترقی کے لئے جو بھی پروگرام بنایا جاتا گو وہ ظاہری لحاظ سے بہت بڑا معلوم ہوتا، پھر بھی توکلاً علی اللہ اسے شروع فرما دیتے پھر اللہ تعالیٰ غیب سے اس کی تکمیل کا انتظام فرما دیتا، انھوں نے اپنی حکمت وتدبر اور پیہم جد وجہد سے دار العلوم ندوۃ العلماء کو مقبول عام وخاص ادارہ بنا دیا۔ اس کے تعارف کے لئے انھوں نے مختلف شہروں اور علاقوں میں برابر وفود بھیجنے کا سلسلہ شروع کیا وہ دار العلوم کے اساتذہ کو شعبان میں تیار کرتے کہ وہ اپنی سالانہ تعطیل کا کچھ حصہ اس خدمت کے لئے وقف کریں ان کی اس آواز پر سب نے لبیک کہا، دار العلوم

کا بجٹ اس وقت چالیس پینتالیس ہزار کے درمیان ہوا کرتا تھا بظاہر اس کا پورا ہونا دشوار معلوم ہوتا مگر مولانا کی اس ترتیب سے نہ صرف یہ کہ دارالعلوم کا بجٹ پورا ہوگیا بلکہ مزید تعمیرات کے لئے بھی راستے کھلے اور عوامی سطح پر اس کی شہرت اور مقبولیت میں اضافہ ہوتا گیا جس کا مشاہدہ آج سب لوگ کررہے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ ۱۹۵۶ء میں عیدالاضحیٰ کی چھٹیوں کے موقع پر مولانا نے اس ناچیز اور حافظ عبدالتواب اعظمی کو کالمپونگ و دارجلنگ اور آسام بھیجا تھا ان کو اس سفر کی اتنی فکر تھی کہ حضرت مولانا علی میاں مدظلہ کولے کر میرے کمرہ میں تشریف لائے اور حضرت مولانا نے خاص طور پر اپنی دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا، اٹھارہ دن کے بعد واپسی ہوئی، اٹھارہ سو کا چندہ ہوا، اس زمانہ میں یہ بڑی رقم شمار کی گئی، رمضان المبارک میں دیگر اساتذہ اور ملازمین کو مختلف علاقوں میں بھیجنے کی ترتیب کے تحت اس ناچیز کو مالیگاؤں اور ممبئی وغیرہ کے سفر کے لئے مقرر فرمایا، سفر سے قبل وہ سفر کے آداب و اصول کی تلقین کرتے۔ مالیگاؤں پہونچا تو ایک ہفتہ کے اندر دو ہزار سات سو پچاس روپے کا چندہ ہوا۔ جب خط کے ذریعہ اس کی اطلاع کی گئی تو اس رقم پر کسی کو یقین نہیں آرہا تھا۔ حتیٰ کہ مولانا عبدالسمیع صاحب ندوی مرحوم نے جو نائب ناظم تعمیر و ترقی تھے لکھا کہ سات سو پچاس پر آپ نے معلوم ہوتا ہے کہ دو کا عدد بڑھا دیا ہے کیوں کہ دو ہزار سات سو پچاس پر کسی کو یقین نہیں آرہا ہے، مالیگاؤں سے ممبئی وغیرہ کا سفر ہوا جہاں حاجی علاءالدین صاحب (مرحوم) کو اللہ تعالیٰ نے ہمارا سب سے بڑا معاون بنا دیا، وہاں بھی اسی طرح کامیابی حاصل ہوئی۔

اس سفر کے متعلق ناچیز نے تفصیلی خطوط روانہ کئے تو حضرت مولانا معین اللہ صاحب نے بڑی خوشی کا اظہار فرمایا اور حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ سے کئی خطوط لکھوائے، اس ناچیز نے یہ بھی لکھا تھا کہ دارالعلوم کی شہرت اور اس سے واقفیت بہت کم ہے۔ اس علاقہ میں مولانا علی میاں صاحب مدظلہ کا تعارف بھی اس زمانے میں زیادہ نہیں تھا۔ اس لئے حضرت مولانا منظور احمد نعمانی صاحب (مرحوم) سے خطوط لکھوا دیجئے۔ چنانچہ انھوں نے ان سے کئی خطوط لکھوا کر بھجوائے جن سے تعارف و امداد میں بڑی مدد ملی۔ اگلے سال جوگیشوری میں ایک بڑا تبلیغی اجتماع رکھا گیا تھا، میں نے حاجی علاءالدین صاحب مرحوم کو تیار کیا کہ آپ اور حاجی احمد غریب صاحب مرحوم خط لکھ کر حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ کو اس میں شرکت کے لئے تیار کریں تاکہ دارالعلوم کے تعارف میں مدد ملے، چنانچہ انھوں نے خط لکھے مگر حضرت مولانا کا جواب معذرت کا آیا۔ تب میں نے حاجی علاؤالدین صاحب اور جناب حاجی احمد غریب صاحب سے تار کرایا اور جناب مولانا معین اللہ صاحب مرحوم سے فون پر بات کی مولانا نے فرمایا کہ ان شاء اللہ پنجاب میل سے سیٹ بک کرا رہا ہوں حضرت مولانا ضرور جائیں گے۔

حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ ممبئی تشریف لائے اس موقع پر ناچیز نے ایک خصوصی نشست کا اہتمام صابو صدیق مسافر خانہ میں کیا حضرت مولانا نے اجتماع سے خطاب کیا اور ندوہ کے مقاصد پر گفتگو فرمائی اس موقع پر ندوہ میں بچوں کی جدید بورڈنگ کے لئے ایک ایک کمرہ کی اپیل کی گئی۔ جس سے دارالاقامہ سلیمانیہ کی تکمیل میں بڑی سہولت ہوئی اس رواق میں جتنے کمرے بمبئی والوں کے نام سے بنے ہیں وہ اسی اجتماع کی یادگار رہیں۔ ؏

کبھی فرصت سے سن لینا عجب ہے داستاں میری

یہی سفر مجلس تحقیقات و نشریات کے آغاز کا بھی سبب بنا کہ ایک صاحب نے اس سلسلہ میں گرانقدر رقم حضرت مولانا کی خدمت میں پیش کی مولانا معین اللہ صاحب کی فکرمندی اور لگن ہی کی برکت سے حضرت مولانا مدظلہ کا کویت اور رنگون کا سفر ہوا تھا۔ جس کی تفصیلات دیگر مقالات میں آچکی ہیں۔

مختصر یہ کہ دارالعلوم کی تعمیر و ترقی میں ان کا بڑا حصہ رہا جس پر وہاں کی عمارتیں شاہد عدل ہیں، دارالعلوم کی مجلس شوریٰ میں یہ بات طے ہوئی کہ بعض نوجوان مدرسین کو علمی تیاری کا موقع دیا جائے اس سلسلے میں اس ناچیز کو حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نوراللہ مرقدہ کی خدمت میں بھیجا جانا طے کیا گیا، اس زمانے میں یہ ناچیز ابتدائی کتابیں پڑھاتا تھا، ان میں ریاض الصالحین بھی تھی، اس کی برکت سے بعض صحابہ کرامؓ کے قبور کی خواب میں زیارت ہوئی خاص طور سے حضرت ابی بن کعبؓ کی قبر مبارک کا خواب بڑا واضح تھا، خواب ہی میں دیکھا کہ طلبہ کے سامنے حضرت زید بن حارثہ حِبُّ رسول اللہ کا ترجمہ کرا رہا ہوں اور حِبّ کا ترجمہ چہیتے سے کرا رہا ہوں سہارنپور سے حضرت شیخ کے خط کا انتظار تھا کہ حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ نے عصر کی نماز سے پہلے مہمان خانہ میں طلب کرکے فرمایا کہ میں تمہیں حضرت شیخ الحدیث کے پاس حدیث کی تیاری کے لئے ایک سال کے لئے بھیجنا چاہتا ہوں، وہاں سے واپس جب اپنے کمرے میں آیا تو حضرت شیخ الحدیث کی جانب سے میرے خط کا جواب ملا جس میں تحریر فرمایا تھا کہ تم کو عالم رویا میں حدیث شریف سے مناسبت اور اس علم شریف کی خدمت کی بشارت دی گئی ہے، شوال میں سہارنپور جانا طے ہوا، اور اس کی اطلاع حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ حضرت شیخ الحدیث کو دے چکے تھے، البتہ دارالعلوم میں ضرورت کی بنا پر کچھ تردد ضرور تھا کہ اچانک حضرت شیخ الحدیث کا خط بنام حضرت مولانا علی میاں صاحب آیا کہ مجھے مولوی تقی کا انتظار ہے، مولانا معین اللہ صاحب نے حضرت مولانا علی میاں صاحب سے عجلت میں منظوری حاصل کرکے

ر ابھی سہارنپور چلے جائیے کہ حضرت کو آپ کا انتظار
اس طرح حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔
ں بخاری میں شرکت کے علاوہ اور دیگر علمی کاموں
ی حضرت ہی کی زیر نگرانی انجام دیتا رہا، ندوۃ العلماء
انب سے مجھے ستر روپیہ ماہانہ تنخواہ ملتی تھی۔ چند روز
بعد مولانا معین اللہ صاحب حضرت مولانا علی میاں
ب کے ساتھ سہارنپور تشریف لائے، میری محنت
یکھ کر بڑی شفقت سے باربار فرمایا کہ دودھ کا استعمال
لئے چنانچہ پندرہ روپیہ مزید الاؤنس دار العلوم ندوۃ العلماء
منظور فرمایا۔ جو آخر سال تک ملتا رہا۔

۱۹۷۰ء میں اس ناچیز کا قیام گجرات میں تھا،
ں بخاری شریف اور ترمذی شریف کے درس کی
عادت حاصل تھی حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے جب
ل المجہود کو حواشی کے ساتھ عربی ٹائپ پر طبع کرنے
ارادہ فرمایا تو اس ناچیز کو تحریر فرمایا کہ تم ایک سال
چھٹی لے کر میرے پاس آجاؤ اور اس کتاب کو
یح کردو یہ میری دیرینہ تمنا کے پورا ہونے کا ذریعہ ہے
ر تمہارے لئے صدقہ جاریہ۔ مگر اس سلسلے میں علی میاں
ر مولوی معین اللہ سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں دونوں
ضرات نے پرزور تائید کی اس سلسلے کے مکاتب
الفرقان" کے خصوصی شمارے میں شائع ہوچکے ہیں،
ضرت شیخ الحدیث کی جو کتابیں ندوہ سے چھپی ہیں
ن میں محترم مولانا معین اللہ صاحب اور برادرم مولانا
عبد الرحمن صاحب اعظمی ندوی کا بڑا حصہ ہے۔

دار العلوم میں تربیت و نگرانی کا بہت اہتمام
ہتا تھا حضرت مولانا منظور صاحب نعمانی نے ایک بار
فرمایا کہ مولانا معین اللہ صاحب تربیت میں توضیح کا
مہر رکھتے ہیں اس سلسلے کا ایک عجیب و غریب واقعہ
نقل کررہا ہوں جس سے مولانا معین اللہ صاحب کی
حکمت عملی اور مشائخ کی ان پر شفقت کا اندازہ لگایا
جاسکتا ہے۔

مظاہر میں گجرات کے ایک بڑے تاجر کے صاحبزادے دورۂ حدیث پڑھنے آئے ان کا پورا خاندان حضرت شیخ اور تبلیغ سے وابستہ ہے چنانچہ حضرت نے ان کے قیام کا انتظام فرمایا مگر ان کا مظاہر میں داخلے کے بعد یہ حال تھا کہ رات میں کمرے سے اور دن میں درجے سے غائب رہتے تھے ناظم صاحب نے حضرت شیخ سے شکایت کی کہ یہ طالب علم اب مدرسے میں رہنے کے قابل نہیں۔ حضرت نے حالات سے واقفیت کے بعد ایک پرچہ اس طالب علم کے نام لکھا۔ اس میں تحریر فرمایا کہ تمہارے بھائیوں کی وجہ سے ہم نے تمہارا خیال رکھا تھا مگر موجودہ حالت میں اب تمہارا رہنا مناسب نہیں۔ اس لئے چوبیس گھنٹے کے اندر مدرسہ خالی کردو، وہ طالب علم پرچہ لے کر مدرسے کے شیخ الحدیث اور اس کے بعد مولانا عبد المنان صاحب دہلوی اور کئی حضرات کے پاس گئے سب نے یک زبان کہا کہ مولوی تقی صاحب سے بات کرو کہ بذل المجہود کی وجہ سے حضرت شیخ کے قریب تھا، وہ صاحبزادے یہ پرچہ لے کر مولانا معین اللہ صاحب مرحوم کے پاس پہونچے، ان دنوں مولانا سہارنپور تشریف لائے ہوئے تھے چنانچہ مولانا نے اس ناچیز کو بڑی ترکیبوں سے بعد تیار کیا۔ عشاء کے بعد حضرت کی خصوصی مجلس میں اس طالب علم کو لے کر حاضر ہوا۔ آگے آگے یہ ناچیز اور پیچھے وہ طالب علم، حضرت نے پوچھا کون! اس طالب علم نے اپنا نام بتایا حضرت نے فرمایا کہ مولوی تقی بھی بڑھا کر لائے ہیں، اور زور سے ڈانٹ کر اس طالب علم سے کہا کہ بھاگ جاؤ، باہر لکڑی کے ٹال پر سے لوگ دوڑ کر آئے کہ کیا حادثہ پیش آگیا۔ اس طالب علم کی سعادت تھی کہ اس نے حضرت کے پیروں پر گر کر معذرت کرنا شروع کردی، حضرت کا لہجہ نرم پڑ گیا اور کہا کہ ایک ماہ کی مہلت دی جاتی ہے اور مولوی تقی اس کے ذمہ دار ہوں گے، صبح کی نماز کے بعد اس طالب علم کا چہرہ بدلا ہوا تھا جو کہ حضرت کی توجہ کی برکت تھی، اس کے بعد اس طالب علم نے مدرسہ سے تعلیم مکمل کی اور پھر ایک اللہ والے سے خلافت بھی ملی، یہ مولانا معین اللہ صاحب مرحوم کی حکمت عملی کا ایک نتیجہ تھا۔

ان کی عنایت و مہربانی کی داستان بڑی دراز ہے اس ناچیز کے ڈکٹور کے مرحلے میں انھوں نے کافی حوصلہ افزائی کی جس کی اس مختصر مقالہ میں گنجائش نہیں۔

مکاتب اور مدارس کے قیام میں ان کی مساعی اور کارناموں کو بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا جس کا ذکر اکثر تحریروں میں آچکا ہے حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کی منزل پڑھنے کی اکثر تاکید فرمانے اور کثرت سے اس کی اشاعت بھی فرمائی ان کے توسط سے یہ کتاب بہت زیادہ پھیلی اور بہت سے لوگوں نے اس کے پڑھنے کو معمول بنایا۔

ان کی بڑی تمنا تھی کہ ان کے اندور کی مسجد اور مدرسہ کی زیارت کروں افسوس کہ ان کی زندگی میں اس کا موقع نہیں مل سکا اللہ تعالیٰ مولانا کی اس یادگار کی زیارت کا موقع نصیب کرے، ان کے انتقال سے ندوہ کے حلقے میں بڑا خلا پیدا ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے رحم و کرم سے یہ خلا پر کرے۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

اسلام کی صداقت و حقانیت

محمد شاهد ندوی بارہ بنکوی

اسلام دین فطرت اور مکمل نظام حیات ہے جو عالمگیر بھی ہے اور ہمہ گیر بھی۔ تاریخ انسانیت اور تاریخ ادیان و مذاہب میں یہ منفرد مقام اور عظمت اسلام ہی کو حاصل ہے۔ یہ مذہب اسلام، ایک جامع ترین دین اور مکمل دستور حیات ہے جس کا مقصد خدائے واحد کی معرفت کی لڑی میں پوری انسانیت کو پرونا اور مخلوق کو خالق حقیقی سے اس کے تعلق کو صحیح طریقے سے جوڑنا ہے۔ اسلام ہی وہ عظیم ترین مذہب ہے جو انسان کو فکر و عمل کے صحیح نہج پر چلا کر اسے روحانی اور جسمانی غذا بہم پہونچاتا ہے۔

جامعیت و جاذبیت

اسلام دین حق بھی ہے اور دین کامل بھی، روئے زمین پر اسلام کے علاوہ آج کوئی مذہب و منہاج اور دین ایسا جامع صفات کا حامل نہیں ہے جو اسلام کی پاکیزہ اور صاف ستھری تعلیمات جیسی جامعیت و جاذبیت روحانیت اور کمال رکھتا ہو، اور یہ بات بھی مسلّم ہے کہ افراد و اقوام کی نشو و نما، عروج و ارتقا اور ملتوں قوموں اور جماعتوں کی تشکیل و تعمیر میں مذہب اسلام نے جو اہم کردار ادا کیا ہے دوسرے ادیان و مذاہب اس خصوصیت سے محروم ہیں۔

چاہے یہودی مذہب ہو یا عیسائی مذہب، بدھشٹ ہو یا ہندو دھرم، سکھ مذہب ہو یا جین دھرم، سب ہی اپنی حقانیت اور خصوصیت کھو بیٹھے ہیں۔ لیکن دین اسلام ہی وہ واحد اور وحید دین ہے جس کے پاس اب بھی دنیائے انسانیت کے لئے عظیم الشان روحانی پیغام اور زندگی کی نئی دعوت ہے۔ یہ وہی دین ہے جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے سوا چودہ سو سال پہلے انسانیت کے حوالہ کیا تھا۔ دین اسلام ایک بڑا طاقت ور اور روح پرور مذہب ہے جس سے زیادہ منصفانہ، بلند و برتر، افضل اور مبارک مذہب اس پورے عرصہ میں دنیائے انسانیت کو نہیں ملا۔

اسلام ہی وہ آفاقی اور عالمی مذہب ہے جس کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کرنے کے بعد ساری دنیا میں پھیلا کر اسلام کا چہار دانگ عالم میں ڈنکا بجا دیا۔ اور دنیا کے گوشہ گوشہ اور چپہ چپہ میں اسلام کو پہونچا دیا اور اپنے دین کا نام روشن کیا۔ آج کی بیسویں صدی کے انسانوں کے لئے بھی وہ ایسا ہی جامع ترین "تازہ" روح پرور اور مناسب حال ہے جیسا کہ چھٹی صدی عیسوی کے لئے تھا۔

پسندیدہ دین

اللہ تعالی نے اس دنیا میں جتنے بھی انبیاء اور مرسلین بھیجے ان سب کا دین اسلام تھا اور ان سب نے اسلام ہی کی تعلیم اور تبلیغ کی۔ کیونکہ اللہ تعالی کے نزدیک "پسندیدہ" قابل عمل اور فطرت انسانی کے عین مطابق دین صرف اسلام ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ" (آل عمران)

اللہ تعالی کے نزدیک پسندیدہ دین صرف اسلام ہی ہے۔

اس آیت کا پیغام یہ ہے کہ ہم تمام اعمال میں چاہے ان کا تعلق عبادات سے ہو یا عقائد سے اخلاق و معاشرت سے ہو یا تہذیب و تمدن سے اسلامی تعلیمات، اسلامی حدود اور اسلامی اصول کے پابند ہوں۔ یہ اللہ تعالی کا فضل ہے کہ اس نے اصول و عقائد اور طریق عبادات کے ساتھ ایک ایسا مستقل اور جامع نظام معاشرت عطا فرمایا ہے کہ کسی غیر کے دروازے پر دستک دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ لہٰذا ہم کو اسلامی تعلیمات پر عمل کر کے ان کو ہر جگہ ہر دور میں اور ہر وقت اسی کا نمونہ پیش کرنا چاہئے۔ کیونکہ ہم اسلام کی تعلیمات پر عمل کر کے ہی دنیا و آخرت کی فوز و فلاح، اللہ تعالی کی رضامندی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کر سکتے ہیں۔

دین در اصل محمدؐ کی اطاعت کا ہے نام
یہ حقیقت ہمیں قرآن نے بتائی ہے

اللہ تعالی کے نزدیک دین اسلام کی اتنی عظمت و اہمیت ہے کہ اسلام کے علاوہ جو کوئی بھی اور دین اختیار کرے گا وہ اللہ کے حضور میں قبول نہیں کیا جائے گا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ۔
(آل عمران۔ ۸۵)

اور جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی اور دین چاہے گا اس کا وہ دین ہرگز قبول نہ کیا جائیگا اور آخرت میں وہ ناکام و نامراد رہے گا۔

تکمیل دین اور اتمام نعمت

بلاشبہ دین حق کے تمام حدود و فرائض اور احکام و آداب مکمل کر دیئے گئے ہیں۔ اب اس میں نہ کسی اضافہ اور زیادتی کی ضرورت باقی ہے اور نہ کمی

کا خیال، قیامت تک مسلمانوں کا یہی دین رہے گا اور اس کو منسوخ کرکے دوسرا دین تجویز نہ کیا جائے گا۔ تکمیل دین، اتمام نعمت اور اسلام سے اپنی رضامندی کا اعلان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ (سورہ المائدہ)

آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کردیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کردیا۔ اور میں نے اسلام کو تمہارے لئے بحیثیت دین پسند کرلیا۔

یہ آیت قرآنی اتنی اہم اور اتنی اعلیٰ، قابل فخر، قابل قدر، قابل شکر اور قابل احسان ہے اور ایسی تاریخی یادگار ہے کہ قیامت تک اس کی یادگار منائی جاتی رہے۔

اس آیت کریمہ میں ملت اسلامیہ کے لئے ایک زبردست بشارت اور عظیم ترین انعام کا یہ اہم ترین مژدۂ جانفزا اللہ تعالیٰ کی طرف سے سنایا گیا ہے جو مسلمانوں کے لئے باعث افتخار اور قابل رشک ہے۔ اس بشارت اور خوشخبری کا اعلان حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات کے میدان میں کیا گیا۔ یعنی جو نعمت عظمیٰ مسلمانوں کو ملنے والی تھی وہ آج مکمل ہوگئی اور آج وہ دین اور عظیم ترین نعمت مکمل صورت میں امام الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کو پروردگار عالم کی جانب سے عطا کردی گئی۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۔ (سورۂ جمعہ ۴)

یہ خدا کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور خدا بڑے فضل کا مالک ہے۔

اسلام کی تعلیمات

ساری دنیا کے معاشرے میں جو اخلاقی بگاڑ اور انحطاط پیدا ہوگیا ہے اس کا سدباب اسلام اور پیغمبر اسلام کی تعلیمات پر عمل کرکے ہی کیا جاسکتا ہے۔ جس کی اہمیت و افادیت پر چودہ سو سال گذر جانے کے بعد بھی تغیرات زمانہ کی گرد نہیں جم سکی ہے۔

آج بھی دنیائے انسانیت کو اسلام کی پاکیزہ اور صاف ستھری تعلیمات کی ضرورت ہے، اسلام کی امتیازی شان اور نمایاں تعلیم "ایمان اور عقیدہ" کا صحیح اور کتاب و سنت کے مطابق ہونا ہے۔ اگر کسی کے عقیدہ میں خلل اور ایمان میں تزلزل ہے تو اس کی نہ کوئی عبادت قبول ہوگی اور نہ اس کا کوئی عمل قابل قبول ہوگا۔ اس کے برعکس اگر عقیدہ درست اور ایمان کامل ہے تو اس کا تھوڑا عمل بھی اللہ تعالیٰ کی نظر میں بہت ہے۔ اس لئے ہر شخص کو اس کی فکر کرنا چاہئے کہ اس کا ایمان اور عقیدہ صحیح اور درست ہو تاکہ وہ دنیا اور آخرت میں کامیاب اور اللہ تعالیٰ کی نظر میں سرخرو ہوسکے۔

توحید، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، حسن اخلاق ادائے حقوق، معاملات میں درستگی، معاشرت میں ایک دوسرے کا خیال، رزق حلال کا حاصل کرنا، حرام مال سے اجتناب اور غریبوں کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم اسلام نہایت تاکید کے ساتھ دیتا ہے۔

اسلامی قیادت و سیادت

اسلامی تعلیمات اور اسلامی قیادت و سیادت کی آج اسی قدر اہمیت و ضرورت بڑھ گئی ہے جتنی کہ اسلام کے دور اول میں تھی اور اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ اسلام ہی روحانی اور ظاہری و باطنی قدروں کا علمبردار ہے۔ اسلام ہی وہ برحق مذہب ہے جس نے تدریجی طور پر انسانوں کو غلامی سے نجات دلائی اور سرفرازی و سربلندی سے نوازا۔

اسلام کی تعلیمات، اسلام کی دعوت، اسلام کی سچی قیادت، اسلام کی صاف ستھری سیاست اور اسلام کی پاکیزہ سیادت کے ذریعہ عہد اول کے بعد مسلمانوں نے جس شان و شوکت اور عدل و انصاف کے ساتھ دنیا کے ملکوں میں حکومتوں کی باگ ڈور سنبھالی اور صاف و شفاف سیاست کی بنیاد رکھی، عصر حاضر میں اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

شمع ایمان کی حفاظت

آج اسلام مخالف تحریکیں اور اسلام دشمن طاقتیں یہ چاہتی ہیں کہ دنیا سے اللہ کا نام اور اسلام کا ابدی پیغام نیست و نابود ہوجائے اور شمع ایمان گل ہوجائے، اور دنیا میں اللہ تعالیٰ کا نام لینے والے باقی نہ رہیں تو انشاء اللہ ایسا کبھی نہ ہوا ہے اور نہ کبھی ہوگا۔

(رحق شمع الٰہی کو بجھا سکتا ہے کون ؟
جس کا حامی ہو خدا اس کو مٹا سکتا ہے کون؟

اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں اسلام کی بقاء اور عظمت کا اعلان کرتے ہوئے صاف صاف فرمادیا۔ "یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۔ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ"۔

(سورۃ الصف ۸-۹)

یہ کافر لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور (یعنی اسلام) کو اپنے منہ سے پھونک مار کر بجھادیں حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے نور کو کمال تک پہونچا کر رہے گا۔ گو کافر لوگ کیسے ہی ناخوش ہوں۔ (چنانچہ) وہ اللہ ایسا ہے جس نے (اس اتمام نور کے لئے) اپنے رسولؐ کو ہدایت (کا سامان یعنی قرآن) اور سچا دین (یعنی اسلام) دے کر بھیجا ہے تاکہ اس (دین) کو تمام (بقیہ) دینوں پر غالب کردے۔ (کہ یہی اتمام ہے) گو مشرک کیسے ہی ناخوش ہوں۔

اسلام کے شجر ثمردار پر ہر زمانہ میں باطل نے حملے کئے لیکن اس پر کبھی حرف نہیں آیا۔ بلکہ اسلام کو ان حملوں سے مزید تقویت ہی ملی، اور جب کبھی بھی شر نے اپنا سر اٹھانے کی کوشش کی تو خیر و صلاح اور فلاح و کامیابی اسلام کو ملی اور حق کو فتح حاصل ہوئی۔

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی وہ ابھرے گا جتنا کہ دباؤ گے

اسلامی رہنماؤں کی ذمہ داری

اسلام کے قائدین اور رہنماؤں کی اس پر فتن زمانہ میں ذمہ داری یہ ہے کہ اسلام کی دعوت و تعلیم، اسلام کی قیادت اور اسلام کی سچی سیادت کا کام اس نہج پر اٹھائیں جس نہج اور طریقہ پر اللہ کے محبوب رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکی اور مدنی دور میں اٹھایا تھا۔ "لَنْ يَصْلُحَ آخِرُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ إِلَّا بِمَا صَلُحَ بِهِ أَوَّلُهَا" (اس امت کی صلاح و فلاح اسی بات میں مضمر ہے کہ امت کے پہلے طبقہ کے طریقہ کار کو اختیار کرے اور اپنا لے۔)

اللہ تعالیٰ نے علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے وہ زندہ جاوید جملہ کہلوایا جو آج بھی مسلمانوں کے لئے مشعل راہ اور منارۂ نور ہے انھوں نے کہا کہ:

"دوسری قوموں کی ترقی یہ ہے کہ آگے بڑھتے جائیں آگے بڑھتے جائیں۔ لیکن مسلمانوں کی ترقی یہ ہے کہ وہ پیچھے ہٹتے جائیں، پیچھے ہٹتے جائیں یہاں تک کہ صحابہؓ کی صف سے جاکر مل جائیں۔"

ہماری ذمہ داری ہے کہ اسلام کی پاکیزہ تعلیمات اور اخلاق و کردار کے ذریعہ مسلمانوں میں خود اعتمادی کا پیدا کریں۔ ان میں ماضی پر اعتماد اور مستقبل کے بارے میں امید و حوصلہ پیدا کریں تاکہ دین اسلام پر ان کا ایمان اور یقین تازہ، زندہ اور کامل ہو جائے جس کا وہ نام تو لیتے ہیں لیکن اس کی حقیقت سے ناآشنا ہیں، ان کا تعلق اس دین سے زیادہ تر نسلی اور موروثی ہے، اور انھوں نے اس کو بہت کم سمجھنے کی کوشش کی ہے۔

مسلمانوں کی وہ اسلامی تحریکیں اور جماعتیں اور دینی و اسلامی ادارے جن کے اندر اثر و رسوخ اور قائدانہ صلاحیت موجود ہے وہ مسلمانوں میں دینی، دعوتی، اصلاحی، تعلیمی، تربیتی طریقوں سے کام کریں۔ اس کام کی بنیاد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر رکھیں۔ تاکہ دنیا کے اندر قرآن و حدیث کا پیغام عام ہو، توحید و رسالت کا پیغام عام ہو، صدیق اکبرؓ کی صداقت کا پیغام عام ہو۔ فاروق اعظمؓ کی عدالت کا پیغام عام ہو، عثمان غنیؓ کی سخاوت کا پیغام عام ہو، علی مرتضیٰؓ کی شجاعت کا پیغام عام ہو۔ حسن اور حسین کی سیادت کا پیغام عام ہو، عشرۂ مبشرہ کی قائدانہ صلاحیت کا پیغام عام ہو، تمام صحابہ کرام اور قائدین اسلام کی دعوت و قیادت کا پیغام عام ہو۔

یقیناً عصر حاضر میں اسلام کی قیادت و سیادت کا جھنڈا اسی وقت بلند ہوگا جبکہ پیغمبر اسلام اور خلفائے راشدین کے اسوۂ حسنہ اور نمونہ پر قیادت و سیادت کی بنیاد قائم ہوگی ؂

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

مدرسہ مظہر الاسلام لکھنؤ میں جلسہ دستار بندی و تقسیم انعامات

مدرسہ مظہر الاسلام شاخ دار العلوم ندوۃ العلماء میں جلسہ دستار بندی و تقسیم انعامات ۲۲ نومبر ۱۹۹۹ء کو منعقد ہوا۔ جس کی صدارت دار العلوم ندوۃ العلماء کے نائب ناظم اور مہتمم مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے فرمائی۔ تلاوت کلام پاک سے قاری محمد عثمان صاحب نے جلسہ کا آغاز کیا، اس کے بعد ترانۂ مدرسہ پڑھا گیا۔ پھر عربی، اردو اور انگریزی تحریر و تقریر کے انعامی مقابلوں میں جو طلبہ اول آئے تھے انھوں نے اپنی تقریریں کیں اور فارغ ہونے والے حفاظ و قراء کی دستار بندی کی گئی۔ اس کے بعد مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے دست مبارک سے انعامات تقسیم کئے گئے۔ اس موقع پر مدرسہ عالیہ عرفانیہ کے مہتمم قاری مشتاق احمد صاحب نے حفظ قرأت کے تمام فارغ ہونے والے طلبہ کو سو سو روپئے بطور انعام دیئے اور ادارہ احیاء السنہ و اصلاح المنکرات کے ناظم محترم نور عالم علوی صاحب نے حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب مدظلہ کی کتابوں پر مشتمل سیٹ اور قرآن کریم تحفہ میں دیئے۔

صدر جلسہ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، مولانا سید سلمان حسینی ندوی اور مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری نے علم کی اہمیت و ضرورت اور افادیت پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ جلسہ میں دار العلوم ندوۃ العلماء، جامعہ سید احمد شہید، مدرسہ عالیہ عرفانیہ، مدرسہ عالیہ فرقانیہ، دار العلوم فاروقیہ، مدرسہ تجوید الفرقان اور دیگر مدارس کے اساتذہ و طلبہ کے علاوہ اہل شہر نے بہت بڑی تعداد میں شرکت کی۔ اہم شرکاء میں مولانا سید محمد واضح رشید ندوی دار العلوم ندوۃ العلماء، قاری مشتاق احمد مہتمم مدرسہ عالیہ عرفانیہ، حافظ عبد الرشید نگراں مدرسہ عالیہ فرقانیہ، مولانا عبد العلی فاروقی مہتمم دار العلوم فاروقیہ کاکوری، قاری صبغت اللہ صدیقی مہتمم مدرسہ تجوید الفرقان مولانا رفیق القاسمی صدر انجمن تعلیمات دین کے نام قابل ذکر ہیں۔

مدرسہ مظہر الاسلام کے مہتمم مولانا سید عمار حسنی ندوی نے مدرسہ کی سالانہ رپورٹ پیش کی اور ناظم مدرسہ مولانا سید اسحاق حسینی ندوی نے نظام کے فرائض انجام دیئے اور مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ اور مولانا سید سلمان حسینی ندوی کی دعا پر جلسہ کا اختتام ہوا۔

تحریک آزادی میں

علماء کی جاں نثاری

محمد محسن عالم ندوی

انگریز ہمارے ملک میں ایک تاجر کی حیثیت سے آئے، انھوں نے سب سے پہلے "ایسٹ انڈیا" کمپنی کی ١٦٠٠ء میں بنیاد ڈالی، مزید اپنی تجارت کو فروغ دینے کی خاطر کمپنی نے "سر طامس رو" کو انگلستان کے بادشاہ جیمس اول کا خط لے کر مغل بادشاہ کے دربار میں بھیجا، تین سال کی متواتر جد وجہد کے بعد کچھ مراعات حاصل کر لی، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ کمپنی نے نہایت ہی چابک دستی سے، سورت، مدراس، بمبئی، کلکتہ وغیرہ کو اپنے زیر اثر لے لیا اور جگہ جگہ بے شمار کوٹھیاں بنوائیں اور اپنی حفاظت کے لئے قلعے بھی بنوائے، جن سے ان کے حوصلے بہت بڑھ گئے، ١٨٥٦ء تک ہندوستان کا ایک بڑا حصہ انگریزی سلطنت میں شامل ہو گیا، ہندوستان میں جنگ آزادی کی تاریخ حضرت سید احمد شہیدؒ سے شروع ہوتی ہے انھوں نے اپنے خون جگر سے ملک کی آزادی کی آبیاری کی تھی، حضرت کی دور بیں نگاہ نے ہندوستان میں انگریزی اقتدار قائم ہونے کے خطرہ کا احساس سلطان ٹیپو کے بعد کر لیا، چنانچہ انھوں نے گوالیار کے مہاراجہ دولت راؤ سندھیا اور ان کے وزیر اعظم ہندو راؤ کے نام خط لکھا کہ انگریز ہمارے ملک پر قابض ہونے جا رہے ہیں، آیئے ہم اور آپ مل کر ان کا مقابلہ کریں۔

١٨٥٧ء میں ہندوستان کے چپے چپے سے شورش و بغاوت اور انقلاب کی آگ بھڑک اٹھی اور تحریک ترک موالات میں ہندوؤں اور مسلمانوں نے بڑے جوش و خروش سے حصہ لیا، اور لوگوں کو تلقین کی گئی کہ انگریزی حکومت سے ترک تعاون کریں، ولایتی کپڑے کا استعمال چھوڑ دیں، سرکاری نوکری کو خیرباد کہیں، عدالتوں کا بائیکاٹ کریں، کونسلوں میں نہ جائیں، ٹیکس دینا بند کر دیں۔

اس تحریک کے زور پکڑتے ہی انگریزی حکومت تلملا اٹھی اور اس کو بزور طاقت دبانے کی کوشش کی، مارشل لا نافذ کر دیا گیا، جلیان والا باغ میں گولی چلائی گئی، ہوائی جہازوں سے گولے برسائے گئے، جس میں ہزاروں ہندوستانی مارے گئے اور بیشمار زخمی ہوئے، ملک کے بڑے بڑے رہنماؤں کو سخت سے سخت قید وبند کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں۔ اگر ایک طرف مہاتما گاندھی، ڈاکٹر راجندر پرساد، مولانا محمد علی جوہرؒ، مولانا ابو الکلام آزادؒ، سبھاش چندر بوس وغیرہ اپنے وطن کی آزادی کی خاطر چٹان کی طرح جمے رہے تو دوسری طرف ہمارے بوریہ نشین اکابرین علمائے کرام نے انگریزوں کے خلاف اعلان جہاد کر دیا، مجاہدین کے دو مرکز بنے، ایک مرکز دہلی، جس کی قیادت مولانا نصیر الدین دہلویؒ نے سنبھالی، دوسرا مرکز صادق پور جس کی قیادت مرد مجاہد مولانا ولایت علی عظیم آبادیؒ نے سنبھالی، انگریز سامراج کے خلاف یہ عظیم انقلاب تھا جس کے اصلی رہبر وہی علمائے کرام تھے جن میں سر فہرست حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، حافظ ضامن شہیدؒ، مولانا منیر احمدؒ، سید حسن عسکریؒ وغیرہ حضرات ہیں جنھوں نے طاغوتی طاقتوں اور باطل نظریات کا منہ توڑ جواب دیا، ہمیشہ ان کے پیش نظر خداوندی فرمان رہا "اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ" خدا نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کا مال خرید لئے ہیں (اور اس کے عوض میں ان کے لئے بہشت تیار کی ہے۔

جنھوں نے اہل وطن کو جذبۂ جہاد، ایثار وقربانی سے اتنا سرشار کر دیا کہ ملک کے گوشے گوشے سے "انقلاب زندہ باد"، "نعرۂ تکبیر اللہ اکبر" کی صدا بلند ہونے لگی، اور ملک کی آزادی کی خاطر ہر شخص اپنی جان قربان کر دینا آسان سمجھتا تھا، بالآخر انگریزوں نے بغاوت وسازش کے الزام میں اکابرین علما کے نام گرفتاری کا وارنٹ جاری کیا، جس کی وجہ سے حضرت حاجی صاحبؒ اور شیخ الہندؒ دونوں ہجرت کر کے مکہ چلے گئے اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ گرفتار ہوئے، آخر سات ماہ تک قید کی صعوبت جھیلنے کے بعد رہا ہوئے، تحریک جہاد کے کئی رہنماؤں پر بھی مقدمے چلائے گئے جن میں مولانا یحییٰ علی عظیم آبادیؒ، مولانا احمد اللہ عظیم آبادیؒ، مولانا محمد جعفر علی تھانیسریؒ کو پھانسی کی سزا سنائی گئی اور کہا گیا کہ تمہاری ساری جائداد بحق سرکار ضبط کی جاتی ہے، پھانسی کے بعد تمہاری لاش تمہارے ورثا کے حوالے نہ کی جائے گی، بلکہ بدنصیبوں کے قبرستان میں دفن کر دی جائے گی، جب انگریز جج فیصلہ سنا چکا تو مولانا محمد جعفرؒ نے فرمایا کہ "تمام انسانوں کی جانیں اللہ کے ہاتھ میں ہیں، وہی مارتا ہے، وہی زندگی بخشتا ہے، تمہارے ہاتھ میں نہ زندگی ہے نہ موت ہم میں سے کون موت کا مزہ پہلے چکھے گا کوئی نہیں بتا سکتا سوائے اللہ کے" انگریز جج ... مولانا

یہ جراُت مندانہ وبیباکانہ جواب سن کر غصہ سے بے قابو ہوگیا اور اپنا حکم سنانے کے بعد وہ انگریز اچانک مرگیا۔

انگریز افسر پارسن جس نے مولانا محمد جعفر علی کو گرفتار کیا تھا ایک روز آٹھ بجے صبح سے آٹھ بجے رات تک مارتا رہا، وہ بھی پاگل ہوگیا اور اسی پاگل پن اور جنون کی حالت میں بری طرح اس کی موت واقع ہوئی، اور وہی ہوا جس کی بابت مولانا محمد جعفر علی تھانیسری نے پہلے ہی آگاہ کیا تھا، مذکورہ چاروں علماء نے جب پھانسی کا حکم سنا تو خوشی ومسرت سے ان کے چہرے دمکنے لگے اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جنت کے تمام مناظر، حور وقصور ان کی نظروں کے سامنے ہوں، تماشائی یہ پر کیف منظر دیکھ کر حیرت زدہ اور انگشت بدنداں تھے۔ آخر کار ایک انگریز افسر آگے بڑھا اور کہا کہ میں نے آج تک ایسا منظر نہیں دیکھا۔ تم کو پھانسی کا حکم سنایا گیا ہے اور تم ایسے خوش اور مطمئن ہو! مولانا محمد جعفر علیؒ نے جواب دیا کہ ہمیں شہادت جیسی لازوال نعمت پر خوشی کیوں نہ ہو، اللہ ہمیں شہادت کی دولت سے سرفراز کر رہا ہے اور تم بے چاروں کو اس کا مزہ کیا معلوم؟

ایک دن انبالہ کا حاکم ضلع مجسٹریٹ جیل میں آیا اور یہ حکم سنایا کہ اے باغیو! چونکہ تم پھانسی کے خواہش مند ہو اور اس کو راہ خدا میں شہادت سمجھتے ہو اور ہم یہ نہیں چاہتے کہ تم اپنی دلی مراد کو پہونچو اس لئے ہم پھانسی کا حکم تبدیل کرکے تم کو جزائر انڈمان میں عمر قید کی سزا دیتے ہیں۔ ان لوگوں کی داڑھی اور سر کے بال ترشوا دیئے گئے، مولانا یحییٰ اکثر اپنی کٹی ہوئی داڑھی پر ہاتھ پھیر کر کہتے، یہ جو کچھ تیرے ساتھ کیا گیا یہ سب اللہ کے راستے میں ہے! اسی طرح جیل میں بھی یہ حضرات علمائے کرام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا گراں قدر فریضہ انجام دیتے ہے ہزاروں مجرم ان کے ہاتھ پر تائب ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ مولانا یحییٰؒ جیل کے ہی اندر ۱۸۶۸ء میں اپنے رب حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور باقی ماندہ حضرات کی اٹھارہ سال قید بامشقت جھیلنے کے بعد ۱۸ر جنوری ۱۸۸۳ء میں رہائی عمل میں آئی۔

یہ پوری تاریخ ہے وحشت وبربریت کی، حوادث ومصائب اور ایذارسانی کی جس کو سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ پر بغاوت کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا، جب آپ کراچی کے سٹی مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش ہوئے اور جس جراُت وبے باکی سے حق گوئی کا مظاہرہ کیا وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے، چنانچہ آپ نے مجسٹریٹ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ اگر لارڈ ریڈنگ ہندوستان اس لئے بھیجے گئے ہیں کہ "قرآن کو جلا دیں، حدیث کو مٹا دیں۔ فقہی کتاب کو برباد کر دیں، تو اسلام پر سب سے پہلے جان قربان کر دینے والا میں ہوں گا" یہ پر جوش اور تاریخی جملہ سن کر تمام مجمع نے جزاک اللہ اور مرحبا کہا، اور مولانا محمد علی جوہرؒ نے آگے بڑھ کر حضرت شیخ الاسلام کے قدم چوم لئے، علامہ اقبال نے ایسے ہی موقع کے لئے کہا تھا کہ ؎

آئین جوانمرداں حق گوئی وبے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے شاگرد رشید اسیر مالٹا حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ جنھوں نے آزادیٔ ہند کی وہ بین الاقوامی تحریک چلائی جو "ریشمی رومال" کے نام سے مشہور ہے، ان کی ساری زندگی جہاد اور اس کی تیاری میں گذری، جب وفات کا وقت قریب آیا تو طبیعت پر آزردگی دیکھ کر بعض لوگ یہ سمجھ بیٹھے کہ حضرت کو موت کی فکر ہے، پوچھنے پر جواب ملا کہ میری یہ آرزو تھی کہ کسی میدان کارزار میں موت آتی، سر کہیں ہوتا اور دھڑ کہیں، غم اس کا ہے کہ آج بستر پر مر رہا ہوں۔

ادھر مولانا محمد علی جوہرؒ لندن گئے اور حکومت برطانیہ سے مطالبہ کیا کہ مجھے جب تک اپنے ملک کی آزادی کا پروانہ نہیں مل جاتا میں اس وقت تک اپنے غلام ملک میں نہیں جا سکتا چاہے یہیں میری موت آجائے اللہ نے مولانا کی آرزو پوری کر دی اور مولانا لندن ہی میں وفات پاگئے ؏

جیتے جی کچھ نہ دکھلائی بہار
مر کے جوہرؔ آپ کے جوہر کھلے (جوہرؔ)
خاک قدس اور ا بآغوش تمنا گرفت
سوئے گردوں رفت زاں راہے کہ پیغمبر گذشت

انگریزوں نے جہاد کی تحریک کو دبانے کی ہر ممکن کوشش کی مگر وہ ناکام رہے بالآخر پچاس ہزار علماء نے سر پر کفن باندھ کر حاجی صاحبؒ کی قیادت میں شاملی کے تاریخی میدان میں شریک جنگ ہوئے، انگریزوں سے سخت مقابلہ ہوا۔ اس فیصلہ کن جنگ میں ۲ لاکھ مسلمانوں نے شہادت پائی اور چودہ ہزار علماء کو بغاوت کے جرم میں سزائے موت دی گئی سات روز تک قتل عام رہا، وحشی درندوں نے بچوں تک کو مار ڈالا اور عورتوں کے ساتھ جو سلوک کیا وہ بیان سے باہر ہے۔ ایسی صورت میں برطانوی سرکار نے ہندوستان کو آزاد کر دینا ہی مناسب سمجھا! مجاہدین کی بے لوث ایثار وقربانی اور صحیح حب الوطنی آخر رنگ لائی، اور پیہم جدوجہد کے نتیجہ میں ہندوستان آزاد ہوا۔

ملک آزاد ہوئے عرصہ گذر گیا مگر آج بھی مسلمان غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں آج بھی وہ اپنے تمام حقوق سے محروم ہیں۔ کیا زیادہ حب الوطنی اور قربانی پیش کرنے کا یہی صلہ ہے۔

اچھے کام کی کوشش کرو

اے مومن! اگر تم نے گذرے ہوئے لمحات میں کوئی اچھا کام کیا ہے تو آنے والے اوقات میں مزید اچھے کام کرنے کی کوشش کرو، اور اگر کوئی غلطی کی ہے تو اس کا کفارہ ادا کرو۔

اسلام کا بے داغ چہرہ

● محمد وسیم صدیقی ندوی

دنیا کے اندر بہت سے انبیاء کرام اور بہت سے دیوتا اور رہنمائے قوم آئے اور ہر ایک نے ایک عقیدہ، ایک نظریہ، ایک اصول ایک ضابطہ، ایک مذہب پیش کیا اور ہر ایک کے کم و بیش ماننے والے رہے، اور ہر ایک کا مذہب و نظریہ بھی ایک مختصر وقت تک رائج رہا۔ اور مختصر مدت تک کارآمد و مفید رہا پھر ان کی افادیت ختم ہوگئی اور گردشِ زمانہ اور حوادثات دہر نے ان کو مٹا دیا اور آج ان کا کوئی متبع و نام لیوا موجود نہیں

ہر مذہب نے وقت و زمانہ کے لحاظ سے مخصوص قوم و فرد کیلئے کچھ اصول و ضوابط بنائے زندگی گزارنے کے کچھ قواعد پیش کئے لیکن بعد میں وہی اصول فرسودہ و بیکار ثابت ہوئے۔ لیکن اسلام ہی وہ سچا اور لازوال ابدی مذہب ہے جو ہر زمانہ و قوم کیلئے رہتی دنیا تک مفید و کارآمد ہے اور اس کے پاس وہ اصول و احکام اور وہ اعلیٰ و بلند تعلیمات موجود ہیں جو کسی مذہب میں نہیں پائی جاتی ہیں اور نہ ان کا وجود ہے، یہ اسلام کی حقانیت کی واضح و روشن دلیل ہے، اسلام جو تمام ترفتنوں و چیلنجوں۔ اور تعاملِ آرائی کے باوجود برابر پروان چڑھ رہا ہے، اس کی صورت کو مسخ کرنے کیلئے کفار و مستشرقین کی طرف سے طرح طرح کے اعتراضات کئے جا رہے ہیں اور اس کے بے داغ و روشن چہرہ کو داغدار بنانے کیلئے نہایت شگفتہ و شیریں الفاظ میں بے بنیاد الزامات لگائے جا رہے ہیں، کبھی سنتِ نبوی کی صحت پر شک کا اظہار کیا جاتا ہے تو کبھی اسلام کو نفسیاتی مذہب قرار دیا جاتا ہے۔ بہرحال مختلف طرح کے اعتراضات کے ذریعہ اسلام کے تابناک چہرہ کو مسخ کیا جا رہا ہے اور ناپاک عزائم کے تحت اس کو ناکارہ ثابت کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ لیکن اسلام ہے کہ برابر بڑھتا ہی جا رہا ہے اور روز بروز مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہی ہو رہا ہے، فوج در فوج لوگ مشرف بہ اسلام ہو رہے ہیں آپ اخبارات و رسائل و جرائد و مجلات کا اگر مطالعہ کرتے ہوں گے تو ضرور اس بات کی شہادت دیں گے کہ آئے دن اسلام لانے والوں کی خبریں اخباروں میں آتی رہتی ہیں، کیا یہ اسلام کی صداقت کی دلیل نہیں؟ کیا آپ اس سے بڑھ کر کوئی دلیل چاہتے ہیں؟ شاید دنیا کے کسی اور مذہب پر اتنے زیادہ اعتراضات و الزامات لگائے جاتے تو کب کا اس کا وجود ختم ہوگیا ہوتا اور آج اضافہ تو کیا اس کا ایک بھی نام لیوا نہ ملتا لیکن آج بحمداللہ چودہ سو سال گذر جانے کے بعد بھی اسلام کا درخت اسی طرح سرسبز و شاداب ہے اور پھل پھول رہا ہے جس کی گواہی اپنے تو کیا پرائے بھی دینے پر مجبور "والفضلُ ما شهدت به الاعداء" کتنے ایسے انگریز اور غیر مسلم مؤرخین اور محققین ہیں جنھوں نے اسلام کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد اس بات کی شہادت دی کہ واقعی اسلام ہی ایسا مذہب ہے جو سچا، مکمل اور دنیاوی و اخروی اعتبار سے مفید اور کارآمد ہے اور وقت و حالات کا ساتھ دیتے ہوئے انسان کی فلاح و سعادت کا ضامن ہے اور دنیا کے تغیرات اس پر اثرانداز نہیں ہوتے لیکن حالات سے مجبور ہیں کہ حلقۂ اسلام میں داخل نہیں ہوسکتے کیونکہ ایمان کا معاملہ یہ ہے کہ:

"یضلّ من یشاء و یهدی من یشاء"

خدا وحدہٗ لاشریک جس کو ہدایت نہ دے وہ ہدایت نہیں پا سکتا، مثال کے طور پر ایک متعصب نصرانی کا قول ملاحظہ فرمائیں،

" اسلامی عقیدہ صاف و شفاف عقیدہ ہے اسے وہی سمجھ سکتا ہے جو عقل سے کام لے اور تعصب کی عینک اتار کر دیکھے، میں نے اسلام میں آکر خدا کی معرفت حاصل کی اور علم کی معرفت ہی ہدایت کی رسی ہے جس سے نصرانی ناآشنا و ناواقف ہیں یہی وجہ ہے کہ جو شخص اسلام میں داخل ہوتا ہے وہ پھر کبھی مرتد ہونے کا نام نہیں لیتا۔"

ایک مشہور انگریز مورخ لکھتا ہے کہ اسلام وہ مذہب ہے جو ایک مذہبی، تمدنی، ملکی معاشرتی، تجارتی، قومی، عدالتی، ہر شعبہ کا ضابطۂ حیات پیش کرتا ہے وہ زندگی پر حاوی ہے۔ مذہبی عبادات سے لیکر تجارتی کاروبار تک، صحت جسمانی و حقوق افراد سے لیکر حقوقِ جماعت تک، اخلاق سے لیکر جرائم۔

اور دنیا کی نئی سزائے لیکر دینی جزاو سزا تک غرضیکہ تمام اصول و قواعد موجود ہیں۔ اسی طرح کا اظہار فرانس کا مشہور جرنیل نپولین کرتا ہے اور کہتا ہے وہ دن دور نہیں کہ ایک دن پوری دنیا میں اسلامی طرز کی حکومت قائم ہوگی۔ ڈاکٹر سیل لڈوف کرپیل وغیرہ نے بھی ایسے ہی کہا

تازہ ترین اطلاع کے مطابق حال ہی میں شمالی جمہوریہ یورنڈی میں ایک گاؤں نے اسلام قبول کیا جس کی علمی وثقافتی اور مالی تعاون کیلئے رابطۂ عالم اسلامی کے ڈائرکٹر نے تمام مسلموں اسلامی تحریکوں، اور دینی جماعتوں سے تعاون کی اپیل کی ہے، ساتھ ہی ان نومسلموں کی تربیت وتعلیم کے لیے ایک مسجد کی بنیاد ڈال دی ہے اسی طرح خبر ملی ہے کہ یوگنڈا میں ایک گاؤں نے اسلامی عمل ومساوات اور باہمی حسن وسلوک فقراء ومساکین کے ساتھ شفقت وغمخواری جیسے اسلامی اقدار سے متاثر ہوکر اسلام قبول کیا ہے، ان کے عقائد کی اصلاح اور حلقۂ اسلام میں داخل ہونے والی ذمہ داریوں سے روشناس کرانے کے لئے دعوتی اصلاحی لٹریچر کی اشاعت کا مختلف تحریکیں انتظام کررہی ہیں اسی طرح آسٹریلیا کے مغربی جزیرہ ساموا سے موصولہ اطلاعات سے معلوم ہوا ہے کہ وہاں مسلمانوں کی تعداد میں قابل قدر اضافہ ہورہا ہے جس کی وجہ سے ثقافتی تعلیمی وتربیتی ضروریات بھی بڑھتی جارہی ہیں۔

ایک امریکی نومسلم خاتون ثریا ابھی جلد ہی مشرف بہ اسلام ہوئی ہیں اور انھوں نے کہا اسلام لانے کے بعد میں اپنی زندگی میں وقار ومقصدیت محسوس کرتی ہوں، اخبار العالم الاسلامی کے مطابق نصرانی فرانسیسی نومسلم ہنری ابھی جلد ہی اسلام لائے ہیں اور انھوں نے اپنا نام مختار احمد سیردغ رکھا ہے ابھی حال ہی میں تنزانیہ کے سابق صدر نریرے کا خاندان گذشتہ دنوں رابطۂ عالم اسلامی کے نمائندے شیخ مصطفی عباس کے ہاتھ پہ مشرف بہ اسلام ہوگیا، یہ خبر جہاں عالم اسلام کے لئے ایک مژدۂ عظیم تھی وہیں عیسائی دنیا کے لئے ایک المناک ومایوس کن خبر تھی، کیوں کہ نریرے کی اسلام دشمنی اور مسلم بیزاری کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، نریرے وہ سخت گیر متعصب عیسائی لیڈر ہے جس نے اپنے دور اقتدار میں مسلمانوں پر بے تحاشہ مظالم ڈھائے، یہ سب اسلام کی صداقت و حقانیت کی دلیل نہیں تو اور کیا ہے، اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے ایک مکمل دستور ہے، ایک مکمل نظام وقانون ہے۔ اس میں سیاسی، اقتصادی، اخلاقی وعلمی، دینی ودنیوی معاملات ومعاشرت، اتحاد واتفاق، عدل و انصاف، توحید ووحدانیت وہ تمام چیزیں موجود ہیں جو ایک لافانی وعالمگیر مذہب کے لئے ضروری ہیں۔ غریب وامیر، شاہ وگدا، صغیر وکبیر اپنے وبیگانے سبھی کے لئے اعلیٰ تعلیمات موجود ہیں اور ایک سچے وزندہ جاوید مذہب کیلئے یہ سب ایسی چیزیں ہیں جن کی کسی دوسرے مذہب میں نظیر ملنا مشکل ہے، یہی اس مذہب کی صداقت وحقانیت کی دلیل ہے۔

دعائے مغفرت

مولانا نذیر احمد ندوی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء کی والدہ صاحبہ کا مورخہ ۲۵/ نومبر ۱۹۹۹ء کو تقریباً ۶۵ سال کی عمر میں انتقال ہوگیا، مرحومہ دیندار، پابند صوم وصلوٰۃ تھیں، ادھر تین سال سے گردہ وجگر کے عارضہ میں مبتلا تھیں۔ قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

مولانا محمود احمد خاں ندوی اپنے مالک حقیقی سے جاملے

معروف عالم دین ومشہور خطیب ومقرر مولانا محمود احمد خاں ندوی کا ۳۰/ نومبر ۱۹۹۹ء کو بعد نماز عشاء ان کے آبائی وطن کرنیل گنج گونڈہ میں طویل علالت کے بعد انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا نے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم حاصل کی، انھیں حدیث، فقہ، تصوف، تاریخ، علم کلام نیز مذاہب وادیان پر عبور حاصل تھا۔ مولانا نہایت خلیق وملنسار اور علم دوست انسان تھے اور زہد وتقویٰ، حفظ ویادداشت خاکساری وبردباری میں نمونۂ اسلاف تھے۔

مولانا کے مواعظ نہایت مؤثر، پُرمغز اور مدلل وزبان وبیان کی ندرت سے مملو ہوتے تھے۔

مولانا کے مواعظ اور ان کے تصنیف کردہ مختلف موضوع پر چھوٹے چھوٹے کتابچوں سے بڑی اصلاح ہوئی۔ ہزاروں لوگوں کی زندگیوں میں تبدیلیاں آئیں۔

مولانا کے پسماندگان میں تین بیٹے اور پانچ بیٹیاں ہیں۔ موصوف کے منجھلے صاحبزادے تنویر احمد خاں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں عالیہ ثانیہ کے طالب علم ہیں۔ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کے حسنات کو قبول فرما کر ان کے مراتب بلند فرمائے۔ نیز جملہ احباب، متعلقین وپسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

قارئین کرام سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

تصحیح

مولانا انعام اللہ قاسمی کی کتاب "مکھیوں کا گلدستہ" پر ۵/ نومبر ۱۹۹۹ء کے شمارہ میں تبصرہ شائع ہوا تھا، تبصرہ میں ملنے کا پتہ چھوٹ گیا تھا، یہ کتاب ذیل کے پتہ پر حاصل کریں۔

• المعہد الاسلامی مانک مئو، سہارنپور (یو۔پی)

سوال و جواب

محمد طارق ندوی

س:۔ نماز عیدین سے قبل نوافل پڑھنا کیسا ہے؟

ج:۔ نماز عیدین سے قبل نوافل عیدگاہ میں جاکر پڑھنا بالاتفاق درست نہیں ہے. البتہ جانے سے پہلے اور گھر واپس آکر پڑھنے میں اختلاف ہے، لیکن مفتٰی بہ قول یہ ہے کہ جانے سے پہلے گھر میں بھی نہ پڑھے ہاں واپس آکر پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے.

س:۔ اگر کوئی شخص عیدین کی نماز میں ایسے وقت شریک ہو کہ امام تکبیروں سے فراغت حاصل کر چکا ہے، تو اب وہ کیا کرے؟

ج:۔ اگر کوئی شخص عیدین کی نماز میں قیام میں آکر شریک ہو تو فوراً نیت باندھ کر تکبیر کہہ لے اگرچہ امام قرأت شروع کر چکا ہو اور اگر رکوع میں شریک ہوا ہو تو اگر غالب گمان ہے کہ تکبیروں سے فراغت کے بعد امام کا رکوع مل جائے گا تو نیت باندھ کر تکبیر کہہ لے اس کے بعد رکوع میں جائے۔ ورنہ نیت باندھنے کے بعد رکوع میں چلا جائے اور وہاں بجائے تسبیح کے تکبیریں کہے۔ لیکن حالت رکوع میں تکبیریں کہتے وقت ہاتھ نہ اٹھائے اور اگر پوری تکبیریں کہنے سے پہلے امام سر اٹھائے تو یہ بھی کھڑا ہو جائے بقیہ تکبیریں اسے معاف ہیں۔

س:۔ اگر کسی کی ایک رکعت عیدین کی نماز میں چھوٹ جائے تو وہ جب اس کو ادا کرے گا تو کس طرح ادا کرے؟

ج:۔ اگر کسی کی ایک رکعت عیدین کی نماز میں چھوٹ جائے تو جب وہ اس کو ادا کرے گا تو پہلے قرأت کرے۔ اس کے بعد تکبیر کہے۔

س:۔ نماز عیدین کے بعد مصافحہ اور معانقہ کرنا کیسا ہے؟

ج:۔ ملاقات کے وقت سلام، مصافحہ اور معانقہ مشروع ہے پس اگر اسی وقت کسی سے ملاقات ہو تو اس سے سلام، مصافحہ اور معانقہ کیا جا سکتا ہے لیکن ہوتا یہ ہے کہ لوگ گھر سے ساتھ آتے ہیں عیدگاہ میں پہلے سے مل چکے ہوتے ہیں پھر بھی نماز کے بعد سلام، مصافحہ، اور معانقہ کرتے ہیں اور نہ کرنے والے کو غلط سمجھتے ہیں. اس التزام کی وجہ سے کتب فقہ میں مذکور ہے کہ نماز کے بعد سلام، مصافحہ اور معانقہ ممنوع ہے، خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ بدعت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور آپؐ کے بعد خلفائے راشدین سے اور ان کے بعد ائمہ دین اور اسلاف امت سے کہیں اس کا ثبوت نہیں ہے۔

س:۔ اگر امام تکبیر کہنا بھول جائے اور رکوع میں یاد آئے تو کیا کرے؟

ج:۔ صورت مسئولہ میں امام کو چاہیئے کہ رکوع میں تکبیر کہہ لے قیام کی طرف نہ لوٹے اور اگر لوٹ بھی جائے تب بھی نماز ہو جائے گی. مگر ایسا کرنا نہیں چاہیئے۔

س:۔ کیا نماز عید کا شہر سے باہر جاکر میدان میں ادا کرنا مسنون ہے؟

ج:۔ ہاں یہ مسنون ہے کہ نماز عید شہر سے باہر نکل کر میدان میں ادا کی جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے باہر نکل کر میدان میں عید کی نماز ادا فرمایا کرتے تھے. اگر بارش ہوتی تو مسجد میں نماز پڑھ لیتے تھے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ عید کے روز بارش ہو رہی تھی. تو نبی کریمؐ نے لوگوں کو مسجد ہی میں عید کی نماز پڑھائی۔ (ابوداؤد، نسائی)

س:۔ کیا عیدگاہ پیدل جانا مسنون ہے؟

ج:۔ ہاں عیدگاہ پیدل جانا مسنون ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ پیدل ہی جایا کرتے تھے حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ پیدل جایا کرتے تھے (ابن ماج

پیغام محبت بھول گئے

قمر الحفیظ قمر

ایمان ہے کیا اسلام ہے کیا ہم ساری حقیقت بھول
سب علم ہے ہم کو پھر بھی فرمان رسالت بھول
فرمان نبیؐ سے منہ موڑا اسلام سے رشتے کو ت
اس طرح کچھ الجھے دنیا میں احکام شریعت بھول
جو کلمۂ طیب دل سے پڑھے جنت میں یقیناً دا
کلمہ تو زباں پر ہے لیکن کلمے کی صداقت بھول
آواز اذاں جب آتی ہے مصروف جہاں ہو جا
ہے لب پہ خدا کا نام مگر خالق کی عبادت بھو
قرآن سجا کر رکھا ہے طاقوں میں حفاظت۔
کہنے کو مسلماں ہم ہیں مگر، قرآں کی تلاوت بھو
ایمان کی دولت سے بڑھ کر دنیا میں کوئی دولت
ہم حرص و ہوس کی دنیا میں ایمان کی لذت بھ
ہے دل میں تڑپ طیبہ جائیں اور روضۂ اقدس
گم ایسے ہوئے ہم دولت میں طیبہ کی زیارت
صدیقؓ و عمرؓ عثمانؓ و علیؓ ہیں چار رسل یقیناً
اصحاب محمدؐ یاد تو ہیں اصحابؓ کی سیرت بھول
کانٹوں پہ چلو لیکن حق کا دامن نہ کبھی چھوڑ
تم اپنے نبی اکرمؐ کا پیغام محبت

گوشۂ خواتین

جذبۂ انسانیت بیدار ہونا چاہیے

● اُمِ حفصہ

اخلاقِ حسنہ کی تعلیم دینِ اسلام کا خاص موضوع ہے۔ اور یہ بات صرف عقیدت مندانہ ہی نہیں بلکہ خالص علمی اور تحقیقی بات ہے کہ اخلاق کے بارے میں قرآن و حدیث کی تعلیم اتنی مکمل، اتنی جامع ایسی معتدل اور انسانی فطرت کے اس قدر مطابق ہے کہ انسان اس پر عامل ہو جائے اور اپنی زندگی کے اخلاقی پہلو کو قرآن و حدیث کی اخلاقی تعلیم و ہدایت کا پابند بنا لے تو وہ اس زمین پر انسان کی صورت میں رحمت کا ایک فرشتہ ہوگا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کا اولین مقصد و منشا رحسن اخلاق کی تکمیل کو قرار دیا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ

ترجمہ: "میں اچھے اخلاق و کردار کی تکمیل کیلئے مبعوث کیا گیا ہوں"

اور بخاری و مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے:

اِنَّ مِنْ خِیَارِکُمْ اَحْسَنُکُمْ اَخْلَاقًا"

ترجمہ: اور بلاشبہ تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو اخلاق کے اعتبار سے قابلِ تحسین ہے"۔

آپ کا یہ فرمان ہے:

" اَکْمَلُ الْمُوْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا" (ترجمہ) ایمان کے اعتبار سے کامل مومن وہ شخص ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔"

یہ حقیقت ہے کہ اخلاق حسنہ کے بغیر انسانیت تو نامکمل ہے ہی خود انسان بالخصوص مسلمان اخلاق کے بغیر ادھورا ہے۔ اور ایک مسلمان کو اعلیٰ اور بہترین مسلمان بننے کیلئے ضرورت اخلاق ہی کی پیش آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسولؐ نے اخلاقِ حسنہ کی فضیلت و اہمیت بیان کرتے ہوئے اخلاق کو دینِ اسلام کا اہم حصہ اور جزو لازم قرار دیا اور اس پر عمل کرکے بھی دکھایا کسی شاعر نے کہا ہے ؎

اسوۂ تیرا، افکار تیرے، گفتار تیری، رفتار تیری
اخلاق تیرا، کردار تیرا، عظمت ہی عظمت رحمت ہی رحمت

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۝

(ترجمہ) درحقیقت اے پیغمبرِ خدا آپ تو اخلاق کے اعلیٰ پیمانہ پر فائز ہیں"

اس آیت قرآنی میں آپؐ کے اخلاقِ حسنہ اور اوصافِ حمیدہ کی مدح اور تعریف اللہ تعالیٰ نے خود فرمائی ہے جو ساری امت کیلئے قابلِ تقلید اور قابلِ عمل ہے۔ ؎

شفقت و رحمت سخاوت و عفت و پاکیزگی
آپ ہیں اخلاق کے اعلیٰ مراتب پر مکیں
رشد و ہدایت کے ان دونوں ہی سرچشمول

قرآن و سنت میں اخلاقِ حسنہ کی فضیلت بیان کرکے اس کو اپنانے کی بڑی تاکید کے ساتھ تعلیم دی گئی ہے قرآن کریم میں خدا کی زمین پر چلتے وقت نرم روی جاہلوں سے اعراض، جھوٹی گواہی سے اجتناب اسراف سے پرہیز کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی طرح حدیث شریف میں خندہ پیشانی سے ملاقات، بڑوں کی عزت، چھوٹوں پر شفقت اور غریبوں کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دی گئی ہے۔

یہ ایسے عمدہ اخلاق اور بہترین اوصاف ہیں جن کو روح اور غذا صرف اسلام ہی دیتا ہے۔ اور اسلام ہی ان کو مزین کرتا ہے یہ ساری خوبیاں اسلام ہی کے وسیع دائرہ عمل میں ملیں گی انسان سازی اور انسانیت کی یہ بیش قیمت غذا صرف اسلام ہی کے پاس ہے، اسلام کے علاوہ کسی دوسرے مذہب میں اخلاقیات کی یہ تعلیم موجود نہیں، یہ صرف اسلام ہی کا خاصہ اور اسلام ہی کا امتیازی وصف ہے۔

دین اسلام کے اندر ہر چیز کا ایک مقام اور مرتبہ ہے اسلام میں ہر شخص کی حیثیت.... ......کا احترام کیا گیا ہے۔ اسلام ہی وہ دین ہے جس میں ہر وہ خوبی موجود ہے جو فطرت کا عین تقاضہ ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اسلام کی اخلاقی تعلیم کے ذریعہ سیرت و کردار میں اور اخلاق و اطوار میں ایسی نمایاں تبدیلی لائیں کہ ہم خود اسلام کی شناخت اور پہچان بن جائیں اور ہماری روزمرہ کی زندگی میں چلتا پھرتا اسلام نظر آئے اور یہ اسی وقت ممکن ہوسکتا ہے کہ جب ہماری انفرادی و اجتماعی زندگی اسلامی ہو۔ اور ہمارا قول و عمل یکساں اور دوسروں کے لئے باعث رحمت و ہدایت ہو

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاق کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا" اِنَّ الْمُوْمِنَ لَیُدْرِکُ بِحُسْنِ خُلُقِہٖ دَرَجَةَ قَائِمِ اللَّیْلِ وَصَائِمِ النَّهَارِ"۔

ترجمہ:۔ بلاشبہ مومن اپنے اچھے اخلاق و کردار کے ذریعہ

راتوں میں نماز قائم کرنے والے اور دن میں روزہ رکھنے والے کا مقام و مرتبہ حاصل کرلیتا ہے" یہ روایت واضح کرتی ہے کہ اسلام میں اخلاق کا کیا مقام ہے اور اخلاق کی کیا فضیلت ہے اور اخلاق کی کیا اہمیت ہے۔

آپؐ نے ایک روایت میں یہ بھی فرمایا:
إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ وَأَقْرَبِكُمْ مِنِّي يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَحْسَنُكُمْ أَخْلَاقًا (ترجمہ) "تم میں سب سے زیادہ مجھے محبوب اور نشست کے اعتبار سے سب سے زیادہ قریب قیامت کے دن وہ شخص ہوگا جو بہترین اخلاق و اوصاف کا حامل ہوگا"

ایک مثالی اور کامل انسان کی پہچان یہ ہے کہ وہ دوسروں کے لئے باعث امن و رحمت ہو۔ اور لوگ اس کے اخلاق و کردار اور عادات و اطوار سے خوش اور مطمئن ہوں۔ ع

جذبۂ انسانیت بیدار ہونا چاہیئے
کردار کو کردار ہونا چاہیئے
دل سے چہرہ سے نظر سے خلق سے رفتار سے
ہر طرح اسلام کا اظہار ہونا چاہیئے
اسوۂ سرکار کی ہم میں نظر آئے جھلک
اس قدر شائستہ اطوار ہونا چاہیئے

درحقیقت پاکیزہ اخلاق اور صالح کردار سے چشم پوشی کرنا انسان کے لئے تباہی کا باعث اور انسانی معاشرہ کے لئے ہلاکت خیزی کا موجب ہے یہی وجہ ہے اسلام نے اخلاق کی تعلیم پر بہت زیادہ زور دیا ہے اور قرآن و حدیث میں سیرت سازی اور کردار سازی کی بڑی تاکید کی گئی ہے۔

اگر آج انسان اور خصوصاً مسلمان خود کو احکام خداوندی کا پابند بنالے اور اتباعِ رسول کو اپنا شعار بنالے تو اس کی زندگی میں نکھار پیدا ہوجائیگا اور ایک صالح معاشرہ وجود میں آئے گا۔

مدینے کا سفر ہوتا

خلیل احمد بسمل تیاپی گڈھی

تمنا تھی کہ جب ہم سے مدینے کا سفر ہوتا
نبی کا نقشِ پا ہر دم ہمارا راہبر ہوتا
بساطِ زندگی کا آج عالم ہی دِگر ہوتا
اگر ان کے راستے پر اہلِ عالم کا سفر ہوتا
خود اپنے نام کو انسانیت روتی زمانے میں
جہانِ شور میں پیدا نہ گر خیر البشر ہوتا
نظر آتے ہی بڑھ کر چوم لیتے گنبدِ خضرا
کچھ ایسا جذبۂ بیدار سر میں سر بسر ہوتا
اُنہیں کے نور کے پرتو سے ہیں شمس و قمر روشن
نہ ہوتے وہ تو گرد افسانۂ شام و سحر ہوتا
سکھایا ہم کو جینے کا سلیقہ جس نے دنیا میں
اُنہیں کا نقشِ پا لے کاش اپنا راہبر ہوتا
خلیلؔ ان سے جو وابستہ ہم اپنی زندگی کرتے
نہ اس دنیا کا ڈر ہوتا نہ اُس دنیا کا ڈر ہوتا

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا تقویٰ اور انکسار

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ سب سے بڑی سمجھداری تقویٰ ہے اور اعلیٰ درجہ کی حماقت فسق و فجور ہے اور امانت بہت بڑی سچائی ہے اور بدترین جھوٹ خیانت ہے۔

فرمایا کرتے تھے کہ جب آدمی دنیا کی زینتوں میں سے کسی زینت پر عُجب کرتا ہے تو جب تک اس سے علیحدگی اختیار نہیں کرتا اس وقت تک اللہ تعالیٰ اس سے ناراض رہتے ہیں۔

اور آپ فرماتے تھے کاش کہ میں کوئی شجر ہوتا جو کاٹ دیا جاتا اور کھالیا جاتا۔ اور آپ اپنی زبان کو پکڑ کر فرماتے کہ اسی نے مجھ کو ہلاکت کے مواقع میں پہونچایا۔ اور آپ کا یہ حال تھا کہ جب اونٹ کی مہار گرجاتی تو اونٹ بٹھلا کر اُس کو اٹھاتے تو آپ سے کہا جاتا کہ آپ نے ہم کو کیوں نہیں حکم دیا تو فرماتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو امر فرمایا ہے کہ لوگوں سے کسی قسم کا سوال نہ کریں۔

صحابۂ کرام سے آپ فرمایا کرتے کہ میں آپ حضرات کے امور کا والی ضرور بنادیا گیا ہوں مگر میں آپ لوگوں سے بہتر نہیں ہوں لہٰذا ہماری آپ لوگ مدد کیا کریں۔ جب مجھے راہِ راست پر دیکھیں تو اتباع کریں اور جب میرے اندر کجی دیکھیں تو درست کردیا کریں۔

ایک روز خطبہ میں فرمایا کہ وہ حسین و خوبصورت لوگ کہاں گئے، جن کو اپنی جوانی و خوبصورتی پر ناز تھا۔ وہ بادشاہ کہاں گئے جنہوں نے شہر آباد کئے تھے۔ اور قلعے بنائے تھے۔ وہ بہادر کہاں گئے؟ جو میدان جنگ میں ہمیشہ غالب رہتے تھے۔ زمانہ نے ان کو ہلاک کردیا۔ اور وہ قبر کی تاریکیوں میں پڑے ہوئے ہیں۔

فرمایا کرتے تھے کہ خبردار کوئی کسی شخص کو حقیر نہ سمجھے کیونکہ چھوٹے درجہ کا مسلمان بھی اللہ کے نزدیک بڑا ہے۔

فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے بزرگی تقویٰ میں پایا اور تونگری کو یقین میں اور عزت کو تواضع میں۔

فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ لونڈی غلاموں کو اولاد کی طرح رکھو۔ ان کو کھلاؤ جو خود کھاتے ہو۔ وہی پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو۔

(از: اقوال سلف)

مطالعہ میز

تبصرے کیلئے کتابوں کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے!

● محمد شاہد ندوی بارہ بنکوی

نام کتاب : روح البیان
مواعظ : حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڈھی رح
مرتب : مولانا عمار احمد
صفحات : ۲۵۵، سائز ۱۸×۲۲/۸ خوبصورت ٹائٹل عمدہ کتابت و کاغذ، قیمت ستّر ۷۵/= روپئے
ملنے کا پتہ : مکتبہ دارالمعارف ۷۵/۴/۴۶۶ بخشی بازار الہ آباد

حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڈھی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں ہے۔ اسلئے کہ عوام و خواص، علماء و صلحاء کا رجوع آپ کی عظمت اور رفعت شان پر بین ثبوت ہے۔ آپ کے مواعظ اور فرمودات سے عوام و خواص کو بڑا فائدہ پہنچا۔

روح البیان ۔ یہ حضرت مولانا کے ان مواعظ اور تقاریر کا ایک ایمان افروز مجموعہ ہے جن کو حضرت نے نہایت درد و سوز، اخلاص اور سادگی سے مختلف موقعوں پر بیان کیا ہے ۔ ان مواعظ کو حضرت کی حیات ہی میں مولانا عمار احمد صاحب نے جمع کیا تھا۔ اور روح البیان کے نام سے شائع بھی کرایا لیکن عرصہ سے نایاب تھی۔ اس لئے اب قدرے ترمیم و اضافے کے ساتھ مولانا اقبال احمد صاحب (مقیم نوساکا زامبیا) نے شائع کرانے کی سعادت حاصل کی ۔

روح البیان کا یہ حصہ اول جس کے شروع میں حضرت مولانا کی حمد و نعت، ان کے مختصر حالات زندگی اور آخر میں دو مواعظ کا اضافہ کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں توحید و رسالت، فکر آخرت، صحابہ کرام کی خشیت الٰہی اور دنیا سے بے رغبتی کے بارے میں تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے حضرت مولانا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے۔

اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو یہ کتاب پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے ۔

نام کتاب : نظام شریعت
مصنف : حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح
ترتیب : منشی عبد الرحمٰن خاں
صفحات : ۵۲۸، سائز ۱۸×۲۲/۸ قیمت درج نہیں
ملنے کا پتہ :۔ مکتبہ اشرفیہ ۳۲ محمد علی روڈ بمبئی ۳

اہل ایمان سے اللہ تعالیٰ کا مطالبہ ہے کہ وہ پورے طور پر اسلام میں داخل ہو جائیں اور زندگی کے ہر میدان میں اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کی کوشش کریں اور زندگی کے ہر معاملہ میں شریعت کا حکم معلوم کر کے اس پر عمل پیرا ہوں۔ اور راہ شریعت پر چل کر دنیا و آخرت دونوں میں کامیاب و کامران ہوں ۔

اس موضوع پر پیش نظر کتاب "نظام شریعت" ایک کتاب ہے جس میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن و حدیث کی روشنی میں شریعت اور احکام شریعت پر بڑی وضاحت کے ساتھ کلام کرتے ہوئے اتباع شریعت، اسرار شریعت، شریعت و طریقت، طریق اصلاح، علم اور جہل، حقوق والدین، معیار اتباع، اصلاح کی صورت، حقوق العباد کی اہمیت، دعوت الی الدین، احکام دین کی حکمتیں اور دین کی حقیقت پر بہت تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے

یہ کتاب اہل علم اور اہل سیاست کے لئے ایک بہترین ہدیہ ہے۔ کاش کہ کتابت و طباعت اور کاغذ کا معیار اور اچھا ہوتا ۔

نام کتاب : اقوال سلف (حصہ اول)
مرتب : مولانا محمد قمر الزماں الہ آبادی ۔
صفحات : ۳۶۰، سائز ۱۸×۲۲/۸ خوبصورت سرورق
قیمت ستّر ۷۵/= روپئے ۔
ملنے کا پتہ : مکتبہ دارالمعارف ۴۶۶/۴/۷۵ بخشی بازار الہ آباد

اقوال سلف (اول) جس میں سید المرسلین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم، خلفاء راشدین و دیگر صحابہ کرامؓ سے لیکر کم و بیش تیسری صدی ہجری تک کے اکابر و اسلاف، تابعین و تبع تابعین، علمائے اعلام و اولیاء عظام اور ولیات و عارفات کے مختصر حالات اور ان کے مفید ارشادات، نہایت سلیقہ کے ساتھ منتخب کر کے پیش کئے گئے ہیں ۔

اقوال سلف، اصلاح امت کی جانب ایک اچھی پیش رفت ہے اور امت کے ظاہری و باطنی امراض کا بہترین علاج ہے اس لئے اس کتاب کو ضرور پڑھنا چاہیئے

اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ ہم سب کو نفع عظیم عطا فرمائے، سکون قلب اور جذبہ ایمان سے بہرہ ور فرمائے۔ اور جملہ صالحین کی روحانیت و فیض برکت سے مستفیض فرمائے ۔

نام کتاب : مجموعہ مضامین
نام مصنف : مولانا حبیب ریحان ندوی
صفحات : ۳۱۲، سائز ۱۸×۲۲/۸ قیمت ۱۵۵/= روپئے
ملنے کا پتہ : دارالتصنیف والترجمہ ۲۷/۷ رفیقیہ اسکول روڈ بھوپال ۔ (ایم۔ پی)

مولانا حبیب ریحان ندوی ازہری ایک مستند عالم، ادیب اور مصنف ہیں، عربی اردو تحریر و

تقریر پر عبور رکھتے ہیں، موصوف کے علمی ادبی اصلاحی و تحقیقی مضامین ملک کے مختلف علمی جرائد و رسائل میں شائع ہوتے رہے ہیں۔

زیر نظر کتاب "مجموعہ مضامین" مولانا کے دینی اصلاحی، سیاسی، ادبی اور تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے جو سنہ ۱۹۸۸ - ۸۹ء کے دوران بھوپال ٹائمز میں شائع ہوئے تھے مضامین معلوماتی ہیں۔ اور صاحبان علم و قلم کو دعوت فکر اور دعوت مطالعہ دیتے ہیں۔

نام کتاب: زاد المتقین

مرتب: مولانا غلام نقشبندی

صفحات: ۵۵۸، سائز ۲۳×۱۸/۸، عمدہ کاغذ بہترین طباعت، قیمت درج نہیں۔

ملنے کا پتہ: مدرسہ بلڈنگ روم نمبر ۲، جامع مسجد کے قریب قاضی واڑہ والوڑ۔ ضلع سورت (گجرات)

حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس نے مجھ پر ایک دفعہ درود شریف بھیجا تو اللہ تعالیٰ اس پر دس دفعہ درود بھیجتا ہے۔ اور اس کی دس لغزشیں معاف کر دی جاتی ہیں۔ اور اس کے درجات میں دس گنا ترقی کر دی جاتی ہے (نسائی)

یہی وجہ ہے کہ دینی اوراد و وظائف میں درود شریف کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم مسلمانوں پر اتنے زیادہ احسانات ہیں کہ آپ کو جتنا بھی یاد کیا جائے اور آپ پر جتنا بھی درود شریف پڑھا جائے آپ کا حق ادا نہیں ہو سکتا ہے۔

مولانا غلام محمد نقشبندی قابل مبارکباد ہیں کہ انھوں نے قدیم ذخائر کتب سے بڑی جد و جہد اور عرق ریزی کرکے ایک بہترین نیا مجموعہ "زاد المتقین" کی شکل میں تیار کر دیا ہے۔

کتاب میں حدیث شریف سے ثابت شدہ سیکڑوں قسم کے درود، ان کا ترجمہ، فضائل، اسماء النبی اور اسماء رسول اور ان کا ترجمہ مع حواشی اور ان کا پڑھنے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔

یہ کتاب اہل تصوف اور اہل دل حضرات کیلئے ایک بہترین تحفہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کتاب اور صاحب کتاب کو شرف قبولیت سے نوازے۔

(بقیہ) ندوہ کے شب و روز

فضلائے ندوہ کے اعزاز میں ایک استقبالیہ نشست کا انعقاد مدرسہ کی عظیم الشان مسجد میں مولانا نذر الحفیظ صاحب کی صدارت میں کیا۔ جس میں فضیلت دوم کے شریعہ و ادب کے طلبہ کی نمائندگی میں برادرم مغیث الرحمٰن ندوی اور برادرم حسان اختر ندوی نے اپنے ساتھیوں کی طرف سے تاثرات پیش کئے۔ اور اپنے عزیز بھائیوں کو بھی پیغام دیا۔ آخر میں صدر جلسہ کی تقریر پر جلسہ کا اختتام ہوا۔ پروگرام کے بعد عصرانہ کا بھی نظم کیا گیا تھا

اسی روز بعد نماز مغرب دارعرفات کے وسیع و عریض ہال میں دارعرفات کا ماہانہ جلسہ حضرت مولانا کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں معززین شہر نے بھی شرکت کی۔ اور بعد نماز عشاء فضیلت کے طلباء کا اپنے مربی کی موجودگی میں تاثراتی نشست ہوئی جس میں تقریباً اکثر ساتھیوں نے بے تکلف ہو کر اپنے تاثرات پیش کئے۔ آخر میں مولانا نے مفید اور قیمتی مشوروں اور نصیحتوں سے نوازا۔ اگلے روز صبح کے ناشتے کا اہتمام خود حضرت نے اپنی رہائش گاہ پر تمام طلبہ کے لئے کروایا جس سے طلبہ میں اپنی سعادتمندی اور خوش نصیبی پر خوشی و مسرت کے آثار نمایاں تھے۔ بالآخر یہ کاروان یکم اکتوبر ۱۹۹۹ء کو اپنے مادر علمی واپس پہونچا۔

الوداعی جلسہ: سالہائے گذشتہ کی طرح امسال بھی علیا اولیٰ کے طلبہ نے اپنے رخصت ہونے والے بھائیوں کے اعزاز میں ایک الوداعی جلسہ منعقد کیا جس کی صدارت محترم جناب مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی معتمد تعلیمات نے فرمائی۔ اس جلسہ میں فضیلت دوم کے طلبہ نے اپنے تأثراتی مقالات پیش کئے فارغ ہونے والے طلباء سے خطاب کرتے ہوئے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم و نائب ناظم مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے فرمایا کہ اب آپ کی ذمہ داری ہے کہ جو تعلیم یہاں حاصل کی ہے اس کو دوسروں تک پہونچائیں معاشرہ کی رہنمائی دینی و اسلامی تعلیمات کی روشنی میں کریں اپنے مقام و منصب کو سمجھیں اور دنیا میں کوئی ایسا کام کر جائیں جو لوگوں کے لئے نافع اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے مشعل راہ ہو۔

صدر جلسہ مولانا عبداللہ عباس ندوی معتمد تعلیمات دارالعلوم ندوۃ العلماء نے اپنے دعائیہ کلمات میں طلباء سے نصیحت کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث استودع اللہ دینکم وامانتکم کے حوالہ سے فرمایا کہ آپ لوگوں کے حوالہ جو دین و شریعت کی امانت سپرد کی گئی ہے اس کی حفاظت کریں اور عملی زندگی میں امتیاز پیدا کریں۔ اور لوگوں کے سامنے عملی نمونہ پیش کریں۔

ناشر حضرات توجہ دیں

جو ناشر حضرات، اشاعتی ادارے یا ادیب و شاعر اپنی کتابیں تبصرہ کے لئے ہمیں روانہ کرتے ہیں وہ اس کا ضرور خیال رکھا کریں۔

(۱) کتاب زیادہ سے زیادہ ایک سال کے عرصہ کے دوران شائع ہوئی ہو، زیادہ پرانی کتابوں پر تبصرہ ممکن نہیں ہے۔

(۲) چند صفحات پر مشتمل پمفلٹ قسم کی کتابیں بھیجنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، نہ ہی تبصرہ نگار کے پاس وقت ہے اور نہ ہی تعمیر حیات کے صفحات میں اس کی گنجائش ہے۔

اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی محبت نے سب کچھ چھڑا دیا

● متین طارق باغپتی

مال و دولت، اثر و اقتدار اور عیش و عشرت کے ساز و سامان ہمیشہ دنیا کے لوگوں کی توجہ کا مرکز رہے ہیں۔ آج بھی جاہ و منصب، خوش پوشی، کاریں اور ٹی وی وغیرہ زندگی کے لوازمات میں شامل ہیں جن کے پیچھے ہر شخص دیوانہ بنا ہوا ہے۔ موجودہ تہذیب کا یہی گرانقدر سرمایہ سمجھا جاتا ہے۔ اسی لئے اخلاقی قدروں کو پامال کرکے بھی انہیں حاصل کرنا چاہتا ہے۔ جھوٹ بول کر دھوکا دے کر، جیب کاٹ کر، سٹے لگا کر، جوا کھیل کر غرض جس طرح بھی ہو بس روپیہ آنا چاہیئے۔

ہم سب جانتے ہیں کہ اسلام اللہ کا پسندیدہ دین ہے جو انصاف کی بالادستی، اخلاقی قدروں کی بحالی اور انسانیت کی فلاح کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

اللہ کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جو لوگ آپؐ پر ایمان لائے انھوں نے اللہ کا دین قبول کرنے کے بعد سچے دل سے اخلاقی قدروں کو اپنایا اور عام روش سے ہٹ کر ایمانداری و سادگی کو اختیار کیا۔ حالانکہ نفس کی خواہش دنیوی لذتیں اور عیش و عشرت کی آرزوئیں انہیں اپنی طرف کھینچتی ہیں مگر ان کو ٹھکرا کر حق سے چپٹے رہے۔ انھوں نے اللہ کی رضا کے لئے ہر چیز سے ہاتھ کھینچ لیا تھا، جو اللہ کی ناراضی کا سبب بن سکتی تھی۔

اس سلسلے میں حضرت مصعب بن عمیرؓ کی زندگی کو نمونے کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے حضرت مصعب بن عمیرؓ مکے کے ایک خوشحال خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ہمیشہ اچھے لباس زیب تن کرتے تھے اور اپنے ہم عمروں میں اپنی نفاست و خوش پوشی کیلئے سب سے نمایاں رہتے تھے۔ ان کا عنفوان شباب تھا کہ مکے میں دعوت حق کا چرچا ہوا۔ اس وقت خفیہ طور سے مسلمان دار ارقم میں جمع ہوا کرتے تھے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اللہ کی بندگی بجا لاتے تھے۔ حضرت مصعبؓ بھی اس مرکز اسلام میں حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے وہ وقت مسلمان ہونے والوں کے لئے بہت سخت تھا، کسی کے اسلام قبول کرنے کی اطلاع مل جاتی تو بس سمجھئے کہ اس پر آفت آجاتی، مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے۔ دوست دشمن بن جاتے اور محبت، نفرت میں بدل جاتی۔ پورا معاشرہ اس کا بائیکاٹ کرنے پر تل جاتا، مارنا پیٹنا تو معمولی باتیں تھیں۔ (حیاۃ الصحابہ ج اول ص: ۳۸٦)

جب مصعب بن عمیرؓ کے ایمان لانے کی خبر ان کی والدہ نے سنی تو وہ بھی چراغ پا ہو گئیں۔ سب رشتے دار ایک ہو گئے، ان کی محبت عداوت میں بدل گئی، پہلے زبانی برا بھلا کہا، بہت کچھ سمجھایا نہ مانے تو رسیوں سے باندھ کر ایک کوٹھری میں ڈال دیا۔ (حیاۃ الصحابہ: ج اول۔ ص: ۳۸۷)

لیکن اس زجر و توبیخ سے ان کے دل میں جاہلیت سے اور زیادہ نفرت پیدا ہو گئی اور اسلام کی سیدھی سادی اور سچی تعلیمات کے جی جان سے گرویدہ ہو گئے۔ دل میں یہ بھی ٹھان لیا کہ جب بھی یہاں سے نکلوں گا، اور جو موقع بھی ہاتھ آئے گا۔ اسی میں انسانوں کو جھوٹے خداؤں کی غلامی سے نکال کر اللہ واحد کی بندگی کی دعوت دوں گا۔ اور اس بگاڑ کو دور کروں گا جس میں میری قوم کے لوگ پھنسے ہوئے ہیں۔ اسی اثناء میں حضور اکرمؐ نے اللہ کے حکم سے ایمان لانے والوں کو ہجرت کا حکم سنایا۔ یہ بڑا کٹھن مرحلہ تھا۔ اللہ کے لئے گھر بار کو چھوڑنا، اپنے ماں باپ اور اعزہ واقارب سے منہ موڑ کر ان جانے راستوں کا سفر کرنا سخت آزمائش تھی، مگر جو لوگ اللہ کا دین سربلند کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے ان آزمائشوں کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہ کی اور حکم ملتے ہی اپنے شہر کے گلی کوچوں کو چھوڑ کر ایک نئی بستی کو اپنا وطن بنانے کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔

حضرت مصعبؓ کے کانوں میں جوں ہی یہ خبر پڑی کہ حضور اکرمؐ نے مسلمانوں کو حبشہ کی ہجرت کر جانے کی اجازت دے دی ہے تو وہ بیتاب ہو گئے اور بیڑیاں توڑ کر حبشہ کی راہ لی۔ ایک نازک اندام نوجوان جس نے ماں باپ کے لاڈ پیار کے سوا کچھ دیکھا ہی نہیں تھا، نفاست و نظافت کے سوا جس کے سامنے زندگی کا کچھ اور تصور ہی نہ تھا۔ یکایک اللہ کی راہ میں نکلا تو دنیا کی ظاہری چمک دمک زندگی کے عیش و آرام پر لات مار کر سادگی و ایثار کا پیکر بن گیا۔ اور کچھ برسوں کے بعد جب وہ حبشہ سے واپس ہوئے تو ایک کھردرا کمبل بدن پر ڈال رکھا تھا۔ اسی حالت میں حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام کیا۔ آپؐ نے سلام کا جواب دیا۔ اور حاضرین مجلس کی طرف دیکھ کر فرمایا:

"دنیا کبھی اہل دنیا پر بالکل بدل جاتی ہے میں نے ان کو یعنی مصعب کو ایسے وقت بھی دیکھا

ہے جب کّے کے اندر قریش کا کوئی نوجوان ان سے بڑھ کر والدین کا چہیتا نہ تھا۔ لیکن اللہ اور اس کے رسول کی محبت نے ان سے سب کچھ چھڑا دیا۔"

(طبقات ابن سعد۔ ج: سوم، ص: ۲۷۷)

مدینے میں اشاعت اسلام شروع ہوئی تو حضور اکرمؐ نے انصار کی درخواست پر حضرت مصعب بن عمیرؓ کو وہاں بھیجا اور ہدایت کی کہ مدینے میں تعلیم قرآن کا سلسلہ جاری کریں۔ اور لوگوں کو ایک اللہ کی طرف بلائیں۔ یہ گویا حضرت مصعب بن عمیرؓ کے دل کی آواز تھی۔ وہ بڑے ذوق و شوق سے روانہ ہوگئے۔ طریقہ یہ تھا کہ وہ اہل مدینہ کے گھروں میں قبیلوں اور ان کی مخصوص سوسائٹیوں میں جاتے اور انہیں اسلام کی دعوت پیش کرتے۔ اس طرح تھوڑے ہی دنوں میں گھر گھر میں اسلام کا چرچا ہوگیا۔ اور لوگوں میں سے ایک ایک دو دو کرکے اسلام قبول کرنے لگے پھر صورت حال یہ ہوئی کہ وہ جدھر نکل جاتے لوگ دین کی سیدھی سچی باتیں سننے کیلئے ارد گرد جمع ہو جاتے وہ ان دنوں اسعد بن زرارہ کے ہاں مقیم تھے۔ اکثر وہاں بھی مجلسیں جمتیں۔

سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر بنو الاشہل بڑے سردار ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے انھوں نے جب حضرت مصعبؓ کے بارے میں ایسی باتیں سنیں تو چونکے۔ سعد بن معاذ نے اسید سے کہا" .... یہ لوگ کہاں سے ہمارے گھر میں آگھسے ہیں۔ اور ہمارے کمزور لوگوں کے خیالات بدل رہے ہیں اور بہکا رہے ہیں۔ آخر ان کا کیا مقصد ہے۔"

(طبقات ابن سعد، ج: سوم، ص: ۲۷۷)

اسید فوراً اٹھے اور اسعد بن زرارہ کے گھر پہنچے۔ ان سے سختی سے گفتگو کی۔ اسید نے کہا: تم ان کی بات سن لو، اگر پسند آئے تو قبول کر لو۔ اور اگر سننے کے بعد ناپسند آئے تو رد کر دینا۔ یہ سن کر اسید نے کہا: یہ انصاف کی بات ہے اور اپنا بھالا زمین میں گاڑ کر ان حضرات کے پاس بیٹھ گئے۔

حضرت مصعبؓ نے اسلام کی تعلیمات پیش کیں اور قرآن پڑھ کر سنایا۔ آیات الٰہی نے اسید کے دل پر اثر کیا۔ وہ ایک دم بولے: "کیا ہی اچھی باتیں ہیں اور کیا ہی بہتر کلام ہے!" اور پھر پوچھا کہ جب تم کسی کو اپنے دین میں داخل کرتے ہو تو کیا طریقہ اختیار کرنا پڑتا ہے؟ حضرت مصعبؓ نے کہا کہ پہلے آپ غسل کریں، پاک ہوں اور اپنے کپڑوں کو پاک کریں پھر کلمہ شہادت پڑھیں، حضرت اسید نے اسی وقت سب کام کئے۔ اور مسلمان ہوگئے

(حیاۃ الصحابہ، ج: اول، ص: ۲۴۴)

دراصل لوگ اسلام کو اللہ کے دین کی حیثیت سے نہیں دیکھتے بلکہ اس حیثیت سے دیکھتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کا دین ہے اس لئے ابتداء میں رقیبانہ طرز عمل اختیار کرتے ہیں۔ مگر جب اللہ کا کلام سن کر حقیقت سامنے آتی ہے تو پھر ایمان لانے میں دیر نہیں لگتی اور وہ جہالت کا جوا اپنی گردن سے فوراً اتار پھینکتے ہیں حضرت اسید کا معاملہ بھی ایسا ہی ہوا کلام الٰہی سن کر ان کی آنکھیں کھل گئیں۔ اور وہ ایمان لے آئے اور اس کے بعد سعد کے پاس گئے، اور ان کو اپنے ہمراہ لائے ان سے بھی یہی گفتگو ہوئی۔ قرآن پاک کی چند آیتیں سن کر سعد کی بھی وہی حالت ہوئی جو اسید کی ہوئی تھی آخر وہ بھی کلمہ پڑھ کر ایمان لے آئے (حیاۃ الصحابہ ج ۱ ص ۲۴۶)

ایمان کی تاثیر یہ ہے کہ جو شخص بھی مسلمان ہو جاتا ہے وہ مستقل ایک مبلغ ہو جاتا ہے اس کا دل چاہتا ہے کہ ساری دنیا کو یہ نعمت غیر مترقبہ بانٹ دوں اور حق کا پیغام ایک ایک آدمی تک پہنچا کر دم لوں۔

حضرت سعدؓ وہاں سے اسیدؓ کو ساتھ لے کر اٹھے اور اپنی قوم کے پاس پہنچے۔ قبیلے کے لوگوں سے پوچھا کہ "تم مجھے کیسا آدمی سمجھتے ہو؟" انھوں نے ایک زبان ہو کر جواب دیا: "ہم میں تم سب سے افضل اور بہتر ہو۔" اتنا سن کر سعدؓ نے کہا کہ مجھے تمہارے مردوں اور عورتوں سے کلام حرام ہے، جب تک تم مسلمان نہ ہوجاؤ اور اللہ اور اللہ کے رسولؐ پر ایمان نہ لے آؤ۔

(حیاۃ الصحابہ، ج اول، ص: ۲۴۶)

یہ بڑا صبر آزما لمحہ تھا۔ برسوں سے وہ لوگ ایک ڈگر پر چل رہے تھے، کفر و شرک کی چیزوں سے ان کا برسوں کا لگاؤ تھا۔ روایتی ایمان کا ورثہ انہیں اپنے آباء و اجداد سے ملا تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ بہت سے ماضی کے روایات کی خامیاں بھی ان پر روشن تھیں۔ پرانا مذہب و ذہب کیا تھا بس وہ بزرگوں کی لکیر پیٹ رہے تھے۔ ورنہ یہ بات ان کو بھی معلوم تھی کہ یہ بت جن کو لوگ پوجتے ہیں پتھر کے ہیں جو ہل تک نہیں سکتے، پھر ایمان کی دعوت دینے والا بھی ان کا جانا پہچانا عقل مند آدمی تھا۔ اور بات بھی اتنی تھی کہ بہت سے خداؤں کو چھوڑ کر ایک خدائے واحد پر ایمان لے آؤ، بس چند لمحے کی سوچ نے ان کے دل پر پڑے ہوئے پردوں کو ہٹا دیا اور بنو عبدالاشہل کے قبیلے کے سب مرد عورت مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت مصعبؓ نے ان کی تعلیم و تربیت کا کام سنبھال لیا اور زیادہ سے زیادہ اشاعت دین کی خدمت انجام دی۔

پورا سال گزارنے کے بعد وہ حجاج کی ایک جماعت کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دعوت حق کی رپورٹ سن کر حضور اکرمؐ بہت خوش ہوئے، یہاں سے اٹھ کر وہ اپنی والدہ کے پاس پہونچے۔ انہیں والدہ سے بڑی محبت تھی اس لئے چاہتے تھے کہ کسی طرح وہ دوزخ کی آگ سے بچ جائیں اور اسلام قبول کرلیں۔ چنانچہ بڑی دلسوزی کے ساتھ ان کو دعوت ایمان پیش کی اور کہا:

" امّی میں آپ کا خیر خواہ ہوں اسی لئے

چاہتا ہوں کہ کلمۂ توحید پڑھ کر ایمان لے آؤ"۔

(طبقات ابن سعد، ج سوم، ص ۳۸۹)

لیکن ان کی ماں نے ان کی بات سنی ان سنی کردی اور شرک پر ہی قائم رہیں۔ حضرت مصعبؓ بن عمیرؓ اس کے بعد پھر مدینہ واپس ہوگئے اور درس و تدریس کی خدمت میں لگ گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرماکر مدینے تشریف لائے تو حضرت مصعبؓ سایے کی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔ جنگ بدر اور جنگ احد میں بھی اسلام کی سربلندی کے لئے شریک ہوئے۔ جنگ احد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مصعبؓ کو اسلامی لشکر کا جھنڈا عنایت فرمادیا تھا۔ انھوں نے بڑی پامردی سے اس کی حفاظت کی حتیٰ کہ جب دایاں ہاتھ کٹ گیا تو اسے بائیں ہاتھ سے تھاما۔ اور جب وہ ہاتھ بھی کٹ گیا تو جھنڈے کو دانتوں سے پکڑ کر کٹے ہوئے ہاتھوں سے سینے سے چمٹا لیا۔ اور آخری وقت تک پرچم اسلام کو نیچے نہیں گرنے دیا۔ بالآخر راہ خدا میں لڑتے لڑتے گر پڑے اور شہادت کا بلند درجہ حاصل کیا۔

ایمان قبول کرنے کے بعد ان کی پوری زندگی جدوجہد میں گزری، ہجرت، قربانیاں، شہادت۔ جو مشکل بھی ان کے سامنے آئی انھوں نے اس کو بخندہ پیشانی برداشت کیا۔ اللہ کا کلمہ بلند کرنا اور دنیا سے کفر و شرک کو مٹا کر اسلام کا بول بالا کرنا ان کی زندگی کا نصب العین تھا۔ اللہ اور رسول کی محبت کے سامنے ان کی نظر میں دنیا کی بڑی سے بڑی چیز کی کوئی اہمیت نہ تھی، ایمان کی حفاظت کے لئے انھوں نے والدین کو بھی چھوڑ دیا اور دنیوی مال و متاع اور عیش و راحت سے منھ موڑ کر شہادت کی مقدس موت کو گلے لگالیا۔ دفن کے وقت بھی ان کے پاس ایک چھوٹے کمبل کے سوا کچھ نہ تھا، جس سے ان کا سر ڈھکا جاتا تو پیر کھل جاتے تھے اور پاؤں ڈھانکے جاتے تو سر کھلا رہ جاتا۔ آخر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سر کو کمبل سے ڈھک دو اور پیروں پر گھاس ڈال دو۔

یہ تھے حضرت مصعب بن عمیرؓ جن کی پرورش بڑے ناز و نعم کے ساتھ ہوئی تھی مکے کے سب سے بڑھیے خوش پوشاکوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ اور جب دنیا سے رخصت ہوئے تو بڑی کس مپرسی کی حالت میں رخصت ہوئے۔ لیکن اسلامی تاریخ میں ان کا نام سنہری حرفوں سے لکھا گیا۔ اور اہل حق و صداقت قیامت تک ان کا اسم گرامی یاد رکھیں گے۔

ممتاز عالم دین مولانا حکیم محمد زماں حسینی کا انتقال

ممتاز عالم دین مولانا حکیم محمد زماں حسینی کا ۲۳ دسمبر ۱۹۹۹ء کو صبح کلکتہ میں انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مولانا حکیم محمد زماں حسینی صاحب کا شمار ہندوستان کے ممتاز علماء میں ہوتا تھا۔ وہ مسلم پرسنل لا بورڈ، امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ کے سرگرم رکن اور دارالعلوم ندوۃ العلماء اور دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔ کلکتہ میں وہ مفسر قرآن کے نام سے مشہور تھے۔ ان کا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے خصوصی تعلق تھا۔ اسی لئے وہ پیرانہ سالی کے باوجود برابر ندوہ کے مجلس شوریٰ کے جلسوں میں شریک ہوتے تھے۔

انھوں نے کئی کتابیں لکھی تھیں جن میں قرآنی فیصلے، مقالات شریعت و حکمت، قربانی خلیل اللہ اور شہادت حسین شامل ہیں۔ ان کے علمی و تحقیقی مقالات ملک کے موقر جرائد و رسائل میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مولانا کے درجات بلند فرماکر مغفرت فرمائے۔

قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

نوٹ: یہ خبر تعمیر حیات پریس جاتے ہوئے آئی۔ آئندہ انشاء اللہ مولانا مرحوم پر مضمون آئے گا۔

عہد و پیمان کو نہ توڑو

عمر بن عبدالعزیز ندوی

زیور کا ڈھیر سامنے رکھا تھا، نگینوں کے پازیب کانوں کے بندے، گلے کے ہار، سونے کے بازوبند اور جانے کیا کیا کچھ سامنے پڑا تھا، ان کے داموں کا اندازہ لگایا جاتا، تو بات ہزاروں کی نہیں اس سے بھی اوپر پہونچتی، ان میں صرف قیمتی زیورات ہی نہیں بعض نادر چیزیں بھی تھیں، تھے تو وہ بھی زیورات لیکن ان کی تاریخی اہمیت تھی۔ اتنی ساری چیزیں اور اتنی قیمتی چیزیں ایک اللہ کے بندے کے سامنے رکھی گئی تھیں، پیش کرنے والوں کی درخواست تھی۔ بڑی مؤدبانہ درخواست کہ انھیں قبول کرلیا جائے ہم بڑی خوشی سے یہ سب کچھ آپ کو پیش کر رہے ہیں۔

زیورات اور سونے کی ان قیمتی چیزوں کو سامنے رکھے وہ اللہ کا بندہ یہ سوچ رہا تھا کہ یہ قیمتی چیزیں مجھے اس لئے پیش کی جارہی ہیں کہ میں حدود اللہ میں کمی بیشی کردوں! کیا میں یہ کرسکتا ہوں؟ اور اگر میں ایسا کروں تو کیا میرا ایمان سلامت رہے گا؟ ظاہر ہے کہ یہ بات غلط تھی اور نہایت غلط بات۔ سورۂ نحل میں ارشاد خداوندی ہے۔

لَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا کردیکھو اپنے تھوڑے سے فائدہ کے لئے اللہ سے کئے ہوئے عہد کو نہ توڑو! چاہے اس میں تمہارا لاکھوں کا فائدہ ہو۔ لیکن یہ اللہ کی نظر میں تھوڑا ہی ہے اور آخرت کی بھلائی کے مقابلے میں اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

واضح رہے کہ وعدے تین طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ وعدہ جو ہم ایک دوسرے سے کرتے ہیں۔ اس میں زبانی اور تحریری عہد و پیمان ہوتے ہیں۔ یہ معاہدے فرد کے فرد کے ساتھ ہوسکتے ہیں اور جماعت کے جماعت کے ساتھ وعدے کی ایک صورت یہ ہے کہ ہم اس میں اللہ کو شریک کرلیتے ہیں۔ یعنی اس کی قسم کھاتے ہیں، وعدے کی تیسری صورت وہ وعدہ جو بندے اور اللہ کے درمیان ہے ان میں سے کوئی وعدہ بھی توڑا نہیں جاسکتا، ہاں! جس سے وعدہ کیا گیا ہے اس کی اجازت سے البتہ وعدہ توڑا جاسکتا ہے، حکم ربانی ہے کہ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ کہ اے ایمان والو! اپنے اقراروں کو پورا کرو۔ سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد ہوا۔ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا اپنے اقراروں کو پورا کرو ورنہ روز قیامت اس کی پرسش ہوگی۔ اس میں سب اقرار شامل ہیں۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے وعدے بھی اس میں شامل ہیں۔

جب ہم کلمہ پڑھتے ہیں تو اللہ و رسول سے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم ان کے حکم پر عمل کریں گے۔ قرآن کریم میں بار بار اس کا ذکر آیا ہے کہ یہود نے اپنے وعدوں کو بھلا دیا ان کے عالموں نے روپیہ کھاکر حدود اللہ کو بدل دیا۔ ثمن قلیل لے کر احکام الٰہی کو بدلنے کی کوشش کرنا گویا رشوت کھاکر اللہ کے احکام سے سرتابی کرنا ہے۔

یہ قیمتی زیورات جس اللہ کے نیک بندے کے آگے رکھے گئے تھے وہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ تھے۔ صحابی رسول اللہ تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں خیبر کے یہودیوں کے پاس بھیجا تھا کہ مملکت کا ٹیکس ان سے وصول کرکے لائیں۔

خیبر کے یہودی جو کلام اللہ کے مطابق رشوت لینے اور دینے میں ماہر تھے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ سے کہہ رہے تھے کہ رشوت لو اور ہمارا ٹیکس آدھا کردو اس میں تمہارا کوئی نقصان نہیں اگر تمہاری حکومت کا نقصان ہوتا ہو تو تمہیں کیا پروا؟

عبداللہ بن رواحہؓ نے ڈانٹ کر ان کی پیش کش ٹھکرادی، ضرورت ہے کہ آج کے ہر مسلمان کو اخلاق و کردار کا اتنا ہی مضبوط ہونا چاہئے۔ اگر ایسا نہیں ہوگا تو اللہ و رسول سے کئے ہوئے وعدے میں جھوٹے پڑ جائیں گے۔ یاد رکھئے اللہ کی پکڑ ہر ایک کے لئے ہے خواہ وہ امیر ہو یا غریب، حاکم ہو یا محکوم عام ہو یا خاص، عالم ہو یا جاہل ہر ایک کو ایک دن اللہ کے سامنے جواب دہ ہونا ہے۔ حکم ہے کہ رشوت لینے والوں یعنی حرام کھانے والوں کی دعا بھی قبول نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس محرومی اور بدبختی اور حرام کمائی سے بچائے۔ آمین۔

مولانا تقی الدین ندوی کی والدہ کا انتقال

مولانا تقی الدین ندوی مظاہری بانی جامعہ اسلامیہ مظفرپور (اعظم گڈھ) کی والدہ محترمہ کا ۸ دسمبر ۱۹۹۹ء مطابق ۲۹ شعبان ۱۴۲۰ھ کو ان کے آبائی وطن مظفرپور اعظم گڈھ میں انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحومہ نے اپنی پوری زندگی عبادت الٰہی میں گذاری شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھیں جنازہ میں عوام و خواص کی ایک بڑی تعداد نے شرکت قارئین کرام سے دعائے مغفرت و ایصال ثواب کی درخواست ہے۔

ندوہ کے شب و روز

از: نجیب الرحمٰن ملکی ندوی

الحمدللہ دارالعلوم کا رواں تعلیمی سال بھی حسب سابق اپنی تمام تر علمی و ثقافتی سرگرمیوں کے ساتھ بخیر و خوبی اپنے آخری مرحلہ تک پہونچ گیا، امتحانات بھی مکمل ہو گئے اور طلباء ماہ رمضان کا بھرپور لطف اٹھانے اور سالانہ چھٹیاں گزارنے کے لئے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔

جمعیۃ الاصلاح کی سرگرمیاں:

طلبہ کے اندر علمی و ثقافتی جوہر کو اجاگر کرنے، اسے صائب الفکر، بالغ النظر، اور حالات حاضرہ سے باخبر رکھنے کے لئے جمعیۃ الاصلاح ہمہ وقت سرگرم عمل رہتی ہے۔ اس کے لئے جہاں ایک طرف خطابت و صحافت کے ہفتہ واری جلسے منعقد کرتی ہے، وہیں دوسری طرف وقتاً فوقتاً ملک کے ممتاز علماء و دانشوروں کے محاضرے کا بھی اہتمام کرتی ہے۔ اس سلسلہ میں ذمہ داران دارالعلوم بھی خصوصی توجہ فرماتے ہیں۔

پروفیسر انیس چشتی صاحب کے محاضرات

سائنس اور جغرافیہ کے ساتھ تاریخ و ادب پر گہری نظر رکھنے والے پروفیسر انیس چشتی صاحب نے جو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ اور ندوۃ العلماء سے گہری عقیدت رکھتے ہیں۔ دارالعلوم کے مہتمم مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کے ایماء پر ہر ماہ کے پہلے ہفتہ میں مختلف موضوعات پر تین چار محاضرے دینے کا فیصلہ کیا ہے، تاکہ طلباء جدید علوم و فنون سے بہرہ مند ہو سکیں، چنانچہ ماہ ستمبر، اکتوبر ۱۹۹۹ء میں سیاست، جغرافیہ اور فلکیات کے مختلف پہلوؤں پر متعدد محاضرے دیئے جس میں طلبہ بڑے ہی ذوق و شوق اور دلچسپی کے ساتھ شریک ہوئے اور بھرپور فائدہ اٹھایا۔

مولانا سید سلمان حسینی ندوی صاحب کا محاضرہ

حال ہی میں جمالیہ ہال میں "جہاد اور تصوف" کے عنوان پر مولانا سید سلمان حسینی ندوی صاحب کا محاضرہ ہوا۔ طلبہ کی اکثریت اس محاضرے کو سننے کے لئے نماز ختم ہوتے ہی ہال میں پہنچ گئی اور چند ہی لمحوں میں ہال کے اندر اور باہر طلبہ کی ایک تعداد جمع ہوگئی۔ محاضرے میں مولانا نے اپنے خاص انداز میں جہاد اور تصوف کی حقیقت کو قرآن و حدیث کی روشنی میں واضح کیا اور فرمایا کہ "جہاد ہر مسلمان پر فرض ہے"۔

سالانہ انعامی مقابلے:

خطابت و صحافت سے دلچسپی رکھنے والے اور سال بھر اس میں پورے ذوق و شوق کے ساتھ شریک ہونے والے طلباء کی ہمت افزائی کیلئے سال کے آخر میں ان کے درمیان الاصلاح ہر سال انعامی مقابلے کا اہتمام کرتی ہے، امسال بھی یہ مقابلے بڑے اچھے انداز میں منعقد ہوئے جس کی تفصیلات کچھ اس طرح ہیں۔

اسلامک کوئز:

تاریخ انعقاد ۲۸؍۵؍رمضان ۱۴۲۰ھ، صدارت: مولانا غفران صاحب ندوی، تعداد شرکاء = ۲۶ کامیاب عامر بیگ اول، سراج الہدیٰ دوم، شوکت احمد کشمیری سوم۔

بیت بازی:

تاریخ انعقاد ۲؍رمضان ۱۴۲۰ھ، صدارت: مولانا محمد خالد صاحب ندوی، تعداد کل شرکاء = ۸، ٹیمیں چار (۱) اکبر الہ آبادی قائد شاہد مبین (۲) ٹیم مومن خاں مومن قائد مظہر حسین (۳) ٹیم علامہ اقبال قائد لقمان اسحٰق (۴) ٹیم میر تقی میر قائد سراج الہدیٰ، کامیاب اول ٹیم میر تقی میر دوم ٹیم مومن خاں مومن۔ ممتاز سراج الہدیٰ۔

بزم خطابت: علیا، تاریخ انعقاد ۲؍رمضان ۱۴۲۰ھ موضوع: "عصر حاضر کے چیلنجز اور علماء اسلام کی ذمہ داریاں" صدارت: مولانا عبدالقادر صاحب ندوی۔ سفلی: صدارت: مولانا عبدالقادر صاحب ندوی عنوان: ع "فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں"۔

بزم سلیمانی: علیا تاریخ انعقاد ۳؍رمضان ۱۴۲۰ھ صدارت: پروفیسر انیس چشتی صاحب (پونہ) موضوع: "فتنہ اکبری کے انسداد میں مجدد الف ثانی کا کردار" سفلی: تاریخ انعقاد: ۷؍رمضان ۱۴۲۰ھ، صدارت: پروفیسر انیس چشتی صاحب (پونہ) موضوع: "اشاعت اسلام میں اخلاق حسنہ کا کردار"

شعبہ صحافت: اس شعبہ کے تحت پورے سال اردو، ہندی، انگریزی، اور بنگلہ زبانوں میں کل ۱۶ ماہانہ وال میگزین نکلتے رہے، آخر میں ان کے درمیان سالانہ مقابلہ ہوا، جس میں اول "گہر بار" ایڈیٹر محمد رضوان بہرائچی، دوم "رشحات" ایڈیٹر مجاہد الاسلام، سوم "الاصلاح" ایڈیٹر عبدالرحیم قرار دیئے گئے۔

جلسہ تقسیم انعامات: ۳؍نومبر ۱۹۹۹ء کو ان تمام مقابلوں میں کامیاب ہونے والے طلباء کے درمیان

تقسیم انعامات کے لئے مہتمم دارالعلوم مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی صدارت میں جمالیہ ہال میں ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں صدر جلسہ نے اپنے دست مبارک سے کامیاب طلبہ کو قیمتی انعامات سے نوازا۔

الاصلاح خورد (رواق سلیمانی) اس کے تحت ہونے والے مقابلے کی تفصیلات حسب ذیل ہیں۔

بیت بازی:۔ تاریخ انعقاد ۹ر ستمبر ۱۹۹۹ء حصہ لینے والی ٹیمیں چار، کامیاب اول گروپ "ب" قائد محمد خالد۔ دوم گروپ "ج" قائد شیخ احتشام الدین۔

بزم خطابت علیا:۔ تاریخ انعقاد ۲۰ر اکتوبر ۱۹۹۹ء

عنوان: "تو ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں"

سفلی: تاریخ ۱۹ر اکتوبر ۱۹۹۹ء

عنوان "حجۃ الوداع ایک فرحت آفریں پیغام"

بزم سلیمانی علیا: تاریخ ۱۸ر اکتوبر ۱۹۹۹ء

عنوان "اسلام میں حدود وقصاص کی اہمیت"

سفلی، تاریخ: ۱۷ر اکتوبر ۱۹۹۹ء، عنوان "اسلامی مساوات اور دیگر مذاہب میں اس کا تصور"

جلسہ تقسیم انعامات:۔ ۲۶ر اکتوبر ۱۹۹۹ء کو بعد نماز مغرب مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس صاحب ندوی کی صدارت میں تقسیم انعامات کا جلسہ ہوا جس میں تمام کامیاب طلباء کو انعامات دیئے گئے۔

انجمن الاصلاح معہد القرآن:۔

اس انجمن کے تحت معہد القرآن کے چھوٹے طلباء کے پروگرام ہوتے ہیں حسب سابق یہاں بزم خطابت اور بزم سلیمانی و بیت بازی کے انعامی مقابلے ہوئے اور آخر میں ۲۵ر اکتوبر ۱۹۹۹ء کو مولانا عبد اللہ عباس صاحب ندوی کے دست مبارک سے انعامات تقسیم ہوئے۔

النادی العربی:۔ اس شعبہ کو دارالعلوم میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس کے ذریعہ طلبہ کو عربی زبان پر قدرت و مہارت حاصل کرنے کے مواقع فراہم کئے جاتے ہیں اس کے تحت جو انعامی مقابلے ہوئے اس کی تفصیلات یہ ہیں۔

خطابت علیا:۔ تاریخ انعقاد ۴ر ستمبر ۱۹۹۹ء

موضوع: برجستہ۔

وسطی: عنوان "الاسلام دین الوحدۃ والتضامن"

سفلی: عنوان "العلم حیاۃ"

مساجلہ شعریۃ (عربی بیت بازی)

اس میں شرکت کرنے والوں کی مجموعی تعداد تقریباً اسّی تھی، چار ٹیمیں بنائی گئیں (۱) کعب بن مالک رضؓ قائد محمد اطہر بھٹکلی (۲) حسان بن ثابتؓ قائد عبدالرشید (۳) عبداللہ بن رواحہؓ قائد محمد نصر اللہ، (۴) کعب بن زہیرؓ قائد محمد سلمان نسیم،

کامیاب اول ٹیم کعب بن زہیرؓ دوم ٹیم حسان بن ثابتؓ

شعبۂ صحافت:۔ اس کے تحت ۲ دیوال میگزین پورے سال عربی زبان میں پابندی سے ہر ماہ نکلتے رہے آخر میں انعامی مقابلہ ہوا جس میں "الضیاء" ایڈیٹر محمد فرمان اول۔ النادی العربی ایڈیٹر محمد تنویر عالم دوم۔ اور الاسلام، ایڈیٹر محمد عمران سیوانی سوم، انعام کے مستحق قرار پائے۔

جلسہ تقسیم انعامات و رسم اجراء مجلہ "النادی"

ان مقابلوں میں کامیاب طلبہ کو انعام دینے کے لیے ۳ر نومبر ۱۹۹۹ء کو جمالیہ ہال میں ایک جلسہ منعقد کیا گیا جس کی صدارت حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے فرمائی۔ اس موقع پر پہلی بار ذمہ داران النادی العربی کی مسلسل کوششوں اور محنتوں سے شائع کیا گیا "مجلہ النادی العربی" کی رسم اجرا بھی ادا کی گئی جس میں ذمہ داران دارالعلوم کے پیغامات کے علاوہ ماہانہ جداری اخبارات میں شائع ہوئے بعض منتخب مضامین کو جمع کیا گیا۔ یہ مجلہ امین العام للنادی العربی محمد منیف احمد کی جہد مسلسل، مربی انجمن استاذ محترم مولانا سعید الرحمن صاحب الاعظمی کی خصوصی توجہ و عنایت اور حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم کے بھرپور تعاون کے نتیجہ میں پہلی بار طبع ہو کر منظر عام پر آیا ہے، خدا تعالیٰ اسے ہر سال شائع ہونے کی سبیل مہیا فرمائے۔

فضیلت دوم کے طلبا کیلئے حضرت مولانا کا خصوصی درس

حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی دامت برکاتہم نے اپنے عزیزوں سے تعلق اور شفقت و محبت کے نتیجہ میں مستقل علالت کے باوجود انہیں کچھ افاقہ ہونے کے بعد طلباء فضیلت دوم کی دیرینہ تمناؤں اور آرزوؤں کی قدر کرتے ہوئے اپنے وطن رائے بریلی تشریف لے گئے۔ چنانچہ فضیلت دوم کے تمام طلبہ جن کی مجموعی تعداد تقریباً اسّی تھی، ۱۴ر ستمبر کو پانچ یوم کیلئے استاذ گرامی مولانا نذر الحفیظ صاحب ندوی اور مولانا عبد القادر صاحب ندوی کی سربراہی میں حضرت مولانا کے آبائی وطن تکیہ کلاں رائے بریلی گئے، وہاں حضرت نے اپنی پانچ منتخب کتابوں کے منتخب اقتباسات کا درس دیا۔ ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین، رجال الفکر والدعوۃ، الأرکان الأربعۃ، الصراع بین، أوائل السنن"

ان دروس کے علاوہ طلبہ کے اوقات کو مفید تر بنانے کے لئے ڈاکٹر عبد اللہ عباس صاحب ندوی مدظلہ مولانا محمد رابع صاحب ندوی دامت برکاتہم اور مولانا نذر الحفیظ صاحب ندوی ازہری کے اہم محاضرات بھی ہوئے۔ جن سے طلبہ نے بھرپور استفادہ کیا، اس کے علاوہ ادارہ دار عرفات کی جانب سے تفسیر، حدیث، فقہ، ادب اور تحریک حضرت سید احمد شہیدؒ کے موضوع پر تحریری مقابلہ بھی ہوا جس میں شرکت کرنے والے تمام طلباء کو حضرت مولانا دامت برکاتہم کے دست مبارک سے انعامات دیئے گئے۔ ۳۰ر ستمبر کو بعد نماز عصر انجمن طلبۂ مدرسہ ضیاء العلوم نے اپنے فارغ ہونیوالے

(باقی صـ۳۵ـ پر)

مختصر عالمی خبریں

معید اشرف ندوی

جدہ کے اسلامی ترقیاتی بینک کے گورنروں کے بورڈ کے اجلاس میں مالی مشکلات میں مبتلا مسلم ملکوں کو امداد دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ اجلاس کے بعد اسلامی ترقیاتی بینک کے گورنر مسٹر احمد محمد علی نے اخباری نمائندوں کو بتایا کہ بینک مسلم ملکوں کی معیشت کی بحالی کے لئے ہر ممکن امداد دے گا۔ اجلاس میں نائجیریا کو بینک کا ۵۴ واں ممبر بنالیا گیا۔

اسلامی بینک کے گورنروں کے بورڈ کے آئندہ سال کے چیئرمین کے لئے لبنان کے نمائندہ کو نامزد کیا گیا ہے۔

● ملیشیا کے نائب وزیر اعظم نے اخبار "نیو اسٹریٹ ٹائمس" کو بتایا کہ ملک کو بدعنوانی سے پاک کرنے کے لئے اب ان لوگوں کے خلاف سخت کارروائی کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے جو اپنے جائز کاموں کے لئے حکام کو رشوت پیش کرتے ہیں اس سے پہلے ساری کارروائی ان لوگوں کے خلاف کی جاتی تھی جو رشوت وصول کرتے تھے انھوں نے کہا کہ ماضی میں اینٹی کرپشن کے افسران ان لوگوں کے خلاف کارروائی کرتے تھے جو رشوت لیتے تھے لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ رشوت دینے اور لینے والوں کے خلاف یکساں مہم چلائی جائے اس طرح بدعنوانی کا سدباب کیا جاسکتا ہے۔

● واشنگٹن امریکہ کے صدر کلنٹن نے ماہ رمضان المبارک کے آغاز پر امریکہ اور تمام دنیا کے مسلمانوں کو مبارکباد دی ہے۔ ایک بیان میں کہا ہے کہ ماہ رمضان ہمیں ایک بار پھر یاد دلاتا ہے کہ ہم خدا کی عطا کردہ نعمتوں میں ان لوگوں کو بھی شامل کریں جو ان سے محروم ہیں۔ مسٹر کلنٹن نے کہا کہ اسلام امریکہ میں سب سے زیادہ تیزی سے پھیلنے والے مذاہب میں شامل ہے اور امریکی مسلمان زندگی کے ہر شعبے میں نمایاں خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ جارج ٹاؤن یونیورسٹی نے جہاں میں نے تعلیم حاصل کی تھی حال ہی میں ایک مسلمان امام مقرر کیا ہے جس پر مجھے بہت مسرت ہوئی ہے۔

● ہندوستان کے صوبہ کیرالا کی انگریزی اور ملیالم کی مشہور ادیبہ ۶۵ سالہ مادھوی کوٹی عرف کملا داس (ثریا) نے اسلام قبول کرلیا ہے۔ انھوں نے اپنے قبول اسلام بارے میں کہا کہ جب میں نے اسلام کا مطالعہ کیا۔ اور مسلم معاشرہ کو دیکھا اور پرکھا تو معلوم ہوا کہ خواتین کو بہترین تحفظ صرف یہی دین فراہم کرسکتا ہے یہی وجہ ہے کہ میں نے اپنے شوہر کے ساتھ ممبئی میں قیام کے دوران پردہ کا اہتمام شروع کردیا تھا، میں نے اپنے شوہر سے اسلام کے تئیں اپنے احساسات کے سلسلے میں گفتگو کی تھی انھوں نے مجھے مشورہ دیا تھا کہ اتنی جلدی نہ کرو بلکہ گہرائی سے اسلام کا مطالعہ کرو اور پھر کوئی فیصلہ کرو، میں نے اسلام کے بارے میں بہت غور و فکر کیا ہے۔ گذشتہ ۲۷ برس سے اسلام میرے دل و دماغ پر حاوی ہے۔ رمضان تبدیلیوں کا مہینہ ہے۔ لہٰذا میں نے اس ماہ اپنا مذہب تبدیل کرکے اسلام قبول کرکے اپنا نام ثریا رکھ لیا ہے مادھوکوٹی (ثریا) کے ملیالم زبان میں تین درجن سے زیادہ ناول اور انگریزی میں متعدد مجموعہ کلام شائع ہوچکے ہیں. اور انہیں شعری و ادبی اور صحافتی خدمات کے لئے متعدد اعزازات سے نوازا گیا ہے اور ایشین پیس بیتھولوجی کیلئے منیلا کا پائٹری ایوارڈ ملیالم میں افسانوں کے لئے کیرالا اکادمی ایوارڈ اور بے باک صحافیانہ رول کے لئے چمن لال ایوارڈ مل چکے ہیں۔

نتیجہ امتحان سالانہ ۱۴۲۰ھ ۱۹۹۹ء دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

نتیجہ سے متعلق تمام امور میں دفتر اہتمام کا ریکارڈ مستند قرار دیا جائے گا

ہشتم معہد (الف)		ہشتم معہد (ب)		افضال کاشف	پاس	محمد عامر	پاس	محمد ابوالحسن	پاس	قطب الدین	پاس
محمد عثمان	پاس	جواد علی	پاس	محمد ابرار رضا	〃	محمد انعام الدین	فیل	محمد کلیم	فیل	ریاض احمد	〃
محمد سلیم	〃	شمس الاسلام	〃	محمد شاہد	〃	وحید الزماں صرف و راشدہ	ضمنی	حبیب اصغر	پاس	ثانویہ رابعہ (ب)	
محمد اسعد	〃	محمد خالد	〃	محمد عمر خاں نحو	ضمنی	محمد مسعود عالم	پاس	احمد حماد لاری	فیل	اقبال احمد	غیر حاضر
مصدق مجید خاں	〃	محمد عاصم	〃	محمد عفان	پاس	محمد اشفاق	〃	محمد انیس	〃	محمد طلحہ خاں	پاس
عبدالسبحان	〃	سید عبداللہ غازی	غیر حاضر	محمد شکور رجب	〃	محب الحسن	〃	محفوظ الرحمٰن	پاس	منظر کمال نحو و صرف	ضمنی
فیضان سلیم	〃	عبدالصمد	پاس	محمد ارشاد	فیل	نعمان احمد خاں	〃	محمد نظام الدین	〃	شاکر علی	پاس
عبدالودود	〃	عبدالباسط	〃	محمد مظہر الحق	پاس	اسعد اللہ	〃	محمد بلال مدنی	〃	رخسار احمد	〃
محمد ساجد	〃	سمیع الحق	مترقی	نوشاد عالم	〃	محمد اختر	〃	شاداب احمد	فیل	محمد شعیب	فیل
محمد منصور عالم	〃	محمد عبید ہاشمی	پاس	محمد منیر	〃	جاوید	〃	تبین احمد	مترقی	وسیم اختر	پاس
تشبیر احمد عثمانی	〃	محمد نعمان عالم	〃	محمد یونس صدیقی	〃	محمد ابراہیم	مترقی	محمد علاء الدین	فیل	احتشام الحق	〃
صادق علی	〃	عبدالنافع	غیر حاضر	عزیز الرحمٰن	〃	بلال احمد خاں	پاس	محمد ابوالحیات	پاس	محمد ہارون خاں	〃
محمد ساجد خاں	〃	محمد شعیب	〃	محمد یاسر	مترقی	عزیز الرحمٰن	〃	رفیع احمد	مترقی	محمد ابوالقاسم خاں	〃
انیس الرحمٰن	〃	مجیب الرحمٰن خاں	پاس	نجیب اللہ	〃	ساجد علی	〃	مہتاب احمد	پاس	فریاد احمد نحو و صرف	[illegible]
اشرف کمال	〃	محمد غفران خاں	〃	محمد راشد خاں	پاس	محمد انیس بیگ	〃	افتخار الدین	غیر حاضر	محمد زبیر احمد	پاس
سید خالد مرتضٰی	〃	اعجاز احمد	〃	محمد حسین مثنی	〃	محمد معراج الحسن	〃	محمد حسان	پاس	محمد افضل	〃
نوشاد احمد	〃	امیر حسن	〃	محمد شعیب صدیقی	〃	محمد شبیر عالم	〃	محمد عبید الرحمٰن	〃	محمد شکیل	〃
محمد خالد	〃	شاہ اعظم	مترقی	محمد عادل	〃	محمد محی الدین	〃	محمد کلیم اللہ	〃	محمد شکیل الرحمٰن	〃
محمد نعیم	〃	اختر جمال	〃	محمد نعمان	〃	محمد فیروز خاں	〃	خالد سیف اللہ	〃	عبدالقیوم	〃
خلیل الرحمٰن	〃	فرقان عالم	فیل	محمد احمد	〃	محمد مرشد	〃	نوشاد احمد نحو و صرف	ضمنی	جمال احمد	
جمشید احمد	〃	محمد عزیز خاں	پاس	اعدادیہ		احمد زکریا کاندھلوی	〃	ظہیر احمد 〃 〃	〃	ابوبکر	[illegible]
محمد شارق	〃	منصور احمد	غیر حاضر	عطاء الرب	پاس	وہاب الدین	〃	محمد انور الدین	پاس	محمد علیم نحو و صرف	[illegible]
عدنان احمد خاں	〃	جمشید عالم	مترقی	تجلی رب	〃	صلاح الدین	مترقی	ابو شحمہ حفیظ	〃	فیروز احمد توفیقی	〃
محمد سلمان	〃	ہشتم معہد (ج)		محمد اسامہ اشرف	〃	ثانویہ رابعہ (الف)		صلاح الدین	〃	محمد فیصل	〃
محمد مصطفٰی	〃	محمد ارقم خاں	پاس	زبیر احمد	〃	شکیل الدین	پاس	عبدالودود عطار	〃	محمد اظہر ایاز	〃
محمد فیصل	〃	اسعد صدیق صدیقی	〃	محمد طارق انور	〃	محمد مظہر حیات	〃	محمد غالب	〃	محمد اظہر رؤف	〃
طاہر	〃	محمد ثاقب	〃	محمد غفران	〃	آفتاب عالم	مترقی	نجم الدین	〃	غلام سرور	〃

ولی اللہ — غیرحاضر
محمد قمر عالم معالبہ — دفتر
محمد آصف اقبال — پاس
محمد محتشم عالم نعیم — ضمنی
محمد غضنفر عالم — پاس
محمد خورشید — 〃
محمد شمیم اعظمی معالبہ — دفتر

ثانویہ رابعہ (ج)

محمد اقبال حسین — پاس
نور احمد — 〃
محمد یحییٰ — 〃
محمد افسر — 〃
احمد عبداللہ — 〃
محمد عرفان خاں — 〃
نعمت اللہ — 〃
گلزار احمد — 〃
محمد فاروق — 〃
محمد ناظم حسن — 〃
محمد حفظ الرحمٰن — فیل
شاہ عالم — پاس
محمد انتخاب عالم — 〃
محمد ریحان — 〃
ایاز احمد — 〃
محمد صفوان اطہر — 〃
تفسیر احمد — 〃
عبد الباقی — 〃
محمد شعیب — 〃
محمد شبلی — مترقی
صلاح الدین — پاس
محمد سعید — 〃
عبد الہادی — مترقی
محمد شمیم احمد — غیرحاضر

مظفر احمد معروف قیص — ضمنی
ملک فیروز احمد — پاس
پیر محمد حسین — 〃

ثانویہ خامسہ (الف)

ظلہ محمود — پاس
عبداللہ مسعود — 〃
محمد عیسیٰ — 〃
محمد ابرار الحق — 〃
انس احمد — 〃
طیب احمد — 〃
محمد زبیر — 〃
شاہ علی صدیقی — غیرحاضر
سید ازہر حسین — پاس
ارشاد احمد — 〃
عبداللہ خاں — 〃
دامق خاں — 〃
محمد داجد صدیقی — مترقی
محمد خالد — پاس
سید عبد الرؤف — 〃
محمد حمزہ — مترقی
محمد یاسر — پاس
محبوب احمد — غیرحاضر
سرفراز احمد — پاس
افضال الحق — 〃
واجد علی — مترقی
محمد امداد علی — پاس
خلیل احمد — 〃
محمد ناصر حسین — ضمنی نظر الہدیٰ
عبد القدوس — معالبہ دفتر
محمد حسام الدین — پاس
محمد عبد الرحیم — مترقی
محمد فرقان — غیرحاضر

محمد طلحہ خاں — مترقی
محمد شاکر عالم — پاس
عبداللہ سلمان — مترقی
عبد الماجد — 〃
شاہد اقبال — پاس
محمد نثار — مترقی

ثانویہ خامسہ (ب)

سید احمد زکریا غوری — پاس
محمد امجد علی — مترقی
محمد قیصر عالم — پاس
محمد سالم — 〃
دلشاد احمد — 〃
فرید احمد منثورات — ضمنی
محمد اسامہ — پاس
محمد امتیاز احمد معروف — ضمنی
کفیل احمد — پاس
سید شبیر حسین — 〃
مصباح الدین — 〃
محمد اسامہ کاندھلوی — 〃
ابو زید نحو — ضمنی
محمد راغب حسین — پاس
حبیب الدین — 〃
غیاث الاسلام — 〃
محمد داؤد — 〃
محمد صدیق — 〃
حبیب الرحمٰن تعبیر ونحو — ضمنی
جاوید احسن — پاس
مشیر احمد تعبیر ونحو — ضمنی
محمد ارشد — پاس
محمد اقبال حسین — معالبہ دفتر
محمود احمد خاں تعبیر ونحو — ضمنی
جمیل احمد — پاس

محمد یوسف — فیل
محمد ظفر عقیل — غیرحاضر

عالیہ اولیٰ (الف)

محمد حلیم صدیقی — پاس
محمد آصف خاں حدیث وفقہ — ضمنی
یوسف حسن خاں — پاس
قمر الدین — 〃
غیاث الدین — 〃
عبد الرحمٰن — 〃
محمد اکرم — 〃
محمد راشد — 〃
سعد رشید خاں — 〃
محمد حبیب صدیقی معالبہ نحو — ضمنی
توصیف احمد — پاس
افتخار احمد — 〃
محمد انصار — 〃
صغیر احمد — 〃
محمد عرفات بھٹکلی — 〃
محمد شاہد فاروقی — 〃
فخر الاسلام — غیرحاضر
ابوالحیات — پاس
محمد ضمیر الدین — 〃
شمس الضحیٰ — 〃
محمد الیاس — 〃
محمد سرفراز — 〃
ندیم احمد — 〃
محمد نذر الاسلام — 〃
عبد الوکیل — 〃
محمد نعیم — 〃
محمد یعقوب عزیز الحق — 〃
محمد یعقوب — 〃
محمد یوسف حسین — ضمنی

محمد بشیر — پاس
محمد امام الحق معالبہ تاریخ — ضمنی
نور الدین خاں — پاس
محمد صغیر — 〃
سید محمد فیصل — 〃
فیروز احمد — 〃
محمد عظمت علی — 〃
فیصل نظام — 〃
عقیل احمد — 〃
سید محمد اسلم — 〃
محمد ریاض الحق — معالبہ
کعب اللہ — فیل
کبیر احمد — پاس

عالیہ اولیٰ (ب)

محمد عبداللہ بھاگلپوری — پاس
صلاح الدین — مترقی
محمد ہارون — پاس
احمد حذیفہ لاری — 〃
محمد ارشد — 〃
محمد یامین — 〃
سید قطب الدین — 〃
عبد القیوم — 〃
صدیق احمد — 〃
رحمت علی — غیرحاضر
محمد شارق خاں — فیل
محمد رضوان — پاس
سید محمد احسن — 〃
محمد طاہر — 〃
محمد ارشاد — 〃
شفیع کریم — 〃
محمد عظمت اللہ — 〃
عبد الماجد نظامی — 〃

شہزاد احمد خاں نجیب — ضمنی
احمد ضیاء — معالبہ پاس
محمد ارشد اللہ خاں — 〃
محمد اسعد — موقوف
غفران احمد — پاس
محمد خالد — 〃
احمد البصار جعفری — 〃
اظہار احمد — 〃
محمد شعیب — مترقی
عنایت اللہ مکتوم — موقوف
عارف رزاق — مترقی
محمد کمال — 〃
سعود عبد الصبور — پاس
داجد عمر تعبیر ونحو — ضمنی
محمد زبیر — مترقی

دار العلوم پوجگاؤں

محمد شمیم اختر — پاس
ضیق احمد — 〃
جرجیس اکرم — 〃
محمد شاہد اختر — 〃
انتہاز احمد — 〃
محمد صالح — 〃
عبد الحنان معالبہ — ضمنی
محمد انیس الرحمٰن — پاس

عثمانیہ شیراپور

محمد شفیق انگریزی — ضمنی معالبہ
مبارک علی — پاس
محمد اشفاق — مترقی
محمد احمد انگریزی معالبہ — ضمنی
معہد الفردوس رحمانی

محمد ہاشم — پاس
ابو ثاقب سعد — 〃

محمد حسنین	پاس
عبدالکریم نحو انگریزی	ضمنی
عبدالقیوم خاں	مشرقی
شہزاد عالم خاں	پاس
شکر اللہ خاں انگریزی	نحو ضمنی
عثمانیہ کاکوری	
امتیاز احمد	مشرقی
نور عالم	پاس
محمد سمیع اللہ	مشرقی
انوار الاسلام مادھو پور	
محمد فنصار الامین خاں	پاس
محمد مقصود انور	،،
جامعہ عمر فاروق رض کشی نگر	
عبدالرحیم	پاس
جہانگیر عالم مطالعہ	ضمنی
مزمل حسین	پاس
ثمر الہدیٰ	،،
محمد سجاد	،،
محمد سیف الدین	،،
دار العلوم جلیلیہ جرول	
محمد ارشد	پاس
شفیع الرحمٰن	،،
محمد نفیس	،،
محمد شاد عالم	مشرقی
شکیل احمد	زیر غور
شعیب اللہ	پاس
جامعہ خلفائے راشدین پورنیہ	
شہباز اختر انصاری	پاس
عبید اللہ ہارون	،،
اظہر رشید	،،
جامعہ فرقانیہ بسواں	
محمد ذاکر حسین	پاس

اسلام الدین	مشرقی
عبدالرشید انگریزی مطالعہ	ضمنی
محمد اشفاق احمد	پاس
نصیر احمد	،،
لطیف احمد	،،
محمد جمشید عالم مطالعہ	ضمنی
فیض القرآن حیدر گڑھ	
محمد احمد مطالعہ	ضمنی
محمد یوسف	مشرقی
محمد سراج الدین	فیل
محمد رشید اللہ	مشرقی
ریاض الحسن	پاس
محمد خالد حسین	فیل
سعید احمد	پاس
عبدالحفیظ	،،
محمد اسلام	مشرقی
محفوظ الرحمٰن	پاس
توحید احمد	،،
محمد اخلاق الرحمٰن	،،
نسیم اختر	،،
محمد آزاد عالم	غیر حاضر
تبریز احمد	پاس
نور الاسلام کنڈہ پرتاپگڈھ	
محمد افضل امین انصاری	پاس
محمد ہارون رشید انصاری	،،
محمد زاہد انصاری	،،
اشفاق احمد	،،
توقیر احمد	،،
محمد اعظم	،،
عبدالحکیم عاشق	،،
محمد سعید عالم	،،
سرفراز احمد انصاری	،،

امتیاز احمد انصاری	مشرقی
ولی الحق انصاری	پاس
محمد ارشد خاں انگریزی و فقہ	ضمنی
محمد پرویز خاں	پاس
محمد کاظم مرتضیٰ	غیر حاضر
مدرسہ عربیہ بدریہ	
عبدالخالق اعمال السنہ	مطلوب
منیر احمد	،،
محمد طاہر	،،
محمد اشفاق عالم	،،
غفران احمد	،،
مظہر الاسلام بلوچپورہ لکھنؤ	
سید عبدالرحمٰن	مشرقی
عزیز احمد	پاس
مونس حسن خاں حدیث	ضمنی
محمد مختار عالم	پاس
مشرف حسین	،،
احسن رضا	،،
محمد شاہد	،،
محمد عبداللہ خاں	،،
نسیم احمد	،،
ابو اللیث اعظمی	،،
محمد اسرافیل نیپالی	،،
امجد علی	،،
محمد اخلاص عالم	،،
محمد انظر احمد	،،
عبدالواحد	،،
عبدالحسیب	،،
عتیق الرحمٰن	،،
محمد فرقان	،،
عمر راشد ضیاء	،،
عرفان احمد	،،

محمد سجاد عالم	،،
محمد نسیم خاں انگریزی	فقہ ضمنی
احمد میاں صدیقی	مشرقی
معہد سیدنا ابوبکر صدیق ہیت مئو	
محمد اجمل گورکھپوری انگریزی	تعبیر ضمنی
اسعد مرتضیٰ	پاس
شفیق احمد	،،
افضل حسین	مشرقی
محمد شاہد حسین	پاس
پرویز احمد صدیقی	،،
محبوب عالم	،،
محمد تاج علی	،،
محمد شاہد رضا	،،
محمد ارشد	،،
محمد نعمت اللہ	،،
سمیع اللہ	،،
محمد نثار	،،
محمد شبیر	،،
محمد شعیب تعبیر	ضمنی
محمد ضیاء اللہ	پاس
محمد مشتاق عالم	مشرقی
محمد اسلم	پاس
محمد صادق اختر	،،
محمد انیس الرحمٰن	،،
محمد غلام قادر	،،
محمد اسحاق عالم	،،
سید عفان	مشرقی
محمد احترام الحق	پاس
محمد اجمل	،،
احمد اللہ	،،
شمس الحق	،،
محمد ایمان	فیل

محمد علیم مطالعہ	ضمنی
اعجاز احمد فقہ ،،	
مجیب الرحمٰن	مشرقی
فیض الدین عثمانی	پاس
عبدالرحیم	مشرقی
جاوید عالم	پاس
جنید احمد ایوبی	،،
معراج الدین	،،
شرف عالم شمسی	مشرقی
محمد وسیم الدین انگریزی	ضمنی مطالعہ
راحت علی ،،	ضمنی
انتظار احمد	پاس
محمد اعظم حسین	مشرقی
محمد رضوان دانش	پاس
احمد عالم	،،
محمد عتیق	غیر حاضر
محمد اسمٰعیل	،،
مدرسہ اسلامیہ احسانیہ سمرا	
محمد ریحان الدین انگریزی	ضمنی
اخلاق احمد	پاس
محمد سالم	،،
محمد مبین	،،
محمد نور الہدیٰ	مشرقی
محمد ذبیح اللہ انگریزی	ضمنی
نظیر الہدیٰ	پاس
محمد شمیم اختر	مشرقی
محمد انعام الرحمٰن	پاس
محمد ضیاء الحق	،،
محمد اعجاز احمد انگریزی	ضمنی مطالعہ
محمد علی ،،	ضمنی
سیدنا ابو عبیدۃ الجراح	
محمد فیض الرحمٰن	پاس

محمد اظہر الحق	پاس
مختار احمد	،،
محمد رضا انور	مشرقی
محمد ابوذر	پاس
جامعہ اسلامیہ بھدوہی	
سجاد کریم روہتاسی	پاس
اخلاق احمد	،،
محمد فضیل اشرف	،،
محمد سعید الحق	،،
عبدالجلیل انگریزی	ضمنی مطالعہ
وسیم اکرم	پاس
محمد طارق انور	،،
محمد ساجد	،،
افضل حسین غزالی	،،
فرحان عقیل	،،
محمد صابر حسین	،،
اسلم جاوید	،،
محمد عمران	،،
ولی احمد	،،
امیر علی شہید حلیم نگر	
عبدالسلام حسنین	پاس
منظر نثار	،،
عبدالمجیب	،،
محمد گوہر	،،
ذکی تنویر	،،
صفی الرحمٰن	مشرقی
شمس الہدیٰ یحییٰ	پاس
محمد ابو سفیان شعبان	،،
مبارک اللہ نحو فقہ	ضمنی
نعیم الدین	پاس
محمد جمیل اختر	مشرقی
ضیاء الحق	پاس

عبداللہ سعید	پاس
محمد حسنین اختر	״
اعجاز اختر	״
محمد رفیع اللہ	״
محمد جمال الدین	״
محمد وہاج الدین مصلح	״
اصلاح المسلمین گوپا مئو	
محمد حنیف الرحمٰن فقہ	ضمنی
محمد ذکاء اللہ انگریزی ״	״
فیض العلوم جالنہ	
حافظ تحسین عالم	مترقی
محمد طاہر خاں	پاس
شیخ عبدالرؤف	مترقی
عبدالشکور خاں	پاس
چشمۂ فیض ململ	
کفیل احمد انگریزی فقہ	ضمنی
محمد منت اللہ	پاس
مسرور عالم	״
محمد شاداب عالم انگریزی	ضمنی
محمد ابوقمر صدیقی	پاس
تقی احمد فقہ	ضمنی
رضوان اللہ	پاس
محمد مصطفیٰ انگریزی فقہ	ضمنی
محمد صلاح الدین ״ ״	״
خطیب الرحمٰن	پاس
رفیع الدین	مترقی
نور العلوم دھردہرہ	
تنبیر احمد	پاس
حبیب الرحمٰن انگریزی	ضمنی
حفیظ اللہ	״
مدینۃ العلوم سنبھل	
محمد صادق	پاس

ظہیر احمد	پاس
محمد اویس	״
ضیاء الحق	״
محمد عرفان	״
عبدالعزیز	״
غیور سلطان	״
ریاض احمد بیگ	״
مناظر حسین	״
محمد اسماعیل	״
اسد الاسلام	״
محمد حسین	״
محمد طیب	״
ناظر حسین	״
محمد عارف	״
سعید الرحمٰن محمد سہراب	״
مہیبت مئو	
محمد شاہجہاں	پاس
محمد احسان	״
محمد لقمان مطالعہ	ضمنی
عبدالوحید ״	پاس
فیض الحسن	ضمنی
منیف احمد	مترقی
عالیہ ثانیہ (الف)	
شکیل احمد	پاس
سید محمد عطاء الرحمٰن	״
کاشف شمسی	״
محمد راغب	״
محمد نور الدین	״
سنبیر احمد	مترقی
فضیل احمد	پاس
محمد معراج خاں	״
عارف علی	״

محمد کلیم خاں ہدایہ	ضمنی
محمد عارف اشتیاق	پاس
محمد رضوان حیات محمد محمد شاہد	״
عبدالعظیم	״
امتیاز احمد	مترقی
سید نوید اشرف	״
نسیم رشدی	پاس
مزمل حسین	مترقی
آفتاب عالم	پاس
محمد راشد محمد ریحان عالم	״
محمد مصطفیٰ	ضمنی
ریاض احمد حسین ہدایہ مقصود عالم	پاس
عبدالکریم	״
محمد انظر الاسلام	״
محمد شفیق الرحمٰن	مترقی
محمد مقصود عالم حبیب	پاس
احمد حسین	مترقی
محمد احمد	پاس
محمد برہان	״
محمد نسیم اختر	״
علیم اللہ	״
اظہار احمد فاروقی	״
حفیظ الرحمٰن	״
سید صداقت علی	مترقی
محمد ابوشحمہ	پاس
سعید اللہ	״
محمد ایوب	مترقی
محمد عارف عبداللہ	پاس
رضوان احمد بہرائچی	فیل
صفات احمد	پاس
عالیہ ثانیہ (ب)	
محمد نظام الدین	پاس

طارق فاروقی	پاس
محبوب الرحمٰن کرخی	״
طہیر احمد فاروقی	״
خرم علی شہزاد	״
محمد فیضان احمد	״
محمد ناصر الدین	״
عبید الرحمٰن	״
سید محمد عرفان	مترقی
محمد اسعد حسین	پاس
محمد سلیم	״
محمد قمر الہدیٰ	״
محمد شاکر	״
عبدالوحید خاں	مترقی
صہیب احمد صوفی	״
طفیل احمد	پاس
پرویز حیات	״
محمد ارشد	״
محمد مسعود عالم محبوب	״
محمد عمر	״
محمد وصی اختر	״
محمد نفیس عبدالرب	״
ابوالکلام عبدالوحید	״
محمد اسعد رضا	״
حمید الدین	مترقی
محمد نور الہدیٰ	پاس
محمد کلیم الدین	״
سیف الدین	״
محمد ثاقب	مترقی
محمد انیس الرحمٰن	پاس
ابوالحسن	״
عبدالرشید شاہ	مترقی
محمد معروف	پاس

رفیع الدین شوکت	مترقی
فیضان احمد مبین	پاس
محمد افضل سعید ہدایہ	ضمنی
محمد اسلم ادب ״	״
محمد جہانگیر عالم	پاس
محمد رئیس	مترقی
عالیہ ثانیہ (ج)	
سید محمد طارق	پاس
محمد عبید اللہ	״
عظمت اللہ	״
نیر اعظم	״
رضوان الدین	مترقی
معروف خاں	پاس
عبدالسلام	״
شرف الدین	״
نظام الدین	״
محمد یوسف عزیز	״
محمد صالح ظفر	״
شوکت احمد شاہ	״
طارق کانپوری	״
شعیب حسنین	״
عبداللہ بن عبدالملک	״
محمد لقمان	مترقی
ارشاد احمد ہدایہ	ضمنی
نیک محمد	پاس
عرفان احمد	مترقی
محمد شکیل	پاس
عبدالشکور	״
محمد اختر	״
محمد سہراب عالم	״
وحید الدین اعظمی	غیر حاضر
عبدالصمد	پاس

محمد اشرف خاں	پاس
سلمان اختر انگریزی و	ضمنی ہدایہ
محمد پرویز عالم	پاس
محمد مبشر عالم	مترقی
مقصود خاں	پاس
نعمان احمد	״
محمد نسیم اختر	مترقی
محمد زبیر عالم	پاس
محمد حامد حسین	״
نظار الاسلام	״
محمد ثناء اللہ نیپالی	مترقی
فیاض احمد مشکوٰۃ	ضمنی ہدایہ
عالیہ ثانیہ (د)	
سید راشد علی	پاس
محمد شفیق	״
سعود عالم	״
محمد جنید	״
برکات احمد	مترقی
وصی الرحمٰن	پاس
سرفراز احمد دہلوی	״
محمد آصف اقبال	״
محمد عادل اقبال	مترقی
آفتاب عالم	پاس
محمد ارقم	״
سید الرحمٰن	״
محمد عمران	״
ظفیر الحسن	״
عبداللہ جاوید	״
محمد راحل حسین	״
نثار احمد عبدالکریم	״
تنویر احمد خاں منطق	ضمنی
امام الدین	پاس

محمد اسعد عالم	پاس
منور علی	"
ظہیر احمد	"
محمد مشتاق احمد	"
عبد العلیم	"
محمد انظار عالم	"
محمد شفیع ڈار	مشرقی
محمد پرویز عالم علاء الدین	پاس
محمد وسیم	"
محمد وقار	"
محمد ریان	مطالبہ
نجم حسن منظر	مشرقی
جنید احمد	پاس
سمیع الزماں خلیق	"

عالیہ ثانیہ (۷)

عماد الدین	پاس
محمد شجاعت علی	"
محمد مظہر	مشرقی
محمد ندیم اختر	پاس
محمد آصف الحسنین	"
غلام مصطفیٰ میر	"
حسنین احمد	"
مبشر احمد	"
محمد اسلام	"
محمد مرشد اختر	"
محمد سبیل	"
ابوبکر	"
محمد عارف نثار	مشرقی
عبد الشافی	پاس
محمد ذکر اللہ خاں	"
ابو صالح	"
وصی اللہ خاں	"

عبد الرحمٰن عبد الحکیم	پاس
محمد معین الدین	"
محمد ارشاد	"
محمد اسحاق	"
محمد صادق اختر	"
ابو الکلام عبد الغنی	"
اکبر علی ثناء اللہ	"
سید شاداب احمد	مطالبہ
مجاہد حسین	پاس
محمد داؤد اختر علی	"
محمد کلام	"
فہیم صدیقی	"
محمد مدثر عبد الصمد	"
ذو الفقار علی	"
محمد ذو الفقار محمد ظفیر	"
عبد الوحید	"
محمد علی ہدایہ تفسیر	ضمنی
عابد کریم	پاس
محمد پرویز عالم	"

مدرسہ عالیہ عرفانیہ

محمد قمر عالم	پاس
محمد مسعود عارف	"
ابو البیان ہدایہ	ضمنی
محمد ظفر کلیم	پاس
محمد شمیم عالم	"
محمد رفیق الاسلام	"
محمد شہیر الحق	"
ایاز احمد	"
محمد حسن ہدایہ	ضمنی
محمد خالد	پاس
محمد ہاشم	"
محمد ارشد	موقوف

سمیع الرحمٰن	پاس
شمس تبریز	"
محمد ارشد خاں انگریزی، مشکوٰۃ	ضمنی
محمد مہدی حسن	مشرقی
جمال احمد	پاس
سراج احمد	مشرقی
محمد مرشد عالم	پاس
محمد اظہر عالم	مشرقی
محمد افروز عالم	"
محمد مامون اختر ہدایہ	ضمنی
محمد اشتیاق عالم "	"
محمد نوشاد عالم	پاس
جمال احمد	"
شکیل احمد	مشرقی
محمد اعظم	پاس
آفتاب عالم	"
محمد امتیاز عالم	مشرقی
محمد نظام الدین	پاس
محمد شمیم اختر	فیل
محمد طاہر	مشرقی
محمد اظہار عالم ہدایہ	ضمنی
محمد قیام الدین	پاس
مجاہد حسین	فیل
عبد السمیع	"
حیات الرحمٰن ادب، انگریزی	ضمنی
سعید انور " ہدایہ	"
محمد معین الدین خاں	پاس
شیخ وزیر عالم	"
محمد علی انگریزی	ضمنی
محمد فیروز عالم ادب "	"
محمد شبیر ہدایہ "	"
محمد ضیا نور " "	"

محمد غفران	فیل
محمد نفیس	"
محمد مسعود عالم ہدایہ	ضمنی
محمد شمشاد عالم	فیل
مرجان علی	"
ظریف احمد انگریزی	ضمنی
محمد اخلد	پاس
محمد سعید	موقوف
محمد ہمایوں رشید	پاس
محمد اویس	مشرقی
آفتاب الدین	غیر حاضر
ندیم سرور	مشرقی
محمد غالب	فیل
سلطان سیف اللہ	"
عمران احمد	"

جامعہ ولی اللہ بہیلت

محمد عمر ناصحی	پاس
محمد شاہ نظر	"
محمد شاہ نواز	"
عبد الہادی انگریزی	ضمنی
ذو الفقار	مشرقی
محمد شمیم	پاس
محمد یاسین	فیل
انوار الاسلام انگریزی و ہدایہ	ضمنی
اظہر حسین	پاس
شبیر حسین	موقوف
شفیق الرحمٰن	مشرقی
محمد جاوید عالم	پاس
مظہر الحق	"
سرور علی	"
محمد عرفان ہدایہ	ضمنی

فلاح المسلمین تمندوہ

محمد فاروق	پاس
سہیل احمد ہدایہ	ضمنی
محمد اسرائیل انگریزی	" تفسیر
محمد نثار	فیل
محمد امداد اللہ	پاس
محمد سرور عالم	"
عتیق الرحمٰن	فیل
منظور احمد خاں	"
محمد شفیع مشکوٰۃ و ہدایہ	ضمنی
غفران احمد خاں	مشرقی
احمد رحمانی	پاس
عبید الرحمٰن انگریزی و ہدایہ	ضمنی
صغیر احمد	پاس
محمد محسن انگریزی، ہدایہ	ضمنی
محمد انس عثمانی	فیل
محمد اظہار الحق	مشرقی
محمد خالد تفسیر ہدایہ	ضمنی

مدرسہ دینیہ غازی پور

محمد سالم	مشرقی
رمضان علی خاں ہدایہ	ضمنی
عبد اللہ یوسف ادب "	"
محمد یحییٰ	پاس
شریف الاسلام	"
شمس احمد	"
حنیف الرحمٰن	فیل
محمد سیف الرحمٰن	پاس
محفوظ عارف	"

دار التعلیم والصنعت جاجمؤ

محمد شمیم اختر	پاس
عبد الحکیم	"
نور الہدیٰ	مشرقی

قمر اللہ	پاس
تحسین احمد	"
محمد ابرار عالم	"
علی حسین	مشرقی
احمد حسین	فیل

دار العلوم جودھپور

عبد الوحید ہدایہ	ضمنی
عبد الرشید	مشرقی
عبد الرحیم	پاس
محمد ابراہیم	"
محمد نجم الدین	"
عبد المغنی	"
محمد ارشاد عالم	"
محمد ضیاء اللہ	"
عزیر اختر	"
شکیل احمد	مشرقی
محمد طارق انگریزی	ضمنی ہدایہ
محمد مظاہر الاسلام	پاس

مدرسہ عربیہ اورنگ آباد

محمد عامر	پاس
محمد معین	فیل
شیخ اعجاز احمد ہدایہ	ضمنی
محمد یونس	فیل
محمد انیس	"
مشتاق احمد	مشرقی
محمد نظام الدین ہدایہ	ضمنی مشکوٰۃ
شیخ منیف	فیل
محمد امین احمد	"
محمد شکیل خاں	مشرقی
محمد فاروق خاں	غیر حاضر
سید نوشاد	فیل
محمد عبد الرحمٰن ہدایہ	ضمنی

محمد عتیق سہیل	فیل	عبدالرب	پاس	ریاض الدین	فیل	سید واثق	مترقی	عالیہ ثالثہ (ب)		عبدالسلام	پاس
سید کرامت انگریزی	ضمنی	اشتیاق احمد	،،	محمد امین	مترقی	محمد منیر اصول	ضمنی	محمد علی خاں	پاس	علی اکبر سبحانی	مترقی
محمد خالد خاں	بہرایچ فیل	حفیظ اللہ	،،	محمد عمر	،،	عبدالجواد سکری	مطالبہ	محمد اشرف علی عبارت	ضمنی	محمد عظیم الدین	پاس
ضیاء العلوم رائے بریلی		محمد اسلم خاں	،،	عبدالخالق کامل	پاس	محمد نفیس خاں	پاس	محمد جمشید عالم	پاس	احمد الدین اصول	ضمنی
محمد اکبر میر	پاس	سید عطاء اللہ	،،	محمد وصی اختر	،،	محمد سلمان	مترقی	نذیر احمد	مترقی	محمد وسیم اکرم	پاس
ارشد حسین	،،	محمد یوسف بیگ	،،	صفی اللہ	،،	محمد برکت اللہ	پاس	شمس العارفین	پاس	محمد تنویر خاں	،،
مختار احمد	،،	محمد مقصود	مترقی	عرفان اللہ	،،	حسیب الرحمن	،،	محمد مظفر الحق	،،	محمد فائق حسین	،،
عبدالرحمن	مترقی	جاوید اختر	،،	رحمت اللہ عالی	،،	محمد شکیل اختر اصول	ضمنی	محمد شاہد انور	،،	محمد کلیم الدین	،،
سید صداقت حسین	،،	ظہیر عباس	پاس	اجمل حسین	،،	محمد رفیق	مترقی	محمد ارشاد	،،	محمد شکیل الرحمن	،،
محمد ایوب	پاس	محمد عمران خاں	،،	عبدالقادر	،،	محمد حسین اختر	پاس	محمد اعظم	فیل	مغفور احمد اصول	ضمنی
ناظم مرتضیٰ	،،	محمد ادریس خاں	مترقی	محمد اکرام الدین	،،	نوشاد عالم	،،	محمد شاکر	پاس	محمد صابر حسین	پاس
جاوید اقبال	،،	محمد افروز عالم	موقوف	سید منور حسین	،،	محمد عیسیٰ خاں	،،	عبداللہ بٹنی	،،	محمد شہاب الدین	،،
محمد دلشاد	،،	عبدالمتین بھٹکلی	پاس	سہیل احمد	،،	محمد ممتاز احمد	،،	محمد احسان اللہ	،،	محمد محبوب رحمانی انگریزی	ضمنی
خورشید الاسلام	،،	محمد ابرار الحق ناخدا	،،	محمد منظر حسین	،،	محمد نثار عالم	،،	سفیر الدین خاں	،،	محمد طیب	پاس
محمد آصف	،،	عبدالمجید میسوری انگریزی	ضمنی	محمد فرقان	،،	محمد شہاب الدین	،،	محمد سلمان سفیان	،،	محمد شعیب عبدالقیوم	،،
محمد سلیم	مترقی	سید احمد شہید کٹولی		سید غزالی اشرف	مترقی	سرفراز احمد	،،	اکرام الحق عبارت	ضمنی	سجاد ذکی	،،
یار محمد	،،	جمال احمد	پاس	طارق انور	پاس	محمد عطاء الرحمن	،،	ابدال احمد	پاس	زبیر احمد زین العابدین	مترقی
محمد میاں انگریزی	ضمنی	محمد وسیم	،،	ابوریحان	مترقی	یوسف جاوید	،،	محمد ظفر کیفی	،،	منیر احمد	پاس
محمد سمیع الدین	پاس	محمد عمر قریشی	،،	عبدالحکیم	پاس	نذیر احمد لون	،،	محمد ممتاز خاں	،،	عبدالسلام	،،
نور محمد	،،	محمد اظہر صابر	،،	عبیداللہ	،،	محمد شعیب	،،	نجیب اللہ	،،	محمد جبرئیل	مترقی
نور الاسلام	،،	محمد سرور عالم	،،	محمد ذاکر عالم انگریزی و	ضمنی اصول	محمد شمیم اختر	،،	محمد شکیل	،،	فضیل احمد	پاس
محمد ابرار	،،	محمد ابرار الحق	،،	محمد فیضان ظفر	پاس	عبدالرحمن خلیل	،،	شمس الدین عبدالمجید	،،	محمد عرفان منصور	ضمنی اصول
محمد آصف	مترقی	عمید الزماں	،،	شعیب احسن اعظمی	،،	عبید الرحمن	،،	غلام مجتبیٰ	،،	عبیداللہ جنید	پاس
محمد علاء الدین	پاس	محمد عمران	،،	عبدالصمد محمد فاروق	مطالبہ	آفاق احمد	،،	محمد ثناء اللہ مطالعہ	ضمنی	نثار احمد غلام محمد	،،
عبدالسمیع	،،	عالیہ ثالثہ (الف)		نسیم احمد اصول	ضمنی	رضوان اللہ	،،	دلاور حسین	مترقی	عثمان مشتاق اصول انگریزی	ضمنی
گلزار احمد	مترقی	محمد اسعد	پاس	محمد ضیاء اللہ نفیس	،،	سراج احمد	مترقی	محمد انوار الدین	پاس	محمد آصف الدین	پاس
محمد عبداللہ الیاس	پاس	نقیب الدین	،،	جمیل احمد	پاس	عبدالرحمن ابراہیم	پاس	محمد عباد الحق	،،	محمد اشرف بٹ	،،
محمد نفیس سیتاپوری	،،	سرور عالم	مترقی	مہتاب عالم	،،	محمد منیر عالم	،،	محمد منت اللہ صدیقی	،،	رحمت اللہ	،،
محمد ہشام	،،	محمد ابرار	پاس	محمد ذاکر حسین	،،	محمد منیر الحق عبارت	ضمنی	اعجاز احمد	،،	سید کوثر	موقوف
سید محمد شارق حسینی	،،	محمد اسلام الدین	،،	محمد احمد	،،	عبدالستار	مترقی	مختار احمد	،،	محمد اصغر اصول	ضمنی
محمد صادق ایوب انگریزی	ضمنی	محمد محفوظ	مطالبہ	محمد بدیع الزماں	،،	عمیر انس	مطالبہ	محمد سلیم عبدالغفور	،،	عبدالعزیز ،، انگریزی	،،
احتشام الحق	پاس	ابوالکلام آزاد	،،	محمد رضوان	،،	عبدالواحد اصول، عقائد	مطالبہ	محمد مشتاق شیخ	،،	مجیب الرحمن	پاس

اکمل حسین	مترقی	محمد جہانگیر اصول	ضمنی	عمار انس	ضمنی عربی	محمد طاہر اعظمی	پاس	محمد راف ریاض	موقوف	محمد قمر الزماں	پاس
علیم اللہ	پاس	عبد الحق عبد الغفار	پاس	بلال مدثر	پاس	کمال الدین	"	فیروز احمد	پاس	سیف الدین	"
ریاض	"	احمد صہیب صدیقی	"	محمد فہیم	مترقی	محمد تنویر عالم	"	رفیع احمد	"	منت اللہ	"
فخر الدین صدیقی	"	حفیظ الرحمن	"	محمد یوسف خضر	پاس	عبد الخالق عبد اللطیف	"	محفوظ الرحمن	"	محمد یاسین حسین	"
عالیہ ثالثہ (ج)		محمد شاہد	"	محمد رفیق عالم	"	محمد امجد محمد حسن	"	محمد طارق انور	"	صفی الرحمن سیجولی	"
محمد زبیر	پاس	محمد امان اللہ	مترقی	محمد علی شفیق	"	محمد انعام الحق	"	نثار احمد عثمان	مترقی	محمد حسنین	"
محمد عامر	مترقی	رونق ضمیر	پاس	عدنان احمد	"	شوکت علی	مترقی	ریاست علی	پاس	شفیع احمد	"
وجیہ الحسن	پاس	محمد اسلم	"	عزیر انور	مترقی	محمد اقبال حسین	پاس	منصور عالم	"	اختر الزماں امجد	"
محمد یوسف خاں	"	منت اللہ نظام مشکوٰۃ	ضمنی انگریزی	آفتاب عالم	پاس	محمد فضل الحق	"	عبد اللطیف	"	محمد زبیر خاں	"
محمد خالد	"	محمد مصباح الدین	ضمنی	تنویر احمد مشتاق	فیل	مجیب الرحمن	مترقی	صہیب الرحمن چودھری	"	محمد امیر الدین	مطالبہ
محمد اکرم	"	ارشد حسین مسعودی اصول	"	محمد شاہجہاں منڈل	مترقی	محمد فیضان	پاس	محمد ابوذر	"	تنویر عالم	پاس
محمد اخلاق	"	محمد شمس الزماں مشکوٰۃ	"	عالیہ ثالثہ (د)		محبوب الرحمن	مترقی	تنویر احمد	"	محمد طیب	"
طفیل احمد	"	صدر عالم	مترقی	خلیل الرحمن	پاس	محمد معراج الحق	پاس	یاسین	مطالبہ	ندیم احمد	"
محبوب عالم	"	محمد سلیم الدین	پاس	محمد داؤد	مترقی	قمر الدین	مطالبہ	محمد خالد	پاس	جاوید احمد خاں	"
حیدر علی	"	حبیب الرحمن	"	حامد صدیقی	پاس	شمیم احمد	پاس	محمد عالم جیم	"	عبد الصمد	مطالبہ
محمد سمیر بیگ	"	محمد فرقان سلطان	"	محمد فیروز	"	محمد رحمت حسین	"	امام الدین حماسہ	ضمنی	محمد احتشام الحق	پاس
ابرار احمد	"	شمیم احمد بھول	"	اسرار احمد	"	محمد ارشد	"	محمد مسعود عالم	پاس	محمد معروف شاداں	"
محمد فرمان	"	محمد خلیل الرحمن	"	شہروز عالم خاں	"	مقصود احمد	"	محمد طاہر خاں	"	محمد سیف اللہ	"
طارق ظفر رحمانی	مترقی	محمد شاہنواز عالم اصول	ضمنی	محمد حافظ غلام رسول	مترقی	عبد الرشید	"	محمد شاہجہاں	"	محمد محمود الحق	مترقی
عزیز وارث	پاس	ملک محمد عنایت علی خاں	پاس	شعیب احمد انصاری	پاس	چودھری صغیر احمد	"	محمد جنید عالم	"	محمد عمران سیوانی	پاس
رضوان احمد	"	محب اللہ انگریزی	ضمنی	رفیع الدین	فیل	جمشید علی	مترقی	محمد نسیم	"	محمد طالب	"
محمد علی نور اللہ	"	محمد ابرار الحسن	پاس	ندیم احمد	پاس	محمد ذو القرنین	پاس	قاضی ابراہیم صدیقی	اصول ضمنی	محمد نور الہدیٰ	"
فخر الاسلام	"	محمد علاء الدین اصول	ضمنی	محمد صادق اختر انصاری	"	زبیر احمد	"	محمد سراج	پاس	عبید الرحمن	"
شیخ احتشام الدین	"	انور حبیب	پاس	محمد امجد	"	سید محمد طاہر	"	عالیہ ثالثہ (ھ)		محمد مرغوب الرحمن	"
عنایت اللہ دانی	"	محمد فاروق	فیل	احمد اللہ	"	محمد انور عالم	"	محمد وسیم اصول	ضمنی	اشتیاق احمد	"
نسیم اختر	"	محمد امین	پاس	ساجد غفران حماسہ	ضمنی	محمد مرتضیٰ علی	مترقی	محمد صادق	پاس	آصف اقبال	"
محمد خورشید عالم	"	محمد مظہر الحق	"	محمد علی سلیمان	مترقی	شہاب احمد	"	محمد معراج عالم	"	محمد نظام الدین	"
محمد سلمان قریشی	"	محمد عمری عبارت	ضمنی	شفقت عالم	پاس	محمد توفیق عالم	پاس	نیاز احمد	"	محمد رضوان الکریم	"
جمال الدین سجاد	"	جمال الدین	پاس	منور علی	"	محمد زاہد	مترقی	مصور عالم	"	محمد امتیاز عالم	"
سید محمد احسن اصلاح	ضمنی تعبیر	محمد ہاشم	"	طفیل احمد	"	محمد اظہار خاں	پاس	احمد بن غلام رسول	فیل	محمد ظہیر الدین	"
محمد آفتاب عالم	پاس	محمد ذکر اللہ	"	فیروز عالم	"	شیخ رکن الدین	"	غفران امجد	مترقی	محمد سرفراز عالم عبد الصمد	"
محمد جمیل اختر	"	محمد شکیل نثار	"	محمد شاہنواز عالم	"	آصف انظار	پاس	دلدار احمد	پاس	عبد الحسیب	"

ولی الرحمٰن اصول	ضمنی
جرنیخ عالم	پاس
عبدالمنان	″
محمد منتظر محمود	مطالعہ
محمد طارق ایوبی	پاس
محمد اسلم سراج	ضمنی
محمد مقیم الدین	پاس
محمد حسین فیروز	مشرقی
محمد سخاوت حسین	″
نیاز احمد	پاس
نعمان ظفر	″
نیر الاسلام	″
محمد عتیق الرحمٰن	″
محمد عابد حسین	″
ساجد حسن بیگ	″
سراج الاسلام	″
محمد فیصل	″
طلحہ فرحان	″
معراج احمد	مشرقی
صبغت اللہ خاں	پاس
شمیم احمد	″

عالیہ ثالثہ (ع)

محمد تاج الدین	پاس
محمد حفاظ الدین فلسفہ	ضمنی
ذوالفقار	پاس
امداد اللہ خاں	مشرقی
اسنادی	پاس
سہادی	″
تاجر حسین	مطالعہ
محمد مبارک	پاس
عبدالناصر انگریزی	ضمنی
محمد علی تبین بد	پاس

محمد عافق	غیر حاضر
محمد عبدالباری	پاس
شیخ محمد کے	″
سعد اللہ	″
سہلان شہدا	″
محمد قاسم	″
پی ٹی پی سید علی	″
داؤد بن محمد	″
عبدالرشید عبدالرحمٰن	غیر حاضر
نجیب	پاس
سید اشرف الحق	غیر حاضر
محمد سلیم	مشرقی
زید محمد	پاس
نظام الدین	فیل
سالم بن قاسم	″
ذوالکفل مرہون	غیر حاضر
ابوبکر بن صالح	فیل

نورالاسلام جبل پور

محمد نجم الدین انصاری	پاس
ارشاد خاں	″
محمد نظر الحسن	″
محمد ہارون انصاری اصول	ضمنی انگریزی
محمد ابراہیم	پاس
محمد ارشاد احمد اصول	ضمنی
محمد نعیم الدین خاں	پاس
محمد رضوان عالم	″
ابوبکر	فیل
سعید الرحمٰن انصاری	ضمنی انگریزی
غلام ربانی	پاس
راشد جمال	″

عالیہ ثانیہ ادب

عتیق احمد	پاس

محمد امان اللہ	مطالعہ
محمد رضوان	پاس
شیخ یونس	مطالعہ
شمس الحق	پاس
محمد سلیم عثمانی	″
شیخ تیمور نحو و بلاغت	ضمنی
ضیاء الحق	مطالعہ
شرف الدین	مشرقی
محمد حامد	″
تاج الدین انصاری	پاس
محمد اسمٰعیل حسین	″
محمد ساجد رضا	فیل
عزیز اللہ	پاس
محمد یعقوب الاسلام	غیر حاضر
محمد ثاقب	″
محمد سلیم	پاس
محمد صابر حسین	فیل
شکیل الرحمٰن	مطالعہ
محمد نور العین	″
نسیم احمد نحو و بلاغت	ضمنی
محمد ابوالوفا	پاس
فارس محمد حسن الکریم	مشرقی
محمد زاہد حسین	پاس
محمد جلال الدین	موقوف
محمد علی مرتضیٰ	″
محمد عابد	غیر حاضر
محمد حسن	پاس
محمد عزیز اللہ	مشرقی
عبدالحی	مطالعہ
محمد عبدالرحمٰن	فیل
شریف الیاس	پاس
محمد زبیر انگریزی	ضمنی

عالیہ رابعہ (الف)

رضاء اللہ	پاس
محمد سلیم الدین	″
محمد سلیم	″
محمد ندیم اختر	″
محمد ظہور عالم	″
مجاہد الاسلام	″
شاہ نواز انور	″
ضیاء الرحمٰن	″
محمد احتشام انظر اصول سنہ	ضمنی
شمس الدین	پاس
شیخ نصیر الدین	″
مفیض الرحمٰن	″
محمد یونس شفیق	″
جہانگیر احمد کشمیری	″
محمد عمران حیدر	″
محمد نظام الدین	″
محمد آفاق مطالعہ	ضمنی
توحید عالم	پاس
محمد قریش زین العابدین	″
محمد قریش اصول سنہ	ضمنی
محمد سراج الدین	پاس
محمد الیاس انور	″
محمد زکریا شیخ	مطالعہ
محمد ظہور الحق	پاس
اظہار احمد	″
محمد سالم انگریزی	ضمنی
محمد علی جوہر مطالعہ	″
محمد یوسف تجوید	″
منان احمد	پاس
عبدالحفیظ مطالعہ، ناقلہ	ضمنی
محمد عابد منیر	فیل

نہال احمد مطالعہ	ضمنی
محمد منصور	پاس
محمد ندیم اختر	غیر حاضر
محمد عرفان	پاس
محمد نسیم اختر	″
مزمل احمد	″
مشتاق احمد مطالعہ	ضمنی
محمد لقمان	پاس
محمد ساجد خاں مطالعہ	ضمنی
احمد نازکی	پاس
شیخ حسن	″
محمد شہاب الدین	مطالعہ
محمد اسماعیل	پاس
محمد مقیم عظیم	″
محمد عتیق خاں	″
نظیر احمد	″
محمد مشتاق عالم	″
محمد وارث	″
محمد یعقوب	فیل
محمد شہاب الدین	مطالعہ
اعجاز احمد بیگ	پاس
محمد نعمان جعفری	″
محمد شمیم اختر	″
احمد الیاس	″
محمد شہزاد عالم	″
عبدالحلیم اسرائیل	″
محمد اسعد حسین	″
محمد ربیع اسلام	″
محمد ابوثاقب عظمی	″
محمد ارشد	″
محمد عبدالرحیم	موقوف
غفران ساجد	پاس

طفیل احمد جیلانی فرائض	ضمنی مطالعہ
محمد شوکت	پاس
عبدالسلام عبدالرزاق	″
واثق اکبر مطالعہ	ضمنی
مسعود عالم	″
محمد خورشید عالم	پاس
سید مظہر حسین	″
رحمت علی	″
محمد الیاس عظیم	″
محمد افضل اعظمی	″
محمد محسن عالم مطالعہ	ضمنی
زبیر احمد	پاس
محمد زاہد حسن مطالعہ	ضمنی
محمد ساجد عبدالقدوس	پاس
محمد ہارون رشید	″
محمد ایوب	″
مشتاق احمد زبیدی	ضمنی
محمد ثناء اللہ	پاس
نسیم انور خاں	فیل
بشیر احمد	پاس
محمد جمیل اختر	″
سجاد حسین ڈار	″
محمد رضوان	″
محمد لطف الحسن میاں	غیر حاضر
عبدالغفار	پاس
محمد رضاء اللہ	″
محمد حبیب اللہ میاں	″
محمد مبارک حسین زیدی	ضمنی
فخر الدین	پاس
زاہد حسین فاروقی	مطالعہ
محمد ابرار الحسن	فیل
ابن عبدالسلام	پاس

نام	نتیجہ
...ث الدین	مطالبہ
شیخ یاسین تعبیر	ضمنی
...ناد احمد خان مطالعہ تعبیر	•
...قا اللہ •	ضمنی
عالیہ رابعہ ع	
محمد قادری بن صالح اعلال سنہ	مطلوب
سکری حمزہ ترمذی	ضمنی
جلال عبدالرحمن	پاس
صدیق کودو اعلال سنہ	مطلوب
زکریا ادریس	پاس
رحمت الہی	پاس
خیر الرازی	پاس
منور جان تعبیر	ضمنی
احمد سوجرانی تعبیر	ضمنی
غزالی عبدالسبوح ترمذی	•
ارمان سنتری	پاس
سوری مونا غ	•
عبدالسلام ایم ترمذی	ضمنی
سید علی ایم آر انگریزی	″
ارشد محمد اعلال سنہ	مطلوب
سلمان عبداللہ	پاس
عبدالرحمن محمد زین	فیل
عالیہ رابعہ (ادب)	
حافظ محمد جاوید	پاس
شفیق الرحمن	•
نفیس احمد	•
محمد امداد اللہ	•
شفیق احمد اعلال سنہ	مطلوب
لیقمان احمد تاریخ ادب	ضمنی
محمد انوار حسین •	•
عبدالحلیم	پاس
یاسر حسین	مطالبہ

نام	نتیجہ
محمد یونس	پاس
عبدالوہاب	•
فخر الاسلام الہاب بخاری	ضمنی
شہاب الدین تاریخ ادب	″
عبداللہ	پاس
محمد دانش	•
عبدالرزاق	•
محمد فاروق حسن	•
محمد فاروق	″
انس علی	•
محمد دلشاد عالم	•
محمد شوکت	•
محمد شرف حسین	″
ارشاد احمد	•
محمد شرافت اللہ	•
عبداللہ شمشاد	″
نورین احمد اعلال سنہ	ضمنی
ظہیر الدین	فیل
محمد یاسر	پاس
محمد عمران	″
اخلاق احمد کربی	•
محمد عمر محمد طیب	•
یاسین محمد ادریس	•
محمد اجمل حسین تاریخ ادب تفسیر	ضمنی
قاضی عارف رضا	پاس
تنویر شاہد	″
محمد محتشم مطالعہ تفہیم	ضمنی
۱۳۵۵ محمد اللہ	فیل
۱۳۵۶ ثناء اللہ	پاس
عالیہ رابعہ شریعہ ب	
اشتیاق احمد ترمذی	ضمنی
محمد وارث	پاس

نام	نتیجہ
عبدالرحمان انادی	پاس
افضل حسین	•
محمد انیس	•
اورنگ زیب عالمگیر	″
عبداللہ صدف	•
عبدالحق صدیقی	•
عیش محمد	•
سمیع اللہ	″
محمد فرقان	•
محمد لقمان	•
محمد ساجد یونس	•
عبدالسلام	″
عبدالوحید عبدالعلی	•
محمد شمیم خان	″
محمد مقیم الدین	•
محمد معز الدین	″
محمد غفران حیدر	•
محمد نور مزمل	•
محمد اظہار عالم	•
فیاض احمد	•
وسیم احمد	″
مہتاب عالم	•
فیاض احمد مسعودی	″
اعجاز اختر	•
جمیل احمد	″
محمد مسعود عالم مطالعہ	ضمنی
محمد حفظ اللہ ″	″
احمد ذہین	زیرغور
مستقیم فضل اعظمی	″
سید خورشید حسن قادری	پاس
مشکور العارفین ترمذی	ضمنی
نظام الحق	پاس

نام	نتیجہ
محمد یونس گجراتی	پاس
محمد شمس الہدیٰ	•
محمد کلیل احمد	•
محمد علاء الدین	″
محمد رفیق	•
شکیل احمد	•
عبدالمالک مقبول	•
حبیب الرحمن	•
مجیب الرحمن	″
محمد غالب اسراری	•
شکیل احمد انتیاز	•
محمد ایوب صدیقی	″
محمد معظم علی مناقشہ	ضمنی
محمد ہاشم	پاس
عبیدالرحمن نیپالی	″
محمد مزمل	•
نور الاسلام ترمذی و مناقشہ	ضمنی
رضی احمد ″	″
حلیم الرحمن	پاس
شمشاد ربیع	″
انعام الحسن	•
خورشید عالم خان	″
صبیح الرحمن مطالعہ	ضمنی
اشتیاق عالم	پاس
عبدالقدیر	″
مصباح اللہ تبریز	″
عبدالرحمن احمد علی	″
منور سلطان	•
جاوید اختر انگریزی	ضمنی
محمد رفیق عالم	پاس
عبدالصبور مناقشہ	ضمنی
محمد نسیم ابراہیم	پاس

نام	نتیجہ
محمد شعیب	پاس
ابوہریرہ مطالعہ و مناقشہ	ضمنی
پرویز احمد خان	پاس
مصباح الدین	″
نور الدین	•
کلیم الدین	•
عبدالحکیم	″
محمد سلمان نسیم	•
محمد جہانگیر	•
محمد عظیم	•
ارشاد علی ترمذی و مناقشہ	ضمنی
محمد پرویز عالم	پاس
محمد صدر عالم	مطالبہ
فضیل عامر	پاس
محمد مسعود جمال فاخری	″
آصف نور اللہ	•
محمد شعیب عالم	″
محمد صادق	مطالبہ
محمد اعجاز عالم	موقوف
محمد ارشد	پاس
ذیشان احمد	•
محمد حنیف الرحمن	″
انوار الحق	مطالبہ
پرویز احمد رفیق	پاس
لیقص محمد	•
صغیر ابو البرکات	″
محمد توحید خان مطالعہ	ضمنی
محمد داؤد عالم •	•
محمد ظفر اللہ	پاس
عزیز الرحمن	•
مکین اشرف	•
انوار احمد	•

نام	نتیجہ
صلاح الدین	پاس
محمد عبدالسلام خلیل	•
نصر الامین	″
محمد ذکاء اللہ صدیقی	مطالبہ
نہال احمد صدیقی بخاری	ضمنی
عبدالکریم	پاس
عالیہ رابعہ شریعہ ج	
عبداللہ	پاس
عبدالخالق	″
محمد ظفر	″
ابوالکلام خان	″
عبدالرحمن کٹک	•
عبداللہ عبدالناصر	″
محمد عفت علی	•
نیفان احمد	•
محمد آصف انتظار	•
آفتاب عالم	•
محمد یونس	″
محمد ہارون رشید	فیل
معین احمد	پاس
محمد اصغر	″
غلام محی الدین شاہ	″
محبوب النبی مطالعہ	ضمنی
محمد طیب	پاس
عبداللہ سلطان	•
معین الاسلام	″
نعیم الدین	•
محمد محسن	•
عفان احمد عثمانی	•
محمد شاہجہاں یاسین	•
محمد ذاکر حسین	″
محمد سعید	مطالبہ

نام	نتیجہ
انعام	پاس
الحنان	״
حاذق	״
الخالق	״
ندیم	״
سادات	״
علی صفدر	״
العین مطالعہ	ضمنی
ابوبکر ״	״
منصور عالم ״	ناقصہ
سعد سعود ״	״
سلمان راغب	پاس
شیخ خضر حسین	״
عمر	״
عبد الرحیم	״
ریاض الدین	״
رابع عثمانی	فیل
یاز احمد صدیقی بخاری	ضمنی
یوسف اسحاق	پاس
شیخ الیف حسین مطالعہ و ناقصہ	ضمنی
حسین	پاس
محفوظ ابوبکر	״
رضوان ناصر	״
نعیر	״
شکیل احمد نیپالی	״
علی سبحان	״
سراج الدین خان ترمذی	ضمنی
نسیم اختر	پاس
عبد الحمید شاہ	״
شاہ عالم	״
احمد ترمذی و بخاری	ضمنی
سلیمان	پاس

نام	نتیجہ
صفی اللہ	پاس
محمد اشفاق	״
محمد فاروق خاں	״
محمد منور حسین	״
جلیس احمد	״
زین العابدین	״
منظر امام الدین	״
محمد مرشد ترمذی	ضمنی
ابوالوفار	״
محمد اعظم حسین	״
فاروق احمد	״
محمد حسین عدیل ناقصہ	پاس
ابرار الحق	״
محمد سعد عبد الرزاق	״
اختر حسین	״
محمد حنیف انصاری	״
محمد زبیر	فیل
عطاء الرحمن	ضمنی
محمد شکیل احمد ناقصہ	پاس
محمد اسرائیل	ضمنی
محمد ضیاء الابص	پاس
محمد خالد	״
ابوریحان	״
محمد الیاس	״
المہد علی	״
ذکی احمد	״
جمال حسین	ضمنی
محمد عاشق صدیقی	پاس
ابوالہلال مطالعہ	״
وحید اللہ	״
محمد سمیر الدین	ضمنی
محمد معین الدین	پاس

نام	نتیجہ
محمد رفیق الاسلام	پاس
صہیب احمد	״
اسامہ مشتاق	״
محمد شاہد	״
محمد صدیق	مطالعہ
لئیق الرحمن	پاس
نفیس احمد مطالعہ	״
محمد شعیب	ضمنی

تاج المساجد بھوپال

نام	نتیجہ
	پاس
محمد ادریس	״
محمد حبیب بیضاوی	״
محمد آصف تفسیر	ضمنی
احمد انیس	پاس
محمد زبیر	مطالعہ
محمد سعید تفسیر	پاس
عبد الغفور	״
عبد المجید	״
محمد صابر	״
محمد منیر	ضمنی
محمد اسرار	پاس
محمد اشرف	زیر غور
محمد انس	پاس
عبد الغفار تفسیر	״

کاشف العلوم اورنگ آباد

نام	نتیجہ
	״
محمد نسیم الدین	״
شیخ نعمان	״
شیخ ہارون	״
سید زبیر احمد	״
سید آصف علی	ضمنی
شبیر احمد خاں	پاس
سید مجاہدین تفسیر	״
....	״

جامعہ اسلامیہ بھٹکل

نام	نتیجہ
شفیق احمد	پاس
محمد الیاس	״
عبد السعید	״
محمد عفان بیضاوی	ضمنی
محمد شمویل	پاس
عبد الرحمن	״
عبد اللہ	״
سید محی الدین	״
عبد السمیع بیضاوی	ضمنی
محمد سلیم	پاس
عبد المغیث	״
سید عبد النافع	״
محمد نعیم	״
عبید اللہ	״
اسماعیل شمیم بیضاوی	ضمنی
ایمن علی	پاس
عبد السعید محمد جعفر	״
عبد الرحیم	״
رئیس حسن بیضاوی	ضمنی
محی الدین ״	״

خصوصی اول

نام	نتیجہ
محمد امتیاز الحق	پاس
محمد عبد النور	״
سید محمد مکی حسنی	״
سید فرحان ماجد	״
سید محمد شاہد انور	مطالعہ
حافظ محمد عمران	پاس
فرقان احمد	״
محمد میزان الرحمن	״
نصیر الدین شیخ	״
محمد نعیم الدین	״

نام	نتیجہ
احمد کبیر رفاعی	پاس
غلام محی الدین ملک	״
خالد کابیل خام	״
ابوالفضل انصاری	״
امین سنک جیرن	ترقی
محمد منزر رشید	مطالعہ
شہنواز احمد	پاس
سمیع الرحمن	״
محمد اطہر	״
محمد عظمت خاں	״
کوثر ندیم	״
محمد سلیمان	فیل
الطاف حسین شیخ	پاس
محمد قاسم صدیقی نقص و ارسال شدہ	ضمنی
سہیل احمد	فیل
دلاور حسین لسکر	غیر حاضر

خصوصی ثانی

نام	نتیجہ
محمد انعام الدین	پاس
فوزی	فیل
خلیق احمد	پاس
محمد کبیر حسین	״
وسیم الحق	״
مشتاق احمد بٹ تعبیر	ضمنی
شفیع الرحمن	پاس
الطاف الرحمن	״
شیخ عبد اللہ	״
محمد عبد الحق	ترقی
محمد شفیق الرحمن مطالعہ	ضمنی
شبیر اسحق	پاس
شہید نقد و تعبیر	ضمنی
سید اقبال احمد رحمانی	پاس
محمد اسلم علی	״

نام	نتیجہ
جیلانی احمد ارشاد	پاس
بشیر احمد بھٹ	״
طلحہ احمد	״
عبد الواحد	فیل
عبد اللطیف میر	پاس
نصیر احمد شیخ	״
امین بن عبد الوہاب تعبیر و نقص	ضمنی
بلال صادق فاروقی	فیل
احمد فیصل محمد	״
محمد شفیق خاں	پاس
محمد ناجیا حسین	موقوف
میر ضیاء الحق	ترقی
سعادت احمد یسوی	پاس
خواجہ محی الدین اعمال نامہ	مطلوب
رونق الحسن ۱۶۹۳	پاس
غلام کبریا ۱۶۹۴	״

خصوصی ثالث

نام	نتیجہ
منظور احمد لداخی	پاس
عز الدین	״
شیخ حذیفہ	״
محمد یونس علی	״
محمد سجاد احمد خاں	״
اشعری بن احمد	״
وسیم احمد	مطالعہ
محمد رمضان گنائی	پاس
بشیر احمد میر	״
محمد عادل	״
عبد العزیز سری الحی	״
فاروق احمد رشی	״
سید سراج الدین	״
ابراہیم سلام	״
محمد کامران عزیز	״

...ند ڈار	پاس
...لیکفال	"
...سان اعال سنہ	مطلوب
...یوسف	پاس
...الدین	غیر حاضر
...سلام	مطالبہ
...سف حجاج	غیر حاضر
...رحمٰن	پاس
...ر	غیر حاضر
...حکیم کرے	پاس
...بیر	"
...ہاشم بانڈے	فیل
...من زمزمی	پاس
...عبدالرزاق	"
...ریابن انوار	غیر حاضر
...محمد شافعی بن محمد ابراہیم	پاس
...عبیدالرحمٰن	"
...محمد نفع الرجال	موقوف
...بردم فرنیدی	پاس

المعہد الدعوۃ

محمد نضیل	پاس
عبدالجلیل	"

تدریب افتاء

عبدالقادر شیخ جیلانی	پاس
ساجد علی رحمت علی	"

المعہد الدعوۃ

زبیر احسن اعظمی	فیل
محمد صادق	"
محمد ساجد بستوی	"
میزان الرحمٰن	"
محمد سہیل احمد	"
محمد فیضان نگرامی	"

علیا اولیٰ شریعہ

عبداللہ غزالی	پاس
محمد مطیع الرحمٰن	"
محمد فاروق عبداللہ	"
محمد قاسم	"
شکیب احمد	"
سعید احمد	"
محمد نعمان اسحٰق	"
شاہد مبین	"
کفایت اللہ	"
محمد ندیم اللہ	پاس
محمد یونس اختصاص مطالبہ	ضمنی
ذاکر حسین	پاس
محمد امین الحق مطالبہ	ضمنی
عبدالرشید	پاس
رافت محمود	"
محمد عتیق	"
محمد امین اختر اعال سنہ	مطلوب
محمد عظیم اللہ	پاس
زبیر احمد	"
محمد ساجد	"
محمد نسیم الدین اختصاص	ضمنی
محمد ثانی عثمانی ہدایہ	"
محمد حفیظ الرحمٰن	پاس
عبدالرؤف	"
جلال الدین	"
محمد بن عبدالوہاب	"
محمد شاہنواز عالم	"
شمیم حفیظ	"
محمد نصراللہ	"
محمد شہباز عالم	"
الہانیس	"
عبدالسلام	"

انعام اللہ	مطالبہ
ندیم احمد	زیر غور
عبدالرحیم شفیق	پاس
محمد امام الدین	"
جمیل اثری	"
محمد عامر بیگ	"
محمد شفیق انور	"
ضیاء الدین	"
محمد شاہد الاسلام	"
محمد اسحٰق	پاس
محمد عمران	مطالبہ
سہیل نازل	پاس
عبدالحق	مطالبہ
عبدالرحمٰن	مشرقی
شیخ عبدالقدیر	"
محمد رفیق	پاس
رفیق الاسلام	"
سراج الہدیٰ	"
نیاز احمد	مطالبہ
عطاء الرحمٰن	فیل
محمد رفعت عالم	مطالبہ
عبدالحکیم	پاس
محمد مجاہد خان	"
جمال احمد	"
عبدالسمیع	مطالبہ
محمد مصدق	پاس
محمد عمار اختصاص	ضمنی
محمد ارشد الحسن	پاس
عبدالعلیم گلزار	"
محمد جنید	مطالبہ
عبدالقادر صابر شاہ	پاس
محمد نفع اللہ	"
ابراہیم خلیل	مطالبہ

محمد اسعد	پاس
عبدالباسط	"
محمد مشتاق عالم	"
محمد مسلم	"
محمد زبیر عثمانی	موقوف
عبدالمجید اطہر	زیر غور

علیا اولیٰ ادب

شاکر فرخ	مشرقی
محمد وثیق	پاس
عتیق احمد	"
محمد عباس رحمانی	"
سید محمد یوسف	"
محمد حبیب اعال سنہ	ضمنی
امام الدین	پاس
محمد تنویر عالم	"
امتیاز احمد	مشرقی
محمد رشدان بیگ سلیم و اعال سنہ	ضمنی
سید محمد صادق	پاس
محمد عرفان	"
محمد رفیق احمد	"
محمد عمیر	"
عبدالحی	مطالبہ
مسیح الرحمٰن	مشرقی
امین الرحمٰن کے بی	پاس
محمد مجیب	"
محمد عطاء اللہ اعال سنہ	ضمنی
محمد اکرام	مشرقی
محمد مطلوب عالم	"
محمد عثمان	"
محمد عزیز اللہ	پاس
عمر علی	"
محمد عابد سلم و اعال سنہ	ضمنی
محمد یوسف مئوی	مطالبہ

زین العابدین	مشرقی
فیاض احمد	زیر غور
آصف لئیق	پاس
زبیر عالم خلیل	"
حسن بصری اعال سنہ	مطلوب
محمد جہانگیر	پاس
زبیر عالم	"
خلیق احمد	فیل
محمد احسن اللہ منتخب	پاس
حسان "	فیل
کلیم اللہ جابر "	پاس
نعیم الاحسن نعیم "	فیل
محمد معصوم "	پاس

علیا ثانیہ شریعہ

محمد سالم ناقشہ	ضمنی
محمد عون "	"
عبدالجبار "	"
محمد احتشام خاں	مطالبہ
محمد موسیٰ ناقشہ	ضمنی
محمد اشرف علی	زیر غور
نجیب الرحمٰن اختصاص	ضمنی
ابرار احمد صدیقی ناقشہ	"
خالد سیف اللہ "	"
محمد رئیس بخاری	"
محمد زرصیف عالم ناقشہ	"
محمد عقیل خاں	مطالبہ
محمد اسحٰق	زیر غور
علیم احمد ناقشہ	ضمنی
محمد شاہد اختصاص مطالبہ	"
محمد منیر "	"
شکیل احمد	مطالبہ
محمد حسین صدیقی مطالبہ	ضمنی

عبدالمجید اطہر	زیر غور
محمد ابراہیم ناقشہ	ضمنی
سید ایوب علی	مطالبہ

علیا ثانیہ ادب

عبدالنبی بخاری	ضمنی

درجہ معہد خصوصی

(اسکروی)

سعید احمد	اقل
محمد شکیل اختر	"
فرحان احمد	"
محمد فاضل	"
محمد نذیر خاں	"
محمد اعجاز	"
محمد انجم شمیم	"
عبدالرحیم	"
محمد طٰہٰ	"
محمد علی عالم	"
محمد یوسف	"
محمد آصف انصاری	"
عبدالقدیر	"
اکبر علی	"
رفیع الدین	"
فیضان خاں	"
محمد ارشاد	"
زاہد علی	"
شاہ نواز عالم	"
محمد عبدالصمد	"
محمد شارق	"
سید عتیق الرحیم	"
محمد انتظار	"
محمد عارف	"

محمد ابوذر	اول
محمد عمران	"
محمد مجاہد الاسلام	
محمد منصور احمد	"
محمد توقیر عالم	"
محفوظ الرحمٰن	"
محمد مجاہد	"

درجہ ہفتم

سید محمد اجتبا الحسین	اوّل
سید ولی اللہ	"
یاسر عرفات	"
سمیع اللہ	"
سید نور اشرف	"
محمد محسن	"
محمد افضل خاں	"
راشد ظہیر	"
ازہر صدیق صدیقی	"
محمد ممتاز علی	"
اشفاق عالم	"
ناصر الدین	"
عرفان احمد ملک	"
سید فیض الحق	"
افتخار احمد	"
محمد آصف اعظمی	"
عاکف علی	"
نذر الحسن	"
عاصم شبیر	دوم
عتیق الرحمٰن	"
نہال احمد اعظمی	ترقی
محمد عمر فاروق	"
شمیم احمد	"
سراج احمد	"

محمد آصف خاں	ترقی
سراج احمد خاں	"
محمد مزمل	"
محمد وسیم	فیل
محمد نسیم	"
قطب محمد پرویز	"
محمد راشد	"
ابوبکر خاں	"
اطہر حسین	"

درجہ ششم

فصیح الاسلام	اول
سراج الدین	"
محمد مدثر خاں اعظمی	"
مدثر شروانی	"
عطاء الرحمٰن نمبر۱	اول
محمد عمران	"
ارشد ضیاء	"
ضیاء الحسن	"
عطاء الرحمٰن نمبر۲	"
محمد پرویز عالم	"
سید محمد عمر	دوم
صلاح الدین	"
حفظ الرحمٰن	"
سید عبد الرحمٰن	"
محبوب عالم	"
توقیر عمر انصاری	"
معظم شہود	"
محمد مصطفیٰ	ترقی
محمد سلمان	"
اسعد شکیل	"
محمد شاداب	"

اعلان

دارالعلوم میں نئے سال کا آغاز انشاء اللہ ۸ر شوال یوم شنبہ مطابق ۱۵ر جنوری ۱۹۹۷ء کو ہوگا اور نئے طلباء کے داخلے شروع ہو جائیں گے۔ ایک عشرہ کے اندر تعلیم کا آغاز کر دیا جائے گا۔ دارالعلوم کے دارالاقاموں میں مقیم طلباء کے کھانے کے لئے مطبخ کا انتظام ہے جس سے صرف کھانے کا نظم ہوتا ہے، ناشتہ کے لئے طلباء کو خود بندوبست کرنا ہوتا ہے اس کی سہولت کیلئے احاطہ کے اندر دو کینٹین قائم ہیں

مطبخ سے مہیا کئے جانے والے کھانے کی فیس تین سو روپئے ماہانہ ہے۔

قدیم طلباء وقت پر آنے کی کوشش کریں تاکہ اسباق شروع ہونے سے قبل وہ کتب خانہ سے کتابیں حاصل کر کے درجات میں جانے کے لائق ہو سکیں، ضمنی امتحانات ۱۲ر شوال سے شروع ہو سکیں گے۔ ایسے طلباء کو امتحان سے قبل دس روز تیاری کرنے کے لئے وقت پر دارالعلوم پہنچنا چاہیئے۔

انصاف

احمد شاہ غفران پناہ کے داماد نے عنفوانِ جوانی میں خونِ ناحق کر دیا۔ بادشاہ کو خبر ہوئی اُس نے اس کو گرفتار کر کے قاضی کی عدالت میں بھیج دیا۔ قاضی صاحب نے بادشاہ کے داماد کو قصاص سے محفوظ رکھنے کیلئے مقتول کے وارثوں سے گفت و شنید کی اور ان کو بجائے ایک دیت کے ڈیڑھ دیت لے کر قاتل کو معافی دینے پر رضامند کر لیا۔ ممکن ہے کہ وارثانِ مقتول پر بھی ہیبت سلطانی غالب آگئی ہو اور انھوں نے دیت مل جانے ہی کو غنیمت سمجھا ہو۔ بہرحال بادشاہ کو اس کی اطلاع دی گئی۔ فرمایا کہ وارثانِ مقتول گو دیت لینے پر رضامند ہیں، تاہم اس کو قبول نہ کرنا چاہیئے۔ ورنہ دولتمندوں کو قتل ناحق پر دلیری ہوگی۔ یہ کہہ کر حکم دیا کہ مجمع عام میں قاتل کا سر اڑا دیا جائے۔ (یادِ ایام)

نعت شریف

● پروفیسر طفیلؔ احمد مدنی

لو ہم حدود کوچہ جاناں میں آگئے
یعنی جوار ختم رسولاں میں آگئے
اذنِ رسول پاک ہی کی دیر تھی فقط
صحرا سے اڑ کے صحنِ گلستاں میں آگئے
ہم عاصیوں پہ جب ہوئی ان کی نگاہ لطف
زحمت سے بچ کے رحمتِ باراں میں آگئے
سیلاب نور ہے کہ ٹھہرتی نہیں نظر
یارو عجیب شہر فروزاں میں آگئے
اللہ رے اضطراب کے دل تھم نہیں رہا
جب سے حریم سیدِ خوباں میں آگئے
ہر شخص اجنبی ہے یہاں اس کے باوجود
لگتا ہے جیسے حلقۂ یاراں میں آگئے
کعبہ، بقیع و گنبد خضرا ہوں یا اُحد
منظر تمام دیدۂ گریاں میں آگئے
اشکوں کے تار ہیں کہ مرے ٹوٹتے نہیں
جب سے نبیؐ کی مسجد تاباں میں آگئے
حکم خدا و فیضِ رسولِؐ کریم سے
کیا کیا کمال دامنِ انساں میں آگئے
اب فکر گردو پیش و دوراں کس لئے کریں
جب ہم نبیؐ کے سایۂ داماں میں آگئے
بس اس یقیں کے ساتھ ہی لوٹیں گے اب طفیلؔ
انوار طیبہ میرے گریباں میں آگئے

انفرادی خریدار متوجہ ہوں

تجدید خریداری کے لئے زر تعاون بھیجتے وقت منی آرڈر کوپن یا ڈرافٹ کے ساتھ خط میں اپنا نام و پتہ وہی لکھیں جس پر رسالہ پہلے سے جاری ہے اور خریداری نمبر بھی ضرور تحریر کریں تاکہ رقوم کا اندراج صحیح طور سے ہو سکے

(سرکولیشن منیجر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

أَمْ كُنتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ

بھلا اُس وقت تم کیا موجود تھے، جب یعقوب کو موت آ پہنچی، اور اُس وقت اُنھوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا

مَا تَعْبُدُونَ مِن بَعْدِي

تم میرے بعد کس کی عبادت کروگے

قَالُوا نَعْبُدُ إِلَٰهَكَ وَإِلَٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَٰهًا وَاحِدًا وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۝

وہ بولے ہم عبادت کریں گے آپ کے خدا، اور آپ کے باپ داداؤں ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے خدا کی (اُسی) خدائے واحد کی، اور ہم تو اُسی کے فرمانبردار ہیں

میں آپ سے کہتا ہوں کہ ہم اور آپ سب اپنے دلوں کو ٹٹولیں اور یہ دیکھیں کہ واقعی اس سوال کی ہمارے یہاں اہمیت ہے یا نہیں؟ اور یہ سوال افراد کے پیمانے پر، خاندان کے پیمانہ پر، برادری کے پیمانے پر، معاشرے کے پیمانے پر، محلہ کے پیمانے پر، قصبہ کے پیمانے پر اور آخر میں میں کہتا ہوں کہ ملت کے پیمانے پر، اور ملتِ ہندیہ اسلامیہ کے پیمانے پر ہمارے دلوں پر نقش ہے یا نہیں؟ ہماری آئندہ نسل ہمارے بعد کس راستے پر چلے گی، وہ کس گروہ و ملت کی پیرو ہوگی، کس کی پرستش کرے گی، کن عقائد کو مانے گی ـــــ یہ خدائے واحد کی پرستار ہوگی یا سیکڑوں ہزاروں، لاکھوں، کروروں خداؤں اور دیوتاؤں کی، یہ اِس وسیع کائنات میں، اور اپنی محدود زندگی میں کس کے دستِ قدرت کو کام کرتا ہوا دیکھے گی اور مانے گی -؟

مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نور اللہ مرقدہ

(ماخوذ از "آئندہ نسلوں کے اسلام کی ضمانت اور ایمان کی حفاظت کی ذمہ داری)

No. LW/NP56

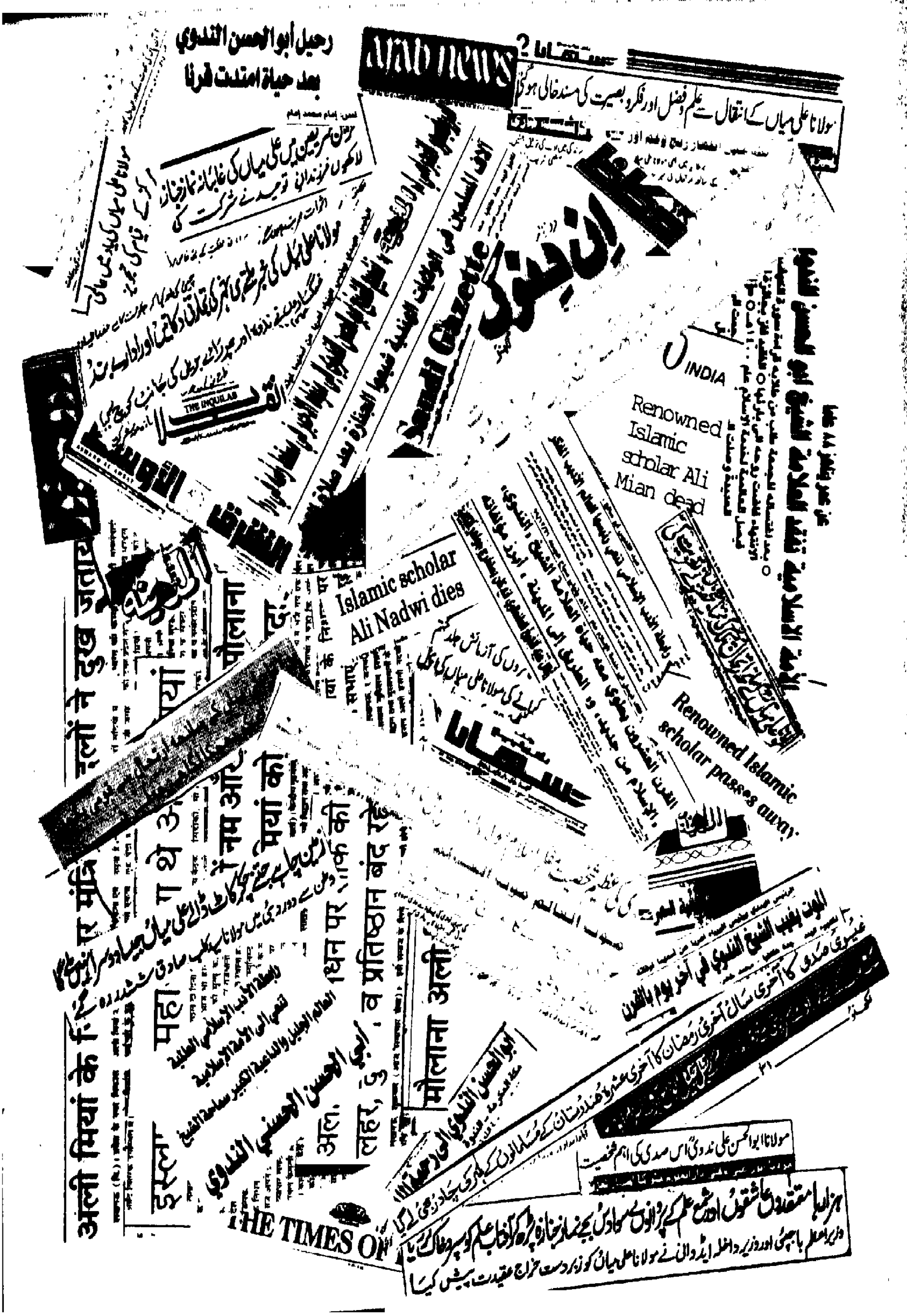
FORTNIGHTLY

Princip al off. 372336
Gue st house 323864

AMEER-E-HAYAT

NADWATUL ULAMA LUCKNOW-226 007

R. 12/-



لکھنؤ

تعمیرِ حیات

پندرہ روزہ

انسان کی پیدائش کا اولین مقصد

عبودیت کی بنیاد عقائد اور ایمان کی تصحیح پر ہے، جس کے عقائد میں خلل اور ایمان میں بگاڑ ہو اس کی نہ کوئی عبادت مقبول اور نہ اس کا کوئی عمل صحیح مانا جائے گا، اور جس کا عقیدہ درست ہو اور ایمان صحیح ہو اس کا تھوڑا بھی بہت ہے، اس لئے سب سے پہلے ان باتوں کو معلوم کرنے کی ضرورت ہے جن پر عقیدہ رکھنا، ایمان لانا اور ان کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے اور جن کے یقین کے بغیر کوئی شخص مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں یہ وہ عقائد ہیں جو دنیا کے تمام مسلمانوں کے درمیان مشترک ہیں۔ عقائد کے بعد اسلام میں جس چیز کی بڑی اہمیت، جس پر بڑا زور اور جس کی بڑی تاکید کی گئی ہے وہ عبادات ہیں۔ جو انسانوں کی پیدائش کا اولین مقصد اور غرض و غایت ہے۔ اللہ پاک نے خود ارشاد فرمایا:

" وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْن " (الذاریات۔ ۵۶) اور ہم نے جن اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا کہ وہ عبادت کریں۔

اسلامی شریعت کی رو سے ہر عاقل بالغ مسلمان مرد و عورت پر چار چیزیں فرض ہیں۔ اور اسی لئے ان کو دین کے ارکان اربعہ (یعنی چار ستون) کہتے ہیں:

۱۔ پانچ وقت کی نماز۔
۲۔ اگر وہ زکوٰۃ کے شرائط پورے کرے تو سال میں ایک مرتبہ اپنے مال کی زکوٰۃ۔
۳۔ رمضان کے روزے۔
۴۔ اور خانۂ کعبہ کا حج (بشرطِ استطاعت) جو عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے۔

یہ وہ فرائض ہیں جن کا انکار کرنے والا دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور ان کا مستقل تارک (چھوڑنے والا) گویا جماعت مسلمین سے خارج ہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

(از: اسلام کا تعارف ص۱۸)

۲۵ر دسمبر ۹۹ء و ۱۰ر جنوری ۲۰۰۰ء | سالانہ ۱۳۰؍ روپئے | صرف اس شمارہ کی قیمت ۲؍ روپئے

فکر آخرت

حضرت مولانا محمد احمد پرتاب گڈھیؒ

قرآن اللہ تبارک وتعالیٰ کا مقدس کلام ہے جو دل کی دوا اور روح کی شفا ہے، ہم لوگوں کو چاہئے کہ اس پر غور کریں اور سوچیں کہ یہ زندگی ہم کو کیوں دی گئی تھی، اس زندگی کا کیا مقصد تھا؟ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو کس لئے پیدا فرمایا ہماری پیدائش کا کیا مقصد ہے؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

"وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونَ"

(یعنی ہم نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت اور بندگی ہی کے لئے پیدا کیا ہے اور اس لئے پیدا کیا ہے تاکہ ہماری معرفت حاصل کریں)۔

آپ جانتے ہیں کہ عبادت وبندگی کیا ہے؟ اللہ پر ایمان لانا اور اللہ کے قانون کے مطابق زندگی گذارنا، اللہ کی مرضی کے مطابق اپنے کو بنا لینا، زندگی کے ہر شعبہ میں اللہ کے احکام کو جاری کرنا اور اللہ ہی کو راضی کرنے کے لئے سب کچھ کرنا ہی بندگی ہے اسی کے لئے ہم کو پیدا کیا گیا ہے۔

قرآن پاک میں جہاں جہاں ایمان والوں کو خطاب فرمایا ہے وہاں "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا" کا عنوان اختیار فرمایا ہے، اس عنوان میں بھی عجب کیف ودرد ہے انتہا لذت اور کشش ہے جس کو مومن ہی سمجھ سکتا ہے، دیکھئے یہیں فرما رہے ہیں:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَا قَدَّمَتْ لِغَدٍ"

یعنی اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص یہ دیکھ بھال لے کہ کل قیامت کے واسطے اس نے کیا بھیجا ہے۔

یہ زندگی کامیاب زندگی اسی وقت بنے گی جب اللہ تعالیٰ اور اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہمارے دل کے اندر ہو اور ہم اپنی مرضی کو چھوڑ کر اللہ کی مرضی کے تابع ہو جائیں، اللہ ہی کے لئے ہم جئیں اور اللہ ہی کے لئے مریں، آیئے۔ ذرا ہم غور کریں اور سوچیں کہ آج ہمارے دل میں اللہ کی محبت کتنی ہے اور اللہ کا خوف کتنا ہے؟ ہمارا تو یہ حال ہے کہ ہم اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں، اللہ کے قانون کو توڑتے ہیں، اللہ کے حدود سے منہ موڑتے ہیں اللہ کے فرائض سے غافل ہیں، منکرات میں مبتلا ہیں، اگر اللہ کا خوف دل میں ہوتا تو ہماری یہ حالت نہ ہوتی۔

انبیاء کرام علیہم السلام اسی لئے دنیا میں تشریف لائے تھے کہ لوگوں کو توحید کی دعوت دیں، اچھی اچھی باتوں کا حکم کریں اور منکرات سے منع کریں، سب سے بڑی دولت اللہ کی توحید ہے یعنی اللہ کی ذات وصفات کا اقرار کر لینا اور صحیح معنوں میں اس کلمہ کی تصدیق کرنا کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین صحیح معنوں میں تصدیق کرنے والے تھے، انھوں نے جب اس کلمہ کا اقرار کر لیا تو ان پر کیسی کیسی مصیبتیں آئیں، انگاروں پر لٹکائے گئے، سینے پر پتھر رکھے گئے، وطن سے نکالے گئے، بدن میں کانٹے چبھوئے گئے، طرح طرح کی مصیبتیں آئیں مگر وہ ہر حال میں ثابت قدم رہے اور اسی ایمان پر ثبات کے صلہ میں ان کے لئے بشارت نازل فرمادی گئی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ "إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ"

جن لوگوں نے اقرار کر لیا کہ ہمارا رب حقیقی صرف اللہ ہے پھر اس پر مستقیم رہے ان پر فرشتے اتریں گے کہ تم نہ اندیشہ کرو اور نہ رنج کرو اور تم جنت ملنے پر خوش رہو جس کا تم سے وعدہ کیا جایا کرتا تھا۔

اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرما رہے ہیں کہ جن لوگوں نے اقرار کر لیا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اس پر ان کو استقامت حاصل ہو گئی، اس پر قائم رہے کوئی بھی حال ہو، مصیبت آئے تو، بیماری آئے تو، فقر وفاقہ ہو تو، خوشحالی ہو تو، تنگی ہو تو، ہر حال میں وہ اللہ کے در پر موجود اور حاضر ہیں، اللہ سے ڈرنے والے ہیں، اللہ کے در سے ہٹنے والے نہیں ہوتے، ان کی نظر ہر وقت اللہ پر رہتی ہے، آخرت ہر وقت ان کے سامنے ہوتی ہے۔

آیئے! ہم اور آپ بھی سوچیں کہ اللہ کا خوف ہمارے دل کے اندر ہے یا نہیں؟ اور اللہ کا خوف دل میں ہونے کی علامت یہ ہے کہ بندہ اللہ کی نافرمانی چھوڑ دے، گناہوں کو ترک کر دے، اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کرے یعنی اوامر کا امتثال کرے اور نواہی سے اجتناب کرے جب ہماری زندگی ایسی ہو جائے تب سمجھیں کہ ہمارے دل میں اللہ کا خوف ہے۔

مولانا تقی الدین ندوی کی والدہ کا انتقال

مولانا تقی الدین ندوی مظاہری بانی جامعہ اسلامیہ مظفر پور (اعظم گڈھ) کی والدہ محترمہ کا ۸؍دسمبر ۱۹۹۹ء مطابق ۲۹؍شعبان ۱۴۲۰ھ کو ان کے آبائی وطن مظفر پور اعظم گڈھ میں انتقال ہو گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحومہ نے اپنی پوری زندگی عبادت الٰہی میں گذاری، وہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھیں، مرحومہ کے جنازہ میں عوام وخواص کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی۔ قارئین کرام سے دعائے مغفرت وایصال ثواب کی درخواست ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پندرہ روزہ لکھنؤ

تعمیر حیات

مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۳۶ — شمارہ نمبر ۶

۲۵ر جنوری ۲۰۰۰ء — مطابق — ۱۷ر شوال ۱۴۲۰ھ

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین وادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ ۱۳۰/- روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں

زر تعاون

سالانہ — ۱۳۰/- روپے
فی شمارہ — ۶/- روپے
بیرونی ممالک فضائی ڈاک
ایشیائی، یورپ، افریقی و امریکی ممالک ۳۰ ڈالر
بیرونی ممالک بحری ڈاک
بحری ڈاک جملہ ۱۵ ڈالر

خط وکتابت کا پتہ

منیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس نمبر ۹۳
ندوۃ العلماء لکھنؤ ۲۲۶۰۰۷ یوپی

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں

گذارش

خط وکتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کے ساتھ مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے (منیجر)

پرنٹر پبلشر شاہد حسین نے ندوۃ آفسیٹ میں طبع کراکے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِس شُمارے میں

اداریہ

شمس الحق ندوی

محفل کون و مکاں میں سحر و شام پھرے
مئے توحید کو لے کر صفتِ جام پھرے

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نور اللہ مرقدہ
کے
مقامِ بلند کا اعتراف اور ان کے فکر سے اظہار عقیدت و محبت کا تقاضا

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نور اللہ مرقدہٗ ۲۲ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ مطابق ۳۱ دسمبر ۱۹۹۹ء کو پونے بارہ بجے حاضرین کے بیان کے مطابق معمول کے مطابق غسل فرما کر کپڑے بدل کر یٰسین شریف کی تلاوت فرماتے ہوئے آیت "فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّأَجْرٍ كَرِيمٍ" پر اپنی جان جان آفریں کے حوالہ کر دی' وہ اسی شان سے اپنے رب سے جا ملے جیسے معزز مہمانوں کے استقبال یا سفر کے لئے تیار ہو کر روانہ ہوا کرتے تھے۔ اللّٰھم برّد مضجعہ واکرم مثواہ۔

یہ حادثہ پوری امت مسلمہ بلکہ پورے عالم انسانیت کے لئے غیر معمولی اور جانکاہ حادثہ ہے' اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو جن خوبیوں اور کمالات سے نوازا تھا اس پر بہت کچھ لکھا جا رہا ہے اور لکھا جائے گا۔ ہم بندے ہیں اس لئے ظاہری سہاروں سے ہمارے دل کو قوت و توانائی حاصل ہوتی ہے اور ان کے چھن جانے سے رنج والم کے ساتھ ساتھ یاس و ناامیدی بھی پیدا ہوتی ہے کہ اب یہ خلا کیونکر پر ہوگا؟ اور یہ فطری بات ہے' انسان کا خمیر ہی کچھ اس طرح تیار ہوا ہے کہ اس پر یہ اثرات مرتب ہوں۔ اسی لئے ہمارے مالک و خالق نے ایسے ہر نازک موقع پر "وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِينَ" (صبر اور نماز سے مدد لیا کرو۔ بے شک خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے) کی تلقین فرمائی ہے۔

جس قادر مطلق نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ان خوبیوں اور کمالات سے نوازا تھا اور پوری امت کے لئے ان کو سائبان بنایا تھا اسی نے اپنی حکمت بالغہ سے وقت موعود پر اس سائبان کو ہٹا لیا۔ لیکن "إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ" (بیشک یہ (کتاب) نصیحت ہم ہی نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں) کا اس نے جو وعدہ فرمایا ہے' وہ اس پر ہمہ وقت قادر ہے' وہ عزیز بھی حافظ و ناصر بھی ہے' غفور و رحیم بھی ہے' جبار و قہار بھی۔ اس کی رحمت بیکراں سے قطعاً بعید نہیں کہ پردۂ غیب سے کسی ایسی شخصیت کو ظاہر فرما دے جو اس خلا کو پر کرے۔ اس کا علم اسی کو ہے۔ بندۂ مومن توکل و بھروسہ اسی مالکِ حقیقی ہی پر کرتا ہے جس کا نہ کوئی شریک ہے اور نہ وہ کسی کا محتاج ہے۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات و خوبیوں کو اجاگر کرنے کے لئے عرب و عجم کے اخبارات و رسائل میں تعزیتی جلسوں اور سیمناروں کے ذریعہ بہت کچھ لکھا اور بیان کیا جا رہا ہے' اور بہت کچھ لکھا اور بیان کیا جائے گا اور اپنے بلکہ امت و انسانیت کے محسن کے لئے یہ سب کچھ کرنا محسن کی قدر دانی اور محبت کا تقاضا ہے۔ لیکن ان سے حقیقی محبت و عقیدت' ان کی علمی' فکری اور دعوتی و روحانی طرز ادا کو اپنانا اور انھیں خطوط و نقوش اور حکیمانہ اسلوبِ دعوت و کریمانہ اخلاق و کردار پر کاربند ہونا یہ ان کی سب سے بڑی قدر دانی' محبت اور قوم و ملت بلکہ قافلۂ انسانیت کی خدمت کا تقاضا ہے' حضرت سے تعلق و محبت رکھنے والے ہر شخص کا یہ فریضہ ہے کہ اس کے لئے کمر ہمت باندھے اور اٹھ کھڑا ہو' ان کے عقیدتمندوں میں علماء و دعاۃ بھی ہیں اور صاحبِ قلم و انشا پرداز اصحاب بھی' جدید تعلیم یافتہ حضرات بھی ہیں اور عوام بھی۔ ان سبھی حضرات کا فریضہ ہے کہ اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق ان خطوط و نقوش کو اپنا کر اس پر کاربند ہونے کی کوشش کریں جس سے انشاء اللہ وہ خلا بھی پر ہوگا جو حضرت کے جانے سے پیدا ہوا ہے اور ان کی روح بھی خوش ہوگی' حضرت کے بعد اب کرنے کا اصل کام یہی ہے کاش ہم ایسا کر سکتے کہ جس طرح حضرت ہر طبقۂ فکر کے لوگوں کو جوڑ کر امت کے مفاد کو مقدم رکھتے ہوئے کام کرتے رہے ہم بھی اب اپنے کو یکسر بدل کر اپنے اندر سب کو ساتھ لے کر چلنے کی صلاحیت پیدا کریں' جس سے خود امت مسلمہ کو بھی فائدہ پہنچے اور دوسرے لوگوں میں بھی پیام انسانیت کی سوغات تقسیم کی جا سکے۔ حضرت کے خلفاء اور جانشینوں اور رفقاء کار کی بھی ذمہ داری حضرت کے بعد بہت بڑھ گئی ہے' ہر ادارہ و شعبہ سے متعلق حضرات اب اپنی ذمہ داریوں کو زیادہ چستی و مستعدی کے ساتھ ادا کرنے کی فکر کریں حضرت کے دردِ دل اور دعائے نیم شبی کی برکات سے امید ہے کہ انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا' مدارس و اداروں کے حضرات بھی یہی کریں گے اور مسند دعوت و ارشاد کے جانشین بھی' نئے نئے دینی و ملی مسائل برابر پیش آتے رہے اور آتے رہیں گے امید ہے کہ ان کے حل کرنے میں سربراہان ملت اور عاشقانِ مفکر اسلام وہی طرز و اسلوب اپنائیں گے جس کو وہ اپناتے تھے اور دوسروں کو اپنانے کی ترغیب دیتے تھے۔ اللہ ھو الموفق۔

حج ابراہیمی اعمال وصفات کی یادگار اور آپ کی دعوت وتعلیم کی تجدید ہے

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

"وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ۔ لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ۔ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ۔ ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ۔"

اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو، لوگ تمہارے پاس پیدل بھی آئیں گے اور دبلی اونٹنیوں پر بھی جو دور دراز راستوں سے آپہونچی ہوں گی تاکہ اپنے فوائد کے لئے آموجود ہوں اور تاکہ ایام معلوم میں اللہ کا نام لیں ان چوپایوں پر جو اللہ نے ان کو عطا کئے ہیں، پس تم بھی اس میں سے کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلاؤ، پھر لوگوں کو چاہئے کہ اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنے واجبات کو پورا کریں اور چاہئے کہ (اس) قدیم گھر کا طواف کریں۔ (سورہ حج۔ ۲۷۔۲۸۔۲۹)

اسلام کا جو تھا رکن حج ہے۔ اگر کوئی شخص اس کے شرائط پورے کرنے کے باوجود حج نہ کرے تو اس کے لئے قرآن شریف وحدیث شریف میں ایسے الفاظ آئے ہیں جن سے خوف ہوتا ہے کہ وہ دائرہ اسلام اور جماعت مسلمین سے خارج نہ ہو جائے، یہ فریضہ خاص اوقات میں اور خاص مقام پر ادا ہوتا ہے، یعنی ذی الحجہ کے مہینہ میں جو قمری سال کا آخری مہینہ ہے۔

حج اور اس کے تمام اعمال ومناسک نیز اس سلسلہ کے تمام واقعات وحوادث جو ان اعمال کے ساتھ وابستہ ہیں مظاہر سے بے نیازی اور انانیت وخود پرستی سے رہائی وآزادی کا وہ لباس زیبا جو حاجی زیب تن کرتا ہے، اور احرام، وقوف، افاضہ، رجم سعی اور طواف کے تمام وہ اعمال جو وہ بجالاتا ہے۔ دراصل توحید، اسباب کی نفی، خدا پر توکل اس کے راستہ میں قربانی اور اس کی اطاعت وخوشنودی کو اپنی زندگی میں موثر پایدار اور فعال بنانے کی سعی وتدبیر ہے، وہ عادات رسم ورواج، جھوٹے معیار اور مصنوعی قدروں کے خلاف ایک کھلی ہوئی بغاوت اور طاقتور ایمان، سچی محبت بے نظیر قربانی اور اعلیٰ درجہ کے ایثار وبے غرضی کی تجدید ہے۔ حج ان اعلیٰ مقاصد، صالح جذبات، روحانی اور ایمانی قدروں، نیز اس انسانی واسلامی اخوت کی بقا وترقی کا ضامن ہے جو مصنوعی قومیتوں اور نسل ووطن کے محدود اور ناقص پیمانوں سے بالاتر ہے۔ وہ حضرت ابراہیمؑ کے راستہ اور مسلک پر چلنے ان کی روح کو اپنے اندر پیدا کرنے اور ہر جگہ اور ہر دور میں ان کی دعوت کے پرچم کو بلند رکھنے کی دعوت ہے۔

"مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ"

تم اپنے باپ ابراہیمؑ کی ملت (پر قائم رہو) اس (اللہ) نے تمہارا لقب مسلمان رکھا ہے۔

(سورہ حج۔ ۷۸)

وہ حج کو ان بابرکت ہستیوں سے کبھی محروم نہ رکھے گا جن کو ہم علماء حق، مقبولین بارگاہ اہل دعوت واصلاح اور اہل باطن واہل قلوب کہتے ہیں اور جن کی وجہ سے حج کی فضا روحانیت اور نورانیت سے اس قدر بھری ہے کہ سخت دل بھی موم اور پتھر جیسے جگر بھی پانی ہو جاتے ہیں۔ باغی ونافرمان بھی توبہ وانابت کی طرف مائل ہونے لگتے ہیں۔ وہ آنکھیں جن سے کبھی خوف یا محبت کے دو قطرے بھی نہ ٹپکتے تھے یہاں پہونچ کر بے ساختہ اشکبار ہو جاتی ہیں، دل کی سرد انگیٹھیاں ایک بار پھر سلگ اٹھتی ہیں۔ رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے اور سکینت پورے ماحول کو اپنے آغوش میں لے لیتی ہے اور شیطان کو منہ چھپانے کی بھی جگہ نہیں ملتی، حدیث شریف میں آتا ہے کہ شیطان عرفہ کے دن سے زیادہ حقیر وذلیل، راندۂ درگاہ اور غصہ سے جلا بھنا ہوا کبھی نہیں دیکھا گیا۔ اور یہ صرف اس وجہ سے کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے کہ رحمت الٰہی نازل ہو رہی ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے بڑے گناہوں کو معاف فرما رہا ہے۔ (روایت مالک مرسل)

اس وقت کی فضا ایک خاص کیف رکھتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی کرنٹ نے اس کو چھوا ہے، وہ مسلمان جو دور دراز مقامات سے یہاں آتے ہیں اپنے ویران اور خالی دلوں کو پھر سے آباد کرتے ہیں اور ایمان ومحبت، جوش وجذبے اور عمل وتفقہ کا وہ زاد سفر حاصل کرتے ہیں، جو ان کی واپسی کے بعد بھی کام دے سکے اور اس کی مدد سے وہ ہر قسم کی ترغیب، دباؤ لالچ اور خوف کا مقابلہ کر سکیں۔ وہ اپنے اپنے ملکوں میں لوٹ کر اپنے ان بھائیوں کو بھی اس دولت یا اس تحفہ میں شریک کرتے ہیں جو ضعف یا بیماری یا کسی عذر کی وجہ سے یہاں حاضر نہیں ہو

اس طریقہ سے ایمانی بجلی کا یہ کرنٹ امت مسلمہ کے پورے جسم میں دوڑ جاتا ہے، اس سے جاہلوں میں علم کا شوق پیدا ہوتا ہے، کمزوروں و پست ہمتوں کی ہمت بلند ہوتی ہے، افسردہ اور مایوس انسانوں میں گرمجوشی اور حوصلہ مندی پیدا ہوتی ہے، امت کو اپنا پیغام پہونچانے اور فریضۂ دعوت ادا کرنے کی نئی طاقت حاصل ہوتی ہے، اور اس کے نئے سفر کا آغاز ہوتا ہے۔

اسلامی وانسانی اخوت اور عالمی برادری کا مظاہرہ

حج ان باطنی، لسانی اور علاقائی قومیتوں کے خلاف اسلامی قومیت کی جیت ہے جن کے بہت سے اسلامی ممالک د مختلف عوامل اور دباؤ کے تحت شکار ہیں، وہ اسلامی قومیت کا مظہر اور اعلان ہے۔ یہاں پہونچ کر تمام اسلامی قومیں اپنے ان قومی و ملکی لباسوں سے آزاد ہوکر جو ان کی پہچان بن گئے تھے اور جن سے بہت سی قومیں تعصب کی حد تک وابستہ ہیں، اسلام کا ایک قومی لباس اختیار کرلیتی ہیں جس کو دین و فقہ اور حج و عمرہ کی اصطلاح میں "احرام" کہا جاتا ہے، سب عاجزی و انکساری احتیاج ولاچاری اور گریہ وزاری کے ساتھ ایک زبان میں ایک ترانہ اور ایک ہی نعرہ لگاتے ہیں۔

لبیك اللهم لبیك، لبیك لا شریك
لك لبیك، ان الحمد والنعمة لك
والملك لا شریك لك۔

اے میرے اللہ! میں حاضر ہوں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، ساری تعریفیں اور نعمتیں تیرے ہی لئے زیبا ہیں، اور حکومت و بادشاہت بھی، تیرا کوئی شریک نہیں۔

ان میں حاکم و محکوم، آقا و نوکر، امیر و فقیر اور چھوٹے بڑے کی کوئی تفریق نہیں ہوتی، ان کے لباس اور صدا دونوں میں اسلامی قومیت جلوہ گر نظر آتی ہے، یہی حال حج کے دوسرے اعمال، عبادات، مناسک اور شعائر و مقامات کا ہے، جہاں ہر قوم و ملک کے لوگ دوش بدوش نظر آتے ہیں اور قریب و بعید اور عرب و عجم کے سارے فرق مٹ جاتے ہیں۔ صفا و مروہ کی دو پہاڑیوں کے درمیان سب ساتھ دوڑتے ہیں، منیٰ ساتھ سفر کرتے ہیں، عرفات ساتھ جاتے ہیں، اور جبل رحمت پر ایک ساتھ حاضر ہوکر دعا کرتے ہیں، اور سب ایک ہی جگہ رات گزارتے ہیں۔

"فَإِذَا أَفَضْتُم مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِندَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ۔ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَإِن كُنتُم مِّن قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ" (سورۂ بقرہ۔ ۱۹۸)

پھر جب تم جوق در جوق عرفات سے واپس ہونے لگو تو اللہ کا ذکر مشعر حرام کے پاس کر لیا کرو، اور اس کا ذکر اس طرح جیسا اس نے تمہیں بتایا ہے اور اس سے قبل تم یقیناً محض ناواقفوں میں تھے۔

سب ایک ساتھ واپس آتے ہیں، ایک ساتھ متحرک ہوتے ہیں، اور ایک ساتھ ساکن ہوتے ہیں۔

"ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ" (سورہ بقرہ۔ ۱۹۹)

ہاں تو تم جاکر واپس آؤ جہاں سے لوگ واپس آتے ہیں اور اللہ سے مغفرت طلب کرو، بیشک اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

منیٰ میں بھی قیام ایک ساتھ کرتے ہیں اور نحر (قربانی) حلق (سر منڈانا) اور رمی (شیطان کو پتھر مارنا) کے سارے کام ایک ساتھ انجام دیتے ہیں۔ جب تک حج باقی ہے (اور وہ انشاء اللہ قیامت تک باقی رہے گا) اس وقت تک مسلمانوں کو یہ قومیتیں اور غیر اسلامی دعوتیں نگل لینے میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتیں۔ اور وہ ان کا لقمۂ تر نہیں بن سکتے اور اپنے اپنے ملکوں میں (جن سے ان کو اپنے فطری جذبات اور قومی عصبیت کے لحاظ سے فطری محبت ہوتی ہے) کوئی ایسا نیا کعبہ بنانے میں کامیاب نہیں ہوسکتے جو حج کی جگہ لے لے اور سارے مسلمان اس کے گرد جمع ہوجائیں یہ قبلہ ہمیشہ ایک ہی رہے گا۔ جہاں مشرق و مغرب اور عرب و عجم کے تمام رہنے والے اپنا رخ کریں گے۔ یہ بیت اللہ بھی ہمیشہ ایک رہے گا جس کے حج کے لئے ہندی و افغانی اور یورپی و امریکی مسلمان سب برابر جاتے رہیں گے۔

"وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى" (سورۂ بقرہ۔ ۱۲۵)

اور وہ وقت بھی یاد کرو جب ہم نے خانۂ کعبہ کو لوگوں کے لئے ایک مقام رجوع اور مقام امن مقرر کیا اور مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنالو۔

روئے زمین کے ایک دور افتادہ اور دشوار گزار گوشہ سے لوگ کھنچ کھنچ کر یہاں پہونچیں گے اس دن کے لئے منتیں مانیں گے اور دن گنیں گے اور اس دربار کی حاضری کو اپنی سب سے بڑی تمنا اور سب سے بڑی سعادت و خوش نصیبی سمجھیں گے۔

حج کا فریضہ ایک خاص زمانہ اور مقام سے مخصوص ہے

اس پورے فریضہ اور عبادت کا تعلق مکہ مکرمہ اور اس کے نواحی مقامات منیٰ اور عرفات سے ہے، یہ سب مناسک وہیں ادا ہوتے ہیں، نہ ذی الحجہ کے علاوہ سال کے کسی مہینہ میں نہ ان تاریخوں کے علاوہ خود اس مہینہ کی کسی تاریخ میں اور نہ مکہ اور منیٰ اور عرفات کے سوا کسی اور مقام میں یہ فریضہ ادا ہوسکتا ہے

جن واقعات، جن شخصیتوں، جن حکمتوں اور مصلحتوں اور جن مقاصد سے اس کا تعلق ہے ان کا تقاضہ یہی ہے کہ یہ عظیم الشان فریضہ اسی مہینہ، انھیں تاریخوں اور انھیں مقامات میں اور انھیں اوقات پر ظاہر ہوئے۔ اور جن کے اندر عشق و مستی خود شکنی اور خود فراموشی رسم و رواج، عادات و مالوفات، عرف و قانون اور انسانوں کے تمام خود ساختہ معیاروں سے تھوڑی دیر کے لئے آزادی و بے نیازی کی کیفیت پیدا کرنے کی بڑی صلاحیت ہے، پھر ساری دنیا کے مسلمانوں کو (خواہ وہ کسی دور اور کسی مقام کے ہوں) ابراہیمی تہذیب اسلام کے مرکز اور خانۂ کعبہ سے ہمیشہ وابستہ اور مربوط رکھنے کا جو مقصد ہے اس کی تکمیل بھی اس کے بغیر ممکن نہیں۔

(اسلام کا تعارف)

حضرت مولانا کی رحلت..

آخرت کی تیاری کیجئے:

عادت اللہ یہی رہی ہے کہ ساری امت نے اپنے بڑوں کا صدمہ اٹھایا ہے۔ ہر علاقے میں کوئی نہ کوئی تو بڑا عالم ہوتا ہے سب کا نمبر آتا ہے جو دنیا میں آیا ہی ہے دنیا سے جانے کے لئے، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کتنے بڑے بزرگ تھے۔ پیغمبر صحابہ کرام کی شان دیکھو ایک ایک اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تو سب سے بڑے ہیں ان ساری چیزوں کو سوچا جائے اور آخرت کی فکر و تیاری کی جائے۔

آخرت کی فکر کرنی ہے ضرور۔
جیسی کرنی ویسی بھرنی ہے ضرور۔
زندگی ایک دن گزرنی ہے ضرور۔
قبر میں میت اترنی ہے ضرور

اللہ تعالیٰ ان باتوں کو قبول فرمائے اور عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

مکتوبات حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہ کے مکتوبات کے جمع و ترتیب کا کام ہو رہا ہے تمام اہل تعلق سے درخواست ہے کہ ان کے نام حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے جو مکتوبات ہوں وہ راقم سطور کو ارسال فرما دیں، اگر اصل مکتوبات کسی وجہ سے نہ بھیج سکیں تو ان کی فوٹو کاپی ارسال فرمائیں۔

محمد حمزہ حسنی
ناظر عام ندوۃ العلماء
پوسٹ بکس نمبر ۹۳ لکھنؤ

حج کی فرضیت و فضائل

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

حج کی فرضیت :-

حج اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن ہے، جس طرح نماز، روزہ، زکوٰۃ، اسی طرح حج، اس کی فرضیت قرآن شریف، حدیث شریف اجماع اور عقل ہر طرح سے ثابت ہے، اس کی فرضیت کا انکار کفر ہے، ہر اس شخص پر جو آزاد، عاقل بالغ، تندرست ہو اور اس کے پاس اپنی اور اپنے بیوی بچوں کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنے کے بعد اتنا زائد ہو کہ اس سے مکہ مکرمہ جانے آنے اور دوران سفر کے اخراجات پورے ہوسکیں، عمر میں ایک بار فرض ہوتا ہے۔ جس کی ادائیگی زندگی بھر میں ضروری ہوتی ہے، حج کی استطاعت کے ہونے کی صورت میں بھی حج نہ کرنا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بہت برا قرار دیا گیا ہے، اور اس پر بڑی وعید آئی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا۔ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ (آل عمران: ۹۷)

"اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا اس گھر کا جو کوئی پاوے اس تک راہ جس نے کفر وانکار کیا تو اللہ غنی و مستغنی ہے تمام جہاں کے لوگوں سے۔"

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جو شخص حج کا ارادہ رکھتا ہو اس کو جلدی کرنا چاہیے"

اور فرمایا :-

"جس شخص کو کسی ضروری حاجت یا مرض شدید یا ظالم بادشاہ نے نہیں روکا اور وہ بلا حج مرگیا تو اس کی مرضی جو چاہے کرے یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر۔"

قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حج کا نہ کرنا کفر کی طرح کی بات ہے۔ اور حدیث شریف سے کھلا ہوا اشارہ مل رہا ہے کہ حج کا نہ کرنا گویا اسلام سے رشتہ ناطہ توڑ دینا یا اسلام سے بے تعلقی کے مرادف ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ان فرمودات کے بعد کسی مسلمان کے لئے حج ترک کرنے یا اس کی ادائیگی میں سستی و کوتاہی کرنے کی گنجائش رہ جاتی ہے۔ بہت ڈرنے کی بات ہے، حج کی استطاعت ہوتے ہی کسی بھی مسلمان کے لئے زیبا نہیں کہ اس کی ادائیگی میں تاخیر کرے کیونکہ خدانخواستہ اگر حج نہ کرسکا تو قیامت میں اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا کتنا افسوسناک مقام ہوگا۔

حج کے فضائل :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جس شخص نے محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے حج کیا، اور اس میں جماع، فحش باتوں اور گناہوں سے بچا رہا تو وہ ایسا پاک ہو کر لوٹتا ہے جیسا کہ وہ پیدا ہونے کے وقت بے گناہ تھا۔"

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جو حاجی سوار ہو کر حج کرتا ہے اس کی سواری کے ہر قدم پر ستر نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ اور جو پیدل حج کرتا ہے، اس کے ہر قدم پر سات سو نیکیاں حرم کی نیکیوں جیسی لکھی جاتی ہیں۔"

حضرت بریدہ فرماتے ہیں کہ "حج میں خرچ کرنے کا ثواب جہاد میں خرچ کرنے کے ثواب کے برابر ہے۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک ان گناہوں کا کفارہ ہے جو دونوں عمروں کے درمیان ہوں اور حج مبرور کی جزا صرف جنت ہے"

عمرہ و حج کا فرق :

عمرہ چھوٹا حج ہے، اس لئے اس کو حج اصغر بھی کہا جاتا ہے اور اس کے مقابلہ میں حج کو حج اکبر سے تعبیر کیا جاتا ہے، عمرہ اور حج میں فرق یہ ہے کہ حج میں جتنی شرطیں ہیں اور وہ جتنی تفصیل سے ضروری ہیں اتنی عمرہ میں نہیں ہیں۔ عمرہ سال کے کسی حصہ میں ہوسکتا ہے، سوائے صرف ان چار پانچ دنوں کے جن میں حج کا وقت مقرر کیا گیا ہے لیکن حج صرف اپنے مقررہ دنوں میں کیا جاسکتا ہے عمرہ میں منیٰ، مزدلفہ، عرفات جانے اور وہاں کے شعائر ادا کرنے کی ذمہ داری نہیں ڈالی گئی ہے۔ اس میں صرف طواف اور سعی کافی قرار دی گئی ہے جب کہ حج میں ان مذکورہ جگہوں پر بھی جانا اور وہاں کے شعائر ادا کرنا ضروری ہے۔ اور عرفات کی حاضری کے بغیر تو حج ہوتا ہی نہیں۔

حج مبرور :

حج مبرور وہ حج ہے، جس میں کوئی گناہ نہ ہو علماء کہتے ہیں کہ اللہ کے یہاں مقبول حج ہی کا نام حج مبرور ہے، بعض کہتے ہیں کہ جس میں نام و نمود اور دکھاوا نہ ہو وہ حج مبرور ہے، بہرحال حج کی جو بہترین اور اعلیٰ قسم ہوسکتی ہے وہ حج مبرور ہے، ہر مسلمان کو دعا اور کوشش کرنی چاہیئے کہ اس کو اللہ تعالیٰ حج مبرور

کی سعادت عطا فرمائے۔

حج کی ادائیگی کب صحیح ہے :

۱۔ صحیح یہ ہے کہ جب حج کے شرائط پائے جائیں تو بلا تاخیر حج کرنا چاہیئے۔ دوسرے سال پہ اٹھا رکھنا اچھا نہیں ہے۔

۲۔ ناجائز مال سے حج کرنا حرام ہے۔

۳۔ کسی کے ماں باپ اُس کی خدمت کے محتاج ہوں یا کسی کا قرضہ اس کے ذمہ ہو اور اس کے پاس مال نہ ہو، یا کسی کی ضمانت ہو تو ان سب صورتوں میں ماں باپ سے یا قرض خواہ سے یا جس سے ضمانت کی ہو اس سے اجازت طلب کرنا ضروری ہے۔ بلا اجازت حج کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ لیکن جس کے ماں باپ اس کی خدمت کے محتاج نہ ہوں اس کو اجازت لینا ضروری نہیں ہے۔ لے لے تو اچھا ہے۔

۴۔ عورت حج کو جائے تو ضروری ہے کہ ساتھ میں شوہر یا محرم یعنی کوئی ایسا آدمی ہو جس سے اس کا نکاح درست نہ ہو جیسے باپ، چچا، بھائی، بیٹا، یا دودھ شریک بھائی یا سسر وغیرہ ایسے ساتھ کے بغیر عورت کا سفر کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر کرے گی تو گنہگار ہوگی۔

حج بدل :-

جو ذی حیثیت مسلمان اس درجہ معذور ہو گیا ہے کہ اب خود حج ادا نہ کر سکتا ہو، یا اس کا انتقال ہو گیا ہو اور اس کی اولاد اس کی طرف سے نفلی حج ادا کرانا چاہے تو اس کے لئے حج بدل کی صورت ممکن ہے، اس کے لئے کسی ایسے مسلمان کو جو خود اپنا حج کر چکا ہو۔ اس ذی حیثیت شخص کے وطن سے حرمین شریفین تک پھر واپسی اس کے وطن تک کے قیام و طعام و سفر کے تمام ضروری اخراجات دے کر حج کے لئے بھیجا جا سکتا ہے۔

حج بدل کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ جس کی طرف سے حج بدل کر رہا ہو اس کی نیت سے اس طرح حج کرے جیسا اپنا حج کرتا۔ اس کے دیئے ہوئے مصارف کو صرف مقصد سفر اور اس کے ضروری متعلقات ہی میں خرچ کرے اپنی ذاتی ضروریات میں صرف نہ کرے، کھانے، پینے نیز قیام کے مصارف بھی حج بدل کے مصارف میں شمار کئے جائیں گے۔ اگر حج بدل میں بھیجنے والا اجازت و اختیار دے دے کہ وہ اپنی مرضی سے آزادانہ طریقہ پر خرچ کر سکتا ہے تو پھر اس کے لئے جائز ہے۔

جن لوگوں نے اپنا حج پہلے کبھی نہ کیا ہو تو ان کو بھی حج بدل میں بھیجا جا سکتا ہے، اس کی کچھ شرطیں اور تفصیل ہے، ایسا کرنے والے کو مفتی سے معلوم کر لینا چاہیئے۔

حج شروع کرنے سے قبل کرنے کے کام

حج سے پہلے تمام گناہوں سے اس طرح توبہ کرنی چاہیئے کہ اپنے کئے پر دل سے نادم و شرمندہ ہو اور خدا سے اس کی معافی چاہے۔ اور آئندہ نہ کرنے کا عزم بالجزم کرے۔ اور حقوق اللہ (نماز روزہ) قضا کئے ہیں تو ان کی قضا کرے کسی آدمی کا کوئی مالی حق اس کے ذمہ ہو تو اس کو ادا کرے یا معاف کرائے اور اگر گالی دی ہے۔ یا مارا ہے یا غیبت کی ہے تو اس کو بھی صاحب حق سے معاف کرائے، اپنا حق معاف کرانے اور اپنے رشتہ داروں یا دوستوں سے رخصت ہونے اور ان سے دعا کی درخواست کرنے کے لئے خود اُن کے گھر جائے، اور جب حاجی حج سے واپس آئے تو وہ لوگ اس سے ملنے اور دعا کرانے آئیں۔

حج کا احرام :-

اگر آپ قران یا افراد کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ پہونچے ہیں تو آپ کا احرام برابر قائم رہے گا۔ اور آپ کو اب حج کے لئے کوئی نیا احرام باندھنا نہ ہوگا۔ اپنے اسی بندھے ہوئے احرام پر آپ حج کریں گے لیکن اگر آپ تمتع کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ آئے تھے۔ تو آپ عمرہ پورا کرکے احرام کھول دیں گے، اور آٹھویں تاریخ کی صبح کے وقت آپ کو حج کا احرام باندھنا ہوگا۔ اس کا طریقہ اور نیت اسی طرح کرنا ہوتی ہے جیسی تمتع کی صورت میں کہ عمرہ کے احرام میں آپ منیٰ روانہ ہونے کے دن آٹھویں ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھیں گے۔ اگر فجر کی نماز کے بعد دن نکلنے سے پہلے باندھنا ہو تو احرام کی نفل نماز پڑھے بغیر باندھ لیجئے۔ اور اگر دن نکلنے کے بعد باندھنا ہو تو دو رکعت نفل پڑھ کر باندھئے نماز سے قبل احرام کی ایک چادر لنگی کی طرح باندھئے اور ایک چادر اوڑھ لیجئے سلام پھیرنے پر فوراً حج کی نیت کیجئے اور ساتھ ہی تین دفعہ لبیک پڑھئے۔

"لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ" اس کے بعد جو جی چاہے دعا کیجئے۔

منیٰ روانگی :-

حتی الامکان کوشش کیجئے کہ آپ کا معلم سویرے ہی آپ کو روانہ کر دے، منیٰ مکہ سے تقریباً تین میل ہے، عموماً لوگ موٹر سے جاتے ہیں طاقت ہو اور کوئی رکاوٹ نہ ہو تو پیدل بھی بآسانی جا سکتے ہیں۔ آج منیٰ پہونچکر کوئی خاص کام نہیں کرنا ہے۔ بلکہ صرف وہاں رہنا ہے، یہ سنت ہے کہ وہاں آٹھویں کا دن اور آٹھویں، نویں کی درمیانی رات گذاری جائے، پانچ نمازیں (آٹھویں کی ظہر، عصر، مغرب، عشاء، اور نویں کی فجر) منیٰ میں پڑھی جائیں گی، لیکن بیکار رہنا مناسب نہیں، ذکر اور تلاوت میں وقت گزارنا چاہیئے۔

عرفات روانگی :-

نویں کو سورج نکلنے کے بعد عرفات کے لئے روانہ ہونا ہے، عرفات منیٰ سے ۱۵ کیلومیٹر ہے لوگ پیدل بھی جاتے ہیں، لیکن تکان کا اندیشہ ہو تو پیدل جانا ٹھیک نہیں ہے موٹر سے جانا چاہیئے۔ حج کی اس سب نقل و حرکت میں لبیک پڑھنے کا اہتمام رکھنا چاہیئے۔ عرفات پہنچ کر زوال کے پہلے جی چاہے تو آرام کر لیجئے اور کھانے وغیرہ کی ضروریات سے فارغ ہوجائیے۔ زوال ہوتے ہی وضو کر لیجئے، غسل کرنا مستحب ہے ضروری نہیں ہے وضو کے بعد اگر کوئی بڑی دشواری نہ ہو تو مسجد نمرہ میں پہنچ جانا چاہیئے، امام کی اقتداء میں پہلے ظہر پھر اسی سے متصل عصر کی نماز پڑھنا ہوگا۔ اور اگر آپ کا مکہ مکرمہ میں قیام پندرہ دن سے کم ہو تو آپ امام کے ساتھ قصر کر سکتے ہیں بشرطیکہ امام مسافر ہو۔ اور اگر امام مسافر نہ ہو اور قصر کرے تو خود چاہے مسافر ہو یا مقیم، امام کی اقتداء میں نہ پڑھئے بلکہ دونوں نمازوں کو الگ الگ ان کے خاص وقتوں میں چاہے اکیلے یا جماعت کے ساتھ پڑھئے، ظہر پڑھنے کے بعد کوشش کیجئے کہ ایک لمحہ بھی ضائع نہ ہو۔ شام تک پورا وقت دعاء و استغفار میں الحاح وزاری اور رونے گڑگڑانے میں صرف کیجئے، ظہر کے بعد فوراً امام کے ساتھ جبل رحمت کے قریب وقوف کے لئے جانا اور دھوپ میں ہی قبلہ رو کھڑے ہو کر دعا کرنا افضل ہے مگر دھوپ میں کھڑے ہونے سے ضرر یا تکلیف ہو تو جبل رحمت ہی کے قریب سایہ میں یا اپنے خیمہ ہی میں دعا وغیرہ کرتے رہئے، جب دھوپ کی تیزی کم ہو تو لبیک لبیک پکارتے ہوئے جبل رحمت کے پاس جائیے۔ جبل رحمت عرفات میں وہ جگہ ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں وقوف (قیام) فرمایا تھا، یہاں خوب رو رو کر دعائیں کیجئے اور اگر ضرر کے اندیشہ یا کمزوری کی وجہ سے اپنے خیمہ ہی میں رہ گئے اور بیٹھے ہی بیٹھے دعاء و استغفار کرتے رہے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے کھڑے ہو کر وقوف کرنا مستحب ہے واجب نہیں ہے۔ اور اگر جبل رحمت تک جانے میں گم ہونے، دھوپ کی شدت سے بیمار ہونے یا ہجوم میں دل جمعی کے ساتھ دعا نہ کر سکنے کا اندیشہ ہو تو یہی اچھا ہے کہ خیمہ ہی میں پورا وقت جی لگا کر دعا و استغفار اور درمیان درمیان میں لبیک پڑھنے میں گذار دیجئے۔ دوسری کتابوں میں نیز ان چھوٹے چھوٹے جیبی رسالوں میں جو حاجیوں کو بمبئی سے مفت مل جاتے ہیں، لمبی لمبی دعائیں لکھی ہیں، لیکن اگر اتنا بھی کر لیں کہ قبلہ رو کھڑے ہو کر سو بار لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ، پھر سو بار قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، پھر سو بار نماز میں جو درود پڑھی جاتی ہے پڑھ کر اپنے اور متعلقین اور تمام مسلمانوں کے لئے دعا کرتے رہیں تو کافی ہے، کسی سے اتنا بھی نہ ہو سکے تو برابر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ" آخر تک اور رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ" پڑھتا رہے اور جو بن پڑے دعا کرے آج ہی کا دن اس سارے سفر کا حاصل اور لب لباب ہے اس کی قدر پہچاننا چاہیئے اور ایک لمحہ بھی ضائع نہ کرنا چاہیئے۔

مزدلفہ روانگی :-

آفتاب ڈوبنے کے بعد مغرب کی نماز پڑھے بغیر مزدلفہ روانہ ہوجائیے مزدلفہ عرفات سے پھوٹ میل ہے۔ وہاں پہنچ کر مغرب اور عشاء ایک ساتھ عشاء کے وقت میں پڑھئے، آج اس جگہ دونوں نمازوں کا جمع کرنا واجب ہے یہ رات بڑی مبارک ہے، یہاں تک کہا گیا ہے کہ حاجیوں کے حق میں یہ رات شب قدر سے بڑھ کر ہے، اس لئے جس قدر شب بیداری، ذکر و دعا، توبہ و استغفار، تلاوت و درود کا ورد کر سکیں کیجئے، اچھا یہ ہے کہ مغرب و عشاء سے فارغ ہو کر کچھ دیر ذکر و دعا وغیرہ کر کے سو جائیے اور بہت سویرے جاگ کر تہجد پڑھئے اور برابر تلاوت اور ذکر و دعا میں مشغول رہئے۔ اس کے بعد آج یہ افضل ہے کہ فجر کی نماز صبح صادق ہونے کے بعد خوب اندھیرے میں پڑھئے، پڑھ کر جبل قزح پر یا اس کے آس پاس آکر وقوف کیجئے اس وقوف میں بھی درود شریف، تکبیر و تہلیل، استغفار، تلبیہ اور اذکار کی کثرت کیجئے اور اگر کوئی بتانے والا نہ ہو، یا قوت نہ ہو تو جہاں قیام ہے وہیں مشغول رہیئے۔

منیٰ واپسی

جب سورج نکلنے میں بقدر دو رکعت نماز پڑھنے کے (یعنی تقریباً ۲ منٹ) رہ جائے تو منیٰ کے لئے روانہ ہوجائیے۔ چونکہ حجاج کی کثرت کی وجہ سے معلمین کو بروقت موٹریں روانہ کرنے میں دشواری ہوتی ہے اس لئے عام طور پر حاجیوں کو مزدلفہ سے نکلنے میں بہت دیر ہوجاتی ہے اور دن خاصا نکل آتا ہے، یہ مجبوری کی صورت ہے بہرحال کوشش ہونا چاہیئے کہ حتی الوسع تاخیر نہ ہو، روانہ ہونے سے قبل اچھا یہ ہے کہ مزدلفہ ہی سے جمرات کو مارنے کے لئے کنکریاں لے لی جائیں، منیٰ پہونچنے پر اب حاجی کا قیام کم از کم تین روز تک یہیں رہے گا، صرف طواف کے لئے ایک بار مکہ جانا ہوگا۔ منیٰ میں قیام کے یہ دن "ایام معلومات" کہلاتے ہیں ان میں حاجی کو روزانہ جمرات پر

کنکریاں مارنا ہوتی ہیں اور پہلے ہی روز قربانی کے بعد بال بنوا کر احرام کھول دینا پھر مکّہ جاکر فرض طواف جو کہ طوافِ زیارت کہلاتا ہے ادا کرنا ہوتا ہے، دسویں تاریخ کو پہلے دن اگر نہ کر سکے تو گیارہویں بارہویں تک بھی گنجائش ہے۔

دسویں تاریخ کے کام :-

منٰی میں پہونچکر پہلا کام یہ کیجئے کہ جمرۂ عقبہ (کنکری مارنے کی آخری جگہ) جس کو عوام بڑا شیطان کہتے ہیں سات کنکریاں ماریئے اس کے بعد قربانی کرکے بال منڈوا لیجئے یا کتروا لیجئے۔ اب آپ احرام سے باہر ہوگئے۔

۱۔ جمرۂ عقبہ کو پہلی کنکری مارنے کے ساتھ لبیک کہنا موقوف ہوجائے گا۔ اس کے بعد لبیک نہ کہیے۔ کنکری مارتے وقت یہ دعا پڑھیئے۔

بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ رَغْمًا لِّلشَّيْطَانِ وَرِضًى لِّلرَّحْمٰنِ. اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا مَّبْرُوْرًا وَّذَنْبًا مَّغْفُوْرًا وَّسَعْيًا مَّشْكُوْرًا۔ یہ یاد نہ ہو تو کوئی دوسرا ہی ذکر کیجئے۔

۲۔ قربانی ہو تو قربانی کے بعد اپنے بال بنوانا ہوگا۔ بال خود اپنے ہاتھ سے بھی بنا سکتے ہیں۔

۳۔ اگر کسی کا حج افراد ہے تو اس پر قربانی واجب نہیں ہے، جس کو قربانی کرنی ہے وہ قربانی کے بعد بال بنوائے گا، اور پھر اس کا احرام کھلے گا۔ قربانی نہ ہو تو رمی کے بعد ہی بال بنوائے جاسکتے ہیں۔

۴۔ دسویں تاریخ کو اگر بآسانی ممکن ہو تو منٰی سے ایسے وقت چلے کہ طوافِ زیارت اور سعی سے فارغ ہوکر مسجد حرام میں باجماعت نماز ظہر پڑھے تو بہتر ہے۔ بعض حضرات نے اسی کو مسنون لکھا ہے۔ اور بعض نے واپس آکر منٰی میں ظہر پڑھنے کو مسنون بتایا ہے، لیکن آج کل مزدلفہ سے منٰی آنے میں اتنی دیر ہوجاتی ہے کہ رمی اور ذبح پھر حلق سے فارغ ہوتے ہوتے موقع ہاتھ سے جاتا رہتا ہے اس لئے جب موقع ملے اسی وقت طوافِ زیارت کے لئے مکّہ آنا چاہیئے۔ مگر مکّہ سے لوٹ کر منٰی ہی میں رات گذارنی چاہیئے۔

۵۔ اس طواف اور سعی کا بھی وہی طریقہ ہے جو عمرہ کے طواف میں بتایا گیا ہے لیکن چونکہ اس میں احرام کی حالت نہ ہوگی۔ اس لئے اس میں اضطباع نہیں ہے اور نہ اس سعی کے بعد سر منڈوانا یا بال کتروانا ہے۔

منٰی میں تین روز

۱۔ دسویں تاریخ کو کنکری مارنے کا وقت صبح صادق سے گیارہویں کی صبح صادق تک ہے اگر گیارہویں کو صبح صادق ہوگئی اور دسویں کی کنکری نہیں ماری تو دم واجب ہے یعنی اس کے تاوان میں قربانی کرنا ہوگی۔ اس دن کا مسنون وقت سورج نکلنے کے بعد سے زوال تک ہے اور زوال سے غروب تک مباح ہے، اور غروب کے بعد صبح صادق تک مکروہ ہے۔

۲۔ دسویں کو صرف آخری جمرہ پر کنکری مارنا ہے۔

۳۔ گیارہویں کو تینوں جمروں پر کنکری مارنا واجب ہے۔ پہلے جمرۂ اولیٰ پر جو مسجد خیف کے قریب ہے، پھر وسطیٰ پر اس کے بعد جمرۂ عقبہ پر جو آخری میں ہے۔

۴۔ گیارہویں کو زوال کے بعد ظہر کی نماز پڑھ کر تینوں جمرات پر سات سات کنکریاں مارنا ہے، بارہویں کو بھی ایسا ہی کرنا ہے۔

۵۔ گیارہویں اور بارہویں کو رمی کا وقت زوال سے شروع ہوتا ہے اس سے پہلے رمی جائز نہیں ہے۔

۶۔ اگر تیرہویں کو بھی ٹھہر کر رمی کرکے واپس آنا ہے تو بہت اچھا ہے، تیرہویں کو صبح صادق سے غروب تک وقت رہتا ہے مگر زوال کے بعد مسنون ہے۔ اس سے پہلے مکروہ وقت ہے۔

۷۔ اگر تیرہویں کو رکنا نہ ہو تو بارہویں کو غروب سے پہلے منٰی سے نکل جانا چاہیئے۔

۸۔ ہجوم کے خوف سے عورت کی طرف سے دوسرے کا رمی کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر اس سبب سے عورت نے رمی نہیں کی تو فدیہ واجب ہے[1]

۹۔ عورت دسویں کو سورج نکلنے سے پہلے اور گیارہویں بارہویں کو سورج غروب ہونے کے بعد کنکری مارے تو مکروہ نہیں ہے، بلکہ عورت کو رات میں رمی کرنا افضل ہے۔

۱۰۔ بارہویں یا تیرہویں کو منٰی سے مکّہ آتے ہوئے مُحَصَّبْ (جس کو آج کل معابدہ کہتے ہیں اور وہ شہر کا ایک محلّہ ہے) میں تھوڑی دیر اتر کر خواہ سواری روک کر ٹھہرنا اور دعا کرنا چاہیئے۔ اگر نہ کر سکے تو گناہ نہیں مکّہ مکرمہ لوٹنے پر حج کے ضروری اعمال پورے ہوگئے۔ اب صرف ایک طواف، طواف وداع باقی رہ گیا ہے۔ جو وطن واپسی پر کرنا ہوگا۔

مکّہ مکرمہ واپسی

منٰی سے واپسی کے بعد جتنے دن مکّہ معظّمہ میں قیام ہو اس کو غنیمت سمجھنا چاہیئے اور جتنا ہو سکے طواف، عمرے، نماز، روزے، صدقات اور نیک کام کرنا چاہیئے۔ اپنے والدین و اقارب کی طرف سے بھی کرے، معلوم نہیں پھر یہ موقع نصیب ہو نہ ہو۔

حج سے واپسی

حج کے بعد جب مکّہ سے وطن واپس ہونے کا

[1] غنیۃ المناسک ص۱۰۱

ارادہ ہو تو طواف وداع واجب ہے، اس طواف میں رمل نہیں ہے۔ نہ اس کے بعد سعی۔ حاجی کو چاہیئے طواف کے بعد دوگانۂ طواف پڑھ کر قبلہ رُخ کھڑے ہو کر خوب پیٹ بھر کر کئی سانس میں آب زمزم پیئے ہر سانس میں بیت اللہ کی طرف دیکھے۔ پھر ملتزم کے پاس جاکر جس طرح پہلے طواف کے بعد دیوار کعبہ سے لپٹا تھا اسی طرح لپٹے اور خوب روئے۔ گڑگڑائے اور بیت اللہ کی جدائی پر افسوس کرے پھر حجر اسود کو بوسہ دے اور روتا ہوا مسجد سے نکلے اور دروازہ پر کھڑا ہو کر دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کو [illegible] نصیب [illegible] کرتے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْداً کَثِیْراً طَیِّباً مُبَارَکاً فِیْہِ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِی الْعَوْدَ بَعْدَ الْعَوْدِ اَلْمَرَّۃَ بَعْدَ الْمَرَّۃِ اِلٰی بَیْتِکَ الْحَرَامِ وَاجْعَلْنِی مِنَ الْمَقْبُوْلِیْنَ عِنْدَکَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ۔ اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْہُ اٰخِرَ الْعَھْدِ مِنْ بَیْتِکَ الْحَرَامِ وَاِنْ جَعَلْتَہُ اٰخِرَ الْعَھْدِ فَعَوِّضْنِیْ عَنْہُ الْجَنَّۃَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

حائضہ عورت طواف وداع نہ کرے صرف دروازہ پر کھڑی ہو کر دعا پڑھ لے۔

زیارت مدینہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار کی حاضری بڑی سعادت ہے، حضورؐ کا ارشاد ہے "جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کی شفاعت مجھ پر واجب ہوگئی" اور فرمایا "جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے میرے ساتھ بے مروتی کی" حضورؐ کی زیارت افضل مستحبات میں سے ہے، جس شخص پر حج فرض ہو اس کے لئے حج سے پہلے زیارت کرنا جائز ہے بشرطیکہ حج فوت ہونے کا ڈر نہ ہو مگر بہتر اس کے لئے پہلے حج کرنا ہے، اور حج نفل کرنے والے کو اختیار ہے کہ وہ چاہے پہلے حج کرے یا زیارت۔

درود شریف اور نماز

جب مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو تو راستہ میں درود شریف کثرت سے پڑھے، بلکہ فرائض و ضروریات سے جو وقت بچے سب اس میں صرف کرے اور خوب ذوق و شوق پیدا کرے اور اظہار محبت میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھے، اگر خود یہ حالات پیدا نہ ہوں تو بہ تکلف پیدا کرے، راستہ میں جو مساجد مخصوصہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کی طرف منسوب ہیں۔ جیسے (مسجد ذی الحلیفہ) ان میں نماز پڑھے۔ محض تماشہ اور سیر و تفریح کی نیت سے مساجد میں نہ جائے۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ "علامات قیامت میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی مسجد کے طول و عرض میں گزرے اور اس میں نماز نہ پڑھے" اس لئے جب کسی مسجد کی زیارت کرنے تو دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے بشرطیکہ وقت مکروہ نہ ہو، جو متبرک کوئیں راستہ میں ہیں ان کا پانی تبرکاً پینا چاہیئے جیسے (وادی عقیق میں بئر عروہ)

جتنا جتنا مدینہ منورہ قریب ہوتا جائے اتنا اتنا ذوق شوق بڑھنا چاہیئے اور شیفتگی و بے تابی میں اضافہ ہونا چاہیئے اور درود و سلام کی کثرت ہونی چاہیئے۔

شہر کے سامنے

ذوالحلیفہ (ابیار علی) سے روانگی کے بعد جب مدینہ منورہ کے آثار اور اس کے درخت نظر آنے لگیں تو سعادت دارین کی دعا مانگئے اور درود و سلام پڑھتے اور بہتر یہ ہے کہ اگر رفقاء سے اختلاف اور نظام سفر میں خلل وغیرہ کا اندیشہ نہ ہو تو سواری سے اتر جائیے ہو سکے تو ننگے پاؤں روتے ہوئے چلئے اور جس قدر ادب و تعظیم ممکن ہو بجا لائیے۔

احتیاط کا تقاضہ ہے کہ ذوالحلیفہ ہی سے غسل کرکے داخلۂ مدینہ کے لئے تیار ہو جائیے۔ ورنہ شہر میں داخل ہونے سے پہلے اگر ہو سکے غسل کیجئے اور اگر داخل ہونے سے پہلے نہ ہو سکے تو داخل ہونے کے بعد غسل کیجئے، غسل نہ ہو سکے تو وضو کیجئے مگر غسل افضل ہے، پھر پاک و صاف کپڑے پہنے (نئے کپڑے افضل ہیں) اور خوشبو لگائیے۔

باب العنبریہ

اگر مدینہ منورہ ہوائی جہاز سے حاضر ہونے کی سعادت ملی ہے تو ہوائی اڈہ سے روانہ ہو کر شہر میں احد پہاڑ کے مشرقی سمت سے داخلہ ہوگا اور اگر موٹر کے ذریعہ حاضری ہوئی ہے تو شہر کا پہلا محلہ باب العنبریہ ملے گا یہ محلہ مدینہ منورہ شہر کا جنوب مغربی محلہ ہے، یہ شہر کا ایک پرفضا حصہ ہے اس حصۂ شہر کو النقا اور حاجر کے ناموں سے موسوم کیا گیا ہے باب العنبریہ ہی پر وہ ریلوے اسٹیشن ہے، جہاں سے ترکی عہد میں شام کے لئے ریل روانہ ہوئی تھی۔

جب باب العنبریہ سے شہر میں داخل ہونے لگیں تو یہ دعا پڑھیے۔

بسم اللہ ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ رب ادخلنی مدخل صدق و اخرجنی مخرج صدق وارزقنی من زیارۃ رسولك ما رزقت اولیاءك واھل طاعتك وانقذنی من النار واغفرلی وارحمنی یا خیر مسئول۔"

شہر میں پہونچنے کے بعد سیدھے مسجد نبوی

میں حاضر ہوئیے بشرطیکہ بیوی، بچے یا سامان کے باب میں کسی قسم کا خطرہ نہ ہو۔ اگر کوئی خطرہ ہو تو اس کا بندوبست کرکے مسجد میں بلا تاخیر حاضر ہوئیے۔

داخلۂ مسجد

افضل یہ ہے کہ پہلے زائر باب السّلام یا باب جبریل سے داخل ہو۔ داخلے کے وقت پہلے داہنا پیر مسجد میں رکھے اور بسم اللّٰہ والصّلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللّٰہ رب اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتك پڑھے اس کے بعد حجرۂ شریفہ (جس میں مزار انور ہے) کے پیچھے سے "روضۃ من ریاض الجنۃ" (جنت کی کیاری) میں تواضع ومسکنت کے ساتھ اس طرح آئے کہ معلوم ہو اس پر اس مقام کی ہیبت طاری ہے اور اس جگہ حق تعالیٰ کے حق کی ادائیگی کے لئے دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے پہلی میں "قُلْ یٰٓاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ" دوسری میں "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" پڑھنا بہتر ہے۔

افضل یہ ہے کہ تحیۃ المسجد مسجد نبوی میں پڑھے۔ مصلائے نبوی محراب کے پاس منبر نبوی کی طرف ذرا ہٹ کر ہے۔

مصلائے نبوی میں نماز پڑھنے کے لئے کسی کو دھکا دینا جائز نہیں ہے وہاں موقع نہ ہو تو پھر روضہ میں جہاں جگہ ملے پڑھ لے اور سلام پھیر کر خدا کی حمد وثنا بجالائے، شکر ادا کرے اور زیارت کے قبول ہونے کی دعا مانگے۔

اگر فرض نماز کی جماعت ہو رہی ہو یا نماز کے قضا ہو جانے کا اندیشہ ہو تو پہلے فرض نماز پڑھے تحیۃ المسجد بھی اس سے ادا ہو جاتی ہے۔

زیارت وسلام

نماز تحیۃ المسجد سے فارغ ہو کر نہایت ادب کے ساتھ مزار انور کے پاس آئے اور دل سے تمام دنیاوی خیالات کو دور کرکے سرہانے کے قریب جو ستون ہے اس سے چار ہاتھ کے فاصلہ پر کھڑا ہو جائے اور قبلہ کی طرف پشت کرکے ذرا بائیں طرف مائل ہو جائے تاکہ روئے انور کا سامنا حاصل ہو، ادھر ادھر نہ دیکھے نظر نیچی رکھے اور کوئی حرکت خلاف ادب نہ کرے کہ اس قسم کی باتیں خلاف ادب واحترام اور ناجائز ہیں اور سجدہ کرنا شرک ہے۔ اور خیال رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لحد شریف میں قبلہ کی طرف منھ کئے ہوئے آرام فرما ہیں۔

عظمت وجلال کا لحاظ کرتے ہوئے متوسط آواز سے سلام پڑھے، زیادہ زور سے نہ پڑھے اور بالکل آہستہ بھی نہ پڑھے۔

سلام اس طرح پڑھے۔ "السّلام علیك یا رسول اللّٰه، السّلام علیك یا حبیب اللّٰه، السّلام علیك یا خیر خلق اللّٰه، السّلام علیك یا خیرۃ اللّٰه من جمیع خلق اللّٰه، السّلام علیك یا نبی اللّٰه، السّلام علیك ایّها النبی ورحمة اللّٰه وبرکاتهٗ یا رسول اللّٰه انی اشهد ان لا اله الا اللّٰه وحدهٗ لا شریك لهٗ واشهد انك رسول اللّٰه قد بلّغت رسالة وادّیت الامانة ونصحت الامة فجزاك اللّٰه عنها وعنا خیراً وجزاك اللّٰه الفضیلة والدرجة الرفیعة وابعثه اللّٰهم المقام المحمود الذی وعدته انك لا تخلف المیعاد، وانزله المنزل المقرب عندك، انك سبحانك ذو الفضل العظیم"۔

اس کے بعد آپ کے وسیلہ سے دعا کرے اور شفاعت کی درخواست ان الفاظ میں کرے۔ "یا رسول اللّٰه اسألك الشفاعة واتضرع الی اللّٰه ان اموت مسلماً علی ملتك وسنتك"

سلام کے الفاظ میں جس قدر چاہے زیادتی کر سکتا ہے، مگر سلف کا معمول اختصار تھا اور اختصار ہی کو مستحسن سمجھتے تھے۔ اور سلام میں کوئی لفظ ایسا نہ کہے جس سے ناز اور دعویٰ قرب مترشح ہو کر یہ بھی سوءِ ادب ہے۔

اور اگر کسی کو یہ الفاظ پورے یاد نہ ہوں یا زیادہ وقت نہ ہو تو جتنا یاد ہو، یا کہہ سکتا ہو کہہ لے۔ کم سے کم مقدار "السّلام علیك یا رسول اللّٰه" ہے۔

اگر کسی شخص نے آپ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کرنے کے لئے کہا ہو تو اس کا سلام بھی اپنے سلام کے بعد اس طرح عرض کیجئے "السّلام علیك یا رسول اللّٰه من فلاں ابن فلاں یستشفع بك الی ربك" فلاں ابن فلاں کی جگہ اس شخص کا نام وولدیت لیجئے۔

اور بہت سے لوگوں نے اگر سلام عرض کرنے کو کہا ہے اور نام یاد نہیں ہیں تو سب کی طرف سے اس طرح سلام عرض کیجئے "السّلام علیك یا رسول اللّٰه من جمیع من اوصانی بالسلام علیك"۔

سلام پڑھنے کے بعد ایک ہاتھ داہنی طرف کو ہٹ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے چہرۂ مبارک کے سامنے کھڑے ہو کر اس طرح سلام پڑھیئے۔ "السّلام علیك یا خلیفة رسول اللّٰه وثانیه فی الغار ورفیقه فی الاسفار وامینه علی الاسرار ابا بکر الصدیق جزاك اللّٰه من امة محمد خیراً"۔

پھر ایک ہاتھ داہنی طرف کو ہٹ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چہرہ کے مقابل ہو کر ان الفاظ میں پڑھیئے۔ "السّلام علیك یا امیر المومنین عمر الفاروق الذی اعز اللّٰه به الاسلام

امام المسلمین مرضیاً حیاً و میتاً جزاک اللّٰہ
من امۃ محمد خیرا۔"

ان دونوں حضرات پر سلام کے الفاظ میں
کمی زیادتی کا اختیار ہے۔ اور کسی نے سلام پہونچانے
کی فرمائش کی ہو تو اس کا بھی سلام پہنچا دیجئے اور
بعض علماء نے کہا ہے کہ حضرت عمر رضی اللّٰہ عنہ پر
سلام پڑھنے کے بعد نصف ہاتھ کے قریب
بائیں جانب ہٹ کر حضرت ابوبکر اور حضرت
عمر رضی اللّٰہ عنہما کے درمیان کھڑے ہوکر پھر اس
طرح سلام پڑھنا چاہیئے۔" السلام علیکما یا
صاحبی رسول اللّٰہ و وزیریہ جزاکما اللّٰہ
احسن الجزاء جئنا کما نتوسل بکما الیٰ
رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یشفع
لنا و ید عولنا ربنا ان یحیینا علی ملتہ
و سنتہ و یحشرنا فی زمرتہ و جمیع
المسلمین۔ آمین۔"

پھر اس کے بعد دوبارہ حضور پُر نور صلی اللّٰہ علیہ وسلم
کے سامنے کھڑے ہوکر حق تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کیجئے،
اور درود شریف پڑھئے اور ہاتھ اٹھا کر اپنے لئے اور
اپنے والدین، مشائخ، احباب اقارب اور سب مسلمانوں
کے لئے دعا کیجئے، اور بہتر یہ ہے کہ سلام کے بعد یہ کہا
جائے: یا رسول اللّٰہ قد قال اللّٰہ سبحانہ و تعالیٰ
وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ
فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ
لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا وقد جئناك ظالمين
لانفسنا مستغفرین من ذنوبنا فاشفع
لنا الی ربنا واسئلہ ان یمیتنا علی سنتك
وان یحشرنا فی زمرتك: اس کے بعد اپنے
لئے اور سب کے لئے دعا مانگئے۔

مسجد شریف کے اندر

زیارت کے بعد دعا سے فارغ ہوکر اسطوانہ ابی
لبابہ کے پاس آکر دو رکعت نفل پڑھ کر دعا مانگنا چاہیئے
بشرطیکہ وقت مکروہ نہ ہو اور روضۂ مبارک میں نماز
درود، دعا جس قدر ہو سکے کرنا چاہیئے، اس کے بعد منبر
کے پاس آکر دعا و استغفار کرنا اور درود پڑھنا چاہیئے
پھر ستون حنانہ اور باقی ستونوں کے پاس دعاء
و استغفار کرنا مناسب ہے، یہ سب ستون روضۂ
جنت کے اندر واقع ہیں جن کی فضیلت کا ذکر گزر
چکا ہے، اور ایام قیام مدینہ کو غنیمت سمجھ کر اکثر وقت
مسجد نبوی میں بہ نیت اعتکاف گزارنا اور موقع
غنیمت سمجھتے ہوئے مصلّئے نبوی، ستون عائشہ رضؓ
ستون ابی لبابہؓ اور ستون سریر وغیرہ کے پاس نفل
پڑھنے کو غنیمت سمجھنا چاہیئے۔ مگر اس کے لئے کوئی
ناروا حرکت یا بے ادبی نہ کرنا چاہیئے۔ ستونوں کے پاس
جگہ نہ ملے تو روضہ میں جہاں جگہ ملے وہاں نفل پڑھنا
چاہیئے۔ پنجگانہ نماز جماعت سے مسجد نبویؐ میں
اور تکبیر اولیٰ اور پہلی صف کا اہتمام بہت ضروری
ہے۔ مسجد نبویؐ میں ایک نماز کا ثواب بخاری و مسلم
کی روایت کے مطابق ایک ہزار نماز سے زیادہ ہے۔

امام احمدؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے
کہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جو شخص
میری مسجد میں چالیس نمازیں ادا کرے اور کوئی
نماز اس کی فوت نہ ہو تو اس کے لئے دوزخ سے
برأت لکھی جائے گی۔ اور عذاب و نفاق سے
برأت لکھی جائے گی، اور اگر ممکن ہو تو مسجد نبوی
میں مستقل طور سے اعتکاف بھی کیجئے اور قرآن
شریف ختم کیجئے اور صدقہ و خیرات حسب حیثیت،
مساکین و مجاورین و باشندگان مدینہ کا خاص طور سے
خیال رکھیئے۔ ان سے محبت سے پیش آیئے۔ اگر ان
کی طرف سے کوئی زیادتی بھی ہو تو تحمل اور شریفانہ
برتاؤ کیجئے، خرید و فروخت میں بھی ان کی امداد
کی نیت رکھیئے، تاکہ ثواب ملے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی رحلت

مولانا شاہ ابرار الحق صاحب (ہردوئی)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پر محی السنۃ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم نے ۳۱ر دسمبر ۱۹۹۹ء کو تمام اہل تعلق کے لئے تسکین بخش تقریر فرمائی جو ہدیۂ ناظرین ہے تاکہ اس سے سکون قلب حاصل ہو اور شوق عمل کا جذبہ پیدا ہو۔ (ادارہ)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم
اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ وَقَالَ تَعَالٰی لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ۔

یہ قرآن پاک کی دو آیتیں ہیں اور حدیث پاک کا بھی مضمون ہے کہ مومن ہر حال میں کامیاب ہے کیونکہ ہر انسان کو دو حالتیں پیش آتی ہیں یا تو طبیعت کے موافق حالت پیش آئے گی یا طبیعت کے خلاف ایک شخص صبح ہی گھر سے نکلا اور چار پانچ باتیں اس کے ذہن میں ہیں اب یا تو اس طرح ہوگا جس طرح وہ چاہتا تھا یا نہیں۔ اگر اسی طرح ہو جائے جس طرح وہ چاہتا تھا۔ تو حدیث پاک کا مضمون ہے کہ مومن اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہے اور اس کا شکر کرتا ہے۔ اور جیسا چاہتا تھا اگر ویسا نہیں ہوا کچھ باتیں تو طبیعت کے موافق ہوئیں اور کچھ خلاف یعنی تب بھی مومن اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہے۔

قدم مجذوب کے رکتے نہیں بڑھتے ہی جاتے ہیں

البتہ دونوں کی حمد کے کلمات الگ الگ ہیں جب طبیعت کے موافق معاملہ پیش آئے تو اس موقع پر حمد اس طرح کرتا ہے۔

الحمد للّٰہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات

ترجمہ:۔ شکر ہے اللہ کا جس کے فضل سے اچھے کاموں کی تکمیل ہوتی ہے۔

اور جب طبیعت کے خلاف معاملہ پیش آئے تو اس طرح حمد کرتا ہے۔

الحمد للّٰہ علیٰ کل حال

ترجمہ: شکر ہے اللہ کا ہر حال میں۔

بہر حال دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور ہر حال میں مومن کامیاب ہے اسی کو حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے الفاظ میں کہا ہے؎

کبھی نظر میں جمال تیرا کبھی نظر میں جلال تیرا
بس اب ہے دل اور خیال تیرا کسی کا اس میں گزر نہیں

اور اسی کے ذیل میں یہ شعر بھی ہے؎

قدم مجذوب کے رکتے نہیں بڑھتے ہی جاتے ہیں
طبیعت کے موافق حالات پیش آئے شکر کیا آگے بڑھ گئے۔ طبیعت کے مخالف حالات پیش آئے صبر کیا آگے بڑھ گئے؎

قدم مجذوب کے رکتے نہیں بڑھتے ہی جاتے ہیں
اور رفیق ایک ایک جدا منزل بمنزل ہوتا جاتا ہے

کوئی ساتھی تو بے صبری سے گرتا ہے اور کوئی ناشکری سے۔ طبیعت کے مخالف واقعہ پیش آنے پر تکلیف ہوتی ہے صدمہ ہوتا ہے۔ بہت سی باتیں پیش آتی ہیں

صدمہ کے اسباب:

جب طبیعت کے مخالف واقعہ پیش آئے تو یہ سوچو ان للّٰہ ما اخذ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ہم سے لیا وہ اسی کا تھا۔ کوئی چیز ہمارے پاس تھی چلی گئی کوئی جانور ہمارا تھا اس کی موت ہو گئی، کوئی سامان تھا چوری ہو گیا۔ کوئی ہمارے عزیز دوست تھے ان کی رحلت ہو گئی۔ یہ صورتیں عام طور سے طبیعت کے مخالف پیش آنے کی ہوتی ہیں۔ ان پر صدمہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ ان سے ہمارا تعلق تھا، ہماری چیز چلی گئی، ہمیں دوسروں کے یہاں چوریوں کی اطلاعات ملتی ہیں، کسی کی سائیکل، کسی کا موٹر، کسی کا اور کچھ گیا۔ ان پر کوئی صدمہ نہیں ہوتا ایسے ہی کسی کی رحلت کی اطلاع ملتی ہے اس پر صدمہ نہیں ہوتا۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ اس سے ہمارا تعلق نہیں تھا۔ دوسرے صدمہ اس لئے بھی ہوتا ہے کہ ہمیشہ کے لئے ہماری چیز گئی اس لئے فرمایا گیا کہ سوچا کرو جو چیز گئی تم تو اس کے مالک نہیں تھے، مثلاً تم سفر حج کو جاتے وقت اپنی کار اپنی کوٹھی کسی کے حوالہ کر گئے تھے۔ اب دو مہینہ بعد آنے کا وقت قریب ہوا تم نے کہلا بھیجا فلاں تاریخ تک ہم آنے والے ہیں خالی کر دو۔ وہ نفع اٹھا رہا تھا۔ آرام مل رہا تھا۔ اس سے اس کو تکلیف تو ہوگی مگر ہنسی خوشی خالی کرنے کو تیار ہو جائیگا کہ دو مہینہ ہی آرام اٹھانے کا موقع دیا گیا تھا۔

تخفیفِ غم کا طریقہ

اسی لئے میرے عزیزاور دوستو! جب کبھی کوئی ایسی بات پیش آئے تو اس کا طریقہ بتلایا گیا یہ سوچو تم اس کے مالک تو ہو نہیں تمہارے پاس امانت ہے۔ عاریتاً چیز دی گئی ہے مالک کو حق ہے جب چاہے اپنی چیز کو لے لے۔ اللہ تعالیٰ کی دوسری نعمتیں جو ہم کو ملی ہوئی ہیں ان کو بھی سوچا کرو اور ان پر بھی نظر رکھو اس سے غم اور صدمہ میں کمی ہو جائے گی جیسے شفیق والدین بچہ کا آپریشن کراتے ہیں، بچہ کو تکلیف ہوتی ہے تو اس کو تسلی دیتے ہیں سمجھاتے ہیں فکر نہ کر انشاء اللہ جلدی طبیعت ٹھیک ہو جائے گی ہم لوگ تو موجود ہیں۔ ایسے موقع پر اسی لئے یہ حدیث پاک کا مضمون سنایا جاتا ہے

ایک خبر ملی ہے جو ہم سب کے لئے قابل افسوس ہے ان سے دنیا واقف ہے لوگوں کو ان سے محبت عقیدت کا تعلق ہے حضرت مولانا ابوالحسن علی نور اللہ مرقدہ کے متعلق یہ اطلاع ملی ہے کہ وہ دو تین دن قبل لکھنؤ سے تکیہ تشریف لے گئے تھے۔ وہاں پر آج جمعہ سے قبل جبکہ لوگ مسجد جانے کی تیاری کر رہے تھے ادھر ان کی رحلت ہو گئی۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون) ظاہر ہے کہ یہ ہم سب کے لئے صدمہ کا باعث ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جو صدمہ صحابہ کرام نے اٹھایا تھا اس کے برابر تو کوئی غم نہیں ہو سکتا تھا انھوں نے فرمایا انّ للہ اللہ کی چیز تھی امانت تھی اس نے لے لی باقی جو نعمتیں ملی ہوئی ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہیں۔

راضی برقضاء رہے:

اگر کوئی یہ کہے کہ فلاں کی رحلت ہو جاتی اور فلاں رہتا تو فرمایا نہیں ہر ایک کے لئے ہم نے وقت مقرر کر دیا ہے لہٰذا تم اپنے لئے خیر سمجھو کیونکہ اللہ تعالیٰ حاکم بھی ہیں اور حکیم بھی اور حکیم کے ہر کام میں حکمت اور مصلحت ہوتی ہے مجذوب صاحب نے اسی کا ترجمہ کیا ہے ؎

مالک ہے جو چاہے کرے تصرف
کیا وجہ کسی بھی فکر کی ہے
بیٹھا ہوں مطمئن کہ یا رب
حاکم بھی ہے تو حکیم بھی ہے

اور یہ بھی اطلاع ملی ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد نماز جنازہ وہیں تکیہ میں ہو گی جہاں مولانا کا قیام ہوتا تھا۔

میرے عزیز و دوستو! آخر میں ایک بات اور عرض کردوں ہمارے اندر دو دینی بیماریاں پیدا ہو گئی ہیں۔ ایک تدفین میں تاخیر کرنا۔ سنت طریقہ جو ہماری دینی کتابوں میں لکھا ہے یہ ہے کہ اگر کسی کا صبح فجر کے وقت انتقال ہو اور جمعہ مان لیں ایک بجے ہو نا ہے۔ اور قبرستان ایسی جگہ ہے کہ دفن کر کے ساڑھے بارہ بجے تک آجائیں گے جمعہ نہیں چھوٹے گا تو تدفین کے لئے جمعہ کا انتظار کرنا جائز نہیں فلو جھز المیت صبحۃ یوم الجمعۃ یکرہ تاخیر الصلوٰۃ علیہ لیصلی علیہ الجمع العظیم بعد صلوٰۃ الجمعۃ (طحاوی ص ۳۳۲) دوسری چیز یہ ہے کہ جس بستی اور جس شہر میں انتقال ہو وہیں دفن کرنا چاہیے۔ وندب الدفن فی محل مات بہ (مراقی مع طحاوی ص ۳۳۷) اصل حکم سنت کا طریقہ ہے کسی کا عمل حجت نہیں جن اکابر کی نقل میت ہوئی بعد کے لوگوں نے کیا وہ تو زندگی بھر سنت کی تعلیم و تلقین کرتے رہے حضرت مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی لاہور میں رحلت ہوئی انھوں نے وصیت و تاکید کی تھی کہ دیکھو مجھے یہیں دفن کرنا۔ لیکن جو کچھ ہوا بعد کے لوگوں نے کیا اپنے بڑوں کا عمل دیکھو بس یہ باتیں بتلادی گئیں، کچھ پڑھ کر، تلاوت کر کے ثواب پہونچائیں اور پسماندگان کے لئے صبر جمیل کی دعا کریں اصل چیز یہی ہے (بقیہ ص ...)

بزمِ سخن اُداس ہے شمع بھی ہے خموش

محمد مرتضیٰ راغب استاذ معہد دار العلوم ندوۃ العلماء

دل کا وفاتِ شیخ سے عالم بدل گیا ٭ سن کر خبرِ وصال کی ہر دل دہل گیا
نارِ فتن سے جل گیا ہوتا جہاں مگر ٭ ان کے ہی حسنِ کار سے عالم سنبھل گیا
باطل کا آج مدِ مقابل کہاں رہا ٭ جو تھا نڈر دلیر وہ مردِ بطل گیا
وہ حاملِ کلیدِ مقدس نہیں رہا ٭ عزت کا تاج بندے کبھی ... گیا
بزمِ سخن اداس ہے شمع بھی ہے خموش ٭ غم سے ہر ایک آنکھ سے آنسو نکل گیا
کتنے تھے ماں ظرف جنابِ علی میاں ٭ افسوس ہاتھ سے ہی وہ موتی نکل گیا
پڑھتے ہوئے کتاب مقدس چلا گیا ٭ افسوس آج پیکرِ ...
پوچھو نہ حال فرطِ بقا کی جناب میں ٭ جھوم اٹھا جبکہ پاس میں پہلے بہل گیا
لائیں کہاں سے آج ہم وہ مردِ باکمال ٭ علم و عمل کا جود کا اونچا جبل گیا
لکھتے رہیں گے لوگ مقالات و مرثیے ٭ ہم سب سے تجھ کو چھین کے وقتِ اجل گیا

راغب لکھے بھی کیا ترے بارے میں بوالحسن
شمع بغیر جیب دلِ پروانہ جل گیا

جس کی وفات پر سارا عالم گریاں ہے

از : ——— مولانا محمد برہان الدین سنبھلی

کسی عارف نے، کاملِ انسانی زندگی کی ابتداء وانتہا کی تصویر کشی کرتے ہوئے کیا خوب کہا ہے:

یاد داری کہ وقتِ زادنِ تو
ہمہ خنداں بدند تو گریاں
آں چناں زی کہ وقتِ مردنِ تو
ہمہ گریاں شوند تو خنداں

"ہر بچہ کی پیدائش کے وقت اس کے تمام متعلقین اہل تعلق خوش وخرم، شاداں وفرحاں ہوتے ہیں مگر بچہ روتا ہے۔ (اے مخاطب!) تو اس طرح زندگی گزار کہ تیری موت پر تمام لوگ روتے ہوں اور تو خود شاداں ہو۔"

واقعہ یہ ہے کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (جنھیں مدظلہ العالی جیسے کلمات سے یاد کرنے کے بجائے آج ان کے ساتھ "رحمۃ اللہ علیہ" اور "قدس سرہ" کے لاحقے استعمال کرنا پڑ رہے ہیں) کی پوری زندگی اس عارف کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے گزری۔ چنانچہ ان کی وفات پر عرب و عجم، غریب و امیر، شہری و دیہاتی، عالم و جاہل۔ بزرگ و جوان۔ بلکہ باشعور بچے تک۔ گریاں بلکہ ماتم کناں ہیں، درسگاہوں سے آواز بلند ہو رہی ہے کہ ان کا سرپرست اور خیر خواہ نہ رہا، خانقاہیں اداس ہیں کہ انھیں آباد و باقی رکھنے والا ایک انتہائی اہم ستون گر گیا۔ محراب و منبر سوگوار ہیں کہ ان سے صدائے حق بلند کرنے والا ایک بے باک و جری خطیب نہیں رہا۔ تصنیف وتالیف کے ادارے بزبانِ حال مرثیہ خواں ہیں کہ ان کی رونق جاتی رہی، مسجدیں اور مدرسے فکرمند ہیں کہ ان کی صوری و معنوی تعمیر کے لئے فکر و سعی کرنے والا نہ رہا، عالم اسلام ماتم کناں ہے کہ انھیں خوابِ غفلت سے جگانے والا چل بسا۔ مسندیں سونی پڑی ہیں کہ ان کا صدر نشین اللہ کو پیارا ہو گیا، علماء افسردہ ہیں کہ ان کا سرخیل راہیٔ ملکِ بقا ہوا، حکمراں سربہ گریباں ہیں کہ ان کی غلطیاں پکڑنے والا جدا ہو گیا۔ عوام صدمہ سے بے حال ہیں کہ ان کی سرپرستی ورہنمائی کرنے والا اور آڑے وقت میں کام آنے والا داغِ مفارقت دے گیا۔ ضرورت مند دلگیر ہیں کہ ان کی دستگیری کرنے والا رخصت ہو گیا۔ مسلمانانِ ہند رنجور ہیں کہ انھیں سنگین حالات سے نکالنے والے نے منھ موڑ لیا ہے۔ غرضیکہ ہر ملک ہر طبقہ ہر علاقہ، ہر حلقہ، بلکہ ہر فرد ان کی جدائی کے صدمہ سے نڈھال اور ان کے رخصت ہونے سے پیدا ہونے والے مہیب خلا کے تصور سے بے حال ہے۔ ان کے کمالات و محاسن بے شمار ہیں جن کا مختصر تذکرہ کرنے کے لئے بھی دفتر درکار ہوگا، مگر ایک خاص وصف جس نے مرحوم کو سب میں ممتاز کیا۔ "استغنا" تھا۔ یعنی مال و دولت کی طلب سے انتہائی بے رغبتی اور بلا طلب آ جائے تو اس کے خرچ کی حرص تھی۔ وہ مال کے خرچ کرنے کے لئے ایسی جلدی اور سعی کرتے تھے جیسے دنیادار اس کے حاصل کرنے کی سعی کیا کرتے ہیں۔ انھیں خرچ کرنے میں وہ لطف آتا تھا جو درہم و دینار کے بندوں کو جمع کرنے میں آتا ہے، گویا وہ اس حدیث نبوی کا مصداق تھے، جس میں قابلِ رشک شخص کی صفت یہ بتائی گئی ہے)

"آتاہ مالا فسلطہ علیٰ ھلکتہ فی الحق" (بخاری)

(جسے اللہ تعالیٰ نے مال و دولت دیا ہو وہ اسے صحیح جگہ پر خرچ کئے بغیر سکون سے نہ رہتا ہو) مولانا موصوف کے علم و فضل، تقویٰ و توکل، عبادت و ریاضت، حق گوئی و بے باکی، زہد و ورع، تصنیف و تالیف میں انفرادیت اور ان جیسے دیگر اوصاف بیان کرنے اور لکھنے والے تو بہت اہل قلم ہوں گے اس وقت میرا ارادہ ممدوح کے اسی آخری وصف کے بارے میں کچھ واقعات، جن میں اکثر مشاہدات ہیں، مختصراً بیان کرنے کا ہے۔

یہ واقعہ تو اب کوئی راز نہیں رہا، بلکہ پریس میں بھی آچکا ہے کہ گزشتہ سال ماہِ مبارک میں ہی حاصل ہونے والی "دنیا کی سب سے بڑی اسلامی شخصیت" کی حیثیت سے ملنے والی خطیر رقم (جو ہندوستانی سکہ میں ایک کروڑ روپئے سے زیادہ تھی) پوری کی پوری اپنی ذات یا اپنے عزیزوں کے لئے ایک روپیہ بھی رکھنے کے بجائے تعلیمی اداروں میں تقسیم کر دی، بلکہ وصول ہونے سے پہلے ہی اس کے صرف ہونے کی مدات کا اعلان و اظہار کر دیا تھا، چنانچہ وصول ہوتے ہی بعجلت اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنایا گیا، کہیں ڈاک سے، کہیں دستی، کہیں کسی نمائندہ کو مستقل اسی کام کیلئے بھیج کر ایک ایک پائی پہنچائی۔ اور جب تک پوری رقم تقسیم نہیں ہو گئی ایسا لگتا تھا کہ وہ بے چین رہے، گویا اس سنت پر عمل فرما رہے ہیں، جس کی روایت صحابیٔ رسولؐ حضرت عقبہؓ نے بایں الفاظ کی:۔

صلیت وراء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

العصر فسلم ثم قام مسرعاً فتخطى رقاب الناس إلى بعض حجر نسائه ففزع الناس من سرعته فخرج عليهم ... قال ذكرت شيئاً من تبر فكرهت ان يحبسني فامرت بقسمته (بخاری)

(ترجمہ) میں نے ایک دن عصر کی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھی تو دیکھا آپ تیزی سے لوگوں کو پھلانگتے ہوئے حجرۂ مبارک کی طرف تشریف لے گئے۔ لوگ آپ کی اس تیز رفتاری سے گھبرا گئے۔ آپ نے واپس آکر ارشاد فرمایا کہ مجھے (سونے کا) ایک چھوٹا سا ٹکڑا یاد آگیا جو تقسیم ہونے سے رہ گیا تھا۔ مجھے اس کا اپنے گھر میں رہنا پسند نہ تھا۔ اس لئے میں نے اسے بھی کسی کو دے دینے کا حکم دے دیا" یا ایک دوسری حدیث پر عمل کرنے کا جذبہ موصوف کے قلب میں موجزن ہے :-

لو كان لي مثل احد ذهبا سرني ان لا يمر علي ثلاث ليال وعندي منه شيء

ترجمہ :- اگر میرے پاس اُحد پہاڑ کے برابر سونا ہو تو مجھے اس سے خوشی ہوگی کہ تین راتیں گزرنے سے پہلے ہی سے وہ سب کا سب خرچ ہو جائے سوائے اس مقدار کے جو قرض کی ادائیگی کے لئے ضروری ہو)

مذکورہ بالا خطیر رقم ملنے سے قبل ایک اور بڑی رقم "فیصل ایوارڈ" کی شکل میں حاصل ہوئی تو وہ ہاتھ میں لینے سے قبل ہی تمام کی تمام مختلف دینی تعلیمی اور ملی اداروں میں تقسیم کردی۔ اس سنت نبوی کے عمل کا ہی یہ ثمرہ۔ نبوی پیشینگوئی بلکہ نبوی اعلان کے مطابق ظاہر ہوا کہ جتنا خرچ کیا اللہ تعالیٰ نے اس سے زیادہ دیا، چنانچہ بار بار لوٹا کی زندگی میں اس کا عملی تجربہ مشاہدہ ہوا۔

مولانا کی زندگی میں اس کی آخری بڑی شان سلطان برونائی کی طرف سے ایک ایوارڈ کی شکل میں سامنے آئی (تقریباً بیس لاکھ روپئے کی رقم) مولانا نے یہ رقم مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے مدرسہ حفظ قرآن اور اسلامک سینٹر آکسفورڈ کے علاوہ اپنے بہت سے نیازمندوں، میزبانوں، معتقدین و اساتذہ دارالعلوم و دیگر عملہ کو عطا فرما کر وہ خوشی پائی جو دوسروں کو اپنی ذات پر خرچ کرکے یا دنیا کے طالبوں کو بینک بیلنس بڑھا کر ہوتی ہے، اس طرح کے جود و سخا کے واقعات مولانا کی فراغ دستی کے زمانے ہی کے نہیں اس دور میں بھی بکثرت پیش آئے جب مولانا کی آمدنی محدود تھی۔ سچ کہا ہے کسی نے

"تونگری بدل است نہ بہ مال"

رحمة الله رحمة واسعة كاملة
واسبغ عليه شآبيب رحمة

آسماں اس کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

اعلان

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نور اللہ مرقدہ کے انتقال سے قبل تعمیر حیات کا ٹائٹل چھپ گیا تھا اور بعض کے پیش نظر اس کو ۲۵ر جنوری ۲۰۰۰ء کے شمارہ میں دیا جارہا ہے اس کی قیمت Rs. 6/- اور یہ شمارہ ۲۵ر جنوری ۲۰۰۰ء کا ہے جبکہ اس پر قیمت Rs. 12 اور شمارہ ۲۵ر دسمبر ۹۹ء اور ۱۰ر جنوری ۲۰۰۰ء لکھا ہے۔

ناخدائے کشتی ملت

عمر انصاری

تھے ناخدائے کشتی ملت، علی میاںؒ — کیوں کر کہیں کہ کر گئے رحلت، علی میاںؒ

قرآن ہے کتاب ہدایت جہان میں — تھے آپ عندلیب ہدایت، علی میاںؒ

اک متقی، بلند نظر، نخر روزگار — فرماں روائے ملک شریعت، علی میاںؒ

لاکھوں جماعتیں، پہ ہر اک شخص فرد فرد — تھے آپ فرد ہو کے جماعت، علی میاںؒ

ہوتا ہے اس جہاں میں دولت سے سب کو پیار — رکھتے تھے عاقبت سے محبت، علی میاںؒ

ہر جزو کل کو ایک لڑی میں پرو دیا — دکھلا گئے وہ شان اخوت، علی میاںؒ

ہر موڑ پر حیات کے جو آپ سے ملی — کس میں ہے اب وہ فہم و فراست، علی میاںؒ

کہنے کو یوں تو لاکھ سہی رہبران قوم — ہم کو تھی آپ ہی کی ضرورت، علی میاںؒ

ٹھنڈے ہوئے ہوئے ہیں جہاں بھر کے میکدے — تھے آپ ہی دلوں کی حرارت، علی میاںؒ

نظریں معاشرے پہ بھی، اور دیں کا بھی خیال — دنیا کی شان، دیں کی تھے عظمت، علی میاںؒ

ہم سب یہاں فنا کے دہانے پہ تھے کھڑے — زندہ ہیں آپ ہی کی بدولت، علی میاںؒ

رب غفور سے یہ دعا ہے کہ تا بہ حشر — ہوں آپ بہرہ یاب در جنت، علی میاںؒ

ویراں ہیں میکدے خم و ساغر اداس ہیں

مولانا محمد انعام اللہ قاسمی

بیسویں صدی کے آخری دہوں میں، ابلیس اگر اپنے نظام کا جائزہ لیتا اور ابلیسی ٹولی کے تمام ارکان و ممبران کو مدعو کرکے اپنا احتساب کرتا اور کن عوامل نے تحریکات نے، شخصیات نے، رجحانات نے سیاسی نظریات نے اسے خطرہ ہے اس پر غور کرتا اور اپنے مشیروں سے معلوم کرتا کہ کون سے عزائم ہماری مہم کی راہ میں رکاوٹ اور مقاصد کے لئے سنگ گراں ہیں وہ طبقہ جو ابلیسی نظام کے تار پود بکھیر سکتا اور اس کی پول کھول سکتا ہے اس کی دھجیاں بکھیر سکتا ہے اس پر بھرپور تنقید کرسکتا ہے اور ہر خوبصورت، دیدہ زیب روپ میں پہچان کرا کے لب دم کرسکتا ہے تو یقیناً اس پر بہت سی آرا آتیں اور بہت سے نظامہائے زندگی، بہت سی شخصیات کو پیش کیا جاتا۔ مگر صدر پارلیمنٹ ابلیس یہی کہتا اور اس کا یہ کہنا بجا ہوتا کہ مجھے دنیا کے کسی نظریے، تحریک، نیابت اور ذہانت سے خوف و خطر نہیں ہے۔ اگر مجھے ڈر، خوف، خطرہ ہے، ہمارے نظام پر سب سے زیادہ تیر و نشتر بکھیرنے والا اگر ہے تو وہ مولانا ابوالحسن علی ندوی "علی میاںؒ" ہیں، جو کہ کسی صورت میں بھی ہمارے ساتھ سودا کرنے کو تیار نہیں، جسے مال کی ہوس ہے نہ عہدہ کی خواہش۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ سونے چاندی کی چھینیں ڈال دیتا، مگر اس نے مال کی، عہدہ کی ہر پیشکش کو ٹھکرایا ہے، مدح و ستائش کی پرواہ ہے نہ صلہ کی تمنا، زندگی فقیرانہ مگر دل شاہانہ، رہائش بہت معمولی مگر دنیا کے شاہ اس کے غلام، اس کی تحریر بھی اور تقریر بھی ہمارے نظام پر بجلی بن کر آتی ہے، دعائے نیم شبی، نالۂ سحرگاہی بھی ہمارے خرمن کو خاکستر کرتی ہے یہی تو ہمارا سب سے بڑا دشمن ہے، پھر اس ظالم نے ایک ایسی کھیپ ایک ایسا ذہن و فکر تیار کیا ہے، جو کسی بھی شکل میں ہماری پالیسی پر عمل پیرا ہونے والا نہیں ہے ؎

خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ
کرتے ہیں اشک سحرگاہی سے جو ظالم وضو
ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس امت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرار آرزو

مفکر اسلام، سالار قافلہ، میر کارواں، غمگسار ملت، بے لوث داعی، مایہ ناز ادیب، اسلامی مورخ، دینی اسکالر، انسانیت کے پیامبر، ملت اسلامیہ کے نگہبان، نسل نو کے معمار، اسلام کش تحریکات کے دشمن، نظام ابلیسی کے لئے عظیم خطرہ، تقویٰ و تقدس کے امام، رات کے راہب، دن کے شہسوار، بزرگوں کی آرزو، نوجوانوں کی امید، عصری دانشگاہوں کے داعی، مدارس اسلامیہ کے رفیق، خانقاہوں کی روشنی، شاہ عبدالقادرؒ کی سوغات، زکریا کا ماحصل، اقبالؒ کا شاہین، پیر رومی کے شیخ کی جستجو، عالم اسلام کی آبرو، امت کا دھڑکتا دل، عربوں کی غیرت جھنجھوڑنے والا، ان کا حقیقی سبق یاد دلانے والا، دوست و احباب کی یادیں زندہ کرنے والا، بزرگوں کے کارناموں کو پیش کرکے عبرت دلانے والا، دعوت و عزیمت کا درس دینے والا، اسلامی ادب، قرآنی ثقافت، دستور زندگی، حجازی عقیدہ، غیرت صدیقی، عدل فاروقی، سخاوت عثمانی، شجاعت مرتضوی، استغنائے سلمانی، اور فقر بوذری کا عملی نمونہ پیش کرنے والا، انسانی زندگی پر مسلمانوں کے عروج و زوال پر مسکرانے اور تڑپنے والا، مردم گر، رجال ساز، مختلف تحریکوں، تنظیموں، جماعتوں کے صدر، سرپرست، قائد، رہبر، ملت کے حقیقی نباض اور ایک متحرک انسائیکلو پیڈیا۔ اگر ان اوصاف و کمالات کو کسی انسانی قالب میں پیش کیا جائے تو یقیناً وہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ کی ذات گرامی ہوسکتی ہے ؎

دامان نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار

بیسویں صدی میں بہت سی شخصیات تھیں انھوں نے اپنے اپنے میدان میں حیرت انگیز کارنامے انجام دیئے اور ملت پر ناقابل فراموش احسانات کئے، ان کی خدمات، طریقۂ کار قابل تحسین و صد آفریں۔ ان کے احسانات سے صرف نظر ایک سچی صداقت کا منہ چڑانے کے مترادف، بسا اوقات ملت اسلامیہ کا چراغ ہندوستان میں ٹمٹمانے لگا اور اس کو خاموش کرنے کی منظم پیمانے پر سازشیں رچی گئیں کفر و باطل اپنے پورے لاؤ لشکر سے حملہ آور ہوا مگر ہمارے اسلاف نے مختلف تحریکوں تنظیموں کے ذریعہ اس آتش نمرود کو ٹھنڈا کرکے ماحول کو ایک نئی زندگی بخشی لیکن مولانا علی میاں جیسی جامعیت، عرب و عجم میں ان جیسی مقبولیت، مخلصانہ ہر مکتبہ فکر کی قیادت، زندگی کے اکثر معرکوں کے لئے ان کی تحریر و تقریر کی صلابت، نیچی سطح سے لے کر اعلیٰ مسندوں پر تشریف فرما طبقے سے ان کی خطابات ان جیسا اعزاز، شہرت شاید ہی کسی کے حصہ میں آئی ہو، اس لئے اس شخصیت کا نہیں بلکہ تحریک ساز، جماعت ساز، رجال ساز شخصیت کا سانحۂ ارتحال ایک دور و عہد کا خاتمہ ہے اور یہ کسی ایک فرد، خاندان، جماعت اور ملک کا نقصان نہیں بلکہ پوری ملت اور انسانیت کا خسارہ و نقصان ہے۔ ہر جماعت تعزیت کی مستحق ہے۔

نما کان قیس هلکه هلك واحد
ولکنه بنیان قوم تهدم

قیس کی ہلاکت تنہا اس کی ہلاکت نہیں بلکہ اس سے تو قوم کی بنیادیں لرز اٹھیں۔ دل تڑپتا ہے، آنکھیں روتی ہیں، جذبات بے قابو ہوتے ہیں اور سینہ کی ہوک رب ذوالمنن کے سامنے سجدہ ریز ہوکر حضرت مولانا کے کام کو، فکر کو، تڑپ کو بے لوثی کو زندہ وقائم رکھنے پر اکساتی ہیں، بار الٰہ کسی فرد یا افراد کو اس مشن کو آگے بڑھانے کے لئے تیار فرما، مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے درست فرمایا تھا کہ یورپ میں جو کام ایک اکیڈمی کرتی ہے، ہندوستان میں ایک آدمی کرتا ہے۔ حضرت مولانا نے ایک اکیڈمی سے بھی کہیں زیادہ کام کیا ہے وہ ایک نظام زندگی، بلند نصب العین انقلابی محاذ جہد مسلسل، تحریک کارواں اور دعوت کا مظہر تھے۔ نگہ کی بلندی، سخن کی دلنوازی اور جاں کی پرسوزی کا وہ تصویر تھے۔

آئے عشاق گئے وعدۂ فردا لے کر
اب انھیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر

انھوں نے اپنے فکری مزاج و مذاق سے قرآن وحدیث اور تاریخ سے ایسی بہت سی انقلابی، ایمانی اور اصلاحی چیزیں پیش کیں جن سے تفسیر و تاریخ کا دامن خالی تھا۔

ان کے بہت سے جملے بلکہ پیراگراف، زبان زد عوام وخواص ہیں اور وہ اس قابل ہیں کہ انھیں دانش گاہوں کی پیشانیوں بلکہ ہر قلب ودل پر تحریر ہونا چاہئے۔ میر کارواں، میں مولانا عبداللہ عباس ندوی نے تحریر فرمایا کہ حضرت مولانا کی کتابیں، خاص کر ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، تو عالم عربی میں حضرت مولانا کا وزیٹنگ کارڈ بن گیا۔ بہت سے مغرب زدہ ان افراد کو تعجب ہوتا تھا کہ یہ اتنی موثر تحریر اور بلند فکر کس شخص کی ہے۔ بلکہ انھوں نے اس پر تحریر کی کہ بھلا مسلمانوں کے عروج وزوال سے بھی دنیا پر کوئی اثر پڑتا ہے اس کا تذکرہ خود حضرت مولانا نے کاروانِ زندگی ہفتم میں کیا ہے۔

آج بھی ان کی تحریروں میں وہی زندگی، تازگی، امنگ اور دلوں کو بدلنے وافکار کو جلا دینے کی صلاحیت ہے کیونکہ ان میں حضرت مولانا کا خلوص، تڑپ، کرب اور محبت شامل ہے۔

جان کر منجملۂ خاصانِ میخانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام وپیمانہ مجھے

حضرت مولانا درحقیقت ایک عظیم سلسلہ کا ایک پہاڑ تھے، بہت سے طوفان اٹھتے، شورشیں برپا ہوتیں اور ملت کے لئے تیزابی ماحول تیار ہوتا مگر وہ اس کوہ پیکر شخصیت سے ٹکرا کر پاش پاش ہوجاتا، حکومت کے بہت سے ذمہ دار اپنی زبان ان کی وجہ سے بند رکھتے، کتنے ہی حالات کو وہ از خود انگیز کرجاتے ان کے زیر سایہ ملت کے افراد کو معلوم بھی نہ ہوتا کہ طوفان آکر چلا بھی گیا، اضطراب انگیز لہریں موت کی نیند سو بھی گئیں اسی وجہ سے حضرت مولانا کے ایک محب بلکہ عاشق حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب مدظلہ العالی مظاہر العلوم سہارنپور نے فرمایا کہ اس بندۂ خدا کی وجہ سے بہت سے ذمہ داران حکومت کچھ کہنے کی جرأت نہیں کرتے ہیں۔

حضرت امیر مینائی کی زبانی، وہ اس کا مصداق تھے ؎

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیرؔ
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

مولانا علی میاںؒ تو اللہ کے جوار میں چلے گئے اور یقیناً "يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي" کے مصداق بن گئے، وہ تو موت کے بعد بھی زندہ ہیں، ان کے کارناموں نے، قلب سلیم نے، تزکیہ نفس نے ان کو اور زندہ کردیا، قیامت تک ان کی آواز، ان کی فکر، ان کا پیغام تازہ رہے گا اور ایمان والیقان کی باد بہاری پیدا کرے گا اس سے افراد، تحریکات اور قوموں کی رہنمائی ہوتی رہے گی۔

لیکن ہم بھی تو آگاہ رہیں، کچھ ایسے کام کریں جو سفر آخرت کے لئے رفیق سفر ہوں، مرنے کے بعد بھی کچھ چیزوں سے ہماری خاک مرقد بھی ٹھنڈی ہوتی رہے، پھر کیا موت آجائے، قبر کے چوکھٹوں میں کس کی تصویر کب سجادی جائے اس کی مسلسل تیاری کریں، حضرت مولانا رمضان المبارک کے پہلے عشرہ میں کسی حد تک صحت مند ہوگئے تھے۔ اپنے معمولات پر بڑے عامل تھے، لکھنا پڑھنا، مہمانوں سے ملاقاتیں، خطوط کے جوابات، احباب کو مشورے، خانقاہ میں آئے مہمانوں کی معلومات سے دل کو تفیں سا ہوا تھا، دعائیں بھی کی تھیں کہ باری تعالیٰ گلشن اسلامی کے اس پاسبان کو لمبی زندگی دے، مگر اسی حالت میں وہ اللہ کو پیارے ہوگئے دل یقین کرے نہ کرے، مگر حقیقت کو جھٹلایا نہیں جاسکتا ہے۔

ویراں ہیں میکدے خم وساغر اداس ہیں

موت اختتام زندگی نہیں بلکہ صبح زندگی اور دوام زندگی کی پہلی کرن ہے سو برس کے سامان صدیوں کے اسباب کے ہوتے ہوئے بیکراں تمناؤں کے حسین تاج محل کے باوجود پل کی اور لمحہ کی بھی خبر نہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اس فرصت میں زندگی کے عظیم سرمایہ میں، حضرت مولانا کے پیغام کو، فکر کو، دعوت کو بے لوثی کو، طریقہ کار کو اور تڑپ وبے چینی کو زندہ رکھیں، اور اس کے لئے کسی بھی طرح کی قربانی سے دریغ نہ کریں اور دعا کریں کہ باری تعالیٰ حضرت مولانا کے پیغام وکام کو زندہ رکھنے کے لئے امت کی دستگیری فرمائے، یہی حقیقت میں ان سے محبت کا تقاضہ بھی ہے اور تعلق کی قیمت بھی، کیونکہ ملت کو اس وقت طاقتور قلم، موثر زبان، پاکیزہ فکر دردمند دل کے ساتھ تنہائیوں میں اس کی حالت زار پر رونے والی آنکھوں کی بھی ضرورت ہے اس احساس ودعا کے ساتھ قلم رکتا ہوں ؎

آسماں ان کی لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

مفکر اسلام حضرت مولانا شاہ سید ابوالحسن علی ندویؒ

مایۂ ناز شخصیت

شاہ قادری سید مصطفیٰ رفاعی جیلانی

داعی الی اللہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی شخصیت، نہ صرف ہندوستان کی بلکہ بلاد اسلامیہ اور دنیا کی معروف ومشہور مایۂ ناز شخصیت ہے۔ اس عبقری عظیم ہستی نے زندگی کے ہر میدان میں چاہے تعلم وتعلیم اور درس وتدریس کا میدان ہو، یا تصنیف وتالیف اور وعظ وخطابت کا میدان ہو، چاہے اصلاح وارشاد اور ہدایت وقیادت کا میدان ہو یا سماجی انسانی خدمات اور ملکی وعالمی سیاسیات کا میدان ہو، ہر میدان فکر وعمل میں اپنے امتیازی جوہر وکمالات دکھائے ہیں، جو قابل تحسین وتوصیف کے ساتھ لائق تقلید بھی ہیں اس عالمگیر ممتاز شخصیت کے متعلق جو کچھ عرض کیا جائے گا وہ محض چند تعارفی اشارے ہوں گے ورنہ مکمل تعارف کے لئے بڑے دفتر کی ضرورت ہے" سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لئے "۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی عام عرفیت "علی میاں" ہے، اسی عرفیت سے آپ شمالی ہند میں متعارف ہیں۔ آپ مجاہد کبیر شہید بالاکوٹ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان سے ہیں۔ آپ کا خاندان، علماء وصوفیاء اور مجاہدین وشہداء کا خاندان ہے۔ ان خاندانی اسلاف کرام کا حضرت علی میاں کی شخصیت پر بڑا گہرا اثر مرتب ہوا ہے چنانچہ فکری وعملی اور ظاہری وباطنی دونوں اعتبار سے اپنے خاندانی اسلاف کا تاحیات آپ کامل نمونہ بنے رہے۔

حضرت علی میاں کو اپنے خاندانی بزرگوں سے اور اپنے اساتذہ سے جہاں علمی سرمایہ ملا تھا، وہیں باطنی وروحانی خزانہ بھی ملا تھا، اس لئے کہ آپ کے اسلاف عظام اور اساتذۂ کرام جہاں جیّد علماء تھے وہیں صوفی صافی بزرگ بھی تھے چنانچہ اسی تعلیم وتربیت اور فیض صحبت سے آپ بھی متبحر عالم کے ساتھ بڑے درجے کے صوفی بھی بنے۔ حضرت علی میاں کی علمی وروحانی تعلیم وتربیت میں جن اسلاف واساتذہ اور شیوخ کا اثر زیادہ رہا ان میں سے چند ہستیاں یہ ہیں۔ حضرت سید عبدالحیؒ (والد ماجد) والدہ ماجدہؒ علامہ سید سلیمان ندویؒ، بڑے بھائی ڈاکٹر سید عبدالعلیؒ، مولانا محمد علی لاہوری، حضرت عبدالقادر رائے پوریؒ۔ جہاں تک استفادہ کا تعلق ہے وہ حضرت نے اپنے عصر کے ممتاز ترین بزرگوں سے کیا ان میں سب سے نمایاں حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، ان حضرات میں سب سے زیادہ روحانی فیض حضرت عبدالقادر رائے پوریؒ سے رہا، اس لئے کہ وہ آپ کے پیر ومرشد تھے۔

حضرت علی میاں کو جہاں علمی درسگاہ "دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ" اپنے بڑوں سے ملی تھی، وہیں روحانی خانقاہ "تکیہ شاہ علم اللہ رائے بریلی" اپنے بڑوں سے ملی تھی اور یہ دونوں علمی وروحانی مراکز، آپ کی جامع کمالات واوصاف ذات والا صفات سے پُر رونق ومنوّر فیض رساں رہے۔ آپ کے تربیت وصحبت یافتہ تلامذہ وخلفاء، جو بڑی تعداد میں موجود ہیں، ان سے اور بالخصوص حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی سے بجا طور پر امید ہے کہ وہ تعلیمی وتربیتی ان دونوں مراکز کو، اسی نہج پر، قال اللہ وقال الرسولؐ سے اور تزکیہ واحسان سے معمور وآباد رکھیں گے۔

حضرت علی میاں سے جس طرح امت محمدیہؐ اطراف عالم سے، مراسلت وصحبت کے ذریعہ علمی وفکری استفادہ کرتی رہی، اسی طرح مریدین وسالکین کا بھی، چہار دانگ عالم سے آپ کی طرف رجوع عام رہا یوں تو ملت اسلامیہ کے علماء وخواص اور عوام آپ سے بکثرت بیعت ہوتے تھے اور اصلاحی تعلق رکھتے تھے لیکن جدید تعلیم یافتہ طبقہ جو پیری مریدی سے متوحش ہوتا ہے، وہ بھی بلا تردد آپ سے بیعت ہوتا تھا اور وظائف واذکار کا پابند بھی۔

"ہر فن مولیٰ" ایک اصطلاح ہے، یہ حضرت علی میاں پر پوری طرح صادق آتی ہے۔ علمی وفکری ہر موضوع پر آپ نے قلم اٹھایا ہے اور جس فن پر آپ نے جو لکھا ہے "وہ" اس فن کے لئے اتھارٹی مانا گیا ہے، خاص طور پر تاریخ اور عربی ادب میں آپ کا مقام "مسلّم" ہے، بلا مبالغہ اس وقت آپ کی سطح کا مورخ اور ادیب عرب وعجم میں نایاب ہے، آپ کے علمی وفکری مباحث تو تسلیم شدہ ہیں ہی، آپ کی عربی تحریروں کا حال یہ ہے کہ خود اہل عرب آپ کی عبارتوں کو رٹتے اور حفظ یاد کرتے ہیں اور جمعہ کے خطبوں تک میں نقل کرتے ہیں حتیٰ کہ حرم مکی کے امام تک اپنے خطبہ میں آپ کی عبارتیں نقل کرتے۔ آپ کی عربی کتابیں عرب وعجم کے کالجوں، یونیورسٹیوں اور مدارس میں داخل نصاب ہیں۔ آپ کی تصانیف دنیا کی مختلف زبانوں میں متعدد بار چھپی ہیں اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ بلاشبہ عالم اسلام میں اور خاص طور پر ملت اسلامیہ کی نئی نسل میں آپ کی تصانیف سے "صالح انقلاب" رونما ہوا ہے۔

حضرت علی میاں کا ممتاز وصف یہ رہا کہ آپ پڑھنے پڑھانے، بولنے لکھنے کے ساتھ تعلیمی اصلاحی، خانقاہی دعوتی اور سیاسی ہر میدان کار میں پورے انبساط و انشراح کے ساتھ "قائدانہ" طور پر تاحیات متحرک و فعال رہے اور تمام امور و معاملات کو اعتدال و توازن کے ساتھ نبھا کر عالم اسلام اور عالم انسانی کے لئے قابل تقلید نمونہ چھوڑ گئے وہ ؎

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔

حضرت علی میاں جس طرح علماء و مدارس میں اور صوفیاء و خانقاہوں میں، جانے پہچانے اور مانے جاتے ہیں ——— بالکل اسی طرح عصری تعلیم گاہوں و دانشوروں میں اور حکومتوں و حکمرانوں میں جانے پہچانے اور مانے جاتے ہیں۔ ملکی و عالمی، سیاسی و سماجی اور دینی و انسانی حالات و مسائل سے آپ کو بڑی وسیع و عمیق واقفیت تھی۔ پُرفتن ماحول کو پُر امن بنانے اور الجھے ہوئے معاملات کو سلجھانے اور بگڑے ہوئے حالات کو سدھارنے کے لئے آپ ہمہ وقت فکر مند اور ہر طرح سے کوشاں رہتے تھے۔ عالمی مسائل و امور پر آپ کی گہری نظر اور ہمدردانہ تعلق کی بنا پر ہی، مسلمانان عالم کا مرکزی ادارہ "رابطہ عالم اسلامی" (ورلڈ مسلم لیگ) آپ کی سربراہی میں مختلف خدمات لیتا اور مختلف ممالک میں وفود بھیجتا تھا۔

حضرت علی میاں کی ہمہ گیر شخصیت سے نہ صرف ہندوستان کے متعدد اداروں و تنظیموں کو سرپرستی کا فیض پہونچ رہا تھا بلکہ بیرون ہند بھی متعدد اداروں اور تنظیموں کو آپ کی سرپرستی کا شرف حاصل تھا، ہندوستان کے جن اداروں کو آپ سے فیض پہونچ رہا ان میں سے چند یہ ہیں، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ، آل انڈیا ملی کونسل، کل ہند حلقہ پیام انسانیت، دینی تعلیمی کونسل یوپی، دار العلوم ندوۃ العلماء، دار المصنفین اعظم گڈھ اور بیرون ہند جن اداروں نے آپ سے استفادہ کیا ان میں سے چند یہ ہیں، رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ، مؤتمر عالم اسلامی بیروت، عربی اکیڈمی دمشق، اسلامک سنٹر امریکہ۔

حضرت علی میاں "سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے" کے مصداق تھے، چنانچہ جس ملک اور شہر سے آپ کو بلاوا آتا اور دنیا کی بڑی بڑی یونیورسٹیوں سے بحیثیت وزٹنگ پروفیسر اور دنیا کے قریب و دور بلکہ دور دراز شہروں میں منعقد ہونے والے سمیناروں و اجلاسوں میں بحیثیت صدر یا مہمان خصوصی مدعو کیا جاتا، باوجود معذوریوں کے آپ اسفار کی زحمت گوارا فرماتے اور خدمت و رہنمائی کا فرض انجام دیتے تھے۔ بلاشبہ آپ کی شخصیت "مایۂ ناز عالمی شخصیت" تھی، ہر ملک آپ کو اپنا سمجھتا تھا اور آپ ہر ملک کو اپنا سمجھتے تھے۔

۱۹۷۵ء میں حضرت علی میاں نے خود ایک تحریک، جس کا دائرۂ عمل و طریقۂ کار، تمام تحریکوں سے وسیع تر ہے، "حلقہ پیام انسانیت" کے نام سے شروع فرمائی تھی۔ ملک کی کئی ریاستوں میں یہ تحریک فعال ہے، مختلف ریاستوں کا بنفس نفیس، اپنے رفقاء کے ساتھ آپ دورہ فرماتے اور بلا تفریق مذہب و ذات تمام کو، انسانیت کا پیام سناتے تھے، اس سلسلہ میں ریاست کرناٹک میں بھی کئی بار آپ کا ورود مسعود ہوا ہے۔

حضرت علی میاں باوجود بلند پایہ عالم دین اور عظیم المرتبت پیر طریقت اور یکتائے زمانہ مفکر و مدبر اور مقبول عام قائد و رہنما ہونے کے، انتہائی سادہ انسان تھے، انجانا آدمی قطعی پہچان نہیں سکتا تھا کہ مایۂ ناز مشہور زمانہ حضرت علی میاں یہی ہیں۔ آپ بہت خلیق، ملنسار، منکسر المزاج، رفیق القلب، بامروّت، خورد نواز، مسکین صفت انسان تھے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ملت اسلامیہ کے لئے رحمت اور تمام مخلوق کے لئے برکت تھے۔ سنت اللہ ہمیشہ سے یہی رہی ہے کہ ہر زمانے میں ہمہ گیر و عالمگیر شخصیات رہی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے شہرت عام عطا کی ہے اور یہ اس لئے کہ مخلوق خدا ان سے فیض پائے اور ان کو مقتدیٰ بنائے، اسی سنت اللہ کے مطابق عہد حاضر میں حضرت علی میاں کی ہمہ گیر ہستی کو عام شہرت عطا ہوئی تھی۔

ہمارا تعلق حضرت علی میاں سے ۱۹۶۶ء سے تاحیات رہا۔ اور بہت قریبی رہا۔ خلوت میں جلوت میں، سفر میں حضر میں برسہا برس آپ کے شب و روز کے مشاغل و معمولات اور اخلاق و معاملات کو دیکھنے کے مواقع ملے، جو کچھ کہ دیکھا اور محسوس کیا، اس کی روشنی میں پورے اعتماد و یقین کے ساتھ عرض کر سکتا ہوں کہ آپ ایک محبوب عالم شخصیت کے مالک تھے اور پوری امت محمدیہ (امت اجابت وامت دعوت) کے حق میں مشفق و دعاگو ہستی تھے ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

یہ مایۂ ناز عبقری، دیدہ ور شخصیت ۳۱ر دسمبر ۱۹۹۹ء کو اس دار فانی سے دار البقاء کو یٰسین شریف کی تلاوت کرتے کرتے یکایک پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس سانحہ ارتحال پر ہر شخص ملول و محزون ہے، کون کس کو پرسہ دے؟ اللہ رب العزت حضرت علی میاں کو اپنے جوار میں رکھے اور علیین میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مقرب بنائے۔ آمین ثم آمین۔

دعائے مغفرت

دار العلوم ندوۃ العلماء کے استاذ مولانا ظفر عالم ندوی کی والدہ ماجدہ کا ۶ر شوال ۱۴۲۰ھ کو انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کے درجات بلند فرمائے۔ قارئین کرام سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

علم وحکمت کا ایک اور نیر تاباں غروب ہوگیا

سید علی

دل شکستہ، آنکھیں اشک بار، ذہن ماؤف اور قلم افسردہ ہے اب لکھوں تو کیا لکھوں کیسے لکھوں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ بھی اپنے رفیق اعلیٰ سے جاملے۔ ملت اسلامیہ کو جب ان کی شدید ضرورت تھی تو وہ سب کو سسکتا بسا چھوڑ کر چلے گئے۔ ابھی ذہن کا زخم تازہ ہی تھا چند دن قبل مولانا حکیم محمد زماں حسینیؒ داغ مفارقت دے چکے تھے اور اب علی میاں حالات کے منجھدار میں ملت کو چھوڑ کر رخصت ہوگئے.

اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا علی میاں کی شخصیت کوئی معمولی شخصیت نہیں تھی وہ اس عہد کے سرپرست تھے، پوری اسلامی دنیا کا مرکز امید تھے، ملت کے مسیحا تھے اور دنیا والوں کے لئے وہ خدا کی نعمت تھے، ان کے انتقال سے عالم اسلام میں جو خلاء پیدا ہوا ہے اس کا مستقبل قریب میں پر ہونا مشکل نظر آتا ہے۔

نبی کریمؐ نے اس سال کو عام الحزن سے تعبیر کیا تھا جس سال پے در پے آپؐ کے چچا ابوطالب اور پھر ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کا انتقال ہوگیا تھا۔ ۲۰ ویں صدی میں جس طرح ایک کے بعد ایک علمائے حق جن کو عالم اسلام کا ستون کہنا چاہئے ٹوٹتے جارہے ہیں، مسلمانان عالم کے لئے یہ سال اندوہ سے کم نہیں۔ گذشتہ سال کے آخری مہینوں میں کئی عظیم المرتبت شخصیتیں جو علم دین کی محافظ اور اپنی ذات میں ایک عہد تھیں یکے بعد دیگرے اٹھتی چلی گئیں۔ شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ ابن بازؒ مفتی اعظم سعودی عرب، محدث کبیر علامہ ناصرالدین البانیؒ، شیخ علی طنطاویؒ جیسی بین الاقوامی شخصیتیں رخصت ہوگئیں۔ یہ وہ عبقری اور قدآور شخصیتیں تھیں جو علم وحکمت کا سرچشمہ تھیں جن سے حکومتیں لرزتی تھیں۔ ان بزرگوں کے سانحۂ ارتحال کا زخم ہرا ہی تھا کہ ہندوستان میں مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا حکیم محمد زماں حسینی اور اب مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رخصت ہوگئے.

حضرت مولانا علی میاں کی شخصیت کوئی معمولی شخصیت نہیں تھی، ایسی شخصیتیں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں اور عالم انسانیت کے لئے رحمت ثابت ہوتی ہیں، علی میاں ایک فرد اور ذات کا نام نہیں، ایک مشن، ایک تحریک، ایک دعوت اور ایک انقلاب کا نام ہے۔ مولانا علی میاں کے انتقال سے علم وحکمت کا ایک آفتاب غروب ہوگیا۔ وہ آفتاب جس کی روشنی اور حرارت سے عرب وعجم مستفید ہورہا تھا، علی میاں ایک مفکر، مدبر، مؤرخ، عالم دین، عربی زبان وادب کے ماہر، اعلیٰ درجہ کے انشاپرداز، سوانح نگار تھے اسی کے ساتھ وہ زہد وتقویٰ، سادگی ومتانت اور خلوص ومحبت کا پیکر بھی تھے، منکسرالمزاج، شریف النفس اور صاحب مروت انسان تھے۔ سلف صالحین کا نمونہ تھے۔ عربی اہل زبان کی طرح بولتے اور لکھتے تھے، اسلامی تحریکوں پر گہری اور بسیط نظر رکھتے تھے۔ جدید تہذیب وتحریک کی فتنہ سامانیوں اور سازشوں کا بھی گہرا علم رکھتے تھے. اور اس کے خلاف ان کا بے باک، مؤثر اور مدلل قلم جراحت اور مرہم دونوں کا کام کرتا تھا، مولانا نے ۸۰ سے زائد کتابیں لکھیں جن میں تاریخ دعوت وعزیمت، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، پرانے چراغ، نبی رحمتؐ، ارکان اربعہ، جب ایمان کی بہار آئی، اسلامیت اور مغربیت جیسی تاریخ ساز بلند پایہ کتابیں کافی مقبول عام ہوئیں۔

مولانا علی میاں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ناظم، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے سربراہ، آل انڈیا ملی کونسل کے سرپرست تھے۔ آکسفورڈ یونیورسٹی کے اسلامی سنٹر کے سربراہ، رابطہ ادب اسلامی کے اہم ممبر، اسلامی ادب کے عالمی مجلس اور فاؤنڈیشن فار اسٹڈیز اینڈ ریسرچ کے سربراہ اور مدینہ یونیورسٹی کے مجلس مشاورت کے رکن بھی تھے۔ اس کے علاوہ دیگر اداروں اور تنظیموں کے سرپرست بھی تھے۔ یہ وہ خوش نصیب تھے جن کے حوالہ خانہ کعبہ کی کنجی کی گئی تھی۔ ان کو شاہ فیصل ایوارڈ سے بھی نوازا گیا تھا، حال ہی میں سلطان برونائی کی طرف سے بھی ایک امتیازی عالمی ایوارڈ مولانا کو دیا گیا تھا.

مولانا علی میاںؒ صرف تحریر وتقریر کے گونہ گیر ادیب وخطیب نہ تھے وہ میدان عمل کے شہسوار بھی تھے۔ ان کی پوری زندگی جہد مسلسل سے عبارت تھی، وہ دینی، ملی اور تعلیمی مسائل پر سوچتے تھے، اسکیم بناتے تھے اور اس میں رنگ بھرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ ان کی ملی تڑپ اور دینی سرگرمیوں کا اس سے بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کہ وہ جہاں درجنوں ملکی اور بین الاقوامی اداروں کی سرپرستی کرتے ان کی میٹنگوں میں شریک ہوتے اور اپنے عالمانہ اور حکیمانہ مشوروں اور رایوں سے صحیح فیصلوں پر پہونچنے میں مددگار ثابت ہوتے وہیں انھوں نے اصلاح معاشرہ اور دینی شعور بیدار کرنے نیز انسانی فلاح وبہبود کے پیش نظر خود ایک ادارہ "پیام انسانیت" کے نام سے قائم کیا تھا۔ پیام انسانیت کا سلسلہ ہے کردہ خود

ملک بھر میں گھومتے رہے اور پیغام انسانی کا فرض انجام دیتے رہے۔ پیام انسانیت سارے انسانوں کے لئے تھا اس کا خطاب مسلمانوں سے بھی تھا ہندوؤں سے بھی تھا۔ وہ ملک میں امن وصلح اور بھائی چارگی کا ماحول بنانے کے لئے جہد مسلسل کرتے رہے۔ وہ بڑے متوازن اور کھلے دل ودماغ کے آدمی تھے اسی وجہ سے ہندوؤں کی بڑی تعداد ان سے عقیدت رکھتی تھی، احترام کرتی تھی۔ حکمراں طبقہ سے لے کر بڑے بڑے سیاسی لیڈر، مذہبی قائدین اور سماجی کارکنان ان کی خدمت میں حاضری دیا کرتے تھے۔

مولانا بڑے نرم خو، صلح جو انسان تھے ریشم کی طرح نرم لیکن مذہبی وتہذیبی بقا وتحفظ کے معاملہ میں وہ کسی مصالحت کے قائل نہیں تھے، دینی وملی شناخت اور تشخص کے لیے ہر قربانی کے لئے تیار وآمادہ رہتے تھے۔ یوپی کی تعلیم گاہوں میں وندے ماترم اور سرسوتی وندنا کے جبری نفاذ پر ان کے شدید ردعمل سے بھونچال آگیا تھا۔ وہ ایک مرد مجاہد کی طرح ڈٹ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور حکومت کو ایسی دھمکی دی کہ اس کی گھگھی بندھ گئی۔ اور اپنا فیصلہ واپس لینے پر مجبور ہوگئی۔ مسلم پرسنل لا کے تیرہویں اجلاس بمبئی میں وہ شریک نہیں ہو سکے لیکن خطبۂ صدارت میں بڑے واشگاف الفاظ میں انھوں نے واضح کردیا کہ مسلم پرسنل لا میں کسی قسم کی تبدیلی دعوت ارتداد کے مترادف ہوگی اور ایسا ہوا تو ہم اس کا اسی طرح مقابلہ کریں گے جس طرح دعوت ارتداد کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ اس قسم کے جرأتمندانہ اقدامات کچھ تھوڑی سی قیمت بھی ان کو چکانا پڑی۔ شرپسندوں نے ان کے مکان پر بلاوجہ اور صرف جذبات کو ٹھیس پہونچانے کے لئے چھاپہ مارا، ندوہ پر ڈاکہ ڈالا، مولانا کے پتلے جلائے گالیاں دیں لیکن اس کوہ عزم وحوصلہ کے پاؤں میں ذرا سی لغزش بھی نہیں ہوئی۔

مولانا علی میاں کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ ان کا ظاہر اور باطن یکساں تھا وہ جو کہتے تھے یا لکھتے تھے وہی کرتے بھی تھے۔ ان کے یہاں تضاد وفکر وعمل کا کوئی شائبہ نہیں ملتا۔ دیکھا گیا ہے کہ بڑے بڑے نامور صاحبان علم وفضل ایسے بھی ہیں جن کے قول وعمل میں، ظاہر وباطن میں، باہری واندرونی زندگی میں کھلا تضاد پایا جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کا عوام اعتماد کھو دیتے ہیں۔ مولانا کے منہ سے اگر پھول جھڑتا تھا تو ان کی داخلی اور عملی زندگی بھی خوشبوؤں سے رچی بسی تھی۔ ایسے اہل علم کی بھی کمی نہیں ہے جو غرور علم میں مبتلا نظر آتے ہیں لیکن علی میاں کے اندر غرور علم تو کیا وہ ہمیشہ اپنے کو طالب علم ہی سمجھتے رہے یہ ان کے بڑے پن اور اونچے ظرف کا ثبوت ہے۔ وہ شہرت وصلے کے کبھی طلبگار نہیں رہے۔

افسوس کہ علم وادب کا وہ قطب مینار اور بہاڑی کا چراغ، وہ بطل جلیل، مرد مومن مرد حق آگاہ ہم سے جدا ہوگیا۔ ہم ان کو کیا خراج عقیدت پیش کرسکتے ہیں ہمارے پاس آنسوؤں اور دعاؤں کے سوا ہے ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ سے بصمیم قلب دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ علی میاں کی تمام بشری لغزشوں اور کوتاہیوں کو معاف فرمائے اور جنت الفردوس عطا کرے اور ملت اسلامیہ کو صبر جمیل عطا کرے۔

بقیہ: اسلام میں کسب معاش

آئے اور اسی کے ساتھ ساتھ وہ اس حال میں آئے کہ اس نے کسی کو گالی دی ہو، کسی پر الزام لگایا ہو، کسی کا مال کھایا ہو، کسی کا خون بہایا ہو، کسی کو مارا پیٹا ہو تو اس کی نیکیاں اس کو اور اُس کو دے دی جائیں گی پھر اگر حساب برابر ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہوجائیں تو لوگوں کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے اور پھر اس کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

(مسلم شریف)

تعلیمات نبوی کی یہ خصوصیت ہے کہ کبھی کبھی تعلیم وتربیت کی غرض سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مخاطب لوگوں سے سوال فرمایا کرتے تھے کہ کیا تم جانتے ہو یہ کیا ہے؟ وہ کیا ہے؟ اس طرح کا ایک سوال اس حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہؓ نے جواب دیا جس کے پاس روپیہ پیسہ اور سامان زندگی نہ ہو وہ مفلس ہے۔

اس جواب کے بعد صحیح جواب خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا کہ میری امت میں دراصل مفلس اور نادار وہ شخص ہے جو میدان محشر میں قیامت کے دن نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، خیر خیرات وغیرہ نیکیاں لے کر آئے اور اس کے ساتھ ساتھ کسی کو گالی دی ہو، برا بھلا کہا ہو، کسی پر تہمت لگائی ہو، کسی کا ناحق مال کھا گیا ہو، کسی کا خون بہایا ہو، کسی کو مارا پیٹا ہو تو ایسا شخص حقیقی مفلس اور نادار ہے کہ اس کی ساری نیکیاں ان لوگوں کو دے دی جائیں گی جنھیں اس نے کسی طرح بھی ستایا ہو اور ان کا حق برباد کیا ہو اور اگر لوگوں کے تمام حقوق پورے ہونے سے پہلے نیکیاں ختم ہوگئیں تو ان کے گناہ اور خطا اس آدمی کے سر پر ڈال دی جائیں گی اور پھر اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

ہم سب کو اللہ اس کی توفیق دے کہ ہم اس حدیث شریف کے ذریعہ اپنی اصلاح کریں، اچھے اچھے لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ نیکیاں اور اچھائیاں تو خوب کرتے ہیں مگر لوگوں کے ستانے، تکلیف پہونچانے اور ان کا حق مارنے یا ان کا، اُن کا ناحق مال کھا جانے سے نہیں بچتے جبکہ یہ بڑے خطرے اور نقصان کی بات ہے کہ ہماری اس لاپرواہی اور غفلت کی وجہ سے ہماری نیکیاں قیامت کے دن دوسرے لوگ لے لیں گے۔ اس لئے امت کو چاہئے کہ اصل مفلسی اور ناداری سے بچنے کی آج ہی سے فکر کرے۔

اسلام میں کسبِ معاش کے لئے محنت و مشقت

مولانا عبدالکریم پاریکھ

لوگوں کا ہم سے سلوک

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ امعہ نہ ہو کہ یہ کہنے لگو اگر لوگ ہمارے ساتھ اچھا کریں تو ہم بھی اچھا کریں گے، اور اگر لوگ ہم پر ظلم کریں تو ہم بھی ظلم کریں گے۔ بلکہ تم اپنے آپ کو اس کے لئے تیار کرو کہ لوگ اچھا سلوک کریں تو تم بھی اچھا سلوک کرو، اور اگر برا سلوک کریں تو تم ان کے ساتھ ظلم و زیادتی نہ کرو۔ (ترمذی)

اس حدیث پاک میں جو تعلیم دی گئی ہے امت اگر اسے عام کرے تو ہمارے ملک کے اہل وطن بھائیوں کے لئے ایک اچھا نمونہ ہم پیش کر سکیں گے۔ ہمارے دور میں ہر طرف مار کاٹ، قتل و خون ریزی جاری ہے ایسے میں بہت ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم کو عمل میں لایا جائے اور خوب عام کیا جائے۔

اس حدیث میں احسان اور بھلائی کرنے کا صحیح معنی و مطلب بھی سمجھایا گیا ہے کہ اگر کسی نے آپ پر احسان کیا اور اس کے جواب میں آپ نے بھی اس پر احسان کیا تو یہ احسان نہیں بلکہ بدلہ اور برابری کا سلوک و معاملہ ہو گیا، اصل احسان یہ ہے کہ کوئی تمہارے ساتھ اچھا معاملہ کرے یا ظلم و زیادتی اور نا انصافی کرے، ہر حال میں اس کے ساتھ احسان اور بھلائی ہی کرو تمہارا برتاؤ احسان و بھلائی کا اعلیٰ درجہ ہے۔

فی سبیل اللہ کی تشریح

حضرت کعب بن عجرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک شخص گذرا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے اس کی محنت جو کسی اور سرگرمی کو دیکھا تو انھوں نے کہا یا رسول اللہ کاش اس آدمی کی محنت اور سرگرمی اللہ کے راستے میں ہوتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر وہ اپنے چھوٹے بچوں کے لئے دوڑ دھوپ کر رہا ہے تو وہ اللہ کے راستے میں ہی ہے اور اگر اپنے ماں باپ کے لئے دوڑ دھوپ کر رہا ہو تو بھی وہ شخص اللہ کے راستے میں ہے، اور اگر وہ اپنی باعزت روزی کے لئے محنت کر رہا ہے تو بھی وہ اللہ کے راستہ میں ہے اس کے برخلاف اگر اس کی دوڑ دھوپ دکھاوے اور فخر و بڑائی کے لئے ہو تو پھر وہ شیطان کے راستے میں ہے۔

(المنذری بحوالہ طبرانی)

جس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے دیکھا وہ کوئی کاروباری محنت مزدوری کے سلسلے میں دوڑ دھوپ کرنے والا آدمی ہونا چاہئے، جسے دیکھ کر صحابہ کرام کو تعجب ہوا انھوں نے یہ خواہش ظاہر کی، کاش یہ شخص راہ خدا میں اتنی محنت اور دوڑ دھوپ کرتا تو خوب ہوتا اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چھوٹے بچوں، والدین کی روزی روٹی اور ان کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے کاروبار اور کسب میں محنت کرنا اور خود اپنی باعزت روزی حاصل کرنے کے لئے دوڑ دھوپ کرنا محنت مشقت برداشت کرنا بھی راہ خدا میں محنت و مشقت برداشت کرنے کے جیسا ہی ہے، لیکن اگر اس شخص کا محنت و مشقت کرنا اور مال حاصل کرنا دکھاوے، فخر اور بڑائی کے لئے ہو تو پھر ایسا آدمی شیطان کے راستے میں محنت کر رہا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کاروباری زندگی ہو لین دین ہو، تجارت ہو، محنت مزدوری ہو اس میں آدمی چاق و چوبند ہو اور حصول رزق کے لئے چلت پھرت کر رہا ہو، اور یہ چاہے بیوی بچوں کے لئے ہو یا بوڑھے ماں باپ کے لئے ہو یا خود اپنی حلال باعزت روزی کے لئے ہو تو یہ سب فی سبیل اللہ میں شامل ہے۔

جو لوگ دین کو سنیاسیوں اور تارک الدنیا لوگوں کے ڈھنگ پر لاتے ہیں، وہ دین کی تفسیر و تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ ترک دنیا کی طرف لوگوں کا جھکاؤ ہونے لگتا ہے لیکن اس حدیث شریف کے سامنے آنے سے معلوم ہوا کہ ان کا طریقہ صحیح نہیں ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ مال و دولت کے حصول میں یہ نیت ہو کہ آدمی اپنی اور اپنے اہل خانہ کی ضرورت پوری کرے گا اور خیر خیرات، صدقہ زکوٰۃ ادا کرے گا مال کو رضائے الٰہی کے کاموں میں خرچ کرے گا ایسا نہ ہو کہ لوگوں پر بڑائی اور فخر کرنے یا دکھاوے کے لئے مال و دولت حاصل کرے اگر اپنی مالداری کی نمائش کرتا پھرے تو واقعی یہ شخص شیطان کی راہ میں ہے۔

سب سے نچلے درجہ کا مفلس اور کنگال

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ لوگوں نے کہا ہم میں مفلس وہ ہے جس کے پاس درہم یعنی روپیہ پیسہ اور کوئی سامان نہ ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ، زکوٰۃ لے کر

(باقی ص۴۵ پر)

مطالعہ کی میز

تبصرے کیلئے کتابوں کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے!

● محمد شاہد ندوی بارہ بنکوی

نام کتاب: دروس من القصص القرآنی (نصوص وتدریبات)
تالیف: ڈاکٹر حمید عالم ندوی
صفحات: ۱۲۲، سائز ۱۸×۲۲/۸ قیمت ۳۲/- روپئے
ملنے کا پتہ: مکتبہ اسلام ۵۴/۴۷، احمد علی بین گوئن روڈ لکھنؤ

قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے عربی زبان کا سیکھنا بہت ضروری ہے لہٰذا جو کتابیں عربی زبان کو سیکھنے میں معاون ہوں ان سے ضرور استفادہ کرنا چاہیئے۔

پیش نظر کتاب ایک ہی وقت میں قرآن پاک کو سمجھانے، فن تفسیر سے شغف پیدا کرنے، عربی زبان وادب سکھلانے اور عربی زبان بولنے سمجھنے اور پڑھنے، لکھنے میں ایک مفید کتاب ہے۔

یہ کتاب دس اسباق پر مشتمل ہے، ہر سبق سے پہلے اس کے کچھ مقاصد بیان کیے گئے ہیں قرآنی آیات (قرآنی قصوں) کو مکالمہ کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ مشکل الفاظ کی عربی زبان میں اجمالی تشریح کی گئی ہے پھر تمرینوں کے ذریعہ درس کو مکمل طور پر ذہن نشیں کرانے کا طریقہ بتایا گیا ہے اور عربی قواعد بھی بتائے گئے ہیں۔

یہ کتاب مدارس اسلامیہ اور یونیورسٹیوں کے نصاب تعلیم میں داخل کیے جانے کے قابل ہے

نام کتاب: اسلام، ایمان اور احسان کا بیان
مرتب: ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی۔
ملنے کا پتہ: مکتبہ ندویہ پوسٹ بکس ۹۳ ندوۃ العلماء لکھنؤ

حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس کے اندر تین باتیں ہوتی ہیں وہ ایمان کی حلاوت سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی محبت ہر چیز سے زیادہ ہو۔ دوسرے یہ کہ جس سے بھی محبت کرے اللہ کے لئے محبت کرے۔ تیسرے یہ کہ آگ میں ڈالے جانے کو پسند کرے مگر کفر میں لوٹنا پسند نہ کرے۔

اس کتاب میں ایمان وعقائد احسان، نماز روزہ، زکوٰۃ، حج کے بارے میں تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہوئے فاتحہ ومیلاد کی حقیقت، قبر پرستی عرس اور تعزیہ داری کی قباحت اور اتحاد بین المسلمین کی اہمیت وضرورت پر ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی صاحب نے روشنی ڈالی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ہر کام قرآن وسنت کے مطابق کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مجموعی طور پر یہ کتاب عوام وخواص سب کے لئے مفید ہے۔

نام کتاب: راہِ عمل
تالیف: مولانا رضوان احمد قاسمی ندوی
صفحات: ۱۰۵، سائز ۱۸×۲۲/۸، قیمت ۱۵/- روپئے
ملنے کا پتہ: رحمانیہ اکیڈمی جمال پور بیرول دربھنگہ (بہار)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ بہترین کتاب اللہ کی کتاب ہے اور بہترین راستہ میرا راستہ ہے اور بدترین چیزیں وہ ہیں جو دین میں نئی نکالی جائیں اور ہر نئی چیز گمراہی ہے۔

زیر نظر کتاب میں ایمان وعمل اور اخلاق وعادات سے متعلق مختلف آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کی آسان فہم انداز میں تشریح کی گئی ہے۔ اگر ترجمہ اور تشریح سے پہلے آیات واحادیث کا متن بھی ہوتا تو زیادہ بہتر ہوتا۔

یہ کتاب اہل علم اور عوام وخواص سب کے لئے مفید ہے،

نام کتاب: روشنی کی طرف
تالیف: محمد شہاب الدین قاسمی
صفحات: ۱۵۷، سائز ۱۸×۲۲/۸، قیمت درج نہیں۔
ملنے کا پتہ: دارالکتاب دیوبند، سہارنپور (یو۔پی)

پیش نظر کتاب میں چھبیس ۲۶ مشہور عیسائی مبلغین پادریوں اور راہبات کے قبول اسلام کے حوالے سے انٹرویوز ہیں جو انھوں نے اسلام کا طویل مطالعہ اور اس کو قبول کرنے کے بعد عالم اسلام کے مختلف اخبارات ورسائل خصوصاً رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے ترجمان اخبار "العالمی الاسلامی" کو دیئے ہیں جن میں عیسائیت اور عیسائی مشنریوں کی سرگرمیوں کا علمی، تاریخی اور تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے جو یقیناً آئندہ حق کے متلاشیوں کے لئے مشعل راہ ثابت ہوگا۔

باری تعالیٰ صراط مستقیم سے بھٹکے ہوئے لوگوں کے لئے اس کتاب کو حقیقی معنیٰ میں سراپا روشنی بنادے۔

نام کتاب: روشن لکیریں۔
مصنف: شمیم طارق، صفحات: ۱۲۸، قیمت ۱۵۰/- روپئے
ملنے کا پتہ: روزنامہ ہندوستان، مولانا آزاد روڈ ممبئی ۴۰۰۰۰۸

شمیم طارق ممبئی کے مختلف اخبارات سے وابستہ رہے ان کی تحریریں اپنی گوناگوں خوبیوں کی بنا پر لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرتی رہی ہیں۔

زیر نظر کتاب "روشن لکیریں" شمیم طارق صاحب کے اداریوں کا مجموعہ ہے جس میں بیسویں صدی کے نصف آخر کی اردو صحافت کے معیار ومسائل کا تجزیہ اور اکیسویں صدی کے ذہن، ذوق اور زبان سے ہم رشتہ علمی سیاسی، تہذیبی، اقتصادی، اور تاریخی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

قیمت صرف پچاس ۵۰/- روپئے ہونی چاہیئے۔

مولانا علی میاں کی رحلت سارے عالم اسلام کا عظیم نقصان ہے

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے شعبہ عربی کے زیر اہتمام منعقدہ جلسہ تعزیت میں طلبہ و اساتذہ نے مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کو ہندوستان اور عالم اسلام ہی نہیں بلکہ ساری علمی دنیا کا ناقابل تلافی نقصان قرار دیا۔

ناظم جلسہ، صدر شعبہ عربی پروفیسر شفیق احمد خاں ندوی نے پرنم آنکھوں کے ساتھ مولانا کے ایثار و اخلاص کے چشم دید واقعات بیان کئے اور کہا کہ صدی کے اختتام پر مولانا کی زندگی کا خاتمہ علمی صدی کا خاتمہ ہے ان کی شخصیت نہایت جامع ہمہ گیر اور معتدل تھی. وہ ایک معلم، مربی اور مصلح انسانیت تھے اور اخلاص و ایثار کی صف میں بے مثل تھے۔ تعلیم و تدریس اور درسی کتابوں کی تیاری سے لے کر عام تصنیف و تالیف دعوت و تبلیغ، اصلاح و تعمیر اور تحریک پیام انسانیت کی تاسیس و تعمیر تک ہر جگہ خاموش خدمت ہی کرتے رہے اور فروعی مسائل میں کبھی نہ الجھے لیکن جب کبھی اصولی مسائل کی بات آئی اور ملت اسلامیہ کی عزت پر زد پڑی تو خاموشی اور گوشہ نشینی کے دامن سے نکل کر حق گوئی و بے باکی کی شاہراہ پر نکل کر بولے،

پروفیسر سید ضیاء الحسن ندوی نے مولانا سے اپنی شاگردی اور رفاقت کی سرگذشت سنائی اور ان کی مہارت تدریس اور حسن تربیت کے واقعات بیان کئے۔ ڈاکٹر نورالاسلام صدیقی نے مولانا کے عمومی اوصاف حمیدہ بیان کئے۔ پروفیسر شبیث محمد اسماعیل اعظمی نے مولانا کے علمی کمالات پر روشنی ڈالی اور ان کی منقبت میں لکھی ہوئی اپنی تازہ بہ تازہ نظم سنائی۔ ڈاکٹر اکرام احمد خاں نے مولانا کی تصانیف کو نقوش جاوداں اور منارہ ہدایت قرار دیا۔ ڈاکٹر سید خالد علی حامدی نے مولانا کے علمی مقام اور اسلوب نگارش کی خوبی کا تذکرہ کیا۔ ڈاکٹر محمد ایوب ندوی نے مولانا کی میزبانی اور مہمان نوازی کی توصیف کی۔ پروفیسر زبیر احمد فاروقی نے علامہ ندوی کو یادگار سلف بتاتے ہوئے ان کے اعتدال و میانہ روی اور ہر طبقہ میں مقبولیت کو قابل تقلید نمونہ قرار دیا۔

پروفیسر سید محمد اجتبا ندوی نے مولانا مرحوم کے ادبی ذوق، عربی مزاج اور اسلوب بیان کی جدت، ندرت، دلکشی اور عصریت کی جلوہ گری پر گفتگو کی اور مثالوں سے وضاحت کی۔ صدر جلسہ، ڈین فیکلٹی آف ہیومینیٹیز اینڈ لینگویجز پروفیسر نوازش علی خاں نے مولانا کی حق گوئی و بے باکی اور تاریخی و علمی بصیرت پر روشنی ڈالی اور علمی دنیا کو ان کے مختلف پہلوؤں پر تحقیق و ریسرچ کرانے اور باقی ماندہ کاموں کو مکمل کرنے کی تلقین کی۔

● ممتاز عالم دین حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے انتقال پر اپنے دلی جذبات اور احساسات کا اظہار کرتے ہوئے اورینٹل سوسائٹی کے سکریٹری جنرل پروفیسر نثار احمد فاروقی نے ایک بیان میں کہا کہ حضرت مولانا علی میاں نے ایک مرد مومن کی پاکیزہ زندگی کا سچا اور جیتا جاگتا نمونہ پیش کیا۔ وہ عالم دین بھی تھے عارف بھی، مصلح اور مذکر بھی تھے، مورخ اور مفکر بھی، معلم اور محقق بھی تھے، داعی اللہ بھی۔ وہ صوفی اور درویش بھی تھے اور حکیم الامت بھی۔ ان کا ذوق شعر و ادب، عربی زبان و ادب پر ان کی حاکمانہ قدرت، اسلامیات کی تعلیم عام کرنے میں ان کی خاموش، وسیع اور موثر خدمات، ان کی بے داغ سیرت، توکل علی اللہ، قناعت، سادگی، تعلق مع اللہ، سیر چشمی، سخاوت، ملت کے سیاسی اور مذہبی مسائل حل کرنے میں ان کی بصیرت اور فراست ان کا جہاد باللسان اور جہاد بالقلم، ان کی جرأت و ہمت، صبر و تحمل اور فکر و تامل، اپنے تلامذہ و متعلقین و مسترشدین کی کردار سازی اور تربیت میں ان کا

رحلت سارے عالم اسلام کا عظیم نقصان ہے، ہندوستان کے مسلمان تو ان کا سایہ اٹھ جانے سے یتیم ہوگئے ہیں. نہایت موثر حصہ، غرض نہ جانے کیا کیا خوبیاں یاد آئیں گی اور کن کن صفات کو اب یہ نگاہیں تلاش کیا کریں گی۔

پروفیسر نثار احمد فاروقی نے کہا: میرا علم اور مطالعہ نہایت محدود ہے مگر مجھے اس بات پر شرح صدر ہے کہ عہد تابعین اور تبع تابعین کے بعد امت مسلمہ میں ایسی جامع صفات و کمالات شخصیات بس انگلیوں پر ہی گنی جاسکتی ہیں، اور حضرت مولانا علی میاںؒ تو اپنی بعض خصوصیات میں قطعاً منفرد ہیں۔

پروفیسر فاروقی نے کہا کہ مولانا علی میاںؒ کی

جا ملے رب سے بوالحسن ندوی

● ڈاکٹر عابد سلی شعلہ لکھنوی

چراغ بجھ گیا فکر و شعور و دانش کا
زمانہ آہ! اجالوں سے ہوگیا محروم
جہاں سے ہو گئے رخصت علی میاں ندوی
قلم میں تاب نہیں جو انھیں لکھے مرحوم
جا ملے رب سے بوالحسن ندوی
علم و حکمت کے تھے جو ماہِ تمام
ظلم یہ بیسویں صدی نے کیا
اٹھ گیا تھا جو مردِ خوش انجام
مرد مومن تھے مرد کامل تھے
سب سے بڑھ کر کے ایک عالم تھے
خوبیاں کیا بتائیں حضرت کی
دوسروں کے غموں میں شامل تھے
شعلہ کیسا یہ سانحہ گزرا..
علم دیں کا پیامبر نہ رہا
ناز تھا جس پہ اہلِ دانش کو
آج وہ نقش معتبر نہ رہا

محمد طارق ندوی

سوال و جواب

س :۔ ایک شخص امام ہے جس کی زوجہ بے پردہ گھومتی ہے اور مذکور شخص روکنے کے بجائے اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے تو ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

ج :۔ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے، اس لئے اگر کوئی اس سے اچھا دیندار شخص امامت کے لئے مل جائے تو بہتر ہے۔

س :۔ ایک امام صرف امامت کے لئے مقرر کیا گیا ہے، لیکن متولی صاحب اس پر دباؤ ڈالتے ہیں کہ وہ ہر وقت مسجد ہی میں رہے متولی کا مذکور فعل از روئے شرع کیا حکم رکھتا ہے

ج :۔ ایسی پابندی ظلم و زیادتی ہے اور ناجائز ہے۔

س :۔ بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ سجدہ میں جاتے ہوئے پائجامہ کو اوپر کھینچتے ہیں ایسا کرنا کیسا ہے؟

ج :۔ ایسا کرنا بلا ضرورت مکروہ ہے۔

س :۔ قبرستان میں جھوپڑے بنانا کیسا ہے؟

ج :۔ وقف قبرستان میں رہائشی جھونپڑے بنانا جائز نہیں ہے۔

س :کیا ایک شخص بلا عذر دوسرے سے نفلی حج کرا سکتا ہے؟

ج :۔ ہاں! مذکور شخص بلا عذر دوسرے سے نفلی حج کرا سکتا ہے۔

س :۔ کسی کے ذمہ مسجد کے حقوق ہوں رقم وغیرہ ہو کیا متولی اس کو معاف کر سکتا ہے؟

ج :۔ متولی کو معاف کرنے کا حق نہیں ہے۔

س :۔ کیا مہر حیثیت سے زیادہ نہ ہونا چاہئے؟

ج :۔ مہر اتنا ہی مقرر کرنا چاہئے جتنا شوہر آسانی سے ادا کر سکے، عام طور پر مہر زیادہ مقرر کرنے کی دو صورتیں ہوتی ہیں ایک فخر و نمائش کی، دوسرے شوہر عورت کو طلاق نہ دے سکے اور یہ دونوں وجہیں عقلاً اور شرعاً غلط ہیں۔

س :۔ دو شخص اپنے لڑکوں یا لڑکیوں کا نکاح اس شرط کے ساتھ کریں کہ ہر ایک دوسرے کی لڑکی کو اپنے لڑکے سے نکاح کر دے اور یہ تبادلہ ہی مہر سمجھا جائے تو کیا یہ درست ہے؟

ج :۔ اس نکاح کو نکاح شغار کہتے ہیں حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے لیکن اگر کسی نے اس طرح نکاح کر لیا تو نکاح ہو جائے گا اور دونوں کو اپنی بیویوں کو مہر مثل ادا کرنا ہوگا۔

س :۔ کیا اذان ٹھہر ٹھہر کے کہنا چاہئے اور اقامت میں جلدی کرنا چاہئے؟

ج :۔ ہاں! اذان ٹھہر ٹھہر کے کہے اور اقامت میں جلدی کرے۔

س :۔ فجر کی نماز کے بعد سورج نکلنے تک نفل پڑھنا کیسا ہے؟

ج :۔ فجر کی نماز کے بعد سورج نکلنے تک نفل پڑھنا مکروہ ہے۔

س :۔ اگر کوئی شخص ثواب کی نیت سے میت کی تجہیز و تکفین کرنا چاہتا ہے تو کیا کر سکتا ہے؟

ج :۔ وارثوں کی مرضی کے بغیر نہیں کر سکتا ہے، وارثوں کو یہ پیش کش قبول کرنے یا نہ کرنے کا حق ہے۔

س :۔ لاوارث کی تجہیز و تکفین کس کے ذمہ عائد ہوتی ہے؟

ج :۔ ایسی میت کی تجہیز و تکفین جس کا نہ کوئی وارث ہو اور نہ رشتہ دار ہو اسلامی حکومت پر یا جہاں اسلامی حکومت نہ ہو تو محلہ یا بستی کے لوگوں پر واجب ہے

س :۔ درود شریف نہ پڑھنے سے نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

ج :۔ نماز ہو جائے گی، کیونکہ درود شریف پڑھنا سنت ہے، اور سنت کے ترک سے نماز ہو جاتی ہے، مگر سنت کے ترک کی وجہ سے کراہت لازم ہو گی۔

س :۔ اذان کے وقت وضو کرنا کیسا ہے؟

ج :۔ اگر وقت میں گنجائش ہو تو اذان کا جواب دے، پھر وضو کرے اور اگر گنجائش نہیں تو اذان کی حالت میں وضو کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

دعائے مغفرت

● مولانا نیاز احمد صاحب ندوی استاذ حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء کی والدہ محترمہ یکم رمضان المبارک سنہ ۱۴۴۲ھ کو بعد نماز جمعہ اپنے رب کریم کی آغوش رحمت میں پہونچ گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔
مرحومہ صوم وصلوٰۃ کی پابند صالح خاتون تھیں،

● دار العلوم ندوۃ العلماء کے استاذ مولانا محمد شاہد علی ندوی کی والدہ کا ۱۸ جنوری سنہ ۲۰۲۱ء مطابق ۱۱ شوال سنہ ۱۴۴۲ھ کو اچانک حرکت قلب بند ہو جانے کے باعث تقریباً پچاس سال کی عمر میں انتقال ہو گیا

● مولانا حبیب اللہ ندوی رانچوی کے والد ماجد کا ۱۳ جنوری سنہ ۲۰۲۱ء کو حرکت قلب بند ہو جانے سے اچانک انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

قارئین کرام سے دعاء مغفرت و ایصال ثواب کی درخواست ہے۔

عالمی خبریں

معید اشرف ندوی

● سعودی عرب ٹیلی ویژن نے چیچنیا کے مظلوم مسلمانوں کی امداد کے لئے ایک مہم شروع کی اور صرف ۴۸ گھنٹوں کے دوران ۷۰ ملین سعودی ریال (۱۳۔۵۳) ملین ڈالر اکٹھے کئے۔ ٹیلی ویژن پر طویل نشریات کا اہتمام مشترکہ طور پر سعودی ریلیف کمیٹی برائے کوسوو اور چیچنیا نے کیا۔ امدادی رقم کی بڑی مقدار ۱۸ ہزار، سو ۵، ملین سعودی ریال شاہ فہد نے عطیہ کی جبکہ وزیر داخلہ شہزادہ نائف اور ریاض کے گورنر شہزادہ سلمان نے ۳ ملین سعودی ریال کا عطیہ دیا۔ ٹیلی ویژن کی اپیل پر خواتین نے اپنے زیورات اور بچوں نے اپنا جیب خرچ عطیہ کر دیا۔ بعض مخیر حضرات جن میں ۱۰ ملین سعودی ریال دینے والا ایک شخص بھی شامل ہے اپنی شناخت بتانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ رقم عطیہ کے طور پر دی ہے اور چیرمین عرب گلف فنڈ شہزادہ طلال نے ۳ لاکھ ۷۵ ہزار سعودی ریال دینے کا اعلان کیا۔

● امریکہ کے کنزرویٹوری پبلکن صدر ریگن کے دور (۱۹۸۸ء) میں سپریم کورٹ کے منصب پر فائز ایک جج انتھونی کینیڈی نے ریاست ورجینیا اور ریاست کیلیفورنیا کے طلبہ کے مشترکہ گروپ سے نہ صرف خطاب کیا بلکہ ان کے سوالات کے جوابات بھی دیئے، انھوں نے منشیات سے لے کر نسل پرستی، تعصب اور امریکی تاریخ کے علاوہ آنے والی صدی کے بارے میں کھل کر دلچسپ انداز میں گفتگو کی۔ نئی صدی کے حوالے سے یہ کہا کہ اگلی صدی میں کوئی چاہے یا نہ چاہے امریکی اور مغربی دنیا کو مسلم ممالک سے تعلقات قائم کرنے پڑیں گے۔ یہ تصور بالکل غلط ہے کہ مسلمان جاہل، غیر مہذب اور محض پاگلوں کا ٹولہ ہیں بلکہ وہ انتہائی ذہین، روشن خیال لوگ ہیں ایک عظیم تہذیب ان کا ورثہ ہے اور ان کا قانونی نظام اور روایات بڑی شاندار ہیں اگلی صدی میں دنیا کو ان سے سابقہ پڑے گا اور یہ ایک بڑا چیلنج ہے۔ انھوں نے کہا کہ اب وقت آگیا ہے کہ اہل مغرب ان سے ڈائیلاگ کا آغاز کریں۔ جسٹس انتھونی کینیڈی کا نوجوان طلباء سے یہ خطاب امریکہ کے کیبل ٹیلی ویژن (C-SPAN) نے ملک بھر میں کئی بار نشر کیا۔

● سپریم کورٹ آف پاکستان کی شریعت اپیلٹ بنچ نے اس صدی کا سب سے اہم اور دور رس نتائج کا حامل انقلابی فیصلہ ۱۴ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ کو صادر کر دیا۔ اس تاریخ ساز فیصلے کی رو سے پاکستان میں ہر قسم کے اور ہر صورت میں ظاہر اور پوشیدہ یا ملفوف سود اور سودی کاروبار کو قرآن و سنت کے منافی قرار دیدیا ہے اور اس وقت رائج آٹھ قوانین کو مارچ ۲۰۰۱ء تک ختم کرنے اور بلا سود اقتصادی نظام متعارف کرانے کا واضح اور دو ٹوک حکم جاری کیا ہے۔ اس فیصلے سے سود سے پاک معیشت کے قیام کی راہ ہموار ہوگئی ہے۔ جناب جسٹس خلیل الرحمٰن، جناب جسٹس منیر اے شیخ، جناب جسٹس وجیہہ الدین احمد اور جناب جسٹس مولانا تقی عثمانی پر مشتمل سپریم کورٹ کے شریعت اپیلٹ بنچ نے وہاں کی تاریخ کے ۵۲ برس میں صادر کئے گئے طویل ترین تحریری فیصلے میں حکومت اور بینکوں کی ان اپیلوں کو خارج کر دیا ہے جو سود اور سودی کاروبار کو قرآن اور سنت کے منافی قرار دینے والے وفاقی شریعت کورٹ کے فیصلے کو تبدیل کرانے کی غرض سے اس کے خلاف دائر کی گئی تھیں۔ وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کو برقرار رکھتے ہوئے فاضل سپریم کورٹ نے مالیاتی نظام کو اگلے دو ماہ میں شریعت کے مطابق ڈھالنے کا حکم دیا ہے اور اس کام کے لئے اسٹیٹ بینک کو ہدایت کی ہے کہ وہ ایک اعلیٰ سطحی کمیشن قائم کرے جو عدالت عظمیٰ کے فیصلے پر عملدرآمد کا طریق کار وضع کرے۔ مالیاتی اداروں کو بھی یہ ہدایت کی گئی ہے کہ وہ چھ ماہ میں ماڈل پراجیکٹ بنائیں۔ عدالت عظمیٰ نے بینکاری کے اسلامی طریقوں کو اپنانے کو فائدہ بخش قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ دنیا کے دو سوداروں میں متبادل نظام کی موجودگی میں پاکستان میں کسی بھی شکل کے سودی کاروبار کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ اسلامی مالیاتی نظام کی تشکیل اور قانون سازی کے لئے ایک ماہ میں ٹاسک فورس بنانے کا حکم صادر کرتے ہوئے سپریم کورٹ کی شریعت بنچ نے جن رائج سودی قوانین کو ۳۱ مارچ ۲۰۰۰ء سے کالعدم قرار دیا ہے ان میں سود کا ایکٹ شامل ہے اس کے علاوہ اس فیصلے کی رو سے ایسے تمام ہی قوانین کی دفعات جو اسلامی شریعت کے احکام سے متصادم پائی اور منافی قرار دی گئی ہیں، ۳۰ جون ۲۰۰۱ء سے کالعدم تصور کی جائیں گی۔ یقیناً یہ فیصلہ سود کی لعنت سے نجات دلانے میں کلیدی کردار ادا کرے گا۔

دعائے مغفرت

دار العلوم ندوۃ العلماء کے گیٹ کیپر شریف الحسن کا مورخہ ۱۴ دسمبر ۱۹۹۹ء کو حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے انتقال ہوگیا۔ قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

اس میں کچھ شک نہیں کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر دین کا ایسا زبردست رکن ہے جس سے دین کی تمام چیزیں وابستہ ہیں اس کو انجام دینے کے لئے حق تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا اگر خدانخواستہ اس کو بالائے طاق رکھ دیا جائے اور اس کے علم وعمل کو ترک کر دیا جائے تو انبیاء علیہم السلام کی بعثت بے مقصد ثابت ہو جائے گی۔ دیانت جو شرافت انسانی کا خاصہ ہے مضمحل اور افسردہ ہو جائے گی اور ضلالت کی شاہراہیں کھل جائیں گی۔ جہالت عالمگیر ہو جائے گی، مخلوق تباہ وبرباد ہو جائے گی اور اس تباہی اور بربادی کی اس وقت خبر ہوگی جب روز محشر کو خدائے بالاتر کے سامنے پیشی اور باز پرس ہوگی۔

افسوس صد افسوس! جو خطرہ تھا وہ سامنے آ گیا، جو کھٹکا تھا آنکھوں نے دیکھ لیا "وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا" اس سربز ستون کے علم وعمل کے نشانات مٹ چکے اس کی حقیقت ورسوم کی برکتیں نیست ونابود ہو گئیں، لوگوں کی تحقیر وتذلیل کا سکہ قلوب پر جم گیا، خدائے پاک کے ساتھ قلبی تعلق مٹ چکا، روئے زمین پر ایسے صادق مومن کا ملنا دشوار وکمیاب ہی نہیں بلکہ معدوم ہو گیا، جو اظہار حق کی وجہ سے کسی کی ملامت گوارا کرے۔

اگر کوئی مومن اس تباہی اور بربادی کے ازالہ میں سعی کرے اور اس سنت کے احیاء میں کوشش کرے اور اس مبارک بوجھ کو لے کھڑا ہو اور آستین چڑھا کر اس سنت کو زندہ کرنے کے لئے میدان میں آئے۔ تو یقیناً وہ شخص تمام مخلوق میں ایک ممتاز اور نمایاں ہستی کا مالک ہوگا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

(بحوالہ: فضائل اعمال۔ مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج صلا)

Regd No. LW/NP56
Fax No.: (0522)330020

FORTNIGHTLY

Principal off : 372336
Guest House : 323864

TAMEER-E-HAYAT

NADWATUL-ULAMA, LUCKNOW-226 007 (India)

Rs 12/-

لکھنؤ

تعمیر حیات

پندرہ روزہ

مسلمان جہاں رہیں عقیدۂ توحید کے ساتھ رہیں

جو قومیں اپنے مخصوص تمدن سے محروم کردی جاتی ہیں، ان کا دین ان کی عبادت گاہوں، ان کی شب کی خلوتوں اور ان کی عبادت کے طریقوں کے اندر محدود ہو کر رہ جاتا ہے، پھر رفتہ رفتہ اس کا رشتہ زندگی سے کٹ جاتا ہے، اس لئے ایک صاحب شریعت ملت کے لئے جہاں یہ ضروری ہے کہ اپنے امتیازی عقائد اور اپنی عبادات کے ساتھ رہے۔ وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنی مخصوص معاشرت و تمدن کے ساتھ رہے، اس لئے کہ ہمارے دین کا اصول یہ نہیں کہ "جو خدا کا ہے وہ خدا کو دیدو" اور "جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دیدو" اور مذہب ایک پرائیویٹ معاملہ ہے، اس کا تعلق باہر کی زندگی سے نہیں ہے۔"

جو ملتیں اپنی مخصوص معاشرت اور تمدن کے سانچوں سے محروم رہ گئیں، ملل و ادیان کی تاریخ بتاتی ہے کہ وہ ملتیں برائے نام ان ادیان سے وابستہ رہیں۔ مذہب کی گرفت ان کے اوپر سے ڈھیلی ہوتے ہوتے بالکل چھوٹ گئی، اور وہ آزاد ہوگئیں، ان کے اندر الحاد اور اپنے مذہب سے بغاوت پیدا ہوئی۔ اس لئے ہم مسلمانوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم جہاں رہیں عقیدۂ توحید کے ساتھ رہیں، ایمان بالمعاد، شریعت کے اتباع بلکہ سنت کے اتباع کے شوق اور جذبہ کے ساتھ رہیں، جاہلیت سے (خواہ وہ ہمارے اندرون ملک کی جاہلیت ہو یا باہر کی جاہلیت ہو) جاہلیت قدیمہ ہو، جاہلیت مغربیہ ہو، جاہلیت علمیہ ہو، جاہلیت فکریہ ہو، یا جاہلیت خلقیہ ہو۔ ہر قسم کی جاہلیت سے دور اور محفوظ رہیں ـــــ جہاں سروں کا شمار ہوتا ہے، سینوں کا اور دلوں یا صلاحیتوں کا شمار نہیں ہوتا، وہاں ایسی ملت کے لئے بڑی پیچیدگی اور بڑی نزاکت ہے، اگر اس نے اپنی بنیادی دینی خصوصیات سے ذرا بھی دستبرداری اختیار کی، اور ذرا بھی تساہل برتا، اپنے کسی عقیدہ میں مفاہمت یا سودا کرنے کا طرز عمل اختیار کیا، یا "وحدت ادیان" اور "ہمہ اوست" کے چکر میں پڑ گئی یا اس نے یہ منظور کر لیا کہ ہم نماز پڑھیں گے لیکن مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے اور بلند آواز سے اذان دینے سے دستبردار ہوتے ہیں تو پھر وہ ملت رفتہ رفتہ اکثریت کے مذہب اور تہذیب میں تحلیل ہو کر رہ جائے گی۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نوراللہ مرقدہ

(خطبات مفکر اسلام ص ۳۳۵)

۱۰ر فروری ۲۰۰۰ء | سالانہ ۱۳۰ روپے | فی شمارہ ۶ روپے

تعزیت نامہ مفکر اسلام عالم ربانی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نوراللہ مرقدہ

کاملؔ جائسی

حمد خدائے پاک سے کرتے ہیں ابتدا — کرتے ہیں اس کے بعد شہ دیں کی ہم ثنا
جس وقت لائے اپنے تصور میں اس کو ہم — چلنے سے پہلے رو دیا قرطاس پہ قلم
بائیس ماہ رمضاں مبارک جمعہ کا دن — بعد زوال پورا ہوا اصفا کا دن
قرآن پڑھتے پڑھتے وہ خاموش ہوگیا — رحمت کے جاکے سائے میں رو پوش ہوگیا
گونجی خبر یہ ہوگیا ہر سمت پُر ملال — سید ابوالحسن علی ندویؒ کا انتقال
تاریکیوں میں غرق ہوا ایسے میں یہ جہاں — صد حیف آج ہوگئی گل شمع ضوفشاں
عرب و عجم کی آج زمیں سوگوار ہے — شمس و قمر اداس فلک اشکبار ہے
تکیہ کی روح رونق ندوہ چلا گیا — ہمراہ اپنے لے کے اجالا چلا گیا
حاصل تھا اس کو علم و فراست میں وہ کمال — اس دور میں نظیر نہ جس کی کوئی مثال
علم و ادب میں تھا اسے حاصل جہاں کمال — اس دور میں وہ بے نظیر مورخ بھی بے مثال
ملت کے اتحاد میں کوشاں تھا صبح و شام — انسانیت کا دے گیا دنیا کو وہ پیام
اہل زبان اہل قلم صاحب نظر — دانائے راز راہ طریقت سے با خبر
مسکیں نواز اور سلاطیں کا ہم نشیں — رفعت میں وہ فلک تھا تواضع میں خاک میں
روشن وہ اک چراغ تھا بیت بتول کا — حسنی نسب تھا عاشق شیدا رسول کا
شبنم کی طرح نرم تھا اپنوں پہ تھا نثار — باطل کے حق میں رہتا تھا ہر وقت شعلہ بار
موڑا نہ اپنا رخ کسی طاقت کے سامنے — سر خم ہوا نہ اس کا حکومت کے سامنے
جنتی گیا ہے اپنی تصانیف چھوڑ کر — رشتہ خدا سے اس میں کیا ہے وہ جوڑ کر
خدمت میں جاتا مصلح امت کی بار بار — آتا تھا اس کے قلب حزیں کو جہاں قرار
کرتا تھا دل سے حضرت احمد کا احترام — کرتا تھا آکے صابری منزل میں وہ قیام
حضرت بھی تکیہ ندوہ کا کرتے رہے سفر — دراصل باہمی یہ محبت کا تھا اثر
اللہ پاک دونوں ہی کا فیض بے بہا — ہم سب کو اپنے فضل و کرم سے کرے عطا
تکیہ کلاں میں دفن وہ ہوتا ہے خوش نصیب — پہلو میں یعنی شاہ علم اللہ کے قریب
تکیہ میں اک نماز جنازہ پڑھی گئی — حرمین میں بھی دوسری اس کی ادا ہوئی
اپنا بنا کے حضرت رابع کو جانشیں — رخصت ہوا جہاں سے وہ فردوس کا مکیں
اللہ پاک حضرت رابع کا مرتبہ — صبح و مسا بلند کرے دل سے ہے دعا
دریائے فیض آپ کا ہر سمت ہو رواں — سیراب ان کے فیض سے ہوتا رہے جہاں
صبر جمیل کر عطا پسماندگان کو — اجر عظیم کر عطا اس خاندان کو

خلد بریں میں اعلیٰ جگہ اس کو کر عطا
کرے قبول اے خدا کاملؔ کی یہ دعا

پردہ پوشی

اگر تم نے اپنے بھائی کے اندر کوئی عیب دیکھا، اور اسے چھپایا تو تم نے اس کے ساتھ خیانت کی، اور اس کے علاوہ کسی اور سے کہا تو غیبت کی، اور اگر سب کے سامنے اس سے کہا تو تم نے اسے رسوا اور دہشت زدہ کردیا، تو لوگوں نے اس حکیم سے پوچھا کہ پھر ہم کیا کریں، تو اس نے جواب دیا کہ اسے اشاروں، کنایوں میں کہو اور اس کا نام نہ لو، بلکہ بر سبیل تذکرہ اسے بیان کردو۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پندرہ روزہ لکھنؤ

تعمیر حیات

مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۳۷ — شمارہ نمبر ۷

۱۰ فروری — مطابق — ۴ ذیقعدہ ۱۴۲۰ھ

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ ۱۳۰/ روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں ———

زر تعاون

سالانہ ——— ۱۳۰/ روپئے
فی شمارہ ——— ۶/ روپئے
بیرونی ممالک فضائی ڈاک ———
ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک ۳۰ ڈالر
بیرونی ممالک بحری ڈاک ———
بحری ڈاک جملہ ۱۵ ڈالر

خط و کتابت کا پتہ

منیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس نمبر ۹۳
ندوۃ العلماء لکھنؤ، ۲۲۶۰۰۷ یوپی
ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں ———

گذارش

خط و کتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کے ساتھ مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں۔ خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے (منیجر)

پرنٹر پبلشر شاہد حسین نے پاکیزہ آفسٹ میں طبع کرکے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا

اِس شُمارے میں

شرائط ایجنسی

۱۔ پانچ کاپی سے کم کی ایجنسی جاری نہیں کی جاتی۔
۲۔ فی کاپی Rs. 15/= کے حساب سے زر ضمانت روانہ کرنا ضروری ہے۔
۳۔ کمیشن جوابی خط سے معلوم کریں۔

نرخ اشتہار

۱۔ تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر اندرونی صفحہ = Rs. 30/=
۲۔ تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر پشت پر رنگین صفحہ = Rs 40/=
۳۔ کمیشن تعداد اشاعت کے مطابق ہوگا جو آرڈر دینے پر متعین ہوگا۔
۴۔ اشتہار کی نصف رقم پیشگی جمع کرنا ضروری ہے۔

بیرون ملک نمائندے

مدینہ منورہ	Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb. P O Box No 842, Madina Munawwara (K S A)
برطانیہ	Mr. M. AKRAM NADWI O C I S , St Cross College, Oxford Ox1 3TU-U K
ساؤتھ افریقہ	Mr. M. YAHYA SALLO NADWI Sb. P O Box 388, Vereninging,(S Africa)
قطر	Mr. ABDUL HAI NADWI Sb. P O Box No 10894, DOHA-QATAR
دبئی	Mr. QARI ABDUL HAMEED NADWI Sb. P O Box No 12525, DUBAI (U A E) P.H NO: — 3970927
پاکستان	Mr. ATAULLAH Sb. Sector A-50, Near sau Quater H. No. 109, Town Ship Kaurangi KARACHI-31 (Pakistan)
امریکہ	Dr. A. M. SIDDQUI Sb. 98-Conklin Ave, Woodmere NEW YORK 11598 (U S A)

اداریہ

سب سے بڑی وراثت

حضرت مخدوم و مربی مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی۔ اللّٰھم قدّس روحہٗ و نوّر قبرہٗ۔ کی وفات کو مہینہ سے زائد دن گذر چکے ہیں اس واقعہ کا اثر دنیا پر کیا پڑا اس کو بیان کرنے کے لئے مبالغہ بیانی، سخن سازی کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ جو اطلاعات دنیا بھر کے اخبارات سے، معاصرین کے بیانات سے، رسائل و مجلات کے اداریوں اور مقالات سے حاصل ہوئی ہیں، ان کو یکجا اگر کر دیا جائے تو کئی ضخیم جلدیں تیار ہو جائیں گی اور جبکہ یہ سلسلہ جاری ہے، اور آپ کی زندگی و تالیفات پر سیمناروں اور یادگاری جلسوں کا سلسلہ بھی قائم ہے۔ راقم کو متعدد حضرات نے بتایا کہ شب ۲۷ رمضان کو حرمین میں جو جنازہ کی نماز غائبانہ ہوئی اس میں شرکاء کی تعداد جو میں نے لکھی تھی وہ صحیح نہیں تھی، حرم کی اپنی تمام وسعتوں کے ساتھ بھرا ہوا تھا۔ تہہ خانوں اور چھتوں پر بھی کہیں بھی ایک مصلی کی جگہ خالی نہیں تھی، حرم بیت اللہ کے جو حصے کھلے ہوئے ہیں اس کے آگے جو محلے مثلاً مسفلہ، مدعیٰ، فندق جیاد، اور ادھر حارۃ الباب اور شارع منصور کے پل تک لوگ جمع تھے۔ یہی حال مدینہ منورہ میں تھا۔ وہاں تمام وسعتیں جن کا اندازہ حجاج و زائرین کو ہوگا اور جو ۱۲ یا ۱۴ لاکھ سے کم کی گنجائش نہیں رکھتا سب پر تھے اس کے علاوہ مکہ مکرمہ کی اکثر بیشتر بڑی بڑی مسجدوں میں حضرت کی تدفین سے پہلے جمعہ کی نماز کے بعد نماز جنازہ ہو چکی تھی۔ میں نے عصر کے وقت ڈاکٹر شاہ رئیس العابدین صاحب کو حادثہ کی اطلاع دی تو انھوں نے بتایا کہ شارع منصور کی سب سے بڑی مسجد میں وہ حضرت کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھ کر آئے ہیں۔ ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی نے بتایا کہ دمشق کی جامع میں انھوں نے نماز جنازہ غائبانہ ادا کی جس کا اعلان وہاں کے مفتی اعظم علامہ احمد کفتارو نے کیا تھا۔ الاھرام (قاہرہ) کی رپورٹ کے مطابق جامعہ ازہر میں جنازہ غائبانہ ادا کی گئی، استنبول اور بغداد، کویت، دبئی کی اطلاعات بھی اسی طرح کی ملتی رہیں۔ اندازہ یہ ہے کہ کم از کم ایک کروڑ مسلمانوں نے غائبانہ نماز جنازہ پڑھی اور رفع درجات کی دعائیں کیں۔ خود رائے بریلی میں جو نماز جنازہ، نماز تراویح کے بعد ادا کی گئی اس کے متعلق پولیس کی اطلاعات کی روشنی میں ڈیڑھ سے دو لاکھ افراد کے شرکت کی اطلاع ہے، یہ سب اللہ تبارک و تعالیٰ کے یہاں مقبولیت کی علامتیں ہیں، جو ہم عاجزوں اور اللہ کے ناکارہ بندوں کے لئے زخموں کا مرہم اور اللہ کی رحمت پر یقین کے اسباب بڑھانے کا ذریعہ ہیں۔ اور اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اگر کسی کا تعلق ہے تو وہ خالی نہیں جاتا، اس کو کسی فرضی اور موہومات کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں پڑتی ہے۔

اللہ کی رحمت بے پایاں کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ آج چالیس ۴۰، پینتالیس ۴۵ دن گذرنے کے بعد بھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حضرت مولانا جیسے اپنے کمرہ میں جلوہ افروز ہوں اور اب نکل کر آنے والے ہیں۔ بقول جگر مرادآبادی مرحوم کے ؎

وہ کب کے آئے بھی اور گئے بھی نظر میں اب تک سما رہے ہیں

یہ چل رہے ہیں، وہ پھر رہے ہیں، یہ آ رہے ہیں، وہ جا رہے ہیں

تعزیت کرنے والوں کی آمد مسلسل جاری ہے، ندوہ کے در و بام کی رونق قائم ہے، دارالعلوم کے طلبہ کی کثرت کچھ زیادہ ہی ہے اس حادثہ کے سبب تعلیمی پروگرام میں ایک دن کی بھی تاخیر نہیں ہوئی، ایک روحانی سکون کی فضا جو پہلے تھی وہ آج بھی ہے۔ حضرت کے جانشین اور موجودہ ناظم مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور مہتمم دارالعلوم مولانا سعید الرحمن اعظمی ندوی اپنی پوری دلی دماغی کاوشوں کے ساتھ سرگرم عمل ہیں۔ اور یہ سب نتیجہ ہے اس بات کا کہ حضرت مرحوم نے جو لگن سب کے دل میں لگائی وہ تعلق باللہ اور حب نبوی کی لگن تھی، اور جس راستہ پر چھوڑا ہے اس راستہ میں کبھی کجی نہیں دیکھی گئی، انابت الی اللہ، اخلاص عمل اور مقصد سے عشق، یہ وہ ورثہ ہے جس کے حصے، بخرے نہیں ہوتے اور سب کو پورا پورا حصہ ملتا ہے۔ اور اس کے وارثین میں آپس میں اخلاص یگانگت قائم رہتی ہے، یہ وہ دوکان ہے جس کا راس المال دین ہے، جس پر کوئی غبار نہیں آتا۔ ہمارے مخلصین دنیا کے جس گوشہ میں بھی ہوں اور جہاں جہاں ہوں وہ حضرت مرحوم کے لئے مغفرت و رفع درجات کے ساتھ ساتھ یہ دعا کریں کہ ان کا اصلی ورثہ بے داغ رہے قائم رہے، اور روز افزوں ترقی پذیر رہے۔

قرآن کا مطالبہ

مکمل اطاعت و سپردگی

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نور اللہ مرقدہ نے یہ تقریر جدہ کی مشہور مسجد "مسجد جوہرہ" میں ۷ر نومبر ۱۹۸۸ء کو فرمائی تھی۔ جس میں عرب احباب کے علاوہ ہندوستان و پاکستان کے لوگوں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ افادۂ عام کی غرض سے ہم اس تقریر کو ہدیہ ناظرین کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

حمد و صلوٰۃ کے بعد:۔

أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمُ الْبَيِّنَاتُ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ۔

(سورہ بقرہ ۲۰۸-۲۰۹)

میرے بھائیو! اور دوستو! میں نے آپ کے سامنے قرآن کی ایک آیت پڑھی ہے اس کا ترجمہ ہے: "اے ایمان والو! داخل ہو جاؤ سلم (صلح) میں پورے کے پورے اور شیطان کے نقش ہائے قدم کی پیروی نہ کرو، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اگر تم سے لغزش ہوئی صاف صاف باتیں آجانے کے بعد تو یاد رکھو کہ خدائے تعالیٰ غالب اور حکیم ہے۔"

حضرات! یہ آیت بڑی چونکا دینے والی ہے، اللہ سے جنگ کا کیا مطلب ہے کیا اس کا کوئی امکان ہے، کیا اس کا کوئی تصور کرسکتا ہے، بھلا بندہ اللہ سے جنگ کرسکتا ہے؟ لیکن قرآن میں لفظ بھی استعمال کیا گیا ہے، جس سے ہمارے کان کھڑے ہو جانے چاہئیں بلکہ جسم لرز جانے چاہئیں کہ اللہ تعالیٰ جو مالک الملک، خالق کائنات، قادر مطلق اور محسن و منعم ہے وہ اپنے بندوں سے کہے کہ اے ایمان والو! صلح میں داخل ہو جاؤ پورے کے پورے ہم سے جنگ، محاذ آرائی اور مقابلہ کی کوئی گنجائش نہیں ہونی چاہئے۔

بظاہر ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ "فِي السِّلْمِ" کے بجائے "فِي الْإِسْلَامِ" کہا جاتا یعنی اسلام میں داخل ہو جاؤ، مگر نہیں، یہاں سلم میں داخل ہونے کو کہا گیا یعنی خدا کے ساتھ تمہارا معاملہ فرمانبردارانہ، مصالحانہ، مطیعانہ اور مکمل ہونا چاہئے، عقائد میں بھی، فرائض و عبادات میں بھی، طرز معاشرت اور طریقۂ زندگی میں بھی تمہیں اللہ کی تعلیمات اور سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اور بتائے ہوئے احکام کا پابند ہونا چاہئے اور تعلقات میں بھی اس کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ اللہ کے دشمن سے وفاداری اور اطاعت و فرمانبرداری کا تعلق نہ ہو، "اسلام" کا لفظ "سلم" ہی سے نکلا ہے، عربی زبان و لغت کے لحاظ سے "اسلام" کے معنی ہیں اپنے کو حوالہ کر دیا، سلنڈر کر دیا اپنی ہر چیز سے دست بردار ہو گیا، اپنی ملکیت سے، خواہش، مصالح و مفادات سے فوائد و ضرر میں فرق کے لحاظ، اور احساس سے دست بردار ہو گیا، اپنے کو خدا کے احکام کے قدموں میں ڈال دیا، اور اپنے کو بالکل سپرد کر دیا اور سلم کے معنی صلح کے ہیں، قرآن میں دوسری جگہ آیا ہے "فَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا" (اگر یہ لوگ صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی صلح کی طرف مائل ہو جائیے) "أنا سلم من سالمهم وحارب من حاربهم"... مصالحانہ رویہ اختیار کرتا ہوں، اس کے لئے جو مجھ سے مصالحانہ رویہ اپنائے اور مقابلانہ و محاربانہ رویہ اختیار کرتا ہوں اس کے لئے جو جنگ کرے، اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے دیگر مقامات پر اپنے لئے ایسے پر جلال اور باعظمت الفاظ استعمال کئے ہیں جو لرزا دینے والے اور تھرا دینے والے ہیں، مثلاً سود کے بارے میں آیا "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ"۔ (سورہ بقرہ ۲۷۸-۲۷۹) اگر تم نے سود نہیں چھوڑا تو تیار ہو جاؤ اللہ سے لڑنے کے لئے، جنگ کرنے کے لئے، اور اسی طرح حدیث قدسی میں آیا ہے "من اذى لي وليًا فقد اذنته بالحرب" (میرے کسی دوست اور مقبول بندے کو جو ستائے گا ایذا پہونچائے گا تو میں نے اس کے لئے اعلان جنگ کر دیا۔)

تو بظاہر دور اور بہت دور کی بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ کون سا شامت زدہ اور بدنصیب ہوگا جو خدا سے جنگ کی ٹھانے گا جو خدا سے برسر مقابلہ ہوگا، لیکن انسانوں کی نفسیات انسانوں کی زندگی کے تجربات، اللہ و رسول کی تعلیمات کے

ابہ میں طرزِ عمل اور ان کے کردار کے مطالعہ سے علوم ہوتا ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے، اس کا امکان ہے کہ ایک آدمی اسلام کا دعویٰ بھی کرے، اللہ کے بندہ ہونے کا دعویٰ اور اعتراف کرے اور پھر بعض چیزوں میں اللہ تعالیٰ سے (معاذ اللہ، سو بار معاذ اللہ) برسرِ جنگ ہو یعنی کچھ لے اور کچھ نہ مانے۔ اللہ کے یہاں زر روشن اور تحفظ کے ساتھ اور اپنی مرضی کو دخل دیتے ہوئے کوئی بندگی کا تعلق قائم کرے کہ اچھا صاحب، ہم عقائد کو تو مانتے ہیں، بیشک توحید برحق، معاد اور آخرت کا عقیدہ برحق، حساب و کتاب برحق، لیکن معاشرہ میں، تہذیب میں، اپنی گھریلو زندگی میں، اپنے عزیزوں کے ساتھ تعلقات میں، لین دین میں، کاروبار میں، تجارتی معاملات میں ہم آزاد ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے یہ آیت اسی لئے نازل ہوئی ہے اور یہ آیت گویا تازیانۂ عبرت ہے، ایک بہت بڑے خطرے کا اعلان ہے کہ خدا فرماتا ہے، اے وہ لوگو جن کو ایمان لانے کا دعویٰ ہے "اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَافَّةً" "اللہ کے ساتھ پورے طور پر صلح میں داخل ہو جاؤ"، یہاں یہ نہیں چلے گا کہ اتنا ہم مانتے ہیں اتنا ہم نہیں مانتے ہیں" میٹھا میٹھا تو ہپ ہپ کڑوا کڑوا تھو" یہ نہیں، آپ ہی دیکھ لیجئے کہ مسجد میں داخل ہوتا ہے آدمی، تو اپنے پورے جسم کے ساتھ داخل ہو جاتا ہے، کوئی کہنے لگے کہ صاحب! ہم تو پورے جسم کے ساتھ نہیں آتے، پاؤں رکھتے ہیں مسجد میں اور بدن رکھتے ہیں باہر، ہم اپنا سر جھکا دیتے ہیں مگر ہمارا بقیہ جسم باہر رہے گا، یا کوئی نماز کے بارے میں کہے کہ قیام تو سر آنکھوں پر، سو بار قیام کرا لیجئے لیکن جھکنا مشکل ہے رکوع اور سجود سے ہمیں معاف رکھئے اس میں ہمیں انسانیت کی توہین معلوم ہوتی ہے، ہمیں اپنی شکست کا احساس ہوتا ہے، ہمیں اپنی خودی سے دستبردار

ہونا پڑتا ہے، تو دوستو! ایسی عبادت نماز کہلانے کی مستحق نہیں، بلکہ یہ کفر کا ایک کلمہ اور کفر کا ایک رویہ ہوگا۔

آپ مجھے معاف کریں معلوم نہیں آپ کیا توقع رکھتے ہوں گے کہ میں آپ کو خوشخبریاں دوں بزرگوں کے واقعات سناؤں، اور ایسی چیزیں سناؤں کہ آپ یہاں سے اور زیادہ مطمئن ہو کر جائیں، ہم مسلمانوں کی کمزوری یہ ہے کہ ہم اطمینان چاہتے ہیں، اپنی زندگی کی تصدیق چاہتے ہیں کہ ہماری زندگی پر کوئی مہر تصدیق ثبت کر دے کہ ہم اس مقدس سرزمین پر ہیں، ہم سے زیادہ کون خوش قسمت ہوگا، ہم یہ سننا چاہتے ہیں کہ مبارک ہو آپ کو، اللہ تعالیٰ آپ کو یہاں ہمیشہ رہنا نصیب فرمائے آپ بڑے خوش نصیب ہیں، لاکھوں اولیاء اللہ اس کی تمنا کرتے تھے کہ اللہ ہمیں ارض مقدس تک پہونچائے ایک اپنے زمانے کے امام الاولیاء، مجاہد اعظم اور مجدد وقت[1]، جس کے ہاتھ پر ۴۰ ہزار لوگ مسلمان ہوئے اور جس کے ہاتھ پر براہِ راست بیعت توبہ کرنے والوں کی تعداد تیس لاکھ سے کم نہیں اور بالواسطہ سلسلۂ بیعت میں داخل ہونے والوں کی تعداد تو کروڑوں بیان کی جاتی ہے، اس زمانے کے بڑے معتبر بڑے مصنف، اور صاحبِ نظر عالم نے یہ لکھا ہے کہ دوسرے ملکوں میں بھی ایسا صاحب کمال اور صاحبِ تاثیر سنا نہیں گیا، وہ شخص جس کی وجہ سے ہزاروں کو ولایت ملی ہو تو تعجب نہیں، ان کا حال یہ تھا کہ جب وہ آ رہے تھے حج کے لئے پہلی بار (اس زمانے میں حج کرنا بڑا مشکل تھا، بادبانی جہاز ہوتے تھے) تو ایک جگہ پر کسی کہا کہ وہ رہا جزیرۃ العرب وہ کھجور کا درخت نظر آ رہا ہے (خدا جانے وہ جزیرۃ العرب کا کون سا حصہ تھا اور جس کی وجہ سے

جزیرۃ العرب محبوب و مکرم ہے اس جگہ سے وہ کتنا دور تھا؟) تو وہ تاب نہ لا سکے وضو سے تھے سجدے میں گر گئے دو رکعت نماز پڑھی اور فرمایا، اللہ کا شکر ہے، کہ اس نے مرنے سے پہلے ہمیں وہ سرزمین دکھا دی۔ اسی طرح بہت سے عابدین و زاہدین یہ تمنا لے کر دنیا سے رخصت ہو گئے کہ ہمیں اس جگہ پہونچنا نصیب ہو تو ہم اپنی پلکوں سے وہ زمین جھاڑیں گے، اپنے آنسوؤں سے وہ خاک دھوئیں گے۔ تو آپ کہیں گے کہ ہم اس سرزمین میں ہیں، اس لئے ہمیں خوشخبری سنائیے، ہمیں مبارکباد دیجئے اور دعائیں دیجئے کہ ہم یہاں رہیں پھر کیا بات ہے یہ بے وقت کی شہنائی کیسی؟ ایسی سخت آیت ہمارے سامنے پڑھی گئی جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے ایمان والو! ہمارا معاملہ کسی دنیاوی حاکم و بادشاہ کا نہیں ہے کہ تھوڑا دے دیا، تھوڑا سا ٹیکس ادا کر دیا، اسی کی تھوڑی سی بادشاہت مان لی، اس کی بڑائی تسلیم کر لی تو خوش! اور آپ کے سب گناہ معاف، ہماری ذات تو غنی ہے، ہم قوی ہیں، ہم عزیز ہیں، ہم غالب ہیں، ہم اس دنیا کے پیدا کرنے والے ہیں، ہم قسمتوں کے مالک ہیں، ہم تقدیر کے بنانے، بگاڑنے والے ہیں، ہم بیماری اور صحت دینے والے ہیں" قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ" (سورہ آل عمران۔ ۲۶) (اے اللہ، اے سلطنتوں کے مالک، تیرے اختیار میں ہے تو جس کو چاہے سلطنت سے نوازے، اور جس سے چاہے آن کی آن میں پلک جھپکانے میں سلطنت چھین لے) اور تاریخ بتاتی ہے ہزاروں برس کی شہنشاہیاں جن کا ڈنکا بج رہا تھا دنیا میں، جن کا طوطی بول رہا تھا، جن کے والیان سلطنت کی ایک نگاہ پڑ جانا سمجھا جاتا تھا کہ گویا "ہما" اس کے سر پر بیٹھ گئی، اور وہ جس کے سر پر سے ہو کر اڑ گئی اس کی تقدیر

[1] اشارہ ہے حضرت سید احمد شہیدؒ کی طرف، شہادت ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۸۳۱ء

بدل جاتی تھی، مٹی پر ہاتھ رکھ دیں تو سونا ہو جائے، پلک جھپکاتے میں اللہ نے ان کی سلطنتوں کا آفتاب غروب کر دیا، اور ایسا غروب کیا کہ اس کے بعد کبھی طلوع نہیں ہوا، رومۃ الکبریٰ کی تاریخ بتاتی ہے گبن (GIBBON) کی کتاب زوال و سقوط روما (DECLINE AND FALL OF THE ROMAN EMPIRE) آپ پڑھ لیجئے کہ وہ کیا سلطنت تھی، کیا شہنشاہت تھی، کس طرح اس کو زوال ہوا، ساسانی سلطنت کی تاریخ پڑھئے کہ کیسا اس کا ڈنکا بجتا تھا، اس کا درفشِ کاویانی اور اس کی آتشِ مقدس، ہندوستان کی سرحدوں تک اس کی سلطنت پہونچی ہوئی تھی، اس کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے "فَجَعَلْنَاهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ" (سورہ سبا۔۱۹) ہم نے اس کو افسانۂ پارینہ بنا دیا اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ وہ اللہ کہتا ہے کہ صرف اتنا کافی نہیں کہ آپ نماز پڑھ لیجئے، آپ ایک سجدہ کر لیجئے، ایک مرتبہ اللہ کا نام لے لیجئے اور اب آپ سے کچھ نہیں پوچھا جائے گا، نہیں ہماری غلامی میں پورے طور پر داخل ہونا پڑے گا، رزرویشن یہاں نہیں ہے، یہ نہیں کہ "اتنا ہمارا، اتنا آپ کا" یہاں تو سب ہمارا۔ تمہاری دولت ہماری، تمہاری عزت ہماری، تمہاری صحت ہماری، تمہارا بدن ہمارا، تمہارا سر ہمارا، تمہارا دین و ایمان ہمارا، تمہاری وفاداریاں ہماری، گویا ساری کی ساری ہمارا حق ہیں کسی کا حق نہیں ہے، ہم جس کی اجازت دے دیں اتنی تم کسی کی اطاعت کرو ورنہ اصل اطاعت ہماری ہے۔

یہ بڑی چونکا دینے والی آیت ہے جو ہم نے آپ کے سامنے پڑھی معلوم نہیں پھر کبھی ملنا ہو کہ نہ ہو، اللہ تعالیٰ عین وقت پر یا کچھ پہلے جو ذہن میں ڈالتا ہے وہی میں کچھ کہہ سکتا ہوں، یہ آیت میرے ذہن میں آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً" داخل ہو صلح میں پورے کے پورے "كَآفَّةً" کا تعلق دونوں سے ہے، یعنی سارے احکام کو مانو اور تم سب مانو۔ ایک نے مانا دوسرے نے نہیں، اور ایک کو مانا دوسرے کو نہ مانا، ایسا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ سب ہمارا ہے ہمیں دے دو، سب ہمارے حوالہ کر دو، عقائد وہ ہوں جو اللہ اور اس کے رسولؐ نے بتائے ہیں، اس میں ذرہ برابر فرق نہ ہو، کائنات میں کسی اور کا حکم چلے ایسا نہیں "اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ" یاد رکھو، اس کا کام ہے پیدا کرنا اور اسی کا کام ہے حکم دینا، وہی پیدا کرتا ہے، وہی صحت دیتا ہے، وہی رزق دیتا ہے، وہی طاقت دیتا ہے، وہی دولت دیتا ہے، وہی عزت دیتا ہے، وہی بیمار کرتا ہے، وہی شفا دیتا ہے، وہی اولاد کا دینے والا ہے، وہی قسمت کا بنانے اور بگاڑنے والا ہے، اللہ کے متعلق یہ عقیدہ پورا کا پورا ہو کہ اس کی سلطنت میں اس کے اختیارات میں کوئی بڑی سے بڑی ہستی بھی شریک نہیں ہے، نہ انبیاء شریک ہیں، نہ اولیاء، اللہ تعالیٰ کو سمجھو کہ وہ قادرِ مطلق ہے، اس کے یہاں کسی کی سفارش نہیں چلتی، اسی طرح اللہ کے رسول کو مطاعِ مطلق مانو، قرآن مجید میں ہے کہ جو لوگ اللہ کے رسولؐ کی کچھ بات مانتے ہیں کچھ نہیں مانتے وہ رسولؐ کے مطیع نہیں ہیں، "وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ"[1] کہ کسی مسلمان کو یہ اجازت نہیں کہ جب اللہ اور اس کے رسول کا کوئی حکم شرعی معلوم ہو جائے تو اس کو کوئی اختیار باقی رہ جائے اور یہ کہے کہ ہمیں ذرا سوچنے اور غور کرنے کا موقع دیجئے، فوراً ہم جواب نہیں دے سکتے کہ ہم ضرور مانیں گے، نہیں، جب معلوم ہو جائے کہ یہ اللہ کے رسول کا منشا اور فرمانِ ناطق ہے، یہ ان کانوں سے صحیح طریقے سے ہم تک پہونچا ہے تو انسان کا اختیار اور آزادی ختم، اب تو وہی کرنا ہوگا جو اللہ کے رسولؐ کہتے ہیں۔

آپ مجھے معاف کریں، میں تو ایک اڑتی چڑیا ہوں آیا اور اس شجرۂ طور پر بیٹھ گیا اور اڑ گیا، کل ہی یہاں سے خدا کو منظور ہوا تو اڑ جاؤں گا، آپ مجھے یہ نہ سمجھئے کہ میں جاسوسی کرتا ہوں، یا میں یہاں آ کر عیب ڈھونڈھتا ہوں، میں یہاں کے مسلمانوں کے حالات سے واقف ہوں، اور زندگی کا جو دھارا بہہ رہا ہے میں اس سے کچھ دور نہیں ہوں، اس لئے میں دیکھتا ہوں کہ عقائد درست ہیں، نمازوں کی پابندی ہے، فرائض کی پابندی ہے لیکن معاشرہ بالکل بگڑا ہوا ہے، گھر کی زندگی بالکل اسلام سے بدلی ہوئی ہے، وہاں تعیشات کی باتیں ہیں، وہاں اسراف ہے، حقوق کی پامالی ہے، وہاں بے محل خرچ کرنا ہے، اس میں تفریحات کا سامان ہے، وہاں ویڈیو ہے جو دن رات کا مشغلہ ہے، مسجد میں ہم مسلمان، وہاں کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن دوستو! مسلمان صرف مسجد میں نہیں ہوتا، مسلمان روئے زمین کے کسی چپے پر ہو، بر و بحر میں ہو اور اگر کبھی خدا چاند پر پہونچا دے (اور اس نے پہونچایا ہے، انسانوں کو اپنے دیئے ہوئے علم و طاقت کے ذریعہ) وہاں بھی وہ عبد ہے، خدا کا بندہ ہے، یہاں تک کہ تمام علماء امت کا اتفاق ہے اس پر، کہ تکلیف ساقط نہیں ہوتی، پیغمبروں سے بھی تکلیف ساقط نہیں ہوتی، اور تکلیف کا مطلب کیا ہے، شرعی پابندیاں اور قرآن کی آیت "وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ" (سورہ حجر۔۹۹) کی تفسیر تمام مفسرین نے یہی لکھی ہے اپنے رب کی بندگی کرتے رہے جب تک کہ وفات کا وقت نہ آ جائے، چنانچہ حضورؐ وفات کے وقت تک نمازوں کی ویسی ہی پابندی کرتے رہے، پوچھتے رہے کہ کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی، کہا گیا، یا رسول اللہ آپکا انتظار ہے، فرمایا پانی لاؤ، غسل فرمایا مگر چلنے کی طاقت نہیں تھی، دو دو مرتبہ تین تین مرتبہ آپؐ نے غسل فرمایا، تیاری کی، نہیں ہو سکا تو فرمایا:

[1] سورہ احزاب۔۳۶

"مروا ابابکر فلیصل بالناس" ابوبکر سے کہو کہ نماز پڑھائیں، پھر آپ نے بھی نماز پڑھی اس وقت آپ کا مسواک کرنا ثابت، آپ کا وصیت کرنا ثابت، آپ کا امت کو ہدایت دینا ثابت یہاں تک کہ "اللھم الرفیق الاعلیٰ، اللھم الرفیق الاعلیٰ" کہتے ہوئے دنیا سے تشریف لے گئے۔

اور آج ہم مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ اگر عقائد درست ہیں تو عبادات میں خلل ہے اور اگر عقائد و عبادات دونوں درست ہیں تو اخلاق و معاملات میں بڑی بڑی خرابیاں ہیں، بنی رخنے نہیں، شگاف نہیں خندقیں ہیں کھائیاں ہیں، بلکہ پوری پوری خلیج۔ میں نے شارقہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ آپ لوگ جتنا خلیج سے واقف ہیں شاید دنیا کے کم لوگ واقف ہوں گے، آپ خلیج کے رہنے والے ہیں، مگر آپ ایک ہی خلیج کو جانتے ہیں اور یہ وہ خلیج ہے جو جزیرۃ العرب کو ایران سے الگ کرتی ہے، بیچ میں پانی ہے، میں آپ کو اس سے بھیانک خلیج کی خبر دیتا ہوں وہ خلیج، جو اسلام اور مسلمانوں کے درمیان پڑی ہوئی ہے، اسلام اور مسلمانوں کے درمیان کتنی کتنی خلیجیں ہیں، عقائد اور عبادات میں خلیج، کتنے لوگ ہیں جو مسلمان ہیں، کلمہ پڑھتے ہیں لیکن نماز سے ان کو کوئی غرض نہیں اور بہت سے ہیں جن کے عقائد و عبادات دونوں درست ہیں، لیکن اخلاق و معاملات کو وہ فہرست سے بالکل خارج سمجھتے ہیں۔

جھوٹ بولتے ہیں، بے ایمانی کرتے ہیں، ناپ تول میں کمی کرتے ہیں، ملاوٹ کرتے ہیں جھوٹی قسمیں کھا کر اپنی تجارت کو چمکاتے ہیں کسی کے حق کو ہضم کر لیتے ہیں مگر ان کو کوئی باک نہیں ہوتا کیونکہ وہ ان سب باتوں کو دین سے خارج سمجھتے ہیں، اور کتنے لوگ ہیں جو اپنے ماں باپ کے حق کو، گھر والوں کے حق کو پامال کر رہے ہیں، پڑوسیوں سے ان کو کوئی مطلب نہیں کتنے ہیں جن کی زبان میں نہ سچائی ہے، نہ راستی و صداقت ہے نہ حلاوت و شیرینی ہے، ان کے آس پاس کے لوگ شاکی ہیں، اور شاکی نہیں تو کم از کم تنگ گزار نہیں ہیں، پھر اس کے بعد کتنے ہیں جن کے نزدیک تعلقات میں سیاسیات میں خدا کے دوست اور دشمن میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ان کے نزدیک صالح اور فاسد میں کوئی فرق نہیں ان کے نزدیک دیندار اور بے دین میں کوئی فرق نہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ صاف فرماتا ہے "وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ" (سورۂ ہود۔۱۱۳) یہاں "رکون" کا لفظ آیا ہے، ان کا ساتھ دینا اور حمایت کرنا تو بڑے دور کی بات ہے، ان کی طرف تمہارا جھکاؤ اور میلان بھی نہ ہو جنھوں نے ظلم کا شیوہ اختیار کر رکھا ہے، جنھوں نے حد سے تجاوز کیا ہے، جن کے اندر بے اعتدالی پائی جاتی ہے جن کے اندر حقوق کی پامالی پائی جاتی ہے، جن کے دلوں میں خدا کا خوف نہیں ہے جو دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں، جو دولت کے پرستار ہیں، جو اقتدار کے پرستار ہیں، جو اپنی بات چلانا جانتے ہیں، یہ سب باتیں "ظَلَمُوْا" کے تحت آجاتی ہیں، یہ آیت ہم میں سے بہت سے مسلمانوں کے لئے شاید نئی ہوگی کہ اچھا یہ بات بھی ہے، بہت سخت لفظ ہے، "لَا تَرْكَنُوْٓا"

یہ نہیں کہا گیا کہ ان کے ہاتھ پر بیعت نہ کرو، یہ نہیں کہا کہ ان کے غلام نہ بن جاؤ بلکہ ادنیٰ جھکاؤ بھی نہیں ہونا چاہئے ان کی طرف جنھوں نے ظلم کو اپنا شیوہ بنا رکھا ہے۔

کتنے مسلمان ہیں جو اس کو بھی دین کا کوئی شعبہ سمجھتے ہیں، وہ تو کہتے ہیں کہ صاحب! یہ باتیں تو زندگی کی ہیں، یہ باتیں تو دین سے باہر ہیں، آپ دین کی باتیں کیجئے، آپ یہ بتائیے کہ فلاں چیز پڑھنے میں کتنا ثواب ہے، ذکر و تسبیح کا کوئی طریقہ بتائیے، کوئی نفل نماز بتائیے، باقی باتوں میں ہم بالکل آزاد ہیں جو ہماری سمجھ میں آئے گا وہ ہم کریں گے، اس میں اس سے بحث نہیں کہ اس کا ساتھ دینے سے دین کا نقصان ہوگا یا دین کا فائدہ ہوگا، اس کا ساتھ دینے سے دین میں سہولت پیدا ہوگی یا دشواری پیدا ہوگی ان ساری چیزوں کو ہم نے دین کے دائرے سے الگ کچھ رکھا ہے، میرے بھائیو! ہم تمام چیزوں میں خدا کے بندے ہیں، ہمیں احکام اسلام پر چلنا چاہئے اور اسی کے ساتھ ساتھ ہمیں دیگر مسلمانوں کی بھی فکر رکھنی چاہئے۔ اسلام کے غلبہ کے لئے ہم دعا کریں، فکر کریں، کوشش کریں، یہ نہیں کہ ہم تو بڑے عابد و زاہد، اپنی ذات سے ہم بڑے دیندار، شریعت کے پابند، لیکن اسلام کس طرف جا رہا ہے، مسلمان کس طرف جا رہے ہیں، اس وقت اسلام پر کیا گزر رہی ہے، اور کیا مسائل مسلمانوں کو درپیش ہیں، کن کن ملکوں میں اسلام پر وار آیا ہوا ہے، کن کن ملکوں میں اسلام آزمائش کے دور سے گزر رہا ہے، اس سے ہمیں کوئی بحث نہیں، حالانکہ "من لم یھتم بامر المسلمین فلیس منھم" جن کو مسلمانوں کے معاملات کی فکر نہ ہو، وہ مسلمان نہیں، اور "مثل المسلمین فی توادھم وتراحمھم وتعاطفھم کمثل الجسد الواحد اذا اشتکی منہ عضو تداعی لہ سائر الجسد بالسھر والحمّی" سارے مسلمان جسد واحد کی طرح ہیں اگر کسی عضو کو تکلیف ہو تو سارے جسم پر بخار چڑھ آئے، سارے جسم کو اس کی تکلیف محسوس ہو،

یہاں اللہ کا فضل ہے، رزق میں فراخی ہے، اللہ مبارک کرے، ہمیں بالکل اس پر رشک نہیں،

لیکن آپ کو اپنے ملک کی بھی فکر کرنی

چاہیئے۔ اپنے ملک کے اداروں کی بھی فکر کرنی چاہیئے، ملتِ اسلامیہ جس کے لئے تڑپ رہی ہے اس کی بھی آپ کو فکر کرنی چاہیئے۔

تو میرے بھائیو! ایک تو یہ کہ دین کے کامل ہونے کا پہلو آپ اپنے ذہن میں رکھیں، اس میں عقائد بھی ہیں، ایک ایسا عقیدہ جو شرط ہے اسلام کے لئے اس سے انحراف ارتداد کے مرادف ہے، عبادات و فرائض کی پابندی کیجئے ایسا نہ ہو کہ آپ یہاں رہیں، اس کے باوجود نماز کی پابندی نہ ہو، اس سے بڑھ کر بدنصیبی کیا ہو سکتی ہے، پھر اس کے ساتھ آپ کی تہذیب و معاشرت بھی اسلامی ہو، یہ نہیں کہ آپ رہیں سرزمین مقدس میں اور آپ کے گھروں میں ہر وقت (T.V.) چل رہا ہو، نمازوں کے اوقات میں لڑکے وہ دیکھ رہے ہوں۔

"وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" (اور لوگوں میں بعض ایسے ہیں جو بیہودہ حکایتیں خریدتے ہیں تاکہ لوگوں کو بے سمجھے خدا کے راستے سے گمراہ کریں سورۃ لقمان۔۶)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے صرف نام لینا رہ گیا۔ ویڈیو اور ٹی وی کا، قرآن تو عربی زبان میں ہے، اس میں انگریزی کا لفظ کیسے آتا، عقل کی بات نہیں تھی، لیکن قرآن کا اعجاز معلوم ہوتا ہے، کہ آج سے چودہ سو برس پہلے جو کتاب نکلی، لیکن اگر میں مسجد میں بیٹھ کر کہوں کہ اس میں ٹی وی اور ویڈیو کا ذکر ہے تو میں غلط نہیں کہوں گا، اسلئے کہ قرآن میں کہا گیا "مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ" جو لوگ عربی کی بلاغت سے واقف ہیں اور اس کی زبان کا صحیح ذوق رکھتے ہیں، اہلِ زبان کی طرح اور محض اللہ کا شکر و انعام ہے کہ ہمیں اسی حجاز و یمن کا فیض پہونچا ہے کہ ہم اس قابل ہوئے ہمارے استاد عرب تھے، ہم نے ساری عربی عربوں سے پڑھی اَلْحَمْدُ لِلّٰہ! تو ہم "لَهْوَ الْحَدِيْثِ" کا لطف لے رہے ہیں ہمارا عربی کا ذوق "لَهْوَ الْحَدِيْث" کے دائرے کی وسعت کو دیکھ رہا ہے میں اس لفظ کا ترجمہ نہیں کر سکتا، حالانکہ لکھنؤ کا رہنے والا ہوں، میں اقرار کرتا ہوں کہ میں لَهْوَ الْحَدِيْثِ کے ترجمہ کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ اس کے معنی ہیں باتوں کا کھیل، اب بتائیے ریڈیو اور ویڈیو وغیرہ میں کیا ہے، اگر یہ ہوتا کہ بہت سے لوگ ہیں جو کھیل کو پسند کرتے ہیں، کھیل خریدتے ہیں تو اس میں ویڈیو اور ٹی وی نہ آتا، مگر باتوں کا کھیل کہا گیا۔ یہ وہ ہے جو میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ قرنِ اول، قرنِ ثانی، قرن ثالث، قرن رابع اور پانچویں، چھٹی، ساتویں، آٹھویں یہاں تک کہ میں کہوں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا ذہن بھی یہاں تک نہیں گیا ہوگا، (یعنی ویڈیو اور ٹی وی کی طرف) یہ قرآن کا معجزہ ہے حدیث کا لہو، باتوں کا کھیل، اور وہ کیا ہے، یہ ویڈیو کا پروگرام، ٹی وی کی بولتی تصویریں، یہ ویڈیو، یہ ریکارڈ جو سُنے جاتے ہیں، سب "لَهْوَ الْحَدِيْثِ" ہیں آج سے چودہ سو برس پہلے جب یہ سب چیزیں ایجاد ہونا تو درکنار، کسی نے خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا، اس وقت کوئی تصوّر بھی نہیں کر سکتا تھا، اس وقت اللہ کی کتاب نے کہہ دیا۔ بہت سے لوگ ہیں جو "لَهْوَ الْحَدِيْثِ" خریدتے ہیں۔

میرے عزیزو! آپ کو کم از کم اپنے گھروں کی حفاظت کرنی چاہیئے اور یہ سمجھنا چاہیئے کہ عقائد میں بھی ہم کو پورا مسلمان ہونا چاہیئے۔ عبادات میں بھی پورا مسلمان ہونا چاہیئے، اور یہاں نہ ہوئے تو ہم کہاں ہوں گے۔ اس کے بعد میں یہاں تک کہتا ہوں (مجھے معاف کریں آپ حضرات) آپ جب چھٹیوں میں یا کسی زمانے میں ہندوستان اپنے وطن جائیں تو غیر مسلم پہچان جائیں کہ بھائی معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ ہندوستانی ہیں نہیں اس سے کسی بہتر فضا میں رہ کر آئے ہیں ان کی صورت سے معلوم ہوتا ہے کہ نور ٹپک رہا ہے ان کی باتوں سے شہد ٹپک رہا ہے ان کی نگاہوں سے حرمت اور احترام ٹپک رہا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عرب سے آئے ہیں، یہ ہونا چاہیئے۔ نہ یہ کہ دور سے دیکھ کر آدمی کہے کہ ان کے پاس بڑا قیمتی بریف کیس ہے، لگتا ہے کہ عرب سے آئے ہیں، اور پیچھے پڑ جائیں لوگ، کہ کہیں سے اڑا لینا چاہیئے، اس میں ہزاروں لاکھوں روپئے کی رقم ہوگی، آپ بریف کیس اور لباس سے نہ پہچانے جائیں بلکہ آپ پہچانے جائیں اپنی صورتوں سے، سجدہ کے نشانوں سے، چہرہ کی نورانیت سے، الفاظ کی حلاوت سے، خیر خواہی سے، سنجیدگی اور متانت سے اور تہذیب سے، آپ سے آپ کے گھر والے متأثر ہوں، آپ جتنے دن رہیں اپنے گھروں میں (خدا مبارک کرے) ان دنوں میں ان گھروں کی فضا بدل جائے، اگر قرآن کی تلاوت نہیں ہوتی تھی تو ہونے لگی۔ وہاں اگر بہت سی سنتیں متروک تھیں تو شروع ہو جائیں، وہ لوگ آپ سے شرمائیں اور کہیں کہ بھائی! جدّہ کے لوگ آئے ہیں، مکّہ کے لوگ آئے ہیں، مدینہ کے لوگ آئے ہیں، دیکھو ریڈیو نہیں بجنا چاہیئے۔ ٹی وی یہاں نہیں ہونا چاہیئے چرچا ہو جائے کہ لوگ کہیں (ارے بھائی مکّہ مدینہ کے لوگ آئے ہیں وہاں بہت ہوتی ہے، ان کو دکھاؤ ان کے زمانے

ں تو اور ہونا چاہیئے) یہ بڑی بے حرمتی ہے اس
ںگہ کی، آپ کی وجہ سے وہ چیزیں بند ہونی
ہائیں، آپ کے جانے سے ان لوگوں کو شرم
نی چاہیئے کہ اب موقع نہیں رہا۔

آپ جب جائیں تو جس طرح روشنی
اریکی کو چیرتی ہے اور چیرتی ہوئی چلی جاتی ہے
پ کی صورتیں وہاں کے بحر ظلمات میں روشنی
ا کام دیں، آپ کی زندگیوں میں یہیں انقلاب
ناچاہیئے۔ وہاں جانے سے پہلے آپ کے
ندر تبدیلیاں آنی چاہئیں۔

حضرات! آپ لوگوں کے ذریعہ بھی
پ کے ملکوں میں اسلام پھیلنا چاہیئے
یہاں سے آپ اگر مراسلہ اور رابطہ قائم
ریں تو بھی اثر دیں، خود جائیں تو پورے
ور پر اثر ڈالیں ان لوگوں پر کہ آپ اس جگہ
ے آئے ہیں، اپنے ساتھ برکتوں کا خزانہ
لے کر آئے ہیں۔

اب میں اس سے زیادہ طول دینا
ہیں چاہتا۔ آپ اس آیت کو اپنے دل پر
قش کر لیں "یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا
نِی السِّلْمِ کَآفَّۃً"۔

اے ایمان والو! خدا کے ساتھ صلح کرنے
ں پورے پورے داخل ہو جاؤ، اور
شیطان کے نقشہائے قدم کی پیروی نہ
رو، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے، دیکھئے یہاں
قش قدم (واحد) استعمال نہیں کیا گیا
خطوات الشیطان جمع کا صیغہ لایا گیا،
علوم ہوا کہ اس کے بہت سے نقش قدم
یں، اس میں وسعت آگئی، خواہ اعتقادی
چیزیں ہوں، خواہ عملی چیزیں ہوں، خواہ
خلاقی چیزیں ہوں، خواہ تہذیبی چیزیں
ہوں، خواہ سیاسی چیزیں ہوں، سب
اس میں شامل ہیں۔ اور اس بات کا آپ
خیال رکھیں کہ آج اگر ہمارے مسلم معاشرہ
میں یہ باتیں ہوتیں تو وہ خرابیاں پیش نہ آتیں
جو بہت سی جگہ پیش آرہی ہیں کہ کوئی فرق
نہیں ہے صالح اور غیر صالح میں، دیندار اور
بے دین میں، شریعت پر چلنے والے اور نہ
چلنے والے میں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب توفیق عطا کرے
یہاں کا رہنا قبول فرمائے۔ اس کی برکتوں
سے مالا مال کرے، اور آپ کی برکتوں سے
فیض پہونچے آپ کے ملکوں میں جہاں سے
آپ آئے ہیں، جن کا حق آپ پر قائم ہے
اور قائم رہے گا۔ چاہے آپ یہیں کے
ہو جائیں۔

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

علی میاںؒ کے جانشین منتخب

حضرت سید احمد شہیدؒ کی خانقاہ تکیہ رائے بریلی میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد عالم اسلام کی مشہور علمی و دینی شخصیت اور علی میاںؒ کے بھانجے مولانا محمد رابع صاحب حسنی ندوی کو ان کا دینی و روحانی جانشین منتخب کیا گیا۔ مفکر اسلام کی وفات کے بعد تعزیت کے لئے آئے اندرون و بیرون ہند کے سیکڑوں مریدین متعلقین اور خلفاء نے بالاتفاق آپ کو حضرت کا جانشین قرار دیا اور سب لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت بھی کی اسی طرح حضرت مولانا کے ساتھ روحانی، اصلاحی اور دینی تعلق رکھنے والے تمام متوسلین و متعلقین انشاء اللہ اب انہی سے رجوع فرمائیں گے۔

مولانا موصوف حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلویؒ کے تربیت یافتہ خود مفکر اسلام کے خلیفہ و مجاز بیعت ہیں، ندوۃ العلماء لکھنؤ جیسی عالمی دینی درسگاہ میں حضرت کے ساتھ نائب ناظم بھی گذشتہ سال ہی منتخب کئے گئے تھے۔ اور اب حضرت مولانا نور اللہ مرقدہٗ کی وفات کے بعد ندوۃ العلماء کے منصب نظامت پر مولانا محترم ہی کو فائز کیا گیا۔

ناشر حضرات توجہ دیں

جو ناشر حضرات، اشاعتی ادارے یا ادیب و شاعر اپنی کتابیں تبصرہ کے لئے ہمیں روانہ کرتے ہیں وہ اس کا ضرور خیال رکھا کریں۔

(۱) کتاب زیادہ سے زیادہ ایک سال کے عرصہ کے دوران شائع ہوئی ہو، زیادہ پرانی کتابوں پر تبصرہ ممکن نہیں ہے۔

(۲) چند صفحات پر مشتمل پمفلٹ قسم کی کتابیں بھیجنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، نہ ہی تبصرہ نگار کے پاس وقت ہے اور نہ ہی تعمیر حیات کے صفحات میں اس کی گنجائش ہے۔

انیسویں صدی کی ایک عظیم اور ہمہ گیر شخصیت

تحریر: مولانا عبداللہ مغیثی

نظام قدرت اور اسلام کی تاریخ ہے کہ روئے زمین پر ہر دور میں ایسی شخصیات جنم لیتی رہی ہیں جن کو اللہ نے ایسی صفات و کمالات سے متصف کیا جن کی وجہ سے وہ شخصیات پوری انسانیت اور عالم اسلام کے لئے ایک مثالی نمونہ بنیں، اور انھوں نے اپنی خداداد علمی و عملی صلاحیت و قابلیت اور اپنے مجددانہ کارناموں سے عالم اسلام کی عظیم خدمت اور پوری انسانیت کو راہ راست پر لانے کا محیر العقول کارنامہ انجام دیا اور مذہب اسلام پر آنے والے تمام طوفانوں کا مقابلہ کیا۔

مرشدی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نوراللہ مرقدہ بیسویں صدی کی ایسی ہی مثالی اور نابغہ روزگار شخصیت تھی جن کو خدا نے متعدد صفات حسنہ اور متنوع کمالات عطا فرمائے تھے۔ جہاں آپ ایک جید عالم محقق و مصنف، ادیب اور انشاء پرداز، مورخ و مفکر اور زبردست اسکالر تھے وہیں آپ عالم اسلام کی ایک قابل اعتبار شخصیت اور ہندوستان کی ایک باوقار ہستی اور عظیم انسان تھے۔

آپ نے اپنی علمی صلاحیت و قابلیت، قد آور شخصیت اور قائدانہ کردار سے عالم اسلام اور مسلمانوں کی خدمت اور رہنمائی کی اور زندگی کے تمام شعبوں میں انسانیت کی جو راہ دکھائی اور تعلیمات اسلامی کو اپنے جس خاص انداز فکر حقیقت پسندی اور اعتدال کے ساتھ پیش کیا اس پر مسلمانوں کے ہر طبقہ نے لبیک کہا اور متفقہ طور پر آپ کے انداز فکر اور خیالات و نظریات کو قبول کر کے استفادہ کیا۔ اسلئے اگر آپ کو انیسویں صدی کی ہمہ گیر شخصیت، عالم اسلام کی ایک ممتاز اور با اعتماد ہستی اور ہندوستان کی ایک تاریخ ساز اور انسانیت نواز شخصیت قرار دیا جائے تو یہ مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت ہے۔

آپ کی گرانقدر خدمات اور مجددانہ کارنامے پوری صدی پر محیط ہیں اور ملت اسلامیہ اور انسانیت کے لئے وقیع خدمات کا وہ عظیم الشان ذخیرہ ہے جو رہتی دنیا تک عالم اسلام اور انسانیت نواز اقوام کے لئے مشعل راہ بنے گا۔

آپ جب اپنی خداداد علمی صلاحیت کو لیکر مسند درس پر بیٹھے تو دارالعلوم ندوۃ العلماء کے زبردست اسکالر بنے اور اپنی تحقیقات انیقہ اور تخلیقات نادرہ سے ہزاروں تشنگان علوم کی پیاس بجھائی اور افراد سازی کا وہ محیر العقول کارنامہ انجام دیا کہ آج آپ کے تربیت یافتہ اور مثالی شاگردوں کی اتنی بڑی تعداد ہے جس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے

(اذا مات منا سید قام سید)

جب ہمارا ایک سردار وفات پاتا ہے تو دوسرا سردار کھڑا ہو جاتا ہے

آپ نے ادیب ہونے کی حیثیت سے جب اردو اور عربی ادب کی طرف رخ کیا تو اپنی تصنیفات اور تحریروں میں وہ ادبی نمونے پیش کئے جن کو دیکھ کر جہاں اردو کے ماہرین اور ادیب حیرت و استعجاب میں پڑے وہیں آپ کی عربی تصنیفات سے عربی زبان کے فصحاء اور ادباء اتنے متأثر ہوئے کہ سب نے متفقہ طور پر ہندی نژاد ہونے کے باوجود آپ کو ایک زبردست عربی داں تسلیم کیا، اور آپ کے عربی ادب کو یہاں تک سراہا گیا کہ عرب ممالک کی یونیورسٹیوں میں آپ کی متعدد عربی تصانیف کو داخل کر لیا گیا۔

جب آپ نے تصنیف و تالیف کے میدان میں قدم رکھا تو آپ کے قلم سے مختلف موضوعات پر درجنوں عظیم الشان کتابیں نکلیں جنھوں نے آپ کی صلاحیت و قابلیت کا دنیا سے لوہا منوایا۔ جب آپ کی سب سے پہلی کتاب سیرت سید احمد شہیدؒ طبع ہو کر سامنے آئی تو اس نے جہاں حضرت سید احمد شہیدؒ کی مفصل سوانح اور ان کی تحریکات کا خاکہ پیش کیا، وہیں اس سے امت مسلمہ اور خصوصاً ہندوستان کے مسلمانوں کے سامنے اصلاحی اور انقلابی تحریکات کا نقشہ آگیا اور اپنے اس کتاب میں جہاں دین خالص، جہاد فی سبیل اللہ اور خلافت راشدہ کی بنیادوں پر حکومت شرعیہ کی تشکیل جیسے مسائل کو بیان کیا وہیں اس کتاب نے دین حق کی سربلندی کے لئے مسلمانوں میں جان و مال کی قربانی دینے کے جذبہ کو عام کیا۔

جب آپ یورپ کے مستشرقین کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کی تہذیب و تمدن کی خدمت کی اور اسلام پر ہونے والے اعتراضات کا منھ توڑ جواب دینے کی ضرورت پیش آئی تو آپ کے قلم سے ایک عظیم کتاب "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر"

دنیا کی مختلف زبانوں میں شائع ہوکر امت کے سامنے آئی جس نے مستشرقین یورپ کے ہوش وحواس باختہ کردیئے اور ان کے عقائد کے ایوانوں میں لرزہ پیدا ہوگیا۔ آپ نے اس میں جس انوکھے انداز سے مغربی تہذیب وتمدن اور ان کے عقائد کی مذمت کی ہے اور مسلمانوں کے عروج وزوال کے اثرات کو جس واقفیت کے ساتھ بیان کیا ہے اس کی بناء پر یہ کہنا بجا ہے کہ آپ کی یہ کتاب ان تمام کوششوں کی تاریخی دستاویز ہے جو مسلمانوں کی نشأۃ ثانیہ کے لئے کی گئی تھیں یہی وجہ تھی کہ حکومت سعودیہ کی وزارت تعلیم نے کتاب کی جامعیت اور افادیت کے پیش نظر اس کو اپنے نصاب تعلیم میں جگہ دی تھی،

"تاریخ دعوت وعزیمت" آپ کی وہ معرکۃ الآراء کتاب ہے جس میں آپ نے اسلاف واکابر کے ان دعوتی کارناموں اور اُن کی مذہب اسلام کے سلسلہ میں اُن سے عظیم الشان قربانیوں کو اُجاگر کیا ہے جو زمانہ کے گرد وغبار میں دب گئی تھیں، گویا آپ کی یہ کتاب امت محمدیہ کے داعیوں کے لئے ایک رہنما اور دعوت کے اصولوں کے لئے ایک خزانہ اور دعوت کی راہ میں اسلاف واکابر کی مجددانہ مساعی اور پرخلوص قربانیوں کا وہ ذخیرہ ہے جو ہمیشہ امت کے لئے ایک مشعل راہ ثابت ہوگا۔

جب آپ نے نبی رحمتؐ کی سیرت اور حیات طیبہ پر قلم اٹھایا اور سیرت کے نادر اور مخفی پہلوؤں کو اجاگر کرنا چاہا۔ تو (نبی رحمت) کے نام سے ایک عظیم کتاب لکھی جس کی ترتیب میں قدیم وجدید معلومات سے بھرپور فائدہ اٹھاکر جہاں اس کو رسول رحمتؐ کے واقعات وحالات، آپ کی ہدایات و تعلیمات کی مستند روداد بنایا وہیں حجاز مقدس کے جغرافیائی حالات اور اس کی پوزیشن کو سامنے رکھ کر اسلام کی اولین سلطنت کا مرکز مدینۃ المنورہ کے بہت سے مخفی پہلوؤں کو بھی اجاگر کیا جن سے عام طور پر سیرت کی کتابیں خالی ہیں۔ آپ کی یہ کتاب جہاں رسول رحمت کی سیرت اور حیات طیبہ کا ایک معتبر ذخیرہ ہے اسی کے ساتھ یہ کتاب اقوام عالم اور ہر دور کے افراد اور نوع انسانی کی ہدایت اور رہنمائی کی صلاحیت سے معمور ہے،

جب آپ کی مشہور ومعروف کتاب (المرتضیٰ) طبع ہوکر سامنے آئی اور آپ نے اس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مفصل سوانح کے ساتھ اپنے مخصوص انداز میں حضرت علیؓ کی خاندانی خصوصیات وکمالات، ان کی بے نظیر زاہدانہ سیرت، ان کا مصلحانہ کردار اور مربیانہ شفقت، ان کا اولوالعزمانہ وقائدانہ کردار، اور حضرت علیؓ کی امت کی اصلاح وتربیت کی دائمی فکر پر اس طرح روشنی ڈالی کہ جس سے یہ کتاب جہاں مجاہدین اسلام کے لئے ایک بیش بہا ذخیرہ ہے وہیں مصلحین امت اور مربیوں کے لئے ایک اہم دستاویز ہے اور رہتی دنیا تک اسلامی قضاۃ کے لئے ایک رہنما ثابت ہوگی

آپ کی تصانیف میں ان کے علاوہ بھی بہت سی اہم تصانیف ہیں جن پر تفصیلی گفتگو کرنا بہت مشکل ہے۔ مثلاً (مطالعہ قرآن کے اصول ومبادیات) آپ کی وہ اہم کتاب ہے جس میں آپ نے علوم قرآنی واعجاز قرآنی، قرآن کی پیش گوئیاں اور ان سے استفادہ کا طریقہ بیان فرمایا ہے۔

اسی طرح شاعر مشرق علامہ اقبال کے نظریات وخیالات سے متأثر ہوکر آپ نے نقوش اقبال کے نام سے ایک کتاب لکھی جس کی تمام ادیبوں اور مصنفین نے بڑی تعریف کی ہے، ارکان اربعہ، مذہب وتمدن اور منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین اور کاروان زندگی۔ اور ان کے علاوہ آپ کے وہ مقالات اور مضامین ہیں جو دنیا کے مختلف مجلات اور جرائد میں چھپے ہیں، یہ آپ کی وہ اہم کتابیں ہیں جن میں آپ نے چار بنیادی اسلامی ارکان نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ کی صحیح حقیقت شرعیہ اس کے قانونی پہلو دینی نظام، اجتماعی اور انفرادی زندگی میں ان کے مقام اور رموز واسرار کی تشریح فرمائی ہے نیز کائنات خالق کا اور انسانی مقصد حیات کے بارے میں صحیح عقیدہ کی رہنمائی نبوت کے مقام ارفع اور بنی نوع انسانی پر نبوت کے احسانات اور انبیاء کرام کی امتیازی خصوصیات اور کاروان زندگی میں اپنی ذاتی زندگی اپنے طویل مشاہدات وتجربات اور اپنے دور کی تحریکات ونظریات اور ان میں اپنی شمولیت کا تفصیل کے ساتھ تذکرہ کیا ہے۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے علمی وتحقیقی صلاحیت وقابلیت کے ساتھ ایسے کمالات سے متصف کیا تھا جن کی بناء پر آپ اپنی صدی کے علماء اور مشائخ میں امتیازی شان رکھتے تھے۔ آپ کو خدا نے ایسی قائدانہ صلاحیت عطا فرمائی تھی جس کے ذریعہ آپ نے عالم اسلام اور انسانیت کی صحیح رہنمائی فرمائی اور دنیا کے متعدد تنظیموں اداروں اور جماعتوں کے کامیاب قائد رہے، ندوۃ العلماء کے ناظم ہونے کی حیثیت سے آپ نے اس کی علمی وعملی ارتقاء اور اس کو عالمی ادارہ بنانے کے سلسلے میں وہ انقلابی اقدامات کئے جن کے نتائج آج ہمارے سامنے ہیں کہ آج ندوۃ العلماء ایک عالمی شہرت یافتہ ادارہ ہے اور اس میں

تعلیمی، تعمیری اور اصلاحی میدانوں میں محیر العقول ترقی ہوئی ہے آج ندوہ صرف ایک دینی مدرسہ نہیں ہے بلکہ عالم اسلام کے دلوں کی دھڑکن اور تہذیب اسلامی کا ایک گہوارہ اور اصلاح و تربیت کا ایک عالمی مرکز ہے۔

آپ ہندوستان کے ایک مؤقر ادارہ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر تھے اور آپ اس پلیٹ فارم کے ذریعہ ملت اسلامیہ ہند کے مسائل کو حل کرنے میں اپنے خاص انداز سے جو قائدانہ کردار ادا کیا اس سے ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل حل ہوئے۔ اور حکومت وقت کو آپ کے سامنے جھکنا پڑا یہاں تک کہ ملک کے تمام صدور اور وزراء اعظم نے آپ کی قدر و منزلت کی اور بہت سے مشکل معاملات میں آپ سے صلاح و مشورہ کیا، تحریک پیام انسانیت کی آپ نے قیادت کی اور اس کے ذریعہ ہندوستانی باشندوں کے درمیان اخوت و بھائی چارگی کی جو روح پھونکی اور انسانی اقدار کی جس طرح تشریح فرمائی اس کو ملک کی تمام اقوام اور تمام مذاہب نے قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ اور سب نے انسانیت کے بھولے ہوئے سبق کو یاد کیا آپ کی قیادت ملک کے اداروں تک محدود نہیں رہی بلکہ ملک سے باہر اسلامی مرکز آکسفورڈ یونیورسٹی لندن، رابطہ عالم اسلامی مکۃ المکرمۃ، عربی اکیڈمی دمشق، مؤتمر عالم اسلامی بیروت، مجلس انتظامی اسلامک سینٹر جنیوا۔ اور ہندوستان کے تمام بڑے اداروں نے آپ کی رہنمائی اور قیادت سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور ہر ادارہ نے آپ کو ایک باوقار اور قد آور شخصیت تسلیم کیا۔

آپ کے اندر ایک خوبی حقیقت پسندی تھی جو آپ کو اپنے شیخ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری سے وراثت میں ملی تھی مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ سنہ ۱۹۹۸ء کے رمضان المبارک تھے، اور میں آخری عشرہ میں تکیہ رائے بریلی آپ کی خدمت میں حاضر تھا، تراویح کے بعد مجلس ہو رہی تھی جس میں حضرت کے ملفوظات سنے جاتے تھے، مولانا نذر الحفیظ ندوی نے خدمت عالیہ میں عرض کیا کہ حضرت آپ کے شیخ مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری کی امتیازی صفت کیا تھی، حضرت نے جواب ارشاد فرمایا کہ "حضرت کا وصف ممتاز حقیقت پسندی تھی" جس کی وجہ سے بیرون اخبارات منگوا کر ان کی سرخیاں سنا کرتے تھے اور اپنے اور دنیا کے ممالک کے حالات، اور پیش آنے والے حادثات سے باخبر رہتے تھے۔ اور حضرت نے فرمایا کہ عربوں کے حالات سن کر ان کے بارے میں بہت متفکر رہتے تھے، چنانچہ جب میں نے پہلی بار عرب ممالک کے سفر کا ارادہ کیا تو حضرت سے اجازت طلب کرنے کے لئے رائے پور خدمت اقدس میں حاضر ہوا حضرت نے بخوشی اجازت مرحمت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا اچھا ہے تم عربوں کے پاس جا رہے ہو ان سے تمہیں گفتگو کے مواقع ملیں گے ان سے یہ کہنا کہ خدا نے جو دولت تمہیں عطا کی ہے اس کو اعتدال کے ساتھ خرچ کرو۔ اور اس کے ذریعہ اپنی انفرادی اور اجتماعی قوت میں اضافہ کرو؛

آپ نے بھی اپنی پوری زندگی میں حقیقت پسندی کا مظاہرہ کیا اور ہمیشہ عالم اسلام اور پوری دنیا کے حالات سے باخبر رہے اور عرب ممالک میں جا کر ان کو گرد و پیش کے حالات سے باخبر کیا۔ اور ان کو اجتماعی طاقت کو بڑھانے اور یورپی خطرات کا دفاع کرنے کی تلقین فرمائی نیز دولت کی فراوانی کے مہلک اثرات سے آگاہ کیا۔ اسی طرح آپ کی ایک خوبی اعتدال پسندی تھی جو امت محمدیہ کا امتیازی وصف ہے، آپ کی خدمات اور کارنامے جو پوری ایک صدی کو محیط ہیں۔ آپ نے ہمیشہ ان میں اعتدال کی راہ اپنائی اور دوسروں کو بھی معتدلانہ طریقہ اپنانے کی تاکید فرمائی، آپ کو اللہ تعالیٰ دین حق اور اسلام کا ایک ایسا داعی بنایا تھا اور آپ کے دل میں دعوت کی وہ تڑپ تھی جس نے آپ کو ملک کے چپہ چپہ اور دنیا کے تمام ملکوں میں جادہ پیمائی پر مجبور کیا اور ہر ملک میں جا کر تبلیغی جماعت کے پلیٹ فارم سے انسانوں کو اسلام اور انسانیت کی دعوت دی بڑے بڑے حکمراں اور بادشاہوں کو خطوط لکھے اپنے خطبات میں بڑے بڑے سلاطین کو جھنجھوڑا، عرب ممالک میں جا کر دعوت کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا، برطانیہ، امریکہ، اور یورپ کے دوسرے ملکوں میں جا کر دین متین کی حقانیت کو ثابت کر کے اس کی طرف آنے کی دعوت دی اور اسلام مخالف نظریات کا اس طرح دفاع کیا جس نے دشمنان اسلام کو لاجواب کر دیا۔

تصوف و سلوک کے ذریعہ بھی آپ نے اصلاح و تربیت کا ایک عظیم کارنامہ انجام دیا۔ آپ نے حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری کی خدمت میں رہ کر تصوف کے منازل کو طے کیا اور آپ کی اصلاح و تربیت کی سچی تڑپ اور دنیا سے بے نیازی اور قوت اخلاص کو دیکھ کر شاہ صاحب نے اپنا مجاز بنایا۔ اور اس صدی کے دوسرے مشائخ کی خدمت میں حاضر ہو کر سب ہی سے استفادہ کیا، یہ ہی وجہ تھی کہ وقت کے تمام ہی اکابر اور شیوخ آپ کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ حضرت شاہ صاحب آپ کے مربی ہونے کے باوجود آپ کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے، شیخ الاسلام حضرت

مولانا حسین احمد مدنیؒ آپ کے استاذ ہونے کے باوجود اکرام کا معاملہ فرماتے تھے، حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ بانی جماعت تبلیغ پر آپ کو مکمل اعتماد تھا اور اہم جماعتی فیصلوں میں آپ کی رائے کی قدر کی جاتی تھی، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے یہاں آپ کو بڑا مقام حاصل تھا اور آپ کا بڑا احترام کیا جاتا تھا، مولانا قاری محمد طیبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولانا عبدالماجدؒ دریابادی اور مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے یہاں آپ کی بڑی قدر تھی اور ان جیسے سینکڑوں اکابر واسلاف کی ہمدردیاں اور دعائیں آپ کو حاصل تھیں، ان تمام بزرگوں سے آپ کو نسبت حاصل تھی، اور مسلمانوں کی اصلاح وتربیت، ان کے عقائد کی درستگی اور بدعات وخرافات سے نفرت آپ کے خاندان میں چلی آرہی تھی، آپ نے اپنے اجداد کی امانت کو باقی رکھا اور مشائخ و بزرگوں کی ہدایات اور مصلحانہ طریقوں کو اپنا کر زندگی کے آخری لمحات تک اصلاح وتربیت اور تزکیہ نفس کی تعلیم دیتے رہے،

آپ تقویٰ اور پرہیزگاری کے اس منصب پر فائز تھے کہ اعلیٰ قابلیت وصلاحیت اور بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہونے کے باوجود دنیا سے بے رغبتی اور عہدوں سے بے نیازی اور زندگی کے ہر شعبے میں سادگی اور کمال احتیاط آپ کی زندگی کا طرۂ امتیاز تھا، جن حضرات نے آپ کو قریب سے دیکھا ہے، اور آپ کی مجالس سے استفادہ کیا ہے، وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ آپ کی نظر میں دنیا اور متاع دنیا کی کوئی وقعت نہیں تھی، دنیا کی دولت آپ کے قدموں کے نیچے رہتی تھی، لیکن آپ اس کو قریب نہیں آنے دیتے تھے، دنیا کے لوگوں نے آپ کو بہت کچھ دیا لیکن آپ نے اس کو دوسروں کے لئے قربان کر دیا، ۱۹۷۹ء میں آپ کو فیصل ایوارڈ سے نوازا گیا جس کو آپ نے فوراً مجاہدین اسلام کے لئے وقف کر دیا ۱۹۹۸ء میں آپ کو بڑی اسلامی شخصیت مان کر حکومت دبی نے ایک گرانقدر انعام دیا لیکن آپ نے اس کو دینی مراکز اور اشاعت اسلام کے اداروں کو تقسیم کر دیا، آپ نے کبھی عہدوں کی خواہش نہیں کی اور اس بے نیازی نے دنیا کے بڑے بڑے عہدوں کو آپ کے قدموں میں لاکر ڈال دیا اور جتنے باوقار عہدوں پر آپ فائز رہے انیسویں صدی میں آپ جیسی کوئی شخصیت نظر نہیں آتی، اور اگر یہ کہا جائے کہ آپ کی ذات اس حقیقت کی اعلیٰ مثال تھی (کہ مال، عہدہ، عزت، سب انسان کے تابع ہیں نہ کہ انسان ان چیزوں کے تابع، اگر انسان اپنی انسانیت کو بلند کرے تو بقیہ تمام چیزیں اپنے آپ اس کو حاصل ہوجائیں گی اور اس کو ان چیزوں کے حصول کے لئے جد وجہد کی ضرورت نہیں ہوگی) تو یہ حقیقت ہوگی،

آپ نے اپنی زندگی کے تمام شعبوں میں سادگی کو اختیار کیا اور اپنی زندگی کے آخری لمحات تک حضرات انبیاء کرام اور اسلاف واکابر کی اس شان امتیازی کو سینے سے لگائے رکھا چنانچہ آپ کی زندگی تصنع اور بناوٹ سے پاک تھی اور کسی بھی گوشہ میں اس کی کوئی جھلک نہیں تھی اس سادگی کا اثر تھا کہ آپ مہمانوں کے ساتھ بڑی محبت اور اخلاص سے پیش آتے تھے اور ان کی راحت وآرام کی بڑی فکر رکھتے تھے۔ مہمانوں کی آخری لمحات تک بڑی خاطر داری کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ ان کو کھانا، اور ناشتہ اپنے ساتھ کراتے تھے، اپنے خدام کو تاکید کرتے رہتے تھے کہ مہمانوں کا خیال رکھنا، کمال احتیاط کا یہ عالم تھا کہ ندوہ کے ناظم ہونے کے باوجود اس کی چیزوں کو بلا قیمت واجرت استعمال نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ مہمان خانہ اور گاڑی کا ہمیشہ کرایہ ادا کیا کرتے تھے، اور حقیقت یہ ہے کہ آپ اپنے اسلاف واکابر کی تمام خوبیوں کے جامع اور ان پر عمل پیرا تھے، آپ کی زندگی کے اتنے وسیع گوشے اور غیر معمولی پہلو ہیں اور پوری ایک صدی پر محیط وہ عظیم الشان خدمات اور کارنامے ہیں، جن کو بیان کرنا بہت مشکل ہے، اس لئے اپنی بات اس مصرعہ پر ختم کرتا ہوں،

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں!

اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کے اعلیٰ اخلاق اور آپ کے مشن کو اپنانے اور اس کو آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

جیسے ٹوٹا ہر اک پہ کوہِ اَلم

● عبدالقیوم فرقت لکھنوی

ملک اور قوم کا تھا جس سے بھرم
جس کو سونپی گئی کلیدِ حرم
خبرِ ارتحال کیا آئی
جیسے ٹوٹا ہر اک پہ کوہِ اَلم
مثلِ پروانہ تھے فدا اس پر
جو تھے وابستگانِ شمعِ حرم
جس کی آراء کے منتظر تھے سبھی
اہلِ دل، اہلِ سیف، اہلِ قلم
دست بوسی کریں شیوخِ عرب
کریں تعظیم جس کی اہلِ عجم
اس کی تحریر ہی کچھ ایسی تھی
ورقِ گل پہ جیسے ہو شبنم
کون ہے اس کے بعد جو فرقت
رہنمائی کرے قدم بہ قدم

عالم انسانیت کا رہبر دنیا سے اٹھ گیا

مولانا عبد الکریم پاریکھ

حضرت اقدس، مرشد محترم مولانا سید ابو الحسن علی ندوی صاحب علیہ الرحمہ کی وفات سے ایسا کچھ نقصان ہوا کہ صرف مسلمانان برصغیر کا ہی نہیں بلکہ عالم انسانیت کا رہبر و قائد دنیا سے اٹھ گیا، اس دنیا میں جو آیا اسے موت کی منزل سے گذرنا ہی ہے اور رب تعالیٰ کے فیصلے کے تحت کبھی نہ کبھی یہ ہونا ہی تھا کلّ اِلَیْنَا رَاجِعُوْنَ (ہر ایک کو ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے) اور اِلیٰ رَبِّکَ الرُّجْعیٰ (آپ کے رب کی طرف واپس جانا ہے) اسی قانونِ الٰہی کے تحت ۳۱ر دسمبر ۱۹۹۹ء بروز جمعہ حضرت والا علیہ الرحمہ اپنے رب کے دربار میں طلب کر لئے گئے۔

نقصان کی بھرپائی

لیکن حضرت مولانا علی میاں صاحب علیہ الرحمہ کے سفرِ آخرت سے انسان کا جو نقصان ہوا، اس کی بھرپائی کے لئے ہزاروں لاکھوں دانشور علماء، عقلاء، مفسرین اہل علم و قلم، مصلحین امت، داعیان حق کی پوری پوری جماعتیں شاید اس نقصان کو پورا نہیں کر سکیں گی اس نقصان کو پورا کرنا صرف اور صرف حق تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ اللہ کے چاہنے سے ہی ہمیں ان کا بدل مل سکتا ہے اور اللہ کے لئے یہ کچھ بھی مشکل نہیں اسی نے مولانا علی میاں صاحبؒ کی تخلیق فرمائی تھی وہ الخلاق العلیم ہے چاہے تو ہم کو مولانا مرحوم کا بدل مل سکتا ہے وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْز۔

اب چراغوں کی یکجائی مطلوب ہے

کتنے ہی آفتاب و ماہتاب اور ستارے طلوع و غروب کی منزل سے گذر گئے اور ملت بے رونق ہوتی گئی مگر دوسرے ستارے قدرت الٰہی کی تخلیق سے طلوع ہو کر اگلوں کی جگہ لیتے رہے، حضرت اقدس مولانا علی میاں صاحب علیہ الرحمہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جو خاص الخاص مہربانی تھی ہم اس کے مستحق تو نہیں ہو سکتے مگر اتنے بڑے سورج کے غروب ہونے پر ہدایت کے تمام چھوٹے بڑے چراغوں کی یکجائی سے امت کے اندھیرے میں رہنے کا خطرہ انشاء اللہ ٹل جائے گا۔

تاثیر باقی رہے گی

حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی علیہ الرحمہ کے وہ نقوش جو لاکھوں لاکھ سطور میں دنیا کی اہم زبانوں میں ثبت ہیں، آپ کی تقاریر کے کیسٹ اور آپ کی ضخیم کتابیں جو کتاب و سنت کی روشنی کو دنیا میں منور کرنے کے لئے حضرت کی حیات میں جو تاثیر رکھتی تھیں میرے نزدیک وہ تاثیر اب بھی باقی ہے۔ مولانا علی میاں صاحب علیہ الرحمہ کے کارناموں سے روشنی کا ایک مینار ہی نہیں بلکہ ہزاروں ہزار روشنی کے مینار نور کی بارش کرتے رہیں گے شرط یہ ہے کہ ایک طرف حضرت والا کی تقریروں کے کیسٹ، بیشمار مضامین اور امت کے حق میں دیئے گئے مشوروں سے فائدہ اٹھایا جائے، آپ کی چھوٹی بڑی تمام تصانیف کو امت کے ذی شعور افراد اپنے مطالعہ اور معلومات کے گھیرے میں لے آئیں نیز آپ کی فکر کی لکیروں کے درمیان امت اپنے آگے کے سفر کا فیصلہ کرے۔

کھیتی کی حفاظت میں سب لگ جائیں

ان کے عقیدت مند عوام و خواص، ہم عصر علماء، دانشور قائدین اور امت کے ہر طبقہ کے چھوٹے بڑے افراد مل جل کر ان سب کاموں میں لگ جائیں جنہیں حضرت والا نے اپنی حیات میں اس زمین پر بیج کی طرح بو دیا۔ اس کھیتی کی آبیاری، حفاظت، دیکھ بھال "هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ" کے تحت امت پر لازم ہے۔

ابنائے وطن سے خطاب

اس کے علاوہ زمین پر بسنے والے تمام انسانوں کے لئے پیامِ انسانیت کا پیغام حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ نے جاری فرمایا جس کے سبب ابنائے وطن میں دوسری قوموں اور مذاہب کے لوگوں کو ایمان اور خوفِ آخرت کے ساتھ انسانیت کے احترام کا سبق دیا، امت اسلامی نے اگر اپنی دعوت کی سرگرمیوں میں امن و محبت کے ساتھ اسے جاری رکھا تو انشاء اللہ یہ کھیتی ہری بھری ہو جائے گی۔ اور غیر مسلم عوام میں ایمان کی دعوت کے لئے مولانا علی میاں صاحبؒ نے جو راستہ ہموار کیا ہے اس پر چلنے سے دعوت ایمانی کے راستے مزید کشادہ ہو جائیں گے۔

جائے قیام ہندوستان

یہ بات سب جانتے ہیں کہ حضرت مولانا علی میاںؒ صاحب کی قیام گاہ غیر منقسم ہندوستان تھا، تقسیم کے بعد پاکستان وجود میں آیا پھر بنگلہ دیش لیکن حضرت والا

کے انکار کے لئے دنیا کا صرف اتنا حصہ کافی نہیں تھا آپ نے دنیا کے کچھ ملکوں کو چھوڑ کر تمام ممالک کے دورے فرمائے اور کتاب وسنت کی دعوت کو مخصوص مصلحانہ انداز میں مختلف قوموں ملکوں کے حالات وتناظر کو سامنے رکھتے ہوئے بڑی احتیاط سے پیش فرمایا۔

درسِ قرآن کی ترتیب

ایام جوانی میں مولانا علی میاں صاحبؒ نے درس قرآن کا سہارا لیا اپنے مرشد حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے سلسلہ درس قرآن میں شریک ہوئے سلسلہ بیعت وارشاد میں بھی اپنے ہم عصر بزرگوں کی ایک مضبوط کڑی بن گئے، مدارس عربیہ کے قیام میں گہری دلچسپی لی، عربی زبان کی ترویج واشاعت میں اہم خدمات انجام دیں، سلسلہ دینی تعلیمی نصاب میں "القرأة الراشدہ" "قصص النبیین" اور مختارات کا سلسلہ (علاوہ ازیں سیرة النبویہ (نبی رحمت) ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین (انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر) الارکان الاربعة فی الاسلام، العقیدة والسلوک (دستور حیات) اور بھی دیگر کئی کتابیں عرب ملکوں میں بھی داخل نصاب ہیں)

عربی دنیا کے لئے آپ کی ایک خاص دین ہے۔ یورپ کے لوگوں نے بھی اس سے فائدہ اٹھایا۔

۱۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے ساتھ مل کر تبلیغ دعوت واصلاح کی محنت کو عروج کی منزل تک پہونچایا۔

۲۔ مجلس مشاورت کا کام تقسیم ملک کے بعد ان حالات میں کیا جو اہل ایمان کے لئے نہایت سخت اور سنگین دور تھا۔

۳۔ دینی تعلیمی کونسل کے تعلق سے اترپردیش اور بہار میں لاکھوں لاکھ بچوں کو ابتدائی دینی تعلیم سے جوڑ دیا۔

۴۔ اعلیٰ عصری تعلیم کو اللہ کے دین کے حدود کے تحت ہموار کرنے کی کوشش فرمائی، برطانیہ کی آکسفورڈ یونیورسٹی میں "شعبہ اسلامیات" کے قیام میں زبردست حصہ لیا اور تاحیات اس کے صدر رہے۔

۵۔ ہندوستان جیسے سیکولر ملک میں مسلمان اپنی دینی تعلیمی اصلاح جس سطح پر کر سکتے تھے اس میں آپ نے اہم رول ادا کیا۔

۷۔ طبقہ خواتین کے لئے دینی تعلیم کے راستے ہموار کئے، شادی بیاہ کی شاہ خرچیوں اور سودی لین دین سے پرہیز کرنے کی طرف عوام وخواص کو متوجہ فرمایا۔

۸۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام میں زبردست حصہ لیا، ہم عصر علماء کرام اور مسلمانوں کے مختلف مکتب فکر کے لوگوں کو جوڑنے میں کامیاب ہوئے۔ اور اللہ کے دربار میں طلبی کے دن تک بورڈ کے صدر رہے، سپریم کورٹ میں شاہ بانو کیس کے فیصلے پر اہل ایمان کی بے چینی ہم سبھوں کو یاد ہے، ایک طرف عوام کو سنبھالے رہنا کہ صبر وضبط کے ساتھ شریعت کے تحفظ کے لئے متحد ہوں۔

دوسری طرف حکومت کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر بات کرنا، راجیو گاندھی جیسی سیاسی شخصیت کو مسلم پرسنل لا بورڈ کے بارے میں حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ نے پوری معلومات فراہم کی اور الحمد للہ "مسلم وامین پروٹیکشن بل MUSLIM WOMEN PROTECTION BILL پارلیمنٹ میں بھاری اکثریت سے پاس کرالیا، آپ کا یہ کارنامہ عدلیہ اور پارلیمنٹ کی تاریخ میں بے مثال ہے۔

۹۔ جن ممالک میں مسلم حکومتیں قائم تھیں ان کا دورہ فرمایا اور ان کے طریقہ کار کو متعین کرنے میں اہم اور ضروری مشورے دیئے۔

۱۰۔ شخصی سلطنتوں کے سربراہوں سے ملاقات کر کے دینی، اصلاحی، تعلیمی اور تنظیمی دائروں کا تعین کر کے ان کو راہ عمل پر ڈالا۔

۱۱۔ سیکولر ملکوں میں مسلمانوں کا ایمانی کردار اور طریقہ دعوت کو عام کرنے کے لئے آپ نے ان ملکوں کے حالات کے تناظر میں اپنے قلم وزبان سے اہم رہنمائی دی۔

۱۲۔ غیر مسلم بھائی بہنوں میں ایمان اور اسلام کا تعارف کرانے میں ملکی زبانوں کا سہارا لیا اور دارالعلوم ندوة العلماء لکھنؤ میں "مجلس تحقیقات ونشریات اسلام" کے نام سے ادارہ قائم فرمایا جس نے مختلف زبانوں میں حضرت کی کتابیں شائع کیں اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

۱۳۔ انگریزی روزناموں کے جاری کرنے میں بھرپور کوشش فرمائی اور الحمد للہ کامیاب بھی ہوئے مگر حضرت کے بعض مشوروں کی پابندی نہ ہونے کے سبب انگریزی روزنامے وجود میں نہ آسکے

۱۴۔ دینی خدمت کرنے والی جماعتوں کا آگے بڑھ کر بھرپور تعاون کیا اور کرتے رہے لیکن جب اپنے قائم شدہ اصولوں سے ہٹ کر جماعت کے ذمہ دار کام کرنے لگے تو پہلے انھیں حضرت نے محبت ہمدردی اور دلسوزی سے سمجھانے کی کوشش فرمائی ان کے ماننے پر خاموشی اختیار کر لی اور مخالفت ظاہر نہ ہونے دی اپنے تعاون کو بھی جاری رکھا اور ان کو اپنی دعاؤں میں یاد کرتے رہے۔

۱۵۔ ندوة العلماء کی تحریک کو آپ کے تعاون نے عالمگیر تحریک بنا دیا اور اس اسلامی دینی ادارہ کو پورے عالم میں شہرت مل گئی۔

۱۶۔ آپ کے کمالات اور کارنامے کوئی کہاں تک گنوائے؟ جس وقت کٹھمنڈو سے انڈین ایر لائنز کے جہاز کا اغوا کیا گیا اور بے گناہ مسافروں کو کئی دن تک اغوا کرنے والوں نے جہاز کے اندر قید رکھا اس واقعہ کی اطلاع حضرت اقدس مولانا علی میاں صاحبؒ کو ہوئی تو آپ نے اپنی وفات سے ایک

پہلے اپنا ایک اصلاحی بیان جاری فرماکر یہ اپیل کی کہ غیر اسلامی اور غیر انسانی طریقوں کو اختیار نہ کیا جائے اور انسانیت کے احترام کو قائم رکھ کر خون خرابے دور رہا جائے۔

طویل فہرست

مرشد محترم حضرت اقدس مولانا سید ابو الحسن علی ندوی صاحبؒ کے ترتیب دیئے کاموں کی فہرست طویل ہے اس کا گننا مشکل ہے، دنیائے اسلام کے صاحب قلم اور ادیب و انشاپرداز لوگوں کو متحدہ پلیٹ فارم پر لاکر اسلامی مقاصد کے تحت اپنے فن کا مظاہرہ کرنے کے لئے "رابطہ ادب اسلامی" کے نام سے ایک تنظیم آپ نے قائم فرمائی، فکر و ادب کے ذریعہ ایمان اور اسلام کی دعوت کو عوام تک پہونچانے کا یہ تنظیم ایک موثر ذریعہ ہے، اس کے اجتماعات اور کانفرنسیں ساری دنیا کے اہم ملکوں میں ہوتے رہے ہیں جیسے سعودی عرب، ترکی، ہندوستان، پاکستان، نیپال اور بنگلہ دیش وغیرہ۔

مدینہ یونیورسٹی

مدینہ یونیورسٹی کا عالمی تخیل مولانا علی میاں صاحبؒ کے وسیع دینی تعلیمی اصلاحی مقاصد کا مظہر ہے، سعودی عرب کے حکام کو آپ نے مدینہ یونیورسٹی کے قیام کی طرف متوجہ فرمایا اور اس کا تعلیمی نصاب بھی مرتب کیا۔

امن پسندوں کی ملی جلی تنظیم

۲۰۔ ہندوستان میں ابنائے وطن کے ساتھ بھائی چارہ اور پر امن طریقے سے رہنے کے لئے مسلمانوں کو پیام انسانیت کی تحریک حضرت مرشد محترم نے دی، اسی طرح ایک فعال تنظیم بشمبھر ناتھ پانڈے صاحب جو ایک زمانہ میں بہار اور اڑیسہ کے گورنر تھے انھیں آمادہ کرکے SOCIETY FOR COMMUNAL HARMONY کے نام سے بنائی جس کے تحت ہندوستان کے بڑے بڑے غیر مسلم افراد مولانا علی میاں صاحبؒ کی فکری لائن اور خطوط پر منظم ہوئے اور ملک سے فرقہ وارانہ کشیدگی دور کرنے، تفرقہ بازی کی دیواریں چھوٹی کرنے اور ملک میں امن و امان قائم کرنے میں بڑا اہم رول ادا کیا۔ کلدیپ نیر، چندر شیکھر، سی۔ پی۔ ترپاٹھی، لالا لوہرنگ، اندر کمار گجرال، امرت سنگھ، راجیس پنا اور ابیندر باجپائی جیسے لوگ اور بیشمار مسلم اور غیر مسلم دانشور، اہل قلم مفکرین امن کے راستے پر اس ملک کو چلانے کے لئے SOCIETY FOR COMMUNAL HARMONY کے تحت ان بلند مقاصد کے حصول میں اب بھی مشغول ہیں۔

پدم بھوشن

۲۱۔ نام و نمود دکھاوا اور عہدوں کی طلب سے دور رہ کر حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ خدمات انجام دیتے رہے، حکومت ہند نے ہندوستان کا سب سے بڑا خطاب "پدم بھوشن" دینے کے لئے اپنے افسران مولانا علی میاں صاحبؒ کے پاس برابر بھیجتی رہی لیکن حضرت والا اس پیشکش کو قبول کرنے سے معذرت کرتے رہے۔

بے نفسی

۲۲۔ ہندوستان کی کئی ایک یونیورسٹیوں کی وائس چانسلر شپ کے قبول فرمانے کی بار بار پیشکش ہوتی رہی مگر اس عہدہ کو قبول کرنے سے حضرت علیہ الرحمہ عذر فرماتے رہے۔ یہ آپ کی بے نفسی اور عہدہ طلبی سے دوری کی دلیل ہے، امام حرم کی دو مرتبہ اور مسجد اقصیٰ کے امام صاحب کی ایک مرتبہ لکھنؤ تشریف آوری ہوئی اور اس کے علاوہ دنیا بھر کے حکام کی حضرت کی خدمت میں مسلسل حاضری ہوتی رہتی تھی لیکن کبھی اس کا تذکرہ خود نہ فرماتے تھے، ہم سیاہ کاروں کے لئے یہ بے نفسی بھی لمحۂ فکریہ ہے۔

ایک منٹ بھی ضائع نہ ہونے دیا

۲۳۔ اللہ رب العالمین نے حضرت مولانا علی میاں صاحب علیہ الرحمہ کو مال کی محبت اور طلب کے بجائے ایمان اور علم و عمل کی محبت سے بھر دیا تھا اور اور اوسط درجہ سے بھی کم درجہ کی زندگی آپ نے گذاری، سادہ لباس، محدود ضرورتیں، لکھنا پڑھنا، حق بولنا، عبادات سے گہرا شغف، معمولات دینیہ کی پابندی، راتوں کو ذکر و اذکار اور بندگی میں مشغولیت دن کے اوقات میں مخلوق سے رابطہ اس طرح حضرت علیہ الرحمہ نے اپنی عمر عزیز کا ایک منٹ بھی ضائع نہ ہونے دیا۔

نصف صدی کی رفاقت

اس عاجز کا حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ سے ۱۹۵۵ء میں رابطہ ہوا، پورے ۴۴ سال اللہ کے اس مخلص، پاکباز بندے کی ظاہر و باطن کی زندگی نظر میں رہی، مال کی محبت سے دوری کا جو نمونہ آپ کی زندگی میں دیکھا وہ صحابہ کرامؓ کی حیات سے ملتا ہے لیکن اس دور اور اس صدی میں کہیں دیکھنے میں نہیں آیا، آپ کو فیصل ایوارڈ ملا جو زمانہ کے لحاظ سے ساڑھے سات لاکھ روپئے کی رقم تھی اسے حضرت والا نے تعلیمی اداروں اور مخلص اہل ایمان کی جماعتوں میں وہیں کے وہیں تقسیم کروادیا۔ اپنے گھر تو کیا اپنے ملک میں لانا بھی گوارا نہ فرمایا۔

ایک کروڑ بیس لاکھ کا ایوارڈ

اسلامی خدمات پر حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کو پچھلے رمضان المبارک میں حکومت دوبئی نے ایک کروڑ بیس لاکھ روپے کا ایوارڈ پیش کیا، اس سے حضرت کے بلند وقار اور عزت و عظمت میں کچھ اضافہ تو نہ ہوا مگر اہل دوبئی اور ایوارڈ کی عزت افزائی ہوگئی کہ حضرت نے اسے قبول فرمایا اور اس ایوارڈ میں ملی رقم کو سب تعلیمی اداروں میں تقسیم کروا دیا اور ایک پیسہ بھی اپنی ذات یا اقرباء و اعزا کے لئے باقی نہ رکھا۔

برونائی ایوارڈ

ابھی ابھی وفات سے کچھ دنوں پہلے جب حضرؒت والا کی طبیعت زیادہ ناساز ہوئی اور سفر سے معذور ہوئے تو حکومت برونائی (BRUNEI) نے ایک بڑی رقم کا ایوارڈ خدمت اقدس میں پیش کیا۔ حکومت برونائی کے وزراء یہ ایوارڈ لے کر خود لکھنؤ آنے والے تھے مگر کچھ حالات کے تحت ہمارے ملک کی مرکزی حکومت اور ریاستی حکومت سیکورٹی کے انتظام سے قاصر تھی اس لئے برونائی کا وفد دہلی میں ہی رک گیا اور طے یہ ہوا کہ حضرت اقدس مرشد محترم کے خدام ایوارڈ لینے دہلی جائیں، حضرت مولانا سید محمد رابع ندوی صاحب مدظلہ جو بڑے صاحب علم اور حضرت کے بھانجے ہیں ان کی قیادت میں ایک وفد لکھنؤ سے دہلی پہونچا اس میں یہ عاجز بھی موجود تھا۔

میرا ایک عریضہ

حکومت برونائی کے وزراء سے ایوارڈ لیکر وفد نے حضرت اقدس کے دست مبارک تک پہونچایا میں نے ناگپور واپسی پر حضرت کو ایک عریضہ لکھا کہ فیصل ایوارڈ بھی آپ نے پورا پورا تقسیم فرما دیا اور دوبئی کے ایوارڈ میں سے بھی آپ نے کچھ نہیں رکھا میری درخواست ہے کہ برونائی ایوارڈ کو آپ اپنے اقرباء و اعزاء اور رشتہ داروں میں تقسیم فرمائیں۔ اپنی اس درخواست پر میں نے ایک دلیل بھی دی، جی نہ چاہتے ہوئے بھی ایک حقیقت پر سے پردہ اٹھاتا ہوں کہ حضرت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحبؒ نے فیصل ایوارڈ پایا اسے فی سبیل اللہ تقسیم فرما دیا اور اپنے خاندان کے لوگوں کے لئے کچھ باقی نہ رکھا اس پر مولانا مودودیؒ کے بعض اقرباء خفا ہوگئے اس لئے حضرت مرشد محترم سے عرض ہے کہ برونائی کے ایوارڈ کی رقم اپنے رشتہ داروں، اقرباء اور اعزاء کے لئے محفوظ رکھئے۔

میرا عریضہ قبول ہوا

حضرت اقدس نے میرے عریضہ کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ باریکیہ صاحب! آپ نے بہت اچھا مشورہ دیا ہمارا بھی یہی خیال ہے، اور حضرت والا نے مجھے یہ بھی لکھا کہ میں تمہیں بھی اپنے اعزاء اور اقرباء میں سے سمجھتا ہوں اور ندوی برادری کے تم بھی ایک فرد ہو۔

اس تحریر سے اشارہ مل گیا کہ حضرت اقدس مصلح امت علیہ الرحمہ کے دل میں ضرور کوئی بات ہے حضرت کی علالت کے زمانہ میں انتظامی امور کے تحت میری ندوۃ العلماء حاضری ہوئی تو آپ نے اپنے پاس بلا کر بڑی محبت سے مجھے پانچ ہزار روپے عنایت فرمائے اور میرے بارے میں جو الفاظ ارشاد فرمائے وہ میری حیثیت سے بہت زیادہ ہیں۔

مجھے بھی پانچ ہزار عنایت فرمائے

فرمایا کہ:

"تو راہ خدا میں خرچ کرتا ہے، کسی سے کچھ لیتا بھی نہیں حتیٰ کہ دینی ملی امور کے لئے جو اسفار ہوتے ہیں ان میں ٹکٹ کے پیسے بھی کسی سے نہیں لیتا، میں تجھ سے بہت خوش ہوں، اللہ نے تجھ کو بہت کچھ عطا فرمایا ہے، ہم تو غریب آدمی ہیں لہٰذا ہماری طرف سے ایک چھوٹا سا ہدیہ پانچ ہزار روپے کا قبول کرلے"۔ میں نے شرمندگی کے سبب اور حد ادب کا لحاظ کرتے ہوئے "تو" کا لفظ لکھا ہے لیکن حضرت نے لفظ آپ سے خطاب فرمایا تھا۔

مرشد روحانی کے ان الفاظ کو سن کر میرے جسم کا ایک ایک حصہ اللہ کے شکر اور حضرت والا کی قدر دانی پر متحرک ہو اٹھا اور بڑی رقت طاری ہوئی آپ کی خوبیاں، کمالات، کارنامے، خدمات کہاں تک گنواؤں ایسی رفاقت ایک عرصہ تک رہی، اب میں اس رفاقت شفقت، محبت اور رہنمائی سے محروم ہوں، کوئی میرے دل سے پوچھے مجھ پر کیا گذری ہے؟ حضرت والا علیہ الرحمہ کے قریبی حلقوں میں سب سے زیادہ یتیم اور بے سہارا میں اپنے آپ کو محسوس کررہا ہوں البتہ اللہ کی عنایات، مہربانیوں اور فضل سے ناامید نہیں ہوں اور دعاگو ہوں کہ حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کی شفقتیں، عنایات، محبت، تعلیم و تربیت کا جو سایہ مجھ پر رہا ہے اللہ تعالیٰ اس کے اثرات مجھ پر باقی رکھیں۔

حقیقی عالم اور طالب علم؟

● مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی رحمۃ اللہ علیہ

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، امابعد! قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الناس کلھم ھالکون الا العالمون: (الحدیث)

ترجمہ: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سارے لوگ ہلاک ہونے والے ہیں سوائے ان لوگوں کے جن کو اللہ نے علم نصیب فرمایا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے لوگوں کو ہلاک ہونے والا فرمایا ہے سوائے اہل علم کے جن کو اللہ کی معرفت حاصل ہے اور جو اپنے رب کو پہچانتے ہیں، عالم کہتے ہی اس کو ہیں جس کو اللہ کی معرفت کا علم حاصل ہو جس کے ذریعہ وہ اللہ کو پہچان سکے محض دس سال کا کورس کر لینے اور بخاری پڑھ لینے کو عالم نہیں کہتے بہت سے اللہ کے بندے ایسے ہوتے ہیں جو رسمی عالم نہیں ہوتے لیکن اللہ کی معرفت ان کو حاصل ہوتی ہے اور اللہ کے نزدیک وہ عالم ہوتے ہیں اللہ کے نزدیک تو عالم وہی ہے جس کو اللہ کی معرفت حاصل ہو (اور معرفت حاصل ہوتی ہے قرآن و حدیث کے ذریعہ۔ اور بعض اللہ کے بندوں کو وہبی طور پر بھی اللہ تعالیٰ یہ نعمت عطا فرما دیتا ہے۔ چنانچہ) بہت سے ایسے بزرگ گزرے ہیں جو رسمی عالم نہیں تھے لیکن بڑے بڑے عالموں نے ان سے کسب فیض کیا ہے۔

شیخ عبدالعزیز دباغ

ڈیڑھ صدی قبل مصر میں ایک بزرگ گزرے ہیں شیخ عبدالعزیز دباغ جو بالکل اُمّی ان پڑھ تھے لیکن اللہ نے ایسے علوم عطاء فرمائے تھے کہ ان کے سامنے کوئی عبارت پیش کی جاتی تو وہ اس کے انوار و برکات سے پہچان لیتے تھے کہ یہ قرآن کی ایت ہے، یا حدیث پاک ہے یا کسی اور کا انسانی کلام ہے۔ فرماتے تھے کہ کلام اللہ کا نور کچھ اور ہوتا ہے۔ اور حدیث پاک کا نور اس سے مختلف ہوتا ہے اور انسانی کلام میں وہ نورانیت نہیں ہوتی۔

سیّد احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سیّد احمد شہیدؒ کو دیکھ لیجئے جو شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے شاگرد ہیں وہ جب کتاب لے کر بیٹھے تو انھوں نے اپنے استاذ سے عرض کیا کہ حضرت حروف دکھائی نہیں دیتے کیسے پڑھوں، شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے فرمایا کتاب بند کرو اللہ تعالیٰ تم کو دوسری راہ سے علوم دے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ایسے علوم عطا فرمائے کہ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ جیسے لوگ ان کے پیچھے پیچھے چلتے اور ان کی جوتیاں سیدھی کرتے تھے۔

حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ:

حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ ایسے بزرگ ہیں جو عالم تو نہ تھے صرف کافیہ تک پڑھے ہوئے تھے۔ لیکن حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ جیسے لوگ ان کی جوتیاں سیدھی کرتے تھے ان کی خدمت میں جاتے اور ان سے فیض حاصل کرتے تھے۔ آخر کوئی تو چیز حاجی صاحبؒ میں تھی جس کی وجہ سے حضرت گنگوہیؒ اور حضرت تھانوی ان کے پاس جاتے تھے۔

توکل شاہ

حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحبؒ پانی پتی کے زمانے میں ایک بزرگ گزرے ہیں سائیں توکل شاہ، یہ بھی ان پڑھ تھے لیکن بڑے بڑے علماء ان کی جوتیاں سیدھی کرتے تھے حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحبؒ پانی پتی خود ان کی مجلس میں بیٹھتے تھے، ان ہی بزرگ کا قصہ ہے کہ ایک شخص بطور امتحان کے آیا واقعہ پوچھا کہ حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آدمی وضوء کرتا ہے تو فرشتے رحمت کی چادر سے اس کو ڈھانپ لیتے ہیں۔ اگر باتیں کرتا ہے تو فرشتے چادر چھوڑ کر چل دیتے ہیں سوال یہ کیا کہ جب فرشتے چادر چھوڑ دیں گے تو اور اچھا ہے کہ وہ رحمت کی چادر اس کے اوپر آجائے گی رحمت اس کو ڈھانپ لے گی حضرت نے جواب دیا کہ رحمت کی چادر نیچے نہیں آتی اوپر جایا کرتی ہے، ہم سے اگر کوئی پوچھتا تو ہم بھی یہی جواب دیتے کہ جب ہر ثقیل شئے کا مرکز نیچے آکر گرتی ہے تو یہ چادر بھی نیچے گرے گی۔

شاہ عبدالغفور صاحبؒ

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ نے مجھ سے بیان کیا کہ شاہ عبدالغفور صاحب حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مرید خاص تھے حضرت

تھانویؒ نے جب ان کو خلافت دی ہے اس وقت انھوں نے عرض کیا کہ حضرت میں تو ہر اعتبار سے گھٹیا ہوں علم کے اعتبار سے بھی ذات کے اعتبار سے میں تیلی ہوں اور ان پڑھ بھی ہوں میں اس کا اہل نہیں حضرت تھانویؒ نے فرمایا تم کیا جانو میں جانتا ہوں، تم تیلی ہو لوگوں کا تیل نکالوگے (یعنی لوگوں کی اصلاح کروگے) واقعی اللہ نے ان سے یہ کام لیا۔ اور وہ ایسی ایسی دقیق باتیں بیان کرتے تھے جو کتابوں میں نہیں ملتیں، حضرت مولانا علی میاں صاحب اور حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ جیسے لوگ ان کی جوتیاں سیدھی کرتے تھے۔ ندوہ تشریف لے جاتے اور کئی کئی روز قیام فرماتے تھے، جب وہ ندوہ جاتے تو میں بھی حاضر ہوتا تھا۔

حضرت مولانا امین الدین صاحب

میرے استاد حضرت مولانا امین الدین صاحبؒ جو رشتے میں میرے ماموں ہوتے تھے، پانی پت سے تعلق تھا، مولانا نور محمد صاحب کے شاگرد تھے، صرف کافیہ وغیرہ پڑھے تھے، اہل تھورا کا پانی پت سے خاص تعلق تھا، قاری عبدالرحمن صاحب پانی پتی نے ایک عرصہ تک یہاں قیام فرمایا، قاری صاحب کے بعد مولانا عبدالسلام کی آمد ورفت رہی، مولانا امین الدین صاحب پانی پت میں کافیہ وغیرہ پڑھتے تھے۔ یہاں کے لوگوں نے مولانا عبدالسلام سے عرض کیا کہ:

حضرت پورا ضلع خالی ہے دور دور تک کوئی مدرسہ نہیں ہے۔ مولوی امین الدین صاحب کو یہیں روک دیجئے۔ یہاں مکتب قائم کریں بچوں کو پڑھائیں، حضرت نے مولوی امین الدین صاحبؒ سے کہا، مولوی امین الدین صاحبؒ نے عرض کیا کہ حضرت آپ کو معلوم ہے میری تعلیم جاری ہے کافیہ تک پہونچا ہوں، میری تعلیم رہ جائے گی۔ حضرت نے تھوڑی دیر مراقبہ کیا اور فرمایا مولوی امین الدین یہیں ٹھہر جاؤ اللہ تعالیٰ کو یہی منظور ہے اللہ تعالیٰ تم سے کام لے گا۔

چنانچہ رک گئے مولوی امین الدین صاحب میرے بھی استاذ ہیں یہ واقعہ انھوں نے مجھ سے خود بیان کیا ہے، یہ انہیں کا فیض ہے کہ میں نے بھی پڑھ لیا میرے دادا کا تو انتقال ہو چکا تھا۔ مولوی امین الدین صاحب ہی نے مجھے پڑھایا، ورنہ مجھے کوئی پڑھانے والا نہ تھا وہ نہ ہوتے تو میں بھی نہ پڑھ پاتا اور دوسروں کی طرح میں بھی گھاس کھودتا، اور مجھے تو گھاس کھودنا بھی نہیں آتا۔

مولوی امین الدین صاحب گھوڑی پر سوار ہوکر باندہ جاتے تھے لگام پکڑ کر میں خود چلتا تھا۔ جب باندہ پہونچتے تو شہرت ہو جاتی تھی کہ مولانا امین الدین صاحب آئے ہیں۔ عصر بعد مجلس لگتی جس میں بہت سے پڑھے لکھے لوگ جمع ہوتے تھے مجلس میں مثنوی شریف ایسے انداز سے پڑھتے تھے کہ سننے والے سب مست ہو جاتے تھے، پورے علاقہ میں ان کے ذریعہ بہت فیض ہوا، اور واقعی اس علاقہ میں علم کو انھوں نے زندہ کیا گاؤں گاؤں جا جا کر لوگوں کو پڑھایا ہے، کبھی اِس گاؤں میں اور کبھی اُس گاؤں میں اور یہ خاص بات تھی کہ کیسا ہی کند ذہن لڑکا ہو یا لڑکی جس کو انھوں نے قرآن پڑھا دیا وہ پڑھ ہی گیا۔ ان کے پڑھائے لوگ بہت اچھا قرآن شریف پڑھتے تھے۔ اب بھی کچھ لوگ موجود ہیں۔ ان کی صرف ایک ہی لڑکی تھی پوری جائداد مکان سب مدرسہ کے لئے وقف کر دیا تھا، اس طرح سے پورے علاقہ میں ان کا فیض جاری ہوا۔ اور یہ سب اس وجہ سے کہ اپنے استاذ کے حکم پر انھوں نے عمل کیا۔

آج کے طلبہ کی بدحالی

اور آج طالب علم خود رائی کرتا ہے اپنی مرضی سے عمل کرتا ہے اپنے بڑوں سے نہ مشورہ لیتا ہے نہ ان کی بات پر عمل کرتا ہے خواہ ایک لفظ نہ آتا ہو لیکن سند لیکر دوسروں کو دکھاتا ہے، اپنی شہرت کرانا چاہتا ہے، دورہ کا سال دورہ کا نہیں ڈورے ڈالنے کا سال ہوتا ہے کہ آئندہ مجھے کیا کرنا ہے، کسی دفتر میں نوکری مل جائے گی یا طبیہ کالج میں داخلہ لینا ہے، دوبئی پہنچنا ہے۔ اسی وجہ سے آج کل کے فارغین سے کوئی فیض نہیں پہونچ پاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سارے لوگ ہلاک ہونے والے ہیں سوائے علماء کے اور علماء سے مراد وہ ہیں جن کو اللہ کی معرفت حاصل ہو۔ عالم تو وہ ہے جس کا علم اس کو جنت کی طرف لے جائے، عالم تو وہ ہے جو اللہ کو راضی کرے۔

آگے فرمایا کہ علماء بھی ہلاک ہونیوالے ہیں مگر مخلص علماء اس سے مستثنیٰ ہیں در حقیقت اخلاص کے بغیر کوئی عمل معتبر نہیں، اور اس میں بڑا دھوکہ ہوتا ہے، بسا اوقات شروع میں اخلاص ہوتا ہے بعد میں اخلاص نہیں رہتا، شیطان تو ہر وقت پیچھے لگا ہوا ہے۔ اخیر اخیر تک خطرہ رہتا ہے، شیطان چاہتا ہے کہ اس کو شہرت کے فتنہ میں مبتلا کر دے آدمی یہی سوچتا ہے کہ کسی طرح میری شہرت ہو جائے میرے کارناموں کا لوگوں کو علم ہو جائے۔ حدیث پاک میں ریا کو شرک کہا گیا ہے ایسے شخص کو لوگ تو عالم سمجھتے ہیں اور اللہ کے نزدیک وہ مشرک ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے علم کی نعمت سے نوازا ہے تاکہ اس کے

ق عمل ہو۔ اور عمل میں جان پیدا ہوتی ہے
ں سے اور اس کے ساتھ اخلاص کی حفاظت
امان بھی ہو، ورنہ شیطان تو ایک ایک
ٹ میں اس کے اخلاص کو ضائع کرنے کی
شش کرتا ہے، اس لئے ہر وقت نگرانی
ضرورت ہے۔ بہت کم لوگ اس سے
سکتے ہیں لیکن اللہ کا شکر ہے کہ ابھی
سے لوگ موجود ہیں، دنیا ابھی خالی نہیں
ئی ہے۔

لم دین کو دنیا کمانے کا ذریعہ مت بناؤ

ہم کو غور کرنا چاہیئے کہ علم دین کیوں حاصل
ر رہے ہیں، علم سے ...... سند حاصل کرنا
نیا کمانا مقصود ہے یا کچھ اور؟ سنار سونے کا
ام کرتا ہے دنیا کمانے کے لئے، لوہار لوہے کا
ام کرتا ہے دنیا حاصل کرنے کے لئے اگر کسی
نے علم دین بھی دنیا کے لئے حاصل کیا تو یہ ایسا
ہی ہوگا، جیسے کوئی ڈاکٹری کورس پڑھ کر پیسہ
کماتا ہے بلکہ اس سے بھی بدتر دنیا کمانے کو
یں ناجائز حرام نہیں کہتا لیکن علم دین
کو اس کا ذریعہ کیوں بنائے۔ یہاں پہلے سے
نیت ہوتی ہے کہ بورڈ کا امتحان دے کر ملازمت
کریں گے تنخواہ ملے گی، علی گڑھ میں امتحان
دے لیں گے ڈگری ملے گی علم دین کو دنیا کمانے
کا ذریعہ بنا لیا ہے۔ حدیث شریف میں بڑی
سخت وعید آئی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
ارشاد فرمایا ایسے شخص کو جنت کی ہوا بھی نہ
لگے گی، یہ علم دین کی کتنی ناقدری ہے کہ وہ علم
جو اللہ کی رضا کا ذریعہ ہے، وہ علم جو جنت
حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ اس کو ٹھیکروں
کے حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا جائے، علم دین کو
صنعت و حرفت بنا لیا جائے، علم دین کے
ذریعہ پیسہ کمانے والے کو عالم نہیں کہتے، عالم
تو وہ ہے جو اس کو جنت کی طرف لے جائے
عالم تو وہ ہے جو اس کے رب کو اس سے
راضی کردے۔

اگر دنیا ہی کمانا ہے تو دنیا کمانے کے
بہت سے ذرائع ہیں ان کو اختیار کرو میں اسکو
منع نہیں کرتا، لیکن علم دین کو دنیا کمانے کا
ذریعہ مت بناؤ۔ ہمارے اکابر نے سب
کر کے دکھلایا ہے۔ کوئی ہانڈی بناتا تھا، کوئی حجام
تھا، دنیا کمانے کا پیشہ کچھ اور تھا اور علم دین کے
امام تھے، میرے ایک استاذ لکڑی کی تجارت
کرتے تھے، فجر بعد فوراً اسباق پڑھانا شروع
کر دیتے، تین گھنٹے میں سارے اسباق پڑھا
دیتے اس کے بعد اپنا کاروبار دیکھتے، لکڑی کا
ٹال تھا وہاں جاتے، پڑھانے کے پیسے کچھ نہ لیتے
تھے، اگر دنیا کمانا ہے کوئی جائز دھندہ کرلو،
لیکن علم دین کو دنیا کمانے کا ذریعہ مت بناؤ،
اور جب پہلے ہی سے دنیا کمانے کی نیت
ہے تو خلوص کہاں رہا اور جب خلوص نہ ہو تو
پھر ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔

اخلاص باقی رکھنے کا طریقہ

اخلاص پیدا نہیں ہو سکتا، اگر ہو گیا تو باقی
نہیں رہ سکتا جب تک کہ اخلاص والوں سے تعلق
نہ ہو، جو لوگ خالص اللہ کے واسطے کام کرتے ہیں
ان سے تعلق اختیار کئے بغیر اخلاص باقی تو کیا
حاصل بھی نہیں ہوتا، اور اگر حاصل ہو بھی گیا
تو باقی نہیں رہتا، اگر واقعی مخلص ہے ہلاکت سے
بچنا ہے تو اللہ کے نیک مخلص بندوں سے
تعلق قائم کرے ان کی برکت سے اس کے اندر
بھی اخلاص پیدا ہو جائے گا۔

ہمارے اکابر کا علمی شغف

ہم تو مدرسہ میں پڑے ہیں کچھ پرواہ نہیں
دنیا میں کیا ہو رہا ہے کچھ کرنا بھی نہیں
پڑتا، دونوں وقت آرام سے پیٹ بھر کھانا
ملتا ہے۔ دن بھر میں بس ایک ہی مشغلہ ہے
علم دین حاصل کرنا۔ اپنے اکابر کے حالات کو دیکھو
انھوں نے کس طرح علم دین حاصل کیا ہے،
اس قدر انہماک تھا کہ کھانے تک کی فرصت
نہ ملتی تھی، مطالعہ کرتے جاتے اور کھاتے
جاتے تھے۔ کچھ پرواہ نہیں کیا کھا رہے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ
علیہ فرماتے ہیں "کہ میری ایک پھوپھی تھیں وہ مجھے
شام کو کھانا کھلایا کرتی تھیں جب وہ مر گئیں
تو کوئی کھانا کھلانے والا نہ رہا۔ شام کے وقت
کھانا کھانا ہی چھوڑ دیا۔ پھر شام کو کھانے کی
عادت ہی چھوٹ گئی۔

حضرت مولانا عبد العلی صاحبؒ ۱۱ سال
کی عمر میں فارغ ہو گئے تھے۔ ابھی بچپن ہی تھا
کوئی کچھ بھی بن جائے، شیخ واستاذ ہی کیوں
نہ ہو جائے۔ بچپن بچپن ہی ہوتا ہے ورنہ
بوڑھا ہوتا ہے ان کی ماں پریشان ہوتی تھیں
کہ یہ کچھ کرتا نہیں، آزاد ٹہلتا پھرتا ہے۔
پتنگ اڑاتا ہے، ایک مرتبہ کی بات ہے کہ
کچھ لوگ کسی کتاب کی تکرار کر رہے تھے اور کسی
مسئلہ میں الجھے ہوئے تھے۔ انھوں نے پوچھا
کیا بات ہے کون سا مسئلہ ہے؟ کہا کچھ نہیں!
آپ جائیے آپ کو اس سے کیا مطلب آپ
تو پتنگ اڑائیے۔ جا کر یہ جملہ سننا تھا کہ دل پر
ایک چوٹ سی لگی اسی وقت گھر آئے پتنگ
توڑ کر پھینکی اور والدہ سے کہا کہ آج کمرہ خالی کر دو
میں پڑھنا شروع کروں گا کھانا یہیں بھیج دیا کریں،

والدہ بہت خوش ہوئیں اس کے بعد جو کتابوں کا مطالعہ شروع کیا ہے اس قدر علمی انہماک ہوتا تھا کہ نہ کھانے کا خیال نہ پینے کا، بسا اوقات صبح کا کھانا شام کو کھایا جارہا ہے اور شام کا صبح، سات سال تک اسی طرح انہماک کے ساتھ مطالعہ کیا حجرے سے باہر ہی نہ نکلتے تھے، بس ضروریات وغیرہ کے لئے باہر آتے تھے، ہمارے جیسے انسان تھے فرشتے نہ تھے۔

ہمارے اکابر نے اس طرح علم حاصل کیا ہے کہ سال سال بھر گھر کی شکل نہ دیکھتے تھے قنوج سے پندرہ کلومیٹر کے فاصلہ پر بلگرام ایک قصبہ ہے وہاں ایک عالم گزرے ہیں. علم دین کی وجہ سے گیارہ سال تک اپنے گھر نہیں گئے علم ایسے حاصل ہوتا ہے، ہماری طرح نہیں کہ ذرا سی بات میں گھر چلے گئے، چھٹی لئے بغیر بھاگ گئے اس طرح کہیں علم حاصل ہوتا ہے. مدرسہ کے قانون کی خلاف ورزی کے ساتھ جو مدرسہ میں رہتا ہے اس کو علم حاصل نہیں ہوتا، محرومی کے اور بھی اسباب ہیں ان میں ایک سبب یہ بھی ہے کہ جب جی چاہا مدرسہ سے چلے گئے اور جب جی چاہا مدرسہ میں داخل ہوگئے رعایت میں سب کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے، کھانا بند کر دیا جائے یا سختی کی جائے تو پڑھائی چھوڑ دیں گے بھینس چرائیں گے جاکر، اس لئے سب کچھ برداشت کرتا ہوں۔

محنت کے بغیر علم حاصل نہیں ہوتا

علم یوں ہی حاصل نہیں ہوتا، اس کے لئے بہت کچھ کرنا پڑتا ہے، جن لوگوں کو کچھ حاصل ہوا ہے محنت کے بعد ہی حاصل ہوا ہے، سونا چاندی آسانی سے حاصل نہیں ہوتا سونا کیا نمک بھی بغیر محنت کے نہیں ملتا، کچھ تو محنت کرنی پڑتی ہے، دنیا میں کوئی چیز بغیر محنت کے حاصل نہیں ہوتی، کیا علم ہی ایسا ہے کہ بغیر محنت کے حاصل ہو جائے؟ اگر کسی کو ہو بھی جائے تو وہ کام کا نہیں، یہ علم کوئی معمولی علم نہیں ہے، یہ علم جنت تک پہونچانے والا ہے۔

مدرسہ کی زندگی بڑی خیر و برکت کی زندگی ہے، اللہ نے مدرسہ میں پہونچا دیا، یہ بڑی نعمت ہے، مدرسہ تمام گناہوں سے حفاظت کا ذریعہ اور حصار ہے، مدرسہ میں رہ کر آدمی تمام گناہوں سے بچ سکتا ہے، لیکن ہم نے اس نعمت کی بھی ناقدری کی مدرسہ میں رہکر کوئی گناہ نہیں جو ہم سے چھوٹ جائے، اللہ نے مدرسہ میں قدردانی کے لئے بھیجا تھا لیکن ہم نے اس کی ناقدری کی. لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ (سورہ ابراہیم) اللہ کا قانون ہے کہ اگر تم نعمتوں کا شکر کروگے تو ہم اور اضافہ کریں گے، ناشکری کروگے تو میرا عذاب بڑا سخت ہے، مدرسہ میں رہ کر مدرسہ کی ہم نے قدر کی ہے؟ کون سا گناہ ہم سے نہیں چھوٹا، سینما ہم سے نہ چھوٹے، نماز میں کوتاہی ہم کریں، اسباق کا ناغہ ہم کریں، کیا ایسوں کو علم حاصل ہوتا ہے؟

طلبہ کو نصیحتیں

گناہوں کے قریب تک نہ جاؤ قریب گئے تو پھر بچنا مشکل ہے، اپنے آپ کو گھیر لو، ایک منٹ بھی خالی نہ رکھو تاکہ گناہ کا موقع نہ ملے، ہر وقت تکرار، مطالعہ اور سبق کی دھن میں لگے رہو. دوسرے کاموں کے لئے ذہن فارغ نہ ہو. علم کے علاوہ کسی اور طرف جس کا ذہن جائے یا کھانے پینے اور سیر و تفریح کی طرف جس کا ذہن جائے وہ طالب علم طالب علم نہیں، حدیث پاک میں جس طالب علم کی فضیلت آئی ہے جن کے لئے فرشتے پر بچھاتے ہیں اس سے مراد ایسے طالب علم ہوتے ہیں جو تمام گناہوں سے بچتے ہیں، ہر وقت اپنے کام میں لگے رہتے ہیں جو نہیں آتا اس کو سیکھنے کی کوشش کرتے ہیں، کبھی مطالعہ کر رہے ہیں، کبھی صیغہ کی مشق کر رہے ہیں، ان کا کوئی وقت خالی نہیں رہتا۔

اور ہمارا حال ہے، خالی اوقات میں ہم کیا کرتے ہیں خود جانتے ہیں، ہم تو خالی اوقات سیر و تفریح میں گزارتے ہیں، ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ جو گھنٹہ خالی ہوا اس میں بھی کتاب دیکھتے تکرار کرتے، حالت تو یہ ہے کہ املاء صحیح نہیں، مضمون لکھنا نہیں آتا، صیغہ نہیں آتا، صحیح عبارت نہیں آتی، اور ذرہ برابر فکر نہیں، رنج و غم نہیں قناعت کئے ہوتے بیٹھے ہیں، ایک دکاندار کی دکان نہ چلے اس کی فکر ہوتی ہے کوشش کرتا ہے، ہم کو کچھ نہیں آتا کورے کے کورے ہیں. اور کچھ کوشش بھی نہیں کرتے یہ حالت اچھی نہیں، ہم نماز بھی پڑھتے ہیں حاضری کے ڈر سے کہ کہیں کھانا نہ بند ہو جائے. پانچ پیسہ کا ہمارا نقصان ہو اگر تو ہم کو افسوس ہوتا ہے اور پانچ وقت کی نماز چھوٹ جائے اس کا کچھ غم نہیں. گھر سے پیسہ آتا ہے سوائے مٹھائی ناشتہ کے کیا کہیں اور بھی خرچ ہوتا ہے؟ ایمانداری سے بتاؤ جو طالب علم اتنا خوشحال ہو کہ اس کے گھر سے ہر مہینے پیسے آتے ہوں، لباس، جوتہ اعلی قسم کا ایک ہزار کی گھڑی پہنے ہو ایسے طلبہ کیلئے کیا مدرسہ کا کھانا کھانا جائز ہوگا؟ آج دیانتداری کا فقدان ہے استطاعت کے باوجود مدرسہ کا کھانا کھاتے ہیں دیانتداری کی بات تو یہ بھی ہے کہ جس مہینہ میں زیادہ آجائیں. طالب علم دفتر میں جاکر اطلاع کرے کہ میرے گھر سے پیسہ آگیا اتنے دن کی خوراک بند کر دیجئے۔

امام شافعیؒ کا حال :

امام شافعیؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ زمانۂ طالب علمی میں ایک دن سبق میں غیر حاضری ہوگئی استاذ کو تعجب ہوا فکر ہوئی کیوں نہیں آئے وہ تو کبھی ناغہ کرتے نہیں تھے۔ کیا آج ہمارے استاذوں کو بھی طالب علموں کی غیر حاضری پر افسوس ہوتا ہے؟ فکر ہوتی ہے کہ طالب علم کیوں نہیں آیا، حالانکہ یہ واقعی فکر کی بات ہے، دکاندار کی بکری کم ہوجائے کیا اس کو فکر نہیں ہوتی؟ دکاندار کا نقصان ہے اور دین کا نقصان، نقصان نہیں ہے؟ الغرض امام شافعیؒ کی غیر حاضری کی وجہ سے استاذ کو فکر ہوئی اس زمانہ میں آج کی طرح دارالاقامہ کی شکل میں مدرسے تو تھے نہیں، طلبہ اپنے رہنے کھانے کا انتظام خود کرتے تھے۔ اللہ نے آج کل مدرسے میں یہ سہولتیں پیدا فرمادیں۔ ایک جگہ ایک آدمی نے پچاس لاکھ روپئے تنہا مدرسہ کے لئے دیئے تھے ایک صاحب نے مسجد بنانے کے لئے تنہا ایک کروڑ روپئے دیئے تھے۔ میرے پاس مجھ سے بھی پوچھنے آئے تھے میں نے انکار کردیا۔ الغرض اس زمانہ میں آج کی طرح مدرسے نہیں تھے، امام شافعیؒ کی غیر حاضری کی وجہ سے ان کے استاذ کو فکر ہوئی ایک شاگرد کو بھیجا تحقیق کرکے آؤ کیا بات ہے پڑھنے کیوں نہیں آئے، معلوم ہوا کہ ان کے پاس کپڑے نہیں ننگے بدن کیسے آئیں بدن پر جو کپڑے تھے ایک شخص سے قرض لیا تھا، پاس میں پیسے نہیں، انہیں کپڑوں سے قرض ادا کردیا، حدیث پاک پڑھی تھی کہ مقروض کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقروض کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے قیامت کے دن قرض والے کو مقروض کی نیکیاں دلادی جائیں گے میں نے سوچا کہ اسی حال میں اگر میرا انتقال ہوگیا تو میرا کیا حشر ہوگا۔ امام شافعیؒ کا حدیث پر اتنا عمل اور موت کا اتنا استحضار تھا جو پڑھتے جاتے اس پر عمل کرتے جاتے یہ سوچا کہ یہاں تو قرض میں روپیہ دینا ہوگا اور وہاں نیکیاں لی جائیں گی قرض کے لئے میرے پاس پیسے تو تھے نہیں بس یہی ایک جوڑا کپڑا تھا اسی سے قرض ادا کردیا۔ اب پہننے کے لئے کپڑے نہیں، کیسے پڑھنے آؤں اور کسی سے کچھ مانگنے اور احسان لینے کو غیرت گوارا نہیں کرتی۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ ہی بتایئے پھر کیا شکل کی جائے؟ فرمایا مجھ سے کچھ کام لے لیں، کچھ لکھوالیں اور اس کی اجرت مجھ کو دیدیں چنانچہ یہ صورت اختیار کی گئی یہ ہیں امام شافعیؒ جن کے تقویٰ کا یہ عالم تھا مقروض بھی ہوئے تھے تو کیا کھانے پینے کی وجہ سے قلم دوات کی وجہ سے مقروض ہوئے ہوں گے، آج ہم مقروض ہوتے ہیں جلیبی پکوڑی کھانے کی وجہ سے قرض کو آسان سمجھ رکھا ہے، اگر آج شافعیؒ بننا چاہیں تو کیا نہیں بن سکتے، تقویٰ اور دیانت شرط ہے مدارس خالی پڑے ہیں، تقویٰ اور دیانت داری کے بغیر محض علم سے کچھ نہیں ہوتا، محض بلب سے کیا ہوتا ہے، جب تک کنکشن نہ ہو، محض مینٹل سے کیا ہوتا ہے، جب تک کہ گیس نہ ہو، سو شیخ الحدیث ایک گاؤں کو نہیں سنبھال پا رہے ہیں جب کنکشن صحیح نہیں ہوگا، اخلاص، تقویٰ اور دیانت کا فقدان ہوگا، تو محض علم سے کچھ نہیں ہوگا۔

ایسا بننے کی کوشش کرو۔

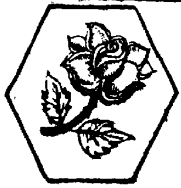
تم تو ایسے بنو اور وہ زندگی اختیار کرو کہ کروڑپتی تم کو دیکھے تو اس کے منہ میں پانی آجائے کہ کاش ہماری زندگی ایسی ہوتی لیکن ہماری حالت الٹی ہے انگریزی اسکولوں اور کالجوں میں جانے میں تو منھ میں پانی آتا ہے ان کی زندگی دیکھ کر تو رشک آتا ہے ہماری زندگی دیکھ کر تو رشک نہیں آتا۔ جیسی ہماری نیت ہے۔ جیسے ہمارے اعمال ہیں ویسا ہی نتیجہ مرتب ہو رہا ہے، اچھی نیت ہوتی تو اچھا نتیجہ مرتب ہوتا، فاسد نیت ہے تو فاسد نتیجہ مرتب ہوگا کسی کار کا ہر ہر پرزہ خراب اور زنگ آلود ہو تو کہاں تک اس کی اصلاح کی جائے گی۔ ہمارا حال بھی اس طرح کا ہے، دلوں میں زنگ لگا ہوا ہے، نیت، اعمال اخلاق سب فاسد، کہاں تک اصلاح کی جائے جس کا دل زنگ آلود ہو چکا ہو جو خود کچھ بننا نہ چاہے اس کی اصلاح نہ قرآن کرسکتا ہے نہ حدیث، نہ نبی نہ ولی، ہماری زندگی تو دوسروں کے لئے عبرت کی اور نمونہ کی زندگی ہونی چاہیئے۔ تم بتلاؤ کیا تمہاری زندگی واقعی ایسی ہے؟ کیا طالب علم ایسے ہوتے ہیں جن سے نماز کی بھی پابندی نہیں ہوتی کتنے شرم کی بات ہے، مدرسہ و مسجد میں طلبہ کی حاضری لی جائے؟ ارے اس حاضری سے کیا ہوتا ہے فرشتے حاضری لیتے ہیں اور اصل حاضری وہی ہے، رجسٹر وہ کام آئے گا جو فرشتوں کے پاس ہے، جنت اسی رجسٹر سے ملے گی۔ اللہ کے یہاں اسی رجسٹر کا اعتبار ہوگا۔ یہاں کی حاضری سے تو صرف کھانا مل جائیگا دراصل یہ دیکھو کہ فرشتوں کے رجسٹر میں بھی تم حاضر ہو یا نہیں؟ ابھی موقع ہے نیک بننے کی کوشش کرو، سہارنپور میں میرے زمانۂ طالب علمی میں طلبہ کی اچھی خاصی جماعت تھی جو تہجد کی پابند تھی وہ مدرسہ مدرسہ نہیں جہاں فجر سے پہلے بالکل سون سان سناٹا رہے۔ کوئی رونے دھونے والا نہ ہو۔ ذکر و تلاوت کی آوازیں نہ آرہی ہوں کم از کم فجر کی اذان سے پندرہ منٹ پہلے اٹھ جایا کرو دو چار رکعت پڑھ لو آنسو بہاؤ اللہ کو یاد کرو۔ اگر اس وقت آنکھ نہیں کھلتی نہیں اٹھ سکتے تو کم از کم عشاء بعد سونے سے قبل ہی تہجد کی نیت سے دو چار رکعت پڑھ لیا کرو۔ اللہ تعالیٰ اس میں بھی تہجد کا ثواب دیں گے، تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز باجماعت کی پابندی کرو۔ اب تک نہیں کرسکے یا اتفاق سے چھوٹ جاتی تھی تو کیا اس کی عادت

ڈال لینا چاہیئے؟ غلطی سے زہر پی لیا تو ہمیشہ زہر ہی پیئے گا؟ اگر غلط عادت پڑ گئی تھی اس کو چھوڑنا چاہیئے نہ یہ کہ اس پر جا ہے۔

تم لوگ آج فیصلہ کر لو کہ نماز نہ چھوڑو گے، تقویٰ والی زندگی اختیار کرو گے، بڑے بڑے ڈاکوؤں نے جب زندگی بدلنے کا فیصلہ کیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی حالت بدل دی ہے، جو خدا برسہا برس کے گنہگار بندے اور ڈاکو کو کامل بنا سکتا ہے کیا وہ ہم کو کامل نہیں بنا سکتا؟ لیکن ہم طے تو کریں، کوشش تو کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

علم

علم مریضِ دل کی دوا ہے، کند ذہنی کے لئے تیزی ہے، تاریکیوں میں نور ہے، وحشت میں سامانِ انس ہے، تنہائی کا ساتھی ہے، حساس آدمی کے لئے شرف کی چیز ہے، جس نے اس کے علاوہ کسی چیز سے اپنے کو سنوارا وہ بیکار ہے اور جو اس سے بے خبر رہا وہ تو بالکل ہی بے کار ہے۔



عالم تھے باعمل تھے محبِّ وطن بھی تھے

• قمر الحفیظ قمر

قطعہ

ذیشان و ذی وقار تھے حضرت علی میاںؒ ملت کے غمگسار تھے حضرت علی میاںؒ
جب تو انھیں کلیدِ حرم پیش کی گئی ایماں کا اعتبار تھے حضرت علی میاںؒ

حق گوئیوں کی شان تھے سیّد ابوالحسنؒ مذہب کی آن بان تھے سیّد ابوالحسنؒ
دانشور و مفکرِ اسلام ہی نہیں دنیا کے پاسبان تھے سیّد ابوالحسنؒ
اردو عربی فارسی علم الفقہ ادب تاریخ کی بھی جان تھے سیّد ابوالحسنؒ
تہذیب و انکسار کی دولت سے مالا مال مخلص تھے مہربان تھے سیّد ابوالحسنؒ
عالم تھے باعمل تھے محب وطن بھی تھے انسانیت کی جان تھے سیّد ابوالحسنؒ
شام و عرب عجم ہوں کہ یونان و مصر ہوں سارے جہاں کی شان تھے سیّد ابوالحسنؒ
اک محسنِ جلیل کی تعریف کیا لکھوں اس دور کے نشان تھے سیّد ابوالحسنؒ
صدیقؓ کی صفت تھی جسارت عمرؓ کی تھی عثمانیتؓ کی شان تھے سیّد ابوالحسنؒ
قول و عمل میں فاتحِ خیبرؓ کی تھی ادا ملت پہ سائبان تھے سیّد ابوالحسنؒ
ہندوستاں کو ناز تھا حضرتؒ کی ذات پر ہندوستاں کی جان تھے سیّد ابوالحسنؒ
ان کے قلم نے طے کیا کونین کا سفر خوش قول و خوش بیان تھے سیّد ابوالحسنؒ
دینِ محمدیؐ کا گلستاں کھلا رہے توحید کی زبان تھے سیّد ابوالحسنؒ
ندوہ کہ جس کا درس ہے آفاق پر عیاں ندوے کے پاسبان تھے سیّد ابوالحسنؒ

قمر الحفیظ تم بھی بڑے خوش نصیب ہو
تم پر بھی مہربان تھے سیّد ابوالحسنؒ

ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی

مطیع الرحمن عوف ندوی

عالم اسلام نے اکیسویں صدی کے اختتام پہ ناظم ندوۃ العلماء و رکن اساسی رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ علامہ سید ابوالحسن علی ندویؒ کو بڑے ہی رنج والم اور سوگواری کے ساتھ رخصت کیا، علامہ ندوی کی ولادت ۱۹۱۴ء میں ایک ایسے خانوادہ میں ہوئی جو علم وحکمت اور زہد وورع میں ممتاز و منفرد رہا ہے، آپ کے والد حکیم سید عبدالحئی صاحبؒ اپنی نادرۂ روزگار تصنیف "نزھتہ الخواطر" کی وجہ سے پوری دنیا میں مشہور ہوئے، یہ کتاب انھوں نے ہندوستان کے مشاہیر اہل علم کی زندگی کے حالات پہ تیار کی تھی، علامہ ندوی کے بڑے بھائی ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحبؒ اپنے شاہکار خیالات و آراء دارالعلوم ندوۃ العلماء کی بے مثال نظامت کی وجہ سے مشہور و معروف ہوئے، ڈاکٹر صاحب نے ہی علامہ ندویؒ کی تربیت کی تھی، شیخ ندوی نے دنیا کے مختلف ملکوں کا سفر کیا اور وہاں محاضرے دیئے، اسلام سے متعلق کانفرنسوں اور سیمیناروں میں شرکت کی اور پھر اپنے ان اسفار کے تجربات و مشاہدات کو اپنی کتابوں میں جمع کیا مثلاً "ترکی میں دو ہفتے" "شرق اوسط کی ڈائری" وغیرہ مولانا کو بعض یونیورسٹیوں اور اسلامی ملکوں نے ان کی اسلام کے لئے بے پناہ خدمات کے پیش نظر انعامات و اعزازات سے بھی نوازا۔ سپاس نامے اور تشکر نامے پیش کئے اور فکر اسلامی میں آپ کے خاص امتیاز کی وجہ سے آپ کو فلاسفی کی اعزازی ڈگریاں بھی عطا کیں، نیز آپ کو شہرۂ آفاق اعزاز "شاہ فیصل ایوارڈ" سے بھی نوازا گیا۔

علامہ کی وفات سے عالم اسلام اصحاب رشد و ہدایت میں ایک ایسی شخصیت سے محروم ہوگیا جس کا ستارہ ہندوستان میں نمودار ہوا۔ اور سارے جہاں میں اس کا یہ ستارہ اقبال چمکا، ۱۹۹۹ء میں وفات پانے والی شیخ عبدالعزیز بن باز، ڈاکٹر مصطفےٰ الزرقاء، شیخ علی طنطاوی، علامہ ناصر الدین البانی جیسی نمایاں شخصیات میں وہ سب سے آخری شخصیت ہیں۔

شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ آل الشیخ نے "شرق اوسط" (لندن) کے ساتھ ایک گفتگو میں کہا کہ علامہ ندوی کا یہ سانحہ ساری امت اسلامیہ کے لئے ایک زبردست خسارہ ہے، مولانا مرحوم اپنی خالص اسلامی دعوت اور برصغیر میں اس کے دوررس اثرات کی وجہ سے شہرت یاب ہوئے۔ اس دعوت کے خوشگوار نتائج سامنے آئے، یقیناً علماء کی موت امت کے لئے بہت بڑا خسارہ ہوا کرتی ہے" مولانا مرحوم کی بے شمار تصنیفات ہیں، یہ ان کے اندر اسلام کی خدمت کے جذبہ، اس کے لئے حرص و تڑپ کو آشکارا کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ مولانا کو اپنی وسیع رحمت کی آغوش میں لے لے اور ان کے شاگردوں کو دعوت اسلامی کی راہ میں ایک اچھے راہ رو کی طرح چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ڈاکٹر احمد بن عثمان تویجری رکن مجلس شوریٰ سعودی عرب نے "شرق اوسط" کے لئے ایک گفتگو میں کہا کہ موجودہ دور کی تاریخ میں علامہ ابوالحسن الندوی دعوت و اصلاح کے اماموں میں ایک امام تھے۔ ان کے اندر بیک وقت زہد و ورع، جہاد و سرمستی اور فکر و ادب کا حسین امتزاج پایا جاتا تھا، میں اپنی کم عمری ہی میں مولانا سے متعارف ہوگیا تھا۔ اس لئے کہ میرے والد کے مولانا سے بڑے اچھے روابط تھے، اور امت مسلمہ کی زبوں حالی پہ ان دونوں کے درمیان بڑی مراسلت رہی، ہم نے پہلی بار مولانا کو طائف میں دیکھا، اس وقت وہ ہندوستان کے بعض دوسرے داعیوں کے ہمراہ ہمارے گھر میں ٹھہرے ہم نے ان کی کثرت عبادت ذکر و اذکار اور تلاوت قرآن کی وجہ سے محسوس کیا کہ جیسے ملائکہ ان کی زیارت کر رہے ہوں اور خاص انوار و برکات کا نزول ہو رہا ہے۔

ڈاکٹر تویجری نے مزید کہا کہ علامہ کی زندگی دعوت الی اللہ، دفاع اسلام اور اشاعت خیر کے لئے ایک جہد مسلسل سے عبارت تھی، مولانا نے فکری ارتداد کا پورے ثبات واستقامت اور ایمان وایقان کے ساتھ ڈٹ کر مقابلہ کیا اسلام کے محاسن کو اجاگر کیا اور لوگوں کے اندر ان کی قدر بڑھائی، انھوں نے اس روئے زمین پر سیر و سیاحت کی تاکہ وہ لوگوں کو ایمان کی حلاوت سے بھر دیں۔ اور ان کے درمیان اصلاح و ہدایت کا کام انجام دیں، امت کی وحدت کے لئے وہ سب سے پرزور داعی تھے، شاہ فیصل کے ساتھ اسلامی اتحاد کے قیام اور الحاد و بے دینی کے مقابلہ کے لئے ان کا کھلا ہوا موقف ہے، اس کے علاوہ علامہ کی ایسی تحریریں اور تالیفات ہیں جو اسلامی کتب خانوں کی زینت ہیں اور ان کا

شمار کی اور تربیتی تصنیفات میں ہوتا ہے شیخ کی علمی زندگی اور ان کا طرز حیات ان کی جانب سے ایک عظیم اسلامی تحفہ ہے اور ان کی تصنیفات امت کے لئے ایک بیش قیمت ترکہ ہیں۔ مجھے یہ کہنے میں ذرہ برابر تردد نہیں ہے کہ میں انہیں اسلامی تصوف کے ائمہ یعنی امام حسن بصریؒ، قاضی فضیل بن عیاض، اور عبدالقادر جیلانی کی صف میں شمار کرتا ہوں، اناللہ وانا الیہ راجعون"

لندن کے اسلامیہ کالج کے پرنسپل ڈاکٹر زکی بدوی نے کہا کہ علامہ ابوالحسنؒ الندوی ایک عظیم عالم دین تھے، انھوں نے اپنی زندگی ایک معلم مؤلف اور داعی الی اللہ کی طرح گذاری، اور انھوں نے اپنی انمٹ تصنیفات کے اندر اپنے اس علمی ورثہ کو چھوڑا، جن کا کئی اسلامی اور بعض یوربی زبانوں میں ترجمہ ہوا۔ شیخ ابوالحسنؒ نے ان تین اہم علماء کا زمانہ پایا جنھوں نے سرزمین ہندو پاک پر اپنے گہرے اثرات چھوڑے جن میں سرفہرست مولانا ابوالکلام آزاد ہیں جو مصنف بھی تھے مفکر بھی، مؤلف بھی اور سیاستداں بھی، انھوں نے کانگریس پارٹی میں شمولیت اختیار کی، ہندوستان کے وزیر تعلیم قرار پائے، دوسرے شیخ ابوالاعلیٰ مودودی ہیں، جنھوں نے جماعت اسلامی کے نام سے ایک سیاسی جماعت کی بنیاد رکھی جس کا خاص مقصد شریعت اسلامی کا نفاذ اور حکومت تک پہونچکر اسلامی نظام کو قائم کرنا تھا، تیسری شخصیت مولانا محمد الیاسؒ کی تھی، جنھوں نے تبلیغی جماعت کی اساس رکھی، اس کا مقصد امت اسلامیہ کے اندر شریعت اسلامیہ پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرنا اور مادیت سے احتراز تھا۔ یہ جماعت سیاست سے علیحدہ رہی،

چار بڑے علماء ہندو پاک کی تقسیم کے سخت مخالف تھے، ان کا یہ خیال بلکہ یقین تھا کہ تنہا ہندوستان ہی مسلمانوں کے لئے سب سے بہتر مقام ہے، تقسیم کے بعد پاکستان میں قتل وغارت گری اور لوٹ مار و بدعنوانی کی زیادتی نے ان کے اس یقین کو اور بڑھادیا شیخ ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے پاکستان کی طرف ہجرت کی، اس لئے کہ اب ہندوستان میں ان کی تحریک کا میدان باقی نہیں رہا تھا۔ باقی تین علماء اپنے مشن پر پیہم عمل پیرا رہے شیخ ابوالحسنؒ نے اپنی زندگی کا آغاز تدریس سے کیا، چنانچہ اس کے لئے آپ کا ندوۃ العلماء میں تقرر ہوا۔ یہ ایک ایسا ادارہ ہے جس کی بنیاد بیسویں صدی میں علی گڑھ تحریک کے بعد پڑی جب سرسید نے محمڈن اینگلو کالج کے نام سے قائم کیا تھا، تاکہ اس کے ذریعہ مغربی ثقافت اور اسلامی تعلیم کو ایک ساتھ جمع کرنے کی کوشش کی جائے لیکن اس دور کے علماء نے اس منصوبہ کو اسلامی لبادہ میں مغربی تہذیب کے فروغ کا نام دیا، اور انھوں نے سخت مخالفت کی چنانچہ بعض علماء نے ندوۃ العلماء کو قائم کیا تاکہ لوگ دین کے بارے میں زیادہ سے زیادہ مخلص ہوں اور اسی کے نظام کو اپنے طرز حیات میں اپنائیں۔ شیخ ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنے اس مشن کو آگے بڑھایا، اور اس عظیم منصوبہ پر کاربند ہوئے، چنانچہ علماء کی جانب سے ان کی سرگرمیوں کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا گیا، اور اسلامی اداروں نے آپ کو محاضروں میں مدعو کیا، مولانا رابطہ عالم اسلامی کے اساسی ممبر تھے، سعودی حکومت نے آپ کے علم و زہد اور تقویٰ سے متاثر ہوکر آپ کو کلید کعبہ عطا کی تھی، مولانا مرحوم ایک ایسے مثالی عالم تھے جن کے علم کی وجہ سے ان کے معاصر فخر محسوس کرتے تھے، وہ اپنے طلبہ کو علم کی آسودگی عطا کرتے تھے ان کا خاص شغف تعلیم و تربیت تھا۔ سیاست اور اس کے متعلقات سے علیحدہ رہتے تھے، سیاست سے یہ علیحدگی محض ان غلط امور کی وجہ سے تھی، جن کو اپنا کر لوگ حکومت و اقتدار کے حصول کی کوشش کرتے ہیں اور اس طرح وہ دین کے مبادیات سے دور ہوتے جاتے ہیں اور اس کی تاویل یہ کہکر کرتے ہیں کہ کبھی کبھی صرف بعض ممنوع چیزوں کو بھی روا کردیتی ہے، محض اس وجہ سے مولانا کی شخصیت جاہ و سلطنت اور حکومت و اقتدار سے کنارہ کش رہی۔ انھوں نے اسلاف کے دعوت و عزیمت کی داستانیں رقم کیں اور اس کا پورا پورا حق ادا کردیا، اور موجودہ معاشرہ کے بارے میں قلم اٹھایا تو اس کو علمی انداز میں قلم بند کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے دین کے حقیقی فہم کو اجاگر کرتے ہوئے جس کو خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے اپنے معاصرین کی اس جانب رہنمائی و خیر خواہی میں ذرہ برابر کمی نہ کی اور اس کے لئے اپنی تمام توانائیاں صرف کردیں۔

ڈاکٹر بدوی نے مزید کہا کہ جب ہندوستانی حکومت نے مسلم پرسنل لاء کے اندر مداخلت کی کوشش کی تو شیخ نے اس کے خلاف صف آرائی واحتجاج کا ایسا راستہ اختیار کیا کہ حکومت کو اپنا فیصلہ واپس لینے پر مجبور ہونا پڑا اور جب آکسفورڈ اسلامک سینٹر کا قیام عمل میں آیا تو اس کے بانیوں نے اس کی صدارت شیخ ہی کو سونپی۔

ہندوستان کے میرے آخری سفر میں

مجھ سے ایک دوست نے پوچھا کہ کیا آپ علی میاں کو جانتے ہیں؟ میں نے کہا نہیں اس کلمہ "علی میاں" کا کیا مطلب ہے؟ تو انھوں نے بتایا کہ یہ ہمارے ایک بہت بڑے بزرگ کا لقب ہے۔ میں نے کہا کہ میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں سنا، اس نے کہا کہ تعجب کی بات ہے میں نہیں سمجھتا تھا کہ آپ شیخ ابوالحسن الندوی کو نہیں جانتے ہوں گے۔ میں نے برجستہ کہا کہ اگر ابوالحسن الندوی کی بات کر رہے ہو تو میں تو ان کی ملاقات سے شرف یاب ہو چکا ہوں، اور ان کے بیانات بھی سن چکا ہوں نیز ان کی تصنیفات کا مطالعہ بھی کیا ہے، تب انھوں نے بتایا کہ یہاں ہم ان کو اس لقب سے یاد کرتے ہیں اس طرح شیخ ندوی اپنے دیار میں اس تعظیم واکرام میں منفرد تھے رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ وعوض المسلمین عنہ خیرا۔

ڈاکٹر شیخ حبیب حسن عبدالغفار مدیر مرکز التوحید لندن نے کہا کہ شیخ ندوی نے ندوۃ العلماء میں تعلیم پائی، جو مسلمان نوجوانوں کے اندر ایک طرف علوم شرعیہ اور دوسری جانب علوم عصریہ سے لیس کرنے کے لئے دارالعلوم دیوبند اور علی گڑھ یونیورسٹی کے درمیان اعتدال کو باقی رکھتے ہوئے قائم کیا گیا تھا، پہلا ادارہ اپنے قدیم نصاب تعلیم کے ساتھ اپنے خاص نقطۂ نظر کا حامل تھا اور دوسرا ادارہ انگریزی زبان اور عصری علوم کو عام کرنے کے لئے قائم کیا گیا تاکہ وہاں سے نکلنے والے جوان کیمبرج اور آکسفورڈ سے نکلنے والے نوجوان سے کسی بھی طرح کم نہ ہو، ندوۃ العلماء کا قیام اس لئے عمل میں آیا تاکہ وہ ان دونوں رہنماؤں کے درمیان ایک حسین امتزاج کا کام کرے چنانچہ اسی نے نوجوانوں میں دینی تعلیم کے رجحان کو فروغ دیا، اور ان کے سامنے بحث وتحقیق کے لئے نئے میدان کھولے اور اسی کے ساتھ قدیم صالح اور جدید نافع کے مابین جامعیت کو برقرار رکھتے ہوئے اس نے نوجوانوں کو عصری علوم سے آراستہ کیا، شیخ نے عربی زبان کی تعلیم ندوۃ العلماء کے استاذ ڈاکٹر تقی الدین ہلالی مراکشی سے حاصل کی، اس کے علاوہ فکر وتحقیق میں علامہ سید سلیمان ندویؒ سے استفادہ کیا جو ہندوپاک کے محققین میں شمار کئے جاتے ہیں، شیخ ابوالحسن الندویؒ کا مضمون قاہرہ سے نکلنے والے رسالہ "المنار" میں اس وقت شائع ہوا جب مولانا کی عمر سترہ سال سے زائد نہ تھی۔

ڈاکٹر عبدالغفار نے کہا کہ ندوہ سے فراغت کے بعد تعلیم وتعلم، تحقیق وتالیف ان کا خاص مشغلہ بنا، مولانا نے ۱۹۳۵ء میں تدریس کے فرائض انجام دینے شروع کئے، جب دیار ہند وپاک ہی کیا بلکہ عرب ممالک بھی آپ کے بحث وتحقیق کے نادر موتی اور اردو وعربی میں فکر کی بالیدگی سے بہرہ ور ہو رہے تھے سیرت سید احمد شہیدؒ مولانا کی تصنیفات میں سب سے اہم تصنیف تھی جس نے ان کی زندگی میں بڑا اثر ڈالا اس کے بعد اس کے بعد تاریخ دعوت وعزیمت کے نام سے مولانا نے متعدد علماء و داعیان اسلام کی سوانح نویسی کا سلسلہ شروع کیا، اس کے علاوہ آپ کی سب سے زیادہ شہرۂ آفاق کتاب جس نے آپ کو آفاقی شہرت عطا کی "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" شائع ہوئی۔ اس کا کئی زبانوں میں ترجمہ ہوا۔ اور متعدد یونیورسٹیوں نے اس کو اپنے نصاب میں شامل کیا، کیمبرج یونیورسٹی کے مستشرق سارجنٹ نے کہا کہ اگر برطانوی حکومت کسی کتاب پر پابندی لگاتی تو میری یہ رائے ہوتی کہ مولانا کی کتاب پر پابندی لگائی جائے۔ اس لئے کہ یہ کتاب مغربی تہذیب پر بجلی بن کر گری، لندن یونیورسٹی میں مڈل ایسٹ سکشن کے چیئرمین ڈاکٹر بکھنگم نے ان الفاظ میں اس پر تبصرہ کیا کہ کتاب کو برطانیہ سے شائع ہونا چاہئے تھا کیونکہ اس صدی میں مسلمانوں کی نشأۃ ثانیہ کی جو کوشش بہتر سے بہتر طریقہ پر ہوتی ہے یہ اس کا نمونہ اور تاریخی دستاویز ہے، شیخ ابوالحسنؒ مستقل اپنے قلم کی جولانی "البعث الاسلامی" کے صفحات پر دکھاتے رہے، جو ندوۃ العلماء کا آرگن ہے، اس کے علاوہ بعض دیگر عالمی عربی رسالوں میں بھی لکھتے رہے اسی طرح یکے بعد دیگرے ان کی تصنیفات شائع ہوتی رہیں یہاں تک کہ پچاس سے زائد کتابیں آپ نے تصنیف کیں، اس کے علاوہ مدرس بھی رہے، ندوۃ العلماء کے ناظم بھی رہے، اور محاضر وخطیب بھی رہے، مستقل اسلامی یونیورسٹیوں کے پروگراموں میں شرکت کرتے رہے، ہندوستان میں جماعت اسلامی کے قیام کے بعد وہ شیخ ابوالاعلیٰ مودودی کے سے متاثر ہوئے اگرچہ وہ مستقل ان کا ساتھ نہ دے سکے، اور وہ اپنے علم وزہد کے کاروان کو آگے بڑھاتے رہے، تزکیہ وتہذیب نفس کے لئے ان پر تصوف غالب آیا۔ چنانچہ وہ شیخ عبدالقادر رائے پوریؒ کی مجلسوں میں شریک ہوتے تھے اور انہوں نے رجال الفکر والدعوۃ میں بعض مشائخ صوفیہ کا تذکرہ کیا ہے، علمی حلقوں نے مولانا کے علم وفضل کا اعتراف کیا ہے، وہ مکہ مکرمہ میں رابطہ عالم اسلامی کے بانیوں میں تھے اور دمشق کی المجمع العلمی کے رکن تھے، اور رابطہ ادب اسلامی کے بانی تھے، ان کو ۱۹۸۰ء میں ملک

فیصل ایوارڈ سے نوازا گیا۔ اور ۱۹۹۸ء میں حاکم دبئی اور سلطان برونائی کے اعزازات ملے رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ وغفر لہ زلاتہ وأدخلہ فسیح جناتہ۔

ڈاکٹر ابراہیم الفائز استاذ کلیۃ الشریعۃ نے کہا کہ شیخ ندوی دعوت اسلامی کے علمبرداروں میں سے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ ہندوستان میں دعوت کے میدان میں بڑے کام لئے وہ حدیث کے امام تھے۔ ان کی وفات بلا تردُّد دعوت کے میدان میں اثر انداز ہوگی ان کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ ایک ایسے مدرسہ کی طرح تھے جو حکمت اور سلوک (تصوف) اور خالصۃً اللہ کے لئے دعوت میں ممتاز ہوئے۔

اپنی وفات کے ذریعہ وہ امت اسلامیہ کے ان اسلاف سے جا ملے جنھوں نے دعوت وعزیمت کے میدان میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔

ڈاکٹر ابراہیم الوہیبی جنرل سکریٹری الندوۃ العالمیۃ الشباب الاسلامی نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ شیخ ندوی مربی اور داعیوں میں سے تھے اور ان کی ذاتی زندگی اور تالیفاتِ اسلام کے سلسلہ میں ان کی پیش کردہ خدمات کی روشن دلیل ہیں اور ان کی خصوصیت یہ تھی کہ انھوں نے اپنے کو ایسا اہل داعی ثابت کیا جس کے نقوش اس کے ختم ہونے کے بعد زندہ وباقی رہتے ہیں۔

وہ دسیوں کانفرنسوں اور سیمیناروں میں شریک ہوئے اور وہ ان پروگراموں کی نمایاں شخصیت اور محاضر ہوا کرتے تھے تصنیف وتالیف میں آپ کو یدطولیٰ حاصل تھا۔ آپ کی بعض تصنیفات ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہیں گی مثلاً "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" اور "الصراع بین الفکرۃ الاسلامیۃ والفکرۃ الغربیۃ" اور ان کی علامہ اقبال کے اشعار کی عربی میں ترجمانی اور بچوں کے لئے سیرت نبوی کی تسہیل ان کی یادگار ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں نے ایک عظیم اسلامی داعی اور معتبر ومستند عالم کو کھو دیا نسأل اللہ لہ الرحمۃ والمغفرۃ۔

ڈاکٹر خلیل الخلیل حمادہ استاد جامعۃ الملک سعود (ریاض) نے کہا کہ شیخ ندویؒ کی دعوت کے میدان میں بڑی جانفشانیاں اور نہ مٹنے والے نقوش ہیں اور دعوت کے سلسلہ میں ان کا ایک خاص اسلوب و نہج ہے جس سے وہ ممتاز ومنفرد ہیں۔ انھوں نے اسلام کی اشاعت کے لئے علامہ مودودی کے ساتھ ملکر ایسے نازک وقت میں کام کیا جب وہاں مسلمانوں کی حالت زبوں تھی ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ان پر اپنی رحمت نازل کرے اور ان کی مغفرت فرمائے اور ان کو جنت کی وسعتوں میں جگہ دے (آمین)

(لندن کے کثیر الاشاعت اخبار "الشرق الاوسط" سے ترتیب شدہ)

محمد طارق ندوی

سوال و جواب

س :۔ دانتوں میں سوراخ ہو جاتے ہیں بعض لوگ اس میں سیمنٹ، سونا یا چاندی وغیرہ بھروا دیتے ہیں، غسل جنابت کرتے وقت پانی سوراخوں میں نہیں پہونچتا ہے، تو آیا غسل جنابت ہوگا یا نہیں؟

ج :۔ صورت مسئولہ میں سونا چاندی وغیرہ بدن کا جزبن جاتے ہیں اور غسل اور وضوء میں ان چیزوں تک پانی پہونچانا کافی ہو جاتا ہے۔ لہٰذا غسل ہو جائے گا، اور وضوء کی سنت بھی ادا ہو جائے گی۔

س :۔ ایک کنواں ہے جس سے مسلم اور غیر مسلم سب پانی بھرتے ہیں، غیر مسلموں کے برتنوں کا کوئی اعتبار نہیں کہ آیا پاک ہیں یا ناپاک تو ایسے کنویں کا پانی استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

ج :۔ مسلمان ایسے کنویں کا پانی استعمال کر سکتے ہیں۔

س :۔ بعض لوگ جلدی میں کبھی کبھی ایک ہی ہاتھ سے مسح کرتے ہیں ان کا یہ فعل شرعاً کیسا ہے؟

ج :۔ اگر ایک ہاتھ سے مسح کرے گا تو مسح ہو جائے گا لیکن سنت کے طریقے کے خلاف ہوگا۔

س :۔ کیا تکبیر امام کے داہنی طرف کہنی چاہئے؟

ج :۔ تکبیر کے لئے کوئی جہت اور کوئی صف متعین نہیں ہے۔

س :۔ جب کہ اذان و اقامت کا اختتام لا الٰہ الا اللہ پر ہوتا ہے کیا کوئی شخص محمد رسول اللہ پر اختتام شرعاً کر سکتا ہے۔

ج :۔ نہیں! اختتام لا الٰہ الا اللہ پر کرنا چاہئے نہ کہ محمد رسول اللہ پر کیونکہ احادیث سے ایسا ہی ثابت اور منقول ہے اپنی طرف سے اس پر اضافہ بدعت ہوگا۔

س :۔ فاسق و فاجر شخص کی اذان کا شرعاً کیا حکم ہے؟

ج :۔ فاسق کا اذان کہنا مکروہ ہے، لیکن اعادہ نہیں کیا جائے گا ویکرہ اذان الفاسق و لا یعاد۔ ترجمہ: فاسق کی اذان مکروہ ہے (لیکن) اعادہ نہیں کیا جائے گا۔ ھٰکذا فی الذخیرۃ الباب الثانی فی الاذان کتاب الصلاۃ فتاوی عالمگیریۃ جلد اول۔

س :۔ کیا مغرب کی نماز کو اذان کے بعد جلدی کرکے پڑھنا چاہئے؟

ج :۔ ہاں! مغرب کو گرمی کا زمانہ ہو یا جاڑہ کا زمانہ ہو جلدی کرکے پڑھنا مستحب ہے وتعجیل مغرب مطلقاً ردالمحتار جلد اول کتاب الصلاۃ ص ۳۶۹۔

س :۔ کیا دو فرضوں کو ایک نماز کے وقت میں سفر کی وجہ سے جمع کر سکتے ہیں؟

ج :۔ احناف کے نزدیک دو فرضوں کو سفر پیش آنے کی وجہ سے جمع کرنا جائز نہ ہوگا، جو نماز اپنے وقت میں پڑھی گئی ہے وہ تو ہو جائے گی اور جو نماز وقت آنے سے پہلے یا وقت ختم ہونے کے بعد پڑھی جائے گی نہیں ہوگی۔

س : فجر کے فرض شروع کرتے وقت یاد آگیا کہ سنت نہیں پڑھی ہے، ایسی حالت میں فرض توڑ کر سنت نماز پڑھے یا نہیں؟

ج :۔ نہیں! سنت کے لئے فرض نہ توڑے ولو تذکر فی انہ لم یصل رکعتی الفجر لم یقطع یعنی فرض نماز میں یاد آگیا کہ سنت فجر نہیں پڑھی ہیں تو فرض نہ توڑے۔ (بحر الرائق ص ۴۸ ج ۲)

س :۔ بہت سے لوگوں کو عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جب بھی وہ باجماعت نماز ادا کرتے ہیں تو مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے رہتے ہیں ایسا کرنا شرعاً کیسا ہے؟

ج :۔ مونچھوں پر ہاتھ پھیرنا فعل عبث ہے اس سے نماز مکروہ ہو جاتی ہے۔

س :۔ ایک شخص کافی ضعیف ہے وہ بغیر زمین کا سہارا لئے ہوئے نہیں اٹھ سکتا ہے تو کیا شرعاً اس کی اجازت ہے؟

ج :۔ صورت مسئولہ میں چونکہ مجبوری ہے لہٰذا نماز بلا کراہت ہو جائے گی۔

س :۔ مال حرام سے بنائی گئی مسجد میں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

ج :۔ مال حرام سے بنائی گئی مسجد میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

مطالعہ کی میز

تبصرے کیلئے کتابوں کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے!

نام کتاب: فیض النحو
مؤلف: مولانا شیر افگن ندوی
صفحات: ۲۲۰، سائز: ۱۸×۲۲/۸
قیمت: درج نہیں
ملنے کا پتہ: مکتبہ ندویہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

عزیز گرامی مولانا شیر افگن ندوی سلمہٗ عرصہ سے ابتدائی درجات میں نحو پڑھاتے رہے ہیں۔ انہیں فن نحو پر گہری نظر ہے۔ ساتھ ہی انھیں اس کا بھی اچھا تجربہ ہے کہ طلبہ کا ذہن کن مسائل میں الجھتا ہے نیز کن ابواب میں فن کی متداول درسی کتابوں میں تمام پہلو اچھی طرح واضح نہیں ہو سکے ہیں۔ اس لئے انھوں نے محسوس کیا کہ ندوۃ العلماء کے تیار کردہ نصاب میں تمرین النحو حصہ اول کے بعد پڑھانے کے لئے ایک ایسی کتاب ہونی چاہئے جس میں:

(۱) اردو زبان میں ضروری نحوی مسائل سلیس انداز میں بیان کئے جائیں۔

(۲) جن مسائل میں طلبہ کا ذہن عام طور پر الجھتا ہے ان کی خاص طور پر وضاحت کی جائے۔

(۳) عام فہم اور فصیح عربی زبان میں مثالیں دے کر مسائل ذہن نشین کرائے جائیں۔

(۴) ایسی مشقیں دی جائیں جن سے مسائل بھی مستحضر ہوں اور طلبہ میں خود صحیح لکھنے، بولنے اور سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو۔

(۵) نمونوں کے ذریعہ نحوی ترکیب سمجھنے اور بیان کرنے کی صلاحیت پروان چڑھے۔

(۶) یہ بھی خیال رکھا جائے کہ کتاب اتنی ضخیم بھی نہ ہو جائے کہ تعلیمی سال میں ختم نہ ہو سکے۔

ان تمام باتوں کا لحاظ کر کے عزیز موصوف نے کتاب "فیض النحو" تیار کی اور حق یہ ہے کہ اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب ہیں۔ یہ ان کی پہلی تصنیفی کوشش ہے۔ لیکن الحمد للہ مبتدیانہ خامیوں کے بجائے ہر جگہ پختہ انداز ہے۔ یہ کتاب اگرچہ ابتدائی درجات کے لئے تیار کی گئی ہے لیکن منتہی طلبہ کو بھی عند الضرورت اس سے بہت مدد ملے گی۔ بلکہ نحو پڑھانے والے نئے اساتذہ بھی اس سے بہت فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ یوں تو پوری کتاب سے میں نے استفادہ کیا لیکن بالخصوص عدد کی بحث سے خود میری بہت سی الجھنیں دور ہوئیں۔ اب انشاء اللہ مدارس کو ابتدائی درجات کے لئے کسی اچھی درسی کتاب کے نہ ہونے کی شکایت نہیں رہے گی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ کوشش مقبول ہو اور اس سے استفادہ عام ہو۔

(مولانا) شہباز اصلاحی

رسید کتب

● نام کتاب: سکونِ دل
مؤلف: مولانا محمد کمال الرحمٰن ندوی۔
صفحات: ۶۴، قیمت ۱۵/- روپئے
ملنے کا پتہ: ڈاکٹر شفیع الدین احمد قادری مکان نمبر 523/C/6، برندادن کالونی ٹولی چوکی حیدرآباد، آندھرا پردیش۔

دلوں کا اطمینان ذکر الٰہی میں ہے اسی کی تفصیل کتاب میں پیش کی گئی ہے۔ یہ ان بے چین دلوں کیلئے ایک تحفہ ہے جنھیں سکون کی تلاش ہے۔

● نام کتاب: تحفۃ الطالب (اول، دوم، سوم)
مرتب: مولوی داؤد عمر، قیمت ۴۷/-
ملنے کا پتہ: چانڈوا تعلقہ مہاڈ ضلع رائے گڑھ (مہاراشٹر)

فقہ شافعی کے مطابق دینی تعلیم کی غرض سے یہ تین رسائل ترتیب دیئے گئے ہیں جس میں فقہ شافعی کے مطابق ضروری بنیادی مسائل پیش کئے گئے ہیں

● اسلام کا نظام میراث، از: مولانا عتیق احمد قاسمی
ملنے کا پتہ: دفتر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ امارت شرعیہ بلڈنگ پھلواری شریف پٹنہ۔

اس کتاب میں مولانا عتیق احمد قاسمی نے تقسیم ترکہ کا اسلامی طریقہ اور احکام میراث جیسے اہم موضوعات پر قرآن کریم کی روشنی میں سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ یہ رسالہ اگرچہ مختصر ہے مگر بہت جامع اور مفید ہے

● نام کتاب: تاجروں کے لئے نبوی ہدایات
مؤلف: مولانا کلیم اللہ قاسمی، قیمت ۱۵/-
صفحات: ۸۰، سائز ۲۰×۳۰/۱۶
ملنے کا پتہ: مکتبہ الاصلاح محلہ لال باغ مرادآباد (یوپی)

زیر نظر کتاب میں رزق حلال کی برکت، رزق حرام کی نحوست، کسب معاش کی فضیلت، صنعت و حرفت اور زراعت و تجارت کی اہمیت و ضرورت کو بڑی تفصیل کے ساتھ قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ انشاء اللہ یہ کتاب تاجروں کے لئے مفید ثابت ہوگی۔

Regd No. LW/NP56
Fax No. (0522)330020

FORTNIGHTLY

Principal off : 372336
Guest House : 323864

MEER-E-HAYAT

NADWATUL-ULAMA, LUCKNOW-226 007 (India)

Rs. 6/-

لکھنؤ

تعمیرِ حیات

پندرہ روزہ

وہ سجدہ روحِ زمیں جس سے کانپ جاتی تھی

مسلح مادیت کا مقابلہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہماری نمازیں درست ہوں، یہ طاقت نمازوں سے پیدا ہوتی ہے، دعا سے پیدا ہوتی ہے، تلاوت سے پیدا ہوتی ہے، مسجدوں سے مانوس ہونے سے پیدا ہوتی ہے، بندگانِ خدا کے پاس بیٹھنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس مسلح مادیت کا مقابلہ کریں جس کو یورپ و امریکہ نے اپنے بہترین اسلحہ سے مسلح کر رکھا ہے اس کی ہر چیز آگ بہانے والی ہے کہ بڑے بڑے شیروں کے پاؤں اکھڑ جائیں تو اس کا مقابلہ ہم محض تنظیم سے اور محض اپنے ضابطۂ اخلاق سے نہیں کر سکتے، اس کے لئے ہمارے اندر ایمانی طاقت ہونی چاہئے، تعلق مع اللہ ہونا چاہئے۔ اللہ کے ساتھ ایسا تعلق ہونا چاہئے، ہم کو ایک سجدہ نصیب ہو جائے، جس کی زمین بھی تاب نہیں لا سکتی ہے

وہ سجدہ روحِ زمیں جس سے کانپ جاتی تھی — اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

روحِ زمیں کلیجہ نہ کانپے، اپنا کلیجہ تو کانپ جائے، اپنا دل تو کانپ جائے، آنکھیں تو اشکبار ہو جائیں، یہ سجدہ جب آپ کو نصیب ہوگا تو آپ کو مادیت پر قابو ہوگا، اب جو دور ہے اس کا مقابلہ کرنے کے لئے آپ کے اندر کی طاقت کی ضرورت ہے، آپ کے اندر وہ طاقت ہو۔ خدا کے نام سے محبت ہو، اس کے رسول ﷺ سے محبت ہو، سنتوں کا اہتمام اور اس کی عظمت آپ کے دل میں بیٹھی ہوئی ہو، سب سے کوتاہیاں ہوتی ہیں لیکن اپنی کوتاہیوں کو آپ سمجھیں، ان پر اصرار نہ کریں، ان کے لئے دلیلیں نہ دیں، بلکہ یہ کہیں کہ آئیڈیل تو وہی ہے، کرنا تو ہم کو وہی ہے، خدا آپ کو توفیق دے گا اور یہ کوتاہیاں بھی معاف کر دے گا۔ بہت ہی پیچیدہ اور نازک دور ہمارے اور آپ کے حصہ میں آیا ہے، اس میں اگر دین کے تقاضے پورے کئے اور اسلام کے جھنڈے کو ہم نے سرنگوں ہونے نہیں دیا تو آپ کو جو بھی دنیا میں ملے گا وہ تو خیر ملے گا، لیکن آخرت میں جو کچھ ملے گا اس کو ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نور اللہ مرقدہ

(از ــــ دعوتِ فکر و عمل ص۱۵)

۲۵ فروری ۲۰۱۳ء | سالانہ ۱۳۰ روپے | فی شمارہ ۶ روپے

کلمہ طیبہ کے فائدے کیوں حاصل نہیں ہوتے؟ اور ہماری دعائیں کیوں قبول نہیں ہوتیں؟

محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ کلمۂ توحید لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے والے کو ہمیشہ نفع دیتا ہے۔ اور اس کے عذاب و بلا کو دفع کرتا ہے جب تک کہ اس کے حقوق سے بے پرواہی اور استخفاف نہ کیا جائے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ اس کے حقوق سے بے پرواہی و استخفاف کئے جانے کا کیا مطلب ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی نافرمانیاں کھلی طور پر کی جائیں اور ان کو بند کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ اب آپ ہی ذرا انصاف سے فرمایئے کہ اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کی کوئی انتہا، کوئی حد ہے۔ یا اس کے روکنے یا بند کرنے کی یا کم از کم تقلیل کی کوئی سعی، کوئی کوشش ہے ہرگز نہیں، ایسے خطرناک ماحول میں مسلمانوں کا عالم میں موجود ہونا ہی اللہ تعالیٰ کا حقیقی انعام ہے ورنہ ہم نے اپنی بربادی کے لئے کیا کچھ اسباب پیدا نہیں کر لئے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ دولت کدہ پر تشریف لائے تو میں نے چہرۂ انور پر ایک خاص اثر دیکھ کر محسوس کیا کہ کوئی اہم بات پیش آئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے کچھ بات چیت نہیں فرمائی اور وضو فرما کر مسجد میں تشریف لے گئے۔ میں حجرہ کی دیوار سے لگ کر سننے کھڑی ہوگئی کہ کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے اور حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا کہ لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو۔ مبادا وہ وقت آجائے کہ تم دعا مانگو اور قبول نہ ہو۔ تم سوال کرو اور سوال پورا نہ کیا جائے، تم اپنے دشمنوں کے خلاف مجھ سے مدد چاہو اور میں تمہاری مدد نہ کروں"۔ یہ کلمات طیبات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے اور منبر سے نیچے تشریف لے آئے۔

اس مضمون پر وہ حضرات خصوصیت سے توجہ فرمائیں جو دشمن کے مقابلہ کے لئے امور دینیہ میں تسامح اور مسالحت پر زور دیتے ہیں کہ مسلمانوں کی اعانت اور امداد دین کی پختگی ہی میں مضمر ہے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ جو ایک جلیل القدر صحابی ہیں فرماتے ہیں کہ تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر ایسے ظالم بادشاہ کو مسلط کر دے گا جو تمہارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے اور تمہارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اس وقت تمہارے برگزیدہ لوگ دعائیں کریں گے تو قبول نہ ہوں گی تم مدد چاہو گے تو مدد نہ ہوگی، مغفرت مانگو گے تو مغفرت نہ ملے گی فضائل تبلیغ۔ پھر آگے ارشاد ہے۔

درمنثور میں بروایت ترمذی وغیرہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر یہ ارشاد فرمایا کہ تم لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو ورنہ اللہ جل جلالہٗ اپنا عذاب تم پر مسلط کر دیں گے پھر تم دعا بھی مانگو گے تو قبول نہ ہوگی۔ یہاں پہونچ کر میرے بزرگ اول یہ سوچ لیں کہ ہم لوگ اللہ کی کس قدر نافرمانیاں کرتے ہیں۔ پھر معلوم ہو جائے گا کہ ہماری کوششیں بے کار کیوں جاتی ہیں، ہماری دعائیں بے اثر کیوں رہتی ہیں؟ ہم اپنی ترقی کے بیج بو رہے ہیں یا تنزل کے.

(ماخوذ از فضائل تبلیغ حدیث نمبر ۵و۶)

آجکل مسلمانوں پر مصائب کیوں نازل ہو رہے ہیں

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب پندرہ خصلتیں میری امت میں پیدا ہوں تو ان پر مصیبتیں نازل ہونا شروع ہو جائیں گی۔ دریافت کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کیا ہیں۔ فرمایا (۱) جب سرکاری مال ذاتی ملکیت بنا لیا جائے (۲) امانت کو مال غنیمت سمجھا جائے (کہ حلال سمجھ کر کھایا جائے) (۳) زکوٰۃ جرمانہ محسوس ہونے لگے (۴) شوہر بیوی کا مطیع ہو جائے. (۵) بیٹا ماں کا نافرمان بن جائے (۶) آدمی دوستوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے لگے اور (۷) باپ سے ساتھ برا سلوک کرے (۸) مساجد میں شور مچایا جائے (۹) قوم کا رذیل ترین آدمی ان کا لیڈر ہو (۱۰) آدمی کی عزت اور اس کا احترام اس کے شر کے خوف سے کیا جائے (۱۱) نشہ آور اشیاء کھلم کھلا استعمال کی جائیں (۱۲) مرد ریشم پہنیں (۱۳) گانے بجانے والیاں اور آلات موسیقی عام ہو جائیں (۱۴) اس وقت کے لوگ اپنے اسلاف (اگلوں) پر لعن طعن کرنے لگیں (۱۵) دین کا علم دین کے بجائے دنیا کے لئے حاصل کیا جائے، تو لوگوں کو چاہئے کہ وہ ہر وقت عذاب الٰہی کے منتظر رہیں خواہ وہ سرخ آندھی کی شکل میں آئے یا زلزلہ کی شکل میں یا اصحاب سبت کی طرح

(باقی صفحہ ۲۹ پر)

پندرہ روزہ — لکھنؤ

تعمیر حیات

مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۳۷ — شمارہ نمبر ۸

۲۵ر فروری ۲۰۰۰ء — مطابق — ۱۸ر ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے۔ لہذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین وادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ ۱۳۰/- روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں ـــــــــ

زر تعاون

سالانہ ـــــ ۱۳۰/- روپے

فی شمارہ ـــــ ۶/- روپے

ـــ بیرونی ممالک فضائی ڈاک ـــ

ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک

۳۰ ڈالر

ـــ بیرونی ممالک بحری ڈاک ـــ

بحری ڈاک جملہ ۱۵ ڈالر

خط وکتابت کا پتہ

منیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس نمبر ۹۳

ندوۃ العلماء لکھنؤ، ۲۲۶۰۰۷ یوپی

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں ـــــ

گذارش

خط وکتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کے ساتھ مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے (منیجر)

پرنٹر پبلشر شاہد حسین نے ندیم آفسیٹ میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا۔

حامد

اِس شُمارے میں

شرائط ایجنسی

۱۔ پانچ کاپی سے کم کی ایجنسی جاری نہیں کی جاتی۔
۲۔ فی کاپی =/Rs. 15 کے حساب سے زر ضمانت روانہ کرنا ضروری ہے۔
۳۔ کمیشن جوابی خط سے معلوم کریں۔

نرخ اشتہار

۱۔ تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر اندرونی صفحہ =/Rs. 30
۲۔ تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر پشت پر رنگین صفحہ =/Rs. 40
۳۔ کمیشن تعداد اشاعت کے مطابق ہوگا جو آرڈر دینے پر متعین ہوگا۔
۴۔ اشتہار کی نصف رقم پیشگی جمع کرنا ضروری ہے۔

بیرون ملک نمائندے

مدینہ منورہ	Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb. P O Box No 842, Madina Munawwara (K S A)
برطانیہ	Mr. M. AKRAM NADWI O C I S , St Cross College, Oxford Ox1 3TU-U K
ساؤتھ افریقہ	Mr. M. YAHYA SALLO NADWI Sb. P O Box 388, Vereninging,(S Africa)
قطر	Mr. ABDUL HAI NADWI Sb. P O Box No 10894, DOHA-QATAR
دبئی	Mr. QARI ABDUL HAMEED NADWI Sb. P O Box No 12525, DUBAI (U A E) P·H' No: — 3970927
پاکستان	Mr. ATAULLAH Sb. Sector A-50, Near sau Quater H No 109, Town Ship Kaurangi, KARACHI-31 (Pakistan)
امریکہ	Dr. A. M. SIDDQUI Sb. 98-Conklin Ave, Woodmere NEW YORK 11598 (U S A)

اداریہ

عید قرباں کا پیغام اُمّتِ مسلمہ کے نام

شمس الحق ندوی

ذی الحجہ کا مہینہ جلد ہی شروع ہونے والا ہے اس ماہ مبارک کی آمد قربانی وحج کا پیغام لاتی ہے، قربانی کا تصور وخیال آتے ہی اسمٰعیل ذبیح اللہ کی گردن پر ابراہیمؑ خلیل اللہ چھری چلانے کا منظر نگاہوں میں پھر جاتا ہے، اور حج کے تصور سے کعبۃ اللہ کے سائے میں معصوم اور ننھے منے سمٰعیل کا پیاس سے ایڑیاں رگڑنے اور ممتا کی ماری ہوئی حضرت ہاجرہ کے صفا ومروہ کے درمیان بے قرارانہ دوڑنے کا دل گداز نقشہ نگاہوں میں پھرنے لگتا ہے دونوں ہی منظر مالک وخالق کے حکم پر سر جھکانے کا حیرت انگیز نقشہ پیش کرتے ہیں۔ اس بے آب وگیاہ سرزمین میں بیوی بچے کو چھوڑ کر حکم خداوندی کی تعمیل میں جب حضرت ابراہیم علیہ السلام چلے تو حضرت ہاجرہ نے حیرت سے پوچھا' اس معصوم بچے اور مجھ عورت ذات کو اس ویرانے میں چھوڑ کر کہاں چلے؟ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا خدا کے حکم سے جا رہا ہوں۔ جواب سنکر حضرت ہاجرہ کا دل صبر وتوکل سے معمور ہوگیا اور فرمایا کہ خدا کے حکم سے جا رہے ہیں تو خدا ہم کو ضائع نہیں کرے گا' جانے والے باپ وشوہر اور رہ جانے والی بیوی اور شیر خوار بچے کا یہ امتحان کوئی معمولی امتحان نہ تھا' جانے والا خدا پر توکل و بھروسہ کرکے گیا تھا' رہنے والے خدا ہی کے بھروسہ پر ٹھہرے تھے۔

کافی عرصہ کے بعد حضرت ابراہیمؑ آتے ہیں' بیوی بچے سے صحت وعافیت کی حالت میں ملتے ہیں' آنکھوں کو نور اور دل کو سرور حاصل ہوتا ہے لیکن خوشی ومسرت کے زیادہ دن نہیں گذرنے پاتے کہ حکم ہوتا ہے اپنے اس جگر گوشہ کو خدا کے نام پر ذبح کردو۔ ہر وہ شخص جو سینہ میں دل رکھتا ہے اور آنکھوں کے سامنے ہنستا کھیلتا' خوشی ومسرت سے مچلتا اپنے جگر گوشہ کی معصوم صورت کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور اس منظر سے اس کا دل بلیوں اچھلتا ہے۔ ذرا سوچ کر اس جگر گوشہ کی گردن پر چھری چلانا کتنا مشکل کام ہے۔

لیکن دنیا نے دیکھا کہ اس مشکل ترین قربانی کو پیش کرنے میں بھی حضرت ابراہیمؑ کامیاب ہوگئے' اور ہر مومن بندہ اور بندی کے لیے یہ نمونہ چھوڑ گئے کہ خدا کے حکم اور اس کے نام پر عزیز سے عزیز متاعِ حیات کو قربان کردینا ہی بندہ کی بندگی کا طرۂ امتیاز ہے اور اس میں ہچکچاہٹ کشمکش یا ذرا بھی رد وکد کرنا کانی اپنے مالک وخالق کے حکم سے سرتابی ہے جو مالک کے غضب وناراضگی کا سبب اور اس کی گرفت وسزا کا باعث ہے خواہ اس میں کتنی ہی تاخیر ہو یا بطور استدراج وڈھیل کچھ وقتی نفع حاصل ہو۔

یہ ہے قربانی کی وہ اصل روح جس کو یاد دلانے کے لیے اور جس کے استحضار وتازہ رکھنے کے لیے ہر عاقل' بالغ' صاحب نصاب مسلمان مرد وعورت پر جانور ذبح کرنا فرض کردیا گیا ہے۔ جس کا حاصل ولب لباب یہ ہے کہ صرف جانور ذبح کرنا مقصود نہیں بلکہ اس یاد کو تازہ کرکے مالک کے حکم کی تعمیل ورضا کی خاطر حالات وتقاضے کے مطابق اپنا سب کچھ قربان کردینے کے لیے تیار رہنے کا حوصلہ پیدا کرنا مقصود ہے جس کے لیے ہر مسلمان کو ہر وقت تیار رہنا چاہیے۔ اس یاد کے ہر سال دہرائے جانے کا یہی راز ہے ؎

لیناہے ترا سر' تری گردن' تری جاں مول
اے طائرِ شوق اڑکے پہنچنا ہے تو پر کھول

اگر ہم قربانی کی اس حقیقت کو تاریخِ اسلامی کے تابندہ نقوش میں دیکھنا اور ڈھونڈنا چاہیں تو ہم کو وہ زندہ وجاوید مثالیں ملیں گی جن سے ہم کو موقع ومحل کی مناسبت سے کامل رہنمائی ملے گی۔

کارگاہِ حیات میں ایسے بھی مواقع آتے ہیں کہ خدا کی رضا اور دین وملت کے مفاد کے لیے اپنے جاہ ومنصب تک کی قربانی دینی پڑتی ہے اور سب

شکل قربانی اپنے جاہ و انا اور جماعتی و گروہی عصبیت ہی کی ہوتی ہے جس کو قوم و ملت کے مفاد عامہ کے لیے پیش کر دینا ہوتا ہے، اس سیاق میں ہم دیکھیں تو ہم کو نظر آئے گا کہ ایک قربانی وہ ہے جو سیدنا حضرت خالدؓ بن ولید نے یرموک میں دی تھی، دوسری قربانی وہ ہے جو حضرت حسن بن علیؓ نے حضرت معاویہؓ کے مقابلہ میں امت کے انتشار کو ختم کرنے کے لیے دی تھی، اور وہ بھی ایک قربانی ہے جو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے (اسلامی مملکت اور معاشرہ کو اسلامی زندگی اور اسلامی سیرت کی راہ پر لگانے کے لیے) اپنی زندگی کو بدل کر اور اپنے خاندان کے مفاد سے آنکھیں بند کر کے دی تھی۔

آج امت مسلمہ جن خطرات و حوادث سے دو چار ہے ان میں ان تینوں قسم کی قربانیوں کی ضرورت ہے۔ کیا ہم اس کا حوصلہ رکھتے ہیں کہ جانور کی گردن پر چھری چلاتے وقت قربانی کی اصل روح کو تازہ کر کے اپنی ہر اک خواہش پر چھری چلا دیں جس کے پورا کرنے میں دین و ملت کو نقصان پہنچتا ہو لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ قربانی کا لفظ اتنی کثرت سے استعمال ہونے لگا ہے کہ لفظ ہی لفظ کی تکرار باقی رہ گئی ہے اور قربانی کی اصل روح دن بدن غائب ہوتی جا رہی ہے۔ اس وقت پوری امت اسلامیہ عموماً اور امت اسلامیہ ہندیہ خصوصاً جس نازک دور سے گذر رہی ہے اس کے لیے بکرے کی گردن پر چھری چلاتے ہوئے ہم ہر وہ قربانی دینے کا عزم کریں جو اس وقت امت کو درکار ہے۔

اگر ہم اپنی زندگی کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ ہم قربانی کی اصل روح اور حقیقت سے بہت دور ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ گھروں اور خاندانوں سے لے کر جماعتوں اور مکاتب فکر اور اداروں اور انجمنوں تک میں انتشار برپا ہے اور وہ اسلام جس کا ڈھانچہ سراسر ایثار اور قربانی پر قائم ہوتا ہے، اس کا ایک ایک جوڑ ڈھیلا ہو رہا ہے۔

عیدالاضحی میں جانور اس لیے نہیں ذبح کیے جاتے کہ خدا کی زمین لالہ زار ہو جائے بلکہ یہ قربانی کسی بلند مقصد کے لیے کی جاتی ہے، اونچا مطمح نظر سامنے ہوتا ہے اور اس پاکیزہ مقصد سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو اپنے اندر جاری و ساری کرنا ہوتا ہے جس کے ذریعہ نفس کو رذالت کی آلائشوں سے پاک کیا جاتا ہے تاکہ پاکیزہ قدریں ابھریں۔ دل میں فداکاری اور جاں نثاری کا جذبہ پیدا ہو، علم و ہنر میں ضرب کلیمانہ کی شان پیدا ہو اور وہ کام جو مشکل و دشوار معلوم ہوتے ہیں ان کو آسان کر دے۔

حدیثِ محمد مصطفیٰ ﷺ

ڈاکٹر سید طفیل احمد مدنی

روحِ دیں قرآن ہے اور دل حدیثِ مصطفیٰ ؐ
غور سے پڑھ غور سے غافل حدیثِ مصطفیٰ ؐ

اصل میں ہے جوہرِ قابل حدیثِ مصطفیٰ ؐ
شارحِ ماضی و مستقبل حدیثِ مصطفیٰ ؐ

ماحیِ بدعات و باطل مانتے ہیں ہم اسے
درحقیقت حق سے ہے واصل حدیثِ مصطفیٰ ؐ

رہبری کے واسطے قرآں اگر ہے آفتاب
شرحِ دیں میں ہے مہِ کامل حدیثِ مصطفیٰ ؐ

جو محاسن بھی سخن کے ہیں ادب میں لازمی
بالیقیں ان سب کی ہے حامل حدیثِ مصطفیٰ ؐ

کاروانِ زیست کی رہبر تو ہے امّ الکتاب
ہے اسی کا اک حسیں محمل حدیثِ مصطفیٰ ؐ

دوں اگر تشبیہ قرآں کو بہ رخسارِ جمیل
تو اسی رخسار کا تل ہے حدیثِ مصطفیٰ ؐ

اک سمندر ہے یہ علمِ سیرؔ و تفسیر و فقہ
اور ہے اس بحر کا ساحل حدیثِ مصطفیٰ ؐ

ہر مؤرخ، ہر مفسر، اور ہر سیرت نگار
کاوشوں میں سب کی ہے شامل حدیثِ مصطفیٰ ؐ

اس کا اک اک حرف آساں ہے بشرطِ ذوق و شوق
کون کہتا ہے کہ ہے مشکل حدیثِ مصطفیٰ ؐ

پوچھئے ہم سے کہ ہم ہیں اہلِ قرآن و حدیث
کس قدر عظمت کی ہے حامل حدیثِ مصطفیٰ ؐ

کون جانے کس قدر محبوب ہے عند الرسولؐ
جو سناتا ہے سرِ محفل حدیثِ مصطفیٰ ؐ

چھ کتابیں جن کو اہلِ حق سمجھتے ہیں صحاح
ہے انھیں پر مشتمل اے دل حدیثِ مصطفیٰ ؐ

مالک و احمدؒ، بخاریؒ، مسلم و ابنِ شہاب
ہر محدث کی رہی منزل حدیثِ مصطفیٰ ؐ

بالتواتر ہو، خبرِ واحد ہو یا مشہور ہو
جس طرح کی بھی ہو کر حاصل حدیثِ مصطفیٰ ؐ

ہر رگ و پے میں مرے آیاتِ قرآنی کے ساتھ
ہے طفیلِؔ بے نوا داخل حدیثِ مصطفیٰ ؐ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

ملک و ملت کیلئے درپیش خطرہ کو محسوس کریں

علماء و مفکرین سے خطاب کرتے ہوئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

آپ اس ملک کی فکر کریں معاشرہ کی اصلاح کی فکر کریں اس وقت مسلم معاشرہ ہر ملک میں مرض کی ایسی حالت میں پہنچ گیا ہے کہ اس کی جلد خبر لینے کی ضرورت ہے، معاشرہ کا عیب یہ نہیں ہے کہ وہ فاسد الاخلاق ہو گیا ہے، خطرہ کی بات یہ ہے کہ معاشرہ فاسد المزاج ہو گیا ہے اور کسی معاشرہ کا فاسد الاخلاق ہونا اتنا خطرناک نہیں ہے اس کیلئے سو تدبیریں ہیں لیکن معاشرہ جب فاسد المزاج ہو جائے تو پھر دوا بھی اثر نہیں کرتی اس وقت اس معاشرہ کی خبر لینے کی ضرورت ہے۔

اختلافی مسائل چھیڑنے کے بجائے جو اس (ملک کا انتشار بڑھائیں گے) اگر وہ معاشرہ کی اصلاح پر اپنی توجہ مرکوز کر دیں تو ملک کو بھی بچائیں گے، اور عالم اسلام کی بہت بڑی خدمت کریں گے، آپ کو معلوم ہے، جس وقت قسطنطنیہ محمد فاتح کی یلغار کے نیچے تھا محمد فاتح کی فوجیں داخل ہو رہی تھیں، اس وقت اس پر بحث ہو رہی تھی کہ حضرت مسیح نے جو روٹی کھائی تھی عشائے ربانی میں وہ فطیری تھی یا خمیری تھی اس پر بڑی متکلمانہ بحثیں اور بڑی بڑی نکتہ سنجیاں ہو رہی تھیں۔ اور محمد فاتح کی فاتح فوجیں یلغار کرتے ہوئے قسطنطنیہ میں داخل ہو رہی تھیں، مجھے اندیشہ ہے کہ یہاں بھی ایسے اختلافی مسائل نہ چھیڑے ہوں کہ فاتح تمدن کی یلغار جاری ہو فاتح تہذیب کی یلغار جاری ہو، اس وقت صورتحال یہ ہے کہ مغربی تہذیب فاتحانہ پیش قدمی کر رہی ہے، ہماری اسلامی بنیادوں کو ہلا رہی ہے، بلکہ ہماری چولیں اور ہمارے اس ملک کی چولیں بھی ہلا رہی ہے، اسلامی معاشرت تبدیل ہو رہی ہے اسلامی تمدن دم توڑ رہا ہے، مسلمان ذہنی و فکری ارتداد کے شکار ہو رہے ہیں اور ہمارے یہاں علم غیب کی بحثیں ہو رہی ہیں، بشریت رسول کی بحثیں ہو رہی ہیں، تو توقع نہیں کہ اس نازک دور میں جبکہ ہمارے سروں پر خطرے کی تلوار لٹک رہی ہے، کوئی بحثیں چھیڑے گا، لیکن اس دنیا میں سب کچھ ممکن ہے، ہو سکتا ہے ہم اپنی ذہانت ان فروعی اور نزاعی معاملوں میں ضائع کر رہے ہوں، اور اپنی توانائی و طاقت اس میں برباد کر رہے ہوں، آپ سے یہ کہتا ہوں کہ آپ خطرے کو محسوس کریں، آپ کا ملک ایک دوراہے پر کھڑا ہے، اس موقع پر آپ متاع اسلام کو بچانے کی کوشش کریں، جب یہ بچ جائے گی تو پھر ان مسائل کا موقع ہوگا، یہ بحثیں مدرسہ کے اندر کی ہیں، یہ بحثیں مدرسوں کے باہر کی نہیں، یہ میں نے ایک بڑی کانفرنس میں خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ اختلافات ہمیشہ سے تھے، نماز کے اندر بھی مذاہب اربعہ میں اور مذاہب اربعہ کے باہر بھی کتنے اختلافات ہیں کہ ان کو گنا جائے تو درجنوں کی تعداد میں نکلیں لیکن کبھی ان سے انتشار نہیں پیدا ہوا، انتشار اس وقت ہوا جب معلمین و مدرسین مدرسہ سے نکل کر عوام میں آگئے، غلطی یہ ہے کہ ان مسائل کا فیصلہ چوراہوں پر کیا جائے، مسئلوں کا فیصلہ جلسہ عام میں کیا جائے، ان مسئلوں کو نعرہ بنایا جائے۔ ان مسئلوں کو عوام کے حوالے کر دیا جائے کہ اس سے بجائے ایک دوسرے سے ملنے کے وہ جدا ہوں، ورنہ یہ بحثیں تو ہمیشہ ہوتی رہی ہیں، ان سے علم میں اضافہ ہوا، ذہانت میں اضافہ ہوا، اور یہ تو زندہ انسان و زندہ جماعت کی خصوصیت ہے کہ غور کرے، سمجھنے کی کوشش کرے اس پر کوئی پہرے نہیں بٹھا سکتا، اور اگر یہ بحثیں عوام میں آجائیں، اور ان سے سیاسی مقاصد حاصل کئے جائیں، جماعتی مقاصد حاصل کئے جائیں، ان سے اپنی بڑائی اور ذاتی مفادات کی حفاظت کا کام لیا جائے تو پھر یہ مضر ہی نہیں مہلک بن جاتی ہیں، یہ مسئلے فقہی ہیں، خالص علمی ہیں، کلامی ہیں، ان کو اپنے کتب خانوں میں رکھئے، دوستوں کے حلقوں میں رکھئے، طالب علموں کے سامنے رکھئے، ان کو عوام میں نہ لائیے، جو ہمارے معاشرہ میں مزید انتشار پیدا کرے اور مسلمان کو مسلمان سے الگ کرے اور مسلمان کو مسلمان سے توڑے اس کی کوئی گنجائش نہیں، مولانا رومؒ نے تو بہت معمولی سی بات پر کہا ہوگا ؎

تو برائے وصل کردن آمدی ٭ نے برائے فصل کردن آمدی

آپ کو جو مسائل درپیش ہیں وہ قوموں اور ملکوں کی قسمتوں کا فیصلہ کرنے والے ہیں، اس سے ہم کو بڑی احتیاط برتنی چاہیئے، علمی بحثوں کا کوئی دروازہ بند نہیں کر سکتا، میں تو ہرگز اس کی رائے نہیں دوں گا، اس لئے کہ میں طالب علم ہوں لیکن ان کو سیاسی تفریق، جماعتی تفریق کے لئے، جماعتی مقاصد، سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے اور محض جاہ طلبی کے لئے اور اپنی بات اونچی کرنے کے لئے استعمال نہیں کرنا چاہیئے اس وقت ہمیں پورے اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے عہد کر کے معاشرہ کی اصلاح کے کام میں لگ جانا چاہیئے اور ملک کو اس تہذیبی و تمدنی ارتداد سے بچانا چاہیئے۔

بے مایہ ملت کی ایک مایۂ گرانمایہ سے محرومی

مولانا محمد سالم قاسمی

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ صرف ایک عظیم شخصیت نہیں بلکہ بیسویں صدی کے نصف آخر کی تقریباً تمام تاریخ ساز شخصیات کی خصوصیات کو حق تعالیٰ نے ان کی ذات گرامی میں جمع فرمادیا تھا۔ اس لئے ان کی ذات گرامی کی دید اور ان کے کمالات سے مستفید خوش بخت طبقات اگر یہ فرمائیں کہ ہم نے عالم اسلام کے ہر دائرۂ فکر کی زہد و تقویٰ کے ساتھ اور معنویت و روحانیت کی حامل علمی، فکری، تربیتی، تعلیمی، تبلیغی، تصنیفی، تاریخی، ادبی، اداری، انتظامی، اجتماعی، سیاسی اور اخلاقی تمام عہد آفریں شخصیات کو دیکھا ہی نہیں، بلکہ برتا بھی ہے تو ان کا یہ قول اہل فکر ونظر کی ہر کسوٹی پر اتنا کھرا اترے گا کہ اس میں کج فکری سے کھوٹ نکالنے کے شائقین انشاء اللہ کبھی کامیابی کا منہ نہیں دیکھ پائیں گے۔ اس لئے گذری ہوئی محسن ملت شخصیات پر ان کی موجودگی ملت کے لئے نہ صرف صبر واستقامت کا ذریعہ ہی بنی بلکہ ہمت و حوصلہ کی افزونی کا عظیم سبب بھی ثابت ہوئی۔

حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت و برگزیدگی پر یہ ایک ناقابل شکست حتمی دلیل ہے کہ بانی اور تاحیات سابق صدر مسلم پرسنل لا بورڈ حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب (سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند) کی جامع الکمالات بین الاقوامی شخصیت کے بعد دینی مستقبل ملت کی محافظ ملک گیر تنظیم آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی صدارت کے لئے حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ مکمل اتحاد فکر کے ساتھ ملت کے ہر مکتبہ فکر کے اہل فکر ونظر کا ایک لمحہ کی تاخیر کے بغیر انتخاب فرمالینا بذات خود حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت و برگزیدگی پر شاہد عدل ہے۔

یہ حقیقت ہر قسم کے شکوک سے بالاتر ہے کہ حضرت علیہ الرحمہ کی مؤثر تصانیف و خطبات کے ذریعہ انفرادی اصلاح اور اجتماعی رہنمائی کا سلسلہ تو انشاء اللہ ہمیشہ ہی جاری رہے گا، لیکن یہ تحریری اور تقریری عظیم افادہ مؤثر و مفقود شخصیات پر ان کی باعظمت ذات گرامی کی اثر آفرینی کے خلا کو ہرگز پورا نہیں کرسکے گا۔

حضرت مولاناؒ کا علمی مقام

حضرت مولانا علی میاں علیہ الرحمہ فن تاریخ میں ایک معتبر و مستند مقام رکھنے کے باوجود علوم دینیہ میں فن تفسیر قرآن کریم، فن حدیث میں خاص طور پر متبحرانہ علمی حیثیت کے بھی حامل تھے خاص طور سے فن تفسیر میں فطری مناسبت کی بناء پر عصر رواں کے غیر معمولی تمدنی اور تہذیبی ارتقاء اور سائنس کی حیرتناک پیش رفت پر قرآن و حدیث سے تائیدی یا تردیدی نکات آفرینی کو مولانا کے دینی ذوق کی عظمتوں پر شاہد عدل بنا کر پیش کیا جاسکتا ہے اس کی بے شمار مثالوں میں سے صرف یہ ایک مثال ہی کافی ہے کہ حضرت مولاناؒ نے عصر حاضر کی اہم ترین اور غیر معمولی جذاب وہ ایجادات کہ جن کا تصور بھی سو سال پہلے تک بھی انسانی دماغوں میں نہیں تھا چہ جائیکہ چودہ سو سال پہلے ہوتا۔ لیکن حضرت مولانا اپنے غیر معمولی ذوق عربیت سے قرآن کریم کی آیت کریمہ "وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ" اور کوئی انسان ایسا بھی ہے کہ جو اللہ سے غافل کرنے والی باتیں خریدتا ہے تاکہ اللہ کی راہ سے بے سمجھے دوسروں کو گمراہ کردے، یشتری لھوالحدیث (باتیں خریدنے) کے لفظ سے ویڈیو اور ٹی، وی پر جو دل لگتا استشہاد فرمایا ہے وہ سو فیصد ان پر منطبق ہے۔ کیونکہ یہ دونوں چیزیں غافل کرنے والی بھی ہیں اور "باتیں" بھی ہیں اور لھوالحدیث کی انطباقی دستوں سے حضرت مولانا کی طرح عربیت کا ذوق سلیم و وسیع رکھنے والے ہی اس عجیب و غریب ہدایت آمیز نکتہ آفرینی سے حظ اندوز ہوسکتے ہیں۔ کیوں کہ یہاں لفظ کھیل استعمال نہیں فرمایا گیا جس میں ریڈیو اور ٹی وی داخل نہ ہوتے بلکہ باتوں کا کھیل فرمایا گیا ہے جو ہدایت پسند ذوق دینی کے حاملین کے نزدیک بلا خوف تردید ویڈیو اور ٹی وی پر منطبق ہو جاتا ہے۔

فن تاریخ میں مولانا کا بنیادی امتیاز

انسان کی فطری رفتار ارتقا تمدنی ہے اس لئے عام طور پر بعد میں آنے والی نسل کے لئے پچھلی نسلوں کی تاریخ ایک تہذیبی، تمدنی، معاشرتی اجتماعی اور سیاسی درس کی حیثیت رکھتی ہے اسی درس سے اس کو ان دوائر حیات میں ترقی کی راہیں نظر آتی ہیں یہ ہی وہ نقطہ فکر ہے کہ جو قومی پیمانے پر تاریخ کو ایک اہم اور وسیع و عظیم مرتبہ و مقام عطا کرتا ہے۔

اسلام نے تاریخ کے اس عمومی اور متعارف موضوع سے آگے بڑھ کر تاریخ کو مؤثر سرچشمہ توت و تربیت قرار دے کر دعوت و تبلیغ کے خادم ہونے کا وہ موضوع دیا کہ جو انسانی قلب و دماغ کو انسانیت کاملہ کی راہ نمائی عطا کرتا ہے۔

عام طور پر مسلم مورخین نے "دعوت و تبلیغ"

کے انسانی قلب ودماغ کو متاثر ومطمئن کرنے کی عظیم صلاحیت کی روشنی میں تاریخ لکھنے کے بجائے مسلم اقتدار کی جغرافیائی توسیع اور جنگوں میں مسلم فوجوں کے بسا اوقات ناقابل یقین اور انتہائی مبالغہ آمیز فتوحات کو اپنا موضوع تاریخ نویسی بنایا ہے جس کے بارے میں حسن ظن سے اگر کام لیا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ مسلم فوجوں میں جوش وخروش کیساتھ ہمت وحوصلہ کو بڑھانا ان کا مقصد تھا نیز دور قدیم کے لحاظ سے یہ بھی بعید از قیاس نہیں ہے کہ اس مبالغہ آمیزی کا مقصد ارباب اقتدار کو خوش کرکے انعام واکرام حاصل کرنا ہو ان دونوں مقاصد کی صحت وسقم سے صرف نظر کرتے ہوئے یہ کہنا قطعاً مبالغہ نہیں ہوگا کہ اس طرز تاریخ نویسی سے نہ صرف یہ کہ اسلام کی تاریخ ہی مرتب نہیں ہوئی بلکہ خود نفس تاریخ اسلام کو اس سے زبردست یہ نقصان پہونچا ہے کہ مخالفین کی نگاہوں میں اس تاریخ نے بذات خود اسلام کو محل تنقید بنادیا۔

اس کے برخلاف حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ اسلام کا صحیح اور حقیقی موضوع اس مخلصانہ دعوت وتبلیغ کو قرار دیا جس سے خاص طور پر فطری تعلیمات اسلام کی اغیار پر غیر معمولی اور حیرت انگیز تاثر پذیری اور نیک دل مسلم حکمرانوں کی اسلامی تعلیمات کے تحت انسانیت نوازی، سچے تاجروں اور پُر اخلاص محنت کشوں کے دیانت وامانت پر مشتمل واقعات کے ذریعہ اقوام عالم تک اسلام کی مؤثر پیغام رسانی متوقع ہوتی ہے اس طرز پر حضرت موصوف نے تاریخ اسلام کی قرار واقعی اور برمحل خدمت انجام دے کر مستقبل کے مؤرخین کے لئے ایک قابل تقلید نمونہ قائم فرمایا اسی بنیاد پر اس اہم تاریخی موضوع پر مولانا کے مقالات وخطبات کے علاوہ پانچ جلدوں میں شاہکار تصنیف "تاریخ دعوت وعزیمت" نے تاریخ اسلام کے حقیقت شناس مؤرخین واہل علم وفضل سے زبردست خراج تحسین اسی لئے حاصل کیا ہے کہ بصیرت مند اور نفیہ النفس ارباب علم نے درج ذیل جن تین بنیادی اصولوں کو اسلام سے نابلد قوموں اور ملکوں تک اسلام کی پیغام رسانی کے لئے اپنایا ہے وہ تینوں بنیادیں حضرت مولاناؒ کی اس عظیم تصنیف میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔

(۱) اول یہ کہ بلا امتیاز مذہب وملت انسانیت کے احترام کو "وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ الخ" کی عمومی ہدایت قرآنی کے تحت ہر ہر مرحلہ پر ملحوظ رکھا ہے جس کے نتیجہ میں کسی ادنیٰ مخالفانہ شعور کے بغیر غیر مسلم قاری بھی پیغام رسانی کے اخلاص پر یقین کے ساتھ اس پیغام کا مدبرانہ مطالعہ کرتا ہے جس کی پُرتاثیری سے انکار ممکن نہیں۔

(۲) دوسرے پڑوسی کے حقوق کو اسلام نے مسلم وغیر مسلم کے فرق کے بغیر "لازال جبریل یوصینی بالجار حتّٰی ظننت أنه سیورثه" (جبریل امین ہمیشہ سے پڑوسی کے حقوق کی ادائیگی پر اتنا مامور کرتے تھے کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا کہ شاید پڑوسی کو میراث میں شریک بنادیا جائے گا۔) کی وسیع وعظیم تعبیر میں پیش فرماکر دنیا کے ہر ملک میں غیر مسلم پڑوسی اقوام کے لئے اسلام کی اخلاقی وسعتوں کو اس مختصر وجامع اور وسیع وعظیم تعبیر میں سمودیا ہے بس اصحاب دعوت وعزیمت کی زندگی کے سراپا اخلاص احوال وواقعات کی صورت میں اسلام کی یہ عملی وسعت وہمہ گیری خاص طور پر غیر مسلموں کے لئے عظیم تحفۂ ہدایت بن جاتی ہے۔ حضرت مولانا نے اس کو اپنی تحریر میں ملحوظ رکھ کر صحیح معنی میں "تاریخ دعوت وعزیمت" کا حق ادا فرمایا ہے۔

(۳) تیسرے یہ کہ اسلامی معاشرتی رہنمائی کے تحت بلا امتیاز دین ومذہب عمومی پیمانے پر اخلاقی روابط کے قیام کے ذریعہ اور اسلام کے امن وصلح کے جمہوری مزاج پر انسان دوستی کا وہ مؤثر ترین عملی نمونہ پیش کرنا کہ جس کی انسانیت نوازی کسی دلیل کی محتاج نہیں ہے۔

حضرت مولاناؒ نے اصحاب دعوت وعزیمت کے ذکر جمیل کے ذیل میں اسلام کے اس انسان دوستی کے جمہوری مزاج کو بڑی جامعیت کے ساتھ پیش فرماکر آج کے ارباب دعوت وعزیمت کو ایک ناقابل فراموش وہ رہنمائی عطا فرمائی ہے کہ کسی نئے تجربے کے بغیر انہی اسلامی رہنما اصولوں کو اپنانا ان شاء اللہ کامیابی کی ضمانت ثابت ہوگا۔

ان اصول موضوعہ کو حضرت ربعی بن عامرؓ کے اس حق آموز مختصر واقعہ کی روشنی میں دیکھئے تو اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مولاناؒ نے اس کی تفصیل کو اپنا محور فکر وعمل قرار دیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت ربعی بن عامرؓ سے رستم ایرانی نے سوال کیا تھا کہ "ما الذی جاء بکم؟" (تم کس غرض سے ہمارے پاس آئے ہو) رستم نے یہ سوال اس یقین پر کیا تھا کہ حضرت عامرؓ یہ ہی کہیں گے کہ ہم غربت وافلاس سے تباہ حال ہیں اس لئے تم اپنے مال ودولت میں سے کچھ حصہ ہمیں بھی دو اور رستم کا خیال تھا کہ اس جواب پر ان کو کچھ مال ودولت میں سے حصہ دیدیا جائے گا تو ان کے جہاد سے بھی نجات مل جائے گی اور یہ سب ممنون وشکر گذار ہوکر واپس چلے جائیں گے لیکن حضرت ربعی بن عامرؓ نے رستم کو جو جواب دیا۔ وہ جواب اسلام کی وہ مکمل اور جامع ترین ترجمانی ہے کہ اگر اس کو یہ کہا جائے کہ اس سے زیادہ اعلیٰ اور کامل ترین جواب کوئی ہو ہی نہیں سکتا تو یقیناً مبالغہ نہیں ہوگا، حضرت ربعیؓ نے فرمایا:

"الله ابتعثنا لنخرج من شاء من عبادة العباد الی عبادة الله ومن ضیق الدنیا الی سعة الآخرة ومن جور الادیان الی عدل الاسلام"

ہمیں اللہ تعالیٰ نے اس لئے بھیجا ہے کہ جو بندوں

کی غلامی سے نکل کر اللہ کی غلامی میں آنا چاہیے (تو اسے ہم اللہ کی غلامی کا وہ راستہ بتائیں کہ جس پر ہزاروں آزادیاں قربان ہوسکتی ہیں) اور جو دنیا کی تنگیوں سے نکل کر آخرت کی وسعتوں کی طرف آنا چاہے اور جو دنیا کے ظلموں سے بچنا چاہے اسے اسلام کے عدل و انصاف کی راہ دکھانے کے لئے آئے ہیں۔

یعنی ہم تم پر رحم کھا کر آئے ہیں کہ تم دنیا کے پنجرے میں گرفتار رہو تمہیں دیدیا جاتا ہے تو تم کھا لیتے ہو، تم اپنے کاموں اور ضرورتوں میں اپنے غلاموں کے غلام ہو ہم تمہیں دنیا کی تنگیوں سے نکال کر آخرت کی وسعتوں میں لانے کے لئے آئے ہیں، ہم تمہیں غلامی سے نجات دلا کر آزادی سے ہمکنار کرنے کے لئے آئے ہیں بالفاظ دیگر ہم تم سے کچھ مانگنے نہیں آئے بلکہ تمہیں کچھ دینے کے لئے آئے ہیں اس سراپا اخلاص جواب کی عظمت و اہمیت نے کبر و غرور کا سر جھکا دیا اور رستم دم بخود رہنے پر مجبور ہوگیا۔

یہ ہی وہ دعوت و عزیمت ہے کہ جو کل عالم انسانی کی اہم ترین ضرورت ہے اور عالم انسانی کو اس کا مخاطب اسلام کے سوا کوئی بنانے والا نہیں ہے۔ انسانیت کو باعظمت بنانے والے اسی خطاب مقدس کی مؤثر ترجمانی حضرت مولانا زندگی بھر کرتے رہے۔

مولانا کی زندگی کا اخلاقی رخ

علم اپنی عظمت کے باوجود اپنے کو پُر تاثیر بنانے میں مکارم اخلاق کا ضرورت مند ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں "انما بعثت معلماً" (میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں) "اوتیت علم الاولین و الآخرین" (مجھے اگلے اور پچھلے انبیاء کے علوم عطا فرمائے گئے ہیں) فرما کر اپنے علم عظیم کو ظاہر فرمایا ہے وہیں اپنے کمالِ اخلاق کی رفعتوں کو "بعثت لاتمم مکارم الاخلاق" (میں اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں) کو اسی اہتمام سے ظاہر فرمایا کہ جس اہتمام سے علم کا اظہار فرمایا ہے جس سے علم کے ساتھ اخلاق کی عظمت کے ساتھ مقصدیت بھی آشکار ہوجاتی ہے پس علم اور اخلاق نبوت کی وہ دو وراثتیں ہیں کہ جن میں ایک کی تکمیل دوسرے کے بغیر نہیں ہوتی۔

حضرت مولانا مرحوم جہاں علم وسیع کے مالک تھے وہیں اخلاق رفیع سے بھی اللہ نے آپ کو حصہ وافر عطا فرمایا تھا اس لئے ہر وارد و صادر اپنے ساتھ حضرت مولانا کے اخلاقی تعامل کو دیکھ کر یہ سمجھنے پر مجبور ہوتا تھا کہ حضرت موصوف کو مجھ سے وہ خصوصی تعلق و ارتباط ہے کہ جو کسی دوسرے کو نصیب نہیں، اسی بلندیٔ اخلاق نے حضرت موصوف کے علم کو عظیم مقبولیت و پرتاثیری بخش دی تھی۔

راقم الحروف بھی اپنے ساتھ حضرت مولانا کے خصوصی اور غیر معمولی تعلق و تعامل کی بنیاد پر انہی اہل تعین میں سے ہے جس پر احقر کی ہر موقع پر حاضری و ملاقات میں حضرت کے ضعف پیری کے تحت کھڑے ہوکر معانقے سے روکنے کی کوشش کو حضرت یہ فرما کر رد فرماتے کہ تمہارے ساتھ ناقابل انکار اور محسن ملت نسبت قاسمی قائم ہے اس کا احترام کھڑے ہونے اور معانقے کا متقاضی ہے اسے ترک کرکے میں اپنے ضمیر کی ملامت سے دوچار ہونا مطلق گوارہ نہیں کرتا۔

پھر اس عظیم اخلاقی سندانہ تعامل کو ہر مرتبہ یہ تین باتیں ارشاد فرما کر مدلل فرماتے، پہلی یہ کہ میں بلاناغہ ہر روز حضرت الامام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس اللہ سرہ کے لئے ایصال ثواب کرتا ہوں، دوسری یہ کہ میرے والد ماجد نے علماء امت کی مکمل و مستند تاریخ پر مشتمل معرکۃ الآراء تصنیف "نزہۃ الخواطر" میں اپنی فراست ایمانی و علمی سے ہر عالم کے لئے ان کی شان کے مناسب القاب تحریر فرمائے ہیں۔ لیکن "الامام" کا لقب حضرت الامام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند کے لئے بطور خاص استعمال فرمایا ہے۔

تیسری یہ کہ آپ کے دادا صاحب حضرت مولانا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانۂ اہتمام دارالعلوم میں میرے والد ماجد حضرت مولانا حکیم عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ دیوبند تشریف لے گئے اور اسٹیشن کے قریب کسی عام سرائے میں قیام فرمایا اس کی اطلاع جب آپ کے دادا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ہوئی تو کچھ اساتذہ کے ساتھ بذات خود اس سرائے میں تشریف لے گئے اور حضرت والد صاحب سے فرمایا کہ حضرت آپ ہم سب کے مخدوم ہیں یہاں قیام کے کیا معنی ہیں غریب خانہ آپ کا گھر ہے۔ دارالعلوم دیوبند آپ کی جگہ ہے آپ کی تشریف آوری ہمارے لئے باعث رحمت و سعادت ہے۔ یہ فرما کر غیر معمولی احترام کے ساتھ حضرت مولانا محمد احمد صاحب حضرت والد صاحب کو اپنے مکان پر لے گئے اور غیر معمولی محبت و احترام کے ساتھ حضرت مہتمم صاحب اور تمام اساتذہ کرام وغیرہم نے میزبانی فرمائی، یہ فرما کر حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ راقم الحروف سے فرماتے کہ ہمارا آپ کے محترم گھرانے سے محبانہ و معتقدانہ تعلق نہایت با احترام و قدیم اور تاریخی ہے جس سے کسی وقت اور کسی حال میں بھی صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔

مولانا کی عظیم مثالی امتیازی صلاحیت

جس طرح دارالعلوم دیوبند کو شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دور میمون میں ان کی مخلصانہ انتظامی صلاحیتوں نے ہندوستان گیر بنایا اور حکیم الاسلام حضرت اقدس مولانا محمد طیب صاحب کے دور مسعود میں ان کی عظیم صلاحیتوں نے دارالعلوم دیوبند کو بلاشرکت غیرے بین الاقوامی بنایا ٹھیک اسی طرح حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد حضرت مولانا

م عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ناظم ندوہ نے دارالعلوم ۃ العلماء لکھنؤ کو ملک کے ارباب علم میں متعارف یا، حضرت والا کے برادر بزرگوار حضرت مولانا ڈاکٹر بدالعلی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مبارک دور میں ملک ے بیشتر علمی حلقوں اور اداروں میں دارالعلوم ندوۃ علما ایک باوقار درسگاہ کے طور پر پہچانا گیا اور خود ضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کے زمانۂ مسعود میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، ان کی اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں سے نہ صرف بین الاقوامی سطح پر غیر معمولی نظ کے ساتھ متعارف ہی ہوا بلکہ عالم عرب اور یگر ممالک کی مؤقر یونیورسٹیز نے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کو علمی اور دینی اہمیت کے ساتھ تسلیم کر کے اس کی عظمتوں کو غیر معمولی بنا دیا، ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کو یہ بین الاقوامی امتیاز بلا شرکت غیرے حضرت مولانا علی میاں ؒ ہی کی ذات گرامی سے حاصل ہوا۔ حق تعالیٰ اس کی اس فضیلت وامتیاز کو ہمیشہ کے لئے برقراری عطا فرمائے۔ آمین۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی صدارت

ملت اسلامیہ ہندیہ کی تاریخ میں تمام مسلم مکاتب فکر کی یہ اولین ومؤقر تنظیم "آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ" کے عنوان سے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ (سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند) نے برفاقت وتعاون امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی رحمۃ اللہ علیہ پوری ملت اسلامیہ ہندیہ کی تائید مکمل کے ساتھ تحفظ شریعت اسلامیہ کے لئے قائم فرمائی۔ اور شریک بورڈ تمام مکاتب فکر کے ادنیٰ اختلاف کے بغیر حضرت حکیم الاسلام نور اللہ مرقدہ تاحیات اس کے صدر رہے اور اس کی ورکنگ کمیٹی میں فعال ومؤثر رکن کی حیثیت سے حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ روز اول سے پورے انہماک کے ساتھ شریک رہے۔

جولائی ۱۹۸۳ء میں حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد حسب روایت سابق شریک بورڈ تمام مکاتب فکر کے ادنیٰ اختلاف کے بغیر محبوب ملت مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر قرار دیئے گئے اور ان کی متفق علیہ اور مسلم شخصیت کی موجودگی میں کسی دوسری شخصیت کی جانب کسی التفات کا چونکہ کوئی سوال وامکان ہی نہیں تھا اس لئے تاحیات بورڈ کی صدارت کے مقام عظمت پر فائز رہے اس سترہ سالہ دور صدارت میں ملک میں فرقہ پرست پارٹیوں نے اسلام اور ملت اسلام کے برخلاف نت نئے فتنے اٹھائے حتیٰ کہ خود حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی اور آپ کے مؤقر ادارے "دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ" کو بھی غیر قانونی اور غیر اخلاقی حملوں کا ہدف بنانے میں کمی نہیں کی. لیکن حق تعالیٰ کی عطا فرمودہ ایمانی فراست وقوت سے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے پوری ملت اسلامیہ کو وہ ہمت وحوصلہ مرحمت فرمایا کہ تمام فتنے نہ صرف اپنی موت آپ مر ہی گئے بلکہ یقین ہے کہ اسلام دشمنی کے اس دور میں ان بزرگوں کی دعاؤں اور عطا فرمودہ ایمانی قوت سے انشاء اللہ الاسلام یعلو ولا یعلیٰ (اسلام غالبیت کے لئے آیا ہے مغلوبیت کے لئے نہیں) نبوی فرمان کے مطابق اسلام بھی زندہ وتابندہ رہے گا اور ملت اسلام بھی عزت کے ساتھ باقی رہے گی۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے دور مسعود میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی آواز پوری دنیائے اسلام کے کانوں تک صرف پہونچی ہی نہیں بلکہ خود ان کے اپنے مسائل کے حل کے لئے باعث ہمت وحوصلہ ثابت ہوئی۔

حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مفکر اسلام ؒ کے سراپا خیر زمانوں میں الحمد للہ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کسی خلاف واختلاف سے دوچار نہیں ہوا تو قع ہے کہ ان ہر دو بزرگوں کے سنجیدہ ومتین پرواز قیادت کو انشاء اللہ آئندہ اور ہمیشہ ملحوظ رکھ کر ان کی قیادت کو خراج تحسین پیش کیا جاتا رہے گا۔

حضرت مولانا ؒ کا ادبی ذوق

حق تعالیٰ نے حضرت مولانا علی میاں ؒ کو جس طرح بےشمار کمالات کے ساتھ "سخن دلپذیر" سے نوازا تھا اسی طرح اللہ نے انہیں "دل سخن پذیر" سے بھی حصہ وافر عطا فرمایا تھا تحریر وتقریر میں ادبی سخن پذیری مولانا کا ایک ایسا خصوصی امتیاز تھا کہ جو سامعین ومخاطبین کو مسحور بنائے رکھتا تھا پھر یہ امتیاز اپنی مادری زبان اردو ہی میں انہیں حاصل نہیں تھا بلکہ "عربی زبان" میں بھی وہ اہل زبان کی طرح اس ادبی سخن پذیری میں بھی اسی امتیاز کے مالک تھے۔

اسی ادبی ذوقی لطافت کو حضرت مولانا اپنی عربی تصانیف کے ناموں میں خاص طور پر ملحوظ رکھ کر ان میں وہ عجیب وغریب دلکشی اور جاذبیت پیدا فرما دیتے تھے کہ کتاب کا نام دیکھ کر یا سن کر عربی مذاق ادب رکھنے والے عرب وغیر عرب کتاب کے مطالعے کے لئے بے چینی سے پرشوق بن جاتے تھے.

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مانعین زکوٰۃ کا فتنہ اسلامی مسلمہ معتقدات کے برخلاف ایک عظیم الحادی فتنہ بن کر ظاہر ہوا۔ لیکن صدیق اکبر ؓ نے اول لمحہ میں اس کے برخلاف جدال وقتال کے عزم صمیم کے ساتھ بروقت عمل سے ہمیشہ کے لئے اس فتنہ عظیم کو خاک بسر بنا کر رکھ دیا جبکہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو بھی اس کے برخلاف جدال وقتال کے بارے میں شرح صدر کچھ وقفے کے بعد ہوا۔

عصر رواں میں یورپ کا الحادی فتنہ، تمدنی رنگ میں خاص طور پر دولتمند عالم عرب کی نئی مسلم نسل کو غیر معمولی طور پر مرعوب و متاثر کر رہا ہے۔ عالم عرب میں اس جدید تمدنی فتنہ الحاد کی گہرائی و گیرائی کو مفکر اسلام رح کے فکر عمیق و سلیم نے پہچان کر اس کی جانب وہ اصلاحی قدم ایک ایسے تحریری خطاب کے ذریعہ فرمایا کہ جس کے جاذب و دلکش عربی عنوان "ردۃ ولا أبابکر لھا" میں نہ صرف اس فتنہ کی پوری تاریخ ہی کو سمو دیا بلکہ نئی نسل کے تربیت کنندگان کو تڑپا کر رکھ دیا اور عالم عرب میں حضرت مولانا کے اس مقالہ کے لاتعداد ایڈیشن شائع ہوئے اور شائع ہو رہے ہیں جس کی اثر پذیری سے بے شمار افراد اس تمدنی الحاد سے بچ کر ہدایت یاب ہوئے۔

حضرت مولانا کا اجتماعی پرواز

عصر رواں میں وسائل نقل و حمل اور ذرائع علم و خبر اچھے اور برے کے امتیاز بغیر ہر قسم کے متعلقات افکار اور نظریات کو عالمگیر اشاعت کی وہ سہولتیں مہیا کر رہی ہیں کہ ماضی میں جن کو ایک مخصوص دائرے سے باہر کوئی جانتا بھی نہیں تھا ان افکار و نظریات کو جب ان وسائل اشاعت سے پھیلنے کا وسیع میدان ملا۔ تو جہاں محدود تعداد میں ان میں اچھے اور اعلیٰ نظریات کو علمی اور فکری معیار پر پرکھ کر قبول کرنے والے میسر آئے وہیں فاسد افکار و خیالات کو صحت و سقم کے معیاروں کو نہ جاننے والے بے علم یا کم علم طبقات کا وسیع و عظیم حلقہ ان کی مبتذل خواہشات کی تکمیل کرنے والا اور ان فاسد و غیر مدلل افکار و خیالات کو بدل و جان قبول کرنے والا بھی مل گیا۔

یہ دونوں طبقات چونکہ ملت کا جزو تھے اس لئے ان سے کسی بھی اعتبار سے جہاں صرف نظر کرنا ممکن نہیں تھا وہیں ان افکار فاسدہ کو بعینہٖ قبول کر لینا بھی ممکن نہیں تھا اس متضاد تی ماحول میں جن دو اجزا سے مرکب فراست ایمانی کی ضرورت ہوتی ہے اسی صاحب فراست ایمانی کو منصب قیادت یاس آتا ہے۔ قائد کو اولین طبقے کی ہمنوائی قائد صرف علمی وسعت اور دلائل و براہین کی قوت پر میسر آتی ہے۔ بخلاف ثانی الذکر کے کہ اس کی زبان بندی کا راستہ صرف قائد کی بلند اخلاقی میں پوشیدہ ہوتا ہے۔

وسعت علم اور اخلاقی بلندی کے ہر دو اوصاف حسنہ سے حق تعالیٰ نے حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کو حصہ وافر عطا فرما کر نوازا تھا۔

ان کی علمی وسعتوں سے عرب و عجم کے اہل علم کی تاثر پذیری آج الحمد للہ کسی دلیل کی محتاج نہیں ہے جس پر مستقبل کی لامحدود مدت تک ان کی تصانیف سے ارباب علم کا استفادہ شاہد عدل رہے گا۔

حضرت مولانا نے اپنے دینی معتقدات، علمی حقائق و نکات اور فکری نظریات سے شدید ترین اختلاف رکھنے والوں کو اپنی بلندیٔ اخلاق سے ایمانیت کا وہ احساس و شعور عطا کیا کہ انھوں نے بھی حضرت مولانا کو کبھی ہدف اختلاف بنانے کی جرأت نہیں کی۔ اسی علمی اور اخلاقی ہمہ گیری نے قیادت ملت کے اس منصب قبولیت و مقبولیت پر فائز فرمایا کہ جس کی عصر رواں میں ملت ضرورت مند تھی، اور ضرورتمند ہے۔

حضرت مولانا نے اپنے ان ہی علمی اور اخلاقی امتیازات و خصوصیات کی بدولت تدین میں مبالغہ کرنے والے حاملین علم قدیم کو اور تمدن میں حدود سے تجاوز کرنے والے متجددین کو بر صغیر ہی میں نہیں بلکہ عالمی سطح پر اس راہ اعتدال سے قریب فرمایا کہ جو اسلام کا بلا شرکت غیرے طرۂ امتیاز ہے۔

حضرت مولانا کی پاکیزہ زندگی کا یہ وہ باب ہے کہ جس پر مستقبل کے مصنفین، مؤلفین اور مؤرخین ہمیشہ انشاء اللہ قلم اٹھاتے رہیں گے۔ لیکن اس ناقابل اختتام راہنما داستان علمی پر جہاں ان کے قلم اعتراف عجز کے ساتھ رکنے پر مجبور ہو جائیں گے اس کی ترجمانی احقر راقم الحروف نے والد ماجد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر دو شعروں میں کی تھی اسی حقیقت کا نقش ثانی و مکمل حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی ہے۔ اس لئے اسم گرامی کے فرق کے ساتھ میں اسی ترجمانی پر اپنے ان کلمات کو ختم کرتا ہوں۔

رہبر منزل نما و رہبر منزل نگر
بوالحسن دانشور و دیوانۂ فرزانہ گر
نوریٔ خاکی اساس و خاکیٔ نوری نہاد
خواجہ بندہ نواز و بندۂ یزداں شناس

حق تعالیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات و حسنات اور طاعات و عبادات کو شرف قبول عطا فرما کر مغفرت کاملہ کے ساتھ اعلیٰ علیین میں مقام کریم عطا فرمائے۔

دشمن کب غالب آتا ہے

مولانا عبدالکریم پاریکھ

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جس قوم نے مال غنیمت میں خیانت کی تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں ان کے دشمنوں کا رعب ڈال دیتا ہے اور جس قوم میں زنا کی برائی پھیلی ان میں موت بہت ہوتی ہے۔ جس قوم نے ناپ تول میں کمی کی توان کا رزق تنگ ہو جاتا ہے اور جو قوم ناحق فیصلہ کرتی ہے ان میں خونریزی اور قتل عام ہو جاتا ہے۔ اور جو قوم عہد کو توڑتی ہے ان پر دشمن کو غالب کر دیا جاتا ہے (موطا امام مالک)

دینی اداروں کے مال میں خیانت

مال غنیمت اور قومی مال یا آج کے دور میں مدارس دینیہ، مساجد، تعلیمی اور رفاہی ادارے، یتیم خانے، اوقاف، سرائے وغیرہ کے مال میں اگر خیانت شروع ہوئی تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم کے دل میں دشمن قوموں کا رعب ڈال دیگا اور یہ خیانت کرنے والے بزدل نکمے اور کاہل ہو کر رہ جائیں گے۔ شخصی مالوں میں خرد برد کرنا بھی بڑا جرم ہے، کسی نے کوئی امانت رکھی ہو اس میں بد دیانتی کرنا یا کسی سے قرض لے کر واپس نہ کرنا موقع دیکھ کر کسی کا مال جائیداد دبا لینا بھی بڑا خطرناک اور مہلک جرم ہے اور حدیث پاک کے ان الفاظ میں ایسے لوگوں کے لئے وعید ہے اور مالی خیانت اور خرد برد سے بچنے کی تاکید ہے۔

زنا کی ہلاکت خیزی

قومی بربادی کی دوسری نشانی زنا کو بتایا گیا ہے۔ زنا بدترین اور گھناؤنا گناہ ہے، جس سے قومی زندگی میں ایسی خرابی پیدا ہوتی ہے کہ نسل انسانی مشکوک ہو جاتی ہے، کون کس کا باپ ہے اور کون کس کی اولاد ہے، اس کا پتہ لگانا مشکل ہو جاتا ہے، گناہ کے اس چکر میں جو قوم پڑتی ہے ان میں بے حیائی، بے شرمی، خودغرضی، نفس وشہوت پرستی عام ہو جاتی ہے اور انسانی معاشرے کے بجائے جانور نر مادہ کا معاشرہ بن جاتا ہے اور پھر اس گناہ سے انہیں کوئی نفرت نہیں رہتی جیساکہ یورپ اور مغربی ممالک میں یہ بات دیکھنے میں آرہی ہے کہ زنا ان کے نزدیک کوئی ایسا گناہ نہیں رہا جس سے روکنے کی فکر کی جائے، عفت وعصمت طہارت وپاکدامنی کی بھی ان کے یہاں کوئی قیمت نہیں رہی۔ حدیث پاک میں بتایا گیا ہے کہ جس قوم میں زنا اور بدکاری پھیلی توان میں موت بہت زیادہ ہونے لگتی ہے، یورپی اور مغربی ممالک میں یہ بات سچ ثابت ہوتی نظر آرہی ہے، تقریباً ملک کی آدھی سے زیادہ آبادی مہلک اور تباہ کن بیماریوں میں پھنسی ہوئی ہے، حادثاتی اور ایکسیڈنٹ وغیرہ سے جو موتیں روزانہ ہورہی ہیں وہ الگ ہیں۔ مسلم معاشرہ کو اس گناہ سے بچنے کے لئے بہت چوکنا رہنا چاہیئے، ایسے گناہ کی ذرا بھنک لگے تو اس برائی کو مٹانے کے لئے اہل ایمان لوگوں کو دوڑ دھوپ اور تدبیر کرنی چاہیئے، قرآن مجید کی درج ذیل آیات بھی دھیان میں رکھیں "زنا کاری بدکاری کے قریب بھی مت بھٹکنا، دراصل یہ بڑی بے شرمی اور بے حیائی کا کام ہے جس کے ذریعہ بدی کے راستے کھلتے ہیں" (بنی اسرائیل، آیت ۳۲) ان مقدس اور پاکیزہ تعلیمات کو سامنے رکھیں اور ہم اپنے دور کے حالات پر ایک نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا ہمارے دور میں زنا تو اب فیشن کی صورت اختیار کر گیا ہے اور اس کا دور دورہ ہو گیا ہے، اس کا روکنا کسی جماعت یا تنظیم اور حکومت کے بس کا نہیں رہا، بعض حکومتیں تو زنا کے جواز کے قانون بھی بنا چکی ہیں، ایسے ایسے واقعات سننے میں آتے ہیں کہ دینی کام کرنے والوں کی ہمتیں ٹوٹی جارہی ہیں کہ کس طرح لوگوں کو اس برائی اور ناپاک کام سے روکا جائے پھر مشینی دور میں گانے بجانے ٹیلی ویژن، سنیما فحش لٹریچر نے بھی بڑی قیامت ڈھائی ہے۔ ان افسوسناک حالات کو دیکھ کر ہم اہل ایمان مردوں عورتوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اللہ کا نام لیکر اٹھ کھڑے ہوں اور زنا کی طرف لے جانے والی چھوٹی چھوٹی برائیاں جیسے ہی شروع ہوں، جیسے گانے بجانے اور ٹیلی ویژن پر نیم برہنہ مناظر توان کی فوراً ہی روک تھام کی جائے۔

ناپ تول میں کمی زیادتی کی مذمت

قومی ہلاکت اور تباہی کی تیسری نشانی ناپ تول میں کمی کرنا بتایا گیا ہے، قرآن وحدیث میں شدت کے ساتھ ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی مذمت اور برائی آئی ہے اور ٹھیک ٹھیک ناپ تول کرنے کی بڑی تاکید آئی ہے، ہم دو الگ الگ

سورتوں کی چند آیات یہاں نقل کرتے ہیں۔

"ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے بڑی خرابی ہے، جو لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا بھر کر لیتے ہیں اور جب لوگوں کو ناپ کر یا وزن کر کے دیتے ہیں تو گھٹا کر ان کو نقصان کرتے ہیں، کیا ان کو اس کا خیال نہ رہا کہ انہیں قبروں سے زندہ ہو کر اٹھنا ہے، ایک زبردست دن میں، اس دن سارے انسان رب العالمین کے حضور کھڑے ہو جائیں گے" (۸۳ المطففین ایک تا چھ)

"اے میری قوم ناپ اور وزن کو انصاف کی بنیاد پر پورا کرو، اور لوگوں کو چیزیں تول کر دیتے وقت ان کا نقصان مت کرو، اور زمین میں فساد پھیلانا بند کر دو، اگر ایمان قبول رکھو تو اللہ کا دیا ہوا جو کچھ باقی رہے اسی میں تمہارا بھلا ہوگا۔" (۱۱۔ھود آیت ۸۶۔ ۸۵)

جب کوئی چیز کسی کے ہاتھ بیچی گئی تو خریدنے والا اس کا مالک ہو جاتا ہے، لہٰذا ناپ تول کر دیتے وقت کمی کرنا، دوسرے کا مال چوری کرنے کے برابر ہے اور یہ بہت گناہ کا کام ہے قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق ہڑپ کر کے نہ کھا جانا، ہاں آپس میں راضی ہو کر تجارت اور سوداگری کی کھلی اجازت ہے (۴ النساء آیت ۲۹)

ان آیات کا مفہوم اور قرآن پاک کے مفہوم کو سامنے رکھنے سے پتہ چلا کہ ناپ تول پورا پورا کیا جائے۔ اس میں کمی زیادتی نہ ہو کہ دیتے وقت کم دیا جائے اور لیتے وقت زیادہ لیا جائے۔ اس کے سبب ملکوں میں فساد اٹھے گا۔ مالدار اور غریب ایک دوسرے کا قتل اور خون خرابہ شروع کر دیں گے۔ تجارت کے معاملات اور سوداگری میں بددیانتی کا رواج ہوگا تو سماج میں ایک آدمی دوسرے پر بھروسہ کرنا چھوڑ دے گا تب آبادیاں فساد کے گھیرے میں آ کر امن اور سکھ شانتی سے محروم ہو جائیں گی اور اللہ تعالیٰ بھی بارش اور رزق کے دروازے ایسے لوگوں پر بند کر دیں گے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ تجارت اور سوداگری میں لین دین شرعی حدود کے مطابق اور رضامندی سے ہی ہونا چاہیئے۔ اس طرح حلال کی روزی سے جو نفع بچ رہے چاہے تھوڑا ہی ہو اس میں خیر و بھلائی ہے۔

عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے

اس حدیث پاک میں چوتھی بات جو ارشاد فرمائی گئی ہے وہ بے انصافی، ظلم و زیادتی سے دور رہ کر عدل وانصاف کا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے اور جو بھی فیصلہ ہو عدل اور انصاف کے ساتھ ہی کیا جائے۔ قرآنِ مجید میں ارشاد ہے:

"اے ایمان والو! اللہ کے واسطے انصاف کی گواہی دینے کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ اور کوئی قوم تمہاری دشمن ہو جائے تو اس کی دشمنی میں انصاف چھوڑ دینے کا جرم مت کرنا بلکہ ہر حال میں عدل وانصاف پر قائم رہو کہ تقویٰ (پرہیزگاری) حاصل کرنے کا یہی راستہ نزدیک پڑتا ہے، بس اللہ کی نافرمانی سے دور رہو۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔" (۵۔ المائدہ، آیت ۸)

بار بار اس آیت کے متن اور ترجمہ پر نظر ڈالیں تو آپ کی سمجھ میں آئے گا کہ اللہ کی کتاب اور دینِ اسلام کی یہ خوبی ہے کہ دشمن کے ساتھ بھی انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے کسی کی مخالفت اور دشمنی میں ابھر کر جو بھی آدمی عدل وانصاف کا دامن چھوڑ دے وہ تقویٰ حاصل نہیں کر سکتا اس لئے ضروری ہے کہ ناحق فیصلوں سے دور رہا جائے اور ہر حال میں کسی کے ساتھ عدل وانصاف کیا جائے، ہماری سلطنتوں، ہمارے بادشاہوں ہمارے شرعی قاضیوں یا علمائے کرام کے پاس یا مسلمانوں میں جو صاحب فراست لوگ ہیں ان کے پاس عدل وانصاف کا کوئی بھی طالب آئے چاہے وہ کافر ہو یا مشرک ہو یا مومن ہو رشتہ دار ہو یا غیر رشتہ دار ہو، ماں باپ ہوں یا بھائی بہن کسی کی بھی موافقت یا مخالفت میں انصاف کا دامن ہرگز نہ چھوڑا جائے گا قرآن مجید میں دوسری جگہ ارشاد ہے: "اور جب بھی لوگوں کے درمیان جھگڑے کا فیصلہ کرو تو عدل وانصاف سے فیصلے کیا کرو۔" (۴ النساء آیت ۵۸)

قرآن مجید اور حدیث پاک کی ان تعلیمات و ہدایات کے باوجود اگر اہل ایمان ناحق اور ظلم و زیادتی والے فیصلوں سے دور نہ رہے تو دوسری قوموں سے عدل وانصاف کی کیا امید کی جا سکتی ہے جس حدیث پاک کی ہم تشریح کر رہے ہیں اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ یاد رکھو اگر تم نے ناحق فیصلے کئے تو تمہاری وجہ سے دنیا میں خون خرابہ اور قتل و غارت گری پھیل جائیگی

عہد و پیمان کو نہ توڑو

پانچویں بات اس حدیث میں یہ فرمائی گئی ہے کہ "جو قوم عہد و پیمان کو توڑتی ہے اسے غارت اور برباد کر دیا جاتا ہے۔"

معلوم ہوا کہ شخصی اعتبار سے یا قومی اور ملکی اعتبار سے کوئی بھی معاہدہ اور قول و قرار کسی سے ہو تو اسے توڑنا چاہیئے تجارتی مالیاتی معاہدہ ہو یا سیاسی اور انتظامی معاہدہ ہو، قرآن مجید میں ارشاد ہے "اور قول و قرار کی پابندی کرتے رہنا یقیناً اس عہد کے بارے میں تم سے سوال کیا جائے گا۔" (بنی اسرائیل، آیت ۳۴)

(باقی صـ۲۱ پر)

مولانا علی میاںؒ

پروفیسر خورشید احمد

بیسویں صدی نے ملت اسلامیہ کے جسم وجان پر بہت سے تیشے چلائے اور خصوصیت سے اس کے آخری عشرے میں کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ ایک طرف افغانستان کے جہاد میں بے پناہ قربانیاں دی گئیں فلسطین لہولہان ہے، مسجد اقصیٰ محبوس ومحصور ہے، بوسنیا اور کوسوو میں خون کی ندیاں بہائی گئیں، کشمیر جل رہا ہے، اور شیشان میں خون مسلم کی ارزانی حد سے گزر گئی ہے تو دوسری طرف اس صدی میں اسلامی فکر کی معمار اور اسلامی احیا کی تاریخ ساز شخصیت ایک ایک کرکے رخصت ہوگئیں۔ چلتے چلتے بھی بیسویں صدی ایک اور چرکا لگا گئی۔ برعظیم پاک وہند کے صف اول کے دینی رہنماؤں کی آخری نشانی مولانا سید ابوالحسن علی ندوی بھی جدا ہوگئے۔ ۲۲ر رمضان المبارک بروز جمعہ ۳۱ر دسمبر ۱۹۹۹ء، نماز جمعہ سے کچھ ہی قبل تلاوت قرآن میں مصروف مولانا علی میاں ایک عالم کو سوگوار چھوڑ کر رب حقیقی سے جاملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آنکھیں اشک بار ہیں، روح مضطرب وافسردہ ہے لیکن دل اللہ کے فیصلے پر مطمئن ہے۔ کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ۔ (الرحمٰن ۵۵: ۲۶-۲۸) (ہر چیز جو اس زمین پر ہے فنا ہو جانے والی ہے اور صرف تیرے رب کی جلیل وکریم ذات ہی باقی رہنے والی ہے۔ پس اے جن وانس، تم اپنے رب کے کن کن کمالات کو جھٹلاؤ گے؟)

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی ۱۱ر محرم ۱۳۳۳ھ (جنوری ۱۹۱۴ء) رائے بریلی یوپی کے ایسے معزز ومحترم خانوادہ سادات میں پیدا ہوئے جو رشد وہدایت اور دعوت وجہاد میں بڑا نام رکھتا تھا مجاہد ملت حضرت سید احمد شہیدؒ کا تعلق اسی خاندان سے تھا۔ علی میاں کے والد اور والدہ دونوں علم وتقویٰ کے اعلیٰ مرتبہ پر تھے آپ کے والد مولانا حکیم عبدالحی لکھنویؒ "نزہۃ الخواطر" کے مؤلف تھے جو پانچ ہزار نامور ہندستانی مسلمانوں کے تذکرے پر مبنی ایک انسائیکلوپیڈیا ہے اور گل رعنا بھی آپ ہی کی تالیف ہے جو اردو کے نامور شعرا کا بسیار مربوط تذکرہ ہے۔ مولانا عبدالحیؒ ندوۃ العلما کے ناظم اور دینی اور علمی حلقوں میں ایک اونچا مقام رکھتے تھے۔ آپ کی والدہ محترمہ خیرالنسا حافظ قرآن اور حسن اخلاق اور تقویٰ وشرافت کا نمونہ تھیں بڑے بھائی ڈاکٹر عبدالعلیؒ، والد کے انتقال کے بعد اس کے ناظم تھے۔ علی میاں نے اپنے گھر میں عربی، فارسی اور اردو کی ابتدائی تعلیم حاصل کی اور پھر ندوہ، دیوبند اور مدرسہ قاسم العلوم لاہور (مولانا احمد علی) سے علوم دینی کی تحصیل کی۔ ۱۹۳۴ء میں ندوۃ العلما لکھنؤ میں مدرسی زندگی کا آغاز کیا۔ ۱۹۵۱ء میں ندوہ کے دعوت وتبلیغ اور درس وتدریس کے ذریعہ لاکھوں انسانوں تک اللہ کے دین کو پہونچانے کا فرض ادا کیا، مشرق ومغرب اور عرب وعجم میں یکساں مقبولیت حاصل کی۔ عالم اسلام کے اعلیٰ ترین اعزازات حاصل کئے اور سب سے بڑھ کر دنیا کے ہر گوشے میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پروانوں کے دلوں میں عزت اور محبت کا مقام پیدا کیا۔ دنیا میں رہے لیکن دنیا کی آلائشوں سے دامن بچائے رکھا۔ دعوت وتبلیغ کو زندگی کا مشن بنایا اور حق یہ ہے کہ حق ادا کر دیا: مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ (الاحزاب ۳۳-۲۳) ایمان لانے والوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے اللہ سے کئے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا ہے۔ ان میں سے کوئی اپنی نذر پوری کر چکا۔

مجھے نصف صدی کے چوٹی کے اہل علم وفضل سے ملنے اور ان سے استفادہ کرنے کی سعادت حاصل رہی ہے لیکن علی میاںؒ ان منتخب بزرگوں میں سے ہیں جن کی شخصیت سب میں منفرد تھی:

آفاق ہا گردیدہ ام
مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام
لیکن تو چیزے دیگری

مولانا علی میاںؒ سے میرا تعارف ان سے بالمشافہ ملاقات سے بہت پہلے ان کی تصانیف کے ذریعے ہوا۔ اسلامی جمعیتہ طلبہ کے اولین دور ہی میں ان کی کتاب "سیرت سید احمد شہید" پڑھی اور اس کتاب سے نہ صرف سید احمد شہید ہی سے گہرا تعلق قائم ہوا بلکہ خود مولانا علی میاں کی شخصیت بھی دل میں گھر کر گئی۔

مولانا علی میاںؒ کے بڑے عزیز دوست اور ساتھی مولانا مسعود عالم ندوی نے، جن سے میرا بہت ہی قریبی تعلق تھا اور جمعیت کے اس دور کے تمام ہی ذمہ دار، ان سے بہت گہرا ربط رکھتے تھے اور وہ بھی ہم سب پر بڑی شفقت فرماتے تھے، مولانا علی میاں کی محبت اور عظمت کے نقوش ہمارے دلوں پر مرتسم کر دیئے۔ ان کے علم وفضل ان کی للٰہیت اور کیفیت عبادت ان کی عربی دانی اور شوق دعوت وتبلیغ، یہ سب دل ودماغ پر نقش ہوگئے۔ ان کے

کتاب "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" جو ان کی شہرۂ آفاق عربی کتاب "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" کا اردو ترجمہ تھا پڑھی، جس نے فکر و نظر ہی کو جلا نہ بخشی بلکہ روح کو تڑپایا اور گرمایا بھی دیا۔ اس کے بعد مولانا علی میاں کی ہر تحریر بڑے ذوق و شوق سے پڑھی اور اس طرح دل و نگاہ میں ان کی شخصیت کا ایک خاص مقام بن گیا۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا امین احسن اصلاحی کے بعد میں نے جس شخصیت کی تحریروں سے سب سے زیادہ استفادہ کیا، وہ مولانا علی میاں ہی ہیں۔

مولانا علی میاں سے پہلی ملاقات سنہ ۱۹۵۱ء میں لاہور میں ہوئی۔ میں اس وقت جمعیت کا ناظم اعلیٰ تھا۔ بالمشافہ ملاقات میں ان کو اس ذہنی تصویر سے ہم آہنگ پایا جو ان کی کتب کے مطالعے سے بنائی تھی۔ آخری ملاقات برطانیہ میں سنہ ۱۹۹۶ء میں ہوئی جب وہ اسلامک فاؤنڈیشن میں تشریف لائے اور خطاب فرمایا۔ ہمارے ساتھ خصوصی نشست بھی ہوئی اور پھر اس کے بعد نوٹنگھم میں مسجد دارالعلوم کے افتتاح کی تقریب میں، میں نے محترم اور ناظر احسن نے شرکت کی۔ یہ ان سے آخری ملاقات تھی۔ درمیان کے ۴۴ برسوں میں درجنوں بار ان سے ملنے اور استفادہ کرنے کا موقع ملا اور الحمدللہ ان کی شفقت اور ان کے پیار میں اضافہ ہی کا گمان رہا۔ میرے لئے تو وہ استاذ، مربی اور محسن تھے لیکن ان کی عظمت ہے کہ انھوں نے اس طرح کا معاملہ کیا کہ لطف عام بھی لطف خاص کا مزہ دے گیا۔

مولانا علی میاں ایک نامور عالم دین، ایک بلند پایہ مصنف اور دانشور، ایک صاحب طرز ادیب، ایک سحر انگیز خطیب اور ایک منفرد مورخ اور سیرت نگار تھے لیکن سب سے بڑھ کر وہ ایک داعی ایک مبلغ ایک مصلح اور ایک صاحب دل مزکی اور مربی تھے۔ ان تمام اوصاف کے اجتماع نے ان کی بیسویں صدی کے اسلامی احیاء کے معماروں میں ایک درخشاں مقام پر متمکن کیا۔ میں جب بیسویں صدی کی اسلامی فکر کی قوس قزح پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے ان کا فکر و اسلوب ایک ایسا گلدستہ معلوم ہوتا ہے جس میں اس دور کے کئی اہم مفکرین اور داعیوں کے متفرق پہلوؤں کا اجتماع نظر آتا ہے۔ ان کے یہاں علامہ اقبال کا سوز و گداز، مولانا مودودی کی عقلیت اور تصور دین کی جامعیت، علامہ شبلیؒ اور مولانا سید سلیمان ندویؒ کا ذوق تاریخ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا محمد الیاسؒ، مولانا عبدالقادرؒ رائے پوری اور مولانا محمد زکریاؒ کی روحانیت کا امتزاج نظر آتا ہے۔ علی میاںؒ کے یہاں یہ سب ایک دوسرے کے ناقض نہیں، ایک دوسرے کی تکمیل کرنے والے ہیں۔ اور یہی وہ نکتہ ہے جسے ناقدین علم و فن نے نظر انداز کر دیا ہے۔

مولانا علی میاں کا اصل میدان تاریخ اور دعوت ہے، سیرت اور انسان سازی ہے، روح کی بیداری اور امت کی ترقی کے لئے اسلاف کے نمونے کا احیاء ہے۔ ان کے یہاں خانقاہ اور جہاد، تزکیہ اور انقلاب دونوں دھارے ساتھ ساتھ رواں نظر آتے ہیں، کبھی وہ ایک کو نمایاں کرتے ہیں اور کبھی دوسرے کو۔ پہلی تالیف سے (جو سنہ ۱۹۳۹ء میں شائع ہونے والی "سیرت سید احمد شہیدؒ" تھی)........ (تاریخ دعوت و عزیمت) تک تزکیہ اور جہاد کا چولی دامن کا ساتھ باقی رہتا ہے۔ ان کا ذوق اور خاندانی اور دعوتی ماحول جب ان کو "دین کی جدید تعبیر و تفہیم" کے باب میں کچھ خدشات اور خطرات سے دوچار کرتا ہے، اور وہ کچھ تصور اور اسالیب کے بارے میں تردد اور اضطراب کا اظہار کرتے ہیں تب بھی دین اور قوت کے تعلق، احیاء اور اقامت کی خواہش اور طلب، اسلامی حکومت کے قیام اور غلبے کی تمنا کے اظہار پر اپنے کو مجبور پاتے ہیں۔ "دعوت و عزیمت" کی آخری جلد میں "سیرت سید احمد شہیدؒ" کے پہلے ایڈیشن کی ان عبارتوں کو جوں کا توں رکھتے ہیں، جن میں "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحات" کا عکس دیکھا جاسکتا ہے جو سنہ ۱۹۷۶ء میں شائع ہونے والی "سیرت سید احمد شہیدؒ" (سلسلہ تاریخ دعوت و عزیمت) حصہ اول میں کتاب سے اسی مقصد کا اعادہ کیا گیا ہے جو سنہ ۱۹۳۶ء میں رقم کیا گیا تھا یعنی "اسلام کی خدمت اور نوع انسانی کی سعادت کا ایک ہی لائحہ عمل ہے جو اس کتاب میں بیان کیا ہے، اور وہ وہی ہے جس کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے خلفائے راشدینؓ اور بعض مجددین امت نے عمل کیا، یعنی دنیا میں اسلامی شریعت اور خلافت کا صحیح نظام قائم کرنا اور اسلام کے اخلاقی، روحانی، مادی سیاسی غلبے کی کوشش کرنا" (ص ۴۷) پھر "سید صاحبؒ" کی سیرت پر اجمالی نظر کے باب میں دعوت دین کا کام کرنے والے تمام بزرگوں کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے صاف الفاظ میں لکھتے ہیں کہ "نفس کے مجاہدے کے ساتھ کفار سے جہاد" اور "شرعی حکومت" کا قیام اسوہ رسالت آپ کا جزء لاینفک ہے۔ دعوت اور خدمت کے تمام کام اہم اور لائق تحسین لیکن "ان سب کے حلقے اور عمل کے دائرے محدود ہیں" اور "سید صاحبؒ نے اس نکتے کو اچھی طرح سمجھا کہ حکومت الٰہی کے قیام اور اسلامی نظام، قوانین و حدود کے اجراء اور ماحول کی تبدیلی کے بغیر یہ سب کوششیں "کوہ کندن و کاہ برآوردن" ثابت ہوں گی" (ص ۵۰-۵۱)۔

مولانا علی میاں کا میدان عمل سیاست نہ تھا ان کی جملہ کاوشیں دین کے ہمہ گیر اور جامع تصور کی تشریح و توضیح پر مبنی ہیں اور وہ ہمیشہ ملت اسلامیہ کے عروج اور جینے کا خواب دیکھتے رہے۔ یہ بات بڑی اہم ہے کہ جب سنہ ۱۹۸۰ء میں انہیں فیصل ایوارڈ ملا تو اس کے ساتھ ملنے والی رقم کا نصف انہوں نے جہاد افغانستان کے لئے اور نصف "تحفیظ القرآن" کے مدارس کے لئے وقف کیا۔ ملت اسلامیہ کا کوئی بھی مسئلہ ہو، بھارت کے مسلمانوں کے لئے انھوں نے دعوت و تبلیغ اور اصلاح معاشرہ کے ساتھ مسلم

پرسنل لا کے تحفظ، شاہ بانو کیس میں اسلامی قانون کی بالادستی، اسکولوں میں بندے ماترم کے خلاف احتجاج کی قیادت کی اور بابری مسجد کے سلسلے میں مجاہدانہ موقف اختیار کیا۔ عالم اسلام کے مسائل خواہ ان کا تعلق فلسطین سے ہو یا افغانستان سے، کشمیر سے ہو یا بوسنیا سے، انھوں نے حق اور انصاف کے مطابق پوری جرأت سے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ بین الاقوامی پلیٹ فارم پر ہمیں بارہا ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔ بھارت کی حکومت نے بار بار کوشش کی کہ کشمیر کے معاملے میں ان سے کوئی بات اپنی تائید میں کہلوائیں لیکن انھوں نے کبھی ایسا نہ کیا۔ نجی گفتگو میں ہمیشہ یہ کہا کہ کشمیر کے لوگوں کا حق ہے کہ اپنے مستقبل کا فیصلہ اپنی مرضی سے کریں۔

مولانا علی میاں کو پاکستان سے گہری محبت تھی اور نفاذ شریعت کی ہر کوشش کے وہ مؤید رہے۔ وہ زور دیتے تھے کہ اللہ سے کئے ہوئے وعدے کو پورا کرو۔ مشرقی پاکستان کی علاحدگی پر جو تقریر انھوں نے کی اور جن جذبات کا اظہار اپنی خود نوشت "کاروانِ زندگی" (جلد دوم) میں کیا، وہ پڑھنے کی چیز ہے۔ اپنی پہلی ملاقات میں جنرل ضیاء الحق کو مسجد اقصیٰ کا ماڈل پیش کیا اور جو الفاظ اس موقع پر ادا کئے وہ ان کے جذبۂ ایمانی، امت سے محبت اور حق و باطل کی کشمکش میں مسلمانوں کے کردار کے بارے میں ان کے تصور کے عکاس ہیں: "اس ہدیے میں (زبان حال سے) اشارہ بھی تھا کہ مسجد اقصیٰ کی بازیافت اور اس کا استخلاص بھی ایک صاحب ایمان، مسلم صدر مملکت کی ذمہ داری میں ہے" (پرانے چراغ، حصہ سوم)۔

مولانا علی میاں کا "اسلامک فاؤنڈیشن" سے بڑا گہرا قلبی تعلق تھا۔ جب بھی برطانیہ تشریف لاتے، فاؤنڈیشن ضرور آتے۔ مولانا کی کتابوں اور تقریروں کی انگریزی میں اشاعت کی سعادت بھی فاؤنڈیشن کو حاصل ہوئی۔ ۱۹۹۶ء میں نوٹنگھم کی مسجد میں اپنے عام خطاب میں مولانا مودودی اور ان کی علمی اور دینی خدمات کو بڑے مؤثر الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا۔ فاؤنڈیشن کے کام کی حوصلہ افزائی فرمائی، نام لے کر خرم اور راقم کی مساعی کے لئے کلمات خیر ارشاد فرمائے اور مسلمانوں کے تمام دینی کام کرنے والوں کے درمیان اتفاق اور تعاون کی نصیحت فرمائی۔ مولانا علی میاں نے مولانا مودودی سے اپنے علمی اختلافات کا بھی اظہار بڑے شائستہ انداز میں کیا ہے، اور ان کی خدمات کا اعتراف بھی بڑے کھلے دل سے کیا ہے بلکہ خود اپنے فکری سفر میں ان سے استفادے اور ان کے اثرات کا اچھے الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ "ندائے ملت" میں مولانا مودودی کی وفات پر ان کا انٹرویو دیکھنے کی چیز ہے۔

اس امر کے اظہار میں کوئی مبالغہ نہیں کہ مولانا علی میاں صرف اردو ہی کے صاحب طرز ادیب نہ تھے بلکہ عربی زبان پر انھیں غیر معمولی دسترس حاصل تھی۔ انھیں بلاشبہ بیسویں صدی کا عربی کا سب سے اچھا غیر عرب ادیب قرار دیا جاسکتا ہے۔ عربی زبان کا شوق ان کو بچپن ہی سے تھا۔ اقبالؔ کی ایک نظم (چاند) کا عربی ترجمہ انھوں نے ۱۶ برس کی عمر میں کیا اور خود اقبالؔ سے داد لی۔ ان کا پہلا عربی مضمون سید احمد شہیدؒ پر سید رشید رضا کے مشہور مجلہ "المنار" میں ۱۹۳۱ء میں شائع ہوا۔ اس وقت مولانا علی میاںؒ کی عمر ۱۷ سال تھی۔ اقبال کو عرب دنیا میں متعارف کرانے کی سعادت سب سے پہلے علی میاں کو حاصل ہوئی۔ ان کی کتاب "روائع اقبال" (جس کا اردو ترجمہ "نقوش اقبال" کے عنوان سے شائع ہوا ہے) اس سلسلے کی سب سے کامیاب کوشش ہے۔ عرب دنیا ان کی فصاحت اور بلاغت کا لوہا مانتی ہے۔

علی میاں کو عالم اسلام کے اہم ترین اعزازات حاصل ہوئے۔ جامعہ دمشق اور جامعہ اسلامیہ مدینہ میں ان کو وزیٹنگ پروفیسر کا مقام حاصل تھا۔ ۳۰ سے زائد ممالک میں بین الاقوامی کانفرنسوں اور سیمیناروں میں شرکت کی۔ ۱۹۹۹ء میں دوبئی میں ۱۹۹۸ء کی اہم ترین اسلامی شخصیت کا ایوارڈ دیا گیا۔ رابطہ عالم اسلامی اور جامعہ اسلامیہ مدینہ یونیورسٹی کے بانی ارکان میں سے تھے۔ مؤتمر عالم اسلامی لبنان کی مجلس عاملہ کے رکن تھے۔ مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر اور مسلم مجلس مشاورت ہند کی شوریٰ کے رکن تھے۔ علی میاں صرف ہندوستان کے مسلمانوں کے گل سرسبد ہی نہیں، پوری اسلامی امت کا سرمایہ تھے اور ان کے قلم اور زبان نے پوری دنیا کے مسلمانوں کی خدمت اور رہنمائی کی۔

مولانا علی میاں نے دعوت و تبلیغ کا کام اپنے طالب علمی ہی کے دور سے شروع کر دیا تھا۔ ندوۃ العلماء ان کی علمی سرگرمیوں کا مرکز رہا۔ جماعت اسلامی اور تبلیغی جماعت سے بھی ان کی زندگی کے مختلف ادوار میں گہرا تعلق رہا۔ اخوان المسلمون اور اسلامی احیاء کی تمام ہی اہم تحریکوں سے ان کا گہرا ربط تھا۔ اسلامک فاؤنڈیشن سے بھی موصوف کو خصوصی تعلق تھا۔ خود مجھے گذشتہ ۵۰ برس سے ان کی مشفقانہ سرپرستی کا شرف حاصل رہا اور ان کی وفات کو بالکل اس طرح محسوس کرتا ہوں جس طرح اپنے والد محترم اور مشفق اساتذہ اور رہنماؤں کی خصوصیت سے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا امین احسن اصلاحی کی شفقت اور سرپرستی سے محرومی کو محسوس کیا تھا۔

میں نے مولانا مودودی اور مولانا علی میاں دونوں کے افکار اور کارناموں سے خوشہ چینی کی ہے لیکن دونوں کے مزاج اور اسلوب میں جو فرق تھا اسے میں کبھی کبھی اس طرح بیان کرتا ہوں کہ مولانا مودودی انسان کے دماغ کے ذریعے اس کے دل میں اترتے ہیں اور قلب پر چھا جاتے ہیں

جب کہ مولانا علی میاں دل کے راستے فکر و نظر کی دنیا میں قدم رکھتے ہیں اور روح کو تازگی فراہم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس دور کے مسلمانوں کے ان دونوں محسنوں کو بہترین اجر سے نوازے، ان کے درجات بلند کرے اور جو شمعیں انھوں نے روشن کی ہیں وہ ہمیشہ تابندہ رہیں۔

مولانا علی میاں نہ صرف میرے اور میری نسل کے مسلمانوں کے بلکہ پوری امت مسلمہ کے محسن تھے۔ ان کی زندگی میں سلف صالحین کی جھلک دیکھی جاسکتی تھی اور وہ ایک خلق کے لئے سرچشمہ نور و ہدایت تھے۔ ان کا تعلق صرف بھارت سے نہیں پوری دنیا کے مسلمانوں سے تھا اور ہم سب ان کے اٹھ جانے سے اپنے آپ کو پھر سے یتیم محسوس کر رہے ہیں۔ غم شدید ہے مگر اللہ کے فیصلے پر قانع ہیں اور ان کے لئے دل کی گہرائیوں سے مغفرت اور رفع درجات کی دعائیں کرتے ہیں اور رب حقیقی سے دعا بھی کرتے ہیں کہ اس امت کو ان جیسے حق کی طرف بلانے والوں دین کا احیا کرنے والوں سے برابر سرفراز فرماتا رہے تاکہ رشد و ہدایت کا یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے۔

اللہ تعالیٰ مولانا علی میاں کو جنت کے اعلیٰ ترین درجات میں جگہ دے اور ان کے تمام لواحقین کو صبر جمیل سے نوازے۔ آمین!

(بقیہ) مطالعہ کی میز پر

رب سے دعا و مناجات کر کے اپنے مالک کو راضی کرے اور اپنی ضرورت کے لئے دست طلب دراز کرے۔ پیش نظر کتاب قرآن کریم کی ان مختلف آیات میں وارد چالیس دعائیہ کلمات کا وظیفہ ہے جن میں "ربنا" کا لفظ آیا ہے۔ ان آیات کا اردو ترجمہ اور دعاؤں کے آخر میں تفسیری و تشریحی حواشی مختلف کتب تفسیر سے منقول ہیں۔

یہ قرآنی دعائیں لفظی و معنوی اور فضیلت کے اعتبار سے بڑی جامع ہیں اور دین و دنیا کی تمام بھلائیاں اس میں جمع ہیں۔

اس میں کیا شبہ ہو سکتا ہے کہ خشوع و خضوع کے ساتھ ان قرآنی دعاؤں کا ورد شرف قبولیت سے خالی جائے گا۔

● نام کتاب: احادیث لیس منا۔
ترتیب: مولانا سید عبد القادر ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ
صفحات: ۶۴، سائز ۱۸×۲۲/۸ قیمت: ۲۵ روپئے
ملنے کا پتہ: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز ڈی ۳۰۷۔ دعوت نگر، ابو الفضل انکلیو جامعہ نگر اوکھلا نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

اس کتاب میں وہ حدیثیں جمع کی گئی ہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ وہ کون کون سے لوگ ہیں جن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیزاری و بے تعلقی کا اظہار فرمایا۔ اور مختلف اعمال بد اور غیر اسلامی حرکات پر وعید فرمائی ہے۔ ترجمہ کے ساتھ اگر حدیث کی مختصر تشریح بھی کی جاتی تو زیادہ اچھا ہوتا۔

دعائے مغفرت

مدرسہ سید امیر علی شہید (علیم نگر) فیض آباد شاخ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے رکن جناب عبد الحلیم صاحب کے والد محترم جناب حاجی مشتاق احمد صاحب ، نماز عید دعا مانگتے ہی بے ہوش ہو گئے اور اسی حالت میں ۲۲ فروری ۲۰۰۰ء کی صبح کو اپنے مالک حقیقی سے جا ملے انا للہ و انا الیہ راجعون۔

فلاحی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا مرحوم کی خصوصیت تھی۔

قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے

پرتاپگڈھ میں دینی تعلیمی کونسل کی علاقائی کانفرنس

جناب ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین صاحب قریشی جنرل سکریٹری آل انڈیا دینی تعلیمی کونسل یوپی لکھنؤ کی ہدایت پر "دینی تعلیمی کونسل" کی علاقائی کانفرنس کا انعقاد زیر اہتمام انجمن تعلیمات دین پرتاپ گڈھ مورخہ ۱۲ مارچ ۲۰۰۰ء بروز اتوار بوقت ۸½ بجے دن بمقام مسلم مسافر خانہ سپطین روڈ پرتاپ گڈھ میں کیا جارہا ہے۔ اس علاقائی کانفرنس میں الہ آباد، فیض آباد، سلطانپور، رائے بریلی، جونپور، پرتاپ گڈھ، فتح پور، ہمیر پور، باندہ، جالون، علی گڈھ، اضلاع کے نمائندگان شرکت فرمائیں گے۔ آپ سے پرخلوص درخواست ہے کہ اس علاقائی کانفرنس میں وقت کی پابندی کے ساتھ شرکت فرمانے کی زحمت کریں اور شکریہ کا موقع دیں۔ اپنی آمد کی منظوری مندرجہ ذیل پتے یا فون پر جلد از جلد ارسال کرنے کی زحمت فرمائیں۔ مہربانی ہوگی۔

احقر
ڈاکٹر جلیل احمد صدیقی
جنرل سکریٹری
انجمن تعلیمات دین، مکان نمبر ۲۶۸ پانک روڈ پرتاپ گڈھ۔ یوپی۔ فون نمبر 22354 (گھر)

دعائے مغفرت

دار العلوم ندوۃ العلماء سے قدیمی تعلق رکھنے والے جناب عبد اللہ حاجی ولی محمد (مالک اوپیاہ ہوٹل قلابہ) کی اہلیہ محترمہ کا ۱۰ جنوری ۲۰۰۰ء کو انتقال ہو گیا انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مرحومہ نیک سیرت اور خیر خاتون تھیں۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے، متعلقین کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

قارئین کرام سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ

نقوش و تاثرات

پروفیسر محمد یونس نگرامی

اسلام کی بنیاد ابدی حقائق و عقائد پر ہے مگر اس کی فطری و طبعی صلاحیت یہ ہے کہ وہ ہر عہد و زمانہ میں دنیا کی راہ نمائی کر سکے۔

اسلام کسی خاص عہد کا فن تعمیر نہیں جو آثار قدیمہ کے طور پر محفوظ کر دیا گیا ہو اور اپنی زندگی کی حرارت کھو چکا ہو بلکہ ایک زندہ دین ہے اور دنیا کے مختلف زمانوں سے اس کا واسطہ رہا ہے اور رہے گا۔ اس کا یہ تسلسل اور تاریخی عمل اس کی حقانیت اور ابدیت کی روشن و تاباں مثال ہے۔

اگر اسلام کی یہ صفت و خصوصیت نہ ہوتی تو وہ ان داخلی و خارجی حملوں کے سامنے کب کا قصۂ پارینہ بن چکا ہوتا۔ صلیبیوں کے یورش ہو یا تاتاریوں کے حملے، تحریفات و تاویلات و بدعات کا زور ہو یا عجمی اثرات و مشرکانہ رسوم و اعمال کا سیلاب، مادیت و الحاد و لادینیت و عقل پرستی کی دعوت .... اسلام کی روح نے کبھی بھی شکست نہیں کھائی ہے اور ہر زمانہ و عہد میں اس کو ایسے افراد ملتے رہے ہیں جو بیاباں کی شب تاریک کے لئے اپنی اپنی آستینوں میں ید بیضاء لئے بیٹھے تھے۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا ایمان و آخرت کا یقین، حسن بصریؒ کے مواعظ، امام احمد بن حنبلؒ کی بے نظیر عزیمت و استقامت، امام غزالیؒ کا تبحر علمی و رسوخ فی الدین و باطنیت و فلسفہ پر عمل جراحی اور تنقید و احتساب کا ملکہ، حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی دل سوزی و فکر مندی اور شکستہ دلوں کو تسکین دینے کی بے پناہ صلاحیت و قوت، علامہ ابن جوزیؒ کا تقویٰ و ذوق عبادت اور ان کی نادرانہ تصانیف۔ رازی کی تب و تاب اور رومیؒ کا سوز و ساز، حافظ ابن تیمیہؒ کی نکتہ رسی و دقیقہ سنجی اور ان کے تجدیدی و اصلاحی کارنامے، مجدد الف ثانیؒ کی روح و فکر اسلامی کی جلا و تازگی اور شریعت اسلامی و نبوت محمدی کی صداقت و ابدیت پر از سر نو اعتماد و اعتقاد بحال کرنے کی کوشش اور سرمایۂ ملت کی نگہبانی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی شریعت اسلامی کی مربوط و مدلل ترجمانی، حضرت سید احمد شہیدؒ کی روح جہاد اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کا غلبہ توحید اور اقبالؒ کی آہ سحر گاہی اسی لئے تھی کہ دعائے خلیل و نوید مسیحا کے اثر میں ڈوبی ہوئی شریعت محمدی و تعلیمات نبوی کی مستند تفسیر و استدلالی تشریح ضرب کلیمی بن کر ہر سحر سامری کو توڑتی رہے اور ہر دور کی جاہلیت ابلیسی طرز فکر و نظام اور شرار بولہبی کے اندھیرے، چراغ مصطفوی کی ضیاء پاشیوں میں گم ہوتے رہے۔

اس سلسلۃ الذہب کی ایک اہم کڑی حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ کی ذات بابرکات بھی تھی جن کی شخصیت کے جلوہ صد ہزار رنگ نے وہ عطر بیزی کی تھی جس سے امت اسلامیہ کی مشام جان معطر ہے، حرص و ہوا بے کرداری و بے ضمیری کی شب دیجور کو ان کے کردار کی طہارت و پاکیزگی نے نور و اجالے سے بھر دیا تھا جب دنیا اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ زور و جواہر کے ڈھیر لگا دینے کے لئے بیتاب نظر آتی ہے تو ہم کو ان کے اندر حضرت علیؓ کی وہ صفت دکھلائی دیتی ہے جب وہ محراب میں رات ڈھلے اپنی داڑھی مبارک کو دونوں ہاتھوں سے پکڑے حالت بے چینی و اضطراب میں یہ کہتے ہوئے سنے جاتے ہیں کہ اے دنیا تو مجھ کو رجھانے آئی ہے افسوس صد افسوس میں نے تجھ سے ہمیشہ کے لئے چھٹکارا پالیا ہے۔ تیری عمر بہت کم ہے تیرا عیش بہت معمولی ہے لیکن تیرے خطرات بہت ہیں ان کی شخصیت میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ایمانی غیرت سے بھرپور جملہ "اینقص الدین وانا حی" نے وہ اضطراب و چنگاری بھری تھی کہ دیر و حرم میں ایک ہی آواز گونج رہی ہے "الی الاسلام من جدید"

جارح قوم پرستی و فرقہ واریت علاقائی عصبیت و مادیت کے بے پناہ غلبہ کے خلاف تحریک پیام انسانیت کی شمع فروزاں ہاتھوں میں اٹھائے ہوئے شہر در شہر قریہ در قریہ الفت و محبت کے ہوتے ہوئے جذبوں کو بیدار کرنے و جگانے کا منفرد کام بھی اس یقین کے ساتھ جاری تھا کہ ہندوستان کا خمیر ہی عشق و محبت سے اٹھا ہے۔

شریعت اسلامی میں کوئی بھی مداخلت ہم کو حضرت علیؓ ہی کی وہ صفت یاد دلاتی ہے

(باقی ص ۲۱ پر)

نئی نسل کو انقلابی ایمان کی ضرورت

تحریر:۔ مولانا سید محمد الحسنی رحمۃ اللہ علیہ ۔۔ ترجمہ : محمد شعیب ندوی برتا بگڈھی

جدید نسل کے خیالات و نظریات کی ایک جھلک

دینؔ مذہب صرف فرسودہ خیالات کا مجموعہ اور وہ ایک ایسا نظام زندگی ہے جو عصر حاضر کے تقاضوں کی تکمیل سے عاجز و بے بس بلکہ ناقابل عمل ہے، یہ تو ایک پرسنل اور انفرادی مذہب ہے جس کا تہذیب و تمدن اور سوشل زندگی سے کوئی ربط ہے اور نہ ان معاملات میں اس کو مداخلت کا کوئی حق اور جواز ہے وہ تو اس دور عروج و ترقی میں بھی تہذیب و تمدن علم و فن، آرٹ و سائنس کا دشمن اور قدیم طرز زندگی کا داعی ہے۔

جدید نسل کی تربیت سے چشم پوشی ایک جرم عظیم

یہ اور اس قسم کے افکار و نظریات جدید تعلیم یافتہ نسل کا محور فکر و نظر بن چکے ہیں لیکن اس میں سراسر خطا و قصور ہمارا ہے کہ ہم نے اپنے فریضہ کی انجام دہی میں کوتاہی کی کہ اس کے ذہن و دماغ کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی کوئی کوشش کی اور نہ ان کے دلوں میں ایمان و یقین اور دین و مذہب کی محبت و عظمت اور اس کی عقیدت کو پیوست کرنے کا کوئی معقول انتظام کیا، بلکہ ہم نے تو انھیں ایسا بے بس و لاچار بنا کر چھوڑا کہ وہ ہر طرف سے خطرات کا شکار اور دشمنانِ اسلام کے لقمہ تر بن گئے۔ اسلامی افکار و نظریات پر جدید نسل کی تربیت اور ان کی خوابیدہ دیرسکرہ صلاحیتوں سے پورا فائدہ اٹھانا ایسا اہم اور نازک کام ہے جس کا پورا اہتمام و انتظام اور اس کو سب سے مقدم رکھنا ہمارا سب سے اہم فریضہ اور عظیم ذمہ داری ہے، قیامت کے دن اللہ کے سامنے اس کے بارے میں ہم سے سوال ہوگا۔

نظام تعلیم میں از سر نو غور و فکر کی ضرورت

اس سلسلہ میں ہمارا سب سے اولین فریضہ یہ ہے کہ ہم نئی نسل کی تربیت اس انداز سے کر دیں کہ اس کا سینہ عقیدۂ توحید سے معمور، اس کا قلب نور ایمان سے منور، وہ عشق محبت سے سرشار، اپنے دین پر فخر سے بھرپور ہو۔ اور تعلیم کے ہر مرحلہ میں (ابتدائی تعلیم سے لیکر مرحلہ تکمیل تک) یہی عنصر غالب رہے چنانچہ نظام تعلیم میں معمولی تبدیلی یا صرف چند نظریاتی اسباق اور ہفتہ یا مہینہ میں صرف ایک مرتبہ کسی لکچر سے کوئی خاطر خواہ فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا ہے بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم تعلیمی اور تربیتی نصاب میں نظر ثانی کرکے اس کو اس انداز سے مرتب کریں کہ اس میں یہ دینی عنصر نہ صرف غالب بلکہ تمام پہلوؤں اور شعبوں میں پوری طرح سرایت کئے ہوئے ہو، کیونکہ ایمان کوئی مختصر اور صرف سادہ سا جملہ نہیں ہے بلکہ وہ ہر مسلمان کا مقصد زندگی ہے۔

عقیدۂ توحید کی کارفرمائی

عقیدہ توحید ہی وہ حد فاصل ہے جو مسلمانوں کو دنیا کی دیگر اقوام سے اس طرح جدا کر دیتی ہے کہ دونوں کی معاشرت و معیشت، طرز زندگی، اغراض و مقاصد افکار و نظریات میں زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے کیونکہ مسلمان کا مقصد اور اس کا فرض منصبی ہی یہ ہے کہ وہ انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر خدائے واحد کی عبادت و پرستش اور دنیا کی تنگی سے اسکی وسعت اور مذاہب و ادیان کے ظلم و جور سے نکال کر اسلام کے عدل و انصاف میں داخل کرے اور خودکشی پر آمادہ انسانیت کا ہاتھ پکڑ کر مادیت و شہوانیت کے دلدل سے نکال کر اطاعت رب کے راستہ پر ڈال دے کہ رحمتِ الٰہی خود انھیں اپنے آغوش میں لے لے اور ان کے اندر حقیر مادی لذتوں سے الگ کرکے عشق الٰہی کا شعلہ اس طرح بھڑکا دیا جائے اور ایمانی حلاوت و چاشنی سے اس طرح آشنا کر دیا جائے کہ راحت و آرام، عیش و عشرت کے سارے اسباب ہونے کے باوجود چین و سکون سے محرومی کا اصل راز افشا ہو جائے۔

اس عقیدہ کا تقاضہ یہ ہے کہ افکار و نظریات نصاب درس و نظام تعلیم میں بامقصد و سودمند تبدیلی اعلیٰ و افضل اسلامی اصول کے نفاذ کیلئے نہایت ٹھوس اور جرأت مندانہ اقدام کیا جائے تاکہ اس نظام کے تحت ایک طرف نونہالانِ اسلام اسلامی اصول و اقدار کی عظمت و محبت سے سرشار ہوں تو دوسری طرف ان کے دلوں میں مادی فلسفوں، نسلی بنیادوں پر کمزوروں پر جبر و تشدد اور لذت پرستی سے نفرت اور ساتھ ہی فاجرانہ و فاسقانہ دعوؤں کی گندگی اور اس میں مضمر انسانی عظمت کی پامالی سے گھن آنے لگے، اب اگر کوئی فریب خوردہ یہ محسوس کرے کہ یہ رجعت پسندانہ دعوت ہے تو اس تہذیب کے پرستاروں کا حال دیکھ لے، عوام نہیں بلکہ وہاں کے مفکرین و محققین کی نظر کیا قیمت رکھتی ہے پڑھ لے۔

اب جو بھی مغرب کی اس ڈوبی اور شکستہ کشتی پر سوار ہوگا۔ وہ ڈوب کر رہے گا لہٰذا ہم اپنے

افکار و نظریات اور نظام تعلیم و تربیت میں مغرب کی کورانہ تقلید سے آزاد ہو کر خود اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اپنے پروگرام اور منصوبوں کو مرتب کریں، ایمان ہی ہماری اساس و بنیاد اور سرچشمہ طاقت و قوت ہے جس کی بدولت اللہ نے "کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" کی نوید جانفزا سنائی اور ہر وہ نظام تعلیم و تربیت جو غیر اسلامی بنیادوں پر قائم ہوگا نہ وہ کجی سے محفوظ ہو سکتا ہے اور نہ حوادث و واقعات کے مقابلہ کی تاب لا سکتا ہے۔

ایمان ہی مغرب سے مقابلہ کی شاہ کلید ہے

اگر ہم اس خام خیالی میں مبتلا ہیں کہ مغرب سے مقابلہ کرنا اس کی تعلیم اور اس کے افکار و نظریات سے آراستہ ہوئے بغیر ناممکن ہے تو یہ محض فریب نفس و شیطان کے سوا کچھ نہیں ہے، بلکہ ایمان ہی مغرب سے مقابلہ کی شاہ کلید ہے، ایمان ہی وہ زبردست ہتھیار ہے جس سے ہم نہ صرف زمانہ کا رُخ بدل سکتے ہیں بلکہ اس کی قیادت خائن و گنہگار ہاتھوں سے چھین کر ایسے معصوم و پاکباز ہاتھوں کے حوالہ کر سکتے ہیں جس نے سخت ترین حالات اور تاریخ کے بدترین موڑ پر اس کی قیادت اور کشتی انسانیت کو سخت طوفانی موجوں کے تھپیڑوں سے نکال کر امن و سکون کے ساحل سے ہمکنار کیا ہے۔

یہ صرف ایمان و یقین، وعدہ الٰہی و نصرت خداوندی پر یقین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق و محبت کی کرشمہ سازی تھی، آج ہمیں وہ ایمان حاصل کرنے کیلئے کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ ہم اپنے تعلیمی و تربیتی نظام میں مغرب کا جوا اپنی گردن سے اتار کر پھینک دیں۔ اور ہمیں اپنے اس قصور کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ ہم نے وسائل و غایات، ذرائع و مقاصد نیز طبعی و اجتماعی علوم میں تفریق کئے بغیر مغرب کی غلامی کا طوق اپنے گلے میں ڈال لیا۔

اگر ہم مغرب کی فکری غلامی اور تہذیبی تقلید سے آزاد ہونا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے نظام تعلیم و تربیت کو اس طرح مرتب کرنا پڑے گا کہ اس سے نئی نسل ایمان کے ہتھیار سے مسلح، وعدہ الٰہی پر یقین سے اس کا دل معمور، عشق نبوی سے مخمور ہو۔ جہاں حق کے ایسے داعی و مجاہد تیار ہوں جو مال و دولت جاہ و منصب کی حرص و طمع سے بالکل دور ہوں۔

اس طرح ہمارے تعلیمی نظام کا اصل مقصد مکمل ہوگا اور ایسی نسل تیار ہوگی جو نہ صرف عالم اسلام بلکہ پوری عالم انسانیت کی ضرورتیں اور تقاضوں کی تکمیل کا فریضہ انجام دے گی۔

(بقیہ) حضرت مولانا نقوش و تاثرات

جب وہ محراب مسجد میں تململ تململ السلیم کے کیفیت سے دوچار ہوتے ہیں۔ اور جب امراء و سلاطین وقت ان کی جھونپڑیوں پر حاضری دیتے ہوئے اپنے کو بشارت نبوی نعم الامیر علی باب الفقیر سے سرفراز کرنا چاہتے ہیں تو ہم کو سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ کی یاد بے اختیار آتی ہے اور ان کا طریقہ و سلوک مجسم ہو کر سامنے آجاتا ہے اور اقبال کے بندۂ مومن و کامل کی تفسیر ان کی شخصیت میں اس طرح جلوہ گر نظر آتی ہے "اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" زمانہ کو پھر ایسے حبیش کی تلاش ہے جو اللہ کے دین کی خاطر اپنی جان و مال و متاع، عزیز و اقارب کا نذرانہ پیش کر دے۔

ضرورت قاری

مدرسہ سید احمد شہیدؒ تکیہ کلاں رائے بریلی درجہ حفظ میں طلباء کو تجوید کی مشق کرانے کے لئے ایک قاری کی ضرورت ہے جو فن تجوید سے بخوبی واقف ہو۔

درخواست ناظم مدرسہ سید احمد شہیدؒ تکیہ کلاں رائے بریلی کے نام سے آنا چاہئے۔

عبید الرحمن خان

ناظم مدرسہ سید احمد شہیدؒ تکیہ کلاں رائے بریلی

شاخ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ (یوپی)

(بقیہ) دشمن کب غالب آتا ہے

اگر مشرکین و کفار سے بھی قول و قرار اور معاہدہ ہو تو قرآن مجید میں ہمیں رب العالمین نے یہ حکم دیا۔ "تم ان سے قول و قرار کی مدت پوری کرو، بے شک اللہ تو انہیں لوگوں سے محبت فرماتا ہے جو اپنے اقرار کا لحاظ کرتے ہیں (۹، التوبہ، آیت ۴)

لہٰذا اہل ایمان کو چاہئے کہ جو بھی قول و قرار اور معاہدہ کسی سے ہوا ہے اس کی مدت تک پورا کیا جائے، ہاں بیچ میں اگر کافروں کی طرف سے قول و قرار اور معاہدہ کے توڑنے کا تمہیں خطرہ ہو تو سامنے والے کو صاف صاف اطلاع دیدی جائے اور کہہ دیا جائے تمہارے ہمارے درمیان جو معاہدہ تھا ختم ہوا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے": اور اگر کسی قوم سے تم کو خیانت اور دغابازی کا اندیشہ ہو تو کھلے طور پر صلح کا قول و قرار ان کی طرف پھینک دو (واپس کر دو) تاکہ قول و قرار میں مساوات اور برابری قائم رہے بیشک اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو پسند نہیں کرتا جو خیانت کرتی ہے"۔ (۸، الانفال، آیت ۵۸)

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کی رحلت

پر

عالمِ اسلام کے رسائل واخبارات کا خراجِ عقیدت

مطیع الرحمٰن عوف ندوی

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی ایسی ہر دلعزیز، ممتاز اور جامع شخصیت تھی کہ آپ کے سانحۂ وفات نے نہ صرف ہندوستانی مسلمانوں کو ایک عظیم خسارہ سے دوچار کیا بلکہ عالم اسلام نے ان کی وفات کو امت مسلمہ کے لئے ایک زبردست خلا قرار دیا، حضرت مولاناؒ ایک ہمہ جہت، ہشت پہلو اور جامع شخصیت کے مالک تھے، انھوں نے جہاں ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل کو سامنے رکھتے ہوئے ہر میدان میں گراں قدر خدمات انجام دیں وہیں عالم اسلام میں جب جب کفر وضلالت، ارتداد والحاد، اور قومیت ووطنیت نے اپنے دام فریب میں پھنسانے کی کوشش کی تو وہ حضرت مولاناؒ کا ہی قلم تھا جو آبشار کی طرح بہہ پڑتا تھا اور اسلام کے خلاف اٹھنے والی ہر سرکش موج کا رخ پھیر دیا کرتا تھا حضرت مولانا عالم اسلام پر ہونے والے کسی بھی حملے سے تڑپ اٹھتے تھے چنانچہ ایسے موقع پر وہ مولانا ہی کی سحر انگیز آواز ہوتی تھی جو بادل بن کر ان کے خلاف برستی تھی، عرب قومیت کا مسئلہ ہو یا فلسطین کے حل کی بات، یا خلیج وایران عراق جنگ کے مسائل، الغرض مولاناؒ نے ہر لمحہ اسلام کے مفاد کو اولیت دی اور اسی کو سر فہرست رکھا اور شریعت اسلامی اور ایمان وعقائد کے خلاف ایک لمحے کے لئے بھی کسی طرح کی مفاہمت اور مصالحت گوارا نہ کیا، ہندوستان میں اس طرح کے بے شمار مسائل پیش آئے، یکساں سول کوڈ، وندے ماترم، اور نظام تعلیم کو لے کر بے شمار مسائل میں حضرت مولانا نے دو ٹوک فیصلہ کیا اور آخر دم تک اس پر جمے رہے، آج جب حضرت مولاناؒ ہمارے درمیان نہیں ہیں تو ان کی تعلیمات اور ان کا مشن ہی ہمارے لئے راہنما ہے، ہندوستان کے اخبارات ورسائل نے بڑے پیمانے پر حضرت مولانا پر تعزیتی پیغامات شائع کئے، مضامین شامل اشاعت کئے، اور بعض اخبارات ورسائل نے حضرت مولانا کی زندگی پر مستقل فیچرز اور خصوصی شمارے چھاپے، جلسے ہوئے، اور ہو رہے ہیں لیکن اس موقع پر عالم اسلام کے اندر مولاناؒ کی وفات کو جس قدر غم واندوہ کے ساتھ سنا گیا اس کی نظیر نہیں ملتی ہے، عالم اسلام کے اکثر ممالک کے حکمراں وسلاطین نے ٹیکس، فون اور وفود کی شکل میں تعزیت کی اور مولانا کی وفات کو عالم اسلام کا بہت بڑا خسارہ قرار دیا، وہیں وہاں کے اخبارات ورسائل نے تسلسل کے ساتھ اپنی سوگواری اور رنج کے اظہار کو جاری رکھا ہے، مضامین، تعزیتی جلسوں اور تاثراتی رپورٹوں کا سلسلہ جاری ہے، انٹرنیٹ، ویب سائٹ وغیرہ پر بھی خصوصی کالم جاری ہیں، اس سلسلہ کی تفصیلات اور عربی اخبارات ورسائل میں شائع تصانیف اور خبروں کی ایک جھلک ہم اس مضمون میں مختصر طور پر آپ کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔

سب سے پہلے علامہ ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے انٹرنیٹ پر داعی اسلامؒ پر اپنے مضامین حضرت سے ملاقاتوں، اپنے ربط وتعلق اور مشاہدات وتاثرات کو مضامین کی شکل میں شروع کیا، یہی مضامین دنیا کے بڑے اور کثیر الاشاعت اخباروں میں شائع ہوئے انھوں نے جو مضامین تحریر کئے ان کے عناوین کچھ اس طرح ہیں: "ربانی الأمة وداعية الاسلام: العلامة ابوالحسن علي الندوي" (صفحات ۴) "مع الشيخ في مسقط رأسه" (صفحات ۳) "الندوي في مصر ومع المصريين" (صفحات ۴) اس کے علاوہ ایک تفصیلی مضمون "ركائز الفقه الدعوي عند العلامة الندوي" ہے جو کئی صفحات پر مشتمل ہے

فنی، سماجی اور ثقافتی ہفت روزہ کثیر الاشاعت رسالہ "الاربعاء" نے اپنے ۵ر جنوری کے شمارے کے سرورق پر مولانا مرحوم کی تصویر شائع کی ہے اور مولاناؒ کو اس صدی کا آخری فرد قرار دیا ہے، اس میگزین کے ص۸ پر محمد عبداللہ الحمید نے مولانا کو اس گذری ہوئی صدی کا سب سے نمایاں اور خدمت اسلام کے لئے سر فہرست شخصیت قرار دیا ہے، اور مولانا کی تحقیقی خدمات کا ذکر کیا ہے۔

لندن کے ایک مشہور زمانہ روزنامہ "الشرق الاوسط" نے مولانا پر بے شمار مضامین شائع کئے، اسی اخبار میں رابطۂ عالم اسلامی کے جنرل سکریٹری عبداللہ بن صالح العبید کا "الامة الاسلامية خسرت عالماً وداعياً برحيل الشيخ الندوي" کے عنوان سے ایک مضمون چھپا ہے، اس کے ۲۴ر جنوری کے شمارہ میں ڈاکٹر یوسف القرضاوی کا ایک مضمون دو قسطوں میں شائع ہوا ہے، اور اسی میں ایک رپورٹ "الشيخ يوسف القرضاوي يعدد مآثر الفقيد العلامة ابوالحسن الندوي" کے عنوان سے چھپی ہے، اس کے ۲۸ر رمضان کے شمارہ میں حضرت مولاناؒ کے سلسلہ میں علامہ طنطاوی کے تاثرات پہلے

ہی چھپ چکے تھے" "امی سرنی لحظات الاخیرۃ
بافارس الأدب" اور" مختارات ابی الحسن جواہر
من فنون القول والایمان" کے عناوین سے مضامین
چھپے ہیں، اسی اخبار کے ص۱۹ پر رابطہ ادب اسلامی
کے رکن ڈاکٹر محمود حسن زینی کا ایک مضمون "الی جنۃ
الخلد عمید الادب الاسلامی العلامۃ
ابو الحسن الندوی" شائع ہوا ہے، جس میں ادب
اسلامی کے میدان میں مولانا کی خدمات کو شمار کیا گیا
ہے اور سراہا گیا ہے، ص۲۰ پر "دیر حل الندوی" کے
عنوان سے ڈاکٹر حسن بن فہد الہویل نے بڑے جذباتی
اور تاثراتی انداز میں ایک مضمون قلمبند کیا ہے، اور مولانا
کی زندگی کا خلاصہ پیش کر دیا ہے، کتابوں کا ذکر کرتے
ہوئے اس پر بحث کی ہے اور مولانا کو ایک ایسا معالج
قرار دیا ہے جو مرض کی تشخیص کے ساتھ ساتھ اس
کا صحیح علاج بھی جانتا ہو، انہیں فقیہ، داعی اور
اسلامی بیداری کا نقیب اول قرار دیا ہے، اسی اخبار
میں ڈاکٹر محمد بن سعد بن حسین نے بھی "رحمک
اللہ یا ابا الحسن" کے عنوان سے اپنے تاثرات
اور رنج و کرب کو بیان کیا ہے اور مولانا کو ایک ایسا
مجاہد قرار دیا ہے جس نے بیک وقت قلم، زبان اور
جسم و جان سے جہاد کیا ہو اور جس کے جہاد کے نقوش
کا ہر میدان میں مشاہدہ کیا جا سکتا ہو، انھوں نے مولانا
سے ملنے کے اپنے اشتیاق کو بڑے جذباتی انداز میں
ضبط کیا ہے اور اخیر میں رابطہ ادب اسلامی کا ذکر
کرتے ہوئے مولانا کی ادبی خدمات کو اجاگر کرتے
ہوئے بڑی حسرت کے ساتھ اپنا قلم بند کیا ہے۔

مدینہ منورہ سے شائع ہونے والے شہرہ آفاق
اخبار "المدینہ" نے بھی مسلسل خبروں، رپورٹوں اور
تعزیتی مراسلات و پیغامات کی اشاعت کو جاری رکھا،
ایک تعزیتی خبر میں شیخ محمد حسن الدر رئیس جمعیۃ شباب
الاسلام العالمیہ کے صدر ڈاکٹر مانع حماد الجہنی اور ڈاکٹر
راشد الرنج کے تاثرات کو شائع کیا ہے، جنہوں نے
مولانا کی وفات کو اس صدی کا سب سے بڑا سانحہ
قرار دیا ہے، یہیں سے شائع ہونے والے اخبار اور
روزنامہ "عکاظ" نے بھی مولانا پر تفصیلی مضامین
اور مراسلے شائع کئے ہیں، اور اپنے ایک مضمون
میں حضرت مولانا کی زندگی کو ماہ و سال کے آئینہ
میں مختصر طور پر پیش کیا ہے۔

متحدہ عرب امارات سے شائع ہونے
والے روزنامہ "البیان" سے یکم جنوری کے شماروں
سے ہی مولانا پر تعزیتی پیغامات، خبروں اور مضامین
کا سلسلہ نظر آتا ہے، اور اس میں بعض اہم مضامین
کو بھی شریک اشاعت کیا گیا ہے۔

جدہ سعودی عرب سے اردو میں شائع
ہونے والے اردو نیوز نے بھی اس سلسلہ کو جاری
رکھا، اور مضامین کے علاوہ مولانا کی زندگی کا
ایک اجمالی خاکہ بھی شائع کیا ہے۔

عالم اسلام میں سب سے مقبول، بے باک
صحافت کے علمبردار ہفت روزہ "المجتمع" نے مولاناؒ
کی زندگی ہی میں اس گذری ہوئی صدی کی چنیدہ
شخصیات پر اپنے ایک سلسلہ کو شروع کیا تھا،
جس میں حضرت مولانا کے سلسلے میں پچھلے شماروں
میں بعض چیزیں شائع ہوئی تھیں، یہ سلسلہ مولانا
کی زندگی میں شروع ہو گیا تھا اور مولانا نے اس کو
ملاحظہ بھی فرمایا تھا، اس سلسلہ کے علاوہ حضرت
مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد المجتمع نے بعض مستقل
مضامین بھی شائع کئے، جن میں ڈاکٹر عبد اللہ قادری
الاہدل کا مضمون "مع الشیخ الندوی"، محمد حسن الغبش
کا مضمون "آخر الراحلین فی عام الحزن الشیخ الداعیۃ
ابو الحسن الندوی" ہے المجتمع نے بھی سرورق پر
مولانا کی تصویر چھاپی ہے، اسی شمارہ میں ایک جگہ
حضرت مولانا کی زندگی کا ایک مختصر خاکہ بھی پیش کیا
گیا ہے۔

حضرت مولانا پر شائع ہونے والے مضامین
میں ایک وہ خط بھی ہے جس کو مراسلہ نگار نے بڑے
جذبات کے ساتھ قلمبند کیا ہے، اور ایسے نازک ترین
مرحلوں میں مولانا کو یاد کیا گیا ہے، ادیبانہ اور مفکرانہ
انداز بیان میں امت مسلمہ پر بڑے نازک لمحات
میں مولانا کی خدمات کو بیان کیا گیا ہے، مراسلہ
نگار نے مولانا کو ایسے مبارک وقت میں رب حقیقی
سے جاملنے پر مبارکباد بھی پیش کی ہے، اور اس
صدی کے جشن کو دیکھنے سے پہلے رخصت ہو جانے
پر مزید تبریک پیش کی ہے۔

ندوہ کے شب و روز

محمد شاہد ندوی بارہ بنکوی

معالجین کا مشورہ اور حضرت مولاناؒ کا قیام

سالانہ امتحان ہوچکا تھا، طلباء اپنے اپنے گھر جاچکے تھے، رمضان کی آمد آمد تھی رحمتوں اور برکتوں کی گھٹائیں برسنے والی تھیں، ہم سب کے مربی ومحسن اور مخدوم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی (جنھیں اب رحمۃ اللہ علیہ اور نور اللہ مرقدہٗ لکھتے ہوئے کلیجہ منھ کو آرہا ہے) کو ان کے معالجین نے مشورہ دیا تھا کہ علالت کے سبب اس مرتبہ رمضان ندوہ ہی میں گزاریں، یہ بات حضرت مولانا کے لئے شاق ضرور تھی لیکن بادل نخواستہ ارادہ فرمایا تھا کہ ٹھیک ہے۔ رمضان یہیں گذار لیں گے، لیکن تکیہ رائے بریلی کی محبت اور خاندانی بزرگوں کی عقیدت اور وہاں کی روحانیت سے استفادہ اور دوسروں کے لئے استفادہ کا جذبہ بار بار یاد آرہا تھا

چنانچہ رمضان سے تین یوم قبل معالجین کے مشورہ کے مطابق حضرت مولاناؒ تکیہ رائے بریلی تشریف لے گئے۔ اور صرف دو یوم قیام فرماکر ۲۹ شعبان کو ندوہ تشریف لے آئے اور ۲۰ رمضان تک قیام فرمایا رمضان کے دونوں عشرے عشرہ رحمت اور عشرہ مغفرت تک یہاں قیام کے دوران حضرت مولانا نے اپنے تمام معمولات و اوراد و وظائف دعا و مناجات، توبہ و استغفار روزہ و تلاوت قرآن اور نوافل و تہجد کا پورا پورا اہتمام فرمایا آپ کی جلو میں آنے والے مہمانوں اور معتکفین نے مکمل استفادہ کیا رمضان کے دنوں میں اساتذہ کرام کے درس قرآن اور درس حدیث ندوۃ العلماء کی مسجد میں ہوتے رہے۔ اور درس قرآن اور درس حدیث سے لوگوں نے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا۔

مصری قاری کی آمد

اسی دوران مصر سے آئے ہوئے مہمان خصوصی قاری ابو حمید سلیم نے اپنی خوش الحانی اور فن قرأت سے لوگوں کے دلوں کو مسرور کرتے رہے قاری ابو حمید صاحب کے ندوہ کے علاوہ شہر کے مختلف مدارس و مساجد میں پروگرام ہوتے اور لوگوں نے قرآنی برکتوں سے خوب خوب فائدہ اٹھایا، قاری ابو حمید سلیم مصر کی وزارت اوقاف کی جانب سے مولانا سید سلمان الحسینی ندوی صدر جمعیت شباب الاسلام کی دعوت پر تشریف لائے تھے اور ان کا یہاں خاطر خواہ استقبال کیا گیا۔

حضرت مولاناؒ کی روانگی تکیہ رائے بریلی

حضرت مولاناؒ نے دو عشرے یہاں قیام فرمایا لیکن ان کی نگاہیں تکیہ کی طرف لگی ہوئی تھیں، اور برابر تقاضا فرماتے تھے کہ تکیہ کب چلنا ہے آخر کار ۲۰ رمضان کو حضرت مولانا آخری عشرہ گذارنے کے لئے تکیہ کلاں تشریف لے گئے اور دو ہی دن گذرے تھے کہ وہ سب کچھ ہوگیا جو ہر انسان کے لئے ایک وقت مقرر ہے اور جسے فرشتہ اجل نے حضرت مولانا کی زبان سے قرآن کے کلمات فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّأَجْرٍ كَرِيمٍ ادا کرائے اور حضرت نے لبیک کہتے ہوئے داغ فراق دے دیا اور اپنی جان جان آفریں کے سپرد کردی۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ

مجلس نظامت و اهتمام

۲۲ رمضان ۱۴۲۰ھ کو تکیہ کلاں رائے بریلی میں مولانا عبد الکریم پاریکھ صاحب کی صدارت میں ایک خصوصی میٹنگ ہوئی جس میں مولانا عبد اللہ عباس ندوی معتمد تعلیمات ندوۃ العلماء نے ایک تجویز پیش کی۔ اور جناب وصی احمد صدیقی صاحب معتمد مالیات ندوۃ العلماء نے تائید کی اور اتفاق رائے سے مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم اعلیٰ مولانا سعید الرحمن اعظمی ندوی صاحب مہتمم مولانا سید واضح رشید ندوی صاحب صدر شعبۂ عربی، اور مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی صاحب ناظر عام منتخب ہوئے۔

تعلیمی سرگرمیاں

بفضلہ تعالیٰ تعطیل کلاں کے بعد دار العلوم ۷ شوال کو کھل گیا۔ طلبا جوق در جوق دار العلوم کی جانب کھنچ کر آگئے۔ جدید و قدیم طلبا کے داخلوں کی کارروائی بھی مکمل ہوگئی، ندوۃ العلماء کی فضا قَالَ اللهُ اور قَالَ الرَّسُولُ کی صداؤں سے گونجنے لگی، ۲۰ شوال سے باقاعدہ تعلیم کا سلسلہ جاری ہوگیا۔ طلباء کی مختلف انجمنوں النادی العربی اور انجمن الاصلاح وغیرہ کے انتخابات بھی ہوگئے اور ان کی سرگرمیاں شروع ہوگئیں۔

گذشتہ کئی سالوں سے دار العلوم میں یہ

سلسلہ چلا آرہا ہے کہ تعلیمی سال کے شروع ہفتہ عشرہ تک اساتذہ کرام مختلف ایسے موضوعات طلباء سے خطاب کرتے ہیں جن کی روشنی میں طلباء اپنے نئے تعلیمی سال کو زیادہ سے زیادہ مفید بنا سکیں چنانچہ حسب سابق امسال بھی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب ناظم ندوۃ العلماء، مولانا سعید الرحمن اعظمی صاحب ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء، مولانا نذر الحفیظ ندوی صاحب، مولانا محمد عارف سنبھلی صاحب، مولانا عبدالقادر ندوی صاحب اور دیگر اساتذہ کرام نے قیمتی نصیحتوں اور ہدایات سے نوازا۔ انھوں نے اپنی تقریروں میں تعلیم و تربیت کی اہمیت، اصول و ضوابط کی پابندی اور اس کے فوائد پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ انھوں نے طلباء کو نصیحت کی کہ وہ اپنے مقام کو پہچانیں اور کوئی ایسی حرکت ان سے سرزد نہ ہو جو ان کی شان کے خلاف ہو۔ زیادہ سے زیادہ وقت درسی اور غیر درسی کتابوں کے مطالعہ میں صرف کریں اور اپنے آپ کو بنانے کی فکر کریں۔ ؎

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

ناظم ندوۃ العلماء مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کا خطاب

ہر سال نئے تعلیمی سال کے آغاز میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا قدیم و جدید طلبا کے سامنے ایک عمومی خطاب ہوتا تھا۔ اور وہ طلباء کو تعلیم و تربیت کے بارے میں بہت سی نصیحتیں اور ہدایات فرماتے تھے جن کی روشنی میں طلباء اپنا تعلیمی سال گزارتے تھے امسال حضرت مولانا کے وفات پا جانے کے سبب ان کے جانشین اور ناظم ندوۃ العلماء مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے ۱۷ر فروری ۲۰۰۰ء مطابق ۱۲ر ذیقعدہ ۱۴۲۰ھ کو دارالعلوم کی مسجد میں طلباء کے سامنے ان کی ضروریات اور تعلیمی سال کے آغاز کی مناسبت سے ایک عمومی خطاب فرمایا جس میں انھوں نے طلباء کو ان کا مقام و مرتبہ بھی یاد دلایا اور دینی تعلیم اور دینی اداروں کی تاسیس کا مقصد اور اس کے امتیازات و خصوصیات پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی۔

مولانا نے طلباء کو تعلیم اور وقت کی اہمیت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا کہ جتنے طلباء یہاں آتے ہیں خواہ قدیم ہوں یا جدید وہ سب یہ سمجھیں کہ یہ ہمارا نیا تعلیمی سال ہے وہ یہ طے کرلیں کہ وہ اپنا وقت فضول ضائع نہیں کریں گے، ہر کام وقت پر کریں گے اور دارالعلوم کی طرف سے جو پابندیاں ان پر عائد کی جائیں گی وہ ان پر عمل کریں گے۔ اور زیادہ سے زیادہ وقت تعلیم کے حصول اور درسی و غیر درسی کتب کے مطالعہ میں صرف کریں گے۔

پگھلنا علم کی خاطر مثال شمع زیبا ہے
بغیر اس کے نہیں پہچان سکتے ہم خدا کیا ہے

سعودی سفیر عبدالرحمن بن ناصر العویلی کی تقریر

گذشتہ رمضان میں ایسی شخصیت عالم اسلام سے اٹھ گئی جو اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے اپنی زندگی وقف کر چکی تھی اور اپنی زندگی کا نذرانہ اللہ کے حضور پیش کر چکی تھی، جس کے دم سے کانفرنسوں اور بڑی بڑی مجلسوں میں جان پڑ جاتی تھی ان کی رحلت سے ہر وہ شخص دہل گیا جس نے ان کی کتابوں سے اپنے دلوں کو روشن کیا تھا۔ ان خیالات کا اظہار ہندوستان میں سعودی عرب کے سفیر عبدالرحمن بن ناصر نے ندوہ میں اپنی آمد کے موقع پر مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا۔

انھوں نے کہا کہ حضرت مرحوم نے پچاسی سال کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ملت اسلامیہ میں بیداری پیدا کرنے میں گذارا۔ انھوں نے اپنی کتاب "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" جسے اپنی جوانی میں تالیف کیا تھا جبکہ ان کی عمر ۳۰ر سال کے لگ بھگ تھی، مصر، شام، نجد حجاز، یمن، مراکش، الجزائر، ہر جگہ ایک دھوم مچادی اور پڑھے لکھے مثقف عرب حضرات کے لئے حیرت کی بات تھی کہ اتنی فصیح و بلیغ زبان اور اس درجہ بلند اسلوب میں اس موضوع کو پیش کیا، جس کو سیکڑوں ادباء مل کر بھی ادا نہیں کرسکتے تھے، ہر ایک نے آپ کی فضیلت کو تسلیم کیا۔

سعودی سفیر نے کہا کہ حضرت مولانا ندویؒ ان قائدین میں تھے جنھوں نے مسلمانوں کو جوڑنے کی کوشش کی اور جنھوں نے خالص دینی بنیاد پر علمی اور ثقافتی مجالس قائم کیں۔ آپ رابطہ عالم اسلامی کے بنیاد ڈالنے والوں میں تھے اور مؤتمر عالم اسلامی کے گراں قدر رکن تھے، "مجلس الاعلیٰ للمساجد" کے عظیم ارکان میں تھے، علاوہ اس کے مدینہ یونیورسٹی کے مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔ آپ کی توجہات، دعاؤں اور کاوشوں سے عالم عرب کی ہر سوسائٹی اور ہر مجلس مستفید ہوئی۔ اسی طرح سے آپ دمشق کے "مجمع علمی" اور اردن کے "مجمع اللغۃ العربیۃ" کے بھی رکن تھے۔

سعودی سفیر عبدالرحمن بن ناصر العویلی نے کہا کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کن الفاظ میں حضرت مرحوم کی علمی دینی خدمات اور خاص اسلامی کردار کا ذکر کروں، ندوۃ العلماء کے منبر سے جو آپ نے مسلمانوں اور اسلام کی خدمت کی ہے، تحریری طور پر یا تقریری انداز میں لکچروں میں جن کا مقصد مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونا ہوتا تھا۔ میں جس قدر بھی کوشش کروں ایسے الفاظ میری وسعت سے بلند ہیں، جن سے آپ کے صحیح مقام کا اندازہ کیا جاسکے، حضرت مرحوم سعودی عرب کی حکومت کی کوششوں کے قدرداں تھے، جلالۃ الملک عبدالعزیزؒ سے لے کر خادم حرمین شریفین ملک فہد بن عبدالعزیز آل سعود کے وقت تک جو خدمتیں اسلام اور مسلمانوں کیلئے دنیا بھر میں انجام دی گئیں اس میں آپ کی رضامندی اور پسند کا بڑا دخل ہے۔

سوال و جواب

محمد طارق ندوی

س:۔ ایک بکری ہے اس کا تھن کٹ گیا اور دوسرا صحیح ہے۔ تو کیا اس کی قربانی ہو سکتی ہے؟

ج:۔ ایسی بکری کی قربانی جس کا ایک تھن کٹ گیا ہو۔ شرعاً درست نہیں ہے۔

س:۔ بکری کے ایک سینگ کا اوپری چھلکا اتر جائے تو کیا اس کی قربانی کر سکتے ہیں؟

ج:۔ اگر بکری کے سینگ کا اوپری چھلکا اتر جائے تو اس کی قربانی کر سکتے ہیں۔

س:۔ ایک بکرا لنگڑاتا ہے تو کیا اس کی قربانی ہو سکتی ہے؟

ج:۔ اگر اتنا لنگڑاتا ہو کہ خود مذبح تک نہ جاسکے تو قربانی درست نہیں ہے، ورنہ درست ہے۔

س:۔ چرم قربانی خود استعمال کر سکتے ہیں، یا نہیں؟

ج:۔ خود استعمال کر سکتے ہیں، لیکن اگر اس کو فروخت کر دیا ہے تو اب قیمت کا صدقہ کرنا لازم ہے۔ اس کو خود نہیں استعمال کر سکتے ہیں۔

س:۔ ایک شخص نے مرتے وقت یہ وصیت کی کہ میرے مال میں سے میری طرف سے قربانی کر دینا تو کیا اس کی طرف سے قربانی کی جاسکتی ہے؟

ج:۔ میت نے وصیت کی ہو کہ میرے مال میں سے میری طرف سے قربانی کر دینا تو وصیت کے مطابق اس کے تہائی مال میں سے قربانی کرے۔ مگر قربانی کا تمام گوشت فقراء پر صدقہ کرنا واجب ہے۔

س:۔ قربانی کس پر واجب ہے؟

ج:۔ قربانی ہر اس مسلمان عاقل بالغ مقیم پر واجب ہے، جس کی ملک میں ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا مال حاجات اصلیہ سے زائد ہو۔

س:۔ قربانی کے دن گذر گئے اور ایک شخص قربانی نہ کر سکا تو وہ اب کیا کرے؟

ج:۔ اگر قربانی کے دن گذر گئے یا کوئی شخص ناواقفیت یا غفلت یا اور کسی عذر سے قربانی نہ کر سکا تو قربانی کی قیمت فقراء اور مساکین پر صدقہ کرے۔

س:۔ ایک شخص قربانی کا گوشت تقسیم نہیں کرتا بلکہ فریج میں رکھ کر کھاتا ہے شرعاً اس کا یہ عمل کیسا ہے؟

ج:۔ اس کا یہ عمل خلاف اولیٰ ہے کیونکہ افضل یہ ہے کہ قربانی کا گوشت تین حصے میں تقسیم کرے، ایک حصہ اپنے اہل وعیال کے لئے رکھے۔ ایک حصہ احباب وغیرہ میں تقسیم کرے۔ ایک حصہ فقراء و مساکین میں تقسیم کرے۔

س:۔ قربانی کے دنوں میں عقیقہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

ج:۔ ہاں! قربانی کے دنوں میں عقیقہ کر سکتے ہیں۔

س:۔ ایک شخص کی اتنی حیثیت نہیں ہے کہ وہ اپنے لڑکے کا عقیقہ کرے۔ تو کیا اس کو قرض لے کر عقیقہ کرنا چاہئے؟

ج:۔ حیثیت نہ ہو تو قرض لے کر عقیقہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

س:۔ کیا لڑکے کے لئے دو بکرے عقیقہ کرے؟

ج:۔ حیثیت ہو تو لڑکے کے لئے دو بکرے عقیقہ کرے، یا دو بھیڑ، یا دو دنبے، یا بڑے جانور مثلاً گائے بھینس وغیرہ میں دو حصے افضل ہیں۔ ورنہ ایک بکرا اور بڑے جانور میں ایک حصہ کافی ہے۔

س:۔ ایک شخص قربانی کی استطاعت رکھتا ہے پھر بھی نہیں کرتا ہے تو کیا اس پر کچھ وعید ہے؟

ج:۔ ہاں! اس کے لئے سخت وعید ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص قربانی کی استطاعت رکھتا ہے اور قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے (یعنی وہ خدا کے حضور میں حاضری کے لائق نہیں)۔

س:۔ اگر بچہ صاحب نصاب ہے تو کیا اس پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟

ج:۔ بچہ پر قربانی واجب نہیں ہے۔ اگرچہ وہ صاحب نصاب ہو۔

س:۔ کیا اس جانور کی قربانی کر سکتے ہیں جو صرف ایک آنکھ سے دیکھتا ہو اور دوسری آنکھ سے دکھائی نہ دیتا ہو؟

ج:۔ نہیں! ایسے جانور کی قربانی نہیں کر سکتے ہیں۔

س:۔ کیا بیوی کی طرف سے قربانی واجب ہے؟

ج:۔ واجب نہیں ہے البتہ اگر بیوی کی اجازت سے قربانی کر دے تو وجوب بیوی کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا؟

س:۔ ذبح کرتے وقت جانور کا رخ قبلہ کی طرف کرنا کیسا ہے؟

ج:۔ مسنون ہے، بغیر عذر قبلہ کی جانب نہ کرنا خلاف سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے۔

مختصر عالمی خبریں

معید اشرف ندوی

● جرہ مائیکروسوفٹ نیٹ ورک براڈ کاسٹنگ نے رائے عامہ کے حوالے سے ایک جائزہ پیش کیا ہے جس کا موضوع تھا "ہزار سالہ ساز شخصیت" اس سلسلے میں پوری دنیا سے پیش کی جانے والی آراء کے تحت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عظیم ترین شخصیت قرار پائے ہیں اس طرح بالواسطہ طور پر مشرق و مغرب نے آپ کو ہزار سال کی عظیم ترین ہستی تسلیم کر لیا ہے۔

● سعودی عرب کے خادم حرمین شریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز نے عوام سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ نئے بجٹ کی تیاریوں میں عوام کی تمام سہولتوں کی فراہمی اور معاشی استحکام کا پورا پورا خیال رکھا گیا ہے۔ وہ ریاض میں کابینہ کے اجلاس میں شریک تھے، اجلاس کے بعد وزیر اطلاعات ونشریات ڈاکٹر فواد الفارسی نے سعودی نیوز ایجنسی "واس" کو بتایا کہ خادم حرمین نے عوام کو یقین دلایا ہے کہ اس بجٹ میں صحت، تعلیم اور دوسرے ترقیاتی منصوبوں کے فروغ کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے ساتھ ہی شہریوں کے لئے روزگار کے مزید مواقع فراہم کئے جائیں گے، سعودی عرب کے لئے مالی بجٹ کے اخراجات میں گیارہ فیصد اضافہ کیا گیا ہے اور یہ بجٹ ایک سو پچاسی ارب ریال کا ہوگا۔

● ملیشیا کی ایک اسلامی تنظیم نے حال ہی میں ایک وسیع منصوبہ پر عملدرآمد شروع کر دیا ہے۔ تنظیم ملیشیا کے ہر ہوٹل کے ہر کمرے میں قرآن مجید رکھے گی منصوبہ کے پہلے مرحلے میں ۱۰۶ ہوٹلوں میں ۳۰ ہزار نسخے رکھے جائیں گے، مذکورہ تنظیم کے ذمہ داروں نے اس کی ضرورت اس وقت محسوس کی جب یہ دیکھا کہ ملک اور بیرون ملک عیسائی حلقوں میں ہر ہوٹل کے کمرے میں انجیل رکھی ہوئی ہے جہاں کم و بیش مسلمان مہمان بھی قیام کرتے ہیں، اس تنظیم نے ہوٹل کے محکمے سے اس موضوع پر گفتگو کی انھوں نے مفت فراہم کئے جانے والے ان مصاحف کو بغیر کسی اعتراض کے قبول کر لیا، قرآن مجید کے رکھے جانے کا یہ فائدہ ہوگا کہ ان ہوٹلوں میں قیام کرنے والے اکثر بیرونی غیر مسلم سیاح قرآن مجید کا مطالعہ کر سکیں گے۔ واضح رہے کہ اب تک اسلامی ملکوں میں صرف سعودی عرب ہی وہ ملک ہے جہاں تمام ہوٹلوں کے کمروں میں نہ صرف قرآن مجید کے نسخے رکھے جاتے ہیں بلکہ قبلہ نما اشارے بھی دیوار پر نصب ہوتے ہیں۔ ملیشیا کی تنظیم کے اس قابل تحسین اقدام کو مغربی ممالک میں آباد مسلمان اور دینی تنظیمیں بھی روبہ عمل لا سکتی ہیں خصوصاً ہسپتال ہوٹل اور جیلیں اس منصوبے میں سرفہرست رکھے جا سکتے ہیں۔

● قطر کے وزیر صنعت دوحہ میں صنعت کاروں کے ایک اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے اعتراف کیا کہ ابھی ان کا ملک غیر ملکی کارکنوں سے بے نیاز نہیں ہوا ہے، صنعتی شعبوں میں غیر ملکی کارکنوں کی اب بھی ضرورت باقی ہے۔ اجلاس میں خلیجی تعاون کونسل کے نائب سکریٹری نے بھی اپنی رپورٹ میں بتایا کہ ۱۹۹۸ء کے اعداد و شمار کے مطابق خلیج کے ۷ ہزار ۲ سو چالیس کارخانوں میں کارکنوں کی مجموعی تعداد ۵ لاکھ ۰۷ ہزار سے تجاوز کر چکی ہے اس کی تائید ایک خلیجی اخبار کی رپورٹ سے بھی ہوتی ہے کہ ان کارخانوں کے ملازمین میں ۵۰ فیصد غیر ملکی ہیں جن کی اکثریت جنوب ایشیا کے رہنے والے ہنرمند اور غیر ہنرمند دونوں طرح کے کارکن شامل ہیں۔

دعائے مغفرت

● معہد دارالعلوم ندوۃ العلماء کے استاذ مولانا محمد عثمان ندوی بجلیمی کا ۲۴ر شوال ۱۴۲۰ھ کو قطب پور ڈالی گنج میں انتقال ہوگیا۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

مولانا مرحوم بڑے نیک، منکسر المزاج اور خلیق وملنسار انسان تھے۔ نماز جنازہ مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء نے پڑھائی اللہ تعالیٰ موصوف کی نیکیوں کو قبول فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔

● لکھنؤ یونیورسٹی میں شعبۂ معاشیات کے ریڈر ڈاکٹر محمد مزمل کے تایا ڈاکٹر فاروق احمد خاں کا اپنے آبائی وطن میر گنج ضلع سلطانپور میں ۱۴ر فروری ۲۰۰۰ء کو انتقال ہوگیا۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

مرحوم تعمیر حیات بڑے شوق سے پڑھتے تھے اور مولانا ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم سے بیعت تھے قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

مطالعہ کی میز

تبصرے کیلئے کتابوں کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے!

● محمد شاهد ندوی بارہ بنکوی

نام کتاب: حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کے خطوط مفسر قرآن مولانا عبدالکریم پاریکھ کے نام
باهتمام: الحاج محمد ناصر خاں۔
صفحات: ۲۲۴، سائز ۱۸×۲۲/۸ قیمت ۱۵۰/- روپے
خوبصورت ٹائیٹل، دیدہ زیب کتابت، عمدہ کاغذ
ملنے کا پتہ: فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ، ۲۲۴ مٹیا محل اردو مارکیٹ جامع مسجد دہلی ۱۱۰۰۰۶

مفسر قرآن مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم سے شغف اور اس کے خدمت و اشاعت کا بے پناہ جذبہ کے ساتھ بہت سی متنوع اور گوناگوں صلاحیتوں سے نوازا ہے، مولانا پاریکھ صاحب مفسر قرآن و مبلغ دین ہونے کے ساتھ ساتھ ایک خوش بیان خطیب اور ایک اچھے مصنف و مؤلف بھی ہیں انھوں نے مختلف موضوعات پر درجنوں کتابیں تصنیف فرمائیں ہیں۔

پیش نظر کتاب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نور اللہ مرقدہٗ کے ان مکتوبات کا مجموعہ ہے جن کے مکتوب الیہ مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب ہیں یہ خطوط اگر چہ سب کے سب ذاتی ہیں لیکن ان میں دینی دعوتی اور اصلاحی عنصر غالب ہے عصر حاضر کے مسائل، پیام انسانیت کی دعوت اور خصوصاً ان کاوشوں کا تذکرہ ہے جن میں مولانا پاریکھ صاحب نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نور اللہ مرقدہٗ کی رفاقت میں یا نیابت میں اہم دینی خدمات انجام دیں۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا پاریکھ صاحب کو مرشدانہ اور مخلصانہ مشورہ دیتے ہوئے ایک مکتوب اس طرح لکھا۔

"آپ سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ ضرور مطالعہ میں رکھیں، اور بار بار پڑھیں میں خود بھی اس کا مشاہدہ اور مراقبہ کرتا رہتا ہوں۔"

ایک خط میں لکھا کہ اسلام کے تعارف کے لئے "پیام انسانیت" کے سوا کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ ایک جگہ لکھا کہ پیام انسانیت کی تحریک کو جاری رکھنے اور آگے بڑھانے کی سخت ضرورت ہے۔ امید ہے کہ قارئین کرام ان خطوط کو دلچسپی سے پڑھیں گے۔ ایک ایک خط ایسا ہے جس میں گذرے ہوئے واقعات و حالات کی تفصیل ہے اور حضرت مولاناؒ نے مولانا پاریکھ کو جو احکامات صادر فرمائے ہیں اور دعوتی کام کرنے کا جو رُخ بتایا ہے۔ اور ہدایات دی ہیں ان کی روحانی لذت و چاشنی سے قارئین بھی انشاء اللہ فائدہ اٹھائیں گے۔

نام کتاب: مسائل و معلومات حج و عمرہ
نام مؤلف: محمد معین الدین احمد
صفحات: ۱۶۸، سائز ۱۸×۲۲/۸ مفت حاصل کریں
ملنے کا پتہ: محمد عبدالباقی۔ ۸/۵۸، پریبور رائی روڈ مدراس ۱۲

حج بیت اللہ ایک دینی فریضہ اور ایک عظیم عبادت ہے لیکن حج کرنے والے زیادہ تر افراد احکام و مسائل سیکھے بغیر حج و عمرہ کے لئے چلے جاتے ہیں اور ارکان کی ادائیگی میں بہت سی غلطیاں کرتے ہیں۔ اکثر لوگوں کو نہیں معلوم ہوتا ہے کہ کون سا رکن کس طرح ادا کرنا چاہیئے۔

اس ضرورت کے پیش نظر محمد معین الدین احمد صاحب نے "مسائل و معلومات حج و عمرہ" کے نام سے کتاب تالیف کی ہے جس میں حج کے فرائض، واجبات، سنن، احکام عمرہ، مسائل طواف، عورت کے حج کا طریقہ، حج کی دعائیں، اور حضور اقدسؐ پر درود و سلام اور دیگر ضروری معلومات و مسائل جمع کر دیئے گئے ہیں جو حاجیوں کے لئے ایک مبارک تحفہ ہے اس لئے حجاج کرام حج کے سفر سے پہلے اس کتاب کا ضرور مطالعہ کریں۔

نام کتاب: چہل ربَّنا
مرتب: عبدالرحمن کوندو
صفحات: ۱۱۲، سائز ۲۰×۳۰/۱۶، قیمت ۲۵/- روپے
عمدہ کتابت، بہترین طباعت
ملنے کا پتہ: اسلامی اکیڈمی ۸۰۵، اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶

قرآن و حدیث میں دعا کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ تم مجھ سے دعا کرو (مانگو میں (تمہاری دعا) قبول کروں گا۔ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَۃ دعا عبادت کا مغز ہے اور جوہر ہے

قرآن و حدیث کی دعاؤں پر مشتمل اذکار و ادعیہ کے بہت سے مجموعے علماء کرام اور محدثین عظام نے مرتب کئے ہیں (جن میں امام نوویؒ کی کتاب "الاذکار" اور خزرجی شافعیؒ کی حصن حصین، مولانا اشرف علی تھانویؒ کی مناجات مقبول حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی "الاذکار والدعوات" حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی "دعائیں" قابل ذکر ہیں) ان کے ذریعہ بندہ اپنے

(باقی ص ۱۸ پر)

(بقیہ) کلمۂ طیبہ کے فوائد

صورتیں مسخ ہونے کی شکل میں (ترمذی شریف جلد ثانی ص۴۴ مطبوعہ بمبئی مریم اجمل فاؤنڈیشن)

اے مسلمانو! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو برس قبل جو کچھ فرمایا تھا وہ بالکل حقیقت کی شکل میں ہماری نگاہوں کے سامنے ہے۔ اس دور پرفتن میں مذکورہ بالا چیزوں میں سے کون سی ایسی چیز ہے جو ہماری انفرادی یا اجتماعی زندگی میں نہیں پائی جاتی پورے کے پورے معاشرہ میں یہ چیزیں جنگل کی آگ کی طرح پھیل چکی ہیں۔ اس حدیث کو غور سے پڑھئے اور اپنی اصلاح کی فکر کیجئے اور مصائب اور فتن سے بچنے کی پوری پوری کوشش کیجئے یہ حدیث پڑھنے کے بعد بھی ہم خواب غفلت سے بیدار نہیں ہوئے اور مصائب سے بچاؤ کی تدبیریں نہیں کیں اور امت کی حالت پر ترس نہ کھائیں تو وہ دن دور نہیں کہ جب ہم سارے مسلمان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ارشاد فرمائی ہوئی پیشین گوئی کے مطابق اعمال ذمیمہ مذکورہ کے مرتکب ہوکر عذاب الٰہی میں گرفتار ہوجائیں اور ہمارا دین دنیا دونوں برباد ہوجائیں اور پچھلی امتوں کی طرح ہماری بھی حالت ہوجائے۔ اللھم احفظنا منه اللہ ہماری اور پوری امت مسلمہ کی حفاظت فرمائے اور مصائب وفتن سے حفاظت فرماتے ہوئے اپنے مرضیات پر چلنے کی پوری پوری توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

عِلم وادب کے امن کے پیکر علی میاںؒ

ذوالنورین رہبر لکھنوی

علم وادب کے امن کے پیکر علی میاںؒ — عرفان وآگہی کے سمندر علی میاںؒ
حسنینؓ کے ہیں آپ تو، حسنینؓ آپ کے — باغ رسولؐ کے ہیں گل تر علی میاںؒ
اپنی صفات وذات کے ہمراہ آئیں گے — رحمت کے سائے میں سر محشر علی میاںؒ
کرتے رہو سلوکِ محبت سبھی کے ساتھ — دیتے رہے ہیں درس برابر علی میاںؒ
وہ کام لے لئے ہیں خدائے کریم نے — اسلاف کی صفات کے مظہر علی میاںؒ
مخلوقِ رب سے رکھتے تھے ہر لمحہ پیار وہ — رہتے تھے سب کے واسطے مضطر علی میاںؒ
جب سے کلیدِ کعبہ ملی تھی جناب کو — قسمت کے ہوگئے تھے سکندر علی میاںؒ
توصیف کیا بیاں کریں ان کے کمال کی — بس اپنے دور کے تھے قلندر علی میاںؒ

رہبر ہر اہل ھند کی عظمت ہے آپ سے
ہے فخر سے بلند ہر اک سر علی میاںؒ

انگریزی سہ ماہی رسالہ

فریگرنس آف ایسٹ

کا اگلا شمارہ ان شاء اللہ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نمبر

ہوگا۔

اہل قلم حضرات سے گذارش ہے کہ وہ اپنے مضامین جلد سے جلد ارسال فرمائیں۔

خریدار حضرات اگر ان کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے تو تجدید فرمالیں تاکہ یہ شمارہ ان تک پہونچ سکے۔

مضمون ذیل کے پتہ پر روانہ کریں۔

دفتر تعمیر حیات پوسٹ بکس نمبر ۹۳ ندوۃ العلماء لکھنؤ

دعائے مغفرت

طہور اسوٹیس ہاؤس کے مالک اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ہمدرد وبہی خواہ جناب عثمان عبدالرحیم صاحب کا ۲۹ر نومبر ۱۹۹۹ء کو انتقال ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

مرحوم کے والد اور خود مرحوم ندوۃ العلماء سے اور حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدت مندانہ تعلق رکھتے تھے اور ندوۃ العلماء کا بڑا تعاون بھی کرتے تھے،

اللہ تعالیٰ موصوف کے درجات بلند کرے اور مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے قارئین کرام سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے افسوس کہ یہ خبر ادارہ تعمیر حیات کو تاخیر سے موصول ہوئی

آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی مجلس عاملہ کی میٹنگ

٨ر فروری ٢٠٠٠ء کو آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی مجلس عاملہ کی میٹنگ ندوۃ العلماء میں مولانا محمد سالم قاسمی کی زیر صدارت منعقد ہوئی اس میٹنگ میں یوپی میں حال ہی میں منظور ہونے والے مذہبی مقامات بل کا تفصیلی جائزہ لیا گیا۔ تمام شرکائے بل کے بارے میں اپنی تشویش اور رنج وفکر مندی کا اظہار کیا اور اس بل کے سلسلے میں ملکی و قومی پیمانے پر مسلمانوں اور دیگر مذہبی اکائیوں کی طرف سے جس طرح تشویش کا اظہار کیا جارہا ہے اس پر اطمینان ظاہر کیا۔ اور ان خطرات کے پیش نظر جو اس بل کی وجہ سے مساجد و مدارس اور دیگر تمام مذاہب کی عبادت گاہوں اور مذہبی تعلیم کے مراکز کو درپیش ہو گئے، ایک مشترکہ اور مضبوط جد وجہد کی ضرورت محسوس کی مجلس عاملہ کا متفقہ احساس ہے کہ:

الف: اس بل کے ذریعہ یوپی مجلس عاملہ نے دستور میں دیئے گئے مذہبی آزادی کا بنیادی حق چھین لیا ہے۔

ب: یہ بل ہندوستان کی اصل شناخت پر سخت حملہ ہے، جو کہ مذہب و روحانیت اور اس کے مراکز ہی سے قائم ہے۔

ج: اس بل کی وجہ سے نئی عبادت گاہوں اور مذہبی تعلیم کے نئے مراکز کی تعمیر کے راستے میں رکاوٹ تو پڑے گی ہی، پہلے سے قائم اداروں اور عبادت گاہوں اور مذہبی تعلیم کے مراکز کے لئے بھی اتنی مشکلات کھڑا کر دے گا کہ ان کے بند ہونے کی نوبت آجائے گی۔

ان سب وجوہ سے یہ بل ہمارے ملک کے سیکولر ڈھانچے اور مذہبی روایات دونوں کے خلاف ہے۔

د: ایک بہت ہی قابل توجہ پہلو اس بل کا یہ ہے کہ اس کے ذریعہ تمام اختیارات انتظامیہ کے ہاتھ میں دیدیئے گئے ہیں اور عدلیہ کے اختیارات سلب کر لئے گئے ہیں جبکہ ہمارے گرتے ہوئے جمہوری ڈھانچے عدلیہ وہ واحد ستون ہے جس پر ملک کے عوام کا آج بھی نسبتہً زیادہ اعتماد ہے علاوہ ازیں یہ بل ملک میں کئی قوانین کے بھی خلاف ہے

ان سب امور کی وجہ سے مجلس عاملہ نہایت احترام کے ساتھ صدر جمہوریہ سے درخواست کرتی ہے کہ وہ اس بل کو اپنی منظوری نہ دیں بلکہ بل کی منسوخی کے لئے واپس کر دیں نیز مجلس عاملہ تمام مسلم و دیگر تمام مذہبی اداروں اور تنظیموں سے اپیل کرتی ہے کہ وہ صدر جمہوریہ ہند اور وزیر اعظم ہند کو اس سلسلے میں اپنے اختلاف و احتجاج سے ٹیلی گرام میمورنڈم کے ذریعے جلد از جلد مطلع کریں نیز ملک کے تمام شہریوں سے اپیل کرتی ہے کہ جہاں جہاں اس بل کے نتیجہ میں دشواریاں پیش آئیں، اس کی اطلاع جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے دفتر کو فوراً دیں مجلس عاملہ نے جنرل سکریٹری کو مجاز کیا کہ وہ دیگر مذہبی اکائیوں کے رہنماؤں سے اس سلسلے میں مشترکہ جد وجہد کا لائحہ عمل طے کرنے کے لئے رابطے قائم کریں نیز قانونی جائزے کے لئے ماہرین قانون کی ایک کمیٹی تشکیل دیں اور مختلف مذاہب کے نمائندوں کے ساتھ بورڈ کے عہدیداران وارکان پر مشتمل ایک اعلیٰ سطحی وفد صدر جمہوریہ و وزیر اعظم سے اس سلسلے میں ملاقات کرکے اپنے نقطۂ نظر سے ان کو آگاہ کرے اور ان سے مطالبہ کرے کہ وہ اس بل کو اپنی منظوری نہ دے کر ملک کو انتشار سے بچالیں۔

جلسہ پیام انسانیت

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی یاد اور ان کی تحریک پیام انسانیت کے سلسلہ میں ١٣ر فروری کو یہاں کرسچین کالج کے گراؤنڈ گولہ گنج میں ایک عظیم الشان اجلاس ہوا جس میں مختلف علماء و دانشوروں نے خطاب کیا، مقررین نے کہا کہ مفکر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی ہمہ گیر شخصیت نے نہ صرف ملک کے متعدد اداروں و تنظیموں کو سرپرستی کا شرف بخشا بلکہ انہوں نے بیرون ملک میں بھی متعدد اداروں و تنظیموں کی سرپرستی کا فیض بخشا۔ انھوں نے اپنی علمی لیاقت قلمی استعداد کی بنا پر جو سب سے نمایاں اور قابل قدر خدمت انجام دی ہے وہ ہے عجم و عرب کی خلیج کو پُر کرنا وہ ملک کے لئے بذات خود ایک بڑا اعزاز تھے اور اس سے بڑا اعزاز اور کیا ہو سکتا ہے کہ انھیں خانہ کعبہ کا کلید بردار بنا دیا جائے یہ سعادت حضرت مولاناؒ کو حاصل ہوئی اور حضرت مولاناؒ سے حقیقی محبت کا مطلب تو یہ ہے کہ ان کے پیام "پیام انسانیت" کو نہ صرف عام کیا جائے بلکہ اسے عملی جامہ پہنایا جائے۔

اس جلسہ کو مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی (ناظم ندوۃ العلماء) مولانا سعید الرحمن اعظمی ندوی (مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء) مولانا احمد میاں فرنگی محلی، مولانا سید کلب صادق (لکھنؤ) شیخ ارشاد (مراکش) انیس چشتی (پونہ)، ڈاکٹر مسعود الحسن عثمانی، مولانا سید سلمان الحسینی ندوی، مولانا رضوان القاسمی (حیدرآباد)، مولانا فضیل الرحمن سجاد نعمانی ندوی، مولانا اسحاق حسینی ندوی، مولانا عبد العلی فاروقی، مولانا جہانگیر عالم قاسمی ایرانی سفارت خانہ کے سکریٹری محمد حسین خوش آمدید شنکراچاریہ یوگی سوامی نند، منشی نولکشور کے پڑپوتے نوبھارگو، پراگیہ نند جی بودھشٹ۔ نادرائے سرپشش چودھری شرف الدین، ڈاکٹر سلطان شاکر ہاشمی، اور محمد احمد ادیب نے بھی خطاب کیا۔

تاریخِ وصال مفکّرِ اسلام مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ

اخلاص کے لہجے کی خنک ختم ہوئی — سچائی کے لفظوں کی مہک ختم ہوئی
دنیا سے اٹھا کون کہ لگتا ہے رئیس — پیشانیٔ ملت کی چمک ختم ہوئی

۱۹۹۹ء

رئیس الشاکری ردولی فیض آباد

اُس جیسا جو اس عہد میں آیا ہو تو کہئے

محنت سے کبھی ہاتھ اٹھایا ہو تو کہئے — مٹی کو جو کندن نہ بنایا ہو تو کہئے
ہونٹوں پہ رہی جاگتے لمحوں کی کہانی — پلکوں پہ کوئی خواب سجایا ہو تو کہئے
ہاتھوں کو دئے سرخ گلابوں کے سلیقے — معیار بہاراں کا گھٹایا ہو تو کہئے
وہ مطلع انوار کہ بس ایک جھلک نے — ذرّوں کو بھی سورج نہ بنایا ہو تو کہئے
لفظوں میں سمویا ہے اخوت بھرا لہجہ — اب کوئی پرایا بھی پرایا ہو تو کہئے
بے حسن مہکتا ہی نہیں ذوقِ تکلم — بے عشق سخن لب پہ جو آیا ہو تو کہئے

آنکھوں میں کوئی اور سمایا ہو تو کہئے
اُس جیسا جو اس عہد میں آیا ہو تو کہئے

قدموں میں عقیدت سے نظر والے بچھے ہیں — یہ پیار کسی اور نے پایا ہو تو کہئے
وہ علم کہ آئینہ کونین سمجھئے — کوزے میں سمندر نہ سمایا ہو تو کہئے
ہر سمت گھنی چھاؤں ہے پورب ہو کہ پچھم — پیڑ ایسا کسی نے جو لگایا ہو تو کہئے
عمر اپنی بھی نیند کے موسم کی جوانی — جو سوئے ہیں ان کو نہ جگایا ہو تو کہئے
انسان کو انسان بنانے میں لگا تھا — تبلیغ سے جی اس نے چرایا ہو تو کہئے
تحریر سے تقریر سے قرآن ہی چھلکا — یوں علم کا دریا نہ بہایا ہو تو کہئے
نفرت کے زمانے میں بھی دلداری کی تعلیم — معیار محبت کا گرایا ہو تو کہئے

ندوے کی نظامت ہو کہ ملت کی قیادت — اللہ کا پیغام چھپایا ہو تو کہئے
ہونٹوں پہ رہے امت مرحوم کا قصہ — اس فرض سے دامن جو بچایا ہو تو کہئے
بچوں کو سناتا رہا نبیوں کی کہانی — بوڑھوں کو بھی اس نے جو بھلایا ہو تو کہئے
تاریخ میں موجود ہے دعوت کی عزیمت — دعوت سے کبھی ہاتھ اٹھایا ہو تو کہئے
مشکل سہی دنیا کے مسائل کا سلجھنا — لیکن کوئی میدان میں آیا ہو تو کہئے
اللہ نے بخشی اُسے کعبے کی بھی کنجی — یہ فخر کسی اور نے پایا ہو تو کہئے
اللہ کو معلوم مرا حرفِ تمنا — اس حرفِ تمنا کو بھلایا ہو تو کہئے

وہ ہم سے چھٹا ٹھیک مگر دین ہے زندہ
کچھ حرف اگر دین پہ آیا ہو تو کہئے

یہ سن کر کہ شرمائیں نہ اسلاف ہمارے — کچھ اور بجز اس کے کمایا ہو تو کہئے
کچھ اپنی بھی کہتا ہوں کہ حقدار دعا ہوں — مجھ سا کوئی حقدار جو پایا ہو تو کہئے
غیروں نے ستایا ہے تو اپنوں نے بھی لوٹا — ہاں صبر پہ کچھ حرف جو آیا ہو تو کہئے
اب بھی مرے کاندھوں پہ بڑے بوجھ ہیں لیکن — شکوہ کوئی ہونٹوں پہ جو آیا ہو تو کہئے

میں ندوی بیچارہ ہوں منزل سے بہت دور
رستے سے مگر پاؤں ہٹایا ہو تو کہئے

Regd No. LW/NP56
Fax No : (0522)330020

FORTNIGHTLY

Principal off : 372336
Guest House : 323864

TAMEER-E-HAYAT

NADWATUL-ULAMA, LUCKNOW-226 007 (India) Rs.6/-

لکھنؤ
تعمیر حیات
پندرہ روزہ

جس کا دنیا میں کوئی شاکی نہیں

اس آسمان کے شامیانے کے نیچے، زمین کے فرش پر آفتاب کو قندیل بنا کر، چاند کو شمع بنا کر ایک سوال کیا جائے کہ بتاؤ سب سے زیادہ پیارا لفظ کون سا ہے تو میں سمجھتا ہوں اور دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ سب کی طرف سے جواب ہوگا کہ "رحم"۔

قدرت بھی بڑی چیز، علم بھی بڑی چیز، سخاوت بھی بڑی چیز، صنعت بھی بڑی چیز، ذہانت اور دانائی بھی بڑی چیز، مال و دولت بھی بڑی چیز، حکومت و سلطنت بھی بڑی چیز، مگر یہ کسی کے مخالف ہوں گے، کسی کے موافق۔ ان سے ایک نے زندگی پائی ہوگی تو سیکڑوں نے موت کا پیغام، ہزاروں ان کے زندہ کئے ہوں گے تو لاکھوں ان کے مارے ہوئے ہوں گے۔ ان کے قتیل ہوں گے، ان کے شہید ہوں گے، ہزاروں اگر ان کے تعریف کرنے والے ہوں گے تو لاکھوں کو ان سے گلہ ہوگا۔

حکومت کو لیجئے، حکومت کتنے لوگوں کی محافظ، لیکن کتنے لوگوں کی زندگی سے کھیلتی ہے، اس نے کتنے خون کے دریا بہائے، کشتوں کے پشتے لگائے، کتنی کھیتیاں اس نے جلا کر سیاہ کر دیں، کتنے ملکوں کے چراغ گل کر دیئے۔ کتنے خاندانوں کا بیج دنیا سے ختم کر دیا ـــــ علم کو لیجئے، تو علم نے کہیں روشنی پیدا کی کہیں ظلمت پیدا کی، علم نے کہیں حفاظت کا گر سکھایا تو کہیں قفل شکنی اور نقب زنی کا فن سکھایا، علم نے کہیں تعمیر کا پیغام دیا تو اس نے کہیں زاد تخریب کا پیغام دیا، علم نے اگر سپر بنائی تو علم نے تلوار بھی بنائی ـــــ علم نے اگر گرتوں کو سنبھالا تو کتنے ٹھہرے ہوؤں کو گرایا، کوئی ایسی چیز نہیں جس کے دو پہلو نہ ہوں، اور جس کی دھار جس کا عمل بالکل صحیح اور تول پر بالکل پورا اترے۔

لیکن ایک ایسی چیز جس کا دنیا میں کوئی شاکی نہیں، کوئی اس کا فریادی نہیں، کوئی اس پر تنقید کرنے والا نہیں، کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میں اس کا مارا ہوا ہوں، کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میں اس کا زخمی ہوں۔ وہ ہے صرف رحم دل، وہ ہے صرف رحم۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

(تحفۂ انسانیت ص ۲۳۳)

فی شمارہ ۶ روپے | سالانہ ۱۳۰ روپے | ۱۰ مارچ ۲۰۰۰ء

عقیدۂ آخرت کی کرشمہ سازیاں

مولانا سید محمد الحسنیؒ
محمد شعیب ندوی پرتاپ گڈھی

مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ کیا آخرت برحق ہے؟ اور اگر برحق ہے تو اس سلسلہ میں ہمارا کیا موقف ہونا چاہیئے؟ یہ وہ سوالات ہیں جو ہر انسان کے سامنے بھیانک شکل میں کھڑے اور اس کے اعصاب پر چھائے ہوئے ہیں۔ اور ان سوالات کا صحیح اور واضح جواب دینے میں ذرا بھی تاخیر انسانیت کو ہمیشہ کیلئے ہلاکت کے خندق میں ڈالنے کے مرادف ہے کیونکہ موت و حیات کا کوئی بھروسہ ہے اور نہ اس کی کوئی ضمانت: "وَاِذَا جَاءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ" لہٰذا ہم کو عقیدۂ آخرت میں بالکل پختہ ہوکر زندگی کا زیادہ حصہ انھیں سوالات پر غور و فکر میں گزارنا چاہیئے۔ اس زندگی کی کیا قیمت اور ایسی صلاحیتوں اور سرگرمیوں سے کیا حاصل جس کے بعد زندگی ہمیشہ جہنم میں گزرے اور اس دنیا کی کیا قیمت جس کے بعد کی دنیا محض رنج و غم و تکلیف و عذاب کا گھر، چیخ و پکار، آہ و بکا کی آماجگاہ ہو۔

عقیدۂ آخرت صرف کوئی اجتماعی و معاشرتی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ صرف اس تصور سے انسان اپنے مستقبل سے بے خوف و نڈر ہوجاتا ہے اور اس کے دل میں نہ شوق آخرت پیدا ہوتا ہے اور نہ رضاء الٰہی اور جنت کی طلب کے جذبات موجزن ہوتے ہیں جبکہ یہی شوق و ولولہ کمال ایمان کی سب سے بڑی علامت ہے جس سے خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ سرشار تھے، چنانچہ ہم سے اسلام کا سب سے اولین مطالبہ یہ ہے کہ ہم اس حقیقت کو راسخ کرلیں کہ اس دنیاوی زندگی کی اس کے سوا کوئی قیمت نہیں کہ یہ آخرت تک رسائی اور مولائے حقیقی سے ملانے کا ذریعہ ہے اور آخرت ہی کی وجہ سے اس دنیا کا وقار و اعتبار قائم و باقی ہے چنانچہ ارشاد نبوی ہے۔ "الدنیا مزرعة الآخرة" دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔

مؤمن کی مثال :-

ایک دوسری روایت سے بھی دنیا و آخرت کے سلسلہ میں مسلمانوں کے موقف کا پتہ چلتا ہے چنانچہ وہ روایت اس موقف کی شاندار اور بلیغ تصویر پیش کرتی ہے جس میں ارشاد ہے "كُنْ فِي الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ" دنیا میں اس طرح زندگی گزارو گویا کہ تم پردیسی اور راہ گیر ہو، چنانچہ مسلمانوں کو دنیا کا سفر ایک ایسے مسافر اور پردیسی کی مانند طے کرنا چاہیئے۔ جس کو اپنے منزل مقصود تک پہنچنے کی دھن میں نہ سفر کی مشقتوں کی پرواہ ہوتی ہے نہ راحت و آرام کا فکر و اہتمام، مومن کی شان تو یہ ہے کہ اس کا قلب خوف آخرت اور وہاں کے حساب و کتاب اور عذاب سے لرز رہا ہو۔ تو جنت کے شوق اور وہاں کی نعمتوں اور راحتوں کی تمنا میں تڑپ رہا ہو کیوں کہ خوف آخرت منکرات و سیئات سے روکنے کا ذریعہ اور شوق جنت اعمال خیر میں سابقت و منافست کا جذبہ موجزن کردیتا ہے اور یہ خیال و تصور جس قدر راسخ ہوتا جائے گا اسی قدر مقرب بارگاہِ الٰہی بنتا جائے گا، نیز دنیا کی ذلت و حقارت، روح و دل کی بلندی اور حیات جاودانی کی حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوجائے گی۔

دنیا و آخرت کے سلسلے میں ہمارے موقف کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم موت و حیات کے بارے میں اپنے نظریہ کی بنیاد اس پر رکھیں کہ یہ دنیا پیدا ہی اسی لئے کی گئی ہے جو منزل مقصود تک رسائی اور قرب و وصال الٰہی کا ذریعہ اور سبب ہے اور مستقل بالذات مقصود اصلی سمجھکر اس سے دل لگی نادانی کی بات ہے۔

کیا کبھی کسی نے ایسا انسان دیکھا ہے جو کہیں اسٹیشن پر پہنچ کر عالی شان مکان تعمیر کر کے اسے ساز و سامان سے آراستہ کرنے لگے اور اسی میں مگن ہوجائے۔ اور کیا کبھی کسی ایسے راہ گیر پر نگاہ عبرت ڈالی ہے جو کسی درخت کا سایہ پاکر اپنے وطن اور اہل و عیال فراموش کردیا ہو۔ نہ ایسا کبھی کسی نے سنا ہوگا اور نہ دیکھا ہوگا بس یہی مثال دنیا کی ہے لیکن افسوس کہ آج ہم لوگوں کے سامنے اس قرآنی حقیقت کو پیش کرتے ہوئے شرماتے ہیں قرآن تو اس دنیا کو حطام فانی اور سراب خادع سے تشبیہ دیتا ہے یہ محض دلوں میں خوف و خشیت پیدا کرنے اور جذبہ دینی ابھارنے کی غرض سے کوئی بے حقیقت تصویر کشی نہیں ہے، بلکہ یہ ایک زندہ جاوید اور ناقابل انکار حقیقت ہے "وَاِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ"

(باقی صفحہ ۳۰ پر)

پندرہ روزہ لکھنؤ

تعمیر حیات

مجلس صحافت ونشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۳۷ شمارہ نمبر ۹

۱۰ مارچ ۲۰۰۰ء — مطابق — ۳ ذی الحجہ ۱۴۲۰ھ

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین وادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ ۱۳۰/- روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں ——————

زر تعاون

سالانہ ——— ۱۳۰/- روپے

فی شمارہ ——— ۶/- روپے

— بیرونی ممالک فضائی ڈاک —

ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک

۳۰ ڈالر

— بیرونی ممالک بحری ڈاک —

بحری ڈاک جملہ ۱۵ ڈالر

خط وکتابت کا پتہ

منیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس نمبر ۹۳

ندوۃ العلماء لکھنؤ، ۲۲۶۰۰۷ یوپی

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت ونشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں ——

گذارش

خط وکتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کے ساتھ مکمل نام وپتہ ضرور لکھیں خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے (منیجر)

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے ندیم آفسٹ میں طبع کراکے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا۔

حامد

اس شمارے میں

شرائط ایجنسی

۱۔ پانچ کاپی سے کم کی ایجنسی جاری نہیں کی جاتی۔
۲۔ فی کاپی Rs. 15/= کے حساب سے زر ضمانت روانہ کرنا ضروری ہے۔
۳۔ کمیشن جوابی خط سے معلوم کریں۔

نرخ اشتہار

۱۔ تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر اندرونی صفحہ Rs. 30/=
۲۔ تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر پشت پر رنگین صفحہ Rs. 40/=
۳۔ کمیشن تعداد اشاعت کے مطابق ہوگا جو آرڈر دینے پر متعین ہوگا۔
۴۔ اشتہار کی نصف رقم پیشگی جمع کرنا ضروری ہے۔

بیرون ملک نمائندے

مدینہ منورہ	Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb. P O Box No 842, Madina Munawwara (K S A.)
برطانیہ	Mr. M. AKRAM NADWI O C I S , St Cross College, Oxford Ox1 3TU-U.K.
ساؤتھ افریقہ	Mr. M. YAHYA SALLO NADWI Sb. P O Box 388, Vereninging,(S. Africa)
قطر	Mr. ABDUL HAI NADWI Sb. P O Box No 10894, DOHA-QATAR
دبئی	Mr. QARI ABDUL HAMEED NADWI Sb. P O Box No 12525, DUBAI (U A E.) P.H No: — 3970927
پاکستان	Mr. ATAULLAH Sb. Sector A-50, Near sau Quater H No. 109, Town Ship Kaurangi, KARACHI-31 (Pakistan)
امریکہ	Dr. A. M. SIDDQUI Sb. 98-Conklin Ave, Woodmere NEW YORK 11598 (U S.A.)

اداریہ

پیامِ انسانیت

مسلمانوں کا تشخص صرف دین سے وابستہ ہے، نام ونسب، اور وطن یا درس گاہ کی طرف نسبت فخر ومباہات کے لئے نہیں ہے، بلکہ صرف آپس میں پہچان قائم رکھنے کے لئے ہے، اس کی مثال بالکل اسی طرح ہے کہ ایک ماں باپ کے متعدد فرزند ہیں، اور ہر ایک کا نام دوسرے سے مختلف ہے، آپ اس ذریعہ سے ہر ایک کو علاحدہ علاحدہ جانتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا" (الحجرات۔۱۳) (یعنی ہم نے تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندانوں میں بنایا تاکہ ایک دوسرے کی شناخت کر سکو).

ان کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ ہم خدا کے بنائے ہوئے فطرت کے نظام سے ناواقف ہوں۔ قد آور، اور پستہ قد، برتر اور ابتر، عالم جاہل، دھوپ اور چھاؤں، روشنی اور تاریکی کے درمیان فرق کو ہر ذی روح محسوس کرتا ہے۔ اسی طرح نیکی اور بدی کو فطرت انسانی جانتی ہے۔ ظلم وزیادتی کو ہر بشر برا سمجھتا ہے۔ عدل وانصاف کو سب پسند کرتے ہیں۔ اللہ نے اپنے بندوں کی تخلیق اس طرح کی ہے کہ ہمدردی اور ایثار کا جذبہ اس کے اندر موجود ہے۔ وہ کسی مظلوم کی مظلومیت پر ترس کھاتا ہے، کسی دم توڑتے ہوئے انسان کی بے بسی پر اس کی آنکھیں بھیگ جاتی ہیں۔ بھوک کی تکلیف کو وہ جانتا ہے، اس لئے بھوکے انسان پر سب کو رحم آتا ہے۔ شرم وحیا بھی انسانی زیور ہے۔ اپنے جیسے انسان کی خدمت کرکے اس کو خوشی ہوتی ہے، یہ سب باتیں فطرتِ انسانی میں داخل ہیں، اور طبیعت بشری ان کو پہچانتی ہے، اور اس کے لئے اچھے خصائل، انسان دوستی، مظلوموں سے ہمدردی "معروف" صفت ہے۔ معروف کہتے ہی ہیں اس کو جسے فطرت پہچانتی ہے۔

اس کے برخلاف ظلم وزیادتی دوسروں کے ہاتھوں سے لقمۂ حیات چھین کر عیش کرنا فطرت کے لئے غیر پہچانی ہوئی شئے ہے اس غیر پہچانی چیز کو عربی میں "منکر" کہتے ہیں۔ لہٰذا ایسے خصائل کی دعوت دینا جس کو فطرت پہچانتی ہے معروف کی طرف بلانا ہے۔ اور وہ باتیں جو فطرت کے خلاف ہیں وہ انسان کے لئے انجانی اور اجنبی چیز ہے۔ اسی کو ہم "منکر" فطرت کی غیر پسندیدہ اَن پہچانی بات کہتے ہیں اور اس سے روکنا برائی کہلاتی ہے۔

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ (آل عمران۔۱۱۰) (مومنو! جتنی امتیں (یعنی قومیں) لوگوں میں پیدا ہوئیں تم ان سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو، اور برے کاموں سے منع کرتے ہو) یہی پیام انسانیت ہے۔ واضح اور کھلی ہوئی بات فطرت انسانی کی آواز جس آواز پر لبیک کہنا بنی نوع انسان کی اعلیٰ ترین صفت ہے۔ (خیر امت) پسندیدہ ترین قوم بنادیتی ہے "تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ" ان تمام انسانی خوبیوں کو چمکادیتا ہے۔

انسانی سرشت اگر اپنی جگہ پر قائم رہے، جس کو سب جانتے ہیں، تو دنیا کا فساد ختم ہوجائے، اسی انسانی سرشت کو ابھارنے کا نام "پیام انسانیت" ہے۔

ادارتی نوٹ

تعمیر حیات کا خاص نمبر

ہندوستان کے متعدد صوبوں سے شائع ہونے والے مجلات نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی وفات پر خصوصی نمبر شائع کئے ہیں، پاکستان اور بنگلہ دیش کے رسالوں اور اخباروں نے بھی مفصل مضامین شائع کئے ہیں، لیکن اب تک تعمیر حیات جس کو سب سے پہلے اس سلسلہ میں قدم اٹھانا چاہئے تھا کوئی مثبت قدم نہیں اٹھا سکا کیونکہ اب تک عربی اردو میں مقالات شائع ہو رہے ہیں ان سب کا جمع کرنا اور ان کے خلاصے مرتب کرنا اور اصل عربی مضامین کے زیر دکس جمع کرنا ایک مستقل تصنیف کی محنت کا طالب ہے۔

ادارہ تعمیر حیات کے پیش نظر حسن مضامین کا انتخاب ہے وہ ایک ضخیم جلد کا طالب ہے اس لئے کہ اگر نئے مقالات حاصل نہ کئے جائیں بلکہ اب تک جو لکھے جا چکے ہیں صرف اس کو جمع کر دیا جائے تو ایک ضخیم کتاب ہو جائے گی لیکن ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس سلسلہ میں نئے اور مزید مقالات بھی داخل کئے جائیں، جو ایک ریسرچ کا طالب ہے اس لئے طے کیا گیا ہے کہ سنہ ۱۴۲۱ھ کی پہلی سہ ماہی تک ایک ضخیم نمبر شائع ہو، اور چونکہ پرچے کا حلقۂ اشاعت الحمد للہ اردو کے دینی رسالوں میں کافی بڑھا ہوا ہے۔ لہٰذا مکررات کو حذف کر کے ایک نمبر مرتب کیا جائے۔

ہم چاہتے ہیں کہ ملک کے اساتذہ، علماء و دانشوروں کو دعوت دی جائے کہ ہمارا قلمی تعاون کریں۔ اور ایسے مقالات داخل کئے جائیں جو کسی نہ کسی لحاظ سے قابل اہمیت ہوں، اور اس خیال سے متعدد مضامین ایک ہی پہلو کو اجاگر کرنے والے نہ ہوں، ایک فہرست عناوین کی مرتب کی جا چکی ہے جس پر اہل علم روشنی ڈالیں گے۔ جو حضرات اس موضوع سے دلچسپی رکھتے ہوں ان سے گذارش ہے کہ تعمیر حیات سے ربط پیدا کریں، اور اپنے قلمی تعاون سے ہماری مدد کریں۔

جو مجلات اور رسائل اپنے خاص نمبر نکال چکے ہیں وہ ادارہ تعمیر حیات کو ایک نسخہ فراہم کر دیں تو کام میں سہولت ہوگی۔

(بقیہ)

انسانی سماج

معاشرہ کی تربیت و تشکیل میں بڑی اہمیت ہے اس سلسلہ میں معاشرہ کے مزاج اور طبقات کے لحاظ سے تعلیم کی تفصیل کو اور اس سلسلہ میں سابق اہل علم کے تجربات و خیالات و معلومات کو جاننے کی ضرورت ہوتی ہے۔ تعلیم کے سلسلہ میں ہم کو اولاً باضابطہ تعلیم یعنی مدرسے کے کام اور مقام کو اور اس کے اجزائے ترکیبی یعنی طلباء اور مواد تعلیم نیز نظریات تعلیم کے جاننے کی ضرورت ہے۔ اور معاشرہ کے سلسلہ میں یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ گھریلو زندگی کا تعلیمی کام کے سلسلہ میں کیا درجہ و مقام ہے۔ پھر مذہبی ذرائع کا تعلیمی لحاظ سے کیا اثر ہوتا اور ہو سکتا ہے۔ مقاصد تعلیم میں بھی متعدد پہلو آتے ہیں، مثلاً قومی، جمہوری، اخلاقی اور مقاصد حکومت و سیاست، ذرائع نشر و اشاعت کی ترقی سے پیدا ہونے والے اثرات و فوائد نیز دیگر ذرائع و مقاصد تعلیم قابل مطالعہ و استفادہ ہیں۔

نیز یہ بھی جاننے کی ضرورت ہوتی ہے کہ تعلیم و تربیت میں مخاطبین کا ذوق و مزاج ان کی نفسیات اور شعوری کیفیات کیا ہوتی ہیں یا ہو سکتی ہیں اور ان کا تعلیمی کام پر کتنا اور کیا اثر پڑتا اور پڑ سکتا ہے۔

تین حقوق

تین حقوق ایسے ہیں جس میں مومن و کافر برابر ہیں (۱) امانت: جو شخص تمہیں کوئی امانت سپرد کرے، اسے اس کے حوالے کر دو، چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر۔ (۲) والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو، چاہے وہ مسلمان ہوں یا کافر (۳) اگر کسی سے کوئی وعدہ کرو تو اسے پورا کرو چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر۔

...ن کے رتبے میں سوا ان پہ سوار مشکل ہے

...ضرت علیؓ کی اولاد کی سیرت اور حالات سے ہمیں کیا روشنی ملتی ہے

● حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

..، حضرت علی، حسن اور حسین
...ضوان اللہ علیہم) کے اخلاف اپنے اسلاف کرام
...ے طریقہ پر گامزن ہوگئے۔ پاکیزہ خصائل،
...ل نفسی اور عالی ظرفی، وہی عبادت میں انہماک
...ر آخرت طلبی، اصلاح نفس کی فکر اور دنیا
...ے بے رغبتی، سچی ربانیت وحقانیت اور
...ودداری اور کردار کی بلندی (جو رسول کریم
...یہ الصلوٰۃ والتسلیم کے خانوادہ کے شایان شان
...ر پیغمبروں کے حقیقی وارثوں کی علامت تھی)
...ن حضرات میں بدرجۂ اتم موجود تھی، اُن کا طرز عمل
...ور پاکبازی، اور ان کی سیرتیں اور اخلاق اپنی
...گہ پر اعلیٰ دینی مثال ونمونہ اور ایک ایسا اخلاقی
...بستان ہے، جس سے ہر نسل کے افراد شرافت
...اخلاق، مروت اور سیر چشمی، بدخواہوں کے
...ساتھ حسن سلوک اور "بادوستاں تلطف
...با دشمناں مدارا" کا درس لیتے رہے ہیں، اور
...لیتے رہیں گے۔

تاریخ کے اس بحر زخار سے چند نمونے پیش کئے جا رہے ہیں:-

حضرت سعید بن المسیبؒ کہتے ہیں کہ:
...علی بن حسین (زین العابدینؒ) سے زیادہ خشیتِ
...الٰہی رکھنے والا انسان میں نے نہیں دیکھا [1]

امام زہری کہتے ہیں کہ ہم نے کسی قریشی کو ان سے بہتر نہیں دیکھا۔ ان کا (امام زہری کا) یہ حال تھا کہ جب حضرت علی بن حسینؒ کا ذکر آتا تو رو پڑتے اور فرماتے کہ "تمام عبادت کرنے والوں کی زینت اُن سے تھی" (یعنی وہ صحیح معنی میں زین العابدین تھے [2])

حضرت علی بن حسینؒ (جن کا لقب ہی زین العابدین پڑ گیا تھا) راتوں کو اپنی پیٹھ پر روٹیوں کی بوری لے کر نکلتے اور ضرورتمندوں اور مستحقین کے گھر پہونچاتے رہتے [3]

جریر کا بیان ہے کہ جب حضرت علی بن حسین کی وفات ہوئی تو اُن کی پیٹھ پر وہ نشانات دیکھے گئے، جو ان بوریوں کے اٹھانے سے پڑ گئے تھے، جن میں روٹیاں بھر کر وہ راتوں کو نکلتے اور ضرورتمندوں میں تقسیم کرتے تھے [4]

شیبہؒ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ جب حضرت علی بن حسینؒ کی وفات ہوئی تو لوگوں کو معلوم ہوا کہ وہ مدینہ منورہ کے سو گھروں کی پرورش کرتے تھے۔

محمد بن اسحاق کا کہنا ہے کہ اہل مدینہ میں بہت سے لوگ اس طرح گذارا کرتے کہ اُن کو معلوم نہ ہوتا کہ اُن کا خرچ کہاں سے آتا ہے، جب حضرت علی بن حسینؒ کی وفات ہوگئی، تب انھیں پتہ چلا کہ یہ راتوں کو روٹیاں پہونچانے والے زین العابدین حضرت علی بن حسینؒ تھے [5]

وہ رات اور دن میں ایک ہزار رکعت پڑھا کرتے تھے، اور جب تیز ہوا چلتی تو بے ہوش ہو کر گر جایا کرتے تھے [6]

عبدالغفار بن قاسم کی روایت ہے کہ ایک بار حضرت زین العابدینؒ مسجد سے نکل رہے تھے کہ ایک آدمی نے اُن کو گالی دی، حضرت زین العابدین کے غلام اور ساتھی غصہ میں اس پر دوڑ پڑے، حضرت زین العابدینؒ نے فرمایا: "ٹھہرو، اس کو کچھ نہ کہو، پھر خود ہی اس شخص کی طرف بڑھے اور فرمایا: "ہماری زیادہ تر باتیں اور حالات تم سے پوشیدہ ہیں، تم یہ بتاؤ کہ تمہاری کوئی ضرورت ہے جو میں پوری کرسکوں؟" وہ آدمی نادم وشرمسار ہوا، آپ نے اپنا لبادہ اتار کر اس کو دے دیا، اور ایک ہزار درہم عطا فرمائے اس واقعہ کے بعد جب اس شخص کی آپ پر نظر پڑتی تو پکار اٹھتا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اولادِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں [8]

ایک بار حضرت زین العابدینؒ کے پاس کچھ لوگ تھے، آپ نے ایک خادم سے کھانا جلد لانے کا تقاضا کیا۔ وہ عجلت میں ادبدا کر بڑھا، وہ تیزی سے تنور میں بھنے ہوئے گوشت کی سیخ لے کر آ رہا تھا کہ زین العابدینؒ کے ایک بچہ پر (جو نیچے کے زینہ پر بیٹھا ہوا

---

[1] حلیۃ الاولیاء، و طبقات الاصفیاء ج ۲، جزء ۳ ص ۱۴۱، [2] ایضاً ص ۱۳۵،
[3] حلیۃ الاولیاء و طبقات الاصفیاء ج ۲ جزء ۳ ص ۱۳۶ [4] ایضاً ص ۱۳۶،
[5] ایضاً ص ۱۳۶۔ [6] صفۃ الصفوۃ لابن الجوزی، ج ۲ ص ۵۶۔ [7] عربی متن میں ہر جگہ ان کا نام علی بن حسینؒ لکھا ہے مگر چونکہ اردو داں حلقہ میں وہ اپنے لقب سے مشہور ہیں۔ اس لئے مترجم نے زین العابدین ہی سے لکھا ہے۔
[8] صفۃ الصفوۃ لابن الجوزی۔ ج ۲ ص ۱۵۶

تھا) سیخ گر گئی، جس سے وہ فوراً جاں بحق ہوگیا، حضرت زین العابدین نے بجائے باز پُرس کرنے یا ناراض ہونے کے غلام سے کہلا جا تو آزاد ہے تجھ سے جان بوجھ کر یہ کام نہیں ہوا، اور بچہ کی تجہیز و تکفین میں لگ گئے

حضرت زین العابدینؒ کی ولادت ۳۸ھ کے کسی مہینہ میں ہوئی، اُن کی والدہ سلافہؒ (آخری شاہ ایران یزد گرد کی صاحبزادی) تھیں[۱]، آپ کی وفات ۹۴ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی اور آپ کی تدفین آپ کے عم بزرگوار حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی قبر مبارک میں[۲] ہوئی، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی نسل صرف حضرت زین العابدینؒ ہی سے جاری رہی۔

حضرت زین العابدینؒ کے صاحبزادہ محمد الباقرؒ اور ان کے فرزند جعفر (الصادقؒ) اور ان کے فرزند حضرت موسیٰ بن جعفرؒ (جن کا لقب موسیٰ الکاظم ہے) اور ان کے صاحبزادہ حضرت علی رضاؒ سب کے سب اپنے آباء و اجداد کے نقشِ قدم پر بُردباری، سخاوت صداقت اور پاکبازی و خودداری میں مثالی شخصیتوں کے مالک تھے، عمرو بن المقدامؒ کہتے تھے، ابو جعفر محمد الباقرؒ پر جب نظر پڑتی تو دیکھتے ہی یقین ہو جاتا کہ یہ خانوادۂ نبوت کے چشم و چراغ ہیں[۳] ان کے صاحبزادہ جعفر بن محمد الصادقؒ عبادت اور یادِ الٰہی میں خشوع و خضوع کے ساتھ مشغول رہتے خلوت گزینی اور دنیا سے بے تعلقی کو جاہ طلبی اور رجوعِ خلائق و عقیدتِ عام پر ترجیح دیتے تھے[۴] امام مالک ان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ میں جعفر بن محمدؒ کے پاس جایا کرتا تھا۔ وہ ہمیشہ متبسم رہا کرتے تھے، لیکن جب آنحضرت

[۱] عام طور پر وہ شاہ بانو کے نام سے مشہور ہیں
[۲] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حالات حضرت علی بن الحسینؒ اور آپ کے مناقب، البدایہ والنہایہ ج ۹ ص ۱۰۳ - ۱۱۵
[۳] حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۱۹۳، [۴] ایضاً ص ۱۹۳

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام نامی لیا جاتا تو رنگ پیلا یا ہرا پڑ جاتا۔ میں مدت دراز تک ان کے پاس آتا جاتا رہا، میں ہمیشہ اُن کو تین کاموں میں سے ایک کام میں مشغول پاتا، یا تو نوافل ادا کر رہے ہوتے، یا روزہ سے ہوتے، یا تلاوت کلام پاک میں مشغول ہوتے۔ کبھی میں نے ان کو بلا وضو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے نہیں سُنا، بے مطلب کسی کے کام میں دخل نہ دیتے، وہ بلاشبہ خدا ترس عابد و زاہد بزرگوں میں تھے[۱]، حضرت موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علیؒ (یعنی موسیٰ الکاظم) اس درجہ کے فیاض، عالی ظرف اور کریم النفس شخص تھے کہ اگر ان کو کسی شخص کے متعلق معلوم ہوتا کہ وہ ان کی برائی کرتا ہے تو اس کے پاس کچھ رقم (کبھی ایک ہزار دینار کی تھیلی) بھیج دیتے[۲]، وہ چار سو تین سو، اور دو سو دینار کی تھیلیاں تیار رکھتے اور اہل مدینہ میں تقسیم کرتے تھے، ان کے صاحبزادہ حضرت علی رضا (ابن موسیٰ الکاظم) کو خلیفہ مامون الرشید عباسی نے اپنا ولی عہد بنایا تھا۔ ان کی ولادت ۱۵۳ھ کے کسی ماہ کی ہے، ان کی وفات ماہ صفر کے آخری روز ۲۰۳ھ میں ہوئی، ان کی نماز جنازہ خلیفہ مامون نے خود پڑھائی اور اپنے والد خلیفہ ہارون الرشید کی قبر کے پاس (قدیم طوس حال مشہد میں) دفن کیا۔

سبطِ اکبر حضرت حسنؓ کی آل و اولاد کا بھی یہی حال تھا۔

مشہور مورخ ابن عساکر نے اپنی مشہور کتاب "تاریخ دمشق الکبیر" میں حضرت حسن بن

[۱] الامام الصادق از علامہ ابو زہرۃ ص ۶۰ (مطبوعہ دار الندوۃ الجدیدۃ، بیروت)
[۲] صفۃ الصفوۃ ج ۲ ص ۱۰۳

حسن بن علی کے (جو حضرت حسن مُثنّٰی کے نام سے مشہور ہیں) حالات لکھے ہیں اور ان کے ا[illegible] اوصاف و اخلاق بیان کئے ہیں، جو ان کی سی[illegible] کے شایانِ شان ہیں[۱]۔

حضرت عبداللہ بن حسن بن حسن بن [illegible] بن ابی طالب رضی اللہ عنہم (جن کو عبداللہ المحض کہا جاتا ہے[۲]) تابعین اہلِ مدینہ اور محدثین [illegible] سے تھے، مؤرخ واقدی کا بیان ہے کہ عبد[illegible] کثیر العبادت بزرگ تھے، لوگ ان کی بڑی عز[illegible] و تعظیم کرتے تھے، ظاہری طور پر بھی بڑی وجیہ اور بارُعب شخصیت کے مالک تھے، قوتِ گویا[illegible] میں بھی ان کو وافر حصہ ملا تھا، مصعب ابن عب[illegible] کہا کرتے تھے، میں نے اپنے علماء کو کسی کی اتنی عزت و تعظیم کرتے نہیں دیکھا جس قدر وہ عبداللہ المح[illegible] تعظیم کرتے تھے، ربیعہؒ نے ایک مرتبہ ان[illegible] گفتگو کرتے ہوئے سُنا تو بے ساختہ اُن کی زبان سے نکلا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ طرزِ گفتگ[illegible] انبیاء کی اولاد ہی کا ہو سکتا ہے۔

مکہ مکرمہ میں ایک مرتبہ کچھ لوگ بیٹھے [illegible] ان میں مشہور عالم و محدث ایوب بھی تھے پیچھے سے کسی آنے والے نے ان کو سلام کیا، [illegible] اپنے پورے جسم کے ساتھ اس کی طرف مڑ گئے اور آہستہ سے جواب دیا، پھر وہ ان کی طرف متوجہ ہوئے، ان کی آنکھوں میں آنسو تھے، اس اہتمام و تعظیم کو دیکھ کر اُن سے پوچھا گیا یہ کون

[۱] ملاحظہ ہو تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر ج ۴ ص ۱۶۵ - ۱۶۹ طبع دار المسیر بیروت ۱۹۷۹
[۲] ان کو عبداللہ المحض اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کے وال[illegible] حضرت حسن (المثنّٰی)، بن حضرت حسن بن علی تھے، اور ان ک[illegible] والدہ فاطمۃ الصغریٰ، حضرت حسین شہید کی صاحبزادی تھیں[illegible] اس طرح یہ پدری و مادری دونوں واسطوں سے خالص ہاشم[illegible] علوی تھے (المحض کے معنی خالص و مکمل کے ہیں)

ں؟ کہا: "فرزند رسول عبداللہ بن حسن ہیں"[۱]

ابن کثیر کا بیان ہے: عبداللہ المحض بن حسن
مثنیٰ بن حسن بن علی بن ابی طالب (رضوان اللہ
ہم) کی علماء بڑی تعظیم کرتے تھے، وہ باوقار
بد وزاہد بزرگ تھے، یحییٰ نے ان کے بارے
ں لکھا ہے کہ لوگوں کو ان پر بڑا اعتماد اور ان
نگاہوں میں ان کی بڑی وقعت اور وزن
ھا۔ ان سے بہت سے محدثین نے احادیث
روایت کی ہے، جن میں سفیان ثوری،
اوردی اور مالک بھی ہیں، سن وفات غالباً
۱۴۵ھ ہے[۲]۔

ان کے صاحبزادہ محمد نے حکومت وقت
باسیوں) کے خلاف علم جہاد بلند کیا تھا،
ہت ہی بلند ہمت اور صاحب عزیمت
زرگ تھے، ان کا بڑا رعب داب تھا، شجاعت
ں یکتا، کثیر الصیام اور کثیر النوافل تھے،
سمانی طور پر) نہایت قوی و توانا تھے، ان کا
ب المہدی اور النفس الزکیۃ تھا[۳]، ان میں
نی ہاشم اور اہل بیت نبوت کی تمام خصوصیات
ظر آتی تھیں، مروت لوگوں کا لحاظ و خیال ان کو
پنی وجہ سے کسی اذیت اور خطرہ میں نہ پڑنے دینا
ان کا خاص وصف تھا، جب خلیفہ منصور کی
فوج سے مدینہ منورہ میں مقابلہ ہوا اور ان کو اپنی
شہادت کا یقین ہوگیا تو انھوں نے گھر جاکر
وہ رجسٹر جلا دیا جس میں ان کے ہاتھ پر بیعت
کرنے والوں کے نام درج تھے، کیونکہ ان کو ڈر
تھا کہ ان کے بعد (ان کی حمایت و نصرت کے
الزام میں) ان پر سختی کی جائے گی، اور ان کو اس
کی بڑی قیمت ادا کرنی پڑے گی

---

۱ تاریخ ابن عساکر۔ ج ۴ ص ۳۵۷-۳۶۶،
۲ البدایۃ والنہایۃ ج ۹ ص ۴۲
۳ البدایۃ والنہایۃ ج ۱۰ ص ۹۵ ۴ الکامل لابن الاثیر
جلد ۵ ص ۵۵۳،

نسبت نبوی کی غیرت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی سے ان حضرات کو نسبی تعلق کا جو شرف حاصل تھا اس کے بارے میں ان کے اندر شدید غیرت و احتیاط پائی جاتی تھی، اس نسبت سے کوئی دنیاوی فائدہ حاصل کرنا ان کی ناقدری اور اس کا بے جا استعمال سمجھتے تھے، جس طرح دوسری قوموں اور مذاہب میں دیکھا جاتا ہے کہ اونچی ذات والے اپنی عالی نسبی یا خاندان و نسل کی خصوصیت کو اس طرح کام میں لاتے ہیں کہ ان کے ماننے والے اُن کو مقدس اور قانون سے بالا سمجھتے ہیں، گویا وہ کوئی مافوق البشر مخلوق ہیں

لیکن تاریخ و سیر کی کتابوں سے فرزندان رسول و سادات کرام کی خودداری اور عزت نفس کی جو تصویر ملتی ہے، وہ کُلّیۃً ان برہمن زادوں اور ایرانی و مسیحی دنیا کے مذہبی اجارہ داروں کے طرز عمل سے مختلف ہے، جو مذہب و خاندان کا استحصال کرتے ہیں اور مذہبی خدمات کو اپنی جاگیر سمجھتے ہیں مختلف ادیان اور اقوام میں ایک طبقہ ہمیشہ ایسا رہا ہے جو پیدائشی طور پر مقدس سمجھا جاتا تھا۔ اور اس کو اپنی گذر بسر کے لئے کسی محنت یا جدّ و جہد کی ضرورت نہیں ہوتی تھی، اس کا سلسلہ دور حاضر تک جاری ہے۔

ایک مرتبہ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما بازار تشریف لے گئے، کوئی چیز خریدنا چاہتے تھے، آپ نے اس کا بھاؤ معلوم کیا، دوکاندار نے اس کی عام قیمت بتائی، ابھی سودا نہیں ہوا تھا کہ دوکاندار کو کسی ذریعہ سے معلوم ہوگیا کہ یہ نواسہ رسول حسن بن علی رضی اللہ عنہما ہیں، اس نے ذات نبوی سے تعلق و نسبت کے احترام میں قیمت کم کردی، لیکن حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اس رعایت کو قبول نہیں فرمایا اور مطلوبہ چیز چھوڑ کر چلے آئے اور فرمایا: میں نہیں چاہتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے قرب و تعلق کی بناء پر حقیر سے حقیر فائدہ بھی اٹھاؤں۔

جُوَیریہ جو حضرت زین العابدینؒ کے خادم خاص تھے، کہتے ہیں علی بن حسین بن علی (زین العابدینؒ) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عزیزداری کے تعلق کی بناء پر ایک درہم کا فائدہ بھی نہیں اٹھایا آپ جب کسی سفر پر جاتے تو اپنے آپ کو ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے، آپ سے پوچھا گیا کہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ فرمایا: مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر کوئی فائدہ حاصل کروں جس کا جواب اور بدل دسفر اور مہلت کی وجہ سے نہ دے سکوں (ماخوذ از: المرتضیٰ)

شیخ حرم وہ ناظم ذیشان نہیں رہا

● رؤف دانش فیض آبادی

علم و ہنر کا عالم ذیشان نہیں رہا
اسلام کا وہ مہر درخشاں نہیں رہا
سید ابوالحسنؒ کہ جو مینار نور تھا
افسوس آج نیّر تاباں نہیں رہا
گلزار فاطمہؓ کا مہکتا ہوا وہ پھول
شان چمن و حُسن گلستاں نہیں رہا
کعبہ کی بھی کلید جسے بخش دی گئی
عزت مآب صاحب ایماں نہیں رہا
فکر و عمل تھا اتنا کہ دنیا یہ کہہ اٹھی
شیخ حرم وہ ناظم ذیشاں نہیں رہا
نعم البدل ہے حضرت رابع کی زندگی
طرز عمل سے کوئی ہراساں نہیں رہا
ذوق عمل ہوا اتنا بلند آخرش رؤف
ندوہ نہ کہہ سکے کہ نگہباں نہیں رہا

انسانی سماج اور ضرورت تعلیم

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی (ناظم ندوۃ العلماء)

انسانی سماج

سماج انسانی افراد کے اس مجموعہ کا نام ہے جو آپس میں کسی ربط کی بنیاد پر زندگی کے مختلف پہلوؤں میں ایک لسانی وحدت کے ساتھ عمل پیرا ہوتا ہے۔ سماج کا قیام ایک فطری ضرورت ہے جس سے مفر ممکن نہیں کیونکہ ایک انسان تنہا اور بلا کسی دوسرے کی مدد اور تعاون کے راحت اور خوبی کی زندگی نہیں گزار سکتا۔ اس کو اپنی زندگی کو آسان اور قابل عمل بنانے کے لئے آپس میں ایک دوسرے کے تعاون کی ضرورت پڑتی ہے۔ مثلاً کھانے ہی کو لیجئے۔ یہ روٹی جو ہم کھاتے ہیں، اس کے روٹی بننے کے لئے کتنے ہاتھوں اور کتنے انسانوں کی محنت اور تعاون درکار ہوتا ہے۔ زمین جوتنے والا کسان اور ہل بنانے والا انسان، جس سے کسان کھیت جوتتا ہے، پھر غلہ کو آٹا بنانے کے لئے سل یا چکی بنانے والا انسان، پھر اس کو بازار میں لانے اور فروخت کرنے والا انسان، پھر لکڑی اور آگ مہیا کرنے والا انسان ان سب کے تعاون و تعامل کے بعد کھانے والے انسان کی روٹی تیار ہوتی ہے۔ اسی طرح لباس، مکان اور دیگر ضروریات زندگی جس کی فہرست انسان کی زندگی کی وسعت اور تنگی کے لحاظ سے طویل یا مختصر ہوتی ہے، اسی طرح کے واسطوں در واسطوں کی محتاج ہوتی ہے۔ اور اس سلسلے میں آپس کے تعاون و یک جہتی سے انسانی معاشرہ یا سماج بنتا ہے، جو زندگی کو مفید طریقوں کے مطابق ڈھالتا ہے اور اپنے اردگرد کی سہولت اور وسائل سے حسب ضرورت فائدہ اٹھاتا ہے۔

عمل تعلیم

پھر انسان اپنی زندگی کے تعاون و استفادہ نیز مطالعہ و تجربہ سے حاصل کردہ فوائد کو اپنی آنے والی نسلوں کے لئے باقی رکھنا چاہتا ہے، تاکہ محنت و حصول تجربہ کے اس حصہ سے وہ مستغنی ہو سکیں جو انجام پا چکا ہے اور حصول تجربہ اور معلومات کے عمل کو اس سے آگے انجام دے سکیں، اسی کے لئے انسانوں میں سکھانے اور تعلیم دینے کا عمل اختیار کیا جاتا ہے، جو درحقیقت تربیت و پرداخت کا ایک عمل ہے، جو انسانی افراد کے ساتھ انسانی افراد ایک متعین رجحان و ذوق کے لحاظ سے انجام دیتے ہیں۔

بے ضابطہ طریقے سے تعلیم

ہم کو تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ انسانی معاشرہ بننے کے بعد ہی سے سیکھنے سکھانے کا یہ عمل شروع ہو جاتا ہے، چنانچہ سلیقہ مندوں، تجربہ کاروں اور عمل پیرا لوگوں کو ان کے معاشرہ کے کم عمر اور ناواقف لوگ دیکھ دیکھ کر ان کی سلیقہ مندی اور تجربہ کاری اور عملی اندازوں کا کچھ نہ کچھ حصہ کسی نہ کسی حد تک خود بہ خود یا بالارادہ حاصل کر لیا کرتے ہیں، اس اخذ و استفادہ کے لئے صرف عام عقل انسانی کا استعمال کافی ہو جاتا ہے اور یہ انسانی عقل ہر وقت انسان کے ساتھ رہتی اور کام کرتی رہتی ہے۔ گھر میں بچے اپنی ماں کو اپنے باپ کو مختلف کام اور انداز اختیار کرتے دیکھتے ہیں، نیز ان کے والدین یا بڑے اپنے چھوٹوں اور ناواقف لوگوں کو بعض ایسے پہلوؤں کی طرف جو مخفی محسوس ہوتے ہیں متوجہ کرتے ہیں اور اس طرح خود بخود سیکھنے سکھانے کا عمل جاری ہو جاتا ہے، اور یہی دراصل بے ضابطہ تعلیم کی ایک شکل ہے۔

تعلیم بے ضابطہ سے باضابطہ کیسے بنی

پھر یہی بے ضابطہ تعلیمی طریقہ باضابطہ تعلیم کی اساس اور بنیاد بنتا ہے اور وہ اس طرح کہ معاشرہ انسانی میں ہنر اور کام جیسے جیسے وسیع ہوتے جاتے ہیں ویسے ویسے ضرورت محسوس کی جاتی ہے کہ کم عمر اور ناواقفوں کو بتانے اور سکھانے کی طرف توجہ کی جائے اور خصوصی رہنمائی کی جائے۔ اسی سے باضابطہ تعلیم کا نظام وجود میں آیا ہے۔

باضابطہ تعلیم کا آغاز

باضابطہ تعلیم کی ابتدا کو اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ تعلیم کی باضابطہ شکل کا آغاز عبادت گاہوں، مسجدوں اور مذہبی حلقوں سے ہوا ہے۔ یہ وہ وقت ہوتا تھا کہ جب لکھنے پڑھنے کے رواج کے ہونے نہ ہونے سے قطع نظر عبادت کے نگرانوں، دینی و اخلاقی کام کے کوشاں اور دعوت و اصلاح کے حاملین اپنے اپنے معاشروں میں دینی اور اصلاحی معلومات و تعلیمات پیش کرتے اور اپنے معاشروں کو ان امور سے واقف کراتے تھے۔ ان کی مجلسوں کو خواہ مدرسہ کی چٹائی، اسکول کی بنائی یا نصاب و نظام تعلیم کا بندھا ٹکا انتظام نہ ملا ہو، لیکن بندھے ٹکے نظام کے تحت مذکورہ بالا مقاصد کے سلسلے میں جو نتائج برآمد ہو سکتے تھے اس سے بہتر یا اس کے مساوی ضرور حاصل ہوتے رہے۔

پھر اسی زینت و دعظ کے کام نے ترتیب و تعلیم کی شکل اختیار کی، تعلیم کے گرد تعلیمی حلقے بننے لگے اور کتابوں کی مدد سے معلمین باضابطہ طریقہ سے اس کام کو انجام دینے اور اس کی تدریج بہتر سے بہتر صورتیں اختیار کرتے چلے گئے۔ مسلمانوں کے یہاں اس کی ابتدا "صفۂ نبوی" سے ہوئی، پھر دینی تعلیم کے مرکزوں سے اس کی توسیع و ترقی ہوئی۔ مراکش کے فاس شہر میں جامع القرویین، اور تونس میں جامع زیتونہ، اور قاہرہ میں جامع ازہر جن میں سے ہر ایک کی تاریخ ہزار سال سے زیادہ ہے، سب مسجدیں ہیں جن میں دینی تعلیم شروع کی گئی اور اسی سے یہ عظیم تاریخی یونیورسٹیاں بنیں، انگلستان میں آکسفورڈ کیمبرج، فرانس میں سوربون یونیورسٹی سب گرجوں کے مدرسوں سے شروع ہوئے، اور آج وہ عالمی سطح کی یونیورسٹیاں ہیں۔

قرآن و حدیث سے تعلیم کی ہمت افزائی

مسلمانوں کے لئے تو اخلاق و شرافت انسانی اور روحانیت اور مذہبی معلومات کے مضامین پر قرآن مجید سے زیادہ اہمیت اور اثر پذیری رکھنے والی کوئی کتاب نہیں، اس میں جگہ جگہ علم کی تعریف آئی ہے اور علم و تعلیم کا تذکرہ تعریفی انداز سے کیا گیا ہے فرمایا: إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ۔ "یعنی اللہ سے اس کے بندوں میں سے اصحاب علم ہی ڈرتے ہیں، بیشک اللہ غالب ہے اور مغفرت کرنے والا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلی وحی کی ابتداء "اقرأ" کے لفظ سے کی گئی۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث شریفہ کی مدد سے مسلمان طالبین علم کو تعلیمی سرمایہ خوب خوب ملا، اور طالب علم کی ہمت افزائی بھی فرمائی گئی۔ آپ کی مسجد میں اسلام کا پہلا مدرسہ یعنی "صفہ" کا درسگاہ بنی، جس سے عالم اسلام کے تمام مدرسے اور جامعات کا سلسلہ ملتا ہے۔

علم کے اسلامی معنیٰ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کی ترغیب و اہمیت میں یہ فرمایا کہ "إنّ الملائكة لتضع اجنحتها لطالب العلم رضا بما يطلب"۔ لیکن جس طرح ہر لفظ کو اس کے خاص دائرہ استعمال کے اندر رکھتے ہوئے متعین کیا جاتا ہے مثلاً ایک کسان جب معلومات کا لفظ استعمال کرے گا تو اس کے دائرہ میں زراعت و زمین سے متعلق معلومات مانی جائیں گی۔ اسی طرح مذکورہ بالا حدیث میں علم سے مراد وہ علم سمجھا جائے گا جو قرآن و حدیث کی رہنمائی اور مدد سے حاصل ہوتا ہے۔

لیکن اس سے علم کے حصول اور اس کی طرف توجہ دہی کو اس مخصوص دائرہ کے اندر بند کرنا مقصود نہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کے دوسرے ان دائروں کو جو انسانی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں بلکہ اس کے لئے ایک حد تک ضروری اور قابل توجہ و اہتمام ہیں، قابل استفادہ قرار دیا ہے۔ مثلاً کھجور کی تابیر کے سلسلے میں آپ نے جب صحابہ کے زراعتی تجربہ کو صحیح پایا تو فرمایا "هذا من امور دنياكم"۔ چنانچہ امور دنیا ہمارے لئے وہ اصطلاح ہے جس کے تحت علوم دنیاوی آجاتے ہیں اور ہم کو اجازت ہے کہ ان کے سلسلے میں ہم انسانی تجربات سے فائدہ اٹھائیں، اور ان تجربات و معلومات کی بنیاد پر ترقی دیں، اور انسان کے دنیاوی فلاح کے لئے ان کو اختیار و استعمال کریں۔

بکثرت مذہبی پیشواؤں، قومی رہنماؤں، مربیوں اور معلموں نے تعلیم و تربیت کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ قرآن و حدیث میں تو اس کی طرف خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ "بلغوا عني ولو آية" کہ میری طرف سے بات پہونچادو خواہ صرف ایک ہی آیت ہو۔

ہر معاشرہ میں تعلیم کی فکر ہوتی ہے

انسان نے اپنے سماج و معاشرہ کی بقا اور تحسین و ترقی کے لئے باقاعدہ تعلیم کے ذرائع تقریباً ہر زمانہ میں اختیار کرنے کی کوشش کی ہے اور اپنی صلاحیت علمی کے مطابق ان ذرائع کو مبہم و بے قاعدہ شکلوں میں منتقل کیا ہے اور اپنے تعلیمی عمل کو بہتر طریقے انجام دے کر سماج کی زندگی کو ترقی دی ہے، اور جن معاشروں اور سماجوں نے تعلیم کو بے توجہی کا شکار ہونے دیا، وہ خاطر خواہ اور نمایاں فائدہ اٹھانے اور ترقی و طاقت کی منزلوں سے قریب تر ہونے میں کامیاب نہ ہوسکے۔

موجودہ ترقی یافتہ یورپ و امریکہ کی ترقی و طاقت کی نشأۃ ثانیہ جب شروع ہوئی جب اس نے علم کی طرف توجہ اختیار کی یورپ نے علم و تعلیم کی سرپرستی اور توجہ مسلمانوں کے اندلسی تمدن سے لی۔ جس میں مسلمانوں کے اپنے علوم و تجربات کے ساتھ قدیم یورپ کے علوم و تجربات کا بھی ایک حصہ تھا۔ جس کو مسلمانوں نے اپنے دنیاوی علوم کا ایک جزء بنایا اور ان سے استفادہ کیا تھا۔ یورپ نے مسلمانوں سے اخذ کئے ہوئے اصول و معلومات کو بنیاد بناکر اس میں نئے تجربات کئے اور دنیاوی اور مادی علم و تعلیم کو آگے بڑھایا۔ حتیٰ کہ موجودہ مادی دنیا کے اسناد کا درجہ حاصل کرلیا۔ اور یہ افسوس ناک اتفاق ہے کہ یورپ کی ترقی کا زمانہ جو سولہویں صدی عیسوی سے شروع ہوا مسلمانوں کی غفلت اور انحطاط کا زمانہ رہا جس کی وجہ سے دنیا کی قیادت مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل کر یورپ کی قوموں کے ہاتھوں میں منتقل ہوئی۔ ورنہ موجودہ مغربی تمدن سے قبل مسلمانوں کا تمدن ہی وہ تمدن تھا جس نے دنیا کے بیشتر آباد حصوں میں گہرا

انحطاط تھا اور مسلمان علماء فلاسفہ نے اساتذہ وقت کا کردار انجام دیا تھا۔

مسلمانوں میں عمل تعلیم

مسلمانوں کے تعلیمی عمل کی ابتداء اسلام کی ابتداء کے ساتھ ہوئی تھی۔ ان کو قرآن مجید کی صورت میں معلم اعظم ملا تھا جس نے نہ صرف ان کو بلکہ ساری انسانیت کو تہذیب و تمدن علم و انسانیت کے صالح اور صحیح اصول بتائے اور ان پر عمل کرنے کی راہیں بھی تجویز کیں۔ پھر مسلمانوں نے قرآنی علم حاصل کرنے کے بعد دیگر قوموں کے حاصل کردہ معلومات اور ان کے علوم کا مطالعہ بھی کیا اور ان کے علماء فلاسفہ کے خیالات کا جائزہ لیا اور ان سے حسب ضرورت فائدہ اٹھایا پھر اس میں بیش قیمت اضافہ کیا جس سے وہ نئی شکل میں ڈھل گئے۔

یورپ بعد میں بیدار ہوا چنانچہ اس نے اپنے مغربی علم و تمدن کی بنیاد مسلمانوں کے علم و تمدن پر رکھی کیونکہ مسلمان ہی اس کے قریبی قابل تقلید پیش رو تھے۔ لیکن قومی و وطنی عصبیت کی وجہ سے اپنا رشتہ تاریخ قدیم کے مغربی تمدنوں سے جوڑا اور روح اور مزاج انہی سے اخذ کرنے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں قدیم رومی تہذیب اور یونانی فلسفے پر اپنی اخلاقی و تہذیبی زندگی کی بنیاد رکھی۔

یورپ سے استفادہ مغربی علم سے استفادہ

زندگی کے تجرباتی علوم میں ترقی اور کامیابی سے یورپ کو دنیاوی زندگی میں طاقت ملی اور اس کو مادی زندگی کے متعدد میدانوں میں غلبہ حاصل ہوا اس کی وجہ سے دیگر قوموں کو جن میں مسلمان بھی تھے ان علوم و تجربات اور کامیابیوں کا جائزہ لینے اور قابل استفادہ گوشوں میں استفادہ کرنے کی ضرورت پیش آئی خاص طور پر اس لئے کہ مسلمانوں کی آخری صدیاں انحطاط اور علمی جمود میں گذریں جس کی وجہ سے ہم ایک طرف دینی اخلاقی اور ان کی صفات اور اعلیٰ نظریات میں اپنے اسلاف کے علوم و تجربات سے فائدہ اٹھانے کے ضرورت مند ہیں تو دوسری طرف دنیاوی ترقی و تمدن کے لئے ان انکشافات و تحقیقات سے فائدہ اٹھانے کی بھی ضرورت رکھتے ہیں جو ہمارے اسلاف کی کوششوں کے بعد ظہور میں آئیں اور جو انسانی زندگی کے لئے ضروری ہیں۔ اس طرح ہمارے سامنے قابل استفادہ ذخیرہ دو ہیں ایک ہمارے اسلاف کا اور ایک اغیار کا اور الحکمۃ ضالۃ المومن این وجدھا فھو احق بھا کے اصول پر ہم کو سب سے فائدہ اٹھانا ہے چنانچہ وسائل و طریقہائے تعلیم میں بھی جو مفید اور صالح اجزاء یورپ کے ماہرین علم تعلیم کے تجربے میں آئے ہیں ان سے بھی ہم کو فائدہ اٹھانا ہے۔

تعلیم اور اجتماعی زندگی کا ایک دوسرے پر اثر

تعلیم کا زندگی سے گہرا تعلق ہے دونوں ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں اور دونوں ایک دوسرے سے اخذ و استفادہ کرتے ہیں تعلیم کے طریقے اور مضامین انھیں ذہنوں کی پیداوار یا نتیجۂ فکر ہوتے ہیں جو معاشرے کے مختلف طبقات سے ابھرتے ہیں اور وہ اپنے خیالات، مزاج اور افکار سے علاحدہ نہیں ہو سکتے، وہ جو بھی نظام بناتے یا چلاتے ہیں اس میں ان کے اپنے ماحول سے اخذ کئے ہوئے احساسات و تصورات شعوری و لاشعوری طور پر اثر انداز ہوتے ہیں اس طرح پر ماحول میں جن طبقات کا غلبہ اور جن خیالات کا رواج ہوتا ہے وہ شعوری و لاشعوری طور پر اس ماحول کے نظام کے مقاصد و مضامین تعلیم میں سرایت کرتے ہیں۔

اسی طرح تعلیم بھی زندگی پر اثر ڈالتی ہے، اس کا اثر بھی زیادہ اور بہت گہرا ہوتا ہے۔ یوں تو باضابطہ تعلیم اگرچہ معاشرہ کے ایک خاص طبقہ کو دی جاتی ہے یعنی کم عمر طبقہ اور بچوں کو لیکن نتیجۃً وہ پورے معاشرہ پر محیط ہو جاتی ہے۔

اس کی وضاحت اس طور پر کی جا سکتی ہے کہ ہم جس نسل کو تعلیم دیتے یا دلواتے ہیں یہ نسل زیادہ سے زیادہ ۲۰ سال کی مدت میں معاشرہ میں اپنے کمزور ترین و بے اثر سطح سے نکل کر معاشرہ کی موثر ترین سطح پر آجاتی ہے۔ وہ سماج کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے یعنی جوان طبقہ جو سماج کی ہر قوت و اہمیت کی ذمہ داری کا حامل بنتا ہے۔

اکبر الہ آبادی نے اسی لحاظ سے تعلیم کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ شعر کہا تھا

وہ قتل سے بچوں کے یوں بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

یعنی وہ بنی اسرائیل کے شیر خوار بچوں کو قتل کرنے کے بجائے ان کی تعلیم کا بندوبست کر دیتا جو فعلی اور فرعونی ذہن کے اساتذہ دیتے اور فرعونی ذہن کا نظام اور انتظام ہوتا اور مقاصد تعلیم بھی اسی ذہن کے مطابق ہوتے تو پھر وہ بچے بڑے ہونے کے بعد بنی اسرائیل کے بجائے فرعون کے مقاصد کے کام کے بن جاتے اور بغیر قتل کے نتیجۃً قتل حاصل ہو جاتا۔

ایک مثال

ہندوستان میں جب ہندی کا اجراء کیا گیا تو ہندی کی اس وقت کی حیثیت و حالت کو دیکھتے ہوئے لوگ مذاق اڑاتے تھے لیکن جب ۲۵، ۳۰ سال مسلسل اس کی تعلیم دی گئی تو آج یہ نوبت آگئی کہ وہ سماج کی اصل زبان بن گئی اور اب وہی ہندوستانی معاشرہ کی زبان اوّل ہے۔

اصول و مزاج سمجھنے کی ضرورت

اس بنیاد پر تعلیم، نظام تعلیم، نظریات تعلیم کی

(باقی صفحہ پر)

مولانا علی میاںؒ نے پیغام حق سنانے میں کبھی مداہنت سے کام نہیں لیا

● مولانا شمیم احمد ندوی رئیس مرکزی جمعیت اہل حدیث نیپال)

مفکر اسلام حضرۃ العلام جناب مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمہ اللہ کے سانحۂ ارتحال کی وحشتناک خبر خرمن ہوش وحواس پر بجلی بن کر گری، اور دل ودماغ کو غیر معمولی صدمہ سے دوچار کیا، اور باوجود قانون قدرت ہونے کے دل کسی طرح اس اندوھناک خبر کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوا۔ یہ غم کسی ایک خاندان، کسی ایک خانوادہ، کسی ایک ادارہ، کسی ایک مکتب فکر اور تنہا ندوی برادری کا نہیں ہے۔ بلکہ اس سانحۂ عظیم نے عالم اسلام کے تمام مسلمانوں کو بلا امتیاز مسلک ومشرب جس طرح تڑپا دیا ہے اور غم والم سے نڈھال کردیا ہے اس سے علامہ سماحۃ الشیخ الندوی رحمہ اللہ کی تمام مکاتب فکر میں یکساں مقبولیت کا بخوبی علم ہوتا ہے جو اللہ رب العزت صرف اپنے برگزیدہ اور مقبول بندوں ہی کو عطا کرتا ہے۔ ان کے حادثۂ وفات سے مسلمانان ہند نے اگر اپنا ایک مخلص رہنما اور اپنا بہی خواہ [illegible] کھودیا ہے تو عالم اسلام دین متین کے ایک پرجوش داعی اور اسلام کے جانباز سپاہی، ایک صاحب بصیرت مؤرخ، ایک شہرۂ آفاق مصنف، ایک عظیم دانشور، شریعت اسلامیہ کے حقیقی ترجمان ایک نامور ماہر تعلیم اور ایک سرفروش مجاہد سے محروم ہوگیا ہے۔

علامہ رحمہ اللہ کی حیات مستعار کا ایک ایک لمحہ خدمت اسلام، اعلاء کلمۃ اللہ دعوت وتبلیغ، تصنیف وتالیف اور وعظ وارشاد میں صرف ہوا، ان کی ہمہ جہت خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے جس کا احاطہ آسان نہیں ہے انھوں نے دنیا میں اسلام کی سربلندی، اور شریعت حقہ کی بالادستی کے لئے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور اس کے عروج وترقی کے لئے جو قربانیاں دیں اس سے نہ صرف موجودہ مسلمانان عالم بلکہ آئندہ آنے والی نسلیں بھی احسانات کے اس بارگراں سے سبکدوش نہیں ہوسکتیں، انھوں نے دنیا میں ہندوستانی مسلمانوں کا وقار جس طرح بلند کیا، اس پر کچھ روشنی ڈالنا سورج کو چراغ دکھانا ہے، حتیٰ کہ بعض اہل عرب ہندوستان اور ہندوستانی مسلمانوں سے واقف ہی شیخ ندویؒ کے حوالہ سے ہوئے ہیں۔ ان میں معرکۃ الآراء کتاب "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" نے اسلامی بیداری اور نشاۃ ثانیہ کا جو عظیم کارنامہ انجام دیا ہے اس کے جو دوررس اثرات مرتب ہوئے اس نے نہ صرف مسلمانوں کو خواب غفلت سے جگانے میں صور اسرافیل کا کام دیا بلکہ پوری انسانی دنیا مسلمانوں کو من حیث القوم اہمیت دینے، ان کی خدمات کا اعتراف کرنے اور ان کے بارے میں مثبت انداز فکر اپنانے پر مجبور ہوئی۔

حق گوئی وبیباکی کی صفت میں سلف صالحین اور ائمۂ مجاہدین کے نقش قدم پر زندگی بھر گامزن رہے اور پیغام حق سنانے میں کبھی تساہلی ومداہنت سے کام نہیں لیا اور لا یخافون فی اللہ لومۃ لائم پر عمل پیرا رہے، چنانچہ اہل عرب اور مسلم ممالک کو بھی ان ہی کی سرزمین میں جاکر مسلم امت کی قیادت ورہنمائی کا ان کا بھولا ہوا سبق اور چھوڑا ہوا فرض یاد دلایا، اور ان میں پیدا ہونے والی خرابیوں اور خامیوں کی نشاندہی کی اور اس کا علاج بھی تجویز کیا۔ ان کی عربی تقاریر کے پمفلٹ۔ اسمعوا منی صریحۃ ایہا العرب، اسمعی یا ایران، اسمعی یا مصر، اسمعی یا زھرۃ الصحرا اور اس سلسلہ کی دیگر تقریریں و پرجوش خطابات اسی شوق وتڑپ اور اہل عرب کی بے راہ روی بڑھتی ہوئی مغربیت اور عیش کوشی ومادہ پرستی پر فکر وتشویش کا واضح اظہار ہیں۔ اقوام وملل ادیان و مذاہب اور دنیا کی تہذیبوں وثقافتوں کے گہرے مطالعہ ومشاہدہ کا نتیجہ تھا کہ وہ کبھی کسی تمدن خاص طور سے تہذیب حاضر کی خیرہ کن چمک سے متأثر ومرعوب نہیں ہوئے بلکہ اس کی تہہ میں پوشیدہ نقائص وخرابیوں کو طشت ازبام کیا، معاندین اسلام کی ریشہ دوانیوں اور اسلام کے خلاف فکری یلغار اور گمراہ کن پروپیگنڈوں سے کبھی نہ تو ہراساں ہوئے اور نہ انہیں قابل اعتنا اور لائق التفات سمجھا بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام کے بارے میں ان کا رویہ کبھی مدافعانہ اور معذرت خواہانہ نہیں رہا بلکہ جارحانہ اور حملہ آورانہ رہا

یہ ان کی مؤرخانہ بصیرت، مومنانہ فراست اور ملی غیرت وحمیت ہی تھی کہ مختلف تصنیفات میں انھوں نے دلائل و براہین اور حقائق وشواہد کی روشنی میں پوری جرأت وہمت کے ساتھ دیگر ادیان و مذاہب اور دیگر تہذیبوں و معاشرتی نظاموں پر اسلام کی برتری اور برتری ثابت کی جس کا اعتراف کرنے پر اسلام کے بدترین دشمن بھی مجبور رہوئے۔ امت مسلمہ کی اصلاح کیلئے ان کے خلوص نیت جہد مسلسل اور مربوط کوششوں کی برکت تھی کہ ان کو عوام وخواص کی جانب سے وہ مقبولیت اور شہرت دوام حاصل ہوئی جس درجہ ومقام تک پہونچنے کا ان کے معاصرین تصور بھی نہ کرسکے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ خدمت اسلام کے سلسلہ میں ان کی مساعی جمیلہ کو شرف قبولیت سے نوازتے ہوئے ان کی بشری کوتاہیوں ولغزشوں سے درگزر فرمائے اور انہیں روز قیامت صدیقین وشہداء اور صلحاء واتقیاء کے ساتھ اٹھائے (آمین)

مرکزی جمعیۃ اہلحدیث نیپال اور اس کے تمام ممبران اس غم والم میں آپ کے ساتھ برابر کے شریک ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ سب کو اس صدمۂ عظیم پر صبر جمیل عطا فرمائے اور امت مسلمہ کو نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

آئینہ دار حسن شریعت چلا گیا

اثر عباسی

سر پر تھا ایک سایۂ شفقت چلا گیا
مرد خلیق، پیکر رحمت چلا گیا
ملت کا سرپرست ونگہبان معتبر
آئینہ دار حسن شریعت چلا گیا
اظہار حق میں مصلحت وقت، ہیچ ہے
یہ بات کہہ کے صاحب ہمت چلا گیا
کیا فرق تھا کہ جس پہ شہنشاہی بھی نثار
اسلاف کا وہ مظہر عظمت چلا گیا
وہ خود شناس، صاحب دل، افتخار قوم
وہ مہر علم جانب جنت چلا گیا
افکار اپنے کر دیئے محفوظ اس طرح
یوں کہئیے، دے کے اپنی امانت چلا گیا
اس کے نقوش پا پہ ہی چلنا ہے اے اثر
جو تھا سراپا دین سے عبارت چلا گیا

قطعہ تاریخ

مولانا شاہ بلال احمد قادری

کرد رحلت آں جناب بوالحسن فخر زمن
ملتم بے سایہ گشت و عالمے پر از محن
عالم و عارف محقق باعث صد افتخار
ہر نفس در خدمت دین نبی با جان وتن
ہمچو استغنائے سلماں فقر بود در وصف او
مظہر خلق پیمبر در عمل ہم در سخن
از صریر کلک او شد منقلب فکر جہاں
عالمے بیدار گشتہ از نوائے بوالحسن
شہرۂ آفاق بودہ در ہمہ اوصاف خویش
تا ابد ذکرش بماند زیر ایں چرخ کہن
سال فوتش ہادی اوحد شمردہ ایں بگو
آبروئے دین رفت از رحیل بوالحسن
۲۰ ۱۴ھ

ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع ہونے والے عربی میگزین ماہنامہ البعث الاسلامی کی خصوصی پیشکش

مفکر اسلام نمبر

جو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی کے مختلف پہلوؤں پر بھرپور مضامین اور ان کے حادثۂ وفات پر دنیا بھر سے آئے ہوئے تعزیتی پیغامات اور تاثراتی شاعری پر مشتمل ہے۔

منظر عام پر آچکا ہے

انشاء اللہ تعالیٰ یہ شمارہ تمام خریداروں کے پاس بھیجا جائے گا۔ آپ بھی سالانہ خریداری قبول کرکے یہ نمبر حاصل کرسکتے ہیں

چندہ سالانہ ایک سو پچاس روپئے /150، قیمت مفکر اسلام نمبر (عربی) پچپن روپئے /55 ڈاک خرچ علیحدہ۔

ملنے کا پتہ: منیجر البعث الاسلامی ندوۃ العلماء پوسٹ بکس ۹۳ لکھنؤ

دعائے مغفرت

محمد شاہد سابق متعلم دارالعلوم ندوۃ العلماء کی والدہ محترمہ کا ۸ فروری ۲۰۰۰ء کو تقریباً پچاس سال کی عمر میں انتقال ہوگیا، اناللہ وانا الیہ راجعون مرحومہ دیندار اور خلیق وملنسار خاتون تھیں قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے،

علمِ دین ہی تمام سعادتوں کا سرچشمہ

تحریر:۔۔۔ شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ ۔۔۔۔۔ ترتیب:۔۔۔ عبدالرشید صدیقی

جو معاملات قرآن کریم کی روشنی میں جائز نظر نہ آئیں وہ بے سود اور لاحاصل ہیں۔ اور وہ خواہشیں جن کو ثبوت کی سند جواز حاصل نہ ہو، وہ محض باطل ہیں اور وہ طریقے جو دین کے راستے سے مختلف ہیں، وہ مطلق ضلالت اور گمراہی ہیں۔ اور وہ کوششیں جو دین کی رہنمائی کے سوا ہوں، وہ مردود ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من ادخل فی دیننا مالیس منا فہو مردود جس نے ہمارے دین میں وہ بات داخل کی جس کا ثبوت ہم سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔

خلوص اور تعلق بالقرآن

تمہارے معاملات میں جب تک خلوص نہ ہو قرآن کریم کی رو سے وہ قابل قبول نہیں ہیں۔ خلوص کا مقام درد بھرا دل ہے۔ اور جہاں کہیں اخلاص کی خوشبو پائی جاتی ہے۔ قرآن کریم خوشخبری دیتا ہے، خواہ وہ جنات کے حق میں ہو یا انسان کے۔ چنانچہ سورۂ الجن میں فرمایا "انھوں نے کہا کہ قرآن کو سنا عجیب کلام ہے جو سیدھے راستے کی ہدایت کرتا ہے اور ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں۔ وہ لوگ جو طالبان حق ہیں ان کے زخمی دل کا مرہم قرآن ہے۔" (۷۲:۲۱) جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے اور ہم قرآن سے وہ انوار نازل کرتے ہیں جو مومنین کے لئے شفا اور رحمت ہے۔ (بنی اسرائیل ۱۷: ۸۲)۔

سالکان دین کا رہبر قرآن پاک ہی ہے۔ کیونکہ فرمایا یعنی "سیدھا راستہ دکھاتا ہے" (الجن ۷۲:۲) اور جب کسی قرآن کی رہبری حاصل ہو گئی تو اگر وہ قاف بھی اس کے سینے کا پیوند ہو تو جھکنے پر مجبور ہو جائے گا۔ "اگر ہم قرآن کو پہاڑ پر اتارتے تم یقیناً دیکھتے کہ وہ خدا کے خوف سے پاش پاش ہو جاتا" (الحشر ۵۹:۲۱)

پس جس کام کی اجازت قرآن نہیں دیتا وہ راہ دین کی راہ نہیں ہے۔ وہ تو مطلق نابینائی ہے۔ برج قدیم سے جو آفتاب طلوع ہوتا ہے وہ پہلے آسمان دل پر چمکتا ہے۔ اس لئے سورہ ق میں فرمایا "البتہ قرآن کریم میں دل اور کان رکھنے والوں کے لئے اللہ کا ذکر ہے اور وہ اس کے گواہ ہیں۔"

شریعت پر عمل

شریعت کے راستے کے شہسوار زندہ روحوں کے مالک ہوتے ہیں۔ ان کی باتیں سراسر زندگی سے عبارت ہوتی ہیں اور ان کی زندگیاں غم واندوہ کے باوجود پاک وصاف ہوتی ہیں۔ ان کو حزن وملال سے بے قراری نہیں ہوتی اور وہ دنیا والوں کے لئے باعث رافت وراحت ہوتے ہیں ان کے درخت محبت کے پھلوں سے سب مستفید ہوتے ہیں۔ ان کی کوئی بات مستند نہیں ہوتی کیوں کہ وہ غلط افکار اور رسوم سے دست بردار ہوتے ہیں اور خواہشات نفس کو تیغ انکار سے ختم کر دیتے ہیں اور جب تک ایسا نہ کیا جائے تمہارے دل کی گہرائی سے حکمت کے چشمے کبھی نہیں پھوٹیں گے اور علم حقیقی کا لطف تم کو حاصل نہ ہوگا۔

فکر آخرت

اے یاد رکھو کہ جس کے دل کی آنکھ آج روشن ہوئی کل بھی نہ ہوگی، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "اور جو معرفت حق سے یہاں نابینا ہے وہ آخرت میں بھی خدا کے دیدار سے نابینا رہے گا۔" (بنی اسرائیل ۱۷:۷۲)

اے بھائی! اس دن کو یاد رکھو جس دن دلوں کے پرکھنے والے دلوں کی کسوٹی پر پرکھیں گے اور جو کچھ سینوں میں ہے آشکارا ہو جائے گا۔ اور تحقیق کرنے والوں کے دلوں پر مقرر کر دیا جائے گا تاکہ ہر ایک کے باطن سے تمام چیزیں نکال کر محفل قیامت میں پیش کر دیں۔ یہ لوگ جانچ پڑتال کے بعد کہیں گے "خدایا! ہم نے کسی جگہ بھی عہد کی وفاداری نہیں پائی۔ ارشاد ہوگا "جس سینے میں ہمارے دین کی وفا کا عہد نہیں ہے وہ ہمارے پاس آنے سے روک دیا جائے" اور اس طرح روک دیا جائے کہ کبھی ہمارے پاس نہ پھٹکنے دیا جائے جیسا کہ کسی نے کہا ہے:

نقد تو چوں ترا برانگیسند
جملہ در گردن تو آویزند
بوتہ خود گویدت چو باد ودی
کہ زری یا مس زر اند ودی

جب قیامت کے دن تم کو اٹھائیں گے تو تمہارے اعمال کا دفتر تمہاری گردن میں لٹکا دیں گے۔ جب تمہارے سونے کو پگھلایا جائے گا تو اس کا دھواں خود بتا دے گا کہ تم خالص سونا ہو یا ملمع کیا ہوا ہے۔

اتباع رسولؐ

اے بھائی! اب اٹھ بیٹھو، ٹھہرنے کی جگہ نہیں ہے اور اخلاق کا دامن ہاتھ سے چھوڑنے کا موقع نہیں ہے۔ اس ذلت کی مصیبت میں خود بینی عزت نہیں ہے اور تقدیر کی شاہراہ پر سجدہ تسلیم بجالانے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ اور ہر شخص کو ہوا وہوس کے پیچھے چلنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے اور کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے میں ہرگز کوئی نقصان نہیں ہے۔ مناجات:

خدایا نور دل ہمراہ ماکن
محمدؐ را شفاعت خواہ ماکن
دل و جاں را فدائے راہ او کن
بہ تقویٰ روئے در درگاہ او کن
بہ عقبیٰ دم بوقت پاک او زن
بہ دنیا دست در فتراک او زن

بار الٰہا میرے دل کو نور سے منور کردے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا شفیع بنادے۔ میرے دل و جان کو ان کے نقش قدم پر قربان کردے۔ پرہیزگاری کے ساتھ میرا منہ ان کے دربار کی طرف پھیر دے۔ عقبیٰ میں ان کا نام لینے کی توفیق دے۔ دنیا میں بھی ان کا دامن ہمارے ہاتھ میں رکھ۔ خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مثنوی

زکونین ار شوی پاک و مجرد
نہ یابی راہ جز نور محمدؐ
اگر راہ محمدؐ راہ جو خاکی
دو عالم خاک گردند ت زپاکی
دگر نہ فلسفی، گو دور می باش
زعقل و زیرکی مہجور می باش
بہ عقل از نقش ایں دیوار بندی
میان کبر گان زنار بندی

اگر دونوں جہاں سے تو کنارہ بھی کرلے تو بغیر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی راستہ نہ پائے گا۔ اگر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے کی خاک ہوجائے، تو تیری پاکی کے مقابلے میں دونوں جہاں خاک ہوجائیں۔ اور اگر تو فلسفی ہے تو دور ہوجا اور اپنی عقل و خرد کے پردوں میں مہجور پڑا رہ۔ اگر اس دیوار معرفت پر اپنی سمجھ سے گل بوٹے بنالے گا۔ تو نقش پرست ہوکر زنار باندھ لے گا۔

علم دین کا حصول

حاصل کلام: ہر وہ معاملہ جو بغیر علم کے ہے، باطل ہے اور ہر وہ ریاضت و مجاہدہ جو فتوائے شریعت کے خلاف ہے، ضلالت و گمراہی ہے اور شیطان کا دین و مذہب ہے۔ یاد رکھو، نیک بختیوں کے تمام دروازے معرفت کے حق میں علم ہی سے پہچانے جا سکتے ہیں۔ دین و سلطنت کی عظمت کے اسرار، اسلام اور دعوت انبیاء کی عزت، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور نشانیوں کی شناخت، معصوموں کی پاک دامنی کے مرتبے مقربان بارگاہ الٰہی کے مختلف درجات، ذریت آدم کی فطرت کے راز، معیوب لوگوں کے عیبوں کے بھید، ایمان والوں کے حقوق، شریعت کی تعظیم، احکامات کی بجا آوری اور منہیات سے پرہیز، یہ تمام باتیں علم ہی کے ذریعے پہچانی جا سکتی ہیں، اور علم ہی کے میدان میں پائی جاسکتی ہیں۔ جب انسان اپنی جہالت کے بیابان سے باہر نہیں نکلتا اور علم کے سبزہ زار میں قدم نہیں رکھتا، ایمان کی یہ سعادتیں اس میں ظاہر نہیں ہوتیں۔

دیکھو بارگاہ خداوندی میں صفت جہالت سے بڑھ کر کوئی ذلیل اور دشمن نہیں اور درگاہ خداوندی تک پہونچنے کا علم کے راستے سے نزدیک تر اور کوئی راستہ نہیں ہے" اور علم اللہ تعالیٰ کا قریب ترین دروازہ ہے اور جہالت تمہارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان سب سے بڑا حجاب ہے" جس طرح علم دین تمام سعادتوں کا سرچشمہ ہے، اسی طرح جہالت تمام گمراہیوں کی وادی ہے۔ بدبختیاں اور شقاوتیں جہالت کی اسی وادی میں پھولتی پھلتی ہیں۔ اور یہ جہالت وہ وادی ہے جس میں غلبہ کفر، بنیاد ایمان کی تخریب، احکام شریعت کو اوچھا اور ہلکا سمجھنا، شیطان کی دوستی، پیغمبروں اور صدیقوں کی اتباع سے بیزاری اور بیگانگی، اور اس طرح کی ہزاروں بدبختیاں پیدا ہوتی ہیں اور ان کے پودے نشو و نما پاتے ہیں۔

مجاہدہ نفس

اے بھائی وہ فرماتے ہیں "خدا کی راہ میں جہاد کا حق ادا کرو" (الحج ۲۲: ۷۸) تم اپنے نفس کے کوچے میں قدم نہ رکھو کیونکہ وہاں خود بینی کا دارو غہ نہیں نکلنے گا۔ ہماری گلی میں آجاؤ۔ تم ہمارے عزیز ہو، تم گرے پڑے تھے ہم نے تمہیں اٹھایا۔ تم کم ہمت تھے، ہم نے تم کو نوازا۔ اگر تم اپنی گلی میں قدم رکھوگے تو زحمت و تکلیف سے تمہیں ہرگز نجات نہ ملے گی، اگر تم چاہتے ہو کہ اپنی ہی گلی میں پڑے رہو تو یاد رکھو اپنی ساری پونجی گنوا دوگے اور کوئی نفع ہاتھ نہ آئے گا۔ کسی دل جلے نے کہا ہے: رباعی

باعشق جمال ما اگر ہم نفسی
یک حرف بس است اگر بیا در نرسی
تا با تو توئی تست در ما نہ رسی
در ما گہے رسی کہ از خود برسی

اگر تو ہمارے حسن و جمال کا عاشق ہے
تو تیرے لئے بس یہی ایک بات کافی ہے
اگر تو سمجھ دار ہے جب تک تیری خودی
تیرے ساتھ ہے، ہمارے دروازے پر
نہیں پہونچ سکتا ہمارے دروازے پر
تو اس وقت پہونچے گا جب اپنی خودی
سے چھوٹ جائے گا۔

اے بھائی! اپنی خواہشوں کو مجاہدے کی بساط پر علم کی تلوار سے ذبح کردے اور نفس پر فضول کا سر حکم شریعت کے مطابق ریاضت کی چھری سے کاٹ ڈال۔ حرص و آز سے بھرے ہوئے پیٹ کو بھوک اور فاقے کے خنجر سے پارہ پارہ کردے، اور مسلمان کا لباس پہن۔ خدا کی قسم خود پرستی سے کسی نے بھی فائدہ نہیں اٹھایا اور آج تک کسی کو خدا پرستی سے کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ تمہارے نزدیک جان سے بڑھ کر اور کوئی چیز پیاری نہیں۔ اگر ان باتوں کو بڑی اور اہم چیز سمجھتے ہو، تو پہلا قدم اپنی جان پر رکھ دو اور مرنے سے نہ ڈرو۔ بس پھر زندگی ہی زندگی ہے۔

شیخ الاسلام آف برطانیہ عبداللہ کوئیلم

از: ــــــــــــ شاہد عمادی

یوں تو شمالی برطانیہ کا شہر لیورپول فٹ بال کے کھیل اور موسیقی میں اپنی مخصوص شناخت رکھتا ہے لیکن عالم اسلام میں اس شہر کی ایک امتیازی حیثیت ہے۔ یہیں ایک صدی قبل ملک کی پہلی مسجد قائم ہوئی۔ اور چند برطانوی نژاد اہل علم ودانش نے اپنی اسلامی شناخت کا باقاعدہ اعلان کیا جس کے امام شیخ عبداللہ کوئیلم تھے، ان کی مجاہدانہ قیادت میں اہل ایمان نے اپنی صدیوں قدیم مغربی معاشرت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، انیسویں صدی میں جبکہ دنیا کے بیشتر خطوط پر برطانیہ اپنی حکمرانی کے زعم میں بدمست، سامان تعیش و تہذیب نو کی رمق پر نازاں، سائنس کی ترقی سے فرخنداں اور دولت کے نشہ میں چور تھا۔ انگریزوں کی اسی زمین کو اللہ نے دعوت وتبلیغ کے کام کیلئے اس مشکل دور میں منتخب کیا۔

ولیم ہنری کوئیلم ۱۰ر اپریل ۱۸۵۶ء کو ۲۲ر ایلبورٹ اسٹریٹ لیورپول میں پیدا ہوئے ان کے والد رابرٹ کوئیلم ایک گھڑی ساز تھے جن کے اجداد کیپٹن جان کوئیلم برطانوی نوج کے مشہور تاریخ ساز ہیرو نیلسن کے فرسٹ لیفٹیننٹ تھے ولیم ہنری بچپن ہی سے غیر معمولی ذہانت اور خداداد صلاحیتوں کے مالک تھے۔ بقول کیپٹن سینٹ جان ولیم ہنری کا شمار برطانیہ کے چند لائق نوجوان میں ہوتا تھا۔ لیورپول انسٹی ٹیوٹ سے تعلیم حاصل کی۔ قانون کی تعلیم کے دوران انھوں نے بطور صحافی ایک مقامی جریدہ میں جزوقتی کام کیا۔ ان کی تحریر پرکشش اور دلچسپ ہوتی تھی۔ حصول علم کے بعد انھوں نے وکالت کا پیشہ اختیار کیا۔ ۲۲ر سال کی عمر میں ہی وہ سپریم کورٹ کے وکیل مقرر ہوئے۔

ولیم ہنری کوئیلم کو سیر وسیاحت کا بیحد شوق تھا۔ انھوں نے بیرون ممالک کے کئی سفر کئے، اسی شوق سیاحت میں وہ مراقش گئے جہاں ان کو مسلمانوں کو قریب سے دیکھنے اور مذہب اسلام کو سمجھنے کا موقع ملا۔ یہی سفر ان کی زندگی کا انقلاب آفریں موڑ تھا۔ مذہب سے متعلق معلومات حاصل کرنے کے شوق میں وہ تین ماہ مراقش میں مقیم رہے۔ مقامی علماء سے بھی رجوع کیا اور دین اسلام پر تفصیلی واقفیت حاصل کی مسجد میں شریک نماز بھی ہوئے اور روح پرور مناظر سے متأثر ہوئے۔

نوجوان ولیم ہنری کوئیلم کو محسوس ہوا کہ انکے سبھی سوالوں کا جواب مذہب اسلام میں موجود ہے اور یہی وہ دین ہے جس کے وہ متلاشی تھے انھوں نے نماز، حج، زکوٰۃ وروزہ وغیرہ کے مسائل و فرائض سے خود کو آشنا کر لیا۔ اور مذہب اسلام کے بارے میں اتنی واقفیت حاصل کر لی کہ وہ قرآن پاک واحادیث نبوی سے مسائل حیات کی گتھیاں سلجھانے کی سعی کر سکیں وہ واپس انگلینڈ گئے۔ اور ۱۸۸۷ء میں ۳۱ر سالہ ولیم ہنری کوئیلم نے مذہب اسلام قبول کرنے کا باقاعدہ اعلان کیا۔ اب وہ عبداللہ کوئیلم ہو گئے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب مدتوں تاریکی میں ڈوبا یورپ سیاسی واقتصادی انقلابات و حوادث سے گذر کر عہد نو کی تاریخ مرتب کر رہا تھا۔ اور جب حیرت انگیز سائنسی ایجادات وانکشافات سے ملکوں کی تقدیریں بدل رہی تھیں۔ ایسے میں مذہبی منافرت اور جنسی بے راہ روی بھی شباب پر تھی، عیسائی مبلغوں اور پادریوں کے خطبوں میں مذہب اسلام اور خلیفۃ المسلمین کے خلاف دروغ گوئی عوام کو مسلمانوں سے بدظن کر رہے تھے یہ وہ دور تھا جبکہ برطانیہ دنیا کی عظیم الشان عیسائی جمہوری مملکت تھی۔ اس چھوٹے شہر لیورپول کے نامور وکیل کے قبول اسلام کی خبر پورے ملک میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ عبداللہ کوئیلم نے دین اسلام کے موضوع پر مدلل و پرمغز تقریریں ٹمپرنس لیگ ہال میں کیں۔ مقامی باشندے ہفتہ وار نشست میں شریک ہونے لگے۔ مسز کیٹس پہلی انگلش خاتون تھیں جنھوں نے کوئیلم کے بعد دین اسلام قبول کیا۔ اور فاطمہ کیٹس کے نام سے مشہور ہوئیں۔

لیورپول میں عبداللہ کوئیلم نے مسلم انسٹی ٹیوٹ قائم کیا جہاں سے باقاعدہ دعوت وتبلیغ کی تحریک کا آغاز ہوا۔ مشرف بہ اسلام ہونے والے انگریز باشندوں کی تعداد بڑھنے لگی۔ اور ۱۸۸۹ء میں یہ جماعت اپنی عمارت واقع ۸ر براگھم ٹریس منتقل ہوئی اور اس مرکز علم ودانش سے دعوت دین کا وسیع کام مثالی نوعیت اختیار کرتا گیا ۱۸۹۳ء میں انھوں نے مشہور ہفتہ وار "دی کریسنٹ" جاری کیا۔ بعد میں ماہنامہ "اسلامک ورلڈ" کا بڑے آب وتاب سے اجرا ہوا۔ یہ دونوں کثیر الاشاعت تاریخی جریدے جو اعلیٰ قدر مضامین سے مزین ہوتے تھے ان کے اپنے پریس میں طبع ہو کر دنیا کے ۲۰ر ممالک میں قارئین سے خراج تحسین حاصل کرتے، نہ صرف یورپ وافریقہ بلکہ ایشیا وآسٹریلیا کے شہروں میں بھی ان دونوں جریدوں کے شائقین بڑی تعداد میں

موجود تھے۔ انیسویں صدی کے اختتام تک لیورپول میں اسلام قبول کرنے والے بیشتر برطانوی نژاد باشندوں کی تعداد ڈیڑھ سو سے تجاوز کر گئی جن میں خواتین و بچے بھی شامل تھے۔

مجاہد آزادی مولانا برکت اللہ بھوپالیؒ جو ہندوستان میں برطانوی حکومت کے ظلم و استبداد کے واقعات و حادثات سے دل برداشتہ تھے۔ مدرسہ سلیمانیہ بھوپال سے سند فراغت حاصل کرکے اور شاہ ولی اللہؒ کی کتابوں اور مولانا سید جمال الدین افغانی سے سمت راہ پاکر ۱۸۸۳ء میں لندن پہونچے۔ لندن ٹائمز میں مضامین نویسی کے علاوہ عربی کا درس دینے لگے۔ شیخ عبداللہ کوئیلم نے اپنی بیش قیمت جوہر نایاب کو بھانپ لیا۔ اور مولانا برکت اللہ لیورپول پہنچے جہاں انسٹی ٹیوٹ کے کاموں میں شریک ہوگئے۔ انھوں نے اس مرکز علم و دانش کے دعوت و تبلیغ کے کاموں میں گراں قدر تعاون کیا۔ مولانا برکت اللہ اردو، عربی، فارسی انگریزی کے علاوہ دیگر یورپی زبانوں کی اچھی واقفیت رکھتے تھے۔ ان کے علمی مضامین نے دونوں جریدوں کو بام عروج تک پہونچایا۔ انسٹی ٹیوٹ کا دائرہ عمل یورپ و افریقہ سے بڑھتے ہوئے براعظم ایشیا اور آسٹریلیا تک پھیل گیا۔

لیورپول کے اس دینی درسگاہ کے دروازے بلالحاظ مذہب و رنگ و نسل سب پر کھلے تھے۔ ایک وسیع مسجد، بیش قیمت و مختلف مضامین پر مشتمل کثیر تعداد کتابوں سے آراستہ وسیع لائبریری اور دارالمطالعہ، میوزیم سائنس کی لیباریٹری، مسلمانوں و غیر مسلموں کے لئے دلچسپ انواع و اقسام کے علمی مضامین پر مشتمل نصاب کے کورسیس، لڑکوں کا ایک اقامتی اسکول، لڑکیوں کے لئے دن کا اسکول، مقامی عوام کے لئے شبینہ کلاسیس پریس، تبلیغی مرکز، دفاتر وغیرہ اس مرکز کے اہم شعبے تھے۔ محترمہ فاطمہ کیٹس اس مرکز علم و دانش کی اہم رکن انتظامیہ تھیں ۱۸۹۶ء میں دارالعلوم کی کارکردگی میں مزید توسیع ہوئی اور مدینہ چلڈرینس ہوم قائم ہوا جس میں یتیم و نادار بچوں کی رہائش اور تعلیم و تربیت کا باقاعدہ انتظام تھا۔ رمضان کے ایام میں انسٹی ٹیوٹ میں بڑے پیمانے پر افطار و خورد و نوش کا انتظام کیا جاتا تھا۔

یورپ کی اس عظیم الشان و طاقتور جمہوری مملکت کو جو دنیا کی کسی طاقت کو ۱۹ ویں صدی میں اپنا ہمسر نہ سمجھتی تھی۔ اس طرح اپنے ملک میں ایک مشرقی مذہب کے فروغ پانے پر حیرت زدہ ہوئی۔ اور عوام و خواص کو صدمہ ہوا۔ انسٹی ٹیوٹ کے قیام اور دعوت و تبلیغ کے بڑھتے ہوئے اسلامی اثرات سے اظہار غم و غصہ ہوا۔ اور ملک کے طول و عرض میں احتجاج ہوا۔ لیورپول کے مقامی باشندوں نے ان نومسلموں کو طرح طرح کی جسمانی اذیتیں پہنچائیں عیسائی آبادی کو اذان کی آواز ناگوار گذرنے لگی۔ اور بارہا موذن کو اذان دیتے ہوئے سنگسار کیا برف کے گولے میں پتھر رکھ کر بالکنی سے اذان دیتے ہوئے موذنوں پر پھینکا مسجد سے نکلنے والے نمازیوں پر ناشائستہ آوازیں کستے اور مسلم عورتوں سے نازیبا سلوک سرراہ کرتے کبھی بار تبلیغی جماعت سے واپس لوٹتی خواتین پر کیچڑ پھینکا۔ ایک ستر سالہ بوڑھے اور پچاس سالہ خاتون کو اس وقت زدوکوب کیا جب وہ مسجد سے نکل رہے تھے۔ نمازیوں کو پریشان کرنا عام روش ہوگئی تھی۔ شب میں مسجد کی کھڑکیوں کے شیشے توڑ دیتے تاکہ صبح قالین میں بکھرے ہوئے شیشے نمازیوں کو لہولہان کردیں۔ بارہا بوقت نماز آگ کے گولے پھینکے گئے۔

لیکن اہل ایمان ثابت قدم رہے اور تعلیمات اسلامی کے مطابق صابر و شاکر رہے مخالفت جس قدر شدید ہوئی دین کا کام اسی قدر برق رفتاری سے فروغ پاتا گیا۔ مجنونانہ حملوں اور رخنہ اندازیوں سے دعوت و تبلیغ کے کاموں میں اور فروغ ہوا۔ عبداللہ کوئیلم مضبوط ارادے اور پختہ عزم کے مالک صابر و شاکر بندۂ خدا تھے۔ ان کے سامنے رسول کریمؐ کی حیات طیبہ ان کی رہنمائی کے لئے موجود تھی وہ قابل منتظم، جفاکش، دوراندیش، وسیع القلب تحریر و تقریر کے غازی اور اپنی دھن کے پکے تھے۔ دشواریوں سے ان کی پیشانی پر کبھی شکن نہ آئی اور تبلیغ کے کاموں میں ذرہ بھر بھی فرق نہ پڑا۔

خلیفہ اسلام عبدالحمید خاں ثانی (۱۸۷۶ء تا ۱۹۰۷ء) نے عبداللہ کوئیلم کو ۱۸۹۰ء میں قسطنطنیہ مدعو کیا۔ اور ان کی بیش علمی خدمات و دینی کارناموں کے اعتراف میں شیخ الاسلام آف انگلستان کے اعزاز سے نوازا۔ اس عظیم مفکر و داعی اسلام کی ترکی میں قدر و منزلت ہوئی۔ عبداللہ کوئیلم اپنے بڑے بیٹے کے ہمراہ قسطنطنیہ میں تقریباً ایک ماہ رہے۔ ۱۸۹۳ء میں اسپین اور مراکش کے اندرون ملک دور افتادہ اور دشوار گذار خطوں کا بھی تکلیف دہ سفر کیا۔

امیر عبدالرحمٰن خاں شاہ افغانستان کی جانب سے نصر اللہ خاں نے ۱۸۹۵ء میں لیورپول کے اس مرکز علم و دانش کا دورہ کیا اور شاہ کی جانب سے ۲۵۰۰/- پونڈ کی کثیر رقم

بیش کی جس سے عبداللہ کوئیلم نے انسٹی ٹیوٹ کی تعمیرات وانتظامات میں خرچ کیا۔

حکومت برطانیہ عبداللہ کوئیلم کی تحریک وبیباک تصنیفات سے خوفزدہ وہراساں ہو اٹھی تھی۔ ۱۹۰۸ء میں ان پر کئی بے بنیاد الزامات لگاکر لیورپول سے جلاوطن کردیا۔ عبداللہ کوئیلم نے سوڈان وہندوستان جو تاج برطانیہ کے ماتحت ملک تھے وہاں کی عوامی تحریک کی کھلے لفظوں میں موافقت بھی کی تھی۔ حکومت اپنے ہی ملک میں بڑھتے ہوئے اسلامی اثرات سے پریشان تھی چنانچہ عبداللہ کوئیلم پر بے بنیاد الزامات لگاکر ان کی گرفتاری کا حکم دیا گیا بالآخر اپنی گرفتاری سے بچنے کے لئے عبداللہ کوئیلم اپنے اہل خاندان وچند رفقاء کے ساتھ ترکی چلے گئے ۱۹۰۹ء میں واپس برطانیہ لوٹے اور اپنا تبلیغی کام جاری رکھا۔

اس عظیم عالم دین وداعی اسلام کا ۱۹۳۲ء میں لندن میں انتقال ہوگیا۔ بروک ووڈ قبرستان میں ان کے پہلو میں عبداللہ یوسف علی اور محمد پکتھال کی قبریں ہیں جنھوں نے قرآن پاک کا انگریزی ترجمہ کیا جو یورپ میں آج بھی مقبول ومعروف ہے آج برطانیہ کے ۲۰ لاکھ مسلمانوں کو لیورپول سے عقیدت ہے کہ اولین شیخ الاسلام یہاں پیدا ہوئے اور انتہائی ناموافق حالات میں پہلا اسلامی تبلیغی مرکز قائم ہوا۔ دیار مغرب کی گمراہ تہذیب میں عبداللہ کوئیلم اولین داعی اسلام تھے جنھوں نے اپنی زندگی کو رسول مقبول کے اسوۂ حسنہ کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی۔ اس یگانۂ روزگار دانشور کی زندگی کے مختلف پہلو تھے اور ہر پہلو مانند آفتاب روشن ومثالی تھا۔ وہ کامیاب صحافی تھے شعلہ بیان مقرر، بیدار مغز وکیل وقانون داں آشنا، ہمدرد، جید عالم دین، ٹریڈ یونین رہنما بھی اور اہل ایمان کے امام بھی ہے۔ ان کی کئی قابل قدر تصانیف یادگار ہیں جن میں چند حسب ذیل ہیں۔

1- FREEMASONRY AND ISLAM
2: MOHAMMED AND HIS TIMES.
3: THE JEWS UNDER ISLAMIC RULE.
4: A FULL EXPOSURE TO THE FRAUD.
5: MONOGAMY VERSUS POLYGAMY.
6: ISLAM SCIENCE AND SPEEULATION.
7: THE ISLAMIC PATH: AN APPEAL TO CHRISTIANS

اس جلیل القدر عالم دین نے ایک صدی قبل جو چراغ مغرب میں روشن کیا آج اس سے نہ صرف برطانیہ بلکہ پورے یورپ میں بے شمار چراغ روشن ہیں اور دعوت دین کا کام رواں دواں ہے۔

(بقیہ)

محدث جلیل علامہ محمد ناصر الدین البانی

میں البانی صاحب کے آراء وافکار اور ان کی تصانیف وخدمات کا تذکرہ ہے اس مضمون کی تیاری میں اس کتاب سے استفادہ کیا گیا ہے۔ خود شیخ البانی نے "صحیح الجامع الصغیر وزیادتہ" کے مقدمہ میں اپنی مطبوع وغیر مطبوع تصانیف کی فہرست دی ہے جس کی تعداد ۳۶ تک پہونچتی ہے۔ شیخ البانی کے معاصر ہندوستانی محدث مولانا حبیب الرحمن اعظمی رح نے "البانی اخطاؤہ وشذوذہ" کے نام سے عربی میں ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے جس میں شیخ کے تفردات در تحقیق کی غلطی کا جائزہ لیا گیا ہے جس سے اہل علم واقف ہیں۔

البانی صاحب کی وفات سے علمی دنیا میں زبردست خلا پیدا ہوگیا ہے۔ علوم حدیث کے مشاہیر علماء ومحدثین دنیا سے رخصت ہورہے ہیں کاش کہ علوم حدیث میں فضلاء کی ٹیم تیار کرنے کی ضرورت محسوس کی جائے اور اس کی فکر کی جائے، یہ وقت کا تقاضہ بھی ہے اور ضرورت بھی۔ رحمہم اللہ جمیعا وغفر لہم۔

مکتوبات حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہ کے مکتوبات کے جمع وترتیب کا کام ہو رہا ہے تمام اہل تعلق سے درخواست ہے کہ ان کے نام حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے جو مکتوبات ہوں وہ راقم سطور کو ارسال فرمادیں، اگر اصل مکتوبات کسی وجہ سے نہ بھیج سکیں تو ان کی فوٹو کاپی ارسال فرمائیں۔

محمد حمزہ حسنی
ناظر عام ندوۃ العلماء
پوسٹ بکس نمبر ۹۳ لکھنؤ

محدث جلیل علامہ محمد ناصر الدین البانی

حیات وخدمات

مولانا ابوسحبان روح القدس ندوی ۔ استاذ حدیث: دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

البانیہ یورپ کی ایک چھوٹی سی ریاست ہے جس کے ایک طرف اٹلی اور دوسری طرف یونان اور تیسری طرف یوگو سلاویہ واقع ہے۔ پہاڑی ساحلی علاقہ ہے۔ مسلمان ترکی فتح کرنے کے بعد آگے بڑھتے ہوئے یونان البانیہ اور بلقان اسٹیٹ کو پار کرتے ہوئے آگے بڑھے اور رومانیہ اور بلغاریہ تک پہنچے صلیبی جنگوں میں مسلمانوں کو جب یورپ سے نکالا گیا تو جو مسلمان وہاں بچ گئے وہ ان علاقوں میں رہ گئے، البانیہ میں مسلم اکثریت ہے، ترکوں کے زیر اثر رہا ہے۔

اس چھوٹی سی ریاست البانیہ کو عصر حاضر کے مایہ ناز محدث علامہ ناصر الدین البانی کے پیدائشی وطن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ جنھیں معرفت حدیث میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ انھوں نے پورے عالم اسلام بلکہ ساری علمی دنیا میں احادیث کی تحقیق و تجزیہ کا مذاق پیدا کیا، بے شمار احادیث کی محدثین کے معیار نقد وتصحیح پر چھان بین کی اور احادیث کی متعدد کتابوں کی نہ صرف تحقیق کی بلکہ صحیح وضعیف کو الگ کیا، اور ساتھ ہی ساتھ صحیح وضعیف کا علیحدہ علیحدہ کئی جلدوں پر مشتمل ایک سلسلہ بھی تیار کیا، جو اہل علم وتحقیق کے لئے بالعموم اور طالبان علوم حدیث کے لئے بالخصوص قابل قدر اور عظیم سرمایہ ہے۔ علوم حدیث میں اپنی گرانقدر خدمات کی بنا پر سال گذشتہ "شاہ فیصل ایوارڈ" کے مستحق ہوئے۔

موصوف "البانیہ" کی قدیم راجدھانی "اشقودرہ" کے ایک دیندار علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد الحاج نوح وہاں کے بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں تعلیم وتربیت کے ساتھ تصوف کی طرف مائل تھے، استنبول میں تعلیم حاصل کی اور پھر البانیہ واپس ہوگئے، اور تعلیم وتربیت کا فریضہ انجام دیتے رہے، البانیہ کے ماحول پر اسلامی رنگ غالب تھا، لیکن احمد زوغو جب وہاں کا بادشاہ ہوا تو اس نے البانیہ کی اسلامیت کو پامال کیا، اور ترکی فرمانروا کمال اتاترک کی روش اختیار کی عورتوں پر بے پردگی کو لازم کردیا، مسلمانوں کو اپنے دین کی سلامتی اور بقاء کی فکر دامن گیر ہوئی تو وہ البانیہ سے ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے انہیں کاروان ہجرت میں شیخ البانی کے والد الحاج نوح اور ان کی اولاد کا قافلہ تھا، یہ حضرات ملک شام میں سکونت پذیر ہوئے، دمشق جو اسلامی ثقافت کا گہوارہ رہا ہے وہاں شیخ البانی کی تعلیم اور نشو ونما ہوئی، ابتدائی تعلیم دمشق کی رفاہی سوسائٹی کے ماتحت ایک مدرسہ میں ہوئی، پھر باقاعدہ منظم تعلیم وہیں کے علماء ومشائخ سے حاصل کی، قرآن کریم کی تلاوت وتجوید، فقہ حنفی اور علم صرف کی بعض ابتدائی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں "مراقی الفلاح" شرح نور الایضاح اور علم بلاغت کی بعض کتابیں شیخ سعید البرہانی سے پڑھیں، گو شیخ البانی کو دمشق کی علمی مرکز سے ڈگریاں حاصل کرنے کا اتفاق نہیں ہوا تاہم علم حدیث میں ان کی دلچسپی اور تفوق کو دیکھتے ہوئے حلب کے مشہور عالم ومحقق راغب الطباخ نے سند حدیث عطا کی چونکہ شیخ البانی کے والد کا رجحان تصوف کی طرف تھا۔ اس لئے وہ اپنے نوخیز فرزند کو اپنے ہمراہ روحانی مراکز اور بزرگوں کے مزارات پر لے جاتے، البانی صاحب کا بیان ملاحظہ فرمائیں۔

اس رجحان میں میں اپنے والد کے نقش قدم پر تھا یہاں تک کہ اللہ تعالی نے سنت کی طرف ہماری رہنمائی کی اور میں ان باتوں سے باز آیا جو میں نے اپنے والد سے اخذ کی تھیں جسے وہ تقرب الی اللہ اور عبادت تصور کرتے"

دوسری طرف شیخ البانی کے والد حنفی مسلک پر تعصب کی حد تک گامزن تھے لیکن البانی صاحب کا رجحان مطالعہ کے نتیجہ میں عمل بالحدیث کی طرف تھا۔ اس طرح باپ بیٹے میں کشمکش شروع ہوگئی۔ البانی صاحب کا بیان ہے کہ "مطالعہ حدیث میں جب میرا انہماک روز بروز بڑھنے لگا، اور میرے والد نے میری اس دلچسپی کو محسوس کیا تو مجھے یہ کہہ کر ڈراتے" "علم حدیث مفلسوں کا کام ہے" لیکن ان تمام فکری اختلافات کے باوجود ان کی اخیر زندگی میں بڑی حد تک ہم آہنگی ہوگئی تھی۔

البانی صاحب اور ان کے والد میں جوں جوں علمی مسائل میں اختلافات بڑھے، البانی صاحب کا مطالعہ حدیث میں دلچسپی بڑھتی گئی، اور ان کے فکر ومزاج میں رد عمل (REACTION) پیدا ہوگیا۔ اس رد عمل نے انھیں توحید وسنت کا علمبردار اور رد بدعات کا سپہ سالار بنا دیا۔

عجب اتفاق کہ سید رشید رضا مصری (ت ۱۳۵۴ھ) کے قلم سے ان کے مجلہ "المنار" میں

غزالی کی "احیاء علوم الدین" پر نقد و تبصرہ شائع ہوا۔ البانی صاحب کی نظر جب اس مضمون پر پڑی تو ان کے اندر "الاحیاء" کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا، شیخ نے پوری کتاب حافظ زین الدین عراقی (ت ۸۰۶ھ) کی تخریج احادیث کے ساتھ پڑھی، اس مطالعہ نے ان کے اندر احادیث کی چھان بین اور تصحیح و تخریج کا ذوق پیدا کیا ادھر شام کے عرصہ قیام نے ان کے اندر عربی علوم و فنون میں مہارت اور وہاں کے مشہور علمی کتب خانہ "الظاہریہ" کی آمد و رفت نے ان کی علمی صلاحیتوں کو اجاگر کیا، علوم حدیث کو انھوں نے اپنا موضوع بنایا۔ اور پوری زندگی حدیث کی خدمت میں وقف کردی

یحییٰ بن معین (ت ۲۳۳ھ) یا علی بن المدینی (ت ۲۳۴ھ) سے ضعیف اور موضوع احادیث کے متعلق دریافت کیا گیا تو اس کے جواب میں فرمایا "یعیش لها الجهابذة" یعنی اس کے مقابلے کے لئے پرکھنے والے بلند پایہ ائمہ ہوں گے، بلاشبہ علامہ البانی اس عصر کے جہابذہ محدثین میں شمار ہوتے ہیں۔ حدیث کی تصحیح و تحقیق میں کسی کی پرواہ نہیں کی۔ صحیح معنوں میں وہ تحریک عمل بالکتاب والسنہ کے پرجوش داعی اور اس کے علمبردار تھے، حق گوئی و بے باکی کے نتیجہ میں ہمیشہ جلا وطنی کی زندگی گزاری، شام و حجاز، کویت اور اردن کی خاک چھانی، بالآخر ۲ر اکتوبر ۱۹۹۹ء کو دمشق کی سرزمین میں سپرد خاک ہوئے اور اپنے پیچھے علوم حدیث میں نہ صرف کتابوں کا ایک قیمتی ذخیرہ چھوڑا بلکہ محققین کی ایک ٹیم تیار کر گئے، جو ان کے تصحیح احادیث کے مشن کو فروغ دیں گے، اور دے رہے ہیں۔

یوں تو البانی صاحب نے بے شمار کتابیں تصنیف فرمائیں، لیکن ان کا سب سے عظیم کارنامہ صحیح اور ضعیف احادیث کا الگ الگ سلسلہ ہے جو آٹھ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ بڑی دیدہ ریزی اور انتہائی محنت سے یہ سیٹ تیار ہوا ہے، جو علمی دنیا میں "سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ" اور "سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ" کے نام سے مشہور و متداول ہے۔

فقہ حنبلی کی مشہور کتاب "منار السبیل" کی تحقیق اور اس میں مذکور احادیث کی دس جلدوں میں تخریج کی ہے، سنن اربعہ یعنی ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کی صحیح اور ضعیف احادیث کو علاحدہ کرکے شائع کیا ہے۔ خطیب تبریزی کی مشکوٰۃ المصابیح کے متعدد قلمی نسخوں کو سامنے رکھ کر تین ضخیم جلدوں میں ایڈیٹ کیا ہے، فصل دوم اور سوم کی احادیث پر جا بجا کلام بھی ہے، اور اخیر میں قولی و فعلی احادیث کا اشاریہ بھی درج ہے۔ امام نوویؒ کی ریاض الصالحین بھی ان کی تحقیق سے شائع ہوئی ہے۔ مشہور مصری عالم محمد الغزالی کی "فقہ السیرۃ" اور ڈاکٹر یوسف القرضاوی کی "الحلال والحرام فی الاسلام" اور "مشکلۃ الفقر وکیف عالجها الاسلام" میں مذکور احادیث کی تخریج کردی ہے۔ امام بخاری کی تصنیف لطیف "الادب المفرد" جس کی شرح و توضیح مولانا فضل اللہ گیلانی نے کی ہے اور مصر سے دو ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی۔ شیخ البانی نے الادب المفرد کی صحیح اور ضعیف احادیث کو الگ الگ حال ہی میں شائع کیا ہے حافظ منذری کی "الترغیب والترہیب" پر ان کی زبردست تعلیق ہے، سیوطی کی "الجامع الصغیر" پر ان کا کام بڑا اہم ہے جو "صحیح الجامع الصغیر وزیادۃ" اور "ضعیف الجامع الصغیر وزیادتہ" کے نام سے شہرت حاصل کرچکی ہے۔ شرح العقیدۃ الطحاویہ کی احادیث کی بھی تخریج کردی ہے۔ اس کے علاوہ ائمہ متقدمین کے متعدد رسائل کو اپنی تحقیق و تخریج کے ساتھ شائع کیا۔ جن میں حسب ذیل رسائل قابل ذکر ہیں۔

مختصر صحیح مسلم للمنذری۔ مختصر کتاب الایمان لابن تیمیہ، کتاب العلم لابی خیثمہ، رسالۃ فی الصیام لابن تیمیہ اقتضاء العلم العمل للخطیب البغدادی، المسح علی الجوربین لجمال الدین القاسمی الدمشقی۔ حجاب المرأۃ المسلمۃ و لباسها فی الصلاۃ لابن تیمیہ۔ مختصر العلو للذہبی مختصر صحیح البخاری، الروضۃ الندیۃ لصدیق حسن خان، فضل الصلاۃ علی النبی للقاضی اسماعیل، الکلم الطیب لابن تیمیہ وغیرہ۔

اس کے علاوہ صفۃ الصلاۃ النبی، آداب الزفاف فی السنۃ المطہرۃ، تحذیر الساجد من اتخاذ القبور مساجد، احکام الجنائز و بدعها، حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کما رواها جابر رضی اللہ عنہ، شیخ البانی کی اہم تصانیف میں شمار ہوتی ہیں۔

عقائد و احکام، فضائل و مناقب، ترغیب و ترہیب، زہد و رقاق الغرض دین کے کسی باب میں البانی صاحب ضعیف احادیث پر عمل کرنے کے قائل نہیں ہیں۔ ان کے نزدیک فکر اسلامی کی تصحیح کے لئے احادیث کے سرمایہ کی تنقیح از حد ضروری ہے، شیخ البانی کے جملہ افکار و نقطہائے نظر کے تجزیہ اور ان کی جلیل القدر خدمات کے لئے مستقل ایک مضمون درکار ہے۔

جامعہ سلفیہ پونیسکل (کالیکٹ) کے کتب خانہ میں شیخ البانی کی فکر و مؤلفات پر دو ضخیم جلدوں میں عربی میں ایک کتاب پر نظر پڑی، دوسری جلد میں شیخ کی تصانیف کا جائزہ و تعارف ہے، شام کے مشہور عالم و ادیب شیخ محمد المجذوب نے عصر حاضر کے بیس مشاہیر علماء و مفکرین پر ۲۰۴ صفحات پر مشتمل ایک کتاب شائع کی جس میں ۲۷ صفحات

(باقی ص ۱۹ پر)

تفسیر ماجدی اردو دوسرا ایڈیشن

مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ (۱۸۹۲.....۱۹۷۰) کی ذات گوناگوں صفات کی حامل تھی۔ وہ جہاں ایک طرف فلسفی، ماہر نفسیات، اردو کے صاحب طرز ادیب اور بے مثل صحافی تھے تو دوسری طرف کامیاب مترجم و شارح اور امتیازی شان رکھنے والے عالم دین بھی تھے۔

دینی خدمات میں ان کا اہم ترین کارنامہ تفسیر ماجدی (انگریزی اور اردو) ہے یہ تفسیریں ان کی دقت نظری، وسعت مطالعہ، قرآن فہمی، تدبر فی الآیات، تمسک بالسنۃ، جمہور اہل سنت کی ترجمانی اور مجتہدانہ طرز احساس کا روشن نمونہ ہیں۔ اردو تفسیر میں ان کے دلنشین اسلوب، منطقی طرز استدلال، حکیمانہ بصیرت، خطیبانہ حرارت، اسلام سے والہانہ شیفتگی اور اس پر اعتماد ویقین کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

مولانا دریابادیؒ نے اردو تفسیر پر جب نظر ثانی کا کام شروع کیا تو انھوں نے اپنے مشہور ہفتہ وار "صدق جدید" لکھنؤ میں مورخہ ۱۰ رجون ۱۹۶۲ء کو ایک مضمون لکھا جس میں انھوں نے یہ صراحت کی ہے کہ تفسیر پر نظر ثانی ترمیم اور اضافے کیوں ضروری تھے؟ نیز کس حد تک اس ایڈیشن پر انھوں نے اضافے کئے؟

یہ مضمون مولانا دریابادیؒ کے نبیرہ حافظ مولوی نعیم الرحمٰن صدیقی ندوی نے صدق جدید جلد ۱۶، شمارہ ۲۸ سے نقل کیا ہے جو درج ذیل ہے

تفسیر ماجدی اردو کا آغاز حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی اخیر زندگی ہی میں ہوگیا تھا۔ اور حضرتؒ کی وفات ہی کو آج ۲۳ سال ہوچکے ہیں۔ کام کی تکمیل کئی سال میں ہوپائی۔ گویا کام کو کئے ہوئے ایک ربع صدی ہوچکی۔ اور کتاب کے چھپنے میں گو بہت دیر ہوئی پھر بھی اسے چھپے ہوئے اچھا خاصہ عرصہ ہوچکا اور تفسیر نگاری کے کام کو ختم ہوئے کوئی ربع صدی کا۔۔ وقت کی یہ مدت یوں بھی کچھ ایسی کم نہیں۔ اور اب جس باد رفتاری سے وقت اپنے پیروں سے دوڑنے نہیں بلکہ اپنے پروں سے اڑنے لگا ہے۔ اس نے اس مدت کو سابق کے مقابلے میں کئی گنا بڑھا دیا ہے خیال ودماغ کی دنیا میں یہ تغیرات وانقلابات کہیں ڈیڑھ دوسو سال میں ہوتے تھے وہ اب دس بارہ سال کے اندر ہوجاتے ہیں۔

قرآن مجید کے حقائق اپنی جگہ پر بدستور ہمیشہ قائم رہیں گے۔ لیکن ان کی تفسیر، تشریح، تعبیر جب کوئی بھی بندہ کرے گا تو وقت ومقام کی قیدوں سے متاثر ہوکر، عہد صحابہ وعہد تابعین کی جو تفسیریں منقول ہیں ان میں ان بحثوں کا شائبہ بھی نہیں، جو پہلے زمخشری (صاحب کشاف) اور پھر امام رازی اور قاضی بیضاوی کے صفحات کی زینت بن گئیں۔ اور تیرھویں صدی ہجری کے نصف اول کے معروف ومقبول مفسر علامہ آلوسی بغدادی کے ہاں ان بحثوں کا جو پھیلاؤ ہے اسے تو متقدمین سوچ ہی نہیں سکتے تھے۔

بیسویں صدی عیسوی کے وسط میں ۲۵ سال کی مدت ایک مدت مدید ہی کہی جائے گی۔ ایک دو نہیں متعدد اور خفیف نہیں اہم مسائل کی تجدید اور ان پر از سر نو نظر وگفتگو ناگزیر ہوگئی ہے۔

۱۔ خلائی سفر، اور چاند اور سیاروں سے متعلق جدید انکشافات نے ان تحقیقات کا رخ ہی بدل دیا ہے جو اس صدی کے ربع اول بلکہ ربع دوم تک بھی منظم اور راسخ سمجھی جاتی تھی۔ اور جو آیات قرآنی فلکیات وہیئت وغیرہ کے سلسلے کی ہیں ان کی تفسیر پر دوبارہ نظر کرنا ہوگی۔ قرآن مجید ان علوم یا دنیوی علوم میں سے کسی کی بھی کتاب ہرگز نہیں۔ لیکن آیات قرآنی میں ایسی معجزانہ لچک موجود ہے کہ وہ ہر دور کے "علمی"، "سائنسی" مقتضاؤں کا ساتھ دے سکتی ہے۔

۲۔ عمرانی معاشری، معاشی مسائل میں بھی نئے نئے نکتے پیدا ہوئے ہیں ان میں نمایاں ترین مسئلہ خاندانی منصوبہ بندی یا منع حمل کا ہے اس قسم کے مسئلوں پر ضرورت پوری توجہ کی ہے۔

۳۔ تاریخی وجغرافی اعتبار سے قرآن مجید میں جو بیانات محض ضمناً آگئے ہیں ان کی بھی تاحد امکان توثیق تازہ شہادتوں سے۔

۴۔ یہودیوں بنی اسرائیل سے متعلق قرآن مجید میں آیات کثرت سے ہیں۔ حکومت بنی اسرائیل کے قیام اور یہود کے موجودہ جاہ وحشم اور مسیحیوں کی ان کے

ساتھ مخالفت، بلکہ تازہ رفق و ملاطفت نے ایک بالکل نیا مسئلہ اٹھا کھڑا کیا ہے جس سے کسی سابق مفسر کو نبٹنا نہیں پڑا تھا۔

یہ عنوانات تو وہ ہوئے جن پر نظر ثانی و تحقیق مزید قابل سے قابل اور فاضل سے فاضل مفسر کے لئے ضروری ہو جاتی ہے۔ اور ایک نا اہل کے اناڑی پن نے تو نظر ثانی کی ضرورت کو کئی گنا اور بڑھا دیا ہے۔ ترجمہ میں جا بجا خامیاں کچھ خود سے نظر آگئیں اور کچھ دوسروں کے بتانے سے (اور سہو کتابت کا تو خیر ذکر ہی نہیں) عین نزول قرآن یا اس سے کچھ قبل کا تاریخی پس منظر ہی جا بجا قابل ترمیم نظر آیا۔ اور اس میں اچھے خاصے رد و بدل اور اضافہ کی ضرورت نظر آئی قرآنیات سے متعلق کچھ قابل قدر کتابیں بھی بعد کو ہاتھ آگئیں۔ ان سے بھی استفادہ ضروری تھا۔

نظر ثانی کا کام شروع کئی سال قبل کر دیا تھا۔ اور اب کہنا چاہیئے کہ ختم ہی ہے۔ اور بیشتر حصہ تیار ہو چکا ہے (گو حقیقتاً کام ختم تو آخری لمحہ تک بھی نہیں ہو سکتا) نتیجہ عملاً یہ ہوا ہے کہ:

۱۔ بعض حصے جو نسخ وغیرہ سے نقل ہوئے تھے انہیں حذف کر دینے کے بعد بھی مسودہ کی ضخامت پہلے ایڈیشن سے اچھی خاصی بڑھ گئی ہے۔ ترجمے میں ترمیم تو کوئی پانچ فیصدی سے دس فیصدی تک ہوئی ہے اور تفسیر میں کم سے کم ۳۰ فیصدی کا اضافہ ہو گیا ہے بلکہ کہیں کہیں تو ۴۰ فیصدی کی نوبت آگئی ہے۔

معنوی حیثیت کے علاوہ کتاب کی ظاہری حیثیت بھی تبدیلی کے قابل ہے۔ ناشر صاحب نے اسے مصحف کی شکل میں شائع کیا اور تفسیری حاشیے سب نیل یا پہلو میں دے دیئے اور قلم بھی باریک رکھ دیا (پڑھنے والوں کے بکثرت شکایت نامے موصول ہوئے کہ اتنی خفی کتابت کے باعث پڑھنے میں دقت ہوتی ہے) اس لئے اب اگر کتاب کا چھپنا تقدیر الٰہی میں ہے تو اس کی شکل مصحفی نہیں بلکہ کتابی ہونا چاہیئے۔ جیسے عام تفسیروں کی ہوتی ہے اور قلم بھی زیادہ روشن رہے۔

ایک بندہ بے بضاعت اور بے پر و بال کے کئے جو کچھ بھی ہو سکتا تھا وہ توفیق الٰہی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس سے کرا دیا۔ اور اب سوال طبع اور اشاعت کا رہ جاتا ہے۔ قدرۃً پہلا خیال ناشر اول کی طرف گیا دو خط بھیجے گئے اور کسی کا جواب نہ آیا۔ آتا بھی تو موجودہ سیاسی کشمکش کے دوران پاکستان میں چھپائی کی کوئی صورت ہی کیا تھی۔ رہا ہندوستان۔ تو اب نہ حیدرآباد زندہ ہے نہ بھوپال۔ لے دے کے بمبئی اور دہلی کے وہ ناشرین رہ جاتے ہیں جو قرآن مجید کا کاروبار کرتے رہے ہیں ان میں کس میں اتنا دم ہے کہ لاکھ پون لاکھ کی لاگت کا سودا کر سکے؟ چار سال قبل ایک پریس سے تخمینہ کرایا تھا، ۷۰-۷۵ ہزار کی رقم اس وقت سننے میں آئی تھی۔ اور اب اتنے دنوں میں کاغذ کی قیمت، کاتب کی اجرت وغیرہ سامان طبع کے جزو میں جو گرانی ہوتی ہے وہ سب پر ظاہر ہے۔

رہے امیر کویت، بادشاہ حجاز وغیرہ تو وہاں تک رسائی کس کی! ایک چلا ہوا طریقہ متفرق عطیوں اور چندوں سے کام چلانے کا ہے۔ سو اس کی اہلیت کسی درجہ میں بھی اپنے میں نہیں پاتا۔

غرض بظاہر تو اس کی کوئی صورت نظر آتی نہیں کہ اپنی زندگی میں طبع ثانی دیکھ سکوں اور بندے کی قسمت میں یہ ہے کہاں کہ اس کی جو تمنا و آرزو ہو اسے اپنی آنکھوں سے پورا ہوتے ہوئے دیکھ لے ام للانسان ما تمنی... کچھ حسرتیں آخر زاد راہ بن کر ساتھ جانے والی بھی تو ہوتی ہیں۔ اور کوئی اس سے بڑھ کر ٹھیس دردو دلدوز اور کیا ہو سکتی ہے کہ خدمت قرآن ناتمام رہی جاری ہو ناظرین صدق کی ایک بہت بڑی تعداد جو گہرا تعلق اخلاص و حسن ظن کا اپنے اس خادم کے ساتھ ہے اس کا احساس تھوڑا بہت ہے اور جانتا ہوں کہ وہ مخلصین اس کام کو عین اپنا ہی کام سمجھے ہوئے ہیں۔ لیکن بات ہی ایسی ہے۔ جو ان مخلصوں کے بس سے باہر ہے۔

کیا غم کے نہیں ہیں ہوا خواہ بزم میں
ہو غم ہی جاں گداز تو غمخوار کیا کریں!

بہرحال جو صورت حال ہے وہ بے کم و کاست عرض کر دی گئی۔ باقی ہونا جو کچھ ہے وہ خلقت کی رائے، مشورہ خواہش و ارادہ سے نہیں، خالق ہی کی مشیت و مصلحت کے ماتحت ہو کر رہے گا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ جس کو اپنے قیام کے آغاز ہی سے مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کا خصوصی تعلق حاصل رہا تھا۔ اردو تفسیر ماجدی کا نظر ثانی شدہ ایڈیشن مولانا مرحوم کی خواہش کے مطابق بڑے اہتمام سے شائع کر رہی ہے۔ الحمد للہ اس کی دو جلدیں شائع ہو چکی ہیں باقی جلدیں زیر طبع ہیں۔
ملنے کا پتہ: مجلس تحقیقات و نشریات اسلام پوسٹ بکس ۱۱۹
دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

سوڈان میں ۱۰ دن

مولانا محمد ناظم الدین قاسمی (اکولہ۔ مہاراشٹر)

علاقہ برار (مہاراشٹر) سے چند احباب مرکز نظام الدین دہلی کے حضرات اکابرین کی ہدایات اور دعاؤں کے ساتھ مولانا الحاج سید محمود علی صاحب مظاہری (خلیفہ حضرت مولانا مفتی عبدالعزیز صاحب رائے پوری سابق ناظم مظاہر علوم سہارنپور) کے امارت میں ملک سوڈان کی طرف بغرض تبلیغ روانہ ہوئے۔ بفضل الٰہی احقر بھی اس سفر میں شامل تھا سفر سے واپسی پر کچھ احوال قلم قرطاس کر رہا ہوں۔ امید کہ وہ احوال ایمان واعمال میں اضافہ کا ذریعہ بنیں گے۔

سوڈان کی عمومی حالت

براعظم افریقہ کے شمالی حصہ میں سوڈان ایک اسلامی ملک ہے۔ جہاں مسلمانوں کی آبادی تقریباً دو کروڑ ساٹھ لاکھ اور عیسائی بیس لاکھ کے قریب ہیں۔ ملک کی راجدھانی خرطوم ہے جس کی آبادی تقریباً ۷۵ لاکھ ہے' سرحدی اور اطراف کے ممالک میں مصر' سعودیہ' تشاط' زائر' یوگنڈا' حبشہ' سومال' ارتھیا' وغیرہ ہیں۔ باشندگان ملک طاقتور' قدآور اور سیاہ رنگ کے ہیں۔ زندگیوں میں سادگی' مزاجوں میں قربانی' عورتوں میں حجاب' چھوٹوں بڑوں میں اکرام' امراء وحکام میں احترام ہے۔ ان کے اکثر مکانات مٹی کے سیدھے سادے اور زیبائش وآرائش کے سامانوں سے خالی ہیں' ان کا لباس طویل جبہ سر پر ٹوپی اور اس پر عمامہ بندھا ہوتا ہے۔ زبان عربی اور مسلکاً مالکی ہیں۔ ملک میں ہر شہر کی مسجدیں عموماً نہایت شاندار وسیع وعریض اور کافی آباد ہیں خصوصاً خرطوم کی مسجدیں دیکھنے کی نوبت آئی۔ مساجد کے نقشے نہایت پرشوکت اور تعمیریں معیاری ہیں۔ ساتھ ہی ان مساجد میں صف بوریہ کے بجائے بیش قیمت قالینوں کا فرش ہے۔ ائمہ ومؤذنین حکومت کی جانب سے تنخواہ دار مقرر ہوتے ہیں نمازوں کے وقت مسجدیں معمور ہوتی ہیں۔ ہر وقت کی نماز میں نمازی جوق درجوق آتے ہیں۔ مارکٹوں اور دفتروں میں بیسیوں جگہ نماز باجماعت ادا کی جاتی ہے۔ خرطوم میں دو ہزار کے قریب مساجد ہیں اس کے علاوہ سیکڑوں ٹھیے اور خلوے ہیں جہاں پنج وقتہ نماز ہوتی ہے۔

مہمانوں کا اکرام

مہمانوں کا اکرام بہر حال مسلم قوم کا مزاج ہے جس میں عرب امتیازی شان رکھتے ہیں' سوڈانیوں میں بھی عام عربوں کی طرح یہ صفت طبیعت ثانیہ ہے۔ ملنساری اور محبت کا مضمون کافی ہے۔ جب بھی کسی صاحب سے ملاقات ہوتی تھی ان کے زبانوں پر بے ساختہ مرحبا مرحبا اور تفضلو اتفضلوا بار بار جاری رہتا غریب بھی اپنی غربت کے باوجود کم از کم کھجور اور قہوہ سے اکرام کرنے میں بڑا فخر سمجھتا ہے اور خوشی محسوس کرتا ہے۔

قرآن کریم سے محبت

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کریم کے ساتھ سوڈانی قوم کو صرف لگاؤ ہی نہیں بلکہ عشق اور شغف ہے۔ روزانہ ہر مسجد میں یہ لازمی معمول دیکھنے میں آیا کہ فجر کی نماز کے بعد اشراق تک تصحیح قرآن کا حلقہ لگتا ہے جس میں جوان بوڑھے کثرت سے شامل رہتے ہیں۔ امام یا کوئی مجوّد تصحیح کراتا ہے۔ اس کے علاوہ مارکٹوں' دکانوں' دفتروں' گاڑیوں اور ہر جگہ قرآن کریم کی تلاوت کرتے رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ ایک سپاہی جو سڑک کے چوراہے پر پہرہ دے رہا ہے اسے بھی ذرا فرصت ملتی ہے قرآن کریم کی تلاوت میں مصروف ہو جاتا ہے۔ چھوٹے بچوں کے لئے سیکڑوں مقامات پر مکاتب قرآنیہ اور مدرسوں کا نظم ہے۔

عجائبات قدرت

یہ ملک پہاڑوں اور ریگستانی میدانوں سے بھرا ہوا ہے۔ اس کے جنوبی سمت میں یوگنڈا ایک ملک ہے وہاں سے ایک بڑی نہر نکل کر شمالی سمت یعنی خرطوم کی طرف بہہ رہی ہے جس کو نہر ابیض کہا جاتا ہے اور ملک کے مشرقی سمت حبشہ ہے وہاں سے بھی ایک نہر نکل کر خرطوم کی طرف بہہ رہی ہے جس کو نہر ازرق کہا جاتا ہے۔ یہ دونوں نہریں آکر خرطوم میں ملتی ہیں۔ اور عجیب خدا کی قدرت ہے جس کا مشاہدہ بچشم خود کیا' یہ دونوں نہریں مل کر ایک ساتھ چلتی ہیں دونوں کا پانی آپس میں نہیں ملتا۔ سفید پانی اور نیلگوں رنگ کا پانی الگ الگ بہتے ہیں۔ وہاں کے کئی علماء کرام سے ملاقات ہوئی ان کا کہنا ہے کہ یہی وہ مجمع البحرین ہے جس کا تذکرہ اللہ نے سورہ کہف میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کے ملاقات کے متعلق ذکر فرمایا ہے۔ پھر یہ نہریں مصر کی طرف بہہ رہی ہیں جس کو دریائے نیل کہا جاتا ہے خرطوم سے مصر گیارہ سو کلو میٹر کے فاصلہ پر ہے۔ ان نہروں کا پانی استعمال بھی کیا جاتا ہے' ذائقہ میٹھا ہے۔

صحابہؓ کی قبریں خرطوم سے شمالی حصہ میں سات سو کلو میٹر کے فاصلہ پر ایک شہر دنقلا عجوز ہے جو مصر سے قریب ہے' دنقلا عجوز سے جنوبی سمت میں تیس کلو میٹر کے فاصلہ پر قریۃ الصحابہؓ کے نام سے ایک بستی

ہے۔ یہاں عبداللہ بن صراحؓ اور ان کے ساتھ ۹۳ صحابہ کرامؓ کی قبریں ہیں جن کے آثار آج تک موجود ہیں۔ بوسیدہ عمارتیں، کھنڈرات اور آثار قدیمہ بھی موجود ہیں۔ بتلایا گیا کہ یہ صحابہؓ کی جماعت حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ۲۲ھ یا ۲۳ھ میں مصر کے ایک شہر اسکندریہ میں داخل ہوئی پھر وہاں سے قاہرہ ہوتے ہوئے سوڈان کی طرف فاتحانہ داخل ہوئی اور اسلامی پرچم لہرایا۔ وہاں عبداللہ بن صراحؓ نے ایک مسجد بنائی تھی جو آج تک موجود ہے۔

مولانا محمد حنیف ملی کی وفات

مدرسہ معہد ملت مالیگاؤں کے روح رواں اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مجلس منتظمہ کے رکن مولانا محمد حنیف ملی صاحب طویل علالت کے بعد جنوری کے پہلے ہفتہ میں انتقال فرماگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا مرحوم گوناگوں خوبیوں کے حامل تھے مولانا کا درس و تدریس سے خصوصی اشتغال ہونے کے ساتھ ساتھ مدرسہ کی ضروریات کو بڑی توجہ اور لگن کے ساتھ پورا کرتے تھے، عزم و استقلال آپ کی ایک نمایاں صفت تھی۔

مولانا نے دعوت وارشاد کے سلسلہ میں چین کا سفر بھی کیا۔ انھوں نے وہاں بڑا کام کیا اس سلسلہ میں انھوں نے ایک سفرنامہ چین بھی لکھا مولانا مرحوم تبلیغی جماعت، دینی اداروں اور مدارس عربیہ سے بڑا گہرا اور والہانہ تعلق رکھتے تھے دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مجلس منتظمہ کے رکن ہونے کے ناطے وہ بڑی پابندی سے مجلس شوریٰ میں شرکت فرماتے تھے، اپنے شاگردوں کو حصول تعلیم کے لئے ندوہ ہی بھیجا کرتے تھے۔ ان کو ندوہ کے مقاصد و تخیل سے بڑی مناسبت تھی۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی فکر سے بڑا جذباتی تعلق رکھتے تھے۔ اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کی تعلیمی اور تعمیری ترقی کے خواہاں رہتے تھے

اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو غریق رحمت کرے اور ان کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔

قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے

اعلان ملکیت و دیگر تفصیلات، فارم ۴ رول ۸

مقام اشاعت :	مجلس صحافت ونشریات دارالعلوم ندوۃ العلماء بادشاہ باغ لکھنؤ
مدت اشاعت :	پندرہ روزہ
مدیر مسئول :	شمس الحق ندوی۔
قومیت :	ہندوستانی
پتہ :	دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
پرنٹر پبلشر کا نام :	اطہر حسین
قومیت :	ہندوستانی
پتہ :	۲۱ عدنان ہلی، متصل حرا پبلک اسکول رنگ روڈ۔ دوبگا، پوسٹ کاکوری لکھنؤ
مالک کا نام :	مجلس صحافت ونشریات دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

میں اطہر حسین تصدیق کرتا ہوں کہ متذکرہ بالا امور میرے علم و یقین سے صحیح ہیں۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ پر

تعمیر حیات کا

خصوصی اور یادگاری نمبر

ادارہ تعمیر حیات کا سب سے قبل یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے سرپرست اور بزرگ ترین شخصیت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ ناظم ندوۃ العلماء پر ایک یادگاری خصوصی اشاعت پیش کرے، وہ یہ فرض بہتر اور نہایت معیاری انداز سے پورا کرنا چاہتا ہے اس کے لئے کشادہ وقت درکار ہے اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے قریبی تعلق رکھنے اور ان کی شخصیت کے امتیازی پہلوؤں سے واقفیت رکھنے والوں کے تعاون کے ساتھ ہی یہ کام انجام دیا جاسکے گا۔

ادارہ تعمیر حیات نے اس سلسلہ کی ضروری کارروائی شروع کردی ہے، اس سلسلہ میں ہمارے محبین واہل قلم کی طرف سے پسندیدگی ظاہر ہورہی ہے ـــــ ہم امید کرتے ہیں کہ یہ کام نئے سال کی پہلی سہ ماہی میں مکمل ہوسکے گا۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ پر مختلف رسالوں کے نمبر نکلے ہیں اور نکل رہے ہیں، اس نمبر میں انشاءاللہ نئے مضامین کے ساتھ ساتھ دیگر خصوصی نمبروں میں شائع شدہ امتیازی مضامین کو بھی شامل کیا جائے گا۔

ـــــــــــــــــــ ادارہ

سوال و جواب

محمد طارق ندوی

س:۔ ایک بکری کنویں میں گر کر مرگئی تو کنویں
ا پانی نکالنا پڑے گا؟

ج:۔ پورا کنواں ناپاک ہوگیا' اس کا تمام پانی
ا ہوگا۔

س:۔ ایک شخص کو زید نے قرض دیا مگر وہ
ں کی ادائگی پر قدرت رکھنے کے باوجود قرض
نے کی نیت رکھتا ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا
ت ہے یا نہیں؟

ج:۔ صورت مسئولہ میں مذکور شخص کے پیچھے
پڑھنا مکروہ ہوگا۔

س:۔ ایک شخص نے نفل نماز شروع کی لیکن
ری کے تحت دوسری رکعت میں بیٹھ کر نماز پوری
د نماز ہوگی یا نہیں؟

ج:۔ صورت مسئولہ میں مذکور شخص کی نماز صحیح
ی خواہ پہلی رکعت میں بیٹھا ہو یا دوسری رکعت میں۔

س:۔ بہت سی جگہوں پر پرانے کپڑے نیلام
تے ہیں ان کو پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

ج:۔ ایسے کپڑوں کو دھو کر پہننا بہتر ہے۔

س:۔ ایک شخص نے عیسائی عورت (اہل کتاب)
ے شادی کر لی تو جو بچے پیدا ہونگے وہ مسلمان ہونگے یا نہیں؟

ج:۔ اگر کسی نے عیسائی عورت (اہل کتاب)
ے شادی کر لی اور اس سے اولاد پیدا ہوئی تو وہ مسلمان
ں ی۔

س:۔ میت کو نہلاتے وقت سر کس طرف ہونا
ر ہے؟

ج:۔ بہتر یہ ہے کہ منہ قبلہ کی طرف اور سر شمال
کی جانب اور پیر جنوب کی جانب ہوں۔

س:۔ بیوی مرجائے تو اس کا خاوند اسے دیکھ
سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر خاوند مرجائے تو اس کی
بیوی اسے دیکھ سکتی ہے یا نہیں؟

ج:۔ اگر بیوی مرجائے تو اس کے شوہر کو مرنے
کے بعد دیکھنا جائز ہے' اسی طرح اگر خاوند مرجائے
تو اس کی بیوی اسے دیکھ سکتی ہے۔

س:۔ کیا کوئی شخص اپنی زندگی میں اپنا کفن
اور قبر تیار کر سکتا ہے۔

ج:۔ ہاں! مفتی بہ قول یہی ہے کہ اگر کوئی
چاہے تو اپنی زندگی میں بلا کراہت اپنا کفن اور قبر
تیار کر سکتا ہے۔

س:۔ بعض مقامات میں نماز جنازہ کے بعد
میت کو گھر میں لاکر دعا مانگتے ہیں' یہ جائز ہے یا
نہیں؟

ج:۔ جب میت کی نماز جنازہ ہوگئی تو اس
کو گھر لے جاکر دعا کرنے کی کوئی اصل شریعت مطہرہ
میں نہیں ہے یہ بدعت ہے ترک کرنا لازم ہے۔

س:۔ ایک شخص ہے جو اکثر اپنی نماز اذان سے
پہلے ہی وقت آنے پر گھر میں' اکیلا ادا کر لیتا ہے جب
کہ اسے کوئی ایسی ضرورت نہیں ہے صرف اس کی
اپنی عادت ہے۔

ج:۔ نماز کے لئے نماز کا وقت شرط ہے اگر
وقت کے اندر مذکور شخص نماز پڑھ رہا ہے تو نماز تو
ہو جائے گی' خواہ اذان ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو لیکن
جماعت سے نماز پڑھنا قریب واجب ہے
ترک جماعت پر گنہگار ہوگا۔

س:۔ اذان میں حی علی الصلاہ اور حی علی الفلاح
کی جگہ پر ایک مؤذن حی للصلاہ اور حی للفلاح کہتا ہے
تو اس کا اس طریقہ پر اذان دینا از روئے شرع
کیسا ہے؟

ج:۔ اذان میں حی للفلاح اور حی للصلاۃ کہنا
لحن (غلط) ہے' لہٰذا ایسے مؤذن کو اذان درست کر لینا
چاہئے اس کے بعد اذان کہے یا پھر دوسرا ایسا شخص
اذان کہے جس کی اذان درست ہو۔

س:۔ کیا سونے کی انگوٹھی پہن کر مرد کی نماز
ہو جائے گی؟

ج:۔ سونے کی انگوٹھی پہننا مرد کے لئے حرام
ہے اسے پہن کر نماز مع الکراہت ہو جائے گی۔

س:۔ اگر کوئی شخص سجدہ سہو میں دو سجدوں
کے بجائے ایک سجدہ کرے تو کیا سجدہ سہو ادا ہو جائیگا۔

ج:۔ نہیں سجدہ سہو کے لئے دو سجدے
واجب ہیں اگر ایک سجدہ کرے گا تو نماز واجب الاعادہ
ہوگی۔

س:۔ میت کے ناخن بڑے ہوں تو کاٹ سکتے
ہیں یا نہیں؟

ج:۔ میت کے بال' ناخن وغیرہ کاٹنا منع ہے۔

س:۔ کیا ٹیپ ریکارڈر سے اذان کہہ سکتے ہیں؟

ج:۔ نہیں! ٹیپ ریکارڈر سے نماز کے لئے
اذان نہیں کہہ سکتے ہیں، وہ ایک حکایت کرنے
والا آلہ ہے اصل اذان نہیں ہے۔

س:۔ کیا بدعتی کی امامت مکروہ ہے؟

ج:۔ ہاں! بدعتی کی امامت مکروہ ہے۔

س:۔ فاسق کسے کہتے ہیں؟

ج:۔ فاسق وہ شخص ہے جو کتاب وسنت کے
خلاف عمل کرتا ہو اور گناہوں کے کاموں سے اجتناب
نہ کرتا ہو۔

مطالعہ کی میز

تبصرے کیلئے کتابوں کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے!

● محمد شاہد ندوی بارہ بنکوی

نام کتاب: قرآن کا سندیش (ہندی)
مصنف: سید اطہر حسین (آئی اے ایس)
مترجم: حبیب اللہ اعظمی
صفحات: ۱۴۴، سائز ۱۸×۲۲/۸
قیمت: ستر روپئے =/70
ملنے کا پتہ: مکتبہ ندویہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

قرآن کریم کتاب ہدایت ہے اس کی پاکیزہ تعلیمات پر عمل دنیا وآخرت میں بھلائی اور کامیابی کا باعث ہے۔ یہ آسمانی کتاب جو زبان وادب کے اعتبار سے شاہکار اور مضامین و تعلیمات کے لحاظ سے ممتاز ہے ایک سو چودہ (۱۱۴) سورتوں پر مشتمل ہے۔ ان سورتوں میں کہیں اللہ رب العزت کی وحدانیت وخالقیت کا تذکرہ ہے تو کہیں انبیاء علیہم السلام کی نبوت ورسالت کا بیان ہے، کسی جگہ حشر ونشر حساب وکتاب، اور عذاب وثواب کا ذکر ہے تو کہیں گذشتہ قوموں کے عبرتناک واقعات اوران کے انجام کا تذکرہ ہے۔

قرآن کریم چونکہ عالمی کتاب ہے اسکی رہنمائی ہر زمانے اور ہر جگہ کے لوگوں کیلئے ہے، عربی داں اور غیر عربی داں سب کیلئے ہے کوئی شخص محض اس لئے قرآن کریم کی رہنمائی سے محروم نہ رہے کہ وہ عربی نہیں جانتا۔ یہ اہل علم اور ماہرین قرآن کی ذمہ داری ہے کہ وہ قرآنی ہدایات وتعلیمات کو آسان بناکر مختلف زبانوں میں منتقل کرکے عوام کے سامنے پیش کریں۔

خوشی کی بات ہے کہ سید اطہر حسین مرحوم ... کی کتاب "خلاصۂ قرآن" کا ہندی ترجمہ جناب حبیب اللہ اعظمی صاحب نے مرتب کرکے "قرآن کا سندیش" کے نام سے شائع کیا ہے۔ اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ناظم مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی نے اپنا بیش قیمت مقدمہ لکھا ہے جس سے کتاب کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

مادری زبان کی حیثیت سے اردو کی قدر وقیمت اور اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے اور اسے کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن ہندی کے اس دور میں اپنی بات پہونچانے کے لئے ہندی جاننے والوں کے لئے ہندی زبان کا سہارا لینا بھی ضروری ہوگیا ہے، یہ دونوں باتیں اہم ہیں۔

دنیا کے تمام انسانوں کے لئے اسلامی لٹریچر کا مطالعہ اور حقیقت سے واقفیت ضروری ہے، خود مسلم نوجوان نسل کی دینی معلومات کیلئے عصر حاضر میں اس کی بڑی ضرورت واہمیت ہے۔

زیر نظر کتاب میں قرآن کریم کی ایک سو چودہ (۱۱۴) سورتوں کا خلاصہ اوران کے اہم ترین مضامین کو مستند ترجموں اور تفاسیر قرآن کو پیش نظر رکھتے ہوئے اچھے اسلوب اور سلیس ہندی زبان میں پیش کیا گیا ہے۔

یہ کتاب مسلم نوجوان نسل کے علاوہ غیر مسلم حضرات کے لئے بھی ایک بیش قیمت تحفہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کتاب اور صاحب کتاب کو قبول فرمائے اور مسلم نوجوانوں اور غیر مسلموں کو اس سے خاطر خواہ فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

نام کتاب: ستیہ کی کھوج، ستیہ پرکھ (ہندی)
مصنف: محمد شمیم بہرائچی
صفحات: ۴۰، سائز ۱۸×۲۲/۸ قیمت =/۶
ملنے کا پتہ: اسلامک بک ہاؤس جھنڈے والا پارک امین آباد لکھنؤ

سچ کیا ہے؟ اور سچ کی حقیقت کیا ہے؟ اس نظریہ کو سامنے رکھ کر یہ مختصر سا کتابچہ نوجوان نسل اور غیر مسلموں کے لئے تیار کیا گیا ہے، اس کتابچہ کا خاص پیغام یہ ہے کہ لوگ اپنے مالک حقیقی کو پہچانیں اور صرف اسی کی عبادت کریں تاکہ وہ دنیوی اور اخروی زندگی میں کامیاب ہوسکیں۔

یہ کتاب نوجوانوں اور غیر مسلموں کے لئے مفید ہے۔

پریشاں حالی

چھ آدمی مستقل پریشان رہتے ہیں (۱) ایسا فقیر جو مالدار رہ چکا ہو (۲) وہ شخص جس کے پاس بہت سارا مال ہو اور اسے اس کے ضائع ہونے کا برابر خوف ہو (۳) اپنی حیثیت سے زیادہ کا طلبگار (۴) حاسد (۵) کینہ پرور (۶) ادیب کا ہم نشین جو خود ادیب نہ ہو۔

عالمی خبریں

معید اشرف ندوی

● مالدیپ کے چیف جسٹس شیخ محمد راشد براہیم نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ ان کا ملک اسلام کی تنفیذ میں مخلص اور سنجیدہ ہے انھوں نے کہا کہ اسلامی قوانین کے نفاذ میں ملک کے مسلمانوں کے تعاون کی ضرورت ہے نیز ملک میں رفتہ رفتہ عربی زبان کو فروغ پانے کی کوشش جاری ہے وہاں کے عصری اور دینی مدارس دونوں کے فارغ طلبا کو عربی کی تعلیم بھی لازمی قرار دی جاچکی ہے اور مالدیپی زبان میں قرآن مجید کے ترجمہ کے لئے ایک کمیٹی بھی قائم کر دی گئی ہے انشاء اللہ جلد ہی اس کی طباعت کا کام مکمل ہو جائے گا۔ واضح رہے کہ مالدیپ بحر ہند میں واقع کئی ہزار چھوٹے چھوٹے جزیروں پر مشتمل ایک اسلامی ملک ہے۔

● گذری ہوئی صدی کی ساتویں دہائی کے مشہور عیسائی گلوکار یوسف اسلام (کیٹ اسٹون) نے موسیقی ترک کر کے اسلام قبول کر لیا ہے وہ آج کل اسلامی اسکالرز کی کتابوں کا مطالعہ کر رہے ہیں، ان کے والدین یونان سے تعلق رکھتے تھے اور عیسائی تھے۔

یوسف اسلام نے اپنے قبول اسلام کے بارے میں بتایا کہ ۱۹۸۱ء میں لندن میں ہونے والے میوزیکل شو کے موقع پر ایک بک اسٹال سے ان کو اسلامی معلومات سے متعلق ایک کتاب ملی جس کے مطالعہ کے بعد ان کی زندگی بدل گئی اور انھوں نے سچے دل سے خدا اور اس کے احکامات کو تسلیم کر کے اسلام قبول کر لیا۔ یوسف اسلام کا کہنا ہے کہ اسلام دنیا کا واحد مذہب ہے جو انسانی رواداری کی تلقین کرتا ہے ان کا کہنا ہے کہ اسلام قبول کر کے ان کے دل کو جو سکون وراحت حاصل ہوئی ہے جبکہ اس سے قبل موسیقی سے وہ سکون حاصل نہ ہو سکا۔ جس کی تلاش میں وہ برابر رہے (جنگ کراچی)

● اٹلی کے وزیر اعظم نے اپنے ملک کے باشندوں سے زیادہ سے زیادہ بچے پیدا کرنے کی اپیل کی ہے، انھوں نے کہا کہ بچوں کی پیدائش کی شرح میں اضافہ سے اٹلی کی معیشت کی ترقی کی رفتار تیز ہو جائے گی، قابل ذکر بات یہ ہے کہ دوسرے مغربی ملکوں کی طرح اٹلی میں بھی شادی کا رواج ختم ہو گیا ہے اور مرد عورتیں شادی کے بغیر شوہر بیوی کی طرح رہ رہے ہیں جس کی وجہ سے آبادی میں اضافہ کی شرح گر گئی ہے، اٹلی ان ملکوں میں شامل ہے جہاں آبادی میں اضافہ کی شرح تمام دنیا میں سب سے کم ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ اگر اٹلی میں آبادی میں کمی کی صورت حال اسی طرح جاری رہی تو ۲۰۵۰ء میں اٹلی کی موجودہ آبادی ۵ کروڑ ۷۰ لاکھ سے کم ہو کر ۴ کروڑ ۱۰ لاکھ رہ جائیگی

● اقوام متحدہ کے آبادی سے متعلق ایک ادارہ نے امریکہ اور یورپ کے ترقی یافتہ ملکوں کو وارننگ دی ہے کہ وہ اپنی آبادیوں میں تیزی سے کمی کے رجحان کو روکیں، اگر انھوں نے ایسا نہ کیا تو ۲۰۴۴ء تک ان کو سنگین مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ رپورٹ کے مطابق آبادی میں لگاتار کمی کی وجہ سے نوجوانوں کی تعداد کم ہو جائے گی اور کام کرنے کے لئے ترقی پذیر ملکوں سے مزدور درآمد کرنے پڑیں گے۔ ادارہ نے جاپان کو بھی ایسی ہی وارننگ دی ہے جہاں اسقاط حمل کی عام اجازت کی وجہ سے آبادی میں اضافہ نہیں ہو رہا ہے ایک رپورٹ کے مطابق مغربی ملکوں میں آبادی میں کمی کی وجوہات میں خاندان کا خاتمہ، ہم جنسی، اور مانع حمل اشیاء کا عام استعمال شامل ہیں۔

(بقیہ) عقیدۂ آخرت

دانشمند وہ ہے جو اپنے سود وزیاں اور نفع ونقصان کا فیصلہ کر لینے کے بعد حصول منفعت میں کسی لعنت وملامت کی پرواہ کرے اور نہ بے وقوفوں کے استہزا ومذاق کا خوف ہو بلکہ نادان ہے وہ انسان جو اللہ کے بجائے لوگوں سے ڈرتا ہو اور قدامت پرست اور درویش وصوفی کہلانے کے ڈر سے جھوٹی شہرت اور حقیر وفانی لذتوں کے چکر میں پڑ کر آخرت، حساب وکتاب کو فراموش کر بیٹھے، قرآن اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے "فالیوم الذین آمنوا من الکفار یضحکون"۔

جب ہم انصاف سے دنیوی واخروی زندگی کے درمیان موازنہ کرتے ہیں تو یہ دنیا عالم آخرت کے مقابلہ میں ایک حقیر ذرہ، اور یہاں کی زندگی صرف چند لمحات اور یہاں کی راحت وآرام صرف خواب وخیال سے بڑھ کر نہیں ہے جنت کی نعمتوں کے سلسلے میں ارشاد ہے۔

"وفیہا ما تشتہیہ الانفس وتلذ الاعین"

اور ارشاد نبوی" فیہا ما لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر"

اس میں ایسی نعمتیں ہوں گی جس کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی کے خیال میں اس کا خیال ہی گزرا ہوگا۔ اور وہاں کی تکلیف وعذاب کا بھی ایک منظر مشاہدہ ہو—

خذوہ فغلوہ ثم الجحیم صلوہ ثم فی سلسلۃ ذرعہا سبعون ذراعا فاسلکوہ"

لہٰذا ایک عاقل وہوشمند انسان کا شیوہ یہ ہونا چاہیئے کہ وہ اپنے ہر عمل سے رضائے الٰہی کا طلب گار اور نہ کہ آخرت سے معمور ہو اور اسکی پوری زندگی اس رنگ میں اس طرح رنگی ہوئی ہو کہ ہر شخص اس کے اخلاق وکردار، شرافت وبزرگی عفت وپاکدامنی، غیرت وحمیت اسلامی سے متاثر، اس کی باطل سے نبرد آزمائی اور حق کی نگہبانی کے جذبہ نیز اس کے شوق جنت اور عذاب قبر وبرزخ سے لرزنے کی کیفیت سے منفعل، اسکی شب زندہ داری وآہ سحر گاہی اور شان استغنا سے دم بخود ہو۔

بہت سارے کج فہم وکور عقل اس عقیدہ آخرت کو ترقی کی بلندی کی راہ میں رکاوٹ اور علم وعمل اور کلچر وثقافت کے راستہ میں روڑا تصور کرکے یہ کہتے ہیں کہ یہ عقیدہ دنیا سے انسانوں کی دلچسپی کم کرکے اس کی ویرانی وبربادی کا سبب بن جائے گا۔

جبکہ یہ سراسر خلاف حقیقت واقعہ ہے حقیقت تو یہ ہے کہ یہ عقیدہ آخرت انسانی سرگرمیوں کا رخ شر سے خیر، مادیت سے روحانیت کی طرف پھیر کر ایک ایسا اعلیٰ وارفع مقصد حیات عطا کردیتا ہے کہ اس کی ساری سرگرمیوں اور کوششوں کا مرکز توجہ وہی ہوتا ہے اور اس حقیقت کی گواہی تاریخ اسلام کے وہ روشن وتابناک اوراق دیں گے جس میں علم وعمل کے چراغ روشن ہوئے اور مشرق سے مغرب تک اسی کا دور دورہ رہا۔ جبکہ وہ مسلمان آج کے مسلمانوں سے کہیں زیادہ عقیدۂ آخرت میں پختہ، عشق الٰہی میں سرمست اور جنت کے شائق تھے۔

عقیدۂ آخرت ہی وہ اکسیر اعظم ہے جو انسانوں کو دعوت الی اللہ اور پورے عالم کی ہدایت ورہنمائی کی خاطر خطر پسندی پر نہ صرف آمادہ کردیتا ہے بلکہ انسانیت کو ہلاکت وتباہی کے خندق سے نکالنے کی شدید حرص اسے ہر طرح کے وسائل وذرائع استعمال کرنے اور اپنی جان ومال کی قربانی دینے اور سر دھڑ کی بازی لگا دینے کے لئے میدان کارزار میں کھڑا کردیتا ہے، اور موت اس کو شراب سے زیادہ محبوب اور زندگی بار محسوس ہونے لگتی ہے۔

یہ دنیا کی معمولی وچند روزہ زیب وزینت آرائش وزیبائش پر ریجھنے والے خواب غفلت میں سرمست ومدہوش بے چاروں کو موت وحیات کی حقیقت کی کیا خبر۔ ان کا انجام بہت ہی خوفناک وخطرناک اور ان کی منزل بڑی کٹھن وناقابل بیان ہے۔

ذالک ھو الخسران المبین"

چنانچہ ہم اپنا نصب العین آخرت کو بنائیں اور یہ دنیا تو ایک میدان عمل ہے۔

شاعر مشرق علامہ اقبالؒ مومن کامل کی تعریف ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ سے

ہے وہی تیرے زمانہ کا امام برحق
جو ترے حاضر وموجود سے بیزار کرے

ایک مثالی اور مومن کامل کی پہچان یہ ہے کہ اس کی زندگی کے شام وسحر تو اس دنیا میں گزرتے ہیں، لیکن وہ شوق آخرت میں تڑپتا اور چشم بصیرت سے اس حیات جاودانی اور وہاں کے انعامات کا مشاہدہ کرتا ہے جس کا وہ شدت سے منتظر ہے اور یہی اس عالم کا مقصد وجود ہے۔

دعائے مغفرت

● دار العلوم ندوۃ العلماء کے طالب علم عبد العزیز کے والد جناب محمد رفیق حیدرآباد کے دو روزہ اجتماع میں گئے تھے، اچانک دل کا دورہ پڑ جانے کی وجہ سے ۱۱ر ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ کو تقریباً پینسٹھ (۶۵) سال کی عمر میں انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم بزرگان دین سے گہرا تعلق رکھتے تھے اور ان سے استفادہ کرتے تھے۔

قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

تأثراتِ زائرِ حرم

قمر رام نگری

طیبہ کی حاضری کا مزہ ہم سے پوچھئے — قسمت کی یاوری کا مزہ ہم سے پوچھئے
جلوہ گہ نبیؐ کا مزہ ہم سے پوچھئے — اس نور کی ندی کا مزہ ہم سے پوچھئے
...رسولؐ کے روضے پہ وہ اولیں نگاہ — آنکھوں کی سرخوشی کا مزہ ہم سے پوچھئے
اپنے قریں بلا لیا آقا نے جو ہمیں — اس بندہ پروری کا مزہ ہم سے پوچھئے
دل ہے خوشی سے طورِ تجلّٰی بنا ہوا — دل کی شگفتگی کا مزہ ہم سے پوچھئے
فردوس بھی نثار ہو جس کی بہار پہ — اس باغِ سرمدی کا مزہ ہم سے پوچھئے
پھل سے لدے کھجوروں کے جھرمٹ وہ سبز سبز — فردوس احمدی کا مزہ ہم سے پوچھئے
...تو ہیں گل ہی ہوتے ہیں وہ یونہی پرکشش — کانٹوں کی دلکشی کا مزہ ہم سے پوچھئے
جنت تو جس نے دیکھی ہو وہ جانے اس کا حال — سرکارؐ کی گلی کا مزہ ہم سے پوچھئے
وہ چودھویں کا چاند مناروں کے درمیاں — پاکیزہ چاندنی کا مزہ ہم سے پوچھئے
...ن کا رقص گنبدِ خضراء پہ کیا کہیں — منظر کی دلبری کا مزہ ہم سے پوچھئے
وہ وقتِ فجر قرأتِ قاریِ دلنواز — قرآں کی نغمگی کا مزہ ہم سے پوچھئے
وہ جالیوں کا قرب وہ عرضِ نیازِ شوق — اشکوں کی اس جھڑی کا مزہ ہم سے پوچھئے
...س ہو رہا تھا ہیں پیشِ نظر حضورؐ — معراجِ زندگی کا مزہ ہم سے پوچھئے
ساگر تھا گویا نور کا نظروں میں موجزن — اک طرفہ بیخودی کا مزہ ہم سے پوچھئے
انوارِ ظاہری تو تھے ظاہر بتائیں کیا — انوارِ باطنی کا مزہ ہم سے پوچھئے
...ب عمر کی دعاؤں کا حاصل تھا سامنے — اس وقت اس گھڑی کا مزہ ہم سے پوچھئے
وقتِ وداع بیتی تھی جو دل پہ الاماں — افسردہ خاطری کا مزہ ہم سے پوچھئے
...ی سے دور رہ کے گذرتی ہے دل پہ کیا — احساسِ بے بسی کا مزہ ہم سے پوچھئے
تنہائیوں میں شب کی مدینہ جو یاد آئے — غم اور بے کلی کا مزہ ہم سے پوچھئے

خلدِ تصورات میں گم ہے نظر قمر
واللہ شاعری کا مزہ ہم سے پوچھئے

مومن کے لیل ونہار

اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا عاشق زار، آپ کی سنتوں پر عمل بردار، اللہ کی نعمتوں کا شکر گذار، دن میں روزے دار، رات میں تہجد گزار، بڑا پرہیزگار، ایمان دار و دیانت دار، حلال روزی کا طلبگار، ماں باپ کا خدمتگار، حسن اخلاق کا اعلیٰ کردار، گناہوں پر شرمسار، آنکھیں اشکبار، اللہ کی رحمت ومغفرت کا طلبگار اور پڑھتا ہے صبح وشام درود، استغفار، اور ذکر واذکار۔ ایسے ہوں مومن کے لیل ونہار۔

انصاف

مامون الرشید بڑا منصف مزاج حکمراں تھا اس کی عدالت میں ادنیٰ و اعلیٰ اور اپنے اور بیگانے سب برابر تھے، وہ سب کے ساتھ یکساں سلوک کرتا تھا، اس سلسلہ میں ایک واقعہ درج ذیل ہے۔

"ایک دن ایک شکستہ حال بڑھیا نے دربار میں آکر زبانی یہ شکایت پیش کی کہ ایک ظالم نے میری جائداد چھین لی ہے مامون نے کہا کس نے؟ اور کہاں ہے؟ اس نے اشارے سے بتایا کہ آپ کے پہلو میں"

مامون نے دیکھا تو خود اس کا بیٹا عباس تھا۔ وزیر اعظم کو حکم دیا کہ شہزادے کو بڑھیا کے برابر لے جاکر کھڑا کر دے اور دونوں کے اظہار سنے۔ شہزادہ عباس رک رک کر آہستہ گفتگو کرتا تھا لیکن بڑھیا کی آواز بے باکی کے ساتھ بلند ہوتی جاتی تھی۔ وزیر اعظم نے روکا کہ خلیفہ کے سامنے چلا کر گفتگو کرنا خلاف ادب ہے۔ مامون نے کہا نہیں جس طرح چاہے آزادی سے کہنے دو۔ سچائی نے اس کی زبان تیز کر دی ہے اور عباس کو گونگا بنا دیا ہے" آخر مقدمے کا فیصلہ بڑھیا کے حق میں ہوا اور جائداد واپس دلادی گئی۔

(ماخوذ از: مسلمان قاضیوں کا بے لاگ عدل)

حضرت ابراہیم بن ادہم کا فرمان

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اپنے اندر مندرجہ ذیل چیزیں پیدا کرلو تو کوئی چیز تم کو نقصان نہ پہنچائے گی۔ (۱) جب گناہ کرو تو اللہ کی دی ہوئی روزی نہ کھاؤ کیونکہ اس کی روزی کھا کر اس کا گناہ کرنا مناسب نہیں، (۲) جب گناہ کرو تو اللہ کے ملک سے نکل جاؤ کیونکہ ملک میں رہ کر گناہ کرنا مناسب نہیں، (۳) گناہ ایسی جگہ کرو جہاں خدا نہ دیکھ سکے کیونکہ اس کی آنکھ کے سامنے گناہ کرنا مناسب نہیں (۴) جب گناہگاروں کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ دوزخ میں بھیجے تو کہنا میں نہیں جاؤں گا۔ اگر ایسا نہ کرسکو تو لازم ہے کہ تم گناہ نہ کیا کرو

FORTNIGHTLY
(0522)330020 Guest House : 323864

MEER-E-HAYAT

NADWATUL-ULAMA, LUCKNOW-226 007 (India) Rs. 6/-

لکھنؤ

تعمیرِ حیات

پندرہ روزہ

اسلام میں مرد و عورت کے یکساں حقوق

...عات حسنہ، اعمال اور دین کے اہم شعبوں کے ذکر کے وقت قرآن مجید صرف مردوں کے ساتھ عورتوں کا ذکر اور یہ اشارہ ہی نہیں کرتا کہ اعمال صالحہ اور صفات کریمہ میں ذکور واناث (عورتوں اور مردوں) میں کوئی فرق نہیں، بلکہ اس کے برعکس وہ ایک ایک صفت کو الگ بیان کرتا ہے، اور جب مردوں کی اس صفت کا ذکر کرتا ہے تو اسی صفت سے عورتوں کو بھی موصوف کرتا ہے اور ان کا مستقل ذکر کرتا ہے، اگرچہ اس کے لئے طویل پیرایۂ بیان ہی کیوں نہ اختیار کرنا پڑے ـــــ اس کی حکمت یہ ہے کہ ان صفات میں قوت وصلاحیت رکھنے والے مردوں پر عورتوں کو قیاس کرنے پر وہ انسانی ذہن آمادہ نہیں ہوتے جنھوں نے غیر اسلامی مذاہب وفلسفہ اور قدیم معاشرت وآداب کے سایہ میں تربیت پائی ہے، ایسے ذہنوں نے ہمیشہ مردوں اور عورتوں میں تفریق کی ہے، اور انھیں بہت سے فضائل میں مردوں کے ساتھ شرکت سے بھی مستثنیٰ کر رکھا ہے چہ جائیکہ ان میں ان کی مزاحمت وسبقت کو گوارا کریں، آپ اس آیت کریمہ کی تلاوت کریں۔ اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِیْنَ اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا ۝ (سورہ حجرات۔۱۳) بے شک اسلام والے اور اسلام والیاں، اور ایمان والے اور ایمان والیاں، اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں اور صادق مرد اور صادق عورتیں اور صابر مرد اور صابر عورتیں، اور خشوع والے اور خشوع والیاں، اور تصدق کرنے والے اور تصدق کرنے والیاں، اور روزہ رکھنے والے اور روزہ رکھنے والیاں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے اور حفاظت کرنے والیاں اور اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں، ان (سب) کے لئے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نوراللہ مرقدہ (از- تہذیب وتمدن پر اسلام کے اثرات واحسانات)

۲۵ مارچ سنہ ۲۰۰۰ء | سالانہ ۱۳۰ روپے | فی شمارہ ۶ روپے

سب سے بڑی نعمت

حضرت مولانا محمد احمد پرتاب گڑھی رحمۃ اللہ علیہ

اللہ تبارک و تعالیٰ نے دنیا جہاں کی ہدایت کے لئے اپنے محبوب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا، یہ کتنی بڑی دولت اور کتنی بڑی نعمت ہے اور پھر اپنے محبوب پر اپنی مقدس کتاب کو نازل فرمایا جو اللہ کی آخری کتاب ہے جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک کے لئے نبی بن کر آئے ہیں اب کوئی نبی نہ آئے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اسی طرح قرآن اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب اور آخری پیغام ہے دل کی دوا ہے اور روح کی شفا ہے۔

وہ لوگ جو فاقہ کرتے تھے، پیٹ پر پتھر باندھتے تھے، کھجور کی چٹائی پر لیٹتے تھے، نہ ان کے پاس محل و مکان تھا نہ وہ لکھ پتی تھے۔ مگر ان کے پاس سب سے بڑی دولت اللہ کی توحید تھی، وہ حضرات اللہ کی توحید میں ثابت قدم تھے، اللہ کی محبت سے سرشار تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں سب کچھ قربان کرنے والے تھے۔

یاد رکھئے! سب سے بڑی دولت اور سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ ہمارے پاس اللہ کی کتاب ہے اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور آپ کی سیرت پاک ہے اسی پر فلاح کا وعدہ ہے اسی میں بھلائی پوشیدہ ہے کہ ہم اپنی زندگی کو تبدیل کریں، ذرا فکر سے کام لیں۔ قرآن کو سمجھنے کی کوشش کریں، قرآن کی تعلیمات پر عمل کریں، یہ اللہ کی کتاب ہے،

"لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ"

اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم اس کو دیکھتے کہ خدا کے خوف سے دب جاتا اور پھٹ جاتا۔

بڑے ہی تعجب کی بات ہے کہ پہاڑ تو لرز جائے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے اور ہمارے قلوب اس کتاب سے متأثر نہ ہوں یہ وہی کتاب ہے جس کو اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جب خود تلاوت فرماتے تھے تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے، اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جب اس مقدس کتاب کی تلاوت کرتے تھے تو ان کی عجیب کیفیت ہوتی تھی کوئی رونے لگتا کسی کی ہچکی بندھ جاتی۔ اور بسا اوقات بیہوش تک ہو جاتے تھے، آپ جانتے ہیں کیا بات تھی؟ ان کے قلوب میں اللہ کی محبت، ان کے دلوں میں اللہ کی عظمت، ان کے نفوس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق و محبت گھر کئے ہوئے تھے وہ اللہ سے ڈرنے والے تھے اور اللہ کی محبت میں سب کچھ قربان کر دینے والے اور جان کی بازی لگا دینے والے تھے سچا عشق اور سچی محبت اگر دیکھنا ہو تو صحابہ کو دیکھو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں ان کا کیا حال تھا۔

اس کو ہمارے ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

بیچ میں شمع تھی اور چاروں طرف پروانے
ہر کوئی اس کے لئے جان جلانے والا

جس طرح شمع پر پروانے جان قربان کرتے ہیں اسی طرح صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر جان قربان کرتے تھے بلکہ جان کو، مال کو، اولاد کو، عیش و راحت کو عزت و آبرو کو سب کو قربان کرتے تھے اور اسی کی برکت ہے کہ آج ہم بھی مسلمان ہیں اور کلمہ پڑھ رہے ہیں " لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ"

اللہ تعالیٰ اپنی مقدس کتاب کے اندر فرماتے ہیں۔ "يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ" اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ایسا ڈرا کرو جیسا ڈرنے کا حق ہے اور بجز اسلام کے کسی اور حالت میں جان مت دینا۔

ہمارے اکابر اور اسلاف جب اس آیت کی تلاوت کرتے تھے تو ان کا عجیب حال ہو جاتا تھا کتابوں میں ان کے واقعات اسی لئے لکھے گئے ہیں کہ ہم لوگ اس سے سبق حاصل کریں، اور جو محبت ان حضرات کو حاصل تھی اس کا ایک ذرہ بھی اگر ہم پالیں تو بڑی دولت ہے۔

حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے ہیں ان کا ایک واقعہ ہے کہ ایک دفعہ اپنے مکان کی

(باقی ص ۳۰ پر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پندرہ روزہ　　　　لکھنؤ

تعمیر حیات

ترجمان مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۳۷　　　　شمارہ نمبر ۱۰

۲۵ مارچ ۲۰۰۰ء ــــ مطابق ــــ ۱۸ ذی الحجہ ۱۴۲۰ھ

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ ۱۳۰/ روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں ــــــــ

زر تعاون

سالانہ ــــ ۱۳۰/ روپے

فی شمارہ ــــ ۶/ روپے

ــ بیرونی ممالک فضائی ڈاک ــ

ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک

۳۰ ڈالر

ــ بیرونی ممالک بحری ڈاک ــ

بحری ڈاک جملہ　　۱۵ ڈالر

خط و کتابت کا پتہ

منیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس نمبر ۹۳

ندوۃ العلماء لکھنؤ، ۲۲۶۰۰۷ یوپی

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں ــــــ

گزارش

خط و کتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کے ساتھ مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں، خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے (منیجر)

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے پاریکھ آفسیٹ میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا۔

حامد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس شمارے میں

شرائط ایجنسی

۱۔ پانچ کاپی سے کم کی ایجنسی جاری نہیں کی جاتی۔

۲۔ فی کاپی =/Rs. 15 کے حساب سے زر ضمانت روانہ کرنا ضروری ہے۔

۳۔ کمیشن جوابی خط سے معلوم کریں۔

نرخ اشتہار

۱۔ تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر اندرونی صفحہ =/Rs 30

۲۔ تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر پشت پر رنگین صفحہ =/Rs 40

۳۔ کمیشن تعداد اشاعت کے مطابق ہوگا جو آرڈر دینے پر متعین ہوگا۔

۴۔ اشتہار کی نصف رقم پیشگی جمع کرنا ضروری ہے۔

بیرون ملک نمائندے

Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb. P O Box No 842, Madina Munawwara (K S A.)	مدینہ منورہ
Mr. M. AKRAM NADWI O C I S , St Cross College, Oxford Ox1 3TU-U.K.	برطانیہ
Mr. M. YAHYA SALLO NADWI Sb. P O Box 388, Vereninging, (S Africa)	ساؤتھ افریقہ
Mr. ABDUL HAI NADWI Sb. P O Box No 10894, DOHA-QATAR	قطر
Mr. QARI ABDUL HAMEED NADWI Sb. P O Box No 12525, DUBAI (U A E.) P.H.No: — 3970927	دبئی
Mr. ATAULLAH Sb. Sector A-50, Near sau Quater H No 109, Town Ship Kaurangi, KARACHI-31 (Pakistan)	پاکستان
Dr. A. M. SIDDQUI Sb. 98-Conklin Ave, Woodmere NEW YORK 11598 (U.S.A.)	امریکہ

اداریہ

شمس الحق ندوی

دینِ فطرت

اسلام دین فطرت ہے، وہ ایک آسمانی دین اور خدائی قانون ہے، اس کائنات کے خالق و مالک نے جس نے انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور کائنات کی دیگر اشیا کو انسانوں کی ضروریات پوری کرنے اور اس دنیا کی محدود زندگی میں راحت رسانی کے لئے پیدا کیا ہے، وہ اپنے دین و قانون کو جس کی روشنی میں انسانوں کو زندگی گذارنی چاہئے اپنے رسولوں کے ذریعہ ہر قوم و ہر زمانہ میں بھیجتا رہا ہے، جنھوں نے رسولوں کو مانا، ان کی تعلیمات کو سینے سے لگایا اور اس کے پیچھے اپنا سب کچھ قربان کیا، انھوں نے کسی ادنیٰ چیز کی پرواہ اس لئے نہیں کی کہ ان کے سامنے ابدی دائمی زندگی کا تصور و عقیدہ تھا جس کے سامنے اس دنیائے فانی کی زندگی ایک لمحہ کی بھی حیثیت نہیں رکھتی۔ یہی وجہ ہے کہ جب ساحران فرعون وجود فرعون کی باجاہ و جبروت حکومت کے حضرت موسیٰؑ کی دعوت و رسالت پر ایمان لائے اور فرعون نے ان کو عبرتناک سزا اور پھانسی کی دھمکی دی تو انھوں نے بے جھجک کہا۔

اِنَّا اِلیٰ رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ۔ اعراف ۱۲۵۔ ہم تو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ جانے والے ہیں۔ (جہاں عیش و آرام کی دائمی زندگی ہوگی، اس لئے تمہاری سزا کی کوئی پرواہ نہیں) اور جنھوں نے نہیں مانا وہ طرح طرح کے عیب لگاتے رہے اور خامیاں بیان کرتے رہے)

نبوت و رسالت کا یہ سلسلہ ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر آکر ختم ہوا آپ کے ساتھ بھی وہ سب کچھ ہوا جو پچھلے انبیاکرام کے ساتھ پیش آتا رہا تھا۔

جنھوں نے مانا ان کی زندگیوں میں شرافت، محبت و رحمت، خوش خلقی و خوش اطواری، عصمت و عفت، ایثار و قربانی، اور عدل و انصاف جیسی اعلیٰ صفات پیدا ہوئیں، اور جنھوں نے نہیں مانا وہ گندگی کے کیڑے کی طرح صاف ستھرے اور پاکیزہ ماحول سے بھاگتے اور بھٹکتے ہی رہے۔

کوئی نبی ہمیشہ زندہ رہنے کے لئے نہیں آتا، ہمیشہ رہنے والی ذات صرف خدا کی ہے، چنانچہ آپ فریضۂ نبوت ادا کرکے اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ مگر اپنے پیچھے اپنے فدائیوں اور قدردانوں کی ایک ایسی جماعت بلکہ امت چھوڑ گئے جس نے نہ صرف آپ کی تعلیمات کا پرچم بلند رکھا بلکہ ان تعلیمات کو دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیلایا، اور آپ کی ایک ایک ادا شب و روز کے اعمال، جلوت و خلوت کے تمام احوال اور سیرت و کردار کو اس طرح محفوظ کر لیا کہ آج سوا چودہ سو سال گذرنے کے باوجود وہ آپ کی اصلی اور حقیقی تصویر پیش کرتے ہیں۔ دنیا کے کسی بھی رہبر و پیشوا کی اتنی سچی اور حقیقت کی آئینہ دار تصویر نہیں پیش کی جاسکتی۔ جس کے نتیجہ میں دنیا کی تمام قومیں اس نبی برحق اور اس کی تعلیمات کی حریف و دشمن رہی ہیں اس لئے کہ آپ کی تعلیمات کی روشنی میں ان کی بدنما اور گندی صورتیں چھپ نہیں پاتی ہیں۔ خصوصاً یہود و نصاریٰ شروع ہی سے آپ کے حاسد و حریف رہے ہیں اور ان کی برابر یہ کوشش رہی ہے کہ آپ کی شخصیت کو مجروح کرکے ان تعلیمات میں شکوک و شبہات پیدا کردیا جو آپ لائے تھے، اس طرح اس امت کا وجود ختم ہو جائے، جو آپ کی تعلیمات کی حامل و داعی اور کار نبوت کی وارث ہے کہ آپ کے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا اسی منصوبہ کے تحت مستشرقین اسلامیات پر کتابیں تالیف کرتے اور ان میں درمیان درمیان میں ایسے جملے لکھتے رہے ہیں جو ان کی تعریف و توصیف کی ساری عمارت کو ڈھا کر اس کے اندر بے یقینی و بے اعتمادی کی کیفیت پیدا کردے۔

مگر اسلام کے سپوتوں اور اس کے ہونہار فرزندوں نے اس کا ہر عہد میں پوری ہمت و جوانمردی کے ساتھ مقابلہ کیا ہے۔

یہ کیا ستم ظریفی ہے کہ اسلام کے اس صاف شفاف چشمہ کو دہشت گردی کا نام دیا جارہا ہے۔

آج جو یورپ اپنی لگائی ہوئی آگ میں جل رہا ہے چہ جائیکہ وہ اسلام کے آب حیات سے فائدہ اٹھاتا وہ ساری دنیا میں اس کو دہشت گردی کا مذہب ثابت کرنے اور پوری دنیا کو اسے دہشت گرد باور کرانے میں لگا ہوا ہے اور دنیا کی قومیں بلا کسی تحقیق کے اس کی لے میں لے ملا رہی ہیں۔

اسلام تو انسان کو شرم و حیا کی چادر عطا کرتا ہے محبت و اخلاق کا سبق پڑھاتا ہے اپنے پرائے پر غم کھانا سکھاتا ہے، عورت و مرد دونوں کو ان کی فطری ساخت کے دائرہ میں دونوں کو پورا حق عطا کرتا ہے اور ہر ایک کے الگ الگ فرائض و ذمہ داریاں بتاتا ہے زندگی گذارنے کے صاف ستھرے اصول عطا کرتا ہے طاقت ور کو کمزور پر ترس کھانا سکھاتا ہے، پاکیزہ معاشرہ اور ستھرا سماج وجود میں لانے کا درس دیتا ہے، اگر اس صورتحال پر اس قانون فطرت کی روشنی میں نہ غور کیا گیا جو خالق کائنات نے انسانوں کی فلاح و بہبود کے لئے اپنے رسولوں کے ذریعہ بھیجا ہے، تو انسانیت کو تباہی سے کوئی بچا نہیں سکتا، اس درد کا درماں اسی کے بتائے ہوئے ضابطہ حیات میں ہے، جس نے اس پتلۂ خاکی کو وجود بخشا ہے اور اس کے مزاج و طبیعت سے خوب واقف ہے۔ پھر اس میں دہشت گردی کہاں سے داخل ہوگئی۔

پڑھیں گے اہلِ جہاں جب تمہاری تحریریں

● وکیل احمد انصاری جونپوری

غموں کے جب بھی اندھیرے ہمیں ستائیں گے … یہ سوچتے ہیں کسے حالِ دل سنائیں گے
یہ بات عام تھی مسجد میں شیخ جائیں گے … جو معتکف ہیں انہیں بھی گلے لگائیں گے
خدا کے گھر میں نہ جاکر خدا کے پاس گئے … کسے خبر تھی انہیں پھر نہ دیکھ پائیں گے
پڑھیں گے اہل جہاں جب تمہاری تحریریں … وہ اپنے دل میں نئی اک شمع جلائیں گے
بڑھائے بادۂ علمی کا تو وقار گیا … یہاں جو آئیں گے وہ تشنگی بجھائیں گے
اُسے نہ خوف کبھی تھا کسی حکومت کا … پھر اُس کے جیسا نڈر ہم کہاں سے لائیں گے
کرے گا وار کوئی بڑھ کے جب شریعت پہ … تمہارے ایسے ہی جانباز یاد آئیں گے
دیا تھا تو نے سبق بندے ماترم نہ پڑھو … کہ ایسے گیتوں سے ایمان ڈگمگائیں گے
سمجھ نہ پایا زمانہ کہ تو مجدد تھا … یہ بات سچ ہے زمانے کو ہم بتائیں گے
پیام جو ترا انسانیت کا سن لیں گے … وہ اپنے سارے ستم خود ہی بھول جائیں گے
لٹا دیا ہے وہ انعام جو ملا ہے تمہیں … تمہارے ایسا سخی اب نہ دیکھ پائیں گے
شرف جو تجھ کو ملا ہے کلیدِ کعبہ سے … ہم اہلِ ھند یہ تمثیل دے نہ پائیں گے
ہمیشہ عالمِ اسلام کی تھی فکر تجھے … تمہارے جیسا مفکر کہاں سے لائیں گے
نہ بجھ سکے گی کبھی شمع شاہ علم اللہ … ملے گا اُن کو اُجالا جو پاس جائیں گے
جناب رابع پہ رحمت ہے ذات باری کی … وہ جانشین ہوئے ہم سبھی کو بھائیں گے
یہ مانتے ہیں کہ تم دور جا چکے ہو مگر … تمہاری یادوں کے روشن دیئے جلائیں گے
دکھائی راہ جو تو نے ہمیں اخوت کی … اُسی پہ چل کے زمانے کو ہم دکھائیں گے
یقیں دلاتے ہیں ہر آشنائے گلشن کو … چمن کو اور بھی ہم دلنشیں بنائیں گے

خدا کی ذات پہ کرکے یقین کہہ دو وکیل
نئی صدی میں نئے بوالحسن بھی آئیں گے

(بقیہ)

مرد درویش حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ

کی حکومت کی طرف سے ان کو ایک کروڑ بیس لاکھ روپئے کا ایوارڈ ملا۔ مولانا مرحوم نے اپنے پاس اس رقم سے ایک پیسہ بھی نہیں رکھا بلکہ سب ہند و پاک کے علمی و دینی اداروں کو دے دیا مولانا علماء اور دینی حلقوں کی طرح مشرق و مغرب کی نئی نسل میں بھی انتہائی محبوب شخصیت تھے۔ ۲۰ ویں صدی کے نصف اخیر میں عالم اسلام میں مولانا مرحوم سے زیادہ کوئی مقبول و محبوب شخصیت نہیں۔ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی قبر پر انوار کی بارش کرے۔ آپ کو فردوس میں جگہ عطا فرمائے اور آپ کے فیوض کو قائم و دائم رکھے۔

لے اپنے مقدر کے ستارے کو تو پہچان

● حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

مندرجہ ذیل تقریر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نوراللہ مرقدہٗ نے مدرسہ فرقانیہ ٹونک کے جلسۂ تعلیمی کے موقع پر جو ۱۸/ اکتوبر ۱۹۷۶ء میں ہوا تھا فرمائی تھی جس کو اس وقت مولانا محمد عمر خاں ندوی کے والد حکیم محمد عمران خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قلم بند کرلیا تھا لیکن تقدیری بات کہ اب تک شائع نہیں ہوئی تھی اس تقریر سے پہلے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ پر تعارفی سپاسنامہ میں تعریفی کلمات کہے گئے تھے جس کا حضرتؒ نے تقریر کے آخر میں تفصیل سے ذکر کیا ہے خدا کی شان کہ حضرت جب اس دنیا سے رخصت ہوچکے ہیں تو پورے عالم میں تعریف ہی تعریف ہورہی ہے کاش کہ حضرت کی اس تواضع وخاکساری اور بزرگوں و استاذوں کی قدردانی اور دردِ دل کی چنگاری حضرت کے تمام معتقدین، مسترشدین اور ان کی منقبت میں قلم چلانے والوں کو بھی نصیب ہوجائے۔ افادۂ عام کی غرض سے ہم اس اہم تقریر کو ہدیۂ ناظرین کررہے ہیں (ادارہ)

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔ اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط بِيَدِكَ الْخَيْرُ ط اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ہ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ہ (آل عمران)

کہو کہ اے خدا (اے) بادشاہی کے مالک تو جس کو چاہے بادشاہی بخشے اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لے اور جس کو چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کرے۔ ہر طرح کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ ہے (اور) بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ تو رات کو دن میں داخل کرتا اور تو ہی دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور تو ہی بے جان سے جاندار پیدا کرتا ہے اور تو ہی جاندار سے بے جان پیدا کرتا ہے اور تو ہی جس کو چاہتا ہے بے شمار رزق بخشتا ہے۔

میرے بزرگو اور دوستو! میرے لئے شہر ٹونک میں آکر یہاں کی گلیوں میں پھرنا اور یہاں کے آثار قدیمہ کو دیکھنا ان اسلاف کے نشانیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا اور پھر یہاں کے عزیزوں اور بھائیوں سے ملنا اور ان سے خطاب کرنا بڑا سخت امتحان تھا۔ کوئی بے حس سے بے حس انسان سوائے اس کے کہ جو پتھر کا دل رکھتا ہو وہی ایسا کرسکتا ہے کہ ایک ایسے شہر سے جس کے چپہ چپہ پر اس کے اسلاف کی عظمت کے نشانات ثبت ہیں، نقوش ثبت ہیں اور جس کی خاک کبھی اشک سحر گاہی سے اور کبھی قلم کی روشنائی سے بار بار تر ہوئی ہے اور جس پر بارش کی طرح اولیاء اللہ کے آنسو اور مصنفین کے قلم کی سیاہی نہیں کہنا روشنائی ٹپکتی ہو اس پر کون سا گنہگار اور کون سا بے حیا انسان ہے جو بے باکانہ قدم رکھتا ہوا گذر جائے۔ اور اس کا دل ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو، میں بھی بہرحال انسان ہوں تاریخ پڑھی ہے اور تاریخ بہت بے حیا بنادیتی ہے۔ یہاں اگر تاریخ کا ذوق رکھنے والے موجود ہوں تو وہ مجھے معاف فرمائیں میں بھی اسی صف میں ہوں تاریخ میں آدمی ہر طرح کے مناظر دیکھتا ہے قوموں کے عروج وزوال کے، ان کے نکبت وادبار کے اور ان کے عروج واقبال کے بھی، انسان کا دل سخت ہوجاتا ہے، اور اس کو ایسا معلوم ہونے لگتا ہے کہ دنیا ایک تماشا گاہ ہے ایک اسٹیج ہے۔ جس پر ایکٹر آتے ہیں کھیل دکھا کر چلے جاتے ہیں، کبھی کوئی بادشاہ کے بھیس میں آتا ہے تو کبھی کوئی وزیر کے بھیس میں آتا ہے۔ کبھی کوئی فقیر کے بھیس میں آتا ہے۔ لشکر آتے ہیں اور لڑتے ہیں، بچے اپنی صفیں بناتے ہیں اور لشکر آراستہ کرتے ہیں اور بڑی سنجیدگی کے ساتھ وہ ایک دوسرے پر حملہ کرتے ہیں لیکن بڑے بوڑھے کسی اونچے مقام پر سے بیٹھ کر تماشا دیکھتے ہیں اور ہنستے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیسا لشکر اور کیسے لشکری اور کیسے سپاہی، یہ سب بچوں کا کھیل ہے۔ اسی طرح مورخ تاریخ کے اس

بام بلند سے تاریخ کے اس شہ نشین سے دنیا میں
قوموں کے عروج اور زوال کو اور فتح و شکست
کے مناظر دیکھتا ہے تو وہ یہ پکار اٹھتا ہے کہ ـ

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

میں تاریخ کا طالب علم ہوں، میری تین پشت سے تاریخ چلی آرہی ہے، میرے خاندان میں میرے دادا بھی مؤرخ تھے، میرے والد بھی مؤرخ تھے، میں نے بھی تاریخ پر قلم اٹھایا ہے، اور قوموں کی تاریخیں بھی لکھی ہیں، ملتوں کی تاریخیں بھی لکھی ہیں، تہذیبوں اور فلسفوں کی تاریخیں بھی لکھی ہیں۔ لیکن یہ ایسے شہر کا معاملہ تھا جس سے ڈیڑھ سو برس کی میرے خاندان کی تاریخ وابستہ ہے جہاں اسلامی حمیت اور غیرت کا وہ عطر جو بالاکوٹ کی مٹی میں ملنے سے بچ گیا تھا، اس کے جو چند قطرے بچ گئے تھے وہ نواب وزیر الدولہ مرحوم کی نگاہ دوربین نے اور نگاہ جوہر شناس نے اس کو وہاں سے یہاں بلالیا اور اس نے ٹونک کی فضاؤں کو نہیں بلکہ ہندوستان کی فضاؤں کو ایک صدی تک مکمل معطر اور معنبر رکھا جس سرزمین سے میرا تعلق محض مؤرخ کا تعلق نہیں تھا ایک مبصر کا یا ایک مفکر کا، مفکر تو نہیں ہوں نہ دعوی ہے اور اس کا اعتراف کرسکتا ہوں، متفکر ضرور ہوں تو میرا تعلق اس سرزمین سے اتنا ہی نہیں ہے کہ جیسے کوئی تاریخ کا ایک پروفیسر یا تاریخ کا کوئی مصنف یہاں آجائے تو وہ بھی دیکھتا ہے سبق لیتا ہے نتائج اخذ کرتا ہے اصول وکلیات وضع کرتا ہے لیکن دور دور سے میرا تعلق دور کا جلوہ نہیں ہے، میرا تعلق تو قلب کا تعلق ہے روح کا تعلق ہے، حافظہ کا تعلق ہے، جذبات کا تعلق ہے۔ میرے خاندان کے کتنے عزیز یہاں آسودہ خاک ہیں، میرے اساتذہ میرے وہ بزرگ جن کی عظمت و عقیدت میرے خمیر میں پڑی ہے گھٹی میں جیسا کہ کہتے ہیں بچے کی گھٹی میں ملا دینا تو میری گھٹی میں مولانا سید عرفان صاحب، مولانا سید مصطفیٰ صاحب کی عقیدت گھٹی میں پڑی ہے، قافلے کے بزرگوں کی محبت میری گھٹی میں پڑی ہے، مولانا حیدر حسن خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ میرے استاذ ہی نہیں ہیں، مربی ہیں میں بچوں کی طرح ان کے دامن تربیت میں پلا ہوں تو میں تو ایک مؤرخ و مفکر کی حیثیت سے اس سرزمین پر سے گذر ہی نہیں سکتا تھا، وہ جن کے لئے سب کھیل برابر ہیں یہاں آئیں اور چلے جائیں لیکن میرے لئے تو یہ شہر سب شہروں کی طرح نہیں ہے۔ یہ شہر تو بہت سی حیثیتوں سے مجھے عزیز تھا۔ اور ایسا قریب تھا کہ میرا دل اس کا متحمل نہ ہوسکے، اور کم سے کم یہ کہ میں آپ کے سامنے تصویر حیرت بن کر بیٹھا ہوں آپ سے کچھ بات نہ کرسکوں۔ لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ کی کارسازی کہ میں نے بارہا تجربہ کیا ہے کہ جب یہ اندازہ ہوا کہ ناطقہ سربگریباں ہے اور عقل انگشت بدنداں ہے وہاں قرآن نے مشکل کشائی کی۔ اس موقع پر بھی قرآن ہی نے دستگیری کی۔ خدا اس پڑھنے والے کو جزائے خیر دے کہ جس نے سورۂ آل عمران کی یہ آیتیں پڑھیں۔ مجھے درد کی دوا مل گئی۔ مجھے ہر سوال کا جواب مل گیا۔ مجھے ہر مایوسی کا ازالہ۔ ہر مایوسی کا تریاق مہیا ہوگیا۔ اس کے بعد نہ مایوسی کی ضرورت، اس کے بعد نہ اس کی ضرورت کہ دل کے سو ٹکڑے ہوں۔ اللہ نے اس آیت میں، درد بھی دیا اور دوا بھی دی۔ سوال بھی ہے اور جواب بھی ہے۔

خوشا بخت شوریدگان غمش
اگر ریش بینند دگر مرہمش

جہاں زخم ہے وہاں مرہم بھی ہے۔ اور وہ مرہم غالب ہے۔ درد سے بڑھ کر دوا ہے اور مرض سے بڑھ کر علاج ہے۔ انسانوں کے لئے اور قوموں کے لئے، تہذیبوں کے لئے، صلاح رکھنے والے انسانوں کے لئے۔ خاص طور پر دعوت و پیغام رکھنے والی ملتوں کے لئے اس سب کچھ موجود ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرما ہے: قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ پہلی بار تو یہ ہے کہ آدمی اتنا بلند ہوتا ہے کہ فلاں قو اس صلاحیت کی، اس معیار کی وہ برسر عروج ایک دوسری قوم آئی جو وہ صلاحیت نہیں رک تھی۔ اس کو کہاں سے یہ استحقاق تھا اور ا نے یہ کہئے، یہ انقلاب آئی اور کس طریقہ وارث بن گئی اور یہ تخت سلطنت کس نے بچھ تھا اور کون اس پر بیٹھ گیا۔ سب کا جواب دیا قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ۔ مالک الملک کوئی ہے ہی نہیں۔ کہاں کا۔ کس ہاتھ سے کس کی طرف گیا۔ نہ کسی ہاتھ نے دیا کسی ہاتھ نے لیا

کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں
مصلحت را بر آہوئے چیں بستہ اند

یہ تو اسی کی قدرت کے کھیل ہیں۔ اس میں کسی کوئی خوبی ہے اور نہ اس میں کسی کمال و قابل کو دخل ہے۔ یہ تو وہ دینے والا اللہ وہ دلا والا، اس نے ایک ہاتھ سے لیا اور دوسرے ہاتھ کو دیدیا۔ اس میں یہ بڑی تسکین کی چیز کہ جب دو بچے بیٹھے ہوں تو ان میں کوئی ایک بچے کے سر سے اتار کر ٹوپی دوسرے سر پر رکھ دے۔ تو اس میں حیرت کی کو بات نہیں، نہ بچے کو شکایت کرنی چاہئے نہ کو فخر کرنا چاہئے کہ اس کے سر پر ٹوپی آئی۔ یہ ٹوپی کسی اور نے کسی کے سر سے اتار ہے۔ اور کسی کے سر پر رکھ دی ہے۔ اور جو

رے اتار کر اُس سر پر رکھ سکتا ہے وہ اس
ے بھی اتار کر دوسرے کے سر پر رکھ سکتا
تو فرمایا۔ قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ
للہ۔ اے سلطنت کے حقیقی مالک ملے
۔اے سلطنتوں کے حقیقی مالک۔ جیسا کہ
نے کہا ہے ؎

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آذری

اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ
تَشَاءُ۔ یہ نہیں کہا کہ یہ لیتا ہے اور وہ دیتا
وہ ہارا وہ جیتا، نہ کسی کی ہار نہ کسی کی جیت،
الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ۔ تو جس کو چاہے
ت عطا فرمادے اور مَنْ تَشَاءُ مطلب
اس میں اس کی قابلیت ہی کو دخل نہیں ہے
سمجھے کوئی بڑی قابلیت کی قوم ہے کہ فلاں
دیکھئے صدیوں سے حکومت کر رہی تھی
نیا بے دخل کر دیا تو فرمایا قُلِ اللّٰهُمَّ
كَ الْمُلْكِ اے سلطنت کے حقیقی مالک،
ي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ۔ جس کو تو چاہے
ت دیدے۔ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ
ءُ۔ اور جس سے چاہے حکومت چھین لے۔
زُّ مَنْ تَشَاءُ۔ اور جس کو چاہے عزت
ے اور دیکھئے مَنْ تَشَاءُ۔ ہر ایک کے ساتھ
رہا ہے۔ تاکہ کہیں شک کی بو نہ آجائے۔
کے خیال میں یہ آئے کہ اس کا کمال اس کا
ن یا اس کی شامت اعمال تو بیشک اس کا
ایک اصول ہے خدا کے یہاں، لیکن کوئی
فی کرنے والا ہے۔ فاعل حقیقی کوئی اور ہے
زُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ پھر
کے بعد اگر کسی کو یہ خیال ہو کہ بس ایک مرتبہ
ٹ پھیر ہو گیا اب کیا ہوگا۔ اب قسمتوں پر مہر
گئی تو جواب ملتا ہے بِيَدِكَ الْخَيْرُ۔

تیرے ہاتھ میں مستقل خیر ہے۔ ایک دن دو دن کی خیر نہیں، سو پچاس کی خیر نہیں الخیر جس کا نام ہے جنس خیر تیرے ہاتھ میں ہے۔ خیر جس پر خیر کا اطلاق ہوتا ہے وہ الخیر کل کا کل تیرے ہاتھ میں ہے۔ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ ابتلار ایک ہی بار ہوا تو غلط۔

اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ اور اگر کوئی یہ سمجھے کہ صدیوں میں یہ انقلاب ہوا کرتا ہے تو اب صدیوں میں ہی یہ انقلاب ہوگا۔ تو فرماتا ہے۔ تُوْلِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ کھیل تو یہ روز ہوتے ہیں وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ اور کوئی یہ سمجھے کہ اب زوال پذیر قوم سے کوئی اقبال مند قوم ظاہر نہیں ہو سکتی اور صاحب اقبال قوم میں اب کوئی تبدیلی نہیں آسکتی تو فرماتا ہے نہیں تُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ مردہ سے زندہ کو نکالے اور زندہ سے مردہ کو برآمد کرے۔ تُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ جس کو تو چاہے بے حساب دیدے۔ وہاں یہ راشننگ نہیں ہے۔ کہ بس صاحب اتنا۔ اتنا کہ اس سے زیادہ نہیں مل سکتا۔ دینے پر آئے تو جھولی بھر دے اور نہ دینے پر آئے تو دانہ دانہ کو ترسائے یہ آیت ہے جس نے مجھے سہارا دیا۔ اور ہمت پیدا ہوئی کہ آپ کے سامنے کچھ کہوں۔ بس اس سے زیادہ کوئی مکمل اور جامع پیغام نہیں ہو سکتا تو بھائی اللہ تعالیٰ ہر خیر کا مرکز ہے۔ خیر کا خالق بھی ہے۔ اور خیر کا مخزن بھی ہے۔ الیہ یرجع الامر کلہ اور اسی سے ابتدا ہے اور اسی پر انتہا ہے۔ اور اصل میں یہ سب اسی کے ارادہ کے تابع ہیں۔ یہاں ایک وقت تھا جب اس خاندان

نے اپنی حکومت قائم کی۔ اس نے اپنی صلاحیت سے اپنی سپاہ گری سے اپنا استحقاق پیدا کیا اور انگریزی سلطنت نے اس کو اس کا اہل سمجھا، اور اس کو انعام میں یہ جگہ دی۔ اگرچہ حضرت سید احمد شہید جن کی تاریخ کا ایک خاص حصہ اس جگہ سے وابستہ ہے انھوں نے اس سے اتفاق نہیں کیا تھا۔ اور نواب میر خاں صاحب کو سمجھایا تھا کہ یہ آپ کو جو ایک شہباز ہیں اور ایک شاہین ہیں پابند کرنا چاہتے ہیں۔ آپ اتنی جلدی اس پر راضی نہ ہو جائیں۔ لیکن اس وقت ان کے لشکر کے حالات ایسے تھے اور ہندوستان میں اس وقت انتشار برپا تھا ایک ایسی بے اعتمادی لوگوں میں پیدا ہو گئی تھی کہ ان کو وہ اپنے حالات میں بہتر سمجھتے تھے اور ان کو ایسا نظر آیا کہ انھوں نے اگر اس وقت اس کو بھی قبول نہ کیا تو پھر کچھ نہیں ملے گا۔ یہ ان کا مطالعہ تھا۔ اور جائزہ تھا حالات کا۔ اور وہ معذور کہے جا سکتے ہیں۔ بہر حال یہ حصہ ان کو ملا۔ اور ان کے خاندان نے یہاں حکومت کی۔ اور اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق اللہ تعالیٰ ان کی تقصیروں اور کوتاہیوں کو معاف کرے اور ان کے حسنات کو اور انھوں نے جو علماء اور علم کی سرپرستی کی اور ان کے دور میں جو یہاں اللہ کا نام لیا گیا اور سنتوں کا احیا ہوا اور قال اللہ قال الرسول کی صدائیں بلند ہوئیں اللہ اس کے طفیل میں ان کی بخشش فرمائے۔ اور ان کی قبر کو نور سے بھر دے۔ اور ہمارے دل میں ان کے لئے سوائے امتنان و تشکر کے کچھ نہیں اور بھئی ہم تو ہمارا خاندان تو ان کا ممنون و احسانمند ہے۔ پروردہ نعمت ہے۔ انھوں نے بلایا اور سر پر بٹھایا۔ اور بڑی عزت ان کو دی۔ اور ہمیشہ ان کا ادب کرتے رہے تو ہم تو ان کے ناخلف نہیں ہیں۔ ہمیشہ ان کا احسان

جائیں گے، ہم ان کے لئے دعا کرتے ہیں۔

میرے بھائیو! یہ ایک دور تھا جو کہ ختم ہوا۔ اس پر آپ حضرات جو کچھ قلق کریں قدرتی طور پر تو وہ صحیح ہے۔ ایک شریف لڑکا کسی گھر میں رہتا ہو آرام سے ہو اور وہ اپنے ماں باپ کی عزت کرتا ہو اور محلے میں نکلتا ہو تو دوسرے جھک جھک کر اس کو سلام کرتے ہوں پھر اس کے بعد ایک ایسا زمانہ آئے کہ کوئی اس کو پوچھنے والا نہ ہو۔ تو اس لڑکے کو اس کا قلق ہوگا۔ لیکن ہم تو ماشاء اللہ سن بلوغ کو پہونچ گئے ہیں۔ اور ہم آپ قرآن مجید کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم کو سمجھنا چاہئے کہ یہ سب عارضی چیزیں ہیں آتی ہیں اور جاتی ہیں۔ اور جب سکندر اور سیزر کی حکومت باقی نہیں رہی اور جب وہ سلطنت انگلشیہ باقی نہیں رہی جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ اس کی قلمرو میں آفتاب غروب نہیں ہوتا، تو بھائی یہ تو ہندوستان اور ہندوستان کے اندر ایک صوبہ راجستھان راجپوتانہ اس میں ایک ریاست تھی۔ اور دوسری ہندو ریاستوں کے مقابلہ میں چھوٹی تھی۔ اگرچہ ہماری نگاہ میں بڑی تھی تو اس کے چلے جانے پر آپ حضرات کو مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ یہ الٹ پھیر تو ہمیشہ ہوتے رہتے ہیں اقبال نے کہا ہے ؎

حکومت کا تو کیا شکوہ کہ وہ اک عارضی شے تھی
نہیں دنیا کے آئین مسلم سے کوئی چارہ
مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارہ

علمی زوال، اخلاقی زوال یہ ہیں چیزیں فکر کی اور غور کرنے کی۔ اگر کوئی قوم اخلاقی زوال میں مبتلا ہو جاتی ہے تو پھر یہ وقت ہوتا ہے ماتم کا اور قلق کا۔ باقی یہ حکومتیں تو آنے جانے والی چیزیں ہیں اللہ تعالیٰ جب مناسب سمجھے گا تو پھر آپ سے کام لے گا، حکومت کس چیز کا نام ہے، حکومت نام ہے خدمت کا، حکومت خدمت خلق کی ایک شکل ہے، اور یہ حکومتیں جو ہمارے اسلاف کو ملی تھیں یہ خدمت خلق کے لئے ملی تھیں اور ان میں سے بہت سے لوگوں نے سب نے تو نہیں ہم نہیں کہہ سکتے مگر ان میں سے بہت سے لوگوں نے خدمت خلق کو بہت خوبی سے انجام دیا، ہندوستان اس کی گواہی دے گا۔ ان حکمرانوں میں شیر شاہ سوری بھی تھے ان حکمرانوں میں اورنگ زیب عالمگیر بھی تھے۔ تو ان لوگوں نے ہندوستان کا ایسا بند و بست کیا جو کہیں نہ تھا کہ راستے پر امن تھے، کہیں کوئی فساد اور کسی قسم کی کوئی شورش نہ تھی۔ شرفا کی عزت تھی، مشائخ اطمینان سے بیٹھ کر دلوں کو حرارت پہونچاتے تھے اور حضرات علماء و اساتذہ اس کے سایہ میں بیٹھ کر درس دیا کرتے تھے، خود اسی چھوٹی سی ریاست کو دیکھ لیجئے، یہاں ایک زمانہ میں خلیلیہ اور ناصریہ جیسے مدرسے قائم ہوئے اور مولانا برکات احمد صاحب کا فیض یہاں سے لے کر کابل و قندھار تک رواں ہوا۔ کیسے کیسے جید علماء یہاں پیدا ہوئے۔ اسی پر قیاس کیجئے، سلطنت مغلیہ کو قیاس کر لیجئے کیا ہوتا ہوگا۔ تو یہ خدمت خلق کی ایک شکل تھی۔ اور حکومت صحیح تعریف اس کی یہ ہے کہ وہ خدمت خلق کا ایک مؤثر ذریعہ ہے، ہم بھی خدمت خلق کے خواہش مند ہیں ہم سے نہیں ہوتی۔ لیکن اگر اللہ کسی بادشاہ کو توفیق دے، کسی حکمراں کو توفیق دے اور وہ خدمت خلق کرنا چاہے تو پھر اس کو خدمت خلق سے کوئی نہیں روک سکتا ہے کہ نہیں صاحب ہم تو خدمت خلق کرنا چاہتے ہیں مگر ہوتی نہیں، پیسہ ہمارے پاس نہیں، آدمی ہمارے پاس نہیں تو یہ حکومت حقیقت میں خدمت خلق کا ایک منظم اور وسیع ادارہ تھا۔ اِنَّ اللّٰہَ یُوْرِثُہَا عِبَادِیَ الصَّالِحُوْنَ۔ تو یہ قانون قدرت ہ
اس سے ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہئے اور خدمت کا جذبہ رکھنا چاہئے، اور رقابت کی نظر سے عداوت کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہئے تعمیر نظر اور ہمدردانہ اور خدمت خلق کا جذبہ اپ اندر پیدا کرنا چاہئے اور اس ملک کو ترقی د کی کوشش کرنی چاہئے، اس ملک کو سنوار اور بنانے کی کوشش ہونا چاہئے، جس کو زوال نہیں، سلطنت کو زوال ہے کوئی سلطنت بھ زوال سے محفوظ نہیں۔ اور ابن خلدون نے لکھ دیا ہے کہ جب کسی سلطنت کا بڑھاپا آ تو دنیا کی کوئی طاقت اس کو جوان نہیں بنا س خدا کرے کہ اس ہندوستان میں اس ملک م بہت دنوں تک امن و امان قائم رہے۔ ا میں ہمارا ہی فائدہ ہے لیکن آپ سے کہتا ہ اہل ٹونک سے کہ اس چیز کو زندہ کیجئے جس زوال نہیں اور وہ ہے کمال۔ وہ ہے اخلاص وہ ہے للہیت، آپ کے ٹونک نے جو شہر پائی وہ اس ریاست کی بدولت شہرت نہیں ریاست بھی اللہ کی بڑی نعمت تھی اور جب اندازہ ہوا کہ کتنی بڑی نعمت تھی۔ لیکن ہندو میں نہیں بلکہ دوسرے ممالک سے دور دور اس طرف لوگ کھنچے چلے آتے تھے جیسے کہ مقنا کی طرف لوہے کے ٹکڑے کھنچتے ہیں، ان کوئی باندھ کر بھی رکھے تو وہ رسی تڑ وہاں سے روانہ ہوں گے اور یہاں پہونچ گے۔ آپ دیکھئے کہاں کہاں کے طالب علم آتے تھے، اور یہاں سے نکلنے کے بعد کس طرح چمکے بس اس کو آپ زندہ کیجئے اس کی شکل یہ مدرسہ ہے اس مدرسہ کو ترقی دیدیجئے، ہو سکتا ہے کہ یہ مدرسہ مرکزی مدرسہ بن جائے کہ ٹونک جو را

نا ہوا ایک مقام ہے' ایک زمانہ تھا کہ اسٹیشن
ایذ اسٹیشن تو اب بھی یہاں نہیں ہے لیکن
ز مانہ تک یہاں پل بھی نہیں تھا' پل بن
الیکن اس وقت تک اس کا بھی افتتاح
نہیں ہوا تھا اس وقت بھی میں نے وہ
دیکھا ہے اس وقت بھی طالب علم آتے
دراب ساری سہولتوں کے باوجود نہیں
، کیا بات ہے۔ اب وہ لوگ نہیں ہیں' مولانا
رحسن خاں صاحب نہیں ہیں' مولانا حکیم
ن احمد صاحب نہیں ہیں' اور وہ بڑے
ذہ نامی گرامی جن کا نام مولانا عمران خاں صاحب
یادہ حضرات نہیں۔ ان کو کے آئے اور اس
ے کو حقیقی معنیٰ میں مدرسہ بنادیجئے پھر آپ
ے کہ اگر یہاں ریل نہیں آتی ہو گی جب بھی
آئیں گے تو آپ اس کی طرف توجہ کیجئے اور
نگاہ اس پر جمائیے کہ اپنے میں کوئی امتیاز
کیجئے۔ ع

کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی

ب اس کو کسی فن کا مرکز بنا دیجئے' میں کہتا ہوں
جوید ہی کا مرکز بنا دیجئے۔ تجوید کوئی حقیر علم
یں ہے۔ لیکن عوام کی نگاہ میں وہ تفسیر حدیث
برابر نہیں ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ آپ اسے
ید وحفظ ہی کا مرکز بنا دیجئے اور ہندوستان
ایہ مشہور ہو جائے کہ ٹونک کے قاریوں کا
ئی جواب نہیں پھر آپ دیکھئے کہ ساری مسلمانوں
زبوں حالی کے باوجود یہ ایک مرکز بن جائے
بڑے بڑے مدارس دار العلوم دیوبند مظاہر علوم
ہارنپور' ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ یہ اپنے فضلاء کو بھیجیں
ر بھی تجوید کی سند وہاں سے لائیں۔ اور تجوید
ن اختصاص وہاں جاکر پیدا کرو۔ اس پر توجہ
ضرورت ہے۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ وہاں
للہ کے بندے ایسے ہوں۔ دیکھئے کچھ بزرگان دین
ایسے تھے اکثر وہ گاؤں میں بیٹھتے تھے معلوم نہیں
کیا ایسا رشتہ ہے' ایک مخفی رشتہ ہے بزرگوں
کی درویشی اور گاؤں اور جنگل کے درمیان کہ جس
بزرگ کو ہم سنتے ہیں یہ دیکھا گاؤں میں بیٹھے
ہیں۔ اب کون گنج مراد آبادی کو جانے وہاں مولانا
فضل رحمٰن گنج مراد آبادی بھی تھے۔ کہ دنیا ان کے
پاس جاتی تھی کہ سر آسمان جاہ وخورشید جاہ حیدرآباد
سے چل کر وہاں آئے۔ اور اناؤ کے اندر اول تو
اناؤ ہی کون سا مشہور ضلع ہے اور پھر اس کے
اندر ایک تحصیل۔ منگل فوج اس کے اندر
ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ میں بھی ایک دوبار
وہاں حاضر ہوا ہوں' کوئی کشش کی بات وہاں
نہیں' آج بھی نہیں لیکن جب مولانا فضل رحمٰن
صاحب رحؒ تھے تو دنیا وہاں کھنچی چلی آتی تھی' آپ
کے مولانا محمود حسن وہاں پہونچے' اور ایسے نہ معلوم
کتنے ہیں۔

ایسی کوئی ہستی پیدا کیجئے' کوئی صاحب کمال
پیدا کیجئے' کوئی مدرسہ یہاں قائم کیجئے' کسی چیز
میں ایسا امتیاز ہو تو پھر دیکھئے پھر وہی دور
واپس آ سکتا ہے۔ حکومت تو اگر پھر آئی تو پھر
بھی اس کا اعتبار نہیں جو ایک مرتبہ چلا جائے تو
پھر کبھی اس کا اعتبار نہ کیجئے' جو آکر کبھی نہ جائے
وہ ہے کمال' وہ ہے اخلاص' وہ ہے للہیت' وہ
ہے سچی روحانیت۔ یہ چیزیں اپنے اندر پیدا کیجئے'
اور اس کا موقع آپ کے لئے ویسا ہی ہے جیسا کہ
عرب کے کسی بڑے سے بڑے ملک میں ہے
آپ یہاں اللہ کے ساتھ ایسا سچا تعلق پیدا کرلیں'
یہ مسجدیں ہیں ان میں ولایت تقسیم ہوتی ہے یہ
قطب اور غوث ان مسجدوں ہی میں پیدا ہوتے
ہیں۔ اتباع سنت' اللہ کا نام محبت اور درد
سے لیا جائے ؎

فیض روح القدس ہر بار مدد فرماید
دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا میکرد

آج بھی وہ سب کچھ ہو سکتا ہے اللہ کے
نام میں آج بھی وہ اثر ہے اور علم میں اللہ نے
آج بھی وہی محبوبیت رکھی ہے جو علم کو حاصل
کرے گا کمال پیدا کرے گا' محبوب بن جائے گا
وہ مرکز بن جائے گا خلائق کا۔ دنیا روکے گی
اور بیچ میں خندقیں قائم کرے گی اور دریا بہیں
گے اور پہاڑ کھڑے ہو جائیں گے راستہ روکنے
کے لئے لیکن وہ طالبان علم دین کسی نہ کسی طرح
سے پہونچ جائیں گے اور اپنے دماغ کی' اپنے
دل اور اپنی روح کی پیاس بجھائیں گے۔

بس بھائی اس سے زیادہ اب وقت میں
گنجائش نہیں۔ البتہ ایک معذرت کرنا چاہتا ہوں
دیکھئے صحیح بات یہ تھی کہ میری تعریف کی کوئی
بات نہ ہو اس لئے کہ "ایاز قدر خود را بشناس"
اور جس سے وطن کا سا تعلق ہو اس کی اور بھی
تعریف نہیں ہونی چاہئے لیکن کچھ تو مجھے اندازہ
نہیں تھا کچھ میری کمزوری بھی ہے اور دوسرے
کچھ بات ایک اور بھی ہے جس کے کہہ دینے
میں کوئی حرج نہیں ہے کہ جب یہ چیزیں کہی
جاتی ہیں اور شرعاً اس میں قباحت ہے اور آدمی
کو چاہئے کہ روک سکتا ہے تو روک دے لیکن
یہ اللہ کا شکر ہے کہ اللہ کے کچھ مقبول بندوں
کی جوتیاں سیدھی کرنے کا معلوم نہیں شرف
حاصل ہوا موقع ملا یا نہیں' بہت سے اسباب کی
بنا پر وہ اس کا موقع نہیں دیتے تھے لیکن ان کے
پاس بیٹھنے کا موقع ملا۔ اپنے عیب سامنے آجاتے
ہیں اور سائن بورڈ بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔
پھر اور لوگ تو تعریف سنتے ہیں اور میں ان کے
مطالعہ میں مصروف ہوتا ہوں' تو مجھے نظر آتا ہے
کہ میں کیا تھا۔ میری کوئی کتاب شائع نہیں ہوئی
تھی' مولانا حیدر حسن خاں کے گھر میں رہتا تھا۔
اور میرے ساتھ جو لوگ آئے تھے لکھنؤ کے وہ

مجھے بتاتے تھے۔ مجھے بہت سیدھا سمجھتے تھے اور اب بھی میرے ہمجولی جو میرے ساتھ بچپن میں کھیلا کرتے تھے اور میرے اعزا جو ہمارے ساتھ کھیلے ہوئے ہیں افسوس ہے ان میں سے اس وقت کوئی نہیں وہ سب جانتے ہیں کہ یہ بہت سیدھا آدمی ہے۔ اگر کسی کے متعلق یہ کہا جاسکتا دعویٰ کے ساتھ کہ یہ کچھ نہیں ہوسکتا تو وہ میں تھا اور خاندان میں طعنے دیئے جاتے تھے میری والدہ مرحومہ جو بیوہ تھیں، میرے والد کا انتقال اس وقت ہوا جب میں نو سال کا تھا نو دس سال کے درمیان تھا کسی کو کوئی امید نہیں تھی کہ میں کچھ پڑھ لکھ سکوں گا۔ کبھی دو چیزیں ہوتی ہیں یا ذہانت ہو یا محنت ہو، مجھ میں نہ ذہانت تھی نہ محنت تھی، تو یہ جو کچھ ہوا محض اللہ کا فضل ہے۔ دو چیزیں اللہ تعالیٰ نے نصیب فرمائیں بہ تعریف میری نہیں ان کی تھی، جن کے طفیل میں یہ نصیب ہوئیں۔ ایک تو میری والدہ صاحبہ مرحومہ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو روشن رکھے اور منور فرمائے۔ ایک تو ان کی دعائیں کہ انھوں نے اپنی عمر وقف کردی تھی دعاؤں کے لئے بس ان کا یہی اوڑھنا بچھونا تھا اور ایک میرے بزرگوں اور استادوں کی شفقت، مجھے جتنے استاد ملے ایسے شفیق ملے۔ مجھے یاد ہے کہ جب میں تفسیر پڑھنے کے لئے لاہور جانے لگا تو مولانا حیدر حسن خاں صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ان کے مرتبے زیادہ سے زیادہ بلند فرمائے فرمانے لگے "میاں تم جارہے ہوگے میں تم کو دیر تک دیکھتا رہوں گا" تو یہ کہاں کس کو یہ بات حاصل ہوتی ہے۔ بچوں کی طرح مجھ کو رکھا۔ میرے کھانے کا خیال میری ہر چیز کا خیال تو جو کچھ مجھے نصیب ہوا اور جب میں باہر کے ملکوں میں گیا اور بلا استحقاق الحمدللہ وہاں بھی اللہ تعالیٰ فریب نفس سے بچائے یہ سوچ لیتا ہوں کہ کیا ہوں۔ میں اگر آپ کے سامنے اپنی علمی کمزوریاں بیان کروں تو شاید آپ یقین نہ کریں اور جو لوگ یقین کریں گے وہ بالکل غیر معتقد ہوجائیں گے میں پڑھا لکھا بہت کم ہوں۔ صاف آپ سے کہتا ہوں میں نے حضرت رائے پوریؒ کو ایک شعر لکھا تھا۔ میں ہندوستان سے باہر گیا تھا وہاں لوگ محبت سے پیش آئے تو میں نے ان کو لکھا تھا ؎

بنا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا
دگر نہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

اور الحمدللہ مجھے اس پر اللہ کا فضل ہے اور اس پر یقین ہے کہ جو کچھ ملا وہ میرے بزرگوں کی دعا اور استادوں کی شفقت اور خدمت سے ملا۔ اس کے علاوہ خدمت تو میں نے بہت کم کی ہے صلاحیت بھی نہیں تھی اور طاقت بھی نہیں، صحت بھی خراب رہی لیکن جو کچھ بھی کی وہ معلوم نہیں کیوں میرے بزرگوں سے جو نسبت تھی اس کی وجہ سے ہر بزرگ نے ہر استاد نے مجھے آنکھوں پر بٹھایا۔ اور میرے ساتھ محبت کی۔ اور اس کا یہ نتیجہ ہے کہ چار آدمی میری بات کو سن لیتے ہیں تو میں سنا رہا تھا کہ جب میں ٹونک پہلی بار آیا ہوں تو ایسے ہی جوتیاں چٹخاتے پھرتا تھا یہاں امیر گنج سے قافلہ اور قافلے سے امیر گنج اس کے بعد آیا تو یہاں سے کتب خانہ دیکھنے جاتا تھا کوئی جاننا بھی نہ تھا۔ میں نہ مفسر تھا نہ میں کوئی بڑا مدرس تھا نہ کوئی عالم محقق تھا لیکن اس وقت تھوڑا بہت جو ہوگیا بہت دنوں سے قلم گھسنے کی وجہ سے اور آنکھیں، اپنی بصارت کو کمزور کردینے کی وجہ سے تھوڑا سا ہوگیا اس کے علاوہ مجھ کو کسی فن میں کوئی امتیاز حاصل نہیں۔ بس محض یہ ہے کہ بس تھوڑا بہت ان بزرگوں کی شفقت کی نگاہیں پڑنے سے، طالب علموں سے میں کہا کرتا ہوں اور ندوہ کے طلبا کو اکثر میں خطاب کرتا ہوں تو انھیں بتاتا ہوں کہ بھئی اصل چیز یہ ہے کہ اپنے استادوں کو راضی کرو۔ اور ان کی دعائیں لو۔ مجھے جو کچھ ملا ہے اسی وجہ سے ملا ہے اور تم کو بھی کبھی جو کچھ ملے گا اسی وجہ سے ملے گا۔ سب کو معلوم ہے کہ میرے ایسے ایسے ماہر ساتھی تھے کہ میں ان کے سامنے زبان نہیں کھول سکتا، بول نہیں سکتا۔

بس بھائیو! اس سے میں اپنے دل کو تسکین دیتا رہا۔ بس اللہ تعالیٰ میری اور آپ کی کوتاہی کو معاف کرے اس مدرسے کو ترقی دے میں تو خادم ہوں یہاں کا۔ انشاء اللہ کوئی اعلان نہیں کرتا بس انشاء اللہ میرے آنے سے اور کوئی فائدہ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو اس مدرسہ کا تعلق بڑھ گیا اس سے الفت پیدا ہوگئی ہے انشاء اللہ تعالیٰ اگر موقع دے گا تو اس کی خدمت کروں گا۔

دینی غیرت اور دانشمندانہ حکمت کے ساتھ عمل کرنے کی ضرورت

● حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی -

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ناظم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کا یہ اہم خطبہ صدارت ہے، جو انھوں نے ۱۲ مارچ ۲۰۰۰ء کو پرتاپ گڑھ میں دینی تعلیمی کونسل کی علاقائی کانفرنس کے موقع پر پڑھا خطبہ کی اہمیت کے پیش نظر ہم اس کو ہدیہ ناظرین کر رہے ہیں (ادارہ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اما بعد!

محترم حاضرین! یہ ملک جس میں ہم رہ رہے ہیں سیکولر دستور و نظام کا ملک ہے، جس کی رو سے ہر مذہب کے پیروکار کو اپنے عقیدہ و مذہب کے احکام کے مطابق عمل کرنے کی آزادی دی گئی ہے، اور عقیدہ و مذہب، ہر مذہب کے ماننے والوں کے لئے زندگی کی بنیادی ضرورت کا مقام رکھتا ہے، اس کی حیثیت انسان کی اخلاقی و انسانی زندگی کے لئے ایسی ہی ہے جیسی انسانی جسم کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی ہوتی ہے، اگر ریڑھ کی ہڈی میں خرابی پیدا ہو جائے تو جسم کی حرکت و عمل مفلوج ہو سکتا ہے، تو اگر مسلمانوں کے دین و عقیدہ پر کوئی آنچ آتی ہے تو اس سے مسلمانوں کی اسلامی خصوصیت ختم ہو جاتی ہے لہٰذا مسلمان کو مسلمان رہنے کے لئے اس بات کی پوری فکر کرنا ہوتی ہے کہ اس کے دین و عقیدہ کو کوئی نقصان نہ پہنچے اور اس کو اپنے دین و عقیدہ پر عمل کرنے میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے۔ ہندوستانی دستور بھی اس کی پوری اجازت دیتا ہے، کیونکہ ہندوستان مختلف و متنوع مذہب کا ملک ہے، یہاں دین و عقیدہ کے لحاظ سے مختلف فرقوں کے اپنے اپنے طریقے اور اصول ہیں۔

ہندوستان کے اکثریتی فرقے کے مذہب میں ہر بڑی طاقتور اور نفع و ضرر پہنچانے والی چیز کو عموماً خدا کی خصوصیت کا مالک سمجھا جاتا ہے، چونکہ سورج، دریا، درخت، زمین، اور ماضی کی غیر معمولی خصوصیت و اثر رکھنے والی متعدد شخصیتوں اور بعض خصوصی اہمیت رکھنے والے جانوروں کو بھی خدائی مقام کا مالک سمجھا گیا ہے، لیکن مسلمانوں کے یہاں صرف خدائے واحد ہی کی عبادت ہو سکتی ہے، ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود و لائق عبادت نہیں، ساری کائنات اور ساری مخلوقات تنہا اسی کی پیدا کی ہوئی ہے اور وہی تنہا اس کو چلاتا ہے اسلام کا اسی پر دارومدار ہے، اللہ تعالیٰ نے مختلف زمانوں میں اپنے رسول بھیجے جو انسانوں کو خدا کی پسند اور مرضی کا راستہ و طریقہ بتانے پر مامور کئے گئے۔ ان کی بات ماننے اور ان کے کہنے پر چلنے کا سب کو پابند بنایا گیا، ان میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہوئے۔ اب قیامت تک انہیں کے بتائے ہوئے طریقہ پر عمل کرنا ضروری ہے، اور یہی دین حق ہے، اور مسلمان اسی کے پابند ہیں۔

اگر اس کے بجائے کسی اور کے طریقے پر عقیدہ رکھا گیا یا عبادت کی گئی تو پھر اس عبادت کرنے والوں کا تعلق اسلام سے ختم ہو جاتا ہے کیونکہ اس نے خدائے واحد کے ساتھ کسی دوسرے کو بھی شامل کر لیا۔ جو توحید کے منافی ہے اور اسی کا نام شرک ہے جس کے متعلق قرآن مجید میں صاف صاف آیا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَاءُ، کہ اللہ تعالیٰ اس بات کو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے، اس کے علاوہ باتوں میں جس کو چاہتا ہے معاف کرتا ہے، لہٰذا مسلمان ہونے اور مسلمان باقی رہنے کیلئے اس بات کا اقرار کرایا جاتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں۔

اس سلسلہ میں معاملہ صرف عقیدہ کا ہی نہیں ہے بلکہ عمل کا بھی ہے، اور اس بات کی فکر خاص طور پر نوخیز بچوں کی تعلیم کے

سلسلہ میں پیش آتی ہے کہ مسلمان بچہ کسی قوم کے ایسے اسکول میں داخلہ لیتا ہے جہاں کے منتظمین اکثریتی فرقے کے ہوتے ہیں اور وہ منتظمین سیکولر طریقے سے ہٹ کر اپنے مذہب کے عقیدہ کے مطابق کوئی عمل کرواتے ہیں تو مسلمان بچہ کے لئے کسی طرح وہ قابل قبول نہیں ہو سکتا ہے۔ ایسے کسی عمل میں غیر اللہ کیلئے بندگی اور عبادت کے الفاظ استعمال کرنا اور عبادت جیسا عمل کرنا جیسے کہ سرسوتی وندنا ہے یا زمین کے لئے بندگی کا اظہار ہے، مسلمان بچہ کیلئے اپنے مذہب اسلام سے باہر ہو جانے کے مرادف ہے۔ پھر مزید یہ خطرہ ہے کہ بچہ اپنے خورد سال ذہن کی وجہ سے یہ سمجھ سکتا ہے کہ ایسا کرنا اچھی بات ہے۔ ایسا سمجھ لینے سے اس کا عقیدہ مشرکانہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ مسلمان نہیں رہتا ہے۔ اور یہ کسی مسلمان گھرانے یا خاندان کے لئے کتنے خسارہ اور افسوس کی بات ہے کہ اس کا بچہ مسلمان پیدا ہوا اور وہ توحید کے عقیدہ کے ساتھ پلا بڑھا ہو لیکن اسکول جاکر وہ شرک میں مبتلا ہو گیا ہو۔

یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ اس ملک میں جس کے دستور نے ملک کے تمام اہل مذاہب کو اپنے اپنے مذہب کے مطابق عمل کرنے کی اجازت دی ہے اور دوسرے مذہب میں مداخلت نہ کرنے کے اصول طے کر دیئے ہیں۔ اکثریتی فرقے کے مذہب کے طور طریق کو عائد کیا جائے۔ اور حکومتی اور قومی اسکولوں میں شرک کا طریقہ نافذ کیا جائے۔ دینی غیرت رکھنے والے تمام مسلمانوں کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ اس کی فکر کریں، اور اپنے بچوں کو اس خطرہ سے بچائیں۔

اس کے لئے دو طریقے اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک تو یہ کہ حکومت سے یہ مطالبہ کیا جائے کہ وہ قومی و حکومتی اسکولوں کو تعلیم میں سیکولر طریقے پر کاربند ہونے کا پابند کرے کہ اسکول میں کسی بھی مذہب کو بالادستی نہ دی جائے، اور اگر کوئی مذہبی عمل ہو تو طلبہ کو اپنے اپنے مذہب کے مطابق عمل کرنے کا اختیار ہو۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کم از کم ابتدائی تعلیم کے دوران متوازی مکتب یا اسکول قائم کئے جائیں جہاں مسلمان بچے اپنے عقیدہ وعمل کی تعلیم حاصل کریں۔ اور اپنے نوخیز دماغوں اور ذہنوں میں اپنے عقیدہ وعمل کو جاگزیں کرسکیں تاکہ وہ توحید و شرک اور ایمان و کفر کا فرق جان سکیں، اور اپنے مذہب کے مخالف اثرات سے اپنے کو بچا سکیں، یہ بڑی مسرت کی بات ہے کہ آج سے تقریباً چالیس سال قبل بستی کے ایک مسلم رہنما اور دانشور قاضی عدیل عباسی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے اس کے انتظام کی کوشش کی اور دینی تعلیمی کونسل اور انجمن تعلیمات دین کے نام سے ادارہ قائم کیا، جس نے مذکورہ بالا دونوں محاذوں پر کام شروع کیا۔ اس ادارے کے آغاز سے ہی ادارے کی صدارت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد ہوئی اور قاضی صاحبؒ اس کے اصل روح رواں اور سکریٹری جنرل ہوئے اس وقت سے مذکورہ دونوں محاذوں پر بڑا کام انجام دیا گیا۔ اس ادارے کے اہم ذمہ داران و کارکنان میں مولانا محمود الحسن عثمانی مرحوم ہمارے ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی اور وکیل ظفر احمد صاحب صدیقی مرحوم خاص طور پر قابل ذکر ہیں ان کے علاوہ اس کے کارکنان کی الحمدللہ ایک ٹیم تیار ہو گئی، جس نے مسلمان بچوں کی تعلیم کو غیر اسلامی مذاہب کی یلغار سے بچانے کے لئے دستوری اور جمہوری طریقے سے کام کیا جس کے اثر سے الحمدللہ بڑے خطرات سے حفاظت ہو گئی۔

کونسل کا یہ کام اضلاع کی سطح پر انجمن تعلیمات دین کے نام سے انجام دیا جاتا ہے اور صوبہ کی سطح پر دینی تعلیمی کونسل انجام دیتی ہے۔ اس کے لئے جگہ جگہ وقتاً فوقتاً کانفرنسیں منعقد کی جاتی ہیں اور مسلمانوں کو اس کام کی اہمیت اور اس کے نہ کرنے کی صورت میں درپیش خطرات سے آگاہ کیا جاتا ہے۔

ہماری یہ کانفرنس جو پرتاپ گڑھ میں ہو رہی ہے اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے پرتاپ گڈھ کا ضلع دینی تعلیمی جد وجہد کے سلسلہ میں نمایاں ضلع رہا ہے بلکہ اس نے اپنے پڑوسی اضلاع کی بھی رہنمائی کی ہے اس میں آج کانفرنس کا یہ انعقاد اپنے صحیح مقام ومحل پر ہے نیز اس وقت کے جو ملکی حالات ہیں اور دینی تعلیم کے لئے جو نئے خطرات پیدا ہو گئے ہیں ان کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ یہ کانفرنس ہو اور موجودہ حالات وخطرات کا جائزہ لیا جائے اور ان کے مطابق جد وجہد کا عزم کیا جائے۔

دینی تعلیمی کونسل کے گذشتہ تمام جلسوں کو اس کے صدر محترم مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی سرپرستی حاصل ہوتی رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو امت کے صلاح وفلاح کی جو فکر عطا کی تھی اور ان کو جو مقبولیت حاصل تھی اس سے ان اداروں

سرپرستی میں تھے ایک خاص تقویت
گذشتہ رمضان المبارک میں انکی
سے اس تقویت سے محرومی ہوئی
ان کی بال بال مغفرت فرمائے اور
دراجر جزیل سے نوازے۔ کونسل
بانی قاضی عدیل عباسی صاحبؒ
ی سے محرومی کے بعد یہ دوسرے
رست سے محرومی کا صدمہ ہوا ہے
ام اللہ کی رضا و پسند کا ہے۔ یہ
قائم اور جاری رہے گا۔ اس کو
نما اور کارکن ابھی حاصل ہیں اس کے
جنرل ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی
کو بڑی تقویت حاصل ہے وہ دینی تعلیمی
کو بہت سمجھتے ہیں اور اس کے لئے
تے ہیں۔ اور ان کے معاونین میں ڈاکٹر
ن عثمانی، حبیب اللہ اعظمی اور پروفیسر
د صاحب علی گڈھ، اور دیگر مخلصین
جماعت ہے۔ ان سب کی فکرمندی
و حاصل ہے۔ خاص طور پر نئے حالات
جو مسائل پیدا ہوئے ہیں وہ بھی انکے
نظر ہیں۔ انشاء اللہ کونسل کا کام انجام
گا۔ اس کو اضلاع کی انجمنوں کے چند
دں کی کارکردگی سے تعاون ملتا ہے
داروں کو بھی اپنی کوششوں کو تیز
ہیئے اور کام کو آگے بڑھانا چاہیئے۔
ادھر ملک کو کچھ عرصہ سے ہندو فرقہ پرست
حکومت کے نئے عزائم کا سامنا کرنا پڑ
اور بڑے فکر کی بات ہے کہ ابھی حال میں
عبادت و مراکز تعلیم کے قیام و توسیع کے
دشواریاں اور پابندیاں عائد کرنے کا
قائم کیا جا رہا ہے، وہ بڑے خطرناک عزائم
نا ہے۔ اب تک مسلمان بچوں کو دینی تعلیم میں

شرکیہ عقائد و اعمال کے خطرات کا سامنا تھا۔ اب سرے سے اسلامی عبادات اور دینی تعلیم کے بقا و حفاظت کے مسئلہ سے سابقہ پڑنے کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے جس کے لئے دینی غیرت اور دانشمندانہ حکمت کے ساتھ عمل کرنے کی ضرورت ہے۔

حضرات! ہمارے مذہبی معاملات خود ہماری ذمہ داری میں ہیں۔ ان کی فکر خود ہم کو کرنا ہے خواہ مساجد کا معاملہ ہو یا دینی مدارس کا، ہمارے مذہبی معاملات بنیادی طور پر ان ہی سے متعلق ہیں ان پر کسی طرح کی پابندی ملک کے دستور و جمہوریت کے اصول کے خلاف ہے اور ان پر پابندی ہماری مذہب پر پابندی کے مرادف ہے اور ہم اس کو کسی طرح قبول نہیں کر سکتے۔ لیکن مسلمانوں کو اس طویل تاریخ میں دین و ملت کے بارے میں مشکلات بار بار پیش آئی ہیں، بلکہ اس سے بھی سخت مشکلات کا سامنا ہوا ہے اور الحمدللہ ان کے حل کے لئے آدمی پیدا ہوئے اور انھوں نے ان مشکلات کو حل کیا، مشکلات خود ایسے آدمی تیار کر دیتے ہیں جو ان پر قابو پا سکیں عربی کا محاورہ ہے" الشدائد تصنع الرجال کہ مشکلات سے آدمی بناتے ہیں۔

ہمیں خوشی ہے کہ مسلمانوں میں ان کے ملی اور دینی معاملات کی فکر کرنے والے آدمی موجود ہیں، اور برابر مل رہے ہیں ان کی رہنمائی میں کام انجام دیا جا رہا ہے، یہ ہم سب کا فریضہ ہے، ہم سب کو اس میں پورا حصہ لینا چاہیئے تاکہ ہم ایک باعزت قوم اور صحیح و محفوظ دین کے ساتھ زندگی گزار سکیں، امید ہے کہ ہماری یہ کانفرنس اس سلسلہ میں مفید ثمرات کی حامل ہوگی، اور دینی تعلیمی کونسل کے کام اور پروگرام کو اس سے مدد ملے گی۔ واللہ هو المستعان وعلیہ التکلان۔ اللہ تعالیٰ مدد فرمائے اور قبول فرمائے۔ آمین،

نعت نبی

• ڈاکٹر اظہار انسر بنگلوری

اس شخص کے پاؤں تلے فردوس بریں ہے
جو شخص حقیقت میں غلام شہ دیں ہے
رضواں نے جو دیکھا تو کہا میرا یقیں ہے
اس شان کا دربار کہیں اور نہیں ہے
حال آپ کی امت کا عجب سرور دیں ہے
اس در پہ جبیں ہے کہیں اس در پہ جبیں ہے
چلتا ہے یہاں باد صبا جھک کے ادب سے
یہ ارض مقدس ہے یہ شبیر شہ دیں ہے
آتے ہیں ملائک بھی یہاں بہر سلامی
ثانی کوئی دربار محمد کا نہیں ہے
دم بھر کو نہیں چین مجھے ہجر نبیؐ میں
اک ٹیس سی پیہم مری شہ رگ کے قریں ہے
اے صاحب الطاف و کرم آ! کہ جہاں میں
انسر کا کوئی بھی تو طرفدار نہیں ہے۔

دعائے مغفرت

الحاج حسن محمد ایت صاحب جہانسبرگ "ساؤتھ افریقہ" کا ابھی حال ہی میں انتقال ہو گیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم کی عمر تقریباً ۵۲ سال کی تھی اور تقریباً تیس سال قبل دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم حاصل کی تھی اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور ان کے والد صاحب جن کی عمر ۸۲ سال کی ہے ان کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین

قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

جب مانگنے کا ڈھنگ دینے والا بتائے

مولانا عبد اللہ عباس ندوی

قرآن پاک میں دعاؤں کے جو الفاظ آئے ہیں، وہ سب محاکات کے طور پر وارد ہوئے ہیں کہ اللہ کے بندوں نے اس سے کیا مانگا، اور کن الفاظ میں مانگا، لیکن اس محاکات کے پہلو میں تعلیم بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، میرے بندے نے یوں کہا، اس طرح مانگا، ہم نے اس کو بخش دیا مصیبت میں پکارا، اس کی مصیبت دور کردی فقر و احتیاج میں میرے آگے ہاتھ پھیلایا، ہم نے اس کی جھولی بھر دی۔

یہ سب ہے تو حکایت لیکن اس کے پہلو میں تلقین بھی تو ہے کہ اگر تم مانگو تو اس طرح مانگو، اپنی بندگی و عاجزی کا اظہار اس طرح کرو، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اس طرح کرو۔

یہ دعائیں جو اکثر و بیشتر کسی پیغمبر کی زبان سے ادا ہوئیں، کبھی جماعت کی طرف سے اور کبھی فرد واحد کی طرف سے اپنے اندر ان تمام ضرورتوں اور حاجتوں کو سمیٹے ہوئے ہیں جن کا انسان محتاج رہتا ہے۔

سورہ فاتحہ جامع ترین دعا

قرآنی دعاؤں میں سب سے جامع دعا سورہ فاتحہ ہے، جس کی ان گنت لوگوں نے ان گنت انداز میں تشریح و تفسیر کی ہے، یہ حمد و ثنا خالق کائنات کی صفات ربوبیت، رحمت عالم، رحمت خاص یوم حشر و نشر کی اہمیت کا اقرار بطور تمہید دعا کے ساتھ مذکور ہے کہ جس سے مانگ رہے ہیں اس کی عظمت اور عطاء و بخشش پر قدرت کا یقین ہو، اس سے محبت بڑھنے اور قرب پیدا کرنے کی اُمنگ کا جذبہ بیدار ہو، اس کے عدل اور عدل کے نتیجہ میں جزاء کی امید کے ساتھ سزا کا خوف بھی پیدا ہو، اس تمہید کے بعد تعلیم دی گئی کہ عبدیت کاملہ اور مکمل سپردگی کا اقرار بھی دعا کا لازمہ ہے اور نفع پہونچانے یا کسی سے سلب نعمت کی قدرت جس ذات میں ہے اس کا اظہار بھی ضروری ہے اس لئے ہم مانگتے اس سے ہیں جو دینے پر قادر ہے اور صرف وہی قادر ہے، کوئی دوسرا قدرت نہیں رکھتا کیونکہ جب ایک در کے علاوہ سائل کے سامنے دوسرے در بھی کھلے ہوں اور یہ تصور ہو کہ کہیں اس نے نہیں دیا تو دوسرا دیدیگا۔ اور اگر اس نے نہیں بخشا تو فلاں سے بخشوالیں گے، اگر یہ تصور ہو (خدانخواستہ) تو پھر مانگنے والے کے نزدیک دینے والے کی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی اور دینے والے کو بھی اس سائل کی پرواہ نہیں ہوتی۔ اگر ایسا ہوتا کہ ایک در کے علاوہ دوسرے دروازے سے بھی طلب براری کر سکتے تو جس سے مانگا جا رہا ہے اس کی حیثیت ایک دکاندار کی ہوتی، گاہک کو اگر مال ایک دکان سے نہیں ملا تو دوسری دکان سے خرید لے گا، لہٰذا اس بات کا اقرار بھکاری کی زبان سے کرانا ضروری تھا کہ اس در کے علاوہ کوئی دوسرا در نہیں ہے سر اسی چوکھٹ پر جھکایا جائے گا، دوسری چوکھٹ ہرگز ہرگز نہیں ہے۔ "اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ" کا اقرار کلید دعا ہے، امام ابن قیمؒ نے صرف اس آیت کی تفسیر میں تین ضخیم جلدیں لکھی ہیں "مدارج السالکین فی منازل ایاک نعبد وایاک نستعین" اس تمہید و اقرار عبودیت اور بلا شرکت غیرے استعانت باللہ کے بعد دعا کے صیغے میں ایک ہی دعا ہے، سیدھا راستہ ہمیں دکھائے یا سیدھے راستے پر ہمیں چلا دے۔ آگے کی دو آیتوں میں اسی سیدھے راستے کی تشریح ہے ایک مثبت جملہ میں ایک منفی جملہ میں سیدھا راستہ جس پر چلنے والوں کو تو نے نعمتوں سے نوازا ہے، اور وہ راستہ ایسا نہ ہو، جس پر چلنے والے راہ بھول کر دوسری پگڈنڈیوں پر نکل جاتے ہیں اور جو راستے ان لوگوں کے ہیں جو غضب الٰہی کے شکار ہیں، اور بھٹکے ہوئے لوگ ہیں۔

قرآن کی تفسیر خود قرآن ہی کی دوسری آیات سے ہو جاتی ہے۔ "اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ" جن لوگوں پر تو نے انعام فرمایا، یا جن لوگوں کو تو نے اپنی نعمتوں سے نوازا، یہ کون لوگ ہیں سورہ مریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر خیر ہے اور ہر ایک کی خصوصیت بیان کی گئی ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام عقیدۂ توحید پر کس درجہ کے ساتھ جمے رہے کہ اپنے والد بزرگوار سے منت و سماجت، ادب و احترام کے لہجے میں

بُت پرستی ترک کرکے دامنِ توحید سے وابستہ ہوجانے کی درخواست کرتے ہیں، باپ گھر سے نکال دیتے ہیں، سر جھکا کر ان کا حکم مانتے ہیں کہ گھر سے نکل جائیں گے، مگر عقیدہ پر ذرا بھی آنچ نہیں آنے دیں گے، حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے منتخب کردہ بندے، حضرت اسماعیل علیہ السلام صادق القول اور وفادار تھے، حضرت ادریس علیہ السلام کا مقام عند اللہ بلند تھا۔ "اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ" یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا انعام فرمایا۔

اگر کوئی پوچھے "صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ" راستہ اُن لوگوں کا جن پر تونے انعام فرمایا۔ وہ کون لوگ ہیں تو جواب مل گیا، اولوالعزم پیغمبروں کا راستہ ہے، توحید میں پختہ، اور عقیدہ کی راہ میں جو سخت سے سخت مراحل آئیں ان کو برداشت کرنے والے اور یہ سچے لوگ جو اپنے ساتھ اپنے اہل وعیال کو بھی جہنم کی آگ سے دور رکھنے کی فکر کرتے ہیں، وہ لوگ جن کے اعمالِ حسنہ ایسے تھے، جن کے سبب ان کو مقام بلند عطا ہوا۔

خلاصہ یہ کہ سورۃ فاتحہ ایسی دعا ہے جس کے اندر دین و دنیا کی تمام نعمتوں کی طلب موجود ہے، سیدھا راستہ عقیدہ و عمل کی تمام شاہراہوں کی طرف لے جاتا ہے، عبادت سے لیکر معاملات، کاروبار آپس کے تعلقات، اہل وعیال کے ساتھ سلوک جو بھی دنیا میں کسی کو مطلوب ہے وہ ٹیڑھے راستہ سے نہیں، سیدھے راستہ سے ملے گا، ٹیڑھا راستہ منزل سے دور کردے گا اور اس طرح بھٹکا دے گا کہ کبھی منزلِ مقصود نہیں حاصل ہوسکے گی۔

یہ دعا جامع ہے، عام ہے اور ہر انسان کی احتیاج کیلئے کافی ہے۔

دعاؤں کے تین صیغے

اس کے علاوہ قرآنی دعائیں تین طرح کی ہیں۔

ایک قسم ان دعاؤں کی ہے جس میں بندہ براہِ راست اللہ تعالیٰ سے طلب کرتا ہے کہ ہمیں عطا فرما، بخش دے، مرحمت فرما، یعنی وہ دعائیں جن میں طلب اثباتی انداز کی ہے، اور صیغۂ دعاء "اٰتِنَا" "اٰتِنِیْ" "ھَبْ لَنَا" "ھَبْ لِیْ" "اغْفِرْلِیْ" "اغْفِرْلَنَا" اور اسی کے دعائیہ صیغوں سے شروع ہوتی ہے، جیسے

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ

اے ہمارے پروردگار ہم کو دنیا میں بھی بہترین عنایت فرما اور آخرت میں بھی بہتری دیجئے اور ہم کو عذاب دوزخ سے بچائیے۔

یا۔ رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا

اے ہمارے پروردگار ہم پر استقلال (غیب سے) نازل فرما اور ہمارے قدم جمائے رکھئے اور ہم کو اس کافر قوم پر غالب کیجئے۔

یا۔ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَکَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ۔

اے ہمارے پروردگار پھر ہمارے گناہوں کو بھی معاف فرما دیجئے اور ہماری بدیوں کو بھی ہم سے زائل کردیجئے اور ہم کو نیک لوگوں کے ساتھ موت دیجئے۔

دوسری قسم کی وہ دعائیں جس میں طلب یہ ہے کہ اللہ ایسا نہ کر ایسا نہ ہو۔ یعنی طلب منفی کی ہے جیسے۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَا اِصْرًا کَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ۔

تیسری قسم تعوّذات کی ہے جس میں، میں پناہ مانگتا ہوں، یا تری پناہ میں آتا ہوں، فلاں فلاں برائی سے جیسے:

رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّیٰطِیْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ ؕ

اے رب میں پناہ چاہتا ہوں تیری، شیطانوں کے چھیڑ سے، اور پناہ چاہتا ہوں تیری اس سے کہ وہ میرے پاس آئیں۔

ایک خاص اسلوبِ دُعا:

ان دعائیہ صیغوں کے علاوہ جو "رَبَّنَا اٰتِنَا" "ھَبْ لَنَا" یا "ھَبْ لِیْ" قِنَا اور قِنِیْ سے شروع ہوتی ہیں۔ ایک اور بہت نرالی اور دل کو پگھلا دینے اور آنکھوں کو بھگا دینے والی دعا ہے، جس کی رہنمائی قرآن کریم کے علاوہ کہیں نہیں ملتی، جہاں بے زبانی زبان بن جاتی ہے۔ دل کی دھڑکن آواز بن جاتی ہے، آنسو بولنے لگتے ہیں، بندہ کی سانس صدا دینے لگتی ہے وہ ایسی دعائیں ہیں جہاں بندہ کی زبان نہیں کھلتی مگر اس کا رُواں رُواں کانپنے لگتا ہے وہاں نہ "اٰتِنَا" کہتا ہے نہ "ھَبْ لَنَا" نہ "اغْفِرْلِیْ" یا "اغْفِرْلَنَا" کوئی طلب کا صیغہ سرے سے نہیں ہے مگر اس سے بڑھ کر کوئی مانگنے کا طریقہ نہیں ہوسکتا۔

رَبِّ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ؕ

اے میرے رب مجھ کو مرض شدید نے دبوچ لیا ہے، اور آپ سب مہربانوں سے بڑھ مہربان ہیں۔ ایک راضی برضا بندہ، اللہ تعالیٰ حکمت اور اس کی مصلحت پر ایمان رکھنے پیغمبر وقت، ایک بشر ہونے کے لحاظ سے جسمانی درد والم کے انتہائی کرب میں مبتلا جسم کے اکثر حصوں میں زخم ہیں جو ٹیس دے رہے ہیں، کہنا یہ چاہتا ہے کہ اے میرے رب اس تکلیف سے نجات دے، میرے زخم کو مندمل کردے، مگر زبان سے یہ بات نہ

نکل رہی ہے کہ اس ارحم الراحمین نے جس کرب میں بتلا کیا ہے اس کا حکم کسی مصلحت و حکمت ہی پر مبنی ہوگا، مالک اپنی ملکیت میں جس طرح چاہے تصرف کرے، پیغمبر صبر و شکر کا پیکر ہوتا ہے اس کے دل و دماغ کے ریشہ ریشہ میں اللہ تعالیٰ کی عظمت پیوست ہے، اس کی زبان سے انتہائی کرب والم کی حالت میں بھی جو بات نکل رہی ہے وہ یہی کہ میرے پروردگار مجھے میری تکلیف نے دبوچ لیا ہے، اور آپ ارحم الراحمین ہیں۔

اب رحمانیت کا جو تقاضہ ہو موت دے کر تکلیف کا خاتمہ کر دے یا صحت دے کر۔

یہ انداز دعا کہ دعا کا صیغہ زبان پر نہ آئے اور سائل کی بے قراری، اضطرار اور بے چارگی، و بے چینی کا مکمل اظہار ہو جائے۔ قرآنی دعاؤں کا خاصہ ہے، اور قرآن کے علاوہ بلاغتِ عالیہ کا یہ نمونہ کہیں نظر نہیں آتا۔

(باقی آئندہ)

زائرانِ حرم آ گئے

مجیب بستوی

زائران حرم ہو کے کوئے نبی آ گئے، ہم یہیں کے یہیں رہ گئے
کتنے خوش بخت تھے وہ خدا کی قسم جو یہاں سے گئے اور وہیں رہ گئے
تھی تمنا کہ منزلِ غم زندگی تیرے در پر کریں جا کے ہم باخوشی
پر مشیت خدا کی کہ اپنی جگہ۔ آہ اپنی جھکائے جبیں رہ گئے
کتنے جا کر ترے در پہ شاہِ اُمم اتنے اونچے اٹھے آسماں بن گئے
اور ہم ایک محروم قسمت یہاں بن کے پیوند زیر زمیں رہ گئے
اک تمنا ہے ہم کو بلا لیجئے اک شرف سے حضوری کے محروم ہیں
ورنہ فیضان رحمت سے ہم بھی ترے میرے آقا کبھی ہم نہیں رہ گئے
کاروانِ مدینہ سے ہم کیا کہیں لب ہیں ساکت زباں اپنی خاموش ہے
وہ مدینہ میں ہیں اور ہم ہیں یہاں، وہ وہاں جا چکے ہم یہیں رہ گئے
ابر رحمت برستا مدینے میں ہے، بارشِ نور ہوتی ہے شام و سحر
اپنے دامن پسارے نہ جانے کہاں اپنے محروم گھر کے مکیں رہ گئے
آؤ ہم بھی چلیں اے مجیبِ حزیں اپنے آقا محمدؐ کے دربار میں
بے حسی میں خدا جانے کتنے ابھی غم زدہ رہ گئے سہمگیں رہ گئے

مردِ درویش حضرت مولانا علی میاںؒ

عالمِ اسلام کی محبوب ترین مقبول ترین شخصیت کی رحلت پر خصوصی تحریر

سید رضوان علی ندوی

نہ صرف ہندوستان اور برصغیر اور نہ صرف عالم عرب بلکہ پورا عالم اسلام جمعہ ۲۲ رمضان المبارک سنہ ۱۴۲۰ھ ۳۱ دسمبر سنہ ۱۹۹۹ء کو ایک ایسی عظیم شخصیت سے محروم ہوگیا، جو مجسم خیر وبرکت تھے عالم اسلام کے لئے ایک روشنی تھی، اس روشنی کی کرنیں نہ صرف عالم اسلام کو منور کر رہی تھیں بلکہ یورپ وامریکہ میں بھی وہ ضیا پاشی کر رہی تھیں چودہ پندرہ سال قبل آکسفورڈ یونیورسٹی میں مولانا مرحوم کا قائم کردہ اسلامک ریسرچ سینٹر اس کا گواہ ہے اور اس سے کافی قبل مولانا نور اللہ مرقدہ کے جنیوا کے اسلامک سینٹر کے دورے، جو مرحوم مصری اخوانی لیڈر ڈاکٹر سعید رمضان نے ساٹھ کی دہائی میں جنیوا (سوئٹزرلینڈ) میں قائم کیا تھا اور جس کی مجلس انتظامیہ کے مولانا ایک اہم اور ایکزیکیٹو ممبر تھے اور جہاں تک امریکہ کا تعلق ہے جس کا ایک دورہ مولانا مرحوم کافی پہلے ستر کی دہائی میں کر چکے تھے وہاں آپ کی اسلامی تعمیری فکر عام ہے اور روحانی فیض بھی جاری ہے کہ مولانا کی تصنیفات انگریزی میں عام ہیں اور ہر گھر کی زیب وزینت، اسی طرح آپ سے ذاتی تعلق رکھنے والے بھی دنیا کے ہر خطے میں پائے جاتے ہیں، اس طرح ایمان ویقین اور للہیت وعبودیت کا جو چراغ آپ نے ہندوستان میں روشن کیا تھا وہ آپ کی تصنیفات اور آپ کے معتقدین ومتوسلین کے واسطے سے دنیا کے تقریباً ہر خطہ میں روشن ہوا۔

مولانا مرحوم حسنی سادات کی ایک مشہور ومتبرک شاخ سادات قطبیہ کے چشم وچراغ تھے آپ کے جد اعلیٰ کبیر الشیخ قطب الدین المدنی (وفات ۶۷۷ھ) ساتویں صدی ہجری کے نصف اول میں اپنے رفقاء کے ساتھ بغداد سے براہ غزنی ہندوستان تشریف لائے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب تاتاریوں کے ایران وماوراءالنہر اور پھر عراق پر حملوں اور تاراجی سے مجبور ہوکر کتنے ہی خاندان سادات وغیر سادات بغداد اور عراق کے دوسرے شہروں سے ہندوستان آئے جو اس وقت دہلی میں خاندان غلامان کی ترک اسلامی حکومت کے سبب عراق وعجم کے لٹے پٹے مسلمانوں کے لئے ایک ملجا وماوی (SAFE HAVEN) تھا یہاں امیر قطب الدین اپنے علوئے نسب اور شرف فضیلت کے سبب شیخ الاسلام کے عہدہ پر فائز ہوئے پھر آپ نے اس وقت کی بڑھتی ہوئی مسلمان حکومت میں جہاد کا فریضہ بھی انجام دیا آپ کی قیادت میں موجودہ ضلع الہ آباد (بھارت) میں کڑا مانک پور کا علاقہ فتح ہوا جو سلطان دہلی نے آپ کو بطور جاگیر عطا کیا آپ کی قبر آج بھی وہاں موجود ہے۔

ان کے بعد ان کی ذریت میں سے ایک بزرگ شیخ علم اللہؒ عالمگیر کے عہد میں ۱۶۷۳ء اپنے آبائی علاقے سے رائے بریلی (موجودہ اترپردیش بھارت) شہر سے باہر ایک دریا سئی کے کنارے آکر آباد ہوئے آپ نے وہاں ایک چھوٹی سی مسجد بنائی جو آج بھی آباد وپر رونق ہے عالمگیر بادشاہ نے شیخ علم اللہؒ کو جاگیر دی لیکن انھوں نے قبول نہیں کی اور درویشانہ زندگی کو ترجیح دی۔ اس طرح سادات کے اس خاندان میں سیاست وامارت کے بجائے اب زہد ودرویشی اور علم وتصوف کا چرچا شروع ہوا، خود شاہ علم اللہ مشہور صوفی بزرگ حضرت آدم بنوریؒ کے خلیفہ تھے۔

شاہ علم اللہؒ کے تقریباً ایک سو سال بعد اس خاندان میں برصغیر کی عظیم ترین مجاہد شخصیت یعنی سید احمد شہید رائے بریلویؒ پیدا ہوئے جن کی ذات فروسیت وعسکریت اور للہیت وروحانیت کی جامع تھی جہاں لاکھوں انسانوں کو راہ ہدایت دکھائی وہاں انھوں نے ہندوستان کے اس دور دراز علاقے سے اپنے مریدین وجاں نثاروں کے ساتھ سرحد (پاکستان) کے علاقے میں براہ سندھ وافغانستان آکر سنت جہاد زندہ کی، پشاور اور سرحد کے دوسرے علاقوں کو سکھوں کے تسلط سے آزاد کرایا، اور ہندوستان میں آنے والے اپنے پہلے جد امجد سید عبداللہ الاشتر بن محمد النفس الزکیہ الشہید بن عبداللہ المحض سید حسن مثنیٰ بن سیدنا حسنؓ کی طرح اس سرزمین ہند میں اسلام کی سربلندی کے لئے اپنی جان قربان کی۔

پاکستان پر اس حسنی خاندان کے دو احسانات ہیں ایک سیدنا حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے کے پوتے سید عبداللہ الاشترؒ کی ۱۴۵ھ میں سندھ میں آمد اور یہاں ان کی شہادت (ان کی لاش عباسی حکومت وقت کے خوف سے دریائے سندھ میں بہادی گئی تھی، عبداللہ غازی کے مزار کو عبداللہ الاشترؒ کا مرقد کہنا سراسر غلط ہے دیکھئے مصنف کی تازہ کتاب تحقیقات وتاثرات میں عبداللہ غازی سے متعلق مقالہ) اور دوسرے سید احمد شہیدؒ کی بالاکوٹ میں شہادت (۱۸۳۱ء)۔

سید احمد شہیدؒ کے بعد ان کی اس آبائی بستی کی اہمیت بہت بڑھ گئی جو تکیہ کے نام سے مشہور

تکیہ خانقاہ کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے) اس خاندان میں علم وفضل کا چرچا تسلسل کے ساتھ رہا مولانا مرحوم کے دادا سید فخر الدین خیالیؒ اپنے وقت کے ایک روشن ضمیر مصنف اور شاعر تھے آپ نے مہر جہاں تاب لکھی۔ مولانا مرحوم کے والد مولانا حکیم عبدالحی حسنیؒ برصغیر کے ایک انتہائی مشہور مورخ وادیب تھے جن کی اردو ادب کی تاریخ "گل رعنا" برصغیر کے ادبی اور جامعاتی حلقوں میں مشہور اور آٹھ جلدوں میں ان کی عربی کتاب "نزہۃ الخواطر" برصغیر کی ایک بے مثال اور ضخیم ثقافتی، سیاسی اور تمدنی تاریخ ہے جس میں برصغیر کی تمام اہم شخصیتوں کا صدی بہ صدی ذکر ہے اس کے کچھ حصوں کا اردو ترجمہ بھی ہوچکا ہے مولانا حکیم عبدالحی صاحبؒ مولانا شبلیؒ کے رفقاء میں تھے اور ندوۃ العلماء کے تاحیات ناظم رہے۔

انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں اس خاندان کے کچھ افراد میں انگریزی وعصری علوم کا شوق پیدا ہوا، بعض لوگ انگلستان سے بیرسٹر ہوکر آئے اور ایک صاحب امریکہ سے انجینئرنگ پڑھ کر اور کام کرکے آئے لیکن شرافت کے اثر سے دین کا چرچا خاندان میں باقی رہا خود مولانا مرحوم کے بڑے بھائی ڈاکٹر عبدالعلی صاحبؒ نے لکھنؤ کے مشہور کینگ کالج سے ایم بی بی ایس کیا اور ساتھ ہی حکمت پڑھی اور دیوبند میں حدیث کی تعلیم حاصل کی اور اپنی وفات تک مطب کرتے رہے مرحوم اپنے والد کی جگہ ندوۃ العلماء کے ناظم بھی منتخب ہوئے اور آخر تک اس ذمہ داری کو بخوبی انجام دیتے رہے۔ ۱۹۶۱ء میں ان کی وفات کے بعد ندوۃ العلماء کی نظامت مولانا علی میاں مرحوم کے حصہ میں آئی۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ دارالعلوم دیوبند اور علی گڑھ کالج کے قیام انیسویں صدی کے اواخر میں برصغیر کے کچھ دردمند اور دقیقہ رس علماء کو دین ودنیا کی تعلیم میں پائی جانے والی اور بڑھتی ہوئی خلیج کے اثرات بد کا اندیشہ لاحق ہوا اور انہوں نے ایک ایسی علمی انجمن قائم کرنے کا عزم کیا جو دین ودنیا کی جامع اور ہمہ گیر تعلیم کا منصوبہ بنائے اور اس کو عملی جامہ پہنائے اس طرح مولانا محمد علی مونگیریؒ اور دوسرے علماء کے اشتراک سے جن میں حکیم مولانا عبدالحیؒ اور مولانا شبلیؒ بھی شریک تھے ندوۃ العلماء کی انجمن ۱۸۹۳ء میں قائم ہوئی اور پھر اس ندوۃ العلماء (جس کو اختصار کے ساتھ ندوہ کہا جاتا ہے) نے ۱۸۹۸ء میں ایک دارالعلوم کی بنیاد لکھنؤ میں ڈالی۔ یہ چھوٹا سا ابتدائی مدرسہ مولانا شبلیؒ کے عہد سے ترقی کرتے کرتے اب ایک عظیم الشان اسلامک عربی یونیورسٹی ہے جس میں عربی ادب، تفسیر، حدیث، فقہ کے ساتھ عصری علوم بھی پڑھائے جاتے ہیں اور ان اسلامی علوم میں وہاں تخصص (SPECIALIZATION) کی ڈگری دی جاتی ہے۔

اس طرح ندوہ مولانا مرحوم کے خاندان اور خاص طور پر مولانا علی میاں مرحوم کے ذاتی اثر ورسوخ اور خلوص وجد وجہد کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے۔ ندوہ نے جو ترقی مولانا مرحوم کے عہد میں کی وہ اس سے قبل کبھی نہ ہوئی، ساؤتھ ایشیاء میں اس مرتبہ کی کوئی دینی درسگاہ نہیں۔ مولانا علی میاں مرحوم ۱۹۱۴ء میں پیدا ہوئے اس طرح وفات کے وقت آپ کی عمر ۸۶ سال تھی (روزنامہ جنگ ۸۵ سال غلط لکھ گئی ہے) آپ بچپن میں یتیم ہوگئے تھے کیونکہ جب آپ کی عمر ۹ سال کی تھی تو آپ کے والد کا انتقال ہوا مولانا مرحوم کی تعلیم وتربیت ان کے محبوب وشفیق بھائی ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب مرحوم کی زیر نگرانی ہوئی اور ایک مخصوص طریقہ پر یعنی آپ کو ایک ایک علم کی مستقل اور علاحدہ تعلیم دی گئی پہلے عربی، پھر قرآن وتفسیر، پھر حدیث، پھر فقہ آپ نے اپنے زمانے کے مشہور استاذ خلیل عرب صاحب سے اور پھر کافی بعد میں مراکش کے ڈاکٹر تقی الدین ہلالی سے حاصل کی۔

مولانا مرحوم کا گھرانہ علم وادب اور دینداری وللّٰہیت کا گھرانہ تھا جس میں خداپرستی کے ساتھ تصنیف وتالیف کا بہت رواج تھا۔ مولانا مرحوم کے دادا اور والد کی تصنیفات کا ذکر ہوچکا ہے، مولانا مرحوم کی والدہ سیدہ خیر النساء حافظہ قرآن، شاعرہ اور مصنفہ تھیں، اسی طرح مولانا کی ایک بہن امۃ اللہ تسنیم جن کی حدیث میں کتاب زادراہ (ترجمہ ریاض الصالحین عربی) بہت مشہور ہے۔

مولانا مرحوم کی اپنی تصنیفی زندگی کا آغاز سولہ سال کی عمر میں ہوا جب آپ سید احمد شہیدؒ پر عربی میں ایک مقالہ لکھا اور یہ مقالہ کتابی شکل میں مصر میں چھپا اور وہاں کے علماء نے اس کی داد دی۔ مولانا مرحوم کی پہلی اردو کتاب "سیرت سید احمد شہیدؒ" ۱۹۳۹ء میں چھپی جب آپ کی عمر صرف ۲۵ برس تھی اور اس نے ملک کے مشہور علماء وبزرگان دین سے خراج تحسین حاصل کیا جن میں مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں اس کے بعد سے تو مولانا مرحوم کے قلم سے تصانیف کا ایک سیل رواں تھا جو زندگی کے آخری ایام تک موجیں مارتا رہا۔

آپ کی زندگی کے علمی وعملی وروحانی پہلو اتنے متنوع اور کثیر تعداد میں ہیں کہ ایک دو مضامین میں ان کا ذکر کرنا ممکن نہیں ہے ان کی زندگی میں ان پر اردو وعربی میں متعدد کتابیں لکھی گئیں ہیں اور آئندہ لکھی جائیں گی۔ مولانا مشاد علی قاسمی کی کتاب "مولانا ابوالحسن علی ندوی مشاہیر امت کی نظر میں" طبع ہوچکی ہے اور اسی طرح گذشتہ سال دمشق سے عربی زبان میں ایک نوجوان ہندوستانی مصنف عبدالماجد الغوری الندوی کی "ابوالحسن علی الندوی، الامام المفکر الداعیہ الادیب" چھپی ہے، تازہ ترین کتاب مولانا ڈاکٹر سعید اللہ

عباس ندوی کے قلم سے "میر کارواں" ہے، جس میں مولانا مرحوم کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

راقم کا ذاتی تعلق مولانا مرحوم سے پورے ۵۲ سال پرانا ہے، یہ تعلق جو ۱۹۴۷ء میں قائم ہوا تھا تادم وفات قرب وبعد کے ساتھ جسمانی یا تحریری طور پر قائم رہا مولانا مرحوم کی شفقت ورفاقت مجھے لکھنؤ رائے بریلی، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، ریاض، دمشق، کراچی، لاہور میں حاصل رہی اور انگلستان اور لیبیا اور پاکستان سے برابر مراسلت رہی، میں نے اپنی زندگی میں ہندو پاکستان اور مصر وشام وحجاز میں بہت سے علماء وبزرگوں کو دیکھا ہے لیکن میری نظر میں مولانا مرحوم جیسا کوئی نیک نفس، عالی حوصلہ، قناعت پسند، شفیق ودردمند، بلند نظر، بلند ہمت، صاحب دل وصاحب قلم نہیں دیکھا۔

مولانا کی تصنیفات کی تعداد ۱۷۶ ہے۔ ایک نوجوان ندوی مصنف طارق زبیر نے مولانا کی تصنیفات کی ایک فہرست گزشتہ سال ۱۹۹۸ء میں شائع کی ہے جس میں یہ تعداد وتفصیل مذکور ہے۔ (جنگ میں ۸۰ تصنیفات کی بات غلط ہے)

مولانا کی مشہور ترین تصنیف وہ ہے جو آپ نے ۱۹۴۷ء میں عربی زبان میں لکھی تھی۔ یعنی "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" اس کا اردو ترجمہ "مسلمانوں کے تنزل سے دنیا کو کیا نقصان پہونچا" عربی اصل سے قبل چھپ چکا تھا جو مولانا مرحوم کے ہی قلم سے تھا۔ اصلی عربی کتاب مصر کے ایک مشہور علمی ادارے "لجنۃ التالیف والترجمۃ والنشر" کی طرف سے ۱۹۵۰ء میں چھپی اور اس نے سارے عالم عرب سے خراج تحسین حاصل کیا۔ بہت سے عرب مصنفین کے بقول بیسویں صدی کی یہ سب سے زائد چھپنے والی عربی کتاب ہے۔ میر کارواں کے مصنف کے بقول اب تک اس کے ۷۰ قانونی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ غیر قانونی اس کے علاوہ ہیں۔ یہ کتاب مولانا مرحوم کے بقول مصر، شام وسوڈان کے پہلے سفر میں ان کا وزٹنگ کارڈ تھا۔ مولانا کی دیگر تصانیف کی طرح یہ کتاب بہت سے ممالک کی عرب یونیورسٹیوں کے نصاب میں داخل ہے۔ اس کا انگریزی، فارسی، ترکی، انڈونیشی زبانوں میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔ انگریزی ترجمہ کا نام "اسلام اینڈ دی ورلڈ" حقیقت ہے کہ یہ تاریخ ساز کتاب ہے۔

مولانا دوسری انتہائی اہم اور حوالہ (ریفرنس) کی کتاب اردو میں "تاریخ دعوت وعزیمت" ہے جو سات جلدوں اور چھ اجزاء میں لکھنؤ وکراچی سے شائع ہوئی ہے اور برابر چھپ رہی ہے۔ اس میں مولانا مرحوم نے عالم اسلام کی ان ہستیوں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے ہر دور میں اسلام کی خدمت اور اس کے پیغام کو تازہ کرنے کا کام انجام دیا۔ یہ عمر بن عبدالعزیزؒ سے لے کر سید احمد شہیدؒ پر ختم ہوتی ہے۔ اس آخری جزء کی دو جلدیں ہیں یہ عربی زبان میں بھی چار جلدوں میں دمشق سے شائع ہو چکی ہے۔ مولانا مرحوم نے اپنی تصنیفات میں تحقیق وجستجو کا وہ معیار قائم کر رکھا ہے جس کی بنا شبلیؒ وسلیمان ندویؒ نے ڈالی تھی بلکہ عصری تقاضوں کے مطابق اس کو کچھ مزید ترقی دی ہے۔ مولانا مرحوم نے اپنے زمانے اور ماقبل کے بہت سے بزرگوں کی سوانح عمریاں بھی لکھی ہیں جن میں تذکرہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ، سوانح حضرت عبدالقادر رائے پوریؒ، مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت، سوانح مولانا محمد یعقوبؒ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

آپ کی کتاب ارکان اربعہ (نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ) بھی اپنے موضوع پر منفرد کتاب ہے اس کا بھی عربی ترجمہ ہو چکا ہے۔ پرانے چراغ تین جلدیں ہیں ان لوگوں کے سوانحی خاکے ہیں۔ جن کو مولانا نے دیکھا اور جن سے رفاقت رہی۔ تاریخ کے علاوہ یہ ادب کی انتہائی معیاری کتاب ہے۔ مولانا مرحوم کی عربی نثر کی دل آویزی اور اثر انگیزی کے سارے عرب ادیب معترف ہیں۔ اور اسی طرح اردو نثر کی معترف آل احمد سرور اور مرحوم ڈاکٹر ابو اللیث جیسی شخصیات رہی ہیں۔

مولانا کے یورپ، امریکہ اور عالم عرب کے سفر نامے بھی خاصے کی چیز ہیں۔ آخر میں مولانا نے خود آپ بیتی کا سلسلہ "کاروان زندگی" کے نام سے شروع کیا تھا جس کی سات جلدیں چھپ چکی ہیں وفات سے ماہ ڈیڑھ ماہ قبل مولانا مرحوم نے مجھے ساتویں جلد کی اشاعت کی خبر دی تھی۔ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کا ادارہ جس نے مولانا مرحوم کی بیشتر اردو کتابیں شائع کیں کاروان زندگی کی ساتوں جلدیں شائع کر چکا ہے۔

مولانا مرحوم کی آپ بیتی صرف اپنی ذات کی داستان نہیں بلکہ یہ عالم عرب، ہندوستان، یورپ وامریکہ اور خاص کر پورے عالم اسلام اور مسلمانان عالم کی داستان ہے۔ ہندوستان کے اسلامی مورخ کے لئے تو اس میں بے انتہا علمی سرمایہ ہے۔

عالم عرب کے بہت سے فرمانرواؤں خصوصًا سعودی عرب کے حکمرانوں سے مولانا کا ناصحانہ تعلق رہا۔ شاہ فیصلؒ سے آپ کی متعدد ملاقاتیں اور مراسلت رہی، اسی طرح ملک سعود بن عبدالعزیزؒ، اردن کے ملک عبداللہ مرحوم اور پاکستان کے صدر ضیاء الحق مرحوم ہیں۔ جو مولانا سے عقیدت مندانہ تعلق رکھتے تھے۔ مولانا عالم اسلام کی تنظیموں کے رکن اساسی یا ممبر تھے آپ رابطہ عالم اسلامی مسلم ورلڈ لیگ مکہ ومدینہ اسلامک یونیورسٹی کے فاؤنڈر ممبر تھے۔ اسی طرح دمشق کی عرب اکیڈمی، اسلامی انٹرنیشنل یونیورسٹی اسلام آباد فقہ اکیڈمی، جدہ وغیرہ۔ آپ کا یورپ میں اہم کارنامہ آکسفورڈ یونیورسٹی میں اسلامک ریسرچ سینٹر قائم کرانا تھا جو ۱۴ سال قبل بعض عرب شخصیات اور یونیورسٹی کے تعاون سے قائم ہوا اور جس کے

مولانا چیئرمین رہے۔ اسی طرح آپ نے رابطہ ادب اسلامی قائم کیا جس کے جلسے ترکی، اردن، پاکستان وغیرہ میں ہوتے رہے۔

مولانا مرحوم عملی سیاست کے آدمی نہیں تھے۔ لیکن ہندوستان میں جب اسلام اور مسلمانوں پر برا وقت پڑا تو مولانا مرحوم پوری قوت اور تندہی کے ساتھ اس کے لئے سرگرم ہوگئے۔ اپنے دوسرے رفقاء کے ساتھ فسادات اور ہندوؤں کے مظالم سے مسلمانوں کو بچانے کے لئے مسلم مجلس مشاورت قائم کی جس سے قبل اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر مولانا نے جمشید پور کا دورہ کیا جہاں مسلمانوں کا قتل عام ہوا تھا اور پوری ہمت وحکمت کے ساتھ ہندوستانی حکومت کو اس پر تنبیہ کیا۔ تعلیم میں جب ہندوانہ افکار واصنام پرستی کی آمیزش شروع ہوئی تو مولانا نے اس کے لئے دینی تعلیمی کونسل کی سربراہی قبول کی اور اپنی تقریروں اور دوروں سے سارے ہندوستان میں اس کے لئے کام کیا۔

مسلم پرسنل لا کو جب ہندو حکومت کی طرف سے خطرہ لاحق ہوا، ورہندوستان میں یونی فائیڈ پرسنل لا کی آوازیں بلند ہوئی تو شاہ بانوکیس کے سلسلے میں اس میں دوسرے مسلمان لیڈروں کے ساتھ سینہ سپر ہوئے۔ اور ان وفود کی قیادت کی جو راجیو گاندھی سے ملا اور بالآخر ۱۹۸۶ء میں ہندوستان کی پارلیمنٹ نے مسلمانوں کے پرسنل لا کی خودمختاری کا قانون پاس کیا۔ غرض مولانا مرحوم عرب ممالک اور خاص طور پر سعودی عرب میں اپنی دعوتی اور علمی مصروفیات کے باوجود بھرپور طریقے سے ہندوستان کے مسلمانوں کی عملی خدمت کرتے رہے۔

مولانا نے کبھی بھی کسی حکمران سے کوئی ہدیہ، کوئی مدد قبول نہیں کی وہ درویشی واستغناء کا پیکر تھے انھوں نے کافی عرصہ قبل شاہ فیصل ایوارڈ کی کثیر رقم دینی سعودی اداروں اور جہاد افغانستان میں دے دی تھی (۱۹۸۰ء)۔ گزشتہ سال رمضان میں امارات

(باقی صـ۶ پر)

اصلاحِ معاملات

خرید و فروخت کرایہ رہن دیگر معاملات تجارت کے متعلق ضروری گذارش

مرتبہ :- مولانا محمد ابرار الحق صاحب مدظلہ ناظم مجلس دعوۃ الحق ہردوئی

اس وقت ایک نہایت ضروری بات کی طرف آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں گو آپ کو ان باتوں کا خیال تو ضرور ہوگا مگر ان کی طرف زیادہ خیال رکھنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" الخ یعنی تمہارے لئے ہم نے محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نمونہ بنا کر بھیجا ہے لہٰذا اس نمونہ کے موافق اپنی زندگی بناؤ سو اسی زندگی کا ایک حصہ ہمارے معاملات ہیں یعنی خرید و فروخت، رہن، زراعت، تجارت اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے حدیں مقرر کر دی ہیں، بعض تجارتیں منع کر دی ہیں جیسے شراب، سور کی خرید و فروخت، اسی طرح اور بھی تجارتیں ہیں پس جس طرح دنیا کے حاکم کے قانون کے موافق ہم تجارت کرتے ہیں مثلاً ہم میں سے ہر شخص کارتوس، بندوق کی تجارت نہیں کر سکتا۔ اگر بلا لائسنس کرے گا تو جیل خانہ بھگتنا ہوگا اسی طرح اللہ تعالیٰ کے قانون کی پابندی کے ساتھ یہ معاملات کرنا چاہئے حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص تجارت کرے سچائی اور امانت کے ساتھ قیامت میں اس کا حشر عالم باعمل اور نبیوں کے ساتھ ہوگا، سو یہ کتنی بڑی دولت ہے اس لئے ہم جس کام میں مشغول ہوں اس کا شرعی حکم معلوم کرنا ہم کو ضروری ہے وہ علماء سے معلوم کریں اور دین کی کتابوں سے اس کے لئے سہل طریقہ یہ ہے کہ محلہ کی مسجد میں جماعت کی نماز پڑھیں اور جس وقت دینی کتابیں سنائی جاتی ہیں سنیں اور علماء سے مسائل پوچھیں دیکھئے عام طور پر لوگ غلطی کرتے ہیں کہ بلا بور آئے یا بور آنے پر فصل بیچتے ہیں اس میں اور جوئے میں کیا فرق ہے؟ جس مکان کو رہن رکھا ہے اس مکان میں بلا کرایہ یا کم کرایہ کے ساتھ رہتے ہیں اس میں اور سود میں کیا فرق ہے اس قسم کی بہت سی غلطیاں کرتے ہیں ان غلطیوں کا علاج یہی ہے کہ جو کام کریں اس کے متعلق معلوم کریں کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا کیا فرمان ہے؟ تجارتی معاملات کے متعلق ایک رسالہ "صفائی معاملات" میں ضروری احکام جمع کر دیئے ہیں ان کا تو مطالعہ ضرور ہی کریں تاکہ آخرت کی تباہی سے بچے رہیں، وہ نفع دنیا کا جس سے آخرت تباہ ہو کس کام کا ہے اگر ہم نے اس میں سستی و کوتاہی کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت میں کیا منہ دکھائیں گے اور یہ کہ اس کا نتیجہ بھی اچھا نہ ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ کے قید خانہ میں داخلہ ہوگا۔ جہاں آگ بچھوؤں سانپ کا عذاب ہے سو یہاں کے قید خانہ سے ڈرنا اور اللہ تعالیٰ کے قید خانہ سے نہ ڈرنا کتنی بڑی غلطی ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو ایسی باتوں سے بچا دیں جن سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہوتی ہے۔

کتب برائے تبصرہ

تبصرہ کے لئے براہ کرم کتاب کے دو نسخے ارسال کریں صرف ایک کتاب بھیجنے کی صورت میں تبصرہ شائع نہیں کیا جائے گا۔ اور نہ ہی کتاب واپس کرنے کی ذمہ داری ادارہ پر ہوگی۔ (ادارہ)

(بقیہ) سری نگر میں سمپوزیم

ڈاکٹر مظفر صاحب نے افتتاحی خطبہ پیش کیا جو معہد کے تعارف اور دار العلوم ندوۃ العلماء سے وابستگی اور حضرت علامہ ندویؒ کی ذات سے ربط و تعلق کا عکاس تھا۔ ڈاکٹر دار صاحب نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ نظامت کا فریضہ انجام دیا۔ اس سمپوزیم میں مؤثر تقریریں اور وقیع مقالات پیش کئے گئے اور تمام مسالک و مکاتب فکر کے ذمہ داروں نے خطاب کیا۔ مہمانان خصوصی مولانا نذر الحفیظ ندوی اور مولانا محمد خالد ندوی نے حضرت والاؒ کی زندگی کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی۔ صدر جلسہ ڈاکٹر محمد اسحٰق خار صاحب کا مقالہ بہت وقیع تھا۔ مولانا محمد خا ندوی کی دعا پر ڈھائی بجے دن میں سمپوزیم کی کارروائی اختتام کو پہونچی۔

اس پروگرام کے بعد دار العلوم سوپور کے مولانا بشیر احمد صاحب قاسمی کی طرف سے دعوت تھی۔ عصر بعد طلبا و اسا سے مولانا نذر الحفیظ صاحب ندوی کا خطاب ہوا۔ دار العلوم سوپور خاصا بڑا ادارہ ہے تقریباً ڈھائی سو طلباء کے قیام و طعام کا نظ مدرسہ میں ہے۔ باصلاحیت اور مخلص اساتذ کی وجہ سے مدرسہ ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہے۔ وقت کی کمی کی وجہ سے وادی کے دیگر اداروں میں حاضری نہ ہو سکی۔ البتہ تھوڑی دیر کے لئے مولانا بشیر صاحب پانپور کے اصرار پر ان کے مدرسہ میں جانا ہوا، طلباء او ذمہ داران مدرسہ سے ملاقات ہوئی۔ قیام کے دوران کئی مساجد میں پروگرام ہوئے۔

حضرت جو اٹھ گئے تو ندوہ اداس ہے

قمر سنبھلی

کیا چیز کھو گئی تری اے شہر لکھنؤ! ہر اک گلی، ہر ایک محلہ اداس ہے
حسرت برس رہی ہے در و بام و سقف پر حضرت جو اٹھ گئے تو ندوہ اداس ہے
مینار، فرش، منبر و محراب سب ملول مسجد بھی آہ ندوے کی کتنی اداس ہے
آج اس کا ایک "خاص نمازی" نہیں رہا پُر ہے نمازیوں سے یہ پھر بھی اداس ہے
"مہمان خانہ" ڈھونڈ رہا ہے وہ رونقیں! کل تک سجی تھی "بزم سکینت" وہ کیا ہوئی؟
"احباب ندوہ" بیٹھے ہیں سارے ملول سے چہروں پہ ان کے بھی جو بشاشت وہ کیا ہوئی؟
کوہ الم گرا حسنی خاندان پر محروم ہو گئے ہیں وہ اک سرپرست سے
سایہ بس ایک ان کے سروں سے نہیں اٹھا ملت ہوئی ہے غرق سمندر میں درد کے
بوبکر اور رابع و واضح ہیں خستہ جاں ہے کہکشاں، مگر مہ کامل نہیں رہا
عباس بھی، وصی بھی ہیں، برہان بھی قمر محفل تو ہے وہ رونق محفل نہیں رہا
اٹھا سروں سے ایسا گھنیرا درخت آہ! درد و الم کی دھوپ ہر اک سمت چھا گئی
"ابنائے ندوہ" غم سے نہ کیوں ہوں نڈھال آج گویا یتیم ہو گئی "ندوی برادری"
مرعوب ہو سکے نہ وہ شاہوں کے سامنے نوک زباں پہ ان کی سدا حق کی بات تھی
ان کے مخاطب اہل عرب ہوں کہ اہل ملک ان کے لئے نمونہ محمد کی ذات تھی
ایسا شفیق، نرم مزاج و کشادہ دل ڈھونڈیں گے لاکھ راہبروں میں نہ پائیں گے
اپنی مثال آپ تھے بے شک علی میاںؒ اک اک قدم پہ قوم کو وہ یاد آئیں گے
دست دعا دراز ہے یارب ترے حضور بارش ہو رحمتوں کی سدا ان کی قبر پر
ہیں یادگاریں جتنی بھی ان کی عروج پائیں! پھیلائیں روشنی یونہی "ندوے" کے بام و در

دینی تعلیم و تربیت سے مسلمانوں کی شناخت باقی رہے گی

پرتاپگڈھ میں دینی تعلیمی کونسل کی علاقائی کانفرنس

ڈاکٹر مسعود الحسن عثمانی

ملک کے موجودہ حالات میں مسلمانوں کی نوجوان نسل کی دینی تعلیم و تربیت کی ضرورت اپنی افادیت کے لحاظ سے اہمیت اختیار کر چکی ہے۔ یہ مسئلہ عام مسلمانوں کے لئے فکر و توجہ کا مستحق ہے اور اسی سے ایک باحمیت اور باغیرت ملت کی حیثیت سے اس ملک میں مسلمانوں کی شناخت باقی رہے گی۔

دار العلوم ندوۃ العلماء کے ناظم اور دینی تعلیمی کونسل کے رکن مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے پرتاپ گڈھ میں کونسل کی علاقائی دینی تعلیمی کانفرنس کے موقع پر ١٢ر مارچ ٢٠٠٠ء کو اپنے خطبہ صدارت میں مندرجہ بالا خیالات کا اظہار کیا۔ انھوں نے اس تحریک و تنظیم کے اغراض و مقاصد کی روشنی میں اسے شاہ کلید سے تعبیر کرتے ہوئے کہا کہ گذشتہ نصف صدی کے سنگین حالات میں مکاتب اور مدارس کے قیام و استحکام نے دین و عقیدہ کی حفاظت اور زبان اردو کو زندہ رکھنے کا جو تاریخ ساز کارنامہ انجام دیا ہے اسے فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ انھوں نے ملک کے موجودہ نصاب و نظام تعلیم کا جائزہ لیتے ہوئے اس حقیقت کا اظہار کیا کہ دستور ہند کے بنیادی حقوق سے نظام تعلیم کو ہم آہنگ ہونا چاہئے تھا لیکن ایسا نہیں ہو سکا۔ یہ افسوس کی بات ہے۔ انھوں نے موجودہ مذہبی بل کو دستور کے منافی قرار دیا اور وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ اس طرح کے غیر ضروری اقدام سے فضا مکدر ہوتی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ملک میں باہمی اتحاد و محبت کے ساتھ مذہبی آزادی کی خوشگوار فضا قائم کی جائے .... مدارس اسلامیہ کی تاریخ اس جذبہ و خدمت سے بھرپور ہے۔ انھوں نے بڑی بلند آہنگی سے یہ بات کہی کہ دینی تعلیمی کونسل کی تحریک و تنظیم سے تعاون اور اس میں شرکت بہت باعث سعادت ہے۔

اس کانفرنس میں پرتاپ گڈھ کے قرب و جوار کے علاوہ الہ آباد، سلطانپور، رائے بریلی، علی گڑھ، لکھنؤ، فتح پور، جونپور سے بڑی تعداد میں نمائندے شریک ہوئے۔

حضرت مولانا علی میاںؒ کے بعد یہ پہلی عوامی کانفرنس تھی جو انھیں کے نام سے منسوب بھی کی گئی تھی اس کے اثرات پوری کانفرنس پر محیط تھے۔ مولاناؒ کی بے شمار یادوں کے سائے میں دینی تعلیمی کونسل کی اس کانفرنس کا انعقاد اور اس میں مولانا محمد رابع حسنی ندوی کی صدارت نے عوام میں اس تعلق کو ابھار دیا جو اس تنظیم کے ذریعہ حضرت مولانا کی ذات سے قائم تھا۔

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے پروفیسر نفیس احمد نے اپنے خطبۂ افتتاحیہ میں حالات کی ایسی واضح تصویر پیش کی اور ملک کی آزادی کے بعد کی صورت حال کو جواب تک برقرار ہے بڑی فکر اور مثبت انداز میں بیان کیا۔ زبان اور رسم الخط کے مسئلہ کو بھی اس طور سے پیش کیا کہ یہ دونوں چیزیں ختم کر دی جائیں تو ملت خود بخود اپنا معنوی وجود کھو بیٹھے گی، انھوں نے موجودہ نظام تعلیم میں سہ لسانی فارمولے کے تحت اردو کی حق تلفی کا بھی ذکر کیا اور یہ بھی بتایا کہ مکاتب کے بچے نہ صرف اپنی زبان اور دین کی ابتدائی تعلیم اور بنیادی معلومات سے واقف ہوتے ہیں بلکہ وہ دوسرے عصری علوم میں بھی سرکاری پرائمری اسکولوں کے بچوں سے بہتر ثابت ہوتے ہیں۔ انھوں نے ایسے انگلش میڈیم اسکولوں میں اردو اور دینی تعلیم پر زور دیا جو مسلمانوں کے قائم کئے ہوئے ہیں۔

دینی تعلیمی کونسل کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر محمد اشتیاق قریشی نے اپنی تقریر میں مسائل کی نشاندہی کے ساتھ کونسل کی مسلسل کوششوں کی تفصیل بیان کی اور ان کے نتیجے سنگین نوعیت کے معاملات پر جس طرح قابو پایا جا سکا اسے فکر و مستعدی اور ذہنوں کے اتحاد و اتفاق کا ثمرہ قرار دیا۔ حکومت اترپردیش کے مذہبی بل کا حوالہ دیتے ہوئے گورنر اور صدر جمہوریہ سے کونسل کے وفد کی ملاقاتوں کی تفصیل اور اس بل کو سازش کے طور پر عجلت سے پاس کرانے کی وجہ سے اس میں جو خامیاں ہیں ان کا بھرپور جائزہ پیش کیا۔ ڈاکٹر قریشی نے لڑکیوں کی دینی تعلیم و تربیت پر زور دیا۔ اسلامی فکر، اسلامی تشخص اور اسلامی معاشرہ کی وضاحت کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ اسلام پوری زندگی پر حاوی ہے۔ یہ کسی کا ذاتی مسئلہ نہیں ہے اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ تعلیم اور دینی تعلیم کے محاذ پر اپنی بہترین صلاحیتوں کا مظاہرہ کریں دینی تعلیمی کونسل کا یہی بنیادی پیغام ہے۔

مدرسہ عرفانیہ لکھنؤ کے مہتمم اور عربی فارسی بورڈ کے چیرمین قاری شتاق احمد نے اپنی مختصر تقریر میں اس تحریک سے خصوصی دلچسپی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے وطن پرتاپ گڈھ کی انجمن تعلیمات

دین کو دو ہزار روپئے ماہانہ کے مالی تعاون کا اعلان کیا۔ انجمن تعلیمات دین لکھنؤ کے جنرل سکریٹری مولانا محمد اسحاق حسینی نے ہر ضلع میں تحریک کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ علی گڑھ کے حکیم ایوب، الہ آباد کے شفیق احمد سلطانپور کے ارشاد احمد، رحمٰن علی ایڈوکیٹ الہ آباد، مفتی غیاث احمد اور ظفر احمد صدیقی نے بھی اظہار خیال کیا۔ انجمن تعلیمات دین پرتاپ گڑھ کے باحوصلہ جنرل سکریٹری ڈاکٹر جلیل احمد نے رپورٹ پیش کی۔ اندازہ ہوا کہ ان کی مسلسل جدوجہد اور عوامی رابطے کی بنا پر یہ عظیم الشان کانفرنس منعقد ہو سکی۔

دینی تعلیمی کونسل کے سکریٹری ڈاکٹر مسعود الحسن عثمانی نے اپنی تقریر میں کہا کہ یہ کانفرنس جو حضرت مولانا علی میاں رح کے نام سے منسوب کی گئی ہے اس کی کیفیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ خود حضرت والا کی روحانیت اس کے انعقاد میں کارفرما ہے۔ انھوں نے کہا کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کے جو واقعات بیان فرمائے ہیں ان کی بڑی معنویت اور خصوصی معرفت ہے۔ قرآن قصوں کی کتاب نہیں ہے بلکہ دعوت و ہدایت کا مجموعہ ہے۔ اس میں مسلمانوں کو بتایا گیا ہے کہ جو حالات ان کے لئے پریشان کن اور آزمائش نظر آتے ہیں وہ نئے واقعات و حالات نہیں ہیں بلکہ پہلے بھی انبیاء کے زمانہ میں اس طرح کے حالات پیش آتے رہے ہیں۔ اس میں موجودہ دور کے مسلمانوں کے لئے پیغام پوشیدہ ہے جس ملت کو اللہ نے ہر دور میں خیر و فلاح کی دعوت کے لئے منتخب کیا اس کے سامنے اس طرح کے آزمائشی لمحات بھی آئے ہیں جن میں ثابت قدم رہتے ہوئے وہی ملت سرخ رو ہوئی اور اللہ کی رحمتوں کی مستحق قرار دی گئی۔ انھوں نے کہا کہ حالات کا اندازہ یہ ہے کہ اس ملک میں مسلمانوں کے لئے مسائل پیدا ہوتے رہیں گے میرے نزدیک ان کی اہمیت نہیں ہے بلکہ زیادہ اہم بات یہ ہے کہ خود مسلمانوں نے کس طرح زندگی گذارنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اگر انھیں اپنے وجود کے ساتھ اپنی اسلامیت بھی عزیز ہے اور وہ مخالفتوں کے طوفان میں اپنے دین و عقیدہ، زبان و تہذیب اور مذہبی معاشرت کی کشتی کو ساحل مراد سے ہمکنار کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں تو دنیا کی کوئی طاقت ان کے پائے استقامت میں تزلزل پیدا کرنے سے قاصر رہے گی۔

کانفرنس کے آخر میں مختلف تجاویز پیش ہوئیں جنہیں عام طور پر منظور کیا گیا اس میں پہلی جامع تجویز تعزیت حضرت مولانا علی میاں رح کی ذات گرامی سے متعلق تھی جس میں گذشتہ پچاس برس میں دینی تعلیمی کونسل سے حضرت مولانا کے بے پناہ تعلق اور اس قافلہ کی قافلہ سالاری کا ذکر کیا گیا۔ دوسری تجاویز میں حکومت کے نظام تعلیم کی خامیوں اور دینی تعلیمی کونسل کے نیک اور مفید مشوروں کے علاوہ ایک خصوصی تجویز میں مسلمانوں سے دینی تعلیمی تحریک میں نمایاں طور پر شریک ہونے اور اسے ہر طرح کا تعاون دینے کی اپیل کی گئی۔

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی دعا پر کانفرنس کا اختتام ہوا۔

دعائے مغفرت

دفتر تعمیر حیات کے سابق کارکن محمد خالد ندوی (بلرامپور گونڈہ) کے والد کا مارچ ۲۰۰۰ء کے پہلے ہفتہ میں انتقال ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ۰ مرحوم ایک سماجی کارکن کے ساتھ فلاحی اور ملی کاموں میں بھی حصہ لیتے تھے اور دینی رجحان رکھنے کی وجہ سے اپنے لڑکے کو شروع ہی سے دینی تعلیم دلائی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ پر سری نگر کشمیر میں سمپوزیم

● از: ابو حامد ندوی

معہد اللغۃ العربیہ والدراسات الاسلامیہ کے زیر اہتمام سرینگر میں ۱۱ مارچ ۲۰۰۰ء کو بی ایڈ کالج میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ پر ایک سمپوزیم کا انعقاد ہوا جس میں مولاناؒ کی "حیات وخدمات" پر علماء اور دانشوروں نے خطاب کیا اور وقیع مقالات پیش کئے گئے اس سمپوزیم میں خصوصی طور پر دارالعلوم ندوۃ العلماء کے استاذ ادب مولانا نذر الحفیظ صاحب ندوی اور استاذ حدیث مولانا محمد خالد ندوی غازیپوری نے معہد اللغۃ العربیہ والدراسات الاسلامیہ کے ڈائرکٹر ڈاکٹر مظفر ندوی کی دعوت پر شرکت کی سمپوزیم کے انعقاد سے ایک روز قبل مسجد سید محمد جعفرؒ کے کمپاؤنڈ میں معہد اللغۃ العربیہ کے طلباء کی تنظیم النادی العربی الدوری کا سالانہ اجلاس ہوا جس میں معہد سے فارغ ہونے والے ۱۷ طلباء کو سند فراغت دی گئی۔ فارغ ہونے والے طلباء نے اس موقع پر علامہ ندویؒ کی حیات وخدمات پر عربی میں تقریریں کیں اور آپ کی اہم کتابوں کا خلاصہ پیش کیا

معہد کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر عبدالرحمن وار صاحب نے مہمانوں کا استقبال کیا اور اجلاس کی غرض وغایت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ ہمارا مسلکِ نظر قرآن فہمی کی تحریک ہے جو نوجوان کالجوں اور یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم ہیں ان میں عربی زبان کی تعلیم کو رواج دے کر قرآن پاک واحادیث سے استفادہ کی راہ ہموار کرنا ہے۔ الحمد للہ اس میں کافی رغبت پائی جارہی ہے اور اب خواتین بھی اس کی طرف متوجہ ہو رہی ہیں، اس سال سترہ طالبات نے اس معہد میں داخلہ لیا ہے۔

ڈاکٹر مظفر صاحب ندوی نے اس ادارہ کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ: یہ ادارہ خالص عربی زبان وادب کے فروغ کے لئے قائم کیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں ہم اپنے مادرِ علمی دارالعلوم ندوۃ العلماء کے اکابر اساتذہ سے برابر رابطہ رکھے ہوئے ہیں، طلباء میں صحیح اسلامی فکر قدیم صالح اور جدید نافع کی حسین قوس وقزح کا رنگ پیدا کرکے اسلامی خطوط پر ان کی تربیت کرنا ہے۔ اس معہد نے بڑی بے سروسامانی کے عالم میں اپنے کام کا آغاز کیا۔ بڑے صبر آزما حالات پیش آتے رہے لیکن آج خدا کے فضل سے اس کی افادیت عیاں ہوگئی ہے اور ذہین طبقہ اس کی طرف متوجہ ہو رہا ہے النادی العربی الدوری کے تعارفی کلمات کو جناب ندیم صاحب نے بڑی خوبی کے ساتھ کمپیوٹرائز کیا تھا جیسے ڈاکٹر مظفر ندوی کی آواز میں سامعین کے سامنے کمپیوٹر اسکرین سے پیش کیا گیا۔ طلباء کے پروگرام حوصلہ افزا تھے۔ اس سے ان کی صلاحیتوں کا اندازہ ہو رہا تھا۔ ان کی تقریروں میں برجستگی تھی۔ اور علامہ ندویؒ سے فکری اور روحانی گہری وابستگی کا پتہ چل رہا تھا۔ پورا پروگرام حضرت علامہ ندویؒ کی شخصیت پر مشتمل تھا۔ عربی زبان میں ہونے کے باوجود سامعین بہت ذوق وشوق سے سنتے رہے۔ جبکہ اکثریت عربی زبان سے ناواقف تھی۔ طلباء کے پروگرام کے اختتام پر مہمان خصوصی جناب مولانا محمد خالد ندوی غازیپوری استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء کی پرمغز تقریر ہوئی جو معہد کے تقاضے اور فارغین کی ذمہ داریوں کے تناظر میں تھی۔

جلسہ کے صدر مولانا نذر الحفیظ ندوی استاذ ادب دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ہاتھوں تقسیم اسناد کے بعد صدارتی کلمات اور دعا پر جلسہ کا اختتام ہوا۔

بی ایڈ کالج سرینگر میں سمپوزیم

سرزمین کشمیر پر اپنی نوعیت کا یہ پہلا پروگرام معہد اللغۃ العربیہ کے زیر انتظام ہو رہا تھا جس میں کالجوں کے شعبۂ اسلامیات کے صدور، تنظیموں کے ذمہ دار، اہل علم، اہل قلم، مدارس عربیہ کے ذمہ دار، علماء اور اراکین کے پہلو بہ پہلو عمائدین شہر اور اطراف واکناف سے آئے ہوئے ارباب حل وعقد نے شرکت کی۔ سمپوزیم کی صدارت جناب ڈاکٹر محمد اسحق خاں صدر شعبۂ اسلامیات کشمیر یونیورسٹی نے کی۔ سمپوزیم کا افتتاح تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔

(باقی ص ۲۳ پر)

محمد طارق ندوی

سوال و جواب

س:۔ قصر کب باطل ہو جاتا ہے؟

ج:۔ مسافر جب گھر واپس آجائے یا کسی جگہ پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ کرے تو وہ مقیم ہو جائے گا اور قصر باطل ہو جائے گا۔

س:۔ جمعہ میں اذان ثانی مسجد کے اندر دی جائے گی یا باہر؟

ج:۔ جمعہ کی اذان ثانی مسجد میں خطیب کے روبرو معروف و مسنون ہے سلف صالحین کا اسی پر تواتر چلا آرہا ہے۔

س:۔ پرانی قبر میں میت کو دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟

ج:۔ قبر اتنی پرانی ہو جائے کہ غالب گمان ہو کہ اب اس میں میت مٹی ہو گئی ہوگی تو اس میں دوسری میت کو دفن کرنا درست ہے۔

س:۔ کچھ لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ جب بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لیا جاتا ہے تو لوگ اپنے انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں سے لگاتے ہیں کیا ایسا کرنا سنت کے مطابق ہے؟

ج:۔ صورت مسئولہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک آنے پر انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں سے لگانے کی کوئی اصل شرعی نہیں ہے، سنت سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا ہے وہ صحابہ کرام جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت میں جان کی بازی لگا دینے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے ان سے بھی مذکور عمل ثابت نہیں لہٰذا یہ بے اصل اور بے بنیاد بات ہے۔

س:۔ ہمارے یہاں اکثر مساجد میں جمعہ کے دن خطبۂ اذان سے پہلے مؤذن بلند آواز سے آیت مبارکہ "وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا" پڑھتے ہیں کیا ایسا کرنا سنت سے ثابت ہے؟

ج:۔ اذان سے پہلے مذکورہ آیت کو خطبہ اذان سے پہلے پڑھنے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا ہے اس کو لازم سمجھنا بدعت ہے۔

س:۔ کیا آب زمزم اور وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینا چاہئے؟

ج:۔ ہاں! آب زمزم اور وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینا چاہئے احادیث نبویہ اور آثار صحابہ سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔

س:۔ زید ایک پیر سے معذور ہے لکڑی کے سہارے سے چلتا ہے ذی شعور اور صاحب علم ہے اور امامت کی صلاحیت بھی رکھتا ہے مسجد کے تین مقرر شدہ امام ہیں جو امامت کے فرائض انجام دیتے ہیں، بسا اوقات ان تینوں امام کی عدم موجودگی میں کوئی نماز پڑھانے والا نہیں ہوتا کیا ایسی صورت میں زید امامت کر سکتا ہے اور امام صاحب اپنے غیر موجودگی میں زید کو اپنا نائب بنا سکتے ہیں؟

ج:۔ صورت مسئولہ میں زید اگر رکوع اور سجدہ پر قادر ہے تو امامت کر سکتا ہے، کراہت نہ ہوگی نیز امام صاحب اپنی غیر موجودگی میں اسے اپنا نائب بنا سکتے ہیں۔

دار العلوم کے نوجوان استاذ کا انتقال

دار العلوم ندوۃ العلماء کے ہونہار استاذ مولانا رئیس احمد ندوی ابھی عمر کی صرف ۴۸ بہاریں دیکھ کر برین ہیمرج ہو جانے کے سبب چند گھنٹوں کے اندر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے اِنَّا لِلّٰہِ و انا الیہ راجعون۔

مرحوم کے پسماندگان میں بیوہ کے علاوہ پانچ لڑکیاں اور تین لڑکے ہیں جو سب کے سب کم سن ہیں اللہ تعالیٰ ان ہی پسماندگان کی نگہبانی فرمائے اور مرحوم کو کروٹ کروٹ چین نصیب فرمائے قارئین کرام سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

مطالعے کی میز

تبصرے کیلئے کتابوں کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے!

محمد شاہد ندوی بارہ بنکوی

نام کتاب   کُنْ خطیبًا (عربی)
تالیف   رحمت اللہ اصغر ندوی
صفحات   ۱۳۳، قیمت درج نہیں
ملنے کا پتہ   مکتبہ ندویہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

تقریر و تحریر، تبلیغ و دعوت کا ایک موثر ذریعہ ہے ہر دور میں زبان و بیان کی اہمیت تسلیم کی گئی اور آج بھی ذرائع ابلاغ میں اس کی قوت و تاثیر کو بڑا دخل ہے۔

اپنے سچے احساسات و پاکیزہ خیالات کے اظہار کے لئے ضروری ہے کہ مدارس عربیہ کے طلباء، اردو زبان کے علاوہ عربی زبان میں جوش، روانی تسلسل اور برجستگی پیدا کریں، تاکہ عربوں کے سامنے تقریر کرنے کا موقع آئے تو عربی زبان میں برجستہ ان کو خطاب کر سکیں۔

عربی زبان میں تقریر و خطابت کی اس اہم ضرورت کو پورا کرنے کے لئے نوجوان فاضل مولوی رحمت اللہ ندوی (جو عربی زبان میں خطابت کا اچھا ذوق رکھتے ہیں) نے طلباء مدارس عربیہ کے لئے زیر نظر کتاب "کن خطیبا" (عربی میں) تالیف کی ہے جس پر مولانا سعید الرحمن اعظمی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء نے بیش قیمت مقدمہ تحریر فرمایا ہے۔

اس کتاب میں سو کے قریب عربی تقریریں اور خطبات ہیں، جو اسلام کی روح، ایمان و ایقان کی آبیاری اور اخلاص و محبت سے پر ہیں اسلوب نگارش مفید و موثر اور جذبات کو اپیل کرنے والا ہے۔

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ
اَلْجَنَّةُ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوفِ هيه
الصلوٰۃ و مکانتہا فی الاسلام
وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین
واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا
الوقت هو الحیاة فلا تقتلوه، مثل
الجلیس الصالح والجلیس السوء

تقریروں کے عنوانات ہیں۔ اس کتاب کے اندر عربی میں تقریر کرنے کا ڈھنگ، طریقہ، غرض و غایت، فوائد اور اصول بتائے گئے ہیں۔

امید ہے کہ اس کتاب سے طلباء مدارس عربیہ خاطر خواہ استفادہ کریں گے۔ ان کے لئے یہ ایک بیش قیمت تحفہ ہے۔

نام کتاب   اللہ اور اس کا نظام کائنات و اسلام ایک نظر میں
مصنفہ   طیبہ سہیل
صفحات   ۱۳۰، سائز ۳۰×۲۰/۱۶
قیمت   ۳۰ روپے
ملنے کا پتہ   حلقۂ فکر و نظر، سی ۱۱۷/۷، اندرا نگر لکھنؤ

قرآن کریم کی تفسیر اور احادیث کی تشریح اور دیگر موضوعات پر سیکڑوں عالمانہ اور محققانہ کتابیں لکھی جا چکی ہیں، جن کو پڑھنے اور ان سے استفادہ کرنے کے لئے علمی لیاقت و صلاحیت دینی ذوق و شوق، اچھی استعداد اور وقت کی ضرورت درکار ہے، معمولی پڑھے لکھے لوگوں خصوصاً عام عورتوں میں نہ تو اتنی صلاحیت ہوتی ہے نہ دینی ذوق و شوق اور نہ ہی وقت کہ عالمانہ ضخیم کتابوں کا مطالعہ کر سکیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دین کی ضروری ضروری اور موٹی موٹی باتوں تک سے ناواقف رہتے ہیں۔

محترمہ طیبہ سہیل قابل مبارکباد ہیں کہ انھوں نے اس طرف توجہ دی۔ اور ایک کتاب "اللہ اور اس کا نظام کائنات و اسلام ایک نظر میں" تالیف کی۔ جس میں توحید و رسالت، دعوت و تبلیغ، عقیدۂ آخرت، مسلمان کے فرائض اللہ تعالیٰ کی ذات کے تئیں، مسلمان کے فرائض اپنی ذات کے تئیں، مسلمان کے فرائض دوسرے انسانوں و معاشرے کے تئیں جیسے موضوعات پر عام فہم زبان میں تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے نیز حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مختصر سوانح حیات بھی شامل ہے۔

امید ہے کہ یہ کتاب اسلام کی ضروری معلومات حاصل کرنے میں کافی حد تک معاون ثابت ہوگی اور اسلام کی تفصیلی معلومات حاصل کرنے کا شوق ابھارنے میں بھی مددگار ہوگی۔

دعائے مغفرت

مولانا محمد امین خاں ندوی (بٹن والے حضرت گنج) کی اہلیہ کا ۱۹ مارچ ۲۰۰۰ء مطابق ۱۳ ذی الحجہ ۱۴۲۰ھ کو حرکت قلب بند ہوجانے سے انتقال ہوگیا۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۝

ان کے پسماندگان میں ۶ لڑکیاں اور ایک لڑکا ہے قارئین سے دعائے مغفرت و ایصال ثواب کی درخواست ہے

(بقیہ) سب سے بڑی نعمت

چھت پر تلاوت کر رہے تھے، قیامت کا ذکر آگیا تو ان کی عجیب کیفیت ہوگئی اور ایسا حال طاری ہوا کہ حواس بجا نہ رہے اور چھت سے نیچے گر پڑے، تھوڑی دیر میں جب ہوش آیا تو لوگوں نے پوچھا کیا بات تھی تو فرمایا مجھ سے کچھ نہ پوچھو. کتاب اللہ کی تلاوت کر رہا تھا. اس میں قیامت کا ذکر آگیا اسی کے خوف سے میری یہ کیفیت ہوگئی، سبحان اللہ! ان کے خوف کی یہ حالت تھی۔

ایک اور بزرگ اپنے مریدین کے ساتھ کہیں جا رہے تھے ایک جنگل سے گذر ہوا اس میں ایک درخت کے نیچے پہونچے تو ٹھنڈی سانس لی اور سردی کا زمانہ ہونے کے باوجود ان کی یہ حالت ہوئی کہ پسینہ جاری ہوگیا اور غش کھا کر گر پڑے جب ہوش میں آئے تو لوگوں نے پوچھا کہ حضرت آپ کی یکایک کیا کیفیت ہوگئی تھی؟ فرمایا کہ مجھ سے کچھ نہ پوچھو اب سے بہت پہلے جوانی کی حالت میں اسی مقام پر میں نے اللہ تعالیٰ کی ایک نافرمانی کی تھی آج ضعیفی میں وہ یاد آگئی تو اللہ کے خوف سے میری یہ کیفیت ہوگئی۔

ہمارے اکابر و اسلاف اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرتے تھے، اور اللہ کا خوف جس دل میں ہوتا ہے وہ اللہ کی نافرمانی سے ڈرتا ہے، اللہ کے راضی کرنے کی فکر رکھتا ہے. یاد رکھئے! ہم نے دنیا کو راضی کیا تو کیا حاصل؟ ہم کو تو اللہ کو راضی کرنے کی فکر چاہیئے، کیونکہ جس نے اللہ کو راضی کر لیا اس نے سب کچھ پالیا. اس کے لئے دنیا میں بھی کامیابی اور آخرت میں بھی فلاح، جنت بھی اس کے لئے اور اللہ کا قرب اور اس کی رضا بھی اسی کے لئے ہے

ہم سوچیں کہ دنیا میں ہم کیوں آئے ہیں اور ہماری زندگی کا مقصد کیا ہے؟ دنیا کے افکار و خیالات میں ہم رات دن ڈوبے ہیں لیکن ہمارے دل اس فکر سے بالکل خالی ہوگئے ہیں کہ ہمیں مر کر اللہ کے سامنے جانا ہے اور قیامت آئے گی. اس دن اس زندگی کا جواب دینا ہے. حالانکہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اس کا حکم دیا ہے، کہ ہم اللہ پر ایمان لائیں اور اللہ کی ذات و صفات اور اللہ کے فرشتوں پر ایمان لائیں. اسی طرح اسلام کا بہت بڑا عقیدہ یہ بھی ہے کہ ہم قیامت پر ایمان لائیں اور اس بات پر ایمان لائیں کہ ہم کو دوبارہ مر کر زندہ ہونا ہے اور اللہ کے سامنے جانا ہے اور زندگی کا حساب دینا ہے، اس کو اگر ہم بھلا دیں گے، تو ہم غافل ہوجائیں گے نافرمان ہوجائیں گے اور بالکل آزاد ہوجائیں گے، ہم سب اللہ کے بندے اور اس کے غلام ہیں اللہ تعالیٰ نے ہم کو بندگی ہی کے لئے پیدا فرمایا ہے، ارشاد فرماتے ہیں "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ" یعنی ہم نے جن و انس کو صرف اس لئے پیدا کیا تاکہ وہ میری عبادت کریں۔

مسلمان اس کو کہتے ہیں جو گردن جھکا دینے والا. فرمانبرداری کرنے والا، چون و چرا کو چھوڑ دینے والا ہو، اور یہ وصف اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے. جب دل میں اللہ کا خوف اور اس کی محبت ہو، ہم لوگ تو محبت کی حقیقت بھی نہیں جانتے. ہاں دعویٰ محبت کرنے کو ہر شخص تیار ہے، جانتے ہو محبت کسے کہتے ہیں؟ محبت نام ہی فنافی المحبوب ہوجانے یعنی اللہ کی مرضی میں فانی ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں فانی ہو، اپنی رائے کو، اپنی چاہت کو، اپنی تجویز کو، اپنی پسند کو فنا کر دے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں مؤمن کا یہی مقام ہے، اسی مضمون کا اپنا ہی ایک شعر اس وقت یاد پڑا ہے

نظر ان کی نظر اپنی پسند ان کی پسند اپنی
نظر اپنی پسند اپنی نہیں ہوتی محبت میں

بوالحسن تھی ذات تیری نازش ہندوستاں

ضیاء الدین ضیاء مظاہری بستوی
(جمداشاہی)

بوالحسن تھی ذات تیری نازش ہندوستاں
رو رہے ہیں تیری فرقت سے زمین و آسماں

تھا مفکر تھا مبصر ہر جگہ فرزانہ تھا — نور سے معمور تھا تو اور ترا کاشانہ تھا
تھا قطب اور تھا ولی اللہ کا دیوانہ تھا — گوہر علم و عمل تھا عزم میں مردانہ تھا
فخر عالم تھا تو ئی اے نازش ہندوستاں
رو رہے ہیں تیری فرقت میں زمین و آسماں

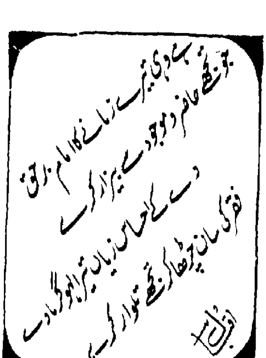
سارا عالم محو حیرت بوالحسن تیرے لئے — میکدہ خاموش ہے اے ذوالمنن تیرے لئے
سارا عالم نوحہ خواں اے بوالحسن تیرے لئے — نالاں ہے اے بوالحسن ہر انجمن تیرے لئے
اجڑا اجڑا ہے چمن اے عندلیب گلستاں
بوالحسن تھی ذات تیری نازش ہندوستاں

تو تھا یکتائے زمن، روح چمن، جان وطن — دلنشیں تیرا بیاں تیری زباں تیرا سخن
خلوتوں سے پُر تری محفل وقار انجمن — تھی تری اک ہی صدا میرا نہ بن اپنا تو بن
کیا تھا پایا کیا ہے کھویا کیا بتاؤں جان جاں
بوالحسن تھی ذات تیری نازش ہندوستاں

تو وہ تھا شان قلم کہ جس پہ ہم کو ناز تھا — اس صدی کا تاج تھا، تو ہی اکیلا راز تھا
زندہ ہو ایوان باطل میں وہ ایسا باز تھا — رنگ محفل تجھ سے بڑھ جاتی تھی تو وہ ساز تھا
تو ہی تھا رشک چمن اے آبروئے گلستاں
بوالحسن تھی ذات تیری نازش ہندوستاں

نثار کرتے ہیں ملائک آج تیری شان پر — ہے نچھاور مشک وعنبر آج تیری جان پر
کملی چادر کو پکڑا کس نے تیری تان کر — کیوں فدا ہیں مرغ بسمل آج تیری جان پر
عاشق لولاک تھا تو اور رشک ہندوستاں
بوالحسن تھی ذات تیری نازش ہندوستاں

نیک و بد بخت: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ چار باتیں آدمی کی نیک بختی کی علامت ہیں (۱) اس کی بیوی نیک ہو، (۲) اولاد فرمانبردار اور صالح ہو، (۳) شرکا اور ساتھی نیک ہوں، اور (۴) اس کا رزق اپنے وطن میں ہو۔ اور فرمایا۔ چار باتیں بدبختی کی علامت ہیں، (۱) آنکھوں سے آنسوؤں کا بند ہونا (۲) قلب کا سخت ہونا، (۳) مال کی محبت۔ اور (۴) آرزوؤں کی کثرت، فرمایا۔ اگر اللہ تعالیٰ کے یہاں مچھر کے پر برابر بھی دنیا کی قدر ہوتی تو کافر کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ ملتا۔



). LW/NP56
: (0522)330020

FORTNIGHTLY

Principal off : 372336
Guest House : 323864

MEER-E-HAYAT

NADWATUL-ULAMA, LUCKNOW-226 007 (India) Rs.6/-

لکھنؤ

تعمیرِ حیات

پندرہ روزہ

اسلام کی عالمی تاثیر

جس طرح موسم بہار میں نباتات اور انسانوں کے مزاج موسم سے متاثر ہوتے ہیں، اسی طرح محسوس اور غیر محسوس طریقہ پر اسلامی اقتدار و تمدن کے زمانے میں لوگوں کی طبیعتیں اور ذہنیتیں متغیر اور اسلام سے متاثر ہونے لگیں، دلوں میں گداز اور نرمی پیدا ہونے لگی، اسلام کے اصول و حقائق دل و دماغ میں پیوست ہونے لگے، اشیاء کی قدر و قیمت کے بارے میں لوگوں کا نقطۂ نظر بدلنے لگا، کل تک جن چیزوں اور جن صفات کی لوگوں کی نگاہ میں بڑی وقعت و اہمیت تھی، اب وہ جاتی رہی، اور جو چیزیں بے وقعت تھیں اب وہ وقیع بن گئیں، پرانے معیاروں کی جگہ نئے معیاروں نے لے لی، جاہلیت، رجعت پسندی اور جمود کی علامت بن گئی، اور اس کے متبعین میں احساس کمتری پیدا ہوگیا، اور اسلام کی طرف انتساب، اس کے شعائر اور خصوصیات کو اختیار کرنا ایک فخر اور تعریف کی چیز بن گئی، دنیا اسلام سے آہستہ آہستہ قریب ہو رہی تھی، جس طرح اس کرۂ ارضی کے رہنے والوں کو آفتاب کے گرد گردش کا احساس نہیں ہوتا، اسی طرح ان قوموں کو اور ان کے افراد کو اپنے اسلامی رجحانات اور اسلام کے اندرونی اثرات کا احساس نہیں ہوتا تھا، ان اثرات سے نہ علم و فلسفہ خالی تھا نہ مذاہب و تمدن، لوگوں کے ضمیر اور ان کے باطن ان اثرات کی شہادت دیتے تھے، اور ان کے اصلاحی میلانات اس کی غمازی کرتے تھے، مسلمانوں کے تنزل کے بعد بھی جو اصلاحی تحریکات ان قوموں میں پیدا ہوئیں، وہ اسلامی اثرات اور اسلامی خیالات کا نتیجہ ہیں۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نوراللہ مرقدہ

(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر)

فی شمارہ ۶ روپئے

سالانہ ۱۳۰/ روپے

۱۰/اپریل ۲۰۱۰ء

معاشرۂ انسانی کا باہمی ارتباط

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نور اللہ مرقدہ

یَاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا۔

لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص (یعنی آدم) سے پیدا کیا، اس سے اس کا جوڑا بنایا، پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد وعورت (پیدا کرکے روئے زمین پر) پھیلا دیئے، اور خدا سے جس کے نام کو تم اپنی حاجت براری کا ذریعہ بناتے ہو ڈرو، اور (قطع مودت) ارحام سے (بچو) کچھ شک نہیں کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔ (النساء:۱)

یہ آیت سورہ نساء کی ہے، سورہ نساء کا نام ہی اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام نے طبقہ اناث کو اور جنس لطیف کو کیا مقام دیا ہے! میں سمجھتا ہوں کہ طبقۂ اناث کے متعلق اسلام کے تصور اور مرد وعورت کی باہمی ذمہ داری اور تعلقات کی نوعیت پر یہ آیت پوری روشنی ڈالتی ہے، پہلے تو اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ اشارہ فرمایا ہے کہ ان دو طبقوں کی خلقت ایک ہی طرح ہوئی ہے، اور ان دونوں کی قسمت ایک دوسرے سے ایسی وابستہ ہے گویا ایک جسم کے دو حصے ہوں، مرد وعورت کی جسمانی ساخت میں معمولی تبدیلی اس وجہ سے ہے کہ دونوں زندگی کا سفر خوشگواری سے طے کرسکیں۔

پہلے تو ان دونوں طبقوں کا وجود نفس واحد سے ہے پھر اس نفس واحدہ کو دو حصوں میں تقسیم کردیا گیا ہے، اس تقسیم کے باوجود ان میں کوئی تضاد کوئی بیر نہیں بلکہ وہ جاکر ایک ہی نقطہ پر جمع ہوجاتے ہیں، اس دنیا میں سفر کرنے والے انسان کو ہم سفر اس کی جنس سے دیا گیا ہے، اور وہ اسی کے جسم کا حصہ ہے، پھر اس کے بعد ان دونوں سے نسل انسانی کی آفرینش اور افزائش ہوئی، اللہ تعالیٰ نے دونوں کی رفاقت محبت اور ہم سفری میں بڑی برکت عطا فرمائی کہ جو دو تھے ان سے ہزاروں ہوئے اور ہزاروں ہوئے اور ہزاروں سے لاکھوں، کروڑوں ہوئے، یہاں تک کہ صحیح تعداد کا شمار کمپیوٹر بھی نہیں لگا سکتا کہ کتنے انسان پیدا ہوئے؟ اس کو صرف خدا جانتا ہے، "کثیرًا" کے لفظ سے خدا نے ان کی کثرت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

سائل بھی اور مسئول بھی

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "تم اس خدا سے ڈرو جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو" قرآن مجید میں انقلابی طور پر یہ تصور پہلی مرتبہ پیش کیا گیا ہے کہ انسانی سوسائٹی کا ہر فرد ایک دوسرے کا محتاج ہے ہر ایک سائل ہے اور ہر ایک مسئول ہے، پھر تقسیم اس طرح نہیں کہ سائلین ایک طرف ہیں اور مسئولین دوسری طرف بلکہ جو سائل ہے وہ مسئول بھی ہے، اور جو مسئول ہے وہ سائل بھی ہے "تساؤل" (مشترک سوال وجواب) ایک ایسی زنجیر ہے جس میں ہر ایک بندھا ہوا ہے، ہماری تمدنی زندگی ایک جال ہے، جس میں ہر ایک دوسرے کا ضرورت مند ہے۔

مرد عورت کے بغیر اپنا قدرتی اور فطری سفر خوشگوار طریقہ سے طے نہیں کرسکتا اور کوئی شریف خاتون، رفیق حیات کے بغیر خوشگوار طریقہ سے زندگی نہیں گزار سکتی، اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو دوسرے کا ایسا سائل اور محتاج بنادیا ہے کہ اس کے بغیر زندگی نہیں گذر سکتی۔

خدا کا نام بیگانوں کو یگانہ بناتا ہے

پھر بھی یہ فرمایا گیا کہ سوال جس کے نام پر تم کرتے ہو وہ خدا ہے، اسلامی معاشرہ خدا کے عقیدے، خدا کی عظمت، خدا کی قدرت اور خدا کی وحدت کے عقیدے پر وجود میں آتا ہے، ایک مسلمان مرد کی مسلمان خاتون سے ہم سفری اور رفاقت جب جائز ہوتی ہے، جب وہ خدا کا نام بیچ میں لائیں، خدا کا نام ہے جو بیگانوں کو یگانہ بناتا ہے، دور کو نزدیک کرتا ہے، غیروں کو اپنا بناتا ہے، اور جن کی پرچھائیں بھی پڑنا گوارا نہ تھی ان کو ایسا قریب اور عزیز بنادیا جاتا ہے کہ ان کے بغیر زندگی کا صحیح تصور بھی نہیں ہوسکتا، وہ ایک دوسرے کے رفیق حیات اور ذمہ دار بن جاتے ہیں، شوہر اور بیوی کا تعلق ایسی محبت واعتماد کا تعلق ہے کہ بعض اوقات وہ والدین کے تعلق سے

(باقی صفحہ ۳۰ پر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پندرہ روزہ — لکھنؤ

تعمیر حیات

مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۳۷ — شمارہ نمبر ۱۱

(۱۰ اپریل ۲۰۰۰ء — مطابق — ۴ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ)

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ ۱۳۰/- روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں ——

زر تعاون

سالانہ —— ۱۳۰/- روپے

فی شمارہ —— ۶/- روپے

—— بیرونی ممالک فضائی ڈاک ——

ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک

۳۰ ڈالر

—— بیرونی ممالک بحری ڈاک ——

بحری ڈاک جملہ ۱۵ ڈالر

خط و کتابت کا پتہ

منیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس نمبر ۹۳

ندوۃ العلماء لکھنؤ، ۲۲۶۰۰۷ یوپی

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں ——

گذارش

خط و کتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کے ساتھ مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے۔ منیجر

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے ندوہ پریس میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا

اس شمارے میں

بیرون ملک نمائندے

مدینہ منورہ	Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb. P O Box No 842, Madina Munawwara (K S A)
برطانیہ	Mr. M. AKRAM NADWI O C I S , St Cross College, Oxford Ox1 3TU-U.K
ساؤتھ افریقہ	Mr. M. YAHYA SALLO NADWI Sb. P O Box 388, Vereninging,(S Africa)
قطر	Mr. ABDUL HAI NADWI Sb. P O Box No 10894, DOHA-QATAR
دبئی	Mr. QARI ABDUL HAMEED NADWI Sb. P O Box No 12525, DUBAI (U A E) P·H·NO: — 3970927
پاکستان	Mr. ATAULLAH Sb. Sector A-50, Near sau Quater H No 109, Town Ship Kaurangi, KARACHI-31 (Pakistan)
امریکہ	Dr. A. M. SIDDQUI Sb. 98-Conklin Ave. Woodmere NEW YORK 11598 (U S A)

اداریہ

شمس الحق ندوی

مایوسی نہیں! بلکہ عزم وعمل کی ضرورت

اس وقت پورا عالم انسانیت، مشرق سے لے کر مغرب تک، شمال سے لے کر جنوب تک فساد و بگاڑ کے جس دور سے گذر رہا ہے وہ نہایت بھیانک وخوفناک ہے، کہنے کو تو انسان نے بڑی ترقی کی ہے اور نت نئی ترقیاں ہوتی جا رہی ہیں۔ لیکن ان ترقیوں نے جہاں انسانوں کو سہولتیں اور آسانیاں دی ہیں وہیں ان کی ایجاد نے انسانی اقدار، اخلاق وکردار، پیار ومحبت، باہمی میل ملاپ اور احترام انسانیت کو خاک میں ملا دیا ہے، بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی بلکہ اب تو انسانی جانوں کے بھی لالے پڑ گئے ہیں، لوٹ مار اور قتل وخونریزی کے واقعات روزمرہ کے معمولات بن گئے، طبقاتی کشمکش اور رنگ ونسل کی بنیادوں پر جو خون خرابہ ہو رہا ہے اس کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں لگایا جا سکتا۔ اس وقت بالکل وہ صورت حال ہے جس کی تصویر کشی قرآن کریم کے یہ الفاظ ہی کر سکتے ہیں۔ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ. اس فساد وبگاڑ اور گھٹا ٹوپ اندھیرے کا ذکر قرآن کریم میں دوسری جگہ اس طرح کیا گیا ہے۔ ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكَدْ يَرَاهَا وَمَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُورٍ۔ جب جدید ترقیات نہیں تھیں تو جرائم رات کے اندھیرے میں ہوا کرتے تھے اور کم، لیکن اب جب انسان نے بہت ترقی حاصل کر لی ہے تو دن کے اجالے اور بجلی کی روشنی میں اندھیر مچا ہوا ہے۔ کہنے والے نے بہت پہلے کہا تھا ع

لکھے گا کوئی حسرتِ دنیا کی ہسٹری میں ✤ اندھیر ہو رہا تھا بجلی کی روشنی میں

اس کا اصل سبب اور وجہ یہ ہے کہ انسان نے ترقی کر کے سامان راحت وآسائش اور بجلی کی روشنی کے ساتھ انسانیت سوز اور اخلاق سوز رجحانات فلسفے بھی تمدن وتہذیب کی آڑ میں پیدا کر لئے ہیں جو مادی وسائل کے سہارے پھیل رہے ہیں اور ان میں ایسی وسعت وقوت پیدا ہو رہی ہے کہ ان کی مخالفت کرنا خطرات کو دعوت دینے کے مرادف ہے اور صالح فکر ورجحان رکھنے والے افراد یہ سوچنے لگتے ہیں کہ ہمارے پاس وہ وسائل وذرائع نہیں ہیں لہٰذا اس صورت حال کا مقابلہ کیونکر کر سکتے ہیں۔

یہ حالات ان لوگوں کی ہمتوں کو بھی پست کر رہے ہیں جو انبیاء کرام کے امام خاتم الرسل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے حامل وداعی ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دنیا بگاڑ کے جس درجہ کو پہونچ گئی ہے وہ اب ایسے لوگوں کے وجود کو بھی گوارہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہے بلکہ الٹے انھیں کو مجرم گردان رہی ہے اور اس کا بھرپور پروپگنڈہ بھی کر رہی ہے اور ان کی ہمتوں کو مزید پست کرنے کے اسباب وذرائع استعمال کئے جا رہے ہیں۔

لیکن محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کو جو امت مسلمہ کے نام سے موسوم ہیں کسی حال میں بھی مایوس نہ ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ ان کو نازک سے نازک حالات میں بھی مایوسی سے روکا گیا ہے اور صاف صاف کہا گیا ہے کہ۔ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ

خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہونا

لہٰذا امت مسلمہ کے ہر فرد کو اپنی لیاقت وصلاحیت، ذرائع اور وسائل کے بقدر موعظۂ حسنہ اور انداز حکیمانہ کے ساتھ حالات کو سدھارنے کی کوشش میں پورے عزم وحوصلہ اور یقین واعتماد کے ساتھ کوشش کرتے رہنا چاہئے کہ خالق کائنات کوشش کرنے والوں کی کوشش ومحنت کو رائیگاں نہیں جانے دیتا، دیر سویر یہ کوششیں رات کی تاریکی کو دن کے اجالے میں تبدیل کرتی ہیں مردہ دلوں میں زندگی کی لہر پیدا کرتی ہیں۔

وہ خود ارشاد فرماتا ہے: ۔ یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ (وہی جاندار کو بے جان سے نکالتا ہے) اہل ایمان کی کوششیں ضائع نہیں جاتیں بارہا ایسا ہوا ہے کہ عمل پیہم اور جہد مسلسل نے مردہ قوموں میں زندگی پیدا کر دی ہے۔

اسلامی تاریخ میں ابتلاء وآزمائش کا دور برابر آتا رہا ہے اور اہل ایمان برابر اس کا مقابلہ کرتے رہے ہیں، خطرناک سے خطرناک حالات میں ان کے ایمان ویقین میں ڈگمگاہٹ نہیں پیدا ہوئی۔

اس وقت بھی مسلمان پورے عالم میں سخت فتنوں اور آزمائشوں کے دور سے گذر رہے ہیں ان آزمائشوں میں ایک بڑی آزمائش یہ ہے کہ اسلام دشمن طاقتوں نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ سادہ لوح اور دین سے پوری طرح واقفیت نہ رکھنے والے مسلمانوں کے ذہنوں میں مختلف انداز سے یہ بات ڈالنی شروع کر دی ہے کہ مسلمان اگر حق پر ہیں اور ان کا خدا زبردست ہے تو وہ ساری دنیا میں ذلیل وخوار کیوں ہیں دنیا کے متعدد علاقوں میں ان پر غربت وفلاکت کا سایہ کیوں ہے؟ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے یہ تو اس وقت بھی کہا گیا ہے جب قرآن کریم نازل ہو رہا تھا، مخالفین اسلام بے تکلف اللہ کے رسول کا جو انھیں میں کے ایک فرد تھے، وہ آپ پر نازل ہونے والی وحی کا مذاق اڑاتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر یہ قرآن سچا ہے اور یہ رسول برحق ہیں تو ان دونوں کا ہنسی مذاق اڑانے کی پاداش میں ہم پر خدا کا عذاب کیوں نہیں آجاتا۔ ان باتوں سے اللہ کے رسول اور مسلمانوں پر کیا گذرتی ہوگی اس کا کچھ اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو ڈھارس بندھاتا اور تسلی دیتا۔ فَلَا یَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ اِنَّا نَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ[1] تو ان کی باتیں تمہیں غمناک نہ کر دیں یہ جو کچھ چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں ہمیں سب معلوم ہے۔

جب حقیقت یہ ہے تو پھر مایوسی کے بجائے اپنی سعی وکوشش کو ہر سطح اور انداز سے امت کا جو فرد جتنا کرسکتا ہو وہ جہاں کہیں بھی ہو اپنی صلاحیت کے مطابق کوشش کرتا ہے حالات سے مایوس ہو کر بیٹھ نہ رہے انشاء اللہ نتائج سامنے آئیں گے اس لئے کہ انسان کے سامنے نتیجہ اس کی کوشش کے مطابق ہی آتا ہے چاہے اس میں کچھ دیر لگے۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے: "وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی وَاَنَّ سَعْیَهٗ سَوْفَ یُرٰی ثُمَّ یُجْزٰىهُ الْجَزَاءَ الْاَوْفٰی۔ اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے اور یہ کہ اس کی کوشش دیکھی جائے گی، پھر اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ آیات صرف مسلمانوں ہی کو ہمت کا پیغام نہیں دیتیں بلکہ پوری نوع انسانی کو اور ان سب لوگوں کو جو کوئی صحیح مقصد رکھتے ہیں کسی مفید دعوت کے علمبردار ہیں، کسی اچھی بات کے لئے جد وجہد کرنا چاہتے ہیں، کسی عظیم مقصد کے لئے وہ کھڑے ہوئے ہیں ان سب کے لئے ان آیات میں حیات نو کا پیغام ہے اور خاص طور پر مسلمانوں کے لئے۔ ان کی تعلیم گاہوں کے لئے، اصلاحی مراکز کے لئے اس آیت میں پورا دستور العمل موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان کے لئے اتنا ہی ہے جس کی وہ کوشش کرے اور پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور خاص طریقہ ادائے قرآنی کے ساتھ فرمایا گیا ہے۔ "وَاَنَّ سَعْیَهٗ سَوْفَ یُرٰی" (اور اس کی کوشش ایک مرتبہ نظر آکے رہے گی" یہ بھی قرآن کا اعجاز ہے کہ یہاں "سوف" کا لفظ استعمال ہوا ہے جو عام طور پر مستقبل بعید کے لئے استعمال ہوتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر جلدی تم کو نتائج نظر نہ آئیں تو مایوس نہ ہونا" سوف یُری" وہ نظر آئے گا، جو کچھ ہم دنیا میں دیکھ رہے ہیں، سلطنتوں کا قیام، تہذیبوں کا عروج، علوم وفنون کی اشاعت، باکمال لوگوں کا پیدا ہونا، یہ سب انسانی سعی وجہد کے ظہور کے نتائج ہیں اور قرآن مجید کی اس آیت کی تفسیر ہے۔[3]"

لہٰذا حالات سے مایوس ہو کر ہمت ہار بیٹھنے کے بجائے پورے عزم وحوصلہ کے ساتھ ہر فرد مومن کو اپنے دین وایمان، تہذیب وثقافت کی بقا اور اس کے تعارف اور دوسروں کو پیام محبت سنانے کی کوشش میں اپنی اپنی صلاحیت اور اپنے اپنے گرد وپیش کے ماحول کے اعتبار سے پورے صبر وثبات کے ساتھ کام میں لگے رہنا چاہئے، نتیجہ انشاء اللہ سامنے آکے رہے گا جس کے لئے سب سے ضروری یہ ہے کہ ہم صرف نام کے نہیں بلکہ حقیقت میں مسلمان ہوں۔ ہر حال میں ہمیں اسلام پر فخر وناز ہو اسلام ہمارا اور ہم اسلام کے ہوں تو وسائل کی کمی اور خطرات کے ہجوم کے باوجود اللہ تعالیٰ ہمارا معین ومددگار رہے گا، اور ہمارا محافظ ونگہبان ہوگا، اللہ تعالیٰ نے اس کا وعدہ فرمایا ہے اور اس کا وعدہ جھوٹا نہیں ہوتا، اس کا ارشاد ہے:

"اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ"

اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمادے گا۔

---

[1] خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب فساد پھیل گیا ہے (سورہ روم: ۴۱) [2] غرض اندھیرے ہی اندھیرے ہوں ایک پر ایک (چھایا ہوا) جب اپنا ہاتھ نکالے تو کچھ نہ دیکھ سکے۔ اور جسکو خدا روشنی نہ دے اسکو (کہیں بھی) روشنی نہیں مل سکتی (سورہ نور: ۴۰) [3] افادات قرآنی از: حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

ایک عظیم و نادرۂ روزگار شخصیت

یہ مضمون بمبئی کے سمینار میں پڑھا گیا (ادارہ)

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کے ملّی تعلیمی اور دینی معاملات میں جو مفکرانہ اور قائدانہ دلچسپی لی، اور ان کی اس دلچسپی سے امت کو جو فائدہ پہونچا اس سے سب دانشور مسلمان واقف ہیں، انہوں نے امت اسلامیہ کے معاملات سے خصوصی دلچسپی لینے کے ساتھ ساتھ ملک کی بھی صلاح و فلاح کی فکر کی، مسلمانوں کے دائرہ میں ان کی خصوصی توجہات، ان کی تعلیم، ان کے کردار، پھر ان کی شریعت کی حفاظت کے مسائل پر خاص طور پر مرکوز رہیں، مسلمانوں کی تعلیم کے سلسلہ میں دار العلوم ندوۃ العلماء ان کا اصل میدانِ فکر و عمل بنا، دار العلوم ندوۃ العلماء کو ایک صدی قبل برصغیر کے علماء اور دانشوروں نے مسلمانوں کی ملی و دینی زندگی کی ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے جامع تعلیم کے ایک منصوبہ کے طور پر شروع کیا تھا، اس نے اپنے محدود وسائل کے ساتھ جامع دینی و اسلامی تعلیم کا ایک تجربہ پیش کیا، اور متعدد عظیم الفکر عالم و دانشور پیدا کئے، اس کو گذشتہ چالیس سال میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سربراہی میں اسلامی تعلیم کا ایک مشہور و مقبول بین الاقوامی ادارہ کی حیثیت تک پہونچا دیا۔

اسی کے ساتھ ساتھ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان کے مسلمانوں کی تعلیم کے دیگر ملی اداروں کے ساتھ بھی ضروری تعاون و ہمدردی کا معاملہ رکھا، اور اس سیکولر و ہندو اکثریت کے ملک میں مسلمان بچوں کی دینی بنیاد کو ان کی ابتدائی تعلیم کے زمانہ ہی میں مضبوط کرنے کے لئے دینی تعلیمی کونسل کے ذریعہ جو نظام قائم ہوا، اس کی بھی پوری سرپرستی فرمائی اور تقویت پہونچائی۔

دینی تعلیمی کونسل کی وہ خصوصی سرپرستی کرتے رہے، پھر مسلمانوں کے کردار کی درستگی کے لئے اصلاح معاشرہ اور تلقین خیر و صلاح کی جدّ و جہد میں قائدانہ شرکت کی اور اس کے کاموں میں نمایاں حصہ لیا، اور اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ اس کام کی انجام دہی کو تقویت پہونچائی، شریعت اسلامیہ کی حفاظت کے سلسلہ میں تحفظ شریعت کی اس عظیم تحریک میں حصہ لیا، جو آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے تحت ملک میں چلائی گئی، وہ عرصہ سے اس کے صدر تھے اور اس کے مسئلوں کے حل میں کلیدی کردار انجام دیا، پھر برصغیر سے باہر کے مسلمان ملکوں اور مسلمان سوسائٹیوں کی خیر خواہی کا حق بھی ادا کیا، اور مدد پہونچائی، اس طرح پوری ملت اسلامیہ کے دکھ درد اور ضرورت کی پوری فکر کی، اور ایک مرد مومن، مرد مجاہد، معلم و مربی، محقق و ادیب اور اپنے تحقیقی و ادبی کاموں سے دین و ملت کی خدمت کا حق ادا کیا۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو ملت اسلامیہ کی فکر کے ساتھ ساتھ پوری انسانیت کی خیر خواہی و خیر طلبی کی فکر بھی رہی، اور اس کے لئے انہوں نے پیام انسانیت کی تحریک چلائی جس میں تمام مذاہب کے خیر پسند لوگوں کو بھی شریک کرنے، اور ملک و قوم کی بھلائی کی طرف توجہ دلانے، اس طرح مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے، ملی، ملکی و بین الاقوامی تینوں دائروں کو اپنا دائرہ کار بنایا، اور اپنی نمایاں خدمات پر سب سے خراج تحسین حاصل کیا۔

علمی و فکری پہلو میں مولانا کی مؤقر اور اثر انگیز تصنیفات منظر عام پر آئیں، جن کی شہرت عام طور پر صرف برصغیر ہی میں نہیں بلکہ پورے عالم اسلام میں ہوئی، ان میں سے کئی تصنیفات نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھی گئیں، اور ان میں سے بعض کو پوری صدی کی منتخب و اہم ترین تین چار کتب میں ایک شمار کیا گیا۔

ادبی پہلو کے لحاظ سے مولانا نے ادب کو زندگی کے لئے مفید اور انسانی و اسلامی فائدے کے حصول میں ایک معاون کے طور پر پیش کیا، اور اس کی اس حیثیت کو عالم اسلامی سے منوایا، جس کے اثر سے رابطہ ادب اسلامی عالمی انجمن وجود میں آئی۔ جس کے وہ تاحیات صدر قرار پائے، اس وقت اس کی ذیلی شاخیں دنیا کے آٹھ ملکوں میں اور صدر دفتر خود مولانا کے مستقر ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ہے، اس سلسلہ میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا کام صرف نظری اور تحریکی ہی نہیں رہا، بلکہ خود مولانا کے قلم نے ادب کے ایسے شہ پارے پیش کئے جو ان کے ادبی نقطہ نظر کے عملی نمونے ہیں۔

دعوتی لحاظ سے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا ربط و تعلق آغاز عمر ہی میں اپنے عہد کی دعوتی کوششوں سے قائم ہو گیا تھا، اور اس کی بڑی وجہ یہ ہوئی کہ

مولانا نے اس ملک کی عظیم تحریک اصلاح و جہاد کے رہنما حضرت سید احمد شہیدؒ کی سوانح تیار کرنے کے دور ان ان کے کام و پیغام کو سمجھا اور متاثر ہوئے، دعوتی کام کا تقاضہ ہونے پر مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا تحریک جماعت اسلامی کے بانی مولانا مودودیؒ سے ربط ہوا، لیکن خصوصی ربط جماعت تبلیغ کے بانی مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے قائم ہوا، اور وہ برابر قائم رہا، مولانا کا طریقہ دعوت و اصلاح بڑی حد تک جماعت تبلیغ کے اصولوں کے مطابق تھا، البتہ اس میں فکری و نظریاتی طریقہ دعوت کی بھی آمیزش تھی، مولانا کی فکری و نظریاتی خصوصیات میں اصلاح باطنی و تزکیہ نفس کی خصوصی آمیزش تھی جو ان کے عہد کے عالی بالسنہ بزرگوں سے ربط۔ اور تزکیہ باطن کے حاملین سے تعلق و استفادہ کے اثر سے پیدا ہوا تھا، مولانا کے اس پہلو نے ان میں زہد فی الدنیا، استغنار و قناعت اور تصور آخرت کے غلبہ جیسی صفات پیدا کیں، جن کے اثر سے مولانا کے تعلق والوں میں مولانا سے محبت و عقیدت میں اضافہ ہوا اور کام میں اثر پذیری بڑھی اور اس طرح ان کے کاموں اور کوششوں کو قبولیت حاصل ہوئی۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اس زہد و استغنار کے ساتھ سماجی و تعلیمی معاملات کی فکر اور دین کے صالح نظریات کی تشریح و تلقین کا کام مؤثر اور مفید ڈھنگ سے انجام دیتے تھے، اور ملک و قوم کے سربراہوں کو بھی صحیح راہ اختیار کرنے کی تلقین کرتے، اور ملک کو بنانے، اور انسانیت نوازی کی طرف متوجہ کرتے، اس سلسلہ میں مسلمان حکمرانوں اور مسلم رہبروں سے بھی ملتے، اور توجہ دلاتے، مولانا کا طریقہ اس سلسلہ میں محبانہ اور زاہدانہ ہوتا تھا کہ مخاطب ان کے طریقہ کلام سے ان کے اخلاص اور خیر خواہی کو پوری طرح محسوس کرتا اور یہ بھی دیکھتا کہ وہ خود اپنی ذات یا اپنے تعلق والوں کے لئے کسی مادی نفع کے طالب نہیں، بلکہ اس کو یہ تجربہ بھی ہوتا کہ ہدیہ و تحفہ دیا جائے تو اس کو بھی قبول کرنے سے گریز کرتے ہیں، مولانا کا خیال یہ تھا کہ داعی اور ناصح کے لئے ایسے کام میں مادی فائدہ اٹھانا صحیح نہیں، وہ استغنا کی صفت کے ساتھ ہی کلمہ حق کہہ سکتا ہے، اور سچا ناصح ثابت ہو سکتا ہے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا یہ رویہ عموماً بادشاہوں اور حکومت کے سربراہوں اور صاحب اقتدار اور صاحب ثروت شخصیات سے رہا، اس کی وجہ سے مولانا کی اس داعیانہ عظمت کو ہر ایک نے محسوس کیا، اور ان کی بات کا عموماً اثر لیا۔

مولانا کی فکر خالص قرآنی اور پوری ملت اسلامیہ کو معیاری امت کی حیثیت میں دیکھنے کی خواہش و تمنا رکھنے والی تھی، وہ پورے عالم اسلام کو دیکھتے اور اس کی خرابیوں اور پس ماندگیوں سے ملول ہوتے، وہ دشمنان اسلام کی چالوں کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کرتے، اور ان کے مضر اثرات کو محسوس کر کے بے چین ہوتے، اور اپنی فکری صلاحیت اور عملی توانائی، حکمت و دانائی کے ساتھ اس کے لئے صرف کرنا چاہتے، اس کے لئے اپنی بلیغ زبان اور مؤثر قلم استعمال کرتے، اور حکیمانہ انداز میں افہام و تفہیم کا طریقہ اختیار کرتے، ان کی ان کوششوں کو اس سرمایہ علمی و ادبی میں دیکھا جا سکتا ہے جو بڑی مقدار میں اپنے پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔

مولانا کے کام اور فکر مندی ملت اسلامیہ اور قوم و وطن کے مفاد کے اتنے پہلوؤں میں تھی کہ ایک شخص میں وہ شاذ و نادر جمع ہوتی ہے، اسی لئے مولانا کی رحلت کو ملت اسلامیہ کے ہر طبقہ اور ہر جماعت نے ایک بڑا سانحہ سمجھا اور اس کو ملک و وطن کے خیر خواہوں نے بھی سانحہ سمجھا اور اس کو ایسا خلا قرار دیا جسے آسانی سے پر ہو جانے کی توقع نہیں ہے۔ لیکن مولانا کے شروع ہوئے کاموں کو جاری رکھنے کی ضرورت اور گنجائش دونوں باقی ہیں، یہ ان کے قدر دانوں کا فرض ہے کہ ان کو جاری رکھنے کی فکر کریں۔

رپورٹ مجلس انتظامی

منعقدہ ۲۳ ذی الحجہ ۱۴۲۰ھ مطابق ۳۰ مارچ ۲۰۰۰ء

پیش کردہ: معتمد تعلیمات دارالعلوم ندوۃ العلماء، جناب ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی

الحمد للہ رب العالمین، والسلام اللہ وصلاتہ علی رسولہ الأمین سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ أجمعین

حضرت صدر مجلس، حضرات ممبران مجلس انتظامی ومہمانان خصوصی!

ہم سب سے پہلے آپ حضرات کا دلی خیر مقدم کرتے ہیں، اور جملہ وابستگان ندوۃ العلماء، اساتذہ وطلبۂ دارالعلوم اور انتظامی شعبوں کے ذمہ داروں کی طرف سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ آپ نے مجلس انتظامی کے اس سالانہ اجتماع میں شرکت کے لئے سفر کی زحمت برداشت فرمائی۔

مجلس انتظامی کا یہ پہلا جلسہ ہے جس میں آپ اس مسند کو اس مسند نشین سے خالی دیکھ رہے ہیں جس سے سابقہ سالانہ جلسوں کی عزت اور رونق تھی اور جس کی ذات سے نہ صرف یہاں کے مقامی اور بین الاقوامی اجتماعات کی آبرو قائم تھی بلکہ عالم اسلام کے ہر اس اجتماع کی عزت افزائی ہوتی تھی جس میں آپ شرکت فرمایا کرتے تھے، اور جس کے وجود سے نہ صرف ندوہ کا بلکہ ہر مجلس کا بھرم قائم تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے نظام تکوینی سے کسی کو چارہ نہیں ہے۔ آمنا بقضاء اللہ وقدرہ وامرہ فیی سمائہ وارضہ آپ حضرات کو ہمارے اندرونی کرب والم کا احساس ہے اور ہمیں آپ کی شرکت غم کا یقین ہے۔

حضرات!

ہمارے مخدوم ومربی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی۔ قدس اللہ روحہ واکرم مثواہ۔ نے اپنے افراد خاندان، خدام اور نیاز مندوں کے لئے کوئی مادی دولت نہیں چھوڑی ہے۔ آپ نے جو ورثہ چھوڑا ہے وہ عالم اسلامی کے لئے عام ہے۔ اور پوری امت آپ کی وراثت ہے۔ وہ وراثت إنابت إلی اللہ، غیرت دینی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ جذباتی اور عقلی تعلق ہے۔ ہم منقبت خوانی۔ اور مرثیہ گوئی کے قائل نہیں ہیں۔ ہمارے درد کا مداوا اور زخموں کا مرہم اللہ تعالیٰ کا نام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طاعت اور دین کی پاسداری ہے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا قول ہمارا شعار ہے کہ "موتوا علی مامات علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" (اس دین پر اپنی جانیں قربان کرو جس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جان دی ہے) یہی دعا اور تمنا ہماری بہترین تعزیت اور جانے والے کے لئے دعائے مغفرت ہے۔

حضرات! آپ کی مجلس کا گذشتہ جلسہ ۳ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۷ جولائی ۱۹۹۹ء کو اسی ہال میں منعقد ہوا تھا، حضرت ناظم ندوۃ العلماء مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی علالت کے باوجود نہ صرف شرکت فرمائی تھی بلکہ آپ کی رپورٹ بھی پڑھی گئی تھی۔ جو آپ کے دور نظامت کی آخری رپورٹ ہے، اور اب اس کی حیثیت ایک تاریخی دستاویز کی ہے جس کے اندر ندوہ کی اصل روح، مقصد طریق کار کی طرف واضح اشارات ہیں حضرتؒ کی اس رپورٹ کے بعد اس ناچیز نے معتمد تعلیم کی حیثیت سے اپنی رپورٹ پیش کی تھی جس میں حضرتؒ کی علالت کی کسی قدر تفصیل تھی۔ اور ملک اور ملک کے باہر سے آنے والوں، عیادت اور دعا کرنے والوں کا ذکر خیر تھا۔ اس جلسۂ انتظامیہ کی کارروائی آپ کے سامنے ہے۔

۱۵ مارچ ۱۹۹۹ء کو حضرت مرحوم پر فالج کا حملہ ہوا تھا۔ اور ۱۷ جولائی ۱۹۹۹ء کو مجلس انتظامی کا جلسہ ہوا۔ اس عرصہ میں پیش آنے والے واقعات وحوادث کی تفصیل اس رپورٹ میں موجود ہے، قابل ذکر اور لائق صد شکر بات یہ ہے کہ حضرت کی علالت کا واقعہ جو پورے عالم اسلام کی بے چینی کا سبب تھا۔ اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کا احاطہ جو حضرتؒ کی قیام گاہ تھا بے شمار چھوٹے بڑے، سرکاری وغیر سرکاری، حکام

اور عوام سے بھرا رہتا تھا۔ لیکن الحمد للہ تعلیم و تدریس پر ایک دن بھی اثر نہیں پڑا۔ پورے سکون وانہماک سے درجوں میں تعلیم ہوتی رہی اور پورا تعلیمی سال اس طرح گزرا کہ کسی دن نہ درس ناغہ ہوئے اور نہ طلبہ کے امتحانات، ان کے ثقافتی جلسے اور اجتماعات وقت سے بے وقت نہیں ہوئے، حالانکہ حضرتؒ کے نائب اور عملاً ندوہ کے سب سے بڑے ذمہ دار مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور ان کے برادر زادہ مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی کو ہر وقت عیادت کے لئے آنیوالوں کی مہمانداری کرنا پڑ رہی تھی۔ نیز دار العلوم کے معاملات، تدریس کی مشغولیت، خطوط ٹیلیفون، فیکس اور تار کے جوابات دینا بھی ان کے ذمہ تھا، سالانہ امتحانات وقت پر ہوئے۔ اور کوئی معمولی تبدیلی واقع نہیں ہوئی، تعطیل بھی وقت پر شروع ہوئی اور اسی تعطیل کے دوران ۲۲ر رمضان سنہ ۱۴۲۰ھ کو جمعہ کے روز، جمعہ کا وقت داخل ہونے سے پہلے۔ اس دن کے تمام معمولات سنن و مستحبات کی ادائیگی کے بعد تلاوت قرآن کے درمیان آپ کی روح پرواز کر گئی۔ اس کے بعد کی تفصیل آپ کے علم میں ہے۔ کہ سخت سردی اور کہرے کی شدت کے باوجود ڈیڑھ پونے دو لاکھ افراد جنازہ میں شریک ہوئے۔ اور متوقع شبِ قدر (یعنی عشرۂ اخیرہ کی ۲۳ ویں شب) کو آپ کا جسدِ اطہر سپرد خاک کیا گیا۔

اس حادثہ کا اثر عالم اسلام پر کیا پڑا۔ اس سے آپ واقف ہیں، کہ مراکش الجزائر، موریتانیا سے لیکر مصر و شام عراق و یمن کی مسجدوں میں آپ کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی گئی۔ رمضان کی ۲۷ ویں شب کو مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی میں پورے اہتمام و اعلان کے ساتھ غائبانہ نمازِ جنازہ ادا کی گئی، دبئی کویت، شارجہ سے بھی اس طرح کی اطلاعات موصول ہوئیں، انڈونیشیا، ملیشیا، سوماطرہ سنگاپور کے اسلامی مرکزوں میں جلسہ ہائے تعزیت منعقد ہوئے اور دعائے مغفرت کی گئی۔ برصغیر ہند و پاکستان اور بنگلہ دیش کے بے شمار مدرسوں میں قرآن خوانی اور دعائے مغفرت کا اجتماع ہوا۔ جن کی تعداد ہزار سے اوپر ہے، ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش کے دینی رسائل و مجلات میں سے ۱۵ مجلات اب تک خصوصی شمارے نکال چکے ہیں اور متعدد رسالے اس کی تیاری کر رہے ہیں۔ اورنگ آباد، بمبئی کلکتہ کے علاوہ نیپال میں سمپوزیم کی تیاری ہو رہی ہے۔ لندن کے مقیم مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اسی طرح کا ایک سیمینار منعقد کر رہی ہے۔ لکھنؤ حضرت مولاناؒ کا وطن ثانی تھا۔ اس نے احسان شناسی اور اپنے باعث فخر شہری کا حق ادا کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔ کالجوں اور مدرسوں کے علاوہ پبلک کی طرف سے گنگا پرشاد میموریل ہال، دار المبلغین کے مولانا عبد الشکور ہال میں اور کرسچین کالج کے گراؤنڈ پر عظیم الشان جلسہ ہائے تعزیت ہوئے۔ دار العلوم کے احاطہ مسلم پرسنل لاء کی مجلس عاملہ کے موقع پر ایک نشست تعزیتی جلسہ کی رکھی گئی۔ لیکن خود ندوۃ العلماء کی طرف سے کوئی جلسۂ تعزیت منعقد نہیں ہو سکا۔ اب آپ حضرات کے مشورہ سے ایک علمی موضوع کو عنوان بنا کر بڑے پیمانہ پر جلسہ کی تجویز پیش کی جائے گی، جس میں ملک سے باہر کے علماء اور اہل علم و دانش کو دعوت دی جائے، جس کا مقصد صرف تعزیتی قرارداد پاس کرنا نہیں بلکہ ایسا کام ہو جس کا تعلق پورے عالم اسلام سے ہو۔

دار العلوم سے نکلنے والے اخبار و رسائل کی تعداد چار ہے، ایک عربی ماہنامہ "البعث الاسلامی" اور عربی پندرہ روزہ "الرائد" اردو پندرہ روزہ "تعمیر حیات" اور انگریزی "The Fragrance of East" ہے "البعث الاسلامی" اور "الرائد" نے حضرت مولاناؒ کے حادثۂ وفات پر دو ماہ گزرنے کے بعد اپنے خاص نمبر نکالے ہیں جو اگرچہ معیاری ہیں لیکن مزید صفحات بڑھانے کے طالب ہیں۔ "تعمیر حیات" نے تیاری شروع کی ہے اور یہ کوشش کی جا رہی ہے کہ مناقب و مکررات کو چھوڑ کر ایسے مضامین سامنے آئیں جن سے عام مسلمان فائدہ اٹھا سکیں۔

حضرت ناظم ندوۃ العلماء رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد وقت اور مصلحت کا تقاضا تھا کہ آپ کی جگہ پر نئے ناظم کا انتخاب عمل میں آئے اس لئے حضرتؒ کی وفات کے تیسرے دن یہ عاجز مکہ مکرمہ سے حاضر ہوا۔ اور باہمی تعزیتوں کے بعد مجلس نظامت کی ایک ایمرجنسی میٹنگ طلب کر کے ضروری کارروائی عمل میں آئی جو حسب ذیل ہے:

(کارروائی مجلس نظامت منعقدہ ۲۶ر رمضان المبارک سنہ ۱۴۲۰ھ)

آپ کے لئے یہ بات باعث اطمینان ہوگی کہ اس حادثہ کے بعد انتظامی امور میں کوئی خلل نہیں پڑا۔ دار العلوم اپنے وقت پر ۸ر شوال کو کھل گیا نئے طلبہ کے داخلے ہوئے اور تعلیم ہر سال کی طرح

پورے نظم وضبط کے ساتھ شروع ہوگئی

گذشتہ سال سے یہ محسوس کیا گیا تھا کہ دارالعلوم کی موجودہ عمارت اور دارالاقامہ طلبہ کے لئے ناکافی ہیں اس لئے ابتدائی مدرسہ کو مکارم نگر کی ایک عمارت میں اور ثانوی درجات میں سے ابتدائی درجات کو سکروری میں عارضی کمرے بناکر منتقل کیا جاچکا تھا۔ اب اس کی مستقل عمارت زیرتعمیر ہے جوانشاء اللہ اسی سال مکمل ہوجائے گی۔

اس وقت دارالعلوم میں دوہزار دوسو تراسی طلبہ ہیں شہر کے مکاتب میں دوہزار تین سو، کل طلبہ کی تعداد ۴۵۸۳ ہے، اساتذہ جو دارالعلوم میں قائم درجات میں تعلیم دیتے ہیں ان کی تعداد ۱۲۹ ہے، اور شہر کے مکاتیب میں پڑھانے والوں کی تعداد ۱۳۳ ہے، غیر اکیڈمی اسٹاف اس کے علاوہ ہیں جن کی تعداد ۲۷۱ ہے، ندوہ کی ملک میں ۳۷۱ شاخیں ہیں جہاں ندوہ کا مکمل نصاب پڑھایا جاتا ہے متعدد مدارس میں عالمیت تک کی مکمل تعلیم ہوتی ہے وہاں سے فارغ ہوکر طلبہ فضیلت اور تخصص میں آکر داخلہ لیتے ہیں۔ دیگر مدارس کے فارغ التحصیل طلبہ عالمیت کے تیسرے سال میں داخلہ لیتے ہیں۔ اور عالمیت مکمل کرنے کے بعد ادب اور شریعہ کے آخری درجوں میں شریک ہوجاتے ہیں۔

چونکہ دارالعلوم میں ہر درجہ کے متعدد سیکشن ہیں، اور ایک ایک کتاب چار اور پانچ سیکشنوں میں پڑھائی جاتی ہے اس لئے درسگاہ کی عمارت ناکافی ہے، اور طلبہ کی بڑھتی ہوئی تعداد کو دیکھتے ہوئے دارالاقامہ کی بھی ضرورت ہے، دارالعلوم کے احاطے میں یوں تو پانچ ہال ہیں مگر کوئی ہال ایسا نہیں جو تمام طلبہ کو سمیٹ سکے طلبہ ہال سے باہر گیلریوں میں اور میدان میں میکروفون سے اہم خطبات سنتے ہیں خرچ آمدنی سے زائد ہے اور حکومت نے بعض وقف کی عمارتوں پر بھاری ٹیکس لگادیئے ہیں، جن میں کچھ ہمارے اہم ارکانِ مجلس کی کوششوں سے کمی ہوئی ہے مگر جتنی رقم ادا کرنا فوری طور پر ضروری ہے وہ بھی بہت بھاری ہے، تفصیلات حسابات میں موجود ہے۔

حضراتِ ارکین محترم!

آپ سے گذارش ہے کہ ادارہ کے ساتھ آپ کی ہمدردی اور تعاون کا تعلق جو حضرت مولاناؒ کے عہد مبارک میں تھا اس کو باقی رکھیں، بلکہ ہم اس سے زیادہ توجہات کے مستحق ہیں کیونکہ عام اپیلیں جو حضرتؒ کی طرف سے شائع ہوا کرتی تھیں ان کا خاصہ وزن تھا۔ اب ہم اس نعمت سے محروم ہیں، آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس ادارہ سے اپنے دین کی خدمت لیتا رہے اور دین ہی کے لئے اس کو پروان چڑھائے۔

(بقیہ) روح کے تاروں کو چھیڑ دیا

اور لسانی پس منظر رکھنے کے باوجود ایک امت ہیں یہ وسعت اور ہمہ گیری اس تصور کے برعکس ہے جو اسلام لانے سے پہلے میں رکھتا تھا اور اسلام کو محض چند رسموں تک ہی محدود خیال کرتا تھا۔ اب معاملہ قطعاً مختلف ہے اور میں اس قابل ہوں کہ اسلام کی ہمہ گیری کا ادراک کر سکوں، ایک ایسے دین کا جو تمام وقتوں کے تمام لوگوں کے لئے ہے اور میری طرح اسلام لانے والوں (جنھوں نے اسلام کا انتخاب ترجیحاً کیا ہے) کے خیال میں موجودہ دور اسلام کی ترغیب دلانے اور اسلام کے لحاظ سے ولولہ انگیز ہے۔

(بقیہ) تعلیم کے بغیر انسان

قائم ہے۔ صلاحیت پیدا کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ایک اچھے باصلاحیت، قابل، ماہر عالم دین بن سکو۔ بڑے ہونے پر احساس ہوگا کہ ہمیں پڑھنے کی کیوں ضرورت ہے زندگی کے میدان میں جب قدم رکھو گے تب صلاحیت کا فائدہ ملے گا۔

علم ومشق دونوں ضروری ہیں علم کتابوں سے آئیگا اور صلاحیت مشق سے پیدا ہوتی ہے آپس میں مسابقت کا جذبہ بھی ہونا چاہیئے اگر مقابلہ کی فکر ہوگی تو ہر شخص محنت کرے گا اور کوئی بھی کوتاہی نہ کرے گا۔ ہر جلسہ میں شریک ہوں جو کمی آپ کریں گے اس کا نقصان آپ کو ہی ہوگا۔ اپنے اساتذہ سے خوب فائدہ اٹھائیں۔ جلسوں سے فائدہ اٹھائیں صرف تمنا و آرزو سے کچھ نہیں ہوگا۔ بلکہ محنت کرنی پڑے گی۔ اللہ تمہیں محنت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان باتوں سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی توفیق دے ہمیں امید ہے کہ انشاء اللہ ان باتوں سے آپ لوگوں کو فائدہ پہونچے گا۔

اسلامی تعلیمات نے میری روح کے تاروں کو چھیڑ دیا

نومسلم گریک نوح کے ایمان افروز تاثرات

جناب طارق انیسؒ

چھوٹی بڑی ہزاروں وجوہ ہیں جو میرے اسلام لانے کا باعث بنیں ان میں سے نمایاں ترین یہ ہیں کہ اسلام کے یوم حساب کا نظریہ تھا جس نے میری روح کے تاروں کو چھیڑ دیا کہ ہر مرد اور عورت اپنے اعمال کے لئے ایک انتہائی عادل اور رحیم ذات کے سامنے جواب دہ ہے، دوسری یہ کہ تثلیث کی بھول بھلیاں مجھے کبھی بھی مطمئن نہ کر سکیں، اور تیسری وجہ یہ کہ قرآن حکیم کا ہر قسم کی تحریف سے محفوظ ہونا کہ جس طرح یہ صدیوں پہلے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مطہرہ سے انسانیت کو موصول ہوا آج بھی اسی خالص حالت میں محفوظ ہے اور عربی زبان میں جو آج بھی اسی طرح زندہ اور مروج ہے جیسا کہ پیغمبر اسلام کے زمانہ میں تھی، جبکہ بائبل تحریف شدہ ہے، میرے خیال میں موجودہ دور اسلام کی ترغیب دلانے اور اسلام کے لحاظ سے ولولہ انگیز دور ہے۔

میں گریک نوح (GREG NAAKS) نورٹ ورتھ ٹیکساس کے ایک پروٹسٹنٹ (عیسائی) گھرانے میں پیدا ہوا اور پلا بڑھا ایک عیسائی بچے کی حیثیت سے چرچ میرے لئے اخلاقی اقدار و رہنمائی کا ایک اہم ذریعہ تھا اور ایک کسوٹی تھی جو صحیح کو غلط اور اچھائی کو برائی سے الگ کرکے دکھاتی تھی جس عیسائی فرقے سے میرا تعلق تھا وہ معقول حد تک آزاد خیال تھا۔ تاہم چرچ میری ذہنی یا سماجی سرگرمیوں کا لازمی جزو نہ تھا۔ شاید یہ اس لئے بھی میری دلچسپی کا مرکز نہ تھا کہ اس میں جو کچھ اتوار کو بتایا جاتا، اس کا باقی ہفتے یعنی عملی روزمرہ زندگی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا۔

کالج جانے کا وقت آیا تو میں نے ورجینا یونیورسٹی کا انتخاب کیا۔ یونیورسٹی کا شعبہ تعمیرات و ڈیزائن جس میں میرا داخلہ ہوا کئی طرح کے معاشرتی علوم اور بیرونی زبانوں کے کورسز بھی کرواتے تھے۔ تاریخ میرے لئے ہمیشہ سے پسندیدہ موضوع رہا ہے، اس لئے اس موضوع پر کورسوں کی فہرست کا جائزہ لے کر میں نے شرق اوسط کی تاریخ پر تعارفی کورس کرنے کی ٹھانی کالج میں داخلے کے وقت عرب اور مسلم دنیا کے بارے میں میری معلومات نہ ہونے کے برابر تھیں۔ مزید برآں یونیورسٹی اور مذکورہ علاقے کے درمیان طویل فاصلہ حائل تھا پھر بھی مجھے خیال آیا کہ یہ کورس میرے لئے مفید ثابت ہوگا۔ میں نے دوران تعلیم ... میں فرانسیسی زبان پڑھی تھی اور اب تبدیلی کا خواہشمند تھا۔ چنانچہ میں نے عربی زبان کا کورس بھی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ یوں عربی زبان کی صورت میں ایک واضح تبدیلی میسر آگئی اس طرح دن گزرنے شروع ہوگئے حتیٰ کہ شرق اوسط میں میری دلچسپی فن تعمیر سے بھی زیادہ ہوگئی اور ایک سال بعد یہ عالم ہوگیا کہ میں اپنے شعبے کو چھوڑ کر شعبۂ تاریخ میں منتقل ہوگیا جہاں اب میرے کورس اور تحقیق کا محور عرب دنیا بن گئی۔ بعد ازاں میں گریجویٹ اسکول چلا گیا اور شرق اوسط کے علوم میں داخلہ لے لیا جس میں شمالی افریقہ کا وسیع علاقہ بھی شامل تھا۔ واشنگٹن پورٹ میں میرے نیوز ایڈیٹرشپ کے بعد سے لیکر گریجویشن تک شرق اوسط کے حالات و واقعات کا مطالعہ جاری رہا۔

ان چند کورسوں اور ان کو پڑھانے والے پروفیسروں نے درحقیقت میری زندگی کا رخ ہی بدل ڈالا اس پر مستزاد یہ کہ اسلامی تعلیمات کے متعلق کلاسیں پڑھنے اور مختلف کتابوں کا مطالعہ کرنے کو کہا گیا یوں پہلے جو کچھ محض کورس کا نصاب تھا، بتدریج میری ذات کے لئے ایک اور طرح سے اہمیت اختیار کرتا چلا گیا اور جوں جوں اسلام سے متعلق میرا مطالعہ وسیع ہوتا گیا، اسی تناسب سے اسلام میرے لئے دلچسپ ہوتا چلا گیا۔

کوئی تین سال کے مطالعے، جستجو اور غور و خوض کے بعد میں نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کیا، ایک دم سے نہیں، بلکہ میں نے خود سے کہا کہ فیصلے سے پہلے خوب سوچ لو کہ اسلام قبول کرنے سے مراد کیا ہے اور ساتھ ہی عقیدہ کے علاوہ اسلا

لی پہلوؤں پر بھی غور کر لو جس کے متعلق ابھی تک
کافی علم نہیں تھا، مجھ پر یہ بھی واضح ہو گیا کہ کلمۂ
ادت میری زندگی کا اہم ترین واقعہ ہوگا چنانچہ
اپنی لگن اور اہلیت کا یقین کر لینا چاہتا تھا تاکہ
ی اس عہد کو نبھا سکوں جسے ایمان لانے کی
رت میں کرنے والا تھا بالآخر ۱۹۸۹ء کے موسم
یں میں نے کلمۂ شہادت پڑھ لیا۔ یہ سوال کہ
مسلمان کیوں ہوا، اکثر مسلمانوں اور غیر مسلموں
گفتگو کے دوران مجھ سے کیا جاتا ہے' یہ بات
لے شدہ ہے کہ اس سوال کے جواب میں اسلام
خوبیوں کی ایک مشینی انداز میں فہرست گنوانا،
لام کی خوبصورتی اور دلکشی گھٹانے کے مترادف
ہے کیوں کہ چھوٹی بڑی ہزاروں وجوہ ہیں جو
رے اسلام لانے کا باعث بنیں۔
م تین نمایاں ترین باتیں یہ ہیں:
یہ اسلام کے یوم حساب کا نظریہ تھا جس
میری روح کے تاروں کو چھیڑ دیا کہ ہر مرد اور
رت اپنے اعمال کے لئے ایک انتہائی عادل
ر رحیم ذات کے سامنے جوابدہ ہے، میں سمجھتا ہوں
ایسا عدل جس میں رحمت کا پہلو بھی موجود ہو
ں کائنات کی سب سے قیمتی شئے ہے، ہمیں غلط
ر صحیح میں امتیاز کر کے اس کے مطابق عمل کرنے
نہ کرنے کا اختیار اور اہلیت دی گئی ہے' ہمارے
ام اعمال اور ارادے کسی نہ کسی مقصد کے حامل ہوتے
ں بے مقصد نہیں ہوتے۔ اسلام کے مطابق
ن کے اچھے یا برے نتائج کا سامنا انسان کو
رنا پڑے گا۔

میں نے اسلام اور عیسائیت کی اخلاقی اقدار
ں کافی حد تک مماثلت پائی اور اسلام نے مذہب سے
علق کئی ایک سوالوں کے تسلی بخش جواب فراہم
ر دیئے جن کا جواب عیسائی کے بس کی بات نہیں
ی مثلاً توحید باری تعالیٰ نہ کہ تثلیث کی بھول بھلیاں

جو کبھی بھی اطمینان بخش طریقے سے خود کو مجھ پر
واضح نہ کر سکیں، جو محض الفاظ کا گورکھ دھندہ ہیں۔
ایک اور نہایت اہم بات یہ کہ ہر مسلمان
بغیر کسی پادری وغیرہ کے درمیانی سہارے کے' اللہ
تک رسائی رکھتا ہے اور آخری بات قرآن حکیم کا ہر
قسم کی تحریف سے محفوظ ہونا ہے کہ جس طرح یہ صدیوں
پہلے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مطہرہ سے انسانیت
کو موصول ہوا، آج بھی اسی خالص حالت میں محفوظ
ہے اور عربی زبان میں ہے جو کہ اسی طرح زندہ اور
مروج ہے جیسا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے وقتوں
میں تھی۔

اس کے برعکس عیسیٰ علیہ السلام آرامی زبان میں
بولتے تھے لیکن بائبل یونانی زبان میں لکھی گئی پھر
لاطینی زبان اور بعد میں انگریزی، فرانسیسی، اسپینی، جرمنی
اور دیگر زبان میں اس کا ترجمہ ہوا۔ مگر اس کی اپنی زبان
محفوظ نہیں ہے، جو کہ قرآن کے مقابلے میں پیش
کی جاسکے، دو مختلف زبانیں جاننے والا شخص
جس نے کبھی ایک سے دوسری زبان میں ترجمہ کیا
ہو جانتا ہے کہ اس ترجمے کے دوران میں کچھ نہ کچھ
ضرور ترجمہ ہونے سے رہ جاتا ہے مزید برآں جن معنوں
کی معنوں میں ترجمہ شدہ بائبل کے کسی اقتباس
کا حوالہ دیکر قطعیت کے ساتھ کہا جائے کہ یہ
عیسیٰ یا ابراہیم علیہ السلام کے الفاظ یا تعلیمات
ہیں؟ اس کے برعکس مسلمان اپنے اللہ کے فرامین
تک براہِ راست رسائی رکھتے ہیں اور اس طرح
اپنے خالق کی منشا کی خالص ترین شکل میں پیروی
کر سکتے ہیں۔

بات صرف اتنی نہ تھی کہ مجھے مذہب کی اہمیت
کا احساس ہو گیا تھا۔ اور اسلام مسلمانوں' جن سے
متعلق پہلے کچھ علم نہ تھا معلومات حاصل ہو گئی تھیں
بلکہ اہم بات یہ تھی کہ انسانی زندگی کی اہم ترین ضرورت
جسے ایمان کہتے ہیں، سے میرا اولین تعارف اب ہوا تھا۔

میں نے مزید کرید اور مسلمانوں اور غیر مسلموں کی لکھی ہوئی
کتب زیر مطالعہ آئیں' الغرض میں نے اس تناظر
میں جتنا ممکن تھا کوشش کی۔ اس سلسلے میں
کیمپس میں موجود مسلمان طالب علموں سے بھی جا جا کر ملا۔
مگر جس چیز نے واقعی میری توجہ کو گرفت میں لیا
وہ چند لکھنے والوں کی تحریریں تھیں جن میں خاص
طور پر چارلس لیگائے ایٹنز کی معرکۃ الآرا تحریر
"اسلام اور تقدیر انسانی" فضل الرحمٰن کی' ایمان
سے متعلق تجزیاتی تحریر جو" اسلام" کے سادہ سے
ٹائٹل میں طبع ہوئی غیر مسلموں میں سے مارشل ہو
جس کی تین جلدوں پر مشتمل شامل ہیں، میں بعض اوقات
آج بھی اپنے آپ کو کتابی مسلمان کہتا ہوں کیونکہ
میں نے جستجو کے ذریعہ سے جانا کہ اسلام وہ دین ہے
جس میں ایسی اخلاقی تعلیمات کا پرچار ہے جو ان
تعلیمات کے قریب تر ہیں جو مجھے میرے والدین نے
دیں، یعنی اللہ پر ایمان، تکریم انسانیت، صداقت'
حسن خلق، غمگساری اور خودداری وغیرہ لیکن جو چیز
اسلام کو ایک آفاقی مذہب بنا دیتی ہے وہ اس کا
واضح اور بھرپور نظام حیات ہے جس میں تمام اعلیٰ
اقدار آپس میں گندھی ہوئی اور مربوط ہیں۔ بظاہر
اسلامی تعلیمات سادہ اور آسان مگر درحقیقت
نہایت پر مغز اور ارفع درجے کی ہیں "لَآ اِلٰـهَ
اِلَّا اللّٰه" یوں تو چند الفاظ ہیں جو زبان سے تین
سیکنڈ میں ادا ہو جاتے ہیں مگر ایک انسان اس
کی حقیقت کو پانے میں زندگی کھپا سکتا ہے۔
جب سے میں مسلمان ہوا ہوں' میرے علم میں
وسعت آئی ہے اور معلوم ہوا ہے کہ ایمان کس چیز
کا نام ہے حالانکہ میں ابھی اسلام کی ہمہ گیر تعلیمات
کا محض اجمالی مطالعہ کر سکا ہوں، نیز میں دنیا
بھر میں پھیلی ہوئی مسلم امت کے ہمہ جہتی پہلوؤں
اور مسلمانوں کے مختلف نظریات و آراء سے بھی
متاثر ہوا ہوں جو متنوع۔ جغرافیائی، نسلی

(باقی صـ۱۱ پر)

جب مانگنے کا ڈھنگ دینے والا بتائے

● مولانا عبد اللہ عباس ندوی

(دوسری و آخری قسط)

آدابِ دُعا اور قبولیتِ دُعا کا ایک منظر

اسی طرح کا تأثر سورۂ مریم کی ابتدائی آیات کی تلاوت کے وقت ہوتا ہے جس کی ہر آیت ذوق و وجدان کے لئے آیت سجدہ کا حکم رکھتی ہے ایک طرف بندگی و بے چارگی کی تصویر سامنے آتی ہے، دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی رحمت و رأفت کا پورا یقین بیدار ہوتا ہے ایسا یقین کہ جس سے دل و دماغ کی باریک سے باریک رگیں بھی سرشار ہوتی ہیں، مانگنے میں اگر اپنی ہمت اور بشریت کے حدود اور خدا کے قانون تکوینی کو سامنے رکھ کر، اور دینے والا وہ نعمت عطا کرتا ہے جس کا حوصلہ مانگنے والا نہیں کر سکتا تھا۔

حروفِ مقطعات کے بعد ارشاد ہوتا ہے، ذِكْرُ رَحْمَةِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا (یہ تذکرہ ہے آپ کے پروردگار کی مہربانی فرمانے کا اپنے بندہ زکریا پر) اس کے بعد حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کے الفاظ ہیں اور اس سے پہلے دعا کی کیفیت کا ذکر ہے کہ کس انداز سے انھوں نے دعا شروع کی بہت دھیمے لہجے میں اپنے خالق سے ہم کلام ہوتے ہیں۔ (اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا) یہاں لفظ رب کی تکرار بھی روح میں اہتزاز اور جسم میں کپکپی پیدا کرتا ہے۔ عربی داں حضرات واقف ہیں کہ رب میں ب کے نیچے (کسرہ) یائے متکلم کا قائم مقام ہے یعنی اے میرے رب اللہ تعالیٰ کے اور صفتی نام بھی ہیں اے میرے خالق، میرے مالک، میرے رازق، اور اسی طرح کے کسی دوسرے لفظ سے اپنے مالک کو پکار سکتے تھے، مگر رب میں بڑی جامعیت ہے یعنی جس کو خود میری پرورش کا خیال ہے، میری ضروریات کا علم ہے میری حاجت روائی جس کی عادت ہے فرماتے ہیں :

میری ہڈیاں اندر اندر سے گھل چکی ہیں، وھن کہتے ہیں۔ اس چیز کے کمزور ہو جانے کو جس میں پہلے قوت رہی ہو، جیسے مضبوط لکڑی (جس سے شہتیر بنائی جاتی ہے) میں گھن لگ جائے اور پھسپھسی ہو جائے، یا پتھر مٹی کے ڈھیلے کی طرح نرم ہو جائے یا لوہے کی سلاخ زمین میں عرصۂ دراز تک دبی رہنے کے بعد زنگ لگ کر اپنی قوت کھو بیٹھے اسی طرح ایک قوی انسان کی ہڈیاں جب طول عمر کی وجہ سے کمزور پڑ جائیں اور ان میں صلابت نہ رہے۔

فرمایا اے میرے پروردگار میری ہڈیاں کمزور ہو چکی ہیں، اور سر کے بال بڑھاپے کی آگ سے شعلہ بن چکے ہیں، ابتدائے عمر سے اب تک یعنی اس عمر تک پہونچنے کے عرصہ میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے تجھ سے کچھ مانگا ہو۔ اور خالی ہاتھ محروم رہا ہوں، یہ یقین کہ ہم تجھ سے کبھی مانگ کے محروم ہی نہیں رہیں گے، بتایا جا رہا ہے کہ اب جو دعا کرنے جا رہے ہیں اس کو بھی قبولیت کا شرف حاصل ہوگا، اس عاجزی و تذلل اور خدائے رحمن و رحیم کی عطا و بخشش پر یقین کے اظہار کے بعد دعا یہ کرتے ہیں کہ مجھ کو اپنے افراد خاندان سے اندیشہ ہے کہ وہ ہدایت و نبوت کی دولت جو میرے گھرانے کو عطا فرمائی گئی ہے وہ لوگ اس کو جاری نہیں رکھ سکیں گے۔ اس لئے ایک وارث عطا کر دیجئے جو اس خاندانی دولت (ایمان و عمل، دعوت و عزیمت) کی حفاظت کرے اور میرے باپ دادا سے جو نعمت چلی آرہی ہے اس کا نگراں ہو اور اس کو قائم رکھے، اور چونکہ میں خود کافی بوڑھا ہو چکا ہوں اور بیوی بھی بانجھ ہے اس لئے کسی کو بھی منتخب کر دیجئے، جو کار فرزندی انجام دے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے سنت الٰہی اور قانون تکوینی کے خلاف کوئی دعا نہیں کہ مجھے ایک لڑکا میری پشت سے دیدے، بلکہ وہ اپنے بشری حوصلہ کے مطابق صرف ایک متبنٰی کی تمنا کر رہے تھے جس کو اللہ اپنا پسندیدہ بنا لے۔ "واجعلہ رب رضیا"

قبولیتِ دعا اس طرح ہوتی ہے کہ عقل انسانی حیران رہ جاتی ہے۔ "اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ﹰاسْمُهٗ يَحْيٰى" ہم آپ کو صُلب سے ایک لڑکا دینے کی خوشخبری دیتے ہیں، اس کا نام یحییٰ ہوگا۔

مانگنے والے نے مانگا اپنے حوصلہ بشری کے مطابق، مگر دینے والے نے دیا اپنی قدرت عظمت کے مطابق، حضرت زکریا علیہ السلام پیغمبر تھے مگر پھر بھی انسان ہی تو تھے، وہ کیونکر ایسی بات طلب کر سکتے تھے، جو سنتِ الٰہی کے مطابق نہ ہو، اس عمر میں اور بانجھ عورت کے بطن سے اولاد طلب کرنا تو ایسا ہی تھا جیسے کوئی دعا کرتا کہ آفتاب کا رُخ مشرق سے مغرب کی طرف کر دے۔ رات کو دن کر دے، لہٰذا وہ

ت کو سُن کر چونک پڑتے ہیں اور کہتے
میرے رب ایسا کیونکر ہوگا، میری
بانجھ، اور میں عمر کی انتہا تک پہونچ چکا
مجھے اولاد کیسے ہوگی؟؟

فرمایا (فرشتہ کی زبان سے) مگر آپ کے
کا یہی فیصلہ ہے، اور اس کے لئے یہ بہت
ن ہے، اور سمجھنا چاہو تو اس کو یوں غور کرو
تم کو عدم سے وجود میں وہ کیسے لایا۔

اب پھر فطرتِ بشری سامنے آتی ہے کہ
کائنات میں اللہ تعالیٰ نے جو بھی پیدا کیا ہے
ے لئے ایک بہانہ حیلہ لگادیا ہے، جس کو
ی علت کہتے ہیں، علت و معلول، سبب و
ب، عمل اور نتیجہ یہ بھی تو قانونِ فطرت ہے
لق فطرت نے بنایا ہے، لہٰذا کوئی حیلہ پردہ
۔ فرمایا "نشانی یا علامت یہ ہے کہ آپ تین
کسی سے باتیں نہ کریں "صوم سکوت" فرمائیں
اتا ہے کہ اس زمانہ میں صوم میں سکوت بھی
تھا، بہرحال یہ روزے ایسے تھے جن سے
نے اندازہ لگایا کہ ایک خاص الخاص آسمانی
مین پر ظاہر ہونے والا ہے، ایک پیر
ت کی پشت اور بانجھ کے بطن سے ایک
ر آئے گا۔

قرآن کا اعجازی اسلوبِ بلاغت یہ ہے
بان کی وہ کڑیاں جو ہر شخص اپنی ظاہری بینائی
دیکھ اور معمولی عقل سے سمجھ سکتا ہے، اس کو
نہیں کرتا، انجیل میں تفصیل اس لئے ہے
شارحین کے اقوال متن میں داخل کر دیئے
یں کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی حرم محترم
ہوئیں، اور مدت مقررہ گزرنے کے بعد
طور پر ولادت ہوئی۔ قرآن نے ان سب
ں کو چھوڑ دیا ہے، صرف وہی بات بیان
ہے جو اس معجزہ تخلیق یحییٰؑ سے تعلق رکھتی

تھی اور آگے کی آیت میں حضرت یحییٰ کو ان الفاظ میں مخاطب کیا جاتا ہے:۔

یَا یَحْیٰی خُذِ الْکِتَابَ بِقُوَّۃٍ وَّاٰتَیْنَاہُ الْحُکْمَ صَبِیًّا وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَکٰوۃً وَّکَانَ تَقِیًّا ہ وَّبَرًّا بِوَالِدَیْہِ وَلَمْ یَکُنْ جَبَّارًا عَصِیًّا ہ وَسَلٰمٌ عَلَیْہِ یَوْمَ وُلِدَ وَیَوْمَ یَمُوْتُ وَیَوْمَ یُبْعَثُ حَیًّا ہ

اے یحییٰ! کتاب کو مضبوطی سے پکڑ لو، اور ہم نے ان کو بچپن ہی میں دین کی سمجھ (حکم) عطا فرمائی، اور خاص اپنے پاس رقت قلب اور پاکیزگی اخلاق عطا فرمائی، اور وہ بڑے پرہیزگار نکلے، اپنے والدین کے خدمت گزار تھے، اور (خلق کے ساتھ) سرکشی کرنے والے نہیں تھے، اور نہ حق کی نافرمانی کرنے والے تھے، اللہ کا ان کو سلام پہنچے، جب وہ پیدا ہوئے اور جس دن انتقال کریں گے اور جب (قیامت میں) اٹھائے جائیں گے۔

قرآنی دعاؤں کی ایک قسم اور ہے جہاں صرف بیانیہ یا اخباریہ اسلوب ہے مگر وہ بھی دعا کا ڈھنگ سکھاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کس طرح پکارو۔ مثلاً۔

قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ، تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّھَارِ وَتُوْلِجُ النَّھَارَ فِی الَّیْلِ وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ہ

آپ کہہ دیجئے اے سارے ملکوں کے مالک تو جسے چاہے حکومت دے دے اور تو جس سے چاہے حکومت چھین لے اور تو جسے چاہے عزت دے اور تو جسے چاہے ذلت دے، تیرے ہی ہاتھ میں بھلائی ہے، بے شک تو ہی ہر چیز پر قادر ہے، تو رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور رات میں دن کو داخل کرتا ہے اور تو بے جان سے جاندار کو نکالتا ہے۔ اور تو جاندار سے بے جان کو نکالتا ہے اور تو جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں سارے جہاں کی املاک اور بادشاہتوں کے مالک کو پکارنے کا حکم دیا گیا ہے۔ الملک میں الف لام جنس کا ہے یعنی جہاں بھی اور جو بھی ملک (حکمرانی) ہے وہ اللہ کی ملکیت ہے، بادشاہتیں دینا اور بادشاہتیں چھین لینا صرف اللہ کا کام ہے، تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ اسی طرح عزت دے کر نوازنا اور ذلت دے کر رسوا کرنا بھی تیرا ہی کام ہے۔ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط، یہاں پر اللہ کو اس صفت سے پکارنے والا بھی طمع کرے تو بے محل نہیں ہوگا۔ کہ اتنی بڑی حکمرانی رکھنے والا ان آیات کی تاویلات کرنے والے کو اپنی نعمت سے سرفراز کرے۔

یہ وہم ہو سکتا تھا کہ ایسی دولت و بادشاہت تو دنیا والوں کو بھی ملی ہے کتنے بادشاہ ایسے گزرے ہیں جو کسی پر مہربان ہوتے تھے تو جاگیریں اور جائیدادیں دے دیا کرتے تھے اور اب بھی دنیا کی "سپر پاور" جن کو کہا جاتا ہے ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے، کہ کسی ملک میں بغاوت کرا دیں، صدر جمہوریہ یا بادشاہ صاحب کو کسی سے لڑا کر ان کو جلاوطن کرا دیں اور مخالف پارٹی کو حکومت کے سپرد کر دیں، اس لئے اس کے بعد جو آیت کا جزء آرہا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا وہ پہلو بتایا گیا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی حکمرانی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّھَارِ وَتُوْلِجُ النَّھَارَ فِی الَّیْلِ تُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ تُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ ط

رات کے اجزاء کو تو دن میں داخل کر دیتا ہے۔

اور دن کے اجزا کو رات میں، جاندار کو بے جان سے نکال لیتے ہیں (جیسے بیضہ سے بچہ) اور بے جان سے جاندار نکال لیتے ہیں۔ (جیسے پرندہ سے بیضہ) یا بے جان نطفہ سے انسان اور انسان کو مار کر بے جان کر دیتے ہیں)

اس قدرت کاملہ کا اظہار و اقرار کرکے پھر لوٹتا ہے اور کہتا ہے:-

وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

اور تو جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔

یہ کہکر مانگنے والا خاموش ہو جاتا ہے جس کا مطلب عام شخص بھی سمجھ سکتا ہے چہ جائیکہ جو ذات دلوں کی دھڑکنوں اور پلکوں کی حرکت، اور فکر و خیال میں آنے والے تصورات کا بھی علم کامل رکھتی ہو لہٰذا یہ بھی دعا کا ایک قرآنی اسلوب ہے، اسی طرح سورۂ بقرہ کی آیت الکرسی میں اللہ کی عظمت و جلال کا اظہار ان الفاظ میں کیا گیا ہے بے ساختہ حی و قیوم کی صفت رکھنے والی ذات جس کا علم ہر کہہ و مہ پر محیط ہے، جس کا اقتدار اعلیٰ (کرسی) زمین و آسمان کو اپنے احاطہ میں لیئے ہوئے ہے جس کے بغیر اشارہ کے کوئی شفاعت و سفارش کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا کیونکہ سفارش اس لئے کی جاتی ہے جو یا تو سائل کے حال سے ناواقف ہو یا اس کی صدا براہ راست نہ سن سکتا ہو۔ یہ دونوں باتیں اللہ تعالیٰ کے سلسلہ میں نہیں کہی جا سکتی ہے کیوں کہ وہ

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۝

وہ جانتا ہے ان کے (یعنی بندوں کے جن کی سفارش کی جائے) تمام حاضر و غائب اور وہ موجودات اس کی معلومات میں کسی چیز کو اپنے احاطہ علمی میں نہیں لا سکے۔ مگر جس قدر (علم دینا) وہی چاہے۔

غرض یہ اللہ اپنے بندے کے تمام حاضر و غائب سے واقف اور اس کا علم سب پر محیط ہے اس سے کون بغیر اس کے حکم کے سفارش کر سکتا ہے، لہٰذا بندہ خود سراپا سوال اس کے در پر سجدہ ریز ہوتا ہے کہ وہ سمیع و علیم ہے اس کی مشکل حل کر سکتا ہے۔ اس جہان میں بھی اور آخرت میں بھی۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِينَ اٰمَنُوا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّورِ، وَالَّذِينَ كَفَرُوا اَوْلِيَآؤُهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُمْ مِّنَ النُّورِ اِلَى الظُّلُمَاتِ۔

اللہ تعالیٰ ساتھی ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے ان تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے اور کفار کے ساتھی شیاطین ہیں (انسانوں میں ہوں یا جنات ہیں) وہ ان کو روشنی سے نکال کر تاریکیوں میں لے جاتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ۝

ایسے لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

ولی کا ترجمہ ساتھی، سرپرست، پشت پناہ جو چاہے کر لیجئے۔ اس نام کے سنتے ہی بندہ کی آس بندھ جاتی ہے کہ اس جہاں میں میرا کارساز وہی ہے، پھر تنبیہ بھی کرائی گئی کہ اس کی پشت پناہی یا سرپرستی حاصل کرنے کے لئے ایمان ضروری ہے، اور ایمان ہی نور ہے کفر کی ہزاروں قسمیں ہیں، سب تاریکیاں ہیں شیطان انس و جن سب کی خواہش ہے کہ اللہ کے بندے کو نور اسلام سے نکال کر ظلمت و کفر میں داخل کر دیں جس کی سزا ہمیشہ ہمیش دوزخ ہے۔

اس آیت میں دعا کا ایک ایسا اسلوب ہے جس میں شرط قبولیت بھی بتا دی گئی ہے۔

> قرآنِ کریم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ، دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کیلئے شائع کیجاتی ہیں ان کا احترام آپ پر فرض ہے، لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں انکو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

اسلام مکمل نظام حیات

تحریر: مولانا سید محمد الحسنی رحمۃ اللہ علیہ — ترجمہ: محمد شعیب ندوی پرتاپگڈھی

اسلام ایک ایسی وحدت ہے جو بیک وقت اپنے اصل و جوہر، روح و مزاج میں یکسانیت کے ساتھ ساتھ مختلف قوانین و ضوابط اور بے نظیر اصولوں کا بھی جامع ہے، وہ مسجدوں میں عبادت و ریاضت، معاشرتی زندگی میں جد وجہد سے لے کر میدان کارزار میں جہاد و قربانی تک وسیع ہے وہ اگر ایک طرف ایمان و یقین میں کمال و پختگی کا داعی ہے تو دوسری طرف اسلامی قوانین کو لازمی جزو کی حیثیت دیتا ہے، اس میں کبھی جذبہ و حمیت کی ضرورت پڑتی ہے تو کبھی فہم و فراست فکر و تدبر کی، وہ عبادات و معاملات، ایثار و قربانی، ثبات و استقامت کے حسین امتزاج کے ساتھ انفرادی و اجتماعی، سیاسی و معاشرتی زندگی کے ایسے زریں اصول و قوانین کا حامل ہے کہ اسی کے زیر سایہ ہی فلاح و کامیابی یقینی ہے لیکن ان سب کا منبع و سرچشمہ صرف اسلام و ایمان اور طاعت و بندگی کا جذبہ خیر ہے۔

اسلام اور اس کے احکام کی مثال ایک ایسے سدا بہار اور وسیع باغ کی ہے جو طرح طرح کے پھولوں سے آراستہ اور خوشبوؤں سے معطر، قسم قسم کے پھلوں اور میووں سے لدا ہوا ہو اور ایک آدمی اس میں عمدہ سے عمدہ خوبصورت و دیدہ زیب اور جاذب نظر گلوں اور غنچوں سے اس تصور میں گزرتا چلا جاتا ہے کہ ہر حصہ اسی باغ کا ایک جزء ہے۔ یہی حال اسلام کا ہے کہ اس کا ہر رکن اور اس کا ہر حکم و قانون اسی شجر طوبیٰ کا ثمر اور اسی چمن کا گل سر سبد ہے۔ جہاں ہر انسان نہایت امن و سکون پیار و محبت، ایثار و ہمدردی کی زندگی اس طرح بسر کرتا ہے کہ "المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ" کی تصویر نگاہوں میں پھر جاتی ہے جہاں پورے خاندان میں "کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ" کا احساس بیدار رہتا ہے اور معاشرہ میں اخوت و بھائی چارگی، الفت و محبت کی فضا اس طرح چھائی رہتی ہے کہ قلوب بغض و حسد، کینہ و کدورت کی نجاستوں سے پاک اور منکرات و سیئات سے دور ہو کر ہر فرد بشر "من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ" اور "من أحب للہ فقد استکمل الایمان" اور "انصر أخاک ظالما أو مظلوما" کا مصداق قرار پاتا ہے۔

الغرض اسلام ایک ایسا عالی شان محل ہے جس کی ہر اینٹ مناسب جگہ پر رکھی ہے اور ایک ایسے مکمل نظام حیات کی تشکیل کرتا ہے جو نہ صرف انسانی ضروریات و تقاضوں کی تکمیل کا ضامن و کفیل ہے بلکہ نور ہدایت سے سرفراز کرتا ہے اسلام خدا کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کا سب سے اعلیٰ اور بہترین ذریعہ ہے یہی وجہ ہے کہ وہ انسانی نظریات افراط و تفریط سے بالکل پاک و صاف ہے اس کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ وہ کثرتوں میں وحدت ہے اس میں زندگی کے ہر چھوٹے بڑے معاملہ کا حل اور ہر انسانی طبقہ خواہ مرد ہو یا عورت بوڑھا ہو یا جوان، جاہل ہو یا عالم، غنی ہو یا فقیر سب کے لئے مکمل نظام، ہر مسئلہ کا حل، اور ہر مرض کی شفا نیز رضا الٰہی کا پروانہ حاصل کرنے کا بہترین راستہ ہے، چنانچہ عہد نبوی کا صرف ایک واقعہ اس حقیقت کی ترجمانی کے لئے کافی ہے۔

ایک مرتبہ چند لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا "اے اللہ کے رسول! یہ مالدار اجر و ثواب میں ہم سے آگے نکل گئے کہ نماز روزہ میں تو یہ ہمارے شریک کہ ہم بھی کرتے ہیں اور یہ بھی، اور اپنے زائد مالوں میں سے صدقہ کرتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "کیا اللہ نے تمہارے لئے صدقہ کا قائم مقام نہیں بنا رکھا ہے، سبحان اللہ ایک مرتبہ کہنا صدقہ ہے، الحمد للہ ایک مرتبہ کہنا صدقہ ہے، لا الٰہ الا اللہ ایک مرتبہ کہنا صدقہ ہے، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا اور اپنی بیوی سے صحبت کرنا بھی صدقہ ہے، صحابہؓ نے تعجب سے عرض کیا "یا رسول اللہ" بیوی سے ہمبستری میں اپنی شہوت پوری کرے اور یہ صدقہ ہو جائے، حضورؐ نے فرمایا اگر حرام میں مبتلا ہوتا تو کیا گناہ نہ ہوتا اسی طرح حلال میں صدقہ اور اجر ہے"۔

اسی ایک واقعہ سے یہ حقیقت نمایاں ہو جاتی ہے کہ اسلام ایک بے نظیر و منفرد نظام زندگی ہے جو انسانی جذبات کی قدر کے ساتھ اس کے معاشرتی نظام کو ایسے مستحکم اصولوں پر قائم کر دیتا ہے کہ وہ ہر لغزش اور خطا و قصور اور انحراف و کجروی، زیغ و ضلال، اختلاف و انتشار سے محفوظ ہو کر سراپا الفت و محبت، اخوت و بھائی چارگی، امن و سلامتی اتحاد و اتفاق کا نمونہ نظر آتا ہے، نیز وہ ایک ایسے صاف ستھرے اقتصادی نظام کا حامل ہے جہاں امیر و غریب، شاہ و گدا، حاکم و محکوم

سب برابر نظر آتے ہیں اور اس کی تدابیر انتظامات اور پاکیزہ تعلیمات کے دم قدم سے جاگیرداری کے تار پود بکھر جاتے ہیں اور مال و دولت، جاہ و منصب کے بجائے صرف ایمان و اخلاص اور اعمال صالحہ کا اعتبار ہوتا ہے۔ "إنَّ اللهَ لا يَنظُرُ إلى صُوَرِكُمْ وأجسامِكُمْ ولكِنْ يَنظُرُ إلى قُلُوبِكُمْ" (بیشک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور جسموں کو نہیں دیکھتا وہ تو تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔)

اسلام کا سیاسی نظام ایسا منصفانہ ہے کہ عنان حکومت کسی خاص پارٹی یا گروہ کے قبضہ میں نہیں ہوتی ہے بلکہ وہ ایک شورائی نظام کے تابع ہوتا ہے اور سربراہان مملکت اللہ کے خلیفہ، لوگوں کی جان و مال کے امین، اسلامی اخلاق و کردار سے آراستہ، عمل کے پیکر، عوام کی تنقید و ملامت سے بے خوف و نڈر ہوتے ہیں، ان کا شعار "لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق" اور رعایا کی شان "اطیعوا ولو ولّی علیکم عبد حبشی" ہوتی ہے۔

یہ وہ کامل و مکمل اسلام اور اس کا جوہری عنصر و مزاج ہے جو اس کے ہر حکم و قانون پر بالکل نمایاں نظر آتا ہے، اور یہی اسلامی تعلیمات سے آراستہ و پیراستہ، جاہ پرستی، ہوا و ہوس کی کشمکش، انحراف و کجروی، اضطراب و بے چینی، کینہ و کدورت، بغض و حسد، ظلم و تشدد سے پاک وہ صالح اور پاکیزہ معاشرہ جہاں ہر فرد بشر اپنا حق فراموش کر کے صرف اپنی ہی ذمہ داریاں ادا کرنے کے لئے کوشاں اور دوسروں کو فائدہ پہونچانے کے لئے فکرمند نظر آتا ہے، ایسے معاشرہ میں نہ برائیاں راہ پاتی ہیں اور نہ ہی شیطان کو بے حیائیاں پھیلانے کا موقع ملتا ہے اور نہ کوئی اخلاقی و روحانی برائی زیادہ دیر تک باقی رہ سکتی ہے اس لئے کہ اسلام نے شیطان اور اس کے چیلوں کو اس پاکیزہ معاشرہ میں اپنے ناپاک جرائم اور فتنہ و فساد پھیلانے کا کوئی راستہ ہی نہیں چھوڑا۔

وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

(بقیہ)

مولانا علی میاں علم کے سمندر تھے۔

قصبہ بجنور لکھنؤ میں مولانا علی میاں یادگار کمیٹی کی جانب سے جلسہ امن و آشتی بسلسلہ تعزیت مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاںؒ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ مولانا علی میاںؒ صرف ایک سچے مسلمان نہیں بلکہ سچے انسان اور سچے دیش بھگت بھی تھے۔ ان کی موت بیسویں صدی کا سب سے بڑا نقصان ہے۔

صدر جلسہ مولانا سعید الرحمن اعظمی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء نے گورنر صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ حضرت مولانا علی میاںؒ کی اہمیت اور ان کی علمی عظمت کو ساری دنیا محسوس کرتی ہے۔ اگر آج وہ اس جلسہ میں موجود ہوتے تو کہتے عالی جناب گورنر صاحب اس بل پر نظر ثانی کریئے۔ مولانا سعید الرحمن نے کہا میں بھی گورنر صاحب آپ سے اس بل پر نظر ثانی کی درخواست کرتا ہوں، مسلم فورم کے جنرل سکریٹری جناب ایم کے شیروانی نے کہا یہ مسئلہ اقلیتوں کے موت و زیست سے تعلق رکھتا ہے قرآن میں جگہ جگہ مسلمانوں سے نماز قائم کرنے کا حکم آیا ہے۔ اور ایک ایسا ملک جہاں مسجد بنانے کی اجازت ہی نہ ہوگی تو پھر نماز کے قیام کا کیا معنی ہوگا۔

مسلم پرسنل لا بورڈ کے نائب صدر ڈاکٹر کلب صادق نے بل کو سراسر آئین کی خلاف ورزی قرار دیتے ہوئے کہا کہ آج ملک میں کچھ تنظیمیں مسلمانوں کو ملک دشمن قرار دینے کی سازش کر رہی ہیں۔ انھوں نے کہا مدارس کو آئی۔ ایس۔ آئی کے اڈہ کہے جانے پر سخت اعتراض کرتے ہوئے کہا اگر کوئی مدرسہ میں آئی۔ ایس۔ آئی کے لوگ پکڑے جائیں۔ تو آپ یہ کیوں نہیں کہتے کہ آئی۔ ایس۔ آئی نے ایک مدرسہ کو اپنا اڈہ بنالیا نہ کہ یہ تمام مدرسہ آئی۔ ایس۔ آئی کے اڈہ ہیں۔

جلسہ کو مولانا خالد غازیپوری ندوی۔ ڈاکٹر نوشاد ندوی، ڈاکٹر عبدالقدوس ہاشمی، موجودہ ایم۔ ایل۔ اے جناب شیام کشور یادو، سابق ایم۔ ایل۔ اے راجہ وجے کمار ترپاٹھی، سابق ایم۔ ایل۔ اے شاردا پرتاپ شکلا نے مولانا کے افکار و خیالات پر روشنی ڈالی۔

پیغام کربلا

● سید تابش لکھنوی

فراز نیزہ سے پیغام یہ دیا اُس نے
کہ سر بلند رہی ہے جو بر سر حق ہے
ورق زمانے کے کتنے پلٹ گئے لیکن
ہنوز چہرۂ باطل اُسی طرح فق ہے
ازل سے تا بہ ابد صرف ایک افسانہ
کہ ان کے چاہنے والے کبھی نہ کم ہوں گے
حسینؑ ابن علیؑ ہوں کہ حمزہؓ و عثمانؓ
دیارِ عشق میں سب کے ہی سر قلم ہوں گے
یہ کشتگانِ محبت، یہ پاسبانِ وفا
جو اپنے خون سے لکھتے ہیں داستانِ حیات
جو زیر سایۂ شمشیر سجدہ کرتے رہے
لہو سے جن کے مہکتا ہے گلستانِ حیات

تعلیم کے بغیر انسان

خودرو گھاس کی مانند ہے

مرتب: ــــــــــ محمد وسیم صدیقی ندوی

۲۴ر فروری سنہ ۲۰۰۰ء بروز جمعرات مدرسہ مظہر الاسلام بلوچپورہ میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء نئے تعلیمی سال میں تشریف لائے اور مدرسہ کی اصلاحی انجمنوں النادی العربی اور الاصلاح کا افتتاح کرتے ہوئے طلبہ سے فرمایا کہ انسان تعلیم نہ ہونے پر خودرو گھاس کی مانند ہے۔ جہاں چاہے اگ جائے اور جتنی چاہے بڑھ جائے۔ جب تک اس گھاس کو درست نہ کیا جائے اس میں کاٹ چھانٹ نہ کی جائے اس وقت تک وہ خوشنما معلوم نہیں ہوتی، اسی طرح جب انسان علم سے آراستہ ہو جاتا ہے تو وہ شائستہ و مہذب بن جاتا ہے۔ تعلیم انسان کی عقل و سمجھ، اخلاق و کردار، صلاحیت و قابلیت کو سنوارتی ہے۔ اگر تعلیم نہ ہو تو انسان اجڈ، اور گنوار کہلاتا ہے۔

مدرسہ میں آنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان مہذب شائستہ ہو اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اسے اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ صرف عقل سے فائدہ نہیں ہوتا جب تک کہ تعلیم نہ ہو اولاً تہذیب شائستگی کے لئے تعلیم کی ضرورت ہے پھر تعلیم کے بعد تجربہ و تربیت کی اس سے کہیں زیادہ ضرورت ہے کتاب میں جو پڑھا جاتا ہے اس کو تعلیم کہتے ہیں اور اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے تربیت ضروری ہے، النادی العربی اور الاصلاح یہ انجمنیں اسی لئے ہیں کہ انسان محفلوں، مجلسوں اور اہم جلسوں میں بولنے کا طریقہ سیکھے کہ چند افراد میں بولنے کا کیا طریقہ ہے۔ بڑے مجمع میں بولنے کا کیا انداز و اسلوب ہے انفرادی و اجتماعی گفتگو کا سلیقہ کیا ہے۔ تعلیم کے لئے یہ ضروری ہے کہ ذہن و دماغ حاضر ہو۔ پڑھنے والا پڑھنا چاہے تبھی پڑھایا جا سکتا ہے۔ اگر طالب علم نہ چاہے تو کوئی پڑھا نہیں سکتا اگر طالب علم پڑھنا نہ چاہے تو ہزار تدبیریں کی جائیں ہزار جتن کئے جائیں ہر طرح کی آرام و آسائش و سہولیات مہیا کرائی جائیں پھر بھی پڑھا نہیں سکتا پڑھنے کا عزم سب سے پہلے ضروری ہے اساتذہ اپنا فریضہ ادا کریں گے لیکن اگر دل لگا کر نہ پڑھیں گے تو فائدہ نہ ہوگا علم حاصل کرنے سے عالم کہلاؤ گے اگر تربیت حاصل کر لی تو شریف و معقول انسان کہلاؤ گے۔ اگر تقریر کرنا سیکھ لیا تو بہت اچھے مقرر و خطیب کہلاؤ گے اپنی صلاحیت و قابلیت بڑھائیے جلسوں میں شرکت کر کے تقریر و تحریر کی مشق پیدا کیجئے اردو زبان تو انسان کو ماحول، گھر، محلہ سے آجاتی ہے لیکن عربی زبان بغیر سیکھے اور مشق کے نہیں آتی۔ عربی زبان ہمیں اردو سے کہیں زیادہ سیکھنے کی ضرورت ہے۔ یہ ہمارے مذہب کی زبان ہے۔ قرآن و حدیث و تاریخ کی زبان ہے عربی زبان سیکھ کر ہی ہم مصادر و ماخذ سے براہ راست فائدہ اٹھا سکتے ہیں ورنہ واسطہ و وسیلہ یا دوسرے ترجمہ شدہ ماخذ سے استفادہ کرنا پڑے گا۔ عربوں کے سامنے بالکل گونگے بہروں کی طرح رہیں گے نہ ان سے بات کر سکیں گے نہ اپنا مافی الضمیر ادا کر سکیں گے۔ نہ اپنے جذبات و خیالات کا اظہار کر سکیں گے۔ صرف سن سکتے ہیں بول نہیں سکتے۔ تحریر و تقریر ادائیگی مافی الضمیر بغیر مشق کے ممکن نہیں خاص کر اس زمانے میں جبکہ دنیا ایک شہر کی مانند ہے بلکہ ایک چھوٹے سے گھر کی مانند ہے سائنسی ایجادات نے سب کو ایک دوسرے کے قریب کر دیا ہے، ہر شخص کو ضرورت ہے کہ اچھی عربی بولے اچھی عربی سیکھے عربوں سے بات کرنا چاہے، اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہے تو کر سکے اگر مشق نہ ہوگی تو کیسے بولیں گے۔ مشق کرنے سے صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے بے تکلف بولنا آجاتا ہے بار بار کرنے سے کوئی چیز آتی ہے استاد کے سامنے بولنے سیکھنے سے غلطی کی اصلاح ہوتی ہے غلطیوں پر متنبہ کرنے کا اگر مزاج نہ ہوتا تو لوگ بے شمار غلطیاں کرتے، گھر میں والدین، مربی، بھائی، عزیز و اقارب غلطیوں کی اصلاح کرتے ہیں اور مدرسہ میں اساتذہ جب تک انسان میں شوق و جذبہ تعلیم کا نہ ہو تب تک پڑھا نہیں سکتے اسی مقصد کے تحت النادی العربی، الاصلاح

(باقی ص… پر)

شاہ محمد عاقل قادری کی رحلت

مولانا عبداللہ عباس ندوی

اس درجہ عابد وزاہد، سچ بولنے والے اور سچی باتوں سے تعلق رکھنے والے آجکل کی دنیا میں نایاب تو نہیں مگر کمیاب ضرور ہیں ان کے والد ماجد کا نام شاہ فتح الجبار قادریؒ تھا۔ بہار کے ضلع گیا میں سادات کی ایک مشہور بستی بنڈیہا ہے اس گاؤں میں ۱۹۲۲ء میں پیدا ہوئے، اسکول سے ثانوی مرحلہ تک (انٹرنس) کی تعلیم حاصل کی اور ایک بڑی انجینئرنگ کمپنی میں معاون سپروائزر کی حیثیت سے کام کرتے رہے ان کے بڑے بھائی الحاج شاہ محمد ذاکر قادریؒ کہا کرتے تھے کہ میرا بھائی عاقل صرف دو کام جانتا ہے، نماز پڑھنا اور حلال روزی کمانا، یہ مختصر ترین تعریف بڑی جامع مدح ہے! طیب لقمتك تستجب دعوتك حلال روزی کھاؤ تو تمہارے دل سے نکلی ہوئی دعا مقبول ہوگی۔ ۳۰ ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ کو وفات پائی۔

حضرت مرحوم الحمدللہ مستجاب الدعوات تھے، دل آئینہ کی طرح صاف زبان سے نکلا ہوا ہر حرف شبنم کی طرح آلودگیوں سے پاک تھا۔ آخر عمر میں ان کا تعلق ہمارے مخدوم ومربی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنیؒ ندوی سے ہوگیا تھا حضرت کے ایک قریب ترین فرد خاندان سید مصباح النبی صاحب (حال مقیم جدہ) کی شادی عاقل بھائی کی صاحبزادی سے ہوئی، رشتہ داری کا تعلق اپنی جگہ پر رہا۔ ان کی قسمت نے یاوری کی اور حضرت مولانا کے ہاتھ پر بیعت ہوگئے۔ دلوں کو دیکھنے والا تو اللہ اور صرف اللہ ہے، مگر وہ جو کہتے تھے دوائے "دل" الی پر بھی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی پاک ضمیری روشن کر دیتا تھا۔ عاقل بھائی مرحوم کو حضرت مولانا نے بیعت کے دو ماہ بعد اجازت وخلافت عطا فرمادی تھی۔

رمضان المبارک حضرت مولاناؒ کے ساتھ گزارا کرتے تھے۔ ابھی جو رمضان گذرا ہے جس رمضان کے عشرۂ اخیر میں ہمارے حضرت مولانا گذرے ہیں اس کے عشرۂ اولیٰ وثانیہ میں حضرت کے ساتھ تھے۔ پوری راتیں نفلوں میں گذارا کرتے تھے۔ حضرت کی وفات سے پہلے اپنے وطن چلے گئے تھے، پھر جب وفات کی خبر ملی تو آئے اور آکر خوب روئے اور زبانِ حال سے یہ کہتے رہے۔

بے تو غم ہیچ وشادمانی ہیچ
مرگ ہم ہیچ و زندگانی ہیچ

(تیرے بغیر غم کی نہ کوئی حقیقت ہے اور نہ شادمانی کی، موت بھی بے کار اور زندگی بھی بے سود) تین ماہ مشکل سے گزارے فالج موت کا بہانہ بنا، وہ مٹی کتنی پاک ہوگی جس میں ان کا جسم ہمیشگی کی نیند لے رہا ہے۔ اور روح انشاء اللہ عالم برزخ میں اپنے رب کریم کے انعامات و مغفرت سے سرفراز ہوگی۔

حضرت مرحوم میرے حقیقی خالہ زاد بھائی تھے عمر میں سال یا چھ مہینے بڑے رہے ہوں گے مگر اپنے صلاح وتقویٰ میں مجھ سے کئی سو برس بڑے تھے۔ ان کو اپنی زندگی میں اپنے تمام بھائیوں اور بہنوں کی موت کے صدمات اٹھانا پڑے سات بھائی بہنوں میں تنہا وہ رہ گئے تھے۔ ایک جوان عمر فرزند تعلیم یافتہ، شادی شدہ عادل مرحوم اچانک موت کا شکار ہوا۔ اس دردناک موقع پر صبر وثبات اور رضا بالقضاء کا اعلیٰ نمونہ ان کے اندر دیکھا گیا۔ حج کی سعادتیں سات آٹھ بار حاصل رہیں اور جب بھی حج کے لئے گئے ایسے جوش وخروش جذبۂ عقیدت کے ساتھ گئے۔ جیسے کوئی پہلی بار جائے۔ اور بڑی حسرتوں آرزوؤں اور امیدوں کے ساتھ جائے۔ حرمین کی زیارت ان کے زخموں کا مرہم اور رحمت الٰہی کا مظہر تھا۔

بہرحال دنیا سے جانا تو لازمی تھا، عمر بھی ہوگئی تھی۔ کسی کی ذمہ داری ان کے سر نہ تھی اور نہ وہ کسی کے پابند تھے، اللہ کے دیئے پر قانع اور خوش تھے۔ ان کے برادر زادہ سید حسین طارق عسکری مدینہ منورہ میں ٹیلیفون کے انجینئر ہیں۔ جن کے چھوٹے بھائی سید محمد نظلق قادری شعبۂ زراعت کے انجینئر ہیں۔

مرحوم کے دو صاحبزادے اور صاحبزادی ان کے پسماندگان میں ہیں۔ زندگی میں بہت صدمے اٹھائے، اب اللہ ان کو ہمیشگی کی مسرت اپنی رضا اور مغفرت کی شکل میں عطا فرمائے۔

صوفی محمد انیس کا انتقال

حاجی انیس احمد اعظمی صوفی صاحب کے نام سے مشہور تھے۔ صوفیاء کے خصائص تو اہل تصوف ہی بتلا سکتے ہیں، لیکن ہم لوگوں کو جو معلوم ہیں کہ وہ یہ کہ اللہ کے عبادت گذار، حلال روزی کے طالب، دوسروں کے کام آنے والے اور بہت دیر دیر تک دعائیں کرنے والے تھے۔ ہمارے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے جان نثار خادم اور محبت کرنے والے مرید تھے۔ اعظم گڑھ سے نہ معلوم کب اور کس زمانہ میں رائے بریلی منتقل ہوئے اور وہاں سے اتھونہ نامی گاؤں جہاں کی مشہور شخصیت حکیم محمد انعام اللہ صاحب علیہ الرحمہ کی تھی، وہاں آکر حضرت مولانا کے حکم سے ایک چھوٹا سا مکتب قائم کیا تھا، ان کو اس میں بڑے مجاہدے کرنے پڑے۔ اس طبقہ کے لوگ جو اہل توحید اور متبعین سنت

(باقی ص ۳۰ پر)

محمد طارق ندوی

سوال و جواب

س:۔ ایک شخص جامعہ اردو علی گڈھ کا امتحان دے رہا ہو لیکن وہ امتحان کی کاپیاں صلاحیت نہ ہونے کی صورت میں خود نہ لکھتا ہو بلکہ کسی دوسرے آدمی سے لکھواتا ہو تو اس صورت میں لکھنے والا اور لکھوانے والا دونوں گنہگار ہوں گے یا نہیں؟

جواب مذکورہ صورت میں کاپیاں لکھنے والا اور لکھوانے والا دونوں ناجائز امور کی انجام دہی کرنے والے ہیں، اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہے۔ مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا (جو ہمیں دھوکہ دے یعنی معاملات میں دھوکہ دہی سے کام لے) وہ ہمارے طریقہ پر نہیں ہے یعنی طریقۂ نبوی ؐ سے ہٹا ہوا ہے۔ مذکورہ صورت میں کھلا ہوا دھوکہ ہے لہذا دونوں اشخاص لکھنے والا اور لکھوانے والا گنہگار ہوں گے اور عنداللہ ماخوذ ہوں گے۔

س:۔ وہ پلاٹ یا زمین جو کاروباری نسبت پر خریدی گئی ہو اس میں لگنے والی رقم پر زکوٰۃ کیسے نکالی جائے گی جب کہ ایک مستقل رقم کئی سالوں تک رکنے کے بعد نفع کے ساتھ واپس ہوتی ہے۔

ج:۔ صورت مسئولہ میں ہر سال پلاٹ کی رقم پر جب حولان حول ہو جائے گا تو جتنے رقم کا وہ پلاٹ بوقت حولان حول ہوگا اس کے مطابق ڈھائی روپے فیصد کے حساب سے ہر سال کی زکوٰۃ نکالنا ہوگی۔

س:۔ ایک شخص ظہر کی نماز پڑھ رہا ہے اور اس نے دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ جہراً پڑھنا چاہیے تھا لیکن اس نے جہراً صرف "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَا پڑھا لیکن یاد آنے پر وہ خاموش ہو گیا تو کیا اس پر سجدۂ سہو کرنا لازم آئے گا؟

ج:۔ صورت مسئولہ میں سجدۂ سہو نہیں کریگا.

س:۔ ایک شخص نوکری کرتا ہے' سرکار کا نظام ہے کہ تنخواہ دیتے وقت کچھ روپے فنڈ کے نام سے کاٹ لیتی ہے ملازمت ختم ہونے پر فنڈ کو فنڈ مع کچھ اضافہ کے دیتی ہے اس زیادتی کو وہ سود قرار دیتی ہے تو اس سود کی رقم کو حکومت ہی کے پاس چھوڑ دے یا اسے لے کر اپنے مصرف میں خرچ کر سکتا ہے یا نہیں؟

ج:۔ صورت مسئولہ میں آپ کو نوکری ختم ہونے پر فنڈ مع کچھ اضافہ کے جو حکومت دیتی ہے اور اس زیادتی کو وہ سود کہتی ہے وہ دراصل سود نہیں بلکہ حکومت کی طرف سے دیا ہوا معاوضہ ہے۔ اس کو اپنے مصرف میں صرف کر سکتے ہیں۔

س:۔ کسی مسجد کو ہمیشہ کے لئے شہید کر سکتے ہیں یا مسجد کو توسیع کے لئے شہید کر سکتے ہیں؟

ج:۔ مسجد کو ہمیشہ کے لئے شہید نہیں کیا جاسکتا ہے کیونکہ مسجد تا قیامت مسجد کے حکم میں رہتی ہے البتہ بغرض توسیع مسجد، مسجد شہید کر کے اسی جگہ پر ایک کشادہ اور وسیع مسجد بنائی جاسکتی ہے شرعاً اس کی اجازت ہے۔

س:۔ کیا ضرورت پڑنے پر جوتے پہن کر نماز پڑھ سکتے ہیں؟

ج:۔ ہاں! بوقت ضرورت جوتے پہنے ہوئے نماز پڑھنا جائز ہے (جبکہ جوتے میں کوئی گندگی نہ لگی ہو)۔

مختصر

عالمی خبریں

معید اشرف ندوی

● متحدہ عرب امارات کے وزیر دفاع جنرل شیخ محمد بن راشد المکتوم نے دبئی پریس کلب کا افتتاح کیا۔ اس موقع پر انھوں نے عرب پرنٹ میڈیا اور ٹیلی ویژن جرنلزم کے لئے سالانہ ایوارڈ کا اعلان کیا۔

پریس کلب کے افتتاح کے موقع پر دنیائے عرب کے نامور صحافیوں سے خطاب کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ صحافت کا اہم مقصد حقوق کا دفاع، انصاف کا قیام اطلاعات اور تعلیم کا پھیلاؤ ہے۔ انسانی اقدار اور قوموں کو فروغ دینے میں صحافت نے ہمیشہ نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ دبئی پریس کلب کے قیام کا مقصد صحافتی معیار کو بہتر بنانا اور سماجی اور ثقافتی سرگرمیوں کے لئے ایک اسٹیج فراہم کرنا ہے۔ انھوں نے متحدہ عرب امارات کے صحافیوں کو دعوت دی کہ وہ دبئی پریس کلب کے ذریعہ عرب صحافت کو نئی جہت دیں۔ افتتاحی تقریب میں شرکت کرنے والوں میں متحدہ عرب امارات کے وزیر اطلاعات شیخ عبداللہ بن زائد کے علاوہ دنیائے عرب کے نامور صحافیوں نے شرکت کی۔

عرب جرنلزم ایوارڈ عرب صحافیوں کو ان کی غیر معمولی خدمات کے اعتراف کے طور پر دیا جائے گا۔ ۵۰ ہزار ڈالر کا یہ کیش ایوارڈ پرنٹ میڈیا میں ۹ مختلف کیٹگری میں لکھے جانے والے آرٹیکل پر دیا جائے گا۔ جن میں ۲۰۰۵ء میں شائع ہونے والی سیاسی تجزیاتی رپورٹ، بزنس پر تجزیاتی رپورٹ، فیچر رائٹنگ سائنس اور ٹیکنالوجی پر رپورٹ، بہترین کالم نگار ثقافتی رپورٹنگ، اسپورٹس رپورٹنگ، کارٹون، اسپاٹ نیوز یا فیچر فوٹو گرافی شامل ہیں اس کے علاوہ الیکٹرونک میڈیا میں ۵ مختلف کیٹگری میں ۱۵ ہزار ڈالر کے کیش انعامات بھی دیئے جائیں گے جس میں ۲۰۰۵ء میں عرب چینل پر بہترین سیاسی کوریج، بہترین بزنس کوریج، بہترین اسپورٹس کوریج، بہترین بریکنگ نیوز رپورٹنگ اور بہترین دستاویزی پروگرام شامل ہیں۔ دبئی پریس کلب میں ۱۲۰ سیٹ پر مشتمل کانفرنس روم بنایا گیا ہے جس میں ترجمہ کی تمام سہولتیں فراہم کی گئی ہیں۔ ساتھ ہی پریس کلب میں ایک لائبریری ریسرچ کی تمام سہولتوں کے ساتھ موجود ہے۔ پریس کلب کے ممبر انٹرنیٹ کی سہولت کے ساتھ ساتھ تمام اہم اور نمایاں نیوز چینل سے بھی استفادہ کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ پرائیوٹ انٹرویو کے لئے ممبر صحافیوں کو سیٹلائٹ کی سہولت بھی فراہم کی گئی ہے۔ کلب کے ممبران کے لئے تفریحی سرگرمیوں کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔

● راشٹریہ سہارا (ہندی لکھنؤ) کی ایک رپورٹ کے مطابق پچھلے ایک عشرے میں مختلف محکموں میں تقریباً ساڑھے تین ہزار کروڑ روپے کا گھپلہ ہوا جس کی تحقیق کے لئے ایک درجن ایجنسیاں قائم کی گئیں لیکن رپورٹ لکھے جانے تک کسی افسر پر کارروائی نہ ہو سکی البتہ جانچ کے نام پر ۶۵ کروڑ روپے خرچ ہو چکے ہیں۔

مولانا علی میاںؒ علم کے سمندر تھے

رائے بریلی کے جلسہ پیام انسانیت میں علماء و دانشوروں کا خطاب

(نمائندۂ تعمیر حیات)

مولانا علی میاںؒ ندوی علم کے سمندر تھے وہ ایسے رتن (جوہر) تھے جس سے پوری دنیا مالامال ہوئی اور اس سے روشنی حاصل کی ان کے دل میں انسانیت کے لئے جو درد تھا اسے انھوں نے اپنی زندگی کا پیغام بنایا وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ اگر ہم اپنے دل میں دوسروں کے لئے نفرت کی آگ پالیں گے تو اس کی لپٹ ہماری ذات کو کھا جائے گی۔ آج کے سماج میں اس بات کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ سابق وزیر اعظم وی پی سنگھ نے ٢٦ر فروری ٢٠٠٠ء کو دھی نقوی نیشنل انٹر کالج رائے بریلی میں مولانا علی میاںؒ کی یاد میں ہونے والے جلسہ پیام انسانیت سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہندوستان میں تمام مذاہب کے لوگ بستے ہیں جو بلب کی مانند ہیں لیکن ہم لوگ اس میں شارٹ سرکٹ کرتے رہتے ہیں مذہب دل کی روشنی ہے اس سے آگ لگانے کا کام نہیں لینا چاہیئے۔ انھوں نے کہا کہ انسان کو غربت برداشت ہو جاتی ہے لیکن غیریت نہیں برداشت ہوتی۔ آج ہندوستان میں کسی کو یہ احساس نہیں ہونا چاہیئے کہ یہ گھر میرا نہیں ہے دلوں پر لکیریں نہیں پڑنی چاہیئے یہی مولاناؒ کا پیغام ہے۔

مولانا عبدالکریم پاریکھ نے اپنے خطاب میں کہا کہ مولانا علی میاںؒ نے پیام انسانیت کی جو راہ دکھائی ہے وہ چیز ہندوستان کی قدیم ثقافت میں پائی جاتی ہے یہ اللہ کے بندوں کی ایسی دھرتی ہے جہاں سچائی کو قبول کیا گیا۔ سچائی کہیں سے بھی آئے گا اسے یہاں کی دھرتی قبول کرے گی۔ اس باغیچے میں قسم قسم کے پھول کھلتے ہیں اس میں مسلمانوں کی بڑی خدمات ہیں انھوں نے کہا کہ مولانا علی میاںؒ کہا کرتے تھے کہ محبت ہمدردی، الفت کا پیغام ہم نے ترک کر دیا ہے۔ جسے ہمارے آبا و اجداد لے کر اس ملک میں آئے تھے آج اسے دوبارہ اپنانے کی ضرورت ہے انھوں نے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ فاصلوں کو کم کرو اور ایک دوسرے کے قریب آنے کی کوشش کرو۔ خدمت خلق میں یہ مت دیکھو کہ یہ ہندو ہے یا مسلمان، کسی مذہب پہ نکتہ چینی اور طنز نہ کریں۔ یہی وہ صفات تھیں جس کی وجہ سے یہاں آنے والے مسلمانوں کو یہاں کے باشندوں نے گلے سے لگایا۔ اور ان کا مذہب قبول کیا مولانا عبدالکریم پاریکھ نے اس موقع پر شادی بیاہ میں خرچ کم کرنے، وراثت میں لڑکیوں کو حصہ دینے کی تلقین کی اس سے قبل ممبر پارلیمنٹ کیپٹن ستیش شرما نے مولانا علی میاںؒ کی یاد میں رائے بریلی میں ایک بین الاقوامی کانفرنس کرانے کی بات کہی۔

مولانا ڈاکٹر کلب صادق نے اپنی تقریر میں کہا کہ دین دھرم کو اقتدار کے بھوکے کچھ سیاسی بھیڑیئے اٹھالے گئے ہیں جس کی وجہ سے مذہب ہمارے لئے مصیبت کا سبب معلوم ہوتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ جب جذبات عقل پر غالب آجائیں تو انسان جانور بن جاتا ہے۔ پروفیسر انیس چشتی نے کہا کہ سماج کے اندر سے بگاڑ اور فساد دور کرنے کا پیغام علی میاںؒ نے دیا۔ اور انھوں نے منجدھار میں رہ کر زندگی کیسے برتی جائے اس کا سلیقہ لوگوں کو سکھایا۔ پروفیسر انیس چشتی نے بین مذاہب میل ملاپ بڑھانے اور دوسروں کے دکھ میں شریک ہونے پر زور دیا۔ مولانا عبداللہ مغیثی نے مولانا علی میاں کی ہمدردی اور خلوص کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ انھوں نے اپنے کردار و عمل سے انسانیت کو زندہ کیا اور وہ حب مال اور حب جاہ سے کوسوں دور تھے۔

صدر جلسہ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے اپنی تقریر میں کہا کہ ـــــ انسان کو انسان سمجھ کر اس سے معاملہ کرنا چاہیئے۔ اور اپنی ہی فکر نہیں بلکہ دوسروں کی بھی فکر ہونی چاہیئے اس کے لئے ہمیں اپنے مفادات کی قربانی دینی ہوگی صرف کہہ دینا کافی نہیں۔ اس موقع پر مولانا سید سلمان حسینی ندوی، سلمان خورشید سریندر موہن، محمد ادیب، چندر نرائن ترپاٹھی ایڈوکیٹ، رائے بریلی نگر پالیکا پریشد کے چیرمین راگھویندر پرتاپ سنگھ، ڈاکٹر محمد مسلم نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ نظامت کے فرائض مولانا محمد حمزہ حسنی نے انجام دیئے۔

مولانا علی میاں یادگار کمیٹی کا جلسہ

گورنر اترپردیش جناب سورج بھان نے

(باقی ص ١٨ پر)

مطالعہ کی میز

تبصرے کیلئے کتابوں کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے!

● محمد شاہد ندوی بارہ بنکوی

نام کتاب: علم وحکمت کا خزانہ
مؤلف: مولانا اسرار احمد قاسمی
صفحات: ۱۵۲، سائز ۲۲×۱۸/۸، قیمت ۴۰ روپئے
خوبصورت سرورق، عمدہ کتابت
ملنے کا پتہ:۔ الفرقان بکڈپو، نظیر آباد لکھنؤ۔

الحکمۃ ضالۃ المؤمن حکمت کی بات مومن کی گمشدہ متاع ہے، وہ جہاں بھی پائے گا اسے لے لے گا۔ اس کا سب سے بڑا حقدار قرار پائیگا اسلام کے نزدیک ہر مسلمان کی یہی خصوصیت ہے اس خصوصیت کو عام کرنے اور اپنے اندر حکیمانہ بیداری پیدا کرنے کی ضرورت ہے اس ضرورت کا احساس دلانے کیلئے مولانا سرفراز احمد قاسمی نے علماء کرام اور بزرگان دین کے منتخب اقوال مختلف کتب ورسائل جمع کر کے پیش نظر کتاب "علم وحکمت کا خزانہ" کے ان صفحات میں شائع کر دیئے ہیں۔ یہ اقوال دینی، علمی، اصلاحی بصیرت افروز، چشم کشا، متاثر کن اور عمل کا جذبہ پیدا کرنے والے ہیں، اور طلباء اساتذہ، ائمہ مساجد اور عوام وخواص سب کے لئے نافع ہیں۔

نام کتاب: آزادی فکر ونظر اور اسلام
نام مصنف: سلطان احمد اصلاحی
صفحات: ۱۲۸، سائز ۲۲×۱۸/۸، قیمت ۴۰ روپئے
ملنے کا پتہ: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز دعوت نگر۔ ابوالفضل انکلیو نئی دہلی۔

اس کتاب میں آزادی فکر ونظر کے سلسلہ میں اسلام کے نقطۂ نظر کے مسئلے پر ایک خاص پہلو سے گفتگو کی گئی ہے۔ آزادی فکر ونظر کے حدود، بے قید آزادی فکر ونظر کا پس منظر صحیح مذہب کی پہچان مذہب اور سیکولر نظریات کا فرق، اسلام کی واقعی حیثیت۔ صالح آزادی فکر ونظر کی قدر افزائی وغیرہ کتاب کے ذیلی عنوانات ہیں۔ جن پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

نام کتاب: سلام اس پر
نام شاعر: مولانا محمد زبیر اعظمی
صفحات: ۸۰۔ سائز ۲۲×۱۸/۸
قیمت: بیس روپئے =/20
ملنے کا پتہ: مدینہ بکڈپو۔ مولانا آزاد روڈ۔ ایولہ ضلع ناسک، مہاراشٹر۔ ۴۲۳۴۰۱

نعت رسولؐ جتنی مقبول صنف سخن ہے اتنی ہی اس راہ کی رہ نوردی مشکل بھی ہے۔ نعت گوئی میں سب سے زیادہ اس امر کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ تعریف وتوصیف اس حد تک نہ ہو کہ نبیؐ کو خدا کا درجہ مل جائے اور نہ قلم کو بے لگام کر کے اس کے حسن وجمال کی تعریف اس پیرایہ میں کی جائے کہ وہ معشوقانِ مجازی کی صف میں آجائے، نعت گو شاعر کیلئے ان دونوں خلاف شرع ناگوار باتوں سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

مولانا زبیر احمد اعظمی نے اپنے زیر نظر مجموعۂ کلام "سلام اس پر" کی نعتوں کو ناروا مبالغہ اور حد سے زیادہ غلو یا افراط وتفریط سے پاک رکھا ہے۔ نیز اس میں الوہیت اور رسالت کا مقام ومرتبہ اپنی اپنی جگہ باقی رکھنے کی کوشش کی ہے لیکن منقبت صحابہؓ نہ ہونے کی وجہ سے نعتوں میں ایک خلا سا محسوس ہو رہا ہے۔ ویسے زبیر صاحب کے مجموعہ نعت کا ہر شعر معانی، رموز، عقیدت و محبت اخلاص اور سچے عشق کا مظہر کامل ہے۔

یہ مجموعہ نعت مستحق ہے کہ شوق کے ہاتھوں سے حاصل کیا جائے اور عقیدت کی نگاہوں سے مطالعہ کر کے اپنی سیرت سنواری جائے۔

نمونہ کے طور پر چند اشعار ملاحظہ فرمائیں ؎

وفادار محمد کا مقدر پوچھتے کیا ہو
جہاں کیا ہے کہ اسکے ہاتھ میں لوح وقلم آئے

وہی مقتدا وہی پیشوا وہی انبیاء کا امام ہے
نہ سمجھ سکا کوئی آج تک جو مقام اس کا مقام ہے

وہ حبیب رب نام ہے وہ جہاں کی فصل بہار ہے
جسے لوگ کہتے ہیں مصطفےٰ وہی سب کے دل کا قرار ہے

حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ پر

تعمیر حیات کا

خصوصی اور یادگاری نمبر

ادارہ تعمیر حیات کا سب سے قبل یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے سرپرست اور بزرگ ترین شخصیت حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ ناظم ندوۃ العلماء پر ایک یادگاری خصوصی اشاعت پیش کرے، وہ یہ فرض بہتر اور نہایت معیاری انداز سے پورا کرنا چاہتا ہے اس کے لئے کشادہ وقت درکار ہے اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے قریبی تعلق رکھنے اور ان کی شخصیت کے امتیازی پہلوؤں سے واقفیت رکھنے والوں کے تعاون کے ساتھ ہی یہ کام انجام دیا جاسکے گا۔

ادارہ تعمیر حیات نے اس سلسلہ کی ضروری کارروائی شروع کردی ہے، اس سلسلہ میں ہمارے محبین واہل قلم کی طرف سے پسندیدگی ظاہر ہورہی ہے ـــــ ہم امید کرتے ہیں کہ یہ کام نئے سال کی پہلی سہ ماہی میں مکمل ہوسکے گا۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ پر مختلف رسالوں کے نمبر نکلے ہیں اور نکل رہے ہیں، اس نمبر میں انشاء اللہ نئے مضامین کے ساتھ ساتھ دیگر خصوصی نمبروں میں شائع شدہ امتیازی مضامین کو بھی شامل کیا جائے گا۔

ـــــــــــــــ ادارہ

علی میاںؒ کی ذات ملّتِ اسلامیہ کیلئے منارۂ نور تھی

ملی وسماجی تنظیموں کا خراج عقیدت

ترتیب ——— محمد شاهد ندوی بارہ بنکوی

رابطۂ ادب اسلامی کا تعزیتی جلسہ

• مسلم پرسنل لا، بورڈ اور رابطۂ ادب اسلامی شاخ دہلی کی طرف سے مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی وفات پر ایک تعزیتی جلسہ ہوا جس میں مولانا کی وفات کو صدی کا ایک عظیم سانحہ قرار دیا گیا

پروفیسر عبدالحلیم ندوی، پروفیسر بدرالدین الحافظ، پروفیسر شفیق احمد خاں ندوی، پروفیسر سید ضیاء الحسن ندوی نے مولانا مرحوم کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی اور کہا کہ مولانا کی ذات ملت اسلامیہ ہند کے لئے ایک منارۂ نور کی حیثیت رکھتی ہے۔ مولانا کی وفات کو ہندوستان کے لئے بطور خاص اور عالم اسلام کے لئے عموماً ایک خسارۂ عظیم تصور کیا۔ ڈاکٹر شمیس اسماعیل اعظمی نے حضرت والا کی جامع شخصیت پر منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔ یہ اطلاع ایک ریلیز میں دی گئی ہے۔ پروفیسر اجتبار ندوی نے جلسے کی صدارت کی۔ مولانا سید نظام الدین (جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا، بورڈ) نے عالم اسلام کے عظیم مفکر، داعی اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا، بورڈ کے صدر مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی رحلت پر اپنے رنج وغم اور گہرے صدمے کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا، بورڈ اپنے صدر اور سرپرست سے محروم ہوگیا۔ مدینہ منورہ سے اپنے تعزیتی پیغام میں انھوں نے کہا ہے کہ مرحوم عالم اسلام کے لئے عموماً اور ہندوستان کے لئے خصوصاً بہت بڑی نعمت خداوندی تھے اور مولانا قاری محمد طیب کی وفات کے بعد بورڈ آپ ہی کی قیادت ورہنمائی میں کامیابی کے ساتھ منزل کی طرف رواں دواں تھا، ان کی علمی دینی بصیرت اور مدبرانہ سرپرستی سے ملت اسلامیہ کو روشنی ملتی تھی۔

مسلم مجلس کا تعزیتی جلسہ

• آل انڈیا مسلم مجلس کے کارکنوں کا ایک تعزیتی جلسہ محمد ندیم صدیقی ایڈوکیٹ کارگذار صدر مسلم مجلس یوپی کے مکان پر عبدالغفار صدیقی ایڈوکیٹ کی صدارت میں فیض آباد میں ہوا جس میں حضرت مولانا علی میاں کے اچانک انتقال پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا گیا۔ جلسہ میں ندیم صدیقی نے مولانا کے بارے میں روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ مرحوم اسلامی دنیا کی ایک عظیم شخصیت ہونے کے ساتھ ہندوستانی مسلمانوں کے ایک سچے رہنما تھے۔ وہ ایک جید عالم تھے۔ مرحوم اپنی مذہبی اور تاریخی خدمات، مسلم معاشرہ کی اصلاح اور پیام انسانیت کی کوشش کے لئے رہتی دنیا تک یاد کئے جائیں گے۔

جلسہ میں محمد ندیم صدیقی، محمد نفیس خاں، محمد سلیم، عقیل احمد صدیقی، علی وارث، محمد نعیم ایڈوکیٹ، سید عدیل احمد صدیقی، عبدالخالق خاں، محمد عرفان، ببو، محمد ایوب، عرفان الحق انصاری، شبیر احمد وغیرہ شامل تھے۔

مولانا پرخلوص محب وطن تھے

• مشہور عالم دین مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے "ساجد علی میموریل کمیٹی لکھنؤ کی جانب سے ایک تعزیتی جلسہ ہوا صحافی ایم راہی کوٹھیادی نے مولانا کی حیات وزندگی پر روشنی ڈالی۔ اسلامیہ کالج کے صدر سید محمود علی نے مولانا کو ایک عالم باعمل اور اسکالر بتاتے ہوئے کہا کہ ان کی کمی رہتی دنیا تک محسوس کی جائے گی۔ کمیٹی کے جنرل سکریٹری محبوب سعید ایڈوکیٹ نے مولانا علی میاں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ مولانا کی شخصیت اپنے آپ میں ایک مثال تھی۔ جب کبھی بھی مسلمانوں پر کوئی زیادتی ہوئی مولانا نے اس کے خلاف آواز اٹھائی۔ انھوں نے کہا کہ مولانا تعلیم کے بارے میں کافی فکرمند رہتے تھے۔ جس کی مثال ندوۃ العلماء ہے۔ انجینیر شمس انور نے مولانا علی میاں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ اپنے علم اور قابلیت کی وجہ سے وہ پوری دنیا میں جانے جاتے تھے۔ کمیٹی کے صدر اور جلسہ کی نظامت کر رہے قاضی توسل حسین نے کہا کہ مولانا علی میاں ایک اعلیٰ درجہ کے مفکر تھے انھوں نے اپنی پوری زندگی مسلمانوں کے لئے صرف کردی۔ اپنی صدارتی تقریر میں محمد حامد علی نے کہا کہ مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی بیسویں صدی میں علمی، اسلامی اور اصلاحی میدان کی عظیم ترین شخصیت تھے۔ مولانا ایک پرخلوص محب وطن اور عالم انسانیت کے بہی خواہ تھے۔ ان کی پیام انسانیت کی تحریک اس کی شاہد ہے۔ مولانا جیسی عبقری شخصیت سیکڑوں سال میں عالم وجود میں آتی ہے مولانا کا انتقال ملک وقوم وعالم اسلام کا بڑا

نقصان ہے جس کی تلافی ناممکن نظر آتی ہے۔ جلسہ کا اختتام مولانا کے لئے مغفرت کی دعا کے ساتھ ہوا۔ جلسہ میں آصف سعید، انیس احمد، عاصم مسعود، محمد اسرار، سید سہیل محمود و سید اظہار الحق نے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور مولانا کو خراج عقیدت پیش کیا۔

• بزم تاجدار حرم کے زیر اہتمام ایک تعزیتی جلسہ بزم کے صدر الحاج صوفی کلیم اللہ شاہ کی قیام گاہ واقع سعادت گنج لکھنؤ میں مولانا عظمت اللہ کی صدارت میں ہوا جلسہ کا آغاز قاری شمس الضحیٰ کی تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ بزم کے سبھی شرکا نے مولانا کے انتقال پر اپنے گہرے رنج وغم کا اظہار کیا اور دعائے مغفرت کی۔

• مدرسہ اسلامیہ فیض عام و عائشہ للبنات سیکٹر جی کانپور روڈ لکھنؤ میں ایک تعزیتی جلسہ ہوا۔ جس کی صدارت مدرسہ کے ناظم حافظ محمد نور اللہ صدیقی نے کی۔ انھوں نے اشکبار آنکھوں سے مولانا کو خراج عقیدت پیش کیا۔

• مدرسہ عربیہ ریاض العلوم گورینی جونپور کے مولانا محمد عثمان قاسمی نے اپنی تعزیتی پیغام میں کہا کہ مفکر اسلام مولانا علی میاں کی رحلت ملت اسلامیہ کے لئے زبردست حادثہ ہے۔ ان کی متعدد مومنانہ وفکر انگیز تصانیف اسلامی شریعت کی علمی وفکری برتری، اور ملت اسلامیہ کی اس پر مکمل عمل آوری کے سلسلہ میں ان کی دلسوزی وفکرمندی، مخلصانہ اور بابصیرت جد وجہد، عالم اسلام کو عموماً اور مسلمانان ہند کو پیش آمدہ مسائل میں خصوصاً ان کی فکر انگیز، مضبوط، دینی حمایت وحمیت سے سرشار اور فراست ایمانی سے لبریز اور ان کا داعیانہ وقائدانہ کردار رہتی دنیا تک ان کی یاد کی شمع کو دلوں میں فروزاں اور ان کے حق میں لوگوں کو دعاگو وثنا خواں رکھے گا۔ وہ بلاشبہ اس بیسویں صدی میں اللہ تعالیٰ کی ایک حجت، اور اس کے دین کو عصر حاضر کے مقبول ودلپسندیدہ اسلوب میں پیش کرنے میں ایک عظیم وارث نبوت تھے۔

• مدرسہ ریاض العلوم فیروز آباد کے سرپرست نومسلم حافظ شہاب الدین سلطانپوری کی صدارت میں تعزیتی جلسہ ہوا جس میں انھوں نے کہا کہ حضرت مولانا علی میاں ندوی ایک نیک عالم دین تھے۔ آج سے تقریباً ۳۲ سال پہلے قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ کی موجودگی میں حضرت مولانا علی میاں ندوی اور محترم قاری صاحب نے مجھے کلمہ پڑھایا تھا اور میرا نام قاری صاحب نے شہاب الدین رکھا، اس موقع پر حضرت مولانا نے میرا نام غلام مصطفیٰ تجویز فرمایا اور میرا داخلہ قاری صاحب نے اپنے مدرسہ میں کرلیا اور ان دونوں بزرگوں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ اس وقت میں حافظ قرآن ہوں اور دینی مدرسے میں خدمت کر رہا ہوں۔ حضرت مولانا کے انتقال سے مجھے بہت دکھ ہے میں سمجھتا ہوں کہ میں یتیم ہوگیا ہوں۔

• ادارہ توسیع ادب لکھنؤ کے صدر محمد احمد ادیب نے ایک تعزیتی جلسہ میں کہا کہ مولانا نے اپنی فکری تہذیبی، تمدنی، اصلاحی اور علمی خدمات کو نصف صدی سے زائد عرصہ تک نہ صرف مسلمانان ہند بلکہ عالم اسلام کے لئے وقف کردیا اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی اور نہ آئندہ نصف صدی تک کوئی شخصیت نظر آرہی ہے۔ تعزیتی جلسہ کا اہتمام قریش یوتھ سوسائٹی کے زیر اہتمام ملوچبورہ میں ہوا۔ محمد احمد ادیب نے کہا کہ قدرت نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو بیک وقت کئی خوبیوں سے نوازا تھا۔ ایسی قد آور شخصیت کو سب سے بڑا خراج عقیدت یہ ہوگا کہ ہر ناخواندہ کو خواندہ بنایا جائے اور نئی نسل کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے کا عہد کیا جائے۔ مولانا محمد طلحہ ندوی نے مولانا کو جذباتی خراج عقیدت پیش کیا۔ حاجی محمد سراج الدین قریشی اور ڈاکٹر ابرار علی قریشی نے کہا کہ حضرت مولانا کو اہل محلہ ملوچبورہ سے خصوصی لگاؤ تھا وہ اکثر وبیشتر اپنی محبتوں اور شفقتوں سے نوازتے رہتے تھے۔ جلسے کا اختتام حاجی محمد سعید نے کی دعائے مغفرت پر ہوا۔

• مائناریٹیز فورم آف انڈیا کی جانب سے ایک تعزیتی بیان میں کہا گیا ہے کہ حضرت مولانا کا انتقال پوری ملت اسلامیہ کے لئے ایک عظیم نقصان ہے۔ وہ نہ صرف مسلمانوں بلکہ بڑی تعداد میں غیر مسلموں میں بھی اپنا مقام واہمیت رکھتے تھے۔ ان کے انتقال سے ملت ایک ایسے بزرگ سے محروم ہوگئی ہے جو ہمیشہ آڑے وقت میں ملت کے کام آیا کرتے تھے۔ ان احساسات کا اظہار فورم کے قومی صدر محمد اعظم خاں و جنرل سکریٹری مشتاق احمد صدیقی ایڈوکیٹ و ممبران ظفریاب جیلانی ایڈوکیٹ اور محمد حسین خاں وغیرہ نے کیا ہے۔

کرامت حسین و ممتاز کالج میں تعزیتی جلسے

• مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے سانحہ ارتحال پر کرامت حسین مسلم گرلس ڈگری کالج کے اسٹاف کا ایک تعزیتی جلسہ پرنسپل ڈاکٹر صبیحہ انور کی صدارت میں ہوا۔ جلسے میں حاضرین نے مولانا علی میاں کے انتقال پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا اور اسے تمام عالم انسانیت کا نقصان عظیم قرار دیا۔

• ممتاز انٹر کالج کے پرنسپل عبدالسلام

صدیقی کی صدارت میں ایک تعزیتی جلسہ ہوا۔ کالج کے استاد مولانا ذکی الرحمن ندوی نے کہا کہ مولانا کے انتقال سے عالم اسلام کو زبردست علمی و دینی خسارہ ہوا ہے جس کی تلافی کسی طرح ممکن نہیں۔

وکلاء کا اظہار رنج و غم

• ہائی کورٹ کے وکلاء محمد عاصم عمر قدوائی، سید کفیل احمد ایڈوکیٹ، اخلاق علی خاں اخلاق رضوی اور محمد ندیم ایڈوکیٹ نے مشترکہ بیان میں مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی کے انتقال پر رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ہندوستان میں آزادی کے بعد مسلمانوں کو جو کامیابی حاصل ہوئی وہ صرف حضرت مولانا کی بے لوث تحریک کا نتیجہ تھی۔ سپریم کورٹ کی جانب سے شاہ بانو کیس کے فیصلے کے بعد مسلم مطلقہ تحفظ قانون ۱۹۸۵ء میں بنا جس سے مطلقہ عورتوں کو تحفظ ملا۔ بیان میں کہا گیا کہ مولانا کے انتقال کے بعد جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا پورا ہونا مشکل ہے۔

مولانا کی وفات پر ابراہیم سلیمان سیٹھ کی تعزیت

• انڈین نیشنل لیگ کے صدر اور سابق ایم پی ابراہیم سلیمان سیٹھ نے ایک بیان میں کہا کہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی عالم اسلام کی بہت ہی محترم اور عظیم شخصیت تھے۔ وہ مفکر اسلام کے نام سے جانے پہچانے جاتے تھے۔ وہ ملت اسلامیہ کے انمول اثاثہ تھے۔ انھوں نے اپنی تصانیف و تالیف کے ذریعہ اسلام کی اور انسانیت کی جو گرانقدر خدمت کی ہے اسے کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

مولانا نے مومنانہ جرأت کے ساتھ گمراہی، بے دینی اور غیر شرعی افکار کا مقابلہ کیا اور مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر کی حیثیت سے شریعت اسلامی کے تحفظ کے لئے عظیم جد و جہد کی۔ مولانا کے سو کے قریب تصانیف کا درجنوں زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے جو بہت ہی مقبول ہیں۔

مولانا بہت ہی عظیم المرتبت عالم دین تھے اور وہ پورے عالم اسلام میں واحد عظیم شخصیت تھی جنہیں کعبۃ اللہ کی کنجی پیش کی گئی تھی۔ اس کے علاوہ ممتاز عالم دین ہونے کا بھی بین الاقوامی ایوارڈ متحدہ عرب امارات کی جانب سے پیش کیا گیا تھا۔ مولانا سے میرے تعلقات دیرینہ اور گہرے تھے وہ ۵۳ سال سے قائم تھے۔

بیسویں صدی کا سب سے بڑا سانحہ

• فیض آباد میں مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی کے انتقال پر تعزیتی جلسہ ہوا جس میں مولانا کے انتقال کو بیسویں صدی کا سب سے بڑا نقصان بتایا گیا۔ ایس آئی ایم ضلع فیض آباد کے صدر ضمیر احمد نے کہا کہ دنیا نے بیسویں صدی میں بہت کچھ کھویا ہے جس میں سے ایک علی میاں ندوی کی شخصیت بھی شامل ہے انھوں نے کہا کہ اس ملک سے وہ ہستی رخصت ہوگئی جس نے ملک کو نازک سے نازک موقعوں پر بچایا ہے اور ہمیشہ نیک مشورہ دیا ہے اور ہندوستان کو ہمیشہ اسلامی ملکوں سے جوڑے رہنے کا کام کیا ہے۔

بہرائچ میں مولانا کو زبردست خراج عقیدت

• کل ہند جمعیۃ العلماء والمسلمین کی جانب سے مدرسہ اصلاح العلوم محلہ سالارگنج بہرائچ میں مشہور عالم دین، مورخ، ادیب، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے سانحہ ارتحال پر ایک تعزیتی جلسے کا انعقاد کیا گیا جس میں مولانا مرحوم کے انتقال کو امت کے لئے ایسا خلا بتایا گیا جس کا پر ہونا مشکل ہے کل ہند جمعیۃ العلماء والمسلمین کے قومی صدر مولانا سراج احمد قاسمی ندوی نے کہا کہ مولانا علی میاں ندوی نہ صرف یہ کہ بہت بڑے عالم تھے بلکہ وہ ہندوستان میں رہ کر اہل عرب کی بھی قیادت کرتے تھے۔

اورنگ آباد میں تعزیتی جلسہ

• اورنگ آباد میں جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم کے ناظم مولانا ریاض اللہ فاروقی ندوی کی دعوت و اہتمام پر جامعہ کے سرپرست اعلیٰ اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی وفات پر ایک جلسہ تعزیت نہرو بھون نزد جامع مسجد منعقد ہوا۔ جلسہ کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا اس کے بعد حسان احمد نے اور خان شمیم خان نے منظوم خراج عقیدت پیش کیا مولانا ریاض الدین فاروقی ندوی نے حضرت مولانا علی میاں کی وفات کو عالم اسلام کا ایک عظیم نقصان قرار دیا۔ مولانا کی زندگی کو ایک نمونہ اور مجاہد کی زندگی قرار دیا۔

دعائے مغفرت

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں درجہ عالیہ رابعہ شریعہ کے طالب علم عثمان مشتاق فاروقی کا ایک سڑک حادثہ میں ان کے آبائی وطن بھوپال میں ۴ اپریل ۲۰۰۰ء کو انتقال ہوگیا۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس نصیب فرمائے۔ والدین اور دیگر متعلقین کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

قارئین کرام سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے

دارالعلوم ندوۃ العلماء

تعارف • خدمات • ضروریات

دارالعلوم ندوۃ العلماء محتاج تعارف نہیں ہے اس کے قیام کو بفضلہ تعالیٰ سو سال سے زائد ہو گئے ہیں، خدا کا شکر ہے کہ اس اثناء میں اس نے گرانقدر علمی و دینی خدمات انجام دی ہیں۔ عرصۂ دراز سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ اور سرپرستی حاصل رہی ہے جن کے دور نظامت میں وہ ایک عظیم اسلامی مرکز بن گیا اسلامی تعلیمات کی نشر و اشاعت اور دینی زندگی کے لئے اس کے طلبہ، اساتذہ اور کارکنان حسب توفیق کوشاں ہیں۔

اس وقت دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ہندوستان کے مختلف علاقوں کے علاوہ ملیشیا، تھائی لینڈ، انڈونیشیا، نائجیریا اور دوسرے ممالک کے طلباء بھی زیر تعلیم ہیں مختلف ملکوں سے برابر داخلہ کی درخواستیں آتی رہتی ہیں۔ اللہ کے فضل سے عرب ممالک میں ندوۃ العلماء بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور وہاں کے طلبہ میں اس کی تعلیم و تربیت سے استفادہ کی خواہش روز افزوں ہے۔ ان اسباب کی بناء پر داخلوں کی تعداد میں ہر سال غیر معمولی اضافہ ہو رہا ہے۔

قارئین اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء اور دیگر دینی مدارس مسلمانوں کے مالی تعاون سے ہی چلتے ہیں، اور یہ ان کے لئے صدقہ جاریہ اور ثواب آخرت کا ذریعہ ہے، دینی تعلیم کی جو اہمیت ہے وہ کسی سے مخفی نہیں، خاص طور پر ہندوستان جیسے سیکولر ملک میں یہ ذمہ داری خود ملت کو انجام دینا ہوتی ہے اس لئے بھی ان کے تعاون کی ضرورت بڑھی ہوئی ہے۔ ندوۃ العلماء اپنے مرکزی ادارہ دارالعلوم اور اس کی مقامی شاخوں کی پوری مالی ذمہ داری انجام دیتا ہے ان سب میں ہزاروں طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ملحقہ مدارس اس کے علاوہ ہیں جو ملک کے مختلف اطراف میں پھیلے ہوئے ہیں ان کی جزدی ذمہ داری بھی ندوۃ العلماء پر ہے۔ ندوۃ العلماء میں تعلیمی شعبے کے ساتھ کئی شعبے اصلاح و تربیت اور دعوت و ارشاد کے بھی ہیں۔ اس طرح ندوۃ العلماء پر علمی اور دینی ذمہ داریوں کو انجام دینے کے مصارف کا بڑا بوجھ ہے جو دینی و ملی درد رکھنے والے مسلمانوں کے تعاون سے ہی اٹھایا جاتا ہے۔

لہٰذا اللہ کے کام پر خرچ کرنے والے بھائیوں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے مال کی نعمت سے نوازا ہے، ہماری پرزور اپیل ہے کہ اس کام میں دل کھول کر حصہ لیں کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا اجر بے حد حساب ہے جس کو قرآن مجید میں یوں ادا کیا گیا ہے: مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۔ جو لوگ اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کے مال کی مثال اس دانے کی سی ہے جس سے سات بالیں اگیں اور ہر ایک بال میں سو سو دانے ہوں اور خدا جس (کے مال) کو چاہتا ہے زیادہ کرتا ہے وہ بڑی کشائش والا ہے۔

ہمیں امید ہے کہ اہل خیر حضرات اس میں دل کھول کر حصہ لیں گے۔

وما ذلک علی اللہ بعزیز

(مولانا) محمد رابع حسنی ندوی (ناظم ندوۃ العلماء)	(مولانا) عبداللہ عباس ندوی (معتمد تعلیم۔ ندوۃ العلماء)	(بریگیڈیر) وصی احمد صدیقی (معتمد مال ندوۃ العلماء)

نوٹ: چیک، ڈرافٹ، منی آرڈر مندرجہ ذیل پتہ پر روانہ فرمائیں، مرسلہ رقم جس مد کی ہو اس کی صراحت ضروری ہے۔ چیک یا ڈرافٹ پر صرف یہ لکھئے:۔

ناظم ندوۃ العلماء پوسٹ بکس نمبر ۹۳، ندوہ لکھنؤ۔ ۲۲۶۰۰۷

NAZIM.NADWATUL ULAMA. P.O.BOX 93-LUCKNOW-226007

(بقیہ)
معاشرۂ انسانی کا باہمی ارتباط

بھی بڑھ جاتا ہے، جو بے تکلفی، جو اعتماد، جو الفت جو سادگی، جو فطرت ان کے درمیان ہوتی ہے، کسی اور رشتہ میں اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا، یہ سب اللہ کے نام کا کرشمہ ہے، خدا کا نام بیچ میں آتا ہے تو ایک نئی دنیا وجود میں آجاتی ہے، کل تک جو غیر تھا، یا غیر تھی، وہ اپنوں سے بھی زیادہ بڑھ کر اپنا بن جاتا ہے، ایک مسلمان مرد، ایک مسلمان عورت، ایک دوسرے کے ساتھ بے تکلف نہیں ہوسکتے، ایک دوسرے کے ساتھ بعض اوقات سفر بھی نہیں کرسکتے، ایک دوسرے کے لئے نامحرم ہیں لیکن جب خدا کا نام بیچ میں آجاتا ہے تو ایک مقدس رشتہ قائم ہوجاتا ہے۔

یہ ایک قرآنی معجزہ ہے کہ "تساءلون بہ" کہہ کر معاشرۂ انسانی کا باہمی ارتباط، پیوستگی، وابستگی اور ہر ایک کا ایک دوسرے کے ساتھ جڑا ہونا ایسا بیان کردیا کہ کوئی بڑے سے بڑا منشور اور بڑے سے بڑا چارٹر بھی اس کو بیان نہیں کرسکتا، فلسفۂ اجتماع و عمرانیات (سوشیالوجی) کی بڑی ضخیم کتاب بھی اس کو نہیں بیان کرسکتی۔

پھر یہ فرمایا کہ جس کا نام بیچ میں لاکر حرام کو حلال کرتے ہو، ناجائز کو جائز کرتے ہو اور اپنی زندگی میں انقلاب عظیم لاتے ہو، اس پاک اور بڑے نام کی لاج بھی رکھنی چاہئے، زوجین کے گہرے اور محکم تعلق کو قرآن مجید نے ایک دوسرے انداز میں بھی بیان کیا ہے، فرمایا "هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ" (تم ایک دوسرے کا لباس بن جاتے ہو) یہ بھی قرآن مجید کا ایک معجزہ ہے، کہ اس کے لئے "لباس" کا لفظ استعمال کیا، جو ستر پوشی اور زینتِ زندگی کی اہم ضرورت ہے، "لباس" کے لفظ میں وہ سب کچھ آگیا جو زوجین کے باہمی تعلق و اعتماد کے متعلق زیادہ سے زیادہ کہا جاسکتا ہے، تم ان کے لئے لباس ہو اور وہ تمہارے لئے لباس ہیں، لباس کے بغیر جس طرح انسان حیوانیت سے قریب تر نظر آتا ہے، ایک صحرائی مخلوق نظر آتا ہے، ویسے ہی ازدواجی زندگی کے بغیر انسان غیر متمدن نظر آتا ہے، اس کو غیر متمدن اور غیر مہذب سمجھنا چاہئے۔ (نئی دنیا امریکہ میں صاف صاف باتیں)

(بقیہ)
صوفی انیس کا انتقال۔

سے خوش نہیں رہتے۔ اُن لوگوں نے بڑی رکاوٹیں ڈالیں لیکن ایک شخص نے اپنے گھر کے کنارے بسا لیا صوفی صاحب مرحوم نے اس شخص کے احسانات کا بدلہ کئی گنا زیادہ دیا۔ ان کی اور ان کی اولاد کی خدمتیں کیں اور مدرسہ قائم ہوگیا، جس میں آخر تک صوفی صاحب مشغول رہتے تھے۔ حضرت مولانا کو ان پر اعتماد تھا۔ اور ان سے دعا کراتے تھے اس سلسلہ میں بہت سے عجیب و غریب واقعات بھی پیش آئے۔ مگر اب وہ دنیا سے رخصت ہوچکے ہیں اور ان کی سب سے بڑی کرامت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان کی سلامتی اور اہل ایمان کی محبت اور اپنے شیخ کی عقیدت و محبت پر اٹھالیا ہے۔

مرحوم کو ایک سال پہلے سرطان کا عارضہ ہوگیا تھا۔ علاج ہوا لیکن وقت بھی آچکا تھا اپنے شیخ کی وفات کے تین ماہ بعد اللہ نے ان کو بھی اٹھالیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور درجات بلند کرے۔

اصلاح معاشرت

لباس وضع و دیگر معاشرت کے متعلق ضروری گذارش

مرتبہ: محی السنۃ مولانا ابرار الحق صاحب مدظلہ ناظم مجلس دعوۃ الحق ہردوئی

بھائی صاحب ایک خاص بات کی طرف آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے معبود ہونے کا اقرار کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اس سے بڑا کوئی نہیں وہ ہمارا آقا ہے، حاکم ہے اور تمام حاکموں کا حاکم ہے بلکہ بادشاہوں کا بادشاہ اور مالک ہے جب اللہ تعالیٰ ہمارے آقا حاکم و مالک ہیں تو ہم اس کے غلام و محکوم و مملوک ہیں سو جس طرح ہر محکمہ کی وردی وضع و لباس مقرر ہوتا ہے جس سے دوسروں سے نمایاں فرق ہو جاتا ہے۔ دیکھئے سپاہی اور ڈاکخانہ کے ملازم کو ہر شخص دور سے دیکھ کر پہچان لیتا ہے، ڈاکیہ کو آتے دیکھ کر ہر شخص اس کی طرف جلد متوجہ ہوتا ہے یہ سمجھتے ہوئے کہ اگر روپیہ نہیں دیگا تو خط کے ملنے کی امید ہے، اور سپاہی کو دیکھکر ہر شخص خائف ہوتا ہے کہ خدا خیر کرے اور یہ چاہتا ہے کہ میری طرف متوجہ نہ ہو یہ سب **وضع ولباس** کا اثر ہے۔ اگر کوئی ملازم اپنے محکمہ کا لباس نہ اختیار کرے اور کام انجام دے تو مجرم قرار دے کر معطل کر دیا جاتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے مطیع و فرمانبردار بندوں یعنی مسلمانوں کے لئے ایک وضع لباس مقرر کیا ہے، اس کے اختیار کرنے سے دوسروں پر رُعب و ہیبت بیٹھتی ہے اس وضع ولباس کے خلاف کرنے سے مسلمان اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض و ناپسندیدہ ہو جاتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ سے گر جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا رعب و داب ختم ہو جاتا ہے اور دوسرے اس کو حقیر و ذلیل سمجھنے لگتے ہیں جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے لہٰذا شرعی وضع ولباس کی پابندی صرف ہمارے ہی ذمہ ضروری نہیں بلکہ اپنے گھر والوں کو بھی اس کا پابند کرنا ضروری ہے، شرعی وضع ولباس کے متعلق چند ضروری باتیں اپنے گھروں کے لوگوں کو بتلا دیں تاکہ بچوں کو شروع ہی سے اسلامی وضع ولباس کا پابند بنادیں۔

۱۔ ٹخنہ ڈھانکنا مردوں کے لئے منع ہے لہٰذا پائجامہ ولنگی میں اس کا خیال رکھیں۔

۲۔ گھٹنے کھولنا بھی منع ہے لہٰذا اس سے اونچا کپڑا نہ استعمال کریں۔

۳۔ کوئی ایسا لباس وضع نہ ہو جو کفار یا فساق کے ساتھ خاص ہو۔ یعنی اس کے استعمال کرنے سے لوگ یہ سمجھیں کہ فلاں گروہ کا لباس یا وضع بنائی ہے جیسے انگریزی بال رکھنا، ہیٹ لگانا، کوٹ پتلون پہننا، کرسی پر کھانا کھانا، داڑھی کترانا جبکہ ایک مُشت سے کم ہو، یا داڑھی بالکل نہ رکھنا یہ سب باتیں ایسی ہیں جس سے ہر مسلمان کو بچنا ضروری ہے جس طرح ایک سپاہی کی بھلائی و ترقی کے لئے ضروری ہے کہ اپنی غلطی کی معافی چاہے اور اپنی وردی کی پابندی کرے اور ہر مسلمان کی فلاح اور کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ غلطی سے توبہ کرکے اپنی وضع ولباس کو درست کرے اور آئندہ کے لئے اسلامی وضع کو اختیار کرے اور یہ سوچے کہ اپنی مسلمان بہن کا دوپٹہ اوڑھنا تم کو کس قدر گراں ہوتا ہے، سو اپنی مسلمان بہن کی مشابہت سے اس قدر نفرت اور بد دین اور باغی لوگوں کے وضع ولباس سے ذرا سی گرانی نہ ہو یہ کیا بات ہے اگر ہماری حالت ایسی ہو تو سمجھنا چاہیئے کہ دل میں صحیح حس نہیں رہی اور دل بیمار ہو گیا ہے جیسے غلیظ کی بدبو محسوس نہ ہو تو ہم سمجھتے ہیں دماغ ہمارا بیمار ہے اس کے لئے علاج کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ کسی دیندار اللہ والے کے پاس جاکر بیٹھیں اس کی باتیں سنیں، جماعت سے نماز پڑھیں مسجد میں کتاب سُنائی جاتی ہے تو اس کو سُنیں اس سے ہمارے دل کے اندر نورانیت پیدا ہوگی اور بُری باتوں سے نفرت ہونے لگے گی۔

اسباب

نفع رسانی محبت کا سبب ہے، نقصان پہونچانا بغض کا سبب ہے، مخالفت عداوت کا سبب ہے، موافقت الفت کا سبب ہے، انصاف دلوں کے ملانے کا سبب ہے، ظلم جدائیگی کا سبب ہے، عمدہ اخلاق قربت کا سبب ہے، بد خلقی دوری کا سبب ہے، کبر خدا کی ناراضگی کا سبب ہے، تواضع رفعت و بلندی کا سبب ہے۔

gd No. LW / NP/ 63
FORTNIGHTLY
Principal off : 372336
Guest House : 323864
No.: (0522)330020

AMEER-E-HAYAT

NADWATUL-ULAMA, LUCKNOW-226 007 (India) Rs. 6/-

Printed And Published by *Athar Husain* on behalf of Majlis Sahafat- Wa- Nashriat, Nadwatul Ulama at Parekh offset Press, Tagore Marg, Lucknow - U. P.

Editor : *Shamsul Haq Nadwi*

لکھنؤ

تعمیرِ حیات

پندرہ روزہ

معاشرہ میں فردِ صالح کی اہمیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت و رسالت کے ذریعہ ایسا صالح فرد پیدا کیا جو خدا پر ایمان رکھنے والا، اللہ کی پکڑ سے ڈرنے والا، دیندار و امانت دار، دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے والا، مادیت کے مظاہر کو نظرِ حقارت سے دیکھنے والا، اور ان مادی طاقتوں پر اپنے ایمان اور روحانی قوت سے فتح پانے والا تھا، جس کا ایمان اس پر تھا کہ دنیا اس کے لئے پیدا کی گئی ہے اور وہ آخرت کے لئے بنایا گیا ہے، چنانچہ جب یہ فرد تجارت کے میدان میں آتا تو راست باز اور امانت دار تاجر ہوتا، اور اگر اس کو فقر و فاقہ سے واسطہ پڑتا تو وہ ایک شریف و محنتی انسان نظر آتا، وہ جب کبھی کسی علاقے کا حاکم ہوتا تو ایک محنتی اور بہی خواہ عامل ہوتا، وہ جب مالدار ہوتا تو فیاض اور غمخوار مالدار ہوتا، جب وہ مسندِ قضا اور عدالتی کرسی پر بیٹھتا تو انصاف دوست اور معاملہ فہم قاضی ثابت ہوتا، وہ حاکم ہوتا تو مخلص اور امانت دار حاکم ہوتا، اسے سیادت و ریاست ملتی تو وہ متواضع اور شفیق و غمخوار حاکم اور سردار ہوتا، اور جب وہ عوام کے مال کا امانت دار بنتا تو محافظ اور صاحبِ فہم خازن ہوتا۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نور اللہ مرقدہ

(منصب نبوت ص ۱۸۱)

۲۵ اپریل ۲۰۰۰ء | سالانہ ایک سو تیس روپے | فی شمارہ ۶/۰ روپئے



سوال کرنے والے کو جو اس نے پوچھا ہے اس کے علاوہ چیز کی طرف متوجہ کرنا

(سلسلے کے لئے ۱۰ر دسمبر ۱۹۹۹ء کا شمارہ ملاحظہ فرمائیں)

تحریر:- شیخ عبد الفتاح ابوغدہؒ
ترجمہ: شمس الحق ندوی

کبھی کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوال کرنے والے کو بڑے حکیمانہ انداز میں دوسری بات کی طرف متوجہ فرماتے تھے، امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے "کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اللہ کے رسولؐ! قیامت کب آئے گی؟ آپؐ نے فرمایا، تم نے قیامت کے لئے کیا تیاری کی ہے، حضرت انسؓ نے جواب دیا اللہ کے رسولؐ قیامت کے لئے ہم نے بہت سی نمازیں، روزے، خیر خیرات تو نہیں تیار کئے ہیں، البتہ اللہ اور اللہ کے رسولؐ سے محبت ضرور رکھتا ہوں (یہ جواب سن کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن تم اسی کے ساتھ ہو گے جس سے محبت رکھتے ہو)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انسؓ کے سوال کو جو قیامت آنے سے متعلق تھا جس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے (کسی اور کو اسے نہیں بتایا ہے) دوسری طرف موڑ دیا جس کی انہیں زیادہ ضرورت تھی اور اس میں ان کا زیادہ فائدہ تھا، وہ یہ کہ قیامت کے لئے اعمال صالحہ تیار کریں، چنانچہ آپؐ نے سوال کیا تم نے اسکی تیاری کیا کی ہے؟ تو جواب دیا اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت آپؐ نے فرمایا۔ قیامت میں تم اسی کے ساتھ ہو گے جس سے محبت کرتے ہو۔

جواب میں آپؐ نے حضرت انسؓ کے سوال سے زیادہ بات بتائی کہ قیامت کے دن آدمی انہیں لوگوں کے زمرہ میں رکھا جائے گا جن کے ساتھ رہتا ہے اور جن سے محبت کرتا ہے، اس حدیث میں آدمی کے لئے تعلیم اور سمجھاوا ہے بلکہ ڈرایا گیا ہے کہ دنیا میں غلط ساتھیوں کے ہمراہ وقت گزارے ان میں اٹھے بیٹھے جس کے نتیجہ میں وہ قیامت کے دن ان غلط ساتھی جہاں ہوں وہیں یہ بھی ہو۔

سائل کے سوال کے موڑنے کا یہ انداز حکیم کا حکیمانہ انداز کہلاتا ہے، سائل کے پوچھے بغیر اس کو وہ بتا دیا جاتا ہے جو اس کے لئے زیادہ ضروری اور جو سوال اس نے کیا ہے اس سے زیادہ اہم اور نفع بخش ہے۔

بخاریؒ و مسلمؒ کی ایک دوسری روایت میں ہے:

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اس نے کہا اے اللہ کے رسول محرم (یعنی احرام باندھنے والا) کیا پہنے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: قمیص نہیں پہنے گا نہ عمامہ باندھے گا، نہ ہی پاجامہ پہنے گا، نہ ٹوپی لگائے گا (برنس ایک خاص طرز کی ٹوپی ہوتی ہے۔ مقصود یہ ہے کہ سر نہ ڈھکے گا) نہ ایسا کپڑا پہنے گا جس میں زعفران لگا ہو، اگر جوتا نہ ملے تو خفین پہن لے لیکن اس کو اوپر سے کاٹ کر ٹخنوں تک کر دے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنا پوچھا گیا تھا کہ محرم کیا پہنے۔ آپؐ نے جواب میں تفصیل بیان فرمائی جس میں وہ چیزیں معلوم ہوگئیں جو محرم کو پہننا درست ہے جو چیزیں نہیں پہن سکتا وہ متعین ہیں اور جو پہن سکتا ہے وہ غیر متعین ہیں، جن کی تعداد نہیں۔ اس سے ہٹ کر آپ نے ایجاز کو ملحوظ رکھتے ہوئے متعین کو بیان فرمایا۔ اگر یہ بیان فرماتے کہ کیا پہن سکتا ہے تو طوالت ہوتی، اور سائل کو اس کا یاد رکھنا اور سب کا ذہن میں محفوظ رہنا مشکل ہوتا۔

پھر آپؐ سے جتنا اس نے پوچھا تھا اس سے زیادہ بیان (فرمایا) جوتا نہ ہونے کی صورت میں خف پہننے کو بتایا۔ یہ صورت مجبوری کی صورت میں بیان فرمائی، جس کا سوال سے ہی تعلق ہے چنانچہ فرمایا اگر جوتا نہ میسر ہو تو خفین پہن لے لیکن اس کو کاٹ کر ٹخنوں تک کر دے۔

اس طرح کی ایک اور روایت ہے، جس کو بخاریؒ و مسلمؒ ہی نے روایت کیا ہے۔

امام بخاری و مسلم نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت کیا ہے کہ "ایک اعرابی آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا اللہ کے رسولؐ ایک آدمی مالِ غنیمت کی خاطر جہاد کرتا ہے ایک شخص بہادری کی شہرت کے لئے جہاد کرتا ہے، ایک اپنی بہادری دکھانے کے لئے جہاد کرتا ہے، ان میں کس کا جہاد اللہ کی رضا کے لئے ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ کا کلمہ بلند کرنے کی نیت سے جہاد کرے وہ اللہ کی راہ میں ہے۔

(باقی ص ۳۰ پر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پندرہ روزہ — لکھنؤ

تعمیر حیات

مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۳۷ — شمارہ نمبر ۱۲

۲۵ اپریل سنہ ۲۰۰۰ء — مطابق — ۱۹ محرم الحرام سنہ ۱۴۲۱ھ

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ /۱۳۰ روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں ـــــــــ

زر تعاون

سالانہ ـــــ /۱۳۰ روپے

فی شمارہ ـــــ /۶ روپے

بیرون ملک فضائی ڈاک

ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک ۳۰ ڈالر

بیرونی ممالک بحری ڈاک

بحری ڈاک جملہ ۱۵ ڈالر

خط و کتابت کا پتہ

منیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس نمبر ۹۳

ندوۃ العلماء لکھنؤ ۲۲۶۰۰۷ یوپی

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں ـــــ

گذارش

خط و کتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کے ساتھ مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے (منیجر)

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے ہدیٰ آفسٹ میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِس شُمارے میں

۱	درس حدیث	شیخ عبد الفتاح ابو غدہؒ	۲
۲	نئی نسل کے دین و ایمان کی فکر کیجئے (اداریہ)	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	۵
۳	علمائے دین کا منصب	حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ	۸
۴	ایک ناگزیر ساعت	مولانا عبد اللہ عباس ندوی	۱۲
۵	[illegible]	حسین امین	۱۴
۶	خواتین کو اسلام نے کیا دیا	مولانا برہان الدین سنبھلی	۱۶
۷	اسلامی تاریخ کی پہلی درسگاہ صُفّہ	ڈاکٹر محمد ثانی	۲۲
۸	دیوناگری رسم الخط	ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی	۲۳
۹	مولانا رئیس احمد ندوی کا حادثۂ وفات	محمد شاہد ندوی بارہ بنکوی	۲۵
۱۰	عالمی خبریں	معید اشرف ندوی	۲۶
۱۱	حضرت مولاناؒ کی شخصیت پر سیمینار	محمد شاہد ندوی بارہ بنکوی	۲۷
۱۲	مطالعہ کی میز پر	مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری	۳۰
۱۳	سوال وجواب	محمد طارق ندوی	۳۱

شرائط ایجنسی

۱۔ پانچ کاپی سے کم کی ایجنسی جاری نہیں کی جاتی۔

۲۔ فی کاپی =/Rs. 15 کے حساب سے زر ضمانت روانہ کرنا ضروری ہے۔

۳۔ کمیشن جوابی خط سے معلوم کریں۔

شرح اشتہار

۱۔ تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر اندرونی صفحہ =/Rs 30

۲۔ تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر پشت پر ٹائٹل صفحہ =/Rs 40

۳۔ کمیشن تعداد اشاعت کے مطابق [illegible] متعین ہوگا۔

۴۔ اشتہار کی نصف رقم پیشگی جمع کرنا ضروری ہے۔

بیرون ملک نمائندے

مدینہ منورہ	Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb. P.O. Box No 842, Madina Munawwara (K.S.A.)
برطانیہ	Mr. M. AKRAM NADWI O.C.I.S., St. Cross College, Oxford Ox1 3TU-U.K
ساؤتھ افریقہ	Mr. M. YAHYA SALLO NADWI Sb. P.O. Box 388 Vereninging.(S. Africa)
قطر	Mr. ABDUL HAI NADWI Sb. P.O. Box No. 10894, DOHA-QATAR
دبئی	Mr. QARI ABDUL HAMEED NADWI Sb. P.O. Box No. 12525, DUBAI (U.A.E.) PH NO: - 3970927
پاکستان	Mr. ATAULLAH Sb. Sector A-50 Near sau Quater H. No. 109, Town Ship Kaurangi, KARACHI 31 (Pakistan)
امریکہ	Dr. A. M. SIDDQUI Sb. 98-Conklin Ave, Woodmere NEW YORK 11598 (U.S.A.)

اداریہ

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

نئی نسل کے دین و ایمان کی فکر کیجئے

ہندوستان میں مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کا مسئلہ بڑی اہمیت اختیار کر چکا ہے، ملک کا دستور سیکولر ہے جس کی رو سے حکومت کی ذمہ داری مذہبی تعلیم کی نہیں ہے، لیکن اکثریت جس مذہب کی ہے، اس کا انتظامیہ پر اور تعلیمی نظام پر غلبہ اور اثر ہے، جس کی بنیاد پر تعلیم میں اکثریت کے مذہب اور عقائد غیر شعوری طور پر ہی نہیں بلکہ جان بوجھ کر پیدا کئے جاتے ہیں، اکثریت کا مذہب شرک ہے، اور اسلام اور شرک میں تضاد ہے، اس صورت میں ایک مسلمان بچہ کے لئے قومی درسگاہوں میں تعلیم حاصل کرنے سے اس کے اسلامی عقائد شرک کے عقائد سے مخلوط ہو سکتے ہیں اور شرک کا عقیدہ شامل ہو جانے پر اسلام کے عقیدہ کی صحت ختم ہو جاتی ہے۔ مذہبی تعلیم کی یہ صورت حال زیادہ تر پرائمری اور ایک حد تک ثانوی مرحلوں میں پیش آتی ہے، ان مرحلوں کے بعد تعلیم عام طور پر مختلف سائنسوں کی ہوتی ہے جن میں عقیدہ و عبادت کے مسائل کا عام طور پر دخل نہیں ہوتا، اس لئے پرائمری تعلیم کا مرحلہ خاص طور پر اور ثانوی تعلیم کا مرحلہ ایک خاص حد تک مسلمان بچوں کے لئے بڑے فکر اور توجہ کا طالب ہوتا ہے۔ چونکہ یہ مرحلہ بچے کے ذہن و دماغ کے لئے بنیادی اور اولین ہوتا ہے، اس میں بچہ کے ذہن و دماغ میں جو بات بھی آجاتی ہے، اس کا اثر بعد تک قائم رہتا ہے، اور اس کا بدلنا آسان نہیں ہوتا، آزادی سے پہلے مسلمان شریف گھرانوں کا یہ دستور ہوتا تھا کہ بچہ کو مسجد کے مولوی صاحب کے یہاں پڑھانے کے لئے بھیجا جاتا تھا یا کسی مولوی صاحب کو ٹیوشن پر بلایا جاتا تھا، تعلیم کا آغاز الف، ب، ج سے پھر الفاظ کے مرحلہ میں قرآن مجید کی آیات سے ہوتا تھا، اور بتدریج قرآن مجید ناظرہ اور اس کے مادری زبان کی ابتدائی تعلیم کو شامل کر لیا جاتا تھا، مسلمان کی مادری زبان عام طور پر اردو تھی اور وہ اردو نہ ہوتی تو بھی قرآن مجید کی آیات اور ناظرہ پڑھنے سے عربی نما خط سے واقفیت ہو جاتی تھی جو بعد میں اس خط کی کتابوں کو پڑھنے میں معاون ہوا کرتی تھیں اس طرح مسلمانوں کے عقائد اور بنیادی تعلیمات بسہولت مسلمان طالب علم کے اختیار میں آجاتی تھیں، اس کے بعد وہ عصری تعلیم کو اس کے مختلف پہلوؤں کے ساتھ حاصل کر سکتا تھا، اور اس کی اسلامی بنیاد قائم رہتی تھی، اور مسلمان بچہ یہ سمجھتا تھا کہ مسلمان کسے کہتے ہیں اور مسلمان کو کیا کرنا چاہئے۔

اب صورت حال یہ ہے کہ مسلمان گھروں سے یہ دستور بھی ختم ہو چکا ہے، تعلیم کا آغاز کنڈر گارڈن سے انگلش میڈیم اسکولوں سے اور حکومتی یا نیم حکومتی یا عام قومی پرائمری نظام سے ہوتا ہے، اور اس پر مستزاد یہ کہ ٹیلی ویژن ہمہ وقت اخلاق سوز اور مذہب بیزار رجحانات کی تلقین کرتا ہے، ایسی صورت میں مسلمان بچہ اپنے مذہب کے سلسلہ میں کورے کا کورا رہتے ہوئے شرک اور اخلاق سوز رجحانات کا حامل بن سکتا ہے، اور پھر اس کو زندگی کے دیگر مراحل میں تعلیم کی بھرپور مشغولیت پھر معاشی تگ و دو کے دباؤ میں اس کا موقع ہی نہیں ہوتا کہ وہ اپنے مذہبی تعلیمات یا تعلیمات سے واقف ہو سکے سوائے ان طلباء کے جن کو دینی مدارس میں تعلیم کا موقع مل جاتا ہے، وہ مذہبی تعلیمات سے صرف واقفیت ہی نہیں بلکہ اس میں، وسعت اور گہرائی کے بھی حامل ہو جاتے ہیں اور ان میں سے بہت سے قوم کو ان کے مذہب سے روشناس کرانے کی ذمہ داری بھی انجام دینے لگتے ہیں۔ اس وقت جو کچھ دین سے وابستگی نظر آتی ہے وہ ان ہی کی بدولت ہے۔ لیکن ان کی تعداد اتنی کم ہے کہ وہ عمومی سطح پر قوم کی مذہبی ضروریات پوری نہیں کر سکتے۔ ان کی تعداد کا اگر وسیع جائزہ لیا جائے تو دو تین فیصدی سے زیادہ نہیں ہے، ان کے علاوہ ۹۰۔۹۸ فیصدی مسلم بچے اس تعلیمی نظام میں شریک نہیں ہوتے، ان میں سے ایک بڑی تعداد اپنی معاشی ضروریات کی وجہ سے صنعتوں میں لگ کر تعلیمی مشغولیات سے ہٹ جاتی ہے اور ایک تعداد قومی اور نیم قومی درسگاہوں میں چلی جاتی ہے، جہاں اس کو اکثریت کے مذہبی رجحانات اور

عقائد ہی سے سابقہ پڑتا ہے، اور اپنے مذہب کے بارے میں ان کو کچھ نہیں معلوم ہوتا، ظاہر ہے کہ یہ بچے بڑے ہو کر صرف اپنے کو مسلمان تو مان سکتے ہیں لیکن اسلام کی بنیادی باتوں سے ناواقف رہتے ہیں۔

اس وقت جو صورت حال ہے وہ یہ کہ ہماری موجودہ نسل جس کے ہاتھوں میں زندگی کی قیادت کی باگ ڈور ہے اس کی تشکیل اپنے بڑوں کی تربیت اور ان کی فکرمندی سے ہوئی ہے، آج ہم عام طور پر اپنے کو جو مسلمان دیکھ رہے ہیں یہ ان ہی بڑوں کی فکرمندی کا نتیجہ ہے، اس نسل کے بعد آنے والی نسل جو لگ بھگ ۲۰ سال میں اس کی جگہ لے لے گی، وہ موجودہ نسل کی فکرمندی کا نتیجہ ہوگی۔ موجودہ عہد میں نظام تعلیم کی جو صورت ہے اور جو اس کے اثرات ہیں وہ بچوں کے ذہنوں کو اسلامی نہیں بناتے۔ اس میں اگر مسلمان کے بنیادی عقائد اور اس کی مذہبی خصوصیات کی کمک نہیں پہونچائی جاتی تو سوائے اس کے کہ وہ قومی طور پر اپنے کو مسلمان سمجھے گی اس کے علاوہ مسلمان ہونے کی صفت اور خصوصیت سے ناواقف ہوگی، اور وہ ایسی قطعاً نہ ہوگی جیسے ہم اس وقت ہیں۔

یہ مسئلہ بہت فکرمندی کا ہے۔ لیکن یہ فکرمندی اسی وقت اپنا کام کر سکتی ہے کہ مسلمانوں کو اس خطرہ سے واقعی واقفیت ہو کہ بیس سال کے بعد کیا ہونے والا ہے، جس میں موجودہ نسل ہٹ کر نئی تشکیل شدہ نسل برسر روزگار آجائے گی، اور پھر اگلے بیس سال میں جو مزید صورت حال ہوگی وہ ہم کو کہاں سے کہاں پہونچا دے گی، اگر اس خطرہ سے واقفیت نہ کرائی جا سکی تو اس خطرہ کے ازالہ کی فکرمندی بھی نہ پیدا ہو سکے گی۔ ہمارے مذہبی بھائیوں کو دوسرے برادران وطن کی طرح یہ فکر تو ہے کہ ان کے بچوں کا دنیاوی مستقبل اچھا ہو اور وہ مادی زندگی میں کامیاب ہوں، وہ اس کے لئے پیسے بھی خرچ کرتے ہیں، اور اپنے وقت کا نظام بھی ایسا بناتے ہیں کہ ان کے بچوں کی تعلیم بہتر طریقہ سے ہوتی رہے، اور ان کو مادی مستقبل کی ناکامی کا خطرہ پیش نہ آئے لیکن ان کو اس کی فکر نہیں ہوتی کہ ان کا مذہبی مستقبل ناکامی کی نذر نہ ہو جائے۔

قرآن مجید میں اس کا یہ صاف صاف حکم ہے کہ "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ" اے ایمان والو بچاؤ اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے جس کا ایندھن پتھر ہوں گے اور انسان۔ یہ ایسی جگہ کی بات ہے کہ اس میں آدمی کو بے چین ہونا چاہیئے حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ بار بار اس کی طرف توجہ دلاتے تھے دینی تعلیمی کونسل کے اسٹیج سے بڑے جوش و درد سے کہا کرتے تھے، اور حضرت یعقوب علیہ السّلام کی مثال دیتے تھے کہ انتقال کے وقت اپنے لڑکوں کو جمع کر کے کہا تھا کہ اے بیٹو! میرے مرنے کے بعد تم کس کی بندگی کروگے، اور مولانا کہتے تھے اور اس کو اس طرح کہتے تھے: کہ حضرت یعقوب علیہ السّلام بے چین ہو کر کہتے تھے کہ میرے مرنے سے پہلے مجھ کو اطمینان دلاؤ۔ یہ فکر ہر مسلمان کو کرنی ہے کہ اس ملک میں ان کے مذہب کی حفاظت کی ذمہ داری خود ان پر عائد ہوتی ہے، حکومت سیکولر ہے، اور اکثریت کے مذہب سے متاثر ہے۔ وہ ہماری کوئی مدد نہیں کرے گی۔ اگر ہم نے خود یہ کام نہیں کیا تو ہماری نئی نسل الحاد کے راستہ پر چل پڑے گی۔

خاص طور پر پرائمری تعلیم جس میں عقائد اور بنیادی تصورات جڑ پکڑتے ہیں، یہی وہ بات تھی کہ جس کو آج سے چالیس سال پہلے بستی کی وہ غیرت مند اور باہمت دانشور شخصیت قاضی محمد عدیل عباسیؒ نے سمجھ کر اس کی فکر شروع کی اور دینی تعلیمی کونسل قائم کی جس کے اول روز سے صدر مولانا علی میاں صاحب قدس سرہٗ رہے اور قاضی صاحبؒ اس کے جنرل سکریٹری رہے اور اب محترمی ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی صاحب فکرمندی کے ساتھ بحیثیت جنرل سکریٹری کام کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا آغاز جوانی سے حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ سے رابطہ رہا۔ ملت کی حفاظت و ترقی میں مولانا علی میاںؒ نے بڑی بڑی خدمات انجام دیں اور ملت کے مختلف پہلوؤں کی طرف توجہ دینے میں اپنی فکری اور عملی توانائی صرف کی ڈاکٹر صاحب بھی ملت کی فکر میں ان کے ساتھ شریک رہے اسی طرح یہ تحریک جاری ہے اس کی غیر معمولی اہمیت ہے، ہمارا ایک اہم کام یہ ہونا چاہیئے کہ ہم مسلمانوں کو اس خطرہ سے زیادہ سے زیادہ آگاہ کریں اس لئے کہ انسان خطرہ کو جتنا بڑا سمجھتا ہے اتنی ہی اس سے بچنے کی فکر کرتا ہے، ہمارے پڑھے لکھے مسلمان بھائی عام طور پر اس خطرہ کی سنگینی کو نہیں سمجھ رہے ہیں اسی لئے اس سے بچنے بچانے کی فکر بہت کم ہے۔ ہم کو دانشور افراد کو ساتھ لیکر اور عوام سے مل کر ان کو اس خطرہ سے آگاہ کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے اور اس کام کے لئے تیار کرنا چاہیئے کہ اسی کے ساتھ اساتذہ و طلباء سبھی کو اس خطرہ سے آگاہ کرنے اور اس کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کریں اور سب مل کر یہ کام کریں تب اس خطرہ سے بچ پائیں گے، مادی زندگی کی ضرورتوں کے مطابق تعلیم کی

نکر اپنی جگہ پر صحیح ہے اور اس کے مطابق تعلیم حاصل کرنا چاہیئے۔ لیکن یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ ہم دنیاوی مستقبل ٹھیک کر لینے کے ساتھ اگر دینی مستقبل ٹھیک نہ کر سکے تو انجام بڑا خطرناک ہو سکتا ہے۔ ہمیشہ ہمیش کی زندگی جو آخرت کی زندگی ہے وہ ناکامی کا شکار ہو سکتی ہے اور بحیثیت امت مسلمہ کے اس دنیا میں بھی ہماری کوئی شناخت نہ ہو سکے گی۔ اسپین میں مسلمانوں کی حکومت

کے سقوط کے بعد مسلمانوں نے اپنے مذہبی تشخص کو اور مذہبی تشکیل کرنے کے کام میں کوتاہی نہیں کی۔ اور دو سو سال تک نہایت حکمت کے ساتھ دین سے آگاہ کیا اور ظلم سے بچنے کے خاطر مخفی طریقے سے اس کام کو انجام دیا۔ اپنی چھ نسلوں تک اصل تشخص کو باقی رکھا۔ اور جب پانی سر سے اونچا ہو گیا تو ہجرت کی۔ ان کی تعداد اپنے زمانہ کے اعتبار سے تھوڑی تھی اس لئے وہ ہجرت کر سکتے تھے۔ لیکن ہندوستان کے پندرہ بیس کروڑ مسلمانوں کے لئے اس کے علاوہ کوئی حل نہیں ہے۔ کہ وہ اس ملک میں رہتے ہوئے اپنے تشخص کو برقرار رکھیں چونکہ اتنی بڑی تعداد کو نہ ملک سے نکالا جا سکتا ہے نہ ختم کیا جا سکتا ہے لیکن اگر انھوں نے فکر نہ کی تو ان کے تشخص کو ختم کیا جا سکتا ہے۔

(بقیہ) صفحہ ۱۰

درغبت فقر کو دنیا کی سلطنت پر ترجیح دی۔ اصحابِ صفہ ارباب توکل اور اصحاب تبتل کی ایک جماعت تھی جو لیل و نہار تزکیۂ نفس اور کتاب و حکمت کی تعلیم ↰ ۶ پانے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتی تھی۔ یہ حضرات اپنی آنکھوں کو آپ کے دیدار پر انوار کانوں کو آپ کے کلمات قدسیہ اور جسم کو آپ کی صحبت اور معیت کے لئے وقف کر چکے تھے۔ (بقیہ آئندہ)

حمد باری تعالےٰ

قمر الحفیظ قمر

ترا بے شعور بندہ ترا ذکر چاہتا ہے
تری حمد ہی بیاں ہو یہ قلم کا مدعا ہے

اے ستانے والی دنیا مجھے کیا سمجھ لیا ہے
مری آہ میں خدا ہے مری سانس میں خدا ہے

ترے حکم سے سفر ہے ترے نام سے ہے منزل
جو تجھے نہ یاد رکھے وہ سفینہ ڈوبتا ہے

ہے یہاں کے ذرے ذرے میں ترا ہی منظر ستاں
یہ زمیں یہ آسماں سب فقط ایک آئینہ ہے

تو حیات کا بھی مالک تو ہی موت کا بھی مالک
ترے ہاتھ میں فنا ہے ترے ہاتھ میں بقا ہے

" ہوں گناہگار یارب مری بخش دے خطائیں"
ترا اک حقیر بندہ ترے در پہ رو رہا ہے

گھڑی آخری جب آئے پڑھوں کلمۂ شہادت
میری آرزو ہے یارب مری اک یہی دعا ہے

تری راہ سے نہ بھٹکے ہے قمر ترا سوالی
ہے مری یہی گذارش یہی میری التجا ہے

علمائے دین کا منصب

استقامت اور حقیقت پسندی کا جامع

حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تقریر مجلس علمی (حیدرآباد) کی اس نشست میں فرمائی تھی جو ۱۴؍اکتوبر ۱۹۸۲ء کو جمیل الدین صاحب ایڈوکیٹ کے دولت خانہ پر شب میں ہوئی تھی اور جس میں بڑی تعداد میں حیدرآباد کے علمائے کرام۔ فضلائے مدارس اور دینی اداروں اور تنظیموں کے سربراہ تشریف رکھتے تھے۔
افادۂ عام کی غرض سے ہم اس تقریر کو ہدیہ ناظرین کر رہے ہیں

(ادارہ)

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ (المائدہ۸)

اے ایمان والو! کھڑے ہو جایا کرو، اللہ کے واسطے گواہی دینے کو انصاف کی۔

حضرات! علمائے کرام کی اس موقر مجلس میں کچھ عرض کرنا بڑی ذمہ داری کی بات ہے، پرانا حکیمانہ مقولہ ہے: "لکل مقام مقال" میں کوشش کروں گا کہ اس اہم اور باوقار مجلس اور موقع محل کے مطابق اپنے معروضات وخیالات پیش کروں۔

لوگوں نے چھوٹے چھوٹے واقعات اور روزمرہ کے مشاہدات سے بڑے بڑے نتائج نکالے ہیں اس میں شیخ سعدیؒ خاص طور پر بڑے ممتاز ہیں اسی طریقہ سے مولانا رومؒ مثالوں کے بادشاہ ہیں، دونوں روزمرہ کے واقعات سے بڑی حکیمانہ باتیں اور بڑے عمیق نتائج نکالتے ہیں، میں اپنا بھی اسی قسم کا ایک تأثر اور عبرت کا سبق پیش کرتا ہوں آپ کو معلوم ہے کہ میں ایک طویل سفر کرکے آرہا ہوں دہلی سے چلا اور حیدرآباد پہونچا، خدا جانے گاڑی نے کیا کیا رخ بدلے، کن کن علاقوں سے گزری لیکن قبلہ نما نے ہمیشہ صحیح قبلہ بتایا، اس نے نہ گاڑی کے پھرنے کی پرواہ کی نہ سمت کے تبدیل ہونے کی، مجھے بڑا رشک آیا کہ ایک ادنیٰ سا جمادات چیز جو انسان کی صنعت ہے وہ اتنی امین، ایسی ثابت قدم، ایسی خوددار، اور ایسی پابند اصول ہے، کہ اس نے نہ یہ دیکھا کہ گاڑی کس طرح رخ بدل رہی ہے، نہ یہ کہ انسان (جو اشرف المخلوقات ہے) برابر اپنا رخ بدلتا رہا ہے۔ ہر جگہ اس نے صحیح طور پر قبلہ بتایا اور ہم نے اس پر اعتماد کیا اور نماز پڑھی اس سے مجھے غیرت بھی آئی اور عبرت بھی ہوئی کہ قبلہ نما تو کسی کی پروا نہ کرے، اور ہمیشہ سمت قبلہ بتائے اس نے اپنا مقصد وجود تبدیل نہیں کیا، اور نہ اپنے فرض منصبی کی ادائیگی میں فرق آنے دیا اس سے مجھے خیال ہوا کہ علمائے دین کو حقیقت میں "قبلہ نما" ہونا چاہیے، ان کے اندر قبلہ نما کی سی استقامت ہونی چاہیے کسی طرف کی ہوا چلے، اور کہنے والے کتنا ہی کہیں کہ۔ ع

چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی

اور سمجھانے والے کتنا ہی سمجھائیں۔ ع

زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز

لیکن ان کا عقیدہ اقبال (جو خود اعلیٰ انگریزی تعلیم یافتہ اور مفکر وفلسفی اور پھر شاعر تھے) کی اس تعلیم پر ہو ؎

حدیث کم نظراں ہے تو با زمانہ بساز
زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ ستیز

بلکہ وہ یہاں تک کہتے ہیں ؎

گفتند جہانِ ما آیا بتو می سازد
گفتم کہ نمی سازد گفتند کہ برہم زن

حضرات! علماء کی شان یہی ہونی چاہیئے امت مسلمہ امتوں میں، اور جماعت علماء حاملین علم میں الگ شان رکھتے ہیں امت مسلمہ کو ایک قبلہ دیا گیا ہے، وہ جہاں کہیں ہو اسی قبلہ کی طرف اپنا رُخ کرے، جس امت کو ایک معین قبلہ دیا ہے اس کو یہ اشارہ دیا گیا ہے کہ تمہارے دلوں کا قبلہ تمہارا قبلۂ حاجات، تمہاری فکر اور سعی و جہد کا محور ایک ہی ہونا چاہیئے۔ نمازوں میں خانۂ کعبہ اور اعمال و مساعی و مقاصد میں اللہ تعالیٰ کی (جو معبود و مقصود حقیقی ہے) ذات آپ حضرات خدا کے فضل سے نہ صرف اہل علم ہیں، بلکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے دینی قیادت کا مقام عطا فرمایا ہے، خاص طور سے یہ مؤقر مجلس علمی جہاں اس وقت ہم جمع ہیں اس موقع سے فائدہ اٹھا کر دو اہم حقیقتوں کے بارے میں اجمالی طور پر کچھ عرض کروں گا۔

ایک تو عقائد اور حدود شرعیہ کا مسئلہ ہے، اس میں، جماعت علماء کو بالکل قطب نما کی طرح ہونا چاہیئے۔ کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی اس کو سامنے رکھے گا تو وہ اس کی رعایت نہیں کرے گا وہ صحیح سمت بتائے گا، جہاں تک عقائد اور حدود شرعیہ کا تعلق ہے۔ دین میں کسی قسم کی رعایت کی گنجائش نہیں، حکمت اور چیز ہے۔ مداہنت اور چیز، حکمت اور مداہنت میں بڑا فرق ہے، ہاں آدمی سچی اور صاف بات حکمت کے ساتھ کہہ سکتا ہے، اس کا اسلوب حکیمانہ ہو "اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ" لیکن۔ منت نہ ہو، قرآن شریف میں آتا ہے: "وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ"[1]

اللہ کے رسول کو صاف حکم ہے "فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ" یہ "اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ" کا تکملہ۔ "فَاصْدَعْ بِالْاَمْرِ" کا محل متعین کر دیتا ہے، جہاں پر توحید اور شرک کی سرحدیں آتی ہوں، وہاں "فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ" پر عمل کا حکم ہے، نرمی اور وسعت کسی اور چیز میں ہو تو ہو، لیکن توحید و سنت کے بارے میں، منصوصات شرعیہ اور قطعیات دینیہ کے بارے میں "فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ" کا حکم ہے۔ اگر "فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ" مطلق آتا تو اس میں کچھ گنجائش تھی، لیکن "وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ" نے بالکل تفسیر کر دی کہ اس کا موقع و محل کیا ہے، علمائے حقانی کا فرض ہے کہ توحید کے بارے میں بالکل بے لاگ اور صاف بات کہیں لیکن حکمت کے ساتھ کہیں، بقول غالبؔ ایسا نہ ہو ؎

کہتے ہیں وہ بھلے کہ و لیکن بُری طرح۔

بھلی بات بھلے طریقہ پر کہی جائے فتنہ شروع ہو تو علماء شروع میں اچھی سے اچھی نرم سے نرم زبان استعمال کریں، تدریج و حکمت سے کام لیں لیکن اس طرح کہ تاویل اور غلط فہمی کی گنجائش نہ ہو اسی طرز عمل کا نتیجہ ہے کہ آج تک یہ دین قائم ہے۔ اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہے، جس کو ہلاکت کا شوق ہے وہ شوق سے ہلاکت میں پڑے، لیکن وہ شریعت اور شریعت کے حاملین کو الزام نہیں دے سکتا، تاریخ کا اگر عمیق و وسیع نظر سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس امت کی تاریخ میں ایک سال بھی ایسا نہیں گزرا کہ یہ امت عمومی طور پر کسی ضلالت کا شکار ہو گئی ہو جو مقامی طور پر تو ضلالتیں رہی ہیں لیکن پوری امت مسلمہ کسی سازش یا کسی عالمگیر ضلالت میں گرفتار نہیں ہوئی اور خود حدیث میں آیا ہے "لَا تجتمع اُمتی علی ضلالۃ" اس کے برعکس یہودیت بالکل شروع میں تحریف کا شکار ہو گئی اور عیسائیت بالکل عہد طفلی اور آغاز کار میں ایک بالکل نئی پٹری پر پڑ گئی جس پر وہ صدیوں سے چلتی چلی آ رہی ہے، اسی لئے قرآن مجید نصاریٰ کو "ضَآلِّیْن" کے لفظ سے یاد کرتا ہے کہ وہ جیسے ہی چلے دوسرے راستہ پر پڑ گئے۔ لیکن الحمد للہ اسلام اس سے بالکل محفوظ ہے، اس وقت تک توحید و شرک کا فرق سنت و بدعت کا فرق اسلام اور جاہلیت کا فرق، غیر مسلمین کی معاشرت و تمدن اور اسلامی معاشرت و تمدن کا فرق بالکل واضح ہے، کوئی ملک کسی وجہ سے کسی خاص زمانہ میں کسی خارجی یا داخلی سبب کی بنا پر کسی سازش کا شکار نہ ہو جائے یا کسی فتنہ میں مبتلا ہو جائے یہ الگ بات ہے علمائے حق اس صورت حال سے بھی نبرد آزما اور اس کے مقابلہ میں صف آرا رہتے ہیں اور اصلاح حال کی کوشش جاری رہی ہے۔

پوری امت مسلمہ کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے۔ "یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ" (یعنی تم اللہ کے لئے حق کے علمبردار بن جاؤ) ہماری زبان اور محاورہ میں "خدائی فوجدار" ایک طنز کا لفظ ہے کہ آپ خدائی فوجدار ہیں؟ لیکن "قوامین للہ" کا مفہوم تقریباً خدائی فوجداری کا ہے، مبالغہ کے اس صیغہ (قوامین) سے "خدائی فوجداری" کی شان ظاہر ہوتی ہے اگر قوامین للہ ہوتا تو شاید یہ بات نہ پیدا ہوتی کوئی پوچھے نہ پوچھے، کوئی بلائے نہ بلائے، کوئی کہے نہ کہے آپ اپنا فرض ادا کر رہے ہیں۔ آپ

---

[1] وہ چاہتے ہیں کسی طرح تو ڈھیلا ہو تو وہ بھی ڈھیلے ہوں۔ (القلم - ۹)

ہر جگہ پہنچ رہے ہیں، اس آیت میں خطاب اگرچہ پوری امت کو ہے لیکن علماء کی اس بارے میں امتیازی شان ہونی چاہیئے ان کو "شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ" حق و صداقت کا گواہ و علم بردار ہونا چاہیئے۔ اگر امت اسلامیہ کا فرض تو اقوام عالم کا احتساب ہے تو علمائے اسلام کا فرض مسلم معاشرہ کا احتساب کرتے رہنا چاہیئے۔ کہ کہاں سے یہ معاشرہ صراط مستقیم سے ہٹ رہا ہے۔ کہاں سے اس نے خط مستقیم کو چھوڑا ہے، اس بارے میں ان کا کام بالکل بیرومیٹر کا سا ہے۔ وہ ہر جگہ، ہر موسم میں ہوا کا دباؤ بتاتا ہے۔ وہ صحیح شہادت ادا کرتا ہے۔

حضرات! اسی طرح علماء کا دوسرا فرض یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو زندگی کے حقائق ملک کے حالات، ماحول کے تغیرات اور تقاضوں سے باخبر اور روشناس رکھیں ان کی کوشش رہنی چاہیئے کہ مسلم معاشرہ کا رابطہ زندگی اور ماحول سے کٹنے نہ پائے اس لئے کہ اگر دین اور مسلمانوں کا رابطہ زندگی سے کٹ گیا اور وہ خیالی دنیا میں زندگی گزارنے لگے تو پھر دین کی آواز بے اثر ہوگی۔ اور وہ دعوت و اصلاح کا فرض انجام نہیں دے سکیں گے، اور اتنا ہی نہیں ہوگا بلکہ اس دین کے حاملین کو اس ملک میں رہنا مشکل ہو جائے گا۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جہاں علماء نے سب کچھ کیا لیکن زندگی کے حقائق سے امت کو روشناس نہیں کیا، اس ماحول میں اپنے فرائض کے انجام دینے کی انھوں نے تلقین نہیں کی۔ ایک اچھا شہری ایک مفید عنصر بننے، اور اس ملک کی قیادت حاصل کرنے کی اہلیت پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی، وہاں اس ملک نے ان کو اس طرح اگل دیا جیسے لقمہ اگلا جاتا ہے۔ اور ان کو اگل کر کے باہر پھینک دیا اس لئے کہ انھوں نے اپنی جگہ نہیں بنائی تھی، آج ہندوستان کے مسلمان ایک دانشمندانہ اور حقیقت پسندانہ دینی قیادت کے محتاج ہیں، آپ اگر مسلمانوں کو سَو فیصدی تہجد گزار بنا دیں، سب کو متقی و پرہیزگار بنا دیں لیکن ان کا ماحول سے کوئی تعلق نہ ہو، وہ یہ نہ جانتے ہوں کہ ملک کدھر جا رہا ہے، ملک ڈوب رہا ہے ملک میں بداخلاقی طوفان اور وبا کی طرح پھیل رہی ہے، ملک میں مسلمانوں سے نفرت پیدا ہو رہی ہے تو تاریخ کی شہادت ہے کہ پھر تہجد تو تہجد پانچ وقتوں کی نمازوں کا پڑھنا بھی مشکل ہو جائے گا اگر آپ نے دین داروں کے لئے اس ماحول میں جگہ نہیں بنائی اور ان کو ملک کا بے لوث مخلص اور شائستہ شہری ثابت نہیں کیا جو ملک کو بے راہ روی سے بچانے کے لئے ہاتھ پاؤں مارتا ہے اور ایک بلند کردار پیش کرتا ہے تو آپ یاد رکھئے کہ عبادات و نوافل اور دین کی علامتیں اور شعائر تو الگ رہے۔ وہ وقت بھی آسکتا ہے کہ مسجدوں کا باقی رہنا بھی مشکل ہو جائے اگر آپ نے مسلمانوں کو اجنبی بنا کر اور ماحول سے کاٹ کر رکھا، زندگی کے حقائق سے ان کی آنکھیں بند رہیں اور ملک میں ہونے والے انقلابات، نئے بننے والے قوانین عوام کے دل و دماغ پر حکومت کرنے والے رجحانات سے وہ بے خبر رہے تو پھر قیادت تو الگ رہی (جو خیر امت کا فرض منصبی ہے) اپنے وجود کی حفاظت بھی مشکل ہو جائے گی، فاتح مصر صحابیٔ رسولؐ حضرت عمرو بن العاصؓ نے جس وقت مصر فتح کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بصیرت پر ضرور منکشف کیا ہوگا کہ انشاء اللہ مصر سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں برس تک اسلام کا حلقہ بگوش رہے گا، مرکز اسلام سرزمین مقدس حجاز اس کے بالکل قریب ہے رومی شہنشاہی وہاں سے بے دخل ہو چکی، قبطی مسیحی سلطنت دم توڑ چکی، لیکن انھوں نے عربوں اور مسلمانوں کو خطاب کرکے فرمایا "اَنْتُمْ فِی رِبَاطٍ دَائِمٍ" یاد رکھو تم ہمیشہ محاذ جنگ پر رہو، تم ہمیشہ سرحد پر پہرا دے رہے ہو۔ آنکھ جھپکی اور مارے گئے۔ ناکے پر کھڑے رہنے والے کو ہر وقت چوکنا اور بیدار رہنا چاہیئے۔ اس کے لئے نہ غفلت کی گنجائش ہے نہ تغافل کی، نہ جہل کی نہ تجاہل عارفانہ کی۔

حضرات! جس ملک میں اس وقت ہم زندگی گزار رہے ہیں اس ملک کے حالات تیزی سے بدل رہے ہیں یہ ملک گرد و پیش کے ممالک اور دنیا کی بڑی طاقتوں سے بے نیاز نہیں رہ سکتا اس ملک میں بہت سے فلسفے، بہت سی سلبی طاقتیں، بہت سی تخریبی تحریکیں کام کر رہی ہیں، اور بہت سرگرم اور فعال ہیں، نظام تعلیم برابر بدلتا رہتا ہے۔ اور کبھی وہ شدت سے عقائد و حقائق دینی پر اثر انداز ہوتا ہے، جبری تعلیم نے اور قومی زبان نے بھی نئے نئے مسائل پیدا کر دیئے ہیں، اس حالت میں ہم کو حالات کا برابر جائزہ لیتے رہنا چاہیئے۔ اور اپنے تحفظ کا سامان کرتے رہنا چاہیئے۔

اس کے ساتھ مسلمانوں کو بتانا چاہیئے کہ دیکھو اس ملک کو تباہی سے بچانا تمہاری ذمہ داری ہے۔ تم باایمان، بااصول اور باکردار بن کر یہاں رہو۔ اگر تم یہاں پر حضرت یوسفؑ کا نمونہ پیش کروگے تو پھر وہ وقت آئے گا کہ اہم سے اہم

اور نازک سے نازک تر، اور دشوار سے دشوار تر ذمہ داری تمہارے سپرد کی جاسکے گی۔ حضرت یوسفؑ نے جن کو اللہ تعالیٰ نے حفیظ و علیم کی صفت عطا فرمائی تھی، دیکھا کہ اس ملک میں اس وقت تک دین کی اشاعت نہ ہوسکے گی اور دین کے لئے مقام پیدا کیا نہ جاسکے گا۔ جب تک وہ وہاں اپنی اہلیت اپنی خیر خواہی انسان دوستی اور عدل کا ثبوت نہ دیں گے اور اللہ کے بندوں کو اپنا گرویدہ نہ بنالیں گے اس وقت تک اس ملک میں خدائے واحد کا نام لینا بھی مشکل ہوگا، ہم ہندوستانی مسلمانوں کو بھی یہ ثابت کرنا چاہیئے کہ ہمارے بغیر یہ ملک چل نہیں سکتا۔ ہم نہ رہے تو یہ ملک تباہ ہو جائے گا۔

یاد رکھئے اگر ہم ملک کے حالات سے اپنے کو کاٹ لیں گے اور جو گرم و سرد ہوائیں چل رہی ہیں اس سے بے خبر ہو جائیں گے اور ہم کسی مکیف (AIRCONDITIONED) مکان میں رہنا شروع کر دیں گے جہاں نہ گرم جھونکا پہنچ سکے نہ سرد، تو ہم اپنے ساتھ بھی بدخواہی کریں گے۔ اپنے دین کے ساتھ بھی۔ کوئی فرقہ ملک کی آبادی کا کوئی عنصر باقی عناصر سے کٹ کر نہیں رہ سکتا۔ ہاں اس کے شرائط اور حدود ہیں آپ ہرگز تحلیل نہ ہوں، آپ اپنے پیغام اور دعوت کے ساتھ رہیں، آپ اپنی تہذیبی و معاشرتی خصوصیات کے ساتھ رہیں آپ اپنے ملی تشخص کو پورے طور پر برقرار رکھیں اور اس کے کسی حصہ سے بھی آپ دستبردار ہونے کے لئے تیار نہ ہوں، لیکن زندگی کے دھارے سے الگ نہ ہوں، میں قومی دھارے کو نہیں کہتا (خدا نہ کرے کہ اس زندگی میں کبھی میری زبان سے یہ لفظ نکلے کہ قومی دھارے میں جذب ہو جایئے) نہیں زندگی کے دھارے سے آپ الگ نہ ہوں، اس لئے کہ زندگی کے دھارے سے جو الگ ہوا وہ الگ ہی ہوگیا۔ اس کی جگہ زندہ انسانوں میں نہیں رہتی، میں اسلام کو ایسا محدود اور ناقص نہیں سمجھتا کہ اگر حالات اور زندگی کے مسائل کی طرف توجہ کی جائے تو فرائض چھوٹ جائیں گے۔ عقائد میں خلل آجائے گا۔ ہمارے اسلاف نے شہنشاہی کی اور امپائر بنائے ہیں لیکن ان کی تہجد بھی نہیں چھوٹی معمولی سنت بھی ترک نہیں ہوتی، حضرت سلمان فارسیؓ کا واقعہ ہے عراق کے گورنر تھے اور مدائن کے دارالحکومت میں رہتے تھے۔ ایک مرتبہ کھانے کی کوئی چیز زمین پر گر گئی تو اٹھا کر صاف کر کے کھانے لگے۔ کسی نے کہا کہ ارے آپ والی ہو کر ایسا کام کرتے ہیں، انھوں نے جواب دیا کہ کیا میں اپنے حبیبؐ کی سنت تم جیسے بیوقوف کی خاطر چھوڑ دوں گا؟ یہ نہیں کہ آگ آئے تو پانی نہیں رہے گا۔ اور پانی آئے تو آگ بجھ جائے گی۔ یہ غلط تخیل ہے۔ آپ پوری عزیمت، شان و تقویٰ اور کثرت عبادت کے ساتھ اچھے اور کامیاب شہری بن سکتے ہیں بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ وہی اچھا شہری بن سکتا ہے جو خدا کا صحیح پرستار اور اپنے اصولوں کا پابند ہو آج ہندوستان ہی نہیں تقریباً تمام خاص مسلم ممالک اور عرب ممالک کی بھی حالت یہ ہے کہ وہاں بھی یورپ امریکہ کے گرم جھونکے آرہے ہیں، نئے نئے فتنے پیدا ہو رہے ہیں، اسلام اور جاہلیت کی کشمکش برپا ہے، وقت کے نئے نئے تقاضے اور زندگی کے نئے نئے مسائل درپیش ہیں ان سے آنکھیں بند کر لینا اور یہ کہنا کہ نہیں کچھ نہیں ہو رہا ہے غلط ہے اس حقیقت پسندی، وسیع النظری اور جامعیت کا ثبوت دینے کا حیدرآباد میں اور بھی اچھا موقع ہے یہاں تعلیم بھی ہے اور قوت عمل بھی یہاں نئے نئے ادارے، نئی نئی تنظیمیں اور تحریکیں پیدا ہو رہی ہیں لیکن مسلمانوں کو ایک اجتماعی قیادت اور صحیح مشورے کی ضرورت ہے، ایک طرف تو عقائد کے بارے میں، اصول کے بارے میں شریعت کے منصوصات کے بارے میں پہاڑ کی سی استقامت اور فولاد کی سی صلابت ہو، دوسری طرف زندگی کے مسائل میں پورا فہم، پوری دانشمندی، پوری باخبری اور پوری ہمدردی، یہ دونوں چیزیں ہوں گی تو انشاء اللہ ہم موجودہ حالات سے نہ صرف یہ کہ عہدہ برآ ہو جائیں گے بلکہ مجھے پوری امید ہے کہ قیادت آپ کے پاس خود آئے گی۔ مسلمانوں میں سیاسی شعور الوعی السیاسی (شہری شعور) الوعی المدنی۔ (CIVIL SENCE) پیدا کرنا ضروری ہے، وہ جس محلہ میں رہیں ممتاز نظر آئیں اور معلوم ہو کہ یہ مسلمانوں کا محلہ ہے، مسلمانوں کے گھر ہیں، دین کو اس کی حقیقی روح اور مظاہر کے ساتھ ایک خوش اسلوب شہری زندگی۔ انسانیت دوستی، حقیقت پسندی، ہوش مندی، ملک کے لئے فکر مندی، اس کو بچانے کے لئے خطر پسندی اور مہم جوئی کی ضرورت ہے اس کے لئے آپ خود نمونہ بنیں۔ اور ہندوستان کے مسلمانوں کے سامنے نمونہ پیش کریں۔

وصلی اللہ تبارک وتعالیٰ علی سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ وسلم

(تحفۂ دکن)

ایک ناگزیر ساعت

مولانا عبداللہ عباس ندوی

اس زندگی میں ایک ایسی ساعت بھی آتی ہے جب سرکش سے سرکش انسان بھی بے بس اور لاچار ہوجاتا ہے اس کے غرور کو کوئی کچلنے والا کچلتا ہے اور وہ دم نہیں مار سکتا ایک طرف اس کے اعزا اور خدام بھی موجود ہیں محبت و وفاداری کا دم بھرنے والے، صدقے اور قربان ہونے والے، پسینہ کی جگہ خون بہانے والے احباب دنیاز مند بھی سامنے ہیں دوسری طرف اس کی دولت ووجاہت بھی دست بستہ کھڑی ہے، زندگی کی آن بان اور شان وشوکت بھی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہے نہ پانی نے اپنی تاثیر کھوئی ہے اور نہ ہوا نے اپنا کام روکا ہے، آگ سے گرمی اور برف سے ٹھنڈک ختم نہیں ہوئی ہے لیکن ایک مجبور وبے بس انسان ہے جس کے حق میں نہ وہ احباب دنیاز مند کام آرہے ہیں جو ہمیشہ کے بے خیر خواہ تھے اور نہ وہ دولت کام آرہی ہے جس کو عمر بھر "ستار عیوب" اور "قاضی الحاجات" سمجھتا رہا، ہوا موجود ہے لیکن سانس لینے کی طاقت جواب دے رہی ہے، آگ سے ٹھنڈا جسم گرم نہیں ہورہا ہے، برف سے سوکھا ہوا حلق تر نہیں ہوتا، آنکھیں ہیں کہ اوپر ٹنگ گئی ہیں، ہاتھ پاؤں لکڑی کی طرح سخت ہورہے ہیں روح جسم کا ساتھ چھوڑ رہی ہے جان "جان آفریں" کے حضور میں واپس جارہی ہے، جسم کے قید خانے سے روح مقید کی رہائی کا وقت ہے سالہا سال سے جس ڈھانچے میں انسان بند تھا اس بندش سے آزادی کی ساعت ہے۔

وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذَالِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ (ق)

اور وہ آئی بے ہوشی موت کی تحقیق یہ وہ ہے جس سے تو ٹلتا رہتا ہے۔

یہ "موت کی بے ہوشی" انسان کی فرزانگی اور ادّعائے دانش کا مذاق اڑا رہی ہے، اس کے قوت وجبروت کو چیلنج دے رہی ہے،

فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ○ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ○ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ تَرْجِعُوْنَهَا اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ ○ (واقعہ ع۳)

پھر کیوں نہیں جس وقت (نہ) جان پہنچے حلق کو اور تم اس وقت دیکھ رہے ہو ہم اس کے پاس ہیں تم سے زیادہ پر تم نہیں دیکھتے پھر کیوں نہیں اگر تم نہیں ہو کسی کے حکم میں تو کیوں نہیں پھیر لیتے اس روح کو اگر ہو تم سچے۔

وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ "(اور جس وقت کہ تم دیکھتے ہوتے ہو) اس اجمال کے قربان جائیے کتنی تفصیل اس کے اندر پوشیدہ ہے اور سوچئے کہ انسان کیا کرتا ہے سوائے اس کے کہ انسان دیکھے! اور کوئی کیا جانے کہ وہ کیا دیکھ رہا ہوتا ہے. کتنی حسرتیں اور کتنے ارمان نگاہوں میں پھر رہے ہیں، ان کی پھٹی پھٹی آنکھوں میں کیا جانئے امیدوں کی کتنی دنیا آباد تھی، رگوں کے کھنچنے کو جسم کے کرب بے چینی کو چہرے کے بدلتے ہوئے رنگ کو تو بھی دیکھ رہے ہیں لیکن احساسات کے مدّوجزر کو روح کے اضطراب کو، اور تمناؤں کی رنگ بدلتی ہوئی دنیا کو بھی کسی نے دیکھا؟ سانسوں کے تسلسل سے پیدا ہونے والی سِسک کو تو سب ہی سن رہے ہیں لیکن دل کے نارو افریاد پر کس نے کان دیا؟ جل پڑی ہوئی پیشانی پر موت کا ٹھنڈا پسینہ سب کے سامنے ہے لیکن کس کو فرصت کہ اس چین جبیں میں پوشیدہ داستان کو سمجھے. چہرے کی اڑی ہوئی رنگت کو کس نے نہیں دیکھا؟ لیکن کون جانے چہرے کی یہ بے رنگی کتنی رنگین کہانیاں دہرا رہی ہے۔ یہی وہ وقت ہے جب انسان کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتنے پانی میں ہے. اور یہی وہ ساعت ہے جب اپنی بے بسی اور تمام مادی طاقتوں کی بے بسی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے، اور یہی وہ گھڑی ہے جب اس کے جسم کا رواں رواں شہادت دیتا ہے "کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ" کا کلیہ بیان کرنے والی ذات تنہا قوت وجبروت کی مالک ہے اور یہیں سے عمر بھر انکار کرنے والے، اپنی دولت اور زبانت پر اکڑنے والے اپنی کثرت اور سامان پر اترانے والے اور ایمانی حقائق سے دامن کشاں کترا کر گزر جانے والے چیخ اٹھتے ہیں کہ:

مَآ اَغْنٰى عَنِّىْ مَالِيَهْ ○ هَلَكَ عَنِّىْ سُلْطَانِيَهْ ○ (الحاقہ ع۱)

کچھ کام نہ آیا مجھ کو میرا مال، برباد ہوئی مجھ سے حکومت میری۔

پھر یہ دیکھئے کہ مجبوری وبے بسی کی یہ ساعت یک بیک نہیں آتی. بلا اطلاع اچانک نہیں نازل ہوجاتی، بجلی بن کر دفعتہً نہیں گر پڑتی بلکہ پوری زندگی اسی منزل کی طرف سفر جاری رہتا ہے

آفتاب کا ہر طلوع متنبہ کرتا رہا کہ تیری "حیات مستعار" کا ایک دن اور بھی کم ہو گیا اور تو قبر سے چند گز اور قریب کر دیا گیا اس کے علاوہ خود جسمانی ساخت اور اس کی تبدیلیاں چونکانے کے لئے کب کم تھیں، بچپن سے جوانی تک کا سفر اور جوانی سے پیری کی طرف کوچ، سیاہ بالوں کی سفیدی، کسے ہوئے جسم پر جھریاں، طفلی کے ضعف کے بعد جوانی کی طاقت اور جوانی کی قوت کے بعد پیری کا ضعف، پیہم تغیرات کیا فطرت انسانی کو بیدار کرنے کے لئے کافی تھے یہ بے حرف وصوت ندائیں، یہ قدرت کے ان دیکھے ہاتھوں کے کرشمے کس نے اور کب نہیں دیکھے؟ پھر یہ کیسے کہا جائے کہ یہ آنے والی ساعت اچانک آگئی یقینی بار بار کے اعلان کے بعد آئی اور رفتہ رفتہ آئی اور اس کا موقع دیکر آئی کہ جو چاہے اس ساعت کو اضطراب کرب کی آخری ساعت بنا لے اور جو چاہے اس کو مصائب اور دردناک عذاب کی تمہید سمجھے، ایمان لانے والوں کے لئے اس تکلیف کے بعد کوئی تکلیف نہیں، زندگی کا درد زندگی ہی میں ختم ہو رہا ہے۔ یہ بوجھ اتارنے کی تکلیف ہے۔ بوجھ لے کر گھاٹی پر چلنے کی تکلیف نہیں ہے۔ یہ کانٹا نکالنے کے وقت کی تکلیف ہے وہ تکلیف نہیں ہے جو سوئیوں اور کانٹوں کے چبھونے کے وقت ہوتی ہے اہل ایمان کے لئے اس کے بعد نعمت اور راحت اور عافیت کے دروازے کھل رہے ہیں، تمام اہل ایمان کے آقا و مولیٰ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی یہ تکلیف مقتضائے بشریت کی بنا پر گزری ہے، یہ احساس ہی مومنین کے زخم پر مرہم ہے کہ اس منزل سے حضور نبی کریمؐ کو بھی گزرنا پڑا۔ صحیح مسلم کی روایت ہے۔ جب آخری مرتبہ تمام صحابۂ کرامؓ نے جمال اقدس کی زیارت کی تو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چہرہ انور یہ معلوم ہوتا تھا کہ مصحف کا کوئی ورق ہے (یعنی بالکل سپید ہو گیا تھا) حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نزع کی کیفیت دیکھ کر تاب نہ لا سکیں اور بے اختیار آپ کی زبان سے نکل گیا کہ واکرباہ (ہائے میرے باپ کی بے چینی!) آپ نے فرمایا کہ "تمہارا باپ آج کے بعد بے چین نہ ہوگا" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس حالت میں اکثر آپ کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوتے تھے:۔

مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ

ان لوگوں کے ساتھ جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے۔

اور کبھی فرماتے: اَللّٰهُمَّ فِی الرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى

(یعنی اے اللہ! بلند و بالا رفاقت میں لے لے)

یہ ثبوت کا یقین کہ اس تکلیف کے بعد پھر کوئی تکلیف نہیں ہے، ایمان لانے والوں کا ورثہ ہے اور یہی سرمایۂ قوت ہے۔ یہی طاقت و دولت ہے جس کا موازنہ کبھی مادی دولت سے نہیں کیا جا سکتا۔ اور جہاں یہ دنیا کے جاہ و حشم خاک کے ڈھیر کی مانند بیکار ثابت ہوتے ہیں وہاں یہ دولت کام آتی ہے، جہاں سب سکے کھوٹے ثابت ہوتے ہیں وہاں ایمان و یقین کا یہ سکہ کام دیتا ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے کہ نزع کے وقت آپ کی بے چینی کو جب آپ کے اہل نے دیکھا تو چیخ اٹھیں کہ واکرباہ (کتنی بے چینی کا عالم ہے) تو فوراً آپ نے جواب دیا واطرباہ (کتنی مستی کا وقت ہے) یہ مستی عین نزع کے عالم میں کس کو سوجھ سکتی ہے صرف اسی کو جسے اس کا یقین تھا کہ غداً نلاقی الاحبہ محمدا وحزبہ" کہ کل تو اپنے دوستوں سے ملنا ہوگا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت کی زیارت ہوگی!

جو دل ایمان و محبت کا مسکن رہ چکا ہے اس کے لئے یہ ساعت بشارت کی نوید لیکر آتی ہے مسرت کی نوید خواہ جس شکل میں بھی سامنے آئے لیکن بہرحال وہ نوید مسرت ہے جس کی لذت بہت کچھ اس درد کا مداوا بن جاتی ہے جس درد سے وہ سردست دوچار ہے لیکن پناہ خدا اگر زندگی اس ایمان و محبت سے خالی گزری ہے، اگر وعدۂ الٰہی پر سرے سے ایمان نصیب ہی نہ ہو تو پھر یہ وقت۔ اور نا گزیر وقت واقعی بڑا سخت وقت ہے جبکہ مجبور و بیچارہ انسان اپنی ساری کمائیوں کو، اپنے دوستوں کو، اپنے اعزا و احباب کو اپنی تجارتوں کو، اپنی پارٹی اور جماعتوں کو چھوڑ کر بالکل تنہا جس طرح آیا تھا اسی طرح خالی ہاتھ جا رہا ہے۔ اور جو منزل آرہی ہے وہ پہلی منزل سے زیادہ سخت اور دردناک آرہی ہے۔ الموت شد مما قبلہ واھون مما بعدہٗ یعنی موت سے پہلے جو دن گزرے اس کی بہ نسبت موت بڑی سخت مصیبت ہے۔ لیکن جو بعد میں آنے والی گھڑیاں ہیں ان کے لحاظ سے موت کی مصیبت بہت آسان ہے، نزع کی تکلیف تو صرف تمہید ہے۔

رگ و پے میں جب اترے زہر غم تب دیکھئے کیا ہو
ابھی تو تلخی کام و دہن کی آزمائش ہے

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ رِضَاكَ وَالْجَنَّةَ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ غَضَبِكَ وَالنَّارِ۔

شر کا فروغ کتاب کے ذریعہ

اسلام کی تاریخ کو مسخ کرنے کی کوشش خشونت سنگھ نے ناکام کر دی

حسین امین

اسلام کی تاریخ کو مسخ کرنے کی ایک مذموم کوشش کو ناکام بنانے کی ایک جرأت مندانہ اور مثبت کوشش سامنے آئی ہے، جو ان معنوں میں بے حد قابل ستائش اور اطمینان بخش ہے کہ میڈیا ایسی ذہین، دیانت دار اور حساس ہستیوں سے خالی نہیں ہے جو حق و باطل کے معاملے میں ایک کھلا ذہن رکھتی ہیں اور ضرورت پڑنے پر پوری بیباکی سے اپنے قلم کا استعمال ایک فریضے کے طور پر کرتی ہیں۔

صحافتی دیانت داری اور حق گوئی وبیباکی کا یہ مظاہرہ کسی اور نے نہیں انگریزی صحافت و ادب کی دیوقامت شخصیت خشونت سنگھ صاحب نے ایک ایسی کتاب پر عالمانہ انداز میں نقد و تبصرہ کر کے کیا ہے جو بظاہر کسی سنگین اور منصوبہ بند سازش کے نتیجہ میں لکھی گئی اور منظر عام پر لائی گئی ہے اور یہ سازش اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ اسلام کی تصویر اور تاریخ کو مسخ اور داغدار کیا جائے اسلام کا مطالعہ کرنے والوں کو گمراہ کیا جائے اور اسلام کے خلاف نفرت کا ماحول پیدا کیا جائے جیسا کہ خشونت سنگھ صاحب نے بھی محسوس کیا ہے، مذکورہ کتاب ہو سکتا ہے کہ عام لوگوں کے ہاتھ میں نہ جائے لیکن دانشوروں، محققوں اور مؤرخوں کے ذہن کو ضرور مکدر کر سکتی ہے۔ بہرحال خشونت سنگھ صاحب کی تحریر کھلے اور صاف ذہن کے دانشوروں کو ضرور متاثر کرے گی اور بڑی حد تک اس گھٹیا اور لچر مقصد کا سدباب ہو سکے گا جس کے لئے کتاب لکھی گئی ہے۔

مسٹر خشونت سنگھ نے گذشتہ ۲۵ر مارچ ۲۰۰۲ء کو اپنے مشہور کالم "وِدھ میلس ٹوورڈس وَن اینڈ آل" میں جو ہندوستان ٹائمز سمیت ملک کے مختلف اخباروں میں شائع ہوا ہے "اسلام، سیکس اینڈ وائیلنس" (اسلام، جنس اور تشدد) کے عنوان سے منظر عام پر آنے والی ایک کتاب کا ذکر کیا ہے جو "انور شیخ" کے نام سے کسی نے لکھا اور شائع کیا ہے۔" مصنف نے جو کتاب کے طابع بھی ہیں اپنا پتہ یہ دیا ہے" پرنسپلٹی پبلشرز، پی او باکس ۹۱۸، کارڈف یونائیٹڈ کنگڈم "مصنف نے اپنی کتاب کو اس "انسانیت" کے نام منسوب کیا ہے "جس کی خود فہمی کی طرف بڑھتے قدم کو دنیا بھر کے خود ساختہ سرداروں نے اپنی خود غرضانہ جوڑ توڑ سے روک دیا۔" مصنف نے مزید لکھا ہے کہ "اس معاملے میں اپنے خلوص کا مظاہرہ کرنے کے لئے مجھے یہ اعلان کرنا ہے کہ چونکہ یہ کتاب عام لوگوں کی بہتری کے لئے لکھی گئی ہے اس لئے اس کی قیمت لے کر فروخت کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔"

"شر کا فروغ کتاب کے ذریعہ" کے عنوان سے مسٹر خشونت سنگھ نے اپنے تبصرہ میں لکھا کہ بہرحال مصنف نے پوری فراخ دلی کے ساتھ، عام لوگوں کی بہتری کے کاموں میں مصروف افراد اور اداروں کو "کتاب کے اقتباسات کا حوالہ دینے اور اسے مختلف زبانوں میں ترجمہ کرنے کا حق دیا ہے۔"

مسٹر خشونت سنگھ نے اپنے زندگی بھر کے صحافتی تجربے اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی چھٹی حس اور بصیرت کی روشنی میں اپنے تبصرے میں لکھا کہ "مجھے یقین ہے کہ انور شیخ نام کا کوئی شخص نہیں ہے۔ اس کتاب کا مصنف کوئی غیر مسلم شخص ہے یا دو غیر مسلم اشخاص ہیں، کیونکہ کتاب کے پہلے حصے کا اسلوب نگارش دوسرے حصے کے اسلوب سے بالکل مختلف ہے۔ کارڈف کا پتہ صاف طور پر جھوٹا ہے، کتاب جس پیکٹ میں بھیجی گئی ہے اس پر ہندوستانی ڈاک ٹکٹ چسپاں ہے۔"

مسٹر خشونت سنگھ نے اپنے تبصرے میں کہا کہ "یہ کتاب صفحہ اول سے لے کر آخر تک مسلمانوں، قرآن کی تعلیمات، حدیث اور پیغمبرؐ کی ذاتی زندگی کے بارے میں شرمناک طور پر جانبدار اور تعصب زدہ ہے۔" اس میں پیغمبرؐ (اسلام) کے وصال کے بعد سو برس کے اندر ایشیا میں بحر الکاہل کے ساحل سے لے کر بحر اوقیانوس تک اسلام کے زبردست فروغ کی تشریح عرب قوم پرستی کو مسلط کرنے کی حیثیت سے کی ہے جسے (اسلام پر) عقیدہ نہ رکھنے والوں کو فتح کرنے، برباد کرنے، ہلاک کرنے اور آبروریزی کی خدائی اجازت حاصل تھی۔ اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ "مجاہدین بہت اچھے لڑاکو ہوتے تھے کیونکہ ان کو یقین دلایا گیا تھا کہ کافروں سے لڑتے ہوئے میدان جنگ میں جاں بحق ہو جائیں گے تو ان کو بہشت میں بہت اچھی زندگی ملے گی جو خواہشمند کنواریوں اور

خوبرو نوجوانوں سے بھری ہوئی ہے اور جہاں پسندیدہ شرابوں کے چشمے بہہ رہے ہیں۔"

مسٹر خشونت سنگھ نے اس بات کو تاریخ کی سچائی کی انتہائی بے ہودہ تضحیک قرار دیا ہے اور اسے بدترین قسم کا مسلم دشمن تعصب بتایا ہے۔ اور کہا ہے کہ میرے دماغ میں کچھ شکوک ہیں کہ اس کتاب کو شائع کرنے میں مصنف (مصنفین) کا کوئی خبیثانہ منصوبہ ہے۔

مسٹر خشونت سنگھ نے اپنے تبصرہ میں کہا کہ میں مصنف (مصنفین) سے کہنا چاہوں گا کہ اس بات کی وضاحت کریں کہ آج عیسائی، ہندو، بودھ یا سکھ دھرم کے مقابلے میں اسلام کے حلقہ بگوش ہونے والوں کی تعداد کیوں بڑھ رہی ہے؟ اس کے پیچھے کوئی اصل سیاسی طاقت بھی نہیں ہے اور پیٹرو ڈالر کے وسائل محدود ہیں۔ پھر مسٹر خشونت سنگھ لکھتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کا پیغام اور پیغمبرؐ کی حیات مبارکہ ان کے لئے اس سے زیادہ معنی رکھتی ہے جتنا کہ وہ عقیدہ جس میں وہ پیدا ہوئے۔ ملیالی ادیبہ کملا داس کا تبدیلی مذہب کا معاملہ ایک اہم نکتہ پیش کرتا ہے۔

مسٹر خشونت سنگھ نے آخر میں کہا ہے کہ اس کتاب کے مصنف (مصنفین) کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہر مذہبی نظام میں کچھ فیچر (رواب) ہوتے ہیں جو اوروں کو عجیب سے معلوم ہوتے ہیں۔ وہ دوسروں کے اعتقادات کا مضحکہ اڑانا تو آسان سمجھتے ہیں لیکن اس وقت سٹپٹا جاتے ہیں جب دوسرے ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔ مسٹر خشونت سنگھ نے اس بات پر حیرت ظاہر کرتے ہوئے کہ اپنے ہی ملک کے حساس مذہبی ماحول کو گندہ کرکے کوئی کیا پا جاتا ہے، یہ نتیجہ پیش کیا ہے کہ یہ اپنی مادر گیتی کے خلاف غداری ہے۔ (بذریعہ انڈیپنڈنٹ نیوز سروس، لکھنؤ)

(بقیہ) دیوناگری رسم الخط

جواب یہ ہے کہ اصل حروف تو بدلے نہیں ہیں جب تک ان کا صحیح تلفظ اور صحیح مخرج نہ جانے گا۔ اصل حروف کی آواز نکلے گا لیکن ان نقطوں کی موجودگی خود پڑھنے والے کو اس بات پر اکسائے گی کہ وہ معلوم کرے کہ یہ نقطے کیوں لگائے گئے ہیں۔ پھر ایک روز وہ آئے گا کہ نقطے والے حروف اپنے مخارج کے ساتھ رواج پا جائیں گے۔ لیکن نظر انداز کردینے سے یہ عیب ہمیشہ موجود رہے گا۔

اردو، ہندی پرچوں اور اخبار والے حضرات سے درخواست ہے کہ اگر وہ مجھ سے متفق ہوں تو اس مضمون کو اپنی تائید کے ساتھ اپنے اخبار یا ہفت روزہ یا پندرہ روزہ یا ماہنامہ میں شائع فرمائیں۔

دینی مدارس میں ہندی پڑھانے والے اساتذہ حضرات سے درخواست ہے کہ اگر وہ مجھ سے اتفاق کرتے ہوں تو اپنے شاگردوں کو ان نقطے والے حروف کا استعمال سکھائیں اور ہر ایک کا صحیح مخرج بتائیں۔

دعائے مغفرت

● دارالعلوم ندوۃ العلماء میں شبلی لائبریری کے کارکن بدر الحسن صدیقی کا ۲۴ر مارچ ۲۰۰۰ء کو انتقال ہوگیا

مرحوم دیندار، صحیح عقائد کے حامل اور بلند ہمت انسان تھے۔

● دارالعلوم کے سابق طالب علم مولوی نظام الحق ندوی کے والد مولوی محمد اکبر کرمانی طویل علالت کے بعد ۵ار مارچ ۲۰۰۰ء کو اپنے آبائی وطن کشمیر میں انتقال کرگئے۔

● شبلی لائبریری کے ملازم محمد صدیق کے چچا محمد اسحاق کا ۱۲ر اپریل ۲۰۰۰ء کو مختصر علالت کے بعد انتقال ہوگیا۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے
قارئین کرام سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے

خواتین کو اسلام نے کیا کیا دیا

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، استاذ تفسیر، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

(مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ایک سیمینار میں پیش کیا گیا مقالہ)

قوانین اسلام میں عورتوں کو جو حقوق دیئے گئے ہیں ان کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ اس وقت ہو سکے گا جب اسلام کے علاوہ دیگر مذہبی، ملکی، قومی، قوانین سے آگہی ہو۔ اور دونوں کے درمیان موازنہ کیا جائے۔ جیسا کہ روشنی کی صحیح قدر اسے ہی ہوتی یا ہو سکتی ہے جسے تاریکی سے واسطہ پڑا ہو۔ یا غذا کی افادیت کا اندازہ حقیقۃً وہی صحیح لگا سکتا ہے جو بھوک اور فاقہ کا شکار رہا ہو۔ اس لئے پہلے ہلکی سی جھلک غیر اسلامی نظام و قوانین کی دکھانا نیز جاہلیت کے ان طریقوں کا ذکر کرنا مناسب لگتا ہے جو صنف نازک کے بارے میں دنیا بھر میں رائج تھے۔

رومن لا:- ہم یہاں سب سے پہلے رومن لا کا مختصر جائزہ لیتے ہیں جسے عام طور پر قوانین کا جنم داتا اور انسانیت کا رکھوالا۔ اور انصاف کا نمائندہ باور کیا اور کرایا جاتا ہے اور جو عرصہ دراز تک سارے مغرب میں اور خاص طور پر یورپ میں دستوری حکمرانی کرتا رہا ہے۔ اس لا میں کنبہ کے سربراہ کو کنبہ کے بقیہ افراد پر۔ خواہ وہ بیوی ہو یا بہو، بیٹے بیٹی ہوں یا پوتے پوتی۔ مزید فروخت کرنے، ہر طرح کی ایذائیں دینے حتی کہ قتل کرنے کا اختیار تھا نیز بیوی کو ترکہ سے محروم رکھنے کا بھی اسے حق حاصل تھا لڑکیاں حق ملک نہیں رکھتی تھیں اور اپنے باپ کے ترکہ سے بھی محروم ہوتی تھیں۔ (دیکھئے (المرأۃ بین الفقہ والقانون ص۱۵-۱۶ (طبقہ رابعہ از ڈاکٹر مصطفی سباعی) اور التركة والمیراث فی الاسلام ص۳۰، ۱۲ از ڈاکٹر محمد یوسف سعری) المطبعۃ المعرفۃ)

یونانی قانون:- یونانی قانون میں عورت کی حیثیت معمولی سامان کی سی تھی جس کی بازار میں آزادانہ خرید و فروخت ہوتی اسے نہ شہری حقوق حاصل تھے نہ آزادی، میراث بھی نہیں دی جاتی تھی اسے ناپاک سمجھا جاتا تھا۔ پوری زندگی وہ کسی نہ کسی مرد کے شکنجہ میں گرفتار بلا رہتی۔ شادی سے قبل سرپرست کے اور شادی کے بعد شوہر کے پنجۂ استبداد میں رہتی، نہ اپنے مال میں تصرف کا حق رکھتی تھی نہ جان میں باپ اپنی بیٹی کو فروخت کرتا تھا۔ اور ہونے والا شوہر اسے خریدتا تھا اس کے بعد اسے (شوہر کو) پورا اختیار ہوتا تھا کہ اسے چاہے اپنی زوجیت میں رکھے یا کسی اور کو سونپ دے۔ (مدی حریۃ الزوجین ص۲۷ از ڈاکٹر عبدالرحمن صابونی نیز المرأۃ بین الفقہ والقانون" ص۱۳)

مسیحی مذہب:- جسے دنیا کے مہذب ترین کہلانے والے ملکوں میں سرکاری مذہب کی حیثیت حاصل ہے۔ اس کا حال اور اس کا ریکارڈ تو عورت کے بارے میں سب سے گیا گزرا ہے۔ اس بارے میں غیر عیسائیوں نے نہیں خود عیسائیوں نے جو تفصیلات بتائی ہیں وہ عبرت کے لئے کافی ہیں۔ مثلاً ایک عیسائی انگریز فلسفی ہربرٹ سپنسر کہتا ہے "گیارہویں اور پندرہویں صدی (بعثت محمدی کے کوئی آٹھ سو سال بعد تک") انگلستان میں عام طور پر بیویاں فروخت کی جاتی تھیں"۔ "عیسائی مذہبی عدالتوں نے ایک قانون کو رواج دیا جس میں شوہر کو یہ حق دیا گیا تھا کہ وہ اپنی بیوی کسی دوسرے کو جتنی مدت کے لئے چاہے عاریۃً بھی دے سکتا ہے"۔ ان سب سے زیادہ شرمناک یہ رواج تھا (جسے ایک طرح سے قانون کا سا درجہ حاصل تھا) کسی کسان کی نئی نویلی دلہن کو مذہبی پیشوا یا حاکم کو چوبیس گھنٹے تک اپنے تصرف میں رکھنے اور اس کے جسم سے لطف اندوز ہونے کا حق حاصل تھا۔ (المرأۃ بین الفقہ والقانون ص۲۱)

اور تو اور سولہویں صدی (۱۵۶۷ء) میں بعثت نبوی سے تقریباً ایک ہزار سال بعد اسکاٹ لینڈ کی پارلیمنٹ نے یہ قانون پاس کیا تھا کہ عورت کو کسی بھی چیز پر ملکیت کا حق حاصل نہیں ہوگا۔ اور ان سب سے زیادہ تعجب خیز انگلستان کی پارلیمنٹ نے

...انون پاس کیا جس میں عورت کے لئے
...ل پڑھنا حرام قرار دیا۔ (المرأۃ بین الفقہ
...قانون ص ۲۱۱)
اس کا تذکرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر سباعی صاحب
...جا طور پر تقابل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ
...رت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت
...قرآن کو یکجا کر کے ایک مصحف تیار کیا تو وہ
...رت حفصہؓ کے پاس محفوظ کیا گیا ظاہر ہے کہ وہ
...ون تھیں، سب سے بڑھ کر عجیب تر یہ انکشاف
...کہ ۱۸۰۵ء تک انگلستانی قانون کی رو سے
...ہر بیوی کو فروخت کرنے کا پورا اختیار رکھتا
...اس کی قیمت بھی قانوناً مقرر کی گئی تھی وہ
...حقیر تھی کہ اس کا ذکر باعث شرم ہے یعنی
...چھ پنس، (تقریباً آج کے دو روپیہ ہندوستانی)
...اۃ بین الفقہ والقانون ص ۲۱)
...ں کے ساتھ ایک اور مسیحی یورپی ملک فرانس
...ں ایک کانفرنس کا حال یا روئداد دل پر
...تھر رکھ کر اور سن لیجئے جس میں اس بات پر
...ث و مباحثہ ہوا کہ عورت انسان ہے یا
...ئی اور جانور؟ اگرچہ آخر میں طے یہ پایا کہ
...سان ہے۔ (معارف القرآن ج ۱ ص ۵۲۹
...مفتی محمد شفیع صاحبؒ)

علاوہ ازیں مسیحی مذہبی قانون کی رو سے
...رت ترکہ سے بہر صورت محروم رہتی تھی
...لہ اکثر اولاد بھی صرف بڑا لڑکا ہی استحقاق
...ترکہ پانے کا رکھتا تھا۔

...یہودی مذہب:- موجودہ یہودی
...مذہب (جو ظاہر ہے کہ محرف شکل میں ہے)
...میں عورتیں ترکہ کا استحقاق قطعاً نہیں رکھتی تھیں
...چاہے بیوی ہو، بیٹی ہو یا ماں، بہن البتہ بڑا
...لڑکا چھوٹے کے مقابلہ میں دوہرا حصہ اپنے
باپ کے ترکہ میں سے پاتا ...۔ (الترکۃ والمیراث
ص ۴۱، ص ۴۲)

ہندو دھرم:- ہم سب سے پہلے
"ENCYCLOPIDIA OF RELIGION
AND ETAIES" کے حوالہ سے ہندو
مت میں عورت کے حقوق وغیرہ کے بارے
میں جو ملتا ہے اس کا مختصر تذکرہ کرتے ہیں
بعدازاں خود ہندؤں کی معتبر کتابوں سے
اس موضوع پر تفصیلات پیش کریں گے
یہاں یہ بتانا بے محل نہ ہوگا کہ مذکورہ کتاب
(اخلاق و مذاہب کی انسائیکلوپیڈیا) دنیا
بھر میں معتبر تسلیم کی جاتی ہے اس کا مقالہ
نگار لکھتا ہے :۔ سمرتی (ہندو مذہب
کی معتبر کتاب) میں آٹھ قسم کی شادیوں
کو تسلیم کیا گیا ہے، ان میں ایک قسم کا
نام "اسورا" (ASURA) ہے، یہ طریقہ
جنگجو اور پچھلی ذات کے لوگوں میں رائج
تھا۔ جس میں عورت کو خریدا جاتا تھا۔ اسی
طرح (نکاح کی) ایک قسم کا نام راکشش
(RAKSASA) ہے جس میں عورت پر
زبردستی قبضہ کر لیا جاتا تھا۔ (انسائیکلوپیڈیا ج: ۸
ص ۴۵۱، ص ۴۵۲ (انسائیکلوپیڈیا جلد ہشتم)

اب ہندو مذہب کی مشہور کتاب "منوسمرتی"
(اردو ترجمہ شائع کردہ، بھائی تارا چند چھبر بک سیلر
لاہوری گیٹ لاہور) کے براہ راست کچھ دفعات
نقل کرتے ہیں جس سے ہندو مذہب میں
رشتۂ ازدواج اور عورت کی حیثیت سے
متعلق حقائق سامنے آتے ہیں۔

منوسمرتی ادھیائے ۹ سلسلہ ۲ رات دن
عورت کو پتی کے ذریعہ بے اختیار رکھنا چاہئے
منوسمرتی ادھیائے ۹ سلسلہ ۵۹ اگر اولاد نہ ہو
تو اپنے خاندان سے اجازت لے کر مالک (شوہر
عام طور پر شوہر کیلئے "مالک" کا استعمال ملتا
ہے اس سے بھی عورت اور شوہر کی صحیح
حیثیت کا پتہ لگانا آسان ہو جاتا ہے)
خاندان کے رشتہ دار یا دیور سے اولاد
پیدا کرے۔

منوسمرتی ادھیائے ۹ سلسلہ ۱۱۹ چھوٹا
بھائی بڑے بھائی کی زوجہ میں بیٹا پیدا
کرے تو اس بیٹے کے ساتھ چاچا لوگ
برابر تقسیم حصہ کریں (منوسمرتی ص ۱۸۳ اردو
ترجمہ شائع کردہ بھائی تارا چند چھبر بک سیلر لاہوری
گیٹ۔ لاہور)

ہندو مذہب میں شادی (بواہ) کے
علاوہ بھی ایک اور عقد جائز تسلیم کیا گیا ہے
"نیوگ" کہتے ہیں، اس میں شادی شدہ عورت
سے بھی دوسرا شخص کچھ مدت کیلئے نکاح کر
سکتا ہے، اس طریقے سے پیدا ہونے والی
اولاد اصلی شوہر کی ہی سمجھی جاتی ہے اور
یہ دوسرے قسم کا نکاح (نیوگ) دس
مردوں سے بھی ہو سکتا ہے۔ تفصیل کے
لئے دیکھئے سوامی دیانند سرسوتی کے لکچروں
کا مجموعہ۔ "اپدیش منجری" ص ۱۰۱ از سوامی دیانند
سرسوتی (شائع کردہ سکریٹری آریہ منڈل کیرانہ ضلع
مظفر نگر)

واضح رہے کہ ایک مشہور یورپین مصنف
جان ڈی مین نے "قانون رواج ہنود" نامی
کتاب میں "نیوگ" کی یہ تعریف کی ہے،
دوسرے کی زوجہ سے بچہ جننے کا عام
رواج "نیوگ" کے نام سے موسوم تھا۔
(قانون رواج ہنود ج ۱ ص ۱۰۶ ترجمہ از مولوی اکبر علی
بی اے آنرز شائع کردہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد ۱۹۴۰ء)
علاوہ ازیں ابھی چند سال پہلے ۱۹۹۶ء میں

ایک رپورٹ ملک کے مشہور اخبارات میں شائع ہوئی جس میں بتایا گیا ہے۔ "ہندوستان سمیت کئی ملکوں میں ایک عورت کے ایک سے زائد شوہر ہونے کی رسم آج بھی موجود ہے۔" آگے چل کر کہا گیا ہے: ہندوستان میں لداخ، ہماچل کے سرمور ضلع میں اونچی ذات والوں میں اور اترپردیش کے دہرہ دون ضلع میں یہ رسم موجود ہے۔ لداخ کے کچھ فرقوں میں یہ رسم اس طرح موجود ہے کہ خاندان کے سبھی مردوں کی ایک ہی بیوی ہوتی ہے۔ خاندان کا بڑا بھائی کسی عورت سے شادی کرتا ہے اور بعد میں سبھی بھائی اس عورت کے ساتھ بیوی کے تعلقات قائم کرتے ہیں۔ یہ انکشافات مشہور ماہر سماجیات پروفیسر نتیش کمار راما نے ایک سروے کرنے کے بعد کئے ہیں جو یہ بھی کہتے ہیں کہ ہماچل پردیش کے ضلع گزٹ کے مطابق یہ رسم خاص طور پر برہمنوں اور راجپوتوں میں اور کچھ نچلی ذاتوں میں پائی جاتی ہے۔ حال کے ایک سروے سے پتہ چلا ہے کہ ۱۰۸ شادیوں میں سے ۲۰ء۴ فیصد کثیر شوہری تھیں (قومی آواز لکھنؤ مورخہ ۱۱ جنوری ۱۹۹۶ء)

ہندو مذہب کے قانونِ وراثت میں عورتیں تو سب اور بڑے بیٹے کے علاوہ بقیہ لڑکے بھی باپ کے ترکہ سے محروم ہوتے ہیں جیسا کہ منوسمرتی میں ہے! "ماں باپ کی تمام دولت بڑا بیٹا ہی لیوے"۔ (منوسمرتی، اردو ترجمہ ص ۱۸۱)

عرب کا زمانۂ جاہلیت یعنی قبل از اسلام

عربوں میں عورت کی جو حالت زار تھی اس سے تو کم و بیش اکثر اہل علم واقف ہی ہیں کہ لڑکی کی پیدائش ہی سخت عار کی بات سمجھی جاتی اور اس داغ کو مٹانے کیلئے اسے زندہ درگور کردیا جاتا تھا، جس کا قرآن مجید میں بھی بڑے بلیغ انداز میں تذکرہ ہے۔ (سورۃ النحل آیت ۵۸، ۵۹) "واذا بشر احدهم بالانثى ظل وجهه مسودا وهو كظيم يتوارى من القوم من سوء ما بشر به أيمسكه على هون أم يدسه في التراب"۔

عورت کو چاہے بالغ ہی ہو، اپنا نکاح خود کرنے کا اختیار نہیں تھا بلکہ اس کا ولی جس سے چاہتے اس کی مرضی کے بغیر بھی نکاح کر سکتا تھا، پھر بیوی کی حیثیت بالکل باندی کی سی تھی جو صرف شوہر کی جنسی خواہش بلکہ ہوس کا نشانہ بننے کے سوا اور کوئی حق نہیں رکھتی تھی، بیوہ ہو جاتی تو اس کے شوہر کے ورثہ اس کے ساتھ مرنے والے کے ترکہ کا سا معاملہ کرتے یعنی چاہے اپنے پاس رکھتے، یا دوسرے سے نکاح کرتے، اسے شوہر کے ترکہ میں سے کچھ بھی نہ دیتے کیونکہ ترکہ کا استحقاق رجولیت اور قوت پر تھا۔ اس بنا پر کم عمر لڑکے بھی ترکہ سے محروم رکھے جاتے اور لڑکیاں تو سب ہی محروم رہتیں۔ ان باتوں کی تفصیل بکثرت کتب حدیث، تفسیر و فقہ میں ملتی ہے۔ یہاں چند حوالوں پر اکتفا کیا جارہا ہے

ابوعبداللہ الانصاری القرطبی (۶۷۱ھ) اپنی شہرۂ آفاق تفسیر الجامع لاحکام القرآن میں لکھتے ہیں "وكانت الوراثة في الجاهلية بالرجولية والقوة"۔ (ج: ۵ ص ۴۹ دار الكتاب العربي ۱۳۸۷ھ)

اور امام ابوبکر جصاص الرازی (۳۷۰ھ) نے احکام القرآن میں لکھا ہے:۔ "فلم يكونوا يورثون الصغار ولا الاناث وانما يورثون من قاتل على الفرس وحاز الغنيمة"۔ (ج ۳ ص ۱۱ دار الكتاب العربي بيروت)

امام التفسیر ابن جریر طبری (۳۱۰ھ) آیت میراث کا شانِ نزول بتاتے ہوئے ذکر کیا ہے: "...یارسول الله توفي زوجي وتركني وابنته فلم نورث فقال عم ولدها يارسول الله لا تركب فرسا ولا تحمل كلا ولا تنكأ عدوا" (ج: ۴ ص ۲۶۳ مصطفی البابی الحلبی، مصر)

بالعموم بڑا لڑکا ہی ترکہ کا مستحق سمجھا جاتا تھا چنانچہ اسی اصول کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کا ترکہ صرف حضرت ابوطالب کو ملا۔ (شرح مسلم نووی، جلد ۲)

اسلام نے خواتین کو کیا دیا؟

اب آیئے دیکھیں کہ اسلام میں عورت کا کیا مقام ہے اور اس کے لئے کیسے کیسے شرعی قوانین میں رعایتیں دی گئی ہیں۔ عورت کے بارے میں قرآن مجید کی سورۂ نساء (آیت ۱) میں انسانیت کی مساوات کا "خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا" کے الفاظ میں صاف اعلان کردیا گیا، کہ عورت اور مرد دونوں ایک ہی نفس سے پیدا شدہ ہیں۔ اسلئے دونوں ہم جنس ہیں ایسا نہیں کہ عورت کسی اور جنس سے ہو (مثلاً حیوان ہو) اور مرد دوسری جنس سے، بلکہ دونوں ہی انسانیت کے رشتہ سے برابر ہے۔ اسی طرح حدیث نبوی میں

"النساء شقائق الرجال" (احمد و ابوداؤد ص۲۵ بحوالہ المرأۃ ص۲۵) فرماکر اسی کی تصریح و توضیح فرمادی گئی چنانچہ اسلام کے تمام احکام میں صنفی اور طبعی فرق کا لحاظ کرتے ہوئے دونوں کے لئے یکسانیت برتی گئی ہے بلکہ اسلام کے تمام قوانین پر اگر گہری نظر ڈالی جائے تو عورت کو کچھ زیادہ رعایتیں دی گئی معلوم ہوتی ہیں عرب میں (جیسا کہ اوپر گذرا) لڑکیوں کی پیدائش سخت عیب کی بات سمجھی جاتی تھی، اس کے بالمقابل اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہدایات دیں مثلاً فرمایا: من بلی من ھذہ البنات شیئًا فاحسن الیھن کن سترا من النار (صحیح بخاری جلد ۲ ص۸۸۷)

یعنی جو شخص لڑکیوں کی بہترین طریقہ پر سرپرستی کرے (تربیت دے) اور اچھا برتاؤ کرے گا وہ جہنم میں نہ جائے گا۔ ایک اور حدیث میں یوں فرمایا۔ من کانت لہ ثلاث بنات أو ثلاث اخوات او ابنتان أو اختان فأحسن صحبتھن واتقی اللہ فیھن فلہ الجنۃ۔ (ترمذی ج۲ ص۱۴ مکتبہ رشیدیہ دہلی)

ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں من عال جارتین دخلت أنا وھو الجنۃ کھاتین اشار ماصبعیہ (ترمذی ۱ ص۱۳)

یعنی جو شخص دو تین بہنوں یا لڑکیوں کی بہترین طریقہ پر تربیت کرے اور کسی قسم کی زیادتی نہ کرے وہ جنت میں جائے گا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنا قریب ہوگا جتنی ایک ہاتھ کی دو برابر کی انگلیاں" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس شوق انگیز انداز بیان کے بعد بھلا کون سچا مسلمان ہوگا جو لڑکیوں اور بہنوں کی پرورش میں کوتاہی کرے اور دلچسپی نہ لے گا: ان ہدایات کا یہ اثر ہوا کہ غیر شادی شدہ لڑکیاں اسی خطۂ عرب میں جہاں زندہ درگور کی جاتی تھیں "کریمہ" (یعنی خاتون معزز و محترم) کہلائی جانے لگیں۔ مزید یہ کہ اس صنف کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا اور بھی متعدد پیرایۂ بیان میں حکم دیا "مثلاً قرآن مجید (سورۃ النساء، آیت ۱۹) میں فرمایا "عاشروھن بالمعروف" (عورتوں کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی گزارو) اور حدیث میں فرمایا۔ "استوصوا بالنساء خیرًا" (عورتوں کے ساتھ بہتر برتاؤ کرنے میں میری صلاح مانو) بلکہ اسی کے ساتھ یہ بھی ہدایت دی کہ عورتوں سے اگر کوئی تکلیف بھی پہونچے تو یہ خیال کرکے کہ ان میں بہت سی خوبیاں بھی ہیں طرح دے جاؤ، غور کیجئے یہ انداز بیان کتنا موثر ہے الفاظ حدیث یہ ہیں "لا یفرک مؤمن مؤمنۃ ان کرہ منھا خلقا رضی منھا آخر (صحیح مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ج۲، ۱ ص۲۸۰)

درحقیقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی مستفاد ہے قرآن مجید کی (سورۃ النساء آیت ۱۹) "فَاِنْ کَرِھْتُمُوْھُنَّ فَعَسٰۤی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّ یَجْعَلَ اللّٰہُ فِیْہِ خَیْرًا کَثِیْرًا" سے ایک حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نے فرمایا: اکمل المؤمنین ایمانا۔ أحسنھم خلقا وخیارکم خیارکم لنسائھم (ترمذی جلد ۱: ص۱۳۸)

ایمان کامل اس شخص کا ہے جو خوش اخلاقی میں ممتاز ہو اور تم سب سے اچھا وہ شخص ہے جو اپنی عورتوں کے لئے اچھا ہو۔

انہی آیات و احادیث کی بنیاد پر امام غزالیؒ نے کیا خوب بات فرمائی "لیس حسن الخلق معھا کف الأذی عنھا بل احتمال الأذی والحلم عند طیشھا وغضبھا۔ (احیاء علوم الدین ج۲: ص۳۹)

مطلب یہ ہے کہ: عورت کے ساتھ اچھے برتاؤ کرنے کے حکم کا تقاضا صرف یہ نہیں ہے کہ مرد عورت کو اذیت نہ پہنچائے بلکہ اس کے اندر یہ بھی داخل ہے کہ اگر عورت کی طرف سے کوئی تکلیف دہ بات پیش آئے تو اسے برداشت کرے امام غزالیؒ نے یہ بھی لکھا ہے (اور احادیث صحیحہ میں یہ واقعہ موجود ہے) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے بالکل قریب جبکہ زبان مبارک پورا ساتھ بھی نہیں دے رہی تھی اس وقت جو چند اہم نصیحتیں امت کو فرمائیں ان میں عورت کے ساتھ بہتر برتاؤ کرنے اور اس بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنے کی بھی تھی۔ (احیاء علوم الدین ص۳۷—۳۸، جلد: ۲)

عورت کے اخراجات:-

عورت کے ساتھ بہتر برتاؤ کرنے اس کے ساتھ عزت و احترام کا بلکہ دلجوئی کا معاملہ کرنے کا حکم اس کی صنفی نزاکت کے لحاظ و رعایت کی بناء پر ہی ہے، کیونکہ نازک چیز کی رعایت ناگزیر ہوتی ہے، ایک حدیث صحیح میں انہیں قواریر (آبگینہ) فرماکر ان کی نزاکت کا اعتراف آخری درجہ میں کیا گیا ہے

لا صحیح بخاری جلد: ۲ ص۹۱ میں ہے "رفقاً بالقواریر"

اس بنیاد پر اسے کسب معاش کی مشقتوں سے بچایا گیا۔ اور اس کا نفقہ کسی نہ کسی مرد کے ذمہ کر دیا گیا۔ شادی سے قبل والد پھر والد نہ ہونے یا اس کے اخراجات برداشت کرنے کے لائق نہ ہونے کی صورت میں حسب اصول وراثت، دادا، چچا، بھائیوں وغیرہ پر، شادی کے بعد شوہر پر، شوہر سے علیحدگی کی شکل میں عدت کے درمیان کے تمام اخراجات شوہر کے ذمہ، شیر خوار بچہ کی موجودگی میں عدت کے بعد بھی جب تک بچہ ماں کا دودھ پیتا رہے اسکے، نیز بچہ کے اخراجات بھی اس کے سابق شوہر پر رہتے ہیں، عدت کے بعد (شیر خوار بچہ نہ ہونے کی صورت میں) اولاد پر، اولاد نہ ہو تو پھر شادی سے قبل کی طرح والد یا دیگر رشتہ داروں پر لازم ہوتے ہیں۔ جن پر اخراجات لازم ہیں وہ رضاکارانہ نہیں بلکہ ان پر واجب ہوتے ہیں۔ (درمختار و اس کی شرح ردالمحتار جلد: ۲ ص۶۴۳ تا ص۶۸۹)

عورت کے اختیارات

اوپر کی تفصیلات سے اسلام میں عورت کے عزت و احترام نیز حقوق کا اندازہ کر لینا مشکل نہ رہا ہوگا، اس کے بعد اب ایک جھلک ہم اس کے اختیارات کی دکھاتے ہیں۔ عورت بالغ ہونے کے بعد (مرد ہی کی طرح) اپنے جان و مال، نکاح، مالی لین دین وغیرہ کے بارے میں قانون شریعت کے لحاظ سے پوری طرح مختار ہوتی ہے۔ اپنے مال کی پوری طرح مالک ہوتی ہے جس طرح مرد کہ جہاں چاہے اور جتنا چاہے خرچ کرے (بس جس طرح مرد و دولت کے لئے کچھ پابندیاں ہیں، مثلاً فضول خرچی نہ کریں اور حرام جگہ خرچ نہ کریں اسی طرح عورت کے لئے بھی ہیں) اس بات کیلئے حوالے پیش کرنے کی چنداں ضرورت معلوم نہیں ہوتی، علاوہ اس کے کہ ہر متعلقہ کتاب میں اس کی صراحت موجود ہے عام طور پر یہ معروف حقیقت بھی ہے، سب سے نازک مسئلہ اس کے ازدواجی تعلق کا ہے اس میں (کم سے کم فقہ حنفی میں ظاہر ہے کہ وہ بھی شریعت ہی کا ترجمان ہے) بالغ عورت مختار ہے کہ جس سے نکاح کرنا چاہے کر سکتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض شکلوں میں اولیاء کو اعتراض کا حق دیا گیا ہے۔ اور اولیاء کی اجازت و سرپرستی میں ہونے والے نکاح کو پسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ عورت از خود اولیاء کے بغیر نکاح کر لیتی ہے تو نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ (بدائع الصنائع جلد: ۲ ص۲۴۱ طبع اولیٰ للعلامہ الکاسانی ۵۸۶ھ) (اگرچہ پسندیدہ نہیں ہے) اور اس کیلئے احادیث نبویہ سے استدلال کیا گیا ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں ہے "الأیم احق بنفسها من ولیها" (ابوداؤد ج: ۱ ص۲۸۶ مطبع مجیدی کانپور)

مطلب یہ ہے کہ غیر شادی شدہ عورت اپنے نکاح کے بارے میں اپنے ولی سے زیادہ حقدار ہے (کہ جس سے چاہے نکاح کرے) اس کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ ایک کنواری (بالغ) لڑکی کا نکاح اس کے والد نے لڑکی کی مرضی کے بغیر کر دیا تھا تو اس لڑکی نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی اس پر اسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چاہے تو نکاح برقرار رکھے اور نہ چاہے تو نکاح ختم کر دے (ایضاً) اور اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی صاف صاف فرمادیا کہ "لا تنکح الثیب حتی تستأمر ولا البکر إلا بإذنها" (ابوداؤد ج: ۱ ص۲۸۵ مطبع مجیدی۔ کانپور) مطلب یہ کہ شوہر رسیدہ عورت کی شادی اس کے صریح حکم کے بغیر نہ کی جائے۔ اور کنواری لڑکی کا بھی نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے" علاوہ ازیں قرآن مجید میں بھی اولیاء کو صاف طور پر اس سے منع کیا گیا ہے کہ وہ عورتوں کے پسند کے شخص سے انہیں اپنا نکاح کرنے میں رکاوٹ ڈالیں "فلا تعضلوهن أن ينكحن أزواجهن" (سورہ بقرہ آیت ۲۳۲)

عورت کا ترکہ میں شرعی استحقاق

گذشتہ صفحات میں گذر چکا ہے کہ دنیا کے کسی بھی مذہب، ملک اور قوم نے عورت کو ترکہ کا مستحق نہیں قرار دیا ہے لیکن اسلام نے بالکل مرد ہی کی طرح عورت کو بھی ترکہ کا مستحق بنایا ہے اور اس بارے میں عمر اور نمبر کا فرق بھی نہیں کیا (مثلاً پہلی ہی اولاد کو ترکہ ملتا یا نرینہ کو ہی ملتا بقیہ کو نہ ملتا) کیونکہ جب سبب استحقاق میں سب اولاد برابر ہے تو اس کی بنیاد پر ملنے والے حق میں فرق کیوں ہو۔

زمانۂ جاہلیت قدیمہ میں عرب ہی نہیں جاہلیت جدیدہ میں بھی ترقی یافتہ سمجھے

جانے والی بہت سی یورپین اور دوسری قومیں بڑے لڑکے کو ہی ترکہ کا واحد مستحق قرار دیتی ہیں، حالانکہ عقلِ سلیم اور مزاجِ مستقیم کے لحاظ سے یہ بالکل الٹی منطق معلوم ہوتی ہے، یعنی اولاد کے درمیان اگر فرق کیا جانا ہی ناگزیر ہوتا تو معکوس ترتیب ہوتی کہ چھوٹوں یا چھوٹے کو ملتا، سچ کہا ہے، چھٹی صدی ہجری کے ایک مشہور مالکی امام قاضی ابوبکر ابن العربی (۵۴۳ھ) نے "ان الورثة الصغار الضعاف كانوا احق بالمال من القوى فنكسوا الحكم وابطلوا الحكمة" (احکام القرآن لابن العربی ج: ۱ ص ۱۲۶ الطبعة الاولى مطبعة السعادة مصر) (یعنی کمزور اور کم عمر ورثہ تو قوی وارثوں کے مقابلہ میں مال کے زیادہ ضرورت مند و مستحق ہوتے ہیں لیکن جاہلوں نے ترتیب الٹ کر رکھ دی تھی)

بہرحال اسلام نے سب اولاد کو استحقاقِ ترکہ میں برابر قرار دیا ہے (یہ الگ بات ہے کہ مصالح کی بناء پر مقدار میں فرق کیا ہے)

اسلام کا نظامِ وراثت:

اسلامی نظامِ وراثت کی بنیاد۔ جیسا کہ امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) نے بتایا ہے نسب اور سبب پر ہے۔ (الوجیز ج ۱ ص ۲۶۰ مطبوعہ ۱۳۱۷ھ مطبعۃ الآداب) اس نظام کی رو سے عورتوں میں ماں بیٹی، بیوی، کسی حال میں ترکہ سے محروم نہیں رہ سکتیں ان کے علاوہ بہت سی صورتوں میں پوتی، دادی، نانی بہن (کی تینوں قسمیں حقیقی، علاتی، اخیافی) بلکہ بعض صورتوں میں پھوپھی نواسی بھی ترکہ پانے کی مستحق ہوتی ہیں (تفصیلات کتب فرائض۔ مثلاً سراجی میں دیکھی جائیں)

—

ایک سطحی اعتراض:

اسلامی نظامِ وراثت پر بادی النظر میں ایک اعتراض یہ کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ سطحی نظر رکھنے والوں نے یعنی پورے اسلامی نظام پر نظر نہ ہونے کی وجہ سے بعض نے کیا بھی ہے، کہ عورت کو اکثر صورتوں میں (اگرچہ بعض صورتوں میں مثلاً اخیافی بہن بھائی کو۔ برابر ملتا ہے) مرد سے نصف حصہ ملتا ہے، حالانکہ قانون کے سب پہلوؤں پر نظر ہو تو اعتراض کی گنجائش نہ رہے۔ مثلاً یہ حقیقت سامنے ہو کہ عورت پر اسلامی قانون کی رو سے کوئی خرچ۔ حتی کہ اپنا خرچ بھی نہیں ہے۔ (تفصیل اوپر گذر چکی ہے) اس لئے اسے جو کچھ ملتا ہے محض اس کی دلجوئی اور عزت افزائی کے لئے ملتا ہے۔ اکثر اس کے "بینک بیلنس" بڑھانے یا زیورات بنوانے کا ذریعہ بنتا ہے اس کے برخلاف مرد پر اکثر حالات میں نہ صرف اس کے اپنے بلکہ دیگر اقارب کے اخراجات کا بار بھی ہوتا ہے اور بیوی نیز لڑکیوں اور نابالغ لڑکوں کے۔ بلکہ معذور بالغوں کے بھی اخراجات اس کے ذمہ ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں عورت نکاح کرتی ہے، تو وہ اپنے شوہر سے مہر پانے کی جو اکثر اوقات میں بڑی رقم ہوتی ہے، حقدار ہوتی ہے اور مرد نکاح کرتا ہے تو اسے مہر ادا کرنا پڑتا ہے۔ اسے ایک مثال سے سمجھنا آسان ہوگا۔ مثلاً ایک شخص کا انتقال ہوا۔ اس نے ترکہ میں تیس ہزار روپئے اور صرف ایک لڑکا اور ایک لڑکی وارث چھوڑے اب از روئے قانونِ اسلامی لڑکے کو بیس ہزار روپیہ لڑکی کو دس ہزار ملے۔ بعد ازاں دونوں نے شادیاں کیں اور فرض کیجئے دونوں کا مہر دس دس ہزار مقرر ہوا۔ اب صورتِ واقعہ یہ ہی کہ لڑکے کے پاس سے دس ہزار روپیہ مہر کے نکل گئے اور لڑکی کے پاس دس ہزار (اس کے شوہر سے ملے ہوتے) آگئے۔ اس طرح لڑکی کے پاس بیس ہزار ہوگئے۔ اور لڑکے کے پاس دس ہزار ہی رہ گئے۔ اور وہ بھی بیوی وغیرہ کے اخراجات میں جلد صرف ہو جائیں گے اور باقی نہ رہیں گے۔ اس کے برخلاف لڑکی کے پاس بالعموم رکھے ہی رہیں گے۔

ان تمام پہلوؤں پر گہری نظر جس کی ہوگی وہ بھلا اس حکیمانہ قانون پر اعتراض کر سکے گا؟ بلکہ عجب نہیں کہ اس کے برعکس عورت کو زیادہ حصہ ملنے اور مرد کو کم ملنے کی شکایت کرنے لگے۔ لیکن مرد کو خداوند تعالیٰ کی طرف سے کسب معاش کی جو صلاحیتیں اور مواقع دیئے گئے ہیں۔ ان کے پیش نظر رکھتے ہوئے یہ شکایت بھی باقی نہ رہے گی۔ مذکورہ بالا سطروں کے اندر بیان کردہ تفصیلات سے خداوندی نظام اور خدا بیزار نظام کے درمیان فرق کھلے آنکھوں نظر آنا مشکل نہ رہا ہوگا۔

آخر میں خداوندی ارشاد "أفحكم الجاهلية يبغون ومن أحسن من الله حكما لقوم يوقنون"۔ سنا کر رخصت ہوتا ہوں اور حسنِ استماع کیلئے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

صُفّہ

اسلامی تاریخ کی پہلی درس گاہ

ڈاکٹر محمد ثانی

عہد نبوی میں تعلیم کو بڑی اہمیت دی گئی اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ معلم کتاب و حکمت محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی وحی کا اولین لفظ "اقرا" یعنی پڑھئے ہے۔ قرآن کریم نے نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب نبوت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ یعنی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں کتاب و حکمت اور اس چیز کی تعلیم دیتے ہیں جو تمہیں معلوم نہ تھیں۔ (البقرہ۔ ۱۵۱) علاوہ ازیں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحت کے ساتھ فرمایا "بُعِثْتُ مُعَلِّماً" میں معلم بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں۔ (ابن ماجہ، فضل العلماء) انھیں فرامین کی بنیاد پر عہد نبوی میں تعلیم پر شروع ہی سے بڑی توجہ مبذول کی جاتی رہی۔ ابن اسحٰق نے لکھا ہے کہ ہجرت سے قبل مکہ میں جیسے ہی کوئی وحی نازل ہوتی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اسے فوراً مردوں کے اجتماع میں پھر عورتوں کی مجلس میں تلاوت اور تبلیغ فرماتے۔ مدینہ منورہ آتے ہی مسجد نبوی کی تعمیر ہوئی تو اس میں ایک حصہ بطور "صفہ" مختص کیا گیا جسے اسلامی تاریخ میں پہلی باقاعدہ درس گاہ اور اصحاب صفہ کو طالبان علم کی پہلی جماعت ہونے کا شرف حاصل ہے۔

"صفہ" چبوترے یا پلیٹ فارم کو کہتے ہیں۔ مسجد نبوی کے ایک حصے میں ڈائس کے طور پر ایک چبوترہ قائم کر دیا گیا۔ جو دن کے وقت تعلیم گاہ کا کام دیتا اور رات کے وقت بے خانماں لوگوں کے لئے دارالاقامہ بنتا۔ یہ پہلی اقامتی (RESIDENTIAL) جامعہ تھی۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمائی۔ پہلے ہی دن سے شہر کے باشندے بھی وہاں آنے لگے، بے خانماں لوگ حصول تعلیم کے لئے وہیں رہتے تھے۔ (ڈاکٹر محمد حمید اللہ، خطبات بہاولپور ص ۲۴۸، ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد ۱۹۹۲ء) "صفہ" کچھ عرصہ قبل (شیخ لبیب البتونی کی تحقیق کے مطابق) چبوترے کی شکل میں زمین سے نصف میٹر بلند بارہ میٹر لمبا اور آٹھ میٹر چوڑا تھا۔ اس کے چاروں طرف تانبے کا جالی دار گھیرا بنا ہوا تھا اس سے چار میٹر کے فاصلے پر جنوب کی طرف اغوات کا چبوترہ اور مشرق میں گودام ہے اس کے ساتھ ہی ایک چبوترہ شیخ الحرم کی نشست گاہ بنی تھی۔ صفہ کے جنوب میں مقصورہ شریف کے متصل ایک اور ٹھڑا بنا ہوا تھا جس میں محراب تہجد کی جگہ ہے (محمد لبیب البتونی، رحلت الحجازیہ، ص ۲۴۴، مطبع الجمالیہ مصر ۱۳۲۹ھ)۔

جب کہ حالیہ تحقیق کے مطابق سات میٹر لمبا تین میٹر چوڑا اور نصف میٹر اونچا ہے تین جانب نصف میٹر اونچی سنہری ریلنگ لگی ہوئی ہے۔ اس اقامتی درس گاہ میں لکھنے پڑھنے کے علاوہ فقہ کی تعلیم بھی دی جاتی تھی، قرآن کریم کی سورتیں زبانی یاد کرائی جاتی تھیں۔ فن تجوید سکھایا جاتا تھا اور دیگر اسلامی علوم کی تعلیم کا بندوبست تھا جس کی نگرانی اس تاریخی اور اولین تعلیم گاہ کے معلم اول رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود ذاتی طور سے فرمایا کرتے تھے اور وہاں پر رہنے والوں کی غذا وغیرہ کا بھی بندوبست کیا کرتے تھے۔ بعض طلباء اپنے فرصت کے لمحات میں طلب روزگار میں بھی مصروف ہوا کرتے تھے۔ درس گاہ "صفہ" میں نہ صرف مقیم طلباء کی تعلیم کا انتظام تھا بلکہ ایسے بھی بہت سے لوگ آتے تھے جن کے اپنے گھر تھے اور وہ صرف درس گاہ کے لئے وہاں حاضر ہوا کرتے تھے۔ وقتاً فوقتاً عارضی طور سے درس گاہ میں شریک ہونے والوں کی بھی کمی نہ تھی۔ جب کہ مقیم طلباء کی تعداد گھٹتی بڑھتی تھی۔ (ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی ص ۱۹۶، اردو اکیڈمی کراچی ۱۹۸۷ء)

"صفہ" دن میں ایک مدرسہ (بلکہ جامعہ) بن جاتا تھا اور رات کو دارالاقامہ اور بورڈنگ یہاں اعلیٰ تعلیم تو خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دیا کرتے تھے لیکن ابتدائی تعلیم اور لکھنا پڑھنا سکھانا یہ کام نوجوان صحابہ رضا کاروں کے سپرد تھا۔ (ایضاً ص ۲۹۱)۔ صفہ میں جو تعلیم ہوتی تھی وہ اسلام کی ابتدائی تعلیم تھی۔ مدرسہ میں جن چیزوں کی تعلیم ہوتی تھی اس کے متعدد شعبے متعدد لوگوں کے سپرد تھے۔ کسی کے سپرد یہ کام تھا جو لکھنا پڑھنا سیکھ چکے ہیں انھیں اس وقت تک کی نازل شدہ سورتیں سکھائیں۔ (خطبات بہاولپور ص ۲۰۵)

وہ ضعفاء مسلمین و فقراء شاکرین جو اپنے فقر پر نقط صابر ہی نہ تھے بلکہ امراء اور اغنیاء سے زیادہ شاکر و مسرور تھے۔ جب احادیث و فرامین نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سننے کی غرض سے بارگاہ نبوی میں حاضر ہوتے تو یہاں ہی ٹھہرتے اسلامی تاریخ میں ان مقدس شخصیات کو "اصحاب صفہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ گویا یہ بشیر و نذیر کی خانقاہ تھی جس نے بہ ہزار رضا

(بقیہ صفحہ پر)

تبلیغ دین میں دیوناگری رسم الخط کی ضرورت

● ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

اردو کے لئے اردو رسم الخط

اردو زبان کے لئے اس کے اپنے رسم الخط کو ترک کرکے کوئی اور رسم خط اپنانا خاص طور سے دیوناگری رسم خط اپنانا اردو زبان پر تیشہ چلانا ہے؟ اس موضوع پر لکھنے والوں نے بہت کچھ لکھا ہے جو کافی ہے میں اس بات سے صد فیصد متفق ہوں کہ اردو زبان کی بقا کے لئے اس کا اپنا رسم خط ویسے ہی ضروری ہے جیسے ایک زندہ انسان کی روح کے لئے اس کا جسم، پس اگر ہم کو اردو سے محبت ہے اور اردو کو باقی رکھنا ہے تو اس کے رسم خط سے کبھی بھی اور کسی قیمت پر بھی دست بردار نہیں ہونا ہے۔

اسلام ہر زبان اور ہر بولی والوں کیلئے ہے

ہمارا دین یعنی اسلام سارے عالم کے انسانوں کے لئے ہے، بلکہ آنکھوں سے اوجھل جن قوم کے لئے بھی ہے، پس اسلام کا مبلغ کسی بھی انسان سے اسلام سیکھنے اور اپنانے کے لئے کسی خاص زبان کے سیکھنے کا مطالبہ نہیں کر سکتا، بلکہ ہر انسان کو اسی کی بولی اور زبان میں اسلام کی باتیں پہنچائے گا یہاں تک گونگے کو جو دنیا کی کوئی زبان نہیں بول سکتا۔ اشاروں سے اسلام کی باتیں سمجھائے گا۔ البتہ بولنے والے کو قرآن مجید کے عربی بول اتنی مقدار میں ضرور سکھائے گا جن سے وہ نماز جیسی اہم عبادت ادا کر سکے اسی لئے اسلام کی تبلیغ کے لئے دنیا کی ہر بولی اور ہر زبان جاننے والے مبلغین کی ضرورت ہے۔

ہندوستان کے اکثر مسلمانوں کی زبان اردو ہے

ہمارے ہندوستان میں اکثر مسلمانوں کی مادری زبان اردو ہے مگر مسلمانوں کے علاوہ یہاں کی اکثریت کی زبان ہندی ہے ایک ساتھ رہنے اور بولنے کے سبب ہر ہندی جاننے والا آسان اردو اور ہر اردو جاننے والا آسان ہندی بآسانی سمجھ لیتا ہے۔

مسلمان نوجوانوں کی اکثریت صرف دیوناگری خط جانتی ہے

چونکہ ہماری حکومت کی زبان ہندی ہے۔ اور سرکاری اسکولوں کی زبان ہندی ہے۔ اس لئے مسلم نوجوانوں کی اکثریت اب اردو زبان بولتے ہوئے بھی اردو رسم خط سے نابلد ہو چکی ہے۔ اور وہ صرف دیوناگری خط جانتی ہے۔ اور لگتا ہے کہ مستقبل میں مسلم نوجوانوں میں اردو رسم خط نہ پہچان سکنے والوں کا اضافہ ہی ہوتا جائے گا۔

دیوناگری میں دینی کتابیں

اس صورت حال میں دین کی خدمت کرنے والوں نے محسوس کیا کہ دینی معلومات کی کتابیں دیوناگری رسم خط میں لکھی جائیں تاکہ اردو رسم خط سے نابلد مسلم نوجوانوں کے طبقہ کو دینی باتیں پہونچانے اور سکھانے میں سہولت ہو، ساتھ ہی صرف ہندی زبان جاننے والے غیر مسلم بھائیوں تک اسلام کی بات پہنچانے اور ان کو اسلام سے واقف کرانے میں آسانی ہو۔ اور چونکہ دینی کام کرنے والوں کے پاس دینیات کا بڑا اور کافی ذخیرہ اردو میں موجود ہے اس لئے براہ راست ہندی میں کتابیں تیار کرنے کے بجائے ان اردو کتابوں کو ہندی میں منتقل کرنا شروع کر دیا اس طرح دینیات کی سیکڑوں کتابیں ہندی میں آگئیں۔

دیوناگری میں عربی فارسی الفاظ کی مشکلات

دیوناگری میں لکھی گئی ان دینی کتابوں میں بعض کا صرف رسم خط بدلا گیا جن میں عربی فارسی الفاظ کا غلبہ ہے اور بعض کو ٹھیٹ ہندی میں بدلا گیا۔ لیکن عربی فارسی الفاظ سے وہ بھی مستغنی نہ ہو سکیں اور سچ یہ ہے کہ اسلام سے متعلق ہندی زبان میں جو بھی کتاب لکھی جائے گی چاہے وہ ترجمہ ہو اور چاہے براہ راست لکھی گئی ہو۔ عربی فارسی الفاظ سے استغنا ممکن نہیں۔ اور یہ بات ہم سب جانتے ہیں کہ عربی و فارسی کے بعض حروف کے مخارج کا ہندی حروف سے ادا کرنا ممکن نہیں اور عربی فارسی کے کتنے الفاظ ہیں کہ ان کے تلفظ میں بعض حروف کی غلط ادائیگی سے معنی بدل جاتے ہیں۔ اور کبھی تو وہ لفظ عربی فارسی کا رہ ہی نہیں جاتا۔ ہم یہاں اردو کے ایسے کچھ الفاظ بطور مثال دیوناگری میں درج کرکے معنوں کا فرق دکھاتے ہیں

معنی	اردو لفظ	دیوناگری
موجودہ دن	آج	आज
ہاتھی دانت	عاج	आज
رنج، تکلیف	الم	अलम
جھنڈا	عالم	आलम
پیچھے، آخر	بعد	बाद
ہوا	باد	बाद
بری بات	گالی	गाली
قیمتی	غالی	ग़ाली
پھول	گل	गुल
شور	غل	ग़ुल
چمڑا	کھال	खाल
تل	خال	ख़ाल
نمکین	کھار	खार
کانٹا	خار	ख़ार
کھیت جوتنے والا	ہل	हल
مشکل کھولنا	حل	हल
برائی کہنے والا	ہاجی	हाजी
حج کرنے والا	حاجی	हाजी
سانپ کا پھیلا ہوا سر	پھن	फन
ہنر	فن	फ़न
ایک اوزار	پھال	फाल
شگون	فال	फ़ाल
پھول	پھول	फूल
ایک دانہ	فول	फ़ूल
توڑنے والا	کاسر	कासिर
عاجز	قاصر	क़ासिर
ماتحت	تابع	ताबे
چھاپنے والا	طابع	ताबे
ایک پودا روشنی	سنا	सना
تعریف	ثنا	सना
فضول خرچی	اسراف	इसराफ़

معنی	اردو لفظ	دیوناگری
خرچ کرنا	اسراف	इसराफ़
رسوا	ذلیل	ज़लील
بڑا بزرگ	جلیل	जलील
نرمی	ذل	ज़िल्ल
سایہ	ظل	ज़िल्ल
خوبصورت	جمیل	जमील
ساتھی	زمیل	ज़मील
کھوٹا پن	زیافت	ज़ियाफ़त
دعوت	ضیافت	ज़ियाफ़त
بڑھوتری	زیاد	ज़ियाद
عمدہ چیزیں	جیاد	जियाद
پیڑو	زہار	ज़िहार
بیوی کو ماں جیسا کہنا	ظہار	ज़िहार

مشکلات کا حل :

یہ تھوڑی سی مثالیں ہیں ایسے الفاظ کی ایک طویل فہرست ہے ہم کو چاہیئے کہ دیوناگری میں چھپنے والے اردو الفاظ کے اس عیب کو دور کریں اس سلسلہ میں اب سے تقریبًا چالیس سال پہلے ایک پنڈت آنجہانی جناب نند کمار اوستھی لکھنوی نے توجہ دی تھی اور ہندی حروف پر نقطوں وغیرہ کے اضافہ سے اس عیب کو دور کرکے قرآن مجید کا متن دیوناگری میں پیش کیا تھا جس کے اب تک میرے علم میں آٹھ ایڈیشن چھپ چکے ہیں، ہم کو چاہیئے کہ ہم ان کی محنت سے فائدہ اٹھائیں اور اُن حروف کو اپنالیں وہ حروف یہ ہیں صرف درمیانی عین ساکن میں ترمیم کی گئی ہے۔ ہندی کی جس کتاب میں یہ نقطے والے حروف استعمال کئے گئے ہوں اسکے ایک صفحہ پر ان حروف کو مع ـــــ مجہول زیر ہائے مختفی اور ہلنت کو شائع کریں۔

اردو حروف	دیوناگری	اردو حروف	دیوناگری
ہمزہ شروع کا ا	अ	ز	ज़
ع چاہے متحرک چاہے ساکن	अ	ض	ज़
		ظ	ज़
ث	स़	ژ	ज़
ص	स़	غ	ग़
ح	ह़	گ	ग
ھ ہ ہ	ह़	ف	फ़
خ	ख़	پھ	फ
کھ	ख	ط	त़
ک	क	ت	त
ق	क़	س	स
ذ	ज़		

ہائے مختفی کے لئے ہندی کے وسرگ (:) سے مدد لی جائے جیسے بستہ : बस्तः، کعبہ: कअ्बः

مجہول زیر کے لئے اے کی ماترا کو ٹیڑھا کرکے لگائیں جیسے بہتر: बेहतर، تابع: ताबेअ

قرآن مجید کی آیتوں اور عربی دعاؤں کے تلفظ کے لئے تمام ساکن حروف میں ہلنت لگائیں یا آدھا لکھیں، ہلنت سے خالی حروف کو زبر سے پڑھیں چاہے آخر میں ہو یا درمیان میں جیسے

وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ

वला यग़फ़िरुज़्ज़ुनूब इल्ला अन्त

نقطے والے حروف اور مجہول زیر کمپوزر کی کمپوزنگ میں نقطہ رکھنا آسان ہوچکا ہے البتہ مجہول زیر ٹیڑھی اے کی ماترا ہاتھ سے بنانا ہوگی بہرحال جیسے بھی ہو ہندی میں چھپنے والی دینی کتابوں میں یہ اصلاح لازمی ہے۔

پڑھنے کی دشواری

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس جدید ہندی کو ہندی داں کیسے پڑھ سکے گا۔

(باقی ص ۱۵ پر)

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ہونہار نوجوان استاد

مولانا برجیس احمد ندوی کا حادثۂ وفات

● محمد شاہد ندوی بارہ بنکوی

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے

زندگی کی اس بھاگ دوڑ میں اچانک ایسے واقعات پیش آجاتے ہیں جو تصور و خیال سے بالاتر ہوتے ہیں لیکن فیصلہ الٰہی کے آگے سر تسلیم خم کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْت اس عالم فانی میں جو شخص آنکھیں کھولتا ہے اس کی آنکھیں ایک روز ضرور بند ہوتی ہیں حیات کا مزہ لوٹنے والے موت کا مزہ بھی چکھنے پر مجبور ہوتے ہیں جو اس دنیا میں آیا ہے وہ جانے کے لئے ضرور مجبور ہوگا یہی اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔

مولانا برجیس احمد ندویؒ جو دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مؤقر استاذ تھے اور اپنی عمر کے پچاس سال پورے کر ہی رہے تھے کہ اچانک ۱۲ مارچ ۲۰۰۰ء کی شب میں داغ مفارقت دیکر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا کی وفات سے دارالعلوم کے طلباء، اساتذہ اور ذمہ داران ندوۃ العلماء کو بڑا قلق اور افسوس ہوا۔

مولانا مرحوم دربھنگہ بہار کے ایک گاؤں کے مہذب ذی اثر اور باوقار خاندان سے تعلق رکھتے تھے ابتدائی تعلیم اپنے آبائی وطن میں حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند پھر دارالعلوم ندوۃ العلماء کا رخ کیا۔ ان کو اپنی طالب علمی کے زمانے میں بڑی آزمائشوں اور صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن انھوں نے تعلیم کے حصول میں کبھی ان چیزوں کو رکاوٹ نہیں بننے دیا۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء سے فراغت کے بعد تدریسی خدمات انجام دینے لگے۔ اور تقریباً ۲۴ سال تک مسلسل دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ایک اچھے ذی استعداد اور باصلاحیت استاد کی حیثیت سے درس و تدریس کا فریضہ انجام دیا۔ مولانا ادب کے علاوہ فن تفسیر حدیث فقہ، بلاغت اور صرف و نحو پر بھی بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔

قدرت کی طرف سے آپ کو مشکل سے مشکل عبارتوں کو نہایت ہی اچھے انداز میں سمجھانے کا حصہ وافر ملا تھا۔ طلبار کے سامنے اسباق کی تشریح اس طرح پورے شرح و بسط کے ساتھ کرتے کہ طلباء کو مکمل تشفی ہو جاتی تھی۔ آپ کو اختصار اور تفصیل دونوں پر یکساں کمال حاصل تھا۔ درس و تدریس کا اسلوب بڑا انوکھا تھا وہ اپنے طالب علموں کو بہت ہی خوش اسلوبی اور خلوص کے ساتھ پڑھاتے تھے۔ آپ کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ جو کچھ پڑھا رہے ہیں شاگردوں کے دلوں میں اتار دیں، مسائل اس انداز سے بتلاتے تھے کہ غور سے سنی گئی ان کی ہر بات ذہنوں میں ہمیشہ کے لئے نقش ہو جاتی۔

مولانا نے اپنی پوری زندگی نہایت سادگی کے ساتھ گذاری سادہ کھانا، سادہ پہننا آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔ اللہ وحدہٗ لاشریک پر کامل اعتماد اور اس کی ذات پر بھروسہ ہمیشہ ان کا شعار رہا وہ کبر و غرور سے بہت دور تھے تقویٰ اور اخلاص عمل ان کی سرشت میں داخل تھا۔

پسماندگان میں اہلیہ کے علاوہ چار صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ مولانا کے درجات بلند فرمائے۔ اور مغفرت فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ (آمین)

ابر رحمت ان کی مرقد پہ گہر باری کرے
حشر تک شان کریمی ناز برداری کرے

منتصر

عالمی خبریں

معید اشرف ندوی

● انگریزی روزنامہ ایشین ایج کے خصوصی نامہ نگار کی ۱۱ر مارچ ۲۰۱۰ء کو شائع ایک رپورٹ کے مطابق برطانیہ کے وزیر اعظم ان دنوں قرآن مجید کا مطالعہ کر رہے ہیں اور وہ یہ سب کچھ اس لئے کر رہے ہیں کہ موجودہ برطانیہ کا ثقافتی معاشرہ جس پر وہ حکمرانی کر رہے ہیں اس کے بارے میں ان کی معلومات پختہ اور بہتر ہو، برطانوی وزیر اعظم اس کے متمنی ہیں کہ انھیں عیسائیت کے علاوہ دیگر مذاہب کے اقدار ثقافت اور عقائد کا بھی بہتر فہم حاصل ہو تاکہ حکمرانی اور پالیسی سازی کے وقت یہ بات یقینی بنائی جا سکے۔ واضح رہے کہ اس وقت برطانیہ میں کئی ملین مسلمان آباد ہیں اور ان کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اور برطانوی مسلم اقلیتیں حکمراں لیبر پارٹی اور اپوزیشن کنزرویٹو پارٹی دونوں کے نزدیک یکساں اہمیت کی حامل اور قابل قدر حیثیت رکھتی ہیں۔

● ایتھنز یونان کے قدامت پسند چرچ نے ایتھنز کی تاریخ میں پہلی مسجد تعمیر کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ مسجد ۲۰۱۱ء میں تعمیر ہو جائے گی، چرچ کے ذرائع نے بتایا کہ چرچ کے اعلیٰ حکام کو اس سلسلے میں وزارت خارجہ سے مذاکرات کرنے کا اختیار دیا ہے یونانی چرچ کا قومی معاملات میں بڑا اثر ورسوخ ہے وہ اب تک شہر میں مسجد تعمیر کرنے کی مخالفت کرتا چلا آرہا ہے جس پر ایتھنز میں رہائش پذیر مسلمان ہمیشہ نالاں رہے ہیں، یونان میں مساجد صرف شمالی علاقہ کے جزیرے میں پائی جاتی ہیں۔

● اسلامک ڈیویلپمنٹ بینک جدہ نے مکہ معظمہ کے شہری حدود سے باہر پانچ ارب ریال کی لاگت سے دنیا کا سب سے بڑا سلاٹر ہاؤس تعمیر کیا ہے، یہ سلاٹر ہاؤس (مذبح) تمام عصری آلات اور ضروریات سے لیس ہے۔ ماضی میں ہر سال لاکھوں جانوروں کا قربانی کا گوشت ضائع ہو جاتا تھا لیکن اسلامک ڈیویلپمنٹ بنک سعودی عرب کے تعاون سے تقریباً دس سال سے اس اسکیم پر عمل پیرا ہے جس کے تحت تقریباً پانچ لاکھ جانوروں کا قربانی کا گوشت دنیا کے ۲۷ ملکوں کو بری بحری اور فضائی راستوں کے ذریعہ غرباء، مساکین میں تقسیم کے لئے بھیجا جا رہا ہے، قربانی کے گوشت سے استفادہ کی اسکیم کے تحت ملک کی جانب سے تقریباً بیس ہزار افراد کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ دینی مدارس کے تقریباً چھ سو طلبا بھی اس کام میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ کام ہر سال کی طرح اس سال بھی بحسن وخوبی انجام دیا گیا۔

کتب برائے تبصرہ

تبصرہ کے لئے براہ کرم کتاب کے دو نسخے ارسال کریں صرف ایک کتاب بھیجنے کی صورت میں تبصرہ شائع نہیں کیا جائے گا۔ اور نہ ہی کتاب واپس کرنے کی ذمہ داری ادارہ پر ہوگی (ادارہ)

ضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی حسنی ندوی رح کی شخصیت پر

امعہ سیّد احمد شہیدؒ اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں سیمینار

تیب:۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔محمد شاھد ندوی بارہ بنکوی

جمعیت شباب الاسلام کے زیر ںام جامعہ سیّد احمد شہیدؒ احمد آباد کٹولی ںنؤمیں ۲۸ ،۲۹ ،۳۰ر مارچ ۲۰۰۰ء کو ںکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ں ندویؒ کی دعوتی تحریکات اور ملی ائل کے میدان میں" کے موضوع پر ہونے ے عظیم الشان سیمینار کا افتتاحی پہلا لاس ۲۷ر مارچ ۲۰۰۰ء کو دارالعلوم دۃ العلماء کے ناظم حضرت مولانا سیّد محمد رابع حسنی ندوی کی صدارت ں ہوا جس میں قبلۂ اول مسجد اقصیٰ کے م شیخ محمد محمود الصیام نے مہمان خصوصی حیثیت سے شرکت فرمائی شیخ نے اپنی ذباتی تقریر میں حضرت مولانا علیہ الرحمۃ ، شخصیت اور ان کی خدمات پر تفصیل سے وشنی ڈالی اور کہا کہ مولاناؒ کی وفات سے م لوگ یتیم ہو گئے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ولاناؒ کی کتابوں سے ہم نے برابر استفادہ کیا ور ان کے اقتباسات لوگوں کو سنائے بھی۔ نھوں نے کہا کہ مولاناؒ کے علمی اور دعوتی رثہ کی حفاظت اور اشاعت کرنا ہمارا دینی فریضہ ہے۔

مولانا عبداللہ عباس ندوی معتمد تعلیمات دارالعلوم ندوۃ العلماء نے اپنی تقریر میں کہا کہ مولانا نے دعوت و تبلیغ اور وعظ و ارشاد کا کام عالمی پیمانے پر کیا انھوں نے ایک ادنیٰ آدمی سے لیکر برسر اقتدار حکمرانوں تک اپنی دعوت پیش کرنے میں ہمیشہ ہمت و جرأت سے کام لیا اور کبھی بھی کسی کے سامنے دست طلب دراز نہیں کیا وہ ایک خود دار انسان بے باک عالم دین اور عظیم صاحب قلم تھے۔

جامعہ سیّد احمد شہیدؒ کے ناظم اور سیمینار کے روح رواں مولانا سیّد سلمان الحسینی ندوی نے مولانا کے افکار و خیالات اور سیمینار کے اغراض و مقاصد پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔

صدارتی تقریر میں مولانا سیّد محمد رابع حسنی ندوی نے اپنی تقریر میں کہا کہ حضرت مولانا ایک بے لوث انسان تھے ان کے اندر انسانیت کا درد تھا۔ وہ ملک و وطن کے سلسلہ میں بہت فکر مند رہتے تھے انھوں نے کہا کہ ضرورت اس بات کی ہے کہ مولاناؒ کے کام اور پیغام کو عام کیا جائے اور اپنے اندر جذبۂ عمل پیدا کیا جائے یہی ہمارے لئے حضرت مولانا سے سچی عقیدت و محبت کی نشانی ہے۔

اس پہلی نشست کی نظامت مولانا محمد خالد ندوی غازیپوری نے کی۔

دوسری نشست مغرب کے بعد ہوئی جس کی صدارت شیخ محمد محمود الصیام نے کی جبکہ نظامت مولانا نذر الحفیظ ندوی استاد ادب دارالعلوم ندوۃ العلماء نے کی جس کا آغاز مولانا قاری محمد قاسم نے تلاوت کلام پاک سے کیا۔ اس نشست میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی گئی اور مقالات پڑھے گئے۔

دوسرے دن کے سیمینار میں دو نشستیں ہوئیں جس میں ملک کے مشاہیر علماء اور دانشوروں نے بلیغ مقالے پیش کئے پہلا اجلاس ساڑھے نو بجے سے شروع ہوا جس کی صدارت مولانا محمد اجتباء ندوی نے کی اور نظامت کے فرائض ڈاکٹر مسعود الحسن عثمانی نے انجام دیئے۔

اس نشست میں مولانا نثار الہدیٰ قاسمی، مولانا محمد وسیم ندوی صدیقی، ڈاکٹر سید راشد نسیم ندوی، مولانا عبدالعلیم قاسمی مولانا خلیل الرحمٰن سجاد ندوی نے مقالے پیش کئے اور ڈاکٹر طفیل احمد مدنی نے مولانا کو منظوم نذرانۂ عقیدت پیش کیا۔ دوسرا اجلاس ساڑھے بارہ بجے شروع ہوا۔ جس میں مولانا اجتباء ندوی اور ڈاکٹر ضیاء الحسن ندوی نے عربی میں مقالے پڑھے اور شیخ عبداللہ نے انگریزی میں مقالہ پیش کیا۔

تیسرا اجلاس بعد نماز مغرب ہوا جس کی صدارت دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی نے کی اور مہمان خصوصی کی حیثیت سے مولانا

تقی الدین ندوی نے شرکت کی، اس اجلاس میں جن حضرات نے مقالے پڑھے ان میں مولانا مجتبیٰ ندوی مدنی، مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی، مولانا برہان الدین سنبھلی ندوی مولانا ولی رحمانی، مولانا تقی الدین ندوی مولانا محمد طاہر ندوی، مولانا فیصل بھٹکلی ندوی ڈاکٹر عقیل ندوی، ڈاکٹر سرفراز احمد، مولانا اکبر علی ندوی، قاری محمد قاسم مدراسی شامل ہیں۔ اور نظامت ڈاکٹر ضیاء الحسن جامعہ ملیہ دہلی نے کی۔

یہ سہ روزہ سیمینار جو جامعہ سید احمد شہید میں زیر اہتمام شباب الاسلام ۲۸ر مارچ کو شروع ہوا تھا۔ اس کا اختتام ندوۃ العلماء کے جمالیہ ہال میں ۳۰ر مارچ کی شام کو ہوا۔

اس کی آخری نشست مولانا محمد سالم قاسمی مہتمم وقف دارالعلوم دیوبند کی صدارت میں ہوئی۔ جس میں مولانا عبدالکریم بھی موجود تھے۔ ان کے علاوہ بھٹکل، اورنگ آباد نیپال، سہارنپور، مظفر نگر، حیدرآباد اور دوسری جگہوں سے آنے والے مہمان موجود تھے ان میں ملک کے مختلف اداروں، جامعات اور مدارس کے نمائندے شریک ہوئے مولانا محمد سالم قاسمی نے اپنی صدارتی تقریر میں مولانا علی میاںؒ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ جو بڑے بڑے مصلحین مجددین پیدا ہوئے ان میں سے جو چیز مشترکہ پائی جاتی رہی ہے وہی بات مولاناؒ کے اندر بھی تھی۔ مولاناؒ کی نظر زمانہ پر تھی جس نے انہیں اور مقبول کر دیا۔ وہ چند شخصیتوں میں سے ایک تھے۔ جو انگلی پر گنے جاسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ درج ذیل تجاویز پیش کی گئیں جن کو ڈاکٹر ضیاء الحسن ندوی، ڈاکٹر محسن عثمانی اور مولانا اجتباء ندوی نے مرتب کیا تھا۔ جو باتفاق رائے منظور کی گئیں۔

۱۔ یہ سیمینار حضرت مولاناؒ کی وفات پر دلی رنج و غم کا اظہار کرتا ہے اور اس پر اتفاق کرتا ہے کہ وہ نازش عصر رواں تھے۔

۲۔ مولانا علم و ادب، اصلاح معاشرہ تحقیق و تصنیف، دعوت و تبلیغ اور پیام انسانیت کو بندگان خدا تک پہنچانے کا جو عظیم کام کر رہے تھے اسے سُست نہ پڑنے دیا جائے۔

۳۔ سیمینار یہ تجویز پاس کرتا ہے کہ مولاناؒ کی ہمہ گیر شخصیت اور گوناگوں خدمات کا مطالعہ کرتے ہوئے ان کے ہر میدان میں عمل کو اسی طرح سرگرم رکھا جائے جیسا کہ ان کی زندگی میں تھا۔

۴۔ مولاناؒ کی ہشت پہلو شخصیت کا ہر پہلو تابناک ہے ضرورت ہے کہ ان کے اخلاق و کردار، زبان و قلم کی پاکیزگی عالی ظرفی تواضع کو ایک اعلیٰ ترین انسان ہونے کے طور پر پیش کیا جائے جو عوام کے لئے مشعل راہ بن سکے۔

۵۔ مولاناؒ نے اپنی پوری زندگی اتحاد اور باہمی تعاون پیدا کرنے میں صرف کی۔ اس کی ضرورت اب شدید ہے کہ مسلمانوں کی مختلف تنظیموں کے مابین مخلصانہ اتحاد پیدا ہو۔

۶۔ یوپی اسمبلی میں مذہبی مقامات سے متعلق بل پاس ہوا ہے وہ دستور ہند کے خلاف ہے۔ یہ سیمینار صدر جمہوریہ ہند سے گذارش کرتا ہے کہ اس بل کو منظور نہ کیا جائے۔

۷۔ یہ سیمینار جمعیۃ شباب الاسلام کے صدر مولانا سلمان حسینی ندوی اور ان کے رفقائے کار اور جامعہ سید احمد شہیدؒ کے اساتذہ و اہالیان کٹولی اور ملیح آباد نے مہمانوں اور مندوبین کی جس خلوص سے خدمت کی اس کا شکریہ ادا کرتا ہے۔

اس نشست میں تین مقالے پیش کئے گئے، جلسہ کا اختتام مولانا عبدالکریم پاریکھ کی دعا پر ہوا۔

● "شیخ ابوالحسن علی الحسنی الندویؒ ہندوستان میں علوم عربیہ و اسلامیہ کا ارتقاء" کے موضوع پر شعبۂ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی جانب سے ۲۳، ۲۴ر فروری ۲۰۰۰ء کو ایک دو روزہ علمی مذاکرہ کا اہتمام کیا گیا جس میں اندرون ملک کے اہم اداروں، جامعات اور مدارس کے مشہور و معروف علماء، ادباء اور اساتذہ نے مولانا ندویؒ کی علمی و ادبی خدمات پر مقالے پیش کئے۔ اور بحث و مباحثہ میں حصہ لیا۔

افتتاحی اجلاس کا آغاز تلاوت قرآن سے ہوا۔ سیمینار کے ڈائرکٹر جناب پروفیسر کفیل احمد صاحب نے خطبۂ استقبالیہ پیش کرتے ہوئے سیمینار کی معنویت پر روشنی ڈالی۔ اور مولانا ندویؒ کو خراج عقیدت پیش کیا، داعیٔ مذاکرہ ڈاکٹر محمد صلاح الدین عمری صدر شعبۂ عربی نے اپنے افتتاحی خطبہ میں مولاناؒ کی حیات و شخصیت علمی و ادبی، تعلیمی و ثقافتی اور اصلاحی و دعوتی خدمات پر روشنی ڈالنے اور افکار و نظریات کے علمی تحلیل و تجزیہ اور بحث و تحقیق کے موضوع پر منعقد ہونے والے ـــ اس مذاکرہ کو موضوع کا نقش اول اور

شعبۂ عربی کے لئے سعادت قرار دیتے ہوئے کہا کہ اس شرف سبقت کے لئے ہم اللہ کا شکر بجا لاتے ہیں کہ اس کے ارادہ اور تائید و توفیق سے ہم اس عظیم ذمہ داری کو نبھانے کا حوصلہ کر سکے۔

مہمان خصوصی کی حیثیت سے مولانا سعید الرحمن اعظمی ندوی مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے کلیدی خطبہ پیش کرتے ہوئے مولانا ندویؒ کی حیات و خدمات پر پُرمغز گفتگو کی اور مولانا ندویؒ کی وفات کے سانحۂ عظیم پر اقبال کی زبان میں اپنے تأثرات کا اظہار یوں کیا:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

افتتاحی اجلاس کو مولانا ندویؒ کے شاگرد رشید پروفیسر محمد راشد ندوی اور پروفیسر محمد سالم قدوائی نے بھی خطاب کیا اور موضوع کے متعدد اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر محمود الرحمن صاحب نے اپنے صدارتی خطبہ میں مولانا کی شخصیت کو ایک کرشمہ ساز شخصیت قرار دیتے ہوئے کہا کہ انھوں نے علم و آگہی کے جو نقوش چھوڑے ہیں وہ نوجوانوں کے لئے مشعل راہ ہیں، محترم وائس چانسلر صاحب نے اس موقع پر یونیورسٹی میں "علی میاں چیئر" کے قیام کا خصوصی تذکرہ فرمایا، اور اس سلسلہ میں کی جانے والی کارروائی کو جلد شروع کرنے کا وعدہ فرمایا سیمینار کے افتتاح کے موقع پر وائس چانسلر صاحب نے شعبۂ عربی کی نو تعمیر توسیعی عمارت کا افتتاح کرتے ہوئے اسے مولانا ندویؒ کے نام سے منسوب کیا۔

اس دو روزہ علمی مذاکرہ میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے علاوہ دار العلوم ندوۃ العلماء، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی یونیورسٹی جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، دار العلوم تاج المساجد بھوپال، مظفر پور یونیورسٹی بہار، دار المصنفین اعظم گڑھ، اور جامعۃ الفلاح اعظم گڑھ وغیرہ سے علماء و اساتذہ نے موضوع کے مختلف پہلوؤں پر اپنے تحقیقی مقالے پیش کئے۔

ہندوستان میں عربی زبان و ادب کی ترویج و اشاعت، نظریۂ ادب اسلامی پیام انسانیت، ادب سیر و سوانح سفرنامے تاریخ و تذکرہ نویسی، مقالہ نگاری، مکاتیب مقدمات و تقریظات، خطبات، ادب تزکیہ و ملفوظات، ادب اطفال، تدریسی کتب و رسائل کی تیاری، ادبی نگارشات نقد و نظر، ادبی و شعری ذوق، تاریخ عالم کی اسلامی تفسیر و تشریح، فکر اقبال کو عربی قالب میں ڈھالنے کا ادبی عمل تاریخ دعوت و عزیمت، سلسلۂ اسمعیات مولانا اور عالم عرب وغیرہ اس مذاکرہ کے خاص موضوعات تھے، مدارس عربیہ و جامعات کے مابین علمی رشتوں کے قیام میں مولاناؒ کی خدمات کو بھی سراہا گیا۔ اور مولاناؒ کی سیاسی بصیرت اور سماجی شعور کا تحلیل و تجزیہ بھی اس سیمینار میں خاص بحث کا موضوع رہا۔

اس تذکرہ میں علاوہ افتتاحی اجلاس اور الوداعی نشست کے چھ نشستیں ہوئیں اور (۳۶) مقالات پیش کئے گئے، مندوبین و شرکاء کے مابین سوال و جواب اور بحث و مباحثے نے نشستوں میں سنجیدہ علمی و تحقیقی ماحول کو قائم رکھنے میں اہم کردار ادا کیا،

مولانا ندویؒ کی دینی و ادبی خدمات، تہذیب و ثقافت کے احیاء میں حصہ داری، وحدت انسانیت اور علم و معرفت کی آبیاری کی لگن اور صالح اقدار و روایات کی پاسداری میں اخلاص و للہیت اور اُمنگ و حوصلہ پیدا کرنے کی تڑپ کو سراہتے ہوئے عمومی طور پر اس ضرورت پر زور دیا گیا کہ مولانا کی علمی و ادبی شخصیت کو حقیقی پس منظر میں دیکھنے اور علم و ادب بحث و تحقیق اور تعلیم و ثقافت کے میدان میں اس سے استفادہ کی راہیں تلاش کی جانی چاہئیں۔ اور جدید ہندوستان میں علوم اسلامیہ و عربیہ کے بقاء و تحفظ اور ارتقاء کے لئے مولانا نے جو خطوط اجاگر کئے ہیں ان پر غور و خوض کرنے اور روبہ عمل لانے کی شکلوں کی توضیح و تشریح وقت کا اہم تقاضا ہے۔

الوداعی نشست میں مندوبین و شرکاء نے اپنے احساسات و تأثرات کا اظہار کرتے ہوئے متفقہ طور پر شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی اس پہل پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے مذاکرہ کی علمی اہمیت و افادیت پر روشنی ڈالی اور اس عظیم الشان سیمینار کو علم و ادب اور تحقیق کی دنیا میں ایک نیا دریچہ قرار دیا ہے۔

قرآن کریم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ، دینی معلومات میں اضافہ اور تبلیغ کیلئے شائع کیجاتی ہیں ان کا احترام آپ پر فرض ہے، لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں انکو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں

مطالعے کی میز

تبصرے کیلئے کتابوں کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے!

● مولانا محمد خالد ندوی غازیپوری

نام کتاب کشکول کی منتخب کہانیاں
مرتب ڈاکٹر انور حسین خاں
قیمت ساٹھ روپے
ملنے کا پتے دانش محل امین آباد پارک لکھنؤ
نصرت پبلشر حیدری مارکیٹ امین آباد لکھنؤ۔

پیش نظر کتاب ڈاکٹر انور حسین خاں صاحب کے ذوق ادب، حسن نظر اور حسن انتخاب کا شاہکار ہے۔ وہ صاحب مطالعہ تجربہ کار اور صاحب فکر ونظر ادیب ہیں، پرورش لوح وقلم کی اداؤں سے خوب واقف ہیں، زلف ادب کی مشاطگی بڑے سلیقے سے کرتے ہیں۔ تخیل کی رفعتوں سے گرتے ہوئے آبشار کو قطروں میں سمیٹنا اور کمال ہنرمندی سے دریا کی وسعت دینا ان کا امتیازی وصف ہے، ادیبوں کی بارگاہ میں ان کی حاضری قدیم ہے۔ وہ اودھی ادب کے خوشہ چین اس کے قصے کہانیوں کے دلدادہ ہیں۔ لہٰذا ان کے اصحاب قلم ونظر کی بارگاہ ادبائے اردو میں چودھری محمد علی کی ادبی خدمات ہے۔ جن کی ادبی تصانیف کی تعداد زیادہ تو نہیں، لیکن دقت رسی، شدت احساس، رفعت تخیل، دلنشیں، پرکیف قلمی کاوشوں نے انھیں ادب کی بارگاہ میں مقام امتیاز تک پہونچا دیا ہے۔ وہ ایک اچھے افسانہ نویس اور صاحب اسلوب، فطرت نگار ادیب تھے۔

انھوں نے اپنی کہانیوں میں بیشتر موقع پر محسوسات اور جذبات کی حیرت انگیز تصویریں پیش کی ہیں، داستان طرازی ان کا خاص وصف ہے، ان کے کردار خیالی اور فرضی نہیں ہیں۔ بلکہ اصلی ہیں، لیکن ان کو قصے اور کہانیوں کے پیرائے میں بیان کرنا چودھری محمد علی کا کمال ہے، انسانی وجود کی پہنائیوں میں اتر کر دائمی اور آفاقی اقدار کی ترجمانی کرنا، مقصدی اور موضوعاتی افسانے لکھنے کے بجائے فرد اور معاشرے کے اندرون میں اتر کر اس کے سربستہ رازوں کو اپنا موضوع بنانا ان کا امتیاز ہے۔

ڈاکٹر انور حسین خاں صاحب نے دس منتخب کہانیوں پر مشتمل یہ نمائندہ انتخاب "کشکول کی منتخب کہانیاں" پیش کرکے چودھری محمد علی صاحب کی زندگی کا عرفان بخشا ہے ان کی یہ کوشش قابل تحسین وستائش ہے۔

ایک سو دس صفحے کی کتاب دیدہ زیب ہے، طباعت صاف ستھری اور کاغذ کے آئینے میں تحریریں روشن ہیں، یہ کتاب اہل ذوق کے لئے خاصے کی چیز ہے۔

خط وکتابت کرتے وقت ——
خریداری نمبر اور اپنا پتہ
صاف اور خوش خط تحریر فرمائیے (ادارہ)

(بقیہ) درس حدیث

اس حدیث میں اصل سوال کا جواب دینے کے بجائے آپ نے سائل کے ذہن کو دوسری طرف موڑ دیا۔ اس لئے کہ سائل کے سوال کا جواب ہاں یا نہیں میں دینا مناسب نہیں تھا، جواب دینے میں آپ نے جنگ کی اس شکل کا جواب دینے سے ...... احتراز فرمایا اور جنگ کرنے والے کے حال کو بیان کیا اور سائل کو بتایا کہ اصل اعتبار نیت وارادہ کا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا "جو شخص اللہ کے دین کو بلند کرنے کی نیت سے جنگ کرے اس کی جنگ اللہ کے راستہ میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جواب نہایت بلیغ اور مختصر ہے۔ اس حدیث کو "جوامع الکلم" میں شمار کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ اگر آپ جواب میں یہ فرماتے کہ جو کچھ تم نے بیان کیا ہے ان میں کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں ہے کبھی کبھی غصہ اور اللہ کی حمیت بھی اللہ ہی کے لئے ہوتی ہے جو فی سبیل اللہ شمار کی جاتی ہے، لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لفظ استعمال کیا جس میں سائل کا جواب بھی آگیا۔ اور مزید باتیں بھی آگئیں۔ اس طرح آپ نے غیر واضح بات کو واضح بھی فرمایا۔ اور بات اچھی طرح سمجھا بھی دی۔

محمد طارق ندوی

سوال وجواب

س :۔ ایک صاحب جن کی وضع قطع شرعی نہیں ہے کیا وہ جمعہ میں کھڑے ہوکر عوام کو وعظ و نصیحت کر سکتے ہیں ؟

ج :۔ ہاں عوام کو وعظ و نصیحت کر سکتے ہیں ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ آپ سمجھائیے اس لئے کہ سمجھانا مومنین کو نفع دیتا ہے ۔ اور دوسری جگہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ، تم بہترین امت ہو، لوگوں کی نفع رسانی کے لئے نکالے گئے ہو تم لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا ۔ اور اس سے اچھی کس کی بات ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے لیکن ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ ارشاد خداوندی ہے: يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ اے ایمان والو تم وہ بات (کرنے کو) کیوں کہتے ہو جسے تم (خود) نہیں کرتے یہ بات اللہ کے نزدیک بہت ناپسندیدہ ہے کہ تم وہ کہو جسے خود کرو، اور دوسری جگہ شعراء کے نقائص کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا" وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُوْنَ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ"، شعراء ان کی پیروی بھٹکے ہوئے لوگ کرتے ہیں، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے ہوئے پھرتے ہیں اور وہ جو کچھ کہتے ہیں اس پر خود عمل پیرا نہیں ہوتے ہیں ۔

مذکورہ آیات کی روشنی میں لوگوں کو راہ راست پر لانے کے لئے شریعت پر عمل کرنے پر ابھارنے کے لئے مذکور شخص کا بیان کرنا درست تو ہوگا وہ وعظ و نصیحت کر سکتا ہے لیکن اس کی وضع قطع شرعی ہونا چاہیئے ۔

س :۔ ناخن پالش کا ناخن پر موجود ہوتے ہوئے وضو درست ہے یا نہیں؟

ج :۔ مذکورہ صورت میں جب تک پالش کھرچ کر صاف نہ کر دی جائے وضو درست نہیں ہوگا ۔

س :۔ ایک شخص نے نیا مکان تعمیر کیا اور اپنے مکان کی بلندی پر پرانا جوتا اور جھاڑو کو اس خیال سے کہ کسی کی نظر نہ لگے لٹکا دیا ہے ۔ اس کا یہ عمل شرعاً درست ہے یا نہیں؟

ج :۔ مذکور عمل کی کوئی اصل شرعی نہیں ہے یہ صرف وہمی اشخاص کا شیوہ ہے جس سے اجتناب شرعاً لازم ہے، یہ غیر قوموں کی دین ہے جن کے مذہب کی بنیاد پوری کی پوری وہم و خرافات پر ہے اس طرح کی چیزوں سے اجتناب ہر اس شخص پر لازم ہے جس کا دین سے ذرا سا بھی تعلق ہے ۔

س :۔ نکاح سے پہلے بہت سی رسومات کی جاتی ہیں مثلاً ابٹن لگانا، مانجھے میں بیٹھنا وغیرہ اور ان کو ضروری سمجھا جاتا ہے نہ کرنے والوں پر طعن وتشنیع کی جاتی ہے ۔ شریعت میں یہ امور جائز ہیں یا ناجائز؟

ج :۔ مذکورہ تمام رسومات کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے ۔ یہ اپنی من گڑھت ہے بے اصل و بے بنیاد ہے ۔ سلفِ صالحین سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا ہے ۔ سنت نبوی اور طریقہ صحابہ سے دور دور کا ان رسومات سے کوئی تعلق نہیں ہے ۔ ان رسومات سے ہم کو بچنا چاہیئے اور دوسرے مسلمانوں کو بچانا ہماری اخلاقی اور شرعی ذمہ داری ہے ۔

س :۔ اگر کوئی غیر مسلم اپنے یہاں کسی مسلمان کو شادی کے موقع پر شرکت کی دعوت دے تو مسلمان اس میں شرکت کر سکتا ہے یا نہیں، نیز ان کے کھانے میں شریک ہو سکتا ہے یا نہیں؟

ج :۔ غیر مسلم کے یہاں شادی میں شرکت کر سکتے ہیں حلال اشیاء کھا سکتے ہیں، حرام اشیاء سے دور رہنا لازم اور ضروری ہے ۔ ان کے کھانے میں ناپاک اور حرام چیزوں سے بچنا شرعاً لازم اور ضروری ہوگا ۔

Regd. No. LW / NP/ 63
Fax No.: (0522)330020

FORTNIGHTLY

Principal off : 372336
Guest House : 3?3864

AMEER-E-HAYAT

NADWATUL-ULAMA, LUCKNOW-226 007 (India) Rs. 6/-

Printed And Published by *Athar Husain* on behalf of Majlis Sahafat- Wa- Nashriat, Nadwatul Ulama at Parekh offset Press, Tagore Marg, Lucknow - U. P.
Editor: Shamsul Haq Nadwi

لکھنؤ
تعمیرِ حیات
پندرہ روزہ

عقیدہ و عمل کی سلامتی کتاب و سنت کی اتباع میں ہے

عقبیٰ کی تمام سعادتیں حاصل کرنے کے لئے اپنے نفس کو رحم و شفقت کی نظر سے دیکھ اور نفس امارہ بنانے کے بجائے "نفس مطمئنہ" بنانے کی مخلصانہ کوشش کر۔ "نفس مطمئنہ" کے حصول کا اہم ترین ذریعہ یہ ہے کہ شیاطین الانس اور برے دوستوں سے بے تعلق اور کنارہ کش رہ کر ذکر الٰہی کا التزام کیا جائے، لغویات و ہزلیات سے اجتناب کیا جائے، اور کتاب و سنت کی پیروی اختیار کی جائے، صراط مستقیم کو پانے کے لئے آیاتِ کتاب اللہ میں مسلسل غور و فکر اور تدبر کی ضرورت ہے۔ کتاب و سنت کی گہرائیاں دریافت کر، اور ان پر عمل پیرا ہو۔ محض مناظرہ و جدال اور قیل و قال میں نہ الجھ۔ کیونکہ اس سے عقل گمراہ ہو جاتی ہے اور انسان راہ عمل کو کبھی نہیں پا سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ہمارا رسول جو چیزیں یعنی احکام تمہارے پاس لایا ہے ان کو قبول کر لو، ان پر عمل پیرا ہو جاؤ، اور جن چیزوں سے تمہیں منع کرتا ہے انھیں چھوڑ دو اور اللہ سے خوف کھاؤ، تاکہ تمہاری عاقبت سنور جائے۔

مسلمان کے لئے توحید اور سنت کی پیروی لازم ہے اور اسی طرح شرک و بدعت سے پرہیز لازم ہے۔ بدعت یہی ہے کہ اپنے پاس سے بے پسند چیزیں ایجاد کرکے دین و شریعت سے منسوب کر دی جائیں اور ان کی پیروی کو اسلام کی پیروی سمجھا جائے۔

پس عقیدہ و عمل کی ہر آفت سے سلامتی کتاب و سنت کی اتباع سے وابستہ ہے اور یہ اتباع ایک ایسی مقدس نعمت ہے جس کے ذریعہ بندہ ولایت، جلالیت اور غوثیت کے مقام رفیع تک ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

(از: فتوح الغیب صفحہ ۱)

مئی ۲۰۰۰ء | سالانہ ۱۳۰/ روپے | فی شمارہ ۶/ روپے



آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی سائل کا سوال سن کر دوبارہ پوچھتے کہ تم نے کیا سوال کیا؟

تحریر: شیخ عبدالفتاح ابوغدۃؒ ترجمہ: شمس الحق ندوی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی سائل کے سوال کو اس سے دوبارہ پوچھتے کہ تم نے کیا سوال کیا؟ تاکہ اس کے علم میں اضافہ ہو اور وہ بات اچھی طرح سمجھ بھی جائے اور جواب وضاحت کے ساتھ دیں۔

امام مسلم و نسائی نے حضرت ابوقتادہؓ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے درمیان کھڑے ہوئے اور فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد اور اللہ تعالیٰ پر ایمان سب سے افضل عمل ہے۔ یہ سنکر ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا اللہ کے رسولؐ! آپؐ بتائیں کہ اگر میں راہ خدا میں شہید ہوگیا تو یہ شہادت میرے گناہوں کا کفارہ بن جائے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں بشرطیکہ تم جم کر لڑے ہو، خلوص دل سے ثواب کی نیت سے لڑے ہو، بڑھ بڑھ کے حملے کئے ہوں، پیٹھ نہ پھیری ہو۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پھر پوچھا تم نے کیا کہا تھا؟ اس نے جواب دیا، آپ فرمائیں کہ اگر میں راہ خدا میں قتل کردیا جاؤں تو کیا یہ میرے گناہوں کا کفارہ ہوجائے گا؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں جبکہ تم ثابت قدم رہو، اللہ تعالیٰ کی رضا کی نیت رکھتے ہو، برابر آگے بڑھتے رہو پیٹھ نہ پھیرو۔ سوائے قرض کے کہ کسی کا قرض باقی ہے تو وہ نہیں معاف ہوگا آپؐ نے قرض کو مخصوص طور پر ذکر فرمایا مراد تمام حقوق العباد ہیں)، جبریلؑ نے ہم سے ایسے ہی کہا ہے۔

کبھی کبھی آپؐ سوال کا جواب صحابہؓ سے دلواتے تاکہ ان کی تربیت ہو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سوال کیا جاتا کبھی کبھی اس کا جواب صحابہؓ پر ڈال دیتے تاکہ اس طرح ان کی علمی تربیت ہو، جس کا نمونہ ذیل کی احادیث میں ملتا ہے۔

بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کر رہے تھے کہ احد سے واپسی کے بعد ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ مجھے گذشتہ رات خواب میں ایک بادل دیکھا جس سے گھی اور شہد ٹپک رہا تھا اور لوگ اس کو اپنی ہتھیلیوں میں لے رہے تھے، کوئی زیادہ لے رہا تھا کوئی کم، اور میں نے آسمان سے زمین تک ملی ہوئی ایک رسّی دیکھی، اللہ کے رسول ہم نے دیکھا کہ آپ اس کو پکڑ کر اوپر چڑھ گئے، آپؐ کے بعد ایک دوسرے آدمی نے پکڑا وہ بھی اس کے ذریعہ اوپر چڑھ گیا، پھر ایک اور آدمی نے اس رسی کو پکڑا وہ بھی اوپر چڑھ گیا۔ اس کے بعد پھر ایک آدمی نے اس رسی کو پکڑا تو وہ رسی ٹوٹ گئی، وہ رسی دوبارہ اس کے لئے جوڑ دی گئی اور وہ اس کے ذریعہ چڑھ گیا۔

حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا اللہ کے رسولؐ آپ پر میرے ماں باپ قربان، آپ مجھ کو اجازت دیجئے میں اس خواب کی تعبیر بتاؤں، آپؐ نے فرمایا بتاؤ۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔ سایہ تو اسلام کا سایہ تھا، اور اس سے گھی اور شہد جو ٹپک رہا تھا وہ قرآن کریم کی حلاوت و شیرینی اور نرمی تھی، اور لوگ اس میں سے جو لے رہے تھے، وہ قرآن کریم کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے اور اس پر دوام برتنے والے لوگ تھے، اور آسمان سے زمین تک جو رسی لگی ہوئی تھی وہ دین مستقیم ہے جس پر آپؐ ہیں، آپ اس کو پکڑے رہیں گے اور وہ آپ کو بلند کرے گا، پھر آپ کے بعد دوسرا آدمی پکڑے گا وہ بھی بلند ہوگا، اس کے بعد ایک شخص پکڑے گا وہ بھی بلند ہوگا، اور اس کے بعد جو شخص اس کو پکڑے گا اس کے پکڑنے پر رسی ٹوٹ جائے گی دوبارہ اس رسی کو جوڑا جائے گا پھر یہ (تیسرا) شخص بھی چڑھ جائے گا۔

اللہ کے رسولؐ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان آپؐ فرمائیں کہ میں نے صحیح تعبیر دی یا غلطی ہوئی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ باتیں تو تم نے صحیح سمجھیں اور کچھ غلط[1] حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا میں نے جو غلطی کی اس کو آپ ضرور بتادیں آپؐ نے فرمایا ابوبکرؓ قسم مت کھاؤ۔

مشق و تربیت ہی کی غرض سے کبھی کبھی آپ صحابہ میں کسی کو مقدمات (یعنی لوگوں کے لڑائی جھگڑے کا فیصلہ کرنے کا حکم دیتے تھے۔

باقی ص ۲۹ پر

---

[1] بعض شارحین نے لکھا کہ غلطی یہ تھی قسم کی جگہ سنت نہیں کہا۔

پندرہ روزہ لکھنؤ

تعمیر حیات

مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۳۷ — شمارہ نمبر ۱۲

۱۰ رمئی ۲۰۰۰ء — مطابق — ۵ رصفر ۱۴۲۱ھ

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین وادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ ۱۳۰/ روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں

زر تعاون

سالانہ ——— ۱۳۰/ روپے

فی شمارہ ——— ۶/ روپے

بیرونی ممالک فضائی ڈاک ———

ایشیائی، یورپ، افریقی وامریکی ممالک ۳۰ ڈالر

بیرونی ممالک بحری ڈاک ———

بحری ڈاک جملہ ۱۵ ڈالر

خط وکتابت کا پتہ

منیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس نمبر ۹۳

ندوۃ العلماء لکھنؤ ۲۲۶۰۰۷ یوپی

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت ونشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں

گذارش

خط وکتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کے ساتھ مکمل نام وپتہ ضرور لکھیں خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے (منیجر)

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے ادیکو آفسٹ میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا۔

اس شمارے میں

شرائط ایجنسی

۱۔ پانچ کاپی سے کم کی ایجنسی جاری نہیں کی جاتی۔
۲۔ فی کاپی =/Rs. 15 کے حساب سے زر ضمانت روانہ کرنا ضروری ہے۔
۳۔ کمیشن جوابی خط سے معلوم کریں۔

نرخ اشتہار

۱۔ تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر اندرونی صفحہ =/Rs. 30
۲۔ تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر پشت پر رنگین صفحہ =/Rs. 40
۳۔ کمیشن تعداد اشاعت کے مطابق ہوگا جو آرڈر دینے پر متعین ہوگا۔
۴۔ اشتہار کی نصف رقم پیشگی جمع کرنا ضروری ہے۔

بیرون ملک نمائندے

مدینہ منورہ	Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb. P O Box No 842, Madina Munawwara (K S A.)
برطانیہ	Mr. M. AKRAM NADWI O C I S , St Cross College, Oxford Ox1 3TU-U.K
ساؤتھ افریقہ	Mr. M. YAHYA SALLO NADWI Sb. P O Box 388, Vereninging,(S Africa)
قطر	Mr. ABDUL HAI NADWI Sb. P O Box No 10894, DOHA-QATAR
دبئی	Mr. QARI ABDUL HAMEED NADWI Sb. P O Box No 12525, DUBAI (U A E) P.H.NO: - 3970927
پاکستان	Mr. ATAULLAH Sb. Sector A-50, Near sau Quater H No 109, Town Ship Kaurangi, KARACHI-31 (Pakistan)
امریکہ	Dr. A. M. SIDDQUI Sb. 98-Conklin Ave, Woodmere NEW YORK 11598 (U S A)

شمس الحق ندوی

ملی قیادت کا نازک کام

قومیں محض امنگوں، آرزوؤں، کاغذی خاکوں اور تجاویز سے نہیں بنتی ہیں، قوم کی تعمیر کا تعلق اندرون کی تبدیلی، خیالات کی اصلاح در تعلیم و تربیت سے ہوتی ہے، ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ قوم کے اندر صبر و ضبط، تنظیم، استقامت، تحمل، ایثار، باہمی ہمدردی، اتحاد عملی اور اعلیٰ خلاق و صفات پیدا کی جائیں۔

قوم کی رہنمائی اور قیادت کے لئے سیرت نبوی کا مطالعہ کیا جائے اور اسوۂ صحابہؓ کو آئیڈیل اور نمونہ بنایا جائے، اس سے روشنی حاصل کی جائے، اور اس کو حرز جاں بنایا جائے، کتاب و سنت کی صورت میں مسلمانوں کو جو اصول و ضوابط ملے ہیں اور تاریخ اسلام میں اس کے جو عملی نمونے ہیں وہ نمونے جنہوں نے دوسری قوموں کو اپنی طرف کھینچا اور ضلالت و گمراہی کے اندھیروں سے نکال کر اسلام کی روشنی میں پہونچایا ہے۔

اس بات کے حصول کے لئے ان لوگوں کی طرف رجوع کرنا اور ان کے مشورہ کی روشنی میں چلنا اور قوم کو چلانا ضروری ہے۔ جو اس دشت کی سیاحی میں عمریں گذار چکے ہیں، مزید برآں کوئی عملی قدم اٹھانے سے پہلے خود اپنا جائزہ لینا سب سے اہم اور کامیابی کی شرط اولیں ہے کہ ہم جو قدم اٹھا رہے ہیں اس میں فلاح قوم اور طلب رضائے مولا کا کتنا جذبہ کام کر رہا ہے۔ کوئی بھی اقدام اگر اس جذبہ سے خالی ہے، اور اس میں جاہ پرستی، شہرت و ناموری یا ذاتی مفاد کا جذبہ کام کر رہا ہے تو اس کا انجام ناکامی اور دین و ملت کے نقصان کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔

ایسا بہت ہوا ہے کہ اللہ کے کچھ مخلص، ایثار پسند اور قوم و ملت کا درد رکھنے والے حضرات نے کام شروع کیا اور قوم ان کے سایے میں چلی اور کامیابی سے ہمکنار ہوئی اس سے ملت کے اندر خود اعتمادی اور جذبۂ عمل پیدا ہوا لیکن جب اس میں مفاد پرست، جاہ پسند اور سیاسی بازی گروں کا عنصر شامل ہو گیا تو قوم غلط رخ پر چل پڑی اور اس کا وقار اور رعب و دبدبہ جو خلوص و حسن کردار ہی سے حاصل ہوتا ہے ختم ہو کر رہ گیا۔ اس کی بھی تاریخ اسلام میں بہت سی عبرتناک مثالیں موجود ہیں ہمارے دین کا سب سے پہلا اور اولین مقصد انسانی معاشرہ کا سدھار اور اس کی اصلاح ہے اور یہ باہر سے پہلے اندر سے شروع ہوتا ہے، بس عقائد ہوں یا عبادات، سیاست ہو یا معاشرت، اخلاق ہوں یا معاملات سب کی صحت و درستگی کا مدار قلب کے سدھار پر منحصر ہے، بقول علامہ سید سلیمان ندویؒ:

> "دل ہی کی تحریک ہر انسان کے ہر اچھے اور برے فعل کی بنیاد اور اساس ہے اس لئے کہ مذہب کی اساس اسی بنیاد پر ہوتی ہے اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ جو نیک کام بھی کیا جائے، اس کا محرک کوئی دنیوی غرض نہ ہو، بلکہ صرف اللہ کے حکم کی بجا آوری اور خوشنودی ہو۔"

لہٰذا مسلمانوں کے ہر قائد اور ہر رہنما کا پہلا کام یہ ہونا چاہئے کہ پہلے وہ اپنا جائزہ لے کہ اس کی سمت درست ہے یا نہیں۔ مخلص قائدین کا امتیاز یہ ہوتا ہے کہ وہ ہر موقع پر حلم و تدبر، فکر و دور اندیشی سے کام لیتے ہیں، وہ قوم کو بیدار کرتے ہیں، بھڑکاتے نہیں، حالات سے نبرد آزما ہونے کی دعوت دیتے ہیں، اندھے بہرے بن کر نہیں بلکہ مومنانہ فراست اور ایمانی بصیرت کی روشنی میں قوم کی رہنمائی کرتے ہیں۔

اس وقت امت مسلمہ جن حالات سے دوچار ہے ہر چہار طرف وہ جس طرح باطل کے نرغہ میں ہے، اس کو سنبھالنے اور منجدھار میں پھنسی ہوئی اس کی کشتی کو ساحل سے ہمکنار کرنے کے لئے فکر و تدبر، جانفشانی اور ایثار و قربانی کی ضرورت ہے، ضرورت ہے اس حکیمانہ تدبر

اور صبر آزما کاوش و کوشش کی جس کو نہایت ہی خطرناک اور حقیقت یہ ہے کہ موجودہ دور سے بھی زیادہ خطرناک حالات میں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنایا اور سے

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہباں

کا تاج اپنے سر پر رکھا تھا اور ملت کو سنبھالا دیا تھا اگر یہ نہ ہوتا تو شاید اس وقت اس ملک میں کوئی اسلام کا نام لیوا تک نہ ہوتا۔

اس کے بعد کے دور میں حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے خانوادے نے گرد و پیش کے حالات کا جائزہ لے کر حکیمانہ انداز میں ملت کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا تھا اس وقت بھی امت جن خطرات سے گذر رہی ہے ان کے پیش نظر، نہایت دور اندیشی اور حکمت و تدبر کے ساتھ طبقاتی اور جماعتی تعصب سے بلند ہو کر ہر مکتبۂ فکر کے سربرآوردہ حضرات کو متحد ہو کر بردبار و سنجیدہ انداز میں کام کرنے کی ضرورت ہے جو حکمت و تدبر سے کرنے کا ہے اس میں عوامی جوش و جذبہ پیدا کرنے سے گریز و پرہیز کی ضرورت ہے کہ اس سے بعض اوقات فائدہ کے بجائے نقصان پہونچتا ہے یہ ایسی بات ہے جس کو ہر قائد و رہبر ذرا بھی غور و فکر سے کام لے تو اس کو اس کا سمجھنا اور اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔

"لوگ تعریفیں کریں، بڑا بن جاؤں، شہرت مل جائے، عہدہ مل جائے، مرجع بن جاؤں، میری بات چلنے لگے، میری حیثیت مانی جائے، میری رائے پوچھی جائے، ان اغراض کے لئے کام کرنا ہرگز اخلاص و للہیت نہیں[1]"

قوم کی قیادت و رہنمائی جو نفس کی چاہت اور شہرت کی طلب سے حاصل ہوتی ہے وہ ملت کو جوڑنے اور ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے اور سب کو ساتھ لے کر چلنے میں کامیاب نہیں ہوپاتی اس لئے کہ قیادت کے لئے بہت کڑوے گھونٹ پینے پڑتے ہیں، مختلف مزاج و نفسیات رکھنے والوں کو لے کر چلنے کے لئے بڑی دور اندیشی حکمت و تدبر کی ضرورت ہوتی ہے یہ بات طلب وجاہت والی قیادت میں نہیں پیدا ہوتی اس لئے کہ اس کے ساتھ نصرت خداوندی نہیں ہوتی جیسا کہ بعض حدیثوں میں ہے اور صحابۂ کرامؓ کے عہدہ طلب کرنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا۔ اور فرمایا ہے کہ جس منصب کا بار بلا طلب اور لوگوں کی چاہت و مطالبہ بلکہ اصرار سے اٹھانا پڑتا ہے اس میں خدا کی مدد و نصرت ہوتی ہے اور اس نصرت کے نتیجہ میں دلِ دانا، دل بینا اور فراست مومنانہ حاصل ہوتی ہے قائد اس کی روشنی میں ہر فکر و مزاج کے لوگوں کو سنبھالے رہنے اور ایک کڑی میں جوڑے رکھنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہوتا ہے اپنے کو شمع کی طرح جلاتا اور پگھلاتا ہے اپنی سعی بھر اس شیرازہ کو بکھرنے نہیں دیتا۔

کیا اچھا ہوتا کہ ہمارے رہنمایان قوم اس راز کو سمجھتے اور اس کی روشنی میں چلتے اور قومی و ملی مفاد کو ذاتی شہرت و ناموری اور مفاد پر مقدم رکھتے۔

ایسی پرخلوص قیادت کے سلسلہ میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی سے متعلق جو مضامین لکھے جارہے ہیں اور تقاریر کی جارہی ہیں ان سے بڑی روشنی ملتی ہے۔

---

[1] حضرت جی مولانا یوسف رحمۃ اللہ علیہ

یادِ مکہ مکرمہ

مولانا بدر عالم صاحب مدنیؒ

مجھے فرقت میں رہ کر پھر وہ مکہ یاد آتا ہے
وہ زمزم یاد آتا ہے وہ کعبہ یاد آتا ہے

جہاں جاکر میں سر رکھتا جہاں میں ہاتھ پھیلاتا
وہ چوکھٹ یاد آتی ہے وہ پردہ یاد آتا ہے

کبھی وہ دوڑ کر چلنا کبھی رک رک کے رہ جانا
وہ چلنا یاد آتا ہے وہ نقشہ یاد آتا ہے

کبھی وحشت میں آکر پھر صفا پر جاکے چڑھ جانا
وہ سعی یاد آتا ہے وہ مروہ یاد آتا ہے

کبھی چکر لگانا حاجیوں کی صف میں لڑ بھڑ کر
وہ دھکے یاد آتے ہیں وہ جھگڑا یاد آتا ہے

کبھی پھر ان سے ہٹ کر دیکھنا کعبہ کو حسرت سے
وہ حسرت یاد آتی ہے وہ کعبہ یاد آتا ہے

کبھی جانا منیٰ کو اور کبھی میدان عرفہ کو
وہ مجمع یاد آتا ہے وہ صحرا یاد آتا ہے

وہ پتھر مارنا شیطان کو تکبیر پڑھ پڑھ کر
وہ غوغا یاد آتا ہے وہ سودا یاد آتا ہے

منیٰ میں لوٹ کر کے پھر وہ ذبیحہ کو ذبح کرنا
وہ سنت یاد آتی ہے وہ فدیہ یاد آتا ہے

وہ رخصت ہو کے میرا دیکھنا کعبہ کو مڑ مڑ کر
وہ منظر یاد آتا ہے وہ جلوہ یاد آتا ہے

مرا مکہ بھی طیبہ ہے نہیں معلوم کچھ مجھ کو
کہ مکہ یاد آتا ہے کہ طیبہ یاد آتا ہے

نگاہِ شوق جب اٹھتی ہے رب البیت کی جانب
نہ کعبہ یاد آتا ہے نہ مکہ یاد آتا ہے

ر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہو جائے

● حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

صراطِ مستقیم اصلاً تو صراط مستقیم ہے لیکن
بھی تو پل صراط کی شکل اختیار کر لیتی ہے کہ
ے زیادہ باریک، تلوار سے زیادہ تیز، خدا کا
ر ادا کرنا چاہیئے کہ خدا نے ہم کو پل صراط کیلئے
ب کیا ہے اور اس راستہ سے وہ ہم کو انعام
اجاتا ہے، حدیث میں آتا ہے کہ جب مصائب
امات ملیں گے قیامت میں، تو وہ جنھوں نے
لام کی راہ میں مصیبتیں اٹھائی ہیں، اور بڑی
مشکلات سے گزرے ہیں وہ تمنا کریں گے کہ
ن ان کی کھالیں قینچیوں سے کتری گئی ہوتیں،
ر کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ اس نے ہمیں اس قابل
ما، اگر کوئی طالب علم محنتی ہے، اس نے واقعی
رے سال محنت کی ہے اور اپنا پورا کام کیا ہے،
امتحان میں پرچہ آسان آجائے تو اپنا سر
ٹ لیتا ہے کہ میں نے کس دن کے لئے محنت
تھی اور راتوں کی نیند حرام کی تھی، اگر یہی پرچہ
تھا تو پہلے سے بتا دیا گیا ہوتا، اور اگر پرچہ
شکل آتا ہے تو محنتی طالب علم سمجھتا ہے کہ اس
محنت ٹھکانے لگی۔

ر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہو جائے

یہ شکوہ کرنا کہ ہمیں بہت نازک زمانہ ملا
ے اور ہماری راہ کانٹوں سے بھری ہوئی ہے،
م ہمتی کی بات ہے، بلند ہمتی کی بات یہ ہے

کہ اگر راستہ آسان ہو تو آدمی کو شبہ ہونے لگے اپنے بارے میں کہ مجھے اس قابل نہیں سمجھا گیا کہ میں کسی مشکل پر چلوں، اگر زندگی ساری کی ساری سہولتوں سے لبریز ہوتی تو زندگی میں لطف نہ رہتا، شاعر نے خوب کہا ہے ؎

چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موج حوادث سے
اگر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہو جائے

قرآنی سرچشمۂ ہدایت سے ہمارا تعلق ہونا چاہیئے جہاں سے ہدایت کا فیضان ہوتا ہے، کتاب و سنت کا مطالعہ، اسوۂ رسولؐ اور صحابہؓ اور مجاہدین اسلام کے حالات سے ہمیں طاقت حاصل کرنا چاہیئے۔ جیسے بیٹری چارج کی جاتی ہے سیل (SELL) جب ختم ہو جاتے ہیں تو بدلے جاتے ہیں، ہم اور آپ اس مادی دنیا میں چلتے پھرتے ہیں ایسے اساتذہ سے بھی پڑھتے ہیں، جن کو خود بھی پورے طور پر ان دینی وغیبی حقائق پر یقین حاصل نہیں ہوتا، ہمارا دور ایسی چیزوں سے بھرا ہوا ہے، کہ قدم قدم پر ہم کو خدا سے غافل کرنے والی چیزیں ملتی ہیں۔ اور ہمیں ان کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ہر چیز خود فراموشی اور خدا فراموشی پیدا کرنے والی ہے، ٹیلی ویژن کو دیکھئے، ریڈیو سنئے، اخبارات پڑھئے، حتیٰ کہ خالص ادب، جس کو پاک، معصوم اور غیر جانبدار ہونا چاہیئے، وہ بھی غیر جانبدار نہیں رہا، وہ فسق کا ایجنٹ (AGENT) بنا ہوا ہے، اور بہت ہی سستا ایجنٹ باطل اقدار کا ہمارا ادب اس وقت مشاطہ بنا ہوا ہے معصیت اور سفلی جذبات اور فحش اخلاق کا، یہ ساری چیزیں جو ہمارے چاروں طرف دریا کی طرح موجزن ہیں، اور دریا میں ہم کو ڈال دیا گیا ہے، ہمارے حالات نے ہمارے نظام تعلیم نے، ہم کو اس دریا کے حوالہ کر دیا ہے، پھر اس کا کہنا یہ ہے کہ۔ ؏

"دامن تر مکن ہشیار باش"

خبردار بیٹا دامن تر نہ ہونے پائے، تو دامن بچانے کے لئے ضرورت ہے کہ اصحاب کہف کا واقعہ یاد کریں اور "زِدْنَاهُمْ هُدًى" پر غور کریں، ایمان کا چراغ روشن کریں، اور حرارت و محبت پیدا کریں، جس کے بغیر ہم ان نفسانی خواہشات کا مقابلہ نہیں کر سکتے، ہم ان چیزوں کا مقابلہ خالی نظام جماعت اور ضابطۂ اخلاق سے نہیں کر سکتے، تجربہ کی بات بتاتا ہوں کہ زمانہ اتنا جابر واقع ہوا ہے، اس کے تقاضے اتنے قاہر ہیں کہ اگر ان کے مقابلہ میں ایمان کی طاقت نہ ہو، اور وہ نمونے آپ کے سامنے نہ ہوں جو سیرت کے اندر ہم کو ملتے ہیں تو ہم زمانہ کا مقابلہ نہیں کر سکتے،

مسلح مادّیت کا مقابلہ

ہماری نمازیں درست ہوں، یہ طاقت نمازوں سے پیدا ہوتی ہے، دعا سے پیدا ہوتی ہے، تلاوت سے پیدا ہوتی ہے، سجدوں سے مانوس ہونے سے پیدا ہوتی ہے، بندگانِ خدا کے پاس بیٹھنے سے پیدا ہوتی ہے، اگر ہم یہ چاہتے کہ اس مسلح مادیت کا مقابلہ کریں جس کو یورپ و امریکہ نے اپنے بہترین اسلحہ سے مسلح کر رکھا ہے، اس کی ہر چیز اتنی بہلانے والی

ہے کہ بڑے بڑے شہبروں کے پاؤں اکھڑ جائیں تو اس کا مقابلہ ہم محض تنظیم سے، محض اپنے ضابطۂ اخلاق سے نہیں کر سکتے، اس کے لئے ہمارے اندر ایمانی طاقت ہونی چاہیئے تعلق مع اللہ ہونا چاہیئے، اللہ کے ساتھ ایسا تعلق ہونا چاہیئے کہ ہم کو وہ ایک سجدہ نصیب ہو جائے۔ جس کی زمین بھی تاب نہیں لا سکتی ؎

وہ سجدہ روح زمیں جس سے کانپ جاتی ہے
اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

روح زمین کانپے نہ کانپے، اپنا کلیجہ تو کانپ جائے، اپنا دل تو کانپ جائے آنکھیں تو اشکبار ہو جائیں، یہ سجدہ جب آپ کو نصیب ہوگا تو آپ کو مادیت پر قابو ہوگا، اب جو دور ہے، اس کا مقابلہ کرنے کے لئے آپ کے اندر کی طاقت کی ضرورت ہے، آپ کے اندر وہ طاقت ہو، خدا کے نام سے محبت ہو، اس کے رسول سے محبت ہو، سنتوں کا اہتمام اور اس کی عظمت آپ کے دل میں بیٹھی ہوئی ہو سب سے کوتاہیاں ہوتی ہیں، لیکن اپنی کوتاہیوں کو آپ سمجھیں، ان پر اصرار نہ کریں، ان کے لئے دلیلیں نہ دیں، بلکہ یہ کہیں کہ آئیڈیل تو وہی ہے اسوہ تو وہی ہے، کرنا تو ہم کو وہی ہے، خدا آپ کو توفیق دے گا، اور یہ کوتاہیاں بھی معاف کر دے گا، بہت ہی پیچیدہ اور نازک دور ہمارے اور آپ کے حصہ میں آیا ہے۔ اس میں اگر دین کے تقاضے پورے کئے اور اسلام کے جھنڈے کو ہم نے سرنگوں ہونے نہیں دیا تو آپ کو جو بھی دنیا میں ملے گا وہ تو خیر ملے گا، لیکن آخرت میں جو کچھ ملے گا، اس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔

اپنے محدود تجربہ کی روشنی میں چند اور باتیں بھی عرض کرنا چاہتا ہوں، ایک بات تو یہ ہے کہ سیرت سازی کی کوشش کریں اس کے بغیر کام نہیں چلتا، ہماری دینی دعوتوں میں سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ سیرت کی تعمیر نہیں ہوتی اور نوجوان اگلے مرحلہ پر جا کر پست ہو جاتے ہیں، سیرت کی تعمیر کتاب و سنت، اسوۂ رسول کے ماتحت ہو تو پھر پائے ثبات میں لغزش نہیں آتی

اپنی فکر کیجئے

دوسری بات یہ ہے کہ اپنی فکر کیجئے۔ اس زمانہ کا ایک عیب یہ بھی ہے کہ دوسروں کی فکر زیادہ اپنی فکر کم ہوتی ہے، ہمارے اجتماعی فلسفہ اور سیاسیات نے یہ ذہن پیدا کیا ہے کہ آدمی کی نظر دوسروں کے عیوب پر پڑتی ہے، اس کا محاسبہ زیادہ تر دوسروں سے ہوتا ہے، فلاں پارٹی یہ کر رہی ہے فلاں طبقہ یہ کر رہا ہے، فلاں شخص اپنی ذمہ داری پوری نہیں کر رہا ہے، اور اس کی فرصت ہی نہیں ملتی کہ آدمی اپنا جائزہ لے اور دیکھے کہ ہم میں کیا نقص ہے۔

منفی حصہ مثبت حصہ سے بڑھنے نہ پائے

تیسری بات یہ کہ منفی حصہ مثبت حصہ سے بڑھنے نہ پائے۔ تناسب سے دونوں چیزیں ہوں، آپ کا مزاج یہ نہ بن جائے کہ ہر چیز کو آپ ہمیشہ ناقدانہ دیکھیں، ہر طبقہ سے جہاں آپ دین پائیں، ان کے پاس بیٹھنے سے آپ کو محسوس ہو کہ ایمان بڑھتا ہے ان کے پاس بیٹھ کر نمازوں کی طرف توجہ ہوتی ہے نماز پڑھنے کا طریقہ آتا ہے، اس کو بھی بہت غنیمت سمجھئے بلکہ نعمت سمجھئے اور یہ نہ سمجھئے کہ پورے دین کو انھوں نے سمجھا ہی نہیں، پورا دین تو یہ لیکر کھڑے ہی نہیں ہوئے تو پھر ان کے پاس بیٹھنے سے کیا فائدہ ہے، نماز ہی بہت بڑی چیز ہے، آپ کو اگر نماز پڑھنی آجاتی، روزہ رکھنا آجائے تو یہ کوئی معمولی بات نہیں، اسی سے پوری زندگی ڈھلتی ہے۔ (دعوت فکر و عمل ص ۱۴۹)

دعائے مغفرت

● مولوی سلطان الہدیٰ ندوی (استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء) کی پھوپھی کا مختصر علالت کے بعد ۹۳ سال کی عمر میں ۸ محرم ۱۴۲۱ھ کو ان کے آبائی وطن نعیمپور تال نرجا ضلع مئو میں انتقال ہو گیا۔ مرحومہ بڑی دیندار اور پرہیزگار خاتون تھیں۔

● علیا ثانیہ شریعہ کے طالب علم جلال الدین سیولی کی والدہ محترمہ کا ۲۸ ذی الحجہ ۱۴۲۰ھ کو انتقال ہو گیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست

مرے ٹوٹے ہوئے دل کے یہ درد انگیز نالے ہیں

مولانا محمد رضوان القاسمی

مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی طبیعت کا رنگ اصلاحی و دعوتی تھا، تاریخ و تذکرہ کے موضوع پر ان کی جو کتابیں ہیں، ان میں بھی ان کا یہ ذوق جلوہ گر ہے۔ دگرنہ عام طور پر اس موضوع پر لکھی جانے والی کتابیں خشک ہوتی ہیں، اور تاریخ نویس اور تذکرہ نگار حالات و واقعات کو ایک تسلسل کے ساتھ جمع کر دینے کو کافی سمجھتے ہیں، مولانا علی میاں کا یہ امتیاز اور کمال رہا ہے کہ انھوں نے تاریخ اور تذکرہ و سوانح کی کتابوں میں بھی اصلاح و دعوت کو اس طرح سمویا ہے، جیسے پھول کی پتیوں میں خوشبو رچی بسی ہو، ان کی تمامتر اصلاحی اور دعوتی تحریروں میں ان کا سوز دروں چھلکا پڑتا ہے اور ان کی یہ حیثیت نمایاں ہے۔

گھوڑا جوڑا تلک اور جہیز کی مروجہ رسم کو مولانا کی داعیانہ اور مصلحانہ طبیعت "وبائے عام" اور زمانۂ حال کا "فتنہ" قرار دیتی ہے، اور وہ کہنا چاہتے ہیں کہ "خارجی محاذ" پر مضبوطی دکھانے کے ساتھ "داخلی محاذ" کو بھی تمام کمزوریوں سے پاک رہنا چاہئے۔ ایک اصلاحی رسالہ کے پیش لفظ میں وہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"لڑکی والوں سے کسی رقم یا خاص جہیز کا مطالبہ یا من مانی فرمائشیں اور مالی واقتصادی منافع کے حصول کی شرط جس کو بعض علاقوں میں "تلک" بعض مقامات پر "گھوڑا جوڑا" بعض جگہ "جہیز" کی معروف و متداول اصطلاح سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور جو ہندوستان میں کچھ عرصہ سے برادران وطن (ہندو معاشرہ) کی تقلید میں یا اس کے ساتھ رہنے سہنے یا مال و دولت کی اس بڑھی ہوئی حرص اور لالچ کی وجہ سے جو موجودہ تہذیب، تعلیم، دینی کمزوری اور حب دنیا نے مسلمانوں میں پیدا کر دی ہے، وقت کی وہ "وبائے عام" اور زمانۂ حال کا وہ "فتنہ" اور ابتلاء ہے، جس نے اس مسلم معاشرہ کے لئے اس ماحول میں (جس میں دینی تعلیم و تربیت کی کمی ہے) اس شرعی و فطری شریفانہ و تمدنی ضرورت کی تکمیل کو پہاڑ کاٹ کر جوئے شیر لانے سے کم دشوار نہیں بنا دیا ہے۔

ضرورت ہے کہ اصلاحی و تربیتی کام کرنے والے اور علماء، ائمہ و خطباء اس وبائے عام اور زمانۂ حال کے فتنہ کو اپنا موضوعِ تقریر و تحریر بنائیں اور مجالس و تقریبات میں اس کو اپنے اپنے انداز میں پیش کریں نوجوان اس پر عمل کرنے کا معاہدہ کریں، اور اپنے دوستوں اور عزیزوں سے عہد و وعدہ لیں کہ وہ اس رسم قبیح سے نہ صرف خود احتراز کریں گے، بلکہ دوسروں کو بھی اس سے متنفر و مجتنب بنانے کی کوشش کریں گے۔ اگر ضرورت ہو تو اس کے خلاف دستخطی مہم اور تحریک چلائیں گے، یہاں تک کہ اگر خود لڑکی کے سرپرستوں اور اولیاء کی طرف سے اس کی پیش کش ہو، تب بھی اس کو قبول نہ کریں گے، یہ دین و اخلاق اور اصلاح و تبلیغ کا ایک اہم ترین تقاضا اور مسلم معاشرہ کی حفاظت کا اہم ترین مطالبہ ہے، اور اس میں کوتاہی و غفلت بڑے خطرات کا پیش خیمہ اور خدا و رسول کی ناراضگی و ناپسندیدگی کا ذریعہ ہے۔"

(جہیز یا نقد رقم کا مطالبہ صفحہ ۵ تا ۸)

ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے مسلم پرسنل لا، کی اہمیت، ان کی جان و مال اور آبرو سے کم نہیں، اس کی حفاظت کا مطلب اپنے اسلامی تہذیب و تشخص کی حفاظت ہے مولانا علی میاں ہندوستانی مسلمانوں کو اس طرف توجہ دلاتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"میں یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر مسلم پرسنل لا (شرعی، عائلی قانون) میں تبدیلی قبول کرلیں گے، تو آدھے مسلمان رہ جائیں گے اس کے بعد خطرہ ہے کہ آدھے مسلمان بھی نہ رہیں، فلسفۂ اخلاق، فلسفۂ نفسیات اور فلسفۂ مذاہب کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ مذہب کو اپنے مخصوص نظام معاشرت

وتہذیب سے الگ نہیں کیا جا سکتا ۔ دونوں کا ایسا فطری تعلق اور رابطہ ہے کہ معاشرت مذہب کے بغیر صحیح نہیں رہ سکتی۔ اور مذہب معاشرت کے بغیر مؤثر و محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ مسجد میں مسلمان ہیں (اور مسجد میں کتنی دیر مسلمان رہتا ہے اپنے سارے شوقِ عبادت کے باوجود) اور گھر میں مسلمان نہیں، اپنے معاملات میں مسلمان نہیں، اپنے عائلی وخاندانی روابط وتعلقات میں مسلمان نہیں، حقوق کی ادائیگی اور ترکہ کی تقسیم میں مسلمان نہیں اس لئے ہم اس کی بالکل اجازت نہیں دے سکتے کہ ہمارے اوپر کوئی دوسرا نظامِ معاشرت، نظامِ تمدن اور عائلی قانون مسلط کیا جائے، ہم اس کو دعوتِ ارتداد سمجھتے ہیں اور ہم اس کا اس طرح مقابلہ کریں گے جیسے دعوتِ ارتداد کا مقابلہ کرنا چاہیئے، اور یہ ہمارا شہری، جمہوری اور دینی حق ہے، اور ہندوستان کا دستور اور جمہوری ملک کا آئین اور مفاد نہ صرف اس کی اجازت دیتا ہے، بلکہ اس کی ہمت افزائی کرتا ہے کہ جمہوریت کی بقاء اپنے حقوق کے تحفظ اور اظہارِ خیال کی آزادی اور ہر فرد اور اقلیت کے سکون واطمینان میں مضمر ہے۔"

(خطبۂ صدارت، اجلاس ہشتم آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، ممبئی صفحہ ۲۳، ۲۴)

مسلم آبادی میں "دینی مدارس" کی ضرورت واہمیت پر مؤرخانہ، مدبرانہ اور حکیمانہ انداز میں روشنی ڈالتے ہیں:-

"اگر دین اور اس کے شرعی نظام کی ضرورت ہے اور مسلمانوں کو محض ایک قوم بن کر نہیں بلکہ ایک صاحب شریعت وکتاب قوم بن کر رہنا ہے، تو مذہب کے محافظین وحاملین اور شریعت کے ترجمان وشارحین کی ضرورت ہے اور اگر ان کی ضرورت ہے تو لامحالہ ان مرکزوں اور اداروں کی ضرورت ہے جو ایسے اشخاص پیدا کر سکتے ہیں اور یہ یہ ضرورت مسلمانوں کی ہر قومی ضرورت سے اہم ہے۔

خلافتِ راشدہ کے طرز کی اسلامی سلطنت میں بھی دینی مدارس اور تربیت گاہوں کی ضرورت ہے، تاکہ امت کے اسلامی جسم میں ہر دم تازہ خون پہنچتا رہے، اہل نظر جانتے ہیں کہ جس نظام کی پشت پر ایسا ادارہ یا تربیت گاہ نہ ہو جو اس قسم کے اشخاص پیدا کرتا رہے جو اس نظام کو چلا سکیں اگلوں کی جگہ لے سکیں، اس نظام کی جڑیں ہمیشہ کھوکھلی اور اس کی عمر ہمیشہ کم ہوتی ہے۔

اگر برائے نام اسلامی سلطنت بھی ہے تو بھی ایسے اداروں کی ضرورت ہے تاکہ حکومت کو اپنے ذمہ دارانہ عہدوں کے لئے دین دار اہل اور مسلمانوں کی ضرورت سمجھنے والے کارکن مل سکیں۔

لیکن اگر کسی ملک میں بدقسمتی سے اسلامی حکومت نہ ہو تو وہاں ایسے اداروں کی ضرورت شدید تر ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی جماعت کسی صحیح اسلامی حکومت کی کچھ نہ کچھ قائم مقامی کر سکتی ہے اور حفاظتِ دین کا فرض انجام دے سکتی ہے تو وہ صرف جماعت علماء ہے، چنانچہ اسی نکتہ کی وجہ سے اسلامی سلطنت کے زوال کے وقت حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور ان کے خاندان نے اسلامی تعلیم اور دینی درس وتدریس کا نظام قائم کیا، جس نے بڑی حد تک ایک اچھی اسلامی ریاست کی دینی ضرورتیں پوری کیں، اہل بصیرت جانتے ہیں کہ علمی حیثیت سے اسلام ہندوستان میں ان ممالک سے بہتر حالت میں ہے جہاں برائے نام اسلامی سلطنت موجود ہے مگر دینی آزاد مدارس کا کوئی نظام یا خاندان ولی اللہی کی شان کے علماء نہیں پیدا ہوئے۔

جب ہندوستان میں حکومت مغلیہ کا چراغ گل ہو گیا اور مسلمانوں کا سیاسی قلعہ ان کے ہاتھوں سے نکل گیا تو بالغ نظر اور صاحب فراست علماء نے جا بجا اسلام کی شریعت وتہذیب کے قلعے تعمیر کر دیئے، انہیں قلعوں کا نام عربی مدارس ہے اور آج اسلامی شریعت وتہذیب انہیں قلعوں میں پناہ گزیں ہے۔ اور اس کی ساری قوت واستحکام انہیں قلعوں پر موقوف ہے۔"

(میر کارواں ص ۱۶۹، ۱۷۰)

مسلم آبادی میں جہاں یہ ضرورت ہے کہ دین کا علم تحقیقی اور تفصیلی طور پر حاصل کرنے کی سہولت دین کی اپنی زبان (عربی) میں رہے اور اس کا اجتماعی بندوبست ہو، اس کے ساتھ دین کی بنیادی تعلیم بھی ہر مسلمان مرد اور عورت کی ضرورت ہے۔ اس ضرورت پر مولانا اپنے مخصوص انداز میں اظہار خیال فرماتے ہیں:-

"حضرات! اس کے ساتھ ساتھ ہمارا فرض ہے کہ ہم مسلمانوں میں دینی شعور بیدار کریں، آپ کی

ذمہ داری ہے کہ مسلمانوں میں دینی تعلیم کی ضرورت کا احساس پیدا کریں، ہماری آئندہ نسلیں ارتداد کے خطرہ میں مبتلا ہیں، تہذیبی اور ذہنی ارتداد تو بالکل کھلی سی بات ہے، لیکن اعتقادی ارتداد کا خطرہ بھی سر پر آگیا ہے۔ آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ قصبات میں، گاؤں میں، شہروں میں، محلوں میں، گھروں اور برادریوں میں، بچوں کو دینی تعلیم دینے کی ضرورت کا احساس پیدا کریں، مدارس اور مساجد قائم کریں، شبینہ اور صباحی مدارس و مکاتب قائم کردیں اور ان کا جال بچھا دیں۔ میں اس موقع پر اپنی ایک گذشتہ تقریر کا اقتباس پیش کروں گا جو میں نے کچھ عرصہ پہلے دینی تعلیمی کونسل کے پلیٹ فارم پر کی تھی۔

اگر مجھ سے کوئی پوچھے کہ ملت کیلئے صرف ایک پوسٹر بنانا ہے اور صرف ایک جملہ کی گنجائش ہے اور اس کے علاوہ کچھ نہیں تو میں کہوں گا "مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ" لکھ دو، پوسٹر کے نیچے لکھو کہ ہر مسلمان اپنی اولاد سے دنیا سے جانے سے پہلے سوال کرے اور جب تک دنیا میں ہے، اپنا جائزہ لے، محاسبہ کرے کہ اس کے نزدیک اس کی اہمیت ہے یا نہیں؟ وہ اپنے بچوں کے لئے اپنی آئندہ نسل کے لئے یہ اطمینان کرنا ضروری سمجھتا ہے یا نہیں کہ "مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ"۔ (میرے بعد تم کس کی عبادت کروگے؟) میں آپ سے کہتا ہوں کہ ہم اور آپ سب اپنے اپنے دلوں کو ٹٹولیں اور یہ دیکھیں کہ واقعی اس سوال کی ہمارے یہاں اہمیت ہے یا نہیں؟ اور یہ سوال افراد کے پیمانہ پر، معاشرہ کے پیمانہ پر، محلہ کے پیمانہ پر، قصبہ کے پیمانہ پر، اور آخر میں میں کہتا ہوں کہ ملت کے پیمانہ پر، اور ملت ہندیہ اسلامیہ کے پیمانہ پر ہمارے دلوں پر نقش ہے یا نہیں؟ ہماری آئندہ نسل ہمارے بعد کس راستہ پر چلے گی۔ وہ کس گروہ و ملت کی پیروی کرے گی، کس کی پرستش کرے گی، کن عقائد کو مانے گی یہ خدائے واحد کی پرستار ہوگی یا سیکڑوں ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں، خداؤں اور دیوتاؤں کی۔ یہ اس وسیع کائنات میں اور اپنی محدود زندگی میں کس کی دستِ قدرت کو کام کرتا ہوا دیکھے گی اور مانے گی؟" (ماخوذ از خطبۂ صدارت علاقائی دینی تعلیمی کانفرنس الہ آباد، منعقدہ ۷ر فروری ۱۹۸۵ء شمولۂ رسالہ "آئندہ نسلوں کے اسلام کی ضمانت اور ایمان کی حفاظت کی ذمہ داری" شائع کردہ مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ" صفحہ ۲۲، ۲۳)

ہر مسلمان کو دین کی بنیادی حقیقتوں اور تعلیمات سے باخبر اور آشنا رہنے کی یہی وہ بات ہے جسے ہندوستان میں جدید اور نئی تعلیم کے معمار سرسید احمد خاں نے اپنے "مدرسۃ العلوم" (جو بعد میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے نام سے مشہور ہوا) کی بنیاد رکھتے ہوئے کہا تھا:۔

"فلسفہ ہمارے دائیں ہاتھ میں ہوگا۔ نیچرل سائنس بائیں ہاتھ میں اور "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کا تاج سر پر" (موج کوثر صفحہ ۱۳۶)

سرسید احمد خاں مرحوم نے اپنی ایک تقریر میں مدرسۃ العلوم کے طالب علموں کو مخاطب کرتے ہوئے بطور خاص یہ بھی کہا تھا:۔

"یاد رکھو سب سے سچا کلمہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" ہے، اسی پر یقین کرنے سے ہماری قوم ہماری قوم ہے، اگر تم نے سب کچھ کیا اور اس پر یقین نہ کیا تو تم ہماری قوم نہ رہے۔ پھر اگر تم آسمان کے تارے ہوگئے تو کیا؟ پس امید ہے کہ تم ان دونوں باتوں (یعنی علم اور اسلام) کے نمونے ہوگے۔ اور جب ہی ہماری قوم کو عزت ہوگی۔" (حیات جاوید صفحہ ۲۱۵)

مولانا علی میاں مغربی تہذیب کی پیروی کے نتائج کو تباہ کن بتاتے ہیں اور یہ لکھتے ہیں کہ:۔

"اجتماع و معاشرت اور سوشل زندگی میں مغربی طریقوں کی پیروی اور ان کے اصول زندگی اور طرز معاشرت کو قبول کرلینا اسلامی معاشرہ میں بُرے دوررس نتائج رکھتا ہے۔ اس وقت مغرب ایک اخلاقی جذام میں مبتلا ہے جس سے اس کا جسم برابر کٹتا اور گلتا چلا جا رہا ہے، اور اب اس کی عفونت پورے ماحول میں پھیلی ہوئی ہے، اس مرض جذام کا سبب (جو تقریباً لاعلاج ہے) اس کی جنسی بے راہ روی اور اخلاقی انارکی ہے، جو بہیمیت و حیوانیت کے حدود تک پہونچ گئی ہے۔ لیکن اس کیفیت کا بھی حقیقی و اولین سبب عورتوں کی حد سے بڑھی ہوئی آزادی، مکمل بے پردگی، مرد و زن کا غیر محدود اختلاط اور شراب نوشی تھی، کسی اسلامی ملک میں اگر عورتوں کو ایسی ہی آزادی دی گئی، پردہ یکسر اٹھا دیا گیا، دونوں صنفوں کے

اختلاط کے آزادانہ مواقع فراہم کئے گئے، مخلوط تعلیم جاری کی گئی تو اس کا نتیجہ اخلاقی انتشار اور جنسی انارکی سول میرج، تمام اخلاقی و دینی حدود واصول سے بغاوت اور بالاختصار اس اخلاقی جذام کے سوا کچھ نہیں جو مغرب کو ٹھیک انھیں اسباب کی بناء پر لاحق ہو چکا ہے، ان اسلامی ملکوں میں جہاں مغربی تہذیب کی پرجوش نقل کی جارہی ہے اور جہاں پردہ بالکل اٹھ گیا ہے اور مرد وزن کے اختلاط کے آزادانہ مواقع حاصل ہیں، پھر صحافت، سینما، ٹیلی ویژن لٹریچر اور حکمراں طبقہ کی زندگی اس کی ہمت افزائی بلکہ رہنمائی کررہی ہے، وہاں اس جذام کے آثار وعلامات پوری طرح ظاہر ہونے لگی ہیں اور یہ قانون قدرت ہے جس سے کہیں مفر نہیں" (مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش صفحہ ۲۴۰،۲۳۹)

مولانا اپنے ان احساسات کی بناء پر مغرب سے مسحور ہو کر اس کے پورے فلسفۂ زندگی، اس کے تصور کائنات اس کے مابعد الطبیعاتی عقائد وتصورات اس کے عمرانی واجتماعی نظریات، اس کے اخلاقی نقطۂ نظر اور اس کے مسلک زندگی کو جوں کا توں قبول کرنے سے منع فرماتے ہیں، البتہ مغرب سے علم وصنعت، ٹکنالوجی اور سائنس اور ان علوم وتحقیقات میں جن کا تعلق تجربہ، حقائق وواقعات اور انسانی محنت وکاوش سے ہے، فراخ دلی کے ساتھ استفادہ کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ (مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش صفحہ ۳۱۱)

ادب کا حقیقی اور فطری رُخ کیا ہونا چاہئیے؟ اس کے بارے میں مولانا علی میاںؒ کا نقطۂ نظر یہ ہے:۔

"ادب، ادب ہے خواہ وہ کسی مذہبی انسان کی زبان سے نکلے، کسی پیغمبر کی زبان سے ادا ہو، کسی آسمانی صحیفہ میں ہو، اس کی شرط یہ ہے کہ بات اس انداز سے کہی جائے کہ دل پر اثر ہو، کہنے والا مطمئن ہو کہ میں نے بات اچھی طرح کہہ دی، سننے والا اس سے لطف اٹھائے اور اسے قبول کرے، لیکن اس دور میں یہ شرط لگادی گئی کہ جب تک آدمی ترقی پسندی کی باتیں نہ کرتا ہو جب تک قدیم چیز کا مذاق نہ اڑاتا ہو، جب تک مذہبی صحیفوں پر بھی کوئی کمینٹ نہ ڈال دیتا ہو، اس حقیقت تک وہ ادب نہیں، میں صاف کہتا ہوں، اور دبستانِ ادب کے ایک ادنیٰ طالب علم کی حیثیت سے کہتا ہوں کہ ادب کی سب سے پہلی زیارت جو نصیب ہوئی وہ آسمانی صحیفوں میں نصیب ہوئی۔ ادب تھا کہاں؟ لیکن جب خدا نے انسانوں کو سکھانے کے لئے اپنے پیغمبروں کو بھیجا اور ان کو زبان دی اور ان پر معانی کے ساتھ الفاظ وارد کئے تو معلوم ہوا کہ ادب اسے کہتے ہیں، پھر قرآن مجید نے آکر تو اس پر ہمیشہ کے لئے مہر لگادی۔

میں تو سمجھتا ہوں کہ حقیقی اور فطری ادب بن ہی نہیں سکتا، یہ جب تک کہ اس کے اندر مذہبی حقائق پر کچھ ایمان نہ ہو اور دل کے اندر کچھ درد نہ ہو۔ ادب کی بڑی خاصیت اور قوت یہ ہے کہ وہ رجحانات ومیلانات اور عمل، طرزِ فکر، اخلاق اور انقلاب کے محرکات پیدا کرتا ہے اس لئے وہ بہت مفید بھی ہوسکتا ہے، اور بہت مضر بھی وہ بڑی تعمیری طاقت بھی ہے اور تخریبی بھی، اسی لئے اس کو کسی حال میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، اس کو تعمیر کے لئے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے اور تخریب کے لئے بھی اور ان دونوں کے مظاہر ہر دور میں دیکھنے میں آسکتے ہیں وہ معاشروں کی تخلیق بھی کرسکتا ہے، اور حکومتوں کی تعمیر اور تاسیس بھی، اس لئے اس کی سخت ضرورت ہے کہ اس کو (کتابۃً، خطابۃً شعراً ونثراً) صحیح رُخ پر لگایا جائے اور اس سے تخریب، انتشارِ خیال اور لذت اندوزی، اور نفس پروری کا ذریعہ بننے کے بجائے اس کو خیر پسندی، اصلاح وتقویٰ، ضبطِ نفس اور صحیح رہنمائی کا آلہ اور ہتھیار بنایا جائے۔"

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے ان بصیرت افروز اور فکر انگیز خیالات کی حیثیت "ٹوٹے ہوئے دل کے درد انگیز نالے" کی ہے ایسے نالے بلاشبہ اثر انگیز ہوتے ہیں اور اس کے اندر دل، دماغ، معاشرہ، سماج سب کو بدلنے کی بھرپور صلاحیت ہوتی ہے، اقبال نے اپنے اشعار کے بارے میں جو کچھ کہا تھا وہ شعر مولانا کے ان افکار وخیالات پر بھی صادق آتا ہے ؎

مرے اشعار اے اقبال کیوں پیارے نہ ہوں مجھ کو
مرے ٹوٹے ہوئے دل کے یہ درد انگیز نالے ہیں

ہم مومن ہیں، توکّل علی اللہ ہمارا شیوہ ہے

تحریر: شیخ خطاب چیچنیا ـــــ ترجمہ: عبدالحنان سیوانی ـــــ

شیخ "خطاب" ایک عظیم مجاہد ہیں. داغستان کی اسلامی مجلس شوریٰ کے رکن ہیں، دشمنوں کے سامنے سر نہ جھکانے کا عزم کئے ہوئے ہیں. عربی ہفت روزہ رسالہ "المجتمع" کے نامہ نگار شعبان عبدالرحمن نے ان سے چیچنیا کے متعلق انٹرویو لیا جس میں چیچنیا کی جنگ کیوں پیش آئی؟ اور اس کے کیا اسباب تھے؟ مستقبل میں کیا امیدیں ہیں، گروزنی کا سقوط کس درجہ اہمیت رکھتا ہے! چیچنیائی قوم کے دن کب بہتر ہوں گے. اور اس جیسے دیگر سوالات کے جوابات شامل ہیں، عمومی فائدہ کی غرض سے یہ انٹرویو ہم ہدیہ ناظرین کر رہے ہیں.

(ادارہ)

س: ہم امید کرتے ہیں کہ آپ جنگ کی صحیح اور پوری تصویر واضح کریں گے؟

ج:۔ اب جنگ چہار جانب ہو رہی ہے روسی افواج بے رحمی کے ساتھ عوام پر بغیر کسی رعایت کے فضائی اور میزائیلوں اور ٹینکوں سے زبردست بمباری کر رہی ہیں.

نئے سال کے آغاز ہی میں روسی افواج نے چیچنیا میں پارلیمانی انتخاب سے قبل موجودہ صورت حال کو ختم کرنے کے لئے جی جان سے کوشش شروع کر دی، لیکن اس کی یہ تمنا پوری نہ ہوئی

س:۔ گروزنی کا سقوط کس درجہ اہمیت کا حامل ہے؟ اور اب آپ کیا کرنے جارہے ہیں؟

ج:۔ گروزنی کا سقوط ہمارے لئے کوئی خاص معنیٰ نہیں رکھتا ہے. یہ شہر اس سے پہلے بھی تین بار ہاتھ سے نکل چکا ہے، ایک گذشتہ جنگ ۹۴-۱۹۹۶ء میں اور موجودہ جنگ میں.

ہماری جنگ گروزنی کی خاطر نہ تھی اور نہ ہے. اس کا مقصد روس کو پیچھے ڈھکیلنا اور قفقاز کے علاقہ سے ان کو کھدیڑنا ہے، آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ مجاہدین روس کے ہاتھوں میں گئے کسی بھی علاقہ کو دوبارہ واپس لینے کی ہمت رکھتے ہیں، چنانچہ عید الفطر کے موقع پر پیش آئے معرکوں میں ہم نے دو شہر "ارجون" اور "شالی" واپس کے لئے، اور روس کو زبردست نقصان پہونچایا. جنگ کی صورتحال کے بدلنے کے ساتھ ساتھ ہماری جنگ بھی حیلہ گری کے ساتھ ختم ہوگی.

مجاہدین نے جہاں آج اپنی انتھک جدوجہد کے سلسلے میں اپنی سچائی کو ثابت کر دیا ہے وہیں چیچنیا میں صورت حال پر قابو پانے کی قدرت کے روسی پروپیگنڈے کو ثابت کر دیا ہے.

نئی صدی آگئی اور حالات جوں کے توں ہیں. میں نہیں جانتا کہ روس آج اپنے دعوے کے سلسلے میں کس چیز پر بھروسہ کر رہا ہے، اگر وہ ہم سے ۳ ہزار سال کے آنے تک جنگ کرتے رہے تب بھی انشاء اللہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکیں گے، ہم تمام مادی نصرتوں سے بڑھی ہوئی ایک خدائی نصرت کی دہلیز پر کھڑے ہیں.

س:۔ روس کے ساتھ چار مہینہ تک گفتگو اور جنگ کے بعد کیا یہ ممکن ہے کہ آپ موجودہ جنگی پالیسی پر روشنی ڈالیں گے جس کے تحت روسی افواج لڑ رہی ہیں؟

ج:۔ روسی افواج گذشتہ جنگ (۹۴-۱۹۹۶ء) کے برعکس اس مرتبہ مجاہدین کو ایک مکمل فوج سمجھتے ہوئے ان سے لڑ رہی ہیں گذشتہ جنگ میں وہ مجاہدین کو چند ٹکڑیاں تصور کر رہے تھے، اس لئے روسی افواج اس مرتبہ جنگ کے سلسلے میں تمام احتیاطی تدابیر کر رہی ہیں، اور زبردست پلان کے تحت حملہ کر رہی ہیں، لیکن ہم اللہ سے امید رکھتے ہیں کہ وہ ان تمام کوششوں کو ناکام بنا دے گا.

روس باقاعدہ فوج پر ہی انحصار نہیں کر رہا ہے، بلکہ اس نے روسی یونین کے ہر علاقہ سے کرایہ کے آدمیوں کی ایک فوج تیار کی ہے اور اس کا نام "کونتاک" رکھا ہے، اور انھیں صرف خطرناک کارروائیوں میں ہی استعمال کیا جاتا ہے، ہم نے ان میں سے کچھ آدمیوں کو گرفتار کیا ہے. انھوں نے

ہمیں بتایا کہ روسی افواج نے ان لوگوں کو ایک معاہدہ کے تحت چھ ماہ کے لئے حاصل کیا ہے اور ایک مہینہ کی اجرت ایک ہزار ڈالر اس شرط کے ساتھ ہے کہ وہ چھ مہینے کے ختم ہونے تک اپنا کام مکمل کرلیں گے۔

س:۔ آپ کے اندازے کے مطابق روس کی منظم افواج کی تعداد کیا ہے؟

ج:۔ نصف ملین یعنی ۵ لاکھ سے کم نہیں ہے

س:۔ کیا یہاں کے باشندے اب بھی گروزنی میں رہ رہے ہیں؟

ج:۔ جی ہاں! ۳۰ ہزار شہری ہیں۔ ان میں سے دسیوں کی روزانہ موت ہورہی ہے۔ اور ان میں سے اکثر جنگ سے گھبرائے ہوئے ہیں۔

س:۔ یہ افراد گروزنی سے باہر کیوں نہیں نکلتے جبکہ روسی افواج نے محفوظ گذرگاہ فراہم کرنے کا اعلان کیا ہے؟

ج:۔ یہ گذرگاہیں محفوظ نہیں ہیں، روسیوں کو عوام کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ انھوں نے گذشتہ رمضان کی کارروائیوں کے بعد اعلان کیا ہے کہ وہ دس سال سے کم عمر کے بچے کو شہری تسلیم کریں گے، دس سال سے زائد عمر کے تمام افراد کو مجاہد شمار کیا جائے گا۔ چاہے وہ بوڑھے مرد ہوں یا عورتیں۔ اس بنیاد پر گروزنی اور دوسرے چیچنیائی شہروں اور علاقوں سے کسی بھی فرد کو نکلنے کی اجازت اس اندیشے کی بنیاد پر نہیں دی جاتی کہ ان کی نقل وحرکت مجاہدین کی مدد اور تعاون کے لئے ہوگی، اس طرح یہ قوم ایک محاصرہ کی سی زندگی گزار رہی ہے، روسیوں کو اس بات کا یقین ہے کہ چیچنیائی قوم مجاہدین کی حمایت کر رہی ہے اور ان کے خلاف نہیں ہے جیسا کہ روسی میڈیا اس کا پروپیگنڈہ کر رہا ہے۔

س:۔ روس کے قائم کردہ اس مضبوط اور مستحکم حصار میں رہتے ہوئے آپ مقابلہ کیسے کریں گے؟

ج:۔ تمام خوبیاں اللہ ہی کو سزاوار ہیں، وہی اولاً ہماری قوت کا سرچشمہ ہے، پھر دوسرے نمبر پر وہ سچا پیغام جس کے جھنڈے کو مجاہدین اپنے مذہب وعقیدے کے دفاع میں اٹھائے ہوئے ہیں۔ اور روس کی ظالمانہ حکومت سے خلاصی کی کوشش کر رہے ہیں، ہم صحیح معنوں میں قید کی زندگی نہیں گذار رہے ہیں، اگرچہ ہمیں بہت سخت جنگ کا سامنا ہے چونکہ چیچنیائی قوم ہمارے پہلو بہ پہلو شانہ بشانہ جنگ کر رہی ہے،

س:۔ روسی افواج کے سامنے مجاہدین کی اس خودسپردگی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ جس کا اعلان روسی میڈیا نے کیا ہے۔

ج:۔ یہ باتیں جھوٹی ہیں اگر روسی افواج اپنی بات میں سچّی ہیں تو ان مجاہدین کے نام بتائیں یا ان کی تصاویر شائع کریں جنھوں نے خودسپردگی کی ہے، مجاہدین خودسپردگی اور دشمنوں کے سامنے سر جھکانے کے مقابلے میں اللہ کے راستے میں شہادت کو ترجیح دیتے ہیں۔

س:۔ مجاہدین اور صدر مشہدوف کے درمیان تعلقات کیسے ہیں، اور ان اختلافات کی کیا حقیقت ہے جو آپ لوگوں کے درمیان ہوتے رہتے ہیں؟

ج:۔ مشہدوف جمہوریہ چیچنیا کے صدر ہیں، تمام مجاہدین ان کے جھنڈے تلے متحد ہیں، البتہ مجھے یہ کہنا پسند ہے کہ اختلاف ہر قوم میں ہوتے ہیں، یہ انسانی فطرت ہے۔ مگر یہ اختلاف ایک جانب ہے اور فی الوقت تمام مجاہدین روسی افواج سے جنگ میں مصروف ہیں۔

س:۔ لیکن جنگ کے آغاز ہی میں یہ بات کہی جارہی تھی کہ یہاں ایک طبقہ ہے جو مفتی چیچنیا کے جھنڈے تلے ہے اور وہ طبقہ روسی افواج سے مل گیا ہے، کیونکہ وہ آپ کے طریقہ کار کے خلاف ہیں؟

ج:۔ مفتی صاحب کے پاس کوئی قابل ذکر قوت نہیں رہی البتہ جنرل سولیم یا ماد ائیف، ان کی مدد کرتے تھے اور جب یہ بات معلوم ہوئی کہ جنرل سولیم یا ماد ائیف روس لشکر کے کارکن ہیں، خاص طور سے بورس یلتسن کے۔۔۔ اس اعتراف کے بعد کہ یہ جنرل ان کی حمایت کرتا تھا جب یہ تمام ثبوت واضح ہوگئے تو مجاہدین نے انھیں دو ماہ قبل سزائے موت دے دی۔

جہاں تک ان افواج کا تعلق ہے جو کہتے ہیں کہ وہ روس کا ساتھ دیں گے، تو وہ تفقاز کے لوگوں کی ایک تعداد ہے۔ اور انھیں میں وہ چیچنیائی بھی ہیں جنھیں روس نے جنگ سے قبل فوجی تربیت دی تھی، ان کی اکثریت روس کی حمایت نہیں کرنا چاہتی اور اور انھیں میں سے اکثر لوگ ہتھیار بیچتے ہیں۔

س:۔ آپ روسی افواج کے ساتھ چار مہینے سے مسلسل لڑ رہے ہیں، کیا آپ ہمیں روسی فوج کے بارے میں کچھ بتائیں گے؟

ج:۔ صحیح بات تو یہی ہے کہ روسی افواج خاص طور سے جو پہاڑی علاقہ "شاہد" اور "فیندرد" کے علاقہ میں ہیں ان کی صحت بہت خراب ہے اور اس بات کی وضاحت ان قیدیوں سے ہوتی ہے جو ہماری قید میں ہیں، جیسا کہ ان کی

باتوں سے اس بات کا بھی یقین ہوتا ہے کہ روسی فوج زبردست ذہنی الجھن اور کشمکش کی شکار ہے۔ ان کی ذاتی حالت بہت ہی بری ہے، کمانڈر اور سپاہی اپنے اسلحوں کو کھانے کے عوض بیچتے ہیں آپ اس سے خود ان کے صورت حال کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

س: کیا یہ باتیں صحیح اور درست ہیں؟

ج:۔ جی ہاں! اسلحہ چھوڑ گئے سپاہی اور کمانڈو حضرات تو پیسے کی خاطر روس کو بیچنے کے لئے تیار ہیں، کیونکہ وہ نہیں جانتے کہ وہ جنگ کیوں لڑ رہے ہیں، اور کب تک اس صورتحال سے نپٹتے رہیں گے، وہ کہتے ہیں کہ وہ نامعلوم منزل کی طرف آئے ہیں، دوسری طرف حکام حضرات فوج اور قوم دونوں کو مال کے عوض ایک ساتھ بیچ رہے ہیں،

س:۔ کیا جنگ میں روس کو کسی قسم کا مغربی ملکوں کا تعاون حاصل ہے؟

ج:۔ روس کو جنگی اسلحوں یا فوجی امداد کی ضرورت نہیں ہے، اسے صرف اقتصادی امداد وتعاون کی ضرورت ہے۔ اور یورپ اس سلسلے میں کسی کوتاہی سے کام نہیں لے رہا ہے وہ انہیں قرض پر قرض دے رہے ہیں اور مجاہدین کو ختم کرنے کے لئے مہلت پر مہلت دیئے جارہے ہیں، اگر ہمارا مسئلہ تیمور کا مسئلہ ہوتا تو مغرب کا روس کے معاملے میں دوسرا نقطۂ نظر ہوتا لیکن ہم مسلمان ہیں۔

س:۔ کیا آپ کے اور روسی ذمہ داروں کے درمیان کسی بھی پیمانے پر کوئی باہمی گفتگو ہوئی ہے؟

ج:۔ روس کے ساتھ ہمارا کوئی رابطہ نہیں رہا ہے، اور میں نہیں جانتا کہ گفتگو کیسے ہوسکتی ہے جبکہ جنگ زوروں پر ہے، اگر روس بعض ایجنٹوں کے ساتھ دنیا کو یہ باور کرانے کے لئے تعلقات بناتا ہے کہ وہ مسئلے کے پُرامن حل کے لئے کوشش کر رہا ہے تو یہ ایک جھوٹی اور بے بنیاد حقیقت ہے، چیچنیا جنگ کی آگ میں جل رہا ہے اور عالم اسلام بے حس بنا ہوا ہے۔

س:۔ آپ کیسے اتنے دنوں تک اپنی شکستہ طاقت کے ساتھ روسی افواج کے سامنے ڈٹے رہے، کیا آپ کے پاس نئے اسلحے ہیں؟

ج:۔ ہمارے پاس ایمان و توکل کے بعد سوائے ان روسی ہتھیاروں کے جنھیں مال غنیمت کے بطور ہم نے حاصل کئے ہیں مزید کچھ بھی نہیں ہے اور روس اس بات سے بخوبی واقف بھی ہے، جب مجاہدین نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے حملہ کرتے ہیں تو روس لرز اٹھتا ہے روسی سپاہی اس تکبیر کو سیکھ گئے ہیں۔ ان میں سے بعض نے اچھی طرح اسے یاد کر لیا ہے، بلکہ بسا اوقات وہ لوگ اس کو مجاہدین کو دھوکہ دینے کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں، اور اس سے یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ وہ روسی افواج میں سے نہیں ہیں اور کئی بار اس میں وہ کامیاب بھی ہو چکے ہیں۔ لیکن اکثر معاملہ سامنے آجاتا ہے۔

س:۔ جنگ کا کیا انجام ہوگا اور آپ مستقبل میں کیسی امیدیں رکھتے ہیں؟

ج:۔ ہم مومن ہیں اللہ کی نصرت وحمایت پر پورا بھروسہ ہے، اور روس (انشاء اللہ) اپنے کسی بھی ارادے میں کامیاب نہیں ہوگا، ہم برابر جہاد کرتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ روسی فوج پیچھے ہٹ جائیں، اور اس جنگ میں کارفرما عناصر کا فیصلہ اور سزا یابی نہ ہو جائے، روسی قوم آج بھوک کی وجہ سے موت کی منتظر ہے عنقریب ہم "یوتین" کو تاریخ کا ایک گمشدہ باب بنا دیں گے۔ (انشاء اللہ)

س:۔ لیکن خطاب صاحب یہاں کہا جاتا ہے کہ آپ نے داغستان میں جنگ کرنے اور بعض مقبوضہ علاقوں پر قوت کے ساتھ اسلامی احکام نافذ کرنے میں عجلت سے کام لیا، جس نے روس کو چیچنیا اور داغستان کے خلاف کارروائی کرنے کی دلیل فراہم کر دی اور آج دوسرے علاقوں میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب اسی کا نتیجہ ہے؟

ج:۔ سب سے پہلے معلوم ہونا چاہئے کہ ۹۴-۱۹۹۶ء کے دوران چیچنیا میں ہوئی جنگ پورے طور پر صحیح معنوں میں ۱۹۹۶ء میں بند نہ ہوئی تھی، البتہ پابندی مسلسل برقرار رہی، یہ بات درست ہے کہ روسی افواج چیچنیا سے نکل گئی تھیں لیکن یہ پابندی چیچنیائی قوم کے قتل کے مرادف تھی۔ اسی طرح روسی افواج چیچنیائی حدود میں داخل ہو جاتی تھیں، اور مرکزی دروازوں اور کسٹم آفیسرز کو نشانہ بناتی تھیں، روسی جنگی جہاز وقفے وقفے سے چیچنیا پر منڈلاتے رہتے تھے، ان سب کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ جنگ ختم ہو گئی تھی؟

داغستان کی طرف سے ہم اس وقت یہاں آئے جب روسی افواج علاقہ میں داخل ہو کر گھناؤنے جرم کا ارتکاب کر چکی تھی، انھوں نے صرف ایک گاؤں کارامانی میں ۵۰۰ عورتوں اور ایک ہزار بچوں کو قتل کیا تھا، ہم صرف مدد کے لئے آئے ہیں اور اللہ کا شکر ہے کہ ہم نے جنگ کی، ان کو قیدی بنایا، اور مال غنیمت بھی حاصل کیا۔

س:۔ کیا داغستان کی بعض بستیوں پر جس پر آپ کا قبضہ ہو چکا ہے شریعت کو نافذ کرنے کا کوئی وقت متعین کیا ہے، یا

باقی ص ۲۹

عہد اسلامی میں علم فلکیات

از:- شاہد عمادی

روزاول سے مسلمانوں کے ہر طبقہ نے علم سے شغف رکھا اور ان کے ہر طبقہ میں علمی ذوق وشوق رہا، مولانا قاضی اطہر مبارکپوری ایک مقام پر رقمطراز ہیں کہ "مسلمانوں میں ایک زمانہ میں کتابوں کے رکھنے کا ذوق اس قدر عام تھا کہ بڑے بڑے مالدار گراں سے گراں کتابیں اور نادر سے نادر تر نسخے زیادہ سے زیادہ قیمت ادا کر کے خریدتے تھے اور اپنے گھروں میں رکھتے تھے۔ تاکہ اہل علم تلاش علم میں ان کے یہاں آئیں اور نادر و نایاب کتابوں سے استفادہ کر سکیں۔"

عہد اسلامی میں علوم دینیہ کے ساتھ دنیا کے دیگر علوم بالخصوص سائنس کے ہر شعبہ میں بے شمار قابل قدر کارنامے انجام پائے جب یورپ کے کلیساؤں نے سائنس کے علم کو خلاف مذہب قرار دیتے ہوئے مغرب میں ممنوع قرار دے دیا تو مشرق کے ملکوں میں فروغ علم کی فصل بہار تھی خلفاء و سلاطین نے فروغ علم میں پوری فراخ دلی کا مظاہرہ کیا علم فلکیات یا علم ہیئت یعنی (ASTRONOMY) میں سائنس کی دیگر شاخوں کی طرح حیرت انگیز انکشافات وایجادات ہوئے۔ اور کائنات کے پوشیدہ علوم سے عقل انسانی کو آشنائی حاصل ہوئی، شمس و قمر پر ڈورے ڈالنے کے لئے ٹھوس اور مضبوط بنیادیں حاصل ہوئیں۔

عہد اسلامی کے سائنسدانوں اور ان کے مایہ ناز کارناموں پر بہت کچھ تصانیف آج بھی محفوظ ہیں، فی الحال مشہور رصدگاہوں OBSERVATOXIES اور علم ہیئت وعلم ریاضی میں چند عظیم اہل علم ومشاہیر کا تذکرہ مقصود ہے جن سے اہل مغرب نے سترھویں صدی کے بعد استفادہ کیا۔ خلفاء و سلاطین نے کئی رصدگاہیں مختلف جغرافیائی اہم مقامات پر قائم کیں اور اجرام فلکی کا مشاہدہ کرنے کے لئے علم و دانش کو مدعو کیا۔ چند اہم رصدگاہیں حسب ذیل ہیں۔

۱۔ رصدگاہ مامونی، ۲۰۲ھ/۸۲۷ء: قائم کردہ خلیفہ مامون الرشید۔ مقام: شماسیہ (بغداد)
مشاہدین: حکیم یحییٰ بن منصور، سناس بن سعید الجوہری، احمد کثیر فرغانی، علی بن عیسیٰ اصطرلابی خالد بن عبدالملک المروزی، منصور بن علی وغیرھم

۲۔ رصدگاہ مامونی ۲۱۴ھ/۸۲۹ء: قائم کردہ: خلیفہ مامون الرشید
مقام: قاسیون (شام) مشاہدین: حکیم یحییٰ بن منصور، خالد بن عبدالملک المروزی وغیرھم

۳۔ رصدگاہ بنوشاکر ۲۴۸ھ/۸۶۲ء: قائم کردہ: محمد بن موسیٰ شاکر
مقام: بغداد، مشاہدین: محمد بن موسیٰ شاکر، ثابت بن قرہ حرانی، ابوالحسن علی بن سہل طبری محمد بن جابر البتانی وغیرھم۔

۴۔ رصدگاہ فاطمی ۳۹۱ھ/۹۵۳ء: قائم کردہ: حاکم بامراللہ
مقام: کوہ مقطم (قاہرہ)
مشاہدین: ابن یونس صوفی، حسن ابن الہیثم وغیرھم

۵۔ رصدگاہ علاءالدولہ ۳۴۰ھ/۹۶۴ء قائم کردہ: علاءالدولہ
مقام: اصفہان، مشاہدین: شیخ بوعلی سینا ابوعبیدہ، وغیرھم۔

۶۔ رصدگاہ مسعودی ۳۲۱ھ/۹۶۵ء، قائم کردہ: مسعود شاہ
مقام: غزنی، مشاہدین: ابوریحان البیرونی وغیرھم

۷۔ رصدگاہ رے ۴۳۹ھ، قائم کردہ
مشاہدین: حامد بن الخضر الخجندی، ابن الحسین عبدالرحمن صوفی، وغیرھم،

۸۔ رصدگاہ شرف الدولہ، قائم کردہ: شرف الدولہ
مقام: (بغداد) مشاہدین: احمد بن محمد صغانی ابوالحسن الغربی، محمد سامری، ابوالوفا ایرانی، رستم کوہی وغیرھم،

۹۔ رصدگاہ ابن زرقال: قائم کردہ: مامون شاہ
مقام: طلیطلہ (اندلس)
مشاہدین: ابن زرقال، معتمد ابن عباد وغیرھم۔

۱۰۔ رصدگاہ سلجوقی ۵۲۸ھ/۱۰۷۸ء، قائم کردہ: ملک شاہ سلجوقی
مقام: اصفہان، مشاہدین: عمر خیام۔ مظفر اسفرازی، میمون بن نجیب واسطی، ابوالعباس کردی، محمد بن احمد معموری، عبدالرحمان خازن، ابوالفتح کوشک وغیرھم۔

۱۱۔ رصدگاہ مراغہ ۶۵۷ھ/۱۲۵۹ء قائم کردہ: ہلاکو خان
مقام: مراغہ، آذربائیجان۔
مشاہدین: نصیرالدین طوسی، العرضی دمشقی، یحییٰ بن محمد المغربی، حکیم علی بن عمر الکاتبین، قطب الدین شیرازی۔ وغیرھم

۱۲۔ رصدگاہ الغ بیگ ۸۲۳ھ/۱۴۲۰ء قائم کردہ امیر الغ بیگ
مقام: سمرقند، مشاہدین: قاضی زادہ رومی علی بن محمد قوشجی، غیاث الدین جمشید

۱۳۔ رصدگاہ ابن الحماد ۶۰۶ھ/۱۲۰۹ء قائم کردہ: ابن الحماد
مقام: تیونس، مشاہدین ابوالعباد احمد بن اسحاق تمیمی وغیرھم۔

۱۴۔ رصدگاہ فہاد شروانی قائم کردہ : فہاد شروانی
مقام : ایران، مشاہدین : المغنی، الحکم المستوفی، العلائی وغیرھم۔

سلطنت عباسیہ کے قیام کے فوراً بعد دیگر علوم و فنون کی طرح علم ہیئت، ریاضی اور طبیعات میں دلچسپی اور مطالعہ و تحقیق کا آغاز ہوگیا تھا۔ خلیفہ منصور اور خلیفہ ہارون رشید کی علم دوستی اور اہل علم و فن کی سرپرستی تاریخی حقیقت ہے۔ سائنسداں ابراہیم بن جنداب ۷۷۶ء نے قدیم زمانہ سے رائج آلہ اصطرلاب کو ترقی دیکر مزید حساس و لائق پیمائش بنایا جس سے دو ستاروں کے درمیانی زاویہ کو نصف درجہ تک ناپا جاسکتا تھا۔ خلیفہ منصور کے عہد کا سائنسداں نوبخت ۷۷۶ء علم ہیئت ساحت (ASTKONOMY & SURVEYING) میں ماہر تھا۔ اور قدیم آبادی باغ داد سے ملحق ایک نیا شہر بغداد کا نقشہ تیار کیا۔ بغداد کی خوبصورتی و عظمت میں مغرب و مشرق کے سیاح رطب اللسان رہے۔

خلیفہ مامون الرشید نے ایک عظیم کتب خانہ "بیت الحکمۃ" کے ساتھ قائم کیا جس میں دور دراز سے کتابیں مہیا کی گئیں۔ کہا جاتا ہے کہ قدیم یونانی دانش وروں کی کتابوں کو عیسائی پادریوں نے مذہب کے لئے مضر قرار دیا اور نذر آتش کر دیا۔ یا گرجوں کے تہہ خانوں میں ڈال دیا۔ ان کی کتابوں کی تعلیم ممنوع تھی چنانچہ شہنشاہ روم نے مسلمانوں کے طلب کرنے پر اس متاع خراب کو خلیفہ مامون کے حوالے کیا جہاں ان کا عربی میں ترجمہ ہوا۔

عہد مامونی میں ہی مشہور سائنسداں محمد بن موسیٰ خوارزمی نے حساب اور الجبرا کے علاوہ اصطرلاب، دھوپ گھڑی اور ٹرگنومیٹری پر کتاب تصنیف کی۔ سائنسداں احمد کثیر فرغانی نے کتاب "جوامع علم النجوم" میں اپنی تحقیقات سے دنیا کو روشناس کرایا۔ خلیفہ مامون کے ہیئت دانوں کی پیمائش کے مطابق زمین کا گھیر ۲۵۰۰۹ میل قرار پایا (جبکہ موجودہ دور میں اس کی پیمائش ۲۴۸۵۸ میل ہے) رصدگاہ مامونی اپنے دور کی عظیم الشان آبزرویٹری تھی جس کی شہرت اس میں نصب انتہائی حساس و جدید آلات اور نامور ہیئت دانوں کے باعث تھی۔ عباس بن سعید جوہری نے علم ہیئت کے علاوہ جیومیٹری کی مشہور کتاب "اقلیدس کی شرح" لکھی۔ حکیم یحییٰ بن منصور (۸۳۲ء) نے اپنے مشاہدات و تجربات کی بنا پر نظام فلکی پر ایک ضخیم زیج تیار کی جو "زیج مامونی" کے نام سے مشہور ہے۔

حکیم یعقوب کندی (۸۷۳ء) کو ریاضی طبیعات، فلسفہ، ہیئت، موسیقی، طب اور جغرافیہ جیسے مختلف الاقسام علوم پر دسترس حاصل تھی اور ایک ہمہ گیر شخصیت کا مالک تھا۔ اولین سائنسداں ہے جس نے موسیقی میں مختلف سروں سے نغمے پیدا کرنے والی لہروں (FREQUENCY) اور ان کی تکرار (PITCH) پر اپنے مشاہدات و تجربات قلم بند کئے۔ روشنی (LIGHT) پر اس کی بیش بہا سائنسی تحقیقات نے برطانوی مشہور سائنسداں راجر بیکن کو متاثر کیا۔

عراق کے ثابت بن قرہ (۹۰۱ء) علم طب ہیئت اور ریاضی میں اعلیٰ دستگاہ رکھتے تھے جیومیٹری میں ان کے کلیے اور مسئلے عہد نو کیلئے سنگ میل ثابت ہوئے۔ حکیم ابوعبید محمد بن البتانی ۹۲۹ء کی مایہ ناز تصنیف "زیج البتانی" کا یورپ میں بڑا شہرہ تھا۔ اور اس کتاب کو سند کی حیثیت حاصل تھی۔ سولہویں صدی کے آغاز میں جرمنی میں اس کا ترجمہ شائع ہوا۔ البتانی نے انحراف دائرۃ البروج INCLINATION OF ECLIPTICS کی صحیح پیمائش کرکے ۲۳ درجہ ۳۵ منٹ بتایا، نیز استقبال اعتدال الشمس (PRECESSION OF EQUINOXES) کی صحیح پیمائش کرکے ۵۴ منٹ ۳۰ سکنڈ سالانہ قرار دیا اسی طرح اوج شمس SUN'S APOGEE کے متحرک ہونے کی پیمائش بقدر ۱۶ منٹ ۴۷ سکنڈ کو ثابت کیا ٹرگنومیٹری میں بھی اس کو مہارت حاصل تھی اور دنیا کے مشہور ریاضی دانوں میں اعلیٰ مرتبہ رکھتا تھا۔ کروی مثلث SPHERICAL TRIANGLES کے ضلعوں اور زاویوں میں تعلق کو اسی نے ثابت کیا جو حسب ذیل ہے :-

COS a COSbCOS C

SIN b COS C COS A.

البتانی نے زاویوں کے جیوب اور ظل التمام کے نقشے TABLES OF SINES & COTANGENTS سب سے پہلے تیار کئے۔

نامور سائنسداں ابوالعباس فضل بن نیریزی علم موسمیات، علم ہیئت اور علم ریاضی میں کمال کی دسترس رکھتا تھا اور علم ہیئت پر اس کی مشہور تصنیف چار جلدوں میں ہے۔ اس نے زاویوں کے ظل TANGENTS کی قیمتیں دریافت کیں۔ ابومحمد عدلی قائنی نے MENSURATION اور الجبرا پر عہد وسطیٰ کی اولین کتابیں تصنیف کیں۔ محمد بن موسیٰ خوارزمی دنیا کا اولین ریاضی داں ہے جس کی تصنیف "جبر و مقابلہ" نے دنیا کو الجبرا کے علم سے روشناس کرایا۔ ابوکامل شجاع بن اسلم بن محمد الحاسب مصری ۹۵۰ء کی مایہ ناز تصنیف "الجبرا" دنیا کی اہم ترین کتاب ہے جس میں QUDRATIC EQUATIONS ۔ اور

RADICALS پر تحقیقات درج ہیں۔ سترھویں صدی کا مشہور مغربی ریاضی داں لیونارڈو LEONARDO نے شجاع حاسب کے الجبرا کی تعریف کی ہے۔ ترکستان کے مشہور جغرافیہ داں اور ماہر ریاضی احمد بن سہل بلخی ۹۳۴ء کے تصنیفات اور "اٹلس" صدر الاقلیم نے مدتوں سے اہل علم استفادہ حاصل کرتے رہے۔

ادھر مصر کی فاطمی حکومت کی علم دوستی اور اہل علم کی سرپرستی نے علوم دینیہ کے ساتھ سائنسی علوم میں قابل قدر پیش رفت کے راستے ہموار کیے اور علم فلکیات کے مشاہدات و تحقیقات کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوا جس سے اہل مغرب نے پورا فائدہ اٹھایا۔ ابن یونس ۱۰۰۹ء نے رصدگاہ قاہرہ سے اپنے مشاہدات فلکی سے جو نتائج تیار کیے وہ موجودہ دور کی عکسی تحقیقات سے حیرت انگیز طور پر مطابقت رکھتے ہیں ٹرگنومیٹری میں بھی اس کو مہارت حاصل تھی اور ریاضی میں مندرجہ ذیل کلیہ اس کی دریافت ہے۔

CAS A CAS B=½{Cos (A-B)+Cos-(A+B)}

فاطمی دور کا مشہور سائنسداں اور عظیم شخصیت ابو علی حسن بن حسین ابن الہیثم کو اہل مغرب ALNEZEN کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ریاضی، طبیعات، ہیئت اور طب کے علوم میں نمایاں دستگاہ رکھتا تھا۔ روشنی LIGHT پر اس کے حیرت انگیز انکشافات ہیں جیسے PIN HOLE CAMEYR روشنی ایک واسطہ میں خط مستقیم میں سفر کرتی ہے SPHERICAL MIRROR، REFRECTION REFLECTION، PARABOLIC MIRROR آنکھ RATINA، LENS وغیرہ۔

سعید احمد بن محمد بن عبد الجلیل سجستانی ۱۰۲۴ء نے گردش زمین کے نظریہ کو سب سے پہلے پیش کیا، لیکن سولہویں صدی کے یورپ کے سائنسداں کوپرنیکس (COPERNICUS) کو اہل مغرب گردش زمین کے نظریہ کا اولین محقق کہتے ہیں۔

جامع صنعت عالم اور سیاح ابوریحان محمد بن احمد البیرونی (۹۷۳ء تا ۱۰۴۸ء) نے علم ہیئت، ریاضی، طبیعات، تاریخ، تمدن، علم آثار عتیقہ، مذاہب عالم، ارضیات، کیمیا، حیاتیات اور جغرافیہ وغیرہ پر اپنی پچاس سال کی تصنیفی زندگی میں ڈیڑھ سو سے زائد کتابیں لکھیں جن کے صفحات کی مجموعی تعداد بیس ہزار سے تجاوز کرتی ہے۔ کتاب الہند اس کی مشہور تصنیف ہے۔ حکیم بو علی سینا علم طب، طبیعات، کیمیا، ریاضی، موسیقی اور حیاتیات وغیرہ پر کئی کتابوں کا مصنف تھا۔

سلجوقی دور کا عظیم مفکر، شاعر اور سائنسداں ابو الفتح عمر بن ابراہیم خیام ۱۰۴۸ء تا ۱۱۳۱ء علم ریاضی اور علم ہیئت میں ماہر تھا۔ علم الجبرا میں BINOMIAL THEOREM اس کا اہم انکشاف ہے۔ شمسی سال کی مقدار ۳۶۵ دن ۵ گھنٹے، ۴۹ منٹ عمر خیام کی دریافت ہے جو موجودہ زمانے کی دریافت سے صرف ۱۱ء۳ سکنڈ کا فرق رکھتی ہے اس کی تیار کردہ تقویم ایک عظیم کارنامہ ہے۔

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

دینی تعلیمی کونسل کے صدر منتخب

دینی تعلیمی کونسل کی مسند صدارت حضرت مولانا علی میاںؒ سے خالی دیکھ کر آنکھیں نمناک ہوگئیں

دینی تعلیمی کونسل کے قیام کے بعد چالیس برسوں میں یہ پہلا موقع تھا جب اس کا اجلاس اس کے مستقل صدر مربی اور سرپرست حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی شخصیت سے محروم ہونے کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء کے..... سلیمانیہ ہال میں منعقد ہوا جس کے در و دیوار شاہد ہیں کہ ملت کے وجود و بقاء کی خاطر نازک ترین لمحات میں دینی تعلیمی کونسل کے پلیٹ فارم سے حضرت مولانا علی میاںؒ نے دینی غیرت و حمیت کی بلند آہنگی کے ساتھ بارہا ملک و ملت کے ضمیر کو جھنجوڑا۔ ان کی ایک آواز نے پورے ملک میں انقلاب برپا کیا اور مسلمان اس خطرہ سے محفوظ رہ گئے جو اکثر بڑی حکمت عملی سے نمایاں ہوا تھا۔

یہی تاثرات تھے جو ۲۴ر اپریل سنہ ۲۰۰۰ء کو دینی تعلیمی کونسل کے اجلاس میں نظر آئے اور اسی روحانی نسبت کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی کی تجویز پر ایک لمحہ کے توقف کے بغیر عام اراکین کونسل نے اپنی پرزور تائید سے مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کو دینی تعلیمی کونسل کا صدر منتخب کر لیا۔ اس انتخاب کے بعد ہر شخص اس پر مسرور و مطمئن نظر آیا کہ حضرت مولانا علی میاںؒ کی نسبت اور روحانی رشتہ اس ربط و تعلق کی بنا پر برقرار رہے گا اور اس کے فیوض و برکات بھی جاری رہیں گے۔

ڈاکٹر مسعود الحسن عثمانی سکریٹری دینی تعلیمی کونسل نے ابتدا میں کہا کہ تنظیموں اور تحریکوں میں بزرگوں کی نسبتیں تلاش کی جاتی ہیں اللہ کا احسان ہے کہ ہمیں ایک ایسی نسبت پہلے سے میسر ہے جس کی سرپرستی میں قافلہ پہلے کی طرح رواں دواں رہے گا۔ ڈاکٹر عثمانی جذبات سے اس قدر مغلوب تھے کہ جلسہ کی نظامت اور گذشتہ اجلاس کی کارروائی کو پڑھنا ان کے لئے مشکل ہو رہا تھا جس میں کئی جگہ حضرت مولانا علی میاںؒ کا نام لیتے ہوئے ان کی آنکھیں بھر آئیں۔ اور آواز بھرّا گئی۔

دینی تعلیمی کونسل کا یہ اجلاس جس میں اراکین کی بڑی تعداد موجود تھی اور ان معنوں میں بڑی اہمیت کا حامل تھا کہ رنج و غم کے باوجود سارے حضرات نے عزم و حوصلے کے ساتھ مستقبل میں سرگرم عمل ہونے کا اظہار کر رہے تھے چنانچہ طے ہوا کہ جلد ہی علی گڈھ، مئو، سدھارتھ نگر، بجنور، سہارنپور، لکھنؤ، رائے بریلی، سیتاپور اور گنج ڈونڈوارہ ضلع ایٹہ میں علاقائی کانفرنسیں ہوں گی اور پوری ریاست اترپردیش میں تعلیمی بیداری پیدا کرنے کی منظم کوشش کی جائے گی اور یہ کام ایک مہم کے طور پر انجام دیا جائے گا۔

قاری ریاض احمد مظاہری کی تلاوت کلام پاک کے بعد جنرل سکریٹری ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی نے تعزیت کی تجویز پیش کرتے ہوئے مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاںؒ کی روحانی صفات و خصوصیات، قائدانہ کردار، باعظمت انداز گفتار اور دینی تعلیمی کونسل کے قافلہ سالار کی حیثیت سے ان کی عظیم دینی اور ملی سماجی اور قومی خدمات کو زبردست جذباتی خراج عقیدت پیش کیا جس سے خود ان کی اور دوسرے اراکین کی آنکھیں نمناک ہوگئیں لیکن اسی سے دلوں میں فکر و تعلق، عزم و حوصلہ اور احساس ذمہ داری کی چنگاری بھی روشن ہوئی۔ ڈاکٹر قریشی نے دینی تعلیمی کونسل کے نائب صدر مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری کی بھی تعزیت کی اور ان کی خدمات کا ذکر کیا۔ ان کی تصنیفی صلاحیتوں اور دینی تعلیمی تحریک سے ان کی دلچسپی کا اظہار کیا۔

دینی تعلیمی کونسل کے اجلاس میں سب سے اہم مسئلہ حکومت اترپردیش کا وہ مذہبی بل تھا جس نے پورے ملک کے مسلمانوں کو اضطراب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اس سلسلے میں دینی تعلیمی کونسل نے اب تک جو خاموش اور سنجیدہ اور دستوری اقدامات کئے ہیں ان کی تفصیل ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی نے بتائی۔ گورنر اترپردیش اور صدر جمہوریہ سے ملاقاتوں کا مفصل ذکر بھی کیا۔ پورے اجلاس نے متفقہ طور پر یہ محسوس کیا کہ یہ بل غیر دستوری ہے اور مطالبہ کیا گیا کہ ہرگز اس کو منظور نہ کیا جائے۔ ظفریاب جیلانی ایڈوکیٹ نے اس کے قانونی نکات پر روشنی ڈالی۔ انھوں نے کہا کہ راجستھان اور مدھیہ پردیش میں بھی بہت پہلے اسی طرح کے بل پاس ہو چکے ہیں لیکن حکومت اترپردیش نے مدارس اور مساجد سے آئی ایس آئی کا تعلق بیان کر کے اس فکر و نظر کا مظاہرہ کیا ہے جس کی بنا پر یہ بل لایا گیا ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حکومت اسی بہانہ سے مساجد اور مدارس کی تعمیر و توسیع پر روک لگا دینا چاہتی ہے۔

ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی نے

اپنی رپورٹ میں ماضی اور حال کے خطرات اور مستقبل کے تشویشناک امکانات پر بھرپور روشنی ڈالی۔ مذہبی بل کے بارے میں انھوں نے اس خوش آئند بات کی طرف اشارہ کیا کہ پورے ملک میں غیر بی۔جے۔پی سیاسی پارٹیاں اور سیکولر مزاج لوگ اس کے خلاف ہیں اور کہیں سے بھی اس کے حق میں کوئی آواز نہیں اٹھ رہی ہے انھوں نے تنظیم و تحریک کے تعلق سے گذشتہ سرگرمیوں اور آئندہ کے منصوبوں کا ایک خاکہ پیش کیا۔

ڈاکٹر مسعود الحسن عثمانی نے کہا کہ اس ملک میں مسلمانوں کی صلاحیتوں سے بڑا کام لیا جاسکتا ہے اور اس کے مثبت نتائج سے پورے ملک کو فائدہ پہونچ سکتا ہے بشرطیکہ انھیں اطمینان و یکسوئی سے کام کرنے کا موقع دیا جائے۔

پروفیسر نفیس احمد (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) نے بہت تفصیل سے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے تعلیم و نظام تعلیم سے متعلق تجاویز پیش کیں۔ مولانا سید سلمان الحسینی نے مدارس اسلامیہ کے اساتذہ اور طلبا سے براہ راست رابطہ پر زور دیا۔ مولانا محمد رفیق قاسمی (دہلی) نے اساتذہ کے تربیتی کیمپ کی ضرورت اس کی اہمیت اور افادیت بیان کی۔ مولانا عبد الرحمن رحمانی مبارکپوری قاسمی اظہار الحق، ظہیر احمد شاہجہانپوری، شفاعت حسین اور محمد اسحاق عثمانی نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

صدر جلسہ مولانا محمد شفیع مونس نے اپنی مختصر تقریر میں دینی تعلیمی کونسل کی خدمات موجودہ نظام تعلیم اس کے منفی اثرات اور اس مسئلہ پر جماعتوں کے اتحاد و اتفاق کے موضوعات پر روشنی ڈالی۔

آخر میں دینی تعلیمی کونسل کے نو منتخب صدر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے اپنی جامع اور فکر انگیز تقریر سے ذہنوں کو جھنجھوڑ دیا۔ ان کے لب و لہجہ میں دل سوزی اور دردمندی کی وہی چمک تھی جو کبھی حضرت مولانا علی میاںؒ کی تقریروں میں نمایاں ہوتی تھی۔ انھوں نے نئی نسل کی ذہنی تربیت اس کی تعمیر و تشکیل پر یہ کہتے ہوئے پر زور انداز میں کہا کہ اگر اس کی فکر نہ کی گئی تو اندیشہ ہے کہ وہ عقیدۂ توحید کے حصار سے نکل جائے گی۔ انھوں نے کہا کہ اس وقت جو کچھ ملکی سطح پر نظر آرہا ہے وہ ہمارے بڑوں کی فکر کا نتیجہ ہے، اگر ہم نے اس کی فکر نہ کی تو مستقبل کی مسلمان نوجوان نسل ایسی بھی نہیں رہ جائے گی۔ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے سمرقند و بخارا میں اپنے مشاہدات اور اپنے سفر کے تجربات بیان کئے اور اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ملت کی ریڑھ کی ہڈی ابتدائی دینی تعلیم ہے اس کی آبیاری کی ضرورت ہے اگر وقت پر یہ کام نہ کیا جائے تو خوشنما پھول بھی مرجھا جاتے ہیں انھوں نے عصری تعلیم کو اسلام بیزار تعلیم قرار دیا اور یہ بھی کہا کہ مسلمان طلبا کی اکثریت وہیں جاتی ہے اس لئے ایسے اداروں کی بھی فکر کرنی چاہئے۔ دینی تعلیمی کونسل نے جو نظام و نصاب تعلیم مرتب کیا ہے اس میں ملت کی حفاظت اور تعمیر پوشیدہ ہے انھوں نے کہا کہ خطرہ سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ہمیں خطرہ کا احساس نہیں ہے انھوں نے اس موقع پر تاریخی حوالوں سے یہ فکر انگیز بلکہ درد انگیز نکتہ بیان کیا کہ اندلس کے سقوط کے بعد وہاں کے مسلمانوں نے دو سو سال تک اپنے عقائد اپنے تشخص اور اپنے فکری اثاثہ کو بچانے کا غیر معمولی کارنامہ انجام دیا اس سلسلے میں تاریخ میں جو کچھ محفوظ ہے وہ ہندوستانی مسلمانوں کے لئے ایک آفاقی پیغام کی حیثیت رکھتا ہے۔ انھوں نے چھ نسلوں تک اس کوشش کو جاری رکھا انھیں خطرہ کا احساس تھا اس لئے وہ اتنے دنوں تک سرگرم رہے اور جہاں تک ممکن ہوسکا اپنی نوجوان نسل کو بچانے میں منہمک رہے انھوں نے آسانی سے شکست تسلیم نہیں کی دو سو سال کے بعد وہ شمالی افریقہ میں جاکر آباد ہوگئے۔

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے قاضی محمد عدیل عباسی کی جد و جہد، ان کی دردمندی اور مولانا علی میاں کی فکرمندی اور دل سوزی کی روشنی میں مستقبل کا لائحۂ عمل مرتب کرنے پر زور دیا۔ انھیں کی دعا پر جلسہ کا اختتام ہوا۔

(رپورٹ جلسہ دینی تعلیمی کونسل)

صُفّہ

اسلامی تاریخ کی پہلی درسگاہ

ڈاکٹر محمد ثانی

(دوسری و آخری قسط)

سیدنا عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ اصحاب صفہ کی شان میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کو اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے برگزیدہ اور پسندیدہ اور عظیم المرتبت ذی شان شخصیات کے متعلق ملأ اعلیٰ (ملائکہ مقربین) نے یہ پیغام رسانی کی ہے کہ وہ حضرات میں خدائے عز وجل کی رحمت واسعہ کا خیال کرکے مسرور و محظوظ ہوتے ہیں مگر خداوند ذو الجلال کے عذاب کی شدت کے خوف سے ان کے دل مغموم اور محزون ہیں۔ وہ شب و روز خدا کے مقدس اور پاکیزہ گھروں یعنی مساجد میں ذکر و فکر میں مصروف اور منہمک رہتے ہیں۔ ان کی زبانیں رحمت خداوندی کی امید و رجا کی آئینہ دار اور مالک حقیقی کے دیدار کے لئے ان کے قلوب اضطراب سیمابی میں مبتلا ہیں۔ لوگوں پر ان کا بار نہایت ہلکا اور خود ان کے نفس پر بے حد بھاری اور گراں ہے۔ زمین پر نہایت وقار اور طمانیت اور سکون کے ساتھ چلتے ہیں ان میں تکبر، غرور اور خود آرائی کا نام و نشان تک نہیں، ان کی چال سے تواضع، انکساری اور مسکنت جھلکتی ہے، تلاوت قرآن پاک ان کا ورد زباں، پرانے اور بوسیدہ کپڑے زیب تن کئے رب کریم کی خصوصی رحمتوں سے ہر وقت مالا مال ہوتے رہتے ہیں، حفاظت خداوندی ان پر سایہ فگن ہے۔ ان کی روحیں دنیا میں ہیں مگر دل آخرت کی لگن میں، فکر آخرت نے انھیں دنیا کی عارضی خوشیوں سے بے پرواہ کر دیا ہے۔ قبر اور آخرت کے لئے ہر وقت رخت سفر باندھے تیار کھڑے رہتے ہیں ایسے ہی قدسی نفوس سے متعلق ارشاد ربانی تعالیٰ ہے۔

یہ وعدہ اسی کے لئے ہے جس کے دل میں میرے سامنے پیش ہونے اور میرے عذاب کا خوف شعلہ زن ہے۔ (محمد عبد المعبود در تاریخ المدینۃ المنورہ ص ۳۴۴، مکتبہ رحمانیہ لاہور)

ابو الاثر حفیظ جالندھری "صفہ اور اصحاب صفہ" کے متعلق کیا خوب لکھتے ہیں ؂

تمنائیں بر آتی تھیں یہاں ذوق عبادت کی
یہاں پیشانیوں پر مہر لگتی تھی سعادت کی
بہت سے طالبان حق گھروں کو چھوڑ کر نکلے
جہان ماسوا سے رشتے ناطے توڑ کر نکلے
فقط اللہ واحد کی رضا مطلوب تھی ان کو
فقط دنیا میں حب مصطفیٰ محبوب تھی ان کو
انھیں پروائے زینت تھی نہ دولت سے علاقہ تھا
لباس ان کا تھا غیرت، ان کا دامن فقر و فاقہ تھا
یہ آئے تھے یہاں پر اکتساب نور کرنے کو
اشاعت نور قرآں کی غریب دور کرنے کو
حضور مصطفیٰ لائے تھے یہ کاسے گدائی کے
علاوہ کچھ کر قاسم بن گئے ساری خدائی کے
طلوع صبح مشرق کو ملی پائندگی ان سے
ہوا مغرب غریق موجہ شرمندگی ان سے

اصحاب صفہ کی تعداد کم و بیش ہوتی رہتی تھی۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے اصحاب صفہ کی تعداد چار سو تک لکھی ہے (سیوطی رتفسیر جلالین ص ۱۴۳ المطابع کراچی) حاکم نے مستدرک (۳/۱۷ مکتبہ معارف ریاض) اور ابو نعیم نے "حلیۃ الاولیاء" میں ان کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے سیرت المصطفیٰ (۱/۴۴۴، ۴۴۲، کتب عثمانیہ لاہور ۱۹۹۲ء) میں ان میں سے چند کے اسمائے گرامی ذکر کئے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱) ابو عبیدہ عامر بن الجراح رضی اللہ عنہ (۲) عمار بن یاسر ابو الیقظان رضی اللہ عنہ (۳) عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (۴) مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ (۵) خباب بن ارت رضی اللہ عنہ (۶) بلال ابن رباح رضی اللہ عنہ (۷) صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ (۸) زید بن خطاب رضی اللہ عنہ (برادر حضرت عمر رضی اللہ عنہ) (۹) ابو مرثد کناز بن حصین عدوی رضی اللہ عنہ (۱۰) ابو کبشہ مولی رضی اللہ عنہ (۱۱) صفوان بن بیضاء رضی اللہ عنہ (۱۲) ابو عبس بن جبر رضی اللہ عنہ (۱۳) سالم مولی ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ (۱۴) مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ (۱۵) عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ (۱۶) مسعود ابن ربیع رضی اللہ عنہ (۱۷) عمیر بن عوف (۱۸) عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ (۱۹) ابو لبابہ رضی اللہ عنہ (۲۰) سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ (۲۱) ابو بشر کعب بن عمرو رضی اللہ عنہ (۲۲) خبیب بن یساف رضی اللہ عنہ (۲۳) عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ (۲۴) جندب بن جنادہ ابو ذر (۲۵) عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (۲۶) عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (۲۷) سلمان فارسی رضی اللہ عنہ (۲۸) حذیفہ ابن الیمان (۲۹) ابو الدرداء عویمر بن عامر رضی اللہ عنہ (۳۰) عبد اللہ بن زید جہنی رضی اللہ عنہ (۳۱) حجاج بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ (۳۲) ابو ہریرہ دوسی رضی اللہ عنہ (۳۳) ثوبان مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۳۴) معاذ بن الحارث رضی اللہ عنہ (۳۵) سائب بن خلاد رضی اللہ عنہ (۳۶) ثابت ودیعہ رضی اللہ عنہ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے

نبیؐ نے اصحاب صفہ کو دیکھا کہ ان کے پاس چادر تک نہ تھی فقط تہہ بند تھا یا کمبل جسے کبھی اپنی گردنوں پر باندھ لیتے تھے اور کمبل بھی اس قدر چھوٹا تھا کہ کسی کی آدھی پنڈلیوں تک پہونچتا اور کسی کے ٹخنوں تک اور ہاتھ سے اس کو تھامتے کہ کہیں ستر کھل نہ جائے۔ (بخاری رالجامع الصحیح ۱ر۶۳ اصح المطابع کراچی)۔

ایک اور روایت میں حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اصحاب صفہ اسلام کے مہمان تھے نہ ان کا گھر تھا اور نہ ان کے پاس کچھ مال تھا، غرض کہ ان کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہیں سے صدقہ آتا تو اصحاب صفہ کے پاس بھیج دیتے اور خود اس میں سے کچھ نہ لیتے اس لئے کہ صدقہ آپ صلی اللہ علیہ پر حرام تھا اور اگر ہدیہ آتا تو خود بھی اس سے کچھ تناول فرماتے اور اصحاب صفہ کو بھی اس میں شریک کیا کرتے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم دینا کہ اصحاب صفہ کو بلا لاؤ میرے نفس کو کچھ شاق گذرا اور اپنے دل میں کہا یہ ایک پیالہ دودھ کا اصحاب صفہ کے لئے کافی ہوگا؟ اس دودھ کا تو سب سے زیادہ حقدار میں تھا کہ کچھ پی کر طاقت اور توانائی حاصل کرتا پھر یہ کہ اصحاب صفہ کے آنے کے بعد مجھ ہی کو اس کی تقسیم کا حکم دیں گے اور تقسیم کے بعد یہ امید نہیں کہ میرے لئے اس میں سے کچھ بچ جائے، لیکن اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے چارہ نہ تھا۔ چنانچہ اصحاب صفہ کو بلا کر لایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ایک ایک کو پلانا شروع کیا جب سب سیراب ہوگئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا کہ صرف میں اور تو باقی رہ گئے۔ میں نے عرض کیا بالکل درست ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیٹھ جاؤ اور پینا شروع کرو، میں نے پینا شروع کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم برابر فرماتے رہے اور پیو اور پیو یہاں تک کہ میں بول اٹھا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق دے کر بھیجا اب بالکل گنجائش نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ میرے ہاتھ سے لے لیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور بسم اللہ پڑھ کر جو باقی تھا اس کو پی لیا (بخاری رالجامع الصحیح ۲ر۹۵۵)

عبد اللہ بن شفیق کہتے ہیں کہ میں ایک سال ابوہریرہؓ کے ساتھ رہا۔ ایک دن فرمانے لگے کاش تو ہمارا وہ زمانہ بھی دیکھتا کہ جب کئی کئی دن ہم پر ایسے گزرتے تھے کہ اتنا کھانا بھی میسر نہ تھا جس سے ہم کمر ہی سیدھی کرلیں۔ یہاں تک مجبور ہو کر پیٹ سے پتھر باندھتے تاکہ کمر سیدھی ہو سکے۔ (ابن حجر رفتح الباری ۱۱ر۲۴۲)

یہ ان کا زہد، ان کا فقر و فاقہ، ان کی مسکینی
یہ ان کا رنگ استغنا، یہ ان کی خدمت دینی

"صفہ" کے حلقۂ درس کے سب سے ممتاز طالب علم حضرت ابوہریرہؓ کا شمار ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کیا جاتا ہے جو علم حدیث کے اساطین سمجھے جاتے ہیں۔ آپ بالاتفاق صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی جماعت میں سب سے بڑے حافظ حدیث تھے۔ اگرچہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اور حضرت انس بن مالکؓ بھی حفاظ میں ممتاز درجہ رکھتے تھے لیکن ابوہریرہؓ کو کثرت روایت میں ان پر بھی تفوق حاصل تھا، خود "صفہ" کے معلم اول رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ ابوہریرہ علم کا ظرف ہیں۔ (احمد بن حنبل رالمسند ۲ر۲۷۳)

آپ خود جیسے علم کے شائق تھے۔ چاہتے تھے کہ ہر مسلمان کے دل میں طلب علم کا یہی جذبہ پیدا ہو جائے۔ ایک روز بازار جا کر لوگوں کو پکارا کہ تمہیں کس چیز نے مجبور کر رکھا ہے؟ لوگوں نے پوچھا کس نے ہے؟ کہا! وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم ہو رہی ہے اور تم لوگ یہاں بیٹھے ہو۔ لوگوں نے پوچھا کہاں؟ فرمایا مسجد میں، چنانچہ سب دوڑ کر مسجد آئے جہاں کچھ لوگ نماز پڑھ رہے تھے، کچھ قرآن پاک کی تلاوت میں مصروف تھے، کچھ حلال و حرام پر گفتگو کر رہے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ گویا ہوئے! تم لوگوں پر افسوس ہے۔ یہی تمہارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث ہے۔ (طبرانی رالمعجم الاوسط ۱ر۲۲۱)۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کردہ احادیث (مرویات) کی مجموعی تعداد ۵۳۷۴ ہے۔ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم الشان ذخیرہ کی مناسبت سے آپ کے رواۃ و تلامذہ کا دائرہ وسیع تھا۔ اکابر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں حضرت زید بن ثابتؓ، ابو ایوب انصاریؓ، عبد اللہ بن عباسؓ، عبد اللہ بن عمرؓ، ابی بن کعبؓ، انس بن مالکؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، عبد اللہ بن زبیرؓ، جابر بن عبد اللہؓ، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ تابعین میں سعید بن مسیب، حسن بصری، محمد بن سیرین، سلیمان بن یسار، طاؤس، عکرمہ، مجاہد، عطار، عامر شعبی، عطار بن یسار، موسیٰ بن یسار وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ صحابہؓ اور تابعینؒ میں آپ کے رواۃ کی تعداد ۸۰۰ سے متجاوز ہے۔ (ابن حجر رتہذیب التہذیب ترجمہ حضرت ابوہریرہؓ) دیگر اکابر اور علمائے صحابہؓ کے مقابلے میں حضرت ابوہریرہؓ کے کثرت علم اور وسعت معلومات کا سبب یہ تھا کہ ان کو اس قسم کے مواقع حاصل تھے جو دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حاصل نہ تھا۔ آپ خود اپنی کثرت روایات کے اسباب بیان کرتے ہیں کہ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ ابوہریرہؓ بہت حدیثیں بیان کرتا ہے حالانکہ مہاجرین و انصار ان

حدیثوں کو نہیں بیان کرتے ہیں۔ مگر معترضین اس پر غور نہیں کرتے کہ ہمارے مہاجر بھائی بازاروں میں اپنے کاروبار میں لگے رہتے ہیں اور انصار اپنی زراعت کی دیکھ بھال میں سرگرداں رہتے تھے۔ میں محتاج آدمی تھا میرا سارا وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں گزرتا تھا اور جن اوقات میں وہ لوگ موجود نہ ہوتے تھے اس وقت بھی میں موجود رہتا تھا۔ دوسرے جن چیزوں کو بھلا دیتے تھے میں ان کو یاد رکھتا تھا۔ (ابن سعد ر الطابقات الکبریٰ ٥٦/٣)

"صفہ" کے علمی فیضان کی بدولت اس حقیقت کے باوجود کہ ابتداءً نہ تعلیمی ادارے عام تھے اور نہ ہی تعلیمی سہولتیں موجود تھیں۔ صحابہ کرامؓ نے حصول علم کا سلسلہ جاری رکھا۔ انتہائی تنگدستی اور غربت کے عالم میں زندگی بسر کرنے والے مسلمانوں نے بھی حصول علم کو فوقیت دی اور اس شعبہ میں گراں قدر خدمات انجام دیں تعلیمی وسائل سے محروم یہی مسلمان چند برسوں میں اتنا ممتاز مقام حاصل کر گئے کہ جہاں جہاں ان کے قدم پہنچے وہاں تعلیم و تربیت کے اعلیٰ مراکز قائم ہو گئے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے فوراً بعد ہی مسند درس و ارشاد قائم ہو چکی تھیں۔ جنہیں تعلیمی اعتبار سے مرکز فضیلت سمجھا جاتا تھا۔ یہ مراکز مختلف شہروں میں قائم تھے۔ ان کے قیام میں اصحاب صفہ کی خدمات و مساعی شامل تھیں جو براہ راست معلم، کتاب و حکمت کے فیض علمی سے فیض یافتہ تھے۔ ان اداروں سے ایسے افراد وابستہ تھے، جنہیں درس و تدریس کا وسیع تجربہ تھا۔ ان شخصیات کو آج بھی نہ صرف عالم اسلام بلکہ پوری زندگی کے عظیم ماہرین تعلیم کا پیشوا سمجھا جاتا ہے۔

صفہ کے علم و فیض کی بدولت معرض وجود میں آنے والی ایسی سات مسندوں کا ثبوت ملتا ہے جو قرن اول کی اسلامی دنیا میں قائم ہوئیں جن شہروں میں یہ مسندیں قائم ہوئیں اور جو اساتذہ ان کے نگراں اور منتظم تھے ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

١۔ مدینہ .... حضرت عبداللہ بن عمرؓ
٢۔ مکہ ..... حضرت عبداللہ بن عباسؓ
٣۔ یمن..... حضرت معاذ بن جبلؓ
٤۔ بصرہ..... حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ
٥۔ شام ..... حضرت عبداللہ بن صامتؓ اور ابوالدرداءؓ
٦۔ مصر..... حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ
٧۔ کوفہ ..... حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

(عہد نبویؐ کا نظام تعلیم، ص ٧٧)

جب کہ یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ صفہ مسجد نبوی میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہونے کے بعد رفتہ رفتہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی اور مقامات پر ایسے ادارے قائم کرنا شروع کئے۔ مختلف حوالوں سے ایسی نوؐ مساجد کی تصدیق ہوتی ہے جنہیں تعلیمی مقاصد کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ یہ مساجد ایک دوسرے سے تھوڑے فاصلے پر قائم تھیں۔ اس طرح ہر مسجد کے گردونواح میں رہنے والوں کے لئے اسلامی تعلیمات اور درس و تدریس کی ضروریات انھیں سے پوری ہوتی تھیں۔ ابتدائی دور میں قائم ہونے والی ان مساجد کے نام یہ ہیں:

(١) مسجد بنی عمرو بن مبذول (٢) مسجد بنی ساعدہ (٣) مسجد بنی عبید (٤) مسجد بنی زریق (٥) مسجد بنی سلمیٰ (٦) مسجد غفار (٧) مسجد سالم (٨) مسجد جہینہ (٩) مسجد بنی رابع بن عبداللہ الاشہل۔

جیسا کہ ان مساجد کے ناموں سے عیاں ہے ان کا تعلق مختلف عرب قبائل، خاندانوں اور ان کے علاقوں سے تھا۔ اس طرح کم و بیش تمام ہی لوگوں کے لئے ان میں تعلیم حاصل کرنے کے مواقع فراہم کر دیئے گئے تھے۔ یہ سلسلہ روز افزوں بڑھتا گیا اور کئی ایسے مدرسے بھی قائم ہوئے جنہیں انصار مدینہ نے تعمیر کیا۔ (ایضاً۔ ٨٢) یہ دلچسپ حقیقت ہے کہ "اصحاب صفہ" مرکز اول صفہ اور ان مدنی مراکز علم و دانش سے فیض یاب ہو کر ایک دن پھر خود ہی مسند تعلیم و ارشاد پر فائز ہوئے۔ کئی روایات میں صراحت آتی ہے کہ تقریباً اسیؓ معلمین و مبلغین جنہوں نے بئر معونہ اور واقعہ رجیع کے المیوں میں شہادت پائی۔ اسی مدرسہ علم و دانشکدہ نبوی (صفہ) کے فیض یافتہ تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ (جن کے علمی فیضان اور صفہ سے ان کی علمی وابستگی کا ذکر گذر چکا ہے) اسی کے پروردہ تھے۔ بعد کے ادوار میں صفہ کے متعدد فراغت یافتہ معلمین نے علم و دانش اور اسلامی علوم کی مشعلیں متعدد مقامات اور اسلامی دنیا میں روشن کیں اور اطراف ممالک میں علوم نبویؐ کی ترویج و اشاعت میں ہر ممکنہ کردار ادا کیا۔

عہد نبوی کی اس مثالی اور تاریخی درسگاہ صفہ کو اسلامی تاریخ میں مدارس و جامعات اور دینی اداروں کے رہنما کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں قائم کئے گئے مدارس، دینی اداروں اور جامعات کے تعلیمی نظام میں ان تمام اصولوں اور خصوصیات کو بنیاد بنایا گیا جو تاریخ اسلام کی اس تاریخی درسگاہ کا طرۂ امتیاز تھیں۔

کتب برائے تبصرہ

تبصرہ کے لئے براہ کرم کتاب کے دو نسخے ارسال کریں صرف ایک کتاب بھیجنے کی صورت میں تبصرہ شائع نہیں کیا جائے گا۔ اور نہ ہی کتاب واپس کرنے کی ذمہ داری ادارہ پر ہوگی (ملاحظہ)

کاشف العلوم اورنگ آباد میں مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ پر منعقدہ سیمینار میں

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، مولانا محمد سالم قاسمی، مولانا عبد الکریم پاریکھ کا خطاب

● نمائندہ تعمیر حیات

تاریخی شہر اورنگ آباد کے مشہور اسلامی ادارہ کاشف العلوم کے زیر اہتمام ۲۸، ۲۹، ۳۰ ر اپریل ۲۰۰۰ء کو نہرو بھون میں "مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی حیات وخدمات" کے موضوع پر سہ روزہ سیمینار منعقد ہوا۔ جس کے افتتاحی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ناظم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے کہا کہ ملت اور قوم کی سربلندی کے لئے ضروری ہے کہ اس کے حالات درست کئے جائیں اور دینی تعلیمی اور معاشرتی لحاظ سے ان کی ترقی کی فکر کی جائے یہی حضرت مولانا کا کام اور پیغام تھا۔

انھوں نے کہا: مولانا کی وفات کے بعد متعدد جلسے اور سیمینار مختلف جگہوں پر منعقد ہوئے جن سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ لوگوں کو ان کی وفات سے صدمہ ہی نہیں بلکہ امت کے خسارہ کا احساس بھی ہے۔ اس غم کے اظہار کے لئے جلسے منعقد کئے جا رہے ہیں تاہم مؤمن کا ہر کام کسی مقصد سے ہونا چاہیے اور خدا کی رضا مطلوب ہونی چاہیئے اس طرح کے جلسوں میں شرکت کو مضبوط بنانے کے لئے سنی گئی باتوں کو عمل کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ کہ ملت کس طرح اپنی کمزوریوں سے واقفیت حاصل کرے اور ان کے ازالہ کی کوشش کرے۔

مولانا محمد رابع ندوی نے مولانا علی میاںؒ کے خاص اوصاف وخصوصیات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا: کہ مولانا مرحوم کو ملت کی پستی کا بڑا احساس تھا۔ اور وہ مسلمانوں کے عروج کے لئے ہمیشہ فکرمند رہا کرتے تھے وہ اکثر ان تدابیر پر غور کیا کرتے تھے جس سے ملت کو بیدار کیا جاسکے، اس کام کے لئے انھوں نے اسلام اور اسلامی شخصیتوں کی تاریخ سے استفادہ کیا، اور انھوں نے اس کی خاطر اپنے کو بڑی مشقتوں اور تکلیفوں میں ڈالا، آخر میں جب مولانا کو ضعف بہت بڑھ گیا تھا اور امراض نے گھیر لیا تھا۔ اس وقت بھی یہ کیفیت ہوتی تھی کہ سفر کے لئے کمربستہ ہوجاتے تھے، معالجین اور قریبی لوگ روکتے اور صحت کے لئے مضر بتاتے تو فرماتے کہ ہماری ایک ہی جان تو جائے گی لیکن کتنی جانیں بچ جائیں گی مولانا کا خاص وصف دردمندی تھا اور وہ درد کسی ایک علاقہ، یا کسی ایک قوم یا کسی ایک نسل یا کسی خاندان تک محدود نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے سانحۂ وفات کا غم پوری دنیا میں عرب میں عجم میں حکمراں طبقہ میں اور محکوم طبقہ میں مسلمانوں میں اور غیر مسلموں میں محسوس کیا گیا،

انھوں نے کہا: مولانا فرمایا کرتے تھے اور افسوس کرتے تھے کہ آج ملک کے پندرہ کروڑ مسلمان وہ کام نہیں کر پا رہے ہیں جو ہزاروں سال پہلے چند مسلمانوں نے کیا تھا، آج ہم کو ضرورت ہے کہ ہم اپنی زندگی نمونہ کی بنائیں جس کا لوگوں پر اثر پڑے، پورا معاشرہ، پورا شہر اور آس پاس کا قرب جوار سب کا سب متاثر ہو۔ لوگ کہیں کہ مسلمان کی زندگی کچھ اور ہوتی ہے، جہاں دوسرے ٹھوکر کھاتے ہیں وہاں یہ ثابت قدم رہتا ہے یہ بکتا نہیں اسے کوئی خرید نہیں سکتا، نہ عزت نہ دولت اور نہ ہی کوئی اور چیز، پھر دیکھئے کیا سے کیا ہوجائے گا، یہ کتنی شرم کی بات ہے کہ مسلمان قرآن اور حدیث کی تعلیمات کو چھوڑ کر ذاتی اغراض کو حاصل کرنے کو ترجیح دینے لگے، حقیر زندگی کے لئے سب کچھ داؤں پر لگا دے مولانا علی میاں ندویؒ ذاتی مفاد سے بلند ہوکر اللہ اور رسولؐ کے احکام اور تعلیمات کے ذریعہ کتاب وسنت کی روشنی میں ملت کو ایک باوقار ملت بنانا چاہتے تھے، کہ یہ ملت اللہ کی منتخب کردہ ملت ہے اسے ممتاز اور مثالی امت ہونا چاہیئے، انھوں نے کہا ملت اس وقت تک مثالی ملت نہیں ہوسکتی جب تک وہ دوسروں سے لینے کے بجائے دینے نہ لگ جائے گی، اسے اب کسی سے کچھ لینے کی ضرورت نہیں، اس کو اللہ میاں سب کچھ دے چکے ہیں۔ مولانا علی میاںؒ نے انہی خیالات کے تحت اصلاح معاشرہ کی تحریک چلائی جس سے دوسری قوموں کی رہنمائی ہو

اور اپنے معاشرہ کی خرابیاں دور ہوں، مولانا مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ امت ذاتی فائدہ کے لئے دوسروں کے سامنے جھکے گی۔ تو اسے کوئی خاطر میں نہیں لائے گا۔ اور جب مسلمان خدمت کے جذبہ کو لے کر اٹھے گا اور دوسروں کی فکر کرے گا۔ اور اپنے مفاد کی فکر کم دوسروں کے مفادات پر زیادہ توجہ دے گا تو اس کی بات میں اثر پیدا ہوگا۔ اخلاق کے ہی آگے دوسری قومیں فرش راہ بنی ہیں، مولانا محمد رابع ندوی نے اس سلسلہ میں خصوصیت سے امیر کبیر شیخ علی ہمدانیؒ کا ذکر کیا کہ یہ وہ تھے جنھوں نے کشمیر میں گاؤں گاؤں جاکر چھوٹے چھوٹے شہروں میں جا جا کر اپنے اخلاق کے ذریعہ اسلامی تعلیمات کو پھیلایا جس کے نتیجہ میں کشمیر کی اکثریت حلقہ بگوش اسلام ہوگئی۔ مولانا ندویؒ نے خواجہ معین الدین چشتیؒ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور حضرت سید احمد شہیدؒ کی خدمات اور طریقۂ کار کا بھی ذکر کیا،

مولانا محمد رابع ندوی نے مولانا علی میاںؒ کی ملک کے لئے فکر اور درد کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ انھیں اس کا خیال تھا کہ ملک اگر تباہ ہوگا تو اس کے نتیجہ میں ملک والے تباہ ہوں گے انسانیت تباہ ہوگی، اسی لئے انھوں نے پیام انسانیت کی تحریک چلائی، وہ بڑے بڑے حکمرانوں اور ذی حیثیت لوگوں سے ملے لیکن کسی کو خاطر میں نہیں لائے ہمیشہ انھوں نے انسانیت کے تحفظ اور ملک کی سلامتی کی بات کی، جب موجودہ وزیر اعظم اٹل بہاری باجپئی ان کی عیادت کے لئے ندوۃ العلماء آئے تو ان سے صاف صاف کہا کہ ملک خطرہ میں ہے، خود غرضی، رشوت ستانی عام ہے انسان خود انسان کو کھائے جا رہا ہے، ملک کے مفاد کی کسی کو فکر نہیں، سب کو اپنا مفاد پیارا ہے، ایسی صورت میں ملک بچ نہیں سکتا جب نرسمہا راؤ سے ملے تو ان سے بھی پورے زور اور طاقت سے یہ بات کہی اور فرقہ واریت اور تشدد کے خلاف کام کرنے کو کہا، یہ ان کی تڑپ اور دردمندی کا ہی نتیجہ تھا کہ انھوں نے اپنی قوم وملت کی تعلیمی، ثقافتی، ادبی دعوتی، اصلاحی، تبلیغی، اخلاقی انسانی ہر گوشہ کی فکر کی اور کوشش جاری رکھی۔ اس کے ساتھ وہ ملک کی سلامتی اور برادران وطن کے لئے بھی فکر مند رہے۔ مولانا محمد رابع ندوی نے تلقین کی کہ مسلمان ان باتوں کو اختیار کریں جن سے ان کا مقام بلند ہو، مولانا نے دعا کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ملت اسلامیہ کے مفاد اور ملک کے مفاد کو سمجھنے کی توفیق دے اور انھیں اعلیٰ اخلاقی کردار کا حامل بنائے۔

جامعہ کاشف العلوم اورنگ آباد کے زیر اہتمام اس منعقدہ سیمینار کا آغاز قاری غلام رسول صاحب کی تلاوت سے ہوا، اور اس کے بعد مدرسہ کے طالب علم عبد السبحان نے بارگاہ رسالت میں نعت پیش کی اور منظوم خراج عقیدت جب مولانا علی میاںؒ کو محمد اکرم نے پیش کیا تو محفل میں سماں بندھ گیا۔ افتتاحی جلسہ میں ناظم جامعہ مولانا ریاض الدین فاروقی نے خطبۂ استقبالیہ میں کہا کہ جامعہ کو تیسری بار کل ہند سطح پر سیمینار منعقد کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے، ملیشیا سے آئے ہوئے مہمان شیخ احمد فہمی زمزم نے عربی میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ایک پرہیزگار عادل بادشاہ کے نام سے موسوم تاریخی شہر اورنگ آباد جو بڑے جلیل القدر علماء اور مشائخ کا مسکن رہا ہے اور اب مدفن ہے اور عالم اسلام کی عظیم ترین شخصیت مولانا علی میاںؒ کی ذات میں دو چیزیں ہمارے اچھے مستقبل کی بنیاد ہو سکتی ہیں۔ انھوں نے حضرت مولانا علی میاںؒ کے حادثے کو ایسے خسارہ سے تعبیر کیا جس کی تلافی ممکن نہیں۔

جانشین حکیم الاسلام مولانا محمد سالم قاسمی مہتمم دار العلوم وقف دیوبند نے اپنے خطاب میں کہا کہ ۔ شخصیتیں اٹھتی ہیں، لیکن یہ اللہ کا نظام ہے کہ کسی شخصیت کے اٹھنے سے جگہ خالی نہیں ہوتی، جانے والا متعین وقت لے کر آتا ہے، اور وہ اسی دور کے لئے مناسب ہوتا ہے، امت بھی خالی نہیں ہوتی بعد والوں کے لئے بعد کی ذمہ داریاں ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ انہی میں سے کسی کا اپنے کام کے لئے انتخاب کر لیتے ہیں، لیکن مولانا کی شخصیت ہشت پہلو تھی۔ اور ان کے اندر انفرادی اور اجتماعی خوبیاں جمع تھیں، ذکر وفکر ان کی خاص خصوصیت تھی۔ خلوت میں ذکر الٰہی میں ڈوبے ہوئے اور جلوت میں فکر امت میں بے چین نظر آتے تھے۔ انھوں نے کیف علم کے ساتھ سوز عشق کو جمع کر رکھا تھا، جو ہمارے مجددین اور مصلحین کا خاصہ رہا ہے۔ مولانا علی میاںؒ کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ قاری محمد طیبؒ صاحب نے گیارہ سال تک مسلم پرسنل لاء بورڈ کی صدارت کی، جبکہ مولانا علی میاںؒ نے سترہ سال تک بورڈ کی صدارت فرمائی۔ وہ مختلف مکاتب فکر کو لے کر چلے اور یہ ان کی اعلیٰ درجہ کی صلاحیت تھی، انھوں نے جو فیصلہ لیا وہ ملت کے لئے سازگار ثابت ہوا۔ انھوں نے اس پر عمل کرایا کہ مذہبی عقائد میں تعصب کو داخل ہونے نہ دیا جائے، اور سیاست میں تشدد کو داخل ہونے نہ دیا جائے۔ چنانچہ مولانا کا سترہ سالہ دور صدارت

مثالی رہا۔ بڑا ہی تابناک اور نا قابل فراموش ہے، مولانا محمد سالم قاسمی نے اپنی تقریر کا آغاز آیت کریمہ" اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ سے شروع کی تھی۔

مولانا عبدالکریم پاریکھ نے اپنی تقریر میں کہا: اس پوری صدی پر مولانا کی فکر کا سایہ رہا، انسانیت، خواتین، سیاست، عالم عربی ملت کی اصلاح اور ملک کو پرامن بنانے کی فکر مناسب لحاظ سے کی، یہ ان کی وہ خدمات ہیں جو بھلائی نہیں جاسکتیں، انھوں نے مولانا علی میاںؒ کی گراں قدر خدمات کا ذکر کرتے ہوئے کہا: کہ مسلم سلطنتوں کے سدھارنے اور ان کے تعلقات استوار کرنے کے لئے جد و جہد کی۔ ان پر اپنا اثر ڈالا۔ آپ نے کبھی کوئی عہدہ اور منصب طلب نہیں کیا۔ اس لئے کہ آپ کا نظریہ یہ تھا کہ کرسی لینے سے اچھا یہ ہے کہ کرسی والوں تک صحیح بات پہونچائی جائے۔ ملک کے مزاج پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ملک کا مزاج سیکولر ہے۔ یہاں مذاہب کی بہتات ہے، اس لئے یہاں اس مزاج کا لحاظ کرنا ہوگا، اسی لئے ملک کا دستور سیکولر بنیاد پر بنایا گیا۔ مولانا علی میاںؒ نے اس ملک کے مزاج کی رعایت رکھتے ہوئے یہاں دعوت دین کا کام کیا۔ وہ بڑے مرشد اور مربی تھے، چنانچہ نفس کی اصلاح کے لئے تزکیہ کا خیال کیا، اور اخلاق و کردار کے سنوارنے کا عظیم کام کیا۔ عورتوں کے حقوق کے لئے مسلسل تحریک چلائی۔ ملک پر دین کو فوقیت دی، یورپ میں جاکر اسلام کا جھنڈا بلند کیا۔ آکسفورڈ یونیورسٹی میں اسلامک سینٹر قائم کیا، پیام انسانیت کے نام پر نفرتوں کو دور کیا۔ یاسر عرفات کی سوچ بدلی، فلسطین کے مسئلہ کی طرف عرب حکمرانوں کو جھنجھوڑا، سعودی عرب کے رخ کو بدلا، عرب قومیت کے خلاف آواز اٹھائی۔ مسلم خواتین تحفظ بل ان کا بڑا کارنامہ ہے، مولانا پاریکھ نے کہا اس بل کے پاس ہوجانے پر خود آر ایس، ایس، چیف بالا صاحب دیورس نے ہم سے کہا کہ مولانا علی میاںؒ نے اکثریت نہ ہونے کے باوجود پارلیمنٹ میں یہ بل منظور کرالیا، مولانا علی میاںؒ نے تعلیمی اداروں میں دینی تعلیمی کونسل کے آغاز ہی سے صدر رہے جس کی وجہ سے آج ہزاروں بچوں کا عقیدہ صحیح قائم ہے یورپ اور امریکہ میں دین کو فروغ دیا۔

آخر میں مفسر قرآن مولانا عبدالکریم پاریکھ نے مسلمانوں کو تلقین کی کہ مولانا علی میاںؒ کے لٹریچر اور کتابوں سے فائدہ اٹھائیں جو دنیا کی متعدد زبانوں میں عام ہیں، سیمینار میں نظامت کے فرائض مولانا عبدالرشید ندوی مدنی نے انجام دیئے۔

محمد طارق ندوی

سوال و جواب

س :۔ کیا کوئی شخص پیشانی پر غیر قوم کا نشان لگوا سکتا ہے؟ اور عیسائیوں کا نشان ✝ بنوا کر گلے میں ڈال سکتا ہے؟

ج :۔ نہیں! مسلمان کے لئے ایسے امور کا ارتکاب کرنا ناجائز اور حرام ہوگا۔

من تشبہ بقوم فھو منھم۔

جو کسی قوم کا شعار اختیار کرے وہ انھیں میں سے ہوگا نیز عیسائیوں کا نشان ✝ بنوا کر گلے میں ڈالنا عقیدہ کی خرابی پر دلالت کرتا ہے جو ایک طرح کا شرک ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ۔ (ترجمہ) اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں فرمائیں گے اور اس کے علاوہ جو چاہیں معاف فرما سکتے ہیں۔

س :۔ سکھوں کے گردواروں میں لنگر کا کھانا مسلمانوں کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

ج :۔ صورت مسئولہ میں جواز تو ہوگا لیکن کراہت سے مذکورہ عمل خالی نہیں بشرطیکہ کوئی حرام چیز نہ ہو۔

س :۔ بعض مساجد میں امام کے مصلیٰ کے علاوہ پہلی صف میں منبر کے سامنے ایک مصلیٰ اور بچھا دیا جاتا ہے۔ وہ مکبر کے لئے خاص ہوتا ہے کیا یہ طریقہ شرعاً درست ہے؟

ج :۔ اس میں کوئی حرج نہیں تاکہ مؤذن کو اقامت کی جگہ پہنچنے کے لئے دشواری نہ ہو۔

س :۔ اگر کسی شخص کی بیس پچیس سال کی نمازیں قضا ہوں اور عمر اتنی نہ ہو کہ قضاء عمری ادا کر سکے یعنی وہ عمر کی آخری منزل میں ہو تو ان نمازوں کی قضا کی کیا صورت اختیار کرے؟

ج :۔ جتنی نمازوں کی قضاء کر سکتا ہے کرے، بقیہ نمازوں کی طرف سے فدیہ دیدے یعنی ہر نماز کے بدلے پونے دو سیر گیہوں یا اس کی قیمت صدقہ کر دے اور توبہ اور استغفار بھی کرتا رہے، اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں گے۔ اللہ کی بے پایاں رحمت سے بھی امید ہے۔

س :۔ میرے پاس ساڑھے باون تولے چاندی کی مقدار کے زیورات ہیں اور ایک پلاٹ ساٹھ ہزار روپئے کی مالیت کا ہے تو کیا مجھے پلاٹ کے پیسوں کی بھی زکاۃ دینی پڑے گی؟

ج :۔ صورت مسئولہ میں زیورات کی جبکہ اس پر سال گزر جائے تو زکوٰۃ دینی ہوگی۔ ڈھائی روپئے فیصد کے حساب سے۔ رہ گیا پلاٹ تو اگر وہ تجارت کے لئے لیا گیا ہے تو سال گزرنے پر اس کی مالیت پر بھی زکوٰۃ ہوگی ورنہ نہیں۔

س :۔ کیا عیدگاہ کے ہوتے ہوئے مقامی جامع مسجد میں بھی نماز عید ادا کی جا سکتی ہے؟

ج :۔ سنت تو یہ ہے کہ عیدگاہ میں سب متحد ہو کر عیدین کی نماز ادا کریں تاہم جامع مسجد میں بھی عیدین کی نماز ادا کر سکتے ہیں۔

س :۔ پچھلے سال ہماری بستی میں ایک شخص کی والدہ کا انتقال ہو گیا مرحومہ کے بالغ باشعور بیٹے نے میّت کو غسل دینے سے پہلے اس کے پیر دھوئے اور دھلے ہوئے پانی کو پی لیا شرعاً یہ عمل کرنا کیسا ہے؟

ج :۔ شرعاً مذکورہ عمل درست نہیں پانی نجس ہے اس کا پینا درست نہیں ہے۔

س :۔ ظہر اور عصر کی نماز سرّاً کیوں پڑھی جاتی ہے۔ نیز مغرب، عشاء، اور فجر کی نماز جہراً کیوں پڑھی جاتی ہے؟

ج :۔ ایسا ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے نیز ظہر اور عصر کے وقت شور و ہنگامہ ہوتا ہے۔ جہراً نماز پڑھنے میں حرج لاحق ہوگا۔ البتہ مغرب اور عشاء اور فجر میں سکون ہوتا ہے، جہراً نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہ ہوگا بلکہ یہ نشاط کا باعث ہے۔

س :۔ مقتدی کو امام کے پیچھے جب بھی وہ رکوع، سجدہ میں جائے یا سجدہ سے اُٹھے تو اس کے اللہ اکبر کہتے وقت امام کی طرح اللہ اکبر کہنا ضروری ہے یا نہیں اور اگر نہ کہے تو مقتدی کی نماز میں کوئی حرج لاحق تو نہیں ہوگا؟

ج :۔ مذکورہ صورت میں ہر موقع پر امام کے اللہ اکبر کہنے کے وقت مقتدی بھی اللہ اکبر کہے گا یہ سنت سے ثابت ہے۔ اللہ اکبر کہے بغیر بھی نماز ہو جائے گی۔

مختصر

عالمی خبریں

معید اشرف ندوی

● سعودی عرب نے غیر ملکی سرمایہ کاری سے متعلق بل کی توثیق کردی جس سے سعودی عرب کے بیشتر اقتصادی شعبوں میں غیر ملکی کمپنیوں کے لئے سرمایہ کاری کا راستہ کھل جائے گا۔ سپریم اکنامک کونسل کا تیار کردہ یہ بل حتمی منظوری کے لئے کابینہ کے اجلاس میں پیش کیا گیا۔ جس کی صدارت خادم حرمین شریفین شاہ فہد نے کی۔ کابینہ نے مقامی کمپنیوں کی طرف سے صنعتی سرمایہ کاری کو تیز کرنے کی غرض سے جنرل انوسٹمنٹ کارپوریشن کے قیام کی منظوری بھی دی۔ اجلاس نے ان غیر ملکی کمپنیوں پر ۱۵ فیصد ٹیکس عائد کرنے کی بھی منظوری دی جن کا سالانہ منافع ایک لاکھ سعودی ریال سے زائد ہوگا شاہ فہد نے بل کی منظوری کے ضمن میں شاہی فرمان بھی جاری کیا ہے، شاہ فہد نے ایک اور شاہی فرمان میں کارپوریشن کے گورنر کی حیثیت سے شہزادہ عبداللہ بن فیصل کا تقرر بھی کیا جن کا درجہ وزیر کے برابر ہوگا۔

● روسی فوج نے ہتھیاروں کی چیکنگ کے دوران چیچنیا کی جنگ کی بدحواسی کے عالم میں اپنے بندرگاہ پر کھڑے اپنے ہی بہترین ساخت کے بحری بیڑے کو تباہ کردیا۔ روسی فوج کے ایک ترجمان نے کہا کہ اگرچہ اس کی تباہی کے دوران کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔ البتہ اس آبدوز شکن بحری بیڑے کی تباہی سے روس کو کھربوں روبلز (لاکھوں ڈالر) کا نقصان ہوا ہے۔

● لندن کے روزنامہ ڈیلی میل کے ایک سروے کے مطابق برطانیہ میں نوجوان لڑکیوں کی نصف تعداد شادی کے بندھن میں بندھے بغیر ماں بننا چاہتی ہیں۔

یہ رجحان تقریباً ۱۴ برس کی لڑکیوں اور لڑکے میں پایا جاتا ہے جبکہ ۱۵ سے ۱۶ برس کی لڑکیاں اس بات پر یقین رکھتی ہیں کہ وہ زندگی کے کسی نہ کسی مرحلے پر شادی کے بعد علیحدگی اختیار کرکے آزاد زندگی گزاریں گی۔ جبکہ لڑکیوں کا ایک گروپ شادی کی رسم کو فضول سمجھتا ہے اور لڑکیوں کی ۸۴ فیصد تعداد شادی کے بندھن پر یقین نہیں کرتی ہے۔ اداسے اپنی زندگی اور کام کی راہ میں رکاوٹ خیال کرتی ہے۔

● ناروے کی حکومت نے اعلان کیا ہے کہ وہ مسلمانوں کو نماز جمعہ کے لئے اذان کی اجازت دینے کی خواہاں ہیں۔ اگر یہ اجازت مل جاتی ہے تو عیسائی مذہب کے غلبہ والا ناروے وہ پہلا ملک ہوگا جہاں مسلمانوں کو اذان کی اجازت ہوگی۔ ناروے میں چرچ امور کے وزیر نے پارلیمنٹ کو بتایا کہ حکومت مسلمانوں کو جمعہ کی اذان لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ دیئے جانے کی حمایت کرتی ہے انھوں نے مزید کہا کہ حکومت کی مذہبی آزادی کو یقینی بنانے کی پالیسی کا یہ ایک حصّہ ہے۔

● امریکہ کے تحقیقی ادارے یونائیٹڈ افیسرس فار اکنامس (U.A.F.A) نے صدی کے اختتام پر معیشت میں آنے والے اچھال نے چند لوگوں کو تو چوٹی پر پہنچا دیا۔ لیکن ایسے امریکیوں کی تعداد کافی ہے جن کی مالی حالت کافی گھٹ گئی ہے اور وہ غریبی کی سطح سے نیچے زندگی گذارنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ اور ایک اندازہ کے مطابق تقریباً ۴ لاکھ امریکی متاثر ہوئے جو غریبوں کے زمرے میں شامل ہو گئے ہیں۔

بقیہ: درس حدیث

امام احمد نے اپنی مسند اور دارقطنی نے اپنی سنن میں عبداللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ " دو آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لڑتے ہوئے آئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بن العاصؓ سے فرمایا. ان دونوں کا فیصلہ تم کرو، انھوں نے عرض کیا اللہ کے رسولؐ! آپ کے ہوتے ہوئے میں فیصلہ کر دوں۔ آپؐ نے فرمایا ہاں! عمر بن العاصؓ نے کہا کس طرح فیصلہ کر دوں۔

آپ نے فرمایا اگر تم نے اجتہاد سے کام لیا غور و فکر کرکے (بلا کسی کی رعایت) فیصلہ کیا اور فیصلہ صحیح رہا تو تم کو دس نیکیاں ملیں گی، اور اگر اجتہاد میں غلطی ہوگئی تو ایک نیکی ملے گی۔

احمد اور دارقطنی نے ہی عقبہ بن عامر جہنیؓ سے روایت کیا ہے انھوں نے کہا کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو شخص لڑتے ہوئے آئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عقبہ اٹھو اور تم ان دونوں کا فیصلہ کرو، میں نے عرض کیا اللہ کے رسولؐ! آپ مجھ سے زیادہ اس کے مستحق ہیں فرمایا تم ٹھیک کہتے ہو، لیکن فیصلہ تم ہی کرو۔ اگر تم نے اجتہاد سے کام لیا اور صحیح فیصلہ کیا تو تم کو دس نیکیاں ملیں گی اور اگر اجتہاد میں غلطی ہوگئی تو تم کو ایک نیکی ملے گی۔

ابن ماجہ اور دارقطنی نے جاریہ بن ظفر حنفی یمانیؓ کے حوالہ سے بیان کیا ہے انھوں نے کہا " ایک گھر دو بھائیوں میں مشترک تھا، ان دونوں نے درمیان میں بانس وغیرہ کی ٹٹی باندھ کر اپنا اپنا حصہ الگ کر لیا، کچھ عرصہ بعد دونوں کا انتقال ہوگیا اور دونوں نے اپنے وارث چھوڑے اب ان دونوں وارثوں نے دعویٰ کیا کہ "ٹٹی ہماری ہے" یہ دونوں لڑتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہونچے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حذیفہ بن یمان کو بھیجا اور انھوں نے دونوں کے درمیان فیصلہ کر دیا، ٹٹی کی گرہوں کو جس سے قریب دیکھا اسی کے حق میں فیصلہ دے دیا اور واپس ہوکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کیا۔ فیصلہ سن کر آپؐ نے فرمایا صحیح اور اچھا فیصلہ کیا۔

بقیہ: ہم مومن ہیں

آپ روس کو کارروائی کرنے کا موقع دے رہے ہیں ؟

ج :۔ داغستان ایک متحد قوم ہے لوگ متفرق نہیں ہیں، وہاں علماء کرام کی ایک کمیٹی ہے جس کا میں ممبر ہوں انھوں نے اس قانون کو نافذ کیا ہے۔ جب روسی افواج اس صورتحال کو ختم کرنے کے لئے داخل ہوئیں تو ہم پر واجب تھا کہ ہم ان کی مدد کریں۔

س :۔ شیخ خطابؒ آپ اس وقت میدان جنگ میں ہیں" آپ دنیا کے مختلف ممالک میں بسے ہوئے مسلمانوں کو کیا پیغام دیتے ہیں ؟

ج :۔ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں چیچنیا کا مسئلہ صرف مسلمانوں سے متعلق ہے اس کا تعلق یورپ اور امریکا سے نہیں ہے اس لئے تمام اہل خیر سے اپیل ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کی حمایت کریں، تمام دنیا روسی افواج کی مدد کیلئے تیار کھڑی ہے اور چیچنیا کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے آج کی جنگ روسی افواج اور ماسکو کے خلاف ہے، یہ جنگ مجاہدین اور ملحدین کے درمیان ہے، ان ملحدین کے خلاف جنھوں نے بوسنیا، کوسوفا، تاجکستان، افغانستان میں گھناؤنے جرم کا ارتکاب کیا ہے، اگر چیچنیا ہمارے ہاتھوں سے نکل گیا تو سمجھ لیجئے کہ اس کے ساتھ ہمارا وجود بھی ختم ہوگیا۔

ہم مسلمانوں سے صرف دعا کے خواہشمند ہیں، ہم نے ان کے فضل و احسان کو گذشتہ طویل دور میں دیکھا ہے۔ والسّلام۔

منظر ارض حرم آنکھوں میں ہے
ہر فضائے محترم آنکھوں میں ہے
دیکھ کر آئے ہیں طیبہ کو مگر
کچھ نہیں دیکھا یہ غم آنکھوں میں ہے
نظور واحدی

مطالعے کی میز

تبصرے کیلئے کتابوں کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے !

● محمد شاہد ندوی بارہ بنکوی

نام کتاب : نسیم حجاز
مصنف : جگن ناتھ آزاد
صفحات : ۱۹۰، سائز ۱۸×۲۲/۸ قیمت ایک سو روپئے ۱۰۰/-
ملنے کا پتہ :- انجمن ترقی اردو (ہند) اردو گھر ۲۱۲ راؤز ایوینیو نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

جگن ناتھ آزاد ایک قادر الکلام شاعر ہیں اور اچھے اور سلجھے ہوئے لکھنے والوں میں ہیں ان کا کلام حمد، نعت، منقبت، نظم، غزل، قطعہ رباعی، ادبیت میں رچا ہوا ہوتا ہے۔ اس کی وہی ادبی روایات ہیں جو اقبالؔ، غالبؔ، حسرتؔ موہانی وغیرہ میں وجہ مشترک ہیں۔

زیر نظر کتاب میں جگن ناتھ آزاد نے حمد و نعت اور منقبت و دعا کے علاوہ بڑی اچھی اچھی نظمیں لکھی ہیں جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ حمد سے منقبت تک، ولادت باسعادت، سلام محفل نعت میں ایک رات، دہلی کی جامع مسجد، تاریخ ہند کا ایک واقعہ۔ اے کشور ہندوستاں، اور بھارت کے مسلماں۔ آزاد صاحب کی نظموں کے جلی عنوانات ہیں۔

جگن ناتھ آزاد کے کلام اور ان کی شخصیت میں اسلامیات کا رنگ نمایاں طور پر غالب ہے ان کے کلام میں جہاں توحید و رسالت کا عنصر پایا جاتا ہے وہیں مسلمانوں کی ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبات بھی نظر آتے ہیں۔

"بھارت کے مسلماں" یہ نظم مسلمانوں کی ہی ہمدردی و خیر خواہی میں بڑے اخلاص دل سوزی اور دردمندی کے ساتھ ان کی زبان سے نکلی اس لئے جہاں سوز و اثر میں ڈوبے ہوئے اس کے ہر بند نے متأثر کیا وہیں ان کے پند و موعظت اور اسلامی و ایمانی حرارت سے لبریز اشعار نے حیرت و استعجاب میں ڈال دیا۔

مسلمانوں کے بقا اور تحفظ کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ اس کو آزاد صاحب اس طرح بیان کرتے ہیں۔

قرآن کی تعلیم سے پھر درس بقا لے
پھر روح میں پیغام محمدؐ کو بسا لے
گذرے ہوئے عظمت کے زمانے کو بلا لے
روٹھی ہوئی ایمان کی دولت کو منا لے
ایمان کی دولت کو گنوائے ہوئے انساں
بھارت کے مسلماں، بھارت کے مسلماں

اقبالیات کے اس شارح و ترجمان نے اسلامی حقائق و معارف کی ترجمانی کا حق مکمل طور سے ادا کر دیا ہے۔

کتاب کے شروع میں "جگن ناتھ آزاد کا رنگ حرم" کے عنوان سے جناب ضیاء الدین اصلاحی (مدیر ماہنامہ معارف اعظم گڑھ) کا ۳۴ صفحات کا گرانقدر افتتاحیہ بھی شامل ہے۔ جو آزاد صاحب کی شخصیت اور کلام پر محیط ہے۔

"نسیم حجاز" کے مؤلف کا کلام ایک گداز طبیعت درد مند دل، حساس شخصیت کا کلام ہے ان کے کلام میں تازگی بھی ہے اور پختگی بھی۔

یہ کتاب اہل علم اور شعر و سخن سے تعلق رکھنے والے حضرات کے لئے ایک بہترین تحفہ ہے۔ ان کے اشعار سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے اسلام ان کے دل کی آواز ہے۔

نام کتاب : قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کے سائنسی کارنامے
مصنف : ڈاکٹر غلام قادر لون
صفحات : ۲۵۶، سائز ۱۸×۲۲/۸ قیمت ۱۳۰/- روپئے
ملنے کا پتہ :- مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز ڈی ۳۰۷۔ ابو الفضل انکلیو جامعہ نگر اوکھلا نئی دہلی ۲۵

ڈاکٹر غلام قادر لون ایک نوجوان اور ذہین اسکالر ہیں ان کی تحریروں سے قرآن و حدیث سے ان کی گہری وابستگی اور تحقیق و تفحّص سے فطری مناسبت کا پتہ چلتا ہے وہ بیک وقت عربی فارسی، اردو، انگریزی، ہندی اور کشمیری چھ زبانوں کے علمی ذخیرے سے براہ راست استفادہ کرنے اور ان میں بے تکلف لکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

زیر نظر کتاب "قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کے سائنسی کارنامے" ڈاکٹر غلام قادر لون کی علمی و تحقیقی کاوش ہے اس کے اندر انہوں نے قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کے مختلف سائنسی کارناموں کا تذکرہ غیر مسلم مفکرین کی کتابوں اور حوالوں سے کیا ہے۔ اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ موجودہ سائنسی ایجادات و اختراعات قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کے سائنسی کارناموں کی مرہون منت ہیں۔

امید ہے کہ یہ کتاب سائنس کے طالب علم کے لئے مفید اور کارآمد ثابت ہوگی۔ اور مسلم طلباء کے اندر امنگ اور حوصلہ پیدا کرے گی۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ پر

تعمیر حیات کا

خصوصی اور یادگاری نمبر

ادارہ تعمیر حیات کا سب سے قبل یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے سرپرست اور بزرگ ترین شخصیت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ ناظم ندوۃ العلماء پر ایک یادگاری خصوصی اشاعت پیش کرے، وہ یہ فرض بہتر اور نہایت معیاری انداز سے پورا کرنا چاہتا ہے اس کے لئے کشادہ وقت درکار ہے اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے قریبی تعلق رکھنے اور ان کی شخصیت کے امتیازی پہلوؤں سے واقفیت رکھنے والوں کے تعاون کے ساتھ ہی یہ کام انجام دیا جا سکے گا۔

ادارہ تعمیر حیات نے اس سلسلہ کی ضروری کارروائی شروع کردی ہے، اس سلسلہ میں ہمارے محبین و اہل قلم کی طرف سے پسندیدگی ظاہر ہو رہی ہے ـــــ ہم امید کرتے ہیں کہ یہ کام نئے سال کی پہلی سہ ماہی میں مکمل ہو سکے گا۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ پر مختلف رسالوں کے نمبر نکلے ہیں اور نکل رہے ہیں، اس نمبر میں انشاء اللہ نئے مضامین کے ساتھ ساتھ دیگر خصوصی نمبروں میں شائع شدہ امتیازی مضامین کو بھی شامل کیا جائے گا۔

ادارہ

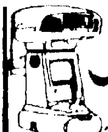
Regd. No. LW / NP/ 63 FORTNIGHTLY Principal off : 372330
Tel. No.: (0522)330020 Guest House : 323864

MEER-E-HAYAT

NADWATUL-ULAMA, LUCKNOW-226 007 (India) Rs. 6/-







Printed And Published by *Athar Husain* on behalf of Majlis Sahafat- Wa- Nashriat,
... Parakh offset Press, Tagore Marg, Lucknow - U. P.

لکھنؤ

تعمیرِ حیات

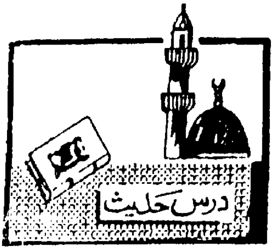
پندرہ روزہ

جب دنیا تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی تھی

فضائے ملک، بلکہ فضائے عالم کی اس تیرگی میں یہ نوعمر یتیم محمدؐ کھڑا ہوتا ہے، اور اپنی پاک و پاکیزہ کتاب زندگی کے ہر ورق کو کھول کر رکھ دیتا ہے۔ اور اپنی زندگی کا ایک کامل و مکمل نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر کے حوصلہ یہ ہوتا ہے کہ دوسروں کو بھی اپنا جیسا بنایا جائے۔ ایک طرف ساز و سامان سے محرومی ہے ہر پہلو سے بے کسی اور بے بسی ہے، ہر اعتبار سے بے اختیاری ہے، اور دوسری طرف ملک و قوم کی اصلاح کی امنگیں ہیں، بلکہ کہنا چاہئے کہ ساری کائنات انسانی کے سدھارنے کے حوصلے ہیں۔ لیکن "اصلاح قوم" آج کل کے مفہوم میں نہیں، اس لئے نہ کسی انجمن کی بنیاد پڑتی ہے، نہ کوئی پارٹی بنائی جاتی ہے، نہ کسی کمیٹی کے لئے کوئی فنڈ کھولا جاتا ہے۔ بلکہ سارا وقت، اور ساری قوت اپنے آپ کو تیار کرنے میں صرف ہوتی ہے! یہ نوعمر حسین و خوش رو ہے، نوجوانی کا خون اس کی رگوں میں بھی گردش کرتا ہے، ملک میں گھر گھر فحش و بے حیائی کے چرچے ہیں، لیکن اس کی نیچی نظروں پر خود حیاداری قربان ہو ہو جاتی ہے۔ مئے ناب کے ساغر ہر طرف چھلک رہے ہیں، پیمانہ چاروں طرف گردش میں ہے، لیکن اس کے دامنِ تقویٰ پر فرشتے تک نماز پڑھنے کے آرزومند ہیں۔ لوگ لڑ رہے ہیں، یہ صلح کرا رہا ہے، قوم چھیننے میں مصروف ہے، یہ بانٹنے میں۔ دنیا تحصیل و فراہمی میں لگی ہوئی ہے، اور یہ عطا و بخشش میں۔ عالم مخلوق مخلوق پرستی کی لعنت میں مبتلا ہے، ایک اس کے دل میں خالق کی لو لگی ہوئی ہے۔ ساری اصلاحوں کی بنیاد تو ایک ہی اصلاح ہے، یعنی بندہ کا مالک سے تعلق پیدا ہو جانا، اس ٹوٹے ہوئے رشتے کا جڑ جانا، اور شرک کی بھول بھلیوں سے نکل کر توحید کی شاہراہ پر آ جانا۔ یہاں بھی دھن تھی، تو اسی کی۔ رات کی نیند، دن کی مشغولی، ہر شے اسی کی نذر تھی۔

مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ (ذکر رسول صـ۲۶)

۲؍ مئی ۲۰۰۶ء | سالانہ ۱۳۰؍ روپے | فی شمارہ ۶؍ روپے



حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی جاننے والے سے بطور امتحان سوال کرتے تاکہ وہ صحیح جواب دے تو اسکی ہمت افزائی فرمائیں

تحریر:- شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ ترجمہ:- شمس الحق ندوی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی بعض صحابہ کرامؓ کا امتحان لینے اور کسی علمی چیز کے بارے میں ان سے سوال کرتے تاکہ ان کی ذہانت و واقفیت معلوم کریں، وہ اگر صحیح جواب دیتے تو آپ ان کے سینے پر ہاتھ رکھتے اور تعریف و ہمت افزائی کرتے یہ محسوس کرانے کے لئے کہ اللہ کے رسولؐ ان سے محبت کرتے اور ان کے اچھے جواب کی قدردانی فرماتے ہیں اس سلسلہ کی کچھ حدیثیں درج ذیل ہیں۔

امام مسلم نے حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت کیا ہے۔ جن کی کنیت ابومنذر تھی۔ وہ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے سوال کیا کہ ابومنذر تمہارے نزدیک قرآن کریم کی کون سی آیت بڑی اور اہم ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اللہ اور اللہ کے رسول زیادہ جانتے ہیں، آپؐ نے فرمایا ابومنذر کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے نزدیک اللہ کی کتاب میں کون سی آیت سب سے عظیم الشان ہے؟ کہتے ہیں کہ میں نے جواب دیا "اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ" فرماتے ہیں کہ جواب سن کر آپؐ نے میرے سینے پر دست مبارک مارا اور فرمایا ابومنذر علم تمہیں مبارک ہو۔

ابوداؤد، ترمذی، دارمی، ابن سعد اور قاضی وکیع نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انھوں نے کہا کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مجھے یمن بھیجا تو مجھ سے فرمایا: کوئی مقدمہ جب تمہارے سامنے آئے گا تو فیصلہ کس طرح کرو گے؟ میں نے عرض کیا قرآن کریم کی آیات سے فیصلہ کروں گا، آپؐ نے فرمایا قرآن کریم میں مقدمہ سے متعلق کوئی آیت نہ ملی تو؟ میں نے عرض کیا سنت رسولؐ کے مطابق فیصلہ کروں گا آپؐ نے فرمایا اگر سنت سے بھی کوئی رہنمائی نہ ملی تو؟ میں نے عرض کیا میں اپنی سوجھ بوجھ اور رائے سے فیصلہ کروں گا، غور و فکر میں کوئی کوتاہی نہ کروں گا، معاذ ابن جبلؓ نے فرمایا اس جواب پر آپؐ نے میرے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا: تمام حمد و ثنا اس خدائے پاک کی ہے جس نے اپنے رسول کے قاصد کو ایسی توفیق دی جو رسول اللہؐ کے منشا کے مطابق ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کا جو عمل سامنے آتا اس پر خاموشی اختیار فرما کر تعلیم دیتے

یہ بھی سنت کی ایک قسم ہے جس کو محدثین اپنی محدثانہ اصطلاح میں "تقریر" کہتے ہیں چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی صحابیؓ کا جو عمل یا قول سامنے آتا اور اس پر آپؐ خاموشی اختیار فرماتے یا اس پر اپنی پسند ظاہر فرماتے تو یہ گویا آپ کی طرف سے اس قول و عمل کی اباحت کا بیان ہوتا، بہت سے علمی امور آپؐ سے اسی طریقے لئے گئے ہیں، یہاں صرف دو حدیثوں کا ذکر کر دینا کافی ہے۔

امام بخاری نے ابوجحیفہ وہب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمانؓ اور ابودرداءؓ میں بھائی چارہ کرایا۔ ایک دن حضرت سلمانؓ ابودرداءؓ سے ملنے گئے تو ام درداءؓ کو بوسیدہ پرانے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا ان سے پوچھا کیا بات ہے اس خستہ حالی میں کیوں ہو؟ انھوں نے جواب دیا آپ کے بھائی ابودرداءؓ کو دنیا سے کوئی مطلب ہی نہیں ہے (ان کا مقصد تھا کہ عورتوں سے الگ تھلگ رہتے ہیں بس ہر وقت عبادت ہی میں لگے رہتے ہیں)۔ کچھ دیر بعد حضرت ابودرداءؓ نے حضرت سلمانؓ کے لئے کھانا تیار کیا اور حضرت سلمانؓ سے کہا آپ کھائیے میں روزے سے ہوں، حضرت سلمانؓ نے فرمایا جب تک آپ نہ کھائیں گے میں نہیں کھا سکتا، چنانچہ ابودرداء رضی اللہ عنہ نے کھانا کھایا۔ پھر جب رات ہوئی ابودرداءؓ (نوافل پڑھنے کے لئے) اٹھے، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سو جائیے چنانچہ وہ سو گئے، اس کے (کچھ دیر) بعد پھر تہجد کے لئے اٹھے، حضرت سلمانؓ نے کہا سو جائیے، پھر جب رات کا آخر وقت آیا تب حضرت سلمانؓ نے کہا اب اٹھئے اور پھر دونوں حضرات نے نماز پڑھی، اس کے بعد حضرت سلمانؓ نے فرمایا: آپ پر آپ کے مالک کا حق ہے، اپنے نفس کا حق ہے، گھر والوں (اہلیہ وغیرہ) کا حق ہے، ہر صاحب حق کا حق ادا کیجئے۔

اس کے بعد ابودرداءؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور آپؐ کو پورا واقعہ سنایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سلمانؓ نے سچ کہا۔"

ابوداؤد نے حضرت عمرو بن العاصؓ سے

باقی ص ۳۰ پر

پندرہ روزہ — لکھنؤ

تعمیر حیات

مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۳۷ — شمارہ نمبر ۱۴

۲۵ مئی ۲۰۰۱ء ——— مطابق ——— ۳۰ صفر ۱۴۲۲ھ

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین وادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ ۱۳۰/ روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں ———

گذارش

خط وکتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کے ساتھ مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کاروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے۔ منیجر

خط وکتابت کا پتہ

منیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس نمبر ۹۳

ندوۃ العلماء لکھنؤ، ۲۲۶۰۰۷ یو پی

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں ———

زر تعاون

سالانہ ——— ۱۳۰/ روپے

فی پرچہ ——— ۶/ روپے

——— بیرونی ممالک فضائی ڈاک ———

ایشیائی، یورپ، افریقی وامریکی ممالک ۳۰ ڈالر

——— بیرونی ممالک بحری ڈاک ———

بحری ڈاک جلد ۱۵ ڈالر

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے ... آفسٹ میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا

اس شمارے میں

بیرون ملک نمائندے

مدینہ منورہ	Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb. P O Box No 842, Madina Munawwara (K.S.A.)
برطانیہ	Mr. M. AKRAM NADWI O C I S , St Cross College, Oxford Ox1 3TU-U K.
ساؤتھ افریقہ	Mr. M. YAHYA SALLO NADWI Sb. P O Box 388, Vereninging,(S Africa)
قطر	Mr. ABDUL HAI NADWI Sb. P O Box No 10894, DOHA-QATAR
دبئی	Mr. QARI ABDUL HAMEED NADWI Sb. P O Box No 12525, DUBAI (U A E) P.H. NO: - 3970327
پاکستان	Mr. ATAULLAH Sb. Sector A-50, Near sau Quater H No 109, Town Ship Kaurangi, KARACHI-31 (Pakistan)
امریکہ	Dr. A. M. SIDDQUI Sb. 98-Conklin Ave, Woodmere NEW YORK 11598 (U.S.A.)

اداریہ

شمس الحق ندوی

قول میں رنگِ عمل بھر کے بنا دے رنگیں

سیرت نگاران رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم لکھتے ہیں کہ جب اہل مکہ کی اذیتوں کا سلسلہ دراز ہونے لگا اور مشرکین وکفار کی اسلام سے کراہت اور اس کی ناقدری اور حقارت بڑھ گئی تو آپ نے طائف کا قصد فرمایا۔ وہاں جو کچھ گذری وہ مکہ سے بھی کہیں یادہ سخت تھی۔ اہل طائف جن پر مال ودولت کا نشہ طاری تھا، انھوں نے آپ کا مذاق اڑایا اور شہر کے اوباش لوگوں اور غلاموں کو آپ کے ستانے پر مامور کردیا، یہ آپ کو گالیاں دیتے، شور مچاتے اور آپ پر پتھر پھینکتے، اس بے کسی اور کرب کے عالم میں آپ پناہ لینے کے لئے ایک کھجور کے درخت کے سایہ میں تشریف فرما ہوئے طائف میں آپ کو جتنا ستایا گیا وہ مشرکین مکہ کی ایذا رسانیوں سے کہیں زیادہ تھا۔ انھوں نے راستہ کے دونوں طرف اپنے آدمی کھڑے کردیئے آپ ایک قدم بھی اٹھاتے تو کسی طرف سے پتھر آپ پر پھینکا جاتا حتیٰ کہ آپ کے دونوں پیر زخموں سے لہولہان ہوگئے اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے فرشتے کو آپ کے پاس بھیجا اور اس نے آپ سے اس کی اجازت طلب کی کہ وہ ان دونوں پہاڑوں کو جن کے درمیان طائف واقع ہے ملادے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ارشاد فرمایا کہ نہیں مجھے امید ہے کہ ان کی اولاد میں سے کوئی ایسا پیدا ہوگا جو خدائے واحد کی عبادت کرے گا اور اس کے ساتھ کسی اور ہستی کو شریک نہ ٹھہرائے گا۔"

اتنی سخت ایذا رسانیوں کے بعد بھی کہ راستہ چلنا دشوار تھا گالی گلوچ شور وشر سے آگے بڑھ کر پتھروں کی بارش ہو رہی ہے نہایت بے بسی کا عالم ہے کوئی پرسان حال نہیں، کوئی یار ومددگار نہیں، ہر پڑھنے والا دل پر ہاتھ رکھ کر سوچے کہ اگر اس کے ساتھ اس ایذا کا ایک فیصد بھی پیش آتا تو وہ ان ستانے والوں کے لئے اپنے دل میں کتنی گنجائش رکھتا۔ اور کیا موقع ملنے پر اور قابو پانے پر ان کو عبرتناک سزا نہ دیتا لیکن محسنِ انسانیت کا یہ حال ہے کہ جب فرشتہ یہ کہتا ہے کہ اجازت ہو تو میں ان کو دو پہاڑوں کے درمیان پیس دوں۔ تو آپ فرماتے ہیں نہیں! ایسا کیوں؟ جسم خون سے لہولہان ہے جوتیاں پاؤں میں چپک گئی ہیں پتھر مارنے والوں اور تحقیر وتذلیل کرنے والوں کی صورتیں سامنے ہیں پھر بھی آپ فرماتے ہیں نہیں!

اس کی وجہ یہ تھی کہ دوزخ وجنت کا نقشہ آپ کے سامنے تھا خدا کو جھٹلانے والے آگ میں کودتے نظر آرہے تھے جہنمیوں کے اس ہیبت ناک منظر کے سامنے اپنے اوپر جو کچھ بیت رہی تھی اس کا احساس کم تھا فکر تھی تو یہ کہ ان آگ میں کودنے والوں کو کیسے بچایا جائے۔ لہٰذا آپ اپنی تکلیف بھول کر فرشتہ کو جواب دیتے ہیں نہیں ممکن ہے۔ ان کی نسلوں میں کوئی ایمان لائے۔ دراصل داعی کی مثال اس ملاح کی سی ہوتی ہے جو انسانی کنبہ کی کشتی کو طوفانی موجوں میں ہچکولے کھاتے دیکھتا ہے اور یہ نظر آتا ہے کہ کشتی اب ڈوبی اور تب ڈوبی تو وہ اپنی ہر تکلیف اور خطرہ کو بھول کر اس کشتی کے بچانے کے جتن کرتا ہے، انسانیت سے محبت اور اس کی نجات کا سودا اس کے سر میں ایسا سمایا ہوتا ہے کہ دیکھنے والا اس کا اندازہ لگا ہی نہیں سکتا جب تک اس کو بھی اس کی تڑپ بے کلی کی کوئی چنگاری نہ نصیب ہو جائے۔ بانیٔ تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جب دعوت کا کام میوات جیسے سنگ لاخ علاقہ سے شروع فرمایا تو لوگوں کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ بعض مخلصین فرماتے کہ اپنے علم کو ان دیہاتوں میں یہاں ضائع کر رہے ہو۔ مگر مولانا پر دعوت کی بے کلی طاری ہوچکی تھی، مولانا وراثتِ نبوت کے اس مقام کو پہنچ چکے تھے جہاں بدیر و بمشکل پہنچا جاتا ہے لہٰذا دعوت کی تڑپ وبے چینی کسی کروٹ چین نہیں لینے دیتی تھی۔ اسلام کا کلمہ پڑھنے والوں کا یہ حال کہ وہ گوبر تک کو پوج رہے ہیں۔ اسلام سے وہ کوسوں دور ہیں۔ مولانا کو مار گزیدہ کی طرح تڑپا رہا تھا۔ اور دعوت کا مولانا پر ایسا حال طاری ہوگیا تھا کہ کسی کل چین نہیں پڑتا تھا۔ اور عجب انداز سے لوگوں کو اس کام کی طرف بلاتے ورغبت دلاتے تھے، ایک موقع پر لکھنؤ میں حاضرین سے مخاطب ہوکر فرمایا :

بھائیو! میں ایک ابتلا میں گرفتار ہوں دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اس سے نکالیں جب سے میں یہ دعوت لے کر کھڑا ہوا ہوں لوگ مجھ سے محبت کرنے لگے ہیں، مجھے یہ خطرہ ہونے لگا ہے کہ مجھ میں اعجاب نفس نہ پیدا ہو جائے۔ میں بھی اپنے کو بزرگ نہ سمجھنے لگوں، میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے اس ابتلاء سے سلامت نکال لیں آپ میرے حق میں دعا فرمائیں۔

(یادرفتگاں، علامہ سید سلیمان ندویؒ)

داعی امت کا ایک فرد ہوتا ہے جو نیابت رسول کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ لہٰذا اس میں وہ تڑپ وبے چینی بھی ہونی چاہئے۔ جو داعی اول میں تھی۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تبلیغی احوال وکیفیات کا ذکر قرآن پاک میں بار بار آیا ہے اور ہر بار یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو امت کا کتنا غم تھا ایسا غم کہ جس کے بوجھ سے پشت مبارک ٹوٹی جارہی تھی (ارشاد ربانی ہے)

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِيْ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ۔

کیا ہم نے تمہارے سینہ کو نہیں کھول دیا اور تم سے اس بوجھ کو نہیں اتار لیا جس نے تمہاری پیٹھ کو توڑ دیا تھا۔

امت کے غم سے یہ حال تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا جینا دوبھر معلوم ہوتا تھا اللہ تعالیٰ نے تسلی دی اور فرمایا لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ۔ (شعراء)

تو کیا اس بات پر آپ اپنی جان گھونٹ ڈالیں گے کہ یہ ایمان نہیں لاتے۔

(مقدمہ حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت)

دعوت وتبلیغ کا اصل محرک بندگان خدا پر شفقت ورحمت اور خیر خواہی کا جذبہ ہے جو دل میں یہ کسک وٹیس پیدا کرتا ہے کہ امت کی اصلاح کیونکر ہو، لہٰذا داعی کا اولین فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ دعوت کی بانسری محبت واخلاقِ کریمانہ کی لے میں بجائے اور دلوں کو گرمائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یمن کی سمت دو صحابیوںؓ کو اسلام کا داعی بنا کر بھیجا تو ان کو یہ نصیحت فرمائی۔

"یسرا ولا تعسرا بشرا ولا تنفرا"

تم لوگوں کو آسانی کی راہ بتانا ان کو دقت میں نہ ڈالنا انھیں خوشخبری سنانا اور نفرت نہ دلانا۔

خصوصاً وہ حضرات جن کو اللہ تعالیٰ نے دعوت وتبلیغ کے کام سے جوڑا۔ اور اس فکر ولگن کے ساتھ ان کو مختلف شہروں اور ملکوں میں پھرایا ہے ان کو خصوصاً اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ ان کے کسی قول وعمل سے کسی کی دلآزاری نہ ہو ان کے وہ اوقات جو سفر سے واپس آکر اپنے گھر اور ماحول میں گذرتے ہیں ان میں کوئی ایسی بات نہ پیش آنے پائے جو لوگوں میں بدگمانی اور بددلی پیدا کرے کہ زبانی دعوت سے کہیں بڑھ کر عمل وکردار کی دعوت ہوتی ہے جو از خود دلوں کو کھینچتی ہے۔ اور اس میں معمولی کوتاہی بڑے غلط اثرات چھوڑتی ہے، ہمارا دوسرے شہروں اور ملکوں میں جانا اور نکلنا جہاں دوسروں کو خیر کی طرف بلانے کی خاطر ہوتا ہے وہیں اپنی سیرت واخلاق کو اسلامی سانچہ میں ڈھالنا مقصود ہوتا ہے دعوت کا کام ایسا مبارک کام ہے کہ معمولی سے معمولی آدمی کو محبوب بنا دیتا ہے۔ ہر جگہ وہ عزت واکرام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے وہیں یہ خطرہ اور اندیشہ ہوتا ہے کہ دعوت کا کام کرنے والا کہیں فریب نفس میں نہ مبتلا ہو جائے۔ یہی وجہ تھی جس کی بنا پر حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے فرمایا تھا کہ بھائیو! میں آج کل امتحان میں مبتلا ہوں، میرے لئے دعا کریں کہ مجھ میں غرور نہ پیدا ہو جائے میں اپنے کو بزرگ نہ سمجھنے لگوں۔ بہت ڈرنے کی بات ہے کہ مولانا جیسا ولی کامل اگر یہ کہہ سکتا ہے تو پھر ہم ان کے نقش قدم پر چلنے والوں کو اپنی کس درجہ فکر رکھنی چاہئے کہ خدانخواستہ کہیں ہماری کسی کوتاہی سے کوئی شخص نفس دعوت کے کام سے نہ بدگمان ہو جائے جو بڑے خسارے کی بات ہوگی خصوصاً حقوق العباد کا پہلو ہمارے دیندار گھرانوں میں اور دین کے نمائندہ طبقہ تک میں بہت کمزور ہو گیا۔ باہمی لین دین اور آپسی معاملات حقوق کی ادائیگی اور ایک دوسرے کا خیال اتنا کم ہو گیا ہے کہ بڑے بڑے مجاہدات کو بے اثر بنا دیتا ہے اور ہمارے ذکر وتسبیح کو فریب کا جال ثابت کرتا ہے، یہی وجہ تھی کہ بانی تبلیغ اور مولانا یوسفؒ کے ملفوظات وتقریروں میں ادائیگی فرض، حقوق العباد کی رعایت اور صفائی معاملات پر بڑا زور دیا گیا ہے۔

حضرت مولانا محمد الیاسؒ اپنے ایک ملفوظ میں فرماتے ہیں:۔

"بھائیو! مومنین کی خدمت عبدیت کا اصل مقام ہے، عبدیت کیا ہے؟ جو مومنین کے لئے ذلیل ہونے کی عزت کو حاصل کرے یہی ہماری تحریک کا اولین اصول ہے اور یہ ایک ایسا اصول ہے کہ کوئی اجتہادی (یعنی علمائے کرام) تقلیدی (عوام الناس) یا مادی (جو لوگ ہر کام کو دولت یا دنیا کے حصول کے لئے کرتے ہیں) اس کی تردید نہیں کرسکتا"

(مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت)

(حضـ)ـرت مولانا سیّد ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

کا پیغام

خواتین اسلام کے نام

● حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی الحسنی الندویؒ کی یہ تقریر ہے جو انھوں نے اندور میں اہلیہ مولانا معین اللہ صاحب ندویؒ سابق نائب ناظم ندوۃ العلماء کی عیادت کے موقع پر ۲۸ مئی ۱۹۹۷ء کو گھر میں عورتوں کے لئے فرمائی تھی۔ ادارہ عزیز مکرم مخدوم زادہ مولوی قاضی عبداللہ ندوی کا شکر گذار ہے کہ انھوں نے یہ تقریر ٹیپ سے نقل کرکے ادارہ کو بھیجا۔ (ادارہ)

الحمد للہ رب العالمین والصلاة (وا)لسلام علی سید المرسلین خاتم (النبیـ)ـین محمد والہ وصحبہ اجمعین (ومـ)ـن تبعھم باحسان ودعا بدعوتھم (الی) یوم الدین امابعد! فاعوذ باللہ (من) الشیطان الرّجیم بسم اللہ (الر)حمن الرّحیم! وَمَنْ یَّعْمَلْ (مِنَ) الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی (وَهُوَ) مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيَاةً طَيِّبَةً.

میری قابل احترام بہنو! اور بیٹیو! میں (سب) سے پہلے تو آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ اللہ (تبار)ک تعالیٰ نے آپ کو نہ صرف یہ کہ مسلمانوں (کے گھ)ر میں پیدا کیا بلکہ صحیح العقیدہ گھرانے میں پیدا (کیا جو) شرک و بدعت سے پاک ہے اور بہت سی بری رسمیں جو اس دنیا میں ہوتی ہیں اس سے بھی اللہ نے محفوظ رکھا ہے۔ اس خاندان میں عالم پیدا کئے، عالم ہی نہیں پیدا کئے بلکہ داعی الی اللہ اللہ کی طرف بلانے والے، مدرسے قائم کرنے والے مسجدیں بنانے والے، اور اللہ کے مقبول بندوں کی صحبت میں رہنے والے عطا فرمائے، تو اس پر بہت شکر ادا کرنا چاہیئے اور شکر خود ایک بہت بڑی عبادت ہے لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ اللہ فرماتا ہے کہ اگر تم نے شکر کیا تو ہم اور دیں گے، اس کے بعد یہ ہے کہ عقیدہ اپنا صحیح رکھیں، اللہ کا شکر ہے کہ صحیح العقیدہ خاندان ہے، اور جوار میں بھی شرک و بدعت وغیرہ کی گرم بازاری نہیں ہے، جو بعض دوسری جگہوں پر ہے، تو صحیح عقیدہ رکھنے کا سب سے ضروری حصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کارساز حقیقی سمجھیں، اللہ تعالیٰ کو نفع و ضرر کا مالک سمجھیں، کہ فائدہ پہنچانے نقصان پہنچانے، صحت و زندگی دینے اور روزی و رزق عطا کرنے اور اولاد عطا فرمانے کی صرف اللہ تعالیٰ کو ہی قدرت ہے، جو کسی ولی میں، نہ کسی قطب میں نہ کسی غوث میں نہ کسی ابدال میں نہ کسی پیغمبر میں ہے، یہ سب کام اللہ کرتا ہے۔ اللہ فرماتا ہے: اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ اسی کا کام ہے پیدا کرنا، اسی کا کام ہے کارخانہ کا چلانا، کارخانہ بھی اسی نے بنایا اور چلا بھی وہی رہا ہے، اس کی اجازت و حکم کے بغیر نہ پتہ ہل سکتا ہے نہ ذرہ اڑ سکتا ہے، اپنے بچوں کو یہ تعلیم دیجئے بچپن سے۔ اللہ کا شکر ہے جو خاندان معتبر خاندان تھے، جس سے اللہ تعالیٰ نے بہت فائدہ پہونچایا ہندوستان میں، وہاں بچوں کو شروع سے یہ تعلیم دی جاتی تھی کہ خدا کے سوا کوئی کچھ نہیں کر سکتا، کوئی کچھ دے نہیں سکتا، چنانچہ بچے انکار کر دیا کرتے تھے، کبھی اگر ان سے کسی نے ایسی بات کہی! کہ نہیں اللہ کے سوا کسی میں کوئی قدرت نہیں، ہم نہیں مانتے اس کو اللہ ہی دیتا ہے لیتا ہے، خدا ہی روزی رساں ہے وہی غذا د خوراک سب عطا فرماتا ہے۔ آپ ان خاندانوں کے واقعات پڑھیں، شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا خاندان اور ان کے سلسلہ کے جو لوگ تھے دیوبند کے بزرگوں کے خاندان حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ وغیرہم حضرت سید احمد شہیدؒ سب میں سب سے بڑی چیز توحید کی تھی، اس توحید کو آپ مضبوط پکڑیے اور دوسری اپنی بہنوں کو اور شہر کی رہنے والی بیبیوں کو بھی بتائیے جہاں کہیں جانا ہو

شادی میں جانا ہو، تقریب میں جانا ہو کسی نہ کسی عنوان سے توحید کی دعوت ضرور دیجئے کہ بیٹیو! اللہ کے سوا اور کسی کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں ہے پورا کارخانہ اسی کے ہاتھ میں ہے اور وہی اکیلا چلاتا ہے، وہی روزی دیتا ہے، وہی اولاد دیتا ہے، وہی صحت دیتا ہے، وہی بیمار کرتا ہے، وہی اچھا کرتا ہے، ایک بات یہ کہ عقیدہ اپنا صحیح رکھئے، بچوں کے کان میں ابھی سے ڈالئے، کان میں نہیں بلکہ دل میں بٹھا دیجئے دیکھو بیٹے دیکھو بیٹی اللہ کے سوا کوئی کچھ نہیں کرسکتا، ذرہ بھی نہیں ہل سکتا وہی روزی دیتا ہے، اسی سے مانگو اور دعا کرنا سکھایئے بچپن سے۔

الحمدللہ ہماری والدہ مرحومہ نے بچپن سے ہم کو دعائیں سکھائیں اور جب ہم لکھنے کے قابل ہوئے تو کہا کہ بیٹا تم سب سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد یہ لکھا کرو اَللّٰهُمَّ آتِنِيْ بِفَضْلِكَ مَا تُؤْتِيْ عِبَادَكَ الصَّالِحِيْنَ یہ ہمیں بتایا شروع سے بالکل ہم جب قلم پکڑنے کے قابل ہوئے کہ جب بسم اللہ لکھو تو یہ لکھو، اس وقت بتایا اے اللہ تو ہمیں اپنے فضل سے دے جو بہتر سے بہتر عطا کرتا ہے اپنے نیک بندوں کو، اس وقت سے ہم نے لکھنا شروع کر دیا تھا۔

اس طریقہ سے آپ بچوں کو پڑھ کر سنایئے جو معتبر علماء کی لکھی ہوئی کتابیں ہیں، تعلیم الاسلام مفتی کفایت اللہ صاحب کی اور ہمارے والد صاحب کی، مولانا اشرف علی تھانویؒ کی بہشتی زیور پڑھنے کا دور شروع کیجئے اور نمازوں کی تاکید رکھئے، جن پر نماز فرض ہو گئی ہے وہ نماز شروع کر دیں۔ ان کی نماز قضا نہ ہو، سوتے سے اٹھایئے کہ نماز پڑھ لیں اور گھر میں ماحول ہو کہ لوگ دیکھیں کہ یہاں دین ہے اور دینداری ہے، اور خدا کا خوف ہے، اور دینی باتیں ہیں، ان کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات، صحابہ کرامؓ کے واقعات بیان کیجئے، عقیدہ صحیح رکھئے اور کوشش کیجئے اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کیجئے اللہ نے آپ کو بہت نعمتیں دی ہیں اور اچھے خاندانوں میں پیدا کیا۔

ہم نے اپنے بچپن میں سب سے پہلے دیکھا ہے کہ ہماری والدہ صاحبہ تہجد پڑھتی تھیں ہمیں اس وقت معلوم ہوا کہ تہجد بھی کوئی چیز ہے تہجد کی نماز پڑھی جاتی ہے، اور ہمارے ساتھ معاملہ یہ تھا کہ اتنی چھوٹی عمر میں اگر سو جائیں عشاء کی نماز پڑھے بغیر تو ضرور اٹھاتی تھیں اور نماز پڑھاتی تھیں، اسی طریقہ سے دعا کرنا سکھایا۔ اور کتابوں کا شوق دلایا، اور اس کے بعد اگر ان کے خطوط آپ دیکھیں۔ ان کی کتابیں منگوایئے "ذکر خیر" کے نام سے ہم نے کتاب لکھی ہے ان کے حالات میں اللہ تعالیٰ نے دعاؤں کا ان کو ایسا ملکہ عطا فرمایا تھا کہ حضرت تھانویؒ کے ایک خلیفہ نے کہا کہ یہ تو عارفہ کا کلام ہے ایسی ایسی دعائیں اور مناجاتیں ان کی، ان کے پڑھنے کا رواج ڈالیئے ان کے پڑھنے سے دل پر اثر پڑتا ہے، اب بھی اس عمر میں اثر پڑتا ہے، ان کو دعاؤں پر اتنا یقین تھا۔ ان کی سب سے بڑی خصوصیت ہم نے جو دیکھی وہ دعا ہے، یعنی ایسے بہت سے اونچے اونچے بزرگوں کے یہاں یہ بات دیکھی کہ ہر چیز میں دعا، جو کام پیش آئے، جو مشکل پیش آئی بس دعا کی طرف توجہ اور نماز۔ نماز اور دعا ان کا اوڑھنا بچھونا بن گیا تھا ہماری والدہ قرآن شریف کی حافظ تھیں، پورا قرآن شریف تراویح میں ختم کرتی تھیں، علماء نے نے فتویٰ دیا تھا، فرنگی محل کے علماء کا فتویٰ، ہمارے بڑے چچا رابع کے دادا سید خلیل الدین صاحب حضرت گنگوہیؒ سے بیعت تھے کہ کیا عورتوں کی تراویح ہو سکتی ہے یعنی عورتیں ہی عورتیں ہوں، عورت ہی امام ہو اور مقتدی بھی عورت ہو، اس لئے کہ پورا خاندان تھا۔ تو فرنگی محل کے علماء نے فتویٰ دیا کہ عورت ہی امام ہو اور عورت ہی مقتدی ہو تو ہو سکتی ہے، تو کئی صفوں کی جماعت ہوتی تھی۔

ہماری والدہ حافظ تھیں، ہماری حقیقی خالہ حافظ تھیں، اور ہماری حقیقی خالہ زاد بہنیں حافظ تھیں، ایک پھوپھی حافظ تھیں، ایک ممانی حافظ تھیں، ۵ یا ۶ مستورات حافظ تھیں اور بعض ایسے خوش نصیب جوڑے تھے کہ میاں بیوی دونوں حافظ تھے۔ ہمارے ماموں بھی حافظ۔ ہماری ممانی بھی حافظ، ہمارے ایک بھائی حافظ اور ان کی اہلیہ ہماری سگی خالہ زاد بہن حافظ، ہمارا معاملہ یہ تھا کہ ہمارے والد عالم اور والدہ حافظ اور والدہ بھی ایسی کہ لکھنے پڑھنے کے قابل۔ کتابیں لکھیں۔ ان کی کتاب اگر آپ پڑھیں "کلید باب رحمت"، "ذائقہ" ایک کتاب لکھی، ان کی بڑی عمدہ ایک کتاب "حسن معاشرت" ہے ضرور اس کو منگوایئے اور پڑھوایئے، اس میں سب کے حقوق بتائے ہیں، اسلامی زندگی گھروں میں کیسے گذاری جائے وہ دکھایا ہے وہ بتایا ہے، حسن معاشرت کے نام سے۔ اللہ نے شاعری کی بہت قدرت عطا فرمائی تھی خاص طور سے مناجاتیں بڑی مؤثر ہیں رقت طاری ہو جاتی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ کوئی عارفہ، کوئی اللہ کی نیک مقبول بندی اللہ سے مانگ رہی ہے، دعا کر رہی ہے۔

خزاں میں بھی شجر سرسبز ہو کر پھول پھل لائے
ہو شہرت باغباں کی باغ کی غنچوں کی پھولوں کی

اور بھی کئی نظمیں ہیں۔ تم ہاتھ اٹھاؤ اللہ دے گا، اللہ تعالیٰ ہاتھ اٹھانے پر محروم نہیں کرتا، پورا دیوان بھرا ہوا ہے، پہلی بات تو یہ کہ اللہ کا شکر ادا کریا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے خاندان میں پیدا

کیا ہے، یہاں توحید کا عقیدہ ہے، سنت کا احترام ہے اور اللہ کا نام سکھایا جاتا ہے، لیا جاتا ہے، پھر بچوں کو سلیقہ تہذیب اپنی جگہ پر ضرور سکھائیے، اس سے پہلے کان میں ڈال دیجئے بلکہ بٹھا دیجئے کہ بیٹا مانگو تو اللہ سے مانگو بیٹی مانگو تو اللہ سے مانگو اللہ ہی دینے والا ہے، اللہ کے سوا کوئی کچھ کرنے والا نہیں ہے، کسی کے اختیار میں کچھ نہیں، چنانچہ جن کے دل میں بچپن میں بٹھایا گیا تھا ان کا یہ حال ہوا کہ بڑے بڑے امتحان کے موقع پر بھی، وہ توحید کے عقیدہ سے ہٹے نہیں سر کے نہیں ذرا سا بھی، بال برابر بھی کھسکے نہیں بچپن سے ان کے دل میں بٹھا دیا گیا تھا کہ کارساز حقیقی اللہ ہے اور وہی نافع و ضار ہے، نفع پہونچانے والا ہے۔ نقصان پہونچانے والا ہے، کسی کی قدرت میں کچھ نہیں ہے

حضرت سیدنا عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ نے ایسی مقبولیت عطا فرمائی تھی، پوری دنیا میں شہرت، غوث الاعظم اور پتہ نہیں کیا کیا وہ کہلاتے ہیں۔ ان کی والدہ نے نصیحت کی تھی کہ دیکھو بیٹا سچ بولنا جھوٹ نہ بولنا، چنانچہ جب وہاں سے بغداد پڑھنے کے لئے آرہے تھے، ابھی بچے تھے پورا قافلہ تھا راستہ میں ڈاکہ پڑا ڈاکوؤں نے حملہ کیا اور ہر ایک سے پوچھا تمہارے پاس کچھ ہے، کہا کہ نہیں ہے ہمارے پاس کچھ نہیں، جب دیکھتے تو بہت کچھ نکلتا تھا نکلے لیتے تھے، ان کے پاس آئے ان سے پوچھا کہ تمہارے پاس کچھ ہے بیٹے، انہوں نے کہا کہ ہمارے پاس یہ ہے، انھوں نے اس کو لیا اور توبہ کی کہ یہ لڑکا سچ بولتا ہے اور ہماری یہ حالت ہے کتاب میں یہ واقعہ لکھا ہوا ہے۔ ان کا واقعہ ایک اور لکھا ہے کہ بغداد میں ایک مرتبہ بڑا قحط پڑا تو لوگ دریائے دجلہ کے کنارے جاتے تھے وہاں سے جو لوگ ترکاریاں لے کر آتے تھے، عام طور پر ترکاری باہر سے آتی ہے، ترکاری لے کر آتے تھے تو ترکاری گرتی تھی، کوئی پتہ گر گیا، کوئی پھل گر گیا، کہیں آلو گر گیا کہیں ٹماٹر گر گیا تو لوگ اٹھا لیتے تھے، وہاں جاتے تھے کہ پڑی چیز کا اٹھانا جائز ہے، ان کے یہاں سیدنا عبد القادر جیلانیؒ کو بھی جب فاقہ پر فاقہ شروع ہوئے ابھی پڑھ رہے تھے، جوان تھے، انھوں نے کہا کہ ہم بھی چلیں اٹھا لائیں پکا لیں گے، گئے تو دیکھا کہ لوگ اٹھا رہے ہیں، ان کو شرم آئی کہنے لگے کہ یہ اللہ کی مخلوق کے لئے ہے کمی ہو جائے گی اگر اٹھا لیں گے، ایک آدمی کا حصہ کم ہو جائے گا، یہ واقعہ سننے کے قابل ہے، تو وہاں سے خالی ہاتھ آگئے کہ ہم نہیں اٹھاتے، یہ ان کو مبارک ہو اٹھائیں، مسجد میں آکر بیٹھ گئے چلنے کی ہمت نہیں تھی بہت تھکے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک صاحب آئے انھوں نے خوان بچھایا۔ اچھا اچھا کھانا رکھا اور کھانے لگے، معلوم نہیں حضرت کا بے اختیاری میں منھ کھل گیا۔ یا کیا ہوا۔ یا اس نے دیکھا کہ ایک لڑکا بیٹھا ہوا ہے، بہت بھوکا معلوم ہوتا ہے۔ اس نے کہا کہ آؤ بیٹا کھانا کھاؤ، خیر اس کے بلانے پر بیٹھ گئے، اس نے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے کہا عبد القادر۔ کہاں سے آئے ہو۔ انھوں نے وہ جگہ بتائی۔۔۔ کہنے لگے کہ یہ تو تمہارا ہی کھانا ہے، ہم جب چلے تھے تو تمہاری والدہ نے کہا تھا کہ لو اس میں روپئے رکھ لو، وہاں عبد القادر کو تلاش کرنا، شاید اس کو ضرورت ہو، ہم نے تم کو بہت تلاش کیا نہیں ملے تو ہم نے کہا کہ یہ بیکار روپیہ جارہا ہے، تو ہم نے اسی سے سب خریدا تھا تو ہم تمہارے مہمان ہیں۔

تو بزرگوں کے ساتھ عجیب و غریب واقعات پیش آتے ہیں، تو شروع سے بچوں کے دل میں ڈالئے کہ رزاق حقیقی روزی رساں اللہ تعالیٰ ہے، اسی کا دیا ہوا رزق ہم کھاتے ہیں اور کھائیں گے، اور جھوٹ کبھی نہ بولنا دھوکہ کبھی نہ دینا، اور ظلم کبھی نہ کرنا، زیادتی کبھی نہ کرنا، بیوی کو تکلیف نہ دینا، کوئی بھولا بھٹکا مسافر ہو تو اس کو راستہ بتانا، کوئی تکلیف دہ چیز ہو تو اس کو اٹھا لینا کہ ٹھوکر نہ لگے۔ بچپن سے یہ تعلیم دینی چاہیئے۔ اور اپنے یہاں ایسی کتابیں پڑھنا چاہیئے "زاد سفر" ہماری ہمشیرہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ کی کتاب ہے، یہ "ریاض الصالحین" کا ترجمہ ہے، جو بہت معتبر کتاب ہے حدیث کی، اس کے ساتھ "ذکر خیر" پڑھئے اور امہات المؤمنین کے حالات میں "سیرت عائشہؓ" پڑھ کر سنئے، یہ چیزیں اپنے گھروں میں ہونی چاہیئے اور ابھی تو اللہ تعالیٰ کو آپ کی اولاد سے انشاء اللہ بہت کام لینا ہے اور اس علاقہ میں تو آپ ہی کا ایک چراغ ہے جو جل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو ہمیشہ جلتا رکھے اور دعا کریں نمازوں کے بعد اپنے لئے بھی اور جن کے حقوق ہیں آپ پر ان کے لئے بھی، رشتہ داروں کے لئے بھی، بچوں کے لئے بھی اور سب سے بڑی دعا یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کو صحیح العقیدہ مسلمان رکھے، اور نیک صالح بنائے، اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائے۔ ان گھروں میں، ہمیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے اپنے خاندان میں بیٹھے ہوئے ہیں اور اپنی بچیوں کو بھتیجیوں کو بہنوں کو پھوپھیوں کو خطاب کر رہے ہیں بس دعا فرمائیں۔

بقیہ: عالمی خبریں

خطے میں دو ضلع ہیں ضلع لیہ (LEH) اور ضلع کرگل (KARGIL) ضلع لیہ میں بودھوں کی اور ضلع کرگل میں مسلمانوں کی اکثریت ہے ضلع لیہ کے مقابلہ میں کرگل ضلع میں آبادی قدرے زیادہ ہے ضلع لیہ میں تقریباً بیس فیصد مسلمان آباد ہیں مسلمان قصبہ لیہ سمیت ضلع کے ۱۱۳ دیہات میں سے تقریباً ۲۵ دیہات میں بستے ہیں۔ ان میں سے دیہات میں مسلمانوں کی اکثریت ہے، لداخ کی مسلم آبادی سنی، شیعہ اور نور بخشی پر مشتمل ہے، سنی مسلمان حنفی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں، خطہ لداخ میں ایک سو گیارہ (۱۱۱) مساجد ہیں، لیہ کی تاریخی جامع مسجد لداخ کی سب سے بڑی مسجد ہے، جبکہ کرگل ضلع میں سیکڑوں مساجد ہیں۔

فقر محمدیؐ

مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ

پرانے مشائخ طریقت میں ایک بزرگ شیخ احمد بن ابراہیم الواسطیؒ گزرے ہیں جن کو شیخ عبدالحق دہلویؒ "عالم عامل" اور "عارف کامل" کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں اور شہادت دیتے ہیں کہ:

"از کبار مشائخ دیار عرب بود، ومقتدائے روزگار، در طریق اتباع سنت وتقویم وترویج ایں طریقہ بے نظیر وقت بود۔

عرب کے مشہور مشائخ میں سے تھے، اور اپنے زمانہ کے پیشوا۔ اور پیروی سنت رسولؐ اور اس کے پھیلانے میں اپنے زمانہ میں بے نظیر تھے۔

ان بزرگ کا عربی میں ایک رسالہ "الفقر المحمدیؐ" کے نام سے ہے، شیخ دہلویؒ کو ایک نسخہ اس کا ہاتھ لگ گیا اس کا فارسی ترجمہ انھوں نے "تحصیل الکمال الابدی باختیار الفقر المحمدی" کے نام سے کردیا، جو ان کے مجموعہ رسائل ومکتوبات میں نمبر پانچ پر شائع ہوا ہے۔ آج تصوف کے بہت سے دشمن اور مخالفین اور بہت سے دوست وموافقین، اس کو شریعت اسلام سے علاحدہ کوئی مستقل نظام سمجھ رہے ہیں، ان دونوں گروہوں کے حق میں، شاید اس کے بعض مطالب کا مطالعہ مفید ہو۔ ترجمہ لفظی نہیں عنوانات میرے اضافہ کئے ہوئے ہیں۔ اور مضامین کی ترتیب بھی میری ہی قائم کی ہوئی ہے۔

تصوف کا اصل اصول

اگرچہ سچی درویشی اور اصلی فقیری کی طلب ہے، جس کی جڑ مضبوط، اور جس کی شاخیں بلند ہوں، تو لازم ہے کہ محمدؐ رسول اللہ کی فقیری اور درویشی کو اختیار کرو، اور انھیں کی پیروی کرو، کہ صاف اور پاکیزہ پانی وہیں ملتا ہے، جہاں سے چشمہ پھوٹتا ہے، اور بعد کے آنے والوں کی درویشی کو اختیار نہ کرو کہ پانی سرچشمہ سے دور جاکر گدلا ہوجاتا ہے اور اس کا رنگ اصلی باقی نہیں رہتا۔

اس مسلک کا انجام

اس طریقۂ محمدیؐ پر اگر قائم رہے تو امید ہے کہ اگلوں سے جاملوگے جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ میں سے تھے، اور قیامت کے روز پیغمبرؐ کے جھنڈے کے نیچے، پیغمبر و یاران پیغمبر کے ساتھ تمہارا حشر ہوگا۔ یہ وہ وقت ہوگا کہ دوسرے اپنے اپنے شیوخ اور مرشدوں کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے لیکن تمہارے اوپر اس وقت تمہارے شیخ یعنی حضورؐ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کا سایہ ہوگا۔

تصوف کے معنیٰ

لوگوں کی زبان پر آج فقر فقر ہے لیکن اس کی حقیقت سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔ نہ یہ جانتے ہیں کہ اس کی ابتدا کہاں سے ہوتی ہے اور نہ یہ خبر ہے کہ اس کی انتہا کیا ہے۔ اگر فقر کے معنی سمجھ میں آجائیں، اور اس کے ابتدائی مدارج کا علم ہوجائے، تو اس پر اس کی انتہا کا بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔ فقر کے میدان میں قدم رکھنا اسی وقت ممکن ہے، جب ممنوعات سے بچنے اور احکام کی تعمیل پر قدرت حاصل ہولے۔

لازمی شرطیں

اس رنگ میں ڈوبنے کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ جس طرح متقی اپنے جسم کو گناہ سے محفوظ رکھتا ہے، اسی طرح فقیر اپنے دل کو خیال گناہ سے محفوظ رکھے، اور اگر دل میں کبھی کوئی خطرہ پیدا ہو، تو فوراً اس سے توبہ کرلے فقیر ایسے ہی ہوتے ہیں، جن کے دلوں میں مرضیٔ الٰہی کے خلاف کسی خطرہ کا گزر ہی نہیں ہوتا، انھیں اس امر کی شرم ہوتی ہے، کہ خدا کی دوستی کا دعویٰ کرکے کسی غیر خدائی خیال کو دل میں آنے دیں۔ یہ فقر کا ابتدائی مرتبہ ہے، جب تک یہ قدرت نہ حاصل ہولے زبان پر فقیری کا نام لاتے ہوئے بھی شرمانا چاہئے۔

گناہ سے بچنے، احکام کی پابندی کرنے اور دل کو خطرات اور وساوس سے محفوظ کرلینے کے بعد، دوسری شرط فقیر کے لئے یہ ہے کہ خدا کی طلب ومحبت دل پر اتنی غالب آجائے، اور طبیعت خدا کی محبت سے اس قدر مغلوب ہوجائے کہ دنیا کے تمام فوائد ومنافع، بالکل جل جائیں، اور ان کا خیال تک نہ آنے پائے، دل کو محض محبوب حقیقی ومطلوب اصلی کے لئے مخصوص ہوجانا چاہئے۔ اور ماسویٰ سے بالکل خالی ہوجانا چاہئے۔ جب تک یہ کیفیت نہ طاری ہوجائے

فقیری کا دعویٰ کرنے سے شرمانا چاہئے۔

کاملین کا مرتبہ

اوپر جو شرطیں بیان کی گئیں، یہ مبتدیوں کے لئے ہیں۔ جب دل کو انھیں کے سننے کی تاب نہیں، اور ان پر عمل کی توفیق نہیں، تو کاملین کے مرتبۂ کمال کو یہ کیوں کر سمجھ سکتا ہے۔ اور اس کی تشریح اس مختصر مضمون میں کیسے کی جا سکتی ہے۔ صرف ان کے مرتبہ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

جھوٹے مدعی

رونے کا مقام ہے، کہ ہم میں ایسا گروہ پیدا ہو گیا ہے، جو حرام کھاتا ہے، اور باطل میں مشغول رہتا ہے۔ جو ان لوگوں کو مل جائے وہی ان کے نزدیک حلال ہے، اور نہ ملے وہی حرام ہے، دن رات انھیں یہ دھن سوار رہتی ہے کہ لذیذ غذائیں کھانے کو، خوبصورت چہرے دیکھنے کو، اور نغمہ کی آوازیں سننے کو ملتی رہیں، اور اس دھن میں یہ بڑے بڑے دعوے زبان سے نکالتے ہیں اور اپنے میں وجد و حال ظاہر کرتے ہیں، تاکہ عوام ان کے معتقد ہوں، اور انھیں دنیا کچھ اور ہاتھ آئے۔ ان لوگوں کو نہ حلاوتِ اسلام سے واسطہ، نہ لذتِ ایمان سے سروکار، ساری ساری رات رقص و سماع میں مصروف رہتے ہیں، اور نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں، تو گویا ٹکریں مار کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، امیروں اور بادشاہوں کے ہاں آمد و رفت، اور ان سے نذریں حاصل کرنے پر فخر کرتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ ان کے شر سے بچائے کہ دنیا کے رہزنوں سے کہیں بڑھ کر یہ دین کے رہزن ہیں۔ دنیا کا رہزن مال لے جاتا ہے، اور یہ دولتِ ایمان پر ہاتھ صاف کرتے ہیں۔ عوام پر ان کے لباسِ فقر کا اثر پڑتا ہے، اور وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ فقیری اسی کا نام ہے۔

سچے فقیر کی علامات

محمدی فقیروں کی ایک علامت یہ ہے، کہ وہ قرآن کریم کے ذوق سے مست رہتے ہیں، اور اس کی آواز پر وجد کرنے لگتے ہیں، اور اس کے سننے کے وقت ان پر خود متکلم (یعنی خدا) کی تجلیوں کا عکس پڑنے لگتا ہے۔ کیسے غضب کی بات ہے۔ کہ جس محبوب کی محبت کا دعویٰ کیا جائے، اسی کے کلام میں لطف نہ آئے، اس کے لئے طبیعت حاضر نہ ہو، اور لطف آئے، تو شعر و قصیدہ پر، گانے بجانے پر، اور تالیوں پر!

سماع اور قرآن

اللہ کے دوستوں اور عاشقوں کے لئے ساری لذت و حلاوت قرآن میں ہے، اور ان کے دلوں کی راحت و تسکین کا سامان اسی میں ہے۔ کلام کے ساتھ ہی ان کا دل متکلم سے وابستہ ہو جاتا ہے، اور قرآن کے احکام و قصص، مواعظ و اخبار، وعد و وعید کو سنتے ہی ان کے دلوں میں گداز پیدا ہو جاتا ہے۔ اور متکلم کی عظمت میں وہ اپنی ہستی گم کر دیتے ہیں، اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ شعر کو ذکر قرآن کو طبیعت بشری سے خاص مناسبت ہے اس لئے اشعار کو سن کر دل میں قدرتاً تحریک پیدا ہوتی ہے، سو یہ قول لغو و بے حقیقت ہے اس لئے کہ شعر کے وزن اور موسیقی کے تال سُر پر حرکت کرنا جبلت حیوانی کا تقاضا ہے، چنانچہ حیوانات اور بچے، سب اچھی موسیقی سے اثر قبول کرتے ہیں۔ یہ فطرت حیوانی ہے، انسان کی اعلیٰ فطرت کا درجہ اس سے کہیں بلند ہے۔ جن کے دلوں میں ایمان گھر کر چکا ہے، اور محبت الٰہی حلاوت حاصل کر چکی ہے، جیسا کہ حضرات صحابہؓ اور ان کے بعد آنے والوں کا حال تھا، سو ان کے قلب کو حرکت میں لانے والی اور ان کے شوق وجد، رقت، اور خشوع کو بڑھانے والی شے، قرآن پاک کی سماعت ہی ہو سکتی ہے۔

عملی ہدایات

صحیح تصوف یا فقر محمدیؐ میں قدم رکھنے کے لئے عملی ہدایتوں میں سے پہلی شے یہ ہے۔ اپنے پروردگار کے سامنے، جس نے قرآن اور رسولؐ جیسی پاک نعمتیں اتاری ہیں، صدق دل سے توبہ کرنا، پھر تنہائی میں جا کر سب کی نظروں سے الگ، وضو کر کے دو رکعتیں خشوع قلب کے ساتھ پڑھنا، اس سے فارغ ہو کر ننگے سر، ہاتھ باندھے ہوئے اپنی خطاؤں پر نادم ہو کر اتنی دیر کھڑے رہنا کہ دل میں گداز پیدا ہو جائے۔ اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو جائیں، اس وقت رو رو کر توبہ و استغفار کرنا اور الفاظ حدیث کے مطابق سید الاستغفار پڑھنا، پھر طریق پیروی رسولؐ پر قائم و مضبوط رہنے کے لئے توفیق چاہنا اور آئندہ کے لئے مضبوط عہد کرنا کہ آنکھ، کان، زبان، شکم، شرمگاہ، اور ہاتھ پیر ہر قسم کے گناہ سے محفوظ رہیں گے، ایسا کہ جب دن ختم ہو، تو نہ زبان کسی کی بدقولی، جھوٹ، بدزبانی وغیرہ سے آلودہ ہوئی ہو، نہ کان نے کوئی بے جا بات سنی ہو، اور نہ آنکھ کسی ایسی چیز پر پڑی ہو جس کا دیکھنا شرعاً پسندیدہ نہ تھا، اور نہ خالق و مخلوق میں سے کسی کا حق اپنے اوپر باقی رہنے پائے۔

عملی ہدایات کی دوسری دفعہ یہ ہے کہ نماز باجماعت، اپنے ارکان و آداب و حضور قلب وغیرہ کی پوری پابندیوں کے ساتھ ادا کی جائے، ایسی کہ حدیث میں جو لفظ "احسان" آیا ہے، اس کی پوری عملی تفسیر ہوتی رہے۔ حال صحیح وہی ہے جو حالت نماز میں طاری ہو۔ بندہ اور پروردگار

کے درمیان رابطہ پیدا کرانے والی شے نماز ہے، پس اگر نماز میں حضور قلب پیدا نہیں ہوتا، تو اس کا کوئی حال معتبر نہیں، اس لئے کہ جس بندہ کے حجابات، ایسی منزل قرب میں بھی پہونچ کر دور نہیں ہوئے اس کے لئے کسی دوسرے موقع پر اس کی کیا امید ہوسکتی ہے۔ حیف ہے کہ سماع شعر کے وقت تو قلب حاضر ہو، لیکن جو وقت عین حضوری حق کا ہوتا ہے، اسی وقت غائب ہو۔ ایسی فقیری فاسد اور ایسی درویشی ناجائز۔

حکم کی تعمیل اور پیروی کا شوق غالب ہو، اور اس کی پیروی میں اتنی شدت برتی جائے، کہ ہر شخص دیکھتے ہی "محمدی" سمجھ لے۔

رسالہ کے اہم اور ضروری مطالب کا ملخص، سطور بالا میں آگیا۔ شیخ عبدالحق دہلوی ان تمام مطالب کو نقل کرنے کے بعد خود بھی ان کی پرزور تائید کرتے ہیں۔ کیا اہل شریعت اس میں کوئی امر اپنے عقیدہ کے خلاف پاتے ہیں؟ کیا اہل طریقت کو اس میں کہیں حرف رکھنے کی گنجائش ہے؟ کیا کسی گروہ کو کوئی وجہ اعتراض ہے؟۔

ہمارے سچے رسولؐ کی زبان سے یہ پیام دنیا کو پہونچا تھا کہ غیر مسلم، اگر خدائے واحد ویکتا کی پرستش پر متفق ہو جائے، تو مسلمانوں سے فوراً صلح ہوسکتی ہے، اگر آج سارے اسلامی فرقے، رسولؐ خاتم و برحق کی محبت واطاعت کے مرکزی نقطے پر آکر جمع ہو جائیں، تو آپس کی رنجش ونقیض رد وکد کے لئے کوئی گنجائش رہ جاتی ہے؟

بنیاد کار

سچے تصوف کی ساری بنیاد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت وربط قلب پیدا کرنے پر ہے، اپنے دل کو اس ذات گرامی کی محبت میں اٹکایا جائے، اسی کو اپنا شیخ اور اپنا امام بنایا جائے، اسی کے نام پر بکثرت درود وسلام بھیجا جائے، اور اسی کے ساتھ پیوند محبت مستحکم کرلیا جائے، تمام درویشوں کو دیکھا ہوگا کہ ان کے دلوں میں ان کے مرشدوں کی ایسی عظمت بیٹھ جاتی ہے، کہ وہ جب کبھی اپنے شیخ اور مرشد کا نام سنتے ہیں، تو بے چین ہو جاتے ہیں، یہی کیفیت، یہی نسبت قلب سچے درویش کو رسول کریمؐ کی ذات گرامی کے ساتھ پیدا کرلینی چاہئے۔ اپنا امام اور شیخ انھیں کو بنانا چاہئے، دل میں خیال آئے تو انھیں کا، آنکھوں میں صورت پھرتی رہے تو انھیں کی، کان لذت حاصل کریں تو انھیں کے نام مبارک سے، عظمت کا احساس پیدا ہو تو انھیں کے ذکر سے، زبان انھیں پر درود بھیجنے میں لگی رہے، دل میں انھیں کے حالات سننے اور جاننے کا ذوق پیدا ہو، حدیث وآثار کے پڑھنے سے علاقہ محبت کو اور ترقی ہو، شوق واشتیاق ہو تو انھیں کا، یاد ہو تو انھیں کی، پیروی ہو تو انھیں کی، ہر امر میں انھیں کے

اعمالِ نبوتؐ بحیثیت محتسب

● مولانا ابوالکلام آزاد

احتساب :

احتساب ایک سنہری زنجیر ہے، جس میں تمدن اخلاق، مذہب، اور معاشرت کے تمام جزئیات جکڑے ہوتے ہیں اگر اس کی بندشیں ڈھیلی پڑ جائیں تو دفعتًا نظام عالم کی ایک کڑی درہم برہم ہو جائے اس غرض سے دنیا نے احتساب کو مختلف صورتوں میں قائم رکھا، خاندانوں اور کنبوں نے مختلف رسم و رواج اختیار کئے جن کی خلاف ورزی موجب ملامت بلکہ بعض اوقات قومی جرم خیال کی جاتی ہے۔ سلطنتوں نے قوانین بنائے جو انسان کو ایک خاص نظام کے ماتحت ہر قسم کی مادی، اخلاقی اور مذہبی ترقی کرنے کا موقع دیتے ہیں، حکماء نے فلسفہ ایجاد کیا جو اخلاقی قوانین کی پیروی پر جمیعت بشری کو مجبور کرتا ہے۔

اگر یورپ کو اپنی تہذیب پر فخر ہے کہ وہ انسان کی فروگذاشت پر سختی کے ساتھ گرفت کرتی ہے، اگر رومن لا کو اپنے اوپر ناز ہے کہ وہ قوائے متضاد کو اپنے مرکز سے ہٹنے نہیں دیتا۔ اگر یونان کو اپنے فلسفۂ اخلاق پر گھمنڈ ہے کہ وہ اخلاقی قواء کی تربیت کرتا ہے تو ہم کو ان کے بڑے بول سے مرعوب نہیں ہونا چاہیئے، ہم رسم و رواج کے غلام نہیں ہیں کہ یورپ کے قوانین معاشرت پر فریفتہ ہو جائیں، ہم قانونی سختیوں کے برداشت کرنے کے خوگر نہیں ہیں کہ اپنے ہاتھ کو ہر ہتھکڑی کے حوالے کر دیں، قیاسیات عقلی ہماری غذائے روحانی نہیں ہے۔ کہ یونانیوں کے طلسم میں پھنس جائیں، بلکہ ہمارے رگ، پٹھے ایک مذہب کے سلسلے میں جکڑے ہوئے ہیں، ہمارے گوشت و خون پر چمڑے کی جگہ مذہب کا غلاف چڑھا ہوا ہے، ہمارے قلب کو ایک غیر متزلزل مذہبی احساس حرکت دے رہا ہے بس ہم کو ہر دلفریب، رسم و رواج ہر مرعوب کرنے والے قانون، اور ہر متحیر کر دینے والے فلسفہ کو چھوڑ کر اپنی باگ صرف اسلام ہی کے ہاتھ میں دینی چاہیئے۔ اور اس پر فخر کرنا چاہیئے۔ کہ ؎

رشتہ عور گرنم افگندہ دوست
می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

مذہب کی قوت احتساب ان تمام چیزوں سے بالاتر ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اتباع فرض کر کے ہم کو تمام دنیا کی مادی و اخلاقی غلامی سے آزاد کر دیا ہے

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ.

یقیناً تمہارے لئے اللہ کے رسولؐ کی زندگی میں پیروی و اتباع کے لئے بہترین نمونہ رکھا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم رسول اللہؐ کی تقلید کرو کیونکہ ایک شخص کی تقلید کرنے سے دوسرے اشخاص کی تقلید کی نفی ہو جاتی بلکہ یہ فرمایا کہ تمہاری صرف اسی ذات پاک میں محدود ہے کیونکہ تمہیں اعمال صالحہ کا یہ خزانہ دوسری جگہ نہیں مل سکتا۔ اس طرز بیان سے نہ صرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع لازم کر دیا گیا۔ بلکہ ساتھ ہی تمام بڑے بڑے انسانوں کے اتباع کی نفی بھی کر دی اس لئے صرف ایک ہی آفتاب ہے جس کی روشنی ظلمت زار دنیا کی ہر اندھیری راہ اور ہر تیرہ و تاریک راستے میں ہماری رہنمائی کر سکتی ہے ؎

چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم
نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

اسی آفتاب کی روشنی سے اور ستارے بھی نور حاصل کرتے ہیں اس لئے ان کا اتباع بھی ہم پر واجب ہو جاتا ہے۔

خَيْرُ القرون قرنی ثم الذین یلونھم، اصحابی کالنجوم

بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے اس کے بعد ان لوگوں کا دور جو اس کے بعد آئیں گے، پھر وہ لوگ جو اس کے بعد اس اسوۂ حسنہ کی تقلید کریں گے۔ میرے اصحاب مثل ستاروں کے ہیں۔

اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی اس خصوصیت کا بار بار ذکر کیا ہے۔

ھو الرسول النبی الامی المکتوب فی التوراۃ والانجیل:۔ یامرہم بالمعروف وینھی عن المنکر ویحل لھم الطیبات

ویحرم علیھم الخبائث: (۱۵۶:۷)

اور یہ وہی پیغمبر ہے، جس کی بعثت تورات وانجیل میں لکھی ہوئی ہے وہ نیکی کے کام کا حکم دیتا ہے برائیوں سے روکتا ہے پاک مفید چیزوں کو حرام کرتا ہے۔

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ

تم لوگ بہترین امت ہو جس کو خدا نے دنیا کی ہدایت ورہنمائی کے لئے نمایاں کیا۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور خدا پر ایمان لاتے ہو!

لیکن ان آیتوں کی عملی تفسیر ہم کو صرف احادیث کی کتابوں میں ڈھونڈنا چاہیئے جن کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے مواقع احتساب کے ایک ایک جزئیات کا پتہ لگ سکتا ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا نے ہدایت وارشاد کے لئے جو آفتاب وسیارے پیدا کئے تھے وہ ہمیشہ ضیا گستر رہتے تھے۔

اسوۂ نبویؐ

احتساب کی ترتیب اصلاح نفس سے شروع ہو کر بالترتیب محتسب کے قبیلہ اور قوم تک منتہی ہو جاتی ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض احتساب کو اسی ترتیب کے ساتھ ادا فرمایا ہے۔

اصلاح نفس

آنحضرتؐ کی ذات پاک جامع فضائل تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے تمام زلات کو معاف کر دیا تھا۔ بایں ہمہ آپؐ اس کثرت سے نماز پڑھتے تھے کہ پاؤں پھول کر پھٹ جاتے تھے۔ صحابہؓ نے اس ریاضت شاقہ کو دیکھ کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ خدا نے آپ کے تمام اگلے پچھلے گناہوں کو معاف کر دیا ہے پھر آپؐ کیوں اس قدر مصروف عبادت رہتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا۔

افلا اکون عبداً شکوراً

کیا میں خدا کا شکر گذار بندہ ہونے کی کوشش نہ کروں (بخاری مطبوعہ یونان ص ۹۹۔ جز ۸)

چنانچہ جب کبھی اس قسم کے مواقع پیش آتے تھے جو قلب کو خدا کی طرف سے پھیر سکتے تھے۔ یا نفس میں غرور وتکبر پیدا کر سکتے تھے۔ تو آپؐ نہایت کے ساتھ ان کا انکار فرماتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ایک پردہ لٹکا رکھا تھا جس میں تصویریں بنی تھیں، آپؐ کی نظر پڑی تو فرمایا

امیطی عن خرامك فانه لاتزال تصاویر تعرض فی صلاتی.

ہمارے سامنے سے اپنا پردہ ہٹا لو کیوں کہ اسکی تصویریں ہمیشہ میری نماز میں خلل انداز ہوتی رہتی ہیں۔

ایک صحابیؓ نے بطور تحفہ کے آپؐ کو حریر کا ایک جبہ دیا۔ آپؐ نے اس کو پہن کر نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد نہایت ناگواری سے اتار کر پھینک دیا۔ اور فرمایا۔

لا ینبغی ھذا للمتقین

یہ پرہیزگاروں کے قابل نہیں ہے۔

غرور وکبر کا سرچشمہ مدح وتعریف ہے امرا وسلاطین کو اسی مرض نے دنیا کی تمام چیزوں سے بالاتر بنا دیا ہے، آنحضرتؐ اگرچہ خیر البشر تھے لیکن اگر کوئی شخص آپؐ کو انبیائے سابقین پر ترجیح دیتا تھا تو آپؐ اس کو منع فرماتے تھے۔ ایک صحابیؓ اور ایک یہودی میں جھگڑا ہو گیا۔ صحابی نے غصہ میں قسم کھائی اور کہا "اسی خدا کی قسم جس نے محمد (صلعم) کو تمام دنیا سے افضل بنایا ہے، یہودی نے قسم کھائی اور کہا" اس خدا کی قسم جس نے موسیٰؑ کو تمام دنیا پر ترجیح دی ہے، صحابی نے اس پر غصہ میں آکر یہودی کے منہ پر طمانچہ دے مارا۔ اس نے آنحضرتؐ سے شکایت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ "مجھے موسیٰؑ پر ترجیح نہ دو"۔

احتساب قبیلہ وخاندان

خیرات گھر ہی سے شروع ہوتی ہے۔ اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو حکم دیا تھا" وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ" (اپنے خاندان کے قریبی رشتہ داروں کے آگے حق کو پیش کر دو) اور عذاب الٰہی سے ڈراؤ، جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپؐ نے اپنے تمام قبیلہ کو جمع کر کے ایک پیغمبرانہ لہجہ میں اس حکم الٰہی کو سنایا۔

"یا معشر قریش! یا معشر بنی عبد مناف! یا معشر بنی قصی! یا معشر بنی عبد المطلب! اے فاطمہ محمد (صلعم) کی بیٹی، تم سب اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ کیوں کہ میں تمہیں قیامت کے دن کچھ بھی نفع ونقصان نہ پہنچا سکوں گا! اے فاطمہ! تجھ کو مجھ سے صرف جسمانی تعلق ہے اور میں رشتہ کی بیل کو صرف دنیا میں ہی سرسبز وشاداب رکھ سکوں گا۔

یہ ایک عام احتساب تھا لیکن مخصوص مواقع پر بھی آپؐ ازواج مطہرات اور اہل وعیال کو نیکی کی ترغیب دیتے اور برائی

ے روکتے رہتے تھے۔ ام سلمہ سے روایت ہے کہ آپ ایک رات کو اٹھے اور فرمایا سبحان اللہ! آسمان سے فتنہ و فساد کی بارش ہو رہی ہے اور برکات و فضائل کے خزانے کھل گئے ہیں حجرے میں سونے والیوں کو (ازواج مطہرات) جگا دو کیونکہ دنیا کی بہت سی کپڑا پہننے والی عورتیں آخرت میں برہنہ نظر آئیں گی،

آپ نے تنزہ نفس اور استغناء و قناعت کی وجہ سے باوجود فقر و فاقہ کے اپنے اوپر اور اپنے تمام خاندان کے اوپر صدقہ کو حرام کر دیا تھا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ بچپن میں صدقہ کی ایک کھجور اٹھا کر منھ میں ڈال لی آپ کی نگاہ پڑی تو فوراً "تُھو کا" کخ کخ" کیا تمہیں خبر نہیں کہ ہمارا خاندان نہیں کھاتا۔"

آپ ایک مرتبہ شب کو حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے پاس آئے اور فرمایا "تم لوگ اٹھ کر تہجد نہیں پڑھتے" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا "ہماری نیند اور بیداری تو خدا کے اختیار میں ہے، اگر وہ جگائے گا تو جاگیں گے" آنحضرتؐ خاموش ہو گئے مگر اپنی ران پر افسوس کے ساتھ ہاتھ مارا اور یہ آیت پڑھی۔ كَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا "آدمی بڑا ہی جھگڑالو ہے۔

احتساب قوم

اگرچہ وہ تمام جزوی مواقع جہاں آنحضرت نے احتساب کا فرض ادا کیا ہے، احتساب قومی کے تحت میں داخل ہیں۔ لیکن آپ نے کلی طور پر دو موقعوں پر نہایت بلیغ تشبیہ کے ساتھ اپنی خصوصیت کا اظہار تمام قوم کے سامنے فرمایا:

ایک موقع پر فرمایا:

"میری اور میری شریعت کی مثال بعینہٖ اس شخص کی سی ہے جس نے ایک قوم کے پاس آکر یہ وحشت انگیز خبر سنائی کہ میں نے اپنی آنکھوں سے ایک لشکر تمہاری طرف آتے ہوئے دیکھا ہے، میں ایک نذیر عریاں ہوں (عرب میں کسی اہم و انقلابی واقعہ کی خبر ننگے ہو کر دیتے ہیں) پس تم کو ہوشیار ہو جانا چاہئے چنانچہ ایک گروہ نے اس کا کہنا مانا اور وہ رات بچ کے نکل گیا۔ اور دوسرے ایک گروہ نے اس کو جھٹلایا نتیجہ یہ ہوا کہ لشکر نے دھاوا مارا اور اس کا استیصال کر دیا۔"

دوسرے موقع پر آپ نے فرمایا۔

میری اور تمام لوگوں کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ بھڑکائی، جب آگ کی روشنی چاروں طرف پھیلی تو پروانے اس پر ٹوٹ کر گرنے لگے۔ اس نے پروانوں کو آگ میں جانے سے روکنا چاہا، لیکن وہ سب اس کے قابو میں نہ آسکے۔ اور آگ میں گھس گئے۔

اسی طرح تم لوگوں کو کمر سے پکڑ کر کھینچتا ہوں، تاکہ آگ میں داخل ہونے نہ پاؤ لیکن لوگ اس میں گھسے جاتے ہیں۔

عقائد

آنحضرتؐ کی بعثت کا سب سے بڑا مقصد تصحیح عقائد میں بدترین چیز شرک فی اللہ تھی اور آنحضرتؐ نے صرف شرک مٹانے کے لئے جہاد کیا جو احتساب کی آخری منزل ہے لیکن اس کے علاوہ اور بھی بہت سے عقائد ہیں جو عام دسترس سے باہر ہیں۔ اگر عام لوگوں کو ان میں غور و فکر کرنے کا موقع دیا جائے تو مذہبی عقائد میں بہت سے مفاسد پیدا ہو جائیں، اور اسلامی عقائد کی سادگی فنا ہو جائے جو اسلام کا سب سے بڑا زیور ہے۔ اسی غرض سے آنحضرتؐ نے مسلمانوں کی یہ خصوصیت قرار دی تھی کہ وہ غیر ضروری چیزوں میں وقت ضائع نہیں کرتے چنانچہ عہد نبوت میں جب کبھی اس قسم کے مواقع پیش آئے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی کے ساتھ صحابہ کو زجر و توبیخ کی ہے۔

ایک مرتبہ صحابہؓ مسئلہ قضاء و قدر کے متعلق مباحثہ کر رہے تھے، جس نے آگے چل کر مسلمانوں کے دو عظیم حریف مقابل فرقے پیدا کر دیئے آنحضرتؐ نے دیکھا تو چہرہ مبارک غصے سے سرخ ہو گیا، اور فرمایا

أَبِهَذَا خُلِقْتُمْ تَضْرِبُونَ الْقُرْآنَ بَعْضَهُ بِبَعْضٍ بِهَذَا هَلَكَتِ الْأُمَمُ قَبْلَكُمْ،

کیا تم لوگ اسی لئے پیدا کئے گئے ہو؟ تم لوگ قرآن کو گڈمڈ کر رہے ہو گذشتہ قوموں کو اسی قسم کے لایعنی مسائل نے برباد کر دیا۔

اسلام نے اگرچہ عرب جاہلیت کے تمام توہم آمیز عقائد کو مٹا دیا تھا۔ تاہم بعض باتیں باقی رہ گئی تھیں، اور کبھی کبھی ان کا ظہور ہو جاتا تھا۔ عرب کا خیال تھا کہ جب کوئی بڑا شخص مرتا ہے تو سورج میں گہن لگ جاتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے ابراہیم نے انتقال کیا تو اتفاق سے اسی دن سورج میں گہن بھی لگ گیا، لوگوں کو خیال ہوا کہ یہ حضرت ابراہیم ہی کی موت کا اثر ہے لیکن آپ نے فوراً اس خیال سے لوگوں کو روکا، اور فرمایا " چاند اور سورج کو کسی کے مرنے یا جینے سے گہن نہیں لگتا۔"

حضرت مولانا کے نزدیک علماء و مشائخ سے قرب و تعلق کی اہمیت

● مولانا محمد عبید اللہ الاسعدی

برصغیر ھند و پاک میں یوں تو بہت سے صحیح النسب عرب اور سادات خانوادے آباد ہیں مگر ایسے خانوادے جن سے نسب کی صحت معروف و مسلسل اور ان کے بزرگوں کا نام و کام برابر روشن رہا چند ہی ہیں جن میں ایک نہایت ممتاز و معروف خانوادہ، سادات حسنیہ قطبیہ مدینہ کا ہے۔

اس خانوادے کا اولین مرکز و مستقر تو کڑا مانکپور رہا مگر خاندان کے مشہور بزرگ شاہ علم اللہؒ صاحب نے جب تکیہ کلاں رائے بریلی کو اپنا مستقر بنایا تو وہاں سے اس خانوادے کا فیض بہت پھیلا جس سے نہ صرف پورا ملک و برصغیر بلکہ عالم مستفید ہوا۔

سیّد احمد شہیدؒ۔ جن کی دینی و اصلاحی اور دعوتی تحریک سے آج پورا عالم روشناس ہو چکا ہے اور عالم کا ایک بڑا حصہ اس سے مستفید ہوا اور ہو رہا ہے۔ وہ اس خانوادے سے اور تکیہ کلاں ہی سے تعلق رکھتے تھے اور پھر سے انھوں نے اپنا کام شروع کیا تھا۔

سید احمد شہید علیہ الرحمہ کے بعد بھی نامی گرامی حضرات ہوتے رہے، مگر تکیہ کلاں کی بستی اور اس خانوادے کی شہرت کو چار چاند لگے نسبتِ احمدی کے تاجدار، ہم سب کے مخدوم حضرت مولانا سیّد ابو الحسن علی حسنی ندوی قدس اللہ سرہٗ سے۔

حضرت مولانا علیہ الرحمہ کا معاملہ یہ تھا کہ سیّد صاحب کی محبت و عظمت ہی نہیں بلکہ ان کی دعوت و تحریک کی روح ان کے رگ و ریشہ میں پیوست تھی اور بچپن سے وہ اس دولت سے آراستہ تھے جس کی روشن دلیل حضرت کی اولین تحریریں اور حضرت کی اولین تصنیف "سیرت سیّد احمد شہیدؒ" ہے اور ایسا نہیں ہے کہ حضرت کی یہ کتاب ایک وقتی اور ابتدائی چیز تھی اور تصنیفی سلسلہ کا آغاز ایک آسان اور معروف موضوع و عنوان سے تھا۔ بلکہ پوری زندگی "سیّد صاحبؒ" حضرت کی تحریر و تقریر کا موضوع رہے، اردو و عربی دونوں زبانوں میں مستقلاً بھی اس پر لکھا اور ضمناً بھی اکثر تحریر و تقریر میں سیّد صاحبؒ کی تحریک کا تذکرہ ضرور ملتا ہے، اور حضرت کے نزدیک موضوع کی اہمیت کی بات تھی کہ حضرت نے تحریری صلاحیت و کاوش میں پختگی آجانے کے بعد سیّد صاحبؒ کی سیرت پر از سر نو کام کیا اور جس کے بعد کتاب اپنی اولین شکل سے کئی گنا ہو گئی۔

حضرت مولاناؒ کے دل میں سیّد صاحب علیہ الرحمہ کی عظمت کس درجہ تھی اندازہ لگائیے۔ ایک دن بعد مغرب (حضرت ندوے کے مہمان خانہ میں آرام فرما رہے تھے (علالت کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا) احقر بھی حاضر تھا، ایک صاحب قریب بیٹھے گفتگو کر رہے تھے کہ انھوں نے حضرت سیّد صاحب علیہ الرحمہ کا تذکرہ شروع کیا تو "سر سیّد احمد خاں" کے عنوان سے ان کا ذکر کیا۔ حضرت مولانا نے ان کی اصلاح فرمائی اور ساتھ ہی فرمایا۔

استغفار کیجئے۔ استغفار، سیّد احمد شہید علیہ الرحمہ بہت بڑے آدمی تھے، چنانچہ انھوں نے استغفار کے الفاظ کہے۔

احقر اس موقع سے حضرت کے تذکرہ میں یہ لکھنا چاہتا ہے کہ حضرت مولاناؒ کے نزدیک صوفیاء و مشائخ سے نسبت اور خصوصی قرب و تعلق کی کیا اہمیت اور طلب تھی اور حضرت کو اس کا کتنا لحاظ و پاس تھا۔ اس بابت بھی حضرت کی زندگی میں بہت سی باتیں مل جائیں گی، احقر اپنے شعور و علم کے مطابق تحریر کر رہا ہے۔

حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ ہمارے گھرانے کو حضرت کے گھرانے سے دیرینہ تعلق کا اور لکھنؤ میں رہتے ہوئے خصوصی قرب کا شرف حاصل رہا ہے حضرت کو خوب دیکھا۔ اور بہت دیکھا اگرچہ محرومی رہی کہ استفادہ نہیں کیا۔

ایک بات جو اپنے شعور میں احقر نے محسوس کی وہ یہ کہ حضرت مولانا کا علم و معرفت ہی نہیں سلوک و تصوف میں جو مقام تھا۔ جس کا حقیقی علم تو حق تعالیٰ کو ہی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ مشائخ وقت کے یہاں محبوب و مقرب تھے اور متعدد بزرگوں کے اجازت یافتہ اور اپنے مرشد کے منظورِ نظر، اس سب کے باوجود حضرت مولانا کو یہ اہتمام رہا کہ وقت کے باحیات معروف بزرگانِ دین سے خصوصی ربط رکھا جائے اور آمد و رفت کے ذریعہ ان کی روحانیت سے استفادہ کا سلسلہ جاری رہے، اخیر تک یہ اہتمام رہا، حضرت رائے پوری علیہ الرحمہ کی وفات کے بعد حضرت شیخ الحدیثؒ شاہ وصی اللہ صاحب، مولانا یعقوب صاحب مجددی بھوپالی مولانا شاہ محمد احمد صاحب علیہم الرحمہ۔ ــــ ان حضرات کے یہاں حضرت مولانا کی آمد و رفت کے سلسلے میں وسعت و کثرت کا راز و سبب احقر تو یہی سمجھا ہے اور شیخ الحدیثؒ و حضرت پرتاپگڈھیؒ کے بعد ان کے لئے

مرکز نگاہ، جو شخصیت تھی وہ عمر کے اعتبار سے تو بہر حال ان کے چھوٹوں میں تھی، ان کے بھانجوں کی ہم عمر تھی۔ لیکن حضرت مولانا نے کسی اور ہی حیثیت سے اس کو دیکھ کر خود کو اس سے بہت قریب بتایا اور بار بار بتایا میری مراد حضرت مولانا صدیق احمد صاحب باندوی علیہ الرحمہ سے ہے، جاننے والے خوب جانتے ہیں حضرت مولانا نے بار بار فرمایا اور تحریروں میں بھی فرمایا کہ موجودہ بزرگوں میں مجھ کو سب سے زیادہ مناسبت آپ سے ہے۔ یا فرمایا۔ مولانا صدیق احمد صاحبؒ سے ہے۔

اس مناسبت سے حضرت مولاناؒ کی مراد یہی خاص نسبت و تعلق ہے جو حضرت باندویؒ سے پہلے دوسرے اکابر سے حضرت مولانا جوڑتے رہے۔

اور حضرت مولانا علیہ الرحمہ کے اس اہتمام میں ہم چھوٹوں کے لئے بڑا سبق ہے کہ کسی کو کبھی اور کسی حال میں مستغنی نہیں ہونا چاہیئے۔

دوسری بات یہ کہ حضرت مولانا کے یہاں اہل اللہ و مشائخ کی نسبتوں کا لحاظ و پاس بہت تھا اور اس میں کوئی تخصیص نہیں تھی کہ صرف اپنے خاندان کے بزرگوں اور سید صاحب وغیرہ سے تعلق کا لحاظ ہو بلکہ دور و قریب کے جو بھی حضرات ہوتے اور گذرے، سب کا لحاظ و پاس اور اس کے پیش نظر ان کے متعلقین کے ساتھ معاملہ۔

چنانچہ سید احمد شہید علیہ الرحمہ سے نسبت کی تعظیم و توقیر کا معاملہ یہ تھا کہ جن علاقوں و خاندانوں کی سید صاحبؒ سے وابستگی کا علم ہوا حضرت مولانا ان بستیوں و خاندانوں میں اہتمام سے گئے اور بار بار گئے۔ اور ان کے افراد سے مخلصانہ تعلق رکھا۔ ان کو قریب کیا۔ ان سے کام لیا۔ ان کو آگے بڑھایا۔ اور ماضی کا تعلق جو ختم ہو چکا تھا یا کمزور پڑ چکا تھا۔ اس کی تجدید کر کے اس کو نئے سرے سے مضبوط کیا۔ اور ایسے حضرات کے حق میں اور ان کے اکرام میں اس نسبت کا ہمیشہ استحضار رہا۔

ہمارے والد مولانا محمد مرتضیٰ صاحب علیہ الرحمہ کی وفات سے کچھ ہی دن پیشتر کا قصہ ہے کہ حضرت مولانا علیہ الرحمہ کسی سفر سے تشریف لائے تھے، تکان کی وجہ سے بعد مغرب چارپائی پر استراحت فرما رہے تھے۔ اتنے میں والد ماجد ملنے آگئے۔ تو حضرت مولانا چارپائی پر اٹھ کر بیٹھ گئے۔ اور نیچے تشریف لے آئے والد صاحب نے آرام فرمانے کو عرض کیا تو حضرت نے۔

"فرمایا نہیں آپ مولانا سید جعفر علیؒ مجاہد بالاکوٹی کی اولاد ہیں"

اور معلوم ہے کہ مولانا جعفر صاحب حضرت سید صاحبؒ کے رفقاء جہاد میں اور ان کے ممتاز خلفاء میں سے تھے۔ اور وہ ہمارے اجداد میں ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا صدیق احمد صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ تو حضرت مولانا کے چھوٹوں میں تھے مگر ان کا جو مقام محسوس کیا جا رہا تھا، حضرت مولانا علیہ الرحمہ کے یہاں اس کا لحاظ و پاس یہ کہ حضرت باندویؒ کی وفات کے بعد مولانا حبیب احمد صاحب جب حاضر خدمت ہوئے حضرت نے کھڑے ہو کر استقبال فرمایا۔ اور عرض کرنے پر فرمایا کہ آپ مولانا صدیق احمد صاحبؒ کے بیٹے ہیں علالت سے پیشتر تو حضرت کا یہ معمول سا رہا۔

اس بابت حضرت مولانا محمد سالم صاحب (جانشین شیخ الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب) کا بیان ملاحظہ ہو۔ مولانا فرماتے ہیں احقر کی ہر موقع پر حاضری و ملاقات میں حضرت کے ضعف پیری کے تحت کھڑے ہو کر معانقہ فرمانے سے روکنے کی کوشش کو حضرت یہ فرما کر رد فرماتے کہ تمہارے ساتھ ناقابل انکار، اور محسن ملت نسبت قاسمی قائم ہے، اس کا احترام کھڑے ہونے اور معانقہ کا متقاضی ہے۔ ایسا نہ کرکے میں اپنے ضمیر کی ملامت سے دوچار ہونا قطعاً گوارہ نہیں کر سکتا اور اس انتہائی اکرام کے معاملہ کے ساتھ ہر مرتبہ حضرت نانوتویؒ ان کی عظمت اور ان سے نسبت در لگاؤ کا تذکرہ فرماتے۔

اہل اللہ کی زندگی اور ان کا عمل عامۃ الناس کے لئے سبق و نمونہ ہوتا ہے، حضرت مولانا علیہ الرحمہ کی ان چیزوں میں ہمارے لئے بڑی نصیحت و ہدایت ہے۔

دعائے مغفرت

دار العلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم مولانا سعید الرحمن اعظمی ندوی کے چھوٹے بھائی ڈاکٹر مسیح الرحمن اعظمی لکچرر شبلی ڈگری کالج اعظم گڈھ کی اہلیہ صاحبہ کا ۱۳ مئی ۲۰۰۰ء کو اچانک انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ حادثہ افراد خاندان کے لئے بڑا جانکاہ ہے، اللہ تعالیٰ مرحومہ کے درجات بلند فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ قارئین کرام سے ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

اقبالؔ کا تصورِ توحید

محمد لطیف میر

اگر دنیا کے ان عظیم مفکروں کا جائزہ لیا جائے جنھوں نے اپنے نظام ہائے افکار سے زندگی اور اس سے متعلق تمام شعبوں میں زبردست انقلابات برپا کیے تو اقبالؔ کا نام سرفہرست ہوگا، یقیناً اقبالؔ دنیا کے پہلے عظیم مفکر شاعر ہیں جنھوں نے جدید دور میں اپنے تصورات ہائے بیکراں سے زندگی کا رخ موڑ دیا۔ اقبالؔ نے مشرق اور مغرب کے علوم وفنون اور فکر وفلسفہ کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا اور اس نتیجے پر پہونچے کہ دنیا میں اہل مشرق کے تصورات ہی زندگی کو حرکت وعمل... سے روشناس کرا سکتے ہیں۔ یہی "حرکی عمل" جو زندگی کی دلیل ہے، موجودہ دور میں زوال پذیر ہو چکا ہے، یہ بات یاد رہے کہ اقبالؔ کے فکر وفلسفے کی اٹھان قرآنِ حکیم کے ازلی وابدی نظام فکر سے ہوئی ہے۔ قرآنِ حکیم ان کے تمام تصورات ہائے زندگی کا سرچشمہ ہے جو بذات خود جامع الکمالات ہے جس کا پیش کردہ نظام فکر کبھی بھی دفترِ پارینہ نہیں بن سکتا۔ اس کا پیغام آفاقی ہے، اس کا طرزِ فکر انسانیت کی شیرازہ بندی کرنے کا دوسرا نام ہے۔ اقبالؔ کے تمام تصورات (مثلاً خودی، عشق، زمان ومکان، مرد مومن، تصور شاہین، فقر ودرویشی وغیرہ) کا راز۔ اسی قرآنِ حکیم کے ایک نکتے "لا الٰہ" میں پوشیدہ ہے۔ اقبالؔ کا کلام اسی "لا الٰہ" کی تفسیر ہے۔

"لا الٰہ" یا اقبالؔ کا تصورِ توحید ان کے سارے تصورات کی بنیاد ہے۔ تصورِ خودی، تصورِ عشق، تصورِ زمان ومکان، تصورِ مردِ مومن۔ کی اصل یہی نکتہ "لا الٰہ" ہے۔ اس سے مراد دنیا کے تمام "بتانِ بے فیض" کی نفی کر کے پوری انسانیت کو ایک خالقِ کائنات کے ساتھ جوڑنا ہے تاکہ زندگی کے سارے نظام دوئی کی بو سے یکسر پاک ہو کر ایک مثالی معاشرہ کی تعمیر وتشکیل کریں۔ اقبال کے نزدیک دنیا نے جب جب اس نکتہ "لا الٰہ" سے روگردانی کی اور اپنے نظامِ باطلہ کو فروغ دیا تو ضلالت اور گمراہی نے آگھیرا۔ انھوں نے جب "صاحبِ کتاب" بن کر حقیقت کا پتہ لگایا تو ان پر یہ راز فاش ہوا کہ جو موجودہ دور میں ملت کی کمزوری اور بے راہ روی کی واحد وجہ توحید خالص تصور سے دوری ہے۔ چونکہ خلافت عثمانیہ جو کہ ملت اسلامیہ کا آخری سہارا تھی کے زوال اور ادھر ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کے خاتمے کے بعد مغربی تصوراتِ زندگی نے مشرقی اندازِ فکر کے سارے دھاروں پر قبضہ کر لیا۔ اہل مشرق بھی نہایت تیزی کے ساتھ مغربیت کے سیلِ بے پناہ میں بہتے چلے جا رہے تھے۔ اسکولوں اور کالجوں سے نکلا ہوا تعلیم یافتہ طبقہ اسلامی طرزِ فکر اور طرزِ زندگی سے کافی دور جا پڑا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قوم اور ملت زوال کا شکار ہو گئی۔ اقبالؔ بالآخر اس نتیجے پر پہونچے کہ موجودہ دور میں قوم اور ملت کی زبوں حالی کا باعث تین چیزیں ہیں۔ اولاً "خالص عقیدۂ توحید" سے دوری، ثانیاً حرکت اور عمل کا فقدان اور ثالثاً عشقِ رسولؐ سے بے نیازی۔ قوم اور ملت جب توحید کے خالص تصور سے بے بہرہ ہو گئی، حرکت وعمل اور جذبہ وکوشش کا عملی چلن خود بخود ختم ہو گیا۔ چونکہ عشقِ رسولؐ دراصل اس وقت قلب وذہن کو منور کرتا ہے جب انسان توحید کے رموز سے کما حقہ واقف ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اقبالؔ نے ان تین باتوں پر اپنے کلام میں بہت زور دیا۔ "بانگ درا"، "ضرب کلیم"، "بال جبریل" اور "ارمغانِ حجاز" میں اسی کے جلوے بکھرے پڑے ہیں۔ فارسی کا پورا اثاثہ اس پر حجت ہے اور اسرارِ خودی تو اس نکتے "لا الٰہ" کی مکمل تفسیر ہے۔ یہی وہ نکتہ ہے جس پر فرد اور جماعت کی کامیابی کا راز ہے، سنہرے اور خوشگوار تصورِ زندگی کے سوتے اسی سے پھوٹتے ہیں۔ اسی سے آقا وغلام کا تصور مٹ جاتا ہے۔

مٹا دیا مرے ساقی نے امتیازِ من وتو
پلا کے مجھ کو مئے لا الٰہ الّا ھو

کالے اور گورے، عربی وعجمی، امیر وغریب، ادنیٰ اور اعلیٰ کا فرق صرف اسی "لا الٰہ الا ھو" سے ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اقبال کے نزدیک جب اہلِ دنیا کی سمجھ میں یہ نکتہ اپنی پوری تفسیر کے ساتھ آجاتا ہے تو پھر آقا وغلام ایک ہی صف میں کھڑے ہو جاتے ہیں ؎

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود وایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ وصاحب ومحتاج وغنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہونچے تو سبھی ایک ہوئے

امتیازِ من وتو، بندہ وصاحب، محتاج وغنی دراصل تصورِ باطلہ کی دین ہے۔ لیکن نکتہ "لا الٰہ الا ھو" اس امتیاز کو ہمیشہ کے لئے مٹا دیتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ صدرِ اول میں فاروق اعظمؓ بلال حبشیؓ کو بابا

کہہ کر پکارتے تھے ورنہ اس دور میں جبکہ انسانیت میں انتشار اور چھوت چھات کا عمل گمراہی کی آخری حد تک پہونچ چکا تھا "توحید" دراصل ایمان باللہ اسلام کی جڑ ہے۔ اسلام کا سارا کاروبار اسی پر چلتا ہے۔ کائنات میں صرف ایک علیم وخبیر خدا کی حاکمیت، اس کی بالادستی، اس کی فرمانروائی، اس کی ملکیت۔ کا نام توحید ہے۔ جب ایک صاحب ایمان اس نظام ارضی وسماوی کا خالق ومالک صرف ایک خدائے مطلق کو مانتا ہے اس کی اطاعت کرتا ہے، اس کے اوامر اور نواہی پر عمل کرتا ہے اس وقت وہ دائرۂ توحید میں داخل ہوکر بے پناہ ہوجاتا ہے وہ دنیا کے کسی نظام کو اپنا حاکم تصور نہیں کرتا۔ حاکمیت ملکیت، فرماں روائی کی جملہ صفات اور اختیارات صرف ایک خالق ارضی وسماوی میں ہی مرکوز ہیں۔ کوئی دوسرا ان میں شریک حال نہیں ہے "سروری، شہنشاہیت، بادشاہت" صرف اسی ایک ذات بے ہمتا کو زیبا ہے۔ خالص تصور توحید سے ہٹ کر نہ دنیوی افکار وتصورات زندہ رہ سکتے ہیں اور نہ ہی تہذیب وتمدن کی بقا ممکن ہے۔ دوئی کا عمل ساری انسانیت کی تہذیب ومعاشرت کے لئے صد درجہ خطرناک ہوجاتا ہے۔

دوئی ملک ودین کے لئے نامرادی
دوئی چشم تہذیب کی نابصیری

دوئی دراصل ابلیسیت کا ایجاد کردہ نظام ہے جو اسلامی انداز فکر کے سراسر منافی ہے، دنیا میں آج ابلیسیت کے ایجاد کردہ نظام ہائے افکار وتصورات (ملوکیت، اشتراکیت، فسطائیت، نام نہاد جمہوریت وغیرہ) ہیں وہ دوئی کی دین ہے۔ "ضرب کلیم" میں اقبال توحید کے نغمے گاتے ہیں۔ یہی نغمے دراصل اقبال کے نزدیک توحید خالص ہی سے پھوٹتے ہیں ؎

خودی کا سر نہاں لا الٰہ الا اللہ
خودی ہے تیغ فساں لا الٰہ الا اللہ
یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا الٰہ الا اللہ
کیا ہے تو نے متاع غرور کا سودا
فریب سود و زیاں لا الٰہ الا اللہ
یہ مال و دولت دنیا یہ رشتہ و پیوند
بتان وہم و گماں لا الٰہ الا اللہ
خرد ہوئی ہے زمان ومکاں کی زناری
نہ ہے زماں نہ مکاں لا الٰہ الا اللہ
یہ نغمہ فصل گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لا الٰہ الا اللہ
اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لا الٰہ الا اللہ

اقبال صاحب کا یہ نظریہ توحید دراصل اسلام کی ابتدا ہے۔ تمام انبیاء اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت یہی کلمہ توحید تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ "قولوا لا الٰہ الا اللہ تفلحوا" تمام بتان باطلہ کا رد ہے۔ حدیث کا یہ ٹکڑا صرف اتنا ہی نہیں کہ خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور کامیابی اسی میں ہے بلکہ یہ ہے کہ حاکمیت اور فرماں روائی صرف اللہ کے لئے ہے۔ اپنی ذات وصفات کے ساتھ خدا کو پوری دنیا کا اکیلا مالک وخالق، خبرگیر اور کفیل، پالنہار قرار دیتا ہے۔ قرآن حکیم کا یہ جملہ "اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ" پورے خدائی نظام تصور کو پیش کرتا ہے۔

اقبال دنیا میں خدا ہی کی حاکمیت مطلق اور فرماں روائی کے قائل ہیں۔ تمام نظام زندگی میں خدائی قانون کی بالادستی کے قائل بھی۔ خدائی قانون کی بالادستی تسلیم کرکے ہی انسان نیابت الٰہیہ کے منصب عظمیٰ پر فائز ہونا ہی انسان کا مقصد ہے خدا نے انسان کو آزاد پیدا کیا لیکن طاغوتی اور فرعونی طاقتوں نے آج تک انسان کو غلام بنا کے رکھا ہے۔ غلامی میں انسانی شعور اپنی روشنائی کھو بیٹھتا ہے۔ کوئی تدبیر بھی قابل قبول نہیں ہوتی۔ شمشیر کند ہوکر رہ جاتی ہے۔ اقبال صاحب اس حقیقت کو یوں واضح کرتے ہیں۔

غلامی میں نہ کام آتی ہیں تدبیریں نہ تقدیریں
جو ہو ذوق یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

"ذوق یقیں" کا عمل صرف "خالص عقیدہ توحید" سے پیدا ہوتا ہے۔ لیکن آج مسلمانوں نے اس نعمت کبریٰ کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ اور متعدد خود ساختہ عقائد اور افکار گھڑ لئے ہیں۔ ان کی آستینوں میں آج بھی بت مختلف انداز اور اشکال میں موجود ہیں۔ اقبال کو مسلمانوں کے "جدید تصور توحید" سے پوری واقفیت ہے۔ چونکہ وہ جانتے ہیں کہ آج کا مسلمان صرف قول کے اعتبار سے مسلمان ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے بت پندار کو اپنا خدا بنالیا ہے ؎

زباں سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل
بنایا ہے بت پندار کو اپنا خدا تو نے

موجودہ دور میں مسلمان توحید کے خالص تصور سے بالکل بے نیاز ہوچکا ہے۔ اس نے "فیض بیکراں" سے رشتہ توڑ کر "بتان بے فیض" سے اپنا رشتہ استوار کرلیا ہے جس سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ خودی کی موت ہوگئی ہے۔ خودی کی موت توحید خالص کی موت ہے اور توحید خالص کا فقدان خودی کا زوال ہے۔ اقبال کے نزدیک خودی ہوکر خودشناسی، خودداری، خودآگہی۔ کا نام ہے، ہی کے ذریعہ آج کے دور کے نظام باطلہ کے تراشے ہوئے "بتان آذری" اور "بتان مغربی" کو پاش پاش کیا جاسکتا ہے ؎

خودی سے اس طلسم رنگ و بو کو توڑ سکتے ہیں
یہی توحید تھی جس کو نہ تو سمجھا نہ میں سمجھا

توحید خالص ایمان مستحکم کی اصل ہے۔ خالص توحید

کے بغیر زندگی کو کوئی ثبات نہیں۔ اثبات کے عناصر جلیلہ وجمیلہ دراصل توحید خالص ہی سے سامنے آتے ہیں۔ اقبال کے نزدیک تہذیب قومی نے نظام باطلہ کے تحت مختلف بتان آزری تراش لئے ہیں جس کی وجہ سے ملت اسلامیہ کا شیرازہ پارہ پارہ ہوگیا ہے۔ ملت کی شیرازہ بندی انسانیت کی شیرازہ بندی ہے۔ انسانیت کی شیرازہ بندی ایک خدا کی حاکمیت، ربوبیت، فرماں روائی، بادشاہت کو تسلیم کرنے سے ہی ممکن ہوسکتی ہے۔ یہ عمل اس وقت یقینی ہوجاتا ہے جب دنیاوی نظام باطلہ بجائے خدائی نظام کو زندگی کے ہر شعبے کے لئے قابل قبول خیال کیا جائے۔ یاد رہے کہ توحید خالص سے مراد صرف یہی نہیں کہ خدا کے تصور کو دوئی کے تصور سے پاک کرنا ہے بلکہ اس سے مراد نظام ارضی وسماوی کا حاکم اعلیٰ خدا ہی کو ماننا، دنیا میں خدا کی فرماں روائی کو تسلیم کرنا، حاکمیت، کفالت، خبرگیری، بادشاہت، تمام کو اسی کی طرف مرکوز کرنا ہے۔ سیاست، معیشت، معاشرت، غرض کہ زندگی کے تمام شعبوں میں اسی کے عائد کردہ قوانین کا پاس کرنا اور اپنے آپ کو اس کا مطیع و فرماں بردار تصور کرنا، توحید خالص کا اصل مقصد ہے۔ انسان (مرد مومن) کا اصل مقصد یہ ہے کہ وہ تمام مدعیانِ باطل کی گردن ناپ دے۔ تمام "بتانِ بے فیض" جن کے خود ساختہ تصورات باطلہ سے زندگی میں انتشار پیدا ہوجائے۔ ان کے خلاف شمشیر بکف رہیں چونکہ سرداری فقط اس "ذات بے ہمتا" کو زیب دیتی ہے ؎

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری

یہ جملہ "حکمراں ہے اک وہی" اپنے اندر وسعت اور ہمہ گیری رکھتا ہے، اقبال کے خیال میں نظام معیشت، نظام حکومت، نظام معاشرت، نظام سیاست، نظام عبادات، غرض کہ ہر جگہ اس ذاتِ بے ہمتا ہی کی حکمرانی کا عمل دخل ہونا چاہئے۔ چونکہ جب زندگی کے تمام شعبوں میں خدائی قانون کی بالادستی قائم ہوجائے گی تو "بتانِ آزری" اور چنگیزیت کے فتنے سے دنیا ہمیشہ کے لئے محفوظ ہوجائے گی ؎

جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

(جاری)

نعت کی خوشبو

تابش مہدی

ذکر نبیؐ کی بزم سجانا کتنا اچھا لگتا ہے
نعت کی خوشبو گھر میں بسانا کتنا اچھا لگتا ہے

خون کے پیاسوں پر بھی جس نے دامنِ رحمت پھیلائے
اس کامل انساں کا زمانہ کتنا اچھا لگتا ہے

اخلاق و کردار کا جس کے ذکر ہے سارے عالم میں
اس کی سیرت پڑھنا پڑھانا کتنا اچھا لگتا ہے

تھا جو زباں پر تلواروں کی بدر و احد کے میداں میں
ہر دھن میں وہ گیت سنانا کتنا اچھا لگتا ہے

سارے ہی اصحابِ پیمبر رشد و ہدیٰ کے انجم ہیں
ان کی عقیدت کے گُن گانا کتنا اچھا لگتا ہے

صدیقؓ و فاروقؓ بس رحلت بھی قریں ہیں آقا کے
آنکھوں والو! ایسا ٹھکانا کتنا اچھا لگتا ہے

عثمانؓ و حیدرؓ کی عقیدت دل میں ہمارے ہے تابشؔ
خویشِ نبیؐ سے دل کا لگانا کتنا اچھا لگتا ہے

ضروری اعلان

دارالعلوم ندوۃ العلماء کا ترجمان پندرہ روزہ تعمیرِ حیات اب انٹرنیٹ پر دستیاب ہے، اور ای میل کا پتہ بھی درج ہے۔

نوٹ:- جو حضرات تعمیر حیات کے ذریعہ انٹرنیٹ پر اپنا اشتہار دینا چاہتے ہیں ان کو تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر ۸۰ روپئے کے حساب سے بل ادا کرنا ہوگا۔ اطلاع ملنے کے بعد ہی ان کا اشتہار انٹرنیٹ پر دیا جاسکے گا۔

Internet Wedsite: http://nadwa.virtualave.net
e-mail address: airp@lw1 vsnl.net.in

مفکر اسلام کے فکر انگیز خیالات

ایک مطالعہ

اوروں کا ہے پیام اور، میرا پیام اور ہے

محمد رضوان القاسمی

مفکر اسلام سے میری مراد یہاں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (۱۹۱۴ء-۱۹۹۹ء) کی ذات گرامی ہے، وہ بلاشبہ "مفکر اسلام" تھے اور بجا طور پر مولانا کا شمار ملک اور بیرون ملک کی ممتاز اور اہم ترین علمی شخصیتوں میں ہوتا تھا، وہ مصنف، مفکر، مدبر، محقق، مؤرخ، ادیب، مصلح داعی، قائد، روحانی طبیب، علم ظاہری و باطنی کے غواص اور شناور، نباض وقت اور زمانہ شناس سب کچھ تھے۔ قدرت نے انھیں حکمت و بصیرت اور فہم و فراست کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا، عصر حاضر کی نفسیات اور تقاضوں کے مطابق دین و شریعت کو پیش کرنے کا ڈھنگ اور سلیقہ انھیں خوب آتا تھا۔ ان کی خدمات اور کارناموں کا دائرہ اتنا وسیع اور متنوع تھا کہ وہ گویا اپنی ذات سے ایک انجمن تھے۔ آج کہنے کو اہل علم کی کوئی کمی نہیں ہے، لیکن علم کے ساتھ اپنی فکر اور اپنی نظر ہو، گفتار میں اللہ کی برہان اور رگ و پے میں سنی کردار ہو، تواضع اور انکسار ہو، متانت و سنجیدگی ہو، خندہ جبینی اور ملنساری ہو، خلوص و للّٰہیت ہو، غریبوں اور حاجت مندوں کی ہمدردی سے سینہ لبریز ہو، سوز دروں ہو، ولولہ و حوصلہ ہو، ملک و ملت کا درد ہو، ہر تنگنائی سے نکل کر آفاقی تصور کے ساتھ انسانیت کا بے غرض پیامی ہو، اتحاد کا داعی ہو، ایسے اہل علم کی بڑی کمی ہے اور مولانا ایسے ہی کمیاب اہل علم میں سے تھے۔

مولانا علی میاںؒ اپنے سنہ پیدائش اور سنہ وفات کے لحاظ سے کم و بیش بیسویں صدی کے پورے عرصہ پر محیط رہے، اس صدی کے عروج و زوال کو خود انھوں نے دیکھا، کتنی ہی علمی، تعلیمی، ملی، فلاحی، دعوتی اور سیاسی تحریکیں، انجمنیں اور جماعتیں ان کی نگاہوں کے سامنے بنیں، پنپیں اور بعض ان میں سے مٹیں، اس لحاظ سے مولانا نہ صرف تاریخ داں تھے بلکہ خود تاریخ کا ایک حصہ بن گئے تھے۔ ان کی فکر میں نہایت گہرائی اور گیرائی تھی، ان کے حالات زندگی سے ظاہر ہے کہ ان کی فکر رسا نے قرآن و حدیث، سیرت نبویؐ اور صحابہؓ، اسلاف، اکابر، مشائخ، صوفیاء اور بعض ممتاز معاصر علماء اور دانشوروں کی زندگیوں سے فیض حاصل کیا تھا۔ انھوں نے اپنے لئے فکر و عمل کی جو راہ بنائی تھی، وہ افراط و تفریط سے ہٹ کر، اعتدال و توازن کی تھی، اور یہ اعتدال و توازن ان کی زندگی کی شناخت اور پہچان بن گیا تھا۔ "مغرب دیدہ اور کعبہ رسیدہ" کے سبب مغرب میں رہنے والوں کے خیالات اور مشرق میں بسنے والوں کے رجحانات سے وہ باخبر تھے اور اس باخبری نے انھیں باخبر مصلح و داعی کا مقام عطا کیا تھا۔ پھر ایسے مصلح و داعی تھے، جن کے اصلاح و دعوت میں تلقین غزالی بھی تھی اور سوز و ساز رومی بھی۔

مجھے نہیں معلوم کہ مولانا کو "مفکر اسلام" کا خطاب سب سے پہلے کس نے دیا اور کب دیا؟ مگر یہ حقیقت ہے کہ "اسلام" کی حفاظت و اشاعت کے سلسلہ میں ان کی جو فکرمندی اور دردمندی رہی ہے، وہ بجا طور پر اس خطاب کا مستحق قرار دیتی ہے، ہزاروں صفحات پر پھیلے ہوئے جو رشحات قلم ہیں، ان میں مفکر اسلام کی جو فکری بصیرت اور خیالات کی پختگی ہے، عصر حاضر میں ان کا از سر نو مطالعہ "ملت بیضا" کے لئے ازبس ضروری ہے، اس سے راستہ کی نشاندہی بھی ہوگی اور منزل کا سراغ بھی ملے گا۔ اسی جذبہ کے تحت یہ کوشش کی گئی ہے کہ مولانا کی کتابوں اور تحریروں کے مطالعہ کے بعد ان کے افکار و خیالات کا ایک ایسا انتخاب پیش کیا جائے، جس میں خصوصیت کے ساتھ عصری معنویت و افادیت کا پہلو اجاگر ہو، مولانا کے بعد مولانا کی زندگی کا یہ ایسا روشن باب ہے، جس سے ایک مسافر حق کو ہمیشہ روشنی ملتی رہے گی۔

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی کتابوں میں ایک اہم کتاب "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" ہے۔ مولانا کی یہ کتاب فکر انگیز ہی نہیں انقلاب انگیز بھی ہے خصوصیت کے ساتھ کتاب کا آخری "باب ہفتم" جس کا عنوان ہے " عالم اسلام زندگی کے میدان میں" نہایت اہم معنی خیز اور چشم کشا ہے، یہاں اس کے بعض اقتباسات ملاحظہ فرمائیے۔ عصر حاضر میں مسلمانوں کو اولین فرصت میں جو کام مستعدی

اور تندہی کے ساتھ کرتے رہنا چاہئے۔ اس پر مولانا روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں،

"آج عالم اسلامی کے قائدین و مفکرین اور اس کی جماعتوں اور حکومتوں کے لئے کرنے کا کام یہ ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں ایمان کا تخم دوبارہ بونے کی کوشش کریں، جذبۂ دینی کو پھر متحرک کریں، اور پہلی اسلامی دعوت کے اصول و طریق کار کے مطابق مسلمانوں کو ایمان کی دعوت دیں اور اللہ و رسول اور آخرت کے عقیدہ کی پوری طاقت کے ساتھ دوبارہ تبلیغ و تلقین کریں، اس کے لئے وہ سب طریقے استعمال کریں، جو اسلام کے ابتدائی داعیوں نے اختیار کئے تھے، نیز وہ تمام وسائل اور طاقتیں کام میں لائیں جو عصر جدید نے پیدا کر دی ہیں۔

قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اب بھی زندگی اور طاقت کا ایسا سرچشمہ ہے، جس سے عالم اسلام کی خشک رگوں میں زندگی کا گرم اور تازہ خون پھر دوڑ سکتا ہے، ان کے مطالعہ اور اثر سے اس جاہلی دنیا کے خلاف بغاوت کا جذبہ ابھرتا ہے، اور ان کی تاثیر سے ایک اونگھتی، سوتی قوم ایک پرجوش، بے چین اور سرگرم عمل قوم بن جاتی ہے۔" (انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ص۳۳۳)

نباض وقت کی حیثیت سے عالم اسلام کی اصل بیماری کی نشاندہی کرتے ہیں:۔

"موجودہ عالم اسلام کی بیماری پریشانی اور بے اطمینانی نہیں ہے، بلکہ حد سے بڑھا ہوا اطمینان و سکون، دنیا کی زندگی پر قناعت اور حالات سے مصالحت ہے، آج دنیا کا عالمگیر فساد اور انسانیت کا زوال اور ماحول کی خرابی اس کے اندر کوئی بے چینی نہیں پیدا کرتی، اس کو زندگی کے اس نقشہ میں کوئی چیز غلط اور بے محل نظر نہیں آتی، اس کی نظر اپنے ذاتی مسائل اور مادی فوائد سے آگے نہیں بڑھتی، اس کی موجودہ افسردگی اور مردہ دلی کا سبب صرف یہ ہے کہ اس کا پہلو خلش سے اور اس کا دل تپش سے خالی ہے ؎

طبیب عشق نے دیکھا مجھے تو فرمایا
ترا مرض ہے فقط آرزو کی بے نیشی

اس لئے ضرورت ہے کہ یہ مبارک کشمکش پھر پیدا کی جائے، اور اس امت کا سکون برہم کیا جائے، اس کو اپنی ذلت اور اپنے مسائل کی فکر کے بجائے (جو جاہلی قوموں کا شعار ہے) انسانیت کا درد و غم، ہدایت و رحمت کی فکر اور آخرت اور محاسبۂ الٰہی کا خطرہ پیدا ہو، اس امت کی خیر خواہی اس میں نہیں ہے کہ اس کے لئے سکون و اطمینان کی دعا کی جائے بلکہ اس میں ہے کہ اس کے لئے درد و اضطراب کی دعا کی جائے اور برملا کیا جائے ؎

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں"

(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ص۳۳۵)

مسلمانوں کے عروج کا راز کیا ہے؟ فرماتے ہیں:۔

"اگر عالم اسلامی کی خواہش ہے کہ نئے سرے سے وہ اپنی زندگی شروع کرے اور غیروں کی غلامی سے آزاد ہو، اگر وہ عالمگیر قیادت حاصل کرنا چاہتا ہے تو صرف تعلیمی خود مختاری ہی نہیں بلکہ علمی لیڈر شپ بھی بہت ضروری ہے اور یہ کوئی آسان کام نہیں، یہ مسئلہ بہت گہرے غور و فکر کا محتاج ہے، اس کے لئے ضرورت ہے کہ وسیع پیمانے پر تصنیف و تالیف اور علوم کی تدوین جدید کا کام شروع کیا جائے، اس کام کے سربراہ کار عصری علوم سے اتنی واقفیت اور گہری بصیرت رکھتے ہوں، جو تحقیق و تنقید کے درجہ تک پہونچی ہو، اور اس کے ساتھ اسلام کے اصلی سرچشموں سے پورے طور پر سیراب اور اسلامی روح سے ان کا قلب و نظر معمور ہو، یہ وہ مہم ہے، جس کی تکمیل کسی جماعت یا انجمن کے لئے مشکل ہوگی، یہ اسلامی حکومتوں کا کام ہے، اس مقصد کے لئے اس کو منظم جماعتیں اور مکمل ادارے قائم کرنے ہوں گے اور ایسے ماہرین فن کا انتخاب کرنا ہوگا جو ہر فن میں دستگاہ رکھتے ہوں، وہ ایسا نصاب تعلیم تیار کریں جو ایک طرف کتاب و سنت کے محکمات اور دین کے ناقابل تبدیل حقائق پر مشتمل ہو اور دوسری طرف مفید عصری علوم اور تجربہ و تحلیل پر حاوی ہو، وہ مسلمان نوجوانوں کے لئے علوم عصریہ کی از سر نو تدوین کریں جو اسلام کے اصولوں اور اسلام کی روح کی بنیاد پر ہو، اس میں ہر ایسی چیز ہو جو نوخیز طبقہ کے لئے ضروری ہو اور جس سے وہ اپنی زندگی کی تنظیم

کرسکے اور اپنی سالمیت کی حفاظت کرسکے،
وہ مغرب سے مستغنی ہو اور مادی و دماغی
جنگ میں اس کے مقابلہ میں آسکے، اپنی زمین
کے خزانوں سے فائدہ اٹھائے اور اپنے
ملک کی دولتوں کو استعمال میں لائے،
اسلامی ملکوں کی مالیات کی نئی تنظیم کرے
اور اس کو اسلامی تعلیمات کے ماتحت
اس طرح چلائے کہ طرز حکومت اور مالیاتی
امور کی تنظیم میں یورپ پر اسلامی نظام
کی برتری صاف ظاہر ہو جائے اور وہ
اقتصادی مشکلات حل ہو جائیں جن کے
حل کرنے کے معاملہ میں یورپ سپر ڈال
چکا ہے، اور اپنی بے بسی کا معترف ہے۔
اس روحانی، صنعتی اور فوجی تیاری
اور تعلیمی آزادی کے ساتھ عالم اسلامی
عروج حاصل کرسکتا ہے، اپنا پیغام
پہونچا سکتا ہے اور دنیا کو اس تباہی
سے نجات دلا سکتا ہے جو اس کے
سر پر منڈلا رہی ہے، قیادت ہنسی
کھیل نہیں، نہایت سنجیدہ معاملہ ہے
اور منظم جد و جہد، مکمل تیاری، عظیم
الشان قربانی اور سخت جانفشانی کی
محتاج ہے۔"

(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ص ۲۵۳، ۲۵۴)

مولانا ایک اہم رائے یہ دیتے ہیں:۔
"عالم اسلامی کی طرح عالم عربی کے لئے ضروری
ہے کہ وہ اپنی تجارت، مالیات، صنعت و حرفت
اور تعلیم میں پورے طور پر آزاد اور خود کفیل
ہو، وہاں کے رہنے والے انھیں چیزوں
کا استعمال کریں جو ان کی زمین کی پیداوار
اور ان کی صنعت و محنت کا نتیجہ ہوں، زندگی
کے ہر شعبہ میں وہ مغرب سے مستغنی ہوں، اپنی
تمام ضروریات، مصنوعات، غذا، لباس،
ہتھیار، مشینیں، آلات حرب کسی چیز میں وہ
غیر کے دست نگر اور مغرب کے پروردۂ منت
اور نمک خوار نہ ہوں۔"

(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ص ۲۶۲)

تعلیم و تربیت کے جو لوگ ذمہ دار ہیں، ان کا
یہ فرض بتاتے ہیں:۔
"تعلیم و تربیت کے ذمہ داروں کا یہ بھی فرض
ہے کہ وہ ہر ایسی چیز کا مقابلہ کریں جو مردانگی
و شجاعت کی روح کو کمزور کررہی ہو اور عجز
و تخنث پیدا کرتی ہو، عریاں صحافت نگاری،
فحش اور ملحد ادب کی روک تھام کریں جو
نوجوانوں میں نفاق، بے حیائی، فسق و فجور
اور شہوت پرستی کی تبلیغ کررہا ہو، ان
پیشہ وروں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے فوجی کیمپ میں نہ داخل ہونے دیں، جو
نسل اسلامی کے قلب و اخلاق میں فساد
برپا کرنا چاہتے اور فسق و معصیت اور فحش
پسندی کو چند حقیر پیسوں کے لئے خوبصورت
اور مزین بنا کر پیش کرتے ہیں۔
تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی کسی قوم میں
مردانگی اور غیرت انسانی کو زوال ہوا، عورتوں
نے اپنی نسائیت اور فطرت مادری کے خلاف
بغاوت کی اور آزادی و بے حجابی کی راہ
اختیار کی، ہر چیز میں مردوں کی مسابقت
کی کوشش کی، خانگی زندگی سے نفرت
و غفلت بڑھی اور ضبط تولید کا رجحان
پیدا ہوئی، اس کا ستارۂ اقبال غروب
ہوا اور رفتہ رفتہ اس کے نشانات بھی مٹ
گئے، یونانی، رومی اور ایرانی اقوام کا انجام
یہی ہوا اور یورپ بھی آج اسی راہ پر گامزن
ہے، جو اس انجام تک لے جاتی ہے، عالم عربی
کو ڈرنا چاہئے کہ کہیں اس کا انجام بھی ایسا نہ ہو۔"

(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر صفحہ ۲۶۶، ۲۶۷)

مولانا اہل اسلام کو خود غرضی اور انانیت
کے خول سے نکلنے کی دعوت دیتے ہیں:۔
"خود غرضی اور انانیت شخصی ہو یا خاندانی،
جماعتی ہو یا طبقاتی، قوم کی زندگی کے لئے
ایک غیر طبعی چیز ہے، جس سے اس کو پہلی
فرصت میں چھٹکارا حاصل کرنا ہے، نہ اسلام
میں اس کی کوئی جگہ ہے، نہ اس بیدار سوسائٹی
میں جو بلوغ اور سن رشد کو پہونچ گئی،
مسلمانوں کے لئے اور عربوں کے لئے اور
ان کے رہنماؤں اور حکمرانوں کے لئے
بہتر یہ ہے کہ وہ اس سے آزاد ہو جائیں
اور اس سے اپنا تعلق منقطع کرلیں، قبل
اس کے کہ وہ اپنے ساتھ ان کو بھی
لے ڈوبے۔"

(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ص ۳۴۹)

مولانا کے نزدیک عیش و عشرت، غیر ضروری
لوازم زندگی کا اہتمام، اسراف، فضول خرچی، بربادی،
تباہی اور بہت سارے فتنوں کا موجب بجا فرماتے ہیں:
"عربوں کو مغربی تہذیب کے اثر سے اور بہت
سے دوسرے اسباب کی بنا پر عیش و عشرت،
غیر ضروری لوازم زندگی کے شدید اہتمام
اسراف، لذت و خواہش اور فخر و آرائش کے
لئے فضول خرچی کی عادت پڑ چکی ہے، اس عیش
و تنعم اور بے دردی کے ساتھ خرچ کے پہلو
بہ پہلو فقر و فاقہ اور عریانی بھی موجود ہے،
جب ایک شخص بڑے بڑے عرب شہروں پر
نظر ڈالتا ہے تو اس کی آنکھوں میں آنسو بھر
آتے ہیں اور سر شرم سے جھک جاتا ہے، وہ
دیکھتا ہے کہ ایک طرف وہ آدمی ہے جس کو
اپنی ضرورت سے زائد غذا، لباس کا صرف

نظر نہیں آتا، دوسری طرف اس کی نگاہ ایسے بدوی پر پڑتی ہے، جس کو ایک وقت کا کھانا اور ستر پوشی کے لئے کپڑا بھی نصیب نہیں، جب عرب کے امراء و اصحاب ثروت ہوا سے باتیں کرنے والی موٹروں پر سرگرم سفر ہوتے ہیں، اسی وقت چیتھڑوں میں لپٹے ہوئے بچوں اور بچیوں کی ایک فوج سامنے آتی ہے، جن کا لباس تار تار ہوتا ہے، جو ایک پیسہ کے لئے ان کی موٹروں کے ساتھ دوڑنے لگتی ہے۔

جب تک عرب ملکوں میں فلک بوس محلوں، بہترین کاروں کے ساتھ ساتھ حقیر جھونپڑیاں اور تنگ و تاریک مکانات نظر آئیں گے، جب تک تخمہ و فاقہ ایک شہر میں شباب پر ہوگا، اس وقت تک کمیونزم کے لئے دروازے کھلے ہوئے ہیں، ہنگامے، جھگڑے ہونا لازمی ہیں، کوئی پروپگنڈا اور طاقت اس کو روک نہیں سکتی، وہاں اگر اسلامی نظام اپنے جمال و اعتدال کے ساتھ قائم نہیں ہوگا تو تغیر بر خداوندی کے طور پر اور ردعمل کے طریقہ پر اس کی جگہ ایک ظالم و جابر نظام کا قائم ہونا ضروری ہے۔"

(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ص ۳۶۲، ۳۶۱)

قومی زندگی میں "صحیح شعور" کی کیا اہمیت ہے؟ اس پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"کسی قوم کے لئے سب سے زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ وہ صحیح شعور سے خالی ہو، ایک ایسی قوم جو ہر طرح کی صلاحیتیں رکھتی ہو، اور دینی و دنیاوی دولتوں سے مالا مال ہو، لیکن اس کو نیک و بد کی تمیز نہ ہو، وہ اپنے دوست و دشمن کو نہ پہچانتی ہو، پچھلے تجربوں سے فائدہ اٹھانے کی، اس میں صلاحیت نہ ہو، اپنے رہنماؤں اور قائدین کا احتساب کرنے کی اور قومی مجرموں کو سزا دینے کی اس میں جرأت نہ ہو، وہ خود غرض رہنماؤں کی چرب زبانی و شیریں کلامی سے مسحور ہو جاتی ہو اور ہر مرتبہ نیا دھوکا کھانے کے لئے تیار رہتی ہو، وہ قوم اپنی تمام دینی ترقیات اور دنیاوی سرفرازیوں کے ساتھ قابل اعتماد نہیں، وہ پیشہ ور اور خود غرض رہنماؤں اور منافق قائدین کا کھلونا بن جاتی ہے، ان کو قوم کی سادہ لوحی اور بے شعوری کی بنا پر من مانی کارروائیاں کرنے کا موقع ملتا ہے، اور ان کو اس کا اطمینان ہوتا ہے کہ کبھی ان کا محاسبہ اور ان سے باز پرس نہیں کی جائے گی۔"

(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ص ۳۴۵، ۳۴۳)

"اس لئے عالم اسلام کی بہت بڑی خدمت یہ ہے کہ اس میں صحیح شعور پیدا کیا جائے، ایسا شعور جو نہ کسی ظلم و ناانصافی کو برداشت کرسکے، نہ دین و اخلاق سے انحراف کو، جو صحیح اور غلط، خلوص اور نفاق، دوست اور دشمن، مصلح اور مفسد کے درمیان آسانی سے تمیز کرسکے، مجرم اس کی ناراضگی اور عتاب سے بچ نہ سکیں اور مخلص اس کے اعتراف اور قدر شناسی سے محروم نہ رہیں، وہ اپنے تمدنی سیاسی، اجتماعی اور دینی مسائل و معاملات میں ایک عاقل و بالغ انسان کی طرح غور کرسکے اور فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، جب تک یہ شعور نہ پیدا ہو کسی اسلامی ملک و قوم کا جوش عمل، صلاحیت کار، دینی جذبات اور مذہبی زندگی کے مظاہر و مناظر کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔" (ایضاً ص ۳۴۴)

حضرت مولانا علی میاں نے اس قدر جو علمی، قلمی، تصنیفی، دعوتی اور اصلاحی کام کیا ہے، قومی اور ملی سطح پر بھی کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں، ملکی اور غیر ملکی اسفار بھی کرتے رہے ہیں، اس میں ان کے انضباط وقت کا دخل رہا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے وقت میں برکت عطا فرمائی تھی، اور یہی وجہ ہے کہ ان کا کام ان کی عمر سے زیادہ نظر آتا ہے۔ ع

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

مختصر

عالمی خبریں

معید اشرف ندوی

● ایک اخباری جائزے کے مطابق بیس سال قبل کناڈا میں آباد مسلمانوں کی تعداد صرف ایک ملین تھی مگر اب ان کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور ان کی تعداد چار ملین تک پہونچ گئی ہے ان مسلمانوں میں اکثریت مہاجرین کی ہے جو کسی دوسرے ملک سے ہجرت کرکے کناڈا منتقل ہوئے ہیں ان کی آمد سے کناڈا میں مساجد اور مدارس کا قیام عمل میں آیا اور وہاں کے لوگ اسلام سے متاثر ہوکر حلقہ بگوش اسلام بھی ہوئے ہیں۔

● اجودھیا کے ہنومان گڑھی کے مہنت اور سنکٹ موچن سینا کے قومی صدر گیان داس نے ایک اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ یہ ملک ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی سب کا ہے آزادی کے لئے سب نے مل کر قربانیاں دی تھیں اور دستور ہند میں سب کو برابر کے حقوق حاصل ہیں، اس ملک کو ٹکڑوں میں بانٹنے کی بہت کوشش کی جا رہی ہے۔ مذہبی مقامات سے متعلق بل اس کی تازہ مثال ہے، بل کی سخت مذمت کرتے ہوئے مہنت جی نے کہا کہ ہندوستان میں سب کو اپنے اپنے انداز سے عبادت گاہیں بنانے اور عبادت کرنے کا پورا اختیار ہے اس پر پابندی لگانا مذہبی آزادی پر شب خون مارنا ہے اور دستور ہند کی خلاف ورزی کرنا ہے انھوں نے یہ بھی کہا کہ میں ہر اس جلسے میں جانے کو تیار ہوں جس میں اس بل کی مخالفت اور مذمت کی جا رہی ہو، اور مدرسوں کو آئی ایس آئی کا اڈہ بتانے والوں کو واضح کرنا چاہئے کہ وہ کون سے مدرسے ہیں جہاں انھیں آئی ایس آئی کے آدمی ملے ہیں، اور اس کے پیچھے کیا ثبوت ہیں اور اب تک کیا کارروائی ہوئی ہے۔ یہ طرز عمل حکومت کو بدنام کرنے والا ہے اگر حکومت نے اپنے رویے میں تبدیلی نہیں کی تو وہ دن دور نہیں ہے جب ہندوستان بھی افغانستان بن جائے گا۔

● یوپی کے وزیر اعلیٰ نے اسمبلی میں ایک تحریری سوال کے جواب میں بتایا کہ .... یکم جنوری ۱۹۹۶ء سے ۳ر اکتوبر ۱۹۹۹ء تک صوبائی وزیروں نے اپنے چائے ناشتوں پر ایک کروڑ ۳۸ لاکھ روپئے سرکاری خزانے سے خرچ کئے ہیں مذکورہ مدت میں نائب وزیروں نے ۸۶ لاکھ ۴۰ ہزار ۷ سو ۴۶ روپئے خرچ کئے جبکہ کیبنٹ وزیروں نے اسی مدت میں ۶۱ لاکھ ۷۲ ہزار ۷ سو ۴۲ روپئے اپنے ناشتے پر صرف کئے۔ (راشٹریہ سہارا دہلی ۲۰۰۰ء)

● لداخ کی سرزمین صدیوں سے اسلام اور بودھ مت کا گہوارہ رہا ہے، اور یہاں کے پہاڑوں اور ہریالی گھاٹیوں میں اذان کی صدائیں بلند ہوتی رہی ہیں۔ لداخ کا رقبہ انتصائے چین سمیت تقریباً ۹۵ ہزار مربع کلومیٹر ہے لیکن صرف ۶۲۰ مربع کلومیٹر کے رقبے میں کھیتی باڑی اور اقتصادی سرگرمیاں ہوتی ہیں، باقی علاقہ پہاڑوں کے سلسلے، دروں اور میدانوں پر مشتمل ہے، بلندی اور کڑاکے کی سردی کی وجہ سے کھیتی باڑی اور انسانی آبادکاری ممکن نہیں ہے، اپنے جغرافیائی خدوخال سے لداخ کو (MOON LAND) "چاند کی سرزمین" MAGIC LAND "جادوئی دیش" اور "دنیا کی چھت" کہا جاتا ہے۔ دو لاکھ کی آبادی میں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب پون فیصد ہے، باقی بدھ مت کے پیروکار ہیں، چند سو عیسائی بھی لداخ میں بستے ہیں۔ (باقی ص ۵ پر)

سوال و جواب

محمد طارق ندوی

س :۔ اوقاف مسجد سے جنازہ کے لئے کپڑا وغیرہ خرید سکتے ہیں یا نہیں ؟

ج :۔ نہیں! اوقاف مسجد سے جنازہ کے لئے کپڑا وغیرہ خریدنا جائز نہیں ہے ؟

س :۔ مسجد کی چٹائی کو لوگ پیر کی ٹھوکر وں سے کھولتے ہیں .ایسا کرنا از روئے شرع کیسا ہے؟

ج :۔ ایسا کرنا احترام کے خلاف ہے ہاتھوں سے مسجد کی چٹائی کھولنا چاہیئے۔ پیر سے کھولنے میں چٹائی کے پھٹ جانے کا بھی اندیشہ ہے۔

س :۔ کپڑے وغیرہ میں اگر نجاست لگ جائے تو کیا اسے پٹرول سے پاک کرسکتے ہیں ؟

ج :۔ ہاں پٹرول سے اسے پاک کرسکتے ہیں۔

س : کیا پلاسٹر پر مسح کرسکتے ہیں یا نہیں؟

ج :۔ وضو اور غسل میں پلاسٹر پر مسح کرسکتے ہیں۔

س :۔ ٹرین وغیرہ کی دیواروں پر تیمم کرسکتے ہیں یا نہیں ؟

ج :۔ ٹرین وغیرہ کی دیواریں عموماً لکڑی، لوہے یا پلاسٹک کی ہوتی ہیں ان پر تیمم نہیں کرسکتے البتہ اگر اس پر گرد و غبار ہو تو اس پر تیمم کرسکتے ہیں

س :۔ اگر کسی شخص نے نماز میں گھڑی دیکھ لی تو اس کا کیا حکم ہے؟

ج :۔ نماز اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا وقت ہے دوسری طرف متوجہ ہونا بالکل مناسب نہیں ہے البتہ اگر کوئی شخص گھڑی دیکھ بھی لے اور سمجھ لے بات نہ کرے تب بھی نماز ہوجائے گی۔

س :۔ کیا تہجد بعد نماز عشاء بھی پڑھی جاسکتی ہے؟

ج :۔ جو شخص آخری شب میں نہ اٹھ سکتا ہو وہ وتر سے پہلے کم از کم چار رکعتیں تہجد کی نیت سے پڑھ لیا کرے انشاء اللہ اس کو ثواب ملے گا. تاہم آخری شب میں اٹھنے کا ثواب بہت زیادہ ہے. اس کی کوشش بھی کرنی چاہیئے۔

س :۔ اگر کسی شخص کا انتقال ہوگیا ہے اور اس کی میت ایک کمرہ میں موجود ہے تو اس جگہ تلاوت قرآن مجید کرسکتے ہیں یا نہیں؟

ج :۔ میت جس کمرے میں ہو اس کے بجائے دوسرے کمرہ میں تلاوت کی جاسکتی ہے البتہ غسل کے بعد میت کے پاس پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

س :۔ بہت سے لوگ ایسے کپڑے پہنتے ہیں جس میں جاندار کی تصویریں ہوتی ہیں ایسے کپڑوں کو پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے ؟

ج :۔ ایسے کپڑوں کا خود استعمال کرنا مکروہ ہے اور اس کی کراہت نماز میں اور زیادہ بڑھ جاتی ہے. لہٰذا ایسے کپڑے پہن کر نماز نہیں پڑھنا چاہیئے.

س : ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کو بغیر الف لام کے سلام علیکم کہا، تو اس طرح الف لام کے حذف کی صورت میں سلام کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے ؟

ج : صورت مسئولہ میں السلام علیکم کہنا زیادہ بہتر ہے۔

س :۔ بت کی قبر تیار ہونے پر پانی چھڑکا جاتا ہے کیا شرعاً یہ درست ہے ؟

ج :۔ ہاں! جب قبر تیار ہوجائے تو اس پر پانی چھڑکنا مستحب ہے اس کی اصل شریعت مطہرہ میں موجود ہے۔

غلاف کعبہ تاریخ کے آئینہ میں

تحریر:۔۔۔۔ رفیق پاشا ریاض ۔۔۔۔ ترجمہ:۔۔۔ صاحب عالم اعظمی ندوی

تیری تعمیر مقدس میں رہا جذب خلیل
پاسبانی کا شرف تیرے محمدؐ کو ملا
تو وہ کعبہ ہے جسے بیت خدا کہتے ہیں
سر تری سمت فرشتوں کے جھکے رہتے ہیں

قرآن مجید سے ثابت ہے کہ خانہ کعبہ وہ عمارت ہے جو اب سے پانچ ہزار چار سو سال پہلے اللہ کے جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسماعیلؑ نے مل کر تعمیر کی تھی، اور یہ بات بھی قرآن مجید سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس گھر کو اہل توحید کے لئے قبلہ بنا دیا جس کی طرف ہم تمام مسلمان مرد و عورت رخ کرکے نماز ادا کرتے ہیں۔

جس طرح خانہ کعبہ کی تاریخ پانچ ہزار سال پر مشتمل ہے ٹھیک اسی طرح غلاف کعبہ کی تاریخ بھی کچھ کم پرانی نہیں ہے۔ یہاں پر ہم اختصار کے ساتھ یہ بیان کریں گے کہ کعبہ پر غلاف چڑھانے کی ابتدا کب ہوئی، غلاف کعبہ کے بارے میں زمانہ قدیم کی تاریخ کا کوئی مرتب اور معتبر ریکارڈ تو موجود نہیں لیکن روایات کے بموجب سب سے پہلے حضرت اسماعیلؑ نے آج سے چار ہزار سال پہلے کعبہ پر غلاف چڑھایا تھا، اس کے بعد سے آج تک خانہ کعبہ کا انتظام جس قبیلہ جس خلیفہ یا جس فرمانروا کے ہاتھوں میں رہا اس نے کعبہ پر غلاف چڑھانے کی روایت کو باقی رکھا اور آج تک الحمد للہ یہ روایت اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چلی آرہی ہے۔

حضورؐ کی بعثت سے صرف دو برس قبل یمن کا بادشاہ اسعد الحمیری وہ پہلا شخص ہے جس نے سرخ رنگ کے دھاری دار یمنی کپڑے (الوصائل) کا مکمل غلاف کعبہ پر چڑھایا، زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ عرب کے مختلف قبیلے اور قبائلی سردار جب زیارت کے لئے آتے تھے تو کعبہ پر لٹکانے کے لئے طرح طرح کے پردے لاتے تھے جن کو کعبہ کی دیواروں پر لٹکا دیا جاتا تھا۔

قدیم زمانے سے یہ دستور بھی چلا آرہا تھا کہ جب حج کے بعد سب حاجی رخصت ہو جاتے تھے تو دس محرم کو کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا تھا، بعد میں دس ذی الحجہ کو غلاف چڑھایا جانے لگا حضرت امیر معاویہؓ کے زمانہ میں دوبارہ ۱۰/ محرم کی روایت چل پڑی بجز اس کے عید الفطر کے موقع پر بھی غلاف چڑھایا جانے لگا۔

ابتدا میں غلاف مختلف رنگوں کے ہوا کرتے تھے، لیکن ہمارے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفید رنگ کا غلاف چڑھوایا حضرت عمر و عثمان رضی اللہ عنہما کے زمانے میں بھی سفید رنگ کا ہی غلاف چڑھایا جاتا تھا، اسی طرح مامون رشید و فاطمی خلفائے بھی سفید رنگ کا ہی غلاف بنوا کر بھیجا پھر سیاہ ریشم کا بنوا کر بھیجا اس کے بعد سے سیاہ غلاف ہی بنوایا جاتا رہا اور آج تک یہی طریقہ جاری ہے۔

اسی طرح ہر سال پرانا غلاف ہٹا دیا جاتا ہے، غلاف کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں کرکے کرنے والے مخصوص لوگوں و اسلامی ملکوں کی بڑی بڑی تنظیموں کو تحفے کے طور پر دے دیا جاتا ہے، حضرت عمرؓ کے زمانے میں غلاف کو ٹکڑوں میں کرکے حاجیوں کے مابین تقسیم کر دیا جاتا تھا یہ حجاج کرام مکہ کی تیز دھوپ سے بچنے کے لئے ان ٹکڑوں کو سائے کے طور پر بھی استعمال کرتے تھے۔

غلاف کعبہ کے چاروں طرف زری کے کام کی پٹی بنانے اور اس پر کعبہ کے متعلق قرآن مجید کی آیات لکھوانے کا سلسلہ سب سے پہلے ۷۶۱ھ میں مصر کے سلطان حسن نے شروع کیا تھا اس کے بعد یہ پٹی لگانے کا طریقہ آج تک چل رہا ہے، اس پٹی پر حسب ذیل آیات لکھی جاتی ہیں، ایک طرف: إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ وَمَن دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ[1]

دوسری طرف: جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَائِدَ ذَٰلِكَ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ۔ (المائدہ ۔ ۹۷)

تیسری طرف: وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ۔ (البقرہ ۔ ۱۲۷۔۱۲۸)

چوتھی جانب فرماں روا کا نام لکھا جاتا ہے

---

[1] آل عمران ۔ ۹۶ ۔ ۹۷۔

جس نے غلاف بنوایا ہو۔

ابتداء میں کعبہ کی آٹھ پٹیاں ہوتی تھیں جو بعد میں (DOUBLE) کردی گئیں، ۱۹۹۱ء میں مزید (یا حی یا قیوم) کا اضافہ کیا گیا۔ غلاف بنانے میں حالیہ قیمت جو خرچ ہوتی ہے وہ ۱۷ ملین سعودی ریال ہے، یہ غلاف ۶۵۸ اسکوائر میٹر ۶۷۰ کلو گرام کا خالص ریشم ہوتا ہے جو کہ ۴۷ ٹکڑوں پر مشتمل جس کا ہر ٹکڑا ۱۴ میٹر لمبا اور ۱۰۱ سینٹی میٹر چوڑا ہوتا ہے، اس کے زردوزی میں ۱۵ کلو خالص سونے کے دھاگے استعمال کئے جاتے ہیں۔

غلاف کعبہ کے چاروں طرف پیٹ کر المونیم کی کھونٹی کے ذریعہ زمین میں گاڑ دیا جاتا ہے۔ عام طور سے غلاف کا نقش تبدیل نہیں کیا جاتا ہے، غلاف کو منقش یوں کیا جاتا ہے کہ خالص ریشم و سونے کی زردوزی کی بنی ہوئی پٹی کو نیچے کے فاصلے سے تین چوتھائی کے قریب سل دیا جاتا ہے، دروازے کے غلاف کا حصہ (جو کعبہ کی دیوار کے شمال و جنوب کی طرف زمین سے ۲۰۱۳ میٹر اوپر ہوتا ہے) علاحدہ علاحدہ گہرے قرآنی آیتوں کے زری کے کام سے (حجر اسود کے رخ کو چھوڑ کر) آراستہ کیا جاتا ہے۔

حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم وحضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے زمانے میں کعبہ پر یمنی کپڑے کا غلاف چڑھاتے تھے، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے زمانے میں مصر سے قباطی (مصری کپڑے) کا غلاف بن کر آنے لگا، بعد میں یہ غلاف کعبہ بغداد، مصر، یمن اور ہر اس جگہ سے بن کر آتا تھا جہاں کے بادشاہ و خلیفہ کی مکہ و حرمین شریفین کی دیکھ بھال کی ذمہ داری ہوتی تھی، جب مصر کے والسرائے محمد علی پاشا نے ترکی سلطنت سے بغاوت کرکے خود مختاری اختیار کرلی تو غلاف کعبہ کی ذمہ داری بھی لے لی، اور ہر سال مصر سے ہی غلاف بن کر جانے لگا، موجودہ صدی کے آغاز تک غلاف کعبہ دنیا کے سیاسی حالات سے غیر متأثر رہا اور جہاں کہیں سے غلاف کعبہ بن کر آتا تھا وہیں سے آتا رہا، لیکن جب جنگ عظیم اول میں ترکی سلطنت جرمنی کے ساتھ شریک جنگ ہوگئی تو اس اندیشے سے کہ انگریز مصر سے بن کر آنے والے غلاف کے راستے میں مانع ہوں گے اس لئے ترکی حکومت نے استنبول سے ایک نہایت شاندار غلاف بنوا کر حجاز ریلوے کے ذریعہ مدینہ بھیج دیا، مگر چونکہ مصر سے عین وقت پر غلاف پہونچ گیا تھا اس لئے ترکی غلاف مدینہ طیبہ میں محفوظ کر دیا گیا۔

جب ۱۹۲۳ء میں شریف حسین مکہ اور حکومت مصر کے تعلقات خراب ہوگئے اور مصری حکومت نے عین حج کے موقع پر جدہ پہنچے ہوئے غلاف کو واپس منگوالیا، خوش قسمتی سے اس وقت وہ ترکی غلاف کام آگیا جو جنگ کے زمانے میں ترکی حکومت نے مدینہ طیبہ بھیج رکھا تھا، اسی سلسلے میں ایک مرتبہ ہندوستان سے بھی ۱۹۸۳ء میں غلاف بنوا کر بھیجا گیا۔

ان تجربات کی بنا پر بادشاہ عبدالعزیزؒ نے ۱۹۲۶ء میں ایک دار الکسوہ قائم کردیا، مولانا داؤد غزنوی و مولانا اسماعیل غزنوی نے دار الکسوہ قائم کرانے میں اہم رول ادا کیا، ابتداء میں اس دار الکسوہ میں ۱۰۰ دستکار سال بھر غلاف تیار کرتے تھے جو سب کے سب ہندوستانی تھے، اگرچہ اس دار الکسوہ میں زری کا کام قرآنی آیتوں کا خط اعلی قسم کا ہوتا تھا لیکن پرانی مشینوں کی وجہ سے وقت بہت لگتا تھا، آخر کار ۱۹۳۶ء میں جدید مشینوں کے نہ ہونے کی وجہ سے دار الکسوہ بند ہوگیا، دوبارہ یہ دار الکسوہ ایک لمبی مدت کے بعد ۱۹۶۲ء میں جدید مشینوں کے ساتھ کھلا اور غلاف بنانے کی جدید و مختلف اسٹائل اپنائی گئی، اور اب تو غلاف بنانے کے لئے اعلیٰ قسم کا ریشم اٹلی و جرمنی سے منگایا جارہا ہے ریشم پر لگے (WAX) و ریشم کو (NATURAL COLOUR) میں لانے کے لئے خاص قسم کے صابن و زیتون کا تیل استعمال کیا جارہا ہے، اس طرح کی خاص دھلائی و رنگائی سے غلاف مکمل (NATURAL COLOUR) میں آجاتا ہے، اسی طرح قرآنی آیتوں کے ڈیزائن بھی اب کمپیوٹر کے ذریعہ کئے جاتے ہیں۔ کمپیوٹرڈ ڈیزائننگ کی وجہ سے کام جلدی اور اچھا ہوتا ہے اور وقت بھی کم لگتا ہے۔

غلاف میں زردوزی کے لئے سونے چاندی کے دھاگے استعمال ہوتے ہیں، اس سال یہ سونے چاندی کے دھاگے اسی سنار نے بنائے ہیں جس سنار نے کعبہ کا دروازہ بنایا تھا۔

روشنی

امین عالم راہی امروہوی

کبھی تو روضۂ اقدس پہ میری حاضری ہوگی
دعا مقبول ہوگی، دور افسردہ دلی ہوگی

یہاں تو میری دنیا میں اندھیرا ہی اندھیرا ہے
وہاں تو روشنی ہی روشنی ہی روشنی ہوگی

میں جب آنکھوں سے اپنی گنبد خضرا کو دیکھوں گا
تو یہ معراج میری زندگی کی واقعی ہوگی

یقیناً ناز ہوگا مجھ کو قسمت کی بلندی پر
مگر اعمال کے پیش نظر گردن جھکی ہوگی

وہ مفلس ہوں کہ سارا دفتر اعمال خالی ہے
مگر وہ رحمت عالم ہیں پرکھا رس بندگی ہوگی

مری آنکھوں کے پیمانوں سے چشمے پھوٹ نکلیں گے
وہ دن بھی آئے گا جس دن وہاں سے واپسی ہوگی

مطالعہ کی میز

تبصرے کیلئے کتابوں کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے!

● محمد شاہد ندوی بارہ بنکوی

● نام کتاب : امنگ
مصنف : زبیر جمپا
صفحات : ۱۵۹، قیمت بچاس ۵۰/ روپئے
ملنے کا پتہ : دار الخیر A/۷ نوائط کالونی بھٹکل ۵۸۱۳۲۰

نوجوان نسل کسی بھی قوم کا اصل سرمایہ ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ کسی قوم کا زوال اس قوم کی نوجوان نسل کی وجہ سے ہوتا ہے، اور کسی قوم کا عروج ان ہی کا مرہون منت تسلیم کیا جاتا ہے اس لئے نوجوانوں کی زندگی کے مسائل اور ان کی ضروریات کا خیال رکھنا بھی اہل علم کی ذمہ داری ہے۔

"امنگ" کے مصنف جناب زبیر جمپا قابل مبارکباد ہیں کہ انھوں نے نوجوانوں کے سامنے آنے والے مسائل کو اپنا موضوع بنایا اور نوجوان ذہن کو سامنے رکھ کر مسائل کا حقیقت پسندانہ تجزیہ کرکے انھیں حل کرنے کیلئے حکمت عملی کی نشاندہی کی ہے۔ موصوف نے اس کتاب میں سیدھی سادی زبان استعمال کی ہے تاکہ نوجوان آسانی سے کچھ رہنمائی حاصل کر سکیں۔

مقدر کا ستارہ، مقاصد کا تعین، قوت فیصلہ، مخالفت کا خوف، وقت انمول نعمت، پیشہ در مسائل کا سرچشمہ، انسان کی عظمت، صلاحیت کا نکھار، ازدواجی زندگی کے اثرات وغیرہ کتاب کے اجمالی عناوین ہیں۔

امید ہے کہ یہ کتاب نوجوانوں میں مقبولیت حاصل کرے گی اور ان کے مسائل کے حل میں معاون ہوگی۔

● نام کتاب : صحابہ کرامؓ کا دعوتی کردار
از : متین طارق باغپتی۔
صفحات : ۷۶، قیمت 20/ روپئے
ملنے کا پتہ : مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز دہلی ۳۰ دعوت نگر ابو الفضل انکلیو جامعہ نگر اوکھلا نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

صحابہ کرام کی ایمانی زندگی ہر مسلمان کے لئے قابل اتباع ہے۔ اس کتاب میں چند صحابہ کرامؓ کے دعوتی کردار کی ایک جھلک پیش کی گئی ہے اس میں تمام مسلمانوں کے لئے بہت کچھ رہنمائی کا سامان موجود ہے، باری تعالیٰ کتاب کو قبول عام بخشے۔

● نام کتاب : تقریبات کا لین دین اور اسکے مفاسد
مؤلف : مولانا عبید اللہ الاسعدی
قیمت درج نہیں۔ صفحات : ۲۴
ملنے کا پتہ : دفتر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ امارت شرعیہ بلڈنگ، پھلواری شریف پٹنہ ۸۰۱۵۰۵۔

اس کتاب میں شریعت کے مطابق شادی بیاہ اور دوسری تقریبات میں لین دین۔ جہیز کی حیثیت اور لڑکیوں کا میراث میں حق وحصہ، اعزہ واقرباء اور پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں عام فہم انداز میں مولانا عبید اللہ الاسعدی صاحب نے روشنی ڈالی ہے۔ یہ کتاب ہر مسلمان کے لئے قابل مطالعہ اور اصلاحی کتاب ہے۔

● نام کتاب : شیئر بازار میں سرمایہ کاری۔
از : ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی
صفحات : ۱۵۶، قیمت : ۶۵/ روپئے
ملنے کا پتہ : ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی پان والی کوٹھی، دودھ پور۔ علی گڑھ۔ ۲۰۲۰۰۱۔

مشترکہ سرمایہ کی پبلک کمپنیوں کی حقیقت نقد تجارت، شیئرز کی قیمتوں میں تغیر کے اسباب اور ان کے غیر موافق اثرات سے تحفظ کے سلسلے میں تفصیل کے ساتھ کتاب میں روشنی ڈالی گئی ہے

● نام کتاب : المنہاج الجدید لدراسۃ العربی۔
(اول۔ دوم) از : محمد صدیق۔ قیمت ۱۵/ روپئے
ملنے کا پتہ : تاضی پبلشرز ڈسٹری بیوٹرز دہلی ۱۳

عربی زبان کو سیکھنے کے لئے "منہاج العربیہ" کے طرز پر آسان زبان میں یہ کتاب تالیف کی گئی ہے مجموعی طور پر یہ کتاب مفید ہے۔

(بقیہ) اسلام میرا صحیح انتخاب

میں بتدریج اسلام کی طرف کھنچا چلا جارہا تھا۔ اسلام کی سچائیاں بڑی سادہ ہیں۔ اور عقیدہ تثلیث کی طرح اس میں الجھاؤ اور پیچیدگیاں نہیں ہیں اسلام اپنے بنیادی عقائد کسی پر زبردستی نہیں ٹھونستا ان پر تدبر وتفکر کرنے اور ایمان لانے سے پہلے انہیں عقل و دانش کی کسوٹی پر پرکھنے کی اجازت دیتا ہے، یہ بنی نوع انسان کے اطمینان کے لئے محض جذبات کا سہارا نہیں لیتا جیسا عموماً بتوں کی پرستش کرنے والے کرتے ہیں۔

اسلام قبول کرنے کا فیصلہ میرا ذاتی تھا جب میں نے والدین کو بتایا تو میری والدہ نے میرے دو ماموؤں کو مجھ سے ملنے (جو پادری تھے) اور مجھے قائل کرنے کے لئے کہا کہ عیسائیت ہی صحیح دین ہے وہ قائل کرنے میں ناکام ہوگئے۔ اور انھوں نے فیصلہ دیا کہ میں نے اسلام کو سوچ سمجھ کر قبول کیا ہے۔ انہوں نے مجھے بطور مسلمان زندگی گزارنے کے لئے چھوڑ دیا۔

میں نے مطالعہ جاری رکھا اور دین اسلام کے بارے میں جوں جوں میرا علم بڑھتا گیا اللہ کی ذات پر میرے ایمان ویقین میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ میں عیسائیت کے بارے میں مزید باخبر ہوگیا کہ اس میں بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لئے کچھ نہیں، چرچ کی عبادات، عیسائی تہوار اور دیگر مذہبی رسومات انسان کی اپنی بنائی ہوئی ہیں، جبکہ اسلام تو مکمل رہنمائی کرتا ہے۔ وہ تو خواتین وحضرات اور اللہ کے درمیان تعلقات، حضرات وخواتین کے آپس میں تعلقات، مردوں کے مردوں اور عورتوں کے عورتوں سے تعلقات سب کے بارے میں ضابطہ حیات دیتا ہے، معاشی سیاسی، تعلیمی، سوشل اور قانونی امور میں بھی مکمل رہنمائی کرتا ہے۔ اسلام ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ نماز کس طرح پڑھنی ہے، کون سا تہوار کیسے منانے ہیں، کون سی باتیں صحیح ہیں اور کون سی غلط، کن جرائم پر کیسا سزائیں دینی ہیں، ریاست کا نظام کیسے قائم کرنا ہے اور حکمراں کس طرح حکومت کریں گے وغیرہ وغیرہ۔

عیسائیت مذہبی عقائد پر تو بڑا زور دیتی ہے مگر سیکولر دنیا کے ساتھ بڑا خوش بھی دکھائی دیتی ہے۔ اسلام میں قوانین بھی ہیں، فرد اور سوسائٹی کی رہنمائی کا نظام بھی۔ اور یہی بات صحیح ہے کہ خالق کائنات نے اپنی مخلوق کو ضابطۂ ہدایت کے بغیر نہیں چھوڑا، قوانین سے لے کر زندگی کے ہر شعبے میں اس کو رہنمائی فراہم کی ہے۔ خالق ہی مخلوق کے بارے میں بہتر جانتا ہے، ہر فرد کسی بھی مشینری کے استعمال کے سلسلہ میں اس کے مینوفیکچرر کی ہدایات پر عمل کرتا ہے، بنی نوع انسان کا خالق اللہ ہے اور اس کی ہدایات پر عمل کرکے ہی انسان مقاصد زندگی حاصل کرسکتا ہے۔ اسلام اللہ تعالیٰ کی رضا کے سامنے تسلیم ہوجانے کا نام ہے، سوسائٹی اسی وقت صحیح کام کرے گی اور پرامن ہوگی جب ہم سب خالق کے سامنے تسلیم ہوجائیں گے۔

میں ایک یہودی نہیں بن سکتا تھا۔ یہودی تو منتخب لوگ ہیں (اسرائیل کے قبیلے جودہ (JUDAH) کی نسل سے) عیسائیت کے بارے میں میں جان گیا تھا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیمات سے بہت دور جاچکی ہے اور اب اس میں بنی نوع انسان کے لئے اللہ کی نہیں انسان ہی کی رہنمائی ہے، میں مطمئن ہوں کہ اسلام کے انتخاب کے سلسلہ میں میرا فیصلہ بالکل درست ہے

(ماہنامہ بیدار ڈائجسٹ اپریل ۲۰۰۰ء)

(بقیہ) درس حدیث

روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا "ایک مرتبہ شدید سردی کی رات میں مجھے غسل جنابت کی (احتلام کی وجہ سے) ضرورت پیش آگئی، یہ غزوہ ذات سلاسل کا واقعہ ہے میں ڈرا کہ اگر غسل کیا تو موت کا خطرہ ہے، چنانچہ تیمم کرکے اپنے ساتھیوں کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی، ہمارے ساتھیوں نے اس کا تذکرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، حضورؐ نے پوچھا عمروؓ! تم نے حالت جنابت میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز پڑھی؟ میں نے آپ سے اپنا عذر بیان کیا اور عرض کیا، میں نے اللہ تعالیٰ کا فرمان سنا ہے: (وَلَا تَقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے اور کچھ فرمایا نہیں۔ (آپ کا مسکرانا جواز پر دلالت کرتا ہے۔)

اسلام میرا صحیح انتخاب

اسلام میں عقیدۂ تثلیث کی طرح پیچیدگیاں نہیں

برطانیہ کے عبدالحق کے قبول اسلام کی ایمان افروز داستان

ترجمہ : ملک احمد سرور

پہلے مجھے لوگ ڈی۔ٹی۔ ایف وونگ کے نام سے بلاتے تھے، جبکہ اب میرا نام عبدالحق ہے۔ میں چینی نژاد ہوں، جبکہ مسلم اکثریتی ملک برونائی دارالسلام میں پیدا ہوا۔ میری عمر ۳۶ برس ہے، تعلیم کے لئے میں ۱۹۷۷ء میں برطانیہ چلا آیا۔ اور اب میں لندن میں مقیم ہوں۔ میری زیادہ تر تعلیم مشنری اسکول میں ہوئی جس کا تعلق چرچ سے تھا۔ کالج میں داخلہ سے پہلے برطانیہ میں دو سال تک ایک عیسائی اسکول میں زیر تعلیم رہا۔

میں ایک پروٹسٹنٹ اینگلی کن گھرانے میں پیدا ہوا جو چرچ کی سرگرمیوں میں فعال تھا۔ اور اب بھی ہے، ایک سیکولر سوسائٹی میں میں نے سیکولر قوانین اور رسوم کو بھی قبول کیا ہوا تھا، ۲۷ سال کی عمر تک میں عیسائی رہا تقریباً ساڑھے نو سال قبل میں نے عیسائیت کو خیرباد کہہ دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اب میں ایک مسلمان ہوں۔

اسلامی تعلیمات کے مطابق کسی فرد کو ہدایت دو طریقوں سے ملتی ہے (۱) اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور توفیق سے۔ اس طریقے میں اللہ تعالیٰ سچائی کو قبول کرنے کے لئے انسان کے قلب و ذہن کو کھول دیتا ہے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت سے انکار کو اقرار میں بدل دیتا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں اور اس کے نیک بندوں کے وعظ و تبلیغ کے ذریعے جو اللہ کی مخلوق انسان کے سامنے توحید کو بیان کرتے ہیں

جہاں تک میرا تعلق ہے، مجھے صرف اللہ کی توفیق سے ہدایت ملی ہے، شاید یہ اس وجہ سے ہوا کہ میں سچائی کی تلاش میں سرگرم تھا مجھے مسلمانوں نے کوئی تبلیغ نہ کی تھی۔

اس وقت میری عمر ۲۳ سال تھی اور میں کالج کے آخری سال میں تھا، جب میرے ذہن میں اللہ تعالیٰ کی ذات کا وہ تصور پیدا ہوا جو میں نے عیسائیت میں کبھی نہ پڑھا تھا۔ میں کمرے میں کھڑا کھڑکی کے باہر دیکھتے ہوئے کائنات کے کچھ مناظر کا مشاہدہ کر رہا تھا، مثلاً آسمان، درخت اور لوگ وغیرہ، اس مشاہدے سے اللہ تعالیٰ کے وجود کے بارے میں میرے اندر ایک مضبوط یقین پیدا ہوا۔ کالج میں میں آرکیٹیکچر کا مطالعہ کر رہا تھا۔ اس لئے جب میں عمارتوں کو دیکھتا تو اچھی طرح جانتا کہ یہ عمارتیں کسی فرد نے ڈیزائن کی اور بنائی ہیں۔ از خود نہیں بنیں تو پھر اتنی بڑی کائنات خود بخود کیسے بن سکتی ہے، دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن اس باقاعدگی سے خود بخود کیسے آسکتے ہیں، اجسام کے اعضاء جس طرح کام کرتے ہیں، یہ از خود ممکن نہیں، کوئی نہ کوئی ہستی ان تمام کاموں کے پیچھے ہے۔ اس سوچ نے میرے یقین کو پختگی دی کہ "خالق کائنات" بھی ہے۔ عیسائیت میں "عقیدۂ تثلیث" ذہنوں میں ٹھونسا جاتا ہے جس کی اکثر عیسائی عالم وضاحت نہیں کرسکتے اور کئی محض اپنی روحانی تسکین کے لئے قبول کرلیتے ہیں۔ اس نکتے پر عیسائیت کے ساتھ میرا کوئی مسئلہ نہ تھا، تاہم اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں یہ نیا تصور میرے لئے ایک نیا تجربہ تھا۔

اگرچہ مسلم ملک میں پیدا ہوا تاہم میں نے اسلام کا کبھی مطالعہ نہیں کیا تھا۔ اس وقت برونائی دارالسلام میں غیر مسلم طلباء اسلامی تعلیم سے مستثنیٰ تھے۔ ایک دن میں ایک مسلمان کی دوکان کے پاس سے گزر رہا تھا کہ دوکان کے اندر جانے کا فیصلہ کیا۔ بغیر کچھ سوچے کہ کیا خریدنا ہے چیزوں کو دیکھنے لگا۔ میری قرآن مجید پر نظر پڑی اور اسے خریدنے کا فیصلہ کرلیا۔ کسی مسلمان سے آپ بات کریں تو وہ آپ کو بتائے گا کہ قرآن بار بار بنی نوع انسان کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ اپنے اردگرد کائنات کو دیکھے اور خالق کائنات پر اپنے یقین کی تصدیق کرلے۔ میرے ذہن میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں جو نیا تصور پیدا ہوا، وہ بالکل ایسے ہی تو ہوا۔ مجھے یقین ہوگیا کہ قرآن اور اسلام میں سچائی ہے، قرآن نے بائبل کے اعتبار اور عقیدۂ تثلیث کی طرف بھی پہلی بار میری سوچوں کا رخ بدلا، میں نے تحقیق اور کتب کا مطالعہ شروع کردیا۔ پادریوں سے عقیدۂ تثلیث اور بائبل کے قابل اعتبار ہونے کے بارے میں سوال کرنے لگا۔ اکثر نے میرے سوالوں کے نہایت مشکل جواب دیئے اور تثلیث کے بارے میں کہا کہ خدا سب کچھ کرسکتا ہے۔

میں نے اسلام میں کسی خامی کو نہ پایا۔ قرآن اور اسلامی کتب سے جو علم مجھے حاصل ہو رہا تھا۔ اس کے میری ذات پر اہم اثرات مرتب ہونے لگے

(باقی ص ۳۰ پر)

Regd. No. LW / NP/ 63 — FORTNIGHTLY — Principal off : 372336
Fax No.: (0522)330020 — Guest House : 323864

MEER-E-HAYAT

NADWATUL-ULAMA, LUCKNOW-226 007 (India) Rs. 6/-

Printed And Published by Athar Husain on behalf of Majlis Sahafat- Wa- Nashriat,

لکھنؤ

تعمیرِ حیات

پندرہ روزہ

اصل معاملہ دل کا ہے

اگر انسان کی فطرت ہی کچھ ایسی ہوگئی ہے کہ اس کی پیاس شربت سے نہیں بجھتی، دودھ سے نہیں بجھتی (جس کو اللہ نے لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِیْنَ کہا ہے) اس کی پیاس ٹھنڈے میٹھے پانی سے نہیں بجھتی (جس کو قرآن مَاءً فُرَاتًا کہتا ہے) اس کی پیاس دجلہ و فرات کے پانی سے نہیں بجھتی بلکہ اس کی پیاس انسان کے خون سے بجھتی ہے، ایسی حالت میں اگر یہ چاند اور دوسرے سیارے جن تک پہونچنے اور وہاں کی آب و ہوا اور وہاں کی سطح اپنے مناسب بنانے میں انسان اپنی ساری توانائیاں صرف کر رہا ہے، یہ چاند مریخ اور دوسرے سیارے زمین پر اتر آئیں، انسان کے قدموں کے نیچے آجائیں اور یہ ساری دنیا جنت کا نمونہ بنادی جائے، لیکن انسان کے دل کی کھیتی خراب رہے اور اس سے خیر پیدا کرنے کی صلاحیت جاتی رہی تو یاد رکھو انسان کی تقدیر میں تباہی ہی تباہی لکھی ہوئی ہے، اس کی حالت کبھی سدھر نہیں سکتی اور یہ دنیا انسانوں ہی کے ہاتھوں پھر جہنم کدہ بن جائے گی۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ
(از:- مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں ص۱۷۱)

۱۰ر جون ۲۰۰۰ء | سالانہ ۱۳۰ر روپے | فی شمارہ ۶ر روپے

درس حدیث

تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں پیش آنے والی مناسبت سے فائدہ اٹھانا

تحریر:- شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ   ترجمہ:- شمس الحق ندوی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سامنے آجانے والے واقعہ سے ربط قائم کرکے جو چیز آپ سمجھانا چاہتے تھے، اور جو علم لوگوں کو سکھانا اور عام کرنا چاہتے تھے اس کو غنیمت جان کر لوگوں کو اس طرح تعلیم دیتے کہ دل ودماغ میں اتر جائے۔

امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انھوں نے کہا کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کے کسی گاؤں سے آتے ہوئے بازار سے گذرے آپ کے دائیں بائیں صحابۂ کرام تھے، اس اثنا میں آپ کا گذر چھوٹے چھوٹے کانوں والے بکری کے ایک مردار بچے کے پاس سے ہوا، آپؐ نے اس کو یا دونوں کان پکڑے پھر فرمایا، تم میں سے اس کو ایک درہم میں کوئی خریدے گا؟ صحابہ کرام نے کہا درہم کیا ہم تو کچھ بھی دے کر اس کو نہ خریدیں گے، ہم اس کو لے کر کریں گے کیا؟ آپؐ نے فرمایا کیا تم چاہتے ہو کہ یہ تم کو مل جائے؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا اگر یہ زندہ ہوتا تب بھی اس کے کان کا چھوٹا ہونا عیب تھا، تو مردہ ہونے کی صورت میں کیا خریدیں گے؟ آپؐ نے فرمایا خدا کی قسم اللہ کے نزدیک دنیا تمہارے لئے اس سے بھی کم قیمت ہے۔"

مسلم وبخاری نے حضرت عمر بن الخطابؓ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قیدی آگئے، اچانک قیدیوں میں ایک عورت بھاگتی دوڑتی نظر آئی اس کے دونوں پستان دودھ سے بھرے ہوئے تھے، اتنے میں اس کو قیدیوں میں ایک بچہ مل گیا جو اسی کا تھا، اس عورت نے اس کو اٹھا لیا، سینے سے چمٹا لیا، اور اس کو دودھ پلایا، یہ منظر دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم یہ تصور کر سکتے ہو کہ یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں ڈالنے پر آمادہ ہو سکتی، ہم لوگوں نے عرض کیا اللہ کے رسولؐ اپنے بس بھر ایسا نہیں کر سکتی، تب آپ نے فرمایا تو یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس ماں سے کہیں زیادہ مہربان ہے۔"

(اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں، اس حدیث میں یہ مثال محض تقریب فہم کے لئے ہے اس لئے کہ عقل انسانی اللہ تعالیٰ کی رحمت کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بچے کے گم ہو جانے کی اس بے قراری اور پھر اس کے مل جانے پر جھپٹ کر سینے سے لگا لینے اور دودھ پلانے کے منظر کو مثال کے طور پر بیان کرکے اللہ تعالیٰ کی رحمت بے کراں کو یاد دلایا تاکہ یہ واضح فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کتنا مہربان ہے۔ آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو اول نہیں بیان فرمایا بلکہ اس مؤثر اور دل کو گداز کرنے والے منظر کو دکھا کر اللہ کی رحمت کا ذکر فرمایا، یہ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت اور اپنی مخلوق کے ساتھ لطف وکرم کی کھلی ہوئی آنکھوں دیکھی مثال تھی جس سے اس کی رحمت دل میں جاگزیں ہو جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے "وَاللّٰهُ رَؤُوْفٌ بِالْعِبَادِ" (بقرہ ۲۰۷) خدا بندوں پر بہت مہربان ہے۔

بخاریؒ نے جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ "ایک رات لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے آپ نے یکایک چودھویں کے چاند کی طرف دیکھا پھر فرمایا: تم لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو اسی طرح دیکھو گے جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو، کوئی بھیڑ بھاڑ اور ازدحام نہ ہوگا، جہاں تک ہو سکے فجر وعصر کی نماز میں تساہلی نہ برتو، پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی "وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ" (ق۔ ۳۹) اور آفتاب کے طلوع ہونے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کے چاند دیکھنے کو غنیمت سمجھا اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دیدار کو بآسانی سمجھا دیا۔ جنت میں بھی مومنین اسی آسانی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے۔

روشنی روشنی روشنی

تابش مہدی

جب حرا سے چلی آخری روشنی
ہر طرف پھیلتی ہی گئی روشنی
آپؐ شمس الضحیٰ آپ بدر الدجیٰ
آپؐ نے سارے عالم کو دی روشنی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پندرہ روزہ — لکھنؤ

تعمیر حیات

مجلس صحافت و نشریات دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۳۷ — شمارہ نمبر ۱۵

۱۰ / جون ۲۰۰۰ء — مطابق — ۷ / ربیع الاول ۱۴۲۱ھ

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ ۱۳۰/- روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں

زر تعاون

سالانہ ——— ۱۳۰/- روپے

فی شمارہ ——— ۶/- روپے

بیرونی ممالک فضائی ڈاک

ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک ۳۰ ڈالر

بیرونی ممالک بحری ڈاک

بحری ڈاک جملہ ۱۵ ڈالر

خط و کتابت کا پتہ

منیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس نمبر ۹۳

ندوۃ العلماء لکھنؤ ۲۲۶۰۰۷ یوپی

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں

گزارش

خط و کتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کے ساتھ مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے۔ منیجر

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے ندیم آفسٹ میں طبع کرکے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا۔

اس شمارے میں

بیرون ملک نمائندے

مدینہ منورہ	RIQUE HASAN ASKARI Sb. Box No 842, a Munawwara (K.S.A.)
برطانیہ	AKRAM NADWI S, St Cross College, Ox1 3TU-U.K.
ساؤتھ افریقہ	YAHYA SALLO NADWI Sb. ox 388, Vereninging,(S.Africa)
قطر	DUL HAI NADWI Sb. x No. 10894, DOHA-QATAR
دبئی	ABDUL HAMEED NADWI Sb. x No 12525, DUBAI (U.A.E) — 3970927
پاکستان	ULLAH Sb. A-50, Near sau Quater 109, Town Ship Kaurangi, CHI-31 (Pakistan)
امریکہ	SIDDQUI Sb. nklin Ave. Woodmere YORK 11598 (U.S.A.)

et Wed-site: http://nadwa.virtualave.net
l address: airp@lw1.vsnl.net.in

اداریہ

(مولانا) سید محمد رابع حسنی ندوی

امتِ مسلمہ اپنی ذمہ داری کو سنبھالے

امتِ اسلامیہ کو دیگر امتوں کے درمیان یہ امتیاز عطا کیا گیا ہے کہ اس کا مقصد حیات خود اسی کے دائرے میں محدود نہیں رکھا گیا بلہ اس کو دیگر امتوں کے مفاد و خیر خواہی کی ذمہ داری بھی سپرد کی گئی ہے اور اس کے اس عالمی اور آفاقی کام میں اس کو حاکم کا مقام ہی نہیں بلکہ اصلاً درنگراں کا مقام دیا گیا ہے، یہی اس کے خیر امت ہونے کا سبب ہے۔ اور اس امت نے جب جب اپنے اس مقام کے مطابق کام کیا ہے اس کے خود اس کی عظمت و برتری اور کامیابی کی شکل میں نکلے ہیں اور دوسری امتوں کو بھی بیش بہا فائدہ پہونچا ہے۔ ان کو انسانیت اور اعلیٰ اقدار کی تشکیل مدد ملی ہے۔ اسلام کے آنے سے قبل دنیا کی متعدد قوموں نے مادی اور تمدنی ترقیات کے بام عروج تک پہونچنے کے باوجود انسانی کردار اور جذبہ ہمدردی کے لحاظ سے نہایت فقر و افلاس کے نمونے پیش کئے تھے، غلاموں اور محکوموں کے ساتھ جانوروں کی طرح معاملہ روا رکھا تھا، عورت کی عزت و حرمت کا استحصال نہایت بے دردی کے ساتھ کیا جاتا تھا، دولتمندی کی حالت میں انتہائی مسرفانہ اور ظالمانہ طرز اختیار کرنے کا معمول تھا۔ دولتمند اور غریب کے درمیان اور حاکم و محکوم کے درمیان اور معزز خاندان اور پست سمجھے جانے والے خاندان کے درمیان زبردست دوری کا رکھا جاتا تھا۔ لیکن جب امت اسلامیہ کے افراد نے اسلامی تعلیمات کو اپنی زندگیوں کے ذریعہ پیش کیا، تو دیگر قوموں کے بہت سے افراد نے اس سے متاثر ہو کر امت اسلامیہ کے حلقہ میں اپنے کو شامل کیا، اور اسلام کی اعلیٰ اقدار کو اپنایا۔ اور جن قوموں نے اسلام کو پوری طرح اختیار نہیں کیا انھوں نے بھی اسلامی اقدار سے متاثر ہو کر اس کی متعدد صفات کو اپنایا اور اپنے اطوار و صفات میں کسی نہ کسی حد تک اصلاح کی، متحدہ اقوام کے چارٹر نے اس صدی میں انسانوں کی مساوات، انسانی عزت کا احترام کرنے کو اپنے چارٹر میں شامل کیا ہے۔ جب کہ آج سے تقریباً پندرہ صدی قبل نبی اسلام نے عالمی اجتماع میں اس کا بہت واضح طریقہ سے اعلان کیا تھا کہ لوگو! تم سب ایک ہی شخص یعنی آدم کی اولاد ہو، لہٰذا تم سب برابر ہو، عرب، عجم، گورے کالے، میں فرق نہیں۔ فرق ہوگا تو کردار و اخلاق کے اچھے اور برے ہونے کا ہوگا۔ جس شخص میں زندگی کی احتیاط اور اپنے مالک و پروردگار کا ڈر زیادہ ہوگا، وہ اس کے مقابلہ میں افضل مانا جائے گا جس میں اس کی کمی ہوگی۔ پھر امت اسلامیہ کے افراد نے اس اعلان پر عمل کر کے دکھایا، جس سے دنیا متاثر ہوئی، اور غلاموں اور غریبوں کو معلوم ہوا کہ وہ بھی انسان ہیں اور انسان ہونے کے ناطے ان کو دوسروں کی طرح عزت اور انسانی زندگی کے سب تقاضات حاصل ہیں۔

یہ مغربی اقوام جن کو تہذیب و تمدن کے لحاظ سے ... آج اعلیٰ نمونہ سمجھا جاتا ہے، یہ اسلام کے چھ سو سالہ تعلیمی و تہذیبی دور کے اثرات سے قبل بڑی جاہلانہ اور ظالمانہ کردار کی حامل رہی ہیں، ان کے معاشرہ میں غریبوں اور مزدوروں سے جانوروں سے بدتر طریقہ سے معاملہ کیا جاتا تھا انھوں نے اپنے اس نئے عہد میں اپنی بہت اصلاح کی ہے۔ لیکن آج بھی ان کے یہاں گورے کالے میں فرق کیا جاتا ہے۔ اور دولتمندی کے شوق میں غریبوں کا بہت استحصال کیا جاتا ہے اور محکوم قوموں کو اپنے فائدے کے لئے مساوات انسانی کے متعدد حقوق سے محروم رکھا جاتا ہے۔ اور دولتمندی کے اظہار و تفاخر کے لئے انسانی ضرورت کی اشیاء کو اسراف و فضول خرچی کے ساتھ استعمال بلکہ برباد کیا جاتا ہے۔ جب کہ انسانی آبادی کے حصوں میں فقر و افلاس سے بے شمار موتیں ہو رہی ہوتی ہیں، موجودہ مغربی تمدن جس نے آج کی دنیا پر اپنا پورا تسلط قائم کر لیا ہے اور اپنی اچھائی و خوبی کی شہرت حاصل کر لی ہے، اپنے غیر مساویانہ طرز زندگی کے ایسے ایسے نمونے پیش کر رہا ہے جس سے انسانیت کانپ اٹھے۔ بلند و بالا

وعالی شان محلوں کے زیر سایہ پھوس اور تپتے ہوئے ٹین کے جھونپڑے جو سردیوں میں سرد ہوا کو اور گرمیوں میں لو کے تھپیڑوں کو اور برسات میں چھت کے سوراخوں سے ٹپکتے ہوئے پانی کو نہ روک سکیں، بڑے بڑے شہروں میں دور دور تک پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں، شہر کے گندے پانی کے نالوں کے دو طرفہ جھونپڑے اور خس پوش چھوٹے چھوٹے مکانات، بمبئی اور کلکتہ جیسے عظیم شہروں میں نظر آتے ہیں، اور انھیں کے پڑوس میں صاف وشفاف سڑکوں کے درمیان عالی شان اور راحت وآسائش اور شاہانہ کروفر رکھنے والے محل نظروں کو خیرہ کرتے ہیں اور اشیاء خورد ونوش عام بازار کے نرخ سے دس پندرہ گنا قیمت دے کر فراوانی سے استعمال کی جا رہی ہوتی ہیں۔ جب کہ پڑوس کے جھونپڑوں میں پیٹ بھرنے کے لئے دو وقت کا کھانا دشواری سے حاصل ہوتا ہے، اور تن کو ڈھکنے کے لئے صحیح لباس فراہم نہیں ہوتا۔ دولت مند اگر جرم میں ماخوذ ہوتا ہے تو اپنی دولت کے سہارے سزا اور پکڑ سے محفوظ رہتا ہے اور کمزور وبے سہارا انسان پولیس کی سختی اور استحصال پسندی کا شکار رہتا ہے۔ امریکہ کے نیویارک شہر میں دولت مندوں کی زندگی اعلیٰ ترین سہولتوں اور حفاظتوں کے ساتھ اور عام آدمی کو سر شام گلیوں میں ایک ڈالر دو ڈالر کے نہ دینے پر چاقو اور پستول کا نشانہ بن جانا پڑتا ہے۔

اسلام نے جو ملت قائم کی اس کو یہ سبق دیا گیا کہ دوسروں کی فکر اپنی فکر سے کم نہ ہو۔ دوسروں کی خیر خواہی اپنی ذات کے ساتھ خیر خواہی سے کم نہ ہو۔ اور اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنے والی مسلمان سوسائٹی نے تاریخ اسلامی میں اس کے بہت سے نمونے پیش کرکے دکھائے، اور یہ تاریخ اسلامی کے مختلف زمانوں میں ہوتا رہا ہے، امت اسلامیہ نے جب جب اپنی ذمہ داری کو نبھایا اس کی طرف سے ایسے نمونے سامنے آتے رہے اور ان نمونوں نے دنیا کے بہت سے باشندوں کو اسلام کی خوبی اور انسانیت نوازی سے متاثر کیا۔ اور انسانی معاشرہ میں اس کی وجہ سے تبدیلیاں آئیں اس کی مثالیں یورپ کی سوسائٹی میں باوجود اس کی بہت سی اخلاقی وانسانی کمزوریوں کے اور برصغیر کی غیر مسلم سوسائٹی میں بھی باوجود اس کی بہت سی کمزوریوں کے اگر غیر متعصبانہ نظر سے دیکھا جائے تو عیاں دیکھی جا سکتی ہیں۔

لیکن افسوس کی بات ہے کہ خود امت مسلمہ کے افراد نے اپنی ملت کی زندگی میں بار بار اسلامی اعلیٰ اقدار کو ترک کرکے دنیا میں رائج چمک دمک والی باتوں کو اختیار کیا جس سے اسلام اور ملت اسلامیہ کی شہرت کو بھی نقصان پہونچا اور دوسری ملتوں کو اسلام سے جو خوبیاں مل سکتی ہیں وہ بھی ان کو حاصل نہیں ہو رہی ہیں اور اس وقت ملت اسلامیہ کے اکثر افراد جو دراصل مغربی تعلیمی نظام کے پروردہ ہیں ملت اسلامیہ کی اعلیٰ قدروں والی زندگی سے دور نظر آتے ہیں۔ ان میں وہ متعدد خرابیاں در آئی ہیں جو ان کے اعلیٰ ملی مقام کے برخلاف ہیں، اس سے غیر مسلم سوسائٹی کو اسلام کا غلط پیغام مل رہا ہے اور درستگی اور انسانیت نوازی کی صفت سے ان کی دوری صاف محسوس کی جا رہی ہے۔

اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے مسلمانوں کو اپنی کوتاہی کو محسوس کرنا چاہئے اور اپنی اصلاح کرنا چاہئے، دراصل دنیا میں اور ہمارے ملک میں بھی حالات کو بہتر بنانے میں کوتاہی کرنے کی ذمہ داری مسلمانوں پر بھی عائد ہوتی ہے۔ یہ اس طرح کہ انھوں نے اسلام کی ہمدردانہ ورہبرانہ خصوصیت کو مسلمانوں کی بڑی تعداد نے اس طرح نظر انداز

کردیا ہے کہ وہ دوسروں کو اچھی صفات کیا
وہ خود انسانیت کے دلنواز اور اثر انگیز
پیش کرنے سے قاصر ثابت ہو رہے ہیں۔ ای
جو غیروں کے دلوں کو کھینچنے والے ہوں او
کے خیر پسند اور انسانیت نواز پہلو کو ظاہر کر
والے ہوں۔ اس صورت حال کی عمومی وج
دو ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہماری مسلمان نسلیں ا
تعلیمی وتربیتی نظام سے گزرتی ہیں جو خدا
اور آخرت فراموش بنانے والا ہے اور یہ
ہو رہا ہے کہ مسلمانوں نے اپنے چھ سو سالہ
کے بعد تعلیم جیسے اہم معاملہ میں بے توجہی
کام لینا شروع کیا۔ جبکہ مغربی قوموں نے م
کی تعلیمی برتری دیکھ کر اس سے سبق لیا او
توجہ بڑھائی جس کے نتیجہ میں صرف چند س
میں وہ بہت آگے بڑھ گئیں اور مسلمان
گئے۔ اور اب مسلمانوں کو انہی کے دسترخوا
خوشہ چینی کرنی پڑی، تعلیم صرف علم ہی نہ
بلکہ وہ اخلاق وکردار اور ذہنیت اور نقط
کا بھی کام کرتی ہے۔ وہ طالب علم کو معلم
میں ڈھالتی ہے، چنانچہ خدا بیزار اور آخ
معلم سے استفادہ کرکے طالب علم خدا
آخرت فراموش بنتا ہے۔ آج ساری
مغربی قوموں کا جو اثر ہے اور ان کا جو
ہے وہ علم کی مختلف شاخوں سے واقف
کرادیتا ہے جس سے انسان کی مادی زند
ترقی وخوشحالی آتی ہے لیکن اخلاق وکرد
انسانیت نواز اور انسانوں کا خیر خواہ
نہیں بناتا یہ دراصل ان کے معلمین اور ن
ہی کا نتیجہ ہے۔ مسلمان جب تک تعلیم کو ا
کی اعلیٰ قدروں اور خدا کے بھیجے ہوئے
کے لائق قدروں کے مطابق نہیں بنائیں
اس سانچہ میں نہیں ڈھل سکتی جو اس کو

ہے اس کے رسولؐ نے دیا ہے۔ آخرت فراموش اصول و ذہن تمام تر توجہ اسی دنیاوی ترقی اور وجاہت اور خود غرضی کا دلدادہ بنائے گا جس میں آدمی کو صرف اپنی ذات کی فکر ہوتی ہے دوسرے کی نہیں ہوتی۔ ایسی تعلیم کا دنیاوی و مادی فائدہ جو ہے اور قوموں کی مادی ترقی جس قدر ہوتی ہے اور اس کے لئے اس کی تعلیم کی جو ضرورت ہے اس سے انکار نہیں لیکن اسی کے ساتھ انسان کو انسان بنانے کا نظم بھی تعلیمی نظام کا جزء ہونا چاہئے۔

موجودہ مسلمانوں کی یہ بہت بڑی ضرورت ہے کہ ان کے تعلیمی و تربیتی نظام کو مضبوط بنایا جائے اور اس کو تمام افراد ملت اسلامیہ میں عام کیا جائے لیکن ان کے نظام تعلیم کو امت اسلامیہ کے اعلیٰ مقاصد و کردار کے لحاظ سے تشکیل دیا جائے۔ تاکہ نئی نسل موجودہ برسر عمل نسل کی جگہ لے تو وہ ان خصوصیات سے آراستہ ہو جو اس کو ساری انسانیت کی خیر خواہ اور قائدانہ کردار رکھنے والی اور کام و مقام کے لحاظ سے نمونہ کی امت بنا سکیں۔

سید ابوالحسن علی ندویؒ کی کیا مثال

● رباب رشیدی

اے چشم تر! سکون کی کیا گفتگو کریں
کس کے حضور آج تجھے رو برو کریں

سید ابوالحسن علی ندویؒ کی کیا مثال
"دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں"

دانشوری بھی جن کی حضوری میں سر بہ خم
لفظوں کو وہ چھوئیں تو انھیں رنگ و بو کریں

علم و عمل میں قوس قزح جیسی کیفیت
اب جستجو کریں بھی تو کیا جستجو کریں

آدابِ زندگی کو شریعت میں ڈھال کر
جو بات بھی کریں اسے با آبرو کریں

اک "صاحب نظر" نے بجا طور پر کہا
اُن سا نہیں۔ تلاش اگر چار سو کریں

محدود ساعتیں ہی گزاری ہیں ان کے پاس
وہ ساعتیں ہی چاکِ نظر کو رفو کریں

نسبت اگر ہے اُن سے تو ایسے ہوں اپنے کام
ماحولِ کائنات کو جو رنگ و بو کریں

اُن کا پیامِ خیر تقاضا ہے وقت کا
اپنا یہ فرض، عام اسے کو بہ کو کریں

افکار کے اُجالے تو محفوظ کر گئے
پھر بے قرار دل کو عبث ہم لہو کریں

اللہ کے کرم کی کوئی انتہا نہیں
مایوس کیوں ہوں کس لئے ہم ہائے ہو کریں

ملت کا پاسباں کوئی پھر آئے گا رباب
لازم یہی ہے خود کو بھی ہم قبلہ رو کریں

(بقیہ)

جامع الکمالات شخصیت کی یاد میں

رکن تھے، ایک بہت بڑا کارنامہ رابطہ ادب اسلامی کا قیام بھی جس میں مولانا نے عرب و ہند کے علماء کو اکٹھا کیا اور سمینار سال میں ایک مرتبہ کبھی ہندوستان میں کبھی بیرون ممالک میں ہوتا رہا۔ اس راقم کو اس میں شرکت کا اور مقالہ پڑھنے کا بارہا موقع نصیب ہوا ہے۔ غرض کوئی ایک وصف ہو تو اسے تحریر کیا جائے۔ اب مولانا اس شعر کی مثال بن گئے ہیں ۔ے

اے مشتاق گئے وعدۂ فردا لیکر
اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رخِ زیبا لیکر

مولانا کی سرگرمی کا ایک میدان ردِ قادیانیت بھی رہا ہے، مولانا نے اپنے اساتذہ اور علماء سے قادیانیت کے خلاف مقالے بھی لکھائے اور ان کا کتابچہ "القادنیۃ والقادیانی" بہت مقبول ہے جو پہلی بار بیداری پریس مالیگاؤں سے شائع ہوا۔ اسی ضرورت کے پیش نظر رد قادیانیت کے لئے مستقل شعبہ قائم کیا تاکہ ایسے علماء پیدا ہوتے رہیں جو قادیانیت کا ہر محاذ پر جواب دے سکیں۔ پچھلے دنوں جب قادیانیت نے سر اٹھایا تو اس کو کچلنے کے لئے ندوہ میں ردقادیانیت پر ایک عالمی کانفرنس طلب کی جس میں دنیا بھر کے علماء نے شرکت کی۔ اور اتفاق رائے سے قادیانیوں کو اسلام سے خارج قرار دیا۔ یہ وہ تاریخی کانفرنس تھی جس میں امام حرم، امام مسجد اقصیٰ جیسے علماء عرب نے شرکت کی، جس کی پوری دنیا کے اخبارات میں گونج سنی گئی اس تاریخی کانفرنس میں یہ راقم بھی شریک تھا۔ ابھی پچھلے برسوں میں ملی کونسل کی سرپرستی میں جو اجتماع دلی میں ہوا۔ اس کی صدارت بھی مولانا نے فرمائی۔ اور پوری جرأت سے حکومت کو یاد دلایا کہ پچاس سال گذر جانے کے بعد مسلمانوں کی حق تلفی اور محرومی کا سلسلہ ختم نہیں ہوا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اب ہمیں آزادی کیلئے دوسرا میدان سر کرنا ہے۔ یہ اجلاس سرنگا پٹنم اور سراج الدولہ کی قیام سے پورے ملک کا دورہ کرتے ہوئے دلی پہنچا تھا ان گوناگوں میدان میں مولانا تاحیات سرگرم رہے ابھی اس ملک کو ان کی سخت ضرورت تھی مگر کھنا و قدر کے مطابق فان ماکنا نحذر قد وقع کا اندیشہ سچ نکلا اور مولانا اللہ کے حضور ملتِ اسلامیہ کو روتا ہوا چھوڑ گئے۔

اُمتِ مُسلمہ کا مستقبل انبیاءؑ کی سیرت سے وابستہ

● حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ۔

انبیاءؑ کی دعوت پر ایمان یا پھر ہلاکت و تباہی

انبیاءؑ کی سیرت جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کبھی تفصیل اور کبھی اجمال کے ساتھ بیان کیا ہے اور بہ تکرار اس کا ذکر کیا ہے، اس کے درمیان ایک ایسا متفقہ نقطہ پایا جاتا ہے جس میں کبھی اختلاف نہیں ہوتا، اور وہ ہے، ان کا تمام رکاوٹوں کے باوجود کامیاب، اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں کامران ہونا، اور اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں یا تو یہ مخالفین ایمان لے آتے اور ان کی دعوت قبول کر لیتے، اور اس کے مخلص فدائی بن جاتے ہیں یا پھر ہلاک اور تباہ و برباد کر دیئے جاتے ہیں۔

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (الانعام: ۴۵)

پھر کٹ گئی جڑ ظالموں کی اور سب تعریف اللہ رب العالمین ہی کے لئے ہے۔

انفرادی اور قومی مصالح کی کوئی قیمت نہیں

جو دعوت، انسانیت کی سعادت و نجات کا مدار ہے، اس کی عند اللہ یہ قیمت ہے کہ اس کے لئے نوامیس فطرت اور قوانین قدرت بھی توڑ دیئے جاتے ہیں، اور اس کے لئے وہ کچھ کیا جاتا ہے، جس کا گمان بھی نہیں ہوتا اور فردی و اجتماعی مصلحتیں یا سیادت و غلبہ کی خواہش اور وہ بے معنی تیاریاں جو نہ خیر کو اٹھاتیں اور نہ شر کو گراتی ہیں، اور ان سے اسلام و انسانیت کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا، اور ان کا شر و فساد اور کفر و فسق کی طاقتوں سے کوئی جھگڑا نہیں، ان کی ساری دوڑ دھوپ اور لڑائی اس کے لئے ہوتی ہے کہ ہونے والے تمام گناہ اور فساد ان کی نگرانی، سرپرستی اور ان کے سایۂ اقتدار میں ہوں جن کا فائدہ انھیں پہونچے تو ایسی انفرادی و اجتماعی کوششوں کی اللہ کے یہاں کوئی قیمت اور مچھر کے پَر کے برابر بھی حیثیت نہیں، اور اللہ کو اس کی کچھ پروا نہیں کہ وہ کس وادی میں مرتی اور کون سا دشمن ان پر غلبہ پاتا ہے، اور ان کا خاتمہ ایسی ہی کوششوں کے مقابلے میں سرکش و جابر اور بے رحم بغاوتیں اٹھ کھڑی ہوتی اور ایسے مشکلات و مسائل سامنے آجاتے ہیں، جن کی ابتدا و انتہا معلوم نہیں ہوتی۔

ایک پھیلا ہوا غلط خیال

آج مسلم قوموں اور عالم اسلامی میں یہ خیال مقبول و مروج ہے اور اس پر سب کا ایمان راسخ ہے کہ سیرت و اخلاق کے مقابلے میں مادی طاقت ہی فیصلہ کن میزان اور معیار ہے، بہت سے اچھے اچھے دینداروں حتیٰ کہ دین کے داعیوں کا بھی یہ نعرہ ہو گیا ہے کہ "مادی طاقت، سب سے پہلے"۔

یہی وہ طریقۂ فکر ہے جس کا ابطال و تردید انبیاء و مرسلین کی سیرت، ان کے ساتھ پیش آنے والے حوادث اور ان کے ہاتھ سے ظاہر ہونے والے عجائب و معجزات، ان پر اللہ کی نصرت، فتح کے انعام اور ان کے دشمنوں سے انتقام میں موجود ہے۔

یہاں ایک بار پھر اپنے رسالہ "ثورۃ فی التفکیر" سے ایک اقتباس مستعار لیتا ہوں۔

"ایک طویل مدت سے ہم اپنی ذات، اپنی قیمت و حیثیت کو (دنیا کے نقشہ میں) مادی "طاقت" "صلاحیت" "وسائل" "خام مواد" "ملکی پیداوار" "عددی طاقت" "جنگی پوزیشن" سے تولنے اور ناپنے کے عادی ہو گئے ہیں، اور ہم کہیں اپنا پلڑا بھاری اور کہیں ہلکا پاتے ہیں اور اس سے خوش یا افسردہ ہوتے ہیں۔

ایک عرصے سے مغرب کی قیادت و سیادت پر ہمارا ایمان سا ہو گیا ہے، اور گویا ہم نے مان لیا ہے کہ یہ تقدیر مبرم، امر محکم، اور اٹل قانون ہے جس میں کوئی تبدیلی اور انقلاب نہیں آ سکتا اور اس طرح وہ قدیم مثل پھر زندہ ہو گئی کہ "اگر تم سے کہا جائے کہ تاتاریوں نے کہیں شکست کھائی تو کبھی اس کو باور نہ کرنا"

ہم اب مغربی اقتدار اور مغرب کی قائدانہ صلاحیت کو چیلنج کرنے کے بارے میں کبھی سوچتے بھی نہیں اور اگر کبھی "علم و تحقیق" سے آنکھ بچا کر اور عقل و فہم کو نظر انداز کر کے سوچتے بھی ہیں تو ہم اپنے وسائل و امکانات، جنگی طاقت، اسلحہ کی پیداوار اور ایٹمی طاقت کی پوزیشن کا جائزہ لیتے ہیں تو ہم کو ناامیدی اور بدفالی گھیر لیتی ہے اور ہمیں یقین ہو جاتا ہے کہ ہم محکومی و غلامی، زندگی کے دھارے سے دور رہنے، مغرب کا دست نگر، اور دو بڑی طاقتوں میں سے کسی ایک سے وابستہ رہنے ہی کے لئے پیدا ہوئے ہیں"۔

(ثورۃ فی التفکیر ۲، ۳)

ایمان و اطاعت مومن کا ہتھیار اور کامیابی کی کنجی

لیکن اللہ نے قرآن میں انبیاءؑ کی سیرت اور ان کے دشمنوں کا جو انجام بتایا اور جس کی ہم نے اپنے مقالے میں کچھ درخشندہ مثالیں پیش کی ہیں وہ اس اندازِ فکر سے پوری طرح ٹکراتی ہیں، اور ہم پر یہ واضح کرتی ہیں کہ کامیابی کا راز اور جن کامیاب ہتھیاروں سے انھوں نے اپنے مخالفین کا مقابلہ کیا اور ان کی چھوٹی سی کمزور جماعت کامیاب اور دنیا کی امامت و ہدایت کے منصب پر فائز ہو گئی وہ "ایمان" "اطاعت" "دعوت الی اللہ" تھی۔

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ (الم سجدہ - ۲۴)

ترجمہ:۔ اور ہم نے ان میں سے امام بنائے جو ہمارے حکم کے مطابق ہدایت کرتے تھے، یہ ان کے صبر اور ہماری آیتوں پر یقین کے سبب ہوا۔

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ وَأَخِيهِ أَن تَبَوَّآ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوتًا وَاجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ (یونس - ۸۷)

ترجمہ:۔ اور ہم نے حضرت موسیٰؑ اور ان کے بھائی کو وحی کی کہ تم دونوں اپنی قوم کو مصر میں بساؤ اور اپنے گھروں کو مسجدوں کی شکل دو۔ اور نماز قائم کرو اور مومنوں کو بشارت دیدیجئے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ (سورۃ محمد، ۷)

ترجمہ:۔ اے وہ جو ایمان لائے ہو اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمادے گا۔

فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَلَن يَتِرَكُمْ أَعْمَالَكُمْ (سورہ محمد - ۳۵)

ترجمہ:۔ تو کمزور نہ پڑو اور امن کی طرف بلاؤ تمہیں غالب رہوگے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ اور تمہارے اعمال میں کٹوتی نہیں کرے گا۔

ان سچے حکیمانہ قصوں کا یہی پیغام اور سبق ہے جو ہمیں انبیاءؑ کی زندگی اور ان کی پاکیزہ سیرت سے ملتا ہے، یہی وہ سیدھا اور صحیح راستہ ہے جس پر بلا استثناء تمام انبیاءؑ چلتے رہے اور قرآن نے جس کے نقوش محفوظ رکھے ہیں،...... کمزور قوموں کے لئے اگر کوئی امید کا راستہ ہو سکتا ہے تو یہی ہو سکتا ہے، اور صاحب دعوت و عقیدہ قوموں کا مستقبل اسی طور طریق سے وابستہ ہے، اور اللہ ہی حق کہتا اور وہی راستہ دکھاتا ہے۔

غیر منقوط نعتِ پاک

احمد عارف گیاوی

رہے سر کو ہر دم ہوائے محمدؐ ملے دردِ دل کو دوائے محمدؐ
دو عالم کی حرص و ہوس سے الگ ہے ہے آسودہ ہر دم گدائے محمدؐ
ہے اسلام اللہ کی راہ محکم اصولِ مکمل کو لائے محمدؐ
الٰہی! ملے کالی کملی کا ٹکڑا مرے کام آئے ردائے محمدؐ
ہے درسِ محمدؐ کہ اللہ ہے واحد صدا آرہی ہے صدائے محمدؐ
کلامِ الٰہی اور اسلام لائے عطائے الٰہی عطائے محمدؐ
رہائی ملے ہم کو درد و الم سے مرے کام آئے لوائے محمدؐ
سرِ لوح و کرسی، رسائی ہوئی ہے گئے لامکاں کو ہمارے محمدؐ
سرور و سکوں دل کو حاصل ہوا ہے حرم سے ہے آئی ہوائے محمدؐ
ہمہ دم، ہر اک لمحہ رحم و کرم ہے عدو کے لئے ہے دعائے محمدؐ
ہو اللہ کے کملی والے دلارے اٹھو، ہم کو دے دو سہارے محمدؐ
ہر اک لمحہ دل سے کر و ورد، احمدؔ
درودِ محمدؐ، سلامِ محمدؐ

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ

ترکی میں قرآن پاک کی توہین پر عذاب الٰہی کا خوفناک تازیانہ

ترکی کے اخبارات میں شائع ہونے والی عبرت انگیز تفصیلات

ترکی میں گذشتہ سال اگست میں آنے والے زلزلے کے حوالے سے بعض ترکی اخبارات میں شائع ہونے والے واقعات انتہائی عبرتناک ہیں تفصیلات کے مطابق ترکی بحریہ کے کسی اڈے میں جو ساحل سمندر سے بالکل متصل تھا، رقص وسرود کی ایک مجلس منعقد ہوئی جس کے شرکا تین ہزار کے لگ بھگ تھے، وہاں ناچنے اور گانے والیوں کی ایک بہت بڑی تعداد نے شرکت کی. اور شراب وکباب کی خوب محفل جمی، ایک فنکشن کے لئے اسرائیل سے خصوصی طور پر یہودی ناچنے اور گانے والی لڑکیاں درآمد کی گئیں جو انتہائی بے حیا تھیں فنکشن میں ۴۰ سے زائد ترکی جنرل شریک تھے، بتایا جاتا ہے کہ اس وقت جبکہ انتہائی بے حیائی اور فحش مناظر پر مبنی مجلس جاری تھی کہ ایک ترکی جنرل نے ایک کیپٹن کے ذریعہ قرآن کریم کا ایک نسخہ منگوایا اور اس سے پڑھنے کو کہا جب اس نے پڑھا تو اس سے اسکی تفسیر پوچھی تو اس نے لاعلمی کا اظہار کیا. اس کے بعد مذکورہ جنرل نے قرآن کریم کے نسخے کو لے لیا اور پھاڑ کر ناچتے ہوئے یہودی اور ترکی لڑکیوں کے پاؤں کے نیچے ڈال دیا ساتھ یہ بھی کہا کہ اس قرآن کو نازل کرنے والا کہاں ہے؟ حالانکہ اس میں یہ بھی ہے کہ ہم نے اس قرآن کو نازل کیا اور ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں، اس قرآن کو اتارنے والا کہاں ہے؟ جو اس کی حفاظت اور اس کا دفاع کرے؟ اسی دوران اس قرآن کریم کو لانے والے کیپٹن پر انتہائی خوف طاری ہوگیا، اچانک وہ تیزی سے بحری اڈے سے باہر آگیا، شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ یہ شخص اس بحری اڈے پر آنے والے عذاب کی ابتدائی لمحات کا چشم دید گواہ بن سکے، اس کے بعد انتہائی عبرت آموز واقعات اور مناظر پیش آئے. بتایا جاتا ہے کہ اچانک ایک خوفناک روشنی نظر آئی جس نے دیکھتے ہی دیکھتے اس پورے علاقے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا. اس کے بعد سمندر پھٹ پڑا اور اس میں سے آگ کے شعلے بلند ہونے لگے. ساتھ ہی لوگوں کی پھٹنے کی خوفناک آوازیں بھی آنے لگیں. اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس پورے بحری اڈے کو اٹھا کر سمندر کے بیچ سے اٹھنے والی خوفناک لہروں کے درمیان پھینک دیا، اس کے بعد دوسرے علاقوں کو بھی زلزلے نے اپنی لپیٹ میں لے لیا، عجیب بات یہ ہے کہ مذکورہ پروگرام میں شریک ترکی، امریکی اور اسرائیلی فوجیوں اور ناچنے گانے والیوں کی لاشوں کا کچھ پتہ نہ چل سکا کہ وہ کہاں گئیں، تمام تر وسائل ہونے کے باوجود اب تک وہ لاشیں سمندر سے باہر نہ آسکیں. قرآن کریم کی بے حرمتی کر کے ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی غیرت کو للکارا تو اللہ تعالیٰ نے انتقام لے لیا، ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا.

اس واقعہ میں اگرچہ حق تعالیٰ نے نہ صرف کل انسانیت کو بلکہ تمام مسلمانوں کو نہایت عبرت آموز سبق دینے کے لئے اپنے ہی زبردست غصہ کا اظہار کیا ہے. جس سے پہلی بات یہ ثابت ہوئی کہ قرآن پاک واقعی اللہ کی چیز ہے اور اللہ ہی کی آسمانی کتاب ہے. کیونکہ اگر یہ اللہ کی چیز اور اس کی آسمانی کتاب نہ ہوتی تو اللہ کو شاید غصہ بھی نہ آتا؟ کیا کسی مصنف یا مؤلف کی کتاب کی بے حرمتی و بے ادبی کرنے پر اللہ تعالیٰ کو غصہ آیا ہے؟ ظاہر ہے انسانی عقل وشعور کے اعتبار سے غصہ اسی کو آتا ہے جس کی چیز ہے. یہ بات نہیں کہ چیز کسی کی خراب و برباد ہو مگر اس پہ غصہ کسی اور کو آئے ! دوسری بات یہ ہے کہ کسی چیز کی جس درجہ شہرت کی بے حرمتی و بے ادبی ہوگی اتنے ہی درجہ و شدت کا اس کو غصہ بھی آئے گا. یہاں پر محفل رقص وسرود میں قرآن پاک کی جس کا اس محفل سے کوئی رابطہ، کوئی واسطہ یا تعلق بھی نہ تھا، جس درجہ سنگین گستاخی اور بے ادبی کا مظاہرہ کیا گیا. اس درجہ پر اللہ کے شدید وسنگین غصہ نے وہ کام دکھایا کہ ہزاروں رقاصاؤں اور عیاشی کرنے والے انسانوں کی نعشوں کا نام ونشان بھی نہ رہا.

(ماہنامہ انوار ختم نبوت لندن. محرم ۱۴۲۱ھ)

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء کا سفر جاپان

اسلامک سنٹر جاپان کی دعوت پر اس کے ایک عالمی سیمینار میں شرکت کیلئے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور پروفیسر ڈاکٹر محمد یونس نگرامی ندوی شعبۂ عربی لکھنؤ یونیورسٹی لکھنؤ ۲۲ مئی ۲۰۰۰ء کو روانہ ہوئے اور ۲ جون ۲۰۰۰ء کو الحمد للہ بخیریت واپسی ہوئی. اس سفر کی تفصیلات انشاء اللہ اگلے شمارہ میں پیش کی جائیں گی.

امانتِ ربّانی کا امینِ کامل

مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ

امانت الٰہی

بزم کائنات اپنی ساری دلفریب زینتوں اور دلکش آرائشوں کے ساتھ سج چکی، طلسم خانۂ فطرت اپنی تمام ندرتوں اور نیرنگیوں کے ساتھ تیار ہو چکا، نگار خانۂ موجودات کا ایک ایک نقش آب و رنگ کی جگمگاہٹ سے چمک اٹھا اس وقت مَاکَانَ وَمَا یَکُوْنُ کا سب سے زیادہ بے بہا سب سے زیادہ عزیز الوجود گوہر "امانت الٰہی" کے نام سے کثرت کے بازار میں پیش ہوا۔ اور وحدت کے خلوت کدہ سے آواز آئی کہ "ہے کوئی جو اس گوہر شرف کا حامل بن سکے؟ ہے کوئی جو اس بارِ امانت کو اٹھا سکے؟ عالم ملکوت میں سناٹا چھا گیا، عالم ناسوت پر لرزہ پڑ گیا پہاڑ تھرتھرائے، سمندر کی موجیں رک گئیں۔ ماہتاب ماند پڑ گیا، آفتاب کی ہمت نے جواب دے دیا، اونچے آسمان نے اپنے دوشِ ناتواں کو اس کا اہل نہ پاکر آنکھیں نیچی کرلیں پھیلی ہوئی زمین اپنے عجز و درماندگی کے احساس سے سمٹ کر رہ گئی، اس وقت ضعیف و ناتواں کمزور و حقیر، ظلوم و جہول خاک کا پتلا آگے بڑھا، اور اپنی ہمت کے بازوؤں کو پھیلا کر یہ بارِ عظیم اپنے سر لے لیا۔

صبح محشر

خاک نژاد آدم کی بے شمار نسلیں پیدا ہوئیں اور رخصت ہوگئیں، پھیلی اور بڑھیں، ابھریں اور مٹیں، یہاں تک کہ عالم عنصریات کی شبِ دراز ختم ہوتی ہے، اور صبح محشر کا طلوع ہو جاتا ہے، کمزور و جلد باز خطا کار و نسیان شعار انسان طلب ہوتا ہے اور اس کا ہر فرد "امانت" کا حساب سمجھانے حاضر ہوتا ہے افراد کی تعداد حد و شمار سے خارج ہے، ریاضی کا ہر عدد سب کی گنتی بتانے سے قاصر ہے، اچھے اور برے فاسق و فاجر مومن و کافر، عالم و جاہل، شاہ و گدا، امیر و فقیر، حکیم و شاعر، عابد و زاہد، ولی و درویش سب ایک ایک کر کے صف در صف حاضر ہو رہے ہیں، لیکن کسی ایک کا بھی نامۂ عمل فطرت کے محاسبہ پر پورا نہیں اترتا، کسی ایک کا بھی دامنِ امانت، خیانت کے داغ سے پاک نظر نہیں آتا کسی ایک کی بھی فردِ اعمال ایسی نہیں جو دعوے کے ساتھ پیش ہو سکے، ہر سمت حسرتیں ندامتیں، پشیمانیاں اور پریشانیاں ہیں، زاریاں اور بے قراریاں، افسردگیاں اور غمگینیاں ہیں انتہا یہ ہے کہ وہ نفوس قدسیہ تک، جو دوسروں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے خلق ہوئے تھے اور جو عرش کا پیام لے کر فرش پر آئے تھے، آج اپنی اپنی حالت میں گرفتار ہیں اور زبانوں پر نفسی نفسی کا وظیفہ جاری ہے۔

گستاخ و چشم انسان اس وقت بھی تمرد و خیرہ سری سے باز نہیں رہتا اور سوال کر بیٹھتا ہے کہ ایسی ناقص ہستیوں کے وجود میں لانے کا کیا ثمرہ تھا۔ جن میں سے کوئی ایک بھی معیار کمال پر پوری نہیں اترتی؟ اس بے شمار انبوہ کو خلعت وجود سے مشرف کرنے کا کچھ بھی حاصل تھا جس کی ایک فرد بھی اپنے مقصد آفرینش کو پورا نہ کر سکی؟ حریم قدس سے آواز آتی ہے کہ دیکھ اے جاہل انسان اور اپنی جہالت کا اقرار کر۔ سن اے نادان آدم زاد اور اپنی نادانی پر شرما۔ یہ پیکر نورانی جو تیرے سامنے عرصۂ محشر میں موجود اپنی ذات کی طرف سے فارغ و مطمئن اور دوسروں کے نجات دلانے کی کوشش میں مصروف و سرگرم نظر آرہا ہے تیری ہی طرح ایک انسان تھا، تیری ہی طرح اس کا خمیر بھی آبِ گِل سے تھا۔ تیری ہی طرح خاک کے ذروں سے اپنے جسد عنصری کی ترکیب رکھتا تھا، لیکن ہمارا عبد کامل تھا۔ ہماری امانت کا پورا امین اور اپنے عہد کو نباہنے والا، قید عناصر میں داخل ہونے سے قبل ہر وقت ہماری حمد و ثنا میں مشغول رہا، تو ہم نے احمد (بہت تعریف کرنے والا) کے نام سے پکارا، اور اس کا صلہ یہ دیا، کہ جب عالم آب و گل میں پابند بنا کر بھیجا، تو اس کا لقب مُحَمَّد (بہت تعریف کیے گئے) رکھا۔ دیکھ لے غافل انسان کہ آج نہ صرف ہم اپنے اس سب سے اچھے اور سب سے پیارے بندہ کو کیا درجہ نصیب کرتے ہیں، بلکہ جس کسی نے اس کی پیروی کی بھی کوشش کی، اس کے لئے بھی آج ہمارے ہاں کیا کیا سرفرازیاں اور سربلندیاں موجود ہیں۔

دنیا کی تاریخ اٹھا کر دیکھ جائیے، حکیموں اور داناؤں کی سوانح حیات پڑھ جائیے، درویشوں اور عالموں کے کارناموں پر نظر کر جائیے حضرات انبیاء علیہم السلام کی دعوتوں سے واقفیت حاصل کرلیجئے، دنیا کی بڑی سے بڑی اصلاح، بڑے

سے بڑے انقلاب، بڑے سے بڑے اجتہاد کا مطالعہ کر جائیے۔ ہر اصلاح، ہر دعوت، ہر تبلیغ کسی نہ کسی ملک کسی نہ کسی قوم، کسی نہ کسی زمانہ کے ساتھ مخصوص و محدود آپ کو ملے گی۔ حضرت مسیحؑ صرف بنی اسرائیل کے گلوں کی بھیڑوں کو بچانے کیلئے آئے تھے، حضرت ہودؑ، حضرت شعیبؑ، حضرت صالحؑ سب کا روئے سخن صرف اپنی اپنی قوم کی جانب تھا۔ دنیا کے اس عالمگیر کلیہ سے اگر کوئی استثناء ہو سکتا ہے، تو وہ محمد عربی (روحی فداہ) کی دعوت و پیام کا تھا، رسول اسلام علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی دعوت کسی ایک ملک، کسی ایک قوم کسی ایک زمانہ کے لئے نہیں، ہر ملک، ہر قوم ہر زمانہ کے لئے ہے، تمدن انسانی کی ہر سطح کے متناسب حالتِ بشری کے ہر درجہ کے لئے موزوں، اور معاشرت قومی کی ہر شان کے شایاں۔

کمال اور ختم نبوت

سیّد المرسلین کا ایک لقب خاتم النّبیین بھی ہے، ختم نبوت کے معنی بالکل واضح ہیں جب ایک پیام اس قدر جامع و مکمل آچکا کہ اب اس میں کسی ترمیم و اضافہ کی گنجائش ہی نہیں باقی، تو کسی جدید پیام کا آنا سرے سے بے معنی ہو جاتا پیام کی ہمہ گیری کے معنی ہی یہ ہیں کہ آئندہ کے لئے سلسلۂ پیامات منقطع۔ عرب کے اُمّی کے لائے ہوئے پیام نے علی الاعلان اپنا دعویٰ ساری دنیا کے سامنے پیش کر دیا، کہ میں ہر امکانی ضرورتِ زندگی کے لئے مکمل ہدایت نامہ ہوں۔ اور آج تک بڑے سے بڑا مخالف بھی اس دعویٰ کو کسی دلیل سے جنبش نہ دے سکا۔

پیام و پیامبر

اس قدر جامع و مکمل پیام کے لئے ضروری تھا کہ اس کے لانے والے کی ذات بھی ہر حیثیت سے کامل و مکمل ہو، اللہ کا بھیجا ہوا پیام، لکھا لکھایا مرتب کتاب کی شکل میں بھی کسی پہاڑ یا درخت پر آسمان سے اتر سکتا تھا، لیکن حکیم مطلق کی مشیّت نے "پیام" اور "پیامبر" دونوں کو ایک دوسرے کے لئے بطور لازم و ملزوم قرار دیا، اور دونوں کو ایک دوسرے کی تصدیق کا ضامن، لیکن ترتیباً پیامبر کا وجود پیام پر مقدم ہے۔ دنیا کا یہ آخری ہادی و رہنما پورے چالیس برس اپنے ہم جنسوں کے درمیان رہ لیا جب جا کر اس پر اس پیام حق نازل ہونا شروع ہوا، اور اس کے بعد تیئس سال کی مدت اور اس نے اپنے ہی جیسے انسانوں کے درمیان گزار دی اس کی پاک و پاکیزہ زندگی اس وقت بھی دشمنوں کے لئے ایک کھلے ہوئے چیلنج کی طرح موجود رہی، کہ کوئی اٹھے اور اس میں عیب نکالے، کوئی بڑھے اور اس پر حرف گیری کرے، ابوجہل اور ابولہب جیسے دشمن اٹھے اور بڑھے، لیکن اس مقدس سیرت، اس پاکیزہ زندگی اور اس پاک معاشرت میں ایک بات بھی قابلِ گرفت نہ پا سکے۔

محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرشتہ بنا کر نہیں بھیجے گئے، کسی دوسرے عالم کی مخلوق کی حیثیت سے نہیں اتارے گئے۔ حوائج بشری سے بے نیاز ہو کر نہیں مبعوث ہوئے، انسان بنا کر بشریت کے تمام اوصاف و لوازم، تمام احتیاجوں اور ضرورتوں کے پابند بنا کر اس ظلمت کدۂ گیتی کو مطلع انوار کرنے کے لئے بھیجے گئے۔ شادیاں آپ نے کیں، ایک نہیں کئی کئی، اولادیں آپ کی متعدد ہوئیں، بعض زندہ رہیں، اور بعض نے حضورؐ کے سامنے وفات پائی دوست بھی حضورؐ کے بہت سے تھے، اور دشمن بھی تھے مخلصین کا بھی ایک گروہ تھا۔ اور منافقین کا بھی، عسرت کا بھی زمانہ گزرا اور خوشحالی کا بھی، لڑائیاں بھی بہت سی ہوئیں، اور امن کا زمانہ بھی گزرا۔ محاربات میں کبھی فتح بھی ہوئی اور کبھی اس کے برعکس خلقت کے ردّ و انکار کا بھی تجربہ فرمایا، اور مقبولیت و مرجعیت کا بھی، غرض انسانی زندگی میں گرم و سرد، نشیب و فراز کے جتنے موقع پیش آسکتے ہیں سب سے ہو کر وہ پاک و طاہر زندگی گزاری، اور اس طرح بے داغ گزری کہ آج محض اس کا مطالعہ سارے عالم کے لئے ایک مستقل درس بن سکتا ہے۔

جامعیّت

حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کی یہ جامعیت صرف اس لئے تھی کہ ہر فرد بشر اس نمونہ کو اپنے پیش نظر رکھے۔ اور جہاں تک اس کا ظرف و بساط اجازت دے انہیں قدموں کے نقش پر چلے۔ گلستانِ دہر میں بارہا روح پرور بہاریں آچکی ہیں لیکن موسم ربیع کا یہ گلدستہ ایسا ہے جو ہر ملک، ہر زمانہ، ہر قوم کے مشامِ جاں کو معطر رکھے گا۔ آج دنیا کی سب سے بڑی شامت یہی ہے کہ اس نے سب سے زیادہ کامل و مکمل نمونہ کی طرف سے قطع نظر کر لی، غیروں کا ذکر نہیں، خود ہم کلمہ گویان اسلام کی بدبختی یہی ہے کہ ہم نے آفتاب ہدایت کی طرف سے آنکھیں بند کر کے اپنے تئیں یا تو اندھیرے میں ڈال رکھا ہے، اور یا اگر روشنی کی طلب ہے بھی تو ٹمٹماتے ہوئے چراغوں اور لالٹینوں پر قناعت ہے،

ہم میں سے آج کتنے بدبخت مسلمان ایسے ہیں جو خوبی و کمال کا معیار یورپ کے طور و طریق کو سمجھ رہے ہیں، قومی تعلیم اس لئے ضروری ہے کہ یورپ میں اس کا رواج ہے، معاشرت کو اعلیٰ معیار پر اس لئے لانا چاہیئے کہ یورپ کا طرز یہی ہے

ر دخواری اس لئے بہتر ہے کہ یورپ اسی
یہ سے ترقی کر رہا ہے، یہ ہمارے دماغوں کا
ـعام طرز استدلال ہوگیا ہے اس سے اُتر کر
لبقہ ہے جو مذہبی سمجھا جاتا ہے ان بے چاروں
شامت یہ ہے کہ بجائے سرکار رسالت سے
ناب فیض کرنے کے، انھوں نے ساری جستجو
نگ ودو محض کسی عالم یا درویش تک محدود
رکھی ہے، حالانکہ کوئی اُمتی کتنا ہی بلند پایا
ظاہر ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین
رک کے برابر بھی نہیں ہوسکتا۔

اگر آج ہم اس بڑے "امین" کے نقش قدم
چلتے ہوتے تو ہم میں خیانت و بد دیانتی کا گزر نہ
نا، اگر آج ہم اس ... "رحیم" کے پیرو ہوتے،
ہمارے دلوں میں ایک دوسرے کی جانب سے
اعتمادی و بدگمانی نہ ہوتی، اگر آج ہم نے
ا غارِ حرا کے بیٹھنے والے کے آثارِ مبارک کو اپنا
ر چشم بنایا ہوتا تو ہمارے باطن میں کسی قسم کی گندگی
نہ رہ جاتی، ... ر آج ہم فاتح بدر کی عظمت
سے کرنے والے ہوتے تو مخالفین کے مقابلہ
ہمیں شکستیں نصیب نہ ہوتیں، اگر آج ہم
للعالمین کے پیام پر سچے دل سے ایمان
لے ہوتے، تو اپنی جیسی مخلوقات کے ساتھ
بیگانگی و مخالفت نہ ہوتی، اگر آج اپنے
ہونے والے، اور سچ کے برتنے والے ہی
طریقہ پر قائم ہوتے تو جھوٹ کا ہماری
یوں میں نام و نشان ہی نہ ہوتا۔ اگر آج ہم کو
م پاک احمدؐ کی لاج ہوتی تو اللہ کی
ـمد و ثنا سے ہمیں اس قدر گریز نہ ہوتا،
آج ہم کو اسم گرامی محمدؐ سے عملاً کوئی واسطہ
نا تو اپنی موجودہ پستی و بدنامی سے یہ مراحل
ر ہوتے، آج جبکہ سارے ملک میں
اد مبارک کی محفلیں آراستہ ہو رہی ہیں

گی، کیا یہ بہتر نہ ہوگا۔ ان کے ساتھ ساتھ ہم اپنے خلوت خانۂ قلب میں بھی کچھ دیر کے لئے ذکرِ پیمبر و یادِ رسولؐ کی محفل گرم کریں!

(ذکر رسولؐ)

> وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
> غبارِ راہ کو بخشا فروغ وادیٔ سینا
> نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
> وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ
>
> علامہ اقبالؔ

(بقیہ) مطالعہ کی میز پر

احاطہ کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ دن نکالنے کا آسان طریقہ بھی درج ہے۔

یہ کتاب اور چارٹ مدارس عربیہ میں تواریخ پڑھنے اور پڑھانے والوں اور اسلامی ریسرچ اسکالروں کے لئے بہت مفید ہے

نوٹ:۔ ضخامت کو دیکھتے ہوئے کتاب کی قیمت زیادہ ہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

والدہ صاحبہ کے تربیتی خطوط اور دعاؤں کی روشنی میں

● مولانا سید محمد واضح رشید ندوی

دل کی گہرائیوں سے نکلے سچے جذبات واحساسات کا جیسا اظہار خطوط میں ہوتا ہے، وہ دوسری تحریروں میں کم ہوتا ہے۔ خطوط میں بے تکلفی اور بے ساختگی اور تعبیر کی سچائی، کامل طور پر پائی جاتی ہے، اس میں بھی ماں باپ کے خطوط امتیازی حیثیت رکھتے ہیں جو وہ اپنی اولاد کو لکھتے ہیں، جس میں بچہ کے ذہن کی پوری رعایت رکھی جاتی ہے، اور بچہ کی ذہنی وفکری ترقی کے ساتھ یہ اسلوب بھی اسکے مطابق بلند ہوتا چلا جاتا ہے۔ علوم ومعارف، حکایتوں قصوں، اور مثالوں سے یہ مزین ہوتے ہیں۔ ان خطوط میں زندگی کے متعلق ہدایات، مسرت اور رنج کا بیان، انعام ومحرومی کا ذکر، حوادث وواقعات کا تذکرہ، اور جو کچھ گھر میں بھلا برا، مفید اور غیر مفید پیش آتا ہے، اور زندگی کے جو مسائل ہوتے ہیں ان سب کا بے تکلف بیان ہوتا ہے۔ پھر یہ خطوط قاری پر دو قسم کے خاص اثر ڈالتے ہیں، ایک تو یہ کہ قاری کے اندر خوشی کے جذبات موجزن ہوتے ہیں، دوسرا اس کے برعکس تاثر غم یہ ہوتا ہے۔

چنانچہ علماء ومشائخ، قائدین وعمائدین کے تذکرے ان ماؤں کے ذکر کے بغیر ادھورے رہتے ہیں، جن کا ان کی تربیت اور نشو ونما میں اہم کردار رہا ہے اور ان کی شخصیت سازی میں اہم عنصر رہا۔ ماں کی مامتا اور شفقت، اس وقت کام آتی ہے جب باپ اپنی تمام تر کوششوں کو بے اثر دیکھ رہا ہوتا ہے۔ ہو تو ماں کی محبت اور تڑپ اپنا کام دکھاتی ہے...... اس لئے بڑی شخصیات کی شخصیت سازی کا اہم اور بنیادی سبب تلاش کرنے پر وہی عنصر نمایاں نظر آتا ہے جو ماں کے نصائح اور توجیہات سے متعلق ہے حالانکہ یہ نصائح اور توجیہات استاد، مرشد ومربی کی نصائح وارشادات سے مختلف اور الگ ہیں لیکن دل کی تپش اور آنسوؤں کی تاثیر دل کو زخمی کرکے قاری کو بیخود بنادیتی ہے۔ اسی چیز نے خطوط کی اس قسم کو ادبی حلاوت اور فنی جمال کا رنگ دے کر، ادب کی اہم قسم بنادیا۔

مخدومی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نور اللہ مرقدہٗ کی تربیت اور ان کی شخصیت سازی کے بنیادی عناصر وعوامل میں جہاں ان کے ماہرین فن اساتذہ، اور بلند پایہ مشفق مربیوں اور مشائخ کرام پر نظر جاتی ہے جن کی زمانہ اور اس کے حالات اور تقاضوں پر نظر تھی اور جو مزاج شناس اور نباض تھے، وہیں ان کی والدہ ماجدہ کی دعائیں اور تربیت وارشاد اہم عنصر ہے جنہوں نے ابتدائے طفولیت سے لے کر زمانۂ طالب علمی اور جوانی تک پوری نگہداشت رکھی اور فکر کی اور دعاؤں کو اپنا لازمی اور بڑا وظیفہ بنایا اور خطوط کے ذریعہ وقتاً فوقتاً جھنجھوڑتی اور زندگی میں انقلاب برپا کردینے والے جملوں کا استعمال کرتیں، چونکہ وہ شاعرہ بھی تھیں اور قادر الکلام تھیں مناجات کہتیں اور اس سے ہدایات ورہنمائی کا وہ کام لیتیں، جو ایک واعظ اور مصلح اپنے وعظ وبیان سے کم ہی پاتا ہے، والدہ ماجدہ کی آہ سحر گاہی اور نالۂ نیم شبی تھا کہ جس نے ان کو ان بلند اوصاف وکردار کا حامل بنایا جس کے حامل کم ہی ہوتے ہیں۔

یہ شب بیدار اور برگزیدہ خاتون مخدومہ سیدہ خیر النساء بہتر صاحبہ بنت مصلح کبیر حضرت شاہ ضیاء النبی حسنی رائے بریلوی ہیں۔ دائرہ حضرت شاہ علم اللہؒ میں ۱۸۷۸ء میں پیدا ہوئیں اور ایک خاص علمی، دینی، روحانی ماحول میں پروان چڑھیں، یہ اس خاندان کی بیٹی تھیں، جو ایک چھوٹا خاندان ہونے کے باوجود شعراء، ادباء، مصلحین اور علماء ومشائخ کی جماعت ہر زمانہ کو دیتا رہا ہے، اس نامور خاندان کے بزرگوں کی میراث، آپ میں مجموعی طور پر منتقل ہوئی جس نے آپ کی مناجات اور شعر ونثر کی کتابوں میں وہ بلا کی تاثیر اور کشش پیدا کی جس سے آپ کی مناجاتوں اور کتابوں کو بڑی قبولیت حاصل ہوئی، آپ کو قرآن کریم سے والہانہ تعلق تھا، اپنے ذوق وشوق سے قرآن مجید پورا یاد کرلیا، تلاوت کا خاص معمول تھا، بہنیں اور سہیلیاں حفظ قرآن کریم کی دولت سے بہرہ ور تھیں۔

تلاوت قرآن کریم، اور دعاؤں ومناجات نے ان کے دینی جذبات واحساسات اور اللہ کی طرف رجوع اور انابت میں جوش پیدا کیا، اسی آیت کریمہ سے...... خاص مناسبت من جانب اللہ ہوئی۔ وہ یہ ہے:-

"وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ، أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ، فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي، وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ"

(سورۃ البقرۃ الآیہ ۱۸۶)

خود فرمائی تھیں، اس آیت کریمہ کو ہم نے
بار بار پڑھا، دعاؤں میں آپ کا انہماک اور اشتغال بڑھتا
چلا گیا، اور اس کے نتیجہ میں اللہ کے وعدہ اور
اس کی نصرت و تائید اور توفیق پر آپ کا یقین
بڑھتا چلا گیا، دعا سے آپ کا ایمان و یقین اتنا
ہو گیا کہ یہ اعتقاد کامل طور پر پیدا ہو گیا کہ کوئی بھی
معمولی ہو یا غیر معمولی، اس کو انسان اپنی دعا کے
ذریعہ حاصل کر سکتا ہے، یہی وجہ تھی کہ انھوں نے
اپنی اولاد کو دعاؤں کا عادی بنایا، اور یہ دعا تو
خاص طور پر یاد کرائی۔ "اللھم اتنی بفضلك
افضل ما تؤتی عبادك الصالحین" انھوں نے
اپنے فرزند حضرت مولانا علی میاں صاحب قدس سرہ
کو تاکید فرمایا کہ جب بھی کوئی تحریر لکھو بسم اللہ
الرحمن الرحیم کے بعد یہ دعا لکھا کرو۔ حضرت مولانا
قدس سرہ فرماتے تھے کہ یہ معمول ہمارا لکھتے وقت
رہا اور یوں بھی دعا کرتے وقت اکثر یہ دعا
زبان پر آجاتی تھی۔

دعائیں خوب آپ کو یاد تھیں اور بزرگوں
کے واقعات اور حکایتیں ذہن نشین تھیں، جن
سے وہ ارشاد و تربیت میں کام لیتی تھیں، اور
معاشرے پر گہری نظر رکھتیں، مشورے دیتیں،
اور خود بھی شرکت فرماتیں، چنانچہ سلائی، پکائی،
کھانا، تمام امور مہارت اور سلیقہ کے ساتھ
انجام دیتیں، اور یہ مصروفیات کبھی بھی ذکر و تلاوت
اور دعا و مناجات میں مانع اور حارج نہ بنیں،
دینی ذوق اور تربیتی مزاج، جو کہ ایک خاندانی
خصوصیت اور امتیاز رہا ہے، ان میں منتقل ہوا
تھا جس کو انھوں نے اپنی خوبیوں سے اور جلا
دیا، نظم و نثر دونوں میں اچھی قدرت رکھتی تھیں،
دلی کیفیات اور دینی جذبات کو نظم میں ڈھالتیں،
اور ان توقعات و آرزوؤں کو بھی نظم کرتیں جو انھوں
نے اپنے فرزند گرامی سے باندھ رکھی تھیں، چونکہ وہ
ایک درد مند اور فکرمند خاتون تھیں، اس لئے
وہ ایک لڑکی کو مثالی عورت دیکھنا چاہتی تھیں
جو شوہر کے لئے باعث راحت و سکون بنے،
اور بیٹے کے لئے محبت نچھاور کرنے والی اور
اس کے ساتھ اس کی تربیت سے غفلت نہ برتنے
والی ماں بنے، اور اپنی حد تک گھریلو معاشرہ کو
صحیح اسلامی معاشرہ میں ڈھال دینے والی خاتون
بنے، اس کے لئے کتابیں بھی لکھیں۔ "حسن معاشرت"
اور "ذائقہ" کو نثر میں اور نظم میں "کلید باب رحمت"
کو بڑی مقبولیت ملی۔

ادب و تربیت دونوں اعتبار سے آپ
کے خطوط میں وہ دینی جذبہ اور حکیمانہ اسلوب
ملتا ہے جو اثر ڈالے بغیر نہیں رہ سکتا، اس میں
زندگی ہے، تحریک ہے، حساسیت ہے اور
درد و سوز ہے، دنیا کا وصف بھی اور اس کے
کھوٹ کا اظہار بھی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ
زمانہ کی خرابیوں اور فتنوں سے کس باریک بینی
سے واقف تھیں اور ایک نوخیز کے جذبات کو
سمجھنے میں کس درجہ حساس تھیں، ان خطوط میں
جو انھوں نے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے لکھنؤ
میں تعلیم کے دوران لکھے تھے، جہاں نرمی، گرمی،
صراحت اور کنایہ نظر آئے گا وہیں کبھی جلالی لہجہ
اور کبھی طاقتور اسلوب میں واقعات، مثالوں
کے ذکر کے ساتھ مخاطب ہوتی ملیں گی، یہ خطوط
ان سخت حالات میں تحریر کئے گئے ہیں جب ان
کے عظیم المرتبت شوہر مولانا حکیم سید عبد الحی
صاحب حسنیؒ کا حادثۂ ارتحال پیش آیا تھا اور
مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی عمر صرف نو سال کی تھی،
ایسے حالات میں ایک ہوشمند اور غیور و باحمیت
خاتون کو جو کرنا چاہئے تھا اس سے زیادہ وہ
کرتی نظر آتی ہیں، انھوں نے اپنی ذمہ داری محسوس
کی اس کا کچھ اندازہ ان کے خطوط سے کیا جا سکتا
ہے جو محفوظ رہ گئے، ایک خط میں جب انھوں
نے مولانا کا انگریزی کی طرف رجحان کو زور پکڑتے
دیکھا تو تحریر کیا۔

"مجھے تو انگریزی سے بالکل انسیت نہیں،
بلکہ نفرت ہے، مگر تمہاری خوشی منظور ہے،
علی! دنیا کی حالت نہایت خطرناک ہے،
اس وقت عربی حاصل کرنے والوں کا
عقیدہ ٹھیک نہیں، تو انگریزی والوں
سے کیا امید؟ ..... علی! اگر میرے
سو اولادیں ہوتیں تو سب کو میں یہی
تعلیم دیتی، اب تم ہی ہو اللہ تعالیٰ میری
خوش نیتی کا پھل دے، کہ تم سو کی خوبیاں
تم سے حاصل ہوں، اور میں دارین میں
سرخ رو، نیک نام اور صاحب اولاد
کہلاؤں، آمین ثم آمین"۔

انگریزی سیکھنے کا اور اسکول میں پڑھنے
کا جذبہ، مولانا رحمۃ اللہ علیہ پر اس وقت طاری
ہوا تھا جب مغربی تہذیب اپنے عروج پر تھی،
برٹش اقتدار تھا، اور یہی تعلیم بڑے دنیوی عہدوں
اور مناصب پر فائز ہونے کے لئے ضروری سمجھی
جاتی تھی، اور اسی میں مہارت اور کمال کو ترقی
اور مستقبل کی تابناکی کے لئے ضروری سمجھا جاتا
تھا۔ اور اکثر افراد خاندان اسی کی طرف مائل تھے،
مولانا چونکہ ایک بڑے ذہین طالب علم تھے وہ
اس رجحان سے متاثر ہوئے، اور اتنے کہ
انگریزی سیکھنے کا ان پر زبردست جذبہ طاری
ہوا، اس خبر سے والدہ صاحبہ کی نیند اڑ گئی، کہ
کہیں نئے تہذیبی و ثقافتی دھارے کی زد میں
یہ نہ آجائیں، اور عصری تقاضے دینی تقاضوں پر
غلبہ نہ پالیں، خود مولانا تحریر فرماتے ہیں۔

"ایک زمانہ میں میری طبیعت دینی تعلیم
سے کچھ اچاٹ سی ہونے لگی اور انگریزی

تعلیم حاصل کرنے اور سرکاری امتحانات دینے کا دورہ سا پڑا، بھائی صاحب نے کسی خط میں، یا رائے بریلی کے کسی سفر میں، والدہ صاحبہ سے میرے اس نئے رجحان کی شکایت کی، اس پر انھوں نے میرے نام جو خط لکھا اس سے ان کے دلی خیالات، جذبات اور ان کی قوت ایمانی اور دین سے محبت و عشق کا اندازہ ہوتا ہے"۔

دینی علم، اور دنیوی علم کے سلسلہ میں ان کی غیرت و حمیت کا کچھ اندازہ ان کے خط کے ایک اقتباس سے بڑی حد تک ہو سکتا ہے، وہ ملاحظہ ہو:

"علی! اگر لوگوں کا عقیدہ ہے کہ انگریزی والے مرتبے حاصل کر رہے ہیں کہ کوئی ڈپٹی، اور کوئی جج، کم از کم وکیل اور بیرسٹر ہونا تو ضروری ہے، مگر میں بالکل اس کے خلاف ہوں، میں انگریزی والوں کو جاہل، اور اس کے علم کو بے سود اور بالکل بے کار سمجھتی ہوں۔

علی! تم کسی کے کہنے میں نہ آنا، اگر خدا کی رضامندی حاصل کرنا چاہتے ہو، اور میرے حقوق ادا کرنا چاہتے ہو تو ان سبھوں پر نظر کرو، جنہوں نے علم دین حاصل کرنے میں عمر گذار دی ان کے مرتبے کیا تھے، شاہ ولی اللہ صاحبؒ، شاہ عبدالعزیز صاحبؒ، شاہ عبدالقادر صاحبؒ، مولوی ابراہیم صاحبؒ، اور تمہارے بزرگوں میں خواجہ احمد صاحبؒ اور مولوی سید محمد امین صاحبؒ مرحوم جن کی زندگی اور موت قابل رشک ہوئی، کس شان و شوکت کے ساتھ دنیا برتی اور کیسی کیسی خوبیوں کے ساتھ رحلت فرمائی"۔

مزید لکھتی ہیں:۔

"میں خدا سے ہر وقت دعا کرتی ہوں کہ وہ تم میں ہمت اور شوق دے، اور خوبیاں حاصل کرنے کی اور تمام فرائض ادا کرنے کی توفیق دے۔ آمین"۔

ساری نصیحتوں کے بعد اس عمل پر انعام کا ذکر کرتے ہوئے خط کو یوں ختم کرتی ہیں:۔

"بہت جلد خیریت کی اطلاع دو، اور اگر دیر کرو گے تو میں سمجھوں گی کہ میری نصیحت تمہیں ناگوار ہوئی، انشاء اللہ تعالیٰ رمضان شریف میں تم سے وعظ کہلاؤں گی، اللہ تعالیٰ میری خواہش سے زیادہ تمہیں توفیق دے کہنے کی، اور تمہارا کلام پر اثر اور خدا کی خوشی و رضامندی کے قابل ہو۔ آمین۔ اللھم اننی بفضلك افضل ما تؤتی عبادك الصالحین۔ تم خدا کی رحمت سے تیار رہو، تم نے وعدہ بھی کیا ہے"۔

ایک مکتوب میں تعلیم میں انہماک، جفاکشی اور قدیم طالبعلمانہ صفات کی تلقین کرتے ہوئے لکھتی ہیں:۔

"تمام باتوں کا شوق بے کار سمجھو، فضول مزاج والوں سے دلچسپی نہ رکھو، طالب علموں کو صرف پڑھنا چاہئے، کپڑے پھٹے ہوں یا جوتا، کچھ شرم کی بات نہیں، بلکہ فخر کرنا چاہئے یہ حالت فلاح و بہبودی کا باعث ہوتی ہے، انھیں تکلیفوں میں علم کی قدر ہوتی ہے، عقلمند اور خوش نصیب وہ ہے، جو نایاب چیز حاصل کرے، وہ کیا ہے؟ شریعت کی پابندی۔

اس وقت کا علم عام ہے، اور ہر کسی کو میسر ہے، دو چار کتابیں لے لیں بس قابل ہو گئے، ہزاروں خطرے پیش نظر رہتے ہیں، یہ خط اگر دل چاہے غور سے دیکھنا اور اکثر اس پر نظر ڈالتے رہنا"۔

ایک مکتوب میں بزرگوں کے طریقہ کی طرف متوجہ کرتی ہوئی لکھتی ہیں:۔

"..... اور جہاں تک ممکن ہو ائمہ علماء کی سی لیاقت پیدا کرو، وہی معلومات حاصل کرو کہ کوئی بات شریعت کے خلاف نہ ہو، اور تمام مسئلوں سے بخوبی واقف ہو جاؤ، اس وقت اسی علم کی ضرورت ہے، اس وقت کے علماء کچھ نہیں جانتے اور فتنے پیدا کرتے ہیں، میری دلی تمنا ہے کہ تم علم میں وہ مرتبہ حاصل کرو جو بڑے بڑے علماء نے حاصل کیا، جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترس رہی ہیں، کان مشتاق ہیں، دل شوق میں ٹوٹا جاتا ہے، علی! اس سے زیادہ کوئی خواہش نہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی ہوں کہ وہ تمہیں تمام خوبیاں عطا کرے کہ جو اس کی رضا کا باعث ہوں۔ وہی وقت آجائے۔ آمین"۔

کاروان زندگی کے کچھ اقتباسات میں حضرت اس امید پر چھوڑا جاتا ہے کہ آپ تمام حضرات اس کتاب کا مطالعہ فرما چکے ہوں گے۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ خود اپنی والدہ صاحبہ کی تربیت اور نگرانی کا حال بیان فرماتے لکھتے ہیں:۔

"گھر میں کسی بڑے مرد کے نہ ہونے کی وجہ سے والدہ صاحبہ ہی میری نگرانی، اخلاقی و دینی تربیت کی ذمہ دار تھیں، مجھے قرآن مجید کی بڑی بڑی سورتیں انھوں نے اسی زمانہ میں یاد کرائیں، باوجود اس کے کہ

ان کی شفقت خاندان میں ضرب المثل تھی، اور والد صاحب کے انتقال کی وجہ سے وہ میری دلداری اور ایک حد تک ناز برداری قدرتاً دوسری ماؤں سے زیادہ کرتی تھیں لیکن دو باتوں میں بہت سخت تھیں، ایک تو نماز کے بارے میں مطلقاً تساہل نہیں برتتی تھیں، میں عشاء کی نماز پڑھے بغیر کبھی سوگیا خواہ کیسی ہی گہری نیند ہو اٹھا کر نماز پڑھوائیں، اور نماز پڑھے بغیر ہرگز نہ سونے دیتیں، اسی طرح فجر کی نماز کے وقت جگا دیتیں، اور مسجد بھیجتیں، اور پھر قرآن مجید کی تلاوت کے لئے بٹھا دیتیں، دوسری بات جس میں وہ قطعاً رعایت نہ کرتیں اور اس میں ان کی غیر معمولی محبت و شفقت عارج نہ ہوتی یہ تھی کہ اگر میں خادم کے لڑکے یا کام کاج کرنے والے غریب بچوں کے ساتھ کوئی زیادتی نا انصافی کرتا یا حقارت اور غرور کے ساتھ پیش آتا تو وہ نہ صرف مجھ سے معافی منگواتیں بلکہ ہاتھ تک جڑواتیں اس میں مجھے کتنی ہی اپنی ذلت اور خفت محسوس ہوتی مگر وہ اس کے بغیر نہ مانتیں، اس کا مجھے اپنی زندگی میں بہت فائدہ پہنچا اور ظلم و تکبر و غرور سے ڈر معلوم ہونے لگا اور دل آزاری اور دوسروں کی تذلیل کو کبیرہ گناہ سمجھنے لگا، اس کی وجہ سے مجھے اپنی غلطی کا اقرار کرلینا ہمیشہ آسان معلوم ہوا۔

والدہ صاحبہ کی تربیت کے اس انداز کا ذکر کرتے ہوئے ایک تجربہ اور مشورہ کے طور پر اس کا بھی ذکر کردینے کو جی چاہتا ہے کہ بچوں کی مذہبی و اخلاقی اٹھان اور ان کے اس قابل ہونے میں کہ اللہ تعالیٰ ان سے اپنے دین کی کوئی خدمت لے یا قبولیت عطا فرمائے دو چیزوں کا بڑا دخل ہے ایک یہ کہ وہ اپنی عمر کے مطابق ظلم اور دل آزاری سے محفوظ رہیں، اور کسی دکھے دل کی آہ یا مظلوم کی کراہ ان کے مستقبل پر اثر نہ ڈالے، دوسرے یہ کہ ان کی غذا غصب و حرام اور مشتبہ مال سے پاک رہے، بظاہر اللہ تعالیٰ نے اس عاجز کے ساتھ ان دونوں چیزوں کا انتظام فرمایا، میرا ددھیال جائداد واملاک اور مشترک مال و حقوق سے عرصہ سے محفوظ تھا، والد صاحب کی آمدنی خالص طبی پیشہ کی رہین منت تھی، ویسے بھی اللہ تعالیٰ نے نہ صرف مشتبہ مشکوک مال سے بچایا بلکہ بدعات ورسوم کے کھانوں سے بھی۔

اس سلسلہ میں ایک واقعہ یاد آگیا کہ میں اپنے گھر کی ایک بڑی بوڑھی انا کے ساتھ جو پڑھی لکھی نہ تھیں اپنی پھوپھی کے پاس "خالص باٹ" (رائے بریلی کا ایک محلہ) جا رہا تھا راستہ میں کہیں غریبوں کو کھانا کھلایا جا رہا تھا (جو چالیسویں یا صدقہ کا کھانا تھا) بڑی بی نے جن کے ساتھ میں جا رہا تھا وہ کھانا لیا اور وہیں بیٹھ کر کھانے لگیں، میں بچہ تھا میرے بھی منہ میں پانی بھر آیا اور میں نے شرکت کرنی چاہی، انھوں نے کہا بیٹا! یہ تمہارے کھانے کا نہیں، اور انھوں نے مجھے کھانے نہیں دیا، یہ غالباً گھر کے ماحول اور احتیاط کی اس فضا کا نتیجہ تھا جس کو وہ دیکھا کرتی ہوں گی۔

اس زمانے میں ہمارے خاندان میں ایک بڑا اچھا دستور تھا کہ جہاں کوئی ایسا غمناک واقعہ پیش آتا، دل دکھے ہوئے ہوتے یا کوئی پریشانی کی بات ہوتی تو "صمصام الاسلام" سنی جاتی، یہ مشہور مؤرخ واقدی کی مشہور کتاب "فتوح الشام" کا پچیس ہزار اشعار میں ترجمہ ہے، اور یہ ترجمہ اور نظم ہمارے ہی خاندان کے ایک بزرگ میرے والد صاحب کے حقیقی پھوپھا منشی سید عبدالرزاق صاحب کلامی کی لکھی ہوئی ہے، جوش و خروش سے بھری ہوئی، درد و اثر میں ڈوبی ہوئی جنگ کا نقشہ ایسا کھینچتے کہ دل جوش سے اچھلنے لگتے اور نبض تیز ہو جاتی۔ شہادت کا ذکر اس طرح کرتے ہیں کہ خود راہ خدا میں جان دینے کے لئے دل بے تاب ہو جاتا ہے، اور صحابہ کرامؓ اور مجاہدین کے غم کے سامنے آدمی اپنا غم بھول جاتا ہے، میری بڑی خالہ مرحومہ صالحہ بی جو قرآن مجید کی بھی حافظہ تھیں یہ منظوم "فتوح الشام" بڑے پراثر اور دلکش لہجہ میں پڑھتی تھیں اور پڑھتے پڑھتے کتاب ان کو بہت رواں ہوگئی تھی عموماً عصر کے بعد یہ مجلس ہوتی، بچے بھی کبھی اپنی ماؤں کے پاس کھیلتے کھیلتے یا کسی کام کے لئے آجاتے اور بے ارادہ کچھ دیر ٹھہر کر سنتے، کبھی بالارادہ بیٹھ جاتے اور کبھی مائیں اپنے پاس بٹھا کر سننے کا موقع دیتیں پھر جب اس میں لطف آنے لگتا تو کھیل چھوڑ کر اس مجلس میں شریک ہوتے۔

والدہ صاحبہ کے دعا کے اہتمام اور اس کے ذوق و شوق کے بارے میں حضرت مولانا مدظلہ

تحریر فرماتے ہیں :-

"ان کو ہر دعا پر اعتماد اور اللہ تعالیٰ کی رحمت پر ناز بھی بہت تھا' اچھے اچھے لوگوں میں ہم نے دعا کا وہ ذوق اور دعا میں ایسا یقین نہیں دیکھا جیسا اپنی والدہ صاحبہ کی زندگی میں دیکھا ہے' ان کی زندگی اس حدیث کی تعمیل کا نمونہ تھی جس میں کہا گیا ہے کہ تمہاری ہانڈی کا نمک کم ہو جائے تو اس کو دعا ہی کے ذریعہ طلب کرو' اور تمہاری جوتی کا تسمہ ٹوٹ جائے تو اس کو بھی اللہ ہی سے مانگو' ان کی ساری زندگی دعا اور مناجات میں گذری' وہ خود اپنا حال بیان کرتی ہیں ؎

ترا شیوہ کرم ہے اور مری عادت گدائی کی
نہ ٹوٹے آس اے مولا ترے در کے فقیروں کی

بیا ایک مناجات میں وہ حضرت مولانا کا ذکر اس طرح کرتی ہیں ؎

رہے زندہ باقی جہاں میں علی
رہے تیرے حفظ و اماں میں علی
ہو آباد کون و مکاں میں علی
ہو سرسبز باغ جہاں میں علی
علی سے ہو روشن چراغ جہاں
علی سے ہو سرسبز باغ جہاں

یک دوسری مناجات میں فرماتی ہیں ؎

تو حافظ ہے اس کا تو ہی ہے رقیب
بلا کوئی آوے نہ اس کے قریب
دعا سن لے میری تو رب مجیب
الٰہی علی کو تو کر خوش نصیب
علی سے بڑھے خاندان علی
علی سے نمایاں ہو شان علی

ترجمہ از عربی
سید محمود حسن حسنی

دعائے مغفرت

الحاج غلام محمد عبدالغنی پٹنی کی اہلیہ زبیدہ بائی کا انتقال

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے میزبان خصوصی جناب الحاج غلام محمد عبدالغنی پٹنی، رکن انتظامی ندوۃ العلماء اور مالک بمبئی آندھرا ٹرانسپورٹ کی اہلیہ محترمہ زبیدہ بائی ۲۹ر مئی ۲۰۰۰ء کو شب میں ۸ بجے انتقال فرما گئیں، مرحومہ کافی عرصہ سے بیمار چل رہی تھیں ادھر کئی ہفتے اسپتال میں زیر علاج رہیں چند دنوں قبل گھر لایا گیا تھا، طبیعت کچھ بہتر تھی لیکن اچانک قلبی دورہ پڑنے سے انتقال ہو گیا۔ اِنّا لِلّٰہ واِنّا الیہ راجعون

جناب محمد بھائی وہ خوش نصیب شخص ہیں جن کے دولت کدہ "سہاگ پیلس" میں حضرت مولاناؒ نے قیام فرما کر اپنی متعدد تصنیفات کو مکمل فرمایا۔ اور اکثر ایسا ہوتا تھا کہ جب حضرت کو سکون کے ساتھ کام کرنا ہوتا تو بمبئی کا سفر فرماتے اور محمد بھائی کے دولت کدہ پر قیام فرما کر اپنا کام مکمل فرماتے، چونکہ یہاں اس کا پورا اہتمام ہوتا تھا کہ حضرت کا وقت اِدھر اُدھر آنے جانے میں نہ ضائع ہو۔ اس لئے حضرت بمبئی کے قیام میں بڑی راحت محسوس فرماتے اور اس کا تذکرہ بھی فرماتے تھے۔

ایسے خوش نصیب میزبان کی اہلیہ مرحومہ کے لئے دعائے مغفرت کرنا خود دعا کرنے والے کے لئے باعث سعادت ہے۔

امید ہے کہ قارئین تعمیر حیات اور اہل مدارس اس کا پورا اہتمام فرمائیں گے۔

(بقیہ)
اسلام کے خلاف - - - - - - -

جذباتی ضروریات کو پورا کرتا ہے۔ یہ سب کچھ بہت سادگی سے کرتا ہے کیونکہ یہ سچ ہے۔ سچائی کو سمجھنا اور اس کا دفاع کرنا ہمیشہ آسان ہوتا ہے۔

جب اپنے بچوں کو تعلیم دیں تو دلائل و منطق سے اپنی بات ان کے ذہنوں میں بٹھائیں جیسے ہم نے تسلیم کیا تھا۔ انشاء اللہ وہ بھی قبول کریں گے۔ تاہم ہر دلیل کے ساتھ یہ بات ضرور آنی چاہیئے کہ ہمیں جو بھی کام کرنا ہے صرف اور صرف اللہ کی رضا کے لئے کرنا ہے مثلاً ہم جانتے ہیں کہ ہم سور کا گوشت نہیں کھاتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نہ کھانے کا قرآن میں حکم دیا ہے، پھر اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سور کے گوشت سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ اس کی ضرورت ہے کہ یہ باتیں بچوں کو بتائی جائیں۔ جوں جوں وہ بڑے ہوں گے تو ان کی فہم و فراست بھی بڑھے گی اس کے بعد انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے احکام کے ساتھ ان احکام کی حکمت اور نفع و نقصان بھی سمجھانا ہوگا۔ سور کے گوشت سے پیدا ہونے والی بیماریوں سے انہیں آگاہ کریں اس جانور کی گندی عادتوں کے بارے میں بتائیں اس طرح اللہ تعالیٰ کے احکام کی حکمت کو وہ آسانی سے سمجھ جائیں گے۔

(ہیلرڈ ڈائجسٹ مارچ ۲۰۰۰ء)

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے

اسلام کے خلاف خفیہ منصوبوں کی کہانی

تحریر:۔ شریفا کارلولانڈ لوسیا ترجمہ :۔ ملک احمد سرور

(امریکہ کی نومسلم خاتون شریفا کارلولانڈ لوسیا کہتی ہیں کہ میں دین حق "اسلام" کی طرف کیسے لوٹی، اسلام کے خلاف بنائے گئے منصوبوں کی داستان ہے، میں نے خود منصوبے بنائے، جس گروپ سے میرا تعلق تھا اس نے بھی اسکیمیں تیار کیں اور اللہ تعالی نے اپنے منصوبے بنائے اور اللہ ہی بہترین منصوبہ ساز ہے جب میں نوعمر (TEENAGER) تھی تو میں ایک ایسے گروپ کی توجہ کا مرکز بن گئی جو انتہائی گمراہ کن ایجنڈہ رکھتا تھا حکومتی عہدوں پر کام کرنے والے افراد کی یہ ایک ڈھیلی ڈھالی ایسوسی ایشن تھی جس کا ایک مخصوص ایجنڈا تھا۔ کہ اسلام کو تباہ کرنا ہے۔ یہ حکومت کا تشکیل کردہ گروپ نہ تھا۔ بلکہ امریکی حکومت میں مختلف عہدوں پر کام کرنے والے افراد نے از خود یہ ایسوسی ایشن بنائی تھی۔ اور یہ لوگ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے اپنے حکومتی عہدوں کا بھرپور استعمال کرتے تھے۔

چونکہ میں خواتین کے حقوق کے لئے کام کرنے والی ایک فعال کارکن کی حیثیت سے نمایاں پوزیشن رکھتی تھی۔ اس لئے اس گروپ کے ایک رکن نے مجھ سے رابطہ قائم کیا مشرق وسطی پر زور دیتے ہوئے اس نے پیش کش کی کہ اگر میں "بین الاقوامی تعلقات" میں تعلیم حاصل کروں تو وہ مجھے مصر کے امریکی سفارتخانہ میں ملازمت کی گارنٹی دیتا ہے، اس کی خواہش تھی کہ مصر میں امریکی سفارت خانہ میں تعیناتی کے دوران میں اپنے حکومتی عہدے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مصری خواتین سے تعلقات قائم کروں اور خواتین کے حقوق کے سلسلہ میں جو تحریک بر نکال رہی ہے اس کی حوصلہ افزائی کروں۔ میرے خیال میں یہ ایک عظیم نظریہ اور میرے دل کی آواز تھی۔ میں مسلم خواتین کو ٹی۔ وی۔ پر دیکھ چکی تھی اور میرے علم کے مطابق معاشرے میں یہ مظلوم اور پسا ہوا طبقہ تھا، میں ان خواتین کی بیسویں صدی کے آزاد معاشرے اور روشنی کی طرف رہنمائی کرنا چاہتی تھی،

اسی عزم وارادہ کے ساتھ میں نے کالج میں داخلہ لیا اور تعلیم حاصل کرنا شروع کردی۔ میں نے قرآن، حدیث اور تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا۔ میں نے ان طریقوں کا بھی خصوصی مطالعہ کیا جن کے مطابق ان معلومات کو اسلام کے خلاف استعمال کرنا تھا۔ میں نے سیکھ لیا کہ اپنے مقاصد کے لئے الفاظ کو کس طرح گھما کر کام میں لانا ہے، یہ ایک بہت ہی قیمتی ہتھیار تھا، تاہم جب میں نے مطالعہ شروع کیا تو اسلام کے پیغام نے مجھے مسحور کردیا تھا۔ اس کے اندر فہم وفراست، دانائی اور حکمت تھی۔ مجھے تو اس نے چونکا دیا۔ ان اثرات کے سدباب کے لئے میں نے عیسائیت کی کلاسوں میں باقاعدگی سے جانا شروع کردیا تھا۔ میں نے کلاسوں کے لئے اس پروفیسر کا انتخاب کیا۔ جس کی شہرت بہت اچھی تھی۔ اور اس نے ہارورڈ یونیورسٹی سے علوم الہی (یعنی مذہب) میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی ہوئی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ میں بہت اچھے ہاتھوں میں آگئی ہوں۔ مگر جو میں نے سوچا تھا ایسی کوئی بات نہ نکلی۔ یہ پروفیسر تو توحید پرست (موحد) عیسائی نکلا۔ وہ تو عقیدہ تثلیث پر یقین ہی نہ رکھتا تھا۔ اور نہ یسوع مسیح کی الوہیت کو مانتا تھا۔ درحقیقت وہ حضرت عیسی علیہ السلام کو صرف ایک پیغمبر تسلیم کرتا تھا۔

اپنی اس بات کو ثابت کرنے کے لئے اس نے بائبل کے یونانی، عبرانی اور آرامی ذرائع سے حوالے دیئے اور بتایا کہ کہاں کہاں تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں۔ جب مجھے وہ یہ سب بتا رہا تھا تو اس نے ان تاریخی واقعات کو بھی بیان کیا جو ان تبدیلیوں کو لانے اور پیروی کا باعث بنے جب میری یہ کلاس مکمل ہوئی تو میرا دین تباہ ہو چکا تھا۔ لیکن میں اسلام قبول کرنے کو اب بھی تیار نہ تھی۔ گزرتے وقت کے ساتھ میں نے اپنی ذات اور مستقبل میں ذریعہ معاش کی خاطر تعلیم جاری رکھی۔ اس میں تین سال کا عرصہ لگا۔ اس دوران میں مسلمانوں سے ان کے عقائد کے بارے میں سوال کرتی رہی۔ جن افراد سے میں نے سوال کیا۔ ان میں سے ایک (MSA) کا رکن تھا۔ اللہ تعالی کا شکر ہے کہ اس بھائی نے دین میں میری دلچسپی کو محسوس کیا اور میری اسلامی تعلیم کے لئے ذاتی کوششیں کیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالی اسے اس کا بہترین اجر دے۔

ایک دن اس نے مجھ سے رابطہ قائم کیا او

بتایا کہ شہر میں مسلمانوں کا ایک گروپ آرہا ہے۔ اس کی خواہش تھی کہ میں ان سے ملوں۔ میں نے ملاقات کے لئے حامی بھرلی اور عشاء کی نماز کے بعد ان سے ملنے کے لئے گئی۔ مجھے ایک کمرے میں لے جایا گیا جس میں کم از کم بیس آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان سب نے میرے بیٹھنے کے لئے جگہ بنائی مجھے بڑی عمر کے ایک پاکستانی کے سامنے بیٹھنے کے لئے جگہ دی گئی۔ یہ بھائی عیسائی مذہب کے بارے میں علم کا سمندر تھے اور وہ بائبل اور قرآن کے مختلف حصوں پر صبح تک بحث کرتے رہے۔ اس نے عیسائیت کے بارے میں مجھے جو باتیں بتائیں دوران تعلیم میں وہ جان چکی تھی مگر اس دانا آدمی نے مجھ سے وہ بات کہی جو کسی دوسرے مسلمان نے نہ کہی تھی۔ اس نے مجھے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، گذشتہ تین سال سے میں اسلام پر تحقیق و جستجو کر رہی تھی مگر کسی نے مجھے اسلام قبول کرنے کی دعوت نہ دی تھی مجھے پڑھایا گیا۔ دلائل دیئے گئے اور بعض مواقع پر میری تذلیل بھی کی گئی۔ مگر کسی نے اسلام قبول کرنے کی دعوت نہ دی۔ اللہ ہم سب کی رہنمائی فرمائے۔ جب اس نے مجھے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو مجھے ایک جھٹکا لگا۔ میں نے محسوس کیا کہ یہی صحیح وقت ہے میں جانتی تھی کہ یہی سچ ہے اور مجھے جلد فیصلہ کرلینا چاہیئے۔ الحمدللہ۔ اللہ تعالیٰ نے میرا ذہن کھول دیا۔ اور میں نے کہا "ہاں میں اسلام قبول کرنا چاہتی ہوں"۔ اس کے ساتھ ہی اس نے عربی میں مجھے کلمۂ شہادت پڑھایا اور انگریزی میں اس کے معنی بھی بتائے، اللہ کی قسم جب میں نے کلمۂ شہادت پڑھا تو میں نے اپنی ذات میں عجیب ترین احساس کو پایا۔ میں نے محسوس کیا کہ جیسے میرے سینے سے بہت بڑا بوجھ اتار دیا گیا ہے، میں نے ایسے سانس لیا جیسے اپنی زندگی میں پہلی بار سانس لیا ہو۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے ایک صاف ستھری تختی کی طرح ایک نئی زندگی عطا کی۔ جنت میں جانے کا سنہرا موقع عنایت کیا، میں نے دعا کی کہ اے میرے اللہ میری زندگی کے بقیہ ایام تیرے احکام کے مطابق گزریں اور میری موت مسلمان کی موت کے طور پر ہو۔ (آمین)

اسلام کے نور نے جب مجھ کو روشن کیا تو میں بالآخر ان سیاہ دھبوں کو دیکھنے کے قابل ہو گئی جن کو ہمارے مغربی فلسفیوں نے چھپا رکھا تھا، اپنے معاشرے کی اخلاقی اقدار اور اپنی ذات کی حفاظت ظلم نہیں ہے بلکہ ظلم یہ ہے کہ خواہشات نفس کے تحت اپنے آپ کو گندگی کے دلدل میں پھینک کر یہ کہا جائے کہ یہ گندگی نہیں ہے۔

یہی مسلمان بہن حجاب کے بارے میں لکھتی ہیں:۔

بطور غیر مسلم مغربی سوسائٹی میں رہتے ہوئے نظریہ "شرم و حجاب" کی میرے ذہن میں کوئی خاص اہمیت نہ تھی اپنی نسل کی دیگر خواتین کی طرح میں بھی اسے دقیانوسی اور ایک فضول چیز شمار کرتی تھی۔ مجھے ان مسلمان عورتوں پر ترس آتا ہے جو برقعہ پہنے ہوتی تھیں یا پھر "بیڈ شیٹ" لپیٹے سڑکوں پر چلتی پھرتی نظر آتی تھیں۔ میں حجاب والی چادر کو بیڈ شیٹ ہی کہتی تھی۔

میں ایک جدید عورت تھی تعلیم یافتہ اور روشن خیال، میں حقیقی سچائی کے بارے میں کچھ نہ جانتی تھی۔ میں مسلم دنیا کے کسی بھی گاؤں کی سماجی طور پر کچلی ہوئی مسلمان عورت سے زیادہ لاچار تھی۔ میں اس لئے لاچار نہ تھی کہ میرے اندر طرز حیات اور کپڑوں کے انتخاب کی اہلیت نہ تھی بلکہ میری خلش اور بے چارگی یہ تھی کہ "اپنی سوسائٹی" کو کہ یہ حقیقت میں کس کے لئے ہے؟" جاننے کی اہلیت نہ رکھتی تھی، میرے لئے یہ نظریہ پریشان کن تھا کہ "عورت کا حسن و جمال عوامی ملکیت ہے، اور شہوانی تعریف و توصیف کو احترام دیا جانا چاہیئے"

جب اللہ تعالیٰ نے میری رہنمائی فرمائی اور میں نے حجاب پہنا تو بالآخر اس ماحول سے باہر نکلنے کے قابل ہو گئی جس میں رہ رہی تھی میں اس سوسائٹی کو اس کے اصل رنگ و روپ میں دیکھنے کے اہل بھی ہو گئی۔ اب میں دیکھ سکتی تھی کہ اس سوسائٹی میں سب سے زیادہ قدر ان خواتین کی ہوتی ہے جو عوام کے سامنے اپنے آپ کو سب سے زیادہ ننگا کردیتی ہیں مثلاً اداکارائیں، ماڈل گرلز اور ڈانسرز وغیرہ۔ مجھے اب یہ بھی نظر آرہا تھا کہ مردوں اور خواتین میں تعلقات کا جھکاؤ نامناسب طور پر مردوں کی طرف ہے۔ میں جان گئی کہ میں مردوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے والا لباس پہنتی تھی۔ اور یہ کہہ کر میں اپنے آپ کو بے وقوف بنانے کی کوشش کرتی تھی کہ اس سے میں نے اپنے آپ کو خوش کیا ہے لیکن تلخ حقیقت یہی تھی کہ جو بات مجھے خوش کرتی تھی وہ اس آدمی کی زبان سے میری تعریف ہوتی تھی جسے میں پرکشش سمجھتی تھی۔

اب میں جانتی ہوں کہ ایک فرد جو کبھی صاف ستھرا نہیں رہا اس کے پاس یہ جاننے کا کوئی طریقہ نہیں ہے کہ وہ گندا ہے۔ اسی طرح میں یہ دیکھنے کے قابل نہ تھی کہ میں مظلوم ہوں، یہاں تک کہ میں اس بسی ہوئی سوسائٹی کی تاریکیوں سے نکل کر اسلام کی

روشنی میں آگئی۔ اسلام کے نور نے جب سچ کو روشن کیا تو میں بالآخر ان سیاہ دھبوں کو دیکھنے کے قابل ہوگئی جن کو ہمارے مغربی فلسفیوں نے چھپا رکھا تھا۔ اپنے معاشرے کی اخلاقی اقدار اور اپنی ذات کی حفاظت ظلم نہیں ہے بلکہ ظلم یہ ہے کہ خواہشات نفس کے تحت اپنے آپ کو گندگی کے دلدل میں پھینک کر یہ کہا جائے کہ یہ گندگی نہیں ہے۔

میں اللہ تعالیٰ کی شکر گذار ہوں جس نے سر پر اسکارف پہننے کے بعد مجھے ایک پہچان دی۔ میں ان لوگوں سے دور ہوتی گئی جو کسی طرح بھی میرے ذہن، میری روح اور دل سے ہٹ کر میری شناخت کرتے تھے۔ جب میں نے سر کو ڈھانپ لیا تو میں حسن و جمال کے استعمال کے باعث ہونے والے استحصال سے بچ گئی جب میں نے سر کو ڈھانپا تو لوگوں نے دیکھا کہ میں اپنا احترام کرتی ہوں تو وہ بھی میرا احترام کرنے لگے۔ جب میں نے سر کو اسکارف سے ڈھانپ لیا تو بالآخر میں نے سچائی کے لئے اپنے ذہن کو کھول دیا۔ سب سے اہم عنصر جس نے مجھے اس مذہب کی طرف کھینچا وہ یہ حقیقت ہے کہ اسے دلائل و منطق کی بنیاد پر سمجھا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں محسوس کرتی ہوں کہ بے شمار مسلمان والدین اپنے بچوں کے سامنے اسلام کی تعلیمات واحکامات کی صحیح طور پر وضاحت نہ کرکے بہت نقصان پہنچاتے ہیں۔ بچوں سے عموماً کہا جاتا ہے کہ "ہم بڑے ہیں" "ہم کہتے ہیں اس لئے یہ مانو... تم عرب، پاکستانی، صومالی ہو اپنی تہذیب کے مطابق کام کرو" بنی نوع انسان کی یہ فطری خواہش ہے کہ وہ "کیا کرتے ہیں، کیوں کرتے ہیں" کو سمجھے۔ اسلام اسی لئے ایک عظیم مذہب ہے کہ یہ ہماری ذہنی اور

(باقی صـ۱۸ پر)

جامع الکمالات شخصیت کی یاد میں

از: مولانا محمد حنیف ملی۔ مالیگاؤں

ذیل کا مضمون حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نوراللہ مرقدہ کی وفات پر مدرسہ معہد ملت مالیگاؤں کے روحِ رواں اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مجلس شوریٰ کے رکن مولانا محمد حنیف ملیؒ نے لکھا تھا۔ اس کے ایک ماہ بعد ۴ ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ کو خود مولانا محمد حنیف ملیؒ صاحب بھی وفات پاگئے۔ شاید یہ تحریر ان کی زندگی کی آخری تحریر تھی وہ حضرت مولانا علی میاںؒ اور ان کی فکر سے جذباتی اور عقیدتمندانہ تعلق رکھتے تھے۔ مندرجہ ذیل مضمون حضرت مولاناؒ سے ان کی عقیدت اور سچی محبت کا مظہر ہے جو قارئین کی خدمت میں ہم پیش کر رہے ہیں (ادارہ)

موت برحق ہے جس سے انبیاء اور ہر فرد وبشر بھی گزرتے رہے ہیں، مولانا علی میاں کی وفات پر سارا عالم سوگوار ہے، مولانا کی جدائی صرف عالم کی وفات نہیں بلکہ علوم ومعارف کے زبردست نقصان کا پیش خیمہ ہے۔ ایک محدث ایک فقیہ، ایک مؤرخ، ایک ادیب، ایک مفسر ایک عبقری کے اٹھ جانے سے آسمان اشکبار، زمین چشم نم، ہوا اداس، ساری کائنات بجھی بجھی سی ہے مولانا کیا گئے کہ سارے ادارے، مجلس بے رنگ و نور ہوگئے کاش کہ کچھ دن اور یہ ستارہ امید آسمانِ دنیا پر روشن ہوتا۔ تاکہ ظلمتوں کو دور کرتا۔ اور بگڑی انسانیت کے لئے مسیحا بن کر اس کے زخموں پر مرہم رکھتا۔ لیکن مولیٰ کی مرضی اور مشیت کے آگے بندوں کا سر تسلیم خم ہے، مولانا وہاں چلے گئے جہاں سے کوئی واپس نہیں آیا ہے، اب ان کی خدمات، کارنامے، سرگرمیاں، تصانیف، قوم کو بنانے کی فکر ونظر اور ان کی حیات ہی ہمارے لئے قابلِ تقلید ہے۔

بلاشبہ مولانا اس صدی کے مجدد تھے، جن کی ذات گرامی سے دنیا حرارت اور روحانیت حاصل کرتی ہے اور جنھوں نے زندگی کے مختلف شعبوں میں بدعت، خرافات، حکومت کی بکواس اور دشمن کے کیمپ سے اٹھنے والے فتنوں کا خاتمہ کیا، پرسنل لاء بورڈ کی کامیاب قیادت فرمائی اور حکومت کو سرنگوں کرکے چھوڑا۔ ندوۃ العلماء پر یلغار کی تو حکومت کو معافی مانگنے پر مجبور کیا۔ ان کے گھر پر قتل کی نیت سے کچھ لوگوں نے حملہ کیا تو مولانا نے اس کا بھی دنداں شکن جواب دیا۔ آج دنیا سے وہ رخصت ہوا جو پوری ملت کا ہمدرد تھا، ہاں جس کی ذات پوری ملت اسلامیہ اور عالم اسلام کیلئے امام اور قبلہ نما تھی جس نے تقریروں کے ذریعہ دل کی تاریکیوں کو دور کیا ہے تو اپنی سینکڑوں تصنیفات سے انسانی قلب وضمیر کو روشن کیا۔ وہ اپنے اسلاف کی جیتی جاگتی تصویر تھے

حضرت مولانا تمام علماء شیوخ اور تعلیم یافتہ حلقے کے مسلمہ امام اور قائد تھے۔ خدا نے ان کی زبان میں ایسی بلا کی تاثیر رکھی تھی کہ جب کسی مسئلہ میں اجلاس کے اندر انتشار نظر آتا تو چند جملوں میں اسے دور فرمادیتے۔ بے نیازی اور استغناء کا یہ عالم تھا کہ بڑی بڑی پیشکش رد کردیتے یا ضرورت مندادارں کو تقسیم کردیتے تھے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ جشن صد سالہ میں کسی نے کہہ دیا تھا کہ آپ نے عرب سربراہوں کو روپیوں کے لئے بلایا، اس پر مولانا نے برہم ہوکر فرمایا۔ ہمارے بارے میں یہ سوچنا غلط ہے۔ یہ سونے کی چڑیا ہیں۔ آج ہیں کل اڑجائیں گی، ہم تو چار چار آنے کے لئے آپ کے در پر بیٹھا رہیں گے، پھر یہ اشعار پڑھے ؎

کرم تیرا کہ بے جوہر نہیں میں
غلامِ طغرل وسنجر نہیں میں
جہاں بینی میری فطرت ہے لیکن
کسی جمشید کا ساغر نہیں میں

سعودیہ، دبئی کی حکومتوں نے مولانا علی میاںؒ کی خدمات پر کروڑوں روپیہ ایوارڈ میں دیا تھا تو مولانا نے اسے ضرورت مندوں میں تقسیم کردیا۔ اپنی ذات پر صرف نہیں کیا۔ اور اپنی ذاتی رقم ضرورتمندوں کو دیتے رہنا مولانا کا معمول تھا۔ مولانا کا دسترخوان اتنا وسیع تر تھا کہ ہر وقت کھانے پر پندرہ بیس آدمی رہتے تھے۔ اور خود ان کے ساتھ بیٹھ کر کھایا کرتے۔

حضرت مولانا کو خدا نے دردِ دل کے واسطے پیدا کیا تھا۔ سب کی خبر گیری ان کی طبیعت ثانیہ تھی۔ اس ناتوانی اور ضعفِ پیری میں ملت کی خبر گیری کے لئے عرب اور مغربی دنیا کا سفر جاری تھا۔ جب حد سے زیادہ بڑھا تو ابھی چند ماہ پہلے فالج ہو جانے کی وجہ سے سفر بند ہو گیا مولانا جن جن اوصاف کے حامل تھے، اپنی بصیرت سے انہوں نے ایسے فرزند تیار کئے، مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی مولانا عبداللہ عباس ندوی، مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی جیسے علماء کو نمونے کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ جو مولانا کے نقش قدم پر گامزن ہیں مولانا اگرچہ لاولد تھے، لیکن روحانی اولاد ہزاروں کی تعداد میں ملک اور بیرون ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جو مولانا کے کاز اور مشن کو زندہ رکھیں گے حضرت مولانا خورد و کلاں سب سے یکساں محبت کرتے تھے۔ میں ندوہ کی مجلسِ منتظمہ کے اجلاس میں پہونچتا تھا تو بطورِ خاص مجلسوں اور دسترخوان پر اپنے بازو میں بٹھاتے تھے جو ذرہ نوازی کی دلیل ہے

مولانا کی "ملت" میں تاریخی تشریف آوری نہیں بھلا سکتا" مدرسہ ملت" کا آغاز تھا چند سال "ملت" کے قیام کے گذرے ہوں گے۔ ہم لوگ زیر تعلیم تھے۔ مولانا نے ہم سے عربی میں سوالات کئے اور بہت متاثر ہوئے۔ اور نعمانی صاحب کے قائم کردہ النادی العربی کی ندوہ میں بھی عربی کلب قائم کیا۔ اور اسی وقت سے انہوں نے بانئ ملت مولانا عبدالحمید نعمانی کو مجلس شوریٰ کا رکن نامزد کیا۔ اور بڑی اہم بات یہ ہے کہ اپنا چھوٹا کتابچہ "علی شاطئ النجاۃ" مولانا کے بیدار پریس سے چھپوایا۔ اور مختارات کی اشاعت کی خواہش بھی کی۔ یہ مولانا کے نعمانی صاحب سے روابط کی بڑی کڑی ہے، مولانا بیک وقت ندوہ کے ناظمِ اعلیٰ دینی تعلیمی کونسل کے صدر، مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر ملی کونسل کے جہاں سرپرست تھے وہیں علی گڈھ دیوبند، جامعہ ملیہ اور دار المصنفین کے ذمہ دار بھی تھے۔ ادارہ تحقیق و تالیف ان کی قائم کردہ خاص یادگار ہے جہاں سے سینکڑوں قابل اور وقیع کتابیں شائع ہوئیں۔ مولانا موصوف بیک وقت ملک بھر کے ہزاروں مدرسوں کے روحِ رواں۔ اور سرپرست تھے۔ نازک وقت میں علماء کی رہنمائی کرنا ان کی کتابِ زندگی کا روشن باب تھا۔

حضرت مولانا کی زندگی کا شاہکار وہ جرأتمندانہ اقدام ہے جس کے ذریعہ حکومت کو نشانہ بنا کر ملت کو بڑی آزمائش سے نجات دلانا حکومت سرسوتی دیوی کی وندنا اور وندے ماترم جیسے شرکیہ امور کو مسلمانوں پر لادنا چاہتی تھی مولانا نے دو ٹوک لہجہ میں فرمایا کہ حکومت یاد رکھے۔ اگر کوئی بل لائے گی تو ہم اپنے بچوں کو عصری تعلیم گاہوں سے نکال لیں گے۔ اس وقت حکومت دھمکی دیتی ہے۔ لیکن مولانا اپنے مشن سے باز نہیں آئے۔ شاہ بانو کا قضیہ ملت کے لئے چیلنج تھا۔ مولانا نے اس وقت فرمایا تھا کہ مذہب ہمارا تشخص ہے۔ مسلم لاء خدا کا عطا کیا ہوا قانون ہے۔ اگر اس میں مداخلت کی گئی تو اندرا سرکار آندھی کی زد میں بھسم ہو جائے گی۔ چنانچہ اندرا سرکار کا خاتمہ ہو گیا۔ اور اس کے بعد راجیو گاندھی کو بل واپس لینا پڑا۔ ایسی جرأت اور حق گوئی کی مثال اب کہاں ملے گی اللہ تعالیٰ اس یتیم ملت کو اب ایسا حق پسند حق پرست قائد عطا فرمائے جو سفینۂ ملت کو اپنی بصیرت سے ساحلِ بکنار کرتا رہے، تصنیفات کی دنیا میں مولانا نے جو کتابیں ورثے کے طور پر چھوڑی ہیں لائبریریاں اور کتب خانے اس کے بغیر ناقص ہیں۔

ایک اور مناسبت سے حضرت مولانا معہد ملت تشریف لائے۔ بخاری شریف کا افتتاح فرمایا۔ مولانا کی حدیث پر نکتہ سنجی بصیرت افروز تشریح کے موتی بکھیرے، اس روز اندازہ ہوا کہ مولانا کی حدیث پر بھی گہری نظر ہے، عربی ادبیات کے وہ تو امام تھے۔ ایسی شستہ عربی بولتے تھے کہ عرب علماء دنگ رہ جاتے تھے۔ تقریباً نصف صدی سے زائد آسمان دنیا کو علم کی روشنی بخشنے والا یہ مجاہد تھک چکا تھا۔ ضعف پیری کی وجہ سے آرام کی ضرورت تھی لیکن وہاں آرام کا تصور کہاں تھا۔ آخر کار فالج کے جان لیوا مرض نے مولانا کو ہم سے جدا کر دیا۔ للہ الأمر من قبل ومن بعد

خدا نے مولانا کو غضب کا قوی حافظہ عطا فرمایا تھا۔ جب کسی مجلس میں گفتگو فرماتے تو اسلامی و غیر اسلامی تاریخ کے انمول گوشے بیان فرماتے کہ تاریخ کا طالب علم عش عش کرنے لگتا۔ کتب تاریخ کی پوری عبارت مولانا کو ازبر یاد تھی۔ وہ اپنی ذات سے انجمن تھے جہاں تشنگانِ علوم کا لشکر آراستہ ہوتا۔ وہ معارف کے بے نظیر کہکشاں تھے، زمانہ جس سے ظلمتوں میں راہ پاتا تھا شعر و سخن کے وہ امام تھے اگرچہ شاعر نہیں تھے۔ لیکن عارفِ مشرق علامہ اقبال کے ہزاروں اشعار زبان زد تھے، جنہیں اپنی تقریروں میں بڑا دہراتے تھے، کبھی کبھی ایسے اشعار استدلال کے طور پر پڑھتے تھے جس کو ہم نے کبھی نہیں سنا ہے۔ ان کی بصیرت نے ندوہ کو ترقی کے اس مقام پر پہنچا دیا کہ بیرونی دنیا، سنگاپور، ملایا، برما، پاکستان، ترکستان بخارا، مصر اور عرب کے تشنگانِ علم کشاں کشاں آتے تھے۔ غرض کہ وہ مجموعہ کمالات تھے، جسے مختصر سے مقالہ میں یکجا کرنا ممکن نہیں ہے۔ ان کی تصانیف "انسانی دنیا پہ مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" سیرت سید احمد شہیدؒ، تاریخ دعوت و عزیمت بہت زیادہ مقبول ہوئی دسیوں زبان میں شائع ہوئی، مولانا رابطہ اسلامی کے بڑے اہم

(باقی ص پر)

(دوسری و آخری قسط)

اقبال کا تصور توحید

محمد لطیف میر

آج کے جدید دور کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ سیاست اور دنیا دو الگ الگ خانوں میں بٹ چکے ہیں۔ دنیا کے نام نہاد ارباب سیاست اور خواجگی کے علمبرداروں نے اپنے جدید ترین نظریات باطلہ کے تحت "ذات بے ہمتا" کی حکمرانی سے یکسر انحراف کرلیا ہے۔ "خواجگی" کے اس عمل کی مسلمانوں نے بھی اسی نظریے کی پیروی کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدائے مطلق کی حکمرانی اور حاکمیت سے یکسر انحراف نے مسلمانوں کے اندر سے "خالص عقیدہ توحید" کو نکال دیا ہے۔ ترکی جو کل تک خلافت عثمانیہ کے پرچم تلے تھا آج آزاد ہوکر خواجگی کے زیر اثر سیاست کو فروغ دے رہا ہے، آج پوری ملت اسلامیہ اسی رنگ میں رنگ چکی ہے۔ پاکستان ہوکہ بنگلہ دیش، ترکی ہوکہ انڈونیشیا مصر ہوکہ شام، عراق ہوکہ ایران ہر جگہ آج ذات بے ہمتا کی سروری اور حکمرانی کو تسلیم کرنے سے انکار کیا جارہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج پوری دنیا میں ملت اسلامیہ کا شیرازہ بکھر رہا ہے۔ ہر ایک مغربی آقاؤں کی غلامی اور احسانات تلے کچلا جارہا ہے۔ اقبال صاحب نے اہل مشرق کو مغرب کے احسانات اٹھانے سے باز رہنے کی تلقین کی ہے ؎

اٹھا نہ شیشہ گران فرنگ کے احسان
سفال ہند سے مینا و جام پیدا کر

اقبال کے نزدیک سیاست دین کی لونڈی ہے نہ کہ کوئی علاحدہ چیز۔ دین جو کہ مکمل طریقۂ حیات ہے، اس کے قوانین و ضوابط ہی سے سیاست اور دوسرے تصورات کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ وہی پوری زندگی کو محیط ہے۔ زندگی کے تمام شعبہ جات اس کے تحت معرض وجود میں آتے ہیں۔ پیدا ہونے سے لے کر موت تک دین ہر موڑ پر زندگی کی رہنمائی کرتا ہے۔ اس ضمن میں اقبال اپنے ایک خط میں خان نیاز الدین خاں کو لکھتے ہیں۔

"سیاست مسلمانوں میں کوئی علاحدہ شے نہیں بلکہ خالص مذہبی نکتۂ خیال سے کچھ شے ہی نہیں اور اگر کچھ ہے تو مذہب کی لونڈی ہے۔"
(مکتوب مورخہ ۴، نومبر ۱۹۱۷ء)

اقبال کے نزدیک آج مسلمانوں نے بھی "تہذیب نوی" کے زیر اثر اپنا اپنا حرم تعمیر کرلیا ہے۔ لیکن تہذیب نوی کا یہ تراشیدہ بت غارت گر کاشانہ دین نبوی ثابت ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے اس دور میں کہیں وحدت کا عملی چلن نہیں۔ تہذیب حاضر کا تراشیدہ بت یا دیوتا وطن ہے جس کے تصور نے قوموں میں امتیاز پیدا کردیا ہے۔ وطنیت کے تصور نے توحید کے تصور خالص پر کاری ضرب لگائی۔ انھوں نے یوں واضح کیا ہے ؎

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

اقبال ملت اسلامیہ کے نوجوانوں کو دعوت دیتے ہیں کہ نظارۂ دیرینہ ایک بار پھر زمانے کو دکھادو، چونکہ "نظارۂ دیرینہ" تصورات باطلہ سے یکسر پاک ہے اور اس کا بازو توحید کی قوت سے قوی ہے۔ دنیا کی کوئی بھی طاقت اس کے قویٰ کو مضمحل نہیں کرسکتی ؎

نظارۂ دیرینہ زمانے کو دکھادے
اے مصطفوی خاک میں اس بت کو ملادے

نظارۂ دیرینہ سے مراد صدر اول یعنی دور خلافت راشدہ کو پھر سے زندہ کرنا ہے اور موجودہ زندگی کے سارے نظاموں کو اس کے مطابق ڈھالنا ہے۔ مبادیات سیاست اور حکومت کی اصل وہی خلافت راشدہ ہے جہاں پورا نظام زندگی دوئی کے عمل سے یکسر پاک تھا۔ توحید کی حقیقت اور شعور، عرفان اور آگہی نے مردان حق اور غازیان اسلام کو بے پناہ کردیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مردان حق اور غازیان اسلام نے دنیا کے طول و عرض میں کلمۃ الحق کی صدائے حق و صداقت کو بلند کیا۔ قیصر و کسریٰ کے در و بام کو ہلادیا۔ طاغوتی اور باطل طاقتوں اور ان کے آقاؤں کی بساط پلٹ دی۔ اقبال نے "شکوہ" میں ان مردان حق کے کارناموں کو درج کیا ؎

کس نے ٹھنڈا کیا آتش کدۂ ایراں کو؟
کس نے پھر زندہ کیا تذکرۂ یزداں کو؟

یہ اس توحید کے خالص تصور کا کمال تھا کہ جس طرف بھی مردان حق اپنا رخ کرتے تھے صنم کدے اور بت کدے کانپ اٹھتے تھے۔ تکبیر کی صدائے مسلسل نے پہاڑوں میں خارا شگافی کا عمل پیدا کردیا۔ نکتہ "لا الٰہ" نے ان کے اندر جمال اور جلال کے عناصر جلیلہ و جمیلہ پیدا کردیے۔ یہ ان کے جلال کا نتیجہ تھا کہ صنم کدوں میں بت بھی "ھو اللہ احد" کی صدائیں بلند کرنے پر مجبور ہوئے۔

کس کی ہیبت سے صنم سہمے ہوئے رہتے تھے
منہ کے بل گر کے ھو اللہ احد کہتے تھے

"توحید" کا سب سے بڑا تقاضا زندگی کے تمام شعبوں میں خدا کے احکامات کے مطابق فیصلہ کرنا ہے۔ خدا کے قانون اور ضوابط کے مطابق دنیاوی کاروبار کو انجام دینا ہے۔ مردِ مومن کا اصل مقصد دنیا میں خدا کی حاکمیت اور فرماں روائی کو تسلیم کرنا اور پھر اس کو قائم کرنا ہے۔ قرآن حکیم کے الفاظ میں ؎

"اور بادشاہی میں اس کا کوئی شریک نہیں اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی ہیں کافر" (المائدہ۔ ۴۴)

"ان کے درمیان اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ کرو اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو" (المائدہ۔ ۴۸)

اقبال چونکہ قرآن کو اپنا فکری سرچشمہ خیال کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا پورا کلام اسی نکتہ کی تفسیر ہے۔ قرآن کریم ملت آدم، جمعیت آدم پر بہت زور دیتا ہے۔ قرآن کا اصل مقصد ہی وحدت کے نظام کو منزلِ مقصود تک پہونچانا ہے۔ قرآن اس کائنات میں SOVEREIGNTY ایک اللہ کے سوا کسی کو تسلیم نہیں کرتا اور نہ ہی کوئی دوسرا ہوسکتا ہے۔ کائنات ارضی و سماوی کے تخلیق کرنے میں صرف ایک اللہ کا ہاتھ ہے وہی اس کا منتظم، فرماں روا، مالک اور بادشاہ ہے۔ اقبال موجودہ دور میں اسی نظام سیاست و حکومت اور نظام زندگی کے قائل ہیں۔ "خضرِ راہ" میں وہ اس حقیقت کو یوں واضح کرتے ہیں۔

"تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

اقبال کے نزدیک اس پورے نظام کا دار و مدار نکتہ "لا الٰہ" پر منحصر ہے۔ ملت بیضا کی اساس "لا الٰہ" ہے۔ "لا الٰہ" ملت کا سرمایہ ہے۔ لا الٰہ احتساب کائنات ہے۔ زندگی اور کائنات کے سارے رموز و اسرار اسی میں پوشیدہ ہیں ملت اسلامیہ کے نفوس قدسیہ جنھوں نے صدیوں سے ضلالت و گمراہی میں بھٹکتی ہوئی انسانیت کو کامیابی کی معراجِ کمال تک پہونچایا اور انسانیت کو تاریکی سے نکالا، انھوں نے توحید کے تصورِ حیات کو اپنی زندگی کا جزو بنالیا تھا اور اس کے تقاضوں سے کما حقہ واقفیت حاصل کر چکے تھے۔ یہ توحید ہی کی کارفرمائیوں کا نتیجہ ہے کہ ملت اسلامیہ نے حق و صداقت، عدالت و شجاعت، امامت اور عبادات کا ایسا پاکیزہ نظام عمل پیش کیا کہ آج تک دنیا والے اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ اقبال بھی اسلام کو بحیثیت ایک سیاسی، اجتماعی معاشرتی نظام کے دیکھتے ہیں۔

اقبال کے نزدیک اسلام ہی صرف ایک عملی طریقہ ہے جو اصولِ توحید کو انسانوں کی ذہنی اور جذباتی زندگی میں حرکت پیدا کرسکتا ہے۔ اس کا اصل مقصد با مطالبہ خدا کے ساتھ مکمل وفاداری ہے۔ یہ وفاداری کا عنصر اس وقت تک معرضِ وجود میں نہیں آسکتا جب تک انسان کے قلب و ذہن میں توحید خالص پیدا نہ ہو۔ جدید دور میں جب دنیا تصور توحید کے عمل سے ناآشنا ہوئی تو غیر مسلم تو در کنار مسلمان حکومتیں بھی ملوکیت، ملحدانہ اشتراکیت، سوشلزم اور فاشزم وغیرہ کی جانب مائل ہوگئیں۔ جس کی پاداش میں وہ آج ذلیل و رسوا ہیں۔

لہٰذا اقبال ملتِ اسلامیہ کو اپنی قیادت و پیشوائی کی پوزیشن حاصل کرنے کے لئے درس دیتے ہیں ؎

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت ... کا

جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ اقبال کا فکری سرچشمہ قرآن مقدس ہے۔ اقبال کا تصور توحید قرآن کا تصور توحید ہے۔ قرآن کی اساس بھی یہی توحید ہے۔ پورا قرآن اسی ایک نکتے کی جامع تفسیر ہے۔ زندگی کے تمام سوتے اسی سے پھوٹتے ہیں۔ قرآن ایک ہی خدا کو اس کائنات کا حاکم اعلیٰ قرار دیتا ہے۔ اس عمل کی دعوت دیتا ہے جس کا عملی نمونہ خود پیغمبر اسلام اور ان کی نگرانی میں تربیت پانے والے صحابۂ کرام ہیں جنھوں نے دنیا میں اس نظام کے ذریعہ حق و صداقت اور عدل و انصاف کا دور زندہ کردیا۔ جنھوں نے باطل طاقتوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالا۔ قیصر و کسریٰ کے "بتانِ بے فیض" "بتانِ آزری" اور نظام باطلہ کے نظام کہن پر کاری ضربیں لگائیں۔

صدر اول میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ نگرانی میں تربیت یافتہ مردانِ حق نے اعلائے کلمۃ الحق کو بنی نوع انسان تک پہونچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ وہ صبح و شام اس عمل میں سرگرم عمل رہے۔ وہ اس حقیقت سے روشناس ہو چکے تھے کہ انسان کا اصل مقصد اعلائے کلمۃ الحق ہے جو کہ انسانیت کے لئے ازلی و ابدی روشنی ہے۔ اقبال نے ان کے اس عمل کو "شکوہ" میں یوں واضح کیا ہے ؎

محفلِ کون و مکاں میں سحر و شام پھرے
مئے توحید کو لے کر صفت جام پھرے
کوہ میں دشت میں لے کر ترا پیغام پھرے
اور معلوم ہے تجھ کو کبھی ناکام پھرے

لیکن جدید دور میں مغربیت کے اثر نے، ملت اسلامیہ کے اس عمل کو کمزور کر دیا اور اس کا اثر زائل ہوگیا۔ یہ توحید خالص کبھی ایک پورا نظام زندگی تھا، سوچ و فکر کی اساس تھی، زندگی کا پاسباں تھا، فرد و ملت کی بقا کا ضامن تھا۔ مگر آج صرف ایک مسئلہ علم الکلام ہے۔ یہی توحید کبھی دنیا میں ایک زندہ قوت تھی۔ پوری زندگی کی آبرو اسی کے دم سے قائم تھی۔ حرکی عمل کا اصل راز یہی توحید تھا۔ آج نیل کے ساحل سے لے کر تا بہ خاک کاشغر، مسلمان اس زندہ قوت سے عاری ہیں۔

اکبر الہ آبادی مغربی انداز کی درسگاہوں اور دانش گاہوں سے تعبیر کرتے ہوئے کہتے ہیں ؎

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

آج کے جدید دور میں یورپ کے نظام تعلیم کا زبردست چرچا ہے۔ اس نظام تعلیم کو مسلمان بھی اپنے لئے باعث رحمت خیال کرتے ہیں بجائے اس کے کہ اپنا اسلامی نظام تعلیم مرتب کریں اور یورپ کے لادین نظام تعلیم سے اسلامی نوجوانوں کے قلب و ذہن کو محفوظ رکھیں۔ مسلمان خود اس روش میں بہہ رہے ہیں۔ عرب ہو یا عجم ہر جگہ یورپ کے اس جان لیوا نظام تعلیم نے اپنے جھنڈے گاڑ دیئے ہیں۔ برا ہو اس نظام تعلیم کا جس نے انسانوں کے اندر سے انسانیت کو نکال دیا ہے اور مسلمانوں کو جو انسانیت کے داعی تھے راکھ کا ڈھیر بنا دیا ہے۔ جب تک مسلمان توحید خالص کا پاس کرتے رہے، خودی کی نگہبانی ہوتی رہی تب تک میر کارواں بن کر رہے پوری دنیا ان کے زیر سایہ رہی۔ مشرق اور مغرب میں ان ہی کا بول بالا رہا۔ دنیا میں کوئی طاقت ایسی نہ تھی جو ان کے بڑھتے ہوئے سیل رواں کو روکے مگر آج وہ یورپ کے دست نگر بن کر رہ گئے ہیں بلکہ ان کی حیثیت ان یتیموں کی ہوگئی ہے جو کسی کمینہ کے دستر خوان پر پہونچ گئے ہوں اقبال کے نزدیک مسلمانوں کی کامیابی، سربلندی اور سرفرازی صرف اور صرف نکتہ "لا الٰہ" میں ہے۔ مسلمانوں کی زبوں حالی، پریشانی، بے راہ روی، ذہنی و قلبی، عملی جمود اور دوسرے تمام معاشرتی، معاشی اور سیاسی مسائل کا حل اس "نکتہ لا الٰہ" میں پوشیدہ ہے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب مسلمان کے قلب پر نزول کتاب کا عمل جاری ہوگا۔

اقبال توحید کا اس خالص اور جلالی تصور کے قائل ہیں جس کے سامنے "بتان بے فیض" صنم کدوں میں گر گر "ہو اللہ احد" کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ توحید کے اس جمالی اور جلالی تصور نے اقبال کے کلام میں ایک پورا نظام قائم کیا ہے، ان کا کلام توحید کے تصور جلال و جمال سے لبریز ہے۔ اس سے امتوں کا جلال اور جمال ظاہر ہوتا ہے مومن خدا کے جمال کا مظہر ہے جب کہ کافر خدا کے جلال کا۔ اقبال کے نزدیک اگر "لا" "الا" سے بیگانہ ہو جائے تو امتوں کا زوال شروع ہو جاتا ہے۔ الا کے بغیر "لا" ہمیشہ وادیٔ کفر و ضلالت اور ظلمت کی تاریک گھاٹیوں میں سرگرداں رہتا ہے۔ جبکہ الا انسانیت کے لئے عرفان کی کشادہ راہیں کھول دیتا ہے۔ کلمۂ توحید جلال و جمال کی مکمل تفسیر ہے ؎

نکتہ می گویم از مردان حال
امتاں را لا جلال الا جمال
لا و الا ساز و برگ امتاں
نفی بے اثبات مرگ امتاں

اقبال کے نزدیک حکمت کلیمی اور حکمت فرعونی میں "لا" اور "الا" کا فرق ہے۔ حکمت کلیمی کا مقصود خدا کی مکمل اطاعت ہے۔ حاکمیت، ربوبیت، ملکیت، فرماں روائی۔ صرف ذات بے ہمتا کو زیبا ہے۔ حکمت کلیمی کا مقصود خدا کی مکمل اطاعت ہے۔ کے علاوہ کہیں دوسرے نظام حکومت یا معاشرت کو قبول نہیں کرتی۔ اس کے برعکس حکمت فرعونی سرکشی، تخریب کاری و تباہ کاری، جور و استبداد تکبر و غرور، استکبری اور خوف مرگ کا نام ہے اقبال نے توحید کے اسی عنصر کو اپنی کتاب "ضرب کلیم" میں تفصیل سے اور مدلل بیان کیا ہے۔ یہ کتاب اپنے اندر ضرب کلیمی کی شان رکھتی ہے اور جدید دور کی فرعونیت کے خلاف اعلان جنگ کرتی ہے۔

الغرض یہ کہ اقبال کے نزدیک پیغمبر اسلام کا اسوۂ حسنہ ہی توحید کی مکمل اور جامع کتاب ہے۔ خلافت راشدہ پیغمبرانہ تصور توحید کی تکمیل کا دوسرا نام ہے۔ اس کا کام صرف ملک کا نظم و نسق چلانا، امن قائم کرنا اور سرحدوں کی حفاظت کرنا ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں معلم، مربی، اور مرشد کے تمام فرائض انجام دینا ہے۔ اقبال کا خیال ہے کہ موجودہ دور میں مسلمانوں کے اندر پیدا ہوئی اخلاقی اور عملی و فکری خرابیوں کا سدباب "توحید خالص" کے تصور ہی سے ہو سکتا ہے۔

مختصر

عالمی خبریں

معید اشرف ندوی

● سعودی سفیر برائے اٹلی نے رابطہ عالم اسلامی کہ مکرمہ کی جانب سے منعقد بین الاقوامی سیمینار برائے حقوق انسانی اور اسلام کا افتتاح کرتے ہوئے فرمایا کہ اسلام نے انسانی حقوق کی ضمانت دی ہے جس کا اصل مقصد انسان کو معاشرہ میں باعزت مقام دلانا ہے اور ظلم و زیادتی کرنے والوں کو روکنا ہے تاکہ ہر انسان امن و چین سے زندگی گذار سکے۔

● روسی سیکورٹی کونسل کے سکریٹری سرگئی ایوانوف کے مطابق روس کی آبادی میں اگلے پچاس برسوں میں ۳۰ ملین لوگوں کی کمی ہو جائے گی۔ پچھلے سال روس کی آبادی میں (۷۸۴۰۰۰) کی کمی ہوئی اس آبادی کی کمی کی شرح کا سب سے زیادہ اثر افواج پر پڑے گا وہاں کے ماہرین اس کی کو بڑھتی ہوئی شرح موت، گرتی ہوئی شرح پیدائش، صحت عامہ کی سہولیات کی کمی اور شراب نوشی کی کثرت کو قرار دیا ہے، ماہرین کا خیال ہے کہ کسی بھی ملک کی آبادی کو ایک شرح پر برقرار رکھنے کے لئے ۲٫۱ کی شرح پیدائش ضروری ہے لیکن یہ شرح روس میں ۱٫۲۸ پر ہے جس کی وجہ سے آنے والے ۵۰ برسوں میں وہاں کام کرنے والوں کا زبردست بحران واقع ہوگا۔

آج کل مسلم ممالک اور عام ترقی پذیر ممالک میں آبادی کے اضافہ پر کنٹرول کرنے کے لئے مغربی ممالک جتنی مدد دے رہے ہیں اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ ان ممالک کے پاس آبادی کی شکل میں جو سرمایہ ہے اسے بے اثر اور کم کیا جائے، سب سے زیادہ جرمنی، انگلینڈ، فرانس اور امریکہ کو خطرہ ہے کہ آنے والے دنوں میں ہماری آبادی کم ہو جائے گی اور غیر ملکی تارکین وطن کی تعداد زیادہ ہو کر اکثریت میں آجائے گی اور ہم خود اپنے ملک میں اقلیت میں رہ جائیں گے۔ (دی ہندو۔ ۲۱؍ مارچ ۲۰۰۰ء)

● یوکرین مشرقی یورپ میں واقع ہے جہاں کی آبادی پانچ کروڑ سے زائد ہے اس کی مشرقی سرحد روس سے ملتی ہے اور مغرب میں چیکوسلواکیہ واقع ہے اس کا رقبہ چھ لاکھ تین ہزار سات سو مربع کلومیٹر ہے۔ ۲۴؍ اگست ۱۹۹۱ء کے اعلان آزادی کے بعد ایک خود مختار ریاست کے طور پر ابھرا ہے ملک کا دوسرا بڑا مذہب اسلام اور مسلمان سب سے بڑی اقلیت ہیں، مسلمانوں کی آبادی ۲۰ لاکھ کے قریب ہے۔

آزادی کے بعد یوکرین کے مسلمانوں نے اپنے آپ کو منظم کیا جس کے نتیجہ میں نہ صرف مسلمانوں کو مذہبی آزادی دی گئی بلکہ کمیونسٹ دور کے غصب شدہ مدارس اور مساجد بھی مسلمانوں کے حوالہ کر دی گئیں اور پہلی مرتبہ ۱۹۹۸ء میں مسلمانوں نے حزب اسلامی یوکرین کے پلیٹ فارم سے انتخاب میں حصہ لیا۔ مسلمانوں نے اپنی ذاتی کوشش سے ایک اسلامی مرکز دارالحکومت میں قائم کیا ہے جس کے ذریعہ غیر مسلموں کو اسلام کے بارے میں اچھی معلومات فراہم کی جاتی ہیں اسی طرح مرکز خواتین کے ذریعہ دعوت کا کام لے رہا ہے اس میں عرب نوجوانوں کی بیویاں اور تاتاری مسلم خواتین اپنا تعاون دے رہی ہیں۔

مطالعے کی میز

تبصرے کیلئے کتابوں کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے!

● محمد شاہد ندوی بارہ بنکوی

نام کتاب : سلسبیل
شاعر : تابش مہندی
صفحات : ۱۱۲، سائز ۱۸×۲۲/۸، قیمت :/۶۰ روپے
خوبصورت ٹائٹل، عمدہ کاغذ، دیدہ زیب کتابت
ملنے کا پتہ : مرکزی اسلامی پبلشرز دعوت نگر ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر نئی دہلی۔

ڈاکٹر تابش مہندی صاحب ایک اچھے خوش فکر اور نعت گو شاعر ہیں سلسبیل ان کے نعتوں کا شاندار مجموعہ کلام ہے۔

نعت اگر سادہ لفظوں میں اظہار عقیدت ہی میں کہی جائے تب بھی اس کی قدر و قیمت ہے، لیکن اگر یہ اظہار عقیدت علم و تحقیق، سلیقہ و تہذیب، مقام نبوت کے عرفان کے ساتھ ہو، خیالات و جذبات کوثر و تسنیم میں نہائے ہوئے ہوں، زبان و بیان میں سلاست و روانی، حسن و دلکشی اور شیرینی و حلاوت ہو اور سب بڑھ کر نعت میں اگر عبدیت و الوہیت کا امتیاز اور توحید و رسالت کی عظمت و جلالت کا صحیح شعور کا پاس و لحاظ ہو، افراط و تفریط سے پاک ہو اور نعت رسولؐ کے ساتھ ساتھ اس میں منقبت صحابہؓ بھی شامل ہو تو اس کی قدر و قیمت میں بے انتہا اضافہ ہو جاتا ہے اور وہ عند الناس اور عند اللہ مقبول بھی ہوتی ہے، اس مجموعہ میں یہ جواہرات ہر طرف بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں جن کی آب و تاب نظر کو شادابی اور دل کو نور و سرور بخشتی ہے۔

تابش صاحب کی شاعری کا ایک قابل ذکر پہلو یہ بھی ہے کہ وہ زمینوں کا انتخاب لفظوں کی نشست اور مصرعوں کے در و بست کا بڑا اچھا سلیقہ رکھتے ہیں۔

سلسبیل میں نعتوں کے علاوہ تین حمد اور چودہ ۱۴ مناقب بھی شامل ہیں، اس طرح تابش صاحب نے اللہ رب العالمین کی حمد و ثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح اور صحابہ کرامؓ خصوصًا خلفاء راشدین کی منقبت بیان کرکے اپنے کو مستحق اجر و ثواب بنا لیا ہے۔

بطور نمونہ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

حمد :-

زمین تیری ہے اور آسمان تیرا ہے
مکان تیرا ہے اور لامکان تیرا ہے
شجر حجر ہیں تیری کبریائی کے مظہر
ہر ایک برگ و ثمر میں نشان تیرا ہے

نعت :-

میں مدح کر رہا تھا رسولؐ انامؐ کی
خوشبو بکھر رہی تھی درود و سلام کی
ہر سو رواں ہے چشمہ فیضانِ مصطفےٰ
تخصیص مصر کی ہے عرب کی نہ شام کی

منقبت :-

پڑھوں گا جب ابوبکرؓ و عمرؓ کی سیرت اقدس
بڑھے گی دست فکر و نظر آہستہ آہستہ
کوئی دیکھے مقدر حضرت عثمانؓ و حیدرؓ کا
میسر ہو گئی لخت جگر آہستہ آہستہ

یقین کامل ہے کہ تابش صاحب کا یہ خوبصورت مجموعہ کلام علمی اور ادبی حلقوں میں ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا۔ اور عاشقینِ رسولؐ کے دلوں کو حلاوت و جلا بخشے گا۔

نام کتاب : آئینۂ ہجری
مرتب : سید نورالدین
قیمت : 25/= روپے
ملنے کا پتہ : مکتبہ حرمین مرکزوالی مسجد امین آباد لکھنؤ

قدیم زمانہ سے یہ سلسلہ چلا آرہا ہے کہ دنیا کی تمام قومیں اپنے شب و روز اور زندگی کے اہم واقعات کو حوادثات کے حوالہ سے درج کرتی تھیں چنانچہ سنہ عیسوی کو حضرت عیسیٰؑ سے موسوم کر دیا گیا اور سنہ ہجری کو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ سے مدینہ کی ہجرت سے موسوم کر دیا گیا۔

انگلستان میں تقویم کا رواج عہد قدیم سے تھا، بعد میں تبدیلی کے ساتھ ۱۴ر ستمبر ۱۷۵۲ء مطابق ۴ر ذی قعدہ سنہ ۱۱۶۵ھ کو گیگورین کلنڈر کی صورت میں ہمارے سامنے آیا اور آج تک رائج ہے

دشواری یہ ہوتی تھی کہ کسی شخص کی پیدائش ہجری میں درج ہوتی تھی اور وفات عیسوی میں درج رہتی تھی اس صورتحال کو عام پڑھنے والا سمجھ نہیں پاتا تھا اس میں جو دشواریاں آتی تھیں اس سے اہل علم بخوبی واقف ہیں۔ اس کمی کو کانپور کے ماہر ریاضی داں سید نورالدین صاحب (M.S.C ریاضی) نے محسوس کیا اور اپنی پانچ سالہ عرق ریزی کے بعد ایک کتاب اور چارٹ (قیمت بیس روپئے) تیار کیا جس کا نام "آئینہ ہجری" ہے جس میں یکم محرم سنہ ۱ھ سے یکم سنہ ۱۵ مطابق ۱۹ر جولائی سنہ ۶۲۲ء سے یکم ۲۸ر نومبر سنہ ۲۰۷۶ء تک کا

(باقی صـ۱۳ـپر)

سوال وجواب

محمد طارق ندوی

س :۔ کیا امیر جماعت کثرت رائے یا قلت رائے کا پابند ہے یا نہیں؟

ج :۔ صورت مسئولہ میں امیر جماعت کثرت رائے کا پابند نہیں ہے وہ حق پر فیصلہ کریگا معاملات میں مشورہ ضرور کرنا چاہیئے۔ اللہ تبارک تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔ (وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ) ان کے معاملات ان کے باہم مشورں سے طے ہوتے ہیں صحابہ کرام کی یہ محمود صفت تھی کہ وہ دینی امور میں باہم مشورہ کرکے فیصلہ کرتے تھے لیکن آپ کو معلوم ہوگا کہ خلیفہ اول حضرت ابوبکرؓ نے جیش اسامہؓ کو مرتدین کے مقابلہ میں بھیجا جبکہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اکثریت مخالفت کررہی تھی زکوٰۃ کی وصولیابی میں بھی آپ نے کوئی نرمی نہیں برتی، جبکہ اکثر صحابہ کرام اس موقع پر نرمی کے خواہاں تھے۔

س :۔ کچھ لوگ نماز پڑھتے وقت پتلون کی مُہری کو نیچے سے موڑ لیتے ہیں کیا ایسا کرنا چاہیئے؟

ج :۔ ٹخنہ کے نیچے پتلون یا پائجامہ وغیرہ لٹکانا مکروہ تحریمی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ میں سخت وعید وارد ہے۔ عن عبد اللہ بن عمر أن النبی صلی اللہ علیه وسلم۔ قال إن الذی یجرّ ثیابه من الخیلاء لا ینظر اللہ إلیه یوم القیامة (مسلم ج ۲ ص ۱۹۲)

لہٰذا ہر وقت پتلون یا پائجامہ ٹخنہ کے اوپر رکھنا چاہیئے۔ اور نماز کے وقت تو حکم میں اور زیادہ شدت ہو جائے گی۔ لہٰذا پتلون وغیرہ کی مہری موڑنا ہوگا تاکہ کراہت سے بچا جا سکے۔

س :۔ دو فرضوں کو ایک ہی نماز کے وقت میں سفر کی وجہ سے جمع کرسکتے ہیں یا نہیں؟

ج :۔ نہیں، جمع نہیں کرسکتے ہیں۔ ہر نماز کو اس کے وقت میں پڑھنا ہوگا حدیث شریف میں دوران سفر نماز جمع کرنے کا جو حکم ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ صورۃً جمع کرسکتا ہے مثلاً ظہر کو آخری وقت میں پڑھے اور عصر کو اول وقت میں۔ اس طرح دو نمازوں کے درمیان جمع ہو جائے گا نیز ارشاد خداوندی ہے۔ إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا۔

صاحب بدائع فرماتے ہیں: قال أصحابنا إنه لا یجوز الجمع بین فرضین فی وقت احدهما الا بعرفة والمزدلفة الی أن قال ولا یجوز الجمع بعذر السفر والمطر جلد اول صفحہ ۳۲۷

نیز حضورؐ کا یہ ارشاد ہے: من جمع بین الصلوتین من غیر عذر فقد اتی بابا من ابواب الکبائر (ترمذی ۱/۲۶)

س :۔ بہت سے لوگ، لکڑی، مٹی وغیرہ کے جاندار کی تصویر بنا کر بیچتے ہیں کیا یہ شرعاً جائز ہے؟

ج :۔ جاندار کی تصویر بنانا حرام ہے، خواہ لکڑی مٹی، لوہے، سونے وغیرہ کسی مادے سے بنائی جائے تصویر بنانے والے کے لئے حدیث شریف میں سخت عذاب کی وعید ہے، لہٰذا مذکورہ اشیاء کی تصویر بنانا اور اسے بیچنا شرعاً ناجائز ہوگا۔ اور اس سے کمائی گئی رقم حرام ہوگی۔

س :۔ خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟

ج :۔ خودکشی کرنے والے مسلمان کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ اگرچہ خودکشی حرام ہے اور اس کا مرتکب گنہگار ہے اور اللہ کے نزدیک سخت سزا کا مستحق ہے۔

س :۔ پہلوان جب کشتی لڑتا ہے تو صرف لنگوٹ باندھ کر لڑتا ہے کیا اس کا یہ عمل جائز ہے نیز دوسرے لوگ ایسی کشتی دیکھ سکتے ہیں؟

ج :۔ پہلوان کا مذکور عمل ناجائز ہے نیز اس طرح اسے دیکھنا بھی چونکہ ستر کھول کر کشتی لڑی جاتی ہے جائز نہ ہوگا۔

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ پر کلکتہ میں سمپوزیم اور خصوصی نمبر کا رسم اجرا

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن
دویؒ کے نام سے موسوم ایک سمپوزیم باب العلوم
۲ ویں سالانہ جلسہ کے موقع پر ۲۸ر اپریل ۲۰۰۰ء کو
سلم انسٹی ٹیوٹ ہال کلکتہ میں منعقد ہوا۔ جس کی
رت سابق مہتمم مدرسہ عالیہ کلکتہ، مولانا ابومحفوظ
یم معصومی نے فرمائی اور مہمانان گرامی کا تعارف اور
زیم کے مقاصد و اغراض مولانا صباح اسمٰعیل ندوی
بیان کئے اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم مولانا
ید الرحمٰن اعظمی ندوی نے افتتاحیہ کلمات سے نوازا،

خطبۂ استقبالیہ میں باب العلوم کے ناظم اعلیٰ حافظ
اری محمد اسمٰعیل ظفر صاحب نے حضرت مولانا علیہ الرحمۃ
خصیت و خدمات کا اجمالی جائزہ لیتے ہوئے سرزمین
تہ سے مولانا مرحوم کے تعلقات اور دلی وابستگی کا
رکیا۔ انھوں نے کہا کہ مولانا کی تعلیمات و ہدایات کو فروغ
نا، ہماری ذمہ داری ہے آنے والی نسلوں تک مولانا
پیامات پہنچانے کے لئے میں "علی میاں ندوی
وسائٹی" کے قیام کا ارادہ رکھتا ہوں، جس کے تحت
ب العلوم مولانا مرحوم کے پیام انسانیت کے چراغ کو
ب و تاب کے ساتھ روشن رکھے گا۔

جسٹس خواجہ محمد یوسف صاحب نے مغربی
نگال میں مسلمانوں کی تعلیمی زبوں حالی پر افسوس ظاہر
رتے ہوئے کہا کہ یہاں کوئی معیاری اردو میڈیم
کول نہیں ہے۔ یہاں کے مسلمانوں تک اسلامی
لیمات کے فروغ کے لئے اردو ایک اہم وسیلہ ہے
ھوں نے کہا کہ مولانا علیہ الرحمہ کی بھی یہی خواہش تھی کہ
ہاں کے مسلمان اردو کے ساتھ ساتھ بنگلہ زبان میں ملکہ
حاصل کریں اور اس زبان کو اسلامی افکار و خیالات
سے مالا مال کریں۔

امیر جمعیت اہل حدیث مغربی بنگال مولانا عبدالخالق ندوی نے مولانا علی میاںؒ کی رحلت کو دنیائے انسانیت کے لئے ایک عظیم خسارہ بتایا۔

سابق امیر جماعت اسلامی مغربی بنگال، جناب سید علی صاحب نے اس موقع پر فرمایا کہ مولانا کے ہاں خانقاہ اور جہاد کا عجیب امتزاج ہے اور یہی امتزاج مولانا کو شان امتیازی عطا کرتا ہے۔ اس نکتے کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے تعلق رکھنے والے مہمان مولانا محمد تیسیر عزیز ہاشمی ندوی نے اور زیادہ واضح کیا اور کہا کہ آسمان ادب پر لاکھوں ستارے نمودار ہوئے اور ڈوب گئے، مورخوں کا کارواں آتا رہا اور جاتا رہا، مفکرین و دانشوروں کی بھی کمی نہیں، لیکن مولانا کو اس ہزاریے کا واحد مرد میدان قرار دینے کی واحد وجہ جو سمجھ میں آتی ہے وہ یہی ہے کہ مولانا نے علم کا رشتہ عمل سے نہایت خوش اسلوبی سے جوڑ دیا ہے۔

پروفیسر سلیمان خورشید صاحب نے مولانا کو تاریخ اسلام پر گہری بصیرت کا حامل بتایا اور کہا کہ مولانا نے اپنے تاریخی ادراک کا صحیح اور بروقت استعمال کیا۔ اور ہندوستانی و عالمی مسلمانوں کو وقت سے پہلے آنے والے مصائب سے نہ صرف آگاہ کیا بلکہ انہیں عملی طور پر ان سے نبرد آزما ہونے کے لئے تیار کیا۔ آزاد ہند کے مدیر جناب احمد سعید ملیح آبادی نے مسلم پرسنل لاء کے حوالے سے مولانا کی گرانقدر خدمات کا جائزہ لیا۔ اور کہا کہ اس موقع پر مولانا نے جو اسلامی لہر پیدا کی تھی اور کنٹینینٹل ڈیبیٹ (CONVERSATION) کا سلسلہ شروع کیا تھا آج پھر سے وہی دینی لہر اور قومی افہام و تفہیم کا سلسلہ شروع ہو جائے تو ہندوستان میں اسلام کا بڑا کام ہو جائے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مدظلہ العالی نے کہا کہ مولانا کی پہلودار شخصیت اپنے اندر ایک دعوت رکھتی ہے، آج علمی جدوجہد فکری انقلاب اور نتیجہ خیز تگ و دو کی سخت ضرورت ہے مولانا علیہ الرحمہ اب نہیں رہے، لیکن ان کی دعوت و عزیمت کا وسیع خزانہ موجود ہے جس سے وقت و حالات کی نباضی آج بھی ممکن ہے۔ مولانا علیہ الرحمہ کی عظیم کامیابیوں کا راز ان کا متوازن فکر ہے اور یہی فکر اسلام اور مسلمانوں کی فلاح کا ذریعہ اور کامیابی و کامرانی کی کلید ہے، اسے ہاتھ سے جانے نہ دیجئے اور متحد ہو کر میدان عمل میں آگے بڑھئے۔ یہ مولانا کی تعلیمات کا خلاصہ ہے اور وقت کا تقاضا بھی۔

مولانا ابومحفوظ الکریم معصومی نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ مولانا کی تعلیمات کو عام کرنے کی ضرورت ہے، اگر مولانا کا کام ان کی وفات کے ساتھ ختم ہو گیا۔ تو یہ اس دنیا کے لئے بڑی بدنصیبی کی بات ہوگی۔ مولانا علی میاںؒ آج بھی ہمارے قائد ہیں اور ہمیں ان کی تالیفات کی روشنی میں تیزی کے ساتھ آگے بڑھنا چاہیئے۔ اس موقع پر باب العلوم نے ایک خصوصی اور یادگاری مجلہ "مولانا علی میاں ندویؒ نمبر" بھی شائع کیا، جس کی رسم اجراء صدر جلسہ نے کیا یہ مجلہ اپنے منتخب مضامین اور حضرت مولانا کی شخصیت اور ان کے اقوال و احوال کے لحاظ قابل قدر اور داد و تحسین کے لائق ہے اور اہل علم اور صاحبان قلم عوام و خواص سب کے لئے حضرت مولاناؒ کا ایک تحفہ ہے جسے حاصل کر کے ضرور مطالعہ کرنا چاہیئے۔

یہ کامیاب سمپوزیم مولانا صباح اسمٰعیل ندوی علیگ (مہتمم باب العلوم) کے اظہار تشکر اور صدر جلسہ کی دعاء پر اختتام پذیر ہوا۔ (ادارہ)

حضرت مولانا سیّد ابو الحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ پر

تعمیر حیات کا

خصوصی اور یادگاری نمبر

ادارہ **تعمیر حیات** کا سب سے قبل یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے سرپرست اور بزرگ ترین شخصیت حضرت مولانا **سید ابو الحسن علی حسنی ندوی**ؒ ناظم ندوۃ العلماء پر ایک یادگاری خصوصی اشاعت پیش کرے، وہ یہ فرض بہتر اور نہایت معیاری انداز سے پورا کرنا چاہتا ہے اس کے لئے کشادہ وقت درکار ہے اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے قریبی تعلق رکھنے اور ان کی شخصیت کے امتیازی پہلوؤں سے واقفیت رکھنے والوں کے تعاون کے ساتھ ہی یہ کام انجام دیا جا سکے گا۔

ادارہ تعمیر حیات نے اس سلسلہ کی ضروری کارروائی شروع کر دی ہے، اس سلسلہ میں ہمارے محبین و اہل قلم کی طرف سے پسندیدگی ظاہر ہو رہی ہے ـــــ ہم امید کرتے ہیں کہ یہ کام نئے سال کی پہلی سہ ماہی میں مکمل ہو سکے گا۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ پر مختلف رسالوں کے نمبر نکلے ہیں اور نکل رہے ہیں، اس نمبر میں انشاء اللہ نئے مضامین کے ساتھ ساتھ دیگر خصوصی نمبروں میں شائع شدہ امتیازی مضامین کو بھی شامل کیا جائے گا۔

ـــــــــــــــ ادارہ

[redacted]

Regd. No. LW / NP/ 63
Fax No.: (0522)330020

FORTNIGHTLY

Principal off : 372336
Guest House : 323864

MEER-E-HAYAT

NADWATUL-ULAMA, LUCKNOW-226 007 (India) Rs. 6/-

Printed And Published by *Athar Husain* on behalf of Majlis Sahafat- Wa- Nashriat,

لکھنؤ
تعمیر حیات
پندرہ روزہ

ہندوستانی مسلمانوں کی ذمہ داری

یہ امت اللہ کے سامنے جواب دہ ہوگی کہ جب کروڑوں کی آبادی والا اتنا بڑا ملک انارکی اور اخلاقی گراوٹ کا شکار ہو رہا تھا تو تم جو کروڑوں میں تھے۔ کیا کرتے رہے؟ کیا تم نے اسے روکنے کے لئے کوئی اقدام کیا؟ موجودہ حالات میں ہندوستانی مسلمان کو تین کام کرنا ضروری ہے (۱) اپنا امتیاز قائم رکھتے ہوئے اور معاشرے میں اپنی برتری اور بہتری ثابت کرتے ہوئے یہاں کی اکثریت سے اپنے کو اور اسلام کو متعارف کرائیں۔(۲) اپنے بچوں کی دینی تعلیم کی فکر کریں اور کم از کم یہ کہ وہ اسلام کی بنیادی باتوں سے واقف ہوں، اس کے لئے انھیں اردو ضرور پڑھائیں۔ کیونکہ ہماری تہذیب کا بیشتر سرمایہ اردو میں ہے اور انڈو اسلامک کلچر کو سمجھنے کے لئے جتنی مددگار زبان اردو ہے اتنی کوئی دوسری زبان نہیں۔(۳) اپنے سماج کی خبر لیں اور اس کی بھلائی اور سدھار کے لئے جو کچھ کر سکیں کریں اور معاشرہ میں اپنی افادیت ثابت کریں۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

(ماخوذ از: حیات اور کارنامے)

۲۰؍جون ۲۰۰۶ء | سالانہ ۱۳۰؍روپے | فی شمارہ ۶؍روپے



تفریح ومذاق کے انداز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز تعلیم

تحریر:۔ شیخ عبد الفتاح ابوغدہؒ ترجمہ:۔ شمس الحق ندوی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی صحابہ کرامؓ کو تفریح ودلچسپی کے انداز میں باتیں بتاتے تھے، لیکن اس تفریحی انداز میں بھی آپ سچی ہی باتیں فرماتے تھے، بہت سی علمی باتیں تفریح ومذاق کے انداز میں صحابہ کرامؓ کو سکھا دیتے تھے، ایسا اس لئے فرماتے کہ انسانی طبیعت ومزاج کچھ اس طرح بنا ہے کہ کبھی سستی واضمحلال کی کیفیت ہوتی ہے اور تفریحی باتوں سے یہ چیز دور ہو جاتی ہے نشاط پیدا ہو جاتا ہے اور مخاطب بات کو دلچسپی سے سنتا ہے جو دل میں اتر جاتی ہے اور اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے۔

بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا "حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے یہاں تشریف لایا کرتے تھے میرا ایک چھوٹا بھائی تھا اس کی کنیت ابوعمیر تھی، اس نے ایک گوریا جیسا پرندہ پال رکھا تھا، اس سے کھیلتا اور دل بہلاتا تھا، کچھ دنوں بعد وہ پرندہ مرگیا، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو اس کو غمگین دیکھ پوچھا کیا بات ہے غمگین کیوں ہیں؟ بتایا گیا کہ ان کا پرندہ مرگیا اس پر غمگین ہیں، آپؐ نے فرمایا: ارے ابوعمیر تمہارا نغیر (چھوٹا پرندہ) کیا ہوگیا؟"

ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ "ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری مانگی آپؐ نے فرمایا: میں تم کو سواری کے لئے اونٹنی کا ایک بچہ دوں گا اس شخص نے کہا اللہ کے رسولؐ اونٹنی کا بچہ لے کر کیا کروں گا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بھائی اونٹ کو اونٹنی ہی تو جنتی ہے"۔

ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تفریحی انداز میں سمجھایا کہ اونٹ خواہ بڑا ہو اور سواری اور بار برداری کے کام آتا ہو، ہوتا تو ہے وہ اونٹنی ہی کا بچہ۔

(اس سادہ اور معمولی واقعہ میں ... سیکھنے کی ہیں ایک بات تو یہ ہے کہ طالب علم جب کوئی بات سنے تو اس پر غور کرے ... تردید میں جلدی نہ کرے، یہ پہلو بہت ... جو طالب علم کو کامیابی کا راز بتاتا ہے ... میں تفریحی انداز میں ذہن کو غور وفکر پر آمادہ ... کی تعلیم دی گئی ہے جو درست وحق ... آپؐ کا یہ مذاق بھی تفریح کے ساتھ حقیقت ہی بیان کرتا ہے، اس میں عمیر سے جو کچھ فرمایا ... ایک طرح سے ان کے غم کو دور کرنے کی غرض سے تھا مزید یہ کہ پرندہ کو پالنا اور پنجرے میں بند ... درست وجائز ہے۔ ایسے ہی پرندہ کو ... ظلم میں شامل نہیں ہے۔ یہ معلوم ہوا کہ اگر ... نہ لگے تو پیار کے انداز میں تصغیر کا لفظ ... کرنا بھی درست ہے بعض علما اس حدیث کی ... کرتے ہوئے ساٹھ کے قریب مسائل کا استنباط کیا ہے، بعض حضرات نے تو تین سو کے قریب فوائد گنائے ہیں)۔

نعت

ایس۔ ایم یسرور کیرلا

محمدؐ کا ستارا جب مدینہ میں ہوا روشن
ہوئی ہے نور سے اس کے زمانے کی فضا روشن

ضلالت کا اندھیرا مٹ گیا دنیا کے پردے سے
ہر اک قلب وجگر نورِ مبیں سے ہوگیا روشن

زمانے کے لیے نورِ حقیقت بن کر آئے تھے
خدا نے آپ کی ہستی سے عالم کو کیا روشن

سلیقہ آپ نے عالم کو جینے کا سکھایا ہے
ہر اک دشت وجبل نورِ محمدؐ سے ہوا روشن

مٹی دنیا سے شرک وکفر وگمراہی کی تاریکی
نبوت کا وہ خاور جب مدینہ میں ہوا روشن

چراغِ حق نہ بجھ جائے بچا اعدا کے پھونکوں سے
ہو قائم تا ابد یارب ترے دیں کا دیا روشن

یہاں ہر چیز ہے روشن محمدؐ ہی کے پرتو سے
زمیں روشن فلک روشن خلا وماورا روشن

حقیقت ہے کوئی بھی اس کا منکر ہو نہیں سکتا
تجلی سے محمدؐ ہی کی ہے راہِ ہدیٰ روشن

عطا کر اپنے بندوں کو تو توفیقِ عمل یارب
کرم سے تیرے سرور کا ہے سینہ سدا روشن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پندرہ روزہ

لکھنؤ

تعمیر حیات

مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۳۷

شمارہ نمبر ۱۶

۲۵ جون ۲۰۰۰ء — مطابق — ۲۲ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ ۱۳۰/ روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں

زر تعاون

سالانہ — ۱۳۰/ روپے

فی شمارہ — ۶/ روپے

— بیرونی ممالک فضائی ڈاک —

ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک

۳۰ ڈالر

— بیرونی ممالک بحری ڈاک —

بحری ڈاک جملہ ۱۵ ڈالر

خط و کتابت کا پتہ

منیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس نمبر ۹۳

ندوۃ العلماء لکھنؤ، ۲۲۶۰۰۷ یوپی

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں

گزارش

خط و کتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کے ساتھ مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے منیجر

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے ندوہ آفسٹ میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِس شمارے میں

شرائط ایجنسی

۱۔ پانچ کاپی سے کم کی ایجنسی جاری نہیں کی جاتی۔
۲۔ فی کاپی =/Rs. 15 کے حساب سے زر ضمانت روانہ کرنا ضروری ہے۔
۳۔ کمیشن جوابی خط سے معلوم کریں۔

نرخ اشتہار

۱۔ تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر اندرونی صفحہ =/Rs. 30
۲۔ تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر پشت پر رنگین صفحہ =/Rs. 40
۳۔ کمیشن تعداد اشاعت کے مطابق ہوگا جو آرڈر دینے پر متعین ہوگا۔
۴۔ اشتہار کی نصف رقم پیشگی جمع کرنا ضروری ہے۔
۵۔ انٹرنیٹ اور تعمیر حیات دونوں کا نرخ اشتہار فی کالم سنٹی میٹر =/80

بیرون ملک نمائندے

Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb. P.O. Box No. 842, Madina Munawwara (K.S.A.)	مدینہ منورہ
Mr. M. AKRAM NADWI O.C.I.S., St. Cross College, Oxford Ox1 3TU-U.K.	برطانیہ
Mr. M. YAHYA SALLO NADWI Sb. P.O. Box 388, Vereninging, (S. Africa)	ساؤتھ افریقہ
Mr. ABDUL HAI NADWI Sb. P.O. Box No. 10894, DOHA-QATAR	قطر
Mr. QARI ABDUL HAMEED NADWI Sb. P.O. Box No. 12525, DUBAI (U.A.E.) P.H. No: - 3970927	دبئی
Mr. ATAULLAH Sb. Sector A-50, Near sau Quater H. No. 109, Town Ship Kaurangi, KARACHI-31 (Pakistan)	پاکستان
Dr. A. M. SIDDQUI Sb. 98-Conklin Ave. Woodmere NEW YORK 11598 (U.S.A.)	امریکہ

Internet Web-site: http://nadwa.virtualave.net
e-mail address: airp@lw1.vsnl.net.in

ارتحال

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

مولانا محمد ناظم ندویؒ اللہ کے حضور میں

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کو ابھی پورے چھ مہینہ بھی نہیں گذرے کہ ان کے رفقاء ندوہ اور ہم مذاق ساتھیوں کی صف میں جو آخری شخص رہ گئے تھے ان کی وفات کی بھی خبر مورخہ ۹ر جون کو ندوہ پہونچی، ہماری مراد مولانا محمد ناظم صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے کہ جن کی علمی اور تعلیمی رفاقت حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ایسی قریبی اور برادرانہ تھی کہ وہ دونوں جب ملتے تو باہمی انس اور مسرت سے ملتے اور دو دوستوں اور رفیقان کار کی حیثیت سے کاموں میں شریک ہوتے تھے، دونوں تقریباً ۱۹۲۹ء سے ۱۹۳۲ء تک طالبانہ حیثیت سے ساتھ رہے، پھر مولانا ناظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں عربی زبان وادب کے استاد کی حیثیت سے چار سال ۱۹۳۲ء تا ۱۹۳۶ء رہے، وہاں اس وقت مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا محمد یوسف بنوریؒ جیسے حضرات استاد تھے، مولانا ناظم صاحبؒ کو وہاں ان کے ساتھ رفاقت رہی، پھر مولاناؒ ندوہ میں بھی استاد کی حیثیت سے آگئے اور یہاں رہے، سابق رفقاء مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحبؒ اور مولانا مسعود عالم صاحب ندویؒ اور مولانا عبدالسلام صاحب قدوائیؒ کی رفاقت کی، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش ۱۹۱۳ء یا ۱۹۱۴ء کی تھی جوان کے رفیق علمی وتعلیمی مولانا علی میاں صاحبؒ کی تھی۔

مولانا ناظم صاحبؒ مشہور صوفی بزرگ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے نسبی تعلق رکھتے تھے، والد صاحب کا نام اشفاق احمد تھا، اور علی نگر ضلع مونگیر بہار میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی، پھر متوسط تعلیم شمس الہدیٰ پٹنہ بورڈ میں ہوئی، اور وہاں نمایاں کامیابی حاصل کی، پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے ندوہ آئے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ندوۃ العلماء میں دس سال تدریس میں ۱۹۳۶ء تا ۱۹۴۷ء تک گزارے تھے۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے خاص موضوعات میں سے ادب عربی کو خصوصی مقام حاصل تھا، اور اس میں ندوہ کو شیخ تقی الدین ہلالی مراکشی کی آمد سے بڑی تقویت حاصل ہوئی تھی، علامہ شیخ تقی الدین ہلالی تین سال ندوہ میں رہے، ان کے خاص شاگردوں میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا مسعود عالم ندوی مدیر عربی ماہنامہ "الضیاء" اور مولانا محمد ناظم صاحب ندوی کو ان کی خصوصی توجہ حاصل ہوئی، یوں ان کے دیگر رفقاء میں مولانا عبدالسلام صاحب قدوائی، مولانا محمد عمران خاں صاحب ندوی، مولانا ابواللیث صاحب اصلاحی ندوی اور کچھ دوسرے حضرات بھی تھے، لیکن ادب عربی کے استفادہ کے لحاظ سے تین آدمیوں کو خصوصیت حاصل ہوئی۔ اور مراکش کے عربی ادب کے بڑے عالم شیخ تقی الدین ہلالی سے استفادہ سے ہوئی، مصر وشام کے اہم ترین فضلاء میں زبان وادب کے کسی مسئلہ میں اختلاف ہوتا تو شیخ تقی الدین ہلالی سے رائے لیتے، ندوہ کو ان کی آمد سے بہت فائدہ پہونچا، اور وہ فائدہ حقیقت میں ان تین اشخاص کو عربی ادب میں امتیاز حاصل کرنے کی صورت میں حاصل ہوا، مولانا مسعود عالم صاحب نے عربی صحافت میں اپنی ممتاز صلاحیت کا ثبوت دیا، ندوہ کا عربی ترجمان ماہنامہ "الضیاء" انہی کی ادارت میں کئی سال نکلا اور اس نے عالم عربی میں داد وتحسین حاصل کی، اس میں مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندویؒ اور مولانا محمد ناظم صاحبؒ پوری طرح سے معاونت اور شرکت کرتے تھے۔ مولانا ناظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصیت زبان کے لغت کے پہلو میں امتیاز تھا، اور انھوں نے عربی کے الفاظ اور نحو کی صحت کے سمجھنے میں خصوصی امتیاز پیدا کیا تھا، اس کا اعتراف خود ان کے رفقاء کرتے تھے، مولانا محمد ناظم صاحبؒ نے ندوۃ العلماء میں تدریس کا کام دس سال تک کیا تقسیم ہند کے بعد وہ پاکستان منتقل ہوگئے اور ریاست بہاولپور کی اسلامی یونیورسٹی کے شیخ الجامعہ مقرر ہوئے، وہ ۱۹۵۰ء تا ۱۹۶۳ء بارہ

سال اس منصب پر رہنے کے بعد جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں استاد کی حیثیت سے کام کیا، پھر پاکستان واپس آکر کراچی میں قیام فرمایا، اور متعدد علمی و تعلیمی شعبوں کے رکن رہے، تصنیف و تالیف میں بھی ان کا حصہ رہا، کئی کتابیں انھوں نے تصنیف کیں، عربی شاعری میں بھی انھوں نے حصہ لیا، اس طرح مختلف موضوعات پر ان کے اشعار کا ایک مجموعہ تیار ہوا جو شائع ہوا۔ عربی انشاء وادب کی تعلیم پر "المنہج الجدید لدراسۃ اللغۃ العربیۃ" کے نام سے چار جلدوں میں ایک کتاب بھی لکھی، ان کا عربی ادب کے ساتھ ساتھ دیگر علمی موضوعات سے بھی اچھا ربط تھا۔ چنانچہ ندوۃ العلماء میں عربی ادب کے بڑے استاد ہونے کے ساتھ ساتھ انھوں نے "حجۃ اللہ البالغۃ" اور بعض دیگر فنون کی کتابوں کا بھی درس دیا اور جامعہ عباسیہ بہاولپور میں بخاری شریف کا بھی درس دیا، حدیث شریف میں وہ ندوۃ العلماء کے شیخ الحدیث مولانا حیدر حسن خاں صاحب ٹونکی کے شاگرد رہے تھے اور ان سے استفادہ کیا تھا۔

مولانا محمد ناظم ندوی ندوۃ العلماء کے ان فرزندوں میں تھے جن پر ندوۃ العلماء کو فخر تھا، وہ ندوۃ العلماء سے خصوصی تعلق رکھتے تھے، پاکستان جانے کے بعد بھی ندوۃ العلماء سے برابر تعلق محسوس کرتے رہے اور دو تین بار ان کو ندوۃ العلماء آنے کا موقع ملا، اور ندوۃ العلماء آکر انھوں نے بڑی مسرت محسوس کی، ندوۃ العلماء میں ان کو سب سے زیادہ تعلق مولانا ابوالحسن صاحب ندویؒ سے تھا، اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو ان سے بڑا انس و تعلق تھا، دونوں بڑے مخلص دوست اور رفیق کی حیثیت سے ملتے تھے، اور دور رہنے کی صورت میں ایک دوسرے کو یاد کرتے تھے۔

عالمی رابطہ ادب اسلامی کی تشکیل کے بعد جس کے صدر مولانا علی میاںؒ منتخب ہوئے، پاکستان کے حصہ کی ذمہ داری مولانا محمد ناظم صاحب ندویؒ پر ڈالی گئی تھی، جو گذشتہ چند سال قبل تک ان کے ذمہ رہی، گذشتہ کئی سالوں کے دوران مولانا محمد ناظم صاحب ندویؒ کو صحت کی مختلف کمزوریوں سے سابقہ پڑا خاص طور سے ان کے پیروں کی کمزوری بہت زیادہ بڑھ گئی تھی، نیز بعض ایسی شکایات ہوگئی تھیں جن سے معذوری بڑھ گئی تھی بالآخر وقت آخر آگیا، اور یہ عربی زبان وادب کا ممتاز دانشور راہی اپنے مالک حقیقی سے جا ملا، ان کی وفات حضرت مولاناؒ کی وفات کے تقریباً چھ ماہ بعد ہوئی، اگر حضرت مولاناؒ کی حیات میں ہوئی ہوتی تو مولاناؒ اس کا بڑا صدمہ محسوس کرتے، جس کو ہم سب اہل ندوہ محسوس کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو اپنے دامن عفو و مغفرت میں جگہ دے، اور ان کے درجات بلند فرمائے، اور جنت الفردوس میں اعلیٰ جگہ عطا فرمائے۔

راقم الحروف کو ان کی خاص شفقتوں کا فائدہ حاصل رہا ہے، شاگرد ہونے کے تعلق سے بھی، اور ان کے عزیز دوست و رفیق مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے بھانجہ ہونے کے تعلق سے بھی، اس لئے میں اس واقعہ کو خاندانی واقعہ تصور کرتا ہوں اور میں ہی صرف نہیں بلکہ ان کے تمام شاگرد جو ان کی محبت اور ان کے حسن اخلاق اور شفقت سے مستفید ہوئے ہیں، ان کی وفات کو بڑے صدمہ کا باعث سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرمائے۔ (آمین)

تاریخ وفات مقبول الانام

۱۹۹۹ء

ناظم ندوہ نامی گرامی مولانا سید ابوالحسن علی میاں

۱۹۹۹ء

ڈاکٹر مغیث الدین فریدی

ایک دانائے راز مرد خدا — آج رخصت ہوا دعا دے کر
پاسبان کلید بیت اللہ — آئینہ دار خلق پیغمبر
وہ ادیب و خطیب لاثانی — زیب محراب و زینت منبر
وہ محدث مفسر قرآن — وہ مفکر فقیہ دانش ور
صادق القول صاحب کردار — پاک دل پاک ذات پاک نظر
کئی صدیوں کے بعد آیا تھا — علم و فضل و کمال کا پیکر
قوم پر جب بھی کوئی وقت پڑا — سامنے آگیا سپر بن کر
بن گیا اس کے دم کی برکت سے — ندوہ سرچشمۂ علوم و ہنر

ناظم ندوہ کا ہے سال وفات
سرور نامور بلند نظر
۱۹۹۹ء

سیرت و کردار کی تبدیلی کی ضرورت

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

"وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ"۔
(سورۃ الاسراء۔ ٨٠)

اور کہو کہ اے پروردگار مجھے اچھی طرح داخل کیجیو اور اچھی طرح نکالیو۔

کہ ہر بن مو سے صدا آئے

اصل چیز ہے سیرت و کردار اور وہ طرز زندگی جو ایک سلطنت ہی نہیں بلکہ سلطنت سے بڑی چیز ہیں یعنی معرفت الٰہی، اللہ کے یہاں کی مقبولیت نظر کی تاثیر اور خیر عام اور ہدایت و رحمت الٰہی کا دروازہ کھولنے کا کام کرتی ہے، سلطنت تو اس کا ایک ہلکا اور ایک پھیکا سا نشان ہے۔ ایمانی سیرت وہ چیز ہے جو آفاق و انفس کی فتوحات عطا کرتی ہے اور وہ جہاں گیری عطا کرتی ہے جس کے سامنے سلطنتیں ہیچ ہیں، وہ اصل چیز جو ہر خیر کا منبع و سرچشمہ ہے وہ ہے سیرت، میں نے کسی موقع پر کہا تھا کہ "ارادے اداروں کو پیدا کرتے ہیں، ادارے ارادوں کو پیدا نہیں کرتے" اصل چیز ہے صحیح ارادہ، جب صحیح ارادہ ہو جاتا ہے تو پھر سیکڑوں ادارے وجود میں آتے ہیں، ادارے جیتے ہیں، مرتے ہیں، پیدا ہوتے ہیں اور ختم ہو جاتے ہیں لیکن ارادۂ انسانی جب صحیح ہو جائے اور انسان کی نیت صحیح ہو جائے، انسان کی سیرت، شریعت کے سانچے میں ڈھل جائے، انسان کے اعمال و تصرفات منشائے الٰہی کے تابع ہو جائیں، منشائے الٰہی کے سانچے میں ڈھل کر نکلیں، اور ذہن کا رخ صحیح ہو جائے کہ ہر بن مو سے صدا آئے۔

"وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِیْرًا"۔

تو ان کے غلاموں کے قدموں کے نیچے کسریٰ و قیصر کے تاج آتے ہیں ؎

در شبستان حرا خلوت گزید
قوم و آئین و حکومت آفرید
ماند شبہا چشم او محروم نوم
تا بہ تخت خسروی خوابید قوم

اقبال کہتے ہیں کہ آپ کی امت تخت خسروی پر آکر سو گئی، یعنی اس نے تخت خسروی کو ایک معمولی چارپائی اور ایک سریر سمجھا اس کو خاطر میں نہیں لائی، جہاں بیٹھنا چاہئے تھا جاہ و جلال کا اظہار کرنے کے لئے وہاں وہ سو گئی۔

تو اصل چیز کیا ہے؟ خدا کو جب منظور ہوگا اور خدا کی حکمت کا تقاضا ہوگا تو سلطنت وجود میں آئے گی، اور جب خدا کی حکمت کو کچھ اور تقاضہ ہوگا تو اس سے بھی بڑی چیزیں وجود میں آئیں گی۔ یہ درویشان بے نوا، یہ فقیران کج کلاہ آپ کی سرزمین میں آرام فرما ہیں۔ انھوں نے بادشاہوں پر حکمرانی کی ہے، حضرت خواجہ برہان الدین غریب کے واقعات پڑھئے، حضرت خواجہ زین الدین کے واقعات پڑھئے، ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ شیخ زین الدین کو بادشاہ وقت نے طلب کیا جو اس وقت کا سب سے بڑا بادشاہ تھا، کسی بات پر اس کو ناگواری ہوئی، تو انھوں نے خواجہ برہان الدین غریب کی قبر پر آکر اپنی لاٹھی گاڑ دی اور کہا اب جس میں دم اور ہمت ہو وہ یہاں سے اٹھا کر دیکھے، تو اس کے سامنے بادشاہ ہی جھکا وہ اس کے سامنے نہیں جھکے، ایسی نظیروں سے پوری تاریخ بھری ہوئی ہے۔

ہماری باگ شریعت کے قبضہ میں ہو

اصل چیز کیا ہے، وہ ہے سیرت کا پیدا کرنا، جس کا عنوان ہے "ادخلنی" میں داخل ہوں تو تیرے حکم کے مطابق، نکلوں تو تیری تعلیم اور منشاء کے مطابق جس کو "مدخل صدق" اور "مخرج صدق" کہا گیا۔ وَاجعل لی من لدنك سلطاناً نصیراً" (الاسراء: ٨٠) اور اپنے ہاں سے زور و قوت کو میرا مددگار بنائیو) کہا گیا آپ کے ساتھ مدد کرنے والی کوئی ذات نہیں ہے، میرے لئے آپ اپنی طرف طاقت پیدا کر دیجئے۔ اصل مسلمانوں کی طاقت اس میں مضمر ہے، کس کی سلطنت رہی ہے؟ اگر کسی کی سلطنت رہتی تو خلافت راشدہ رہتی، اور اس کے بعد کوئی شہنشاہی رہتی تو سلطنت عباسیہ جو پورے متمدن افریقہ اور ایشیا کے عظیم ترین ممالک پر حکومت کرتی تھی۔ یہ مغلوں کی سلطنت خود کتنی بڑی سلطنت تھی، یہ چیز یعنی نعمت اللہ تعالیٰ کسی کو دے تو فائدہ اٹھانا چاہئے میں اس کی تحقیر نہیں کرتا لیکن یہ مسلمان کے لئے موت و زندگی کا سوال نہیں۔ یہ نہیں کہ سلطنت ختم ہو جائے تو یہ امت مر گئی، اور جب سلطنت آگئی تو یہ امت زندہ ہو گئی، امت سلطنت سے بالاتر ہے، سلطنت امت سے بالاتر نہیں، سلطنت امت کے لئے ہے، امت سلطنت کے لئے نہیں۔ سیرت سلطنت بھی پیدا کرتی ہے اور سلطنت

سے بھی عظیم تر چیز پیدا کرتی ہے اور وہ سیرت خود خدا کو پسند ہے جس کے انعام میں وہ ساری دنیا بھی عطا کر دے اور ہفت اقلیم کی سلطنت بھی عطا فرما دے، اور عطا بھی فرمائی ہے، کبھی حضرت سلیمان علیہ السلام کو اور کبھی اپنے کسی اور محبوب بندے کو۔

"وقل رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق" میرا چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا، مرنا جینا سب تیرے لئے ہو، اور الفاظ قرآنی میں وہ کہا جا سکے جس کی نبی کو تعلیم دی گئی ہے:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ۔ (الانعام: ۱۶۲)

(یہ بھی) کہہ دو کہ میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب خدائے رب العالمین ہی کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی بات کا حکم ملا ہے اور میں سب سے اول فرمانبردار ہوں۔

مسلمان کی زندگی شریعت کے سانچہ میں، قرآن وحدیث کے سانچہ میں، سیرت نبوی کے سانچہ میں ڈھل کر نکلے، نہ اپنی خواہش سے جانا، نہ اپنی خواہش سے آنا، نہ اپنی خواہش سے اٹھنا، نہ اپنی خواہش سے بیٹھنا، نہ اپنی خواہش سے حکم چلانا، نہ اپنی خواہش سے حکم ماننا اور نہ اپنی خواہش سے کسی کو زیر کرنا، نہ اپنی خواہش سے کسی کے سامنے زیر ہونا، یہ ہے "اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ"۔

ہر کام کے لئے شریعت کی دلیل چاہئے، خدا تعالیٰ کیا چاہتا ہے، اس وقت کا فرمان کیا ہے، اس وقت کا حکم کیا ہے؟ اس وقت خدا کا حکم ہے کہ ہم جھک جائیں، اس وقت خدا کا حکم ہے کہ ہم رک جائیں، حالی نے صحابہ کرام کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے ؎

بھڑکتی نہ تھی خود بخود آگ ان کی
شریعت کے قبضہ میں تھی باگ ان کی
جہاں کر دیا نرم نرما گئے وہ
جہاں کر دیا گرم گرما گئے وہ

مجھے ایک تاریخ کے طالب علم کی حیثیت سے پرانی یادیں ستاتی ہیں اور میرے دل میں چٹکی لیتی ہیں، یہ الگ بات ہے لیکن قرآن ازلی وابدی کتاب ہے اور وہ خدا کا فیصلہ ناطق ہے، اصل چیز ہے اسلام کی سیرت بنانا، یعنی نفس کی خواہش اپنے ذاتی مفادات اور وقتی تقاضوں کو شریعت کے سامنے جھکا دینا اور اس کے تابع بنا دینا، یہ جھوٹی عزت، یہ ناموری، یہ شہرت، ہم جشنوں میں عزت کوئی چیز نہیں ہے۔ اصل چیز امر الٰہی ہے اور امر الٰہی کیا ہے؟ اس کو تلاش کرنا کہ اللہ تعالیٰ ہماری کیسی زندگی چاہتا ہے اس وقت اسلام کی مصلحت کا تقاضا کیا ہے؟ معیار اور کسوٹی یہ ہے کہ ہمیں کیا ملے گا؟ ساری جدوجہد سیاسی جدوجہد سے لے کر معاشی جدوجہد تک اسی مرکز کے گرد گھومے وہ کیا؟ کہ ہمیں اس سے کیا ملے گا؟

اسلامی سیرت کی کمی ہے

آج تمام دنیا میں مسلمان ہیں، کون سا ملک ہے جہاں آپ کے ملک کے لوگ موجود نہیں؟ لیکن کس کے لئے ہیں بس یہی مسئلہ ہے دعوت پھیلانے کے لئے نہیں ایسا نہیں ہے کہ انسانیت پر رحم کھا کر انگلستان، کینیڈا، امریکہ خود عرب ملکوں کی موجودہ خطرناک حالت دیکھ کر وہ بے چین ہو کر اپنے گھروں سے نکلے ہوں، یہ "اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ" نہیں ہے، اور وہاں جو گئے تو یہ "اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ" نہیں ہے، معاشی مصلحت کے مفاد نے ان کو نکالا، معاشی مفاد نے ان کو وہاں داخل کیا، معاشی وذاتی وخاندانی مفاد نے ان کو وہاں رکھا، جب اس کا تقاضا ہوگا کہ مکہ کے بجائے نیویارک چلے جائیں تو وہ چلے جائیں گے۔ آپ جب چاہیں امتحان کر دیکھ لیجئے اور جب اس کا تقاضا ہوگا کہ مکہ چلے آئیں تو وہاں چلے آئیں گے، اس لئے نہیں کہ وہاں حرم ہے بلکہ اس لئے کہ معاشی مسئلہ کا تعلق وہاں سے ہے۔ یہ نہ "مدخل صدق" پر عمل کر رہے ہیں اور نہ "مُخْرَجَ صِدْقٍ" پر چل رہے ہیں، یہ اللہ کا حکم ہے، اپنے نبی کو تعلیم دی جا رہی ہے اور آپ کے ذریعہ آپ کے طفیل میں امت کو تعلیم دی جا رہی ہے، ہم دعا کریں "رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ" ہمارا جینا، مرنا، ہمارا کسی سے خوش ہونا، کسی سے ناراض ہونا، ہمارا روٹھنا اور جڑنا، ہمارا اکڑنا اور بننا، یہ سب خدا کے حکم اور امر الٰہی کے تابع ہو، پھر دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ کیا عطا کرتا ہے؟ شکوہ اس سیرت کے بدل جانے کا ہے، اس ذہن کے بدل جانے کا ہے، کہ شریعت ہمارے امام نہ رہی، شریعت ہمارا فیصلہ کرنے والی نہ رہی جو ہمارے مسائل میں ایک حکم کی حیثیت رکھے، ہم نے شریعت کو حاکم نہیں بنایا، ہم نے اپنی خواہشات کو اپنے مفادات کو حکم بنایا، بس اس وقت اصل انقلاب جو مسلمانوں کے لئے ضروری ہے وہ ہے سیرت کا اختیار کرنا کہ ہماری زندگی اللہ اور اس کے رسول کے منشاء کے مطابق بن جائے وہ ہم سے جو کرائے وہ ہم کریں وہ جو چھڑائے وہ ہم چھوڑیں۔ تو یہ "اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ" ہے، مسلمان کو پہلے یہ پوچھنا چاہئے کہ شریعت کا حکم کیا ہے،

ہمارے لئے جائز ہے کہ نہیں؟

اس وقت جس چیز کی کمی ہے اور جو
فیصلہ کن اور انقلاب انگیز ہے وہ ہے اسلامی
بت کا اختیار کرنا اور اگر ایسا اجتماعی طور پر
دنو کیا کہتے ہیں، اجتماعی طور پر بھی الحمد للہ کوششیں
در ہی ہیں۔ انفرادی طور پر کوشش کرکے دیکھئے۔
ہر ایک شخص یہ طے کرے کہ شریعت کو
مقدم رکھنا ہے، حکم الٰہی اور حکم شرعی پوچھنا ہے
دلی بھی کام ہو سیاسی انتخاب و الیکشن سے لے کر
ادی بیاہ، ختنہ، عقیقہ، مکان کی تعمیر، جائیداد کی
سیم اور کھانے پینے تک یہ دیکھنا ہے کہ شریعت
اجازت ہے کہ نہیں اور شریعت کا حکم کیا ہے؟
بس ضرورت ہے کہ ہم اپنی سیرت بدلیں،
لکے بغیر کام نہیں چلتا، اور جب اللہ نے اپنے محبوب
ول سے یہ کہے اور اس کو یہ تلقین کرے اور یہ
لیفہ بنائے کہ تم یہ دعا کرو کہ "رَبِّ اَدْخِلْنِی
ا خَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ
صِدْقٍ" تو ہم کس شمار قطار میں ہیں۔

حضرت علی میاںؒ

● محمد اسلم شاداںؔ بستوی

ئینہ جمال تھے حضرت علی میاںؒ
دنی باکمال تھے حضرت علی میاںؒ
اد کفر و شرک و ضلالت کے تھے عدو
لام کے خیال تھے حضرت علی میاںؒ
تا ہے یاد بندۂ مومن کو بس خدا
مون خوش مقال تھے حضرت علی میاںؒ
نا کے لئے ہے عالم اسلام بے قرار
شحال و خوش خصال تھے حضرت علی میاںؒ
ضرت علی میاںؒ گئے دنیا سے دوستو
ر ستم کی ڈھال تھے حضرت علی میاںؒ
شاداںؔ چراغ راہ ہیں ان کی سبھی کتاب
وز غم بلال تھے حضرت علی میاںؒ

حضرت مولانا محمد ناظم ندویؒ کی وفات

مولانا عبداللہ عباس ندوی

ایک برگزیدہ عالم دین، متقی پرہیزگار، خدا ترس، عربی زبان وادب کے ماہر فن ادیب، شاعر مولانا محمد ناظم ندوی کل جمعہ ۹ رجون ۲۰۰۸ء (۵ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ) کو کراچی میں وفات پاگئے۔ عمر کم وبیش نوّے سال کی پائی، کئی سال علالت میں گذرے۔ وہ اس محفل دوشیں کے آخری چراغ تھے جو ندوہ میں علامہ سید سلیمان ندویؒ کے نور علم واخلاص سے تاباں تھی، مولانا مسعود عالم ندویؒ (ایڈیٹر "الضیاء" اور بانی وسرپرست دارالعروبہ پاکستان) میرے مخدوم ومربی مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی (عالم اسلام کے گل سرسبد) مولانا عبدالسلام قدوائی ندویؒ (سابق معتمد تعلیم ندوہ وناظم علمی دارالمصنفین)۔ یہ تینوں حضرات اپنی نوجوانی کے زمانہ میں ندوہ کے مدرسین تھے۔ آپس میں ایک دوسرے کا احترام ملحوظ رکھنے والے، ایک دوسرے کے قدرداں اور منزلت شناس، ایک دوسرے کی محبت کا آخر دم تک دم بھرنے والے رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور استاد گرامی مولانا محمد ناظم ندویؒ مولانا مسعود عالم ندویؒ اور مولانا ابواللیث صاحب اصلاحی ندوی (سابق امیر جماعت اسلامی ہند) عربی ادب میں علامہ تقی الدین ہلالیؒ کے شاگرد تھے۔ ان میں سب سے پہلے مولانا مسعود عالم ندویؒ ۴۴ سال کی عمر میں وفات پاگئے۔ بقیہ تینوں حضرات نے عمر طبعی پائی۔ ان سب میں مولانا قدوائی ندویؒ آج سے ۱۸ سال پہلے رخصت ہوگئے تھے۔ باقی یہ دو بزرگ رہ گئے تھے۔ ان تینوں کے درمیان جو آپس میں محبت تھی اس کی مثال کم ملے گی، استاذ گرامی مولانا عبدالسلام قدوائی ہندوستان میں تھے اور مولانا محمد ناظم ندوی ترک وطن کرکے پاکستان چلے گئے تھے۔ ان دونوں ملکوں کے درمیان میل اور کیلومیٹر کے لحاظ سے مسافت بہت کم ہے مگر قانونی پابندیوں نے اتنی دوری کردی ہے کہ امریکہ، کناڈا سے آنا جانا آسان ہے، مگر ہندو پاکستان کے درمیان آمد ورفت آسان نہیں ہے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت مولانا محمد ناظم ندوی پاکستان جانے کے بعد عرصۂ دراز تک ہندوستان نہ آسکے۔ مولانا عبدالسلام صاحبؒ قدوائی کو کہتے ہوئے راقم نے سنا: "اگر ایک مرتبہ مولوی ناظم صاحب سے ملاقات ہوجاتی تو اپنے مرنے کا افسوس نہ رہتا۔

حضرت مولانا علی میاںؒ کو اپنے صدیق قدیم سے اس درجہ محبت اور قلبی یگانگت تھی کہ ہمیشہ مولانا محمد ناظم ندویؒ سے ملاقات کے متمنی رہا کرتے تھے، بعض مرتبہ حجاز سے واپسی کراچی کے راستے سے ہوتی تو اس کی مسرت محسوس کرتے تھے کہ وہاں ملاقات ہوجائے گی۔ رابطہ ادب اسلامی عالمی کا ان کو کراچی سے ممبر منتخب کرایا۔ جب رابطہ کا استنبول میں اجلاس ہوا تو مولانا محمد ناظمؒ کے لئے پہونچنا آسان تھا، اس لئے وہاں تشریف لے گئے۔ حضرت مولانا علی میاں قدس سرہ کو استنبول کے اس اجلاس کی زیادہ خوشی اس لئے تھی کہ یہاں مولانا محمد ناظم صاحبؒ سے ملاقات رہے گی۔ جب حضرت مولانا علی میاںؒ پر فالج کا حملہ ہوا اور لکھنؤ میں عیادت کرنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ اور ضعف کی وجہ سے حرکت کی طاقت کم ہوگئی تھی اس زمانہ میں بھی محمد ناظم صاحب کی خیریت معلوم کرنے کے لئے بے چین تھے۔ راقم کی ندوہ میں قیام گاہ پر ڈبل زیرو کا ٹیلی فون ہے۔ اس لئے مجھ سے فرماتے کہ تم مولانا محمد ناظم صاحبؒ سے بات کرتے ہو؟ ذرا خیریت تو معلوم کرلیتے۔ چنانچہ میں نے آخری بار گذشتہ سال رجب میں بات کی اور حضرت کو خبر کی کہ مولانا سے بات ہوگئی بیمار ہیں مگر بات کرنے سے عاجز نہیں ہیں۔ یہ سن کر حضرت مولانا کو بہت مسرت ہوئی۔

حضرت مولانا محمد ناظم ندوی عربی زبان وادب اور خاص طور پر نحو عربی میں اتھارٹی تھے۔ مفردات لغت پر عبور تھا۔ کوئی لفظ خواہ تکنیکی استعمال یا نامانوس ہو، اس کے باب کا تعین اور قریبی مفہوم بتانے میں ملکہ حاصل تھا تفسیر کشاف میں جہاں اشعار آتے ہیں ان میں سے کسی شعر کے معنی پوچھے تو پورا قصیدہ سنا دیا کرتے تھے۔ جس کے ایک شعر سے علامہ زمخشری نے کوئی استشہاد کیا ہے۔ نحو میں الفیہ ابن مالک غالباً زبانی یاد تھی۔ کیونکہ جب کوئی مسئلہ پوچھا تو انھوں نے اس مسئلہ سے متعلق الفیہ کا شعر پڑھ دیا۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء سے پہلے وہ ڈابھیل میں عربی ادب کے استاد رہ چکے تھے۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ کی طلب پر ندوہ آگئے۔ یہاں انھوں نے دلائل الاعجاز، حجۃ اللہ البالغہ، دیوان حماسہ کے درس پابندی سے دیئے۔ جن میں ان کا ایک حقیر شاگرد ان سطور

بھی ہے۔ دلائل الاعجاز (شیخ الشام جرجانی
ئے وقت (جو عربی میں پڑھاتے تھے) مولانا
ے وجد سا آجایا کرتا تھا۔ حجۃ اللہ البالغہ
انداز سے پڑھاتے کہ علم کلام، یونانی
اور فلسفہ اور ولی اللہی فلسفہ کو بہت
طریقہ پر حل کرادیا کرتے تھے۔ میرا اندازہ
علامہ عبدالعزیز کے بعد ان سے زیادہ
فردات پر عبور رکھنے والا برصغیر میں اور
ہیں تھا۔ علامہ سید سلیمان ندوی کے
ت مدارس کا عربی ترجمہ "الرسالۃ المحمدیہ"
م سے مولانا محمد ناظم ندویؒ کا کیا ہوا ہے۔
کے متعدد ایڈیشن مصر سے شائع ہو چکے
الاستاذ محب الدین الخطیب نے الفتح
ں کتاب (مجموعہ خطبات مدراس) کے
یں لکھا تھا کہ سیرۃ النبی کے لٹریچر میں
اضافہ اور نئے باب کا افتتاح کیا ہے
ربی میں ترجمہ میں بھی کافی قوت اور سلاست
مولانا عربی زبان کے شاعر تھے آپ کا
ن شائع ہو چکا ہے۔ جب آپ نے اپنی
بینائی اور آنکھوں کی روشنی واپس آگئی
ب طویل مناجات عربی میں لکھی تھی۔ جس
ل میرے پاس نہیں ہے۔ مولانا کے بڑے
زادے جناب علی کاظم کو فرصت نہ مل سکی
دیتے۔ اب بھی مل جائے تو عرب کے
عروف شاعر سے مقدمہ لکھا کر شائع کرنے
اہش اور عزم رکھتا ہوں۔

مولانا محمد ناظم ندوی ایک سال کے
جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ بلائے گئے تھے۔
ہ اسلامیہ مدینہ منورہ آنے سے پہلے بھاولپور
امعہ عباسیہ کے شیخ رہ چکے تھے۔ اور
سے وہ شاگرد جو ندوہ میں یا جامعہ بھاولپور
ہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں آپ سے استفادہ

کر چکے ہیں ان کی تعداد کا صحیح اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ مولانا نے عربی کے علاوہ اردو میں بھی ایک دو مؤلفات چھوڑے ہیں جن کا تعلق مسلمانوں کے اجتماعی اور عقائد و مسائل سے ہے۔

آپ کے بڑے صاحبزادے جناب علی کاظم نے یونیورسٹی سے اعلیٰ ڈگری حاصل کرنے کے بعد بجائے ملازمت کرنے کے کاروبار کو ترجیح دی۔ دوسرے صاحبزادے طب عصری (ڈاکٹری) کی تعلیم حاصل کی ہے۔

اللہ تعالیٰ مولانا کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور آپ کے افراد خاندان کو دینی و دنیاوی ترقیات عطا کرے۔

تعزیتی جلسہ

ندوۃ العلماء میں بعد نماز مغرب ناظم ندوۃ العلماء مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی صدارت میں ایک تعزیتی جلسہ منعقد ہوا جس میں دارالعلوم کے اساتذہ و طلبہ کے علاوہ دہلی کے پروفیسر سید محمد اجتباء ندوی، جامعہ ملیہ اسلامیہ کے پروفیسر سید ضیاء الحسن ندوی، انسٹی ٹیوٹ آف انٹگرل ٹیکنالوجی کے ڈائرکٹر سید وسیم اختر وغیرہ نے شرکت کی۔

سب سے پہلے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء نے حاضرین سے مولانا محمد ناظم ندوی کی شخصیت کے بارے میں بتاتے ہوئے فرمایا کہ مولانا محمد ناظم ندوی اس مختصر اور ممتاز ترین جماعت کی آخری کڑی تھے جس کو عربی زبان و ادب کے مشہور آفاقی ڈاکٹر تقی الدین ہلالی مراکشی سے براہ راست شاگردی کا شرف حاصل تھا۔ مولانا محمد ناظم ندوی کے علاوہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا مسعود عالم ندوی ڈاکٹر ہلالی کے ممتاز شاگردوں میں تھے، جنھوں نے اپنے استاذ سے فصیح اور خالص عربی تحریر و تقریر کا ذوق پایا تھا اور ان ہی کی طرح یہ حضرات بھی عربی زبان و ادب کے لئے بڑی اہمیت رکھتے تھے۔

پروفیسر سید محمد اجتباء ندوی نے اپنے قیام دمشق کے زمانہ میں مولانا ناظم ندوی سے اپنی ملاقاتوں اور ان کے ساتھ اپنے بعض سفروں کا تذکرہ کیا۔

مولانا سید محمد واضح رشید ندوی نے بتایا کہ "البعث الاسلامی" اور "الرائد" کا مولانا محمد ناظم نہ صرف مطالعہ کرتے تھے بلکہ اس پر اپنے اصلاحی تبصرے اور مشورے بھی خطوط میں ارسال کرتے تھے، ان کے خطوط اب بھی موجود ہیں۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے استاذ مولانا نذر الحفیظ ندوی نے کراچی میں مولانا محمد ناظم سے ملاقات کا تذکرہ کیا اور ان کی شفقتوں کو یاد کیا۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے استاذ مولانا شہباز اصلاحی نے حاضرین کو بتایا کہ مولانا محمد ناظم کے ایک ممتاز شاگرد مولانا جلیل احسن ندوی جو عربی زبان کے لئے اپنے استاذ ہی جیسی صلاحیت رکھتے تھے ان کے ذریعہ مولانا محمد ناظم ندوی کے اعلیٰ مقام سے ہمیں واقفیت ہوئی اور ان ہی کے طفیل مولانا کی کتابوں سے استفادہ کا موقع ملا۔

پروفیسر سید ضیاء الحسن ندوی نے ندوۃ العلماء میں اپنی ابتدائی تعلیم کے دوران مولانا ناظم ندوی کو دیکھا تھا پھر عالمی رابطہ ادب اسلامی کی پہلی کانفرنس میں جب مولانا ناظم ندوی دارالعلوم ندوۃ العلماء تشریف لائے تو اس وقت نیاز حاصل ہوا۔

جلسہ میں مولانا شمس الحق ندوی ایڈیٹر تعمیر حیات و دیگر اساتذہ و طلبہ شریک ہوئے۔ یہ جلسہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی دعا پر ختم ہوا۔

صرف اسلام ہی

جاپانی قوم کے مسائل کا حل

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

۲۹، ۳۰، ۳۱ مئی سنہ ۲۰۰۰ء کو اقوام متحدہ یونیورسٹی۔ ٹوکیو۔ جاپان میں تنظیم اسلامی کانفرنس اور جاپان کے اسلامک سینٹر کی مشترکہ دعوت سمپوزیم سطح کی ایک کانفرنس ہوئی، کانفرنس کا موضوع تھا "مشرقی ایشیائی ممالک میں اسلام کا کردار"۔

اس کانفرنس میں تنظیم اسلامی کانفرنس کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر عزالدین عراقی، رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر عبداللہ صالح العبید، سعودی عرب میں مذہبی امور کے وزیر ڈاکٹر عبدالعزیز آل شیخ، جاپانی وزیر خارجہ، اقوام متحدہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر، اسلامی یونیورسٹی کوالالمپور کے وائس چانسلر، پاکستان کے سابق وزیر مذہبی امور راجہ ظفر الحق اور ٹوکیو میں اسلامی و عرب ممالک کے سفراء بڑی تعداد میں شریک ہوئے، اس کے علاوہ دیگر اسلامی ملکوں کے تقریباً تین سو دانشوروں نے اس کانفرنس میں شرکت کی۔

ہندوستان کی نمائندگی کرتے ہوئے ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے سمپوزیم کی پہلی نشست میں مندرجہ ذیل مقالہ پیش کیا افادہ عام کی غرض سے ہم اس مقالہ کو قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

سائنس اور ٹکنالوجی اور مادی وسائل کی دنیا میں مغربی قوموں نے ایسے کارنامے انجام دیئے ہیں جن پر آج عقل حیران ہے زندگی کو ترقی یافتہ اور خوشگوار بنانے کے لئے ایسے وسائل دریافت کرلئے ہیں جن کا تصور بھی آج سے قبل کی نسلوں کے لئے محال تھا، اپنی انہی سائنسی ترقیوں اور مادی کامیابیوں کی بدولت انھوں نے نہ صرف یہ کہ مشرقی قوموں پر اپنی برتری قائم کی ہے بلکہ ان پر اپنا گہرا اثر بھی ڈالا ہے۔

ان مشرقی قوموں میں جنہوں نے مغرب کی مادی ترقیات کا سب سے زیادہ اثر قبول کیا اور مغرب کے دریافت کردہ وسائل زندگی سے بھرپور فائدہ اٹھایا جاپانی قوم سرفہرست ہے، بلکہ اب تو یہ محسوس ہونے لگا ہے کہ مادی ترقیات، محیر العقول مصنوعات اور بہتر سے بہتر وسائل زندگی میں جاپان مغرب سے آنکھیں ملاتا نظر آتا ہے اور اگر زبان کا اختلاف نہ ہوتا اور شکل و صورت میں اتنا کھلا فرق محسوس نہ ہوتا تو ٹوکیو جانے والے کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا کہ وہ ایک مشرقی ملک کے شہر "ٹوکیو" میں ہے یا امریکہ کے ایک ترقی یافتہ شہر "نیویارک" میں بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ٹوکیو جانے والے کو مادی ترقی کے بعض ایسے مناظر دیکھنے کو ملتے ہیں جو لندن اور نیویارک جانے پر بھی اس کو نظر نہیں آتے تو غلط نہ ہوگا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ یورپ نے جو مادی ترقی حاصل کی ہے اس ترقی نے انسانی زندگی کی ظاہری شکل بالکل بدل کر رکھ دی ہے، اور انسانی زندگی کو اس مقام تک پہونچا دیا ہے جو عام انسانی خیال سے بالاتر ہے، لیکن افسوس کہ اس تہذیب نے زندگی کے انسانی، اخلاقی، روحانی اور بہتر خاندانی اور معاشرتی پہلوؤں کو نظرانداز کر دیا ہے۔

آج کی دنیا کا مہذب انسان اگرچہ پُرتعیش زندگی گذارنے، مادی وسائل کو اپنے تابع بنا لینے اور مادی طاقتوں پر اپنی گرفت مضبوط کر لینے میں کامیاب ہوگیا ہے لیکن یہی انسان سائنسی و صنعتی میدان میں اتنی ترقی کر لینے کے باوجود اس خلا کو پر کرنے میں بری طرح ناکام رہا ہے جو خلا خود انسان اپنی ذات میں اور اپنی خاندانی و اجتماعی زندگی میں محسوس کر رہا ہے، اور یہ ایسا اہم مسئلہ ہے جو انسان اور انسانیت سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے غور طلب ہے اور اس بات کا متقاضی ہے کہ انسانی زندگی کے ان پہلوؤں کی بھی فکر کی جائے جنہیں آج کی مشینی دنیا نے فراموش کر دیا ہے اور جن کے بغیر انسانی زندگی کی تکمیل ممکن نہیں ہے لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے کہ جب دنیا میں کام کر رہے دینی، دعوتی، اصلاحی نظاموں کے پیغام اور ان کے طریقۂ کار کا غیر جانبدار ہو کر مطالعہ کیا جائے، اور اس میں یہ دیکھنے کی کوشش کی جائے کہ وہ کون سے اجزاء ہیں جو انسان کی انسانی ضروریات پوری کرتے ہیں اور کس حد تک کرتے ہیں۔

اس مقصد کے پیش نظر "ٹوکیو" جیسے ترقی یافتہ شہر میں ایک ایسے اسلامک سینٹر کی ضرورت و اہمیت بڑھ جاتی ہے جو اس ملک کے باشندوں کو اسلام کی لائی ہوئی اخلاقی روحانی اور انسانی قدروں سے واقف کرائے اور دوسرا

ن دیگر مشرقی قوموں کو ان کوششوں سے آشنا
ے جو جاپانی قوم نے سائنس اور ٹکنالوجی سے
پور فائدہ اٹھانے کے سلسلہ میں کی ہیں اور
ی دنیا میں ایک بلند مقام حاصل کرنے میں کامیابی
ں کی تاکہ ایک دوسرے کی بہتر دریافتوں سے
رہ اٹھا سکے اور ایک دوسرے کی اچھائیوں
رملاحیتوں سے فائدہ اٹھانے کا موقع مل سکے۔

جاپانی قوم اپنی پرسکون طبیعت ٹھنڈے
رج، علم میں یکسوئی اور عمل میں انہماک کی بدولت
سری تمام قوموں سے ممتاز ہے، مقصد کی خاطر
رام و راحت کی قربانی دینے کے لئے وہ ہر وقت
ر رہتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس نے صنعت
مختلف میدانوں میں ایسے کارہائے نمایاں انجام
یے کہ مشرقی ممالک تو کجا بعض مغربی ممالک
ں جاپانی مصنوعات درآمد کرنے اور ان کا استعمال
نے پر مجبور ہو گئے۔

جاپان مشرق و مغرب کے بالکل درمیان میں
نع ہے تو اگر اس نے اپنے دائیں طرف واقع مغرب
ے فائدہ اٹھاتے ہوئے مغربی تہذیب کو اختیار
بیا ہے تو اپنے بائیں طرف واقع مشرق سے اتصال
ملنے کی وجہ سے اس کو وہ خصوصیات بھی اپنانی
ہیں جو مشرقی قوموں کا امتیاز سمجھی جاتی ہیں اور
مشرقی قوموں میں سب سے نمایاں قوم مسلم قوم
ہے جو بڑی حد تک تسلسل کے ساتھ ان چیزوں
حفاظت کرتی چلی آرہی ہے جو انسانی زندگی کی
ی تشکیل کرتی ہے کہ اس میں اخلاقی، روحانی،
جتماعی اور زندگی کے دوسرے تمام پہلوؤں کی
ری نمائندگی ہے، اور انسانی زندگی میں اخلاقی
روحانی کمی نہیں پائی جاتی جو مغرب کی تمدنی
ندگی میں پائی جاتی ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ مغربی تہذیب اپنی سائنسی
منعتی ترقی کے باوجود انسانی زندگی کے ان
بنیادی مسائل کا کوئی حل پیش نہیں کر سکی، چنانچہ
یہی وجہ ہے کہ مغربی ممالک میں اخلاقی قدریں
نظر انداز ہو رہی ہیں، خاندانی بندھن نہایت کمزور
ہوتے ہیں اور معاشرتی نظام غیر مربوط ہو گیا ہے،
ایسی صورت حال میں جاپانی باشندوں اور
اسلام کی نمائندگی کرنے والوں کے درمیان ربط
پیدا کرنے اور ایک دوسرے سے متعارف کرانے
کے لئے اسلامی مرکز کا قیام ایک قابل تعریف اور
لائق ستائش اقدام ہے، اور یہ کانفرنس جو
عالمی اسلامی کانفرنس اور جاپان کے اسلامک سینٹر
کے باہمی کوششوں کا نتیجہ ہے اس سلسلہ کی بہت
اہم کڑی ہے۔

میں اس مرکز کے ذمہ داروں کو مبارکباد
دیتا ہوں اور ان سے امید رکھتا ہوں کہ وہ جاپانی
قوم کو ان تعلیمات سے واقف کرائیں گے جو ان کی
اخلاقی، معاشرتی اور انسانی خصوصیات کی زندگی
کو بہتر اور قلبی راحت کی زندگی میں تبدیل کر سکے گی۔

مشرقی ممالک کے اسلامی قدروں کے
حامل اشخاص اور جاپانی قوم کے فکر مند حضرات کے
درمیان گذشتہ صدی تک زیادہ وسیع تعلقات
قائم نہیں ہو سکے تھے، لیکن خدا کا شکر ہے کہ
اس موجودہ صدی میں یہ تعلقات نیک جذبات
کے ساتھ قائم ہونے لگے ہیں، اور ان کا دائرہ برابر
بڑھتا جا رہا ہے اور جاپانی قوم کی جانب سے
ان تعلقات کو ناپسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا
جا رہا ہے۔

اسلام وہ پہلا مذہب ہے جس نے
انسانی زندگی کے انفرادی اور اجتماعی دونوں
پہلوؤں کو سامنے رکھا اور دونوں کے آداب
اور اصول بتائے ہیں اور اجتماعی مسائل اور معاشی
مشکلات کا حل بھی دنیا کے سامنے پیش کیا ہے،
حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ
کرنے، صحابہ کرامؓ کی زندگیوں پر نظر ڈالنے اور
تابعین عظام کے حالات کا جائزہ لینے سے
معاشرتی مسائل کا اطمینان بخش اور راحت رساں
حل سامنے آجاتا ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ
وسلم نے انفرادی و اجتماعی زندگی کے جو اصول
متعین کئے ہیں ان اصول کو اپنا کر آپؐ کے
پیروکاروں نے زندگی کے ایسے اعلیٰ نمونے
پیش کئے ہیں جن کی روشنی میں انفرادی و اجتماعی
زندگی کو آسودہ اور خوشگوار بنایا جا سکتا ہے۔

مغربی قوموں میں بڑھتی ہوئی مشکلات
اور نت نئے ابھرتے مسائل کا اسلام جو حل پیش
کیا ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ اس حل کو مشکلات
سے دوچار مغربی تہذیب کے حاملین کے سامنے
رکھا جائے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب مغربی
تہذیب کے نمائندوں اور اسلامی فکر کے علمبرداروں
کے درمیان روابط پیدا کئے جائیں، ملاقاتوں کا
انتظام کیا جائے، موجودہ مسائل پر تبادلہ خیال کا
اہتمام ہو اور مخلوط علمی و فکری سیمیناروں کا
انعقاد ہو تاکہ ایک دوسرے کے خیالات سننے
اور مسائل سے واقف ہونے کا موقع مل سکے۔

قلبی سکون اور روحانی سعادت کے
حصول کے لئے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم
سے جو رہنمائی ملتی ہے اس رہنمائی کے مطابق اگر
زندگی گذاری جائے تو زندگی میں ایک بہار آسکتی
ہے اور یہ دنیا جو باوجود راحت و ترقی کے اعلیٰ
وسائل مہیا کر لینے کے قلبی راحت اور ذہنی
سکون اور معاشرتی ہمدردی کے لحاظ سے جہنم
بنتی جا رہی ہے، جنت کا ایک ٹکڑا بن سکتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انفرادی
و اجتماعی زندگی کے یہ اصول صرف بتا کر نہیں
بلکہ عمل کر کے دکھائے ہیں، آپؐ نے اپنے ہم وطنوں
اور ساتھیوں کے ساتھ ایک مثالی زندگی گذاری،

باقی ص۲۳ پر

مغرب کی تخریب کاری اور مسلمانوں کا فرض منصبی

تحریر: مولانا محمد الحسنی ——— ترجمہ: محمد شعیب ندوی پرتاپ گڈھی

عصر حاضر میں تمام تر حفاظتی انتظامات کے باوجود طاغوتی لہروں، خطرناک چیلنجوں اور حملوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے، لوگوں کے قلوب بغض وحسد، نفرت وعداوت کی آماجگاہ بنے ہوئے ہیں اور ہر طرف قتل وغارتگری، فتنہ وفساد کا طوفان بلاخیز ہے اور زمانہ سے بدتر ہوتا چلا جارہا ہے آخر ایسا کیوں؟ کیا اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ان حفاظتی اقدامات کے باوجود زندگی کے اصل اور بنیادی مسائل سے چشم پوشی کرکے چند سطحی اور پست وحقیر مظاہر کی طرف ساری توجہات مرکوز کرکے ایک عرصہ سے انسانیت کا خون چوس کر اور گھن کی طرح اس کو کھوکھلا کرکے رکھ دیا گیا چنانچہ قرآن پاک اپنے بلیغ انداز میں جہاں اس تاریک ترین صورتحال کی تصویر کشی کرتا ہے وہیں اصل مرض کی تشخیص کرکے اس کا علاج بھی پیش کرتا ہے۔ "ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (سورہ روم: ۴۱)

ترجمہ:۔ خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب فساد پھیل گیا ہے تاکہ خدا ان کو ان کے بعض عملوں کا مزہ چکھائے، عجب نہیں کہ وہ باز آجائیں۔

نیز ارشاد ربانی ہے:

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا" (سورہ کہف ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵)

(اے پیغمبر) تو کہہ دے ہم تمہیں خبر دیں کون لوگ اپنے کاموں میں سب سے زیادہ نامراد ہوئے؟ وہ جن کی ساری کوششیں دنیا کی زندگی میں کھو گئیں۔ اور وہ اس دھوکے میں پڑے ہیں کہ بڑا اچھا کارخانہ بنارہے ہیں یہی لوگ ہیں کہ اپنے پروردگار کی آیتوں سے اور اس کے حضور حاضر ہونے سے منکر ہوئے پس ان کے سارے کام اکارت گئے۔ اور ہم قیامت کے دن ان کے کام کا کوئی وزن تسلیم نہیں کریں گے۔

" وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ" (سورہ شوریٰ ۳۰)

ترجمہ: اور جو پڑے تم پر کوئی سختی سو وہ تمہارے کرتوتوں کا بدلہ ہے اور وہ معاف کرتا ہے بہت سے گناہ۔

یہ ایک تشویشناک اور دلخراش حقیقت اور افسوسناک سوال ہے کہ کیا پورے عالم اسلام میں ہماری مردم شماری کا کوئی خانہ تحفظاتی علوم کا کوئی حصہ اور عمیق فکری واجتماعی مضامین کا کوئی گوشہ ایسا ہے جہاں اس بگاڑ کا اصل سبب قرآن کی روشنی میں تلاش کرکے اسی کی روشنی میں اس کا صحیح حل پیش کیا گیا ہو؟ کیا ہماری عصری تعلیم گاہوں میں زندگی کے ان اہم اور نازک پہلوؤں پر کبھی بحث کی جاتی ہے جن پر انسانیت کے مستقبل کا دارومدار اور تہذیبی سرمایہ کا سارا انحصار ہے؟ اور کیا دنیا کی عظیم لائبریریوں، تصنیف وتالیف کے امنڈتے سیلابوں، تہذیب وتمدن، علوم وفنون، مذاہب وادیان کے بحر متلاطم میں اس "علم نبوی" کے مطالعہ وتحقیق کا کوئی شعبہ ہے جس پر دنیا وآخرت کی سعادت وکامرانی موقوف ہے؟ جبکہ آج یہ علم نبوی سارے علوم وفنون، تمام ادیان ومذاہب اور ساری حکومتوں اور سلطنتوں کو چیلنج کرکے ڈنکے کی چوٹ پر یہ کہہ رہا ہے کہ ان چیزوں کا رشتہ اگر چشمۂ نبوت سے کٹ گیا اور اب بھی اسکے ساتھ تحقیر وتوہین کا وہی سلوک روا رکھا گیا جو کفار ومشرکین کا تھا۔ تو یہ ساری چیزیں انھیں کے لئے وبال جان بن جائیں گی اور پیام موت ثابت ہوں گی۔

"یہی "علم نبوت" وہ حقیقی علم ہے جس سے انسانیت کی تعمیر وابستہ ہے، اور اسی سے دلوں کو سنوارا جاسکتا ہے اور ظاہر ہے کہ جب دل سنور جائیں گے تو نظام جسمانی کی طرح نظام عالم خود بخود درست ہوکر اپنی جگہ پر آجائے گا چنانچہ ارشاد نبوی ہے " ألا ان في الجسد مضغة إذا صلحت صلح الجسد كله وإذا فسدت فسد الجسد كله ألا وهي القلب" ترجمہ:۔ سن لو کہ بیشک جسم میں ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست رہتا ہے تو پورا جسم درست رہتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو پورا جسم خراب ہوجاتا ہے سن لو کہ وہ یہی دل ہے"۔

یہ علم حقیقت میں پیراکی کا علم ہے اور زندگی کے اس طوفانی دریا کو عبور کرنا اور خطرناک وسرکش آندھیوں کا مقابلہ کرنا حتیٰ کہ خود کو اس کے تھپیڑوں سے محفوظ رکھنا علم نبوی اور دریائے حیات کو عبور کرنے کا فن سیکھے بغیر مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے چنانچہ ایک واقعہ سے یہ حقیقت واضح ہوجائے گی کہ ایک مرتبہ ایک یونیورسٹی کے کچھ طلبہ سیر کی غرض سے ایک کشتی پر سوار ہوئے، موسم نہایت سہانا اور دریا بھی روانی پر تھا۔ انھوں نے ملاح کو کشتی دریا کے دوسرے کنارے پر چلنے کا حکم دیا تاکہ

وہاں دریا کی سیر کریں اور موسم کا لطف اٹھائیں موسم تو خوشگوار تھا ہی ان کی طبیعت بھی موج پر تھی۔ انھوں نے ملاح کو اپنا مخاطب بنایا اور ایک جغرافیہ کے طالب علم نے اس سے پوچھا کہ آپ نے جغرافیہ پڑھا ہے؟ وہ بیچارہ حیران سے تھا کہ دوسرے نے پوچھا آپ نے حساب تو ضرور پڑھا ہوگا۔ اس نے شرم سے انکار کر دیا پھر ان لوگوں نے کیمیا، فلسفہ وغیرہ کو پوچھا، اس بیچارے نے سب پر سر جھکا دیا۔ وہ پشیمان و شرمندہ ہوا۔ اس نے کہا کہ صاحب میں نے تو آج تک ایسے نام بھی نہیں سُنے تھے۔ وہ سب ہنس پڑے اور اس سے کہا کہ آپ نے تو اپنی آدھی عمر کھودی۔ لیکن تھوڑی ہی دیر میں موجیں اٹھنے لگیں اور کشتی کے ساتھ اٹھکھیلیاں کرنے لگیں اور کشتی ڈانوا ڈول ہونے لگی۔ اور ملاح کو خطرہ محسوس ہوا۔ تو اس نے سب سے پوچھا کہ آپ لوگ تیرنا جانتے ہیں؟ انھوں نے اپنا سر جھکا لیا اور کہا کہ تیرنا تو نہیں جانتے، ملاح نے کہا تب تو آپ لوگوں نے اپنی پوری عمر ڈبوئی، ـــ یہی زندگی کا معاملہ ہے اس قصہ سے مغرب کی متکبرانہ اور مشرق کی احسان فراموشی کی تصویر سامنے آتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ مغرب کا انجام ہلاکت و بربادی ہے اور یہ سارے زبردست وسائل و ذرائع اور حیرتناک انکشافات و ایجادات اور اس کی زرق برق تہذیب، کتّوں اور خنزیروں کی سی آزادی اسے عذاب الٰہی سے بچا نہیں سکتی ہے"

"وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ"

ترجمہ:۔ البتہ ہم ان کو چکھائیں گے تھوڑا عذاب اس بڑے عذاب سے پہلے تاکہ وہ پلٹ آئیں۔[1]

اس کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتی کہ اس تہذیب کی بنیاد ہی ظاہر پرستی پر ہے مغرب ابھی اس سے بے خبر ہے کہ اس کا علاج وہیں ہے جہاں سے اس نے منہ موڑ رکھا ہے، اس کے دل کی دنیا ویران ہے وہ محبت اور قلب و روح سے خالی، پاکیزگی نفس و ضمیر سے محروم ہے وہاں نہ ماؤں کی شفقت اور ممتا باقی رہی اور نہ باپوں کی شفقت و محبت رہ گئی، بیویوں کے ساتھ شوہروں کا حسن سلوک، دوستوں کی وفاداری و خیر خواہی عنقا ہو چکی ہے، وہاں ایک مردہ و بے حس جانوروں کی طرح زندگی کے شب و روز گذر رہے ہیں اور ہر وقت یہ خطرہ سروں پر منڈلاتا رہتا ہے کہ اگر کسی چیز کے خلاف زبان نکالی تو زبردست ظلم و تشدد کا پہاڑ ٹوٹ پڑے گا، اب نگاہ بصیرت سے دیکھئے کہ کیا یہ زندگی آخرت سے پہلے ہی عذاب الٰہی کا عبرتناک مزہ نہیں چکھ رہی ہے، اور کیا "ولنذیقنھم من العذاب الادنی دون العذاب الاکبر" کی تصویر سامنے نہیں آرہی ہے؟ ـــ اور ساتھ ہی قرآن جہاں یہ تصویر پیش کرتا ہے وہیں ایمان والوں کو اخروی کامیابیوں کے ساتھ دنیوی فلاح و بہبود کی بھی بشارت دیتا ہے۔ "لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ" (سورہ یونس ۶۴)

حقیقت یہ ہے کہ مغرب ابھی تہذیب و تمدن کے مفہوم سے نابلد و نا آشنا، مادہ و روح عقل و قلب مقاصد و وسائل کے درمیان صحیح ربط و تعلق سے غافل و بے خبر ہے، اسی جہالت کا نتیجہ ہے کہ وہاں کے عظیم مفکرین بھی اپنی تحریروں میں ایسی طفلانہ غلطیوں کا ارتکاب کرتے ہیں کہ کوئی عقلمند انسان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا، حتّی کہ وہ معمولی حقائق کے ادراک مثلاً خالق و مخلوق کے باہمی ربط و تعلق سے بے خبر نیز مقصد حیات سے اس قدر دور اور بے سود علوم میں اتنے منہمک ہیں کہ اس ارشاد ربانی کے پورے مصداق ہیں۔

"قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا"

ترجمہ:۔ (اے پیغمبرؐ) تو کہہ دے، ہم تم کو خبر دیدیں کون لوگ اپنے کاموں میں سب سے زیادہ نامراد ہوئے؟ وہ جن کی ساری کوشش دنیا کی زندگی میں کھوئی گئیں اور وہ اس دھوکے میں پڑے ہیں کہ وہ بڑا اچھا کارخانہ بنا رہے ہیں (سورۂ کہف ۱۰۳، ۱۰۴)

"بَلِ ادَّارَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْآخِرَةِ ۚ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِنْهَا ۖ بَلْ هُمْ مِنْهَا عَمُونَ"

بلکہ تھک کر گر گیا ان کا علم آخرت کے بارے میں، بلکہ ان کو شبہ ہے اس میں، بلکہ وہ اس سے اندھے ہیں۔ (سورۂ نمل ۶۶)

جس طرح ان طلبہ کو ان کے علوم ڈوبنے سے نہیں بچا سکے اسی طرح یہ سارے مغربی علوم و فنون اور یونیورسٹیاں انھیں ہلاکت و بربادی اور ڈوبنے سے نہیں بچا سکتی ہیں کیونکہ وہ تیراکی کے فن، زندگی کے بقا و خلود کے راز سے نا آشنا، دنیوی عیش و آرام پر راضی و مطمئن اور شیطانی مکر و فریب کا شکار، کبر و نخوت شہرت طلبی کے نشہ میں چور ہیں، چنانچہ کتنوں کی عمریں صرف بت تراشی و تصویر کشی، کھانے پکانے کی باریکیاں سیکھنے فیشن پرستی میں گذر جاتی ہیں اور کتنوں کے لاکھوں روپئے صرف کتّوں کی پرورش پر صرف ہوتے ہیں۔

یہ تھی مغرب کے معاندانہ رویّہ کی ایک جھلک، لیکن مشرق کی صورتحال اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے کہ وہ مغرب کی کورانہ تقلید اور اس کی نقالی میں مست اور زندگی کے معاملات میں فکر و تدبر و ہمت، بلند نظری و پامردی کے بجائے صرف عیش کوشی و لذت اندوزی، اور تعیش پرستی میں گلے گلے ڈوبا۔ اور "بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست" کا مکمل مصداق ہے۔ آخر یہ کس قدر حیرت و افسوس کی

[1] سورہ سجدہ ۲۱

بات ہے کہ ہم نے وہاں کی اچھائیوں اور خوبیوں کو چھوڑکر صرف اس کی نجاستوں اور برائیوں کو قبول کر لیا۔ اور اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہم نے اصل دین محمدی کو پس پشت ڈال دیا اور یہ قانون فطرت ہے کہ جو بھی دین محمدی کے ساتھ احسان فراموشی اور کفران نعمت کا برتاؤ کرے گا اس کا انجام یہی ہوگا کہ پھر وہ راہ حق سے پھر کر ضلالت وگمراہی کے عمیق غار میں جا پڑے گا، مغرب تو مدتوں سے ضلالت وگمراہی کی ظلمتوں میں سر مار رہا ہے اور اس کے کڑوے پھل کا مزہ چکھ رہا ہے اور اپنی حالت زار سے خود بھی مطمئن ہے۔

لیکن حیرت اپنوں پر ہے کہ وہ بھٹکی ہوئی بکریوں کے ریوڑ کی مانند ہر آواز لگانے والے کے پیچھے چل پڑتے ہیں۔ جبکہ مغرب سے ہمیں وہی چیزیں لینی چاہیئیں تھیں جو ہمارے ذہن ودماغ عقل وفکر کو جلا بخشتیں اور کارزار حیات میں عزم وہمت محنت وجانفشانی علمی وتحقیقی میدانوں میں محنت وکاوش، ذوق وشوق کی روح پھونک دیتیں۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ مغرب کا یہ بلند معیار زندگی، زندگی سے لے کر بازاروں اور نمائش گاہوں تک مغرب کی نقالی اور نوجوانوں کے دلوں کو موہ لینے والی زرق برق زندگی ان کے پیروں کی زنجیر اور گلے کا پھندا بن گئی ہے۔ آج یہ جنون وخودکشی اور ذہنی ودماغی خرابیوں کے بے شمار حوادث، کھلے عام فسق وفجور کا یہ طوفان بلاخیز، ان کی وحشیانہ حرکتیں جسم اور قلب وروح کی پیاس بجھانے کی مصنوعی صورت گری۔ اس حقیقت کا واضح ثبوت ہیں کہ وہ زندگی سے مایوس، قیادت انسانی کے زریفہ سے سبکدوش اور حقیقی و لافانی مسرتوں اور چین وسکون کی بے بہا نعمتوں سے محروم اور اس کے حصول سے عاجز ودرماندہ اور خود احساس جرم وخطا میں گلے گلے ڈوبا ہوا ہے۔ اور اسے اس بات پر یقین ہے کہ (خواہ وہ اپنے غرور تکبر کے زعم میں اس کا اعتراف نہ کرے) وہ مکڑی کے جالے سے زیادہ کمزور، مچھروں سے زیادہ حقیر وذلیل کیڑوں مکوڑوں سے زیادہ بدتر ہے، وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ" "جس کو اللہ نے نہ دی روشنی اس کے واسطے کہیں نہیں روشنی" (سورۂ نور ۴۰)

یہ صرف نور نبوت اور ہدایت ربانی سے استغنا وبے نیازی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب آسمانی کے خلاف صلیبیوں کے دل میں بھڑکتے ہوئے بغض وحسد، نفرت وعداوت کا نتیجہ ہے۔ آج یہ صلیبی طاقتیں اسلام ومسلمانوں کے سروں پر خطرات کا بادل بن کر منڈلا رہی ہیں۔ وہی اس زمانہ میں ضلالت وگمراہی، فساد فی الارض کے ذمہ دار اور صحیح الفاظ میں دجال کے کارندے ہیں۔ لیکن افسوس صد افسوس کہ ہم مسلمان انہیں کینہ پرور صلیبیوں کے نغموں پہ سر دھنتے ہیں، اسی کے ساز میں ساز ملا کر اسی کی مدح وتوصیف میں سرمست اور اسی کی محبت میں بے کیف نظر آتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ مسلسل ذلت وپستی ہمارا مقدر بن چکی ہے اور سرزمین اسلام اپنی قسمت پر ان الفاظ میں ماتم کناں ہے "اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاءُ مِنَّا اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ"

اے مسلمانو! اللہ نے تمہیں اسلام جیسا عظیم الشان مذہب اور وہ نبی اور کتاب آسمانی عطا فرمائی ہے جس کی ہر چیز روشن وتابناک ہے اور وہ کنجی عطا کردی ہے جس سے ہر قفل کھل سکتا ہے اور اس میں ہر مسئلہ کا حل موجود ہے۔ اس زمین پر صرف مسلمان ہی وہ واحد قوم وملت ہے جو ایمان ویقین قرآن مبین، صبر وثبات، تقویٰ وطہارت کی راہ دکھا سکتا ہے کاش کہ مسلمان اپنی اس نازک ذمہ داری کو سمجھتا اور مغرب سے متأثر ہونے کے بجائے اس کو اپنے کردار وعمل سے متأثر کرنے کی اپنے اندر قوت وطاقت پیدا کرتا کہ ملت اسلامیہ کے علاوہ کوئی اور تہذیب وتمدن انسانیت کو ہلاکت سے بچا نہیں سکتا۔

خط وکتابت کرتے وقت ــــــ
خریداری نمبر اور اپنا پتہ
صاف اور خوش خط تحریر فرمائیے (ادارہ)

ضروری اعلان

دارالعلوم ندوۃ العلماء کا ترجمان پندرہ روزہ تعمیر حیات اب انٹرنیٹ پر دستیاب ہے، اور ای میل کا پتہ بھی درج ہے۔

(نوٹ :- جو حضرات تعمیر حیات کے ذریعہ انٹرنیٹ پر اپنا اشتہار دینا چاہتے ہیں ان کو تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر ۸۰ روپئے کے حساب سے بل ادا کرنا ہوگا۔ اطلاع ملنے کے بعد ہی ان کا اشتہار انٹرنیٹ پر دیا جاسکے گا۔

Internet Web-site http://nadwa.virtualave.net
e-mail address airp@lw1.vsnl.net.in

اسلام سچائیوں کا مذہب ہے

امریکہ کی "مریم میکلہ شلان" کے قبول اسلام کی رُوداد

ترجمہ: ملک احمد سرور

(مریم میکلا شلان MARYAM MCLA CHLAN) کا تعلق امریکہ سے ہے اس نے سات سال تک اسلام کا مطالعہ و مشاہدہ کیا اور بالآخر ۸ر جولائی ۱۹۹۹ء کو اسلام قبول کر لیا۔ اس کے قبول اسلام کی روداد بھارتی جریدے "ریڈینس" میں شائع ہوئی ہے۔ اس کا ترجمہ ذیل میں دیا جا رہا ہے)

آٹھ سال قبل جب پہلی بار میں نے اسلام کے بارے میں سنا تو اس وقت میری عمر ۱۹ سال تھی۔ میرے ہمسائے میں ایک مسلمان خاتون رہتی تھی۔ جس کے ساتھ اکثر گفتگو ہوتی۔ اس نے یہ تو مجھے بتایا کہ وہ مسلمان ہے، مگر اسلام کیا ہے اس بارے میں اس نے کبھی بات نہ کی۔ ایک دن میں اس کے گھر گئی مگر اس نے دروازہ نہ کھولا۔ اور میں اپنے گھر واپس آگئی۔ گھر آکر میں نے اسے فون کیا اس نے معذرت کی۔ اور دروازہ نہ کھولنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے بتایا کہ وہ نماز پڑھ رہی تھی اس لئے دروازہ نہ کھول سکی۔ اس نے دوبارہ گھر آنے کی دعوت دی اور یہ بھی بتایا کہ جب کوئی مسلمان نماز پڑھ رہا ہوتا ہے تو دوران نماز وہ کسی سے بات تک نہیں کر سکتا۔

مجھے یاد ہے کہ اس کے بعد مجھے جب بھی موقع ملتا میں اس سے اسلام کے بارے میں ضرور سوال کرتی۔ وہ ایک سحر انگیز شخصیت کی مالک تھی۔ مجھے محسوس ہونے لگا جیسے میری ذات میں اسلام کی کمی ہے میں اسے نماز پڑھتے دیکھ کر بہت لطف اندوز ہوتی اسلام کے ساتھ اس کی محبت و وفاداری نہایت متأثر کن تھی۔ اس کا تعلق متحدہ عرب امارات سے تھا۔ اور ایک دن وہ امریکہ سے واپس اپنے وطن چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد مجھے اپنی تنہائی کا شدت سے احساس ہوا۔ اسلامی تعلیمات سیکھنے کا کام جاری رکھنے کے لئے اب مجھے خود کوشش کرنا تھی۔ اور یہ بہت مشکل تھا کیونکہ میں اس کے علاوہ کسی دوسرے مسلمان کو نہ جانتی تھی۔

میں نے اسلام کے بارے میں کتب کا مطالعہ جاری رکھا۔ مجھے اس وقت تک قطعاً علم نہ تھا کہ ایری زونا (ARIZONA) میں بڑی تعداد میں مسلمان آباد ہیں کیونکہ میں نے انھیں ڈھونڈنے کی کوئی کوشش ہی نہ کی تھی۔ چار سال بعد میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے عربی زبان سیکھنی چاہیئے۔ اور میں نے عربی زبان کے ایک ٹیوٹر کے پاس جانا شروع کر دیا۔ یہ میرے لئے ایک نیا آغاز تھا۔ میرا ارادہ تو عربی زبان سیکھنے کا تھا مگر میرا ٹیوٹر مجھے عربی سکھانے کے بجائے اسلام سکھانے کی طرف لے جا رہا تھا۔ مجھے بہت خوشی ہوئی کیونکہ اب مجھے ایک نیا فرد مل گیا تھا جس سے میں اسلام سیکھ سکتی تھی وہ باتیں جو میں نہیں جانتی تھی اس سے معلوم کر سکتی تھی۔ میں کتابوں کی نسبت استاد سے تیزی کے ساتھ اور بہتر انداز سے سیکھتی ہوں۔

ذہن میں رہے کہ تاحال میں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا میں تو صرف سیکھ اور جان رہی تھی کہ اسلام ایک مذہب بھی ہے اور مکمل نظام حیات بھی، میں اس وقت تک اسلام قبول کرنا نہ چاہتی تھی جب تک میرا دل اس کے لئے راضی نہ ہو کیونکہ میں جانتی تھی کہ ایک بار میں نے اسلام قبول کر لیا تو میرے آگے زندگی کی ایک طویل شاہراہ ہے۔ بطور مسلمان زندگی کی اس شاہراہ پر چلنا اس قدر آسان نہیں ہے۔ بطور مسلمان بہت سے فرائض کو ادا کرنا ہوتا ہے مثلاً روزانہ پانچ وقت نماز وغیرہ۔ مکمل سپردگی کے بغیر یہ ممکن نہیں ہوتا۔ اگرچہ میں ایک مکمل انسان نہیں ہوں مگر شخصیت اس طرح کی ہے جو غلطیوں کو پسند نہیں کرتی۔ میں چاہتی ہوں کہ ہر کام صحیح طریقے سے ہو۔

میرا ٹیوٹر مجھے مسجد لے جانے لگا۔ وہاں اس نے مجھے کئی مسلمان بہنوں سے متعارف کروایا۔

پہلی بار جب میں مسجد گئی تو یہ رمضان شروع ہونے سے پہلے کا دن تھا۔ مسجد میں داخل ہوتے ہی میں نے خوشگوار سکون محسوس کیا۔ وہاں مسلمان بہنیں مجھ سے بڑی گرم جوشی سے ملیں اور میرے ساتھ ان کا سلوک نہایت مشفقانہ تھا۔ ان کی محبت و شفقت دیکھ کر میں تو حیران رہ گئی کیونکہ میں نے محبت و پیار کا یہ ماحول نہ دیکھا تھا۔ میری فیملی ایک خشک مزاج تھی اور اس میں اس طرح کی کوئی پرجوش محبت نہ تھی، محبت کرنے والی بہنوں نے مجھے گھیر لیا تھا۔ وہ مجھے اسلام سکھانے اور نئی زندگی میں میری ہر طرح کی مدد کرنے کے لئے بے تاب تھیں۔

پورے رمضان میں مسجد جاتی رہی اور ایک دن کے لئے بھی میں نے ناغہ نہ کیا۔ اگرچہ میں مسلم بہنوں کے ساتھ نماز میں شریک نہ ہوتی مگر ان کی عبادت کے نظارے سے استفادہ کرتی رہی میرے لئے اسلام سیکھنے کا یہ ایک تجربہ تھا۔ اور اس کے لئے میں ہمیشہ شکر گزار رہوں گی۔

جاپانی قوم کی محنت و جاں فشانی اور کام میں لگے رہنے کی دھن قابل تعریف و تقلید

ٹوکیو سے واپسی پر مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کا اظہار تاثر

جاپانی قوم اپنی محنت و جاں فشانی اور سنجیدگی کے ساتھ مسلسل و متواتر کام میں لگے رہنے کی روش میں بے مثال اور قابل تقلید ہے۔ یہ ہے وہ تاثر جس کا اظہار رابطہ ادب اسلامی دہلی کے جلسے میں ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے کیا۔

مولانا موصوف جو ٹوکیو کے اسلامی سنٹر میں ہونے والے بین الاقوامی سمینار بعنوان "مشرقی ایشیائی ممالک میں اسلام کا کردار" میں شرکت کے بعد واپس آئے تھے فرمایا کہ جاپانی قوم سچائی اور وعدہ وفائی کے ساتھ ساتھ بخشش اور رشوت کے تصور سے دور ہے اور یہی اس کی بنیادی ترقی کا راز ہے۔ اسلام کی طرف ان کا میلان بھی امید افزا ہے، جاپانی معاشرے میں دعوت و تبلیغ کی ضرورت نہایت شدید اور فوری ہے۔

مرکز علمی (اوکھلا) جامعہ نگر کے ہال میں منعقد دہلی کے منتخب دانشوروں کے اس اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے مولانا نے مزید فرمایا کہ ہندوستانی نوجوانوں کو خاص طور سے جاپان کی تاریخ اور جدید ترقیات سے واقفیت اور سبق آموزی ضروری ہے۔

صدر رابطہ ادب اسلامی دہلی پروفیسر سید محمد اجتبا ندوی کے کلمات شکر و سپاس پر جلسے کا اختتام ہوا۔ نظامت پروفیسر سید ضیاء الحسن ندوی نے کی اور صدارت پروفیسر بدرالدین حافظ نے فرمائی۔ اہم شرکاء میں مولانا سید محمد واضح رشید ندوی، پروفیسر شفیق احمد خاں ندوی، پروفیسر اختر الواسع، پروفیسر سید تقی حسین جعفری، پروفیسر زبیر احمد فاروقی، پروفیسر خبیث محمد اسماعیل اعظمی، پروفیسر ظفر احمد نظامی، ڈاکٹر تابش مہدی، ڈاکٹر محسن عثمانی، ڈاکٹر رضاء الدین علوی، ڈاکٹر محمد ایوب، ڈاکٹر حبیب اللہ خاں، جناب شیخ محمد عبداللہ، جناب رضوان اللہ فاروقی جناب محمد یحییٰ نظامی اور جناب مولانا سید محمود حسنی ندوی اور پروفیسر شعیب اعظمی کے نام شامل ہیں۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کا سفر افریقہ

۱۱ر جون ۲۰۰۰ء کو حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء جنوبی افریقہ کے ان حضرات کی دعوت پر جو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور دارالعلوم ندوۃ العلماء سے محبت و عقیدت رکھتے تھے بڑے متمنی تھے کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ افریقہ تشریف لے آئیں۔ حتیٰ کہ کئی بار ٹکٹ بھی بھیجا، لیکن تقدیر الٰہی کہ حضرت کا سفر نہ ہو سکا اور اب انہی حضرات کی دعوت پر حضرتؒ کے جانشین حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم افریقہ تشریف لے گئے ہیں، ان کے ہمراہ مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی، اور مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ندوی بھی گئے ہوئے ہیں۔ یہ سفر تقریباً تین ہفتے کا ہوگا۔ واپسی حجاز مقدس ہوتے ہوئے ہوگی۔

لگے دو سالوں کے دوران میں نے اسلام کو سیکھنا جاری رکھا۔ میں نے سیکھ لیا کہ ایک مسلمان بننے کے لئے ایک سچے اللہ پر، اس کے تمام پیغمبروں پر بشمول اس کے آخری رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم، اس کی مقدس کتابوں پر، فرشتوں پر، یوم حشر اور یوم حساب پر ایمان لانا ضروری ہے۔ یہ ۷ر جولائی ۱۹۹۹ء کا دن تھا جب میں نے اسلام قبول کرلیا۔ میں اس دن کے لئے اللہ تعالیٰ کی شکر گذار ہوں کہ اس نے مجھے دین حق قبول کرنے کی توفیق بخشی۔ ان تمام لوگوں کی بھی شکر گزار ہوں جن کی بدولت اسلام کی طرف راغب ہوئی میں اب بھی سیکھ رہی ہوں کیونکہ اسلام کو سیکھنا ایک طویل عمل ہے۔ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ میں لمبے عرصے تک سیکھتی رہوں گی۔ اس سیکھنے کے عمل سے میں بھرپور لطف اندوز ہوتی ہوں۔ سیکھنے کے دوران اسلام میں میں ہر روز ایک نئی چیز پاتی ہوں۔ اور اگر میں نے سیکھنا بند کر دیا تو میرا ارتقا رک جائے گا اور ایسا کسی کے ساتھ نہیں ہونا چاہیئے۔

اسلام سچائیوں کا مذہب ہے۔ میں نے نقاب پہننا شروع کر دیا ہے۔ اگرچہ اس کے لئے کچھ وقت لگا۔ شروع میں اس وقت پہنتی تھی جب میں مسجد جاتی تھی اور پھر آہستہ آہستہ یہ میرے لئے مانوس ہوتا گیا۔ اور اب میں گھر سے باہر ہر وقت پہنتی ہوں۔

دعائے مغفرت

خادم مسجد دارالعلوم ندوۃ العلماء، ابوالخیر کی اہلیہ کا مورخہ یکم ربیع الاول ۱۴۲۱ھ کو ایک طویل علالت کے بعد ۵۳ سال کی عمر میں احاطہ ندوۃ العلماء میں انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

بیسویں صدی کی گرانقدر علمی وادبی شخصیت

● ڈاکٹر محمد نفیس حسن دہلوی

بیسویں صدی کی گرانقدر علمی وادبی شخصیات میں خاص طور پر علامہ شبلیؒ اور مولانا سید سلیمان ندویؒ اور مولانا ابوالکلام آزاد کے بعد اردو ادب (بالخصوص عالمانہ ادبیات) میں مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا نام بلا شبہ اسی فہرست میں ایک اہم اضافہ ہے عالمانہ ادبیات میں وہ صحیح معنی میں دبستان شبلیؒ کے ترجمان ہیں۔ آپ خانوادۂ علم کے وہ چشم و چراغ ہیں جنھیں تصنیف و تالیف ورثہ میں ملی ہے۔ آپ کے والد مولانا سید عبدالحی حسنیؒ کی تصانیف میں "گل رعنا" اردو زبان وادب کی اہم تاریخی تصنیف ہے جس کی اہمیت کا اعتراف اقبال، رشید احمد صدیقی اور بہت سے اہل علم نے کیا ہے۔ تاریخ ندوۃ العلماء ج: دوم میں ص ۱۳۴ پر مولانا شمس تبریز خاں نے اس کتاب کی خصوصیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے "اس کتاب میں پہلی مرتبہ "آب حیات" پر تنقید کی گئی اور اس کی بعض ان روایات کو تاریخی اعتبار سے بے بنیاد ثابت کیا گیا جن کو آزاد کے سحر نگار قلم اور "آب حیات" کی غیر معمولی مقبولیت کی وجہ سے مسلمہ حقیقت سمجھ لیا گیا تھا نیز اردو زبان و شاعری کے آغاز کے سلسلہ میں اس میں بعض نئے معلومات و نظریات پیش کئے گئے۔"

اپنی وسیع النظری، مجتہدانہ فکر اور جدت اسلوب کے سبب مولانا علی میاں ندویؒ نے علم وادب میں اپنی ممتاز شناخت قائم کی ہے۔ اگرچہ آپ کی علمی وادبی خدمات میں (جو متعدد تصانیف پر مشتمل ہیں) اظہار خیال کی زبان عربی ہے لیکن عربی زبان و ادب کا یہ شہسوار اردو ادب میں بھی اپنی متنوع صفات اور جداگانہ خصوصیات کے سبب خوب جولانیاں دکھاتا ہے علی میاں کا قلم جس قدر عربی زبان وادب کے لئے جاندار ہے اسی قدر بلکہ اس سے زیادہ اردو زبان و ادب میں عالمانہ وقار، ادبی شکوہ اور ان کے قلبی گداز کا آئینہ ہے۔ علی میاںؒ کے یہاں عربی زبان وادب کے غالب رجحان اور بیشتر تصانیف کے علمی و تاریخی و دینی موضوعات کا ایک رخی مشاہدہ کرکے اردو ادب میں ان کی بیش بہا خدمات سے منھ موڑنا بہت بڑی ادبی بددیانتی کے مترادف ہوگا۔ مولانا علی میاں کے بغیر اردو ادب کا تاریخی تسلسل نہ صرف ادھورا بلکہ ایک عظیم ادبی ورثہ سے اہل ادب اردو کو محروم کرنا ہوگا۔ اردو ادب کی تاریخ کا اگر بغور جائزہ کیا جائے تو علمی و مذہبی اور حکیمانہ ادبیات ہی اس زبان کی اصل بنیاد اور اصل روح ہیں اردو ادب کا وقار دراصل انھیں ادبیات سے قائم ہوا ہے، علامہ شبلیؒ کی الفاروق "سیرۃ النبی" (دو جلدیں) "شعر العجم" مولانا سید سلیمان ندویؒ کی "حیات شبلیؒ" "سیرۃ النبی" ابوالکلام آزادؒ کی ترجمان القرآن" اور "کاروان خیال" وغیرہ کو کیا محض علمی، مذہبی اور سوانحی ہونے کے سبب اردو ادب سے خارج کیا جا سکتا ہے۔ یا ان کے بغیر ہم اپنی ادبی تاریخ کے تسلسل کو قائم رکھ سکتے ہیں۔ اردو ادب کی ان مذکورہ علمی ادبیات میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی جملہ تصانیف بالخصوص "پرانے چراغ" (تین جلدیں) کاروان زندگی (سات جلدیں) نقوش اقبال، نبی رحمت کا اور سفر ناموں میں دریائے کابل سے دریائے یرموک تک، نئی دنیا امریکہ میں صاف صاف باتیں وغیرہ وہ اہم تصانیف ہیں جو بیسویں صدی کے نصف آخر میں اپنے منفرد اسلوب موضوع اور اصناف ادب، (سوانح، خاکے خود نوشت سفرنامے وغیرہ) کے اعتبار سے ممتاز حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کے وزن و وقار سے اردو ادب کے وزن و وقار میں اضافہ ہوتا ہے۔ علی میاںؒ کا سفرنامہ "دریائے کابل سے دریائے یرموک تک" جو مختلف مقامات کی سیاحت ان کی منظر کشی وہاں کی عظیم شخصیات سے متعلق اہم و وسیع معلومات اور اپنے اسلوب کی دلکشی و دلآویزی کے باعث موجب کشش ہے۔ اس سے متعلق رشید احمد صدیقی نے اپنے احباب کو RALIONING کے ساتھ پڑھنے کا مشورہ دیا ہے۔ اسی طرح علی میاں کی ایک اور اہم اور معرکۃ الآراء تصنیف "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" رشید صاحب

یہ نقش مرتب کرتا ہے" سید سلیمان ندوی مرحوم کی تصانیف کے بعد اس کتاب پر پہلی مرتبہ نظر پڑی میری نظر میں اردو کی مذہبی علمی تصانیف میں اعلیٰ درجہ رکھتی ہے"۔
(مکتوب بنام علی میاں) "پرانے چراغ"۔ ندوہ کے پچاسی سالہ جشن تعلیمی کے موقع پر مولانا علی میاں کا خطبۂ استقبالیہ بعنوان "کسی جمشید کا ساغر نہیں میں" اس سے متعلق رشید صاحب کا دلی اظہار ایک مکتوب میں یوں نمایاں ہوتا ہے: ہندوستانی تہذیب کا جو نقش ہے ہندوستانی مسلمانوں کے موقف کا اظہار آپ نے جس بے مثل، مفکرانہ اور مجتہدانہ انداز و اختصار سے کیا ہے وہ بہت کم لکھنے والوں کے حصہ میں آتا ہے" نقوش اقبال کے مقدمہ میں رشید احمد صدیقی نے علی میاںؒ کے اقبال فہمی و اقبال شناسی کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے: "مولانا پہلے عالم دین ہیں جس نے موجودہ صدی کی اردو شاعری کے سب سے بڑے نمائندہ اور عظیم شاعر اقبال کی شخصیت اور شاعری کا مطالعہ غیر معمولی شوق اور بصیرت سے کیا ہے، ورنہ بیشتر علماء یہ جدید کو بالعموم مشتبہ ورنہ بڑی احتیاط سے دیکھنے کی طرف مائل رہے ہیں"
مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ کے فکر و پیام اور تصنیف و تالیف کا بنیادی موضوع ہے: ایمان، انسانیت اور اخلاق انسانی معاشرہ کی اصلاح، انسانیت کے احترام، خود داری وخود شناسی کا پیام ہے جو ہمیں سچی حب الوطنی ملک وملت کی بے لوث خدمات، فرض شناسی اور ممتاز شہری ہونے کا احساس دلاتا ہے۔ ہمیشہ ان کی یہی تمنا رہی کہ ادب کے اصلاحی مشن کے ذریعے انسان کی خود داری، فرض شناسی اور عظمت و وقار کا نقش قائم کیا جائے۔
علی میاں کے فکر و ذہن اور علمی موضوعات میں اقبال کے فکر و فلسفہ اور پیام حرکت و عمل کے متعدد پہلو بہت واضح ہیں۔ مولانا کی شخصیت صحیح معنیٰ میں اقبال کے طائر لاہوتی کی ہے جو اپنے چمنستان تصنیف و تالیف میں جا بجا اقبال کا نغمہ خواں ہے لیکن یہ نغمہ خوانی غیر معمولی ہونے کے باوجود بے جا مبالغہ اور غیر متوازن جذباتیت سے پاک ہے۔ کلام اقبال میں جس چیز نے انھیں سب سے زیادہ متاثر کیا ہے۔ وہ اقبال کی بلند حوصلگی، محبت اور ایمان ہے۔ علی میاں کی تصنیف نقوش اقبال کے فکر و خیال کا عطر مجموعہ ہے یہ اقبالیات کے وسیع ذخائر میں اپنی نوعیت کا منفرد اضافہ ہے کیونکہ اقبال کے یہاں زندگی بھر اس بات کا شدید احساس رہا کہ

نغمہ شو قم ہنوز بے خبر ست

اور اس میں شک نہیں کہ عالم عرب کو اقبال کی عظمت، انفرادیت اور فکر و پیام سے متعارف کرانے کا قرعۂ فال نیک 'علی میاں ندویؒ کے نام نکلا۔ جو روائع اقبال کی تشکل میں نمایاں ہوا۔ اور نقوش اقبال ترجمہ ہوا۔ نقوش اقبال کی اہمیت وعظمت کا واضح اعتراف پروفیسر رشید احمد صدیقی کا مقدمہ ہے، نقوش اقبال کی اہمیت اردو ادب میں اس لئے بھی بڑھ جاتی ہے کہ علی میاں کی جملہ تصانیف میں اردو ادب کی اہم شخصیات و تحریکات سے متعلق باقاعدہ کوئی اور مکمل تصنیف ہمارے سامنے نہیں لیکن اس کے باوجود اردو ادبیات کی مختلف اصناف شخصیات نیز تحریکات کا گہرا شعور بھی ان کی تصانیف میں جا بجا جھلکتا ہے جسے وہ اپنے خیال کی ترجمانی میں بروقت اور حسب ضرورت کام میں لاتے ہیں تحریر و تقریر نیز جملہ تصانیف میں اقبال کے علاوہ دیگر شعراء بالخصوص غالب میرؔ، دردؔ، مومنؔ آتشؔ، حالیؔ، داغؔ، ذوقؔ، فیضؔ، جگرؔ اصغرؔ وغیرہ۔ ممتاز شعراء کے اشعار بھی اپنے مناسب مقام پر نظر آتے ہیں، علی میاں کی تصنیف ہندوستانی مسلمان میں سرسید کی فعال و متحرک شخصیت اور علی گڑھ تحریک کا بھی تفصیلی ذکر ملتا ہے۔
"پرانے چراغ" کی تین جلدیں بیش بہا خاکوں پر مشتمل ہیں ان خاکوں میں مذہبی وعلمی وادبی شخصیات اور منتخب رہنمایان ملک وقوم کی شخصیات کو نہایت دلکش دلآویز اور مؤثر پیرایۂ بیان میں پیش کیا ہے یہ خاکے اردو ادب کے بیش قیمت سرمایہ ہیں، چند اہم ادبی شخصیات میں مولانا ابو الکلام آزادؔ، مولانا محمد علی جوہرؔ، جگر مرادآبادی، ڈاکٹر ذاکر حسین، رشید احمد صدیقی وغیرہ کے خاکوں کا اگر مطالعہ کیا جائے تو ان اہم شخصیات کے متعلق نہ صرف وسیع معلومات حاصل ہوتی ہیں بلکہ ان شخصیات کی فکری معنویت اور فنی عظمت کا گہرا نقش قاری کے ذہن پر مرتب ہوتا ہے ہر خاکے میں اسلوب کا منفرد رنگ ہے جس کے سبب ان کی اثر پذیری کیف و تاثر میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ کاروانِ زندگی کی سات جلدیں خود نوشت سوانح عمریوں میں اہم ادبی اضافہ ہیں
مولانا علی میاں ندویؒ کی تمام زندگی اور خاندان جس ادارہ سے وابستہ رہا وہ ہے ندوۃ العلماء۔ ندوہ کی عظیم علمی وادبی خدمات میں شبلیؒ اور سید سلیمان ندویؒ نے

دو اہم اور بنیادی ستون ہیں جن کی علمی و ادبی حیثیت مسلّم ہے۔ ندوہ کی علمی فضا میں علامہ شبلیؒ کی عظمت اور ان کی تاثیر و اہمیت میں مولانا علی میاںؒ کے یہ الفاظ شبلی اور خود علی میاںؒ کے فکر و اسلوب کے ترجمان ہیں۔ اس میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں کہ مولانا شبلیؒ کا ندوہ کے علمی و ادبی مزاج کی تشکیل میں بنیادی اور شاید سب سے بڑا حصہ ہے اور ان کا اسلوب تحریر اس وقت تک سنجیدہ اور علمی خیالات کے ادا کرنے کے لئے سب سے زیادہ موزوں اور اس وقت تک زندہ و تابندہ ہے اور بظاہر ابھی عرصہ تک رہے گا۔" (کاروان زندگی جلد اول صفحہ ۱۵۳)

ندوۃ العلماء کی فکری اور ادبی اساس میں علامہ شبلیؒ کی حیثیت ایک معمار کی ہے ان کے بعد جانشین شبلیؒ مولانا سید سلیمان ندویؒ نے اس روایت کو مزید آگے بڑھایا اقبال نے مولانا سید سلیمان ندوی کو "علوم اسلامیہ کی جوئے شیر کا فرہاد کہا ہے" مولانا سید سلیمان ندویؒ کے بعد عصر حاضر میں دبستان شبلی کی علمی و ادبی روایت کو پورے خلوص، معیار اور امتیاز کے ساتھ آگے بڑھانے میں مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ خاص طور پر سرفہرست اور سب سے نمایاں مقام پر نظر آتے ہیں اس طور پر کہا جا سکتا ہے کہ علامہ شبلیؒ کا فکر و اسلوب مستقل ایک دبستان کی حیثیت رکھتا ہے جس کی ایک اہم کڑی مولانا سید سلیمان ندویؒ تھے۔ تو دوسری کڑی مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ دبستان شبلیؒ کی علمی و ادبی روایت مستقل اپنا کام کرتی رہی۔ مولانا عبد السلام قدوائی ندویؒ (مصنف اقبال کامل) مولانا شاہ معین الدین احمد ندویؒ وغیرہ ذی علم و ذی وقار ادبی شخصیات پہلے ہی سے اپنا ایک ادبی مقام رکھتے ہیں۔ عصر حاضر میں مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ بھی ان ہی باکمال ادباء و انشاء پردازوں میں ہیں، جنھوں نے دبستان شبلیؒ کی ادبی روایت کو نہ صرف قائم رکھا بلکہ مزید آگے بڑھانے کا کام بھی کیا۔ مولانا علی میاںؒ کی تحریریں اس حقیقت کا برملا اظہار ہیں۔

دبستان شبلی کی خصوصیت یہ ہے کہ اس دریا میں علم و تاریخ کے بیش بہا گوہر ہیں اس اسلوب میں ایک خاص وقار، تمکنت اور حسن و جمال کی فضا ہے یہ اسلوب ایک خاموش، پُرکیف اور پُربہار وادی ہے۔ فصاحت و بلاغت کا دربار شاہی ہے اس اسلوب میں استہزاء اور دل آزاری نہیں، دل بستگی، اخلاق و شرافت اور رواداری کی کیفیت ہے۔ یہ اسلوب بغاوت و انقلاب اور خونیں جذبات کی جگہ تحمل و استقامت اور عزیمت کا آئینہ ہے۔ اس اسلوب میں اقدار کے بازیافت کا شعور بھی ہے۔ اخلاقی وزن تہذیبی وقار اور تمدنی شناخت بھی ہے حقیقت پسندانہ احساس، حق گوئی اور مہذب تنقید کا عنصر بھی ہے یہاں تحقیق کا پاس ہے۔ علم و بزرگی کا لحاظ ہے آزادیٔ خیال اور بے تکلف اظہار میں بھی قدرے تکلف نظم و شائستگی، احتیاط اور حسن احتیاط کا معاملہ ہے۔ یہ اسلوب فحاشی و عریانیت اور بے ہودگی و پردہ دری کی جگہ پردہ داری مہذب اور لطیف جمالیاتی حسن کا آئینہ ہے دبستان شبلیؒ کی یہ اسلوب بیانی روایت بدستور قائم ہے اور اس کی زندہ و تابندہ مثال بالاختصاص اور علی میاں ندویؒ کی بے شمار تحریریں ہیں، کشمیر یونیورسٹی میں ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری قبول کرنے کے موقع پر علی میاںؒ کا خطاب بعنوان "علم کا مقام اور اہل علم کی ذمہ داریاں (اس خطبہ کا مقدمہ معروف نقاد ادب اردو پروفیسر آل احمد سرور کا تحریر کردہ ہے) علم و ادب کے مفہوم و معنویت اور معیار و منہاج کا دستور ہے۔

خاص طور پر یہ الفاظ علم و ادب سے متعلق علی میاں ندوی کے فکر و رجحان کی تفہیم کا بڑا ذریعہ ہیں "میرا عقیدہ ہے کہ علم ایک اکائی ہے جو بٹ بھی نہیں سکتی۔ اس کو قدیم و جدید مشرقی و مغربی نظری و عملی میں تقسیم کرنا صحیح نہیں... میں علم و ادب، شاعری، فلسفہ، حکمت کسی میں اس اصول کا قائل نہیں ہوں کہ جو اس کی وردی پہن کر آئے وہی عالم اور دانشور ہے بدقسمتی سے ادب و شاعری میں بھی یہی حال ہے۔

ادب میں مولانا علی میاں ندویؒ دراصل آفاقیت کے قائل ہیں وہ اسے چند مخصوص اصناف و اسلوب میں محدود یا محصور کرنے اور تنگ نظری و تنگ دامانی کے قطعاً روادار نہیں نیز ادب کی مقصدیت اس کے ذریعے فرد و معاشرہ کی اصلاح انسانیت کی تعمیر، سیرت و اخلاق کی استواری، سچی حب الوطنی اور انسانیت کی بے لوث و بے غرض خدمت انجام دینے کی ضرورت کا احساس دلاتے ہیں۔ ادب سے متعلق علی میاںؒ کا رجحان بہت واضح اور بلند ہے۔ اقبال کی طرح وہ بھی ذوق نظر سے زیادہ معنی کی حقیقت فہمی اور ادراک و بصیرت

بہ زور دیتے ہیں اور ادب کو اس کا ایک حسین و جمیل اور مؤثر ذریعہ خیال کرتے ہیں ان کے نزدیک حسن ذوق نمو دیں کسی سے عارضی اور ظاہری کشش کا محتاج نہیں حسن کی صداقت وابدیت مسلّم ہے حُسن حُسن ہے خواہ کسی شکل میں ہو۔ کسی مقام پر ہو، پھول پھول ہے، خواہ کسی مسجد کے صحن میں کھلے یا مینلنے کے زیر سایہ اقوام وملل کی تاریخ اور ادبیات پر گہری نظر اور عمیق علم و مطالعہ کے سبب ادب کی عظیم قوت کو تسلیم کرتے ہوئے انھیں ادب کی تعمیری و تخریبی اور مفید و مضر دونوں اثرات کا بخوبی ادراک ہے انھوں نے اپنے عہد کے ادبی رجحانات میں بعض مضر اثرات و خطرات کی نشاندہی بھی کی ہے اور شدت سے اس خطرہ کا احساس دلایا ہے کہ الحاد و تشکیک کا جو سیلاب پہلے فلسفہ و سائنس یا پھر نفسیات، اجتماعیات، اقتصادیات یا سیاسیات کے خاموش راستوں سے ہموار ہوتا تھا۔ وہ اب تعلیمی اداروں میں ادب کے ذریعہ تیزی سے موجیں مارتا نظر آتا ہے۔

اردو ادب میں مولانا علی میاںؒ کے اسلوب کو "اصلاحی و تعمیری اسلوب" سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ ان کے اسلوب میں انسانی دردمندی و احترام، رواداری اور حُسن ظن کا پہلو بہت واضح ہے طبیعت کی فطری سادگی و خلوص کی پرچھائیاں ان کی تحریر و تقریر میں بھی نمایاں ہیں۔ ادب و انشاء کی اس باد بہاری میں نظم و شائستگی کی مہک ہے لفظ کے استعمال کا سلیقہ ہے اور انتخاب کا قرینہ ہے۔ یہ اسلوب تکلف بیجا سے بے نیاز ہے راہِ حق کے اس مسافر کی سیدھی سچی آواز ہے۔ عربی آمیز الفاظ اور فارسی تراکیب سے یہ زبان اردو وزنی ضرور ہے لیکن اس سے عبارت میں تعلقات یا مفہوم کی تفہیم میں مزاحمت نہیں پیدا ہوتی اس انداز تحریر کی ایک خاص ادا طویل جملوں کی کہکشاں ہے بعض جگہ تو ایک جملہ ایک اقتباس کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس نازک موقع پر قاری کی توجہ اگر لفظ و عبارت مرکوز نہ رہے تو قرأت کا عمل اکارت جاتا ہے، موضوع خواہ کتنا ہی پیچیدہ اور خشک کیوں نہ ہو وہ اپنے لفظ و معنی کے حسن اور مخصوص کشش سے اسے دلکش بنا دیتے ہیں۔ جملوں کی ساخت میں برمحل و برجستہ ہم قافیہ و ہم وزن الفاظ کی نشست اور کہیں زور بیان میں لفظوں کی تکرار ایک خاص کیفیت اور جمالیاتی فضا پیدا کر دیتی ہے احساس و خیال کے مطابق الفاظ کے اتار چڑھاؤ سے مرقع کشی کی جاتی ہے جہاں جمالیاتی و دلبرانہ فضا درکار ہوتی ہے وہاں ان کے علم میں آہستگی نرم روی اعتدال حوصلہ افزا اور پُرامید احساس جھلکتا ہے اور جہاں جلال و قاہری کے مضامین سے فضا کو گرمانا ہو وہاں ان کے قلم کی تیغ آبدار میں آبشاروں کا شور اور موجوں کا تلاطم امڈتا نظر آتا ہے۔ ان کی تحریروں کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو ان احساسات کا نظارہ کیا جا سکتا ہے، جملہ اردو نگارشات اپنے حُسن و معنویت کے سبب ہمیں سنجیدہ اسلوبیاتی مطالعہ کی دعوت دیتی ہیں علی میاںؒ کی تحریروں کو دیکھ کر دبستانِ شبلی اور اس کے فکر و اسلوب کی قدر و قیمت اور معیار و مقام کو تسلیم کرنا پڑتا ہے نیز شبلیؒ کے اسلوب سے متعلق علی میاںؒ کے مذکورہ الفاظ پھر کانوں میں گونجنے لگتے ہیں۔ اور خود علی میاں ندویؒ کے اسلوب پر صادق آتے محسوس ہوتے ہیں کہ "ان کا اسلوب تحریر سنجیدہ اور علمی خیالات کے ادا کرنے کے لئے سب سے زیادہ موزوں اور اس وقت تک زندہ و تابندہ ہے اور بظاہر ابھی عرصہ تک رہے گا۔"

مختصر یہ کہ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی تحریروں میں ان کی علمی بصیرت، پیامِ انسانیت، عصری حسّیت، فکر و خیال کی رعنائی، اسلوب کی دلکشی اور عالمانہ حسن کاری کے گہرے نقوش عاشقین ادب کو اپنی ہزار عشوہ سامانیوں اور بے نگہی و بے التفاتی کے باوجود بالآخر فراق کی زبان میں یہ کہنے پر مجبور کرتے ہیں ؎

ہزار بار کیا عزم ترک نظارہ
ہزار بار مگر دیکھنا پڑا ہم کو

جاپانیوں کو روحانی افلاس سے بچانے کی فکر کیجئے

ٹوکیو میں مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی تقریر

رپورٹ ——— نمائندہ تعمیر حیات

جاپان کی راجدھانی ٹوکیو میں مشرقی ایشیا اور اصلاح سے متعلق تاریخی کانفرنس ۲۱ر۲۲ر۲۳ر مئی ۲۰۰۰ء کو اقوام متحدہ کی یونیورسٹی کے پرشکوہ ہال میں منعقد ہوئی۔ جس میں اسلامی دنیا کے ممتاز اسکالر، دانشور اور علماء نے شرکت کی۔ تنظیم اسلامی کانفرنس میں شامل ۵۶ ملکوں کے وفود اس کانفرنس میں شریک ہوئے۔ ہندوستان سے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ناظم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور پروفیسر محمد یونس نگرامی ندوی نے اس کانفرنس میں شرکت کی۔

کانفرنس میں اسلامی دنیا کی جن ممتاز شخصیتوں نے شرکت کی ان میں تنظیم اسلامی کانفرنس کے سکریٹری جنرل ڈاکٹر عز الدین عراقی، رابطہ عالم اسلامی کے سکریٹری جنرل عبداللہ صالح العبید، سعودی عرب کے اسلامی امور کے وزیر عبدالعزیز آل شیخ، جاپان کے وزیر خارجہ، اقوام متحدہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر، پاکستان کے مذہبی امور کے سابق وزیر راجا محمد ظفر الحق، ملیشیا کی عالمی اسلامی یونیورسٹی کے ریکٹر، اسلام آباد کی عالمی یونیورسٹی کے ریکٹر اور جاپان میں متعین عربی و اسلامی ملکوں کے سفراء کے نام قابل ذکر ہیں۔

ان کے علاوہ اسلامی دنیا سے تین سو سے زائد افراد نے جلسے میں شرکت کی۔ کانفرنس کا بنیادی موضوع تھا "مشرقی ایشیائی ممالک میں اسلام کا کردار" یعنی اسلام مشرقی ایشیا کے ملکوں اور خاص طور پر جاپان میں کیا رول ادا کر سکتا ہے، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ناظم اور ممتاز عالم دین حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے پہلے ہی دن میں اپنا عالمانہ و فکر انگیز مقالہ پیش کیا، جس میں انھوں نے مشورہ دیا کہ جاپان اپنی صنعتی ترقی کی انتہا کو پہونچ چکا ہے، لیکن روحانی افلاس کا شکار ہے، اس خلا کو صرف اسلام ہی پر کر سکتا ہے، جس کے لئے انھوں نے متعدد تجاویز بھی اپنے مقالہ میں پیش کیں، مولانا کا مقالہ اپنے موضوع، مواد اور زبان کے لحاظ سے اتنا بھرپور تھا کہ کانفرنس کا خلاصہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ متعدد وفود نے باقاعدہ ملاقات کر کے مقالہ پر اپنی مسرت کا اظہار کیا اور دعائیں دیں۔ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے مرکز اسلامی جاپان کے قائم کردہ اسلامی انسٹی ٹیوٹ کا بھی افتتاح کیا جو جاپان میں اسلامی عقائد و تعلیم سکھانے کا پہلا انسٹی ٹیوٹ ہے۔

کانفرنس میں ہندوستان، دارالعلوم ندوۃ العلماء اور لکھنؤ یونیورسٹی کے لئے فخر کا موقع اس وقت آیا جب کانفرنس کے ذمہ داروں نے پروفیسر محمد یونس نگرامی ندوی سے فرمائش کی کہ وہ ۵۶ ملکوں سے آنے والے وفود کے خیالات و احساسات کی ترجمانی کرتے ہوئے کلمۃ الوفود پیش کریں۔

کلمۃ الوفود کا مطلب ہوتا ہے سبھی وفود کے جذبات و احساسات کی ترجمانی) پروفیسر محمد یونس نگرامی ندوی نے برجستہ کلمۃ الوفود پیش کرتے ہوئے اپنے خطاب میں کہا کہ آپ یہاں سے اس بات کا عہد کر کے اٹھیں کہ اخوت، مساوات عادلانہ نظام، ایک دوسرے کے حقوق کا احترام کرنے کی کوشش کریں، جس کی طرف اسلام پرزور دعوت دیتا ہے اور اس طریقہ سے اسلام کی ان تعلیمات کو پیش کرنے کی کوشش کریں جو انسانی سماج کے لئے نعمت عظیم ہے اور جس کے لئے آج کی دنیا ترس رہی ہے، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور پروفیسر محمد یونس نگرامی ندوی ۳ر جون ۲۰۰۰ء کو لکھنؤ واپس آگئے۔

بقیہ: جاپانی قوم کے مسائل کا حل

آپؒ نے زندگی کے نشیب بھی دیکھے اور فراز بھی، تلخ گھونٹ بھی پئے اور شیریں بھی، مشکلات کا سامنا بھی کیا اور بحرانوں سے گذرے بھی لیکن اپنی حکمت و دانائی، بلند ہمتی، نفس کی پاکیزگی اور خوش اخلاقی سے ان مشکلات پر قابو بھی پایا اور دنیا کے سامنے ان کا حل بھی پیش کیا۔

آپؒ نے شوہر کی حیثیت سے بھی زندگی گذاری اور باپ کی حیثیت سے بھی، دوستوں کی دوستی کا لطف بھی اٹھایا اور دشمنوں کی دشمنی کا سامنا بھی کیا، خاندان کی ذمہ داری بھی نبھائی اور جماعت کی امارت کا فریضہ بھی انجام دیا، اس طرح آپؒ نے زندگی کے ہر پہلو اور ہر گوشہ کے لئے ایک نمونہ چھوڑا، اور یہی وہ نمونے ہیں جن کو اپنا کر موجودہ دور کے مسائل اور مشکلات پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

سوال وجواب

محمد طارق ندوی

س :۔ ایک شخص نے بسم اللہ کہہ کر ہرن کو گولی ماری اور وہ ذبح کرنے سے پہلے مرگیا تو اسے کھاسکتے ہیں یا نہیں؟

ج :۔ نہیں! بسم اللہ کہہ کر بندوق کی گولی سے ذبح کرنے سے پہلے مرجانے والے جانور کا کھانا جائز نہیں ہے کیونکہ گولی محدد (کونٹنے والی) ہے قاطعہ اور جارحہ (کاٹنے اور زخم لگانے والی) نہیں ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں مذکور ہرن کو نہیں کھاسکتے ہیں اس کا کھانا حرام ہوگا۔

س :۔ اگر دوران نماز کتا یا بندر گھر میں گھس جائے اور کسی چیز کو نقصان پہونچ جانے کا خوف ہو تو کیا نماز توڑ سکتے ہیں؟

ج :۔ ہاں! صورت مسئولہ میں دوران نماز اگر کتا یا بندر گھر میں گھس جائے اور کسی چیز کو نقصان پہونچ جانے کا خوف ہو تو نماز توڑ سکتے ہیں۔

س :۔ اتفاق سے جلدی میں مسجد کے اندر جوتا ایسی جگہ رکھ دیا جہاں اس کے چوری چلے جانے کا قوی امکان ہے اور نماز پڑھنا شروع کر دیا، شبہ ہونے پر کیا نماز توڑ سکتے ہیں؟

ج :۔ ہاں صورت مسئولہ میں نماز کے دوران خیال آنے پر نماز توڑ کر انھیں صحیح جگہ رکھنے کے بعد اطمینان سے نماز پڑھنا چاہئے۔

س :۔ کیا اذان کے بعد اللّٰھم رب ھٰذہ الدعوۃ التامۃ الخ پڑھنا مسنون ہے؟

ج :۔ ہاں! مذکورہ دعا کا اذان کے بعد پڑھنا مسنون ومطلوب ہے۔

س :۔ کیا وضو کرتے وقت تین دفعہ چہرہ دھونے کے بعد داڑھی کو اندر اور باہر سے تر کرنا ضروری ہے؟

ج :۔ داڑھی اگر گھنی ہے کہ اندر کی جلد نظر نہ آئے تو اس کو اوپر سے دھونا فرض اور اس کا خلال کرنا سنت ہے اور اگر ہلکی ہو تو پوری داڑھی کو پانی سے تر کرنا ضروری ہے۔

س :۔ جو تیمم نماز جنازہ پڑھنے کے لئے کیا گیا ہو کیا اس تیمم سے دیگر فرائض و نوافل پڑھ سکتے ہیں؟

ج :۔ جو تیمم نماز جنازہ پڑھنے کے لئے کیا جاتا ہے اس تیمم سے دیگر فرائض و نوافل نہیں پڑھ سکتے ہیں۔

س :۔ پیوسی (بچہ جننے کے فوراً بعد بھینس کا دودھ) کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

ج :۔ قرآن میں دودھ کی حلت کے بارے میں جو نص وارد ہے، وہ مطلق ہے اس میں کوئی ایسی قید نہیں ہے جس سے پتہ چلے کہ بچہ جننے کے فوراً بعد والا دودھ استعمال کرنا درست نہیں ہے لہٰذا پیوسی کا کھانا جائز ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: وَاِنَّ لَكُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِیْكُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهٖ مِنْ بَیْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآىٕغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ" (سورۃ النحل۔ آیت ۶۶) (اور تمہارے لئے چارپایوں میں بھی (مقام) عبرت (وغور) ہے کہ ان کے پیٹوں میں جو گوبر اور لہو ہے اس سے ہم تم کو خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لئے خوشگوار ہے۔)

س :۔ لڑکی کے بلوغ کی اقل مدت کیا ہے؟

ج :۔ لڑکی کے بلوغ کی اقل مدت نو سال اور اکثر مدت پندرہ سال ہے۔

عالمی خبریں

معید اشرف ندوی

● سعودی عرب نے نئی عمرہ پالیسی کا اعلان کردیا جو جولائی سے نافذ العمل ہوگی۔ عمرہ پالیسی سے متعلق نیا مسودہ ۵۹ دفعات پر مشتمل ہے جس کا مقصد عمرہ وزٹس کو منظم کرنا اور بعض تارکین وطن کی طرف سے سعودی عرب میں مدت سے زائد قیام کے مسئلہ کو ختم کرنا ہے۔ اب عمرہ سروس وہ کمپنیاں فراہم کریں گی جنھیں وزارت حج لائسنس جاری کرے گی۔ نئے قواعد کے مطابق جو لوگ عمرے کیلئے آئیں گے انھیں سعودی عربین مانیٹری ایجنسی کے منظور شدہ کسی بینک کی طرف سے ایجنٹ کے نام جاری کردہ ڈرافٹ پیش کرنا ہوگا۔ اس کے ساتھ ہی ان کے پاس واپسی کا ٹکٹ ہونا بھی ضروری ہے۔ وزارتی کونسل نے نئی عمرہ سروس کا بل ۲۰ ستمبر ۱۹۹۹ء کو منظور کیا تھا۔ سرکاری مہمان، سرکاری پرلیس، طالب علم، ثقافت اور کھیل کے وفود اور وہ لوگ جو وزٹ ویزے پر آئیں گے وہ ان قوانین سے مستثنیٰ ہوں گے۔ اسی طرح یہ لوگ ایجنٹ کی طرف سے فراہم کردہ خدمات بھی استعمال کرسکتے ہیں۔ ایک اطلاع کے مطابق عمرہ ویزے کی مدت میں ۱۵ر سے ۳۰ر دن کی توسیع کی جائے گی۔ نئے قوانین میں بتایا گیا ہے کہ عمرہ کرنے والوں کو اپنے ویزے کی مدت کے دوران سعودی عرب کے کسی بھی علاقے میں جانے کی اجازت ہوگی۔

● پوپ جان پال دوم کے نائب ایک اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ اسلام کی انتہاپسندی یا تشدد سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اسلام ایک دین ایک ثقافت، اور ایک طرز حیات ہے۔ آج یہ انہی خوبیوں کی بناء پر دنیا میں تیزی سے پھیل رہا ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ عیسائی اپنا روزہ بھول جاتے ہیں اور مسلمانوں کے روزے اور عبادت پر حیرت اور مرعوبیت ظاہر کرتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ اسلام اب یورپ میں اپنی موجودگی کا احساس دلا رہا ہے۔

● لکھنؤ سے شائع ہونے والا ہندی روزنامہ راشٹریہ سہارا کے مطابق فیجی کے وزیراعظم نے ہندی نژاد لوگوں کو مستقل زمین دینے پر ان کی حکومت کے خلاف فیجی لوگوں نے بغاوت کردی اس سے قبل غیر ملکیوں کو زمین ۳۰ سال کے پٹہ پر دیئے جانے کا قانون تھا۔ لیکن معزول وزیراعظم نے قانون میں تبدیلی کرکے ہندوستانیوں کو زمین کی خرید وفروخت کا حق دلادیا تھا۔ ہندوستانی ۱۸۹۷ء سے ۱۹۱۶ء کے درمیان وہاں گنے کی کاشت کے لئے گئے تھے اور پھر وہیں کے ہو کر رہ گئے اس وقت وہاں ۴۳ر۶ فیصد ہندوستانی ہیں جن میں ۷ر۸٪ فیصد مسلمان اور ۰ر۷٪ فیصد سکھ آباد ہیں۔

● روس کے ایک اعلیٰ جنرل نے اعتراف کیا ہے کہ روسی افواج کو چیچنیا میں اپنا کنٹرول برقرار رکھنے میں شدید مشکلات پیش آرہی ہیں لیفٹننٹ جنرل ولادی میر شوانوف نے ایک انٹرویو میں کہا کہ چیچنیا میں روسی افواج کی پوزیشن روز بروز کمزور ہو رہی ہے اور مجاہدین کے حملے دن بدن تیز ہوتے جارہے ہیں۔ اسی دوران مجاہدین نے گروزنی کے نواح میں واقع ایک گاؤں میں ایک روسی فوجی قافلے پر اچانک حملہ کرکے ۱۵ر روسی فوجیوں کو ہلاک کردیا۔ روسی حکام نے اس حملے کا اعتراف کیا تاہم ہلاک شدگان کی تعداد بتانے سے گریز کیا۔

مطالعہ کی میز

تبصرے کیلئے کتابوں کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے!

● محمد شاہد ندوی بارہ بنکوی

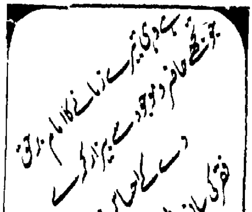
نام کتاب: نصیحۃ المسلمین
مصنف: مولانا خرم علی بلہوریؒ
نیا ایڈیشن: مع مقدمہ: حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
سائز ۲۲×۱۸/۸ صفحات ۵۰، قیمت: ۱۵ر روپے
ناشر: شعبۂ نشر و اشاعت: مدرسہ اسلامیہ معین الاسلام بلہرہ بارہ بنکی (یو.پی)
ملنے کا پتہ: ● مکتبہ ندویہ، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
● مکتبہ حرمین مرکز والی مسجد امین آباد لکھنؤ (یو-پی)

تیرھویں صدی ہجری کے وسط میں حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی جماعت "اصلاح و تجدید" اگر ایک طرف ہندوستان کے اندر اسلامی دعوت میں مصروف عمل تھی تو دوسری طرف مسلمانوں کے عقائد و اعمال کی اصلاح اور خالص توحید و سنت کی دعوت و تبلیغ میں پوری طرح سرگرم نظر آرہی تھی اسلئے کہ اسلامی دعوت کی روح عقیدۂ توحید کی پختگی طریقۂ نبوی پر عمل کرنے اور اخلاق و اعمال کی درستگی میں مضمر ہے۔

اس مقدمہ میں جماعت کے ایک ذی علم و باعمل سپاہی حضرت مولانا خرم علی بلہوریؒ بھی تھے انھوں نے اگر ایک طرف میدان کارزار میں شجاعت کے جوہر دکھائے تو دوسری طرف امت میں پھیلی ہوئی غیر اسلامی رسموں اور غلط عقائد کی اصلاح کی۔ چنانچہ انھوں نے اصلاح و دعوت کی غرض سے ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام "نصیحۃ المسلمین" رکھا۔ یہ توحید کے موضوع پر نہایت مفید کتاب ہے اس کی زبان نہایت سادہ، عام فہم، اور طرز استدلال دلکش ہے۔ شرک و بدعت میں پھنسے ہوئے لوگوں کے حیلوں بہانوں اور لچر دلائل کے نہایت لطیف مگر مسکت انداز میں جوابات بھی دیئے گئے کتاب کے آخر میں چند مفید و اصلاحی نظمیں بھی شامل ہیں جس کی وجہ سے کتاب کی افادیت میں مزید اضافہ ہوا اور امت کو بڑا فائدہ پہنچا۔ لیکن عرصہ دراز سے یہ کتاب نایاب ہو رہی تھی ضرورت تھی کہ یہ کتاب اب پھر دوبارہ شائع ہو۔

الحمد للہ! یہ کتاب شعبۂ نشر و اشاعت مدرسہ اسلامیہ معین الاسلام بلہرہ بارہ بنکی سے شائع ہو کر منصۂ شہود پر آگئی ہے، خوشی کی بات یہ ہے کہ اشاعت سے قبل حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے اس کتاب پر مقدمہ لکھنے کی درخواست کی گئی تھی چنانچہ ازراہ شفقت اور کتاب کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر بڑا وقیع مقدمہ تحریر فرمایا۔ یہ مقدمہ مولانا کی زندگی کا آخری مقدمہ تھا۔ جو انھوں نے ۱۵ر رمضان ۱۴۲۰ھ کو تحریر فرمایا اور ۲۲ر رمضان ۱۴۲۰ھ کو انتقال فرمایا۔ حضرت مولانا اپنے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

ہندوستان کے مسلمانوں کی کثیر تعداد یہاں کی اکثریت کے خیالات و عادات، اطوار اور رسوم سے متاثر ہو چکی تھی اسی صورتحال کو دیکھ کر پیش نظر کتاب "نصیحۃ المسلمین" کے مصنف مولانا خرم علی صاحبؒ بے چین ہو گئے اور انھوں نے یہ کتاب نہایت سادہ زبان اور نہایت واضح اسلوب میں بچوں کی نفسیات کو سامنے رکھتے ہوئے تصنیف کی۔ اس کتاب سے جو مدارس کے نصاب میں داخل رہی ہے بڑا فائدہ پہنچا اور نہ جانے کتنے اللہ کے بندوں کا عقیدہ درست ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب سے زیادہ سے زیادہ نفع پہونچائے۔ احیاء توحید و سنت اور رد شرک و بدعت کے موضوع پر یہ ایسی اہم کتاب ہے کہ اہل مدارس بچوں کے تعلیمی نصاب میں اس کو داخل کریں۔ اور مسلمان گھر کے مرد اور عورتیں اس کا ضرور مطالعہ کریں، دوسروں تک پڑھنے کے لئے پہنچائیں اور تحفہ میں پیش کریں۔



وفیات

مولانا محمد یوسف لدھیانوی کی شہادت

ریڈیو اور اخبارات کے ذریعہ اس اندوہناک خبر نے پورے برصغیر کے دینی وعلمی طبقہ کو سکتہ میں ڈال دیا کہ ۱۸ر مئی ۲۰۰۰ء کی صبح کو پاکستان کے مشہور ومعروف عالم دین اور بزرگ مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی کو کچھ نامعلوم افراد نے سفاکانہ طور پر شہید کردیا، اور اس طرح ملت اسلامیہ کو ایک عظیم قیمتی سرمایہ سے اس وقت محروم کردیا جبکہ اس کو اس کی اور زیادہ ضرورت تھی اللہ تعالیٰ ان کو اعلیٰ علیین کی جگہ عطا فرمائے، اور ہمیں ان کا نعم البدل عطا کرے۔

وہ ایک سنجیدہ اور باوقار دینی رہنما، مصنف ومحقق، اور کم از کم پاکستان میں صف اول کے اکابرین میں تھے، تین ماہ بھی نہیں گذرے کہ ان کے سوانح قلم سے حضرت مخدوم ومربی مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ پر محبت وعقیدت اور عظمت سے بھرپور شذرہ "بینات" کراچی میں جس کے وہ مدیر تھے سامنے آیا تھا، جس میں انھوں نے اپنے ممدوح مرحوم کے بارے میں تحریر کیا تھا کہ جن پانچ شخصیتوں سے میں زیادہ متاثر ہوا۔ اور ان کی عظمت ہمارے دل میں رچ بس گئی ان میں سے ایک یہی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ تھے، کسے کیا معلوم تھا کہ یہ محب مخلص صادق اپنے محبوب مخدوم سے اتنی جلدی جا ملے گا۔

مولانا مرحوم دل درد مند رکھنے والے اور قوم وملت کی فکر رکھنے والے عالم دین تھے، احقاق حق اور ابطال باطل کے لئے وہ مصروف عمل رہتے ہوئے اپنے رفیق اعلیٰ کے حضور جا پہونچے، جہاں ان کو اب اپنی خدمات ومساعی کا بہتر سے بہتر بدلہ ملنا ہے، اور اس سے اچھا بدلہ دے ہی کون سکتا ہے؟ لیکن یہ ضرور افسوس اور شرم کی بات ہے کہ اس دور قحط الرجال میں کہ جس میں سچے مخلص اور باہمت وباعمل لوگ کمیاب ہی نہیں نایاب ہوتے نظر آتے ہیں، اپنے نابغۂ روزگار لوگوں کی ایسی ناقدری کی جائے۔

مولانا مرحوم نے اصلاً جامعہ خیر المدارس جالندھر میں تعلیم حاصل کی اور وہیں سے فراغت پائی، جامعہ رشیدیہ ساہیوال میں تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے، کہ محدث عصر مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کی نظر آپ پر پڑی اور پھر جانبین میں ربط اتنا گہرا ہوا کہ مولانا بنوری کا قائم کردہ مدرسہ آپ کا میدان عمل بنا، اور ان کے ادارہ کا ترجمان ماہنامہ "بینات" آپ کی ادارت میں آیا، جس کے وہ آخر وقت تک مدیر رہے، عقیدۂ ختم نبوت کی حفاظت اور ناموس رسالت کے لئے آپ کی وہ خدمات ہیں جنھیں فراموش نہیں کیا جا سکتا، صرف عقیدۂ ختم نبوت پر ۳۰ سے زائد چھوٹے بڑے رسائل وکتب ہیں، اس کے علاوہ "اختلاف امت اور صراط مستقیم"، "آپ کے مسائل اور ان کا حل" (جو روزنامہ جنگ کراچی کا مستقل کالم تھا) اور سوانح شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ بھی آپ کی تصنیفات ہیں۔

بیعت وارشاد کا تعلق مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ سے تھا لیکن اجازت وخلافت حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ اور حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفیؒ سے حاصل ہوئی، آپ کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں پر مشتمل ہے جب کہ خلفاء تیس کے قریب چھوڑے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

مولانا کلیم اللہ نوری کی رحلت

مشرقی یوپی کی مشہور دینی درسگاہ جامعہ مسعودیہ نور العلوم بہرائچ کے کارگذار مہتمم اور روح رواں حضرت مولانا کلیم اللہ نوری طویل علالت کے بعد ۸۲ سال کی عمر میں ۳۱ر مئی ۲۰۰۰ء کو بوقت دس بجے شب اس جہان فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے! اناللہ وانا الیہ راجعون۔

یکم جون کو ساڑھے دس بجے دن میں ان کی نماز جنازہ ہوئی، دار العلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم مولانا سعید الرحمن اعظمی ندوی دامت برکاتہم اور دار العلوم کے بعض اساتذہ تدفین میں شرکت اور تعزیت کے لئے بہرائچ تشریف لے گئے۔

حضرت مولانا کلیم اللہ نوری کی تعلیم وتربیت مدرسہ نور العلوم بہرائچ میں ہوئی، موصوف نور العلوم کے اولین طلبہ میں سے تھے، ان کے اساتذہ ومربیوں میں حضرت مولانا محفوظ الرحمن نامیؒ بانی مدرسہ نور العلوم بہرائچ، حضرت مولانا حمید الدین فیض آبادی سابق استاذ حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء تھے۔

موصوف زبردست مقرر وخطیب، مشہور مناظر اور انتہائی فہیم وزیرک منتظم ومربی تھے، مشرقی یوپی کے اضلاع میں بڑا اصلاحی اور دعوتی کام کیا، جنگ آزادی میں بھی ان کا نمایاں حصہ رہا،

قید و بند کی صعوبتیں بھی جھیلیں، مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدت و محبت کا گہرا تعلق رکھتے تھے اور ندوۃ العلماء تشریف لایا کرتے تھے

مشہور عالم دین مولانا مسرور احمد کا انتقال

دہلی کے مشہور عالم دین مولانا حافظ، قاری، حاجی، مفتی مسرور احمد صاحب بعمر تقریباً ۶۵ سال (برین ہیمرج کا شکار ہوکر) چند گھنٹے علیل رہ کر ۵ رمئی ۲۰۰۰ء مطابق ۲ر ربیع الاول ۱۴۲۱ھ دوشنبہ کی شب میں دہلی میں رحلت فرماگئے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

موصوف نہ صرف ایک جید عالم دین تھے بلکہ عوام سے وعظ و نصیحت کا تعلق رکھنے والے مشہور علماء میں تھے، علاوہ ازیں دہلی کے مشہور عربی مدرسہ امینیہ میں سالہا سال سے درس و تدریس کی خدمت انجام دے رہے تھے، اس سے پہلے ایک اور ممتاز عربی درسگاہ مدرسہ عالیہ عربیہ فتحپوری دہلی میں تدریسی خدمات عرصہ تک انجام دیں، دہلی ہی کی ایک مشہور بڑی مسجد کے خطیب و امام رہے اور وہاں عوام کے سامنے طویل مدت تک درس قرآن مجید و حدیث شریف دیا۔

موصوف نے متعدد بار حج و زیارت کی بھی سعادت حاصل کی اور ان کی ایک بڑی خوش نصیبی یہ بھی ہے وہ خود بھی جید حافظ قرآن کریم تھے، ان کی اہلیہ بھی اور ان کے چاروں صاحبزادے بھی اس دولت سے بہرہ ور ہیں، چار صاحبزادوں میں سے تین باقاعدہ عالم دین ہیں، دو نے دارالعلوم ندوۃ العلماء سے بھی فیض پایا اور ایک نے دارالعلوم دیوبند سے، اور ایک جامعہ ملیہ میں پوسٹ گریجویٹ کے طالب علم ہیں، اہلیہ بھی عالمہ ہیں، غرضیکہ این "خانہ تمام آفتاب است" کا مصداق ہے۔

مولانا مفتی نظام الدین کا انتقال

۲۶ر فروری ۲۰۰۰ء کو سنیچر کے دن بزرگ عالم دین اور دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی، مولانا مفتی نظام الدین صاحب رحلت فرماگئے، اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے۔

ماہ ذی قعدہ ۱۳۲۸ھ مطابق نومبر ۱۹۱۰ء کو اعظم گڈھ میں پیدا ہوئے، خاندان کے بچوں کی طرح آپ نے بھی انگریزی تعلیم سے اپنی تعلیم کا آغاز کیا لیکن علوم شرعیہ کا ماہر بننا تھا اس لئے طبیعت اس تعلیم کی طرف نہ چل سکی، اور دینی و عربی تعلیم کی طرف میلان بڑھتا گیا، گورکھپور، مبارکپور پھر بہار شریف کے مدرسہ عزیزیہ سے کسب فیض کرتے ہوئے مدرسہ عالیہ فتحپوری دہلی پہونچے اور وہاں سے دیوبند آئے اور دارالعلوم سے ۱۹۳۲ء میں سند فراغت حاصل کی، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب آپ کے خاص اساتذہ میں سے تھے۔

تدریس کا آغاز اعظم گڈھ کے مدرسہ جامع العلوم سے کیا، اور مدرسہ جامع العلوم گورکھپور اور دارالعلوم مئو کو بھی اپنی خدمات سے نوازا، ۱۹۶۵ء میں مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب کی جگہ دارالعلوم دیوبند میں مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ آپ کا بھی تقرر ہوگیا، اس طرح صدارت افتاء کا آپ کا یہ زریں دور ۳۵ سال پر محیط رہا، مستقل مزاجی کے ساتھ آپ نے اپنی خدمات پیش کیں، اور آپ کی رائے ہمیشہ صائب اور درست تسلیم کی گئی، نظام الفتاویٰ کے نام سے آپ کے مجموعہ فتاویٰ شائع ہو رہے ہیں، "رویت ہلال کی شرعی حیثیت"، "اقسام الحدیث فی اصول الحدیث" کے علاوہ بھی آپ کی کتابیں ہیں۔

مولانا ایک بڑے اور فائق عالم و مفتی ہونے کے ساتھ اعلیٰ اخلاقی کردار کے حامل تھے، آپ کی شخصیت پرکشش اور جاذبیت والی تھی، تواضع، تحمل آپ کا خاصہ تھا، سلوک حضرت شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں طے کیا، اور مجاز قرار پائے، اور پھر خود بھی کتنوں کو سلوک طے کرایا، ۱۲ر ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ قبرستان قاسمی میں اپنے بزرگوں اور اکابرین کے جلو میں آرام فرما ہوئے، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رحمۃً واسعۃً وادخلہ فی جنۃ النعیم اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے، درجات بلند فرمائے، قارئین سے درخواست ہے کہ مرحومین کے واسطے دعائے مغفرت و رفع درجات کریں اور پسماندگان کے لئے صبر جمیل کی دعا فرمائیں۔

(ادارہ)

ناظم ندوۃ العلماء کے ہاتھوں جاپان میں اسلامک انسٹی ٹیوٹ کا افتتاح

ٹوکیو میں دوران قیام مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے اسلامک سنٹر جاپان کی طرف سے کھولے گئے اسلامک انسٹی ٹیوٹ کا افتتاح کیا جس کا مقصد جاپانیوں کو اسلامی عقائد و تعلیمات سے واقف کرانا ہے، اور مولانا ہی کی دعا پر تقریب کا اختتام ہوا، تقریب میں جاپان کی اور اسلامک سنٹر کی اہم شخصیات موجود تھیں۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

سری نگر کشمیر میں سیمینار

ابوحامد ندوی

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نور اللہ مرقدہ اور شہید ملت مولوی محمد فاروق علیہ الرحمۃ کی حیات و خدمات کے موضوع پر اسلامیہ اسکول کے وسیع اور خوبصورت ہال میں میرواعظ مولوی محمد عمر فاروق نے صبح دس بجے سیمینار کا آغاز اپنے کلیدی افتتاحی خطبے سے کیا۔ یہ سیمینار میرواعظ مولوی محمد عمر فاروق کی سربراہی میں انجمن نصرۃ الاسلام کے زیر اہتمام سری نگر کشمیر میں ۱۸ رمئی ۲۰۰۰ء کو منعقد ہوا۔ جس میں مفکر اسلام حضرت مولاناؒ کی علمی، عملی، فکری روحانی اور دعوتی زندگی کا تعارف کراتے ہوئے اہالیان کشمیر کی جانب سے بھرپور خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ اس سیمینار میں حضرت والا نور اللہ مرقدہ کے خلیفہ و جانشین دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ناظم حضرت مولانا محمد رابع صاحب ندوی دامت برکاتہم کو انجمن کے ذمہ داروں کی دعوت پر شریک ہونا تھا لیکن گوناگوں مصروفیات کی وجہ سے حضرت کے نمائندہ کی حیثیت سے مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری سیمینار میں شریک ہوئے۔ اس سیمینار کا اختتام مولانا محمد خالد ندوی کے خطبہ پر ہوا۔ اہم مقرروں میں دارالعلوم دیوبند (وقف) کے ناظم تعلیمات اور شیخ الحدیث مولانا انظر شاہ کشمیری تھے۔ موصوف نے اپنی تقریر میں دونوں مرحومین کے تذکرے کے ساتھ ذکر و اذکار اور تعلق مع اللہ کے فضائل اور اس کی اہمیت پر تفصیل سے روشنی ڈالی، بعض اور بھی وقیع مقالے پیش کئے گئے۔ نظامت کے فرائض میرواعظ مولوی محمد عمر فاروق کے معتمد علیہ اور دست راست جناب شمس صاحب نے انجام دئے۔ دوسرے دن جامع مسجد سری نگر میں مولانا انظر شاہ کشمیری اور مولانا محمد خالد ندوی کا خطاب ہوا۔ یہ خطاب عمومی تھا۔ سری نگر کی جامع مسجد جامع عمرو بن العاص قاہرہ کے طرز پر بنی ہوئی ہے اور بہت وسیع و عریض ہے۔ مولانا محمد خالد ندوی کا صورہ کے اعیان کی دعوت پر جامع مسجد صورہ (جس کی تعمیر شیخ عبد اللہ مرحوم نے کروائی تھی جس کے قریب ان کا مکان سوخت شدہ حالت میں عبرت کا منظر پیش کر رہا ہے) میں بعد نماز مغرب تا عشاء تک خطاب ہوا۔ امر سنگھ کالج کے پرنسپل کی دعوت پر "اسلامی زندگی اور قرآن پاک" کے موضوع پر طلباء اور اساتذہ کے منتخب مجمع سے بھی مولانا محمد خالد ندوی کا خطاب ہوا۔ دراصل کالج میں تجوید و قرأت کا طلباء کے مابین مقابلہ تھا۔ جس کا افتتاح مولانا محمد خالد ندوی کی تقریر سے ہوا۔ اس اثناء میں صورہ کی معروف شخصیت ڈاکٹر عبد الرحمن دار صاحب کے گھر پر مولانا کا قیام رہا۔ النادی العربی الدولی کے تحت قائم معاہد کے ذمہ دار اساتذہ اور طلباء سے ملاقاتیں ہوئیں۔ سری نگر میں اپنی نوعیت کا یہ پہلا تجربہ ہے جو مولانا ڈاکٹر مظفر حسین صاحب ندوی کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ جس کے تحت سیکڑوں طلباء اور طالبات عربی زبان کی تحصیل میں مصروف ہیں جن میں ڈاکٹر بھی ہیں اور اسکالر بھی، تاجر بھی ہیں اور ذمہ دارانہ عہدوں سے سبکدوش افسران بھی، نو عمر لڑکے بھی ہیں اور بوڑھے ذواق علم بھی، سب کو ایک ہی دھن ہے کہ عربی زبان بولیں، سمجھیں اور پڑھیں۔

واپسی کے وقت دارالعلوم سوپور کے مولانا شبیر احمد قاسمی اور مفتی عبدالرحیم صاحب بارہ مولا ایرپورٹ پر حاضر تھے۔ ڈاکٹر عبدالرحمن دار صاحب، جناب رفیق صاحب، مولانا اعزاز الرحمن صاحب، ڈاکٹر کلیم الدین صاحب نے جذباتی انداز میں رخصت کیا۔

انگریزی سہ ماہی رسالہ

فریگرینس (آف ایسٹ)

کا

اگلا شمارہ انشاءاللہ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نمبر ہوگا۔

اہل قلم حضرات سے گذارش ہے کہ وہ اپنے مضامین جلد سے جلد ارسال کریں۔

خریدار حضرات اگر ان کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے تو تجدید فرمالیں تاکہ یہ شمارہ ان تک پہونچ سکے۔ مضمون ذیل کے پتہ پر روانہ کریں۔

دفتر تعمیر حیات پوسٹ بکس ۹۳ ندوۃ العلماء لکھنؤ

کتب برائے تبصرہ

تبصرہ کے لئے براہ کرم کتاب کے دو نسخے ارسال کریں صرف ایک کتاب بھیجنے کی صورت میں تبصرہ شائع نہیں کیا جائے گا۔ اور نہ ہی کتاب واپس کرنے کی ذمہ داری ادارہ پر ہوگی (ادارہ)

حیدرآباد میں مولانا علی میاں ندویؒ پر خصوصی نمبر کا اجراء

انسان کو ایسے انداز میں زندگی گذارنا چاہیے جس سے دوسروں کو فائدہ ہو وہ زندگی بھی کیا جس میں نہ کوئی کارنامہ ہو نہ پیغام ہو نہ احکام خداوندی کی تعمیل ہو۔ ان خیالات کا اظہار مولانا محمد حمید الدین عاقل حسامی نے جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد میں ۱۴ رمئی ۲۰۰۰ء کو منعقدہ جلسہ رسم اجراء۔ "مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نمبر" میں اپنی صدارتی تقریر کرتے ہوئے کیا۔

حضرت مولانا ندویؒ نے اپنی زندگی ملت کو سنوارنے اور بنانے میں گذار دی

مہمان خصوصی مولانا محمد برہان الدین سنبھلی شیخ التفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے اپنے خصوصی خطاب میں کہا کہ انسان کی محبوبیت کی شاہ کلید دو ہیں ایک ایمان و عمل صالح اور دوسرے تواضع و انکساری، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے جو شخص ایمان و عمل صالح اختیار کرتا ہے ہم لوگوں میں اس کی محبت ڈال دیتے ہیں اور حضور اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے جو اللہ کے

واسطے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ رب العزت اس کو بلند کرتے ہیں حضرت مولانا ندوی کی ساری زندگی اس کا عملی ثبوت تھی۔

مولانا رضوان القاسمی نے اپنے خطاب میں کہا کہ مولانا ندوی کی ذات ایسی تھی جس کی خوشبو اس ملک سے نکل کر دوسرے ممالک تک پہونچی ہے۔ حضرت مولانا ندویؒ کو دارالعلوم حیدرآباد سے گہرا قلبی لگاؤ رہا ہے خود انہی کے ہاتھوں جامعہ کی عمارت کی بنیاد رکھی گئی انھوں نے ہی کئی عمارتوں کا افتتاح فرمایا نیز کئی سیمناروں میں مولانا ندوی نے بذات خود شرکت بھی فرمائی۔

جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد نے حضرت مولانا ندویؒ کے سلسلہ میں ایک خصوصی شمارہ الصحوۃ الاسلامیہ سہ ماہی کا مفکر اسلام علی میاں ندوی نمبر شائع کرکے اس تعلق کا بہترین انداز سے اظہار کیا ہے۔ یہ شمارہ کئی اعتبار سے قابل قدر بھی ہے۔ دو سو نوے صفحات پر مشتمل یہ شمارہ ہندوستان و بیرون ملک کے بڑے اہل قلم و شعراء کے مضامین و کلام کا شاہکار ہے۔ انھوں نے اس خصوصی نمبر کی اشاعت پر مولانا عاقل حسامی مدیر "الصحوۃ الاسلامیہ" مولانا نعمان ندوی اور جامعہ کو مبارک باد پیش کی۔ مولانا برہان الدین سنبھلی مہمان خصوصی کے ہاتھوں خصوصی نمبر کا اجراء عمل میں آیا۔

اس جلسہ میں دینی مدارس اور دینی اداروں کے ذمہ دار واساتذہ و طلباء کے علاوہ معززین اور قائدین کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔

ضروری اعلان

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ "تعمیر حیات" کا
خصوصی و یادگاری مجلہ " مفکر اسلام نمبر" انشاء اللہ جولائی ۲۰۰۰ء کے آخر میں منظر عام پر آجائے
گا، جو تقریباً ۳ سو صفحات پر مشتمل ہوگا۔

یہ خصوصی نمبر حضرت مولاناؒ کی عظیم المرتبت شخصیت، ان کے اوصاف و کمالات،
افکار و تصورات، اسلوب دعوت، طریقۂ کار، مختلف تحریکات اور اداروں سے ان کا قائدانہ تعلق
اور عرب و عجم پر ان کے فکر کے اثرات اور دیگر بہت سی خصوصیات پر مشتمل ہے۔

اس کی قیمت مبلغ ۱۰۰/ روپے ہوگی۔

اس درمیان تعمیر حیات کے تین شمارے (۱۰ر جولائی و ۲۵ر جولائی اور ۱۰ر اگست ۲۰۰۰ء) شائع
نہ ہوں گے۔

یہ "مفکر اسلام نمبر"
تمام خریداروں کو روانہ کیا جائے گا۔

البتہ جن خریداروں کی مدت خریداری اگست ۲۰۰۰ء میں ختم ہو رہی ہے وہ اگر
سال رواں کا زر تعاون مبلغ ۱۳۰/ روپے اگست تک روانہ کریں گے تو وہ اس خصوصی نمبر سے
مستفید ہو سکتے ہیں، تاخیر کی صورت میں یہ نمبر ان کو نہ بھیجا جا سکے گا۔

ایجنٹ حضرات پیشگی رقم روانہ کر کے اپنی کاپیاں
محفوظ کرالیں۔

اسٹاک محدود ہے (ادارہ)

Regd. No. LW / NP/ 63
Fax No : (0522)330020

FORTNIGHTLY

Principal off : 372336
Guest House : 323864

MEER-E-HAYAT

NADWATUL-ULAMA, LUCKNOW-226 007 (India) Rs. 6/-

Printed And Published by *Athar Husain* on behalf of Majlis Sahafat- Wa- Nashriat,

تعمیر حیات

پندرہ روزہ

خصوصی شمارہ

جولائی تا ۲۵ اگست ۲۰۰۰ء

...اسلام نمبر

دل کی کھیتی ......

حضرات! دنیا میں چاروں طرف منڈلاتے ہوئے مہیب جنگ کے خطرہ ... انسان کو امن و سکون اور باہمی ... گذارنے کیلئے ضروری ہے کہ انسان کے دل کی ... چلایا جائے۔ آپ کسانوں کو دیکھتے ہیں، ... صحیح اور فطری قانون کے مطابق کسان زمین میں ... تو زمین کتنا خزانہ اگل دیتی ہے، اسی طرح اگر دل کی کھیتی میں ہل چلایا جائے اور خدا کے پیغمبروں کے ... طریقے کے مطابق چلایا جائے، اور اس میں ... صرف کی جائے اور یہ دل کی کھیتی لہلہانے ... لگے تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس وقت دنیا کا ... حقیر زمین جو آپ کے قدموں تلے روندی جاتی ہے اس سے آپ نے اتنا بڑا فیض پایا۔ اگر آپ دل کی کھیتی میں خدا کے پیغمبروں کے دیئے ہوئے ہل چلاتے اور ان کے بتائے ہوئے قانون کے مطابق آپ اسکی خدمت کرتے اور اس میں ریاض کرتے اور وہ کھیتی برگ وبار لاتی تو پھر آپ دیکھتے کہ دنیا میں کیسی بہار آتی ہے، اور جب دل کی کھیتی خزانہ اگلتی تو دنیا کا دامن کیسے کیسے موتیوں سے بھر جاتا، کیسے کیسے ولی کامل، کیسے کیسے خادم انسانیت کیسے کیسے بے لوث بے غرض انسان اور انسانوں کیلئے اپنا خون پانی ایک کرنے والے سامنے آتے جن کے کارناموں کا تصور کرنا بھی مشکل ہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

(مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں)



مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ



ماں کی دعاء

● محترمہ خیر النساء بہتر
والدہ علی میاںؒ

ترا شیوہ کرم ہے اور میری عادت گدائی کی
نہ ٹوٹے آس اے مولا ترے در کے فقیروں کی
ترے دربار سے مایوس پھر جائیں بھلا کیونکر
کہ تو کرتا رہا ہے خواہشیں پوری حریفوں کی
ادھر بھی ابر رحمت آئے اور جم جم کے یوں برسے
کہ ہو سرسبز کھیتی ہم غریبوں بد نصیبوں کی
خزاں میں بھی شجر سرسبز ہو کر پھول پھل لائیں
ہو شہرت باغباں تک باغ کی غنچوں کی پھولوں کی
مری اولاد کو تو یا الٰہی اتنی ہمت دے
کہ ہو کر قوت بازو خبر لیں ہم ضعیفوں کی
انھیں کے علم اور اقبال کی شہرت جہاں میں ہو
ہے شہرت جیسی عالم میں نبیؐ کے ہم نشینوں کی
ابو بکرؓ و عمرؓ عثمانؓ علیؓ میں جتنے جوہر تھے
وہی جوہر ہوں ان میں اور وہی فطرت کریموں کی
ترے دربار سے بہتر کی بھی امید بر آئے
علی مقصد تک ہو آنکھوں کی علی راحت ہو سینوں کی

وہ دلوں کی انجمن کے ہوں امین

● مولانا محمد ثانی حسنیؒ

اے خدائے ذوالمنن اے شاہ شاہانِ زمن!
میرے ماموں جی ہیں مولانا علی بوالحسن
ان کے حق میں کر رہا ہوں آج تجھ سے اِک دعا
ان کے علم و فضل میں تو خیر و برکت کر عطا!
میرے مالک کر انہیں منجملۂ خاصانِ حق
دے کمالِ معرفت تو کر عطا قرب و رضا
اپنے لطفِ خاص سے یارب ودیعت کر انہیں
آل و اصحابِ نبیؐ کا کر انہیں تو جانشین
ان کو اس دورِ خزاں میں شبلی و عطار کر
وہ رہِ حضرت مجدد الفِ ثانی پہ چلیں
دے نیابت ان کو تو شاہِ ولی اللہؒ کی
چشمۂ صافی سے ان کے اک جہاں سیراب ہو
ڈال دیں وہ ذرۂ خاکی پہ گر اپنی نگاہ
لب کشائی جب کریں تو ہو زباں گوہر فشاں
ان سے ہو قائم جہاں میں پھر سے شوکت دین کی
ان کی پھونکوں سے بجھے یارب شرارِ بولہب
توڑ کر رکھ دے طلسمِ سامری ان کی نظر
ان کو عزم و حوصلہ دے اور بلند اقبال کر
ان کو یارب شعر درج ذیل کا مصداق کر

ہیں ترے صحرا و بن، کوہ و دمن سرد و ...
گلشنِ دل کے ہمارے برگ و بوٗ ...
گر قبول افتد زہے عز و شرف ...
وہ رہیں ہم پر الٰہی دیر تک سایہ ...
کر عطا ان کو خدایا مردِ حق کا ...
دے کے خاص الخاص ان کو نسبتِ شاہ ...
صدق بوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ علیؓ خلق ...
ان کو پہنا اولیا و اصفیاء کا ...
وہ دلوں کی انجمن کے ہوں امین ...
وہ کریں اظہارِ حق کا باندھ کر ...
فضلِ رحماں کی مبارک راہ پر ہوں گام ...
ہند سے تا کاشغر اور از مراکش تا ...
تیری قدرت سے بنے وہ ذرہ پھر لعل ...
کر دیں وارفتہ زمانے کو علی شیریں ...
گونج اٹھیں ان کی اذانِ حق سے پھر کوہ ...
ہر نفس ہو عامِ دینِ مصطفائی کا ...
خاک میں مِل جائے فرعون کا سارا مکر ...
ان سے پائے زندگی اسلام کا عہد ...
از طفیلِ خاتم پیغمبراں شاہ ...

در کفے جامِ شریعت، در کفے سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پندرہ روزہ   لکھنؤ

تعمیر حیات

مجلس صحافت ونشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۳۷   شمارہ نمبر ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰

۱۰، ۲۵؍ جولائی و ۱۰، ۲۵؍ اگست ۲۰۰۰ء مطابق ۷، ۲۲؍ ربیع الثانی و ۹، ۲۴؍ جمادی الاول ۱۴۲۱ھ

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ ۱۳۰/- روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں ——————

زر تعاون

سالانہ —— ۱۳۰/- روپے

فی شمارہ —— ۶/- روپے

—— بیرونی ممالک فضائی ڈاک ——

ایشیائی، یورپ، افریقی و امریکی ممالک

۳۰ ڈالر

—— بیرونی ممالک بحری ڈاک ——

بحری ڈاک جملہ ۱۵ ڈالر

خط وکتابت کا پتہ

منیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس نمبر ۹۳

ندوۃ العلماء لکھنؤ، ۲۲۶۰۰۷ یوپی

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت ونشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں ——————

گذارش

خط وکتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کے ساتھ مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے (منیجر)

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے ندیکو آفسٹ میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا۔

عرض مرتب

شمس الحق ندوی

اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم و فضل ہے کہ تعمیر حیات اپنے اور اپنے ادارہ کے عظیم سرپرست حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے کام و مقام کے سلسلہ میں مختلف اہل قلم اور اہل دانش کے تاثرات پر مشتمل خصوصی نمبر پیش کرنے کی ذمہ داری پوری کر رہا ہے، یہ فیصلہ کہ یہ خصوصی نمبر کس قدر کامیاب اور ذمہ داری کو پورا کرنے والا ہے، ہمارے قارئین کر سکیں گے یہ انسانوں کا کام ہے اور انسانوں کا کام کچھ نہ کچھ نقص کا حامل ہوتا ہے، البتہ ہماری کوشش رہی ہے کہ ایک جامع اور معیاری نمبر نکالنے کا جو فرض تعمیر حیات جیسے مجلہ پر عائد ہوتا ہے وہ فرض بخوبی انجام پا لے۔

اس خصوصی نمبر کو بہتر معیار پر تیار کرنے میں مختلف حضرات نے قیمتی تعاون دیا جس کا اجمالی تذکرہ مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی کے اداریہ نوٹ میں آیا ہے۔ میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اس خصوصی توجہ کا تذکرہ کروں جو خود مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس صاحب ندوی نے فرمائی ہے، باوجود اپنی صحت کے ضعف کے اداریہ کے علاوہ اپنے اثر خامہ سے نمبر کو زینت بخشی۔ معتمد مال جناب ڈاکٹر وصی احمد صدیقی نے بھی اپنی بلیغ تحریروں سے نوازنے کے ساتھ ساتھ چونکہ اردو فارسی دونوں زبانوں کا ذوق رکھتے ہیں نظموں اور قطعات تاریخ وفات کے انتخاب میں پورا تعاون دیا۔ محترم ناظم صاحب ندوۃ العلماء اور مہتمم صاحب دار العلوم کے تعاون کا مشکور ہوں، پروفیسر سید محمد اجتباء ندوی اور پروفیسر سید ضیاء الحسن ندوی کے علاوہ جن کے تعاون کا تذکرہ اداریہ نوٹ میں آگیا ہے، ناچیز کی اداری ذمہ داریوں میں خصوصی معاونت کرنے والوں میں خاص طور سے صحیفہ "الرائد" کے ایڈیٹر مولانا سید واضح رشید صاحب ندوی، رسالہ کاروانِ ادب کے رکن مولانا نذر الحفیظ ندوی قابل ذکر ہیں مولانا محمد حمزہ حسنی صاحب ندوی ناظر عام ندوۃ العلماء نے جن کو رسالہ "رضوان" نکالنے کا تجربہ ہے مضامین کے دیکھنے میں تعاون دیا۔ عزیز القدر مولوی محمود حسنی ندوی سلمہ نے کئی ہفتہ یہاں قیام کر کے مضامین کی فراہمی اور دوڑ دھوپ میں خاصی محنت کی۔ ان سب حضرات کا ممنون ہوں، دار العلوم ندوۃ العلماء اور ان سب حضرات کی نیک توقعات کے ساتھ یہ خصوصی نمبر قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ یہ نمبر دوسرے مجلات کے مقابلہ میں تاخیر سے شائع کیا جا رہا ہے، اس کو تاخیر سے شائع کرنے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ملک و بیرون ملک کے مجلات مولانا رحمۃ اللہ علیہ پر خصوصی نمبر شائع کر رہے تھے، اور متعدد ادارے سیمینار بھی منعقد کر رہے تھے اس لئے خیال ہوا کہ تعمیر حیات اپنا نمبر ذرا تاخیر سے نکالے تاکہ زیادہ جامع اور مکمل نمبر بن سکے۔ امید ہے کہ ہماری کوشش سودمند ثابت ہوگی۔

خصوصی نمبر کے سلسلے میں ادارہ کو بے شمار مضامین اور نظمیں بلا کسی موضوع کی تعیین کے محض تاثراتی وصول ہوئے ہیں جن میں اکثر تکرار ہے اگر ان تمام مضامین کو شائع کیا جائے تو تعمیر حیات کی ضخامت اتنی بڑھ جائے گی کہ اس کے اخراجات ادارہ کو پورا کرنا دشوار ہوگا، لہٰذا کمیٹی نے ضروری مضامین ہی کو باقی رکھا ہے امید ہے کہ جن حضرات کے مضامین نہیں شائع ہو رہے ہیں، معذرت قبول فرمائیں گے۔ کمیٹی نے بعض ایسے مضامین کو بھی نکال دیا ہے جو کئی جگہ شائع ہو چکے تھے یا کتابچہ کی شکل میں شائع ہو گئے ہیں۔ دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس حقیر کوشش کو قبول فرمائے اور اس کے نفع کو عام کرے۔ (آمین)

محفل کون و مکاں میں سحر و شام پھرے
مئے توحید کو لے کر صفت جام پھرے

فہرست مضامین

اداریہ

میراثِ علم و آگہی

تعمیر حیات کا یہ خصوصی شمارہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی یاد میں مرتب کیا گیا ہے، ہمیں اعتراف ہے کہ یہ پیشکش ناقص ہے اور ہم اپنے مربی و محسن کا حق ادا کرنے میں کوتاہ ہیں، کوتاہی سے مراد یہ نہیں کہ آپ کی شخصیت کو ہم بڑھا چڑھا کر پیش کرنا چاہتے تھے اور نہ کر سکے، حاشا وکلا منقبت خوانی اور مبالغہ آرائی ہمارا شیوہ نہیں ہے اور نہ ہمارا دین اس کی اجازت دیتا ہے اور یہ بات پہلے ذوق و معیار کے بھی خلاف ہے، اپنی کوتاہی کا گلہ ہم اس لئے کر رہے ہیں کہ اپنے مخدوم و مربی کے واقعی اور حقیقی امتیازات کو جس خوبی اور دلآویز انداز میں پیش کرنا چاہتے تھے اس میں ہم کامیاب نہ ہو سکے۔

اللہ کی بندگی، دین سے وفاداری، قرآن کریم سے وابستگی، سنت سے شیفتگی، اسلام کو سربلند دیکھنے کی تڑپ، اور امت اسلامیہ کی آبرو باقی رہنے کی آرزو سے جو زندگی عبارت ہے، جس کے لئے اس زندگی کا حاصل زندگی بھر روتا اور تڑپتا رہا، راتوں کو اٹھ کر سجدے کرتا اور ناک رگڑتا رہا اور جس کے دن اپنی شخصیت کی تعمیر میں نہیں، اپنے لئے ناموری اور خاندان کی سرفرازی کی جستجو میں نہیں بلکہ صرف اسلام کی سربلندی کے لئے جہد مسلسل میں گذرے ہوں اس کی زندگی کے ایک مرقع کو ہم پیش کرنا چاہتے تھے مگر پیش نہ کر سکے، اگر ایسا کر سکتے تو امت اسلامی کی ایک خدمت ہوتی، موجودہ اور آئندہ نسل کے لئے ایک دستاویز ہوتی، ایک بامقصد زندگی کیسے گذاری جاتی ہے، ایک روح کس طرح دین کے لئے بے قرار رہتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں کو ان کی بے سروسامانی کے باوجود کس طرح نوازتا ہے، اور کس طرح مقبولیت و محبت کا تاج اس کے سر پر رکھتا ہے؟

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ۔ اللہ ان کی روح کو ہمیشہ شاداں رکھے۔ اس کے محتاج نہیں ہیں کہ دوسروں کی شہادتوں اور ثنا خوانیوں سے ان کے قد کو ناپا اور شخصیت کو تولا جائے، اگرچہ ہم خاک نشیں اسی کو معیار سمجھتے ہیں اور بار بار انھیں باتوں کو دہرایا کرتے ہیں لیکن راقم کی آرزو تھی کہ حضرت مرحوم کے امتیازی کارناموں پر زیادہ گفتگو کی جائے جن میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو انفرادیت بخشی تھی، مثال کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ حضرت مولانا کو "اہل دل" اور "خاصان خدا" کی سوانح نویسی کا خاص ذوق تھا، آپ نے اپنی تصنیفی زندگی کا آغاز حضرت سید احمد شہیدؒ کی سوانح نگاری سے کیا، تاریخ دعوت و عزیمت میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، حضرت حسن بصریؒ، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، خواجہ معین الدین اجمیریؒ، شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ، مولانا جلال الدین رومیؒ کا ذکر کیا، پرانے چراغ کی لَو بڑھا کر ان کی روشنی تیز کر دی، اور بعد میں بانی تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور اپنے شیخ مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ اور اپنے مشفق بزرگ حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ کی سوانح حیات تحریر فرمائی، ان سب کتابوں میں قدر مشترک دین کی دعوت ہے اور یہ دکھایا ہے کہ دین سے وابستگی ان بزرگوں کا اصل جوہر تھا، پڑھنے والا ان شخصیات کا ضرور معترف ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ دین کی عظمت کا سکہ اس کے ذہن و قلب پر بیٹھ جاتا ہے، کشف و کرامات اور محیر العقول واقعات کا ذکر ہوتا تو یہ شخصیات ایک تاریخی اور افسانوی معیار کی سمجھی جاتیں اور ان کی تقلید محال اور ان کے راستہ پر چلنا حوصلۂ بشری سے بلند بات ہوتی مگر " وَلَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ " کی تلقین نہیں ہو سکتی، مگر حضرت مولانا نے اس پہلو کو اجاگر کیا ہے اور سوانح جات کو کردار سازی اور ایمان افروزی کا ذریعہ بنایا ہے، یہ سب کتابیں دراصل دعوت الی اللہ کی مختلف شکلیں ہیں، اہل علم جانتے ہیں کہ آپ کی جدوجہد کا مرکز دعوت دین تھا۔ دین کی دعوت، حکمت و موعظت کی طالب ہے جو ہر زمانہ میں مخاطب

کے لحاظ سے بدلتی رہتی ہے۔ مخاطب کے علم دعقائد کا لحاظ رکھتے ہوئے ایسی بات کرنا جو اس کی عقل میں اتر جائے اور دل اس کو تسلیم کرے، یہی تمام انبیاء کا دستور رہا ہے' انبیاء کرام ؑ نے اپنی دعوتوں میں اس اصول کو ملحوظ رکھا ہے اور ان کی توضیح مولانا نے اپنے محاضرات میں بھی کی تھی، جو دارالعلوم ندوۃ العلماء کے المعہد العالی للدعوۃ نے لکچروں کی شکل میں پیش کئے تھے، جس کا ترجمہ "تبلیغ و دعوت کے معجزانہ اسلوب" کے نام سے شائع ہو چکا ہے، خود مولانا نے سیرت نگاری کے ذریعہ سے دعوت دین کا کام لیا ہے اور سچ یہ ہے کہ آپ نے سیرت نویسی کو نیا اسلوب بخشا، نئی طرز فکر دی، اور اس کو مقصد دعوت سے ہم آہنگ کیا، حضرت مولانا نے سیرت نبوی ؐ لکھ کر دنیا کے تاریخ دانوں کو ایک نیا رخ دکھلایا جو ان سے پہلے کسی نے سوچا بھی نہیں تھا، نبوت سے پہلے کے حالات جن کو عربی میں "ارھاصات النبوۃ" کہتے ہیں ان میں یہ دکھایا جاتا ہے کہ عرب دنیا کی بدترین قوم تھے، شراب نوشی ان کے اندر عام تھی، جوا، چوری ان کی شکم پروری کا ذریعہ تھا، ایک بات کے لئے چالیس چالیس ......سال تک جنگ کرنا ان کا شیوہ تھا، ان کے اندر نبی امی ؐ پیدا ہوئے جنہوں نے مزاج وافتاد بدل ڈالے، اور ان میں خدا ترسی اور خداشناسی اور آخرت کا خوف رکھنے والے افراد پیدا ہو گئے۔

لیکن حضرت مولانا نے یہ دکھلایا کہ صرف عرب ہی نہیں بلکہ پوری دنیا ایک ظلمت کدہ تھی، اور ایک ایک ملک کا نام لے کر اور اس کی تسلیم شدہ تاریخی روایات کو سامنے رکھ کر یہ بتایا کہ یہ حال صرف عربوں کا نہیں بلکہ پوری دنیا کا تھا' اور فارس، ہند، چین، افریقی ممالک کا کوئی خطہ ایسا نہیں تھا جہاں شر خیر پر غالب نہ ہوا ور جہاں انسانوں کے حقوق کی پامالی نہ ہو رہی ہو' اور صرف عرب نہیں بلکہ دنیا کا ہر خطہ ان تعلیمات کا محتاج تھا اور جو لوگ ان تعلیمات سے بے بہرہ ہیں وہ آج بھی اس روشنی کے محتاج ہیں' یہ روشنی صرف ایک جگہ سے حاصل ہو سکتی تھی اور آج بھی حاصل ہو سکتی ہے' وہ قرآنی ہدایات اور سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہے۔

حضرت مولانا کی سیرت کے بہت سے گوشے اس لائق ہیں کہ ان کو اجاگر کیا جائے، اور ان سے تعمیر ملت کا کام لیا جائے' علمی خدمات میں قرآن کریم کا خاص وہبی ذوق، حدیث سے شغف اور اس پر بصیرت احکام و اسرار شریعت کا سچا اور گہرا علم اور وہ تمام عناصر جن سے ان کی زندگی نے ایک مثالی کردار عالم اسلام کے سامنے پیش کیا، ضرورت ہے کہ ان کا تجزیہ کیا جائے اور ان سے دین کی خدمت کا کام لیا جائے۔ یہ سوانح نگاری یا منقبت خوانی کا موضوع نہیں ہے بلکہ اس کے لئے ایک مستقل اکیڈمی کی ضرورت ہے جو ریسرچ کرے اور اس کے نتائج سے اہل علم کو باخبر کرے' حضرت مولانا کی زندگی "بہر دم جواں' پیہم رواں" اور ترقی پذیر ہے' ایک زمانہ تھا کہ آپ کا تعارف اس حیثیت سے کیا جاتا تھا کہ آپ ندوہ کے تفسیر وادب کے استاذ ہیں۔ ۱۹۴۲ء میں "الندوہ" کا تیسری بار اجرا ہوا تو اس کے مرتبین میں آپ کا نام اسی طرح لکھا جاتا تھا، پھر جب "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" کا پہلا ایڈیشن مصر سے شائع ہوا تو آپ کا تعارف "وکیل ندوۃ العلماء" یعنی نائب معتمد تعلیمات کی حیثیت سے کرایا گیا اور ڈاکٹر احمد الشرباصی نے آپ کے مختصر حالات "أخي ابو الحسن" کے عنوان سے لکھے تھے، پھر وہ زمانہ بھی ہمارے معاصر اصحاب نے دیکھا جب کہ ندوہ کا تعارف یہ کرایا گیا کہ یہ وہ ادارہ ہے جس کے شیخ ابو الحسن علی ندوی سربراہ ہیں اور لکھنؤ وہ شہر ہے جس میں ندوۃ العلماء واقع ہے' اور ڈاکٹر احمد الشرباصی کا انتقال ہوا تو ان کے تعزیتی نوٹ میں ڈاکٹر عدنان وزان وکیل وزارۃ شئون الاسلامیہ نے لکھا کہ ڈاکٹر احمد الشرباصی کی عظمت کا اندازہ اس سے کیا جائے کہ انھوں نے عالم اسلام کے گل سرسبد شیخ ابو الحسن علی ندوی کی کتاب "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" کے ابتدائی صفحات میں مصنف کا تعارف کرایا تھا۔

بہر حال یہ باب تو بہت طویل ہے اور جیسا کہ شروع میں عرض کیا مجھے یا کسی کو حضرت مولانا مرحوم کے مقام و مرتبہ کو جاننے کے لئے کسی کے اعتراف یا شہادت کی ضرورت نہیں ہے' ضرورت اس بات کی ہے کہ جو علمی و فکری میراث آپ نے چھوڑی ہے اس کا بار اٹھانے والے نوجوان سامنے آئیں اور وہ مسافت جس کا طے کرنا ابھی باقی ہے اس کو طے کرنے کی لگن لوگوں کے دل میں پیدا ہو، حضرت مولانا نے جو میراث چھوڑی ہے اس کا تعلق ان کے خاندان یا ان کے مدرسۂ فکر اور درسگاہوں تک محدود نہیں ہے بلکہ وہ پورے عالم اسلامی کے لئے ایک مینارۂ نور ہے۔ جس کی روشنی صرف قرآن اور حدیث سے قائم ہے۔ مولانا کی آواز آج بھی فضا میں گونج رہی ہے کہ ؎

سالہا گوش جہاں زمزمہ زا خواہد بود
ایں نواہا کہ دریں گنبد گرداں زدہ ام
(شبلی)

ارتی نوٹ

تعمیر حیات کا یہ شمارہ بہت تاخیر سے
ی کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے، دراصل
وگ یہ فیصلہ نہیں کر سکے تھے کہ کن مضامین
س خاص نمبر میں جگہ دی جائے اور کن
امین کو چھوڑا جائے۔ اگر وہ تمام مضامین
دوسرے رسالوں اور اخباروں میں آئے
ان کو یکجا کرنا مقصود ہوتا تو اس کے لئے
جلدیں درکار تھیں، عربی اور اردو کے
وہ دوسری زبانوں میں جو مضامین شائع
ئے اور جو قصائد کہے گئے ان کے ترجمے
طویل مدت اور بڑی مشقت کے طالب
ے، اس شمارہ کی ترتیب کے لئے پروفیسر
یاالحسن ندوی صاحب (جامعہ ملیہ) اور پروفیسر
سید محمد اجتبا ندوی صاحب (دہلی) کی رہنمائی
ے فائدہ اٹھایا گیا، اور یہ طے کیا گیا کہ صرف
مضامین شائع کئے جائیں جو پہلے نہیں چھپے
ں اور جن کو کسی رسالہ یا اخبار سے نقل نہیں کیا
لیکن ہم اس نہج پر بھی چلنے میں کامیاب نہیں
ے کہ بعض حضرات نے اپنے تحریر کردہ مقالات
یں براہ راست بھیج دیئے اور ان کی کتابت کرا چکے
علوم ہوا کہ یہ مضامین پہلے کسی رسالہ میں
ائع ہو چکے ہیں، اس لئے باوجود ایک معیار
کر لینے کے اس شمارہ میں چند مضامین ایسے
ل ہیں جو پہلے کسی خاص نمبر میں شائع ہوئے
ہا۔ آخری ترتیب اس طریقے پر انجام دی
ہے کہ پہلے وہ مقالات ہیں جن کے لکھنے
الوں نے حضرت مولانا کی کسی خاص انفرادی
صوصیت پر روشنی ڈالی ہے۔ مثلاً قرآن،
دیث، فقہ، سیرت پر مولانا کے اسلوب اور
ز فکر کی نمائندگی ہوتی ہے دوسرے باب

میں وہ مقالات رکھے گئے ہیں جو تاثراتی انداز
یا عقیدت و محبت کی نشاندہی کرتے ہیں، ایک
دو مضمون حضرت مولانا کے خاندان اور گھریلو
تربیت سے متعلق بھی ہیں جو حضرت کے افراد خاندان
نے مرتب کئے ہیں، تصانیف پر علاحدہ علاحدہ
مضامین بہت کم ملے اگرچہ ضرورت تھی کہ اس
پر جو کچھ لکھا جا چکا ہے اس کے علاوہ مستقل
مقالات شائع کئے جائیں۔ اشعار اور نظموں کا
انتخاب کرنا ایک دشوار کام تھا اس میں جناب
قمر سنبھلی صاحب نے ادارہ کا تعاون کیا جس
کے لئے ہم ان کے شکر گزار ہیں، الجمعیۃ، ہدایت،
افکار ملی، نئی دنیا اور اس طرح کے متعدد اردو
کے رسالوں نے اپنے خاص نمبر نکالے اور عربی
کے رسالوں میں الداعی، (دار العلوم دیوبند)

الصحوۃ الاسلامیہ (دار العلوم حیدر آباد) البعث
الاسلامی اور الرائد (دار العلوم ندوۃ العلماء)
کے مقالات بھی اس لائق تھے کہ ہم ان کو نمایاں
کرتے، شائع کرتے، لیکن اس کی نوعیت ایک
ڈائجسٹ کی ہو جاتی اس لئے باوجود دلی قدردانی
اور لکھنے والوں کے جذبات کا احترام ملحوظ
رکھتے ہوئے ہم نے یہی مناسب سمجھا کہ اس
شمارہ کو غیر مطبوعہ مقالات سے مزین کیا جائے۔

دینِ حق کا ترجماں

● انور قاسمی

علم و فن کا پاسباں جاتا رہا — دینِ حق کا ترجماں جاتا رہا
نورِ قلبِ دوستاں جاتا رہا — خوش مقال و خوش بیاں جاتا رہا
ندوۃ العلماء کا وہ روحِ رواں — فکر کا اک آسماں جاتا رہا
اب رہوگے کس کی ٹھنڈی چھاؤں میں — فضلِ رب کا سائباں جاتا رہا
بے کسی پہ اپنے نالاں کیوں نہ ہوں — بے کسوں کا مہرباں جاتا رہا
اب سنوگے کس کی باتیں دوستو — واعظِ شیریں زباں جاتا رہا
اپنے سلف کی آخری وہ یادگار — اِس جہاں سے اُس جہاں جاتا رہا
دل سکوں پاتا تھا جس کی ذات سے — وہ مصدرِ امن و اماں جاتا رہا
پھول بوٹے پتیاں ہیں سوگوار — گلستاں کا پاسباں جاتا رہا
جس سے رونق تھی چمن میں چارسو — وہ عندلیبِ بوستاں جاتا رہا
گمرہوں کو جس نے لگایا راہ پر — وہ مردِ حق سوئے جناں جاتا رہا
بوالحسن تنہا سفر پر کیا گئے — علم کا اک کارواں جاتا رہا

اِک جہاں پہ جس کو انورؔ ناز تھا
وہ بلبلِ ہندوستاں جاتا رہا

کون اٹھا ہے آج عالم سے
پارہ پارہ ہے کیوں جگر غم سے
خون روتا ہے کیوں افق سرِ شام
سینہ شق ہے یہ کس کے ماتم سے

کلیدی مقالہ

مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

جامع صفات اور مجددانہ شان

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی: ناظم ندوۃ العلماء

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ برصغیر کی ایک ممتاز اور غیر معمولی شخصیت کی حیثیت سے زندگی گزار کر گذشتہ سال کے اختتام پر اس دنیا سے رخصت ہوئے، ان کی وفات پر یہ صدی اختتام کے قریب پہونچی، اس صدی کو برصغیر کی تاریخ میں گذشتہ صدیوں پر یہ امتیاز حاصل رہا کہ اس میں یورپ کے جدید ترقی یافتہ تمدن سے برصغیر کو سابقہ پڑا جس نے اس کی تمدنی واخلاقی قدروں پر خاصا اثر ڈالا، دوسری طرف غیر ملکی اقتدار کی چیرہ دستیوں اور حق تلفیوں کے ردعمل کے طور پر جذبۂ حریت کو فروغ ہوا، جس سے یہاں انقلاب کی راہ ہموار ہوئی، اور اس کے نتیجہ میں پورا برصغیر اپنے پرانے دور سے نکل کر نئے دور میں داخل ہوا۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کا نشوونما اور ذہن کی تشکیل ان خاص حالات میں ہوئی اور انھوں نے حالات کو دیکھا اور سمجھا پھر اسلامی نقطۂ نظر سے ان کو دیکھا وہ ایسے حالات کو سمجھنے اور ان میں مثبت وتعمیری رویہ اختیار کرنے کے سلسلہ میں اعلیٰ خاندانی پس منظر رکھتے تھے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ اسلام کے مد وجزر کا اچھا مطالعہ کیا تھا انھوں نے سادہ دل مشرق اور شاطر وہوشیار مغرب کی کشمکش کو دیکھا اور سمجھا، اور غیر ملکی اقتدار کے دور کے ختم کرنے کی کوششوں کا بھی مشاہدہ کیا، اور ان سے دلچسپی لی، پھر آزادی کا دور شروع ہونے پر انقلاب کے بعد کے مراحل کو بھی دیکھا اور اس کی پیچیدگیوں اور زندگی کی قدروں پر ان کے اثرات دیکھے، پھر ایک عالم دین اور ایک حساس دل رکھنے والے دانشور، اور ایک داعیٔ حق اور ملت اسلامیہ کے دردمند فرزند کی حیثیت سے وقت کے تقاضوں کو سمجھنے اور اعلیٰ قدروں کی حامل زندگی کو استوار کرنے کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے عملی میدان میں داخل ہوئے، اور اپنے فکر وعمل سے ۶۵ سال سے زیادہ مدت تک ایک عظیم مفکر، معلم اور مصلح کی ذمہ داری انجام دی، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی یہ ممتاز وسنجیدہ شخصیت کیسے بنی اس کا جواب خود ان کی شخصیت کی تشکیل میں کارفرما عوامل واسباب میں ملتا ہے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان کے ممتاز مؤرخ اور علم وثقافت سے گہری واقفیت رکھنے والے عالم دین اور مصنف تھے، اس کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے ایک بڑے دینی وعلمی ادارے (ندوۃ العلماء) کے سربراہ بھی تھے، ان کا جب انتقال ہوا تو ان کے ان صاحبزادے کی عمر صرف ۹ سال کی تھی، لہٰذا ان کو اپنے ان کم عمر صاحبزادے کی تعلیم وتربیت کا باقاعدہ موقع نہیں ملا، لیکن ان کے چھوڑے ہوئے اثرات سے اور ان کے سمجھدار وذمہ دار پسماندگان سے اس کا مداوا ہوا، ان کے بڑے بیٹے مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنیؒ جو دینی تعلیم مکمل کر کے عصری تعلیم کے مراحل بھی پورے کر رہے تھے اور ان کی عالی ہمت اور دیندار اہلیہ یعنی مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ، پھر وہ قیمتی سرمایہ کتب جو اپنے پیچھے چھوڑ گئے تھے جو گھر کے اندر موجود تھا اور جس میں خود ان کی غیر معمولی خصوصیت کی حامل تصنیفات تھیں، ان کے ان نوخیز صاحبزادے کی تربیت کا ایک اچھا ذریعہ بنیں، مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد سے ملے ہوئے ذوق مطالعہ کے اثر سے اپنے گھر کے اندر موجود سرمایہ علمی سے آغاز عمر ہی میں اور خاص طور پر اردو ادب اور اخلاق وسیرت کے دائرہ میں خوب استفادہ کیا، پھر فکری ودعوتی مزاج کی تشکیل کے سلسلہ میں ان کے بڑے بھائی نے پوری توجہ کی، وہ قدیم وجدید دونوں علمی راہوں سے گذرے تھے، وہ دینی وعلمی درسگاہ سے فضیلت کر کے جدید علوم کی طرف متوجہ ہوئے تھے اور سائنس میں .B.Sc کی امتیازی کامیابی حاصل کر کے .M.B.B.S) کے کورس کی تکمیل کی تھی، اور اس کے اور میڈیکل پریکٹس کے ذریعہ سماجی زندگی کے معاملات اور اسلامی تقاضوں سے بخوبی واقف ہوئے تھے۔ وہ اسلامی سربلندی کے داعی اور اسلامی قدروں پر پورا اعتماد رکھتے تھے، چنانچہ اپنے نوخیز بھائی کی بہتر تعلیم نیز اخلاقی ودینی تربیت پر انھوں نے اور والدہ صاحبہ نے پوری توجہ صرف کی، والدہ صاحبہ اپنے مؤقر شوہر کے جلد انتقال کر جانے کی وجہ سے اپنی اولاد کو سنوارنے اور بنانے پر اپنی توجہ مرکوز رکھنا ضروری سمجھتی تھیں، مولانا رحمۃ اللہ علیہ اپنے گھریلو سرمایۂ علم وادب کے مطالعہ اور اپنی والدہ اور بھائی کی رہنمائی وتربیت سے آگے بڑھے تو ان کو علم وادب کے دیگر پہلوؤں

میں کمال پیدا کرنے کے لئے وقت کے مشہور اساتذہ ملے، خاص طور پر حدیث شریف تفسیر قرآن اور ادب عربی میں ان کو امتیازی شان پیدا کرنے کے ذرائع حاصل ہوئے، تاریخ کے موضوع میں نمایاں صلاحیت خود اپنے گھر کے سرمایۂ علمی کے ذریعہ اور علمی رجحان اپنے خصوصی ماحول سے حاصل ہو چکا تھا، اس کے ساتھ ساتھ گھر کے دینی ذوق کے اثر سے باطنی اصلاح و تزکیۂ نفس کی طرف میلان ہوا جس کے حصول اور اس میں ترقی کی راہ وقت کے مشہور و مستند بزرگوں کی صحبت و استفادہ کے ذریعہ آسان ہو گئی۔

ان تمام اسباب نے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو متعدد و متنوع کمالات و خصوصیات کا حامل انسان بنا دیا، وہ ایک طرف ممتاز مفکر و مصلح و دوسری طرف کامیاب معلم و مربی، اور تیسری طرف باثر صاحب قلم اور صاحب اسلوب ادیب بنے۔

تاریخ کے مطالعہ سے مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے قوموں اور ملکوں کے عروج و زوال کے اسباب کو سمجھا، ہندوستان کے غلامانہ دور کی پریشانیوں و پسماندگی کا مشاہدہ کرنے کے ساتھ نئی حاصل ہونے والی آزادی کے بعد کی پیچیدگیوں نیز فرقہ وارانہ و طبقاتی کشمکش کے ماحول ناظر دیکھ کر ملک و قوم کو بربادی سے بچانے کے جذبہ کے حامل بنے۔ علوم دینیہ میں دستگاہ پیدا ہونے سے مسلمانوں کی فلاح و صلاح کی مفید صورتوں سے آگاہ ہوئے اور اس کے لئے قدیم و جدید وسائل کا مفید اور صالح طریقہ کار اخذ کیا۔

تصنیف و ذوق ادبی کے ذریعہ ذہنوں کو بیدار کرنے اور ترقی و کامرانی کی صحیح راہ دکھانے کی صلاحیت سے کام لینے کی کوشش کی، اور اپنی زندگی کو مفید اور تربیتی کاموں میں وقف کر دیا۔ اس سلسلہ میں مولاناؒ نے دو خاص صفتوں کو حرز جان بنایا، ایک تو قوم و ملت کی خیر خواہی و خیر طلبی، اور دوسرے زہد و قناعت کے ساتھ حصول مقصد کے لئے لگن اور قربانی، اس کے ساتھ ساتھ طبیعت کی نرمی، کریمانہ اخلاق، والہانہ جذبۂ عمل، فہم و فراست اور مقصد کی بلندی جیسی ممتاز صفات مولاناؒ کی خصوصیات ہیں، اپنی انہی صلاحیتوں سے انھوں نے متعدد اہم ترین مسائل حل کئے اور قوم کے دانشوروں اور رہبروں کو متاثر کیا، اور اپنوں اور غیروں کے دلوں میں اپنی جگہ بنائی۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت میں دو نمایاں صفتیں خاص طور پر قابل ذکر رہی ہیں، ایک تو ممکنہ حد تک وسعت قلبی، دوسری صفت دوسروں کی دل آزاری سے پرہیز، وسعت قلبی کا تو یہ حال تھا کہ دین و ملت کی تعمیر میں حصہ لینے والے تمام لوگوں کے لئے اپنے دل میں جگہ رکھتے تھے، اور ان کی خوبیوں کا اعتراف کرتے، ان سے ملتے اور اظہار قدر کرتے تھے، بشرطیکہ وہ دین و ملت کی بنیادی قدروں اور مسلمہ اصولوں کے خلاف کام نہ کر رہے ہوں۔ چنانچہ فقہی مسلک کا اختلاف، مکتب فکر کا فرق یا طریقہ کار کا تنوع مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں دوری اور تکدر کا سبب نہ تھا، بشرطیکہ اس کا کام اصل دین، اور ملت کی تقویت کو نقصان پہونچانے والا نہ ہو، اسی قاعدے کے بموجب مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے دار العلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور، مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اور جامعہ سلفیہ بنارس، اسی طرح جمعیت علماء ہند، جماعت اسلامی وغیرہ سب کو ان کی تعمیری اور ملی کوششوں اور دین حق کی نصرت کے زاویہ سے دیکھا، اور ان کے لئے اظہار قدر کیا، ان کے ذمہ داروں سے اخوت و ہمدردی کا معاملہ رکھا اور حسب ضرورت تعاون کیا۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری صفت

دوسروں کی دل آزاری سے پرہیز کی ہے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی یہ صفت اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ کوئی شخص مولاناؒ کی تحقیر و تنقیص کرتا تو بھی، مولاناؒ اس کا جواب نہ دیتے، اور اپنے معاونین و محبین کو بھی ہدایت کرتے کہ وہ کوئی انتقامی رویہ اختیار نہ کریں، اور ان سے ایسا آدمی ملتا تو وہ اس سے اس بات کی شکایت بھی نہ کرتے، بلکہ شرافت نفس کے ساتھ معاملہ کرتے، اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ مولاناؒ کو تنقیص و تحقیر کے رویہ سے تکلیف نہیں ہوتی تھی، وہ حساس طبیعت تھے، ان کو ایسی بات سے تکلیف ضرور ہوتی تھی، لیکن انھوں نے اپنا وطیرہ برداشت اور رواداری کا رکھا، وہ یہ شعر پڑھتے تھے ؎

آسائش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است
با دوستاں تلطف، با دشمناں مدارا

دوسروں کا برا چاہنا یا انتقام لینا مولاناؒ کے یہاں بالکل نہ تھا، وہ دوسروں کی عیب جوئی سے بھی دور رہتے تھے، جن کو برا سمجھتے تھے بلا ضرورت ان کی برائی کا بھی تذکرہ نہیں کرتے تھے، حتیٰ کہ ان کے خدام کو بعض وقت یہ دھوکا ہو جاتا تھا کہ مولانا اپنے فلاں مخالف کے بارے میں بالکل ناواقف ہیں اور اس سے اس ناواقفیت میں دھوکا کھا سکتے ہیں، لیکن کسی نے توجہ دلائی تو اندازہ ہوا کہ مولانا بے خبر نہیں ہیں لیکن ظاہر نہیں کرتے۔ مولاناؒ کے اس رویہ کے نتیجہ میں ان سے متعدد دوری رکھنے والے ان کا محبت ہی کا رویہ دیکھ کر بالآخر ان سے قریب ہوئے۔

مولاناؒ کی ایک اہم خصوصیت دین و ملت کی خدمت و دفاع کا جذبہ تھا، وہ کسی کو بھی دین و ملت کو نقصان پہونچاتے دیکھتے یا دین کے مسلّمہ حقائق یا دین کے بنیادی حقوق پر حملہ آور

ہوتا دیکھتے تو اس کا سخت نوٹس لیتے تھے، اور اس میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے تھے، اس کی مثالیں ان کے مختلف مضامین اور تصنیفات میں بآسانی دیکھی جاسکتی ہیں، انھوں نے عربوں کے ساتھ عقیدت و محبت کے باوجود عرب قومیت کی مخالفت بلکہ سخت تردید کی، اور ترک قوم کے کارناموں کی وجہ سے ان کی قدر و محبت رکھنے کے باوجود موجودہ ترک حکمرانوں کے الحادی رویہ کی سخت مذمت کی، اور اپنی اسی غیرتِ دینی کے تقاضے سے حسبِ ضرورت اپنی زبان و قلم کو مؤثر ڈھنگ سے استعمال کیا۔ انھوں نے ہندوستان میں اسلامی ثقافت کو غیر اسلامی ثقافت میں مدغم کرنے کی کوششوں کی کھل کر مخالفت کی، اور اس سلسلہ میں تقریریں کیں اور مضامین لکھے، اور اس ملک میں مسلمانوں کی کثیر آبادی کے بسے ہونے کے ناطے اس بات کی تحریک چلائی کہ تمام مذاہب کو اپنے اپنے طریقہ سے کام کرنے کا موقع ملے، اور اکثریت اپنی اکثریت کی بنیاد پر اقلیت پر اپنے مذہب و تہذیب کو عائد نہ کرے، اور سب شریف پڑوسی کی طرح زندگی گذاریں۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ ملتِ اسلامیہ کی سماجی تعلیمی اور سیاسی ضرورتوں اور تقاضوں پر ان کی اہمیت کے مطابق نظر رکھتے تھے، اور کام کرنے والوں کے مابین طریقہ کار اور نقطہائے نظر کا جو فرق ہوتا اس کو اختلاف اور کشمکش کا موضوع نہ بناتے ہوئے اپنا ضروری تعاون دیتے تھے، ان کا مسلم پرسنل لا بورڈ، مسلم مجلسِ مشاورت، دینی تعلیمی کونسل سے تو ذمہ دارانہ بلکہ سرپرستانہ تعلق تھا، لیکن اس کے ساتھ وہ جمعیۃ علماء ہند، مسلم لیگ، و دیگر قومی کام کرنے والی جماعتوں کی مثبت اور لائق ستائش کوششوں کی بھی پوری قدر کرتے تھے، تعلیمی تحریکات میں، دینی تعلیم کی درسگاہوں کے علاوہ جن سے ان کا گہرا ربط تھا، ملت کی عصری درسگاہوں مسلم یونیورسٹی علی گڈھ، جامعہ ملیہ دہلی وغیرہ کی بھی اہمیت و ضرورت کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور ان کی مشکلات کے حل کے لئے جو ادبی و اخلاقی تعاون دے سکتے تھے وہ دیتے تھے، ان کی نظر میں ملت کی بقاء و حفاظت و ترقی کی ضروری فکر کرنا مشترک فریضہ تھا، اس کے لئے اپنے جماعتی و نظریاتی اختلافات سے بلند ہوکر کام کرنے کی ضرورت سمجھتے اور اس پر عمل کرتے تھے، اور اس کے لئے ان کے اختیار میں جو تعاون ہوسکتا تھا وہ دیتے تھے، اسی کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کی تمام جماعتیں ان پر متفق ہوجایا کرتی تھیں، اور اپنے آپس کے اختلاف و فرق کے باوجود ان کو اپنا مشترک ہمدرد اور مشیر سمجھتی تھیں۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے مختلف النوع و متعدد الفکر گروہوں کے ساتھ تعاون و تائید کا یہ مطلب نہیں ہوتا تھا کہ ان کی خود کوئی الگ رائے نہیں ہوتی تھی، بلکہ وہ محض ملت کی بقاء اور ترقی کی مصلحت کی خاطر چھوٹی اور انفرادی مصلحتوں کو نظر انداز کرکے بڑی مصلحت کے لئے ہمدردی و تعاون کرتے تھے ورنہ وہ ہر مسئلہ میں اپنی متعین رائے رکھتے تھے، اور غلط اور منحرف رجحانات کے ساتھ کوئی لوچ نہیں رکھتے تھے، بلکہ ان کے خلاف مثبت جدوجہد کرتے تھے، اور یہ بات ان کی تقریروں اور تصنیفات میں پوری طرح عیاں ملتی ہے، پھر مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا خدمتِ دین و ملت کا دائرہ صرف ہندوستان اور برصغیر تک محدود نہیں تھا، بلکہ پورے عالم اسلامی تک پھیل گیا تھا، وہ مشرق میں ملیشیا وانڈونیشیا تک اور مغرب میں افغانستان ایران ترکی مصر الجزائر اور مراکش تک تھا، بلکہ یورپ و امریکہ میں مقیم مسلمانوں کی سوسائٹیاں تک مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے فکر و عمل کے دائرے میں تھیں، وہ جہاں جس تعاون کا تقاضہ سمجھتے اس کے کرنے کی کوشش کرتے، اور جہاں کمزوری اور انحراف محسوس کرتے وہاں اصلاح و تنقید کی اپنی آواز پہونچاتے، اور صحیح اسلام اور ملت کی صحیح مصلحت کی پاسداری کی طرف توجہ دلانے کا جرأت مندانہ کام انجام دیتے تھے، اس کے لئے عوام میں عمومی خطاب کا، اور حکومت کے ذمہ داروں کے لئے ملاقات و افہام و تفہیم کا طریقہ اختیار کرتے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے دینی و ملی خدمت کے لئے اپنا جو مزاج بنایا تھا اس میں مخاطب کے لئے اس کے مقام و حیثیت کے لحاظ سے جو اسلوب کلام مناسب ہوتا اور اس کا جو اچھا کام ہوتا اس کے لحاظ اور اس کے اعتراف کے ساتھ بات کرتے، لیکن اس سے کہنے والی بات زوردار طریقے سے کہہ دیتے، تنقید ہوتی لیکن انداز محبانہ و مشفقانہ ہوتا، چنانچہ ان کی تلخ بات بھی برداشت کرلی جاتی، اس سلسلہ میں ان کو اپنے ملک کے چوٹی کے لیڈروں سے اور غیر ممالک کے سربراہانِ مملکت سے بات کرنے کے جو مواقع حاصل ہوئے انھوں نے ان مواقع سے فائدہ اٹھایا، اور استغناء کے ساتھ اور یہ محسوس کراتے ہوئے بات کی کہ ان کی کوئی مادی غرض نہیں ہے، اور یہ محض خیر خواہی میں ہے، اس کی تھوڑی بہت تفصیل ان کی خود نوشت سوانح اور ان کے مضامین اور سفرناموں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا یہ عمل غیر معمولی انداز کا ہوتا تھا، میں نے خود کئی ایسے موقع دیکھے کہ جہاں رواداری اور تنقید کو جمع کرنا خاصا دشوار تھا لیکن مولانا رحمۃ اللہ علیہ ان سے حکمت اور جرأت کے ساتھ عہدہ برآ ہوئے

مولاناؒ عرب اور مسلم حاکموں اور بادشاہوں ...لے، ان میں ہر ایک کو نصیحت کی اور ان کے ...ی خرابیوں کی طرف متوجہ کیا، خاص طور پر ...عودی بادشاہوں سے ملے، اردن کے ...شاہ اور مراکش کے بادشاہ اور مختلف حاکموں ...لے، سب کو اصلاح حال اور ملک کے ...ت کی اور اعلاء کلمۃ اللہ کی تلقین کی، ان ...قاتوں اور باثر لوگوں سے اپنی ملاقاتوں میں ...ے بھی معاملہ میں پورے استغناء سے کام لیا، ...ی اپنی ذات یا خاندان کے کسی فرد کے لئے سفارش ...ہیں کی اور نہ ہدیہ قبول کیا، اور اگر کسی طرح ہدیہ ...نعام ملا تو اس کو ملی و دینی مقاصد کے اداروں ...دیدیا، اسی طرح فیصل ایوارڈ کے معاملہ میں ...ا اور ملی اداروں کو دیدیا، دبئی سے ملنے والی ...ب کروڑ ۱۲ لاکھ کی رقم سیکڑوں مدارس میں ...تسیم کردی، برونائی سے ملنے والی رقم بھی دوسرں ...یں تقسیم کردی، ان کا یہ استغناء اس لئے ...ہیں تھا کہ ان کو رقم کی ضرورت نہیں ہوتی تھی، ...ن کو بعض وقت خاصی تنگی پیش آتی تھی تب بھی ...یا کرتے تھے، کہتے تھے کہ ہم اگر کسی حاکم سے کچھ ...یں گے تو ممنون ہوں گے، پھر جرأت کے ساتھ ...صیحت یا تنقید نہ کرسکیں گے، چنانچہ ان کو جرأت ...سے بات کرنے میں ڈر نہیں لگتا تھا، لیکن حکمت و موعظت ...کے تقاضہ سے خوش اخلاقی جتنی ضروری تھی وہ ...کرتے تھے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ اپنے سماجی و ملی کاموں ...میں طریقۂ نبوت پر عامل ہونے کی کوشش کرتے ...تھے کہ مخاطب سے اس کی زبان اور فہم کے مطابق ...بات کی جائے، اور مخلصانہ و ہمدردانہ انداز میں ...اور اصل مرض کو سامنے رکھتے ہوئے معالجانہ ...جذبہ سے بات کی جائے۔

قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کے پیغام حق پہونچانے کا جو تذکرہ آیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ میں جو تفصیل ملتی ہے انھوں نے اس کو اپنے لئے مشعل راہ بنایا، نیز تاریخ میں اہل ایمان و عزیمت و مصلحین امت کے جو تذکرے ملتے ہیں ان سے اخذ فیض کیا، اور طریقۂ کار کے اس تنوع کو بھی سمجھا جو مختلف زمانوں اور مختلف ماحولوں اور مختلف حالات میں مصلحین امت نے اختیار کئے، اس میں مولاناؒ کے سامنے امام احمد بن حنبلؒ کا کلمۂ حق پر جمنا اور سخت آزمائش اور اذیت کے باوجود حق پر قائم رہنا، امام غزالیؒ کا علم میں کمال پیدا کرنے کے ساتھ اصلاح باطن اور روحانی ترقی کی فکر کرنا اور اس کی اہمیت کی تلقین کرنا، امام ابن تیمیہؒ کا دین کی بنیادی قدروں کی وضاحت کے ساتھ سماجی خرابیوں اور بددینی کا اپنی تصنیفات کے ذریعہ مقابلہ کرنا، اور دین کی صحیح فکر کی ترجمانی کرنا، مولانا جلال الدین رومیؒ کا حکیمانہ و مصلحانہ انداز کا ناصحانہ و مربیانہ کلام، حضرت مجدد الف ثانیؒ کا توحید پر زور اور حاکمانِ وقت کی بالواسطہ ناصحانہ انداز میں اصلاح حال کی کوشش، خواجہ معین الدین چشتیؒ اور حضرت نظام الدین اولیاءؒ اور شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کی روحانی و مصلحانہ زندگی اور حکیمانہ انداز تربیت و اصلاح، حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی سماجی و تہذیبی بگاڑ اور سیاسی بدحالی کے دور میں حکیمانہ طریقہ سے اصلاح حال کی کوشش، اور تعلیم و تربیت کے نظام کی درستگی، اور رہنمائی کا کام، پھر حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے رفقاء کی اصلاحِ عقیدہ و عمل کے ساتھ ہجرت و جہاد کے عمل کو قائم کرنے کی کوشش شامل ہے۔ وہ حضرت سید احمد شہیدؒ کے طریقۂ دعوت و عمل سے بہت متاثر تھے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ناصحانہ و مشفقانہ طرز دعوت کو دیکھ کر بعض ناقدوں نے کمزوری اور جذبہ جہاد سے دوری کا شبہ کیا ہے حالانکہ یہ مولانا کی حکمت پسندی اور افادیت کے خیال سے ہوتا تھا، وہ جہاد کو اہم فریضہ سمجھتے تھے لیکن شریعت نے اس کے لئے موقع و محل کی رعایت اور حکمت عملی کا جو قاعدہ مقرر کیا ہے اس کا لحاظ ضروری سمجھتے تھے۔

حضرت مولانا نے مذکورۃ الصدر سب اسلاف سے استفادہ کیا تھا اور موجودہ زندگی کے ان گوشوں میں جو مذکورہ بالا ائمہ امت کے یہاں ملتے ہیں، اپنے طریقۂ کار کے لئے رہنمائی حاصل کی تھی اس سلسلہ میں ان کی مثال شہد کی مکھی کی طرح رہی جو ہر طرح کے پھولوں سے اپنی ضرورت کا رس لیتی اور شہد بناتی ہے، جو دوسروں کے کام آتا ہے۔ اس کے جسم میں ڈنک بھی ہوتا ہے جو کہ وہ اس وقت استعمال کرتی ہے جب اس کو تنگ کیا جائے، اور رکاوٹ ڈالی جائے، لیکن اس بات میں مولاناؒ قدرے مختلف تھے، وہ حتی الوسع انتقام نہیں لیتے تھے اس کے بار بار موقع آئے کہ مولاناؒ کو جواب دینا چاہئے تھا لیکن مولاناؒ نے صبر اور خاموشی کو ترجیح دی۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ اپنی فکر بلند، معاملہ فہمی اور حق شناسی سے اور اسی کے ساتھ انحراف و گمراہی کے خطرات کو جلد محسوس کرتے ہوئے اپنی علمی صلاحیت اور داعیانہ طریقۂ کار کو مؤثر زبان و قلم کے ذریعہ بروئے کار لاتے، وہ ان کے ذریعہ اصلاح حال اور تلقین و تربیت کا کام لیتے تھے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے امت اسلامیہ کی مجموعی و بنیادی مصلحت اور امت اسلامیہ کی وحدت و اتفاق کی اہمیت برابر رہتی تھی خواہ وہ فکر صحیح کی ترویج ہو، انحراف و گمراہی کا مقابلہ ہو، امت کے اتحاد و سربلندی کا معاملہ ہو، یا دشمنان ملت کی گمراہ کن ریشہ دوانی کا مقابلہ ہو یا امت مسلمہ کو اس کے ماضی کے بلند مقام پر واپسی

لانے کا معاملہ ہو، مولانا رحمۃ اللہ علیہ ان سب کاموں کے لئے کوشاں رہتے تھے، اور ان میں اپنی عقلی و عملی توانائیاں صرف کرتے تھے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ ملک و بیرون ملک کے متعدد اداروں کے صدر یا ناظم اعلیٰ تھے ان کو عموماً ان کی شخصیت کے وزن کی وجہ سے اور خدمت دین و ملت میں گروہی اختلاف سے ان کے بلند ہونے کی بناء پر یہ اعلیٰ منصب دیئے گئے، ان متعلقہ اداروں نے ان کے زیر سرکردگی متعدد اہم کامیابیاں حاصل کیں، اور بڑی ترقی کی، اس میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی مخصوص حکمت عملی اور مخلصانہ فکرمندی کا خاصا دخل تھا، اداروں اور اجتماعی وحدتوں کی سربراہی کے فرائض انجام دینے میں مولاناؒ کا رویہ اپنے ساتھ کام کرنے والوں اور خصوصی معاونین پر عموماً اعتماد و اختیار کا ہوتا تھا، وہ اپنے جس معاون کی کارکردگی کو مقصد کے مطابق اور مخلصانہ محسوس کرتے، اس کو اس کی سمجھ اور معاملہ فہمی کے مطابق کام کرنے کا پورا موقع دیتے، اور اس کام کے کسی جزء میں اس سے کوئی غلطی ہو جاتی تو اس کو برداشت کرتے، اور صرف متوجہ کر دینے پر اکتفا کرتے، لیکن اپنے معاون کے کام کے سلسلہ میں اس بات پر پوری نظر رکھتے تھے، کہ کام صحیح راستہ سے ہٹ نہ جائے، اور مقصد کے خلاف نہ ہو، اس سلسلہ میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے خود اپنے خاص تجربہ سے یہ سمجھ لیا تھا، کہ ان کے متعدد و متنوع کاموں میں کس کام میں کون بہتر اور کارگزار اور زیادہ قابل اعتماد معاون ہے، پھر اس کو نہ صرف یہ کہ اس کام کا ذمہ دار بلکہ اس کام میں اپنا ترجمان بنا لیتے تھے، چنانچہ مولاناؒ کے مختلف کاموں اور منصبوں میں مختلف معاونین رہے، جن کو ان کے متعلقہ کاموں میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے خاصا اعتماد حاصل رہتا تھا، وہ بھی اپنے متعلقہ کام کے مزاج اور حکمت عملی کے سلسلہ میں کوئی معاملہ ہوتا تو مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے رجوع کرتا، اور رہنمائی حاصل کرتا، لیکن جزوی اور عمومی معاملات میں اس کو اپنی صوابدید پر عمل کرنے کی آزادی ہوتی تھی۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے فکر و عمل کے دائرہ میں ندوۃ العلماء کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی، اور اللہ تعالیٰ نے مولانا کے دور نظامت میں اس ادارہ کو بہت نوازا، اور اس کی شہرت اور اہمیت پورے عالم اسلام میں تسلیم کر لی گئی اس کا دائرہ کار بہت وسیع ہوا، اور اس کے شعبوں اور شاخوں کی تعداد خاصی بڑھی، ظاہری ترقی کے ساتھ باطنی ترقی بھی خوب ہوئی، اس سب میں ایک طرف مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے معاونین کا بڑا حصہ ہے، اور دوسری طرف مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی اس فکرمندی کو کہ ادارہ اپنی خصوصیت اور معنویت اور اپنے مقام و منصب سے ہٹنے نہ پائے، بڑا دخل ہے، وہ وقتاً فوقتاً ذمہ داروں کو خطاب فرماتے، طلباء کو وقتاً فوقتاً نصیحت کرتے، اور صالح اور بلند کردار کی طرف متوجہ کرتے، اس سلسلہ میں ان کی تقریریں بڑی مؤثر اور دل پر اثر کرنے والی ہوتیں، وہ اپنے ماتحت اہم ذمہ داروں سے وقتاً فوقتاً دریافت کرتے کہ کام کی مقدار اور رفتار کیا ہے، اہم اور فیصلہ طلب معاملات میں رہنمائی کرتے، لیکن یہ سب ایسے محبانہ رویہ کے ساتھ ہوتا کہ کام کرنے والوں کا دل بڑھتا، اور ان کے جذبہ میں ترقی ہوتی، ندوۃ العلماء کے دائرہ میں نائب ناظم مولانا معین اللہ صاحب ندوی ان کے سب سے بڑے معتمد رہے، اور ان کی فکر و توجہ کا ندوۃ العلماء کی ان ترقیات میں جو مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے دور نظامت میں ہوئیں بڑا دخل ہے، اللہ تعالیٰ ان کی فکرمندیوں اور محنتوں کا بہترین صلہ عطا فرمائے، اور درجات بلند فرمائے، اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑا دینی جذبہ اور کام کا حوصلہ عطا فرمایا تھا۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی زیر سرپرستی دیگر اداروں اور انجمنوں کے معاملہ میں بھی ان کی طرف سے کم و بیش یہی مذکورہ اعتماد و ہمت افزائی کا طریقہ تھا اور امت اسلامیہ کے مصالح کے لئے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی فکر و نظر ایک ہی سطح اور طاقت کی ہوتی تھی۔

وہ آج اپنے ملک و قوم، اپنی ملت، اور اپنے قدردانوں سے جدا ہو گئے ہیں لیکن اپنے پیچھے اپنے کاموں اور اپنی خصوصیات و صفات کے روشن نقوش چھوڑ گئے ہیں جن کو قائم رکھنا اور آگے بڑھانا ان کے قدردانوں کی ذمہ داری ہے، اور اس ذمہ داری کو پورا کرنے میں ہماری اجتماعی و انفرادی بھلائی مضمر ہے۔

ضوفگن تحریر تیری کس قدر تھی تابناک
عالم اسلام کی خاطر تھا تو بدر منیر
دین و ملت کیوں نہ ہو نازاں تری قدر پر
پرسنل لا کے محافظ دین احمد کے مشیر

انفرادیت و اختصاص

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ

بحیثیت مفسّرِ قرآن

مولانا عبداللہ عباس ندوی

حضرت مولاناؒ کے اسلوب تفسیر کو سمجھنے کے لئے اور ان کی قرآن فہمی کا انداز جاننے کے لئے ہم ضرورت محسوس کرتے ہیں کہ دوسرے اسالیب تفسیر کو سامنے رکھیں تاکہ آپ کے اسلوب کا امتیازی نشان واضح ہو سکے۔

تفسیر کا ایک رنگ وہ ہے جس کی نمائندگی شیخ جار اللہ محمود بن عمر زمخشری (م ۵۳۸ھ) صاحب "کشاف" کرتے ہیں، الفاظ کے لغوی معنی اور عربی کے قابل استناد دور کے اشعار سے ان کی تصدیق، نحوی ترکیب کی وضاحت اور جہاں ایک سے زیادہ امکانات پائے جاتے ہیں اور جن کی وجہ سے ایک آیت کی تفسیر مختلف شکلوں سے کی جاسکتی ہے ان کی توضیح، نیز قرآن کے اعجازی پہلو کو واضح کرنا، کلامی مسائل میں معتزلہ کے مسلک کی تائید، صاحب کشاف کی تفسیر کے جلی عنوانات ہیں۔ شیخ محمود کے معتزلانہ استدلال کی تردید کشاف کے موجودہ نسخوں میں ملتی ہے جو شیخ ناصر الدین احمد بن المنیر المالکی کی نظر سے کبھی اوجھل نہیں ہوئی۔

دوسرا طرز تفسیر امام طبری (م ۳۱۰ھ) اول المفسرین کا ہے جو ہر آیت کی تشریح کے لئے احادیث نبویہ سے استدلال کرتے ہیں، دوسرے مفسرین میں امام فخر الدین رازی (م ۶۰۶ھ) ہیں وہ قرآن کے تمام مضامین کا احاطہ کرنے والے تھے، ان کے یہاں احادیث سے استدلال بھی ہے، الفاظ کی تحقیق بھی ہے اور اپنے عصر کے یونانی فلاسفہ کے اعتراضات کے جوابات بھی ہیں، دل کو نرم کرنے والے اور قرآن سے شغف پیدا کرنے والے واقعات سے یہ تفسیر مزین ہے۔ لوگوں نے یہ بڑی بے انصافی کی ہے کہ ان کی تفسیر پر یہ پھبتی کس دی ہے کہ "فیہ کل شئی الا التفسیر" یعنی اس میں تفسیر کے علاوہ سب کچھ ہے، امام رازی نے ایک انوکھی بات یہ بھی کی ہے کہ التزام کے ساتھ ہر آیت کا تو نہیں لیکن بہت سی آیتوں کے درمیان ترابط اور نظم دکھایا ہے۔ یہودی اور نصرانی ناقدین نے جن کو اصطلاح میں "مستشرق" کہا جاتا ہے نظم آیات کے نظریے کی تردید اس طرح کی ہے کہ موجودہ ترتیب سوا آیتوں کی تعداد کے مطابق ہے، سورۂ فاتحہ کو چھوڑ کر جتنی سورتیں ہیں ان میں جو سب سے طویل سورت ہے وہ پہلے ہے اور جو اس سے کم آیتوں پر مشتمل سورہ ہے وہ بعد میں، اسی طرح آخر تک نظم سور کی پابندی نظر آتی ہے۔ جن لوگوں نے اس ملک میں نظم آیات اور ربط معانی پر زور دیا ان میں شیخ عبید اللہ سندھی (م ۱۹۴۴ء) اور علامہ عبد الحمید فراہی (م ۱۹۳۰ء) سب سے آگے ہیں، شیخ سندھی کے انداز تفسیر کے ایک بڑے متبع حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ (م ۱۳۸۱ھ) تھے جو مفسر ہونے کے ساتھ ساتھ صوفیانہ جفاکشی اور علم و تقویٰ میں نمایاں مقام رکھتے تھے، ہمارے حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی قدس سرہ حضرت لاہوریؒ کے خاص، عزیز ترین، محبوب ترین شاگرد تھے، جن کو حضرت لاہوریؒ اپنی اولاد سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ناچیز راقم کی تالیف "میر کارواں" اور مولانا محمد شاد علی قاسمی کی تالیف "حضرت مولانا مشاہیر امت کی نظر میں" اور خود حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی خود نوشت سوانح "کاروان زندگی" کا پہلا حصہ) حضرت مولانا پر حضرت لاہوریؒ کے احتیاط و تقویٰ اور زہد و ریاضت کا اثر پورا پورا پڑا، لیکن تفسیر کے معاملہ میں مولانا کا مذاق مختلف رہا۔ انھیں خاندانی بزرگوں اور خانوادہ شاہ علم اللہؒ و سید احمد شہیدؒ کے علاوہ رنگ تفسیر سے مناسبت رہی جو براہ راست حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ (م ۱۱۷۶ھ) کا فیض تھا، کسی نے لکھا تو نہیں ہے مگر راقم اتنی جسارت کر سکتا ہے کہ یہ کہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے یہاں بھی آیات و سور میں ربط و نظم ہے جس طرح ایک درخت کی جڑ کو اس کی شاخوں سے ربط رہتا ہے اور ہر ڈالی اپنی اصل سے مربوط رہتی ہے لیکن یہ کہنا کہ ایک آیت کے بعد دوسری آیت اور دوسری کے بعد تیسری معنوی طور پر ساتھ ہوتی ہیں اور ترتیب مصحف کے مطابق ایک سورۃ دوسری سورۃ سے مربوط ہے صحیح نہیں ہے، خواہ اس کے داعی امام رازی ہوں یا ماہیمی ہوں یا شیخ سندھی ہوں یا علامہ فراہی۔ راقم نے قرآن کے اسباق حضرت مولانا سے لئے ہیں، ان کے مواعظ سنے ہیں، قرآنی آیات سے استدلال اور ان سے مطالب خارج نکالنا جو صرف ایک وہبی صلاحیت اور خداداد ذہانت کا طالب ہے، مسئلہ ہے

مگر کبھی ربط آیات کی وہ بات نہیں سنی جو ربط ونظم کے ماننے والے حضرات کے یہاں ہے۔ حضرت مولانا علی میاں کی زندگی کا قرآن سے تعلق وہی رہا جو جسم کو روح سے ہوتا ہے، میں خیال کے طور پر آپ کے طرز استدلال کو آپ کے بعض مواعظ سے نقل کرتا ہوں جس سے اندازہ ہوگا کہ آپ کو قرآن کریم پر کتنا یقین، کس درجہ اعتماد اور کتنا گہرا شغف تھا، حضرت مولانا نے زندگی بھر ________ آیات قرآنیہ پوری ملت کے لئے پیغام تلاش کیا، اور ایسے پیغامات جن کی طرف متقدمین یا متاخرین کی نگاہ نہیں گئی تھی، مثلاً حضرت یعقوبؑ کا اپنے آخر وقت میں اپنی اولاد کو جمع کرکے یہ پوچھنا "مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ" میرے بعد تم کس کو پوجوگے؟ اس واقعہ سے استدلال کہ ایک پیغمبر کو دنیاوی زندگی میں سب سے اہم اور خطرناک موڑ یہی نظر آتا ہے کہ اس کی اولاد دین پر قائم رہے گی یا دنیا پرست ہوجائے گی، سوال یہ ہے کہ تم دین کو مانوگے یا دنیا کی پوجا کروگے، احکام الٰہی کے آگے سربسجود ہوگے یا دنیاوی آرائش کے پیچھے بھاگوگے، اس آیت سے یہ لطیف استدلال کسی نے نہیں کیا تھا، اسی طرح جب آپ ۱۹۵۶ء میں ترکی تشریف لے گئے جہاں عہد ملیشری کی حکومت ہے اور جہاں آج کل سیکولر کا مفہوم یہ سمجھا جاتا ہے کہ جو اسلام کے مخالف اور معاندانہ طریقہ کار ہو اور جہاں مردوں کو داڑھی منڈانے اور عورتوں کو بے سر ڈھکے رہنے پر مجبور کیا جاتا ہو وہاں ہمارے مولانا نے ایک پیشین گوئی سنائی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شکنجہ سے اسلام پسندوں کو نکالے گا اور دین کا جھنڈا یہاں کی فضا میں پھر لہرائے گا، جس آیت سے استدلال کیا ہے وہ سورۂ کہف کی وہ آیت ہے جس میں حضرت خضرؑ ایک گاؤں میں جب جاتے ہیں اور لوگوں سے مہمانی طلب کرتے ہیں تو گاؤں والے مہمان بنانے پر راضی نہیں ہوتے مگر وہاں ایک گرتی ہوئی دیوار آپ دیکھتے ہیں اور اس کی مرمت کرنے لگتے ہیں حضرت موسیٰؑ جو اللہ کے حکم کے مطابق جناب خضرؑ کے مرافق تھے چیخ اٹھتے ہیں "لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا" حضرت خضر جواب میں کہتے ہیں کہ اس گرتی ہوئی دیوار کی جڑ میں ایک خزانہ ہے جو ان بچوں کی میراث ہے جن کا باپ صالح تھا۔

"وَ أَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَ كَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَّهُمَا وَ كَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا"

اور جو دیوار تھی سو وہ یتیم لڑکوں کی تھی جو شہر میں رہتے تھے اور اس کے نیچے ان کا خزانہ مدفون تھا اور ان کا باپ ایک نیک بخت آدمی تھا۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ یہ بچے جوان ہوں اور اپنا خزانہ نکال لیں کیونکہ اللہ کی رافت کا یہی تقاضہ ہے اور خضرؑ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ کام اپنی طرف سے نہیں کیا تھا بلکہ یہ اللہ کا حکم تھا۔

"فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا، رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِيْ"

تو تمہارے پروردگار نے چاہا کہ وہ اپنی جوانی کو پہونچ جائیں اور پھر اپنا خزانہ نکالیں یہ تمہارے پروردگار کی مہربانی ہے اور یہ کام میں نے اپنی طرف سے نہیں کئے۔

حضرت مولانا نے ترکوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اس ملک میں دین کا خزانہ دفن ہے اور تمہارے صالح آباء و اجداد دین سے وابستہ تھے آج یہ دین کی دیوار اس ملک میں گرتی ہوئی نظر آرہی ہے اور ظاہر بین نگاہیں دیکھ رہی ہیں کہ یہ دیوار اب گری جب گری۔ لیکن غیرت خداوندی کا تقاضہ کچھ اور ہے، دین کی دیوار اس سرزمین پر استوار رہے گی اور آج نہیں تو کل سب سے زیادہ پائیدار، سب سے زیادہ پختہ اور مستحکم دیوار دین کی دیوار ہوگی۔

یہ استدلال اور یہ قوت ویقین اور اللہ تعالیٰ کے کلام پر اور اس کے ہر ہر لفظ پر اس درجہ گہرا یقین ایک وہبی طاقت کا مظہر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ ابوالحسن علی کو عطا فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی رہے اور اپنے انعامات سے ان کو راضی رکھے، اور یہ پیشین گوئی پوری کرے۔

حضرت مولانا مرحوم کا اسلوب تفسیر حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تقلید تو نہیں ہے اور نہ اس کی مکمل پیروی، لیکن جس طرح شاہ صاحب کی نظر قرآن کی عمومی تذکیر اور اس کی آفاقی دعوت پر ہے، اسی طرح حضرت مولانا علی میاںؒ کی نظر بھی دعوت دین کے عالمگیر پہلو پر ہے اور جیسا شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ نماز کی مشروعیت۔ (داخل شرع ہونا) اللہ تعالیٰ کے ذکر و مناجات کے لئے ہے جیسا کہ ارشاد ہے:۔

"وَ أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ۔"

(طٰہٰ آیت ۱۴)

یعنی نماز میرے ذکر کے لئے قائم کرو، ــــ اور تاکہ انسان کے حواس و قویٰ رویت باری تعالیٰ کے لئے آخرت میں تیار ہوسکیں جیسا کہ حدیث میں ہے:

ستروں ربکم کما ترون هذا القمر لا تضامون فی رویته فان استطعتم الا تغلبوا علی صلاة قبل طلوع الشمس وصلاة قبل غروبها فافعلوا۔

تم اپنے رب کو اس طرح دیکھوگے جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو، اس رویت میں

کوئی دھندلکا نہیں ہے جہاں تک ہو سکے فجر اور عصر کی نمازوں سے غافل نہ رہو؛

اور جیسا کہ زکوۃ کے بارے میں شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ اس کی مشروعیت اس لئے ہے کہ طبیعت کے اندر سے بخل کا مادہ نکلے اور ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرنے کا جذبہ ابھرے، اللہ تعالیٰ نے زکوۃ ادا کرنے والوں کے لئے فرمایا؛

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُم بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (آل عمران - ١٨٠)

اور جو لوگ اس مال میں بخل کرتے ہیں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے دے رکھا ہے وہ ہرگز یہ نہیں سمجھیں کہ یہ ان کے حق میں اچھا ہے۔ نہیں بلکہ ان کے حق میں بہت برا ہے یقیناً انھیں قیامت کے روز طوق پہنایا جائے گا اس مال کا جس میں انھوں نے بخل کیا۔

یا یہ کہ حج کی فرضیت اس لئے ہوتی ہے کہ شعائر اللہ کی عظمت لوگوں کے دلنشین کر دی جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے؛

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي الخ (آل عمران - ٩٦)

بے شک پہلا گھر جو لوگوں کے لئے بنایا گیا کہ....

یا یہ آیت کریمہ؛

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ (البقرة - ١٥٨)

صفا و مروہ اللہ کے شعائر میں ہیں۔

اسی طرح قصاص، جہاد، احکام و معاملات کی آیات میں شاہ صاحب کی نظر عمومی حقیقت کی طرف رہتی ہے یہی بعینہ انداز تفسیر اپنے استاذ محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے یہاں دیکھا اور طالب علمی کے زمانہ سے اب تک یہی رنگ ان پر غالب ہے، یہی نہیں بلکہ تمام دینی واختلافی مسائل میں ان کی نظر ایک عمومی حکم پر رہتی ہے، ان کا پہلا دعوتی رسالہ "دعوتان تتنافسان" دیکھئے اس میں حق و باطل کا معرکہ کسی خاص واقعہ سے متعلق نہیں ہے۔ بلکہ ایمان کی دعوت اور اس کے مقابلہ میں جاہلیت کی دعوت دونوں کے مزاج سے بحث کی ہے اور جس طرح شاہ صاحب نماز، روزہ، حج، زکاۃ، کی مشروعیت پر کوئی آیت اور احادیث پیش کرتے ہیں مولانا بھی سیرتؐ و سیر صحابہؓ کا کوئی واقعہ بطور استشہاد لے آتے ہیں اس کی ایک تازہ مثال ہے کہ رد شیعیت میں سیکڑوں کتابیں لکھی گئی ہیں، جن میں شیعہ عقائد، ان کی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان میں گستاخی و بے ادبی، تقیہ اور متعہ کا ان کی کتابوں سے ثابت ہونا اور اس کی نوعیت پر بحث ہوتی ہے، زیادہ تر ان کے عقائد شیعہ کو ان ہی کی کتابوں سے ثابت کیا گیا ہے، اس طرز کی بیسیوں نہیں بلکہ سیکڑوں کتابیں مناظرانہ انداز کی موجود ہیں مگر اس موضوع پر مولانا کا رسالہ "صورتان متضادتان" "دو متضاد تصویریں" ایک عمومی رنگ لئے ہوئے ہے، اور اس میں اصولی باتیں ہیں، جن کو عقل عام تسلیم کرے اور پھر کسی مناظرہ کی ضرورت بھی نہ رہ جائے یہی حال تفسیر کا ہے، ان کے درس تفسیر میں انسانیت کے لئے عام دعوت جو ہر زمانہ اور ہر مقام کے لئے یکساں طور پر فطرت کا تقاضہ بن کر سامنے آتی ہے نمایاں ہے۔

حضرت مولانا نے تفسیری مطالعہ اور قرآن فہمی کی نعمت پر متعدد جگہوں پر تفصیل سے لکھا ہے، جن کو راقم نے اپنی کتاب "میر کارواں" میں نقل کرنے کی کوشش کی ہے۔ نیز "میرے مطالعۂ قرآن کی سرگذشت" کے عنوان سے رسالہ "صبح صادق" (لکھنؤ) قرآن نمبر میں شائع ہوا تھا جس کو راقم نے "میر کارواں" میں نقل کیا ہے، اس مقالہ میں مولانا لکھتے ہیں:

"ادب کے نصاب کی تکمیل کے بعد جو شیخ خلیل عرب کا طبع زاد اور خود ایجاد تھا مجھے خوش قسمتی سے علامہ تقی الدین ہلالی مراکشی کی صحبت میسر آئی جو عربیت اور نحو میں عصر حاضر کے یگانہ اشخاص میں سے تھے اور ان کو امام فن کہنا بجا ہوگا، ادب کے بعد میں نے کچھ فقہ کی تعلیم حاصل کی اور دو سال ندوۃ العلماء میں مولانا حیدر حسن خاں صاحب سے درس حدیث کی تکمیل کی، اسی زمانہ میں کچھ تفسیر بیضاوی کا حصہ مولانا سے پڑھا، جو درس نظامی کے بڑے فاضل استاد اور کہنہ مشق مدرس تھے کچھ عرصہ کے لئے میں نے لاہور جاکر مولانا عبیداللہ صاحب سندھی کے طرز پر ان کے شاگرد رشید مولانا احمد علی صاحبؒ کے تفسیر کے درس میں شرکت کی، اس درس پر قرآن مجید سے سیاسی نکات کے استنباط کا ذوق غالب تھا، اس طرز سے مجھ کو زیادہ مناسبت نہیں ہوئی، لیکن مولانا کے اخلاق، ان کی زاہدانہ زندگی اور ان کے جذبۂ توحید سے بہت نفع ہوا۔

لاہور سے آنے کے بعد اور حدیث سے فارغ ہونے کے بعد کا زمانہ کتب تفسیر کے مطالعہ میں گذرا، میں یہ کہنا بھول گیا تھا کہ میں نے

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی بعض تفسیریں اور مولانا حمید الدین فراہی کے رسائل بھی پڑھے، اب سارا وقت تفاسیر کے مطالعہ میں گذرنے لگا، زیادہ تر خود مطالعہ کرتا تھا اور جو اشکال پیش آتا اس کو دوسری کتابوں سے حل کرنے کی کوشش کرتا، اس زمانہ میں تفسیر جلالین نیز علامہ بغوی کی ضخیم تفسیر معالم التنزیل، علامہ زمخشری کی کشاف کا لفظاً بلفظاً پڑھا، علامہ نسفی کی مدارک کا نصف حصہ تو مجھے یاد ہے، لفظاً لفظاً پڑھا، دوسرے حصے پر نظر ڈالی۔

تفسیر کے مطالعہ کے سلسلے میں ایک عجیب تجربہ ہوا کہ ہر شخص کی کسی ایک سے تشفی نہیں ہوسکتی، ذہن وعقلیت کے مدارج اتنے مختلف اور متضاد ہیں کہ ایک شخص کو بیک وقت مطمئن نہیں کرسکتا بعض اوقات ایک غبی آدمی کو ایک شبہ پیش آتا ہے، ذہین آدمی کا ذہن بھی اس شبہ کی طرف منتقل نہیں ہوتا وہ اس سے تعرض کئے بغیر گذر جاتا ہے، میرے بعض اشکالات معروف تفسیروں سے حل نہیں ہوئے، کسی حاشیہ یا کسی غیر معروف تفسیر میں ان کا جواب مل گیا، اس سلسلہ کی تفصیلات طویل ہیں۔

جب دار العلوم ندوۃ العلماء میں تفسیر کا درس میری حقیر ذات سے متعلق ہوا تو تفسیر کا زیادہ گہرا مطالعہ کرنے کا موقع ملا، اس زمانہ میں علامہ آلوسی کی تفسیر روح المعانی سے بڑی مدد ملی، تجربہ یہ ہوا کہ تفسیر کبیر ہمارے جدید حلقوں میں جس قدر بدنام ہے یہاں تک کہا گیا کہ "فیہ کل شیئی الا التفسیر" اس بدنامی وحقارت کی وہ ہرگز مستحق نہیں، بہت سے زوائد کے باوجود اس میں بعض بڑی کام کی باتیں ہیں، اور بعض ایسی چیزیں ہیں جو عام کتابوں میں نہیں ملتیں، اس زمانۂ تدریس میں اگرچہ احیاناً بعض اور تفسیروں کے دیکھنے کا بھی اتفاق ہوا مثلاً ابو حیان کی "البحر المحیط" لیکن ان کا ذہن پر کوئی اثر نہیں۔ علامہ رشید رضا کی "تفسیر المنار" بھی قابل استفادہ ہے اور اس سے بھی جدید مباحث میں مدد مل سکتی ہے، مدرسانہ نقطۂ نظر سے فی الجملہ بڑی مفید ثابت ہوئی "اعراب القرآن" سے بھی کافی مدد ملی۔

اس وقت تک مولانا عبد الماجد دریابادیؒ کی تفسیر ماجدی شائع نہیں ہوئی تھی، انگریزی میں ان کے حواشی تیار ہورہے تھے مجھے بعض اشکالات کے سلسلہ میں جن کا تعلق قدیم تاریخ اور دوسرے مذاہب وصحف سے تھا کبھی کبھی استفادہ کے لئے دریاباد جانے کا اتفاق ہوا، اور بعض بڑی کام کی باتیں معلوم ہوئیں، اب یہ معلومات تفسیر ماجدی میں نشر ہوچکی ہیں، اور قرآن مجید کے طالب علم کے لئے اس کا مطالعہ نہایت مفید ہے، خصوصاً ان لوگوں کے لئے جن کے پاس اصل ماخذ کی طرف رجوع کرنے کا وقت یا ذریعہ نہ ہو۔

زمانۂ تدریس کے بعد جب اپنی بعض علمی ضرورتوں کی بنا پر تفسیر طبری دیکھنے کا اتفاق ہوا تو آنکھیں کھل گئیں اور معلوم ہوا کہ یہ نہ صرف تفسیر بلکہ تاریخ وادب کا بھی ایک وسیع کتب خانہ ہے جس کا کسی کے پاس موجود ہونا ایک نعمت عظمیٰ ہے۔ عرب جاہلیت کے عادات وطرز معاشرت اور احکام قرآنی کا ماحول اور پس منظر جاننے کے لئے اس سے زیادہ مستند اور وسیع ذخیرہ نہیں۔

اس سلسلہ میں بڑی کوتاہی ونا سپاسی ہوگی اگر ایک ایسی کتاب کا ذکر نہ کیا جائے جو اگرچہ کوئی مفصل تفسیر نہیں لیکن فہم قرآن کا بہت بڑا نمونہ ہے اور تفسیر کے طالب علموں کے لئے ایک نادر تحفہ ہے شاید بہت سے قارئین کا ذہن متوجہ نہ ہو، یہ حضرت شاہ عبد القادر علیہ الرحمہ کا ترجمہ ہے اس کی قدر ان لوگوں کو ہوسکتی ہے جو تفسیر کا تفصیلی اور اعلیٰ مطالعہ کرچکے ہوں اور ان کو مشکلات قرآن کا اندازہ ہو اور یہ معلوم ہو کہ اہل تفسیر کو قرآن مجید کے بعض مطالب کے ادا کرنے میں اور اس کے بعض مفردات کی شرح وتفسیر میں کیسی کیسی دقتیں پیش آئی ہیں اس کے بعد جب وہ شاہ صاحب کا ترجمہ پڑھیں گے تو اندازہ ہوگا کہ شاہ صاحب نے کس خوبی اور کامیابی کے ساتھ ان مشکلات کو عبور کیا ہے، اور قرآنی الفاظ کے لئے وہ اردو کے ایسے موزوں الفاظ لائے ہیں جو بعض اوقات بالکل برمحل معلوم ہوتے ہیں اس کے لئے مثال کے طور پر صرف ایک آیت پیش کرتا ہوں، سورۂ شعراء کی آیت ہے: "قَالُوا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ إِنَّا لَنَحْنُ الْغَالِبُونَ" عربی میں عزت کا لفظ نہ صرف غلبہ کا مرادف ہے اور نہ صرف

شرف کا اور دونوں لفظ مل کر بھی اس موقع پر اس مفہوم کو ادا نہیں کر سکتے، زمخشری جیسے صاحب ذوق اور راسخ الفہم ادیب کو بھی اس کا پورا مترادف نہیں مل سکا۔ شاہ صاحب نے اس کا جو ترجمہ کیا ہے اس میں اس لفظ کی صحیح ترجمانی آگئی ہے، وہ فرماتے ہیں" اور بولے فرعون کے اقبال سے ہم ہی زبر رہیں گے" یہی اس آیت کا صحیح ترجمہ ہے، شاہ صاحب کے بعد جس نے بھی اس ترجمہ کو اختیار کیا اس نے شاہ صاحب کی تتبع میں اختیار کیا۔ یہ ایک مثال ہے۔ شاہ صاحب کے ترجمے میں ایسے نوادر اور جواہرات بہت ملتے ہیں، ہمارے استاذ مولانا حیدر حسن خاں صاحبؒ فرماتے تھے کہ مدرسہ سہارنپور کے بانی مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی علیہ الرحمۃ سب تفسیریں پڑھانے کے بعد آخر میں شاہ صاحب کا ترجمہ پڑھا دیتے تھے۔

ان تعلیمی تجربات میں اتنا اضافہ کرتا ہوں کہ قرآن مجید کے فہم کا اصل دروازہ تب کھلتا ہے، جب آدمی بغیر کسی انسانی حجاب کے ذریعہ اس کلام کے ذریعہ صاحب کلام سے ہم کلام ہو، اس کا راستہ قرآن مجید کی بکثرت تلاوت ہے اور نوافل اور ان بندگانِ خدا کی صحبت جو اس کتاب کے حقیقی لذت آشنا اور حقیقت شناس ہیں اور جن کے رگ و پے میں یہ کلام بس گیا ہے، ضرورت اس کی ہے کہ پڑھنے والا اس کتاب سے براہ راست تعارف و انس حاصل کرے اور اس کو ایسا محسوس ہو کہ براہ راست مخاطب ہے، شاعر نے کچھ غلط نہیں کہا کہ

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی، نہ صاحب کشاف!

۱؎ ملاحظہ ہو مقدمہ حجۃ اللہ البالغۃ۔

۲؎ یہ کوئی مستقل کتاب نہیں تھی بلکہ مولانا محمد منظور نعمانی کی رد شیعیت پر کتاب کا مقدمہ تھا۔ اس مقدمہ کے شاہزادہ طلال بن عبدالعزیز نے اپنے خرچ پر ۵۰ ہزار نسخے چھپوائے۔

۳؎ یہی وجہ ہے کہ ایران و ہند کے شیعہ علماء اور اہل قلم نے اس کا نوٹس لیا اور اس کے جواب میں دس سے زائد رسائل شائع ہو چکے ہیں، بقیہ اعتراضات تو ہمیشہ سے سنتے آئے ہیں اور اس پر مناظرے بھی ہو چکے ہیں اور اپنی ضد پر قائم ہیں۔

قیادت

اگر مسلمانوں کے لئے ترقی کا کوئی راستہ ہے اس ملک میں عزت پانے کا، قیادت کا تو یہ کہ وہ داعی بن کر قیادت کریں، حریف بن کر نہیں عددی اقلیت ہونے نے تو ایک طرح سے قسمت پر مہر لگادی ہے۔ اگر مسلمان داعی کی حیثیت حاصل کریں گے تو اللہ اس کے طفیل میں آپ کو سب کچھ عنایت کرے گا۔

(حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ)

عملی زندگی

اسلام کے اعلیٰ اصولوں میں دنیا اسی وقت کشش محسوس کرے گی جب ان کا مظاہرہ ہم اپنی عملی زندگی میں کریں گے۔

(حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ)

بوح حضرت مولانا علی میاں ندویؒ سے

• از عنبر ناصری القاسمی

گری ہے برق مرے گھر پہ تیرے جانے سے
جگر ہے زخم سے چھلنی مرا زمانے سے
ترے فراق میں ہوش و حواس کھو بیٹھے
نہ آسکیں گے کبھی اب مرے منانے سے
زمانہ اور کبھی لایا مگر وہ عاجز ہے
ادیبِ وقت تمہاری نظیر لانے سے
جہاں میں آہ و بکا ہے "علی میاں" نہ رہے
سبھی نڈھال ہوئے غم کے تیر کھانے سے
شبِ فراق نہیں کم کسی قیامت سے
یہاں خرد بھی ہراساں ہے آزمانے سے
تڑپ رہے ہیں قلم رو رہی ہیں تصنیفیں
جمالِ علم وادب! تیرے چلے جانے سے
تری مثال زمانے میں کوئی آتا ہے
ہزار سال میں قدرت کے کارخانے سے
چمن میں شور بپا ہے کہ گلستاں نہ رہا
اُدھر سے چیخ نکلتی ہے آشیانے سے
عرب عجم میں یتیمی سی چھا گئی ہے تمام
تمہاری ذات کا رشتہ تھا اس گھرانے سے
کہاں سے آپؒ کی مدحت بیاں کرے عنبر
یہی دعا ہے خدا سے کوئی خزانے سے۔

تاریخ وفات

یَاغَفُوْرُ یَاسَتَّارُ یَاوَاحِدُ
۱۹۹۹ء

یَاقَاسِمُ یَا کَوْثَرُ یَاشَفِیْعُ
۱۴۲۰ھ

آہ چراغ علوم دیں
۱۴۲۰ھ

آہ حضرت آہ
۱۴۲۰ھ

آہ بے بہا شخصیت
۱۴۲۰ھ

بے بہا روشن ملت گم شد
۱۴۲۰ھ

آہ داغ مولانا علی میاں ندوی
۱۴۲۰ھ

آفوہ وفات بے بہا شخصیت
۱۹۹۹ء

• رزاق افسر

رت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اور فقہ اسلامی

مولانا عتیق احمد بستوی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت بڑی ہمہ جہت اور ہمل ہے، بیسویں صدی کے نصف آخر کی ں تاریخ پر ان کے اثرات اس قدر وسیع ے ہیں کہ ان کے تذکرے کے بغیر ہر تاریخ ی رہے گی خواہ شہرائے سلامی کی تاریخ ہو اسلامی کی یا علوم اسلامی کی یا تحریکات ی کی، عالم اسلام کے ہر خطہ کو اور زندگی ید ان کو انھوں نے کم و بیش متاثر کیا۔ ہند و پاک تو ان کا وطن تھا، وہ اسلامیان آبرو اور ان کی زبان و ترجمان تھے تقسیم ہند ہندوستان میں اسلام کی جڑیں مستحکم ے اور تشخص اسلامی کی حفاظت میں ان ی کردار رہا، بلاد عربیہ اور بلاد اسلامیہ ان کی دعوت دور دور پہونچی اور ان کے و پیغام کو انتہائی عزت کی نگاہ سے دیکھا گیا' سلام کی سیاسی، سماجی تبدیلیوں پر ان کی ت گہری تھی، خطرات کا احساس بہت پہلے رلیا کرتے تھے اور "نذیر عریاں" کی طرح صاف ں میں خطرات سے آگاہ کرتے ان سے ظ کی تدبیریں بتاتے۔

دنیا میں جہاں جہاں مسلمان آباد ہیں ہ یورپ ہو یا امریکہ، آسٹریلیا ہو یا افریقہ) رت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات وافکار کی خوشگوار روشنی وہاں تک پہونچی ہے اور ہر ملک کے تعلیم یافتہ طبقہ کے دل و دماغ پر مولانا مرحوم نے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔

حضرت مولانا کی شخصیت کی شاہ کلید

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کیا کچھ نہیں تھے، آپ بلند پایہ مفکر، زبردست داعی الی اللہ، شہرۂ آفاق مصنف، مؤرخ، مفسر، ادیب و انشاء پرداز، سحر بیان مقرر و خطیب اور ممتاز ترین مربی و عالم ربانی تھے، لیکن میری نظر میں ان کی شخصیت کی شاہ کلید دعوت الی اللہ ہے، ان کا دعوتی پہلو تمام دوسرے پہلوؤں پر حاوی اور غالب ہے، جب وہ سیرت نگاری کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو تاریخ اسلامی کی ان شخصیات کا انتخاب کرتے ہیں جن کی حیات اور کارناموں میں دعوت و عزیمت کا پہلو بہت نمایاں ہے" "السیرۃ النبویہ" لکھتے ہیں تو حیات نبویؐ کے دعوتی پہلو کو سب سے زیادہ اجاگر کرتے ہیں، نصابی کتابیں مرتب کرنے میں انبیاء کرام کے ایمان افروز قصوں کو اپنی توجہات کا مرکز بناتے ہیں اور قصص النبیین جیسی البیلی کتاب وجود میں آتی ہے جس کی سطر سطر میں ادب کی چاشنی اور دعوت کی تڑپ ہے، مختارات میں ادب عالی کا انتخاب کرنے بیٹھتے ہیں تو عربی ادبیات سے ایسے شہ پارے تلاش کرکے لاتے ہیں جن میں دعوتی برق و رعد پنہاں ہیں، "ماذا خسر العالم" میں امت مسلمہ کے عروج و زوال کی داستان سناتے ہیں تو امت مسلمہ کو اس کا کھویا ہوا داعیانہ و قائدانہ مقام یاد دلاتے ہیں، ہندوستان کے مقامی حالات میں ان کا داعیانہ ذہن "پیام انسانیت" کے نام سے ایک نیا عنوان تراشتا ہے اور پیام انسانیت کے غلاف میں اسلام کی دعوت برادران وطن تک پہونچانے کی کوشش کرتے ہیں، غرضیکہ ان کی تمام تحریروں اور تحریکوں میں دعوت کی روح رچی بسی ہوئی ہے، اس لئے میرے خیال میں حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ سب سے اول اور سب سے آخر میں جلیل القدر عالم ربانی اور داعی الی اللہ تھے ان کے سارے کاموں اور کارناموں کو اگر ہم ایک لفظ میں کشید کرلینا چاہیں تو وہ لفظ "دعوت" ہے۔

داعی کا لفظ اس دور میں بڑا ہلکا اور پامال سا ہوگیا ہے حالانکہ یہ لفظ بڑا پر عظمت ہے، انبیاء کرام کی کوششوں کا سرعنوان "دعوت الی اللہ" ہے، صحابہ کرام کی دینی جد وجہد کا خلاصہ دعوت الی اللہ ہے، داعی انبیاء کرام کا وارث و امین ہوتا ہے، اس کے دل میں انبیاء والا سوز و گداز ہوتا ہے، اس کے دل و دماغ میں تمام انسانیت کے لئے خلوص و محبت، فکرمندی و دل سوزی کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہے، داعی الی اللہ بڑا حساس و زیرک ہوتا ہے، زمانہ کی حرکت و رفتار کا نباض حقیقت آگاہ اور حق آشنا ہوتا ہے، خلوص و محبت کے ساتھ حکمت و دانائی اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے، اس کی لغت میں مایوسی اور پست ہمتی کے الفاظ نہیں ہوتے، وہ نا امیدیوں میں امید کے چراغ جلاتا ہے۔

ایک بلند پایہ داعی عظیم مفکر بھی ہوتا ہے

اپنے دور کی فکری گتھیوں کو اسلامی بنیادوں پر سلجھاتا ہے، امت کی ذہنی وفکری رہنمائی کرتا ہے، اسی لئے علوم اسلامیہ سے وابستہ معرکۃ الآرا فکری مسائل میں بھی اسے اپنا موقف واضح کرنا ہوتا ہے۔

مولانا علی میاںؒ اور علوم اسلامیہ

علوم اسلامیہ میں حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کو سب سے زیادہ دلچسپی تفسیر قرآن سے تھی، تفسیر قرآن سے مناسبت پیدا کرنے کے لئے انھوں نے حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے درس قرآن میں شرکت کی اور انتہائی کامیابی حاصل کی۔ حضرت مولانا مرحوم نے ایک مدت تک بڑے ذوق وشوق سے تفسیر قرآن کا درس دیا۔ قرآن کی تلاوت اور قرآن میں تفکر وتدبر آخری عمر تک ان کا محبوب ترین مشغلہ رہا، ایک بار میں نے ان سے بہ ذریعہ خط مشورہ چاہا کہ کن تفسیروں کو مطالعہ میں رکھا جائے تو انھوں نے تحریر فرمایا:۔

"تفسیر کے سلسلے میں میرا تجربہ اور مشاہدہ یہ ہے کہ متن قرآن زیادہ سے زیادہ پڑھیں اور اس سے ذاتی ربط پیدا کریں، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا رسالہ "الفوز الکبیر" ضرور مطالعہ میں رکھیں، باقی کسی ایک تفسیر کا مشورہ دینا بہت مشکل ہے۔"

ان کی تحریروں اور تقریروں کا سب سے بڑا سرچشمہ قرآن کریم تھا، آیات قرآنی سے تذکیر و استنباط میں ان کا ذہن بڑا اخاذ اور رسا تھا، اپنی برجستہ تقریروں میں انھوں نے آیات قرآنی اور مضامین قرآنی کا جس کثرت اور لیاقت کے ساتھ استعمال کیا ہے اس سے ان کے تبحر علمی، دقیقہ سنجی اور نکتہ رسی کا اندازہ ہوتا ہے۔

احادیث نبویہ سے انھیں بہت مناسبت تھی فن حدیث انھوں نے بڑے جلیل القدر اساتذہ سے سیکھا۔ ان میں نمایاں ترین نام حضرت مولانا حیدر حسن خاں صاحب اور شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے ہیں، کچھ دنوں انھوں نے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث کا درس بھی دیا۔

علم فقہ کی تحصیل بھی انھوں نے ماہر فقیہ اساتذہ سے کی، لیکن اس علم سے تدریسی اشتغال کا انھیں زیادہ موقع نہیں ملا، اس لئے مسئلہ بتانے اور فتوی دینے سے وہ ہمیشہ گریز فرماتے تھے، کوئی اگر مسئلہ پوچھتا تو مفتی صاحب ندوۃ العلماء یا کسی دوسرے استاذ فقہ کے پاس بھیج دیتے، استفتاء پر مشتمل خطوط دارالافتاء ندوۃ العلماء یا مجلس تحقیقات شرعیہ بھجوا دیتے۔

ائمہ مجتہدین اور فقہ اسلامی مولانا کی نظر میں

بیسویں صدی میں متجددین کا ایک طبقہ پوری اسلامی فقہ کو ائمہ مجتہدین کی ذاتی رائے قرار دے کر مسترد کر دینے کی کوشش کر رہا تھا کہ شریعت کا جوا کندھے سے اتار پھینکا جائے، یہ طبقہ فقہائے مجتہدین کے علمی کارناموں کا استخفاف کر رہا تھا اور ان کے خلاف زبان طعن دراز کر رہا تھا، اس پس منظر میں حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے فقہ اسلامی اور فقہائے اسلام کا زبردست دفاع کیا۔ اپنی متعدد تحریروں میں فقہائے مجتہدین کے کارناموں کو خراج تحسین پیش کیا اور نئی نسل کے دل و دماغ میں فقہ اسلامی اور فقہاء کے اجتہادی کارناموں کی اہمیت جاگزیں کر دینے کی کوشش کی، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی تحریر فرماتے ہیں:

"اسلام جزیرۃ العرب سے جہاں زندگی سادہ اور تمدن انتہائی محدود تھا، نکل کر مصر و شام، عراق و ایران اور دوسرے وسیع، زرخیز اور سرسبز و شاداب خطوں میں پہونچ گیا تھا جہاں کا نظام زندگی و معیشت، تجارت، انتظام ملکی سب بہت وسیع اور پیچیدہ شکلیں اختیار کر گئے تھے، اس وقت ان نئے حالات و مسائل میں اسلام کے اصولوں کی تطبیق کے لئے بڑی اعلیٰ ذہانت، معاملہ فہمی، باریک بینی، زندگی اور سوسائٹی سے وسیع واقفیت، انسانی نفسیات اور اس کی کمزوریوں سے باخبری، قوم کے طبقات اور زندگی کے مختلف شعبوں کی اطلاع اور اس سے بیشتر اسلام کی تاریخ، روایات اور روح شریعت سے گہری واقفیت، عہد رسالت اور زمانہ صحابہؓ کے حالات سے پوری آگاہی اور اسلام کے پورے علمی ذخیرہ (قرآن و حدیث اور سنت) و قواعد پر کامل عبور کی ضرورت تھی۔

یہ اللہ کا بڑا فضل تھا اور اس امت کی اقبال مندی کہ اس کار عظیم کے لئے ایسے لوگ میدان میں آگئے جو اپنی ذہانت، دیانت، اخلاص اور علم میں تاریخ کے ممتاز ترین افراد ہیں، پھر ان میں سے چار شخصیتیں امام ابوحنیفہ (م ۱۵۰ھ) امام مالک (م ۱۷۹ھ) امام شافعی (م ۲۰۴ھ) امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) جو فقہ کے چار دبستان فکر کے امام ہیں، اور جن کی فقہ اس وقت تک عالم اسلام میں زندہ اور مقبول ہے۔ اپنے تعلق باللہ، للہیت، قانونی فہم، علمی انہماک اور جذبہ خدمت میں خاص طور پر ممتاز ہیں، ان حضرات نے اپنی پوری زندگی اور اپنی ساری قابلیتیں اس بلند مقصد اور اس اہم خدمت کے لئے وقف کر دی تھیں، انھوں نے دنیا کے کسی جاہ و اعزاز اور کسی لذت و راحت

سرد کار نہیں رکھا تھا۔ امام ابو حنیفہ کو دو بار عہدۂ قضا پیش کیا گیا اور انھوں نے انکار کیا، یہاں تک کہ قید خانہ میں ہی آپ کا انتقال ہوا۔ امام مالکؒ نے ایک مسئلہ کے اظہار میں کوڑے کھائے اور ان کے شانے اتر گئے، امام شافعیؒ نے زندگی کا بڑا حصہ عسرت میں گزارا اور اپنی صحت قربان کر دی۔ امام احمدؒ نے تن تنہا حکومت وقت کے رجحان اور اس کے سرکاری مسلک کا مقابلہ کیا اور اپنے مسلک اور اہل سنت کے طریقہ پر پہاڑ کی طرح جمے رہے، ان میں سے ہر ایک نے اپنے موضوع پر تن تنہا اتنا کام کیا اور مسائل و تحقیقات کا اتنا بڑا ذخیرہ پیدا کر دیا جو بڑی بڑی منظم جماعتیں اور علمی ادارے بھی آسانی سے نہیں پیدا کر سکتے۔

اسلام کی ابتدائی صدیوں میں ان ائمۂ فن اور صاحب اجتہاد علماء کا پیدا ہو جانا اس دین کی زندگی اور اس امت کی کارکردگی کی صلاحیت کی دلیل تھی، ان کی کوششوں اور ذہانتوں سے اس امت کی عملی معاملاتی زندگی میں ایک نظم اور وحدت پیدا ہو گئی اور امت اس ذہنی انتشار اور معاشرتی بے نظمی اور ابتری سے محفوظ ہو گئی، جس کی دوسری قومیں اپنے ابتدائی عہد میں شکار ہو چکی ہیں، اور وہ تدریجی طور پر ایسے لادینی راستے پر پڑ گئیں کہ ان کے لئے لادینی نظام زندگی اختیار کرنا ضروری ہو گیا، یا پھر ایسے غیر اسلامی قوانین کو انھیں اختیار کرنا پڑتا، جو اس کی دینی روح اور اصول و مبادی سے متصادم ہوں اور وہ مسیحی یورپ کے نظریہ دین و سیاست کی تفریق کے ان اصولوں کو اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتے جو خاص حالات و ماحول اور مسیحی مذہب کی مخصوص وضع اور ساخت کا نتیجہ تھا۔

اگر خدانخواستہ علمائے متقدمین فقہی اجتہاد، احکام اور مسائل کے استنباط و استخراج میں کسلمندی اور سستی اور ڈھیل سے کام لیتے اور جد و جہد کے بجائے راحت و آرام کو اختیار کرتے یا ان کے علمی کارنامے اہمیت کے حامل نہ ہوتے اور ان کے فطری ملکہ اور صلاحیت میں جمود و تعطل پیدا ہو جاتا تو اس وقت کی حکومت عملی زندگی اور وقت کے مطالبات و تقاضوں سے مجبور ہو کر رومی اور ایرانی قوانین کو اسلامی دنیا پر منطبق کر دیتی، اس لئے کہ نئے حالات و مسائل سے مسلمانوں کا مقابلہ تھا، تجارت، زراعت، جزیہ و خراج، محکومین اور مفتوحہ ممالک کے نئے نئے مسائل در پیش تھے، قدیم عادات و رواج کا بہت بڑا ذخیرہ اور نئی نئی ضروریات تھیں جو مسلمانوں کی قوت فیصلہ اور اسلامی احکام کی منتظر تھیں۔ ان میں سے نہ کسی ضرورت کو ٹالا جا سکتا تھا اور نہ سرسری طور پر ان سے گذرا جا سکتا تھا، حکومت مفصل و مکمل آئین و قانون سلطنت کی طالب تھی، حکومت کی انتظامی مشین کو روکا نہیں جا سکتا تھا، اور قانون اسلامی کی ترتیب میں تاخیر ہوتی تو وہ رومی یا ایرانی قانون کو اختیار کرنے پر مجبور تھیں، جس کا نتیجہ وہ ہوتا جو اس وقت کی نام نہاد اسلامی سلطنتوں کا ہوا ہے، علماء کی ذرا سی غفلت اور محافظین سنت کی دماغی کاہلی اور راحت پسندی اس امت کو ہزاروں برس کے لئے اسلامی معاشرت اور اس کے اجتماعی قوانین کی برکت سے محروم کر دیتی ہے

یک لحظہ غافل بودم و صد سالہ راہم دور شد

اور مساجد میں تھوڑے وقت اور محدود مدت کے لئے دینداری کی زندگی گذارنا اور اپنے گھروں، بازاروں اور عدالتوں میں زیادہ وقت جاہلی یا لادینی زندگی گذارنا اس کے لئے نوشتۂ تقدیر بن جاتا، جیسا کہ اس وقت ان ملکوں اور حکومتوں کا حال ہے جن کا سرکاری مذہب تو عیسائیت ہے لیکن ان کے پاس مسیحی قانون شریعت موجود نہیں (جیسا کہ انتہائی شرمندگی اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے) ان ملکوں اور حکومتوں کا حال ہے جو عقیدے اور عبادات کی حد تک تو مسلمان کہلاتی ہیں لیکن اسلام کو قانون شریعت کے طور پر قبول نہیں کرتیں، اگر یہ بات اس مسیحیت کے لئے قابل قبول اور گوارا ہے جو دستور اور قانون سازی کے سرچشمے سے محروم ہے اور دین کو زندگی پر منطبق کرنے پر اس کو اصرار بھی نہیں لیکن یہ کسی طرح بھی اس اسلام کے لئے قابل قبول نہیں ہو سکتا جو دین و دنیا اور عبادت و سیاست کا جامع ہے۔

چنانچہ امت اسلامیہ اپنی زندگی کے انتہائی سنگین مرحلے سے گزر رہی تھی بلکہ وہ ایک ایسے دوراہے پر کھڑی تھی جہاں ایک غلطی یا معمولی لغزش بھی اس کے رشتۂ حیات کو اسلامی نظام اور قانون سے کاٹ کر رکھ دیتی اور آنے والی نسلوں کو ایسی زندگی گذارنے پر مجبور کر دیتی جس میں دین و مذہب کی ہلکی سے ہلکی پرچھائیں بھی نہ پائی جاتی۔

اسی طرح اس بات کی شدید ضرورت تھی کہ عبادات کے احکام و مسائل بیان کئے جائیں تاکہ سہو و نسیان اور انسانی بھول چوک اور شریعت کی ناواقفیت کی وجہ سے

جو باتیں پیش آتی ہیں ان کو حل کیا جائے جو لوگ نئے نئے اسلام کے دائرے میں داخل ہوئے ہیں ان کے مسائل کا حل، نماز میں بھول چوک، رکعات میں کمی زیادتی، روزہ دار کے احکام و مسائل، زکوٰۃ کب اور کن چیزوں پر کتنی مقدار میں فرض ہے، اسی طرح حج جیسی عبادت جس کی ادائیگی میں خاصا وقت صرف ہوتا ہے اور ایک بڑے رقبہ میں حاجی کو شعائر حج ادا کرنے کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کی ضرورت پیش آتی ہے اور قدم قدم پر سنت اور اسوۂ نبوی کا لحاظ اس کو رکھنا پڑتا ہے۔

ان تمام امور میں فوری احکام اور بر وقت فیصلہ کی ضرورت تھی، کسی ادنیٰ تاخیر کی کوئی گنجائش نہیں تھی، اور نہ ہی اس بات کی ضرورت کہ ہر کس و ناکس کو قرآن و سنت سے براہ راست رجوع کر کے مسائل اخذ کرنے کا مشورہ دیا جائے، اس لئے ضروری تھا کہ احکام و جزئیات کا وجود ہو اور فقہی ذخیرہ آسانی کے ساتھ ہر ایک کو میسر آسکے، ایسے سر آمد روزگار علماء اور ماہرین شریعت کی موجودگی بھی ضروری تھی جو عوام کی رہنمائی کے لئے ہر وقت مستعد ہوں اسی بنا پر اسلام دیگر مذاہب کی طرح تاریخی یادگاروں کا ایسا میوزیم بننے سے محفوظ ہو گیا جہاں ہر طرح کی عبادات اور طرح طرح کی حرکات و سکنات پائی جاتی ہیں اس کا مشاہدہ ہمیں ان مذاہب کے ماننے مثلاً تہواروں میں اچھی طرح ہو جاتا ہے جن کے ماننے والوں میں عملی وحدت اور یک جہتی کا فقدان ہوتا ہے اور نہ ہی ان میں روحانیت اخلاقی و دینی رنگ پایا جاتا ہے اس کے برعکس مسلمانوں کی مساجد، حج کے نظام اور شعائر کی ادائیگی، سب میں یکسانیت، نظم و وحدت، ہم آہنگی اور باہمی ربط و اتحاد پایا جاتا ہے، ان میں عقیدے اور عبادت کی وحدت ہوتی ہے کہ ایک ہی شریعت کے آگے سب سرنگوں ہوتے ہیں اس کے دو بنیادی اسباب ہیں: ایک تو یہ کہ دینی تعلیمات میں حیرت انگیز وحدت اور اصالت ہے، دوسرے محدثین اور فقہاء کا کمال اور ان کا عظیم احسان ہے کہ انھوں نے اپنی غیر معمولی جد و جہد سے اسلامی شریعت کے ذخیرہ کو نہ صرف محفوظ اور باقی رکھا بلکہ قرآن و سنت اور یکساں دینی نظام سے اس کو مربوط کر دیا۔

اسلامی فقہ کی تدوین و ترتیب اور شرعی احکام و مسائل کے استنباط میں جس اجتہادی بصیرت کا ثبوت دیا گیا وہ انتہائی بر وقت مناسب اور برمحل تھا اور فطری و منطقی تقاضوں اور اس انسانی، عالمی اور ابدی دین کی خصوصیات کے عین مطابق......... جس طرح صرف و نحو عربی زبان و بیان کے قواعد کی بنیاد قرآن مجید عربی اشعار اور اولین عرب کے کلام پر رکھی گئی اور ان کا ندر بھی ارتقاء ہوا اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ فقہ کی تدوین انتہائی ضروری تھی کہ عرب و عجم پر یہ دین حاوی تھا اور اس کے دائرے میں داخل ہونے والا ہر مسلمان اس کا مکلف ہے، اس لئے بھی کہ فقہ کا تعلق مسلمان کی پوری زندگی سے ہوتا ہے اور عقیدہ و عبادت سے اس کا غیر معمولی ربط و تعلق اور اخروی عذاب و ثواب نجات و ہلاکت اور سعادت و شقاوت کا دار و مدار ان فقہی احکامات پر ہی ہے"۔ [1]

دور حاضر اور اجتہاد

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اجتہاد و تقلید کے معرکۃ الآراء مسئلہ میں بھی نقطۂ اعتدال کی طرف امت کی رہبری کی، اپنے اپنے حدود و قیود میں دونوں کو ضروری قرار دیا، دور حاضر میں اجتہاد کی ضرورت و اہمیت تسلیم کرنے کے ساتھ وہ اس طبقہ پر سخت نکیر کرتے ہیں جو اجتہاد کے نام پر شریعت اسلامی کی حقائق ثابتہ سے کھلواڑ کرنا چاہتا ہے، ایک جگہ حضرت مولانا تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس دور میں اجتہاد کی باتیں بہت ہو رہی ہیں اور یہ نعرہ لگایا جا رہا ہے کہ اس زمانہ میں اجتہاد کی ضرورت ہے، چنانچہ اجتہاد کا نعرہ لگانا ایک طرح سے ترقی پسندی کی علامت بن گیا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ اجتہاد اس زمانہ کی حاجت اور اس دین کی ضرورت ہے جو زندگی کے قافلے کی رہنمائی اور قیادت کرتا ہے، خصوصاً اس زمانہ میں اور بھی اس کی ضرورت ہے جب کہ تمدن اور صنعت و تجارت نے ایسی غیر معمولی اور حیرت انگیز ترقی کر لی ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا، جدید تجارتی معاملات اور معاہدوں میں ایسے فقہی احکام اور فیصلوں کی ضرورت ہوتی ہے جو اسلامی فقہ کے اصولوں اور شریعت اسلامی کے مقاصد سے ہم آہنگ ہوں۔ لیکن شرعی مسائل اور جدید عصری ایجادات کے بارے میں جو لوگ اجتہاد کا نعرہ لگاتے رہتے ہیں وہ اسلامی دنیا کے وہ قائدین و مفکرین اور مغربی دانش گاہوں کے فضلاء ہیں

دں نے خود مغربی تہذیب و تمدن کا سامنا
ے عزم وارادے اور ایمان ویقین سے
ے میں اپنی مہارت اور ذہانت وذکاوت
ت نہیں دیا ہے، حالانکہ ان کا فرض تھا
غربی تہذیب و تمدن اور اس کی سائنسی
دات اور ترقی، اس کی خوبیوں اور خامیوں
ریان تمیز کرکے وہی چیزیں لیتے جو
رقی قوموں اور ان کے دین ومذہب
تہذیب ومزاج سے میل کھائیں اور
قوموں کو بھی روشنی دکھاتے جو ادیت
کار ہوچکی ہیں، وہ مغرب سے جو کچھ
ل کرتے پہلے اس سے اس غبار کو
ڑ دیتے جو قرون مظلمہ ہی سے ان کا
ن گئی ہے اور اب بھی اس کی وجہ سے
یانی کشمکش اور اعصابی تناؤ میں مبتلا
مغربی دانش گاہوں کے ان فضلاء کو
کا کوئی حق نہیں پہونچتا کہ اس دور میں
ن علوم سے فائدہ اٹھائیں، اس لئے کہ
یدانوں میں انھوں نے تخصص کیا ہے
جو ان کا خاص موضوع رہا ہے اس
بھی انھوں نے اپنے رول کو ادا نہیں
ور نہ ہی نظام تعلیم وتربیت کو آزاد
لامی نظام تعلیم کے سانچے میں انھوں
ھالنے کی کوشش کی، حالانکہ یہ کام
جتہاد ہی کی طرح ہے لیکن انسان کی ہمیشہ
خصوصیت رہی ہے کہ وہ خود کچھ نہیں
نا دوسروں کو مورد الزام ٹھہراتا اور
سے مطالبہ کر بیٹھتا ہے۔

س گرفت اور احتساب کے باوجود یہ
ال اپنی جگہ صحیح ہے اور اس میں کوئی
کہ اجتہاد کی ضرورت اپنی جگہ پر ہے اس
کوئی اختلاف نہیں، جو لوگ علوم شریعت

میں بصیرت اور اس پر دسترس رکھتے ہیں وہ اس میدان میں اپنا قائدانہ کردار ادا کریں اور اصول فقہ جیسے قیمتی خزانہ سے جس کی کوئی نظیر قوموں اور ملتوں میں نہیں ملتی، احکام ومسائل کے استنباط میں فائدہ اٹھائیں، فقہ کا یہ ذخیرہ عرصہ سے صرف تاریخ بن کر رہ گیا ہے، جس سے ہمیں صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے دور کے مجتہدین کس طرح احکام ومسائل کا استنباط کیا کرتے تھے اس سے زیادہ کچھ نہیں، لیکن وقت کی گھڑی کو نہ تو اپنی جگہ روکا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس کو معطل کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس کو ماضی کی طرف لوٹایا جاسکتا ہے، جبکہ اسلام ایسی قوموں اور معاشرہ کا دین ہے جو ان مسائل ومشکلات کے ساتھ ساتھ چلتا ہے بلکہ ان کا سامنا کرتا ہے۔

اجتہاد کے معطل ہونے کی وجہ

مختلف ادوار، ملکوں اور شہروں میں امت نے اجتہاد کو اختیار کیا اور علماء اس پر گامزن رہے، مذاہب اربعہ کی کتابیں ان مثالوں سے بھری پڑی ہیں، لیکن تاتاری حملے کے بعد مذاہب اربعہ (جدید مفہوم میں ہم اس کو علمی اکیڈمی یا ادارے سے تعبیر کرتے ہیں) پر کسی قدر پژمردگی اور کمزوری سی چھا گئی، اس لئے کہ تاتاری حملے نے خود اعتمادی اور ذہانت کے سوتوں کو خشک کردیا تھا۔

جو قومیں تاتاری قوموں کے ماتحت ہوئیں ان کے اندر مسلح اور غیر مسلح لشکر کے مقابلے کی جرأت ختم ہوکر رہ گئی، چنانچہ اسلامی دنیا کے مشرقی حصے کے علماء نے اس خاص دور میں اجتہاد کی سرگرمیوں پر کسی حد تک پابندی لگانے ہی میں عافیت سمجھی، اس لئے کہ انھیں اندیشہ ہونے لگا کہ اگر اجتہاد کی اجازت دیدی گئی تو حکام اور والیان سلطنت کے سیاسی اور انفرادی مصالح کا اس میں خیال رکھا جائے گا اور اس سے نفع کے بجائے نقصان زیادہ ہوگا، اس کا بھی امکان ہے کہ دین میں تحریف کا سبب انفرادی اجتہاد بن جائے یا اس امت کی رفتار میں انحراف اور کجی پیدا ہوجائے، اگرچہ ان علماء کا یہ خیال وقتی طور پر پابندی کے لئے تھا جس کی بنیاد فقہ کے اس اصول پر رکھی گئی تھی کہ جلب منفعت پر دفع ضرر کو ترجیح دی جانی چاہئے۔

اب اگر اجتہاد کا دروازہ کھولنا ہی ضروری ہے تو ضرور کھولا جائے لیکن اصول فقہ کی کتابوں میں اس کے لئے جو شرائط بیان کی گئی ہیں ان کا لحاظ ضروری ہے، بہتر تو یہ ہے کہ انفرادی طور پر اجتہاد کے بجائے اجتماعی طور پر اجتہاد کیا جائے، وہ اس طرح کہ شریعت کے ماہرین کی ایک اکیڈمی ہو جس میں کسی مسئلہ پر طویل غور وفکر، بحث ومباحثہ اور تبادلۂ آراء اور قرآن وسنت اور فقہ واصول فقہ کے پورے ذخیرے کے بھرپور جائزے کے بعد فیصلہ کیا جائے تاکہ کسی سازش یا کسی سیاسی قوت یا استبدادی حکومت کا عکس نہ پڑنے پائے۔

اجتہاد کے حدود اور اس کا میدان

جدید طبقہ کے لوگ اجتہاد کی دعوت دیتے ہیں خصوصاً عصری دانشگاہوں کے پرجوش جذباتی نوجوان اور اسلامی ملکوں کے بعض سربراہ، ان کی اس دعوت سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ ہر مسئلہ میں اجتہاد مطلق کی دعوت دے رہے ہیں، وہ مغربی اقدار وقیم اور عصری پیمانوں کو جوں کا توں لینے پر مصر ہیں، گویا کہ زمانہ پہلے اسلامی دور کی طرح ہوگیا ہے جب اسلام نیا نیا آیا تھا اور انسانی سوسائٹی مکمل طور پر انقلاب سے دوچار ہوچکی تھی اور گذشتہ دور میں فقہاء اور مجتہدین نے جو نتائج نکالے اور علم وتحقیق اور مطالعہ کے بعد جو اصول انھوں

نے بنالے تھے وہ اپنی قیمت اور اہمیت کھو چکے ہیں اور اب موجودہ زمانہ اور قوموں کے مزاج سے ہم آہنگ نہیں، اس میں زیادہ سطحیت، لاپروائی، نام نہاد ترقی پسندانہ ادب کے پھیلائے ہوئے پروپیگنڈے کا اثر ہے، اس ادب نے نوجوانوں کے سامنے زمانہ کی ایسی تصویر کھینچی ہے جیسے یہ دور بالکل نیا ہے اور گذشتہ زمانہ سے یہ دور کسی طرح بھی ہم آہنگ نہیں، واقعہ یہ ہے کہ یہ تصویر تخیلات پر مبنی ہے اور اس میں ذرہ برابر حقیقت نہیں، واقعیت و منطقیت سے زیادہ اس میں جذباتیت سے کام لیا گیا ہے۔

اسلام ایک تغیر پذیر دنیا میں

یہاں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقالہ کا اختتام اس تقریر کے اقتباس پر کروں جو میں نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ایک سیمینار بعنوان "اسلام ایک تغیر پذیر دنیا میں" کی تھی۔

"زمانہ اپنی تغیر پذیری اور زیادہ صحیح الفاظ میں تغیر پرستی یا اقبال کے الفاظ میں "تازہ پسندی" کے لئے بدنام زیادہ ہے اور بد کم ہے، بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ زمانہ تغیر پذیری ہی کا نام ہے، زمانہ ثبات اور تغیر کے متوازن مرکب اور مجموعے کا نام ہے جب کبھی اس کا تناسب بگڑے گا یعنی ٹھہراؤ تغیر پر غالب آجائے گا یا تغیر ٹھہراؤ پر غالب آجائے گا تو زمانے، سوسائٹی اور تہذیب کا توازن بگڑ جائے گا، ان دونوں کے تناسب کا معاملہ کیمیاوی اجزاء کے تناسب سے بھی کہیں زیادہ نازک ہے، زمانہ جہاں تغیر کی صلاحیت رکھتا ہے اور اس کو بدلنا چاہئے اس لئے کہ بدلنا زندگی کی کوئی کمزوری، کمی یا عیب نہیں وہ زندگی کا عین مزاج ہے اور زندگی کی تعریف ہے ؎

جاوداں پیہم دواں ہردم جواں ہے زندگی

وہ زندگی زندگی کہلانے کی مستحق نہیں جس میں نمو کی صلاحیت مفقود ہو چکی ہو، وہ درخت شاداب اور برگ و بر نہیں کہلا یا جاسکتا جو اپنی نمو کی صلاحیت کھو دے۔

تغیر پذیری یا اس کے بجائے اگر آپ اس کو نمو یا ترقی کا نام دیں تو میرے خیال میں آپ اس کے ساتھ زیادہ انصاف کرسکیں گے۔ زمانہ تغیر قبول کرنے کے ساتھ مقابلہ کی بھی ایک طاقت رکھتا ہے، ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ زمانہ کتنا بدل گیا اور اس تبدیلی کے مظاہر بھی ہم کو صاف نظر آتے ہیں لیکن زمانے نے اپنی اندرونی صلاحیتوں کو باقی رکھنے اور اپنے صالح اجزاء و عناصر کو محفوظ رکھنے کے لئے کتنی کشمکش کی اور کس قوت مقابلہ سے کام لیا، عام حالات میں ہم اس کو نہیں دیکھ پاتے اس کے لئے ایک خاص طرح کی خوردبین کی ضرورت ہے۔

ایک دریا ہی کو آپ لے لیں جو روانی اور حرکت کے لئے سب سے بہتر مثال ہو سکتا ہے، دریا کی کوئی موج اپنی پہلی موج کی بالکل عین اور مماثل نہیں ہوتی، لیکن دریا اپنی گذرتی ہوئی موجوں کے باوجود اپنے نام کے ساتھ، اپنے حدود کے ساتھ، اپنی بہت سی خصوصیات کے ساتھ ہزاروں برس سے قائم ہے، دجلہ و فرات آج بھی دجلہ و فرات کہلائیں گے اور گنگ و جمن آج بھی گنگ و جمن کہلاتے ہیں۔

زمانے کے اندر ٹھہراؤ بھی ہے اور بہاؤ بھی، اگر زمانہ ان دونوں خصوصیتوں اور صلاحیتوں میں سے کسی ایک سے محروم ہو جائے تو وہ اپنی افادیت کھو دے گا۔ اسی طرح کائنات میں جتنے بھی وجود، شخصیتیں اور ہستیاں ہیں سب کے اندر مثبت اور منفی لہریں برابر اپنا کام کرتی رہتی ہیں اور دونوں لہروں کے ملنے سے وہ فریضہ ادا ہوجاتا ہے اور وہ منصب پورا ہوتا ہے جو ان کے سپرد کیا گیا ہے۔

مذہب زندگی کا نگراں ہے

جہاں تک مذہب کا تعلق ہے، مذہب کے ایک پیرو اور طالب علم کی حیثیت سے میں مذہب کے لئے یہ پوزیشن قبول نہیں کرسکتا اور میں سمجھتا ہوں کہ آپ حضرات بھی مذہب کے لئے یہ پوزیشن پسند نہیں کریں گے کہ مذہب ہر تغیر کا ساتھ دے، یہ کسی تھرمامیٹر کی تعریف تو ہو سکتی ہے کہ وہ درجۂ حرارت و برودت بتلائے، یہ مرغ بادنما (WEATHER-COCK) کی بھی تعریف ہو سکتی ہے جو کسی اونچی عمارت یا ہوائی اڈے پر لگا یا گیا ہے صرف یہ معلوم کرنے کے لئے کہ ہوا کس طرف کو چل رہی ہے لیکن مذہب کی تعریف نہیں ہو سکتی، میں سمجھتا ہوں کہ آپ حضرات میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہوگا کہ مذہب کو اس کے بلند مقام سے اتار کر تھرمامیٹر یا مرغ بادنما کا مقام دینا چاہتا ہو، کہ مذہب کا کام یہ ہے کہ وہ صرف زمانے کی تبدیلیوں کی رسید دیتا رہے، اکناج (ACKNOWLEDGE) کرتا رہے یا اس کی عکاسی کرتا ہے صحیح آسمانی مذہب کے تو کیا کسی نام نہاد مذہب کے پیرو یا اس کے نمائندے بھی اس پوزیشن کو قبول کر لینے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔

مذہب تغیر کو ایک حقیقت مانتا ہے اور اس کے لئے وہ ساری گنجائش رکھتا ہے جو ایک صالح، صحیح، فطری اور جائز تغیر کے لئے ضروری ہوں، مذہب زندگی کا ساتھ دیتا ہے، لیکن یہ محض ساتھ دینا، یا محض رفاقت اور پیروی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ مذہب کا فریضہ

ہے کہ وہ اس کا فرق کرے کہ یہ صالح تغیر ہے صالح تغیر ہے، یہ تخریبی رجحان ہے اور یہ تخریبی رجحان ہے اس کا نتیجہ انسانیت کے حق یا کم از کم اس مذہب کے پیروؤں کے حق میں ہوگا۔ مذہب جہاں رواں دواں زندگی کا دینے والا ہے وہاں وہ زندگی کا محتسب ن، گارجین (GUARDIAN) اور زندگی کا ن بھی ہے۔

گارجین کا کام یہ نہیں ہے کہ جو ہستی اس الیقی میں ہے اس کے ہر صحیح و غلط رجحان کا ہ دے اور اس پر مہر تصدیق ثبت کر دے۔ ب ایسا سسٹم نہیں ہے کہ جہاں ایک قسم کی ی ہو لی ہے، ایک ہی طرح کی روشنائی ہے ایک ہی طرح کا ہاتھ ہے، جو دستاویز اور تحریر ، مذہب کا کام یہ ہے کہ وہ اس پر مہر تصدیق ثبت ے، مذہب پہلے اس کا جائزہ لے گا پھر اس پر فیصلہ صادر کرے گا اور ترغیب اور بعض اوقات ترہیب کے ذریعہ اس سے باز رکھنے کی کوشش ے گا، اور اگر کوئی غلط دستاویز اس کے سامنے ہے جس سے اس کو اتفاق نہیں یا جس کو وہ انسانیت کے حق میں مہلک اور تباہ کن سمجھتا ہے صرف یہ کہ وہ اس پر مہر تصدیق ثبت کرنے انکار کرے گا بلکہ اس کی بھی کوشش کرے گا وہ اس کی راہ میں مزاحم ہو۔

یہاں اخلاقیات اور مذہب میں ایک فرق ہو جاتا ہے، مذہب اپنی ذمہ داری اور فرض بنتا ہے کہ غلط رجحان کو روکے ماہر اخلاقیات و نفسیات ذ بولی صرف یہ ہے کہ وہ غلط رجحانات کی نشاندہی ے یا اپنا نقطۂ نظر ظاہر کر دے، لیکن مذہب کی کوشش کرے گا کہ وہ اس کا راستہ روک کھڑا ہو جائے۔

اگر ہم نے اس باریک بینی، گہرائی و گیرائی، امانت و احساس ذمہ داری، اس دین کے مزاج اور اس کے پیغام سے گہری واقفیت کا ثبوت دیا اور اسی کے ساتھ ہم نے موجودہ زمانہ کے مزاج وخصوصیات کو سمجھا جس میں نمو اور تغیر کی صلاحیت ہے اور ثبات و استقامت بھی، اور اس نے قدیم صالح عناصر کو باقی بھی رکھا ہے۔ اگر ہم نے ان خصوصیات کو اچھی طرح سمجھ لیا تو فقہ اسلامی کی ضرورت (وسیع معنوں میں) کو ہم پوری کر سکتے ہیں اور ہم اسلامی سوسائٹی کی بھی ضرورتوں کو پوری کر سکتے ہیں، اور اسلامی احکام اور دینی تعلیمات پر ہم اس مہذب اور ترقی یافتہ زمانہ میں بھی عمل کر کے دکھا سکتے ہیں اور اس زندگی کا بھی ساتھ دے سکتے ہیں جو تیزی اور انتہائی سرعت کے ساتھ ترقی کرتی جا رہی ہے۔[۲]

تقلید کے بارے میں مولانا کا نقطۂ نظر

تقلید کے مسئلہ میں بھی حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ بہت معتدل نقطۂ نظر رکھتے تھے۔ اس سلسلہ میں ان کا نقطۂ نگاہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے نقطۂ نگاہ سے ہم آہنگ تھا، حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے نقطۂ نظر کو حضرت مولانا علی میاںؒ نے بہت تفصیل کے ساتھ تحسین و استحسان کے انداز میں بیان فرمایا ہے، مولانا مرحوم رقم طراز ہیں:

"شاہ صاحب غایت انصاف اور حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے ایسے شخص کو تقلید کے بارے میں معذور سمجھتے ہیں جو کسی مذہب فقہی یا معین امام کا مقلد تو ضرور ہے لیکن اس کی نیت محض صاحب شریعت کی پیروی اور اتباع نبویؐ ہے لیکن وہ اپنے اندر اس کی اہلیت نہیں پاتا کہ وہ حکم شرعی اور جو چیز کتاب و سنت سے ثابت ہے اس تک براہ راست پہونچ جائے، اس کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں، خواہ وہ عامی شخص ہے، یا اس کے پاس براہ راست تحقیق کرنے کے لئے وقت اور فرصت نہیں، یا ایسے وسائل (علم و تحقیق) حاصل نہیں جن سے وہ نصوص کا خود پتہ چلالے، یا ان سے مسئلہ استنباط کرلے، شاہ صاحب علامہ ابن حزم کا یہ قول نقل کرنے کے بعد کہ تقلید حرام ہے اور کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کے قول کو بلا دلیل قبول کرلے تحریر فرماتے ہیں:

"ابن حزم کے قول کا مصداق وہ شخص نہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول کے علاوہ کسی کو اپنے لئے واجب الطاعت نہیں سمجھتا وہ حلال اسی کو گردانتا ہے جس کو اللہ اور اس کے رسولؐ نے حلال کیا اور حرام اسی کو مانتا ہے جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا، لیکن چونکہ اس کو براہ راست آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم (کے اقوال و احوال) کا علم حاصل نہیں، اور وہ آپ کے مختلف اقوال میں تطبیق دینے کی صلاحیت اور آپ کے کلام سے مسائل استنباط کرنے کی قدرت نہیں رکھتا، وہ کسی خدا ترس عالم کا دامن پکڑ لیتا ہے، یہ سمجھتے ہوئے کہ وہ صحیح بات کہتا ہے، اور اگر مسئلہ بیان کرتا ہے تو اس میں وہ محض سنت نبوی کا پیرو اور ترجمان ہوتا ہے، جیسے ہی اس کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا یہ خیال صحیح نہیں تھا، اسی وقت وہ بغیر کسی بحث و اصرار کے اس کا دامن چھوڑ دیتا ہے، بھلا ایسے آدمی

کو کوئی کیسے مطعون کرے اور اس کو سنت و شریعت کا مخالف قرار دے گا؟

سب کو معلوم ہے کہ استفتاء اور افتاء کا سلسلہ عہد نبویؐ سے لے کر برابر چلتا رہا ہے، اور دونوں میں کیا فرق ہے کہ آدمی ہمیشہ ایک سے فتویٰ لیتا ہے یا کبھی ایک سے فتویٰ لیتا ہے کبھی دوسرے سے، ایسی حالت میں کہ اس کا ذہن صاف ہے، اس کی نیت سلیم ہے، اور وہ صرف اتباع شریعت چاہتا ہے، یہ بات کیسے جائز نہیں؟ جب کہ کسی فقیہ کے بارے میں ہمارا یہ ایمان نہیں ہے کہ اللہ نے اس پر آسمان سے فقہ اتاری اور ہم پر اس کی اطاعت فرض ہے۔" ؎

ایک دوسری جگہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اجتہاد و تقلید کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے معتدل نقطۂ نظر کی تمہید بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"حضرت شاہ صاحب کے ان وہبی کمالات اور تجدیدی امتیازات میں سے جن سے اللہ تعالیٰ نے ان کو خاص طور پر نوازا تھا وہ متوازن اور معتدل مسلک اور وہ نقطۂ اعتدال ہے جو انھوں نے اجتہاد و تقلید کے درمیان اختیار کیا، اور جو ان کے طبع سلیم، ذوق صحیح اور حقیقت پسندی کا بہترین مظہر ہے، ایک طرف وہ لوگ تھے، جو ہر مسلمان کو خواہ وہ عام ہو یا خاص براہ راست کتاب و سنت پر عمل کرنے اور ہر معاملہ میں وہیں سے احکام حاصل کرنے کا مکلف قرار دیتے تھے اور تقلید کی مطلق حرمت کے قائل تھے، اگر ان کے کلام میں اس کی صراحت نہیں ملتی تو ان کے طرز عمل اور ان کی تحریروں سے قدرتی طور پر نتیجہ نکالا جا سکتا ہے، اس گروہ میں متقدمین میں علامہ ابن حزم پیش پیش نظر آتے ہیں، لیکن یہ بالکل ایک غیر عملی بات ہے اور اس کا ہر مسلمان کو مکلف قرار دینا تکلیف مالا یطاق ہے۔

دوسری طرف وہ گروہ تھا جو تقلید کو اسی طرح ہر مسلمان پر واجب قرار دیتا تھا اور اس کے تارک کو سخت فقہی احکام "فاسق" اور "ضال" سے یاد کرتا تھا جیسا کہ پہلا گروہ مقلدین اور کسی خاص مذہب فقہی کے متبعین کو، یہ گروہ اس حقیقت کو بھول جاتا ہے کہ تقلید عوام کو نفسانیت اور خود رائی سے بچانے، مسلم معاشرہ کو انتشار و فوضویت (انارکی) سے محفوظ رکھنے، دینی زندگی میں وحدت و نظم پیدا کرنے، اور احکام شریعت پر بسہولت عمل کرنے کا موقع دینے کی ایک انتظامی تدبیر ہے لیکن انھوں نے اس انتظامی عمل کو تشریعی عمل کا درجہ دیدیا اور اس پر اس شدت سے اصرار کیا جس نے اس کو ایک مذہب فقہی اور مسئلہ اجتہادی کے بجائے منصوص اور قطعی عمل اور مستقل دین کا درجہ دیدیا۔" ؎

حضرت مولانا علی میاںؒ جس طرح اجتہاد کے نام پر شریعت کے ساتھ کھلواڑ کرنے کے بارے میں سخت ترین نکیر کرتے ہیں، اسی طرح تقلید میں غلو و انحراف کا سختی کے ساتھ نوٹس لیتے ہیں، تقلید کی جائز اور فطری شکل کی وضاحت کرنے کے بعد اس میں غلو و انحراف کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"رفتہ رفتہ عوام میں جہالت نے اثر کیا اور کہیں کہیں ائمہ کی حیثیت وسائط اور وسائل کے بجائے مقصود اور ایک طرح سے شارع و مطاع کی پیدا ہو گئی، لوگوں کو ان مذاہب سے بالذات دلچسپی اور ان کی اس درجہ عصبیت پیدا ہو گئی کہ وہ کسی حال میں ان کے ایک شوشہ یا نقطہ سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہ تھے، اس سلسلے میں عوام تو زیادہ قابل الزام نہیں ہیں کہ انھوں نے ان مذاہب کو سنت کی پیروی سمجھ کر اختیار کیا تھا اور ان کے لئے ترجیح کے اسباب معلوم کرنا اور ان کے مطابق ترک مذہب یا ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف انتقال مشکل بھی تھا اور خطرناک بھی، لیکن بہت سے علماء کی یہ حالت تھی کہ ان کو اگر اپنے امام یا مذہب کے کسی مسئلہ کا حدیث و سنت کے خلاف ہونا ثابت ہو جائے اور اس کا قطعی علم حاصل ہو جائے کہ اس مسئلہ میں اپنے امام کا مسئلہ مرجوح اور دوسرے امام یا مذہب کا مسئلہ راجح اور حدیث و سنت کے مطابق ہے اور اپنے مذہب اور عمل کے خلاف کیسی ہی صحیح و صریح احادیث ملیں تب بھی وہ اس مسئلہ کو ترک کرنے اور احادیث پر عمل کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے اور ان کی طبیعت اس کے لئے منشرح نہیں ہوتی۔" ؎

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اس بات کے داعی تھے کہ تمام فقہی مسالک کو امت مسلمہ کا مشترکہ سرمایہ تصور کیا جائے، تمام ائمہ فقہ کا احترام کیا جائے، بیجا تعصب و تشدد سے گریز کیا جائے اور نئے مسائل کے حل میں کتاب و سنت کے ساتھ تمام فقہی مسالک سے استفادہ

یا جائے۔

فقہ اسلامی پر حضرت مولانا علی میاں
رحمۃ اللہ علیہ کی تحریریں مختصر ہیں لیکن جتنی بھی ہیں
ڑی پر مغز اور فکر انگیز ہیں، آپ کی کتاب "ارکان اربعہ"
حکام شریعت کے اسرار و حکم پر لاثانی کتاب ہے،
س موضوع پر امام غزالیؒ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ
نے جو کارنامہ انجام دیا تھا، اس کتاب کے ذریعہ
س کام کو آگے بڑھایا گیا ہے، اجتہاد کے موضوع
پر حضرت مولانا کا ایک مختصر رسالہ ہے "تاریخ دعوت
و عزیمت کی جلد اول، دوم، پنجم میں فقہ اسلامی کی
وکالت و ترجمانی میں طاقتور تحریریں ہیں، نئے
مسائل کے حل کے لئے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ
نے "مجلس تحقیقات شرعیہ" قائم فرمائی، اس ادارہ
نے نئے مسائل کے حل میں خاصی پیش رفت کی، حضرت
مولانا "مجمع الفقہ الاسلامی مکہ مکرمہ" کے رکن اور
"مجمع الفقہ الاسلامی (الہند)" کے سرپرست تھے،
"مجمع الفقہ الاسلامی الہند" کے متعدد سیناروں
میں موصوف نے گراں قدر خطبات پیش فرمائے،
جنہیں "اجتماعی اجتہاد" کے نام سے شائع کر دیا
گیا ہے، اللہ تعالیٰ حضرت مولانا سید ابوالحسن
علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی تربت کو انوار سے
بھر دے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق
عطا فرمائے۔

---

[1] مجلہ بحث و نظر فقہی سیمینار نمبر جلد ۲، شمارہ ۴۵
ص ۵۰ تا ۵۴۔

[2] ایضاً ص ۵۹ تا ۶۵۔

[3] تاریخ دعوت و عزیمت جلد ۵ ص ۲۰۸، ۲۰۹۔

[4] ایضاً ص ۲۰۴، ۲۰۵۔

[5] ایضاً جلد ۲ ص ۳۳۷، ۳۳۸۔

میں کہوں گا بوالحسن پوری صدی کا نام تھا

رؤف احمد نازش قاسمی (حیدرآبادی)

حضرت العلام مولانا علی فخرِ جہاں ؛ جاچکا سالار، سرگرداں ہے اس کا کارواں
گم سکوتِ بیخودی میں ہو چکا ہے ساز وہ ؛ اب تو سننے کے لئے ملتی نہیں آواز وہ
وہ زبانِ فیض سے درسِ احادیثِ نبیؐ ؛ جس کو سن کر جھوم اٹھیں خود بخاری ترمذی
اللہ اللہ کتنا تھا شاہِ عرب مردم شناس ؛ درکشائی کیلئے مفتاح دی حضرت کے پاس
کیا ہی وہ اعزاز تھا، وہ تو سراپا ناز تھا ؛ جان دینے کے قابل اس کا ہر انداز تھا
میں کہوں گا بوالحسن پوری صدی کا نام تھا ؛ وہ کہ خوش آغاز تھا انجام خوش انجام تھا
رو رہے ہیں انگلیوں کو آج قرطاس و قلم ؛ جا چھپا ہے اب کہاں پر ہائے وہ معجز رقم
ہائے وہ سلکِ تخیل میں وہ تنظیمِ دُرر ؛ سوزے خود پھڑپھڑائیں مرغِ دل کے بال و پر
اُس لسانیات کے ماہر پہ ہیں سب نوحہ خواں ؛ ساکت و جامد کھڑی ہے اک طرف اردو زباں،
بلبلِ شیریں سخن کو آج ڈھونڈے ہے وطن ؛ آہ وہ تقریر میں اردو زباں کا بانکپن
گم ہوئی ہے دستِ ملت سے اسی کا ہے ملال ؛ بین الاقوامی اخوت کی کلید بے مثال
ربطِ باہم کے لئے اب کون سرگرداں رہے ؛ اب کشودِ عقد پر ہے کون جو کوشاں رہے
ہائے وہ ماں باپ کا بیٹا تھا کیسا لاڈلا ؛ نورِ چشمِ عبدِ حی تھا قرۃ خیر النساء
سایۂ عشقِ خداوندی میں وہ پل پل پلا ؛ سنتِ نبویؐ کے سانچے میں وہ سراپا ڈھلا
شیخ زکریاؒ نے دل اس کا مصفا کر دیا ؛ شیخِ قادر نے اسی قطرے کو دریا کر دیا

پرسنل لاء بورڈ کا روحِ رواں جاتا رہا
بوالحسن وہ نازشِ ہندوستاں جاتا رہا

(بقیہ)
مفکر اسلام ایک جامع اور متوازن شخصیت

امیر جماعت اسلامی ہند
یہاں بیٹھے ہوئے ہیں، میں
نے ہندوستان میں مسلم مجلس
مشاورت کے پلیٹ فارم پر بھی
یہ بات کہی تھی، اس وقت
بھی اس پر ایمان رکھتا تھا
اور اب بھی ایمان رکھتا ہوں
کہ اگر ملت کے مفاد کا تقاضا ہو کہ
حرف غلط کی طرح جماعت کو
مٹا دیا جائے تو میرے اخلاص کا
تقاضا ہوگا کہ سب سے پہلے میں
اسے قبول کر لوں۔ یہ وہ قربانی
ہے جس کا سبق حضرت خالد بن
ولیدؓ کی قربانی ہمیں دیتی
ہے" (حدیث پاکستان صفر ۱۴۲۱ھ)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

اور

تصوّف و سلوک

مولانا سید عبد اللہ حسنی ندوی۔ استاذ حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

تصوف ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن جن حضرات کو اس کے صحیح حاملین اور اس راہ کے معتبر اور صحیح رہنماؤں کی صحبت و زیارت کی توفیق نہیں ہوسکی۔ ان کے سامنے تصوف کی اصطلاح ایک معمہ اور چیستاں بن کر رہ گئی، اور اسکے پس پردہ ایک ایسا خرافاتی نظام نظر آنے لگا جو روح شریعت سے متصادم اور کتاب و سنت کا متوازی نظام تھا جو ظاہر ہے کوئی توحید کا متوالا اور سنّت کا شیدائی، غیرت ایمانی اور حمیّت اسلامی رکھنے والا انسان برداشت نہیں کرسکتا اور نہ کرنا چاہیے، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے۔

اس صورتحال سے ہم کو اندازہ ہوتا ہے کہ اس اصطلاح "تصوف" نے دین کی کتنی عظیم کتنی روشن اور کتنی اہم حقیقت پر پردہ ڈال دیا ہے اور بہت سے لوگوں کی راہ میں اس حقیقت کے حصول میں مانع بن گیا ہے۔

اس کے آگے مزید وضاحت کرتے ہوئے اس چیز کا ذکر فرماتے ہیں کہ جس نے خاص طور سے اس دینی حقیقت کو اور زیادہ غبار آلود کر دیا ہے۔

"وہ پیشہ ور اور جاہ طلب و حقیقت فروش اور الحاد شعار اور فاسد العقیدہ، نام نہاد صوفی ہیں جنھوں نے دین میں تحریف کرنے، مسلمانوں کو گمراہ کرنے، معاشرہ میں انتشار پیدا کرنے آزادی و بے قیدی کی تبلیغ کرنے کیلئے تصوف کو آلۂ کار بنایا۔ اور اس کے محافظ و علمبردار بن کر لوگوں کے سامنے آئے، نتیجہ یہ ہوا اہل غیرت و اہل حمیت مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد ان سے بدظن ہوگئی، کچھ غیر محقق صوفی ایسے تھے جو اس شعبہ کی روح اور اس کے حقیقی مقاصد سے ناآشنا تھے، وہ مقصد و وسیلہ میں تمیز نہ کرسکے، بعض اوقات انھوں نے وسائل پر تو بہت اصرار کیا، اور مقاصد کو نظر انداز کر دیا۔ اور اس شعبہ یا اس فن میں ایسی چیزیں داخل کیں جن کا اس سے کوئی تعلق نہیں تھا، اور اس کو فن کی روح اور اس کا کمال قرار دیا بلکہ مقصود و مطلوب سمجھ بیٹھے"

(تزکیہ و احسان ص ۱۵، ص ۱۶)

اس سلسلہ میں ان حضرات کو جنھوں نے اس شعبہ سے بالکل ہی گریز اختیار کر لیا مشورہ دیتے ہیں۔

"بہرحال واقعات ہمیشہ انسان کی خواہش کے تابع نہیں ہوتے۔ اب ہم کو فراخ دلی کے ساتھ اس حقیقت کا اعتراف کرنا چاہیے اور قیود و اصطلاحات اور خواہشات و تعصبات سے آزاد ہوکر سوچنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم ایک دینی حقیقت سے محض ایک نئی اصطلاح اور ایک مروج نام کی وجہ سے گریز اختیار کرنے لگیں۔"

حضرت نے تصوف و سلوک کو ایک الہامی نظام قرار دیا ہے اور مثالیں دیکر اس کی خوب وضاحت فرمائی ہے، اذان کی خواب میں تلقین لیلۃ القدر کا طاق راتوں میں دیکھنا، تراویح کا اجتماعی نظام، قرآن مجید کا مصاحف میں جمع کرنا، قرن اول و ثانی اور اس کے بعد کی ابتدائی صدیوں میں حدیث کی جمع و تدوین کا کام، مجتہدین کا استنباط علم نحو و قرأت، اصول فقہ اور قرآن اور اس کی زبان کو محفوظ کرنے والے تمام مفید علوم کی تدوین اور مدارس کی تعمیر، کتابوں کی نشر و اشاعت وغیرہ ان مثالوں کو قدرے تفصیل کے ساتھ تحریر فرمانے کے بعد رقمطراز ہیں۔

"تزکیۂ نفس و تہذیب اخلاق کا وسیع و محکم نظام جس نے بعد کی صدیوں میں ایک مستقل علم و فن کی شکل اختیار کر لی نفس و شیطان کے مکائد کی نشاندہی۔ نفسانی و اخلاقی برائیوں کا علاج، تعلق مع اللہ اور نسبت باطنی کے ذرائع و طرق کی تشریح و تربیت جس کی اصل حقیقت تزکیہ و احسان کے مانوس و شرعی الفاظ میں پہلے سے موجود تھے اور جس کا عرفی نام و اصطلاحی نام بعد کی صدیوں میں "تصوف" پڑ گیا۔ اس اجتماعی الہام کی

ایک درخشاں مثال ہے۔"

اس تربیت گاہ سے جو حضرات تیار ہوکر میدان میں آئے اور تاریخ میں قائدانہ کردار ادا کیا، ان کے بارے میں فرماتے ہیں۔

اس گروہ کی افادیت اور اس کی خدمات سے انکار یا تو وہ شخص کریگا جس کی تاریخ اسلام پر نظر نہیں، یا جس کی آنکھوں پر تعصب کی پٹی بندھی ہوئی ہے۔" (تزکیہ و احسان ۲۹، ۳۰ اس موضوع پر اس کتاب میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے مکمل کتاب کا مطالعہ مفید ہوگا)

ایک جگہ اس شعبہ کے تعلق سے لکھتے ہیں۔

" دین کے اس شعبہ اور اسلام کے اس رکن کا جس کو ہم تزکیہ یا احسان یا فقہ باطن کہتے ہیں صاف اقرار کرتے اور اس بات کو بلا تامل قبول کرتے، کہ وہ شریعت کی روح دین کا لب لباب اور زندگی کی بنیادی ضرورت ہے، اور یہ کہ جب تک اس شعبہ کی طرف کما حقہٗ توجہ نہ کی جائے اس وقت تک کمال دین حاصل نہیں ہوسکتا اور اجتماعی زندگی کی بھی اصلاح نہیں ہوسکتی۔ اور نہ صحیح معنیٰ میں زندگی کا لطف آسکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصد بعثت میں اس کو بیان کیا گیا ہے اور جو اوصاف تعلیم کتاب و حکمت وغیرہ کے بیان کئے گئے ہیں۔ ان اوصاف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخصوص صفت "تزکیہ" ہے۔"

تزکیہ کا مطلب کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کس طرح عمل کیا اور کیا اثرات مرتب ہوئے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

" تزکیہ کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ صرف پڑھ کر سنا دینے اور سمجھا دینے پر اکتفا نہیں کرتے، بلکہ اس تلاوت و تعلیم کا رنگ ان پر چڑھا دیتے ہیں۔ اس کتاب و تعلیم کو ان کے کانوں اور دماغوں سے گذار کر ان کے قلوب و ارواح کو رنگین کرتے ہوئے ان کے اعضا و جوارح سے جاری کر دیتے ہیں۔

اسی لئے آپؐ دنیا کے سب سے کامیاب ہادی و مرشد تھے صحابہؓ کی حیرت انگیز عملی اخلاقی، ذہنی، علمی، تبدیلی اور اسلام کی ابتدائی کامیابی کا راز یہی تھا اور آج اسی کی کمی اسلامی زندگی کے ہر گوشہ میں سب سے زیادہ نمایاں طور پر محسوس ہوتی ہے۔

آگے تحریر فرماتے ہیں۔

تزکیہ کرنے والے آپ کی امت کے وہ اہل دل اور صاحب حال بزرگ ہیں جو آپ کے انفاس و انوار کے وارث و حامل ہیں انبیاء کی بعثت کا مقصد پورا کرنے کیلئے اور ان کی برکات پہونچانے کیلئے تزکیہ بھی اتنا ہی ضروری کام ہے جتنی کتاب و حکمت کی تعلیم، یوں سمجھنا چاہیئے کہ یہ تعلیم ہے وہ تربیت اور تکمیل انسانیت کے لئے دونوں کی ضرورت ہے۔

تزکیہ کی کمی اعلیٰ تعلیم کے باوجود اسی طرح محسوس ہوتی ہے جس طرح کھانے میں نمک کی کمی اور دونوں کے نتائج میں وہی فرق ہے جو اکبر مرحوم نے بیان کیا ہے۔ ؎

زباں گو صاف ہوجاتی ہے دل طاہر نہیں ہوتا۔

روز بروز یہ حقیقت واضح ہوتی جاتی ہے کہ دین جس چیز کا نام ہے وہ اعلیٰ سے اعلیٰ دینی تعلیم سے بھی نہیں پیدا ہوتی۔ ؏

دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

اہل دل نے ہمیشہ یہ ضرورت پوری کی اور امت کی اصلاح میں اور دین کی خدمت میں علماء کا اچھی طرح ہاتھ بٹایا، دونوں نے مل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل نیابت کا فرض انجام دیا۔

(سیرت سید احمد شہیدؒ ص ۲۶۸ طبع ثانی)

اس مرتبۂ احسان کی اہمیت و عظمت کو بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

مرتبۂ احسان جو نقد جان بلکہ دولت کونین دے کر بھی مل جائے تو ارزاں ہے۔ ؎

متاع وصل جاناں بس گراں است
گر ایں سودہ بجاں بودے چہ بودے

احسان سے مراد یقین و استحضار کی وہ کیفیت ہے جس کے لئے ہر صاحب ایمان کو کوشاں ہونا چاہیئے اور جس کا شوق ہر مرد مومن کے دل میں موجزن ہونا چاہیئے۔

(تزکیہ و احسان ص ۱۷)

اہل دل کی خدمت میں :-

یہ وہ شعبہ ہے جس کا تعلق قال سے کم حال سے زیادہ ہے یہ شنیدن سے زیادہ چشیدن ہے، یہاں کام قلب بریاں اور چشم گریاں کا ہے نہ عقل حیراں اور فکر پریشاں کا، یہ مشاہداتی اطمینان و سکون ہے نہ کہ اخباری معلومات اور نظری تخیلات، یہ سراپا عشق ہے جس سے اخلاص کے سوتے جاری ہوتے ہیں۔

علامہ اقبال نے اس کو یوں بیان کیا ہے ؎

سر دیں ما را خبر او را نظر
او درون خانہ ما بیرون در
ما کلیسا دوست ما مسجد فروش
او ز دست مصطفیٰ پیمانہ نوش

اس فن کے ماہرین نے اس مقام پر فائز ہونے کے لئے چند امور کی بہت تاکید کی ہے جن میں سے تین بہت اہم اور بنیادی سمجھے گئے ہیں۔
ا۔ صحبت محبت کے ساتھ، (۲) کثرت ذکر، (۳) خودرائی سے مکمل پرہیز۔

حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ کی خدمت میں

اللہ والوں کی صحبت حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو شروع سے حاصل رہی، خاندان میں بھی ایسے حضرات موجود تھے جن کی صحبت سے استفادہ جاری تھا لیکن جس شخصیت کا اثر پڑا اور اس کی صحبت زندگی میں تبدیلی کا سبب بنی، وہ حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ کی ذاتِ گرامی ہے۔ مولانا نے کوچۂ یار کی دریافت اور کیفیات ایمانی و احسانی کی یافت کو نہایت خوبصورتی سے بیان کرتے ہوئے قارئین کو بھی اس نعمت بے بہا اور دولت سرمدی کی طلب پیدا کرنے اور اس کے لئے سعی کرنے کی تلقین کی ہے۔

• میری زندگی کا بڑا مبارک دن اور بڑی سعید گھڑی تھی جب مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ سے نیاز حاصل ہوا۔ اگر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ سے ملاقات نہ ہوئی ہوتی تو میری زندگی اچھی یا بری بہرحال میری موجودہ زندگی سے بہت مختلف ہوتی۔ اور شاید اس میں ادب و تاریخ اور تصنیف و تالیف کے سوا کوئی ذوق و رجحان نہ پایا جاتا۔ خدا شناسی اور خدارسی راہ یابی و راس نہ کی تو بڑی چیزیں ہیں۔ مولانا کی صحبت میں کم سے کم خدا طلبی کا ذوق، خدا کے نام کی حلاوت، مردانِ خدا کی محبت، اپنی کمی اور اصلاح و تکمیل کی ضرورت کا احساس پیدا ہوا اور ہم عامیوں کے لئے یہی بڑی دولت و نعمت ہے بلکہ بعض حقیقت شناسوں کے نزدیک یہی اصل دولت ہے۔"
(پرانے چراغ حصہ اوّل ص ۱۳۴)

اس تعلق کے بعد اپنے روحانی استفادہ کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"میرا روحانی ربط اور مراسلت کا سلسلہ برابر جاری رہا اور ان کو بھی میرے حال پر وہ شفقت و عنایت رہی جس کا اندازہ ان کے مکاتیب سے ہوتا ہے۔ ۵۶ء میں جب وہ سفر حج سے واپس آئے تو میں نے تہنیت کا خط لکھا مولانا نے اس کے جواب میں مجھے لاہور بلایا۔ میں ہوشیار پور جالندھر ٹھہرتا ہوا لاہور حاضر ہوا۔ مولانا نے ایک روز تنہائی میں مجھے اپنے سلسلہ قادریہ میں اجازت مرحمت فرمائی اور اس کے لئے استخارہ و دعا کا انھوں نے جو غیر معمولی اہتمام مسجد خیف منیٰ میں کیا تھا اس کا ذکر فرمایا۔ والحمدللہ علی ذالك۔"

مولانا احمد علی صاحبؒ نے اپنے خط میں تحریر فرمایا تھا

"میرے دل میں جو آپ کی عزت ہے اس کو ضبط تحریر میں لانے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ اسی محبت و عزت کا نتیجہ ہے کہ میں نے حج کی رات مسجد خیف میں آپ کے درجات کی ترقی کیلئے بارگاہِ الٰہی سے استدعا کی اور الحمدللہ اس نے بارگاہِ الٰہی میں قبولیت پائی"

ایک دوسرے خط میں اپنی محبت کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

"چونکہ آپ میرے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کا جو فضل بھی آپ پر ہو وہ میرے لئے صد فخر ہے، مجھے جس طرح مولوی حبیب اللہ سلمہٗ (حضرت کے بڑے صاحبزادہ) کی ترقی سے فرحت ہو سکتی ہے اسی طرح بلکہ واقعہ یہ ہے کہ بعض وجوہ کی بنا پر اس سے زیادہ خوشی اور سرور آپ کے درجات کی ترقی سے ہوتا ہے۔"

ایک خط میں اپنے تعلق کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔"

عزیز القدر سعادت شعار شرافت مآب ناشر لدین اللہ لحصول رضا اللہ تعالیٰ

مولوی ابوالحسن علی صاحب زیدت معالیکم۔

آپ کی دینی خدمات سے جتنا مجھے سرور حاصل ہوتا ہے غالباً اتنا دنیا میں کسی اور کو نہیں۔"

حضرت رائے پوریؒ کی خدمت میں

مولانا محمد الیاس صاحب کی خدمت میں حاضر[ی] کام میں مشغولیت کے ساتھ حضرت شیخ الحدیث [مولانا] محمد زکریا صاحب سے تعارف ہوا۔ اور خود حضرت کے الفاظ ہیں:

"یہ تعلق یوماً فیوماً نہیں آناً فاناً ترقی پذیر رہا اور شیخ اتنی جلدی بے تکلف ہوگئے جیسے میں برسوں سے حاضر ہوتا رہا ہوں"

(مولانا محمد الیاس سے تعلق، دعوت سے مناسبت، بنگ[لہ والی] مسجد میں آمد و رفت کی تفصیل اور حضرت شیخ صاحب کی خصوصی شفقتوں اور ملاقاتوں اور مراسلت کی تفصیل سوانح حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب، مولانا [...] صاحب اور انکی دینی دعوت، مکاتیب مولانا الیاسؒ [...]

حضرت شیخ باوجود اپنے بلند روحانی مقام اور مرجع خلائق ہونے کے اہل تعلق کو اپنے وقت کے مستند و مسلم مشائخ بالخصوص شیخ وقت حضرت مولانا عبدالقادر رائپوری کی طرف اصرار و تاکید سے متوجہ فرماتے رہتے تھے ایک مکتوب میں حضرت مولانا کو لکھتے ہیں۔

"رائے پور کے جناب کے سفر کی تحقیق اہمیت بندہ کے نزدیک بہت ہے اس کو بار بار کیا عرض کروں بندہ تو بہت ہی ضروری خیال کرتا ہے کہ اعلیٰحضرت وہیں جائیں۔ جب بھی موقع مل سکے چند روز یکسوئی کے ساتھ ضرور تشریف لائیں"

(سوانح شیخ الحدیث ص۲۱۵)

ایک دوسرے مکتوب میں اس کی اہمیت اس طرح واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"الحسنی میں آگ کی ضرورت ہوتی ہے اور للّٰہی آگ انھیں درباروں سے ملتی ہے"

اس کے بعد رائپور حاضری کا سلسلہ شروع ہوگیا اور طرفین میں ایسا تعلق بڑھا کہ لوگوں کے لئے رشک و حسد کا ذریعہ بن گیا۔

"حضرت رائپوری نے انھیں شفقت ومحبت کا برتاؤ کیا کہ حضرت اس کو شفقت مادری سے تعبیر فرماتے ہیں اور خطوط بھی اسی انداز کے تحریر فرماتے رہے، ایک خط میں حضرت رائے پوری نے محبت آمیز اشعار لکھے، اور حضرت کو شمس تبریز اور اپنے کو مولانا روم کی جگہ قرار دیا ہے"

ایک خط میں اپنے مرید کو تحریر فرمایا:
سیدی ومولائی حضرت اقدس دامت برکاتہم
حضرت مولانا حضرت کو سیدی ومرشدی بھی لکھا کرتے تھے اس کے جواب میں تحریر فرمایا۔

"حضرت آپ مجھے کیا سیدی ومرشدی لکھتے ہیں، احقر تو حضرت کا خادم ہے، اللہ تعالیٰ بہت ہی بلند درجے نصیب فرمائے، اکثر اوقات حضرت کا خیال رہتا ہے"۔ وغیرہ۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ اپنی مجلسوں میں حضرت کا تذکرہ بڑے والہانہ انداز سے فرماتے اور جب جب ذکر آتا طبیعت منشرح ہو جاتی اور اکثر یہ شعر پڑھتے۔

ذھب الذین یعاش فی اکنافھم

جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جب خدمت میں حاضری ہوتی ہوگی تو کیا کیفیت ہوتی ہوگی۔

انبساط عید دیدن روئے تو
عیدگاہ ما غریباں کوئے تو

حضرت نے ایک جگہ خود تحریر فرمایا ہے، "ایسے عاشقانہ اور والہانہ تعلق کو مناسبت اور ترقی باطنی میں ہزار افکار اور ریاضتوں سے زیادہ دخل ہے"

اس تعلق کی تکمیل اجازت وخلافت سے سے ہوئی۔ کاروانِ زندگی میں تحریر فرماتے ہیں، حضرت رائپوری نے اپنے سفر لکھنؤ کے موقع پر جو اپریل ۱۹۴۸ء میں ہوا تھا، ۴۲ اپریل ۱۹۴۸ء کو ہمارے وطن دائرہ شاہ علم اللہ رائے بریلی کو دوبارہ شرف بخشا۔ وہیں ایک روز بے سان و گمان حضرت شاہ علم اللہ اور سید صاحب کی مسجد سے باہر نکلتے ہوئے مجھ سے فرمایا میں آپ کو چاروں سلسلوں بالخصوص حضرت سید صاحب کے سلسلہ میں اجازت دیتا ہوں۔ (کاروان زندگی اول ص۲۵۳)

ان دو حضرات کے علاوہ بھی آپ اپنے زمانے کے مشائخ اور اہل قلوب کی خدمت میں برابر حاضری دیتے اور ان کی بابرکت صحبتوں سے فیضیاب ہوتے رہے، ان تمام حضرات نے بھی نہیں کہ عنایت و شفقت فرمائی بلکہ بہت ہی بلند کلمات بھی فرمائے جو مختلف کتابوں میں درج ہیں۔

حضرت تھانویؒ نے مجمع الکمالات لکھا اس وقت آپ کی عمر تقریباً ۱۹، ۲۰ سال کی تھی حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے دعا دی، حضرت سید احمد شہیدؒ قدس اللہ سرہ العزیز کی تجدید ملت اسلامیہ کے خدمت کا علمبردار بنا کر نعمائے لدنیہ سے مالامال کرے۔

حضرت مولانا محمد الیاسؒ بانی جماعت تبلیغ نے "سیدی وسید عالم" لکھ کر خطاب کیا حضرت شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوریؒ، حضرت شاہ یعقوب صاحب مجددیؒ، مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڈھیؒ سے بڑے بلند کلمات سُننے گئے۔

غرضیکہ آپ اپنے زمانہ کے اہل دل اور اہل علم کے منظور نظر اور محبوب رہے، عالم اسلام میں جہاں بھی گئے وہاں کے اہل قلوب متوجہ ہوگئے اور آپ کی قدردانی میں انھوں نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اس طرح آپ کو علمائے ربانی اور مشائخ حقانی کی صحبت کا جتنا موقع ملا معاصرین میں سے کسی کو نہیں ملا۔ اور یہ بات بھی بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ جتنا فیض آپ کو مختلف مشائخ سے پہونچا کسی کو نہیں پہونچا۔ حضرت نے ہر پھول سے اس کا حسن وجمال اور ہر گل سے اس کی لطافت و بانکپن، لیکر پوری انسانیت کیلئے ایسا شہد تیار کردیا جس میں تمام طبقوں کیلئے شفا کا سامان ہے۔

ذکر الٰہی اور مجاہدہ

ذکر کی اہمیت وفضیلت سے قرآنی آیات

اور نبوی تعلیمات معمور ہیں تصوف میں اس کی حیثیت
ریڑھ کی ہڈی کی ہے، اس کے بغیر انسان سیدھا
کھڑا نہیں ہوسکتا۔ متقدمین اور متاخرین سب
اس پر متفق ہیں۔ ان حضرات نے ذکر الٰہی کے
مختلف طرق اختیار کئے ہیں تاکہ بآسانی قلیل سے
قلیل مدت میں اس کے نتائج واثرات ذاکر پر
مرتب ہوسکیں۔

ذکر کی کثرت ہی سے یقین واطمینان حضوری
ودھیان، اخلاص واستحضار، جذب وکیف
انوار وبرکات حاصل ہوتے ہیں۔ بلکہ اس کو زندگی
کی روح اور ماحصل قرار دیا گیا ہے

اللہ اللہ ہے تو یار و جان ہے
ورنہ یار و جان بھی بے جان ہے

حضرت رحمہ اللہ سے ایک طالب نے
ذکر کی تاثیر کے بارے میں سوال کیا، اثبات و
نفی کے بارے میں فرمایا کہ اس سے ایمان ویقین
مضبوط ہوتا ہے اور اثبات محض کی تاثیر کے
بارے میں فرمایا۔ اس سے تعلق مع اللہ مضبوط
ہوتا ہے۔

حضرت والا نے بھی جب سلوک کی وادی
میں قدم رکھا تو اس کو طے کرنے کے لئے ذکر الٰہی
کو حرز جاں بنایا اور سلاسل میں جو طریقے ذکر
کے مروج ہیں۔ اس کو اپنا کر منازل سلوک طے
کئے اور بامراد اور کامراں رہے۔

ہمارے حضرت کو اخفائے حال کا اس قدر
خیال رہتا تھا کہ عرصہ دراز تک جو حضرات قریب
رہے ان کے سامنے بھی اپنے حالات وکیفیات کے
اظہار سے ہمیشہ گریز کیا، کاروان زندگی میں
نہایت ہلکا سا اشارہ کیا ہے، لکھتے ہیں۔

"۱۹۳۴ء کے غالباً اپریل کے
مہینہ میں مولانا کی ہدایت اور ایماء
پر میں کچھ دن کے لئے ان کی صحبت
وتربیت میں رہنے اور یکسوئی کے
ساتھ ذکر وشغل کرنے کے لئے لاہور
حاضر ہوا۔ مولانا نے ہدایت فرمائی
کہ میں شاہی مسجد کے کسی حجرہ میں علیحدہ
رہوں، مطالعہ اور علمی اشتغال سے
بھی حتی الامکان احتراز کروں۔"

تین مہینہ لاہور میں قیام رہا۔ مسجد کے
قیام میں کیا کیا اعمال واشغال تھے تفصیل سے
کبھی کسی سے نہیں بیان کیا، جستہ جستہ ذکر کر
دیا کرتے تھے۔ ایک پوچھنے والے سے اتنا بتایا کہ
سوائے ذکر وتلاوت کے اور کوئی دوسرا کام نہیں
تھا تنہا اتنی بڑی مسجد میں قیام تھا۔ نہ کسی
سے ملاقات کی اجازت تھی اور نہ علمی کام کرنے کی۔

لطائف پر چھ ہزار اسم ذات کا ذکر فرمایا
کرتے، ذکر قلبی کا بڑا اہتمام تھا جس کی وجہ سے
ہمہ وقت ذاکر رہتے تھے۔

تہجد سے فارغ ہوکر نفی اثبات جہری
کیا کرتے تھے۔ جس کا معمول آخر تک باقی رہا جوانی
میں۔ اوابین کے بعد عشاء تک ذکر میں مشغول
رہتے؛

تنہا ایصال ثواب کے لئے گیارہ مرتبہ
سے تیرہ مرتبہ تک سورۂ یٰسین کی تلاوت
فرماتے۔ اور قرن اول کے اصحاب سے لیکر اس وقت
کے ہر چھوٹے بڑے تعلق والے کا نام لیتے، اور جن
حضرات کا نام لیتے پورے القاب وآداب کے
ساتھ لیتے، یوں اردو میں نام نہ لیتے، حضرت خواجہ
معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کا جب نام لیتے
تو فاتح ہندوستان ضرور فرماتے، نام لینے میں
گھنٹہ سوا گھنٹہ لگتا اور تقریباً روز کا معمول تھا۔

قرآن مجید تدریس کے زمانہ میں یاد کرنا
شروع کیا۔ آپ کے بعض رفقاء کا بیان ہے
کہ صبح سے دوپہر تک ٹہل ٹہل کر یاد کرنے کا
معمول بھی رہا ہے۔ اس کے علاوہ تلاوت کے
الگ معمولات تھے۔ اشراق وغیرہ سے فارغ
ہوکر زبانی بھی سناتے تھے اور دیکھ کر بھی
تلاوت فرماتے۔

آخر میں اپنے والد صاحب کی کتاب تہذیب الاخلاق
جو حدیث کا انتخاب ہے کا مطالعہ فرماتے اور
بہت مسرور ہوتے۔

صحیح بخاری کے ڈیڑھ دو صفحے سننے کا بھی
معمول ہوگیا تھا جو بیماری کے دن تک جاری رہا
تکیہ کے قیام میں عزیز القدر مولوی بلال عبدالحی حسنی
ندوی سلمہ اللہ ونفعہ کے ذمہ یہ خدمت سپرد ہوئی
اور دار العلوم کے قیام میں راقم کو یہ سعادت
حاصل ہوتی، سنتے وقت اہتمام سے بیٹھ جاتے
خود بھی بسم اللہ پڑھتے اور اور نہایت خشوع
سے دعا کرتے۔ اللھم انفعنا بالآیات
والذکر الحکیم اور توجہ فرماتے پھر بندہ
تلاوت شروع کر دیتا۔

جہاں تک مجاہدہ وریاضت کا تعلق ہے پوری
زندگی اس کا عکس جمیل ہے۔ ندوہ کے قیام میں
بکثرت ایسا ہوتا کہ ناشتہ کی نوبت ہی نہ آتی
بغیر اس کے تدریس میں مشغول ہوجاتے، سخت
بیماریوں میں پر مشقت اسفار کی کثرت، دوسروں
کی دلداری کی خاطر جان ومال کی پرواہ نہ کرنا، ان
کو قلم بند کرنے کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔
(بعض حضرات نے مستقل اس پر مضامین لکھے ہیں ان کو
دیکھا جاسکتا ہے۔)

خود نمائی سے پرہیز

ایک عارف نے کوچۂ عشق میں قدم رکھنے کی شرط بیان
کی ہے۔ اور اس کو ضروری قرار دیا ہے ؎

جب تک قناعت رائے کی ہمت نہ پایئے
کیوں آپ اہل عشق کی محفل میں آئیے

یہ اس راہ کا دستور ہے سب ہی اس پر چل کر ...اب ہوئے ہیں حضرت مولانا نے بھی اس کو ...یا بلکہ پوری زندگی اس پر عمل کر کے دکھایا۔
...رت اپنی تمام علمی اور فکری بلندیوں کے باوجود ...شہ اپنے بڑوں کی بات مان کر چلے، اپنے بڑے ...ائی کی ہمیشہ بات مانی، فرماتے تھے، بات ماننے ...ہمیشہ فائدہ ہوا۔ ایک دو دفعہ نہیں ماننے ...کی وجہ سے نقصان اٹھانا پڑا۔

حضرت رائپوری کے تعلق سے فرمایا۔ ...سے تبا ایک اہم سفر درپیش تھا حضرت ...ئے پوری کی رائے یہ تھی کہ اس وقت سفر نہ کر دیں ...نے فوراً بات مان لی، حضرت نے انتہائی ...رے چہرے کو دیکھا کہ ناگواری تو نہیں ہوئی ...ضرت فرماتے تھے کہ الحمد للہ مجھ پر بالکل اثر ...یں پڑا۔ حضرت رائے پوری اس سے بہت ...ش ہوئے۔ اس کے بعد عنایات و شفقتیں بہت ...ائیں۔

حضرت فرماتے، یہ حضرات یہ بات بہت ...یکھتے ہیں کہ خوش دلی کے ساتھ کون بات ...ا ہے، حضرت رائے پوری کے وصال کے بعد حضرت ...شیخ الحدیث سے اہم چیزوں میں مشورہ کرنے ...کے تھے یہ بھی معمول ہمیشہ قائم رہا، اور خورد ول ...ا بھی جو بات مانتا، اس سے بہت خوش ہوتے ...ا کو دعائیں دیتے۔ اس کو اس کے لئے ترقی ...زینہ قرار دیتے۔

...ربیت و تعلیم

حضرت مولاناؒ طالبین و سالکین کی تربیت میں ...ان کی طبیعت، ذوق، مشغلہ ضرورت، صحت ...کل اور استعداد و ترقی کی صلاحیت کا لحاظ رکھتے ...ے وہ ہر ایک کے حال کے مطابق اس کو ذکر کی ...قین کرتے تھے اور اس بات کا بھی خاص خیال رکھتے تھے کہ اس توہمات و خرافات اور عجمی اثرات کے دور میں عقیدۂ توحید پر ضرب نہ پڑنے پائے اور مقاصد و وسائل کا تمیز بھی مجروح نہ ہو۔

ایک مسترشد نے عرض کیا میں دفتر میں کام کرتا ہوں میز پر آپ کی تصویر رکھنا چاہتا ہوں کہ حضرت نے سختی سے روک دیا۔

ایک پرانے طالب نے تصور شیخ کی اجازت چاہی۔ فرمایا حضرات نقشبند کے یہاں ہے، لیکن ہمارے سلسلہ میں حضرت سید صاحبؒ کے بعد سے متروک ہے۔ (تصور شیخ کے سلسلہ کی تفصیلات کیلئے سیرت سید احمد شہیدؒ کا مطالعہ مفید ہے)

سہولت کا بھی خاص خیال فرماتے، ابتدائی طور سے صرف تین تسبیحات کی پابندی بتاتے بعض طالبین نے مزید چاہا، اجازت نہیں دی، بعض کو سورۃ الاخلاص کی ایک دو تسبیحیں بتادیں۔

بعض کو معاملات کی صفائی، فرائض کی پابندی، جن دینی کاموں میں لگے ہوئے ہیں ان میں نیت کا استحضار رکھنے کی تلقین فرماتے۔

اکثر طالبین کو قلبی ذکر پانچ سو مرتبہ بتادیتے ورنہ حسب استعداد و صلاحیت ذکر جہری بھی بتلاتے۔

بعض کو بیعت کے بعد ہی چوبیس گھنٹہ کے معمولات بتادیئے۔

معمولات کی پابندی ضروری سمجھتے ایک، طالب کو لکھتے ہیں کہ معمولات کی پابندی رکھئے اس سے کام میں برکت و نورانیت آتی ہے۔ اکثر و بیشتر بیعت کے الفاظ دہرانے کے بعد ہی حالات میں تغیر شروع ہو جاتا تھا۔ ایسے بے شمار واقعات ہیں کہ سلسلہ میں منسلک ہونے کے بعد ہی دل کی حالت بدل گئی۔ ایک صاحب جو بیعت وغیرہ کے قائل نہیں تھے، وہ بیعت ہوتے ہوئے دیکھ رہے ہیں، ان الفاظ کا ان پر یہ اثر ہوا کہ گریہ طاری ہو گیا۔ اور پھر استخارہ وغیرہ کرنے کے بعد بیعت ہو گئے مشائخ میں تنہا حضرت کی ذات تھی جن سے وہ حضرات بھی بیعت ہوئے جو بظاہر اس کے قائل نہ تھے بلکہ وہ ایسی جماعتوں سے ربط رکھنے والے ہوتے تھے جو تصوف کے نام سے گھبراتے ہیں ایسے ہی ایک موقع پر مزاحاً حضرت نے فرمایا۔ "میری خانقاہ ماڈرن خانقاہ ہے"۔

حضرت بیعت میں جن باتوں کا عہد لیتے وہ نیچے درج کی جارہی ہیں، بیعت کے بعد عام لوگوں سے خاص طور سے فرماتے، نہ ولی سے نہ قطب سے نہ ابدال سے کسی سے کچھ نہیں ہو سکتا سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے، یہ الفاظ بھی بیعت کے الفاظ کے ساتھ درج کئے جارہے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۞

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ، اللہ کے سوا کوئی مالک و معبود نہیں ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں۔

یا اللہ ہم توبہ کرتے ہیں کفر سے، شرک سے بدعت سے، زنا سے، چوری سے، پرایا مال ناحق کھانے سے، کسی پہ بہتان لگانے سے، نماز چھوڑنے سے جھوٹ بولنے سے اور سب گناہوں سے جو ہم نے اپنی ساری عمر میں کئے، چھوٹے ہوں یا بڑے اور اس بات کا عہد کرتے ہیں کہ تیرے سب حکموں کو مانیں گے، تیرے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کریں گے۔

اے اللہ تو ہماری توبہ قبول فرما، ہمارے گناہوں کو بخش دے، ہمیں توفیق دے نیک عملوں کی اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کی۔

اس کے بعد ہاتھ چھوڑ دیتے اور فرماتے۔

یہ عقیدہ رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ہی اس دنیا کا خالق ہے اور وہی حاکم و منتظم ہے اس نے دنیا کو

بنایا، اور وہی اس کو چلا رہا ہے، اس کے حکم کے بغیر نہ پتہ ہل سکتا ہے اور نہ ذرہ اڑ سکتا ہے وہی روزی دیتا ہے۔ وہی شفا دیتا ہے، وہی عزت دیتا ہے، وہی ذلت دیتا ہے، وغیرہ۔ کبھی اس کے ساتھ اور باتیں بھی فرما دیتے۔

بیعت ہونے کے بعد مراسلت کے ذریعہ خدمت میں حاضر ہو کر اور خاص طور سے رمضان المبارک میں خدمت میں طالبین رہ کر اپنے حالات بتاتے اور رہنمائی لیتے۔ حضرت نے اس سلسلہ میں جن کو مناسب سمجھا اجازت بھی مرحمت فرمائی۔

ارادت و بیعت کا تعلق رکھنے والوں کے لئے جو شجرے سلاسل کے طبع کرائے گئے تھے ان کے لئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ہدایات و مشورے دیئے، جن کو اس کے ساتھ طبع کر دیا گیا تھا۔ یہاں ان ہدایات کو نقل کیا جا رہا ہے تاکہ تمام قارئین اور خاص طور سے حضرت کے متعلقین و متوسلین کو اس پر عمل کرنا آسان ہو جائے۔

بیعت کرنا اور سلسلہ میں داخل ہونا کوئی رسمی اور شوقیہ چیز نہیں ہے جس کے لئے کچھ مانا اللہ کرنا نہ پڑے محض برکت یا شہرت مقصود ہو، یہ ایک عہد و معاہدہ اور ایک نئی دینی و ایمانی زندگی کا آغاز ہے جس میں زندگی میں کچھ تبدیلیاں، کچھ پابندیاں اور کچھ ذمہ داریاں ہیں۔

۱۔ سب سے پہلی اور ضروری بات یہ ہے کہ بیعت اور سلسلہ میں داخل ہونا کلمہ کی تجدید اور اسلامی عہد و معاہدہ اور اللہ و رسول کے احکام کے مطابق دینی و ایمانی زندگی شروع کرتے اور اسی کے مطابق زندگی گزارنے کا قصد و ارادہ اور عہد و معاہدہ سمجھا جائے۔

۲۔ سب سے ضروری بات یہ ہے کہ عقیدہ درست اور پختہ کیا جائے۔ اور اس بات کا اقرار اور اس پر ایمان ہو کہ اللہ کے سوا کسی کے ہاتھ میں جلانے اور مارنے، صحت اور شفا دینے اولاد دینے، روزی دینے اور قسمت اچھی بری کرنے کا اختیار نہیں ہے اور اس کے سوا کوئی بندگی کا مستحق نہیں، نہ اس کے سوا کسی کے سامنے سجدہ کیا جا سکتا ہے، نہ بندگی کی کوئی شکل اختیار کی جا سکتی ہے، نہ حاجت روائی اور مشکل کشائی کا سوال کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ سید المرسلین و خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ کا آخری نبی ذریعہ ہدایت و وسیلۂ شفاعت اور سب سے زیادہ محبت اور اتباع و پیروی کا مستحق سمجھا جائے۔ اور زیادہ سے زیادہ آپ کی سنتوں پر عمل کرنے کی کوشش کی جائے اور دینی و دنیوی زندگیوں میں آپ کی ہدایات آپ کے معمول اور دستور پر عمل کرنے کی کوشش کی جائے۔ آپ کی سیرت پاک کے مطالعہ کا اہتمام کیا جائے۔ اور آپ کی احادیث کے مجموعوں اور سیرت کی کتابوں کے مطالعہ کا شوق پیدا کیا جائے۔

۴۔ زندگی کو اسلامی قالب میں ڈھالنے اور صحیح مقاصد زندگی معلوم کرنے کے لئے راقم کی کتاب "دستور حیات" کو مطالعہ میں رکھا جائے نیز حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ کے مواعظ و ملفوظات کا مطالعہ کیا جائے۔

۵۔ سب سے اہم فریضہ اور ضروری چیز نمازوں کو اپنے وقت پر پڑھنا اور اہتمام اور سنتوں کی پابندی کے ساتھ ادا کرنا ہے۔ اس میں غفلت اور تساہلی کی تلافی کوئی چیز نہیں کر سکتی، نمازیں جماعت کے ساتھ حتی الامکان مسجد میں ادا کی جائیں، مستورات ان نمازوں کو اپنے وقت پر پڑھنے کی کوشش کریں، جو عام طور پر کاموں کی مصروفیت اور ذمہ داریوں کی وجہ سے فوت ہو جاتی ہیں۔ یا ان کا وقت نکل جاتا ہے۔

۶۔ دینی و دنیوی دونوں کاموں میں ثواب اور رضائے الٰہی کی نیت کی مشق کی جائے اخلاق و معاملات اور زندگی کے معمولات میں بھی اس کا اہتمام کیا جائے۔ تاکہ ان پر عبادت کا ثواب ملے اور ان کو حتی الامکان شریعت اور سنت کے مطابق کرنے کی کوشش کی جائے۔ اخلاقی و مزاجی کمزوریوں، حسد و کینہ، حد سے بڑھے ہوئے غصے، بدگوئی اور بدزبانی اور مال و دولت اور دنیا کی حد سے بڑھی ہوئی محبت سے بچنے کی حتی الامکان کوشش کی جائے۔

۷۔ قرآن مجید کی جس قدر سہولت کے ساتھ ممکن ہو تلاوت کا معمول بنایا جائے۔

۸۔ فجر کی نماز سے پہلے یا بعد مغرب یا عشاء کے بعد (جس وقت آسانی سے ممکن ہو اور پابندی ہو سکے) ایک تسبیح درود شریف کی، ایک کلمہ سوم کی۔ اور ایک استغفار کی پڑھ لی جائے اور اگر اللہ تعالیٰ توفیق دے تو آخیر شب میں کچھ رکعتیں تہجد کی بھی پڑھنے کی کوشش کی جائے اور اپنے سلسلے کے مشائخ اور تعلق والوں کے لئے دعا کی جائے۔

باطنی کیفیات اور چند نمایاں صفات

عشق و محبت

حضرت نے ایک جگہ خود تحریر فرمایا ہے کامل الاحوال بزرگوں کی باطنی کیفیات کا اندازہ عامی کیا لگا سکتے ہیں ان حضرات کا احوال و مسلک یہ ہے کہ۔ ؎

عشق عصیاں است گر مستور نیست
لیکن پھر بھی پیمانہ جب لبریز ہوتا ہے

دو چار قطرے ٹپک پڑتے ہیں، ڈبڈباتی ہوئی آنکھیں ضبط گریہ اور اخفائے حال کی کوشش اس کیفیت کی غمازی کرتی ہیں جس سے سینہ معمور اور مخمور ہے کسی حقیقت شناس نے عرصہ ہوا کہا تھا ؎

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

اصحاب احوال جب کسی شعر کا انتخاب کرتے ہیں تو اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ ان کے کیفیت حال کی تصویر اور ان کے دل کی سچی ترجمانی اور تعبیر ہے۔

حضرت کو علامہ اقبال کے اشعار سے ایسا تعلق تھا، جن اشعار کا انتخاب کیا ہے اس سے حضرت کو سمجھا جا سکتا ہے، نقوش اقبال کا مطالعہ اس کے لئے مفید ہوگا۔ علامہ کے علاوہ بھی حضرت کا انتخاب بہت لاجواب ہے خواجہ میر درد کا یہ شعر حضرت پڑھتے تھے بڑے ذوق و شوق سے ؎

جایئے کس واسطے اے درد میخانہ کے بیچ
کچھ عجب مستی ہے اپنے دل کے پیمانہ کے بیچ

اشعار بھی بڑے ذوق سے پڑھتے اور پوری پوری غزل سنا دیتے

نکل کے راہ عشق سے چلوں تو کس طرف چلوں
کہاں سے لاؤں جان و دل یہ دے چکا وہ کھو چکا

علامہ کے یہ اشعار بھی بڑے والہانہ انداز سے پڑھا کرتے تھے۔

یہ غازی یہ تیرے پُر اسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوق خدائی

توحید و سنت سے ایسا عشق تھا کہ جس کا صحیح اندازہ وہی کر سکتے ہیں جو حضرت سے زیادہ قریب اور سفر و حضر میں ہمرکاب رہا کرتے تھے۔

کتنے درد و سوز سے آپ مولای انی الی فضلک لفقیر وثناً فوناً فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ عظمت و کبریائی کے پورے استحضار کے ساتھ کئی کئی مرتبہ خدایا عاقبت محمود گرداں فرماتے، تقریروں میں عقیدۂ توحید پر بہت زور دیتے، حضرت یوسفؑ کا وعظ، حضرت یعقوبؑ کی وصیت اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ شیخ شرف الدین منیریؒ نے توحید کے سلسلہ میں جو واقعات درج کئے ہیں ان کو خاص انداز سے بیان کرتے۔

اخیر میں اتنا غلبہ ہو گیا تھا کہ ہر بیعت کرنے والے، ایک ہو، یا زیادہ ہوں، الفاظ بیعت کے بعد عقیدہ توحید اختیار کرنے اور اس پر مضبوطی سے قائم رہنے کی وصیت فرماتے شرک و بدعت بیجا رسم و رواج اور قبر پرستی سے بچنے کی تلقین فرماتے۔

آستانوں اور درگاہوں پر جو کچھ ہو رہا ہے نہایت درجہ تأسف کا اظہار فرماتے اور ایک مرتبہ تقریر کرتے ہوئے فرمایا ان سجادوں کو الٹ دو، اس کو کھلا ہوا شرک قرار دیتے۔

اس کے ساتھ سنت کا اہتمام یہاں تک عادی اور طبعی امور میں مکمل اس کا خیال رہتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا والہانہ تعلق تھا۔ جو ہر شخص محسوس کر لیتا۔ جب مؤذن اذان دیتا تو فوراً ٹوپی لگا کر بیٹھ جاتے نہایت ادب واحترام سے الفاظ اذان دہراتے جب موذن محمد رسول اللہ کا کلمہ کہتا تو آپ لفظ محمد کو اتنی محبت اور پیار سے ادا فرماتے کہ سننے والوں کو بھی لطف آتا۔ اور نہایت ہی والہانہ انداز اور محبت بھرے لہجہ میں صلی اللہ علیہ وسلم بھی فرماتے آج بھی آپ کے شیریں الفاظ کانوں میں رس گھول رہے ہیں، اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت نصیب فرمائے اور مراتب عالیہ سے سرفراز کرے۔ آمین۔

تیسری کیفیت جو آپ کو دوسروں سے ممتاز کرتی ہے وہ اسلام کی فکرمندی اور دلسوزی ہے۔ یہ صفت ایسی غالب تھی کہ آپ مفکر اسلام کہلائے، بہت سے لوگ صرف الفاظ سے اظہار کرتے ہیں تو ان کو اس لقب سے سرفرازی حاصل ہو جاتی ہے، حضرت والا کی فکرمندی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی بلکہ روح میں سرایت کر گئی تھی۔ جس کی وجہ سے آپ بے خوابی میں بھی مبتلا ہو جاتے۔ اور آخر میں کھانے کی اشتہا بالکل ختم ہو گئی تھی۔ حضرت والا نے اپنے مرشد مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کے بارے میں تحریر فرمایا ہے۔ لیکن وہ خود حضرت کا حال تھا جو حدیث دیگراں میں آ گیا ہے یا یوں کہیئے کہ شیخ کی نسبت حضرت میں منتقل ہو گئی تھی۔ اور جوش مار رہی تھی۔

اسلام کی فکرمندی اور مسلمانوں کے حالات سے دردمندی، طبیعت ثانیہ۔ اور پورے نظام زندگی کی روح رواں بن گئی تھی۔ اس کے لئے نہ زندگی کا کوئی شعبہ مخصوص تھا، نہ عمر کا کوئی وقت یہ درد جسم اور قوائے فکریہ میں اس طرح جذب ہو گیا تھا ؎

شاخ گل میں جس طرح باد سحر گاہی کا نم

جس گروہ سے آپ کا تعلق تھا اس کا ذکر وشغل، اس کا انقطاع الی اللہ اس کی یکسوئی و بے نیازی اس کو مسلمانوں سے جدا نہیں اور بے فکر نہیں بناتی بلکہ اور زیادہ اسلام اور مسلمانوں کے درد میں مضطرب و بےقرار بناتی ہے اور اس گروہ کا ہر فرد زبان حال سے کہتا ہے۔

مرا دردیست اندر دل چو می گویم زبان سوزد
اگر دم درکشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

یہی درد کبھی زبان پر آکر آہ و فغاں میں تبدیل ہو جاتا، کبھی مسلمانوں کی کوتاہیوں اور نا سمجھیوں پر درد و قلق کے اظہار اور ملامت و تنبیہ پر آمادہ کرتا کبھی تنہائی میں آنسوؤں میں تبدیل و تحلیل ہو جاتا لیکن وہ دم کے ساتھ تھا اور اس سے کسی وقت قرار نہ تھا۔

چوتھی صفت
فنائیت و بے نفسی

حضرت نے اپنے مربی و مرشد حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی فنائیت و بے نفسی کے متعلق اپنا ذاتی مشاہدہ و تاثر جو کچھ بیان فرمایا وہ ہم سب حاضرین اور سفر و حضر میں ساتھ رہنے والوں کا بعینہ ——— حضرت کی ذات کے متعلق ہے کہ کبھی ایک کلمہ بھی ایسا نہیں سُنا جس میں اپنی تعریف کی بو آتی ہو۔ حب جاہ کا یہاں سر کٹا ہوا تھا۔

حضرت نے اپنے مرشد حضرت رائے پوری کا یہ واقعہ کئی مرتبہ سُنایا کہ ایک مرتبہ کچھ بڑے حضرات خدمت میں حاضر ہوئے مجلس لگی ہوئی تھی حضرت خاموش تھے، خدام کو فکر ہوئی کہ حضرت کچھ کلام فرمائیں تاکہ نئے حاضرین پر اچھا اثر پڑے تو کسی نے پوچھا حضرت صبر کا کیا مطلب ہے حضرت خاموش رہے، پوچھنے والا سمجھا کہ حضرت نے سُنا نہیں ذرا بلند آواز سے دوبارہ پوچھا۔ حضرت نے مولانا کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ علی میاں سے پوچھ لو۔ مولانا نے عرض کیا میں تو صرف اس کے ظاہری معنی بتا سکتا ہوں، اس پر حضرت نے فرمایا کہ میں تو وہ بھی نہیں بتا سکتا۔ اس کے بعد پھر برابر خاموشی رہی۔

یہی حال ہمارے حضرت کا پوری زندگی رہا، کوئی آئے نہ آئے، معتقد ہو نہ ہو کبھی کسی اشارہ کنایہ میں بھی نہیں نکلا کہ مجھ سے بیعت ہو جائے۔ شروع میں تو اکثر دوسرے مشائخ کی خدمت ہی میں بھیجنے کا معمول تھا، جو حضرات اصرار کرتے ان کو بیعت فرما لیتے

حضرت نے اپنی زندگی میں نہ جانے کتنے کام کئے کیسے کیسے کارنامے آپ کی ذات سے وابستہ ہیں لیکن آج تک کسی نے یہ نہیں سُنا کہ یہ میں نے کیا ہے یہ ہمارا کارنامہ ہے، "میں اور ہم" گویا آپ کی لغت میں تھے ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بحر جود و سخا میں "ہم اور میں" ایسے گم ہو چکے تھے کہ جب زبان تحدیث نعمت کیلئے کھلی تو یہی سُنا گیا کہ اللہ کی توفیق سے یہ کام ہو گیا یہ ہمارے والد صاحب کا اخلاص بھائی صاحب کی تربیت کا نتیجہ، ماں کی دعاؤں کا ثمرہ اور بزرگان دین کی صحبت اور شیخ کی توجہ کا اثر ہے ورنہ میں ایک دیہات کا رہنے والا نہ زیادہ ذہین نہ حافظ ؎

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی

یہ کہتے ہوئے آپ کی آنکھیں آبدیدہ ہو جاتیں خاص طور سے اپنے بھائی مولانا ڈاکٹر عبدالعلی صاحب جو اصلاً آپ کے مربی رہے۔ جب بھی ذکر کرتے تو آنکھیں ضرور اشک کا نذرانہ پیش کرتیں۔

چاروں طرف سے مبشرات کے خطوط آتے زبانی بھی لوگ آکر بیان کرتے اور خود آپ بھی خواب میں دیکھتے، کبھی اپنے متعلق، کبھی کسی تصنیف کے تعلق سے، کبھی ان کا دوسروں کے سامنے ذکر کرتے اور نہ کبھی کسی تصنیف میں درج کرتے صرف ایک بات فرماتے، میں تو اس لائق نہیں ہوں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے تعلق سے کوئی آپ کو خوشخبری دیتا تو دو ایک آنسو ٹپک جاتے۔ اور ایک آدھ اپنی نا اہلی کا لفظ کہہ کر خاموش ہو جاتے۔

یہ صفت شروع سے اخیر تک قائم رہی اس کو آپ سلوک کیلئے بہت ضروری سمجھتے تھے ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

اپنی نا اہلی کا احساس اور اپنے کو سب سے ادنیٰ اور کسی قابل نہ سمجھنا اس راہ کی سب سے اونچی بات ہے۔ اور اسی میں سالک کی حفاظت اور اس کی ترقی کا راز ہے۔"

اپنے متعلق حضرت رائے پوریؒ کو ایک خط میں حاضری کے تاثرات لکھتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں

"جب اپنی بدعملی اور قطعی نا اہلی پر نظر جاتی تھی اور خیال ہوتا تھا کہ ہم جیسے ایسی پاکیزہ مجلس کے حواشی میں بیٹھنے کے لائق نہیں تو حضرت کی عنایات خصوصی پر بہت ہی ندامت اور شکر کا جذبہ پیدا ہوتا تھا۔ اور دل سے دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کو ہم نا اہلوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائیں"۔

اس فن میں حضرت کا کیا مقام تھا یہ اہل مقام جانیں، چند باتیں اس کے تعلق سے عرض کر دی گئی ہیں کیفیات کی کچھ جھلکیاں پیش کرنے کی کوشش کر دی گئی۔ ؏

سفینہ چاہیئے اس بحر بیکراں کیلئے

کوئی ہشت پہل ہیرا کہتا ہے، کوئی مجموعہ حسنات، کوئی پھولوں کا گلدستہ قرار دیتا ہے کوئی قوس و قزح، کوئی علم کا آفتاب کہتا ہے، کوئی عشق کا ماہتاب، کوئی ؏

اے طبیب جملہ علت ہائے ما

کوئی حکیم و دانائے راز کہہ کر پکارتا ہے جس کے ہزار پہلو ہوں، ہم جیسے نادانوں کے لئے کسی ایک کا بھی حق ادا کرنا مشکل ہے، بازار میں اپنی پونجی لے کر یہ غریب بھی نام لکھانے آیا ہے شاید اس کے حصہ میں بھی کچھ آ جائے اور دامان رحمت میں جگہ پانے کا مستحق ہو جائے۔

واللہ ولی التوفیق۔

ندوۃ العلماء کے ناظم آہ! حضرت بوالحسنؒ

خلیل پرتاپ گڈھی

ندوۃ العلماء کے ناظم آہ! حضرت بوالحسنؒ
حیف تجھ سے ہو گیا خالی یہ ندوہ کا چمن

ایک عالم، صاحب فکر و نظر جاتا رہا　　ایک دانشور، مؤرخ، راہبر جاتا رہا
رہنمائے قوم و ملت، اک مبلغ، دیدہ ور جاتا رہا　　لائق و فائق بشر جاتا رہا
دل میں تیری جانے کتنی خوبیاں ہیں موجزن
ندوۃ العلماء کے ناظم آہ! حضرت بوالحسنؒ

یوں تو فانی ہے ہر اک شئے اس جہاں کا سربسر　　لیک تیرا جانا چھلنی کر گیا دل اور جگر
ہوک سی اٹھتی ہے دل میں ہو رہی ہے چشم تر　　چاہتا ہے جی کہ ہو جائے یہ سب جھوٹی خبر
دل نہیں آمادہ سننے کو یہ روداد محن
ندوۃ العلماء کے ناظم آہ! حضرت بوالحسنؒ

ہے وہی ہریالی گلشن میں مگر بھاتی نہیں　　ہیں وہی گلہائے رنگا رنگ، بو آتی نہیں
اب وہی پر کیف نغمے کیوں فضا گاتی نہیں　　روشنی ماہ و انجم نور برساتی نہیں
لٹ گئی کیسی بہار گلستان و انجمن
ندوۃ العلماء کے ناظم آہ! حضرت بوالحسنؒ

سب کے دل میں تیری عزت سب کے دل میں تیری چاہ　　باہری ملکوں کی کتنی انجمن کا سربراہ
درس حق پایا تھا اس نے جس پہ ڈالی اک نگاہ　　دینے والا کچھ نہ کچھ بے لوث ہے خاموش، آہ!
ہائے اس دنیائے فانی کا ہے یہ کیسا چلن
ندوۃ العلماء کے ناظم آہ! حضرت بوالحسنؒ

سیکڑوں لکھیں کتابیں جن سے دفتر بھر گیا　　جاتے جاتے قوم کی خاطر بہت کچھ کر گیا
صاحب اوصاف کتنی آنکھیں کر کے تر گیا　　کر کے گرویدہ سبھی کو، ہائے! جادوگر گیا
سونی ہے مہمان خانے کی وہ علمی انجمن
ندوۃ العلماء کے ناظم آہ! حضرت بوالحسنؒ

ہو ترا مرقد منوّر دل سے ہے اپنی دعا　　مغفرت فرمائے تیری ہر طرح سے ہی خدا
صبر گھر والوں کو دے وہ مالک روز جزاء　　جنت الفردوس ہو تیرے لئے اس کی عطا
یہ چمن فانی ہے مل جائے بقا میں بھی چمن
ندوۃ العلماء کے ناظم آہ! حضرت بوالحسنؒ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

بحیثیت ایک اُردو ادیب

پروفیسر وصی احمد صدیقی، معتمد مال ندوۃ العلماء

اس حقیر مضمون نگار نے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کی تلخیص لکھی، مضامین لکھے مگر نفسِ مضمون میں ہمیشہ ایسا کھویا رہا کہ تحریر کی ادبیت، اس کی سادگی اور پُرکاری کو اپنے بیان میں نہیں لاسکا، یہ وحدت الشہود والی بات رہی، کہ آفتاب کی روشنی کے سامنے ستاروں کی روشنی ماند ہوجاتی ہے. ظاہر ہے نفسِ مضمون کو میں نے آفتاب اور پیرایہ بیاں کو ستاروں سے تشبیہ دی ہے مگر ان ستاروں کی آنکھوں کو تراوٹ بخشنے والی ہلکی روشنی بھی اپنا حُسن رکھتی ہے. یہ مضمون اِنھیں ستاروں کی جھلمل ہے،

حضرت مولاناؒ نے زیادہ تر عالمِ اسلام کی اصلاحی اور تجدیدی کوششوں کا تاریخی جائزہ لیا ہے، نامور مصلحین اور ممتاز اصحاب دعوت و عزیمت کا مفصل تعارف کرایا ہے اُن کے عِلمی کارناموں کی روداد بیان کی ہے، جو کچھ بھی لکھا ہے وہ ذاتِ محمدیؐ سے عشق اور نبوت محمدیؐ کی پیروی کا بیان ہے، کوئی بھی نغمہ ہو لے ہمیشہ حجازی رہی اُسی سے محبت کرتے ہیں اور اُسی کا بیان کرتے ہیں جن کی صفات حضرت مولاناؒ سے مشترک ہوں۔ یعنی دین کا احیاء اور مسلمانوں کی حفاظت کا کام۔ وہ لوگ جن کا مسلمانوں پر احسان ہے. ان حضرات کی سیرت اور تذکرہ کے سلسلے میں اُن کے زمانہ کی علمی اور فکری سطح کو بھی نمایاں کیا ہے اور ان کے عِلمی کمالات ہی کا ذکر نہیں کیا ہے. بلکہ ان کی زندگی کے باطنی پہلو کو بھی اجاگر کیا ہے۔

یہ مضمون اپنی فردگزاشت کی تلافی کے لئے لکھا جارہا ہے لیکن عرض کردوں کہ صوفیا کا قول کہ نابودن دیگر و نادیدن دیگر میرے حسبِ حال کی کوشش رہے گی کہ حضرت مولاناؒ کے طرز انشاء کا بیان بھی ہوجائے تاکہ خامہ نخلِ رطب فشاں ہوجائے۔

حضرت مولاناؒ کی تحریر اتنی دلکش کیوں ہوتی ہے اور کیوں لوگوں کے احساسات کو چھوتی ہے. اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کسی تحریر میں مجرد افکار ہوں یا خالص حقیقتوں کا بیان ہو تو گو وہ ایک عِلمی تحریر ہوگی مگر اثر ڈالنے والی نہ ہوگی۔ مولاناؒ کا بیانِ حقیقت جذبات کی شکل میں دل میں ورود کرتا ہے. ان جذبات کا بیان حقیقی اور فطری زبان میں ہوتا ہے اور شاعرانہ زبان کے ملمع سے بالکل محفوظ۔ یقیناً مناسب موقع پر حضرت مولانا پُرجوش اور استعارہ آمیز تحریر لکھ جاتے ہیں جابجا اِلیا تکلّف سے بالکل دور۔ مولانا کی زبان سالم اور مکمل افکار کی تصویر ہوتی ہے حقیقت اور جمال ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ فکر اور ادراک اور اظہار الگ ہونے کے باوجود ایک وحدت میں تبدیلی ہوجاتے ہیں علم لغت کی لفظی کثرت مترادفات کا زیادہ استعمال مولانا کی تصانیف میں کہیں کہیں مل جاتی ہے مگر وہ متن پر حاشیوں سے زائد نہیں

مولانا کی زبان کی ہم آہنگی اس درجہ کی ہے کہ اس سے اونچا درجہ تخیّل میں نہیں آتا۔

حضرت مولانا حرف و معنی کے اندرونی رشتہ سے بخوبی واقف ہیں۔ فکر کی گہرائی اور تخیّل کی رعنائی اُن الفاظ سے ہم آہنگ ہوگا جو مولانا استعمال کرتے ہیں۔ اضطراب اور خلش کا بیاں، مردانِ کار کے کارناموں کا ذکر، اقدارِ حیات کا تعین سب کے لئے الفاظ سے بنی ہوئی فضا الگ ہوجاتی ہے۔ لیکن آفاقیت اور ہمہ گیری سے کوئی بیان خالی نہیں ہوتا۔ اور یہ کمال بھی کہ حتیٰ زمن میں اشیاء کے باطن کو سامنے کردیا۔ اس شوق عشق تپش، اور جذب کے ساتھ جو ان کے بیان کا خاصہ ہے۔ روانی اور بے ساختگی میں کہیں فرق نہیں آتا. ان کی مثالیں میں ابھی آپ کے سامنے لاؤں گا۔

حضرت مولاناؒ نے زیادہ تر تاریخ فلسفۂ تاریخ. مذہب سیرت اور سوانح کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ ان دائروں میں وسعت کم ہوجاتی ہے مگر حضرت مولاناؒ کے اندر جو تخلیقی فنکار چھپا ہے وہ چنگاری سے ستارہ ڈھونڈھتا ہے اور ستارہ سے آفتاب۔ عرفانِ حقیقت کا انحصار ادراک اور جستجو دونوں سے تعلق رکھتا ہے۔ اولین بات حقیقت ہے پھر خیال، مشاہدے کی اصابت اور دلکشی اور پڑھنے والے میں انشراحِ صدر کی کیفیت پیدا کرتی ہے۔ یہ کاشفِ اسرارِ دین ہیں اور ان کے ضمیر پہ نزولِ کتاب ہوتا ہے. حضرت مولانا کی کتابوں میں ایک ربطِ فکری ہوتا ہے. موضوعات الگ الگ ہونے کے باوجود سارے مضامین

دوسرے کے معاون ہوتے ہیں، ایک دوسرے
تشریح کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے
ویت میں اضافہ کرتے ہیں۔ الفاظ کا دروبست
کہ ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے۔

حضرت مولاناؒ نے اپنی تحریروں میں
بیانہ اثر انگیزی کو جگہ نہیں دی ہے۔ ان
باطنی تقاضے اور فکری زاویے کیفیتِ نفسی
کے سادہ بیان سے قاری تک پہنچ جاتے
۔ یہ زبان محاکاتی اور استدلالی ہوتی ہے
تقدآفریں تحریر کی تشبیہ ایک شفاف
یشے سے دی جا سکتی ہے جس کے اندر سے
ھنے والے کے جذبات جھلک رہے ہیں۔
لی پایہ کی تحریر کے لئے ایسی پرکار سادگی
کل ایک خوبصورت سہل ممتنع غزل کی طرح
بیعت کو خوشی سے بھر دیتی ہے۔

یہ چھوٹا سا مضمون مولاناؒ کی ساری
صانیف کا احاطہ نہیں کر سکتا، بہر حال اُن
چند بہت معروف کتابوں سے اپنے بیان
وضاحت کیلئے نمونے پیش کرتا ہوں۔
سب سے پہلے میں حضرت مولاناؒ کی پہلی تصنیف
سیرت سید احمد شہیدؒ کو لیتا ہوں۔ اس وقت
نوجوان عالم کے قلم کی روشنائی شہید کے
ن کی سُرخی سے مل گئی ہے ؎

اک خونچکاں کفن پر کروڑوں بناؤ ہیں
پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ حور کی

زورِ بیاں کا اعجاز دیکھئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک غیر فانی
معجزہ یہ ہے کہ آپ کے فیض کا چشمہ کبھی خشک
نہیں ہونے پاتا۔ آپ کا نمونہ کبھی آنکھوں سے
اوجھل نہیں ہوتا۔ آپ کے اُمت کی ضرورتیں زیادہ
دیر تک اَنکی نہیں رہتیں۔ اور وہ اس طرح کہ آپ کی
مشعلِ نور سے براہِ راست مسلسل طریقہ پر سیکڑوں
مشعلیں روشن ہوتی رہی ہیں۔ آپ کی کامل پیروی
سے ہر زمانے میں اور تقریباً ہر جگہ کم و بیش ایسے انسان
پیدا ہوتے رہے جن سے آپ کی یاد تازہ ہوتی تھی
اور انبیاءؑ کی شان نظر آتی تھی۔ جن سے ظاہر ہوتا کہ
اللہ کا کام بند نہیں ہوا۔ اور اللہ کا دین زندہ ہے
ان بزرگوں کے کئی طبقے ہیں، پہلے اور سب سے
اونچے طبقہ کو صحابہ کرام کے نام سے یاد کیا جاتا ہے
جس طرح آنحضرتؐ نے نبوت و کمالات، نبوت
کی تکمیل کر دی۔ اس طرح ان حضرات نے آپ کی
کامل پیروی کا حق ادا کر دیا۔ اس کے بعد سلفِ صالحین
اولیائے کاملین، مجاہدین، مرشدین، مصلحین و
مجددین ہیں۔ یہ سب آپ کے کفش بردار اور
آپ کے دین کے خادم ہیں اس سے زائد کچھ نہیں۔

اس تسلسل میں اب مولاناؒ کا الفاظ پر قابو
دیکھئے۔ تشبیہات اور مثالوں کا ایسا حُسن
کہیں اور دیکھنے میں مشکل سے ملے گا۔

ان لوگوں سے اللہ ہمیشہ اپنا کام لیتا رہا
اِن سے ہزاروں کی آنکھیں روشن کیں، ہزاروں
کے دل کے کنول کھلائے۔ ہزاروں کو جگایا۔ اِن کا
ذکر عبادت ہے۔ اِن کی محبت ذخیرۂ آخرت ہے۔
یہ لوگ شب بیدار و شہسوار۔ اللہ
کیلئے محبت کرتے تھے۔ تو اللہ ہی کیلئے دشمنی
بھی کرتے تھے۔

اب اس تشبیب کے بعد گریز دیکھئے۔

پشاور کے فاتح اور تیرھویں صدی کے
امیر المؤمنین کی زندگی میں اتباعِ نبوت کی حیثیت
بہت نمایاں نظر آئیگی۔ انھوں نے اچھی طرح سمجھ
لیا کہ اسلام عقائد و رسوم کا نام نہیں۔ وہ زمانے
کی فضا، طبیعتِ بشری کا مذاق اور سوادِ اعظم
کا رنگ بدلنا چاہتا ہے۔ یہ اس وقت ہو سکتا ہے
کہ اس کو مادی اور سیاسی اقتدار حاصل ہو، شرعی
حکومت کے بغیر شریعت پر پورا عمل بھی نہیں
ہو سکتا۔ امر و نہی کے لئے سیاسی اقتدار اور مادی
قوت کی ضرورت ہے۔

سید صاحب نے "مسلمان" نام کی ایک
قوم کے غلبہ کے لئے نہیں بلکہ "اسلام" نام کا
ایک مکمل دین۔ عقیدہ۔ عمل اور مسلک زندگی
کو قائم کرنے کے لئے اپنے خون کا پہلا اور آخری
قطرہ بہایا۔

کیفیتِ ایمانی کے جاں نواز جھونکے تاریخ
اسلام میں بارہا چلے ہیں۔ لیکن ایمان و یقین
خلوص و للّٰہیت کی ایسی بادِ بہاری ہمارے علم
میں کم سے کم ہمارے ملک میں اس سے پہلے نہیں
چلی۔ آدم گری اور مردم سازی۔ اصلاح و انقلاب
کے ایسے محیر العقول واقعات بھی اصلاح و تربیت
کی تاریخ میں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں۔

سید صاحب کے رفیقوں کے ذکر پر
جب آتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ غار کے رفیقؓ
ان کے ذہن میں آجاتے ہیں۔

"صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس"

مولانا یحییٰ علی عظیم آبادی کا ذکر مختصر ہے
مولاناؒ نے دَرد کی ایک رباعی لکھی ہے جسے وہ
پڑھتے تھے کتاب دل کی بڑی سے بڑی تفسیر
اس رباعی کے اثر کے برابر نہیں ہو سکتی۔

اتنا پیغام درد کا کہنا۔ جب صبا کوئے یار سے گذرے
کون سی رات آپ آئیں گے۔ دن بہت انتظار میں گذرے

حضرت اسمٰعیل شہیدؒ رحمۃ اللہ علیہ کے بیان
میں مولانا جذباتی ہو جاتے ہیں۔ دیکھئے کیسی دل
کو پگھلا دینے والی تحریر لکھی ہے۔

سرحد کا قیام اور ہجرت کے بعد کا زمانہ
ایک مسلسل جہاد کا زمانہ تھا جس میں یا تو عملاً جنگ
تھی یا اس کی تیاری جنگ کی تدابیر اور انتظامات
اور جنگی مہموں کی قیادت میں سب سے بڑا حصہ آپ
ہی کا تھا۔ اس مدت میں میدانِ جنگ کے

نشیب و فراز اور حالات کے سب تغیرات پیش آئے۔ فتوحات بھی ہوئی۔ علمداری بھی قائم ہوئی۔ ایک دینی ریاست کا بھی انتظام کرنا پڑا شکستیں بھی ہوئیں فتح کیا ہوا علاقہ بارہا ہاتھ سے نکل نکل گیا۔ دن رات کے ساتھیوں اور عمر بھر کے رفیقوں کو بارہا اپنے ہاتھ سے قبر میں اتارا، برسوں کی کھیتی دنوں اور گھنٹوں میں لٹ پھنک گئی۔ بالآخر عین میدان کارزار میں اپنے محبوب مقصد کیلئے اپنے محبوب امام و رفیق کے ساتھ راہ خدا میں سر دیکر ثابت کر دیا کہ۔

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

یہ تو اس شہید کے کارنامے کا ذکر تھا اب مولانا اس نا قدری کا ذکر کرتے ہیں جو ملت کے ایک حصہ نے اُن کے ساتھ روا رکھی مولانا کا دل خون کے آنسو رو رہا ہے۔

۱۳۶ برس کے طویل عرصہ میں شاید ہی کوئی دن ایسا طلوع ہوا ہو جس کی صبح کو اس شہید اسلام کی تکفیر و تفسیق کا کوئی فتویٰ نہ نکلا ہو۔ لعنت اور سب و شتم کا کوئی صیغہ نہ استعمال کیا گیا ہو۔ یہ ان لوگوں نے کیا جن کے جسم نازک میں آج تک اللہ کیلئے ایک پھانس بھی نہیں چبھی، جن کے پیروں میں اللہ کے راستہ میں کوئی کانٹا نہیں چبھا، جن کو (خون چھوڑ کر اس کا یہاں کیا ذکر) اسلام کی صحیح خدمت میں پسینے کا ایک قطرہ بھی بہانے کی سعادت نصیب نہیں ہوئی۔ تاریخ دعوت و عزیمت کی تمہید ملاحظہ کیجئے

اسلام اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام ہے اور کامل و مکمل طور پر دنیا کے سامنے آچکا ہے اور اعلان کیا جا چکا ہے کہ آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور دین کی حیثیت سے اسلام کو تمہارے لئے پسند کر چکا۔ ایک طرف تو اللہ کا دین مکمل ہے دوسری طرف یہ حقیقت ہے کہ زندگی متحرک اور تغیر پذیر ہے اور اس کا شباب ہر وقت قائم ہے۔

جاوداں پیہم دواں ہر دم رواں ہے زندگی

امام غزالی کے بارے میں لکھتے ہیں علو ہمت ان کی زندگی کا طغرائے امتیاز ہے انھوں نے علم و عمل کے دائرہ میں اپنے زمانہ کی سطح اور اپنے ہم عصروں کی کسی منزل پر قناعت نہیں کی وہ علم و عمل کے جس ترقی یافتہ مقام پر پہنچے ان کے کانوں میں یہی صدا آئی ؎

مسافر یہ تیرا نشیمن نہیں ہے

مولانا روم کے بارے میں لکھتے ہیں:

توفیق الٰہی نے جب ان کو معرفت و آگہی کے مقام تک پہنچایا۔ اور قال بے حال۔ خبر سے نظر الفاظ سے معانی اور اصطلاحات و تعریفات کے لفظی علوم سے ترقی کر کے حقیقت و مغز تک پہنچے تو ان کو فلسفہ و علم کلام کی کمزوریوں اور استدلال اور قیاس کی غلطیوں کا اندازہ ہوا۔

دلوں میں دوبارہ دینی و غیبی حقائق کی وقعت۔ علوم انبیاء کی عظمت۔ عالم غیب کی وسعت اور قلب و روح۔ ایمان اور وجدان کی اہمیت کا نقش قائم کر دیا۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

حضرت خواجہ کی سیرت اور زندگی کا مرکزی نقطہ جو ان کے تمام اخلاق و اعمال اور احوال کا محور ہے وہ عشق الٰہی کی نعمت خداداد ہے۔ ان کے تمام حالات اور اشغال، گفتگو اور مجالس، اشعار اور ان کے انتخاب و واقعات اور ان کی تمثیل غرض ہر چیز اسی سوز باطن اور اسی حرارت عشق کا اظہار ہوتا ہے۔ ؎

شعلہ ہا اُخر زہر موئیم دمید
از رگ اندیشہ ام آتش چکید

پرانے چراغ میں حضرت مولانا نے لکھا ہے کہ ان کو اپنے بیتے ہوئے دن، اپنے برتے ہوئے اخلاص اپنے بچھڑے ہوئے بزرگ اور گزرے ہوئے حالات سے بہت دلچسپی ہے، اس دشت کی سیاحی میں اُن کی تیسری پشت ہے۔

خوبصورت تراکیب اور بہترین جملے پوری پیرا میں بکھیرے ہوئے ہیں۔ بیت کے بجائے رب البیت۔ مکان کے بجائے مکیں سے واصل ہوئے۔ سمندر کو شکایت نہیں رہی کہ وہ اس دولت سے یکسر محروم رہے، جو زمین کے نصیب میں آئی۔

صحف سماوی کا انداز بیان، خطیبوں کا جوش اور برجستگی، عشاق کی مستی و وارفتگی عقل و جذب کی لطیف آمیزش ان جملوں کی داد دینے کیلئے خود قاری سخن فہم ہونا چاہیئے۔

شیخ حسن البنا مرحوم کے بارے میں لکھتے ہیں۔ ان کی طاقت اور قوت کا اصل سرچشمہ فطرت سلیم۔ دل کی پاکیزگی، روح کی بالیدگی، اپنی غیرت و حمیت اور اسلام کے لئے اضطراب اور بے چینی ہے۔ اُن کی دعوت نے عالم عربی کی نئی نسل میں اسلام کی سدا بہار صلاحیت اور اُس کے دائمی ہونے کا اعتماد بحال کیا۔ اور جدید دلوں میں ایمان کی نئی چنگاری روشن کی۔

مولوی محمد ثانی مرحوم پر حضرت مولانا نے جو مضمون تحریر کیا ہے اس میں قدیم عرب شاعر ابوالحسن التہامی کے دلدوز قصیدہ کا ذکر کیا ہے جو اُس نے اپنے جواں مرگ بیٹے کے مرثیے میں کہا ہے موت کا قانون پوری مخلوق پر جاری و ساری ہے حقیقت میں یہ دنیا بقا اور استقرار کی جگہ نہیں اپنے مرحوم بیٹے سے مخاطب ہو کر کہتا ہے ہم تم دونوں ایک ہی میدان کے راہی تھے تم نے پیش قدمی کی۔ اور منزل پر پہنچ گئے، اور تمہارا باپ ابھی سرگرم سفر ہے۔

میرے پیش نظر صرف وہ کتابیں ہیں جو حضرت مولانا نے اردو میں لکھی ہیں یا خود اردو میں ان کا ترجمہ کیا ہے لوگ بتاتے ہیں کہ عربی میں لکھی ہوئی کتابوں میں حضرت مولانا نے روانی بیان کا دریا بہادیا ہے۔ اردو تحریروں میں جو بہار کی نضا رہتی ہے گو ذکر خزاں کا ہو۔ اس سے اس گلستاں کے رنگ و بو کا بھی قیاس کیا جاسکتا ہے مجھے انگریزی شاعر کیٹس کی وہ لائن بے حد پسند جو اس نے اپنی شہرۂ آفاق نظم THE GRECIAN URN میں لکھی ہے۔

سُنے ہوئے نغمے میٹھے ہوتے ہیں مگر ان سُنے نغمے اور زیادہ میٹھے ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا کی کتاب "الطریق الی المدینہ" کا ترجمہ کاروانِ مدینہ کے نام سے ہوا ہے۔ اس کتاب نے بڑی شہرت پائی ہے اور اس کے مضامین ایسے ہیں جو از دل خیزد بر دل ریزد کے مصداق ہیں۔ وہی اثرات مرتب ہوتے ہیں جو قدسی یا جامی یا سعدی یا خسرو کے نعتوں کو پڑھ کر ہوتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے لئے اس عالم آب و گل سے الگ ہو جانا۔ اور اس خنک شہر میں پہنچ جانا جہاں نبی سرکار آرام فرمارہے ہیں۔ مصنف کا دل امڈا آرہا ہے لیکن میرا یہ مضمون معنی سے زیادہ بیان کے ذکر میں ہے۔ ایک مضمون عالم نو جو اردو میں لکھا ہوا ہے اس کے چند جملے نقل کرتا ہوں۔

زمانہ کی رُت بدل گئی۔ انسان کیا بدلا جہاں بدل گیا۔ زمین و آسمان بدل گئے۔ آدم کی اولاد پر آدم کے کسی فرزند کا اتنا احسان نہیں جیسا محمد رسول اللہ علیہ وسلم کا دنیا کے انسانوں پر ہے۔ اگر اس دنیا سے وہ سب لے لیا جائے جو محمد رسول اللہ نے اس کو عطا کیا ہے تو انسانی تہذیب ہزاروں برس پیچھے چلی جائے گی۔

حضورؐ کی پیدائش کا دن مبارک کیوں نہ ہو کہ اس دن دنیا کا سب سے مبارک انسان پیدا ہوا جس نے اس دنیا کو نیا ایمان اور نئی زندگی عطا کی۔

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
وہ سب پود انھی کی لگائی ہوئی ہے۔

یہ دنیا کوئی خودرو جنگل نہیں بلکہ یہ مالی کا لگایا ہوا آراستہ باغ ہے۔ اور انسان اس باغ کا سب سے اعلیٰ پھول ہے۔ یہ پھول جو ہزاروں بہاروں کا سرمایہ ہے انسان کا جوہر انسانیت کی اس خالق کے سوا کوئی قیمت نہیں لگا سکتا۔

جب رات کو پورا شہر میٹھی نیند سوتا ہے اور یہ جیتی جاگتی دنیا ایک وسیع قبرستان ہوتی ہے دفعتًا موت کی اس بستی میں زندگی کا چشمہ اس طرح ابلتا ہے جس طرح رات کی سیاہی میں صبح کی سپیدی نمودار ہو۔ الصلوٰۃ خیر من النوم سے اونگھتی ہوئی انسانیت کو تازگی اور زندگی کا نیا پیغام ملتا ہے جب کسی طاقت و سلطنت کا کوئی فریب خوردہ اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی اور مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرِیْ کا نعرہ لگاتا ہے۔ تو ایک غریب مؤذن اسی کی مملکت کی بلندیوں سے اَللّٰہُ اَکْبَر کہہ کر اس کے دعوائے خدائی کا تمسخر اڑاتا ہے۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کہہ کر حقیقی بادشاہت کا اعلان کرتا ہے،

ہماری آپ کی دنیا میں حکما اور فلاسفہ بھی آئے۔ ادبا اور شعرا بھی، فاتح و کشور کشا بھی سیاسی قائد اور قومی رہنما بھی مگر کسی کے آنے سے دنیا میں وہ بہار آئی جو پیغمبروں کے آنے سے پھر سب سے آخر سب سے بڑے پیغمبر محمدؐ کے آنے سے آئی۔ کون اپنے ساتھ شادابی وہ برکتیں، وہ رحمتیں نوع انسانی کے لئے وہ دولتیں اور انسانیت کے لئے وہ نعمتیں لے کر آیا جو محمدؐ لے کر آئے، تیرہ سو برس کی انسانی تاریخ پورے وثوق کے ساتھ آپ کو خطاب کر کے کہتی ہے۔

سر سبز سبزہ ہو جو ترا پائمال ہو
ٹھہرے تو جس شجر کے تلے وہ نہال ہو

حضرت مولانا کے مضمون حضور و سرور سے چند لائنیں۔

نظر اٹھا کر دیکھئے دونوں طرف پہاڑوں کی قطاریں ہیں۔ کیا عجب کہ ناقۂ نبوی اس راستہ سے گزرا ہو۔ یہ فضا کی دلکشی۔ یہ ہوا کی مشک بیزی اسی وجہ سے ہے۔

بھینی بھینی ہوا ہے اور ہلکی ہلکی چاندنی جس قدر طیبہ قریب ہوتا جارہا ہے۔ ہوا کی خنکی۔ پانی کی شیرینی اور ٹھنڈک لیکن دل کی گرمی بڑھتی جارہی ہے۔ سُنیئے کوئی کہہ رہا ہے ؎

بادِ نسیم آج بہت مشکبار ہے
شاید ہوا کے رُخ پہ کھلی زلفِ یار ہے

وہ ایک بار ادھر سے گئے مگر اب تک
ہوائے رحمتِ پروردگار آتی ہے

وہ دانائے سُبل ختم الرُسل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیِ سینا

خاک یثرب از دو عالم خوشتر است
اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

داغِ غلامیت کرد رتبہ فرود بلند
میر ولایت شود بندہ کہ سلطاں خرید

محمد عربی کا بروے ہر دو سرا است
کسے کہ خاک درش نیست خاک بر سر او

حضرت مولاناؒ علامہ اقبال سے بے حد متأثر ہیں۔ کئی مضامین ان پر لکھے۔ اقبال در دولت پر ان کا بہترین مضمون ہے جسے عربی تقریر سے محمد الحسنیؒ اردو میں لائے ہیں ایسے ہی ایک کتاب "روائع اقبالؒ" کے نام سے

عربی میں لکھی جس کا اردو ترجمہ مولانا شمس تبریز خاں صاحب نے کیا ہے۔ اور واقعی ترجمہ کا حق ادا کر دیا ہے۔ اس حقیر مضمون نگار کو اپنے مضمون کیلئے بہترین مواد اس کتاب سے مل سکتا ہے۔

شاعر اسلام اقبال۔ ان کی شخصیت کے تخلیقی عناصر۔ ان کا نظریہ علم و فن۔ اُن کی طویل نظموں جیسے مسجد قرطبہ اور ذوق و شوق سب پر حضرت مولانا کی بہترین تحریریں ہیں۔ مگر میں نے خود سے عہد کیا تھا کہ صرف ان کتابوں کو سامنے رکھوں گا جو حضرت مولانا نے اردو میں لکھی ہیں یا خود ان کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ اس لئے اقبال کے موضوع کو چھوڑ رہا ہوں مگر کتاب کے مقدمے سے جو پروفیسر رشید احمد صدیقی نے لکھا ہے اور ظاہر ہے اردو میں لکھا ہے ایک اقتباس پیش کرتا ہوں۔

مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندویؒ جس گھرانے کے چشم و چراغ ہیں وہ صدیوں سے اب تک غیر منقطع طور پر مذہب و اخلاق رشد و ہدایت تصنیف و تالیف اور زبان و ادب کا گہوارہ رہا ہے، ان حسنات کی جلوہ گری ان کی شخصیت ہی میں نہیں، علمی ادبی اور دینی خدمات میں بھی ملتی ہیں۔ عربی زبان و ادب نیز تحریر و تقریر میں موصوف کو جو غیر معمولی درک ہے اور عالم اسلام میں جو وزن اور وقعت حاصل ہے وہ ہندوستان کے شاید کسی عالم دین کے حصہ میں آئی ہو۔ اس بنا پر سید صاحبؒ کو ملت کا سفیر کبیر بننے کا حق پہونچتا ہے۔

سید صاحب کے ایک متبحر اور روشن خیال عالم دین اور شعر و ادب کے مبصر ہونے کی حیثیت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ موصوف نے اقبال کی تائید اور ترجمانی جس خوبی سے خوبی سے کی ہے اس سے میرے ایک دیرینہ خیال کی تصدیق ہوتی ہے کہ اقبال کا کلام ہمارے لئے اس صدی کا علم کلام ہے۔

حضرت والا کی تاریخ ادب اردو خاص طور پر اردو شاعری پر بے مثال نگاہ رکھنے کا اندازہ مجھے گلِ رعنا مؤلفہ جناب حکیم عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (حضرت کے والد ماجد) پر مضمون لکھنے کے دوران ہوا۔ حضرت کا بے مثال مفسر قرآن اور محدث ہونا۔ ادبیات عربی کا زبردست واقف کار ہونا تو سب ہی کے علم میں ہے لیکن اس پر حیرت اس لئے نہیں کہ حضرت کی۔ ؏

عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں

کے مصداق تھے۔ تاریخ اور فلسفہ تاریخ سے ماہرانہ تعلق بھی سمجھ میں آتا ہے۔ اردو اور فارسی کی شاعری سے لطف اندوز ہونا۔ اور اپنے مضامین میں ان کا حوالہ دینا بھی اس درجہ کے عالم کے لئے جو انتہائی خوش ذوق بھی ہو کوئی خاص بات نہ تھی مگر ادبِ اردو کی تاریخ۔ اردو شاعری کا ارتقاء اس پر ناقدانہ نظر اس کمال کے ساتھ تو ان باکمالوں کیلئے مخصوص تھا۔ جنھوں نے اپنی طالب علمی سے اس کی ابتدا کی ہو۔ اور اسی پر انتہا بھی ہو۔ انتہا سے میری مراد اُن کے علم کی پہچان اور قبولیت سے ہے۔

حضرت کو کب وقت ملا کہ وہ تاریخ ادب اردو کا مطالعہ کریں۔ حضرت نے انتہائی کم عمری میں سیرت سید احمد شہید جیسی تاریخی کتاب لکھی پھر ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین لکھی جو کہ تاریخ مذاہب اور فلسفۂ تاریخ اور مسلمانوں کے عروج و زوال کے منطقی اسباب کے بیان حرفِ آخر ہے اور جس نے لوگوں کو حیرت زدہ کر دیا تھا۔ وہ کتاب جو مولانا کی پہچان بن گئی تھی اور ممالک اسلامیہ میں مولانا کا وزیٹنگ کارڈ کا کام کرنے لگی تھی۔ مقدمہ ابن خلدون نے یورپ کو چونکایا تھا اور حضرت مولانا کی کتاب نے اسلامی دنیا کے ساتھ ساتھ مغرب کو بھی۔ میں اکثر غور کرتا رہا ہوں کہ حضرت نے زوال مسلمین کے بجائے انحطاطِ مسلمین کیوں لکھا، پھر یہی خیال آیا کہ حضرت مولانا کا حساس دل زوال لفظ کی تاب نہیں لا سکا اور لا تقنطو کا پیغام ہمیشہ اُن کے سامنے رہا۔

اس کے بعد تو حضرت کی بے مثال کتابیں آنا شروع ہوئیں۔ تاریخ دعوت و عزیمت کی سیریز۔ کاروانِ زندگی کی سیریز۔ پرانے چراغ کی سیریز۔ نبی رحمت۔ المرتضیٰ اور دوسری کتابیں جو حالات حاضرہ سے متعلق تھیں جیسے مغرب سے صاف صاف باتیں۔ امریکہ میں صاف صاف باتیں وغیرہ وغیرہ، پھر حضرت مولانا کو کب وقت ملا کہ وہ اردو شاعری کی تاریخ اور تنقید کا مطالعہ کریں اور وہ کتابیں جو اس تاریخ سے متعلق تھیں نکات الشعرا، گلشن بے خار، وغیرہ پڑھیں۔ حضرت کے پاس کب فرصت تھی۔ اس بات کو لکھنے کی وجہ صرف اپنی حیرت کا اظہار ہے۔ اور میرا یہ فیصلہ کر گو حضرت مولانا نے استادوں سے پڑھا مگر وہ اصل میں تلمیذ الرحمٰن تھے اور مصرعہ

"آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں"

کا مصرعہ غالب نے ان ہی کیلئے لکھا ہوگا۔ غالب جیسے بے مثال شاعر کی نگاہ مستقبل میں جھانک سکتی تھی۔ غالب کی شاعری میری نگاہ میں وادیوں میں بھٹکنے والی بھی تھی اور جز دیست از پیغمبری بھی، جہاں ان کے روز ابر اور شب ماہتاب کے مشغلہ کا خیال آتا ہے وہاں وہ شعر بھی ذہن میں آتا ہے۔

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتن
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ میں حضرت مولانا کے مقدمہ گلِ رعنا کی طرف لوٹ کر آتا ہوں۔

مقدمہ کی ابتدا اس نکتہ کی تفصیل سے ہوئی ہے کہ فارسی ادبیات کا اتنا وافر حصہ اور۔

اس کے ایسے دلکش و دل آویز نمونے نصاب تعلیم میں داخل تھے، جن سے عام طور پر فارسی کا ذوق اور شعر و ادب سے لطف اٹھانے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی تھی۔ اور چونکہ فارسی اور اردو کا گہرا تعلق ہے اس لئے اردو میں بھی اس سے بیش قیمت مدد ملتی تھی۔ ۱۸۵۷ء اور اس کے کچھ عرصہ بعد تک جب تک ملک میں نیا نظام تعلیم رائج اور مقبول نہیں ہوا تھا علمی اور ادبی محفلوں میں اس قدیم نصاب کے ساختہ و پرداختہ فضلاء صدر نشین ہوتے اس دور کے بعد بھی اس طبقہ کے ہاتھ میں ملک کی ادبی اور علمی قیادت رہی۔ مولوی محمد حسین آزاد، خواجہ الطاف حسین حالی، ڈپٹی نذیر احمد دہلوی اور علامہ شبلی نعمانی جو زبان و ادب کے چار ستون تھے اسی طبقہ سے تعلق رکھتے تھے،

شعرائے اردو کے تذکرے فارسی میں تھے اور مولوی محمد حسین آزاد کی آب حیات وہ کتاب ہے جس نے پہلی مرتبہ اردو والوں کو اردو شاعری کی کہانی اردو میں سنائی ان کو خراج عقیدت ان کے سب سے بڑے ناقد مولانا حکیم عبدالحئیؒ نے گل رعنا میں اور ان کے اس یگانہ کمال کا جس طرح اعتراف کیا ہے اس پر اضافہ مشکل ہے۔

"سب سے بہتر اور عمدہ تصنیف اُن کی آب حیات ہے جو اردو زبان اور ریختہ شعر کی تاریخ میں پہلی کتاب اور اردو انشاپردازی کا بہترین کارنامہ ہے۔ عبارت کی بے ساختگی اور برجستگی اس میں شاعرانہ تخئیل، استعارں کی دلفریبی کے ساتھ ایسی چیز ہے جس پر غزلوں کے سیکڑوں دیوان قربان کر دینے کے قابل ہیں۔

حضرت مولانا نے گل رعنا لکھنے کی ضرورت یہ لکھی ہے کہ کوئی کتاب اپنے فن اور موضوع کی آخری کتاب نہیں قرار دی جاسکتی۔ کسی کے نقش کو نقش دوام اور تحقیق کو حرف آخر قرار نہیں دیا جاسکتا۔ آب حیات اس سے مستثنا نہیں ہے۔ آزاد کا مزاج ایک ادیب کی طرح تخئیل پسند تھا۔ ایک مؤرخ کی طرح حقیقت پسند نہیں، وہ کمیاں جو مولانا نے آب حیات میں گنائی ہیں اُن میں پہلی یہ ہے کہ بہت سے قابل قدر شعراء کو انھوں نے اپنی کتاب میں جگہ نہیں دی اور بہت سے معمولی شعرا ان کی کتاب میں جگہ پائے ہوتے ہیں یہاں حضرت مولانا نے بہت سے نام گنائے ہیں جو اس کی مثالیں ہیں۔ اس کے علاوہ بڑے شعراء میں بھی یہ تفریق روا رکھی۔ مرثیہ گویانِ اردو کے کام کی دل کھول کر داد دی ہے۔ اور نعت گویوں جیسے محسن کاکوروی کو نظر انداز کیا ہے۔ اُن کے فیصلے داخلی (SUBJECTIVE) تھے دوسری بات یہ کہ آب حیات میں بے حد تاریخی غلطیاں پائی جاتی ہیں۔ نکات الشعراء کے متعلق جو آزاد نے لکھا ہے اس میں کوئی بات صحیح نہ تھی۔ کئی مثالوں میں سب سے اہم یہ ہے آزاد نے لکھا ہے کہ میر نے ولی دکنی کے متعلق لکھا ہے وے شاعریست از شیطان مشہور تر" واقعہ میں میر نے لکھا ہے " از کمال شہرت احتیاج نہ دارد"۔ میر کی بد دماغی کے متعلق جو کچھ لکھا، سید انشاء کے آخری زمانہ کا جو حال لکھا وہ سب اُن کے دماغ کی تخلیق تھی۔ واقعہ سے اُس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ تیسری بات یہ کہ ان کے مذہبی جذبات یا ذاتی تعلقات نے ان کے فیصلوں کے غیر جانبداری پر بہت اثر ڈالا ہے۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کے ساتھ جو بے انصافی انھوں نے کی اور مومن کو انھوں نے جس طرح نظر انداز کیا وہ انتہائی محل نظر ہے۔ اسی طرح مصحفی اور انشاء کے تقابل میں بے حد بے انصافی کی۔ مصنف گل رعنا نے کیا بہتر یہ بات لکھی ہے سید انشاء کی ہنگامہ خیزیاں بزم آرائیاں اور بذلہ سنجیاں ان کے ساتھ گئیں۔ اور ان کے کلام کا بیشتر حصہ بھی اپنے ساتھ لے گئیں مصحفی کا کلام باقی ہے اور اس کی آب تاب بڑھتی جا رہی ہے۔

غالب کے تذکرہ میں انھوں نے بے ضرورت ایسے لطیفے لکھے جن سے ان کے اثنا عشری رجحان اور صحابہ کرام پر طنز کا اظہار ہوتا ہے اس کے مقابلے میں استاد ذوق کا مذہب بیان کرنے میں بڑی احتیاط سے کام لیا ہے۔

اسی طرح بہادر شاہ ظفر کے سارے دیوانوں کو استاد ذوق کی جھولی میں ڈال دیا ہے۔ اسی طرح نواب الٰہی بخش معروف کا کلام بھی استاد ذوق کا کارنامہ بتایا ہے۔ مولوی عبدالحق صاحب نے مصنف گل رعنا کے متعلق یہ صحیح لکھا ہے۔

جو لوگ مولانا مرحوم سے ذاتی واقفیت رکھتے تھے انھیں ممکن ہے اس کا علم ہو۔ ورنہ عام طور پر لوگ اس سے لاعلم تھے کہ مولانا مرحوم اردو زبان و ادب کا ایسا اچھا ذوق رکھتے تھے ایسا خیال کچھ بے جا بھی نہ تھا کیوں کہ مولوی صاحبان نے عام طور پر اردو زبان کی طرف سے غفلت برتی ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ ادبی ذوق مولانا کو اپنے والد ماجد سے "ورثت" میں ملا ہے جو اردو اور فارسی کے اچھے شاعر تھے اور جن کا حال اور کمال کا نمونہ انھوں نے کتاب کے آخر میں دیا ہے۔

یہ حقیر مضمون نگار اس بات کی تائید کرتا ہے۔ اور لکھتا ہے کہ ہمارے حضرت مولانا کو یہ ادبی ذوق اپنے والد سے ملا ہے تحقیق اور ریسرچ کا علم پدر تو انھیں ان کے وراثت کا جائز حقدار بناتی ہے۔

اب اس شعر پر اپنے مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسن تو بسیار
گلچیں بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

لہو الحدیث

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے "وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" ایسا معلوم ہوتا ہے صرف نام لینا رہ گیا۔ وی. ڈی او، اور ٹی. وی کا قرآن کیونکہ عربی میں اترا ہے۔ اس میں انگریزی کا لفظ کیسے آتا، یہ بات عقل کے خلاف ہوئی لیکن صاف قرآن کا اعجاز معلوم ہوتا ہے کہ آج سے چودہ سو سال پہلے جو کتاب اتری اس میں ٹی وی اور وی ڈی او کا ذکر ہے۔ اس لئے فرمایا گیا ہے "مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ" لہو الحدیث کے معنیٰ ہیں باتوں کا کھیل۔

یہ وی ڈی او۔ یہ ریکارڈ، سب لہو الحدیث ہے، آج سے چودہ سو برس پہلے اس وقت اللہ کی کتاب نے کہدیا، جب یہ سب چیزیں ایجاد کیا ہوتیں، کسی نے خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا۔ اور کسی کے تصور میں بھی نہیں آتا تھا۔ اس وقت کہدیا کہ بہت سے لوگ ہیں کہ لہو الحدیث خریدتے ہیں۔

(حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ)

نذرانۂ عقیدت

● ڈاکٹر کیف رضوی

کانپ جاتا ہے قلم روتی ہے میری تحریر
بوالحسن عالی نسب شارح علم التفسیر

جامعہ ندوہ کے ریکٹر تھے بہ حسن تقدیر
عازم خلد بریں ہوگئے باصد توقیر

سارے عالم میں تھے مشہور مفکر بن کر
نظر افروز جو صورت تھی دل آرا تصویر

موجزن ان کے خیالات میں طوفان ادب
حامل نقد نظر ان کے نقوش تحریر

عرش پیما تھی تخیل کی چمن آرائی
کیوں مہ و مہر نہ ہوں فکر کی موجوں میں اسیر

عالم دین تھے معروف تو بے مثل ادیب
ان کی تحریر حقائق کی مرقع تفسیر

خوگر علم و عمل پیکر تسلیم و رضا
ہوگئی وسعتِ کونین بھی ان کی جاگیر

طرز تحریر میں اک شان دل آویزی تھی
حسن تاثیر سے کرتے تھے دل کو تسخیر

ان کے لمعات سے آئینہ گیتی پُر نور
ان کے اوصاف سے معمور صغیر اور کبیر

ناز کرتے ہیں اسی ذات پہ اب علم و ادب
ایک تریاق تھا ان میں سے تو اک تھا اکسیر

ان کے چہرے سے صفات ملکوتی ظاہر
ان کے جلووں میں جمال احدی کی تنویر

ہر قدم منزل وحدت کی حدوں تک محدود
ہر نظر زلف شریعت کے کرشموں میں اسیر

عبد و معبود کے رشتے سے بخوبی واقف
نہ فرائض نہ عبادات خدا میں تاخیر

ان کی فرقت کا تصور بھی گراں تھا اے کیفؔ
کیوں نہ ہو ان کی جدائی سے زمانہ دل گیر

الور تاریخ وفات

● مولانا محمد عثمان معروفی

۱۹۹۹ء
نحمد الولی الماجد العظیم ونصلی علی النبی الکریم

۱۹۹۹ء
حبیب جہاں ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ ★ بحر مودت ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ
۱۹۹۹ء ۱۹۹۹ء

پشت پناہ اہل عسر باء ● دلدار نیک ذات ● منزل شناس صاحب تصانیف کثیرہ
۱۹۹۹ء ۱۴۲۰ھ ۱۹۹۹ء

رحمہ اللہ الواحد العظیم ● برد مضجعہ العلی المعید ● نور مرقدہ الرقیب العظیم
۱۴۲۰ھ ۱۴۲۰ھ ۱۹۹۹ء

اعوذ باللہ الہادی الرحمٰن من الشیطٰن الرجیم ● بسم اللہ الباسط المتین الرحمٰن الرحیم
۱۹۹۹ء ۱۴۲۰ھ

قال الحسیب سقاھم ربھم شرابا طھورا ● قال العلی الجامع فی عیشۃ الراضیۃ
۱۴۲۰ھ ۱۴۲۰ھ

قال المعز الحلیم سلام علیکم ادخلوا الجنۃ ● واللہ الحسیب موت العالم موت العالم
۱۴۲۰ھ ۱۴۲۰ھ

ان اللہ الحق الحکیم یرفع العلم یرفع العلماء
۱۴۲۰ھ

تہر خدا دوست ہادی پاک ● بر خاک پاک اوعزیز ابر سلامتی بشو
۱۴۲۰ھ ۱۹۹۹ء

حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

بحیثیت ادیب اور ناقد

سلمان علی خاں لکھنوی سابق انفارمیشن آفیسر گورنر اتر پردیش

تاریخ شاہد ہے کہ سر زمین ہند جب اسلام کی نعمت عظمیٰ سے بہرہ مند ہوئی تو لاتعداد علماء و فضلاء اور صوفیاء نے اپنی خداداد صلاحیت اور جولانی طبع سے بندگان خدا کو وقتاً فوقتاً قرآن و حدیث، زہد و تقویٰ، خیر و شر اور علم و عمل کے رموز و نکات اور فضائل و برکات سے روشناس کیا اور اس کے ساتھ ہی اپنے ذوق طبع سے شعر و ادب کی دشوار گذار اور سنگلاخ وادی میں بھی قدم رکھا، اور اپنی غیر معمولی شعری و ادبی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر اس کی ایسی آبیاری کی کہ وہ گلزار بن گئی۔ تاریخ ادب اردو کا اگر بہ نظر غائر مطالعہ کیا جائے تو اس وادیٔ ادب میں علماء کی کیا کیا صورتیں پنہاں نظر آئیں گی کہ اس پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے۔ دراصل شاہ میران جی، ان کے فرزند شاہ برہان الدین اور ان کے پوتے شاہ امین الدین اعلیٰ سے لے کر مرزا مظہر جانِ جاناںؒ، خواجہ میر دردؔ، امیر احمد امیرؔ، مولانا الطاف حسین حالیؔ، مولوی اسمٰعیل میرٹھیؔ، مولانا شبلی نعمانی، مولانا ظفر علی خاں، مولانا محمد علی جوہرؔ، مولانا ابوالکلام آزاد، خواجہ حسن نظامی، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا غلام رسول مہرؔ، مولانا امتیاز علی عرشیؔ، مولانا صباح الدین عبدالرحمٰن اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی جیسے بے شمار اکابرین نے اپنی گراں مایہ ادبی و شعری تخلیقات سے شعر و ادب کے خزینہ میں ایسا بیش بہا اضافہ کیا جس سے نووارد انِ ادب ہمیشہ تحریک حاصل کرتے رہیں گے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی متنوع اور گوناگوں شخصیت ایک انجمن کا مرتبہ رکھتی ہے۔ جنہوں نے بیک وقت شہرۂ آفاق عالم دین، مایہ ناز مفکر و مبلغ، ممتاز مفسر و محدث، معروف مؤرخ و محقق، مشہور سیرت نگار و سوانح نویس، وسیع القلب درویش و مصلح قوم، مقبول پاسبان ملت و میر کارواں، بلند پایہ مبصر و ناقد اور صاحب طرز انشاء پرداز ادیب کی حیثیت سے جو شہرت و نیک نامی اور سربلندی حاصل کی وہ بہت کم لوگوں کو نصیب ہوئی۔

حضرت مولانا علی میاںؒ کو اردو اور عربی زبان و ادب پر یکساں عبور حاصل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی تحریر و تقریر میں علمیت اور ادبیت کے ساتھ ہی صداقت و طہارت، فضیلت و حکمت، رفعت و وسعت، فصاحت و بلاغت، اور دعوت و عزیمت بدرجہ اتم کارفرما نظر آتی ہے۔ حضرت مولانا نے اپنے علمی، ادبی، تاریخی اور تحقیقی کارناموں سے صرف برصغیر ہند و پاک ہی نہیں بلکہ تمام دنیائے علم و ادب کے اہل ذوق کو اپنی طرف متوجہ کیا اور لوہا منوایا۔ اس کا صرف ایک ہی سبب تھا کہ حضرت مولاناؒ نے خود کو ایک خانہ تک محدود نہیں رکھا بلکہ اپنی وسعت نظری، فکر انگیزی، فراخدلی، انسان دوستی، بلند طبعی اور عالی حوصلگی سے علم و ادب کی تمام تحریکات سے استفادہ کیا اور اپنا ایک الگ، منفرد اور مخصوص نقطۂ نظر پیش کیا جو تمام تر احیائے اسلام اور ملک و ملت کی اصلاح اور فلاح سے عبارت تھا۔ حضرت مولانا کو اردو کے ساتھ ہی عربی ادب پر بھی زبردست ملکہ حاصل تھا۔

حضرت مولانا علی میاںؒ نے زمانہ طالبعلمی میں ہی لکھنا شروع کر دیا تھا۔ یہ ۱۳۵۱ھ ۱۹۳۰ء کی بات ہے کہ حضرت مولانا نے اپنے بڑے بھائی ڈاکٹر عبدالعلیؒ کی ہدایت پر ۱۶ سال کی عمر میں ماہنامہ "توحید" امرتسر میں شائع شدہ مولوی محی الدین منصوری کے مضمون "ہندوستان کا مجاہد اعظم یا مجدد اعظم" کا عربی میں ترجمہ کیا جو نہ صرف مصر کے علامہ سید رشید رضا نے اپنے رسالہ "المنار" میں شائع کیا بلکہ انھوں نے حضرت مولانا کو لکھا کہ "اگر صاحب مقالہ چاہیں تو میں اس کو الگ رسالہ کی شکل میں طبع کرا سکتا ہوں"۔ چنانچہ یہ مضمون بعد میں رسالہ کی شکل میں شائع ہوا۔ حضرت مولانا اپنی اس پہلی تخلیق کے بارے میں خود رقمطراز ہیں:

> "اس سے بڑھ کر ایک ہندی نو عمر طالب علم کا کیا اعزاز ہو سکتا تھا کہ اس کا رسالہ علامہ سید رشید رضا مصر سے شائع کریں۔ تھوڑے عرصہ میں "ترجمۃ الامام السید احمد بن عرفان الشہیدؒ" کے عنوان سے وہ رسالہ چھپ کر آگیا اور میری خوشی کی کوئی حد نہ رہی۔ میری عمر اس وقت سولہ سال کی رہی ہوگی۔ یہ میری پہلی تصنیف ہے جو نہ صرف ہندوستان بلکہ مصر سے شائع ہوئی"۔
>
> (کاروان زندگی اول ص ۱۱۸)

اس طرح حضرت مولانا نے علم و ادب کی دنیا میں جب قدم رکھا تو اپنے غیر معمولی تبحر علمی،

کر انگیزی، اولوالعزمی اور شرافت نفسی سے مسلسل آگے ہی بڑھتے رہے۔ اور کبھی مڑکر پیچھے نہیں دیکھا اور آپ کا دائرۂ اثر وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔ حضرت مولانا کی نثر پختہ اور پراثر ہے۔ جسے پڑھ کر دل میں شگفتگی اور شیرینی کا احساس ہوتا ہے اور نثر میں شاعری کا گمان ہوتا ہے چھوٹے چھوٹے یکسا جملوں سے حسن بیان میں زبردست رعنائی اور دلکشی پیدا ہو گئی۔ نثر میں شعری حسن کا جہاں تک تعلق ہے، عربی زبان و ادب کے مشہور و معروف مفکر شیخ علی طنطاوی نے حضرت مولانا کی تصنیف "الطریق الی المدینہ" کے مقدمہ میں جس کا اردو ترجمہ "کاروان مدینہ" کے نام سے شائع ہو چکا ہے، واضح الفاظ میں اعتراف کیا ہے:۔

"ادب کی طرف سے میرا اعتماد اٹھنے لگا تھا. چونکہ ادیبوں میں وہ آسمانی نغمہ عرصہ سے نظر نہیں آتا جس کی لَے میں شریف رضی (عہد عباسی کا نامور ہاشمی شاعر) کے وقت سے لے کر عبد الرحیم برعی تک شعراء گاتے رہے۔ جب میں نے آپ کی کتاب پڑھی تو یہ کھویا ہوا نغمہ پھر مجھے مل گیا۔ یہ نغمہ مجھے آپ کی اس نثر میں ملا جو حقیقتاً شاعری ہے لیکن بے ردیف اور قافیہ کی شاعری، برادرم ابوالحسن! آپ کا صد ہزار شکریہ کہ آپ نے دوبارہ میرے اندر اپنی ذات اور اپنے ادب پر اعتماد بحال کر دیا۔"

(کاروان مدینہ ص۱۱)

حضرت مولانا علی میاںؒ کی اسی تصنیف "کاروان مدینہ" سے ان کی دیدہ زیب اور دلکش نثر کا ایک نمونہ پیش کیا جاتا ہے جس سے ان کی نثر نگاری کی رعنائیت اور نغمیت کا پتہ چلتا ہے۔

"انسانیت کا جسم تر و تازہ تھا مگر دل نڈھال دماغ تھکا ہوا۔ ضمیر بے حس و مردہ نبض ڈوب رہی تھی، اور آنکھیں پتھرانے والی تھیں۔ ایمان و یقین کی دولت سے عرصہ ہوا انسانیت محروم ہو چکی تھی........ بادشاہ دوسروں کے خون پر پلتے تھے اور بستیاں اجاڑ کر بستے تھے۔ ان کے کتے موج کرتے تھے اور انسان دانہ دانہ کو ترستے۔ زندگی کا معیار اتنا بلند ہو گیا تھا کہ جینا دوبھر تھا۔ جو اس معیار پر پورا نہ اترے وہ جانور سمجھا جاتا تھا۔ دنیا کی اصلاح انسانوں کے بس سے باہر تھی۔ پانی سر سے اونچا ہو گیا تھا۔ معاملہ ایک ملک کی آزادی اور ایک قوم کی ترقی کا نہ تھا۔ معاملہ پوری انسانیت کی موت و زندگی کا تھا۔ سوال کسی ایک خرابی کا نہ تھا! انسانیت کا بدن داغ داغ تھا۔ دامن تار تار! اصلاح کے لئے جو لوگ آگے بڑھے وہ یہ کہہ کر پیچھے ہٹ گئے۔ ع

تیرے دل میں تو بہت کام رفو کا نکلا

فلسفی اور حکیم، شاعر اور ادیب کوئی اس میدان کا مرد نہ نکلا۔ سب اس وبا کے شکار تھے۔ مریض مریض کا علاج کس طرح کرے؟ اس دنیا کے مالک کو اپنے گھر کا یہ نقشہ پسند نہ تھا۔ آخرکار اس نے عرب کی آزاد اور سادہ قوم میں جو فطرت سے قریب تھی۔ ایک پیغمبر بھیجا کہ پیغمبر کے سوا اب اس بگڑی دنیا کو کوئی بنا نہیں سکتا تھا۔ اس پیغمبر کا نام نامی محمد بن عبداللہ ہے"۔

مولانا نے بعثت محمدیؐ سے قبل عرب میں جہل و ظلم کے سبب معاشرت کی جو ابتر اور دگرگوں حالت تھی اس کی جس انداز میں منظر کشی کی ہے، وہ اپنے آپ میں ایک مثال ہے، حضرت مولانا نے اپنی بیدار مغزی اور اعلیٰ بصیرت سے عربی اور اردو ادب میں جہاں ایک طرف انسانی زندگی سے متعلق اہم موضوعات پر اظہار خیال کیا تو دوسری طرف اپنی سحر بیانی سے نثر میں ایک نیا آہنگ، نیا بانکپن اور نکھار پیدا کیا۔ حضرت مولانا کی نثر کی یہی وہ خوبی ہے جس کی جانب اشارہ کرتے ہوئے مشہور و مقبول شامی نژاد عالم دین شیخ محمد المجذوب نے اپنی تصنیف " علماء مفکرون عرفتہم " میں لکھا ہے:۔

"شیخ ندوی کی تحریروں کو پڑھنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کی ادبی تحریریں ایک سحر ہے، ایک ایسا جادو ہے جو عموماً دوسرے مصنفین کی تحریروں میں نہیں ملتا۔"

حضرت مولانا علی میاںؒ نے زبان و ادب کی ترویج و ترقی کے لئے جب جنوری ۱۹۸۵ء میں "رابطہ ادب اسلامی" کے قیام کا اعلان کیا. اور اس کے ایک سال بعد جنوری ۱۹۸۶ء میں رابطہ کی پہلی کانفرنس لکھنؤ میں منعقد ہوئی تو اس میں ادب اسلامی کی بنیادیں مضبوط کرنے، ادب اسلامی کے فن تنقید کے ضوابط مرتب کرنے، جدید ادبی فنون یعنی حکایتی اقسام ادب اور ادبی سوانح عمریوں کے بارے میں اسلامی اصول طے کرنے، ادب اسلامی کی تاریخ از سر نو مرتب کرنے، اسلامی ادبا کے مثالی نمونے جمع کرنے، ادب اطفال کی تیاری پر توجہ دینے، ادب اسلامی کی حیثیت کو تسلیم کرانے اور دنیا کے اسلامی ادبا کے درمیان خوشگوار رابطہ قائم کرنے، بامقصد ادب کی تخلیق کی راہ ہموار کرنے اور اسلامی ادبا کے مادی و معنوی حقوق کا تحفظ اور دفاع کرنے نیز ان کے تخلیقی ادب کی اشاعت کا بندوبست کرنے کے ساتھ ہی رابطہ کا یہ اعلیٰ نصب العین

بھی طے کر دیا کہ رابطہ کی یہ کوشش ہوگی کہ ادب خیر کا ذریعہ اور تعمیر کا وسیلہ بنے اور شر کا ذریعہ اور تخریب کا وسیلہ نہ بنے۔ اسلامی شعر و ادب کے فروغ کے لئے حضرت مولانا نے نہ صرف تمام ادبی تحریکوں کا غائر مطالعہ کیا۔ بلکہ ان کی خامیوں اور کمیوں کی نشاندہی بھی کی۔ کلاسیکی، رومانی، مارکسی، ترقی پسندی، جدیدیت اور مابعد جدیدیت تمام تحریکوں کا مطالعہ کرنے کے بعد حضرت مولانا نے ادب کے بارے میں اپنا حتمی نقطۂ نگاہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے:۔

"ادب، ادب ہے خواہ وہ کسی بھی مذہبی انسان کی زبان سے نکلے، کسی پیغمبر کی زبان سے ادا ہو۔ کسی آسمانی صحیفہ میں ہو، اس کی شرط یہ ہے کہ بات اس انداز سے کہی جائے کہ دل پر اثر ہو۔ کہنے والا مطمئن ہو کہ میں نے بات اچھی طرح کہہ دی، سننے والا اس سے لطف اٹھائے اور اسے قبول کرے۔"

اور یہ بھی ممکن ہوگا جب زبان میں کشش ہو۔ جاذبیت ہو اور وسعت ہو۔ اس کے ساتھ ہی زبان اتنی آسان، عام فہم اور سلیس ہو کہ قاری آسانی سے سمجھ بھی سکے۔ اور دل کی بات دل میں بیٹھ سکے۔ حضرت مولانا علی میاں نے لندن کے شہر لیڈس میں واقع لیڈس یونیورسٹی میں ۲۶ر جون ۱۹۶۹ء کو منعقدہ طلباء کے ایک جلسہ کو خطاب کرتے ہوئے مسلم قائدین میں گرمئ گفتار اور ایمانی قوت کی کمی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

"دل کی زبان سے وہ بالکل ناآشنا ہیں، وہ ان (عوام) سے اس زبان میں بات نہیں کر سکے جو سیدھی ان کے دل کی گہرائیوں میں اتر جائے، جو ان کے دل کے ساز کو چھیڑ دے۔ جو ان کو دیوانہ اور مجنوں بنا دے۔ جو ان کو ہتھیلی پر سر رکھ کر میدان میں لے کے آئے۔ ایمان کی زبان، قرآن کی زبان، صحابہ کی زبان۔ جب تک کوئی شخص کسی کی زبان نہ جانے وہ اس سے کیسے بات کر سکتا ہے، میں اگر یہاں کے انگریزی فضلاء سے بات کرنا چاہوں اور مجھے انگریزی پر قدرت نہ ہو اور وہ میری زبان نہ سمجھتے ہوں تو "زبانِ یار من ترکی و من ترکی نمی دانم" کا منظر ہوگا۔"

(مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں ص ۱۴۸)

حضرت مولانا علی میاںؒ صرف تحریر کے ہی نہیں تقریر کے بھی غازی تھے۔ جب وہ تقریر کرتے تھے تو لگتا تھا کہ جیسے الفاظ کا ایک بحر بیکراں دماغ سے نکل کر زبان پر آنے کے لئے بے قرار و بے تاب ہے۔ چھوٹے چھوٹے جملوں میں اپنی بات ایسے پر اثر انداز میں کہہ دیتے تھے کہ وہ لوگوں کو بھلی لگتی تھی۔ اور دلوں میں بیٹھ جاتی تھی۔ حضرت مولانا نے لکھنؤ میں ۲۱ دسمبر ۱۹۶۹ء کو منعقدہ ایک تبلیغی اجتماع میں جو تقریر کی تھی اس کے درج ذیل اقتباس میں سلاست و روانی اور ادبیت کار فرما نظر آتی ہے۔

"آج غیر مذہبی انسان، غیر مذہبی انسان سے لڑ رہا ہے، آج غرض سے غرض لڑ رہی ہے۔ آج ہوس ہوس سے ٹکرا رہی ہے، آج شیطان سے شیطان ٹکرا رہا ہے، آج مال سے مال ٹکرا رہا ہے، آج اقتدار سے اقتدار لڑ رہا ہے، آج حکومت سے حکومت لڑ رہی ہے، آج پارٹی سے پارٹی لڑ رہی ہے، ہماری لڑائی اغراض کی ہے.... کبھی مخلص مخلص سے نہیں لڑ سکتا، کبھی روحانیت روحانیت سے نہیں لڑ سکتی۔ ہمیشہ جھوٹ جھوٹ سے لڑتا ہے۔ ہمیشہ نفاق نفاق سے لڑتا ہے۔ ہمیشہ باطل باطل سے لڑتا ہے۔ ہمیشہ اغراض اغراض سے لڑتے ہیں۔ سارا فساد دنیا میں اغراض کا ہے..... مذہب کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔"

(مغرب سے صاف صاف باتیں ص ۹۲-۱۸۱)

اور پھر جب کبھی تقریر میں اصلاحی پہلو غالب آجاتا تھا تو حضرت مولانا علی میاں کا لہجہ قدرے درشت ہو جاتا۔ اور خطاب ناصحانہ شکل اختیار کر لیتا تھا۔ مثال کے طور پر ملت کی بے راہ روی اور شریعت سے سرد مہری جب ان سے برداشت نہیں ہوتی تو وہ برجستہ کہہ اٹھتے ہیں:۔

"ارے صاحب! یہ امت مرحومہ، یہ اشرف الامم کس طرح ذلیل اور کیسی خوار ہے۔ ہر جگہ پٹ رہی ہے، اور یہ نہیں دیکھے کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔ آپ اپنی زندگی میں کون سی تبدیلی لائے۔ اتنے دنوں سے وعظ ہو رہے ہیں، تبلیغی جماعت کام کر رہی ہے، ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ نہ شادی بیاہ کے رسم و رواج میں کوئی فرق ہے بیسؔ برس پہلے اور دسؔ برس پہلے جو طرز زندگی تھا وہی آج بھی ہے، جو نماز کے پابند نہیں وہ نماز کے پابند نہیں، جو پینے پلانے کا عادی تھا وہ پینے پلانے کا عادی ہے، جو مال میں، حقوق العباد میں، معاملات میں دیانتداری کو ضروری نہیں سمجھتا وہ اب بھی ضروری نہیں سمجھتا، جو ہاتھ لگ جائے وہ اپنا مال۔"

(پندرہ روزہ تعمیر حیات ۱۰ر اگست ۱۹۸۶ء ص ۱۵)

ان اقتباسات کا ادبی اور فنی نقطۂ نگاہ سے مطالعہ کیا جائے تو ان میں ادبیت کے ساتھ ساتھ نظم کا رنگ و آہنگ صاف نظر آئے گا۔

"ادب دراصل انسانی زندگی اور تہذیب کا آئینہ دار، ترجمان اور نقاد ہوتا ہے جو انسان میں سماجی اور اخلاقی قدروں کو سمجھنے اور برتنے کا شعور پیدا کرتا ہے، یہ ایک حقیقت ہے کہ زمانہ کے تغیر کے ساتھ ہی ادبی رجحانات اور میلانات میں بھی تبدیلی رونما ہوتا رہا ہے۔

ایک زمانہ تھا جب ادب برائے ادب یا فن برائے فن کا دور دورہ تھا لیکن رومانی اور جمالیاتی تحریک جب ادبا اور شعراء کو فرسودہ نظر آئی تو ترقی پسند تحریک نے عروج پایا اور اشتراکیت کو اس درجہ تقدم حاصل ہوا کہ مذہبیت کو رجعت پرستی قرار دے کے اسے یکسر مسترد کر دینے کی تحریک چل پڑی، اور پھر اس تحریک نے بھی جس کا آغاز ۱۹۳۶ء میں ہوا تھا ۱۹۴۷ء تک پہونچتے پہونچتے دم توڑ دیا۔

حالانکہ ترقی پسند ادیبوں نے رجعت پرستی پر اور ترقی پسندی کے تفاوت کی وضاحت کرتے ہوئے اپنے اعلان نامہ میں یہ دعوی کیا تھا کہ "وہ ادب جو ہم کو سست اور بے کار بناتا ہے، رجعت پسند ہے اور وہ ادب، جو تنقید کی قوت پیدا کرتا ہے، جو عقل کی روشنی میں ہمارے رسم و رواج کو جانچتا ہے جو تنظیم اور عمل میں ہماری مدد کرتا ہے، ترقی پسند ہے۔"

(اردو ادب کے رجحانات پر ایک نظر، ڈاکٹر عبد العلیم ص۱۵)

یہ وہ تحریک تھی جس کی ہم عصر ادیبوں اور تنقید نگاروں نے کھل کر مخالفت بھی کی تھی۔

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے بھی اس تحریک کو مسترد کرتے ہوئے اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کیا تھا:۔

"اس دور میں یہ شرط لگادی گئی کہ جب تک آدمی ترقی پسندی کی بات نہ کرتا ہو، جب تک قدیم چیز کا مزاق نہ اڑاتا ہو، جب تک مذہبی صحیفوں پر بھی کوئی چھینٹ نہ ڈال دیتا ہو اس وقت تک وہ ادب نہیں..... میں صاف کہتا ہوں اور دبستان ادب کے ایک ادنی طالب علم کی حیثیت سے کہتا ہوں کہ ادب کی سب سے پہلی زیارت جو نصیب ہوئی وہ آسمانی صحیفوں میں نصیب ہوئی، ادب تھا کہاں؟ لیکن خدا نے انسانوں کو سمجھانے کے لئے اپنے پیغمبروں کو بھیجا اور ان کو زبان دی اور ان پر معانی کے ساتھ الفاظ وارد کئے تو معلوم ہوا کہ ادب اسے کہتے ہیں۔ پھر قرآن مجید نے آکر تو اس پر ہمیشہ کے لئے مہر لگادی۔"

دراصل قرآن مجید کے علوم و معارف، رموز و نکات، افہام و تفہیم اور تشریح و تفسیر کوئی آسان کام نہیں ہے، حالانکہ اللہ تعالی نے قرآن مجید کو جس زبان میں اتارا اسے "عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ" سے موسوم کیا یعنی "بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ" بتایا۔ اس میں اللہ تعالی کا خود ارشاد ہے،

"وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ"

(سورہ ابراہیم۔۴)

اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اسی کی قوم کی زبان میں، تاکہ وہ انھیں سمجھا سکے۔

حضرت مولانا علی میاںؒ نے اس آیت کی تشریح و توضیح کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

"اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ نے صرف قابل فہم زبان دے کر انھیں بھیجا بلکہ یہ ہے کہ انھیں فصاحت و بلاغت کے ساتھ بھیجا۔ قرآن میں "لسان" کا مفہوم بھی ہے کہ وہ زبان جس میں بچہ بولتا ہے، غیر قادر الکلام آدمی بھی بات کرلیتا ہے وہ مراد نہیں۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

أنا أعربكم، أنا قريشي استرضعت في بني سعد بن بكر۔

(سیرت ابن ہشام جلد ۱ ص۱۶۶ بروایت ابن اسحاق)

میں تم میں سب سے زیادہ فصیح ہوں، میں قریشی ہوں اور میں نے بنی سعد بن بکر میں پرورش پائی ہے۔"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ادب کی قدر و قیمت واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"ان من البيان لسحرا وان من الشعر لحكمة"

(ترمذی و ابوداؤد عن ابن عباسؓ)

بعض کلام سحر اور بعض اشعار حکمت ہوتے ہیں۔

اسی طرح حضرت مولاناؒ نے فاسد و سقیم عامیانہ اور تخریبی ادب کے بارے میں قرآن کی روشنی میں یہ حتمی فیصلہ بھی گوش گذار کر دیا۔

"قرآن نے اپنے معجزانہ انداز میں فاسد و سقیم اور تخریبی ادب کو "زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا" (ملمع کاری اور فریب) کے بلیغ اور معنی خیز الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ ہم سطحیت کے عہد میں جی رہے ہیں ہمارا سابقہ زیادہ تر سطحی ادب سے ہے۔ مگر

ی اور عصر حاضر کی اور خاص طور سے ر ان کی بڑی ضرورت ہے، ادب مقصدی ہے، جو قوت و زندگی سے بھرپور اور جو بلند و آسانی ہو، اور عالمگیر سلامی و انسانی پیغام کا حامل و علمبردار " (نقوش اقبال ص ۳۳-۳۴)

مقصدی ادب کا جہاں تک تعلق ہے لئے بلند فکر، ادبی ذوق، حکمت و معنویت، ذوق، زود طبع اور عالی حوصلگی کی ضرورت اس کے ساتھ ہی تخلیق ادب میں یقین ور جب صادق بھی لازمی ہے کیونکہ بقول ل بیان "زندگی اگر محبت و یقین کے جذبہ ہے تو پھر وہ زندگی زندگی نہیں بلکہ موت پھر ایسی زندگی کیا؟ جس میں طبیعتیں مردہ ہوں، نظم و نثر کے سرچشمے خشک ہوں گی کے شعلے بجھ چکے ہوں، ایسی حالت میں یقین ر جب صادق ہی حیات انسانی میں جلا پیدا اور انسانی زندگی رنگ و نور سے معمور ہے۔ پھر شستہ، پرسوز و پر درد، روح نواز لش کلام سننے میں آتے ہیں۔ خارق عادت قوت دیکھنے میں آتی ہے اور علم و ادب ا بھی زندۂ جاوید بن جاتے ہیں، بہا لنگ بت اگر پانی، مٹی اور اینٹ، پتھر میں داخل، تو اس کو بھی زندہ جاوید بنا دیتی ہے۔ سامنے اس کی روشن مثال مسجد قرطبہ، ر اور تاج محل ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ محبت کے بغیر ادب و فن مردہ و افسردہ و ناتمام ہیں

ما ہیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر
ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر

(نقوش اقبال ص ۹۵)

بہ ایک حقیقت ہے کہ جو بات صداقت ی پر مبنی ہوتی ہے اس میں جذب و ایجاب کی تاثیر بھی بدرجۂ اتم موجود ہوتی ہے۔ خواہ وہ کسی ناصح کی نصیحت ہو یا کسی مقرر کی تقریر، کسی مدبر کی تحریر ہو یا کسی داعی کی دعوت، اگر اس میں صداقت اور حقیقت کا عنصر کارفرما رہتا ہے تو وہ ایسا اثر کرتا ہے کہ لوگوں کے دلوں کو موہ کر ان کی دنیا ہی بدل دیتا ہے لئے وہ تخریب سے اپنا دامن بچاکر تعمیر کو ہی اپنی زندگی کا مقصد بنالیتے ہیں۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا علی میاں ندوی نے ادب کے بارے میں اپنا یہ مطمح نظر پیش کیا:

"حقیقی اور فطری ادب بن ہی نہیں سکتا جب تک کہ اس کے اندر مذہبی حقائق پر کچھ ایمان نہ ہو، اور دل کے اندر کچھ درد نہ ہو۔ ادب کی بڑی خاصیت اور قوت یہ ہے کہ وہ رجحانات و میلانات اور عمل، طرز فکر، اخلاق اور انقلاب کے محرکات پیدا کرتا ہے، اس لئے وہ بہت مفید بھی ہو سکتا ہے۔ اور بہت مضر بھی وہ بڑی تعمیری طاقت بھی ہے اور تخریبی قوت بھی، اسی لئے اس کو کسی حال میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس کو تعمیر کے لئے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے، اور تخریب کے لئے بھی، اور دونوں کے مظاہر ہر دور میں دیکھنے میں آسکتے ہیں۔ وہ معاشرہ کی تخلیق بھی کر سکتا ہے اور حکومتوں کی تعمیر اور تاسیس بھی۔ اس لئے اس کی سخت ضرورت ہے کہ اس کو کتابۃً اور خطابۃً شعراً و نثراً) صحیح رخ پر لگایا جائے اور اس کے تخریب، انتشار خیال اور لذت اندوزی اور نفس پروری کا ذریعہ بننے کے بجائے اسی کو خیر پسندی، اصلاح و تقوی، ضبط نفس اور صحیح رہنمائی کا آلہ اور ہتھیار بنایا جائے۔"

حضرت مولانا علی میاں نے ایک بلند پایہ ادیب، ایک ممتاز نقاد، محقق اور مبصر کی حیثیت سے بھی دنیائے ادب میں اپنی ایک مخصوص پہچان بنالی تھی۔ حضرت مولانا نے اپنے والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحی صاحبؒ کی تصنیف "گل رعنا" کے چھٹے ایڈیشن میں بے حد اہم پیش لفظ لکھ کر جو ادبی کارنامہ انجام دیا ہے وہ قابل صد ستائش ہے، یہ پیش لفظ در اصل حضرت مولانا کا تحریر کردہ وہ مضمون ہے جو پہلے شائع ہو چکا تھا اور اس میں مولانا محمد حسین آزاد کی تصنیف "آب حیات" کی ان کوتاہیوں اور اس کے متعدد بیانات، روایات اور حوالوں کی تاریخی و دستاویزی صحت و صداقت ثابت نہ ہونے سے متعلق ایسے تاریخی ثبوت پیش کئے گئے تھے کہ جن کا ریاضی کے نتائج کی طرح انکار ممکن نہیں۔

مولانا محمد حسین آزاد کی ادبی خصوصیات اور سخن شناسی اور لطافت ذوق کا اعتراف کرتے ہوئے حضرت مولانا علی میاں نے ان کی بعض کوتاہیوں کی نشاندہی اپنے مقالہ میں درج ذیل الفاظ میں کی ہے:۔

"آب حیات میں متعدد تاریخی فروگذاشتیں پائی جاتی ہیں اور بعض ایسے بیانات ہیں جن کی تصدیق ان کتابوں سے نہیں ہوتی جن کا حوالہ دیا گیا ہے اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ آزاد نے ان کے بارے میں سنی سنائی روایات پر یا اپنے حافظہ پر اعتماد کیا اور کتاب کی تصنیف کے وقت اصل ماخذ کی طرف رجوع کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی، یا ان کتابوں کے کسی شوشہ اور نقطہ کو اپنے گہربار قلم اور قوت متخیلہ سے بڑھا چڑھا کر کہیں سے

کہیں پہونچا دیا۔ وہ زمانہ کتابوں کی کمیابی کا تھا اس لئے کوئی حیرت و استعجاب کی بات نہیں کہ اردو کے بعض بنیادی تذکرے ان کی نظر سے نہ گذرے ہوں، مثلاً یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچ گئی ہے کہ میر تقی میر کا تذکرہ نکات الشعرا ان کی نظر سے نہیں گذرا، اور اس کے لئے "آب حیات" میں داخلی شہادتیں موجود ہیں۔ صرف نکات الشعرا ہی نہیں، اندازہ ہوتا ہے کہ آزاد کی نظر سے مصحفی کا تذکرہ بھی نہیں گذرا یا کم سے کم "آب حیات" کی تصنیف کے وقت وہ پیش نظر نہیں تھا۔

متعدد مقامات پر ان کے مذہبی جذبات یا ذاتی تعلقات غیر جانبدارانہ تاریخ نویسی کے تقاضوں پر غالب آگئے ہیں۔ اس طرح "آب حیات" اپنے مصنف کے دور تک بھی اردو شاعری کے تمام عہدوں کے باکمال شعرا کے پورے تذکروں پر حاوی نہ تھی اور بہت سے ایسے شعرا و اساتذہ نظر انداز ہو گئے جو نظر انداز ہونے کے قابل نہ تھے۔"

(تفصیل کے لئے دیکھیں "گل رعنا" حکیم سید عبدالحی، چھٹا ایڈیشن صـ۱۳، ۱۴)

یہ اقتباس اگرچہ قدرے طویل ہے تاہم اس سے حضرت مولانا علی میاں کی تاریخی، تحقیقی اور ادبی صلاحیت، اپنے تمام تر محاسن کے ساتھ ابھر کر سامنے آجاتی ہے۔ حضرت مولانا نے اپنے اسی مقالہ میں ادبی مزاج اور تاریخی مزاج کے فرق کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا:۔

"ادبی مزاج اور تاریخی مزاج میں ایک طرح کا بعد اور ادبی تقاضوں اور تاریخی تقاضوں میں بعض اوقات تعارض پایا جاتا ہے، ادب تخیل پسند ہوتا ہے اور تاریخ حقیقت پسند، ادب اپنی پرواز کے لئے آزاد اور بے قید فضا چاہتا ہے، تاریخ اپنے سفر کے لئے ایک محدود اور نپا تلا راستہ، ادب تشبیہ و استعارہ اور تخیل سے آب و رنگ پیدا کرتا ہے، اور تاریخ حوالوں، واقعات اور قدیم تحریروں کی پابندی سے گراں بار ہوتی ہے۔" (گل رعنا صـ۱)

حضرت مولانا علی میاںؒ کا سب سے بڑا کارنامہ اقبالیات پر ان کی گراں مایہ عربی تصنیف "روائع اقبال" ہے جس کا اردو ترجمہ "نقوش اقبال" کے عنوان سے مشہور ادیب و محقق مولانا شمس تبریز خاں نے کیا ہے اور ترجمہ کے فنی محاسن کا پورا حق ادا کیا ہے۔ حضرت مولانا کی اس تصنیف سے صرف دنیائے عرب میں ہی نہیں بلکہ برصغیر ہند و پاک کے ادبی حلقوں میں بھی انھیں زبردست قدر و منزلت اور شہرت و نیک نامی حاصل ہوئی۔ علامہ اقبال حضرت مولانا کے سب سے پسندیدہ شاعر تھے، اور ان سے انسیت اور وارفتگی کا یہ عالم تھا کہ سولہ سال کی عمر میں ہی اقبال کی نظم "چاند" کا عربی میں ترجمہ کیا اور جون ۱۹۲۹ء میں لاہور میں ان سے ملاقات کے دوران انھیں جب دکھایا تو وہ حیرت زدہ رہ گئے۔ اس کے بعد ۲۲ر جون ۱۹۳۷ء کو علامہ اقبال سے حضرت مولانا کی دوسری ملاقات ہوئی اور ان کے افکار و خیالات کو جاننے کا موقع ملا، جس سے انھیں محسوس ہوا کہ ان کے اور علامہ اقبال کے خیالات میں بڑی یکسانیت ہے۔ اس سلسلہ میں موصوف کا یہ اعتراف قابل ذکر ہے:۔

"میری نشو و نما اس عہد میں ہوئی جب اقبال کا فن شہرت کے بام عروج پر پہونچ چکا تھا۔ سب سے بڑی چیز جو مجھے آپ کے فن کی طرف لے گئی وہ بلند حوصلگی، محبت اور ایمان ہے جس کا بہترین امتزاج ان کے شعر اور پیغام میں ملتا ہے اور جس کا ان کے معاصرین میں کہیں پتہ نہیں لگتا۔ میں بھی اپنی طبیعت اور فطرت میں انہی تینوں کا دخل پاتا ہوں، میں ہر اس ادب اور پیغام کی طرف بے اختیارانہ بڑھتا ہوں جو بلند نظری، عالی حوصلگی اور احیاء اسلام کی دعوت دیتا اور تسخیر کائنات اور تعمیر انفس و آفاق کے لئے ابھارتا ہے۔ میری پسند اور توجہ کا مرکز وہ اس لئے ہیں کہ وہ بلند نظری، محبت اور ایمان کے شاعر ہیں، ایک عقیدہ، دعوت اور پیغام رکھتے ہیں اور مغرب کی مادی تہذیب کے سب سے بڑے ناقد اور باغی ہیں۔ وہ اسلام کی عظمت رفتہ اور مسلمانوں کے اقبال گذشتہ کے لئے سب سے زیادہ فکرمند، تنگ نظر قومیت و وطنیت کے سب سے بڑے مخالف اور انسانیت و اسلامیت کے عظیم داعی تھے۔"

حضرت مولانا علی میاں علامہ اقبال کے معترف بھی تھے اور بے باک ناقد بھی تھے۔ حضرت مولانا نے انتہائی صاف گوئی سے ان کے بارے میں اپنے ان خیالات کا بھی اظہار کر دیا تھا:۔

"میں اقبال کو کوئی معصوم و مقدس ہستی اور کوئی دینی پیشوا اور امام مجتہد نہیں سمجھتا اور نہ میں ان کے کلام سے استناد اور مدح سرائی میں حد افراط کو پہونچا ہوا ہوں، جیسا کہ ان کے غالی معتقدین کا شیوہ ہے...... اقبال کے یہاں اسلامی

عقیدہ و فلسفہ کی ایسی تعبیریں بھی ملتی ہیں جن سے اختلاف کرنا مشکل ہے۔ میں بعض پرجوش نوجوانوں کی طرح اس کا بھی قائل نہیں کہ اسلام کو ان سے بہتر کسی نے سمجھا ہی نہیں اور اس کے علوم وحقائق تک ان کے سوا کوئی پہونچا ہی نہیں...... ان کی ناقد شخصیت میں ایسے کمزور پہلو بھی ہیں جو ان کے علم وفن سے میل نہیں کھاتے اور جنہیں دور کرنے کا موقع انھیں نہیں ملا۔"

(نقوش اقبال ص ۳۳-۳۴)

بہرحال روائع اقبال نے جب روح اقبال کا اردو جامہ پہنا تو علامہ اقبال کے فرزند ڈاکٹر جاوید اقبال نے اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے لکھا:-

"جناب مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی فکر اقبال سے متعلق عربی مقالات یعنی "روائع اقبال" کی بیروت و دمشق میں اشاعت کے بارے میں میں نے بہت کچھ سن رکھا تھا۔ اب "نقوش اقبال" کی صورت میں خود مصنف کی نظر ثانی اور رضامندی کے بعد اس کتاب کا اردو ترجمہ میری نظر سے گذرا...... آپ نے فکر اقبال کے مختلف پہلوؤں کو ایسے انداز میں پیش کیا ہے، جیسے انھیں اقبال محسوس کرتے یا چاہتے تھے۔ علامہ کی بڑی خواہش تھی کہ ان کا پیغام عربوں تک پہونچے۔ مگر عربی زبان میں عربوں کو پیغام اقبال سے روشناس کرانے کا امتیاز ایک ہندی مسلمان یعنی سید صاحب کے حصہ میں مقدر تھا۔"

حضرت مولانا علی میاں کی تصنیف "نقوش اقبال" کی اہمیت وافادیت کا اندازہ اس تصنیف میں شامل ممتاز و معروف ادیب اور ناقد پروفیسر رشید احمد صدیقی کے مقدمہ کے اس اقتباس سے بخوبی ہوجاتا ہے:-

"عربی زبان وادب، نیز تحریر و تقریر میں موصوف (حضرت مولانا علی میاں) کو جو غیر معمولی درک ہے اور عالم اسلام کے دینی و ثقافتی مسائل پر جیسا عبور ہے اس کے سبب سے موصوف کے فرمودات کو ہندوستان ہی نہیں، باہر کے ممالک اسلامیہ میں جو وزن اور رفعت حاصل ہے، وہ موجودہ ہندوستان کے شاید ہی کسی عالم دین کے حصہ میں آئی ہو۔ اسی بنا پر سید صاحب کو ملت کا سفیر کبیر کہنے کا حق پہونچتا ہے۔

میرا خیال ہے، مولانا پہلے عالم دین ہیں جنہوں نے موجودہ صدی کی اردو شاعری کے سب سے بڑے نمائندہ اور عظیم شاعر اقبال کی شاعری اور شخصیت کا مطالعہ غیر معمولی شوق اور بصیرت سے کیا ہے، ورنہ بیشتر علماء ہر جدید کو بالعموم مشتبہ ورنہ بڑی احتیاط سے دیکھنے کی طرف مائل رہے ہیں... سید صاحب کے ایک منفرد اور روشن خیال عالم دین اور شعروادب کے مبصر ہونے کی حیثیت سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا۔ موصوف نے اقبال کی تائید و ترجمانی جس خوبی سے کی ہے اس سے میرے ایک دیرینہ خیال کی تصدیق ہوتی ہے کہ اقبال کا کلام ہمارے لئے اس صدی کا علم کلام ہے جو ایک نامعلوم اور طویل مدت تک تازہ کار رہے گا:"

(نقوش اقبال ص۱۶)

حضرت مولانا علی میاں نے "نقوش اقبال" میں فکر اقبال کو کس خوبی اور خوش اسلوبی سے واضح کیا ہے اس تصنیف کے درج ذیل اقتباس سے اس کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے:-

"اقبال اپنی امید کوشی، آرزو مندی اور رجائیت کے پیش نظر یہ توقع ظاہر کرتے ہیں کہ سیاسی صدمات اور مصائب اور حوادث و آلام نے اگرچہ عالم اسلامی کو گھیر لیا ہے، لیکن اس سے وہ بیدار بھی ہوگیا ہے اور اس میں نئی زندگی اور تازگی کے آثار پیدا ہوچکے ہیں...... یہ آثار ایسے ہیں کہ مسلمانوں کو شکوہ ترکمانی، ذہن ہندی، نطق اعرابی اور ان کی عظمت رفتہ ملنے والی ہے۔

مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفان مغرب نے
تلاطم ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی
عطا مومن کو پھر درگاہ حق سے ہونے والا ہے
شکوہ ترکمانی، ذہن ہندی، نطق اعرابی

اقبال کہتے ہیں کہ ان کی فطرت سیمابی اور ان کی طبیعت سراپا بے تابی ہے۔ وہ اگر آج اس کروٹ ہیں تو کل بیداری کی بھی کروٹ بدلیں گے

چل جدا پارے سے ہوسکتی نہیں تقدیر سیمابی

ان کی نگاہ میں سرشک چشم مسلم، صرف آنسو نہیں بلکہ ابرنیساں ہے جس سے دریائے خلیل سے لعل و گہر پیدا اور سیراب ہوتے ہیں۔ مسلمان ان کی نظر میں خدائے لم یزل کا دست قدرت اور زبان ہے اور ستارہ بھی اس کے کاروان کی گرد راہ میں، وہ چونکہ خدا کا آخری پیغام ہے اس لئے جاوداں اور ازلی وابدی پر محیط ہے اور اس کی فطرت،

ممکنات زندگی کی امین اور وہ اشیا کا
پاسبان ہے اسلام اور زندگی ایک
ہی حقیقت کے دو نام ہیں اس لئے مسلمانوں
کی نشأۃ ثانیہ بھی نوشتہ تقدیر ہے ؎

ترے علم و محبت کی نہیں ہے انتہا کوئی
نہیں ہے تجھ سے بڑھ کر سازِ فطرت میں نوا کوئی

اقبال مایوس کن مشاہدات اور تجربات کے باوجود ملت اسلامیہ سے کبھی ناامید نہیں ہوئے بلکہ اس کی صلاحیتوں اور امکانوں کے پیش نظر یہی کہتے رہے ؎

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

حضرت مولاناؒ نے علامہ اقبال کے ادبی عقیدہ اور شعری محاسن کی وضاحت کرتے ہوئے آگے لکھا ہے:۔

"اقبال کا یہ عقیدہ ہے کہ ادب میں اس وقت تک جان نہیں پڑتی جب تک کہ وہ اپنی زندگی اور توانائی دھڑکتے دل کی گہرائیوں سے نہیں حاصل کرتا اور خون جگر سے سیراب نہیں ہوتا۔ وہ ایک شعر میں اس وسیع مضمون کو ادا کر دیتے ہیں ؎

نقش ہیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر

(نقوش اقبال ص۵۶)

اسی شعر کے سیاق و سباق میں یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ حضرت مولانا علی میاں ندوی علامہ اقبال کے علاوہ جگر مرادآبادی کے بھی زبردست مداح تھے، اور ان کی شاعری کو فنی اعتبار سے لافانی، بلند اور برتر سمجھتے تھے۔ اس ضمن میں جگر مرادآبادی کے بارے میں حضرت مولانا کے درج ذیل تاثرات کافی اہمیت رکھتے ہیں۔ کیونکہ حضرت مولانا جگر کو "خاتم المتغزلین" مانتے تھے:۔

"اردو میں جدیدیت کی تحریک سے کچھ پہلے جن سربرآوردہ غزل گو شعراء نے اردو غزل کو ایک نیا رنگ و آہنگ بخشا اور تعمیری رخ عطا کیا، ان میں اصغر و فانی کے بعد مولانا حسرت موہانی، جگر مرادآبادی، شفیق جونپوری اور روش صدیقی بہت ممتاز ہیں۔ مگر خاتم المتغزلین جگر نے غزل کو جو نئی معنویت اور نئی جہت عطا کی، اس کا جواب نہیں۔ انھوں نے غزل کو جس طرح حقیقت و مجاز، زہد و رندی، مستی و ہشیاری، جنون و حکمت اور بے خودی و خودنگری کا آئینہ دار بنایا۔ وہ لافانی حیثیت رکھتا ہے۔

جگر صاحب کے بعد جن لوگوں نے یہ رنگ سخن اپنایا اور اسے ترقی دی، ان میں روش صدیقی، تسکین قریشی، عارف عباسی، فاروق بانسپوری، سید صدیق حسن اور حبیب احمد صدیقی کے نام لئے جا سکتے ہیں۔ ان شعراء نے غزل کو رفعت و طہارت، پاکیزگی و برگزیدگی، سنجیدگی اور شائستگی کا جامہ پہنایا اور مجاز کے ساتھ حقیقت کے جلوے دکھائے۔ غم جاناں کے پہلو میں غم دوراں کو جگہ دی اور روایتی انداز سے الگ رہ کر نئے حالات و حادثات کی طرف بھی اشارے کئے۔"

(شمیم، شمیم جے پوری۔ مقدمہ از مولانا علی میاںؒ)

جگر مرادآبادی اور تسکین قریشی کے رنگ و آہنگ میں غزل گوئی کو اپنا سرمایۂ افتخار سمجھنے والے شمیم جے پوری کا شعر و ادب میں اپنا ایک مقام ہے۔ حضرت مولانا علی میاں نے شمیم جے پوری کے شعری مجموعہ "شمیم" کے اپنے مقدمہ میں ان کے شعری محاسن کو اجاگر کرتے ہوئے لکھا ہے

"آج کل جگر اور تسکین کے رنگ میں غزل کہنے والوں میں شمیم صاحب کو پہلا مقام دینا ہوگا۔ وہ اب اردو کی شعری روایت کے وارث و امین اور ان محترم شعراء کے جانشین ہیں....... یہ جگر اور جگر اسکول کے شعراء کی شریفانہ شاعرانہ روایت کا تتمہ و ضمیمہ اور اس کی توسیع و تکمیل ہیں۔

شمیم صاحب کے کلام کی سب سے بڑی خصوصیت اس کی سادگی و صفائی، روانی و بے تکلفی، شستگی و شگفتگی ہے۔ اس میں عموماً مشکل الفاظ اور دشوار ترکیبوں سے بچا گیا ہے اور آسان عام فہم اور مروجہ شعری پیرایۂ بیان اختیار کیا گیا..... وہ غزل کی زبان اور اس کے لہجے کے رمز آشنا اور نکتہ شناس ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کے کلام میں نغمگی، خوبی دلکشی و رعنائی، سلاست و حلاوت ایک متوازن آہنگ اور ایک مترنم کیف کا احساس ہوتا ہے، اور ذوق و وجدان لذت یاب ہوتے ہیں۔"

(شمیم، شمیم جے پوری۔ مقدمہ مولانا علی میاں ص۵)

حضرت مولانا علی میاں ندوی نے غزل اور دیگر اصناف سخن کے مقابلہ میں نعت گوئی کو ہمیشہ ترجیح دی ہے، اور ناقدین سے یہ شکوہ بھی کیا ہے کہ ہمارے تنقید نگاروں نے اس کی طرف بہت کم توجہ دی ہے، جبکہ اس سے کم اہمیت کے اصناف سخن پر بہت کام ہوا۔ ان کو خوب داد دی گئی۔ لیکن اس فن کا حق ادا نہیں کیا گیا۔ حضرت مولانا نے نعت گوئی کو سب سے زیادہ مؤثر

جامع اور اعلیٰ صنف سخن قرار دیتے ہوئے یہ دعویٰ کیا ہے:

"فارسی اور اردو شاعری کا مطالعہ عام ڈگر سے ہٹ کر انصاف اور حقیقت پسندی کے ساتھ کیا جائے تو شاید سب سے زیادہ طاقتور، سب سے زیادہ بھرپور صنف سخن "نعت" قرار پائے گی۔ تنوع اور مقدار و معیار کے اعتبار سے نمایاں اور ممتاز یہ صنف سخن اردو اور فارسی کی معروف روایتی ہیئتوں میں سے کسی ایک ہیئت و شکل کی پابند نہیں، بلکہ قصیدہ، مثنوی، مسدس، مخمس، قطعہ، غزل اور شاعری کی جدید ہیئتوں میں بھی قوت و تاثیر اور فنی خوبیوں سے بھرپور نعتیہ نمونوں کی کمی نہیں۔ نعت نگاری کا محرک دراصل محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مقدس اور قوی جذبہ ہوا کرتا ہے۔ اور عشق کی آنچ میں تپ کر دل کی گہرائیوں سے نکلنے والا نالہ "لے" کا پابند نہیں ہوا کرتا۔ موضوع کے اس تقدس، جذبے کے خلوص، محبت کی قوت، آتش شوق کی آنچ اور شعراء کی قدرت کلام اور فنی چابک دستیوں نے اس فن کو بام عروج پر پہونچایا۔"

(اردو شاعری میں نعت گوئی۔ شاہ رشاد عثمانی۔ مقدمہ مولانا علی میاں ندویؒ ص۲)

جیسا کہ راقم الحروف نے اس مقالہ کی ابتدا میں قدیم و جدید دور کے بعض ایسے علماء و فضلاء کا ذکر کیا ہے، جو ادیب یا شاعر بھی تھے۔ اس سلسلہ کو کچھ اور آگے بڑھایا جائے تو ہمیں مولانا محمد احمد پھولپوریؒ اور مولانا قاری سید صدیق احمد باندویؒ جیسے متقدر علماء کے نام نامی اسم گرامی بھی نظر آتے ہیں، جو ممتاز و منفرد عالم دین ہونے کے ساتھ ہی شاعر بھی تھے، مولانا علی میاںؒ نے سراج الدین سراج، مظہر جان جاناں، خواجہ میر درد، حسرت، فانی، اصغر اور جگر کی صوفیانہ اور عشقیہ شاعری کا تجزیہ کرتے ہوئے مولانا محمد احمد پھولپوریؒ کے مجموعہ کلام "عرفان محبت" کے اپنے مقدمہ میں اضافے کے طور پر اپنے تاثرات کا ان الفاظ میں اظہار خیال کیا ہے:-

"حضرت (مولانا محمد احمد پھولپوریؒ) کی دو خصوصیتوں سے ضرور واقفیت ہے اور ان کے چشم دید مشاہدہ کا شرف حاصل ہوا۔ ایک انتہائی سادگی و تواضع، شفقت بزرگانہ، بلکہ محبت پدرانہ و مربیانہ دوسرے بلند پایہ عارفانہ کلام اور حضرت جگر مرادآبادی کے اس شعر کا مشاہدہ اور چشم دید نظارہ ؎

اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں
فیضان محبت عام سہی، عرفان محبت عام نہیں

حضرت کے یہاں عرفان محبت کا بھی نظارہ دیکھا۔ حضرت کے دیوان کا نام بھی کسی عارف نے صحیح طور پر "عرفان محبت" رکھا ہے .... ان کا کلام عشق و مستی سے بھرپور اور معرفت و محبت کا "شراب طہور" نظر آتا ہے۔ ان کے کلام میں عشق و محبت کا مضمون اور گرمی و سرمستی اتنی نظر آتی ہے کہ ان کے دیوان کا نام صحیح معنی میں "عرفان محبت" ہی ہو سکتا ہے...... اردو کے بعض اساتذہ و شعراء کے اشعار نیز ہندی دوہوں پر مولانا کے بعض ترمیمی و اصلاحی شعر بھی ہیں، جو لطف سے خالی نہیں۔ غرض اس مجموعہ کلام کو پڑھ کر اچھے اچھے حاضر باشوں کو بھی مولانا ہی کی زبان میں کہنا پڑتا ہے ؎

احمد تجھے نہ جانا نہ سمجھا تمام عمر
گو ساتھ جا رہے ہیں ترے آ رہے ہیں ہم"

(از: مولانا محمد احمد صاحبؒ مشاہدات و تاثرات — مصنف مولانا شمس الحق ندوی ص۱۴ تا ۲۰)

یہ کس قدر حیرت و استعجاب کی بات ہے کہ برصغیر ہند و پاک کے ادبی حلقہ میں حضرت مولانا علی میاں ندوی کو ان کی تصنیف "روائع اقبال" (نقوش اقبال) کے سبب ایک ادیب اور ناقد کی حیثیت سے وہ قدر و منزلت حاصل نہ ہو سکی، جو مولانا محمد حسین آزاد کو "آب حیات"، مولانا الطاف حسین حالی کو "مقدمہ شعر و شاعری" اور مولانا شبلی نعمانی کو "شعر العجم" کے سبب حاصل ہوئی۔ اسی طرح مولانا سید سلیمان ندوی کو بھی ایک ادیب کی حیثیت سے وہ عزت و شہرت نہ ملی جس کے وہ بہر حال مستحق تھے۔ ادیب و ناقد علماء کے معاملہ میں یہ ایک ایسی نامناسب بے اعتنائی اور بے توجہی ہے جس کی جانب اشارہ کرتے ہوئے ماہنامہ "نیا دور لکھنؤ" کے فاضل مدیر شاہنواز قریشی نے نیا دور کے مارچ ۲۰۰۲ء کے شمارہ میں "اپنی بات" اداریہ میں بالکل درست اور برمحل تجزیہ کیا ہے:

"نامور علمائے دین کی مذہبی شخصیت کے علاوہ ادبی شخصیت بھی مسلم ہے۔ لیکن ان کی نگارشات کو محض مذہبی نقطۂ نظر سے دیکھا جاتا ہے، جب کہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کی تحریروں کا ادبی تجزیہ بھی کیا جائے۔ یوپی اتر پردیش اکاڈمی کے ایک سمینار میں ان خیالات کا اظہار کرتے ہوئے عزت مآب جسٹس حیدر عباس رضا صاحب نے کہا تھا:

سید سلیمان ندویؒ نے معرکۃ الآرا کتاب "سیرت النبیؐ" لکھی۔ "سیرت النبیؐ"

کی ادبی حیثیت مسلم ہے لیکن اس جانب کوئی توجہ نہیں کی گئی۔ جسٹس رضا صاحب نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی نگارشات کا ادبی تجزیہ کرنے کی ضرورت پر زور دیا" اور کہا کہ جہاں تک حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی کی ادبی اہمیت اور ادبی حسن کا تعلق ہے اس کے سبھی معترف نظر آتے ہیں۔ اردو میں جدید ادب کے سب سے بڑے علمبردار ماہنامہ "شب خون" نے مولانا کی ادبی حیثیت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے۔

وہ اردو کے صاحب طرز نثر نگار بھی تھے، کلاسیکی اردو، فارسی ادب سے ان کی شناسائی صرف چند مشہور ناموں تک محدود نہ تھی۔ "نقوش اقبال" لکھ کر انھوں نے جدید ادب کی تنقید میں بھی ایک مقام حاصل کر لیا تھا۔ اردو شعر و ادب کے ارتقا اور تاریخ دونوں پر مولانا کی گہری نظر تھی۔

المختصر حضرت مولانا کی ادبی، تحقیقی اور تنقیدی حیثیت مسلم ہے۔ ان کی علمی و دینی خصوصیات کو اجاگر کرنے پر خوب سے خوب تر توجہ دی گئی۔ لیکن افسوس کہ ان کی ادبی و فنی صلاحیت کا تجزیہ کرنے پر جو خاطر خواہ توجہ دی جانا چاہئے تھی نہیں دی گئی۔ ان کی شخصیت اور ادبی خدمات کے موضوع پر بہرحال تحقیقی کام کرنے کا تقاضا شدت سے محسوس کیا جا رہا ہے۔

یہ نکتہ میں نے سیکھا بوالحسن سے
کہ جاں مرتی نہیں مرگ بدن سے
چمک سورج میں کیا باقی رہے گی
اگر بیزار ہو اپنی کرن سے

عالم ربانی کی یاد میں

کامل چاندپوری

حمد خدائے پاک سے کرتے ہیں ابتدا ... کرتے ہیں اس کے بعد شہ دیں کی ہم ثنا
جس وقت لائے اپنے تصور میں اس کو ہم ... چلنے سے پہلے رو دیا قرطاس پہ قلم
بائیس ماہ رمضاں مبارک جمعہ کا دن ... بعد زوال پورا ہوا با صفا کا دن
قرآن پڑھتے پڑھتے وہ خاموش ہو گیا ... رحمت کے جا کے سائے میں روپوش ہو گیا
گونجی خبر یہ ہو گیا ہر سمت پُر ملال ... سید ابوالحسن علی ندویؒ کا انتقال
تاریکیوں میں غرق ہوا ہے یہ جہاں ... صد حیف آج ہو گئی گل شمع ضوفشاں
عرب و عجم کی آج زمیں سوگوار ہے ... شمس و قمر اداس فلک اشکبار ہے
تکیہ کی روح رونق ندوہ چلا گیا ... ہمراہ اپنے لے کے اجالا چلا گیا
حاصل تھا اس کو علم و فراست میں وہ کمال ... اس دور میں نظیر نہ جس کی کوئی مثال
علم و ادب میں تھا اسے حاصل جہاں کمال ... اس دور میں وہیں تھا مؤرخ بھی بے مثال
ملت کے اتحاد میں کوشاں تھا صبح و شام ... انسانیت کا دے گیا دنیا کو وہ پیام
اہل زبان اہل قلم صاحب نظر ... دانائے راز راہ طریقت سے باخبر
مسکیں نواز اور سلاطیں کا ہم نشیں ... رفعت میں وہ فلک تھا تو اضع میں تھا زمیں
روشن وہ اک چراغ تھا بیت بتولؓ کا ... حسنی نسب تھا عالی جہیتا رسولؐ کا
شبنم کی طرح نرم تھا اپنوں پہ تھا نثار ... باطل کے حق میں رہتا تھا ہر وقت شعلہ بار
موڑا نہ اپنا رخ کسی طاقت کے سامنے ... سر خم ہوا نہ اس کا حکومت کے سامنے
جنتی گیا ہے اپنی تصانیف چھوڑ کر ... رشتہ خدا سے اس میں گیا ہے وہ جوڑ کر
خدمت میں جاتا مصلح امت کی بار بار ... آتا تھا اس کے قلب حزیں کو جہاں قرار
کرتا تھا دل سے حضرت احمدؒ کا احترام ... کرتا تھا آ کے صابری منزل میں وہ قیام
حضرت بھی تکیہ ندوہ کا کرتے رہے سفر ... دراصل باہمی یہ محبت کا تھا اثر
اللہ پاک دونوں ہی کا فیض بے بہا ... ہم سب کو اپنے فضل و کرم سے کرے عطا
تکیہ کلاں میں دفن وہ ہوتا ہے خوش نصیب ... پہلو میں یعنی شاہ علم اللہؒ کے قریب
تکیہ میں اک نماز جنازہ پڑھی گئی ... حرمین میں بھی دوسری اس کی ادا ہوئی
اپنا بنا کے حضرت رابع کو جانشیں ... رخصت ہوا جہاں سے وہ فردوس کا مکیں
اللہ پاک حضرت رابع کا مرتبہ ... صبح و مسا بلند کرے دل سے ہے دعا
دریائے فیض آپ کا ہر سمت ہو رواں ... سیراب ان کے فیض سے ہوتا ہے جہاں
صبر جمیل کر عطا پسماندگان کو ... اجر عظیم کر عطا اس خاندان کو

خلد بریں میں اعلیٰ جگہ اس کو کر عطا
کرے قبول اے خدا کامل کی یہ دعا

سلم پرسنل لا، بورڈ

ت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے عہد صدارت میں

رضوان احمد ندوی ——— دفتر انچارج آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ پٹنہ

سلم پرسنل لا ملت اسلامیہ کی ریڑھ کی
(BACK BONE) کی حیثیت اور جسم
کا سا تعلق رکھتا ہے، اگر ان قوانین میں
یاں پیدا کردی جائیں، یا اس کی تشریح وتوضیح
دری ئی اختیار کی جائے تو ملت کا مزاج،
یا خاندانی اور معاشرتی نظام بگڑ جائے گا،
ن کا ملی تشخص اور مذہبی حیثیت کالعدم
ئے گی۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جب
عالم انسانیت میں انقلابات آئے تو انھ
بات نے تہذیب وتمدن کی روح میں تبدیلی
ر دی، اور جیسے جیسے حکومتوں میں شخصی
ن کا غلبہ ہوا، ویسے ویسے سیاسی اقتدار
ئے ارباب سیاست نے قوموں اور ملتوں
نصی قوانین کے دائرے کو محدود کرنا شروع
، جس سے مسلم پرسنل لا کو خطرہ لاحق ہوگیا
اص کر ایسے ممالک جہاں مسلمان اقلیت
رہتے ہیں، ان کی مذہبی آزادی اور آئینی
ق ومفادات پر کاری ضرب پڑی، ہندستان
ندر انگریزوں کے عہد حکومت میں بھی یہی
بہ کچھ ہوا، ان کے دور اقتدار میں اسلام کے
ی قوانین غیر متحرک ہوکر رہ گئے، اس نے
ن شریعت کو اس کی محدود شکل میں یعنی
ریعت ایپلی کیشن ایکٹ ۱۹۳۷ء کے ذریعہ مسلم
سنل لا کے کچھ عائلی قوانین کو تحفظ دیا، جس میں

اس نے یہ وضاحت کی کہ نکاح، خلع وطلاق، ایلاء، ظہار، فسخ نکاح) وراثت، نفقہ، مہر، ولایت، حضانت، اوقاف وغیرہ مسائل مسلم پرسنل لا کے تابع ہوں گے اور بس، غالباً اسی لئے اس عہد میں ہندو مسلم معاملات ان کی شریعت اور دھرم شاستر کے مطابق حل کئے جاتے تھے، پھر جب ملک انگریزوں کے قبضے سے آزاد ہوا تو گرچہ آزاد ہندوستان میں دستور کی دفعہ (۲۵) اور (۲۹) کے ذریعہ مسلم پرسنل لا کو قانونی تحفظ دیا گیا، لیکن دستور میں بعض ایسی دفعات شامل کی گئیں جن سے مسلم پرسنل لا پر ضرب پڑتی تھی یعنی دستور کے رہنما اصول کی دفعہ (۴۴) میں یہ کہا گیا ہے کہ حکومت کو چاہئے کہ سارے ہندوستان کے لئے ایک مشترکہ کوڈ نافذ کرے۔ گویا یکساں سول کوڈ (UNIFORM CIVIL CODE) کے نفاذ کی راہ ہموار کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس کے بعد سے ہی مسلم پرسنل لا پر خطرات کے بادل منڈلانے لگے، سیاسی لیڈروں اور حکومت کے بعض ذمہ داروں اور بازیگروں کی طرف سے مسلم پرسنل لا میں ترمیم کا مسئلہ باربار اٹھایا جانے لگا۔ اور یہ معاملہ اس وقت شدت اختیار کرگیا جب ۱۹۵۶ء میں ہندو کوڈ بل پاس ہوا اور اس وقت کے وزیر قانون مسٹر پاٹسکر (PATASKAR) نے یہ فتنہ کھڑا کیا کہ "ہندو قوانین میں جو اصلاحات کی جارہی ہیں وہ مستقبل قریب میں ہندوستان کی تمام آبادیوں پر نافذ کی جائیں گی۔"

گویا دستور ہند میں مسلم پرسنل لا کو جو تحفظ دیا گیا تھا اس شوشے کے ذریعہ اس کو ختم کرکے مسلمانوں کو عام انسانی خواہشات کے تابع بنادینے کا منصوبہ تیار کیا جانے لگا۔ حالانکہ یہ اس غلط فہمی کا نتیجہ ہے کہ بعض تجدد پسند دانشور مسلمانوں کے پرسنل لا کو دیگر مذاہب کے پرسنل لا کی طرح ایک "قصوری" یا کوئی خاندانی روایات سمجھتے ہیں، انھیں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ مسلمانوں کا پرسنل لا دوسرے اقوام وملل کے پرسنل لا کے مقابلہ میں کوئی اوہام یا روایتی مذہب نہیں ہے، بلکہ اس کے قوانین کی بنیاد وحی والہام پر مبنی ہے۔ قرآن وحدیث اس کا سرچشمہ ہے جو انسانی تہذیب وتمدن کا مصلح ہے اور جو مصلح ہو وہ اصلاح پذیر نہیں ہوسکتا، اسی لئے جسٹس محمود صاحب نے لکھا ہے کہ "مسلم قانون کو دین ومذہب سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔"

بہرحال جب فسطائی ذہنیت نے ملک میں ایسے نازک حالات پیدا کردیئے تو ہندستان کے باشعور وحساس علماء دین، قوم وملت کے رہنما، مسلم قانون داں اور اصحاب فکر ونظر نے مسلم پرسنل لا کے تحفظ وبقا کی تحریک چلانی شروع کی، سب سے پہلے مولانا منت اللہ رحمانی کی تحریک پر ملت کے ارباب فضل وکمال اور عمائدین کی ایک نمائندہ مجلس ایشیا کے دینی ومرکزی ادارہ دارالعلوم دیوبند میں ہوئی۔ جس میں یہ طے پایا کہ بمبئی میں مسلم پرسنل لا کے نام سے ایک کنونشن بلایا جائے، اور مسئلہ کی نزاکت اور صورتحال کی سنگینی سے عام مسلمانوں کو بھی واقف کرایا جائے۔ چنانچہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی فعال قیادت میں علماء کرام کا ایک وفد بمبئی پہونچا، جہاں وہ اجلاس کی تیاریوں میں مصروف ہوگیا۔ پھر ان

بزرگوں کی مساعی جمیلہ کے نتیجہ میں مختلف مکاتب فکر و خیال کے علماء و دانشور تنظیموں اور اداروں کے نمائندوں کا ایک عظیم الشان اور تاریخ ساز اجلاس ۲۷، ۲۸ دسمبر ۱۹۷۲ء کو بحیرۂ عرب کے ساحل بمبئی میں منعقد ہوا۔ جس میں متعدد قرارداد اور تجاویز پاس ہوئیں پھر اسی کنونشن کے نتیجہ میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا قیام عمل میں آیا۔

اس بورڈ کے قیام سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ مسلمان جو عرصہ دراز سے ایک متحدہ قیادت کے لئے بے چین تھے ان کی حقیقی تسکین اور دل جوئی کے لئے یہ بورڈ ان کے لئے دل کی آواز بن گیا۔ بلکہ صدیوں سے مسلک و مشرب کے جو فاصلے تھے وہ قربت میں بدل گئے، اور ان کے درمیان اتحاد و یک جہتی کی فضا قائم ہوگئی۔ پھر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ ایک تحریک کی شکل میں ظاہر ہوا۔ بعد میں اس کے بنیادی نظام کو مربوط کرنے، دائرہ کار کو مرتب کرنے اور دستور اساسی کو منظور کرنے کے لئے، ۸ اپریل ۱۹۷۳ء میں بورڈ کا دوسرا اجلاس حیدرآباد میں ہوا، جس میں ہر طبقہ کے نمائندوں پر مشتمل ایک سو اکیاون افراد کی ایک مجلس بنائی گئی، اس میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کو صدر اور تحریک کے روح رواں حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانیؒ کو بورڈ کا جنرل سکریٹری منتخب کیا گیا۔ اس کے بعد بورڈ کا یہ کارواں کامیابی کے ساتھ اپنا سفر طے کرتا رہا۔ چاہے وہ قانون تبنیت کا مسئلہ ہو یا جبری نسبندی کا اس نے قابل لحاظ کامیابی حاصل کی۔ بورڈ کا یہ سفر جاری تھا کہ اچانک ۱۷ جولائی ۱۹۸۳ء کو بورڈ کے صدر حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے انتقال کا حادثہ جانکاہ پیش آگیا، طاب حیًا وطاب میتًا، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ گیارہ سالہ عہد صدارت نے اپنی بساط لپیٹ لی، اس عظیم سانحہ سے بورڈ کے جنرل سکریٹری حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب (المتوفی ۱۹۹۱ء) بہت متاثر ہوئے، چنانچہ انھوں نے ۸ دسمبر ۱۹۸۳ء کو بورڈ کا سالانہ اجلاس مدراس میں طلب فرمایا اور اس منصب جلیل کے لئے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے نام کی تجویز پیش کی۔ مجمع عام نے اس نام کی تجویز و تحریک پر اپنی مسرت کا اظہار کیا۔ اور ہر طبقہ و جماعت اور مسلک کے عمائدین اور ارباب بصیرت نے پرزور انداز میں تائید و حمایت کی۔ اس طرح اتفاق رائے سے حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کو بورڈ کا صدر منتخب کر لیا گیا۔ (مگر یاد رہے کہ بورڈ کے تیسرے اجلاس رانچی ۱۵، ۱۶ اکتوبر ۱۹۷۷ء میں حیدرآباد کے بعض ارکان بورڈ نے حضرت قاری صاحبؒ کی موجودگی میں صدر بورڈ کے لئے حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کا نام پیش کیا تھا، اس پر مولانا نے بڑا حکیمانہ جواب دیا تھا کہ "جب دریا میں طوفان ہو، اور کشتی بھنور میں ہو، تو کشتی کا ملاح نہیں بدلا جاتا")۔ بہرحال پھر بعد کے حالات اور زمانے کے تغیرات سے یہ ثابت ہوگیا کہ مسلمانوں کے عائلی قوانین کے تحفظ، مسلم پرسنل لا پر داخلی اور خارجی حملوں کے سدباب اور بورڈ کی قیادت و سیادت کے لئے جس قائد کی ضرورت تھی اللہ تعالیٰ نے حضرت مولاناؒ کو ان تمام خوبیوں اور صلاحیتوں سے بھرپور نوازا تھا، فراست ایمانی، حکمت عملی، جوہر شناسی دور اندیشی و ژرف نگاہی، دقت نظر اور وسعت مطالعہ کے اعتبار سے معاصر[1] علماء میں ممتاز شخصیت کے حامل تھے، وہ وقت کے نازک مسائل کو حکمت و تدبیر کے ساتھ حل کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے تھے۔ اسی زمانے میں بعض سیاسی جماعتوں اور انتہا پسند پارٹیوں کی طرف سے ملک کے جمہوری ڈھانچوں میں تبدیلی کرنے اور یکساں سول کوڈ نافذ کرنے کی تحریک چلائی گئی، مسلمان مایوسی اور احساس کمتری کے شکار ہو گئے، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم پرسنل لا بورڈ کا ساتواں اجلاس ۶، ۷ اپریل ۱۹۸۵ء کو شہر کلکتہ میں طلب فرمایا، اور علماء و قائدین کے ایک بڑے مجمع میں اپنے خطبہ صدارت کے اندر پوری جرأت اور پورے اعتماد کے ساتھ بورڈ کے موقف کو صاف صاف لفظوں میں بیان کیا، انھوں نے فرمایا کہ:-

"ہم اس کی بالکل اجازت نہیں دے سکتے کہ ہمارے اوپر کوئی دوسرا نظام معاشرت نظام تمدن اور عائلی قانون مسلط کیا جائے، ہم اس کو دعوت ارتداد سمجھتے ہیں، اور ہم اس کا اسی طرح مقابلہ کریں گے جیسے دعوت ارتداد کا کرنا چاہئے۔ اور یہ ہمارا شہری، آئینی، جمہوری اور دینی حق ہے، اور ہندوستان کا دستور اور اس جمہوری ملک کا آئین اور مفاد نہ صرف اس کی اجازت دیتا ہے، بلکہ اس کی ہمت افزائی کرتا ہے کہ جمہوریت کی بقا، اپنے حقوق کے تحفظ اور اظہار خیال کی آزادی، ہر فرقہ اور اقلیت کے سکون و اطمینان میں مضمر ہے۔" (ماخوذ از خطبہ صدارت کلکتہ ۱۹۸۵ء)

مسلمان بھلے ہی عمل میں کمزور ہو، لیکن وہ مذہبی قدروں پر یقین رکھتا ہے، اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ ذہنی و فکری ارتداد، عملی و فعلی ارتداد سے بڑھ کر ہے، چنانچہ حضرت مولاناؒ نے مسلمانوں

---

[1] مولانا سلیمان سکندر صاحب وغیرہ۔

کے اس اعتماد و یقین کی بھرپور ترجمانی کی۔ اور اپنے اس عزم و ارادہ کا اظہار بورڈ کے مختلف اجلاسوں میں کیا۔ دسویں اجلاس دہلی ۱۹۹۳ء بارہویں اجلاس بورڈ احمدآباد ۱۹۹۵ء اور تیرہویں اجلاس بمبئی ۱۹۹۹ء کے خطبہ صدارت میں مذکورہ بالا جملوں کو دہرایا۔ انھوں نے اپنے خطبہ صدارت میں اسلام کے عائلی قوانین اور مسلم پرسنل لا کی خالص دینی و شرعی حیثیت اور اس کے امتیازی پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے دو ٹوک انداز میں کہا کہ ہم قانون شریعت میں کسی قسم کی تبدیلی گوارا کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں، مگر جہاں انھوں نے ارباب اقتدار کو اس حقیقت سے آگاہ کیا وہیں بذات خود مسلمانوں کو بھی قانون شریعت پر عمل کرنے کی تاکید کی، انھوں نے کلکتہ کے اجلاس بورڈ کے موقع پر ۵ لاکھ کے مجمع عام میں مسلمانوں کو ان کی دینی غیرت اور ایمانی جوش و جذبہ کو ابھارتے ہوئے فرمایا کہ:-

"جب ہم اہل حکومت اور برادران وطن سے شکایت کرتے ہیں تو ہمیں آپ سے شکایت کا حق کیوں نہ ہو؟ ان سے شکایت کریں گے اور ان کا دامن پکڑیں گے لیکن آپ کا گریبان پکڑیں گے، اور وہ ہاتھ ہمارا ہاتھ نہیں ہوگا، وہ شریعت کا ہاتھ ہوگا جو آپ کا گریبان پکڑے گا کہ پہلے تم اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھو کہ تم اس قانون پر کتنا چلتے ہو، تم تو اپنے گھروں میں اس قانون کو نہ چلاؤ اور حکومت سے مطالبہ کرو کہ وہ تمہارے قانون کو چلائے" (از تقریر، اپریل ۱۹۸۵ء شہید مینار کلکتہ)

جب جب ملک کے اکثریتی فرقوں یا عدالتوں نے مسلم پرسنل لا میں مداخلت اور یونیفارم سول کوڈ کو نافذ کرنے کا ارادہ کیا، حضرت مولاناؒ نے اس چیلنج کا بھرپور جواب دیا۔ ایک دفعہ انھوں نے بورڈ کی مجلس عاملہ میں بہت سخت لہجے میں فرمایا کہ:-

"ملک کا سیاسی مستقبل نہایت اندیشناک ہے، محض فرائض کا نام دین نہیں ہے، بلکہ شعائر اسلامی اور قوانین کا تحفظ بھی دین کا اہم شعبہ ہے اس لئے ہمارا یہ سفر ابھی جاری رہے گا" ہر دور میں ادارے اور تحریکیں اٹھی ہیں، مسلم پرسنل لا بورڈ بھی ایک تحریک ہے اس لئے ہمارا سفر ابھی ختم نہیں ہوا ہے۔"

(ماخوذ از رجسٹر کارروائی مجلس عاملہ ۸ رمئی ۱۹۹۱ء لکھنؤ)

بورڈ کے صدر منتخب ہونے کے کچھ عرصہ بعد یعنی ۲۳ راپریل ۱۹۸۵ء میں سپریم کورٹ نے ضابطہ فوجداری کی دفعہ (۱۲۵) کا سہارا لے کر شاہ بانو مقدمہ میں مسلم مطلقہ عورت کو تاحیات یا تا نکاح ثانی شوہر پر نفقہ لازم قرار دینے کا انتہائی جارحانہ فیصلہ دیدیا، یہ فیصلہ قانون شریعت کے بالکل مخالف تھا، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور جنرل سکریٹری بورڈ مولانا سید منت اللہ رحمانی کی راتوں کی نیند اڑ گئی، قلب و دماغ بے چین ہو گئے۔ اور اس کے خلاف سخت اور مسلسل صدائے احتجاج بلند کیا، بورڈ کے علماء و قائدین نے ان دونوں حضرات کی رفاقت و رہنمائی میں پورے ملک میں منظم تحریک چلائی، مسلمانوں کے اجتماعات میں نفقہ قانون اسلامی کی وضاحت کی اور سپریم کورٹ کے فیصلوں پر اپنے ردعمل کا اظہار کیا، حضرت مولانا نے ۲ رفروری ۱۹۸۶ء کو وزیر اعظم ہند اور حکومت کے دوسرے سیاسی و اعلیٰ عہدیداران سے گفت و شنید کی کبھی انفرادی اور کبھی اجتماعی طور پر برسراقتدار پارٹی کے ذمہ داروں سے ملاقاتیں کیں۔ اور صورت حال کی نزاکت، اس قانون کی نامعقولیت اور قانون شریعت کی حکمت و انفرادیت سے روشناس کرایا، آخرکار آپ کی مدبرانہ قیادت و رہنمائی اور حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کی مذہبی و سیاسی بصیرت اور اقدامی صلاحیت کے نتیجہ میں حکومت نے ۶ رمئی ۱۹۸۶ء میں قانون حقوق مسلم مطلقہ ۱۹۸۶ء پاس کر کے سپریم کورٹ کے فیصلہ کو رد کر دیا، جس کی مثالیں ملک کی آئینی و جمہور زندگی میں کم ملتی ہیں، اس مسئلہ میں کامیابی کی سب سے بڑی وجہ حضرت مولاناؒ کی دانشمندانہ و جرأتمندانہ قیادت، مولانا منت اللہ رحمانی کی دور اندیشی، اصابت رائے اور معزز اراکین بورڈ کی بلند حوصلگی، صبر آزما جد و جہد اور قربانیاں ہیں۔

شریعت اسلامی، شعائر دین اور عائلی قوانین پر جب بھی فرقہ پرست طاقتوں نے ناروا حملے کئے حضرت مولاناؒ بحیثیت صدر بورڈ اسلام اور مسلمانوں کی دینی اور تہذیبی اقدار کی حفاظت کے لئے سینہ سپر ہو گئے۔ ۶ ردسمبر ۱۹۹۲ء کا دن آزاد ہندوستان کی تاریخ میں ایک سیاہ ترین دن ہے۔ جس وقت کہ یہاں فرقہ پرست جماعتوں اور انتہا پسند تنظیموں نے مذہبی تعصب اور جوش جنوں میں ہندوستان کی قدیم تاریخی بابری مسجد کو شہید کر دیا، اور بڑے پیمانے پر ملک میں خونی فسادات کرائے۔ فرقہ وارانہ جنون کی آگ میں ملک جل رہا تھا، مسلمان مایوسی، اضطراب اور بے چینی کی کیفیت میں مبتلا تھے، ان کی نگاہیں بورڈ کی طرف اٹھنے لگیں، ایسے مایوس کن حالات میں حضرت مولاناؒ نے مسلمانوں کے قدموں کو جمایا، اور انھیں زندہ ملت کی حیثیت سے رہنے اور حوصلہ و ہمت کے ساتھ زندگی گذارنے کی تلقین

ا، پھر ۹ر جنوری ۱۹۹۳ء کے اجلاس عاملہ دہلی
ں بابری مسجد کی شہادت پر اپنے غم وغصہ
ا اظہار کیا، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ انھوں نے
یک تاریخی اور مؤثر تقریر کی تھی جس میں بابری
سجد کی بازیابی کے لئے آخری دم تک جد وجہد
ا عزم فرمایا، اور یہی ہوا کہ اس کے بعد ۵ر اپریل
۱۹۹۳ء کو بورڈ کے ایک مؤقر وفد کی قیادت
رتے ہوئے وزیر اعظم سے ملاقات کی اور ایک
اضح اور مفصل میمورنڈم پیش کیا۔ چنانچہ الٰہ آباد
ئی کورٹ کی لکھنؤ بنچ پر چل رہے بابری مسجد کی حقیت
کے مقدمہ میں بورڈ نے قانونی امداد وتعاون
ا فیصلہ کیا۔ جو اب تک جاری ہے۔

اس کے ساتھ ہی حضرت مولانا نے
ربار ارباب حکومت کو صاف صاف لفظوں
یں کہا کہ:۔

"ہم اس ملک میں اپنے پورے عقائد، دینی
شعائر، قانون شریعت اور اپنی پوری
مذہبی وتہذیبی خصوصیات کے ساتھ
رہیں گے، ہم ان کے کسی ایک نکتہ سے بھی
دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہیں۔"

(خطبہ صدارت بمبئی ۱۹۹۰ء)

ایک زمانہ میں بابری مسجد کے قضیہ کے
تصفیہ کے لئے ہندوؤں کے مذہبی رہنماؤں سے
بھی گفتگو کرنے کی بات چلی تھی، اس موقع پر حضرت
مولانا نے اپنی ذاتی رائے یہ ظاہر کی تھی کہ حکومت
خود مسجد کو آثار قدیمہ کے محکمہ کے تحت لے لے،
اور اس کے تحفظ اور فضا کو ہموار ودرست
رکھنے لئے ایک کمیٹی مقرر کر دے، جس میں
ہندوؤں کی طرف سے جنوب سے دو شنکراچاریہ
اور دو مسلمان مذہبی شخصیتوں کو رکھا جائے۔
مگر حکومت نے اس مسئلہ کو سیاسی تناظر میں
اس قدر الجھا کر رکھ دیا کہ اس سے اس کی
بدنیتی ظاہر ہونے لگی۔ بہرحال، بورڈ کا یہ شروع
سے موقف رہا ہے کہ وہ مسجد ہے اور قیامت
تک مسجد رہے گی، ناجائز طور پر مورتیوں کو رکھ
دینے اور ظلم وجبر سے پوجا جاری رکھنے سے
مسجد کا مسجد ہونا ختم نہیں ہوتا۔

(قرار داد بورڈ ۹ر جنوری ۱۹۹۳ء)

جب پہلی مرتبہ مرکز میں بی جے پی کی حکومت
بنی، تو اقلیتی فرقوں میں سراسیمگی پیدا ہونے لگی،
ان کے دلوں میں مسلم پرسنل لا میں مداخلت
کے خطرے پیدا ہو گئے، حضرت مولانا نے جو
قائدانہ اور عالمانہ خطاب فرمایا وہ آج بھی ہمارے
لئے مشعل راہ ہے، انھوں نے ۲۵ر اپریل ۱۹۹۸ء
کی مجلس عاملہ میں کہا کہ:۔

"موجودہ حالات میں ہمیں مایوس اور شکستہ
دل ہونے کی ضرورت نہیں، اس حقیقت
کو ہم پیش نظر رکھیں کہ اسلام اس ملک
میں یونہی نہیں آیا، بلکہ تقدیر الٰہی کے
ساتھ آیا ہے، بلکہ اس ملک میں اسلام کو
بھیجا گیا، اللہ نے اپنی رحمت، تائید اور
اپنی نصرت کے ساتھ اسلام کو بھیجا ہے،
یہ دین یہاں سے ختم نہیں ہوگا۔"

(ماخوذ از کارروائی رجسٹر مجلس عاملہ بورڈ ۲۵ر اپریل ۱۹۹۸ء دہلی)

پھر ایک دفعہ لکھنؤ کی مجلس عاملہ میں بڑے
کرب اور تڑپ کے ساتھ فرمایا کہ:۔

"اس وقت ہندوستان میں دعوت اسلامی
کو نقصان پہونچانے اور گمراہی کی طرف
لے جانے والی طاقتیں بہت سرگرم عمل
ہیں، اور ہندوستان کو دوسرا اسپین
بنانے کی کوشش ہو رہی ہے، لہٰذا ہمارے
ارکان حالات کے اتار چڑھاؤ پر اپنی
نگاہ رکھیں۔ اور مایوس نہ ہوں۔"

(ماخوذ از کارروائی مجلس عاملہ بورڈ ۳ر نومبر ۱۹۹۰ء لکھنؤ)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے
عہد صدارت میں بورڈ کے طریقۂ کار اور دائرۂ عمل
میں بڑی وسعت ہوئی، اصلاح معاشرہ کی تحریک
ہندگیر پیمانے پر چلائی گئی، خاص کر ۲۴ر نومبر ۱۹۹۵ء
سے ۳۰ر نومبر ۱۹۹۵ء تک ملک کے بڑے بڑے
شہروں "تحفظ شریعت ہفتہ" منایا گیا، جس سے
مسلمانوں میں اسلامی بیداری آئی، اسی طرح
مسلمانوں کو اپنے عائلی مسائل کے حل کے لئے
نظام قضا کے قیام پر زور دیا، اور اس کے لئے
رائے عامہ ہموار کی گئی، اس جد وجہد کے نتیجہ
میں ملک کے بڑے اور اہم شہروں میں جیسے جنوبی
دہلی، تھانہ (بمبئی) اکولہ، اندور وغیرہ میں دار القضاء
کا قیام عمل میں آیا، ایک عرصہ سے ایک ایسے
قانون فقہ اسلامی کی تدوین وترتیب کی ضرورت
محسوس کی جارہی تھی جس کے ذریعہ ملک کی
عدالتیں اور قانون داں حضرات اس سے
استفادہ کر سکیں، چنانچہ حضرت مولانا کی سرپرستی
اور حضرت امیر شریعت بہار واڑیسہ مولانا سید
منت اللہ رحمانیؒ کی رہنمائی میں بورڈ کے ممتاز
فقہاء کرام کی ایک کمیٹی تشکیل دی گئی، اور تدوین
کا کام کیا گیا۔ بحمد اللہ اس وقت وہ مرتب شدہ
حالت میں موجود ہے، اس کی طباعت واشاعت
کا نظم کیا جارہا ہے، حضرت مولانا نے اپنا عالمانہ
اور فاضلانہ مقدمہ بھی سپرد قلم کرکے اس کمیٹی کے
کنوینر کے حوالہ کر دیا ہے۔ مگر افسوس کہ ان کی زندگی
نے وفا نہ کی اور اس کی طباعت سے پہلے وہ اللہ
کو پیارے ہو گئے، دہلی میں مرکزی دفتر کے لئے
ایک کشادہ فلیٹ بھی حضرتؒ کے ایماء پر خریدا
جا چکا ہے۔

حضرت مولانا علیہ الرحمہ نے سترہ سال
تک بورڈ کی قیادت وصدارت کا فریضہ بحسن
وخوبی انجام دیا۔ اور اس عرصہ میں برصغیر ہند وپاک

ں اٹھنے والے تمام فتنوں کا پوری پامردی سے
مقابلہ کیا۔ انھوں نے ۸ ر سال تک مولانا سید منت اللہ
رحمانیؒ کی جنرل سکریٹری شپ کے زمانے میں اور
ر ۹ سال تک موجودہ جنرل سکریٹری مولانا سید
نظام الدین کے عہد میں مسلم پرسنل لا بورڈ کی صدارت
ان دونوں بزرگوں کے ساتھ ذہنی وفکری ہم آہنگی
ر تعاون سے انھیں بڑی تقویت ملی' اور دنیا نے
دیکھ لیا کہ ان کی قیادت سے بورڈ میں جتنا اعتماد
وقار پیدا ہوا، ملک کی تاریخ میں اتنا اعتماد کسی
ر جماعت کو حاصل نہیں ہوا، حالیہ دنوں میں
ورڈ کا تیرہواں اجلاس بمبئی میں منعقد ہوا، صدر محترم
پنی شدید علالت اور ضعف و پیرانہ سالی کی وجہ
ے اجلاس میں شریک نہیں ہوسکتے تھے۔ اس کے
اوجود اجلاس میں اتفاق رائے سے آپ ہی کو بورڈ
کا صدر منتخب کیا گیا' بعض ارکان نے بالکل صحیح
کہا کہ آپ کی ذات اور شخصیت سے بورڈ کا وقار
قائم ہے' بورڈ کے اس افتتاحی اجلاس سے خطاب
کرتے ہوئے مولانا مجاہد الاسلام صاحب قاسمی
قاضی شریعت نے فرمایا تھا کہ :۔

"بورڈ کے موجودہ صدر مفکر اسلام
حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
کی ذات والا صفات عالم اسلام کے
لئے عموماً اور مسلمانان ہند کے لئے خصوصاً
بہت بڑی نعمت ہے' جو اول دن سے
س کارواں کے سالاروں میں رہے
ہیں' اور حضرت قاری صاحبؒ کے
وفات کے بعد آپ ہی کی قیادت میں
کامیابی کے ساتھ ہم یہ سفر طے کر رہے ہیں'
شاہ بانو کیس اور بابری مسجد جیسے اہم
مسائل میں ان کی مدبرانہ سرپرستی نے
ہمیں صحیح سمت عطا کی' اور اس وقت
نہ صرف مسلمانان ہند بلکہ عالم اسلام
کے لئے وہ ایک بڑی ضرورت تھی۔"

(ماخوذ از خطبہ افتتاحیہ ص۱۲ تیرہواں اجلاس بورڈ
۲۸، ۲۹، ۳۰ ر اکتوبر ۱۹۹۹ء بمبئی)

حقیقت بھی یہی ہے کہ حضرت مولانا علیہ الرحمہ
کی فکری اور حکیمانہ قیادت سے مسلم پرسنل لا بورڈ
کو نئے افق اور نئی وسعتیں عطا ہوئیں۔ یہ بورڈ
کی ہی خوش قسمتی تھی کہ اس کو ایک ایسا قائد ملا'
جس نے تمام مسلک و مشرب اور فکر و خیال کے
علما، و دانشوروں کو نظم و اتحاد کے ساتھ ایک
دھاگے میں پروئے رکھا' اور ملت اسلامیہ
کے دلوں میں اپنا وقار و اعتماد قائم رکھا۔ مگر
افسوس، صد افسوس کہ ملت اسلامیہ کی عظمت
و حرمت پر مر مٹنے کا جذبۂ صادق رکھنے والا یہ
مرد مومن ۳۱ ر دسمبر ۱۹۹۹ء مطابق ۲۲ ر رمضان
المبارک ۱۴۲۰ھ کو اس وقت اپنے مالک حقیقی سے
جا ملا جبکہ اس صدی کا آخری سورج نصف النہار
کو پہونچ چکا تھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ایک
طرف ماہ و سال کے پیمانے سے ایک عہد کا خاتمہ
ہو رہا تھا تو دوسری طرف علم و فضل کا چراغ
اور فکر و نظر کا ایک عہد اور ایک دور اپنے
اختتام کو پہونچ چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ حضرت
علیہ الرحمہ کی دینی و علمی' ملی و سماجی خدمات کو
قبول فرمائے اور پوری قوم کی طرف سے ان کو
جزائے خیر دے۔ اللہ پاک ان کی قبر پر انوار رحمت
کی بارش فرمائے اور اخروی نعمتوں سے مالا مال
کرے۔ نیز مسلمانوں کی اس اجتماعی تنظیم کو ان کا
نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین ؎

وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نور توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

حلوی قطعۂ تاریخ

۱۴۲۰ھ

• مولانا محمد عثمان معروفی

رخصت ہوئے جہاں سے حضرت علی میاں
قرآن پڑھ رہے تھے ہوئے واصل جناں
انیس سو سے اوپر چودہ سنہ ولادت
انیس سو سے اوپر ننّانوے میں رحلت
بائیس ماہِ رمضاں دن جمعہ مبارک
چودہ سو بیس ہجری رحلت ہوئی اچانک
عثمان سالِ رحلت کہہ دولتِ سعید
۱۹۹۹ء
خلدِ بریں میں داخل حق منزل حمید
۱۴۲۰ھ

محمد عثمان معروفی کان اللہ لہٗ
۱۴۲۰ھ

بقلمِ مداح محمد عثمان اعظمی
۱۹۹۹ء

تاریخ وفات

از:۔ مجیب احمد کرنیل گنجوی

داعی اِلی اللہ × عالم جلیل × مولانا السید
۲۴۴ — ۲۱۴ — ۱۹۲
الوالحسن علی میاں × حسنی ندوی × علیہ الرحمۃ
۳۶۸ — ۱۹۸ — ۷۹۴
۱۹۹۹ء

فکر چوں کردم زوال آمد صدا
شو مجیب از سال ہجری باخبر
بست و دو رمضان بود روز جمعہ
شد نہاں خورشید دیں چوں از نظر
اک الف زاید کن و بازش بخواں
شیخ العالم سید والا گہر
۱۰۸۲ ×۱ — ۳۳۷
۱۴۲۰ھ

دینی تحفظ: آپ کو اپنی نسل کے دینی تحفظ اور اسلام سے اس کے ربط و تعلق کا انتظام کرنا ہے اور یہ ذمہ داری غذا، لباس، دوا، علاج، تعلیم اور معاش سے زیادہ ضروری ہے

(مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ)

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ اور دینی تعلیمی کونسل

عظیم قائد عظیم تحریک

ڈاکٹر مسعود الحسن عثمانی سکریٹری دینی تعلیمی کونسل اترپردیش

بیسویں صدی کی آخری ساعتیں عالم اسلام ملت اسلامیہ ہند اور ملک و قوم کے تعلق سے جیسی الم ناکی پر ختم ہوئیں اس کی کیفیت اور رنج و غم کی وہ شدت تاریخ میں کبھی فراموش نہیں کی جاسکتی ہے

مصائب اور تھے پر دل کا جانا
عجب اک سانحہ سا ہوگیا ہے

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اللہ کے حکم سے سفر آخرت اختیار کیا تو موجودہ حالات کی نزاکت اور مستقبل کی تشویشناک صورت حال میں حساس قلب ونظر نے یہ محسوس کیا کہ دردمندی، دل سوزی اور غیرت و حمیت، جرأت ایمانی اور شان امتیازی کے ساتھ ملت کی چارہ گری اور مسیحائی کی وہ آخری شمع بھی گل ہوگئی جو منارۂ نور کی مانند افراد اور جماعتوں نیز ملک وملت کے مختلف قافلوں کی رہنمائی کے لئے بیاباں کی شب تاریک میں قندیل رہبانی کی حیثیت رکھتی تھی۔

حضرت مولانا کی سیرت وشخصیت کے جلوۂ صدرنگ میں اقبال واوج کمال، فکر وخیال کے جلال وجمال اور حیات وخدمات کے نقوش لازوال نمایاں ہیں۔ ان ساری کیفیات میں ان کا نمایاں ترین وصف وہ روشن ضمیری تھی جو معرفت، معنویت، حقیقت، صداقت اور عظمت سے مزین کی گئی تھی۔ ابتدائے عمر میں مشائخ وقت نے اسے محسوس کرلیا تھا اور ان کی نگاہ رمز شناس نے اس جوہر آبدار کو تلاش کرلیا تھا۔ ہماری خوش بختی تھی کہ ہمیں ایسی عظیم شخصیت کے سائے میں زندگی گذارنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ سفر وحضر، خلوت وجلوت میں ہم رکابی اور استفادہ کی توفیق ملی۔ وہی بارگاہ تھی جہاں سے ایمان ویقین کے چشمے ابلتے تھے، ذہنوں کو حرارت فکر میسر آتی تھی، دلوں کے اضطراب کو دور کرنے کے لئے سامان تقویت وہیں سے ملتا تھا۔ اقبال کی زبان میں جس کی آواز فضائے دشت میں بانگ رحیل سمجھی جاتی تھی۔ جس کی خاموشی میں افکار کا ہجوم جس کی گفتار میں گنجینۂ معنی کا طلسم "وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہباں" بھی تھا، ذاتی زندگی میں بوریہ نشینی کی عظمتوں کا امین وپاسباں بھی تھا، یہی وصف تھا جس نے تمام تنظیموں اور تحریکوں میں انھیں وقار واعتبار بخشا تھا۔

حضرت مولانا کا علمی اور دینی ربط وتعلق بے شمار تنظیموں اور تحریکوں سے تھا لیکن ان میں چند دعوتی تحریکیں ایسی تھیں جو ان کے ذہن وفکر کا حصہ بن گئی تھیں۔ دینی تعلیمی کونسل سے حضرت مولانا کا رشتہ اسی طرح کا تھا اس تنظیم وتحریک نے آزاد ہندوستان میں نوجوان نسل کے اندر دین کو باقی رکھنے کا جو غیر معمولی کارنامہ انجام دیا ہے وہ ملت اسلامیہ کی تاریخ کا روشن ترین باب ہے۔ الحاد وارتداد کی فضا میں توحید ورسالت اور آخرت کے عقیدہ کو اجاگر کرتے ہوئے پوری ملت کو اس راہ میں ہر قربانی کے لئے تیار کردینا.........

اپنے ملی تشخص کو باقی رکھنے کا فیصلہ کرنا، زبان، تہذیب اور معاشرتی ترجیحات کے ساتھ زندہ رہنے کا عزم کرنا.............. باد صرصر کے مقابلہ میں سینہ سپر ہوجانا اور طویل جدوجہد کے بعد ایک پوری نسل کو محفوظ کردینا دینی تعلیمی کونسل کی شناخت ہے۔ صلہ وستائش سے بے نیاز اس تحریک نے.... ملک میں پہلی مرتبہ تاریخ سازی کا مرقع پیش کیا ہے۔ حضرت مولانا نے ایک موقع پر فرمایا تھا:۔

"جب کبھی ہندوستانی مسلمانوں کی ذہنی وفکری وتعلیمی تاریخ بلکہ ان کی ملی تاریخ دیانتداری کے ساتھ لکھی جائے گی تو اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکے گا کہ اس چالیس سال کی مدت میں دینی تعلیمی کونسل نے کیا فکر دیا، کیا لٹریچر پیدا کیا کس طرح ہندوستانی مسلمانوں کے دینی تعلیمی مقدمہ کو مضبوط دلائل سے ثابت کیا۔"

پچاس برس قبل دینی تعلیمی تحریک کا آغاز قاضی محمد عدیل عباسی مرحوم نے اپنے ضلع بستی میں کیا تھا، ۱۹۵۹ء کی آخری تاریخوں میں (۳۰، ۳۱ دسمبر ۱۹۵۹ء) قاضی صاحب مرحوم کی دعوت پر ریاستی دینی تعلیمی کانفرنس کا انعقاد بستی ہی میں ہوا حضرت مولانا علی میاںؒ نے اس کی صدارت فرمائی تھی اور اسی موقع پر دینی تعلیمی کونسل کا قیام عمل میں آیا تو متفقہ طور پر حضرت مولانا اس کے صدر منتخب ہوئے اس وقت سے لے کر تا دم آخر وہ صدر کونسل کی حیثیت سے رہنمائی اور سرپرستی فرماتے رہے۔

چالیس برس کی اس مدت میں تحریک

…ے لئے ہر وقت کی فکرمندی، ہندوستان میں نوجوان …ل کے ایمان وعقیدہ کی حفاظت، اس کی اہمیت …ر افادیت پر اظہار خیال، اور حالاتِ حاضرہ پر …دمندانہ جرأتمندانہ تنقید و تبصرہ کی ایک …ثال ہے جو حضرت مولانا علی میاں کے نام نامی …ے مزین ہے۔

دینی تعلیمی کونسل نے اپنے قیام سے …ر تک مسلمانوں کی ابتدائی تعلیم پر اپنی توجہ …رکوز رکھی ہے۔ …ندوستان میں یہ واحد تنظیم …ے جس نے اپنے گردوپیش سے یکسو ہوکر تعلیم کے …یدان میں اپنی سرگرمیوں کا مظاہرہ کیا ہے۔ مشہور …اہد آزادی اور مجاہد اردو قاضی محمد عدیل عباسی …احب مرحوم کی دعوت پر اکابرین ملت اور …شوران گرامی جمع ہوئے تو سب کے سامنے …ف ایک سوال تھا کہ آئندہ اپنی نوجوان نسل کو …ارتداد سے کیسے محفوظ رکھا جائے جو خصوصی …ور پر ریاست اتر پردیش میں تعلیم کی راہ سے داخل …و رہا تھا۔

سرکاری اسکولوں میں جو …علیم پڑھایا جانے لگا وہ مسلمانوں کے لئے …تشویشناک تھا۔ قاضی صاحب مرحوم نے بہت …پہلے ہی اس کا اندازہ کر لیا تھا اور اپنے ضلع کے مسلمانوں …و یہ پیغام دینا شروع کردیا تھا کہ وہ اپنے بچوں کی …بتدائی تعلیم کے مکاتب قائم کریں جہاں اردو …و قرآن پاک کی تعلیم کے ساتھ عصری مضامین …ی تعلیم کا بھی بندوبست کیا جائے۔ انھوں نے اسی …ضمون سے مسلمانوں کے ذہنوں کو تیار کیا اور ضلعی …طح پر اس تحریک کو پھیلا دیا۔ یہ بالکل نئے انداز …ا کام تھا جس نے سب کو متوجہ کیا اور یہ محسوس کیا …جانے لگا کہ آئندہ اسی راہ سے اسلامی تشخص …ور دینی مادری زبان اردو کو بچایا جاسکتا ہے۔

۶ ستمبر ۵۳ء کو ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ نے طلبا کو "رسالت" کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ بقول قاضی صاحب یہ دونوں تقریریں اس درجہ جامع اور پر اثر تھیں کہ طلبا میں دین سیکھنے اور سمجھنے کا کافی جوش و جذبہ پیدا ہوگیا"۔

۹ دسمبر ۵۳ء کو حضرت مولانا علی میاںؒ نے اسی طرح کے جلسہ میں نماز کی اہمیت اور فضیلت پر نہایت بلیغ تقریر فرمائی۔ طلبا کی بہت سازی اور ذہنی تربیت کے لئے ایک ایسے دار المطالعہ کی ضرورت بھی محسوس کی گئی جہاں "تفسیر، سیرت، اخلاق اور آداب کی کتابیں ہوں اور نوجوان طلبا ان سے استفادہ کر سکیں۔

"چنانچہ طلبا کے اجتماع کی طرح اس دار المطالعہ کے بنیادی خیال پر بھی مولانا محمد منظور نعمانی اور مولانا سید ابو الحسن علی ندوی نے اپنی تائید کا مسرت کی اور جس طرح طلبا کی تحریک کو چلانے کے لئے اپنا قیمتی وقت دیا تھا اس کام کے لئے بھی اپنی آمادگی ظاہر کی۔ ۱۰ دسمبر ۵۳ء کو شیخ کرم حسین صاحب مختار کی کوٹھی میں ایک جلسہ شہر کے پڑھے لکھے لوگوں کا کیا گیا اور جناب مولانا ابو الحسن علی ندوی نے اپنی ایک نہایت دردانگیز تقریر کے ساتھ اس دار المطالعہ کی بنیاد رکھی"۔

مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ اور مولانا محمد منظور نعمانیؒ اپنی علمی، دینی، تصنیفی اور ملکی و قومی مصروفیات کے باوجود ابتدا سے قاضی صاحب مرحوم کی تحریک اور سرگرمیوں سے واقف اور شریک تھے۔ وہ ان دونوں بزرگوں کی رہنمائی اور سرپرستی کے معترف اور قدرداں تھے۔ انھوں نے اپنی تحریر میں اس کا اظہار کیا ہے:۔

"ہم مولانا محمد منظور نعمانیؒ اور مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ کے بھی انتہائی شکرگزار ہیں۔ ان دو بزرگ ہستیوں نے کارکنان انجمن کے دلوں میں کام کی لگن پیدا کی اور ہمیشہ ہماری ہمت افزائی اور رہنمائی کرتے رہے"۔

حضرت مولانا علی میاںؒ نے کاروان زندگی جلد اول ص ۴۵۹ تا ص ۴۶۳ میں خود اپنے قلم سے اس تحریک اور تاریخ کو محفوظ کیا ہے۔ اس میں صورتِ حال کا صحیح عکاسی، محرکات اور عوامل کا تجزیہ، تحریک کی ضرورت اور اہمیت، ملی تشخص، غیرت و حمیت رکھنے والی مسلم قوم کی ذمہ داریاں، اس کی خیر خواہی اور رہنمائی اور وطن دوستی کے سچے جذبات کی قدر، روائی مستقبل میں ایک زندہ باوقار اور داعی ملت کی حیثیت سے اس ملک میں مسلمانوں کے وجود و بقا کا انحصار اس پیغام و اعلان میں تلاش کر کے نمایاں کیا گیا ہے جو دینی تعلیمی تحریک اور دینی تعلیمی کونسل کے وجود و تاسیس میں پوشیدہ رہا ہے۔

"ہندوستان کے آزاد ہونے کے بعد جہاں تک ملتِ اسلامیہ ہندیہ کا تعلق ہے اس کے اہم ترین اور موت و حیات کا فیصلہ کرنے والے مسائل میں مسلمانوں کی نئی نسل کا اسلام کے بنیادی عقائد، ایمانیات اور اپنے ملی تشخص اور امتیاز پر برقرار رہنے کا مسئلہ تھا۔

تقسیم کے فوراً بعد ہی بیک ریڈروں میں ہندو دیومالا کی باتیں اور مشرکانہ کہانیاں اور اسباق صاف نظر آنے لگے اور یہ نظر آنے لگا کہ اگر یہ سلسلہ چند سال اور جاری رہا تو ملت ابراہیمی اور امت محمدی کی نئی نسل اسلام کے عقیدۂ توحید خالص سے ناآشنا یا منحرف اور شرک جلی اور کفریہ عقائد کی معتقد یا ان سے متاثر ہو جائے گی۔

اس خطرہ کا واضح طور پر احساس سب سے پہلے قاضی محمد عدیل عباسی صاحب کو ہوا جو ایک ممتاز نیشنلسٹ اور کانگریسی مسلمان تھے۔ اپنی وسیع واقفیت حقیقت پسندانہ ذہن اور اسلامی ضمیر و احساس کی وجہ سے انھوں نے اس خطرہ کو نہ صرف یہ کہ جلد ہی بھانپ لیا بلکہ یہ ان کے ذہن و اعصاب پر ایسا مستولی ہو گیا کہ انھوں نے اپنی پوری توانائی اور اپنی تمام ذہنی صلاحیتیں اس پر مرکوز کر دیں وہ عرصہ تک اپنے ضلع کے حدود ہی میں اس خطرہ کا مقابلہ اور مکاتب و مدارس قائم کرنے کا کام خاموشی سے کرتے رہے۔ وہ اسی دائرہ کے اندر عرصہ تک محدود ہو کر کام کرنا چاہتے تھے لیکن جب مولانا محمد منظور نعمانی راقم سطور اور بعض دوسرے دوستوں کے سامنے وضاحت کے ساتھ یہ مسئلہ آیا تو ہم نے ان سے اصرار کیا کہ وہ اپنے اس دائرہ سے باہر قدم نکالیں اور اس کو کم سے کم صوبائی پیمانہ پر انجام دینے کی کوشش کریں۔

ہماری گفتگوؤں کے بعد وہ اس پر آمادہ ہو گئے اور انھوں ۳۰، ۳۱؍ دسمبر ۵۹ء اور یکم جنوری ۶۰ء کی تاریخوں میں بستی میں ایک صوبائی دینی تعلیمی کانفرنس بلائی۔"

مولانا محمد منظور نعمانی نے اپنی سوانح حیات تحدیث نعمت میں اس تحریک کے پس منظر اس کے آغاز و قیام اور اپنے ربط و تعلق پر روشنی ڈالی ہے:۔

"۱۹۴۷ء میں ملک کی تقسیم کے بعد ہندوستان میں رہ جانے والے مسلمانوں کے لئے جو مسائل پیدا ہوئے ان میں ایک نہایت سنگین مسئلہ یہ بھی تھا کہ ایک طرف تو تعلیم لازمی کی جا رہی تھی دوسری طرف اردو کی تعلیم ختم کر دی گئی تھی اور پھر جو کچھ پڑھایا جا رہا تھا اس میں ہندو دیومالا خوب خوب شامل کی گئی تھی اس صورت حال نے ان تمام مسلمانوں کو بے چین کر دیا تھا جو اس کے نتائج کا اندازہ کر سکتے تھے اللہ تعالیٰ غریق رحمت کرے قاضی محمد عدیل عباسی کو کہ انھوں نے اس خطرناک صورت حال سے نپٹنے کے لئے ایک عملی اسکیم تیار کر کے اپنے ضلع بستی میں اس کے مطابق کام شروع کر دیا۔

مجھے محسوس ہوا ملک کے موجودہ حالات میں یہ ہماری نئی نسل کے دین کی حفاظت کا انتظام ہے اور اللہ کی طرف سے قاضی صاحب کو خاص طور پر اس کام کی توفیق عطا ہوئی ہے۔

میں نے رفیق محترم مولانا علی میاں سے یہ سب ذکر کیا ــــ میرا اور علی میاں کا ان سے اصرار جاری رہا کہ وہ یوپی کی سطح تک کام کو پھیلانے پر بہر حال غور کریں ــــ بالآخر ایک وقت آیا کہ انھوں نے کام کے اس پھیلاؤ کے لئے ہمت کر لی۔ یہ ۵۹ء کی بات ہے۔ ان کے شہر بستی میں ریاستی سطح کی ایک کانفرنس بلائی گئی اور دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش کا قیام عمل آیا مولانا علی میاں کو کونسل کا صدر منتخب کیا گیا اور قاضی صاحب نے جنرل سکریٹری کی ذمہ داریاں قبول کر لیں۔"

اس تاریخ ساز کانفرنس کا اعلان ہوا تو پورے ملک میں اس کے انعقاد کا زبردست خیر مقدم کیا گیا۔ مسلمانوں کی تمام جماعتوں تنظیموں اور تحریکوں کے سربراہوں کی طرف سے تعاون کا اظہار ہوا۔ مسلکی اختلافات سے اوپر اٹھ کر صد فی صد قبول کے ساتھ یہ محسوس کیا گیا کہ آزاد ہندوستان میں دین کی حفاظت اور اس کی آبیاری کا ایک موثر ذریعہ مل گیا ہے۔ کانفرنس کے داعی قاضی محمد عدیل عباسی مرحوم نے لکھا ہے:۔

"صوبائی دینی تعلیمی کانفرنس جو ۳۰، ۳۱؍ دسمبر ۵۹ء کو زیر صدارت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی بستی میں منعقد ہوئی اس نے ایک نیا خیال ایک نیا جذبہ اور ایک نیا حوصلہ ملت اسلامیہ ہند کو دیا جیسے ہی اس کانفرنس کے انعقاد اور اس کے فرائض و مقاصد کا اعلان ہوا تمام ہندوستان کے ہر طبقۂ خیال کے علماء و زعماء کے دماغوں پر تحریک کا تخیل چھا گیا۔ بلا امتیاز جماعت ہر اہل الرائے اور دانشور کو اس میں مدعو کیا گیا تھا، دیوبند، ندوہ، سہارنپور، بریلی، اعظم گڈھ جامعہ ملیہ اسلامیہ، جمعیۃ العلماء ہند، جماعت اسلامی جماعت اہل حدیث، ریاست کے تمام مسلم اسکول اور کالج۔ الغرض کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جسے دعوت نہ دی گئی ہو اور الحمد للہ کہ سب نے شرکت بھی کی۔"

مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی کو بطور خاص قاضی صاحب نے کانفرنس کا افتتاح کرنے کے لئے مدعو کیا تھا لیکن متعین پروگرام کے باوجود مولانا عین وقت پر اپنی بیماری کے سبب تشریف نہیں لا سکے۔ انھوں نے قاضی صاحب کو ایک طویل گرامی نامہ ارسال فرمایا جس میں ایک جملہ ان کی فکر و دردمندی اور اس تحریک کی اہمیت اور افادیت کا مظہر تھا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ مولانا حفظ الرحمن صاحب کا وہ گرامی نامہ کانفرنس میں پڑھ کر سنایا گیا تھا اور ان کے اس جملہ نے عوام اور خواص سب کو متاثر کیا تھا۔

"کانفرنس کے اعلان نے ہندوستان کے

مسلمانوں کے ضمیر کو بیدار کر دیا ہے"
یہ ایک جملہ نہیں بلکہ ایک طویل تاریخ کا خوبصورت عنوان ہے اور اس بات کی علامت ہے کہ آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کی مکمل ترین ملی تاریخ جب کبھی سپرد قلم کی جائے گی تو اس میں دینی تعلیمی کونسل کی خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکے گا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسی موقع پر حضرت مولانا علی میاںؒ کا وہ اقتباس پیش کر دیا جائے جو قاضی صاحب مرحوم کے انتقال پر "قاضی عدیل عباسی کا عظیم کارنامہ" کے عنوان سے "قومی آواز" لکھنؤ کے خصوصی ضمیمہ میں تحریر فرمایا گیا تھا:۔

"اس سے زیادہ ٹھوس، مفید اور تعمیری تحریک اور جد و جہد ادھر ایک طویل عرصہ سے مسلمانان ہند کی تاریخ میں وجود میں نہیں آئی۔ واقعہ یہ ہے کہ قاضی صاحب ہی کے اس درد و فکر مندی نے جو ہندوستانی مسلمانوں کی نئی نسل کے بارے میں ان کو بے چین کئے ہوئے تھی بیسیوں علماء و اہل دین کو تڑپایا اور ان کو ان کے گوشۂ عزلت سے باہر لے آئی۔ خود اس ناچیز کا شمار بھی انھیں لوگوں میں ہے اور وہ قاضی صاحب کے اس احسان کو مدت العمر تک نہیں بھول سکتا"

مولانا محمد منظور نعمانی نے تحدیث نعمت میں اپنے تعلق اور تاثر کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

"اس تحریک میں اپنے حصہ کو میں اللہ کی ایک بڑی نعمت ہی سمجھتا ہوں اور اس کے لئے شکر گذار ہوں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کام کے موجودہ ذمہ داروں اور کارکنوں کی ہر طرح مدد فرمائے اور یہ نہایت ضروری کام اطمینان بخش پیمانہ پر جاری ہے"

بستی کانفرنس میں مولانا ابو اللیث اصلاحی ندوی امیر جماعت اسلامی ہند نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا:۔

"اس کام کے لئے جماعتوں کو اپنے اصولوں میں لچک پیدا کرنی چاہئے"

اس کانفرنس میں مولانا سید محمد اسعد مدنی، مولانا محمد میاں، مولانا ابو الوفا شاہجہانپوری، شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی، مولانا نذیر احمد بنارسی، خطیب الہند مولانا عبد الرؤف جھنڈا نگری، مولانا مفتی عبد القیوم علی گڑھی، مولانا مفتی شاہ سلیم اللہ بنارسی، حیات اللہ انصاری ایڈیٹر قومی آواز بڑے جوش و اعتماد کے ساتھ شریک ہوئے تھے۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے کانفرنس کا افتتاح کیا۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب گورکھپور تک آگئے تھے لیکن وہاں شدید بخار کی وجہ سے بستی نہیں آسکے۔ اس کانفرنس کے کچھ دنوں بعد نوگڑھ ضلع بستی میں ایک کل ہند اہل حدیث کانفرنس ہوئی جس کا افتتاح سفیر سعودی عرب نے کیا تھا۔ مولانا عبد الرؤف جھنڈا نگری نے اپنے خطبۂ استقبالیہ میں دینی تعلیمی کونسل اور اس کی تحریک کا پرجوش خیر مقدم کرتے ہوئے قاضی صاحب کا نام لیا اور اقبال کا یہ شعر پڑھا تھا ؎

راہِ خدا کہ عارف و زاہد کسے نگفت
در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

مولانا محمود الحسن صاحب (ناظم دینی تعلیمی کونسل) نے اپنے ایک مضمون میں اس وقت کی فضا اور ماحول کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

"جس وقت دینی تعلیمی کونسل نے کام شروع کیا تو اگرچہ آزادی کو دس برس سے زائد گذر چکے تھے لیکن مسلمانوں میں ہر طرف ایسا خوف و ہراس طاری تھا جس کا اندازہ آج کرنا مشکل ہے۔ جبری تعلیم کے قانون کے مفہوم کی اشاعت نے مسلمانوں کو اور بھی سراسیمہ بنا رکھا تھا، سب سے پہلا کام یہ تھا کہ اس خوف و ہراس کو دور کیا جائے، دینی تعلیمی کونسل نے اپنی تجویزوں کانفرنسوں کی تقریروں اور متعدد مطبوعہ کتابچوں کے ذریعہ مسلمانوں کو بہت دلائی جبری تعلیم کی تشریحات کیں اور آزاد مکاتب قائم کرنے کی پکار دی۔ چنانچہ کونسل کا کام جیسے جیسے آگے بڑھتا گیا خوف و ہراس اور احساس کمتری کی فضا صاف ہوتی گئی"

بقول قاضی صاحب:۔

"کانفرنس کے بعد ایک ایسا جوش اور دلولہ پیدا ہوا جو کم دیکھنے میں آیا ہے۔ بہت سے لوگ کہنے لگے کہ ہم تو تھک ہار کر بیٹھ گئے تھے کہ کچھ نہیں ہو سکتا اب کام ملا اس میں گرم جوشی سے لگ جائیں گے۔ کسی نے کہا کہ عوام کے دماغوں پر ایسا اثر ہوا ہے جیسے کہ پیاسے کو پانی مل جائے۔ کچھ علماء نے کہا کہ اس تحریک میں کام کرنا جہاد کا درجہ رکھتا ہے اور کسی نے یہ بتلایا کہ اس تحریک میں حصہ لینا نفلی عبادتوں سے زیادہ باعث ثواب ہے"

دینی تعلیمی کانفرنس کے انعقاد اور دینی تعلیمی کونسل کے قیام میں اصلاً حضرت مولانا علی میاںؒ اور حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ کی مخلصانہ کوششوں کا دخل تھا اور انھیں حضرات کے اصرار کی بنا پر مسلمانوں کے سامنے وہ شاہراہِ عمل روشن ہوئی جس نے مستقبل کے مسائل کو آسان کر دیا۔ قافلہ کی ترتیب و تشکیل، سفر کا آغاز اور اس کے لئے جذبہ و شوق میں والہانہ کیفیتوں کا اظہار ہوا۔ سب سے زیادہ پرکشش اعلان یہ تھا کہ کانفرنس کی صدارت عالم اسلام کے نامور خطیب اور عظیم مفکر حضرت

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کریں گے۔ خود مولانا نے کاروانِ زندگی میں تحریر فرمایا ہے۔

"اس پہلی کانفرنس کی صدارت کے لئے قرعۂ فال میرے نام نکلا کونسل کی صدارت کے لئے بھی میرا ہی انتخاب ہوا۔ میں نے عجلت میں سہارنپور اور ہردوئی کے درمیان ٹرین ہی پر خطبہ لکھا جو چھپ گیا۔ یہ کانفرنس اور خطبہ ایک طرح سے اس سفر اور سمت میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے اور ہندوستانی مسلمانوں کے ملی تشخص اور ان کے بنیادی مسائل کی تاریخ لکھنے والا اس کو نظر انداز نہیں کرسکتا۔ تقسیم ہند کے بعد مشکل سے دو ایک تحریکیں ہوں گی جو دینی تعلیمی کونسل کی تحریک کی طرح ٹھوس بنیادی اور وقت کے اہم ترین مسئلہ پر شروع کی گئی ہوں گی۔

حضرت مولانا علی میاںؒ نے قاضی صاحب کو غیور اور باحمیت مسلمان اور مولانا محمد منظور نعمانی نے انھیں راسخ العقیدہ اور صاحبِ استقامت مردِ مومن لکھا ہے۔

قاضی محمد عدیل عباسی مرحوم کے ذہن وفکر میں دینی تعلیمی تحریک اور مکاتب کے قیام کا خاکہ اور منصوبہ نمودار ہوا اور جس وقت بے سروسامانی اور غیر یقینی مستقبل کی کیفیت میں انھوں نے اپنے گاؤں میں سب سے پہلے ایک مکتب کی بنیاد رکھی تو اندازہ بھی نہیں تھا کہ یہ ایک بڑی تنظیم وتحریک کا سنگ بنیاد رکھا جارہا ہے۔ اس وقت کسی کو خبر بھی نہیں تھی کہ اس مدھم روشنی سے ہزاروں چراغ روشن ہوں گے اور یہی چراغ فضا اور ماحول کی تاریکیوں کو دور کرنے کا ذریعہ بنے گا۔

مولانا علی میاںؒ اور مولانا منظور نعمانیؒ صاحبؒ کے تقاضے سے مجبور ہو کر قاضی صاحب نے بستی میں کانفرنس کا ارادہ کرلیا تو ایک خواب دیکھا کہ آبائی گاؤں میں اپنے دروازے پر ایک بڑا دینی اجتماع کیا ہے۔ والد محترم کے ہاتھوں سے تعمیر کی گئی مسجد میں ظہر کے وقت ایک کثیر مجمع ہے جس میں حضراتِ صحابہ کرام کی کثیر تعداد بھی موجود ہے۔ یہ احساس غالب تھا کہ اللہ نے اس سرزمین کو منور کردیا اسی درمیان دیکھا کہ وضو سے فارغ ہو کر حضرت علیؓ نے قاضی صاحب سے فرمایا" جلسہ بہت کامیاب رہا"۔

قاضی صاحب نے اس خواب کا ذکر مولانا علی میاں اور مولانا منظور نعمانی صاحب سے کیا تھا لیکن یہ گذارش بھی کی تھی کہ یہ حضرات اپنی کسی تقریر وتحریر میں اس کا اظہار نہ فرمائیں۔ مولانا علی میاںؒ کی آخری علالت کے دوران کسی خاص موقع پر مہمان خانہ میں یہ خواب اور واقعہ میں نے عرض کیا تو حضرت نے فرمایا کہ قاضی صاحب نے ان سے اس کا ذکر کیا تھا۔ حضرت مولانا نے اسی وقت اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے اظہار تشکر کے طور پر فرمایا کہ اللہ نے اس تعلق اور مناسبت سے ابوالحسن علی کو بھی یہ سعادت نصیب فرمائی۔ ایک جملہ اکثر فرماتے تھے اس وقت بھی فرمایا کہ قاضی صاحب اور تمہارے والد مولانا محمود الحسن صاحب کے لئے بلاناغہ میں ایصال ثواب کرتا ہوں۔ یہ میرے معمولات میں شامل ہے اس کا اہتمام میں نے بیت اللہ اور مسجد نبوی میں بھی کیا ہے اللہ نے ان سے بڑا غیر معمولی کام لیا ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ حضرت مولاناؒ اس وقت کسی اور کیفیت میں تھے جس کا تاثر چہرے پر نمایاں تھا۔ پھر فرمایا "تم اس کام میں لگے ہو یہ بڑی سعادت کی بات ہے تم تحریک کی بہترین ترجمانی کرتے ہو۔" اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کے ان دعائیہ کلمات اور تاثرات کو میرے حق میں قبول فرمالے اور مجھے خدمت کے مواقع میسر آتے رہیں۔ میں اپنے رب کے حضور میں سجدہ ریز ہوں کہ خود حضرت مولانا نے مجھے دینی تعلیمی کونسل کی مجلس عاملہ کا رکن اور پھر اس کا سکریٹری نامزد کیا۔ اے اللہ مجھے توفیق عطا فرما کہ میں اپنے حضرت والا کی شفقتوں اور ان کی نگاہِ انتخاب کی لاج رکھ سکوں۔ اے اللہ میرے بزرگوں نے جس دینی تحریک میں اپنی عمریں کھپا دیں مجھے بھی اس میں آخر تک لگے رہنے کی سعادت نصیب فرما، اے اللہ جس گھر اور گاؤں سے اس کا آغاز ہوا وہاں اس کی فکر باقی رہے اور محض اللہ کی عنایت سے جو شانِ امتیازی ان کے حصہ میں آئی ہے اس کی قدر وحفاظت کا جذبہ بیدار رہے اور اس کی بھی توفیق اس گھر کے ہر فرد اور گاؤں کے ہر مسلمان کو ملتی رہے۔

قاضی محمد عدیل عباسی مرحوم کو مطالعہ اور مشاہدہ کے بعد جو راہِ حق نظر آئی تھی اس کا مظاہرہ دینی تعلیمی تحریک اور دینی تعلیمی کونسل کی شکل میں پورے ملک کے سامنے اس وقت ہوا جب انھوں نے حضرت مولانا علی میاںؒ کی صدارت میں اپنے شہر بستی میں وہ ریاستی دینی تعلیمی کانفرنس منعقد کی جسے تمام بزرگان اور خود حضرت مولانا علی میاںؒ نے وقت کی سب سے بڑی ضرورت قرار دیا۔ مولانا اکثر فرماتے تھے کہ یہ کام قرب الٰہی کا ذریعہ ہے۔

بستی کانفرنس کا خطبۂ صدارت جو حضرت مولانا علی میاں نے "عجلت میں سہارنپور اور ہردوئی کے درمیان ٹرین پر لکھا تھا" وہ ایک ایسی تاریخی دستاویز ہے جس کے بغیر آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کی تاریخ مکمل نہیں کہی جاسکتی۔ دینی دعوت وپیغام اس کی ابدیت اور عظمت اس ملک میں مسلمانوں کی حیثیت اور ان کی ذمہ داریاں ان کے سامنے روز پیش آنے والے مسائل کا تذکرہ اور ان پر مومنانہ شان سے اظہار خیال، حکومت کی عدم توجہی دستور ہند اور سیکولرزم کے برعکس حکومت کے شعبۂ تعلیم کے غیر اخلاقی اور غیر جمہوری اقدام پر بے لاگ تبصرہ ایک مردِ مومن کی صدائے

ب مجاہد کی شان حریت اور جذبۂ جہاد ایک
ح کی نگاہِ دور رس اور انداز استدلال ایک
وطن کی لازوال حب الوطنی ایک بیقرار قلب
ر کا آئینۂ جلال و جمال پوری طرح حضرت
علی میاںؒ کے اس پہلے خطبۂ صدارت میں روشن ہے
ہ شبلی اور علامہ سید سلیمان ندویؒ کے ادب
اور زبان و بیان کے دلکش انداز و اسلوب
دراثت ندوۃ العلماء کے حصہ میں آئی اس میں
ت مولانا نے اپنے منفرد لب و لہجہ اور اندازِ نگارش
ہار چاند لگا دیئے۔ یہ خطبہ اس لحاظ سے بھی
ادبی اور علمی شاہ کار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے
رغیب سے جن بزرگوں پر روحانیت کی بارش
ے ان میں ہمارے حضرت کا نام نامی نمایاں
ں انھوں نے کبھی خاک کی آغوش میں تسبیح
جات پر اکتفا نہیں کی بلکہ وسعتِ افلاک میں
سلسل کا فریضہ انجام دیتے رہے آزاد ہندوستان
سلمانوں کی تاریخ میں جن محرکات اور سنجیدہ
عوامل کا ذکر ہوگا ان میں یہ خطبۂ صدارت
سنگ میل قرار دیا جائے گا۔

ت مولاناؒ نے اس کے بعد اپنے خطبہ میں اس
کے حوالے پیش کئے ہیں جن سے مذکورہ
ن کی نشاندہی اور درد و کرب کی ترجمانی ہوتی
مولانا نے بڑی جرأت اور بلند آہنگی سے اپنے
ں مسلمان دانشوروں، بزرگوں، صوفیا اور
لقدر فاضل باکمال مصنفین اور بلند پایہ
ین کا ذکر کیا جنہوں نے اس وقت کی پوری
نا دنیا کے ذہن پر اپنی بلندی و انفرادیت کا
قائم کر دیا۔ انھیں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا
عمر اسی سرزمین سے اٹھا اور جنہوں نے
ری صلاحیتیں اس ملک کو زرخیز بنانے میں
یں اور پھر اسی سرزمین میں آسودۂ خاک
ور ہم جن کی ہمت و بصیرت سے اپنی زندگی
کا چراغ جلا سکتے اور اس کی لو بڑھا سکتے ہیں۔

حضرت مولانا نے طویل خطبہ میں جو کچھ فرمایا اس میں چند بنیادی اور اہم باتیں شاہ سرخیوں کے طور پر اس طرح نظر آتی ہیں:۔

● "ہمارا ملک اس وقت ایک عبوری دور سے گذر رہا ہے جس میں جذبات عقل پر فرقہ پرستی حب الوطنی پر تنگ نظری وسیع النظری پر اور نسلی و لسانی تعصبات انسان دوستی پر غالب ہیں۔

● اپنے ہاتھوں سے اپنی تاریخ کے اوراق کو چاک کیا جا رہا ہے۔

● ہندوستان کی تاریخ میں ایک ایسا خلا پیدا کیا جا رہا ہے جو صدیوں کو محیط ہے۔

● اس ملک میں مسلمانوں کی حکومت و تہذیب کا ایک دور گذرا ہے جو چھ سات سو برس کی طویل مدت ہے یہ ہندوستان کی تہذیب و ترقی کا ایک شاندار دور ہے جس کو ہندوستان کی تاریخ سے خارج کرنا اس ملک کے ساتھ بڑی ناانصافی اور وطن دشمنی ہے۔

● اس ملک کا ضمیر زندہ اور بیدار ہے۔

● شریف النفس اور نیک طینت انسانوں کی اس ملک میں بہت بڑی تعداد ہے اور وہی اس ملک کی قوت و عزت کا سرچشمہ ہیں۔

● ہمیں امید ہے کہ اگر ہم اپنا مطالبہ قوت اور معقولیت کے ساتھ پیش کریں گے اور اس ملک کے دستور کے تحفظ کا مطالبہ کریں گے تو ہمارے ساتھ انصاف کیا جائیگا۔

● ہم سچے محب وطن اور ملک دوست اس وقت تک نہیں ہو سکتے جب تک اس ملک کی ساری اچھی، حسین اور مفید چیزوں پر فخر کرنا، ان کی حفاظت کرنا اور ان کو زندہ رکھنا اپنا فرض نہ سمجھیں۔

● ہم اس وقت کے انتظار میں (جب حکومت کو اپنے فرض کا پورا احساس ہو جائے) نہیں رہ سکتے۔

● قوموں کی زندگی میں چند برس کی مدت بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔

● ہم کو اپنی جدوجہد جاری رکھنی چاہئے۔

● ہم کو حکومت سے بہت واضح و پرزور طریقے پر مطالبہ کرنا چاہئے کہ سرکاری نصاب تعلیم اور نظام تعلیم مکمل طور پر سیکولر ہو اور حکومت اس کے نفاذ میں پورے خلوص و جرأت سے کام لے۔

● دوسرا حصہ وہ ہے جو خود ہم سے متعلق ہے اور اس کے بارے میں ہم خدا اور اس کے بندوں اور اپنی آئندہ نسلوں کے سامنے جواب دہ ہیں۔

● نصاب تعلیم حقیقی معنی میں غیر مذہبی و سیکولر ہو جائے پھر بھی ہمیں اپنے بچوں کی دینی تعلیم اور اخلاقی تربیت کا انتظام کرنا ہوگا۔

● ایک ایسی ملت کو جس کی زندگی کا اتنا بلند معیار ہو ایک ایسے نصاب تعلیم اور نظام تعلیم کے حوالے نہیں کیا جاسکتا اور زمانہ کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا جاسکتا۔

● اس کے لئے مسلمانوں کو ایسا ہی انتظام کرنا ہوگا جیسے ان کو اپنی نمازوں اور دینی فرائض کی ادائیگی کے لئے معابد و مساجد اور روح و جسم کے رشتے کو برقرار رکھنے کے لئے ضروریات زندگی کا انتظام کرنا پڑتا ہے۔

● اس کے لئے ان کو مساجد میں وعظ وتلقین، گھروں میں اصلاح وتربیت اور مکتبوں اور مدرسوں میں دینی تعلیم کا انتظام کرنا ہوگا۔

● اس کے لئے ان کو سارے ملک میں صباحی وشبینہ مکاتب کا ایک ایسا جال بچھا دینا ہوگا جس سے کوئی قریہ اور کوئی محلہ محروم نہ رہے۔

قاضی محمد عدیل عباسی کی کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے (جن کے نتیجہ میں وہ تاریخی کانفرنس اور اس میں حضرت مولانا کا تاریخی خطبۂ صدارت وجود میں آیا جو ملت اسلامیہ ہندیہ کے علاوہ ہندوستان کے سنجیدہ مخلص صاف ذہن عوام وخواص کے لئے عظیم تحفہ کی حیثیت رکھتا ہے) حضرت مولانا نے تحریر فرمایا:۔

"ایک شخص کی کوشش اور مقصد کے عشق نے بیسیوں اداروں کا کام کیا اور ہمیں نئے تجربہ سے آشنا کیا ہے کہ ایک شخص کا عزم اور اس کی حکمت عملی کس طرح عمومی چندے سے بے نیاز ہو کر سیکڑوں مدرسوں کو چلا سکتی ہے اور کس طرح چھوٹے چھوٹے...... دیہات اور قصبات اپنے بچوں کی تعلیم میں خود کفیل ہو سکتے ہیں!"

حضرت مولاناؒ نے خطبے کے آخر میں جو پیغام مسلمانوں کو دیا ہے وہ اس قابل ہے کہ اسے من وعن پڑھ لیا جائے۔ اس سے ایمان تازہ ہوتا ہے روح میں فرط وانبساط قلب ونظر میں وسعت اور حرکت وعمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ مولانا کے انداز نظر اور زاویۂ فکر کا ایک خاص وصف یہ تھا کہ سخت ترین حالات میں بھی مایوسی کے بجائے عزم، افسردگی اور اضمحلال کے بجائے ذوق وشوق، احساس کمتری کے بجائے جرأت مندانہ طرز عمل کا اظہار ہوتا تھا۔ اکثر ایسے مواقع پر حضرت مولانا کا انداز تحریر وتقریر غیر ضروری جوش وجذبہ کو ابھارنے کے بجائے سنجیدہ دعوت فکر کا ترجمان ہوتا تھا، وہ محرم راز درون میخانہ تھے۔ وہ عندلیب باغ حجاز تھے وہ رہ ورسم شاہبازی سے پوری طرح باخبر تھے، انھیں ملت کا درد بھی تھا ملک سے بے پناہ جذبۂ محبت بھی وہ مسلمانوں کے غم گسار بھی تھے اور سرزمین ہند کے طرفدار بھی اور بیک وقت ملک وملت کی بہی خواہی، ترقی اور ارتقا کے طلبگار بھی تھے، وہ ملک کی وحدت اور سالمیت کے لئے فکرمند بھی رہتے تھے اور مسلمانوں کے اندر غیرت وحمیت اور خودی وخودداری اور ایثار پسندی کے جلوۂ خوش رنگ کو دیکھنے کے تمنائی بھی تھے۔

حضرت مولانا کا ایک جملہ اپنی گہری معنویت کے اعتبار سے اس کا مستحق ہے کہ اسے جلی حروف میں لکھ کر نمایاں کیا جائے:۔

"شرط اول عزم اور شرط ثانی نظم ہے اور ان دونوں کی موجودگی ہر مشکل کو آسان اور ہر ناممکن کو ممکن بنا سکتی ہے۔"

چالیس برس قبل حضرت مولانا نے دینی تعلیمی کونسل کی صدارت اور قیادت قبول فرمائی تھی۔ اس وقت ملت اسلامیہ کے سامنے جو پیغام دیا گیا تھا وہ دینی اور ملی تحریکات میں سرگرم افراد اور جماعتوں کے لئے ایک منشور کی حیثیت رکھتا ہے:۔

حضرات!

قوموں کے اجتماعی فیصلوں نے دنیا کے نقشے اور قوموں کی تقدیریں بدل دی ہیں۔ آج جس چیز کی ہم کو سب سے زیادہ ضرورت ہے اور جو تمام موانع اور رکاوٹوں پر غالب آسکتی ہے اور جس کے سامنے حالات کو سپر ڈالنی پڑے گی وہ ہمارا یہ فیصلہ ہے کہ ہم اپنے بچوں کی دینی تعلیم کو ہر تعلیم پر مقدم رکھیں گے اور بغیر اس ضروری دینی تعلیم کے جس سے وہ اپنے پیدا کرنے والے کو، اپنے پیغمبر کو اور اپنے عقیدہ اور فرائض دینی کو پہچان سکیں، خالص رواجی یا معاشی تعلیم دلانا گناہ اور اپنے مذہب سے بغاوت سمجھیں گے۔

اگر ہمارا یہ فیصلہ ہے اور ہم اس میں سچے ہیں تو دنیا کی کوئی طاقت، کوئی ترغیب کوئی مصلحت، کوئی تعزیر ہم کو اس صراط مستقیم سے ہٹا نہیں سکتی اور ہماری نسلوں کو اسلام کی نعمت سے محروم نہیں کر سکتی اور اگر ہمارا یہ فیصلہ نہیں تو حکومت کی کوئی رعایت کوئی استثنا، کوئی تحفظ، کوئی انتظام ہم کو اس فساد والحاد اور اس انحراف وارتداد سے بچا نہیں سکتا جس کی طرف دنیا تیزی سے بڑھ رہی ہے۔

جو قومیں اپنے بارے میں خود فیصلہ نہ کر سکیں ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتا اور جو قومیں خود فیصلہ کر لیں ان کے فیصلہ کو کوئی بدل نہیں سکتا۔"

دینی تعلیمی کونسل کی عظیم دینی اور ملی تحریک سے متعلق حضرت مولانا کا ...... یہ خطبہ اب نایاب ہے اس کا ایک نسخہ میرے پاس اور ایک نسخہ قاضی محمد عدیل عباسی صاحب کے صاحبزادے قاضی محمد ارشد عباسی صاحب کے پاس بستی میں محفوظ ہے۔ تحریک وتنظیم کی جو عظیم الشان عمارت تعمیر ہوئی، اس کی خشت اول کے طور پر یہ خطبہ یادگار ہے۔ حضرت مولانا کو آخری ایام میں یہ خطبہ یاد آیا میں نے ان کے سامنے پیش کیا تھا۔ حضرت کی خواہش تھی کہ ان کے خطبات یکجا شائع ہو جائیں۔ یہ ذمہ داری میرے سپرد فرمائی تھی انشاء اللہ دینی تعلیمی کونسل کی طرف سے اس کی تکمیل

ہوگی۔ حضرت اکثر مجھ سے فرماتے تھے کہ قاضی صاحب اپنے والد کی سوانح اور دینی تعلیمی کونسل کی خدمات اور تاریخ مرتب کر دو۔ "دینی تعلیمی کونسل کی خدمات" کے عنوان سے میرا ایک مضمون قومی آواز میں شائع ہوا تو مجھے طلب فرمایا اور اپنی پسندیدگی کا اظہار فرمایا میں نے لکھنؤ، علی گڑھ اور سہارنپور کانفرنسوں کی روداد مرتب کی تو حضرت نے اس کا مسودہ دیکھ کر دعا فرمائی اور جب تک وہ چھپ کر نہیں آگئی برابر استفسار کرتے رہے۔ میرے ساتھ شفقت و محبت کا مظاہرہ ایسا تھا جس سے دوسرے حضرات بھی متاثر ہوتے تھے۔ چار برس کی عمر میں حضرت نے میری بسم اللہ کرائی تھی اس وقت سے لے کر آخر تک میں ان کی شفقتوں سے مالا مال رہا۔ ندوہ کے مہمان خانہ میں ایک موقع پر میں نے پاؤں میں جوتے پہنانے کی کوشش کی تو فرمایا تمہارے ہاتھ قدم کے لئے نہیں قلم کے لئے ہیں چار مہینے گذر گئے خدا گواہ ہے کہ اس مدت میں ایک لمحہ کے لئے بھی میری آنکھوں کے سامنے سے حضرت کا چہرہ اوجھل نہیں ہوا، فکر و تصور میں بسا ہوا، آنکھوں میں سمایا ہوا اب تک کوشش کے باوجود کچھ لکھنے کے لئے ذہن و دماغ کے منتشر شیرازہ کو یکجا کرنا میرے لئے مشکل رہا۔ آج جب اس ذمہ داری کو کسی طرح ادا کرنا چاہتا ہوں تو دل و نظر کی کیفیت ناقابلِ بیان ہو رہی ہے۔ دل قابو میں نہیں ہے، آنسوؤں میں کچھ دکھائی نہیں دے رہا ہے، اللہ کی ذات بڑی ہے وہ چاہے تو اپنے ایک ناقص بندہ کو بھی سعادت سے نواز دے یہ اس کی شانِ کریمی بھی ہے، شانِ رحیمی بھی۔

دینی تعلیمی کونسل کی تاسیس اور خدمات کا تقاضا ہے کہ اس سے زیادہ تفصیل سے واقعات بیان کئے جائیں لیکن یہ مضمون اس کا متحمل نہیں ہے۔ اس وقت میرے پیش نظر صرف حضرت مولانا علی میاںؒ کی ذات گرامی ہے جو گذشتہ چالیس برسوں میں مرکز نگاہ رہی ہے۔ یہ سرگذشت بھی تاریخی حوالوں کے ساتھ تفصیل و توضیح کی طالب ہے مگر میں اس کو مختصراً بیان کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ چند اہم واقعات اور حضرت مولانا کے خطبات سے ضروری اقتباسات پیش کئے جائیں گے جن سے تحریک اور مولاناؒ کے تعلق پر روشنی پڑے گی۔ دینی تعلیمی کونسل کے صدر کی حیثیت سے مولانا کا ایک مقام وہ تھا جس سے خارجی سطح پر لوگ واقف اور عظمتوں کے معترف تھے لیکن حضرت کی ایک حیثیت اس کے سرپرست اور بزرگ خاندان کی تھی جس کی بنا پر داخلی طور پر معاملات کی فکر اور مالیات کی فراہمی بھی اس تعلق میں شامل تھی کونسل کے قیام کے بعد پورے صوبۂ اتر پردیش میں جوش و جذبہ سے بھری ہوئی ایک ایسی فضا نمودار ہوئی جس میں مسلمانوں کا ہر طبقہ بیدار، کام کے لئے آمادہ و تیار اور ہر ضلع میں تحریک و تنظیم کے لئے ماحول خوشگوار نظر آنے لگا۔ مولانا محمود الحسن صاحب جواب تک بستی اور قریب کے اضلاع میں مصروف تھے اب اس کے بعد پوری ریاست میں سرگرم ہوگئے۔ ان کی ڈائری اور کاغذات سے اندازہ ہوتا ہے کہ شب و روز سفر کا ایک سلسلہ تھا، ایک فکر دامنگیر تھی ایک تصور اور تاثر تھا کہ مسلمانوں کی موجودہ نسل ایمان و عقیدہ پر قائم رہے اور اس ملک میں دین کی حفاظت کا قابلِ اطمینان بندوبست ہو جائے۔ ان کی تحریروں میں یہ جذبہ نمایاں ہے:-

"اگر ملک کے اندر ہم کو سرکاری ملازمتوں میں اپنا حق نہیں مل رہا ہے، ہمارے اوپر زیادہ ترقیوں کے دروازے بند کر دیئے گئے ہیں، فرقہ وارانہ فسادات کے ذریعہ نہ صرف ہمارے امن و سکون کو برباد اور ہماری عزتِ نفس کو پامال کر دیا گیا ہے تو ہمارا اس صورتحال کو بدلنے کے لئے فکر مند ہونا بجا ہے لیکن ان سارے مسائل سے بڑا مسئلہ ہمارے لئے اپنی آئندہ نسلوں کے دین و ایمان کا مسئلہ ہے اور اس مسئلہ کے سامنے کسی مسئلے کی کوئی حیثیت نہیں ہے اگر یہ سارے مسائل حل طلب رہ جائیں اور ہمیں موت آجائے تو ان کے لئے اللہ کی بارگاہ میں ہم سے باز پرس نہیں ہوگی لیکن اگر خدا نخواستہ ہمیں اس حال میں موت آگئی کہ ہماری نسلوں کے ایمان کا مسئلہ باقی رہا اور ہم نے اسے حل کرنے کی پوری جد و جہد نہ کی تو ہم اللہ کے سامنے جواب دہ ہوں گے اور ہم کوئی جواب نہ دے سکیں گے۔"

ایک موقع پر رائے بریلی میں تکیہ پر تھا کہ سہ پہر مولانا علی میاں، قاری رشید الحسن صاحب اور علی میاںؒ کے ایک عزیز کے ساتھ مشاورتی اجتماع میں شرکت کے لئے شہر جانا ہوا۔ ــــــ پہلے علی میاں صاحب نے تفصیل سے مسلمان بچوں کی ابتدائی دینی تعلیم کی عام ترویج و اشاعت اور اس کے لئے مسلمانوں کی ہر طرح کی آمادگی اور تیاری کی ضرورت بیان کی اور پھر میں نے انجمن تعلیمات دین کے قیام کی ضرورت کنونشن کے انتظامات و طریق کار اور جد و جہد کے نقشے پیش کئے اس کے بعد عارضی انجمن تعلیماتِ دین ضلع رائے بریلی کی تشکیل بالاتفاق عمل میں آئی۔"

دینی تعلیمی کونسل کے قیام اور مولانا علی میاںؒ کے صدر منتخب ہونے کے بعد مختلف اضلاع میں انجمن تعلیماتِ دین کی تشکیل اور ضلع کانفرنسوں کا انعقاد عمل میں آیا لیکن رائے بریلی کے مذکورہ بالا جلسے اور انجمن کی تشکیل کی بنیادی اہمیت اس لئے ہے کہ حضرت مولاناؒ کی سرپرستی اور رہنمائی میں یہ پہلی تشکیل تھی جو اتفاقاً رائے بریلی میں عمل میں آئی۔ پوری تحریک کے سلسلے میں رائے بریلی کو یہ خصوصیت حاصل ہوئی۔ وہاں کے مسلمانوں اور

مدارس کے ذمہ داروں کو آج بھی اس کی قدر کرنی چاہئے۔ حضرت مولانا غالباً اسی بنا پر رائے بریلی میں انجمن تعلیمات دین کے قیام واستحکام اور تحریک کے فروغ وترقی کے لئے ہمیشہ فکرمند رہتے تھے اور اس کا اظہار فرماتے تھے کہ اس سلسلہ میں رائے بریلی کو شائی ہونا چاہئے۔ حضرت کے اس جذبہ وفکر کو ان کی وصیت سمجھ کر قبول کرنا چاہئے اور رائے بریلی کے مسلمانوں کو فیصلہ کرنا چاہئے کہ وہ اپنے شہر وضلع میں حضرت کے دست مبارک سے لگائے گئے اس پودے کو خشک نہیں ہونے دیں گے، اس کی آبیاری کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی جس سے حضرت والا کی روح کو شادمانی حاصل ہوگی اور انشاء اللہ رائے بریلی کے مسلمان اس کے ذریعہ اللہ کی رحمت اور برکت سے مالامال ہوں گے۔

والد ماجد مولانا محمود الحسن صاحب نے اپنی کتاب (دینی تعلیمی کونسل، مقاصد، طریقۂ کار، خدمات اور منصوبے) میں حضرت مولانا علی میاںؒ کے پہلے خطبۂ صدارت کے متعلق اپنے تاثر کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے:-

"مولانا موصوف کے خطبۂ صدارت نے مسلمانوں کے سامنے موجودہ حالات میں مسلمان بچوں کے ایمان کے لئے جو خطرات ہیں اور ان کے پیش نظر ان کی دینی تعلیم کے بندوبست کی جو ضرورت اور اہمیت ہے اس کو اس طرح واضح کیا اور اس انداز سے اپیل کی کہ ہر مسلمان قلب بے چین اور اس کا ایمانی جذبہ پوری قوت سے بیدار ہوگیا۔"

ڈائری کے صفحات جو تقریباً پچیس برسوں کی سرگرمیوں کو سمیٹے ہوئے ہیں وہ حضرت مولانا علی میاں کی خدمات اور ان کے ذکر سے مزین ہیں۔ مولانا کی بین الاقوامی شخصیت تھی، عرب وعجم میں شہرت اور مقبولیت حاصل تھی، دینی علمی اور تصنیفی مصروفیات تھیں لیکن دینی تعلیمی کونسل کا خیال ہر فکر پر غالب نظر آتا تھا۔ چند واقعات کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے جو مولانا محمود الحسن صاحب کی ڈائری میں درج ہیں۔ اس سلسلے میں اگر مولاناؒ کے اسفار کی فہرست مرتب کی جائے تو ایک کتابچہ تیار ہو جائے گا۔ اس مقصد کے لئے کوئی سفر طے ہوتا تو بعض وقت ضعف واضمحلال کے باوجود اس کی تکمیل کی فکر ہوتی اور اندازہ ہوتا کہ اگر سفر نہ ہو سکا تو اس کے تاثر سے طبیعت مزید بوجھل ہوگی۔ اکثر دیکھنے میں آیا کہ اس حالت میں بھی سفر کے بعد انبساط کی کیفیت ظاہر ہوتی تھی، اس طرح کے بے شمار سفر ہیں جن میں مجھے ہم رکابی کا شرف حاصل ہوا ہے اور میں نے بہ چشم خود اس کا مشاہدہ کیا ہے۔ میرے کرم فرما اور بزرگ مولانا عبداللہ عباس ندوی صاحب نے "میر کارواں" میں تحریر فرمایا ہے:-

"مرحوم قاضی عدیل عباسی کے اخلاص کی قدر ان کی زندگی میں بھی کرتے تھے اور ان کے انتقال کے بعد بھی اس کو یاد رکھتے ہیں۔ مرحوم کے بھانجے ڈاکٹر مسعود الحسن عثمانی کو اس نسبت سے اور ان کی صلاحیتوں کی بنا پر ہمیشہ عزیز رکھتے اور ان کی کسی دعوت یا ان کے توسط سے جو دعوت مولانا کو دی گئی اس کو ان حالات میں بھی قبول کیا جب کہ ان کی صحت پر ضعف اور تعب کا اثر تھا۔"

۲۷ جنوری ۱۹۸۶ء اتوار ڈائری کا ایک صفحہ

"آج فیض آباد سے درس گاہ جماعت اسلامی مغل پورہ فیض آباد کے صدر مدرس صاحب لکھنؤ گئے، پہلے علی میاں کے پاس گئے اور پھر میرے پاس دفتر آئے۔

جبری تعلیم کے سلسلہ میں جو مقدمہ چل رہا ہے اس پر یہاں کے وکلاء سے مشورہ کرنا تھا۔ مولانا علی میاں نے فون پر کہا کہ مقدمہ کونسل کی طرف سے لڑا جائے اور کوئی کوتاہی نہ ہو۔"

جبری تعلیم کا مسئلہ ہندوستان میں بہت قدیم ہے۔ تقریباً ۷۰ سال قبل ۱۳۵۰ھ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے "قرآن عظیم اور جبریہ تعلیم" کے عنوان سے ایک مبسوط مقالہ سپرد قلم فرمایا تھا جس میں دینی استقامت، ایمانی غیرت وحرارت اور مجتہدانہ استدلال سے اس مسئلہ پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ ۱۹۲۹ء میں دہلی میں یہ افسوسناک واقعہ پیش آیا تھا کہ میونسپل کمیٹی دہلی اور اس کی تعلیمی کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا کہ:-

۱- قرآن مجید حفظ وناظرہ خواں بچوں کو قرآن مجید کے مکتبوں سے جبراً چھین لیا جائے۔

۲- قرآن مجید پڑھنے والے بچوں کے سرپرستوں کے خلاف مقدمات فوجداری قائم کرائے جائیں کہ وہ اپنے بچوں کو قرآن مجید کی تعلیم میں مشغول ہونے کی وجہ سے ابتدائی جبری تعلیم کے اسکولوں میں نہیں بھیج سکے۔

۳- کمیٹی نے مدارس قرآنی کے معلموں کو اس مضمون کے نوٹس دیئے کہ وہ ان مدارس کو بند کرکے لڑکوں کو جبری تعلیم کے اسکولوں میں بھیج دیں ورنہ فوجداری کے سپرد کر دیئے جائیں گے۔

۲۷ ستمبر ۱۹۲۹ء کو انجمن خادم القرآن کا اجلاس حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ العلماء ہند کی صدارت میں جامع مسجد دہلی میں منعقد ہوا۔ اس میں بزرگان ملت اور علمائے امت کی کثیر تعداد تشریف فرما تھی۔ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ مولانا محمد زکریا صاحبؒ بھی موجود تھے۔ اس موقع پر تفصیلات سے گریز کرتے ہوئے صرف اس تجویز کا اظہار مناسب ہے جو اس جلسۂ عظیم میں منظور کی گئی

در جو اس دور ابتلا میں مسلمانوں کے لئے باعث تقویت ہوئی تھی۔

مسلمان قرآن مجید کی تعلیم سے کسی صورت میں بھی دست بردار نہیں ہو سکتے کیونکہ قرآن مجید ہی کی تعلیم اور قرآن مجید ہی کے ساتھ مسلمانوں کا تعلق ہی ان کی دینی نجات اور بقائے مذہب کا کفیل ہے۔

یہ جلسہ میونسپل کمشنروں سے استدعا کرتا ہے کہ معاملہ کی نزاکت کو اچھی طرح سمجھ کر عامۂ مسلمین کے مذہبی جذبات کی صحیح ترجمانی کریں اور قرآن مجید کی تعلیم کو مستثنیٰ کرانے کی پوری کوشش کریں ورنہ مسلمان مجبور ہوں گے کہ وہ مدافعت کا کوئی مؤثر ذریعہ اختیار کریں۔"

تقریباً نصف صدی کے بعد آزاد ہندوستان ریاست اتر پردیش میں جبری تعلیم کا مسئلہ دوبارہ نئے سرے سے اٹھایا گیا اور محکمۂ تعلیم کی طرف سے خوف اس کا ماحول بنانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ سوچا تھا کہ مکاتب کے قیام کی جو لہر اٹھی ہے اس کو دبانے کا یہ مؤثر ذریعہ ہوگا اور مسلمان اس قانون سے ڈر کر اس تحریک سے الگ ہو جائیں گے لیکن دینی تعلیمی کونسل نے جو روح پھونک دی تھی اسے آسانی سے دبانا مشکل تھا، مسلمانوں کا طرزِ عمل گھبراہٹ کے بجائے اس وقت یہ تھا ؎

تعزیر جرم عشق ہے بے صرفہ محتسب
بڑھتا ہے اور ذوقِ گنہ یاں سزا کے بعد

قاضی محمد عدیل عباسی مرحوم نے انجمن تعلیمات دین شاہ جہانپور کی تیسری کانفرنس منعقدہ ۲ر جون ۱۹۶۲ء کے خطبۂ صدارت میں اس مسئلہ سے متعلق دو واقعات بیان کئے ہیں:۔

● "مین پوری سے ہمارے دفتر میں تار موصول ہوا کہ وارنٹ جاری ہو گیا ہے اور گرفتاری ہونے والی ہے، میں نے فوراً جوابی تار دیا کہ وارنٹ اور گرفتاری کا کوئی قانون نہیں ہے گھبرائیے مت ناظم صاحب جا رہے ہیں۔" مولانا محمود الحسن صاحب وہاں پہونچے اور حالات درست ہو گئے۔

● گورکھپور میں جب نوٹسیں دی گئیں اور میں طلب کیا گیا تو وہاں پچاسوں آدمی جوش میں بیٹھے ہوئے تھے کہ کیا کیا جائے۔ میں ایجوکیشن کمیٹی کے چیرمین صاحب کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ آپ سے درخواست ہے کہ نوٹسیں واپس نہ لیجئے گا مجھے صوبے کے اندر کہیں مقدمہ لڑنا ہے اور چونکہ میں جنرل سکریٹری ہوں مجھے وقت دینا ہوگا، گورکھپور میں مجھے مقدمہ لڑنے میں سہولت ہے۔ چیرمین صاحب نے بڑی خاطر کی اور کہا کہ آپ مقدمہ کہیں اور لڑیں میں مقدمات واپس لیتا ہوں، بس سکریٹری انجمن تعلیمات دین کی مہر لگی ہوئی رپورٹ آجانی چاہئے کہ بچہ مکتب میں پڑھ رہا ہے میں واپس آیا تو دوستوں نے اضطراب انگیز لہجہ میں پوچھا کیا ہوا؟ میں نے جواب میں کہا کہ ؎

تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑیں گے پرزے
دیکھنے ہم بھی گئے تھے پہ تماشہ نہ ہوا

ان واقعات کے پیش آنے کے بعد مولانا علی میاںؒ کی فرمائش پر قاضی صاحب مرحوم نے "آزاد اسلامی مکاتب اور جبریہ تعلیم" کے عنوان سے ایک مدلل اور طاقتور کتابچہ تحریر کیا جس کے عام ہونے کے بعد فضا بدل گئی۔ حکومت کو بھی اندازہ ہو گیا کہ مسلمان اس کے آگے سر تسلیم خم نہیں کریں گے۔

حضرت مولانا علی میاںؒ دینی تعلیمی کونسل کے نظام تعلیم و تربیت کو اپنی ریاست اتر پردیش کے علاوہ دوسری ریاستوں میں بھی جاری کرنے کے خواہش مند تھے، وہ چاہتے تھے کہ یہاں جو طریقۂ تعلیم مکاتب کے قیام کی شکل میں سامنے آیا ہے وہ پورے ملک میں پھیل جائے اور کسی گوشہ میں بھی مسلمان دین کی ابتدائی اور ضروری تعلیم سے محروم نہ رہیں۔ ۲۸ر جولائی ۱۹۶۳ء کو مولانا محمود الحسن صاحب کی ڈائری میں درج ہے۔

"آج صبح گونڈہ میں کونسل کے انچارج دفتر مولوی نذیر احمد نوری صاحب نے آکر خط دیا جو بھوپال سے آیا تھا اور بتایا کہ ٹرنک کال بھی آیا ہے۔ مولانا علی میاں صاحب نے فوراً بھوپال طلب کیا ہے تاکہ وہاں ریاستی دینی تعلیمی نظام بنانے کے لئے جو جلسہ ۲۹ر جولائی کو ہو رہا ہے اس میں شرکت کر دوں۔

۲۹ر جولائی ۱۹۶۳ء

آج ۱۲½ بجے دن کو بھوپال پہونچا جھانسی سے مولانا عمران خاں صاحب کا ساتھ ہو گیا تھا جو دہلی سے واپس ہوئے تھے۔

مولانا علی میاں صاحب برہان پور تشریف لے گئے تھے ۳½ بجے دن کو واپس آئے یہاں جلسے کے منتظم حضرات سے ریاستی دینی تعلیمی نظام کے مسئلہ پر بات چیت ہوئی۔ نام مدھیہ پردیش دینی تعلیمی کانفرنس طے ہوا۔

رات میں جلسہ عام ہوا مولانا علی میاں نے خطاب فرمایا، پھر مجھ سے عرض کرنے کو کہا گیا، اور آخر میں نظام کی تشکیل کی تجویز پاس ہوئی۔ مولانا علی میاں نے بڑی رقت کے ساتھ دعا فرمائی۔"

اسی طرح گجرات، بمبئی اور بہار میں بھی اس تحریک کا تعارف ہوا اور ان جگہوں پر بھی کام کا آغاز و تنظیم کا قیام عمل میں آیا، حضرت مولاناؒ کی عمر اور صحت نے جب تک اجازت دی بلکہ بعض وقت اس کے

بنیں بھی دینی تعلیمی کونسل کے لئے آسان یا مشکل کسی طرح کے سفر میں کبھی تکلف نہیں ہوا۔ حالات کے کیسے کیسے نشیب فراز سامنے آئے، دقتیں، دشواریاں مشکلات، اختلافات کے دور بھی گذرے کبھی خود اپنی صفوں میں بھی انتشار نظر آیا لیکن حضرت کا مزاج تھا وہ اس طرح کے سارے طوفانوں کو اپنے اندر سمیٹ لیا کرتے تھے۔ قلب ونظر کو وسعت کونین کی دولت عطا ہوئی تھی۔ تحمل اور برداشت کی جو آخری حدیں ہوا کرتی ہیں، جہاں تک عام انسانوں کا ذہن پہونچنے سے ہمیشہ قاصر رہتا ہے، ہمارے حضرت اپنی ذاتی زندگی اور تحریک وتنظیم میں ہمیشہ اس مقام پر بھی اطمینان ویکسوئی کے ساتھ تنہا کھڑے نظر آتے تھے۔ یہ وہ مقام بلند تھا جہاں تک کسی دوسرے کے لئے ہم رکابی آسان نہیں تھی۔ اس کا اثر طبیعت پر ذہن وفکر پر اور پورے اعصاب پر نمایاں ہوتا تھا لیکن زبان سے کبھی اس کا اظہار نہیں فراتے تھے۔ اس طرح کے بے شمار واقعات جو ذاتی اور اجتماعی معاملات سے تعلق رکھتے ہیں میرے علم میں ہیں لیکن انھیں بیان کرنے کا یہ موقع نہیں ہے۔

اس وقت تو صرف ان واقعات وحالات کو ظاہر کرنا مقصود ہے جو دینی تعلیمی کونسل اس کی تحریک اور حضرت مولانا کے تعلق اور فکرمندی سے متعلق ہیں جنہیں پڑھ کر اس اضطراب کا اندازہ ہوتا ہے جو اس راہ میں انھیں بے چین کئے ہوئے تھا اس طرح کے واقعات میں درس عبرت اور بڑی سبق آموزی پنہاں ہے۔ کاروان زندگی جلد اول کے صفحہ ۵۱۱ و ۵۱۵ کی عبارت اپنے اندر ایمان واستقامت اور درس وپیغام کی بڑی کیفیات سے آراستہ ہے۔

"میں دینی تعلیمی کونسل کی طرف سے مغربی یوپی کے ایک دورہ میں تھا گرمی سخت تھی اور لو چل رہی تھی بسوں کے ذریعہ سفر تھا اور بعض جگہ کئی کئی گھنٹہ دوپہر کی گرمی میں ٹھہرنا اور انتظار کرنا پڑا۔ ۲۲ر جون ۱۹۶۵ء کو میرٹھ کا پروگرام تھا شب میں ایک جلسۂ عام میں تقریر کی فراغت پر اپنی قیام گاہ پر آکر سوگیا۔ فجر سے پہلے آنکھ کھلی تو معلوم ہوا کہ بائیں آنکھ کی (جس میں آپریشن ہوا تھا) نظر بالکل جاتی رہی۔ طبیعت پر اس کا سخت اثر پڑا۔"

اس حالت میں بھی میرٹھ سے دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ میں شرکت فرمائی پھر سہارنپور تشریف لائے، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے فوراً لکھنؤ جانے کی ہدایت کی، سیتاپور آنکھ کے اسپتال میں داخل ہوئے لیکن وہاں سے واپس آکر مسلم مجلس مشاورت کے سلسلہ میں مصروفیات اس حد تک بڑھیں کہ دوبارہ آنکھ پر حملہ ہوا اور پھر سیتاپور اسپتال میں داخل ہونا پڑا جہاں پانچ آپریشن ہوئے مگر خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔

"یہ میری زندگی کے سب سے زیادہ آزمائشی اور ایک طرح سے موت وحیات کی کشمکش کے دن تھے کئی بار شدت تکلیف سے دعا کی کہ اگر اسی حالت کا باقی رہنا مقدر ہے تو ایمان کے ساتھ دنیا سے اٹھا لیجئے۔"

سیتاپور کے اس قیام سے متعلق حضرت مولانا نے ظفر احمد صدیقی صاحب مرحوم کے تعلق کا ذکر کیا ہے:

"سیتاپور کے دونوں مرتبہ قیام کی پوری مدت میں جو بعض اوقات ڈھائی تین مہینے کے قریب بھی ہوئی میرے اور میرے ساتھ ٹھہرنے والوں اور عیادت کے لئے باہر سے آنے والوں کے کھانے کا انتظام مکلف بھائی ظفر احمد صاحب صدیقی وکیل سیتاپور نے کیا اور اس کا انحصار اپنے کھیت کے غلہ اور اپنی جائداد کی آمدنی پر رکھا میں کبھی ان سے درخواست کرتا کہ یہ سلسلہ بہت وسیع اور طویل ہے اب ہم کو خود اپنا انتظام کرنے کی اجازت دیجئے تو آبدیدہ ہوجاتے اور کہتے کہ بس یہ بات نہ کہئے اور جو کچھ آپ حکم دیں اس کی تعمیل ہوگی۔"

ظفر احمد صدیقی صاحب کی شخصیت کا انداز حضرت مولانا کے اس اقتباس سے کیا جاسکتا ہے۔

"دینی تعلیمی کونسل اترپردیش کو ایک لائق ومخلص رہنما اور کارپرداز اور اس کے بانی اور جنرل سکریٹری قاضی محمد عدیل عباسی صاحب کو ایک سرگرم رفیق ومعاون ظفر احمد صدیقی صاحب علیگ ایڈوکیٹ سیتاپور کی شکل میں مل گیا جنھوں نے اگست ۱۹۶۳ء میں بہ حیثیت سکریٹری دینی تعلیمی کونسل اپنا کامیاب پیشہ وکالت ترک کرکے اور سیتاپور سے لکھنؤ منتقل ہوکر اپنی پوری زندگی اور توانائیاں کونسل کے لئے وقف کردیں۔ مسلمانوں کے تعلیمی مسئلہ اور اس سلسلہ میں گورنمنٹ کی تعلیمی پالیسی مختلف اوقات میں اس کے اعلانات اور محکمۂ تعلیم کے افسروں کے طرز عمل سے دور دور ان سے زیادہ واقف آدمی کا ملنا مشکل تھا۔ انھوں نے ایک سپاہی اور رضاکار کے انداز میں پوری سادگی بلکہ جفاکشی کے ساتھ دینی تعلیمی کونسل کے غریبانہ دفتر ۹۹ گوئن روڈ لکھنؤ میں قیام اختیار کرلیا اور سب کشتیاں جلاکر ایک ایسے مسئلہ کے آستانہ پر آکر پڑ گئے جو ان کے نزدیک مسلمانوں کی موت وحیات کا مسئلہ تھا۔"

حضرت مولانا کی صحت اور بڑھتے ہوئے ضعف اور مختلف عوارض کو دیکھتے ہوئے ایک موقع پر ظفر صاحب مرحوم نے مولانا سے عرض کیا کہ اب آپ مستقلاً رائے بریلی میں قیام کیجئے۔ لوگ استفادہ کی غرض سے وہیں پہونچیں گے، فرما

ومیر ابھی اب یہی چاہتا ہے لیکن سوچتا ہوں
ت میں پوچھا جائے گا کہ ملت پر وقت پڑا تھا
ہیں خانقاہیت سوجھی تھی تو کیا جواب دوں گا۔
ن کا شعر زندہ ہوگیا ؎

اوروں کا ہے پیام اور میرا پیام اور ہے
عشق کے دردمند کا طرزِ کلام اور ہے

۱۹۶۲ء میں حکومت اتر پردیش نے اسکولوں
پوجاپاٹ کا پروگرام شروع کرنے کا اعلان کیا جس
ملاف ۲۲ جون ۱۹۶۲ء کے ندائے ملت میں قاضی
عدیل عباسی مرحوم نے آواز بلند کی:۔

"کارکنانِ دینی تعلیمی تحریک کے لئے ایک مقام آزمائش آگیا ہے اور وہ امتحان گاہ میں کھڑے ہیں۔ ہم ابھی نصاب تعلیم کی اصلاح کے لئے کوشاں تھے کہ ایک نئی آفت اسکولوں میں عملی پوجاپاٹ کے پروگرام کی آرہی ہے۔

ہمیں جولائی سے پہلے پہلے اس سلسلہ میں کوئی بڑا قدم اٹھانا ہوگا۔"

۱ جون ۱۹۶۲ء کو جونپور میں دینی تعلیمی کانفرنس موقع پر قاضی صاحب نے اپنے خطبۂ صدارت کہا کہ:۔

"۱۹۵۹ء کے پراسپکٹس کے ملاحظہ سے معلوم ہوا کہ بیسک درجات میں بچوں سے عملی سبق کے طور پر پوجا کرائی جائے گی اس معاملہ کی جانچ ہو رہی ہے اور اگر ایسا واقعی ہوا تو ہم کو بچوں اور بچوں کے والدین اور سرپرستوں کو تیار کرنا پڑے گا کہ وہ اس سے قطعی اجتناب کریں۔ ہم کسی حالت میں ایک لمحہ کے لئے اسے برداشت نہیں کریں گے ہم اس کے مداوا کے لئے عرض داشتوں اور عدالتوں کے فیصلوں کا بھی انتظار نہ کریں گے ہم بلاخوفِ نتائج اس پر عمل کرنے سے انکار کر دیں گے۔

ساتھیو! جب تک ہم اس طرح کا جذبۂ عمل پیدا نہ کریں گے ہم اس عبوری دور کے طوفان میں غائب ہو جائیں گے اور ہماری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں۔"

یہ خطبہ ۱۳ جولائی ۱۹۶۲ء کو ندائے ملت میں حسب ذیل ادارتی نوٹ کے ساتھ شائع ہوا۔

"یہ خطبہ ایسے موقع پر دیا گیا ہے جب کہ یوپی کے مسلمان بچوں کی ایمانی بقا کو ایک زبردست چیلنج کا سامنا ہے۔ اس کے مقابلہ کے لئے جس جذبۂ عمل کی ضرورت ہے خطبہ شروع سے آخر تک اس جذبۂ عمل کے لئے ایک پرسوز پکار کی حیثیت رکھتا ہے ہم تمام مسلم اخبارات سے امید کرتے ہیں کہ اس اہم خطبہ کی نمایاں طور پر اشاعت کی جائے گی اور مسلمانوں سے امید کرنے کو جی چاہتا ہے کہ یہ پکار ان کے کانوں سے ٹکرا کر واپس نہیں ہو جائے گی۔"

اسی موقع پر مولانا محمد منظور نعمانی صاحب نے الفرقان میں اس مسئلہ پر وضاحت سے مضمون تحریر فرمایا جو ندائے ملت کی اس اشاعت میں بھی شائع ہوا۔

"اس مسئلہ کی سنگینی پر ہمیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ کون مسلمان ہے جس کو اس بات کے سمجھنے میں دقت ہوگی کہ اس انداز سے تعلیم پانے والے بچے مردم شماری کے رجسٹر میں تو مسلمان رہ سکتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ مسلمان نہیں رہ سکتے۔

قاضی صاحب نے تمام مسلم جماعتوں سے اپیل کی ہے کہ وہ تمام اختلافات کو پس پشت ڈال کر اس سنگین مسئلہ سے نمٹنے کے لئے بلا تاخیر میدان میں آجائیں۔"

۲۰ جولائی ۱۹۶۲ء کے ندائے ملت میں اداریہ کی جگہ پر حضرت مولانا علی میاںؒ کا مضمون "مسلمانانِ یوپی اور حکومت یوپی کے لئے لمحۂ فکریہ" کے عنوان سے شائع ہوا۔ یہ مضمون بہت طویل مدلل اور جرأتِ ایمانی کا مظہر ہے۔ اس میں ایمان و استقامت کی وہ چنگاری ہے جو پلک جھپکتے شعلۂ جوالہ بن کر گرد و پیش کو خاکستر کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

"ندائے ملت کے ناظرین نے اخبار کی ۲۲ جون ۱۹۶۲ء کی اشاعت میں قاضی محمد عدیل عباسی صاحب کا مضمون پڑھا ہے جس میں پہلی مرتبہ اس نئی صورتِ حال کی اطلاع دی گئی تھی جس سے یوپی کے مسلمان دوچار ہو رہے ہیں یعنی یہ کہ بیسک اسکولوں کے نئے پراسپکٹس کے مطابق تمام درجوں میں اب مذہبی تیوہار جینتیاں اور یوم منائے جائیں گے جن کی حیثیت مذہبی ہے اور جن کا اہم عنصر اور روح پوجاپاٹ اور غیر اللہ کی عبادت و تقدیس ہے جو مسلمان کے لئے قطعی طور پر حرام اور ناجائز ہے اور اس طرح ان کو تعلیم کی منزل پر پہونچنے کے لئے کفر کی منزل سے گذرنا پڑے گا۔

کسی مسلمان کے لئے اس کی مطلقاً گنجائش نہیں کہ وہ کسی اہم سے اہم مقصد یا کسی بڑے سے بڑے دنیاوی فائدہ کے لئے اپنے بچے کو ان تقریبات و رسوم میں شرکت کی اجازت دے یا اس کو گوارہ کرے۔

یہ صورت حال ہمارے لئے ناقابلِ برداشت ہے اور ہم کو اپنے بچوں کو ان تعلیم گاہوں کے فوائد اور سہولتوں سے محروم رہنا گوارہ ہے لیکن ان کے ایمان، دینی احساسات اور شعور کو خطرہ میں ڈالنا اور مشرکانہ اعمال میں شریک ہونا کسی قیمت پر گوارہ نہیں۔ بس یہ اجتماعی فیصلہ بڑی سے بڑی صورت حال کو تبدیل کر سکتا ہے۔

ہم کو یقین ہے کہ یوپی کا محکمۂ تعلیم جو اعلیٰ

تعلیم یافتہ اور تجربہ کار کارکنوں پر مشتمل ہے اور جس کو ہر محکمہ سے زیادہ حقیقت پسند اور عملی ہونا چاہئے بہت جلد اپنی غلطی محسوس کرے گا اور اپنی اس قابل فخر ریاست کو جو علم و تہذیب اور باہمی اتحاد کا مرکز رہی ہے اس تلخ اور غیر ضروری کشمکش میں مبتلا کرنے سے گریز کرے گا۔"

اس مسئلہ پر دینی تعلیمی کونسل نے سنجیدگی کے ساتھ پورے صوبہ میں ایک روح پھونک دی۔ جس کے نتیجہ میں محکمۂ تعلیم کو کلی طور پر اس پراسپکٹس کو منسوخ کرنا پڑا۔ ۲۷ر جولائی ۱۹۶۰ء کے شمارہ میں ندائے ملت کی ایک رپورٹ شائع ہوئی جس میں کہا گیا کہ:۔

"یوپی کے بیسک اسکولوں کا نیا پراسپکٹس محکمۂ تعلیمات نے واپس لینے کا اعلان کر دیا دینی تعلیمی کونسل کی جدوجہد کی یہ کامیابی اس بات کا ثبوت ہے کہ بروقت اور مناسب جدوجہد سے ہر خطرہ کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔

اترپردیش کے مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر نے ۳۱ر دسمبر ۱۹۵۹ء کو دینی تعلیمی کونسل کے نام سے جس ادارے کی بنیاد رکھی تھی اس کی مختصر سی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ اترپردیش کے محکمۂ تعلیمات نے ایک اور سخت پریشان کن کارروائی کا ارتکاب کیا اس ادارے کی بیداری اور کارکردگی کی تعریف کی جانی چاہئے کہ اس نے نئے پراسپکٹس کے اجراء سے پہلے ہی اس کا پتہ چلا کر اس کا جائزہ لینے کا کام شروع کر دیا۔"

اس اہم ترین مسئلہ پر غور و فکر اور لائحۂ عمل طے کرنے کے لئے دینی تعلیمی کونسل کا اجلاس مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی صدارت میں ۱۲ر جولائی کو طے تھا۔ اسی دن کونسل کا ایک وفد وزیر تعلیم سے ملا اور اسی موقع پر ڈائرکٹر تعلیمات نے وزیر تعلیم کو بتایا کہ پراسپکٹس کی منسوخی کے احکامات جاری کر دیئے گئے ہیں۔

اس فیصلہ کا وسیع القلبی کے ساتھ خیر مقدم کرتے ہوئے مولانا علی میاں نے حکومت اترپردیش اور وزیر تعلیم کو توجہ دلائی:۔

"ہم وزیر تعلیم اور محکمۂ تعلیم کی اس حقیقت پسندی کی قدر کرتے ہوئے توقع رکھتے ہیں کہ مسئلہ تعلیم میں جو نزاکتیں ہیں ان کا پورا لحاظ رکھا جائے گا اور آئندہ جو بھی اقدام ہوگا اس میں سیکولرزم اور جمہوریت کے جذبہ کا پورا خیال رکھا جائے گا۔"

حضرت مولانا کی پوری زندگی میں جو وصف سب سے زیادہ نمایاں جو احساس و تاثر سب سے زیادہ حاوی اور جس کا اظہار سب سے زیادہ واضح نظر آتا ہے وہ انسانوں کی فطرتِ صالح پر اعتماد ہے۔ نازک ترین حالات میں بھی اور تیز ہوا کے جھونکوں میں بھی فکر کا یہ چراغ ہمیشہ روشن رہا۔ خدا آگہی کے ساتھ خود آگہی، خداشناسی کے ساتھ خودشناسی اور اسی سے خودی و خودداری کے چشمے ابلتے ہیں جن کے آبِ مصفا سے انسانیت کی سوکھی حلق میں نمی، اس کے اضمحلال میں مسرت کے نقوش، اس کی نگاہوں میں بلند نظری، ذہنوں میں بلند پروازی پیدا ہوتی ہے۔ سکینت اور کشادگی، اطمینان و یکسوئی، امید و یقین مایوسی میں زندہ و روشن فکری نظریات کا ظہور ہوتا ہے، قدرت نے اپنے خزانہ سے ان خصوصیات اور کیفیات کی بے شمار نعمتیں حضرت مولانا کی ذات گرامی پہ بارش کی طرح برسائی تھیں۔ مولانا کے توسط سے ایک عالم اس سے مستفید ہوتا رہا۔ مولانا کا سبق یہی تھا کہ اپنی صلاحیتوں کا استعمال خدا کی قدرت پہ بھروسہ کے ساتھ ہو تو اس کے نتائج بڑے روحانی ہوتے ہیں اللہ کی رحمتوں سے مایوس نہیں ہونا چاہئے دنیاوی طور پر حضرت مولانا اپنے ملک اور یہاں کے عوام سے بھی کبھی مایوس نہیں ہوئے اور اسی جذبہ کے ساتھ اسی یقین و امید کے ساتھ ہمیشہ دلوں پر دستک دیتے رہے جگاتے رہے، بچاتے رہے بلاتے اور سمجھاتے رہے۔ آواز کی نرمی لہجہ کی شیریں بیانی دردمندی اور دل سوزی نے ہمیشہ فضا و ماحول کو خوشگوار بنانے کی جدوجہد کی کم از کم دینی تعلیمی کونسل کے پلیٹ فارم سے گذشتہ چالیس برسوں کی تاریخ انھیں کارناموں سے بھری ہوئی ہے۔ حکومتوں کی ناانصافیوں اور ستم ظریفیوں پر صدائے احتجاج بلند کرنے کے ساتھ ساتھ خود اپنی ملت کے محاسبہ میں اسے جھنجھوڑنے اور ذمہ داریوں کا احساس دلانے میں بھی کبھی کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی۔ ۲۰ر جون ۱۹۶۴ء کو الہ آباد میں صوبائی دینی تعلیمی کانفرنس کے موقع پر خطبۂ صدارت کے چند اقتباس حضرت مولانا کی فکری اساس کو سمجھنے کے لئے ضروری ہیں:۔

"حاضرینِ جلسہ، رفقائے کار و شرکائے سفر! ہم آپ عرصہ کے بعد جمع ہوئے ہیں تاکہ اس پر غور کریں کہ ہندوستان کے جدید تعلیمی نقشہ میں ملتِ اسلامیہ کو اپنے ذہنی انفرادی اور تہذیبی تسلسل کو باقی رکھنے کا کہاں تک موقع ہے؟ کون سی مشکلات اس راہ میں حائل ہیں ان کو دور کرنے کا کیا طریقہ ہے اس کے لئے مسلمانوں کو کس طرح کی جدوجہد کرنے کی ضرورت ہے اس کے کتنے حصہ کا تعلق حکومت اور سرکاری محکمۂ تعلیم سے ہے اور کتنے حصہ کا تعلق خود اپنے عزم و ارادہ، ایثار و قربانی اور تنظیم و تعاون سے ہے انھیں حقائق و مقاصد نے دینی تعلیمی کونسل کو وجود بخشا اور اسی نقطۂ آغاز سے اس نے اپنا سفر شروع کیا۔

"تاریخ کے قدیم ترین دور سے لے کر ہمارے اس زمانہ تک جس چیز نے علم کی شمع روشن رکھی اور لاکھوں انسانوں نے اپنی بہترین طاقتیں سیکھنے سکھانے اور پڑھنے پڑھانے میں صرف کیں وہ خدا کی یہ نعمت ہے کہ اچھے انسان، انسان سے مایوس نہیں ہوئے۔

تعلیم کا چراغ بے تیل بتی کے جل سکتا ہے باد صرصر کے جھونکوں میں اور طوفان کے تھپیڑوں میں فروزاں رہ سکتا ہے اور تعلیم کی تاریخ بتاتی ہے کہ ہمت والوں اور انسانیت کا درد رکھنے والوں نے برسوں بے تیل بتی کے اپنا چراغ روشن رکھا۔ انھوں نے پیٹ پر پتھر باندھ کر مسلسل فاقے کرکے بغیر کسی عمارت کے درختوں کے نیچے بیٹھ کر جنگلوں اور بیابانوں میں کڑا کے کے جاڑوں کی راتوں میں اور تپتی ہوئی دوپہروں میں تعلیم دی اور بڑے بڑے عالم مصلح اور معلم پیدا کئے۔

عالم انسانی میں کوئی چیز اس سے زیادہ خطرناک اور تشویش انگیز نہیں کہ انسان انسان سے ناامید ہو جائے۔

"صاحب اقتدار پارٹی کی یہ اخلاقی کمزوری نہ ہوتی کہ وہ اپنے رائے دہندوں کو کسی حال میں ناراض کرنے اور الیکشن کی کامیابی کو مشکوک بنانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی اور اپنی پارٹی کو برسر اقتدار رکھنے کے لئے وہ دنیا کی بڑی سے بڑی بے اصولی اور ناانصافی کا ارتکاب کرسکتی ہے، اگر برسر اقتدار پارٹی کی یہ معصیت نہ ہوتی تو نظام تعلیم کو مکمل طریقہ پر سیکولر نامذہبی اور غیر جانبدار بنانے میں ذرا بھی دیر نہ لگتی جو مسلمانوں کے لئے وجہ شکایت ہے۔

"افسوس ہے کہ ہندوستان کی ملت اسلامی نے اپنی تاریخ کے اس نازک ترین دور میں ابھی تک اس کا ثبوت نہیں دیا کہ وہ اس خطرے سے آگاہ اور مستقبل کے لئے فکرمند ہے اس کے کارکن ابھی تک جوش عمل اور استقلال و استقامت سے خالی اور اس کے سرمایہ دار ایثار و قربانی سے عاری ہیں ——— ہمارا تعلیمی سلسلہ اور ملت کی حفاظت و استحکام کے بہت سے منصوبے وسائل کی کمی کی وجہ سے یا تو شروع نہیں ہوسکے یا تشنہ و نامکمل پڑے ہوئے ہیں یہ صورت حال نہایت تشویشناک ہے۔

اگر خدانخواستہ ملت، ملت کی حیثیت سے باقی نہ رہی تو پھر افراد کا وجود محض حیوانی وجود بن کر رہ جائے گا جس پر نہ کسی صاحب ضمیر کو مسرت کا موقع ہے اور نہ وہ کسی عزت کی مستحق ہے۔"

حضرات! میں آپ سے اپنی تلخ نوائی کی معافی مانگنے اور اس پر معذرت کرنے کے بجائے اس پر متاسف و نادم ہوں کہ میں اس سے زائد تلخ نوائی کی جرأت نہ کرسکا اور میری قوت بیانی نے میرے درد دل کا ساتھ نہیں دیا۔ آپ کا شاکی ہوں لیکن خدا کی رحمت سے مایوس نہیں ہوں اپنی کوتاہیوں سے ڈر معلوم ہوتا ہے لیکن اس ملک میں ملت اسلامیہ کی تاریخ اس ملک کی موجودہ صورت حال اور اسلام کے پیغام کی ابدیت مجھ سے کہتی ہے کہ مسلمانوں کو اس ملک میں رہنا ہے اور اپنا مقدس اور ضروری کام کرنا ہے کہ نہ تو اس کام کا کوئی بدل ہے اور نہ آپ کا ابھی تک قائم مقام پیدا ہوا ہے

مٹ نہیں سکتا کبھی مرد مسلماں کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش سر کلیم و خلیل"

دینی تعلیمی کونسل کے صدر کی حیثیت سے مسلسل چالیس برسوں کے طویل تاریخی سفر میں حضرت مولاناؒ کا یہی انداز خطاب، یہی لب و لہجہ یہی طرز نگارش یہی انداز و اسلوب گونجتا رہا ہے۔ اسی آواز نے طوفانوں کو آشکارا بھی کیا، یہی آواز مدافعت کا سہارا بھی بنی اسی آواز نے روح کو تڑپایا بھی، دلوں کو گرمایا بھی۔ یہی آواز جوش و جذبہ کا استعارہ بھی تھی اور اسی آواز نے ملک و ملت کے شیرازۂ عمل کو سنوارا بھی، ستم رانوں کو للکارا بھی، اپنی ملت کو نیند سے جھنجھوڑا اور حالات کی نزاکتوں کا احساس دلاتے ہوئے ہر موڑ پر محبت سے پکارا بھی۔ یہی آواز تاریکیوں میں صبح فردا کی بشارت بھی تھی، مرد مومن کی جسارت بھی تھی اور ایمان و یقین کے نغموں سے عبارت بھی تھی۔ آزاد ہندوستان میں یہی ایک آواز تھی جو دل کی گہرائیوں سے نکلتی تھی اور دوسروں کے دلوں کے تار جھنجھنا اٹھتے تھے۔ اس آواز کا اعتبار تھا، وقار تھا، افتخار تھا، اس آواز میں ملت کی بہی خواہی کا درد بھی تھا، ملک کی عظمت کو برقرار رکھنے اور جمہوریت سیکولرزم اور عدم تشدد کی روایات کی صداقت اور ضرورت کا اعلان بھی تھا، اس آواز میں سچے محب وطن کی جھلک نمایاں تھی، اس آواز میں گرمی گفتار بھی تھی، شان کردار بھی، دعائے نیم شبی کی بے قراری بھی تھی، فغان صبح گاہی کی زرنگاری بھی۔ نظام عالم کے سامنے کسی رعایت اور تکلف کے بغیر جرأت استقامت خودی اور خودداری کا مظہر بھی تھی اور اپنے خالق و مالک کے آگے یہی آواز اپنے

عاجزی، انکساری اور بندگی کے جذبات، رموز ونکات اور سرچشمۂ حیات سے واقف وباخبر بھی تھی اور اس کے حضور میں ہمیشہ سجدہ ریز وسرنگوں بھی۔

آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے بالخصوص پورے ملک اور عالم اسلام کے لئے بالعموم حضرت مولانا علی میاں کی ذات گرامی ایک شجر سایہ دار تھی خوش نصیب تھے وہ لمحات جنہیں ان کے ساتھ گذارنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

ایک عجیب وغریب بات یہ نظر آتی ہے کہ ایک ایسی شخصیت جس کا کوئی بدل اور نعم البدل نہیں جس کی ذات پر پوری ملت کا اتفاق جس کی نظیر ماضی بعید میں دور دور تک نظر نہیں آتی جس کی ہر بات حرف آخر بھی جاتی تھی لیکن دینی تعلیمی کونسل کے سلسلہ میں اپنی پوری مدت صدارت میں ایک لمحہ بھی ایسا نہیں آیا جب اس کا اظہار کیا گیا ہو اور کسی مسئلہ میں اپنی شخصیت کے مقام ومرتبہ اور اپنے عہدۂ صدارت کی عظمت کو اپنے کسی موقف یا منشا کی تائید میں استعمال کیا گیا ہو۔ ہر ہر موڑ پر اس نزاکت کا احساس نمایاں نظر آتا ہے۔ یہ مزاج وطبیعت کی خوبی اور خصوصیت بھی تھی اور عہدہ کو امانت سمجھنے کا دینی رجحان بھی تھا۔ ہر موڑ پر مشورہ، ہر قدم پر دوسروں کی رائے کا احترام۔ معاملات ومسائل کی ساری فکرمندی کے باوجود یہ فکر ساری فکروں پر غالب کہ تحریک وتنظیم میں سب کی اہمیت اور سب کا لحاظ ضروری ہوتا ہے۔ بڑوں کے علاوہ چھوٹوں کے ساتھ بھی ہمیشہ شفقت ومحبت کے ساتھ یہی سلوک، یہی رویہ، یہی انداز۔ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہ انداز اس شخصیت کا تھا جس کا ایک جلا ہر کے لئے مقدم تھا، لیکن حضرت مولانا کے طرز زندگی میں دل شکنی کا تصور بھی نہیں تھا دوسروں سے مشورہ اور دوسروں کی رائے کا احترام اسی جذبہ کی بنا پر تھا دینی تعلیمی کونسل کے سلسلہ میں جو کاغذات محفوظ ہیں ان کے مطالعہ سے اندازہ ہوا کہ حضرت مولانا تنظیم وتحریک کے فروغ واستحکام کی فکر کے علاوہ مالیات کی فراہمی کے لئے بھی فکرمند رہتے تھے پہلے دستور اور ضوابط کی پابندی کا نظام بھی مضبوط تھا۔ جیسا کہ عرض کیا گیا صدر کونسل کی حیثیت سے خود حضرت مولانا بھی ضابطہ کا لحاظ فرماتے تھے۔ قاضی محمد عدیل عباسی مرحوم خود تحریک کے بانی اور جنرل سکریٹری تھے لیکن پوری زندگی انھوں نے ضابطہ کی پاسداری کا خیال رکھا اور کبھی اس کی خلاف ورزی کے سلسلہ میں کسی کو اعتراض کا موقع نہیں ملا۔ بزرگوں کے اسی اخلاص کی بدولت برکت ورحمت کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔

حضرت مولانا کے چند خطوط سید اصغر حسین صاحب ایڈوکیٹ خازن وسکریٹری دینی تعلیمی کونسل اور مولانا محمود الحسن صاحب ناظم کونسل کے نام:۔

محترمی جناب خازن صاحب دینی تعلیمی کونسل!
دینی تعلیمی کونسل کے سلسلہ میں اس وقت فوری طور پر ایک سو انتیس روپے کی ضرورت ہے، ۹۰ روپے ٹیلی فون کے لئے جمع کرانے ہیں اور ۳۹ روپے مولوی نذیر احمد صاحب کی تنخواہ بابت اکتوبر کے باقی رہ گئے ہیں اس کی ادائیگی ضروری ہے۔ اگر کوئی مانع نہ ہو تو محفوظ رقم میں سے یہ رقم ادا کردی جائے۔

والسلام
ابوالحسن علی
۱۵؍۱۱؍۶۰ء

کرمی ومحترمی سید صاحب! زید لطفہ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ
ابھی ابھی یونس سلیم صاحب ایڈوکیٹ حیدرآباد کا خط ملا۔ جن سے رٹ کے بابت مشورہ طلب کیا گیا تھا کہ وہ ۲۶ یا ۲۷؍ کو دہلی پہونچ رہے ہیں اتفاق سے میں اور مولانا منظور صاحب بھی دہلی جا رہے ہیں، انھوں نے لکھا ہے کہ دہلی میں اس مسئلہ پر بات چیت اور قانون دانوں سے مشورہ ہو جائے گا اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ظفر احمد صاحب بھی دہلی چلیں تاکہ اس مسئلہ کا فیصلہ ہو جائے چونکہ کونسل کے خزانہ میں اس وقت کچھ نہیں ہے اس لئے آپ ان کے کرایہ کہیں سے انتظام کردیں اور علی الحساب ۵۰ روپے بھجوادیں میں اس رقم کا ذمہ دار ہوں وہ کل ۲۷؍ کو شب میں روانہ ہو رہے ہیں۔

والسلام
ابوالحسن علی
۲۶؍ نومبر ۶۳ء

جناب خازن صاحب دینی تعلیمی کونسل!
کل مشورہ سے ظفر احمد صاحب کا بمبئی کا سفر تجویز ہوا ہے۔ مرکزی وزارت تعلیم نے جو نئی کمیٹی نصاب ونظام تعلیم پر غور کرنے کے لئے بنائی ہے اس کے سکریٹری بمبئی کے ایک مسلمان داؤد صاحب مقرر ہوئے ہیں ضرورت ہے کہ ان کو اپنا پورا کیس سمجھا دیا جائے اس سلسلہ میں بمبئی کے مخلص احباب سے مدد ملنے کی امید ہے اس بنا پر ظفر صاحب کا سفر مناسب معلوم ہوتا ہے۔ براہ کرم رقم مذکورہ ایک مد فی الحال کسی مد سے دیدی جائے بعد میں اس کا تصفیہ ہو جائے گا۔

ابوالحسن علی ۲۷؍۸؍۶۴ء

کرمی جناب مولانا محمود الحسن صاحب زید لطفہ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
مکتوب گرامی ملا۔ رابطہ کا سفر بہ ظاہر ملتوی ہے، اس سال جانے کا خیال ترک کردیا ہے اگر کوئی فوری صورت حال پیش نہ آئی تو بہ ظاہر سفر نہیں ہے میں نے معذرت کا خط بھی لکھ دیا ہے۔
میں دسمبر کا مہینہ رائے بریلی گذارنا چاہتا ہوں بعض نہایت ضروری کاموں کی تکمیل بھی مقصود ہے اور میری صحت کا بھی تقاضہ ہے، اس مہینہ میں کوئی

سفر نہیں کر سکوں گا البتہ اگر عاملہ کا جلسہ اسی مہینہ میں ندوہ میں ہو تو ایک دن کے لئے لکھنؤ آسکتا ہوں۔ رائے بریلی کی کانفرنس آپ دسمبر میں بھی رکھ سکتے ہیں اور جنوری کے پہلے ہفتہ کی ابتدائی تاریخوں میں بھی۔

والسلام
خاکسار
ابوالحسن علی
۲؍دسمبر ۱۹۷۶ء

مکرمی جناب مولانا محمود الحسن صاحب زید لطفہ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مکتوب مورخہ ۱۸؍ستمبر ملا۔ اس سے پہلے دار کا خط بھی مل گیا تھا۔ جواباً عرض ہے۔

۱۔ سید اصغر حسین صاحب کو لکھ دیا گیا ہے کہ رقم کو جنرل فنڈ میں داخل فرمالیں اور ضروری مصارف و اخراجات اس سے ادا کئے جائیں۔

۲۔ شاہ معین الدین صاحب کے ساتھ مجھے کام بہت کم توقع ہے احتیاطاً کل تک اور دیکھ لیجئے ممکن ہے کوئی دوسرے صاحب تیار ہو جائیں۔

۳۔ ۲۲؍اکتوبر تک میں واپس نہ آسکوں گا واپسی کے بعد فوراً کسی کانفرنس میں شرکت کرنا مشکل ہوگا معلوم نہیں اس وقت صحت وغیرہ کی کیا کیفیت ہو اس لئے واپسی کے بعد ہی تاریخ کا تعین ہو سکتا ہے۔

والسلام
مخلص ابوالحسن علی

حضرت مولانا علی میاںؒ کا ایک اہم تاریخی مکتوب گرامی:۔

لکھنؤ مکرمی ومحترمی جناب مولانا محمود الحسن صاحب
ناظم دینی تعلیمی کونسل
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ آپ رائے بریلی تشریف لائے میں تکلیف میں تھا آپ سے ایک ضروری بات نہیں کر سکا۔ حاجی وکیل احمد صاحب جونپوری فارغ ہیں اور وہ اپنا پورا وقت دینی کام اور خدمت کے لئے دینا چاہتے ہیں۔ ان کو تعلیمی کام سے مناسبت بھی ہے، آپ بھی ان سے واقف ہیں، ڈاکٹر صاحب[1] اور ظفر صاحب[2] سے اس سلسلہ میں بات ہوئی ہے آپ سے براہ راست بات کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ کیا آپ کے نزدیک مناسب ہوگا کہ وہ آپ کے اور ظفر صاحب کے معاون کی حیثیت سے کونسل میں کام کریں؟ آپ کی مشغولیت بھی بہت بڑھی ہوئی ہے اور ظفر صاحب کی ذمہ داریاں بھی بڑھتی ہوئی جارہی ہیں اور صحت کمزور ہوتی جارہی ہے۔ اگر آپ کے نزدیک وکیل صاحب سے آپ دونوں کو مدد مل سکتی ہے اور کونسل کے کام میں اس سے ترقی ہو سکتی ہے تو اس مسئلہ پر غور کر کے مجھے اپنی رائے سے مطلع کیجئے۔ ظفر صاحب اور ڈاکٹر صاحب سے مزید تفصیلات معلوم ہو سکتی ہیں، پھر اس کے بعد قاضی صاحب سے رجوع کیا جاسکتا ہے۔

میں رائے بریلی جارہا ہوں آپ کے جواب کا انتظار کروں گا۔

والسلام مخلص
ابوالحسن علی
۲۵؍۵؍۷۸ء

تحریکوں اور تنظیموں کے داعیوں، ذمہ داروں اور کارکنوں کے لئے حضرت مولانا کا یہ مکتوب ایک سبق ہے۔ صدر کونسل کی حیثیت سے براہ راست تقرر کر دیا جاتا تو ممکن بھی تھا اور کسی کو اعتراض بھی نہ ہوتا لیکن ضابطہ کی خانہ پری اور اس کی اہمیت کے پیش نظر ایسا نہیں کیا گیا۔ دوسرے بزرگوں نے اس کا لحاظ کیا۔ ظفر احمد صدیقی صاحب اور مولانا محمود الحسن صاحب کی ضروری تحریروں کے بعد قاضی محمد عدیل عباسی مرحوم وکیل احمد انصاری صاحب کا تقرر نائب ناظم کی حیثیت سے کر دیا۔ اس تقرر کی اجازت مجلس عاملہ سے پہلے ہی حاصل کی جاچکی تھی۔ پرانے ذخیرہ میں ایک کاغذ ایسا دستیاب ہوا ہے جسے دیکھ کر آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ دفتر دینی تعلیمی کونسل میں روزمرہ کی چند ضروری چیزیں خریدنے کے لئے قاضی محمد عدیل عباسی صاحب مرحوم نے جنرل سکریٹری ہونے کے باوجود ظفر احمد صدیقی صاحب سے درخواست کی ہے اس پر ظفر صاحب مرحوم نے خریدنے کی ہدایت دی ہے اور انچارج دفتر مولوی نذیر احمد نوری صاحب نے تعمیل ہو جانے کی تحریری اطلاع دی ہے یہ ساری باتیں دیکھنے میں بہت معمولی معلوم ہوتی ہیں لیکن بزرگوں کا انداز وطریقۂ کار یہی تھا اور اسی سے تحریک کی شان قائم تھی۔

دینی تعلیمی کونسل نے پرائمری سطح تک ابتدائی تعلیم کا ایک مربوط نظام تیار کیا ہے۔ اس کا اپنا نصاب تعلیم ہے اپنی کتابیں ہیں۔ دینی تعلیم کے ساتھ عصری علوم اور سائنس کی تعلیم کا اردو میڈیم میں مکمل کورس مرتب کیا گیا ہے۔ اس تحریک نے دینی اور دنیاوی تعلیم کے دروازے کھلے رکھے ہیں۔ ایک غلط فہمی یہ ہوتی ہے کہ مکاتب میں زیر تعلیم طلبا عصری تعلیم سے محروم رہ جاتے ہیں۔ یہ خلاف واقعہ ہے۔ کوشش یہ کی جاتی ہے کہ بچے پانچویں درجے تک دین کی بنیادی اور اہم باتیں حاصل کرلیں اردو لکھنا پڑھنا انھیں آجائے، قرآن پاک ختم کرلیں اور یہ بات ان کے ذہن میں بیٹھ جائے کہ وہ مسلمان ہیں اور ان کا ایک ملی تشخص ہے۔ اس کے بعد وہ اعلیٰ تعلیم کے لئے کسی بڑے دینی مدرسہ میں جائیں یا کسی سرکاری یا پرائیویٹ اسکول میں عصری تعلیم حاصل کریں۔ سرسید نے اپنی تعلیمی تحریک کے سلسلے میں بڑی سطح سے بلند آہنگی کے ساتھ ایک

---

[1] ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی صاحب [2] ظفر احمد صدیقی مرحوم

بات کہی تھی جوان کی فکر اور نقطۂ نظر کی ترجمانی کے لئے آج تک دہرائی جاتی ہے۔

"ہم ایک ایسی قوم بنانا چاہتے ہیں جس کے داہنے ہاتھ میں قرآن، بائیں ہاتھ میں سائنس اور فلسفہ اور اس کی پیشانی پر کلمہ طیبہ کا تاج چمک رہا ہو۔"

دینی تعلیمی کونسل نے سرسید کے اس خیال کو جلا بخشی ہے۔ یہ تصور پایۂ تکمیل تک کیسے پہونچے گا اگر اس کی ابتدا میں اس کا لحاظ نہ رکھا جائے آغاز سفر میں مستقبل کا خاکہ مرتب نہ کیا جائے تو آسودگی میسر نہیں آسکتی ہے۔ اسی تحریک میں نظم و ضبط، مکاتب کا الحاق، اضلاع میں انجمن تعلیمات دین کا قیام، تنظیم کا استحکام اور ایک باہمی ربط و اتحاد کی ضرورت اسی لئے ہوتی ہے کہ اس سے اجتماعیت کی طاقت اور اس کے فیوض و برکات نمودار ہوتی ہیں، تاریخ نے گذشتہ چالیس برسوں کی جدوجہد کو اپنے سینے میں محفوظ کیا ہے۔ سنجیدہ خاموش اور مثبت انداز فکر اور خدمات کا جو شاندار ریکارڈ ہے اس کے ہر صفحہ و سطر میں حضرت مولانا علی میاں کی شخصیت جلوہ گر ہے۔ اس مدت میں حکومتوں کے فیصلوں اور ان کے بنائے ہوئے نصاب و نظام تعلیم نے جو انقلاب برپا کرنا چاہا اس کی بروقت مدافعت نے طوفانوں کا رخ موڑ دیا اور ملت اسلامیہ بڑے حادثات سے محفوظ رہ گئی ہے مکاتب کی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد درجہ ٦ میں داخلہ کی آسانی، کرپلانی کمیٹی کی رپورٹ، پانسوال کمیٹی کی رپورٹ ۵۹ء کا خطرناک نصاب تعلیم جس میں پوجا پاٹ کو لازمی کیا گیا تھا۔ ان پہاڑوں کو راہ سے ہٹانے کے لئے دینی تعلیمی کونسل نے تیشۂ فرہاد کا کام کیا ہے۔ جن نازک ادوار سے گذر کر قافلہ یہاں تک پہونچا ہے، ان کی ہمیں خبر بھی نہیں ہے۔ قاضی محمد عدیل عباسی مرحوم جھوم جھوم کر اکثر یہ شعر پڑھتے تھے ؎

آگ ہے اولادِ ابراہیم ہے نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے

حضرت مولانا اپنی تقریروں اور تحریروں میں اس شعر کو اپنے ذوق و شوق کا ترجمان بناتے تھے ؎

حکیم میری نواؤں کا راز کیا جانے
ورائے عقل ہیں اہلِ جنوں کی تدبیریں

حکومت کی درسی کتابوں میں مسلمانوں کی دینی غیرت و حمیت اور ان کی اسلامی فکر کے برعکس اسباق کی شمولیت، ان کی بروقت نشاندہی اور ان کے خلاف آئینی اور دستوری جدوجہد اور اس سلسلہ میں کامیاب کوششوں کے مظہر کے طور پر ظفر احمد صدیقی مرحوم اور دوبارہ حبیب اللہ اعظمی صاحب نے دینی تعلیمی کونسل کی طرف سے کتابوں کا جو جائزہ پیش کیا اس کی گونج اسمبلی اور پارلیمنٹ تک سنائی دی اور یہ مسئلہ کسی حد تک حل ہو سکا۔

ایک اہم مسئلہ ۱۹۸۹ء میں مینیم ویجز ایکٹ MINIMUM WAGE کا سامنے آیا جس میں مدارس و مکاتب کے لئے اپنے قیام و جواز کے لئے لائسنس لینے کی پابندی لگائی گئی تھی جو بعد میں واپس لے لی گئی، دینی تعلیمی کونسل کی طرف سے یکم و ۲ جون ۸۹ء کو ندوۃ العلماء میں عربی مدارس و مکاتب کا ایک کل ہند کنونشن منعقد ہوا۔ مولانا منت اللہ رحمانی صاحب نے اس کی صدارت فرمائی تھی۔ جناب سید حامد (سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) نے افتتاح کیا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا جب حضرت مولانا علی میاںؒ صدر کونسل ہونے کے باوجود مجلس استقبالیہ کے صدر بھی تھے اور اسی حیثیت سے پورے ملک کے سامنے اپنا خطبۂ استقبالیہ پیش کیا تھا۔ اس کنونشن کی اہمیت کے پیش نظر اس کا دعوت نامہ بھی پہلی مرتبہ حضرت مولانا کی طرف سے جاری ہوا تھا۔

کسی تعلیمی مسئلہ پر مسلمانوں کا اتنا بڑا اجتماع کم دیکھنے میں آیا۔ اس دور کے اخبارات سے فضا و ماحول اور مسلمانوں کی گرم جوشی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ حضرت مولانا نے فرمایا:۔

"میں آپ کا اس قدیم علمی و تعلیمی شہر لکھنؤ میں مسلمانانِ شہر، مہمانانِ علم اور دینی تعلیمی کونسل کے ارکان، کارکنوں اور داعیوں کی طرف سے پرخلوص طریقہ پر استقبال کرتا ہوں۔ آپ ایک اہم اور نازک ملت اسلامیہ ہندیہ کے علم و دین سے ربط و تعلق اور ملی تشخص کے دوام و بقا یا خدانخواستہ زوال و فنا کے ایک فیصلہ کن مرحلہ پر یہاں جمع ہوئے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر ذمہ داران حکومت صحیح معنیٰ میں حقیقت پسند اور محب وطن ہوں تو ان کو ہر ایسی کوشش اور ہر ایسے ادارہ کو نہ صرف باقی رہنے کی اجازت دینی چاہئے، بلکہ اس کی ہمت افزائی اور قدردانی کرنی چاہئے جو ملک میں علم و خواندگی اور ثقافت و تہذیب کی اشاعت و ترقی اور ان کی توسیع میں مدد دے۔

ہم اپنا جمہوری، مذہبی، اخلاقی اور شہری حق سمجھتے ہیں کہ اس کے خلاف آواز بلند کریں کہ ملک کے دستور نے ہر اقلیت اور ہر اکائی کو اس کی اجازت دی ہے کہ وہ اپنی پسند کے مدارس قائم کرے اور اپنی پسند اور صوابدید کے مطابق ان کو چلائے ہم خالص حب الوطنی اور ہندوستان کے لئے اس کو باعث فخر سمجھنے کی بنا پر بھی یہ کہتے ہیں کہ تعلیم و تربیت اور ثقافت و تہذیب

کے پھیلانے میں ایثار و قربانی کی اس روایت کو جو ہندوستان کی قدیم تاریخ کا بھی طرۂ امتیاز رہا ہے، باقی رہنا چاہئے۔

حضرت مولانا علی میاںؒ متفقہ طور پر چالیس برس تک دینی تعلیمی کونسل کے صدر رہے۔ اس قیام کے ابتدائی دنوں میں انتہائی نازک اور تشویشناک دور وہ تھا جب حکومت نے اسکولوں میں پوجا پاٹ کو شامل کر دیا تھا اس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے دوبارہ اسی طرح کا ایک نازک مرحلہ ۱۹۹۷ء میں پیش آیا جب حکومت اتر پردیش نے نئے عزم وحوصلہ کے ساتھ اسکولوں میں وندے ماترم کو نافذ کیا اور بھارت ماتا کی تصویر پر پھول چڑھانا لازمی قرار دیدیا گیا۔ کلپ یوجنا کے نام سے ایک پوری تعلیمی اسکیم کا خاکہ تیار ہوا اور بڑے تیور کے ساتھ اس کی تعمیل کا جی۔ او بھی ہوگیا۔ یہ اندازہ نہیں تھا کہ آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کے سامنے اب پھر یہ مسئلہ اسی خطرناکی اور شدت کے ساتھ آجائے گا۔ اقبالؔ نے کہا تھا ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفویؐ سے شرار بولہبی

دینی تعلیمی کونسل نے حسب روایت قدیم سب سے پہلے اس مسئلہ کو اٹھایا اور پوری طاقت سے اس کی مخالفت کا اعلان کیا گیا۔ اس کی غیر دستوری اور غیر آئینی حیثیت کو نمایاں کیا گیا۔ جنرل سکریٹری کی حیثیت سے ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی صاحب نے مرکزی اور ریاستی حکومتوں کے علاوہ دوسرے ذمہ دار اداروں کو متوجہ کیا، پوری ریاست اتر پردیش میں اس کے خلاف ایک فضا بنا دی گئی، لیکن طریقۂ کار ہمیشہ کی طرح وہی رہا کہ مطالبہ دستور ہند کی روشنی میں کیا جاتا رہا۔ غیر جذباتی انداز میں سنجیدہ استدلال کا ایک طوفان کھڑا کر دیا گیا۔ دینی تعلیمی کونسل نے اس موضوع پر نہایت اہم اور مفید لٹریچر تیار کیا۔ ۲۶، ۲۷ اپریل ۱۹۹۸ء کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے کنیڈی ہال میں دینی تعلیمی کونسل کا ریاستی کنونشن ہوا جس میں حضرت مولانا علی میاںؒ اپنی بیماری کے باوجود تشریف لے گئے اور اپنا خطبۂ صدارت خود پڑھا۔ صدر کونسل کی حیثیت سے یہ حضرت مولانا کا آخری خطبہ ہے جس میں یہ اعلان کیا گیا:۔

" یہ ملک کو ایسی خطرناک منزل کی طرف لیجانے کا اقدام ہے جس کے تصور سے ایک محب وطن کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور اس کی راتوں کی نیند حرام ہوجاتی ہے"۔

اسی سلسلہ میں ایک موقع پر ندوۃ العلماء میں صحافیوں کی ایک بڑی تعداد کے سامنے حضرت مولانا نے ایک جرأت مندانہ اور مومنانہ اعلان کرکے پورے ملک کو چونکا دیا۔ مسلمانوں میں جوش و جذبہ کا اضافہ ہوا، حکومت جو ابھی تک متوجہ نہیں ہورہی تھی اور اس اسکیم کو نافذ کرنے کا تہیہ کئے ہوئے تھی اچانک اس کے رویہ میں تبدیلی آئی اور فضا کا رنگ ورخ یکسر بدل گیا۔ مولانا نے اپنے انٹرویو میں کہا:۔

" اگر یہ صورت حال باقی رہتی ہے اور حکومت وندے ماترم اور پھول چڑھانے کا غیر اسلامی فیصلہ تبدیل نہیں کرتی ہے تو ایسے تمام اسکولوں سے مسلمان اپنے بچوں کو نکال لیں گے، ہمارے لئے تعلیم سے زیادہ عقیدہ اور دین کی حفاظت کا مسئلہ اہم ہے"۔

اس پوری صورت حال کو دینی تعلیمی کونسل نے اپنی رپورٹ (مرتبہ راقم سطور) اور مضامین و مراسلات میں محفوظ کر دیا ہے، اسی درمیان ایک غیر متوقع اور غیر اخلاقی اور غیر شریفانہ حرکت یہ کی گئی کہ حضرت مولانا کی عدم موجودگی میں رائے بریلی میں حضرت کی قیام گاہ پر چھاپہ ڈالا گیا۔ اس واقعہ کی گونج پوری دنیا میں سنائی دی۔ مولانا کا اعلان حق گونج رہا تھا اس میں اس واقعہ کا اضافہ ہوا تو حکومت خود بوکھلا گئی۔ تمام سیاسی جماعتوں کے ساتھ حکمراں جماعت کے ذمہ داران مولانا کی خدمت میں حاضر ہوکر معذرت اور ندامت کا اظہار کرنے لگے اور اسی کیفیت میں چند روز کے اندر حکومت نے وندے ماترم کا حکم اور وہ پوری اسکیم واپس لینے کا اعلان کر دیا۔ مولانا نے اس پر اظہار اطمینان کرتے ہوئے حکومت کا شکریہ بھی ادا کیا اور یہ امید ظاہر کی کہ آئندہ اس طرح کی حرکتوں سے اجتناب کیا جائے گا۔

دینی تعلیمی کونسل کے پلیٹ فارم سے حضرت مولاناؒ کی آخری تقریر

شدید بیماری سے کچھ افاقہ ہوا تو خود دریافت فرماتے تھے کہ جلسہ کب ہوگا، دینی تعلیمی کونسل کا کیا حال ہے ہر لمحہ اس فکرمندی کا اظہار ہوتا رہتا تھا اسی حالت میں ۲۱ نومبر ۱۹۹۹ء کو ندوۃ العلماء کے سلیمانیہ ہال میں کونسل کا ایک جلسہ خود حضرت مولانا کی صدارت میں منعقد ہوا۔ جسم کمزور، زبان میں ہلکی لکنت، آواز لرزیدہ لیکن انداز بیان میں وہی چمک، وہی خان، وہی پیغام، مسلمانوں کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

" دینی تعلیم ان کے وجود و بقا اور اعتبار و وقار کے لئے ضروری ہے۔ اسلام نے تعلیم کا رشتہ توحید کے ساتھ وابستہ کیا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ مسلمان خود بھی اس پر قائم رہیں اور آئندہ نسلوں تک اسے منتقل کرنے کی فکر کریں۔ اللہ کی طرف سے مسلمانوں کے وجود و بقا اور ارتقاء کے لئے مشروط فیصلہ ہے، الحمدللہ ہندستانی مسلمانوں نے سوچ سمجھ کر اس کا فیصلہ کیا

ہے، انھیں فریضہ کی ادائیگی کے طور پر اس کو انجام دینا چاہئے اور دینی تعلیمی کونسل نے اس مدت میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں وہ یقیناً اللہ کے یہاں قبول ہوں گے، تمام تنظیموں اور تحریکوں اور مسلم دانشوروں کو اس کی قدر کرنی چاہئے اور اس کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے۔

حکومت کی تعلیمی پالیسی کی بنا پر مسلمانوں کے اندر جو اضطراب کی لہر دوڑ گئی تھی صرف مسلمانوں کے باہمی اتحاد و اتفاق اور دینی تعلیمی کونسل کی سنجیدہ اور آئینی حکمت عملی سے ان پر قابو پایا جاسکا۔ اگر ذہن و فکر میں یہ تصور اور تاثر باقی رہا تو مستقبل میں کامیابیوں سے ہمکنار ہوں گے۔"

دینی تعلیمی کونسل سے حضرت مولانا کا روحانی تعلق تھا جس کا ایک مظاہرہ بالکل آخر میں اس وقت ہوا جب دبئی کی طرف سے ایک عظیم الشان ایوارڈ ملا اور اس میں سے ایک لاکھ کی خطیر رقم حضرت مولانا نے دینی تعلیمی کونسل کو بھی ہدیہ کے طور پر عنایت فرمائی۔

۳۱ر دسمبر ۱۹۵۹ء کو حضرت مولاناؒ نے دینی تعلیمی کونسل کی صدارت قبول فرمائی تھی۔ پورے چالیس برسوں تک مربیانہ سرپرستی اور رہنمائی کا طویل سلسلہ جاری رہا اور بالآخر حکمت خداوندی اور مشیت کی کارفرمائی کا ظہور ہوا۔ ۳۱ر دسمبر ۱۹۹۹ء کو علم و معرفت اور رشد و ہدایت کا سورج جمعہ کے روز رمضان کے مہینہ میں روزہ کی حالت اور پوری طرح نماز کی تیاری میں مصروف اور خود اپنی زبان سے مغفرت اور اجر عظیم کی بشارت کی آیت قرآنی (سورہ یٰسین) پڑھتے ہوئے غروب ہوگیا۔

پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

اللہ نے اپنی رحمت سے تقویت کا سامان پیدا کیا۔ حضرت مولانا محمد رابع ندوی صاحب نے دینی تعلیمی کونسل کی صدارت قبول فرمائی۔ نسبت باقی رہ گئی، ٹوٹے ہوئے دلوں کو سہارا مل گیا۔ نصف صدی میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے قابل احترام اور بزرگ اساتذہ، نیز طلباء عزیز اور پورے ملک میں پھیلی ہوئی ندوی برادری سے جو مخلصانہ اور مشفقانہ تعلق قائم تھا وہ اب انشاء اللہ مولانا محمد رابع صاحب کے توسط سے قائم رہے گا۔ ہم حضرت مولانا علی میاںؒ کی شخصیت سے محروم ہوگئے لیکن ان کے حلقہ اور سلسلہ کی سرپرستی ہمیں حاصل رہے گی اور ہم اس سے فیض یاب ہوتے رہیں گے۔ ندوۃ العلماء اور دینی تعلیمی کونسل ہمارے حضرتؒ کے قلب و نظر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان اداروں کو سرسبزی و شادابی نصیب فرمائے۔ دونوں کی رہنمائی اس وقت بھی قدرت کی طرف سے اسی خانوادۂ علی کے سپرد کی گئی ہے۔

حضرت مولاناؒ نے قاضی محمد عدیل عباسی مرحوم کے انتقال پر اپنے تاثرات کا اظہار جن الفاظ میں کیا تھا وہ اس وقت ان کی ذات گرامی سے محروم ہوجانے کے بعد خراج عقیدت کے طور پر خود حضرت مولانا کے لئے پیش کیا جاسکتا ہے:۔

"دینی تعلیمی کونسل ان کے ہاتھ کا لگایا ہوا پودا ہے جس کی انھوں نے اپنے خون جگر سے آبیاری کی اور جس کی افادیت اور اہمیت نہ صرف روز بروز بڑھے گی اور شدت سے محسوس کی جائے گی۔ اب جب وہ اس دنیا میں نہیں ہیں تو ہمارا اور زیادہ فرض ہے کہ اس کی حفاظت کریں اور اس کو ترقی دینے کی کوشش کریں کہ یہ ان کی عزیز ترین یادگار ہے۔ اس سے ان کی روح کو حقیقی شادمانی ہوگی۔ دوسرے یہ وقت کی سب سے بڑی ضرورت بھی ہے اور اس کے بغیر ہندوستان میں مسلمانوں کا دینی مستقبل اور ان کی آئندہ نسلوں کا ایمان اور اس کے اسلامی عقائد اور اس کی ثقافت و تہذیب سے وابستگی خطرہ میں ہے۔ میری تمام دردمند مسلمانوں سے اپیل ہے کہ وہ دینی تعلیمی کونسل کے کاموں کو آگے بڑھانے کی کوشش کریں، اس کی شاخوں اور ضلعی مرکزوں کو وسیع کرنے اور اس کے قائم کردہ مکاتب کو جس میں لاکھوں بچے زیر تعلیم ہیں مضبوط و منظم کرنے کی فکر کریں۔"

بیاد مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

رؤف دانش فیض آبادی

وہ جس کی یاد میں سارے جہاں نے اشک برسایا
وہ جس نے سارے عالم میں امامت کا لقب پایا
خدا کے فضل سے جس نے کلید کعبہ بھی پائی
غلامی مل گئی کعبہ کی یہ اعزاز بھی پایا
وہ علم اللہ کا تکیہ جو رمضاں کے مہینے میں
تلاوت ہوتی رہتی تھی جہاں تھا نور کا سایا
اسی ماہِ مبارک میں یکایک صحن مسجد میں
قرآن پاک کے سایہ میں پیغامِ اجل آیا
یہ اُن کا مرتبہ ہے آج خود دربارِ یزدی میں
کہ اس ماہِ مبارک میں انھیں خالق نے بلوایا
وہ فخر قوم وہ شیخ حرم ندوہ کا دلدادہ
انھیں اوصاف کو لیکر ہر اک مسئلہ کو سلجھایا
رؤف اب ان حریم ناز کے جلوے نہ دیکھوگے
جسے شیخ حرم نے گل بہ داماں ہوکے دکھلایا

ذاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے

حضرت مولانا کی محبت ووارفتگی

پروفیسر محمد اجتبا ندوی سابق صدر شعبہ عربی الہ آباد یونیورسٹی، الہ آباد

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے

دیارِ حبیبؐ، شہرِ آرزو، مرکزِ تمنا، منبع نور، چشمۂ رحمت، گہوارۂ علم وعرفان، حکمت ودانش، مخزنِ فیوض، اخلاص ووفا، صدق وصفا، محمود دعوت وصلاح وفلاح، انقلاب آفریں دار الہجرۃ، اور دلآویز ودلنواز، مردم گر وانسان ساز مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت، اس میں قیام، اس سے محبت، اس سے عشق، اس سے تعلق، اس سے وابستگی وشیفتگی، اس کے محبوب پاک دل پاکباز محترم مکین، رہبر انسانیت، پیغمبر اخلاق، خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت وپیغام کے لئے ایثار وقربانی، جاں نثاری وسرفروشی، دل سوزی ودرد وتڑپ، بے قراری وبے چینی، بے آرامی وبے خوابی، اشک ریزی وگریہ وزاری، مخدوم معظم ومربی جلیل حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا نمایاں وصف اور امتیازی شناخت تھی۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ جس نیک سیرت خانوادہ کے چشم وچراغ تھے اس میں تسلسل کے ساتھ پیغام محمدیؐ اور دعوت ابراہیمیؑ کے لئے جذبہ وحوصلہ، جوش ومحبت، اور حضور وسرور کی کیفیت جاری وساری رہی، آنکھ کھولتے ہی سیرت رسولؐ، دعوت نبویؐ اور سنت مطہرہ پر عمل اور اس کا تذکرہ سنا اور دیکھا، اور وہی عشق ومحبت اور جذب ومستی، رگ وپے میں سماگئی، اور ہمہ وقت دل میں نور اور آنکھوں میں سرور اسی ذات گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار وفیوض سے جلوہ گر رہتا تھا، یہی نہیں بلکہ تعلیم وتربیت کا آغاز بھی قرآن مجید کے بعد سیرت نبویؐ ہی سے ہوا، اپنی محسن کتاب "رحمۃ للعالمین" کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"میرے برادر معظم ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جو میرے والد کی وفات کے بعد اس وقت سے میری تعلیم وتربیت کے ذمہ دار رہے جب میری عمر نو سال کی تھی) اس بات کا خاص خیال رکھتے تھے کہ اس کم سنی اور نوعمری میں کن کتابوں کا مطالعہ میرے لئے مفید ہوگا اور کتابوں کے انتخاب میں توفیق الٰہی برابر ان کا ساتھ دیتی، چنانچہ انھوں نے مجھے ایک کتاب "سیرت خیر البشرؐ" پڑھنے کے لئے دی، ان کی بڑی خواہش تھی کہ میں سیرت کی کتابوں کا زیادہ سے زیادہ مطالعہ کروں، ان کا عقیدہ تھا کہ کردار کی تعمیر، عقیدہ کی پختگی، اخلاق کی پاکیزگی اور ایمان کی تخم ریزی وپرورش کے لئے سیرت سے زیادہ مؤثر کوئی چیز نہیں، اسی لئے شروع ہی سے سیرت کی کتابوں سے مجھے ایک خاص لگاؤ اور ان کے مطالعہ اور حصول کا جذبہ پیدا ہوگیا"

(کاروان مدینہ ص ۲۰-۱۹)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ جس کتاب کا احسان کبھی بھول نہ سکے اور جو ان کی سیرت وکردار کے لئے سنگ میل اور روشنی کا مینار ثابت ہوئی وہ مولانا قاضی سلیمان منصور پوریؒ کی کتاب "رحمۃ للعالمین" تھی، فہرست کتب میں اس کا نام دیکھ کر منگانے کا آرڈر دیدیا کم عمری میں رقم اور قیمت پر نظر نہیں جاتی، ڈاکیہ کتاب لے کر تکیہ کلاں آیا تو اس V.P. کے چھڑانے کے لئے پیسے نہیں تھے، والدہ معظمہؒ کو تنگی اس کا علم نہ تھا، رقم پاس نہ ہونے کی وجہ سے کتاب لینے سے معذرت کردی، کوئی مددگار اور سفارشی بھی نہ تھا، لیکن بچہ کی ایک سفارش کو "ممتا" کبھی رد نہیں کرسکتی اور وہ ہے معصوم آنسوؤں کی سفارش چنانچہ والدہ معظمہ کا دل بھر آیا، انکار آنسوؤں میں ڈھل گیا، کتاب بچہ کے ہاتھ میں تھی، یہی وہ آنسو اور گریہ وبکا تھا جس نے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے والہانہ عشق اور ان کی دعوت وپیغام سے سرشار کردیا، کتاب کیا تھی اور اس کی تاثیر ودلپذیری کیسی تھی مولانا کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

"اب میں نے کتاب پڑھنا شروع کیا، اور کتاب نے میرے دل کو ہلا کر رکھ دیا، لیکن یہ کوئی تند وتیز ناگوار اور پریشان کن تحریک نہ تھی، یہ بہت نرم گداز اور روح پرور وجاں سوز تحریک تھی، میرا دل خوشی سے اس طرح جھوم اٹھا جیسے باد بہاری سے کوئی شاخ گل جھوم اٹھے اور پھولوں کے بوجھ سے لٹک جائے۔"

(کاروان مدینہ ۲۱-۲۰)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب سے اپنی ہم آہنگی اور لطف و لذت اور روحانی کیف و مسرت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"یہ روح کی لذت ہے، کیا بچے روح نہیں رکھتے اور ان کو روحانی لذت کا احساس نہیں ہوتا؟ نہیں، بخدا معصوم بچے بڑوں سے زیادہ لطیف روح کے مالک ہیں اور زیادہ صحیح شعور رکھتے ہیں، خواہ وہ اس کو بیان نہ کر سکیں" (ص-۲۱)

اس سرور انگیز اور وجد آفریں کتاب میں سادہ دل اور معصوم بچے نے مکی و مدنی زندگی کے ایمان افروز واقعات پڑھے تو دل محبت و عشق سے لبریز ہوگیا اور جب ہجرت کے موقع پر ناقۂ نبوی ؐ قبا سے یثرب کی جانب روانہ ہوئی تو شہر کا ہر باشندہ اور ہر فرد اس محبوب مہمان کی میزبانی کا شرف حاصل کرنے کے لئے چشم براہ و فرش راہ بن گیا لیکن یہ عز و شرف حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو ملنا تھا، مولانا تحریر فرماتے ہیں:

"میں اس عزت پر ابو ایوب انصاری رضؓ کی مسرت کو پڑھ سکتا تھا جو تقدیر نے ان کے دروازے تک پہونچا دی تھی اور دیکھ سکتا تھا کہ وہ کس مسرت و گرمجوشی کے ساتھ آپ کی ضیافت کر رہے ہیں۔

میں نے ایسا محسوس کیا جیسے میرا دل مجھے چھوڑ کر اب ناقۂ نبوی کے ساتھ ساتھ ہے اور اسی کی ہم رکابی میں مدینہ پہونچا ہے مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے کہ یہ دلکش سماں میں اپنی ان آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں، فاتحین و سلاطین اور تاریخ کے نامور قائدین کے فاتحانہ داخلے جاہ و حشم کے مظاہرے، اور چوب داروں کے نقارے مجھے اس وقت بالکل ہیچ اور ناقابل ذکر معلوم ہونے لگے، کسی انسان سے کسی انسان کی محبت و وفاداری کا یہ منظر میرے دل میں اور میرے حافظہ پر ہمیشہ کے لئے نقش ہوگیا۔" (ص-۲۳)

کتاب "رحمۃ للعالمین" کی اثر آفرینی ہی تھی کہ محبت کے تمام مخفی سوتے ابل پڑے اور وہ معصوم دل محبت کی لذت سے آشنا ہوا جس نے اس بچہ کو ایک عظیم داعی، عالمگیر شخصیت، نامور مفکر، جلیل القدر عالم، ممتاز مصنف، دانشمند مربی اور روحانی و ربانی عارف و مصلح بنا دیا، جس کی مثال صدیوں میں ملا کرتی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے واقعات، صحابہ کرامؓ کی گرویدگی، فریفتگی، ایثار و قربانی فدائیت و جاں نثاری، اتباع و فرمانبرداری، دعوت کے فروغ کے لئے مسابقت اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا جذبہ و ولولہ، اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جد و جہد اور اس کی راہ میں جان، جان آفریں کے سپرد کر دینے کی آرزو، تمنا اور خواہش، کتاب نے ان کی جس مؤثر و سحر انگیز انداز سے تصویر کشی اور پیکر تراشی کی ہے اس نے آئندہ زندگی کو متحرک و فعال بنا دیا، جس کی وجہ سے کتاب و صاحب کتاب کے لئے ہمیشہ سراپا شکر و سپاس رہے، فرماتے ہیں:

"اس کتاب اور صاحب کتاب کا میں دل سے شکر گذار ہوں اس لئے کہ اس نے میری محبت کے پرسکون ساز کو چھیڑ دیا اور اس بات کا بھی شکر گذار ہوں کہ اس نے اس ابھرتی ہوئی متحرک اور زندہ و بیدار محبت کا رخ اس شخصیت کی طرف پھیر دیا جس سے زیادہ محبت کا کوئی اور حقدار نہیں، جو اس کائنات میں حسن و احسان اور جمال و کمال کا سب سے بڑا پیکر ہے، اور جس سے زیادہ صورت و سیرت اور کمالِ ظاہر و باطن کا دلکش انسانی نمونہ خالق و مالک اور قادر مطلق نے کوئی اور نہیں بنایا (صلی اللہ علیہ وسلم)

(کاروان مدینہ ص ۲۵)

آخر میں بڑے درد کے ساتھ فرماتے ہیں اور مجسم احسان بن کر دست بدعا ہیں:

"اس امت کی سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ اس نے دل سے اپنا رشتہ توڑ لیا ہے اور محبت کی لذت سے محروم ہے، اقبالؒ نے بالکل صحیح کہا ہے:

شبے پیش خدا بگریستم زار
مسلماناں چرا زارند و خوارند
ندا آمد نمی دانی کہ ایں قوم
دلے دارند و محبوبے ندارند

خدا کی سلامتی ہو آپ پر اے سلیمان! مجھے آپ کی کتاب سے دو ایسی نعمتیں حاصل ہوئیں کہ اسلام کے بعد ان سے بڑی کوئی اور نعمت نہیں، ایک محبت کی نعمت، دوسرے اس کے صحیح محل اور مصرف کی نعمت، اور واقعی یہ نعمت کتنی بڑی ہے!!" (ص ۲۶)

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے انھیں دونوں نعمتوں کی پر نور و ضیا پاش فضاؤں میں دعوت و اصلاح، فکر و تربیت کے میدان میں رہنمائی و سرپرستی فرمائی اور نبوی ورثہ کے بقاء و تحفظ اور اس کے فروغ و ارتقاء کے لئے عظیم کارنامے انجام دیئے، جو رہتی دنیا تک روشنی و رہنمائی کا فریضہ ادا کرتے رہیں گے۔

حضرت رحمہ اللہ کی تقریر و تحریر میں یہی والہانہ محبت اور سوز و عشق کی گرمی نمایاں رہتی تھی، اور ان کی دعوت و پیغام کا محور بھی محبت و اتباع سنت تھی، شمائل و سیرت کی کتابیں زیر مطالعہ رہتیں اور قوم و امت اور نئی نسل کو اس جانب متوجہ فرماتے اور اس کی کمی پر افسوس

...ت کا اظہار فرمانے، اپنے ایک مضمون میں
...طراز ہیں:-

"یہ وہ سرچشمۂ محبت ہے، جس سے سب سے زیادہ محروم ہمارا جدید تعلیم یافتہ اور مغرب زدہ طبقہ ہے اور اس محرومی کا نتیجہ یہ ہے کہ آج اس کی روح سب سے زیادہ بے سرور و کیف ہے اس کے ...ادیت کی دلفریبیوں کے اندر مقابلہ کی طاقت سب سے کم ہے، وہ ملت کے دوسرے طبقوں سے زیادہ بے اثر بے وزن ہے، اس کی زندگی سب سے زیادہ مکدر و بے لطف اور اس کی کوششیں سب سے زیادہ بے مقصد اور رائیگاں ہیں۔" (ص ۲۵)

حضرت مولانا رحمہ اللہ نے ان تمام ...صیتوں اور مفکرین وصالحین سے انس و قرب ...وس کیا جنہیں حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ...ت حاصل ہوئی، جن میں ڈاکٹر محمد اقبال ...تھے جن کی فکری ہم آہنگی، بلند حوصلگی، ...ت وایمان کے باوصف ان کے عشق رسول ...ان کے کیف وسرور اور تڑپ و دلسوزی ...، بہت زیادہ متاثر بھی کیا اور قریب بھی کیا، ...اسی جذبہ نے (دوسرے تقاضوں کے ساتھ) ...نقوش اقبال" جیسی شاہکار کتاب رقم کرائی ...ادب کا شہ پارہ بھی ہے اور عشق و سرور ...جذب و مستی کا آئینہ بھی، فرماتے ہیں:-

"ڈاکٹر محمد اقبال کی پوری زندگی عشق رسول اور یاد مدینہ سے معمور تھی ان کا زندہ جاوید کلام ان دونوں کے تذکرے سے بھرا ہوا ہے لیکن آخری ایام میں یہ پیمانۂ عشق اس طرح لبریز ہوا کہ مدینہ کا نام آتے ہی اشک محبت بے ساختہ جاری ہو جاتے ...، وہ اپنے اس کمزور جسم کے ساتھ یقیناً مدینۃ الرسول میں حاضر نہ ہو سکے لیکن اپنے مشتاق اور بے تاب دل، نیز اپنی قوت تخیل اور زور کلام کے ساتھ انھوں نے حجاز کی وجد انگیز فضاؤں میں بار بار پرواز کی اور ان کا طائر فکر ہمیشہ اسی آشیانہ یا آستانہ پر منڈلاتا رہا۔"

(نقوش اقبال ص ۲۴۷)

حضرت مولانا رحمہ اللہ نے بچپن ہی سے مکہ مدینہ، شعائر حرم، مقدس مقامات کے نام سنے ان سے متعلق جذب و شوق، وہاں پہنچنے اور وہاں کی جاں دو بستگی اور وہاں ہی پیوند خاک ہو جانے کے جانفزا نغمے سنتے رہے، سن شعور تک یہ فرق نہ کر سکے کہ مکہ اور مدینہ دو الگ الگ محبوب شہروں کے نام ہیں، سیرت و تاریخ کے مطالعہ کے بعد نہ صرف شناخت ہوئی بلکہ ان کی اہمیت اور دنیا کی تاریخ بدلنے اور قوموں کی قسمت و تقدیر بنانے میں ان دونوں مقدس شہروں کے کردار و رول کا علم ہوا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۴۷ء سے قبل تک حجاز و عالم عرب کا سفر نہ کر سکے مگر اس کی تاریخ، علم و ادب، فلسفہ و فکر، جدید رجحانات اور نئی تبدیلیوں اور حرمین شریفین کے کوائف، ارض و سماء اور گلی کوچوں سے اس طرح واقف ہو چکے تھے کہ گویا وہ وہاں ہی رہے بسے ہوں، لیکن مدینہ منورہ و مکہ مکرمہ سے محبت و انس اور اس کے مکینوں سے والہانہ تعلق ایسا تھا کہ پہلے سفر حج کے موقع پر مدینہ منورہ کی حاضری کے وقت دل بے چین اور قلب بے قرار ہو گیا اور بے اختیار قلم کو ذوق و شوق اور حضور و سرور کے پر لگ گئے، سنئے اور سر دھنئے:-

"نظر اٹھا کر دیکھئے یہ دونوں پہاڑوں کی قطاریں ہیں، کیا عجب ہے کہ ناقۂ نبوی اسی راستہ سے گذری ہو، یہ فضا کی دلکشی، یہ ہوا کی دلآویزی اسی وجہ سے ہے:-

ألا إن وادي الجزع أضحى ترابه
من المسك كافوراً وأعواده رندا
وما ذاك إلا أن هندا عشية
تمشت وجرت في جوانبه بردا

لیجئے مسجد آگئی، اب بئر علی (ذو الحلیفہ) کی باری ہے،

منزل دوست چوں شود نزدیک
آتش شوق تیز تر گردد

درود شریف زبان پر جاری ہے، دل ذوق و شوق سے امنڈ رہا ہے، عربی راہبر حیران ہے کہ یہ عجمی کیا پڑھتا ہے اور کیوں روتا ہے؟ کبھی عربی میں گنگناتا ہے، کبھی دوسری زبانوں میں شعر پڑھتا ہے، بھینی بھینی ہوا ہے اور ہلکی ہلکی چاندنی، جس قدر طیبہ قریب ہوتا جا رہا ہے، ہوا کی خنکی، پانی کی شیرینی اور ٹھنڈک، لیکن دل کی گرمی بڑھتی جا رہی ہے، سنئے کوئی کہہ رہا ہے:

باد صبا جو آج بہت مشکبار ہے
شاید ہوا کے رخ پہ کھلی زلف یار ہے

....

وہ ایک بار ادھر سے گئے مگر اب تک
ہوائے رحمت پروردگار آتی ہے

....

عجب کیا گر مہ و پرویں مرے نخچیر ہو جائیں
کہ بر فتراک صاحب دولتی بستم سر خود را

....

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادی سینا!

....

خاک یثرب از دو عالم خوشتر است
اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

....

داغ غلامیت کرد رتبۂ خسرو بلند
میر ولایت شود، بندہ کہ سلطان خرید

....

محمد عربی کابروئے ہر دوسرا ست
کسے کہ خاک درش نیست خاک برسر او

قافلہ مدینہ طیبہ میں داخل ہورہا ہے جبل احد پر نظر پڑتے ہی رفقاء سے مخاطب ہوکر فرماتے ہیں: "بسم اللہ اتریئے، وہ دیکھیے جبل احد نظر آرہا ہے' ذلک جبل یحبنا ونحبه وہ سواد مدینہ کے درخت نظر آئے، کیا یہ وہی درخت ہیں جن کے متعلق شہید ؒ مرحوم نے کہا تھا:

تمنا ہے درختوں پر ترے روضہ کے جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طائر روح مقید کا

وہ گنبد خضرا نظر آیا، دل کو سنبھالئے اور قدم اٹھائیے، یہ لیجئے مدینہ میں داخل ہوئے، مسجد نبوی ؐ کی دیوار کے نیچے نیچے باب مجیدی سے گذرتے ہوئے باب جبرئیل پر جاکر رکے، حاضری کے شکرانے میں کچھ صدقہ کیا اور اندر داخل ہوئے، پہلے محراب نبوی ؐ میں جاکر دوگانہ ادا کیا، گنہگار آنکھوں کو جگر کے پانی سے غسل دیا، وضو کرایا، پھر بارگاہ نبوی ؐ پر حاضر ہوئے اور صلوٰۃ وسلام پیش کیا۔"

(کاروان مدینہ ۳۴-۳۱)

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی ذات نبوی ؐ سے محبت، وارفتگی اور والہانہ تعلق، اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم وہدایت کے خطوط کے مطابق تھا، توحید الٰہی کو ہمیشہ اور ہر آن پیش نظر رکھا، اور اپنی تمام تصنیفات اور سیرت سے متعلق نگارشات میں اس اصول توحید اور مقام رسالت کو بیان بھی فرمایا اور لحاظ بھی رکھا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت مولانا کو جس مقام بلند سے نوازا تھا، اس کی برکت سے انھیں حرمین شریفین کی برابر حاضری نصیب ہوئی، وہ رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے بانی رکن تھے، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے بھی بانی رکن تھے، اس کے اجتماعات میں تقریباً ہر سال جانا ہوا، مدینہ یونیورسٹی میں وزٹنگ پروفیسر کے طور سے خطاب فرمایا، مکہ مکرمہ کے سیمناروں اور کانفرنسوں میں بھی شرکت کی، کلید کعبہ کا شرف بھی حاصل کیا، اور اپنے اعزاز وتکریم کے جلسوں میں بھی میر مجلس رہے، مگر رب کعبہ اور سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب احترام اور تعظیم وتکریم میں سنت مطہرہ کا پاس ولحاظ رکھا، ایک بار مکہ مکرمہ کے فضائل بیان کرتے کرتے یکدم سے چونک پڑے اور فرمایا: عالم انسانی پر تو سب سے بڑا احسان مکہ ہی کے مبارک ہونہار فرزند محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے جو بھی ترقی وکامرانی، شادمانی وکامیابی ہے وہ سب ہی تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا فیض ہے:

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
وہ سب پود انھیں کی لگائی ہوئی ہے

ہمیشہ ہی زبان مبارک توحید کے نغموں اور نعتیہ نظموں سے تر رہتی تھی، بارہا طواف کعبہ اور روضہ اطہر پر سلام پیش کرتے وقت رفاقت کا شرف حاصل ہوا، ایک بار درود وسلام پیش کرکے محراب نبوی ؐ سے متصل واپسی ہوئی، ایک شامی بزرگ نے مجھے مخاطب کرکے فرمایا کہ حضرت مولانا ؒ جس وقت سلام کے لئے حاضر ہورہے تھے تو میں نے عجب والہانہ انداز اور شوق وذوق دیکھا، مجھے یاد نہیں کہ کسی اور میں یہ کیف وحال محسوس کیا ہو، ۱۹۸۵ء میں میرا قیام مدینہ منورہ میں تھا، اطلاع ملی کہ حضرت رحمہ اللہ ہفتہ عشرہ قیام کے لئے مدینہ طیبہ آرہے ہیں، اس وقت باب السلام کے علاوہ کسی باب کی جانب سے کار مسجد نبوی ؐ تک نہیں جاسکتی تھی اور باب السلام تک پہونچنے کے لئے اجازت نامہ کی ضرورت تھی، حضرت مولانا کے پیروں کی معذوری کے پیش نظر میں نے اجازت نامہ حاصل کرلیا اور پورے دوران قیام پنجوقتہ نماز میں بستان نوردی سے باب السلام لانے لے جانے کی اور ساتھ بیٹھنے کی سعادت حاصل ہوئی، اس دوران مسجد نبوی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جس والہانہ محبت، تعلق، ذوق وشوق، سرور وکیف، رقت وگریہ، دعوت دین، امت مسلمہ اور انسانیت کی ہدایت وفلاح کے لئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی دعاؤں، آنسوؤں، اور گنگناتے ہوئے الفاظ وکلمات میں درد، تڑپ، تضرع وابتہال گریہ وزاری دیکھی اور محسوس کی مجھ جیسے بے مایہ وبے بضاعت اور سراپا معاصی کے لئے بیان کرنا ممکن نہیں، حضرت والا ؒ عرب وعجم کی تجدد پسندی اور مغرب زدہ نوجوانوں کے حال پر کف افسوس ملتے ہوئے فرماتے تھے کہ یہ دور وعصر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور ان کے پیغام سے وابستگی کے بغیر ترقی نہیں کرسکتا، اور نہ کوئی تحریک کوئی جماعت حب رسول ؐ اور ذات نبوی ؐ سے تعلق ووارفتگی کے بغیر کامیاب ہی ہوسکتی ہے، خاص طور سے عربوں کی اس محبت اور اپنے اسلاف ورثہ سے بے نیازی پر پُرزور الفاظ میں تنبیہ

ے اور توجہ دلاتے تھے، ان کی کتاب "نبی رحمت"
ری باب " وما ارسلناك الا رحمة
لمین" جو بہلوؤں کی شکل میں حضور اکرم
للہ علیہ وسلم کے احسانات و کارناموں پر
ہے جس میں آپ نے سیرت کا عطر کشید
ہے، اسی طرح "پندرہویں صدی ہجری؛ حقیقت
اریخ کے آئینہ میں" کے دس پہلوؤں میں
و اخلاص اور دعوت و پیغام کا خلاصہ پیش
یا ہے جو امت اور نئی نسل کے لئے مشعل راہ
۔

حضرت مولانا نے عالم عربی کی زبوں حالی
ڑ دلاتے ہوئے اپنی پہلی معرکۃ الآراء "تاریخ ساز
ب" انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال
" میں یہ عنوان قائم فرمایا تھا: محمد رسول اللہ
ربی کی روح ہیں۔ یہ تحریر فرماتے ہیں:
ایک مسلمان عالم عربی کو جس نظر سے دیکھتا
ہے، اس میں اور ایک یورپین کی نظر میں زمین
آسمان کا فرق ہے، بلکہ خود ایک وطن پرست
عرب، عالم عربی کو جس نگاہ سے دیکھتا ہے
وہ ایک مسلمان کی نگاہ سے بالکل مختلف
ہے، مسلمان عالم عربی کو اس حیثیت سے
دیکھتا ہے کہ وہ اسلام کا گہوارہ ہے،
انسانیت کی پناہ گاہ ہے، عالمی قیادت کا
مرکز ہے، روشنی کا مینار ہے، اس کا
عقیدہ ہے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم
عالم عربی کی جان، اس کے عزت و افتخار
کا عنوان، اور اس کا سنگ بنیاد ہیں،
اگر اس سے محمد رسول اللہ کو جدا کر دیا
جائے تو اپنے تمام قوت کے ذخیروں اور
دولت کے چشموں کے باوجود اس کی حیثیت
ایک بے جان لاشہ اور ایک نقش بے رنگ
سے زیادہ نہ ہوگی، محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی
کی ذات ہے جن کی وجہ سے عالم عرب
عالم وجود میں آیا۔ (ص ۴۳۰) بقول علامہ
اقبال رحمہ

نہیں وجود حدود و ثغور سے اس کا
محمد عربی سے ہے عالم عرب

اس کی ایک مثال اور پیش ہے:
"زمانے کی رت بدل گئی، انسان کیا بدلا،
جہاں بدل گیا، زمین و آسمان بدل گئے،
یہ سارا انقلاب اسی پیغمبر کی کوشش اور
تعلیم کا نتیجہ ہے، آدم کی اولاد پر آدم کے
کسی فرزند کا اتنا احسان نہیں، جیسا محمد
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا کے
انسانوں پر ہے اگر اس دنیا سے وہ سب
لے لیا جائے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے اس کو عطا کیا ہے تو انسانی تہذیب
ہزاروں برس پیچھے چلی جائے گی اور اس
کو اپنی زندگی کی عزیز ترین چیزوں سے
محروم ہونا پڑے گا۔"

(کاروان مدینہ صفحہ ۳)

سرکار دو عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کا یہ شیدائی، ان کے پیغام کا عاشق، ان کی
دعوت کا وفا شعار حامل، اور ان کی سنت کا متبع
و عامل، جس کی زبان مبارک اس شعر کا ورد کرتی
رہتی تھی

صبا یہ جاکے تو کہیو مرے سلام کے بعد
کہ تیرے نام کی رٹ ہے خدا کے نام کے بعد

اب اپنے مولیٰ کے حضور میں حاضر ہو چکا ہے، اور
کیا عجب کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت
میں اپنی محبت و عقیدت، اخلاص و وفا، اتباع سنت
اور خدمت دین اور درود و سلام کی اپنی سوغات
پیش کر چکا ہو۔

اللھم اغفرلہ وارحمہ

ہند کا وہ رہنمائے مہرباں

● جگن ناتھ آزاد

پھر سکونِ محفلِ ہندوستاں کھو یا گیا
ایک محبوبِ نگاہِ این و آں کھو یا گیا
دندناتی آئی یوں گلزار میں بادِ خزاں
مہر و الفت کا مہکتا گلستاں کھو یا گیا
حضرت سید علی ندویؒ صداقت کا امیں
سایہ دارِ عظمتِ ہندوستاں کھو یا گیا
کاروانِ روحانیت کا جس کے پیچھے تھا رواں
آج وہ اپنا امیرِ کارواں کھو یا گیا
وہ کہ جس سے ہندو مسلم کو یکساں پیار تھا
ہند کا وہ رہنمائے مہرباں کھو یا گیا
دیر والو! دیر کا جاتا رہا سچا حبیب
اے حرم والو! حرم کا پاسباں کھو یا گیا
جو محبت میں، مروت میں، مودت میں رہا
زندگی بھر صورتِ روحِ رواں کھو یا گیا
ہو گیا گم مجلسِ اخلاص تیرا رازدار
محفلِ تقدیس، تیرا رازداں کھو یا گیا
گو حقیقت ہے مگر دل کو یقیں آتا نہیں
ظلمتوں میں اک شرارِ جاوداں کھو یا گیا

مسئلہ کا حل

اگر اس ملک کے مسلمان یہ فیصلہ کریں کہ ان کو اپنی نسلوں کے مستقبل کا تحفظ اور ان کی تعلیم کے مسئلہ کا حل ہر مسئلہ ہر مفاد، ہر سہولت، ہر عزت، ہر خوشحالی اور ہر کامیابی سے زیادہ عزیز ہے تو یہ مسئلہ ایک دن میں حل ہو سکتا ہے۔

(حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ اور عصری مسائل

تحریر: مولانا سید محمد واضح رشید ندوی صدر شعبہ عربی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ ۔۔ ترجمہ : ۔ خالد فیصل ندوی

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمہ اللہ کی زندگی کو محققین نے حضرت کی زندگی میں ان کے اعزاز میں منعقد استقبالی اور تعارفی جلسوں میں ان کی کتابوں کے رسم اجراء اور ان کے تعارف کے دوران، اور ان کی وفات حسرت آیات کے بعد تعزیتی جلسوں میں پیش کردہ مقالات اور تقاریر کے دوران، حضرت کی تعلیم وتربیت، ان کی علمی قابلیت ولیاقت، ان کی فکرسازی کے عوامل ومحرکات، جماعتوں تحریکوں اور علمی اداروں میں ان کی شمولیت وشرکت، مختلف علمی وعالمی اداروں کی طرف سے انعامات سے ان کی سرفرازی، اور ان کی اور ان کی کتابوں کی مقبولیت وافادیت جیسے بیش بہا اوصاف کی روشنی میں پیش کیا ہے، بلاشبہ یہ صفات وکمالات کسی بھی شخصیت کی سیرت وترجمانی کے بنیادی عناصر ہیں، اور یہی تفصیلات سیرت نگاروں اور محققین کا عام طور پر مرجع ومرکز رہتی ہیں اور یہی طریقہ کسی بھی ہمہ گیر وہمہ جہت شخصیت کی سیرت نگاری وترجمانی کا معروف ومشہور طریقہ ہے۔

حضرت مولانا رحمہ اللہ کے محبین نے مذکورہ طریقہ پر ہی حضرت کے سلسلہ میں اپنے مقالات اور مضامین میں خامہ فرسائی کی ہے، چنانچہ قاری کو ان سارے مقالات ومضامین میں یکسانیت اور بعض جگہ تکرار کا احساس ہوتا ہے، حضرت کے بعض متعلقین اور بعض سیرت نگاروں نے حضرت کی شخصیت اور ان کی خصوصیات وامتیازات کے اسباب وعوامل کو تلاش کرنے کی کوشش کی ہے، اور حضرت کی سارے عالم میں غیر معمولی مقبولیت اور وسیع اور متنوع علمی خدمات اور مختلف تحریکات میں شمولیت، اور امتیازی کردار ادا کرنے اور ان میں کامیابی حاصل کرنے کے اسباب تلاش کرنے کی کوشش کی ہے، یہ بات اس لئے بھی اہمیت کی حامل ہے کہ حضرتؒ کا زمانہ بڑے بڑے داعیوں، غیر معمولی صلاحیت کے حامل قائدوں، جید وجلیل القدر علماء اور مفکرین سے خالی نہ تھا، بلکہ یہ عہد ایسی بلند پایہ شخصیات سے معمور تھا، جنہوں نے تاریخ ساز کارنامے انجام دیئے اور اس عصر پر گہرے نقوش چھوڑے۔

حقیقت میں تعلیم وتربیت، معاصرین کے ساتھ سلوک اور زندگی کے مختلف مراحل، اور معاشرہ کے مختلف افراد اور جماعتوں کے ساتھ مناسب رویہ، زندگی کے کسی بھی شعبہ کی عظیم شخصیات کے لئے کامیابی اور ناکامی کا اہم عنصر ہے اور یہی چیزیں محققین کے نزدیک موضوع بحث اور مرکز تحقیق ہوتی ہیں۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ بعض انسانوں میں بہت سی ایسی خداداد صلاحیتیں ہوتی ہیں جو انسانوں کو علمی قابلیت کے حصول اور ایسے نظریات وتصورات کے انتخاب پر آمادہ کرتی ہیں، جو اس کے علمی معیار سے بلند اور اس کے معاصرین کی پہونچ سے بالاتر ہوتے ہیں، نیز یہی نظریات وتصورات اپنے حاملین کو بھی عظمت اور قبول عام کا درجہ عطا کرتے ہیں۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اس ماحول کی تصویر کشی کی ہے، جس میں انھوں نے آنکھ کھولی، پروان چڑھے اور تحصیل علم میں ہمہ تن مصروف رہے، اس کا تذکرہ اپنی کتاب "کاروان زندگی" میں بڑے اہتمام کے ساتھ فرمایا ہے، نیز ان شخصیات کا ذکر جمیل بھی کیا ہے، جن سے حضرت نے استفادہ کیا، یا جن سے ملاقات ہوئی، اور ان سے تبادلۂ خیال کیا، اور ان تحریکوں اور جماعتوں کا بھی ذکر کیا ہے، جن سے آپ وابستہ ہوئے، لیکن بعد میں ان سے علاحدگی اختیار کر لی، یا ان سے جزوی وابستگی رکھی حضرت مولانا رحمہ اللہ کی شخصیت وسیرت کا سنجیدہ قاری ان کے کمالات اور ان کی شخصیت سازی کے حقیقی اسباب وعناصر کا متلاشی ان کی اس امتیازی خصوصیت کا ادراک کر سکتا ہے، جس کی وجہ سے حضرت کی شخصیت اپنے تمام معاصرین میں ایک ممتاز ومنفرد مقام رکھتی ہے اور اسے یہ یقین کامل ہو جائے گا کہ وہ حقیقی ومرکزی صفت، جو حضرت مولانا رحمہ اللہ کی زندگی کے تمام مراحل میں بہت نمایاں ہے، وہ حضرت رحمہ اللہ کا تمام معاملات اور مشکلات میں فراست ایمانی سے کام لینا ہے، یہ فراست ایمانی بسا اوقات حضرت مولانا رحمہ اللہ کو ایسے خیالات ونظریات کے اختیار کرنے پر آمادہ کرتی تھی، جو ان کی زم طبیعت کے مخالف اور دوسرے قائدین کے تصور کے برعکس ہوتے تھے، یہ حقیقت تسلیم شدہ ہے

ر ان میں نرم مزاجی وکشادہ قلبی، حلم وبرد باری، دوسروں کا پاس ولحاظ، تواضع وانکساری، اور اپنے بڑوں کی رائے کا احترام حد سے زیادہ موجود تھا، لیکن انسانیت اور امت مسلمہ کو درپیش مسائل اور آزمائش کے وقت وہ اپنے موقف پر بالکل غیر لچکدار رویہ اختیار فرماتے اور اس کے سلسلہ میں شمشیر براں بن جاتے کہ دوسرے مفکرین کے نظریات نہ ان کو متزلزل کرتے اور نہ ہی ان کی ہمت پست کرتے چنانچہ بغیر کسی ادنیٰ سی مداہنت کے وہ اپنی رائے پر قائم رہتے اس قسم کے واقعات ان کی حیات مستعار میں بارہا پیش آئے، عام قائدین اور دانشوروں نے ابتدائی مرحلہ میں ان کی بعض آراء سے شدید اختلاف کیا اور ان کی پرزور مخالفت اور ان کے موقف کی تردید کی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کی سیرت کا طالب علم، ان کے بے لچک رویہ اور ان کی بے مثال جرأت واستقامت کا اعتراف کرے گا، حضرت مولانا رحمہ اللہ بادشاہوں اور سربراہان حکومت کے سامنے اپنے موقف ونظریہ سے نہ ہندوستان میں، اور نہ ہی بیرون ہند ذرا بھی پیچھے ہٹے، انھوں نے جس بات کو حق سمجھا اس کو حق ہی کہتے رہے اور اسی پر ثابت قدم رہے، کچھ عرصہ کے بعد ان کی رائے کی تصویب کی گئی، اور حالات نے اس کی صداقت کی توثیق کی، پہلی مثال مصطفیٰ کمال اتاترک سے متعلق ہے، حضرت مولانا رحمہ اللہ نے ترکی سے واپسی کے بعد یہ موقف اختیار فرمایا کہ مصطفیٰ کمال، غازی اسلام کے بجائے انگریزوں کا آلۂ کار، اسلام کا دشمن اور مسلمانوں کا سخت مخالف شخص تھا، اس دور کے علماء اور مسلمان قائدین نے اس کو اسلام کا غازی اور انگریزی استعمار سے نبرد آزمائی کا ہیرو قرار دیا تھا، اور حضرتؒ کی رائے پر ان علماء وقائدین نے سخت برافروختگی کا اظہار کیا، اور بعض مذہبی حلقوں کے علماء نے پرچوں میں حضرت کے مطبوعہ مقالات پر سخت تنقید کی، لیکن حضرت مولاناؒ اپنی رائے پر آخری وقت تک قائم رہے، اپنے موقف میں کوئی تبدیلی آنے نہیں دی، بعد میں یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضرتؒ کا موقف ہی درست تھا، معاہدہ "لوزان" کی افشاء سے لوگوں کی آنکھیں کھل گئیں، حضرت مولانا کی مصطفیٰ کمال کے بارے میں رائے اور اس کے دلائل، حضرت کی معرکۃ الآراء تصنیف "مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش" اور ان کی خود نوشت سوانح حیات "کاروان زندگی" میں محفوظ ہے، بعد میں مصطفیٰ کمال کے بارے میں کئی تحقیقی کتابیں شائع ہوئیں، جن میں ان کے آلۂ کار ثابت ہونے کی تفصیلات ہیں۔

تقسیم ہند کے بعد بعض لیڈروں نے ہندوستانی تہذیب کے اختیار کرنے اور ہندوستانی سورماؤں کی تقدیس وتعظیم کا آوازہ بلند کیا اور اس سے مسلمانوں میں اسلامی اسپرٹ کی بیخ کنی اور اسلامی تہذیب وتمدن سے دوری وبے اعتنائی کا خطرہ پیدا ہوگیا، تو حضرت مولانا رحمہ اللہ نے اس کا ادراک کیا، خصوصاً تقسیم ہند کے بعد اس کی خطرناکی کا زیادہ احساس فرمایا، کیونکہ تقسیم ہند کی وجہ سے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد پاکستان منتقل ہوچکی تھی، فرقہ وارانہ فسادات نے مسلمانوں کے حوصلے پست کردیئے تھے، دوسری طرف ارتداد کی ایک لہر اٹھ رہی تھی، ہندوستان کے بعض علاقوں میں "شدھی تحریک" کا زور تھا چنانچہ حضرت مولانا رحمہ اللہ اس خطرۂ عظیم سے نبرد آزمائی کے لئے پورے قوت کے ساتھ آگے بڑھے، اور اس تحریک کے لیڈروں پرشوتم داس ٹنڈن اور سمپورنانند کے نام خطوط لکھے، اور مسلمانوں کے تشخص کے استحکام وبقاء، اتباع شریعت کی ترغیب، اور مسلمانوں کے مذہبی مقامات کی حفاظت کے لئے پمفلٹس اور کتابچے تحریر کئے۔

حضرت مولانا رحمہ اللہ نے آزادیٔ ہند کے بعد فکری کجی، اخلاقی بگاڑ، زوال انسانیت اور عروج، مادیت کا مقابلہ حکمت وفراست اور دوربینی سے کیا اور بڑے مؤثر انداز سے مسلمانوں اور برادران وطن کو مخاطب کیا، اور منفی تبدیلیوں کی پرزور مذمت کی، یہاں ان کی تقریر کے بعض جملے نقل کئے جارہے ہیں انھوں نے پراچین تہذیب وتمدن کے احیاء کی دعوت پر سخت نکیر کرتے ہوئے فرمایا کہ :-

> "آج ہر جگہ اور ہر قوم میں پرانی تہذیب وتمدن کے احیاء کا رجحان عام ہورہا ہے بعض لوگ دو ہزار سال قبل کی تہذیب کو زندہ کرنے کی کوشش کررہے ہیں تو کچھ دیگر لوگ چار ہزار برس قبل مسیح کی تہذیب کی واپسی کی سعی لاحاصل کررہے ہیں، یہ نعرہ بڑے شد ومد کے ساتھ ان ملکوں میں بلند کیا جارہا ہے، جہاں استعماری قوتوں سے حال ہی میں آزادی ملی ہے، اسی طرح آج قومی اور نسلی عصبیتوں کا زور ہے، اور اس منفی عصبیت کے بیماروں کا خیال خام یہ ہے کہ ان کی تہذیب اور ان کی نسل، دوسروں سے افضل وبرتر ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا رحمہ اللہ وطنی، لسانی اور تہذیبی نعرے بازیوں کے سخت مخالف اور ناقد تھے، اس رجحان کو انسانیت

کے لئے خطرۂ عظیم تصور کرتے تھے، خواہ یہ نعرہ کسی اسلامی ملک یا کسی غیر اسلامی ملک میں بلند کیا جائے، کیونکہ یہ نعرہ نوع انسانی کے مختلف طبقات کے درمیان عداوت کی خلیج حائل کرنے والا تھا، جب یہ نعرہ اسلامی ملکوں میں بلند کیا گیا تو حضرت مولانا رحمہ اللہ نے پوری شدت کے ساتھ اس کی مذمت کی اور اس کے تدارک کے لئے سینہ سپر ہوگئے، اس کی تردید میں کتابچے، پمفلٹس اور کتابیں تصنیف فرمائیں، جلسوں اور اجتماعات میں موثر تقریریں کیں، نسلی، تہذیبی اور لسانی عصبیتوں کے خطرہ سے دنیا کو آگاہ فرمایا، انسان کئی خانوں اور گروہوں میں منقسم تھے اور خون کی ارزانی ہی ارزانی تھی لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کی بدولت انسان آپس میں محبت کرنے والے بھائی بن گئے۔

زبان و ثقافت کی بنیاد پر تقسیم و تفریق، قومی مسائل و مشکلات کا حل باور کیا جاتا ہے لیکن حضرت مولانا رحمہ اللہ اس کو انسانیت اور قومیت کے لئے خطرہ تصور کرتے تھے، قومیت کی دعوت، عرب ملکوں میں بغاوتوں اور انقلابات کے بعد عام ہوئی، اس دعوت کے علمبردار یورپی ملکوں کے تعلیم یافتہ مسیحی عرب نوجوان تھے ان لیڈروں میں میشیل عفلق سب سے زیادہ پیش پیش تھے، یہ دعوت، مصر، شام اور عراق میں خوب پھلی پھولی تو حضرت مولانا رحمہ اللہ نے ایک پمفلٹ "عالم عربی کے لئے سب سے بڑا خطرہ" کے عنوان سے تحریر فرمایا جس میں قومیت عربیہ کی تاریخ کا جائزہ لیتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ:۔

"غیر مسلم مفکرین نے اس فلسفۂ قومیت کو جس چابکدستی اور ذہانت سے مرتب کیا ہے، اور اس میں جس طرح علمی و سائنٹفک انداز فکر پیدا کیا گیا، اور اس میں ایک عرب تعلیم یافتہ نوجوان کے لئے (جو احساس برتری کے نشہ سے سرشار ہے) جو کشش پائی جاتی ہے، اس کا اندازہ مندرجہ ذیل اقتباسات سے ہوگا جو میشیل عفلق کی کتاب "فی سبیل البعث" سے اخذ کئے گئے ہیں، جس کو اس تحریک و دعوت کا صحیفہ کہنا صحیح ہوگا۔

"اسلام کو فتحیاب اور غالب ہونے میں جو اتنی تاخیر ہوئی، وہ دراصل اس وجہ سے تھی کہ عرب اپنی ذاتی کوشش اور جد و جہد اور دنیا کے باہمی تجربات کی روشنی میں محرومی و موفوری کی بہت سی آزمائشوں اور امید و بیم کی کشاکش سے نکل کر حقیقت تک پہونچ جائیں، یعنی ایمان خود ان کے اندر سے پیدا ہو، جس کی بنیاد ذاتی تجربہ ہو، اور وہ زندگی کی گہرائیوں سے وابستہ حقیقی ایمان بن سکے، اس لحاظ سے اسلام ایک عربی تحریک تھا اور اس کے معنی عربیت کی تجدید و تکمیل۔ اس لئے "وہ معنیٰ جس کو اس اہم ترقی اور تغیر کے اس اہم تاریخی دور میں اسلام واضح کر رہا ہے یہ ہے کہ ساری قوتیں عربوں کی طاقت بڑھانے اور ان کو ترقی دینے پر صرف کی جائیں اور ساری قوتیں عرب قومیت کے دائرہ کے اندر محصور ہوں۔"

حضرت مولانا رحمہ اللہ اس حقیقت کی مزید وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ صدر صدام حسین کا تعلق شروع سے مشہور قوم پرست عرب تحریک "البعث العربی" سے رہا ہے، جس کے صدر شامی عیسائی پروفیسر میشیل عفلق تھے، جنہوں نے زندگی کے آخری ایام احترام و اعتماد کے ساتھ عراق ہی میں گذارے، موت سے پہلے ان کے اسلام قبول کرنے کی روایت غالباً سیاسی مصلحت سے مشہور کی گئی (ورنہ وہ) لیکن ان کو نصرانیت کی خدمت کا تصدیق نامہ دے چکا تھا، بقول ا[...] عرب فاضل کے کہ "وہ انتقال کے بعد مسلمان ہو[...] اس تحریک کا آغاز ۱۹۴۳ء سے ہوا اور [...] میں وہ ارتقاء اور عروج کے مرحلہ پر پہونچی [...] تحریک کا بنیادی مقصد اور فلسفہ یہ ہے کہ "عر[ب] بذات خود ایک وحدت (اکائی) ہیں، ان کے درمیان جو دینی، اعتقادی، ثقافتی اور سیا[سی] امتیازات ہیں، وہ سب مصنوعی اور عارضی ہیں[،] عرب احساس قومیت کی بیداری کے بعد خود [بخود] زائل ہو جائیں گے، اس تحریک و جماعت کا نو[ٹو] اور دستور العمل ہے کہ عرب ایک مستقل دا[ئمی] امت ہیں جو ایک دائمی پیغام رکھتے ہیں۔"

یہ تحریک عربوں کو ما قبل اسلام دو[ر] (جاہلیت عربیہ) کی طرف لے جانا چاہتی ہے، جب نہ ان کے پاس نیا دین آیا تھا اور نہ آنحضرت صلی [اللہ] علیہ وسلم کی بدولت وہ آخری پیغام ربانی ا[ور] اس کی شریعت سے روشناس ہوئے تھے، [یہ] تحریک دور جاہلیت کے سورماؤں کو اپنا ہیرو [سمجھتی] ہے، جن کا عربی کی جاہلی شاعری اور تاریخ میں عظمت کے ساتھ نام آیا ہے، اور وہ ان پر فخر کرنے اور ان کے نام کو زندہ رکھنے کی تلقین کر[تی] ہے، اس کے ارکان نے اسلام سے مستغنی ہو کر زندگی کے لئے ایک نیا اصول اور فلسفۂ حیات [اختیار] کیا ہے جو آزاد قومیت عربیہ اور سیاسی و ماد[ی] اغراض سے میل کھاتا ہے، چنانچہ حضرت مولانا [رحمہ اللہ] شام جیسے شاندار اسلامی تاریخ رکھنے وا[لے] ملک میں "بعث پارٹی" کی حکومت کے زیر سا[یہ] بعثی فلسفہ کے اثرات و واقعات کا تذکرہ کر[تے] ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"بے تکلف مسجدیں گرائی گئیں، اہل دین اور اہل علم کو ملک چھوڑ کر باہر جانا پڑا، اور

اسلام پسند تحریکوں اور جماعتوں پر پابندی عائد کی گئی، نیز عراقی حملے کے بعد کویت میں بھی اس پارٹی کے آثار نمایاں ہونے لگے ہیں اور اسی کا خطرہ ہر اس ملک میں ہے، جو خدا نخواستہ اس کے زیر اقتدار ہو جائے"۔

حضرت مولانا اس تحریک پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:-

"ان سب قومی تحریکوں کے مقابلہ میں کسی عرب قوم کی قوم پرستی کی تحریک زیادہ خطرناک اور زیادہ سنگین نتائج کی حامل اس لئے ہے کہ وہ ان کو قدیم جاہلیت کے احترام اور اپنے آباء و اجداد کی تعظیم و تکریم کی طرف لے جاسکتی ہے، یا کم سے کم اس کی نفرت اور حقارت کو کم کرسکتی ہے، جس کو قرآن مجید نے کفر کے ایک معیاری دور کے طور پر پیش کیا ہے اور جس کی قباحت اور اس کے ساتھ نفرت کو مختلف طریقوں سے ابھارا ہے"۔

حضرت مولانا رحمہ اللہ نے قومیت عربیہ کے فتنہ کو، اس کے آثار نمایاں ہونے سے پہلے ہی، محض اپنی ایمانی فراست کے ذریعہ محسوس کرلیا، اور اس کو عالم عربی کے لئے سب سے بڑا خطرہ سمجھا، کیونکہ قومیت انسان کو تقسیم کرتی ہے، عصبیتوں کو جنم دیتی ہے اور مختلف طبقات اور گروہوں کے درمیان عداوت و دشمنی کا بیج بوتی ہے اور تقسیم در تقسیم کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ چل پڑتا ہے، چنانچہ ادھر ماضی قریب میں دنیا میں قومیت کی بنیاد پر نئی سلطنتیں وجود میں آئیں، فی الواقع یہ تحریک تمام انسانیت کے لئے خطرناک ہے، یورپ میں کلیسا کے غلبہ والی جابرانہ حکومت اور جاگیردارانہ نظام کے خلاف رد عمل کی صورت میں اس رجحان کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

دین و اخلاق کے متوازی نظریہ قومیت کے خطرہ کے خلاف حضرت مولانا رحمہ اللہ کا یہ مذکورہ موقف ابتدا ہی میں خطرہ کا احساس و ادراک کر لینے کی صلاحیت کا ثبوت ہے، ابتدائی مرحلہ میں دیگر علما، اور زعما، اور مفکرین اس خطرہ کو نہ بھانپ سکے اور نہ ہی حضرت کے موقف کی تائید کر سکے لیکن جب پانی سر سے اونچا ہوگیا، اور حالات بد سے بدتر ہو گئے، نظریۂ قومیت کے برے آثار ظاہر ہونے لگے، دنیا نے اس الحادی نظریہ کی تباہیاں اور بربادیاں بچشم خود دیکھ لیں، اور نظریہ قومیت کے زیر اثر ممالک میں عرصہ دراز کے بعد اس کے خلاف آوازیں اٹھنے لگیں تب علما، قائدین اور مفکرین نے، حضرت مولانا رحمہ اللہ کے موقف کی تائید کی، ان کی دوربینی کے قائل ہوئے اور اس تحریک کے خلاف حضرت کے اقدام کو سراہا اور داد تحسین پیش کی۔

حضرت مولانا رحمہ اللہ نے، اپنی ایمانی فراست کی بدولت صدر صدام حسین، جمال عبدالناصر اور کمال اتاترک کے خلاف، اپنے نظریہ و موقف کی طرح ہی کرنل معمر قذافی کی حکمرانی کے خلاف بھی رائے قائم کی لیکن اس مرتبہ بھی مسلم زعما، اور اہل فکر کرنل قذافی کی نام نہاد اصلاحات کی مسموم (زہریلی) لہروں کو محسوس نہ کرسکے، اور ان لوگوں نے اس کو سامراج کا دشمن، اسلام کا ہیرو اور اسلام اور مسلمانوں کا نجات دہندہ تصور کیا، لیکن وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ عوام و خواص کی رائے تبدیل ہوتی گئی اور بالآخر یہ لوگ حضرت مولانا رحمہ اللہ کے موقف کی درستگی، اور ان کی فراست ایمانی کے قائل ہوئے، حضرت مولاناؒ تحریر فرماتے ہیں:-

"حقیقت یہ ہے کہ کرنل معمر قذافی کی فکر میں انقلابیت کا شروع سے غلبہ رہا، انھوں نے جو اقدامات کئے وہ انقلاب کی روح سے متاثر تھے، جمال عبدالناصر کے انتقال کے بعد سے خاص طور پر ان کو عالم عربی میں خلا محسوس ہوا، جس کو پُر کرنے کے لئے انھوں نے صرف اپنے کو اہل پایا اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے وہ برابر کوشاں رہے، نیز اس نے ابتدا ہی سے یہ اندازہ لگا لیا کہ یہ عہد اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا عہد ہے، اس لئے اس شروع سے اپنے کو اس نشأۃ ثانیہ کا قائد تصور کرلیا، لیکن انقلابی ذہن، تربیت و تعلیم کی کمی، مغربی افکار کے اثر سے، جن کے سایہ میں ان کی پرورش ہوئی تھی، لیبیا کی دولت اور اس کی سیاسی، جغرافیائی اور اقتصادی اہمیت کے باعث اور حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی کی وجہ سے اس نے یہ تصور قائم کرلیا کہ وہ اسلام جو کتاب و سنت سے ماخوذ ہے، اس انقلابی عہد کا ساتھ نہیں دے سکتا، اس لئے اس نے اسلام کو اپنے انقلابی ذہن کے سانچہ میں ڈھالنے کی کوشش کی تاکہ اس سے وہ ایسے اسلام کا ایڈیشن تیار کرلے، جو اس عہد کے پورے مغربی نظام کے ساتھ چل سکتا ہو"۔

اسی طرح سے مغربی تمدن کے سلسلہ میں حضرت مولانا رحمہ اللہ کا موقف منفرد اور جداگانہ تھا، ان کا موقف دیگر علماء کرام اور مفکرین عظام کے نظریہ سے یکسر مختلف تھا، حضرت مولانا رحمہ اللہ کا موقف بحث و تحقیق کا موقف تھا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ مغربی تمدن کی ہر قابل قبول چیز کو قبول کرلیا جائے جو اسلامی ممالک اور معاشرہ کے لئے مفید اور اس کے عقیدہ و نظریہ سے ہم آہنگ ہو لیکن اسلام کی روح اور اس کی تعلیمات کی منافی چیزیں

قطعی کنارہ کشی اختیار کی جائے، حضرت مولانا رحمہ اللہ نے مغربی تہذیب کے سلسلہ میں میانہ روی کی دعوت دی ہے چنانچہ حضرت رحمہ اللہ اپنی شہرہ آفاق تصنیف "مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش" میں مغربی تہذیب پر محققانہ نظر ڈالنے اور اس کے نتائج پر گفتگو کرنے کے بعد رقم طراز ہیں:۔

"اسلامی شخصیت اور ملت مسلمہ کے وجود کے لئے مغربی تمدن کے خطرناک ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ زندگی کی سہولتوں سے استفادہ اور مغرب کی دریافت کردہ سائنس اور ٹکنالوجی، ایجادات و تفریح و سہولت کے وسائل کو مطلق حرام کہہ دیا جائے، اور یہ دروازہ بالکل بند کر دیا جائے، اسلام ہمیشہ سے وسیع ذہن کا مالک اور ہر صالح اور مفید شئے سے استفادہ کرنے کے سلسلہ میں فراخدل اور کشادہ چشم رہا ہے اور رہے گا، لیکن اس معاملہ میں مغربی تمدن کا مفہوم آلات و ایجادات اور زندگی کے مفید تجربات سے استفادہ سے زیادہ وسیع معنوں پر مشتمل ہے اور وہ افکار واقدار اور مفاہیم و مطالب بھی اس میں شامل ہیں، جن پر مغربی تہذیب کی بنیاد ہے، پوری زندگی کو مغربی رنگ اور تمدنی منصوبہ بندی کا تابع کرنا اسی طرز حیات کو اپنانا، جو اسلامی معیار طہارت و نظافت اور اعتدال و میانہ روی کی روح سے بے گانہ ہے، آداب شریعت اور سنت نبوی پر عمل کی راہ میں بھی رکاوٹ بن جاتا ہے، اور اسلامی زندگی سے بھی بہت دور کر دیتا ہے۔"

حضرت مولانا رحمہ اللہ بعض واقعات اور مسائل کے سلسلہ میں بہت ہی واضح اور سخت موقف اختیار فرمایا کرتے تھے کہ اس کی شدت اور اہمیت کا اندازہ ان کے ان قریبی لوگوں کو بھی نہیں ہو پاتا تھا، جو ان کے افکار و خیالات اور تصورات کے ہم خیال اور ان کے پروردہ تھے، ان سبھوں کا خیال ہوتا تھا کہ معتدل موقف اور مسئلہ میں غور وفکر اور انتظار و مہلت ہی مناسب اور بہتر ہے، سخت موقف، ان کے اور ان کے ماتحت چلنے والے اداروں کے مصالح کے ناموافق اور منفی نتائج کا پیش خیمہ ثابت ہوگا، چنانچہ "وندے ماترم" کے سلسلہ میں ان کا موقف، ان کے شدید تر موقفوں میں سے ایک ہے، جب موجودہ حکومت نے بت پرستانہ گیت اور سرسوتی کے مجسمے کے سامنے سرنگوں ہونے پر اصرار کیا تو حضرت مولانا رحمہ اللہ نے سرکاری اسکولوں سے مسلمان بچوں کے نکال لینے کی ہدایت جاری فرمائی۔

بعض لیڈروں نے اس مسئلہ پر۔ ان کے سخت موقف پر دھمکی آمیز بیانات جاری کئے اور بعضوں نے تو ان کو "غدار وطن" قرار دے کر ان کی جلا وطنی کا مطالبہ کر ڈالا، نیز بعض شدت پسند عناصر نے ان کے پتلے نذر آتش کئے اور رات کی تاریکی میں ان کی رہائش گاہ پر شب خون مارا، دوسری طرف بعض مسلم لیڈران نے اس معاملہ کی اہمیت کو کم کرنے کی اپنی سی کوشش کی اور اسے معاملہ کو معمولی اور بے ضرر ثابت کرنے کے لئے اپنے بیانات جاری کئے، لیکن حضرت مولانا رحمہ اللہ کے پائے ثبات میں ذرہ برابر بھی جنبش نہ ہوئی بلکہ اپنے موقف سے ایک انچ بھی تنازل نہ فرمایا حالانکہ حضرت مولانا رحمہ اللہ ان دنوں شدید مرض کی وجہ سے بہت ہی نحیف اور کمزور ہو گئے تھے، گفتگو میں دشواری محسوس کرتے تھے، لیکن صحافیوں کے سامنے اپنے موقف کو پوری قوت و طاقت کے ساتھ واضح کیا اور دوٹوک انداز میں فرمایا کہ مسلمان اس معاملہ کو ہرگز ہرگز قبول نہیں کریں گے، بالآخر حضرت مولانا کو اس معاملہ میں بڑی کامیابی ملی اور حکومت نے اپنے رویہ میں تبدیلی کر لی، وزیر اعظم نے وضاحت کی اور وزیر داخلہ نے پارلیمنٹ میں صراحت کی کہ یہ قانون اجباری نہیں ہے، نیز صوبائی وزیر تعلیم برخاست کر دیئے گئے آخر کار صوبائی حکومت نے اس حکم کو واپس لے لیا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا نے اپنی ایمانی فراست سے اس بات کا صحیح در محل اندازہ کر لیا تھا کہ اگر اس معاملہ میں نرمی برتی گئی تو مسلمانوں کی اگلی نسل بت پرستانہ عقائد و خیالات کی حامل ہوگی اور ہندوستان میں اس طرح اندلس کی تاریخ دہرائی جائے گی، اس کامیابی پر مسلمانوں کے اندر اپنے دین اسلام، اور اس کی تعلیمات واحکام کے سلسلہ میں خود اعتمادی پیدا ہوئی، اور پوری دنیا میں حضرت مولانا کا وقار دوبالا ہو گیا اور ان کی دور بینی اور دوراندیشی کے چرچے ہوئے۔

اس قسم کے تعلیمی خطروں سے مسلمانوں کی حفاظت کے مقصد سے حضرت مولانا رحمہ اللہ نے دینی تعلیمی کونسل کی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لیا اور عرصہ دراز تک اس کے روح رواں رہے اپنی عمر کے اخیر میں اس بات پر بہت ہی زیادہ زور دیا کرتے تھے کہ چھوٹے چھوٹے گاؤں دیہات اور قصبوں میں مکاتب کا جال پھیلایا جائے بلا شبہ یہ مکاتب بڑے بڑے مدارس و جامعات سے زیادہ مفید اور مؤثر ثابت ہوں گے۔

تحریک "پیام انسانیت" کا قیام، حضرت رحمہ اللہ کی ایمانی فراست کا جیتا جاگتا نمونہ ہے، حالانکہ بعض مسلم قائدین نے اپنے اس خدشہ کا اظہار کیا کہ یہ تحریک وحدت ادیان کا پیش خیمہ ثابت

لتی ہے اور اسلام کی دعوت کے عمل و حرکت رکاوٹ پیدا کر سکتی ہے، لیکن یہ حقیقت اب شدہ ہے کہ یہ تحریک، انسانی سلوک و کردار لاح اور تمام ادیان کے متفق علیہ امور و معاملات لاقی اقدار و قیم کی پاسداری کا بہترین اسٹیج ہوتی ہے، نیز یہ تحریک، مادیت، حب مال، جاہ اور مصلحت کوشی کی دلدادہ سوسائٹی کی ی ضرورت اور موجودہ زمانہ کی پکار ہے یہی ہے کہ اس تحریک نے سارے ادیان و ملل کی ے داد تحسین حاصل کی ہے، ان انسانی اغراض امد کے علاوہ یہ تحریک مسلم اور غیر مسلم کے یان حائل خلیج کو پاٹنے میں بڑی سودمند ثابت ئی ہے، نیز ایک دوسرے کے ساتھ مل بیٹھنے نع فراہم کرتی ہے تاکہ اسلام اور مسلمانوں خالف دو دشمن تحریکات نے ان کے سلسلہ میں لوک و شبہات جنم دیئے ہیں، اس کا قلع قمع جاسکے، نیز یہ تحریک اسلام کی صاف ستھری ع پیش کرنے کا اور اسلامی تعلیمات کی صحیح رکشی کرنے کا بہترین ذریعہ ثابت ہوئی، فی ع مستشرقین اور ان کے چالاک تلامذہ اسلامی تاریخ کو مسخ کرکے پیش کیا ہے اور یوں لام اور مسلمانوں کو پوری دنیا میں بدنام کرنے لئے تاریخ نویسی کو اپنا آلہ بنایا ہے، لیکن اس ب کہ اس سلسلہ میں بڑی کامیابیاں حاصل ہوئیں ر بعض غیر مسلم قائدین اور دانشوروں نے قیقت کا برملا اظہار کیا کہ اس تحریک سے ہ لوگ اس سے بالکل ناواقف تھے کہ مسلمانوں دل بھی انسانیت اور وطن کا درد و محبت رکھتے ، ان کو تو صرف یہی معلوم تھا کہ مسلمان صرف ز بر اور شمشیر و خنجر کے رسیا ہیں۔

حضرت مولانا رحمہ اللہ نے اس تحریک ایک اہم اجتماع کو خطاب فرمایا تھا، ہم نیچے اس تقریر کا اہم اقتباس نقل کر رہے ہیں:۔

"۔ کسی بھی معاشرہ کا بگاڑ اور اخلاقی اصول سے نظر اندازی، حرص و طمع بڑھی ہوئی مال کی محبت، ظلم و زیادتی، ناجائز قبضہ اور برائیوں کا اثر اس میں ملوث افراد ہی تک محدود نہیں رہتا، بلکہ اس کے اثرات پورے معاشرہ میں پھیل جاتے ہیں، اور ہر وہ معاشرہ جو ان جرائم پیشہ افراد کو نظر انداز کرتا ہے وہ خود ان جرائم میں مبتلا ہو جاتا ہے، ہمیں تاریخ میں بہت سی ایسی تہذیبیں اور ثقافتیں نظر آتی ہیں، جو عرصہ دراز تک ترقی کے بام عروج پر متمکن تھیں، لیکن جب اس میں اخلاقی انتشار عام ہوا، حرص و ہوس اور مال کی بڑھی ہوئی محبت نے غلبہ پایا، انسانی ناموس و عزت کو پامال کیا جانے لگا، اور لوگ اپنی نفسانی خواہشات اور ذاتی اغراض کو پورا کرنے میں لگ گئے، دین و مذہب کی تعلیمات اور اخلاقی قدروں کو پس پشت ڈال دیا گیا، اور ان کی تحقیر و تضحیک کا معاملہ شروع ہو گیا، تو یہ ترقی یافتہ تہذیبیں برباد اور نیست و نابود ہو گئیں، مثلاً روم ٹھیک اس وقت اپنی برائیوں کی آگ میں جل رہا تھا، جب وہاں کے فلاسفہ، ادباء و شعراء اپنی بحث و نظر، تحقیق و تخلیق میں ہمہ تن مصروف و منہمک تھے، اور نئی نئی تحقیقات، انکشافات و ایجادات اور علمی کارناموں کا انبار لگا کر معاشرہ کو مسحور و مبہوت کر رہے تھے، لیکن چونکہ اندر سے معاشرہ کو گھن لگ چکا تھا، بگاڑ اور فساد گھروں سے نکل کر بازاروں اور سڑکوں تک پھیل چکا تھا، چھوٹے بڑے ہر طرح کے گھرانے اس میں ملوث تھے، مختلف طبقات آپس میں برسرپیکار تھے، ہر شخص بربادی، ظلم و زیادتی کے دہانہ پر کھڑا تھا، انہیں وجوہات کی بنا پر جب آتشیں آندھی چلی تو اپنی فتوحات، تعمیرات، تہذیب اور معیار معیشت میں غیر معمولی ترقی کے باوجود (جو ضرب المثل کی حد تک پہونچ گئی تھی) رومن امپائر اس سے بچ نہ سکا اور نہ اس کا دفاع ہی کر سکا۔"

یہ حقیقت ہے کہ اس تحریک نے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان حائل خلیج کو پاٹنے اور ان کے مابین میل ملاپ پیدا کرنے کا اپنا مقصد اصلی پورا کر لیا اور ایک ہی پلیٹ فارم پر ان کے مخالف و معاند لوگ جمع ہوئے اور ان لوگوں نے حضرت مولانا رحمہ اللہ کی گفتگو، تقریر اور تحریر سننے اور پڑھنے کے بعد اس بات کا اعتراف کیا کہ یہ تحریک واقعۃً اس زمانہ کی ضرورت و پکار ہے، نیز مسلمانوں کے سلسلہ میں ان کا تصور تبدیل ہوا، اور مسلمانوں کے مسائل کے سلسلہ میں ان کے موقف و رویہ میں تبدیلی بھی آئی بلکہ بعض لوگوں نے مسلمانوں کے مسائل کو حل کرنے کے لئے اپنی خدمات پیش کیں اور مسلمانوں کی حمایت اور مدافعت کرنے والے بن گئے، نیز یہ لوگ فرقہ وارانہ فسادات کے علاقوں کا دورہ کرنے اور ریلیف اور ہنگامی امداد کے کاموں میں شریک و پیش پیش رہے، یہ حقیقت بھی قابل ذکر ہے کہ تحریک "پیام انسانیت" کے اجتماعات بعض جگہوں پر فتنوں کی سرکوبی اور مسلمانوں کے خلاف پائی جانے والی عصبیتوں کی بیخ کنی میں بڑے ممد و معاون ثابت ہوئی ہیں۔

تحریک پیام انسانیت کے اغراض و مقاصد سے ناآشنائی اور اس تحریک کے کارکنان کا اجتناب

کی نیتوں اور اخلاص سے عدم واقفیت کی بنا پر دعوت اسلامی کے بعض سرگرم فعال اور مخلص علمائے کرام نے اس تحریک میں پر جوش شرکت نہیں کی اور بعضوں نے تو اس تحریک کے سلسلہ میں حضرت مولانا رحمہ اللہ سے گفتگو بھی کی لیکن حضرت نے اس سلسلہ کی اپنی جدوجہد، آخری عمر تک، برابر جاری رکھی، اور اس تحریک کے کارکنان کی ہمت افزائی فرماتے رہے اور ان کی مساعی جمیلہ میں برابر ان کا ساتھ دیتے رہے اور اس کے تمام مؤقر اجتماعات میں شرکت فرماتے رہے۔

یہ حقیقت بھی روز روشن کی طرح بالکل ظاہر و باہر ہے کہ حضرت مولانا رحمہ اللہ مسلمانوں کے سامنے اپنی تقریر، تحریر اور گفتگو کے دوران اس بات پر زور دیتے رہے کہ مسلمانان ہند اپنے وطن کی تعمیر و ترقی کے کاموں میں بھرپور حصہ لیں، اور اپنی سوسائٹی سے پسماندگی اور پستی، کشمکش و معرکہ آرائی اور جہالت و نادانی کے اسباب و عوامل کا خاتمہ کریں اور مسلمانان ہند کی مساعی جمیلہ اس ملک کے لئے باعث خیر و برکت ثابت ہوں، ان کی تقریر کا مرکزی موضوع قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ "یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَل لَّکُمْ فُرْقَانًا" ہوا کرتا تھا، حضرت مولانا رحمہ اللہ فرقان کی یہ تشریح فرماتے کہ مسلمانوں کی زندگی، غیروں کے مقابلہ میں زندگی کے تمام شعبہ جات میں ممتاز و نمایاں ہو، اور صدق و صفا، امانت و دیانت اخلاص و للّٰہیت، جدوجہد، مواساۃ و غمخواری، مساوات و برابری اور ایثار و قربانی سے متصف رہے تاکہ مسلمانانِ ہند ان صفات و امتیازات کی بدولت، برادران وطن کی محبت و الفت اور اعتماد کے حق دار بن سکیں وہ ان کو باعث برکت سمجھیں، اس ملک کے لئے ان کو وبال اور مصیبت نہ تصور کریں۔

زہے وہ سرزمیں وہ شاہ علم اللہؒ کا تکیہ

صوفی عبدالرب صاحب

خوشا وہ بقعۂ نور اولیاء اللہؒ کا تکیہ — زہے وہ سرزمیں وہ شاہ علم اللہؒ کا تکیہ
وہ تکیہ ہے کواکب اور مہر و ماہ کا تکیہ — وہ قبرستان ہے مردانِ حق آگاہ کا تکیہ
وہاں زیر زمیں انوار کے صدہا خزینے ہیں — وہاں مسجد سے تا دریا بڑے پُر نور زینے ہیں
معطر ذکر حق سے جس کی صدیوں سے فضائیں ہیں — مہکتی جس کی انفاس معنبر سے ہوائیں ہیں
مقابر سے جہاں مسموع اب تک وہ صدائیں ہیں — کہ جن میں کچھ تلاوت کچھ انابت کچھ دعائیں ہیں
سراپا نور ہے یہ خانوادہ علم و عرفاں کا — اسی سے سلسلہ ہے سید احمدؒ شیر یزداں کا
زیانِ ملتِ اسلامیہ ہے انتقال ان کا — نہ بھولے گا بھلائے زندگی بھر کیف حال ان کا
بدن سے روح یوں نکلی چمن سے جیسے بو نکلے — نہیں عارف کے منہ سے جس طرح لاتقنطوا نکلے
ذرا سی آئی ہچکی، یا کلی چٹکی، مہک نکلی — بدن سے روح نکلی، برق کوندی یا چمک نکلی،
ادھر شوقِ لقا سے مست ہو کر دم نکلتا تھا — ادھر جام مئے ذکر و دعا کا دور چلتا تھا
ادھر گہوارۂ رحمت میں طفل جاں مچلتا تھا — ادھر فوارۂ پاس نفس پیہم ابلتا تھا۔
سہانی رات گہری نیند میں جب ڈوب جاتی ہے — فضائے مسجد تکیہ کی مستی رنگ لاتی ہے
ہوا جب جاگ کر یا حق کا نغمہ گنگناتی ہے — تو اس قبہ سے پیہم ذکر کی آواز آتی ہے

صدائے ذکر ہے مسموع کوئی راز ہے ہمدم
یہاں ہر قبر میں زندہ شہید ناز ہے ہمدم

حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی زندگی کے یہ چند ایسے پہلو ہیں، جن میں موصوف دوسرے داعیوں، عالموں اور مفکروں سے ممتاز و منفرد ہیں، نیز حضرتؒ کے یہ خیالات و نظریات، ان کی ایمانی فراست، مسائل کی تہہ تک بلا تاخیر پہونچ جانے کی صلاحیت، اور حرکت و عمل کے اسباب و نتائج کے صحیح ادراک و احساس کے مرہون منت ہیں، ان کی دور بینی و دروں بینی کا نتیجہ ہیں، بلاشبہ ان آرا و نظریات کی اہمیت و افادیت حضرت مولانا کے دیگر علمی و عملی کارناموں سے کسی طرح بھی کم نہیں ہے۔

یہ حضرت مولانا مرحوم کی فراست، ذہانت، ان کی دور اندیشی، جرأت ایمانی، بے نفسی، خدا ترسی اور اخلاص و للّٰہیت کی چند جھلکیاں ہیں، یوں تو ان کی مثالی زندگی اس قسم کے سبق آموز واقعات سے پر ہیں، انھوں نے غور و فکر کا اپنا ایک الگ راستہ اپنایا، اور جہاد زندگانی میں یقین محکم، عمل پیہم اور بے لوث محبت کے ذریعہ دل و دماغ کے دونوں جہاں مسخر کر لئے تھے۔

بدلا ہوا ہے رنگ گلوں کا ترے بغیر
پھیکی سی اڑی ہوئی سی بہار چمن میں ہے

حضرت مولانا علی میاں صاحب ندویؒ کی زندگی کے دو اہم پہلو

اتحادِ ملت اور اصلاحِ امت

ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات جامع صفات اور جامع کمالات تھی، حضرت کی رحلت کے بعد اخبارات، مجلات اور رسائل وغیرہ میں جتنا آپ پر لکھا گیا، کم ہی کسی عالم دین پر اتنا لکھا گیا ہوگا، بہت لکھا گیا اور خوب لکھا گیا اور یہاں کی ہر مشہور و مقبول زبان میں لکھا گیا، اسی طرح آپ کی یاد میں مختلف عناوین سے جلسے بھی ریکارڈ تعداد میں ہوئے، حرمین شریفین اور دیگر دور دراز ملکوں میں آپ کی غائبانہ نماز جنازہ کا پڑھا جانا بھی آپ کی بے پناہ عالمی مقبولیت کی علامت ہے۔

جتنا آپ پر لکھا گیا ہے اس سب کا پڑھ لینا بھی آسان کام نہیں ہے، لہٰذا جن مضامین پر میں نظر ڈال سکا ہوں ان کی روشنی میں کہتا ہوں کہ اکثر لکھنے والوں نے آپ کے محاسن و فضائل کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے اور تقریباً آپ کی ہر صفت پر کافی روشنی ڈالی ہے، تمام مضامین کے بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ ؎

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

بے شک حضرت پر بہت کچھ لکھا گیا اور ابھی لکھا جائے گا، کئی لوگ تو آپ کی زندگی ہی میں آپ کے کسی ادبی پہلو پر کام کرکے ڈاکٹر بن گئے اور کتنے لوگ آئندہ آپ کو عنوان بناکر ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں حاصل کریں گے، ان سطور میں حضرت مولانا کے "اتحاد ملت اور اصلاح امت" پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے جو حضرت مولانا کا مشن تھا۔

حضرت مولانا کی قربت، خصوصی و عمومی مجلسوں میں شرکت، تقریروں میں حاضری، مطبوعہ محاضرات، تالیفات اور تصنیفات کے مطالعہ کی روشنی میں عرض کر رہا ہوں کہ "اتحاد ملت اور اصلاح امت" حضرت مولانا کا مشن تھا۔ اس مضمون میں میں جو کچھ لکھ رہا ہوں وہ حضرت کی کسی تحریر یا تقریر ہی سے ماخوذ ہے۔

اس عالم میں جماعتوں میں اتحاد کا اور میدان عمل میں مختلف وحدتوں اور یونٹوں کی متعدد بنیادیں ہیں، کہیں اشتراکیت کی آواز ہے، کہیں قومیت کی پکار ہے، کہیں نسلیت کا رشتہ ہے، کہیں مخصوص "ثقافت" ہے تو کہیں جاہلی حمیت ہے، حضرت مولانا نے اپنی تحریروں اور تقریروں میں ایک ایک کا جائزہ لیا ہے، اور سب کی کمزوریاں اور خرابیاں بیان فرمائی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ لفظ وحدت میں ایک قسم کی مقناطیسیت ہے لیکن کتنی وحدتیں ہیں جن کی زندگی ہی دوسری وحدتوں کی موت ہے، یہ وہی وحدتیں ہیں جو وحدتوں سے ٹکراتی اور ایک دوسری کی تباہی کا سبب بنتی ہیں، لہٰذا محض وحدت کوئی معنویت نہیں رکھتی، جو وحدت حقیقی و فطری بنیادوں پر قائم ہے، وہی مضبوط و پائدار ہے، وہی بامقصد ہے، اسلام نے جس وحدت کا تصور دیا ہے وہ حقیقی ہے، ہمارے مولانا اسی وحدت کے داعی اور اسی اتحاد کے مبلغ تھے، وہ تحریر فرماتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان ربکم واحد وان اباکم واحد[1] اے انسانو! تمہارا رب بھی ایک ہے اور تمہارا اَب یعنی باپ بھی ایک ہے، وحدت رب اور وحدت اب، لہٰذا انسان متحد ہوں اپنے ایک رب کے تعلق سے، انسان متحد ہوں اپنے جد امجد یعنی ایک باپ آدم علیہ السلام کے رشتہ سے، اس وحدت اَب میں انسانیت کے سارے تقاضے اور حقوق موجود ہیں، جن کے پاس و لحاظ میں انسان متحد ہوں، وحدت رب میں عظمت حق، اور اطاعت حق پوری طرح کارفرما ہے جس کے لحاظ میں انسان متحد ہوں، مگر یاد رہے ہدایت ربانی کے بغیر وحدت ربانی کا حصول ناممکن ہے۔ "وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا" پر عمل پیرا ہونے ہی سے وحدت ربانی کا وجود ہوگا، وحدت ربانی کا دوسرا نام وحدت عقیدۂ اسلامی ہے، وحدت عقیدہ اسلامی میں وحدت انسانی بھی بہ کم و کاست موجود ہے، نفس وحدت اَب میں تو صرف باپ کا رشتہ تھا، وحدت ربانی کی عملی شرح جب ہوئی تو "انصر اخاک ظالماً او مظلوماً" کا حکم آگیا اور یہ بھی تعلیم دی گئی کہ جو اپنے لئے پسند کرو وہی اپنے بھائی کے لئے پسند کرو، سارے بھائیوں کو جسم کے اعضاء کی طرح جانو، جس طرح جسم کے کسی عضو میں تکلیف پیدا ہوتی ہے تو سارا جسم درد محسوس کرتا ہے، اسی طرح ایک بھائی کو تکلیف ہو تو سارے بھائی تڑپ اٹھیں۔

حضرت مولانا کا اتحاد ملت کے تصور پر مگر اپنے کا یہی وہ جذبہ تھا کہ وہ علالت کی حالت میں بھی

غرب و مشرق کے دورے کرتے رہے اور اصلاح امت کی یہی وہ فکر تھی جس سے وہ مسلمانان عالم کو آواز دیتے رہے، آپ کی یہ آوازیں آج بھی "دریائے کابل سے دریائے یرموک تک"، "مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں"، "نئی دنیا امریکہ میں صاف صاف باتیں"، "تحفۂ مشرق"، "شرق اوسط کی ڈائری"، "مغرب اقصیٰ مراکش میں"، "اسمعی یا مصر اسمعی یا ایران"، "نفحات الایمان بین صنعاء و عمان" جیسی کتابوں سے سنی جا سکتی ہیں۔

یوں تو جس پر جس چیز کا غلبہ ہو جاتا ہے اس کو ہر چیز میں وہی چیز نظر آتی ہے، چنانچہ مجھے تو حضرت مولانا کی ہر تحریر اور ہر تصنیف میں یہ بات نظر آتی ہے کہ اتحاد ملت اور اصلاح امت مولانا کی زندگی کا مقصد تھا، ہم نے متعدد اہل علم حضرات سے تبادلۂ خیال کیا تو ان کو بھی اپنی رائے سے متفق پایا۔

حضرت مولانا اتحاد ملت کے لئے بے چین اور اصلاح امت کے لئے بے قرار رہتے تھے، حضرت مولانا اتحاد ملت، اسلامی بنیادوں پر چاہتے تھے، وہ باطل سے سودا کر کے نام نہاد اتحاد ملت سے بے زار تھے، وہ اصلاح امت سنت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر چاہتے تھے، بقول شخصے وہ عقیدہ اسلامی میں فولاد کی صلابت رکھتے تھے، جب کہ اتحاد ملت کے لئے آپ کے اخلاق میں ریشم سے زیادہ نرمی و ملائمت تھی، کتاب و سنت پر جمے رہنا آپ کی زندگی کا امتیاز رہا، بیان توحید میں جب شرک کا ذکر آتا تو آپ کی پُر جلال آواز میں بجلی کی کڑک محسوس ہوتی، سامعین پر سناٹا چھا جاتا، بدعت سے آپ کو سخت نفرت تھی، عملاً تو اجتناب تھا ہی قولاً بھی سخت نکیر فرماتے، شرک کا ظلم عظیم ہونا تو اہل قبلہ کو بالاتفاق تسلیم ہے قرآن پاک کا صاف اعلان ہے "اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ" ہر بدعت کا گمراہی ہونا تواتر میں مشہور و معروف ہے کہ فرمان رسول ہے "کل بدعۃ ضلالۃ" لیکن جن فروعی اختلافی مسائل کی بحث سے امت میں افتراق پیدا ہو، یا جن مباحث کی بحث میں فرائض کا نقصان ہو رہا ہو، ایسے مسائل میں پڑنا حضرت مولاناؒ کو سخت ناگوار تھا، اس بات کے ثبوت میں، میں حضرت مولاناؒ کی ایک تقریر کی تلخیص پیش کر رہا ہوں، یہ تقریر علماء و طلباء کے سامنے کی گئی تھی جس میں دانشور طبقہ کے لوگ بھی تھے جو "دعوت فکر و عمل" میں چھپ گئی ہے۔ فرمایا:-

"ائمہ مساجد، خطباء اور علماء حضرات اپنی ذمہ داریاں سمجھیں، اور ملک میں انتشار بڑھانے والے اختلافی مسائل چھیڑنے کے بجائے معاشرہ کی اصلاح پر توجہ فرمائیں، اس سے ملک کی بھی خدمت ہوگی اور عالم اسلام کی بھی، اس وقت صورت حال یہ ہے کہ مغربی تہذیب فاتحانہ پیش قدمی کر رہی ہے، جو صرف ثقافت ہی نہیں تمدن و سیاست میں بھی انقلاب چاہتی ہے وہ شرافت کا معیار بدل کر سیادت میں بھی تبدیلی لانا چاہتی ہے، وہ اسلامی بنیادوں کو ہلا دینے کی کوشش کر رہی ہے، وہ اس ملک کی چولیں ہلا رہی ہے، اسلامی معاشرت تبدیل ہو رہی ہے، اسلامی تمدن دم توڑ رہا ہے، مسلمان ذہنی و فکری ارتداد کے شکار ہو رہے ہیں اس حال میں ہمارے یہاں علم غیب کی بحثیں چل رہی ہیں، بشریت رسول پر مناقشے ہو رہے ہیں، توقع رکھی کہ اس نازک دور میں جب کہ ہمارے سروں پر خطرہ کی تلوار لٹک رہی ہے کوئی اس طرح کی بحثیں چھیڑے گا لیکن اس دنیا میں سب کچھ ممکن ہے، ہو سکتا ہے ہم اپنی توانائی و طاقت، فراست و ذہانت ان فروعی و نزاعی بحثوں میں ضائع کر رہے ہوں اور اسی آن مغربیت ہمارے ملک و ملت پر غلبہ حاصل کر رہی ہو آپ تو متاع اسلام کو بچانے کی کوشش کریں جب یہ بچ جائے گی تو ان مسائل کی بحث کا موقع ہوگا، یہ بحثیں مدرسے کے اندر کی ہیں یا صرف علماء کی مجلسوں کی ہیں سڑکوں اور چوراہوں کی نہیں، جلسۂ عام کی نہیں، اختلافات ہمیشہ سے رہے ہیں صرف نماز کے اندر درجنوں اختلافات ہیں، لیکن کبھی ان سے انتشار نہیں پیدا ہوا، اگر انتشار ہوا تو اسی وقت ہوا جب یہ مسائل عوام کے سامنے لائے گئے اور عوام کے حوالہ کر دیئے گئے، پھر تو عوام ایک دوسرے سے جڑنے کے بجائے بچھڑنے لگے، یہ بحثیں جب تک مدرسوں میں رہیں، علمی مجلسوں میں رہیں ان سے فائدہ ہوا، علم و ذہانت میں اضافہ ہوا، اور یہ تو زندہ انسان اور زندہ جماعت کی خصوصیت ہے کہ وہ غور کرے اور سمجھنے کی کوشش کرے، اس پر کوئی پہرے نہیں بٹھا سکتا، لیکن اگر یہ بحثیں عوام میں آ جائیں گی، ان سے سیاسی مقاصد حاصل کئے جائیں گے، جماعتی مقاصد حاصل کئے جائیں گے، ان سے اپنی بڑائی اور ذاتی مفادات کی حفاظت کا کام لیا جائے گا، تو پھر یہ مضر ہی نہیں مہلک بن جائیں گی، یہ فقہی مسئلے، خالص علمی مسئلے، کلامی مسئلے ان کو اپنے کتب خانوں میں رکھئے، مدرسوں میں رکھئے، علمی حلقوں میں رکھئے مگر عوام میں

نہ لایئے کہ اس سے انتشار وافتراق پیدا ہوگا جو آپ کے مقصد کے خلاف ہے

تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی

ایک موقع پر برصغیر میں کچھ لوگوں نے امت میں انتشار پیدا کرنا شروع کیا، عامۃ المسلمین کے سامنے وہ علمی بحثیں شروع کیں جنہیں عوام الناس تو کیا سمجھتے خود بحثیں چلانے والے انھیں کما حقہ نہیں سمجھ پا رہے تھے، البتہ ان بحثوں کے نتیجہ میں ایک صوم وصلاۃ کا پابند مسلمان، دوسرے صوم وصلاۃ کے پابند مسلمان کو اسلام سے خارج سمجھنے لگا، دل پھٹنے لگے، اتحاد ٹوٹنے لگا، دشمنوں کو انتقام کے مواقع ملنے لگے، ایسی صورتحال دیکھ کر حضرت مولانا بے چین ہوگئے آپ نے ایک کتابچہ عربی اردو میں طبع کرواکر تقسیم کروایا جس کا خلاصہ اس طرح ہے:

"اس وقت مسلمان جن خطرات میں گھرے، جن مسائل میں الجھے، جن چیلنجوں سے نبردآزما، اور تاریخ کے جس نازک ترین موڑ سے گزر رہے ہیں وہ ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دیتے، کہ وہ اپنی طاقت وتوانائی ان فروعی مسائل میں صرف کریں، جو بحث وتحقیق کے مراحل سے گزر چکے ہیں اور صدیوں سے ان پر عمل ہوتا چلا آرہا ہے، یا کسی فقہی مسلک کی کسی ایسے مسئلہ کی وجہ سے مخالفت کریں جو کوئی بنیادی اہمیت نہیں رکھتا، اس سے امت کی کوئی خدمت نہیں ہوتی، اس لئے ضرورت ہے کہ اپنی توانائی صرف تعمیری کاموں میں صرف کی جائے اور اپنی کوشش کا محور اخلاقی بگاڑ، مشرکانہ عقائد، جاہلی رسم ورواج اور غیر اسلامی بود وباش کی اصلاح کو بنایا جائے۔

توحید اور شریعت اسلامی پر عمل کرنے والوں اور محرمات سے بچنے والوں کو صرف فقہی اختلاف کی بنیاد پر جو ہمیشہ قائم رہا ہدف تنقید بنانا "بے مقصد جہاد اور بغیر دشمن کے جنگ" کے مرادف ہے"۔

اکثریتی فرقہ کے ارادوں اور عزائم سے جو شخص بھی واقف ہے وہ بخوبی اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ اس ہندوستان کو جس پر مسلمانوں نے آٹھ سو سال حکمرانی کی اور تہذیبی، ثقافتی، انتظامی اور اقتصادی حیثیت سے اس کو بام عروج پر پہونچایا وہ اس کی اسلامی تاریخ کو مسخ کرکے مسلمانوں کے تشخص کو ختم کرنا چاہتے ہیں، مسلمانوں کی فکری، ثقافتی، اجتماعی، تہذیبی اور لسانی، پھر اس کے بعد دینی واقتصادی نسل کشی کی کوشش کا سلسلہ جاری ہے، اور اس کی علامتیں نصاب تعلیم میں تبدیلی ہندی کی جبری تعلیم، پرسنل لا میں مداخلت، یکساں سول کوڈ کے نفاذ پر اصرار، اردو زبان کی بیخ کنی، انگریزی وہندی اخبارات میں شائع ہونے والے مضامین، فرقہ وارانہ جماعتوں کے قائدین حتیٰ کہ بعض وزراء کے بیانات واعلانات اور ان کی پیش کردہ تجاویز، اور ان کی تیار کی ہوئی اسکیموں کی شکل میں ظاہر ہونے لگی ہیں، تو ایسے نازک وقت میں آپس میں دست وگریباں ہونا ایک بڑی ناعاقبت اندیشی اور کوتاہ نظری ہے۔

اتحاد ملت کے سلسلے سب سے بڑا کارنامہ آپ کا آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے پلیٹ فارم پر ہندوستانی مسلمانوں کو جمع کرنا ہے، اگرچہ اس بورڈ کے قیام کا سہرا کسی ایک فرد کے سر پر نہیں باندھا جاسکتا، یہ کارگزاری منتخب علما کی ایک جماعت کی ہے، لیکن اس جماعت میں سرفہرست مولانا علی میاں صاحب کا نام لیا جاسکتا ہے۔ بورڈ کی تشکیل ۲۸ر۱۲ر۱۹۷۲ء میں ہوئی، اس کے محرک مولانا منت اللہ صاحب رحمانی امیر امارت شرعیہ اڑیسہ وبہار اور اس کے پہلے صدر دارالعلوم دیوبند کے مہتمم جناب مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ ہوئے اور تاحیات اس کے صدر رہے، ۱۹۸۰ء میں ان کی علالت کے سبب بعض ممبران نے تجویز پیش کی کہ حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کو بورڈ کا صدر چن لیا جائے، اس وقت مولاناؒ نے ایک تاریخی جملہ کہہ کر لوگوں کو خاموش کردیا۔ فرمایا: "طوفان کی حالت میں کشتی نہیں بدلے جاتے" چنانچہ حضرت قاری صاحب تاحیات صدر رہے۔ مولانا کا یہ جملہ جہاں اپنی صداقت وحقیقت کے اعتبار سے آب زر سے لکھنے کے قابل ہے وہیں اتحاد ملت کے سلسلہ میں بھی اپنی مثال آپ ہے۔

۱۷ر ۷ر ۱۹۸۳ء کو جب جناب قاری صاحبؒ کا انتقال ہوگیا تو حضرت مولانا علی میاں صاحب بالاتفاق صدر منتخب ہوئے اور اپنے آخری وقت ۳۱ر دسمبر ۱۹۹۹ء تک صدر رہے۔ ان دونوں طویل مدت صدارتوں کے دور میں اتحاد ملت کے جو مظاہر دیکھے گئے وہ اس سے پہلے ہندوستان میں صرف تحریک خلافت ہی کے دور میں نظر آئے تھے۔ ۱۹۸۵ء میں کلکتہ میں بورڈ کے اجلاس میں پانچ لاکھ کا مجمع تھا، شاہ بانو کیس کی مخالفت میں بورڈ کی اپیل پر مسلمانان ہند نے جس اتحاد کا ثبوت دیا وہ ایک ریکارڈ ہے، حضرت مولانا خود کاروان زندگی جلد سوم میں فرماتے ہیں:-

"اس سلسلہ میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے وزیر اعظم کے نام بڑی تعداد میں احتجاجی تار بھیجے، مساجد میں مسلمانوں کو صورت حال سے آگاہ کرنے اور ملک کے چپہ چپہ پر عمومی جلسے کرنے کی ہدایت واپیل

کی، ہندوستان کی ملت اسلامیہ نے اس کا ایسا اثر لیا اور اس کی تعمیل کی کہ جس کی نظیر تحریک خلافت کے بعد کسی دوسرے ملی مسئلہ کے سلسلہ میں نظر نہیں آتی، لاکھوں کی تعداد میں ملک کے گوشہ گوشہ، شہروں، قصبات اور دیہاتوں سے تار دیئے گئے، مساجد میں تقریریں اور دعائیں ہوئیں، ملک میں پورب سے لے کر پچھم تک اور اتر سے لے کر دکھن تک عظیم الشان جلسے ہوئے، جن میں لاکھ ڈیڑھ لاکھ کی تعداد میں مسلمانوں کا جمع ہو جانا کوئی غیر معمولی بات نہیں رہی۔"

آگے تحریر فرماتے ہیں:۔

"علاوہ کثرت تعداد کے یہ پہلو بھی قابل لحاظ ہے کہ مسلمان فرقوں، مکاتب خیال اور مختلف مسلم تنظیموں کی ایسی نمائندگی کم دیکھنے میں آئی، مسلم لیگ، جمعیۃ العلماء ہند، جماعت اسلامی ہند، تعمیر ملت، اتحاد المسلمین اور مسلم مجلس کے علاوہ فرقۂ اثنا عشری میں سے جناب کلب عابد صاحب مجتہد نائب صدر بورڈ، جناب شبیر بھائی نور الدین (بوہرہ جماعت) جناب یوسف حاتم مچھالہ صاحب ایڈوکیٹ (بوہرہ جماعت) پرنس انجم قدر صاحب صدر آل انڈیا شیعہ کانفرنس، جناب مولانا محمد اسعد مدنی صاحب صدر جمعیۃ العلماء ہند، جناب مولانا سید مظفر حسین صاحب کچھوچھوی عام طور پر جلسوں میں شریک ہوتے اور عمومی جلسوں میں خطاب فرماتے۔"

اس بے مثال اتحاد میں عورتیں بھی مردوں کے دوش بدوش تھیں، کاروان زندگی حصہ سوم میں بوٹ کلب ہاؤس دہلی میں خواتین کے ایک جلسہ کے بارے میں یوں لکھا ہے:۔

"دہلی بوٹ کلب ہاؤس کے میدان میں ۱۰ر اپریل ۱۹۸۶ء کو مسلم خواتین کا ایک عظیم الشان تاریخی جلسہ بیگم عابدہ احمد، ایم۔ پی کے زیر صدارت منعقد ہوا، یہ جلسہ شاہ بانو کیس میں سپریم کورٹ کے فیصلہ کے خلاف بطور احتجاج کیا گیا تھا، جلسہ میں خواتین نے یک زبان ہو کر حکومت ہند سے اپیل کی کہ وہ سپریم کورٹ کے اس غیر شرعی فیصلہ کو منسوخ کر دے۔

اس جلسہ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس میں عام خواتین کے دوش بدوش نئی روشنی کی مسلم تعلیم یافتہ خواتین بڑی تعداد میں نہ صرف یہ کہ شریک تھیں بلکہ کارکردگی میں نمایاں حصہ لے رہی تھیں، جلسہ گاہ کا وسیع پنڈال خواتین سے کھچا کھچ بھرا تھا، دینی جذبہ اور ملی حمیت سے سرشار عورتوں کو موسم کی شدت اور گرمی کی مطلق پرواہ نہ تھی، جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ نعرۂ تکبیر کی صداؤں سے فضا گونج رہی تھی۔"

غرض کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر کی حیثیت سے حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کی قیادت میں شاہ بانو کیس، یکساں سول کوڈ اور وندے ماترم جیسے کیسوں میں مسلمانان ہند نے جس اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ کیا اور حکومت کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کیا اس کی نظیر نہیں ملتی۔

اصلاح امت کے سلسلہ میں آپ نے کیا کوششیں کیں کتنے لوگوں کی اصلاح ہوئی، کتنے لوگ آپ کی سعی و کوشش اور توجہ سے اللہ والے بن گئے، شرکیات سے دور اور بدعات سے مجتنب ہوئے اس کا احاطہ آسان کام نہیں، اتحاد و اتفاق پیدا کرنے میں کبھی بڑی نزاکت پیدا ہو جاتی ہے، جس سے میل کرنا ہے وہ کسی ایسے منکر میں مبتلا ہے کہ اس پر نکیر کی جائے تو میل کھٹائی میں پڑ جائے، ایسے سلسلہ میں حضرت مولانا کا اصول یہ رہا کہ جس نے حضرت کی طرف ہاتھ بڑھایا آپ نے خندہ پیشانی کے ساتھ اس کا ہاتھ ہاتھ میں لے لیا، محبت و اخوت کی گفتگو سے نوازا، کبھی ایسا بھی ہوا کہ پہل حضرت مولانا کی جانب سے ہوئی جب کہ معلوم تھا کہ ملنے والا منکرات میں مبتلا ہے، آپ نے ملتے ہی ناگوار جملوں سے اس کو مایوس نہیں کیا بلکہ "اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ" پر عمل کرتے ہوئے اپنے اخلاق سے اس کو متاثر کیا، ٹھنڈا پانی پلایا، اپنے دسترخوان پر بٹھایا، اس کی کوئی ضرورت ہوئی اس کو پورا کیا، لیکن جب عمومی خطاب کا موقع آیا، عمومی تحریر کا موقع آیا تو حق ادا کر دیا۔ اس سلسلہ میں آپ کی تحریروں کے بعض اقتباسات پیش خدمت ہیں

فرمایا:۔

"یہ حقیقت خواہ کتنی ہی تلخ، ناخوشگوار اور بہت سے لوگوں کے لئے نامانوس ہو، مگر یہ حقیقت ہے کہ ہم مسلمانوں میں کچھ مشرکانہ عقائد و اعمال پائے جاتے ہیں اور شرک جلی کے وجود کا بھی انکار نہیں کیا جا سکتا، اس کے اعتراف کے لئے تھوڑی سی قرآن فہمی اور کسی قدر اخلاقی جرأت کی ضرورت ہے اگر شرک کی کوئی حقیقت ہے اور وہ عنقا کی طرح کوئی خیالی و فرضی پرندہ نہیں اور اگر قوموں اور ملتوں کے لئے ایک ہی میزان عدل اور ایک ہی پیمانۂ انصاف ہے تو اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بہت سے مسلمان اس ذہنی گمراہی اور بے راہ روی میں مبتلا ہو گئے ہیں جس کو قرآن میں صاف صاف شرک کہا گیا ہے۔

(بعض مزاروں اور تعزیوں پر اس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے)۔

آگے فرماتے ہیں:۔

"اس سلسلہ میں علماء و واعظین وواقفین حال کا جو فرض ہے وہ محتاج بیان نہیں اور اس فرض کے "فرض کفایہ" کے درجہ میں بھی باقی نہ رہنے سے جس عمومی باز پرس اور مواخذہ کا خطرہ ہے وہ اہل نظر سے مخفی نہیں" (از مطبوعہ فولڈر اصلاح معاشرہ کمیٹی ندوۃ العلماء)۔

مسرفانہ تقریبات کے سلسلہ میں ایک تقریر میں فرمایا جو اب تحریر میں محفوظ ہے:۔

"شریعت کی روح، دین کے مزاج اور انسانی واخلاقی نقطہ نظر سے کسی طرح اس کا جواز نہیں نکل سکتا کہ جب ہزاروں لاکھوں افراد کی زندگی کی بنیادی ضرورتیں پوری نہ ہورہی ہوں، لاکھوں آدمیوں کو قوت لایموت حاصل نہ ہورہی ہو اور وہ جسم وجان کا رشتہ بھی قائم نہ رکھ سکتے ہوں، ملت کے لاکھوں بچے فیس اور کتابوں اور ضروری مصارف کے نہ ہونے کی وجہ سے تعلیم سے محروم ہوں، ہزاروں ادارے جو ملت کے لئے روح کا حکم رکھتے ہیں اور بیسیوں منصوبے جن کی تکمیل کے بغیر اس ملت کا وجود مشکوک اور اس کا مستقبل تاریک ہے موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا ہوں، اہل ثروت تجار، ذی حیثیت لوگ اپنے اولاد کی شادیوں، خوشی کی تقریبوں اور رسموں کی تکمیل میں پانی کی طرح روپیہ بہائیں۔

زمانہ کے بہت سے تغیرات وانقلابات اور علم وترقی کے باوجود اب تک مسرفانہ اور فضول خرچ شادیوں اور تقریبوں کا رواج بند نہیں ہوا، البتہ بعض جگہ انھوں نے جدید طرز اختیار کر لیا ہے اور سیاسی مصالح ومفاسد بھی کہیں کہیں ان سے وابستہ ہوگئے ہیں، آج بھی ہماری بہت سی برادریوں، تجارت پیشہ حلقوں اور [illegible] میں تقریبات پر جو بے تحاشا ضرورت اور دینی فریضہ سمجھ کر اور دل کھول کر اور جان پر کھیل کر روپیہ خرچ کرنے کا رواج ہے ان میں سے بہت سے حضرات اپنی دوسری عملی زندگی میں دیندار اور صاحب خیر بھی ہیں مگر انھوں نے اس شعبہ کو دین سے بالکل غیر متعلق سمجھ رکھا ہے اور اس میں اچھے اچھے لوگ اس آیت کا مصداق ہیں۔

" أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوَاهُ

(الفرقان : ۴۳)

(آپ نے اس شخص کی حالت دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے)"

جہیز کے سلسلہ میں ایک جگہ فرماتے ہیں:۔

"اس سلسلہ کی سب سے زیادہ قابل ملامت ونفرت اور غضب الٰہی بلکہ عذاب الٰہی کو دعوت دینے والی چیز لڑکی والوں سے زیادہ سے زیادہ جہیز کا مطالبہ اور فرمائشوں کی وہ فہرست ہے جو لڑکے یا لڑکے والوں کی طرف سے پیش کی جاتی ہے اور اس کو رشتہ کی شرط قرار دیا جاتا ہے"۔

نونہالان امت کی تعلیم وتربیت کا اہتمام بھی اصلاح امت کا اہم ترین شعبہ ہے بلکہ اس کی حیثیت ریڑھ کی ہڈی کی سی ہے جس کے بغیر اصلاح کے سارے منصوبے ناکام رہیں گے، اس خدمت میں بھی آپ کا مقام امتیازی رہا، دوران تعلیم ہی سے اس سے وابستہ ہوگئے، پہلے کامیاب مدرس اور پھر اپنے برادر اکبر جناب ڈاکٹر حکیم سید عبدالعلی حسنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد جون ۱۹۶۱ء میں ندوۃ العلماء کے ناظم ہوئے، اور زندگی کے آخری وقت ۳۱ر دسمبر ۱۹۹۹ء تک ناظم رہے، آپ کے دور نظامت میں ندوۃ العلماء اور اس کے دارالعلوم نے جو ترقی کی وہ ایک ریکارڈ ہے، آج ندوۃ العلماء اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کو عالم میں جو مقام حاصل ہے وہ اہل علم حضرات کو معلوم ہے۔

ظاہر ہے دارالعلوم ندوۃ العلماء یا دارالعلوم دیوبند جیسے اداروں میں ملت اسلامیہ ہندیہ کے سبھی بچوں کی نہ تو گنجائش اور نہ ہر ایک کے لئے اعلیٰ دینی تعلیم کی ضرورت لیکن "ضروریات دین" کی تعلیم ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے چاہے وہ مرد ہو یا عورت، جسے حکمت ومحنت سے ابتدائی درجات میں پورا کیا جاسکتا ہے، اس کے لئے ملک کے ابتدائی دینی مدارس کی سخت ضرورت تھی، اس سلسلہ میں قوم کے ایک مخلص وفعال رہنما جناب قاضی عدیل عباسی صاحب نے ۱۹۵۹ء میں ایک تحریک چلائی، دینی تعلیمی کونسل وجود میں آئی، ہمارے حضرت مولانا علی میاں صاحب رح روز اول سے اس دینی تعلیم کے قافلہ کے ساتھ رہے بلکہ صدارت کا منصب سنبھالا، اس کونسل نے اتر پردیش کے ہر ضلع میں انجمن تعلیمات دین قائم کی اور دینی مکاتب کا ایک جال بچھا کر بچوں کی دینی تعلیم میں ایک انقلاب برپا کر دیا، ملک کے دوسرے صوبوں نے بھی اس طرز کو اپنایا اور بچوں کی دینی تعلیم کا نظم کیا، حضرت مولانا علی میاں صاحب رح اس کونسل کے بھی تاحیات صدر رہے۔ اور اس کے ہر اہم جلسہ میں درد وسوز سے بھرا ہوا خطبہ صدارت پیش کیا اور دل ودماغ کو جھنجھوڑ دینے والی تقریریں فرمائیں جس سے کونسل کے حوصلے بھی بلند ہوئے اور عوام میں بیداری پیدا ہوئی۔

حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ملت کو بیدار کرنے اور ایمان و یقین کی دعوت کو گھر گھر پہونچانے کی مخصوص تحریک چلائی جو "تبلیغی جماعت" کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ اس دعوت سے شروع ہی سے وابستہ رہے، حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کام کیا، آپ خود حصہ لیتے اور اپنے متعلقین کو حصہ لینے کی ترغیب و دعوت دیتے، الحمد للہ اب یہ دعوت، عالمی دعوت ہو چکی ہے، یہ کام بھی اصلاح امت کا ایک اہم ترین شعبہ ہے۔

اسکول، کالج، یونیورسٹی، مدرسہ، دارالعلوم اور جامعہ وغیرہ کی تعلیم میں ایک نصاب کی تکمیل کرائی جاتی ہے، جامعات اور یونیورسٹیز میں اگر کوئی تحقیقی کام بھی ہوتا ہے تو ایک محدود اور متعین دائرہ میں، لہٰذا فکری رہنمائی، قلبی اصلاح، قوم و ملت کے لئے دردمندی اور جگر سوزی جیسی باتوں کے لئے کسی تجربہ کار رہنما کی رہنمائی اور حکیم دانا کی حکمت کی ضرورت ہوتی ہے، اس سلسلہ میں بھی آپ کی کارگزاریاں امتیازی حیثیت رکھتی ہیں کتنے اللہ کے بندوں نے آپ کی صحبت میں تزکیۂ نفس اور اصلاح قلب کی منزلیں طے کیں اور کتنے ذی علم حضرات نے آپ کی مفید ترین تالیفات جیسے "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر"، "ہندوستانی مسلمان"، "تاریخ دعوت و عزیمت"، "کاروان زندگی"، "پرانے چراغ" "دستور حیات" وغیرہ اور آپ کے کتابچہ جات پڑھ کر اپنی دنیا بدل دی۔ قصص النبیین اور القراءۃ الراشدہ نے تو بقول مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کے بچوں میں علم کلام کا کام انجام دیا۔

غرض کہ حضرت مولانا نے اتحاد ملت کی کوششوں میں اپنی زندگی کھپا دی اور اصلاح امت کی مساعی میں اپنی صلاحیتیں لگا دیں، الحمد للہ نتیجہ بھی بہت حد تک بہتر ہی رہا، حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ سے متعلق یہ موضوع ایک تحقیقی رسالہ (THESIS) کا محتاج ہے جس پر کوئی ضرور قلم اٹھائے گا، میں تو انھیں سطروں پر اکتفا کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کے درجات بلند فرمائے اور اس دنیا سے جانے کے بعد مجھے بھی حضرت کے جوار میں جگہ عطا فرمائے۔

لے دعوت فکر و عمل ص۳۳

ئے مسند احمد

سراپا نکہت اسلام بودہ

• مجیب احمد صدیقی مجیب کرنیل گنجوی

چہ خوب آں ساقیٔ گلفام بودہ — مئے حُبِّ نبیؐ در جام بودہ
علیؒ اَم بوالحسن آں آلِ سبطینؓ — شمیم گلشنِ اسلام بودہ
مفکّر ہم مورّخ ہم مفسّر — کثیر العِلم آں علّام بودہ
منّور کرد عالَم را علومش — ضیائے روم و مصر و شام بودہ
ز فضلِ رب شدہ مخدومِ عالم — ولیکن خادمِ اسلام بودہ
اُو در علم و عمل مہرِ جہانتاب — کہ از وے رونقِ اسلام بودہ
حیات آمد پئے اسلام قلمش — پئے اعدائے دیں صمصام بودہ
ہمہ سعی و عمل بُد از پئے دیں — حریفِ گردشِ ایّام بودہ
علیؒ نامش و اولادِ علیؓ ہم — سراپا نکہتِ اسلام بودہ
از اِندونیشیا تا ملکِ افرنگ — ہمہ سعی اش پئے اسلام بودہ
کلیدِ کعبہ زیبِ دستِ پاکش — بُرا لِش در حرم اِکرام بودہ
دلاں می یافتند آرام از وے — چہ خوب آں روئے دلآرام بودہ
شُنیدَم آنکہ از دارِ فنا رفت — کہ فخرِ عالمِ اسلام بودہ
فتادم در بُکا از قلبِ پُر خوں — بہ چشمِ اشکِ لالہ فام بودہ
یکم وسی دسمبر روزِ جمعہ — چوں صبحِ زندگی را شام بودہ

دِلم پُرسید از من سالِ وصلش
بگفتم ضیغمِ اسلام بودہ

ملت کے اتحاد کا دیتا رہا سبق
کرتا نہ تھا پسند کبھی باہمی نفاق

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

ایک جامع اور متوازن شخصیت

سید جعفر مسعود حسنی ندوی، مدیر تحریر بانگ درا لکھنؤ

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن
سنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ عوام کے دلوں کی
ڑکن تھے تو خواص کی عزت و آبرو، وہ دونوں
تھے اور دونوں ان کے اپنے، دونوں نے
، اس محبوب کی جدائی پر جہاں خون کے آنسو
ے وہیں عقیدت کے پھول بھی برسائے۔

عوامی سطح پر تعزیتی
وں کا سلسلہ تھا تو علم
فن کے متوالوں نے
، انجمن سجائی، محنت ان کو
بھلا وہ نہیں کرنی پڑی، ایک
ن تلاش کرنے، وہ موتی
ی گود میں آ گرنے۔ خود
موتیوں سے مالا مال ہوئے
آبدار موتیوں کا تحفہ دے کر اپنے سامعین کے
بھی روشنی کا سامان کر گئے۔

اس کے بعد باری آئی اخبار و رسائل اور
ے خصوصی شماروں کی، عوام کا تو کہنا ہی کیا
ن دل، صاف طبیعت، نہ دل میں کھوٹ نہ طبیعت
ں کدورت، عقیدت تھی، عقیدت کا اظہار کیا۔
یاں دیکھیں، دل سے سراہا، کارناموں پر نظر
ی تو صدق دل سے اعتراف کیا۔

خواص نے بھی فراخدلی کا مظاہرہ کیا
گروہی عصبیت، مسلکی منافرت اور نظریاتی

کشمکش سے بالاتر ہو کر حضرت مولانا کی خدمات کو سراہتے ہوئے ان کی وفات کو عالم اسلام کے لئے ایسا حادثہ قرار دیا جو صدیوں میں ایک ہی آدھ بار پیش آتا ہے۔

عقیدت کے اظہار، خدمات کے اعتراف اور قدر کے ان جذبات و احساسات کے ساتھ ساتھ بعض مضامین میں، ایک مخصوص طرز فکر رکھنے اور ایک خاص نقطۂ نظر سے دیکھنے کی وجہ سے اور سلبی ذہن رکھنے کی وجہ سے جو اس دور کے طرز تحقیق کی ایک خصوصیت بھی ہے، ایسے تبصرے بھی شامل ہو گئے جن سے حضرت مولانا کے بعض اقدامات اور نظریات کے بارے میں ذہنوں میں سوالات اور شبہات پیدا ہو سکتے ہیں۔ بعض تذکرہ نگاروں کو حضرت مولانا کی زندگی کا پورا مطالعہ کرنے اور ان کی شخصیت کے بنیادی عناصر کو قریب سے دیکھنے اور پرکھنے کا موقع بھی نہیں ملا، یا انھوں نے صرف ایک زاویہ سے حضرت مولانا کی زندگی کو دیکھنے اور ایک ہی زاویہ سے ان کی شخصیت کا تعارف کرانے کی کوشش کی۔ حالانکہ حضرت مولانا کی اصل خصوصیت جامعیت اور توازن ہے۔ جیسا کہ پروفیسر خورشید احمد نائب امیر جماعت اسلامی پاکستان نے اپنے تاثراتی مضمون میں اظہار کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"میں جب بیسویں صدی کی اسلامی فکر کی قوس و قزح پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے ان کا فکر و اسلوب ایک ایسا گلدستۂ علوم ہوتا ہے جس میں اس دور کے کئی اہم مفکرین اور داعیوں کے متفرق پہلوؤں کا اجتماع نظر آتا ہے، ان کے یہاں علامہ اقبال کا سوز و گداز، مولانا مودودیؒ کی عقلیت اور تصور دین کی جامعیت، علامہ شبلی اور مولانا سید سلیمان ندوی کا ذوق تاریخ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ مولانا محمد الیاسؒ، مولانا عبد القادر رائے پوریؒ، مولانا محمد زکریاؒ کی روحانیت کا امتزاج نظر آتا ہے۔ علی میاںؒ کے یہاں یہ سب ایک دوسرے کے ناقض نہیں، ایک دوسرے کی تکمیل کرنے والے ہیں اور یہی وہ نکتہ ہے جسے ناقدین علم و فن نے نظر انداز کر دیا ہے۔

ان کا اصل میدان تاریخ اور دعوت ہے، سیرت اور انسان سازی ہے، روح کی بیداری اور امت کی ترقی کے لئے اسلاف کے نمونہ کا احیاء ہے، ان کے یہاں خانقاہ

ان کا اصل میدان تاریخ اور دعوت ہے، سیرت اور انسان سازی ہے، روح کی بیداری اور امت کی ترقی کے لئے اسلاف کے نمونہ کا احیاء ہے، ان کے یہاں خانقاہاور جہاد، تزکیہ اور انقلاب یہ دونوں دھارے ساتھ ساتھ رواں نظر آتے ہیں، کبھی وہ ایک کو نمایاں کرتے ہیں اور کبھی دوسرے کو۔"

(پروفیسر خورشید احمد)

اور جہاد، تزکیہ اور انقلاب دونوں دھارے ساتھ ساتھ رواں نظر آنے میں کبھی وہ ... نمایاں کرتے ہیں اور کبھی دوسرے کو۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ جہاں ایک طرف علم و فضل، زہد و ورع، فقر و استغنا، اور حکمت و دانائی کی بیش بہا دولت سے مالا مال تھے وہیں دوسری طرف ان کی رگوں میں امام المجاہدین سید احمد شہید کا خون بھی اپنی پوری حرارت اور قوت کے ساتھ دوڑ رہا تھا۔ اگرچہ آپ کو کبھی تیر چلانے، تلوار اٹھانے اور نیزہ مارنے کی ضرورت پیش نہیں آئی لیکن لادینیت، اباحیت، مغربیت، قومی عصبیت، نسلی عصبیت، لسانی عصبیت اور جاہلی عصبیت کے خلاف آپ نے قلم و کاغذ، علم و فکر اور تقریر و تحریر سے وہ کام لیا جو سید احمد شہید اور ان کے رفقا نے تیغ و سناں سے لیا تھا۔ حضرت مولانا جذبہ جہاد کے نہ صرف یہ کہ داعی تھے بلکہ میدانِ جہاد کے ایک جانباز سپاہی تھے اور جہاد کی افضل ترین راہ پر گامزن تھے۔ مصر کے صدر جمال عبدالناصر ہوں، یا انورالسادات، ذوالفقار علی بھٹو ہوں یا آیت اللہ خمینی، اندرا گاندھی ہوں یا راجیو گاندھی، صدام حسین ہوں یا فہد بن عبدالعزیز۔

مسئلہ نسبندی کا ہو یا فقہ مطلقہ کا، عرب قومیت کا ہو یا کویت پر عراق کی یلغار کا، وندے ماترم کا ہو یا خاک وطن کی تقدیس کا، یکساں سول کوڈ کا ہو یا چار شادیوں پر پابندی کا، قومی دھارے میں شمولیت کا ہو یا اسلامی تشخص سے دست برداری کا۔ ہر موقع پر قارئین یہ محسوس کرسکتے ہیں کہ حضرت مولانا اپنی تحریروں اور تقریروں کے پس منظر میں صرف ایک عالم دین ہی نہیں، ایک مفسر اور مؤرخ ہی نہیں، ایک داعی اور ایک مصلح ہی نہیں بلکہ ایک جانباز سپاہی، اولوالعزم مجاہد اور عزیمت و استقامت کا کوہ گراں دکھائی دیتے ہیں۔ وہ جہاں ایک طرف طاغوتی طاقتوں، جابر حکومتوں اور مغرور و خود سر حکمرانوں کو للکارتے نظر آتے ہیں وہیں دوسری طرف اسلامی تحریکوں، مسلم تنظیموں اور دعوتی حلقوں کی غلط روش، غلط رجحان اور غلط طریقہ فکر پر پوری جرأت و بے باکی کے ساتھ نکیر کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ نہ انھیں حکومت وقت کا ڈر حق گوئی سے باز رکھتا ہے اور نہ ہی اپنے عوام کی ناراضگی ان کی زبان پکڑتی ہے، جہاد کا اتنا وسیع میدان جو حضرت مولانا کے حصہ میں آیا، اور جہاد کے اتنے کثیر مواقع جو حضرت مولانا کو ملتے رہے اور اس کے جو نتائج برآمد ہوئے وہ کم ہی کسی کے حصہ میں آئے ہوں گے۔

حضرت مولانا کے نزدیک جہاد صرف تیغ و سناں کے استعمال کا نام نہیں، تیغ و سناں کا وقت متعین اور اس کا دائرہ مقرر ہے اور اس کے اپنے کچھ اصول و ضوابط ہیں۔ جہاد اپنے اندر بڑی عمومیت رکھتا ہے۔ اس کا میدان بڑا وسیع اور اس کی شکلیں مختلف ہیں، اور وقت، حالات اور ماحول کے اعتبار سے وہ شکلیں بدلتی رہتی ہیں۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی سیاسی میدان کے آدمی نہ تھے اور نہ ان کے یہاں سیاسی چالوں، سیاسی حربوں اور سیاسی ہتھکنڈوں کی کوئی اہمیت و وقعت تھی۔ وہ خلوص کو کامیابی کی کنجی سمجھتے تھے اور ایمانی فراست کو کامیابی کی ضمانت، چنانچہ انھوں نے ایک مرتبہ سابق کانگریسی وزیر اعظم پی، وی، نرسمہا راؤ کو ان کی سیاسی قلابازیوں پر تنبیہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ "نرسمہا راؤ جی! سب سے بڑی سیاست خلوص کی سیاست ہے" اٹل بہاری باجپئی سے ایک ملاقات کے دوران صراحت کے ساتھ فرمایا کہ "اٹل جی! خدا کے یہاں سیاست نہیں چلتی خلوص چلتا ہے، خلوص کے ساتھ کام کیجئے کامیابی قدم چومے گی۔ ترقی کی راہیں کھلیں گی۔ اور فتح و کامرانی آپ کے قدم سے قدم ملا کر چلے گی"

حضرت مولانا خلوص کی طاقت کو سمجھتے تھے۔ مومن تھے، فراست ایمانی کی دولت سے مالا مال تھے آنے والے خطرہ کو پہلے سے ہی بھانپ لیا کرتے تھے اور خلوص کی طاقت پر یقین، خدا کی ذات پر اعتماد اور دعاؤں کی اثر انگیزی پر بھروسہ کرتے ہوئے میدان عمل میں نکل آتے تھے اور کامیابی کے مراحل اس طرح طے کرتے جاتے تھے کہ بڑے سے بڑا سیاسی مدبر بھی ششدر رہ جاتا تھا اور خلوص کے ہاتھوں سیاست کی شکست تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔

بعض کا خیال ہے کہ حضرت مولانا نے دعوت اسلامی کے سلسلہ میں کچھ زیادہ ہی احتیاط اور نرم روی سے کام لیا اور اس سلسلہ میں جو جارحانہ رخ اختیار کرنا چاہئے تھا وہ نہیں کیا۔

> "نرسمہا راؤ جی! سب سے بڑی سیاست خلوص کی سیاست ہے"۔ اٹل بہاری باجپئی سے ایک ملاقات کے دوران صراحت کے ساتھ فرمایا کہ "اٹل جی! خدا کے یہاں سیاست نہیں چلتی"

ج/تھوکرنے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے
ستان کے حالات کا شاید کبھی جائزہ نہیں
س حقیقت کو فراموش کردیا کہ ہندوستان
کی اشاعت جارحانہ انداز سے نہیں بلکہ
راز سے ہوئی ہے۔ صوفیائے کرام کی پاکیزہ
ر دل آویز شخصیتوں نے نمونہ بن کر
دہ لیا اور اپنے طرزِ عمل، طور طریق، محبت
، ہمدردی دلگساری اور ایثار و قربانی
لام کا ایسا اعلیٰ نمونہ پیش کیا کہ ہزاروں نہیں
د اسلام کی عظمت کا معترف ہونا پڑا ۔
ن الدین چشتیؒ، شیخ
ر جیلانیؒ، شیخ
دین یحییٰ منیریؒ،
نظام الدین اولیاءؒ
لمومنین سید احمد
، انفرادی کوششوں
میں اسلام قبول
الوں کی تعداد سامنے
ر پھر اس کا موازنہ
اد سے کیجئے جو اسلامی تحریکوں کی اجتماعی
ے سے اسلام کی طرف مائل ہوئی ہے تو صورتحال
کر سامنے آجائے گی۔

حضرت مولانا نے مسلکی، نظریاتی اور
ختلافات سے بلند ہو کر ہندوستان کی
احال کا مشاہدہ کیا، زندگی کی لازوال قدروں
ہی نگاہوں کے سامنے رکھا اور ایک ایسے
جو مختلف مذہبوں، مختلف تہذیبوں، مختلف
، اور مختلف قوموں کی آماجگاہ ہونے کی
، دوسرے ملکوں کے مقابلہ میں ایک جداگانہ
رکھتا ہے، جینے کا سلیقہ اور رہنے کے
بتائے۔

.... آپ کا کہنا تھا کہ اس ملک میں دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ مخالفانہ نہیں مصالحانہ زندگی گزارنے کی کوشش کی جانی چاہئے اور اس انداز سے کی جانی چاہئے کہ یہ مصالحت و مفاہمت ہمارے عقائد پر اثر انداز نہ ہو، تاکہ ایک دوسرے کے قریب آئے، ایک دوسرے کے مذہب کو سمجھنے اور ایک دوسرے کی خصوصیات سے واقف ہونے کا موقع مل سکے۔ اور یہ روش دعوت میں حائل نہیں بلکہ مفید ثابت ہوگی اور اسلام کی اشاعت کے لئے فضا کو ہموار کرے گی۔

اے۔ گوہاٹی یونیورسٹی (آسام) میں انگریزی کے پروفیسر ڈاکٹر تارا چرن رستوگی بس پر ایک سفر کر رہے تھے، راستے میں سموسے خریدے، کاغذ کے جس لفافے میں وہ سموسے تھے حسن اتفاق وہ پیام انسانیت کا حلف نامہ تھا جو شاید ردی میں بکنے کی وجہ سے تھیلی کی شکل اختیار کر چکا تھا رستوگی صاحب نے وہ حلف نامہ پڑھا اور اس سے متاثر ہوئے اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کو خط لکھ کر اپنے تاثر کا اظہار کیا۔

خواجہ معین الدین چشتیؒ، شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ، حضرت نظام الدین اولیاءؒ اور امیر المومنین سید احمد شہیدؒ کی انفرادی کوششوں کے نتیجہ میں اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد سامنے رکھئے اور پھر اس کا موازنہ اس تعداد سے کیجئے..... جو اسلامی تحریکوں کی اجتماعی کوشش سے اسلام کی طرف مائل ہوئے ہے تو صورت حال واضح ہو کر سامنے آجائے گی۔

حضرت مولانا کا خیال تھا کہ غیر مسلم اکثریت کے افراد کو متوجہ کرنے اور ان کے ذہن و ضمیر تک پہونچنے کا صرف ایک راستہ ہے اور وہ یہ کہ زندگی کے مشترک مسائل کا تذکرہ کیا جائے، انسانیت اور اخلاق کی باتیں کی جائیں اور انسان کو درپیش مسائل و مشکلات کے حل کی نشاندہی کی جائے۔ اور یہی وہ طریقہ ہے جو ان کو اسلام کا مطالعہ کرنے، مسلمانوں کو سمجھنے اور ان کو ان کا صحیح مقام دینے پر آمادہ کر سکتا ہے۔

حضرت مولانا کا یہ خیال کتنا حقیقت کے قریب تھا اور حضرت مولانا اپنے مقصد میں کس حد تک کامیاب تھے۔ اس کا اندازہ ان دو واقعات سے لگایا جاسکتا ہے۔

حضرت مولانا نے ان کے جذبات کی قدر کرتے ہوئے پیام انسانیت کی اپنی تقریروں کا ایک مجموعہ (ہندی میں) ان کو ارسال کر دیا۔ ان تقاریر سے وہ مزید متاثر ہوئے اور خاموشی کے ساتھ حضرت مولانا سے ملنے کے لئے ندوہ آگئے۔ دو چار دن حضرت مولانا کے ساتھ ایک اجنبی مہمان کی حیثیت سے رہے، حضرت مولانا کو قریب سے دیکھا، سمجھا اور پرکھا اور آسام روانہ ہو گئے۔ آسام پہونچ کر انھوں نے حضرت مولانا کو لکھا:

"آپ کی تقریروں سے میں اسلام کے ان پہلوؤں سے واقف ہوا جو اب تک میری نگاہوں سے اوجھل تھے، پھر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان پہلوؤں کو عملی شکل میں دیکھا اور تحریروں سے زیادہ آپ کی زندگی سے متاثر ہوا اور اب میرے پاس اسلام قبول کرنے کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں۔"

اس کے بعد تارا چرن رستوگی نہ صرف یہ کہ خود

مسلمان ہوئے بلکہ ان کی بیوی، لڑکا اور بہو بھی مسلمان ہو گئے۔

یہاں ان کے ساتھ پیش آئے ایک حادثہ کا ذکر بھی بے محل نہ ہوگا جس سے ہم مسلمانوں کے دعوتی جذبہ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ابھی چند سال قبل مکان کی چھت گر جانے کی وجہ سے رستوگی صاحب کے لڑکے اور بہو کا انتقال ہو گیا، تدفین کے لئے جب انھوں نے قبرستان میں جگہ لینی چاہی تو وہاں کے مسلمانوں نے ان کو جگہ دینے سے انکار کر دیا۔ بالآخر ان کو اپنے لڑکے اور بہو کو گھر کے آنگن میں دفن کرنا پڑا۔

۲۔ صوبہ بہار کے ایک شہر سیوان میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی تقریر کر کے ابھی بیٹھ ہی رہے تھے کہ ایک سن رسیدہ ہندو اسٹیج پر WONDERFUL WONDERFUL کے الفاظ کہتے ہوئے آگے بڑھے اور مائک پر آ کر کہا کہ میں نے اپنی زندگی میں دو تقریریں سنی ہیں جن سے سب سے زیادہ متاثر ہوا ہوں، ایک مسٹر C.R. DASS کی تقریر اور ایک آج مولانا صاحب کی اور میں صاف کہتا ہوں کہ محمد صاحب خدا کے سچے پیغمبر ہیں۔ مولانا صاحب آپ صرف مسلمانوں ہی کے نہیں ہم بھی آپ پر اپنا حق سمجھتے ہیں۔

حضرت مولانا کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ افہام و تفہیم کے ہی راستے سے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی جائے اور ایسی صورت حال ہرگز پیدا ہونے دی جائے جس سے یہاں کے اکثریتی فرقہ کے جذبات بھڑکنے کا اندیشہ ہو اور ان کے حریف بن کر سامنے آجانے کا خطرہ ہو، کیونکہ ایسی صورتحال پیدا ہو جانے پر مسلمانوں کو دو حریفوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ایک حکومت، دوسرے اکثریتی فرقہ، اور ان دونوں سے بیک وقت مقابلہ کرنا مسلمانوں کے لئے آسان نہ ہوگا۔ چنانچہ جذباتی تقریروں، اشتعال انگیز نعروں اور گرم اور بھڑکیلے بیانات سے بچنا چاہئے اور عوام کو سڑکوں پر لے آنے اور بھیڑ اکٹھا کرنے سے احتراز کرنا چاہئے، کیونکہ اس طرح کی تقاریر اور نعرے اور ہزاروں اور لاکھوں مسلمانوں کا اجتماع عام ہندو کے ذہن میں اندیشے پیدا کرنے لگتا ہے اور مسلمانوں کے سلسلہ میں ان کی حساسیت بڑھ جاتی ہے اور مسئلہ بجائے نبٹنے کے بگڑ جاتا ہے۔ جیسا کہ ماضی کے واقعات سے اندازہ ہوتا ہے۔

آج سے تقریباً ۲۲ سال قبل ۱۹۷۸ء میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اور کل ہند مسلم مجلس مشاورت کے اراکین کے استقبالیہ جلسے میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے جو تقریر فرمائی تھی اور اس میں جس موقف کو اختیار کرنے کی تلقین کی تھی، ۲۲ سال گزر جانے کے بعد بھی اسی موقف کو اپنانے پر زور دیتے رہے۔ آج زمانہ اس موقف کی افادیت تسلیم کرے یا نہ کرے، آئندہ دس بیس سال میں اس موقف کی افادیت محسوس کرتے ہوئے اس کو ضرور اپنانا پڑے گا، لیکن شاید وقت......

حضرت مولانا نے اس تقریر میں قائدین ملت سے بڑے دردمندانہ انداز میں اور خلوص کے ساتھ فرمایا تھا کہ "مسلمان کی یہ کمزوری ہے کہ وہ ایک نعرہ میں دیوانہ ہو جاتا ہے، اپنا توازن کھو بیٹھتا ہے، وہ نعرہ کیوں لگایا جائے جس سے مسلمان پر جنون کا دورہ پڑے اور وہ اپنا توازن کھو بیٹھے۔ نعروں کا زمانہ گیا، میں صفائی کے ساتھ کہتا ہوں کہ آپ تعمیری کام کرنے والوں کو دس برس کی مہلت دے دیجئے اور قوم کو اشتعال، جذبات اور سیاسی ہنگامہ آرائی کے دھارے میں نہ بہائیے، افراد کو خیرات دی جاتی ہے۔ میں قوم کے لئے، ملت کے لئے آپ سے خیرات مانگتا ہوں کہ آپ دس برس کی مہلت دے دیجئے، تاکہ ہمارے غیر مسلم بھائی اور ملک کی اکثریت کا ذہنی توازن نارمل ہو جائے، ان میں معقول بات سننے کی صلاحیت پیدا ہو جائے اور مسلمانوں کا ذہن بھی طوفانی دریا کی مانند ہو جائے کہ جس میں ہمارے ادارے بھی

آپ کی تقریروں سے میں اسلام ان پہلوؤں سے واقف ہوا جو اب تک میری نگاہوں سے اوجھل تھے، پھر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان پہلوؤں کو عملی شکل میں دیکھا اور تحریروں سے زیادہ آپ کی زندگی سے متاثر ہوا۔ اور اب میرے پاس اسلام قبول کرنے کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں۔ اس کے بعد ناراجن رستوگی نہ صرف یہ کہ خود مسلمان ہوئے بلکہ ان کی بیوی، لڑکا اور بہو بھی مسلمان ہو گئے۔

افراد کو خیرات دی جاتی ہے۔ میں قوم کے لئے، ملت کے لئے آپ سے خیرات مانگتا ہوں کہ آپ دس برس کی مہلت دے دیجئے، تاکہ ہمارے غیر مسلم بھائی اور ملک کی اکثریت کا ذہنی توازن نارمل ہو جائے، ان میں معقول بات سننے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔

رصدیوں کا اثاثہ ملیامیٹ ہو جائے۔"

حضرت مولانا کا مزاج تحریکی تھا اور یہی
جہ ہے کہ وہ ہمیشہ کسی نہ کسی تحریک سے وابستہ رہے
اعت اسلامی میں شمولیت اختیار کی، لیکن بعض
ز اسباب کی بنا پر اس سے کنارہ کش ہو گئے،
لیغی جماعت سے وابستہ ہوئے اور عرب دنیا میں
ں کے تعارف کا ذریعہ بنے، مسلم مشاورت کی داغ
یل ڈالنے میں نمایاں کردار ادا کیا، دینی تعلیمی کونسل
ی بنیاد ڈالی اور اس کے پیغام کو عام کرنے کے
لئے گاؤں گاؤں اور قصبہ قصبہ دورے کئے، مسلم پرسنل لا
رڈ کے صدر منتخب ہوئے اور اپنی حکمت عملی سے
ں کو وہ وقار بخشا کہ حکومت بھی اس کے آگے جھکنے
ر مجبور ہوئی اور وہ اعتبار دیا کہ ہر حلقہ اور ہر طبقہ کا
سلمان اس کے فیصلہ کو اپنا فیصلہ
رار دینے لگا، تحریک ندوۃ العلماء
کے لئے تو گویا آپ کی ساری
لاحتیں اور ساری توانائیاں
ف تھیں اور شاید ہی آپ کی
ندگی میں کوئی لمحہ ایسا آیا ہو کہ
ب کا دل تحریک ندوۃ العلماء سے
افل ہوا ہو۔ تحریک پیام انسانیت
ا مذکورہ بالا تحریکات سے
نف ایک تحریک تھی جو حضرت
لانا کی بصیرت اور فراست کا ایک کھلا ثبوت تھی۔
ر ہندوستان جیسے کثیر المذاہب ملک میں دوسری
ام تحریکات سے زیادہ مفید ثابت ہو سکتی تھی،
کن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ ہندوستان
ادہ واحد تحریک تھی جس کی افادیت تو سب کو
علم تھی لیکن اس کے مشن کو عام کرنے، اس کے
وگرام کو آگے بڑھانے اور اس کو منظم اور مربوط شکل
یں سامنے لانے سے کسی کو دلچسپی نہ تھی۔ اس لحاظ سے
ہندوستان کی سب سے مظلوم تحریک کہی جاسکتی

ہے جو حضرت مولانا کی حیات تک مظلوم ہی رہی۔
اور سوائے ان چند حقیقی انسانوں کے جن کے پاس
پرنم آنکھ، درد مند دل، اور محبت کا سرمایہ تھا، کوئی
بھی اخلاص، سنجیدگی اور مستقل مزاجی کے ساتھ اس
کام کے لئے آگے نہیں آیا۔

حضرت مولانا تحریکی مزاج رکھتے تھے اور
زبانی نہیں عملی طور پر تحریکات سے وابستہ رہتے
تھے، لیکن ان تحریکات کو مقصد نہیں مقصد کے
حصول کا ذریعہ سمجھتے تھے اور تخریبی نہیں تعمیری خطوط
پر ان کی راہ متعین کرتے تھے۔ وہ تحریک میں جمود
کے قائل نہیں تھے۔ چنانچہ یہی وجہ تھی کہ وہ صورتحال
کی تبدیلی دیکھ کر طریقہ کار کی تبدیلی کی دعوت دیا
کرتے تھے۔

حضرت مولانا تحریکات کی ضرورت محسوس
کرتے تھے اور اس کی افادیت تسلیم کرتے تھے لیکن
اسی وقت تک جب تک وہ تحریکات مقصد کو پورا
کرتی ہوں، لیکن اگر ان تحریکات کی وجہ سے مقصد
پر آنچ آنے لگتی اور تعمیر کے بجائے تخریب کا پہلو
سامنے آنے لگتا تو ان تحریکات سے کنارہ کشی
اختیار کرنے میں ذرا بھی تامل سے کام نہیں لیتے تھے۔

حضرت مولانا کا خیال تھا کہ جس طرح تحریک
کا ایک مزاج ہوتا ہے اسی طرح ملک کا بھی اپنا ایک
مزاج ہوتا ہے اور وہ تحریک جس میں اس ملک کے
مزاج کی رعایت نہ ہو زیادہ مؤثر اور کارگر نہیں
ہو سکتی، بلکہ بسا اوقات مفید ثابت ہونے کے
بجائے مضر اور مہلک ثابت ہوتی ہے۔ لہٰذا کسی
تحریک کو چلانے سے پہلے اس ملک کے حالات،
ماحول اور سوچ و فکر کا جائزہ لینا اور اس کی رعایت
کرتے ہوئے اس تحریک کے خدوخال تیار کرنا
ضروری ہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی
"ایک ملت" کے تصور پر پختہ ایمان رکھتے تھے، فرقہ
واریت اور گروہی عصبیت کو وہ اجتماعیت اور
وحدت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ قرار
دیتے تھے۔ اسلام کے آفاقی اور ہمہ گیر پیغام کو وہ
مسلکی اور جماعتی دائروں میں
مقید کرنے کے خلاف ہمیشہ آواز
اٹھاتے رہے۔ ان کا کہنا تھا کہ
اسلام کے فروغ کے لئے قائم
کردہ جماعتیں اور تنظیمیں اگر ملت
کے اجتماعی مفاد سے ٹکرانے
لگیں تو ان جماعتوں، تحریکوں
اور تنظیموں کو حرف غلط کی طرح
مٹا دینا چاہئے۔
وہ کہتے ہیں:-

"ایک قربانی آپ کو اس ملک میں یہ دینی
ہے کہ ملت کے مفاد کو اپنے مفاد پر، جماعت
کے مفاد پر، برادریوں کے مفاد پر، اور یہاں
تک کہ عرض کرتا ہوں کہ ملت کی ضرورت
کا جو عنوان اور راستہ ہم نے تجویز کیا
ہے اس پر بھی آپ ملت کے مفاد کو مقدم
رکھیں۔ اس لئے کہ جماعتیں ملت کے
لئے ہیں، ملت جماعتوں کے لئے نہیں۔
مولانا محمد یوسف صاحب..

مولانا محمد یوسف صاحب امیر جماعت اسلامی ہند یہاں بیٹھے ہوئے
ہیں، میں نے ہندوستان میں مسلم مجلس مشاورت کے
پلیٹ فارم پر بھی یہ بات کہی تھی، اس وقت بھی اس
پر ایمان رکھتا تھا اور اب بھی ایمان رکھتا ہوں
کہ اگر ملت کے مفاد کا تقاضا ہو کہ حرف غلط کی
طرح جماعتوں کو مٹا دیا جائے تو میرے اخلاص کا
تقاضا ہوگا کہ سب سے پہلے میں اسے قبول کر لوں۔

باقی ص۲۵ پر

یگانۂ روزگار، میر کاروانِ اربابِ علم و دانش حضرت مولانا
سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نور اللہ مرقدہ کی وفات پر

تأثراتِ قلبی

عرفی گنج مرادآبادی

شدت غم آج مجھ کو اس طرح تڑپا گئی — زندگی حسن و جمالِ زیست سے اکتا گئی
اضطرابِ دل کو دیوانہ بنا دیتی خرد — وہ تو یہ کہئے جنوں کی معرفت کام آگئی
آدمی کو فطرتاً رہتا ہے یوں تو پاسِ مرگ — پھر بھی کتنا جاں گسل، جاں سوز ہے احساسِ مرگ
برف کے مانند گھل جاتے ہیں انسانوں کے جسم — "شعلہ زا" ہوتی ہے کتنی گرمیٔ انفاسِ مرگ
علم ہے لیکن انھیں جو بھی ہیں دانائے حیات! — "موت" تو ہے در حقیقت خود بھی شیدائے حیات
عقل کے زندانیوں کو یہ نہ ہو شاید خبر! — "موت" تو ہے غازۂ رخسارِ لیلائے حیات
"موت" خوفِ مرگ ہے! ذوقِ شہادت زندگی — "موت" دنیا کی ہوس! فقر و قناعت زندگی
موت کو خود مرحمت کرکے حیاتِ جاوداں — اس کے زیرِ سایہ کرتی ہے عبادت "زندگی"
زندگی کی شمع جلتی ہے حرم کے طاق میں — زندگی کا جشن ہے قرآن کے اوراق میں
زندگی کے نور سے روشن ہے ساری کائنات — زندگی کے دل کی دھڑکن! سینۂ آفاق میں
اور "تو" اس عہد میں ہے زندگی کا ترجمان — "موت" تیرے پاس آئے اس میں یہ طاقت کہاں
ہاں! وہ جب بھی آئے گی لے کر پیامِ وصلِ دوست — تو یقیناً آئے گی بن کر حیاتِ جاوداں!
اے "علیؔ" تو ہے حقیقی وارثِ خیبر شکن! — تو ہے "باب العلم" اپنے عہد کا اے بوالحسنؒ
عصرِ حاضر میں نہیں ہے کوئی بھی ثانی ترا! — معترف ہیں اس حقیقت کے سبھی اربابِ فن
کتنا محکم اپنے خالق پر ہے تیرا اعتماد — حق کی خاطر عمر بھر کرتا رہا ہے تو جہاد
تیری شخصیت نہیں ہوگی کبھی مرگ آشنا — "موت" خود کہتی ہے تیری زندگی سے زندہ باد
"موت" کا پڑنے نہ دے گی تجھ پہ سایہ زندگی — ہے تری فرقت کے پس منظر کا جلوہ زندگی
تیرے جوئے عشق کی موجوں میں رقصاں ہے حیات — تیرے بحرِ علم کا ہے قطرہ قطرہ زندگی!!
تیرا حسنِ گفتگو! تفسیرِ قرآنِ مجید! — "طالبِ حق" سن کے کہتے ہیں جسے "ھل من مزید"
"نازشِ نطقِ غزالیؒ" تیرا اندازِ خطاب — "تیری حق گوئی" مثالِ سید احمد شہیدؒ
ہو مبارک تجھ کو اے پیغمبرِ فصلِ بہار! — سر پہ تیرے ضو فشاں ہے پرچمِ عز و وقار!
اس علَم پر یہ لکھا ہے جس کے تو سایہ میں ہے — "لافتیٰ الا علیٰ، لا سیف الا ذوالفقار"
زندگی پر موت عرفیؔ فتح پا سکتی نہیں — موت شمعِ علم پھونکوں سے بجھا سکتی نہیں

وقف کرتے ہیں جو راہِ حق میں اپنی زندگی
موت ان اللہ کے پیاروں کو آ سکتی نہیں

اے عالمِ جلیل و مفکر علی میاں

مجیب الغفار اسعد اعظمی

اے عالمِ جلیل و مفکر علی میاں
تیرے غمِ وفات سے تاریک ہے جہاں
لاریب تیری ذات تھی عالم میں معتبر
سارے جہاں کا درد تھا دل میں ترے بہ
تو ہند میں تھا ملتِ بیضا کا پاسباں
علم و ادب میں کوئی نہ تھا تجھ سا نکتہ داں
حیّ علی الفلاح تھا تیرا نفس نفس
اے کاش اور جیتا تو دنیا میں سو برس
سب مدرسے وفات سے تیری ہیں دردمند
روتے رہیں گے مدتوں ندوہ و دیوبند
تیرا وجود مدرسہ و خانقاہ تھا
باطل سے جنگ کے لئے تو خود سپاہ تھا
آفاق میں تھی ذات تری ایسی ارجمند
سارے جہاں میں مسلم ہندی تھا سربلند
مسلم پہ جب بھی ڈالی کسی نے غلط نگا
ہر وقت تیری سمت سے ہوتا تھا انتبا
انسانیت سے سچ ہے بہت تجھ کو پیار تھا
اس کے پیمبر دل میں بھی تیرا شمار تھا
حق گوئی تیری شان تھی تیرا شعار تھ
تیرا وجود رحمت پروردگار تھ
تیرے فراق سے مری آنکھیں ہیں اشکبار
پائیں گے آہ! تجھ سا کہاں کوئی غمگسار
ہم ہوگئے یتیم ترے انتقال سے
منہ کو کلیجہ آئے ہے فکر مآل سے
اسعدؔ کی یہ دعا ہے بدرگاہ ذوالجلال
وہ تیری مغفرت کرے محشر میں بال بال

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی تربیت

تعلیم و مطالعہ اور تصنیفات کے آئینے میں

مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہری۔ استاذ ادب دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جس طرح اشعار اور کتابوں کے انتخاب سے پسند کرنے والے کی سیرت و کردار، ذوق نفسیات اور عقلی سطح کا اندازہ ہوتا ہے اسی طرح کسی مصنف کی علمی، فکری اور تحقیقی کاوشوں کے علمی و دعوتی فوائد کا انحصار اس پر ہوتا ہے کہ ان کی علمی و ادبی ترقی و استعداد میں کن کتابوں اور شخصیتوں نے بنیادی کردار ادا کیا ہے، اسلیے زیر مطالعہ کتابوں کی نوعیت، معیار، مطالعہ کی کیفیت، استفادہ کی صلاحیت، نیز ان موضوعات سے ذوق و مناسبت کا عکس تصنیفات پر لازمی طور سے پڑتا ہے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی سیرت کی تشکیل و تعمیر، کردار کی پختگی، علمی و ادبی استعداد کی نشو و نما اور بنیادی علوم میں ملکہ درسوخ میں جہاں خاندانی خصوصیات اور گھریلو ماحول نے فیصلہ کن رول ادا کیا وہیں مشفق مربیوں نے حکیمانہ تربیت اور مناسب وقت پر مناسب کتابوں کے مطالعہ کی رہنمائی نے آگے کی طرف قدم بڑھانے میں مدد دی، اس طرح خوب سے خوب تر اور زیبا سے زیبا تر کی طرف مولانا کا سفر آخر تک جاری رہا۔ یہ تربیت ہی کا اثر تھا کہ بجز قرآن مجید کے کسی ایک کتاب سے (خواہ وہ کتنی ہی شاندار اور پُر جلال علمی اصطلاحات میں ہو) ان کی سیری نہیں ہوئی۔ مولانا کی جہد مسلسل کا اندازہ ان کے اس پسندیدہ شعر سے کیا جاسکتا ہے جو وہ اکثر گنگنایا کرتے تھے۔

نشانِ منزلِ جاناں ملے ملے نہ ملے
مزے کی چیز ہے یہ ذوقِ جستجو میرا

یا یہ شعر:

جز ذوقِ طلب، جوشِ سفر، کچھ اور ہمیں منظور نہیں
اے عشق بتا اب کیا ہوگا کہتے ہیں کہ منزل دور نہیں

یہ ذوق جستجو اور جہد مسلسل ان کی زندگی کا رفیق رہا۔ اِدھر والذین جاهدوا فینا پر عمل اُدھر لنهدينهم سبلنا کی بشارت، یہی اندازہ ان کی روحانی ترقی کے بارے میں کیا جاسکتا ہے۔[۱]

مولانا نے جس کتاب کو پڑھا (اور عام طور پر وہ اپنے موضوع پہ منتخب ہوا کرتی تھی) اس کو پوری طرح ہضم کر لیا۔ مثالی کتابوں کی تقلید اور نقل میں سیکڑوں صفحات لکھ ڈالے پھر جب تصنیف و تالیف کی طرف متوجہ ہوئے تو اس ذوق جستجو اور طلب کی بدولت ایک مقالہ یا چند صفحات کا مضمون یا ایک خیال پوری کتاب کی صورت اختیار کر جاتا۔ لیکن بحث و تحقیق کا معیار، زبان کی شیرینی اور شگفتگی، الفاظ کے انتخاب میں ٹیپر یچر کی سطح کسی طرح بھی متاثر نہ ہوتی اس میں جہاں نزہۃ الخواطر کے بار بار مطالعہ کو دخل تھا وہیں مایہ ناز استاذ شیخ خلیل عرب اور ہلالی جیسے نادرۂ روزگار اساتذہ کے ہاتھوں ادبی ذوق کے پروان چڑھنے کا بھی حصہ ہے۔ مولانا حیدر حسن خاں جیسے محدث جلیل کے طرز تحقیق سے مولانا نے اپنے تصنیفی کاموں میں فائدہ اٹھایا۔ فرماتے تھے کہ جس کو داعی اور مصنف بننا ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ کچھ عرصہ تک تدریس کا مشغلہ اختیار کرے، اس سے علمی استعداد میں پختگی، مطالعہ میں وسعت اور محنت کی عادت ہوتی ہے اور کلموا الناس علی قدر عقولهم کا تجربہ ہوتا ہے جو دعوتی کام کے لئے ضروری ہے۔

مولانا نے اپنے جلیل القدر استاذ مولانا حیدر حسن خاں کے طرز تدریس و تحقیق کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک بڑی بنیادی بات کی طرف اشارہ کیا ہے: "بعض اوقات مسائل کی تحقیق کے سلسلہ میں قرآن و حدیث کے ایسے الفاظ آجاتے تھے جن کا مفہوم متعین کرنے میں اہل زبان مختلف الخیال ہیں۔ ایسے مواقع پر علمائے معانی و بیان اور ائمہ لغت کی اہم تصانیف کھلتیں، کلام عرب سے استشہاد ہوتا، الفاظ کی حیثیت اور مختلف زمانوں میں ان کے استعمال کی تاریخ پر نظر ڈالی جاتی اور بڑی کدو کاوش کے بعد رائے قائم کی جاتی[۲]"

مولانا کے فکر کی تشکیل میں سیرت نبوی، تاریخ و تذکرے، سوانح حیات اور ادبی کتابوں نے بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ فتوح الشام کے منظوم ترجمہ صمصام الاسلام اور مسدس حالی نے دینی ثقافت کے پودے

کو علمی وجذباتی طور پر بالیدگی عطا کی اور عام معلومات و استعداد میں اضافہ ہوا، منفی طور پر مولانا کے دل میں عیسائیوں کے خلاف ایک ایسا حریفانہ جذبہ اور عناد پیدا ہوا جس پر کسی ملک کے مقامی حالات و مسائل کبھی غالب نہ آسکے۔ قاضی سلیمان منصور پوریؒ کی وجد آفریں کتاب رحمۃ للعالمین نے اس محبت (محبت رسول) سے آشنا کیا جس کے بغیر یہ زندگی خاک اور سارا عالم خس و خاشاک ہے۔ آگے چل کر مولانا سید سلیمان ندویؒ کی کتاب خطبات مدراس نے مولانا کو سب سے زیادہ متاثر کیا اور حدیث و سیرت کے نئے نئے پہلو سامنے آئے اور اس عہد انقلاب میں اہل علم اور تعلیم یافتہ غیر مسلموں کے سامنے حدیث و سیرت پیش کرنے کی راہ معلوم ہوئی؎

عربی کی عبارت صحیح پڑھنے اور صرف و نحو کے ضروری مسائل کے جزو دماغ بن جانے میں مولانا سید طلحہ حسنی کا خاص درجہ تھا، ان سے جہاں اور بہت سے علمی فوائد حاصل ہوئے وہیں ذہنی تربیت ہوئی اور تاریخی شعور بیدار ہوا۔ ثقافت میں تنوع اور وسعت پیدا ہوئی؎

دوسرا بنیادی فائدہ ان کی صحبت سے یہ ہوا کہ سلف کی عظمت، متقدمین کے مراتب سے واقفیت اور ائمہ اہل سنت و محدثین کی محبت و عقیدت پیدا ہوئی، تفاسیر و احادیث اور سیر و تراجم کی کتابوں کی اہمیت علمی و فنی خصوصیت اور فرق مراتب معلوم ہوئے؎

مولانا نے سب سے پہلے عربی زبان سیکھی اس کے بعد ان ادبا کی کتابوں کو ہضم اور ان کے رنگ میں لکھنے کی کوشش کی جو صاحب طرز ادیب اور مستقل مکتب فکر رکھتے تھے۔ ابن المقفع، جاحظ، عبدالقاہر جرجانی، بحتری، متنبی کے علاوہ حماسہ، نہج البلاغہ (حصہ مکاتیب) کو مثالی سمجھ کر ان سے بھرپور استفادہ کیا۔

ہلالی صاحب کے ذریعہ عربی زبان و ادب کے بہت سے مبادی و بدیہیات اور زبان کی تعلیم کے بہت سے حقائق و اصول سے براہ راست واقفیت ہوئی۔ ان سے سلف جیسی احتیاط، علمی تورّع، اہل لغت جیسا اتقان، علمائے نحو جیسی پختگی اور اہل زبان جیسی شیریں نوائی و خوش گفتاری سیکھی، ان کی صحبت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ادب خیالات کے اظہار کا بلند اور فنی اور ترقی یافتہ ذریعہ ہے جو تمدن و تخیل کی ترقی سے پیدا ہوتا ہے اور اس کی قبل از وقت تعلیم ضیاع وقت ہے۔ دوسری حقیقت یہ معلوم ہوئی کہ زبان کو بغیر ترجمہ کی مدد کے پڑھانا چاہیے۔ حریری، متنبی اور حماسہ عربی ادب کی اعلیٰ کتابیں ہیں جنھیں زبان کی تعلیم کے بعد عربی ادب کی تکمیل کرنیوالے فضلا کو پڑھنا چاہیے؎

دینی عناصر کی تخم ریزی بچپن میں ہو چکی تھی، گھر کے دینی ماحول نے ان کو پروان چڑھایا آغاز شباب میں اپنے بڑے بھائی ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی، پھوپھا سید طلحہ حسنی اور اپنے استاذ شیخ خلیل عرب کی رہنمائی و نگرانی میں جن کتابوں کا مطالعہ اور ان کے اثرات قبول کئے ان میں سورۂ زمر کے ذریعہ توحید کا درس تھا جس کو شیخ خلیل عرب نے بڑے ذوق و شوق سے پڑھا اور دل و دماغ میں توحید خالص کا نقش، نقش دوام بن گیا، کتاب التوحید کا باب بھی انھوں نے بڑے جوش و جذبے سے پڑھا۔ ابوالنصر مروزی کی موثر طاقتور کتاب قیام اللیل ابن القیم کی زاد المعاد، الجواب الکافی، ابن تیمیہ کی تفسیر سورۃ النور جیسی کتابوں نے نوجوانی میں بہترین نگراں و اتالیق اور اخلاقی محتسب و ناصح کا کام کیا۔

خواجہ نظام الدین اولیاء کے ملفوظات فوائد الفواد، شاہ غلام علی کی درّ المعارف مجدد الف ثانی اور شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کے مکتوبات کے مطالعہ سے مولانا کے قلب نے گرمی اور نرمی محسوس کی۔ درد و محبت، سوز و گداز سے بھرے ہوئے واقعات اور درد و محبت میں ڈوبے ہوئے اشعار اور فقرے دل پر نقش ہوئے۔ امام غزالی کی احیاء العلوم کے مطالعہ نے دل پر بجلی کا سا اثر کیا، مگر یہ مطالعہ جاری نہ رہ سکا۔ اس میں ڈاکٹر عبدالعلی صاحب کی بصیرت کو دخل تھا۔ جن کے نزدیک اس کے مطالعہ کے شغف سے بعض غیر معتدل رجحانات کے پیدا ہونے کا اندیشہ تھا۔ اس حکیمانہ تربیت کا اثر تھا کہ فلسفہ، تصوف و اخلاق کے نکات و مباحث نے جو متاخرین صوفیا کی کتابوں میں بکثرت ملتے ہیں، مولانا کو کبھی متاثر نہیں کیا۔ وہ افراط و تفریط سے الگ اعتدال کی راہ پر ہمیشہ گامزن رہے

مجدد الف ثانی اور شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کے مکتوبات کے مطالعہ سے علم کلام کا ایک نیا عالم سامنے آیا۔ مکتوبات مجددی کے آخر میں سنت و بدعت کے بارے میں مجددانہ کلمات [illegible] تحقیقات سے مولانا کو بڑا شرح صدر اور ان کے ایمان و یقین میں اضافہ ہوا۔ نیز دور اکبری کی جہاں گیری میں دین کی نصرت و حمایت کے سلسلہ میں مکتوبات نے دینی حمیت و غیرت کو بیدار کیا۔ [illegible] دین کی حرارت پیدا کی؎ اسی طرح شاہ ولی اللہ دہلوی کی بے نظیر کتاب حجۃ اللہ البالغہ اور ازالۃ [illegible] کے بالاستیعاب مطالعہ سے شاہ صاحب کی باریک [illegible]

کا اثر قائم ہوا۔ علمی و اصولی مباحث اور متکلمانہ و فلسفہ آمیز کتابوں کے سمجھنے کی استعداد پیدا ہوئی الفوز الکبیر کے مطالعہ نے ذہن کی بہت سی گرہیں کھول دیں۔ شاہ صاحب کی شخصیت اور تحقیقات سے مولانا جتنے متفق اور متاثر ہوئے اس کی بنا پر انھوں نے اپنی فکری اور علمی نسبت شاہ صاحب ہی کی طرف کی ہے، اسلئے کہ انھیں ہی پورے تعلیمی و فکری نسب اور شجرہ کو مولانا ختم سمجھتے تھے۔

مولانا نے درسی اور متداول اور بعض غیر متداول ضخیم تفسیریں لفظ بلفظ دیکھیں لیکن ان کو اصل فائدہ متن قرآن کے سادہ اور بار بار پڑھنے سے ہوا۔ نیز قرآن مجید سے بہرہ ور ہونے کے لئے مولانا کی نگاہ میں دو چیزیں سب سے زیادہ مفید ثابت ہوتی ہیں ایک علوم نبوت اور مزاج نبوت سے مناسبت رکھنے والے ایسے اشخاص کی صحبت و معاشرت اور جن کی زندگی کان خلقہ القرآن کا پرتو ہو۔

دوسری چیز یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام جن راستوں پر چلے ان پر چلنے سے قرآن مجید کھلتا ہے مولانا کے نزدیک ہر وہ چیز جو علوم نبوت کے چشمہ سے نہ آئی ہو، مشتبہ اور الفاظ کا طلسم معلوم ہوتا ہے، تسکین صرف وحی و نبوت کے راستہ سے آئے ہوئے علم سے ہوتی ہے، جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا تک پہونچایا اور، جو وحی کی زبان میں قرآن مجید اور عربی زبان میں حدیث میں محفوظ ہے۔

حضرت سید احمد شہید کے ملفوظات کے مجموعے صراط مستقیم کے مطالعہ کا یہ فیض ہوا کہ علوم نبوت سے وحشت اور اجنبیت جو وضعی و صناعی علوم و تصنیفات سے پیدا ہوتی ہے۔ دور ہوئی اور اس کی تمیز ہوئی کہ علمی اصطلاحات اور زمانہ کی زبان کے بغیر بھی علوم و حقائق ادا کیے جاسکتے ہیں اور کتابوں کے راستہ کے علاوہ اور بھی راستے ہیں جن سے وہ علوم آتے ہیں جو کتابوں کے صفحات میں مقید نہیں کیے جاسکتے ہیں، ایسا بھی ممکن ہے کہ مغز ہو چھلکے نہ ہوں، معانی ہوں زیادہ الفاظ نہ ہوں، متن ہو حواشی نہ ہوں۔

نصاب و نظام تعلیم و تربیت کے متعلق اصلاحی و تجدیدی خیالات کا تخم مولانا کے دماغ پر شیخ خلیل عرب اور شیخ ہلالی کی مجالس میں پڑا۔ دار العلوم ندوۃ العلماء کے ماحول اور لٹریچر نے اس کا نشو ونما کیا۔ ندوۃ العلماء کا تخیل اور دین و دنیا کی ہم آمیزی اور علماء اور اہل دین کی قیادت کی ضرورت و اہمیت کا احساس مولانا حبیب الرحمن شروانی کے اس خطبۂ صدارت سے وضاحت و قوت کے ساتھ مولانا کو ہوا۔ جو ندوۃ العلماء کے اجلاس سنہ ۱۹۲۴ء میں پڑھا گیا۔ پھر مزید مطالعہ سے مولانا کا یقین اور اطمینان بڑھتا گیا۔ یہ دونوں چیزیں ان کے علمی عقائد اور نظریات کا جزء بن گئیں۔

مغربی تہذیب و نظام سے مولانا کو نفرت اصل میں ان کے بڑے بھائی ڈاکٹر عبد العلی اور پھوپھا سید طلحہ حسنی کی صحبتوں اور مجلسوں سے پیدا ہوئی۔ اس نفرت کو جو زیادہ تر قلبی تھا مولانا دریابادی کے رسالہ سچ اور صدق کے پرچوں نے مستحکم اور دماغی بنا دیا، لیکن مغربی تہذیب کی تاریخ کو سمجھنے اور لادینیت و مادیت کے ارتقاء کی اس منزل کی توجیہ میں ڈریپر کی کتاب معرکۂ مذہب و سائنس اور لیکی کی تاریخ اخلاق یورپ نے بڑی مدد دی۔ ان دونوں کتابوں سے بڑا مواد ملا، جن سے اپنے مضامین اور استدلال میں مولانا نے بڑا کام لیا۔ اسی طرح مغربی تہذیب کے مزاج اور اس کے حقیقی نقائص اسلامی تہذیب سے اس کے بنیادی اور اصولی تضاد اور دونوں کے اتحاد کے عدم امکان کے متعلق سب سے زیادہ واضح اور پر مغز چیز محمد اسد کی کتاب اسلام ایٹ دی کراس روڈ کے مطالعہ سے معلوم ہوئی۔

درس و تدریس کا دور

طالب علمی کے مرحلے کے بعد ہی تدریس و تعلیم سے وابستگی ہوگئی۔ اس دور میں علمی ترقی کے ساتھ روحانی تزکیہ کے مراحل سے گذرے جو مضامین زیر تدریس تھے ان میں تفسیر، حدیث اور ادب و تاریخ کے مضامین تھے۔ مولانا نے اپنے فطری مزاج اور طبعی خصوصیات کی بنا پر لگے بندھے طریقہ پر تعلیم دینے کے بجائے ایسا طریقہ اختیار کیا جس میں قدم قدم پر سخت محنت و جانفشانی اور پتہ ماری کرنی پڑتی تھی۔ قرآنی مضامین کی تیاری میں گذشتہ اقوام کی تاریخ عقائد، تہذیب، ان کے اخلاقی امراض انسانی سوسائٹی پر ان کے اثرات اور قرآن کی روشنی میں قوموں کے عروج و زوال کا گہرا مطالعہ کیا اس میں گبن کی تاریخ زوال روما اور دوسرے مغربی مورخین کی کتابوں کا براہ راست مطالعہ کیا۔ سورۂ کہف سے شغف اور عشق نے مغربی مادیت اور اس کے پورے نظام فکر کو سمجھنے میں نہ صرف شاہ کلید عطا کی، بلکہ اس سورہ کی روح اور اسپرٹ نے مغربی کوکھ سے جنم لینے والے فتنوں، لادینی تحریکات اور اس کے علمبرداروں کی فکری سازشوں کو بے نقاب کرنے اور ان کا مقابلہ کرنے کے لیے مولانا کو تیار بھی کیا۔

سنہ ۱۹۳۴ء سے سنہ ۱۹۳۹ء تک کا یہ دور مولانا کی زندگی میں سخت ترین علمی تیاری اور شدید ترین محنت و یکسوئی کا ہے۔ اس

مدت میں مولانا نے طلبہ پر غیر معمولی محنت کی اور انکے سامنے کلیجہ نکال کر رکھ دیا، لیکن اپنے مخصوص مزاج (خوب سے خوب تر کی تلاش اور ذوق جستجو) کی بنا پر یہ فضا بھی شاہ معین صفت مولانا علی میاں کو تنگ دکھائی دینے لگی۔ انھیں محسوس ہوا کہ طلبہ پر جتنی محنت کی جاتی ہے اس کے تناسب سے نتائج سامنے نہیں آرہے ہیں، اس لیے کہ تعمیر سے زیادہ تخریبی عناصر طلبہ کی آنکھوں اور کانوں کے راستے دل و دماغ میں بہت تیزی سے جگہ بنا لیتے ہیں، دوسرا احساس یہ بھی تھا کہ صالح تحریک و دعوت اور طلبہ کی صحیح خارجی مشغولیت کے بغیر پند و موعظت اور تعلیمی و تربیتی کوششیں نقش بر آب ثابت ہوتی ہیں۔ ان دو احساسات کے علاوہ جو اندرونی عملی تجربوں پر مبنی تھے ہندوستان کی فضا سیاسی تحریکوں (مسلم لیگ خاکسار اور کانگریس) کی بنا پر پورے برصغیر میں ایک نئے ہمہ گیر انقلاب کے آثار کھلی آنکھوں نظر آنے لگے تھے، جو تہذیب و اخلاقیات، عقائد و مذہبی تصورات و اقدار اور تمدن و معاشرت سب پر اثر انداز ہونے والا تھا، بلکہ ان سب کا نیا سانچہ تیار کرنے والا تھا۔

وسیع مطالعہ اور فکر و عمل کے میدان میں

۱۹۳۷ء سے مولانا کا مطالعہ بھی تفسیر و حدیث اور تاریخ و ادب کے دائرے سے باہر نکل آیا تھا۔ انھوں نے اس عرصہ میں ڈاکٹر احمد امین، امیر شکیب ارسلان، عبد الرحمان کواکبی کی تصنیفات کے علاوہ عالم عربی کے رسائل خصوصاً الفتح کے ولولہ انگیز مضامین پڑھے جنھوں نے فکر و نظر میں وسعت پیدا کی اور ہندوستان سے نکل کر عالم اسلام اور اس کے مسائل و تحریکات سے دلچسپی لینے کا سامان پیدا کیا۔ اسی کے ساتھ مولانا نے ہندوستان کی جنگ آزادی اور سیاسی تحریکات کا مطالعہ شروع شروع کر دیا اس سلسلہ میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے رسالہ ترجمان القرآن، مولانا آزاد کے الہلال کے ولولہ انگیز مضامین علامہ اقبال کی حیات بخش شاعری اور مولانا محمد علی جوہر کی پرجوش تقریروں کو پڑھا، تحریک خلافت اور سب سے بڑھ کر مغرب کی اسلام دشمنی اور اسلام کے خلاف مغربی طاقتوں کی صف آرائی نے مسلمانوں میں اپنی ذات و ملت کا شعور پیدا کر دیا تھا جس کو اقبال خودی سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہ ملی و اجتماعی سطح پر ابھر رہی تھی، ان تحریروں اور حالات نے مولانا کے ذہن کی ساکن فضا پر ایک تموج پیدا کر دیا اور ان کی فطرت کی بعض خوابیدہ صلاحیتوں کے بیدار ہونے میں مدد دی۔

ہندوستانی مسلمان اس وقت "دعوت و اقدام اور قوت و شوکت" کا پیغام سننے کے لیے بیتاب تھے ان میں ہر ایسی تحریر سے متاثر ہونے کی صلاحیت پیدا ہو گئی تھی جو بلند سطح سے ان کو خطاب کرے ان کے ملی وجود کو غذا پہونچائے۔ مغربی تہذیب اور ہندوستان کی قومیت متحدہ میں تحلیل ہو جانے کی دعوت پر ضرب لگائے۔ مسلمانوں کو ان کے قائدانہ مقام سے آگاہ کرے۔ اور ثابت کرے کہ اسلام میں ہی زندگی کے مسائل کا حل اور انسانیت کے تمام مصائب کا علاج ہے۔

ان حالات میں اردو میں سیرت سید احمد شہید شائع ہوئی جس نے برصغیر کے ایک بڑے خلا کو پُر کیا تھا۔ کتاب نے بہت سے غیرت مند اور حساس انسانوں کو بے چین و مضطرب کر دیا۔ اس سلسلہ میں مولانا کے پاس جو تاثراتی خطوط آئے انھوں نے ان کو محدود تدریسی ماحول سے نکال کر وسیع دعوتی میدان میں لا کھڑا کیا۔ اپنے ہم خیال دوستوں کے ساتھ مولانا نے دینی و دعوتی مراکز کا دورہ کیا، ان شخصیات سے بھی ملے جو دعوتی سرگرمیوں میں مصروف تھے مولانا محمد الیاس کے نفس گرم نے ایمان و احتساب کی ایسی روح پھونک دی جو مولانا کی زندگی میں نئے موڑ کی حیثیت رکھتی ہے۔ مولانا عبد القادر رائے پوری کی حقیقت پسندی، نہایت روشن ضمیری، سیاسی فہم و فراست، روشن دماغی دینی و دنیوی جامعیت، کریمانہ اخلاق اور بزرگانہ شفقت نے خاص طور سے متاثر کیا۔ انھوں نے مولانا کی علمی و ادبی صلاحیتوں اور اصل جوہر کو پہچانا، ان کی قدر و حوصلہ افزائی کی۔ اور ترغیب دی کہ وہ ان خداداد صلاحیتوں کو جدید تعلیم یافتہ طبقہ کا اسلام کی قیادت پر از سر نو اعتماد بحال کرنے کے لیے استعمال کریں۔ اس وقت کا یہی تجدیدی کام ہے اور یہی روحانی ترقی کا زینہ ہے۔

پہلا دعوتی رسالہ

۱۹۴۲ء میں ہندوستان چھوڑو تحریک کی قیادت کانگریس کر رہی تھی، یہاں کے برادر وطن اس سلسلہ میں قربانیاں دے رہے تھے مسلمان محض تماشائی بنے ہوئے تھے، حالانکہ ہندوستان کی سلطنت انگریزوں نے مسلمانوں سے چھینی تھی۔ وہی انگریزوں کی آمد سے پہلے اس ملک میں قائدانہ مقام رکھتے تھے۔ انھیں کو برطانوی اقتدار اور غلبہ سے اس وقت سب سے بڑا خطرہ لاحق تھا۔ انھیں

...ربی طاقتوں نے خلافت عثمانیہ کا خاتمہ کیا تھا۔ ...ر تمام عرب سلطنتوں کو اپنا غلام و دست نگر بنا لیا ...تھا، اس لیے ان کے اصل حریف و رقیب مسلمان ...تھے اور انھیں کو اصل میدان میں آنا تھا، اور ...انہ کردار ادا کرنا چاہیے تھا، کہ قومیں اور ملتیں ...ری و جاں بازی، قربانی و خطر پسندی اور قائدانہ ...دار ادا کرنے ہی سے عزت و سرفرازی حاصل ...تی ہیں۔

اس صورت حال کو سامنے رکھ کر مولانا ...ے دعو تان متنافستان (دو حریف اور نبرد آزما ...قوتیں) کے نام سے عربی میں ایک مضمون نئے ...انداز اور اچھوتے اسلوب میں لکھا۔ اس میں ...ولانا نے ادبی دائرہ سے نکل کر حالات حاضرہ ...ور مسلمانوں کے تعلق سے لکھا اور جس میں پہلی ...مرتبہ دعوتی روح اور اسلامی فکر نمایاں ہوا ...تھا۔ اس مقالہ میں مولانا نے جاہلیت اور اسلام ...کے فرق کو واضح کرنے کے بعد ثابت کیا کہ اس ...دور میں یورپ مشرق میں جاہلیت کا علمبردار ہے ...اس کے مقابلہ میں مسلمان اسلام کے حامل و امین ...اور داعی و نقیب ہیں، اس لئے چاہیئے تو یہ تھا ...مغربی طاقتوں اور خاص طور پر برطانیہ کے ...مقابلے میں مسلمان بھی میدان میں آئیں کہ مغربی ...برطانوی اقتدار سے سب سے زیادہ انھیں کو ...نقصان پہونچا ہے۔ اور ایک معین و مثبت دین ...رکھنے کی وجہ سے آئندہ بھی انھیں کو سب سے ...بڑا خطرہ لاحق ہے لیکن افسوس ہے کہ صورتحال ...اس کے برعکس ہے اور وہ اس جنگ آزادی ...میں خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں۔

اس رسالہ کے بعد مولانا کے قلم کا رخ ...عربی میں دعوتی مضامین و رسائل لکھنے اور عربوں ...کو مخاطب بنانے کی طرف ہو گیا۔

...ہم طرز جنوں اور بھی ایجاد کریں گے

مولانا کی تعلیم و تربیت جس انداز میں ہوئی تھی، ان کی سیرت سازی اور ذہنی تشکیل جس طرز پر ہوئی تھی اس کو ہم توفیق الٰہی سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں (جیسا کہ خود مولانا بھی اکثر فرماتے تھے) ظاہری طور پر اس میں نصاب کی جدت اور ہر فن کو الگ الگ اس کے ماہرین سے حاصل کرنے اور مناسب وقت پر صحیح علمی ادبی اور دینی رہنمائی مطالعہ کی کتابوں کے انتخاب اور ان سے استفادہ کی صلاحیت اور دوسروں تک دین پہونچانے کی حرص، اور اپنی دعوت کو پیش کرنے میں حسن ترتیب اور حسن بیان کی رعایت کو دخل ہے۔ چنانچہ مولانا نے جتنے رسائل، مضامین اور کتابیں لکھیں ان سب میں دعوت کی طاقت، دینی جذبے کا اظہار اور زور قلم، زبان کی حلاوت و سلاست پائی جاتی ہے۔ عربی اور اردو کی تحریروں میں انھوں نے خود اپنی روش نکالی، کسی کی تقلید اور پیروی انھوں نے نہیں کی[۱۲] ان کے تمام مضامین اور کتابوں میں خود اعتمادی، جوش دروں اور حرارت ایمانی کے ساتھ استدلال کی قوت، قلم کی متانت اور زبان کی حلاوت بھی ہے داعی کی بلند سطح کا خیال ہمیشہ اور ہر جگہ انھوں نے رکھا ہے۔

تصنیفات کے اسباب و محرکات

مولانا کی تحریروں، تقریروں اور گفتگو سے جو بنیادی تاثر ہوتا ہے وہ یہ کہ ان سب تصنیفات اور تقریروں کا سرچشمہ کثرت عبادت و انابت و دعا، قرآن مجید میں عمیق تدبر، سیرت نبوی کا عاشقانہ مطالعہ اور مخلصانہ تتبع اور اجتہاد اور ہدایت ربانی، ہے۔ نہ کہ محض ذہانت، مطالعہ، وسعت علم اور کسی خاص فلسفہ اور تحریک یا صورت حال کے رد عمل میں یہ کتابیں وجود میں آئی ہیں۔

مولانا کی تصنیفات کے پس منظر اور محرکات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام کتابوں، رسائل اور تقریروں کا محرک اندرونی داعیہ اور جذبہ تھا۔ یعنی وقت کے دینی تقاضوں کی تکمیل اس میں رضائے الٰہی کے حصول کا جذبہ، اسی لئے وہ سب سے پہلے نیت کا استحضار و تجدید کرتے۔ استخارے کی نمازوں اور دعاؤں کا خاص اہتمام فرماتے۔ پھر جب شرح صدر ہو جاتا تو اپنا سارا وقت اور اپنی تمام تر صلاحیتیں اسی کے لیے وقف کر دیتے سوتے جاگتے اٹھتے بیٹھتے اسی موضوع میں سانس لیتے، اسی مضمون کا خیال دل و دماغ اور تمام اعصاب پر چھا جاتا۔ اس کے علاوہ کسی اور موضوع پر سوچنا مشکل ہو جاتا۔

مطالعہ اور تصنیف کی کیفیت

مولانا شروع ہی سے مطالعہ کے حریص تھے، فرماتے تھے کہ خاندانی کتب خانہ کے بار بار الٹنے پلٹنے سے مطالعہ کا ذوق بڑھا، والد صاحب کی کتاب یاد ایام، گل رعنا اتنی بار پڑھی کہ حفظ ہو گئی۔ رحمۃ للعالمین جب ہاتھ آئی تو بڑے استغراق اور پورے انہماک کے ساتھ کتاب پڑھی، اور اس میں ایسا ڈوب گیا کہ کسی اور چیز کا ہوش نہیں رہا۔ والدہ صاحبہ کھانا کھلانے بیٹھتیں تو لالٹین کی روشنی میں کھانا کھاتے ہوئے کتاب بھی پڑھا جاتا تھا۔ بس ٹرین اور ہوائی جہاز میں بھی یہ مطالعہ جاری رہتا، بعض کتابوں مثلاً فجر الاسلام کو دیکھنے سے معلوم ہوا کہ رائے بریلی کے ڈاک خانہ میں رجسٹری کے انتظار میں ختم کی۔ مطالعہ کا یہ انہماک اردو، عربی اور انگریزی کتابوں سے فائدہ اٹھانے میں بڑا معاون تھا۔ السیرۃ النبویہ کی تالیف کے

کے وقت اپنے ایک خادم کو قاہرہ خط لکھا کہ ہم نے ۱۹۴۷ء میں مکہ معظمہ کے دوران قیام اسرائیل ونفنسون کی کتاب تاریخ الیہود فی بلاد العرب کا مطالعہ کیا تھا، دار الکتب المصریہ سے یہ کتاب نکال کر فلاں صفحہ سے فلاں صفحہ تک نقل کر کے بھیج دو۔[14]

یہی کیفیت تصنیف کے وقت دل و دماغ پر طاری ہو جایا کرتی تھی جیسا کہ اپنی مایہ ناز کتاب ارکان اربعہ کی تالیف کے اسباب و محرکات بیان کرنے کے بعد کاروان زندگی میں تحریر فرماتے ہیں:

سیتاپور کے زمانہ قیام ۱۹۶۵ء[15] کے دن ایک طرح موت و حیات کی کشمکش کے دن تھے تصنیف و تالیف کا مشغلہ تو الگ، میں اپنے عزیز رفیقوں سے پوچھتا تھا کیا وہ دن پھر آئیں گے کہ میں معمول کے مطابق دن گذاروں گا آزادی سے چلوں پھروں گا، اور دوستوں عزیزوں کی مجلس میں شرکت کروں گا۔ لیکن اس امید و بیم کی حالت میں بھی شدت سے اس کا تقاضہ پیدا ہوا کہ یہاں سے چھٹی پاتے ہی اسلام کے عملی ارکان اربعہ پر مکمل کتاب تصنیف کرنے کی کوشش کروں، یہ خیال قلب و ذہن پر ایسا غالب ہوا کہ اس کو ہسپتال کا بیمار و سوگوار ماحول اور آنکھ کی بار بار کی تکلیف بھی ہٹا نہ سکی[16] کتاب کی تالیف کے محرکات کا ذکر کر کے تحریر فرماتے ہیں

۱۹ / ۲۰ فروری ۱۹۶۶ء کو اسپتال سے واپسی ہوئی تھی، کچھ دن ضروری آرام اور ایک دو سفر کے بعد ۸ / اپریل ۱۹۶۶ء (۱۶ / ذی الحجہ ۱۳۸۵ھ) سے اللہ کا نام لے کر اس کام کا آغاز کر دیا گیا۔ گرمیاں شروع ہو چکی تھیں اور آنکھ کی کیفیت کے لحاظ سے گرمی میں زیادہ احتیاط کی ضرورت تھی۔[17] میں نے حضرت شاہ علم اللہ اور سید احمد شہید کی بابرکت مسجد میں جانب مغرب عقبی حصہ میں بیٹھ کر لکھوانے کا کام شروع کیا۔ عزیزی مولوی نثار الحق ندوی لکھتے تھے، میں بولتا تھا، کتاب کو اصلاً عربی میں لکھنا تھا۔

طرز تصنیف و تحقیق

اپنے طرز تصنیف کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: پہلے میں نے مواد جمع کیا۔ مثلاً نماز کے لئے پہلے ایک بار پورے قرآن مجید پر نظر ڈالی[18] متعین آیات نوٹ کرائیں۔ حدیث کے لیے جمع الفوائد و مجمع الزوائد کے ان ابواب پر نظر ڈالی جو ان ارکان کے فضائل، مقاصد و فوائد کے متعلق تھیں۔ اور ان کو نوٹ کیا، پھر خصوصیت کے ساتھ امام غزالی حافظ ابن قیم، اور شاہ ولی اللہ نے اپنی تالیفات احیاء العلوم، زاد المعاد اور حجۃ اللہ البالغہ وغیرہ میں اس پر جو کچھ لکھا ہے اور جو خاص نکتے ان کی تحریروں میں آئے ہیں ان کو قلمبند کیا۔ پھر ان کو سامنے رکھ کر لکھوانا شروع کیا۔ گرمی کی شدت شروع ہونے تک[19] یہ سلسلہ جاری رہتا ذہن و دماغ پر کتاب کا موضوع اس طرح طاری ہو گیا کہ دوسرے اوقات میں بھی وہ ساتھ نہیں چھوڑتا تھا۔ یہ عرصہ سے میری زندگی کی ہر اہم تصنیف کا خاصہ بن گیا ہے اس کے خلاف کرنا عام حالات میں اب ممکن نہیں رہا ہے۔ یہ ایک طرح کا تصنیفی اعتکاف ہوتا ہے جس سے نکلنا اس وقت ہوتا ہے جب کتاب کی ہلالِ تحت ہلال عید بن کر نمودار ہوتی ہے (کاروان زندگی ج دوم[21])

بینائی کی اس کمزوری کے باوجود نزہۃ الخواطر جلد ہشتم اور الھند فی العہد الاسلامی کی تکمیل فرمائی۔ جو بڑا ہی ہمت آزما اور بقول مولانا کے ہفت خواں سر کرنے کے برابر تھا۔ صورت یہ تھی کہ نزہۃ الخواطر جلد ہشتم کی تالیف کے درمیان ہی والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ جگہ جگہ خلا تھے۔ بہت سی شخصیتیں زندہ تھیں۔ جو بعد میں مشہور ہوئیں۔ مصنف نے ان کے ابتدائی حالات لکھ کر چھوڑ دیے تھے۔ اس سے زیادہ دشواری مولانا یہ محسوس کر رہے تھے کہ "والد مرحوم کے قلم سے قلم ملانا سخت دشوار معلوم ہوتا تھا کہ ان کی تحریر میں ایسا ایجاز سلاست اور حلاوت اور ایک دقیق النظر مصنف و ناقد کا احساس ذمہ داری اور مؤرخانہ فرض شناسی پائی جاتی ہے کہ میں ان کے طرز پر دو سطریں لکھنا بھی مشکل سمجھتا تھا۔ میں ان تراجم و سوانح کی تکمیل کے سلسلہ میں چند سطریں لکھنے کے مقابلہ میں کسی کے متعلق پورا مضمون لکھ دینا آسان سمجھتا تھا کہ اس میں قلم آزاد ہوتا ہے۔ پھر ان ناقص معلومات کو جمع کرنا اور سنین وفات معلوم کرنا خود ایک ہفت خواں سر کرنا تھا۔ ادھر اپنی حالت یہ تھی کہ براہ راست مطالعہ کرنے سے قاصر تھا۔ (ج ۲ ص ۲۲)

اس سے زیادہ دشواری والد ماجد کی دوسری کتاب الہند فی العہد الاسلامی کی تکمیل میں پیش آئی، اس لیے کہ اس پر کئی بار دیمک نے حملہ کر کے کتاب کو زبردست نقصان پہونچا دیا تھا لیکن یہ ہفت خواں بھی گیس جلا کر راتوں کو اور سفروں کے درمیان طے کیا گیا۔

اس کتاب الھند فی العہد الاسلامی کے مقدمہ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں.....

مضمون گرفت میں نہیں آرہا تھا اور یہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس کہانی کو کہاں سے شروع کیا جائے کہ اچانک مضمون ذہن میں آگیا۔ ابھی چند سطریں لکھوائی تھیں، عزیزی مولوی نذر الحفیظ ندوی لکھ رہے تھے کہ زخمی آنکھ میں ٹینشن ہوا۔

ایسا دورہ ہوا کہ ہیں دوا ڈلوا کر لیٹنے پر مجبور ہوا میں نے لکھوانا بند کر دیا۔ مگر دماغ نے کام کرنا بند نہیں کیا۔ ذہن میں مقدمہ کا مضمون مچل رہا تھا اور ضد کر رہا تھا کہ اس کو اسی وقت حوالۂ قرطاس کیا جائے۔ لیکن لکھوانے کا وقت گذر گیا تھا دوسرے دن کا انتظار کرنا ضروری تھا۔ مجھے وہ تکلیف ابھی تک یاد ہے کہ ذہن کی چکی چل گئی تھی مگر اس سے کام لینے کا موقع نہ تھا۔ اس کی قیمت اعصاب کر ادا کرنی پڑی۔ میں نے کھیتوں میں ٹہل کر دماغ کو سکون پہونچانے کی کوشش کی۔ جوں توں کر کے دن کٹا۔ رات گذری، اگلے دن اس مضمون کو مکمل کیا۔[20]

جب صحت اچھی تھی، تو خود ہی لکھتے تھے، اس وقت بھی لکھنے میں یہی کیفیت ہوتی تھی، مثلاً قصص النبیین کے بعض حصے اور اردو اور عربی کے بعض مضامین در سالے ٹرینوں پر، تھرڈ کلاس ڈبے میں، کبھی ٹرین کے دروازے کے پاس کبھی بس اسٹینڈ پر بس کے انتظار میں، ہوائی جہاز پر مضامین لکھے۔ اور اس انہماک سے لکھا جیسے مطالعہ وتصنیف میں انہماک ہوتا تھا۔

جوانی کے دور میں جو مطالعہ کیا تھا اس نے بنیاد کا کام دیا۔ نئی تصنیفات وتحقیقات اہم علمی وتحقیقی رسائل برابر دیکھتے رہتے۔ عالم عربی اور یورپ کے سفروں میں نئی کتابوں اور وہاں کے علمی مراکز اور لائبریریوں سے استفادہ فرماتے انگریزی کے اہم انسائیکلو پیڈیا کا بالاستیعاب مطالعہ کر چکے تھے۔ اپنی کتابوں میں علمی حوالوں کا اہتمام کرتے، صفحات، جلد، اڈیشن اور سن طباعت حتیٰ کہ اگر کسی سے کوئی نکتہ یا خیال لیتے تو اس کا بھی حوالہ دیتے۔ ترمیم واضافہ برابر کرتے رہتے۔ تبصروں اور تنقید کا خیر مقدم کرتے۔ علمی مشوروں کو کشادہ قلبی سے قبول کرتے۔ ترمیم کو بنوا کر پھر دیکھتے۔ انڈکس (اشاریہ) مرتب کرنے کا بڑا اہتمام تھا۔ الفاظ کے صحیح املا کا غیر معمولی خیال فرماتے، ہمیشہ اول درجہ کے ماخذ اور جدید ترین اڈیشن کا حوالہ دیتے، تحریر میں وقف، کاما، سوالیہ نشان اور قوسین کا اہتمام کرتے۔

معنوی محاسن

مولانا اپنے کو قرآن کا طالب علم کہتے تھے، چنانچہ ان کی تمام تحریریں اس کے اسلوب میں لکھی گئی ہیں۔ یعنی اثبات مفصل اور نفی مجمل علمی اور اصولی انداز میں ہے۔[21]

مثلاً اس بات کو غلط ثابت کرنا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ میں اصلاح و تجدید اور انقلاب حال کی کوشش مسلسل اور غیر منقطع طور پر نہیں پائی جاتی، بلکہ اس میں بڑے طویل طویل خلا ہیں جو صدیوں پر پھیلے ہوئے ہیں۔ کئی کئی سو برسوں کے بعد کچھ شخصیتیں ابھرتی رہی ہیں۔ جنھوں نے حالات سے کشمکش کی اور جو فکری اور عملی لحاظ سے کوئی ممتاز مقام رکھتی ہیں ورنہ عام طور پر متوسط درجہ کے لوگ نظر آتے ہیں جو فکری اور عملی حیثیت سے عہد انحطاط کی عام سطح سے بلند نہیں تھے اور جن کے علمی اور عملی کارناموں میں کوئی جدت اور ندرت نہیں پائی جاتی۔ صرف گنی چنی شخصیتیں جنکی تعداد ۷، ۸ سے زیادہ نہیں اس کلیہ سے مستثنیٰ ہیں۔

مولانا نے اس خیال کو سرسری نظر سے نہیں دیکھا بلکہ اس کے سنگین نتائج پر نظر کی کہ اگر یہ خیال جدید تعلیم یافتہ کے دل ودماغ میں بیٹھ جاتا ہے تو اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ اسلام کے اندر ہر دور میں انسانوں کی قیادت کی صلاحیت نہیں، اور وہ ایک ایسا درخت ہے جس نے زیادہ پھل نہیں دیئے۔ مولانا نے اس منفی خیال کی تردید کے لیے نہ تو کسی کی ذات کو نشانہ بنایا اور نہ ہی تحقیر وتنقیص کا اسلوب اختیار کیا، بلکہ اس خیال کو غلط ثابت کرنے کے لئے انھوں نے اسلام کی تیرہ سو برس کی تاریخ میں اصلاح وانقلاب حال کی کوششوں کے تسلسل کو مستند تاریخ کے حوالوں سے ثابت کیا اور ان ممتاز شخصیتوں اور تحریکوں کی نشاندہی کی جنھوں نے اپنے اپنے وقت میں اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق دین کے احیا اور تجدید اور اسلام اور مسلمانوں کے کام میں حصہ لیا۔ مولانا نے اس سلسلے میں مندرجہ ذیل امور کا لحاظ رکھا ہے۔

۱۔ کسی دعوت یا شخصیت کے حالات ومقاصد معلوم کرنے کے لیے عموماً خود اس کی تصنیفات، تحریروں اور اقوال سے مدد لی۔ اگر اس میں خلا رہ گیا تو اس کے رفقا، وتلامذہ اور معاصرین کی تصنیفات وبیانات کو ترجیح دی، آخری صورت میں مستند ماخذ پر اعتماد کیا۔

۲۔ شخصیتوں کی سیرت اور تذکرہ میں ان کے گرد وپیش اس زمانہ کی علمی وفکری سطح اور کام کے میدان کی وسعتوں کو بھی سامنے لانے کی کوشش کی ہے تاکہ ان شخصیتوں کی صحیح عظمت اور ان کی کامیابی کی مقدار کا تعین ہو سکے اور اس دور اور ماحول کی کامیابی کے امکانات کا صحیح اندازہ کر کے ان کو تاریخ میں صحیح مقام دیا جا سکے۔ کسی شخصیت کو اس کے ماحول سے نکال کر اپنے ماحول میں لاکر اپنے زمانہ کے پیمانوں اور تقاضوں اور اپنے ذاتی تقاضوں اور خواہشات کے معیار سے جانچنا پھر اس معیار کے لحاظ سے اس کی کوتاہیوں اور فروگذاشتوں کو نمایاں کرنا ظاہری نگاہ میں ایک بڑا تنقیدی کارنامہ معلوم ہوتا ہے۔ ہر عظیم سے عظیم شخص دوسرے زمانے اور ماحول کے لحاظ سے اور مورخ کے رجحانات اور خیالات کے پیمانہ سے سخت

ناکام ثابت کی جاسکتی ہے اور نہ صرف اسلامی تاریخ بلکہ انسانی تاریخ کی بھی کوئی شخصیت کامل اور معیاری قرار نہیں دی جاسکتی۔

۳۔ کسی صاحب دعوت یا مصنف اور مفکر کی کتابوں کے زیادہ سے زیادہ مختلف اقتباسات دیئے ہیں تاکہ قارئین مختلف شخصیتوں کے بارے میں محسوس کرسکیں کہ ان کو اطمینان کے ساتھ دید و شنید کا موقع ملا ہے اور کچھ دیر ان کی صحبتوں میں گزارا ہے۔

۴۔ تاریخی شخصیتوں کے صرف علمی کمالات تحقیقات اور تصنیفات کے اقتباسات پر اکتفا نہ کرکے ان کی زندگی کے باطنی پہلو، تعلق مع اللہ اور اخلاقی خصوصیات کو بھی نمایاں کیا ہے کہ یہ متقدمین اہل دعوت اور اہل فکر کی مشترک خصوصیت ہے کہ وہ اپنے علمی کمالات اور علمی انہماک کے ساتھ عبادت و انابت الی اللہ کا ذوق خاص رکھتے تھے اور ان کی کامیابی و مقبولیت میں اس کو خاص دخل ہے۔

۵۔ کسی شخصیت کے تعارف کے سلسلہ میں صرف اس کے فضائل و کمالات بیان کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اگر اس کے منصف و محتاط معاصرین یا صاحب نظر متاخرین نے اس پر یا اس کی تصنیفات و افکار پر تنقید کی ہے تو اس کا بھی تذکرہ کر دیا ہے اور اگر اس کا جواب دیا گیا ہے اور اس کی طرف سے دفاع کیا گیا ہے تو اس کو بھی پیش کر دیا ہے۔ لیکن تاریخ کو ناقدانہ تالیف ثابت کرنے کے لیے بے ضرورت تنقید نقل کرنے کا اہتمام نہیں کیا ہے۔

اس طرح مولانا نے اس کثرت سے مثالیں دی ہیں کہ آدمی کہاں تک ان کی تردید کرے گا اس طرح اس کام کی تکمیل سے نہ صرف اصلاح و دعوت کی تاریخ مرتب ہوگئی، بلکہ ضمناً مسلمانوں کی فکری و علمی انحطاط اور ارتقا کی تاریخ بھی وجود میں آگئی۔

عالم اسلام پر مغرب کے تسلط سے انسانی دنیا کا جو عمومی خسارہ ہوا خاص طور سے مسلمانوں کا جدید تعلیم یافتہ جس طرح اس شک آفریں تہذیب سے متاثر ہوکر ذہنی، تہذیبی اور اعتقادی ارتداد میں مبتلا ہوا اس کی وسعت و جہاں گیری اتنی بڑھی کہ خود دین اسلام کے بنیادی عقائد پر دبیز پردہ ڈالا جانے لگا اور اسلامی تاریخ سے لے کر قرآن و حدیث، سیرت نبوی، عقائد و عبادات کی تفہیم و تشریح میں بڑی بے باکی و بے تکلفی سے عصر حاضر کے فلسفوں، اقتصادی و سیاسی مکاتب خیال اور ان کی محدود اصطلاحات و تعبیرات کا سہارا لیا جانے لگا اسکی وجہ سے اس کا قوی اندیشہ پیدا ہوگیا کہ اس مخصوص طرز فکر سے متاثر ہونے والے کہیں خدانخواستہ دین کے ان بنیادی ارکان کی اصل حقیقت و اصل طاقت ہی سے محروم نہ ہو جائیں، اور ان مقاصد ہی سے ہاتھ نہ دھو بیٹھیں جن کے لیے ان ارکان کی تشریع عمل میں آئی ہے۔ جدید مادی اور عصری تغیر کے دائرۂ اثر میں آکر ایمان اور احتساب کا مفہوم بھی ہمارے ذہنوں اور دلوں سے نکل جائے اور مادی طرز فکر، عبادت اور اخلاق کی روح پر غالب آجائے۔ یہی انداز فکر سیرت نبوی کو پیش کرنے میں اختیار کیا جانے لگا۔ بعض لوگوں نے سماجی و سیاسی مصلحین کے طرز پر آنحضرت کی سیرت پیش کرنے کی کوشش کی۔ یعنی حضور کی تصویر پیش کرنے کے بجائے شعوری یا لاشعوری طور پر خود اپنی تصویر کھینچ دی۔ بعض نے سیرت نبوی کو صرف عربوں کی محدود جاہلیت کے روشنی میں دیکھنے کی کوشش کی اور یہ دکھایا کہ چودہ سو سال پہلے اسلام نے اچھا کام کیا تھا، اس نے لڑکیوں کو زندہ درگور ہونے سے بچا لیا۔ بت پرستی ختم کردی۔ لیکن آج جدید سائنس اور ٹکنالوجی کا دور ہے، آج کے تقاضے دوسرے ہیں، بعض سیرت نگاروں نے انسائیکلو پیڈیائی انداز میں سیرت لکھی۔ مولانا نے اسلامی عبادات جیسے اہم موضوع پر قلم اٹھایا تو فکر اسلامی کی تجدید کا کارنامہ انجام دیا۔ پہلی بار تقابل مطالعہ دوسرے مذاہب کے نظام عبادت کا کیا۔ ایسے معروضی انداز میں کہ پڑھنے والا بغیر کسی تلقین اور زور زبردستی کے کتاب کی مرکزی روح سے ہم آہنگ ہوتا چلا جاتا ہے۔ انھوں نے اچھوتے اسلوب میں سیرت نبوی کو جب پیش کیا تو اس طرح کہ پوری دنیا پر نبوت محمدی کی عظمت اور تاثیر اور تمام انسانوں پر اس کے اثرات و احسانات کی جھلک آجائے۔ سیرت نبوی کے واقعات و اقدامات کو کثرت سے پیش کرکے ان سے وہ تعلیمی و تربیتی نتائج نکالے ہیں جن کی روشنی میں انسانی معاشرہ کے بگاڑ کو دور کیا جاسکتا ہے اور بلا تکلف ارکان اربعہ اور نبی رحمت کو غیر مسلموں کو دیا جاسکتا ہے۔ مولانا نے ادب تاریخ، تذکرے، علم کلام، عبادات، معاملات، سیرت و سوانح پر جتنی تحریر اور تقریریں کی ہیں ان کے بنیادی مقاصد مندرجہ ذیل ہیں۔

جدید تعلیم یافتہ طبقہ کا اعتماد اسلام کی قیادت اور اس کی تعلیمات کی ابدی صداقتوں پر ازسرنو بحال ہو۔

غیر مسلم اسلام سے مانوس اور مسلمانوں سے قریب ہوں۔

مسلمانوں کے اندر جو معاشرتی خرابیاں عقائد و اخلاق کی خرابیاں ہیں وہ دور ہوں اور مادہ پرست

اور مغربی تہذیب و تمدن پر فریفتگی کم بلکہ ختم ہو کر اسلامی معاشرہ کی خوبیاں پیدا ہوں۔ قرآن سے ذاتی تعلق پیدا ہو، سیرت نبوی سے شغف ہو، سنت سے محبت و تعلق ہو، توحید خالص کا عقیدہ راسخ ہو جائے۔ اسلامی عبادات سے زندہ تعلق ہو، اور انکے اثرات انفرادی و اجتماعی زندگی پر نمایاں۔ اسلاف کرام، ائمہ مجتہدین، مجددین اور حقانی و ربانی علماء کی داعیانہ کوششوں کی قدر اور شکر کا احساس ہو۔

مسلمان جہاں بھی رہیں شان امتیاز سے رہیں۔ اپنے تشخص کی حفاظت کریں اور غیر اسلامی اثرات سے اپنے کو محفوظ کریں۔

---

١ جیسا کہ خود ان کی عبارت سے اندازہ ہوتا ہے جو انھوں نے اپنی مایہ ناز کتاب ارکان اربعہ میں لکھی ہے۔ "نماز کوئی ایسا ذہنی سانچہ یا چوب خشک کی طرح کوئی جامد اور محدود چیز نہیں جس میں سب یکساں ہوں اور ہر نمازی ایک سطح پر رہنے کے لیے مجبور اور اس سے آگے بڑھنے سے قاصر ہو، وہ در اصل ایک بہت بڑا اور وسیع و عریض میدان ہے جہاں نمازی ایک حال سے دوسرے حال تک اور عروج سے کمال تک اور کمال سے ان منزلوں تک پہنچتا ہے جو اس کے تصور و خیال سے بھی ماورا ہیں۔ اس میں لوگوں کا مرتبہ و مقام ایک دوسرے سے بہت مختلف اور جدا ہے۔ اور سب کی سطح الگ ہے۔ غفلت اور جہالت والی نماز استحضار و تفقہ والی نماز کا مقابلہ کیسے کر سکتی ہے پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ آج کی نماز کل والی نماز سے یا چند ماہ اور چند سال پیشتر والی نماز سے مشابہ ہو اور نمازی ہمیشہ ایک ہی معیار کی نماز پر اعتبار ہے (ص ۱۱)

٢ لیکن بہت سے مصنفین (جو لکھے زیادہ پڑھے کم ہوتے ہیں) اپنی تصنیفات کو شاندار الفاظ اور پر جلال علمی اصطلاحات کا پلندہ بنا دیتے ہیں، اور ذاتی پسند و ترجیح کو پوری امت بلکہ اجماع کے خلاف مسلط کرنا چاہتے ہیں اسکے لیے دور از کار تاویلات کا سہارا اور بسا اوقات صدیوں کی اسلامی تاریخ پر (جس کا انھوں نے گہرائی سے مطالعہ نہیں کیا) پانی پھیر دیتے ہیں۔

٣ مثالوں کے لیے ملاحظہ ہو، کاروان مدینہ نبی رحمت، دور الحدیث فی تکوین المناخ الاسلامی، سیرت نبوی دعاؤں کے آئینے میں۔

٤ عالم عربی کے چوٹی کے ادیب و ناقد شیخ علی الطنطاوی، ممتاز عالم ڈاکٹر قرضاوی نے مولانا کے محاسن و کمالات میں ان کے تاریخی حس اور شعور کی پختگی اور ثقافت کے تنوع اور وسعت کی خاص طور سے داد دی ہے۔

٥ مثالوں کے لیے ملاحظہ ہو، تاریخ دعوت و عزیمت۔

٦ مولانا کی تمام تصنیفات میں سلف جیسی احتیاط علمی تورع۔ اہل لغت جیسا اتقان، علمائے نحو جیسی پختگی اور اہل زبان جیسی شیرینی موجود ہے۔

٧ فرماتے تھے کہ اعتدال کی راہ پر چلنا سب سے مشکل کام ہے، اس لیے کہ اس میں جلد شہرت اور مقبولیت حاصل نہیں ہوتی، نفس کو بھی تسکین نہیں ہوتی۔ گرم اور تیز گفتگو، خون کا بحر احمر جاری کرنے اور سروں کا قطب مینار قائم کرنے جیسی تعبیرات کی لوگ خوب داد دیتے ہیں۔ لیکن کثرت استعمال سے ان کی گرمی بہت جلد ختم ہو جاتی ہے اور انکے منفی اثرات ناقابل تلافی ہوتے ہیں۔

٨ حضرت مجدد الف ثانی کی عبقریت اور ان کے اسلوب دعوت کے مولانا بڑے قائل تھے۔ فرماتے تھے کہ آج کل کے عہد میں بھی اسلوب دعوت مناسب اور نتائج کے اعتبار سے مضمون ہے چنانچہ مسلم و غیر مسلم سربراہان حکومت اور امراء و وزراء کو جو خطوط لکھے اور ان سے ملاقاتوں میں جو باتیں کیں ان سب میں اسی مجددی کردار اسلوب کی جھلکیاں پائی جاتی ہیں۔

٩ اس کے لیے ملاحظہ ہو: مطالعہ قرآن کے اصول و مبادی، قرآنی افادات۔ ارکان اربعہ، معرکۂ ایمان و مادیت، دعوت و تبلیغ کے معجزانہ اسلوب، کے فکر انگیز مباحث و مضامین وغیرہ

١٠ نحو التربیۃ الاسلامیۃ الحرۃ میں مولانا نے تمام مسلم حکومتوں کو دعوت دی ہے کہ وہ عقائد کے تزلزل، ذہنی انتشار، اخلاقی زنارکی، نہ ختم ہونے والی ذہنی کش مکش، حکومتوں اور عوام کے درمیان مسلسل نبرد آزمائی سے اگر نکلنا چاہتی ہیں تو انھیں مغربی ملکوں سے درآمد کیے ہوئے نظام تعلیم و تربیت کے بجائے آزاد اسلامی نظام تعلیم و تربیت کو اختیار کرنا ہوگا۔

١١ ان کے علاوہ گبن کی کتاب زوال روما۔ ہوفڈنگ کی تاریخ فلسفۂ جدید اور سی ایم جوڈ کی کتاب پڑھی۔

١٢ مولانا احمد علی لاہوری سے بیعت کی اور انکی نگرانی میں روحانی مدارج طے کیے۔ مولانا عبد القادر رائے پوری رح نے چاروں سلسلوں میں اجازت دی۔ مولانا کا ذہنی سانچہ چونکہ پہلے سے بنا ہوا تھا اس لیے ان کو کسی ذہنی ہجرت کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

١٣ اخوان کی تحریک کے متعلق لٹریچر ۱۹۴۶ء کے بعد آئے۔

١٤ جو کتاب ۱۹۴۷ء میں پڑھی تھی اس کی تمام تفصیلات ان کو یاد تھیں اور ۱۹۷۸ء میں

اس سے فائدہ اٹھایا۔ انگریزی زبان کی تحصیل میں زبردست انہماک پر والد صاحب نے متنبہ بھی فرمایا۔ لیکن اس کا بنیادی فائدہ یہ ہوا کہ انگریزی کے بنیادی مآخذ پر نظر پڑ گئی۔ مجموعی طور پر انگریزی کے جن مآخذ کا مولانا نے اپنی کتابوں میں حوالہ دیا ہے ان کی تعداد دو سو کے قریب ہے۔

۱۵ آنکھ کے علاج کے سلسلے میں کئی ماہ ہسپتال میں قیام رہا تھا۔

۱۶ داہنی آنکھ میں آپریشن کی خرابی سے تکلیف رہا کرتی تھی۔ اکثر ایسا ٹینشن ہو جایا کرتا کہ ساری رات جاگ کر گزارتے اس حال میں بھی تیمارداروں سے تراویح میں قرآن شریف سنا کرتے، دن میں اردو عربی کتابیں سنا کرتے چند ماہ کے قیام میں آٹھ ہزار سے زائد صفحات کو پڑھوا کر سنا۔

۱۷ ۲۲ جون ۱۹۶۶ء کو دینی تعلیمی کونسل کے زیر اہتمام میرٹھ میں ایک جلسہ تھا بسوں کے ذریعہ کئی جگہ سخت لو اور گرمی میں سفر ہوا۔ کئی کئی گھنٹے بس کے انتظار میں شدید گرمی میں وقت گزارنا پڑا۔ ۲۲ جون کی شب میں ایک جلسہ عام سے خطاب کر کے آرام کیا۔ صبح اٹھے تو معلوم ہوا کہ آنکھ کی روشنی جاتی رہی۔ انا للہ (کاروان زندگی حصہ اول ص ۱۱۲)

۱۸ اکیس پارہ تک ترتیب سے یاد کر کے کئی بار تراویح سنا چکے تھے۔ ۲۶ تا ۳۰ بھی یاد تھے جب تک صحت نے ساتھ دیا حفظ کیے ہوئے پارے روزانہ کسی کو سناتے تھے۔

۱۹ اس زمانہ میں تکیہ پر بجلی نہیں آئی تھی۔

۲۰ یہ واقعہ تکیہ پر پیش آیا۔ ان دنوں کھیتوں میں گندم کی فصل لگی ہوئی تھی۔ یہ مقدمہ ۲۳ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔

۲۱ امام ابن تیمیہ کے حوالے سے یہ بات فرماتے تھے۔ چند سال قبل ایک صاحب نے زرکثیر صرف کر کے اپنے ایک شاگرد سے عربی میں ایک ضخیم کتاب حضرت مولانا کے خلاف لکھوائی۔ پھر بڑے اہتمام سے ایک قاصد کے ذریعہ وہ کتاب بھیجی، جب وہ کتاب مولانا کو دی گئی تو کتاب دیکھ کر فرمایا کہ اگر آپ ہمارے خلاف دس مزید جلدیں اس طرح کی لکھ دیں گے جب بھی آپ کو اس کا جواب نہیں ملے گا۔ پھر امام ابن تیمیہ کا حوالہ دیا کہ اصل چیز مثبت اور تعمیری کام ہے۔ حضرت مولانا کا اپنے بارے میں ہمیشہ یہی معاملہ رہا اپنے خلاف کسی تنقید کا تذکرہ تک نہیں کرتے تھے۔ اگر کوئی ناقد کا نام لیتا تو اس کو بھی روک دیتے۔ اگر کوئی جواب دینے کا ارادہ کرتا تو اس کو بھی منع فرما دیتے۔

تاریخ وفات

قمر سنبھلی

جناب شیخ ندوی دار فانی سے ہوئے رخصت
سفینہ آہ ملت کا ہوا ہے آج بے ساحل
قمرؔ کے غم سے بوجھل ذہن کو تاریخ کی تھی فکر
ندا یہ غیب سے آئی "محمد خلد میں داخل" (۱۴۲۰)
اک سرپرست محسن ملت کو کھو کے آج
ہے ان کے غم میں عالم اسلام نوحہ خواں
سال وفات ملتا ہے یوں بھی کبھی قمرؔ
ٹکراتی ہیں صدائیں سماعت سے ناگہاں
اہل جناں پکار اٹھے "روزہ" (۲۱۸) کے ساتھ ہیں
"داخل ہوئے بہشت میں جس دم علی میاں" (۱۷۸۱)

۲۱۸ + ۱۷۸۱ = ۱۹۹۹ء

●●●●

نازشِ قوم و وطن

محمد امین بھیلونی

زینتِ ارضِ وطن جاتا رہا — پاسبانِ علم و فن جاتا رہا
کانپتا ہے دل، لرزتا ہے قلم — کیسے لکھوں بوالحسن جاتا رہا
جس کے دم سے محفلیں تھیں تابناک — اف! جہاں سے وہ رتن جاتا رہا
قوم کی حرماں نصیبی آہ آہ! — مرد جانباز وطن جاتا رہا
مندمل کرتا رہا جو زخمِ قوم — وہ مسیحائے زمن جاتا رہا
قصرِ باطل میں جلا کر شمع حق — دہر سے باطل شکن جاتا رہا
فخر اب کس پر کریں اہلِ جہاں — شیر دل، شیریں سخن جاتا رہا
تھا دل و جاں سے فدا جس پر جہاں — اُف! وہ محبوبِ زمن جاتا رہا
اہلِ محفل کو رلا کر زار زار — آہ! میرا انجمن جاتا رہا
کیوں نہ روئے اشکِ خوں چشمِ بشر — نازشِ قوم و وطن جاتا رہا

چل بسا دنیا سے انسانِ عظیم
ہو گیا ملت کا نقصانِ عظیم

مشاہدات و تأثرات

تبرّکاتِ ماجدی

مفسّرِ قرآن حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادی رحمۃ اللہ علیہ

کا

حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ارشاد گرامیٔ

علی میاں مرحوم نہیں ـــــ، ماشاء اللہ زندہ سلامت ہیں اور خدا کرے خدمت دین وملت کیلئے مدتوں اس خاکدان کو زندہ و سر سبز رکھیں۔ سن میں مجھ سے کہیں چھوٹے ہیں لیکن علم و فضل میں سنجیدگی، فکر میں اخلاص میں اخلاق و تقویٰ میں، عبادت میں، ریاضت میں، خشیت و طاعت میں میرے بڑوں میں شامل ہونے کے قابل، رائے بریلی کے سید زادے خاندان کے اور لوگوں سے بھی واقف ہوں۔ باپ اور بھائی کا کیا کہنا' دونوں نورٌ علیٰ نور۔ پاک صاف، طاہر مطہر مٹی (جو تیمم کے قابل ہو) سے بنے ہوئے دوسرے اعزہ بھی اپنی جگہ قابلِ قدر اور قابل فخر ان تاروں کے جھرمٹ میں آفتاب۔ ندوہ اور دیوبند ماشاء اللہ دونوں کے اکابر سے علم دین حاصل کیا اور اپنے خاندان کے بزرگوں سے اور (انہی میں مائیں اور دادیاں بھی شامل ہیں) اخلاق و روحانیت کا سبق لیا۔ ذکاوت و فطانت کے پتلے پہلے سے تھے' چندے آفتاب چندے ماہتاب بن کر رہے۔ انگریزی بھی بقدر ضرورت تحصیل کرلی اور عربی ادب و انشاء میں تو ہندوستان اور عالم اسلام میں نام پیدا کر دیا ہے خود اردو شعر و ادب کا اعلیٰ مذاق رکھے ہوئے، شامی و مصری صحافت پر بھی سیر حاصل نظر کرلی، تقریر و حکایت میں ملکہ روانی تحریر سے بھی زیادہ، میری طرح کاہل و جامد نہیں۔ ندوہ جیسے بڑے دار العلوم کا انتظام بھی کرتے ہیں اور سارے ہندوستان کا دورہ الگ، ابھی یہاں، ابھی وہاں اور مقالات و تصانیف ہیں کہ ساتھ ہی ساتھ کھٹا کھٹ نکلی چلی آرہی ہیں اردو اور عربی کے علاوہ انگریزی میں بھی بلکہ ترکی میں بھی کسی حد تک، زندگی قابلِ داد بھی، قابلِ رشک بھی، خود مجھے اپنے معاملہ میں "بخل" یا تواضع بے جا کی شکایت البتہ ہے ایک بار نہیں شاید دو ایک بار، اور اشارۃً کنایۃً نہیں، منہ پھوڑ کر پوچھا۔ حضرت اشاندار مصطلحات تصوف کا مفہوم کچھ تو ہم نیاز مندوں پر کھولئے اور "تنازل ستہ" کے چہرے سے نقاب ذرا سا سرکائیے، توجہ باطل سے قلب کو گرمایئے" کچھ جواب نہ ملا۔ تجاہل سا کر کے ٹال گئے۔ ایسا تجاہل جو دانستہ تغافل سے کم نہیں، اتنے کام مختلف قسم کے اپنے سرے رکھے ہیں کہ کوئی ان کی مفصل فہرست ہی بنالے تو یہی ایک کمال ہے۔

مختصر یہ کہ سیاسیات ملی اور کلام، تاریخ امت اور سوانح، اکابر، اسرار شریعت پر تو خاص کام کر چکے ہیں۔

میں اپنے وصیت نامہ میں لکھے جاتا ہوں کہ میرے وقت موعود کے آجانے پر پہلے تلاش انہی کی کی جائے اور اگر یہ مل جائیں تو نماز جنازہ پڑھانے کے لئے حق دار نمبر اول یہی ہیں۔

دنیا انہیں مولانا ابو الحسن علی ندوی کہہ کر پکارتی ہے۔ ہم لوگوں کی زبان پر خالی "علی میاں" ہیں، عزیزوں سے بڑھ کر عزیز۔

حضرت مولانا کا ندوۃ العلماء سے تعلق

مولانا عبداللہ عباس ندوی

یکم اگست ۱۹۳۴ء سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ایک مدرس کی حیثیت سے کام شروع کیا اور ۳۱؍دسمبر ۱۹۹۹ء کو آپ کی وفات ہوئی، اس طرح مکمل ۶۵ سال آپ ندوہ سے متعلق اور ندوہ آپ سے وابستہ رہا، اس عرصہ میں آپ نے ایک استاذ کی حیثیت سے تعلیم و تدریس کی خدمت انجام دی، نائب معتمد تعلیم کے فرائض انجام دیئے، معتمد تعلیم کا منصب سنبھالا ــــ ناظم کی حیثیت سے پوری مجلس ندوۃ العلماء کی ذمہ داریاں اٹھائیں، اور زندگی کے آخری سانس تک آپ اس کے ناظم رہے۔ ابتدا میں آپ کا تعارف ندوۃ العلماء کے ایک تعلیم یافتہ اور ندوی الفکر عالم دین، مفسر اور ادیب کی حیثیت سے ہوا، لیکن بعد میں وہ زمانہ بھی دنیا نے دیکھا کہ ندوہ آپ کے ذریعہ پہچانا جانے لگا، اور عالم اسلام کے علمی نقشہ پر ندوہ ابر کر لوگوں کی نگاہوں کا مرکز بنا۔ اور آپ کے دم سے جو نورانی فضا اور دینی ماحول بنا تھا اس کی چاندنی سے آج بھی ندوہ کا ذرہ ذرہ تاباں اور اس ابر کرم سے یہاں کا چپہ چپہ شاداب ہے ... "شاداب تر باد!"

آپ نے ندوہ میں تدریسی خدمت اس وقت سے شروع کی جب مولانا عبدالرحمٰن کاشغری ندوی دارالعلوم سے جدا ہو کر مدرسہ عالیہ کلکتہ کی خدمت پر مامور ہوئے۔ مولانا کاشغری تفسیر و ادب کی کتابیں پڑھایا کرتے تھے، یہی کتابیں حضرت مولانا کے سپرد کی گئیں، اور یہ خدا ساز بات تھی۔ یہی دو موضوع آپ کے اختصاصی مضمون تھے۔ تفسیر آپ نے ندوہ کے علاوہ حضرت مولانا احمد علی لاہوری سے پڑھی تھی، لیکن زمانہ تدریس میں آپ کو پورے تفسیری سرمایہ کو لفظاً لفظاً پڑھنا پڑا۔ تفسیر کبیر امام رازی، کشاف للزمخشری روح المعانی للآلوسی کے علاوہ متاخرین میں حافظ ابن کثیر سے لے کر معاصر مفسرین کی تحریری خدمات کی ورق گردانی کرنا پڑی، لیکن خاندانی ذوق نے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے انداز تفسیر کو سب پر غالب رکھا، یہاں تک کہ آپ کے مرشد و استاذ حضرت لاہوری کا "ذوق و انداز تفسیر" یعنی نظام ربط آیات اور سورتوں کی معنوی ترتیب اور ہر سورہ کا ایک مستقل عنوان قائم کرنا اور اس کو مرکزی مضمون قرار دینا حضرت مولانا کے مزاج سے ہم آہنگ نہیں ہوا۔ اگرچہ اس فن کو حضرت مولانا نے وقت کے سب سے بڑے صاحب فن (مولانا لاہوریؒ) سے حاصل کیا تھا اور ان کے تمام درسی شرائط اور جزئیات کو اس طرح پورا کیا تھا کہ وہ حضرت لاہوری کے ان تمام شاگردوں میں ممتاز تھے۔ جو آپ کے شریک درس رہے تھے۔ (تفصیلات کاروان زندگی (ج ۱) اور میر کارواں دونوں میں موجود ہیں۔)

جہاں تک ادب کی تدریس کا تعلق ہے ہندوستان میں اسلامی ادب کی پرورش آپ کے گھرانہ میں ہوئی، دادا صاحب مؤرخ و مصنف، والد اردو ادب کے مستند مؤرخ، والدہ مناجات و ابیات کی شاعرہ، بہن بہنوئی حدیث نبوی کے ادبی گوشوں پر روشنی ڈالنے والے خود آپ کے استاذ مولانا خلیل عرب دین و ادب کے عاشق، شیخ تقی الدین ہلالی عرب دنیا میں صف اول کے معلم اور ادیب، لہٰذا یہ کہنا کہ ادب آپ کی خمیر میں داخل تھا اور قرآن کریم کی تفسیر و تلاوت نے زبان شناسی کو مزاج و افتاد کا جزء بنا دیا تھا، کوئی مبالغہ نہیں ہے۔

جب آپ نے تدریس شروع کی اس وقت آپ کی عمر ۲۰ سال سے دو چار مہینے آگے ہوگی، لیکن تفسیر و ادب کے دونوں میدانوں میں بزرگ سال، کہنہ مشق اور تجربہ کار مربی و مدرس کی طرح نمایاں ہوئے۔ اگرچہ تدریس کی مدت بہت طویل نہیں ہے، حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ سے روحانی وابستگی کے بعد آپ دعوت و تبلیغ میں منہمک ہو گئے اور نو سال تدریسی خدمت کے بعد پہلے تو ایک سال کی چھٹی لی، پھر ۱۹۴۴ء میں استعفیٰ دے دیا لیکن اس نو سال کی مدت میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے وہ کام لئے جو کوئی اگر نوّے سال کی مدت میں انجام دیتا تو بھی نیک نام اور کامیاب کہا جاتا۔

اس عرصہ میں آپ نے مختارات لکھی۔ قصص النبیین کے چار حصے مرتب فرمائے، پانچواں حصہ جو سیرت نبوی میں ہے وہ بعد میں اضافہ فرمایا۔ القراءۃ الراشدۃ کا سلسلہ تین جلدوں میں مکمل کیا، اس طرح آپ نے نثر عربی کا پورا نصاب تیار کر دیا "مختارات" کی تالیف ... عربی نصاب تعلیم میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کے

اندر ایک انفرادیت ہے اس لئے ضرورت ہے کہ اس کو کسی قدر وضاحت سے پیش کیا جائے۔

عربی نثر کے ادبی حیثیت سے ممتاز ٹکڑوں کا مجموعہ جو ادب آموزی کے لئے منتخب کرکے یکجا کیا گیا ہو۔ اس کو "مختارات" کا نام دیا گیا ہے، اس طرح کے مجموعات ہر زبان میں تیار ہوئے ہیں اور عرب ممالک میں تو ماہرین فن کی ایک کمیٹی تقریباً ہر سال ایسے مجموعے نکالتی رہتی ہے، یوں بھی عربی مزاج انتخاب و اختیار کو پسند کرتا ہے، مختارات البارودی حماسۃ ابی تمام، حماسۃ البحتری، مجموعۃ من النظم والنثر، المطالعۃ العربیۃ۔ اور اس طرح کی درجنوں کتابیں ہماری لائبریریوں میں دستیاب ہیں، لہٰذا صرف ادبی ٹکڑوں کا یکجا کر دینا کوئی بے مثال کام نہیں ہے۔

یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ عربی نثری انتخاب میں لوگوں نے دینی عنصر کا لحاظ نہیں رکھا ہے واقعہ یہ ہے کہ سعودی عرب تو سعودی عرب ہے جو حرمین شریفین کا امین ہے، مصر اور یمن میں جو نثری انتخاب کے مجموعات شائع ہوئے ہیں، ان میں قرآن کریم کی آیات، احادیث شریفہ کے اقتباس دیئے جاتے ہیں، مملکت سعودیہ عربیہ میں تو کئی رکوع قرآن شریف کے اور متعدد احادیث نیز حکمت و دانائی کے اقوال نقل کئے جاتے ہیں۔ اور حکومت کی تعلیمی سیاست بھی یہی ہے کہ دین سے طلبہ کو مانوس رکھا جائے۔

لہٰذا یہ کہنا کہ مختارات کی قدر اس لئے ہوئی کہ اس میں اسلامی فکر غالب ہے کلیتہً صحیح نہیں ہے۔ ایک طرف یہ حقیقت ہے جو اوپر کی سطروں میں بیان کی گئی، دوسری طرف یہ واقعہ ہے کہ ان ماہرین فن نے جنہوں نے خود اس طرح کے مختارات مرتب کئے ہیں انھوں نے مختارات کو اہمیت دی کہ ثانویہ کے مطالعہ کے لئے اس کو منتخب کیا، مصر و شام میں اہل علم و ادب نے اس کی قدر دانی کی۔

بات صرف یہ ہے کہ جن لوگوں نے ادبی مقطوعات کا انتخاب کیا ان کے پیش نظر زبان کے ساتھ دین و اخلاق کا سبق بھی دینا تھا، انھوں نے صرف ان مقطوعات کو چنا جن پر "ادب" کی مہر لگی تھی، اور جن کے لکھنے والے ادیب کہے جاتے تھے جیسے نثر میں المبرد، علی القالی، عبد الحمید الکاتب، القاضی الفاضل، جاحظ، حریری بدیع الزمان اور ان کے معاصرین واتباع، لیکن کسی نے یہ نہیں دیکھا کہ قرآن وحدیث سے زیادہ کوئی عبارت ادب عالیہ کا نمونہ نہیں ہو سکتی احادیث میں بھی چند حکمت و ایجاز کے نمونے جوامع الکلم ہی نہیں بلکہ طول طویل روائتیں بھی ادب عالیہ کے نمونے ہیں، مثلاً ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور صحابی رسول حضرت کعب بن مالک کی بیان کردہ داستانیں بھی اعلیٰ ادبی مقام رکھتی ہیں۔ اور دراصل زبان ان ہی حضرات کی گفتگوؤں، بیانات اور تقریروں سے مرتب ہوئی ہے، صرف و نحو کے قواعد انہی کی بولی سے مرتب کئے گئے ہیں، اسی طرح خلفائے راشدین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، عمر فاروق رض، عثمان غنی رض، علی مرتضیٰ رض کی تقریریں بھی ادبیت و جامعیت کا نمونہ ہیں۔ جن سے زبان آموزی کا کام لیا جا سکتا ہے۔ مصنف نے دوسرے درجہ پر ان مقطوعات کو بھی لیا ہے جو ادب کے نام سے مشہور ہیں، اور جن کے اسالیب بیان کو جاننا ایک طالب علم کے لئے ضروری ہے۔

ایک ادبی کتاب پر تبصرہ کرنے اور رائے دینے کا حق ایک ادیب ہی کو پہونچتا ہے، مختارات کو عربی زبان کا مستند و معروف صاحب قلم جس کی نظر میں قدیم و جدید ادبی سرمایہ موجود ہے جس نے رطب و یابس سب پڑھا اور پڑھایا ہے، کیا کہتا ہے اس نے کس نظر سے مختارات کو دیکھا میری مراد علامہ سید علی طنطاوی سے ہے جو تسلیم شدہ ناقد اور صاحب اسلوب ادیب ہیں، انھوں نے لکھا ہے:

"اگر کسی ادیب کے ذوق کا اندازہ اس کی پسند سے کیا جا سکتا ہے تو ہمارے قارئین کے علم میں یہ بات لانا کافی ہوگا کہ ابھی تھوڑے عرصہ کی بات ہے کہ ادبی منتخبات کے متعدد مجموعوں کا ہم لوگوں نے جائزہ لیا تاکہ ان میں سے کسی ایک مجموعہ کا نام (سعودیہ) کے مدارس شرعیہ کے ثانوی درجات کے لئے انتخاب کریں، اس کمیٹی کے تمام افراد نے ان مجموعات کی چھان بین شروع کی اور واضح رہے کہ اس کمیٹی کے تمام ہی افراد ادبا ہیں، تلاش و جستجو اور بحث و تفتیش کے بعد ہم سب نے متفقہ طور پر ان تمام منتخبات میں سے ایک مجموعہ منتخب نثر عربی کا پسند کیا وہ ہے "مختارات مرتبہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی"۔

بہت دنوں سے میری آرزو تھی کہ ہم لوگ (یعنی اساتذۂ ادب عربی) اپنے شاگردوں کو اس تنگ و تاریک قیدخانہ سے نجات دلائیں جس میں ہم نے ان کو بند رکھا ہے، ان کو آزاد فضا میں سانس لینے کا موقع دیں، ان کو دن کی روشنی دکھائیں ہم اپنے منتخب مضامین میں جاحظ کے مقطوعہ "وصف الکتاب" سے ان کو نکالیں جس میں ایک معنیٰ کے متعدد ہم معنیٰ الفاظ (مرادفات) کے سوا کچھ نہیں رکھا ہے، ان کو ابن العمید کے لفظی کرتب اور الصاحب لابن العباد کے کیچڑ دلدل اور القاضی الفاضل کے گھروندوں سے

نکالیں، جن کو پڑھ کر طلبہ ادب سے متنفر ہو جاتے ہیں، اور ہم ادب سے ان کو مانوس کرنے کے بجائے بیزار کرتے ہیں، ہم نے بارہا کہا کہ ابو حیان التوحیدی جاحظ سے زیادہ تحریر پر قدرت رکھتا ہے، اگرچہ جاحظ کے پاس سنی سنائی باتوں کا زیادہ ذخیرہ ہے، اور علمی طور پر فائق ہے۔ اسی طرح حسن بصری ان دونوں سے زیادہ بلیغ تھے، اور ابن السماک حسن بصریؒ سے بھی زیادہ بلیغ تھے (۱)

امام غزالی نے جو الاحیاء (احیاء علوم الدین) ...اور ابن خلدون نے مقدمہ میں جو کچھ لکھ دیا ہے ...جوزی نے (صید الخاطر) میں جو لکھا ہے ابن ہشام ...و سیرت میں لکھا ہے، امام شافعی نے جو الام ...اب الام) میں لکھا ہے اور سرخسی نے "مبسوط" ...جو لکھا ہے (یعنی جو زبان استعمال کی ہے اور ...ب صورت پیرایہ بیان اختیار کیا ہے) وہ طالب علم ...دب سکھانے کے لئے کہیں زیادہ بہتر اور اولیٰ ...بہ نسبت ابن عباد کی حماقتوں کے مطالعہ سے ...حریری اور ابن اثیر کے تعمیر کردہ لفظی گھروندوں ...ے۔

میں نے اس موضوع پر بارہا لکھا ہے لیکن ...اس کی طرف متوجہ نہیں ہوا، نتیجہ یہ کہ میں ادب ...علیم سے مایوس ہو گیا تھا مگر مولانا ابو الحسن علی ...دی کی کتاب مجھے مل گئی تو دیکھا کہ انھوں نے ...ی کتابوں کو چھانا اور پھٹکا ہے، اس کے خس و خاشاک ...الگ کیا ہے اور اس کے اندر سے زر خالص ...کر اپنی کتاب میں محفوظ کر دیا ہے"۔

یہ کتاب ۱۹۳۹ء میں لکھی گئی تھی، راقم نے ...نف ہی سے یہ کتاب سبقاً سبقاً اس وقت پڑھی ...ب یہ قلمی تھی، پھر ۱۹۴۴ء میں پہلی بار طبع ہو کر آئی، ...پ کی سہولت تو نہ تھی، مگر حسن صاحب نے کتابت کی انھوں نے ٹائپ کے حروف سے اپنے حروف ملا دیئے تھے، یہ کتاب ندوہ کے درجہ پنجم میں داخل تھی، دوسرے مدارس کی "جلالت شان" بھلا کیوں اس کتاب کی طرف متوجہ ہوتی، جو ایک نوجوان کی لکھی ہوئی تھی، اور وہ بھی ندوہ سے، مدرسائی عصبیت جس کا مزاج یہ ہے "ترابنا أحسن من تیجانهم" میرے یہاں کی خاک ان کے زر د جواہر سے اور مرصع تاج سے بہتر ہے، ہاں پنجاب یونیورسٹی نے اور اس کے بعد دوسری یونیورسٹیز نے اپنے نصاب میں اس کو جگہ دی، اس کتاب کا عروج اس وقت ہوا جب یہ کتاب چھپ کر عرب ممالک میں گئی وہاں کے دانشوروں، جن کو حقیقی معنوں میں دانشور کہا جا سکتا ہے، سید علی طنطاوی، ڈاکٹر احمد الشرباصی (استاذ جامعہ ازہر) اور اسی قد و قامت کے ماہرین ادب اہل زبان نے اس کو دیکھا، جیسا کہ سید علی طنطاوی کی تقریظ سے معلوم ہوا کہ کسی ایک فرد نے نہیں، بلکہ ادبا، اہل قلم، اور اہل زبان کی لجنہ (کمیٹی) نے جانچ کر تمام منتخبات پر اس کو ترجیح دی۔

اس کتاب کا تیسرا ایڈیشن جب کویت سے ۱۴۰۶ھ میں شائع ہوا تو اس پر مولانا نے ایک مبسوط مقدمہ لکھا، جس میں تفصیل کے ساتھ پورے ادبی سرمایہ کا محاکمہ کیا ہے اور احادیث نبویہ کی ادبی خصوصیات پر سیر حاصل گفتگو کی ہے کاروان زندگی میں اس کی طباعت کے مراحل کا ذکر ہے۔

مختارات نے ایک سنگ میل کا درجہ حاصل کیا ہے، یہی بنیاد بنا ہے، ادب اسلامی کی تحریک کا کہ ادب صرف نظم و نثر کے ان مجموعات میں محصور نہیں ہے جن پر ادب کا ٹھپہ لگا ہے، یا جو ادب کے نام پر لکھی گئی ہیں، ادب کا نمونہ وہ تحریریں نہیں ہیں جن کے لکھنے والے ایک بات کو بیان کرنے کے لئے سیدھے سمت قلم نہیں ہلاتے بلکہ ترچھے اور آڑے کھینچا کرتے ہیں، وہ قلم جو امرؤ القیس کے گھوڑے کی طرح۔ مکر مفر مقبل مدبر معاً (۲) چلتا ہو یا جس میں غریب الفاظ اور نامانوس محاورات کا بے جا اور بلا وجہ استعمال طالب علم کے سر سے اس طرح گذرتا ہو کہ

کجلمود صخر حطه السیل من عل (۳)

ادب اپنے مقصد کو بھرپور مقتضائے حال کے مطابق اچھے الفاظ، طبعی و بے ساختہ ترکیبوں سے ادا ہونے والی بات کو کہتے ہیں، قرآن کریم اور احادیث نبویہ سے بڑھ کر ادب کہیں نہیں مل سکتا۔

ادب اسلامی کی عالمی تحریک کا سنگ بنیاد اسی کتاب نے رکھا اور الجزائر مراکش سے لے کر خلیج تک ادبا، علماء نے آکر اس کو خراج تحسین ادا کیا۔

مختارات کے بعد مولانا نے "القراءة الراشدة" اور "قصص النبیین" لکھی، تصنیف کے اسباب اور اس کی فنی خصوصیات پر مولانا نے اگرچہ بہت تواضع اور احتیاط کے ساتھ جو تحریر فرمایا ہے اس کو یہاں نقل کرتا ہوں۔

"مجھے کئی سال درجہ میں اور درجہ کے باہر مصر کی وزارت تعلیم کی مرتب کردہ ریڈرس کے سلسلہ القراءة الرشیدة کے اول، دوم سوم حصوں کے پڑھانے کا اتفاق ہوا۔ کتاب زبان کی صحت، اصول تعلیم، بچوں کی نفسیات دسن وسال اور معلومات عامہ کے لحاظ سے ہر طرح کامیاب ہے دینی روح اور اخلاقی تعلیمات سے بھی خالی نہیں، لیکن وہ اصلاً مصر کے بچوں (جن میں ایک تعداد عیسائی اور قبطی بچوں کی بھی ہوتی ہے) کے لئے ترتیب دی گئی ہے۔ پھر اس پر قدرةً اور ضرورةً مقامی اور ملکی چھاپ بھی ہے بکثرت اسباق قاہرہ کے گرد و نواح کے

مقامات، آثار قدیمہ، مصری شخصیتوں سے متعلق ہیں، مثلاً مقامات میں "جزیرة الروضة، الأهرام، القناطر الخيرية" حوار بين مصر والإسكندرية، مقامی تہواروں اور جشنوں میں سے "عید وفاء النیل" شخصیتوں میں سے محمد علی پاشا پر مستقل مضمون ہے، سب سے بڑھ کر یہ کہ مصر کا قومی ترانہ بھی موجود ہے، جس میں مصر کی عظمت کے گیت گائے گئے ہیں، اور اس کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں، مدارس عربیہ کے مسلمان ہندوستانی بچوں کے لئے اس ترانے کو گانے میں کیا معنویت اور کشش ہو سکتی ہے؟ اسی طرح "عید وفاء النیل" جس میں مصر کے عیسائی بڑی دلچسپی لیتے ہیں، ہندوستان کے حالات سے کیا مطابقت رکھتی ہے؟

رفتہ رفتہ یہ خیال دل میں گدگدی لینے لگا کہ کیوں نہ اس کی جگہ لینے کے لئے عربی ریڈروں کا ایک نیا سلسلہ مرتب کیا جائے، بھائی صاحب کی موجودگی، سید صاحب کی شفقت اور اس وقت کے مہتمم دار العلوم مولانا عمران خاں صاحب کے منصب اہتمام میں ہونے کی وجہ سے اس کا پورا اطمینان تھا کہ اگر یہ سلسلہ مرتب ہو گیا تو اس کے داخل نصاب ہونے میں کوئی دقت نہ ہوگی، چنانچہ بنام خدا کام شروع کر دیا، غالباً ۱۹۴۴ء کے آس پاس اس کا سلسلہ شروع ہوا اور دو سال کے عرصہ میں اس کے تینوں حصے مرتب ہو گئے، کتاب میں اس کا التزام کیا گیا کہ حتی الامکان کوئی سبق دینی موعظت سے خالی نہ ہو، اور آخر میں اس کا کوئی اخلاقی و دینی نتیجہ نکلتا ہو یا کسی دینی تعلیم یا آداب کی طرف رہبری ہوتی ہو، لیکن اس طرح کہ طالب علم کو محسوس نہ ہو کہ کوئی چیز اوپر سے یا باہر سے لائی جا رہی ہے، یا اس کو کوئی خارجی انجکشن دیا جا رہا ہے، نمونہ کے طور پر حصہ دوم میں "كسرة من الخبز" (روٹی کا ایک ٹکڑا) "تاريخ القميص" (کرتے کی کہانی) "ماذا تحب أن تكون" (تم کیا بننا چاہتے ہو؟) "كن أحد السبعة" (سات میں سے ایک بنو!) ملاحظہ فرمایا جائے۔ معلومات عامہ میں سے "العين" الأسد، الجمل، القاطرة، جسم النبات، الباخرة" وغیرہ کے اسباق۔ تاریخی واقعات میں سے "الحنين إلى الشهادة" رسالة إلى رسول الله، في بيت أبي أيوب الأنصاري" وغیرہ کے اسباق، شخصیتوں میں سے "الخليفة عمر بن عبد العزيز، الإمام مالك، السلطان محمود الغزنوي، شير شاه السوري، السلطان مظفر حليم" اور نگ زیب عالمگیر اور علماء اسلام میں سے امام غزالی، ابن تیمیہ، ملا نظام الدین فرنگی محلی، اور حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ کو لیا گیا، تعلیم گاہوں میں سے جامع ازہر، دار العلوم دیوبند، مظاہر العلوم اور ندوہ کو لیا گیا۔ پھر ایک طرف قطب مینار کی زبان سے "المنارة تتحدث" کے عنوان سے ہندوستان کے اسلامی عہد کی تاریخ دلچسپ انداز میں سنائی گئی ہے۔ جس میں ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا نچوڑ اور سیکڑوں صفحات کا خلاصہ آگیا ہے، "من النجوم إلى الأرض" کے عنوان سے تاریخ اسلام کی وہ جھلکیاں دکھائی گئی ہیں، جو ایک ستارہ کی بلندی سے دیکھنے والے کو نظر آتی ہیں، یہ سلسلہ لکھنؤ میں چھپنے کے بعد پہلے دار العلوم ندوة العلماء میں پھر ان مدارس میں جنہوں نے اس کا نصاب اختیار کیا ہے داخل ہو گیا، اور پاکستان میں بھی چھپ کر وہاں کے مدارس میں مقبول ہوا۔

لیکن مصنف اپنی جس خدمت اور توفیق ا[...]
پر سب سے زیادہ خدا کا شکر ادا کرتا ہے، اور اپنے لئے اس کو ذریعہ مغفرت اور ذخیرۂ آخرت تصور کرتا ہے، وہ "قصص النبيين" کا مقبول سلسلہ ہے، اوپر گذر چکا ہے کہ دار العلوم میں کامل کیلانی کی کتا[ب] "حكايات للأطفال" کا سلسلہ داخل تھا۔ اور اس وقت تمام ممالک عربیہ میں حد درجہ مقبول [...] تھا۔ مجھے اس کے پڑھانے سے بھی واسطہ پڑا [...] بھی اس کا خالص سیکولر (SECULER) ہونا جانوروں کے قصوں اور تصاویر کی بھرمار کھٹکتی تھی لیکن مخدوم و محترم مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی نے (جن کی دینی غیرت اور حساسیت طبقۂ علماء کے لئے باعث غیرت تھی) خاص طور پر اس پر متوجہ فرمایا انھوں نے میرے نام ایک مکتوب میں جو ۴ جون ۱۹۴[...] کا لکھا ہوا ہے اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا

"حال میں ندوہ کی ایک ابتدائی درسی کتاب محض اتفاق سے نظر پڑ گئی، بڑا ہی دل دکھا، تصویروں کی وہ بھرمار کہ شاید عبارت بھی اتنی نہ ہو، سرورق سے لے کر آخر تک جاندار مخلوق کی تصاویر سے رنگین، اللہ و رسول کا شروع سے آخر تک نام نہیں، لغو قصے، قدیم جن و پری کے طرز کے، حیرت ہو گئی کہ یہ کتاب اور سید صاحب اور ڈاکٹر صاحب کے

انے ہیں؟ خط دونوں صاحبوں کو لکھ دیا
جو کفر از کعبہ برخیزد "مصری کتابیں تعلیمی
نقطۂ نظر سے بھی ہرگز ندوی طلبا کے
لئے مفید نہیں ہوسکتیں۔"

یہ کام جو غالباً ۱۳۶۳ھ کے درمیان
ع ہوا اور اس کا سلسلہ سفر و حضر میں ریل
ٹرین کے کنارے سواری کے انتظار میں
(سوہاوہ (۴)) اور نظام الدین کے قیام میں
حرکت اور انتشار کی حالت میں بھی جاری رہا،
توفیق سے مکمل ہوا۔ اس کو شروع کرنے کے
یا ہوا کہ خدا نے اس کو میرے لئے ایسا آسان
ہے کہ قلم برداشتہ بلا تکلف اس طرح لکھتا
یسے باتیں کر رہا ہوں" اس میں تین باتوں کا التزام
یا۔

۱۔ الفاظ کا ذخیرہ (VOCABULARY)
م ہو لیکن اعادہ اور تکرار سے اس کو ذہن میں
کر دیا جائے۔

۲۔ یہ کتاب قرآن کی زبان میں لکھی جائے،
آیات قرآنی جگہ جگہ نگینہ کی طرح جڑ دی جائیں،

۳۔ اسلام کے بنیادی عقائد (توحید و رسالت
) کی تلقین و تعلیم ضمناً ہو جائے۔

۔ قصوں کو پھیلا کر لکھا جائے، اور ان میں ایسی
مالی کا سامان ہو کہ بچوں کے دلوں میں کفر و شرک
رت، ایمان و توحید کی محبت اور انبیاء علیہم السلام
ظمت راسخ ہو جائے۔ اور یہ سب غیر شعوری
طور پر۔

اس نکتہ پر کہ اس میں بچوں کے لئے عقائد
رست کرنے اور ان کے ذہن کو بنانے کا سامان
سب سے پہلے مولانا عبد الماجد دریابادیؒ کی
ر گئی انھوں نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے
"اس کتاب کے ذریعہ بچوں کا علم کلام تیار
یا۔" مولانا مسعود عالم صاحب مرحوم نے اپنے
مقدمہ میں لکھا کہ "اس کتاب میں زبان اور دین کو اس طرح ایک دوسرے سے پیوست کر دیا ہے، جیسے گوشت اور ناخن"۔ مولانا عبد الماجد صاحب نے اس کتاب کی ایسی قدر دانی کی کہ ان کا یہ تقاضا اور اصرار ہوا کہ میں سارے کام چھوڑ کر اس سلسلہ کو مکمل کر دوں، لیکن کتاب کے تیسرے حصے پر جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہے یہ سلسلہ رک گیا۔ معلوم ہوا کہ مولانا نے اپنی صاحبزادیوں کو باقاعدہ یہ کتاب پڑھائی۔

کتاب کا دوسرا ایڈیشن جب مصر میں چھپا تو میری خواہش ہوئی، سید قطب بھی اس پر مقدمہ لکھیں.... انھوں نے مقدمہ لکھا اور اس میں دل کھول کر کتاب کی داد دی انھوں نے یہاں تک لکھا کہ!

"میں نے کثرت سے وہ کتابیں پڑھی ہیں، جو بچوں کے لئے لکھی گئی ہیں، اور جن میں انبیاء کرام کے حکایات و قصص بھی شامل ہیں، خود اس سلسلہ کتب کی ترتیب میں میں نے شرکت کی ہے، جو "القصص الدینی للأطفال" کے نام سے مصر میں مرتب ہوا اور جس کے لئے مواد قرآن مجید سے اخذ کیا گیا تھا۔ لیکن میں تکلف اور خوشامد کے بغیر اس کا اعتراف کرتا ہوں کہ "قصص النبیین للأطفال" کے مصنف کا کام (جس کا ایک نمونہ حضرت موسیٰ کے قصہ میں نظر آتا ہے) ہمارے وضع کئے ہوئے سلسلہ سے زیادہ کامیاب اور مکمل ہے۔ اس لئے کہ اس میں ایسی لطیف راہنمائیاں قصہ کے مقاصد پر روشنی ڈالنے والی تشریحات اور بین السطور میں ایسے اشارات آگئے ہیں، جو بیش قیمت ایمانی حقائق کے نقاب کشائی کرتے ہیں۔" (۵)

یہ کتاب مصر کے بعد بیروت کے مشہور... مرکز اشاعت "مؤسسة الرسالة" کی طرف سے ہزاروں کی تعداد میں شائع ہوئی اور سعودی عرب کے بہت سے ابتدائی مدارس کے نصاب درس میں داخل ہو گئی۔ ہندوستان اور پاکستان کے بہت سے مدارس اور اسکولوں اور کالجوں کے عربی کے نصاب میں بھی داخل ہو گئی۔ اگر مصنف کو اپنی کسی کتاب کے داخل نصاب نہ ہونے پر استعجاب اور دوستانہ شکوہ ہو سکتا ہے تو اس کتاب پر کہ وہ ادب آموزی اور دینی تلقین کا بیک وقت کام کرتی ہے، لیکن جماعتی اور مدرسی عصبیت بڑے بڑے حقائق پر پردہ ڈال دیتی ہے، تجربہ سے معلوم ہوا کہ اس بارے میں جدید تعلیمی ادارے اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ زیادہ فراخ دل اور وسیع النظر واقع ہوا ہے۔

باوجود مولانا عبد الماجد صاحب جیسے بزرگ کے تقاضے اور کتاب کے قدردانوں کی خواہش و فرمائش کے تقریباً تیس پینتیس سال کی مدت گذر گئی اور تیسرے حصے کے بعد چوتھے حصے کے لکھنے اور بقیہ اولو العزم پیغمبروں کے حالات بالخصوص خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ (جس کی عربی میں بچوں کے ذخیرۂ کتب میں سخت کمی محسوس کی جاتی تھی) سعادت نہیں ہوئی کہ اچانک ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء کے رمضان میں اس کا جوش اٹھا اور میں نے ان چند پیغمبروں پر (اللہ کا درود و سلام ہو ان پر) لکھنا شروع کیا جو حضرت موسیٰ کے بعد مبعوث ہوئے، شروع میں مجھے بچوں کی زبان کی اس سطح پر اترنے میں کسی قدر دشواری محسوس ہوئی۔ جو "قصص النبیین للأطفال" کے لئے اختیار کی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے وہ زبان لکھنا بھول گیا ہوں، مگر تھوڑی کوشش کے

بعد قلم میں روانی پیدا ہوگئی، اور چوتھے حصے کی تالیف کی توفیق ہوگئی جس کو حضرت شعیب سے شروع کر کے حضرت عیسیٰ پر مکمل کر دیا گیا اب صرف مسک الختام کی باری تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی بھی توفیق دے دی اور ذی القعدہ ۱۳۹۶ھ اکتوبر ۱۹۷۶ء میں سیرت خاتم النبیین پر اس سلسلہ کا حسن خاتمہ ہوا۔ اور وہ دونوں حصے بھی "مؤسسۃ الرسالۃ" (بیروت) میں چھپ کر مقبول عام وخاص ہوئے۔ اس اجمال کی تفصیل و توسیع میری کتاب "السیرۃ النبویۃ" سے ہوگئی جو حال میں دار الشروق جدہ کی طرف سے چھپ کر سعودی عرب اور بعض دوسرے ممالک کے کلیات اور جامعات کے نصاب میں داخل ہوگئی ہے اور حال میں اس کا چوتھا ایڈیشن بڑی آب وتاب سے شائع ہوا ہے۔ دراصل قصص النبیین کے سلسلہ کی یہی چھوٹی کتاب اس بڑی کتاب کا محرک اور باعث بنی۔

صفحات بالا سے معلوم ہو چکا ہے کہ میری تدریسی زندگی کا آغاز درس قرآن سے ہوا ۱۳۴۳ھ کے بعد سے دار العلوم کے اہم اسباق قرآن میرے ذمہ ہوئے تھے اسی دوران میں (غالباً ۱۹۳۸ء-۳۹ء کے درمیان) مجھے احساس ہوا کہ طلباء مطالعۂ قرآن اور اس سے صحیح استفادہ کرنے کے بہت سے مقدمات اور اصول ومبادی سے ناآشنا ہوتے ہیں، اور اس ناواقفیت کی وجہ سے وہ صحیح طور پر مطالب وتعلیمات قرآنی، قرآن کے پیغام اور اس کی روح اور اس کے اعجاز سے بیگانہ رہتے ہیں، یا ان کی واقفیت ابتدائی اور عامیانہ ہوتی ہے، اپنے عملی تجربہ اور کئی سال تک درس قرآن کی خدمت انجام دینے کے بعد طبیعت پر اس کا تقاضہ پیدا ہوا کہ میں اوپر کے تفسیری درجوں کے طلباء کے لئے کچھ ایسے مضامین تیار کر دوں جو تدبر فی القرآن کے لئے معاون اور اس کی عظمت واعجاز کے سمجھنے میں مددگار ثابت ہوں۔ چنانچہ ۱۹۳۸ء-۳۹ء میں ایک سلسلۂ مضامین لکھوانا شروع کیا جس کے حسب ذیل عنوانات تھے۔

۱۔ قرآن کا تعارف خود قرآن کی زبان سے۔ ۲۔ قرآن شریف سے استفادہ کے شرائط اور اس کے موانع۔ ۳۔ اعجاز القرآن۔ ۴۔ قرآن مجید کا مرکزی مضمون۔ ۵۔ قرآن مجید کی پیشگوئیاں، خاص طور پر غلبۂ روم کی پیشگوئی۔ ۶۔ بنیادی عقائد توحید، رسالت، معاد اور ارکان اربعہ پر بھی لکھوانا شروع کیا لیکن وہ نامکمل رہا۔ (۲۹)

طلباء یہ مضامین لکھ لیتے تھے، بعد میں رسالہ الندوہ میں جو ۱۹۴۰ء سے جاری ہو گیا تھا۔ وہ بالاقساط شائع ہوئے اور پسند کئے گئے، عرصہ تک ان مضامین کو جمع کرنے اور شائع کرنے کی طرف سے توجہ نہیں ہوئی۔ ان کا مجموعہ (جس میں بعض غیر مطبوعہ مضامین بھی تھے) گم شدہ سمجھ لیا گیا۔ اچانک ۱۹۸۰ء میں عزیز گرامی مولوی سید محمد طاہر مددگار ناظم ندوۃ العلماء کے یہاں جو دار العلوم کے طالب علم رہ چکے تھے، اس کا مسودہ مل گیا میں نے اس پر نظر ثانی کی اور چند اہم مضامین "قرآن مجید اور قدیم آسمانی صحیفے علم وتاریخ کے میزان میں"، "تلاوت وتدبر قرآن کے چند نمونے" ایک تجربہ ایک مشورہ کا اضافہ کیا اور اس کو نور چشم مولوی سید محمد حمزہ ندوی فرزند خواہر زادۂ عزیز مولوی سید محمد ثانی مرحوم نے مجھ سے لے کر "مطالعہ قرآن کے اصول ومبادی" کے نام سے مکتبۂ اسلام، ۳۷، گوئن روڈ کی طرف سے شائع کر دیا اس کتاب میں دوسرے مضامین کے علاوہ غلبۂ روم کی پیشگوئی اور جن ناقابل قیاس حالات میں اس کا تحقق ہوا اس کے موضوع پر اتنا مواد جمع کر دیا گیا ہے، جو ابھی تک کسی اور کتاب میں نظر سے نہیں گذرا، یہ کتاب قرآن مجید سے اشتغال رکھنے والوں کے لئے چشم کشا اور بصیرت افروز بن گئی اور مدارس عربیہ میں داخل نصاب کرنے کے قابل ہے۔

۱۹۴۹ء میں جمعیۃ علماء ہند کا سالانہ اجلاس حضرت مولانا مدنی قدس سرہ کی صدارت میں لکھنؤ میں منعقد ہوا، حضرت ڈاکٹر سید عبد العلی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مدنی کے تعلق سے اس اجلاس کے صدر استقبالیہ تھے اس موقع پر حضرت مولانا نے عربی نصاب تعلیم کے مختلف ادوار کو جدولوں (چارٹس) کی شکل میں مرتب فرمایا۔ اور ہندوستان کی پوری علمی تاریخ ان نقشوں میں آگئی ایک فہرست ان علماء کی تھی جو حدیث نبوی میں رسوخ رکھتے تھے اور محدث کی حیثیت سے معروف ہوئے اسی طرح ہندوستان کے نامور مدرسین، فقہاء، علماء منطق وفلسفہ، علماء علم ہیئت وافلاک سبھوں کے اسماء مع تاریخ وفات لکھے اور ان کی مشہور کتابوں یا قصائد کے عنوان کے ساتھ مرتب فرمائی تھی، نصاب تعلیم کس زمانہ میں کیا رہا اور معیار فضیلت کس طرح بدلتا رہا۔

ان میں ہندوستان کے متعدد نقشے بھی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کن مقامات پر مشہور مدرسے تھے، خانقاہیں تھیں، یہ علمی نمائش دار العلوم کے عباسیہ ہال میں آویزاں کی گئی اور کانفرنس کے شرکاء میں جو اصحاب علم تھے، انھوں نے آکر دیکھا، حضرت مولاناؒ کا ایک اہم علمی کارنامہ ہے۔ (آئندہ صفحات میں ان نقشوں کو نقل کیا جارہا ہے)

۱۹۴۸ء میں نائب معتمد تعلیم مقرر ہوئے، اس وقت آپ کی شہرت ملک میں پھیل چکی تھی اور جیسا کہ اوپر گذرا، اسی زمانہ میں "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" کا اردو ترجمہ شائع ہوا بحر اصل عربی زبان میں قاہرہ کے "لجنۃ التالیف والترجمہ

والنشر" سے شائع ہوا۔ حضرت سید صاحب (علامہ سید سلیمان ندویؒ) کی وفات کے بعد ۱۹۵۴ء میں آپ کو معتمد تعلیم منتخب کیا گیا، آپ کی تالیفات کا سلسلہ جاری رہا، دارالعلوم کے اساتذہ کی تربیت، ان کے درجوں میں جاکر اسباق کو دیکھنا ان سے مشورے اور رائیں حاصل کرکے نصاب میں حسب ضرورت تبدیلیاں ہوتی رہیں، اسی زمانہ میں آپ حجاز کے دوسرے سفر سے واپس تشریف لائے، اور آپ کے عزیز ترین معتمد علیہ مولانا معین اللہ صاحب اندوری مرحوم نے شعبۂ تعمیر و ترقی کا کام اپنے ہاتھ میں لیا، اور مولانا کے سفر و حضر میں شریک رہنے لگے۔ مولانا معین اللہ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی صلاحیتیں دی تھیں، حضرت مولانا کے ــــ ناظم منتخب ہونے کے بعد آئینی طور پر تو نہیں مگر عملاً ندوہ کی انتظامی خدمت موصوف نے سنبھال لی، عمارتوں کی تعمیر، مسجد میں پنکھوں کا نظم، سڑکوں کی تعمیر، اساتذہ کے لئے کوارٹرس بنانا، بجلی کے مستحکم پول بنانا، یہ سب مولانا معین اللہ صاحب کے کارنامے ہیں، حضرت مولانا کے ــــ ناظم ہونے کے بعد مالی اور انتظامی خدمت کا کام مولانا معین اللہ صاحب نے اپنے ذمہ لیا اور بحسن و خوبی انجام دیا، حضرت مولانا کی مقبولیت عنداللہ اور عندالناس سے ندوہ کو فیض پہونچانے کا کام انہی کا حصہ تھا، حضرت ڈاکٹر سید عبدالعلی رحمۃ اللہ علیہ پر جب سے امراض کے حملے شروع ہوئے اس وقت سے عملاً نظامت حضرت مولاناؒ کے ذمہ تھی، اور آپ کی ہدایت کی روشنی میں مولانا معین اللہ صاحبؒ ان کے قوت بازو اور معتمد علیہ تھے۔ طلبہ کی تعداد بڑھنا شروع ہوئی، رحمانیہ ہاسٹل بنا، پھر سلیمانیہ دارالاقامہ تعمیر ہوا، شبلی دارالاقامہ کے متصل مین منزلہ دارالاقامہ بنا، پھر رفتہ رفتہ تمام عمارتیں بننے لگیں، اور دیکھتے دیکھتے ندوہ کے در و بام میں زندگی کے نئے آثار نمایاں ہو گئے۔

حضرت مولانا کے دور نظامت میں ندوہ

ایک مدرسے کے نام سے تو یقیناً پورے ملک میں مشہور تھا اور اپنی فکر کے لحاظ سے نمایاں تھا مگر طلبہ کی تعداد بہت کم تھی، اس لئے کہ غیر مستطیع طلبہ کے لئے وظائف کا انتظام نہیں تھا اور پورے ملک کا دورہ کرکے چندے وصول کرنے والے سفراء نہیں تھے، حیدرآباد اور بعض ریاستوں کی معمولی امداد سے مدرسے کے اخراجات چلتے تھے، اور یہ معلوم ہے کہ مدارس میں مستطیع بہت کم اور غیر مستطیع زیادہ ہوتے ہیں، کھاتے پیتے گھرانوں کے لڑکے اسکولوں اور کالجوں کا رخ کرتے ہیں، اور عام طور پر "باقی ہے ملت بیضا غرباء کے دم سے" ان کے لئے گنجائش یہاں کم تھی۔ میری طالب علمی کے زمانہ (۱۹۴۲ء تا ۱۹۴۴ء) میں ۳۵ طلبہ کا وظیفہ تھا اور سو طالب علم اپنے کھانے کا خرچ خود ادا کرتے تھے، اس سے ایک فائدہ تو تھا کہ طلبہ میں ذہنی طور پر اونچ نیچ نہیں تھی اور کسی کو معلوم نہیں تھا کہ مستطیع کون ہے اور غیر مستطیع کون۔ دعوت دین کے لئے جو جرأتمندانہ احساس ہونا چاہئے وہ موجود تھا۔ مگر طلبہ کی اتنی مختصر تعداد مختلف قسم کی بدگمانی پیدا کرتی تھی۔ بعض حلقوں سے یہ آواز اٹھائی گئی کہ قوم نے ندوہ کے نصاب کو قبول نہیں کیا۔ اور قدیم درس نظامی جو اسلامی تاریخ کے عہد انحطاط میں مرتب کیا گیا تھا، وہی مطلوب و مقبول ہے۔ حالانکہ حقیقت صرف اتنی تھی کہ ندوہ کا دارالعلوم ابتداء سے اپنے ایک خاص نہج پر چلتا رہا، اور طلبہ کی تعداد صرف اس لئے کم تھی کہ عوامی چندہ حاصل کرنے کے لئے کوئی نقشۂ عمل نہیں تھا۔ نیز ایسی شخصیت جو دینی اور علمی اعتبار سے خاص و عام میں مقبول ہو نہیں تھی۔ اور جو تھے جن کے بارے میں پورے اعتماد کے ساتھ کہا جاسکتا ہے وہ فن کے منتخب ترین علماء میں تھے۔ جیسے حضرت مولانا حیدر حسن خاںؒ مولانا شبلی فقیہ، مولانا محمد ناظم ندوی، مولانا عبدالسلام قدوائی سب اپنے اپنے فن کے یگانۂ روزگار افراد تھے۔ لیکن عوام سے ان کا واسطہ نہیں تھا۔ حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کو قدیم و جدید دونوں طبقوں کا اعتماد حاصل تھا۔ وہ صحیح معنوں میں ندوی فکر کا نمونہ تھے۔ بانیانِ ندوہ نے جس صلاحیت کے افراد تیار کرنے کا منصوبہ بنایا تھا، حضرت مولانا اسی کے داعی تھے۔ اور ندویت بغیر کسی بال برابر فرق کے علامہ سید سلیمان ندویؒ کی طرح نئی نسل کے داعی اور راہنما تھے، مولانا معین اللہ صاحبؒ مرحوم نے آپ کے نفوذ اور علمی و روحانی اثرات سے فائدہ اٹھاکر جب لوگوں کو دین کے لئے ندوہ کی طرف متوجہ کیا تو جوق در جوق طلبہ آنے لگے، اور ندوہ کی صلح آمیز فکر عام ہوئی، اور لوگوں نے اس کی دینی اہمیت کا اعتراف کیا اور اس کے دینی مقام کی عظمت کو سمجھا، جس کو سمجھانے کی ندوہ کی طرف سے کبھی کوشش نہیں کی گئی تھی، اور اس کے خلاف غلط پروپگنڈے بھی کئے گئے تھے، جن کی تفصیل کا موقع نہیں ہے۔

بہر حال حضرت مولانا کے عہد نظامت میں ندوہ اپنی فکری اور علمی بنیاد پر قائم رہتے ہوئے عالم اسلام میں پوری طرح مقبول ہوا اور خود اس ملک کے اندر اہل انصاف اور صاحب ضمیر مسلمانوں نے خراج عقیدت پیش کیا۔ بعض لوگوں نے جو ناواقف ہیں اور ندوہ کی اصل فکر سے واقف نہیں تھے انھوں نے کچھ غلط باتیں بھی مشہور کرنا شروع کردیں مثلاً یہ کہ ندوہ دیوبند کے طرز پر ڈھالا جارہا ہے، حالانکہ ایک دن کے لئے بھی ندوہ نے کسی دوسرے مدرسہ کا نصاب تعلیم

طرز تعلیم اختیار نہیں کیا۔ اور نہ کسی غیر ندوی مکتب فکر کی پیروی کی۔ گذشتہ برسوں میں ندوہ کو ایک "عربک کالج" مشہور کرنے کی کوشش شروع کی گئی تھی۔ جب اس تصور کو مٹایا گیا تو لوگوں نے دوسرے کنارہ پر اپنی مخالفت کا موقف اختیار کیا۔

حضرت مولانا کو اللہ تعالیٰ نے جو جامعیت اور عالم اسلام میں مقبولیت عطا فرمائی تھی آپ نے ندوی فکر کو صحیح معنوں میں متعارف کرایا۔ بلاشبہ حضرت مولانا نے بزرگانِ دین کی روحانیت سے ندوہ کو فیض پہونچایا اور ان کی دعاؤں کے اثرات ناقابل انکار ہیں، لیکن صرف روحانیت، خدا ترسی، خوف آخرت کی روح پیدا کرنے کی کوشش کی جس میں ایک حد تک کمی یا تشنگی تھی، لیکن جہاں تک فکری اور علمی استقلال کا تعلق ہے اور ندوہ کے بنیادی مقصد کا تعلق ہے اور نصاب تعلیم میں تبدیلی و ترقی کا تعلق ہے اس میں ایک حرف کی بھی تبدیلی نہیں ہوئی، بلکہ دوسرے اداروں نے کسی نہ کسی شکل میں ندوہ کے نصاب سے قریب آنے کی کوشش کی، یا نام بدل کر اسی ڈھانچہ کو اپنانے کی سعی کی۔ خلاصہ یہ کہ معترضین جو پہلے کے تھے یا جو بعد میں آئے دونوں کی باتیں حقیقت سے مختلف تھیں، صحیح بات وہ نقطۂ اعتدال اور توسط ہے جس کو حضرت مولانا نے اپنے دورِ نظامت میں پوری قوت کے ساتھ متعارف کرایا، پھیلایا اور بڑھایا اور دینی خدمات کا جو سلسلہ آپ کی ذات سے شروع ہوا وہ ایک صدقۂ جاریہ ہے جس کا اجر انشاء اللہ آپ کو ملتا رہے گا۔ حضرت مولانا اس حقیقت کو اپنی خود نوشت سوانح "کاروان زندگی" کے پہلے حصہ میں ذکر فرما چکے ہیں، مناسب ہوگا کہ یہ پوری تقریر یہاں نقل کر دی جائے۔

"دین و عقائد کے معاملہ میں ندوۃ العلماء کے مسلک کی بنیاد دین خالص پر ہے، جو ہر قسم کی آمیزش اور آلائش سے پاک، تاویل اور تحریف سے بلند، ملاوٹ اور فریب کی دسترس سے دور، اور ہر اعتبار سے مکمل اور محفوظ ہے۔

دین کے فہم اور اس کی تشریح اور تعبیر میں اس کی بنیاد اسلام کے اولین اور صاف و شفاف سرچشموں سے استفادہ اور اس کی اصل کی طرف رجوع پر ہے۔

اعمال و اخلاق کے شعبہ میں دین کے جوہر و مغز کو اختیار کرنے، اس پر مضبوطی سے قائم رہنے، احکام شرعیہ پر عمل، حقیقت دین اور روح دین سے زیادہ قرب اور تقویٰ و صلاح باطن پر ہے۔

تصور تاریخ میں اس کی بنیاد اس پر ہے کہ اسلام کے ظہور اور عروج کا دور اول سب سے بہتر اور قابل احترام دور، اور وہ نسل جس نے آغوش نبوت اور درسگاہِ رسالت میں تربیت پائی، اور قرآن و ایمان کے مدرسہ سے تیار ہو کر نکلی، سب سے زیادہ مثالی اور قابل تقلید نسل ہے، اور ہماری سعادت و نجات اور فلاح و کامرانی اس بات پر منحصر ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ اس سے استفادہ کریں، اور اس کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں۔

نظریۂ علم و فلسفۂ تعلیم میں اس کی اساس اس پر ہے کہ علم بذات خود ایک اکائی ہے، جو قدیم و جدید، اور مشرق و مغرب کے خانوں میں تقسیم نہیں کی جا سکتی اگر اس کی کوئی تقسیم ممکن ہے، تو وہ تقسیم صحیح اور غلط، مفید اور مضر، اور ذرائع اور مقاصد کے اعتبار سے ہوگی، استفادہ اور افادہ اور ترک و قبول کے شعبہ میں اس کا عمل اس حکیمانہ نبوی تعلیم پر ہے کہ "حکمت مومن کا گمشدہ مال ہے، جہاں بھی وہ اس کو پائے وہ اس کا سب سے مستحق ہے"، نیز قدیم حکیمانہ اصول "خذ ما صفا ودع ما کدر" پر (یعنی جو صاف و نظیف ہو اس کو لے لو، اور جو آلودہ و کثیف ہو اس کو چھوڑ دو۔)

اسلام کے دفاع اور عصر حاضر کی لادینی قوتوں کے مقابلہ میں اس کی اساس اس ارشاد ربانی پر ہے:۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ. (سورۃ الانفال۔ ۶۰)

ان کے مقابلہ کے لئے جتنی قوت تم سے ممکن ہو سکے تیار کرو۔

دعوت الی اللہ، اسلام کے محاسن و فضائل کی تشریح، اور ذہن و عقل کو اس کی حقانیت و صداقت پر مطمئن کرنے میں اس کا عمل اس حکیمانہ وصیت پر ہے کہ:۔

"کلموا الناس علیٰ قدر عقولهم أتريدون أن يكذب الله ورسوله"

لوگوں سے ان کی عقلوں کا خیال رکھتے ہوئے گفتگو کرو، کیا تم چاہتے ہو کہ خدا اور رسول کو جھٹلا دیا جائے؟

عقائد و اصول میں وہ جمہور اہل سنت کے مسلک کی پابندی، اور سلف کے آراء و تحقیقات کے دائرہ میں محدود رہنا ضروری سمجھتا ہے، فروعی و فقہی مسائل کے بارے میں اس کا مسلک و اصول یہ ہے کہ حتی الامکان اختلافی مسائل کو چھیڑنے اور ہر ایسے طرز عمل سے احتراز کیا جائے جس سے باہمی منافرت

پڑھے اور امت کا شیرازہ منتشر ہو، سلف صالحین سے حسن ظن رکھا جائے، اور ان کے لئے عذر تلاش کیا جائے، اسلام کی مصلحت اجتماعی کو ہر مصلحت پر ترجیح دی جائے۔

مختصر یہ کہ وہ حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ (م ۱۱۷۶ھ) کے علمی و فکری اور کلامی و فقہی مدرسۂ فکر سے زیادہ قریب اور ہم آہنگ ہے، اس لحاظ سے ندوۃ العلماء ایک محدود تعلیمی مرکز سے زیادہ ایک جامع اور کثیر المقاصد دبستان فکر اور مکتب خیال ہے۔"

اس تحریک کے ساتھ جو ندوۃ العلماء کے دینی مسلک، اس کے نظریۂ علم و تاریخ اور طریق فکر سے متعلق ہے، اپنی ہی ایک تحریر کے اقتباس کا اضافہ کیا جاتا ہے جس سے اس ثقافت کی وسعت و تنوع کا اندازہ ہوتا ہے، جو بانیان ندوۃ العلماء کا شعار اور اس کے فضلاء کے لئے باعث افتخار ہے، یہ اقتباس راقم کے اس مقدمہ سے ماخوذ ہے جو نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمان خاں شروانی (جو ندوۃ العلماء کے بانیوں اور فکری رہنماؤں میں سے تھے) کی سوانح حیات مرتبہ مولوی شمس تبریز خاں کے لئے لکھا گیا تھا، مسلمانوں نے ہندوستان میں پہونچ کر جس اسلامی ہندی تہذیب و ثقافت کو وجود بخشا تھا، اس کا تعارف کراتے ہوئے مقدمہ نگار نے لکھا تھا:۔

"اس تہذیب و ثقافت میں شکوہ بھی ہے، اور تواضع بھی، جلادت بھی ہے اور مروت بھی، گہرائی بھی ہے اور گیرائی بھی، صلابت بھی ہے اور رقت بھی، استقامت بھی ہے اور رواداری بھی، اس کی قلمرو میں علوم شریعت و حکمت بھی ہیں، اور ادب و شاعری بھی، تفرد و دلکشی بھی ہے اور نفاست و ذوق لطیف بھی، اس کی دلچسپی کے میدان قلعے بھی ہیں، اور کتب خانے بھی، مدرسے بھی ہیں، اور خانقاہیں بھی، تحقیق و تصنیف کے حلقے بھی ہیں، اور مشاعرے بھی، اس میں ثقاہت بھی ہے، اور ظرافت بھی، سخت جانی بھی ہے اور سبک روحی بھی، اس کے اظہار خیال اور اظہار کمال کا ذریعہ عربی بھی ہے، اور فارسی بھی، اردو بھی ہے، اور ہندی بھی۔"

---

۱ مشہور اصحاب علم ادب اور فن کی کتابیں صدیوں سے پڑھائی جا رہی ہیں، ان کے متعلق یہ آراء شاید ان لوگوں کے لئے نامانوس معلوم ہوں گی، جو روایتی طور پر تقلیدی ادب کے شناسا ہیں، لیکن یہ حقیقت ہے جس کی صداقت جاننے کے لئے کافی مطالعہ اور وسعت نظر اور صحت ذوق کی ضرورت ہے۔

۲ شاعر گھوڑے کی تعریف کرتا ہے کہ وہ حملہ کرتا ہے، بھاگتا ہے ایک ہی ساتھ آگے بھی بڑھتا ہے، اور پیچھے بھی مڑتا ہے۔

۳ ایک پتھر کی چٹان ہے جسے سیلاب نے اوپر سے گرا دیا ہے۔

۴ سوہادہ ریاست پونچھ (کشمیر) میں بالائے کوہ، سادات کی ایک بستی ہے جہاں عزیز گرامی مولوی سید مظفر شاہ ندوی استاد دار العلوم کی دعوت پر ۱۳۶۲ھ میں جانا ہوا تھا اور حصہ سوم کا بڑا حصہ وہاں لکھا گیا۔

۵ مقدمہ قصص النبیین جزء ثالث مطبوعہ دار الکتاب العربی مصر ۱۳۶۲ھ۔

۶ وصیت حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔

(بقیہ) ایسا کہاں سے لاؤں

نقل کرتے ہوئے دعاگو ہیں:۔

"میں سمجھتا ہوں اس فقر کی دولت کو نہ صرف مولانا نے اپنا سرمایہ حیات سمجھا بلکہ ان کا خانوادہ بھی اسی شاہراہ پر چل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس حیثیت کو عزت و وقار کے ساتھ ہمیشہ قائم رکھے اور کبر و غرور سے محفوظ رکھے۔"

مولانا اکثر بڑے والہانہ انداز میں یہ اشعار گنگناتے ہوئے سنے جاتے تھے:

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاج ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دارا و جم
دل کی آزادی شہنشاہی شکم سامان موت
فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم

مولانا کی مثالی زندگی کا ہر لمحہ اس بات کا جیتا جاگتا ثبوت ہے کہ انھوں نے اسیری شکم کے مقابلہ میں فقر کی دولت بیدار کو اپنا کر دل آزاد کی شہنشاہی حاصل کر لی تھی۔

۳۱ر دسمبر ۱۹۹۹ء کے بعد سے ساری اسلامی دنیا زبان حال سے کہہ رہی ہے:

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

شاعر مشرق کے الفاظ میں ذرا سی ترمیم کے ساتھ ہر زبان پر یہ دعا ہے اور ہر دل سے صدائے آمین آرہی ہے:

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

زمانہ کا دامن:۔ زمانہ کا دامن پھیلتا اور سمٹتا رہتا ہے، آج ہمیں پہلے سے کہیں زیادہ محنت تیاری اور سرمایۂ علم کی ضرورت ہے۔

(حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ)

بے مایہ ملت کی ایک مایۂ گرانمایہ سے محرومی

—— جناب مولانا محمد سالم قاسمی (مہتمم دار العلوم (وقف) دیوبند)

حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ صرف ایک عظیم شخصیت نہیں بلکہ بیسویں صدی کے نصف آخر کی تقریباً تمام تاریخ ساز شخصیات کی خصوصیات کو حق تعالیٰ نے ان کی ذات گرامی میں جمع فرمادیا تھا۔ اس لئے ان کی ذات گرامی کی دید اور ان کے کمالات سے مستفید خوش بخت طبقات اگر یہ فرمائیں کہ ہم نے عالم اسلام کے ہر دائرۂ فکر کی زہد و تقویٰ کے ساتھ اور معنویت و روحانیت کی حامل علمی، فکری، تربیتی، تعلیمی، تبلیغی، تصنیفی، تاریخی، ادبی، اداری، انتظامی، اجتماعی، سیاسی اور اخلاقی تمام عہد آفریں شخصیات کو دیکھا ہی نہیں بلکہ برتا بھی ہے تو ان کا یہ قول اہل فکر و نظر کی ہر کسوٹی پر اتنا کھرا اترے گا کہ اس میں کج فکری سے کھوٹ نکالنے کے شائقین ان شاء اللہ کبھی کامیابی کا منہ نہیں دیکھ پائیں گے۔ اس لئے گذری ہوئی محسن ملت شخصیات پر ان کی موجودگی ملت کے لئے نہ صرف صبر و استقامت کا ذریعہ ہی بنی بلکہ ہمت و حوصلہ کی افزونی کا عظیم سبب بھی ثابت ہوئی۔

حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت و برگزیدگی پر یہ ایک ناقابل شکست حتمی دلیل ہے کہ بانی اور تا حیات سابق صدر مسلم پرسنل لا بورڈ، حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب (سابق مہتمم دار العلوم دیوبند) کی جامع الکمالات بین الاقوامی شخصیت کے بعد دینی مستقبل ملت کی محافظ ملک گیر تنظیم آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی صدارت کے لئے حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ مکمل اتحاد فکر کے ساتھ ملت کے ہر مکتب فکر کے اہل فکر و نظر کا ایک لمحہ کی تاخیر کے بغیر انتخاب فرمالینا بذات خود حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت و برگزیدگی پر شاہد عدل ہے۔

حضرت مولانا کا علمی مقام

حضرت مولانا علی میاں علیہ الرحمہ فن تاریخ میں ایک معتبر و مستند مقام رکھنے کے باوجود علوم دینیہ میں فن تفسیر قرآن کریم، فن حدیث میں خاص طور سے متبحرانہ علمی حیثیت کے بھی حامل تھے خاص طور سے فن تفسیر میں فطری مناسبت کی بناء پر عصر رواں کے غیر معمولی تمدنی اور تہذیبی ارتقاء اور سائنس کی حیرت ناک پیش رفت پر قرآن و حدیث سے تائیدی یا تردیدی نکات آفرینی کو مولانا کے دینی ذوق کی عظمتوں پر شاہد عدل بنا کر پیش کیا جاسکتا ہے اس کی بے شمار مثالوں میں سے صرف یہ ایک مثال ہی کافی ہے کہ حضرت مولاناؒ نے عصر حاضر کی اہم ترین اور غیر معمولی ...... ایجادات کہ جن کا تصور بھی سو سال پہلے تک انسانی دماغوں میں نہیں تھا چہ جائیکہ چودہ سو سال پہلے ہوتا۔ لیکن حضرت مولانا اپنے غیر معمولی ذوق عربیت سے قرآن کریم کی آیت کریمہ،

"وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ"

اور کوئی انسان ایسا بھی ہے کہ جو اللہ سے غافل کرنے والی باتیں خریدتا ہے تاکہ اللہ کی راہ سے بے سمجھے دوسروں کو گمراہ کردے۔

يَشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ (باتیں خریدنے) کے لفظ سے ریڈیو اور ٹی۔وی پر جو دل لگتا استشہاد فرمایا ہے وہ سو فیصد ان پر منطبق ہے۔ کیونکہ یہ دونوں چیزیں غافل کرنے والی بھی ہیں اور "باتیں" بھی ہیں اور لہو الحدیث کی انطباقی وسعتوں سے حضرت مولانا کی طرح عربیت کا ذوق سلیم و وسیع رکھنے والے ہی اس عجیب و غریب ہدایت آمیز نکتہ آفرینی سے حظ اندوز ہوسکتے ہیں۔ کیونکہ یہاں لفظ کھیل استعمال نہیں فرمایا گیا جس میں ریڈیو اور ٹی۔وی داخل نہ ہوتے بلکہ باتوں کا کھیل فرمایا گیا ہے جو ہدایت پسند ذوق عربیت کے حاملین کے نزدیک بلا خوف تردید ریڈیو اور ٹی۔وی پر منطبق ہوجاتا ہے۔

فن تاریخ میں مولانا کا بنیادی امتیاز

انسان کی فطری رفتار ارتقاء تدریجی ہے اس لئے عام طور پر بعد میں آنے والی نسل کے لئے پچھلی نسلوں کی تاریخ ایک تہذیبی، تمدنی، معاشرتی، اجتماعی اور سیاسی درس کی حیثیت رکھتی ہے اسی درس سے اس کو ان دوائر حیات میں ترقی کی راہیں نظر آتی ہیں یہی وہ لفظ فکر ہے جو قومی پیمانے پر تاریخ کو ایک اہم .... مقام عطا کرتا ہے۔

اسلام نے تاریخ کے اس عمومی اور

سارف موضوع سے آگے بڑھ کر تاریخ کو مؤثر سرچشمہ قوت و تربیت قرار دے کر دعوت و تبلیغ کے خادم ہونے کا وہ موضوع دیا کہ جو انسانی قلب و دماغ کو انسانیت کاملہ کی راہنمائی عطا کرتا ہے۔

عام طور پر مسلم مؤرخین نے "دعوت و تبلیغ" کے انسانی قلب و دماغ کو متاثر و مطمئن کرنے کی عظیم صلاحیت کی روشنی میں تاریخ لکھنے کے بجائے مسلم اقتدار کی جغرافیائی توسیع اور جنگوں میں مسلم نوجوں کے بسا اوقات ناقابل یقین اور انتہائی مبالغہ آمیز واقعات کو اپنا موضوع تاریخ نویسی بنایا ہے جس کے بارے میں حسن ظن سے اگر کام لیا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ مسلم فوجوں میں جوش و خروش کے ساتھ ہمت و حوصلہ کو بڑھانا ان کا مقصد تھا، نیز دور قدیم کے لحاظ سے یہ بھی بعید از قیاس نہیں ہے کہ اس مبالغہ آمیزی کا مقصد ارباب اقتدار کو خوش کر کے انعام و اکرام حاصل کرنا ہو، ان دونوں مقاصد کی صحت سے صرف نظر کرتے ہوئے یہ کہنا قطعاً مبالغہ نہیں ہوگا کہ اس طرز تاریخ نویسی سے نہ صرف یہ کہ اسلام کی تاریخ ہی مرتب نہیں ہوئی بلکہ خود نفس تاریخ اسلام کو اس سے زبردست یہ نقصان پہونچا ہے کہ مخالفین کی نگاہوں میں اس تاریخ نے بذات خود اسلام کو محل تنقید بنا دیا۔

اس کے برخلاف حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ اسلام کا صحیح اور حقیقی موضوع اس مخلصانہ دعوت و تبلیغ کو قرار دیا جس سے خاص طور پر فطری تعلیمات اسلام کی اغیار پر غیر معمولی اور حیرت انگیز تاثر پذیری اور نیک دل مسلم حکمرانوں کی اسلامی تعلیمات کے تحت انسانیت نوازی، سچے تاجروں اور بااخلاص محنت کشوں کے دیانت و امانت پر مشتمل واقعات کے ذریعہ اقوام عالم تک اسلام کی مؤثر پیغام رسانی متوقع ہوتی ہے، اس طرز پر حضرت موصوف نے تاریخ اسلام کی قرار واقعی اور برمحل خدمت انجام دے کر مستقبل کے مؤرخین کے لئے ایک قابل تقلید نمونہ قائم فرمایا۔ اسی بنیاد پر اس اہم تاریخی موضوع پر مولانا کے مقالات و خطبات کے علاوہ پانچ جلدوں میں شاہکار تصنیف "تاریخ دعوت و عزیمت" نے تاریخ اسلام کے حقیقت شناس مؤرخین اہل علم و فضل سے زبردست خراج تحسین اسی لئے حاصل کیا ہے کہ بصیرت مند اور فقیہہ النفس ارباب علم نے درج ذیل جن تین بنیادی اصولوں کو اسلام سے نابلد قوموں اور ملکوں تک اسلام کی پیغام رسانی کے لئے اپنایا ہے وہ تینوں بنیادیں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی اس عظیم تصنیف میں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔

۱۔ اول یہ کہ بلا امتیاز مذہب و ملت انسانیت کے احترام کو "وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ الخ" کی عمومی ہدایت قرآنی کے تحت ہر ہر مرحلہ پر ملحوظ رکھا ہے جس کے نتیجہ میں کسی ادنیٰ مخالفانہ شعور کے بغیر غیر مسلم قاری بھی پیغام رسانی کے اخلاص پر یقین کے ساتھ اس پیغام کا مدبرانہ مطالعہ کرتا ہے جس کی پُر تاثیری سے انکار ممکن نہیں۔

۲۔ دوسرے پڑوسی کے حقوق کو اسلام نے مسلم و غیر مسلم کے فرق کے بغیر "لازال جبریل یوصینی بالجار حتیٰ ظننت انہ سیورثہ" (جبریل امین ہمیشہ سے پڑوسی کے حقوق کی ادائیگی پر اتنا مامور کرتے تھے کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا کہ شاید پڑوسی کو میراث میں بھی شریک بنا دیا جائے گا۔) کی وسیع و عظیم تعبیریں پیش فرما کر دنیا کے ہر ملک میں غیر مسلم پڑوسی اقوام کے لئے اسلام کی اخلاقی وسعتوں کو اس مختصر و جامع اور وسیع و عظیم تعبیر میں سمو دیا ہے پس اصحاب دعوت و عزیمت کی زندگی کے سراپا اخلاص، احوال و واقعات کی صورت میں اسلام کی یہ عملی وسعت و ہمہ گیری خاص طور پر غیر مسلموں کے لئے عظیم تحفۂ ہدایت بن جاتی ہے۔ حضرت مولانا نے اس کو اپنی تحریر میں ملحوظ رکھ کر صحیح معنیٰ میں تاریخ دعوت و عزیمت کا حق ادا فرمایا ہے۔

۳۔ تیسرے یہ کہ اسلامی معاشرتی رہنمائی کے تحت بلا امتیاز دین و مذہب عمومی پیمانے پر اخلاقی روابط کے قیام کے ذریعہ اسلام کے امن و صلح کے جمہوری مزاج پر انسان دوستی کا وہ مؤثر ترین عملی نمونہ پیش کرنا کہ جس کی انسانیت نوازی کسی دلیل کی محتاج نہیں ہے۔

حضرت مولانا نے اصحاب دعوت و عزیمت کے ذکر جمیل کے ذیل میں اسلام کے اس انسان دوستی کے جمہوری مزاج کو بڑی جامعیت کے ساتھ پیش فرما کر آج کے ارباب دعوت و عزیمت کو ایک ناقابل فراموش وہ رہنمائی عطا فرمائی ہے کہ کسی نئے تجربے کے بغیر انہی اسلامی رہنما اصولوں کو اپنانا ان شاء اللہ کامیابی کی ضمانت ثابت ہوگا۔

ان اصول موضوعہ کو حضرت ربعی بن عامرؓ کے اس سبق آموز مختصر واقعہ کی روشنی میں دیکھئے تو اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مولاناؒ نے اس کی تفصیل کو اپنا محور فکر و عمل قرار دیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت ربعی بن عامرؓ سے رستم ایرانی نے سوال کیا تھا کہ "ماالذی جاء بکم ؟" (تم کس غرض سے (ہمارے پاس) آئے ہو؟) رستم نے یہ سوال اس یقین پر کیا تھا کہ حضرت ربعی بن عامرؓ یہ ہی کہیں گے کہ ہم غربت و افلاس سے تباہ حال ہیں اس لئے تم اپنے مال و دولت میں سے کچھ حصہ ہمیں بھی دو اور رستم کا خیال تھا کہ اس جواب پر ان کو کچھ مال و دولت میں سے حصہ دیدیا جائے گا تو ان کے جہاد سے بھی نجات مل جائے گی اور یہ سب ممنون و شکر گذار ہو کر واپس چلے جائیں گے۔

لیکن حضرت ربعی بن عامرؓ نے رستم کو جو جواب دیا، وہ جواب اسلام کی وہ مکمل اور جامع ترین ترجمانی ہے کہ اگر اس کو یہ کہا جائے کہ اس سے زیادہ اعلیٰ اور کامل ترین جواب کوئی ہو ہی نہیں سکتا تو یہ قطعاً مبالغہ نہیں ہوگا، حضرت ربعیؓ نے فرمایا:۔

"اللہ ابتعثنا لنخرج من شاء من عبادۃ العباد الیٰ عبادۃ اللہ ومن ضیق الدنیا الیٰ سعۃ الآخرۃ ومن جور الادیان الیٰ عدل الاسلام۔"

ہمیں اللہ تعالیٰ نے اس لئے بھیجا ہے کہ جو بندوں کی غلامی سے نکل کر اللہ کی غلامی میں آنا چاہے (تو اسے ہم اللہ کی غلامی کا وہ راستہ بتائیں کہ جس پر ہزاروں آزادیاں قربان ہو سکتی ہیں) اور جو دنیا کی تنگیوں سے نکل کر آخرت کی وسعتوں کی طرف آنا چاہے اور جو دنیا کے ظلموں سے بچنا چاہے اسے اسلام کے عدل و انصاف کی راہ دکھانے کے لئے آئے ہیں۔

یعنی ہم تم پر رحم کھا کر آئے ہیں کہ تم دنیا کے پنجرے میں گرفتار ہو جو تمہیں دیدیا جاتا ہے تو کھا لیتے ہو، تم اپنے کاموں اور ضرورتوں میں اپنے غلاموں کے غلام ہو ہم تمہیں دنیا کی تنگیوں سے نکال کر آخرت کی وسعتوں میں لانے کے لئے آئے ہیں، ہم تمہیں غلامی سے نجات دلا کر آزادی سے ہمکنار کرنے کے لئے آئے ہیں بالفاظ دیگر ہم تم سے کچھ مانگنے نہیں آئے بلکہ تمہیں کچھ دینے کے لئے آئے ہیں۔ اس سراپا اخلاص جواب کی عظمت و اہمیت نے کبر و غرور کا سر جھکا دیا اور رستم دم بخود رہنے پر مجبور ہو گیا یہ ہی وہ دعوت و عزیمت ہے کہ کل عالم انسانی کی اہم ترین ضرورت ہے اور عالم انسانی کو اس کا مخاطب اسلام کے سوا کوئی بنانے والا نہیں ہے۔

انسانیت کو باعظمت بنانے والے اسی خطاب مقدس کی مؤثر ترجمانی حضرت مولانا زندگی بھر کرتے رہے۔

مولانا کی زندگی کا اخلاقی رخ

علم اپنی عظمت کے باوجود اپنے کو پُرتاثیر بنانے میں مکارم اخلاق کا ضرورت مند ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں "انما بعثت معلماً" (میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں) "اوتیت علم الاولین والآخرین" (مجھے اگلے اور پچھلے (انبیاء) کے علوم عطا فرمائے گئے ہیں) فرما کر اپنے علم عظیم کو ظاہر فرمایا ہے وہیں اپنے کمال اخلاق کی رفعتوں کو "بعثت لاتمم مکارم الاخلاق" (میں اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں) کو اسی اہتمام سے ظاہر فرمایا کہ جس اہتمام سے علم کا اظہار فرمایا ہے جس سے علم کے ساتھ اخلاق کی عظمت اور مقصدیت بھی آشکار ہو جاتی ہے پس علم اور اخلاق نبوت کی وہ دو وراثتیں ہیں کہ جن میں ایک کی تکمیل دوسرے کے بغیر نہیں ہوتی۔

حضرت مولانا مرحوم جہاں علم وسیع کے مالک تھے وہیں اخلاق رفیع سے بھی اللہ نے آپ کو حصہ وافر عطا فرمایا تھا اس لئے ہر وارد و صادر اپنے ساتھ حضرت مولانا کے اخلاقی تعامل کو دیکھ کر یہ سمجھنے پر مجبور ہوتا تھا کہ حضرت موصوف کو مجھ سے وہ خصوصی تعلق و ارتباط ہے کہ جو کسی دوسرے کو نصیب نہیں، اسی بلندیٔ اخلاق نے حضرت موصوف کے علم کو عظیم مقبولیت و پُرتاثیری بخش دی تھی۔

راقم الحروف بھی اپنے ساتھ حضرت مولانا کے خصوصی اور غیر معمولی تعلق و تعامل کے بنیاد پر انہی اہل یقین میں سے ہے جس پر احقر کی ہر موقع پر حاضری و ملاقات میں حضرت کے معذوری کے تحت کھڑے ہو کر معانقہ سے روکنے کی کوشش کو حضرت یہ فرما کر رد فرماتے کہ تمہارے ساتھ ناقابل انکار اور محسن ملت نسبت قاسمی قائم ہے اس کا احترام کھڑے ہونے اور معانقے کا متقاضی ہے اسے نہ کر کے میں اپنے ضمیر کی ملامت سے دوچار ہونا مطلق گوارہ نہیں کرتا۔

پھر اس عظیم اخلاق مندانہ تعامل کو ہر مرتبہ یہ تین باتیں ارشاد فرما کر مدلل فرماتے، پہلی یہ کہ میں بلاناغہ ہر روز حضرت الامام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس اللہ سرہ کے لئے ایصال ثواب کرتا ہوں، دوسری یہ کہ میرے والد ماجد نے علمائے ہند کی مکمل و مستند تاریخ پر مشتمل معرکۃ الآراء تصنیف "نزہۃ الخواطر" میں اپنی فراست ایمانی و علمی سے ہر عالم کے لئے ان کی شان کے مناسب القاب تحریر فرمائے ہیں۔ لیکن "الامام" کا لقب حضرت الامام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی (بانی دار العلوم دیوبند) کے لئے بطور خاص استعمال فرمایا ہے۔

تیسری یہ کہ آپ کے دادا صاحب حضرت مولانا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانۂ اہتمام دار العلوم میں میرے والد ماجد حضرت مولانا حکیم عبد الحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ دیوبند تشریف لے گئے اور اسٹیشن کے قریب کسی عام سرائے میں قیام فرمایا اس کی اطلاع جب آپ کے دادا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ہوئی تو کچھ اساتذہ کے ساتھ بذاتِ خود اس سرائے میں تشریف لے گئے اور حضرت والد صاحب سے فرمایا کہ حضرت آپ ہم سب کے مخدوم ہیں یہاں قیام کے کیا معنی ہیں غریب خانہ آپ کا گھر ہے۔ دار العلوم دیوبند آپ کی جگہ ہے، آپ کی تشریف آوری ہمارے لئے باعث راحت و سعادت ہے۔ یہ فرما کر غیر معمولی احترام کے ساتھ حضرت مولانا محمد احمد صاحب، حضرت والد صاحب کو اپنے مکان پہلے گئے اور غیر معمولی محبت و احترام کے ساتھ حضرت مہتمم صاحب

اور تمام اساتذہ کرام وغیرہم نے میزبانی فرمائی، بہ فراکر حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ راقم الحروف سے فرماتے کہ ہمارا آپ کے محترم گھرانے سے مخلصانہ و معتقدانہ تعلق نہایت با احترام و قدیم اور تاریخی ہے جس سے کسی وقت اور کسی حال میں بھی صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔

مولانا کی عظیم مثالی امتیازی صلاحیت

جس طرح دار العلوم دیوبند کو شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دور ہمیوں میں ان کی مخلصانہ انتظامی صلاحیتوں نے ہندوستان گیر بنایا اور حکیم الاسلام حضرت اقدس مولانا محمد طیب صاحب کے دور مسعود میں ان کی عظیم صلاحیتوں نے دار العلوم دیوبند کو بلا شرکت غیرے بین الاقوامی بنایا ٹھیک اسی طرح حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد حضرت مولانا حکیم عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ناظم ندوۃ العلماء نے دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کو ملک کے ارباب علم میں متعارف کرایا، حضرت والا کے برادر بزرگوار حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالعلی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مبارک دور میں ملک کے بیشتر علمی حلقوں اور اداروں میں دار العلوم ندوۃ العلماء ایک باوقار درسگاہ کے طور پر پہچانا گیا۔ اور خود حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ مسعود میں دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، ان کی اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں سے نہ صرف بین الاقوامی سطح پر غیر معمولی عظمت کے ساتھ متعارف ہی ہوا بلکہ عالم عرب اور دیگر ممالک کی مؤقر یونیورسٹیز نے دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کو علمی اور دینی اہمیت کے ساتھ تسلیم کرکے اس کی عظمتوں کو غیر معمولی بنا دیا۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کو یہ بین الاقوامی امتیاز بلا شرکت غیرے حضرت مولانا علی میاںؒ ہی کی ذات گرامی سے حاصل ہوا۔ حق تعالیٰ اس کی اس فضیلت و امتیاز کو ہمیشہ کے لئے برقراری عطا فرمائے۔ آمین۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی صدارت

ملت اسلامیہ ہندیہ کی تاریخ میں تمام مسلم مکاتب فکر کی یہ اولین و مؤقر تنظیم "آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ" کے عنوان سے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ (سابق مہتمم دار العلوم دیوبند) نے برفاقت و تعاون امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی رحمۃ اللہ علیہ پوری ملت اسلامیہ ہندیہ کی مکمل تائید کے ساتھ تحفظ شریعت اسلامیہ کے لئے قائم فرمائی۔ اور شریک بورڈ تمام مکاتب فکر کے ادنیٰ اختلاف کے بغیر حضرت حکیم الاسلام نور اللہ مرقدہ ..... تاحیات اس کے صدر رہے اور اس کی ورکنگ کمیٹی میں فعال و مؤثر رکن کی حیثیت سے حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ روز اول سے پورے انہماک کے ساتھ شریک رہے۔

جولائی ۱۹۸۳ء میں حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد حسب روایت سابق شریک بورڈ تمام مکاتب فکر کے ادنیٰ اختلاف کے بغیر محبوب ملت مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر قرار دیئے گئے اور ان کی متفق علیہ اور مسلم شخصیت کی موجودگی میں کسی دوسری شخصیت کی جانب کسی التفات کا چونکہ کوئی سوال و امکان ہی نہیں تھا اس لئے تاحیات بورڈ کی صدارت کے مقام عظمت پر فائز رہے اس سترہ سالہ دور صدارت میں ملک میں فرقہ پرست پارٹیوں نے اسلام اور ملت اسلام کے برخلاف نت نئے فتنے اٹھائے، حتیٰ کہ خود حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی اور آپ کے مؤقر ادارے دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کو بھی غیر قانونی اور غیر اخلاقی حملوں کا ہدف بنانے میں کمی نہیں کی۔ لیکن حق تعالیٰ کی عطا فرمودہ ایمانی فراست و قوت سے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے پوری ملت اسلامیہ کو وہ ہمت و حوصلہ مرحمت فرمایا کہ تمام فتنے نہ صرف اپنی موت آپ مر ہی گئے بلکہ یقین ہے کہ اسلام دشمنی کے اس دور میں ان بزرگوں کی دعاؤں اور عطا فرمودہ ایمانی قوت سے انشاء اللہ الاسلام یعلو ولا یعلیٰ (اسلام غالبیت کے لئے آیا ہے مغلوبیت کے لئے نہیں) نبوی فرمان کے مطابق اسلام بھی زندہ و تابندہ رہے گا اور ملت اسلام بھی عزت کے ساتھ باقی رہے گی۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے دور مسعود میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی آواز پوری دنیائے اسلام کے کانوں تک صرف پہونچی ہی نہیں بلکہ خود ان کے اپنے مسائل کے حل کے لئے باعث ہمت و حوصلہ ثابت ہوئی۔

حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مفکر اسلامؒ کے سراپا خیر زمانوں میں الحمد للہ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کسی خلاف و اختلاف سے دوچار نہیں ہوا، توقع ہے کہ ان ہر دو بزرگوں کے سنجیدہ و متین ..... قیادت کو انشاء اللہ آئندہ اور ہمیشہ ملحوظ رکھ کر ان کی قیادت کو خراج تحسین پیش کیا جاتا رہے گا۔

حضرت مولاناؒ کا ادبی ذوق

حق تعالیٰ نے حضرت مولانا علی میاںؒ کو جس طرح بے شمار کمالات کے ساتھ "سخن دلپذیر" سے نوازا تھا اسی طرح اللہ نے انھیں "دل سخن پذیر" سے بھی حصہ وافر عطا فرمایا تھا، تحریر و تقریر میں

ادبی سخن پذیری مولانا کا ایک ایسا خصوصی امتیاز تھا کہ جو سامعین و مخاطبین کو مسحور بنائے رکھتا تھا پھر یہ امتیاز اپنی مادری زبان اردو ہی میں انھیں حاصل نہیں تھا بلکہ عربی زبان میں بھی وہ اہل زبان کی طرح
اسی امتیاز کے مالک تھے۔

اسی ادبی ذوقی لطافت کو حضرت مولانا اپنی عربی تصانیف کے ناموں میں خاص طور پر ملحوظ رکھ کر ان میں وہ عجیب وغریب دلکشی اور جاذبیت پیدا فرمادیتے تھے کہ کتاب کا نام دیکھ کر یا سن کر عربی مذاق ادب رکھنے والے عرب وغیر عرب کتاب کے مطالعے کے لئے بے چینی سے پر شوق بن جاتے تھے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مانعین زکوٰۃ کا فتنہ اسلامی مسلمہ معتقدات کے برخلاف ایک عظیم الحادی فتنہ بن کر ظاہر ہوا۔ لیکن صدیق اکبرؓ نے اول لمحہ میں اس کے برخلاف جدال وقتال کے عزم صمیم کے ساتھ بروقت عمل سے ہمیشہ کے لئے اس فتنہ عظیم کو خاک بسر بنا کر رکھ دیا جبکہ فاروق اعظمؓ کو بھی اس کے برخلاف جدال وقتال کے بارے میں شرح صدر کچھ وقفے کے بعد ہوا۔

عصر رواں میں یورپ کا الحادی فتنہ تمدنی رنگ میں خاص طور پر دولتمند عالم عرب کی نئی مسلم نسل کو غیر معمولی طور پر مرعوب ومتاثر کر رہا ہے۔ عالم عرب میں اس جدید تمدنی فتنہ الحاد کی گہرائی وگیرائی کو مفکر اسلامؒ کے فکر عمیق وسلیم نے پہچان کر اس کی جانب وہ اصلاحی قدم ایک ایسے تحریری خطاب کے ذریعہ فرمایا کہ جس کے جاذب ودلکش عربی عنوان "ردۃ ولا ابا بکر لہا" میں نہ صرف اس فتنہ کی پوری تاریخ ہی کو سمو دیا بلکہ نئی نسل کے تربیت کنندگان کو تڑپا کر رکھ دیا اور عالم عرب میں حضرت مولانا کے اس مقالے کے لاتعداد ایڈیشن شائع ہوئے اور شائع ہو رہے ہیں جس کی اثر پذیری سے بیشمار افراد اس تمدنی الحاد سے بچ کر ہدایت یاب ہوئے۔

حضرت مولاناؒ کا اجتماعی پرداز

عصر رواں میں وسائل نقل وحمل اور ذرائع علم وخبر اچھے اور برے کے امتیاز بغیر ہر قسم کے معتقدات افکار اور نظریات کو عالمگیر اشاعت کی وہ سہولتیں مہیا کر رہی ہیں کہ ماضی میں جن کو ایک مخصوص دائرے سے باہر کوئی جانتا بھی نہیں تھا ان افکار ونظریات کو جب ان وسائل اشاعت سے پھیلنے کا وسیع میدان ملا تو جہاں محدود تعداد میں ان میں اچھے اور اعلیٰ نظریات کو علمی اور فکری معیار پر رکھ کر قبول کرنے والے میسر آئے وہیں فاسد افکار وخیالات کو صحت وسقم کے معیاروں کو نہ جاننے والے بے علم یا کم علم طبقات کا وسیع وعظیم حلقہ ان کی مبتذل خواہشات کی تکمیل کرنے والا اور ان فاسد وغیر مدلل افکار وخیالات کو بدل وجان قبول کرنے والا بھی مل گیا۔

یہ دونوں طبقات چونکہ ملت کا جزو تھے اس لئے ان سے کسی بھی اعتبار سے جہاں صرف نظر کرنا ممکن نہیں تھا وہیں ان افکار فاسدہ کو بعینہٖ قبول کر لینا بھی ممکن نہیں تھا اس متضاد ملی ماحول میں جن دو اجزا سے مرکب فراست ایمانی کی ضرورت ہوتی ہے اسی صاحب فراست ایمانی کو منصب قیادت راس آتا ہے۔ قائد کو اولین طبقے کی ہمنوائی وتائید صرف علمی وسعت اور دلائل وبراہین کی قوت پر میسر آتی ہے۔ بخلاف ثانی الذکر کے کہ اس کی زبان بندی کا راستہ صرف قائد کی بلند اخلاقی میں پوشیدہ ہوتا ہے۔

وسعت علم اور اخلاقی بلندی کے ہر دو اوصاف حسنہ سے حق تعالیٰ نے حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کو حظ وافر عطا فرما کر نوازا تھا۔

ان کی علمی وسعتوں سے عرب وعجم کے اہل علم کی تاثر پذیری آج الحمد للہ کسی دلیل کی محتاج نہیں ہے جس پر مستقبل کی لامحدود مدت تک ان کی تصانیف سے ارباب علم کا استفادہ شاہد عدل رہے گا۔

حضرت مولانا نے اپنے دینی معتقدات، علمی حقائق ونکات اور فکری نظریات سے شدید ترین اختلاف رکھنے والوں کو اپنی بلندی اخلاق سے، اپنائیت کا وہ احساس وشعور عطا کیا کہ انھوں نے بھی حضرت مولانا کو کبھی ہدف اختلاف بنانے کی جرأت نہیں کی۔ اسی علمی اور اخلاقی ہمہ گیری نے قیادت ملت کے اس منصب قبولیت ومقبولیت پر فائز فرمایا کہ جس کی عصر رواں میں ملت ضرورت مند تھی، اور ضرورت مند ہے۔

حضرت مولانا نے اپنے ان ہی علمی اور اخلاقی امتیازات وخصوصیات کی بدولت دین میں مبالغہ کرنے والے حاملین علم قدیم کو اور تمدن میں حدود سے تجاوز کرنے والے متجددین کو برصغیر میں نہیں بلکہ عالمی سطح پر اس راہ اعتدال سے قریب فرمایا کہ جو اسلام کا بلا شرکت غیرے طرۂ امتیاز ہے۔

حضرت مولانا کی پاکیزہ زندگی کا یہ وہ باب ہے کہ جس پر مستقبل کے مصنفین، مؤلفین اور مؤرخین ہمیشہ ان شاء اللہ قلم اٹھاتے رہیں گے۔ لیکن اسے ناقابل اختتام راہنما داستان عملی پر جہاں ان کے قلم اعتراف عجز کے ساتھ رکنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ اس کی ترجمانی احقر راقم الحروف نے والد ماجد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر دو شعروں میں کی تھی اسی حقیقت کا نقش ثانی ومکمل حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی ہے اس لئے اسم گرامی کے فرق کے ساتھ میں اسی ترجمانی پر اپنے ان کلمات کو ختم کرتا ہوں ؎

رہبر منزل نما و رہبر منزل نگر
بوالحسن دانشور و دیوانۂ فرزانہ گر
نوری خاکی اساس و خاکی نوری نہاد
خواجۂ بندہ نواز و بندۂ یزداں شناس

حق تعالیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات وحسنات اور طاعات وعبادات کو شرف قبول عطا فرما کر مغفرت کاملہ کے ساتھ اعلیٰ علیین میں مقام کریم عطا فرمائے۔

مفکر اسلام (رحمۃ اللہ علیہ)
اپنی شخصیت کے آئینے میں

مولانا سید الرحمٰن الاعظمی الندوی (مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء)

انسان کی تعمیر میں اسلام کا کردار

یہ ایک ناقابل انکار تاریخی حقیقت ہے انسانی تاریخ کے کسی دور میں بھی مذہب اسلام کی طرح کوئی ایسا جامع نظریۂ حیات اور معتدل نظام زندگی پذیر نہیں ہوا جس نے اپنی تمام تر توجہات کامل انسان کی سیرت سازی اور اسے اخلاق کریمانہ کا مجسم بنانے پر مرکوز کیا ہو، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر رب سے پہلی جو وحی نازل ہوئی اس میں اللہ تعالیٰ کے بابرکت نام سے حصول علم کی تلقین کی گئی ہے، اسی لئے اسلام نے ہر چیز سے پہلے انسان کی توجہ اس علم کی طرف مبذول کرائی، تاکہ وہ اپنے مرتبہ و مقام سے باخبر ہو کر آسمانی ہدایات کی روشنی میں اپنا سفر طے کرے، اور اپنی زندگی کا ہدف متعین کر سکے، اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں آخری نظام حیات دے کر مبعوث فرمایا، یہ نظام اپنی آفاقیت و جامعیت کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے، فطرت انسانی کے تقاضوں کی تکمیل، اور انسانی زندگی کے جملہ مسائل کا حل اس میں موجود ہے ارشاد باری تعالیٰ:

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ، ذٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ، وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ۔

اللہ کی دی ہوئی قابلیت کا اتباع کرو جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اللہ تعالیٰ کی اس پیدا کی ہوئی چیز کو جس پر اس نے تمام آدمیوں کو پیدا کیا ہے بدلنا نہ چاہئے بس سیدھا دین یہی ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (ترجمہ مولانا تھانویؒ)

تاریخ انسانی کا عظیم انقلاب

اسلام کی آمد سے تاریخ انسانیت میں ایسا عظیم الشان انقلاب رونما ہوا جس نے لوگوں کو خواہشات نفسانی کے کج راستوں سے ہٹا کر صراط مستقیم پر ڈال دیا، اور اس کے نتیجہ میں ایک ایسا صالح معاشرہ وجود میں آیا جس میں ایمان ویقین، سچائی و راست بازی، تقویٰ و طہارت اور کردار وعمل کے دلچسپ و دلکش مظاہر کی کارفرمائی تھی وہ معاشرہ ایسے پاک طینت افراد پر مشتمل تھا جو بجا طور پر انسانیت کے لئے بہترین نمونہ تھے، ان کی اس افضلیت و برتری کی وجہ یہ تھی کہ ان کی ساخت و پرداخت شریعت اسلامیہ کی ہدایات کی روشنی میں کی گئی تھی اور یہ حقیقت ہے کہ اسلامی تربیت کی کرشمہ سازی اپنا جمال و جلال دکھائے بغیر نہیں رہتی، بلکہ اس کے زیر سایہ ایسے انسانوں کی سیرت کی تعمیر ہوتی ہے جو مستقبل میں امامت و قیادت کے منصب پر فائز ہوتے ہیں، وہ زندگی کے کسی موڑ پر بھی اعتدال و میانہ روی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے، وہ غلو و تقدیس سے پاک اور حق تلفی و ناانصافی سے کوسوں دور ہوتے ہیں، اخلاص و تعلق مع اللہ ان کی زندگی کا نمایاں جوہر اور حقیقی مقصد ہوتا ہے۔

سنہ ١٤١٩ھ کی سب سے بڑی اسلامی شخصیت

عالم اسلام کے لئے یہ ایک بہت ہی خوش آیند موقع تھا، جب حکومت دبئی نے عالمی جائزۃ القرآن کے جشن کے موقع پر حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ کو سنہ ١٤١٩ھ کی عظیم اسلامی شخصیت قرار دیا اور آپ کو ایک وقیع ایوارڈ سے نوازا اور مشرق و مغرب کے تمام اسلامی حلقوں نے اس اقدام کا زبردست خیر مقدم کیا۔

اسلامی امتیازات و کمالات کا تاج زریں

یہاں یہ حقیقت بھی نظروں کے سامنے ہونی چاہئے کہ حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی نور اللہ مرقدہ کو اللہ تعالیٰ نے ایمان و یقین اور علم و حکمت کے جس گنجینۂ گرانمایہ سے نوازا تھا اور امتیازات و کمالات کا جو تاج زریں آپ کے سر پر رکھا تھا اس کی موجودگی میں پورے عالم اسلام میں آپ کو چھوڑ کر کوئی دوسرا شخص اس اعزاز کا اہل بھی نہ تھا، بلکہ اگر یہ کہا جائے تو ذرا بھی مبالغہ نہ ہوگا کہ آپ کی ایمان افروز مثالی شخصیت اس ایوارڈ سے بالاتر تھی چنانچہ آپ نے اس موقع پر جب آپ کو اس اعزاز سے نوازا گیا بھرے مجمع میں اس عظیم قیمتی ایوارڈ کو دینی تعلیم کے حق میں تقسیم کرنے کا اعلان کر دیا، یہ دراصل آپ کی مثالی شخصیت کا سب سے بڑا ثبوت تھا جو آج کی انسانی دنیا میں مفقود ہے۔

دنیا کے بارے میں آپ کا موقف

حضرت مولانا کا یہ خیال تھا کہ یہ دنیا دار الاسباب

ہے، اس میں اصل مقصد تک رسائی حاصل کرنے کے لئے وسائل و ذرائع اختیار کئے جاتے ہیں، اور ایک فرد مسلم آخرت کی فوز و فلاح کے لئے دنیاوی وسائل سے استفادہ کرتا ہے، چنانچہ آپ مرد مؤمن کے اصل مقصد کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"مومن کا دنیاوی موقف وہ ہے جس کی توضیح زبان نبوت نے بڑے اچھے ڈھنگ سے فرمائی ہے، اور ایسی لطافت و نزاکت اور دقیق تعیین کے ساتھ اس کو بیان فرمایا ہے کہ اس کے سامنے زبان و بیان اور لطافت و باریکی کے تمام طرز ادا ہیچ نظر آتے ہیں فرمایا" ان الدنیا خلقت لکم وانکم خلقتم للآخرة "(دنیا و آخرت کی تمام چیزیں تمہارے لئے مسخر کی گئی ہیں اور تم لوگ آخرت کے لئے پیدا کئے گئے ہو۔)

لہٰذا ایک مسلمان دنیا و آخرت کو اس نظر سے دیکھتا ہے کہ دنیا اور اس کے سارے وسائل و ذرائع کی حیثیت محض ایک وسیلہ کی ہے، مقصد و غایت اور حقیقی مطمح نظر تو بس آخرت کی زندگی ہے لہٰذا اسے مقصد کے حصول کے لئے اس مادی دنیا کے تمام وسائل سے حتی الامکان استفادہ کرنا چاہئے ایک دوسری حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی حقیقت کو یوں آشکارا کیا ہے" مالی وللدنیا وما انا والدنیا انما انا کراکب استظل تحت شجرة ثم راح وترکھا (مجھ کو دنیا سے کیا لینا دینا میرا تعلق تو اس سے بس اتنا ہے جتنا ایک مسافر سوار کا کسی سایہ دار درخت سے ہوتا ہے کہ وہ اس کے نیچے سایہ حاصل کرتا ہے پھر اٹھ کر چل دیتا ہے")۔

کتاب و سنت کا نظریۂ حیات

مذکورہ بالا قرآنی نظریہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور آپ کی تعلیمات و ارشادات احساسات و رجحانات، اوراد و اذکار، ادعیہ و مناجات اور خلوت و جلوت کی زندگی میں مکمل طور پر ظاہر ہوا، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آغوش تربیت میں پرورش پانے والے صحابہ کرامؓ اور اس امت کے مومنین صالحین کی زندگیوں میں بھی یہ وصف پورے آب و تاب کے ساتھ پایا گیا، حتی کہ وہ ان کی زندگی کا جزو لاینفک بن گیا اور اس نے ثابت شدہ تاریخی حقائق کا درجہ اختیار کر لیا جس میں بحث و مباحثہ اور کسی کلام کی کوئی ضرورت نہیں،

اسلامی شخصیت اور اسلامی تہذیب

بلاشبہ اسلامی شخصیت کی تعمیر و ترقی سے اسلامی تہذیب کا عظیم محل تعمیر ہوتا ہے اور اسی کے ذریعہ خاکی صفت ظلوم و جہول انسان ملکوت اعلیٰ کی صف میں جا کھڑا ہوتا ہے، اور بسا اوقات ملا اعلیٰ سے بھی بازی لے جاتا ہے کیونکہ اس کی زندگی ایسے عظیم اخلاق و کردار سے عبارت ہوتی ہے جو اسے مطلوب مسلمان اور مثالی مؤمن کا درجہ عطا کرتے ہیں، حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ اس عظیم پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

" یقیناً اسلامی شخصیت کی حفاظت اور دنیا میں امت اسلامیہ کے مرکز و قبلہ کی صیانت اور اسلام کے پیغام و مشن سے واقفیت اور اس کی اہمیت و افادیت پر یقین اور حیات بعد الممات پر مکمل اعتماد، اور زندگی کے اخلاقی و روحانی پہلوؤں پر تاکید ہی دراصل دو تہذیبوں کے درمیان خط فاصل کا نشان لگاتی ہے ایک تہذیب تو وہ ہے جس سے اسلام مکمل اتفاق کرتا ہے، اور اس کو پروان چڑھانے کی ذمہ داری اپنے کاندھوں پر ڈالتا ہے اور اس میں اسلامی شخصیت اور اختراعات و ایجادات کا ظہور ہوتا ہے، دوسری تہذیب وہ ہے جس سے اسلام اپنی مکمل برات کا اعلان کرتا ہے، کیونکہ وہ مسلمانوں کے حق میں خسارہ و نقصان کا باعث ہے اور اس میں غلامی و بندگی کی کارفرمائی ہے اور اس کی اتباع و تقلید، بندروں اور طوطوں کی تقلید سے کم نہیں"۔

حضرت مولانا کا منفرد نقطۂ نظر

اس کرۂ ارضی اور اس پر بسنے والے انسانوں کے متعلق حضرت مولاناؒ کا نظریہ نہایت منفرد تھا، آپ کی شہرۂ آفاق تصنیف (ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین) (انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر) نے فکر و نظر کی دنیا میں عظیم انقلاب برپا کیا اور اسلامی ادبا و مفکرین کو سوچنے کا ایک نیا طرز عطا کیا، جہاں تک میرا خیال ہے کہ اس کتاب کے منصۂ شہود پر آنے سے قبل ادبا و مفکرین کا زاویۂ فکر یہ نہیں تھا کہ مسلمانوں کے انحطاط سے شرق و غرب شمال و جنوب ہر خطہ میں عالم انسانیت کو عظیم خسارہ اور ناقابل تلافی نقصانات سے دوچار ہونا پڑا، لیکن حضرت مولاناؒ نے بڑی بیدار مغزی، کامل اعتماد و یقین اور مسکت دلائل و براہین سے اپنے موقف کی وضاحت کی، چنانچہ اس کتاب کے مقدمہ میں معروف مصری فاضل عظیم مفکر و ادیب ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ رقمطراز ہیں:۔

"اس کتاب میں جو خیر و طاقت ہے اور ہمارے مسائل و مشکلات کا جو بہترین حل ہے بخدا میری دانست میں قدیم و جدید کسی کتاب میں نہیں ہے اس کا مصنف

اسلامی روح سے سرشار اور اپنے مقصد میں انتہائی مخلص ہے اس نے اپنی تمام طاقتوں کو دعوت الی اللہ کے لئے وقف کر دیا ہے۔"
اس موقع سے معروف صاحب علم و قلم عظیم اسلامی اسکالر، مشہور مفکر و داعی سید قطب کی تحریر بھی ملاحظہ فرمانے کے قابل ہے جو انھوں نے اس کتاب کے مقدمہ میں سپرد قرطاس فرمائی تھی، لکھتے ہیں:۔

"اس کتاب کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے اسلام کے اصول و کلیات کو ان کے وسیع دائرہ کے اندر اور اسلام کی صحیح روح کے مطابق سمجھا ہے، اس بنا پر نہ صرف یہ کہ یہ کتاب دینی و اجتماعی تحقیق علمی کا نمونہ ہے بلکہ اس کا بھی نمونہ ہے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے تاریخ کو کس انداز سے مرتب کرنا چاہئے۔"

امت اسلامیہ کے فرزند ارجمند

حضرت مولانا نور اللہ مرقدہٗ اپنی ذات سے ایک انجمن، امت اسلامیہ کے عظیم و ہونہار فرزند ارجمند، اور عالم انسانیت کے لئے بہترین نمونہ اور ایک مثالی انسان تھے، آپ کی اسلامی شخصیت کے تعارف کے لئے کسی دلیل و برہان کی ضرورت نہیں، بلکہ اس کے لئے یہی کافی ہے کہ آپ کی جملہ تصنیفات سے جن کی تعداد تقریباً دو سو سے زائد ہے پورا عالم باخبر ہے، حتیٰ کہ مسلم نوجوانوں کے اندر ان کتابوں کو جمع کرنے اور ان سے خالص اسلامی فکر کی غذا حاصل کرنے میں مقابلہ اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کا جذبہ ابھار رہا ہے، کیونکہ ان میں اسلامی فکر کا ایسا خلاصہ دو ٹوک پیش کیا گیا ہے جس کا تعلق زندگی کے ہر شعبہ اور ہر محاذ سے ہے ان میں ایسی طاقت و صلاحیت ہے جو اسلام اور اس کے نظام پر لوگوں کا اعتماد بحال کر سکتی ہے، اور مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کی عظمت رفتہ اور اس کے سطوت و غلبہ کی بازیابی کے لئے ایمان و یقین کی چنگاری روشن کر سکتی ہے اور انھیں عالمی قیادت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں سنبھالنے اور عالم انسانیت کو جدید جاہلیت، خود ساختہ نظریات حیات اور مادی تہذیبوں کے جہنم سے نکالنے پر آمادہ کر سکتی ہے، مولانا مرحوم کی اسلامی شخصیت کو آپ کی روشن فکر، کائنات کے متعلق آپ کے بے مثال نظریۂ حیات اور مادی تہذیبوں کے متعلق آپ کی وسیع معلومات کے آئینہ میں دیکھا جا سکتا ہے، اس بنا پر مولاناؒ بجا طور پر اس بات کے سب سے زیادہ حق دار تھے کہ آپ کی محبت میں اکرام و تعظیم اور ادب و احترام کے گلہائے عقیدت پیش کئے جاتے رہیں۔

آپ کا وجود ابر رحمت تھا

مفکر اسلام حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ عالم اسلام کے لئے کسی ابر رحمت سے کم نہ تھے، آپ کا وجود مسلمانوں کے لئے بڑے خیر و برکت کا باعث تھا، آپ ان کے لئے سرچشمۂ ہدایت اور ایک مشفق مربی کا درجہ رکھتے تھے، امت مسلمہ کے مسائل و مشکلات سے بخوبی واقف تھے اس لئے ان میں دلچسپی لے کر ان کا بہترین حل پیش کرتے تھے اطراف عالم کے مسلمان آپ سے دعوت و تبلیغ کے میدان میں حکمت و موعظت کا سبق سیکھتے تھے، حالات چاہے جیسے بھی ہوں ہمیشہ اسلامی موقف پر جمے رہنے کی تلقین فرماتے تھے۔

اصل مقصد دعوت الی اللہ اور اس کے لئے عالم کی سیاحت

الغرض آپ ہر ممکن طریقے سے اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے میں سرگرم عمل تھے، آپ کے لئے اگر ایک طرف تالیف و تصنیف کی بے پناہ مشغولیت تھی تو دوسری طرف اسفار و ملاقات کا لامتناہی سلسلہ تھا، اعلاء کلمۃ اللہ آپ کی زندگی کا حقیقی ہدف اور اصل نصب العین تھا، چنانچہ آپ نے امت مسلمہ کی عظمت رفتہ کی بحالی، اسلامی تہذیب و تمدن کا پرچم پورے عالم میں لہرانے، دشمنان اسلام کے اعتراضات کا کافی و شافی جواب دینے، ان کے ناپاک عزائم اور ان کی سازشوں کا پردہ چاک کرنے کے لئے مصر و فلسطین کی خاک چھانی، امریکہ و یورپ کے شہروں اور وہاں کے تعلیم و تہذیب کے مراکز کی سیر کی، اسپین کے شکستہ در و دیوار کی عبرتناک داستانیں سنا کر مسلمانوں کی حمیت دینی اور ان کی غیرت کو للکارا، خلافت عثمانیہ کے زوال کے اسباب بیان کر کے ان کے ذہن و دماغ کو جھنجھوڑا، کتب تاریخ کے اوراق پارینہ کو کھنگالا اور اسلامی تہذیب کے ایک ایک پہلو کو روشن و بے غبار ثابت کر کے دم لیا۔

اس کا ثمرہ پورے عالم اسلام میں اسلامی بیداری کی شکل میں نمودار ہوا، مگر افسوس کہ آپ ایسے نازک وقت میں راہیٔ دار بقا ہوئے جب کہ امت کو آپ جیسے قائد و مجاہد کی اشد ضرورت تھی، آج عالم اسلام کو عموماً اور امت اسلامیہ ہندیہ کو خصوصاً مسائل و مشکلات کے ایک سیل رواں کا سامنا ہے، عربی مثل میں ذرا تغیر کے ساتھ کہنا کتنا بجا معلوم ہوتا ہے "قضایا ولا أبا حسن لہا"

آپ کا وصف امتیازی

مولانا مرحوم کا ایک امتیازی وصف یہ تھا کہ دنیا کے احوال و کوائف پر آپ گہری نظر رکھتے تھے، اسلام دشمن تنظیموں اور یہودی لابی کی زبردست سازشوں اور ان کی عظیم تیاریوں سے مکمل آگاہی

رکھتے تھے چنانچہ آپ امت مسلمہ کے ہر طبقہ کو اس خطرہ سے آگاہ کرتے تھے اور اس کے مقابلہ کے لئے انھیں بھرپور تیاریوں کی دعوت دیتے تھے، آپ نے امت مسلمہ کے ہر ہر طبقہ میں جہد مسلسل، سعی پیہم، عزم محکم، غیرت وحمیت اور اخلاص وللہیت کی روح پھونک دی، اور اس طرح مسلسل لگن و تڑپ کے ساتھ اپنے فریضہ کی انجام دہی میں مشغول رہے۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا شمار امت کے عظیم داعیوں، اور اسلام کے ہونہار فرزندوں اور لائق سپوتوں میں ہوتا ہے، آپ اپنے آفاقی فکر، عالمگیر نظریہ اور اعتدال پسندانہ موقف کی وجہ سے علم وعمل، فکر ونظر، اور عقیدہ وایمان کے جلیل منصب پر فائز تھے، اخلاص وللہیت، زہد واستغنار اور تعلق مع اللہ جیسے اعلیٰ اوصاف نے آپ کی زندگی میں مزید حسن ونکھار پیدا کر دیا تھا، اس لئے چشم فلک نے دیکھا کہ خدائے رحمان ورحیم نے آپ کو خلائق کے درمیان عام مقبولیت سے نوازا، اور ایک مثالی مؤمن اور آئیڈیل مسلم کا تاج آپ کے سر پر رکھا" ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ"۔ اقبال مرحوم نے سچ کہا تھا ؎

پرے ہے چرخ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گرد راہ ہوں وہ کارواں تو ہے

آپ کے کارناموں کا اعتراف

حضرت مولانا مرحوم کی جلیل القدر خدمات اور عظیم الشان کارناموں کو بہت سے اصحاب علم وارباب علم وقلم نے سراہا، اور انھیں اپنا موضوع سخن بنایا، لیکن سچ یہ ہے کہ مستقبل میں بھی پورا عالم آپ کی ان خدمات کا اعتراف کرتا رہے گا، سعودی عرب کے سابق وزیر اطلاعات جناب ڈاکٹر محمد عبدہ یمانی نے اپنے تعزیتی مضمون میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "شیخ ندوی کی پوری زندگی پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً ۸۰ سال کا طویل عرصہ آپ نے جہد مسلسل، سعی پیہم اور عالم اسلام ودیگر ممالک کے اسفار وسیاحت میں گذار دیا، حکمت وموعظت اور بصیرت کے ساتھ لوگوں تک اللہ عز وجل کا پیغام پہونچاتے رہے، خیر خواہی ونصیحت کے جذبہ سے سرشار ہو کر لوگوں کو اپنے مفید مشوروں سے نوازتے رہے اور علماء اسلام سے ہمیشہ تبادلۂ خیالات کرتے رہے، مشرق ومغرب، شمال وجنوب کے تمام مسلمانوں کے مسائل میں دلچسپی لے کر ان کا تعاون کرنا اسلامی وعربی ممالک کی زیارت کر کے مسلمانوں کے احوال وکوائف کا سنجیدگی سے جائزہ لیتے رہنا اور انھیں اتحاد واتفاق کی دعوت دینا الفت ومحبت کا سبق پڑھانا آپ کی امتیازی خصوصیات سے گہرا تعلق رکھتا ہے، نیز ارباب حل وعقد سے ملاقاتیں کر کے انھیں قرآنی ہدایات کی طرف برابر متوجہ کرتے رہنا ایک عظیم وصف تھا جس کی نظیر عصر حاضر کے داعیوں اور علماء میں نہیں ملتی، یہ بلند مقام اور یہ اوصاف آپ کو محض آپ کے اخلاص وللہیت کی بنا پر حاصل ہوئے ؎

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار ورسن کہاں"۔

پیام انسانیت دعوت اسلامی کا ایک اہم پہلو

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایمانی بصیرت اور روشن ضمیری سے اہل وطن کو اسلام سے قریب لانے اور ان تک اسلام کا پیغام پہونچانے کے لئے "پیام انسانیت" کے نام سے ایک دعوتی تحریک کی بنیاد ۱۹۵۴ء میں ڈالی تھی، اور اس کے حلقے کو حکمت وتدبر کے ساتھ برابر وسیع فرماتے رہے، ملک کے مختلف بڑے شہروں اور مرکزی مقامات پر اس کے جلسے کئے جاتے تھے اور اس میں غیر مسلم دانشوروں، اور تعلیم یافتہ طبقے کو خاص طور سے دعوت دی جاتی تھی اور عام جلسے کے علاوہ ان حضرات کی ایک خصوصی نشست بھی رکھی جاتی تھی جس کو حضرت مولانا خود خطاب فرماتے تھے اور دعوت کی حکمت کو پیش نظر رکھ کر ان کو بغیر کسی صراحت کے اسلام کی اعلیٰ اخلاقیات کی طرف متوجہ فرماتے تھے جس کا بے حد گہرا اثر پورے مجمع پر پڑتا تھا اور لوگ حضرت والا کی وطن دوستی اور خدمت خلق اور انسانیت کے احترام کا جذبہ جو ان کے اندر موجزن تھا، اس کا لوہا ماننے پر مجبور ہوتے تھے۔

ان کا خیال تھا کہ ہمارے ملک بلکہ تمام ممالک کے جملہ مسائل ومشکلات کا حل اسی بات میں مضمر ہے کہ ہم انسانیت کے اعلیٰ مقام کے سمجھنے کی کوشش کریں، اور انسان کی خدمت کے لئے اپنے دل میں زیادہ سے زیادہ گنجائش پیدا کریں اور عصبیت خواہ وہ کسی نوعیت کی ہو اس سے پرہیز کریں، مقصد یہ ہے کہ معاشرہ کے اندر اخلاقی حس بیدار ہو اور اخلاقیات کی حکمرانی زندگی کے ہر شعبہ پر قائم ہو، یہی در اصل حل ہے ان تمام مسائل ومشکلات کا جس سے آج کی انسانی سوسائٹی دوچار ہے اسی سے دلوں کے اندر جرائم سے نفرت پیدا ہو سکتی ہے اور کرپشن (CORRUPTION) جو تمام شعبہائے زندگی کے اندر پیدا ہو گیا ہے اس کی بیخ کنی ہو سکتی ہے۔

الحمد للہ حضرت مولانا کی یہ تحریک قائم ہے اور مخلصین کے ہاتھوں اس کا کام جاری ہے اور مستقبل میں انشاء اللہ تعالیٰ یہ تحریک

حضرت مولانا کی شہرہ آفاق کتاب
ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین
(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر)
کے
ناشرین اور ایڈیشن ایک نظر میں

نمبر شمار	ناشر کا نام	شہر	تعداد ایڈیشن	سنہ اشاعت
۱	لجنة التاليف والترجمة والنشر	القاهرة	ایک ایڈیشن	۱۹۵۰ء
۲	جماعة الازهر للتاليف والنشر	القاهرة	دوسرا ایڈیشن کل آٹھ ایڈیشن	۱۹۵۱ء ۱۹۵۱ـ۱۹۵۸ء
۳	مكتبة دارالعروبة	القاهرة	کل سات ایڈیشن	۱۹۵۹تا۱۹۸۳ء
۴	مكتبة دار الكتاب العربى	القاهرة.بيروت	کل دس ایڈیشن	۱۹۵۱تا۱۹۸۴ء
۵	دارالقلم	الكويت	کل چودہ ایڈیشن	۱۹۷۳تا۱۹۹۲ء
۶	دارالمعارف	القاهرة	کل سات ایڈیشن	۱۹۶۹تا۱۹۸۸ء
۷	مكتبة نزارالمصطفىٰ الباز	الرياض	ایک ایڈیشن	۱۹۹۷ء
۸	مطابع على بن على	الدوحة (قطر)	کل دس ایڈیشن	۱۹۶۵تا۱۹۷۳ء
۹	دارالجيل	بيروت	دو ایڈیشن	۱۹۹۰تا۱۹۹۴ء
۱۰	مكتبة السنة للدارالسلفية (پاکٹ سائز)	القاهرة	تین ایڈیشن	۱۹۹۰ـتا۱۹۹۵ء
۱۱	مكتبة دارالإيمان	المنصورة (مصر)	ایک ایڈیشن	۱۹۹۵ء
۱۲	مجلس نشریات اسلام	کراچی	دو ایڈیشن	۱۹۸۵تا۱۹۹۲ء
۱۳	مجلس تحقیقات و نشریات اسلام	لکھنؤ	ایک ایڈیشن	۱۹۹۴ء
۱۴	دارالقلم (لصاحبها محمد على دولة)	دمشق . جده	ایک ایڈیشن	۱۹۹۹ء
۱۵	دارابن كثير	دمشق . بيروت	ایک ایڈیشن	۱۹۹۹ء (کل ۱۶۹ ایڈیشن)

اصل عربی زبان کے علاوہ مندرجہ ذیل زبانوں میں کتاب پڑھی جارہی ہے۔ اردو : لکھنؤ، کراچی، ترکی : استنبول، فارسی : قم،(ایران) ملیشین : کوالالمپور و جاکرتا، بنگالی : ڈھاکہ، انگلش : لکھنؤ، فرنچ : پیرس، روسی : ماسکو

اردو میں دس، ترکی میں گیارہ اور ملیشین زبان میں آٹھ ایڈیشن نکلے ہیں۔

مدرسہ کا اصول : خدا کا شکر ہے کہ ہوا کے رُخ پر چلنا مدرسہ کا اصول نہیں۔ اگر مدرسہ کا یہ اصول ہوتا تو وہ کب کے انگریزی کے، عربی کے کالج بن چکے ہوتے، لیکن جو اس وقت چند گنے چنے مدرسے باقی ہیں وہ اس بات کا ثبوت دیتے ہیں کہ مدرسوں نے ہوا کے رُخ پر چلنے کو قبول نہیں کیا۔

(حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ)

ت و اصلاح کے میدان میں ایک عظیم کردار
رے گی اور اس کی افادیت کا اندازہ صحیح
ر کیا جاسکے گا۔

ائے کلمۃ اللہ کے لئے بے چینی

رہا یہ کہ مفکر اسلام رحمۃ اللہ علیہ کتنے علمی ادبی
دعوتی اداروں کے بانی اور روح رواں تھے
س کے بیان کے لئے ایک دفتر نہیں بلکہ بہت
خیم جلدیں درکار ہوں گی، اور حضرت مولانا
اعلیٰ فکری اور دعوتی مقام کو واضح کرنے کی
ش پیدا ہو سکے گی۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ ہمہ گیریت اور جامعیت،
یرت و فراست، اور حکمت و قابلیت، یہ روشن
ری اور رسوخ ایمانی اور علمی، یہ توفیق عمل اور
سوزی، اور اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے
چینی اور تڑپ، اور عام مقبولیت اور پذیرائی،
ن اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جو کسی انسان کے بس
م نہیں ہے ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

انسانیت

انسانیت کی ذات اس کائنات میں گوہر مقصود
ربیت الغزل کی حیثیت رکھتی ہے اور خلاق عالم
ن نشانیوں میں سے سب سے بڑی نشانی ہے
جے اس نے بہترین صورت، مکمل
یرت اور عمدہ ترین ساخت عطا کی
ہے۔

(حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ)

سرمایۂ ملت کے پاسباں

مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ

۲۲ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ مطابق ۳۱ دسمبر ۱۹۹۹ء بروز جمعہ عین نماز جمعہ کے وقت روزہ کی حالت میں اور سورۂ یٰسین کی تلاوت کرتے ہوئے، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے صدرنشین، رابطہ عالم اسلامی کے تاسیسی رکن، مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کے رکن مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کے صدر، مجلس انتظامی ومجلس عاملہ دارالمصنفین اعظم گڑھ کے سربراہ، عربی اکیڈمی دمشق کے رکن، مجلس شوریٰ مدینہ یونیورسٹی کے رکن، مجلس عاملہ مؤتمر عالمی اسلامی بیروت کے رکن، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر، رابطۃ الادب الاسلامی العالمیۃ کے صدر، مجلس انتظامی اسلامک سینٹر جنیوا کے رکن، اور وزٹنگ پروفیسر مدینہ یونیورسٹی، آکسفورڈ سینٹر فار اسلامک اسٹڈیز، آکسفورڈ یونیورسٹی کے صدر، عربی اردو میں بیسیوں کتابوں کے مصنف، عربیت کے امام، عالم اسلام کی عظیم علمی و روحانی شخصیت اور عظیم مفکر واسکالر، اقلیم علم کے تاجدار اور سرمایۂ ملت کے پاسبان حضرت اقدس مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہ رحلت فرماگئے اور عازم آخرت ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان للہ ما أخذ ولہ ما اعطی وکل عندہ باجل مسمی۔

راقم الحروف نے کئی سال قبل "میرے حضرت بنوریؒ کی چند حسین یادیں" کے عنوان سے ماہنامہ "اقرأ ڈائجسٹ" کے لئے لکھا تھا:

"حق تعالیٰ شانہ کے جو بے پایاں انعامات واحسانات اس ناکارہ کے شامل حال ہیں ان میں سے ایک عظیم انعام یہ ہے کہ اپنے مقبول ومحبوب بندوں کی محبت قلب میں ودیعت فرمائی اور ان سے ربط وتعلق نصیب فرمایا فالحمد للہ ولہ الشکر۔ ہمارے حضرت عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحی عارفی نور اللہ مرقدہ یہ شعر کثرت سے پڑھا کرتے تھے:

گرچہ از نیکاں نیم لیکن بہ نیکاں بستہ ام
در ریاض آفرینش رشتۂ گلدستہ ام

چار بزرگوں کے ساتھ اس ناکارہ کو بچپن ہی سے عشق کی حد تک عقیدت ومحبت تھی:

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ، حضرت امام التبلیغ مولانا محمد یوسف الدہلوی نور اللہ مرقدہ، حضرت مولانا سید یوسف بنوری نور اللہ مرقدہ اور حضرت سلطان القلم مولانا مناظر احسن گیلانی نور اللہ مرقدہ۔"

(شخصیات وتاثرات ص ۱۳۲، ۱۳۳)

مگر ہوش سنبھالنے کے بعد ان اکابر کے علاوہ پانچویں بزرگ، جن کے کمالات، علوم ومعارف فضل واحسان، ورع وتقویٰ، دعوت وعزیمت، حق گوئی وبے باکی، ملت اسلامیہ کی سربلندی کے لئے گھلنے اور پگھلنے سے میں زیادہ متاثر ہوا، جن کی خدمات پہ بے حد رشک آیا اور جن سے غائبانہ عقیدت، محبت میں بدل گئی وہ

حضرت اقدس مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہ کی جامع صفات اور ہمہ گیر شخصیت نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی المعروف بہ علی میاں قدس سرہ کے کس کس گوشۂ حیات اور کمالات زندگی کو احاطۂ تحریر میں لایا جائے؟ اسے کس طرح شروع کیا جائے؟ اور کہاں سے شروع کیا جائے؟ کچھ سمجھ میں نہیں آتا، زبان وقلم اور الفاظ وحروف ساتھ نہیں دے رہے ہیں، حضرت مرحوم کی وفات کا سانحہ جہاں ہند وپاک کے مسلمانوں کے لئے ناقابل تلافی نقصان ہے۔ وہاں عرب وعجم اور شرق وغرب اور دنیائے اسلام کے مسلمان، اس صدمہ سے دوچار ہیں، حضرت مولانا علی میاں کی وفات سے ایک طرف اگر ان کے پسماندگان اور متعلقین غم زدہ ہیں، تو دوسری طرف ان کی وفات سے حجاز مقدس اور حرمین کے اکابر علماء اور ارباب اقتدار بھی اس صدمۂ جانکاہ کو سہارنے کی ہمت نہیں پاتے، چنانچہ شیخ محمد بن عبداللہ السبیل صدر شئون حرمین شریفین اور مسجد حرام کے خطیب وامام، اس سانحہ پر اپنے تعزیتی مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

"محترم علماء کرام، گرامی قدر ذمہ داران ندوۃ العلماء اور ملت اسلامیہ ہند!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

شدید قلبی رنج واندوہ اور غم کے ساتھ عالم جلیل اور داعی عظیم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی وفات کی خبر ملی، اللہ تعالیٰ اس عظیم صدمہ کو جھیلنے کی سکت آپ اور ہم سب کو عطا فرمائے اور آپ تمام پسماندگان کو بیش از بیش اجر سے نوازے اور اس خسارے کی تلافی فرمائے، ہم آپ سے تعزیت کرتے وقت خود بھی تعزیت کے مستحق ہیں، بلکہ ساری

سلامیہ سے تعزیت کی جانی چاہئے۔
مولانا کا سانحۂ وفات ایک زبردست
ہے اور شدید آزمائش ہے جس
مسلمانانِ عالم اس وقت دوچار
ں لئے کہ مولانا مرحوم نے دعوت
ر اور جہاد فی سبیل اللہ کے لئے اپنی
قلم اور جسم و جان کو وقف کر دیا
ر اس میدان میں ان کے کارنامے
فراموش ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں آپ
تمام برادرانِ اسلام کو اس صدمہ
کو سہارنے کی طاقت عطا کرے
م اسلام کی اس محرومی کی تلافی فرمائے۔
ہم اس موقع پر آپ کو یہ اطلاع
جاہیں گے کہ خادم الحرمین الشریفین
ں عبدالعزیز فرماں روائے مملکت
عرب نے حرم کی و مدنی دونوں جگہ
مضان ۱۴۲۰ھ بروز دوشنبہ بعد نماز
عنی ستائیسویں شب) حضرت مرحوم
غائبانہ نماز جنازہ ادا کرنے کا حکم
رمایا ہے۔
اللہ تبارک و تعالیٰ علامہ مرحوم کو
نوں سے ڈھانپ لے اور انھیں اپنے
بندوں میں شامل فرمائے اور انھیں
انبیاء، شہداء و صالحین کے ساتھ
یین میں جگہ عطا فرمائے۔ والسلام
رحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کا بھائی
محمد بن عبداللہ السبیل
صدر امور حرمین شریفین۔
امام وخطیب مسجد حرام، مکہ مکرمہ
(بشکریہ روزنامہ تعمیر حیات لکھنؤ ۱۶ر رمضان تا ۳ر شوال ۱۴۲۰ھ)

حضرت مولانا علی میاں قدس سرہٗ تکیہ کلاں رائے بریلی انڈیا میں مشہور علمی شخصیت حضرت مولانا عبدالحی، صاحب نزہۃ الخواطر کے گھر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے گھر رائے بریلی میں اپنے والد ماجد اور بڑے بھائی جناب ڈاکٹر سید عبدالعلی سابق ناظم ندوۃ العلماء سے حاصل کی۔ اس کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور دارالعلوم دیوبند سے تکمیل ہوئی۔ قرآن کریم کی تفسیر امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہ سے پڑھی، حضرت لاہوریؒ سے ہی بیعت ہو کر مجاز بیعت قرار دیئے گئے، بعد میں آپ نے قطب الاقطاب حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ سے اصلاحی تعلق قائم فرمایا اور ان سے بھی خلافت و اجازت کی خلعت سے سرفراز ہوئے۔

علوم عالیہ و آلیہ کی تکمیل کے ساتھ آپ نے فن ادب عربی میں رسوخ حاصل کیا، برصغیر اور عالم اسلام کی ممتاز شخصیت جناب پروفیسر خلیل عرب سے آپ نے عربی پڑھی، اور اس میں اتنا کمال حاصل کیا کہ دنیائے عرب آپ کی فصاحت و بلاغت کا لوہا مانتی تھی۔ آپ کی تصانیف برصغیر پاک و ہند سے زیادہ بلاد عرب میں محبوب و مقبول تھیں۔ بقول ایک عرب دانشور کے کہ،

"اگر اس دور میں جاہلی شعراء اور اہل لغت عربی ہوتے تو وہ آپ کو سجدہ کرتے۔"

آپ عوام و خواص اور عرب و عجم کے امام اور محبوب تھے۔ آپ کی خدمات جلیلہ کے عوض سعودی عرب کی جانب سے آپ کو شاہ فیصل ایوارڈ دیا گیا، برونائی کے بادشاہ نے عالم اسلام کی عظیم شخصیت اور خدمات عالیہ کے عوض آپ کو اپنے ملک کا سب سے بڑا ایوارڈ دیا، اسی طرح دبئی حکومت کی طرف سے بھی سب سے بڑے ایوارڈ کا مستحق قرار دیا گیا، تمام ایوارڈوں سے حاصل ہونے والی لاکھوں ڈالر کی رقم حضرت مرحوم نے مجاہدین افغانستان اور دینی مدارس کو عطیہ کر دی۔

لیکن جہاں تک حضرت مرحوم کی ذات، ان کی اولوالعزمی اور مرتبہ و مقام کا تعلق ہے، وہ دنیا کے بڑے سے بڑے انعام اور ایوارڈ سے بالاتر تھے۔ جن دنوں سعودی حکومت نے حضرت اقدس کو ان کی خدمات کے اعتراف میں شاہ فیصل ایوارڈ دیا تھا، انھیں دنوں راقم الحروف نے ماہنامہ "بینات" میں حضرت کی شخصیت سے متعلق جن تأثرات کا اظہار کیا تھا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسے یہاں نقل کر دیا جائے:۔

"سعودی حکومت کی جانب سے امسال "شاہ فیصل ایوارڈ" عالم اسلام کے مایہ ناز مفکر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی کو دیا گیا۔ سعودی حکومت کی طرف سے معارف پروری کا یہ اظہار لائق تحسین ہے اور اسلامی حکومتوں کے لئے لائق تقلید بھی۔ جہاں تک مولانا کی ذات گرامی کا تعلق ہے ان کی شخصیت دنیا کے کسی بڑے سے بڑے انعام سے بالاتر ہے۔ وہ اس قافلہ کے نمائندہ ہیں جو "اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ" کے فلسفے پر یقین رکھتا ہے اور جس کے نزدیک پوری دنیا مچھر کے پر کے برابر بھی قیمت نہیں رکھتی۔ اس لئے ہمارے نزدیک "شاہ فیصل ایوارڈ" سے حضرت کی عزت و وقار میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ بلکہ یہ اس ایوارڈ کے لئے باعث صد ناز ش ہے کہ مولانا نے اسے قبول فرمالیا۔

حق تعالیٰ شانہ نے حضرت مولانا کو محض اپنی عنایت و محبت سے، جن فطری خصائص و کمالات، جن ملکات حمیدہ

اور جذبات صالحہ، جس سوز وگداز اور
درد دل، جس قلب صافی اور نفس مطمئنہ
سے نوازا ہے اور ان کے سینۂ بے کینہ
میں اسلام اور عالم اسلام کی سربلندی
اور اصلاح امت کے لئے گھلنے اور
پگھلنے کی جو دولت ودیعت فرمائی ہے
اور پھر ان کی زبان وقلم سے اسلام کی
پیغام رسانی کا جو کام لیا ہے اس کا اصل
صلہ، اور بے حد وبے پایاں صلہ ان کو خدا
تعالیٰ کے سوا کون دے سکتا ہے؟ اور
وہ آخرت کے سوا کہاں مل سکتا ہے؟
تاہم "ثم یوضع لہ القبول فی الارض"
کے مطابق دنیا میں جو مقبولیت ومحبوبیت
انھیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے وہ
اسی موہبت کا ایک ثمرہ ہے۔ حضرت مولانا
نے مشرق ومغرب اور عرب وعجم میں مسلسل
اسلام کی دعوت کا صور پھونکا ہے۔ اور
وہ پوری انسانیت کو اسلام کے خوان پر
جمع ہونے کی دعوت دے رہے ہیں۔ وہ
کہیں کبھی امریکہ ولندن پہونچ کر "مغرب سے
صاف صاف باتیں" کرتے نظر آتے ہیں۔
کبھی قاہرہ میں "اسمعی یا مصر" کی اذان دیتے
ہیں۔ اور کبھی "اسمعوہا منی صریحۃ ایہا العرب"
کے ذریعہ معدن اسلام (عرب) کے نمائندوں
کے سنتداؤں کو بیدار کرتے ہیں۔ کبھی انھیں
"انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال
کا اثر" کی کہانی سناتے ہیں۔ کبھی انھیں
"جس کا ایک رخ وجد آفریں ہے تو دوسرا
خون افشاں"۔ کبھی ان کے سامنے "تاریخ
دعوت وعزیمت" کھول کر رکھتے ہیں۔
کبھی انھیں "اسلامیت ومغربیت کی کشمکش"
کے ہولناک پہلوؤں سے آگاہ کرتے ہیں۔

کبھی انھیں آج کے نظریاتی قافلوں سے
ہٹ کر "کاروان مدینہ" میں شامل ہونے
کی دعوت دیتے ہیں۔ الغرض مولانا کی
دعوت شرق وغرب، عرب وعجم اور افریقہ
وایشیا کی حد بندیوں سے بالاتر ہے،
وہ پوری انسانیت کو، سسکتی بلکتی انسانیت
کو، مادی زخموں سے چور چور انسانیت
کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
دامن سے وابستگی کی دعوت دیتے ہیں۔
سعودی حکومت اور دیگر اسلامی ممالک
کی طرف سے مولانا موصوف کی دینی خدمات
کی قدردانی کا صحیح طریقہ یہ ہے وہ اس
دعوت کو اپنائیں جو مولانا مدظلہ کی طرف
سے مسلسل پیش کی جارہی ہے اور جس
کے لئے ان کی پوری زندگی وقف ہے"۔
(شخصیات وتاثرات ص ۴۴۱، ۴۴۲)

حضرت مولانا علی میاں قدس سرہ کا
اس ہیچمداں کے ساتھ نہایت مشفقانہ تعلق تھا، وہ
اپنے چھوٹوں کے ساتھ ان کی حیثیت سے بڑھ کر
اعزاز واکرام کا معاملہ فرماتے۔ حضرت علی کرم اللہ
وجہہ کی حیات پر آپ کی عربی تصنیف "المرتضیٰ"
شائع ہوئی، اپنے دستخطوں کے ساتھ جناب
مولانا قاری سید رشید الحسن صاحب زیدمجدہم
کی وساطت سے ناکارہ کو بھجوائی اور فرمائش کی
کہ اس پر بینات میں تبصرہ کیا جائے۔ راقم الحروف
نے اس کو اول سے آخر تک مطالعہ کیا اور حضرت
اقدس کو عریضہ لکھا کہ اس کی تعریف میں کچھ کہنا
"مادح خورشید مداح خود است" کا مصداق
ہوگا، ماشاء اللہ کتاب میں بہت ہی اہم معلومات
جمع ہوگئی ہیں اور نہایت الجھے ہوئے مضامین کو
بہت ہی عمدہ اور سلجھے ہوئے انداز میں پیش فرمانا
آنجناب ہی کے لائق تھا"۔

اس کے علاوہ غالباً طالب علمانہ
بھی پیش کئے، اس پر حضرت مرحوم نے اس ناکا
کی جس طرح حوصلہ افزائی فرمائی، وہ میری سو
وفکر سے کہیں زیادہ اونچی تھی، چنانچہ حضرت
نے اس خط کی رسید بھیجتے ہوئے لکھا:

"رائے بریلی
فاضل گرامی ومحب سامی جناب مولانا
محمد یوسف صاحب زیدت معالیکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، گرامی نا
مؤرخہ ۱۳ر جمادی الآخر کو، مجھے ایک طویل سفر
کی وجہ سے تاخیر سے ملا، پڑھ کر بڑی مسرت
ہوئی، یہ کتاب کی پہلی رسید ہی نہیں سند
بھی ہے، میں آپ کی پسندیدگی کو قبولیت کی
ایک علامت سمجھتا ہوں، دوسرا ایڈیشن پریس
جارہا ہے اس میں اہم تصحیحات اور بعض
ترمیمات کردی گئی ہیں جن سے توازن و اعتدا
میں اضافہ ہوگیا ہے، انشاء اللہ طباعت
کے بعد کتاب ارسال خدمت کی جائے گی
بینات میں تعارف کا اشتیاق رہے گا، ڈاکٹر
زاہد علی صاحب کی کتاب "ہمارا اسماعیلی
مذہب اور اس کا طریقہ کار" (ناقل) شائع
کرکے آپ نے ایک اہم خدمت انجام دی
ہے کتاب پہونچ گئی۔ میں نے "تاریخ دعوت
وعزیمت" کے پہلے حصہ میں اس سے مدد
لی تھی، اور اس کے اقتباسات پیش کئے
تھے۔ کارڈ لکھنے کی معافی چاہتا ہوں اس
لئے کہ اس کے جلد پہونچنے کی امید ہوتی
ہے۔ والسلام
مخلص
ابوالحسن علی
۲۴ر فروری ۱۹۸۹ء"

حضرت کی وفات سے امت ایک

(باقی ص ۲۱۸)

ربّانی امت

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نوراللہ مرقدہٗ

تحریر: علامہ ڈاکٹر یوسف القرضاوی —— ترجمہ: مطیع الرحمٰن عوف ندوی

علمائے اسلام میں بڑی عظیم ہستیوں نے امسال داغ مفارقت دیا، اور رمضان المبارک کے اخیر عشرہ اور سب سے افضل دن جمعہ کے روز شمسی تاریخ کے آخری مہینہ میں جب کہ اکثر لوگوں کے نزدیک دوسرا ہزارہ ختم ہو رہا تھا، باوضو، نماز جمعہ سے قبل اسی کی تیاری کے انتظار میں اور حسب معمول سورۂ کہف کی تلاوت کرتے ہوئے عالم اسلام کی عظیم شخصیت، داعی الی اللہ و ربانی امت، علامہ دوراں، عربی النسل، حسنی النسب، ہندی نژاد شیخ الامت داعی الی الخیر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نوراللہ مرقدہ نے بھی اس جہان فانی کو الوداع کہا، ان کی شخصیت محتاج تعارف نہیں اور نہ ہی ان چند صفحات پر ان کی زندگی کے کارناموں اور نقوش کو شمار کیا جا سکتا ہے۔

مشیت خداوندی سے بڑے بڑے اہل علم و فضل اور اصحاب افتاء اس سال ہم سے رخصت ہو گئے جن میں علامۃ الجزیرہ شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز، ادیب و دانشور شیخ علی طنطاوی، عظیم فقیہ علامہ مصطفیٰ الزرقاء، اور محدث کبیر علامہ محمد ناصر الدین البانی جیسے اہم علماء یکے بعد دیگرے جدا ہوتے گئے پھر اس کاروان علم و فضل اور اس سنہری کڑی کا خاتمہ امام جلیل شیخ ابوالحسن علی ندوی پر ہوا۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

میں نے ان شخصیات کی خصوصیات اور ان کے شاندار نقوش کو امت تک پہونچانے کی کوشش کی، قطر کے ٹیلی ویژن پروگراموں انٹرنیٹ اور دیگر مواصلاتی ذرائع اخبارات و رسائل کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہم نے یہ فرض ادا کیا، یہ ہم پر ان کا حق تھا، اور نوجوان نسل کے لئے ضروری بھی تھا کہ وہ ان اکابر کی قدر و منزلت کو پہچانیں، اور انھوں نے اپنے دین و وطن کے لئے زندگی بھر جو قربانیاں پیش کی ہیں ان سے واقف ہو سکیں۔

اس کے پیش نظر ہم نے شیخ ندوی کی زندگی کے بارے میں جو کچھ اس سے قبل لکھا ہے ہم چند اقتباسات کے ساتھ اس موقع پر کچھ کہنا چاہیں گے۔

ہم اس امام ربانی، اسلامی، قرآنی اور محمدی شخصیت کے بارے میں اپنا درد دل کیوں نہ سنائیں، جبکہ وہ میرے بھائی، شیخ اور محبوب تھے۔

میں نے انھیں ربانی کہا، کیونکہ سلف کا اس پر اتفاق ہے کہ جو صاحب علم ہو، باعمل ہو، اسی کے ساتھ وہ لوگوں کو تعلیم بھی دیتا ہو تو وہ ربانی ہے۔ اور جو علم رکھتا ہے لیکن اس پر عمل نہیں کرتا وہ ربانی نہیں ہے، وہ علم بے مصرف و بے فائدہ ہے، جس سے حضورؐ نے پناہ مانگی ہے، اور فرمایا " اللھم انی اعوذ بك من علم لاینفع و من قلب لایخشع "۔ اور جس نے علم کے ساتھ ساتھ اس پر عمل تو کیا لیکن دوسرے کو اس کی تعلیم نہیں دی، اور اس کی جانب لوگوں کو بلایا نہیں، وہ بھی ربانی ہونے کا مستحق نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، ﴿وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبَّانِيِّيْنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ﴾ اور جس نے اپنے علم پر عمل بھی کیا اور اس کی جانب دوسروں کی رہنمائی بھی کی، درحقیقت وہی ربانی ہے (وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ)۔

ربانیہ کا لفظ شیخ ابوالحسن نے تزکیہ و تصوف کی تعبیر و ادائیگی کے لئے استعمال کیا ہے۔ قرآن نے جسے تزکیہ کہا ہے، اور اس کو حضورؐ کے مشن اور احسان کا اہم شعبہ قرار دیا ہے جسے حضورؐ نے اس طرح بیان کیا ہے" ان تعبد اللّٰه كانك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك " انھوں نے اپنی قیمتی کتاب "ربانیۃ لا رہبانیۃ" (اس کتاب کا اردو ترجمہ " تزکیہ و احسان " کے نام سے شائع ہوا ہے) میں اس لفظ کا استعمال کیا ہے جس سے انھوں نے خالصۃ لوجہ اللہ تصوف و سلوک مراد لیا ہے، جو تمام بدعات و خرافات اور عقائد و سلوک کے غلو سے پاک ہو۔

اس طرح انھیں " اسلامی " کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اسلام ہی ان کا گوشت پوست تھا، اور وہی ان کا اوڑھنا بچھونا، وہی اول و اعلیٰ اور مبتدا و منتہا تھا، اسی کے لئے وہ جیتے تھے اور اسی کے لئے مرنے کا حوصلہ رکھتے تھے، اور خدا ہی سے مدد چاہتے تھے اور اسی سے لو لگاتے تھے، غصہ بھی اس کے لئے ہوتے اور محبت بھی اس کی خاطر کرتے تھے تصنیف و تالیف کا کام بھی اسی دین کے غلبہ کے لئے کرتے تھے اور درس و محاضرہ کا مشغلہ بھی اسی کی خاطر اپناتے تھے، قیام و سفر کی

صعوبت جھیلتے تھے، اور اسی کے لئے صلہ رحمی وقطع تعلق کرتے تھے، یہی ان کا رات دن کا مشغلہ اور زاد سفر تھا۔ سچ یہ ہے کہ وہ اسلام ہی کے لئے جیتے تھے، اسی کے لئے تڑپتے اور مرتے تھے، اور اسلام ہی ان کی رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے تھا۔

جو چیز ان کے ذہن و دماغ میں سمائی رہتی تھی اور جس سے انھیں عشق تھا وہ اسلام ہی تھا، اس کا پیغام، اس کی تہذیب، اس کا عروج و بیداری، امت مسلمہ کے مسائل، معاندین اسلام کے حملے، یہی سب ان کی فکریں تھیں، اور ان سب سے زیادہ اہتمام تھا خارجی حملوں کے پیش نظر داخلی محاذ کی تقویت کا، یعنی فرد کی تربیت، اس لئے کہ یہ معاشرے کے اندر اس کی حیثیت بنیادی اینٹ کی ہے، یعنی نفس کی اصلاح و تربیت، اور اپنے اندر تغیر و تبدیلی، کیونکہ اسی سے قوموں کا عروج و زوال وابستہ ہے۔ إِنَّ اللهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ۔

میں نے مرد قرآنی اس لئے کہا کیونکہ قرآن مجید ہی ان کا اصل سرچشمہ تھا اسی سے وہ مدد لیتے اور اسی کے عشق میں ڈوبے ہوئے تھے اس کی تلاوت کرتے، اور لطف اندوز ہوتے تھے، اس کی آغوش میں پناہ لیتے اور چلتے تھے، آیات کی تلاوت اور ان پر غور و فکر کرتے، اور اس کے لعل و جواہر ڈھونڈتے تھے، اس کے باریک معانی اور مفاہیم کو وہ اپنے محاضرات، کتابوں اور رسالوں میں ایک مفکرانہ و مدبرانہ فہم، اور ایک بے چین و متاثر دل کے ساتھ پیش کیا کرتے تھے، جس نے بھی ان کے محاضرات سنے یا کتابیں پڑھیں اس نے اس کا بارہا مشاہدہ کیا ہوگا اس طرح وہ صحیح معنوں میں ایک مرد قرآنی تھے۔

ان کے محمدی کہنے سے مراد صرف یہ نہیں ہے کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل اور ہاشمی حسنی خانوادے سے تعلق رکھتے تھے، نہ جانے کتنے حسنی و حسینی ہیں جن کے کردار ان کے نسب کو مشتبہ کرتے ہیں، ومن بطأ به عمله لم يسرع به نسبه۔ جس کا عمل کوتاہ ہو نسب اس کو ایڑ نہیں لگا سکتا میرا مطلب صاف صاف یہ ہے کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے تمام طور وطریق، سلوک زندگی، اور طرز حیات میں اسوہ اور نمونہ بنایا تھا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہی کو اپنے لئے چراغ راہ اور روشنی کا مینار بنایا تھا، خواہ وہ زہد و تقوی، عبادت و ریاضت ہو یا زندگی کے جھمیلوں اور اس کی زیب و آسائش سے کنارہ کشی کا معاملہ، وہ اس دور میں بھی سلف کی زندگی گذارتے تھے، اور آج کل جس طرح لوگ مال و متاع، عیش و عشرت، اور زینت و آسائش کے دلدادہ ہوتے ہیں اس کا اہتمام کرتے ہیں وہ اس سے کوسوں دور تھے، انھیں دیکھ کر سلمان فارسیؓ اور ابو درداءؓ کا گمان گذرتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ان کی گفتگو محض ایک محقق اور اسکالر کی گفتگو نہیں ہوتی تھی بلکہ ایک عاشق زار اور محب صادق کے دل سے نکلی ہوئی صدا ہوتی تھی، وہ محمد بن عبداللہ کی نادر و ممتاز شخصیت سے عشق کرتے تھے، اس کی جھلک ان کی کتاب "السیرۃ النبویۃ" ہی نہیں بلکہ تمام کتابوں، محاضروں، اور گفتگو میں نمایاں طور پر ملتی ہے، اور یہ عشق و محبت اور وارفتگی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم زندگی سے سچی واقفیت اور ان کی سیرت کے جذب کرنے کی وجہ سے تھی، اور وہ ان کمالات و فضائل سے پورا فائدہ اٹھاتے تھے جن کو اللہ تعالی نے محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم میں جمع کر دیا ہے۔

علامہ کا پڑھا لکھا ہر معتقد اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ وہ ایک عالمگیر شخصیت کے مالک تھے اگرچہ وہ ہندنژاد تھے اور ان کی پرورش و پرداخت یہیں ہوئی تھی لیکن وہ بین الاقوامی نقطۂ نظر کے حامل اور آفاقی مقاصد کے علمبردار تھے، وہ عالمی تحریکوں اور سرگرمیوں سے وابستہ تھے اگرچہ وہ خاص طور سے ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل و مشکلات میں شریک ہوتے اور اس کا غایت درجہ اہتمام کرتے تھے جیسا کہ عائلی قوانین کے سلسلے میں حکومت ہند کی جانب سے یکساں سول کوڈ کے نفاذ پر ان کا سخت رد عمل سامنے آیا لیکن ان کی یہ سرگرمیاں صرف برصغیر تک محدود نہیں تھیں بلکہ وہ سارے جہاں میں پھیلی ہوئی تھیں اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ عالم عربی میں شیخ کی شہرت ہندوستان سے کم نہ تھی، ہم ان کو اکثر اکیڈمیوں اور اداروں میں بحیثیت رکن شریک پاتے ہیں، جیسا کہ وہ رابطۂ عالم اسلامی کے رکن اساسی اور "المجلس العالمی الاعلی للمساجد"، مجلس المجمع الفقہی، المجمع الملکی لبحوث الحضارۃ الاسلامیۃ (اردن) المجمع العلمی (دمشق) کے ممبر تھے، انھوں نے ہی آکسفورڈ یونیورسٹی میں اسلامک سینٹر کے قیام کے لئے تگ و دو کی تاکہ یہ سینٹر خالص مغربی یونیورسٹی میں اسلامی فکر کی اشاعت کا مرکز بنے، قیام سے لے کر آخر تک وہ اس کے چیرمین رہے، اسی طرح انھوں نے اسلامی ادب کے لئے ایک عالمی منبر کی حیثیت سے رابطہ الادب الاسلامی کے قیام میں پیش قدمی کی اور اس کے بھی وہ تاحین حیات صدر رہے۔

جس نے شیخ کے محاضرات کو سنا اور

ے رسائل کو پڑھا ہے اور ان کے مخاطبین
اقف ہے اس کے لئے ان کے عالمگیر ہونے
ریح کی ضرورت نہیں ان کے ان محاضرات
ر بوں سے کچھ باتیں "، "مغرب سے صاف
باتیں" اور اسی طرح ان کی "اسمعیات" ہیں
ں محاضرات ورسائل کی شکل میں شیخ نے
شفق داعی اور رہنما کی حیثیت سے بعض
ں میں پیش کیا خلاً "اسمعی یا مصر اسمعی
رۃ الصحراء (کویت) اسمعی یا ایران وغیرہ
ں۔

میں نے انھیں بھائی اس لئے کہا کیوں
دونوں کو اسلام کی اخوت ایک دوسرے
ربوط کئے ہوئے ہے، جو ابنائے اسلام میں
ٹے بڑے کو آپس میں مربوط کرتی ہے (انما
نون اخوۃ) "المسلم أخ المسلم" اور "اخوۃ العلم"
ر اہل علم کے درمیان ایک رشتہ ہے اسی
اخوۃ الدعوۃ ہے یعنی کار دعوت داعیوں
رمیان رابطہ کی ایک چیز ہے، خواہ باہم جغرافیائی
سے ان میں کتنی ہی مسافت ہو، اسی طرح أخوۃ المحنۃ
ینی امت کی آزمائش میں برادرانہ شرکت، جس
غفلت، علماء کے درمیان اختلافات اور دشمن
لوں کی تاب نہ رکھنا، حکمرانوں کا بگاڑ، عوام
لت وغیرہ۔

میں نے ان سے بعض کتابیں پڑھی ہیں
ائدہ اٹھایا ہے اور اپنی اکثر کتابوں میں ان
والے دیئے ہیں اس طرح وہ میرے استاذ
یخ بھی ہوتے ہیں، ان کی ہر کتاب کا ایک
لطف ہے ان کی ایک متعین فکر ہے جو ہر جگہ
آتی ہے، معاصر داعیوں اور مفکروں میں کوئی
نظر آتا جس نے شیخ کی کتابوں سے استفادہ
ہو اور ان سے اقتباسات نہ لئے ہوں جیسے
ید محمد قطب داعی اسلام شیخ محمد الغزالی،

اسلامی ادیب وانشاپرداز شیخ علی طنطاوی وغیرہ۔

شیخ نے جب ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۹۵۱ء میں مصر کا سفر کیا تو میں نے ان سے باقاعدہ استفادہ کیا اور ان کی شاگردی اختیار کی، اسی طرح بعد کی ملاقاتوں میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا سچ یہ ہے کہ شیخ اپنے حرکت وعمل، سکون وخاموشی اور گفتگو ومذاکرہ میں ایک آئیڈیل اور نمونہ کے انسان تھے۔

مجھے یاد ہے کہ جب انھوں نے تیس سال قبل قطر کا سفر کیا اور وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مالی وسائل کی کمی کی وجہ سے پریشان تھے، ان کے بعض دوستوں نے اہم شیوخ اور تاجروں سے ملاقات کی رائے دی کہ ہم ان سے ملیں، ان کے سامنے دارالعلوم کے مسائل رکھیں اور ان سے تعاون طلب کریں، تو انھوں نے فرمایا کہ ہم ہرگز ایسا نہیں کرسکتے، ہم نے پوچھا کیوں؟ تو انھوں نے فرمایا کہ یہ لوگ مریض ہیں ان کا مرض دنیا کی محبت ہے اور ہم ان کے معالج ہیں، آخر طبیب اپنے مریض کے آگے ہاتھ پھیلا کر کیسے ان کا علاج کرسکتا ہے، کیا وہ ان سے دنیا کی کوئی چیز مانگ کر ان کا علاج کرے گا۔ ہم نے ان سے کہا کہ آپ اپنے لئے تھوڑی مانگ رہے ہیں بلکہ آپ تو دارالعلوم اور اس کے اساتذہ وطلبہ کے لئے تعاون کے خواہاں ہیں، تاکہ وہ ادارہ اسی طرح علم کی روشنی پھیلانے میں گامزن رہے، اس پر انھوں نے فرمایا کہ یہ لوگ اس کا فرق نہیں کرتے، اور وہ ہمیشہ آپ ہی کو طالب اور دست سوال دراز کرنے والا سمجھتے رہیں گے۔

ایک بار ہم نے رمضان میں ان سے کہا کہ آپ آخری عشرہ تک ہمارے پاس ٹھہریئے ہم آپ کے ساتھ تعاون کا کام انجام دیں گے تو انھوں نے کہا کہ آخری عشرہ میں ہمارا ایک خاص معمول ہے جس کو ہم کسی بھی طرح سے چھوڑنا پسند نہیں کرتے، ہم اس موقع کو اپنے اور اپنے خدا کے لئے فارغ کرلیتے ہیں۔

اس سے ہمیں بخوبی معلوم ہوگیا کہ شیخ کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص معاملہ ہے جس سے ان کو کوئی بھی سرگرمی باز نہیں رکھ سکتی، چنانچہ ہم نے اپنے اس ارادہ کو ترک کردیا، ہم نے اس میں ان کی تقلید کی کوشش کی لیکن ناکام رہے، ہر چیز اسی کے لئے آسان ہوتی ہے جس کے لئے وہ بنائی گئی ہو۔

میں نے انھیں اپنا محبوب کہا، حقیقتاً مجھے ان سے محبت ہے اور امید ہے کہ یہ محبت خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہوگی میں نے ان سے ان کے اخلاص وللہیت، یقین وتوکل، کرب اور بیکلی، غیرت وحمیت، اعتدال وتواضع، اور ان کی فکر کی پاکیزگی، حسد اور کینہ سے دل کی صفائی، شرک وبت پرستی، بدعات وخرافات سے عقائد وعبادات کی سلامتی کی وجہ سے محبت کی، ان کی زبان طعن وتشنیع اور مداہنت سے پاک صاف تھی میں نے اہم مسائل میں ان کی مشغولیت، حقیقت پسندی، اثبات وتعمیر اور معیار وسطح کی بلندی وگہرائی کی وجہ سے ان سے محبت کی، میں نے ان سے ان کے پاکیزہ اخلاق، نرم روی، ان کی زندگی کے طور وطریق، مزاج کی شگفتگی ونرمی کی وجہ سے محبت کی۔ اور میں ان کی محبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی قربت کا امیدوار ہوں اور مجھے توقع ہے کہ میرا حشر ان ہی کے ساتھ ہوگا۔ (مع الذین أنعم اللہ علیھم من النبیین الیٰ آخر الآیۃ)۔

بالکل ایسے ہی جیسے کسی شاعر نے کہا ہے:

أحب الصالحين ولست منهم
لعلي أن أنال بهم شفاعة

ذاکرہ من بضاعتہ المعاصی
وانکا سوائے فی البضاعۃ

میں کوئی تنہا ہی شیخ کا عاشق نہیں ہوں بلکہ جو بھی ان سے واقف ہے اور ان کو قریب سے دیکھا یا پڑھا ہے اس نے ان سے محبت کی پھر اس کی قربت جس قدر بڑھتی گئی، محبت بھی بڑھتی گئی۔

علماء کے سلسلہ میں بہت سے لوگ اختلافات رکھتے ہیں لیکن شیخ ابوالحسن پر سب کا اتفاق ہے چاہے وہ ان کے ہم مشرب ہم مسلک ہوں یا نہ ہوں، ان کی جامعیت میں سب ایک ہیں اللہ تعالی نے ان کو جو خصوصیات و امتیازات عطا فرمائے ہیں بہت کم کسی میں ملیں گے (واللہ یختص برحمتہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم)۔

میں شیخ ابوالحسن کو چالیس سال سے جانتا ہوں جب انھوں نے ۱۳۷۱ھ مطابق ۱۹۵۱ء میں اپنے مختلف ممالک کے سفر میں پہلی بار مصر کا سفر کیا اس وقت میں کلیۃ اصول الدین میں طالب علم تھا اور تحریک اخوان المسلمین کا سرگرم کارکن، اور جامع ازہر کے اخوانی طلبہ کا ذمہ دار بھی، اس وقت میں المحلۃ الکبریٰ کی ایک مسجد میں خطیب بھی تھا۔

اور میں استاذ محترم احمد امین کی سربراہی میں قائم ادارہ لجنۃ التالیف والترجمۃ والنشر سے شائع شدہ کتاب ماذا خسر العالم.... کو پڑھ چکا تھا مجھ کو کتاب بہت پسند آئی میں نے اپنے بعض دوستوں سے اسے پڑھنے کے لئے بھی کہا جب کہ میں مصنف کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا اس کتاب پر استاد احمد امین کا مقدمہ تھا لیکن وہ پھیکا تھا درحقیقت انھوں نے اس کا حق نہیں ادا کیا۔

لیکن یہ کتاب اسلامی نقطۂ نگاہ سے تاریخ اسلامی اور عالمی تاریخ کی نئی نئی راہیں کھولنے والی تھی، اور اس کتاب میں ایک مصلح و مجدد، داعی و مؤرخ کی دور اندیشی اور باریک بینی کارفرما تھی، جو تاریخ پر خاصی دسترس رکھتا ہو اور تاریخ کو اپنے مقاصد اور پیغام کے لئے کس طرح استعمال کرنا چاہئے اسے خوب پتہ ہو۔ اپنی اسی انفرادیت و امتیاز کی وجہ سے یہ کتاب مجھے بے حد پسند آئی۔

اس کتاب کی تصنیف میں مصنف کی انگریزی زبان سے واقفیت، تجزیاتی شعور، تہذیبی دعوتی اور اصلاحی وجدان نے بڑا تعاون کیا اور اپنی مخصوص صلاحیتوں کی وجہ سے ہی وہ اپنی ممتاز کتاب میں فکر و نظر کے نئے نئے دریچے کھول سکے۔

مصر میں ہندوستانی اساتذہ نے مجھ سے پوچھا کہ کیا آپ استاد ابوالحسن الندوی کو جانتے ہیں میں نے برجستہ کہا کہ" ماذا خسر العالم" کے مصنف؟ ان لوگوں نے کہا کہ ہاں! میں نے کہا وہ کیسے ہیں؟ انھوں نے بتایا کہ وہ آج قاہرہ آرہے ہیں، میں نے ان سے شیخ ابوالحسن کی تشریف آوری پر اطلاع اور ملاقات کی آرزو ظاہر کی کہ ہم اس موقع کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہتے۔ چند دنوں کے بعد شیخ اپنے دو دوستوں اور ندوی بھائیوں کے ساتھ تشریف لائے جن میں ایک شیخ معین الندوی تھے، دوسرے کا نام یاد نہیں رہا۔

شیخ "موسکی" کی تنگ و تاریک گلیوں میں ایک بہت ہی معمولی حجرہ میں ٹھہرے اس لئے کہ وہ نہ تو ہوٹل میں ٹھہر سکتے تھے اور نہ ہی وہ باوجود قدرت کے اس کو پسند کرتے تھے وہ تو سعودی عرب میں رابطہ کے جلسوں میں ان ہوٹلوں کو چھوڑ دیا کرتے تھے جن میں مہمانوں کو ٹھہرایا جاتا تھا جبکہ وہ فرسٹ کلاس کے ہوٹل ہوا کرتے تھے اور وہ اپنے بعض دوستوں کے پاس ٹھہر جایا کرتے تھے اسی طرح وہ مالدار اور مالداروں کے پاس بحیثیت مہمان قیام کو قبول نہیں کرتے تھے چاہے وہ ان کے مال میں شبہ کی وجہ سے ہو یا ان کے گراں بار ہونے کے خدشے سے، جب شیخ نے مصر کا سفر کیا تو وہ جوان تھے ان کی سیاہ داڑھی، روشن چہرہ، بلند عزم و ہمت، ایمانی روح اور بھڑکنے والی غیرت و حمیت، ان کا امتیاز تھی ان کے اندر جوانوں کا جوش اور بوڑھوں کی حکمت و دانائی بھری ہوئی تھی، وہ مثبت عالی فکر اور بیک وقت باغیرت اور مومن دل سے آراستہ و پیراستہ تھے۔

میں اپنے رفیق اور دوست اور بھائی محمد الومرداش مرادؒ کے ساتھ شیخ کی رہائشگاہ پر ملاقات کے لئے گیا اور ہم نے ان کو اپنے گھر واقع شبرا میں دعوت دی تاکہ وہاں ازہر کے بعض اخوانی نوجوان جو دعوت کے کام میں سرگرم عمل تھے ملاقات کرائیں۔ ہم نے ان کو ایک خاص موقع پر دعوت دی جس میں اخوانی نوجوان رات میں تعلیم و تعلم اور عبادت و ریاضت کے لئے جمع ہوتے تھے شیخ ہم سے معلومات حاصل کرنے کے زیادہ خواہش مند تھے، وہ ہم سے حسن البناء شہیدؒ کی زندگی ان کے کلام، ان کے طرز حیات اور مختلف امور میں ان کے طریقۂ کار کے بارے میں دریافت کرتے رہے، حسن البناء واقعتاً ایک امام ربانی تھے وہ اسلامی حکومت کا مطالبہ کرنے والے محض ایک لیڈر نہیں تھے بلکہ وہ ان سب سے پہلے ایک مربی تھے اور مسلمانوں کی نئی نسل کی ایسی تربیت کرنا چاہتے تھے جن کا اسلام پر کلی ایمان و اعتقاد ہو، جو اس

علیات پر کاربند ہوں اور اس کے راستہ
، دعوت و جہاد کے لئے ہمہ وقت تیار رہیں۔

ہماری ان سے کئی ملاقاتیں رہیں اور ہم
لام کے نوجوان داعی ہمارے ساتھی احمد العسال
بھائی امرداش وغیرہ شریک کار تھے، مصر
ں شیخ ابوالحسنؒ کا زمانہ بہت ہی مبارک اور
ندہ مند گذرا کوئی بھی دن محاضرہ یا کسی خاص
ں یا کسی خاص ملاقات سے خالی نہیں جاتا تھا۔
ضوں نے دار الشبان المسلمین میں "المسلمون
ں مفترق الطرق" (مسلمان دوراہے پر) کے
نوان سے ایک محاضرہ پیش کیا اور دار العلوم
لج میں محمد اقبال شاعر الاسلامی فی الہند
ہندوستان کے اسلامی شاعر علامہ اقبال)
کے عنوان سے لکچر دیا، اس موضوع سے شیخ کو
خاص مناسبت اور دلچسپی رہی، بیشمار اشعار
یاد تھے اور روائع اقبال (نقوش اقبال) کے
نام سے ایک کتاب بھی تصنیف کی۔

شیخ نے قاہرہ میں بہت سے عالموں،
داعیوں اور مفکروں سے ملاقاتیں کیں اور انھوں
نے وہاں سے واپسی کے بعد" مذکرات سائح فی
الشرق العربی (شرق اوسط کی ڈائری) میں ان تمام
شخصیات سے ملاقات اور گفتگو کو جمع کر دیا وہاں
انھوں نے مشہور ادیب و ناقد سید قطب شہیدؒ
سے ملاقات کی، سید قطبؒ مولانا سے بہت
متأثر ہوئے اور ان کی کتاب "ماذا خسر العالم" کے
لئے ایک دوسرا مقدمہ تحریر کیا، جس میں کتاب
اور صاحب کتاب کا پورا پورا حق ادا کر دیا، وہاں
انھوں نے شیخ محمد الغزالی سے کئی بار ملاقات
کی اور وہ ان کے بعض دعوتی اسفار میں شریک
بھی رہے دونوں نے ایک دوسرے کو بہت پسند
کیا، شیخ نے اپنی ڈائری میں اس کا تذکرہ کیا
ہے، مجھ کو یاد ہے کہ شیخ ندوی اپنے بعض
دعوتی و اسلامی لٹریچر کو اپنے ساتھ لے گئے
تھے ان تمام رسالوں میں بہت بڑے جوش
و جذبہ کے ساتھ، بلند افکار اور صاف ستھری
باتیں ادبی چاشنی اور وجدان کے ساتھ اور
روحانی احساس اور گہرائی کے ساتھ پیش کی گئی
تھیں۔

مجھے یاد ہے کہ شیخ غزالی نے ان رسالوں
کو پڑھا اس میں دو رسالے ایک" من العالم الی
جزیرۃ العرب" اور دوسرا" من جزیرۃ العرب
الی العالم" تھا، ان دونوں رسالوں میں شیخ نے
یہ لکھا تھا کہ آج اس وقت دنیا جزیرۃ العرب سے
ہدایت اور دین حق کی کتنی محتاج و منتظر ہے
اور جزیرۃ العرب نے اس سے پہلے دنیا کو کیا
عطا کیا ہے۔

ہم نے شیخ کے رسالوں میں ایک نئی
زبان اور ایک تازہ روح پائی اس سے ہمارے
ذہن و دماغ کے دریچے کھلے، پہلے ہم ان تمام
چیزوں سے صرف نظر کئے ہوئے تھے شیخ کے
رسالوں ہی نے رستم کے دربار میں ربعی ابن عامر
کے موقف کی طرف اور ان کے بلیغ کلمات کی
طرف ہم کو متوجہ کیا جس میں انھوں نے چند جملہ
میں اسلام کے فلسفہ کو پیش کر دیا ہے اور بہت
ہی خوشگوار ایجاز اور فصیح و بلیغ اسلوب کے ساتھ
اپنے مقاصد کو اجاگر کیا ہے ان اللہ ابتعثنا
لنخرج الناس..... شیخ ابوالحسن الندویؒ
میرے علم کے مطابق وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں
نے اس قیمتی موقف اور ان کلمات سے ہم کو باخبر
کیا اس کے بعد دیگر مصنفین نے ان کو نقل کیا اور
یہ اقتباس پوری دنیا میں رائج ہو گیا۔

شیخ نے ہمارے استاذ بہی الخولی سے
ملاقات کی استاد البہی ان سے بہت متأثر ہوئے
اور اپنے رسالہ میں اس تأثر کا اظہار کیا، اسی طرح
شیخ نے صالح العشماوی اور دوسرے اخوانی
قائدین سے ملاقاتیں کیں، ان کے ساتھ بیٹھے گفتگو
کی، اور اس کے بعد اپنے ایک رسالہ میں اس کو
نشر کیا، جس کا عنوان تھا" اریدان اتحدث
الی الاخوان" انھوں نے علامہ ڈاکٹر محمد یوسف
موسیٰ سے بھی ملاقات کی جنہوں نے آپ کی کتاب
"ماذا خسر العالم" پر مقدمہ لکھا ہے۔

نیز انھوں نے داعی و ادیب شیخ احمد
الشرباصی سے بھی ملاقات کی جنہوں نے ماذا خسر
کے شروع میں مصنف کتاب کی زندگی سے متعلق
ایک انٹرویو شائع کیا ہے، اس میں ایک سوال
یہ بھی تھا کہ ان کو مصر میں سب سے تعجب خیز چیز
کیا نظر آئی؟ انھوں نے جواب دیا کہ سب سے
عجیب چیز مجھے علماء کی بے ریشی نظر آئی، جس نے
اپنی زندگی و وطن میں کسی عالم کو بے ریش نہ دیکھا
ہو اس کے لئے یہ بڑی تعجب خیز بات ہے ہمارے
نزدیک یہ انگریزوں کا طرز و شعار ہے، یا پھر جو
لوگ بے دین ہوتے ہیں ان کا، لیکن یہ علماء کا
عام شعار بن جانا، عجیب معلوم ہوتا ہے، یہ بھی عجیب
بات ہے کہ بعض لوگ ازہر کی قدیم روایات کو
واپس لانا چاہتے ہیں، اور وہ دوبارہ عمامہ پہننے
کو لازم قرار دینے کے موڈ میں ہیں، یہ خالص
تقلید ہے، انھیں داڑھی کی طرف توجہ کرنی
چاہئے، جو ایک اسلامی شعار و سنت رسول ﷺ
ہے۔

شیخ نے اتنے طویل و عریض شہر قاہرہ
ہی تک اپنی سرگرمیوں کو محدود نہیں رکھا، بلکہ
وہ دوسرے علاقوں میں بھی تشریف لے گئے،
وہاں لوگوں نے ان کی تقریریں سنیں اور عام
مسلمانوں نے ملاقاتیں کیں۔

انہی شہروں میں المحلۃ الکبریٰ بھی ہے،
جس کی ایک مسجد میں میں خطبہ دیا کرتا تھا، وہاں

ڈاکٹر محمد سید صدر الجمعیۃ الشرعیہ نے انھیں مدعو کیا تھا، وہ دانتوں کے ایک ماہر ڈاکٹر ہیں اور اپنی پوری زندگی احیاء سنت کے لئے وقف کئے ہوئے ہیں۔ شیخ سمجھ گئے کہ ان کے اور اخوان کے درمیان کچھ اختلافی ہے، کیونکہ ڈاکٹر صاحب شیخ سے اخوان کے نوجوانوں کی شکایت کرتے تھے کہ وہ ان کی طرح داڑھی نہیں رکھتے، مونچھ نہیں ترشواتے، ترک عمامہ کے عادی ہیں، اور نماز میں خشوع وخضوع کا خیال نہیں کرتے، شیخ نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ اخوان کی دعوت عام دعوت ہے، اس کا مشن یہ ہے کہ عام لوگ اسلام کے بنیادی اصولوں پر جمع ہو جائیں۔ اس کے بعد ان کی خاص آداب کی بتدریج تربیت ہوتی رہے، اس لئے امت کے اندر دو طرح کے نہج کا موجود ہونا ضروری ہے، ایک اخوان کا عام منہج وطریقہ، اور دوسرا خاص نہج، جیسا کہ جمعیۃ کا ہے، ڈاکٹر صاحب کو شیخ کی بات سمجھ میں آئی اور انھوں نے ان کے ساتھ مجھے بھی کھانے پر مدعو کیا۔

لیکن جلد ہی بات آئی گئی ہوگئی، اور جب وہ شیخ کے ساتھ مقام تبروہ" گئے اور میں نے کچھ بات کی تو ڈاکٹر سید صاحب غصہ ہو گئے، میں کچھ بھی نہ سمجھ سکا کہ وہ کیوں غصہ ہوئے؟ لیکن شیخ نے بڑی حکمت کے ساتھ معاملہ کو نمٹادیا اور لوگوں نے مسجد میں قیام لیل کے ساتھ رات گذاری، اور شیخ کی دعوت پر بہت سے لوگ اس میں حاضر ہوئے۔

مصر کا یہ سفر ان سے میری پہلی ملاقات وتعارف کا ذریعہ بنا، اس کے بعد یہ ربط دن بدن بڑھتا گیا، اور ایک لمحہ ایسا بھی آیا جب شیخ کی خیریت واحوال کا یہ سلسلہ بند ہو گیا۔ اور یہ انقلاب جولائی کے بعد ہوا جب اخوان پر پابندی عائد کر دی گئی، اور ہم لوگوں کو جیل کی سلاخوں میں ڈال دیا گیا۔ اور مصر پر تیسرے بیرونی حملے کی وجہ سے حکومت کو ہم سے مدد لینے پر مجبور ہونا پڑا، اور شیخ ندوی اور علامہ مودودی کو مصری بغاوت اور جمال عبدالناصر کے مخالفین کے دشمنوں میں شمار کیا گیا، اسی وجہ سے جب الازہر میں مجمع البحوث الاسلامیہ کے قیام کا قانون پاس ہوا جس میں عالم اسلام کے بڑے بڑے علماء کو شامل کیا جانا تھا تو اس میں ان دونوں حضرات کے نام کو شامل نہیں کیا گیا، جب کہ یہ لوگ اس کے خاص نمائندے اور مستحقین تھے، اور دونوں علمی اور عالمی حیثیت ومقام کے حامل تھے۔

اس کے بعد کچھ ایسے حالات ہوئے کہ شیخ کے سفر مصر (۱۹۵۱ء) کے دس سال بعد مجھے قطر جانا پڑا، اور دوحہ آنے کے تقریباً چھ سات ماہ بعد شیخ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا، یہ ملاقات پچھلی یادوں اور تعلقات کی تجدید تھی، جس کا ہم اس سے پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

اس کے بعد شیخ کی کتابوں اور رسائل ومحاضرات کے ذریعہ میں ان سے وابستہ رہا، اسی طرح " البعث الاسلامی" جو ہندوستان میں اسلامی دعوت کا ترجمان تھا اور شیخ کے دو شریف النفس اور داعی شاگرد استاذ محمد الحسنی مرحوم اور الاستاذ سعید الاعظمی (بارک اللہ فی عمرہ ونفعہ) نکالتے تھے، اس رسالہ سے ہم شیخ کے مضامین، محاضرات یا اسی طرح مفید چیزوں سے مستفید ہوتے تھے جن سے ان کا کوئی بھی شمارہ خالی نہ جاتا تھا۔

اس دوران شیخ کی جو اہم کتابیں شائع ہوئیں وہ یہ ہیں؛

رجال الفکر والدعوۃ فی الاسلام (تاریخ دعوت وعزیمت) جلد اول، یہ کتاب اپنے موضوع پر منفرد شمار کی جاتی ہے۔

یہ کتاب اصلاً ایسے محاضرات پر مشتمل ہے جس میں ہر دور کے مجددین اسلام کا تذکرہ ہے اور جنہیں شیخ نے دمشق کے کلیۃ اللغۃ کے طلبہ کے سامنے اس کے ذمہ دار داعی ونقیہ ڈاکٹر مصطفی السباعی کی دعوت پر پیش کیا تھا۔

شیخ ندوی نے یہ ایک بہت عمدہ چیز تیار کی، اور اس میں اسلامی تاریخ اور اس کے مختلف ادوار سے شیخ کو گہری واقفیت کا پتہ چلتا ہے، پھر مجددین اسلام کے کارناموں امت کے اندر اس کے اثرات، اور ہر مجدد کے آنے کا ایک خاص وقت کہ جب اس کی سخت ضرورت تھی کہ ان کی خصوصیات ایسی تھیں کہ اس ضرورت کو وہی پورا کر سکتے تھے، شیخ کو ان تمام امور پر خاص درک حاصل تھا۔

اس جلد کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا، اور ان میں شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ، حضرت مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ دہلوی، امام احمد بن عرفان الشہید، اور امیر المومنین حضرت علی (المرتضیٰ) وغیرہ کی سوانح شامل ہے، اس دوران جو بعض دوسری کتابیں منظر عام پر آئیں ان میں "الصراع بین الفکرۃ الاسلامیۃ والفکرۃ الغربیۃ" (اسلامیت ومغربیت کی کشمکش) اس میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ مغربی فکر کس طرح مسلمانوں کے اندر داخل ہوئی، اور اس نے اسلامی فکر کو پیچھے کر دیا، جب کہ وہ ان ممالک کی پروردہ اور مستحق عنایت تھی، اور اس میں واضح کیا کہ کس طرح اسلامی فکر کے اثرات رفتہ رفتہ ختم ہوتے گئے پھر اللہ تعالیٰ نے اسلامی فکر کے مجددوں کو بھیجا جنہوں نے اس کو زندہ کیا الد

اس کا اصل مقام دلایا۔

انھیں تصنیفات میں "الارکان الاربعہ" بھی ہے، جس میں عبادات کے موضوع پر بحث کی گئی ہے، دل اور عقل کو بیک وقت خطاب کرنے والے ایک مفکر ادیب و داعی کی زبان سے ارکان اسلام پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے

انھیں میں ایک کتاب "ربانیۃ لا رہبانیۃ" ہے، جس میں اسلام کے روحانی پہلو پر گفتگو ہے، حلول اور وحدۃ الوجود، اور دیگر غالی صوفیاء کے طریق نہیں بلکہ کتاب وسنت کے پیرو ایک مسلمان کی طرح گفتگو کی گئی ہے، جو عارف باللہ ہو اور روحانی تجربات سے بہرہ ور ہو۔ اس کتاب نے امت کے لئے لعل وگوہر کا ایک خزینہ بکھیر دیا ہے، اور اس میں کانوں کو مانوس اور بشارت دینے والی اصطلاحات ومضامین کا استعمال کیا گیا ہے۔

اس کے بعد بھی شیخ کی بیشتر کتابیں منظر عام پر آئیں جنھیں ہر مقام پر قبول عام حاصل ہوا۔

میں لکھنؤ کی اپنی اس ملاقات کو نہیں بھلا سکتا جو دار العلوم ندوۃ العلماء میں شیخ سے ہوئی، اس وقت شیخ نے ندوہ کے قیام کے پچاسی سالہ جشن پر مجھے دعوت دی تھی، اور شیخ کی دعوت کو بے شمار علماء نے قبول کیا تھا، اور مختلف ملکوں سے لوگ تشریف لائے تھے جن میں شیخ عبد الحلیم محمود شیخ الجامع الازہر بھی تھے جن کو شیخ نے اس جشن کا صدر بنایا تھا، ان کے ساتھ ڈاکٹر احمد حسین الازہری وزیر اوقاف مصر بھی اس وقت موجود تھے، اور امارات کے جسٹس شیخ احمد عبد العزیز المبارک، حکومت قطر میں تربیت کے وزیر شیخ عبد اللہ ابراہیم الانصاری، حکومت شارقہ میں امور دینیہ کے صدر شیخ عبد العلی المحمود، اور شیخ عبد المعز عبد الستار، مدیر توجیہ العلوم الشرعیۃ، اور سعودی عرب اور خلیجی ممالک کے بہت سے علماء شریک تھے۔

ندوۃ العلماء کی آغوش میں ہمارے یہ ایام بہت ہی خوشگوار گذرے تھے، اور یہ جشن بہت ہی شاندار و یادگار تھا، اس میں ہزاروں ہزار کی تعداد میں مسلمان اور ہندو شریک ہوئے اور مہمانوں نے شیخ ندوی کے اعزاز واکرام کے سایہ میں یہاں کے خوشگوار لمحات گذارے، یہاں تک کہ برادرم محمد المہدی البدری کو یہ کہنا پڑا کہ شیخ نے ہماری ضیافت میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور ہر طرح سے آرام بہم پہنچانے اور بے پناہ اکرام میں نظیر قائم کر دی۔

اس جشن میں فوٹو گرافر تصویر کھینچنے آئے تو شیخ نے کہا کہ اگرچہ ہم تصویر کے خلاف ہیں، لیکن آج اپنے ان عرب مہمانوں کے اکرام میں ہم اس کی اجازت دیتے ہیں جو تصویر میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔

شیخ نے ایک بار مجھ سے فرمایا تھا کہ آپ کی گفتگو وبیان میں ایک روح ہے، اور ایک خاص حرارت پائی جاتی ہے اور اس کا ترجمہ نہیں کیا جا سکتا، اس لئے کہ مترجم افکار ومعانی کو نقل کرتا ہے وہ بات کی روح اور اس کی حرارت کی ترجمانی نہیں کر سکتا، یا پھر آپ کی طرح قادر الکلام اور حرارت وروح رکھنے والا ہو۔

لیکن دار المصنفین اعظم گڈھ میں مجھے ایسا مترجم ہاتھ لگ گیا، یعنی شیخ کے خاندان کے ایک شیریں گفتار اور جادو بیان نوجوان مولانا سلمان ندوی، انھوں نے مستشرقین پر سیمینار میں میری تقریر کا ترجمہ کیا، تو شیخ نے اس پر کہا کہ الحمد للہ، سلمان نے بیک وقت روح اور معنی دونوں کی ترجمانی کی ہے۔

ہم نے ندوۃ العلماء اور اس کے دار العلوم کو بہت قریب سے دیکھا ہے، جس کے دیکھنے سے قبل ہمارے ذہن ودماغ آشنا اور مشتاق دیدار تھے، "والأذن تعشق قبل العين أحيانا" چنانچہ جب ہم نے اس کو اپنی نگاہوں سے دیکھا اور وہاں چند ساعتیں گذاریں تو اس کو اس سے بہتر پایا جیسا سنا تھا، اور ہم قدیم شاعر کے اشعار گنگنانے پر مجبور ہوئے۔

كانت محادثة الركبان تخبرنا
عن جعفر بن رباح أطيب الخبر
حتى التقينا فلا والله ما سمعت
أذني بأحسن مما قد رأى بصري

گذرنے والے قافلے مجھے جعفر بن رباح کے سلسلہ میں بہت اچھی اچھی باتیں بتایا کرتے تھے۔ اور جب ان سے ملاقات ہوئی تو خدا کی قسم میری نگاہوں نے ان کے بارے میں جو کچھ سنا تھا ان کو اس سے بہتر پایا۔

دار العلوم ندوۃ العلماء ایسی جگہ ہے جہاں آکر شعراء وادباء بے ساختہ نغمہ سنج ہو جاتے ہیں، اور علماء اور داعی جس کی تعریف وتحسین میں رطب اللسان نظر آتے ہیں، علامہ علی طنطاوی نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ کاش میں بچپن کی عمر میں دوبارہ پہونچ جاتا اور اس ادارہ میں تعلیم حاصل کرتا، یہاں کے اساتذہ کی شاگردی وصحبت کے لطف لیتا، اور طلبہ کا رفیق بنتا، یہاں کی چہار دیواری میں سانس لیتا اور یہاں سے علم وایمان کی دولت حاصل کرتا۔ انھوں نے مزید کہا کہ ندوۃ العلماء نے قدیم نافع اور جدید صالح سے استفادہ کو اپنا شعار بنایا ہے، اور مستحکم ایمان اور وسیع علم کے درمیان ہم آہنگی اس کا خاص مقصد ہے، نیز اپنے عزائم ومقاصد پر پامردی وثبات، اور اس کے وسائل وذرائع، آلات کی فراہمی، قدیم

ورثہ سے مفید چیزوں کو اپنانا، غیر ضروری چیزوں کو چھوڑنا اس کا خاص امتیاز ہے۔

عالم اسلام میں بھی بنیادی نظام تعلیم میں اصل دشواری یہ تھی کہ وہ دو متضاد بنیادوں پر قائم تھا، اس میں بھی ایک قدیم ورثہ کی نمائندگی کرنے والا اور جدید چیزوں سے صرف نظر کرنے والا گروہ تھا، دوسرا جدید چیزوں کو اس کے رجحانات، معاشرتی اور مادی و کیمونل نظریات کے ساتھ اس کو من وعن قبول کرنے والا تھا، وہ قدیم اقدار وروایات اور عقائد ومسلمات کا صاف منکر تھا، ان میں یہ قدیم طبقہ اس بات کا قائل تھا کہ قدماء نے جو کچھ چھوڑا ہے اس سے بہتر لانے کا امکان نہیں ہے، اس لئے نہ تو اجتہاد کی ضرورت ہے، اور نہ ہی ادب میں نئے گوشے تلاش کرنے کی، اور نئی نئی ایجادات واختراعات میں سر کھپانے کی، اور نہ ہی دین وزندگی میں کسی تجدد کی ضرورت ہے ان کے بالمقابل تجدد پسند طبقہ تھا، جس کی خواہش تھی کہ ہر چیز کو بدل کر رکھ دیا جائے انھیں کے بارے میں اقبالؔ نے کہا تھا کہ تم کعبہ کو تو نیا نہیں کر سکتے، اور ان کے بارے میں رافعی نے کہا کہ وہ بیک وقت دین وزبان اور چاند سورج سب کچھ بدل ڈالنے کے آرزومند ہیں۔

اس موقع پر ندوۃ العلماء ہی کا یہ سب سے بڑا کارنامہ، اور سب سے اہم قدم تھا جس نے دونوں انتہاؤں کے مابین انسجام وہم آہنگی اور رابطہ کا کام انجام دیا، اور ہر ایک کو دوسرے سے فائدہ اٹھانے کی جانب ابھارا۔ اس طرح ندوۃ العلماء کی کوششوں سے قدیم وجدید طبقہ کے مابین کشمکش کا خاتمہ ہوا، اور بنیاد پرستی وتجدد پسندی کا قلع قمع ہوا، جیسا کہ آج کہا جاتا ہے کہ اس نے امتزاج وہم آہنگی اور اعتدال وتوازن کے شعار کو بلند کیا۔

یہ ندوۃ العلماء کی خوش نصیبی رہی ہے کہ اس کو روز اول سے مردان کار ملتے رہے، جنھوں نے اس کے مشن اور کاز کو پائیداری ومضبوطی عطا کی، وہ علم وفکر کے میدان میں کوہ ہمالہ جیسے طویل القامت تھے، دین واخلاق، عزیمت ودعوت میں سرو کی طرح بلند قد والے تھے، اس سنہری کڑی میں علامہ شبلیؒ، علامہ سید سلیمان ندویؒ، علامہ عبدالحی حسنیؒ جیسے گوہر نایاب رہے اور سب کے سب علم وفکر کی بلند وبالا چوٹیوں کی طرح تھے۔

ان تمام اہم ہستیوں نے اپنے اساتذہ سے کسب فیض کیا، ان کی روح کو اپنے اندر جاگزیں کیا، اور ان کے اخلاق وکردار سے خود کو بنایا سنوارا، اور انہیں کے طریقے پر زندگی بسر کی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ ندوۃ العلماء میں ایک ممتاز ایمانی وعلمی ماحول وفضا کو قائم کر دیا اس جیسا خوشگوار ماحول کہیں دوسرے ادارہ میں نہیں ملتا، اور یہاں کی طرح معلم کی بات سننے والا، اس سے محبت کرنے والا، اور اس کے پیغام پر یقین رکھنے والا کسی دوسری جگہ نہیں ملتا۔

دوسرے اداروں اور یونیورسٹیوں میں بڑا اچھا نہج ونظام موجود ہے، لیکن اچھے اساتذہ فراہم نہیں، اور اگر آپ ان کے اندر علمی پہلو تابناک ودرخشاں پائیں تو دیکھیں گے کہ ان کا دل مردہ ہے اور ایمانی وفکری ناحیہ سے ان کی زندگی بے روح وبے کیف ہے۔ ان میں جمود وتعطل کارفرما نظر آئے گا۔

اس کو ہم نے قطر میں خوب خوب دیکھا، ہم نے علوم شرعیہ میں موضوع اور اس کے متعلقات کو دیکھتے ہوئے بہتر سے بہتر کتابیں لکھیں، لیکن طلبہ کی جانب اس کی حرارت اور روح کے ساتھ ان کو منتقل کرنے والے اساتذہ نہ ملے، بلکہ بعض تو ایسے اساتذہ ہیں جو زندہ دلوں کو مردہ کر رہے ہیں اور اس کی حرارت ایمانی پر اس طرح برف ڈال دیتے ہیں جو اس کی حرارت کو ختم کر کے راکھ کے ڈھیر میں بدل دیتی ہے۔

اس کے بعد تین بار ندوہ جانے کی سعادت نصیب ہوئی، ایک بار "المستشرقون والاسلام" کے موضوع پر سیمینار میں شیخ کی دعوت پر، جو دار المصنفین اعظم گڈھ میں ہوا، میرے ساتھ برادران مکرم ڈاکٹر عبدالعظیم الدیب اور ڈاکٹر علی المحمدی تھے، شیخ اور ان کے دوستوں نے مجھے اس تین روزہ سیمینار کی صدارت سونپی، اس موقع پر محدث ہند علامہ شیخ حبیب الرحمن الاعظمی کی ملاقات سے شرف یاب ہوا، اور جب ہم لکھنؤ واپس ہوئے تو ان کا بہت بہت تذکرہ رہا۔

دوسری بار دو ہفتہ کے لئے شیخ کی دعوت پر ندوۃ العلماء جانا ہوا، جس میں مجھے دار العلوم اور المعہد العالی للدعوۃ والفکر الاسلامی کے طلبہ کے سامنے محاضرے دینے تھے، اس وقت مجھے اس علمی وایمانی فضا میں زندگی گذارنے کا ایک زریں موقع ہاتھ لگا، جہاں لوگ محض خدا کے واسطے اور اسی کے ساتھ، اور اسی کے سہارے جیتے ہیں، اور علم وایمان اور دعوت واصلاح کے ماحول میں سانس لیتے ہیں۔

میری حرماں نصیبی کہ اس وقت شیخ ندوی ہندوستان سے باہر اپنے ایک مبارک سفر پر تھے، اپنی واپسی پر دیوبند کے صد سالہ جشن میں شریک ہوتے ہوئے میری ان سے ملاقات ہوئی، شیخ نے مجھ سے کہا: مجھے میرے رفقاء نے بتایا کہ آپ نے وہاں لوگوں کے دلوں پر جادو کر دیا ہے، اور ان پر اپنا سکہ جما دیا ہے، میں نے کہا کہ یہ ان حضرات کی محبت ہے جسے میں فضل خداوندی سمجھتا ہوں۔

تیسری مرتبہ عرصہ تین سال قبل شیخ

ارالعلوم میں اساتذہ وطلبہ کے سامنے محاضرے
مجھے دعوت دی، میں نے ندوہ کی آغوش
دن گذارے جنہیں اپنی عمر کے سب سے
دن سمجھتا ہوں، اس وقت میں نے علوم شرعیہ
ول پر کئی محاضرے دیئے، اور اللہ تعالیٰ کی
یق پر اس کی حمد بیان کرتا ہوں، اور پھر شیخ
ں موجود ہونے اور میرے محاضروں میں
شرکت نے میرے عزم و حوصلہ کو جلا بخشی۔
شیخ سے مختلف موقعوں پر ملاقاتیں ہوتی
جامعہ قطر کے قیام کے وقت ۸۲ء کے آس
قطر میں ان سے ملاقات ہوئی وہاں انھوں نے
الجامعۃ فی تکوین الأجیال"، "نئی نسلوں کی
جامعہ کا کردار"، کے عنوان سے محاضرہ دیا،
رح ۱۴۰۰ھ کے اوائل میں قطر میں منعقد سیرت
کانفرنس میں ان سے ملاقات کی سعادت
کانفرنس پندرہویں صدی ہجری کے استقبال
ے ایک جشن کے طور پر کی جارہی تھی اس
جزائر کے "ملتقی الفکر الاسلامی" میں بھی
ان سے ملاقات ہوئی۔ اور مجلس المجمع الفقہی
ر انتظام رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ میں
ان سے اکثر و بیشتر ملاقات ہوا کرتی تھی
ں بحیثیت رکن میں شریک ہوا کرتا تھا۔
اسی طرح آکسفورڈ اسلامک سینٹر بھی
وں کی ملاقات کا سبب بنا کرتا تھا، ہمیشہ
ہمارے دل اور روح شیخ جلیل سے
اور اسلام کی خاطر محبت کے سایہ میں
ہیں گے، یہ اسلام جس سے خدا نے ہم کو
از کیا، اور اس کے پیغام کا علمبردار بنایا اور
کی دعوت کو پھیلانے اور امت کے مسائل
ھ لینے کی توفیق بخشی۔
میں ندوۃ العلماء کے اساتذہ وطلبہ خاص
ح کے بھانجے عالم جلیل شیخ محمد رابع حسنی

عرفان و علم کا مہِ کامل نہیں رہا

پروفیسر سید طفیل احمد مدنی

فضل و کمالِ عشق کا حاصل نہیں رہا
عرفان و علم کا مہِ کامل نہیں رہا

ملت کے غم سے جو کبھی غافل نہیں رہا
صد حیف اب وہ مومنِ کامل نہیں رہا

وہ جس کے معترف تھے سبھی اہلِ معرفت
وہ شیخ وقت و عارفِ کامل نہیں رہا

وہ بوالحسن علی وہی ہمنامِ مرتضیٰ
اب کاروانِ زیست میں شامل نہیں رہا

انسانیت کا درس دیا جس نے عمر بھر
وہ عندلیبِ باغِ مزمل نہیں رہا

سیرت نگارِ سید کونین و مرتضیٰ
وہ ماہرِ علوم و مسائل نہیں رہا

درویشِ باوقار و خوش اوقات و خوش کلام
افسوس اب وہ ذاکر و شاغل نہیں رہا

وہ پاسبانِ عظمتِ ساداتِ قطبیہ
وہ میر کاروانِ دلائل نہیں رہا

ٹھکرا دیا تھا جس نے ہر اعزازِ دنیوی
وہ بے نیازِ دولتِ زائل نہیں رہا

جس کو کلیدِ کعبہ ملی تھی بحکم رب
وہ خوش نصیب سیدِ عادل نہیں رہا

اسلام کا مفکرِ ذیشان و محترم
اب صدرِ بزم و رونقِ محفل نہیں رہا

بس یہ لب یوں رب سے ملا نفسِ مطمئن
کوئی حجاب بیچ میں حائل نہیں رہا

اللہ اس کی قبر کو بھر اپنے نور سے
جو تیری یاد سے کبھی غافل نہیں رہا

اک پھول کے نہ ہونے سے خاموش ہیں سبھی
گلشن میں اب وہ شورِ عنادل نہیں رہا

بے نور چشمِ نرگسِ بیمار کیوں نہ ہو
وہ دیدہ ور وہ جوہرِ قابل نہیں رہا

ندوہ اداس ہے کہ گیا شیخِ معتبر
تکیہ کو غم ہے صاحبِ منزل نہیں رہا

صدیق و احمد و وصیؒ پہلے ہی جاچکے
اب یہ ولی فائق و کامل نہیں رہا

ملت کا فرد فرد کرے کیوں نہ تعزیت
اک جامعِ کمال و فضائل نہیں رہا

روتا ہے اک زمانہ اسے کیوں نہ روؤں میں
وہ میرا شیخ و مرشدِ کامل نہیں رہا

سوچا سنِ وفات تو ہاتف نے دی صدا
اب آہ ایک عالم و فاضل نہیں رہا
۱۴۲۰ھ

اب حالِ دل سناؤگے جاکر کسے طفیل
وہ تاجدارِ مملکتِ دل نہیں رہا

ندوی سے تعزیت کرتا ہوں، اسی طرح تمام باشندگانِ ہندوستان سے اس علاقہ ہند اور اس کی سب سے بڑی دولت کے گم ہوجانے پر تعزیت کرتا ہوں۔ اس طرح میری تعزیت ساری روئے زمین پر بسنے والی انسانیت سے ہے جس نے ایسے داعی اور امام کو رخصت کردیا

سارے زمانے کے لئے جس کا ثانی و نظیر ملنا مشکل ہے، ہم خدا کے سامنے دست بدعا ہیں کہ وہ ہم لوگوں کو اس رنج و الم پر صبر عطا فرمائے اور ان کا بہترین جانشین نصیب فرمائے، اور شیخ ندوی کی رحمت و مغفرت فرمائے، اور ان کی خدمات کو ان کا بہتر صلہ عطا فرمائے۔

توصیف کیا بیاں کریں ان کے کمال کی

مولانا محمد تقی عثمانی

اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا ایسی بنائی ہے کہ اس میں غم و خوشی اور راحت و تکلیف دونوں چیزیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں، نہ یہاں خوشی خالص ہے نہ غم خالص، اس لئے یہاں غموں اور صدموں کا پیش آنا کوئی اچنبھے کی بات ہے نہ کوئی غیر معمولی چیز، لیکن بعض صدمے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا اثر پوری امت پر پڑتا ہے اور ان کے عالمگیر اثرات کی وجہ سے ان کا زخم مندمل ہونا آسان نہیں ہوتا۔

(رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ میں) ایک ایسا ہی عظیم صدمہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحبؒ کی وفات کا پیش آیا، جس نے ہر اس شخص کو ہلا کر رکھ دیا، جو حضرت مولانا کی شخصیت اور ان کی خدمات سے واقف ہے۔

إنا لله وإنا إليه راجعون۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہٗ ہمارے دور کی ان عظیم شخصیات میں سے تھے جن کے محض تصور سے دل کو ڈھارس اور روح کو یہ اطمینان نصیب ہوتا تھا کہ قحط الرجال کے اس زمانے میں بفضل تعالیٰ ان کا سایۂ رحمت پوری امت کے لئے ایک سائبان کی حیثیت رکھتا ہے علم و فضل کے شناوروں کی تعداد اب بھی شاید اتنی کم نہ ہو، عبادت و زہد کے پیکر بھی اتنے نایاب نہیں لیکن ایسی شخصیات جو علم و فضل، سلامت فکر، ورع و تقویٰ اور اعتدال و توازن کی خصوصیات جمع کرلینے کے ساتھ ساتھ امت کی فکر میں گھلتی ہوں اور جن کے دل درد مند میں عالم اسلام کے ہر گوشے کیلئے یکساں تڑپ موجود ہو، خال خال ہی پیدا ہوتی ہیں اور ان کی وفات کا خلا پُر ہونا بہت مشکل ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا کو ان خصوصیات سے نوازا تھا۔ اور اب ان صفات کا جامع دور دور کوئی نظر نہیں آتا۔

حضرت مولاناؒ اصلاً دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے تعلیم و تربیت یافتہ تھے۔ لیکن اس کے بعد انہیں اللہ تعالیٰ نے دارالعلوم دیوبند سے بھی اکتساب فیض کی توفیق عطا فرمائی تھی اور اس طرح ان کی ذات میں برصغیر کے ان دونوں عظیم اداروں کے محاسن جمع فرمادیے تھے پھر علم ظاہر کے اس مجمع البحرین کو اللہ تعالیٰ نے علم باطن کا بھی حصہ وافر عطا فرمایا، انہوں نے حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کی خدمت سے فیض حاصل کیا۔ اور طریقت کے میدان میں بھی حضرت رائے پوری قدس سرہٗ کے خلیفہ مجاز کی حیثیت سے آپ کا فیض دور دور تک پھیلا۔

آپ کی اردو اور عربی تصانیف اتنی ایمان افروز، فکر انگیز اور معلومات آفریں ہیں کہ وہ دل کو ایمان و یقین سے سرشار کرنے کے علاوہ دین کا صحیح مزاج و مذاق انسان پر واضح کرتی ہیں اور اسے افراط و تفریط سے ہٹا کر اعتدال کے اس جادۂ مستقیم پر لے آتی ہیں جو ہمارے دین کا طرۂ امتیاز ہے ان کی تحریروں میں علم و فکر کی فراوانی کے ساتھ بلا کا سوز و گداز ہے جو انسان کو متاثر کئے بغیر نہیں رہتا، خاص طور پر مغربی افکار کی یورش نے ہمارے دور میں جو فکری گمراہیاں پیدا کی ہیں۔ اور عالم اسلام کے مختلف حصوں میں جو فتنے جگائے ہیں ان پر حضرت مولانا کی بڑی وسیع و عمیق نظر تھی اور انھوں نے اپنی تقریر و تحریر کے ذریعہ ان فتنوں کی تشخیص اور ان کے علاج کی نشاندہی اتنی سلامت فکر کے ساتھ اتنے دلنشین انداز میں فرمائی ہے کہ عہد حاضر کے مؤلفین میں شاید ہی کوئی دوسرا ان کی ہمسری کرسکے۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں عربی زبان کی تحریر و تقریر پر وہ قدرت عطا فرمائی تھی، جو بہت سے عرب اہل قلم کیلئے بھی باعث رشک تھی اس منفرد صلاحیت سے انھوں نے خدمتِ اسلام کا وہ عظیم الشان کام لیا جو عربی زبان و ادب کے معاصر ماہرین میں سے شاید کسی نے نہ لیا ہو۔ ان کی فصیح و بلیغ عربی تحریروں نے عربوں کو دین کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا۔ اور مغرب کی فکری یلغار سے سہمے ہوئے عرب ممالک میں دین کا پیغام اتنی خود اعتمادی، اتنے یقین اور اتنے پرجوش انداز میں پہونچایا کہ آج بے شمار عرب مسلمان اپنی اسلامی بیداری کو ان تحریروں کا مرہون منت سمجھتے ہیں ان کی تحریر و تقریر میں جو اخلاص، دردمندی اور دلسوزی کوٹ

کوٹ کر بھری ہوئی تھی، وہاں کی سخت سے سخت بات کو بھی مخاطب کیلئے قابل قبول بنا دیتی تھی۔ اس کا نتیجہ تھا کہ عربوں پر کھری کھری تنقید کے باوجود عرب ممالک میں ان کی مقبولیت کسی بھی غیر عرب کے مقابلے میں کہیں زیادہ تھی عرب ملکوں کے متعدد حلقوں سے بھی ان کے مراسم تھے اور وہ ان مراسم کو خدمت دین کیلئے استعمال فرماتے تھے اور ان کی بدولت بہت سے منکرات کا سدباب ہوا۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے بارے میں اگر میں یہ کہوں تو مبالغہ نہیں ہوگا کہ حضرت مولاناؒ کی قیادت نے اس ادارے کو نئی زندگی بخشی۔ یہ ادارہ درحقیقت حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ نے مسلمانوں کی اہم دینی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے قائم فرمایا تھا اور اس کا مقصد یہ تھا کہ یہاں سے ایسے اہل علم پیدا ہوں جو دینی علوم سے آراستہ ہونے کے ساتھ ساتھ عصری علوم بھی اتنی واقفیت رکھتے ہوں جو ان کی دعوت کو معاصر تعلیم یافتہ حضرات میں زیادہ موثر بنا سکے۔ یہ ایک عظیم الشان مقصد تھا، لیکن رفتہ رفتہ اس ادارے پر تاریخ وادب اتنا غالب آتا گیا کہ اس کی دینی چھاپ ماند پڑنے لگی، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے دارالعلوم ندوۃ العلماء کو دوبارہ اپنے اصل مقصد کی طرف اس حکمت وبصیرت کے ساتھ لوٹایا کہ اس کی نمایاں خصوصیات بھی برقرار رہیں اور اس کے ساتھ اس میں ٹھیٹھ اسلامی علوم کا معیار بھی پہلے سے کہیں زیادہ بلند ہوا۔ اس کی مجموعی فضا پر تدین تقویٰ اور انابت الی اللہ کا رنگ بھی نمایاں ہوا۔ اور تاریخ وادب کو دین کی دعوت اور مقاصد شریعت کا خادم بنا کر اس طرح استعمال کیا گیا کہ یہ ادارہ دعوت وخدمت دین کا ایک اہم مرکز بن گیا، جس کی خدمات سے پورے عالم اسلام نے استفادہ کیا، حضرت مولاناؒ نے اپنی انتھک جدوجہد سے اس ادارے میں اپنے ہم رنگ علماء کی ایک بڑی کھیپ تیار فرمائی جو بفضل تعالیٰ حضرت مولانا کے انداز فکر وعمل کی امین ہے اور انہی کے طرز وانداز پر دین کے مختلف شعبوں میں گرانقدر خدمات انجام دے رہی ہے

یوں تو حضرت مولاناؒ کی تمام ہی تصانیف ہمارے ادب کا بہترین سرمایہ ہیں لیکن "تاریخ دعوت وعزیمت" اور "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر" اور "عالم اسلام میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش" یہ تین کتابیں ایسی ہیں کہ راقم الحروف نے ان سے خاص طور پر بہت استفادہ کیا اور ان کے ذریعے بہت سی زندگیوں میں فکری اور عملی انقلاب رونما ہوا۔ اس کے علاوہ ان کے بہت سے چھوٹے چھوٹے مقالے جو الگ کتابچوں کی شکل میں —— ہیں بلا کی تاثیر رکھتے ہیں خاص طور پر — "اسمعوھا منی صریحۃ ایھا العرب" اور "من غار حرا" "ترشید الصحوۃ الاسلامیۃ" اور آخر میں وہ مقالے ہیں جنہوں نے دلوں کو جھنجھوڑ کر انہیں فکر وعمل کی سیدھی راہ دکھائی۔

عصری ضرورتوں کا احساس ہمارے دور میں بہت سے علماء، رہنماؤں اور اہل قلم کو ہوا۔ اور انہوں نے اخلاص کے ساتھ دین کی عصری حاجتوں کی تکمیل میں اپنی توانائیاں صرف کیں لیکن بسا اوقات عصری حاجتوں کی فکر نے ان کو دین کی سکہ بند اور ٹھیٹھ تعبیر سے ڈگمگا کر ایسی راہ اختیار کرنے پر آمادہ کر دیا جو جمہور امت اور سلف صالحین کے جادہ مستقیم سے ہٹی ہوئی تھی لیکن حضرت مولانا علی میاں قدس سرہٗ کا معاملہ ان سے کہیں مختلف تھا۔ اس دور کا کوئی بھی حقیقت پسند انسان اس بات سے انکار نہیں کرسکتا کہ وہ امت مسلمہ کی عصری ضروریات کا مکمل احساس وادراک رکھتے تھے۔ لیکن ان ضروریات کی تکمیل انہوں نے ہمیشہ جمہور امت کے مسلمہ عقائد ونظریات کے دائرے میں رہتے ہوئے کی اور کسی قسم کی مرعوبیت اور معذرت خواہی کی پرچھائیں بھی ان کی تحریروں پر نہیں پڑسکی۔

جب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب مرحوم نے جماعت اسلامی کی بنیاد ڈالی تو وقت کی ایک اہم ضرورت سمجھ کر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے بھی ان کا ساتھ دیا لیکن جب ان کے طرز فکر وعمل سے اختلاف سامنے آیا تو حضرت مولاناؒ ان سے الگ تو ہو گئے، لیکن جماعت اسلامی اور مولانا مودودی صاحبؒ کی مخالفت کو اپنا ہدف نہیں بنایا، بلکہ مغربی افکار کی تردید میں انہوں نے جو قابل قدر کام کیا تھا اس کی تعریف وتوصیف میں کبھی بخل سے کام نہیں لیا، لیکن ان کے طرز فکر وعمل پر ———— مولاناؒ نے "اسلام کی سیاسی تعبیر" جس نتیجہ پر قلم فرمائی وہ انہی کا حق تھا۔ اس کتاب کے ذریعے انہوں نے مولانا مودودیؒ اور ان کے طرز فکر کے حامل دوسرے اہل علم سے اپنے اختلاف کو انتہائی متانت کے ساتھ مدلل اور مستحکم انداز میں بیان فرما کر ان بنیادی نکات کی نشاندہی فرمائی جن میں ان حضرات کی سوچ قرآن وسنت کے جادۂ اعتدال سے ہٹ گئی تھی۔

حضرت مولاناؒ کی پوری زندگی ایک جہد

مسلسل سے عبارت تھی دنیا کے کسی بھی خطے میں مسلمانوں کی کوئی تکلیف یا خرابی ان کے دل میں کانٹا بن کر چبھ جاتی تھی اور وہ مقدور بھر اس کے ازالے کے لئے بے چین ہوجاتے تھے ان کی خود نوشت سوانح حیات "کاروانِ زندگی" کے نام سے ستّا جلدوں میں شائع ہوئی ہے اور جس کے مطالعے سے ان کی ہمہ جہتی خدمات کا تھوڑا بہت اندازہ ہوسکتا ہے۔ بلکہ مجھے تو اس بات پر حیرت ہے کہ اتنی مصروف زندگی میں انھوں نے اپنی یہ سوانح کس طرح تالیف فرمائی جس میں ان کی سرگرمیوں کی تفصیلات اتنی جزرسی کے ساتھ بیان ہوئی ہیں۔ سچ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی سے کام لیتے ہیں تو اس کے اوقات میں بھی برکت عطا فرمادیتے ہیں۔ اس سوانح کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ محض واقعات زندگی کی داستان نہیں بلکہ اس میں قدم قدم پر قاری کیلئے فکر و بصیرت کے نئے پہلو اجاگر ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انھیں جن ہمہ جہتی خدمات کیلئے چنا تھا۔ ان کے پیش نظر وہ کسی ایک ملک کی نہیں پورے عالم اسلام کی شخصیت تھی میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ کے سامنے جب بھی حضرت مولاناؒ کا ذکر آتا تو اکثر وہ فرمایا کرتے تھے وہ "موفق من اللہ" ہیں اور جوں جوں حضرت مولاناؒ کی خدمات سامنے آتی گئیں حضرت والد صاحب قدس سرہٗ کے اس جملے کی حقانیت واضح ہوتی گئی۔ لیکن ان ہمہ جہتی خدمات اور عالمگیر مقبولیت کے باوجود حضرت مولاناؒ تواضع کے پیکر تھے ان کے کسی انداز و ادا میں عجب و پندار کا کوئی شائبہ نہیں تھا قبول حق کے لئے ان کا ذہن ہمیشہ کھلا ہوا تھا، وہ اپنے چھوٹوں سے بھی ایسا معاملہ فرماتے تھے جیسے ان سے استفادہ کر رہے ہوں مجھ ناچیز کے ساتھ حضرت مولاناؒ کی شفقت و محبت اور عنایات کا جو معاملہ تھا اسے تعبیر کرنے کے لئے الفاظ ملنے مشکل ہیں۔ اگرچہ پاکستان اور ہندوستان کی بنا کے بعد مجھے حضرت مولانا سے شرف ملاقات اور حضرت کی صحبت سے مستفید ہونے کے مواقع کم ملے۔ لیکن الحمدللہ خط و کتابت کے ذریعہ ان سے تعلق قائم رہا۔ میں نے اپنے بہت سے ذاتی اور اجتماعی مسائل میں حضرت مولاناؒ سے رہنمائی طلب کی اور انھوں نے ہمیشہ بڑی شفقت و محبت کے ساتھ اپنے ارشادات سے نوازا۔ میں ایسے مواقع کی تلاش میں رہتا تھا۔ جب حضرت مولاناؒ کی زیارت و ملاقات کا شرف حاصل ہو۔ میرا یہ اشتیاق سو فیصد فطری تھا کہ میرے لئے ان کی حیثیت ایک رہنما کی تھی میں اس بات کا حاجتمند تھا۔ کہ ان کی صحبت جتنی ہوسکے میسر آئے لیکن یہ حضرت مولاناؒ کی شفقت کی انتہا تھی کہ وہ بھی محض اپنے الطاف کریمانہ کی بنا پر مجھے اس سعادت سے بہرہ ور کرنے کی کوشش فرماتے تھے، ایک مرتبہ مجمع الفقہ الاسلامی ہند کا اجلاس بنگلور میں ہونا تھا۔ احقر نے حاضری کا فی الجملہ وعدہ کر لیا تھا۔ حضرت مولانا کا گرامی نامہ آیا کہ میں نے تم سے ملنے کی خاطر اس سفر کا ارادہ کیا ہے بعد میں اتفاق سے مجھے ایسی مجبوری پیش آگئی کہ میں وہاں نہ پہنچ سکا اور اس وقت ان کی زیارت سے محروم رہا میں اپنی نادانی سے یہ سمجھا تھا کہ حضرت نے احقر کی خاطر داری کیلئے مذکورہ بالا فقرہ لکھ دیا ہوگا۔ لیکن بعد میں انھوں نے اپنے خطوط میں جس طرح اس پر افسوس کا اظہار فرمایا۔ اور صرف خطوط ہی میں نہیں اپنی خود نوشت سوانح میں بھی اس واقعے کا جس طرح ذکر فرمایا ہے وہ احقر کو غرق ندامت کرنے کیلئے کافی ہے۔

اسال دارالعلوم کراچی کی طرف سے شوال کے آخر میں فضلائے دارالعلوم کی دستار بندی کے لئے سالہا سال کے بعد ایک جلسہ منعقد کرنے کا خیال ہے۔ مقصد یہ تھا کہ اس موقع پر اکابر علماء کا ایک اجتماع بھی ہو جائے اس موقع پر جن اکابر علماء کو دعوت دینے کا خیال تھا ان میں حضرت مولانا کا اسم گرامی سر فہرست تھا۔ چنانچہ احقر نے جمعرات ۲۱ رمضان المبارک کو ندوۃ العلماء میں فون کیا معلوم ہوا کہ حضرت رائے بریلی تشریف فرما ہیں وہاں فون کیا گیا تو حضرت اس وقت فون کے پاس نہیں تھے، فاضل گرامی جناب مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب سے بات ہوئی انھوں نے بتایا کہ الحمدللہ حضرت کی صحت بہتر ہے فالج کا جو اثر پچھلے دنوں ہوا تھا بفضل تعالیٰ وہ اب زائل ہوچکا ہے اور حضرت کمزوری کے باوجود روزے بھی رکھ رہے ہیں یہ سن کر الحمدللہ بہت اطمینان ہوا۔ جناب مولانا رابع صاحب نے میرا پیغام حضرت تک پہنچانے کا وعدہ کیا اور فرمایا کہ آپ سے حضرت کو جو محبت ہے اس کے پیش نظر وہ اس دعوت کو ضرور اہمیت دیں گے۔ تاہم میں نے اس سے وہ مناسب وقت معلوم کیا جس میں ان سے براہ راست بات ہوسکے۔ مولانا نے فرمایا کہ صبح دس بجے کے قریب حضرت فون کے پاس ہوتے ہیں۔ میں نے ارادہ کیا کہ انشاءاللہ ہفتے کی صبح کو حضرت سے ہمکلامی کا شرف حاصل کروں گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا جمعہ کی رات کو میرے بھتیجے عزیز خلیل اشرف عثمانی صاحب سلمہ نے فون پر بتایا کہ ریڈیو ٹیلیویژن سے حضرت کی وفات کی خبر نشر ہوچکی ہے۔ دل پر بجلی سی گری مگر اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر سر تسلیم خم کئے بغیر چارہ نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے پاس بلانے کیلئے رمضان کا مبارک مہینہ جمعہ کا مقدس دن

(باقی ص ۲۳۹ پر)

"کس کا دل ہوں کہ دو عالم سے لگایا ہے مجھے"

مولانا ضیاء الدین اصلاحی ۔ مدیر "معارف" اعظم گڈھ ۔

افسوس اور سخت افسوس ہے کہ محفلِ دوشیں کا وہ چراغ سحر جو پچھلے برس ہی سے ضعف و مرض کے جھونکوں سے جھلملا جھلملا کر سنبھل جاتا تھا بالآخر ہمیشہ کے لئے بجھ گیا۔ یعنی اس دور کے بہت مقبول و مقدس بزرگ، دنیائے اسلام کے محبوب و محترم عالم، عرب و عجم کی سرمایۂ افتخار و نازش ذات، شرق و غرب کی مؤقر و مکرم ہستی، ہر فرد و مذہب کے معتمد شخص انسانیت کے پیامبر رسال اور علمبردار، مسلمانوں کے راہبر و رہنما، دین و مذہب کے عاشق و شیدائی، اسلام کے داعی و نقیب، ایمان و یقین کے حامل و مبلغ، عزیمت و جہاد کے پیکر، خانۂ کعبہ کے کلید بردار، ہندوستان میں سرمایۂ ملت کے نگہبان، ندوۃ العلماء کے ناظم، دار المصنفین کے روح رواں، مسلم پرسنل لا بورڈ اور دینی تعلیمی کونسل کے صدر، رابطۂ عالم اسلامی اور مدینہ یونیورسٹی کے تاسیسی رکن، رابطۂ ادب اسلامی کے بانی و صدر، اسلامی سنٹر آکسفورڈ یونیورسٹی کے چیرمین اور ہند و بیرونِ ہند کے مختلف اداروں اور انجمنوں کے سربراہ اور سرپرست حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے ۲۲ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ / ۳۱ دسمبر ۱۹۹۹ء کو اس سرائے فانی کو الوداع کہا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور اپنے لاکھوں عقیدت مندوں، قدردانوں، رفیقوں اور عزیزوں کو غم زدہ اور سوگوار چھوڑ کر زبانِ حال سے یہ کہتے ہوئے موت کی آغوش میں چلے گئے۔

اضاعونی وای فتی اضاعوا
لیوم کریھۃ وسداد ثغر

بیسویں صدی کے اختتام سے ایک برس پہلے جب شمسی سال کے ختم ہونے میں ایک دن رہ گیا تھا تو یہ المناک اور دل دوز خبر بجلی بن کر گری:

نعی الرکب اونی حین آبت رکابھم
لعمری لقد جاؤا بشر فا وجعوا
نعوا باسق الافعال لا یخلفونہ
تکاد الجبال الصم منہ تصدع

عین نصف النہار کے وقت وہ آفتاب عالم تاب غروب ہوگیا جس سے ہندوستان اور پوری دنیائے اسلام منور تھی، اس وجود مقدس کا خاتمہ ہوگیا جس کے ذکرِ جمیل سے مسجدیں، خانقاہیں، مدارس، جدید تعلیم گاہیں، یونیورسٹیاں اور ریاست و حکومت کے ایوان پرشور رہتے تھے، وہ برگزیدہ ہستی معدوم ہوگئی جس کے ایک ہاتھ میں جامِ شریعت اور دوسرے میں سندان عشق تھا، وہ میر کارواں رخصت ہوا جس کا شغل ذکر کے ساتھ فکر اور جس کا معمول تسبیح و مناجات کی طرح وسعتِ افلاک میں تکبیر مسلسل تھا۔ وہ نہ ملت کے جوانوں کی طرح نخچیر زمانہ تھا اور نہ پیرانِ کہن سال کی طرح بیگانۂ ایام۔ یہی وہ چراغ تھا جس سے علم و عرفان اور شریعت و طریقت کی بزم روشن تھی، اس کے فیض سے ایمان کی بادِ بہار چل رہی تھی، معرفت و یقین کی دوکان آراستہ تھی، دریائے علم رواں اور دوائے دل ارزاں تھی، اس کی ذات لکھنؤ اور رائے بریلی میں فضل و کمال، محبت و معرفت، یقین و نگاہ اور رشد و ہدایت کی شمع فروزاں تھی، اس کی ہستی سیرت و خلق محمدیؐ، شاہ علم اللہؒ کے زہد و ریاضت، سید احمد شہیدؒ کے جہد و جہاد اور مولانا عبدالحیؒ کے علم و دانش کا مجموعہ تھی اور اس کی ذات میں اسلاف اور اپنے بزرگ اجداد کی بہت سی روایات و خصوصیات اکٹھا ہوگئی تھیں، ارشاد و ہدایت، وعظ و نصیحت، درس و تدریس، تلاش و مطالعہ، تحریر و تصنیف اور دین و ملت کی راہ میں جاں فروشانہ جذبہ اور مجاہدانہ اخلاص۔

ولیس علی اللہ بمستنکر
ان یجمع العالم فی واحد

---

۲۲ رمضان المبارک کو جمعہ کی نماز پڑھ کر بعض اعیانِ شہر کے ساتھ اپنی رہائش گاہ کے سامنے صحن میں بیٹھا تھا کہ شہر کے ایک صاحب کے فون سے اس حادثہ فاجعہ کی اطلاع ملی تصدیق اور تدفین کا وقت معلوم کرنے کے لئے لکھنؤ اور رائے بریلی فون کرایا مگر پتہ نہیں چلا، خبر پھیلی تو دار المصنفین کے احاطہ کے لوگ، شبلی کالج کے اساتذہ اور شہر کے بعض حضرات میری قیامگاہ پر جمع ہوگئے، ڈاکٹر مسیح الرحمن لکچرر شبلی کالج نے لکھنؤ میں اپنے بڑے بھائی مولانا سعید الرحمن اعظمی کے یہاں فون کرایا تو خبر کی تصدیق ہوگئی اور ساڑھے چار بجے میں ان کے اور اپنے رفقاء، عزیزوں اور ڈاکٹر سلمان سلطان رکن مجلس انتظامی دار المصنفین کے ساتھ روانہ ہوا، مگر ٹیکسی سے

۳ کلومیٹر پہلے ہی گاڑی روک دی گئی، ہم لوگ پیدل چل پڑے، راستے میں آدمی ہی آدمی تھے، کچھ تو نماز جنازہ اور تدفین میں شریک ہو کر واپس آرہے تھے اور کچھ بے تابانہ تدفین میں شریک ہونے جارہے تھے، ہم لوگوں کو جنازے کی سعادت سے محروم رہ جانے پر بڑا قلق ہوا، دو تین گھنٹے گزار کر بہ مشکل مولانا کے خواہر زادگان مولانا سید محمد رابع اور مولانا سید محمد واضح سے ملاقات کر کے ۸ بجے صبح اعظم گڈھ واپس اس حال میں آئے۔

اذا ما دعوت الصبر بعدک والبکا
اجاب البکا طوعا ولم یجب الصبر

کئی روز تک گم صم رہا، کسی کام میں جی نہیں لگتا تھا، قلم اٹھانے کا یارا نہ تھا، حیص بیص میں دن بیت گئے، ہفتے گزر گئے، جنوری کے آخری عشرے میں مولانا مستقیم احسن نے بمبئی سے فون کیا "ابھی تک معارف نہیں پہونچا، مولانا پر مضمون کا شدید انتظار ہے" حکیم محمد مختار اصلاحی اور پروفیسر خورشید نعمانی ردولوی اور دوسرے قدردانان معارف کی طرف سے بھی ماتمی تحریر کے لئے بیقراری ظاہر کی گئی۔

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی
دوانہ مرگیا آخر کو ویرانے پہ کیا گزری

اس پیہم تقاضے اور شدید اصرار نے قلم اٹھانے پر مجبور کیا مگر اسی اثنا میں اعظم گڈھ میں فساد کی آگ بھڑک اٹھی جس کی زد سے دارالمصنفین بھی محفوظ نہیں رہا، نگاہوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ کا منظر تھا، مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی وفات نہ تنہا ان کے عزیزوں اور نیازمندوں کا حادثہ ہے اور نہ دارالمصنفین اور ندوۃ العلماء کی دنیا ویران ہوئی ہے، بے شمار ادارے، تنظیمیں اور انجمنیں بے رونق ہو گئی ہیں، امت مرحومہ کا سرمایۂ اعتماد جاتا رہا، عالم اسلام کا سہارا ختم ہو گیا، تباہ و خستہ حال ہندوستان کا غم خوار چلا گیا، آہ وہ پُر درد آواز خاموش ہو گئی جو نصف صدی تک ہندوستان اور دنیائے اسلام کے ہر سانحہ پر صدائے صور بن کر بلند ہوتی تھی، واحسرتا! وہ بے قرار دل ساکت ہو گیا جو مسلمانوں کی ہر مصیبت پر تڑپتا اور تڑپاتا تھا، وا اسفا! وہ اشک آلود آنکھیں بند ہو گئیں جو دین ملت کے ہر غم میں خون بار رہتی تھیں، ہائے اس پُر جوش سینہ کا تلاطم ختم ہو گیا جو آلام و مصائب کے پہاڑوں کو خس و خاشاک کی طرح بہالے جاتا تھا، ہم کس کس چیز کا ماتم کریں اور کس کس کے لئے روئیں، وہ ایک فرد نہیں ایک قوم، ایک شخص نہیں ایک ملت اور تنہا نہیں مجموعۂ صفات و کمالات تھا۔

وما کان قیس هلکه هلک واحد
ولکنه بنیان قوم تهدما

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا پدری سلسلہ حضرت امام حسنؓ اور مادری سلسلہ حضرت امام حسینؓ پر منتہی ہوتا ہے۔ حضرت امام حسنؓ کے صاحبزادے حسن مثنیٰ سے امام حسینؓ کی چھوٹی دختر فاطمہ صغریٰ منسوب تھیں، اس لئے ان کے خاندان کو حسنی حسینی کہا جاتا ہے، اس خاندان کے پہلے بزرگ جو مدینہ منورہ سے ہندوستان تشریف لائے وہ امیر قطب الدین محمد المدنیؒ تھے جو شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے بھانجے اور جلیل القدر ولی تھے، انھوں نے کڑا مانک پور اور اس کے نواح کو نور اسلام سے منور کیا، کڑا میں ان کی اولاد تقریباً ایک صدی تک عزت اور نیک نامی کی زندگی بسر کرتی رہی، جب اس خانوادے کے ایک بزرگ میر سید قطب الدین محمد ثانی کو جالس کا قاضی مقرر کیا گیا تو وہ وہاں منتقل ہو گئے، ان کے بیٹے سید علاء الدین بھی وہاں کے قاضی ہو کر وہاں جا بسے۔ ان کے ایک پوتے قاضی سید احمدؒ تھے جن کے فرزند سید محمد معظم کے دو نامور فرزند تھے، سید محمد فضیل اور سید محمد اسحٰق۔ اول الذکر حضرت سید آدم بنوریؒ کے جلیل القدر خلیفہ اور ممتاز عارف باللہ حضرت شاہ علم اللہؒ کے والد بزرگوار تھے جن کی پانچویں پشت میں مرد حق آگاہ اور مجاہد کبیر حضرت سید احمد شہیدؒ پیدا ہوئے۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ مؤخر الذکر کی نسل سے تھے جن کی نوائے حق اور نالۂ درد سے عرب و عجم گونج رہا ہے۔

سالہا گوش جہاں زمزمہ زا خواہد بود
زیں نوا ہا کہ دریں گنبد گرداں زدہ ام

خاندان قطبی کی دونوں شاخوں میں اتنے اولیاء، علماء اور مشائخ پیدا ہوئے کہ کم خاندانوں میں ہوئے ہوں گے، مولانا علی میاںؒ کے جد امجد مولوی حکیم سید فخر الدین خیالیؒ علمی و باطنی کمالات سے مالامال تھے، فارسی، اردو خاص کر بھاشا کے اچھے اور صاحب دیوان شاعر تھے، ان کی اکثر تصنیفات تلف ہو گئیں لیکن جو محفوظ رہ گئیں وہ بھی کم نہیں "مہر جہاں تاب" بڑی عجیب اور اہم ہے جس کے حصہ اول کا تیسرا دفتر عربی، فارسی، اردو اور بھاشا کے شاعروں کا تذکرہ ہونے کی بنا پر اردو کے ناقدوں اور محققوں کا بھی مرکز توجہ ہے، ان کے فرزند اور مولانا علی میاںؒ کے پدر بزرگوار مولانا حکیم سید عبدالحئیؒ سابق ناظم ندوۃ العلماء نے عربی میں "نزہۃ الخواطر" اور "الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند" اور اردو میں "گل رعنا" یادگار چھوڑیں جو ہمیشہ حوالے اور مرجع کا کام دیں گی۔ مولانا علی میاں کا ننہال بھی علمائے کبار

دیائے عظام سے معمور تھا۔

بن سلسلہ از طلائے ناب است
این خانہ تمام آفتاب است

سید محمد فضیل کے فرزند حضرت شاہ علم اللہؒ
ین شریفین کے مستقل قیام کے ارادے سے
آباد سے روانہ ہوئے اور رائے بریلی میں جہاں آباد
ہونچے تو ایک بزرگ مجذوب کے کہنے سے
ہ تبدیل کر دیا اور جنگل میں دریائے سئی کے
ے مٹی اور پھوس کا ایک مکان اور مٹی ہی
بجد تعمیر کرکے طرحِ اقامت ڈال دی، قریب
یک گاؤں کوہانی پور کے زمیندار دولت خاں
نے دس بیگھا زمین نذر کی۔ جو آگے چل کر
ہ شاہ علم اللہؒ یا تکیہ کے نام سے موسوم ہوئی۔
لم اللہؒ کے بنی اعمام نصیر آباد ہی میں سکونت
ہے، جب یہاں کے مولانا سید عبد العلی
آبادیؒ کی شادی مولانا سید محمد ظاہر کی
ضرت شاہ علم اللہؒ کی پانچویں پشت میں تھے
ماحبزادیوں سے یکے بعد دیگرے ہوئی تو وہ
آباد سے ترک سکونت کرکے دائرہ شاہ
نذ رائے بریلی منتقل ہوئے، اسی مقتدر خاندان
گے چل کر مولانا علی میاںؒ کی ولادت ہوئی
ائرہ شاہ علم اللہؒ یا تکیہ ان کا مولد و منشا تھا۔

بلاد بها حل الشباب تمائمی
واول ارض مس جلدی ترابها

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی تسمیہ خوانی
ئے بریلی میں ہوئی اور مکتبی تعلیم امین آباد لکھنؤ
لہ بازار جھاؤ لال کی مسجد نوازی کے مکتب
ں، یہ محلہ اب محمد علی لین کہلاتا ہے، یہاں ان
الد کا مکان اور مطب تھا۔ ابھی وہ نو دس برس
کے تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا اس لئے اس
کو چھوڑ کر تکیہ آنا پڑا مگر جلد ہی انکے بڑے بھائی
ڈاکٹر سید عبد العلیؒ سابق ناظم ندوۃ العلماء
نے بھی اسی محلہ میں اپنا مطب شروع کیا تو ان
کو بھی لکھنؤ بلالیا اور بڑی شفقت اور دل سوزی
سے ان کی سرپرستی اور تربیت کی۔ مولانا کو
اردو کا اچھا ذوق اور شعر فہمی کی صلاحیت یہیں
پیدا ہوئی، انھوں نے لکھنؤ یونیورسٹی سے
فاضل ادب اور فاضل حدیث کے امتحانات دیئے
اپنے پھوپھا مولانا سید محمد طلحہؒ پروفیسر اورینٹل
کالج لاہور سے صرف و نحو کی مشق کی، دارالعلوم
ندوۃ العلماء سے استفادے کا آغاز ہوا، مولانا
شبلی جیراجپوری سے فقہ اور مولانا حیدر حسن
خاں سے حدیث کی کتابیں پڑھیں، ۲۹ء میں
لاہور کا سفر کیا، مولانا سید محمد طلحہ کے ہمراہ
علامہ اقبالؔ اور دوسرے ناموروں سے ملاقات
کا شرف حاصل کیا، اگلے برسوں میں پھر جاکر
مولانا احمد علیؒ سے مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے
طرز تفسیر و فکر کے مطابق قرآن مجید اور حجۃ اللہ
البالغہ کا درس لیا، اس طرز میں اس سے پہلے ان
کے خواجہ تاش خواجہ عبد الحی فاروقیؒ استاد تفسیر
جامعہ ملیہ اسلامیہ سے بھی اپنے گھر پر قرآن شریف
کی بعض سورتیں پڑھ چکے تھے، ۳۲ء میں مولانا
سید حسین احمد مدنیؒ کے درس حدیث میں شرکت
کے لئے دیوبند تشریف لے گئے، ان سے بعض قرآنی
مشکلات میں رہنمائی کے بھی طالب ہوئے۔

برصغیر میں مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
عربی کے سب سے ممتاز انشا پرداز اور مصنف تھے۔
ان کی تعلیم کا آغاز ۱۹۲۴ء میں لکھنؤ یونیورسٹی
کے پروفیسر مولانا خلیل عرب کے گھر پر ہوا اور عربی
بولنے اور لکھنے کی مشق بھی یہیں ہوئی، طلبہ کے
لئے عربی بولنا لازمی تھا، اردو بولنے پر جرمانہ ہوتا
تھا۔ اسی زمانے میں عربی اخباروں اور رسالوں
کے مطالعہ کا چسکہ لگا جو ان کے بڑے بھائی اور مربی
ڈاکٹر سید عبد العلیؒ کے یہاں آتے تھے، دارالعلوم
ندوۃ العلماء میں ان کے مطالعہ کا مزید موقع ملا،
مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم کی دوستی اور رفاقت
سے اس ذوق میں جلا پیدا ہوئی، مولانا کے مضامین
مصر کے رسالوں میں چھپنے لگے، ستمبر ۳۰ء میں علامہ
تقی الدین ہلالی مراکشی ندوہ میں ادب عربی کے
اعلیٰ استاذ ہوکر آئے تو یہاں عربی ادب کے
نئے دور کا آغاز ہوا، ان سے مولانا علی میاں نے
بھی فائدہ اٹھایا، مولانا سید سلیمان ندوی اور
ہلالی صاحب کی نگرانی اور مولانا مسعود عالم ندوی
کی ادارت میں مئی ۳۲ء میں الضیاء کا اجرا ہوا،
جس کے مولانا مستقل مضمون نگار تھے، یہ رسالہ
تین سال بعد بند ہو گیا، اس کے تخم سے "البعث
الاسلامی" اور "الرائد" نکلے جن کے مولانا سرپرست
اور نگراں تھے، عربی تحریر و تقریر سے ان کا شغف
مدۃ العمر قائم رہا، ۱۹۵۶ء میں وہ دمشق یونیورسٹی
کے وزیٹنگ پروفیسر ہوئے۔ یہاں کی المجمع العلمی کے
رکن بھی تھے۔ عربی میں ان کے مضامین و کتب
اتنی کثیر تعداد میں ہیں کہ ان کا شمار مشکل ہے، اپنی
اس خصوصیت کی بنا پر وہ عرب ملکوں کے ہر
پروگرام میں مدعو ہوتے تھے اور وہاں کے اکثر
اداروں اور انجمنوں کے ممبر بھی تھے، ان سے
زیادہ کسی ہندوستانی نے عرب ملکوں کا سفر نہیں
کیا، ان کی اردو کتابوں کے عربی ترجمے بھی شائع
ہوئے، وہ عرب ملکوں کے موجودہ فضلاء اور
اہل قلم سے کسی اعتبار سے کم پایہ نہ تھے، اپنی اسی
شہرت و مقبولیت اور دینی عظمت و وجاہت
کی بنا پر کلید کعبہ ان کے حوالے کی گئی تھی و کفی
بہ فخراً۔

مولانا علی میاں نے بیس سال کی عمر تحصیل تعلیم میں گزاری، ۳۴ء میں ندوۃ العلماء میں تفسیر وادب کے استاد مقرر ہوئے، درس تیاری، محنت اور مطالعہ کے بعد دیتے تھے، اس ضمن میں ندوہ کی سفارت، اس کے تعارف اور اس کے مقاصد کی اشاعت کے لئے سفر بھی کیا، ۴۰ء میں مولانا سید سلیمان ندوی کی نگرانی اور ان کی اور مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی کی ادارت میں "الندوہ" پھر جاری ہوا اور فروری ۴۲ء میں بند ہوگیا، دعوتی ذوق کی بنا پر بعد میں بھی صحافت سے دلچسپی رہی، ۴۸ء میں مولانا عبدالسلام قدوائی کے اشتراک سے پندرہ روزہ اخبار "تعمیر" نکالا اور اس کے لئے متعدد فکر انگیز مضامین لکھے، ہفتہ وار ندائے ملت کے اجراء میں بھی ان کی مساعی شامل تھیں، ان کی سرپرستی میں پندرہ روزہ "تعمیر حیات" شائع ہوا جو اب بھی جاری ہے۔ ان کو اپنے تدریسی دور میں عربی زبان وادب کے نصاب کی اصلاح کا خیال ہوا، اس کے لئے مختارات، القراءۃ الراشدۃ اور قصص النبیین وغیرہ خود لکھیں اور اپنے عزیزوں اور شاگردوں سے متعدد ریڈریں لکھوائیں، ان کو کورس کی کتابوں کی ترتیب کا خاص سلیقہ تھا، ۴۸ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات کے لئے بی۔ اے کلاس کی ایک کتاب تیار کی جس کا معاوضہ ۵۰۰ روپیہ ملا اور مولانا سید سلیمان ندویؒ نے مبارک باد بھی دی۔ انھوں نے دارالعلوم کے طلبہ میں دینی روح پھونکی اور ندوہ کے مقاصد سے دلچسپی پیدا کی۔ دوسرے دینی مدارس سے اس کا ربط بڑھایا، تبلیغ ودعوت دین کے کام سے مولانا کو زیادہ مناسبت تھی، اس میں انہماک بڑھا تو تدریس سے ضابطہ کا تعلق ختم کر لیا، لیکن ندوۃ العلماء سے ان کا خاندانی وموروثی تعلق تھا، اس کی محبت ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اور یہی آئندہ ان کا اوڑھنا بچھونا ہوگیا تھا، ۴۸ء کے وسط میں اس کی مجلس انتظامی کے رکن منتخب ہوئے اور جنوری ۴۹ء میں انھیں نائب معتمد بنایا گیا اور مولانا سید سلیمان ندوی کے انتقال کے بعد ۵۴ء میں معتمد ہوئے، ۶۱ء میں اپنے بھائی ومربی کی وفات کے بعد ناظم ندوۃ العلماء بنائے گئے، ان کے زمانے میں ندوہ کو عالمگیر شہرت ومقبولیت نصیب ہوئی، علمی، تعلیمی، دینی اور روحانی حیثیت سے ترقی ہوئی، عمارتوں میں بکثرت اضافے اور توسیع ہوئی، گوناگوں شعبے اور دفاتر قائم ہوئے، مالی حیثیت سے مستحکم ہوا، مختلف شہروں میں اس کی شاخیں قائم ہوئیں، پچاسی سالہ جشن منایا گیا، بین الاقوامی سیمینار ہوئے، جلسے اجتماعات اور تقریبات آئے دن کا معمول ہوگئے ہیں، غرض انھوں نے ندوۃ العلماء کے چپہ چپہ پر اپنے لازوال نقوش چھوڑے ہیں۔

لعمرك ما واری التراب فعاله
ولکن ما واری ثیابا و اعظما

ہندوستان اور عالم اسلام کے بے شمار اداروں سے ان کا تعلق تھا، ہر ادارہ ان سے اپنی نسبت کو باعث فخر سمجھتا تھا، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی سے ان کو گہرا اور مخلصانہ لگاؤ تھا، مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا مسعود علی ندوی سے عقیدت مندانہ تعلق کی بنا پر وہ اس کے کاموں میں پیش پیش رہتے اور پوری دلچسپی لیتے، اس کی ترقی وکامیابی سے خوش ہوتے، وہ اور ان کے بڑے بھائی اس کی مختلف مجالس کے رکن تھے مولانا عبدالماجد دریابادی کے انتقال کے بعد ان کو مجلس عاملہ کا صدر بنایا گیا...... ڈاکٹر سید محمود اور مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی کے انتقال کے بعد وہی اس کے روح رواں تھے، بڑی پابندی سے دارالمصنفین کے جلسوں میں تشریف لاتے، اس کے جشن طلائی اور اسلام ومستشرقین پر بین الاقوامی سیمینار کو کامیاب بنانے میں انھوں نے پوری سرگرمی دکھائی، یہاں سے ان کے والد بزرگوار کی کتاب "گل رعنا" اور "الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند" کا اردو ترجمہ شائع ہوا، خود ان کی کتاب "تاریخ دعوت وعزیمت" کے شروع کے دونوں حصوں کا پہلا ایڈیشن یہیں سے نکلا۔ معارف پابندی سے پڑھتے، کسی مہینے میں تاخیر ہوتی تو شکایت کرتے، ابھی جلد ہی ان سے پوچھا گیا کہ آپ کا پسندیدہ رسالہ کون ہے تو جواب دیا معارف دارالمصنفین کو مالی فائدہ بھی پہونچاتے۔ یوپی کے سابق وزیر اعلا مسٹر بہوگنا نے ندوۃ العلماء کو ایک لاکھ روپئے دیئے اسے دارالمصنفین کی طرف منتقل کرادیا، مولانا سید سلیمان ندوی کی سیرۃ النبیؐ حصہ ہفتم کا مقدمہ انھوں نے لکھا تھا، یہ کتاب جنرل ضیاء الحق مرحوم کو بہت پسند آئی اور انھوں نے مولانا کو ایک لاکھ روپئے نذر کرنا چاہا تو فرمایا میں اس کا مستحق نہیں، دارالمصنفین اور سید صاحب کی بیگم ہیں، چنانچہ نصف نصف رقم دونوں کو ملی، حال ہی میں ابوظبی اور برونائی کی حکومتوں سے ان کو خطیر رقم ملی، اسے انھوں نے مدارس میں تقسیم کردیا، اس موقع پر بھی دارالمصنفین کا خیال رکھا۔ ان کی سفارش سے اسے رابطہ عالم اسلامی سے ایک اچھی رقم سالانہ ملتی تھی اگر چہ اب وہ بند ہوگئی۔

تقریر وتحریر کا ملکہ خداداد تھا، اردو اور عربی دونوں کے ممتاز خطیب اور نامور مصنف تھے ان کے معاصرین میں ان سے زیادہ شاید ہی کسی نے تقریریں کی ہوں اور تحریری ذخیرہ چھوڑا ہو، ان کا طغرائے امتیاز یہ بھی تھا کہ انھوں نے اپنے اس جوہر کا صحیح استعمال کیا، ان کی ہر تقریر وتحریر

مقصد اعلائے کلمۃ اللہ اور اسلام کی سربلندی ہوتا، ان کی طبیعت کا سوز اور دل کی دردمندی تقریروں اور تحریروں کو اس قدر موثر بنا دیتی تھی کہ ان کو سننے اور پڑھنے والے پر رقت طاری ہو جاتی تھی، تقریر و بیان پر معجزانہ قدرت کی وجہ سے ۴۳ء میں جب مولانا عبدالسلام قدوائی نے ادارۂ تعلیمات اسلام قائم کیا اور اس کے زیر اہتمام ان پر قرآن مجید اور حدیث شریف کے درس کی ذمہ داری ڈالی تو اس میں لکھنؤ کے تعلیم یافتہ طبقہ، اعلیٰ عہدیداروں اور دیندار مسلمانوں کا بڑا مجمع ہونے لگا، اس خصوصیت کی بنا پر نوعمری ہی میں وہ بڑے بڑے جلسوں میں تقریر کے لئے بلائے جاتے اور ندوہ کے نمائندے ہوکر اہم علمی اجتماعات میں مقالے پڑھنے کے لئے مدعو کئے جاتے، ۳۶ء میں علی گڑھ میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی جبلی میں شرکت کی اور ۳۸ء میں اس کے پٹنہ کے اجلاس میں شریک ہوئے، ۴۴ء میں جامعہ ملیہ کے شعبۂ اسلامیات کی دعوت پر "مذہب و تمدن" کے عنوان سے مقالہ پڑھا، جو بعد میں کتابی صورت میں چھپا، ادب و انشا سے فطری دلچسپی تھی، اس کا بانکپن ان کی ہر تقریر و تحریر میں نظر آتا، کبر سنی کے باوجود ان کے زور و اثر اور حسن بیان میں کوئی فرق نہیں آیا۔ "سیرت سید احمد شہیدؒ"، "مسلمانوں کے تنزل سے دنیا کو کیا نقصان پہونچا"، "ارکان اربعہ"، "نبی رحمت"، "المرتضیٰ" اور "تاریخ دعوت و عزیمت" وغیرہ سے اگر ان کی تلاش و تحقیق، کدوکاوش، محنت و دیدہ ریزی، دقت آفرینی اور نکتہ سنجی کا پتہ چلتا ہے تو دوسری تصانیف سے فکر و خیال کی بلندی، رعنائی بیان، زورِ قلم، تازگی، آمد، روانی اور بے ساختگی کا اندازہ ہوتا ہے، ان کی تمام تصنیفات کو حسن قبول حاصل ہوا، جو اردو میں لکھی گئیں ان کے عربی اور جو عربی کے اردو ترجمے ہوئے، اکثر کے انگریزی اور دوسری زبانوں میں بھی ترجمے ہوگئے۔ ان کی عظیم الشان دینی و دعوتی خدمات اور گوناگوں تصنیفات کی وجہ سے ۸۰ء کا فیصل ایوارڈ ملا، یہ اور اس کے بعد کے ایوارڈ سے ملنے والی ساری رقم اسلام کے مفاد اور دینی خدمات کے میدان میں صرف کردی اور اپنے لئے ایک حبہ بھی نہ رکھا۔

نہ تخت و تاج میں، نے لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مرد قلندر کی بارگاہ میں ہے

مولانا شروع سے محب وطن اور تحریک آزادی کے حامی تھے، انگریزوں سے نفرت کے جراثیم موروثی تھے، ۸ برس کی عمر میں وہ تحریک خلافت کا جوش و خروش اور پھر ۳۰ مارچ ۲۴ء کا وہ منحوس دن دیکھ چکے تھے جب انگریزوں کی سازش سے کمال اتاترک نے بیک جنبش لب اس کا خاتمہ کر دیا تھا، دیوبند کے قیام اور حضرت مدنیؒ کی صحبت نے اس رنگ کو اور چوکھا کر دیا تھا، اپنے تجربہ و مطالعہ سے ایک انگریز ہی کیا سارے یورپ کے الحادی و مادی نظریات کو وہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے سم قاتل سمجھتے تھے، عملی سیاست سے کنارہ کش رہنے کے باوجود ان کا اور ان کے گھرانے کا رجحان جمعیۃ العلماء اور مجلس احرار کی طرف تھا، ۴۲ء میں کانگریس نے "ہندوستان چھوڑو" کی تجویز منظور کی تو ان علماء کے طرز عمل کو پسند کیا جو جنگ آزادی اور استخلاص وطن کی تحریک میں شریک تھے، مگر آزادی کے بعد جب حکومت کے کارپردازوں کا رنگ بدلا اور مسلمان احساس کمتری اور مایوسی کا شکار ہونے لگے تو وہ جارحیت کے سامنے سپر انداز نہیں ہوئے، ۵۹ء میں ان کی دعوت پر ندوۃ العلماء میں ایک ملی اجتماع ہوا جس میں نشان راہ اور لائحہ عمل تجویز ہوا، یورپ کی سیاسی و تہذیبی تاخت، عقائدی ارتداد اور فکری و اخلاقی انتشار کا مقابلہ کرنے کے لئے مجلس تحقیقات و نشریات اسلام قائم کیا، مشرکانہ عقائد اور دیومالائی تصورات کے انسداد کے لئے دینی تعلیمی کونسل کی رہنمائی کی، مسلمانوں میں نئی دینی، فکری اور جرأت مندانہ قیادت کے خلا کو پُر کرنے کے لئے ندائے ملت جاری کیا، ۶۴ء میں کلکتہ، جمشید پور اور راورکیلا کے ہولناک فسادات کی سنگینی دیکھ کر ان کو خیال ہوا کہ تمام تعلیمی و تعمیری کاموں سے پہلے اس مسئلے کی طرف توجہ کرنے اور اس کو مؤثر بنانے کے لئے اکثریتی فرقہ کے جانباز اور سرفروش قائدین کو بھی اس میں شامل کرنے کی ضرورت ہے، اسی غرض سے مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی معیت میں ونوبا بھاوے اور جے پرکاش نرائن سے ملے، ڈاکٹر سید محمود کی قیادت میں ندوۃ العلماء میں مسلم مجلس مشاورت قائم ہوئی تو اس میں سرگرم حصہ لیا، ملک کو زوال اور اخلاقی بحران سے نکالنے اور ہندو مسلم خلیج پاٹنے کے لئے "پیام انسانیت" کی تحریک چلائی، عائلی قوانین کے تحفظ کے لئے "مسلم پرسنل لا بورڈ" کی سربراہی کی۔ بابری مسجد کے انہدام پر خون کے آنسو بہائے۔ غرض ان کا بے قرار اور دردمند دل ہر نازک موڑ پر برادران وطن کو درس حقیقت اور مسلمانوں کو شجاعت و عدالت کا سبق پڑھا کر اس کی تلقین کرتا رہا کہ ع

معمار حرم باز بہ تعمیر جہاں خیز

مولانا ایک داعی و مصلح تھے، دعوت و عزیمت اور دینی غیرت و حمیت ان کی امتیازی شان تھی، ان کا گھرانا عقائد و مسلک میں حضرت سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کا سختی سے پیرو اور ولی اللہی فکر کا حامل تھا، ان کا محلہ بازار جھاؤلال بھی صحیح العقیدہ لوگوں سے آباد تھا، وہ شعائر اللہ کی توہین، دین و اخلاق اور انسانیت کی پامالی کو

داشت نہیں کر سکتے تھے، اسلام کی سربلندی، ملاح و دعوت اور دین کی تبلیغ و اشاعت میں یشہ منہمک رہے ۱۹۳۵ء میں ۲۱ برس کی عمر ہی ں ایک موقع پر ڈاکٹر امبیڈکر کو اسلام کی وت دینے کے لئے بمبئی کا سفر کیا، وہ عمر بھر سلمانوں کو مادی تمدن کے دریا کے خلاف تیرنے راس کا دھارا موڑنے اور اپنے باطل افکار یالات اور غلط رسوم و عادات کی قربانی دینے ے لئے آمادہ کرتے رہے، ندوۃ العلماء میں معلمی ے زمانے میں ان کے ذوق و رجحان میں تبدیلی آئی، ب ان کی پرواز مدرسہ کی چہار دیواری تک محدود یں رہنا چاہتی تھی اور وہ کسی صالح تحریک دعوت ے وابستہ ہونے کے لئے فکر مند رہتے، اس انے میں وہ مولانا مودودی کے مضامین سے ت متاثر ہوئے اور چند برس تک حلقہ لکھنؤ کی عت اسلامی کے ذمہ دار بھی رہے۔ پھر مولانا الیاسؒ کی دینی دعوت سے ان کا ربط و تعلق ا اور عرصہ تک اس میں مشغولیت اور سرگرمی ، وہ اپنی اصلاح و تربیت اور تزکیہ نفس سے ، غافل نہ تھے، اس کے لئے مشائخ و اولیاء کی مت میں برابر حاضری دیتے، مولانا عبدالقادر ے پوریؒ سے بیعت ہوئے، ان کی سوانح اور انا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ کا تذکرہ لکھا، چند مولانا تھانویؒ سے بھی ملے، مولانا مدنیؒ سے رتعلق رکھتے۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ ے اکثر ملتے، مولانا شاہ وصی اللہؒ، مولانا محمد احمد اپ گڈھیؒ اور حضرت شاہ یعقوب مجددیؒ دمت میں بھی باریاب ہوتے، مؤخر الذکر کے وظات مرتب کر کے شائع کیا، سیرت و کردار، اق و عادات اور اوصاف و محامد میں اسلاف اپنے اجداد کا نمونہ اور اقبالؒ کے مرد مومن کا بنہ تھے، ان کی کوئی جسمانی یادگار نہ تھی، شادی ۱۹۳۴ء میں ہوگئی تھی، اپنے برادرزادہ و خواہر زادگان کو اپنی اولاد سے زیادہ مانتے تھے، معنوی اولاد اور نیازمندوں کی تعداد حد و شمار سے باہر ہے۔ جن کے غم و اندوہ کا کون اندازہ کر سکتا ہے... تدمع العین و یحزن القلب ولا نقول الا مایرضی ربنا وانا بفراقک لمحزونون۔ اللھم صب علیہ شآبیب رحمتک واغفر لہ برحمتک یا ارحم الراحمین۔

بیادِ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ

• محمد نفیس حسن دہلوی

"زباں پہ بارِ الٰہا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کیلئے"

وہ جس کے نام کی شہرت تمام عالم میں
ابوالحسن علی ندوی ہیں ہر زماں کیلئے

حجاز و یثرب و یورپ کی بزم کی رونق
یہ کہکشانِ محبت کہاں کہاں کیلئے

دیارِ ہند میں رہ کر تھا رشک دو عالم
ترا قیام زمیں پہ تھا آسماں کیلئے

ہر ایک تیرے لبِ حق پرست کا شیدا
تری زبان تھی گویا ہر اک زباں کیلئے

جہاں کسی کو نہ ہوتی تھی جنبشِ لب تک
وہاں زبان و قلم تھے یہ ترجماں کیلئے

چمن میں پھول تھے لیکن مہک نہ تھی کافی
ترا وجود تھا خوشبوئے گلستاں کیلئے

چمن کی نذر ہوئی مستقل متاعِ حیات
رکھا نہ تنکا کوئی اپنے آشیاں کیلئے

کسے خبر ہے کہ کیوں شمع دل پگھلتی تھی
فغانِ نیم شبی تھی غمِ جہاں کیلئے

یہی پیام تھا انسانیت کا ہو پرچار
یہی تھی بادِ صبا ملک میں اماں کیلئے

جہانِ ظلم کی خاطر مشاورت کا قیام
تڑپتا دل تھا یہ مظلوم کی فغاں کیلئے

نظر تھی عائلی قانون کی حفاظت پر
یہی جہاد تھا اس دیں کے پاسباں کیلئے

ہر ایک اہلِ سیاست ترے اشارے کا
ہمیشہ منتظر حرفِ خوش بیاں کیلئے

رہِ سلوک میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی
یہ حسنِ ظن رہا خود اپنے بدگماں کیلئے

اٹھائی جس نے بھی انگلی وہ گر گیا خود ہی
یہ سب تماشے تھے لبِ حق کے امتحاں کیلئے

تری حیات کی خوشبو سے آشکار ہوا
بہار آئی تھی تہذیبِ گلستاں کیلئے

عزیز و اقربا بوبکر و رابع و واضح
یہ لب کشا رہیں تکمیلِ داستاں کیلئے

اسی خیال سے لکھی ہے خود نوشت اپنی
کوئی بڑھا نہ دے کچھ زیبِ داستاں کیلئے

رضائے حق کی بشارت تھی آخری لمحہ
پیامِ زیست ہوئی مرگ علی میاں کیلئے

نفیس دی ہے خدا نے یہ نظم کی توفیق
مرے قلم میں تھی جرأت کہاں بیاں کیلئے

"نگہ بلند سخن دلنواز جاں پرسوز
یہی ہے رختِ سفرِ میر کارواں کے لئے"

صدی کی شخصیت

مولانا وحید الدین خاں

عالم اسلام کی معروف شخصیت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا ۳۱؍ دسمبر ۱۹۹۹ء کو انتقال ہوگیا۔ مولانا موصوف ۱۹۱۳ء میں پیدا ہوئے۔ ان کی شخصیت گویا سو سالہ دور کا احاطہ کئے ہوئے تھی۔ تاریخ میں وہ اس دور کی علامت کے طور پر دیکھے جائیں گے۔ ان کو بلا شبہ صدی کی شخصیت (MAN OF THE CENTURY) کہا جاسکتا ہے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی بیک وقت مختلف اور متنوع خصوصیات کے مالک تھے۔ وہ ایک ممتاز عالم تھے۔ دار العلوم ندوۃ العلماء (لکھنؤ) کو ان کے زمانہ میں غیر معمولی ترقی حاصل ہوئی۔ انھوں نے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اور اسی طرح دوسرے بہت سے اداروں کی کامیاب قیادت کی۔ بیسویں صدی میں اٹھنے والی تقریباً تمام بڑی بڑی اسلامی تحریکوں سے ان کا براہ راست یا بالواسطہ تعلق تھا۔ وہ ہر حلقہ اور ہر گروہ میں یکساں طور پر عزت واعتماد کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کو بلا اختلاف ایک بین الاقوامی شخصیت کہا جاسکتا ہے

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک فرد اپنی قوم میں نمائندہ قوم کی حیثیت حاصل کر لیتا ہے۔ مولانا موصوف کو یہی حیثیت حاصل تھی۔ ایسا شخص کسی قوم کے لئے بے حد قیمتی ہے۔ اپنی اس حیثیت کی بنا پر وہ پوری قوم کے لئے شیرازۂ اتحاد بن جاتا ہے۔ وہ اپنی قوم اور دوسری قوموں کے درمیان عملاً رابطہ کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔ وہ تمام لوگوں کے لئے مرجع قوم بن جاتا ہے۔ یعنی ایک ایسا شخص جس سے پوری قوم کے معاملہ میں رجوع کیا جاسکے وغیرہ

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی ذات میں یہ تمام حیثیتیں بہ تمام وکمال جمع ہوگئی تھیں۔ مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے ایک بار مولانا موصوف کو "رجل موھوب" کہا تھا۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے لئے یہ خطاب لفظ بلفظ درست ہے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا کارنامۂ حیات تقریباً پوری صدی پر پھیلا ہوا ہے۔ وہ اپنی ذات میں ایک متحرک صدی تھے. صدی کی آخری تاریخ کو یہ متحرک شخصیت خاموش ہوگئی۔ وہ انسانوں سے ہو کر اپنے رب سے جاملی. انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی ایک ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے۔ ان کے اندر بیک وقت مختلف اور متنوع خصوصیات موجود تھیں۔ مولانا سید مناظر احسن گیلانی نے کہا تھا کہ یورپ میں جو کام اکادمی کرتی ہے، وہ ہمارے یہاں "ایک آدمی" کرتا ہے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اس قول کا ایک زندہ نمونہ تھے۔ وہ ایک فرد تھے مگر انھوں نے کئی اداروں کے برابر کام کیا.

مولانا موصوف نے ایک طرف دار العلوم ندوۃ العلماء جیسے ادارہ کے ذریعہ مسلمانوں کو علم دین سے بہرہ ور کرنے کی کوشش کی اور دوسری طرف موسسہ مطالعات وتحقیقات اسلامی لگزمبرگ جیسے اداروں کے ذریعہ لوگوں کے لئے عصری معرفت کا سامان کیا۔ ایک طرف انھوں نے اپنی موثر تقریروں کے ذریعہ مسلمانوں میں علمی جوش کو ابھارا اور دوسری طرف انھوں نے اپنی تحریروں کے ذریعہ انھیں گہرے علمی شعور سے آشنا کیا۔

ایک طرف انھوں نے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے ذریعہ مسلمانوں کے ملی تحفظ کا انتظام کیا تو دوسری طرف "پیام انسانیت" کی تحریک کے ذریعہ انھیں داعی کے مقام پر کھڑا کرنے کی کوشش کی۔ ایک طرف انھوں نے "ردۃ ولا ابابکر لہا" جیسی کتابوں کے ذریعہ مسلمانوں میں دفاع اسلام کا جذبہ ابھارا اور دوسری طرف "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" جیسی کتابوں کے ذریعہ مسلمانوں کو اپنی تعمیر نو کی طرف متوجہ کیا۔ ایک طرف انھوں نے رابطہ العالم الاسلامی کے اہم رکن کی حیثیت سے عالمی مسلم اتحاد کی کوشش کی اور دوسری طرف رابطہ ادب اسلامی کے صدر کی حیثیت سے مسلمانوں کے اندر علم وادب کے حصول کا شوق ابھارا۔ ایک طرف انھوں نے مدارس دینیہ کے قیام کے ذریعہ قدیم علوم کو زندہ کیا اور دوسری طرف آکسفورڈ یونیورسٹی کے اسلامک سنٹر کے صدر کی حیثیت سے مسلمانوں کے اندر جدید علوم کے ماہر پیدا کرنے کی کوشش کی.

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی ذات بہت سی اعلیٰ قدروں کا نمونہ بن گئی تھی۔ انھیں میں سے ایک چیز وہ ہے جس کی بابت کہا گیا ہے کہ — دنیا سے بے نیاز ہوجاؤ، دنیا خود تمہاری طرف دوڑ کر آئے گی۔ مولانا موصوف دنیا کی چیزوں سے بے نیاز ہوگئے تھے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا نے خود اپنے آپ کو ان کے حوالے کر دیا۔

ایک بار ایک عرب سلطان ندوۃ العلماء (لکھنؤ) آئے۔ ان کے استقبالیہ میں جو جلسہ ہوا اس میں تقریر کرتے ہوئے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے ایک عرب بزرگ کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا تھا: نعم الامیر علی باب الفقیر وبئس الفقیر علی باب الامیر۔ مولانا موصوف ساری زندگی اہل دنیا سے بے نیاز رہے مگر اہل دنیا نے خود اپنی ساری متاع ان کے سامنے پیش کر دی.

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا گیا۔ ان کو بڑے بڑے ایوارڈ دیئے گئے، مثلاً کنگ فیصل ایوارڈ، اسی طرح برونائی اور عرب امارات کے خصوصی ایوارڈ وغیرہ.

مولانا موصوف کی ذات اس حقیقت کی ایک عملی مثال تھی کہ مال، عہدہ، عزت سب انسان کے تابع ہیں نہ کہ انسان ان چیزوں کے تابع ہے. انسان اگر اپنی انسانیت کو بلند کرلے تو بقیہ تمام چیزیں اپنے آپ اس کو حاصل ہو جائیں گی، بغیر اس کے کہ اس نے ان چیزوں کے لئے براہ راست جدو جہد کی ہو۔

ایک شاعر نے کسی کے بارے میں کہا تھا: "وہ اپنی ذات میں اک انجمن ہیں"۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے بارے میں یہ کہنا صحیح ہوگا کہ وہ اپنی ذات میں ایک عالم تھے۔ ان کی موت بلاشبہ موت العالِم موت العالَم کی مصداق ہے۔ تاہم قابلِ اطمینان بات یہ ہے کہ مولانا موصوف نے اپنے پیچھے اپنے شاگردوں کی عظیم تعداد چھوڑی ہے۔ یقین ہے کہ مولانا موصوف کے بعد ان کے تربیت فیض یافتہ یہ حضرات اس عربی شعر کا مصداق ثابت ہوں گے: إذا مات منا سيد قام سيد (جب ہمارا ایک سردار وفات پاتا ہے تو دوسرا سردار کھڑا ہو جاتا ہے)۔

وہ ایک لفظ منوّر مفکّرِ اسلام

● تسنیم فاروقی، لکھنؤ

ان آٹھ حرفوں کے اندر ہزار معنی ہیں
ہزار رنگ میں بھی بے شمار معنی ہیں

یہ محض لفظ نہیں ہے خطاب اعلا ہے
یہ صرف قول نہیں ہے عمل کا طغرا ہے

وہ والقلم کا مفسّر وہ شارحِ اقراء
وہ دیندار مکرّم و مصلحِ دنیا

وہ آدمیّت و انسانیت کا پرچم دار
سپاہ دعوت وحدت کا قافلہ سالار

وہ بدرِ عصر تھا ملّت کی آگہی کے لئے
ہیں سوگوار سبھی بوالحسن علیؒ کے لئے

معاشرہ ہو کہ دین مبین ہو کہ ادب
سب اس کی پاک نگاری میں غرب ہو کہ عرب

وہ رشد خاص جو ندوہ کے جسم و جان میں ہے
امیر اس کا مری حسرت بیان میں ہے

یہ علم راز جہاں سے نجوم چمکے ہیں
دھنی قلم کے وقارِ علوم چمکے ہیں

وہ جن کے علم پہ ہندوستان فخر کرے
زمین ناز کرے آسمان فخر کرے

اگرچہ سب کی کتابوں کا ذکر چھن جائے
تو کائنات پہ اک سائبان بن جائے

جو روح کو سبق ایماں کا یاد ہوتا ہے
تو یوں ہی فکر و عمل سے جہاد ہوتا ہے

جہاد والوں کو مرحوم، لوگ کہتے ہیں
وہ جدّ و جہد کے شانوں پہ زندہ رہتے ہیں

وہ لَا اِلٰہ کا داعی محرّک اعظم
بس ایک درد کہ اسلام کا بڑھے دم خم

وہ ایک ساجد و عابد وہ پیکرِ ایثار
وہ ایک دور، وہ مقصد، وہ علم کا مینار

وہ دین مصطفوی کا مجاہدِ عرفاں
وہ مجتہد وہ مبلّغ وہ ہادیٔ دوراں

یہ مدعا تھا نہ اب گھر جلیں نہ باغ جلیں
صداقتوں کے لئے کچھ دل و دماغ جلیں

جو ملحدین ہیں چلے ہے وہ داغ داغ جلیں
فصیل دہر پہ حق کے لئے چراغ جلیں

زمینِ ہند سے وہ ایسا رہنما اٹھا
کہ جس سے دفترِ آفاق جگمگا اٹھا

یہ قصد تھا کہ چمن لالہ زار ہو جائے
یہ سعی تھی کہ وطن خوشگوار ہو جائے

چمن تو نکہتِ ایثار سے مہکتا ہے
ہمیشہ ثمرہ نورِ عمل چمکتا ہے

علی میاںؒ کی حضوری میں محفلیں وہ کہاں
وہ مسکراتی صفیں اور شفقتیں وہ کہاں

وہ نرم لہجہ وہ لطفِ خطابِ عام کہاں
وہ رنگِ فجر کہاں وہ سکونِ شام کہاں

تمام ایسے کیا زہد و اتقا کا سفر
ہو جیسے عرش کی جانب کسی دعا کا سفر

امین شرع و فقہ خاکسار ہو کے گیا
صدی کی کاہکشاں پہ سوار ہو کے گیا

وہ رب کی راہ میں سورج تھا زندگی کے لئے
صدی کا آخری دن تھا نئی صدی کے لئے

مولانا کا عالمی ایوارڈ کی مناسبت سے

دبی کا سفر

مولانا تقی الدین ندوی مظاہری سابق استاذ حدیث جامعۃ العین

مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں نوراللہ
ہ کے حادثہ وفات پر اہل علم وعلماء وفضلاء
کے کثرت سے مقالات شائع ہو رہے ہیں
ن کے عظیم الشان کارناموں کو بیان کیا جارہا
نیز آئندہ بہت کچھ لکھا جائے گا۔

اس ناچیز کا حضرت والا سے تعلق نصف
ی پہلے سے قائم ہوا تھا اور زندگی کے اخیر لمحہ
الحمد للہ قائم رہا، بلکہ حضرت مربی وسرپرست
حضرت نے اس ناچیز کی چھ عربی اور تین اردو
مات پر مقدمے تحریر فرمائے ہیں، اس شفقت
ت کا تقاضا ہے کہ اس طویل عرصہ میں حضرت والا
جو دیکھا اور جو کچھ ان سے سنا اس کو قلمبند
یا جائے، اس لئے "حضرت کی یادیں اور باتیں"
نوان پر مفصل مقالہ آرہا ہے، البتہ اس جزء کو
بی کے سفر سے تعلق رکھتا ہے، اس مقالہ میں
رت والا کے دبی کے سفر کا دیکھا ہوا حال ہے
شنیدہ کے بود مانند دیدہ" حکومت دبی دو
سے رمضان المبارک میں مختلف اسلامی ممالک
حفاظ قرآن کا انتخاب کرکے ۲۱ رمضان کو
ت دے کر بلاتی ہے، اور علماء وقراء کی نگرانی
حفظ قرآن کا عالمی مقابلہ کرایا جاتا ہے اور
اب ہونے والوں کو بڑے بڑے انعامات سے
ا جاتا ہے، اور ان کے علاوہ باہر سے شریک
نے والے مہمانوں کی بھی تکریم کی جاتی ہے اس

موقع پر عالم اسلامی کی کسی شخصیت کا انتخاب کرکے عالمی جائزہ (ایوارڈ) سے نوازا جاتا ہے، یہ ایوارڈ دبی کے ولی عہد اور امارات حکومت کے ڈیفنس منسٹر شیخ محمد بن راشد آل مکتوم اپنے ہاتھ سے عطا فرماتے ہیں، وہ خود اس میں شریک ہوتے ہیں۔

اس کے لئے شیخ محمد بن راشد نے دبی میں ایک کمیٹی قائم کی ہے، اس کمیٹی کی یہ ذمہ داری ہے کہ جامع ازہر سے لے کر العین یونیورسٹی تک تمام عربی واسلامی یونیورسٹیوں اور مراکز سے رابطہ پیدا کرکے ان کی رائے طلب کرے، اسی قاعدہ کے تحت گذشتہ سال جب یونیورسٹیوں اور مراکز سے اس کمیٹی نے رائے طلب کی تو اجماعی فیصلہ ان سب کا یہ آیا کہ اس وقت عالم اسلامی کی علمی ودینی شخصیت شیخ ابوالحسن علی ندوی کی ہے اور وہی اس جائزہ (انعام) کے مستحق ہیں، اور اس کی اطلاع جب لکھنؤ حضرت مولانا کو دی گئی تو آپ نے اپنی صحت اور ماہ مبارک کے اہتمام ودیگر وجوہ سے سفر سے معذرت فرما دی اور کسی طرح سفر پر تیار نظر نہیں آرہے تھے، چونکہ امارات کے متعدد اسفار کے لئے یہ ناچیز ہی واسطہ تھا اس لئے صدر کمیٹی نے اور ان کے ساتھیوں نے باصرار مجھ سے کہا کہ آپ کسی طرح شیخ کو راضی کرلیں، اس لئے کہ شیخ کے نام کا اعلان

ہو چکا ہے، ہمارے لئے شیخ کے نہ آنے پر بہت توہین کی بات ہے اور دینی حلقہ پر ایک مایوسی کا اثر ظاہر ہوگا، چنانچہ اس ناچیز نے حضرت کے معتمد علیہ وجانشین مولانا سید محمد رابع صاحب ندوی سے اور مولانا سعید الرحمٰن اعظمی سے فون پر گفتگو کی، دونوں کی طرف سے جواب آیا کہ حضرت کا سفر ناممکن ہے، لیکن مولانا محمد رابع صاحب نے یہ فرمایا کہ آپ ماموں جی سے براہ راست بات کریں ہم لوگ بھی تعاون کریں گے، اس ناچیز کا حضرت مولانا سے عرصہ سے ٹیلیفون ہی کے ذریعہ سے رابطہ قائم رہتا تھا اور خیر وعافیت معلوم کرتا تھا۔ اسی اصول کے مطابق حضرت والا کو فون کیا، اور صورت حال سے مطلع کیا کہ کمیٹی کا شدید اصرار ہے اور سفر کے بہت سے فوائد بیان کئے کہ حضرت کی کتابوں کے پڑھنے کا رواج ہوگا، ہندوستانی علماء کا وقار بلند ہوگا۔ ندوۃ العلماء کا بیش از بیش تعارف ہوگا، اور ہم لوگوں کے لئے بھی یہاں کام کا میدان زیادہ وسیع ہو جائے گا۔ حضرت نے فرمایا کہ انشراح نہیں ہو رہا ہے، اس ناچیز نے عرض کیا حضرت فون ہی پر ایک قصہ سنانا چاہتا ہوں جو جناب والا سے تقریباً چالیس سال پہلے سنا تھا، وہ یہ کہ جناب نے خصوصی مشورہ کے لئے سہارنپور سے حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ کو رائے پور حضرت اقدس رائے پوری کی خدمت میں جانے پر آمادہ کیا تھا، سفر کے لئے ایک تانگا لایا گیا، اس زمانے میں کاروں کا رواج نہیں ہوا تھا۔ حضرت شیخ مع اپنے خدام کے اور جناب والا مع اپنے خادم کے تانگے پر سوار ہوئے گھوڑا بہت اچھا تھا مگر جب تانگے والے نے گھوڑے کو چابک رسید کی تو گھوڑے نے دائیں طرف رخ موڑ لیا پھر گھوڑے کو اس نے سیدھا

کیا اور چابک رسید کی تو گھوڑے نے بائیں طرف رخ پھیر لیا، کسی طرح آگے کی طرف بڑھنے کے لئے تیار ہی نہیں ہو رہا تھا، یہ تماشہ بہت دیر تک کرتا رہا، اخیر میں شیخ نے فرمایا کہ علی میاں (غایت محبت سے حضرت شیخ مولانا کو اسی لقب سے پکارتے تھے) چلو میں نے نیت کر لی ہے، اس کے بعد تانگے والے نے چابک بھری تو گھوڑا رائے پور جا کر رکا حالانکہ سہارنپور سے رائے پور کا اچھا خاصا فاصلہ ہے، اس ناچیز نے عرض کیا اگر جناب ارادہ فرمالیں تو اسی طرح یہ سفر آسان ہو جائے گا، اس پر حضرت بہت کھلکھلا کر ہنسے اور فرمایا مولوی تقی الدین صاحب ضرور آؤں گا مگر مجھے عربوں سے خطاب کا موقع دیا جائے مجھے ان سے کچھ کہنا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت اس کا موقع تو ضرور دیا جائے گا، اس پر موافقت فرمائی، مولانا محمد رابع صاحب نے کمیٹی کو موافقت کا تار بھیج دیا، یہاں بر ٹی۔ وی ریڈیو اخبارات سب نے کھل کر اعلان کیا اور حضرت کے حالات بیان کئے جانے لگے کہ اچانک ۱۰ ار رمضان المبارک کے بعد حضرت کی طبیعت خراب ہو گئی اور روزہ رکھنا مشکل ہو گیا، کمزوری بہت آگئی تھی، مولانا محمد رابع صاحب نے پھر کمیٹی کو معذرت کا تار بھیج دیا کہ شیخ کا سفر نہیں ہو سکے گا، یہ خبر کمیٹی پر ایک حادثہ بن کر گری، کمیٹی کے صدر جناب ابراہیم محمد ابو ملحہ جو دبی کے اٹارنی جنرل بھی ہیں ہم سے لمبی گفتگو کی اور یہ بتایا کہ کل تراویح کے بعد شیخ محمد بن راشد کی مجلس میں بہت سے علماء مدعو تھے جن کی گفتگو کا موضوع شیخ ابوالحسن علی ندوی تھے، ان میں ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے اس مجلس میں شیخ کے اوصاف بیان کئے اور یہ فرمایا کہ شیخ کو دیکھ کر صحابہؓ کرام کی یاد تازہ ہو جاتی ہے

اس لئے شیخ کے نہ آنے کا دینی حلقہ پر اور ہم پر بہت شدید اثر پڑے گا، اس ناچیز نے عرض کیا کہ مجھے چند دن کا موقع دیں مگر کمیٹی والے روزانہ ٹیلی فون کر کے میرا سر کھائے جا رہے تھے، ایک مرتبہ ڈیڑھ بجے رات میں فون آیا اور اصرار تھا کہ ہم سب آپ کو لے کر لکھنؤ چلیں گے میں نے ان سے عرض کیا کہ صبر کریں ان شاء اللہ شیخ آئیں گے میں بات کروں گا، چند دن کے بعد یہ معلوم ہوا کہ حضرت کی طبیعت اچھی ہو رہی ہے، روزے بھی رکھ رہے ہیں، تراویح بھی پڑھ رہے ہیں، اور اندر گھر میں بھی تشریف لے گئے، میں نے فون سے معلوم کیا کہ مولانا رابع صاحب کہاں ہیں، معلوم ہوا کہ ندوہ میں تشریف رکھتے ہیں، میں نے فون سے رابطہ قائم کیا، دوسری لائن پر ابراہیم محمد ابو ملحہ مجھ سے بات کر رہے تھے، میں نے مولانا محمد رابع صاحب سے کہا کہ بہت نازک مسئلہ ہے دبی والے اسپیشل جہاز بھیجنے کے لئے تیار ہیں پورا وفد ساتھ جائے گا، ڈاکٹر بھی ساتھ ہوں گے، مولانا رابع صاحب نے فرمایا کہ ماموں جی کا موڈ اب سفر کا نہیں ہے، اور اس کا بدلنا بہت مشکل ہے اور یہ فرمایا کہ آپ ہی ہماری طرف سے معذرت کر دیں، میں نے کہا ابراہیم محمد ابو ملحہ فون پر ہیں، بڑی مشکل سے مولانا بات کرنے پر تیار ہوئے ان کی گفتگو کے بعد مولانا محمد رابع صاحب نے کہا کہ اپنی ساری گفتگو فیکس سے بھیجئے یہ لے کر میں ماموں جی کے پاس رائے بریلی جاؤں گا، فیصلہ کا انتظار کریں، بہر حال مولانا محمد رابع صاحب کی مساعی سے حضرت تیار ہو گئے معاملہ بڑا نازک تھا، اس لئے کہ صحت بڑی کمزور تھی معتکف ہوئے تھے بہر حال حضرت مولانا کی طرف سے یہ تار آیا کہ ہم چند گھنٹے کے لئے جمعرات کو

دبی آئیں گے اور جمعہ کو لکھنؤ واپسی ہو جائے گی۔ پھر کمیٹی نے اس ناچیز سے رجوع کیا کہ بتایئے کہ جہاز جمعرات ہی کو جائے جس دن جلسہ ہو رہا ہے یا ایک دن پہلے جائے، جاڑے کا موسم ہے اور آسمان پر کہرا ہے اگر جمعرات کو وقت پر جہاز نہ آسکا تو ہمارے لئے بڑی مشکل پیدا ہو جائے گی، عالم اسلامی کے بڑے بڑے علماء اور یہاں کے بہت سے وزراء اور شیخ محمد اس میں شریک ہوں گے، میں نے عرض کیا کہ میں کچھ دیر کے بعد آپ کو پکا جواب دے سکوں گا، رائے بریلی میں نے فون کیا تو مولانا واضح صاحب ملے، میں نے ان سے عرض کیا کہ حضرت سے جا کر درخواست کریں کہ اگر آسمان پر کہرا ہوا تو جمعرات کو نہیں پہونچ سکیں گے، حضرت نے میری رائے سے موافقت فرمائی چنانچہ یہ خصوصی جہاز بدھ کو ساڑھے تین بجے لکھنؤ پہونچا اور حضرت کو اور رفقاء سفر (مولانا محمد رابع صاحب ندوی، مولانا سلمان ندوی مولوی عبداللہ حسنی، بھائی عبدالرزاق اور بھائی عثمان حیدرآبادی) کو لے کر یہ جہاز افطار کے وقت دبی کے خصوصی ایر پورٹ پر پہونچا، جہاں حضرت کا استقبال کیا گیا، استقبال کرنے والوں میں کمیٹی کے ذمہ داران اور جناب عبداللہ غریر و مولانا سعید الاعظمی ندوی اور یہ ناچیز اور دیگر حضرات تھے، افطار اور مغرب کی نماز جناب عبداللہ غریر کے مکان پر ہوئی۔ وہاں تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد حضرت فندق البستان میں تشریف لائے جہاں قیام کرنا تھا۔ ہوٹل میں سکورٹی لگادی گئی تھی کہ لوگ حضرت کو تنگ نہ کریں جمعہ کی رات کو جو دبی کی تاریخ سے اکیس رمضان کی شب تھی عشاء کے بعد دبی کے خصوصی بڑے ہال میں جلسہ شروع ہوا جس میں امراء و حکام و علماء و خواص شریک تھے، ہال کھچا کھچ بھرا تھا۔ ولی عہد خود بھی

تشریف رکھتے تھے کئی مقررین نے حضرت کی زندگی کے کارنامے پر لمبی لمبی تقریریں کیں۔ اور حضرت مع خدام کے ہال سے متصل ایک کمرے میں بیٹھے انتظار کر رہے تھے کہ وقت پر حضرت تشریف لائیں گے، ہم لوگ بیٹھے انتظار ہی کر رہے تھے کہ ابوظبی سے نائب وزیر اعظم شیخ سلطان بن زاید آل نہیان کا اس ناچیز کے پاس فون آیا کہ میں اس وقت والد صاحب یعنی شیخ زاید بن آل نہیان کی مجلس میں ہوں، شیخ والد صاحب سے ملنے کب آئیں گے، چونکہ اس ناچیز نے ملاقات کا پروگرام پہلے سے طے کرا لیا تھا لیکن حضرت کی طبیعت کی کمزوری سے خاموشی اختیار کر لی تھی، میں نے عرض کیا کہ شیخ تو حاضر ہونا چاہتے ہیں والد صاحب اور آپ کی ملاقات کے لئے آنا چاہتے ہیں مگر صحت سے مجبور ہیں اگر جناب کل تراویح کے بعد تشریف لائیں تو بیحد خوشی ہوگی اور شیخ بہت دعائیں دیں گے، یہ کہہ کر میں نے ٹیلی فون حضرت کو بڑھا دیا اور حضرت مولانا نے سلام کے بعد اپنی معذوری بیان کی اور دعا دی۔ بہر حال حضرت جلسہ گاہ میں داخل ہوئے۔ ایوارڈ کا ولی عہد دبئی نے اعلان کیا، اس کے بعد حضرت نے بہت مختصر تاریخی تقریر کی جو تعمیر حیات اور اخبارات میں آچکی ہے اور اس تکریم کا شکریہ ادا کرتے ہوئے یہ اعلان فرمایا کہ یہ رقم دینی مراکز کے لئے وقف ہے تو اس پر بہت تالیاں بجیں اور عربوں کو خطاب کرتے ہوئے یہ بتایا کہ میری پیدائش ہندوستان کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں ہوئی ہے میرے والدین کی کوشش سے اللہ تعالیٰ نے مجھ کو یہ مقام دیا کہ آج آپ میری تکریم کر رہے ہیں جس پر میں آپ حضرات کا ممنون ہوں مگر ایک پیغام اپنے ساتھ لایا ہوں وہ علامہ اقبالؔ کا ایک شعر ہے اس کا ترجمہ یہ ہے

نہیں وجود حدود و ثغور سے اس کا
محمدؐ عربی سے ہے عالمِ عربی

جس میں یہ پیغام تھا کہ عالم عربی کی روح محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یہ سننا تھا کہ پورے مجمع پر آہ و بکا کا عالم طاری ہو گیا، تالیوں سے ہال گونج رہا تھا۔ نکلتے وقت مصافحہ کا ہجوم تھا بڑی مشکل سے نکالا گیا دوسرے دن صبح کو واپسی کا پروگرام تھا مگر حضرت کا اصرار پیہم تھا کہ میں ہندوستانی مسلمانوں سے مل کر جاؤں گا، آپ نے مجھ پر پہرا بیٹھا رکھا ہے۔ اور مشورہ کے بعد مسجد غریر میں نماز جمعہ اور حضرت کا بیان طے کیا گیا، اور جمعہ کو ہوٹل میں لوگ کثرت سے حضرت سے ملنے آئے جن میں بعض بڑے بڑے تجار اور ذمہ داران تھے۔ حضرت کے ایک ہی فقرے سے بعضوں پر گریہ طاری ہو گیا۔ بہر حال جمعہ کی نماز مسجد غریر میں پڑھی گئی اور عزیزی مولوی سلمان ندوی نے ولولہ انگیز جمعہ کا خطبہ دیا اور حضرت کی ۲۰ منٹ کی تقریر ہوئی۔ جس میں تبلیغی جماعت اور تبلیغی کام کی اہمیت و ضرورت کو بیان کیا اور اس میں شرکت کی دعوت دی، واپسی میں حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ مولوی تقی صاحب مجھ سے کون سا گناہ ہوا تھا کہ رمضان شریف میں مجھ کو یہاں بلایا گیا، میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ کی تقریر سے عرب و عجم دونوں کو فائدہ ہوا، اور کتنے لوگ روئے اس پر انشراح ہو گیا۔ اسی دن عصر کے بعد مجھ کو بلایا کہ مولوی سعید کہہ رہے ہیں کہ شارقہ جانا ضروری ہے مجھ کو وہاں لے چلئے۔ جمعہ کے دن کوئی صورت اتصال کی نہ تھی لیکن حضرت ہی کی برکت تھی کہ حاکم شارقہ ڈاکٹر سلطان بن محمد القاسمی جس مجلس میں افطار کرتے تھے اس مجلس تک میرا فون پہونچ گیا کہ اس ناچیز نے پیغام پہونچایا کہ شیخ بات کرنا چاہتے ہیں۔ افطار کے بعد حاکم شارقہ نے مجھے فون کیا، میں نے عرض کیا کہ شیخ تو آپ کو یاد کر رہے ہیں اور آپ سے ملنا بھی چاہتے ہیں۔ مگر اپنی صحت سے معذور ہیں، انھوں نے فرمایا کہ لا، لا تأتی بالشیخ نحن نأتی الیہ۔ نو بجے کا وقت طے ہوا چنانچہ ان کے آنے سے پہلے پورا ہوٹل خالی کرا دیا گیا اور پولیس کے انتظام میں آگیا تھا ہم چند خدام اور کمیٹی کے لوگ رہ گئے تھے چنانچہ بڑھ کر ہم نے شیخ کا استقبال کیا اور حضرت کے پاس بیٹھ کر آدھے گھنٹے کے بعد واپس گئے اس کے بعد ابوظبی سے فون آیا کہ شیخ سلطان ابن زاید آرہے ہیں۔ ٹی وی، ریڈیو والے سب اکٹھا ہو گئے ہم نے بڑھ کر استقبال کیا انھوں نے سلام و مصافحہ کے بعد حضرت مولانا کو اپنے والد صاحب کا سلام پہونچایا، اور ۲۰ منٹ کے بعد واپس ہو گئے، اور دوسرے دن ۲۲ رمضان المبارک بروز شنبہ صبح لکھنؤ واپسی ہوئی اور وہ نورانی مجلس، وہ صحبتیں وہ ماحول جو رمضان المبارک میں دبی میں پیدا ہو گیا تھا خاص طور سے فندق البستان میں دیکھنے والوں کو تا زندگی یاد رہے گا۔ افسوس صد افسوس کہ یہ رمضان المبارک جس میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے کی سعادت نصیب ہوئی اور چار دن رہنے کا موقع ملا، وہ انوار و برکات کی بارش ہو رہی تھی کہ حضرت رائے پوریؒ کی یاد تازہ ہو جائے، اس موقع پر فرمایا کہ امسال انعام کس کو ملے گا، میں نے عرض کیا بادشاہ کو اور حضرت کو تو بادشاہوں سے پہلے انعام مل چکا ہے، حضرت اس پر ہنسے کیونکہ یہ انعام اس سال شیخ زاید بن سلطان آل نہیان کو دیا گیا لیکن افسوس صد افسوس کہ واپسی کے بعد مکرر میں یوم جمعہ ۲۲ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ مطابق ۳۱ دسمبر ۱۹۹۹ء کو یہ اطلاع ملی کہ حضرت ہم سب کو روتا بلکتا چھوڑ کر رخصت ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضرت کے بتائے
ۓ طریقے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے ان
قبر پرانوار کی بارش نازل فرمائے آمین

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

(بقیہ) حضرت مولانا مشائخ کی ......

ا اصرار مقدمات لکھا یا کرتے حالانکہ اس وقت گر علمائے کبار اور مشائخ عظام بھی موجود ہوتے تھے۔ حضرت شیخ نے ایک مرتبہ تحریر فرمایا کہ لا تصنع اور بلا مبالغہ عرض کرتا ہوں کہ آپ کے تعلق کو اپنے لیے وسیلۂ نجات سمجھتا ہوں بہرحال تمام اکابرین آپ سے والہانہ مخلصانہ، عاشقانہ محبت و انسیت کا معاملہ فرماتے اور بڑی قدر و منزلت اور عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھتے تھے جس کو بجا طور پر محبوب العلماء کہنا آپ ہی کا حق ہے، ایسا عظیم حادثہ، فاجعہ اور عالم اسلام کے لئے خلا ہونے کے بعد بھی حضرت رحؒ کی تمام تحریکات اور ندوہ اپنے تشخص و مشن کے ساتھ قائم ہے جس میں اکابر کے خلوص حضرتؒ کی انتھک محنت، لگن، تڑپ اساتذہ کارکنان کا حسنِ عمل اور سچے جانشین مولانا محمد رابع حسنی کی فراست علمی دور اندیشی علم نوازی سنجیدگی کا کلیدی کردار ہے جس کے باعث ندوہ اپنی روایات اور اکابر کے نقوش قدم پر منازل ترقی کی طرف بہت تیزی کے ساتھ رواں دواں ہے۔ حق تعالیٰ حضرت رحؒ مولانا کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور ندوہ کو سدا بہار رکھے اور تمام مکروہات سے حفاظت فرمائے آمین

وہ دیدہ ور وہ مدبر، مجددِ دوراں

حفیظ محمود بلند شہری

زمیں پہ علم وعمل کے وہ آسماں نہ رہے
جو ہم پہ سایہ فگن تھے وہ سائباں نہ رہے

وہ حق شناس وہ حق گو وہ حق بیاں نہ رہے
وہ شیخِ وقت وہ علامۂ زماں نہ رہے

ہزار حیف کہ سالارِ کارواں نہ رہے
ہمارے حضرت والا علی میاںؒ نہ رہے

وہ دیدہ ور وہ مدبر، مجددِ دوراں
وہ اپنے وقت کا نباض وہ حکیم زماں

تمام ملتِ اسلامیہ کا دل اور جاں
وفات جس کی ہے ملت پہ غم کا کوہِ گراں

الٰہی صبر عطا کر گھڑی ہے یہ غم کی
کہ موت عالم دیں کی ہے موت عالم کی

اک ایسا پھول جو مہکا تمام دنیا میں
اک ایسا ابر جو برسا تمام دنیا میں

وہ ماہتاب جو چمکا تمام دنیا میں
وہ مہر جس کا اجالا تمام دنیا میں

وہ جس کا نور اندھیروں پہ ضرب کاری ہے
وہ چھپ گیا ہے مگر اس کا فیض جاری ہے

وطن میں اپنے بعنوان پیامِ انسانی
خدا کے بندوں کو دیتے تھے درسِ وحدانی

تڑپ تھی دل میں کہ ہو مشکلوں میں آسانی
نشاط عام ہو خوشیوں کی ہو فراوانی

ہمارے ملک کا ہر فرد شاد ہو جائے
وہ چاہتے تھے یہاں اتحاد ہو جائے

ادیب ایسا کہ جس پر زبان فخر کرے
مقرر ایسا کہ جس پہ بیان فخر کرے

وہ جس کے نظم پہ ندوہ کی شان فخر کرے
بجا ہے اس پہ جو ہندوستان فخر کرے

وہ چرخِ عالمِ اسلام کا مہِ کامل
کہ جس کے فیض سے روشن ہوئے دماغ و دل

وہ خوش خیال، وہ خوش خو، وہ خوش زبان و کلام
عظیم داعیٔ دیں وہ مفکر اسلام

تمام دنیا کو دیتا پھرا جو حق کا پیام
وہ جس نے رد کئے باطل عقائد و اوہام

جو لب کشا کبھی ہوتا وہ داعیٔ اسلام
تو ہوتے کفر کے ایوان لرزہ براندام

یقین رکھتے تھے کامل خدا کی قوت پر
کہ مشکلوں میں بھی قائم رہے صداقت پر

نظر رکھی نہ کبھی جاہ و مال و دولت پر
ہزاروں عظمتیں قربان ان کی عظمت پر

بلند ہو کے بھی ظاہر میں پست رہتے تھے
وہ شاہ جو کہ فقیری میں مست رہتے تھے

تھی معرفت کی وہ مے دل کے آبگینے میں
سرور جس کا چھلکتا تھا ہر قرینے میں

خدا رسولؐ کی الفت بھری تھی سینے میں
حرم میں مکہ پہونچتے کبھی مدینے میں

ہیں ان کی خوبیوں سے کم یہ میری تعبیریں
ان کا اصل تعارف ہیں ان کی تحریریں

عجم سے تا بہ عرب ترجمانِ دینِ حنیف
وہی کہ جن سے لرزتے تھے دینِ حق کے حریف

خدا کے فضل سے یہ بھی ہے ان کی اک تعریف
کہ ان کو سونپی گئی تھی کلیدِ کعبہ شریف

حفیظ میری دعا ہے قرار ان کو ملے
جوارِ رحمتِ پروردگار ان کو ملے

مرشد روحانی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا نظریۂ تزکیہ و سلوک

مولانا عبدالکریم پاریکھ (ناگپور)

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین و رحمۃ للعالمین۔

عالم ربانی حقانی مصلح امت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے بے شمار گوشے ہیں۔ دینی، علمی، فکری، تعلیمی، تبلیغی، تصنیفی و تالیفی انہی میں "تزکیہ و سلوک" بھی ایک اہم گوشہ ہے۔

اللہ نے اپنے بندوں کی اصلاح کے لئے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک برابر انبیاء و مرسلین کو مبعوث فرمایا تاکہ یہ مقدس گروہ تعلیم و تربیت، تزکیہ و طہارت، حکمت و دانائی کی باتیں لوگوں کو سکھانے کا فریضہ انجام دیتا رہے۔ جب انسانیت کفر و ظلم کے چوراہے پر آ کھڑی ہوئی تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمایا گیا۔ اور قرآن مجید نامی آسمانی "ہدایت نامہ" آپ پر نازل کیا گیا۔ اس طرح رہتی دنیا تک کے انسانوں کے لئے "ہدایت" کے دروازے کھول دیئے گئے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

"نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ○ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ○"
(۲۶۔ الشعراء آیت ۱۹۳۔۱۹۴)

اس کو امانت دار فرشتہ لے کر اترا ہے (یعنی اس نے) تمہارے دل پر (القاء) کیا ہے تاکہ (لوگوں کو) نصیحت کرتے رہو۔

قلب کی اصلاح

"قرآن مجید" حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر اتار کر اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کے جملہ معاملات کو وحی کی روشنی سے منور فرما دیا۔ انسانیت کے عقل و دماغ اور قلب کی اصلاح کے راستے کھول دیئے۔ ۱۳ سالہ مکی زندگی اور ۱۰ سالہ مدنی زندگی کل ۲۳ سال میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب اللہ کی نورانی کرنوں سے انسانیت کو منور کر دیا۔ دین اسلام اپنی اصلی جڑ کھونٹ پر قائم ہو گیا۔ نبیؐ نے مکمل طور پر منصب نبوت کا حق ادا کر دیا۔ اور "خیر امت" کے نام سے آخری امت کی تشکیل جدید ہوئی "خلافت علی منہاج النبوۃ" کا قیام عمل میں آیا۔ اور ملکوں ملکوں میں ایمان کی نہریں جاری ہو گئیں۔

تختِ سلطنت

دین و ایمان کی بنیاد پر سلطنتوں اور حکومتوں کا قیام بھی ہوتا رہا۔ چونکہ دنیا دار الامتحان ہے لہٰذا حق و باطل کی کشمکش اور ایمان و نفاق کا ٹکراؤ و تناؤ کا تسلسل بھی جاری رہا۔ ادھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کے مقابلے میں شیطان بھی اپنے قدیم و جدید ہتھیاروں سے لیس ہو کر امت پر اپنا زور آزماتا رہتا ہے۔ نیز تخت سلطنت پر جو لوگ بیٹھے بقول قرآن مجید "مِنْهُمْ مُهْتَدٍ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ"۔ حکمرانوں کا ایک طبقہ ہدایت یافتہ رہا جو دین اور ایمان کا خادم بنا رہا اور حکومت و سلطنت کے وسائل و اسباب کا استعمال دعوت دین میں ہوتا رہا۔ لیکن دوسرا طبقہ فاسقوں فاجروں کا بھی رہا جو حکومت و سلطنت جیسی نعمت پر قابض ہوا اور عیش و عشرت میں یادگاریں قائم کرنے اور آپسی مارکاٹ کرنے میں اپنا وقت صرف کرتا رہا۔ اس امت میں جیسے ہی یہ صورت حال پیدا ہوئی تو علماء امت مبلغین و مصلحین کے بڑے بڑے افراد الحمد للہ دعوت و اصلاح کے میدان میں آ کھڑے ہوئے اور اپنے اپنے طور پر انسانوں کے قلوب کی اصلاح اور ان کے نفوس کے تزکیہ کے لئے ہر زمانے میں متحرک رہے جبکہ سرمایہ کے لحاظ سے ان کے پاس کوئی طاقت نہیں تھی۔

سلسلۂ بیعت

نامساعد اور سخت حالات کا بھی ان کو سامنا کرنا پڑا پھر بھی ہر زمانے میں ان پاکباز نفوس نے دعوت دین، اصلاح حال اور تزکیۂ نفس کا اہم فریضہ انجام دیا۔ اس کے لئے ان حضرات نے سنت نبوی کا وہ اسلوب اختیار کیا جو مکی دور کا تھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ان کے رب کی طرف بلانے کا کام انجام دیا۔

"اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ"
(النحل آیت ۱۲۵)

(اے پیغمبرؐ) لوگوں کو دانش اور نیک

نصیحت سے اپنے پروردگار کے رستے کی طرف بلاؤ، اور بہت ہی اچھے طریقے سے ان سے مناظرہ کرو۔

سنیاس یا رُہبانیت نہیں

حکمت اور دانائی اور تزکیہ وسلوک پر نہایت خوبی سے یہ کام کرنے والے نفوس قدسیہ مرشد، صوفی اور پیر وغیرہ کے نام سے مشہور ہوئے لیکن یہ لوگ سنیاسی، رہبان یا تارک الدنیا درویش نہیں تھے بلکہ دعوتِ دین میں سنت کے طرز پر راہِ سلوک طے کرنے اور کرانے والے تھے، حکومت سلطنت تو ان کے پاس تھی نہیں کہ وہ اپنا بادشاہی حکم چلا سکتے، اس لئے انھوں نے اس راہ سلوک کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ میں سلسلہ بیعت کو اختیار کیا ان کے پاس حکومت کی طاقت نہیں تھی سادہ اور موٹا لباس اور کم سے کم ضروریاتِ زندگی کے سبب یہ حضرات صوفیا کہے جانے لگے اسی وجہ سے لفظ تصوف بھی ان کے نام کے ساتھ جاری ہوا۔

مرشدنا حضرت مولانا علی میاںؒ نے زندگی سادہ گذاری اوسط درجے کا رہن سہن، لباس میں، وضع قطع میں کوئی بناوٹ نہیں۔ عام آدمیوں سے ملے تو کیا، وزراء، اعلیٰ افسران اور بادشاہ تک بھی ملاقات کو آئے تو کبھی بھی آپ نے تصنع یا خود نمائی سے کام نہیں لیا۔ نیز اپنے متعلقین سے بھی کبھی سختی سے پیش نہیں آئے بلکہ ہمیشہ لطف وکرم کا معاملہ کرتے تھے۔

اللہ کی ایک رحمت

سالک کی غلطی پر نہایت حکیمانہ انداز سے ایسی تربیت فرماتے کہ سننے والا اپنی غلطی کو درست کرنے میں لگ جاتا۔ آپؒ نے کھچاؤ، تناؤ، غیظ وغضب سے پرہیز کیا۔ حضرتؒ کا یہ وصف بیسویں صدی کے عوام وخواص سیاست دانوں بادشاہوں اور اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے اللہ کی ایک رحمت بن گیا۔ لیکن حضرت مولاناؒ نے کبھی بھی صوفی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔

دو طریقے ظاہر ہوئے

سلطنتیں حکومتیں لڑکھڑاتی رہیں، کرسی نشینوں میں فسق ونفاق بھی آنے لگے، اس امت کی تشکیل دعوتِ دین وایمان کی بنیاد پر ہوئی ہے جب تک خلافت علی منہاج النبوۃ کا دور رہا اس وقت تک دعوت الی اللہ اور سلطنت وحکومت کے امور ایک ساتھ انجام پاتے رہے لیکن اس کے بعد دو طریقے ظاہر ہوئے ایک سلطنت کا اور ایک بلا اقتدار دعوت الی اللہ کا، یعنی لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے اور انسانوں کی دینی تربیت اور اصلاح کے کام کے لئے ہزار ہا ہزار لوگ کھڑے ہوگئے۔ اقتدار پر قابض لوگ صحیح رخ پر چلیں سبحان اللہ نہ چلیں استغفر اللہ مگر علماء صلحاء اور صوفیاء کرام قلوب کی اصلاح کا کام برابر کرتے رہے۔ سرمایہ کے لحاظ سے بھی کوئی طاقت ان کے پاس نہیں تھی، ان کے پاس تو قول وعمل کی صداقت تھی۔ "وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُّنِيبٍ" (اور رجوع لانے والا دل لے کر آیا) کے تحت انھوں نے تزکیۂ نفوس اور تطہیر قلوب کا کام انجام دیا۔ اور دعوت الی اللہ کی راہ ہموار کرنے میں لگے رہے۔ بیعت اور ارشاد اور سلوک کے ذریعہ آدمی کو صراط مستقیم پر چلنا آسان ہو جاتا ہے۔ جس کے سبب بندہ رضائے الٰہی کا مستحق بن جاتا ہے۔ ذیل میں ہم قرآن مجید سے وہ آیات نقل کرتے ہیں جو بیعت وارشاد کے مضمون پر مشتمل ہیں۔

بیعت کے ذریعہ دعوت کا طریقہ

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰ أَن لَّا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

(الممتحنہ آیت ۱۲)

(اے پیغمبر! جب تمہارے پاس مومن عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کو آئیں کہ خدا کے ساتھ نہ شرک کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی۔ اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ اپنے ہاتھ پاؤں میں کوئی بہتان باندھ لائیں گی اور نہ نیک کاموں میں تمہاری نافرمانی کریں گی۔ تو ان سے بیعت لے لو۔ اور ان کے لئے خدا سے بخشش مانگو بیشک خدا بخشنے والا مہربان ہے۔)

تزکیہ وسلوک کی مبارک کڑی

مرد تو مرد خواتین کو بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلسلہ بیعت میں شریک کیا تاکہ ایمان والے معاشرہ میں اللہ کی توحید عام ہو اور بدعات، خرافات، چوری، بدکاری، زناکاری، قتل، بہتان، جھوٹ، غیبت، چغل خوری وغیرہ گناہوں سے انسانوں کو بچایا جائے۔ ایسے لوگوں کے لئے نبی کی طرف سے استغفار کا تحفہ بھی وارد ہوا ہے۔ تزکیہ وسلوک کی اس مبارک کڑی میں جن نفوس قدسیہ کے نام بہت مشہور ومعروف ہیں۔ ان میں ایک نام نامی مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ ان کے دست مبارک پر اس امت کے لاکھوں لوگ سلسلۂ بیعت میں منسلک ہوئے اور الحمد للہ انھیں فیض بھی پہنچا ہے کسی کام کو کرنے کے لئے جب مختلف لوگ اٹھتے ہیں تو طریقہ

...کچھ نہ کچھ اختلاف ہوتا ہی ہے یہ قدرتی بات ...اور کچھ اختلافی مسائل بھی اٹھ کھڑے ہوتے ...لہذا طریقۂ کار کے اختلاف و مسائل میں ...زیادہ بحث و تکرار نہ کرتے ہوئے اصلاحِ قلب ...نفس کا تزکیہ جو اس سلسلہ کا اہم فائدہ ہے ...کی طرف توجہ فرمائی۔

حضرت مولاناؒ نے سلسلۂ بیعت و ارشاد ...راہ سلوک میں اختلافی مسائل سے ہٹ کر ...ب وسنت کی روشنی میں بیسویں صدی میں ...خبر کو ایسی حکمت عملی دانش مندی اور دانائی ...چلایا کہ جس کے سبب الحمدللہ ثم الحمدللہ حضرتؒ ...تربیت سے لاکھوں لاکھ لوگ راہ حق کو پالینے ...کامیاب ہو گئے۔ اور اس طریقۂ کار پر ناک ...ں چڑھانے والے بھی حضرت مرشد نا کے ...ھ پر الحمدللہ بیعت ہو گئے۔

...وجہ پیری مریدی

بعض کم علم اور نادان لوگوں نے سلسلۂ بیعت ...مذاق بھی اڑایا ہے، اس کی ایک وجہ تو یہ ہے ...کتاب وسنت پر ان کی گہری نگاہ نہیں ہے اور دوسری ...ہ یہ ہے کہ بعض پیشہ ور اور مال وجاہ کے حریص ...ے اس سلسلہ میں داخل ہو گئے اور اصلاحات ...ے بجائے خرابیاں اور بداعتقادیاں پیدا ہو گئیں، ...ے اور مسلک بن گئے اور اس ٹولی بازی اور ...ملک کی لڑائی نے دین وشریعت کی جگہ لے لی۔ ...ر ہمارے اکابر نے تزکیہ وسلوک کے بارے ...ں جو نظریہ اور طریقۂ کار پیش کیا ہے۔ وہ عین ...آن وسنت کے منشاء کے مطابق ہے اور خلق کثیر ...کو اس سے نفع پہونچا ہے۔

بعض اہل علم اور مخلص لوگ بھی سلسلۂ بیعت ...نام پیری مریدی رکھ کر اس پر لعن طعن کرتے ...ہیں اور اعتراض بھی کرتے ہیں۔ چونکہ اصلاح امت کا یہ طریقہ نبوی طریقہ تھا اس لئے اسے مٹایا نہیں جا سکتا۔ ہمارے اس دور میں مرشد محترم حضرت اقدس مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے بیعت کے طریقہ میں ایسا طرز اختیار کیا جس کی سنتِ نبویؐ سے مماثلت تھی۔ مولانا علی میاں صاحبؒ کا طریقۂ بیعت موجودہ کاروباری پیری مریدی کا کبھی نہیں رہا۔ بلکہ عین سنت قائمہ کے دائرے کے اندر راہ سلوک میں تزکیہ نفس اور تربیت کا رہا۔

قرآن مجید اور سنت نبویؐ

حضرتِ اقدس مولانا علی میاں صاحبؒ سلسلۂ بیعت میں حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ اور حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے منسلک تھے اور ان کے علاوہ بہت سی اہم شخصیات سے روحانی اور علمی فیوض آپ نے حاصل کئے تھے جس کے سبب آپ کے سینے میں بے شمار لوگوں کے فیوض کا عطر یکجا ہو گیا تھا۔ میں نے بھی دیکھا ہے اور آپ بھی میری بات کی تصدیق کریں گے کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقے کے کثیر افراد نے سلسلۂ بیعت میں حضرت مولانا علی صاحبؒ سے منسلک ہو کر کسبِ فیض کیا۔ میرے نزدیک اس کا سب سے بڑا کریڈٹ قرآن مجید اور سنت نبویؐ کو ہے۔ آپ کی صحبت وتربیت میں جو بھی رہا اللہ تعالیٰ نے اس کی ظاہری باطنی روحانی کیفیات کو بلندی پر پہونچا دیا اور ان کی زندگی کے تمام معاملات شریعت کے سانچے میں ڈھل گئے۔

نظریۂ تزکیہ وسلوک

اس وقت ایسے مؤقر اور چیدہ نیز صاحب علم وفکر مجمع کے سامنے "تزکیہ وسلوک" کے نظریے پر بحث نہ کرتے ہوئے حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کے طرز اصلاح وتربیت کی وضاحت اور اس کا تذکرہ مقصود ہے، آپؒ سے جو بھی قریب ہوا وہ "فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ" کے تحت حضورؐ والا کی محبت ومودت، ترحم اور نرمی کا اسیر ہوا تعلیم نبویؐ کی جو نورانی کرنیں آپؒ کی ذات میں موجود تھیں اس کا عکس ہر ایک نے اپنی طلب اور استعداد کے مطابق اخذ کیا اور جو شخص بھی بیعت کے سلسلے میں حضرت مولانا علی میاںؒ سے جڑا وہ دنیا اور آخرت کے اعتبار سے کچھ نہ کچھ بن گیا سلسلۂ بیعت بہت اہم اور بڑی بھاری نعمت ہے ارشاد الٰہی ہے،

" إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا۔" (الفتح آیت ۱۰)

جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں وہ خدا سے بیعت کرتے ہیں۔ خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے پھر جو عہد کو توڑے تو عہد توڑنے کا نقصان اسی کو ہے اور جو اس بات کو جس کا اس نے خدا سے عہد کیا ہے پورا کرے تو وہ اسے عنقریب اجر عظیم دے گا۔

دل کا اندھاپن

اس آیت کے متن اور ترجمہ پر نظر ڈالنے کے بعد یہ کہنے میں کیا حرج واقع ہوگا کہ سلسلۂ بیعت کا تعلق وثبوت قرآن سے ہے اور یہ ایک اہم عنوان قرآنی ہے۔ انسانوں کے قلب کی صفائی وتطہیر کے لئے بہترین تحفۂ ربانی ہے۔ کیا خوب ارشاد فرمایا رب تعالیٰ نے۔

"فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ۔"
(سورۂ حج آیت ۴۶)

بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ جو سینوں میں ہیں (وہ) اندھے ہوتے ہیں۔

تربیت نفس کا کورس

معلوم ہوا کہ دل کا اندھاپن پوری زندگی تباہ کرکے رکھ دیتا ہے۔ دل کی اصلاح کے لئے تربیت نفس کا وہ کورس جسے کتاب وسنت کے آئینے میں حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ نے پورے اخلاص اور محبت الٰہی کے تحت اختیار فرمایا وہ ہم جیسے عاصیوں کے لئے ایک نعمت ربانی ہے۔ دلوں کی اصلاح کے لئے دل والوں کے ساتھ رہنا اٹھنا بیٹھنا بہت مفید ہے۔ اور منشاء الٰہی کے مطابق ہے۔ ذیل کی آیت ملاحظہ فرمائیں۔

"وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا"

(الکہف آیت ۲۸)

اور جو لوگ صبح وشام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں اور اس کی خوشنودی کے طالب ہیں ان کے ساتھ صبر کرتے رہو اور تمہاری نگاہیں ان میں سے (گذر کر اور طرف) نہ دوڑیں کہ تم آرائش زندگانی دنیا کے خواستگار ہو جاؤ اور جس شخص کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اس کا کام حد سے بڑھ گیا ہے اس کا کہا نہ ماننا۔

آیت سے معلوم ہوا کہ ایمان والے کو چاہئے کہ ہمیشہ نیک بخت لوگوں کی صحبت میں رہے برے لوگوں کے پاس جانا بھی پڑے تو نصیحت کرکے سرک جائے ان کی محفل میں جی لگا کر نہ بیٹھے اور بدکاروں کی محفل میں رنگ رلیاں اور دنیا کی زینت ورونق دیکھ کر اللہ کے ذکر سے غافل نہ ہو ورنہ پھسل جانے کا ڈر ہے بری صحبت کا اثر پڑتا ہے۔ اس لئے ہر طرح اس سے پرہیز کرے مگر نصیحت کرنے کے لئے اجازت ہے۔

صالح بندوں کی صحبت کا اثر

سورہ کہف کی آیت ۶۰ سے ۸۲ تک ۲۳ آیات میں حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کی ملاقات کا جو بیان آیا ہے اس میں بھی بیعت وارشاد کے تعلق سے بیشتر مضامین مل سکتے ہیں۔ اس مضمون میں ہم صرف اتنا لینا چاہیں گے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات حضرت خضر سے ہوئی تو حضرت موسیٰ نے کہا۔

"هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَىٰ أَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا" (الکہف آیت ۶۶)

جو علم (خدا کی طرف سے) آپ کو سکھایا گیا ہے آپ اس میں سے مجھے کچھ بھلائی کی باتیں سکھائیں تو میں آپ کے ساتھ رہوں۔

ان آیات بینات سے معلوم ہوتا ہے کہ علم وتزکیہ کے لئے کسی کی اتباع کرنا اس کے ساتھ رہنا ضروری اور مفید ہے اور تزکیہ قلوب وتطہیر نفس کے لئے اللہ کے صالح بندوں کی صحبت میں کچھ دن رہنا چاہئے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جنہوں نے حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ مولانا علی میاں صاحبؒ نے مسترشدین کی تربیت وتعلیم اس طرح فرمائی کہ کہیں بھی ریا ونمود اور دکھاوا کا شائبہ نہ رہا۔

حرام سے اجتناب

بس اللہ کے گناہگار بندوں کو اللہ غفور رحیم کی بارگاہ میں توبہ کراتے اور بہت لمبے چوڑے وظائف بھی نہ بتاتے۔ متوسلین کی حالات کا بھی خیال رکھتے تاکہ ہر طبقہ کے لوگ اپنی طلب واستعداد کے مطابق اپنے قلب ودماغ اور فکر ونظر کی اصلاح کروانے میں کامیاب ہو سکیں لاکھوں لاکھ لوگوں کے قلوب کی اصلاح کرنا، اعمال صالحہ کی پابندی اور محرمات اور منہیات سے اجتناب کرنے کی طرف متوجہ کرنا، اللہ کی محبت وملاقات کا شوق دلانا، دنیا کے مال وذخائر سے کچھ پرے رہ کر استغنا کی زندگی گذارنا ہمارے اس دور میں آسان کام نہ تھا۔

لیکن حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ نے تزکیہ واحسان کی اس راہ کو اس دور کے لوگوں کے لئے آسان کرنے میں کامیابی حاصل کی

بیعت والے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ

تزکیہ وسلوک میں بیعت کا تذکرہ اس مضمون میں قرآن مجید کی آیتوں کے حوالے سے ہم نے پیش کر دیا ہے۔ سلسلۂ بیعت میں دور اول کے افراد کا ہاتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں پہونچ کر اہل ایمان کے فوز وفلاح کا ذریعہ بن گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں بیعت کو قرآن پاک میں ان الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے۔ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ (جس نے نبیؐ کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیا اس پر اللہ کا ہاتھ ہے۔)

نیز قرآن مجید میں یہ ارشاد بھی موجود ہے۔

"فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِیْ بَايَعْتُمْ بِهٖ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ" (التوبہ آیت ۱۱۱)
تو جو سودا تم نے اس سے کیا ہے اس سے خوش رہو اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

یہی بیعت پر اللہ راضی

اوپر درج شدہ آیت میں اللہ کی رضامندی کی بشارت موجود ہے۔ گو وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لئے ہے مگر سلسلہ بیعت میں داخل ہونے والے ہر دور کے لوگ، خاص و عام اللہ کی رضا اور بشارت کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ ایک اور جگہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

"لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ" (الفتح آیت ۱۸)

(اے پیغمبر) جب مومن تم سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے تو خدا ان سے خوش ہوا اور جو (صدق و خلوص) ان کے دلوں میں تھا وہ اس نے معلوم کر لیا تو اس پر تسلی نازل فرمائی۔

بیعت میں خواتین کے لئے ایک سہولت

بیعت لینے والے اور بیعت کرنے والے ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دیتے ہیں۔ سلام ہو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ مردوں کی بیعت تو دست مبارک میں ہاتھ لے کر قبول فرمائی۔ لیکن کسی خاتون کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بیعت نہیں کی بلکہ کسی پیالے میں پانی ڈال کر اپنا دست مبارک پانی بھرے پیالے میں داخل فرا دیتے اور پھر خواتین تک یہ پانی بھرا پیالہ پہونچا دیا جاتا، وہ بھی اس میں ہاتھ ڈال کر بیعت اور توبہ کے الفاظ دہرا کر بیعت ہو جاتیں۔ اسی احتیاط اور نبوی طریقہ پر مصلح امت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ بھی عمل پیرا رہے۔ اور بیعت کے وقت کبھی کسی خاتون کے ہاتھ کو ہاتھ میں لے کر بیعت نہیں فرماتے بلکہ چادر کا ایک سرا آپ پکڑ لیتے اور دوسرا سرا بیعت ہونے والی خاتون پکڑ لیتی۔ زیادہ مجمع ہونے پر چادریں ایک دوسرے سے جوڑ کر دراز کر دی جاتیں۔ خواتین کے لئے بڑی سہولت ہوتی اور الحمد للہ پردے اور حجاب کا شرعی تقاضہ بھی پورا ہوتا۔

بیعت میں صحابہؓ کا طریقہ

صحابہ کرامؓ اور سلف صالحین کا بیعت ہونے کا یہی طریقہ رہا ہے۔ اس نبوی طرز کے علاوہ جو لوگ بیعت کا طریقہ اختیار کرتے ہیں وہ معتبر اور با برکت نہیں ہے۔ اس سے احتراز کرنا لازم ہے۔

ہر زمانے کے وہ جعلی پیر و فقیر جو بناوٹی نذ ہبیت چلا کر عوام کو اپنے سامنے سجدہ کراتے ہیں، نذرانے وصول کرتے ہیں اور بخشش کے پروانے بانٹتے ہیں اور مخلوق کو گناہ پر دلیر کرتے ہیں ان کے سبب طریقہ سلوک کی بدنامی ہوتی ہے۔

حضرت مرشدنا علی میاں صاحبؒ نے اپنے قلم اور زبان سے مشرکانہ اور غیر سنت والے طریقۂ کار کی زندگی بھر سختی سے مذمت فرمائی اور سنت رسولؐ کو ہمیشہ اپنے طریقۂ کار میں اولیت پر قائم رکھا۔

بس۔ یہ طریقۂ سلوک بیسویں صدی میں حضرت مولانا علی میاںؒ کا تزکیہ اور سلوک کا نظریہ ہے۔ جو کتاب و سنت سے ہر طرح ثابت ہے۔

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ

مشائخ کی نظر میں

مولانا عبداللہ مغیثی۔ مہتمم جامعہ اسلامیہ گلزار حسینیہ اجراڑہ، میرٹھ

ہمہ جہت و ہمہ گیر، صاحب کردار شخصیت سینکڑوں سالوں میں نمودار ہوتی ہے۔ بیسویں صدی کی ایک ایسی عظیم شخصیت ایک خطۂ مجاہدین میں پیدا ہوئی جس کو دنیا مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی کے نام سے جانتی ہے۔ صدیوں سے جو گھرانہ اپنے زہد و تقویٰ، قناعت پسندی، اخلاص للّٰہیت اور جہاد اسلامی کے جذبہ سے معمور تھا جو اسلام کی عظمت و سربلندی کے لئے کفن بردوش اور جان ہتھیلی پر رکھ کر باطل طاقتوں سے برسرپیکار رہا اور اسلامی ہند کی تاریخ میں اپنا ایک پروقار مقام بنایا اور دین کی عظمت کے لئے میدان جہاد میں جان دے دی یہاں تک کہ اپنی قبر کا نشان بھی نہیں بننے دیا۔ حضرت مولانا علی میاںؒ اسی گھرانے کے فرد فرید اور اسی سنہری زنجیر کی ایک اہم کڑی تھے، حضرت مولاناؒ دعوت و عزیمت کے امام، توحید و سنت اور منہج سلف صالحین کے علمبردار، داعی الی اللہ، عارف باللہ، صاحب طرز انشا پرداز ادیب، اسلاف ذی شان کے کامیاب سوانح نگار تھے، اور سلاطین ہند کی ذہنی فکری تحریکوں کے روح رواں، دنیاوی شان و شوکت عہدہ و منصب کو ٹھکرا دینے والا اسلام اور اسلامی اقدار کے تحفظ و بقا کے لئے قلندرانہ عزم و ثبات کا آہنی مجسمہ، پاکبازوں کی روح پرور مجلسوں کا صدر نشیں، عالمی پیمانہ پر اسلامی عظمت و وقار، مسلمانوں کی عزت و سربلندی کا داعی صاحب فضل و کمال نابغۂ روزگار تھے، آپ کی علمی، دینی، مذہبی، فکری، تحقیقی، قومی اور انسانی خدمات گذشتہ ایک صدی پر محیط ہیں ان خدمات کو نہ صرف ہندوستان میں ہمیشہ قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا بلکہ عالم اسلام اور بین الاقوامی برادری نے بھی ان کا اعتراف کیا۔ حضرت مولاناؒ کی رگ و پے میں سید احمد شہیدؒ کا خون رواں دواں تھا جنھوں نے تیرھویں صدی ہجری میں دین خالص اور خلافت راشدہ کے طرز پر حکومت شرعیہ کی تشکیل اور دین حق کی سربلندی کے لئے اپنی تحریک کے ذریعہ جانی مالی قربانی کا جذبہ بیدار کیا۔ مولانا نے اپنی تحریک پیام انسانیت کے ذریعہ باشندگان ملک کو انسانی عظمت اور انسانی رشتوں کے تقدس سے روشناس کرایا رواداری اور مساوات کے جذبہ کو فروغ دینے میں اہم تاریخی رول ادا کیا۔ حضرتؒ کی علمی عظمت فکری بصیرت، سیاسی تدبر، جذبہ حب الوطنی، قومی و ملی درد کے احساس اور انسانیت کے لیے انکے دردمند دل نے ان کی مقبولیت کو قومی و بین الاقوامی سطح پر عام کردیا۔

حضرت مولاناؒ کی زندگی کا ہر پہلو مکمل اور اکمل ہے لیکن ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ ان کو تمام اکابرین کے یہاں عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا یہ آپ ہی کی خصوصیت تھی اور تمام اکابرین آپ کی تبحر علمی، ہمہ دانی زیرکی، علمی گیرائی و گہرائی کے قائل تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت مولاناؒ اکابر کی صحبت سے اپنے مزاج و ذوق کے ساتھ صبغۃ اللہ کا رنگ اپنے رگ ریشے میں پیوست کرلیتے اور پھر اس کو فراغ دلی اور فیاضی سے مخلوق خدا پر بکھیر دیتے جس کی وجہ سے علم و عمل اور اخلاص کی پہچان بن گئے۔ اور اکابر کی مجالس میں آپ کے علمی کارناموں اور ملی سرگرمیوں کے تذکرے ہونے لگے حضرت تھانوی کی محتاط و معتدل شخصیت سے ادنیٰ واقفیت رکھنے والا بخوبی جانتا ہے کہ حضرت کے یہاں محض رسمی طور پر یا تکلفاً القاب اور اعزاز و اعتراف کا رواج نہ تھا اور القاب و خطابات کا بیجا استعمال نہیں فرماتے تھے ان کا اپنی عمر کے آخری دور میں جبکہ ان کا تجربہ و مشاہدہ اور فراست پوری طرح مکمل تھی، ایک انیس سالہ نوجوان (علی میاں) عالم کو جمع الکمالات لکھنا بہت بڑا اعزاز اور بڑی باوقار سند ہے اور بجائے خود حضرت تھانوی کی کمال فراست کی دلیل ہے کہ وہ شیخ ابوالحسن جس کے حسن جمال کی دنیا اس کی تابانیوں کے ظہور اور نورانی شعاعوں کے خارجی وجود کے بعد معترف ہوئی اس صاحب فراست شخصیت نے اس کی ضوفشانی سے قبل ہی اس کی نورانی پیشانی میں حقیقت مشاہدہ فرمالیا تھا۔ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کو تو آپ کی ذات سے محبت وانسیت کے ساتھ ناز و افتخار کا بھی تعلق تھا مولانا منظور نعمانیؒ رقمطراز ہیں کہ حضرت رائے پوریؒ کے یہاں محبوبیت کا جو مقام ان کو حاصل ہوا وہ اس ناچیز کے لیے موجب مسرت ہونے کے باوجود ہمیشہ رشک و غبطہ باعث بھی بنا رہا جب لاہور کے ایک عالم

لاس میں قادیانیت سے متعلق عربی کتاب کی
ورت محسوس کی گئی تو حضرت رائے پوری رح
، بڑے اعتماد وافتخار کے ساتھ مولانا کا
لے کر فرمایا (کہ وہ آئیں گے تو ہم چھٹ
یں گے) کہ یہ کام کر کے جاؤ) حضرت مولانا رح
رت رائے پوری رح کے نام اپنے خطوط کے
روع میں سیدی ومرشدی لکھا کرتے تھے
نضرت رائے پوری رح نے بھی فرطِ محبت میں
نے گرامی نامہ میں مولانا کو یوں ہی تحریر
مایا سیدی ومولائی۔

۱۳۸۰ھ کے رمضان میں خانقاہ
ائے پور میں ہندوستان کے کم وبیش تمام
مشائخ علماء صلحا اور مخلصین کا ہجوم تھا بعد
ظہر حضرت رائے پوری رح معمول کے مطابق
ہر میں پلنگ پر جلوہ افروز تھے دوسرا پلنگ
ضرت شیخ الحدیث رح اور مولانا علی میاں رح کے
لئے بچھایا جاتا تھا غالباً ۱۳۸۰ھ رمضان کا واقعہ
، ہم خدام حضرت کا برن دبا رہے تھے اکثر وبیشتر
خدمت احقر کو بھی میسر ہوتی تھی اس کی وجہ
ضرت سے ہمارا گھریلو تعلق اور پورا خاندان
رعزیز واقارب کا والہانہ، عاشقانہ مخلصانہ
والہانہ مزید برآں حضرت کی بے پناہ شفقتیں
اسے گھر پر رہیں اس بنا پر ناچیز نے حضرت رح
ے سوال کیا کہ حضرت، حضرت شیخ الحدیث کا
پلنگ پر بیٹھنا ضعف ونقاہت پیرانہ سالی
ر ہم عصری سے سمجھ میں آتا ہے مگر مولانا علی میاں
پلنگ پر بیٹھنا سمجھ میں نہیں آتا اس پر حضرت
، برجستہ ارشاد فرمایا تم نہیں جانتے علی میاں
مجدد الف ثانی رح کی حق گوئی شاہ ولی اللہ رح کی فکر ونظر
سید احمد شہید رح کے جذبہ جہاد کا عکس جمیل، حاجی
امداد اللہ مہاجر مکی رح، مولانا رحمت اللہ کیرانوی رح
ولانا رشید احمد گنگوہی رح، مولانا محمد قاسم نانوتوی رح

کے جہادی حکمت عملی کا نمونہ سید سلیمان ندوی رح،
شبلی نعمانی رح کے افکار اور تاریخ کا عظیم مرقع،
مولانا محمد الیاس رح، شیخ الاسلام رح، شیخ الحدیث رح
کی دینی علمی دعاؤں کا ثمرہ ہیں، او نادان
یاد رکھ وہ خواجہ معین الدین چشتی رح سے لے کر
تمام اکابرین کے وارث حق کے ترجمان اور
میری آنکھوں کا تارہ ہیں۔"

تبلیغی جماعت کے لئے آپ کی بے لوث
خدمات نہ صرف مسلم ہیں بلکہ مولانا محمد الیاس رح نے
حضرت کو جماعت کی روح قرار دیا ہے اور
ارشاد فرمایا کہ آں محترم کی توجہات عالیہ سے
تبلیغ کو جس قدر نفع پہونچا ہے اب تک لگنے
والوں میں کسی سے نہیں پہونچا، اللہ تعالیٰ
آپ کے مخصوص توجہات کو اس طرف اور زائد
سے زائد مبذول فرمالے، آپ کی تشریف آوری
کا انتظار ہے۔ توجہات عالیہ اور دعوات
صالحہ کا امیدوار ہوں۔ مولانا محمد الیاس رح کے
کے دل میں، حضرت مولانا کی محبت عزت اور
انسیت بجا طور پر جاں گزیں تھی۔ ۱۴۱۹ھ کے
رمضان میں ہم تمام خدام تکیہ کلاں رائے بریلی
میں عشا بعد کی مجلس میں موجود تھے حضرت کے
چہرے سے فرحت وانبساط، اور مسرت کے
اثرات ہویدا ہوئے اور فرمانے لگے کہ ایک
مرتبہ مولانا محمد الیاس رح ندوہ تشریف لائے، ندوہ
کے احوال وکوائف ملاحظہ فرمانے کے بعد فرحت
ومحبت اور جذب وانبساط کی خاص کیفیت
میں ارشاد فرمایا۔ علی میاں ندوہ کی کسی ایسی
عمارت پر لے کر چلو جہاں سے پورا ندوہ نظر
آجائے چنانچہ دار العلوم کی مرکزی عمارت کی
چھت پر چڑھ کر ندوہ کو چاروں طرف سے دیکھتے
رہے اور فرمایا کچھ مانگو، کوئی ضرورت ہو تو
بتاؤ، اس وقت حضرت رح کے ساتھ دلی کے کئی

بڑے تاجر تھے کیونکہ وہ زمانہ ندوہ کے افلاس
تنگ دستی اور مفلوک الحالی کا تھا۔ اساتذہ
کی تنخواہ دینا بھی دار العلوم کے لئے مشکل
ہو رہا ہے۔ ہم اس وقت حضرت رح سے اسکے
لیے کچھ عرض کرتے تو کوئی بڑی بات ان کے
لیے نہیں تھی، لیکن توفیق خداوندی نے
ساتھ دیا اور عرض کیا کہ حضرت جس نظر سے آپ
مظاہر علوم کو دیکھتے ہیں وہی نظر کرم ندوہ پر بھی
فرمائیں، بے ساختہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے
اور فرمایا اے اللہ تو ندوہ کو عرب وعجم کے لیے
درسگاہ علمی کے ساتھ عمل کا بھی نمونہ بنا دے
الحمد للہ! آج انہیں دعاؤں کا ثمرہ ہے کہ
ندوہ چہار دانگ عالم میں اپنی ٹھوس خدمات
کے باعث ملک وبیرون ملک میں با اعتماد
مقام حاصل کر چکا ہے۔

الحمد للہ ایسا ہی حسین منظر ہم خدام
نے بھی دیکھا ہے ۱۹۹۲ء میں جہاں حضرت
نے اجرارہ میں علی میاں ٹیکنیکل کا سنگ بنیاد
رکھا اس وقت حضرت رح جامعہ کی قطعہ آراضی
کی جانب قطب شمال دست مبارک میں اینٹ
لے کر کھڑے ہوئے تھے ہم خدام نے عرض
کیا کہ حضرت یہ وسیع وعریض قطعہ آراضی آپ کی
دعاؤں کی ضرورت محسوس کر رہا ہے، تو حضرت رح
نے اس کے لئے خصوصی دعا فرمائی، آج
اسی کا نتیجہ ہے کہ قلیل مدت میں اس قطعۂ
آراضی کا زمین وآسمان بدلا نظر آرہا ہے
اور تمام عالی شان وپرشکوہ عمارتیں اپنی
شان وشوکت کے ساتھ عوام وخواص کی
دید کا منظر بنی ہوئی ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث رح کی محبت وانسیت

باہمی اعتماد واحترام تو اس سے بخوبی عیاں
ہے کہ اپنی عربی تصنیفات پر حضرت مولانا سے ہی

(باقی صفحہ ۱۶۰ پر)

ہمارے حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ

پروفیسر محمد یونس نگرامی

اخلاص، سچائی، حلم و درگذر، متانت، دل جوئی، دوسروں کے احساسات کا احترام، زبان کی سچائی، دل کی پاکی، عمل کی قوت، عفت و پاکبازی، عفو و درگذر، احسان و بردباری، تواضع و خاکساری، زہد و استغنا، عبادت و ریاضت جیسے بہت سے الفاظ ایسے ہیں جو آج کل بکثرت استعمال کئے جا رہے ہیں لیکن وہ اپنی معنویت اور مطالبات سے محروم ہوتے جا رہے ہیں۔

حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ نے نہ صرف یہ کہ ان الفاظ کی لغوی و عرفی حیثیت برقرار رکھی بلکہ ان کو نئی رفعتوں اور بلندیوں تک پہنچایا بھی۔

راقم سطور ۱۹۶۲ء میں جب مدینہ یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھا، حضرت مولانا بحیثیت وزٹنگ پروفیسر تشریف لائے تھے۔ میں، مزمل حسین صدیقی، سراج الرحمٰن اندوری، مظفر الحق ندوی اور تقی الدین فردوسی عارضی طور پر بستان نوردلی منتقل ہو گئے تھے جہاں حضرت مولاناؒ کا قیام تھا، وہیں میں نے حضرت کو بہت قریب سے دیکھا، تہجد کا اہتمام، مسجد نبوی میں حاضری کا ذوق و شوق، ذات نبوی سے والہانہ تعلق و شیفتگی اور اس ایمانی جذبہ کی فراوانی...... جس کو صرف محسوس کیا جا سکتا ہے دائرہ تحریر میں قید نہیں کیا جا سکتا ہے حضرت مولانا کی جو کیفیت، حمیت دینی، ایمانی غیرت کے جو ایمان افروز مناظر مدینہ طیبہ میں دیکھے تھے اس میں پچھلے ۳۰۔۳۵ برسوں میں اضافہ ہی پایا، سنن و نوافل کی کثرت تھی، عبادت و ریاضت ہر دن بڑھ رہی تھی، تلاوت قرآن پاک کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا۔ ان کے نزدیک اسلام ہر لحاظ سے .... دنیا کی امامت اور ہدایت کا آخری سرچشمہ تھا۔ جس کے کسی بھی حصہ سے وہ دستبردار ہونے کے لئے تیار نہ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین و شریعت میں کوئی بھی قطع و برید ان کے حاشیہ خیال سے بھی دور تھے توحید جو اسلامی شریعت کا بنیادی پتھر ہے اور جس پر اسلام کی پوری عمارت کھڑی ہے اس پر مفاہمت و مساومت کا سوال نہ تھا وہ ان بنیادی مسائل پر ایسا موقف اختیار کرتے تھے کہ جس سے پہاڑوں کے دل دہل جاتے تھے۔ تو دوسری طرف اخلاق و مروت اور دوسروں کے ساتھ تعامل میں ریشم کی نرمی و ملائمت تھی۔

ہمارے حضرتؒ جب لکھنؤ میں ہوتے تو میں نے یہ معمول بنا لیا تھا کہ دن میں ایک مرتبہ ان کی خدمت میں حاضری ضرور ہو جائے خود ہمارے حضرتؒ کو بھی احقر کا انتظار رہتا تھا اگر کبھی ایک دن کا ناغہ ہو جاتا تو جب دوسرے دن پہونچتا تو فرماتے کہ کوئی سفید موٹر ادھر آتی تو میرا دل یہ چاہتا تھا کہ خدا کرے یونس ہوں۔ اکثر فرماتے کہ تمہارے نام کے مادہ میں انس شامل ہے، تمہارے آجانے سے بڑی خوشی ہوتی اور انس پیدا ہوتا ہے۔ اللہ اکبر کہاں عالم اسلام کی اتنی عظیم المرتبت شخصیت اور اس ناچیز کے ساتھ تعلق و محبت کا یہ عالم۔

میں اکثر دن میں دس گیارہ بجے یونیورسٹی جاتے وقت حضرت کی خدمت میں ندوہ حاضر ہوتا، اس وقت مولانا یا خطوط کے جوابات لکھواتے یا کوئی ضروری مضمون یا کتاب املا کراتے تھے میں حاضر ہوتا اور کہتا کہ صرف سلام کرنے حاضر ہوا ہوں میں جانتا ہوں کہ آپ کا یہ وقت بہت مشغولیت کا ہے۔ فرماتے نہیں تمہارے لئے کوئی وقت کی قید نہیں ہے جب چاہو آجاؤ، کبھی اصرار سے چائے بلواتے، اسی رمضان سے پہلے ایک دن بھائی عبدالرزاق صاحب سے سیب کٹوایا اور فرمایا کہ تمہارے ساتھ ہم بھی کھائیں گے۔

اکثر و بیشتر اسی وقت میں دیکھا کہ ہمارے حضرت تلاوت فرما رہے ہیں اور بیّن طور پر محسوس ہوتا تھا کہ قرآن مجید کی ایک ایک آیت و لفظ ان کے جسم و جان میں پیوست ہو رہی ہے اور جہاں جہاں اللہ کی قدرت کاملہ کا ذکر ہوتا تھا تو ان کے جسم پر ارتعاش کی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی، طبیعت یہی چاہتی تھی قرآن مجید پڑھتے رہیں اور کوئی سنتا رہے۔

پچھلے ۳۰۔۳۵ برسوں میں میں اپنے حضرتؒ سے بہت قریب رہا، سفر و حضر، خصوصی مجلس اور تنہائی میں بھی حضرتؒ کے پاس بیٹھنے کی سعادت نصیب ہوئی، میں اگر قسم کھاؤں تو حانث نہیں ہوں گا کہ اس پورے عرصہ میں کسی بھی شخص کا ایسا تذکرہ جو اس کو ناگوار ہو حضرت کی زبان سے نہیں سننے میں آیا، مجلس میں کسی تیسرے شخص

تذکرہ آنے ہی نہیں پاتا تھا اگر کبھی کوئی شخص ی کا تذکرہ کرتا بھی تو آپؒ فرماتے کوئی دوسری ن کیجئے اور فوراً ہی بات کا رخ دوسرے موضوع کی طرف موڑ دیتے تھے۔

میں جب بھی رائے بریلی حاضر ہوتا تو ارے حضرتؒ پر خوشی و انبساط طاری ہوتا اور ہی خوشی کا اظہار فرماتے اور کوشش فرماتے کھڑے ہو کر معانقہ فرمائیں اور استقبال ریں میں کہتا کہ حضرتؒ! آپ اتنی زحمت اٹھاتے یں اس سے مجھ کو تکلیف ہوتی ہے اس پر دعائیں ، وہ بارش ہوتی کہ طبیعت یہی چاہتی کہ حضرتؒ ہی دعا فرماتے رہیں، ڈرائیور کے بارے میں ریافت فرماتے کہ اس نے کھانا کھا لیا ہے یا ہیں اور جب تک خود مطمئن نہ ہو جاتے برابر ستفسار فرماتے رہتے مجھ سے فرماتے کہ اکیلے یا کر دکسی کو ساتھ لے لیا کرو سفر میں اچھا رہتا ہے۔

ہمارے حضرتؒ سے ملنے وزیر اعظم، وزیر ، گورنر اور دیگر اہم شخصیات برابر ندوہ یا ائے بریلی جاتی رہتی تھیں حضرتؒ ان کی تکریم میں کوئی فرق نہ لاتے اور اسلامی اخلاق کا پورا مظاہرہ رماتے لیکن تواضع و انکساری کا یہ عالم تھا کہ کبھی ہی زبان پر ان بڑی شخصیات کی آمد اور ان کی ازمندی کا تذکرہ بھی نہ آتا ان کا دل تو اللہ کی ظمت و کبریائی سے معمور تھا اب کسی اور کا ر وہاں کیسے ممکن تھا ایک آدھ بار یہ ضرور رمایا کہ فلاں صاحب آئے تھے تم بھی ہوتے تو چھا تھا۔

واقعات، تجربات و مطالعہ کی روشنی میں وہ اس نتیجہ پر پہونچے تھے کہ اسلامی عقائد و تہذیب اسلامی کی حفاظت کے لئے اب یہ ضروری ہو گیا ہے کہ ہر ہر قریہ و گاؤں میں مکتب و اسلامی مدارس کا جال پھیل جائے تاکہ آئندہ نسل کے ایمان و یقین کی حفاظت کو یقینی بنا دیا جائے اس سلسلہ کی فکرمندی اتنی تھی کہ میں نے دور افتادہ قصبات و گاؤں میں دینی بیداری کے پروگرام رکھے اور حضرتؒ کو دعوت دی، ہمارے حضرت نے بغیر کسی توقف اور مزید معلومات کے فوراً ہی رضامندی ظاہر فرمائی اور تشریف لے گئے۔ رکن پور ضلع رائے بریلی کے ایک جلسہ کے لئے جب میں ان سے وقت لینے گیا تو حضرتؒ نے ارشاد فرمایا کہ تم ایسے پروگرام طے کر لیا کرو اور ہم کو بتلا دیا کرو۔ دین کی حفاظت کے لئے ایسی محبت، دلسوزی عمر و مرض کی اس حالت میں، یہ ہمارے حضرتؒ ہی کا حصہ تھا۔ لکھنؤ سے سلطان پور تک تقریباً دو سو کیلو میٹر کے رقبہ پر پھیلے ہوئے دیہات و قصبات اور پورے علمائے نگرام کی دینی، دعوتی و تبلیغی سرگرمیوں کے مرکز رہے ہیں حضرتؒ اس بات سے واقف تھے اور "پرانے چراغ" کے کسی حصہ میں تذکرہ بھی فرمایا ہے، اسی حقیقت کے مدنظر برابر تاکید فرماتے کہ ان علاقوں سے تمہارا رابطہ رہنا چاہئے اور اس ورثہ کو ضائع نہ ہونے دیا جائے جو صدیوں کی محنتوں کا ثمرہ ہے۔ اکثر فرماتے کہ تم سے فرد خاندان کا تعلق ہے، دوسرا تعلق ان دونوں خاندانوں کا یہ بھی ہے جو کتاب و سنت کے احیاء اشاعت دین اور عقیدہ توحید کی دعوت پر مبنی ہے اور یہ تعلق ایسا ہے جس پر زمانے کے گرم و سرد کا کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔

بارہا ایسا ہوا کہ حضرتؒ رائے بریلی سے لکھنؤ تشریف لائے اور اسی دن ملاقات ہو گئی تو فرماتے کہ جب نگوہاں سے گذر رہے تھے تو وہ سڑک جو نگرام جاتی ہے نظر آئی تو تم بہت یاد آئے۔

نگرام سے تعلق برقرار رکھنے کی تاکید فرمانے پر انھیں کی فکرمندی کا نتیجہ تھا نگرام کی مسجد کی توسیع کا کام شروع ہوا اور مدرسہ معدن العلوم کا احیاء ہوا حضرت خود نگرام تشریف لے گئے اور دن بھر قیام فرمایا اس موقع پر عربی مدارس کی اہمیت پر جس دل سوزی اور قوت کے ساتھ گفتگو فرمائی وہ چشم کشا کی حیثیت رکھتی ہے۔ دنیا کی بے ثباتی اور ایمان سے بھرپور زندگی کا ایسا نقشہ پیش فرمایا جو قرآنی ہدایات کا خلاصہ ہے اور جس کا ہر ہر لفظ نور اور پاکیزگی میں ڈوبا ہوا ہے۔

حضرتؒ پر توحید کا غلبہ بہت تھا شرک جلی یا خفی برداشت کرنے کو تیار نہیں تھے گفتگو، مجلسوں اور تقریروں میں بڑی ہی قوت کے ساتھ توحید کی دعوت دیتے بیعت کرنے وقت توحید کی تلقین فرمانے اور ہر طرح کے شرک سے اجتناب کا پختہ وعدہ لیتے انداز اتنا سادہ اور دلنشین ہوتا کہ "از دل خیزد بر دل ریزد" والی بات ہوتی۔

اسلامی دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں حضرتؒ کا پختہ یقین تھا کہ اس باب میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ و اسلوب سب سے مؤثر اور کامیاب طریقہ ہے وہ اس نتیجہ پر اپنے وسیع مطالعے، تحریکات کے انجام، تجربات اقوام و ملل کے جائزہ و تحلیل کے بعد پہونچے تھے اور عمر بھر اسی طریقہ پر کاربند رہے۔

ندوہ سے شائع ہونے والے عربی پندرہ روزہ "الرائد" میں گزشتہ بیس برسوں سے "نافذۃ علی الہند" کے عنوان سے کالم لکھ رہا ہوں جس میں

استاذ گرامی مولانا محمد واضح رشید ندوی کی ہمت افزائی، اصرار اور قدر دانی کا بہت دخل ہے، ہمارے حضرت بھی گاہے بگاہے اس کالم کی تعریف و توصیف فرماتے اور ایسے بلند کلمات فرمانے کہ لکھنے کا جذبہ اور شوق وذوق اور بڑھ جاتا، میری دو کتابوں "عرب دنیا اور ہندوستان میں عربی علوم وفنون کے ممتاز علماء اور ان کی علمی خدمات" پر میری فرمائش پر مقدمہ حضرت مولانا نے تحریر فرمایا جس میں مصنف کی محنت اور پھیلی ہوئی معلومات کو یکجا کر دینے پر مصنف کی ستائش فرمائی ہے جو اس ناچیز کے لئے سب سے بڑی سند ہے۔

پروفیسر رشید احمد صدیقی نے کہیں لکھا ہے کہ شریف اور باعظمت انسان کی پہچان یہ ہے کہ جو شخص بھی اس سے ملنے جائے تو اپنے کو وہ معزز ومکرم محسوس کرے۔ حضرت مولانا سے ملنے والا ہر شخص اپنے کو معزز ومکرم محسوس کرتا وہ سمجھتا تھا کہ اس کا احترام ہوا ہے پذیرائی ہوئی ہے اور اس کی بھی اپنی کوئی اہمیت ہے۔

ہمارے حضرت سخن دلنواز تھے، بلند نگاہ تھے اور جاں پرسوز تھے۔ اقبال نے یہی تین صفات میر کارواں بننے کے لئے ضروری قرار دی ہیں حضرتؒ کے ساتھ رہنے، دیکھنے، سننے کا ایک لمبا دفعہ ملا لیکن میں نے کبھی بھی کوئی ایسا تذکرہ حضرت کی زبان سے نہیں سنا جس سے مال ومتاع کی رغبت کا احساس ہو۔

رائے بریلی اور ندوہ میں برابر ضرورت مندوں کا ہجوم رہتا حضرت ہر شخص کی ضرورت پوری فرماتے اور انتہائی خندہ پیشانی کے ساتھ، ناگواری یا تلخی کا کہیں شائبہ بھی نہ ہوتا۔ "ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء" کی ہمارے حضرت حقیقی تصویر اور سچی تعبیر تھے —— لطیف مزاح وظرافت میں بھی حضرت کو بھرپور حصہ ملا تھا، ایسے جملے اور واقعات سناتے جن سے

وہ رشکِ صد بہار گلستاں چلا گیا

• عاتکہ ہاشم معلمہ خدیجۃ الکبریٰ للبنات لکھنؤ

اک مردِ حق شناس مسلماں چلا گیا
عالم سے ایک صاحبِ ایماں چلا گیا

علم وادب کے پھول کھلاتا تھا چار سو
وہ رشکِ صد بہار گلستاں چلا گیا

صدق وصفا کے نور سے روشن تھی جس کی بزم
ایسا ولی وہ شمع فروزاں چلا گیا

فردِ علی وہ ہو کے بھی تھا ایک انجمن
دنیائے علم وفن کا شبستاں چلا گیا

عربی ادب کا شاہ تھا دار العلوم میں
ندوہ اداس ہے کہ وہ سلطاں چلا گیا

اب تشنگانِ علم کی کیسے بجھے گی پیاس
فنِ ادب کا بحرِ دبستاں چلا گیا

کردار اور فکر وعمل کا تھا وہ دھنی
رشد وہدیٰ کا صاحبِ عرفاں چلا گیا

رکھتا تھا عالموں میں وہ اک شانِ امتیاز
اک بے مثال عالمِ ذیشاں چلا گیا

عالم کی موت گویا اس عالم کی موت ہے
ملت کا مایۂ ناز نگہباں چلا گیا

گلشن میں روشنی اک اس کے وجود سے
علم وادب کا نیرِ تاباں چلا گیا

تصنیف کا امام قلم کا وہ شہسوار
فہم وخرد کا مہرِ درخشاں چلا گیا

خاموش عندلیب ہیں پژمردہ پھول ہیں
یہ کون آہ جانِ بہاراں چلا گیا

وہ سادگی وہ شان تواضع باین کمال
انسانیت ملول ہے انساں چلا گیا

ملک وطن کا تاجِ فضلیت کا پاسباں
افسوس ایک فاضلِ ذی شاں چلا گیا

لطف صحبت دوبالا ہو جاتا۔ ایک مرتبہ حضرت کو شام کی چائے پیش کی گئی آپ نے پانی بھی طلب فرمایا۔ پانی آنے میں کچھ تاخیر ہوئی تو بس اتنا فرمایا چائے ٹھنڈی ہو جائے گی اور پانی گرم ہو جائے گا۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ کسی غیر ملک کے گورنر بسیار خوری کے عادی تھے اور اس وجہ سے بیمار بھی ہو جاتے تھے۔ ایک رات کسی سرکاری ضیافت میں گورنر صاحب نے حسب عادت معمول سے زیادہ غذا لے کر تناول فرمایا۔ عملہ نے اس خیال سے کہ رات میں کوئی تکلیف نہ ہو طبی انتظامات کا پورا بندوبست کر لیا۔ اسی رات

میں گورنر صاحب نے ملازم کو بلانے کے ل[illegible] گھنٹی بجائی پورا عملہ مع ڈاکٹر کے گورنر صاحب کی خواب گاہ کی طرف بڑھا کہ شاید متوقع حاد[illegible] پیش آگیا۔ لیکن جب ملازم خاص اندر گیا تو فر[illegible] کہ بھوک لگ رہی ہے کچھ کھانے کو لے آؤ[illegible]

وہ سازِ ہستی چھیڑ [illegible]
اب تو بس آواز ہی آواز ہے

پیام انسانیت

"مرا نور بصیرت عام کر دے"

● مولانا محمد رضوان القاسمی

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی فکر کا دائرہ محدود نہیں رہا اور نہ ہی انھوں نے اپنی زندگی کو کسی ایک خانہ میں مقید کیا تھا. ان کی زندگی کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ان کی فکر میں تنوع اور عملی زندگی میں ہمہ رنگی رہی ہے قوم اور ملک وملت کے لئے جو چیز مفید، بہتر اور نفع بخش ان کی نظر میں رہی وہ اس پر سوچتے رہے. بولتے رہے، لکھتے رہے ان کی سوچ، آواز اور تحریر میں اخلاص اور درد ہے. گہرائی اور گیرائی ہے، طاقت اور قوت ہے، انفرادیت اور امتیاز ہے. ایک مفکر، داعی اور مصلح کی حیثیت سے مولانا نے اپنے لئے کام کے جو میدان خصوصیت کے ساتھ منتخب کئے تھے، ان میں "پیام انسانیت" بھی ہے، اگرچہ اپنی ایک تقریر کے ذریعہ ۱۹۵۴ء ہی میں اس تحریک کی بنیاد ڈال دی تھی. لیکن عملی طور پر اس کا آغاز ۱۹۷۴ء سے کیا جس کا سلسلہ کسی نہ کسی طرح ان کی آخری زندگی تک جاری رہا. اس کے لئے حضرت مولانا نے مولانا اسحٰق جلیس ندویؒ، مولانا عبدالکریم پاریکھ، انیس چشتی اور دیگر رفقاء کے ساتھ مل کر ملک کے مختلف شہروں میں مخلوط جلسے کئے جس میں ملک کے ہر طبقہ کے لوگ شریک ہوئے اور مولانا کی اس آواز پر لبیک کہا، بعض جلسوں میں تو ایسا بھی ہوا کہ پڑھے لکھے غیر مسلم حضرات روتے اور کہتے کہ یہ باتیں تو ہم سے آج تک کسی رہنما اور لیڈر نے کہی ہی نہیں. مولانا کو اپنی اس تحریک سے والہانہ لگاؤ رہا اور ان کا یہ یقین رہا کہ ہندوستان کے باشندے (بلا امتیاز مذہب وملت) اگر اس تحریک کی معنویت کو سمجھ لیں اور اس کے پیغام پر توجہ دیں تو عصبیت کی ساری دیواریں منہدم ہو جائیں گی اور انسان ہونے کے ناطے ایک دوسرے کے درد، مشکل اور مصیبت کو ان کے لئے سمجھنا آسان ہو جائے گا ہندوستانی سماج میں جو مختلف قسم کی ناہمواریاں پائی جاتی ہیں ان کا علاج مولانا نے "پیام انسانیت" تجویز فرمایا تھا. اس موضوع (پیام انسانیت) پر مولانا کی جو تقریریں اور تحریریں ہیں وہ "از دل خیزد بر دل ریزد" (دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے) کی مصداق ہیں، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی یہ ساری تقریریں اور تحریریں "الہامی" ہیں یعنی کہی اور لکھی نہیں گئی ہیں بلکہ کہلائی اور لکھائی گئی ہیں مولانا کا کام تو اس الہامی کام کی داغ بیل کا تھا، وہ کر چکے. اس سلسلہ کو باقی رکھنا اور قوت و طاقت کے ساتھ آگے لے چلنا یہ ان لوگوں کا کام ہے جو مولانا سے خصوصی مودت، محبت اور نسبت رکھتے ہیں.

مولانا تحریک پیام انسانیت کے ذریعہ کیا پیام دینا چاہتے تھے. اس کا اندازہ درج ذیل اقتباسات سے ہوگا. مولانا نے ۵۵-۱۹۵۴ء کے ایک تفصیلی مضمون میں تحریر فرمایا تھا.

"عالم انسانی کی ایک اہم ضرورت یہ ہے کہ اغراض وتعصبات، قوم پرستی اور سیاسی مقاصد سے بالکل آزاد و بے تعلق ہو کر عام انسانوں کے سامنے وہ حقیقتیں رکھی جائیں جن پر انسانیت کی نجات اور سلامتی موقوف ہے اور جن کو نظر انداز کر کے ہمارا یہ پورا تمدن اور پوری انسانی سوسائٹی اس وقت سخت خطرے سے دوچار اور موت و زیست کی کشمکش میں گرفتار ہے، یہ حقیقتیں اپنے اپنے زمانے میں پیغمبروں نے بیان کی تھیں اور ان کے لئے سخت جد وجہد کی تھی. یہ حقیقتیں اب بھی زندہ ہیں لیکن سیاسی تحریکوں، مادی تنظیموں اور قومی خود غرضیوں نے گرد وغبار کا ایسا طوفان کھڑا کر دیا ہے کہ یہ روشن حقیقتیں ان کے اوٹ میں اوجھل ہو گئی ہیں لیکن انسانی ضمیر ابھی مردہ، اور انسانی ذہن ابھی مفلوج ومعطل نہیں ہوا ہے. اگر پوری بے غرضی پورے یقین اور پورے خلوص کے ساتھ ان حقیقتوں کو عام فہم زبان اور دلنشیں انداز میں بیان کیا جائے تو یہ انسانی ضمیر و ذہن اپنا کام کرنے لگتا ہے اور بڑی گرمجوشی سے ان حقیقتوں کا استقبال کرتا ہے اور بعض وقت تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان تقریروں میں اس کے دل کی ترجمانی اور اس کے درد کا مداوی ہے."

(تحریک پیام انسانیت، صفحہ ۱۴،۱۳)

مولانا ملکی اور عالمی حالات پر گہری نظر ڈالنے کے بعد فرماتے ہیں:-

"آج خدا پرستی اور انسانیت دوستی کی تحریک کی ضرورت ہے آج اس کے لئے ایک

زبردست مہم (CAMPAIGN) کی ضرورت ہے۔ ایک زلزلے کی ضرورت ہے، خدا پرستی کی آندھی کی ضرورت ہے، جو بڑی بڑی خود غرضیوں کے پہاڑوں کو ہلادے، خواہشات کے ٹیلوں کو اڑادے، شہر شہر گاؤں گاؤں یہ کہتا ہے کہ یہ زندگی باقی رکھنے کے لائق نہیں، مادہ پرستی کا درخت کھوکھلا ہو چکا ہے۔ نفس پرستی کا درخت جو دنیا پر چھایا ہوا ہے، جڑیں چھوڑ چکا ہے۔ انسانو! اپنی قدر پہچانو، زندہ حقیقتوں سے اپنی قسمت باندھو، اللہ کی زبردست طاقت سے جڑ جاؤ۔" (پیام انسانیت، صفحہ ۸۷)

مولانا جب انسانی آبادی اور بستی پر نگاہ ڈالتے ہیں تو انھیں نظر آتا ہے کہ یہاں فرائض و حقوق کی ادائیگی میں عام طور پر کوتاہی پائی جاتی ہے۔ اور اسی کوتاہی نے باہمی آویزش اور کشمکش کی صورت پیدا کر دی ہے، آج کے انسان کا ذہن اتنا استحصالی بن گیا ہے کہ اس کی نظر اپنے جیسے انسان کی "مجبوری" پر نہیں بلکہ "تجوری" پر ہوتی ہے۔ اپنی ایک تقریر میں انھوں نے فرمایا تھا۔

"خدا کی بستی کو دکان سمجھ لیا گیا، ہر ایک دوسرے سے گاہک سمجھ کر معاملہ کرتا ہے، یہ تاجرانہ ذہنیت تباہ کن ہے، آج سب طرف لینا ہی لینا عام ہے۔ کہیں استاد شاگردوں کی کشمکش کہیں مزدوروں اور کارخانہ داروں میں چپقلش، یہ سب کیوں؟ یہ سب اسی تاجرانہ ذہنیت کا نتیجہ ہے، پیغمبر کہتے ہیں کہ سب کے ایک دوسرے پر حقوق ہیں اور سب کے ذمہ فرائض ہیں، فرائض ادا کرنے میں مستعد ہوں، اور حقوق حاصل کرنے میں فراخ دل، ہم یہی کہتے ہیں کہ آپ لوگ بھی یہی کرنے لگیں تو فضا بدلے گی، زندگی کا لطف آئے گا، آج لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہے، ہر ایک کی نگاہ تجوری پر ہے، انسان کی مجبوری پر نہیں۔"

اس کے بعد فرمایا:-

"ہم اپنے پیغام کو ہر پارٹی کے لئے ضروری سمجھتے ہیں اور ہمارا وجود ہر پارٹی سے زیادہ ضروری ہے کیونکہ ہمارا کام ہو گیا تو انسانیت کا مہکتا ہوا گلدستہ بنے گا، آج کانٹے پیدا ہو رہے ہیں، آج انسان عنقا ہے۔ ہم کہنے آئے ہیں کہ انسانیت کی بہار لاؤ، انسانیت کو نکھارو، آج انسانیت کے درخت سے کانٹے اور کڑوے کسیلے پھل پیدا ہو رہے ہیں آپ انسانیت کے میٹھے پھل پیدا کیجئے۔"

(پیام انسانیت۔ صفحہ ۷۱)

انسانیت ہی کے مسئلہ پر فرماتے ہیں:-

"انسانیت کو آج ایمان و یقین، سچائی اور پاکیزگی، محبت و مروت اور ہمدردی و غمخواری کی ضرورت ہے، اس کا مداوا تہذیب نہیں، تحریر نہیں اس کو ضرورت ہے غمخوار انسانوں کی، دردمند انسانوں کی جو دوسروں کے لئے گھلیں اور اپنے کو مٹا کر دوسروں کو بنائیں، تہذیبوں اور تحریروں سے انسانیت نہیں پیدا ہوتی۔ یورپ نے ہم سے اخلاق اور روحانی اقدار (VALUES) چھین لئے، اس معاملہ میں وہ خود خالی ہاتھ تھا۔ اس نے ہمیں بھی دیوالیہ بنا دیا، اس نے ہماری جھولیوں کو اخباروں سے بھر دیا، معلومات سے بھر دیا، مصنوعات سے بھر دیا۔ اس نے ہماری راتوں کو چراغوں سے جڑ دیا، بجلی کے قمقموں سے جگمگا دیا۔ ہمیں دل کی روشنی کی ضرورت تھی اس نے دل کا چراغ گل کر دیا، مبارک تھا وہ زمانہ جب دل کی روشنی تھی، بجلی کی روشنی نہیں تھی، آپ خود سوچیں آپ سے کوئی سودا کرنا چاہے تو آپ کو کون سا زمانہ پسند ہے؟ انسانیت کا، ہمدردی کا، غمخواری کا زمانہ جس میں آدمیت کی قدر اور فکر تھی، یا وہ زمانہ جس میں انسانیت کا کوئی احترام نہیں مگر اس میں پریس ہیں، بجلی کی روشنی ہے اور برقی پنکھے ہیں، آج سکون قلب میسر نہیں، لیکن پیسہ کی افراط ہے، آج سب کچھ ہے لیکن روحانی قدریں عنقا ہیں، آج سب کچھ ہے لیکن مقصد نہیں، جس کے حلق میں کانٹے پڑ رہے ہوں، پیاس سے تڑپ رہا ہو، اسے چلو بھر پانی چاہیئے۔ اس کے لئے سب کچھ، کچھ نہیں، اس کے لئے اشرفیاں موجود ہوں تو کیا؟ بس تمدن میں محبت کا ذرہ نہیں ایثار و ہمدردی کا نام نہیں، جسے دیکھو غرض کا بندہ اس تمدن کو لے کر کیا کریں۔"

(پیام انسانیت صفحہ ۸۲، ۸۱)

مولانا علی میاںؒ نہایت دردمندی کے ساتھ دل کے دروازہ پر دستک دیتے ہیں:-

"تہذیب و تمدن، سیاست و حکومت، ادب، فلسفہ اور علم و فن کے آشیانے انسانیت کی شاخ پر قائم ہیں، اگر انسانیت کی شاخ باقی ہے تو آپ جیسا چاہیں ویسا نشیمن بنالیں، لیکن شاخ ہی باقی نہ رہی تو نشیمن کا بقا کہاں؟ آج انسانیت کی شاخ پر کتنے تیشے چلائے جا رہے ہیں آگ لگائی جا رہی ہے ہر شخص اس کوشش میں مصروف ہے کہ آدمیت کی شاخ پر بڑے سے بڑا تیشہ چلائے۔

آج ہمارے ملک میں انسان کو انسان سے محبت اور ہمدردی نہیں رہی، پہلو میں وہ دل نہیں جو انسانیت کے سوز میں جلتے ہوں، (اس کا درد محسوس کرتے ہوں، نفسا نفسی کا قیامت خیز منظر ہے، ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہے۔ ہمارے ملک میں جب ریل، ہوائی جہاز کے حادثات ہوتے ہیں تو ہمارے سماج کی اخلاقی پستی عیاں ہو جاتی ہے۔ لوگ حادثہ کا شکار ہونے والے مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کے بجائے ان کی کلائی کی گھڑیاں اور جیبوں سے پرس نکالتے ہیں، یہ خطرہ کا وہ

سگنل ہے، وہ الارم ہے، جس پر پوری سوسائٹی کو چوکنا ہو جانا چاہیئے۔ فرقہ وارانہ فسادات ہندو مسلم مسئلہ نہیں بلکہ انسانیت کی بے حرمتی کی علامت ہیں، اصل مرض انسانیت کی بے وقعتی ہے ہم نے بعض اوقات درخت اور جانور کو انسان سے زیادہ وقعت دی ہے، ہم نے اکثر اوقات انسان کے مقابلہ میں پیسے کو ترجیح دی ہے حالانکہ پیسہ انسانی ہاتھ کا میل ہے ہم نے پیسہ کو انسان کے دل اس کی روح، اس کی آتما سے زیادہ اہمیت دی، حالانکہ انسان کا درجہ خدا نے اپنی تمام مخلوقات میں افضل اور اشرف رکھا۔ اس کے بلند مقام کی اس سے بڑھ کر اور دلیل کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی بھوک، پیاس، بیماری کو اپنا مسئلہ بنایا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث قدسی کا مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کسی بھوکے کو کھانا کھلانا، کسی پیاسے کو پانی پلانا۔ اور کسی بیمار کی تیمارداری کرنا گویا میرے ساتھ حسن سلوک کرنا ہے۔ انسان کے مقابلہ میں دنیا کے تمام اجرام فلکی رکھ دیجئے تو انسان کا پلڑا بھاری ہوگا تمام اجرام فلکی انسان کے لئے پیدا کئے گئے، انسان ان کے لئے نہیں پیدا کیا گیا۔" (تحفۂ انسانیت صفحہ ۳۷ تا ۴۰)

مولانا علی میاںؒ نے اپنی تقریروں میں بارہا اس واقعہ کو نقل فرمایا ہے کہ ایک بزرگ کی خدمت میں جب ان کے ایک مرید نے تحفہ میں قینچی پیش کی، تو بزرگ نے فرمایا کہ یہ دور قینچی پیش کرنے کا نہیں، سوئی دینے کا ہے، کیونکہ اس سے کاٹنے کا کام لیا جاتا ہے اور سوئی سے جوڑنے کا، گویا یہ اشارہ تھا اس طرف کہ انسانوں کو آپس میں کاٹنے کا نہیں بلکہ جوڑنے کا کام کرنا چاہیئے۔

مولانا علی میاں، محبوب الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا یہ قول بھی اکثر نقل فرمایا کرتے تھے کہ :-

"اگر کوئی کانٹا رکھے اور تو بھی اس کے عوض کانٹا رکھے تو کانٹے ہی کانٹے ہو جائیں گے عام لوگوں میں تو یہ دستور ہے کہ نیک کے ساتھ نیک اور بد کے ساتھ بد ہوتے ہیں لیکن درویشوں میں یہ دستور نہیں، یہاں نیک و بد دونوں کے ساتھ نیک ہونا چاہیئے۔"

مولانا کے نزدیک اس وقت سب سے بڑا کام یہ ہے کہ :-

"ہم اپنے اپنے مذہب کے دائرے میں انسانیت کا احترام پیدا کرنے اور انسانیت کو زندہ کرنے کی کوشش کریں، انسان انسان کی طرح ملے۔ اس کے بعد بھی مطالعہ، غور و فکر اور توفیق الٰہی سے اپنے لئے پسندیدہ طریقۂ زندگی منتخب کرلے لیکن پہلے باہمی اعتماد و محبت کی فضا تو پیدا کیجئے انسان کو گلے لگائیے تب آگے بات ہوگی۔ اگر انسانیت ہی نکل گئی تو کس سے بات کی جائے (تحفۂ انسانیت صفحہ ۴۲)

اس وقت ملک اور معاشرہ کی جو صورتحال ہے اسے مولانا نہایت خطرناک قرار دیتے ہیں۔ اور اس صورتحال کو بدلنے کے لئے چار اہم نکاتی پروگرام پیش فرماتے ہیں۔ انھوں نے ناگپور کے "ڈائیلاگ" کے آخر میں فرمایا تھا۔

" اس صورت حال کی اصلاح کے لئے جو ملک کے لئے تباہ کن اس کو بدنام کرنے والی اور بیرونی دنیا کی نگاہ میں اس کو غیر محفوظ بے اعتبار، غیر متمدن اور غیر ترقی یافتہ ثابت کرنے والی ہے، اور جس کی اصلاح یا تدارک میں ملک کے ذی شعور، دردمند اور انسان دوست طبقہ کی بہترین توانائیاں اور صلاحیتیں صرف ہوتی ہیں، ایک ہمہ گیر طویل المیعاد پروگرام کی ضرورت ہے جس پر ملک کے دانشوروں اصلاحی اور تعلیمی کام کرنے والوں اور سیاسی رہنماؤں کو جلد توجہ کرنی چاہیئے، میں اس سلسلہ میں ان چار نکات کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرنا چاہتا ہوں جو میرے نزدیک فوری طور پر موثر اور مفید ہو سکتے ہیں۔

۱۔ خالص مذہبی، اخلاقی، انسانی بنیاد پر عوام سے براہ راست رابطہ قائم کرنے کی کوشش اور دوروں، وفود، ملاقاتوں، محلوں بستیوں، گاؤں اور قصبات کی سطح پر جلسوں اور خطابات کی تنظیم، جن میں انسان کی جان اس کی عزت و آبرو، مال و املاک کی قدر و قیمت ذہن نشین کرنے کی کوشش کی جائے۔ ان کے احترام و تحفظ کی ذمہ داری کا احساس دلایا جائے۔

مذہبی، اخلاقی و انسانی بنیاد پر یہ کام اس لئے مفید اور موثر ہے کہ اس ملک کے باشندوں کا مزاج فطرتاً مذہبی، امن پسند، محبت آشنا اور انسان دوست واقع ہوا ہے وہ اسی زبان کو زیادہ سمجھتے ہیں اور اسی راستہ سے ان کے دل و دماغ تک پہنچنا آسان ہے اور اسی کا اثر مستقل اور دیرپا ہوتا ہے۔ دوسرے اس لئے کہ (افسوس اور شرم کے ساتھ یہ بات کہی جاتی ہے) بار بار تجربوں کے بعد عوام کا سیاسی پارٹیوں اور الیکشن کے موقع پر منشور اور اعلانات پر سے بھروسہ اور عقیدہ اٹھتا جا رہا ہے اور وہ اس سے متاثر نہیں ہوتے۔

۲۔ پرائمری کے مرحلہ سے لے کر کالجوں اور یونیورسٹیوں کے تعلیمی مرحلہ تک نصاب تعلیم بالخصوص تاریخ کے مضامین اور اس کے نصاب کی اصلاح جو ملک کے دو بڑے فرقوں (مسلمانوں اور غیر مسلموں) کے دل و دماغ میں منافرت کے بیج بونے کا ذمہ دار ہے چونکہ تعلیم و

وتلقین کا یہ سلسلہ بچپن کے ابتدائی دور سے شروع ہوجاتا ہے اور کتاب میں پڑھی ہوئی باتوں کا یقین (بالخصوص جب ان کو واقعات قصوں اور کہانیوں سے مستحکم کیا جائے اور استاد بھی اس کے پرجوش مبلغ و داعی ہوں) طالب علموں کے دلوں میں پیوست ہوجاتا ہے۔ اور وہ ہر لکھی اور چھپی ہوئی بات کو ادب و احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں تو ان کا ذہن و دماغ اسی میں ڈھل جاتا ہے، اور ان کی پوری زندگی اسی کے سایہ میں گزرتی ہے، یہی زہر ہے جو آج ہمارے پورے معاشرہ میں پھیلا ہوا ہے اور کسی وقت وہ ہانڈی کا اُبال اور جذبات اشتعال بن کر فرقہ وارانہ فسادات اور عملی تصادم کی شکل اختیار کرلیتا ہے جب تک اس نصاب تعلیم کی (جس کی داغ بیل انگریزوں نے اپنے سامراجی مقاصد اور "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" (DIVIDE AND RULE) کے اصول کے ماتحت ڈالی تھی) اصلاح نہیں ہوگی۔ اس امن و آشتی، باہمی اعتماد اور دونوں فرقوں کے درمیان خوشگوار تعلقات کی امید نہیں کی جاسکتی۔

۳۔ ہندوستانی پریس میں اپنی ذمہ داری کا احساس پیدا کرنے کی مؤثر اور طاقتور اور منظم اور مخلصانہ کوشش، یہ اخبارات اپنے ہیجان انگیز مضامین، سنسنی خیز خبروں اور تصویر کا بالعموم ایک رخ پیش کرنے اور ایک فرقہ کے ظلم اور ایک فرقہ کی مظلومیت ہی کو نمایاں کرنے کے ذریعہ لاکھوں انسانوں کے دل نفرت و عداوت کی آگ بھڑکا دیتے ہیں۔ اور کسی فرقہ، جماعت یا آبادی کے ایک عنصر کی طرف سے شکوک و بدگمانیوں کا ایک بادل بنا دیتے ہیں۔

میں نے کچھ عرصہ ہوا لکھنؤ میں مدیران جرائد کی ایک معقول تعداد کے سامنے جو ایڈیٹرس کانفرنس میں شرکت کے لئے آئے تھے، فارسی کے ایک مشہور شعر کا ایک مصرعہ پڑھا تھا ؎

زیر قدمت ہزار جان است

شاعر محبوب کو مخاطب کرکے کہتا ہے تیرے قدم کے نیچے ہزاروں جانیں ہیں، اس لئے چلنے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے اس مصرعہ میں صرف ایک حرف کی ترمیم کے ساتھ میں نے اس کو اس طرح پڑھا تھا۔ ع

زیر قلمت ہزار جان است

آپ کے قلم کے نیچے ہزاروں انسانی جانیں ہیں اس لئے لکھنے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

۴۔ برطانوی حکومت نے اپنی اس کمزوری اور اس حقیقت کا احساس کرکے کہ اس کے نمائندے ہندوستان میں بہت تھوڑی تعداد میں ہیں۔ اور وہ سات سمندر پار سے اس ملک اور اہل ملک کی مرضی کے خلاف اس پر اپنا قبضہ اور اقتدار قائم کئے ہوئے ہے، ہندوستان میں اپنے اور پبلک کے درمیان ایک "ایجنسی" کی ضرورت سمجھی تھی جو اس کا پبلک پر رعب وداب قائم رکھے اور جس سے یہاں کے عوام دہشت زدہ اور مرعوب رہیں اور جس کے سہارے وہ یہاں اپنے جابرانہ قوانین نافذ اور حالات کو کنٹرول کرسکے۔ یہ پولیس کا ادارہ تھا۔ اور چونکہ بدیسی حکومت میں اس کی بنیاد اسی نظریہ پر پڑی تھی، اس لئے اس نے اس کی تربیت۔ دہشت انگیز پر کی تھی۔ اس کو جان بوجھ کر ہر طرح کی اخلاقی تربیت ہم وطنوں کے احترام اور لطیف و بلند انسانی احساسات و جذبات سے الگ رکھا تھا۔ اس کا نتیجہ اس کیرکٹر کی شکل میں ظاہر ہوا جو اس ادارہ کا نہ صرف امتیازی نشان بلکہ قابل تعریف اور باعث افتخار بن گیا۔

لیکن اب جبکہ ہندوستان آزاد ہے۔ ہمارے منتخب کئے ہوئے بھائیوں کا کام ملک پر حکومت کرنا نہیں بلکہ اس کا انتظا[م] اور پبلک کی خدمت کرنا ہے پولیس کا معیار اس کے بارے میں نقطۂ نظر بدلنا چاہیئے اس مفید ادارہ کی تربیت (جو ملک کی آبا[دی] ایک اہم جزء اور قابل احترام عنصر ہے) ب[ا] دوسرے نہج پر ہونی چاہیئے اس میں اخ[لاقی] تربیت، ہندوستانی شہریت اور انسانی اح[ترام] دوسروں کی مدد کا جذبہ کمزوروں پر رحم، چھو[ٹوں] پر شفقت اور پاکباز انسانوں کا احترام او[ر] فرائض کو بہتر سے بہتر طریقہ پر ادا کرنے کی [...] پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے تاکہ وہ [...] طرح سے اہل ملک اور اپنے ہم وطنوں کی نظ[ر] مونس و غمخوار اور معاون و مددگار نظر آئیں [...] دوسرے ملکوں میں حتیٰ کہ خود برطانیہ میں اُ[ن] اسی نظر سے دیکھا جاتا ہے"۔ (ملک و معاشر[ہ] انتہائی خطرناک موڑ پر ہے صفحہ ۲۶ تا ۳۰

اس حقیقت سے باخبر حضرات بے خ[بر] ہیں کہ ہمارا ملک ہندوستان انگریز کی غلام[ی] طویل لڑائی کے بعد آزاد ہوا۔ ہندوستان [...] مختلف مذاہب اور اقوام و ملل سے وابس[تہ] افراد جو بستے اور بستے ہیں ان کی رعایت ک[رتے] ہوئے سب لوگوں کے لئے قابل قبول ا[یک] سیکولر اور جمہوری دستور بنایا گیا، لیکن مفا[د] تنگ نظری اور عصبیت کے شکار جو لوگ [...] آئین اور دستور میں تبدیلی لانا چاہتے ہیں مولانا ان کے اس رجحان کو ہندوستان کے [لئے] نہایت خطرناک قرار دیتے ہیں وہ فرماتے ہیں: "ملک کے ابتدائی اور مخلص رہنماؤں نے [...] لے جو تین بنیادی اصول طے کئے تھے، وہی اس کے لئے بقا اور سلامتی کی ضمانت ہے۔

جمہوریت
دوسرے نامذہبیت (SECULARISM)
اور عدم تشدد
اگر ان کی خلاف ورزی کی گئی تو ملک تباہ ہو جائے گا۔" (مولانا علی میاںؒ کے خطوط مولانا عبدالکریم پاریکھ کے نام صفحہ ۳۶۱-۳۶۰)

مولانا پاریکھ صاحب ہی کے نام ایک دوسرے خط میں تحریر فرماتے ہیں:۔

ملک کا جو سیاسی اور انتظامی مستقبل نظر آرہا ہے وہ عمومی طور پر ملک کے لئے اور خصوصی طور پر ملت اسلامیہ کے لئے بڑا اندیشناک اور تشویش انگیز ہے جن قائدین نے ملک کے لئے تین اصول اور بنیادیں مقرر کی تھیں، وہ بڑے حقیقت پسند اور دوربین تھے۔ ایک یہ کہ اس ملک کی قیادت آزادی کے بقا کے لئے تین شرطیں ہیں۔

(۱) جمہوریت (۲) نامذہبیت (۳) عدم تشدد
حقیقت یہ ہے کہ یہ ملک ان تینوں کی پابندی کے بغیر قلیل مدت تک بھی نہیں چل سکتا، اس وقت اس حقیقت کے اعلان کی بڑی ضرورت ہے

کاش! ملک و قوم کے بہی خواہ اور جہاں دیدہ عالم کی بصیرت افروز رائے کا احترام کیا جاتا اور وہ لوگ جو عصبیت اور فرقہ پرستی کا خاص انداز ذہن رکھتے ہیں وہ ہندوستان کے بہتر مفادات میں دستورِ ہند جو بلاشبہ دنیا کے دستوروں میں اپنی معنویت کے اعتبار سے بہترین دستور سمجھا جاتا ہے اس میں ترمیم کی کوشش سے باز آتے۔

مولانا علی میاںؒ نے ملک و قوم کی بہتری کو پیش نظر رکھتے ہوئے دستورِ ہند کے سلسلہ میں جس نقطۂ نظر پیش کیا ہے اس سے ہر صاحب بصیرت اتفاق کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پائے گا۔

پڑھیں گے اہلِ جہاں جب تمہاری تحریریں

وکیل احمد انصاری جونپوری

غموں کے جب بھی اندھیرے ہمیں ستائیں گے
یہ سوچتے ہیں کسے حالِ دل سنائیں گے

یہ بات عام تھی مسجد میں شیخ جائیں گے
جو معتکف ہیں انہیں بھی گلے لگائیں گے

خدا کے گھر میں نہ جاکر خدا کے پاس گئے
کسے خبر تھی انہیں پھر نہ دیکھ پائیں گے

پڑھیں گے اہلِ جہاں جب تمہاری تحریریں
وہ اپنے دل میں نئی اک شمع جلائیں گے

بڑھا کے مادرِ علمی کا تو وقار گیا
یہاں جو آئیں گے وہ تشنگی بجھائیں گے

اُسے نہ خوف کبھی تھا کسی حکومت کا
پھر اُس کے جیسا نڈر ہم کہاں سے لائیں گے

کرے گا وار کوئی بڑھ کے جب شریعت پہ
تمہارے ایسے ہی جانباز یاد آئیں گے

دیا تھا تو نے سبق بندے ماترم نہ پڑھو
کہ ایسے گیتوں سے ایمان ڈگمگائیں گے

سمجھ نہ پایا زمانہ کہ تو مجدد تھا
یہ بات سچ ہے زمانے کو ہم بتائیں گے

پیام جو ترا انسانیت کا سُن لیں گے
وہ اپنے سارے ستم خود ہی بھول جائیں گے

لٹا دیا ہے وہ انعام جو ملا ہے تمہیں
تمہارے ایسا سخی اب نہ دیکھ پائیں گے

شرف جو تجھ کو ملا ہے کلیدِ کعبہ سے
ہم اہلِ ہند یہ تمثیل دے نہ پائیں گے

ہمیشہ عالمِ اسلام کی تھی فکر تجھے
تمہارے جیسا مفکر کہاں سے لائیں گے

نہ بجھ سکے گی کبھی شمع شاہ علم اللہ
ملے گا اُن کو اُجالا جو پاس جائیں گے

جناب رابع پہ رحمت ہے ذات باری کی
وہ جانشین ہوئے ہم سبھی کو بھائیں گے

یہ مانتے ہیں کہ تم دور جاچکے ہو مگر
تمہاری یادوں کے روشن دیئے جلائیں گے

دکھائی راہ جو تو نے ہمیں اخوت کی
اُسی پہ چل کے زمانے کو ہم دکھائیں گے

یقیں دلاتے ہیں ہر آشنائے گلشن کو
چمن کو اور بھی ہم دلنشیں بنائیں گے

خدا کی ذات پہ کرکے یقین کہہ دو وکیل
نئی صدی میں نئے بوالحسن بھی آئیں گے

اوپر کی سطروں میں مولانا علی میاںؒ کے جن افکار و خیالات کو پیش کیا گیا ہے، ان کی حیثیت "نورِ بصیرت" کی ہے اور بجا طور پر علامہ اقبال کے اس شعر کو مستعار لیکر مولانا کی طرف سے کہا جا سکتا ہے:۔

خدایا! آرزو میری یہی ہے
مرا نورِ بصیرت عام کردے

اب ان کی ایسی صورت قسمت میں نہیں شاید
دامن بھی ہمارے ہیں آنسو بھی ہمارے ہیں

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

پروفیسر ضیاء الحسن ندوی

۳۱؍ دسمبر ۱۹۹۹ء مطابق ۲۲؍ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ اسلامیان عالم کے لئے عموماً اور مسلمانان ہند کے لئے خصوصاً ایک ایسا دن تھا جس نے اس پورے سال کو "عام الحزن" غم کا سال بنادیا۔ بیسویں صدی کا یہ آخری سال جاتے جاتے دل مسلم پر کیسے کیسے داغ لگا گیا، نہ جانے کب تک ان سے دھواں اٹھتا رہے گا۔ فقہ اسلامی کے عالمی شہرت یافتہ ماہر شیخ مصطفیٰ الزرقاء، عربی زبان کے بے مثال ادیب وخطیب شیخ علی طنطاوی، حدیث کے عالم بے بدل شیخ ناصر الدین البانی، سعودی عرب کے سب سے بڑے عالم، دارالافتاء والارشاد کے بانی وصدر شیخ عبد اللہ بن باز، سب اسی ایک سال کے اندر دنیائے فانی سے کوچ کرکے راہی ملک بقا ہوگئے۔ اور اس سال کے آخری دن ایک طرح ہمارا آخری سہارا بھی چھین لے گیا۔ علی میاں کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ عالم اسلام عہد آفریں شخصیت سے اور دار العلوم ندوۃ العلماء اپنے سرپرست سے محروم ہوگیا۔

مصائب اور تھے پر دل کا جانا
عجب اک سانحہ سا ہوگیا ہے

۳۱؍ دسمبر ۱۹۹۹ء کو جامعہ ملیہ اسلامیہ کی جامع مسجد میں نماز جمعہ کے بعد برادرم ڈاکٹر شفیق احمد خاں ندوی، صدر شعبہ عربی نے جب یہ اندوہناک خبر سنائی تو تمام سننے والوں کے (جن میں یہ خاکسار اور برادر گرامی پروفیسر محمد اجتبا ندوی بھی شامل تھے) دل کی حالت چہروں سے جھلک رہی تھی۔ صبر کا دامن چھوٹنے کو تھا کہ جامعہ کے قدیم ومحترم استاد ڈاکٹر اکرام خاں صاحب کی زبان سے ادا ہوا یہ جملہ پردہ سماعت سے ٹکرایا "مسلمانوں کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے بڑا کوئی غم نہیں ہے" اور زخم پر مرہم کا کام کر گیا۔ سچ ہے حیات جاوداں تو آخرت ہی کے لئے ہے، اس عالم آب وگل کے لئے تو فنا مقدر ہے ؎

بہ گیتی گر کسے پائندہ بودے
ابو القاسم محمد زندہ بودے

مولانا کی حیات بھی خوش گوار تھی اور وفات بھی شاندار، قدرت نے انہیں ایسی ہر دلعزیزی عطا کی تھی جس کی آرزو سے شاید کوئی دل خالی نہ ہو۔ مقبولیت بارگاہ ایزدی کا تاج آخری سانس تک سر پر رہا۔ وہ ایک فقیر بے نوا تھے جنہوں نے بے تاج بادشاہی کی، بے شمار دل ان کے قلم رو میں تھے، ان کی تقریر وتحریر "از دل خیزد بردل ریزد" کی زندہ مثال تھی، وہ کبھی کاسۂ گدائی لئے کسی بڑے سے بڑے دربار میں نہیں دیکھے گئے، البتہ صاحبان دربار کی تمنائے باریابی کے شاہد ہزاروں ہیں، کسی سلطان جابر کا رعب انھیں کلمۂ حق سے باز نہ رکھ سکا، اپنی گوناگوں علمی، سماجی وملی ذمہ داریوں کے باوجود اپنے معمولات، اوراد واذکار میں کبھی کمی نہ آنے دی بلکہ اس میں ادنیٰ تقدیم وتاخیر بھی گوارا نہ کی۔ دینی غیرت وحمیت اور محبت رسول میں جس نے کسی بڑے سے بڑے حاکم کی پرواہ نہ کی ہو۔ خوش گوار زندگی کی اس سے زیادہ واضح، روشن بے داغ اور کیا مثال ہوسکتی ہے۔

رمضان کا مبارک مہینہ، فالج زدہ اور کمزور جسم کے ساتھ تمام روزے پورے کئے، ایک وقت کی فرض نماز کیا، سنت ونفل بھی فوت نہیں ہوئی۔ ذکر وتلاوت میں شمہ برابر کمی نہ آئی، شدید علالت میں بھی جس کی جماعت نہ چھوٹی ہو، جمعہ کے تمام مسنون آداب سے آراستہ، تقویٰ طہارت کا یہ پیکر حسب معمول مسجد جانے کے لئے تیار، دوران تلاوت جب سورہ یٰسین کی گیارہویں آیت "فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَأَجْرٍ كَرِيمٍ" (اسے مغفرت اور اجر کریم وعظیم کی خوشخبری سنادو) پر آخری سانس پر روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی، کیا کوئی موت اس سے زیادہ قابل رشک اور شاندار ہوسکتی ہے؟

وفات کی خبر تیز ترین ذرائع ترسیل وابلاغ کی بدولت ساری دنیا میں اسی دن پہونچ گئی، امام حرم کعبہ شیخ محمد بن عبد اللہ السبیل نے فرمایا: "اس سانحہ اور اس محرومی پر ہم کس اور سے کیا تعزیت کریں کہ ہم خود بلکہ ساری امت اسلامیہ آج سزاوار تعزیت ہے"۔ رابطہ عالم اسلامی کے سکریٹری جنرل ڈاکٹر عبد اللہ صالح العبید کا تاثر تھا "وہ اتحاد ویگانگت کا نمونہ، قوم وملت کے رہنما اور بے مثال دیدہ ور تھے"۔ عالمی رابطہ ادب اسلامی جس کی بنیاد ہی فکر ابو الحسن کی رہین منت ہے، کے نائب صدر اور سکریٹری جنرل ڈاکٹر عبد القدوس ابو صالح نے مولانا کو خیر وبرکت کی علامت قرار دیا اور لکھا کہ "اس عظیم شخصیت کا رعب مخالف وموافق سبھی دلوں پر تھا، اللہ کا بدترین مخالف

انھیں نظر انداز کرنے کی جسارت نہیں تھا۔ عالمی رابطہ ادب اسلامی اپنے صدر کے بعد دختر یتیم کی مانند ہے کہ ان کی سرگرمیاں اس ذات والاصفات کی اور دعاؤں کی رہین منت ہیں۔

ادارہ امور اسلامیہ قطر کے ڈائریکٹر باسم الکواری نے لکھا کہ "اس عالم جلیل از روزگار شخصیت سے محرومی مسلمانان عالم پر لگنے والی ایسی چوٹ ہے جس نے زخموں کو تازہ کر دیا جو حال ہی میں ممتاز علمائے دین کی ایک پوری کہکشاں کے ہو جانے سے ان کے دل پر لگے تھے۔"

جمعیۃ علماء کے صدر مولانا سید اسعد مدنی فرمایا "مولانا کی شخصیت ساری دنیا کے لئے احترام تھی" کل ہند مسلم پرسنل لا بورڈ کے جنرل سکریٹری نے فرمایا "مولانا مرحوم کی ذات عالم اسلام عموماً اور مسلمانان ہند کے لئے خصوصاً نعمت خداوندی تھی۔" وقف دار العلوم کے ناظم اعلیٰ مولانا محمد سالم قاسمی نے لکھا: "صدی کی آخری چوتھائی میں پورے عالم اسلام میں کوئی دوسری شخصیت ان کی نظر نہیں آتی۔" غلام محمود بنات والا، صدر انڈین یونین مسلم لیگ کہتے ہیں: "دنیا ایک شخصیت سے محروم ہو گئی۔" مولانا محمد الحسن، امیر جماعت اسلامی ہند نے دعا مولانا علی میاں کی سرپرستی و رہنمائی ملک و ملت کی جو خدمات انجام پا رہی اللہ تعالیٰ انھیں شرف قبولیت بخشے۔"

نائب صدر جمہوریہ ہند شری کرشن فرماتے ہیں "انھوں نے ساری ہندستان کی سوچ کو ایک نئی سمت دی۔" وزیر اعظم ہند نے کہا "میں نے ایک عظیم دانشور اور مفکر کھو دیا۔" سابق وزیر اعظم وی پی سنگھ نے مولانا کی وفات کو اپنا ذاتی نقصان قرار دیا۔ صدر کانگریس سونیا گاندھی فرماتی ہیں: "ہم نے نہ صرف ایک اسلامی دانشور بلکہ دنیا کا سب سے بڑا قابل تعظیم مذہبی رہنما کھو دیا ہے۔" وزیر اعلیٰ اتر پردیش کہتے ہیں "اسلام کے جید عالم نے پیام انسانیت کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا۔"

ممتاز مفکر مولانا وحید الدین خاں نے لکھا "ان کی شخصیت گویا سو سالہ دور کا احاطہ کئے ہوئے تھی، تاریخ میں وہ اس دور کی علامت کے طور پر دیکھے جائیں گے، ان کو بلا شبہ صدی کی شخصیت (MAN OF THE CEN. TURY) کہا جا سکتا ہے۔"

سعودی عرب کے روزنامہ عکاظ نے لکھا "وہ رہنما جس نے دنیائے اسلامی تشخص کا لوہا منوالیا۔" وہیں کے روزنامہ المدینہ نے لکھا "بیسویں صدی کے ساتھ اس کا مایہ ناز سپوت بھی رخصت۔" جدہ کا روزنامہ اردو نیوز کہتا ہے "علی میاں کی وفات اس صدی کا آخری نقصان۔" عرب پریس کہتا ہے "ایک چراغ اور بجھا اور بڑھی تاریکی۔" ہندوستانی اخبارات لکھتے ہیں "وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان"، "اسلامی تاریخ و ادب کا آفتاب غروب ہو گیا"، "خانہ کعبہ کا کلید بردار نہ رہا"، "ایک عہد اور صدی کا خاتمہ۔"

یہ تعزیتی تبصرے جو سیکڑوں ہزاروں پیغامات میں سے چند ہیں صرف اس لئے نقل کئے گئے کہ عام انسانی دنیا خصوصاً امت اسلامیہ کے ہر درد و غم کو اپنے دل پر لینے والی شخصیت اور اس پر نم ہونے والی آنکھ جب دنیا سے رخصت ہوئی تو ایسا محسوس ہونے لگا کہ دل کی جگہ محض گوشت کا ایک لوتھڑا اور آنکھ کی جگہ محض شیشے یا پتھر کا ایک ٹکڑا رہ گیا ہے۔ محرومی کی فضا میں یہ احساس ستانے لگا کہ شاید اسلام اور مسلمانوں کے اس آڑے وقت پکوئی دوسری رونے والی آنکھ اور پگھلنے والا دل باقی نہ رہے حالانکہ اس ناامیدی اور مایوسی کا کوئی جواز نہیں ہے۔ خون صد ہزار انجم سے سحر کی نمود کا مشاہدہ دنیا نے بار بار کیا ہے۔ مجھے یہ ماننے میں تامل ہے کہ مولانا کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے وہ کبھی بھی پر نہ ہوگا۔ میرا اور میری طرح پوری امت اسلامیہ کا ایمان ہے کہ علی میاں تو رخصت ہو گئے لیکن ان کا اور پوری کائنات کا خالق و مالک موجود ہے، وہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا اور اس مجدد عصر کا بدل اور نعم البدل امت کو ضرور عطا کرے گا۔ آج اس غم کو ہلکا کرنے کے لئے ہمیں اسلام کے قرن اول کا وہ سانحہ عظیم یاد آتا ہے جس پر عمر فاروقؓ جیسے آہنی اعصاب کا مالک بھی تھوڑی دیر کے لئے جیسے توازن کھو بیٹھا تھا اگر کسی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر زبان سے نکالی تو سر تن سے جدا کر دیا جائے گا۔ رنج و غم کی اس بوجھل فضا اور ذہنی و اعصابی تناؤ کے اس پر خطر ماحول میں اللہ کا ایک برگزیدہ بندہ مسجد نبویؐ کے منبر پر کھڑے ہو کر ارشاد فرماتا ہے کہ "لوگو! جو کوئی محمد کو پوجتا تھا وہ سن لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے جا چکے پر جو اللہ کو پوجتا تھا وہ یقین رکھے کہ اللہ زندہ ہے، اسے کبھی موت نہیں ہے۔" یہ الہامی فقرے دل و دماغ کے زخموں پر مرہم بن کر نازل ہوئے، فکر و عمل کا کھویا ہوا توازن بحال ہو گیا اور لوگ محسن انسانیت کی ہدایات و تعلیمات کے حرف حرف پر عمل پیرا ہو گئے۔ تاریخ انسانیت کا یہ عظیم حادثہ اور اس کا سبق آموز رد عمل آج ہمیں بھی درس توازن دے رہا ہے اور جانے والے کے بہترین اور

مثالی شب و روز کی پیروی کا حوصلہ بخشتا ہے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی علمی اور تصنیفی خدمات اور ان کو ملنے والے علمی اور ادبی اعزازات کا تذکرہ اور تفصیل اس مختصر مضمون میں ممکن نہیں ہے تاہم ایک اجمالی جائزہ بے موقع بھی نہیں ہے۔

۱۔ مولانا کی کتاب "نبی رحمت"، جو اصلاً عربی زبان میں لکھی گئی ہے اردو میں اس کا ترجمہ مرحوم سید محمد الحسنیؒ نے کیا۔ یہ کتاب سیرت سید المرسلین پر ایک شاہکار تصنیف ہے۔

۲۔ "المرتضیٰ" حیات امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر عربی میں ایک نہایت متوازن کتاب ہے۔ اس کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

۳۔ "تاریخ دعوت و عزیمت" مولانا کی ایک معرکۃ الآرا تصنیف ہے جو اس موضوع پر اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ اس کے عربی اور انگریزی اور ترکی ایڈیشن بھی موجود ہیں۔

۴۔ "سیرت سید احمد شہیدؒ" کے نام ہی سے اس کا موضوع ظاہر ہے۔

۵۔ "مطالعہ قرآن کے اصول و مبادی"

۶۔ "نقوش اقبال" مولانا کی اصل عربی تصنیف "روائع اقبال" کا اردو ترجمہ ہے اور عالم عرب میں اقبال آشناسی کا سب سے مستند ذریعہ ہے۔

۷۔ "مذہب و تمدن" عربی اور انگریزی میں بیروت لکھنؤ اور کراچی سے شائع ہوئی۔

۸۔ "کاروان زندگی" سات ضخیم جلدوں میں مولانا کی خود نوشت سرگذشت حیات ہے۔

۹۔ "ارکان اربعہ" اسلام کے چار بنیادی ارکان نماز، روزہ، حج و زکاۃ اور اسلام کی اجتماعی زندگی میں ان ارکان کی اہمیت اور رموز و اسرار کی تشریح کرتی ہے۔ عربی میں بیروت، ترکی زبان میں انقرہ، اردو اور انگریزی میں لکھنؤ اور کراچی سے شائع ہو چکی ہے۔

۱۰۔ "پرانے چراغ" تین ضخیم جلدوں پر مشتمل معاصر بزرگوں، دوستوں اور اساتذہ کے دل کش تعارف، تاثرات و مشاہدات کا مجموعہ ہے۔

۱۱۔ "منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین" اپنے موضوع پر شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔

۱۲۔ "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" مولانا کی وہ شہرہ آفاق تصنیف جو اس وقت دنیا کی چھ زبانوں عربی، انگریزی، فرانسیسی، اردو، فارسی اور ترکی میں طبع ہو چکی ہے۔ کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ عربی میں اس کے ۱۴، اور اردو میں گیارہ ایڈیشن نکل چکے ہیں۔

۱۳۔ "اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش" اصلاً عربی زبان میں چھپی ہے، انگریزی اور اردو میں اس کا ترجمہ ہوا۔

۱۴۔ "پا جا سراغ زندگی" ان تقاریر کا مجموعہ ہے جو طلبائے مدارس کے سامنے مختلف مواقع پر کی گئی تھیں۔

۱۵۔ "حیات عبدالحیؒ" جیسا کہ نام سے ظاہر ہے مولانا کے والد کا تذکرہ ہے۔

مولانا کی کم و بیش دو سو کتابوں کے تعارف کے لئے عمر نوح اور عزم کوہ کن چاہئے، تب شاید کئی جلدوں میں اس کو سمیٹا جا سکے اس لئے یہیں قلم روکنے میں عافیت ہے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی زندگی کا اصل جوہر ان کے فکر و عمل کا توازن، انسانیت اور انسانی اقدار پر اعتماد، خلق خدا سے بے پایاں محبت، نیز دنیا کے اعلیٰ ترین اعزاز و اکرام کے باوجود ان کی بے مثال تواضع و انکساری میں پنہا تھا۔ شفیق جونپوری نے ایک مرتبہ کہا تھا ؎

خاکساری تیری دیتی ہے پیام بوتراب
تیری دانائی میں انداز عمر پاتا ہوں میں
گر نہیں سیف و علم، نوک قلم سے کام لے
اے علی ندوی تجھے کچھ باخبر پاتا ہوں میں

اس مرد دانا، پیکر دانش و بینش، مجسمہ علم و عمل اور نمونہ تقویٰ و طہارت کو نہ جانے کب تک دنیا یاد کرتی رہے گی، شعرا اور ادبا اپنے خون جگر کو اس کے لئے جلاتے رہیں گے۔ ان کی وفات پر چار دانگ عالم سے موصول تعزیتی پیغامات کو زبان خلق کا درجہ دیا جا سکتا ہے جو حال و قال دونوں سے گواہی دے رہے ہیں کہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی عالم اسلام میں عصر جدید کے نقیب اور عالمی انسانی سماج میں ایک فکر جدید کے داعی تھے، ان کی سرپرستی میں گذشتہ تقریباً نصف صدی سے جاری عربی ماہنامہ "البعث الاسلامی" کے سرورق پر موجود یہ جملہ برابر قارئین کو یاد دلاتا رہتا ہے کہ:

شعارنا التوحید ۔ الی الاسلام من جدید
ہماری واحد پہچان ۔ اسلام کی طرف از سر نو
نئے سرے سے اسلام کی جانب سفر

علی میاں کے فکر و عمل پر زندگی بھر سادگی، انکسار و اعتدال سایہ فگن رہا۔ ان کی بے مثال مقبولیت کا راز بھی شاید یہی تھا۔ وہ قدیم صالح اور جدید نافع کو ہمیشہ خود بھی قبول کرتے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتے رہے۔

جامعۃ الرشاد (اعظم گڑھ) کے بانی ناظم اور اسلامی علوم کے عظیم مصنف مولانا مجیب اللہ ندوی کسی مغل شہزادے کے تحقیر آمیز رویہ پر خواجہ میر درد کا یہ شعر ؎

زنہار ادھر کھولیو مت چشم حقارت
یہ فقر کی دولت ہے کچھ افلاس نہیں ہے

سراپا عزیمت و دعوت

● خواجہ حسن ثانی نظامی، نئی دہلی

حضرت مولانا علی میاں علیہ الرحمہ کی ایک مشہور اور اہم کتاب کا نام "تاریخ دعوت و عزیمت" ہے۔ سچ پوچھئے تو اس کتاب کا عنوان صاحب کتاب کی اپنی زندگی کا عنوان بھی ہے، دو لفظوں میں کسی بڑی علی میاں جیسی شخصیت کا بیان مشکل ہی نہیں ناممکن سی بات ہے لیکن مرحوم اس مشکل کو خود آسان فرماگئے انھوں نے دعوت و عزیمت کی تاریخ ہی نہیں لکھی خود اپنے آپ کو بھی اس تاریخ کا ایک بہت اہم حصہ بناکر دکھا دیا پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے سے دوری بتدریج خیر و برکت سے دوری اور عزیمت و دعوت کی تحریک کے انحطاط کا نمونہ بھی خود ہادیٔ اعظمؐ کے قول و ارشاد کے مطابق بنتی رہی۔ لیکن اسلام اور مسلمانوں کی طویل تاریخ کے دوران الحمدللہ وہ برا وقت کبھی نہیں آیا کہ اسلام اور عزیمت و دعوت کے سچے نمونوں کا فقدان ہوگیا ہو۔ جس زمانے کو ہم خیرالقرون کے نام سے یاد کرتے ہیں اس کو بھی فتنوں کے ظہور اور جمل و صفین جیسی جنگوں کے باوجود خیرالقرون ہی کہا اور مانا جاتا ہے۔ اس طرح موجودہ گئے گزرے زمانے میں بھی حضرت علی میاں جیسی شخصیتوں کا تواتر کے ساتھ باقی رہنا ثبوت ہے اس بات کا کہ چراغ مصطفویؐ برابر روشن رہا ہے۔ حضرت مرحوم نے دعوت و عزیمت کے پرچم کو بلند رکھ کر اپنی صدی اپنے زمانے کو بے مایہ ہونے سے بچالیا۔ ان کے کام اور ان کی فیض بخش ذات کے اثر و نفوذ کا یہ عالم رہا کہ مشرق سے مشرق یعنی جغرافیائی اعتبار سے برونائی سے برونائی تک صرف عالم اسلام ہی میں نہیں کل جہان میں اس کمزور، بیمار اور نحیف انسان کی آواز پہنچتی رہی اور اثرانداز ہوتی رہی اس کے توحید نشان لہجے کی دھمک صنم کدوں میں لرزہ ڈالنے کو کافی ہوتی تھی۔

ایک اور اہم پہلو مرحوم کی شخصیت کا یہ ہے کہ وہ بیک وقت تصوف دوست اور تصوف مخالف حلقوں میں مقبول تھے یعنی جیسا اجماع ان کی ذات پر عام مسلمانوں کا تھا ایسا اجماع کم دیکھنے میں آتا ہے، پچھلے کچھ برسوں میں ایک افسوسناک صورتحال یہ پیدا ہوگئی تھی کہ خانقاہیں علم سے عاری ہونے لگیں اور مدرسے روحانیت سے محروم نظر آنے لگے۔ حضرت علی میاں نے بیک وقت مدرسے اور خانقاہ کی لاج رکھی کہ نہ اس کو روحانیت سے خالی رکھا، نہ اس کو علم سے محروم ہونے دیا۔ وہ خود ایک صاحب اجازت اور صاحب نسبت بزرگ تھے، نقشبندیہ سلسلے کے علاوہ چشتی نظامی اور صابری اجازتوں سے آراستہ پیراستہ اور ہمیشہ فعال و سرگرم۔

علم و ادب، تعلیم و تربیت، روحانیت، دینی عظمت سیاسی بصیرت ہر حیثیت سے حضرت علی میاں فضائے بسیط اور آسمانوں کے آدمی تھے۔ لیکن اپنا جو روپ وہ ہمیں دکھا گئے وہ زمین کے انسان اور دھرتی کے باسی کا روپ رہا۔ نہ ثقہ علمائے کرام کا سا جبہ و دستار نہ تارک دنیا بے نیاز فقراء کی سی پیوند نمائی بس اپنے علاقے یوپی و لکھنؤ کے پڑھے لکھوں اور شرفاء کا عام لباس کرتا پائجامہ شیروانی ہی کے کپڑے سے بنی اچکن کیپ، نشست و برخاست گفتگو کا انداز۔ سب ویسا ہی۔ مگر ایک لحاظ سے منفرد بھی۔ لکھنؤ اسکول الفاظ کی ریل پیل اور آئینہ بندی سے عبارت سمجھا جاتا ہے، مگر علی میاں کے یہاں الفاظ بہت ہی احتیاط سے چنے ہوئے ہوتے۔ ہر لفظ باون تولے پاؤ رتی کی روایتی تول پر پورا اترنے والا، بیان میں نہ کہیں افراط نہ کہیں تفریط، مبالغے سے ایسا پاک اور بری کہ دوربین خوردبین کسی سے جانچ لیجئے، کسی بھی پیمانے سے ناپ لیجئے، میزان سے اتری اس میں کوئی چیز نہیں ملے گی۔ دو چار دفعہ کا صحبت یافتہ بھی اندازہ کر لیتا تھا کہ حضرت صرف متین اور سنجیدہ ہی نہیں ہیں انھوں نے اپنے کسی لمحے کو نہ غیر ضروری طور پر استعمال کیا ہے نہ وہ لفظوں کی فضول خرچی کے عادی ہیں۔ اسی طرح فالتو موضوعات سے بھی انھیں قطعاً کوئی دلچسپی نہیں ہے، بس یوں لگتا تھا جیسے لکھنؤ کی اجارہ داری کے ساتھ ہی وہ دہلی اسکول کی سادگی اور پرکاری کا سرمایہ بھی سارا کا سارا اپنے ساتھ اٹھا کر رائے بریلی لے گئے ہوں، متانت اور سنجیدگی ان کی شخصیت میں کچھ زیادہ ہی تھی شوخی نے دربار عالی میں شاید کبھی بار نہیں پایا۔ اور شوخی کا کیا مذکور چلتی ہوئی بات کو بھی غالباً اپنی جلت پھرت دکھانے کی اجازت ان کے ہاں کبھی نہیں ملی۔ عربی زبان و ادب میں ان کی شان اور آن بان سے تو خیر راقم الحروف نا آشنا ہے، لیکن اردو کی حد تک یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ سنجیدگی کے ایسے ہالے میں رہنے والا بندہ بولے تو اور لکھے تو، نرمی اور گداز ہوتے ہوئے قدموں سے وجدان و احساس کو یوں آن جگائیں۔ اور ذوق و شوق اور کیفیات کی پھواریں یوں حرف حرف سے پھوٹیں اسے حیرت ہی حیرت نہ کہیئے تو کیا کہیئے ــــ مگر لاریب حیرت اسے ہو جو علی میاں سید زادے کے نانا پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ

(باقی صفحہ ۲۶۰ پر)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا مفتی محمد ظہور صاحب ندوی، صدر کلیۃ الشریعہ دار العلوم ندوۃ العلماء،

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کیا تھے؟ ایسی جامع شخصیت کے بارے میں کیا کیا عرض کیا جائے۔ جو لکھا جائے وہ کم ہے، مرجع خاص و عام بلند پایہ۔ امت اسلامیہ کا سرمایہ پیکر خلوص و وفا، مسلم پرسنل لاء بورڈ کے مسلّم بلا اختلاف صدر نشین۔ بے شمار اداروں کے رکن رکین۔ آکسفورڈ یونیورسٹی، مجلس اسلامی کے سربراہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی مجلس شوریٰ کے ممبر، رابطہ عالم اسلامی کے دائمی ممبر دار المصنفین اعظم گڑھ کے سرپرست، علم و ادب کے شہسوار، عالمگیر شہرت کے مالک۔ علم و تقویٰ کے لحاظ سے مینارۂ نور، ان کے دم سے ہم جیسے گنہگاروں کی عزّت و آبرو قائم تھی۔ ان کی ایک ایک شفقت و محبت یاد آتی ہے۔ جب ان کی یاد آتی ہے تو دل دھڑکنے لگتا ہے بے ساختہ آنکھیں اپنا قیمتی سرمایہ نذر کر دینا شروع کر دیتی ہیں۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ حضرت مولانا ندوۃ العلماء کے معاملات سے دل برداشتہ ہوگئے تھے۔ اور قطعی علیحدگی کا فیصلہ کر لیا تھا۔ بس قسم تو نہیں کھائی تھی لیکن فیصلہ کچھ اسی طرح کا تھا۔ سب حضرات مولانا کو راضی کرنے سے مایوس ہوگئے تھے لیکن اللہ کے یہاں مایوسی کفر ہے۔ راقم الحروف اساتذہ کی ایک جماعت لے کر رائے بریلی حاضر ہوا مسجد میں حضرت سے بات ہونے لگی۔ اللہ کے گھر کی برکت تھی کہ بات بن گئی میں نے عرض کیا کہ ہم سب تو آپ کے ساتھ دار العلوم سے وابستہ ہیں جب آپ ہی نہ ہوں گے تو ہم سب کیا رہیں گے، دار العلوم یوں ہی بکھر جائے گا۔ حضرت کا دل آئینہ کی طرح صاف شفاف تھا کسی چیز کو ٹوٹتا اور بکھرتا ہوا نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اور نہ اس کو برداشت کر سکتا تھا، راضی ہوگئے۔ اتنی خوشی ہوئی کہ اس کی حلاوت آج بھی محسوس ہوتی ہے۔ غور تو فرمائیے کہ جس ذات کی علیحدگی وقتی طور پر دار العلوم سے گوارہ نہیں تھی وہ ہم سے ہمیشہ کیلئے جدا ہوگئی۔ اس پر صبر محض اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہے۔

قدیم و جدید کا ایک حسین امتزاج ندوۃ العلماء کے تخیل کا زندہ جاوید پیکر کبھی عرب کو آواز دے رہا ہے ان کو قومیت کے جال سے نکالنے کی کوشش کر رہا ہے اور کبھی عجم میں آواز لگا رہا ہے، نئے نئے اچھوتے اسلوب میں اسلامی افکار و خیالات اور تعلیمات کو پیش کر رہا ہے۔ اپنا دل نکال کر رکھ دیتا ہے، دل سے نکلی بات دل پر اثر رکھتی ہے مسلمانوں کے عروج و زوال کی داستان سنائی دنیا پر اس کے اثرات کی نشاندہی کی صرف داستان ہی سنانا نہیں تھا بلکہ تاریخ دعوت و عزیمت لکھ کر عروج و اصلاح حال کی طرف رہنمائی بھی فرمائی۔ آہ! حضرت مولانا ملت کیلئے سایۂ حیات تھے، ہر خاص و عام کیلئے جائے پناہ تھے، سادگی ان کا شیوہ تھا عزم و استقلال کے پہاڑ تھے، انکی رفعت شان کا کوئی ہم پلہ نہیں تھا۔ زاہد بے ریا تھے، ہر مکتب فکر کیلئے وہ قابل قبول اور محترم تھے مسلمانوں کو غفلت سے جگایا۔ مسلمانوں کے مسلکی اختلاف کو مٹایا۔ امن و اتحاد، پیام انسانیت جس کی ہندوستان جیسے ملک میں بے حد ضرورت تھی اس کی بنیاد ڈالی اور ایک جماعت کو اس پر لگا دیا۔ باطل سے زمانہ کے فتنہ سے مقابلہ کیا۔ اور خوب کیا۔ غیروں کو منہ کی کھانی پڑی فتنوں کے روک کے لئے آپ کی ذات ایک قابل قدر ہستی تھی، ایک پشتہ تھی، روک تھی، سیل بیکراں کیلئے اللہ تعالیٰ اپنے فضل خاص سے ہند کے مسلمانوں کی حفاظت فرماتا رہے۔ حضرت نے جو علمی ذخیرہ چھوڑا ہے وہ ایک فرد کا کام نہیں وہ ایک اکاڈمی کا کام ہے۔ اس پر حیرت ہے کہ یہ یکسوئی میں کام نہیں کیا گیا ہے یہ ایسے شخص کا کام ہے جو کثرت سے سفر کرتا رہا ہو، مختلف تنظیموں کے جلسہ و جلوس میں بھی شرکت کرتا رہا ہو عرب و عجم میں حضر سے زیادہ سفر پر رہا ہو اور مختلف النوع ذمہ داریوں کو بھی ادا کرتا رہا ہو جو انتظامی بھی ہوں اور نجی و واقعاتی بھی ہوں بس یہی کہا جا سکتا ہے کہ آیۃٌ من آیات اللہ اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کے اوقات میں بڑی برکت عطا فرماتا ہے۔

بلاشبہ حضرت کا تاریخی مطالعہ تاریخی تجزیہ و استنتاج۔ اقوام و ملل کا تقابلی مطالعہ، قوموں کے عروج و زوال سے گہری واقفیت کسی سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح تفسیری مطالعہ قرآن کا موجودہ دور کی تحقیقات سے ربط و اعجاز کے تعلق سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا عرب اور اس کے متعلقات سے ذوق و وجدان کے فطری تعلق سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ہے لیکن یہ سب ذیلی عنوانات ہیں اصل چیز جو حضرت کو ان سب سے ممتاز کرتی ہے وہ

(باقی ص۱۸۳ پر)

ضرت مولاناؒ کی محبوبیت وعظمت کا راز

● مولانا محمد برہان الدین سنبھلی

یوں تو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ صفات کمالیہ جامع تھے کہ وہ بڑے عالم بھی تھے محقق بھی ادیب بھی خطیب بھی مرشد بھی تھے داعی بھی، سخی بھی تھے بق بھی، مبصر بھی تھے مفکر بھی، لیکن راقم کی نظر میں ے تمام کمالات اوران کی شخصیت کی شاہ کلید کی بنیاد پر وہ محبوب خلائق اور معظم ومعزز ہوئے بیزیں تھیں ایک ایمان کامل اور عمل صالح اور ری تواضع وانکساری۔

قرآن مجید میں (سورۂ مریم آیت ۹۶) اللہ نے فرمایا ہے ن الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ مُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا

بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے) رحمن ان کے لئے محبت پیدا کردے گا۔"

تواضع وانکساری کی تاثیر حدیث نبوی میں یہ ئی گئی ہے ماتواضع احد لله الا رفعه الله) جو کوئی اللہ کی رضا کے لئے تواضع وانکساری کرتا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ بلندی وعظمت عطا فرما دیتا ہے حضرت مولاناؒ کی شخصیت اوران کی محبوبیت و ت کا راز جاننے اور سمجھنے کے لئے یہ دونوں (آیت وروایت) حیثیت رکھتی ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ عزوجل نے فرمایا ن کامل ایمان کے ساتھ عمل صالح اختیار کرتا ہے ہم محبت لوگوں کے دلوں میں بٹھا دیتے ہیں، حضرت موصوف فرمایا کرتے تھے کہ ایمان اور عمل صالح دو ں نہیں ہیں بلکہ دو رخ ہیں یا دو پہلو، ایک باطن ظاہر کا، یا یوں کہہ لیجئے کہ دو محل ہیں، ایک قلب یک قالب۔ ایمان کا محل قلب ہے، اور اعمال صالحہ ہے یعنی انسانی جسم اور اس کے اعضاء، ایمان نے ہے کسی چیز کو ملننے اور اسے سوفیصد صحیح سمجھنے کا۔

اور اسی ملننے اور سوفیصد صحیح سمجھنے پر ہاتھ پیروں کو آمادہ کردینے کا نام عمل صالح ہے، واقعہ یہ ہے کہ حضرت مولاناؒ نے اپنی زندگی اسی سانچے میں ڈھال لی تھی، ان کا یقین قرآن وسنت میں بیان کردہ حقائق پر ایسا مضبوط تھا کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل سکتا ہے، لیکن جو باتیں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی ہیں۔ اس میں سرمو فرق نہیں ہوسکتا۔

عمل صالح کے بارے میں مولانا کا حال یہ تھا کہ چھوٹی سے چھوٹی سنت یعنی جس کو غیر مؤکدہ کہتے ہیں ترک کرنے پر بھی وہ آمادہ نہ ہوتے تھے، اس کے لئے مولانا کے عمل سے بس ایک مثال یہاں پیش کی جاتی ہے وہ یہ کہ مولانا نے اپنی زندگی کے آخری رمضان المبارک کی آخری تراویح بھی نہ صرف یہ کہ چھوڑی نہیں بلکہ باجماعت پوری بیس رکعتیں پڑھیں، حالانکہ تقریباً ایک سال سے مولانا کے ضعف جسمانی اور صحت کی خرابی کا جو حال تھا اس کی وجہ سے ہر مفتی وفقیہ مولانا کو تراویح کے ترک کا فتویٰ یا مشورہ دیتا۔ مگر مولانا کی طبیعت نے اسے گوارا نہیں کیا کہ فتوے کی دنیا الگ ہوتی ہے، اور تقوے کی الگ، ایسے ہی لوگوں کے لئے کہا گیا ہے "استفت قلبك ولو افتاك المفتون" (اپنے دل سے فتویٰ لو، چاہے مفتی فتویٰ دے چکے ہوں)

باوجودیکہ مولانا یہ بھی ضرور جانتے ہوں گے کہ مرض ومعذوری کی حالت میں اگر کوئی ایسا عمل خیر ترک ہوجائے جس کا صحت کے زمانہ میں معمول تھا تو اللہ تعالیٰ جو رحیم وکریم ہے کی طرف سے پورا اجر ملتا ہے، "رحمت حق بہانہ می جوید ÷ رحمت حق بہا نمی جوید"

اللہ تعالیٰ کی رحمت تو بس بہانہ ڈھونڈھتی ہے، ظاہری شکل وصورت پر نہیں جاتی، تقریباً یہی مفاد ہے "انما الاعمال بالنیات" کا بھی (مگر رخصت وعزیمت میں فرق بہرحال رہتا ہے، بلاشبہ حضرت مولانا صاحب عزیمت تھے۔) اسی طرح کی ایک اور مثال کا ذکر کردینا بھی بے محل نہ ہوگا۔ وہ یہ کہ جب بیماری کی وجہ سے مولانا کے لئے اٹھنا بیٹھنا بلکہ خود حرکت کرنا بھی مشکل ہی نہیں گویا ناممکن تھا اس زمانہ میں بھی ان کی ہر نماز باجماعت ادا ہوتی تھی۔ اگرچہ اخیر بیماری میں عذر کی وجہ سے اپنی قیام گاہ پر ہی جماعت کرلیتے تھے۔ چند افراد نماز پڑھانے کے لئے مقرر تھے اور کچھ جماعت میں شرکت کیلئے۔ ظاہر ہے کہ یہ طرز "عمل صالح" کے علاوہ اور کیا ہے؟ سنتوں کا اہتمام اس حالت میں بھی فرماتے رہے۔ اور روزانہ تلاوت قرآن کریم کا معمول بھی رہا۔ حتیٰ کہ دم واپسیں بھی اسی محبوب کے کلام سے رطب اللسان تھے جس کے لقاء کا شوق غالب تھا جیسا کہ سب واقف جانتے ہیں کہ سورۂ یٰسین کی آیت "فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ" کی تلاوت کرتے ہوئے مولاناؒ کی روح نے قفس عنصری کو چھوڑا) یہ تو مرض اور عذر کی حالت کے معمولات تھے، صحت وتندرستی کے حال میں انکے معمولات تلاوت وذکر نیز دیگر اعمال خیر کا تو کہنا ہی کیا۔

ایمان ویقین کا یہ حال تھا کہ صورت حال چاہے جیسی خطرناک اور المناک ہو اور حالات کیسے ہی غیر یقینی ہوں مگر مولانا کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد اور اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت پر ایسا یقین تھا اسی طرح احادیث نبویہ کی بشارتوں پر ایسا جیسے کہ عام لوگوں کو آنکھوں دیکھی چیزوں اور محسوسات پر ہوتا ہے اور اسی یقین قلبی کی تاثیر مولانا کی تحریروں، تقریروں اور زبانی گفتگوؤں میں ظاہر ہوتی جو سامع وقاری کے دلوں کو بھی یقین کی دولت سے مالا مال کردیتی۔

اسی باعث ان کے پیغام میں وہ طاقت ہوتی تھی

کہ ہر آدمی پر اس کا گہرا اثر پڑتا تھا۔ ورنہ سب باخبر جانتے ہیں کہ عرصہ سے مسلسل پروپیگنڈے کی بنیاد پر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو فضا بنائی جا رہی ہے اس سے تقریباً ہر مسلمان احساسِ کمتری میں مبتلا تھا اور ہے، اس کو اسلامی حقائق پر اور ان باتوں پر پورے طور سے اعتماد باقی نہیں رہا جو ایمان کا تقاضا ہے، لیکن حضرت مولاناؒ کی تحریریں پڑھ کر اور ان کی تقریریں بلکہ باتیں سن کر وہ یقین اکثر بحال ہو جاتا ہے، چنانچہ ایک بڑے عرب عالم نے مولانا کی تحریروں کی خصوصیت ہی یہ بیان کی ہے کہ وہ اسلام پر اعتماد بحال کرتی ہیں، دراصل اعتماد سے اعتماد پیدا ہوتا ہے چونکہ اسلامی حقائق پر مولاناؒ کو پورا اعتماد تھا۔ اور ان باتوں پر پورا یقین جو اللہ نے یا اللہ کے رسولؐ نے فرما دی ہیں، اسلئے مولاناؒ کے قلم یا زبان سے جو باتیں نکلتیں ان سے سامع و قاری کی طرف یقین منتقل ہو جاتا تھا۔ "از دل خیزد بر دل ریزد" کے مصداق، کہ بات جو دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔

گویا مولاناؒ کا اصل مرکزی موضوع یہی تھا جو حضرت مولاناؒ کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والے ہیں وہ اس سے اتفاق کریں گے کہ مولاناؒ کی فکر کا مرکزی موضوع یہی تھا کہ یورپ کی تہذیب و تمدن سے آنکھوں کو خیرہ ہونے نہ دیا جائے، اس سے مرعوب نہ ہوا جائے، اور اسلام کی حقانیت پر پورے طور سے اعتماد برقرار رہے، اسلام کی حقانیت کے اعتقاد میں تزلزل نہ آنے پائے، چنانچہ مولاناؒ کی تقریروں اور تحریروں کا ایک خاص اثر پڑتا تھا کیونکہ وہ یقین جو اندر کا تھا مولاناؒ کے قلم سے بھی نکلتا تھا اور مولانا کی زبان سے بھی، قلم اور زبان دونوں ذریعہ ہیں اظہار خیال کا (بلکہ عرب میں تو قلم کو "إحدى اللسانين" کہا ہی جاتا ہے) خلاصہ یہ کہ ایمان اور عمل صالح۔ یہ دو چیزیں تھیں جو مولانا کی شخصیت کی شاہ کلید تھیں،

ان دونوں میں ان کو اللہ نے وہ امتیاز اور اعتماد عطا فرمایا تھا جو بہت سوں کو نہیں حاصل ہوتا، دوسری بات مولانا کی انکساری اور تواضع تھی، حدیث میں ہے "ماتواضع احدٌ لله الا رفعه الله" واقعۃً ان کی تواضع اللہ کے لئے تھی اور حقیقی تھی اور جو بھی تواضع حقیقی (اللہ کے لئے) ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ایسی تواضع والے کو وہ انعام عطا فرماتا ہے جس کا ذکر، مذکورہ حدیث میں آیا ہے۔ اب اس کی ایک دو مثالیں عرض کی جاتی ہیں۔ مولاناؒ کے بارے میں سب ہی واقف جانتے ہیں کہ عرب ممالک میں انہیں جو عزت حاصل تھی وہ ہندوستان کے کم از کم کسی معاصر عالم کو حاصل نہیں تھی۔ اس پر سب ہی متفق ہیں: اس حقیقت کی تائید درج ذیل واقعہ سے ہوتی ہے۔

۱۹۵۰ء میں حضرت مولاناؒ اپنے شیخ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کے ساتھ حج کیلئے حجاز تشریف لے گئے تو کعبہ کے کلید بردار سے بھی آپ کی ملاقات ہوئی وہ بھی آپ سے متاثر ہوئے اور انھوں نے خود پیش کش کی کہ آپ کسی دن چاہیں تو کعبہ کا دروازہ کھلوا دیں، اور جس کو آپ چاہیں اندر ساتھ لے جائیں ہم اسے بھی کعبہ کے اندر جانے کی اجازت دیدیں گے، چنانچہ ایک دن مقرر ہو گیا۔ وہ حج کا زمانہ تھا دنیا بھر کے حجاج پہنچے ہوئے تھے، حضرت مولانا کے شناسا اور جاننے والے بھی بہت تھے، جاننے والا جو شخص ملتا اس کو حضرت مولاناؒ یہ خوشخبری سناتے اور دعوت دیتے کہ تمہیں کعبۃ اللہ کے اندر جانے کی خواہش ہو تو فلاں وقت فلاں جگہ آجانا۔ اس طرح بڑا مجمع ہو گیا۔ اور وہ وقت آگیا کہ اللہ نے یہ سعادت سب کو بخشی، بتانا یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ حضرت مولاناؒ اس سعادت کو اپنی کوئی بڑائی سمجھتے یا اپنا کوئی کمال خیال کرتے بلکہ چونکہ اس مجمع میں حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ (حضرت مولاناؒ کے شیخ اور مرشد) بھی تشریف فرما تھے

اسی لئے اس سعادت کے حصول کو اپنے شیخ کی کرامت قرار دیا اور لکھا کہ یہ ان کی برکت سے اور ان ہی کے طفیل ہم سب کو یہ سعادت حاصل ہوئی (تفصیل کے لئے دیکھئے کاروان زندگی جلد اول صفحہ ۳۵۵-۳۵۶) حالانکہ یہ شرف اللہ تعالیٰ نے انہیں تواضع ہی کی وجہ سے عطا فرمایا تھا مگر انھوں نے اس شرف کو اپنی طرف منسوب کرنے کے بجائے اپنے شیخ اور مرشد کی طرف منسوب کر دیا۔ اس طرح کے بے شمار اہم واقعات حضرت مولاناؒ کی زندگی میں پیش آئے کہ انھوں نے اپنی طرف منسوب کرنے کے بجائے دوسروں کی طرف منسوب کیا۔

مولاناؒ کی تواضع ہر قدم پر ظاہر ہوتی مثلاً معاصر بزرگوں کے ساتھ تعلقات میں جس سے عوام کی ہی نہیں بزرگوں کی بھی انہیں محبت حاصل ہوئی اور بہت سے بزرگوں کے قلوب مولانا کی طرف اور بھی متوجہ ہو گئے۔

حضرت رائے پوریؒ کی مولانا سے محبت و تعلق کے تو خود مولانا نے بہت سے واقعات لکھے اور زبانی بھی سنائے ہیں، مثلاً یہ کہ مولانا ایک مرتبہ جب حجاز تشریف لے گئے اور وہ سفر تبلیغی جماعت کے اہم رکن کی یا ایک کارکن کی حیثیت سے ہوا تھا۔ (وہاں تبلیغ کا کام پھیلانے کے لئے) تو مولانا وقت بے وقت لوگوں سے ملنے اور انہیں کام سے متعارف کرانے تشریف لے جاتے اور کبھی بہت نا وقت لوٹتے تو حضرت رائے پوریؒ مولانا کے انتظار میں رہتے، کھانے کا وقت گذر چکا ہوتا اور مولانا چونکہ شروع میں بہت کمزور تھے اور معدہ کے بھی مریض تھے اور نان یا خمیری روٹیاں نہیں کھا سکتے تھے۔ اسی لئے حضرت رائے پوریؒ ان کے لئے چپاتی پکوانے کا اہتمام کرتے تھے۔ اور جب مولانا واپس آتے تو فرماتے! علی میاں تم کو تو کھانے کا بھی ہوش نہیں، میں تمہارے لئے چپاتی لئے بیٹھا ہوں۔

…مرشد و شیخ اپنے مرید کے ساتھ ایسا برتاؤ
…اس کی مثالیں کم ہی ملتی ہیں وہ بھی ایسا مقبول
…شیخ کہ جس کی بلندی اور عظمت پر ایک عالم
…اور جس کے بڑے بڑے علماء مرید و مسترشد
…حالانکہ اس وقت حضرت مولانا علی میاں بہت
…تھے لیکن شیخ کے اندر ان کی محبت اس درجہ
…ان کے لئے چپاتی لئے انتظار میں بیٹھے رہتے
…یا دوپہر کا لیٹنا (قیلولہ جسے کہتے ہیں) اس کو
…کردیتے۔ یہ گویا "سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا"
…عملی تفسیر تھی۔ ظاہر ہے کہ تقویٰ اور تواضع کی
…سے اللہ تعالیٰ نے مولانا کو یہ عظمت عطا فرمائی
…ان کے ساتھ حتیٰ کہ ان کے شیوخ بھی (حضرت
…پوریؒ اور حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ جیسے
…بھی) حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ لاہوری کی بھی
…والی شخصیت تھی، حضرت مولانا علی میاںؒ فرمایا کرتے
…کشف میں مولانا احمد علی صاحبؒ سے بڑھ کر
…کسی کو نہیں دیکھا۔ اور نہ ورع و تقویٰ اور احتیاط میں
…کہ مولانا کو اللہ نے جو خصوصیات عطا فرمائی تھیں
…ان میں سے یہ دو بہت اہم تھیں، ایک ایمان اور عمل
…شریعت کے حقائق پر پورا یقین، ایسا یقین کہ
…ٹل جائے آسمان گر جائے، پہاڑ ٹل جائے یہ سب
…لیکن شریعت کے حقائق پر سے یقین میں
…کمی نہ آئے اور اس کے احکام پر پورا عمل؛ یہ مولاناؒ کا
…تھا اور یہی مزاج مولاناؒ کی تحریروں میں پایا
…ہے۔ اور ان کے پڑھنے والوں میں منتقل ہو
…ہے۔ اور دوسری تواضع و انکساری، جن لوگوں
…مولانا کو دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ اگر مولانا کے
…سامنے کوئی شخص ان کی کسی خوبی کا تذکرہ کرتا تو وہ سر
…جھکا لیتے گویا کہ وہ شرمندہ ہو رہے ہیں یا جیسے کوئی
…بیان نہیں کر رہا ہے، بلکہ ایسی بات کہہ رہا ہے
…جس سے مولانا کو تکلیف پہنچ رہی ہے، یہ حال تھا،
…آخیر تک اور پھر اللہ نے مولانا کو ایسا استغناء

اور ایسی بے نیازی عطا فرما رکھی تھی کہ دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا حاکم آجائے مولانا اسے اہمیت نہیں دیتے تھے، وزیر اعظم کسی کے یہاں پہنچ جائے تو کتنی بڑی بات سمجھی جاتی ہے مگر ہم نے دیکھا کہ وزیر اعظم کے مولانا کے پاس آنے کے بعد مولانا کی طبیعت پر کوئی اثر نہیں۔ اس واقعہ کا کوئی ذکر بھی نہیں، دوسرے لوگوں نے جب تذکرہ کیا کہ وزیر اعظم مولانا کی مزاج پرسی کرنے آئے یا فلاں وزیر آئے تھے تو بھی مولانا پر کوئی اثر نہیں نظر آیا۔ بلکہ ایسا لگا کہ جیسے کوئی غیر معمولی واقعہ ہی نہیں پیش آیا، سچ ہے کہ جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و محبت بیٹھ جاتی ہے ہر ایک کی مرعوبیت اس کے دل سے نکل جاتی ہے کسی بڑے سے بڑے حاکم کی مرعوبیت نہیں رہتی۔ خود مولاناؒ نے بہت سے اس قسم کے واقعات بزرگوں کے لکھے ہیں ان حکایات و واقعات نے جن کو مولانا نے نقل کیا ہے خود ان پر ایسا اثر کر دیا تھا کہ وہ صفتیں مولانا کا حال بن گئیں تھیں، بڑے سے بڑا دولتمند یا بڑے سے بڑا رئیس نیاز مندانہ آتا۔ مولانا اس کی عزت و قدر تو کرتے لیکن اس سے کچھ وصول کرنے کا لالچ پاس ہو کر نہیں پھٹکتا بلکہ کچھ شاید وہ مولانا سے سیکھ ہی جاتا تھا، مجھے ابھی حال کا واقعہ یاد آیا وہ یہ کہ ابھی پچھلے دنوں حضرت مولانا کو جو کثیر رقمیں ملیں سبھی واقف جانتے ہیں کہ وہ سب تقسیم فرما دیں کروڑ سے اوپر کی رقم ملی۔ وہ جب تک تقسیم نہیں فرما دی تب تک چین نہیں آیا۔ برابر پوچھتے رہتے کہ رقم تقسیم ہو گئی یا رہ گئی؟ اسی طرح کی ایک حدیث یاد آتی ہے کہ اللہ کے رسولؐ کی خدمت میں کہیں سے بہت بڑی تعداد میں مال آیا تو آپ نے سب تقسیم فرما دیا تب اطمینان ہوا۔ لگتا ہے اللہ کے رسولؐ کی اس سنت کو آپؒ نے نمونہ بنایا۔ وفات سے شاید کچھ ہی روز پہلے سلطان برونائی کی طرف سے ایک انعام مولاناؒ کو دیا گیا تھا (بیس لاکھ سے زیادہ کا تھا) وہ بھی مولاناؒ

نے تقسیم فرما دیا، اس تقسیم کی نوعیت ذرا بدل گئی تھی پہلے (دبئی کے) انعام کو مولانا نے تعلیمی اداروں نیز خیر کے کام کرنے والے اداروں میں تقسیم کیا، دوسرا انعام زیادہ تر احباب اور اہل تعلق میں تقسیم فرمایا، مولانا لینے کے بجائے دینا پسند فرماتے تھے، " الید العلیا خیر من الید السفلیٰ" (حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اونچا رہنے والا ہاتھ بہتر ہے نیچے رہنے والے ہاتھ سے) کی حقیقت ان کے پیش نظر رہتی تھی۔ لاکھوں بلکہ کروڑوں کے مالکوں کو بھی مولانا نے دیا ہی ہے مگر اپنی ذات کے لئے کسی سے لیا نہیں، اپنی ذات کے لئے تو کیا اپنے ادارے کے لئے بھی مولانا نے براہ راست کسی سے مطالبہ نہیں کیا۔ یہ الگ بات ہے کہ مولانا کے نام پر اور مولانا کی نسبت سے اور لوگوں نے مطالبات کئے۔ یہ دو چیزیں دراصل مولانا کی شخصیت کی شاہ کلید ہیں۔ اللہ کی ذات پر اللہ کی صفات پر، اللہ کے کئے ہوئے وعدوں پر، حدیث میں اور قرآن مجید میں آئی ہوئی باتوں پر یقین کامل، اسی لئے شریعت پر پورا انشراح، شریعت کے ہر ہر حکم پر عمل کرنے کا پورا جذبہ، شریعت کے سانچے میں اپنے کو ڈھال لینے کی پوری کوشش، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر پورا عمل؛ یہ مولانا کی خاص خصوصیات تھیں، اس کے نتیجہ میں قرآنی پیشین گوئی کے مطابق اللہ نے اپنا محبوب بنا لیا تھا۔ اسی وجہ سے خلق خدا کے بھی محبوب بن گئے گویا "اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا" کا مظہر بنے، نیز "ما تواضع احد لله الا رفعه الله" کے وعدہ کا مصداق بھی ہوئے، تواضع و انکساری مولانا میں آخری درجہ کی تھی، ہر ایک سے اسی طرح ملتے کہ یہ معلوم ہوتا کہ مولانا چھوٹے ہیں اور وہ بڑا، حالانکہ ان کے زمانہ کے آخر میں شاید مجموعی طور پر ان سے بڑا کوئی نہیں رہ گیا تھا۔ لیکن جب بھی ملتے تو ایسا لگتا کہ ملنے والا بڑا ہے اور وہ اپنے کو

چھوٹا سمجھ رہے ہیں، اخیر دور میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا قدس سرہٗ، مولانا شاہ وصی اللہ الہ آبادیؒ اور مولانا یعقوب صاحب مجددیؒ (بھوپال کے رہنے والے) چند بزرگ رہ گئے تھے۔ ان کی خدمت میں جاکر مولانا ایسے بیٹھتے تھے جیسے بہت معمولی شاگرد اپنے بڑے استاد کے پاس جاکر بیٹھتا ہے، حالانکہ خود مولانا کا مقام بہت بلند ہو چکا تھا اور مولانا کے حلقۂ ارادت میں بڑے بڑے لوگ شامل ہو چکے تھے لیکن مولانا کا اخیر تک یہ حال رہا۔

مولانا کی تواضع کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ علمی تحقیق کے سلسلے میں جس پر اعتماد کرتے اسکی بات مان کر بسا اوقات اپنی رائے تک بدل لیتے، حتیٰ کہ تصنیفات میں ترمیم فرمالیتے، چنانچہ راقم کی گذارش پر بعض آراء تبدیل کیں اور دوسرے ایڈیشن میں ترمیم فرمائی یہ تو انتہا ہے کہ حضرت مولانا نے اپنے بعض خوردوں کے اردو مضمون کا بذات خود ترجمہ کرکے اپنی کتاب "الطریق الی المدینہ" میں شامل فرمایا۔ یہ تواضع کا ہی اثر تھا۔ ورنہ کوئی چھوٹا شخص بھی بڑی مشکل سے اپنی رائے بدلتا ہے۔ بلکہ اکثر اڑ جاتے ہیں۔ اور آج کل تو غلط بات تک پہ اڑ جانے کی عام ـــ عادت ہوگئی ہے، بلکہ غلط بات کو صحیح ثابت کرنے کی، مگر حضرت مولانا کا مزاج یہ بالکل نہیں تھا۔ اگر کسی پر اعتماد کیا ہے جس لائن میں بھی، تو اس کی بات مانی ہے، مولانا کے کاموں کے تنوع اور پھیلاؤ میں اس بات کا بڑا دخل تھا، کہ مولانا نے ہر لائن کے لئے لوگوں کا انتخاب کیا پھر ان پر اعتماد کیا۔ علمی لائن میں کچھ لوگوں پر عملی لائن میں، اسی طرح کچھ لوگوں پر مدرسے کی لائن میں کچھ لوگوں پر، کچھ لوگوں پر مسلم پرسنل لاء کی لائن میں جن پر اعتماد کرتے تھے ان کو پوری حمایت دیتے تھے۔ اس کا نتیجہ تھا کہ مولانا نے اتنے بہت سے اور متنوع کام کئے اور سب کاموں میں اللہ تعالیٰ نے خیر و برکت کا معاملہ فرمایا۔ غرضیکہ مولانا کی شخصیت کے یوں تو بہت سے قابل ذکر پہلو ہیں مگر راقم نے ان دو کے بارے میں کچھ معروضات پیش کیں، جو اس کے نزدیک سب سے اہم تھے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مولانا کے مراتب بلند فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ نیز ان کے نقش قدم پر چلنے کی ہر ایک کو، بالخصوص ان کے وابستگان کو توفیق ارزانی کرے،

(بقیہ) (مفتی صاحب)

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

حضرت کا اخلاص سوز دروں، للّٰہیت زخم ہائے دل درد دل۔ صدق و وفا۔ مضطرب و حساس دل امت کے ہر غم کو اپنا غم سمجھ لینا۔ اتباع سنت عشق رسول۔ اس کی روشنی میں حضرت کی تحریروں اور خطابوں کا جائزہ لیجئے اور اس سے استفادہ کیجئے۔ اور ہوسکے تو اس گنہگار کو بھی یاد کر لیجئے۔ آپ کی دعا بندۂ عاجز کے لئے زاد راہ ہوگی۔

(بقیہ)

مولانا علی میاں اللہ میاں کو پیارے ہوگئے

فکر مسلم مجلس اور مجلس مشاورت سے ان کے تعلق اور تحریک "پیام انسانیت" کی تاسیس کا باعث تھی۔ ان کا خلوص مسلمانوں کے ساتھ مجلس مشاورت کے پلیٹ فارم پر خواص اور عوام کو جمع کرتا رہا۔ اور ان کی دردمندی والی باتوں کا ملک کے فرقہ وارانہ ماحول پر خوش گوار اثر پڑا۔ جب مسلم مجلس الکشن کے خارزار میں جانے لگی تو علی میاں نے اسے اس جنجال سے الگ رہنے کی صلاح دی۔ مگر جب اہل سیاست نے مجلس کو اپنا آلۂ کار بنانے کی کوشش کی تو مولانا اس سے الگ ہوکر "پیام انسانیت" کی ترویج اور تبلیغ میں لگ گئے۔ مسلم پرسنل لاء بورڈ کا قیام ان کے ایماء پر ہوا، یہ ان کا ایک لافانی کارنامہ ہے۔ کہ شاہ بانو کے معاملہ سے مسلم پرسنل لاء میں حکومت کی مداخلت کا جو راستہ کھل گیا تھا اسے انھوں نے بند کرادیا اور اس زمانے کے وزیر اعظم راجیو گاندھی کو اس بات کا قائل کردیا کہ مسلمانوں کا پرسنل لاء ان کے مذہب کا جزء ہے۔

علی میاں کے عملی سیاست سے الگ رہنے کے باوجود ارباب سیاست چاہے وہ جس جماعت سے تعلق رکھتے ہوں ان کے در پر حاضری دیتے رہے۔ اور ہر ایک کو انسانیت کا پیام سناتے رہے اور ہر ایک سے یہ شکوہ کرتے رہے کہ ملک لاوارث ہو رہا ہے اس کو واپس پٹری پر لانے کے لئے مولانا کہتے تھے کہ آزادی کی تحریک کے رہنماؤں نے اور آزادی کے بعد ہندوستان کے آئین نے جمہوریت سیکولرزم اور عدم تشدد کے جو تین بنیادی اصول بیان کئے تھے، ان تینوں کی پابندی اور ملک کی خوشحالی، نیک نامی اور استحکام کے لئے ضروری بلکہ لازمی ہے

(بقیہ)

مولانا مختار احمد ندوی

روحانی عظمت دوبالا ہوئی۔ اور لوگ ہندوستان کو علی میاں صاحبؒ کے نام سے پہچاننے لگے۔ اور بلاشبہ مولانا ملک کی عزت و آبرو کی علامت بن گئے تھے۔ ان کی عبقری شخصیت نے خود علم دین اور علماء دین کی عظمت کا سکہ دلوں پر قائم کردیا۔ اور عوام و خواص میں علم دین کی اہمیت اور مقبولیت اور احادیث کا نقش دلوں پر چھوڑ دیا۔ ضرورت ہے کہ مولانا کی زندگی کے تمام گوشوں کو اجاگر کیا جائے، اور ان کے علمی اور عملی نقوش کو تابندہ اور پائندہ بنایا جائے، اللہ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور ہمیں ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین۔

علی میاںؒ جو اللہ میاں کو پیارے ہوگئے

عشرت علی صدیقی

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے ایسی موت پائی جس کی تمنا سب کو ہوتی ہے رمضان کی ۲۲ر تاریخ کو جمعہ کے دن نماز کے لئے تیار ہوکر وہ کلام اللہ کی تلاوت کر رہے تھے جب اللہ میاں نے انھیں اپنے وہاں بلالیا۔ انھوں نے زندگی بھی ایسی پائی جس کی تمنا سب کو ہوتی ہے آخر وقت تک اور بیماری، آزاری اور معذوری کے دنوں میں بھی پابند شریعت رہے، زندگی بھر دین کی خدمت کرتے رہے، اور دنیا کو انسانیت کا پیام سنانے اور انسانوں کو انسانیت کی طرف بلانے سے انھیں دنیا مفکر اسلام کہتی اور مانتی ہے۔ بلاشبہ اسلام کو ان کی فکر اور عمل میں کلیدی حیثیت حاصل تھی۔ اور انھیں اپنے عہد کی سب سے بڑی اسلامی شخصیت کئی بار قرار دیا گیا، حکمرانوں کے نام سے منسوب اس اعزاز کے لئے ان کا انتخاب حکومتوں نے نہیں بلکہ جید عالموں نے کیا، اور اس اعزاز کو بھی انھوں نے قدرے تکلف سے اور بعض اوقات بادل نخواستہ قبول کیا۔ ان کی رہائش فقیرانہ تھی، مگر علم و فکر کی دنیا میں انھیں شاہانہ بلکہ شہنشاہانہ حیثیت حاصل تھی۔ وہ مفکر اسلام ہونے کے علاوہ مفسر قرآن بھی تھے محدث بھی تھے، کئی سو ایسی کتابوں کے مصنف بھی جو کئی زبانوں میں بار بار شائع اور عجمی و عربی درسگاہوں کی ابتدائی جماعتوں سے لے کر اعلیٰ ترین جماعتوں تک کے نصاب میں شامل ہوئیں۔ ان کی بہت سی کتابیں پہلے عربی میں لکھی گئیں۔ اس کے بعد دوسری زبانوں میں ترجمہ ہوا۔ ان کی عربی تحریروں نے عربی ادب کے صف اول کے عالموں اور ناقدوں سے خراج تحسین وصول کیا۔

ان کی کئی کتابیں عرب ملکوں میں ٹسٹ بک بنیں، مختلف اسلامی علوم میں انھیں مہارت حاصل تھی۔ آج کے بہت سے بڑے بڑے عالم کل ان کے شاگرد تھے، وہ اپنے کو تاریخ کا طالب علم کہتے تھے۔ اور علم کے دوسرے میدانوں کی طرح اس میدان میں بھی انھوں نے اپنا سکہ جمالیا یہ سکہ انھیں ترکہ میں ملا تھا۔ ان کے والد مولانا حکیم سید عبدالحیؒ نے ۹ر جلدوں پر مشتمل اپنی عربی کتاب "نزہۃ الخواطر" میں ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد سے لے کر اپنے زمانے تک ہندوستان کے ہر شعبۂ حیات سے تعلق رکھنے والے قابل ذکر مسلمانوں کا ذمہ دارانہ تبصرہ کے ساتھ کیا تھا۔ یہ کتاب آج تک ایک ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ علی میاں کی پانچ جلدوں پر مشتمل تصنیف "تاریخ دعوت و عزیمت" اور چار جلدوں پر مشتمل کتاب "پرانے چراغ" دو جلدوں کی "سیرت سید احمد شہیدؒ"، "سوانح شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ"، "تذکرہ شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ"، "سوانح مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ" تذکرہ نویسی اور سوانح نگاری کے اعلیٰ ترین نمونوں کے علاوہ اردو کے نثری ادب میں روشن ستاروں کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ادب پاروں کی اس کہکشاں میں "نبی رحمت" اور "المرتضیٰ" کو سورج اور چاند سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ اور "کاروان مدینہ" میں تاجدار مدینہ سے عشق و عقیدت کے اظہار کا جو اسلوب علی میاں نے اختیار کیا ہے وہ چودہ سو برس سے بار بار اور لگاتار نئے انداز سے بیان کی جانے والی اس داستان کو سحر آگیں بنا دیتا ہے۔

علی میاں نے "کاروان زندگی" کے عنوان سے اپنی سوانح حیات بھی سات جلدوں میں لکھی، ساتویں جلد کا آخری حصہ ان دنوں لکھا گیا اور شائع ہوا جب مولانا پر فالج کا حملہ ہو چکا تھا۔ ان دنوں میں تقریباً روزانہ حاضر خدمت ہوتا رہتا تھا اور مولانا برابر کتاب کی طباعت و اشاعت کے سلسلہ میں ہونے والی پیش رفت کا ذکر کرتے رہتے تھے، مسلمانوں کے حوالے سے مولانا نے تاریخ کا جو مطالعہ اور تجزیہ کیا اس کا نچوڑ انھوں نے اپنی کتاب "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" میں پیش کردیا ہے۔ یہ کتاب انھوں نے پہلے عربی میں لکھی تھی بعد میں اس کا ترجمہ دنیا کی بہت سی دوسری زبانوں میں اور کئی کئی ایڈیشنوں میں شائع ہوا۔ ان کی تصنیفی زندگی کے ابتدائی دور کی اس کتاب نے دنیا بھر میں زبردست مقبولیت حاصل کی۔ جس اثر کا ذکر اس کتاب میں ہے۔ اس کی تفصیل "کاروان زندگی" میں بیان کی گئی ہے۔ ہندوستان اور عالم اسلام میں بیسویں صدی کے دوران جو کچھ ہوا اور اس صدی کے واقعات سے مسلمانوں کا جو تعلق رہا اس کے مطالعہ اور تجزیہ میں مولانا کے کاروان زندگی سے جتنی مدد مل سکتی ہے اتنی کسی دوسری کتاب سے نہیں مل سکتی۔ مولانا کا خاص شغل لکھنا پڑھنا رہا، مگر ایک درمند انسان اور وطن دوست مسلمان کی حیثیت سے انھیں سیاسی اور سماجی معاملات سے بھی دلچسپی رہی۔ عملی سیاست اور الکشنی خلفشار سے وہ ہمیشہ الگ رہے لیکن مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور وطن کی خوشحالی اور نیک نامی کے تقاضوں کی طرف اہل وطن کو برابر توجہ دلاتے رہے ان کی یہی

(باقی صفحہ ۱۸۳ پر)

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رح

● مولانا مختار احمد ندوی

افسوس بیسویں صدی عیسوی کے اختتام کے آخری دن حضرت العلامہ السید ابوالحسن علی الندوی اس دارِ فانی سے دارِ بقاء کی طرف رحلت فرما گئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ فللہ ما أخذ ولہ ما أعطی وکل عندہ لأجل مسمی نحن علی فراقک لمحزونون یا أبا الحسن غفر اللہ لہ وتغمدہ برحمتہ۔ آمین

اہل اسلام کے لئے یہ سال بڑا غمناک گذرا خصوصًا تین ایسی تاریخ ساز ہستیاں دنیا سے چلی گئیں جنھیں دنیا ہمیشہ یاد کرتی رہے گی اور ان کی علمی و دینی اور دعوتی خدمات ان کی یاد کو زندہ رکھیں گی۔ ان میں سرِ فہرست فخر العلماء و تاج العلم والدین العلامہ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمۃ اللہ کی ذات ستودہ صفات تھی جو اس صدی کے متفق علیہ عالم ربانی تھے، جن کے عقیدے، ایمان و عمل اور اخلاق کریمانہ اور خلق خدا پر ان کی شفقت و احسانات کا ان کی زندگی میں بظاہر کوئی ثانی نہیں تھا جن کے توصیات اور تصدیقی کلمات کی برکت سے ساری دنیا میں ہزاروں مساجد و مدارس اور مراکز دعوت قائم ہوئے ہیں اور لاکھوں گھرانے دینی و دنیاوی سعادت سے فیضیاب ہوئے ہیں فجزاہ اللہ خیر الجزاء جن کے انتقال سے دنیا سونی ہوگئی۔ اللہ ان کی نیکیاں قبول فرمائے۔ آمین۔

دوسری عظیم نادرۂ روزگار ہستی امیر المومنین فی الحدیث، خادم السنۃ النبویۃ علامہ شیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کی تھی جن کی وفات سے خدمت حدیث اور احیاء السنۃ النبویہ کا ایک دور ختم ہوگیا جن کی زندگی میں علم حدیث کا ان سے بڑا کوئی عالم نہیں تھا۔

تیسری عظیم تاریخ ساز اور دعوت و عزیمت کے امام مفکر اسلام، توحید و سنت اور منہج سلف صالح کے علمبردار داعی الی اللہ عارف باللہ العلامہ السید ابوالحسن علی الندوی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ کی مبارک ہستی تھی، جو بلاشبہ دورِ حاضر میں اسلام کے داعی، امت اسلامیہ کے مصلح، کتاب و سنت کے معلم اور مزکی تھے، وہ صحیح معنوں میں توحید خالص کے علمبردار اور کتاب و سنت کے حامی اور ناصر تھے، وہ ایک موحد خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ان میں ان کے استاذ علامہ تقی الدین الہلالی المراکشی کی تعلیم و تربیت اور توحید و سنت کی غیرت اور حمیت پائی جاتی تھی مشہور عرب ادیب علامہ خلیل عرب اور علامہ محمد بن یوسف السورتی رحمہ اللہ کی علمی، ادبی اور تربیتی روح ان میں پائی جاتی تھی، انہیں مشہور معروف عالم علامہ نواب صدیق حسن خاں صاحب والی بھوپال کا علمی ورثہ ملا تھا، اور ان سے تعلق خاص کی سعادت حاصل تھی۔

مولانا مرحوم کی سب سے بڑی امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ وہ اپنے عقیدے اور عمل اور دعوت الی اللہ کے منصب عالی پر فائز ہونے کے اعتبار سے پوری ملّتِ اسلامیہ کے نمائندہ تصور کئے جاتے تھے، وہ عالم اسلام کے ممتاز عالم اور سب کے لئے قابل قبول تھے، اللہ نے انہیں قبولیتِ عامہ عطا فرمائی تھی سے عوام و خواص کے دلوں میں ان کی محبت پائی جاتی تھی جو ان کے عالم صادق ہونے کی دلیل تھی۔ ان میں اصلاح دین کی بڑی تڑپ پائی جاتی تھی، انکی کتاب "ردۃ ولا ابا بکر لہا" اس کی زندہ جاوید شہادت ہے۔

بلاشبہ ان کے اندر شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رح کی انقلابی و اصلاحی اور جہادی روح پائی جاتی تھی، وہ ان کے علم و عقیدے کے صحیح معنوں میں ترجمان تھے۔

حضرت مولانا تحریک شہیدین کے سچے نمونہ اور داعی تھے۔ ان کے اندر حضرت سید احمد شہید رائے بریلوی رحمہ اللہ اور مولانا اسمٰعیل الشہید دہلوی رحمہ اللہ کی روح جہاد تڑپ رہی تھی وہ ہندوستان میں تحریک شہیدین کے سچے علمبردار اور سپاہی تھے جس کے لئے انھوں نے زندگی بھر قلمی اور لسانی جہاد جاری رکھا تھا۔

مولانا مرحوم کی ایک بڑی علمی اور تجدیدی خدمت یہ بھی ہے کہ انھوں نے ملک کے دو عظیم تعلیمی اداروں مسلم یونیورسٹی علی گڈھ اور دارالعلوم دیوبند کے درمیان مقصدی اور تعلیمی فاصلوں کو بہت حد تک قریب کیا جس کی وجہ سے اول الذکر میں دینی روح اور مؤخر الذکر میں فکری وسعت پیدا ہوئی اور بلاشبہ یہ مولانا مرحوم کا بہت بڑا اصلاحی اور علمی کارنامہ ہے۔

اسی طرح دارالعلوم ندوۃ العلماء کی تحریک میں مولانا کی حکمت عملی سے حقیقی معنویت اور مقصدیت پیدا ہوئی۔ بلاشبہ آپ نے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں علم و ادب کا صحیح ذوق زندہ اور تابندہ رکھنے کے ساتھ ساتھ اسے تزکیۂ نفس اور اصلاح قلب کا ایک عالمی تربیتی اور دعوتی مرکز بنادیا۔ جس سے سینکڑوں باصلاحیت علماء اور اسلام کے داعی اور مبلغ ساری دنیا میں دعوت الی اللہ کے منصب پر فائز ہوگئے۔

حضرت مولانا ہی کی یہ شخصیت تھی کہ انھوں نے دارالعلوم ندوۃ العلماء کو ہندوستان کی علمی اور تہذیبی عظمت کا امتیازی نشان بنادیا، جس پر پورا ملک فخر کر رہا ہے۔

مولانا جہاں اپنی علمی اور دعوتی خدمات کی بناء پر ساری دنیا میں ممتاز تھے وہیں آپ کی ذات کریمانہ کی برکت سے خود ہندوستان کی علمی اور

(باقی صـ۱۹۳ پر)

روشن چراغ

مولانا عزیز الحسن صدیقی (غازیپوری)

۲۲؍رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ کو جمعہ
ے ذرا پہلے رائے بریلی کے چھوٹے سے
ریکلاں میں کیسا سانحہ پیش آیا جس نے
دنیا کو ہلاکر رکھ دیا۔ ہندوستان ہو یا پاکستان
یش ہو یا ایران، دنیائے عرب ہو یا براعظم
یورپ ہو یا امریکہ ہر جگہ اس درد کے
محسوس کی گئی۔ سبھی کی آنکھیں نم ہوئیں
می کے دل روئے، لاتعداد تعزیتی جلسے
ینار ہوئے، مضامین لکھے گئے۔ کتابیں
ہوئیں، اخبارات ورسائل نے خاص نمبر
اور یقیناً آئندہ بھی یہ سب کچھ ہوتا رہے
جو حادثہ پیش آچکا اس کو لوٹایا نہیں جاسکتا۔
سان ہو چکا اس کی تلافی ممکن نہیں۔ بلت اسلامیہ
کا غم اٹھانا تھا سو اس نے اٹھایا، قافلہ ملت
سہارا ہونا تھا سو ہوا، آنے والے زمانے میں
ے وآلام کی گھنگھور گھٹاؤں اور مہات مسائل
دم میں ہماری نگاہیں اس کو تلاش کیا کریں گی
اب ہمیں کبھی نہیں ملے گا ہاں اس کے قدم کے
ت ہمیں ضرور ملیں گے جو یقیناً ہمارے لئے
راہ ثابت ہوں گے۔ جن راہوں سے وہ گذر
ہمیں منزل کا پتہ دیتی رہیں گی اور عمل کی شاہراہ
جتنے چراغ روشن کر گیا ان سے ہمیں ہمیشہ
نی ملتی رہے گی۔

قارئین محسوس کرسکتے ہیں کہ ہم کس عظیم
ا کا ذکر کرنے جارہے ہیں اور کس کی یاد میں
بہانے پر مجبور ہوئے ہیں۔ ہم جس محسن قائد
کی یاد تازہ کررہے ہیں، وہ بلاشبہ موجودہ زمانے میں ملت بیضا کا پاسبان تھا اور اس نے انتہائی پُرآشوب زمانے میں اس خلا کو پُر کیا تھا، جو شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ کی رحلت سے پیدا ہوا تھا۔

یہ عجیب بات ہے کہ غلام ہندوستان تو بلند پایہ شخصیتوں سے بھرا پڑا تھا جب کہ آزاد ہندوستان کی کوکھ خالی نظر آئی۔ آسمان قیادت وسیادت پر جو چند ستارے جھلملاتے نظر آرہے تھے، وہ بھی ایک ایک کرکے ٹوٹ گر پڑے ایسے میں ہمیں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی ایک ذات نظر آتی ہے جو اپنی خداداد صلاحیتوں سے کام لے کر ملک وملت کو سہارا دیتی ہے۔ اگر ایک طرف ہندوستان میں اس کو عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے تو دوسری طرف ہندوستان سے باہر بھی اس کے فضل وکمال کا ڈنکا بجتا نظر آتا ہے۔ دنیائے عرب میں اس کے نام کا گویا کہ سکہ چلتا ہے۔ عربوں کو وہ للکارتا ہے، ٹوکتا ہے اور ان کی کوتاہیوں پر گرفت کرتا ہے مگر عرب اس پر جان چھڑکتے ہیں۔

تقسیم ملک کے بعد ہمارے اکابر نے بجا طور پر مسلمانوں کو جذباتی سیاست سے دور رہنے اور تعمیری جدوجہد میں شمولیت کی تلقین کی تھی۔ مولانا آزاد نے ۱۹۴۷ء میں مسلمانوں کو علاحدہ سیاسی تنظیم قائم کرنے سے روکا تو مولانا علی میاں نے بھی مسلم مجلس مشاورت کو الیکشن کے خارزار میں قدم رکھنے سے روکا تھا۔ وہ پارٹی پالیٹکس سے دور رہے مگر پالیٹکس سے دور نہیں رہے۔ ان کی سب سے بڑی سیاست یہ تھی کہ لوگ ان کو غیر سیاسی سمجھتے رہے، ملک وملت کا کون سا ایسا مسئلہ اور کون سا موڑ تھا جب وہ قیادت کے لئے سامنے نہیں آئے، سیاسی رہنمائی اور قیادت کے لئے سیاسی جماعتوں کا دم چھلا بننا ضروری نہیں ہے آدمی اگر باوزن اور باوقار ہو، بے غرض اور مخلص ہو اور صائب الرائے بھی ہو اور بروقت صحیح فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو تو اس کو حق پہونچتا ہے کہ آڑے وقتوں میں قوم وملک کی رہنمائی کرے۔ اس کے لئے کسی سرٹیفکیٹ اور کسی سیاسی جماعت کی سند کی ضرورت نہیں ہے۔

گاندھی جی کی مثال سامنے ہے، اس بوڑھے ہندوستانی لیڈر نے اپنے مضبوط کیرکٹر اور بے لچک فیصلہ کی بنیاد پر بڑی بڑی حکومتوں کو جھکا لیا۔

مولانا علی میاںؒ نے موجودہ دور کے سیاسی لیڈروں کی طرح کبھی سیاسی کرتب نہیں دکھایا مگر قومی وملکی مسائل میں برابر دلچسپی لیتے رہے اور اپنی رائے کا برملا اظہار بھی کرتے رہے۔ ان کی کتاب زندگی کے اوراق پلٹ کر دیکھئے تو اندازہ ہوگا کہ انھوں نے ہر موڑ پر قوم ووطن کو سہارا دیا۔

ویٹیکن سٹی میں بیٹھا ہوا اسقف اعظم کس طرح پوری دنیا کے معاملات پر رائے زنی کرتا ہے اور کیسے کیسے فیصلے صادر کرتا ہے، وہ کس پارٹی کا ممبر ہے۔ ہمارا ہندوستان عجیب ملک ہے اور ہندوستانی قوم عجیب تر ہے اور مسلم قوم تو ایک عجوبہ سے کم نہیں۔ اس نے جانے

کیسے کیسے معیار بنا رکھے ہیں۔ وہ خود لیڈر بناتی ہے اور کچھ دن اس سے کام لے کر اس کو نکما قرار دے دیتی ہے، گویا کہ لیڈر بازار سے خریدی ہوئی کوئی جنس ہو۔ جب تک پسند آئی ساتھ رکھا اور جہاں اس کی کوئی بات ناگوار خاطر ہوئی اس کو اٹھا کر پھینک دیا۔

مولانا علی میاںؒ نے اس ملک میں قیادت ورہنمائی کا جو طریقہ اختیار کیا وہ یہاں کے حالات کے عین مطابق تھا۔ راقم نے بہت کچھ کھونے اور سیکھنے کے بعد اسی طریقہ کو پسند کیا ہے۔

ملکی سیاست اور ملی مسائل میں ہمارا کیا رول ہونا چاہئے اس کے بارے میں مولانا اپنی رائے یوں ظاہر کرتے ہیں۔

"ایسے دور میں جب حکومتوں کا دائرہ اتنا وسیع اور زندگی پر حاوی ہے اور ایسے ملک میں جہاں اپنے حق رائے دہندگی، سیاسی اثر ونفوذ اور دانشمندی کے سوا کوئی ذریعہ اپنے تحفظ یا کسی خطرہ کو روکنے کا نہیں ہوسکتا، ایک ایسی ملت ملک کی سیاست اور جمہوری طریقہ سے اثر انداز ہونے سے کیسے کنارہ کشی اختیار کرسکتی ہے جس کے دین کا دائرہ اور تصور پوری زندگی پر محیط ہے وہ مذہب" بندہ اور خدا کے درمیان کا معاملہ ہے "کے مسیحی تصور پر یقین نہیں رکھتی۔ اس کا مذہب دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں (زندگی پر حاوی اور محیط ہونے کی وجہ سے) زیادہ ذکی الحس اور جلد متأثر ہونے والا ہے۔ اس ملت کے لئے جو لوگ سیاست کو شجر ممنوعہ نہیں بلکہ "الشجرة الملعونة في القرآن" کی تلقین کرتے ہیں اور اس کو ذہنی اور عملی عزلت کا مشورہ دیتے ہیں یا اس کو اس کی تلقین کرتے ہیں کہ پارسیوں اور مارواڑیوں کی طرح محض رفاہی اور خیراتی ادارے قائم کرنے یا اپنی اقتصادی اور مالی پوزیشن کو مضبوط کرنے یا تعلیم کا معیار بلند کرنے کی طرف کلیتاً متوجہ رہیں وہ حقیقت میں مسلمانوں کو اجتماعی اور ملی خودکشی کا مشورہ دیتے ہیں کہ اس طرح مسلمان نہ اپنے ملی تشخصات کی حفاظت کرسکیں گے نہ اپنے فرائض وشعائر دینی اور عائلی قوانین کے ساتھ باقی رہ سکیں گے اور قیادت ودعوت کا مسئلہ تو الگ رہا (جو اس وقت ملت کا حقیقی منصب ہے) اس ملک میں آزادانہ باعزت طریقہ پر زندگی بھی نہیں گذار سکیں گے۔"

قارئین محسوس کرسکتے ہیں کہ مولانا کس قدر حکیمانہ اور بلیغ انداز میں مسلمانوں کو تعمیری سیاست کی طرف لارہے ہیں اور آزاد ہندوستان میں ان کو اپنا واجبی رول ادا کرنے پر ابھار رہے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان اس ملک میں قیادت کا منصب سنبھالیں نہ کہ دوسروں کی خیمہ برداری کا ٹھیکہ لے لیں۔

کیا آپ اس فرق کو محسوس نہیں کرتے کہ رہنمایان عظام وزراء کی کوٹھیوں کا طواف کیا کرتے ہیں جب کہ عام سیاسی لیڈروں اور وزراء کی بات تو الگ رہی وزیر اعظم بھی خود چل کر مولانا کی چوکھٹ پر حاضری دینے آیا کرتا تھا ایسے وقت پر مولانا کی قیام گاہ دیکھنے کے لائق ہوتی تھی، قیام گاہ کے اندر اور باہر عام دنوں سے بھی زیادہ سکون ہوا کرتا تھا، کسی قسم کی بھاگ دوڑ یا چہل پہل دیکھنے میں نہیں آتی تھی۔ ہر شخص اپنے کام میں مصروف نظر آتا تھا۔

راقم کو اس وقت بے اختیار مولانا آزاد کا اسی طرز کا ایک واقعہ یاد آرہا ہے، ہمارے خاندان کے ایک بزرگ مولوی عبدالوحید صاحب جو کلکتہ میں تجارت کرتے تھے، مولانا آزاد سے ملاقات کے متمنی رہا کرتے تھے، کئی بار وہ مولانا کی کوٹھی (ذاتی نہیں بلکہ کرایہ کی) تک گئے مگر سوائے مایوسی کے کچھ ہاتھ نہیں آیا، ایک دن مولانا کے سکریٹری (جن سے وہ رابطہ بنائے ہوئے تھے) نے کہا کہ آج وائسرائے آرہا ہے، اس سے ملنے کے لئے مولانا اپنے کمرے سے نکل کر ملاقاتی کمرے میں جائیں گے، اس وقت یا وائسرائے کے رخصت ہونے کے بعد ملاقات ہوجائے گی۔ ان کا بیان ہے کہ میں خاموشی کے ساتھ بیٹھا ہوا سارے مناظر دیکھتا رہا۔ میں نے دیکھا کہ کوٹھی پر سکون وسکوت کی چادر تنی ہوئی ہے۔ کیا دیکھتا ہوں کہ تھوڑی دیر میں ایک گاڑی اندر داخل ہوتی ہے اور وائسرائے ملاقاتی کمرے میں جاکر بیٹھ جاتا ہے پھر مولانا اپنے کمرے سے نکلتے ہیں اور اندر جاکر بیٹھ جاتے ہیں، وائسرائے لوٹ جاتا ہے اور مولانا اپنے کمرے کا رخ کرتے ہیں۔ ٹھیک یہی حال مولانا علی میاں کا تھا۔

آئیے اب دیکھیں کہ مولانا آنے والوں سے کہتے کیا تھے، مولانا کہا کرتے تھے کہ ملک تباہی کے کگار پر کھڑا ہے، انسانیت دم توڑ رہی ہے ملک کو بچانے کی فکر کیجئے۔ ہم سب ایک ایسی کشتی پر سوار ہیں جس میں سوراخ ہی سوراخ ہیں، اگر ان سوراخوں کو بند نہ کیا گیا تو کشتی ڈوب کر رہے گی اور ہم سب ڈوبیں گے۔ مولانا یاد دلاتے ..... کہ آئین ہند میں وطن کی ترقی اور خوشحالی اور نیک نامی کے جو تین اصول جمہوریت، سیکولرزم اور عدم تشدد کے عنوان سے شامل کئے گئے ہیں ان کی پابندی بہت ضروری ہے، اگر ان کو نظر انداز کیا گیا تو ملک کی خیر نہیں۔

دیکھ لیجئے آج انھیں بنیادوں کو ڈھایا ے یا نہیں۔ بہت سے خیالی پلاؤ پکانے مولانا کی ان باتوں پر ناک بھوں چڑھانے پر "نیشنلسٹ مولانا" کی پھبتیاں بھی کستے لانا ان باتوں کا ذرا اثر نہیں لیتے تھے اور نے مرشد حضرت رائے پوریؒ کی طرح سچی بات نہیں رہتے تھے۔ وہ دیانتداری کے ساتھ ے رکھتے تھے کہ ہندوستان جیسے ملک میں غیر مسلموں کی اکثریت ہے اور مسلمان تقسیم وطن بہ میں زبردست خسارے سے دوچار ہیں اور ے سے اپنے آشیانے کے تنکے جمع کر رہے سیکولر ڈھانچہ ہی ان کے لئے ڈھال کا کام سکتا ہے۔ حالات و تجربات نے تصدیق کر دی لانا نے جو راہ متعین کی وہی صحیح تھی۔

۱۹۴۷ء کے بعد تو وہ سراپا درد و اضطراب لے تھے اور حضرت مدنیؒ کی طرح خانقاہ بردوش ملک کی وسعتوں میں مارے مارے پھرے پیام انسانیت کا پرچم ہاتھوں میں لئے ہوئے کاروان دعوت و عزیمت کی قیادت کا منصب سنبھالے ہوئے، کبھی کسی اجتماع میں صدائے بلند کرتے ہوئے دیکھے جاتے رہے۔

یہی نہیں کہ ان کی تگ و تاز کا میدان صرف وطن عزیز رہا ہو بلکہ ہندوستان کے باہر بھی ان کے دورے ہوتے ۔ وہ جہاں گئے ہاتھوں ہاتھ لئے گئے۔ اگر ہندوستان کے لئے وہ محبوب رہنما تھے تو عالم اسلام کے بھی قائد تھے، بلاخوف کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان کے لاکھوں غیر مسلم اور ان کا دانشور بالخصوص طبقہ مولانا کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔

۱۹۶۴ء میں جب ہندوستان کی منی بٹی (جمشید پور سے راؤر کیلا تک فرقہ ریت کی آگ میں جھلسنے لگی اور اس کے شعلے دور دور تک پہونچنے لگے تو مولانا بے چین ہوکر اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ نے اس پرآشوب زمانے میں جو کچھ بن پڑا کیا اور جو کچھ کیا اخلاص کے ساتھ کیا۔ اس موقع پر آپ نے ندوۃ العلماء میں ایک کل ہند مشاورتی اجتماع طلب کیا جس کی صدارت کا سہرا مشہور قومی رہنما ڈاکٹر سید محمود کے سر باندھا گیا اس کے بعد آپ محبت و شرافت اور امن و آشتی کا سندیسہ لے کر نکل پڑے اور ملک کے طول و عرض میں گئے۔ اس طویل سفر میں بہت سے قومی رہنما جس میں مسلم و غیر مسلم دونوں شامل تھے۔

مولانا نے اپنی تحریروں میں بار بار ذکر کیا ہے کہ تحریک خلافت کے بعد یہ دوسری تحریک تھی جس نے پورے ملک کو متاثر کیا۔ فرقہ وارانہ یگانگت اور فساد کی ٹنڈنسی کو ختم کرنے میں اس تحریک کا بڑا حصہ رہا ہے۔

مولانا نے اسی پر بس نہیں کیا۔ آپ نے گاندھیائی سادھو اور بھودان تحریک کے بانی اچاریہ ونوبا بھاوے اور ہندوؤں کے دھرم گروؤں سے بھی رابطہ قائم کیا اور ان سے کہا کہ فرقہ پرستوں اور وطن دشمنوں نے ہندو دھرم کی روایات اور اصولوں کو بدنام کر دیا ہے۔ اہنسا اور مانوتا کے وہ اصول جن کی ہندو دھرم میں اہمیت ہے پس پشت ڈال دیئے گئے ہیں اس لئے آپ کا فرض ہے کہ اپنے دھرم کو رسوائی سے بچانے کی فکر کریں۔

پیام انسانیت فورم جس کے مولانا بانی تھے ملک کے اندر ایک جانا پہچانا پلیٹ فارم رہا ہے جو آزادی کے بعد مولانا نے قائم کیا تھا۔ فرقہ واریت کی بھیانک آگ کو ٹھنڈا کرنے میں اس فورم نے وہی رول ادا کیا جو زخم پر مرہم کرتا ہے۔

راقم کو یاد ہے کہ ۱۹۵۵ء میں اس کے والد مرحوم مولانا ابوالحسن صدیقی کو ان کے ہمنام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنے ایک خط میں تحریر فرمایا تھا کہ میں ایک جماعت لے کر غازی پور آرہا ہوں۔ میرے والد مرحوم نے شہر کی جامع مسجد میں جماعت کے قیام کا نظم کیا، کئی دنوں تک حضرت مولانا علی میاں یہاں مقیم رہے اور اس قیام کے دوران ایک شب ٹاؤن ہال میں پیام انسانیت کے جلسہ میں بھی تقریر کی جس میں غیر مسلم بھی بڑی تعداد میں شریک تھے۔

یہ پنڈت گوبند بلبھ پنت کی چیف منسٹری کا زمانہ تھا، سی۔آئی۔ڈی والے اس زمانے میں مسلمانوں کی ہر نقل و حرکت پر نظر رکھا کرتے تھے۔ انھیں کبھی ریل کے انجن پر پاکستان کا جھنڈا نظر آتا تو کبھی سر راہ پاکستانی جاسوس مل جاتا، کبھی گاندھی چبوترے پر جھنڈا لہراتے وقت انھیں یہ محسوس ہونے لگتا کہ پڑوسی مدرسے کے مولوی صاحب یہاں کیوں حاضر نہیں ہیں، ہوسکتا ہے وہ غیر ملکی جاسوس ہوں لہٰذا ان کی گرفتاری کی کارروائی شروع کر دی جاتی غرضیکہ "ہر موڑ پر چند آنکھیں نگراں ہر موڑ پہ اک لیسنس طلب" والی کیفیت رہا کرتی تھی۔

پولیس والوں نے جب دیکھا کہ جماعت کے لوگ محلہ محلہ گھوم رہے ہیں مسجدوں میں جاکر مسلمانوں سے ملتے اور باتیں کرتے ہیں تو انھیں شبہ ہوا کہ یہ لوگ کچھ نہ کچھ گڑبڑ ضرور کر رہے ہوں گے، سی۔آئی۔ڈی والے جب والد صاحب کے پاس آئے اور شکوک و شبہات کا اظہار کیا تو انھوں نے بتایا کہ یہ لوگ فسادی اور دیش دروہی نہیں بلکہ انسانیت کے خادم اور امن کے داعی ہیں۔ پنت جی اس زمانے میں اسی طرح کی رپورٹوں کی بنیاد پر تبلیغی جماعت پر پابندی عائد کرنے جارہے تھے۔

دینی تعلیمی کونسل کا قیام بھی مولانا کے کارناموں میں ایک اہم کارنامہ ہے جس نے دینی تعلیم کے لئے فضا ہموار کی اور ہزاروں مدارس و مکاتب

کے قیام کا ذریعہ بنی اور بے دینی اور الحاد کے طوفان کو روکا جا سکا۔

آئیے اب دیکھیں کہ مولانا علی میاں نے آزادی کے بعد کیا رول ادا کیا۔ کیا اپنے پیشرو کے نقش قدم پر وہ سرے سے نہیں چلے۔ جو بھی یہ بات کہتا ہے۔ مولانا نے سو سے کچھ زیادہ ہی کتابیں لکھیں اور کتابوں سے زیادہ کتاب لکھنے والے اپنے پیچھے چھوڑ گئے۔ کیا علامہ شبلی کی سیرۃ النبی ان کے شاگرد نے پوری نہیں کی پھر تعجب کیوں ہے، کیا مولانا کا چھوڑا ہوا کام ان کے شاگرد پورا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ ہم تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ مولانا کا سارا کام مولانا کے شاگرد پوری محنت، مہارت اور مستعدی کے ساتھ کر رہے ہیں کبھی کبھی تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مولانا بہ نفس نفیس موجود ہیں۔ ابھی مہمان خانہ سے باہر تشریف لائیں گے، ابھی مسجد کے زینے طے کریں گے۔ ابھی گاڑی پر بیٹھ کر کہیں تشریف لے جائیں گے اور کسی اجتماع میں خطاب فرمائیں گے ۔

کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی
ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے

آزادی کے بعد کے پُر آشوب زمانے میں اور اپنی زندگی کے آخری لمحات تک انھوں نے جو کچھ بھی کیا، اس میں مسلمانوں کی آبرومندانہ زندگی و بقاء کا مسئلہ سب سے اہم اور سنگین مسئلہ تھا۔ مسلمان دم توڑتا رہتا، مدارس پر تیشے چلتے رہتے اور مولانا بیٹھے کتابیں تصنیف کرتے رہتے تو یہ بات ہرگز مناسب نہ ہوتی۔ انھوں نے وہی کیا جو ایسے نازک دور میں انھیں کرنا چاہئے تھا۔ اسلاف کی روایات کے وہی تنہا امین رہ گئے تھے اور حق یہ ہے کہ یہ حق انھوں نے ادا کر دیا۔

اب وقت آگیا ہے کہ ہم ان کی تدریسی و تصنیفی صلاحیتوں کا، ان کی فکر اور ان کے علوم کا تذکرہ کریں، علم حدیث میں، تفسیر قرآن میں تاریخ دانی و تاریخ نویسی میں ان کا کیا مقام تھا اس پر گفتگو اب کی جا سکتی ہے۔

دنیا جانتی ہے کہ آزادی کے بعد سے اب تک مسلمانوں کی جان مارنے کی کوششیں جاری تھیں مگر اب ان کا ایمان چھیننے کی تیاریاں ہیں۔ قانون شریعت پر حملے جاری ہیں، اسکولوں میں مسلمان بچوں کو پوجا پاٹ کرنے اور مشرکانہ گیت گانے پر مجبور کیا گیا۔ ایسے تمام موقعوں پر مولانا پوری پامردی و استقامت کے ساتھ سامنے آئے اور جبر و استبداد کا مقابلہ کیا۔ یاد کیجئے وہ زمانہ جب اتر پردیش کے اسکولوں میں بندے ماترم اور بھارت ماتا کی پوجا پر اصرار کیا جا رہا تھا، اس وقت مولانا نے کتنی ہمت و جرأت کا ثبوت دیا اور کہہ دیا کہ اگر اس پر اصرار ہے تو مسلمان اپنے بچوں کو اسکولوں سے اٹھا لیں گے۔ اس کے بعد اتر پردیش ہی نہیں پورے ملک میں بھونچال سا آگیا۔ بہت سے مسلمانوں نے بھی مولانا پر تنقید کی، جبین اقتدار پر شکنیں بھی ابھریں مگر مولانا اپنے موقف پر قائم رہے بالآخر حکومت کو جھکنا پڑا، ایک وزیر کو کسی وزارت سے دست بردار ہونا پڑا اور جب کشتی ملت کا بوڑھا ناخدا گرداب بلا سے ملت کی کشتی نکال لایا تو بہت سے پائینچے چڑھانے والے دم بخود نظر آئے۔

مولانا کے مہمان خانہ پر چھاپہ پڑا، ندوہ پر حملہ ہوا، طلبہ کو زدوکوب کیا گیا مگر مولانا کے قدم نہیں ڈگمگائے۔ مولانا کو حق گوئی و بیباکی، پامردی و استقلال اپنے آباء سے ورثہ میں ملا تھا اس لئے ہمیں ان کے فیصلوں اور اقدامات پر حیرت نہیں تھی بلکہ اطمینان تھا اس لئے کہ انھوں نے اپنے اسلاف کی روایات کو زندہ کیا تھا۔

مولانا کی کامیابیوں اور کامرانیوں کا جب ہم ذکر کرتے ہیں تو ہمیں بے اختیار مسلم مطلقہ بل یاد آتا ہے جو راجیو گاندھی کے عہد حکومت م پارلیمنٹ میں پاس ہوا تھا، یہ مولانا کی اور مسلم پرسنل بورڈ کی جس کے وہ صدر تھے زبردست کامیا تھی۔ مولانا خلا میں تکے چلانے اور بیانات دا غنے والے لیڈر نہیں بلکہ برمحل اقدام اور برو فیصلے کرنے والے قائد تھے۔

غازی پور سے مولانا کا رشتہ

جب بھی مولانا کے سامنے غازی پورا اس کے قصبات کا ذکر آتا مولانا کھل اٹھتے۔ ا ضلع کے متعدد قصبات (بھڑی، زمانیہ، بارا، یو پور) ایسے ہیں جہاں حضرت سید صاحب ا دونوں تاریخی قافلوں کے ساتھ تشریف لائے بعض مقامات پر تو آپ نے کئی کئی دن قیام بھی تھا۔ اس ضلع کے کئی مجاہدین نے معرکہ بالاکو میں جام شہادت بھی نوش کیا ہے۔ زمانیہ سے جب سید صاحبؒ واپس جانے لگے تو مولانا سید علی نقوی بستوی کو اپنی نیابت کے لئے چھوڑ تھے جنہوں نے کئی مہینوں تک زمانیہ میں قیام ک اصلاحی خدمات انجام دیں۔ سید صاحبؒ جب یوسف پور کی آبادی میں داخل ہو رہے تھے تو کی زبان پر "بوئے دوست می آید" کے الفاظ جا تھے ادھر نواب فرزند علی بھڑ دی جو بیماری کی حا میں اپنی سسرال میں ٹھہرے ہوئے تھے گھر نکل پڑے اور ایک مقام پر دونوں بزرگ بغ ہوئے۔

نواب فرزند علی کا اصلی وطن قصبہ تھا۔ غازی پور شہر میں دریائے گنگا کے کنا محلہ قاضی ٹولہ میں ان کا قیام تھا۔ ان کی بنوائی مسجد اب بھی موجود ہے، یہیں نواب صا نے سید صاحب کا استقبال کیا تھا۔ نواب اپنے بیٹے امجد علی کو رائے بریلی لے کر گئے

سید صاحب کی خدمت میں یہ کہتے ہوئے پیش کیا کہ "میری تمنا ہے کہ راہ خدا میں اس کی گردن پر چھری چلے" نواب صاحب کی یہ تمنا پوری ہوئی اور امجد علی نے بالاکوٹ میں جام شہادت نوش کیا اسی تعلق کی بنا پر جب حضرت مولانا علی میاں ۱۹۹۴ء میں غازی پور تشریف لائے تو نواب صاحب کے وطن بھتری بھی تشریف لے گئے اور ان کے خاندان کے لوگوں سے ملاقات کی۔

راقم کی درخواست پر ایک بار ۱۹۹۵ء میں مولانا غازی پور تشریف لائے تو شوکت منزل (مدرسہ دینیہ غازی پور کا شعبہ عربی) کے گیٹ پر گاڑی سے اترتے ہوئے فرمایا: "ایک بار پھر تم نے بلوایا" ناچیز دیر تک ان الفاظ کی حلاوت محسوس کرتا رہا۔

خانقاہ فصیحی میں

غازی پور کے مشہور بزرگ حضرت مولانا محمد فصیح رحمۃ اللہ علیہ جن کا فیض غازی پور اور اطراف غازی پور ہی نہیں بلکہ بہار و بنگال تک پہونچا، ابتدا میں پہلوانی کیا کرتے تھے مگر حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی نظر کیمیا اثر نے ان کی کایا پلٹ دی تھی۔ مولانا شاہ امانت اللہ فصیحی انھیں کے صاحبزادے تھے۔ تاریخ ندوہ میں ان کا تذکرہ ان الفاظ میں ملتا ہے:

"دستور العمل ندوۃ العلماء کی منظوری کے بعد پہلی مجلس انتظامی کے لائق ذکر ارکان میں جہاں ملک کے دوسرے بڑے علماء کا نام شامل ہے وہیں مولانا امانت اللہ فصیحی غازی پوری کا بھی نام درج ہے۔"

(تاریخ ندوہ حصہ اول ص ۲۲۳)

یہی رشتے تھے جن کی بنا پر حضرت مولانا علی میاںؒ کے والد مکرم حضرت مولانا حکیم سید عبدالحیؒ خانقاہ فصیحی میں تشریف لایا کرتے تھے۔ ۱۹۵۳ء میں جب مولانا علی میاںؒ غازی پور تشریف لائے تو جامع مسجد سے پیدل روحی منڈی تشریف لے گئے۔ محلہ روحی منڈی میں ہی خانقاہ فصیحی واقع تھی۔ مولانا شہر کے لئے اجنبی تھے اس لئے والد مرحوم نے مجھے ساتھ کر دیا تھا۔ راستے میں ایک لطیفہ پیش آیا کہ حضرت مولانا نے پوچھا کہ اس شہر میں موٹر کاریں نہیں چلتیں، خادم نے جواب دیا چلتی تو ہیں، اس پر فرمایا "کیا رات میں چلتی ہیں؟" اور میں جھینپ گیا، واقعہ یہ ہے کہ اس زمانے میں غازی پور میں کاریں شاید ہی ایک دو رہی ہوں گی صرف افسران کے پاس گاڑیاں ہوا کرتی تھیں۔ مولانا خانقاہ میں داخل ہوئے تو سجادہ نشین مولانا ابو اللیث فصیحی نے پرتپاک خیر مقدم کیا اور پر تکلف ناشتہ کرایا، جب ناشتہ سے فارغ ہوئے تو مولانا نے مولانا ابو اللیث فصیحی کے صاحبزادے مولانا ابوالغوث فصیحی کو مخاطب کرکے فرمایا" ابوالغوث میاں! آپ اس خاندان کے چشم و چراغ ہیں جس نے اصلاح امت کا فریضہ انجام دیا، آپ کو ان کی جانشینی کا حق ادا کرنا ہے۔"

انھیں مولانا ابوالغوث نے اپنی خانقاہ میں بیٹھ کر اس خادم سے کہا تھا" ہمارے سلسلہ میں اور ہمارے خاندان میں جو کچھ ہے وہ سب حضرت سید احمد شہیدؒ کا دیا ہوا ہے" اس خانقاہ میں حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ تبرکات بھی تھے۔ بعد والوں نے تو ساری نسبتوں کو مٹا ڈالا۔

بس کا سفر

۱۹۵۳ء میں جو عظیم جماعت حضرت مولانا علی میاں کی سربراہی میں غازی پور آئی تھی چند یوم کے بعد روانہ ہونے لگی تو اس میں یہ نامہ سیاہ بھی حضرت مولانا کے ہمراہ مئو تک گیا تھا۔ یہ سفر روڈویز کی بس سے ہوا تھا۔ مولانا کسی آرام دہ سواری میں جا سکتے تھے مگر انھوں نے جماعت کو چھوڑنا گوارا نہ کیا اور سب کے ساتھ سفر کیا۔ اس زمانہ میں روڈویز کا اسٹیشن روضہ میں تھا اور جلد ہی بسیں مئو جاتی تھیں۔ مئو میں ہمارا قیام جامعہ مفتاح العلوم میں تھا۔

اسی سفر میں حضرت مولانا مئو سے فتحپور تال نرجا حضرت شاہ وصی اللہ فتحپوریؒ سے ملاقات کے لئے یکہ سے تشریف لے گئے۔ شاید اسی سفر میں حضرت فتحپوری نے حضرت مولانا علی میاں کے منہ میں لقمے بنا کر ڈالے تھے۔

کیسا زمانہ تھا، کیسے لوگ تھے اور کیا کیا کر گئے۔ محنت کا یہ طریقہ اور محبت کا یہ انداز کیا ہوا۔ اب تو فیتہ سے کر شخصیتوں کو ناپا جاتا ہے اور تنقید کی خراد پر بڑے بڑوں کو چڑھا دیا جاتا ہے۔

عجیب اتفاق

حضرت مولانا علی میاں جب ۱۹۹۴ء میں غازی پور تشریف لائے تو آپ کے وفد کے ارکان کی تعداد سات تھی، اس کو اتفاق ہی کہیں گے کہ ٹھیک سو سال پہلے ۱۸۹۴ء میں ندوہ کے قیام کے بعد اس کے علماء کا جو وفد غازی پور آیا اس کے شرکاء کی تعداد بھی سات ہی تھی۔

مولانا عبدالاحد شمشاد لکھنوی نے اس وفد کی خیر مقدمی تقریب میں ایک نظم پڑھی تھی جس کے آخری بند یہ تھے۔

اب ہم سے سنو تھوڑے ہمارے اوصاف
ہم میں سے ہر ایک میں ہیں سارے اوصاف
ہم جمع اوصاف نہ ہوتے تو .... پھر
ہرگز نہ سمجھتے تمہارے اوصاف

ان اشعار میں بظاہر شاعر نے تعلی سے کام لیا ہے مگر حقیقتاً اس زمانے میں غازی پور کا حال یہی تھا

ایثار کی عجیب مثال

اس موقع پر مولوی شریف احمد نے علما ندوہ کو اپنی کوٹھی میں آنے کی دعوت دی اور ادب سے فرمایا کہ یہ کوٹھی جو اپنے رہنے کے لئے بنوائی تھی ندوۃ العلماء کی نذر ہے اور میں آپ کو قبضہ دلانے کے لئے لایا ہوں پھر اس کا وقف نامہ لکھا کر انھوں نے بھیج دیا اور کرایہ کے مکان میں جا رہے۔ (تاریخ ندوہ حصہ اول ص ۱۸۴)

تاریخ کی کڑیاں

ہم نے اوپر ندوے کے جن وفود کا ذکر کیا ہے، وہ محض زیب داستان کے لئے نہیں بلکہ اس ایک صدی کے درمیان اور اس سے قبل تاریخی روابط اور واقعات کے تسلسل کی جو کڑیاں نظر آتی ہیں ان کو نظر انداز کرنا مشکل ہے۔ ہم یہ بھی عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ دونوں وفود کے ارکان کی تعداد ہی مشترک نہ تھی بلکہ مقاصد بھی مشترک تھے۔ ۱۹۹۵ء والے وفد کے سربراہ حضرت مولانا علیہ الرحمہ خود تھے جن کا دل غازی پور کا نام سن کر باغ باغ ہو جایا کرتا تھا۔ ماضی کی تاریخ ان کی نگاہوں کے سامنے تھی، حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک کے سارے خد و خال ان کے سامنے تھے اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اس تحریک نے غازی پور کی سرزمین پر کیسا انقلاب برپا کیا تھا۔

حضرت والا کا یہ سفر غازی پور کے مشہور دینی درس گاہ مدرسہ دینیہ کے خدام کی درخواست پر ہوا تھا اور اس مدرسہ کی تاریخی حیثیت یہ ہے کہ اس کی بنیاد نواب شیخ فرزند علیؒ کی تاریخی مسجد واقع قاضی ٹولہ میں پڑی تھی۔ آپ کی آمد سے جہاں سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یاد تازہ ہوئی، ان کی تحریک کا تذکرہ و تعارف ہوا وہیں ندوۃ العلماء کے مقاصد کی اشاعت بھی ہوئی، لوگ اس سے ہم آہنگ ہوئے اور غازی پور سے اس کے روابط کا تجدید و احیاء بھی ہوا۔

قافلہ نوبہار کی آمد

حضرت سید احمد شہیدؒ رجب ۱۲۳۶ھ میں سفر حج پر روانہ ہوئے تو آپ کا قافلہ ۱۱ محرم الحرام ۱۲۳۷ھ کو رانیہ ہوتے ہوئے غازی پور پہونچا اور یہاں ۱۳ محرم الحرام تک قیام کیا۔ اس سفر میں نواب صاحب سے سید صاحبؒ کی ملاقات کا ذکر تاریخ کی کتابوں میں نہیں ملتا مگر دو سال دس ماہ بعد رجب ۱۲۳۹ھ میں آپ اپنے سفر حج سے واپس ہوئے ہیں تو چھ دن غازی پور میں قیام فرمایا۔ حضرت مولانا علی میاں اپنی کتاب "سیرت سید احمد شہیدؒ" میں تحریر فرماتے ہیں:

"عظیم آباد سے ڈھکیا اور دانا پور ہوتے ہوئے کشتیاں رائے بریلی کی طرف روانہ ہوئیں۔ بھوجپور، بلسار، چھپرا، ریل گنج اور بکسر ہوتے ہوئے محمد آباد پہونچے۔ محمد آباد سے آپ ایک طرف کو روانہ ہوئے، لوگوں نے عرض کیا، کہاں تشریف لے جاتے ہیں؟ فرمایا کہ محمد آباد کے پاس ایک گاؤں جہاں سے ایک دوست کی بو آتی ہے، ملاقات کے لئے جاتا ہوں۔ راستہ میں ایک جگہ سے ڈھولک کی آواز آتی تھی، آپ نے مولانا اسمٰعیل سے فرمایا کہ سورۂ یٰسین پڑھئے۔ آپ نے سورۃ پڑھنی شروع کی اور ڈھولک کی آواز موقوف ہوئی۔ لوگوں نے دریافت کیا تو فرمایا۔ مجھے ڈھولک کی آواز ناگوار ہوئی، غیبی اشارہ ہوا کہ اس کو روکنے کے لئے سورۂ یٰسین پڑھی جائے چنانچہ اس کی برکت سے یہ آواز بند ہوگئی۔

آپ یوسف پور پہونچے، شیخ فرزند علی غازی پوری اس موضع میں بیمار تھے، وہ ناطاقتی کی وجہ سے خود تشریف نہ لاسکے انھوں نے اپنے لڑکوں کو استقبال کے لئے بھیجا تھا، آپ ان کے ساتھ شیخ صاحب کے پاس تشریف لے گئے۔ شیخ صاحب نے بڑی تعظیم و تکریم اور بڑی خدمت گذاری اور مہمانداری کی اور اپنے تمام اہل و عیال کو بیعت کرایا۔ آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ تم نے ہمارے دوست کو دیکھا؟ دوسرے روز کشتیاں غازی پور پہونچیں، شیخ صاحب اپنے بچوں کے ہمراہ تھے، آپ نے شیخ صاحب کے ہمراہ چھ روز قیام فرمایا۔ شہر کے لوگ بکثرت بیعت ہوئے اور راہ راست پر آئے۔ شہر کی جامع مسجد جو ویران ہو چکی تھی آباد ہوئی اور پانچ وقت پابندی کے ساتھ نماز ہونے لگی"(۳)

یہی نسبت تھی جو حضرت مولانا کے دامن دل کو بار بار غازی پور کی طرف کھینچتی تھی اور وہ اپنی تحریروں اور تقریروں میں بڑے والہانہ انداز میں نواب صاحب اور غازی پور کا ذکر کیا کرتے تھے۔

نواب صاحب کے صاحبزادگان میں دو ایسے نامور ہوئے ہیں جن پر نواب صاحب کے خاندان ہی کو نہیں بلکہ پورے ضلع کو ناز ہے، ان میں سے ایک امجد علی شہید تھے جن کے

بارے میں حضرت مولانا علی میاںؒ اپنی کتاب "تحقیق وانصاف کی عدالت میں" تحریر فرماتے ہیں:-

"اسلام کے اس رکن (حج) کو زندہ کرنے کے لئے سید صاحبؒ کے اس جہاد نے حج کو زندہ اور اپنی اصلی حقیقت وصورت کے ساتھ باقی رکھا اور مسلم معاشرہ نیز مسلمانوں کے افکار وخیالات، احساسات، جذبات، اسلامی ادب، اور اردو شاعری پر اس کے ناقابل انکار اثرات مرتب ہوئے، موت کا ڈر دلوں سے نکل گیا، راہ خدا میں تکلیفیں برداشت کرنا بلکہ جان قربان کرنا آسان معلوم ہونے لگا، ناز پروردہ نوجوان اور امراء واغنیاء ہجرت وجہاد کی سختیاں جھیلنے اور بے آرامی، زہد وقناعت اور ایثار وقربانی کی زندگی گذارنے پر آمادہ ہو گئے۔ جہاد وشہادت کا نشہ لوگوں پر ایسا طاری ہوا کہ بعض اوقات چاہنے والا باپ اپنے جوان بیٹے کو معرکہ کارزار میں شہید ہونے کے لئے پیش کرتا، جیسا کہ نواب فرزند علی رئیس غازی پور نے اپنے بیٹے امجد علی کو یہ کہہ کر پیش کیا کہ "میں چاہتا ہوں کہ ذبیح اللہ اسمٰعیلؑ کی طرح اس کے گلے پر بھی اللہ کی راہ میں چھری چلے۔""

ان کے صاحبزادے شیخ صادق علی تھے جن کے ... میں "نزہۃ الخواطر" جلد ۷ صفحہ ۲۱۶ پر درج ہے:-

"فاضل اجل جناب صادق علی بن فرزند علی بھتری میں پیدا ہوئے پھر بچپن ہی میں رائے بریلی چلے گئے اور وہاں حضرت شیخ طاہر بن غلام جیلانی حسنی رائے بریلویؒ کی خدمت میں رہنے لگے اور ان سے درسی کتابیں ہدایہ تک پڑھیں اور وہاں کے مشہور اساتذہ سے علم حاصل کیا۔"

اسی خاندان کے ایک بزرگ محمد مجتبیٰ صاحب صدیقی مرحوم کے پاس سنہ ۱۹۰۹ء کی ایک یادداشت تھی جس میں لکھا ہوا تھا:-

"آپ نے بعد حصول فضیلت اور عطاء سند غازی پور پہونچ کر ایک بہت بڑی عمارت پختہ مدرسہ کے نام سے بنوا لی۔ بہت بڑا کتب خانہ بھی جمع کر لیا مگر موت نے مہلت نہ دی اور عین شباب ہی میں ملک آخرت کا سفر اختیار کیا شیخ فرزند علی اور شیخ صادق علی (باپ بیٹے) دونوں ہی نے ایک ہی سن یعنی ۱۲۶۳ھ میں انتقال کیا۔"

شیخ فرزند علی کی مسجد اور محل

محلہ قاضی ٹولہ میں دریائے گنگا کے کنارے واقع تھے، مسجد تو اب بھی خستہ وشکستہ حالت میں موجود ہے مگر محل کا نام ونشان بھی مٹ گیا۔ اسی طرح شیخ صادق علی کا قائم کردہ مدرسہ اور کتب خانہ بھی نابود ہو گیا مگر تاریخ بہر حال زندہ ہے۔ اسی تاریخی مسجد میں حضرت سید صاحب کی آمد (۱۲۳۹ھ) کے ۱۱۴ سال بعد ایک چھوٹا سا مدرسہ "مدرسہ دینیہ" کے نام سے قائم ہوا۔ حضرت سید صاحبؒ کے تاریخی سفر (۱۲۳۶ھ) کے ۲۷ سال بعد ۱۲۶۳ھ میں شیخ صادق کا وصال ہوتا ہے اور اس کے ۸۷ سال بعد ۱۳۵۰ھ میں اسی جگہ مدرسہ دینیہ کا قیام عمل میں آتا ہے اس لئے اگر ہم اس مدرسہ کو شیخ صادق علی بھترویؒ کے مدرسہ کی نشاۃ ثانیہ قرار دیں تو اس میں انکار واعتراض کا کیا سوال؟

معین الندوہ کا قیام

یہی وہ نسبتیں تھیں جن کی وجہ سے حضرت مولانا علی میاںؒ بار بار مدرسہ دینیہ میں تشریف لاتے رہے اور اہل غازی پور کو نوازتے رہے۔ علی ہذا القیاس ندوۃ العلماء کا اس کے ابتدائے قیام ہی سے غازی پور سے بڑا قریبی اور مستحکم رشتہ رہا ہے۔ ۱۳۱۹ھ میں جب پنجاب اور پورب کے شہروں میں ندوۃ العلماء کے اغراض ومقاصد کی تائید واعانت کی غرض سے مجالس اس کے ماتحت قائم ہوئی تھیں مثلاً دہلی، کرنال، لاہور، ریواڑی، پٹنہ، بانکی پور وغیرہ تو معین الندوہ کے نام سے ایک شاخ غازی پور میں بھی قائم ہوئی تھی جس کے محرک مولوی عثمان خاں اور مؤید مولوی عبد الصمد تھے۔

خوشی کی بات ہے کہ تاریخ کی یہ ساری کڑیاں باہم مربوط نظر آنے لگی ہیں اور کیوں نہ ہوں کہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ خود اپنے مبارک ہاتھوں سے ان کو مربوط کر گئے ہیں، اب ہمیں انھیں مضبوط بنانا ہے اور جو لوگ ان رشتوں کو ختم کرنا اور دینی مدارس کو الگ الگ خانوں میں بانٹ دینا چاہتے ہیں، ان سے ہوشیار بھی رہنا ہے۔

مدارس کو بانٹا جا رہا ہے

یہ عجیب بات ہے کہ حکومت بھی مدارس کو بانٹنے کے درپے ہے اور بدقسمتی سے اہل مدارس بھی باہم دست وگریباں نظر آ رہے ہیں، ایسے میں الامام محمد قاسم نانوتوی سیمینار کے پلیٹ فارم سے اتحاد واتفاق کا جو دلنواز نعرہ بلند

ہوا ہے اس کو سن کر بے اختیار زبان پر یہ شعر جاری ہو گیا ؂

مؤذن مرحبا بر وقت بولا
تری آواز کے اور مدینے

رسالہ "ترجمان دارالعلوم" نئی دہلی (مارچ۔ مئی ....۲۰۰ء) میں اس کے مدیر رقمطراز ہیں:۔

"اس سیمینار کا دوسرا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اپنے پلیٹ فارم پر ملک کے اہل علم و اہل قلم کی ایک بڑی تعداد کو جمع کر لیا۔ ندوۃ العلماء، مسلم یونیورسٹی، جامعہ ملیہ، دارالعلوم دیوبند اور سہارنپور جیسے اداروں کے ذمہ داروں اور اس سے تعلق رکھنے والے ہی صرف اکٹھا نہیں ہوئے بلکہ اس اجتماع میں وہ بھی شامل تھے جو بمبئی، کلکتہ، مدراس، حیدرآباد، اترپردیش، بہار، پنجاب اور کشمیر جیسے علاقوں اور ان کے مدارس عربیہ سے تشریف لائے تھے حتیٰ کہ ملی کونسل، امارت شرعیہ، مسلم پرسنل لا بورڈ، جمعیۃ اہل حدیث، جماعت اسلامی اور مرکزی جمعیۃ علماء ہند بھی اس اجلاس میں گھل مل گئے۔"

دیکھئے کس خوبصورتی سے داعیان سیمینار نے ہندوستان کے سبھی دینی و عصری علوم کے اداروں اور مسلم جماعتوں کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کر لیا اور من و تو کے امتیاز کو ختم کر دیا۔ اہل مدارس کے ساتھ اہل یونیورسٹی بھی اکٹھا ہو گئے۔

سیمینار کی تجویز نمبر ۹

اس سیمینار نے اپنی تجویز کے دو جزو کئے ہیں۔ جزو اول میں کہا گیا ہے کہ عمومی دینی تعلیم جس کی ہر مسلمان کو ضرورت ہے اس کے تمام ضروری مضامین، انگریزی، حساب، جغرافیہ، عربی زبان، فارسی زبان، سائنس، معلومات عامہ اور انشاء وغیرہ کی تعلیم دی جائے۔ جزو دوم میں کہا گیا ہے کہ خصوصی دینی تعلیم یعنی وہ اعلیٰ تعلیم جو ہمارے بڑے مدرسوں میں دی جاتی ہے جس کی ضرورت باقاعدہ ماہر عالم دین بننے کے لئے ہے اس ضرورت کے لئے مروج درس نظامی ضروری ترمیمات کے ساتھ بالکل مناسب ہے۔

بس اس پر اب ایک نقطہ رکھنے کی گنجائش نہیں ہے۔ ہم اس تجویز کی تائید کرتے ہیں اور توقع رکھتے ہیں کہ ندوۃ العلماء کے نصاب پر محض اس لئے کہ اس نے انگریزی، تاریخ، جغرافیہ یا ادب و انشاء پر پہلے توجہ دی اب سب و شتم نہ کیا جائے گا اور سب مل کر نئے زمانے کے چیلنجوں کا مقابلہ کریں گے۔ اگر ہم ایسا کر سکے تو یقیناً بزرگوں کی روحیں خوش ہوں گی۔

روشنی کے مینار

آئیے اخیر میں حضرت مولانا علیہ الرحمہ کے قلم سے نکلے ہوئے یہ الفاظ دہراتے چلیں۔

"مدرسہ کا کام یہ ہے کہ وہ ایسے باضمیر، باعقیدہ، ایسے باایمان، ایسے باحوصلہ، ایسے باہمت فضلاء پیدا کرے جو اس ضمیر فروشی، اصول فروشی اور اخلاق فروشی کے دور میں روشنی کے مینار کی طرح قائم رہیں۔"

تذکرہ مشاہیر غازی پور

راقم کے دل میں عرصے سے یہ خواہش تھی کہ غازی پور جو ماضی میں علم و ادب کا ایک بڑا مرکز رہا ہے، بڑے بڑے علماء و مجاہدین جس کی آغوش میں رہے ہیں اور آج بھی اس کو غازیان اسلام کا مدفن ہونے کا شرف حاصل ہے کے حالات قلمبند کرتا، اس کی تاریخ کی گمشدہ کڑیوں کو یکجا کرتا مگر اپنی علمی کم مائیگی اور صلاحیت کے فقدان کی وجہ سے کام شروع کرنے کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔ ایک موقع پر مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوری نے راقم سے فرمایا کہ یہ کام کو کر ڈالنا چاہئے۔

غازی پور کی تاریخ پر کچھ کام والد مرحوم کر چکے تھے، ان کی قلمی یادداشتیں جو بکھری پڑی تھیں ان کو یکجا کیا اور کام شروع کر دیا۔ دو سال پہلے میں اس کام سے فارغ بھی ہو گیا ڈرتے ڈرتے اس کا مسودہ حضرت مولانا کی خدمت میں بھیجا، مسودہ پیش کرنے کے بعد فکر دامن گیر ہوئی کہ مولانا کی بارگاہ میں اس کی کیا وقعت ہوگی اس ادھیڑبن میں ایک دن مولانا خالد صاحب ندوی غازی پوری نے خوشخبری سنائی کہ حضرت مولانا نے میری کتاب پر تقریظ لکھ دی ہے چند ہی دنوں میں مسودہ مجھے واپس مل گیا۔ یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ مولانا نے ناچیز کی کوشش کو سراہا ہے اس طرح یہ کتاب مستند کتاب بن گئی۔

راقم نے اپنی اس حقیر سی کوشش اس علمی کاوش کو بے حقیقت سمجھ رہا تھا مگر حضرت مولانا کی تقریظ نے اس کو زمین سے اٹھا کر ایک دم سے آسمان پر پہونچا دیا۔ ایسے ہی موقعوں کے لئے شاعر نے کہا تھا ؂

زاوج رفعت سلطاں نہ گشت چیزے کم
کلاہ گوشہ دہقاں بہ آفتاب رسید

لے اس جامع مسجد میں تعزیہ رکھا جاتا تھا۔ … صاحب کے وعظ کا اتنا اثر ہوا کہ تعزیہ داروں نے … کو خود نکال پھینکا۔

علم و عمل کی شمعیں جلا کر چلے گئے
راہ وفا میں پھول بچھا کے چلے گئے

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

عرب علماء و دانشوروں کی نظر میں

● محمد شاھد ندوی بارہ بنکوی

"اپنی ذات میں انجمن" کی معروف اصطلاح یوں تو بہت لوگوں کے لئے استعمال کی گئی ہے لیکن کلید بردار خانۂ کعبہ عالم عرب کے دل کی دھڑکن اور عالم اسلام کے جید عالم دین مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات والا صفات پر جس طرح یہ بات بجا طور پر صادق آتی ہے۔ اس طرح شاید کسی اور پر فی الوقت صادق نہ آسکے۔

حضرت مولاناؒ ہندوستان کی اہم اور عظیم دینی تنظیموں، جماعتوں، تحریکوں اور اداروں سے وابستہ رہنے کے ساتھ ساتھ رابطہ عالم اسلامی کی مجلس عاملہ کے رکن، مؤتمر عالم اسلامی بیروت کی مجلس عاملہ کے ممبر، دمشق یونیورسٹی اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے سابق وزیٹنگ پروفیسر، اسلامک سینٹر جنیوا کی مجلس انتظامی کے رکن اور آکسفورڈ یونیورسٹی کے اسلامک سینٹر لندن کے سربراہ تھے، مولانا کو ان تنظیموں اور اداروں میں ایک ممتاز حیثیت حاصل تھی جس کا اعتراف عرب علماء اور مفکرین اپنی تحریروں اور تقریروں میں برابر کرتے تھے،

حضرت مولانا کو عربوں نے ان کی دینی دعوتی خدمات کے اعتراف میں جو خطوط اور مکتوبات لکھے۔ اور ان میں عالمانہ بلند کلمات سے نوازا۔ ان سے ان کے حضرت مولاناؒ سے والہانہ عقیدت مندانہ بلکہ نیاز مندانہ و محبت آمیز تعلق کا اظہار ہوتا ہے اور ان کی وفات کے بعد جو انھوں نے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں کے نام تعزیتی خطوط لکھے اور اپنے رنج و غم کا اظہار کیا اور ان کے عربی اخبارات میں جو تأثرات شائع ہوئے ہیں۔ ان سے بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ عربوں کے دلوں میں حضرت مولاناؒ کی کتنی قدر و منزلت تھی اور ان کی عنداللہ اور عندالناس کتنی مقبولیت تھی واضح طور پر سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا کی عملی تفسیر معلوم ہوتی ہے، ہم ان جلیل القدر عرب علماء جنھوں نے حضرت مولانا کو برکۃ العصر کہا۔ ان کے بارے میں ان کے بلند کلمات و آراء کے کچھ نمونے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین کا مقام

ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین کے واسطہ سے مصر کے مشہور اہل قلم اور عالم عرب کے نامور محقق و مفکر اور قائد مجاہد سید قطب شہید اپنے قلمی تأثرات میں حضرت مولاناؒ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"عصر حاضر کی اہم ترین ضرورت یہ ہے کہ مسلمانوں میں خود اعتمادی پیدا کی جائے ان میں ماضی پر اعتماد مستقبل کے بارے میں امید اور حوصلہ پیدا ہو اس دین پر ان کا ایمان و یقین تازہ اور زندہ ہو جائے جس کا نام تو وہ لیتے ہیں لیکن اس کی حقیقت سے ناآشنا ہیں۔ ان کا تعلق اس دین سے زیادہ تر نسلی اور موروثی ہے، انھوں نے اس کو سمجھنے کی بہت کم کوشش کی ہے۔

اس موضوع پر تمام قدیم و جدید لٹریچر میں چند بہترین کتابیں جو میری نظر سے گذری ہیں ان میں مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی جدید تصنیف "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" خاص مقام رکھتی ہے"

(مقدمہ ماذا خسر العالم)

پوری انسانیت کے مربی و محسن

ترکی میں حضرت مولاناؒ کا تعارف کراتے ہوئے مصر کے مشہور عالم ڈاکٹر احمد یونس نے فرمایا

"مولانا سید ابوالحسن علی ندوی پوری انسانیت کے مربی و محسن اور رہنما ہیں اور عرب و عجم ان کی دعوت و فکر سے نہ صرف آشنا بلکہ قدرداں ہیں"۔

ڈاکٹر احمد یونس مصری

تاریخ کی روشن و شاندار علمی صفات

عظیم محدث اور ممتاز مفکر و داعی شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ صاحب حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے بڑا والہانہ تعلق رکھتے تھے جس کا کچھ اندازہ ان کے خطوط سے لگایا جاسکتا ہے وہ اپنے خط میں حضرت مولانا کو بڑے شاندار القاب و عنوان سے خطاب کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے آپ کو قلم کی طاقت، تحریر کی تاثیر اور اخلاص کی دولت سے نوازا ہے آپ کی باتیں۔ نوجوانان ملت اسلامیہ کے دلوں کی کنجی ان کے ارادوں اور ہمتوں کی بیداری اور کامیاب مہم جوئی کا وہ پیغام ثابت ہوتی ہیں جس سے امت مسلمہ کا پہلا قافلہ بہرہ ور تھا"۔

میرے محترم! آپ کو اللہ تعالیٰ نے جو دولت

عطا کی ہے اپنے خلوص دل، عقل روشن اور حسن کردار کے حامل ہونے کے سبب آپ ان معانی کو بیان کرنے کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔

محبکم عبدالفتاح ابو غدۃ ریاض
۱۹؍۷؍ ۱۴۱۰ھ
(تعمیر حیات ۱۰؍ اگست ۱۹۹۰ء)

ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں۔

"یحییٰ بن سعید ہم سے حدیث بیان فرماتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موتیوں کی بارش ہو رہی ہے واللہ! آپ کی باتیں بھی ہمارے لئے ایسی ہی ہیں شکر اس خدا کا ہے جس نے آپ کو یہ نعمت دی اور اس پر قادر بنایا، اس کام کے لئے منتخب کر دیا اسکی قوت بخشی اور آپ کی شخصیت میں ہماری تاریخ کے روشن و شاندار علمی صفات دکھائے عالی مرتبت علماء سلف کی یاد تازہ کی۔ آپ الحمد للہ ان اسلاف کرام کو یاد دلانے کا بہترین نمونہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اپنے رسول کی محبت پیدا فرمادی تھی۔ اور اللہ کی محبت کے سبب انہیں لوگوں میں محبوب بنا دیا تھا۔ آپ کا اس اعلیٰ نمونہ کا ہونا کوئی انوکھی بات نہیں کہ بڑے اور گھنے سایہ دار درخت کی شاخیں تازہ، ہری بھری اور شاداب ہی ہوا کرتی ہیں، وہ ہر وقت اور ہر جگہ اپنی عطر بیزی سے فضا کو معطر کرتا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کی عمر دراز فرمائے اور آپ کی بابرکت ذات کو عرصہ دراز تک قائم رکھے"۔

محبکم عبدالفتاح ابو غدۃ ریاض
۲۰؍۴؍ ۱۴۰۲ھ
(تعمیر حیات ۱۰؍ دسمبر ۱۹۸۹ء)

مولانا کے علم و فہم اور فکر و بصیرت کا اعتراف

شامی اخوان کے مراقب عام ممتاز عالم و فقیہہ اور شعلہ بار مقرر اور عظیم داعی ومربی ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی صاحب، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ کی عالمانہ رفعت کے دل سے معترف اور سچے قدرداں تھے۔ یہاں ان کا وہ تاریخی مکتوب نقل کیا جاتا ہے جو انھوں نے ۱۹۵۵ء میں حضرت مولاناؒ کو دمشق یونیورسٹی میں بطور استاد تشریف آوری کیلئے لکھا تھا۔

سماحۃ الشیخ ابی الحسن علی الندوی
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

غالباً آپ کو یہ علم ہو گیا ہوگا کہ دمشق کی سوریہ یونیورسٹی نے شریعت اسلامیہ کا شعبہ (کلیۃ الشریعۃ الاسلامیۃ) قائم کیا ہے، یونیورسٹی کے اس اقدام سے مسلمانوں اور حق و صداقت کے سبھی حامیوں کو خوشی ہوئی ہے، کالج کمیٹی نے مجھ سے خواہش ظاہر کی ہے اور وہ آپ کی منظوری کی امید وار بھی ہے کہ میں آپ کو دو سال یا ایک سال کیلئے جیسا آپ پسند فرمائیں آپ کو یہاں درس دینے کی دعوت دوں کہ طلباء آپ کے علم اور اسلام کے پیغام کی گہری فہم و بصیرت سے فائدہ اٹھائیں۔ مجھے توقع ہے کہ آپ کی طرف سے جلد ہی وہ جواب ملیگا جو اس گراں قدر آرزو و تمنا کو عملی جامہ پہنانے کی نوید جانفزا لائے گا۔ [1]

مصطفیٰ السباعی
عمید کلیۃ الشریعۃ۔ دمشق
۱۲؍ جون ۱۹۵۵ء
(تعمیر حیات ۲۵؍ فروری ۱۹۹۰ء)

مولاناؒ کی شان و شکوہ

بلاد عربیہ کے مشہور و مایۂ ناز ادیب و انشاء پرداز صاحب قلم اور جید عالم دین شیخ علی طنطاوی صاحب حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے والہانہ اور عقیدتمندانہ تعلق و ربط رکھتے تھے اور ان کے علمی و فکری اور ادبی رفعت و برتری کے دل سے معترف اور بڑے مداح تھے۔ حضرت مولاناؒ نے اپنی کتاب "الطریق الی المدینۃ" ہے (جو عربی زبان و ادب کے شہ پاروں میں شامل ہے اور کاروان مدینہ کے نام سے اردو میں شائع ہو چکی ہے) شیخ علی طنطاوی سے حضرت مولانا رحمۃ اللہ نے مقدمہ لکھنے کی فرمائش کی تو انھوں نے اس کے جواب میں جو کچھ لکھا اور جو حقائق ان کے مایۂ ناز قلم سے نکلے اس میں کتاب اور صاحب کتاب دونوں کا سراپا سامنے آ گیا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

"آپ نے مقدمہ لکھنے کی فرمائش کی ہے مجھے اس سے معاف رکھئے کیونکہ اس کی نہ آپ کو ضرورت ہے نہ اس کتاب کو کتابوں کے مقدمہ کی وہی حیثیت ہوتی ہے جو تاجر کیلئے دلال یا ایجنیٹ کی۔ نئے تاجر کو دلال کی اس لئے ضرورت ہوتی ہے کہ وہ اپنے غیر معروف سامان کی شہرت بڑھائے، جب خود خریدار تاجر کو ایجنیٹ سے زیادہ جانتے ہوں اور اس کا سامان خریدنے کے لئے اس زیادہ متمنی ہوں جتنا تاجر اس کے فروخت کرنے کا، تو ایسی حالت میں ایجنیٹ کیا کام دے سکتا ہے۔

والسلام علیک رحمۃ اللہ
علی طنطاوی مکہ مکرمہ
۱۴؍۱؍ ۱۳۸۵ھ
(کاروان مدینہ۔ الطریق الی المدینہ)

شیخ ابو الحسن کی تحریروں میں ایک جادو ہے

شیخ محمد المجذوب ملک شام کے ایک جید عالم دین تھے، الاسلامی یونیورسٹی مدینہ منورہ میں استاذ تھے "علماء ومفکرون عرفتہم" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ اس میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی تصنیف و تالیف کی خصوصیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

[1] حضرت مولانا نے استاذ زائر کی حیثیت سے بلا معاوضہ چند ہفتہ "رجال الفکر والدعوۃ" کے موضوع پر محاضرات دینا منظور فرمایا اور تشریف لے گئے۔

"شیخ ندوی کی تحریروں کو پڑھنے کے بعد ایسا
...سوس ہوتا ہے کہ ان کی ادبی تحریر میں ایک سحر
...ہے ایک ایسا جادو ہے جو عموماً دوسرے مصنفین کی
...ریروں میں نہیں ملتا۔ اس کے بعد حضرت مولاناؒ
...کے اوصاف و کمالات کا تذکرہ کرتے ہوئے
...لکھتے ہیں۔"

"حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے اپنے اس نیک
...بندے کے اخلاص کو قبول فرمالیا ہے اس لئے آپکی
...نشش میں برکت ہے اور آپ کی تقریروں خطابت
...نشش و مقبولیت رکھی ہے اور آپ کے عمیق مطالعہ
...اخلاص سے لبریز اور حقائق سے بھرپور تقریریں
...جو ہندوستان میں اور بلاد عربیہ اور یورپی ممالک
...مختلف اسلامی سیمناروں میں کی گئی ہیں جن میں
...آپ اپنے آرام و راحت کو قربان کرکے شرکت فرماتے
...اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے زبردست مقبولیت سے
...ازا ہے، یہاں تک کہ وہ ایک حق کے متلاشی کیلئے
...ہرایت و اسودگی کا سامان بن گئی ہیں یہ سب اسلئے
...کہ آپ کا مقصد صرف اللہ کی رضا کا حصول تھا نہ کہ
...ہرت و منفعت کی طلب۔"
...لکھتے ہیں!

شیخ ابوالحسن کے تذکرہ سے میرا مقصد ان کی
...نام شخصیت کو روشناس کرانا نہیں ہے بلکہ وہ تو
...معہ اسلامیہ (مدینہ منورہ) کی مجلس انتظامی کے
...حیات رکن ہیں لیکن اس کے باوجود انھوں نے کبھی
...جامعہ سے ایک پیسہ نہیں لیا۔ اور مجھے یاد
...نہیں پڑتا کہ وہ کبھی کسی ہوٹل میں ٹھہرے ہوں، حالانکہ
...کمیٹی میں شرکت کی غرض سے ان کو بارہا آنا پڑا
...ہے تمام علماء امت میں ان (شیخ ابوالحسن) جیسے
...عظیم زاہد کی مثال نہیں ملتی۔ دنیا سے بے نیازی
...ان کے کمزور و نحیف جسم کی خصوصیت ہے۔ یہی وہ
...بے نیازی ہے جس کی بناء پر وہ معاشرہ کی خرابیوں پر
انگلی اٹھانے اور اس کی اصلاح میں پورے
طریقے سے لگے ہوئے ہیں نہ کسی غلط کو صحیح کہتے
ہیں نہ کسی حقیقت پر پردہ ڈالتے ہیں۔ آپ کی
گفتگو کانوں میں رس گھولتی ہے اور آپ کی
باتوں میں ایسی حقیقت بھری ہوئی ہے کہ اس کو
کوئی غلط نہیں کہہ سکتا۔ (علماء منفکرون عرفتہم)

مسلم دنیا کے لئے اعلیٰ مثال

علامہ شیخ یوسف القرضاوی عرب کے مشہور محقق
عالم و داعی اور نامور مصنف ہیں اصلاً مصری ہیں عربی
کے باکمال خطیب ہیں موجودہ عرب علماء میں ان کو
خاص احترام حاصل ہے۔ انھوں نے حضرت مولاناؒ
کے بارے میں جو بلند کلمات لکھے ہیں ملاحظہ فرمایئے
اور اندازہ کیجئے عشق الٰہی کی معجز نمائی کا کہ نغمۂ ہندی کی
حجازی لے پر عرب کا ایک بہترین عالم اور دانشور
کس طرح جھوم رہا ہے۔

"ہم نے اپنے بزرگ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
کو مسلم دنیا کیلئے ایک اعلیٰ نمونہ پایا، تجدیدی فکر رکھنے
والے داعی، ربانی علماء کی رقت قلب و لطافت مزاج
کے حامل، اسلاف جیسا پختہ عقیدہ، توحید اور سنت
نبوی کے متبع، معلومات و ثقافت میں جدید تعلیم یافتہ
جیسا علم و فہم اور عمل میں کتاب و سنت کے چشمۂ صافی
سے فیضیاب، عربی فارسی اور اردو ادب میں باکمال،
علوم اسلامیہ کے ذخیرہ سے اچھی طرح سیراب تھے
نئی نسل حضرت والا کے علم نافع، عمل صالح
اور تابندہ روح سے روشنی حاصل کرتی ہے وہ آپ کی ذات
میں مرد مؤمن کی شان و آن مخلص کی صداقت، مجاہد کا
صبر و ثبات زہد و استغناء کی طاقت، علم کا وقار اور
اس داعی کی روح پاتے ہیں جس نے اپنی نماز و عبادت
سب اللہ رب العالمین کی رضا کے حصول کے لئے
کردیا ہو۔ (تعمیر حیات ۱۰ر جنوری ۱۹۸۰ء)

اسلام کی آواز

"مصر کے شیخ الازہر ڈاکٹر عبدالحلیم محمود نے
حضرت مولانا کی عالمانہ بصیرت پر روشنی ڈالتے ہوئے
فرمایا۔ شیخ ابوالحسن علی الندوی... آپ نے اپنی
زندگی خدا تعالیٰ کے لئے وقف کر رکھی ہے اور اپنے
شب و روز ایک مخلص و متقی مسلمان جیسے گذارے
ہیں۔ آپ نے پاکیزہ اسلوب و کردار اور فکر انگیز اسلامی
لٹریچر کے ذریعہ اسلام کی آواز کو دنیا کے گوشے گوشے
میں پھیلایا ہے، نیز اپنے دور دراز ممالک کے اسفار
کے ذریعہ آپ نے اسلام کی اشاعت و تبلیغ کا فریضہ
انجام دیا اور لوگوں کی رہنمائی و رہبری فرمائی۔

عالم اسلام کے گل سرسبد

علامہ شیخ احمد بن ابراہیم الغزاوی (نائب مجلس شوریٰ
سعودی عرب) جزیرۂ عرب کے معاصر شعراء میں سب سے
بڑے قابل قدر ادیب اور شاعر تھے جو صرف سلاطین
و ملوک کی مدح کرتے تھے، انھوں نے حضرت مولانا
سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی مدح میں عربی میں ایک
نظم ان کی حیات ہی میں لکھی اور فرمایا تھا کہ۔

"میں نے اب تک بادشاہوں کی مدح کی ہے
آج عالم اسلام کے گل سرسبد کے حق کی ادائیگی کرکے
اپنے کلام کو آراستہ کر رہا ہوں۔"

سعودی فرمانروا شاہ فیصل کی نظر میں

ممتاز عالم دین، نامور محقق اور جادو بیان
خطیب شیخ مناع قطانؒ سربراہ شعبہ علوم اسلامیہ
امام محمد بن سعود اسلامی یونیورسٹی ریاض سے
شاہ فیصل بن عبدالعزیز آل سعود رحمۃ اللہ علیہ نے
عالم اسلام کے ممتاز علماء کی فہرست تیار کرائی
شیخ رحمہ اللہ نے فہرست پیش کی، شاہ فیصل نے
فہرست دیکھی اور اپنے قلم سے حضرت مولانا سید
ابوالحسن علی ندوی کا نام سر فہرست لکھ کر آخری
شکل دینے کا حکم دیا۔
(شیخ مناع قطان سے ایک گفتگو)

آپ ہندوستان جارہے ہیں تو شیخ ابوالحسن سے پوچھئے گا۔

سفیر سعودی عرب برائے ہند عزت مآب شیخ انس یوسف یاسین رحمۃ اللہ ماہ رمضان ۱۳۹۳ھ کی ۳ر تاریخ کو اپنی چھٹی گذار کر ہندوستان واپس آرہے تھے روانگی سے قبل شاہ فیصل کو سلام وداع کے لئے حاضر ہوئے۔ دوران گفتگو شاہ سے عرض کیا کہ آج یہاں تیسرا روزہ ہے اور ہندوستان میں یکم رمضان ہے۔ میں نے ہندوستان پہونچکر اگر وہاں کے مطابق پورے روزے رکھے تو میرے ۳۲ یا ۳۱ روزے ہوجائیں گے ایسی صورت میں میرا کیا عمل ہونا چاہئے؟ شاہ فیصل نے شیخ انس یاسین کا سوال سن کر فرمایا! تم ہندوستان جارہے ہو جہاں شیخ ابوالحسن علی جیسے جلیل القدر عالم ہیں اور تم یہ مسئلہ مجھ سے پوچھ رہے ہو؟

ہم شیخ ابوالحسن کو سننا چاہتے ہیں

رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی مجلس تاسیسی کی نشستوں کے اختتام پر سعودی فرمانروا شاہ فیصلؒ کی خدمت میں مجلس کے اجلاس کی رپورٹ اور شکریہ وسپاس پیش کرنے کیلئے منتخب علماء کا ایک وفد ریاض روانہ ہوگیا جس کے اراکین میں عراقی عالم ومجاہد اور اخوان المسلمین کے ممتاز رہنما شیخ محمد محمود الصواف مکہ مکرمہ کے سربراہ اور وہ شخصیت شیخ محمود الحافظ اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہم اللہ شامل تھے شیخ صواف نے بادشاہ سلامت سے گفتگو شروع کی اور اجلاس کی کارروائیوں اور تجویزوں کو بیان کر رہے تھے کہ شاہ فیصل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا! "نبغی نسمع الشیخ ابوالحسن" ہم تو شیخ ابوالحسن سے کچھ سننا چاہیں گے!

مؤمن مخلص کی شان

مفتی امین الحسینیؒ فلسطین کے مفتی اعظم اور ایک عالم دین اور عظیم مجاہد تھے انھوں نے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو ایک ذاتی خط میں بڑے بلند کلمات سے خطاب کرتے ہوئے لکھا۔

"آپ کو مومن مخلص کی شان کے مطابق مرض کی تشخیص اور اس کیلئے دوا تجویز کرنے کی سعادت کی توفیق (منجانب اللہ) حاصل ہوئی ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ امت کے اندر آپ جیسے مخلص اور کارکن علماء کی تعداد کو بڑھائے اور اللہ آپ کو اپنے حفظ وامان میں رکھے۔" (تعمیر حیات ۲۵ر جنوری ۱۹۹۱ء)

میرا عقیدہ ویقین ہے

جامعہ ام درمان الاسلامیہ سوڈان کے عالم دین اور عظیم مفکر شیخ محمد المبارک کو حضرت مولانا سے انتہائی درجہ میں عقیدت ومحبت تھی انھوں نے اپنے خط میں لکھا:

• دمشق میں آپ سے ملاقات کا موقع ہمارے لئے بڑی سعادت کا باعث تھا۔ آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ مجھے آپ سے جو خصوصی محبت ہے وہ کسی اور مفکر وداعی سے نہیں باوجودیکہ میں ان سب حضرات کا قدرداں ہوں اور سبھی سے محبت رکھتا ہوں۔

خدا گواہ ہے کہ میں آپ کی عنایت وتوجہ کو رضاء خداوندی کے اسباب میں سے شمار کرتا ہوں۔ یہ میرا عقیدہ ویقین ہے، محض تکلف اور خوش کرنے کے لئے نہیں لکھ رہا ہوں اس وقت آپ کے سوا کوئی میرے لئے اس منزل ومرتبہ کا نہیں، میری اس عقیدت کا یہ عالم ہے کہ میں برابر سوچتا رہتا ہوں کہ قیامت کے دن آپ میرے سامنے ہوں گے میں آپ کو پکاروں گا اور مضبوطی کے ساتھ آپ کا دامن پکڑلوں گا۔ میرے دل میں بارہا یہ خیال آیا لیکن میں آپ سے بیان نہیں کرسکا۔

اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ حشر میں مجھے آپ کے ساتھ اپنی رحمت کے سایہ میں رکھے گا۔
(تعمیر حیات ۱۰ر جولائی ۱۹۹۰ء)

ذیل میں سعودی اخبارات میں شائع شدہ عرب علماء کے تاثرات پیش خدمت ہیں۔

دعوت الی اللہ کیلئے جسم وجان اور قلم وزبان وقف

• عالم جلیل اور داعی عظیم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے دعوت الی اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کیلئے اپنی زبان وقلم اور جسم وجان کو وقف کر دیا تھا اور اس میدان میں ان کے کارنامے ناقابل فراموش ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ مولانا مرحوم کو اپنی رحمتوں سے ڈھانپ لے اور انھیں اپنے نیکوکار بندوں میں شامل فرمائے اور انھیں ابرار واتقیاء شہداء وصالحین کے ساتھ اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔

شیخ محمد بن عبداللہ السبیل
(صدر شئون امور حرمین شریفین امام وخطیب مسجد حرام مکہ مکرمہ)

آخری سانس تک قرآن وسنت پر مضبوطی سے قائم رہے

• علامہ سید ابوالحسن علی ندویؒ نے ایک طویل عرصہ تک مسلمانان عالم کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا اور اسلام کے اصل پیغام اور اس کی صحیح روح سے دنیا کو متعارف کرایا اور پوری حکمت ودانائی کے ساتھ دین حنیف کی دعوت دیتے رہے اور اس راہ میں سلف صالحین کے اسوۂ حسنہ کو برابر مشعل راہ بنائے رکھا۔ اپنی آخری سانس تک

...ت پر مضبوطی سے قائم رہنے کی تلقین
...ہے۔

ڈاکٹر عبداللہ صالح عبید
(...سکریٹری رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ)

...مانانِ عالم اس دانائے راز سے محروم

...سب کے مخدوم و مشفق حضرت مولانا ...سن علی ندویؒ سے محرومی کا غم کسی بھی ... سے کم نہیں ہو سکتا ہندوستانی مسلمان ...سرپرست سے محروم ہو کر یتیموں کے ...گئے ہیں۔ اس عظیم شخصیت کا رعب ...مخالف و موافق سبھی کے دلوں پر تھا۔ اور ...ترین مخالف بھی انھیں نظر انداز کرنے ...ت نہیں کر سکتا تھا۔ اور رابطہ ادب ...اپنے بانی صدر کے بعد دختر یتیم کے ...ہے کہ اس کی تمام تر سرگرمیاں اسی ...الاصفات کی رہبری اور دعاؤں کی ...منت تھیں۔

...لہ مسلمانان عالم اور بالخصوص ہندوستانی ...اس دانائے راز سے محروم ہو کر اب کدھر ...در کس کا سہارا لیں کہ ان کے درمیان ...و برکت کی علامت گویا اٹھ گئی۔ اور ...ئی نسلوں کے معلم و مربی اور اس عہد کے ...بڑے عالم اور داعی سے محروم ہو گئے۔

ڈاکٹر عبدالقدوس ابو صالح
(...صدر عالمی رابطہ ادب اسلامی سعودی عرب)

...ب سے بڑا کارنامہ

...مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا سب سے ...امہ یہ ہے کہ انھوں نے عربوں کی طرف ...بہ مندول کی انھیں بیدار کیا، انھیں اپنے ...منصب اور ذمہ داری سنبھالنے کی دعوت دی اور انھیں یاد دلایا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اعزاز و سربلندی، اسلام کے بدولت عطا کی۔ اور قرآن نے انھیں دنیا کی قیادت کیلئے تیار کیا۔"

ڈاکٹر انور الجندی

دعوت و اصلاح کے امام

● "علامہ سید ابوالحسن علی ندویؒ دعوت و اصلاح کے اماموں میں سے ایک امام تھے، ان کے اندر بیک وقت زہد و ورع جہاد و سرفروشی اور فکر و ادب کا حسین امتزاج پایا جاتا تھا۔ علامہ کی زندگی دعوت الی اللہ، خدمتِ اسلام اور اشاعتِ خیر کیلئے ایک جہد مسلسل سے عبارت تھی۔

ڈاکٹر احمد عثمان تویجری
(رکن مجلس شوریٰ سعودی عرب)

ناقابلِ تلافی نقصان

● حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی وفات کی خبر سے ہمارے اوپر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ اس عالم جلیل اور یگانۂ روزگار شخصیت سے محرومی مسلمانان عالم کے لئے ناقابل تلافی نقصان ہے۔ انھوں نے اپنی پوری زندگی علمی جدوجہد، دعوت و ارشاد اور غرباء و مساکین کی امداد میں صرف کر دی۔

خلیفہ جاسم الکواری
(ڈائریکٹر ادارہ اسلامی امور قطر)

صحیح مقام کا اندازہ

● حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنی پوری زندگی کا ایک ایک لمحہ ملتِ اسلامیہ میں بیداری پیدا کرنے میں گذارا، مولانا ندوی ان قائدین میں تھے جنھوں نے مسلمانوں کو جوڑنے کی کوشش کی اور خالص دینی بنیاد پر علمی اور ثقافتی مجالس قائم کیں، میں جس قدر بھی کوشش کروں الفاظ اپنی وسعت کے باوجود ناکافی ہیں جن سے آپ کے صحیح مقام کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

عبدالرحمن بن ناصر العوہلی
(سفیر مملکت سعودی عرب برائے ہندوستان)

خالص اسلامی دعوت کے خوشگوار نتائج سامنے آئے

● حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اپنی خالص اسلامی دعوت اور برصغیر میں اس کے دور رس اثرات کی وجہ سے مشہور و مقبول ہوئے اس دعوت کے خوشگوار نتائج سامنے آئے یقیناً علماء کی وفات امت کے لئے بہت بڑا خسارہ ہوا کرتی ہے۔ مولانا مرحوم کی بے شمار تصنیفات ہیں جو اسلام کی خدمت کے جذبہ اور اس کیلئے درد و تڑپ سے مالا مال ہیں۔

شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ آل الشیخ
مفتی عام سعودی عرب

کلید کعبہ

● علامہ ابوالحسن علی ندویؒ ایک عظیم عالم دین تھے، انھوں نے اپنی زندگی ایک معلم، مؤلف اور داعی الی اللہ جیسی گذاری انھوں نے اپنی اسّی تصنیفات کے اندر اپنے اس علمی ورثہ کو چھوڑا جن کا کئی اسلامی اور بعض یورپی زبانوں میں ترجمہ ہوا۔ سعودی حکومت نے آپ کے علم و زہد اور تقویٰ سے متاثر ہو کر آپ کو کلید کعبہ عطا کی تھی جب آکسفورڈ اسلامک سنٹر کا قیام عمل میں آیا تو اس کے بانیوں نے اس کی صدارت شیخ ندوی ہی کو سونپی، مولانا ندوی ایک ایسے مثالی عالم تھے جن کے علم کی وجہ سے ان کے معاصر فخر محسوس کرتے تھے۔

ڈاکٹر زکی بدر سربراہ جامعہ اسلامیہ لندن

دنداں شکن جواب

شیخ سید ابوالحسن علی ندویؒ دین کے معاملہ میں بڑے حساس اور غیرت مند تھے اس میں نہ کبھی نرمی برتی اور نہ مداہنت سے کام لیا۔ اور نہ اللہ کے معاملہ میں کبھی کسی کی پرواہ کی بلکہ اسلام پر جب کبھی کوئی حملہ ہوا اور اس پر آنچ آئی تو آپ نے پوری قوت اور پامردی کے ساتھ اس کے لئے سینہ سپر ہوگئے اور اسلام کی طرف سے بھرپور دفاع کیا اور اس کا دنداں شکن جواب دیا۔ اور اپنے پائے ثبات میں کبھی لغزش نہیں آنے دی۔

ڈاکٹر محمد عبدہٗ یمانی

سابق وزیر الاعلام سعودی عرب

دعوت اسلامی کے علمبردار

● شیخ ندوی دعوت اسلامی کے علمبرداروں میں سے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ ہندوستان میں دعوت کے میدان میں بڑے بڑے کام لئے وہ حدیث کے امام تھے، ان کی وفات بلاشبہ دعوت کے میدان میں اثر انداز ہوگی۔ ان کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ ایک ایسے مدرسہ کی طرح تھے جو حکمت اور سلوک اور خالصۃً اللہ کیلئے دعوت میں ممتاز ہو

ڈاکٹر طہٰ ابراہیم الفائز

استاذ کلیۃ الشریعۃ،

مسلمان ایک معتبر و مستند عالم سے محروم ہوگئے

● شیخ ندوی مربیوں اور داعیوں میں سے تھے اور ان کی ذاتی زندگی اور تالیفات اسلام کے بارے میں ان کی پیش کردہ خدمات کی روشن دلیل ہیں، ان کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ ایک ایسے باعمل داعی تھے کہ جس کے نقوش اس کے ختم ہونے کے بعد بھی زندہ و باقی رہیں گے۔ تصنیف و تالیف میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں نے ایک عظیم اسلامی داعی اور معتبر و مستند عالم کھو دیا۔

ڈاکٹر ابراہیم الوہیبی

جنرل سکریٹری ندوۃ الشباب الاسلامی العالمیۃ جدہ

دعوت کے میدان میں انمٹ نقوش

● شیخ ندوی کی دعوت کے میدان میں بڑی جانفشانیاں اور انمٹ نقوش ہیں اور دعوت کے سلسلہ میں ان کا ایک خاص اسلوب و نہج ہے جس میں وہ ممتاز و منفرد ہیں۔

ڈاکٹر خلیل اسمٰعیل حمادہ

استاذ شاہ سعود یونیورسٹی (ریاض)

امتیازی شان

● شیخ ابوالحسن علی ندویؒ نے دعوت الی اللہ کے میدان میں بڑا مجاہدہ کیا اور عالم اسلام میں اسلامی پرچم کو بلند کیا وہ عصر حاضر کے علماء اور مصلحین کے درمیان علم و عمل اخلاص و للّٰہیت اور اسلوب دعوت میں امتیازی شان رکھتے تھے۔

عمر بن محمد السبیل

امام و خطیب مسجد حرام مکۃ مکرمہ

عصر حاضر کے مجدد

● مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ عصر حاضر کے ایک مجدد تھے انھوں نے اپنے قلم سے دعوت کے میدان میں جہاد کیا، دین محمدیؐ کو غیروں کی تاویلات اور تحریفات سے بچایا۔ اسلام کی سچی دعوت و تعلیم کو ہندوستان میں خصوصاً اور عرب ممالک میں عموماً پیش کیا۔

نادر عبدالعزیز النوری

صدر مجلس ادارہ فلاح و بہبود (سعودی عرب)

دعوت و اصلاح کے نقوش

● حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے دعوت و ارشاد اور وعظ و نصیحت کے ذریعہ اسلام کی خدمت انجام دینے میں بڑا مجاہدانہ کردار ادا کیا اور نہ صرف ہندوستان اور عرب ممالک بلکہ ساری دنیا میں ان کی دعوت و اصلاح کے نقوش ثبت ہیں۔ انھوں نے اپنے علم و عمل سے مسلمانوں اور غیر مسلموں کو بڑا فائدہ پہونچایا۔

ڈاکٹر صالح مہدی السامرائی

صدر اسلامک سینٹر (جاپان)

ان کی تصنیفات منارۂ نور اور مشعل راہ ہیں

شیخ ندویؒ نے اسلامی بیداری پیدا کرنے اور فکر کو جلا بخشنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ان کی تصنیفات اور کتابیں ہمارے لئے مشعل راہ ہیں جن سے مسلم نوجوان اسلامی علوم کے میدان میں اپنی علمی و فکری تشنگی دور کررہے ہیں۔ اور وہ بڑی عقیدت و احترام کے ساتھ مسلم گھرانوں میں پڑھی جاتی ہیں۔

احمد عبدالوہاب بن عبدالرحمٰن نوردلی

نائب سکریٹری الندوۃ العالمیۃ للشباب الاسلامی جدہ

زہد و تقویٰ کے پیکر

میں نے ابوالحسن علی ندوی کو زہد و تقویٰ کے اعتبار سے بہت بلند مقام پر پایا۔ لوگوں کی زبانیں پرہیزگاری اور خدا ترسی کے کلمات سے تر رہتی ہیں لیکن ان کے دلوں کا حال کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ ان کے دل اس کیفیت سے یکسر خالی ہوتے ہیں جس کا اظہار کرتے ہیں، لیکن شیخ ابوالحسن زہد و تقویٰ کے پیکر تھے وہ باعمل علماء کی حسین لڑی کا ایک نہایت خوبصورت موتی اور امت کا بچا ہوا خزانہ تھے

عبداللہ السلطاوی (عمان)

کہکشاں کی انجمن میں جیسے ہو ماہِ تمام

حضرت مولاناؒ کے عہد نظامت کے اہم اجلاس کی روح پرور یادیں

● مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری، استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء

دارالعلوم ندوۃ العلماء وہ تاریخ ساز ادارہ ہے جس نے علمی، فکری، دینی، روحانی اور ادبی میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں، اس ادارہ کے بانیوں کا اخلاص ہر دور میں برگ و بار لاتا رہا، اور "تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا" کا منظر پیش کرتا رہا ہے، اس کی راہ میں طوفان آئے، تو اس نے اس کی پرواہ نہیں کی بلکہ اس کے رخ کو موڑ دیا۔ زندگی کی شاہراہ میں جہاں دراڑیں آئیں اور باہمی چپقلشوں کے نتیجے میں خلیجیں پیدا ہوئیں تو انھیں پاٹنے کا فریضہ انجام دیا، اس کی بنیاد اس پر رکھی گئی تھی کہ امت مسلمہ کی صفوں سے باہمی رنجشوں کو دور کرکے قوت و استحکام پیدا کیا جائے اور اس کے تعلیمی نظام میں جو نقص ہے اس کو دور کیا جائے، اور معاشرہ کی اصلاح کی ہر ممکن سعی کی جائے، اس کے لئے اس ادارے کے بیدار مغز بانیوں نے ملک کے طول و عرض میں اس کے پیغام کو پہونچانے کے لئے بڑے بڑے اجلاس منعقد کئے۔ اس کا آخری اجلاس نومبر ۱۹۲۳ء کو امرتسر میں منعقد ہوا اس کے بعد پھر تقریباً نصف صدی تک مختلف اسباب کی بناپر اس کا کوئی اجلاس نہیں ہو سکا تھا۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے مجلس مشاورت کے وفد کے ساتھ ۱۹۶۶ء میں ریاست میسور کا سفر کیا، جہاں بلگام میں بھی ایک دن آپ کا قیام رہا، حیات عبدالحئیؒ میں اس کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ:۔

"اگرچہ اس اجلاس کو منعقد ہوئے نصف صدی ہو چکی تھی اور اس زمانے کے اکثر لوگ دنیا سے رخصت ہو چکے تھے، چند معمر بزرگ ہی باقی تھے جو اس اجلاس میں شریک تھے، لیکن ابھی تک دلوں میں اس کی یاد تازہ تھی، اور لوگ مزہ لے کر اس کا تذکرہ کرتے تھے۔"

(حیات عبدالحئیؒ ص ۱۹۴)

غالباً ۱۹۶۲ء یا ۱۹۶۳ء میں حضرت مولاناؒ نے بحیثیت ناظم ندوۃ العلماء کے اولاً اس کی تحریک کی اس وقت اس سلسلے کے بعض اہم کام انجام بھی دیئے گئے... یہ بات بھی کم لوگوں کو معلوم ہوگی کہ تعمیر حیات کے اجراء میں (جس کا پہلا شمارہ نومبر ۱۹۶۳ء میں شائع ہوا) یہ خواہش اور جذبہ بھی کارفرما تھا کہ اس سے اجلاس کی عمومی فضا اور ذہن تیار کرنے میں مدد ملے گی۔ لیکن بات اس سے آگے نہ بڑھ سکی اور ایک طویل عرصہ اس حال میں گذر گیا، آخرکار ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامی نے اپنے جلسہ منعقدہ ۲۲ر مارچ ۱۹۷۴ء (جو خاتون منزل گولہ گنج میں حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کی صدارت میں ہوا) میں اس تحریک کو ایک مختصر تجویز کی شکل میں باضابطہ طور پر منظور کیا، اس موقع پر ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے مجلس انتظامی کو متوجہ کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

"ندوۃ العلماء کا اجلاس عام مدتوں سے منعقد نہیں ہوا، کچھ عرصہ پیشتر اس کا ذکر آیا مگر توجہ نہ دی جاسکی حالانکہ جلسہ عام کا انعقاد ایک بڑی ضرورت ہے، اور عدم انعقاد ایک بہت بڑی کمی، اب انشاءاللہ اس کمی کو ضرور پورا کیا جائے گا اور اس میں تمام عالم اسلام کے ممتاز علماء اور دینی شخصیتوں کو بھی مدعو کیا جائے گا۔"

(کارروائی اجلاس ۱۸ اگست ۱۹۷۴ء)

اجلاس کے قریبی اور فوری محرکات میں سب سے بڑا حصہ (جس سے اس کا اولین تقاضا پیدا ہوا اور شدت اختیار کر گیا) حضرت مولانا نوراللہ مرقدہ کے ممالک عربیہ اسلامیہ کے مسلسل دوروں اور وہاں کی جامعات علمیہ مجالس اور عمومی اجتماعات میں ان کی تقریروں اور خطبات کا ہے، جن کا آغاز ۱۹۵۱ء میں سفر حجاز، شام اور مصر و سوڈان سے ہو گیا تھا، مصر میں جو اس وقت علم و ادب کے لحاظ سے اپنے پورے شباب اور عروج پر تھا، حضرتؒ کا قیام کئی ماہ مسلسل رہا، اور ندوۃ العلماء کے نام اور کام سے ایک بہت بڑا حلقہ اچھی طرح واقف ہو گیا، جس میں ہر طرح کے ممتاز و نامور افراد، تعلیم یافتہ ذہین اور بے چین نوجوان، لائق

اساتذہ اور صف اول کے اہل فکر و اہل قلم بلکہ دیہات کے سادہ لوح اور مخلص مسلمان بھی شامل تھے۔

اس کے بعد حضرت والاؒ کے سفر برابر جاری رہے اور نہ صرف ممالک عربیہ بلکہ یورپ کے متعدد ملکوں تک اس کا سلسلہ دراز ہوگیا۔ اس کے علاوہ حضرت مولاناؒ کی عربی تصنیفات کی عالم عربی میں بڑے پیمانے پر اشاعت و مقبولیت کی وجہ سے ندوہ کو قدرتی طور پر عام مقبولیت حاصل ہوئی، اور اس کے فکر و نظر کی بلندی، تخیل و نصب العین کی جامعیت اور دماغ و دل کے توازن نے علمی و دینی حلقوں کو خاص طور پر اور وسیع پیمانے پر متاثر کیا، اور کہا جاسکتا ہے کہ شاید آج عالم اسلام میں ندوہ سے جتنے لوگ واقف ہیں اتنے خود اس ملک میں نہ ہوں گے۔

ان تمام باتوں کے پیش نظر محسوس کیا گیا کہ اب جو اجلاس ہو وہ کل ہند نہیں بین الاقوامی سطح پر منعقد ہو، خاص طور پر ممالک عربیہ کے علمی و تعلیمی حلقوں کو اس میں خاص طور پر اور بڑے پیمانے پر شرکت کی دعوت دی جائے تاکہ وہ اس ندوہ کو جس کے وہ نادیدہ مشتاق ہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ (روداد چمن)

دعوت کا آغاز

اس سلسلہ کی پہلی دعوت رابطہ عالم اسلامی کے جنرل سکریٹری شیخ صالح قزاز کو پیش کی گئی، حضرت والاؒ بہ نفس نفیس اپنے معتمد ترین مخلص و محبوب شاگرد حضرت مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی دامت برکاتہم اور اپنے بھتیجے جناب مولانا محمد الحسنیؒ کے ہمراہ شیخ کے دفتر واقع حرم مکی میں حاضر ہوئے اور دعوت پیش کی، شیخ نے بڑی خندہ جبینی اور کشادہ روئی کے ساتھ دعوت کو قبول کیا اور کامیابی کی دعا فرمائی۔ شیخ نے اجلاس کے موقع پر اپنے مرسلہ پیغام میں یہ تاریخی جملہ کہا تھا کہ "شیخ ابوالحسن علی ندویؒ عالم عربی کے لئے ہندوستان کا ایک تحفہ ہیں"۔

اس طرح اس پچاسی سالہ جشن کا دعوت کا آغاز اس سرزمین سے ہوا جہاں سب سے پہلی وحی نازل ہوئی تھی۔ اور اس میں جہل و ضلالت میں ڈوبی ہوئی دنیا کو علم و آگہی کی بشارت دیتے ہوئے تعلیم کی طرف متوجہ کیا گیا تھا، اور اس اجلاس کا مقصد بھی تعلیم کی قندیلیں فروزاں کرنا اور موجودہ نظام تعلیم میں مثبت پہلوؤں کو فروغ دینا تھا۔ اجلاس کی صدارت کے لئے جامعۃ الازہر مصر کے الامام الاکبر شیخ عبدالحلیم محمود پر حضرت والاؒ کی نگاہ پڑی جو اس منصب کے لئے ہر طرح اہل تھے اور کرسی صدارت ان کی تشریف فرمائی پر نازاں تھی۔ بلاشبہ ایک موزوں انتخاب تھا حضرت مولانا ۱۹۷۳ء میں رابطہ عالم اسلامی کی سالانہ میٹنگ میں شرکت کے لئے مکہ معظمہ تشریف لے گئے تھے۔ اسی اجلاس میں شرکت کے لئے شیخ الازہر بھی تشریف لائے تھے۔ حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی دامت برکاتہم نے شیخ کی قیام گاہ فندق شبرا میں حضرت والاؒ سے ملاقات کا نظم فرمایا، حضرتؒ تشریف لے گئے اور وہیں دعوت پیش کی گئی۔ اور شیخ نے شرف قبولیت سے نوازا، اور شریک اجلاس ہوئے۔ اس طرح اس اجلاس کی کامیابیوں میں وادی بطحا کی عطر بیز ہواؤں کے جھونکوں نے کلیدی رول ادا کیا، حضرت شیخ مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ نے جب سے اس اجلاس کی خبر سنی تھی۔ اس کی کامیابی کے لئے ہمہ تن متوجہ تھے، گھر کی خواتین اور اہل تعلق سے بھی دعا کا اہتمام کراتے رہے۔ حضرت شیخؒ کے قریبی لوگوں کا بیان ہے کہ اجلاس کے انعقاد کے زمانہ میں کبھی کبھی پوری رات حضرت شیخؒ خواب میں اجلاس کے انتظامات میں مصروف اور شرکاء اجلاس کی رہنمائی کرتے ہوئے محسوس ہوتے تھے۔

اجلاس کی تاریخیں ۳۱ ر اکتوبر یکم اور ۲ ر نومبر طے کی گئی تھیں، حضرت مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی دامت برکاتہم مکہ کرمہ سے بطور خاص اس کے انتظام و انصرام کے لئے لکھنؤ تشریف لائے، اور حضرت والاؒ کے وطن تکیہ رائے بریلی میں اس سلسلہ کی پہلی میٹنگ ہوئی۔

راقم سطور اس زمانہ میں درجہ علیا اولی فضیلت اول کا طالب علم تھا، اساتذہ، طلباء دارالعلوم کی تزئین و تحسین میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے، اکابر اساتذہ بھی طلباء کے ساتھ دارالعلوم اور فیلڈ کی صفائی اور تزئین میں دوش بدوش تھے۔ عجب روحانی سماں تھا ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ عید آنے والی ہے ایسی عید جس کے لئے نگاہیں بے تاب اور قلب و ذہن میں ایک اضطراب برپا تھا۔ شوال کا مہینہ مدارس میں تعلیمی آغاز کا مہینہ ہوتا ہے، نو وارد مہمانوں کا استقبال کوئی نئی بات نہیں، لیکن اس سال تو اس اجلاس کی برکت سے پورے عالم اسلام کی برگزیدہ ہستیوں کی کہکشاں جیسے اتر آئی ہو، لکھنؤ کی سرزمین اپنی تقدیر پر نازاں تھی۔ اموسی ہوائی اڈے سے دارالعلوم ندوۃ العلماء تک بے شمار گیٹ بنائے گئے تھے، جو تاریخ ساز علمی، دینی اور روحانی شخصیتوں کی طرف منسوب تھے۔ سب سے آخری گیٹ پنڈال کے قریب اسٹیج کے داہنی طرف تھا۔ وہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے نام سے منسوب کیا گیا تھا۔

ے ساتھ حکومت بھی متحرک تھی۔ اس
ے وزیر اعلیٰ آنجہانی ہیم وتی نندن بہوگنا
خود ندوہ کے روبرو گذرنے والی سڑک
بیدار گومتی ندی پر بنے ہوئے باندھ
ین میں سرگرم تھے۔ دن میں کئی دفعہ آتے
۔ اور حضرت والاؒ کی خدمت میں حاضری
رضا کارانہ خدمات کی اجازت چاہتے
۔ حضرت نے ندوہ کے اندر کسی قسم کی
ن یا تعاون سے معذرت کر لی تھی۔ انھوں
موقع پر ایک خطیر رقم کی بھی پیش کش
لیکن شکریہ کے ساتھ اسے بھی واپس
ا تھا۔

۲۸ر اکتوبر کو ٹھیک ساڑھے نو بجے
ں اجلاس شروع ہوا، شروع سے آخر
ن جشن کے اسٹیج سکریٹری کے فرائض
مولانا محمد رابع صاحب ندوی دامت
نے انجام دیئے۔ وسیع وعریض اور
رت ڈائس پر عرب مہمانوں کی قطاریں
ش منظر پیش کر رہی تھیں۔ قاری ود دالہی
ندویؒ کی تلاوت کلام پاک سے اجلاس
عدہ کارروائی شروع ہوئی۔ اس کے
ندوہ کے طلباء نے ندوہ کا ترانہ پیش کیا،
اہر بند ندوۃ العلماء کے بلند عزائم ومقاصد
نصب العین کا آئینہ دار ہے ؎
ارثِ ملک وملت ہیں ہم سے ہے درخشاں صبحِ وطن
ابش دیں ہم نورِ یقیں ہم حسنِ عمل، ہم خلقِ حسن

۳ر نومبر تک اس اجلاس کے سارے
م بحسن وخوبی انجام پذیر ہوتے رہے۔
علماء کا یہ تعلیمی اجلاس ایک ایسا بین الاقوامی
تھا جسے ہم ملت اسلامیہ ہند کی تاریخ
اہم موڑ قرار دیں تو مبالغہ نہ ہوگا۔ آزادی
اس سرزمین میں مسلمانوں کو بڑی صبر آزما

آزمائشوں سے گذرنا پڑا، ہر شعبۂ زندگی میں تعصب اور تنگ نظری اور مسلسل فرقہ وارانہ فسادات کے نتیجے میں مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تھے، مسلمانوں کے ذہن میں یہ بات جم گئی تھی کہ اس ملک میں سکون و قرار ان کے مقدر سے اٹھ گیا ہے، اس ماحول اور ذہن کے خلاف جدوجہد میں حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ پیش پیش تھے، انھوں نے ایک طرف تو تعصب و تنگ نظری اور ظلم و غارت گری کے خلاف بڑھے بے خوفی اور بے باکی کے ساتھ قلم و زبان دونوں سے جہاد کیا، اس کے ساتھ ہی مسلمانوں میں خودداری، خود شناسی اور خود اعتمادی کا جذبہ پیدا کیا۔

یہ اجلاس حقیقت میں ہندی مسلمانوں کی زندگی اور قوت کا ایک ایسا ناقابل فراموش مظاہرہ تھا، جس کے بڑے دور میں اثرات ملک وملت کی زندگی سے وابستہ تھے، بقول حضرت والاؒ کے:۔

"اس ملک کے مسلمان پوری خودداری وخود شناسی، اپنے دینی شعائر اپنی دینی وملی تہذیب وشخصیت کے ساتھ اس ملک میں رہنے کا عزم صمیم کر چکے ہیں، یہ ہندوستانی مسلمانوں کی ذہنیت کا بھی امتحان ہے اور وفا کا بھی اور ان کے مضبوط اور غیر متزلزل عقیدہ کی بھی آزمائش ہے اور سچی حب الوطنی کی، ان کی طاقتور اور دلآویز شخصیت اور اعلیٰ کردار کی بھی اور مثبت طرز فکر اور جذبۂ عمل کی بھی۔"

اس اجلاس سے ہندوستان میں مسلمانوں کے وجود، ان کی افادیت اور فکر و عمل کے بارے میں جو بہت سی غلط فہمیاں تھیں وہ دور ہوئیں، مایوسی اور احساس کمتری کی گرد صاف ہوئی اور خود اعتمادی کا جذبہ پیدا ہوا۔

اس اجلاس میں ساری دنیا خصوصاً اسلامی ملکوں کے جتنے ممتاز علماء اور دانشور شریک ہوئے اس سے قبل کبھی کسی اجتماع یا اجلاس میں شریک نہیں ہوئے، اجلاس میں ملک کے گوشے گوشے سے علماء اور دانشوروں کی کثیر تعداد میں شرکت، نظم وضبط اور جوش واشتیاق دیکھ کر بیرونی مہمانوں پر ایک مسرت انگیز حیرت طاری تھی جس کا اظہار ان کے چہروں سے ہو رہا تھا۔

حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ نے اس اجلاس کے عظیم اور دور رس اکتسابات یوں بیان فرمایا:۔

"عرب ملکوں میں یہ تأثر عام تھا کہ تقسیم کے بعد مسلمان اپنے متاع ایمان کے ساتھ پاکستان چلے گئے، اور ہندوستان میں بس وہی رہ گئے ہیں جن کو ایمان سے زیادہ اپنا گھر بار عزیز ہے اس لئے ہماری بڑی آرزو تھی کہ یہ حضرات ہندوستان آئیں اور دیکھیں کہ مشکلات اور آزمائشوں کے باوجود اسلام اور ایمان کی متاع کو کس طرح سینوں سے لگائے ہوئے ہیں۔"

مفکر اسلام حضرت مولاناؒ کی شخصیت سے عرب مہمان خوب اچھی طرح واقف تھے۔ لیکن ان کے لئے یہ انکشاف اور مسرت بخش تجربہ تھا کہ ان کے چھ سات کروڑ دینی بھائی بچاس کروڑ غیر مسلم برادران وطن کے درمیان اسلام وایمان کا پرچم سربلند رکھے ہوئے ہیں۔ اس موقع پر حضرت مولاناؒ نے اپنے خطبۂ استقبالیہ میں ان مہمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ۔

"ہندوستانی مسلمان خدا کے فضل سے بڑی حد تک اسلام کے معاملہ میں خود کفیل ہیں۔ وہ اسلام کے اولین اور حقیقی سرچشمہ کتاب و سنت اور اسلام کے اولین علم برداروں کی سیرت و کردار، ان کی قربانی و ایثار، ان کی اولوالعزمی اور حوصلہ مندی کی جلائی ہوئی شمع سے روشنی حاصل کرتے ہیں۔ انھوں نے اپنا عقیدہ و ایمان اپنی جان و مال اسلام کے چمکتے ہوئے سورج کے ساتھ وابستہ کیا ہے، مسلم اقوام یا عرب ممالک کے ڈوبتے ابھرتے ستاروں اور ٹمٹماتے ہوئے چراغوں سے نہیں، وہ آنکھ بند کرکے ان میں سے کسی کی انگلی پکڑ کر چلنے والے نہیں، انھوں نے اللہ کے بھروسے پر یہ فیصلہ کیا ہے کہ ان کو اسلام اور اسلامی تعلیمات کو سینے سے لگائے رکھنا ہے، خواہ دنیا کی کوئی قوم عرب ہو یا عجم اس سے بے تعلقی اور روگردانی اختیار کرے۔"

حضرت والا نور اللہ مرقدہٗ کے ان الفاظ میں ہندوستانی مسلمانوں کا اسلام کے تئیں جو وفاداری، سچی محبت، اخلاص، اور اسلام کے فروغ کے لئے عظیم قربانی کا حوصلہ اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ اسلام کو اس کے اولین سرچشمے سے اخذ کرتے ہیں اور یہ کہ ان کی غیرت کسی اور کی طرف دیکھنے کی روادار نہیں، صاف عیاں ہے، حضرت رحؒ نے جس خود اعتمادی کے ساتھ مسلمانوں کی ترجمانی فرمائی، عرب مہمان بھی متأثر ہوئے بغیر نہ رہے۔

اس اجلاس میں بہت سے مفید اور پرمغز مقالات پیش کئے گئے، عربی مقالات اور تقریروں کی ترجمانی ندوہ کے اساتذہ اور فضلا بڑی برجستگی اور روانی سے کرتے، اور اردو میں کی ہوئی تقریروں کے خلاصے بھی عربی میں پیش کئے جاتے رہے، پنڈال میں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی عربی زبان میں گھنٹوں پروگرام میں عوام کی شرکت اس ذوق و شوق سے ہوتی رہی جیسے وہ ان مقالات و تقریروں کی روح سے آشنا ہی نہیں بلکہ اس کے مفہوم و معنیٰ کے ذواق ہیں۔ سامعین کی بڑی تعداد عربی زبان سے ناواقف تھی، لیکن پروگرام کے دوران ایسا سکون، ایسی سنجیدگی اور سکینت کا مشاہدہ ہوتا رہا کہ دل و نگاہ نے ایسا منظر دیکھا نہیں تھا۔

یہ اجلاس حضرت والاؒ نے اس لئے نہیں منعقد کرایا تھا کہ ندوہ کو مالی وسائل فراہم ہو جائیں اور اس کی تشنہ عمارتوں کی تکمیل ہو جائے لیکن جب ندوہ کے کاز اور کام اور اس کی افادیت و نافعیت نیز صلاحیت و صالحیت کو دیکھ کر بعض عرب مندوبین کی طرف سے اس موقع پر مالی تعاون کی پیش کش کی گئی تو بعض حلقوں کی طرف سے بدگمانیوں کے اشارے محسوس کئے گئے۔ حضرت نور اللہ مرقدہٗ نے اس موقع پر برمحل، برجستہ، پرمغز اور دلولہ انگیز تقریر فرمائی۔

"اس جشن تعلیمی کا مقصد محض دعوت ہے، اور ہندوستان میں جو تعلیمی اصلاحی اور تجدیدی کوششیں ہوئی ہیں ان کی ایک تصویر ممالک اسلامیہ کے اہل علم و دانش کے سامنے رکھ کر ان کے تجربات و خیالات سے فائدہ اٹھانا ہے، اور بس! اس جشن کے انعقاد کے فیصلے سے آج تک کبھی حاشا و کلا اس کے ذریعہ حصول زر کا خیال بھی حاشیۂ دماغ میں نہیں آیا۔ بعض عرب ممالک کے نمائندوں نے جن امدادی رقوم کا اعلان کیا ہے وہ ہماری منشا کے خلاف ہے۔"

حضرتؒ نے بڑے مؤثر اور جذباتی انداز میں مزید فرمایا۔

"یہ سونے کی چڑیاں تو اڑ جائیں گی لیکن ہمارے مدارس ہندوستان ہی کے مسلمانوں کے تھوڑے تھوڑے عطیات سے چلتے رہیں گے، ہم ان دولتمند ممالک کے سامنے کاسۂ گدائی لے کر نہیں جاتے اگر ایسا ہوتا تو آج ہماری دعوت پر ممالک عربیہ اسلامیہ کے اتنے جلیل القدر اشخاص یوں کھنچے چلے نہ آتے۔"

ہندوستانی مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"ہم آپ کو چھوڑنے والے نہیں ہیں، آپ جو چار آٹھ آنے دیں گے وہی ہمارے لئے اصل نعمت ہیں، کیونکہ یہ ہمارے مہمان جو کچھ دیں گے وہ اللہ کی ان دی ہوئی بے شمار دولت کا ایک چھوٹا سا حصہ ہوگا اور آپ کا عطیہ آپ کی گاڑھی کمائی کا پیسہ ہے، یہ بات ہمیشہ ملحوظ رہنی چاہئے کہ ہم پیسہ کی خاطر اصول کا سودا کبھی نہیں کر سکتے، اب ہماری قسمت اسی ملک کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس لئے ہم اس ملک کی فلاح و بہبود کی خاطر اس کو ایک پیغام دینا چاہتے ہیں اور اس مہرجان تعلیمی (جشن تعلیمی) کا یہی اصل مقصد ہے۔"

حضرت مولانا کی تقریر کے ایک ایک لفظ سے خلوص و صداقت، غیرت و حمیت، خودداری اور خود اعتمادی کا چشمہ ابل رہا تھا، اس سے حاضرین بے حد متأثر ہوئے۔

اس اجلاس نے خوش سلیقگی، سنجیدگی، صفائی، ستھرائی اور مہر و محبت اور اپنائیت کے ایسے تابندہ نقوش قائم کئے جس سے شرکاء اجلاس

ی متاثر ہوئے۔ عباسیہ ہال میں جہاں
ردستان کی پوری علمی ادبی تاریخ کا خاکہ
رہ کی پچاسی سالہ علمی، فکری، دینی اور ادبی
یخ کو دسیلے بورڈوں کے ذریعہ اس طرح
ہا کیا گیا تھا، کہ اس کی پوری روح کشید کر
دی گئی تھی۔ پھر اس کے ساتھ ہندوستان
متاز علماء ادبا، نقاد، مؤرخین، مفسرین،
ین، اصحاب فکر اور اہل دل کی کہکشاں مستزاد
ہ دنور کا سماں پیش کر رہی تھی، قیام وطعام
م، وضو اور نماز کا انتظام اس طرح کیا گیا تھا
ہ انگوٹھی میں نگینہ کو فٹ کر دیا جاتا ہے،
ب مندوبین کے قیام کے لئے شہر کے ممتاز
ں میں نظم کیا گیا تھا۔ جب کہ ایک بڑی تعداد
ندا احاطہ کی مسجد میں فروکش تھی، انہیں
ے آئے ہوئے مہمان بھی تھے، اور اہل دل
ہ بھی، ایک طرف حضرت مولانا محمد احمد
ب پرتاب گڈھی ؒ دل ونگاہ کی انگیٹھی گرما
تھے تو دوسری طرف داعی کبیر حضرت مولانا
اللہ صاحب بلیاوی ؒ دعوت وارشاد
ہک دین کی ساقی گری میں مصروف تھے،
کے حضور میں اجلاس کی کامیابی کے لئے تضرع
ہ کے ساتھ دعاؤں میں مصروف وہ مخلصین
تھے جو اعتکاف کی نیت سے اپنے مالک کے
یں حاضر تھے، اور ہمہ وقت اس اجلاس
یابی اور مقصد میں نیک نامی کی بھیک
ہے تھے۔ ان مخلصین کے لئے پنج وقتہ
ں کے سوا فجر کی نماز کے بعد حضرت ؒ نے
ی وقت فارغ کیا تھا۔ فجر کے بعد حضرت
ہ ہوتا تو سارا مجمع سمٹ کر پروانوں کی
مسجد میں آجاتا، اس موقع پر حضرت
بڑی مؤثر تقریریں فرمائیں۔ جس میں معاشرہ
ہوئی حالت، بے حیائی، دین سے دوری

نوجوانوں کی بے راہ روی، اخلاص ومروت کی کمی، بداخلاقی کی گرم بازاری اور معاملات میں بگاڑ، تعلقات کی خرابی، دیدہ ودل کی بربادی کا بڑے مؤثر انداز میں تذکرہ ہوتا۔ صبح کی یہ تقریریں جشن کا ایک بہت اہم حصہ قرار دی جاسکتی ہیں، ان تقریروں سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ امانتیں اور سوغاتیں اس منتخب اور چیدہ مجمع کو دیکھ کر جو طلب صادق کے جذبہ سے آیا ہے، مولانا ؒ نے پورے اخلاص ودلسوزی کے ساتھ ایک ایک کر کے یہاں پیش کر دیں۔

امیر جمع ہیں احباب درد دل کہہ لے
پھر التفات دل دوستاں رہے نہ رہے

ملت کے نام پیغام

حضرت ؒ نے فرمایا:

"میں اس وقت جو کہنا چاہتا ہوں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ دین جو اللہ نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو عنایت کیا ہے اور جس کی وجہ سے ہم حقیقت میں انسان کہلانے اور دین ودنیا کی ساری نعمتوں کے مستحق ہیں، یہ دین نہ قیاسات پر مبنی ہے نہ خواہشات پر، لیکن اس سے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ دین ودنیا کا فرق کیا ہے؟

دنیا وہ ہے جو آدمی اپنے قیاس، ظن وتخمین، اپنی عقل وتجربہ، اپنی ذہانت یا اپنے اندر کے تقاضے سے برتتا ہے اور دین وہ ہے جو اس کو اوپر سے ملتا ہے، دین ودنیا کو جو چیز علاحدہ کرتی ہے وہ یہ ہے کہ دنیا سراسر قیاس اور خواہش پر مبنی ہے اور دین سراسر وحی الٰہی اور حکم الٰہی پر مبنی ہے، دنیا میں نفس کی تسکین... اور دین میں رضائے الٰہی اور حکم الٰہی پر اس کی نظر ہوتی ہے اور طاعت کا جذبہ کام کرتا ہے یہ ایک بہت موٹی سی بات ہے لیکن لوگوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ دین ودنیا کا فرق کیا ہے؟"

مزید فرمایا:

"بھائیو! اطاعت کی اور تعمیل حکم کی عادت ڈالنی چاہئے اس کے کسی چھوٹی سی چھوٹی بات پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا، جن کو بات ماننے کی عادت نہیں ان پر ہرگز بھروسہ نہیں کیا جاسکتا، بات ماننے کی عادت ڈالئے۔ مسلمانوں کا مزاج اگر ہندوستان میں یہ بن جائے تو ان شاء اللہ ساری مشکلیں آسان ہو جائیں۔"

اخیر میں بڑے جذباتی انداز میں آپ نے فرمایا:

"معلوم نہیں آپ کا ملنا پھر کبھی ہو نہ ہو۔۔ میرے بھائیو! میں اس بات کو پھر آپ کے سامنے دہراتا ہوں، آپ اپنے طرز زندگی کو بالکل یگانہ اور بالکل جداگانہ اور نمایاں کیجئے کہ دور سے معلوم ہو کہ یہ مسلمان کا محلہ ہے یہ مسلمان کا گھر ہے، یہ مسلمان کی دوکان ہے، یہ مسلمان کا مکان ہے ؎

بیاباں کی شب تاریک میں قندیل رہبانی

اس طرح بن جائیے جیسے ایک چراغ گھٹا ٹوپ اندھیرے میں جل رہا ہو، بہت کی اندھیری رات میں ایک جگنو بھی نظر آجاتا ہے تو آپ کیوں نہ نظر آئیں گے؟ پتھروں کے ڈھیر میں جس طرح ہیرے ہوتے ہیں اس طرح آپ ہیرے بن جائیے، سب سے سارا مسئلہ آپ کا حل ہے، مسئلہ اس کے بغیر حل نہیں ہو سکتا کہ آپ کی زندگی پرکشش ہو، آپ کی زندگی میں ایک جادو

ہو، مونہی ہو جو دیکھے آپ کا کلمہ پڑھنے لگے۔

یہاں سے آپ صرف یہ کہتے ہوئے نہ جائیں کہ خوب اجتماع ہوا، ایسے عربوں کو دیکھا، ایسے عالموں کو دیکھا اور اتنے نمازی تھے اور اتنی رونق تھی اور اتنا بڑا مدرسہ دیکھا، آپ یہ چیز لے کر جائیے اور لوگوں تک پہونچائیے۔"

(روداد چمن ص۲۱۹)

ندوہ کا جشن تعلیمی جب اختتام کو پہونچا تو ہر طرف سے تہنیت و تبریک کی صدائیں بلند ہوئیں، اجتماعی زندگی میں ایک قوت محسوس کی گئی تو انفرادی زندگی بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ عربی زبان کی طرف ذوق و شوق پیدا ہوا۔ مدارس عربیہ میں اس نہج پر غور کیا جانے لگا اور عصری اداروں کے پروردہ بھی رشک کی نگاہ سے دیکھنے لگے بقول رشید کوثر فاروقی؛

"سب سے بڑا کارنامہ اس اجلاس کا میرے نزدیک یہ ہے کہ اس نے علماء کے وقار کو بحال کیا ہے۔ بلکہ یوں کہئے کہ مسلمانوں میں بصیرت پیدا کردی ہے۔

اس تاثر کی جگمگاہٹ میں نے تقریباً ہر چہرے پر دیکھی خصوصاً سیکڑوں مغرب زدہ نوجوانوں کو اپنی تہی دامنی، کوتاہی اور بے سوادی پر خاست پایا اور انھیں باہم گفتگو کرتے بھی سنا کہ علم دین نہیں تو علم دنیا سراب محض ہے۔ مدرسوں میں ترانوں کا رواج ہوا اور اپنے اکتسابات پیش کرنے کی خواہش انگڑائی لینے لگی۔ لیکن جو ندوہ کے پچاسی سالہ اجلاس کی روح تھی وہ پھر نظر نہ آئی"

زفرق تا قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

جشن روحانی

امام حرم مکی شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ آل الشیخ کی آمد

دیدہ و دل فرش راہ

ابھی آپ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے جشن تعلیمی کی عطر بیز نکہت ریز اور نشاط انگیز فضا، نورانی ماحول، ایمانی غیرت، اسلامی جوش و خروش اجتماعی روح اخوت کی پاسداری، ذمہ داریوں کا احساس، ذمہ دار معاشرہ کی صفات اور اسکے حاملین کا تذکرہ اور زخمۂ دل اور بربط احساس سے اٹھتے ہوئے سرمدی نغموں کی سامعہ نوازی سے محظوظ ہو رہے تھے۔ اب کشاں کشاں اس بارگاہ میں ایک دفعہ پھر حاضر ہوتے ہیں۔ حرمین شریفین سے اٹھنے والا ابر، ابر رحمت ہوتا ہے۔ اس کے رشحات سے دل کی کھیتی ہری اور فکر کو قوت علم کو گیرائی اور ذہن کو توانائی حاصل ہوتی ہے۔ ٹھیک دو سال بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں کو یہ خبر موصول ہوئی کہ حرم مکی کے امام حضرت الامام شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ آل الشیخ اپنے دو اہم رفقاء (شیخ سعید جندول اور ورلڈ مسلم یوتھ آرگنائزیشن کے نائب سکریٹری ڈاکٹر احمد توتونجی) کے ہمراہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کی زیارت، اور اس کے ناظم مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رح کی خدمت میں حاضری کی غرض سے آنے والے ہیں۔ حرم مکی کے امام کا ہندوستان کا یہ پہلا دورہ تھا۔ شیخ حرم عبدالعزیز بن عبداللہ آل الشیخ اس خانوادے کے چشم و چراغ تھے۔ جس کے دینی خدمات اور فکری اسلامی قیادت کو سعودی عرب میں نہ صرف قبول کیا جاتا ہے بلکہ اس خانوادے کے ساتھ حکومت کا معاملہ بھی خادمانہ اور فدویانہ ہے۔ اور عوام میں احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ حضرت والا نور اللہ مرقدہٗ کے امام حرم مکی کے قبلہ والد شیخ عبداللہ بن حسن (جو اپنے وقت میں سعودی عرب کے قاضی القضاۃ تھے) سے گہرے اور مخلصانہ روابط اس وقت سے تھے جب شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ امام حرم مکی ابھی بہت کم سن تھے، اسی مناسبت سے وہ اپنی تقریروں میں حضرت رح کو ابونا اور والد کے الفاظ سے مخاطب کرتے تھے۔ اور شاید یہی وہ محرکات تھے کہ انھوں نے ہندوستان آنے کا قصد کیا اور حضرت رح کی خدمت میں محبت و عقیدت کی سوغات پیش کرنے کی غرض سے دارالعلوم میں حاضری کی اطلاع بذریعہ ٹیلی گرام بھجوائی۔ یہ وفد ۳۱ر جنوری کو دہلی پہونچنے والا تھا۔ دو دن دہلی میں گذار کر ۳ر فروری ۱۹۷۸ء کو لکھنؤ میں تشریف آوری کے چرچے تھے۔ لکھنؤ کے قصبات دیہات اور نواحی اضلاع اور دور دراز علاقوں سے ایک دن پیشتر ہی اتنے مہمان لکھنؤ پہونچ چکے تھے کہ کوئی گھر مسلمانوں کا ایسا نہ تھا جہاں دو چار مہمان موجود نہ ہوں۔ اس میں یہ جذبہ بھی کار فرما تھا کہ حرمین شریفین کی حاضری کی سعادت ملے نہ ملے کم از کم حرم مکی کے امام کے پیچھے نماز ادا کی جائے یہ بھی ایک بڑی سعادت ہوگی۔ اہالیان لکھنؤ دو سال قبل منعقد ہوئے مہرجان تعلیمی کی خوشگوار اور سحر آگیں یادوں سے

سور ہی تھے کہ مذکورہ تاریخ میں اس تاریخی شہر کے در و دیوار نعرۂ تکبیر کی صداؤں سے پھر گونج اٹھے اور چشمِ فلک نے سرزمین لکھنؤ پر وہ کمال دیکھا جس کی روح پرور یادیں آنے والی نسلوں کو ایمان و یقین کی حرارت سے مدتوں گرم کرتی رہیں گی۔

یوں تو سرزمین مقدس سے آنے والے معزز مہمانوں کے استقبال کے لئے کئی روز پہلے سے پورا لکھنؤ چشم براہ تھا، اور دیدۂ و دل فرش راہ کر چکا تھا لیکن ۲ر فروری کی شب خصوصیت کے ساتھ اہالیان لکھنؤ نے عالم انتظار اور اضطراب میں گذاری اور صبح ہوتے ہی یوں محسوس ہوا کہ جیسے ایمان کی باد بہاری اموسی ہوائی اڈے کے رخ پر چل پڑی ہے۔ حکومت نے اموسی تک خصوصی مواصلات کا نظم کیا تھا، اور سیکڑوں کاریں اسکوٹروں کے قافلے کشاں کشاں مرکز ثقل اموسی کی طرف رواں دواں تھے۔

استقبال کا منظر

ندوہ سے اموسی ہوائی اڈہ تک متعدد پر شکوہ گیٹ بنائے گئے تھے۔ عالم بلغ میں سکھوں نے استقبالیہ گیٹ سے شاہ راہ کو سجایا تھا اور جا بجا شہری انجمنوں اور اداروں نے بھی اس موقع پر اپنی محبت و سپاس کے اظہار کے لئے قوس قزح کا نذرانہ پیش کیا تھا اموسی ہوائی اڈے پر امام حرم کے استقبال کے لیے اپنے محبوب رہنما شیخ جلیل مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے ہمراہ ایک بڑا مجمع امنڈ آیا تھا۔ جس وقت ہوا کے دوش پر جانب مغرب سے آتا ہوا امام حرم کا جہاز اموسی ہوائی اڈے پر اترا، پوری فضا نعرۂ تکبیر کی صدا سے گونج اٹھی۔ پھر یہ ایمانی اور روحانی کارواں دریاؤں کی طرح امنڈتے ہوئے محیط علم دار العلوم ندوۃ العلماء کی وسعتوں میں ٹھاٹھیں مارتا ہوا انسانی سمندر میں تبدیل ہو گیا۔ معزز مہمانوں کے استقبال کے لئے عباسیہ ہال کے پچھلے حصہ پر جو اس کے وسیع میدان کی طرف تھا، اسٹیج بنایا گیا تھا۔ عباسیہ ہال جو اس وقت کا کتبخانہ تھا جہاں جشن تعلیمی کے بہت سے بیش قیمت دیدہ زیب باقیات سجائے ہوئے رکھے تھے جو دار العلوم ندوہ کے فارغین کے اکتسابات اور ہند کے عہد زریں کی قد آور شخصیتوں کے تذکرے اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے تھے۔ معائنہ کے لئے حضرت والاؒ کے ہمراہ معزز مہمانوں کو وہیں لے جایا گیا۔ تھوڑی دیر (اس ماحول میں جس کا ہر منظر دیدۂ و دل کو اپنی طرف کھینچ رہا تھا اور دعوت فکر و نظر دے رہا تھا) گذارنے کے بعد مہمانوں کو اسٹیج پر لایا گیا۔ تاحد نظر انسانوں کا بحر مواج تھا جس کی لہریں مسجد، دار العلوم، ہاسٹل فیلڈ اور پارکوں، نیز عمارتوں کی چھتوں پر رواں تھیں۔

سپاس نامہ

ٹھیک گیارہ بجے مولانا قاری زدود الحق ندوی کی دلنواز قرأت قرآن پاک سے جلسہ کا آغاز ہوا۔ سپاس نامہ عربی میں دار العلوم ندوۃ العلماء کے استاذ ادب (موجودہ کلیۃ اللغہ کے عمید) جناب مولانا واضح رشید ندوی مدظلہ نے اپنے مخصوص لب و لہجہ میں پیش کیا۔ جس کا ترجمہ ندوہ کے موجودہ مہتمم جناب مولانا سعید الرحمان اعظمی ندوی دام مجدہ نے پڑھ کر سنایا، بلا شبہ اس میں نور ایمان و یقین کی کرنیں بھی تھیں، جذبات تشکر و امتنان کی فراوانی بھی اور جرأت و حق گوئی کے بصیرت افروز مظاہر بھی، ان تمام محاسن کی قوس قزح نے سپاس نامہ کو شاہکار بنا دیا تھا۔

عالی مرتبت حرم مکی کے امام حضرت شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ آل الشیخ اور ان کی ہمرکابی میں وارد مؤقر وفد کے ارکان کو مخاطب کرتے ہوئے اس سپاسنامے میں کہا گیا تھا کہ ـــــ

" آج تاریخ بڑی امیدوں اور آرزوؤں کے ساتھ آپ کی طرف دیکھ رہی ہے، وہ سانس روک کر اس کی منتظر ہے کہ آپ اس نازک موقع پر دنیا کے سامنے کیا کردار پیش کرتے ہیں وہ اشتیاق و بے چینی اور کسی قدر اندیشہ کے ساتھ آپ کی طرف نظریں لگائے ہوئے ہے آج آپ کے شاگرد اور خوشہ چیں جن کو علم و ایمان اور حدیث و قرآن کے اس خوان نعمت کی ریزہ چینی پر فخر ہے آپ سے اس کے سوا کسی اور چیز کے سائل نہیں کہ آپ اس عظیم اور تاریخ ساز کردار کو دنیا کے اسٹیج پر پھر پیش کریں جس کے ساتھ نسل انسانی کی قسمت وابستہ ہے، آپ سے عالم اسلام کی آنکھیں پھر ٹھنڈی ہوں اور مجروح انسانیت کو اپنے زخم کا مرہم اور اپنے درد کا درماں ملے۔"

(منقول تعمیر حیات ۱۰ر فروری ۷۷ء)

امام حرم مکی کا خطاب

اس کے بعد دار العلوم ندوۃ العلماء کے ناظم مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نور اللہ مرقدہٗ نے امام محترم کو دعوت دی، چنانچہ امام حرم وقار و متانت کا پیکر اور فضل و تقدس کا مجسمہ بن کر مائک کے سامنے کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ:

اسلامیان ہند کے لئے شیخنا و الونا ابوالحسن علی ندویؒ اور ندوۃ العلماء ایک مینارۂ نور کی حیثیت رکھتے ہیں، جس سے ہر شخص کو فیضان

حاصل کرنا چاہیے۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء جیسے عظیم ادارہ کے وجود پر مسرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔

"ہمارے اور آپ کے درمیان اسلام کا رشتہ ہے اور یہ تعلق دنیا کے تمام تعلقات سے زیادہ قوی ہے اور ہم صرف اسی رشتۂ اخوت کے باعث آپ سے ملنے اتنی دور سے چلے آئے ہیں۔ سامعین کو مخاطب کرتے ہوئے مزید آپ نے فرمایا کہ آفتاب اسلام طلوع ہو جانے کے بعد اب دنیا میں کسی مذہب کی گنجائش نہیں ہے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے "إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ" اور جو کوئی شخص اس کے علاوہ کوئی اور مذہب اختیار کرتا ہے وہ مسلسل خسارے میں ہے: وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ... اسلام کی تعلیمات کو اپنی عملی زندگی میں رچا کر ہی ہم بنی نوع انسان کی کوئی خدمت کر سکتے ہیں۔ دینی علمی اور تعلیمی میدانوں میں امام محترم نے حضرت مولانا رح کا بڑے اونچے الفاظ میں تذکرہ کیا، اور ندوہ کی ان مساعی کو دینی علمی اور تعلیمی میدانوں میں شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا۔

امام حرم کی تقریر کا سلیس اور شگفتہ اردو ترجمہ استاذ ادب (موجودہ مہتمم) جناب مولانا سعید الرحمان صاحب ندوی نے کیا۔

اس کے بعد سعودی عرب کے نائب وزیر تعلیم شیخ سعید جندول اور انجمن شباب اسلامی ریاض کے جوائنٹ سکریٹری ڈاکٹر احمد توتونجی نے حاضرین سے خطاب کیا جس کا برجستہ رواں ترجمہ مولانا اسحٰق جلیس ندویؒ اور مولانا ڈاکٹر حبیب الحق ندویؒ نے کیا۔

حضرت مولاناؒ کا خطاب

آخر میں حضرت مولانا نور اللہ مرقدہٗ نے اجتماع کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

آج کا دن ہماری تاریخ کی ان چند عظیم مسرتوں اور مبارک تقریبوں میں شمار ہوگا جس کو ملت اسلامیہ ہند کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ مولانا کے خطاب میں آمد کا زور اور جذبات کے سیل رواں کا شور تھا۔ ایسی ولولہ انگیز تقریر تھی کہ پورا مجمع دم بخود ساکت و صامت اسٹیج کی طرف نظر جمائے حسن استماع کا مظہر تھا۔ لفظ لفظ سے خلوص و صداقت کا چشمہ ابلتا محسوس ہو رہا تھا، دل کی دنیا فرط مسرت سے نہال تھی۔ حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ نے معزز مہمانوں کا نہایت گرم جوشانہ خیر مقدم کرتے ہوئے فرمایا۔

بلاشبہ آپ اس سرزمین قدس سے تشریف لائے ہیں جسے ہر مرد مومن اپنا قیمتی ورثہ تصور کرتا ہے۔ وہ سرزمین جو دین کا مرکز اور ہدایت کا منبع ہے، وہیں سے ساری دنیا کو ایک عظیم پیغام اور ایک ہمہ گیر روشنی کی دولت ملی ہے۔ آج یہ نظر کے سامنے انسانی جسموں کا جو سیلاب امنڈ رہا ہے، بیتاب جذبات، عقیدت و محبت کے اشکوں اور بیدار دل و ضمیر کی سوغات لے کر آیا ہوا تا حد نظر فرزندان اسلام کا یہ عظیم اجتماع اس بات کا بین ثبوت ہے کہ یہ مہمان کرام جس پیغام کے امین اور جس دعوت و تبلیغ کے باعث لائق صد احترام ہیں۔ ہم مسلمانان ہند کا حق اس اسلام پر کسی اسلامی ملک سے کم نہیں ہے۔

ازدل خیزد بر دل ریزد

بڑی پر تاثیر اور پر تعش آواز میں مزید فرمایا:

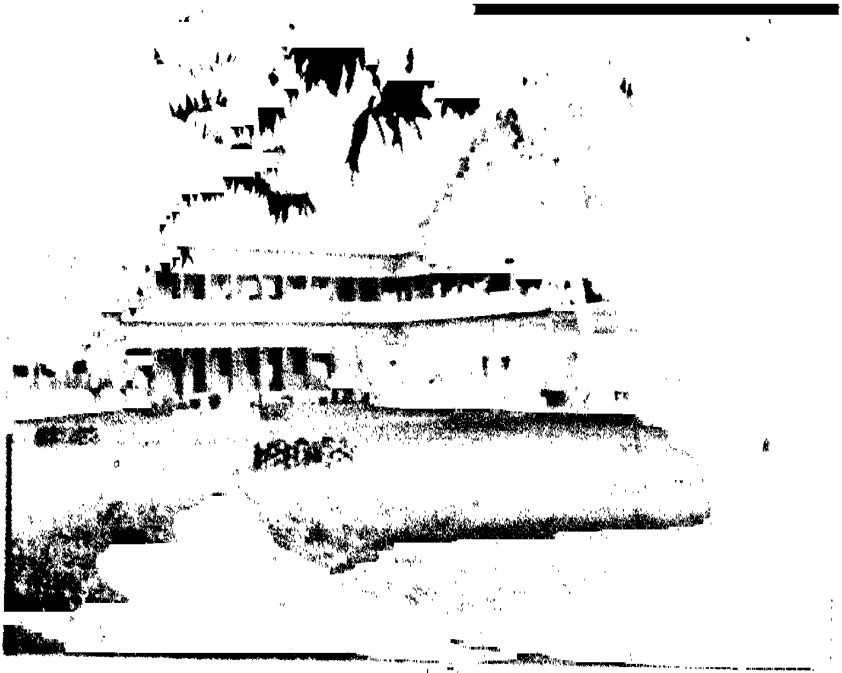
مجھے بحمد اللہ خدا نے جرأت و حق گوئی عطا کی ہے اس لیے ان معزز مہمانوں سے ڈنکے کی چوٹ پر کہتا ہوں، اور لکھنؤ والے نہ بھولے ہوں گے میں نے دو سال قبل اسی میدان میں عرب ممالک کے بکثرت نمائندوں کی موجودگی میں بصراحت حقیقت کا اظہار کیا تھا کہ بلاشبہ درست ہے۔ ہمیں اسلام کی قیمتی امانت آپ ہی کے نامور اسلاف کے ذریعہ ملی تھی لیکن ہم نے اس ملک میں اسلام کی حفاظت و بقا اور ترویج و اشاعت کی جو محیر العقول جدوجہد کی ہے اس کو آپ ملاحظہ فرمائیے۔ اس پر ہندوستان کا چپہ چپہ شاہد ہے اور آج بھی اس عظیم اجتماع کو شاہد بنا کر کہتا ہوں، سامنے مسجد کی میناروں کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ ہم ہندوستانی مسلمان اپنے اسلام میں کسی ملک کے مسلمان سے پیچھے نہیں ہیں۔

اسلام کا جو فرض ہم پر ہے اور ہمارا اسلام پر ہے، ہم اسے بخوبی جانتے ہیں۔ ہم بحمد اللہ اپنی اس ذمہ داری سے ہمیشہ بحسن و خوبی عہدہ برآ ہوتے رہے ہیں، اور کیوں نہ ہوں؟ ہم اس ملک کے مالی اور چمن آرا ہیں۔ محمد بن قاسم کی اس سرزمین پر آمد سے لے کر آج تک ہم نے اس ملک کو سنوارنے میں اپنی پوری توانائی اور بہترین صلاحیتیں صرف کی ہیں، ایسی صورت میں فطرت کا تقاضا ہے کہ ہم اس ملک کو تاراج ہوتے اس کا نقشہ بگڑتے، یا اس کا کوئی نقصان ہوتے کسی طرح گوارہ نہیں کر سکتے۔

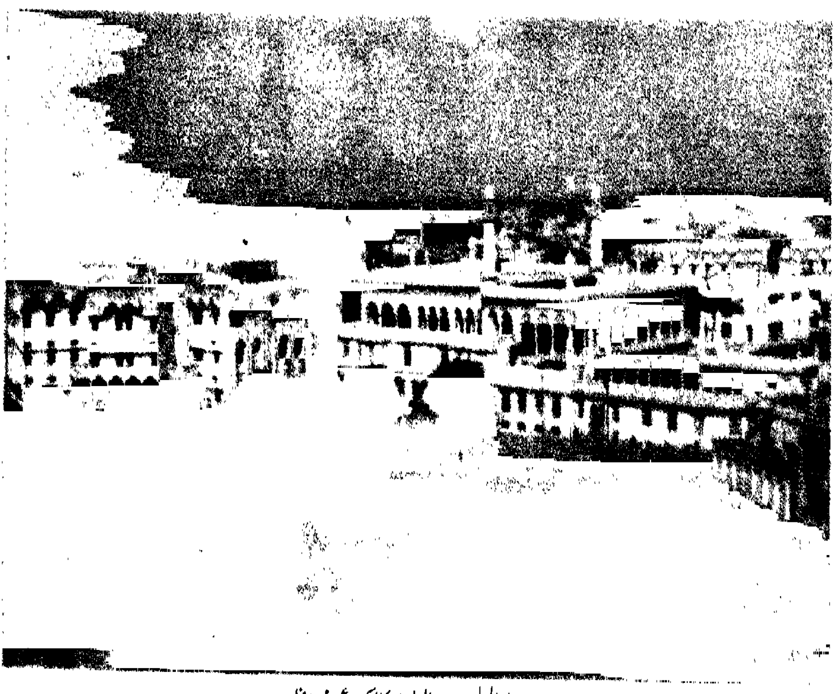
خاک وطن کا ذرہ ہمیں عزیز ہے

پھر حضرت والاؒ نے بڑی خود اعتمادی اور باوقار انداز میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

"خاکِ وطن کا ہر ذرہ ہم کو عزیز ہے



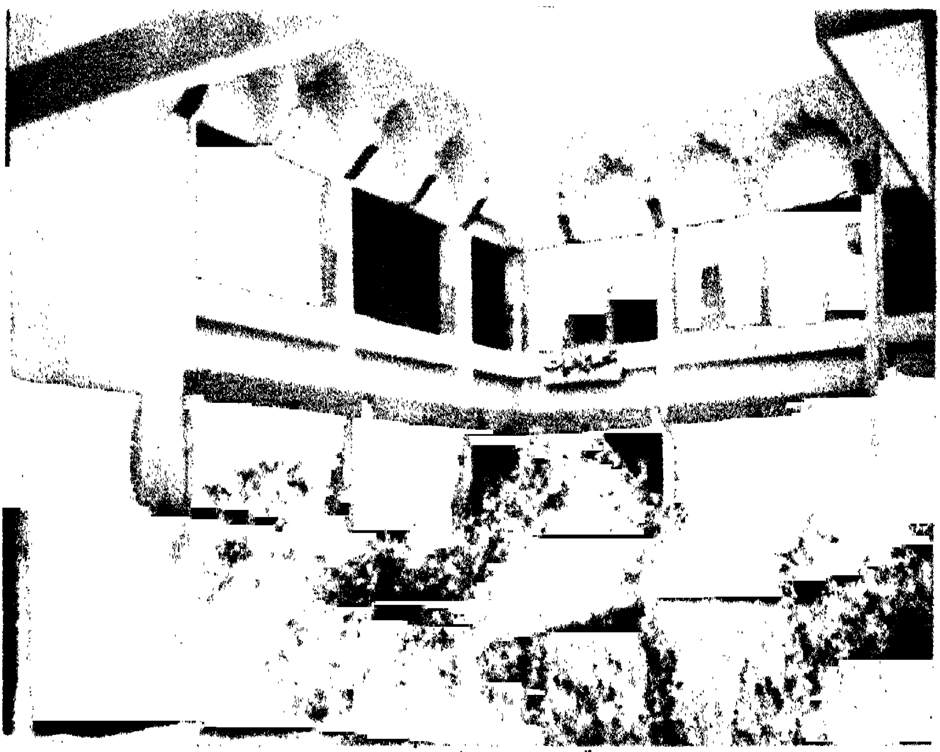
رواق سلیمانیہ



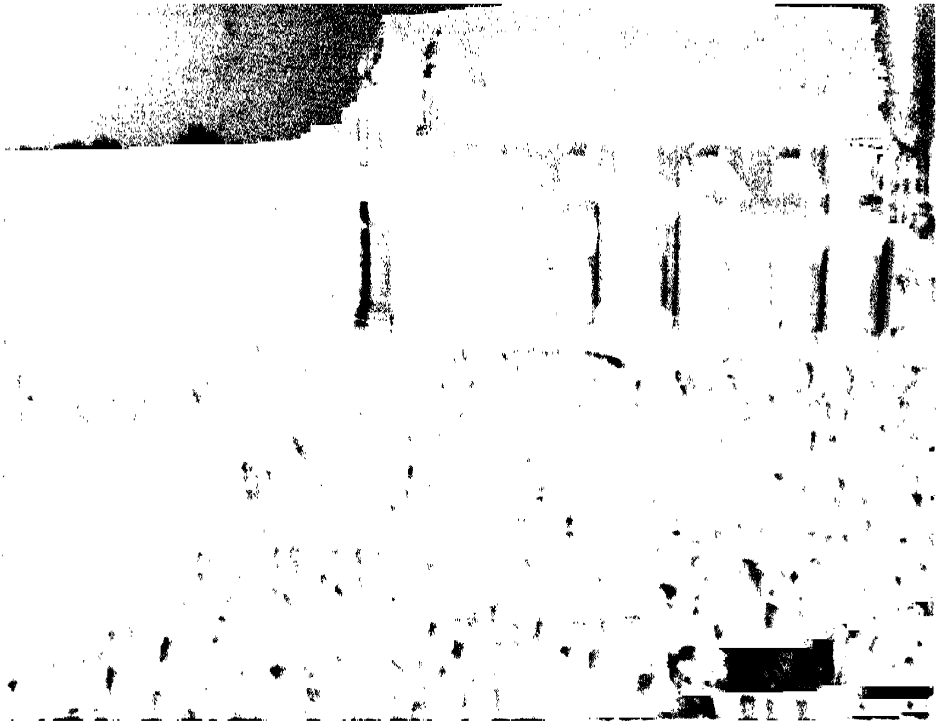
دارالعلوم ندوۃ العلماء کا ایک عمومی منظر



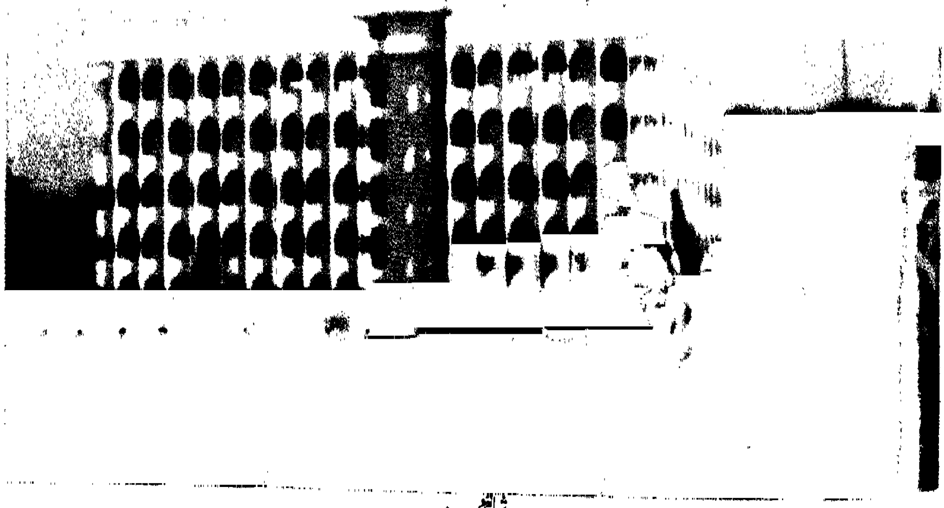
دارالعلوم ندوۃ العلماء کا عقبی منظر



دفتر تعمیر حیات دفتر نظامت کی عمارت۔ ایک منظر

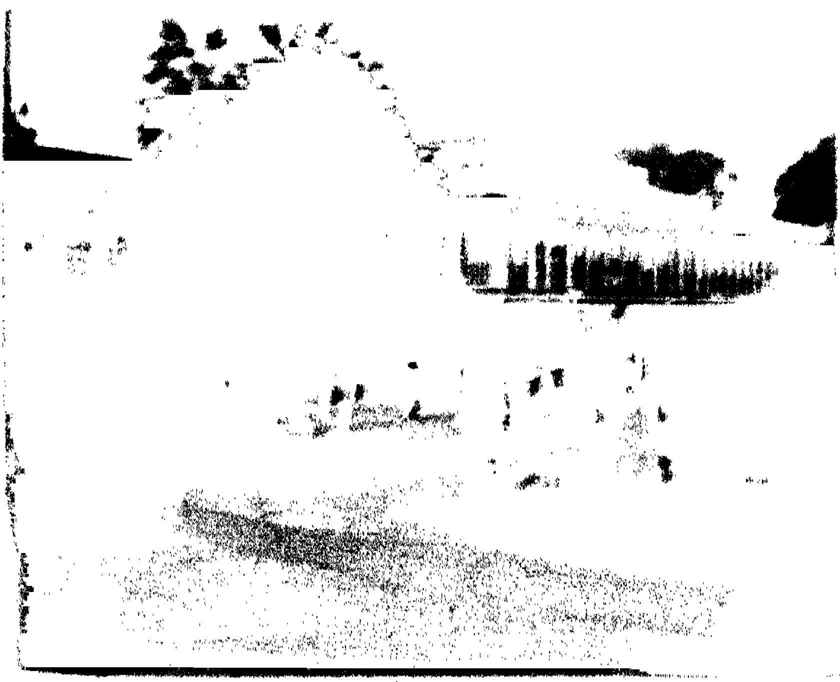


امام حرم کی آمد پر نماز جمعہ سے قبل کا ایک منظر



شبلی کتب خانہ


رواق اطہر


رواق شبلی

اس کی پوری تاریخ اور یہاں کے آثار و مشاہد ہماری عظمت پارینہ کا شاہد عدل ہیں۔ تاج محل کا حسن، قطب مینار کی بلندی، جامع مسجد شاہجہانی کا شکوہ و جلال اور لال قلعہ کی سطوت و عظمت اس حقیقت کی شہادت دیتی ہے کہ سے

ابھی اس راہ سے گذرا ہے کوئی
کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی

نماز جمعہ کا منظر

جلسہ کا اختتام جمعہ کی اذان پر ہوا، اس دن تک مجمع کا عالم یہ ہو چکا تھا کہ جدھر دیکھئے تا حد نظر امنڈتا ہوا انسانی سیلاب تھا۔ ندوہ میں کوئی جگہ باقی نہیں تھی جہاں لوگ صف بچھائے بیٹھے نہ ہوں۔ لکھنؤ کے اطراف سے بسوں، ٹرینوں اور بیل گاڑیوں کے ذریعے بے شمار لوگ امام حرم مکی کے پیچھے نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے آگئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ شہر کی مسجدیں اس دن نمازیوں سے خالی تھیں۔ مجمع بڑھتے بڑھتے ہزاروں سیٹر یونیورسٹی روڈ تک پہونچ گیا تھا، نمازیوں نے مہمان خانہ کے دروازے تک صفیں قائم کر لی تھیں۔ محتاط اندازے کے مطابق تین لاکھ سے زائد فرزندان توحید نے امام حرم مکی کی اقتدا میں نماز جمعہ ادا کی۔

نماز کے بعد بڑی مشکل سے امام حرم کو مہمان خانہ تک لے جایا گیا، مجمع ایک نظر دیکھنے کا شوقین تھا، مہمان خانہ کے روبرو مجمع بے قابو ہو رہا تھا۔ حضرت رح کی اجازت سے مہمان مکرم امام حرم کو تین دفعہ تھوڑے تھوڑے وقفہ سے مہمان خانہ کی اوپری چھت پر لے جایا گیا تاکہ لوگ اپنے امام حرم مکی کی زیارت کر سکیں۔ وہ منظر عجیب دیدنی تھا اسی دن شام کے پانچ بجے دینی تعلیمی کونسل کی جانب سے کلارکس اودھ ہوٹل میں معزز مہمانوں کو استقبالیہ دیا گیا۔ سپاسنامہ عربی میں جناب مولانا سعید الرحمان صاحب ندوی نے پیش کیا جس میں گراں قدر مہمانوں کا استقبال اور دلی مسرت کے اظہار کے ساتھ اس حقیقت کا اعتراف کیا گیا تھا۔

"ہمارا دینی تقاضا کر رہا تھا کہ ہم اپنے جگر گوشوں کو دینی تربیت اور قرآن و سنت کی تعلیم دیں اس مقصد کے لئے مسلمان اہل علم ماہرین تعلیم و تربیت اور مفکرین ملت کے مشورے سے ۱۹۵۹ء میں دینی تعلیمی کونسل کا قیام عمل میں آیا، جس کو اولین یوم سے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رح کی سرپرستی حاصل ہے، جن کی شخصیت سارے عالم اسلام میں اپنے دردمند و پرسوز دل، اپنی بلند نگاہی، اپنی وسعت علمی و دقت نظری نئے رجحانات اور جدید علوم سے اپنی واقفیت اپنی علمی تصنیفات و دیگر خدمات اور اپنی دینی تڑپ کے لئے مشہور ہے۔

اسی دن مغرب کے بعد لکھنؤ کا تاریخی پارک بیگم حضرت محل میں مہمانان کرام کو اہالیان شہر کی جانب سے استقبالیہ دیا گیا تھا۔ یہ اجتماع حضرت نور اللہ مرقدہٗ کی صدارت میں شروع ہوا شہر کی مختلف تنظیمیں اس اجتماع میں پیش پیش تھیں۔ مولانا محمد رضوان ندوی نے شہریوں کی جانب سے عربی میں سپاسنامہ پیش کیا، خیر مقدمی کلمات کے بعد امام حرم کو دعوت دی گئی۔ انھوں نے اپنی آمد اور لکھنؤ میں اس عظیم استقبال کو دیکھ کر تاثر آمیز خطاب کیا۔ اخیر میں حضرت نور اللہ مرقدہٗ نے بڑی پر سوز ولولہ انگیز تقریر فرمائی جس میں شہریوں کو اس محبت کی لو کو مزید بڑھانے اور دین کے فروغ و اشاعت کی کوششوں میں جدو جہد کی دعوت دیتے ہوئے آپ نے فرمایا تھا۔

"آج اس موجزن انسانی سمندر کو دیکھ کر تحریک خلافت کے عہد شباب کی یاد تازہ ہو رہی ہے۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ معزز مہمان جو اسٹیج پر جلوہ افروز ہیں سونے چاندی کے سکے تقسیم کرنے نہیں آئے ہیں اسکے باوجود صرف ایمانی محبت اور اس سرزمین قدس اور مرکز اسلام کی محبت کے رشتہ سے یہاں سخت سردی کے موسم میں آپ یہاں جمع ہوئے ہیں جہاں سے یہ حضرات نسبت کا شرف رکھتے ہیں۔ یہ حقیقت اس بات کا بین ثبوت ہے کہ ابھی مذہب کے سوتے خشک نہیں ہوئے ہیں مادیت نے روحانیت پر مکمل غلبہ حاصل نہیں کیا ہے، ابھی دل قبرستانوں میں تبدیل نہیں ہوئے ہیں آج بھی علم کی قدر و منزلت انسانوں میں اپنا احترام رکھتی ہے۔

صرف جذبات کے سہارے کوئی قوم زندہ نہیں رہتی

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے مزید فرمایا تھا کہ

"آپ کے ان تمام جذبات عقیدت و محبت کے اعتراف و تحسین کے ساتھ یہ بھی عرض کروں گا کہ کوئی قوم صرف جذبات کے سہارے زندہ نہیں رہتی۔ ضرورت عمل کی ہے۔ جب یہ معزز مہمان سرزمین قدس اور سرچشمۂ اسلام کے تعلق رکھنے کے باعث آپ کی اس غیر معمولی عقیدت کا مرکز ہیں، تو پھر اس مرکز اسلام کا جو پیغام ہے اس کو اپنی عملی زندگیوں کا جز بنا لیجئے تب ہی اس کا حق ادا ہو سکتا ہے۔ اسلامی کردار سے دوسری قوموں پر اثر انداز ہو لیے، ذخیرہ اندوزی، رشوت خوری اور انسان کشی کو مٹانے کے لئے آگے بڑھیے۔

آخر میں حضرت نے مسلمانان شہر کو مبارکباد دی کہ انھوں نے محبت و اخلاق، عزت، انسانی قدروں اور غیر معمولی ڈسپلن اور سکون کا مظاہرہ کیا اور شیخ سعید جندل کی پر اثر دعا پر اس مبارک تقریب کا اختتام ہوا۔

تیسرا تاریخ ساز اجلاس
قادیانیت کے خلاف محاذ

حضرت نور اللہ مرقدہ کی ذات ایک انجمن تھی درد و سوز و گداز، امت کیلئے اضطراب و بے قراری اس ذات کا طرۂ امتیاز تھا۔ آپ کے سینے میں امت کی زبوں حالی کو دیکھ کر آگ سی لگی ہوئی تھی، دیکھنے والا آپ کو پُرسکون سادگی و متانت و سنجیدگی کا پیکر، سرور و شادمانی کا مجسمہ تصور کرتا۔ آنے والے کو آپ کی ذات سے سکون ملتا۔ کرب دور ہوتا پریشان خاطری کا ازالہ ہوتا۔ لیکن آپ کے اندر جو کرب تھا۔ اس کو کون پانے والا تھا حضرت کبھی کبھی بڑے درد کے ساتھ اس حقیقت کو اس شعر میں ظاہر فرماتے ؎

ہر کسے از ظن خود شد یار من
واز درون من نجست اسرار من

حضرت نور اللہ مرقدہ صرف امت کی زبوں حالی کے ازالہ کیلئے کوشاں تھے بلکہ آپ کی تگ و دو اور جد و جہد کا ماحصل اسلام کا غلبہ اور عالم اسلام کی سربلندی تھی اس کیلئے وہ زندگی بھر کوشاں رہے۔ اس راہ میں خاروں کی پرواہ نہیں کی، تپتے ہوئے ریگستانوں اور لہراتے ہوئے سبزہ زاروں اور خوشنما پارکوں اور دلآویز مرغزاروں میں ان کے لئے اگر کوئی کشش تھی تو اس کا محرک اسلام تھا ؎

آغشتہ ایم ہر سر خارے بخون دل
قانون باغبانی صحرا نوشتہ ایم

محمد عربی علی صاحبہ الصلاۃ والسلام کی محبت و عقیدت آپ کے رگ و ریشہ میں سرایت کی ہوئی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت و مشن کے لئے نقد جاں ہر آن نذر کرنے کیلئے تیار رہتے تھے۔ اس میں کسی کی وہ پرواہ نہیں کرتے، کبھی کبھی یہ عربی کا شعر زیر لب گنگناتے ؎

فلیتک تحلو والحیاۃ مریرۃ
ولیتک ترضی والانام غضاب
اذا صح منک الود فالکل هین
وکل الذی فوق التراب تراب

قادیانیت کا فتنہ

اس دور کے فتنوں میں قادیانیت کا فتنہ سب سے خطرناک اور زہرناک ہے اس لئے کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں بلکہ اپنے ہی کو بزعم خویش مسلمان سمجھتے ہیں اس لئے مسلمانوں کو اس فتنہ سے آگاہ ہونا اور اس کا مقابلہ کرنا ضروری ہے، پاکستان میں جب اس جماعت کو غیر مسلم قرار دیا گیا تو مغرب کی توجہ و عنایات اس پر مزید ہو گئیں برطانیہ میں اس جماعت کا ٹی وی چینل اسلام کے تعارف پر مشتمل اپنے پروگرام برابر پیش کرتا رہتا ہے۔ حالانکہ جو کچھ اس میں پیش کیا جاتا ہے وہ اسلام نہیں بلکہ مرزائیت و قادیانیت ہے لیکن بھولے بھالے لوگ دین سے دوری اور عدم واقفیت کی بنیاد پر ایک طبقہ اس کے سحر کا اسیر ہے افریقہ کے دور دراز کے علاقوں گھنے جنگلوں، وادیوں اور پہاڑیوں میں اس جماعت کے دعاۃ سرگرم ہیں۔ اور مسلمانوں ہی کو کافر بنا رہے ہیں۔

دار العلوم ندوۃ العلماء کے مقاصد میں ایسے فتنوں کا سد باب بھی ہے صحیح دعوت اسلامی کا فروغ پہلے دن سے اس کا نصب العین ہے اس لئے ضروری تھا کہ اس موضوع پر غور و فکر کرنے اور اس فتنہ کا سد باب کرنے کے لئے ایک بین الاقوامی اجتماع منعقد کیا جائے، لہٰذا حضرت نور اللہ مرقدہ کے ایماء پر حضرت مولانا عبد اللہ عباس صاحب ندوی معتمد تعلیم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی موجودہ ناظم دار العلوم ندوۃ العلماء اور دیگر اکابر و اساتذہ کی ایک نشست میں اس اجتماع کے انعقاد کے ضروری امور طے کرلئے گئے۔ اور اس کا پورا نظام اور بیرونی مہمانوں کی دعوت کی ذمہ داری نیز اس کی ترتیب حضرت مولانا عبد اللہ عباس صاحب ندوی دامت برکاتہم نے حضرت کی ایماء سے اپنے سر لی اور پوری طرح اس مبارک اجتماع کو کامیاب بنانے کے لئے مصروف ہو گئے۔ الگ اس کا دفتر قائم کر دیا گیا۔ بنیادی طور پر اس اجتماع کے تین عنوان مقرر کئے گئے

۱۔ دعوت الی اللہ کے مسائل۔
۲۔ مذہبی تعلیم سے متعلق امور۔
۳۔ باطل اور گمراہ فرقے

اجتماع کا مقصد

اس اجتماع کا انعقاد کسی عجلت میں طے نہیں کیا گیا تھا۔ بلکہ بہت غور و فکر کے بعد اس کے انعقاد کا فیصلہ ہوا تھا۔ اور حضرت نور اللہ مرقدہ کی دیرینہ تمنا بھی تھی۔ لہٰذا اس اجتماع کی ضرورت و اہمیت اور قادیانیت پر روشنی ڈالتے ہوئے

[حض]رت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی [ند]وی دامت برکاتہم نے اپنے خیر مقدمی [کلم]ات میں فرمایا۔

[بر]صغیر سے انگریزی استعمار فوجی [و] سیاسی سطح پر ختم ہوا لیکن اسلام

[دشم]نی اور سازشی طریقہ کار کو جاری رکھنے کے [لئے] انا سے استعمار باقی اور قادیانیت کے فتنے [کے] ساتھ ان کی ہمدردی و تعاون برقرار رہا [ج]س کی وجہ سے یہ فتنہ مزید پھیلنے اور بڑھنے لگا۔ [او]ر ذرائع ابلاغ کی ترقی کر جانے کی صورت [می]ں ان کو بھی اپنی تخریبی کوشش بڑھانے کا [مو]قع مل گیا۔ اس وقت اس فتنہ کی وسعت [بھ]ی بڑھ گئی ہے اور اس میں ترقی بھی ہو رہی ہے، جس کی بنا پر امت اسلامیہ کے نمائندوں [ک]و یہاں تشریف لانے کی زحمت دی گئی ہے۔

اجتماع کے شرکاء اور اس کا مقصد

یہ اجتماع دار العلوم ندوۃ العلماء کے [و]سیع و عریض فیلڈ میں اسی شان سے منعقد ہوا جیسے ۱۹۷۵ء میں ندوہ کا پچاسی سالہ جشن ندوہ کی تاریخ کا پہلا اور دینی [م]دارس و مراکز کا نادر اجتماع تھا۔ حجاز مقدس [ر]یاض، مصر، شام، عراق، الجزائر، لیبیا، تیونس، اور خلیج عرب تک کے متعدد وادور [م]عزز نمائندے عرب و ہند کی مشہور یونیورسٹیز کے وائس چانسلر، محققین، اسکالرس اس [م]یں جمع تھے۔

۱۲، ۱۳ نومبر ۱۹۹۶ء کو ایک بار پھر حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ کی دعوت پر مسجد حرام کے خطیب و امام اور حرم مکہ مکرمہ اور حرم مدینہ منورہ کے جملہ امور کے ناظم اعلیٰ، مسجد اقصیٰ کے سابق امام، مدینہ منورہ کی اسلامی یونیورسٹی کے وائس چانسلر، وزارت شئون الاسلامیہ کے ڈپٹی منسٹر اور اسی قدوقامت کے افراد اور عالمی شہرت رکھنے والے اسکالر جیسے عالم عربی کے مشہور سیاست داں کامل الشریف اور ماہر تعلیم محسن باروم رونق اجلاس ہوئے۔

ان کے علاوہ ترکی، انڈونیشیا، ملیشیا سے بھی مؤقر وفود اس اہتمام میں شریک ہوئے۔ وفود کے ارکان میں وہ لوگ تھے جو دینی کا اعلیٰ فہم اور دعوت کے کاموں کے ذمہ دار و ذواق تھے اندرون ملک سے قابل ذکر علماء، دعاۃ اور اسکالروں کی ایک بڑی جماعت حضرت نور اللہ مرقدہ کی دعوت پر شریک ہوئی تھی ایک عجیب سماں تھا۔ رنگا رنگ پنڈال سامعین سے بھرا ہوا تھا۔ اور ڈائس پر عرب و عجم کا حسین امتزاج قوس وقزح کا سماں پیش کر رہا تھا۔ ایک نورانی سکینت طاری تھی، ڈائس پر حضرت مولاناؒ رونق افروز تھے۔ آپ کے پہلو میں ایک طرف علامہ شیخ سبیل ناظم اعلیٰ شئون الحرمین الشریفین اور دوسری طرف رابطہ عالم اسلامی کے نائب ناظم اعلیٰ شیخ محمد ناصر العبودی ایک طرف مدینہ یونیورسٹی کے چانسلر اور دوسری طرف سعودی عرب کے مشہور سائنسداں کامل الشریف جلوہ گر تھے۔

پروگرام کا آغاز

پروگرام کا آغاز کرتے ہوئے جناب ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی زید مجدہ نے فرمایا:

"حضرات اہل مجلس تحیۃ اسلامی قبول فرمائیے۔ آپ کا ہم استقبال کر رہے ہیں اپنے قافلہ سالار اور کاروانِ علم وفکر کے قائد حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی (نور اللہ مرقدہ) کی طرف سے دار العلوم کے طلباء واساتذہ متعلقین ندوہ کی شاخوں اور ملحقہ مدارس کی طرف سے لکھنؤ کے مسلمان باشندوں کی طرف سے آپ کا استقبال دین اسلام کے ایک قلعہ میں جو مردانِ علم وفکر کی عقلی و ذہنی تربیت کا کارخانہ ہے اس میں کر رہے ہیں۔

جلسہ کا آغاز قاری محمد ریاض صاحب استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء کی تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ ندوہ کے مہتمم (موجودہ ناظم) حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب ندوی نے خیر مقدمی کلمات ادا کئے۔ بعد ازاں حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ کی بصیرت افروز تقریر ہوئی جس میں اصل موضوع کے علاوہ اس وقت ملک میں مسلمانوں کو جو خطرات درپیش ہیں، نئی نسل کا ایمان داؤں پر لگا ہوا ہے انھیں الحاد کے راستہ پر ڈالنے کی ہر طرف سے جو کوششیں جاری ہیں اس سے بھی باخبر کیا اور اس کے مداوا کیلئے ہندی مسلمانوں پر جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے اس پر کھل کر روشنی ڈالی۔ پوری تقریر اردو میں حضرت نے فرمائی اور حاضرین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

ملی تشخص کی حفاظت

"اس کے ساتھ یہ بھی آپ نظر انداز نہ کیجئے کہ آپ ایسے ملک میں ہیں جس میں اکثریت غیر مسلموں کی ہے وہ جمہوری ملک ہے اور وہاں قانون ساز مجلس قانون بناتی ہیں جب یہ ملک جمہوری ہے تو پارلیمنٹ ہی قانون بنائے گی۔ اور جمہوریت کا یہ قاعدہ ہے کہ اکثریت کی رائے اور تائید سے قانون بنتا ہے اس لئے ہر وقت اس کا خطرہ ہے کہ ایسے قوانین جو ہمارے لئے بنیادی عقائد، مسلمات ہمارے جذبات اور ہماری ضرورتوں کے

خلاف نہیں یہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ مذہبی، تہذیبی اور لسانی بنیادوں پر جارحانہ احیائیت اور کلیت پسندی کی تحریکیں بھی زور شور سے چل رہی ہیں۔ اب آپ کا کام ہے کہ ایسے سیکولر اور جمہوری ملک میں اپنے ملی تشخص کی حفاظت آئینی طریقے پر کریں، آپ ہندوستان کے وفادار، مفید، کارآمد اور اس کے ضروری اجزاء ہونے کی حیثیت سے اپنی افادیت و اہمیت ثابت کریں اور مطالبہ کریں کہ کوئی قانون ہماری شریعت آسمانی کتاب اور ہمارے عقائد کے خلاف نہیں بنانا چاہیے۔

حضرتؒ نے مزید فرمایا:

"یہ کام آپ کو خلوص کے ساتھ کرنا ہوگا کہ ہر شخص اسٹیشنوں، پارکوں اور بسوں میں آپ کے کرب و بے چینی کو محسوس کرے، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ایک ہفتہ بھی ایسا قانون نہیں چل سکتا۔ میں نے دنیا کے آئینوں اور دستور حکومت کا مطالعہ کیا ہے اور جمہوریتوں کی تاریخ پڑھی ہے۔

ملی عزیمت اور اجتماعی فیصلہ

ملت کو در پیش مسائل اور مشکلات بے شمار ہیں ان کے حل کیلئے شاہ کلید کیا ہے ــ ارشاد فرمایا:

حضرات! مسائل و مشکلات کی نہ تعداد مقرر ہے نہ اقسام معین ہیں لیکن ایک شاہ کلید (MASTAR KEY) ہوتی ہے جو سارے قفلوں کو کھول سکتی ہے اور ساری رکاوٹوں کو دور کر سکتی ہے اس کے لئے زمان و مکان کی بھی قید نہیں اور اسباب و وسائل کی بھی شرط نہیں، وہ شاہ کلید جس سے ہر قفل کھل سکتا ہے وہ ہے ملی عزیمت اور اجتماعی فیصلہ۔ اگر اس ملک کے مسلمان یہ فیصلہ کرلیں کہ ان کو اپنی آئندہ نسلوں کے مستقبل کا تحفظ اور ان کی تعلیم کے مسئلہ کا حل ہر مسئلہ، ہر مفاد، ہر سہولت ہر عزت، ہر خوشحالی اور ہر کامیابی سے زیادہ عزیز ہے تو یہ مسئلہ ایک دن میں حل ہو سکتا ہے

امت کی بقا مشروط ہے ختم نبوت کے عقیدے سے

فتنہ قادیانیت کے نقصانات کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے پرزور الفاظ میں ارشاد فرمایا:

"امت کا باقی رہنا مشروط ہے ختم نبوت کے عقیدے سے، ورنہ یہ اذان نہ رہے گی میں یہ الفاظ بڑی معذرت کے ساتھ کہہ رہا ہوں نہ پانچ وقت کی نمازیں رہنے کا اطمینان ہے نہ قرآن مجید کا اپنے اصلی حروف و نقطہ کے ساتھ باقی رہنے کا پورا اطمینان ہے، پھر امت پچاس امتوں میں، سینکڑوں امتوں میں بٹ سکتی ہے، اس کا جو تحفظ ہے عقیدہ ختم نبوت سے ہے"

فرمایا: اس اجتماع میں ایسی مؤقر شخصیتیں ایسے مختلف العناصر اور مختلف القومیات مختلف اللغات، مختلف الجہات علماء اور رہنما شریک ہیں۔ یہ بالکل بروقت ہو رہا ہے، اس وقت اس کی ضرورت ہے کہ یہ فتنہ سر نہ اٹھانے پائے اور اگر سر اٹھا تو اسلام کی ابدیت کے سامنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت کے سامنے اس کا سر جھکا دیا جائے اس لحاظ سے یہ بالکل برموقع ہو رہا ہے۔

تحفۃ الندوہ

مرزا غلام احمد قادیانی نے اجلاس ندوہ کے موقع پر جو امرتسر میں ہو رہا تھا موقع سے فائدہ اٹھا کر ایک کتاب لکھی جس کا نام "تحفۃ الندوہ" رکھا تھا حضرت نے اس سیاق میں فرمایا:

"ہم آج ایک نیا تحفۃ الندوہ پیش کر رہے ہیں ہم اس جلسہ کے ذریعہ اس جلسہ کی شکل و صورت میں ایک مخلصانہ "تحفۃ الندوہ" پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں میں نے جب "القادیانی والقادیانیہ" کتاب لکھی اس وقت مرزا صاحب موجود نہیں تھے، ان کا انتقال ہو چکا تھا۔ ان کے بیٹے بشیر الدین محمود موجود تھے۔ ان کو میں نے یہ کتاب لاہور سے بھیجی اور اس پر لکھا کہ "تحفۃ الندوہ" کے جواب میں تاخیر کی معذرت کے ساتھ کہ بہت پہلے کی بات ہے، اتنے دنوں کے بعد میں جواب دے رہا ہوں، الحمدللہ وہ کتاب بہت مقبول ہوئی۔

بہرحال میں آپ کو مبارکباد پیش کر رہا ہوں کہ آج آپ نے ایک وقت میں ایک جگہ پر اتنی مبارک شکلیں دیکھیں۔ عالم اسلام کے اتنے نمائندے دیکھے اور میں صفائی سے عرض کرتا ہوں کہ اسی طرح کہ حرم کا تحفہ بھی یہاں آگیا ہے۔ آپ کے شہر میں خود حرم کا تحفہ بھی آگیا ہے۔ مسجد اقصیٰ کے امام شیخ محمد الصیام بھی تشریف رکھتے ہیں۔ یہ بھی اجلاس کی ایک خصوصیت ہے۔

حضرتؒ کی والہانہ، خود دارانہ، مخلصانہ اور مؤثر و دلپذیر تقریر کے بعد امام حرم کی شیخ السبیل اور دیگر مہمانوں کی تقاریر ہوئیں۔ دو روزہ پروگرام بہت ہی کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔ بقول مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی

(باقی صفحہ ۲۲۴ پر)

حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ

فکر و نظر کے چند گوشے

اساتذہ، مشائخ اور اہل علم کے احترام و عقیدت کے تناظر میں

آفتاب عالم ندوی

ندوی فکر، ندوی قلم اور ندوی ثقافت جس کے داعی بانیان ندوہ تھے، اگر اس کو کسی شخصیت میں مجسم دیکھا جاسکتا ہے تو وہ علامہ سید سلیمان ندوی کے بعد صرف حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی شخصیت ہے، انھوں نے "متاعِ غیر ز بہر دکاں کہ باشد" پر زندگی بھر عمل کیا، لیکن ان کی شخصیت اور فکر پر صرف ندوہ اور ندوہ کی فکر غالب رہی۔

نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم سے اپنے تأثر کا ذکر کرتے ہوئے مولانا نے لکھا ہے:۔

"۔۔۔ میں مختلف اوصاف و کمالات کی بہت متنوع بلکہ متضاد انسانی صفات وخصوصیات، طرح طرح کے علوم و فنون، قسم قسم کی ثقافتوں اور تہذیبوں کو جمع کرنے، عالی ہمتی و بلند حوصلگی سے متصف ہونے اور ان تمام اوصاف و خصائص کو باہم منضبط و مربوط کرنے اور پھر ان سے مقصد حقیقی کے حصول و تکمیل کا کام لینے اور علم و دین کی خدمت کرنے کے موقف و نظریہ پر پروان چڑھا، خواہ اس کی وجہ سے بہت سے ایسے علوم کی تحصیل ہی کیوں نہ کرنی پڑے جن سے بہت سے علما اعراض کرتے ہیں، اور انھیں علم کا چھلکا سمجھتے ہیں۔"

(مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، پروفیسر سید محمد اجتبا ندوی کی عربی تصنیف "الامیر سید صدیق حسن خاں۔ حیاتہ و آثارہ" کے مقدمہ کے ایک اقتباس کا ترجمہ)

سابق پروفیسر اقتصادیات کراچی یونیورسٹی اور جماعت اسلامی کے موجودہ قائدین میں جن کی عظمت تسلیم شدہ ہے وہ حضرت مولانا کی جامعیت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"۔۔۔ میں جب بیسویں صدی کی اسلامی فکر کی قوس قزح پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے ان کا (مولانا علی میاں) فکر و اسلوب ایک ایسا گلدستہ معلوم ہوتا ہے جس میں اس دور کے کئی اہم مفکرین اور داعیوں کے متفرق پہلوؤں کا اجتماع نظر آتا ہے، ان کے یہاں علامہ اقبال کا سوز و گداز، مولانا مودودی کی عقلیت اور تصور دین کی جامعیت، علامہ شبلی اور مولانا سلیمان ندوی کا ذوق تاریخ اور مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا محمد الیاس، مولانا عبدالقادر رائے پوری اور مولانا محمد زکریا کی روحانیت کا امتزاج نظر آتا ہے، علی میاں کے یہاں یہ سب ایک دوسرے کے ناقض نہیں، ایک دوسرے کی تکمیل کرنے والے ہیں۔"

(ترجمان القرآن فروری ۲۰۰۰ء از پروفیسر خورشید احمد)

حضرت مولانا کے اساتذہ و مشائخ مختلف مکاتب فکر اور مختلف مسلکوں سے تعلق رکھتے تھے، لیکن مولانا نے ان سے صرف ان کی خوبیاں لیں، وہ کسی کی انتہاپسندی اور کسی فکر و مسلک میں ان کے غلو سے مطلق متأثر نہیں ہوئے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی شخصیت کی تعمیر اور فکر کی تشکیل میں سید احمد شہید اور ندوۃ العلماء کی جامع و ہمہ گیر تعلیمی و فکری تحریک اور گھر کے دینی و علمی ماحول نے بنیادی کردار ادا کیا تھا، سید احمد شہیدؒ کی جامع، روح پرور، انقلاب انگیز تحریک خانۂ دل میں جاگزیں تھی، اس کی عظمت و محبت کے نقوش لوح دل و دماغ پر مرتسم تھے، خمیر اسی سے اٹھا تھا، رگوں میں خون اسی کا دوڑ رہا تھا، اسی کی تلاش و جستجو میں مرکز مرکز کا سفر تھا اور اصحاب دعوت و عزیمت کی تلاش تھی۔

مولانا نے جب ہوش سنبھالا تو تحریک سید احمد شہید ہی کی طرح تحریک ندوۃ العلماء کا بھی خاندان میں تذکرہ دیکھا، والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ اس کے ناظم تھے، پھر برادر معظم ڈاکٹر سید عبدالعلیؒ بھی اس کے ناظم بنائے گئے، اس لئے ان دونوں عظیم تحریکوں سے ان کا والہانہ اور جذباتی لگاؤ اور فکری ہم آہنگی تھی، اس کی وضاحت انھوں نے اپنی خودنوشت سوانح حیات "کاروانِ زندگی" میں یوں کی ہے:۔

"میرا ذہنی سانچہ جس کی تشکیل میں ددھیالی

اور ننھیالی اثرات، خاندانی ماحول اور روایات، تین پشتوں کے تصنیفی اور ادبی ذوق، حضرت سید احمد شہید کے خاندان و جماعت سے انتساب کے نتیجہ میں قلب و نظر کی وسعت اور دین کی حمایت و حمیت، پھر سب سے بڑھ کر اپنے برادر بزرگ و مربی مولوی حکیم ڈاکٹر سید عبد العلیؒ صاحب (جنہوں نے قدیم و جدید کی بہترین خصوصیات کو اپنے اندر جذب کر لیا تھا اور جو مشرقی و مغربی علوم کے مجمع البحرین تھے، جن کے متعلق کہنا صحیح ہوگا (مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ) کی صحبت و تربیت نے برابر کا حصہ لیا تھا، اپنی علمی بے بضاعتی اور کم حیثیتی کے باوجود جو اس سن و سال کا قدرتی تقاضا بھی تھا، ندوۃ العلماء کے اس دینی و فکری مزاج اور جس ثقافت کا وہ نمائندہ اور علم بردار تھا اس سے فطری مناسبت رکھتا تھا، اس لئے اس کو اپنے کو اس ماحول میں فٹ کرنے کے لئے (جس وقت بحیثیت استاد کے ندوۃ العلماء میں تقرر ہوا) کوئی ذہنی ہجرت اور کوئی طویل سفر کرنا نہیں پڑا، اس کو محسوس ہوا کہ وہ اپنے ہی گھر کے ایک گوشہ یا ایک کمرہ سے منتقل ہو کر دوسرے گوشہ اور کمرہ میں آگیا ہے، اس میں اس بات کو بھی دخل تھا کہ اس کا ذہنی و علمی نشو و نما شروع سے ندوہ ہی کے ماحول میں ہوا تھا اور بچپن ہی سے اس کے کان میں وہ باتیں پڑ چکی تھیں جو اس کو ندوہ کی تاریخ سے واقف، اس کے جلیل القدر بانیوں سے آشنا اور اس کے خیالات سے مانوس کر چکی تھیں، اس کے مربی اور ولی نعمت برادر بزرگ، اس کے محبوب و شفیق استاد خلیل عرب اور اس کی ایک طرح کے ذہنی تربیت کرنے والے اور اس کے ایک دوسرے استاد اور اتالیق مولانا سید طلحہ صاحبؒ سب ندوہ ہی کے تعلیم یافتہ اور خوشہ چیں تھے۔" (کاروان زندگی اول ص ۱۴۵)

زمانۂ طالب علمی کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

"اگرچہ دار العلوم ندوۃ العلماء سے میرا تعلق خاندانی اور موروثی تھا، اور میرا دماغ، فکر و طرز فکر اور ثقافت اسی کے سانچہ کی ڈھلی ہوئی ہے، لیکن میرا علمی استفادہ اور خوشہ چینی ۲۹-۱۹۲۸ء میں اس وقت شروع ہوئی جب میری فقہ کی تعلیم اس درسگاہ کے ایک قدیم ترا ور مقبول و محبوب استاد مولانا شبلی صاحب جیراجپوری اعظمی کے یہاں شروع ہوئی۔"

(کاروان زندگی جلد اول ص ۱۱۳)

مولانا تحریک ندوۃ العلماء کو جس کے وہ زندگی بھر پُر جوش داعی و مبلغ رہے کس نگاہ سے دیکھتے تھے یہ جاننے کے لئے کاروان زندگی کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو!

"ندوۃ العلماء کی تحریک اصلاح نصاب اور دینی تعلیم کی ترقی اور اس کو عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق بنانے (تطویر) کی مہم کوئی محدود، مقامی اور وقتی تحریک نہ تھی، وہ ایک مستقل دبستان فکر تھا جو عقائد صحیحہ سے لے کر تعلیمی نظریہ، تاریخ کے خاص تصور، تہذیب و ثقافت علم و ادب کے خاص معیار سب کو اپنے وسیع دامن میں لئے ہوئے تھا۔"

(کاروان زندگی جلد اول ص ۱۴۰)

ندوۃ العلماء کے مسلک و فکر کی تشریح کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں:-

"مختصر یہ کہ وہ حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کا (م ۱۱۷۶ھ) کے علمی و فکری و کلامی و فقہی مدرسۂ فکر سے زیادہ قریب اور ہم آہنگ ہے، اس لحاظ سے ندوۃ العلماء ایک محدود تعلیمی مرکز سے زیادہ ایک جامع اور کثیر المقاصد دبستان فکر اور مکتب خیال ہے۔"

(کاروان زندگی جلد اول ص ۲)

ایک جگہ ندوی ثقافت کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"اس تحریر کے ساتھ جو ندوۃ العلماء کے دینی مسلک، اس کے نظریۂ علم و تاریخ اور طریق فکر سے متعلق ہے، اپنی ہی ایک تحریر کے اقتباس کا اضافہ کیا جاتا ہے جس سے اس ثقافت کی وسعت و تنوع کا اندازہ ہوتا ہے، جو بانیان ندوۃ العلماء کا شعار اور اس کے فضلاء کے لئے باعث افتخار ہے، اقتباس یہ ہے:

"اس تہذیب و ثقافت میں تنگی بھی ہے اور تواضع بھی، حلاوت بھی ہے اور مروت بھی، گہرائی بھی ہے اور گیرائی بھی، صلابت بھی ہے اور رقت بھی، استقامت بھی ہے اور رواداری بھی، اس کی قلمرو میں علوم شریعت و حکمت بھی ہیں اور ادب و شاعری بھی، فقر و درویشی بھی ہے اور نفاست و ذوق لطیف بھی، اس کی دلچسپی کے میدان قلعے بھی ہیں اور کتب خانے بھی، مدرسے بھی ہیں اور خانقاہیں بھی، تحقیق و تصنیف کے

ملتے بھی ہیں اور مشاعرے بھی، اس میں ثقافت بھی ہے اور ظرافت بھی، سخت جانی بھی ہے اور سبک روحی بھی، اس کے اظہار خیال اور اظہار کمال کا ذریعہ عربی بھی ہے اور فارسی بھی، اردو بھی ہے اور ہندی بھی۔" (کاروان زندگی جلد اول ص۱۴۲)

ان اقتباسات کے یہاں نقل کرنے کا مقصد صرف حضرت مولانا کی فکر و شخصیت کی تفہیم و تشریح ہے کہ وہ اس فکر و ثقافت کے ترجمان و نمائندہ تھے، تحریک ندوۃ العلماء اپنی تمام تر تابانیوں کے ساتھ ان کی شخصیت میں جلوہ گر تھی، یہ رنگ اتنا شوخ تھا کہ اس پر کوئی دوسرا رنگ کبھی نہ چڑھ سکا، ندوی فکر و ثقافت کے سامنے ہر فکر اور ہر ثقافت ماند پڑ گئی۔

اکابر دیوبند و سہارنپور اور مولانا علی میاںؒ

حضرت مولانا کی تعلیم و تربیت اصلاً ندوۃ العلماء میں اور اس کے تعلیم یافتہ فضلاء کے ہاتھوں ہوئی تھی، لیکن تزکیۂ نفس، اصلاح باطن علمی استفادہ اور دینی تربیت کے لئے شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا محمد الیاسؒ، مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ، مولانا احمد علی لاہوریؒ اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہم کی خدمت میں مسترشدانہ و نیازمندانہ حاضری دی۔

مولانا کے خاندان کی ایک خصوصیت یہ بھی رہی ہے کہ باوجود اس کے کہ برابر اس میں بڑے بڑے علماء، اہل اللہ اور مشائخ پیدا ہوتے رہے کبر و نخوت میں یہ کبھی مبتلا نہیں ہوا، بلکہ ہر زمانہ میں متبع سنت، صاحب کمال مشائخ کی طرف بلاتکلف رجوع کیا۔

(اس کی تفصیل کاروان زندگی ج اول ص ۸۰ پر دیکھی جاسکتی ہے)

مولانا مدنیؒ کی خدمت میں

ندوۃ العلماء سے فراغت کے بعد مولانا کو ان کے بڑے بھائی ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب جنھیں اپنے چھوٹے بھائی کی تربیت و اصلاح اور دینی ترقی کا بڑا اہتمام رہتا تھا حضرت مدنی کی خدمت میں پیش کیا، مولانا نے کچھ اپنے حالات عرض کئے، مولانا مدنی نے مشورہ دیا کہ انھیں میرے پاس دیوبند بھیج دیا جائے، اس طرح مولانا علی میاں ندوی حضرت مدنی کی خدمت میں دیوبند پہونچ گئے جہاں انھوں نے کئی ماہ ان کی خدمت میں گزارے۔

مولانا ندوۃ العلماء میں شیخ الحدیث مولانا حیدر حسن خاں صاحب ٹونکیؒ سے بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ پڑھ کر گئے تھے، مولانا حیدر حسن خاں صاحب، سہیل یمانی شیخ حسین بن محسن انصاری خزرجی کے ممتاز شاگرد اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے مجاز تھے، محدث جلیل اور ممتاز محقق و ناقد مولانا محمد عبدالرشید صاحب نعمانی مولانا حیدر حسن خاں صاحب ہی کے شاگرد ہیں، حضرت مولانا کے فارغ ہونے کے بعد مولانا نعمانی ندوہ آئے تھے۔

دیوبند میں مولانا مدنی کے درس بخاری و ترمذی میں شریک ہونے کے علاوہ مولانا نے بعض مشکل آیات کے سمجھنے کے لئے جمعہ کا دن مولانا مدنی سے لے رکھا تھا لیکن شدید مصروفیات کی وجہ سے اکثر ناغے ہو جاتے تھے۔ اپنے مضمون "میرے مطالعۂ قرآن کی سرگذشت" میں لکھتے ہیں:

"مولانا مدنی اپنے زمانہ کے بلند ترین علماء میں تھے، اور علوم و فنون اور حدیث کے علاوہ (جس کے وہ مانے ہوئے استاد اور شیخ تھے) ان کو قرآن مجید کا خاص ذوق تھا، اس کا رنگ ان کی زندگی اور مزاج پر چھایا تھا۔

(ماہنامہ "صبح صادق" جنوری ۱۹۵۶ء قرآن نمبر)

دیوبند میں وابستگی کا واحد ذریعہ مولانا مدنیؒ

دیوبند کے زمانۂ قیام کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا لکھتے ہیں:۔

"دیوبند کے قیام میں میرے لئے وابستگی کا واحد ذریعہ مولانا کی ذات گرامی تھی، میری ذہنی و تعلیمی پرداخت اس انداز سے ہوئی تھی کہ میرے لئے وہاں کی درسی و مدرسی ماحول میں دلچسپی کا کم سامان تھا۔"

(پرانے چراغ جلد اول ص۱۰۱)

مولانا احمد علی صاحب لاہوری کی خدمت میں

مولانا عبیداللہ صاحب سندھی کے شاگرد رشید مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ سے تفسیر اور حجۃ اللہ البالغہ پڑھنے کے لئے لاہور میں بھی مولانا نے کچھ دن قیام کیا۔ لیکن اس طرز تفسیر سے انھیں کوئی مناسبت نہیں تھی۔ مولانا لکھتے ہیں:۔

"جہاں تک اس طرز کا تعلق ہے، مجھے اس سے کچھ زیادہ مناسبت نہیں تھی، اسی لئے میں نے اپنے درس قرآن میں جس کا سلسلہ میں نے لکھنؤ واپس آکر شروع کر دیا اور جس نے بعد میں ادارۂ تعلیمات اسلام میں شہر کے ایک بڑے مرکزی درس کی شکل اختیار کر لی جس میں شہر کے جدید تعلیم یافتہ اور اعلیٰ عہدیدار بڑی تعداد میں شریک ہونے لگے اس طرز کی پیروی نہیں کی لیکن اس درس سے مجھے فائدہ بہت ہوا، اور اس کی برکت میں نے اپنی بعد کی علمی اور تبلیغی زندگی میں محسوس کی۔" (پرانے چراغ ج اول ص۱۰۵)

علامہ سید سلیمان ندوی سے تفسیر میں استفادہ

"۔۔۔اس کے علاوہ مجھے مولانا سید سلیمان ندویؒ سے قرآن مجید کی بعض آیات کی تفسیر اور بعض آیتوں پر ان کی تقریر سننے کا موقع ملا، اور میرا تاثر یہ ہے کہ میں نے قرآن مجید کے بارے میں کسی کا فہم اتنا عمیق نہیں پایا جتنا کہ مولانا سید سلیمان ندوی کا، یہ ایک تاریخی انکشاف ہے، لوگ سید صاحب کو مؤرخ اور سوانح نگار کی حیثیت سے جانتے ہیں، متکلم کی حیثیت سے جانتے ہیں، لیکن میرے نزدیک فہم قرآن میں ان کا پایہ اتنا بلند تھا کہ مجھے ہندوستان ہی نہیں بلکہ تحقیق براعظم میں بھی کوئی ایسا شخص نہیں ملا جس کا مطالعہ قرآن اتنا وسیع اور عمیق ہو۔" (قرآنی افادات ص ۳۱)

حضرت مولانا ہمیشہ اکابر دیوبند و سہارنپور کی دینی خدمات اور ان کے اخلاص و للہیت کے معترف و مداح رہے، نجی مجلسوں، عام محفلوں اور اپنی تحریروں میں برابر ان کا ذکر خیر کرتے، متعدد بزرگوں کی حیات و خدمات پر مستقل کتابیں لکھیں اور لکھوائیں۔

علماء دیوبند و سہارنپور کے خلاف شرانگیزی اور مولانا کا دفاع

جب سلف کی طرف نسبت کرنے والی ایک جماعت نے جس نے آج کل ائمہ اربعہ خصوصاً امام ابوحنیفہؒ اور ان کی فقہ پر عمل کرنے والوں کی تحقیر و تفسیق بلکہ تکفیر ہی کو اپنا شعار بنا رکھا ہے، محض جماعتی و شخصی مفاد و مصلحت اور ایک خاص مشرب اور طریقہ کو فائدہ پہونچانے کی خاطر علماء دیوبند کی عقیدۂ توحید سے وابستگی، قرآن و حدیث سے ان کے تعلق اور شریعت اسلامیہ پر عمل پیرا ہونے کے سلسلہ میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی مہم اور حقائق کو مسخ کر کے ان کی شبیہ بگاڑنے کی زور و شور سے کوشش شروع کی تو مولانا کے لئے خاموش رہنا ناممکن ہوگیا۔ اور "اضواء" کے نام سے ایک کتابچہ لکھ کر حجاز و خلیج میں تقسیم کروایا، اس میں دیوبند، مظاہر اور ان کے نامور اکابر مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ وغیرہم اور تبلیغی جماعت کے فکر و عقیدہ اور ان عظیم اداروں، تحریکوں اور ان کے عظیم بانیوں کی خدمات، قربانیوں اور تصحیح عقیدہ اور بدعات و خرافات کی بیخ کنی اور قرآن و حدیث سے عوام کا رشتہ جوڑنے میں ان کی کوششوں اور کامیابیوں کا تذکرہ کر کے ان کے خلاف جاری پروپیگنڈہ کی حقیقت واضح کی۔ برصغیر ہند و پاک کے لئے "اضواء" کا اردو ترجمہ "بصائر" کے نام سے چھپوا کر تقسیم کیا، اس کے پیش لفظ کے آخری جملے یہ ہیں:۔

"ایسے ملک میں اس طرح کے مسائل چھیڑنے، مفید اور ضروری تعلیمی اداروں اور دعوتی تحریکوں پر بے بنیاد الزامات لگانے اور اس سے اپنے جماعتی مفادات کو بروئے کار لانے والوں سے قرآن کریم کی روشنی میں یہ کہنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلّٰهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ

اے ایمان والو کھڑے ہو جایا کرو اللہ کے واسطے گواہی دینے کو انصاف کی

تحریک سید احمد شہیدؒ اور اکابر دیوبند و سہارنپور

اس سے پہلے خاندان کے ایک محاذ فکر و بصیرت عالم مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کا یہ بصیرت افروز قول کہیں گزر چکا ہے کہ "تحریک سید احمد شہیدؒ خانۂ دل میں جاگزیں تھی، رگوں میں خون اسی کا دوڑ رہا تھا، اسی کی تلاش و جستجو میں مرکز مرکز کا سفر اور اصحاب دعوت و عزیمت کی تلاش تھی"۔ واقعہ یہ ہے کہ مولانا نے جن بزرگوں سے مسترشدانہ و نیازمندانہ تعلق رکھا وہ سب سید احمد شہیدؒ ہی کے سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے، ایک مرتبہ دارالعلوم دیوبند میں طلبہ کو خطاب کرتے ہوئے مولانا نے فرمایا:۔

"میں اس بات پر (مولانا مدنی سے استفادہ کے لئے دیوبند کے قیام پر) جتنا فخر کروں کم ہے، لیکن میری نیازمندی کی تاریخ اس سے زیادہ وسیع اور طویل ہے، کئی پشتوں سے میرا تعلق اس درسگاہ عالی مقام سے رہا ہے، یہاں کی زمین ان لوگوں کے آنسوؤں سے نم اور یہاں کی فضا ان کی دعاؤں اور آہوں سے اب بھی معطر ہوگی جو قافلہ بنا کر اس سرزمین سے گزرے" (یعنی سید احمد شہیدؒ اور ان کے رفقاء)

(پاجا سراغ زندگی ص۱۱۱)

حضرت قاری محمد طیب صاحب تاریخ دارالعلوم دیوبند کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:۔

"میں نے اپنے بزرگوں سے بارہا سنا اور ان کے حلقوں میں یہ ایک معروف اور عام زبان زد بات تھی اور پھر اس کی سند تاریخی اوراق سے بھی ملتی ہے کہ حضرت سید احمد شہید بریلوی رحمۃ اللہ علیہ جہاد کے سلسلہ سے صوبہ سرحد جاتے ہوئے جب دیوبند سے گذرے تو اس جگہ پہونچ کر جہاں آج مدرسہ واقع ہے فرمایا کہ مجھے یہاں سے علم کی خوشبو

آرہی ہے۔"
(تاریخ دارالعلوم دیوبند ج اول ص۷۰)

تحریک سید احمد شہید سے جو علاقے سب
سے زیادہ فیضیاب ہوئے ان میں دوآبہ (دیوبند، سہارنپور،
گنگوہ، تھانہ بھون، نانوتہ، کاندھلہ وغیرہ) کا علاقہ
مشہور ہے، اکابر دیوبند کے پیرومرشد حاجی
امداد اللہ صاحب مہاجر کی خلیفہ تھے مولانا نور محمد جھنجھانوی
کے اور یہ خلیفہ تھے سید احمد شہید کے، ان حضرات
کو نسبت کتنی عزیز تھی، سید احمد شہید سے کیسا
تعلق تھا یہ دیکھنا ہو تو مولانا کے والد ماجد مولانا
سید عبدالحئی حسنی کی ارمغان احباب (دہلی اور
اس کے اطراف) پڑھئے یہ دراصل ایک سفر کی روداد
ہے جو انھوں نے ستائیس سال کی عمر میں ۱۳۱۲ھ
میں سید احمد شہیدؒ کے نقوش کی تلاش میں دہلی،
سہارنپور، دیوبند اور گنگوہ وغیرہ کا کیا تھا:

مولانا محمود حسن صاحب کے یہاں دعوت

"دیں سے میں اور بھائی جی (مولوی خلیل الدین رائے بریلوی) اٹھ کر مولوی محمود حسن (شیخ الہند) کے مکان پر آئے، مولانا ذوالفقار علی صاحب (شیخ الہند کے والد محترم) اور اکثر علمائے دیوبند (مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری، حافظ محمد احمد صاحب، حاجی سید محمد عابد صاحب، مفتی عزیزالرحمن صاحب وغیرہم) بیٹھے ہوئے تھے، مولانا ذوالفقار علی صاحب نے نہایت فراخدلی سے ہم لوگوں کا خیر مقدم کیا اور مل کر صدر مقام میں باوجود ہم لوگوں کی معذرت کے بٹھایا، اس کے بعد فرمایا کہ جس وقت میں نے سنا کہ رائے بریلی سے کوئی صاحب آئے ہیں تو میں سمجھ گیا تھا کہ صاحبزادہ ہونگے کیونکہ علم سے ان لوگوں کو ہمیشہ سے مناسبت ہے، پھر انھوں نے ایسی باتیں شروع کیں جس کو سن سن کر شرم و ندامت سے ہمارے سر جھکے جاتے تھے، اور جتنے حضرات وہاں بیٹھے تھے، انھوں نے ایسا اظہار عقیدت کیا کہ ہم کو ان بزرگوں کے حسن ظن پر حیرت ہے، ہم لوگوں کی مخدومیت اور اپنی خادمیت کا اظہار ہر ہر بات پر فرماتے تھے، سب سے زیادہ شکایت اس بات کی تھی کہ آپ سرائے میں کیوں ٹھہرے کیا آپ ہم کو اپنا خادم نہیں سمجھتے، یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ آپ سرائے میں رہیں، مولوی محمود حسن صاحب (شیخ الہند) نے کہا کہ کل میں نے بہت اصرار کیا لیکن انھوں نے مانا نہیں، مولانا ذوالفقار علی صاحب نے کہا کہ آپ نے ان کے انکار کو تسلیم ہی کیوں کیا، آخر کو آدمی سرائے بھیجا گیا اور اسباب اٹھوا منگایا، اس عرصہ میں کھانا آیا، نہایت اہتمام کے ساتھ کھانا پکوایا گیا تھا، کھانے کے بعد مولوی ذوالفقار علی صاحب نے اور مولوی محمود حسن صاحب نے اپنے ہاتھ سے بستر بچھا کر کہا کہ آپ قیلولہ فرمائیں۔"

(دہلی اور اس کے اطراف ص: ۸۶)

اس ایک اقتباس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اکابر دیوبند کو سید احمد شہیدؒ سے کیسا جذباتی لگاؤ تھا، اس خانوادہ کے ایک نوجوان کی پیرومرشد کی طرح عزت و تکریم کی جا رہی ہے۔

ایک مرتبہ تبلیغی مرکز حضرت نظام الدین میں مولانا علی میاں علیہ الرحمہ صبح کی چائے میں شریک نہیں ہوئے، رئیس التبلیغ مولانا محمد الیاسؒ نے پوچھا! مولانا علی میاں صاحب نہیں آئے؟ لوگوں نے بتایا کہ وہ اوپر کمرہ میں ہیں، مولانا محمد الیاس صاحب نے فرمایا کہ لاؤ میں چائے لے کر جاؤں گا، چنانچہ خود چائے کی پیالی ہاتھ میں لے کر زینہ چڑھ کر اوپر کمرہ میں تشریف لے گئے، اور یہ کہتے ہوئے پیالی حضرت مولانا علی میاں صاحب کی طرف بڑھائی کہ مولانا! ابھی تک ہم لوگ حضرت سید صاحب کی تجدید کے سایہ ہی میں ہیں۔ (حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔ اکابر و مشاہیر امت کی نظر میں ص۶۴)

ایک مرتبہ حضرت مولانا اپنا ایک مضمون جو تصوف پر تھا حضرت مدنی کو دکھا رہے تھے، ایک جگہ سید احمد شہیدؒ اور شیخ سنوسی کا ذکر ایک ساتھ تھا، جوں ہی اس پر ان کی نگاہ پڑی غصہ سے چہرہ متغیر ہو گیا، اور جوش میں فرمانے لگے مولوی صاحب! شیخ سنوسی کو میں نے حجاز میں دیکھا ہے ان سے ملا ہوں، کہاں سید صاحب اور کہاں شیخ سنوسی، پھر اپنے ہاتھ سے شیخ سنوسی کا تذکرہ نیچے الگ پیراگراف میں کر دیا۔

کاروان زندگی میں مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے اپنی قربت و مناسبت کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا علی میاں لکھتے ہیں:۔

"دوسری طرف مولانا کی مجھ پر جو خصوصی عنایت اور تھوڑے وقت میں جو قرب و اختصاص حاصل ہوا اس کی ایک وجہ تو وہ عجیب و غریب تعلق و عقیدت ہے جو سلسلۂ رشیدی (سلسلۂ مولانا رشید احمد گنگوہی) کے تمام مشائخ کو حضرت سید احمد شہیدؒ کے ساتھ رہا ہے اور جس کا اندازہ کرنا ان لوگوں کے لئے دشوار ہے جنہوں نے ان حضرات کو قریب سے اور زیادہ نہیں دیکھا ہے"

(کاروان زندگی ج اول ص: ۲۸۴)

مولانا کے اساتذہ میں مولانا حیدر حسن خاں صاحب ٹونکی متشدد حنفی تھے، علامہ تقی الدین ہلالی مراکشی اور مولانا خلیل عرب صاحب ندوی

اہل حدیث تھے، خاص طور پر مولانا ہلالی بڑے کٹر تھے، خلیل عرب صاحب اپنے مایۂ ناز شاگرد مولانا علی میاں کو ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

"عزیز محترم مولانا ابوالحسن علی صاحب اطال اللہ بقائہ واعز ایامہ، ونفع المسلمین لعلومہ عدا التصوف (آمین)۔"

(پرانے چراغ ج اول ص: ۲۲۶)

یعنی اللہ ان کے جملہ علوم سے مسلمانوں کو فائدہ پہونچائے سوائے تصوف کے۔

نصاب تعلیم، مولانا مودودی اور ان کی جماعت اور غیر مقلدین کے سلسلہ میں ہندستان کے علما کا موقف ونظریہ اور ان کی رائے معروف ہے، اسی طرح حجاز کی اکثریت کی تصوف اور صوفیوں سے دحشت ونفرت سے بھی واقف ہیں، مولانا افراط وتفریط میں کبھی مبتلا نہیں ہوئے، انھوں نے ہر ایک کا احترام ملحوظ رکھا، لیکن زبان وقلم کی شرافت وشائستگی، اساتذہ، مشائخ بزرگوں اور اہل فضل وکمال کا صد درجہ احترام وادب اور تواضع وانکساری نے کبھی انھیں اس بات سے نہیں روکا کہ اپنے ان افکار ونظریات کو بلا تکلف پوری قوت کے ساتھ ظاہر کریں جنہیں وہ صحیح اور امت کے لئے مفید سمجھ رہے ہیں، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اپنی کسی رائے کا اظہار محض اس لئے نہ کیا ہو کہ فلاں اس سے متفق نہیں ہے، فلاں کی رائے اس کے خلاف ہے، ذیل میں ہم اس کی کچھ مثالیں پیش کرتے ہیں:۔

نصاب تعلیم

۱۹۸۳ء میں "ہندستان میں عربی مدارس کا نصاب ونظام تعلیم" کے موضوع پر ندوۃ العلماء میں دو روزہ سمینار کا انعقاد ہوا تھا، حضرت مولانا نے افتتاحی اجلاس میں شرکاء کو جن کا تعلق ہندستان کے مختلف مدارس وجامعات سے تھا خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"حقیقت میں نصاب تعلیم کسی قوم کے فکری ارتقاء، اس کے علمی تجربوں، اس کے طریق فکر اور اس کی ذہنی صلاحیت کی ہانڈی کا سرجوش ہوا کرتا ہے، نصاب تعلیم کسی قوم کے مطالعہ، اس کی فکری سطح اور اس کی ذہنی صلاحیت کا نقطۂ عروج ہوتا ہے، نصاب تعلیم کا بھی ایک ضمیر ہوتا ہے، اس کی ایک روح ہوتی ہے جو اس کے پورے جسم میں سرایت کئے ہوتی ہے۔"

(تعمیر حیات ۲۵ مارچ۔ ۱۰ اپریل ۱۹۸۳ء)

دارالعلوم دیوبند میں اس کے اجلاس صد سالہ کے موقع پر نصاب تعلیم پر ایک سمینار ہوا تھا جس کی صدارت حضرت مولانا نے فرمائی تھی، اپنی صدارتی تقریر میں آپ نے اس موقع پر کہا:

"میں آپ سے اول تو یہ بات کہتا ہوں کہ نصاب تعلیم کی تاریخ بتاتی ہے کہ ہمارے اسلاف ہم سے کہیں زیادہ حقیقت پسند تھے اور ہم سے کہیں زیادہ وسیع النظر اور کہیں زیادہ فراخدل تھے، اس لئے کہ ہمیں نصاب کی پوری تاریخ میں نظر آیا کہ برابر تبدیلیاں ہوتی رہیں، اور معیار فضیلت بھی بدلتا رہا، دوسری بات یہ کہ یہ نصاب سے تاریخ کا جس کو آپ حضرات کے سامنے رکھا جاسکتا ہے کہ جب ہندستان میں ایک ہی حکومت تھی، یعنی صرف مسلمان حکومت کر رہے تھے، صرف خاندان بدلتے تھے، ایک ہی دین نہیں بلکہ مذہب فقہی بھی ایک تھا یعنی حنفی، آئین بھی ایک تھا، یعنی شرع محمدی، اس کی زبان ایک تھی، یعنی فارسی اور مذہبی زبان عربی تھی اور تہذیب بھی ایک تھی، سب میں وحدت تھی، اور تسلسل تھا، اس وقت تو نصاب تعلیم سو سو برس میں بدلتا رہا، اور جب زمین آسمان بدل گئے، اور نہ وہ حکمرانی رہی، اور نہ وہ تہذیب رہی، اور نہ وہ آئین رہا، اور مذہب بھی تزلزل میں پڑ گیا، اس وقت سے اس پر ایسی مہر لگی، ایسی مہر لگی کہ کوئی اس کو ہاتھ نہیں لگا سکتا، کیا اس کی بنا پر ایک طرح یہ بے لاگ فیصلہ نہیں دے سکتا کہ ہمارے اسلاف ہم سے زیادہ وسیع النظر اور ہم سے زیادہ حقیقت پسند اور زمانہ شناس تھے، ان کا ہاتھ اور ان کی انگلیاں زمانہ کی اور ملت کی نبض پر رہتی تھیں، اور ہماری انگلیاں نبض سے ہٹ گئی ہیں، اور ہمیں معلوم نہیں کہ نبض کس طرح چلتی ہے، نصاب تعلیم کو ملت کے ساتھ، زمانہ کے ساتھ اور تقاضوں کے ساتھ مربوط رہنا چاہئے، اور یہ ہمارے لئے قرآنی نظریہ سے بھی، دعوتی نظریہ سے بھی اور علمی نظریہ سے بھی ضروری ہے۔"

(تعمیر حیات ۲۵ مارچ۔ ۱۰ اپریل ۱۹۸۳ء)

وہ دن بڑا مبارک ہوگا جس دن دارالعلوم دیوبند میں ضروری اصلاح اور تجدید عمل میں آئے گی

مولانا علی میاں ندوی علیہ الرحمہ کی بڑی خواہش تھی اور اس کے لئے انھوں نے کوشش بھی کی کہ نصاب تعلیم کے اس نظریہ کو دارالعلوم دیوبند اپنائے کہ برصغیر ہند وپاک میں تقریباً تمام مدارس وجامعات اسی کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ ۱۹۹۴ء میں مولانا نے دیوبند کا ایک

یا تھا اور حضرت قاری محمد طیب صاحب سے موضوع پر تبادلۂ خیال کیا تھا، اس کی روداد انھیں کی زبانی سنیئے !

"ہم پر دارالعلوم کے اسلامی ماحول کا ہمیشہ سے اثر ہے، اب کی یہ معلوم کر کے اور مسرت ہوئی کہ یہاں تجدید و اصلاح کا نیا رنگ بھی شروع ہونے کو ہے، ہم حضرت مولانا حسین احمد صاحب کی اصلاحی کوششوں سے ناواقف نہیں تھے اب یہ دیکھ کر مزید مسرت ہوئی کہ مولانا طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند بھی اصلاح نصاب اور بعض اہم مضامین کے اضافہ و تکمیل کیلئے کوشاں ہیں، اس سلسلہ میں مولانا نے جن تفصیلات کا اظہار فرمایا ان سے ہم کو بڑا اطمینان اور بے پایاں مسرت حاصل ہوئی، ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے وہ دن بڑا مبارک ہوگا جس دن دارالعلوم دیوبند میں ضروری اصلاح اور تجدید عمل میں آئے گی۔"

(تاریخ ندوۃ العلماء جلد دوم ص۴۲۵، مرتب مولانا شمس تبریز خاں)

عربی زبان کی تعلیم کے لئے مولانا کے م سے ایسی کتابیں نکلیں جن کی داد عربی کے ستند ادبا اور ماہرین تعلیم نے دی، مثلاً اسلوب بانے اپنی تیار کی ہوئی کتابوں پر ان کتابوں و فوقیت دی، لیکن ہندوستان کے عربی مدارس ما انھیں داخل نصاب نہیں کیا گیا، اس پر افسوس طری بات ہے، کاروان زندگی میں مولانا لکھتے ہیں:

"مختارات" نے جلد مقبولیت حاصل کی لیکن وہ زیادہ تر جدید حلقوں اور یونیورسٹیوں کے شعبۂ عربی بی۔ اے، ایم اے کے کورس میں داخل ہوئی، البتہ اس کو ہمارے قدیم مدارس میں بڑی مشکل سے بار ملا، اور ملا بھی تو جلد اس کو چھٹی دے دی گئی کہ ان حلقوں کا عمل "انظر ما قال ولا تنظر الی من قال" کے بجائے "انظر الی من قال ولا تنظر الی ما قال" پر ہے۔

(کاروان زندگی جلد اول ص۲۱۳)

"قصص النبیین" کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"اگر مصنف کو اپنی کسی کتاب کے داخل نصاب نہ ہونے پر استعجاب اور دوستانہ شکوہ ہوسکتا ہے تو اس کتاب پر کہ وہ زبان آموزی اور دینی تلقین کا بیک وقت کام کرتی ہے، لیکن جماعتی اور مدرسی عصبیت بڑے بڑے حقائق پر پردہ ڈال دیتی ہے، اس بارے میں جدید تعلیمی ادارے اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ زیادہ فراخدل اور وسیع النظر واقع ہوا ہے۔"

(کاروان زندگی ج ۱ ص: ۲۱۹)

ندوہ کی تحریک اصلاح نصاب کا اثر

ندوۃ العلماء نے آج سے ایک صدی پہلے اصلاح نصاب کی جو آواز لگائی تھی وہ اگرچہ بعض اسباب کی بنا پر عمومی مقبولیت حاصل نہ کرسکی لیکن بالکلیہ بے اثر بھی نہیں رہی، آج ہر طرف سے اصلاح نصاب کی صدا آرہی ہے، بہت سی جگہوں میں عملاً اس کام کا آغاز بھی کر دیا گیا ہے اس سے پہلے بھی متعدد روشن دماغ، اہل بصیرت اور حالات حاضرہ پر گہری نظر رکھنے والے مخلص علماء نے ندوۃ العلماء کی اس فکر کی پرزور تائید کی ہے، یہاں صرف علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے شاگرد رشید علامہ یوسف بنوریؒ کے چند جملے نقل کئے جاتے ہیں۔

علامہ یوسف بنوریؒ کی رائے

ماہنامہ "الفرقان" میں ۱۹۷۵ء میں "عربی مدارس کا نصاب و نظام تعلیم" کے عنوان سے مولانا بنوریؒ نے ایک مضمون لکھا تھا، دارالعلوم دیوبند کے اس وقت کے مہتمم جناب قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم کی طرف سے کتابچہ کی شکل میں اپنے پیش لفظ کے ساتھ اسے شائع فرمایا، پیش لفظ میں قاری صاحب تحریر کرتے ہیں:۔

"(یہ مضمون) اس قابل ہے کہ مدارس عربیہ اور بالخصوص دارالعلوم دیوبند کے اساتذۂ کرام کے مطالعہ میں آئے اور اس کی روشنی میں جن نقاط کو پیش کیا گیا ہے وہ محض نظری نہیں ہیں، بلکہ تجرباتی بلکہ تجربوں کا بھی نچوڑ ہیں انھیں سامنے رکھ کر اپنے نظام و نصاب اور مناہج تعلیم پر غور و فکر فرما کر اس کے بنیادی حصوں کو اپنا لیں۔" (ص: ۲)

مولانا بنوری نے مضمون میں پہلے بتایا ہے کہ زمانہ بدل چکا ہے، خیالات بدل گئے ہیں، قوموں کی نفسیات بھی تبدیل ہوگئیں، سائنس کی ترقیات نے معاشیات و اقتصادیات کی نئی راہیں کھول دیں، فقہ اسلامی کے ابواب میں تمدن حاضرہ نے بہت سے جدید ابواب کا اضافہ کر دیا ہے، اس کے بعد درس نظامی کی کتابوں کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"مدارس عربیہ میں اس وقت جو نصاب تعلیم رائج ہے، حدیث و فقہ کی چند کتابوں کو مستثنیٰ کرنے کے بعد زیادہ تر ساتویں صدی ہجری اور اس کے بعد کی قرون کی یادگار ہیں، جہاں صحیح معنیٰ میں علمی انحطاط

کا دور شروع ہو چکا تھا، قدما ذات کی وہ تالیفات جن میں علم کی روح موجود تھی، عبارت سلیس و شگفتہ، مسائل و قواعد واضح جن میں نہ عبارتی تعقیدات تھیں، نہ دور از کار ابحاث، جن کے پڑھنے سے صحیح معنی میں دل و دماغ متاثر ہو سکتے تھے، نہ وقت ضائع ہوتا تھا نہ دماغ پر بوجھ کا خطرہ ہوتا تھا، ان کی جگہ ایسی کتابیں تصنیف ہوئیں جن میں سب سے زیادہ کمال اختصار نویسی کو سمجھا گیا، زیادہ زور لفظی بحثوں پر دیا گیا لفظی موشگافیاں شروع ہوئیں، یوں اگر کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ کاغذ تو کم خرچ کیا گیا لیکن وقت و دماغ کو اس کے حل پر زیادہ صرف کیا گیا، بڑا کمال یہی سمجھا گیا کہ عبارت ایسی دقیق و غامض ہو جس کے لئے شرح و حاشیہ کی ضرورت ہو، کئی کئی توجیہات کے بغیر حل نہ ہو، آخر یہ علمی عیاشی نہیں تو اور کیا ہے، میرے ناقص خیال میں یہ علم کا سب سے بڑا فتنہ تھا، جس سے اسلامی علوم اور اسلامی معارف کو بڑا نقصان پہونچا۔"

(مدارس عربیہ کا نصاب و نظام تعلیم ص: ۱۰)

اس کے بعد درس نظامی میں اصول فقہ، صرف و نحو، معانی بیان، منطق، فلسفہ، فقہ و تفسیر ادب وغیرہ کی تعلیم کے لئے پڑھائی جانے والی کتابوں کا جائزہ لینے کے بعد خلاصہ کے طور پر لکھتے ہیں:

۱۔ "کتابوں میں زیادہ تر وقت لفظی مباحث اور عبارتی موشگافیوں پر خرچ ہوتا ہے، ۲۔ فن کے قواعد اور مسائل کے یاد کرنے کے بجائے مصنف کا مقصد سمجھنے پر وقت ضائع ہوتا ہے۔ ۳۔ فن کے قواعد اور مسائل یاد ہو جانے سے جو ایک اعلیٰ سلیقہ اور ملکہ پیدا ہوتا ہے اور جو ایک خاص قسم کی بصیرت حاصل ہونی چاہئے ان مختصرات سے یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ ۴۔ صرف ان کا پڑھنے اور پڑھانے والا بہت مشکل سے اس فن کا محقق اور بابصیرت عالم بن سکتا ہے۔ ۵۔ متن اور اس پر شرح اور پھر شرح کا حاشیہ یہ اسلوب عصر حاضر کے ذوق کے بالکل خلاف ہے۔"

(مدارس عربیہ کا نصاب و نظام تعلیم ص: ۱۰۔۱۵)

عرب قوم پرستی کا فتنہ

یہ دراصل یہودیوں اور عالمی طاقتوں کی ایک گہری اور خطرناک سازش تھی دین اسلام کے خلاف، عرب قوم پرستی کا وہ سادہ مفہوم ہرگز نہیں ہے جو یہاں وطنیت یا وطن پرستی کا عام طور پر اب تک سمجھا جاتا ہے، بلکہ قومیت عربیہ کی حیثیت ایک دین اور ایک مذہب کی ہوگئی تھی، لیکن قومیت کے مغربی مفہوم اور قومیت عربیہ کے علمبرداروں کے افکار و نظریات سے ناواقفیت کی بنا پر عام طور پر ہندوستان کے دینی حلقے اس کی سنگینی کا اندازہ نہیں لگا سکے، ایک لبنانی مسلمان ناصر الدین اپنی کتاب "قضیة العرب" میں قومیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"وطن پر ایمان وطن کے لئے ٹھیک اسی طرح ہے جس طرح اللہ پر ایمان اللہ کے لئے ہو سکتا ہے۔"

یہی مصنف دوسری جگہ لکھتا ہے:۔

"یہ قومیت دین و سیاست کی تفریق پر ایمان رکھتی ہے، وہ اہل دین کو سیاست میں حصہ لینے کی اجازت نہیں دے گی۔"

اس کی مزید تشریح کرتے ہوئے یہ لکھتا ہے:۔

"قومیت عربیہ پر ایمان راسخ رکھنے والے ہم عرب قوم پرستوں کے نزدیک عروبہ بجائے خود ایک دین ہے، اس لئے کہ وہ اسلام اور مسیحیت دونوں سے پہلے سے اس دنیا میں موجود ہے۔"

جمال عبدالناصر اس قومیت کا علمبردار تھا، اس نے سرعام اپنی سات ہزار سالہ تہذیب پر فخر کیا اسی نے اخوان کے ذمہ داروں کو بے گناہ قتل کیا، ایذا رسانی کے نئے طریقے جو ہٹلر کے وقت جرمنی میں ایجاد ہوئے تھے وہ سید قطب اور دوسرے اسلام پسندوں پر آزمائے گئے، مشہور مصنف و ادیب احمد حسن زیات نے "الأزهر" میں جو جامع ازہر کا ترجمان تھا قومیت عربیہ کے علمبردار کی حیثیت سے صدر ناصر کو نعوذ باللہ نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر فوقیت دی، اور ستم یہ کہ کوئی قابل ذکر احتجاج اس کے خلاف نہیں ہوا، قومیت عربیہ نے ذہن و دماغ کو کس طرح متاثر کیا تھا اس کا اندازہ ان مضامین سے لگایا جا سکتا ہے جو صدر جمال عبدالناصر کی وفات کے بعد اخبارات میں شائع ہوئے، ذیل میں کچھ نمونے پیش کئے جاتے ہیں:۔

"اس زمانہ کے نبی نے دنیا سے رحلت فرمائی (نعوذ باللہ) جمال عبدالناصر کا سال کے اسی دن انتقال ہوا جس میں اللہ نے اپنے نبی محمد بن عبداللہ پر معراج کی تجلی ظاہر کی اور ان کو اپنے پاس سدرۃ المنتہیٰ تک دلجوئی اور پاس خاطر کے لئے بلایا، ٹھیک اسی طرح جس طرح اللہ نے اپنے حبیب جمال کے لئے کیا، آپ کا سفر بھی ٹھیک اسی طرح ہوا تھا جس طرح جمال کا ہوا، جمال عبدالناصر کا انتقال نہیں

ہوا بلکہ وہ آسمانی سفر پر اس طرح روانہ
ہوئے جس طرح انبیاء اور قدوسیوں
کا سفر ہوتا ہے۔"
(الجمہوریہ ۳ اکتوبر ۱۹۵۸ء بحوالہ العالم عربی کا المیہ ص۲۱)

یہی اخبار ایک دن لکھتا ہے:۔
"اے وہ جس سے بڑھ کر معزز و محترم دنیا نے کبھی نہیں دیکھا، حوادث کے سامنے ثابت قدم رہنے والا اور جس وقت چاہے، جہاں چاہے اور جس طرح چاہے ان میں تصرف کرنے والا۔"
(عالم عربی کا المیہ ص۲۱)

مولانا علی میاں ندوی اور ان کے تلامذہ نے جب اس عرب قومیت اور اس کے سب سے بڑے داعی و علمبردار صدر ناصر کی مخالفت کا بیڑا اٹھایا تو بعض دینی حلقوں کو یہ اچھا نہیں لگا بلکہ ان کی طرف سے اس کی مذمت کی گئی۔

مولانا نے "صدر ناصر کی مخالفت کیوں" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا جس میں تفصیل سے ان اسباب پر روشنی ڈالی جنہوں نے انھیں ناصر کی مخالفت کے لئے مجبور کیا۔ اس کا ایک اقتباس ہے:

مجھے اس کا اقرار ہے

"میں ہندوستان میں صدر ناصر کا بہت بڑا مخالف سمجھا جاتا ہوں اور تعجب نہیں اگر بہت سے لوگ مجھے اس ملک میں ان کا سب سے بڑا مخالف سمجھتے ہوں، مجھے بھی اس کا اقرار ہے کہ میں دس بارہ برس سے ان کا شدید مخالف اور عربی اردو دونوں زبانوں میں نیز تقریر و تحریر کے ذریعہ ان پر شدید تنقید کرتا رہا ہوں، میں اپنے اس طرز عمل کے بارے میں کسی معذرت اور تاویل کی ضرورت نہیں سمجھتا۔"
(عالم عربی کا المیہ ص۱۴۸)

ہندوستان کے طبقۂ علماء سے گلہ

افسوس ہے کہ ہمارے ہندوستان کے بہت سے اہل علم ممالک عربیہ کے جدید تغیرات اور تازہ واقعات سے پورے طور پر واقف نہیں، ان کو اندازہ نہیں کہ اس مدت میں وہاں کیا فکری اور ذہنی انقلاب رونما ہوگیا اور معاملہ کہاں سے کہاں پہونچ گیا ہے، ان کا ذریعہ معلومات زیادہ سے زیادہ مصر و شام کے چند مذہبی رسالے اور علمی و فقہی تصنیفات یا وہ معلومات ہیں جن کی ان ملکوں کے سفارت خانے اشاعت کرتے رہتے ہیں وہ سمجھ رہے ہیں کہ وہاں جو کچھ ہو رہا ہے وہ صرف سرمایہ دار طبقہ کی چند ناانصافیوں کا خاتمہ مصری معاشرے کی اصلاح اور معاشی زندگی کی تنظیم ہے، ان میں بہت سے لوگ اب بھی اس طرز عمل کے لئے قرآن مجید کی آیات سے استدلال اور حضرت ابوذر غفاریؓ کی زندگی سے مثال پیش کرتے ہیں۔

تبلیغی جماعت اور حضرت مولانا علی میاں ندویؒ

مولانا منشاد علی صاحب قاسمی اپنی کتاب "حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی اکابر و مشاہیرات کی نظر میں" تبلیغی جماعت سے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی وابستگی اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے ان کے تعلقات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"حضرت مولانا (رحمۃ اللہ علیہ) تبلیغی جماعت کے اولین معماروں میں سے ہیں اور اس جماعت کے لئے بے شمار قربانیاں دے کر افراد سازی و میدان سازی کرکے جماعت کے لئے ملک و بیرون ملک میں کام کے راستے آسان کرنے میں آپ کا کلیدی رول رہا ہے، ہندوستان میں آپ نے بڑے بڑے علماء اور مدارس و کالجز اور یونیورسٹیوں کے طلبہ کو وسیع پیمانے پر اس کام میں جوڑا پھر ملک سے باہر اس دعوت کو عام کرنے کے لئے قلب اسلام یعنی حرمین شریفین (سعودی عرب) میں خاص اسی مقصد کے لئے ایک طویل مدت تک قیام کیا، اور اپنی خداداد صلاحیتوں اور انتھک جدوجہد کے ذریعہ ایسا ماحول اور مخلص معاونین کی ایک بڑی تعداد ایسی تیار کردی جن کے ذریعہ تبلیغ و دعوت کا یہ کام عرب ملکوں میں پھیلا گویا عرب ممالک میں تبلیغ و دعوت کے اس کام کو موجودہ مروجہ انداز میں شروع کرنے اور عربوں کو اس کار خیر پر لگانے کا سہرا حضرت مولاناؒ کے سر ہے۔" (ص۳۳)

مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے جانشین مولانا محمد یوسف صاحب مولانا علی میاںؒ کو ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

"حضرت عالی! مجھے دل سے اعتراف ہے کہ آپ نے حضرت مرحوم کی اس وقت قدر کی جس وقت یہ ناچیز ناقدری کر رہا تھا اور آپ نے اس وقت اس عمل کی طرف قدم اٹھایا جس وقت یہ حقیر اس سے پہلو تہی کر رہا تھا آپ سنتے تھے تعمیل کرتے تھے، سمجھتے تھے اور محفوظ رکھتے تھے اور اس کام کے انہماک اور دعوت کی طرف تیزی کے ساتھ بڑھتے چلے جارہے تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعوت میں تاثیر دی، اضلاع متصلہ سے باہر یہ کام آپ ہی کی وساطت اور دعوت سے پھیلا اور علمی حلقہ میں آپ ہی کی وساطت سے یہ چیز

پہونچی۔
علما میں سے جماعتوں کو لے کر پھرنے کی طرف آپ ہی نے سبقت فرمائی، علمی حلقہ کی طرف اس دعوت کو لے کر آپ ہی بڑھے، علما کی طبائع کا جائزہ حضرت مرحوم آپ ہی کی وساطت سے لیا کرتے، اور ان کے شکوک وشبہات کا ازالہ آپ ہی کے ذریعہ فرماتے۔"
(حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اکابر ومشاہیر امت کی نظر میں ص۳۴)

لیکن مولانا محمد الیاس صاحب کی وفات کے بعد مولانا میں وہ جوش وخروش باقی نہیں رہا جو ان کی زندگی میں تھا اس کی وجہ خود "کاروان زندگی" میں تحریر فرمادی ہے۔

"میرا موقف اور طریق فکر" کے عنوان سے لکھتے ہیں، حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی ذات سے گہری عقیدت، ان کے فہم دین اور اخلاص پر کامل اعتماد، اس کام کی ضرورت اور افادیت پر یقین اور نہ صرف عملی شرکت بلکہ داعی اور ترجمان کے فرائض انجام دینے کے ساتھ (جو مولانا کے لئے بھی مسرت اور اطمینان کا موجب تھی)۔

"واقعہ یہ ہے کہ میرے ذہن کے سانچے کی (جو ایک خاص علمی ماحول اور مطالعہ سے تیار ہوا تھا) مکمل شکست وریخت عمل میں نہیں آئی تھی اور اس کی جگہ کسی دوسرے ذہنی اور فکری سانچے نے نہیں لی تھی، یہ صورت حال ان لوگوں کو اکثر پیش آتی ہے جن کا ذہنی اور فکری سانچہ پہلے سے تیار ہوگیا ہو، اور انھوں نے اپنے ذہن ومطالعہ سے کام لینا نہ چھوڑا ہو، زیادہ صحیح الفاظ میں انھوں نے دماغی سپر اندازی اور ذہنی سے مکمل علاحدگی اختیار نہ کی ہو، اس لئے تحریکوں اور دعوتوں کے لئے وہ لوگ زیادہ مفید اور کارآمد ہوتے ہیں جن کا سانچہ انہی تحریکوں اور دعوتوں میں آنے کے بعد بنتا ہے، اور ان کو کوئی فکری ہجرت یا سفر نہیں کرنا پڑتا۔

میرا معاملہ خوش قسمتی یا بدقسمتی سے اس سے مختلف تھا، میرا ایک فکری وعلمی پس منظر تھا، اصلاحی اور تجدیدی تحریکوں اور ان کی مرکزی شخصیتوں کا میں نے نہ صرف مطالعہ کیا تھا بلکہ ان کے تعارف وتذکرہ نویسی کا شرف بھی حاصل ہوا تھا، میں ہر دور میں منصوصات وغیر منصوصات اور مقاصد ووسائل میں فرق کرتا رہا، اور میرے نزدیک خوب سے خوب تر کی تلاش اور نافع سے انفع کی جستجو کا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوتا، اسی طرح میرے نزدیک ہر تحریک، ہر دعوت اور ہر ادارے میں جو دین کی خدمت اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے قائم ہو نمو وارتقاء، زندگی اور اس کے مسائل سے واقفیت اور جائزہ اور ضروری حد تک ان کی تکمیل اور زندگی کی تطبیق کی کوشش ضروری ہے ورنہ وہ تحریک اور ادارہ نمو اور زندگی کی صلاحیت سے محروم اور جمود کا شکار ہو جائے گا، اور اس کی افادیت محدود سے محدود تر ہو کر رہ جائیگی۔

ان خیالات نے جو میرے خاص ماحول مطالعہ اور ذہنی ساخت کا نتیجہ تھے کسی دور میں ساتھ نہیں چھوڑا، اور میں مولانا کی حیات میں بھی کبھی کبھی تنہائی میں اقبالؔ کا یہ شعر پڑھتا تھا ؎

اسی کشمکش میں گذریں میری زندگی کی راتیں
کبھی سوز وساز رومی، کبھی پیچ وتاب رازی

لیکن مولانا کی قوت نسبت اور بے پایاں شفقت اور عملی مشغولیت نے ان کی حیات کے پورے عرصہ میں اس فکر کو دبا رکھا تھا، مولانا کی وفات کے بعد وہ نمایاں طریقہ پر ابھرنے لگی اس نے پہلے یہ شکل اختیار کی کہ کام کو جو اب سارے ہندوستان میں تقریباً پھیل چکا تھا، اور دوسرے ممالک کی طرف بڑھ رہا تھا کچھ زیادہ منظم، مؤثر اور ذہین وعلمی طبقہ کے لئے اطمینان بخش اور پرکشش بنانے کے لئے اصول دعوت اور اس کے ان اجزاء کو قائم رکھتے ہوئے (جن کو اس تحریک میں ۶ نمبر کے نام سے یاد کیا جاتا تھا) کم تبدیلیں اور زیادہ اضافوں کی ضرورت ہے مختلف مجالس میں مولانا محمد یوسف صاحب اور ان کے اہل شوریٰ سے اس موضوع پر گفتگو ہوئی، مگر اندازہ ہوا کہ ان کا ذہن اس کا ساتھ نہیں دیتا اور وہ اس کی تائید میں نہیں ہیں، اور شاید مولانا کی وفات کے بعد دعوت کے اس ابتدائی مرحلہ میں اس احتیاط کی کسی قدر ضرورت بھی تھی، کئی بار متوجہ کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہونچا کہ جب تک خود اصل داعی کے ذہن میں جو دعوت کا روح رواں ہے، کسی ضرورت کا احساس، اور کسی تبدیلی کا تقاضا پیدا نہ ہو، باہر سے مشورہ دینا خصوصاً ان لوگوں کا جو عمل اور قربانی دینے والوں کے صف اول میں نہیں ہیں، اور جنھوں نے اپنی پوری زندگی وقف نہیں کر دی ہے مفید اور مؤثر نہیں ہوا کرتا، اور بہت سے داعی اور ذمہ دار اس کو اسی نظر سے دیکھ

ں، جیسے کوئی ایسا شخص امام کو لقمہ دے
نماز میں شریک نہ ہو اور جس کے قبول
لینے کو فقہاء مفسد صلوٰۃ کہتے ہیں۔
اس احساس اور بار بار کی کوششوں
غیر مفید ہونے کے تجربہ، نیز جماعت
اخلاص و للہیت، مولانا محمد یوسف صاحب
قوت باطنی اور قوت دعوت اور اس
انابت اور استغراق اور کام کے
حال میں نہ صرف مفید بلکہ زندگیوں میں
ربلی لانے والا عمل دیکھ کر اس سلسلہ کو
یں روک دینا مناسب سمجھا گیا، البتہ اپنے
ہن کے کام کرتے رہنے کو روکنا قدرت
انہیں تھا، اس لئے یہ فیصلہ کیا کہ مرکز
اس تعلق اور دعوت کی مشغولیت کو
اری رکھا جائے گا، البتہ اپنے دائرہ کار
لکھنؤ اور اس کے اطراف) میں اس کو
یادہ مفید بنانے اور حالات و ماحول کا
اظ رکھنے اور دعوت و تفہیم کی اپنی زبان
ستعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے
"قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَىٰ شَاكِلَتِهِ فَرَبُّكُمْ
علمُ بِمَنْ هُوَ أَهْدَىٰ سَبِيلًا"
یک دائمی اور عالمگیر حقیقت ہے۔"
(کاروان زندگی ج اول ص۳۱۶)

ودودی کی خدمات کا اعتراف اور افکار پر تنقید

مولانا علی میاں ندویؒ جس بات کو
ھتے برملا اس کا اظہار کرتے تھے، محض کسی
یت یا کسی حلقہ کی ناراضگی کے خوف سے
کسی رائے اور نظریہ کے اظہار میں تامل
کیا۔
مولانا مودودیؒ کی خدمات کا اعتراف
تے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"اس میں شک نہیں کہ تعلیم یافتہ نوجوانوں کو اسلام سے قریب کرنے اور ان کے دلوں میں اسلام کی طرف سے اعتماد بحال کرنے میں ان کے قلم نے جو خدمت انجام دی ہے وہ ہر شبہ اور اختلاف سے بالاتر ہے، اور عالم اسلام کی نشأۃ ثانیہ کی جدید تحریک اور جدوجہد کی تاریخ میں ناقابل انکار اور ناقابل فراموش ہے"
(پرانے چراغ ج دوم ص۳۳)

"جہاں تک اس تعلیم یافتہ اور ذہین طبقہ کا تعلق ہے اس اثر انگیزی میں (اس ربع یا نصف صدی میں) مشکل سے کوئی اسلامی مصنف اور مفکر ان کا مقابل و ہمسر ملے گا"
(پرانے چراغ ج دوم ص۳۳)

اس مضمون کا اختتام ان جملوں پر ہوتا ہے:۔

"بحیثیت مصنف، متکلم، مفکر اور داعی کے ان کی امتیازی و انفرادی خصوصیات اور بڑائی کا نہ صرف فراخدلی بلکہ مسرت اور بہت سے مشترک روابط و خصوصیات کی بنا پر ایک گونہ فخر کے ساتھ اعتراف کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کی اسلامی خدمات کا پورا صلہ عطا فرمائے" (پرانے چراغ ج دوم ص۳۱۹)

کاروان زندگی میں مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"میں اگرچہ ان حدود تک کبھی نہیں پہونچ سکا جہاں تک مولانا مودودی کے شدید ناقد پہونچے جو تکفیر و تفسیق سے کم کے الفاظ پر قانع نہیں، مجھے اب بھی ان کے بہت سے ذہنی کمالات و خیالات کی قدر ہے، اور میں ان کی بہت سی چیزوں کو تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لئے مفید اور چشم کشا سمجھتا ہوں، اور ان کے مطالعہ کا مشورہ دیتا ہوں"
(کاروان زندگی ج اول ص۲۲۲)

لیکن جب حضرت مولانا نے دیکھا کہ مولانا مودودی صاحب کے تفردات اور "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" کی شکل میں دین کی تفہیم و تشریح نوجوانوں کی فکر و تحریر کو متاثر کررہی ہے تو انھوں نے ایک دینی فریضہ سمجھ کر "عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح" لکھی اور اس فکر پر تنقید کی۔

ان چند مثالوں سے بخوبی اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نور اللہ مرقدہ کی وفاداری حق کے ساتھ کبھی حق بات کہنے میں کسی کی رضامندی یا ناراضگی کی مطلق پرواہ نہیں کرتے تھے۔

مولانا کی عربی کتابیں پڑھنے والوں کا ایک بہت بڑا حلقہ وہ ہے جسے تصوف اور صوفیوں سے اللہ واسطے بیر ہے، اس کی نگاہ میں صوفی ہونا اور تصوف سے کسی طرح کا کوئی تعلق رکھنا ناقابل معافی جرم ہے، مولانا نے اس حلقہ کی رعایت میں کبھی اہل حق صوفیاء کی تعریف اور ان کی خدمات و کارناموں کے تذکرہ میں بخل سے کام نہیں لیا بلکہ امام سرہندی، مخدوم شرف الدین بہاری، شیخ معین الدین چشتی، شیخ عبدالقادر جیلانی اور مولانا روم جیسے اکابر صوفیاء کا تذکرہ لکھا۔

اسی طرح مولانا نے متعدد اہل حدیث علماء پر مضامین لکھے جن میں ان کی دینی خدمات اور ان کے اخلاص و للہیت کا فراخدلی سے اعتراف کیا ہے

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

دنیا کے فساد کا ذمہ دار مذہب نہیں ہے۔
(حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ)

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رح

ایک نظر میں

• معید اشرف ندوی

ولادت :

• ۶ر محرم ۱۳۳۲ھ مطابق ۵ر دسمبر ۱۹۱۳ء بروز جمعہ، بمقام تکیہ کلاں، رائے بریلی (یو.پی)

والدین :

• والد کا نام، حکیم سید عبدالحی، اور والدہ کا نام خیرالنساء تھا اور بہتر تخلص لکھتی تھیں، ڈاکٹر سید عبدالعلی م ۱۳۸۱ھ آپ کے بڑے بھائی اور امۃ اللہ تسنیم صاحبہ م ۱۳۹۵ھ اور امۃ العزیز آپ کی بڑی بہن تھیں، مولانا مرحوم کی والدہ محترمہ حافظ قرآن تھیں اور آپ کی خالہ، اور خالہ زاد بہن، ممانی اور پھوپھی سب کی سب حفظ قرآن کئے ہوئے تھیں، نو سال کی عمر میں آپ کے والد ۱۳۴۱ھ اور ۵۶ سال کی عمر میں آپ کی والدہ کا ۱۳۸۸ھ میں انتقال ہوا،

ابتدائی تعلیم :

• ابتدائی تعلیم والدہ محترمہ سے حاصل کی، اس کے بعد مولانا سید عزیزالرحمن حسنی اور مولانا محمود علی سے قرآن مجید، اردو، فارسی پڑھی،

عربی تعلیم :

• باقاعدہ عربی تعلیم کا آغاز شیخ خلیل محمد انصاری یمانی سے اور ڈاکٹر تقی الدین ہلالی مراکشی سے حاصل کی، اور ان ہی کی تربیت میں عربی زبان و ادب کی تکمیل بھی کی -

علم تفسیر : شیخ خلیل عرب انصاری سے منتخب سورتوں کی تفسیر کا درس لیا، اور مفسر قرآن مولانا احمد علی لاہوریؒ (وفات ۲۳ فروری ۱۹۶۲ء) سے ان کے ترتیب دیئے نظام کے مطابق ۱۳۵۱ھ میں لاہور میں قیام کرکے پورے قرآن کریم کی تفسیر پڑھی،

علوم شرقیہ : ۱۹۲۷ء میں لکھنؤ یونیورسٹی کے علوم شرقیہ کے شعبہ میں داخلہ لیا، اس وقت مولانا لکھنؤ یونیورسٹی کے سب سے کم سن طالب تھے، اور یونیورسٹی سے فاضل ادب کی امتیازی سند حاصل کی،

علم حدیث : ۱۹۲۹ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے شیخ الحدیث مولانا حیدر حسن خاں کے درس حدیث میں خاص طور سے شرکت کی اور ان سے صحیحین اور سنن ابی داؤد، اور سنن ترمذی حرفاً حرفاً پڑھی،

• ۱۹۳۲ء میں دارالعلوم دیوبند جاکر شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ سے علم حدیث کے اسباق سے استفادہ کیا، اور آپ کے تفسیر و علوم قرآن کے اسباق میں بھی شرکت کی۔

علم فقہ : دارالعلوم دیوبند میں مو
صاحب سے علم فقہ کا درس لیا۔

علم تجوید : قاری اصغر علی صاحب۔
حفص کے مطابق تجوید پڑھی،

نکاح : شادی نومبر ۱۹۳۴ء میر
بہن سید احمد سعید صاحب کی صاحبزادی
شاہ ضیاء النبیؒ کی پوتی اور مفتی عبدالرزاق
صاحب صمصام الاسلام منظوم ترجمہ فتوح ا
سے ہوئی اور مہتمم و شیخ الحدیث دارالعلوم
مولانا حیدر حسن خاںؒ نے خطبہ نکاح پڑھا
صلبی اولاد نہیں ہے، مگر روحانی اعتبار
آپ کے عقیدت مندوں کی تعداد لا
کروڑوں ہے۔

فلسفہ : مولانا سید سلیمان ندو
پڑھا، اور سید صاحب کے عزیز
اور ان کے علم و طرز کار سے فیض حا
علامہ شبلیؒ کے اسلوب و طرز بیان کے
رہے بلکہ خوشہ چیں بھی تھے،

سلوک و طریقت : ا
مولانا احمد علی لاہوریؒ کے شیخ مولا
بھاولپوریؒ سے بیعت کا شرف
۱۹۴۶ء میں اپنے شیخ کے اشار
عبدالرحیم رائے پوری کے خلیفہ مولا
رائے پوریؒ سے بیعت ہوئے۔

انگریزی تعلیم : ۱۹۲۷ء
کے درمیان انگریزی زبان سیکھ
جس سے اسلامی موضوعات اور عر

ج وغیرہ پر انگریزی کی کتابوں سے براہِ راست
فادہ کرنے کے لائق ہوئے۔

یہ و لباس : درمیانہ قد، بلندی تقریباً
ھ پانچ فٹ، گول چہرہ، صبیح رنگ، ہاتھ مخمل جیسا
لائم، حساس طبیعت، ہمیشہ سفید کپڑے زیب تن
ے کرتہ اور چوڑی مہری کا پائجامہ جو ٹخنوں سے
رہتا، ٹوپی کبھی کھڑی دیوار، کبھی پلے دار، عیدین
ریات و سفر میں شیروانی پہنتے تھے اور عیدین
وقع پر سر پر رومال اور جبہ، چھڑی، تسبیح اور
ب گھڑی ساتھ رہتی،

ج اور خوشی :
حضرت مولانا کے خادم خاص حاجی
الرزاق صاحب بتاتے ہیں کہ میں ۱۹۶۰ء سے
ل حضرت کے ساتھ سفر و حضر میں رہا، حضرت کا
ے ممتاز خاصہ تواضع و انکساری ہے۔
اس چالیس سال کی طویل
ت میں ایک بار کسی بات پر حد درجہ ناراضگی
تے ہوئے صرف اتنا فرمایا، "تکلیف ہوئی" اور
سرت میں خوشی کا لمحہ وہ تھا جب ۱۹۹۸ء
رم شریف حاضری کے وقت کلید بردار نے
ید کعبہ شریف کے چوکھٹ پر رکھتے ہوئے تالہ
ولنے کا اشارہ کیا، اور دخول کعبہ کا شرف حاصل ہوا۔

م کا لمحہ : سب سے زیادہ غم ۱۹۶۱ء میں
نے بڑے بھائی ڈاکٹر عبد العلی صاحب کی وفات
کے وقت حاضر نہ رہنے کا۔ اس وقت حضرت مولانا
رما کے سفر پر تھے،

پسندیدگی : سال کے دس بارہ مہینے (علاوہ دسمبر و
جنوری) برف کا ٹھنڈا پانی پیتے، چائے صبح ناشتہ
کے بعد اور بعد عصر ایک وقت میں دو تین پیالی پینے
کا معمول تھا۔ چائے کی پیالی لبریز اور گرم اتنی کہ لب سوز
اور میٹھی اتنی کہ لب باز ہو۔۔۔۔

معمولات : رات کے آخری حصہ میں فجر کی نماز
سے پہلے یاد الٰہی میں مشغول رہتے، بعد فجر ٹہلنے کا
معمول تھا، آخری دنوں میں بیماری، کمزوری اور
بے خوابی کی وجہ سے آرام فرماتے تھے، سات سے
۷½ بجے تک ناشتہ اور لوگوں سے ملنے کا معمول
تھا۔ اس کے بعد نماز چاشت تلاوت قرآن مجید
اور پھر دو تین معاونین کے ساتھ لکھنے پڑھنے
بیٹھ جاتے اور ۱۲½ بجے تک تصنیف و تالیف
اور خطوط کے جوابات دیتے، بعد نماز ظہر کھانا
کھاتے، اور اس کے فوراً بعد آرام فرماتے اور عصر کی
نماز سے پہلے کبھی ڈاک، کبھی ملاقات اور کبھی
قرآن مجید پڑھنے کا معمول تھا۔
عصر بعد مہمانوں سے ملاقات فرماتے، اور
اور مغرب کی نماز سے بیس منٹ پہلے نماز کی
تیاری، بعد نماز مغرب ـــــــ اندرون خانہ
جاتے، اگر تکیہ میں رہتے، اور سفر کی روانگی سے
قبل قبرستان جاکر فاتحہ پڑھتے۔ عشاء کی نماز
کے بعد کھانا کھاتے اور کھانے کے بعد تھوڑی دیر
لوگوں کے ساتھ بیٹھتے، اس کے بعد تھوڑی دیر طلبہ
و اساتذہ سے گفتگو فرماتے۔ اور دس بجے تک سو جانے کا
معمول تھا۔

ظرافت : حضرت مولانا کی طبیعت میں
خشکی نہیں تھی، بلکہ طبعاً بہت ظریف تھے ایک مرتبہ
• انجینئر امتیاز صاحب جو ندوہ، تکیہ ضیاء العلوم اور ندوۃ
کی عمارتوں کی نگرانی کرتے ہیں حضرت کا پیر دبانے لگے
حضرت نے فرمایا آپ چھوڑ دیں، جہاں آپ کا ہاتھ لگتا
ہے وہاں عمارت کھڑی ہو جاتی ہے، ایک مرتبہ
• حافظ عتیق الرحمٰن صاحب (ناظر مطبع دار العلوم
ندوۃ العلماء) کا جب مطبع ندویہ سے مطبع
قدیم تبادلہ ہوا تو وہ حضرت سے ملنے گئے اس کی
اطلاع دی تو آپ نے فرمایا کہ صرف ع۔ خ کا
فرق ہے یعنی مطبع سے سطیخ آئے ہیں
• حاجی عبد الرزاق صاحب (حضرت کے
خادم خاص) کے بارے میں ایک خط میں لکھا کہ یہ
ہمارے زندگی کے ساتھی اور بوڑھاپے کی لاٹھی
ہیں۔ ایک مرتبہ آپ
بیٹھے ہوئے تھے کہ نیند آگئی، کسی نے آپ کے کندھوں
کے پاس سے کھٹمل پکڑا اور کہا حضرت کھٹمل تھا،
آپ نے برجستہ کہا کہ میرا نام بھی تو علی ہے۔

علمی و دعوتی زندگی کا آغاز

• ۱۹۳۴ء میں دار العلوم ندوۃ العلماء میں
مدرس بنائے گئے اور تفسیر و حدیث، اور ادب عربی
تاریخ و منطق کے مضامین پڑھائے۔
۱۹۳۹ء میں دینی مراکز سے واقفیت کیلئے
ایک سفر کیا جس میں حضرت شاہ عبد القادر رائے پوریؒ
اور مولانا محمد الیاسؒ کاندھلوی سے تعارف حاصل ہوا،
اور اسی وقت سے ان سے مستقل ربط و تعلق ہو گیا
چنانچہ اول الذکر سے روحانی تربیت حاصل کی اور
ثانی الذکر کی رہنمائی و سرپرستی میں تبلیغ و دعوت
کا فریضہ انجام دیا۔ اور یہ تعلق تاحیات قائم رہا۔
• ۱۹۴۳ء میں انجمن تعلیمات اسلام کے
نام سے ایک انجمن قائم کی جس میں قرآن کریم اور
سنت نبویہ کے درس کا سلسلہ جاری کیا جو بے حد
مقبول ہوا۔
• ۱۹۴۵ء میں ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامی کے
رکن کی حیثیت سے منتخب کئے گئے۔
• ۱۹۵۱ء میں علامہ سید سلیمان ندویؒ کی تجویز
پر نائب معتمد تعلیم متعین کئے گئے۔
• ۱۹۵۱ء میں تحریک پیام انسانیت کی بنیاد ڈالی۔

• ۱۹۵۴ء میں علامہ سید سلیمان ندویؒ کی وفات کے بعد بالاتفاق معتمد تعلیم قرار پائے۔

• ۱۹۵۹ء میں مجلس تحقیقات و نشریات اسلام قائم کی۔

• ۱۹۶۱ء میں برادر بزرگ ڈاکٹر عبد العلی حسنی صاحب کی وفات کے بعد ناظم ندوۃ العلماء منتخب ہوئے۔

اعزازات، مناصب، تعلیمی اداروں اور تعلیمی مراکز کی رکنیت

• ۱۹۵۶ء میں دمشق کے مجمع اللغۃ العربیۃ کے مراسلاتی ممبر منتخب ہوئے۔

• ۱۹۶۲ء میں رابطہ عالم اسلامی کی تاسیس و قیام کے لئے پہلا جلسہ مکہ مکرمہ میں ہوا، جس میں جلالۃ الملک مسعود بن عبد العزیز اور لیبیا کے حاکم ادریس سنوسی بھی شریک تھے، اس جلسہ میں نظامت کے فرائض مولانا نے انجام دیئے

• ۱۹۶۲ء ہی میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی تاسیس و قیام کے وقت اس کی مجلس شوریٰ کے ممبر بنائے گئے۔ اور مجلس شوریٰ کے خاتمہ تک اس منصب پر فائز رہے۔

• رابطۃ الجامعات الاسلامیہ (رباط مراکش) کی کانفرنس میں رابطہ عالم اسلامی کے سکریٹری جنرل کی قیادت میں شریک ہوئے، پھر ندوۃ العلماء کے نمائندہ کے طور پر مستقل ممبر رہے۔

• ۱۹۸۰ء میں اردن کے مجمع اللغۃ العربیۃ کے رکن بنائے گئے۔

• ۱۹۸۱ء میں کشمیر یونیورسٹی کی طرف سے ادب میں پی، ایچ، ڈی کی اعزازی ڈگری عطا کی گئی۔

• ۱۹۸۳ء میں آکسفورڈ کے اسلامک سنٹر کے قیام کے وقت تاحیات صدر بنائے گئے۔

• ۱۹۸۴ء میں رابطۃ الادب الاسلامی العالمیۃ کے قیام کے وقت تاحیات صدر بنائے گئے۔

• ۱۹۶۸ء میں سعودی وزیر تعلیم کی دعوت پر کلیۃ الشریعہ کے نصاب و نظام کی تیاری کے لئے ریاض تشریف لے گئے اور اس موقع پر وہاں جامعۃ الریاض اور کلیۃ المعلمین میں (ٹیچرس ٹریننگ کالج) کئی لیکچر دیئے۔

• ۱۹۳۲ء میں ندوۃ العلماء سے عربی نکلنے والے پرچے "الضیاء" کی ادارت میں اور ۱۹۴۰ء میں اردو پرچے الندوہ کی ادارت میں شریک رہے اور ۱۹۴۸ء میں انجمن تعلیمات اسلام کی طرف سے "تعمیر" کے نام سے اردو میں ایک پرچہ نکالنا شروع کیا۔

• ۱۹۵۸-۵۹ء میں دمشق سے نکلنے والے پرچے المسلمون کے اداریئے تحریر فرمائے۔ پہلا اداریہ" ردۃ ولا ابا بکر لہا" لکھا جس کا اردو ترجمہ نیا طوفان اور اس کا مقابلہ" کے نام سے شائع ہوا۔ اس کے علاوہ استاذ محب الدین خطیب کے پرچہ" الفتح" میں بھی بعض مقالات شائع ہوئے

• ۱۹۶۳ء میں لکھنؤ سے ندائے ملت نکلنا شروع ہوا ـــــ تو اس کی سرپرستی فرمائی۔ اور ۱۹۵۵ء میں ندوہ سے عربی رسالہ" البعث الاسلامی" اور ۱۹۵۹ء میں نکلنے والا عربی رسالہ "الرائد" نیز ۱۹۶۳ء سے نکلنے والا اردو رسالہ پندرہ روزہ "تعمیر حیات"، ان تینوں رسالوں کے سرپرست اعلیٰ رہے۔

• ۱۹۸۰ء میں اسلامی دنیا میں نمایاں علمی و عملی خدمات کے اعتراف میں (۱۴۰۰ھ) کا شاہ فیصل ایوارڈ آپ کو ۱۲ر فروری ۱۹۸۰ء کو ریاض میں منعقدہ ایک پروقار تقریب میں دیا گیا حکومت سعودی عرب کا یہ اعزاز دو لاکھ چالیس ہزار ریال نقد (ہندوستانی رقم چوبیس لاکھ روپئے) اور ایک سند پر مشتمل تھا۔ حضرت مولانا مرحوم نے فیصل ایوارڈ کی نصف رقم افغان پناہ گزینوا بقیہ نصف رقم مکہ مکرمہ کے دو دینی اداردں حفظ قرآن اور مدرسہ صولیتہ) کو برابر تقسیم کر

• علامہ سید سلیمان ندویؒ کی سیرت النبی پر مقدمہ حضرت مولاناؒ نے لکھا تھا۔ کتاب جب پاک سے شائع ہوئی تو صدر ضیاء الحق مرحوم نے حضرت مو کو ایک لاکھ روپئے کا ایوارڈ دیا، حضرت مولانا مرحو نصف رقم دار المصنفین اعظم گڑھ اور نصف رقم علا سلیمان ندویؒ کی اہلیہ کو عنایت کردی۔

• ۱۹۹۹ء میں دبئی کے بین الاقوامی حُر کے عالمی مقابلہ کے موقع پر عالم اسلامی کی اسلامی شخصیت کا ایوارڈ ایک شاندار میں پیش کیا گیا۔ یہ رقم بھی حضرت مولانا کے تمام دینی اداروں میں تقسیم کردی جو ایک کروڑ بیس لاکھ تھی۔

• ۱۹۹۹ء میں آکسفورڈ اسلامی سنٹ سے تاریخ دعوت و عزیمت کے سلد سلطان حسن بلقیہ (برونائی انٹرنیشنل سے نوازے گئے، یہ رقم بھی احباب او کو تقسیم کردی)

رکنیت:

• ۸ر جون ۱۹۶۱ء کو ناظم دار العلوم ندوۃ الع
• صدر دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش۔
• صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ
• صدر مجلس انتظامی و مجلس عاملہ دار المصن
• صدر اسلامک سنٹر آکسفورڈ یونیورسٹی
• صدر فاؤنڈیشن فار اسٹڈیز اینڈ ریسر
• صدر مجلس تحقیقات و نشریات اسلام
• صدر عالمی رابطہ ادب اسلامی۔
• رکن موسستہ آل البیت، عمان، ا

- بانی وصدر تحریک پیام انسانیت لکھنؤ
- رکن مجلس تأسیسی رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ
- رکن مجلس شوریٰ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ۔
- رکن عربی اکیڈمی دمشق وقاہرہ واردن۔
- رکن اکیڈمی آف لیٹرس دمشق یونیورسٹی دمشق۔
- رکن مجلس عاملہ مؤتمر عالم اسلامی بیروت۔
- رکن مجلس انتظامی اسلامک سنٹر جنیوا۔
- رکن مجلس برائے فقہ اسلامی رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ
- رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند۔
- رکن مجلس عاملہ اسلامک یونیورسٹیز فیڈریشن بالمراکش
- رکن اکیڈمی آف عربی لینگویج عمان • رکن نیشنل فاؤنڈیشن فار ٹرانسلیشن ریسرچ اینڈ اسٹڈیز تیونیشیا
- وزیٹنگ پروفیسر دمشق مدینہ یونیورسٹی۔

اسفار: ۱۹۲۹ء میں لاہور کا سفر کیا جو دور دراز کا سب سے پہلا سفر تھا جہاں لاہور کے علمی ودینی بزرگوں سے ملاقاتیں کیں اور شاعر اسلام ڈاکٹر محمد اقبال سے بھی ملے، جن کی نظم "چاند" کا عربی میں ترجمہ کیا تھا اسے پیش کیا۔

- ۱۹۳۷ء میں دلتوں کے لیڈر ڈاکٹر امبیڈکر کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے بمبئی کا سفر کیا۔
- ۱۹۴۷ء میں حج کا پہلا سفر کیا، اور چند ماہ حجاز میں قیام رہا۔ یہ بیرون ملک کا سب سے پہلا سفر تھا، اور حج کا دوسرا سفر ۱۹۵۰ء میں ہوا، اور وہیں سے مصر، سوڈان و شام واردن کا سفر کیا۔
- ۱۹۵۱ء میں مصر کا پہلا سفر تھا جبکہ مولانا کی کتاب ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین (انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر) مولانا سے پہلے وہاں کے تمام علمی حلقوں میں پہنچ کر متعارف ہو چکی تھی، یہ کتاب خود مولانا کیلئے تعارف کا بہترین ذریعہ ثابت ہوئی۔ اسی سفر میں فلسطین بھی گئے اور بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ کی زیارت کی واپسی میں اردن کے حکمراں شاہ عبداللہ سے ملاقات ہوئی۔

- ۱۹۵۶ء میں ترکی کا پہلا سفر کیا۔ (جس کی روداد دو ہفتے ترکی میں) کے عنوان سے شائع ہوئی اسی سال لبنان کا سفر بھی کیا۔
- ۱۹۶۰ء میں برما کا سفر کیا۔
- ۱۹۶۲ء میں کویت کا پہلا سفر کیا بعد میں کویت اور خلیجی ممالک کے متعدد اسفار ہوئے اردن اور یمن کا سفر بھی ہوا۔ اور جگہ جگہ دعوتی خطاب ہوئے۔
- ۱۹۶۳ء میں یورپ کا پہلا سفر ہوا جس میں لندن، پیرس کیمبرج اور آکسفورڈ وغیرہ جانا ہوا۔ اور اسپین کے اہم شہر بھی گئے۔
- ۱۹۷۶ء میں مسجد اقصیٰ کا سفر ہوا۔
- ۱۹۷۷ء میں امریکہ کا پہلا سفر ہوا، یہ دو ماہ دس دن کا سفر تھا، اس سفر میں امریکہ کے مختلف شہروں میں جانا ہوا۔ اور دعوتی ودینی خطاب ہوئے اور آنکھ کا آپریشن بھی کرایا۔
- ۱۹۷۷ء میں افغانستان، ایران، عراق اور لبنان (مراکش) کیلئے رابطہ عالم اسلامی کے وفد کی قیادت کی۔
- ۱۹۸۵ء میں بلجیم کا سفر ہوا۔
- ۱۹۸۷ء میں تاشقند وسمرقند وغیرہ کا سفر ہوا، اردن کا سفر ۱۹۷۳ء اور ۱۹۸۴ء میں ہوا۔
- اسپین ۱۹۶۳ء، افغانستان ۱۹۷۳ء، متحدہ عرب امارات ۱۹۷۴ء، ۱۹۷۶ء، ۱۹۸۳ء، ۱۹۸۸ء، ۱۹۹۳ء اور آخر میں ۱۹۹۹ء، شمالی امریکہ ۱۹۷۷ء ۱۹۹۳ء، یورپ ۱۹۶۳ء، ۱۹۶۴ء، ۱۹۶۹ء، ۱۹۸۳ء، ۱۹۸۶ء، ۸۵ء، ۸۹ء، ۹۲ء، ۹۳ء

ایران ۱۹۷۳ء

پاکستان ۱۹۵۹ء ۶۴ء، ۷۸ء، ۸۴ء، ۸۶ء

بخارا ۱۹۸۶ء

برطانیہ ۱۹۶۳ء، ۱۹۸۵ء

بنگلہ دیش ۱۹۸۲ء

برما ۱۹۶۰ء

ترکی ۱۹۵۶ء، ۶۴ء، ۸۶ء، ۸۹ء، ۹۳ء، ۹۶ء

الجزائر ۱۹۸۲ء، ۱۹۸۶ء

حجاز ۱۹۴۷ء، ۵۱ء، ۶۲ء، ۶۵ء، ۶۷ء، ۶۹ء

اس کے علاوہ بھی کئی اسفار ہوئے

قطر ۱۹۷۹ء، ۱۹۹۵ء

الرباط ۱۹۷۶ء

سری لنکا ۱۹۸۲ء

سمرقند، ۱۹۹۳ء

سوڈان، ۱۹۵۱ء

شام، ۱۹۵۱ء، ۵۶ء، ۶۴ء، ۷۳ء

عراق، ۱۹۵۶ء، ۱۹۷۳ء،

عمان، ۱۹۵۱ء، ۱۹۷۳ء، ۱۹۸۴ء، ۱۹۹۸ء،

فلسطین، ۱۹۵۱ء

کویت، ۱۹۶۲ء، ۶۸ء، ۸۳ء، ۸۷ء،

لبنان، ۱۹۵۶ء، ۱۹۷۳ء

لاہور، ۱۹۲۹ء

ملیشیا، ۱۹۸۲ء، ۱۹۸۶ء،

مراکش، ۱۹۸۶ء۔

مصر، ۱۹۵۱ء،

یمن، ۱۹۸۴ء،

تأثرات مع تاریخ وفات

— • مجیب الغفار اسعد اعظمی

آہ صد افسوس سید ابوالحسن رخصت ہوئے
عالمِ بے مثل تھے وہ صاحب طبع نفیس
فکر اسلامی میں تھا ان کا بہت اونچا مقام
مختلف علمی اداروں کے وہ تھے رکن ورئیس
مغفرت کر ان کی اے اللہ اپنے لطف سے
قبر کی وحشت میں ہو تیرا کرم ان کا انیس
اسعدؔ اسوئے جناں جس دن ہوا اُن کا سفر
تھا جمعہ، بائیس رمضاں، ابو رسن چودہ سو بیس

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اور تحریک پیام انسانیت

ڈاکٹر محمد ایوب ندوی ریڈر شعبۂ عربی جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ ایک جامع اور ہمہ جہت شخصیت تھے۔ وہ ایک عالم، ایک ادیب، ایک داعی، اور مفکر تھے انھوں نے مختلف محاذوں پر اسلام کی خدمت کی، انھوں نے عالم عرب اور عالم اسلامی کی نازک موقعوں پر رہنمائی کی۔ ان کی عربی تحریروں نے عرب نوجوانوں کے قومیت عربیہ واشتراکیت کے دھارے میں بہنے سے روکنے کیلئے سد عالی کا کام کیا۔ مگر اسلامی دنیا کے عالمی مسائل میں الجھ کر وہ اپنے وطن عزیز اور اس دیش کے رہنے والوں کو نہیں بھولے۔

۱۹۵۲ء کے بعد کا زمانہ تھا، مولانا مرحوم کو تبلیغی دوروں میں مختلف مخلوط اجتماعات کو خطاب کرنے کا موقع ملا۔ مولانا مرحوم کی ان تقریروں کو عوام مسلمان وغیر مسلم سبھی حضرات نے توجہ سے سنا۔ اور متعدد غیر مسلم تعلیم یافتہ طبقوں نے آپ کے خیالات کو بے حد سراہا۔ ان مخلوط اجتماعات کے تجربہ سے مولانا مرحوم کو محسوس ہوا کہ مسلمانوں سے دوری اور بے تعلقی کی وجہ سے غیر مسلم ہم وطنوں میں بہت سی غلط فہمیاں، اور شکوک وشبہات ہیں ان احساسات نے مولانا مرحوم کو بہت سوچنے پر مجبور کیا۔ اور مولانا مرحوم ہی کے الفاظ میں

" اسی تجربہ اور اقدام نے ۱۹۷۴ء میں " پیام انسانیت " کی تحریک کی شکل اختیار کرلی، جس کا تجربہ پچھلے تجربوں کی طرح کامیاب رہا۔ اور اس نے اکثریت کے طبقہ انصاف پسند غیر مسلموں اور دانشوروں میں اسلام اور سیرت کے مطالعہ کا کسی درجہ میں شوق اور جذبہ بھی پیدا کیا۔ ہندوستان انسانی بحران، اخلاقی انتشار، انسانی جان ومال کے عدم احترام وتحفظ، خودغرضی اور دولت پرستی کے جنون کی وجہ سے جس خطرہ سے دوچار ہے اس کا مہیب نقشہ پیش کرنے اور ملک کو بچانے کی جدوجہد کی دعوت دینے پر بعض ممتاز ہندوؤں نے یہاں تک کہا کہ آج معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو اس ملک کے بچانے کی فکر ہم سے زیادہ ہے۔"

(کاروان زندگی حصہ اول ص ۴۰۰)

تحریک پیام انسانیت برپا کرنے کا خیال مولانا مرحوم کو کیوں اور کب آیا۔ آپ جب تصنیف وتالیف کے کام میں مصروف اور تبلیغی جماعت کے ایک اہم ترجمان، دا اور اس کے مقاصد کے شارح اور مبلغ کی حیثیت سے کام میں مشغول تھے، اور پھر ندوۃ العلماء انتظام کی غیر معمولی ذمہ داری اس بے پناہ مصروفیت کے باوجود مولانا مرحوم کو پیام انسانیت کا خیال کیسے آیا۔ مولانا مرحوم فرماتے ہیں:-

" روزمرہ کا مشاہدہ تھا کہ یہ ملک تیزی کے ساتھ اخلاقی انارکی، بلکہ قومی و اجتماعی خودکشی کی طرف جارہا ہے، اخلاقی قدریں بے دردی کے ساتھ پامال کی جارہی ہیں، خودغرضی بلکہ خودپرستی کا جنون سب پر سوار ہے، انسان کی جان ومال، عزت وآبرو کا احترام تیزی کے ساتھ رخصت ہورہا ہے، حقیر شخصی فوائد کیلئے اجتماعی وملکی مفاد کو آسانی سے قربان کردیا جاتا ہے، کام چوری، احساس ذمہ داری کا فقدان، رشوت خوری، چوربازاری، ذخیرہ اندوزی، بے عنوانی، یہ سب اسی درخت کے پھل ہیں اور انھوں نے پوری زندگی کو عذاب بنادیا ہے۔

بہت انتظار کرنے کے بعد اپنی بے سروسامانی، تنہائی وبے اثری کا پورا علم واحساس ہونے کے باوجود ہم نے میدان میں آنے اور بلاتفریق مذہب وملت اس ملک کے رہنے والوں کے دلوں پر دستک دینے کا فیصلہ کیا جب کسی محلہ وگاؤں میں آگ لگتی ہے تو کوئی اپنی کمزوری اور بے نوائی کو نہیں دیکھتا گونگے بھی چلا اٹھتے ہیں اور اپاہج بھی دوڑ پڑتے ہیں۔"

ہندوستان میں تقسیم آزادی کے
ایسے فرقہ پرست اور انتہا پسند لیڈر و سیاستدان
ہوں نے ثقافت، عقیدہ، قومیت و نسل کی
پر ایسی کشمکش اور جھگڑے پیدا کر دیئے کہ عام
پریشانیوں میں پڑ گیا تعلیمی و تعمیری کام کرنا
ہو گیا، مولانا مرحوم ملک کو ایسی کشتی کے مانند
تے ہیں جو اگر اس طوفان کی نذر ہو گئی تو سب
اور بد کو لے ڈوبے گی، ان حالات کے سدھار
ئے مولانا مرحوم نے ملک کے زعماء سے ملاقاتیں کیں
لف مذاہب کے سماجی نمائندوں سے باتیں کی
سلسلہ میں مولانا مرحوم نے ونوبا بھاوے
کاش نارائن سائیں بابا اور اندرا گاندھی کو
کی بگڑتی ہوئی صورتحال سے آگاہ کیا۔ دوسری
ہوامی سطح پر ملک کے طول و عرض میں پیام انسانیت
کے تلے بڑے بڑے اجتماعات منعقد کئے جن میں
مذاہب کے ماننے والے شریک ہوئے، اور
کے دلوں میں بھی ملک کے سنگین حالات کا احساس
ا ہوتا۔ ان حالات اور سماج پر ان کے اثرات
بارے میں مولانا مرحوم فرماتے ہیں:۔

"کسی ملک اور دور میں بھی تعلیمی و تعمیری کاموں کیلئے (خواہ وہ کتنے مقدس ضروری اور مفید ہوں) شرط یہ ہے کہ اس ملک میں معتدل (NORMAL) حالات ہوں، جہاں کوہ آتش فشاں بار بار پھٹتا ہو، سائیکلون جلد از جلد آتے ہوں، سیلاب اپنی قہر سامانیوں کے ساتھ پورے شہروں اور صوبوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہو۔ وہاں تعلیمی و تعمیری کام کیلئے دماغی سکون اور ولولۂ عمل کہاں سے پیدا ہو سکتا ہے؟ یہ تو غیر اختیاری امور ہیں، اور ان پر کسی کا کوئی قابو نہیں، لیکن جہاں فرقہ وارانہ فسادات، انسان کشی اور انسانیت سوزی کے جنون کی لہریں اٹھتی ہوں، اور اچھے پڑھے لکھے انسانوں پر اعصابی (ہسٹریا) کے دورے جلد جلد پڑتے ہوں۔۔۔۔ اور یہ دورے کسی وقت بھی معاشرہ پر پڑ سکتے ہیں۔ اور لوگ معمولی بات پر اپنا دماغی توازن کھو سکتے ہیں وہاں کسی تعلیمی و تعمیری کام یا ادارہ کی بقا کی ضمانت کب تک دی جا سکتی ہے اور اس غیر یقینی اور ہیجانی فضا میں کوئی تصنیفی یا فکری کام کیسے ہو سکتا ہے؟

بقول میر

یوں زندگی کرنے کو کہاں سے جگر آوے۔

میں تو سمجھتا ہوں کہ اس فضا میں ادب و شاعری اور فنون لطیفہ اور اقبالؒ کے الفاظ میں "لذت کردار اور جرأت اندیشہ" کی بھی کیا گنجائش ہے۔"

مولانا مرحوم کے نزدیک اخلاقی سدھار کی یہ مہم اور پیام انسانیت کی تحریک، ملک کی تمام دینی تعلیمی، کوششوں اور تحریکوں کیلئے ایک حصار کی طرح ہے جس کے اندر رہ کر ہر کوشش کامیاب ہو سکتی ہے اور اس کو اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے پر سکون اور معتدل فضا مہیا ہو گی وہ اس لئے اس تحریک کو ہر تحریک کا خادم اور معاون بلکہ پاسبان و محافظ سمجھتے ہیں، یہ تحریک سماج میں پھیلی ہوئی برائیوں کو روکنے کی تحریک ہے، یہ تحریک بھلائی کا حکم دینے برائی سے روکنے، اور فساد کو روکنے اور اصلاح کی تحریک ہے، یہ تحریک بعثت نبوی سے قبل ہوئے "حلف الفضول" کے معاہدہ کے مانند ہے جس میں اسلام کی آمد سے پہلے عربوں نے سماج میں پھیلی ہوئی برائیوں پر روک لگانے ظالم کو ظلم سے روکنے۔ اور حقدار کو اس کا حق پہنچانے کی بات کی تھی، جس کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ میں عبداللہ بن جدعان کے مکان پر ایک معاہدہ میں شریک تھا جس کے نام پر اگر اسلام کے ظہور کے بعد بھی مجھے بلایا جائے تو میں اس کی تکمیل کیلئے تیار ہوں، اسی طرح یہ تحریک پیام انسانیت سماج میں پھیلی ہوئی برائیوں سے روکنے کی ایک تحریک ہے اور اس تحریک کی کامیابی کی ذمہ داری سب سے زیادہ مسلمانوں پر ہے کیونکہ درحقیقت امت مسلمہ ہی برائی سے روکنے اور بھلائی کا حکم دینے کے لئے برپا کی گئی ہے۔ اور اگر مسلمانوں نے یہ فریضہ انجام نہ دیا تو یہ ان کی کوتاہی قرار پائے گی۔ مولانا مرحوم اپنی ایک تقریر میں جو بھیونڈی اور بمبئی کے فساد ۱۹۸۴ء کے چند روز بعد کی گئی تھی فرماتے ہیں۔

"اب آپ بتائیے کہ کسی ملک میں مسلمان ایک ہزار برس سے ہوں اور وہ مسلمان نہ اپنا تعارف کرا سکیں، نہ ان کو متأثر کر سکیں، تو بتائیے یہ کوتاہی ہے یا نہیں؟ اصل بات یہ ہے کہ ہمارے اخلاق کی خوشبو ہمارے ہم وطنوں کو نہیں پہنچ سکی، انھوں نے ہم کو سیاسی میدان میں دیکھا یا انتخابی معرکہ (الیکشن) کے میدان میں ہم کو آزمایا، یا تجارت کے مقابلہ میں ہم کو دیکھا، مسجدوں میں یہ آتے نہیں، انھوں نے ہم کو معاملات میں نہیں پرکھا، انھوں نے ہم کو اخلاق سے نہیں جانچا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ اس طرح مسلمانوں پر حملہ کرتے ہیں جیسے بالکل غیر مانوس اجنبی اور دشمن پر کرتے ہیں، ابھی تک ان کو یہ نہیں معلوم کہ ہم اپنے اندر کیا جوہر رکھتے ہیں کیسی محبت رکھتے ہیں، کیسی انسانیت رکھتے ہیں، ہمارے دل میں ان کے لئے کیسی خیر خواہی کا جذبہ ہے، ہم اس ملک کیلئے

"کتنے مفید ہیں، کتنے ضروری ہیں؟"

ایک دوسری جگہ مولانا مرحوم فرماتے ہیں:۔

افسوس تو یہ ہے کہ مسلمان بھی "ہر کہ درکانِ نمک رفت نمک شد" کا مصداق بن گئے ہیں، انھوں نے تعمیر انسانیت اور اخلاقی نمونہ پیش کرنے میں اپنا فرض ادا نہیں کیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث قدسی میں بیان فرمایا تھا

" الراحمون یرحمھم اللہ الرحمٰن ، ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء"

مولانا حالی نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

انسانیت کے اس پیغام کو عام کرنے کے لئے۔ مولانا مرحوم نے بہار، مدھیہ پردیش، راجستھان، ہریانہ پنجاب اور یوپی کے دورے کئے، ۱۹۷۴ء میں چنڈی گڑھ پنجاب کا دورہ کیا۔ اسی طرح جمشید پور کا دورہ کیا ۱۹۸۳ء میں مولانا مرحوم نے اتر پردیش کے مختلف علاقوں اور شہروں کے متعدد دورے کئے رام پور، میرٹھ، مرادآباد، ہاپڑ، مظفر نگر، اور دوسرے شہروں میں کامیاب دورے ہوئے، ان پروگراموں میں بڑی تعداد میں ہندو، سکھ، جینی اور نچلے طبقے کے نمائندوں نے حصہ لیا، اور مولانا کے اس پیام انسانیت کی آواز کو سراہا۔

مولانا نے ایک تقریر میں فرمایا:۔

"کسی بھی معاشرہ کا بگاڑ اور اخلاقی اصولوں سے نظر اندازی، حرص وطمع، بڑھتی ہوئی مال کی محبت، ظلم و زیادتی، ناجائز قبضہ اور برائیوں کا اثر اس میں ملوث افراد ہی تک محدود نہیں رہتا، بلکہ اس کے اثرات پورے معاشرہ میں پھیل جاتے ہیں اور ہر وہ معاشرہ جو ان جرائم پیشہ افراد کو نظرانداز کرتا ہے، وہ خود ان جرائم میں مبتلا ہو جاتا ہے ہمیں تاریخ میں بہت سی ایسی تہذیبیں اور ثقافتیں نظر آتی ہیں جو عرصہ دراز تک ترقی کے بام عروج پر متمکن تھیں لیکن جب اس میں اخلاقی انتشار عام ہوا، حرص وہوس اور مال کی بڑھتی ہوئی محبت نے غلبہ پایا، انسانی ناموس وعزت کو پامال کیا جانے لگا۔ اور لوگ اپنی نفسانی خواہشات اور ذاتی اغراض کو پورا کرنے میں لگ گئے، دین و مذہب کی تعلیمات اور اخلاقی قدروں کو پس پشت ڈال دیا گیا۔ ان کی تحقیر و تضحیک کا معاملہ شروع ہو گیا۔ تو یہ ترقی یافتہ تہذیبیں برباد اور نیست و نابود ہو گئیں"

(کاروان زندگی جلد چہارم ص۵۷)

مولانا مرحوم کی شروع کی ہوئی تحریک پیام انسانیت وقت کی آواز تھی مگر یہ مشن ابھی مکمل نہیں ہوا ابھی ملک کے حالات نارمل نہیں ہیں غیر مسلموں میں اسلام کے تعارف کا کام ابھی باقی ہے اسلام کے ماننے والوں کو قریہ قریہ شہر شہر جانا ہوگا. اور انسانیت کا یہ پیغام عام کرنا ہوگا۔ ہندوستان میں انصاف کی بات سننے کے لئے ابھی اکثریت تیار ہے ہمیں آگے بڑھنا ہوگا۔ اور اپنے پڑوسیوں کے دلوں سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف عام کئے ہوئے شکوک وشبہات کا ازالہ کرنا ہوگا۔ ہمیں ان کو یہ باور کرانا ہوگا کہ اسلام امن وسلامتی اور شانتی کا مذہب ہے اسلام کے ماننے والوں کے دلوں میں لوگوں کے لئے نفرت نہیں بلکہ پوری انسانیت کیلئے پیار ہے، ہمیں یہاں کے باشندوں کو تبلانا ہوگا کہ ہندوستانی سماج میں پھیلی ہوئی بیماریوں کے لئے اسلام ایک تریاق ہے، اگر ہم اپنے قول وعمل سے اور گفتار و کردار سے اپنے ہم وطنوں کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گئے کہ مسلمان اس ملک کی ضرور[ت] ہیں، اور سماجی برائیوں کے ازالہ میں ہماری افاد[یت] مسلّم ہے اور اس ملک کی تعمیر و ترقی میں ہمارا کر[دار] مثبت ہے تو ہم صحیح معنوں میں اس ملک کے اندر مولانا مرحوم کے وارث و جانشین قرار پائیں اور اس ملک میں پیام انسانیت کی کامیابی کا ہمارے سر ہوگا۔ اور یہ صرف اس ملک کی خدم[ت] نہیں بلکہ اسلام کی بھی سچی خدمت ہوگی۔

شبلی کے فکر و فن کا نگہباں نہیں

وارث ریاضی

جہد و عمل کا مہر درخشاں نہیں رہا
سوز و گدازِ قلب کا ساماں نہیں رہا
وہ یادگارِ بزم سلیماں نہیں
شبلی کے فکر و فن کا نگہباں
وہ مرجعِ طریقت و احساں نہیں رہا
روحِ روانِ محفلِ عرفاں نہیں رہا
اسلام کے علوم و معارف کا
رمز آشنائے سنت و قرآ[ن]
صد حیف وہ مؤرخِ عالم چلا گیا
سیرت نگارِ محسنِ انساں نہیں ر[ہا]
وہ عارفِ سنائی و رومی
اقبال کا وہ مردِ مسلماں
چھیڑے گا کون مہر و اخوت کا زمز[مہ]
انسانیت کے درد کا درماں نہیں
بزم ادب تھی جس کے تخیل
وہ جلوہ رازِ کیف بہار
اے خامہ، غم فشاں کہ نہیں صاحب
اے نطق، اشک ریز کہ سحباں نہیں
وارث بہارِ گلشنِ قوم و
بر ختم دو ہزار سدہ، بوا

۳۱ دسمبر ۱۹۹۹ء

ولانا علی میاں سے پہلی اور آخری ملاقات

● شارق علوی ایڈیٹر فریگرنیس آف ایسٹ ندوۃ العلماء لکھنؤ

دوسری جنگ عظیم (۴۵-۱۹۳۹ء) اپنے
اب پرتھی، ہندوستان کے مشرقی علاقے
بمگی کا شکار تھے کلکتہ سے آبادی کا تخلیہ ہوا
در شمالی ہندوستان ڈر اور خوف کی لہروں کی
میں تھا۔ فوجیوں اور فوجی سامان کی نقل و حرکت
ے ریلوے نظام بری طرح متاثر تھا اور سواری
وں کی تعداد محدود کر دی گئی تھی، لکھنؤ سے دہلی
است کوئی سواری گاڑی نہیں تھی اور کانپور
اہ مراد آباد جانے میں مراد آباد تک سفر ایک
ی سے ہوتا تھا اور وہاں سے دوسری ریل گاڑی
تی۔ صرف فرسٹ اور سکنڈ کلاس جن میں
دہ تر یورپین افسران یا فوج کے اعلی عہدیدار سفر
تے تھے وہ تو پرسکون نظر آتے تھے لیکن انٹر اور
کلاس کے ڈبوں میں مسافر مچھلیوں کی طرح بھرے
ے تھے۔

۴۵-۱۹۴۴ء میں حضرت مولانا محمد الیاس
اللہ علیہ کی تبلیغی تحریک بھی اپنے شباب پر
ہلی شہر سے باہر بستی نظام الدین میں ایک
د میں تبلیغی جماعت کا مرکز قائم تھا جہاں ملک
ختلف علاقوں سے لوگ برابر آتے رہتے تھے۔
ت مولانا محمد الیاسؒ کی رحلت کے بعد حضرت مولانا
وسفؒ کی سربراہی میں تبلیغی کام زور شور سے
ہا تھا اسی زمانے میں میوات (جو اب ہریانہ صوبہ
ع گڑگاؤں میں ہے) مولانا الیاسؒ کی توجہ
کفر و شرک کے ماحول سے نکل کر خالص اسلامی
نچے میں ڈھل چکا تھا اور تبلیغی تحریک سے متعارف

کرانے کے لئے میوات کی سرزمین بڑی زرخیز تصور کی جاتی تھی اور اس علاقے میں مختلف مقامات پر اجتماعات منعقد کئے جاتے تھے اور تبلیغی جماعتوں کو چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں میوات میں مختلف سمتوں میں روانہ کیا جاتا تھا۔ اسی زمانے میں ایک اہم اجتماع سوہنا سے کچھ میل دور پر منعقد کیا گیا تھا جس میں مختلف مقامات سے لوگ سفر کی گوناگوں مصیبتیں طے کر کے شرکت کے لئے آئے تھے پہلے وہ دہلی مرکز میں جمع ہوئے اور پھر وہاں سے بسوں کے ذریعہ اجتماع کی منزل تک آئے۔

عم محترم حضرت مولانا افضل علیؒ جن کا قیام تھلوارہ ضلع بارہ بنکی میں رہتا تھا وہ بھی اس اجتماع میں شرکت کے ارادے سے روانہ ہوئے لکھنؤ میں ایک دن ان کا قیام رہا اور وہ مجھے نیز میرے بڑے بھائی کو بھی اپنے ساتھ دہلی لے جانے پر راضی ہو گئے اس وقت میری عمر تقریباً دس سال رہی ہوگی۔ یہ چھوٹا سا قافلہ دلی کے لئے روانہ ہوا۔ لکھنؤ سے کب چلے اور کس حال میں ریل کا سفر طے کیا یہ تو اب یاد نہیں لیکن دہلی (پرانی دلی) ریلوے اسٹیشن پر ہماری گاڑی عصر کے وقت پہونچی۔ اسٹیشن سے باہر نکل کر بستی حضرت نظام الدین تک پہونچنے کا کیا ذریعہ ہوگا اور کس سمت جانا ہوگا ابھی یہ معلومات ہمارے بزرگ کر ہی رہے تھے کہ کسی نے فوارہ (جو دلی اسٹیشن سے متصل ہی ہے) جاکر وہاں سے اوکھلا جانے والی بس پکڑنے کا مشورہ دیا۔ ہم لوگ تھکے ہارے وہاں تک پہونچے یہاں کچھ لوگ پہلے ہی سے بس کے منتظر

تھے ان میں سے ایک صاحب شیروانی میں ملبوس عینک لگائے عم محترم صوفی افضل علی کی طرف لپکے اور بڑے ادب سے مصافحہ کرتے ہوئے اپنے ساتھ بستی حضرت نظام الدین چلنے کی دعوت دی۔ یہ تھے حضرت مولانا علی میاںؒ جن کو میں نے پہلی بار دلی اسٹیشن کے باہر فوارہ کے بس اسٹینڈ پر دیکھا تھا۔ ہمارے خاندانی معالج تھے ڈاکٹر عبدالعلی مرحوم اس لئے میری ان سے زیادہ واقفیت تھی مولانا علی میاں سے ہمیں ڈاکٹر عبدالعلی کے بھائی کی حیثیت سے متعارف کرایا گیا۔ بہرحال ہم لوگ دو دن مرکز میں رہے علی میاں کا قیام تو کسی مخصوص کمرے میں تھا لیکن نماز کے وقت ان کا دیدار ہو جاتا تھا۔

میوات کے اجتماع میں مولانا محمد زکریاؒ، مولانا محمد یوسفؒ، مولانا منظور نعمانیؒ، حضرت مولانا علی میاںؒ اہم مقررین میں تھے۔ کم عمری اور اسلام کے بارے میں زیادہ معلومات نہ ہونے کی وجہ سے میں ان بزرگان دین کی تقاریر سے مستفیض نہیں ہو سکا لیکن چونکہ حضرت مولانا علی میاںؒ سے خاص تعلق تھا اس لئے ان کی تقریر ضرور بغور سننے اور سمجھنے کی کوشش کی۔

دو دن کے اجتماع کے بعد تبلیغی جماعتوں کی تشکیل ہوئی اور ایک جماعت کے امیر صوفی افضل علیؒ بنائے گئے جن کی ہمراہی میں ہم لوگ تقریباً ایک ہفتے میوات کے دیہاتوں میں گھومتے رہے۔ حضرت مولانا علی میاںؒ اجتماع گاہ سے دیگر علماء کرام کے ساتھ سیدھے دہلی واپس آگئے تھے۔ ہماری جماعت جب دلی پہونچی تو وہ وہاں سے جا چکے تھے۔

۵۷-۱۹۵۰ء کے درمیان میرا قیام نظیر آباد میں تھا جو کچہری روڈ لکھنؤ پر واقع تبلیغی جماعت کے مرکز سے قریب تھا اس لئے میں نہ صرف یہ کہ جمعرات کو اجتماع میں شریک ہوتا تھا بلکہ اکثر و بیشتر۔

نماز اسی مسجد میں ادا کرتا تھا، یہاں حضرت علی میاںؒ سے قربت بڑھ گئی تھی کیونکہ ان کا قیام زیادہ تر مرکز میں ہی رہتا تھا۔

۸۶-۱۹۵۸ء کے درمیان ملازمت کے سلسلے میں دیگر مصروفیات کی وجہ سے مولانا سے رابطہ منقطع ہوگیا۔ ۱۹۸۶ء میں میرے ماموں زاد بھائی چودھری احسن سعید علوی کلکٹر کسٹم ڈسٹرکٹ ایکسائز کے عہدے سے ریٹائر ہوکر لکھنؤ میں ہی قیام پذیر تھے، حضرت مولانا علی میاں سے ان کے خاص مراسم تھے اور وہ اکثر و بیشتر مولانا کی عصر بعد کی نشست میں شرکت کرتے رہتے تھے۔ حضرت مولانا علی میاںؒ کبھی کبھی ان سے صوفی افضل علیؒ کے خاندان والوں کے بارے میں دریافت کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ ایک دن وہ مجھ کو اپنے ساتھ ندوہ لے گئے اور مولانا سے پرانے تعلق کی تجدید کرائی۔ مولانا بہت خوش ہوئے، کافی دیر تک مجھ ہی سے باتیں کرتے رہے اگلے دن انھیں انگلستان کے سفر پر جانا تھا میں نے جب ان سے ذکر کیا کہ میری لڑکی کیمبرج یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی کرنے جا رہی ہے تو انھوں نے اس کی کامیابی اور شالی مسلمانچی ہونے کے لئے دعا فرمائی۔

مارچ ۱۹۹۳ء میں سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہوتے ہی میں مئی ۱۹۹۳ء میں حج بیت اللہ کے لئے روانہ ہوگیا وہاں سے واپسی پر میں نے ایک مختصر کتابچہ "سفر حجاز" تالیف کیا جسے مولانا کی خدمت میں پیش کیا۔ میرا زیادہ تر وقت اب اخبارات و رسائل کے لئے مضامین لکھنے میں صرف ہوتا تھا ہندی کے ایک ہفتہ وار اخبار "گنگا جمنی تہذیب" کی ادارت کی ذمہ داری بھی میں نے اپنے سر لے لی تھی۔ ۱۹۹۴ء میں کسی سازش کے تحت دار العلوم ندوۃ العلماء میں طلباء کی اقامت گاہ پر پولیس نے چھاپہ مارا اور بے گناہ طلباء سے بدسلوکی کی، حکومت اور پولیس کی اس حرکت سے نہ صرف یہ کہ ندوہ کے اساتذہ اور طلباء ہی متاثر ہوئے بلکہ پوری قوم نے اسے ایک شرمناک اور متعصبانہ کارروائی بتایا میں بھی ندوہ سے اور خاص طور پر علی میاںؒ سے اپنے تعلق کی وجہ بے چین ہوگیا اس سلسلے میں اپنے وسائل و روابط کا استعمال کرتے ہوئے میں نے ندوہ کی مدافعت میں اور طلباء کی بے گناہی ثابت کرنے میں جو کچھ ہوسکتا تھا کیا۔ انگریزی اور ہندی اخبارات کو ندوہ، مسلمانوں اور خاص کر حضرت مولانا علی میاںؒ کے خلاف خامہ فرسائی کا اچھا مواد اس مذموم حرکت نے مہیا کر دیا تھا اس کے تدارک کی پوری کوشش کی گئی اور انگریزی و ہندی اخبارات کو صحیح صورتحال سے نہ صرف یہ کہ مطلع کیا گیا بلکہ ان پر غلط بیانی کی تردید کے لئے بھی زور دیا گیا چنانچہ کچھ اخبارات نے ندوہ کے ذمہ داروں کے بیانات بھی نمایاں طور پر شائع کئے۔

اس موقع پر حضرت مولانا علی میاںؒ کی دیرینہ خواہش کہ ایک فعال اور موجودہ ترقی یافتہ دور کی ضرورتوں کے مطابق "میڈیا سنٹر" قائم ہونا چاہئے کو عملی جامہ پہنانے پر سنجیدگی سے غور کیا گیا اور مولانا سید محمد رابع حسنی (جو اس وقت دار العلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم تھے اور اب ناظم ہیں) کی سربراہی میں میڈیا ریسرچ سنٹر کا قیام عمل میں آیا۔ سید غلام محی الدین مرحوم جنہوں نے حضرت مولانا علی میاںؒ کی متعدد کتابوں کا انگریزی میں ترجمہ فرمایا، راقم الحروف، مولانا ضیاء الرشید ندوی کرنل ایم۔ جے۔ شمسی اور.... اطہر حسین پر مشتمل ایک بورڈ کی تشکیل ہوئی اور سنٹر کا کام شروع ہوا۔ ہندوستان میں مختلف شہروں سے شائع ہونے والے انگریزی، ہندی اور اردو اخبارات میں اسلام، مسلمانوں، مسلم تعلیمی اداروں وغیرہ کے بارے میں شائع ہونے والی خبروں اور مضامین کا مطالعہ کیا جاتا ہے اور اگر ضرورت محسوس کی جاتی ہے تو اس پر اپنی آراء سے متعلقہ اخبار یا رسالہ کو مطلع کیا جاتا ہے، حضرت مولانا کی خواہش تھی کہ ندوہ سے ایک انگریزی رسالہ بھی شائع کیا جائے۔ الحمد للہ مولانا کی سرپرستی میں سہ ماہی "دی فریگرینس آف الیٹ" کی اشاعت بھی ۱۹۹۸ء میں شروع کر دی گئی جس کا ہر شمارہ مولانا کی خدمت میں بحیثیت ایڈیٹر میں خود پیش کرتا تھا۔ اکتوبر دسمبر ۱۹۹۹ء کا شمارہ آخری تھا جو مولانا کی خدمت میں نومبر ۱۹۹۹ء میں پیش کیا گیا تھا جسے دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے اور اپنے سرہانے رکھ لیا کہ پڑھوں گا۔

حضرت مولانا علی میاںؒ رمضان المبارک کا آخری عشرہ اپنے وطن تکیہ شاہ علم اللہ میں گزارنا چاہتے تھے چنانچہ لکھنؤ سے ان کی روانگی سے قبل ۲۸ دسمبر ۱۹۹۹ء کو میں ان کی خدمت میں عصر اور مغرب کے درمیان حاضر ہوا انھوں نے افطار اور رات کے کھانے کے لئے رکنے کی خواہش ظاہر کی جس کی میں نے تعمیل کی اور دسترخوان پر ان کے قریب بیٹھنے کا شرف حاصل کیا۔ اس آخری ملاقات میں مولانا نے یہ بھی ہدایت فرمائی کہ "فریگرینس" کو جاری رکھئے۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ مولاناؒ سے یہ میری آخری ملاقات ہے۔

عالم کو دے رہا تھا جو توحید کا پیام
تھا دشمنانِ دیں کے لیے تیغِ بے نیام
قائل تھے جس کے خُلق کے دنیا میں خاص و عام
لکھا ہے جس کا حرفِ جلی سے اُفق پہ نام

اللہ شافی

ڈاکٹر عبدالمعبود خاں
گرین کراس نرسنگ ہوم، لکھنؤ

ڈاکٹر عبدالمعبود خاں صاحب نے حضرت مولانا قدس سرہ کی علالت کے زمانہ میں ندوۃ العلماء کے مہمان خانہ کو تمام طبی آلات مہیا کر کے ایک ہاسپٹل کا کمرہ بنا دیا تھا اور خود بھی شب و روز حاضر رہے۔ اسی طرح ڈاکٹر کرنل شمسی، سحر نرسنگ ہوم کے ذمہ دار جناب ڈاکٹر غوث اور ان کے بھائی ڈاکٹر عرفان بھی مسلسل خدمت اور خبر گیری کرتے رہے۔ ذیل کا مضمون عبدالمعبود خاں کے تأثرات ہیں جس کو قدردانی کے ساتھ شائع کر رہے ہیں۔

ادارہ

تقریباً پانچ سال قبل کی بات ہے کہ ایک دن حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ گرین کراس نرسنگ ہوم دارالعلوم کے ایک استاذ کی عیادت کے لئے تشریف لائے۔ حضرت سے اگرچہ کئی بار ملاقات ہو چکی تھی لیکن اس تشریف آوری کے موقع پر دیر تک حضرت سے گفتگو کا شرف حاصل ہوا۔ جتنی دیر تشریف فرما رہے دینی دعوت ہی کا ذکر فرماتے رہے۔ مسلمان ڈاکٹروں نے لکھنؤ میں نرسنگ ہوم قائم کرنے کی طرف جو توجہ کی ہے حضرت اس پر مسرت کا اظہار فرماتے رہے، اور اس پر زور دیتے رہے کہ عبادت سمجھ کر یہ کام کرنا چاہیے۔ اسی کے ساتھ مریضوں سے تسکین و تسلی کی بات کرے اور گفتگو کے دوران اللہ تعالیٰ سے امید رکھنے اور اس سے صحت و شفاء کی توقع رکھنے پر زور دے۔ حضرت نے یہ بات کئی بار فرمائی کہ قرآن کی آیت جو شفا سے متعلق ہو نمایاں طریقہ سے لکھ کر مع ترجمہ کے نمایاں جگہ پر آویزاں کر دیا جائے، کبھی کبھی مریضوں کو سمجھانا بھی چاہیئے۔

چنانچہ راقم سطور نے قرآنی آیت: وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ (جب میں بیمار ہوتا ہوں تو اللہ تعالیٰ ہی مجھ کو شفا عطا فرماتا ہے) ہم نے خوش خط طریقہ سے لکھوا کر ہسپتال میں آویزاں کر دیا۔ اگرچہ حضرت کے حکم کی تعمیل میں ہم نے یہ کام کر دیا۔ لیکن اس کا صحیح مفہوم حضرت والا کی علالت کے دوران ہی سمجھ میں آیا۔

۷؍ مارچ ۱۹۹۹ء کو جب حضرت والا پر فالج کا حملہ ہوا تو میڈیکل کالج کی پروفیسر ڈاکٹر دیو لیکا ناگ۔ اور ماہر امراض قلب ڈاکٹر منصور حسن نے علاج کے سلسلہ میں ضروری ہدایات دیں اور یہ مشورہ بھی دیا کہ ضروری انجکشن فوری لگائے جائیں۔ آکسیجن بھی درمیان میں دی جاتی رہے۔ ادھر دہلی سے ڈاکٹر خلیل اللہ نے مشورہ دیا کہ علاج کے لیے فوراً دہلی لے آیا جائے تاکہ اپولو میں علاج ہو سکے۔ صوبہ یوپی کے وزیر اعلیٰ نے مخصوص ہوائی جہاز بھی مہیا کر دیا تاکہ اس پر حضرت کو دہلی منتقل کیا جائے یہ بات بھی طے ہو گئی کہ رات کو دس بجے دہلی کے لئے روانگی ہوگی۔ لیکن حضرت والا کو اطلاع دی گئی تو دہلی جانے سے انکار فرما دیا۔

راقم سطور نے مولانا سید محمد رابع صاحب ندوی سے درخواست کی کہ حضرت کو انجکشن لگانے کی اجازت دے دیں۔ مگر انھوں نے اس کی اجازت نہیں دی۔ فرمایا کہ حضرت کی مرضی کے خلاف اب کچھ بھی کرنا مناسب نہیں۔ اللہ مالک ہے۔ اس طرح بغیر کسی علاج و انجکشن کے رات گذر گئی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ شافی مطلق ہے۔ وہی صحت و تندرستی دینے والا ہے۔

دوسرے دن یعنی ۸؍ مارچ کو صبح ہونے پر جب سانس کی رفتار تیز ہوئی تو ڈاکٹر منصور حسن کو پھر بلایا گیا۔ انھوں نے علاج کے سلسلے میں ضروری مشورے دیئے اور تاکید کی کہ علاج فوری طور پر شروع کر دیا جائے۔ مجھے الگ لے جا کر کہا کہ فوری طور پر آکسیجن اور انجکشن لگا دیا جائے، ہوشیار کمپونڈر بلا لیے گئے تھے۔ ہم لوگوں نے حضرت کو سمجھا کر آکسیجن اور انجکشن لگوانے کے لیے تیار کر لیا۔ چنانچہ آکسیجن اور انجکشن دونوں لگائے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے دوا میں اثر دیا اور فوری طور سے افاقہ ہوا تمام لوگوں میں خوشی و مسرت کی لہر دوڑ گئی، دو گھنٹے کے بعد دہلی کے ڈاکٹر خلیل اللہ آ گئے۔ ڈاکٹر منصور حسن دوبارہ آ گئے۔ ان دونوں حضرات نے اس افاقہ پر اطمینان کا اظہار کیا۔ مزید مشورے بھی ہوئے۔

اس طرح دو مرحلے چوبیس گھنٹے کے اندر پیش آئے کہ بغیر کسی دوا علاج کے رات گذر گئی۔ دوسرے دن علاج ہوا تو فوری طور پر افاقہ ہوا۔

۲۱ اکتوبر ۱۹۹۹ء کی شب میں ڈیڑھ بجے کے قریب حضرت کے خادم خاص بھائی عبدالرزاق کا فون آیا کہ جلدی آئیے۔ ہم نے فوراً ایمبولنس پر آکسیجن اور ضروری دوائیں رکھیں اور اپنے کمپونڈر راشد کو ساتھ لیا، بارہ تیرہ منٹ کے اندر مہمان خانہ پہونچ گئے۔ ہماری آمد کے چند منٹ بعد ہی ڈاکٹر نظر احمد صاحب پہونچ گئے جو برسوں سے حضرت کا علاج کر رہے تھے

حضرت والا نے خود ہی انجکشن اور آکسیجن لگانے کے لیے فرمایا۔ پچھلے تجربہ نے ہم لوگوں کی ہمت بڑھا دی تھی۔ ہم دونوں نے بلا تکلف کہہ دیا کہ ابھی چند منٹ میں آرام ہو جائے گا۔ یہ جملہ ہم لوگوں نے اپنی دواؤں اور انجکشن پر ناز کرتے ہوئے کہا۔ ہم نے احتیاطاً ڈاکٹر منصور صاحب سے فون پر استفسار کیا تو انھوں نے بھی یہی جواب دیا کہ ضروری انجکشن تو آپ کو معلوم ہیں وہ لگا دیجیے گا، فوراً آرام ہو جائے گا۔ ہم لوگوں نے انجکشن لگانا شروع کیا۔ لیکن نس میں انجکشن نہیں لگ پا رہا تھا۔ اس لیے دوا بھی آگے نہیں جا رہی تھی۔ ایک اور ماہر امراض قلب ڈاکٹر کو بلا لیا گیا۔ انھوں نے ای اسی جی کیا، اور بتایا کہ حالت بگڑ رہی ہے۔ چار قیمتی انجکشن جو بیرونی ملکوں کے تھے وہ ناکام ہو چکے تھے۔ حضرت بار بار فرماتے کہ ہماری سانس اکھڑ رہی ہے۔ ڈاکٹر نظر احمد صاحب اور ہماری گھبراہٹ بڑھتی ہی گئی۔ اس وقت مجھے ایسا محسوس ہوا کہ ہمارا یہ دعویٰ کہ چند منٹ میں افاقہ ہو جائے گا، کامیابی کی راہ میں حائل ہے۔ رات کا وقت تھا، ہم چند آدمی تھے۔ مولانا محمد رابع صاحب اور مولانا محمد واضح صاحب دیوار کے قریب بیٹھے دعاؤں میں مشغول تھے ڈاکٹروں کے دعوے کی سزا اللہ تعالیٰ اس شخص کو نہیں دینا چاہتا تھا جس کا وقت ابھی پورا نہیں ہوا تھا۔ مجھے اندر سے اپنے دعوے پر شرمندگی اور ندامت کا احساس ہوا، ایک کمزور وعاجز اور بے بس انسان کی طرح میں نے روتے ہوئے مولانا محمد رابع صاحب سے۔ جو حضرت کے جانشین ہونے والے اور بزرگ تھے، دعا کی درخواست کی۔ پھر جیسے ہی وہ گڑگڑائے اور بلبلا کر بڑے اضطرار کے عالم میں دعا کی۔ شافی مطلق کی مرضی سے ایک ایسا انجکشن لگ گیا جس کی قیمت صرف ڈھائی روپے تھی۔ انجکشن کے ذریعہ وہ دوا دی گئی، چند لمحوں میں دوران خون کے ساتھ بدن کے تمام حصوں میں یہ دوا پہونچ گئی۔ حضرت والا کی حالت سنبھلنے لگی۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا ظہور ہوا اور فجر کے وقت تک حضرت اس قابل ہو گئے کہ نماز باجماعت ادا کر سکیں۔ ہم نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس شافی مطلق نے اپنے عاجز بندوں کی دعائیں سن لیں۔

اس واقعہ کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس بار حضرت کو لکھنؤ میں ہی رمضان المبارک گذارنا ہوگا۔ نظام کے مطابق شعبان کے آخر میں تین دن کے لئے حضرت رائے بریلی رہ کر واپس لکھنؤ تشریف لے آئے۔ رمضان کے مبارک دن اچھی طرح گذار رہے تھے۔ سارے معمولات بحسن وخوبی پورے ہو رہے تھے۔ سب سے پہلے ڈاکٹر نظر احمد صاحب نے رائے بریلی جانے کی اجازت دے دی مگر میں اصرار کر رہا تھا کہ سردی بہت بڑھ رہی ہے اور عرض کر رہا تھا کہ ۲۳ رمضان کو جمعہ کے دن تشریف لے چلیں تاکہ ہم بھی وہاں آٹھ دن رہ سکیں۔ حضرت نے فرمایا کہ آپ مجھے دو دن پہلے جانے دیجیے تاکہ آخری عشرہ تکیہ پر گذاریں اور اپنے وطن میں رہیں۔ آپ ان دو دنوں کی فکر نہ کریں میں نے عرض کیا، جیسی حضرت اللہ کی مرضی ہو۔ ہم انشاء اللہ ۳۱ر دسمبر کو جمعہ کے دن نماز سے پہلے حاضر ہو جائیں گے۔

اس روز صبح ہی سے سخت سردی تھی، کہرا بڑھا ہوا تھا۔ مجھے فکر تھی کہ وعدے کے مطابق رائے بریلی وقت پر پہونچ جاؤں جو سفر ڈیڑھ گھنٹے میں طے ہوتا تھا وہ اس دن کہرے کی وجہ سے قریب ڈھائی گھنٹے میں طے ہوا۔ رائے بریلی جب پہونچا تو ساڑھے دس بج رہے تھے۔ حضرت مجھے دیکھ کر فرمانے لگے۔ آپ اس سخت سردی میں آ گئے۔ ہم نے عرض کیا کہ آپ سے وعدہ کیا تھا کہ اس بار اپنے ساتھ ساری ضروری دوائیں آکسیجن اور مانیٹر لازمی ہوگا۔ وہ سب لے آیا ہوں۔ حضرت یہ سن کر مسکرا دیئے۔ میں نے آج تک کبھی حضرت سے معانقہ کی جرأت نہیں کی تھی ہمیشہ مصافحہ ہی کیا کرتا تھا۔ آج بھی میں نے ہاتھ ملایا تو حضرت کھڑے ہو گئے۔ اور مجھ سے معانقہ کیا۔ یہ میری خوش نصیبی تھی۔

اس ملاقات کے بعد حضرت قرآن کی تلاوت میں مشغول ہو گئے۔ اس سے فراغت کے بعد غسل کے لیے تشریف لے گئے۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد کپڑے زیب تن کیے۔ شیروانی کے سارے بٹن لگائے۔ برسوں کے معمول کے مطابق سورۂ کہف پڑھنے کے لئے قرآن مجید منگوایا۔ اس درمیان

سورہ یٰسین پڑھنا شروع کر دیا۔ مگر حالت
ڑنے لگی۔ میں جمعہ کی نماز میں حضرت کو مسجد
لے جانے کے لیے گاڑی کمرے کے سامنے
کا رہا تھا کہ شور ہوا، ڈاکٹر کو بلاؤ۔ میں فوراً
ندر پہونچ گیا۔ آکسیجن لگایا، کمپونڈر راشد
بھی پہونچ گیا۔ اوپر کے کمرے سے ڈاکٹر
ز الدین صاحب پہونچ گئے۔ حضرت نے ایک
بی سانس لی۔ انھوں نے اس بار آکسیجن یا
بکشن طلب نہیں فرمایا۔

یہ حقیقت اب سمجھ میں آئی کہ شفا تو
اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کی مشیت
ہر جگہ اور ہر لمحے کام کرتی ہے۔ اس کی مرضی
کے بغیر نہ کوئی پتہ ہل سکتا ہے اور نہ کوئی ذرہ
از سکتا ہے۔

ایک رمز جو ڈاکٹری تعلیم کے دوران
ہم سب کو پڑھایا گیا تھا اور آج بھی پڑھایا جا رہا
ہے کہ نسخہ لکھنے سے پہلے Rx لکھنا ضروری ہے۔
جس کا مطلب بتایا جاتا ہے۔

"Take thou in the name of God Jupiter"

دوا کھاؤ (نعوذ باللہ) جو پیٹر خدا کے
نام سے۔ میں نے میڈیکل کالج میں جا کر پڑھا تو
معلوم ہوا کہ جو پیٹر کو بہشتوں اور زندگیوں کا
خدا مانا جاتا ہے۔

(God of heavens and Guardian of life)

میں تو ڈاکٹری میں
۱۹۶ سے بھوپال میں داخلے کے بعد سے Rx
لکھتا چلا آ رہا تھا لیکن جب حضرت مولانا کے
مشورے سے قرآن کی آیت کو سمجھنے کی توفیق
ہوئی تو میں نے اللہ شافی (ALLAH SHAFI)
کا رمز As لکھنا شروع کر دیا۔ میں سبھی
طبیبوں سے استدعا کروں گا کہ وہ بھی As
لکھیں۔ انشاء اللہ ہمارے نسخے میں اثر ہوگا
اور Rx لکھنے کے گناہِ عظیم سے ہم بچ جائیں گے

وہ زیبِ لوح و قلم شانِ علم و دانائی

پروفیسر شیث محمد اسمٰعیل اعظمی

وہ عندلیبِ حرم فخرِ نطق و گویائی
وہ زیبِ لوح و قلم شانِ علم و دانائی

وہ یادگارِ سلف فخرِ منبر و محراب
ریاضِ مصطفوی کا نہالِ رعنائی

وہ آشنائے رموزِ کلامِ ربانی
خرد کلامی ختم الرسل کا شیدائی

زوالِ شام و عراق و عجم پہ نالہ کناں
عروجِ امتِ خیر البشر کا سودائی

جنید و شبلی و عطار کا مزاج شناس
وہ قدردانِ بوصیری اسیرِ طغرائی

حریفِ قلزمِ معنیٰ زبان تھی جس کی
قلم سے جس کے رواں سلسبیلِ دانائی

وہ جس کی خاکِ قدم سرمۂ نگاہِ خرد
وہ جس کے در پہ کرے آگہی جبیں سائی

وہ خاکسار کہ دائم خراج دے جس کو
شکوہِ خسروی و طمطراقِ دارائی

و نکتہ سنجِ غزالی و رومی و اقبال
وہ جس کی فکر نے ہر وقت کی مسیحائی

ہجومِ یورش و یلغارِ غم ہے ہر جانب
حجاز و مصر سے تا لکھنؤ و ممبائی

گدازِ جاں کا کوئی ترجماں نہیں ملتا
کہیں سے آج میسر نہیں شکیبائی

اب اس کے بعد تو ہر صبح روزِ حشر کی صبح
اب اس کے ہجر میں ہر شام شامِ تنہائی

حدودِ شہرِ تمنا میں کچھ رہا ہی نہیں
نہ بام و در ہیں نہ دہلیز ہے نہ انگنائی

عقیدتیں یہی ہر دم سوال کرتی ہیں
فنا سبھی کو ہے کس سے کریں شناسائی

قبلہ نما

مدرسہ کا کام یہ ہے کہ وہ ایسے باضمیر باعقیدہ، ایسے باایمان باحوصلہ ایسے باہمت فضلاء پیدا کرے کہ جو ضمیر فروشی، اصول فروشی اور اخلاق فروشی کے دور میں روشنی کے مینار کی طرح قائم رہیں کہ وہ کہیں نہیں جاتا اپنی جگہ پر کھڑا ہے راستہ بتاتا ہے، جیسے قبلہ نما کہ آپ کہیں ہوں وہ آپ کو قبلہ بتا دے گا، ہندوستان میں بتائے گا دوسرے ملک میں بتائے گا، پہاڑ پر رکھیں تو بتائے گا، پل پر رکھیں تو بتائے گا یہ عالم کا کام ہے کہ ہر زمانہ میں ہر جگہ قبلہ نما رہے۔

(حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ)

مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ

علالت سے وفات تک

تحریر: حسین امین

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔

یہ ایک ایسا نام ہے جسے بچپن سے لے کر جب اس نام کے مالک سے صورت آشنا بھی نہیں تھا ہمیشہ اس حیثیت سے جانا کہ اس نام کے مالک کی شخصیت بہت محترم ہے۔ پھر صحافت کے پیشے میں داخل ہونے کے بعد سے اس نام نامی کو متعدد نوعیت کے پس منظر اور تناظر میں اور مختلف زاویوں سے لکھنے کی سعادت حاصل کرنے کا موقع پانے میں جتنا خوش نصیب راقم الحروف رہا ہے اتنا شاید ہی کوئی دوسرا صحافی ہو۔ اس نام سے اور اس کے مالک سے ساری محبت، انسیت اور عقیدت یکطرفہ نہیں رہی ہے بلکہ دوسری طرف سے بھی بے حد شفقت اور محبت ملتی رہی ہے اور خاندانی روابط کے پس منظر میں حضرت مولانا علی میاں کی طرف سے ایک "عزیز" کا درجہ عطا ہوا تھا چنانچہ وہ ہمیشہ راقم کو اپنے اعتماد میں لیا کرتے تھے۔ اس وقت اس نام کو لکھتے وقت کلیجہ منہ کو آرہا ہے کہ ابھی "اس روز" ہی تو انھوں نے ندوہ کے مہمان خانے کے سامنے راقم کو اپنے پاس بلا کر "دھوپ کھانے" کو کہا تھا، اور یہ جان کر کہ عید الفطر کے روز یہ ناچیز رائے بریلی میں رہے گا، خوشی ظاہر کرتے ہوئے رات کے کھانے پر مدعو کیا تھا۔ آج اس نام کا مالک موجود نہیں ہے، خالق کائنات نے اپنے اس نیک بندہ مولانا علی میاںؒ کے درجات بلند کرنے کے لئے بیسویں صدی کے آخری دن ۲۲ رمضان المبارک کو جس کی آنے والی شب میں شب قدر کا امکان ہوتا ہے، نصف النہار سے کچھ قبل نماز جمعہ کی تیاری کے بعد سورہ یٰسین کی تلاوت کے دوران عین اس وقت جب وہ کمرہ سے باہر ایک مرد مومن کی شان سے جمعہ کے لئے نکلنے والے تھے اپنے حضور میں بلا لیا اور ان کو اسی تاریخ کا حصہ بنا دیا جس کے مطالعے کا شوق ان کو "لت" کی حد تک تھا۔

مولانا علی میاں نے جن کے نام کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے وقت ابھی مدتوں اپنی انگلیوں پر قابو رکھنا پڑے گا، جتنی قابل رشک زندگی گذاری اتنی ہی قابل رشک وفات پائی جس کی تفصیل سننے والا کوئی بھی شخص بہ آواز بلند اس تمنا کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ کاش اپنا بھی آخری وقت ایسا ہی ہو۔

مولانا علی میاں کی علالت کے آغاز سے لے کر ان کے سانحہ ارتحال تک ملت اسلامیہ میں ان کی صحت کے لئے دعاؤں اور فکر مندی کی جو کیفیت تھی اس کو قلم بند کرنے کے لئے ایک پوری کتاب مرتب کی جاسکتی ہے، اور شاید ایسا ہو بھی تاکہ ان کی شخصیت سے جس کا نصب العین کار نبوت کو آگے بڑھانا تھا، آنے والی نسلیں ہمیشہ متعارف ہوتی رہیں گی۔ بہر حال از راہ تذکرہ اس فکر کی سطح یہ تھی کہ ہندوستان کے وزیر اعظم اٹل بہاری باجپئی، ان کی پارٹی کے اعلیٰ مرکزی وریاستی رہنما اور وزراء، یوپی کے گورنر اور متعدد وزراء نے ملک کے ایک ممتاز شہری اور عالمی سطح کے ممتاز عالم دین اور بے داغ شخصیت کی حیثیت سے ندوہ کے مہمان خانے میں پہونچ کر ان کی عیادت کی۔ ملک کی جدوجہد آزادی کی قیادت کرنے والی سیاسی جماعت کانگریس کی صدر اور پارلیمنٹ میں حزب اختلاف کی لیڈر سونیا گاندھی اور ان کی بیٹی پرینکا گاندھی، سابق وزیر اعظم ہند دی۔پی۔ سنگھ، مرکزی حکومت کے ممتاز سابق وزراء نرائن دت تیواری، ملائم سنگھ یادو، جعفر شریف، کیپٹن ستیش شرما، ایم۔پی، جی۔ایم بنات والا، مولانا اسعد مدنی صدر جمعیۃ العلماء ہند، سید سبط رضی وغیرہ صاحبان، خادم الحرمین شریفین، جلالۃ الملک فہد بن عبدالعزیز کی طرف سے ان کے خصوصی ایلچی کی حیثیت سے سفیر سعودی عرب برائے ہند ہز ایکسی لینسی عبدالرحمٰن بن ناصر العوہلی اور سفارت خانے میں دینی امور کے انچارج ہز ایکسی لینسی ولید عبدالکریم، ایران کے صدر عزت مآب محمد خاتمی کی طرف سے ان کے مشیر برائے سنی امور مولانا اسحاق مدنی اور مشیر برائے شیعہ امور مولانا محمد علی خلیلی نے بہ نفس نفیس ندوہ پہونچ کر مولانا علی میاں کی عیادت کی۔ اس کے علاوہ دوسرے ملکوں کے سربراہوں نے بھی یا تو کسی ایلچی کے ذریعہ یا ٹیلی فون اور فیکس کے ذریعہ خیریت معلوم کی۔

مولانا علی میاں کے لئے صحت کی دعاؤں کے ساتھ ان کے عقیدت مندوں نے خود کو اس اندوہناک خبر کو سننے کے لئے اگرچہ تیار کر رکھا تھا لیکن اللہ کو تو کچھ اور ہی منظور تھا۔ چنانچہ جب مولانا کے سانحہ ارتحال کی خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیلی تو ساری تیاری "بے سود ثابت" ہوگئی۔ صبر کا دامن چھوٹ گیا۔

دراصل مولانا علی میاںؒ نے اپنی وفات سے چند روز قبل کٹھمنڈو سے روانہ ہونے والے انڈین ایر لائنس کے ایک طیارے کو اغوا

جانے کے خلاف ایک بیان جاری کیا تھا جس بھی کو ان کی صحت کے بارے میں تسلی ہو گئی یہ بیان ان کی فعال اور ہمہ وقت سرگرم زندگی مہ تھا جس نے کسی ناخوشگوار خبر کے تصور م کر دیا تھا۔

مولانا علی میاں کی رحلت کے بعد ملت امیہ کی حالت کیا تھی اس کی ایک مثال اسی دسمبر ۱۹۹۹ء کی کڑکڑاتی سردی اور کہرے کی دبیز چادر لپٹی ہوئی اس سیاہ رات کو دیکھنے میں آئی جب ہرے اپنے گھروں سے کار، اسکوٹر، موٹر سائیکل بل، غرض ہر دستیاب سواری سے روانہ ے والوں کا سلسلہ رات تک جاری رہا تھا، استہ گویا رائے بریلی کے علمی، سیاسی اور دینی ارے مشہور تاریخی شہر میں تکیہ کلاں پر واقع ہ شاہ علم اللہ پر ختم ہو رہا تھا جہاں حسنی سادات ادے کے عظیم مجاہد آزادی سید احمد شہیدؒ ہندوستان کو برٹش راج کے چنگل سے ذکرانے کے لئے جد وجہد آزادی کا آغاز کیا، سید عبد الحی حسنی نے اپنی تحریروں سے حانے مالا مال کئے۔ ان کے صاحبزادوں ڈاکٹر سید عبد العلی حسنی اور مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندوی نے علم اور دین کی ت میں اپنے بزرگوں کے کام کو آگے بڑھایا۔ مولانا علی میاں نے تو اپنی الگ پہچان کے ساتھ بزرگان ن کا نچوڑ تھے نہ صرف اپنے خاندان کا نام روشن کیا بلکہ اپنے "وطن عزیز" کی "آبرو" بن کر اس کا سر فخر سے اونچا کیا۔ اس روز ہر گھر میں اداسی سماں تھا، کہیں کوئی پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا یں کوئی سر پکڑے بیٹھا تھا۔ مگر اہل خاندان پر آنسوؤں وفات کے ساتھ سکینت کی چادر تنی ہوئی تھی لکھنؤ اور دوسرے شہروں میں مساجد سے شکوگیر اور رندھی آواز میں اعلان ہو رہا لکھنؤ میں بعض ٹرانسپورٹروں نے رائے بریلی کیلئے بسوں کا مفت انتظام کر دیا تھا، بازار بند ہو گئے تھے۔ لکھنؤ رائے بریلی روڈ پر کئی جگہوں پر خاص کر بچھراواں میں سڑک کے کنارے رہنے والوں نے اپنے گھر میں افطار اور نماز کا اہتمام کر رکھا تھا تاکہ اس وقت ادھر سے گذرنے والوں کو زحمت نہ ہو۔ اس سڑک پر اس رات کی ساری سیاہی کو ادھر سے گذرنے والی کار کی ہیڈ لائٹوں نے نگل لیا تھا۔ رات کے کسی بھی حصے میں سڑک کے کسی بھی حصے پر روشنی کی کمی نہیں تھی۔ اتنی بڑی تعداد میں کاروں کا آنا جانا اس سے پہلے وہاں رہنے والوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اور تکیہ کلاں پر ایسا انسانی سمندر کبھی نہیں دیکھا گیا تھا۔ ان سواریوں پر ارباب اقتدار اور ان کے نمائندے بھی تھے، علمائے حق بھی تھے، اکابرین ملت بھی تھے، وکلاء تھے، صحافی تھے، کاروباری تھے، دانشور تھے، سیاسی، سماجی اور ملی رہنما تھے، عورتیں تھیں اور بچے تھے۔

اداس دلوں کی اس بھیڑ میں ہر دل رو رہا تھا، حضرت مولاناؒ کے آخری دیدار کے لئے لمبی قطار لگی ہوئی تھی، تدفین کا وقت آیا تو کاندھا دینے کے لئے ہر شخص بے چین تھا، مولانا کے گھر سے ان کے آبائی قبرستان تک کا چند منٹوں کا راستہ کئی گھنٹے میں طے ہوا۔ لاکھوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی اور تدفین کے بعد مٹی دینے کا سلسلہ کئی روز تک جاری رہا حتی کہ بار قبر سے مٹی زیادہ ہو جانے کی وجہ سے ہٹائی گئی۔

اس وقت جب لوگ تیزی کے ساتھ رائے بریلی کی طرف بھاگ رہے تھے، دنیا بھر میں ایک طبقہ ایسا بھی تھا جس نے اپنے کو دوسرے ہی قسم کی مصروفیت میں لگا رکھا تھا۔ یہ طبقہ اخبار نویسوں کا تھا جس کا قلم اسی تیزی سے اس "رات" سے لے کر آج تک چل رہا ہے جس تیزی سے سواریاں رائے بریلی کی طرف رواں دواں تھیں اخبارات دیر رات تک خبریں جمع کرتے رہے جو رائے بریلی سے براہ راست موبائیل کے ذریعہ بھیجی جا رہی تھیں۔ اور اس کے بعد مولانا علی میاں کے بارے میں خصوصی اشاعتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا ندوۃ العلماء کے ترجمان پندرہ روزہ "تعمیر حیات" نے جس کا ۲۵ دسمبر تا ۱۰ جنوری والا شمارہ پریس میں پہونچ چکا تھا۔ مولانا علی میاں کی رحلت سے متعلق تمام تفصیلات کے ساتھ منظر عام پر آنے میں اپنے کو ممتاز کیا۔ اس شمارہ کی اشاعت کو روک لیا گیا تھا اور اسے عملاً ایک خصوصی نمبر کی شکل دے دی گئی تھی جو دوسرے تمام خصوصی نمبروں میں اس لحاظ سے بھاری تھی کہ صدر نشین امور حرمین شریفین امام وخطیب مسجد حرام مکہ مکرمہ شیخ محمد بن عبد اللہ السبیل کا تعزیتی پیغام شامل کیا گیا، حرمین شریفین میں مولانا علی میاں کی غائبانہ نماز جنازہ کی خبر شامل کی گئی جو ۲۶ رمضان المبارک کو ۲۷ ویں شب میں خادم الحرمین شریفین جلالۃ الملک فہد بن عبد العزیز فرمانروائے مملکت سعودی عربیہ کے حکم سے ادا کی گئی تھی۔ مولانا ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی کا جامع مضمون شامل کیا گیا۔

مولانا علی میاں کے خادم خاص حاجی عبد الرزاق، مولوی سید بلال حسنی ندوی اور مولوی سید محمود حسنی ندوی کی مولاناؒ کے بارے میں روایتوں پر مشتمل جسے مولانا نذر الحفیظ ندوی نے ترتیب دیا تھا ایک بھرپور مضمون شامل کیا گیا۔ خود مولانا نذر الحفیظ کا کوئی مضمون نہیں ہے لیکن مذکورہ حضرات کی روایت جس انداز میں ترتیب دی گئی ہے وہ بجائے خود ان کے حضرت مولاناؒ کے تعلق سے جذبات واحساسات کی مکمل ترجمان ہے۔ اس شمارہ میں سکریٹری جنرل رابطہ عالم اسلامی ڈاکٹر عبد اللہ صالح العبید، نائب صدر عالمی رابطہ ادب اسلامی ڈاکٹر عبد القدوس ابو صالح (جس

کے حضرت مولاناؒ صدر تھے) خلیفہ جاسم الکواری مدیر ادارۃ الشئون الاسلامیہ وزارت اوقاف والشئون الاسلامیہ قطر، مولانا شاہ ابرار الحق (ہردوئی) جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، مولانا نظام الدین صاحب صدر جمعیۃ العلماء ہند مولانا سید اسعد مدنی، نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند مولانا عبدالخالق، نائب صدر جمہوریہ ہند کرشن کانت جی، وزیر اعظم ہند اٹل جی، وی۔ پی۔ سنگھ، پارلیمنٹ کی لیڈر آف اپوزیشن مسز سونیا گاندھی، وزیر اعلیٰ یو۔ پی کلیان سنگھ وغیرہ ممتاز شخصیات کے تعزیتی پیغام اور عربی اور ہندوستانی میڈیا کے بعض حلقوں کی شاہ سرخیاں بھی جمع کر دی ہیں، "مولانا علی میاں ایک نظر میں" کے عنوان سے ان کی زندگی کا خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ اور پروفیسر وصی احمد صدیقی صاحب نے اس انکساری کے ساتھ دل کو چھو لینے والا خصوصی اداریہ لکھا کہ "یہ اداریہ حضرت مولانا کے دینی اور علمی کارناموں کے بیان کے لئے نہیں لکھا جا رہا ہے؛ سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لئے"۔ ایک اور خصوصی شمارے کے لئے تعمیر حیات کے عملے کا قلم اب بھی چل رہا ہے۔

ملک اور بیرون ملک کے اخبارات مولانا علی میاں کے سانحۂ ارتحال کی خبر تک محدود نہیں رہے جو شاہ سرخیوں کے ساتھ شائع ہوئی بلکہ پہلے ہی دن سے بیسویں صدی کے تین چوتھائی حصے پر اپنی ایک منفرد اور لاثانی شناخت کے ساتھ دعوتی، علمی، دینی، تعلیمی، تصنیفی، تحقیقی اور خدمت خلق کے میدانوں پر چھائی رہنے والی انقلابی شخصیت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی جو خیر و برکت کی منزل کا راستہ مختصر کرنے کے لئے "معنوی اور فکری نہر سوئز" کھودنے کے بھی داعی تھے، شخصیت پر بھرپور مضامین بھی شائع کئے جس کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے، دنیا بھر کے ممتاز علماء اور اکابرین ملت نیز دانشور حضرات نے اپنے مختلف جرائد میں تحریروں اور یادگاری جلسوں میں اپنی تقریروں میں بعض ایسی صفات بیان کی ہیں جو مولانا علی میاں کی شخصیت کے ان پہلوؤں کو نمایاں کرتی ہیں جو بصورت دیگر کبھی سامنے نہ آتیں۔ مثلاً ٹرینی کلوز لندن کے انڈیا مسلم فیڈریشن ہال میں برطانی مسلم تنظیم المدین مسلم فیڈریشن کے زیر اہتمام مولانا علی میاںؒ کی یاد میں ہونے والے جلسے میں جس میں مولانا کی ایک تقریر کا کیسٹ بھی سنوایا گیا اسلامک فاؤنڈیشن لیسٹر کے ڈاکٹر مناظر احسن صاحب نے بتایا کہ مولانا جب انگلستان آتے فاؤنڈیشن میں ضرور آتے اور نصیحت کرتے کہ ہر مکتبۂ فکر کے علماء کو مدعو کیا جائے اور اتحاد قائم کرنے پر زور دیا جائے۔

مشہور زمانہ آکسفورڈ یونیورسٹی کے سنٹر برائے اسلامک اسٹڈیز کے ڈائرکٹر فرحان نظامی نے انکشاف کیا کہ اگر مولانا ذاتی دلچسپی نہ لیتے تو یہ عظیم مرکز کبھی قائم نہ ہوتا جس کی فاؤنڈیشن کے وہ چیرمین بھی تھے۔ انھوں نے ندوہ کی ضروریات کا ذکر کبھی کسی سے نہیں کیا جب کہ اس سنٹر کے قیام کے لئے ضرور ایسا کیا۔ اس جلسے میں اسلامک مشن کے سابق صدر رشید احمد صدیقی، لندن میں مولانا علی میاں کے مستقل میزبان مسرور صاحب اور لٹن اسٹون مسجد کے امام مولانا الیاس نے بھی اظہار خیال کیا۔ مولانا علی میاں کی یاد میں نہ صرف جرائد خصوصی نمبروں کی اشاعت میں پیش پیش ہیں بلکہ مختلف تنظیمیں ان کی یاد میں عام جلسے کرنے میں بھی جوش و خروش سے سرگرم ہیں۔

مولانا علی میاں کی یاد میں دہلی سے جناب شاہد صدیقی کی ادارت میں نیشنل پریس کے زمرے میں آنے والے ہفت روزہ جریدے "نئی دنیا" نے جو خصوصی نمبر شائع کیا وہ اپنا جواب آپ ہے۔ اس میں نہ صرف مولانا کی مختلف جہتوں پر مضامین ہیں بلکہ بعض نادر تصاویر بھی شامل ہیں۔ لکھنؤ میں ممتاز عالم دین اور خطیب مولانا سید سلمان حسینی ندوی کی سرپرستی میں شائع ہونے والے جمعیت شباب الاسلام کے ترجمان ماہنامہ "بانگ درا" کی خصوصی اشاعت میں بھی مولانا علی میاں کی شخصیت کے مختلف گوشوں پر ممتاز صحافی عشرت علی صدیقی، مولانا سید محمد واضح رشید ندوی، مولانا سید سلمان حسینی ندوی، مولانا محمد سعد کاندھلوی (تبلیغی مرکز نظام الدین) مولانا یوسف لدھیانوی، ممتاز عالم دین مولانا برہان الدین سنبھلی، امین الدین شجاع الدین، مولانا محمد ... ندوی غازیپوری، محترمہ ڈاکٹر نسیم اختر علی، قاضی مجاہد الاسلام قاسمی اور مولانا ... سہارنپوری وغیرہ صاحبان نے فاضلانہ مضامین لکھے ہیں۔ ماہنامہ "رضوان"، ہفت روزہ "اخبار الجمعیۃ" دہلی، پندرہ روزہ "خبردار" دہلی، ... روزہ "دعوت" دہلی، لکھنؤ کے روزنامے "ان دنوں"، "سہارا" نے مولانا علی میاں کی شخصیت پر مضامین شائع کئے۔

انجمن ترقی اردو ہند کے ترجمان ہفت روزہ "ہماری زبان" نے مولاناؒ سے عقیدت کا حق متعدد مضامین شائع کرکے ادا کیا۔ جس میں "مولانا ابوالحسن علی ندوی، وضاحتی ..." کے عنوان سے دو قسطوں پر ایک مضمون اہمیت کا حامل ہے جو ڈاکٹر ذاکر حسین لائبریری جامعہ اسلامیہ میں دستیاب اردو کتابوں پر مبنی ہے۔ اس میں مولانا کی ٦١ تصنیفات کی فہرست ... اس مضمون کی آخری قسط یکم جون ٢٠٠٠ کے شمارے میں شائع ہوئی ہے۔ "سالار" بنگلور، "سیاست" حیدرآباد، "آزاد ہند" کلکتہ

ٹائمز، بمبئی سمیت برصغیر کا شاید ہی کوئی روزنامہ یا رسالہ ایسا ہو جس نے مولانا کے متعلق خصوصی اشاعت نہ کی ہو۔

روزنامہ صحافت لکھنؤ نے ۱۲ر جنوری ۲۰۰۰ء کی اشاعت میں مولانا علی میاں کی تصانیف کی ایک فہرست شائع کی ہے۔ اور یہ ایک خاص بات ہے کہ بعض جرائد نے مولانا کی صرف تصانیف کی فہرست شائع کی ہے جس سے ان کی شخصیت ان کی تصانیف کے آئینے میں ابھرتی ہے۔ پندرہ روزہ "خبردار" دہلی نے جناب سعید سہروردی کا ایک مضمون بعنوان "اپنی ذات میں انجمن تھے، علی میاں" شائع کیا جس میں مصنف نے مولانا کو عظیم عالم کے زمرے میں رکھ کر وضاحت کی کہ ان کی زندگی درس مسلسل ہوتی ہے اپنی زندگی کے باہر عملی زندگی میں بھی وہ منارۂ نور کی حیثیت رکھتا ہے۔ مولانا علی میاں بیک وقت کئی اقلیموں کے تاجدار تھے۔ ان کے ہر وصف کے لئے ایک صحیفہ درکار ہے۔

مولانا علی میاںؒ کے سانحۂ ارتحال کے بعد سے نہ صرف صحافت کی دنیا آج تک ان کے اوصاف، ان کی تصنیفات، ان کی علمی، دینی، پیام انسانیت کی شکل میں انسانی خدمت کے حوالوں سے قلم چلا رہی ہے، بلکہ دنیا بھر کی مختلف ملی تنظیموں کی طرف سے مختلف عنوان سے جلسوں کی شکل میں عقیدت کا خراج پیش کیا جا رہا ہے۔ لکھنؤ میں جسے مولانا علی میاںؒ اپنا وطن ثانی کہتے تھے شہریوں نے ان سے اپنی عقیدت اور محبت کا حق ادا کرنے کے لئے کرسچین کالج گراؤنڈ پر جلسہ پیام انسانیت کا انعقاد کیا تو سارے شہر نے اپنا کاروبار معطل کرکے اس میں لاکھوں کی تعداد میں شرکت کی۔ شہر کے کیلے اور نفوک کی منڈیاں بند رہیں جو بڑی بات تھی، دہلی، مراکش، ایران کی ممتاز اسلامی، مسیحی، بودھی، جینی اور ہندو دھرم کی روحانی شخصیات نے اس جلسے میں حصہ لیا۔ حکومت یوپی کے نمائندے کے طور پر ریاستی وزیر چودھری نریندر سنگھ نے شرکت کی اور کہا کہ مولانا علی میاں کی وفات صرف ان کے خاندان کے لئے نہیں بلکہ ساری دنیا کے لئے باعث صدمہ ہے۔

اسی طرح مولانا عبدالشکورؒ ہال اور قصبہ بجنور ضلع لکھنؤ میں بڑے جلسے ہوئے۔ عرب ممالک اور یورپ کے مختلف شہروں میں حضرت مولاناؒ پر جو سمینار اور جلسے ہوئے اس کے لئے ایک مفصل مضمون کی ضرورت ہے۔

ہندوستان کی تاریخ میں شاید یہ پہلا موقع تھا جب تقریباً بیک وقت تین بڑے شہروں میں کسی ممتاز شخصیت کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کے لئے سمینار کا اہتمام ہوا۔ یہ شہر بھی اپنی اپنی جگہ منفرد شخصیت کے حامل تھے۔ یعنی لکھنؤ، علی گڈھ (مسلم یونیورسٹی) اور بمبئی جہاں انجمن اسلام کے زیر اہتمام اس کے صدر ڈاکٹر محمد اسحاق جمخانہ والا کی زیر صدارت ۲۸ر مارچ کو سمینار ہوا۔ اسی روز جمعیت شباب الاسلام کے بانی سربراہ مولانا سید سلمان حسینی ندوی کی کاوش سے ملیح آباد کے مشہور برائے آم قصبہ کے علاقہ کٹولی میں واقع جامعہ سید احمد شہیدؒ کے زیر اہتمام سہ روزہ بین الاقوامی سمینار ہوا جس میں شرکت کرنے والوں میں مسجد اقصیٰ کے امام ڈاکٹر شیخ محمد محمود الصیام شامل ہیں۔ علی گڈھ میں یونیورسٹی کے شعبہ سنی دینیات کے ناظم سعود عالم قاسمی صاحب کے زیر اہتمام ۲۶ر مارچ کو منعقدہ سمینار میں بھی ڈاکٹر شیخ محمد صیام نے حصہ لیا تھا۔ اس وقت کے وائس چانسلر محمود الرحمٰن صاحب مولانا علی میاں کے نام سے ایک چیئر قائم کرنے کا اعلان پہلے ہی کر چکے تھے بھر رائے بریلی نے اپنے انمول رتن" کی یاد میں کل ہند سطح کا جلسہ "پیام انسانیت" منعقد کیا جس میں سابق وزیر اعظم ہند وشوناتھ پرتاپ سنگھ سمیت ملک کی اکابر شخصیات نے شرکت کی جس کی صدارت مولانا علی میاں کے جانشین اور ان کے ہی خانوادہ کے ایک فرد مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے فرمائی۔ ملک کے باہر بھی مولانا علی میاںؒ کی یاد میں جلسوں کا اہتمام کیا گیا جس میں سے دو نیپال کے علاقوں کٹھمنڈو اور سنسری میں دارالعلوم نورالاسلام کے زیر اہتمام پیام انسانیت اور اصلاح معاشرہ کے عنوان سے جلسے ہوئے جن میں اہل ہنود نے بھی حصہ لیا۔ سنسری میں وہاں کے میئر اور ضلع مجسٹریٹ نے جو دونوں غیر مسلم ہیں جلسہ پیام انسانیت میں شرکت کی، کٹھمنڈو کی جامع مسجد میں بھی ایک بڑا جلسہ ہوا ان تقریبات میں مولانا محمد عباس ندوی، مولانا محمد ایوب ندوی وغیرہ صاحبان نے کلیدی رول ادا کیا اس کے علاوہ انڈونیشیا ملیشیا اور برطانیہ وغیرہ میں بھی مولانا کی یاد میں بین الاقوامی اجتماعات ہونے کی تیاری چل رہی ہے۔ لندن میں بھی ایک سمینار ہوا۔

زیر نظر مضمون محض ایک خاکہ ہے ان حالات کا جو مولانا علی میاں کی علالت سے لے کر وفات تک اور اس کے بعد تک ہم اور آپ دیکھتے، سنتے اور پڑھتے چلے آرہے ہیں۔ یہ مضمون دستیاب مواد کی بنیاد پر تیار ہوا ہے اس میں بہت سی کمیاں ہیں جس کا راقم کو اعتراف ہے۔

مولانا علی میاں کے سانحۂ ارتحال پر جو عالمی شخصیات کے تعزیتی پیغام آئے ان میں امام حرم شیخ عبداللہ السبیل اور خادم الحرمین الشریفین ملک فہد بن عبدالعزیز نے جو تعزیتی پیغام بھیجا اور

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کو ندوۃ العلماء کا ناظم منتخب کئے جانے پر جو مبارکباد کا پیغام آیا وہ بھی اپنی جگہ پر علمی حیثیت کے حامل ہیں۔ نہ صرف خادم الحرمین الشریفین ملک فہد بلکہ ایران، یو۔ اے۔ ای اور دیگر گلف ممالک، وزیر اعظم ہند اٹل بہاری باجپئی، پارلیمنٹ میں حزب اختلاف کی لیڈر اور کل ہند کانگریس کی صدر مسز سونیا گاندھی وغیرہ کے تعزیتی پیغامات بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ تمام مذکورہ سرگرمیوں میں ایک اور زبردست سرگرمی وہ ہے جو ملک فہد بن عبد العزیز خادم الحرمین الشریفین کے حکم سے ہوئی تھی یعنی مولانا علی میاں کے لئے باقاعدہ اعلان کرکے حرمین شریفین میں غائبانہ نماز جنازہ۔ یہ درجہ ان ہی کو نصیب ہوتا ہے جن کے درجات اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں بلند ہوتے ہیں۔ اور مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے بارگاہ الٰہی میں درجات کی بلندی کا حال تو یہ تھا کہ ان کو کعبۃ اللہ کے کلید بردار شیبی نے ایک بار کعبۃ اللہ کا دروازہ کھولنے کے لئے کلید کعبہ پیش کی جو ایک تاریخ ساز واقعہ تھا، یہ بھی کوئی معمولی بات نہیں ہے کہ قرآن شریف کے اردو ترجمے اور تفسیر کی اشاعت سے قبل مولانا علی میاںؒ کی منظوری کو حرف آخر قرار دیا جائے اور مترجم حضرت مولانا محمود حسنؒ اور مفسر حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کے ساتھ مولانا علی میاں کا نام بھی شامل کیا جائے۔ یہ بھی کچھ کم تاریخی اہمیت کا واقعہ نہیں ہے کہ ایسا موقع آئے جب مولانا علی میاں کے ایک طرف امام حرمین شریفین شیخ السبیل تشریف فرما ہوں اور دوسرے بازو پر امام مسجد اقصیٰ ڈاکٹر شیخ محمد صیام جلوہ افروز ہوں۔

مولانا علی میاں کے بارے میں تمام تحریریں اور تمام تقریریں ایک ایسے علمی ذخیرے کی حیثیت رکھتی ہیں جو اگر جمع کردی جائیں تو آنے والی نسلیں اور محقق ہمیشہ ان سے مستفید ہوتے رہیں۔

وہ جن کا رتبہ عالی رہا اعلیٰ قیادت میں

مجیب بستوی

جناب بوالحسن ندویؒ رہیں دامانِ رحمت میں ۔۔۔ رہے مشہور جو تشہیرِ انسانی اخوت میں
وہ جن کے سامنے حکام عالم سر جھکاتے تھے ۔۔۔ وہ جن کا رتبہ عالی رہا اعلیٰ قیادت میں
بصیرت پر سیاسی، جن کا لوہا مان جاتے تھے ۔۔۔ سبھی اہل سیاست، قومی و ملکی سیاست میں
کتابیں جن کی لاتعداد علمی اور اصلاحی ۔۔۔ بہت مدت سے ہیں مقبول اسلامی شریعت میں
پڑ دبی ہیں ندوہ والوں کی اندوہگیں آنکھیں ۔۔۔ نہ فرق آئے خدایا ندوۃ العلماء کی عظمت میں
حضور پاکؐ کی مدحت میں گذرا جن کا ہر لمحہ ۔۔۔ رہا مصروف ہر لمحہ جو مولا کی عبادت میں
مہارت جن کو حاصل تھی علوم دین و دنیا کی ۔۔۔ جمال العلم ندوہ ہوگیا جن کی نظامت میں
جنہوں نے بیش قیمت کارنامے کتنے کر ڈالے ۔۔۔ مثیل ان کا نہیں ملتا کوئی دنیا کی وسعت میں
گذر اوقات فرماتے تھے مولا کی عطاؤں پر ۔۔۔ رہے مشہور پھر بھی وہ غریبوں پر سخاوت میں
مثال ان کی نہیں ملتی کہیں اقصائے عالم میں ۔۔۔ نہیں شبہ کوئی ان کی قیادت اور کرامت میں
نہ ہوں کیوں واضح و رابع بھلا مغموم اور محزوں ۔۔۔ نہیں جب بوالحسن موجود ندوہ کی عمارت میں
وہ سلمان و صہیب آئے ہوئے ہیں اشک برساتے ۔۔۔ علاوہ صبر کے اب کیا ہے اک معصوم فطرت میں
وہ عبد اللہ و حمزہ اور ہیں عمار نم دیدہ ۔۔۔ کہ ان کے دن گذرتے ہیں بڑی نادیدہ حالت میں
بلال اسحاق احمد اور وہ محمود وہ جعفر ۔۔۔ قیامت ان پہ ٹوٹی جیسے میدانِ قیامت میں
حسین آئے، حسن کے غم کی حالت میں ۔۔۔ گھڑی ان کی گذرتی ہے بہت حرمان و حسرت میں
ملے رزاق حاجی پھر نثار احمد، نیاز احمد ۔۔۔ بہت ہیں غمزدہ، رہتے جو تھے حضرت کی خدمت میں

نہیں چلتا مجیب اپنا قلم اب اور کیا لکھے
دعا ہے بس یہی حضرت مرے پہونچے ہوں جنت میں

(بقیہ)
توصیف کیا بیاں کریں

اور وہ وقت منتخب فرمایا جس میں وہ تلاوت قرآن کریم میں مشغول تھے۔ ان کی زندگی جتنی پاکیزہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے موت بھی ایسی ہی پاکیزہ عطا فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس واقعے پر یوں تو ہر مسلمان تعزیت کا مستحق ہے۔ لیکن خاص طور پر حضرت کے اہل خانہ دار العلوم ندوۃ العلماء کے منتظمین اور اساتذہ نیز حضرت کے تمام متوسلین کی خدمت میں البلاغ کی طرف سے پیغام تعزیت پہنچ سکے۔

حضرت مولانا اب دنیا میں نہیں ہیں، لیکن انھوں نے جو گرانقدر مآثر چھوڑے ہیں وہ انشاء اللہ رہتی دنیا تک امت کی رہنمائی کریں گے۔

ہر آنکھ آج اس کے لئے اشکبار ہے
شمس و قمر اداس، فضا سوگوار ہے

یادوں کے دریچے سے

ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی جنرل سکریٹری دینی تعلیمی کونسل اترپردیش

حضرت مولانا علی میاں اور میری عمر
۱۸ سال کا فرق تھا تقریباً ۵۳ سال کی رفاقت
خاص طور پر ۱۹۴۷ء سے لے کر انتقال
وقت تک۔ میری طالب علمی کا ابتدائی دور
اسکول تک پرتاپ گڈھ میں گذرا' ابتدائی
میں میرے مربی اور استاد مولوی عبیدالرحمٰن
ب مرحوم گورنمنٹ ہائی اسکول پرتاپگڈھ
اردو وعربی کے استاد تھے۔ ان کی شخصیت
عجب دلآویزی اور مقناطیسیت تھی' ہندو
سلمان کی کوئی قید نہیں تھی جس کا بھی ذرا ان
رابطہ ہو جاتا اس میں صلاح اور خیر کا عنصر
آتا۔ مسلمان لڑکے نماز کے پابند ہو جاتے'
ان کا احترام کرتا ان کی نجی زندگی میں
کی سخاوت اور سنت نبوی کی جھلک بہت
ان تھی' اللہ تعالیٰ سے خاص تعلق بہت
ان تھا۔ استاد اور شاگرد کا براہ راست تعلق
شکل سے چھ مہینے رہا ہوگا لیکن ان سے مسلسل
بطہ اور رہنمائی کا سلسلہ بہت بعد تک رہا ان
مال یہ تھا کہ جس شہر میں جائے نوجوانوں میں
ان تعلق بڑھ جاتا۔ ان کا موقف یہ تھا کہ مسلمانوں
صوصیت سے تجارت کی طرف راغب ہونا
ہے' وہ خود بھی اس کام کو کرکے دکھاتے تھے
س پس منظر کے ریکارڈ پر لانے کا مقصد یہ ہے
۱۹۴۷ء سے پہلے کی کیفیت کا کچھ اندازہ ہو سکے
وی عبیدالرحمٰن صاحبؒ کا خیال تھا کہ آزادی
بعد جبریہ تعلیم کا نفاذ ہوگا' ان کے اس احساس

کا نتیجہ تھا کہ ہماری نوجوانوں کی تنظیم جس کا نام
مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن تھا اس نے لڑکے
لڑکیوں کا اسکول قائم کیا شہر میں ایک ایک گھر
کا سروے کیا ایک دارالمطالعہ قائم کیا جو تعلیمی
کاموں کا مرکز تھا' دراصل یہ میری سرگرمیوں کا
آغاز تھا جس کے نتیجہ میں شہر میں ایک ممتاز متحرک
تنظیم جو دینی تعلیمی اور تعمیری کاموں میں سرگرم
تھی وجود میں آگئی شہر کے نوجوانوں کو فجر کی نماز
سے پہلے بیدار کرتا' صبح کی نماز میں یہ نوجوان
شریک ہوتے اور کچھ ورزش کرکے دارالمطالعہ
سے کتاب لے کر اپنے گھروں کو واپس ہو جاتے
عصر کے وقت پھر یہی نوعیت ہوتی۔ شہر میں
اکثر جلسے ہوتے اور عیدین کے موقع پر بھی
تعلیمی اداروں کے لئے چندہ جمع کیا جاتا تھا۔

مقامی سی۔ آئی۔ ڈی نے یہ رپورٹ
دیدی' یہ چندہ جمع کرکے قاسم رضوی کی تنظیم
اتحادالمسلمین حیدرآباد کو بھیجا جاتا ہے اور
بھی ایسے ہی بے بنیاد الزام اس نے تراشے' یہ کہ
۱۵ راگست کو جھنڈا جلوا دیا وغیرہ۔ تفتیش بھی
ہوئی لیکن بات بالکل بے بنیاد تھی اس لئے اس کو
کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔

اس درمیان کسی شخص نے مجھے متوجہ کیا
کہ لکھنؤ میں مولانا علی میاں ہیں ان سے ملوں۔
لکھنؤ میرا آبائی وطن بھی ہے میں نے لکھنؤ جاکر
مولانا سے ملاقات کی۔ یہ پہلی ملاقات ظہر کے وقت
محمد علی لین کی مسجد میں ہوئی۔ نماز کے بعد مولانا
نے میری روداد اطمینان سے سنی سب کچھ سن
کر ایک جملہ کہا کہ "کچھ دن ساتھ رہنے کی ضرورت
ہے"۔ پھر کہا کہ صبح آجاؤ تو مولانا منظور نعمانی
صاحبؒ سے ملوا دوں' وہ مولوی گنج میں ذرا
اندر کے حصے میں رہتے تھے ان کو دیکھنے سے
اندازہ ہوا کہ کوئی بہت اللہ والی شخصیت ہے۔
جیسے انوار کی بارش ہو رہی ہو۔ میں نے اپنے
کام کی پوری تفصیل انھیں بھی سنائی' مولانا
نے اطمینان سے پوری بات سن کر یہ کہا کہ "اگر
کسی شہر میں تم یہ نظام قائم کر دو تو ہم اسے اپنا لیں
گے"۔ میں نے عرض کیا کہ ہم تو طالب علم ہیں جو
ہم سے ہو سکا کیا یہ تو بڑوں کا کام ہے۔

اس کے تھوڑے دن بعد مولانا
علی میاں ۳۲ آدمیوں کی ایک تبلیغی جماعت لیکر
پرتاپگڈھ آئے' جماعت جامع مسجد میں ٹھہری
ایک پرچہ کے ذریعہ مجھے گھر پر اطلاع کرائی
کہ ہم آگئے ہیں۔ میں فوراً جامع مسجد گیا اور
طلبا کی ٹیم کو بلا کر ان کے ذمہ تمام کام سپرد
کر دئیے۔ یہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا افطاری
کھانا' سحری ہر چیز کا نظام بن گیا۔ عصر کے
وقت مولانا نے فرمایا کوئی سائیکل مل جائے گی
میں نے ایک صاحب سے پرانی سائیکل لے کر
دی' اس کے ذریعہ وہ پہلی مرتبہ میرے والد صاحب
سے ملنے گئے۔ والد صاحب مرحوم ڈاکٹر محمد کرامت
حسین قریشی شہر کی ممتاز ترین شخصیت تھی۔ مجھے
ایسے کسی کام سے منع نہیں کرتے تھے' علماء کا
اکرام کرتے تھے۔ یہ حضرت مولانا سے ان کی
پہلی ملاقات تھی۔

حضرت مولانا نے تراویح کے بعد جماعت
میں شامل ایک ممتاز شاعر سے مسجد ہی میں فرمائش
کی کہ یہ نوجوان ہیں ان کو اقبالؒ کے اشعار سنائیں
میں نے ادھر ادھر دیکھا اور یہ خیال پیدا ہوا کہ مسجد

والے کیا کہیں گے رمضان المبارک میں مسجد میں شاعری ہو رہی ہے لیکن مولانا بالکل مستغنی۔ کچھ دیر یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس کے بعد لوگ آرام کرنے لیٹ گئے۔ صبح شہر کے بہت سے لوگ فجر کی نماز کے بعد جمع ہوئے انھیں حضرت مولانا نے خطاب کیا کوئی ٹس سے مس نہ ہوا، اس طرح حضرت مولانا تین بار پرتاپ گڈھ تشریف لائے حضرت مولانا نے آخر میں فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے یہاں ہمارا کوئی حصہ نہیں ہے میں نے عرض کیا مولانا کھوٹا ہونا ضروری ہے پھر ہمارے ایک ساتھی ہاشم جو نویں درجے کے طالب علم تھے اس کام سے وابستہ ہو گئے پھر تبلیغی جماعت کے کام کو بہت فروغ ہوا نوجوان طبقہ متوجہ ہو گیا ہر مسجد میں توسیع ہوئی اور پورے ضلع میں کام پھیل گیا۔ ایک مرتبہ شہر کے مضافات کٹرہ اور ایک مرتبہ مئو آئمہ کا سفر ہوا، چالیس نوجوان ساتھ میں تھے۔ مئو آئمہ قصبہ میں عجب ویرانی تھی مسجد بہت شاندار لیکن نمازی کوئی نہیں۔ دوپہر میں دو تھیلیاں مانگ کر دال چاول پکوائے اور مسجد کے فرش کو دھو کر اسی پر کھانا کھایا گیا، عصر کے بعد دیکھا مولانا مسجد کے صحن میں ٹہلتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے۔ کٹرہ میدانی گنج پرتاپ گڈھ کے سفر میں دھنو کر کے اکھڑنے لگے تو کہا میں بوڑھا ہو گیا ہوں، حالانکہ اس وقت چالیس سال کی عمر ہوگی۔ کتاب پڑھی گئی مولانا محمد ثانی مرحوم بھی تھے، انھوں نے دعا کرائی، دعا میں ایسی رقت طاری ہوئی کہ معلوم ہوتا تھا دو چار کا انتقال ہو جائے گا ایسی کیفیت کبھی دیکھی نہیں۔

۱۹۴۸ء میں راقم کی تحریک پر مجلس اسلامیات کے سکریٹری نے حضرت مولانا علی میاں کو علی گڈھ مسلم یونیورسٹی آنے کی دعوت دی۔ مولانا محمد رابع حسنی ندوی ساتھ تھے۔ یونیورسٹی گیسٹ ہاؤس میں جو کبھی پروفیسر حلیم پرو وائس چانسلر کا مکان تھا اس میں قیام رہا، یونین میں مولانا نے تقریر کی راقم کو مختلف ہالوں میں مولانا کا طلباء سے تعارف کرانے کی سعادت حاصل ہوئی نواب حبیب الرحمن خاں شروانی سے اسٹریچی ہال کے باہر مولانا سے ملاقات ہوئی تو نواب صاحب نے فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے یہاں ایک حبیب بھی رہتا ہے پھر مولانا ان کی کوٹھی حبیب منزل میرس روڈ منتقل ہو گئے دراصل وہ مولانا کے والد مولانا عبدالحی رح کے رفیق خاص تھے انتہائی ذی علم اور مولانا آزاد کے مخصوص دوستوں میں اور ان کے میزبان تھے۔ نہایت وجیہہ خوبصورت چہرہ بے حد نورانی۔ مولانا نے میرا بھی تعارف کرایا بہت ہی شفقت سے میرے چہرہ پر ہاتھ پھیرا۔

اس کے بعد علی گڈھ سے دہلی کا سفر ہوا، نظام الدین کے شاہ حسن عطا سکریٹری مسلم یونیورسٹی یونین، میں اور میرے ایک ساتھی عباد صاحب ساتھ تھے، یہ تبلیغی سلسلہ کی پہلی جماعت تھی جو نظام الدین گئی۔ نظام الدین کی مسجد میں مولانا یوسف رح سے ملاقات ہوئی اسی وقت معلوم ہوا کہ جامعہ کے ۵۲ سینیر طلبا میں مشکل سے دو دینی ذہن کے ہیں باقی ۵۰ ترقی پسند یا دوسرے الفاظ میں کمیونسٹ ذہن کے طلبا ہیں۔

مولانا سے تعلق تو مسلسل قائم رہا، لیکن تعلیم کی وجہ سے لمبا وقفہ ہوتا رہا یہاں تک کہ ۱۹۵۱ء میں میرا ڈھاکہ میڈیکل میں داخلہ ہو گیا مجیب الرحمن نے ۱۹۵۱ء میں اردو، بنگالی کا قضیہ کھڑا کیا حکومت پاکستان کی انتظامیہ نے گولی چلائی چار نوجوان مر گئے، اس کے بعد حالات تیزی سے بدلنا شروع ہوئے۔ میرا صرف تعلیم کے لئے ڈھاکہ بدرجہ مجبوری جانا ہوا تھا وہاں مستق[ل] رہنے کا ذہن نہیں تھا میں نے واپس آنے کا ارا[دہ] کر لیا، لوگوں نے منع بھی کیا میرا جواب تھا کہ ا[للہ] تعالیٰ نے جو روزی مقرر کی ہے وہ تو ملے گی د[وسرے] سب نوجوان پاکستان چلے جائیں گے تو ہندو[ستانی] مسلمانوں کا کیا ہوگا۔ اس لئے واپس آ گیا لکھ[نؤ] میں ہومیو پیتھک کالج میں داخلہ لیا، فائنل [کے] بعد لندن پوسٹ گریجویٹ کورس کے لئے چلا گیا واپس آ کر اسی کالج میں بحیثیت سی[نیر] لکچرر ملازمت مل گئی، ۱۷ سال پڑھانے کے بع[د] ایک اہم واقعہ کی بنیاد پر استعفیٰ دے دیا است[عفیٰ] دینے کی جو خوشی اس وقت ہوئی وہ نوکری ملنے کے وقت بھی نہیں ہوئی تھی، سب سے پہلے مرکز کچہری روڈ جا کر مولانا محمد میاں کو خوشخبر[ی] سنائی۔ ملازمت کا یہ دور ۱۹۵۶ء سے شرو[ع] ہو کر ۱۹۷۳ء پر ختم ہوا۔ دراصل جذبہ یہ تھا ابھی صحت ٹھیک ہے کچھ کام ہو جائے گا ور[نہ] صرف آرزو ہی رہے گی کہ صحت ٹھیک ہوتی ت[و] یہ کرتا وہ کرتا۔ حالانکہ سرکاری ملازمت گزیٹ[ڈ] ہونے کے باوجود میرے کسی کام میں رکاوٹ نہیں تھی تمام کاموں میں سرگرمی سے شریک ر[ہتا] رہا۔

اسی زمانہ میں ۳۰-۳۱ دسمبر ۱۹۵۹ء [کو] دینی تعلیمی کونسل قائم ہوئی۔ ۱۹۶۲ء میں ندائے [ملت] شائع ہونا شروع ہوا۔ ۱۹۶۴ء میں مسلم مجلس مشاورت کا قیام عمل میں آیا، ۱۹۶۵ء میں مسل[م] یونیورسٹی حکومت کی تحویل میں چلی گئی، ۱۹۶۷ میں مسلم یونیورسٹی کے تعلق سے یوپی مشاورت نے ڈاکٹر فریدی اور ان کے رفقا کے ایما [پر] یوپی میں کانگریس حکومت کے خلاف ووٹ [دینے] کی تحریک چلائی گئی کانگریس حکومت ٹوٹ[ی]

مولانا کی نگران تمام مسائل میں پوری
حاوی تھی میں ہر مرحلہ پر پوری طرح اس میں
یک تھا۔ بعد میں ۱۹۶۷ء میں رامپور میں آل انڈیا
لم مجلس مشاورت کے بعض اراکین نے فریدی صاحب
یہ کہا کہ مشاورت غیر سیاسی جماعت ہے
لئے اگر سیاست کرنی ہے تو علیحدہ تنظیم
ر لیجئے۔ مولانا ہر حال میں ڈاکٹر فریدی صاحب کے
یں تھے۔ مشاورت کے اسی اجلاس میں میں نے تعمیری
وبہ پیش کیا جو متفقہ طور پر منظور کیا گیا۔
۱۹۷۲ء میں لکھنؤ میں مسلم مجلس قائم ہو گئی۔ ۱۹۷۲ء
بمبئی میں مسلم پرسنل لا بورڈ کا قیام عمل میں آیا۔
۱۹۶۲ء میں مولانا کے ساتھ حج بیت اللہ
سعادت حاصل ہوئی۔ اسی سفر میں رابطہ عالم اسلامی
یام عمل میں آیا۔ شاہ سعود کی موجودگی میں ۱۹۶۳ء
مولانا کا سفر یورپ اور انگلینڈ کا ہوا۔ میں
سفر تھا۔ واپسی میں اندلس کا دورہ تھا۔ قرطبہ
لہ۔ اشبیلیہ۔ میڈرد وغیرہ مقامات پر خصوصیت
جانا ہوا۔ یہ ایک تاریخی یادگار سفر تھا ہر جگہ
ی عمارتوں پر ولا غالب الا اللہ لکھا ہوتا تھا
اندلس کی ایک شب یادگار تھی ذکر جہری مولانا
شروع کیا علیحدہ علیحدہ کمروں میں۔ مولانا نے
یا کہ ایسا معلوم ہوتا تھا روحیں کھنچی جارہی
عجب کیفیت تھی، جمعہ کا دن تھا میں نے عرض
آج جمعہ پڑھ لیا جائے۔ چند اخوانی نوجوان بھی
صدیوں کے بعد شاید یہ پہلا جمعہ تھا مولانا
خطبہ دیا نماز پڑھائی۔ مسجد قرطبہ میں بھی دو رکعت
پڑھی گئی تو اس میں اندر گرجے بنے ہوئے تھے۔
لن کے سفر میں آکسفورڈ، کیمبرج اور دوسرے تاریخی
امات کے ساتھ انڈیا لائبریری بھی جانا ہوا، پروفیسر
بری سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے اپنی لائبریری
ائی کہ یہ ساڑھے سات سو برس پرانی ہے۔ آکسفورڈ
یورسٹی کے مختلف شعبے دیکھے، مختلف میوزیم دیکھے۔

پیرس میں ڈاکٹر حمید اللہ سے ملاقات ہوئی انھوں نے سوڈان یونیورسٹی دکھائی، ڈاکٹر حمید اللہ نے فرانسیسی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا تھا، اسے پڑھ کر کثرت سے لوگ مسلمان ہو رہے تھے اس وقت ۲۰ ہزار نسخے دو مرتبہ چھپ چکے تھے سوڈان کے موجودہ اسپیکر حسن ترابی جو نوجوان تھے اور آجکل صدر جنرل بشیر ابو بکر کی طرح انتہائی اہم دینی شخصیت ہیں۔ اس زمانہ میں سوبورن یونیورسٹی میں قانون کے طالب علم تھے۔ مولانا سے والہانہ تعلق رکھتے تھے۔ ہر جگہ اخوانی نوجوان جو مولانا کی کتابوں کے ذریعہ اُن سے واقف تھے انتہائی گرویدگی کا مظاہرہ کرتے تھے برابر ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ سوبورن یونیورسٹی کے اخوانی نوجوانوں سے بھی مولانا نے خطاب کیا۔

جنیوا میں ڈاکٹر سعید رمضان جو شیخ حسن البنا کے داماد اور شعلہ بیان مقرر اور ممتاز قانون داں تھے جلاوطنی کی زندگی گذار رہے تھے۔ وہی دراصل اس سفر کے داعی اور میزبان تھے جنیوا GENEVA میں مولانا کی والدہ کی علالت کی خبر ملی۔ ان کا اصرار تھا کہ مولانا کچھ دن اور قیام کریں صحت کے خیال سے۔ یہ بھی کہا کہ راقم رائے بریلی چلا جائے اور والدہ کی خیریت معلوم کر کے آجائے۔ لیکن مولانا کا جو اپنی والدہ سے والہانہ تعلق تھا اس کیلئے راضی نہیں ہوئے، مولانا کا حال ہمیشہ یہ رہا کہ مولانا کہیں ہوں والدہ کی علالت سن کر پھر نہیں رکتے تھے اور اکثر سفر بھی ملتوی کر دیتے تھے۔ اس زمانہ میں عبد الرؤف صاحب سوئٹزرلینڈ میں ہندوستان کے سفیر تھے۔ انھوں ہی نے مولانا کا ایئر پورٹ پر استقبال کیا، بڑی اپنائیت کے ساتھ اپنی قیامگاہ پر لے گئے، کھانا کھلایا سوئیس قوم کی پیسے کی فری نظام تعلیم کی گرانی اور سوئیس قوم کے قومی کردار کے دوسرے عجیب قصے سناتے رہے۔ مولانا کے پاسپورٹ کی مدت ختم ہو رہی تھی خود ہی جا کر ان کی تصویر کھنچوادی چھٹی ہونے کے باوجود دوسرا پاسپورٹ بنوا کر دیا۔

مولانا کے سفرنامے ہمیشہ بہت مقبول ہوئے امید تھی کہ یہ بھی منظر عام پر آئیگا لیکن پتہ نہیں کیوں ابھی تک شائع نہیں ہو سکا۔ جنیوا GENEVA کے قیام میں یورپ کے مختلف شہروں میں مقیم بہت سے نوجوان آگئے تھے۔ یحییٰ اسلام سے بہت تعلق رکھتے تھے اکثر یہ لوگ ننگے سر نماز پڑھتے۔ مولانا سے ایک مرتبہ کہا کہ کبھی کبھی ہم ننگے سر نماز پڑھ لیا کریں اور آپ ٹوپی پہن کر۔ مولانا کا دراصل اصلاح کا یہی دل آویز طریقہ تھا۔ کبھی جارحیت کا اظہار نہیں ہوتا تھا۔ لوگوں نے اس کا بہت اثر لیا۔ سعید رمضان جب پہلی مرتبہ ۱۸ سال کی عمر میں لکھنؤ آئے تھے تو مولانا نے ان کا زبردست استقبال کیا تھا۔ گنگا پرشاد میموریل ہال میں انھوں نے زبردست تقریر کی تھی۔ مولانا نے خصوصیت سے ان کا تعارف کرایا تھا حالانکہ وہ ترکی ٹوپی پہنے ہوئے تھے اور سوٹ میں تھے جو مصری تعلیم یافتہ نوجوانوں کا عام لباس تھا۔ بعد میں حکومت ہند کو سعید رمضان مرحوم سے کچھ شکایت یا غلط فہمی ہو گئی تھی تو وہ ان کی آمد پر بہت نظر رکھتی تھی بعض وقت مضحکہ خیز نوعیت پیش آئی کہ وہ لکھنؤ پہنچ کر۔ ۳۷۔ گوئن روڈ پر چھپے ہوئے ہیں۔

۱۹۷۴ء میں ندوہ کا تاریخی اجلاس تھا ایمرجنسی اور اندرا گاندھی کا دور تھا۔ دعوت نامہ تو چلا گیا اجلاس کی تاریخیں قریب آگئیں لیکن مہمانوں کی آمد کی کوئی اطلاع نہیں آرہی تھی۔ مولانا خاموشی سے رکشہ پر ٹیلہ والی مسجد گئے وہاں انتہائی عاجزی سے دعا کی عین اجلاس کے وقت پھر تو ایسا اژدحام ہوا کہ یہ اجلاس یادگار بن گیا۔

بہت سے انتظامی امور اور شہری استقبالیہ کا انچارج میں تھا۔ ایک اجلاس کے موقع پر بھیڑ بہت تھی مہمانوں کو کلارک اودھ پہونچانا تھا خیال تھا کہ اجلاس ختم ہونے سے پہلے جب کہ بھیڑ نہیں ہوگی مہمانوں کو پہونچادیا جائے۔ ورنہ گاڑیوں کا نکلنا مشکل ہو جائیگا ان کی سیکورٹی کا بھی مسئلہ تھا۔ لیکن مولانا نے اچانک جلسہ کے اختتام کا اعلان کر دیا۔ میں عجلت سے مولانا کے پاس ڈائس پر پہونچا کہ ذرا توقف کر لیا جائے۔ لیکن جو بات میں نے محسوس کی جیسے کوئی بھٹی دَھک رہی ہو اور مولانا بالکل مطمئن اور صورتحال سے بالکل غیر متأثر۔ مولانا کی یہ بات میں نے اکثر مواقع پہ دیکھی خدا کی ذات پہ مکمل بھروسہ اور توکل اور حالات سے بالکل غیر متأثر اور بے نیاز وہ اکثر اہم موقع پہ چند لوگوں کو خاص طور پہ صوفی انیس کو جو مجذوب صفت تھے مسجد میں بٹھال دیتے تھے کہ یکسو ہو کر ذکر میں مشغول رہیں۔ ندوہ کے اس اجلاس میں جو بات محسوس کی گئی جیسے سکینت کی چادر تنی ہو۔

مولانا کے وہاں اسفار میں کھانے پینے اور سفر خرچ کا کوئی اہتمام نہیں ہوتا تھا کہ کھانے پینے کی چیز رکھی جائے۔ اس طرح اکثر ایک ہی وقت جو سامنے پڑا اس کو کھانے پہ مدعو کر لیا منتظمین کو اندازہ رہتا تھا کہ کھانا کم ہے یا گوشت کم ہے یا مرغ ایک ہی ہے۔ مولانا کو اس تحقیق کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ لیکن دیکھا بھی گیا کہ کھانا بچ ہی رہا کوئی بھوکا نہیں رہا۔ لوگ خوب کھاتے بھی تھے۔ اور کھانے میں بڑی لذت محسوس کرتے تھے خاص طور پہ جب کھانا مولانا کے گھر کا ہوتا تھا خواہ دال روٹی ہی کیوں نہ ہو۔

مولانا اپنی تقریروں اور تحریروں میں تو بہت پرجوش تھے لیکن براہِ راست روک ٹوک اور تلقین کی عادت نہیں تھی اس لئے ہر قسم کے لوگ مولانا کی مجلس میں ہوتے ملاقات کرتے اور ہر قسم کی ضرورت کی درخواست بھی کرتے ایک مرتبہ مولانا کے دیوبند کے ایک ساتھی نے مولانا سے دریافت کیا کہ مولانا آپ تقریر کس طرح تیار کرتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ تقریر سے پہلے کچھ نہیں معلوم کہ کیا کہنا ہے۔ یہ دعا ضرور کرتا ہوں کہ "اللہ تعالیٰ اس ٹھیکری میں کچھ ڈال دے"

مولانا اپنے بزرگوں کا اتنا ادب کرتے تھے کہ خود سے گفتگو بھی نہیں کرتے تھے گھنٹوں خاموش بیٹھے رہتے تھے۔ ان بزرگوں نے کچھ بھی پوچھا تو مؤقر جواب دیا۔ حضرت رائے پوری کے بعد مولانا کی تمام توجہ کا مرکز حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ تھے، ہر مسئلہ میں مشورہ کرنا خواہ خطوط کے ذریعہ یا کسی کو بھیج کر یا حاضر ہو کر سیاسی مسائل ہوں یا دینی مسائل ہوں، مشاورت کی انجمنیں ہوں یا ملکی یا غیر ملکی مسائل ہوں، یوپی کی مشاورت کی چیئرمینی کا مسئلہ تھا مولانا نے حضرت شیخ سے پوچھا۔ انھوں نے فرمایا فریدی کو بنادو ۱۹۷۶ء کے بعد مجھے یو پی مشاورت کا چیئرمین بنا دیا گیا تھا۔ مجلس تحقیقات دراصل مولانا کی اس فکر کا نتیجہ تھا کہ نوجوانوں میں غیر شعوری طور پر ارتداد بڑھ رہا ہے۔ اس موقع پر "نیا طوفان اور اس کا مقابلہ" ایک کتابچہ لکھا۔ دراصل اس سے مزید تحریک ہوئی میں نے ہی اس ادارہ کا نام تجویز کیا ACADAMY OF ISLAMIC RESEERCH & PUBLICATION۔ ابتدائی رقم میری اور مولانا کے ایک مخلص محمد تقی فاروقی جن کی حیثیت ریلوے کے ایک ملازم کی تھی۔ اور ایک بڑی رقم یعنی ایک ہزار حیدرآباد کے ایک تاجر ایچ ایم حسین نے بعد میں دی تھی جس کا مولانا بار بار ذکر کرتے تھے۔ پھر بعد میں بمبئی کے مخیر حضرات سے بار بار رقم حاصل ہوئی۔ محمد ہاشم، محمد توفیق، احمد غریب اور بعض دوسرے حضرات سے ندائے ملت کے لئے بھی بار بار رقم بمبئی کے مخلصین سے لاتا رہا۔

مجلس تحقیقات رفتہ رفتہ ایک بڑا ادارہ بن چکا ہے۔ اس کی اپنی عمارت ہے مولانا کی اکثر کتابوں کے ترجمے غیر ملکی زبانوں میں ہو کر ان ملکوں میں شائع ہو رہے ہیں۔ غیر ممالک میں مولانا کے تعارف کا ذریعہ زیادہ تر ان کی کتابیں تھیں۔ علمی حلقوں اور نوجوانوں میں اُن کا بڑا استقبال پہلے بھی تھا اور اب بھی ہے۔

مولانا کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ حافظہ بیحد قوی تھا۔ تاریخ دعوت وعزیمت کی پہلی جلد زیر ترتیب تھی۔ اتفاق سے میرا اور مولانا محمد منظور نعمانی صاحب کا رائے بریلی سفر ہوا مولانا ایک ٹوٹی ہوئی کرسی پر بغیر کسی کتاب کے حوالے کے لکھ رہے تھے۔ مولانا منظور نعمانی صاحب نے بڑی حیرت کا اظہار کیا اور کہا بھی مولانا آپ کیسے کتاب لکھتے ہیں مولانا کے ساتھ طویل رفاقت اور سفر و حضر میں کثرت سے ساتھ ہوا۔ اس تے اپنی ریل بھی چلی جاتی ہے، حالانکہ کوشش یہی رہتی ہے کہ خود مولانا کی شخصیت ہی کا ذکر ہو کم سے کم وہ باتیں ریکارڈ میں آجائیں جو تاریخی بھی ہیں اور جن سے کوئی رہنمائی بھی ملتی ہے۔

مولانا، گاندھی اور پنڈت نہرو کے بعض شریفانہ کردار کے معترف تھے اور راجیو گاندھی نے شاہ بانو کیس میں مولانا کے موقف کی جس طرح تائید کی تھی اس کے لئے اپنی تقریروں میں اکثر اس کا تذکرہ کرتے تھے، علامہ اقبال اور مولانا محمد علی جوہر کے مسئلہ میں مولانا کا طرز عمل انتہائی والہانہ تھا۔ یوں تو علماء کے طبقہ میں ان کا تعلق بہت وسیع تھا۔ لیکن مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے بیحد تعلق رکھتے تھے۔ لیکن بیعت کا خصوصی تعلق حضرت رائے پوری سے تھا۔ انتقال

ے چند روز پہلے میں نے سوال کیا کہ اس دور
یں ان کے نزدیک سب سے زیادہ بالغ نظر
عالم دین کون تھا۔ اس پر انھوں نے فرمایا حضرت
رائے پوری کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے کہ حضرت
رائے پوری کی مثال گنا جیسی ہے جہاں منھ
لگائیے میٹھا۔ مولانا کا معمول تھا کہ جب بھی
سفر کرتے، جانے سے پہلے اور آنے کے بعد ان کی
خدمت میں ضرور حاضر ہوتے، مشورہ بھی کرتے
اور روداد بھی سناتے۔

مولانا نے ایک مرتبہ لکھا کہ جب تک امریکا
میں اسلامی انقلاب نہیں آئے گا خلیج اور سعودی
عرب میں نہیں آئیگا اس لئے کہ یہ ملک
ہر چیز وہیں سے اخذ کرتے ہیں۔ مولانا تمام زندگی
بیچ دھارے میں رہے۔ مسائل سے براہ راست
نمٹتے تھے لیکن خاموشی سے اور جو جس کام کا
اہل ہوتا اس کو آگے بڑھاتے، خود نمائی سے
احتیاط کرتے، شہرت سے اجتناب کرتے خود
کریڈٹ لینے کی کوشش نہیں کرتے۔ اپنی
شخصیت کا اخفا بہت تھا۔ کہیں سے کسی قسم کی
بزرگی کا اظہار نہیں ہوتا۔ دوسروں کی حوصلہ افزائی
کرتے، کسی نے معمولی سی بھی خدمت کردی تو
اسے ہمیشہ یاد رکھتے، کوئی چیز خود ان کے پاس
ہوتی تو عنایت فرماتے۔ سفر میں شگفتگی رکھتے
نماز اول وقت میں پڑھتے زیادہ تر تھرڈ کلاس
میں سفر کرتے۔ معذوری زیادہ ہوجانے کے بعد
فرسٹ کلاس یا ایئر کنڈیشن میں سفر کرنے لگے
تھے، سفر ہو یا قیام تہجد میں اٹھنے کا معمول تھا
عام طور پر ایک خاص کیفیت کے ساتھ یہ شعر پڑھتے ؎

ہزار بار بشویم دہن زمشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

اکثر بہت گہری سانس لیتے اور کہتے خدایا
عاقبت محمود کردے، اکثر واقعات کی وجہ سے
افسردگی طاری ہوتی تو فرماتے کوئی خوشخبری
سناؤ چاہے بعد میں تردید کردینا۔

آخری دنوں میں اہل اغراض کی آمد کچھ زیادہ
ہوگئی تھی۔ اپنے مختلف کاموں خاص طور پر
خلیج کے اسفار یا مختلف قسم کی سفارشوں کے
سلسلہ میں مولانا سے گذارش کرتے، مولانا کی افتادِ طبع
یہ تھی کہ شاید ہی کوئی مایوس جاتا کسی طرح اس کے
کام کی ترتیب بن جاتی۔ اکثر یہ کام مولانا محمد رابع
صاحب (ان کے بھانجے) کو کرنا پڑتا۔ جہاں تک میرے
علم میں ہے اپنی کوئی جائیداد نہیں بنائی جو یافت
ہوتی۔ دوسروں کی نذر کردیتے آخر میں بھر بھر کر
لوگوں کو دیتے رہے یہ سب کام پورے اخفا سے
ہوتا۔

مولانا اپنے تمام کاموں میں دینی تعلیمی کونسل
کے کام کو بڑی اہمیت دیتے۔ اس کی خاطر ہر جگہ
سفر کیلئے تیار ہوجاتے۔ اس تعلق سے اپنے تمام
مخصوص اصحاب کا بہت احترام بھی کرتے اور
ان کو بیحد عزیز رکھتے۔

دنیائے اسلام میں اہل علم حضرات ہوں
یا جو دین اسلام کی نصرت کرنے والے ہوں ان
کی برابر فکر کرتے اور بہت تعلق کا اظہار
کرتے۔

یہ تحریر مختصر ہوتے ہوئے بھی طویل ہوگئی
لیکن ۳۰ سال کی طویل مدت میں جن
واقعات کا عینی شاہد رہا اس کو لکھنا اور
دریا کو کوزہ میں بند کرنا آسان کام نہیں ہے
امید ہے کہ دوسرے تذکرہ نگار اس کمی کو
پورا کریں گے یا پھر کبھی موقع ہو تو واقعات کا
تفصیل سے ذکر ہوگا جو بہت اہم ہیں۔ اور اس
وقت لکھنے سے رہ گئے۔

بازیچۂ اطفال

"سب سے پہلے اللہ کے پیغمبروں نے دنیا کی
یہ حقیقت منکشف کی کہ دنیا بچوں کا کھیل ہے جیسے
ریت پر بیٹھے وہ گھر بناتے ہیں، محل بناتے ہیں گھروندے
بناتے ہیں پھر اپنے ہاتھ سے توڑ دیتے ہیں پھر بناتے
ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور پھر خود ہی توڑ دیتے
ہیں، بازیچۂ اطفال ہے یہ دنیا ان کے عقلا ر
کے سامنے، عارفین کے سامنے اللہ نے یہ
حقیقت منکشف کی، اگر آپ تاریخ پڑھیں تو
آپ کو یہ سب کچھ نظر آجائے گا۔"

(دعوت فکر و عمل ص ۱۲۹)

(بقیہ)
کہکشاں کی انجمن میں ......

یہ کامیابی حضرت مولانا کی اخلاص کی تصویر
تھی اور تمام مسلمانوں کے جذبۂ عمل کا
عکس جمیل۔ اس میں غیر ملکی شخصیتوں کے
پہلو بہ پہلو ہندوستان کی قدیم علمی
درسگاہوں اور عصری جامعات کے
سربرآوردہ اساتذہ اور مختلف دینی جماعتوں
اور مکاتب فکر کے نمائندے شریک تھے۔

اس اجتماع کے جتنے روشن پہلو تھے وہ
حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ کے اخلاص، دعائے
نیم شبی، آہ سحر گاہی کا نتیجہ اور اس صدق احساس
اور غیرت صدیقی کا کرشمہ تھا جس میں سیاست
نہیں شہامت اور اپنی ناموری نہیں بلکہ دین
کی پاسداری مطلوب ہوتی ہے ؎

خودی سے سرد خود آگاہ کا جمال و جلال
کہ یہ کتاب ہے باقی تمام تفسیریں
حکیم میری نواؤں کا راز کیا جانے
ورائے عقل ہیں اہل جنوں کی تدبیریں

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی وفات پر

سیمنار، علمی مذاکرے، سمپوزیم، رسائل کے خصوصی نمبر

مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

محمد شاہد ندوی بارہ بنکوی

کلکتہ و کابل میں بھی ہے صف ماتم
اس غم میں سیہ پوش ہیں بغداد و سمرنا

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات جمعہ کے روز ۲۲ رمضان ۱۴۲۰ھ اور عیسوی بیسویں صدی کے آخری دن ۳۱ دسمبر ۱۹۹۹ء کو ہوئی۔ تقریباً دو لاکھ افراد نے سخت سردی اور کہرے میں لمبی مسافتیں طے کرکے جنازے میں شرکت کی۔ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، دبئی، شارجہ، عمان کی مسجدوں میں تدفین سے پہلے ہی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی گئی جس میں سرکاری طور پر خادم الحرمین الشریفین کے حکم سے حرمین شریفین میں شب قدر کو نماز جنازہ غائبانہ پڑھی گئی۔ رباط، الجزائر، موریتانیا، لیبیا۔ اور دنیا کے دوسرے کنارے پر سنگاپور، کوالالمپور (ملیشیا)، تعدح (ملیشیا)، جاکرتا (انڈونیشیا) کے علاوہ آسٹریلیا کے متعدد مقامات پر جلسہ ہائے تعزیت منعقد ہوئے۔ ان کی فہرست تیار کرنا مشکل ہے۔ البتہ جو خاص اطلاعات اور اخبارات کے ذریعہ جن کا علم ہوا۔ ان کا ذکر ان سطور میں کیا جا رہا ہے۔

لکھنؤ میں ہونے والے اہم اجلاس

● ادارہ دار المبلغین لکھنؤ کے زیر اہتمام ۸ فروری ۲۰۰۰ء کو مولانا عبدالشکور ہال میں مولانا علی میاں کی یاد میں "پیغام رشد و ہدایت" کے عنوان سے ایک بڑا جلسہ ہوا۔ اس جلسہ میں مولانا عبداللہ عباس ندوی مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، مولانا عبدالعلیم فاروقی، ڈاکٹر مسعود الحسن عثمانی وغیرہ نے بڑے جذباتی انداز میں مولانا کی سیرت کے علمی، دعوتی اور اصلاحی پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالی، اور عرب و عجم کے حکمرانوں، سلاطین و امراء سے مولانا کے بے غرض زاہدانہ تعلقات کا تذکرہ کیا۔

● شہر لکھنؤ کی جانب سے انجمن محمد یہ ویلفیر سوسائٹی نظیر آباد لکھنؤ کے زیر اہتمام گنگا پرشاد میموریل ہال امین آباد میں ایک اہم یادگاری جلسہ مولانا کی یاد میں منعقد ہوا، جس میں مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، مولانا سید الرحمن اعظمی ندوی، مولانا محمد زکریا ندوی اور ڈاکٹر کلب صادق وغیرہ نے حضرت مولانا کو ان کی ہمہ جہت اور عالمگیر شخصیت اور ان کے داعیانہ کردار کی روشنی میں خراج عقیدت پیش کیا۔

● مولانا علی میاں یادگاری کمیٹی کے زیر اہتمام قصبہ بجنور لکھنؤ میں مولانا کی یاد میں ایک جلسہ "ذکر خیر" کے عنوان سے مولانا سید الرحمن اعظمی ندوی کی صدارت میں منعقد ہوا، جس میں گورنر اتر پردیش جناب سورج بھان نے کہا کہ مولانا علی میاں ایک انسان اور سچے دیش بھگت تھے۔ اس جلسہ میں ڈاکٹر کلب صادق۔ اور مولانا سید الرحمن اعظمی نے مولانا کی امتیازی خصوصیات پر روشنی ڈالی۔

● حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی یاد اور ان کی تحریک "پیام انسانیت" کے سلسلہ میں کرسچن کالج کے گراؤنڈ گولہ گنج لکھنؤ میں ایک عظیم الشان اجلاس ہوا، جس میں مختلف مکاتب فکر کے علماء و دانشوروں نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ مولانا علی میاں ندوی سے حقیقی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے پیام "پیام انسانیت" کو زندہ و عام کیا جائے، بلکہ اسے عملی جامہ پہنایا جائے اور ان کی زندگی کو نمونہ اور مشعل راہ بنایا جائے۔ اس میں مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، مولانا سعید الرحمن اعظمی ندوی، مولانا احمد میاں فرنگی محلی، مولانا حمزہ حسنی ندوی، مولانا سجاد نعمانی، ڈاکٹر کلب صادق، مولانا عبدالعلی فاروقی، مولانا جہانگیر عالم قاسمی، شنکر اچاریہ سوامی نند وغیرہ نے شرکت کی۔

● جمعیت شباب الاسلام کے زیر اہتمام جامعہ سید احمد شہید احمد آباد کٹولی لکھنؤ میں ۲۸، ۲۹، ۳۰ مارچ ۲۰۰۰ء کو حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی اپنی دعوت و فکر کے آئینہ میں" کے موضوع پر ایک سہ روزہ سیمنار منعقد ہوا، جس میں مسجد اقصیٰ کے امام شیخ محمد محمود الصیام نے مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی، اور حضرت مولانا کی شخصیت پر ایک قصیدہ سنایا اور ان کی زندگی کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی، سیمنار

مولانا عبداللہ عباس ندوی، مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، مولانا تقی الدین ندوی، مولانا محمد اجتباء ندوی، مولانا سید نظام الدین (پٹنہ) مولانا سعید الرحمن اعظمی ندوی، مولانا شمس الحق ندوی، مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا محمد سالم قاسمی، مولانا محمد باقر حسین بستوی، مولانا عبدالکریم پاریکھ، جناب عشرت علی صدیقی، مولانا سید سلمان الحسینی ندوی، مولانا ابوسحبان روح القدس ندوی، مولانا نذر الحفیظ ندوی، مولانا محمد خالد ندوی، ڈاکٹر مسعود الحسن عثمانی، مولانا نثار الہدیٰ قاسمی، قاری محمد قاسم (مدراس) ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی (علی گڑھ) شیخ محمد عبداللہ مولانا شمس تبریز خاں صاحب، ڈاکٹر طفیل احمد مدنی مولانا عبدالعلیم قاسمی بھٹکلی وغیرہ نے مولانا کی علمی ودینی اور ادبی خدمات پر تقریریں کیں، اور مقالات پڑھے، مقررین نے کہا کہ حضرت مولانا ایک بے لوث انسان تھے، ان کے اندر انسانیت کا درد تھا۔ وہ ملک و وطن کے سلسلے میں بہت فکرمند رہتے تھے۔ انھوں نے کہا کہ ضرورت اس بات کی ہے کہ حضرت مولانا کے کام اور پیغام کو عام کیا جائے اور اپنے اندر جذبۂ عمل پیدا کیا جائے، یہی مولانا کا پیغام تھا، اور یہی ان سے سچی عقیدت و محبت کی نشانی ہے۔

• مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی یاد میں ہونے والے سیمیناروں میں ایک سیمینار "مولانا علی میاں اور حب الوطنی" کے عنوان سے ۱۲ اگست ۲۰۰۰ء کو مولانا محمد علی جوہر فاؤنڈیشن لکھنؤ کے زیر اہتمام گاندھی بھون میں مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی صدارت میں ہوا جس کا افتتاح کرتے ہوئے مولانا عبداللہ عباس ندوی نے کہا کہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ایک سچے مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ ایک سچے محب وطن بھی تھے، اور تحریک پیام انسانیت کے پلیٹ فارم سے انکی ملی و قومی خدمات اسکی زندہ مثال ہیں" مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے اپنی صدارتی تقریر کرتے ہوئے کہا کہ آزادی کے بعد پوری دنیا میں خصوصاً عالم اسلام میں ہندوستان کا تعارف ایک معتبر و بردبار ملک کی حیثیت سے حضرت مولانا نے کرایا۔ انھوں نے کہا کہ مولانا جہاں چودہ سو سالہ تاریخ کے امین تھے وہیں جذبۂ حب الوطنی میں اپنی مثال آپ تھے۔ اس سیمینار سے مولانا عبدالکریم پاریکھ، مولانا سید سلمان حسینی ندوی، پروفیسر محمود الرحمن سابق وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، پی ایم گولا (علی گڑھ) عشرت علی صدیقی، چودھری شرف الدین، داؤ جی گپتا، ڈاکٹر ملک زادہ منظور احمد اور وصی احمد صدیقی وغیرہ نے بھی خطاب کیا۔

علی گڑھ کے اہم سیمینار

شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی جانب سے ۳، ۴ ؍فروری ۲۰۰۱ء کو مولانا سید ابوالحسن علی ندوی "ہندوستان میں علوم عربیہ و اسلامیہ کا ارتقاء" کے موضوع پر دو روزہ علمی مذاکرہ کا اہتمام کیا گیا جس میں ہندوستان کے اہم اداروں، جامعات اور مدارس کے معروف علماء و ادباء اور اساتذہ نے مولانا ندوی کی علمی و ادبی خدمات پر مقالے پیش کئے، اور بحث و مباحثہ میں حصہ لیا، اس ادبی و علمی مذاکرہ میں مولانا سعید الرحمن اعظمی ندوی مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء، ڈاکٹر محمود الرحمن صاحب وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، پروفیسر کفیل احمد، ڈاکٹر محمد صلاح الدین عمری، پروفیسر محمد راشد ندوی اور پروفیسر محمد سالم قدوائی وغیرہ نے حضرت مولانا کی علمی و دینی خدمات پر اپنے تحقیقی مقالے پیش کئے۔

• ۵ مارچ ۲۰۰۱ء کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ایک دوسرا دو روزہ اہم سیمینار ناظم شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے زیر اہتمام حضرت مولانا کی شخصیت پر ہوا جس میں مولانا نظام الدین صاحب جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ، مولانا مسعود عالم قاسمی ناظم شعبۂ دینیات اور مفتی ظفیر الدین صاحب دار العلوم دیوبند، ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی لکھنؤ، مولانا سید سلمان الحسینی ندوی مولانا عتیق احمد بستوی، مولانا ابوسحبان روح القدس ندوی ندوۃ العلماء لکھنؤ کے علاوہ ملک کے اہم علماء و دانشوروں نے شرکت کی اور مقالے پڑھے ناظم ندوۃ العلماء مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی خود تو شرکت نہ فرما سکے۔ البتہ ان کا مقالہ بعنوان "مولانا علی میاں اور ندوۃ العلماء" ان کے عزیز سید محمود حسنی ندوی نے اس سیمینار میں پیش کیا، وائس چانسلر ڈاکٹر محمود الرحمن صاحب نے خصوصی طور پر دلچسپی لی اور شرکت بھی کی، اور "باغ علی میاں" کے نام سے ایک چمن کا افتتاح امام مسجد اقصیٰ شیخ محمد محمود الصیام سے کرایا۔

دہلی

پیام انسانیت کے واسطے سے ایک سیمینار دہلی میں عزت مآب جناب کرشن کانت نائب صدر جمہوریہ ہند کی صدارت میں منعقد کیا گیا، جس میں محترم نائب صدر صاحب کے علاوہ سابق وزیر اعظم جناب وی پی سنگھ، جناب اٹل بہاری واجپئی وزیر اعظم ہند کے دہلی سے باہر ضروری سفر کی وجہ سے ان کی نمائندگی مرکزی وزیر جناب راج ناتھ سنگھ نے کی، ناظم ندوۃ العلماء مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، معتمد تعلیمات ندوۃ العلماء مولانا عبداللہ عباس ندوی، مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب وغیرہ نے تقریریں کیں، جلسہ میں دہلی کی سربرآوردہ شخصیتوں کے علاوہ دہلی یونیورسٹی، جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، جامعہ ملیہ اسلامیہ اور جامعہ ہمدرد کے اساتذہ وطلباء اور عوام و خواص کا ایک بڑا مجمع شریک ہوا۔

• دہلی شاخ کے عالمی رابطہ ادب اسلامی نے

حضرت مولانا علی میاںؒ کی یاد میں جلسہ منعقد کیا اس میں صدر رابطہ شاخ دہلی پروفیسر محمد اجتباء ندوی نائب صدر پروفیسر سید ضیاء الحسن ندوی پروفیسر شفیق احمد خاں ندوی وغیرہ نے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو خراج عقیدت پیش کیا، پروفیسر شیث اسماعیل اور جناب وکیل احمد نے اپنی تعزیتی نظمیں پڑھیں۔

• ایک جلسہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے کانفرنس ہال میں ڈاکٹر ذاکر حسین اسلامک اسٹڈیز جامعہ ملیہ اسلامیہ کی جانب سے منعقد کیا گیا جس میں پروفیسر اختر الواسع، خواجہ حسن ثانی نظامی، پروفیسر نثار احمد فاروقی، پروفیسر ظفر احمد نظامی اور پروفیسر سید ضیاء الحسن ندوی نے مقالات پڑھے۔ اس سیمنار کے اہم شرکاء میں پروفیسر شمیم احمد حنفی، پروفیسر علی نقی جعفری، پروفیسر محمد اجتباء ندوی، پروفیسر بدر الدین الحافظ اور پروفیسر شفیق احمد خاں وغیرہ تھے، جلسہ میں حضرت مولانا کیلئے دعائے مغفرت بھی کی گئی۔

ممبئی

انجمن اسلام ممبئی کے زیر اہتمام حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کی حیات و خدمات پر ایک سیمنار ۲۰ مارچ ۲۰۰۰ء کو صابو صدیق انجینرنگ کالج کے لطیفی ہال میں منعقد ہوا اس سیمنار میں مولانا محمد سالم قاسمی، مولانا ضیاء الدین اصلاحی مولانا تقی الدین ندوی مظاہری، ڈاکٹر محمد اسحاق جمخانہ والا، مولانا ابو ظفر حسان ندوی جناب شمیم طارق مولانا عبد الرزاق ندوی وغیرہ نے شرکت کی مقررین نے اپنی تقریروں اور مقالوں میں جذباتی انداز میں حضرت مولانا کو خراج عقیدت پیش کیا انھوں نے کہا کہ مولانا علی میاں ندوی ایک غیر متنازع شخصیت تھے جن کو ہر مذہب مسلک والے قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

اورنگ آباد

• جامعہ کاشف العلوم اورنگ آباد میں حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کی حیات و خدمات پر ایک اہم سیمنار ۲۹ راپریل ۲۰۰۰ء کو ہوا جس میں مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، مولانا واضح رشید ندوی، مولانا عبد الکریم پاریکھ، پروفیسر ضیاء الحسن ندوی، مولانا نذر الحفیظ ندوی، پروفیسر محمد اجتباء ندوی، مولانا محمد سالم قاسمی کے علاوہ دیگر علماء و ادباء نے حضرت مولاناؒ کی زندگی کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی، اور مقالے پڑھے، مقالات کے عناوین اور شرکاء کے اعتبار سے یہ سیمنار بڑا کامیاب رہا۔

رائے بریلی

• وصی نقوی نیشنل انٹر کالج رائے بریلی میں مولانا کی یاد میں ہونے والے "پیام انسانیت" کے جلسہ سے مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، مولانا عبد الکریم پاریکھ، مولانا کلب صادق، مولانا عبد اللہ مغیثی، مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی، اور سابق وزیر اعظم وی۔ پی سنگھ وغیرہ نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ مولانا علی میاں نے ہمیں پیام انسانیت کی جو راہ دکھائی ہے اس کو اختیار کرکے زندگی کا سفر طے کریں۔ مقررین نے کہا کہ مولانا نے اپنے کردار و عمل سے انسانیت کو زندہ کیا اس لئے ہمیں بھی صالح پاکیزہ اور سچا انسان بننا چاہیئے۔

کلکتہ

• مدرسہ باب العلوم کلکتہ کی جانب سے حضرت مولانا علی میاں ندوی کے نام سے ایک خصوصی سمپوزیم کلکتہ مسلم انسٹی ٹیوٹ ہال میں منعقد ہوا جس میں مولانا سعید الرحمن اعظمی ندوی اور مولانا ابو محفوظ الکریم معصومی نے کہا کہ مولانا کی ہمہ جہت شخصیت اپنے اندر ایک دعوت اور ایک پیغام رکھتی ہے، آج اس تاریک دور میں مولانا کی تعلیمات کو عام کرنے کی سخت ضرورت ہے سمپوزیم سے دوسرے اہم علماء و دانشوروں نے بھی خطاب کیا۔

سری نگر کشمیر

• انجمن نصرۃ الاسلام سرینگر کشمیر کے زیر اہتمام میر واعظ مولوی محمد عمر فاروق کی سربراہی میں مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کی حیات و خدمات کے موضوع پر ایک اہم سیمنار جس میں مولانا محمد خالد ندوی غازیپوری، مولانا انظر شاہ کشمیری اور مولوی محمد عمر فاروق نے حضرت مولانا کی علمی، عملی، فکری، روحانی اور دعوتی زندگی پر بھرپور روشنی ڈالی۔

نیپال

• جامعہ نور الاسلام جلپا پور نیپال کے زیر اہتمام ایک جلسہ ہوا جس میں حضرت مولاناؒ کو جذباتی انداز میں یاد کیا گیا۔ اسی طرح مدرسہ نور العلوم نول پراسی میں بھی ایک بڑا جلسہ ہوا۔

ڈیرہ دون

• شہر ڈیرہ دون میں انجمن شباب الاسلامی کے زیر اہتمام ایک اہم جلسہ ہوا جس میں مقررین نے کہا حضرت مولانا علیہ الرحمہ کی ذات والا صفات ایک "شجرۂ طیبہ" تھی، جس کی جڑیں ہندوستان میں اور شاخیں سارے جہان میں پھیلی ہوئی ہیں اس کے ثمرات انشاء اللہ رہتی دنیا تک سرسبز و شاداب، زندہ اور زندگی بخش رہیں گے

مقررین نے کہا کہ حضرت مولانا نے اپنے افکار و خیالات، داعیانہ کردار، حکمت و بصیرت اور مومنانہ فراست کے جو گراں قدر نقوش چھوڑے ہیں وہ عوام و خواص سب کے لئے مفید ہیں اس لئے لوگوں کو ان سے فائدہ اٹھانا چاہیے

جلسہ سے انجمن کے سکریٹری جناب رسال الدین
ں حقانی اور جناب عبد الصمد قاسمی نے بھی
اب کیا۔

...ئی

• ابنائے ندوہ امارات کے زیر اہتمام دبئی
ضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی
ت و خدمات کے موضوع پر جناب سید
ل الرحمٰن کی صدارت میں ۸ رجون ۲۰۰۰ء کو
ں سیمنار ہوا جس میں دبئی و شارقہ میں مقیم
ئے ندوہ کے علاوہ شہر دبئی کے چیدہ چیدہ
، تجار، دانشور اور علم دین سے شغف و تعلق
ے والے لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی،
ں سیمنار میں جن ندوی فضلاء نے حضرت مولانا کی
ت و خدمات کے مختلف گوشوں پر مشتمل مقالے
ھے وہ یہ ہیں: جناب فخر علی ندوی، جناب سید محمد مظفر
دی، جناب نعمت اللہ ندوی، جناب عبید اللہ
ر لقی ندوی، حبیب اللہ ندوی، جناب عبد المتین
ری بھٹکلی اور محمد نعمان ندوی بھٹکلی،

جلسہ کی صدارت مولانا احمد سعید ندوی
و پالی نے کی۔ اور مولانا محمد خالد ندوی کانپوری نے
رت کلام پاک ربانی سے جلسہ کا افتتاح کیا
ر جمعیت ابناء ندوہ کے سکریٹری جناب
لام الدین صاحب ندوی نے حاضرین کا
ستقبال کرتے ہوئے سیمنار کے اغراض و
قاصد پر روشنی ڈالی اور کہا کہ اس سیمنار سے
مارا مقصد محض شخصیت پرستی یا ایک رسم
ی ادائیگی نہیں ہے بلکہ مادر علمی ندوۃ العلماء
ی فکر اور حضرت مولانا کی تعلیمات و ارشادات
و زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہونچانا ہے۔

• دبئی ہی میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی
ندویؒ کی یاد میں "انڈین اصلاحی سینٹر" اور
"مرکز اہلسنۃ والجماعۃ" کی جانب سے اہم جلسے ہوئے
جن میں وہاں کے اہم علماء، ادباء اور دانشوروں نے
شرکت کی، اور مقررین نے حضرت مولانا کی عالمی
پیمانہ علمی، دینی اور دعوتی خدمات پر تفصیل سے
روشنی ڈالی۔ اس کے علاوہ دبئی کی مختلف
اسلامی انجمنوں، تنظیموں اور اداروں کی طرف
درجنوں جلسے ہوئے اور ان میں مولانا کے اوصاف
وکمالات بیان کئے گئے۔

ملیشیا

• ملیشیا میں حضرت مولانا کی وفات کی اطلاع
ملتے ہی کوالالمپور، ترنگانو، قدح، کلنتن، جزیرۂ ملاکیں
میں تعزیتی جلسے اور غائبانہ نماز جنازہ کا اہتمام کیا
گیا۔ سب سے بڑا تعزیتی جلسہ ۲۷ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ
کو معہد التربیۃ الاسلامیہ قدح میں ہوا جہاں
پورے ملیشیا سے ندوی فضلاء شریک ہوئے
ان کے علاوہ ملیشیا کے ممتاز علماء اور داعیوں نے
اس جلسہ میں حضرت مولانا کی وفات پر اپنے رنج و
غم کا اظہار کیا۔

رمضان المبارک کے بعد کوالالمپور میں دو بڑے
سیمنار منعقد ہوئے جن میں حضرت مولانا کی زندگی اور
علمی و دعوتی کارناموں پر مقالات پیش کئے گئے۔

پہلا سیمنار کوالالمپور میں انٹرنیشنل
اسلامک یونیورسٹی کے زیر اہتمام ہائر اسٹڈی
کے اساتذہ اور طلبہ کی طرف سے منعقد کیا گیا
جلسہ کی صدارت وائس چانسلر ڈاکٹر محمد کمال حسن
نے کی۔ انھوں نے مولانا کی شخصیت اور ان کی
جامعیت اور ان کے علمی و دعوتی کارناموں کا جائزہ
لیا۔ اور اس طرح کے علمی سیمنار کے انعقاد کو وقت
کی ضرورت قرار دیا۔ وائس چانسلر کے علاوہ
شعبۂ تاریخ کے صدر ڈاکٹر ارشاد الاسلام نے مولانا
کی زندگی اور علمی و تربیتی کارناموں پر مقالہ پیش
کیا۔ دوسرا مقالہ ڈاکٹر مجد بہجت پروفیسر شعبۂ عربی
ادب نے مولانا کے تنقیدی اصول و معیار کے عنوان
سے پیش کیا۔ ڈاکٹر مجد نے چند ماہ قبل ایم اے کے
ایک مقالہ کی نگرانی بھی کی تھی۔ جو مولانا سید ابوالحسن
علی ندوی کی عربی زبان و ادب کی خدمات سے متعلق
تھا۔ تیسرا مقالہ کلیۃ اصول الدین کے پروفیسر
ڈاکٹر محمد بن نصر نے پیش کیا جس کا موضوع تھا
"معاشرہ کی اصلاح کے بارے میں مولانا ندویؒ کا طریقۂ کار"
ڈاکٹر محمد بن نصر یونیورسٹی سے نکلنے والے رسالہ کے
چیف ایڈیٹر بھی ہیں۔ انھوں نے مولانا کے تعلیمی
اور تربیتی ادارہ اور مجددین و مصلحین کی اصلاحی
جد و جہد کے بارے میں مولانا کے اصول اور طریقۂ کار کا
جائزہ ان کی تحریروں کی روشنی میں لیا۔ اور بتایا کہ
شیخ ندوی نے موجودہ دور کے نوجوانوں کی
ذہن سازی کا جو طریقہ اختیار کیا وہ نبویؐ
اسلوب سے ہم آہنگ ہے، چوتھا مقالہ شعبۂ
قرآن و سنت کے استاذ لیث سعود قیسی
نے پیش کیا جس کا عنوان تھا شیخ ندوی اور
ان کی کتاب "السیرۃ النبویۃ" صاحب مقالہ نے
تفصیل کے ساتھ اپنے مقالہ میں بتایا کہ مولانا
ندوی نے سیرت کے موضوع پر جو کتاب لکھی ہے وہ
وہ اپنے منہج اور اسلوب کے اعتبار سے اچھوتی اور انوکھی
کتاب ہے یہ صرف آنحضرت کی سیرت ہی نہیں بلکہ
اسلام کی جامع اور زندہ تصویر ہے۔ اس میں مغرب
کے شک آفریں تہذیب سے متأثر نئے طبقہ کی تسکین
کا پورا سامان موجود ہے۔ یہ کتاب غیر مسلموں کو
بلا تحفظ کے دی جا سکتی ہے۔

سیمنار کا آخری مقالہ شعبۂ تاریخ و اسلامی
تہذیب کے پروفیسر ڈاکٹر محسن محمد صالح کا تھا۔
جنھوں نے "رؤیۃ الندوی للتاریخ الاسلامی"
کے عنوان سے محاضرہ پیش کیا۔ اس مقالہ میں
مولانا کی مصنوع "ثقافت" چار زبانوں پر قدرت

اودبان کے علمی و تاریخی ذخیروں تک رسائی کا تذکرہ کرکے یہ بتایا کہ مولانا نے روایتی تاریخی کتابوں پر بھروسہ نہ کرکے نئے سرچشمے تک رسائی حاصل کی. انھوں نے تاریخ نویسی کے گئے بندھے طریقہ پر تنقید کی اور نئے انداز سے تاریخ نویسی کا بلند معیار پیش کیا. اس میں جامعیت اور توازن ہے

● دوسرا سمینار ملیشیا کے نوجوانوں کی مشہور تنظیم حرکۃ الشباب الاسلامی (ABIM) کے زیر اہتمام انٹرنیشنل یونیورسٹی کے کیمپس میں ملک فیصل ہال میں منعقد کیا گیا. اس میں شرکت کیلئے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے استاذ مولانا نذر الحفیظ ندوی کو دعوت دی گئی تھی. مولانا نے اپنی تقریر میں حضرت مولانا کی حیات و خدمات پر تفصیل سے روشنی ڈالی. اس سمینار میں احمد فہمی زمزم ندوی اور بدرالدین ندوی نے مولانا کی حیات و خدمات اور تصنیفی خصوصیات پر مقالے پیش کئے. ان کے علاوہ ملیشیا کے ممتاز عالم و محقق ڈاکٹر عثمان محمدی نے مولانا کے تربیتی افکار و نظریات پر مقالہ پیش کیا.

چوتھا مقالہ انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی کے پروفیسر و پرنسپل کلیۃ اصول الدین ڈاکٹر عبدالمجید نے پیش کیا. جس کا عنوان تھا مغربی افکار پر مولانا ندوی کی تنقید". پانچواں مقالہ اہم کے سابق صدر پروفیسر صدیق فاضل نے پیش کیا مقالہ کا موضوع تھا فکر دین کی تجدید میں مولانا ندوی کا حصہ".

مقالات کے علاوہ عربی اور ملیشین زبانوں میں حضرت مولانا کی تصنیفات کی نمائش بھی لگی تھی جو دلچسپی سے اور شوق سے لوگوں نے دیکھی اس موقع پر ندوی فاضل احمد فہمی زمزم کی ترتیب دی ہوئی کتاب کا رسم اجراء بھی ہوا. یہ کتاب ملیشین نوجوانوں کی تنظیم (ABIM) کی فرمائش پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور ان کی حیات و خدمات اور علمی کارنامے کے عنوان سے ملیشین زبانوں میں تیار کی گئی تھی. چند گھنٹوں کے اندر اس کتاب کے پانچ ہزار نسخے ...... شائقین نے خرید لئے.

سائنس یونیورسٹی پنیانگ کے منتخب اساتذہ اور رابطہ ادب اسلامی کے ارکان کی ایک نشست شعبۂ ادب کے دفتر میں منعقد ہوئی. مولانا نذر الحفیظ ندوی نے اس موقع پر حاضرین کی طلب و خواہش پر مولانا کے انتقال کے واقعہ کی تفصیلات بتائیں

انڈونیشیا

● انڈونیشیا کے شہر ہوان اور جاکرتا سے جو اطلاعات ملی ہیں ان سے معلوم ہوا کہ بڑی مسجدوں میں غائبانہ نماز جنازہ کا اہتمام کیا گیا. اور تعزیتی جلسے بکثرت منعقد کئے گئے.

بنگلہ دیش

● بنگلہ دیش اور تھائی لینڈ سے ندوی فضلاء نے غائبانہ نماز جنازہ اور تعزیتی جلسوں اور سمینار کی تفصیلی خبریں ارسال کی ہیں اس کے علاوہ اردن کی راجدھانی عمان، دمشق، استنبول تونیہ، انقرہ. ریاض، دمام. الخبر جدہ، حرمین شریفین رباط کاسا بلانکا، الجزائر، بیروت، دبئی، شارجہ ابوظبی میں تعزیتی جلسے منعقد کئے گئے. جن میں چند کی خبریں دی جارہی ہیں، جنوبی افریقہ اور مشرقی افریقہ کے شہروں اور مقامات پر بھی جلسے ہوئے.

پاکستان

● پاکستان میں کراچی، لاہور، فیصل آباد، گجرانوالہ، اسلام آباد، اکوڑہ خٹک، کوئٹہ، پشاور، حیدرآباد، سندھ سے تعزیتی جلسوں او سمیناروں کی تفصیلی رپورٹیں موصول ہوئی ہیں رابطہ ادب اسلامی کے زیر اہتمام لاہو اور اسلام آباد میں سمینار ہوا.

● اسلام آباد میں حضرت مولانا پر ایک سمینار کا انعقاد انٹرنیشنل اسلامک یونیورس کے زیر اہتمام ہوا، جس میں صدر پاکستان جنا رفیق تارڑ نے خصوصی دلچسپی لی اور شرکت فرما عرب ممالک کے اہم مفکرین، ادبا، خصوصاً شام کے فضلاء نے شرکت کی اور اپنے تاثرات بیا کئے اور مقالات پڑھے.

مصر

● مصر میں رابطہ ادب اسلامی کے زیر اہتما حضرت مولانا کی یاد میں ایک اہم جلسہ کا انعقا کیا گیا. جس میں رئیس جامعۃ الازھر ڈاکٹر عبدالحلیم عویس نے بھی شرکت کی اس جلسہ مصر کے نامور علماء و فضلا شریک ہوئے او حضرت مولانا کی علمی دینی، دعوتی اور اصلاحی خدمات پر تقریریں کیں. ڈاکٹر عبدالحلیم عو نے کہا کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ ایک بابصیرت، عالم دین بلند پایہ مفکر اور رحما صاحب قلم شخصیت کے حامل تھے. اس کے علاوہ مصر میں مقیم ندوی فضلاء کی جانب سے دو جلسے منعقد ہوئے، جن میں ندوی فضلاء اپنے محسن و مربی حضرت مولانا علی میاں کے عظیم کارناموں پر روشنی ڈالی اور اپنے جذبات احساسات کا اظہار بڑے مؤثر اور دلگیر انداز م کیا. اسی طرح مصر کے دیگر شہرا میں حضرت مولانا کی یاد میں منعقد جلسوں اور سمیناروں کا اہتمام کیا گیا.

جنوبی افریقہ

• جنوبی افریقہ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے موسوم دارالعلوم زکریا میں حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں ایک عمومی جلسہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی صدارت میں ہوا۔ جس میں حضرت مولانا کے بارے میں دارالعلوم کے مفتی رضاء الحق صاحب کا عربی میں منظوم نذرانۂ عقیدت دارالعلوم کے ایک طالب علم نے پیش کیا جس کے ہر شعر سے عقیدت و محبت کے جذبات کا اظہار ہوتا تھا۔ اس کے بعد مفتی رضاء الحق صاحب نے نثر میں بھی حضرت مولانا سے اپنے والہانہ تعلق و جذبات کا اظہار ایک مقالہ میں کیا خصوصاً حضرت سید احمد شہیدؒ کے احسانات اور ان کے دینی و دعوتی کارناموں اور سرفروشانہ کوششوں کا تذکرہ نہایت والہانہ انداز سے کیا۔ جس کا ایک سبب خود مفتی صاحب کا علاقہ بیخ تارے وطنی تعلق بھی ہے جو حضرت سید صاحب کی سرفروشانہ کوششوں کا ایک مرکز رہا ہے۔

جلسہ کے آخر میں صدارتی تقریر فرماتے ہوئے مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے حضرت مولانا کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی طرف روشنی ڈالتے ہوئے بعض اہم واقعات کی طرف اشارہ کیا کہ حضرت مولانا نے کیسے کیسے اہم اور نازک موقع پر بات کی اور اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت ایسی کھل کر سامنے آئی کہ تمام سننے والے اور حاضرین مجلس حیرت میں رہ گئے۔

اس جلسہ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے موقر استاد مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی اور مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ندوی نے بھی شرکت کی۔

برطانیہ

• برطانیہ کے مسلم کمیونٹی فورم کی جانب سے ڈیوس میری اسپورٹس سنٹر واقع ویسٹ پارک لندن میں ۳۰ر جولائی ۲۰۰۰ء کو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی شخصیت پر ایک عالمی سیمنار ہوا۔

لندن کے اس سیمنار میں امریکہ، یورپ افریقہ، ہندوستان، پاکستان، دبئی، لندن کویت انگلینڈ اور عرب ممالک کے جید علماء و فضلاء، ادباء اور دانشوروں نے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ پر مختلف عنوانات کے تحت مقالے پیش کئے۔ اور ان کی زندگی کے مختلف گوشوں پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔

اس سیمنار میں شریک ہونے والوں میں مولانا محمد تقی عثمانی (پاکستان) مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، مولانا سید سلمان الحسینی ندوی، مولانا مفتی احمد خان پوری، مولانا عبداللہ کپودراوی (ہندوستان) مولانا تقی الدین ندوی مظاہری (دبئی) مولانا عتیق الرحمن سنبھلی (لندن) ڈاکٹر مزمل حسین، مولانا محمد یعقوب قاسمی (امریکہ) مولانا محمد عیسیٰ منصوری (لندن) مفتی زبیر بیات (افریقہ) ڈاکٹر مناظر احسن، ڈاکٹر ڈیوڈ براڈننگ (انگلینڈ) کے نام قابل ذکر ہیں۔

انگلینڈ

• شمالی انگلینڈ کے شہر باٹلے (BATLEY) میں حضرتؒ کی یاد میں ۱۴ر جنوری ۲۰۰۱ء کو ایک اہم جلسہ ہوا جس میں مولانا محمد یعقوب قاسمی (ڈیوز بری) نے حضرت مولانا کے مناقب اور اوصاف پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ انھوں نے کہا کہ حضرت مولانا کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ دین کا درد اخلاص نیت اور دین کی خاطر سب کچھ کر گزرنے کا جذبہ ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ جلسہ سے مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ مولانا مرحوم ان شخصیتوں میں تھے کہ ان کی صحبت اور عقیدت سے جس نے فیض پایا اس نے بڑی چیز پائی۔

اسی طرح ملک و بیرون ملک میں سیکڑوں علمی، دینی اور ادبی اداروں، تنظیموں، انجمنوں کے زیر اہتمام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی ہشت پہلو، عالمگیر و ہمہ گیر شخصیت پر علیٰحدہ علیٰحدہ سیمنار، کانفرنس، سمپوزیم اور اجلاس منعقد ہوئے، جن میں حضرت مولانا کے اوصاف و کمالات، افکار و تصورات اسلوب دعوت، مختلف تحریکات دینی و علمی اداروں سے ان کا قائدانہ تعلق، عرب و عجم پر ان کے فکر کے اثرات اور دیگر بہت سی خصوصیات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اخبارات و رسائل اور خصوصی و یادگاری نمبر

• حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی دینی علمی، دعوتی اصلاحی، ادبی خدمات اور ان کے کارناموں کو اجاگر کرنے اور ان کے دعوتی پیغام کو عام کرنے اور ان کی تحریک پیام انسانیت کو مزید تقویت پہنچانے کے لئے ملک کے اندر اہم دینی اداروں اور ان کے اصلاحی رسالوں کے ذمہ داروں نے حضرت مولاناؒ کی شخصیت پر عربی اور اردو میں درجنوں خصوصی اور یادگاری نمبر نکالے جن میں حضرت مولاناؒ کی ہمہ جہت اور ہمہ گیر بلکہ

عالمگیر شخصیت کو ان کے شایان شان خراج عقیدت پیش کیا گیا، کتابیں تصنیف کی گئیں اور رسالوں میں کثرت سے مضامین شائع کیے گئے۔

البعث الاسلامی

• "البعث الاسلامی" جو دارالعلوم ندوۃ العلماء کا اہم دینی اصلاحی اور ادبی رسالہ ہے اس نے ۲۹۰ صفحات پر مشتمل خصوصی نمبر "عدد ممتاز عن فقید الامۃ الإسلامیۃ سماحۃ العلامۃ الشیخ ابی الحسن علی الحسنی الندوی" کے نام سے نکالا، جس میں ہندوستان اور عرب ملکوں کے علما، ادباء اور دانشوروں کے اہم مضامین خطوط، پیغامات شائع ہوئے۔ یہ خصوصی نمبر مجلس صحافت ونشریات ندوۃ العلماء کے زیر اہتمام مولانا سعید الرحمن اعظمی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء کی ادارت میں منصۂ شہود پر آگیا ہے۔

الرائد

• "الرائد" بھی ندوۃ العلماء کا ایک مؤقر عربی رسالہ ہے جسے عرب دنیا میں بڑی مقبولیت حاصل ہے اور عرب علماء وادباء بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اس نے بھی حضرت مولانا پر اپنا خصوصی شمارہ "عدد ممتاز عن سماحۃ الشیخ الندوی" کے نام سے شائع کیا۔ یہ شمارہ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی سرپرستی اور مولانا سید واضح رشید ندوی اور مولانا سید عبد اللہ حسنی ندوی کی سربراہی میں منظر عام پر آگیا ہے۔ یہ دونوں رسالے عربی جاننے والوں کے لئے بیش قیمت تحفہ ہیں۔

تعمیر حیات

• حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات کے فوراً بعد "تعمیر حیات" نے اپنا خصوصی ضمیمہ عام شمارہ کے ساتھ نکال دیا تھا جس میں حضرت مولانا کی عظیم المرتبت شخصیت اور ان کے اوصاف وکمالات کا تذکرہ چند مضامین کے ساتھ اجمالاً آگیا تھا۔ اب ماشاء اللہ حضرت کی سیرت وسوانح پر عرب وعجم کے نامور مشہور ومعروف علماء، ادباء اور دانشوروں کے اہم مضامین مولانا کی علمی ودینی خدمات، افکار وخیالات، اسلوب دعوت طریقۂ کار، مختلف تحریکوں، اداروں، انجمنوں سے ان کا قائدانہ تعلق اور عرب وعجم پر ان کی فکر کے اثرات اور ان کے امتیازی اوصاف وکمالات، منتخب شعراء کے کلام و دیگر بہت سی خصوصیات پر مشتمل خصوصی و یادگاری مجلہ "مفکر اسلام نمبر" منصۂ شہود پر آگیا ہے اور آپ کے ہاتھوں میں ہے جس میں حضرت کی ہمہ گیر، عالمگیر شخصیت اور پاکیزہ زندگی کا مکمل احاطہ کیا گیا ہے، تعمیر حیات کا یہ خصوصی اور یادگاری نمبر مولانا عبد اللہ عباس ندوی معتمد تعلیمات دارالعلوم ندوۃ العلماء مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء کی سرپرستی میں مولانا سید محمد واضح رشید ندوی، پروفیسر وصی احمد صدیقی، پروفیسر سید محمد اجتباء ندوی، پروفیسر ضیاء الحسن ندوی مولانا نذر الحفیظ ندوی، مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی (ناظر عام ندوۃ العلماء) کی نگرانی اور مولانا شمس الحق ندوی کی ادارت میں شائع ہو کر منظر عام پر آگیا ہے۔ یہ نمبر خوبصورت ٹائٹل دیدہ زیب کتابت عمدہ طباعت، بہترین کاغذ اور دیگر بہت سے محاسن وخوبیوں پر مشتمل ہے اور ظاہری ومعنوی اعتبار سے قابل تعریف اور ایک تاریخی دستاویز ہے۔

فریگرینس آف ایسٹ

• دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے نکلنے والے انگریزی سہ ماہی "فریگرینس آف ایسٹ" نے بھی اپنا خصوصی شمارہ علی میاں نمبر (SPECIAL ISSUE ON ALI MIYAN) انگریزی میں نکالا ہے جس میں حضرت مولانا علی میاں ندوی کی حیات وخدمات اور دعوت وتعلیمات پر انگریزی میں اہم مضامین شامل کئے گئے ہیں یہ میگزین مولانا سید واضح رشید ندوی اور جناب شارق علوی کی سربراہی میں ماشاء اللہ منظر عام پر آگیا ہے۔

بانگِ درا لکھنؤ

• انجمن شباب الاسلام لکھنؤ کی جانب سے مولانا سید سلمان الحسینی الندوی کی سربراہی میں بانگ درا کا خصوصی نمبر نکلا جو مضامین کے لحاظ سے قابل تحسین اور قابل مطالعہ ہے۔ اس رسالہ کے "مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں نمبر" میں ملک بیرون ملک کے نامور اہل علم علماء اور دانشوروں کے اہم مضامین شامل ہیں جو قارئین کو دعوت مطالعہ دیتے ہیں۔

الفرقان لکھنؤ

• الفرقان لکھنؤ کا بھی خصوصی شمارہ شائع ہوا، جس میں حضرت مولانا کی دینی وعلمی خدمات پر کس قدر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

لاریب کلکتہ

• مدرسہ باب العلوم کلکتہ کے رسالہ لاریب نے

ایک خصوصی اور یادگاری مجلہ "مولانا علی میاں نمبر" شائع کیا۔ یہ مجلہ اپنے منتخب مضامین اور حضرت مولانا کی شخصیت اور ان کے اقوال و احوال کے لحاظ سے قابلِ قدر اور داد و تحسین کے لائق ہے۔

رضوان لکھنؤ

● ماہنامہ "رضوان" لکھنؤ کی طرف سے بھی حضرت مولانا کی شخصیت پر خصوصی شمارہ نکالا گیا۔ یہ شمارہ مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی کی ادارت میں منظرِ عام پر آگیا ہے، اور اہلِ علم صاحبانِ قلم، عوام و خواص خصوصاً خواتین کے لئے حضرت کا ایک تحفہ ہے جسے حاصل کر کے ضرور مطالعہ کیجئے۔

الصحوۃ الاسلامیۃ حیدرآباد

● جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد سے عربی میں نکلنے والے رسالہ "الصحوۃ الاسلامیۃ" کا مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں نمبر نکلا اس میں عرب و عجم کے علماء و دانشوروں کے منتخب مضامین شائع ہوئے ہیں۔

الداعی دارالعلوم دیوبند

● الداعی جو دارالعلوم دیوبند کا عربی ترجمان ہے۔ اس کے فاضل ایڈیٹر نور عالم خلیل امینی نے بڑی نفاست اور ذوق سے اعلیٰ ترین پیمانہ پر حضرت مولانا کی شخصیت پر خاص نمبر عربی میں شائع کیا ہے جو ایک دستاویزی حیثیت رکھتا ہے اور خود رئیس التحریر کی تحریر اخلاص و صداقت کا نمونہ ہے۔

الشارق اعظم گڈھ

● جامعہ اسلامیہ مظفر پور قلندر پور، اعظم گڈھ کا ترجمان رسالہ "الشارق" کا خصوصی نمبر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی یاد میں مولانا تقی الدین ندوی مظاہری کی سرپرستی میں شائع ہوا، جس میں حضرت مولانا کی عظمت و رفعت اور ان کے اوصاف و کمالات کا تذکرہ ملک بیرون کے اہلِ علم و قلم نے اپنے مضامین میں بڑے محبت آمیز انداز میں کیا ہے۔

نوائے ادب ممبئی

● انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ممبئی سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا قریبی تعلق تھا۔ اور وہ انجمن کے معاملات میں دلچسپی بھی لیا کرتے تھے اس انجمن کے زیر اہتمام "سہ ماہی نوائے ادب" کا "مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نمبر" شائع ہوا ہے جس میں حضرت مولانا کی حیات و خدمات کے بارے میں فکر انگیز اور معلومات افزا مضامین شامل کئے گئے ہیں۔ انجمن اسلام نے اپنے محسن کو اس خصوصی نمبر کے ذریعہ خراج عقیدت پیش کر کے انکے کارناموں کی یاد تازہ کر دی ہے۔

نصرۃ الاسلام کشمیر

● ماہنامہ "نصرۃ الاسلام" جو خطۂ کشمیر کا ایک دینی تعلیمی، اخلاقی، اصلاحی اور ادبی رسالہ ہے۔ جس نے حضرت مولانا کی شخصیت پر اپنا ایک خصوصی شمارہ "مفکر اسلام نمبر" نکالا ہے، یہ نمبر انجمن نصرۃ الاسلام کے سرپرست میر واعظ مولوی محمد عمر فاروق کی سرپرستی اور محمد سعید الرحمن شمس کی ادارت میں شائع ہوا ہے جس میں متعدد اہلِ قلم کے مضامین شائع کئے گئے ہیں۔

ارمغان شاہ ولی اللہ پھلت

● ماہنامہ "ارمغان شاہ ولی اللہ" پھلت نے اپنا خصوصی شمارہ "گوشۂ مفکرِ اسلام" کے نام سے نکالا جس میں حضرت مولانا کی شخصیت، حیات اور امتیازی کمالات اور ان کی تعلیمات پر مشتمل مضامین شائع کئے گئے ہیں۔

نئی دنیا دہلی

● ہفت روزہ "نئی دنیا" دہلی نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی پر اپنا خصوصی شمارہ "مفکر اسلام نمبر" بڑی آن بان اور بڑے آب و تاب کے ساتھ باتصویر شائع کیا۔ یہ شمارہ اپنے مضامین، انتخاب، تصاویر اور ترتیب و تزئین کے لحاظ سے قابل قدر اور قابل تحسین ہے۔ اس میں مولانا کی خدمات اور عالمی پیمانہ پر ان کی مقبولیت اور ان کی خصوصیات و امتیازات پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے یہ رسالہ تصاویر کی وجہ سے بڑا پرکشش تھا اور بروقت بھی نکلا تھا۔ اس لئے اس کی اشاعت ایک لاکھ کے قریب ہوئی اور کئی ایڈیشن بھی نکلے۔

الجمعیۃ دہلی

● ہفت روزہ "الجمعیۃ" نئی دہلی نے اپنا خصوصی شمارہ "مفکر اسلام مولانا علی میاں ندوی نمبر" کے نام سے شائع کیا، جس میں حضرت مولانا کو خراج عقیدت پیش کیا گیا ہے، ان کی دینی خدمات کا اعتراف بھی کیا گیا ہے اور ان کی تعلیمات کو مشعلِ راہ بنانے کی ترغیب بھی دی گئی ہے۔

افکار ملی دہلی

• "افکار ملی" دہلی نے بھی اپنا ایک خاص شمارہ حضرت مولانا کی یاد میں نکالا۔ اس میں اہل قلم اور صاحبان علم و دانش نے حضرت مولانا کی خدمات اور ان کی امتیازی خصوصیات کا بڑے دلنشیں انداز میں تذکرہ کیا۔

ملی اتحاد دہلی

• "ملی اتحاد" دہلی نے بھی اپنی ایک اشاعت میں حضرت مولانا پر ایک خصوصی ضمیمہ شائع کیا، جس میں مولانا کی پہلو دار شخصیت پر روشنی ڈالی گئی۔

ہدایت جے پور

• ماہنامہ "ہدایت" جے پور نے بھی ایک خصوصی نمبر حضرت مولانا علی میاں کی نسبت سے نکالا، جس میں حضرت مولانا کی عالمی پیمانہ پر مقبولیت اور ان کی دینی و دعوتی خدمات کا تذکرہ اہل علم و قلم نے تفصیل سے کیا۔

تذکیر غازی پور

• مجلہ "تذکیر" غازی پور نے بھی اپنی خصوصی اشاعت "بیادگار مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندویؒ" میں کئی اہم مضامین اور حضرت مولانا کی اہم تحریریں شائع کر کے حضرت مولانا کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

نقش نوائط بھٹکل

• بھٹکل سے حضرت مولانا علی میاں صاحب ندوی کو بڑا لگاؤ تھا۔ اور اہل بھٹکل بھی حضرت مولانا سے عقیدتمندانہ بلکہ نیازمندانہ تعلق رکھتے تھے وہاں سے نکلنے والے رسالہ "نقش نوائط" نے اپنا خصوصی شمارہ "مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں نمبر" کنٹرزبان میں شائع کر کے اپنی محبت و عقیدت کا اظہار کیا ہے۔

ارمغان جامعہ بھٹکل

• جامعہ اسلامیہ بھٹکل سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا بحیثیت سرپرست بڑا تعلق تھا اور جامعہ کے اساتذہ بھی حضرت مولانا سے بڑی عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ طرفین کے اس خصوصی تعلق کی بنا پر جامعہ میں حضرت مولانا کی یاد میں جلسہ بھی ہوا۔ اور طلباء نے اپنے اساتذہ کی نگرانی میں حضرت مولانا پر ایک خصوصی رسالہ اردو میں ارمغان جامعہ کا "مفکر اسلام نمبر" بھی نکالا۔ جس میں مولانا کے حیات و خدمات پر کسی قدر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

الزہرۃ بھٹکل

• اسی طرح جامعہ اسلامیہ بھٹکل سے نکلنے والے عربی مجلہ "الزہرۃ" نے بھی "عدد ممتاز عن سماحة الشيخ ابي الحسن علي الحسني الندوي" کے نام سے خصوصی نمبر نکالا ہے۔ اس میں بھی حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے عظیم کارناموں اور عالمی پیمانہ پر ان کی دینی و دعوتی کوششوں کو بیان کیا گیا ہے۔

صوت القرآن احمد آباد

• ماہنامہ "صوت القرآن" احمد آباد کی جانب سے "مفکر اسلام نمبر" شائع ہوا، جس میں حضرت مولانا کی ہمہ گیر شخصیت اور ان کی دینی و علمی خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

بیرون ملک کے اخبارات و رسائل

• اسی طرح ملک اور بیرون ملک سے شائع ہونے والے عربی، اردو، ہندی کے جرائد و رسائل میں حضرت مولانا کی حیات و خدمات پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی، اور اور بہت خوب لکھا گیا۔ روزنامہ "الشرق الاوسط" لندن، "المدینۃ" مدینہ منورہ، روزنامہ "عکاظ" مدینہ منورہ، روزنامہ "البیان" متحدہ عرب امارات، "صراط مستقیم" برمنگھم، "اردو نیوز" جدہ، "المجتمع" کویت، "المسلمون"، "الدعوۃ"، "الاربعاء"، "الرابطہ"، "العالم الاسلامی" کے علاوہ دوسرے بہت سے عربی رسالوں نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو خراج عقیدت پیش کیا اور عرب اہل قلم و دانشوروں کے معیاری مضامین بھی شائع کئے۔

پاکستانی اخبارات و رسائل

• پاکستان کے اہم رسالوں میں "الفاروق" کراچی، "البلاغ" کراچی، "تعمیر افکار" کراچی، "ختم نبوت" کراچی، "تکبیر" کراچی، "بینات" کراچی، "انوار مدینہ" لاہور، "حق چاریار" لاہور، "الحق" اکوڑہ خٹک، "النصیحۃ" لاہور، "الصیانۃ" لاہور، "ترجمان القرآن" لاہور وغیرہ نے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت پر تفصیلی مضامین چھاپے اور مولانا کی زندگی کے نقوش اور خدمات کا تفصیلی خاکہ پیش کیا، جن میں ماہنامہ "الحق" کا کردار خاص طور پر قابل ذکر رہا ہے۔

بنگلہ دیش کے اخبارات و رسائل

• بنگلہ دیش کے اخبارات و رسائل میں بھی حضرت مولانا کی سیرت پر مضامین شائع کئے گئے جو کافی مقبول ہوئے۔

ہندوستانی اخبارات و رسائل

• ہندوستان کے عربی اردو، ہندی انگریزی اخبارات و رسائل نے بھی اس سلسلے میں قابل ذکر رول ادا کیا ہے۔ اور حضرت مولانا کی جلالتِ شان اور علمی شخصیت سے قارئین کو روشناس کرایا۔ ان اخبارات و رسائل میں "البعث الاسلامی" "الرائد" "تعمیر حیات" "کاروانِ ادب"، فریگرینس" (انگریزی) ندوۃ العلماء لکھنؤ، "بانگِ درا" لکھنؤ، الفرقان لکھنؤ، ندائے ملت لکھنؤ، البدر، کاکوری لکھنؤ، نئی دنیا، نئی دہلی، روزنامہ انقلاب ممبئی، معارف اعظم گڑھ، ماہنامہ دارالعلوم دیوبند"، ماہنامہ" مظاہر علوم سہارنپور، آئینہ دارالعلوم دیوبند، ندائے دارالعلوم وقف دارالعلوم دیوبند، یادگار شیخ سہارنپور ندائے شاہی مرادآباد، فیض محمود اعظم گڑھ الرشاد اعظم گڑھ، الشارق اعظم گڑھ، ماہنامہ رضوان لکھنؤ، سہ ماہی اسلام اور عصر جدید دہلی، ماہنامہ اشرف العلوم حیدرآباد، ملی اتحاد دہلی، ارمغان پھلت مظفر نگر، سہ روزہ دعوت دہلی، افکار ملی دہلی، اردو راشٹریہ سہارا لکھنؤ، روزنامہ الندوۃ لکھنؤ، حقیقت لکھنؤ، پیام صبح لکھنؤ، مرکزجہد لکھنؤ، صحافت لکھنؤ، لاریب لکھنؤ، السراج جھنڈا نگر، نور توحید کشمیر، فراستہ المؤمن کانپور، نقیب پٹنہ، اردو ٹائمز ممبئی، سالار بنگلور، سیاست بنگلور، روزنامہ مجاہد اورنگ آباد، ماہنامہ ہدایت جے پور، مجلہ تذکیر غازیپور، نقشِ نوائط بھٹکل، الداعی دارالعلوم دیوبند، سہ ماہی صفا حیدرآباد، ماہنامہ ہجرت و نصرت پونہ، روحانی اسرار سہارنپور، دعوت و عزیمت دہلی، اخبار مشرق کلکتہ، صوت الامۃ بنارس، محدّث بنارس، ترجمان القرآن بنارس، المحمود ہاپوڑ المآثر مئو، نور توحید جھنڈا نگر، برہان دہلی، النور مہاراشٹر، ماہنامہ ذکریٰ رامپور، سہ ماہی اسلام دہلی، نصرۃ الاسلام کشمیر، روزنامہ ٹائمز اورنگ آباد، پانیئر لکھنؤ، ٹائمس آف انڈیا لکھنؤ، ہندوستان ٹائمس لکھنؤ، اسٹیٹس مین دہلی، ہمیات جدید کانپور، انڈین ایکسپریس دہلی، جاگرن لکھنؤ، مسلم بنگلور، ریڈینس دھلی، ارمغان جامعہ بھٹکل کے علاوہ سیکڑوں ہندی، انگریزی، عربی، اردو، فارسی اخباروں نے حضرت مولانا پر ان کی شایانِ شان مضامین شائع کئے۔ اور ٹی وی ریڈیو وغیرہ نے خبریں نشر کیں، اور حضرت مولانا کی پاکیزہ سیرت اور ان کی دینی و علمی خدمات سے لوگوں کو روشناس کرایا۔

عالم تھے باعمل تھے محبِّ وطن بھی تھے

قمر الحفیظ قمر

حق گوئیوں کی شان تھے سید ابوالحسنؒ — مذہب کی آن بان تھے سید ابوالحسنؒ
دانشور و مفکرِ اسلام ہی نہیں — دنیا کے پاسبان تھے سید ابوالحسنؒ
تہذیب و انکسار کی دولت سے مالامال — مخلص تھے مہربان تھے سید ابوالحسنؒ
عالم تھے باعمل تھے محبّ وطن بھی تھے — انسانیت کی جان تھے سید ابوالحسنؒ
شام و عرب عجم ہوں کہ یونان و مصر ہوں — سارے جہاں کی شان تھے سید ابوالحسنؒ
اک محسنِ جلیل کی تعریف کیا لکھوں — اس دور کے نشان تھے سید ابوالحسنؒ
صدیقؓ کی صفت تھی جسارت عمرؓ کی تھی — عثمانیت کی شان تھے سید ابوالحسنؒ
قول و عمل میں فاتح خیبر کی تھی ادا — ملت پہ سائبان تھے سید ابوالحسنؒ
ہندوستاں کو ناز تھا حضرت کی ذات پر — ہندوستاں کی جان تھے سید ابوالحسنؒ
ان کے قلم نے طے کیا کونین کا سفر — خوش قول و خوش بیان تھے سید ابوالحسنؒ
دینِ محمدیؐ کا گلستاں کھلا رہے — توحید کی زبان تھے سید ابوالحسنؒ
ندوہ کہ جس کا درس ہے آفاق پر عیاں — ندوے کے پاسبان تھے سید ابوالحسنؒ

قمر الحفیظ تم بھی بڑے خوش نصیب ہو
تم پر بھی مہربان تھے سید ابوالحسنؒ

جان کر منجملۂ خاصانِ میخانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

کی

تصنیفات و تالیفات کا تجزیہ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی

معروف تصنیفات اور ان کا پیغام

ایک تجزیہ

پروفیسر وصی احمد صدیقی

سرودِ رفتہ باز آید کہ ناید
نسیمے از حجاز آید کہ ناید
سر آمد روزگارے "آں" فقیرے
دگر دانائے راز آید کہ ناید

(اقبال)

میں نے یہ قطعہ جو شاعرِ مشرق نے اپنے
لئے لکھا تھا ذرا سی تبدیلی کے ساتھ صرف اس
لئے لکھا ہے کہ اپنے بعد دوسرے دانائے راز
کے نہ آنے کا جو اندیشہ علامہ کو تھا وہ بجا نہ تھا
ودان کی حیات میں دانائے راز کی آمد ہو چکی تھی،
نظر کی اقلیم کے بادشاہ تھے۔ حضرت مولانا شرکے،
مدرِ مشترک اسلام کا ماضی، حال اور مستقبل تھا
دونوں برگزیدہ ہستیوں کو انعام ان کی زندگی ہی
میں مل گیا۔ بقائے دوام کا تاج دونوں کے سر پر
رکھا گیا۔ ایسا لگا کہ مافوق الفطرت قوتوں نے
یکہ مربی اختیار کیا۔ دونوں کے کمال عطیۂ الٰہی تھے۔
ایک غیبی قوت دونوں کو قلم پکڑ کر لکھا رہی تھی۔
گزری ہوئی تاریخ سامنے لائی جا رہی تھی۔ ماضی کے
دھندلے نقوش صیقل پا رہے تھے۔ دونوں کے
دل عشق کے جلوہ گاہ تھے۔ دونوں کے احساس فطرتاً
حسین اور عالی تھے۔ دونوں کے علم بے پناہ تھے،
ایک اگر بے مثال شاعر تھا تو دوسرے کا ادراک
بھی شاعرانہ تھا۔ دونوں حضرات جس ماحول میں
تھے اس سے ان کو بھڑک نہ تھی مگر دونوں اپنے
ماضی کو مڑ مڑ کر دیکھتے تھے اور سوچتے تھے کہ انسانیت
کا پودا تو ہم نے لگایا تھا اور علم تو ہمارا گمشدہ مال
تھا۔ یہ کیسی خزاں آگئی۔ یہ اپنی متاع ہم نے کیسے
کھو دی۔

میرے یہ دونوں ممدوح صحیح معنوں میں
سزاوارِ مدح ہیں مگر مجھے اپنے مضمون کے
موضوع کا خیال آرہا ہے۔ اب میں حضرت مولاناؒ
کی تصنیفات کے بیان پر آتا ہوں۔

میں نے ان کی کتابیں جو اردو میں ہیں پڑھی
ہیں۔ ان کی تقریریں بھی سنی کم اور پڑھی زیادہ
ہیں اور بطور تحدیث نعمت عرض کر رہا ہوں کہ
میں ان کے ذہنی ماحول میں تقریباً جذب ہو گیا
ہوں۔ میں کندن تو نہیں بن سکا لیکن مسِ خام
سے کوئی بہتر چیز ضرور ہو گیا ہوں۔ یہ میرا احساس
ہے۔ وہ کتابیں پڑھیں جن کی معنویت سے قطع نظر
ان کے الفاظ کے تار و پود میں بھی ریشم کی ہمواری
اور بلور کی شفافیت ہے۔

میں ان کے تعلیمی طریقے، ان کے قرآن مجید
کی تدریس، ان کا عربی دنیا سے تعلق اور اس طرح
کے موضوعات پر کچھ نہیں لکھنے جا رہا ہوں۔ میں
دینی تعلیم کا پس منظر نہیں رکھتا اور نہ زبانِ عربی
سے واقف ہوں پھر کیسے ان موضوعات پر لکھنے
کا اہل ہوں۔ عرفیؔ کا شعر میرے حسبِ حال ہے ؎

مدارِ صحبتِ ما بر حدیثِ زیر لبی الیست
کہ اہلِ بزمِ عوام اند گفتگو عربی الیست

میرؔ نے اسی خیال کو عرفیؔ سے مستعار لیا ہے ؎

ہر ایک سے کہا بزم میں پر کوئی نہ سمجھا
شاید کہ میرے حال کا قصہ عربی ہے

اس کے لئے دوسرے مردانِ کار ہیں۔ زبانِ عربی
کے محرم۔ علوم جدید و قدیم کے ماہرین اور اسرارِ علم
کے واقف کار۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ وہ دانائے
راز تھے جن کی دانائی کا ان کی زندگی میں اعتراف
کیا گیا۔ یہ ہماری ملت کے مزاج سے ذرا سی الگ
بات ہے ورنہ ہم اپنے ساری عقیدت کے اظہار
کو موت کے بعد کے لئے رکھ چھوڑتے ہیں۔ یہ
ایک منفرد بات ہے اور اس کی وجہ صرف یہ ہے
کہ وہ کارواں کا متاعِ گراں بہا ہونے کے ساتھ
ساتھ میرِ کارواں بھی تھے۔

حضرت مولانا نے ماضی کی طرف نظر دوڑا کر
اپنے گزرے ہوئے سنہرے عہد کو دکھایا ہے۔ حال
پر مہربانی کی نظر ڈالی ہے اور شاندار مستقبل کے
لئے فکر کی ہے۔ انھوں نے دین و دنیا کے بیچ
کی خلیج کو پاٹنے کی کوشش کی اور یہ پیغام دے گئے
اسی زندگی سے آنے والی دائمی زندگی کی امیدیں
وابستہ ہیں۔ فرمایا کہ آزادی اور انسانیت کی تکمیل
محض ایمان اور ایثارِ نفس کے ذریعہ سے ہو سکتی
ہے۔ ان کے خواب، ان کے خیال تقریباً بشارتوں
کا درجہ رکھتے ہیں۔ انھوں نے رسمی عقیدے
اور روایتی مسلمات کو اسی حد تک قبول کیا جو
ان کی تحقیق کی کسوٹی پر پورے اترے۔ ان کی
ذکاوت تقریباً وجدان کی شکل میں تھی۔ وہ ایک

وہی ملک کے حامل تھے اور ان کے علمی کارنامے مذہب کے خواص کے محدود حلقے سے نکل کر عوام تک پہونچے۔ بقول میرؔ ؎

شعر میرے ہیں گو خواص پسند
پر مجھے گفتگو عوام سے ہے

حضرت نے بتایا کہ مذہب کا مقرر کردہ نصب العین ہی انسان کی منزلِ مقصود ہے اور کوئی منزل نہیں جس کی طرف ہمارا کارواں رواں ہو۔ انسانی روح لا نہائی ہے اور ہمارا پروردگار جو لامکاں اور لازماں ہے اسی پر ہمیں ایمان قائم رکھنا ہے اور اسی سے مدد مانگنا ہے۔

حضرت مولانا کے قوت احساس میں انتہا درجہ کی ذہانت اور قوت تخیل میں انتہا درجہ کی وسعت تھی انھوں نے قرون وسطیٰ کی طرف بازگشت کو منتہائے مقصود نہیں سمجھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اللہ کا دین مکمل ہے مگر زندگی متحرک اور تغیر پذیر ہے اور اسلام کے ابدی حقائق ایسے ہیں کہ وہ ہر دور میں دنیا کی رہنمائی کر سکتے ہیں۔

پھر یہ بات دہراؤں گا کہ حضرت مولانا زندگی کا دست یافتہ تصور اور تہذیب کے قدروں کا تربیت یافتہ علم رکھتے تھے۔ ایسا علم جو لامتناہی اور ابدی ہے۔ ان کی کتابیں جیتی جاگتی روحیں لگتی ہیں۔ جہاں وہ تاریخ کے نکتے بیان نہ کر رہے ہوں بلکہ صرف بات کر رہے ہوں تو ان کا وہبی بیان منطقی دلائل پر مافوق ہو جاتا تھا۔ پھر لگتا تھا کہ ہم فیضان قدسی سے مستفید ہو رہے ہیں۔ اس بیان کو ہم حضرت کا اندرونی تقاضہ سمجھیں یا آمد کہیں یا الہام، یہاں پر ناطقہ سر بہ گریباں ہے۔

حضرت مولانا سے میں نے اپنی تلخیص نگاری کی داد پائی ہے لیکن گفتگو میں نہیں، صرف تاثرات میں۔ بقول غالبؔ "پرسش ہے اور پائے سخن درمیاں نہیں" کبھی کبھی یہ فرمایا کہ مفید کام کر رہے ہو۔ آج کل لوگوں کے پاس ضخیم کتابیں پڑھنے کا وقت نہیں، جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے میرا انعام صرف مہربان چہرے کے نقوش ہوتے تھے۔ بس دو مرتبہ حضرت مولانا نے بشاشت کا اظہار کیا تھا اور مہربانی کے کلمات کہے تھے جو آج بھی مجھے فخر و مسرت سے بھر دیتے ہیں۔ پہلی مرتبہ جب میں تاریخ دعوت و عزیمت کی دوسری جلد سے تیسری جلد پر آیا یعنی امام ابن تیمیہ سے مشائخ چشت پر تو مضمون کے تسلسل میں روانی رکھنا تقریباً پل بنانا تھا۔ اس کو میں نے اس طرح لکھا تھا۔

"اس حقیر مضمون نگار کو یہ احساس ہوتا کہ جیسے وہ ایک عظیم الشان بلند و بالا سر بہ فلک پہاڑ کی چوٹی سے ایک ایسی خنک وادی میں داخل ہو گیا ہے جہاں ہر طرف سبزہ ہے۔ گھنے سایہ دار درخت ہیں۔ شفاف پانی کی نہریں بہہ رہی ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ جیسے گناہ گار پر اللہ کی رحمت کا نزول ہو رہا ہے۔" حضرت مولانا نے فرمایا کہ تم نے بڑی خوبی سے سب کا حق ادا کیا ہے۔ دوسری مرتبہ جب میں نے پرانے چراغ پر تبصرہ "شہر خوشاں کے مکیں" کے نام سے لکھا تھا اور ابتدا شیکسپیئر کی ایک برمحل چھوٹی سی نظم کے ترجمے کی تھی۔ یہ نظم میں آگے لکھوں گا۔ حضرت مولانا نے نام کی بھی داد دی تھی اور نظم کی بھی، اس داد کا ذکر ضروری نہ تھا مگر کیا عرض کروں میری خوشی کا پیمانہ گہرا نہیں ہے اور چھلک جاتا ہے۔

میں نے تلخیص نگاری کی ابتدا تاریخ دعوت و عزیمت سے کی تھی۔ ان کتابوں سے حضرت مولانا نے ماضی کے مرجھائے ہوئے نقوش میں نیا رنگ بھرا تھا۔ اسلام کی بہترین شخصیتوں کو بقائے دوام دیا۔ جو آنکھ سے اوجھل تھے سامنے آ گئے اور یہیں چلتے پھرتے نظر آنے لگے لیکن اپنے اس مضمون کو میں سیرت سید احمد شہیدؒ سے شروع کروں گا۔ حضرت سید احمد شہیدؒ کی زندگی اور شہادت اس آیت کی عملی تفسیر ہے جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

"ان ایمان والوں میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ انھوں نے اللہ سے جس بات کا عہد کیا تھا اسے سچ کر دکھایا، ان میں کچھ وہ ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے اور کچھ وہ ہیں جو (شہادت کے) مشتاق ہیں اور انھوں نے اپنے (قول کو) ذرا بھی نہیں بدلا۔"

یہ کتاب ملت کے لئے حضرت مولانا کا عظیم تحفہ ہے۔ شہیدوں کے ذکر کا زندگی سے بھرپور پیغام۔ وہ شہدا جن کے امیر حضرت سید احمد شہیدؒ تھے۔ وہ مجاہدین جو آب و گل کی نس... کے لئے نکلے تھے۔ بادشاہوں سے خراج لی... والے درویش جو سورج اور چاند پر کمند ڈالتے... اور جن کی آغوش میں زمان و مکان تھے۔ ا... محفلوں میں وہ ایسے نرم تھے جیسے پرنیاں اور... اور رزم گاہ میں وہ اپنے آپ کو بھول جاتے... یہی لوگ رنگ بدلتے آسمان کو نظام تازہ بخ... تھے۔ علامہ اقبالؔ نے ان حضرات کا کیسا خوبص... بیان کیا ہے۔

یہ کتاب حضرت سید احمد شہیدؒ کی مفص... سوانح حیات ہے جس میں ان کے اصلاحی او... تجدیدی کارناموں کا بیان ہے۔ اس عظیم الش... تحریک کا بیان جس کے اثر میں علما حجروں... اور امرا محلوں سے نکل نکل کر میدان میں آ... تھے۔ اسلام کے اخلاقی، روحانی، مادی اور... غلبہ کی کوشش کرنا۔ یہ ایثار اور سرفروشی کی... داستان ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے لئے ب...

ب حال ہے ؎

ہمارے پاس ہے کیا جو فدا کریں تجھ پر
مگر یہ زندگی مستعار رکھتے ہیں

ن مجاہدین نے کیا نہیں دیکھا، میدان جنگ کے ب نشیب و فراز اور حالات کے سب تغیرات یکھے۔ فتوحات بھی ہوئیں، علمداری بھی قائم وئی، ایک دینی ریاست کا انتظام بھی کرنا پڑا۔ شکستیں بھی ہوئیں، اسلام کی غیرت کے یہ محافظ پنے محفوظ گھروں سے نکلے اور بہت دور بالاکوٹ کی پہاڑیوں میں اپنی جان جان آفریں کے سپرد کردی۔ نہ مال غنیمت نہ مقبوضہ علاقے، دن کا تیر درخشاں ڈوب گیا اور رات کی چاندنی کی چھاؤں میں اپنی آخری آرام گاہ میں لیٹ گئے۔

ایک خونچکاں کفن پر کروڑوں بناؤ ہیں
پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ حور کی
(غالب)

حضرت مولانا نے مسلمانوں کے ہاتھ میں رشد و ہدایت اور عزم و ہمت کا ایک صحیفہ دے دیا۔

پھر ماذا خسر العالم "منظر عام پر آئی جو تیس برس کی عمر میں لکھی گئی تھی اور جس نے ساری علمی دنیا میں ایک ہلچل مچادی اور جس کے آگے ابن خلدون کے فلسفہ تاریخ کا مشہور مقدمہ گرد ہوگیا۔ حضورؐ کی بعثت کے وقت دنیا کا کیا حال تھا اور انسانیت کس پستی تک پہونچ چکی تھی۔ اسلام نے کس طرح زمام قیادت اپنے ہاتھ میں لی اور اس کی ترقی نے دنیا کی تہذیب پر کیا اثر ڈالا۔ پھر یہ قیادت کیسے کمزور اور غافل لوگوں کے ہاتھ میں پہونچی۔ مسلمانوں کا زوال صرف ایک کا حادثہ نہیں بلکہ انسانیت کی بدقسمتی تھی۔ کتاب پڑھ کر پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں نے کیسی مجرمانہ کوتاہی اور غفلت کا ارتکاب کیا، یہ نکتہ ہر جگہ واضح رہا کہ اللہ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود نہ بدلے۔

حضرت مولانا نے بڑے شاندار استادوں سے پڑھا مگر سچی بات یہ ہے کہ وہ تلمیذ الرحمن تھے "ماذا خسر العالم" یا "شرق اوسط کی ڈائری" لکھتے وقت مولانا کی عمر ۳۰ یا ۳۱ سال کی تھی مگر ان کا علمی ادبی اور ذہنی سانچہ بن چکا تھا۔

مولانا کی کتابوں کے متعلق میری شروع کی سطریں تاریخ دعوت و عزیمت کی سیریز سے متعلق تھیں جن کا ذکر میں پھر اس طرح کروں گا کہ حضرت مولانا نے اپنی ملت کے روحانی وارثوں کے نام اور کام کو ایک لوح سیمیں پر ثبت کیا ہے۔ یہ وہ انگارے تھے جو بجھے نہ تھے مگر تاریخ کے خاکستر میں دب گئے تھے۔ انھیں مولانا نے کرید کرید کر نکالا ہے اور پھونک پھونک کر روشن کیا ہے۔

پھر حضرت مولانا کی سیریز "پرانے چراغ" سامنے آتی ہے جس پر میں نے مضمون "شہر خموشاں کے مکیں" کے عنوان کے تحت لکھا تھا۔ اس کی ابتدا شیکسپیئر کی اس چھوٹی سی نظم سے ہوئی ہے (ترجمہ):

جب اپنے بیٹھے خاموش خیالوں میں
گذرے ہوؤں کی یاد آتی ہے
میں سرد آہیں بھرتا ہوں ان کی یاد میں جو کھو گئے
اور پرانے غموں کے ساتھ نئے غم بھی سامنے آجاتے ہیں
میری آنکھیں بہتی ہیں ان کے لئے جن کو موت نے چھپالیا
اور کراہتا ہوں ان صورتوں کے لئے جن کو دیکھنا اب نصیب نہ ہوگا
یہ بیان ہے ان کا جن کو میں پہلے بھی رو چکا ہوں۔

ان کتابوں میں ان لوگوں کا بھی بیان ہے جو خود حضرت مولانا کے گھر کے گوہر شب چراغ تھے۔ ایسے لوگ بھی جن سے علم اور محبت کے سبب سے ربط قائم ہوا۔ پرانے چراغ سے الادین کے چراغ کا جن سامنے آتا ہے مگر اس کا عجیب و غریب پر تکلف کھانوں کی فراہمی اور محلات کی تعمیر نہیں بلکہ وہ ایک دردمند دل، حساس اور بیدار ذہن کے مالک کا تابع ہے اور اس نے بصائر اور معرفت کا قیمتی ذخیرہ فراہم کیا ہے۔ مضامین الگ الگ لوگوں پر ہیں مگر ان میں ایک خارج از بیان صفت ہے جو سارے مضامین کو ایک وحدت بخشتی ہے ان لوگوں کا ذکر ہے جن کی زندگی کی نیکیاں، غیر معمولی علم و لیاقت، اسلامی سیرت و اخلاق، ظاہری اور باطنی کمالات کے خود حضرت مولانا شاہد ہیں۔

حضرت مولانا انتقال فرماگئے۔ دیکھیں اس سیریز کا کون تتمہ لکھتا ہے۔

اب حضرت مولانا کی کتاب کاروان مدینہ کا ذکر آتا ہے۔ اقبال نے جس دیار کے لئے کہا تھا "اے خنک شہرے کہ آنجا دلبراست" مضامین کا یہ کارواں اسی سمت رواں ہے۔ ان مضامین کے لئے کون سا لفظ استعمال کیا جائے۔ سروش غیبی، فیضان الٰہی ساری کتاب ربودگی اور از خود رفتگی وجد اور سرور کی فضا رکھتی ہے۔ وہ باتیں جو عام مسلمانوں کے علم میں ہیں ان کو اس طرح بیان کیا ہے کہ ایک پراسرار تغیر ان باتوں میں ایک نئی تب و تاب پیدا کردیتا ہے۔ دل کھنچا جاتا ہے۔ دل کی گہرائیوں میں موسیقی گونجنے لگتی ہے۔ ایک برقی رو ہے جو دل کو مرتعش کردیتی ہے۔ ایک مکمل سکون کا احساس ہوتا ہے۔

یہ ایک بلند نگاہ، لطیف الاحساس اور صاحب تخیل مصنف کے قلم کی سحر طرازی ہے جسے سحر حلال کہیں گے۔ مصنف نے اپنی کتاب کی تزئین کے لئے آسمان کے تارے نہیں توڑے

ہیں، ان کے پیر زمین ہی پر رہے ہیں۔ وہ زمین جس نے وہ آسمان پیدا کیا جو کتاب کے اندر اور لوگوں کے دل پر محیط ہے۔

اس کتاب کو پڑھتے ہی مصنف کی کتاب "نبیٔ رحمت" کا خیال آتا ہے۔ سیرت مبارکہ پر وہ کتاب جس کا حسن، حسنِ بیان، حسنِ ترتیب اور حسنِ انتخاب میں مضمر ہے۔ اس کتاب میں حضورؐ کی مبارک سیرت اور پاک زندگی کے درخشاں نقوش ثبت ہیں۔ جو زندہ حقیقتیں اور جاگتی ہوئی سچائیاں ہیں اسے اپنی حقیقی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ حضورؐ کی سیرت لکھتے وقت کوئی بھی عاشقِ رسولؐ اپنے امنڈتے ہوئے جذبات کو ایک طرف نہیں رکھ سکتا ہے مگر فلسفہ آرائی اور رنگ آمیزی کہیں بھی نہیں ہے۔ سیرتِ رسول پر بہت سی کتابیں لکھی گئیں مولانا سلیمان منصور پوری کی کتاب رحمۃ للعالمین کو حضرت مولانا اپنی محسن کتابوں میں مانتے ہیں مگر مولانا کی یہ کتاب اس لئے دوسری کتابوں سے مختلف ہے کہ نئی نسل کی فہم اور نفسیات کی موجودہ سطح اور عصری اور علمی اسلوب کا پورا خیال رکھا گیا ہے۔ قدیم و جدید دونوں قسم کے علمی ماخذ سے استفادہ کیا گیا ہے۔ کاروانِ مدینہ اور اس کتاب میں وہ فرق ہے جو نعت اور تاریخ میں ہوتا ہے۔ نعت کا تعلق صرف والہانہ فریفتگی سے ہے۔ تخیل نعت کی جان ہے۔ یہاں شاعرانہ ادراک صوفیانہ ادراک بن جاتا ہے۔ نعت تصورِ حسن کا اظہار ہے۔ ان لاہوتی طبقات تک پرواز جو صرف عشق کے پروبال پر ہو سکتی ہے۔ پیکرِ نبوی کے جمالِ جہاں آرا کا ذکر، بے پناہ جذبہ رحمت کا ذکر، اللہ اور اس کے فرشتوں کے حضور پر درود بھیجنے کا ذکر، شفیع و شافع روزِ جزا ہونے کا ذکر، شبِ معراج کا ذکر، نعت کا تعلق گو نظم سے ہے مگر نثر میں بھی نعت ہو سکتی ہے۔ حضرت خدیجہؓ کا آپؐ کو تسکین دینا۔ ام معبد کا سراپائے رسول کا بیان یہ سب نعت ہے۔ نعت اور سیرت میں فرق ہے۔ سیرت حضورؐ کی مقدس زندگی کا مکمل بیان ہے۔ نعت اُس زندگی کا روحانی کہیں یا رومانی جزو ہے۔

حضرت مولانا مرحوم کی کتاب "المرتضیٰ" جو عربی میں لکھی گئی اور جس کا ترجمہ اردو میں جناب مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی نے کیا تھا اپنے طرز کی واحد کتاب ہے جو حضرت سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کی مکمل سوانح حیات ہے اور ان کے خصائص اور کمالات پر روشنی ڈالتی ہے۔ یہ ایک ایسے نادرہ روزگار عبقری شخصیت کی سوانح ہے جن کی اصلی شخصیت افراط و تفریط اور اختلافات کے پردے کے پیچھے چلی گئی ہے۔ مسلمانوں کے مختلف گروہوں نے ان کو اپنے افکار و نظریات اور روایتی عقائد کے تحت دیکھا ہے۔ المرتضیٰ کے مصنف نے ان کی پاک اور بے داغ زندگی، ان کی شخصی خصوصیات، ان کے اعلیٰ اسلامی قدروں کو جس پردہ کار بند تھے اس انداز سے لکھا ہے کہ ان کے عہد کی پوری تصویر بھی سامنے آگئی اور عہدِ خلافت میں جن مسائل اور مشکلات سے وہ گزرے اور جو نازک مرحلے ان کی زندگی میں پیش آئے سب کا مورخانہ بیان بھی ہے۔ ان کی بے نظیر زاہدانہ زندگی، صحیح فیصلے اور اقدامات، فرزندانِ والا مرتبت اور سادات کرام (آل رسول) کے اعلیٰ اخلاق و شمائل سب کا بیان مستند تاریخ کی کتابوں سے اخذ کیا ہے اور تجزیہ کیا ہے۔

یہ نبیؐ کے چچازاد بھائی، یہ بچپن میں سب سے پہلے ایمان لانے والے، یہ ہجرت کی رات نبی کے بستر پر سونے والے، یہ امانتوں کی واپسی کے بعد حضور تک پہونچنے کے لئے مکہ سے مدینہ تک پیدل سفر کرنے والے جن کے پیروں کا ورم دیکھ کر حضورؐ رو دئے۔ یہ نبی کی بیٹی سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہراؓ کے زوج یہ جنّت کے جوانوں کے سردار حضرات حسنینؓ کے وال اس بے مثال کتاب میں ان کی تابناک زندگی کے سارے پہلو سامنے آگئے۔ یہ کتاب ایک تاریخی دستاویز اور رسول کے تربیت گاہ کے منتخب تر تربیت یافتہ کی سیرت لکھنے کی ایک مخلصانہ کوشش ہے۔

حضرت مولانا کی کتاب بصائر ہندوستان کی اسلامی اور علمی تاریخ کا ایک منصفانہ جائزہ ہے۔ یہ کتاب اپنے زعیموں کی داستان، ان کے کارنامے، ان کا دبستان فکر، ان کے بنا کردہ اعل دینی مدارس، تربیتی مراکز ان کی لائی ہوئی اصلاح تحریکات کا ایک خاکہ ہے۔ جن کا بیان ہے ان کی خوبی اور محبوبی سے مولانا کا دل سرشار ہے۔ کتا میں ذکر کردہ قدسی صفات عالی نفوس حضرات احیائے دین کے بانی مبانی تھے انھوں نے مذہب تجدید کے ساتھ معاشرے کی تجدید بھی کی ہے حضرت مولانا نے مجدد الف ثانی حضرت شیخ ا سرہندی سے ابتدا کی ہے اور علامہ سید سلیما ندوی پر خاتمہ کیا ہے ایک طبقے نے جماعتی مفا یا شخصی مصلحت یا ایک خاص مشرب اور طریقہ فائدہ پہونچانے کے لئے ان بزرگوں کی بنا کرد دینی تحریکوں، دعوتی سرگرمیوں اور اصلاحی کوشش کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کرنے اور تعلیمی مرا کے سلسلے میں شکوک اور شبہات پیدا کرنے کوشش شروع کی ہے، یہ کتاب اس کے ازا کے لئے لکھی گئی ہے۔ مصنف کتاب نے اس رد اس شمانت کے توڑ کے لئے کوئی الزام نہیں لگایا ان کی تحریر خالص ایجابی ہے۔ ایسی حقیقتوں کا جو خود اپنی سچائی کی گواہ ہیں۔ جن کا بیان ہے ا پہلے بھی حضرت مولانا بڑے شاندار مضامین ا کتاب لکھ چکے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہؒ پر تاریخ دعوت و عزیمت کی د

ی تصنیف کی ہیں جو دائرۃ المعارف کا درجہ رکھتی ی حضرت سید احمد شہیدؒ پر مولانا کی تصنیف وہ ۃ الآثار تصنیف ہے جس کے ٹکر کی کتاب اردو نہیں لکھی گئی۔ اس کتاب میں حضرت مولانا سید یل شہیدؒ کے کارنامے کا مفصل بیان ہے۔ نا قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، نا خلیل احمد سہارنپوریؒ، شیخ الہند مولانا محمود ن کے حوالے مولانا کی بیشتر کتابوں میں لے یں گے۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نا حسین احمد مدنیؒ، شیخ الحدیث مولانا محمد ، مولانا محمد الیاسؒ، مولانا سید سلیمان ندویؒ ولانا کے لکھے ہوئے بہترین خاکے "پرانے چراغ" شامل ہیں۔ ان حضرات نے آدم گری، مردم زی اور روحانی تزکیہ اور تربیت کا کام انجام ا ہے۔ ایسے مردان کار تیار کئے جو حمایت شریعت ر محو بدعت کا عظیم الشان کام انجام دینے کی لاحیت رکھتے تھے۔

اللہ تعالیٰ ان کو نیک ہدایت دے جو بقول ضرت مولانا بے مقصد جہاد اور بغیر دشمن کی جنگ نے پر آمادہ ہیں کیا یہ زمانہ انہی باتوں کا ہے۔

یہ کتابیں حضرت مولانا کی بہت معروف کتابیں ہیں۔ ان کے علاوہ حضرت مولانا کی بے شمار ایسی تابیں ہیں جو مقامی اور وقتی مسائل کو سامنے رکھ ر لکھی گئی ہیں جیسے مغرب سے صاف صاف باتیں ئی دنیا امریکہ میں صاف صاف باتیں۔

مغرب سے صاف صاف باتوں میں حضرت ولانا بقول مولانا محمد الحسنی مرحوم کے ایک ایسے الی کی شکل میں سامنے آتے ہیں جو مغرب کو سلام کی دعوت بغیر کسی ملامت اور شرمندگی کے یتے اور اس کے لئے غیر ضروری تاویلات کا ہارا نہیں لیتا۔ حضرت مولانا مغرب کو بنی نوع نسان کی قیادت میں اہم کردار ادا کرنے اور زندگی کا رخ تبدیل کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ علوم اور وسائل پوری انسانیت کو بلاتفریق و امتیاز حقیقت اور سعادت سے ہم کنار کر سکتے ہیں بشرطیکہ ایمان اور صالح مقاصد کے ساتھ ان کا جوڑ ہو۔ انانیت تکبر اور علمی غرور قبول حق کی راہ میں حائل ہوگیا ہے۔

دوسری کتاب، امریکہ اور کناڈا میں مولانا مرحوم کی اہم تقریروں اور خطبات کا فکر انگیز مجموعہ ہے۔ مغربی تہذیب اور امریکی معاشرت کا جائزہ، تجزیہ اور مطالعہ ہے اور امریکہ کے مقیم مسلمانوں کے بارے میں اہم مشورے دیئے ہیں۔ مغربی تہذیب کے سب سے بڑے مرکز میں اس بلند سطح سے گفتگو کی گئی ہے جس پر دیکھنے والوں کو پرانی اور نئی دنیا ایک بے حقیقت سراب اور اس کی چمک دمک جھوٹے نگینوں کی آب و تاب نظر آتی ہے۔

حضرت مولانا کی سرسبز کاروان زندگی کو میں نے سب سے آخر میں رکھا۔ میر کارواں کی آخری منزل تو آگئی، ساتویں منزل پر انھوں نے پڑاؤ ڈالا۔ اب آگے نہیں بڑھنا ہے۔ نوا تو حضرت مولانا کی کبھی تلخ نہ ہوئی کیونکہ ذوق نغمہ کو انھوں نے کمیاب نہیں پایا، مگر اب نہ جرس کارواں ہے نہ حُدی خواں۔ اب آگے کچھ لکھتے وقت میرا دل بھر آتا ہے۔ بس یہی کہنا ہے کہ یہ سرسبز تاریخی مرقع ہونے کے علاوہ فکر و عمل کی بھی دعوت دیتی ہے۔ ان کتابوں میں ملک کے اندر اور ملک کے باہر طویل اسفار کا بیان ہے۔ اس دوران ہونے والے اہم واقعات پر تبصرہ ہے اور یہ تبصرہ تاریخ کی شکل میں نظر آتا ہے۔ حضرت مولانا تو تاریخ اور فلسفہ تاریخ کے زبردست واقف کاروں میں رہے ہیں جن حالات اور جن واقعات کو وہ بیان کرتے ہیں ان کے اسباب و علل پر غور کرکے وہ منطقی نتیجہ پر آتے ہیں، کانفرنسوں اور سیمیناروں میں شرکت کی روداد میں پوری دلچسپی پیدا کرتے ہوئے قاری کے علمی، دینی اور اصلاحی جذبہ کو بیدار کرتی ہیں۔ یہاں جغرافیائی حدود و ثغور سے معاملہ نہیں۔ مذہب جو سطور میں عیاں اور بین السطور میں نہاں ہے اس نے کسی ملک اور کسی زمانہ میں اپنی شکل نہیں بدلی۔ وہ نظریہ حیات سامنے آتا ہے جو اسلام کا دین ہے۔ ہر بیان میں ایک حسن تکمیل بھی ہے۔

یہ مضامین جہاں مولانا کے اجتہاد ذاتی کا اظہار کرتے ہیں وہاں یہ بھی لگتا ہے کہ مجددین، مجتہدین، مصلحین ایک جماعت میں اپنے تحائف حضرت مولانا کو دے رہے ہیں۔ مولانا کا ہر فرمانا مکمل اور مستند ہوتا، ہم آہنگی، توازن اور جامعیت حضرت کی تحریر کے وصف ہیں۔ آپ سطح کے اوپر کے مشاہدات کے ساتھ سطح کے نیچے بہنے والی لہروں UNDER CURRENT کو بھی محسوس کریں گے۔ ع

داستان فصل گل خوش می سراید عندلیب

ص ـــ کا بقیہ سراپا عزیمت ودعوت

دار السلام کی ذات پاک کی تجلیات سے سنی سنائی حد تک بھی بے بہرہ اور ناواقف ہو۔ صدی پر صدی گزرتی گئی ان مبارک قدموں کے نشانوں پر سر کے بل چلنے والے اسی طرح کی شان دکھاتے آئے ہیں۔ جیسی شان علی میاں نے دکھائی۔ یہ بزرگ تو خاص کے مدینے کا رنگ رکھنے والے بزرگ ہیں، لکھنؤ و دہلی کے بیچارے اس کے آگے کیا حیثیت رکھتے ہیں۔

انسان کی تعریف :۔ انسان کی تعریف یہ نہیں کہ وہ غلطی نہیں کرتا، غلطی کرنا تو اس کی سرشت اور خمیر میں داخل ہے، تعریف یہ ہے کہ وہ غلطی کا اعتراف کرتا ہے اور اس پر نادم ہوتا ہے۔
(حضرت مولانا علی میاںؒ)

سپاہ تازہ برانگیزم از ولایت عشق

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

کی

دو شاہکار تصنیفات

نبی رحمت اور ارکان اربعہ

تحلیل و تجزیہ : ـــــ مولانا نذر الحفیظ ندوی۔ استاذ ادب دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ندوۃ العلماء پر اس کے قیام کے بعد ہی سے اللہ تعالیٰ کے جو خاص انعامات ہوئے ان میں ایک بیش بہا احسان اس کا یہ بھی ہے کہ ندوہ سے نسبت رکھنے والوں کو اس نے اپنے آخری محبوب نبیؐ کی سیرت لکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ ان کے قلم سے امہات المومنینؓ، خلفاء راشدین صحابہ کرامؓ، صحابیات، تابعین، ائمہ مجتہدین، صلحاء، شہداء، علماء و مشائخ اور اصحاب دعوت و عزیمت کی سوانح اور تذکرے نکلے جو چودہ صدیوں کی تجدیدی و اصلاحی کوششوں پر محیط ہیں، ندوی فضلاء کی دوسری نسل میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی اس اعتبار سے ممتاز و فائق ہیں کہ ان کے قلم سے سیرت و سوانح، تاریخ و ادب، عقائد و عبادات اور اخلاق و معاملات پر ایسی کتابیں نکلیں جنھوں نے دینی فکر کی تجدید اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ کا اعتماد اسلام کی ابدی صداقت پر از سر نو بحال کیا۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے جس گھرانے میں آنکھیں کھولیں وہ دینی و اخلاقی قدروں کا حامل تھا۔ گھر ہر وقت قرآن و حدیث، سیرت نبویؐ، صحابہ کرامؓ کے تذکرے، مجددین و مصلحین اور مجاہدین کے کارناموں سے گونجتے، اسی پاکیزہ ماحول میں جن عناصر سے مولانا کی سیرت و کردار کی تشکیل ہوئی ان میں سیرت نبوی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، دس بارہ سال کی عمر میں رحمۃ للعالمین جیسی کتاب کے مطالعہ نے مولانا کو ایسی دولت سے آشنا کیا جو ان کے نزدیک ایمان بالغیب کے بعد سب سے قیمتی چیز بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں ایمان ہی کا ایک حصہ ہے، ابن ہشام کی "السیرۃ النبویۃ" اور ابن قیم کی "زاد المعاد" کے مطالعہ میں انھوں نے زندگی کے شب و روز بسر کئے، یہی وہ وقت تھا جب ان کا دل ایمان و یقین کی حلاوت سے آشنا ہوا، اور ان کے جذبۂ شوق و محبت کو نئی غذا ملی اور اس کی از سر نو آبیاری ہوئی، مولانا کے کردار کی تعمیر، عقیدہ کی پختگی، اخلاق کی بالیدگی اور ایمان کی تخم ریزی و پرورش میں سیرت نبوی کے مطالعہ نے بڑا بنیادی اور موثر رول ادا کیا، اس مبارک موضوع نے ان کے دل میں اس خوابیدہ اور مخفی محبت کو ابھارا جس کے بغیر زندگی میں کوئی مزہ نہیں اور جس کے بغیر زندگی کی کوئی قیمت نہیں
بقول حضرت مولانا کے یہی دیوانگی محبت زند[گی]
کا حاصل اور مغز ہے۔

در خرمن کائنات کردیم نگاہ
یک دانہ محبت است باقی ہمہ کاہ

مولانا کی پوری زندگی اس دیوانگی
کی تعبیر تھی، اس محبت کے طفیل ان کے نقوش
میں تازگی تھی، اپنے مقاصد و مطالب کی وضاحت
کے لئے ان کو قوی سے قوی تر دلائل اور بلیغ
بلیغ تر مثالیں سیرت کے جمال و کمال ہی سے مل
تھیں، اور سیرت ہی سے ان کی طبع میں روا
و جولانی پیدا ہوتی تھی اور ان کی خوابیدہ
بیدار ہوتی تھیں، ان کی تمام تحریروں پر اسوۂ
جمال محمدی کا پرتو اور سیرت نبوی کے گہرے مطا
اور فکر و تدبر کا عکس پایا جاتا ہے۔

لیکن مولانا نے جس دور میں ہوش سنبھ
وہ ایمان و مادیت کے درمیان کشمکش کا تھا، تما
مسلم ممالک پر عام طور پر اور عرب ممالک پر خا
طور پر مغربی صیاد کے اقبال کا سحر تھا، مغربی سا
سے ڈھل کر جو نئی نسل باہر آرہی تھی وہ اعتقاد
و ذہنی اور تہذیبی ارتداد کے رنگ ڈھنگ
کررہی تھی، مولانا نے اپنی آنکھوں سے مشاہد
کیا کہ مغربی علوم اور مادی فلسفے جدید تعلیم او
قوم پرستی کی رہنمائی میں عرب و عجم بلکہ خود حرم
اندر غنیم کی فوجیں داخل ہورہی ہیں، مولانا
حساس اور درد مند دل پر اس صورت حال
زبردست چوٹ لگائی، انھوں نے دیکھا
قوم پرستی کی تحریکیں، مغربی تعلیم کے اثرات
دور حاضر کی مادیت ہر جگہ اپنا اثر دکھلا رہی۔
اور دلوں کی اس گرمی اور اس سوز کو نقصان
پہونچا رہی ہے جو اس امت کا بہت بڑا سرمایہ
اللہ تعالیٰ نے اسی سرمایۂ ملت کی نگہبا

لئے بروقت اپنے ایک بندے کو خبردار
راس سے ایسی کتاب لکھوائی جس نے
لامی دنیا کے اس طرز فکر کو یکسر تبدیل کرکے
دیا جو مغرب کی بالادستی کی وجہ سے پیدا
تھا، بلکہ اس کتاب نے مغربی ارتداد کے
بلاب بلاخیز کے آگے زبردست پشتہ کا
دیا۔[1]

مولانا نے ایمانی فراست اور ذکاوت جس
س کا ادراک علمی و دعوتی سرگرمیوں کے آغاز
ں کر لیا تھا کہ مغربی ارتداد نے عالمگیر وبا کی
ت اختیار کر لی ہے، اور یہ طوفان و سیلاب
رح تیزی سے پھیل رہا ہے، مولانا کے ہوش
نبھالنے تک مسلمانوں کی دو نسلیں مغربی
بوں سے ڈھل کر نکل چکی تھیں، اس لئے
ں نے از سر نو تعمیر حرم کی ضرورت محسوس
ے مشرکانہ ماحول میں آنکھیں کھولنے والے
لمان بچوں کی دینی و اخلاقی تعلیم و تربیت
لئے عربی زبان میں قصص النبیین تیار کی جس
بچوں کے لئے علم کلام کا کام دیا، نوجوانوں
سیات اور ان کے عقلی و جذباتی تقاضوں کو
نے رکھ کر عربی نصابی کتابیں تیار کی گئیں۔

مغرب کی خشک آفریں تہذیب و ثقافت
جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے دل و دماغ میں یہ
بنیادی تھی کہ پوری اسلامی تاریخ میں
ہ صدیوں تک خلفائے راشدین کے بعد
مجدد و مصلح پیدا نہیں ہوا، شعوری یا غیر شعوری
ر پر یہ بات بعض داعیوں کے قلم پر آرہی تھی جو
تحریف کا پیش خیمہ تھا کہ خدانخواستہ
سلام کے اندر اس کی صلاحیت ہی نہیں کہ وہ
رنے کے وقت ایسے مردان کار تیار کر سکے
صلاح و تجدید کا کام انجام دے سکیں۔ اس
دی موضوع پر مولانا نے ایک ایسا سلسلۃ الذہب

تیار کر دیا جس نے اسلامی تاریخ کے بہت بڑے خلا کو پر کر دیا، یا اسلامی سرحد کے اس زبردست رخنہ کو بند کر دیا جہاں سے ذہنی و اعتقادی ارتداد کی فوجیں داخل ہو رہی تھیں۔

سیرت نبوی مولانا کا ایسا محبوب موضوع تھا کہ وہ ان کے دل و دماغ اور اعصاب پر حاوی تھا، ایسا کہ ان کی تحریر و تقریر اور اصلاحی و دعوتی کوششوں کا محور و مرکز تھا۔ وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ملت کے اس رہنما اور سربراہ طبقہ کی (جو ملت کی فکری، علمی اور سیاسی قیادت کر رہا ہے) موجودہ بے راہ روی، اسلام کی صحیح روح سے بُعد، آسمانی مذاہب کے مخالف مادی اقدار کی غلامی، مصنوعی طریقوں اور مغربی طرز فکر سے وابستگی اور اس کے اثر سے اسلام کی ایک نئی تعبیر اور دین کی ایک نئی تفہیم کو دنیا کے سامنے پیش کرنا، منہاج و مزاج نبوت سے ناآشنائی اور اس کی اصل قدر و قیمت سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے، اس طبقہ کو نہیں معلوم کہ زندگی، تہذیب و تمدن اور عقل انسانی پر نبوت کے کیا احسانات ہیں، اس نے دنیا کو کیا عطا کیا، اور اس سے نئی نسل، نئے تمدن کا رشتہ منقطع ہو جانے سے زندگی اور انسانی معاشرہ کس غلط راستہ پر پڑ گیا ہے اور وہ تباہی کے کس عمیق اور مہیب غار کی طرف رواں دواں ہے۔ مولانا کا یہ عقیدہ تھا کہ عرب ہی اس دولت (ایمان) کے سب سے بڑے امین و علمبردار تھے اور عالم اسلام کے بقاء اور استحکام کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ اس قوت کا سرچشمہ اور اس دولت کے پاسبان و محافظ رہیں، اور ان سے عالم اسلام کو فیض ملتا رہے۔ عربوں کو ان کا بھولا ہوا سبق یاد دلانے کے لئے وہ اتنے بے چین اور مضطرب رہا کرتے کہ ان کے شب و روز اسی پیچ و تاب اور سوز و ساز میں گذرتے اور کسی نہ کسی موقع سے وہ اس سے فائدہ اٹھانے سے دریغ نہ کرتے، سیرت رسول اکرمؐ، سیرت محمدیؐ کا پیغام بیسویں صدی کی دنیا کے نام، سیرت نبویؐ دعاؤں کے آئینے میں، الطریق الی المدینۃ، إلی الاسلام من جدید، النبوۃ والانبیاء فی ضوء القرآن، السیرۃ النبویۃ، نیز درجنوں رسائل ایسے سپاہ تازہ کی مانند تھے جنہوں نے مادیت کے مقابل صف آرا ہو کر عقل خام اور سطحی علم کا مقابلہ کرنے میں بڑا بنیادی کردار ادا کیا، گویا مولانا نے اقبال کے الفاظ میں ؎

سپاہ تازہ برانگیزم از ولایت عشق
کہ در حرم خطرے از بغاوت خرد است

کا فریضہ انجام دیا۔

الطریق الی المدینۃ کا مرکزی موضوع اگرچہ سیرت نبویؐ سے متعلق ہے لیکن ہر مقالہ کا اسلوب اچھوتا اور دلوں کو موہ لیتا ہے، نئے نئے پہلوؤں سے بعثت محمدیؐ کے احسانات کی جلوہ گری ان مقالات میں نظر آتی ہے۔ مصنف نے پورے انسانیت پر نبوت محمدی کے انعامات و احسانات کا ذکر کرتے ہوئے اس کے فیضان عام کا تعارف ایسے البیلے انداز میں کرایا ہے کہ ہر مقالہ کرشمہ دامن دل می کشد اور خوب سے خوب تر کی مثال ہے۔ کتاب کی غیر معمولی تاثیر کا اعتراف عالم عربی کے ممتاز ادیب و نقاد استاذ علی الطنطاوی نے اپنے دلچسپ اور اچھوتے مقدمہ میں کیا ہے۔

۱۹۶۳ء میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی طرف سے جامعہ کے طلبہ کے ذہن کی تعمیر اور سیرت کی تشکیل کے لئے محاضرہ دینے کی پیش کش ہوئی تو مولانا نے النبوۃ والانبیاء فی ضوء القرآن کا موضوع منتخب کیا۔ اس موضوع کے انتخاب

میں بھی یہی جذبہ کارفرما تھا کہ یہ موضوع ان اہم مباحث اور تحقیقات میں ہے جن کی نئی نسل کو خاص طور پر ضرورت ہے اس لئے کہ مولانا کے بقول اسلامی دانش گاہوں کی بنیادی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ پہلے نعمت نبوت کے سمجھنے کی طرف توجہ کرے۔ جس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ نے کوئی نعمت نہیں اتاری، اور اس نعمت کی قدر و شکر کے ساتھ اس کے سرگرم حامیوں اور داعیوں میں ہو، اور وہ زندگی کی رزم گاہ میں جہاں جاہلیت، ارتداد اور انقلاب کے پرچم ہر طرف لہرا رہے ہیں۔ وہ لوائے محمدی اور خیمۂ مصطفوی کے سائے میں آجائے اور زندگی کے ہر محاذ پر خواہ وہ فکری و اعتقادی ہو یا علمی و انتظامی، اخلاقی و اجتماعی ہو یا تمدنی و سیاسی، اسلام کی سربلندی کے لئے اپنے کو وقف کردے، اس طرح کسی بھی اسلامی دانش گاہ کے فارغین و متوسلین کا دائمی شعار اور ان کا سب سے گرانقدر مقصد نبوت اور اس کے طریقۂ کار کا ہر فکر و فلسفہ، مذہب و مسلک فکر کے ہر ڈھنگ، زندگی کے ہر رنگ اور انسانیت و تمدن کے ہر آہنگ پر ترجیح دینا، اور اسے برتر سمجھنا چاہئے، کیونکہ اگر کوئی نہ ختم ہونے والی اور حقیقی فیصلہ کن جنگ ہے تو وہ نبوت و جاہلیت کی جنگ ہے، وہ جاہلیت جس کی نمائندگی مغرب کررہا ہے اور وہ اسلام (دین حق) جس کا علمبردار تنہا مسلمان رہ گیا ہے۔ اس جنگ کے سوا تمام جنگیں نقلی اور خانہ جنگیاں ہیں، لیکن فکر و نظر کی دائمی جنگ جاہلیت و نبوت کے درمیان ہی ہے۔ مولانا نے آٹھ محاضرات کے ذریعہ اسلام کے بنیادی عقائد کو ادبی اسلوب میں اچھوتے انداز سے پیش کیا ہے۔ ان محاضرات میں نبی نوع انسان اور تمدن انسانی پر نبوت کے احسانات، انبیاء کرام کی امتیازی خصوصیات، نبوت کے پیدا کردہ ذہن و مزاج، طریقۂ فکر، نبوت کے تیار کردہ انسانی نمونوں، نبوت محمدی کے لافانی کارناموں نیز ختم نبوت کی ضرورت و اہمیت اور اس کے دور رس عمیق اور انقلاب انگیز اثرات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ کتاب ایسے اشارات و حقائق پر مشتمل ہے جو گہرے غور و فکر کو دعوت اور موجودہ مسلم معاشرہ میں جو ایک عبوری مرحلے سے گذر رہا ہے اور اقدار و افکار کی تند و تیز کشمکش سے دوچار ہے، غور و فکر کا پیغام ہے، اور اس دینی فکر کی تجدید بھی جس پر مادی و سیاسی طرز فکر کا غبار پڑ گیا ہے۔

مندرجہ بالا دونوں کتابوں کی اشاعت کے ایک مدت بعد مولانا نے قصص النبیین کا آخری حصہ خاتم النبیین پر لکھنا چاہا تو بچوں کی نفسیات اور عقلی سطح کے مطابق کتاب کی تیاری میں بقول مولانا کے خاصی دشواری پیش آئی، لیکن اس محبوب موضوع کی برکت سے جہاں ...... یہ دشوار مرحلے ہوگیا وہیں ایک بڑی کتاب مرتب کرنے کا خیال بھی چٹکیاں لینے لگا۔ یہ مبارک خیال دل و دماغ اور اعصاب پر ایسا حاوی ہوگیا کہ ایک سال کے اندر کتاب تیار ہوگئی، یہی مولانا کا مزاج اور ان کی طبیعت تھی کہ جب وہ کسی کام کا ارادہ کرلیتے تھے تو مولانا ہی کے بقول وہ ہتھیلی پر سرسوں جمانے کی کوشش کرتے تھے۔

سیرت کے موضوع پر کتابوں کا اتنا بڑا کتب خانہ تیار ہوگیا ہے جس کی نظیر کسی قوم میں نہیں ملتی، ہر دور میں اللہ کے بندوں نے اس محبوب موضوع پر لکھنا اپنے لئے باعث سعادت و نجات اخروی سمجھا، مغربی عہد اقتدار میں انسانیت کو جو معنوی خسارے ہوئے ان کی بھرپائی کے لئے جہاں دینی و اخلاقی موضوعات پر بہت سی کتابیں لکھی گئیں وہیں سیرت کے موضوع پر بھی کتابیں لکھی گئیں۔ ان میں بعض کا انداز دفاعی اور معذرت خواہانہ تھا، بعض کتا[بیں] مستشرقین کے اعتراضات کو سامنے رکھ کر لکھی گئیں، تیسری قسم ان کتابوں کی ہے جو ادبی اسلو[ب] اور خالص علمی انداز میں تحریر کی گئیں، لکھنے وا[لوں] نے صرف عربوں کے دور جاہلیت کے بعض گو[شوں] کو بیان کرنے کے بعد ولادت و بعثت نبو[ی] سے لے کر ہجرت، غزوات اور سیرت نبوی کے بعض واقعات، خصوصاً معجزات کا ذکر کرنے پر اکتفا کیا۔ پوری انسانی دنیا پر جاہلیت کا جو شامیانہ تنا ہوا تھا، بعثت نبوی کے عمیق اور دور رس اثرات نے کس طرح اس عالمی فضا[ء کو] تبدیل کردیا۔ اس کی طرف ان سیرت نگاروں [کا] ذہن نہیں گیا، دوسری طرف سیرت کے موضو[ع] پر جو کتابیں نئے اسلوب میں لکھی گئیں ان [میں] سیرت نگاروں نے اپنے خاص ذوق و رجحا[ن] کے مطابق (شعوری یا غیر شعوری طور پر) ما[حول] کو اپنے ذوق و رجحان کے تابع کردیا۔ ایسی کت[ابیں] کتابیں تیار کی گئیں جن میں سیرت نگار نے حضور[اکرم] صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت لکھنے کے لئے قلم ا[ٹھایا] لیکن اس کے بجائے خود اپنی تصویر کھینچ کر رکھ [دی]، ایسا بھی ہوا کہ سیرت نگاروں نے حضور اکرم [صلی اللہ] علیہ وسلم کے حالات و سوانح پر معروضی اور ادبی طریقہ پر روشنی ڈالنا چاہا لیکن ان کو اپنے ذ[اتی] میلانات و تجربات اور اپنے نقطۂ نظر کے عد[سے] سے دیکھا اور حالات و واقعات کو اپنے محدود پیمانوں سے ناپنا شروع کردیا، ایک دشواری یہ بھی تھی کہ سیرت نبوی دوسرے افراد بنی آدم (بشمول انبیاء و غیر انبیاء) اپنی نزاکت و لطافت، وسعت و جامعیت، زندگی کی نازک تفصیلا[ت]

اور ذہن سے دقیق معانی و مطالب اور دل کی دھڑکنوں، اور پیشانی کی سلوٹوں اور نفس انسانی کی مختلف حالتوں کے احاطہ و استیعاب اور اس کی مکمل تشریح و ترجمانی میں سب سے ممتاز اور بلند مقام رکھتی ہے، ایسی سیرت کی گیرائی دہرگیری اور جہاں آرائی کے باوجود آپ کی زندگی اور مکارم اخلاق کی صحیح تصویر، آپ کے حسن سیرت و صورت و کمال ظاہر و باطن، آپ کی محبت و شفقت اور دل داری و دلنوازی آپ کی دعائیں اور خدا سے عرض حال، بنی نوع انسان اور انسانیت کے مستقبل کے لئے آپ کی بے قراری و دل سوزی، آپ کی فصاحت و بلاغت علم و حکمت اور کمال و جامعیت کی ان روشن اور جاں نواز نشانیوں اور زندۂ لافانی معجزوں کا مفصل و مکمل بیان قریب قریب ناممکن ہے، خصوصاً نفس انسانی کی تہہ تک پہونچنا اور اس کے وسیع آفاق اور فضائے محیط کا علم، پھر اس کی جامع اور نازک تصویر کشی، علوم ادبیہ اور اسالیب بیانیہ کی سب سے دشوار، نازک اور بہت جلد متاثر ہونے والی صنف ہے۔ یہی نزاکتیں اور دشواریاں تھیں جن کی بنا پر عرصہ تک اس محبوب موضوع پر (قلبی و ذہنی و وجدانی شغف کے باوجود) قلم اٹھانے مولانا ہچکچاتے رہے حالانکہ ان کو مشہور و اہم شخصیتوں کی سوانح حیات اور متعدد مبلغ و مآخذین کے حالات زندگی اور ان کے کارنامے لکھنے اور بیان کرنے کا آغاز شباب ہی سے موقع ملا۔ مصلحین امت اور اصحاب دعوت و عزیمت کے حالات و تراجم کے علاوہ تاریخ و ادب، عقائد و عبادات اور اخلاق و معاملات پر جو کتابیں ان کے قلم سے نکلیں انھوں نے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کا اعتماد اسلام پر از سر نو بحال کرنے میں بڑا بنیادی کردار ادا کیا۔ اس کے پیش نظر عالم عربی کے بعض چوٹی کے داعیوں اور اہل نظر نے مولانا پر زور دیا کہ وہ سیرت پر بھی ایسی کتاب تیار کر دیں جو عصری اسلوب کے ساتھ علمی و دعوتی اور تربیتی پہلوؤں کی جامع ہو، عقل و جذبات اور نوجوانوں کی نفسیات کا بھی اس میں لحاظ رکھا جائے۔ یہ کتاب ایسی ہو کہ غیر مسلموں کو بھی بغیر کسی استثنا اور تحفظ کے دی جاسکے کہ وہ اس کے زیادہ حقدار ہیں۔

مولانا نے "نبی رحمت" کی تیاری میں جن بنیادی خصوصیات کو پیش نظر رکھا ہے وہ حسب ذیل ہیں:۔

● چونکہ بعثت نبوی کے اثرات بڑے وسیع و عمیق ہیں، پوری انسانی تہذیب اس سے متاثر ہوئی اور زندگی کے تمام گوشے اس روشنی سے منور ہوئے، اس لئے عالمی جاہلیت کا اصل نقشہ، اس کے فساد و اضطراب، اخلاقی پستی، خود فراموشی و خودکشی کی زندہ و متحرک تصویر پیش کرنا مصنف نے ضروری سمجھا کہ اس کے بغیر بعثت محمدی کی عظمت و وسعت اور منصب نبوت کی نزاکت و اہمیت اور اس کے عظیم الشان نتائج کی اہمیت و تاثیر کا صحیح اندازہ نہیں لگایا جاسکتا، چونکہ مصنف جاہلی دور کے عقل و شعور اور اس زمانہ کی تہذیب و تمدن نیز اجتماعی، سیاسی اور دینی و مذہبی حالات، اس کے اقتصادی و سیاسی ڈھانچہ اور عسکری طاقت کی نوعیت سے واقف ہیں اس لئے انھوں نے ان ملکوں کے باشندوں کے صحیح رجحانات، ان کے مزاج و افتاد طبع، ان کے ذہن و نفسیات پر روشنی ڈالی ہے، اس کی بنا پر قاری کو ان دشواریوں اور رکاوٹوں کا پوری طرح اندازہ ہوتا ہے جو اسلام کی پیش قدمی کی راہ میں حائل ہو رہی تھیں، اس کو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ عالمگیر سطح پر انسانیت کے دھارے کو جس طرح تبدیل کیا گیا وہ ایک نبی مرسل ہی کر سکتا ہے جس کو نصرت و تائید الٰہی حاصل ہو۔ اس لئے کہ مستشرقین نے اپنی تصنیفات سے یہ تاثر دینے اور جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کا ذہن بنانے کی کوشش کی ہے کہ یہ تبدیلی بعثت محمدی کا نتیجہ نہیں بلکہ حالات کا رد عمل تھا اور پہلے سے اس انقلاب کا لاوا لوگوں کے اندر پک رہا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کل کام یہ ہے کہ انھوں نے بر وقت اپنی دعوت پیش کر دی، مولانا نے اس کا جواب مستشرقین ہی کی کتابوں سے دیا ہے، دوسری طرف خود مکہ کی سیاسی، اقتصادی، سماجی و تمدنی تاریخ سے بھی اس کے دلائل دیئے ہیں اور بتایا ہے کہ مشرکین مکہ نے حضور کے سامنے دولت و حکومت کی پیش کش کی تھی، لیکن آپ نے انکار کر دیا کہ آپ کا بنیادی مقصد پوری انسانیت کی ہدایت تھا نہ کہ اقتدار کا حصول اور عربوں کی شیرازہ بندی۔

● اسی طرح مولانا نے مدینہ کی اجتماعی اقتصادی اور سیاسی حالت، وہاں کی زمین کی خاصیت، اس کے جغرافیہ، گرد و نواح وہاں کی انفرادی و علاقائی طاقتوں، ان کے باہمی تعلقات، روابط، باہمی معاہدوں اور عہد ناموں اور ہجرت سے قبل کے معاملات اور قومی و ملکی دستور، رسم و رواج، اور باہم متضاد و متحارب گروہوں اور مختلف قبائلی عناصر پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے کہ ان کے جانے بغیر قاری نہیں سمجھ سکتا کہ اسلام نے ان افراد کی کب اور کیسے تربیت کی اور ان کو کیسے حیات نو بخشی، مختلف مسائل کو کس طرح حل کیا، متضاد و متحارب عناصر کو کس طرح شیر و شکر کیا، اس سلسلہ میں

نبوت محمدیؐ کا کیا کارنامہ ہے، اس نے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے اور روٹھے ہوئے انسانوں کو ملانے اور ان کی تعلیم و تربیت اور تزکیہ و تطہیر کا فریضہ کس طرح انجام دیا، یہ بات صرف اس وقت سمجھی جاسکتی ہے جب آدمی کے سامنے اس عجیب و غریب اور پیچیدہ ماحول کی پوری تصویر ہو جس کا سامنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کرنا پڑا۔

● اس اصول کو مصنف نے اس وقت کی معاصر حکومتوں اور بڑی دسی ریاستوں پر بھی منطبق کرتے ہوئے ان کی تہذیب و ثقافت عسکری قوت، فارغ البالی، مرفہ الحالی، نیز ان سلاطین کی مطلق العنانی، رعب و دبدبہ اور شان و شوکت کا جائزہ تفصیل سے لے کر بتایا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت کے لئے جو قدم اٹھایا اور جو خطرات مول لئے وہ ایک رسول اور مبعوث من اللہ ہی کرسکتا ہے۔ مولانا نے عالمی جاہلیت کے موضوع پر قدیم و جدید دونوں مصادر سے فائدہ اٹھایا ہے، لیکن اس کے ساتھ مصنف کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے سیرت کی دو اصل بنیادوں قرآن و حدیث سے سرمو انحراف نہیں کیا ہے اور نہ ہی بغیر کسی نقد و تمحیص کے سیرت کے واقعات کو انسائیکلوپیڈیائی انداز میں پیش کیا ہے بلکہ ان تمام قیمتی معلومات کو ایسے علمی و عصری اسلوب میں ایسے سلیقے سے پیش کیا ہے کہ اگر پڑھنے والا مسلمان ہے تو اس کے ایمان میں اضافہ اور اگر غیر مسلم ہے تو اس کی فطرت اور عقل عام خود بخود اعتراف پر مجبور ہوگی یا کم سے کم اس کے اندر یہ سوال ضرور پیدا ہوگا کہ عالمی سطح پر جو تبدیلی ہوئی یقیناً اس کے پس پردہ کوئی بڑی طاقت کارفرما ہے، یہ کسی مصلح اور سماجی رہنما کے بس کی بات نہیں۔

● اس کتاب کی چوتھی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے واقعات سیرت اور اقدامات و ارشادات نبوی سے ان دوررس و حکیمانہ نتائج اور ان بلیغ و عمیق اشارات کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی ہے جو سیر الانبیاء خصوصاً سید الانبیاءؐ کی سیرت و دعوت کے مطالعہ، نفسیات انسانی، علم الاخلاق و علم الاجتماع میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں اور جن سے ہر زمانہ اور ہر مقام میں دعوت و تربیت کے کام، قوموں اور نسلوں کی رہنمائی اور زندگی کے پیچ در پیچ مسائل و مشکلات کی عقدہ کشائی میں بیش قیمت فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے ہے

● چونکہ مصنف جدید تعلیم یافتہ طبقہ کی نفسیات، عقلی سطح اور اس کی کمزوریوں سے خوب واقف ہیں اس لئے وہ منفی انداز اور ناقدانہ لہجہ کے بجائے مثبت طریقے سے زندگی اور حرارت سے بھرپور ایسے اقتباسات پیش کرتے ہیں کہ پڑھنے والے کے ذہن کی گرہیں خود بخود کھلتی جاتی ہیں اور بغیر کسی تلقین کے اسوۂ نبوی کی پیروی کا جذبہ اس کے اندر پیدا ہونے لگتا ہے، لیکن خوراک کی مقدار اتنی رکھی گئی ہے کہ نئی نسل اس کو ہضم کرسکے۔

● مصنف نے رنگ آمیزی، داستان طرازی اور تزئین و آرائش کے بغیر جمال محمدیؐ کو پڑھنے والے کے سامنے رکھ دیا ہے تاکہ وہ اس سے اپنی آنکھیں اور دل روشن کرے، مصنف نے اس میں صرف حسن انتخاب، حسن ترتیب اور حسن بیان سے کام لیا ہے اور یہ کتاب کا امتیازی خوبی ہے۔

● کتاب میں عالمانہ بحث اور معروضی نقد و جائزہ بھی ہے لیکن ایسے دلکش اور اچھوتے اسلوب میں کہ جذبۂ محبت اور ذوق و شوق کی کیفیت میں افسردگی کے بجائے تازگی و شگفتگی پیدا ہوتی ہے اور سیرت کے جمال جہاں آرا سے لطف اندوز ہونے اور اپنے دیدہ و دل کو اس سے روشن اور منور کرنے کا جذبہ بیدار ہوتا ہے اس لئے کہ کتاب میں عقل و جذبات دونوں کی بیک وقت اور شانہ بہ شانہ جلوہ گری کارفرمائی ہے، البتہ یہ جذباتی و ایمانی عناصر عقل سلیم کے تقاضوں پر غالب نہیں ہیں اور نہ ہی وہ منطق کے صحیح، معقول اور قابل فہم اصولوں سے متصادم ہیں۔

● جس کا علم النفس اور اخلاقیات کے کوچہ سے کبھی گذر ہوا ہے اور معاصر شخصیتوں کے مطالعہ و مشاہدہ کا اسے کبھی موقع ملا ہے اور اس نے ایک طویل عرصہ ان کی رفاقت و صحبت میں گذارا ہے وہ بآسانی اندازہ کرسکتا ہے کہ نفس انسانی کی تہ تک پہونچنا، اور اس کے وسیع آفاق اور فضائے محیط کا علم، پھر اس کی جامع اور نازک تصویر کشی، علوم ادبیہ اور اسالیب بیانیہ کی سب سے نازک، دشوار اور بہت جلد متاثر ہونے والی صنف ہے۔ مگر مصنف نے توفیق الٰہی کی بدولت اس بال سے باریک اور تلوار سے زیادہ تیز پل صراط کو بڑی کامیابی سے طے کیا ہے، اس میں جہاں ان کے سیرت نبوی سے مکمل ذوقی و وجدانی مناسبت، سیرت کے موضوع کے گہرے اور متنوع مطالعہ اور طویل تدبر کو دخل ہے وہیں عربی زبان و ادب پر قدرت و مہارت کے ساتھ خود ان کی ذاتی زندگی میں سوز و ساز، سرور و شوق، روح کی تپش اور دل کے گداز کا حصہ ہے، اس بنا پر کتاب انتہائی موثر اور فکر انگیز ہے۔

ا۔ ماذا خسر العالم کا موثر ترین حصہ

روح العالم العربی" ہے، اسی طرح روائع اقبال
ال کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے
تعلق و محبت کو نمایاں کیا گیا ہے۔
۲۔ نبی رحمت میں مسلم سماج کی
پیش کی گئی ہے جو عام سیرت کی کتابوں میں
تی، اسی طرح سماج کے مختلف طبقات
اد کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا
۔ مثلاً ازواج مطہرات کے ساتھ، ساتھیوں
اتھ، دشمنوں کے ساتھ، خدام کے ساتھ،
اس بیان پر ختم ہوتی ہے جس سے جب سول
مانذ ہوتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم
رین انسانی نمونہ ظاہر ہوتے ہیں، سیرت
ں کی کامیابی اس میں ہے کہ جس کی سیرت
ی جارہی ہے اس کی محبت قارئین کے
یں راسخ ہو جائے، اس کے ساتھ اصحاب سول
ت بھی دل میں پیدا ہوتی ہے اور اس
ں کا سماج بہترین سماج ظاہر ہوتا ہے۔
● کتاب نئے تقاضوں، ضرورتوں،
رز تحقیق اور اس طرز کلام کے مطابق طاقتور
ی اسلوب میں ہے جو رائج الوقت ہے
س بڑے خلا کو پر کرتی ہے جو عرصے
دعوتی حلقوں میں پایا جارہا تھا۔ غالباً یہی
ات ہیں جن کی بنا پر ۱۹۸۰ء سے لے کر ۲۰۰۰ء
عرصہ میں کتاب کے بارہ ایڈیشن نکل چکے
۔ ندوۃ الشباب العالمیہ نے پچاس ہزار
چھپوا کر یورپ و امریکہ میں تقسیم کیا، سعودی
ب کی جامعات کے نصاب میں داخل ہوئی،
ر انگریزی، البیشین، ترکی اور ہندی میں
ہوا، اور دسیوں ایڈیشن ان زبانوں میں
ئع ہوئے۔

فکرِ اسلامی کی تجدید کے موضوع پر

حضرت مولاناؒ کی دوسری شاہکار تصنیف "ارکان اربعہ"

انبیاء علیہم السلام کی دعوت اور انکے مزاج و منہاج پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جن عقائد، دعوت و پیغام اور شریعت کے بارے میں جس کو وہ لے کر آتے تھے بڑے غیور اور ذکی الحس واقع ہوتے ہیں، وہ کسی حال میں بھی (خواہ دعوت کی مقبولیت اور کامیابی کی مصلحت ہی کا تقاضا کیوں نہ ہو) اس کے لئے تیار نہیں ہوتے کہ اپنی دعوت اور شریعت میں کوئی ترمیم، یا تغیر و تبدل گوارہ کریں ان کے یہاں مداہنت اور تبدیلی موقف کی گنجائش نہیں ہوتی، اسی طرح ان کی یہ بھی خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ تبلیغ و دعوت اور اپنی تفہیم و مکالمہ میں وہی اسلوب اور وہی تعبیرات اختیار کرتے ہیں جو ان کی دعوت کی روح اور نبوت کے مزاج و منہاج سے ہم آہنگ ہوتے ہیں، ان کا عہد بھی مادی فلسفوں اور نظریات سے جو ان کے عہد کی سطح اور حالات کے مطابق ہوتے ہیں، یکسر خالی نہیں ہوتا، اس عہد میں کچھ طبقوں کی خاص اصطلاحات ہوتی ہیں، وہ ان سے ناواقف نہیں ہوتے، وہ یہ بھی خوب سمجھتے ہیں کہ یہ فلسفے اور اصطلاحات سکۂ رائج الوقت ہے، لیکن لوگوں کو قریب کرنے اور اپنی طرف آنے کی دعوت دینے کے لئے وہ ان سے کام نہیں لیتے، یہی وہ غیرت ہے جو انبیائے کرام کے اصحاب اور تابعین میں منتقل ہوئی، انھوں نے بھی کامیابی و ناکامی اور سود و زیاں سے آنکھیں بند کر کے قرآنی تعلیمات، شرعی احکام اور اسلام کے اصول و ضوابط کی حفاظت کا فریضہ انجام دینے کی بھرپور کوشش کی اور اس راہ میں کسی طرح کی ایثار و قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا خاندان ان باتوفیق خاندانوں میں سے ایک ہے جس نے ہر دور میں دین و شریعت کی روح اور شکل دونوں کی حفاظت میں ہر طرح کی قربانی دی۔

مولانا نے علمی و دعوتی سرگرمیوں کے آغاز ہی میں اس حقیقت کا ادراک کر لیا تھا کہ بعض داعی اور اہل قلم جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں اپنی دعوت کو مقبول بنانے کے لئے (شعوری یا غیر شعوری طور پر) بتدریج وہ اسلوب اختیار کرتے جا رہے ہیں جو ان کے اندر اسلامی فکر اور دعوتی و تجدیدی کوششوں کے بارے میں سلبی انداز فکر پیدا کر دیگی جس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ اسلام کے شجر طیبہ کے اندر برگ و بار لانے کی فطری صلاحیت

۱؎ ہے جو دنیا کی نو زبانوں میں پڑھی جارہی ہے۔

۲؎ اردو میں مولانا کی رہنمائی و فرمائش پر حکیم شرافت حسین رحیم آبادی نے یہ سلسلہ تیار کیا جس کے نمونے ہمارا ایمان، ہمارے حضور، حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت خدیجہ، حضرت عائشہ، اچھی باتیں (آٹھ حصے) میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ بچیوں کے لئے اپنی ہمشیرہ امۃ اللہ تسنیم سے قصص الانبیاء اور ہمارے حضور لکھوائی۔ زاد سفر، اور حسن معاشرت بھی اسی نصاب کا حصہ ہے۔

۳؎ سلسلۂ تاریخ دعوت و عزیمت۔

۴؎ ملاحظہ ہو نبی رحمت ص ۱۵۳، ص ۱۹۰، ص ۱۹۸، ص ۲۱۲

۵؎ مزید مولانا کی مشہور آفاق کتاب اذا ہبت ریح الایمان ص ۱۵، ص ۱۸۹، ص ۱۹۸، ص ۲۹۹۔

نہیں ہے، اور اس دین کو صرف تین صدیوں تک سمجھا گیا ہے۔

مولانا براہ راست قرآن مجید کے گہرے مطالعہ و تدبر، سیرت انبیاء اور مجددین امت کی اصلاحی کوششوں کے جائزے سے اس نتیجہ تک پہونچے کہ سیاسی طرز فکر جدید سیاسی اصطلاحات اور موجودہ زمانہ میں سیاست و ریاست کی اہمیت کا، ذہن و فکر، طرز ادا اور تقریر و تحریر پر ایسا گہرا اثر پڑا ہے کہ اس نے کسی چیز کو مادیت اور ملمع سازی کے اثر سے آزاد نہیں چھوڑا، حقائق کچھ اور ہوتے ہیں۔ نام اس کے برعکس رکھے جاتے ہیں، اصطلاحات اور پُرشکوہ الفاظ کا بکثرت رواج ہے، ظاہر و باطن کا ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں، آغاز و انجام تمہید و اختتام علمی نظریات اور عملی تجربوں میں یکسانیت کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی جاتی، یہی حال ان فلسفوں اور نعروں کا ہے جنھوں نے مذاہب کی جگہ لے لی ہے اور انسانوں کے دل و دماغ کو مسحور کر رکھا ہے یہاں تک کہ دعوت اسلامی کے بعض داعی اور قائد اور بلند پایہ اہل قلم بھی اپنی تحریروں میں بے تکلف وہ سیاسی اصطلاحات اور تعبیرات استعمال کرنے لگے جن کے ساتھ خاص مفاہیم و افکار پیوست اور ایک خاص تاریخ وابستہ ہے اور جن کا ایک خاص پس منظر ہے اور وہ ایک مخصوص و محدود مفہوم رکھتی ہیں اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت کی روح اور مزاج کی صحیح ترجمانی کرنے سے نہ صرف قاصر ہیں بلکہ مختلف قسم کی غلط فہمیاں، شکوک و بدگمانیاں پیدا ہونے کی باعث ہوتی ہیں۔ مولانا کا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن کے مطالعہ و تفہیم کو زمانہ کے محدود پیمانوں کا پابند نہیں بنانا چاہیے، کیوں کہ زمانے آتے جاتے رہتے ہیں، غور و فکر کے انداز بھی بدلتے رہتے ہیں، اشیاء کی قدر و قیمت کو بھی قرار نہیں، جبکہ قرآن ایک بلند آسمانی کتاب ہے۔ وہ مستقل انفرادی حیثیت رکھتی ہے۔ علوم انسانی کا پورا خزانہ ریت کے پھسلتے ٹیلے کی مانند جو پھیلتا بھی ہے، سمٹتا بھی ہے۔ اس پر کسی چیز کی بنیاد رکھنا خاص طور سے قرآن مجید جیسی بلند آسمانی کتاب کا کیسے ممکن ہے، یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ دین ابدی اور اس کے حقائق ناقابل تغیر و تبدل ہیں، دوسری طرف یہ زندگی تغیر پذیر اور رواں دواں ہے۔ اسلاف نے ان دونوں حقائق کو سامنے رکھ کر دین کی تشریح و تفہیم کا ایسا نازک اور مشکل فریضہ انجام دیا کہ صراط مستقیم سے سرمو انھوں نے انحراف بھی نہیں کیا اور نئی نسل کے دلوں میں ایمان و یقین بھی پیدا کرنے میں کامیاب ہوگئے۔

۱۹۴۷ء کے بعد سے مولانا نے براہ راست عالم عربی کا مشاہدہ کیا، وہاں کے ادباء، مفکرین، اہل قلم، اور داعیوں اور حکمرانوں بلکہ ہر طبقہ سے ملاقاتیں کیں، تحریکوں اور جماعتوں اور ان کے کارکنوں کو بہت قریب سے دیکھا۔ ان کا یہ تاثر تھا کہ عربوں کے دل و دماغ اور اعصاب پر مغربیت مسلط ہو رہی ہے۔ نظام حکومت کے پیسے کو تعلیم و تربیت اور میڈیا کے ذریعہ کے بجائے ترکستان کے راستے پر ڈالا جا رہا ہے۔ مولانا نے بین الجبایۃ

والہدایۃ، إلی این تتجہ جزیرۃ ۱۵ نومبر۔

جیسے طاقتور خطوط و مقالات لکھ کر عرب حکمرانوں اور ترکیف توجہ المعارف لکھ کر دانشوروں کو مشورہ دیا کہ عالم عربی کو مغربیت کے دلدل سے کیسے نکالا جاسکتا ہے، لیکن انھیں اندازہ ہوا کہ مسئلہ اس سے کہیں زیادہ سنگین ہے اور وہ یہ ہے کہ عرب ممالک کے داعی حضرات بھی مادی طرز فکر سے متاثر ہو کر اسلامی عبادات کی تشریح و تفہیم کرنے لگے ہیں جو بڑے تحریف بلکہ خدانخواستہ اس امت کو ذہنی و اعتقادی ارتداد کی طرف لے جائے گی، اس خیال اور احساس کا اظہار انھوں نے ردۃ جدیدۃ رسالہ میں کیا اس میں انھوں نے مغرب کے شکل آفریں تہذیب کے نتیجہ میں پھیلے ہوئے عالمگیر ذہنی و اعتقادی اور تہذیبی ارتداد کی نشاندہی کر کے اس کے تدارک کی دعوت دی۔ خود بھی عملی طور سے مجلس تحقیقات و نشریات قائم کر کے اس کے ذریعہ اسلام کی مؤثر اور طاقتور نمائندگی کرنے والی کتابیں تصنیف کیں تاکہ وہ ذہنی و فکری بے چینی و انتشار دور ہو جو مغرب کی مادہ پرست اور رشک آفریں تہذیب و ادب نے عالمگیر پیمانے پر پیدا کر دیا ہے اور اس نئے ارتداد کا مقابلہ کریں جو طوفان و سیلاب کی طرح تمام عالم میں پھیل گیا ہے۔

اسی مندرجہ بالا احساس نے مولانا کو سیتا آئی ہوسپٹل میں قیام کے دوران ایسا بے چین و مضطرب کر دیا کہ آنکھ کی شدید تکلیف میں بھی احساس دل و دماغ پر چھایا رہا۔ چنانچہ وہاں سے فرصت پانے کے بعد اگرچہ آنکھ کی معذوری باقی رہی، لیکن صدیقی غیرت و حمیت (اینقص الدین و انا حی) کی روح اتنی طاقتور تھی کہ ایسی مؤثر اور طاقتور کتاب بھی اس منفرد موضوع پر تیار ہوگئی جس کے ۱۹۶۰ء سے لے کر اس وقت تک پانچ زبانوں میں ستائیس ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

ارکان اربعہ کی تالیف کا بنیادی محرک یہ احساس اور خیال تھا کہ اسلام کے ان عظیم بنیادی عملی ارکان (نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج) کی روح، ان کی حکمتوں، اور حقیقتوں، مصالح اور فوائد اور ان کے مقاصد کے سمجھنے اور بیان کرنے میں مسلمان مصنفین اور اہل قلم کے یہاں عرصہ سے ایک عجیب قسم کا انتشار اور بے اعتدالی نظر آرہی ہے۔ ان کو بڑی بے تکلفی کے ساتھ عصر حاضر کے فلسفوں، اقتصادی و سیاسی مکاتب

خیال اور ان کی محدود اصطلاحات وتعبیرات کا پابند خوشہ چیں بنایا جارہا ہے، اس کی وجہ سے اس کا قوی اندیشہ پیدا ہوگیا ہے کہ اس مخصوص طرز فکر سے متاثر ہونے والے قارئین کہیں خدانخواستہ دین کے ان بنیادی ارکان کی حقیقت اور اس کی اصل طاقت سے محروم نہ ہوجائیں اور ان مقاصد ہی سے ہاتھ نہ دھو بیٹھیں جن کے لئے ان ارکان کی تشریع عمل میں آئی ہے جدید مادی تعبیر اور عصری تشریح کے دائرۂ اثر میں آکر ایمان واحتساب کا مفہوم بھی ہمارے ذہنوں اور دلوں سے نکل جائے اور مادی طرز فکر، عبادت اور اخلاص کی روح پر غالب آجائے یہ بات امت کے لئے بڑا خطرہ اور ایک عمیق معنوی تحریف کا پیش خیمہ ہے۔

اسلامی عبادات پر اب تک تقابلی انداز میں روشنی نہیں ڈالی گئی ہے صرف فقہی انداز میں بیشتر کتابیں لکھی گئی ہیں۔ یہ علمی دعوتی میدان کا بہت بڑا خلا تھا، اسلیئے کہ مسلمانوں کو قرآن وحدیث کے احکامات سنا کر اسلامی عبادات کا قائل کرنا آسان ہے لیکن غیر مسلموں کو ان ہی دلائل سے مطمئن کرنا ممکن نہیں۔ یہ بھی ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اسلام کی دولت بے بہا اور قرآن کی نعمت کی قدر وقیمت کا صحیح اندازہ اس وقت تک ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ اسلام اور دوسرے مذاہب کی عبادتوں کی شکلیں نظر کے سامنے نہ ہوں۔

مصنف کا یہ بھی احساس تھا کہ عام طور پر اسلامی عبادات کو زندگی اور روح سے خالی اور انفرادی و اجتماعی زندگی سے الگ تھلگ سمجھا جاتا ہے حالانکہ مومن کے لیے ان کی حیثیت ایسی ہے جیسے مچھلی کے لئے پانی۔ اس لیے اس بات کی ضرورت تھی کہ ان عبادات کا رواں دواں زندگی سے مربوط تعلق واضح کیا جائے اور بتایا جائے کہ ہر دور میں ان عبادات کے اثرات انفرادی واجتماعی زندگی پر رونما ہوتے رہے ہیں۔ اور انسانوں کی نفسیات کو یکسر تبدیل اور اخلاقی امراض کو دور کرنے میں ان کا کردار قیامت تک کے لئے باقی رہے گا۔

اگرچہ شاہ ولی اللہ دہلوی کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ اپنے موضوع پر منفرد اور بے نظیر ہے، لیکن نئی نسل کی عقلی سطح سے کتاب بلند ہے اس لیے جدید تعلیم یافتہ (جو شک آفریں تہذیب کا پروردہ ہے) کو مطمئن کرنے کے لیے جدید عصری اور علمی اسلوب میں ایسی کتاب کی ترتیب وقت کا اہم تقاضا ہے۔

مصنف نے سب سے پہلے اپنے عزیز دوست ڈاکٹر سعید رمضان کی فرمائش پر روزہ کے موضوع پر رسالۃ الصیام کے عنوان سے دو مقالے لکھے جو جنیوا سے شائع ہونے والے رسالہ المسلمون میں بطور افتتاحیہ شائع ہوئے پھر سعودی ریڈیو سے کئی بار نشر بھی ہوئے۔ پھر اگلے دو سالوں میں رسالۃ الحج کے عنوان سے جو مقالے لکھے گئے۔ وہ بھی افتتاحیہ کے طور پر شائع ہوئے اور ان کو بھی جدید تعلیم یافتہ اور علمی حلقوں میں پذیرائی ہوئی ان مضامین کی پذیرائی اور حالات کے تقاضے کی بنا پر مصنف نے بقیہ دونوں موضوعات نماز اور زکوٰۃ پر بھی ایسے ہی مضامین لکھ کر کتابی صورت میں شائع کرنے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ یہ داعیہ اور خیال مصنف کے دل ودماغ پر ایسا چھا گیا کہ بقول ان کے سال بھر ایسا گذرا کہ اس موضوع پر مطالعہ، غور وفکر کرنے اور اس کے قدیم ماٰخذ پر نظر ڈالنے کے سوا کوئی اور مشغلہ نہ تھا۔ مصنف کی یہی افتاد طبع اور مزاج وخصوصیت تھی کہ جب تک وہ اپنے علمی اعتکاف میں رہتے اس وقت تک ہر لمحہ اس موضوع پر سوچنے کے علاوہ کسی اور مضمون وموضوع کے فکر وخیال کی گنجائش نہیں ہوتی، یہ ذہنی استغراق واعتکاف جہاں مصنف کی صحت کے لیے مضر ہوتا تھا وہیں کتاب کی تکمیل اور مرکزیت خیال میں یہ کیفیت ممد ومعاون ہوتا۔

اس کتاب کی تالیف میں مصنف نے جہاں قرآن کا از سر نو مطالعہ کیا وہیں احادیث کے معتبر ماٰخذ کا دوبارہ جائزہ لیا اور ان ارکان کے موضوع اور اس کی تشریح وتفصیل اور ان کے مقاصد واسرار کے سلسلہ میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس پر نظر ڈالی، پھر ان ائمہ اسلام کی تحریروں اور تحقیقات سے فائدہ اٹھایا جن کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے فہم کا صحیح حصہ وافر عطا فرمایا تھا اور وہ افراط تفریط اور تکلف ومبالغہ آرائی سے محفوظ رہ کر اسکی گہرائیوں تک پہونچ گئے تھے۔ اور جنھوں نے مقاصد شریعت، رموز کتاب اور اسرار احکام کے بیان اور تشریح میں وہی طریقہ اختیار کیا جو شریعت کو مطلوب ہے اور جو ان اولین مسلمانوں کا شیوہ تھا جو اس کے براہ راست مخاطب تھے اور جن کی زبان میں قرآن مجید نازل ہوا۔ یہ لوگ دین کی گہری بصیرت، صحیح فہم، عمیق علم، مکمل عمل، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بقدم اتباع، علم وعمل کے میدان میں جہد مسلسل کے جامع تھے۔ ایک طرف ان عبادات کی روح ان کے سارے وجود میں جاری وساری تھی اور وہ اس رنگ میں پوری طرح رنگ چکے تھے۔ دوسری طرف وہ ان علوم کے قلب وجگر میں اتر گئے تھے۔ اور اس میں بھی ان کو مرتبہ کمال حاصل تھا جن کے بغیر ان اسرار ورموز تک رسائی ناممکن تھی۔ انھوں نے صدق واخلاص سے اس پر عمل کیا اور اعلیٰ درجہ کی بصیرت، ذہانت، گہرائی اور دقت نظر کے ساتھ اس کی روح کو

سمجھا تھا۔

چونکہ مصنف کے اسلوب پر قرآنی چھاپ ہے اس لئے انھوں نے مفصل طریقہ سے مثبت انداز میں اسلام کے ان بنیادی ارکان کو پیش کیا ہے لیکن اس میں انھوں نے حسن تلخیص، حسن ترتیب اور حسن بیان سے کام لیا ہے جس کا یہ فطری اور منطقی نتیجہ نکلتا ہے کہ قاری کے ذہن کی گرہیں خود بخود کھلتی چلی جاتی ہیں اور وہ بغیر کسی جبر و تلقین کے موضوع کی روح اور مرکزِ خیال سے ہم آہنگ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس حسن ترتیب اچھوتی ترتیب اور البیلے اسلوب کی داد یہودی نومسلم مریم جمیلہ نے خاص طور سے دی۔[1] مصنف نے قرآن کی روشنی میں انسانی مزاج و طبائع اور اس کی نفسیات کا جو تحلیل و تجزیہ کیا ہے وہ مصنف کے قرآن مجید کے قلب و جگر میں اترنے اس کے گہرے تدبر، طویل غور و فکر اور انسانی نفسیات سے وسیع واقفیت بلکہ ان کی روحانی ذہانت کا نتیجہ ہے، اس طرح کے نمونوں سے پوری کتاب بھری ہوئی ہے، اس باب میں مصنف اپنے وقت کے شاہ ولی اللہ نظر آتے ہیں۔

مصنف نے تقابلی مطالعہ میں دنیا کے مشہور آسمانی مذاہب کی عبادتوں، طور طریقوں ان کی تاریخ، فلسفہ اور احکام و تعلیمات کا موازنہ اسلام اور شریعت اسلامی کے احکام اور اس کے فلسفے اور اصول سے کیا۔ اس سلسلے میں مصنف نے ان ہی مراجع و مآخذ پر اعتماد کیا جو ان مذاہب کے علما و مصنفین کی نظر میں حجت اور لائق شہادت تھے۔ اسلام کے چاروں ارکان کے سلسلہ میں زیادہ تر قرآن و حدیث پر بھروسہ کیا گیا ہے۔ کہیں کہیں ائمہ اسلام کی کتابوں پر بھی بھروسہ کیا گیا ہے۔ بلاشبہ یہ موازنہ انتہائی مشکل اور دشوار تھا۔ لیکن مصنف نے بال سے باریک اور تلوار سے تیز اس راستہ کو کامیابی سے عبور کر لیا۔ یہ موازنہ غیر جانبدارانہ غیر جذباتی اور دیانت دارانہ اور علمی اصولوں پر مبنی ہے۔ اسی بنا پر ان مذاہب کے معتقدین اور فقہا کے نزدیک جو جو ہر اور مغز تھا وہ قاری کے ہاتھ آجاتا ہے خاص طور سے اس تقابلی مطالعہ سے ایک مسلمان کے ایمان و یقین میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی نظام عبادات کے مقاصد، ترتیب، نظام طہارت سے متعلق جس طرح تمام باریکیوں کی مستند تفصیلات موجود ہیں اسی طرح ان عبادات کی روح اور شکل کی حفاظت کے لئے ہر دور میں جو کوششیں کی گئیں مصنف نے ان کی جستہ جستہ مثالیں دے کر اس خیال کی پرزور تردید کر دی ہے کہ قرآن کے بنیادی اصطلاحات کو صرف تین صدیوں تک سمجھا گیا۔

مصنف نے ان ارکان کا رواں دواں زندگی سے گہرا ربط اور پائیدار تعلق بھی بتایا ہے اور دینی تحریکات کے علمبرداروں، اصلاحی و دعوتی جد و جہد کرنے والوں اور ماہرین تعلیم و تربیت کو مشورہ دیا ہے کہ وہ اس قیمتی میراث اور بے بہا دولت کو ہاتھ سے کسی قیمت پر جانے نہ دیں، اور تغیر و انقلاب اور مادیت کے تند و تیز تھپیڑوں کے باوجود اس روشنی کو کسی قیمت پر بجھنے نہ دیں، اس لیے کہ اس خسارے کی تلافی احکام فقہ کے بڑے سے بڑے ذخیرے، اسرار شریعت کے علم سحر بیانی اور زور قلم کسی چیز سے نہیں ہو سکتی۔ دوسری بنیادی حقیقت یہ بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ ان تمام عبادات کی ظاہری و باطنی دونوں حیثیتیں اور شکلیں مطلوب ہیں۔

مصنف نے قرآن مجید اور اسلامی نظام عبادات کے گہرے مطالعہ سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ختم نبوت کے بعد امت کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت و خلافت اور خالق و مخلوق کے درمیان رابطہ کے لیے دو چیزیں عطا کی گئیں۔ ایک قرآن جس کا ہر ہر حرف زندگی و قوت سے لبریز ہے جس کی تازگی کبھی زائل نہیں ہوتی اور جس کے عجائبات ختم نہیں ہوتے، دوسری چیز نماز جو قرآن کی طرح زندگی و قوت سے بھرپور ہے اس کو وصول الی اللہ، تعلق مع اللہ اور تقرب و ولایت کے حصول میں جو کمال درجہ تاثیر اور غایت درجہ اہمیت ہے وہ پورے نظام شریعت میں کسی اور چیز میں نہیں نیز ان دونوں چیزوں کے ذریعہ اس امت کے محققین و مجاہدین ہر نسل اور ہر دور میں ایمان و یقین، علم و معرفت، روحانیت، للّٰہیت اور قرب و ولایت کے ان درجات تک پہونچ گئے جہاں اہل ذہانت کی دقیقہ رسی اور حکماء و عقلا کا تصور و خیال بھی نہیں پہونچ سکتا۔

مصنف نے جہاں تقابلی مطالعہ کیا ہے وہیں ان مذاہب کے نظام عبادات پر علمی روشنی ڈالنے کے بعد ان عبادات میں اسلام کے اصلاحی کردار سے بھی بحث کی ہے جو بالکل نئی اور اچھوتی ہے اور اس بحث کے ہر جملہ کے پیچھے طاقت ور دلائل کا لشکر ہے۔

---

[1] مولانا نے عرصہ تک قرآن مجید کا درس دیا۔ اس سلسلے میں انھوں نے گذشتہ قوموں، خصوصاً یہود و نصاریٰ کے عقائد، تاریخ ثقافت و تہذیب، نفسیات و اخلاق اور انسانی سوسائٹی پر ان قوموں کے اثرات کا گہرا مطالعہ کیا۔ نیز بچپن سے سورۂ کہف سے شغف اور عشق نے ان کو دجالی تہذیب کے فتنے اور اسکی دعوت و تحریکات کو نہ صرف سمجھنے کا شعور بخشا بلکہ اس سورہ نے ان کے ذہن و دماغ کو اس عالمگیر فتنہ کے

(باقی ص ۳۲۹ پر)

حضرت مولانا علی میاںؒ کا اسلوب بیان

تعمیری ادب کا اعلیٰ نمونہ

اعتدال وجامعیت کا رنگ ہمیشہ نمایاں رہے گا، اور اسلوب بیان خوش اسلوبی کے ساتھ اپنا گہرا اور دیرپا اثر چھوڑے بغیر نہیں رہے گا، شاید یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ آپ کے اکثر فقروں میں شاعرانہ تب وتاب اور خطیبانہ رنگ وآہنگ ہوتا ہے جو دھیرے دھیرے قاری کے سرد جذبات کو تپاتا رہتا ہے۔

مولانا محمد علاء الدین ندوی۔ استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء

ولانا کے اسلوب کی بنیادی خصوصیات

مولانا کا علم وفن شعوری اور گہری فکر
نتیجہ ہے، استعار نہیں ہے، گہری اور شعوری
ر ونظر کے نتیجہ میں ظاہر ہونے والا علم ہی سرچشمہ
ت ومعرفت ہوتا ہے، جب کہ مستعار علم صرف
علوماتی ہوتا ہے، مولانا کے ادب میں ایک رواں
واں اور پیہم جواں زندگی کا احساس ہوتا ہے،
یسی زندگی ادب وفن میں اس وقت پیدا ہوتی
ہے جب اس میں خون جگر کی آمیزش کے ساتھ عشق
عمل کی روح پھونک دی گئی ہو۔

آپ کے ادب کی دوسری خصوصیت
قلمونی ہے، بوقلمونی سے میری مراد موضوعات
ادہ تنوع بلکہ فکر وخیال کے وہ مختلف رجحانات
یں جن میں ایک مضبوط تال میل اور ہم آہنگی پائی
جاتی ہے۔

تیسری خصوصیت اتقان ہے، اتقان
ضبوطی اور پختگی کو کہتے ہیں، یہاں اس سے مراد
ال ہے، مولانا کے کمال اسلوب کا خاصہ ہے
ہ ان کی تحریروں میں طبیعت کی جولانی، جذبات
ی فراوانی، ایمان کی پختگی اور زبان کی شگفتگی کا
سیں رچاؤ جادو جگاتا ہے، شبلیؒ وسلیمان
ندویؒ کے مقالاتی اسلوب سے کسب فیض کے
ساتھ آپ کے یہاں ہلکے قوافی، مترادفات کی بہار
اور ازدواجیت کا رنگ نظر آتا ہے جو اصل میں
خطابت کا خاصہ ہے، یوں خطابت کی ہلکی چاشنی نے الہامی زبان سے تاثر کے رنگ وروغن کو گہرا کر دیا ہے۔

چوتھی خصوصیت پاکیزگی ہے، پاکیزگی سے مراد طہارت، معصومیت اور تزکیہ ہے کسی نے کہا ہے: "العقل السلیم فی الجسم السلیم" میں یہ کہنے کی جرأت کروں گا کہ: "الفکر السلیم فی القلب السلیم" فکر سلیم قلب سلیم کا عطیہ ہے، مولانا کی سلامتی فکر ونظر، اور طہارت قلب وجگر کا یہ عالم تھا کہ کسی انسان کے شیشۂ دل پہ کبھی بال نہ آنے دیا۔ حد یہ کہ جب تنقید واحتساب کا خیر خواہانہ قلم سنبھالا تب بھی قلم کی پاکیزگی اور زبان کی شائستگی کو کبھی مجروح نہ ہونے دیا۔

عزت وشہرت اور ہر دلعزیزی ومحبوبیت کے بام عروج پر پہونچ کر انسان عجب، کبر اور خود پسندی کے پل صراط سے باہر نکل آئے نادر نہیں تو کمیاب ضرور ہے، یہ نبوی اخلاق وسیرت کا عکس ہے جو وارثین نبوت پر جلوہ فگن ہوتا ہے۔

اعتدال وتوازن اور جامعیت مولانا کے اسلوب کی نمایاں خصوصیت ہے، موضوع اور ہیئت کی بنیادی جہتیں ہوں، جذبات واحساسات کی خوش خرامی ہو، انداز بیان کی پر کیف رنگینی ہو، فکر رسا کی گل افشانی ہو، اخلاق کی دلبری ہو یا آدم گری اور کردار سازی کی پر پیچ راہیں ہوں، لب ولہجہ کی متانت ہمیشہ قائم رہے گی، اور

آپ کا اسلوب عطر مجموعہ ہے

مولانا کی شخصیت کی اٹھان، ان کے مزاج ومنہاج کی تشکیل اور ان کے جامع دینی تخیل میں جن اسباب وعوامل کا حصہ ہے، ان میں ان کے دینی گھرانے کا موحدانہ اور حقیقت پسندانہ دینی مزاج بھی ہے، ان کے بڑے بزرگوں اور مربیوں کی مومنانہ تربیت اور پدرانہ شفقت کی تاثیر بھی ہے، حکمت ولی اللّٰہی اور سوز علم اللّٰہی کے سرچشمۂ انوار کا فیض بھی ہے، بزرگان قریۃ الصالحین (دائرہ شاہ علم اللہ تکیہ کلاں) کے آداب سحر گاہی اور سید احمد شہیدؒ کے جذبۂ شہادت کا اثر بھی ہے، صاحب نزہۃ الخواطر کی تبحر علمی اور علامہ سید سلیمان ندویؒ کی بالغ نظری بھی ہے، قرآنی تعلیمات کی پاکیزہ روح اور اس کا جلال وجمال بھی ہے، سیرت طیبہ کی دلآویزی اور اس کی اثر آفرینی بھی ہے۔ اہل دل کا جذب وکشش بھی ہے، اپنے ماحول کا منظر اور پس منظر بھی ہے، اغیار کی غلامی سے نفرت بھی ہے، سقوط خلافت کا زخم بھی ہے، عالمی استعماری استبدادیت سے غیظ وغضب کا لاوا بھی ہے، جام شریعت بھی ہے اور سندان عشق بھی ہے۔ میدان کارزار کی گرمی بھی ہے اور محفل شعر وسخن کا خداداد ذوق بھی — پھر اس سب کے ساتھ ان کی اپنی شریفانہ خو ہے۔ طبیعت کی نرمی ہے، ان کے اخلاق کی رفعت ہے، ان کی تواضع اور وضع داری ہے، آپ کا ذوق نظر اور سوز دروں ہے، علم کی گہرائی اور شخصیت کی دلآویزی ہے،

جامعیت کا کمال ہے اور بے ہمہ و باہمہ ذات کا حسن کردار ہے، ان میں پہاڑوں کا شکوہ بھی ہے اور دریاؤں کا اضطراب بھی، متحرک زندگی کی سعی و تڑپ بھی ہے اور تحقیق و جستجو کا پرسکون ماحول بھی ان ہی متنوع اور رنگا رنگ پھولوں کے رس نے آپ کی شخصیت کو عطر مجموعہ بنادیا ہے اس عطر مجموعہ کی خوشبو آپ کے طرز زندگی میں اور اسلوب نگارش میں بسی ہوئی ہے۔

مولانا احساس جمال اور کیفیات حسن کے دلدادہ ہیں، وہ ایک حساس اور باشعور انسان ہیں اس لئے ان کی قوت وجدان حسن و جمال کا خوب ادراک کرتی ہے، انسان کی روح اور کائنات کی روح میں بڑی مماثلت ہے، جو انسان اپنی روح کو کائنات کی روح سے اور اپنے ذوق جمال کو کائنات کے حسن و جمال سے ہم آہنگ کر پاتے ہیں، وہ اپنی غایت تخلیق کے اعتبار سے خلیفۃ اللہ ہونے کا حق ادا کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں، اگر انسان اپنے جوہر ذاتی اور اس کے حسن کے ادراک کی جستجو میں لگ جائے تو یہ جستجو اسے خالق کائنات اور حسن ازل سے روشناس کراتی ہے۔ مولانا کا یہ تصور حسن و عشق، احساس بندگی کے گہرے شعور سے رونما ہوتا ہے اور احسان کی کیفیت سے نکھرتا ہے، لہٰذا جو تصور حسن و عشق اس روح سے تابندگی حاصل نہ کرسکے وہ مفلوج حسن ہوگا۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں:-

"مولانا احساس جمال اور حسن کی کیفیات کے دلدادہ ہیں، مگر زندگی کی تازگی، تب و اضطراب سے عاری فن کو مفلوج سمجھتے ہیں۔" لے

مولانا کے اسلوب میں سلاست، حلاوت و قوت، ان کی روح کی لطافت، ان کی حیث نفیر ان کی طبیعت کا جوش، ان کے جذبات کی فراوانی ان کے قلب کی پاکیزگی، ان کی باطنی کیفیت و سرمستی ان کے یقین و خود اعتمادی کا نتیجہ ہے۔ شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کے مکتوبات کی ادبی تاثیر کے پہلو کو اجاگر کرتے ہوئے حضرت مولانا خود اس حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ اس اقتباس کا نقطہ لفظ آپ کی شخصیت کے لئے آئینہ بن گیا ہے فرماتے ہیں:-

"ادب و انشاء کے سلسلہ میں عام مؤرخ و نقاد اس حقیقت کو نظر انداز کردیتے ہیں کہ تحریر کی قوت، کلام کی تاثیر اور قبول عام اور بقائے دوام کے لئے سب سے زیادہ معاون عنصر لکھنے والے کی اندرونی کیفیات، اس کا یقین، دلی جذبہ، کسی حقیقت کے اظہار کے لئے اس کی بے چینی اور بے قراری ہے، ایسے کسی شخص کو جو اس اندرونی کیفیت سے سرشار اور اس کو دوسروں میں پیدا کرنے کے لئے مضطرب و بے قرار ہو، جب قدرت کی طرف سے ذوق سلیم بھی عطا ہو، الفاظ و اسالیب بیان پر ضروری حد تک قدرت بھی حاصل ہو اور اس کی تحریر میں علم و ادب، عقل و استدلال اور حسن بیان کے ساتھ سوز دروں اور خون جگر بھی شامل ہو تو اس کی تحریر میں ایسا سوز پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے زمانے میں ہزاروں دلوں کو زخمی کرتی ہے اور سیکڑوں برس گذر جانے کے بعد بھی اس کی تازگی و زندگی اور اس کی تاثیر و قوت تسخیر قائم رہتی ہے۔" ٹے

مولانا کلام نرم و نازک سے دل کے تاروں کو چھیڑنا اور پھول کی پتی سے ہیرے کے جگر کو کاٹنا خوب جانتے ہیں، سوئے ہوئے جذبات کو بیدار بھی کرتے ہیں مگر سوکر اٹھنے والے کو جذبات کی رو میں بہہ جانے کے لئے چھوڑ نہیں دیتے بلکہ اس کی باگ کو بڑی دانشمندی (WISDOM) کے ساتھ علم نبوت کے ہاتھ میں تھما دیتے ہیں ۔ مولانا کے احساس بندگی، احسان کے رتبۂ بلند پر پہونچنے کی تابندگی، زندگی کی اعلیٰ قدروں کی بازیافت مقصدیت کی بلندی، فکر اسلامی کے احیاء کی جد وجہد اور اسلامی مزاج کی تشکیل جدید، بھر اپنی گہری علمیت کے ساتھ ساتھ گلشن ادب اور ذوق جمالیات سے فطری لگاؤ نے تاریخی، ادبی اور اسلامی ادب کا ایک نیا گلدستہ سجادیا ہے جہاں حسن کے عناصر اربعہ (اتقان، توازن و ہم آہنگی پاکیزگی اور بوقلمونی) کی جھلک نظر آتی ہے۔

مولانا کا اسلوب ان کے فکر کے تناظر میں

مولانا کی تاریخی اور فکری شخصیت کا دلکش سراپا ان کے ادبی اسلوب میں پنہاں ہے اس لئے ہم ان کے تاریخی اور فکری ادوار کو اسلوب حیات یا طرز نگارش کے تناظر میں تین مرحلوں میں تقسیم کرتے ہیں اگرچہ اس تنوع کے باوجود ان کی شخصیت کی طرح ان کے اسلوب میں بھی یک رنگی اور یکسانیت ہے۔

دور اول :- یہ دور آپ کے عہد شباب سے شروع ہوتا ہے، اسی دور شباب میں "سیرت سید احمد شہید" اور "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین (انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر) جیسی معرکۃ الآراء تصنیفات سامنے آئیں، اس دور کی فکر میں جاہلیت جدیدہ کے رخ سے نقاب ہٹاکر اس پر برملا تنقید کی گئی اور اسلام کو ایک مکمل نظام حیات اور تہذیب و تمدن کی حیثیت سے پیش کیا گیا، معبودان باطلہ (اپنے وسیع تر مفہوم میں) کے خلاف اعلان جنگ کرتے ہوئے اسے مکمل طور پہ اسلام کا حریف و رقیب گردانا گیا

رت سید احمد شہیدؒ کی تصنیف کو مسلمانوں کی کھوئی ہوئی عظمت رفتہ کی بازیافت کے لئے ہنمائی کردار اور نشان منزل (SIGNPOST) یثیت سے پیش کیا گیا۔

دور ثانی :۔ دور لَا اور اِلّا کی زبردست رش دکشاکش میں جاہلیت جدیدہ پر برملا تنقید جاہدانہ وانقلاب آفریں اسپرٹ کے مقابلہ میں ت دعزیمت اور ارشاد واصلاح کی اہمیت جتلائی اس موقف کی تائید میں تاریخ دعوت وعزیمت ہند داہل اللہ کے سوانحی تذکرے پیش کئے گئے ہیں۔

تیسرا دور :۔ اس دور میں پیام انسانیت یٹ فارم سے انسانی اور اخلاقی قدروں کے پر توجہ مرکوز کی گئی، اگرچہ اس کا عملی خاکہ آزادی کے چند برسوں بعد ہی سامنے آگیا تھا مگر پچھلی ی کی ساتویں دہائی کے بعد سے اس میں رنگ نے کی رفتار تیز ہوگئی تھی۔

ان فکری مراحل حیات کے شفاف آئینہ اپ کی دلآویز و جامع شخصیت کے جلال وکمال راس کی سطح پر جھلکنے والے اسلوب کو صاف ں کیا جاسکتا ہے۔

دشباب کے اسلوب کا نمونہ

"سیرت سید احمد شہید" گیارہ سو صفحات یلی ہوئی ۲۴ سال کی عمر کے ایک جواں سال قلم بنا ہے، تذکرہ سید احمد شہیدؒ کا جن کی اصلاحی تجدیدی کوششوں نے لوگوں کی زندگیوں ادہ انقلاب برپا کردیا کہ صحابہ کرامؓ کے عہد زریں اد تازہ ہوگئی اور جن کی فقیرانہ امامت اور خلافت رستے نے صدیقؓ وفاروقؓ کی تاریخ دہرادی، رام اس فرشتہ صفت انسان کا جس نے اس پاک ت انسان کی محبت وعشق کے تسنیم وکوثر کا جام دشبو عہد طفلی ہی سے لنڈھایا تھا اور جس کے حرارت اور جوش وولولہ اس کی حمیت دینی اور غیرت اسلامی کو نوبہو نچاتی رہی تھی، ان عناصر کے ساتھ زبان وبیان کی خداداد طاقت موضوع سے صددرجہ شیفتگی، راہ سلوک کے رموز واشارات کے ذوق آشنا، کتاب سوانح وتذکرہ نگاری کا اعلی نمونہ اور تصنیف وتحقیق کا پیکر مجسم بن کر ایمان افروز بن گئی جس کی سطر سطر الفاظ کا جادو جگاتی اور فکر کی بالیدگی پیدا کرتی ہے، یوں پوری کتاب وجدانی کیفیات کا شاہکار بن گئی ہے، نہ معلوم کتنے انسانوں نے کتاب پڑھی اور اپنے گرم گرم آنسوؤں سے دامن تر کئے (مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے الفاظ کہ " اسے پڑھ کر اپنے اندر ایک آگ سی بھڑک گئی" مولانا مودودیؒ کو پھانسی کی سزا سنائی گئی تو یہ کتاب زیر مطالعہ رہی) کتاب کے صفحات پڑھتے جایئے اور دل ودماغ کو روشن کرتے جایئے، مواد، ہیئت، وحدت اور حقائق ومعارف کی پردہ کشائی ہر زاویہ سے ایک مکمل تصنیف اور علمبرداران اسلام کے لئے ایک نادر تحفہ، یہاں زندگی بخش اور دلآویز اسلوب کا ایک نمونہ پیش کیا جاتا ہے:

"اسلام کی تحریک ایک جاوداں تحریک ہے، جو زمان ومکان کے حدود وقیود سے آزاد ہے، جو آفتاب کی طرح ڈوب کر ابھرتی ہے اور شمع کی طرح کشتہ ہوکر بھڑکتی ہے، وہ ہر زمانہ میں خدا کے معجزات ظاہر کرسکتی ہے، اس کے عجائب غیر متناہی ہیں.....

یہ زمانہ بعض حیثیتوں سے کام کرنے کے لئے زیادہ موزوں ہے اور آج کام کرنے والوں کو وہ سہولتیں حاصل ہیں، جو پہلے حاصل نہ تھیں، زمین صاف کرنے کا بہت سا کام ہوگیا ہے، دماغوں کی بہت سی الجھنیں دور ہوگئی ہیں، بہت سے اسلامی حقائق جو پہلے اسرار ورموز تھے اب زبان زد خاص وعام ہیں، اوہام وخرافات کا طلسم ٹوٹ چکا ہے، رسوم وبدعات کی جڑیں بھی اب زمین چھوڑ چکی ہیں، جاہلیت کے بہت سے مورچے اور قلعے بھی متزلزل ہوگئے ہیں، شرک ووثنیت کی غیر معقولیت اب پہلے سے زیادہ واضح ہوچکی ہے تکفیر کا فتنہ اپنا پورا زور صرف کرکے نڈھال ہوچکا ہے، اسلامی نظام زندگی کا واضح تصور سامنے آتا جاتا ہے۔ اسلامی حکومت اور حکومت الہی کے الفاظ جو پہلے غیر مفہوم اور کانوں کے لئے غیر مانوس تھے اب زبانوں پر ہیں، کسی تحریک کی اشاعت اور کسی جماعت کی تنظیم کے وسائل اور مواقع پہلے سے بہت زیادہ ہیں، عملیت، روحانیت اور للہیت کی بیشک کمی ہے اور یہ صحیح اسلامی تحریک کی بنیاد اور اسلامی جماعت کی روح ہے لیکن قرآن وحدیث کے صحیفوں کی موجودگی اور ایسے انسانوں کی موجودگی میں جو قرآن وحدیث کے صحیفہ ناطق ہیں یہ کمی پوری کی جاسکتی ہے، ان چراغوں کی لو سے اپنے بجھے ہوئے دیئے روشن اور ان کے سینوں کے تنور سے اپنے دل کی بجھی انگیٹھیاں گرم کی جاسکتی ہیں، بعض گذشتہ بزرگوں کی سیرت میں بھی یہ خاصیت ہے کہ ان کی گرمی صدہا انسانوں تک منتقل ہوجاتی ہے، یہ سیرت بھی اسی سلسلہ کی ایک چیز ہے"

نوجوانان اسلام کو ایک انقلابی شان سے اٹھنے، اپنے اندر حرکت وعمل پیدا کرنے اور

زمانہ کے رخ کو بدل دینے کا سبق سکھاتے ہوئے اپنے مخصوص صوت و آہنگ میں فرماتے ہیں:۔

"وہ خود بدلنے کے بجائے زمانے کو بدلنے کی ہمت کریں ؎

نازکیا جو بدلا ہے زمانے نے تجھے
مرد وہ ہیں جو زمانے کو بدل دیتے ہیں

سلطنتوں کو فتح کرنے کا حوصلہ کریں کہ نوجوانوں نے یہ بھی کیا ہے، جسم کی آرائش و زیبائش چھوڑ کر بزم جہاں کی آرائش کی فکر کریں اور دیکھیں کہ کیا چیزیں کم ہیں کہ پوری کردیں، کیا رخنے ہیں کہ بھر دیں، کیا چیزیں بیکار ہوگئی ہیں کہ نکال دیں" ۴ھ

فکر اسلامی کے انقلابی تصور کا اظہار یوں فرماتے ہیں:۔

" اسلام کی خدمت اور نوع انسانی کی سعادت کا ایک ہی لائحہ عمل ہے اور وہ وہی ہے جس کے مطابق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے خلفائے راشدین اور بعض مجددین ملت نے عمل کیا یعنی دنیا میں اسلامی شریعت اور خلافت کا نظام قائم کرنا اور اسلام کے اخلاقی، روحانی، مادی اور سیاسی غلبے کی کوشش کرنا" ۵ھ

سیرت سید احمد شہیدؒ کے بعد دوسری انقلاب انگیز تصنیف "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" (اردو ترجمہ "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر") منظر عام پر آئی اب آپ کی عمر لگ بھگ تیس سال کی ہوا چاہتی تھی، مولانا عبد اللہ عباس ندوی مصنف "میر کارواں" نے اس دور کو "زندگی کے انقلابی مراحل" سے تعبیر کیا ہے۔

یہ ایک تجزیاتی، تحقیقی اور معروضی اسلوب کا شاہکار ہے، یہ کتاب تاریخی حقائق، فلسفۂ تاریخ، اسلامی نقطۂ نظر سے تاریخ نویسی، اسلامی نشأۃ ثانیہ کی جدوجہد اور حیات انسانی کی فکری، تہذیبی اور تمدنی ارتقار کی ایک جامع اور وسیع و وقیع دستاویز بن گئی ہے، معروضی بحث و تحقیق کے ساتھ ساتھ ادب کی جمالیاتی کیفیت فکر کی لطافت، رواں اور شگفتہ زبان اور پختہ اور واضح اسلوب کا اعلیٰ نمونہ قرار پائی ہے۔ ڈاکٹر شکری فیصل جنہوں نے رسالہ "الثقافۃ" میں کتاب پر جی کھول کر تبصرہ کیا ہے، کہتے ہیں:۔

" حقیقت تو یہ ہے کہ کتاب کا ایک خاص وصف اس کا یہی واضح اسلوب ہے، اور شاید اسلوب کی یہی شگفتگی، عقیدہ و نظریہ کے نکھار اور اس پر ایمان و یقین کا عکس ہے۔ اس کے علاوہ یہ اسلوب بہت پختہ اور متین ہے، مصنف قرآن مجید سے استشہاد پر پوری طرح قادر ہیں.... عربی ترکیبوں کا بہترین استعمال، عنوانات کا لاجواب انتخاب اور تنوع اور ہر چیز کو اپنی جگہ رکھنا گویا وہ اسی کے لئے تھی، یہ سب باتیں ایک متین، پختہ اور شگفتہ اسلوب کی نشانی ہیں" ٦ھ

ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

"یہ کتاب اس قابل ہے کہ مشرق کا کوئی گھر اس سے خالی نہ رہے، اور ہمارا کوئی نوجوان اس کے مطالعہ سے محروم نہ رہے"

وہ کتاب جس میں فکری و تاریخی حقائق اور جمالیاتی ادب ایک دوسرے یوں پیوست ہوں جیسے گلاب میں خوشبو اور شکر میں مٹھاس، وہاں کوئی شگفتہ معیاری اور بلیغ زبان کا نمونہ کاٹ کر جدا کرنا بیحد مشکل کام ہے تاہم ایک نمونہ جو تمثیل و تشبیہ کا عمدہ شاہکار ہے پیش کیا جاتا ہے، مولانا "انسانی سعادت کے لئے کی قربانی" کی ضرورت کا احساس دلاتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

" دنیا کی سعادت و کامرانی کی منزل تک پہونچنے کے لئے ضروری ہے کہ مسلمان نوجوان اپنی قربانیوں سے ایک پل تعمیر کریں، اس پل پر سے گزر کر دنیا بہتر زندگی کی منزل تک پہونچ سکتی ہے، زمین کھاد کی محتاج ہوتی ہے، لیکن انسانیت زمین کی کھاد جس سے اسلام کی کھیتی برگ و بار لاتی ہے وہ وہی انفرادی خواہش و ہوس ہے جس کو مسلم نوجوان اسلام کا بول بالا کرنے اور اللہ کی زمین میں امن و سلامتی پھیلانے کے لئے قربان کریں۔ آج انسانیت کی افتادہ زمین کھاد مانگتی ہے، یہ کھاد آرام و راحت کے مواقع، انفرادی ترقی کے امکانات اور عیش کے اسباب ہیں جن کو مسلمان بالخصوص عرب اقوام قربان کردینے کا ارادہ کرلیں، چند انسانی جانوں کی جدوجہد اور ان کی قربانیوں سے اگر انسانی گلہ آگ کی راہ سے نکل کر جنت کی راہ پر لگ جاتا ہے تو یہ بڑا سستا سودا ہے" ٨ھ

اوپر عرض کیا جاچکا ہے کہ "سید احمد شہید" ایک ایسا تاریخی، علمی اور ادبی کارنامہ ہے جس میں اسلامی نشأۃ ثانیہ کی انقلابی کوششوں اور عظمت رفتہ کی بازیافت کے اسباب و وسائل یکجا کردیئے گئے ہیں، انسانیت کے ہمہ گیر بگاڑ پر جب نظر ڈالتے ہیں تو حقیقت کا ادراک کرلیتے ہیں، اسی کتاب کی ابتدا میں فرماتے ہیں:۔

"اس کو (دنیا کو) محسوس ہو کہ حالات میں کوئی بڑی تبدیلی اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک دنیا کی قیادت، مادہ پرست اور ناخدا ترس انسانوں کے ہاتھ سے نکل کر خداشناس اور خداترس انسانوں کے ہاتھوں میں نہ پہونچ جائے، جو پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کی ہدایات اور تعلیمات سے روشنی اور رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔" ؎۹

مولانا نے اس حقیقت کا اظہار اپنی تحریروں اور تقریروں میں بار بار کیا ہے کہ "ادب کی طاقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، ادب ایک ذریعہ ہے تعمیر کا بھی اور تخریب کا بھی، وہ ذہنوں کو بنانا بھی ہے اور بگاڑنا بھی ہے.... ادب کی بڑی خاصیت و قوت یہ ہے کہ وہ رجحانات اور خیالات اور عمل، طرز فکر، اخلاق اور انقلاب کے محرکات پیدا کرتا ہے..... اس لئے اس کو کسی حال میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔" ؎۱۰

اور مولانا نے اس عظیم طاقت کو کبھی نظر انداز نہیں کیا اور نہ کر سکتے تھے کہ آپ زندگی کا ایک واضح نصب العین رکھتے تھے اور زندگی بھر اس کے احیاء کے لئے کوشاں رہے، ادب اسی اعلیٰ ترین نصب العین کے لئے ہتھیار کا کام کر رہا تھا۔

سچ تو یہ ہے کہ زیر نظر تصنیف میں صاحب تصنیف کی شخصیت کی لطافت، موضوع اور کیفیت میں موزونیت، عشق و ایمان کا خمیر، اخلاص کی حلاوت اور خود اعتمادی کی طاقت، متین سنجیدہ اور معروضی و تجزیاتی پیش کش نے "از دل خیزد بر دل ریزد" کی شان پیدا کر دی ہے، کہ شان و کیفیت میں آبشاروں کی روانی تو ہے مگر موجوں کی طغیانی نہیں۔ خوشبوؤں کی عطر بیزی تو ہے مگر شعلوں کی لپٹ نہیں، کائنات کا جلال تو ہے مگر برق و رعد کی کڑک نہیں، مولانا کا اصلی حسن ان کے توازن میں پنہاں ہے، وہ زمین و آسمان کے قلابے ملانا نہیں جانتے۔

تاریخ دعوت و عزیمت

تاریخ و تذکرہ نویسی آپ کے مطالعے اور ذوق و رجحان کی خصوصی جولان گاہ تھی تاریخ دعوت و عزیمت کی پانچوں جلدیں، پرانے چراغ کے تینوں حصے، تذکرہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادیؒ، سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ، سوانح مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ جیسی تصنیفات میں جن اصلاحی اور تجدیدی کارناموں کو اجاگر کرتے ہوئے قرطاس و قلم سنبھالا گیا ہے تو اس حسن انتخاب نے آپ کے احساس و شعور میں سرور و ابتہاج اور قلم میں زور و بانکپن پیدا کر دی ہے، ان ممتاز شخصیتوں اور مصلحانہ کارنامہ انجام دینے والوں کا تذکرہ خود مصنف کی دینی اٹھان۔ ان کے ذوق و رجحان اور ان کی چاہت و پسندیدگی کا آئینہ دار ہے۔

ادبا و نقاد کا خیال ہے۔ اور صحیح ہے۔ کہ ادب کو زندگی کے تعمیری مقاصد کی تکمیل کرنی چاہئے، اسے زندگی کا نقاد و ترجمان ہونا چاہئے، اسے سماجی و تہذیبی بازیافت کا فرض نبھانا چاہئے، اسے ماضی پہ روشنی، حال کی ترجمانی اور مستقبل کے لئے صحیح اور راست پیشین گوئی کرنی چاہئے۔

پھر شاندار و ستھرے ادب کے لئے ضروری ہے کہ وہ مثبت اجتماعی خواہشات کی تکمیل کرے۔ اچھے خیالات، صحت مند تصورات پیش کرے۔ نیز اقدار و نظریات سے جدا نہ ہونے پائے ــــ ادبی محاسن کے ضمن میں یہ امر لائق توجہ ہے کہ اس میں زبان کی سلاست ہو، بیان کی خوبی ہو، تشبیہ و استعارے کی آراستگی ہو، حسین پیرایۂ اظہار ہو، تخیل کی بلندی ہو، مسرت و لطف کی بازآفرینی ہو۔

سوانح نگاری اور تذکرہ نویسی کے ضمن میں مولانا کا پاکیزہ شعور و گہرے ادراک سے مالامال قلم جب رواں ہو جاتا ہے تو وہ مصلحین و مجددین یا عظماء کی سرت ہی بیان نہیں کرتے بلکہ ان کی اضطرابی روح کو زندگی عطا کر دیتے ہیں جس نے ان کو باطل کی آندھیوں کے مقابلہ میں اسلام کی شمع کو فروزاں رکھنے پر آمادہ کیا، اپنے دور کی جاہلیت کے بگولوں کا خاتمہ کیا، دین کے حقائق و معارف، دین کے مزاج و منہاج پر از سر نو اعتماد بحال کیا، شہادت حق کا فریضہ نبھایا اور اپنے علم کلام کی طاقت سے جاہلے شہ زوروں کو پسپا کر دکھایا۔

تاریخ دعوت و عزیمت پر بصیرت افروز نگاہ ڈالتے ہوئے پروفیسر وصی احمد کہتے ہیں:-

"جو کچھ آپ پڑھ رہے ہیں وہ آپ کے ذہن سے اترتا نہیں بلکہ زندہ رہتا ہے، صورت اور معنیٰ، ہیئت اور مضمون بحیثیت مجموعی پوری کیفیت کے درمیان ایک توازن اور روحانی ہم آہنگی ہوتی ہے، پڑھنے والا ایک عجیب خوشگوار لذت میں مبتلا ہوتا ہے۔

حضرت مولانا کا بیان زندگی اور تاریخ کے ادراک میں کسی نقطۂ انجام کو قبول نہیں کرتا بلکہ مسلسل اپنے دائرۂ نظر کو وسیع سے وسیع تر بناتا چلا جاتا ہے ان عظیم شخصیتوں کا بیان اس طرح ہے کہ ان کے احساسات میں عظمت، جذبات میں نیکی، استدلال میں صداقت، اور

کارناموں میں حسن نظر آتا ہے، یہ وہ مقدس سلسلہ ہے جو عوام کے نفوس کو ان عظیم نفوس کے ساتھ متعلق کرتا ہے جن سے ایک مقناطیس کی طرح ہر یہ اٹھا اٹھا کر لوگوں کی روحانی زندگیوں کو ایک دوسرے کے ساتھ مربوط کرتی ہیں وہ جذبات جو اس کتاب کے مطالعے سے پیدا ہوتے ہیں دل کو ایسی نرمی اور دماغ کو ایسی بالیدگی بخشتے ہیں جو انسان کو پہلے سے زیادہ دیندار اور دانا بنادیتے ہیں[۱۱]

راست اسلوب نگارش

مولانا نے ایک طویل اور بھرپور مقصدی زندگی گزاری، آپ نے حقیقت میں مصلحانہ اور مجددانہ کوششوں کا بیڑا اٹھایا تھا، اس لئے زبان و بیان کا بھی ایک نیا اسلوب لے کر آئے تھے، یہ اسلوب احیاء اسلام کی خاطر آب و تاب اور ذوق و تپش پیدا کرنے کا ذریعہ بنا، آپ نے اپنے ذوق جمال اور فکر و فن کو دعوت اسلامی کے فروغ میں صرف کیا، یوں اردو زبان و ادب کے گیسو سنوارنے میں نمایاں کردار ادا کیا، الٰہ فق کا ایک وسیع حلقہ بنایا، جن کے اندر آپ کی علمی دینی اور فکری تحریروں سے بالغ نظری پیدا ہوئی، ذہن و دماغ میں روشن ضمیری اور بالیدگی آئی، فکر اسلامی کے ہمہ گیر تصور نے طائر خیال کو بلندی عطا کی، مناظرانہ فکر و خیال کے تنگ دائرے سے قاری کو نکال لائے اور سوچ کی نئی جولان گاہیں بخشیں، دینی جذبات کو مہمیز لگایا، حمیت اسلامی کی لہر دوڑادی، بربط دل کو چھیڑا اور اسے نئی رفعتیں عطا کیں، فطری جرأت، ایمان و یقین سے لبریز خود اعتمادی اور گرمی گفتار سے قاری کے لہو کو دھیرے دھیرے گرمایا، پھر راست گفتاری، مقصدیت کے رچاؤ اور اخلاص و سوز یقین کی طراوٹ نے برگ گل میں باد سحرگاہی کی نمی پیدا کردی، خطابت میں بسا اوقات منبر کلیم کا بانکپن ظاہر ہوا، اس پر عوامی مقبولیت اور شخصیت کی عظمت مستزاد کہ زمانہ کی گردش جاتی رہی اور فضا میں ٹھہر کر گوش بر آواز ہوجایا کرتی تھیں۔

زور استدلال، اثر انگیزی کی طاقت وحدت موضوع اور ربط و معنی میں اعتدال و توازن قاری کو خود اعتمادی عطا کرتا ہے اور وہ اس لذت سے سرشار رہتا ہے کہ مولانا لے ساتھ ساتھ لے کر چلتے ہیں اور کسی مرحلہ میں بھی رفاقت سے محروم نہیں کرتے۔ عرصہ دراز تک ان کی زبانوں میں بربط دل کو چھیڑنے کی صلاحیت و قوت باقی رہے گی۔

حضرت یحییٰ منیریؒ کے علمی و ادبی مکتوبات پہ ادیبانہ و مبصرانہ تبصرہ کرتے ہوئے حضرت مولانا نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا لفظ لفظ خود صاحب تحریر کی شخصیت پر صادق آتا ہے کہ اسلوب شخصیت کا پرتو اور اظہار خیال حقیقت دل کا ترجمان ہوتا ہے، فرماتے ہیں:-

"بعض اہل دل کے کلام میں جو غیر معمولی حلاوت اور قوت ہے، وہ ان کی روح کی لطافت اور قلب کی پاکیزگی اور اندرونی کیفیت و سرمستی کا نتیجہ ہے۔ اور اس کے لئے وہ کسی خارجی مدد اور مقام اور وقت کے محتاج نہیں ہوتے، ان کی خوشی و سرمستی کا سرچشمہ اور ان کی دولت کا خزانہ ان کے دل میں ہوتا ہے خواجہ میر درد نے اس پورے گروہ کی ترجمانی اس شعر میں کی ہے۔

جاپئے کس واسطے اے درد میخانے کے بیچ
کچھ عجب مستی ہے اپنے دل کے پیمانے کے بیچ[۱۲]

---

۱ نقوش اقبال ص۱۰۱

۲ تاریخ دعوت وعزیمت حصہ سوم ص۳۴۲

۳ میر کارواں ص۱۳۹ ۴ ایضاً ص۳۶

۵ ایضاً ص۴۳

۶ ماخوذ از میر کارواں ص۲۹۳

۷ ایضاً ص۲۹۴

۸ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر

۹ ایضاً ص۱۵

۱۰ کاروان ادب جنوری۔ جون ۹۶ء

۱۱ میر کارواں ص۳۹۹

۱۲ کاروان ادب جولائی ۱۹۹۶ء ص۴۴

۱۳ تاریخ دعوت وعزیمت حصہ اول ص۳۴۳

(بقیہ) حواشی موروثی اثرات

۱۶ مولانا سید امین صاحب نصیرآبادیؒ اپنے جوار اور... کے مشہور شیخ ومصلح۔

۱۷ کاروان زندگی اول ص۱۲۱-۱۲۲ ۱۸ ایضاً ص۱۰۸-۱۰۹

۱۹ ایضاً ص۹۴-۹۵ باختصار

۲۰ ایضاً ص۱۰۱ ۲۱ پرانے چراغ اول ص۲۴۹

۲۲ کاروان زندگی اول ص۴۸-۴۹

۲۳ انتخاب وتلخیص کاروان زندگی ص۸۶-۸۷

۲۴ ڈاکٹر صاحبؒ، والد صاحبؒ کو میاں کہتے تھے

۲۵ کاروان زندگی اول ص۱۱۹

۲۶ کاروان زندگی اول ص۱۱۹

۲۷ حیات عبدالحیؒ ص۲۹۳ ۲۸ ایضاً ص۲۹۴

۲۹ حیات عبدالحیؒ ص۲۹۳

۳۰ کاروان زندگی اول ص۳۱۴ باختصار

۳۱ حیات عبدالحیؒ ص۲۸۹

کتاب کی کہانی خود مصنف کی زبانی

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ ——— ترجمہ: نیصل احمد بھٹکلی ندوی

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الامین وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین ومن تبعہم باحسان إلیٰ یوم الدین۔

شاید بہت سے قارئین کرام کو معلوم نہیں کہ کتاب (انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر) مصنف کی اولین تصانیف میں سے ہے دوسرے الفاظ میں کہا جا سکتا ہے کہ اس کتاب سے (عربی میں) اس کے تصنیفی کام کا آغاز ہوتا ہے کتاب کی تالیف کے وقت مصنف کی عمر بیس سال کی تھی یہ ۱۳۶۳ھ ۱۹۴۴ء کا درمیانی زمانہ ہے اور موضوع اپنی اہمیت اور عظمت کے پیش نظر اس سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا تھا اور پھر مصنف کی نشو ونما اور تعلیم وتربیت جس ملک وماحول میں ہوئی تھی وہ عربی ثقافت اور زبان وادب کے مرکز سے ہزاروں میل دور ہے اور ابھی اسے ہندوستان سے باہر کسی سفر کا اتفاق بھی نہیں ہوا تھا، پہلا مبارک سفر جس کی اللہ نے مجھے توفیق دی وہ حج کا سفر تھا جو ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۹۴۷ء میں پیش آیا جب کہ کتاب کی تالیف پر تین سال گذر چکے تھے، واقعہ اور حقیقت یہ ہے کہ میری عمر اور حیثیت سے بلند یہ ایک جرأتمندانہ علمی اقدام تھا اور یہ بڑی ہمت کی بات تھی کہ میں نے اس موضوع پر قلم اٹھایا جس کو دراصل مجھ سے زیادہ مشاق قلم مجھ سے زیادہ وسیع عقل اور مجھ سے زیادہ طویل تجربہ کی ضرورت تھی لیکن یہ تقدیری بات تھی کہ اللہ نے یہ کتاب مجھ سے لکھوائی۔

میرے اندر اس موضوع پر کچھ لکھنے کا ایسا غیر معمولی تقاضا ہوا کہ میں اس کو ٹال نہیں سکا گویا کوئی غیبی طاقت اس موضوع پر لکھنے پر آمادہ کر رہی ہو، یہ خیال میرے شعور و وجدان پر پوری طرح سوار ہو گیا بلکہ کہنا چاہئے کہ اگر میں اس بارے میں عقل سے مشورہ لیتا اور مصنفین کے تجربات ان کے علمی مقام و مرتبہ پر اعتماد کرتا تو یقیناً مجھے اس سے پیچھے ہٹنا پڑتا، اور اگر کسی بڑے عالم و فاضل اور ادیب و مصنف سے اس کا تذکرہ کرتا تو ضرور وہ مجھے اس علمی و عقلی معرکہ آزمائی سے دور رہنے کا مشورہ دیتا، لیکن بڑا اچھا ہوا کہ میں نے کسی سے مشورہ نہیں لیا (واقعہ یہ ہے کہ موضوع میرے دل و دماغ اور اعصاب پر اس طرح چھا گیا تھا کہ مجھے کسی سے مشورہ لینے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی) اس موقع پر مجھے اقبال کا یہ شعر یاد آتا ہے وہ کہتے ہیں ؎

اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

جنگ عظیم ثانی کی بنا پر عربی مصادر و مراجع جن سے اس موضوع پر استفادہ و اقتباس کی مجھے ضرورت تھی بہت کم میسر تھے، ہندوستان اور عرب ملکوں کے مابین مواصلات کا نظام درہم برہم تھا، اس لئے اس وقت عربی کا بہت کم علمی سرمایہ اور تاریخی و ادبی مراجع ہندوستان پہونچ پاتے تھے جن سے بلاد عربیہ اور بالخصوص مصر مالا مال تھا، جہاں تک انگریزی اور اردو مراجع کا تعلق ہے تو وہ کافی تعداد میں مہیا اور میری دسترس میں تھے اور خود گہوارۂ علم و ادب لکھنؤ میں بہت سے ایسے بیش بہا کتب خانے تھے۔ جہاں انگریزی کی جدید ترین (LATEST) مطبوعات اور انسائیکلو پیڈیا موجود تھے۔ ان سے میرا برابر ربط تھا میں وہاں سے کتابیں مستعار لیتا اور پڑھتا تھا اور بعض شخصی کتب خانوں سے بھی فائدہ اٹھاتا تھا۔

اس کتاب کی تصنیف و تالیف کے لیے محض توفیق خداوندی کی بات تھی کہ قریب ہی عرصہ میں یورپ کی سیاسی و اجتماعی، مذہبی و اخلاقی اور تہذیبی و ثقافتی تاریخ کا بڑی توجہ اور دلچسپی اور پوری گہرائی اور گیرائی سے مطالعہ کر چکا تھا، اور مذہب و سائنس اور حکومت و کلیسا کے مابین کشمکش کے موضوع پر بھی خاص طور سے پڑھا تھا، نیز یورپ کی اخلاقی تاریخ اس کی عہد بعہد تبدیلیاں اور وہ اسباب و محرکات جنھوں نے یورپ کو ایک خاص سانچہ میں ڈھالا تھا جس کا نتیجہ وہ مادہ پرستی تھی جس نے مغربی و مشرقی قوموں کی رفتار و کردار اور ان کے افکار پر ایک گہرا اور فیصلہ کن اثر ڈالا، یہ سب موضوعات میری نظر سے گزر چکے تھے۔

اس سے ہٹ کر میں نے اسلامی و مشرقی ممالک اس کے ادیان و مذاہب اس کی تحریکات اور فلسفے کی تاریخ، عام اسلامی تاریخ اور عربوں کی جاہلی اور اسلامی عہد کی تاریخ خصوصاً اس موضوع سے متعلق ادبی تصنیفات کا بھی مطالعہ کیا تھا، چونکہ میں دینی و ادبی ماحول میں پروان چڑھا تھا اور تاریخی موضوعات سے مجھ کو خاندانی طور پر مناسبت تھی اس لئے یہ کام میرے لئے نسبتہً آسان تھا اور اس کا مجھے اچھا موقع بھی میسر تھا، ندوۃ العلماء کا عظیم کتب خانہ اور بعض دوسرے شخصی کتب خانوں میں اس موضوع پر خاص کتابیں موجود تھیں، نیز برصغیر کے نشریاتی اور اشاعتی اداروں سے

بھی میرا مستقل رابطہ تھا اور وسیع علمی اخبار ورسائل کے مطالعہ اور ان سے استفادہ کا بھی موقع ملتا رہتا تھا، اس میں اس بات کو بھی دخل ہے کہ میری ذہنی وفکری اور نفسیاتی تشکیل خاص ایسے ماحول میں ہوئی تھی جس میں اسلام کے پیغام کی حقانیت اور ہر زمانہ میں نوع انسانی کی قیادت کی صلاحیت پر غیر متزلزل ایمان تھا اور یہ کہ نسل انسانی کے امام وقائد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے، اسی کے ساتھ اس پر بھی یقین تھا کہ مغربی اقوام کے مزاج اور ان کی تہذیب کے اندر جو خرابیاں اور نقائص ہیں وہ کبھی ان سے جدا نہیں ہوں گی اور یہ مجسم صورت میں مغرب کی قیادت میں ظاہر ہو چکی ہے۔ یہ نتیجہ تھا میرے برادر بزرگ مولوی حکیم ڈاکٹر سید عبد العلی حسنی کی تربیت کا جو قدیم وجدید کے جامع اور اسلامی وعصری علوم اور اسلام کے عمیق فہم اور فکری اعتدال وتوازن (جو ہر قسم کے غلو اور انتہا پسندی سے پوری طرح پاک تھا) کی ایک نادر مثال تھے۔

ان سب باتوں نے مجھے اس کا اہل بنا دیا تھا کہ میں اپنے متنوع مطالعہ سے جو بسا اوقات متضاد بھی ہوتا تھا اور (جو بہت سے پڑھنے والوں کے لئے جو ابھی فکری مراہقت کے دور سے گزر رہے ہوں ذہنی تشویش اور فکری انتشار کا باعث بنتا ہے) فائدہ اٹھاؤں اور اس سے متعین مثبت (POSITIVE) نتائج کا استنباط کروں اور قرآن مجید کی تعبیر میں "مِنْ بَیْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ" یعنی گوبر اور خون کے بیچ سے خالص دودھ جو پینے والوں کے لئے خوشگوار اور راحت بخش ہو۔ اس مطالعہ سے ہر دور میں اسلام کی قائدانہ صلاحیت پر میرا یقین بڑھتا تھا اور اس بات پر ایمان میں اضافہ ہوتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی ؎

دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل

ہیں۔ اور اپنی نو عمری، بے بضاعتی اور کم مائیگی اور موضوع کی اہمیت وعظمت، اس کے اچھوتے پن اور جدت اور اس کی نزاکت کا مجھے پورا احساس تھا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ میں نے اس طرف خود قدم نہیں بڑھایا تھا بلکہ کشاں کشاں مجھ کو لے جایا گیا۔ گویا کوئی میرے کان میں کہہ رہا تھا اور میرے دل میں ڈال رہا تھا کہ اس موضوع پر کتاب لکھنا ضروری ہے۔

اس کتاب کی طرف جو لوگوں کی توجہ مرکوز ہوئی اور بہت سے لوگ اس سے حیرت زدہ ہو گئے اس کا بڑا سبب یہ تھا کہ یہ موضوع بالکل نیا اور انوکھا تھا "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" مسلمانوں کے تنزل سے دنیا کو کیا نقصان پہونچا؟ کیا عالم انسانی کے انجام اور عالمی صورتحال سے مسلمانوں کا بھی کوئی ایسا تعلق ہے جس میں یہ کہنا بجا ہو کہ مسلمانوں کے تنزل سے دنیا کو نقصان پہونچا یا مسلمانوں کی ترقی اور انسانی قیادت کی باگ تھامنے سے عالم کو کیا فائدہ ہوگا۔

اس انداز میں کوئی یہ سوچتا ہی نہیں تھا، لوگ صرف اس طرز پر سوچنے کے عادی ہو گئے تھے کہ دنیا کی ترقی سے مسلمانوں پر کیا اثرات پڑے اور اس کے تنزل سے مسلمان کتنے متاثر ہوئے ہیں۔ وہ مسلمانوں کو عالمی تاریخ کے آئینہ سے دیکھتے تھے یا بہت زیادہ قدم بڑھایا تو صرف اتنا کہ وہ مسلمانوں کو دیگر اقوام وملل کی طرح ایک قوم اور ایک امت کی نظر سے دیکھتے تھے لیکن اس کتاب کے مصنف نے ہمت کرکے ان فرضی حدود وقیود کو توڑ دیا اور عرب وعجم کے مصنفوں اور ادیبوں کے گرد جو دائرہ کھینچ دیا گیا تھا اس روایتی دائرہ سے اس نے قدم باہر نکالا اور یہ چاہا کہ مسلمانوں کے پیمانہ سے انسانی دنیا کو دیکھے اور اس بات کا جائزہ لے کر مسلمانوں کی ترقی وتنزل اور ان کے عروج وزوال سے عالم پر کیا اچھے برے اثرات پڑے، ان دونوں طرز فکر اور نظریوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے ایک نظریہ وہ ہے جس سے مسلمانوں کو اس حیثیت سے دیکھا جاتا ہے کہ دنیا میں رونما ہونے والے واقعات وانقلابات سے مسلمانوں پر کیا اثرات مرتب ہوئے۔ جس طرح دوسری قومیں ہیں مسلمان بھی ایک قوم ہیں جو عالمی سطح پر پیش آنے والے واقعات سے متاثر ہوتے ہیں، عام طرز فکر یہ تھا کہ فلاں واقعہ سے مسلمانوں پر کیا اثر پڑا، فلاں حکومت کے زوال سے مسلمانوں کا کیا نقصان ہوا، مغرب کی حالیہ بیداری سے مسلمانوں کا کیا خسارہ ہوا، مغرب کے عظیم صنعتی انقلاب سے مسلمان کس سود وزیاں کا شکار ہوئے، خلافت عثمانیہ کے خاتمہ سے مسلمان کن حالات سے دوچار ہوئے۔ اسلامی ممالک کے چھن جانے اور مغرب کے ان پر تسلط جانے سے مسلمان کس طرح بے وزن ہو گئے، معاشی پسماندگی، سیاسی پژمردگی اور فوجی ناطاقتی سے مسلمانوں کو کیسے دن دیکھنے پڑے۔

یہ ایک روایتی انداز فکر تھا جس کے لوگ عادی بن چکے تھے اس سے ہٹ کر وہ سوچنا ہی نہیں چاہتے تھے، لیکن اللہ نے میرے دل میں یہ بات ڈالی اور اس کے لئے میرے سینے کو پوری طرح کھول دیا کہ میں اس موضوع پر لکھوں کہ مسلمانوں کے تنزل سے دنیا کو کیا نقصانات پہونچے، گویا مسلمان محدود جغرافیائی حدود سے قطع نظر عالمی سطح پر رونما ہونے والے واقعات میں ایک مؤثر اور فعال عنصر (FACTOR) کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کیا واقعی مسلمان اس پوزیشن میں ہیں کہ یہ کہا جائے کہ ان کے زوال وتنزل اور

ںیا کی قیادت و رہنمائی سے کنارہ کش ہو جانے ے انسانیت کو کچھ نقصان پہونچا۔ مجھے تو بڑا طرہ ہے کہ بہت سے اسلامی مفکرین و مصنفین ین کے اپنی جگہ بہت سے قابل قدر کارنامے بھی ہوں گے) انھوں نے بھی اس طرح نہ سوچا ہوگا حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تاریخ کو مسخ کرنا اور یک تنگ زاویہ سے اس کو دیکھنا اور وہ احساس کتری جس کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ شکار ہے، بہت ے مؤرخین و محققین کے لئے یہ بات رکاوٹ کا باعث ہے کہ وہ مسلمانوں کے مسئلہ کو انسانیت کے مسئلہ سے جوڑ دیں، دنیا کی قیادت کے سامنے مسلمانوں کی کیا حیثیت ہے وہ کس مقام اور پوزیشن میں ہیں، وہ تو کمزور ہیں، بے بس ہیں، لاچار ہیں، مغرب کے محکوم اور غلام ہیں، جدید انقلاب کے تابع اور اس کے سامنے سرنگوں ہیں، تو کیا عالم انسانیت کے انجام کو مسلمانوں کی صورت حال اور ان کے انجام سے جوڑنا صحیح ہے؟ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا، بلکہ بہت سے لوگ تو اس وقت یہ ماننے کے لئے بھی تیار نہیں تھے کہ مسلمانوں کی وہ حیثیت و پوزیشن ہے جس سے کسی مصنف و محقق کو یہ حق پہونچے کہ وہ اس نقطہ نظر سے بحث کرے کہ مسلمانوں کے زوال و انحطاط سے عالم انسانی کا کیا نقصان ہوا۔ موضوع بڑی اہمیت کا حامل تھا اور اس پر کچھ لکھنا جان کو جوکھم میں ڈالنے اور کسی خطرناک وادی میں کود پڑنے کے مرادف تھا لیکن محض توفیق الٰہی نے دستگیری فرمائی۔

میں نے یہ کتاب بڑے تردد اور پس و پیش کے عالم میں لکھی اس لئے کہ میں تصنیف و تالیف کے میدان میں بالکل نو وارد تھا خصوصاً عربی زبان میں باقاعدہ تصنیف کا اس سے پہلے کوئی تجربہ نہیں تھا، میرا عربی زبان و ادب سے تعلق ایک طالب علم اور زیادہ سے زیادہ ایک مطالعہ کرنے والے کا تھا جس کی پیدائش اور نشو و نما عربی زبان و ادب اور علوم اسلامیہ کے اصل مرکز سے بہت دور ہوئی تھی، مجھے بڑا شک تھا کہ یہ کتاب عربی اور اسلامی ملک و ماحول میں کوئی پذیرائی حاصل کر سکے گی چنانچہ میں نے اس کے مضامین کی فہرست "لجنۃ التالیف والترجمۃ والنشر" مصر کے صدر ڈاکٹر احمد امین کو بھیجی۔ جو اپنی مشہور کتابوں بالخصوص فجر الاسلام، ضحی الاسلام کی بنا پر عالمگیر شہرت حاصل کر چکے تھے اور جن کی یہ کتابیں بڑی مقبولیت حاصل کر چکی تھیں اور علمی حلقوں میں جن کی ایک گونج تھی اور میں بھی ان کا قدر داں تھا اور میں نے پوری دلچسپی کے ساتھ بغور ان کا مطالعہ کیا تھا بلکہ بہت سی جگہوں پر ان کے افکار و آراء پر میں نے نوٹ بھی چڑھایا تھا جن میں کہیں کہیں ان کی رائے سے اختلاف کا بھی اظہار کیا گیا تھا تاہم کتاب کے سنجیدہ علمی اسلوب کا بڑا قدر داں تھا میں نے اس بنا پر یہ پسند کیا کہ یہ کتاب مصر کے ایسے باوقار تصنیفی ادارہ سے شائع ہو جو اپنی بلند پایہ علمی مطبوعات کی وجہ سے پورے مشرق وسطیٰ میں شہرت اور وقعت حاصل کر چکا تھا تعلیم یافتہ نوجوان اور سنجیدہ بامقصد علمی تحقیقات سے دلچسپی رکھنے والے حضرات جس کی مطبوعات کو ہاتھوں ہاتھ لیتے تھے چنانچہ میں نے کچھ صفحات ڈاکٹر احمد امین کو بھیج دیئے تاکہ کتاب کے اجمالی خاکہ کا اندازہ ہو جائے، لیکن اس کا انجام میں نہیں جانتا تھا کہ کیا ہوگا، جس کا لکھنے والا ایک گمنام شخص تھا عالم عربی میں اس کا کوئی تعارف بھی نہیں تھا جس کا نہ کوئی علمی کام سامنے آیا تھا اور نہ اس کا کوئی سفارشی تھا۔

ایک دن اچانک مجھے ڈاکٹر احمد امین کا خط ملا جس میں انھوں نے مجھ سے کتاب کا کوئی نمونہ طلب کیا تھا، چنانچہ میں نے کتاب کا ایک اقتباس بھیج دیا۔

کتاب کے موضوعات، اس کے مضامین پر مشتمل ذیلی عناوین اور اس کے مباحث ڈاکٹر احمد امین کو پسند آئے۔ لیکن چونکہ یہ کتاب ایک ایسے عالم دین کے قلم سے تھی جس نے عالم عربی سے دور رہ کر تعلیم و تربیت پائی تھی۔ احمد امین کو اندیشہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ علمائے ازہر اور قدیم دینی اداروں کے فارغین کی طرح اس پر مذہبی اور لغوی چھاپ ہو، اس بنا پر انھوں نے مصنف سے دریافت کیا کہ کیا اس نے انگریزی مآخذ سے بھی استفادہ کیا ہے۔ جب اثبات میں ان کو جواب ملا اور مصنف نے انگریزی مراجع کی فہرست ان کو بھیجی تو انھیں کچھ اطمینان ہوا اور انھوں نے مطلع کیا کہ کمیٹی نے اس کتاب کی طباعت و اشاعت کا فیصلہ کیا ہے۔

اور کتاب کے ادبی اور معنوی محاسن سے انھوں نے اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔ جس دن مصنف کتاب کو ڈاکٹر احمد امین کا یہ خط ملا وہ اس کی زندگی کے انتہائی خوشی و مسرت کے دنوں میں سے تھا، آج تک اس کو وہ فراموش نہیں کر سکا۔

اس واقعہ پر کئی مہینے گزر گئے اور مجھے اس کتاب کے انجام کی کوئی خبر نہیں تھی۔ اسی اثنا میں ۱۹۵۰ء میں دوسری مرتبہ حجاز کا سفر پیش آیا اور حسن اتفاق سے ناگہانی طور پر مجھے اس کا مطبوعہ نسخہ شامی سفیر استاد جواد المرابط کے پاس مل گیا وہ ایک فاضل و ادیب تھے اور المجمع العلمی العربی دمشق کے رکن بھی، اس کا دلچسپ واقعہ ہے اس سفر میں مکہ کے طویل قیام کے دوران میرا شام کے سفر کا ارادہ ہوا چنانچہ شام کا ویزا لینے میں شامی سفارت خانہ جدہ گیا تو میں نے ویزا لینے کے بعد شامی سفیر سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ چنانچہ سفارت خانے کے ذمہ داروں نے میری

ان سے ملاقات کرائی۔ سفیر صاحب سے مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی، اس گفتگو میں مصر کے ادبا اور اہل قلم پر بات آئی تو انھوں نے اپنے تاثر کا اظہار کیا لیکن اس کے برعکس وہ علماء ہند کی تعریف کر رہے تھے جس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ ان کی فکری گہرائی اور پختگی کے بڑے قدرداں ہیں انھوں نے یہ بھی کہا کہ ہندوستانی علماء اور مصنفین کی تحریروں میں جو اثر اور دلآویزی محسوس ہوتی ہے وہ ان مصری ادبا کے یہاں نہیں جو بہت شہرت رکھتے ہیں مثال کے طور پر انھوں نے ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین کا نام لیا جو مصر کے حالیہ سفر میں ان کے ہاتھ لگی تھی اور قاہرہ سے اس کا ایک نسخہ اپنے ساتھ لائے تھے۔ انھیں معلوم نہیں تھا کہ وہ اس کے مصنف ہی سے بات کر رہے ہیں۔ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایک غیر مشہور نوجوان مصنف کو سب سے بڑے دارالاشاعت سے شائع ہونے والی اپنی اس پہلی کتاب کو اچانک دیکھ کر کتنی خوشی ہوئی ہوگی۔ چنانچہ میں نے محترم سفیر صاحب سے چند دنوں کے لئے اس کو مستعار لے لیا، لیکن اس کے ساتھ ہی اس کو یہ بھی احساس ہوا کہ احمد امین نے کتاب پر جو چھوٹا سا مقدمہ تحریر کیا ہے اس نے کتاب کی قدر وقیمت میں اضافہ کرنے کے بجائے اس کی روح کو نقصان پہونچایا ہے۔ اس میں وہ قوت اور تاثیر نہیں تھی جس کی مصنف کو ڈاکٹر احمد امین جیسے ادیب سے ایک عظیم اسلامی اسکالر ہونے کی بنا پر توقع تھی، انھوں نے کتاب اور مصنف کتاب کے بارے میں اپنے احساسات اور تاثرات کے اظہار میں بڑی احتیاط سے کام لیا تھا۔

یہ کوئی زیادہ تعجب کی بات بھی نہیں تھی (اگرچہ مصنف کو یہ بات بہت شاق تھی) اس لئے کہ ہر مقدمہ نگار کتاب کے موضوع کا پرجوش داعی اور وکیل ہو یہ کوئی ضروری نہیں، اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ مقدمہ نگار مصنف کے فکر کے ساتھ پوری ہمدردی اور اس کے مقصد پر پورا ایمان ویقین نہ رکھتا ہو اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر بڑا محقق وادیب خواہ ڈاکٹر احمد امین کے درجہ کا ہی کیوں نہ ہو یہ سمجھتا ہو کہ انسانیت کو مسلمانوں کے تنزل وانحطاط اور میدان قیادت ورہنمائی سے ان کے کنارہ کش ہو جانے سے حقیقت میں کوئی بڑا نقصان پہنچا ہے، یہ تو تاریخ کے خاص قسم کے مطالعہ اور مخصوص غور وفکر کا نتیجہ ہے، ضروری نہیں کہ ہر مصنف اور محقق اس سے اتفاق رکھے۔ اس میں ڈاکٹر احمد امین کا کوئی قصور نہیں، اپنے مؤقر ادارہ "لجنۃ التالیف والترجمہ والنشر" کی طرف سے اس کتاب کی اشاعت ان کا ہم پر ناقابل فراموش احسان ہے۔ دراصل قصور مصنف کا ہے جس نے ان سے بڑی بڑی امیدیں وابستہ کرلی تھیں اور خاص تعلیم وتربیت اور خاص ماحول میں نشوونما پانے کی وجہ سے جس کے لئے وہ فکری اور علمی طور پر تیار نہیں تھے مصنف نے اس پر ان کو آمادہ کرنے کی کوشش کی تھی، پھر احمد امین جو نئی نسل کے مربیوں اور بڑے درجے کے ادیبوں اور مصنفوں میں سمجھے جانے تھے کو یہ خوف محسوس ہوا (اور اس بارے میں ان کو معذور قرار دیا جاسکتا ہے) کہ وہ ایسے مصنف کو جس سے شخصی طور پر وہ ناآشنا تھے اور جس کی علمی سطح سے واقف نہیں تھے اور نہ یہ جانتے کہ کس نظر سے اس کے ہم وطن علماء اس کو دیکھتے ہیں انھیں اندیشہ ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ وہ ان کو وہ مقام دیں جس کا وہ مستحق نہ ہو، پھر انھیں مورد الزام بنایا جائے کہ انھوں نے اس کو اس کی قامت وقیمت سے بڑی حیثیت دی ہے۔ اللہ ان سے درگذر فرمائے اور انھیں مصنف اور قارئین کرام کی طرف سے بہترین بدلہ عنایت فرمائے، کیونکہ دراصل وہی اس کتاب کے منظر عام پر آنے اور ان روشن خیال علمی حلقوں میں اس کے پہونچنے کا سبب بنے ورنہ اگر کسی دینی ادارہ سے یہ کتاب شائع ہوتی تو جدید تعلیم یافتہ حلقہ اس کو بالکل خاطر میں نہیں لاتا۔

جنوری ۱۹۵۱ء میں مصنف کتاب کو مصر کے سفر کا موقع ملا جب کہ کتاب کی اشاعت پر دو تین مہینے گزر چکے تھے تو اس کو یہ جان کر حیرت کے ساتھ مسرت بھی ہوئی کہ علمی اور دینی حلقوں میں کتاب ہاتھوں ہاتھ لی گئی تھی۔ اور بڑی گرمجوشی سے اس کا استقبال ہوا تھا اور مصنف کی توقع سے بڑھ کر (بلکہ جس کا وہ خواب بھی نہیں دیکھ سکتا تھا) اس کو پذیرائی حاصل ہوئی تھی۔ اور جدید تعلیم یافتہ طبقوں اور اسلامی فکر کے ان حلقوں میں وسیع پیمانہ پر پڑھی گئی تھی جو اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور مسلمانوں کی بیداری سے دلچسپی رکھتے تھے۔

مصر میں اخوان کی سرگرمیاں محدود پیمانے پر دوبارہ شروع ہو چکی تھیں اس کتاب نے ان کی کچھ مشکلات کو آسان کر دیا گویا یہ کتاب مناسب وقت پر مناسب جگہ منظر عام پر آئی۔ یہ ان کو اپنی فکر ودعوت سے ہم آہنگ محسوس ہوئی امام حسن البناء شہیدؒ کی شہادت کی وجہ سے ان کا زخم ہرا تھا اور اخوان کی تحریک پر پابندی عائد کر دی گئی تھی، یہ کتاب ان کے لئے باعث تقویت وتسکین ثابت ہوئی بلکہ اس نے ایک علمی ہتھیار کا کام دیا جس سے وہ اپنی فکر ودعوت کا دفاع کرسکیں اور اپنی بیٹری کو از سر نو چارج کرسکیں، اخوان کے ذمہ داروں نے اس کو اپنے تعلیمی وتربیتی کورس میں شامل کر لیا تھا، مطالعہ وتربیت کے حلقوں سے لے کر جیل خانوں تک میں اس کی

ت ہوئی تھی، عدالت کی بحثوں اور پارلیمنٹ
ہروں تک میں اس سے استفادہ کیا گیا
چنانچہ یہ فطری بات ہے کہ اخوان کے حلقوں
تاب کے مصنف کا بڑی محبت اور گرمجوشی
ستقبال کیا گیا۔ کتاب اس نوواردمہمان
نے کے لئے بہترین تعارف کا ذریعہ ثابت ہوئی
س نے "وزیٹنگ کارڈ" کا کام دیا۔ مستقبل
س پر اعتماد کی راہ ہموار اور اللہ کو عالم عربی
س سے جو دعوتی کام لینا تھا اس کے لئے
ن صاف کر دیا۔

سید قطبؒ جو مصر میں اسلامی فکر اور
ت کے سب سے بڑے علمبردار اور ادب اسلامی
یک بلند مینار تھے انھوں نے اس کتاب کا
ے ذوق وشوق سے مطالعہ کیا تھا اس کی
، داد دی تھی اور بڑی حوصلہ افزائی فرمائی
اور انھوں نے اپنے دوستوں اور شاگردوں
ں کے مطالعہ پر آمادہ کیا تھا، اور ان کی ہفتہ وار
، مذاکرہ میں جو ان کے مستقر حلوان میں ہر
و منعقد ہوتی تھی اور جہاں کسی اسلامی موضوع
ضوع بحث بنایا جاتا تھا اس کتاب کی تلخیص
س پر بحث ومباحثہ بھی ہوا تھا، مصنف
و ایک دن[1] اس میں شرکت کی سید قطب
رف سے دعوت ملی ان کے ایک شاگرد (جو
ہ فواد الاول کے فارغ تھے) نے "ماذا خسر العالم"
یص کی تھی۔ مصنف نے اس دعوت کو بسر
م قبول کیا جو درحقیقت اس کی حقیر علمی اور
یفی کوشش کی قدردانی کی ایک علامت
، چنانچہ اس نے اس مجلس میں شرکت کی اور
ت میں حصہ لیا اور مصنف کی حیثیت سے بعض
الوں کا جواب دیا۔

وہیں اس کے ذہن میں یہ بات آئی کہ
ید قطبؒ سے کتاب پر مقدمہ لکھنے کی فرمائش
کرنی چاہئے تاکہ وہ اپنے طاقتور مومنانہ قلم اور بامقصد
علمی اسلوب سے اس پر مقدمہ لکھیں۔ انھوں نے
اس فرمائش کو انتہائی مسرت کے ساتھ قبول کیا
اور پورے جوش وجذبہ کے ساتھ مقدمہ لکھا وہ
ایک ایسا طاقتور مقدمہ ہے جس میں انھوں نے
کتاب کی پوری روح کھینچ لی ہے اس سے کتاب
کی قدروقیمت میں ایک وقیع اضافہ ہوا[2] اس طرح
اس نقصان کا تدارک ہوا جو احمد امین کے مقدمہ
سے کتاب کو پہونچا تھا۔

اسی موقع پر مصنف کے مخلص دوست اور
کتاب کے خاص قدرداں ڈاکٹر یوسف موسیٰ
(استاد جامع ازہر اور اس کے اشاعتی ادارہ
جماعۃ الازہر للتالیف والترجمہ والنشر کے سربراہ)
نے اپنی کمیٹی کی طرف سے اس کی طبع ثانی کی پیشکش
کی مصنف نے بخوشی ان کو اجازت دے دی
شیخ یوسف موسیٰ نے ڈاکٹر احمد امین سے
اس کی قانونی اجازت حاصل کی تھی، انھوں نے
بھی ازراہ کرم ایک مقدمہ تحریر فرمایا جس میں
کتاب کے متعلق اپنے قلبی تاثرات اور علمی خیالات
کا اظہار کیا اور کتاب کا بہترین تعارف کرایا
جس کی سطر سطر سے ان کا اخلاص ومحبت اور مقصد
کتاب سے ان کی ہم آہنگی کا پتہ چلتا ہے[3]

علاوہ بریں مصنف کے بے تکلف دوست
ڈاکٹر احمد شرباصی (جو علماء ازہر میں ایک ممتاز
مقام رکھتے تھے اور اس کے فاضل اساتذہ میں سے
تھے) نے ایک نجی ملاقات میں مصنف سے اس کے
خاندان، ماحول، تعلیم وتربیت اور اس کی زندگی
کے متعلق کچھ معلومات حاصل کیں، مصنف کو معلوم
نہیں تھا کہ وہ ان معلومات کو کیا کریں گے لیکن
انھوں نے اس سے اپنے مخصوص انداز میں صاحب کتاب
کا تعارف کرایا اور "اخی ابو الحسن (صورۃ وصفیۃ)"
کے نام سے اس کے مختصر حالات زندگی پر مشتمل
ایک مضمون لکھ کر شامل کتاب کر دیا۔ مصنف کو
۱۹۵۳ء میں کتاب کی طبع ثانی کے بعد ہی اس کا
علم ہو سکا اس کے بعد کتاب کے مسلسل کئی ایڈیشن
نکلے اور مشرق ومغرب کی متعدد زبانوں میں اس
کے ترجمے ہو کر شائع ہوئے (اس میں اردو، انگریزی
فرنچ، فارسی، ترکی کے علاوہ جنوبی ایشیا کی
دوسری زبانیں شامل ہیں) یہ اس کا تیرہواں
قانونی ایڈیشن ہے[4]

یہ کتاب کی مختصر کہانی تھی جس کو میں نے
صداقت وامانت اور صفائی اور صراحت کے
ساتھ بیان کیا ہے، بس اللہ ہی کا شکر ہے اور
اسی کا احسان ہے۔

---

[1] اس سے پہلے راقم کے قلم سے قصص النبیین کے دو حصے اور القراءۃ الراشدۃ کے تین حصے اور مختارات من ادب العرب نکل چکی تھی مگر ان سب کتابوں کا تعلق درسی کتب سے تھا جو ہندوستان کے عربی مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والے مسلمان بچوں کو عربی زبان وادب سکھانے کے لئے لکھی گئی تھیں۔ [2] یہ ۱۹؍۸؍۱۳۷۰ھ مطابق ۲۵؍۵؍۱۹۵۱ء کا واقعہ ہے۔

[3] ان کے مقدمہ کا ایک چھوٹا سا اقتباس یہاں پیش کیا جاتا ہے تاکہ ان کی قدردانی اور حوصلہ افزائی کا کچھ اندازہ ہو جائے لکھتے ہیں:

"اس کتاب کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے اسلام کے اصول وکلیات کو ان کے وسیع دائرہ کے اندر اور اسلام کی صحیح روح کے مطابق سمجھا ہے اس بنا پر نہ صرف یہ کتاب دینی واجتماعی تحقیق علمی کا نمونہ ہے بلکہ اس کا بھی نمونہ ہے کہ اسلامی زاویہ نگاہ سے تاریخ کو کس طرح مرتب کرنا چاہئے۔"

آگے لکھتے ہیں:

"اسی خصوصیت کی بنا پر یہ کتاب تاریخ نویسی کا ایک کامیاب نمونہ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کو یورپ کے اسلوب نگارش سے بے نیاز

(باقی ص ۳۲۹ پر)

خاندان

اور

شخصیت ساز ماحول کے اثرات

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

والدہ صاحبہ کے تربیتی خطوط اور دعاؤں کی روشنی میں

● مولانا سید محمد واضح رشید ندوی

دل کی گہرائیوں سے نکلے سچے جذبات واحساسات کا جیسا اظہار خطوط میں ہوتا ہے وہ دوسری تحریروں میں کم ہوتا ہے۔ خطوط میں بے تکلفی اور بے ساختگی اور تعبیر کی سچائی، کامل طور پر پائی جاتی ہے، اس میں بھی ماں باپ کے خطوط امتیازی حیثیت رکھتے ہیں جو وہ اپنی اولاد کو لکھتے ہیں، جس میں بچہ کے ذہن کی پوری رعایت رکھی جاتی ہے، اور بچہ کی ذہنی وفکری ترقی کے ساتھ یہ اسلوب بھی اس کے مطابق بلند ہوتا چلا جاتا ہے۔ علوم ومعارف، حکایتوں قصوں، اور مثالوں سے یہ مزین ہوتے ہیں۔ ان خطوط میں زندگی کے متعلق ہدایات، مسرت اور رنج کا بیان، انعام ومحرومی کا ذکر، حوادث وواقعات کا تذکرہ، اور جو کچھ گھر میں بھلا برا، مفید اور غیر مفید پیش آتا ہے، اور زندگی کے جو مسائل ہوتے ہیں انکا بے تکلف بیان ہوتا ہے۔ پھر یہ خطوط قاری پر دو قسم کے خاص اثر ڈالتے ہیں، ایک تو یہ کہ قاری کے اندر خوشی کے جذبات موجزن ہوتے ہیں، دوسرا اس کے برعکس تاثر غم پر ہوتا ہے۔

چنانچہ علماء ومشائخ، قائدین وعمائدین کے تذکرے ان ماؤں کے ذکر کے بغیر ادھورے رہتے ہیں، جن کا ان کی تربیت اور نشو ونما میں اہم کردار رہا ہے اور ان کی شخصیت سازی میں اہم عنصر رہا۔ ماں کی ممتا اور شفقت، اس وقت کام آتی ہے جب باپ اپنی تمام تر کوششوں کو بے اثر دیکھ رہا ہوتا ہے۔ اس وقت ماں کی محبت اور تڑپ اپنا کام دکھاتی ہے...... اس لئے بڑی شخصیات کی شخصیت سازی کا اہم اور بنیادی سبب تلاش کرنے پر وہی عنصر نمایاں نظر آتا ہے جو ماں کے نصائح اور توجہات سے متعلق ہے حالانکہ یہ نصائح اور توجہات استاذ، مرشد ومربی کی نصائح وارشادات سے مختلف اور الگ ہیں لیکن دل کی تپش اور آنسوؤں کی تاثیر دل کو زخمی کر کے قاری کو بیخود بنا دیتی ہے۔ اسی چیز نے خطوط کی اس قسم کو ادبی حلاوت اور فنی جمال کا رنگ دے کر، ادب کی اہم قسم بنا دیا۔

مخدومی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نور اللہ مرقدہٗ کی تربیت اور ان کی شخصیت سازی کے بنیادی عناصر وعوامل میں جہاں ان کے ماہرین فن اساتذہ، اور بلند پایہ مشفق مربیوں اور مشائخ کرام پر نظر جاتی ہے جن کی زمانہ اور اس کے حالات اور تقاضوں پر نظر تھی اور جو مزاج شناس اور نباض تھے، وہیں ان کی والدۂ ماجدہ کی دعائیں اور تربیت وارشاد اہم عنصر ہے جنہوں نے ابتدائے طفولت سے لے کر زمانۂ طالب علمی اور جوانی تک پوری نگہداشت رکھی اور فکر کی اور دعاؤں کو اپنا لازمی اور بڑا وظیفہ بنایا اور خطوط کے ذریعہ وقتاً فوقتاً مجھنجھوڑنے اور زندگی میں انقلاب برپا کر دینے والے جملوں کا استعمال کرتیں، چونکہ وہ شاعرہ بھی تھیں اور قادر الکلام تھیں مناجات کہتیں اور اس سے ہدایات ورہنمائی کا وہ کام لیتیں، جو ایک واعظ اور مصلح اپنے وعظ وبیان سے کم لے پاتا ہے، والدۂ ماجدہ کی آہ سحرگاہی اور نالۂ نیم شبی تھا کہ جس نے ان کو ان بلند اوصاف وکردار کا حامل بنایا جس کے حامل کم ہی ہوتے ہیں۔

یہ شب بیدار اور برگزیدہ خاتون مخدومہ سیدہ خیر النساء بہتر صاحبہ بنت مصلح کبیر حضرت شاہ ضیاء النبی حسنی رائے بریلوی ہیں۔ والدہ حضرت شاہ علم اللہؒ میں ۱۸۷۸ء میں پیدا ہوئیں اور ایک خاص علمی، دینی، روحانی ماحول میں پروان چڑھیں، یہ اس خاندان کی بی بی تھیں، جو ایک چھوٹا خاندان ہونے کے باوجود شعراء، ادباء، مصلحین اور علماء ومشائخ کی جماعت ہر زمانہ کو دیتا رہا ہے، اس نامور خاندان کے بزرگوں کی میراث، آپ میں مجموعی طور پر منتقل ہوئی جس نے آپ کی مناجات اور شعر ونثر کی کتابوں میں وہ بلا کی تاثیر اور کشش پیدا کی جس سے آپ کی مناجاتوں اور کتابوں کو بڑی قبولیت حاصل ہوئی، آپ کو قرآن کریم سے والہانہ تعلق تھا، اور اپنے ذوق وشوق سے قرآن مجید پورا یاد کر لیا تھا، تلاوت کا خاص معمول تھا، بہنیں اور سہیلیاں بھی حفظ قرآن کریم کی دولت سے بہرہ ور تھیں۔

تلاوت قرآن کریم، اور دعاؤں ومناجات نے ان کے دینی جذبات واحساسات اور اللہ کی طرف رجوع اور انابت میں جوش پیدا کیا، اس آیت کریمہ سے...... خاص مناسبت من جانب اللہ پیدا ہوئی۔ وہ یہ ہے:-

"وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ، أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ، فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي، وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ"

(سورۃ البقرۃ الآیہ ۱۸۶)

خود فرماتی تھیں، اس آیت کریمہ کو ہم نے سو بار پڑھا، دعا میں آپ کا انہماک اور اشتغال بڑھتا ہی چلا گیا، اور اس کے نتیجہ میں اللہ کے وعدہ اور اس کی نصرت و تائید اور توفیق پر آپ کا یقین بڑھتا چلا گیا، دعا سے آپ کا ایمان و یقین اتنا بڑھ گیا کہ یہ اعتقاد کامل طور پر پیدا ہو گیا کہ کوئی بھی چیز معمولی ہو یا غیر معمولی، اس کو انسان اپنی دعا کے ذریعہ حاصل کر سکتا ہے، یہی وجہ تھی کہ انھوں نے اپنی اولاد کو دعاؤں کا عادی بنایا، اور یہ دعا تو خاص طور پر یاد کرائی۔ "اللّٰھم اٰتنی بفضلك أفضل ما تؤتی عبادك الصالحین" انھوں نے اپنے فرزند حضرت مولانا علی میاں صاحب قدس سرہ سے تاکیداً فرمایا کہ جب بھی کوئی تحریر لکھو بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد یہ دعا لکھا کرو۔ حضرت مولانا قدس سرہ فرماتے تھے کہ یہ معمول ہمارا لکھتے وقت رہا اور یوں بھی دعا کرتے وقت اکثر یہ دعا زبان پر آجاتی تھی۔

دعائیں خوب آپ کو یاد تھیں اور بزرگوں کے واقعات اور حکایتیں ذہن نشین تھیں، جن سے وہ ارشاد و تربیت میں کام لیتی تھیں، اور معاشرے پر گہری نظر رکھتیں، مشورے دیتیں، اور خود بھی شرکت فرماتیں، چنانچہ سلائی، پکائی، صفائی، تمام امور مہارت اور سلیقہ کے ساتھ انجام دیتیں، اور یہ مصروفیات کبھی بھی ذکر و تلاوت اور دعا و مناجات میں مانع اور حارج نہ بنیں، ادبی ذوق اور تربیتی مزاج، جو کہ ایک خاندانی خصوصیت اور امتیاز رہا ہے، ان میں منتقل ہوا تھا، جس کو انھوں نے اپنی خوبیوں سے اور جلاء بخشا، نظم و نثر دونوں میں اچھی قدرت رکھتی تھیں، قلبی کیفیات اور دینی جذبات کو نظم میں ڈھالتیں، اور ان توقعات و آرزوؤں کو بھی نظم کرتیں جو انھوں نے اپنے فرزند گرامی سے باندھ رکھی تھیں، چونکہ وہ ایک دردمند اور فکرمند خاتون تھیں، اس لئے وہ ایک لڑکی کو مثالی عورت دیکھنا چاہتی تھیں جو شوہر کے لئے باعث راحت و سکون بنے، اور بیٹے کے لئے محبت نچھاور کرنے والی اور اس کے ساتھ اس کی تربیت سے غفلت نہ برتنے والی ماں بنے، اور اپنی حد تک گھریلو معاشرہ کو صحیح اسلامی معاشرہ میں ڈھال دینے والی خاتون بنے، اس کے لئے کتابیں بھی لکھیں۔ "حسن معاشرت" اور "ذائقہ" کو نثر میں اور نظم میں "کلید باب رحمت" کو بڑی مقبولیت ملی۔

ادب و تربیت دونوں اعتبار سے آپ کے خطوط میں وہ دینی جذبہ اور حکیمانہ اسلوب ملتا ہے جو اثر ڈالے بغیر نہیں رہ سکتا، اس میں زندگی ہے، تحریک ہے، حساسیت ہے اور درد و سوز ہے، دنیا کا وصف بھی اور اس کے کھوٹ کا اظہار بھی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمانہ کی خرابیوں اور فتنوں سے کس باریک بینی سے واقف تھیں اور ایک نوخیز کے جذبات کو سمجھنے میں کس درجہ حساس تھیں، ان خطوط میں جو انھوں نے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے لکھنؤ میں تعلیم کے دوران لکھے تھے، جہاں نرمی، گرمی، صراحت اور کنایہ نظر آئے گا وہیں کبھی لچکدار لہجہ اور کبھی طاقتور اسلوب میں واقعات، مثالوں کے ذکر کے ساتھ مخاطب ہوتی ملیں گی، یہ خطوط ان سخت حالات میں تحریر کئے گئے ہیں جب ان کے عظیم المرتبت شوہر مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب حسنیؒ کا حادثۂ ارتحال پیش آیا تھا اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی عمر صرف نو سال کی تھی، ایسے حالات میں ایک ہوشمند اور غیور و باحمیت خاتون کو جو کرنا چاہئے تھا اس سے زیادہ وہ کرتی نظر آتی ہیں، انھوں نے اپنی ذمہ داری محسوس کی اس کا کچھ اندازہ ان کے خطوط سے کیا جا سکتا ہے جو محفوظ رہ گئے، ایک خط میں جب انھوں نے مولانا کا انگریزی کی طرف رجحان کو زور پکڑتے دیکھا تو تحریر کیا۔

"مجھے تو انگریزی سے بالکل انسیت نہیں، بلکہ نفرت ہے، مگر تمہاری خوشی منظور ہے، علی! دنیا کی حالت نہایت خطرناک ہے، اس وقت عربی حاصل کرنے والوں کا عقیدہ ٹھیک نہیں، تو انگریزی والوں سے کیا امید؟...... علی! اگر میرے سو اولادیں ہوتیں تو سب کو میں یہی تعلیم دیتی، اب تم ہی ہو، اللہ تعالیٰ میری خوش نیتی کا پھل دے، کہ سو کی خوبیاں تم سے حاصل ہوں، اور میں دارین میں سرخ رو، نیک نام اور صاحب اولاد کہلاؤں، آمین ثم آمین۔"

انگریزی سیکھنے کا اور اسکول میں پڑھنے کا جذبہ، مولانا رحمۃ اللہ علیہ پر اس وقت طاری ہوا تھا جب مغربی تہذیب اپنے عروج پر تھی، برٹش اقتدار تھا، اور یہی تعلیم بڑے دنیوی عہدوں اور مناصب پر فائز ہونے کے لئے ضروری سمجھی جاتی تھی، اور اسی میں مہارت اور کمال کو ترقی اور مستقبل کی تابناکی کے لئے ضروری سمجھا جاتا تھا۔ اور اکثر افرادِ خاندان اسی کی طرف مائل تھے، مولانا چونکہ ایک بڑے ذہین طالب علم تھے وہ اس رجحان سے متاثر ہوئے، اور اتنے ہوئے کہ انگریزی سیکھنے کا ان پر زبردست جذبہ طاری ہوا، اس خبر سے والدہ صاحبہ کی نیند اڑ گئی، کہ کہیں نئے تہذیبی و ثقافتی دھارے کی زد میں نہ آجائیں، اور عصری تقاضے دینی تقاضوں پر غلبہ نہ پالیں، خود مولانا تحریر فرماتے ہیں۔

"ایک زمانہ میں میری طبیعت دینی تعلیم سے کچھ اچاٹ سی ہونے لگی اور انگریزی

تعلیم حاصل کرنے اور سرکاری امتحانات دینے کا دورہ سا پڑا' بھائی صاحب نے کسی خط میں، یا رائے بریلی کے کسی سفر میں والدہ صاحبہ سے میرے اس نئے رجحان کی شکایت کی' اس پر انھوں نے میرے نام جو خط لکھا اس سے ان کے دلی خیالات' جذبات اور ان کی قوت ایمانی اور دین سے محبت و عشق کا اندازہ ہوتا ہے:

دینی علم اور دنیوی علم کے سلسلہ میں ان کی غیرت دینی کا کچھ اندازہ ان کے خط کے ایک اقتباس سے بڑی حد تک ہو سکتا ہے' وہ ملاحظہ ہو:

"علی! اگر لوگوں کا عقیدہ ہے کہ انگریزی والے مرتبے حاصل کر رہے ہیں کہ کوئی ڈپٹی اور کوئی جج' کم از کم وکیل اور بیرسٹر ہونا تو ضروری ہے' مگر میں بالکل اس کے خلاف ہوں' میں انگریزی والوں کو جاہل' اور اس کے علم کو بے سود اور بالکل بے کار سمجھتی ہوں۔

علی! تم کسی کے کہنے میں نہ آنا' اگر خدا کی رضامندی حاصل کرنا چاہتے ہو' اور میرے حقوق ادا کرنا چاہتے ہو تو ان سبھوں پر نظر کرو' جنھوں نے علم دین حاصل کرنے میں عمر گزار دی ان کے مرتبے کیا تھے' شاہ ولی اللہ صاحبؒ' شاہ عبدالعزیز صاحبؒ' شاہ عبدالقادر صاحبؒ' مولوی ابراہیم صاحبؒ' اور تمہارے بزرگوں میں خواجہ احمد صاحبؒ اور مولوی سید محمد امین صاحبؒ مرحوم جن کی زندگی اور موت قابل رشک ہوئی' کس شان و شوکت کے ساتھ دنیا برتی اور کیسی کیسی خوبیوں کے ساتھ رحلت فرمائی۔"

مزید لکھتی ہیں:۔

"میں خدا سے ہر وقت دعا کرتی ہوں کہ وہ تم میں ہمت اور شوق دے' اور خوبیاں حاصل کرنے کی اور تمام فرائض ادا کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔"

ساری نصیحتوں کے بعد اس عمل پر انعام کا ذکر کرتے ہوئے خط کو یوں ختم کرتی ہیں:۔

"بہت جلد خیریت کی اطلاع دو' اور اگر دیر کرو گے تو میں سمجھوں گی کہ میری نصیحت تمہیں ناگوار ہوئی' انشاء اللہ تعالیٰ رمضان شریف میں تم سے وعظ کہلاؤں گی' اللہ تعالیٰ میری خواہش سے زیادہ تمہیں توفیق دے کہنے کی' اور تمہارا کلام پر اثر اور خدا کی خوشی و رضامندی کے قابل ہو۔ آمین۔ اللھم انی بفضلك افضل ما تؤتی عبادك الصالحين۔ تم خدا کی رحمت سے تیار رہو' تم نے وعدہ بھی کیا ہے۔"

ایک مکتوب میں تعلیم میں انہماک' جفاکشی اور قدیم طالبعلمانہ صفات کی تلقین کرتے ہوئے لکھتی ہیں:۔

"تمام باتوں کا شوق بے کار سمجھو' خوش وضع مزاج والوں سے دلچسپی نہ رکھو' طالب علموں کو صرف پڑھنا چاہئے' کپڑے پھٹے ہوں یا جوتا' کچھ شرم کی بات نہیں' بلکہ فخر کرنا چاہئے یہ حالت فلاح و بہبودی کا باعث ہوتی ہے' انھیں تکلیفوں میں علم کی قدر ہوتی ہے' عقل اور خوش نصیب وہ ہے' جو نایاب چیز حاصل کرے' وہ کیا ہے؟ شریعت کی پابندی۔

اس وقت کا علم عام ہے' اور ہر کسی کو میسر ہے' دو چار کتابیں لے لیں بس قابل ہو گئے' ہزاروں خطرے پیش نظر رہتے ہیں' یہ خط اگر دل چاہے' غور سے دیکھنا اور اکثر اس پر نظر ڈالتے رہنا۔"

ایک مکتوب میں بزرگوں کے طریقہ کی طرف متوجہ کرتی ہوئی لکھتی ہیں:۔

"..... اور جہاں تک ممکن ہو اگلے علماء کی سی لیاقت پیدا کرو' وہی معلومات حاصل کرو کہ کوئی بات شریعت کے خلاف نہ ہو' اور تمام مسئلوں سے بخوبی واقف ہو جاؤ' اس وقت اسی علم کی ضرورت ہے' اس وقت کے علماء کچھ نہیں جانتے' اور فتنے پیدا کرتے ہیں' میری دلی تمنا ہے کہ تم علم میں وہ مرتبہ حاصل کرو جو بڑے بڑے علماء نے حاصل کیا' جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترس رہی ہیں' کان مشتاق ہیں' دل شوق میں تڑپا جاتا ہے' علی! اس سے زیادہ کوئی خواہش نہیں' اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی ہوں کہ وہ تمہیں تمام خوبیاں عطا کرے کہ جو اس کی رضا کا باعث ہوں۔ وہی وقت آجائے۔ آمین۔"

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ خود اپنی والدہ صاحبہ کی تربیت اور نگرانی کا حال بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"گھر میں کسی بڑے مرد کے نہ ہونے کی وجہ سے والدہ صاحبہ ہی میری نگرانی' اخلاقی و دینی تربیت کی ذمہ دار تھیں' مجھے قرآن مجید کی بڑی بڑی سورتیں انھوں نے اسی زمانہ میں یاد کرائیں' باوجود اس کے کہ ان کی شفقت خاندان میں ضرب المثل تھی' اور والد صاحب کے انتقال کی وجہ سے وہ میری دلداری اور ایک حد تک ناز

برداری قدرتاً دوسری ماؤں سے زیادہ کرتی تھیں لیکن دو باتوں میں بہت سخت تھیں، ایک تو نماز کے بارے میں مطلقاً تساہل نہیں برتتی تھیں، میں عشاء کی نماز پڑھے بغیر کبھی سوگیا خواہ کیسی ہی گہری نیند ہو اٹھا کر نماز پڑھواتیں، اور نماز پڑھے بغیر ہرگز نہ سونے دیتیں، اسی طرح فجر کی نماز کے وقت جگا دیتیں، اور مسجد بھیجتیں، اور پھر قرآن مجید کی تلاوت کے لئے بٹھا دیتیں، دوسری بات جس میں وہ قطعاً رعایت نہ کرتیں اور اس میں ان کی غیر معمولی محبت و شفقت حارج نہ ہوتی یہ تھی کہ اگر میں خادم کے لڑکے یا کام کاج کرنے والے غریب بچوں کے ساتھ کوئی زیادتی نا انصافی کرتا یا حقارت اور غرور کے ساتھ پیش آتا تو وہ نہ صرف مجھ سے معافی منگواتیں بلکہ ہاتھ تک جڑواتیں اس میں مجھے کتنی ہی اپنی ذلت اور خفت محسوس ہوتی مگر وہ اس کے بغیر نہ مانتیں، اس کا مجھے اپنی زندگی میں بہت فائدہ پہنچا اور ظلم و تکبر و غرور سے ڈر معلوم ہونے لگا اور دل آزاری اور دوسروں کی تذلیل کو کبیرہ گناہ سمجھنے لگا، اس کی وجہ سے مجھے اپنی غلطی کا اقرار کر لینا ہمیشہ آسان معلوم ہوا۔

والدہ صاحبہ کی تربیت کے اس انداز کا ذکر کرتے ہوئے ایک تجربہ اور مشورہ کے طور پر اس کا بھی ذکر کردینے کو جی چاہتا ہے کہ بچوں کی مذہبی و اخلاقی اٹھان اور ان کے اس قابل ہونے میں کہ اللہ تعالیٰ ان سے اپنے دین کی کوئی خدمت لے یا قبولیت عطا فرمائے دو چیزوں کا بڑا دخل ہے ایک یہ کہ وہ اپنی عمر کے مطابق ظلم اور دل آزاری سے محفوظ رہیں، اور کسی دکھے دل کی آہ یا مظلوم کی کراہ ان کے مستقبل پر اثر نہ ڈالے، دوسرے یہ کہ ان کی غذا غصب و حرام اور مشتبہ مال سے پاک رہے، بظاہر اللہ تعالیٰ نے اس عاجز کے ساتھ ان دونوں چیزوں کا انتظام فرمایا، میرا ددیہال جائداد و املاک اور مشترک مال و حقوق سے عرصہ سے محفوظ تھا، والد صاحب کی آمدنی خالص طبی پیشہ کی رہین منت تھی، ویسے بھی اللہ تعالیٰ نے نہ صرف مشتبہ مشکوک مال سے بچایا بلکہ بدعات و رسوم کے کھانوں سے بھی۔

اس سلسلہ میں ایک واقعہ یاد آگیا کہ میں اپنے گھر کی ایک بڑی بوڑھی اناں کے ساتھ جو پردہ کی نہ تھیں اپنی پھوپھی کے پاس "خالص بازار" (رائے بریلی کا ایک محلہ) جارہا تھا، راستہ میں کہیں غریبوں کو کھانا کھلایا جارہا تھا (جو چالیسویں یا صدقہ کا کھانا تھا) بڑی بی نے جن کے ساتھ میں جارہا تھا وہ کھانا لیا اور وہیں بیٹھ کر کھانے لگیں، میں بچہ تھا میرے بھی منہ میں پانی بھر آیا اور میں نے شرکت کرنی چاہی، انھوں نے کہا بیٹا یہ تمہارے کھانے کا نہیں، اور انھوں نے مجھے کھانے نہیں دیا، یہ غالباً گھر کے ماحول اور احتیاط کی اس فضا کا نتیجہ تھا جس کو وہ دیکھا کرتی ہوں گی۔

اس زمانے میں ہمارے خاندان میں ایک بڑا اچھا دستور تھا کہ جہاں کوئی ایسا غمناک واقعہ پیش آتا، دل دکھے ہوئے ہوتے یا کوئی پریشانی کی بات ہوتی تو "صمصام الاسلام" سنی جاتی، یہ مشہور مؤرخ واقدی کی مشہور کتاب "فتوح الشام" کا پچیس ہزار اشعار میں ترجمہ ہے، اور یہ ترجمہ اور نظم ہمارے ہی خاندان کے ایک بزرگ میرے والد صاحب کے حقیقی پھوپھا منشی سید عبدالرزاق صاحب کلامی کی لکھی ہوئی ہے، جوش و خروش سے بھری ہوئی، اردو اثر میں ڈوبی ہوئی جنگ کا نقشہ ایسا کھینچتے کہ دل جوش سے اچھلنے لگتے اور نبض تیز ہوجاتی۔ شہادت کا ذکر اس طرح کرتے ہیں کہ خود راہ خدا میں جان دینے کے لئے دل بے تاب ہوجاتا ہے، اور صحابہ کرامؓ اور مجاہدین کے غم کے سامنے آدمی اپنا غم بھول جاتا ہے، میری بڑی خالہ مرحومہ صالحہ بی جو قرآن مجید کی بھی حافظ تھیں یہ منظوم "فتوح الشام" بڑے پر اثر اور دلکش لہجہ میں پڑھتی تھیں اور پڑھتے پڑھتے کتاب ان کو بہت رواں ہوگئی تھی عموماً عصر کے بعد یہ مجلس ہوتی، بچے بھی کبھی اپنی ماؤں کے پاس کھیلتے کھیلتے یا کسی پیغام کے لئے آجاتے اور بے ارادہ کچھ دیر ٹھہر کر سنتے، کبھی بالارادہ بیٹھ جاتے اور کبھی مائیں اپنے پاس بٹھا کر سننے کا موقع دیتیں پھر جب اس میں لطف آنے لگتا تو کھیل چھوڑ کر اس مجلس میں شریک ہوتے۔

والدہ صاحبہ کے دعا کے اہتمام اور اس کے ذوق و شوق کے بارے میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"ان کو ہر دعا پر اعتماد اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر ناز بھی بہت تھا، اچھے اچھے لوگوں میں

(باقی صفحہ ۲۹۴ پر)

چچا میاں رحمۃ اللہ علیہ

کیا دیکھا؟ کیسا پایا؟

مولانا سید محمد طاہر منصور پوری
سابق مددگار ناظم ندوۃ العلماء

چچا میاں (مخدوم گرامی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ) سے ہمارے تعلق کی ابتداء ۴۸-۴۹ء سے ہے جب انھوں نے ہم کو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں دیکھا تھا۔ پھر شیخ رح کے ہی ایما پر ہم لکھنؤ "ندوہ" آگئے، اور یہاں چچا میاں کو خوب قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ یہ ان کی قربانی، مجاہدہ، مشقت، اور عسرت کا زمانہ تھا دارالعلوم ندوۃ العلماء سے تنخواہ لینا بند کر چکے تھے، اور ادارہ ان کی خدمات سے فائدہ اٹھا رہا تھا۔ ضرورت پڑنے پر قرض لیتے، اور یہ دوسروں کے کام آتا، خود صبر سے کام لیتے اور مجاہدہ کرتے، اسی عسرت کے زمانہ کا حال ہے کہ فجر کی نماز پڑھنے کے بعد ٹہلنے نکل جایا کرتے، اور وہاں سے اتنی دیر میں آتے تھے کہ لوگ سمجھیں کہ ناشتہ کر چکے ہیں۔ آتے ہی درجہ کا وقت ہو جایا کرتا تھا، اور وہ درجہ چلے جاتے تھے، ہمیں شبہ ہوا اور پھر یہ تقاضا ہوا کہ آپ کے لئے ناشتہ تیار کر کے لے چلیں جب ہم ناشتہ لے کر پہونچے ہیں، تو ان کو ناشتہ نہ کرنے کی وجہ سے اس حال میں دیکھتے ہیں کہ وہ اس قدر کمزوری محسوس کر رہے تھے کہ اٹھنا مشکل ہو رہا تھا، اتفاق سے اس دن اور دنوں کے مقابلہ میں ناشتہ کی زیادہ حاجت تھی، چنانچہ وہ بڑے ہی خوش ہوئے، اور دعائیں دیں، کھایا بھی خوب رغبت سے، اور پھر کبھی اس واقعہ کو بھولے نہیں۔ ان کا ایک بڑا وصف یہ بھی تھا کہ کوئی ان کے ساتھ ذرا بھی خیر کا معاملہ کرتا تو وہ اس کے ساتھ بہت کچھ کرنا چاہتے، اور اس پر مستزاد اس کے احسان کو برابر یاد رکھتے۔ اور موقع موقع پر اس کا تذکرہ بھی کرتے، ہمیں جو اللہ نے یہ توفیق دی اس پر ہم اس کا شکر ادا کرتے ہیں۔

اسی زمانہ میں ہم کو ان کے قرآن کریم کے درس میں شرکت کا موقع ملا، "مطالعہ قرآن" کے سلسلہ میں وہ نوٹ لکھایا کرتے تھے، جو ہمارے پاس محفوظ رہے اور بعد میں "مطالعہ قرآن کے اصول ومبادی" کے نام سے کتاب کی صورت میں مکتبہ اسلام لکھنؤ سے شائع ہوئے۔

جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ وہ شروع ایام میں مالی اعتبار سے خاصی پریشانی سے دوچار رہے، جس کی وجہ سے مقروض رہنا پڑتا تھا۔ لیکن دعوتی، تبلیغی، اصلاحی اسفار میں فرق نہیں آنے دیتے تھے۔ قرض لیتے اور جہاں کا تقاضا ہوتا وہاں کا رخت سفر باندھ لیتے، اپنے شیخ و مرشد کی خدمت میں رائے پور بھی آمد و رفت رہتی، کرایہ تک کے پیسے نہ ہوتے تھے، لیکن حضرت رائے پوریؒ کو دیکھا وہ ان کا بہت خیال کرتے تھے۔ اور واپسی کے وقت کچھ نہ کچھ دے کر ان کو رخصت کرتے تھے، جبکہ چچا میاں اپنا یہ حال بالکل ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے، لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اکثر ادراک ہو جایا کرتا تھا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو چچا میاں سے اس قدر تعلق تھا کہ جب وہ سفر سے آتے تھے تو حضرتؒ خلوت خانہ میں بلا کر بڑی تفصیل کے ساتھ حالات سنتے۔ اور بڑی مسرت اور خوشی کا اظہار فرماتے، اور اس کی ترغیب فرماتے کہ باہر کے جتنے مواقع ملیں ان سے فائدہ اٹھایا جائے۔ حضرتؒ کے ہی ایماء پر "قادیانیت" کتاب لکھی۔ حضرتؒ کی طرف سے خدام کو یہ تاکید تھی کہ "علی میاں" کا الگ کمرہ میں انتظام کیا جائے۔ جہاں کوئی بھی شخص خلل انداز نہ ہو۔ کھانے پینے کا نظم ان کا وہیں الگ رہے۔ ادھر ان کا یہ معمول تھا جو کچھ روز لکھتے تھے وہ شام کی مجلس میں سنا دیا کرتے تھے۔ اس سے حضرت کے تعلق میں برابر اضافہ ہی ہوتا گیا۔ حجاز مقدس کے سفر میں جس میں میں بھی ساتھ تھا۔ حضرت رائے پوریؒ کا چچا میاں کے ساتھ وہ تعلق دیکھا جو ماں کو اپنے بیٹے کے ساتھ ہوتا ہے، اپنے ساتھ رکھتے۔ وہ کہیں چلے جاتے تو حضرت رائے پوریؒ منتظر رہتے۔ اور بڑی محبت کا اظہار

فرماتے۔ جہاز میں حضرتؒ فرسٹ کلاس میں تھے اور چچامیاں دوسرے کلاس میں۔ حضرتؒ نے ان کو وہاں سے بلالیا اور اپنے ساتھ فرسٹ کلاس میں رکھا۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کا تعلق بھی کم نہیں تھا، وہ جیسا معاملہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ کے ساتھ رکھتے تھے۔ بعینہٖ ویسا ہی چچا میاں کے ساتھ بھی رکھتے تھے، کھانے میں تنوع اور اہتمام کرتے اور چاول کا التزام فرماتے۔ اور چاہتے تھے کہ کیا کیا انھیں کھلادیں اگر چچامیاں کی موجودگی میں کوئی اہم بات پیش آتی تو مشورہ میں ان کو ضرور شریک کرتے، یہاں تک کہ مولانا اسعد میاں بھی کسی مشورہ کے لئے آتے تو "شیخ" چچامیاں" سے بھی رائے لیتے "شیخ" کا تعلق بڑھتا ہی چلا گیا۔ خاص طور پر جب انھوں نے شیخ کے مدینہ منورہ میں قیام کے لیے کوشش کی تو اس وقت سے وہ شیخ کے دل میں سماگئے، وہاں ہجرت سے پہلے جب کبھی شیخ حجاز تشریف لے جاتے تو ان کی یہ خواہش اور تمنا ہوتی تھی کہ "علی میاں" بھی اس موقع پر وہاں رہیں، اور چاہتے تھے کہ اس کے لئے کوئی سبیل نکل آئے۔ چنانچہ اکثر ایسا ہو جایا کرتا تھا کہ رابطۂ عالم اسلامی یا جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کا کوئی پروگرام نکل آتا۔ یا کوئی دوسری صورت پیدا ہوجاتی تھی۔ اور ان کا سفر طے ہوجاتا تھا۔ مدینہ طیبہ کے قیام کے زمانہ میں شیخ کا یہ بڑا اہتمام تھا کہ جب ذکر کی مجلس فجر بعد ہوتی تھی تو چارپائی کے پاس بٹھاکر کے، خمیرہ گاؤزبان، یا اور کوئی خمیرہ کھلاتے، اور ابلا انڈا بھی ساتھ ہوتا، کھانا بھی ساتھ کھلانے پر اصرار رہتا۔ شیخ کے کھانے کا معمول ایک وقت کا تھا۔ سہارنپور میں دن کو کھاتے تھے، شام کو نہیں۔ اور مدینہ میں شام کو کھاتے تھے، دن کو نہیں۔ اس لئے وہ شام کی دعوت کہیں قبول نہیں کرتے تھے کہ شیخ کے ساتھ کھانا ہے۔

شیخ کی خدمت میں چچامیاں کثرت سے جایا کرتے تھے۔ شیخ کو اس بات کی بڑی فکر رہتی تھی کہ علی میاں کا وقت لکھنے لکھانے، تصنیف وتالیف میں زیادہ خرچ ہو۔ اور لوگ ان کا وقت ضائع نہ کریں۔ اس کے لیے آدمی بھی مقرر تھے اور شیخ کو چچامیاں سے اس قدر تعلق تھا کہ ان کے تعلق سے بھی کوئی جاتا تو اس کا بھی بڑا خیال کرتے اور فرماتے۔ تمہیں چاہوں تمہارے چاہنے والوں کو بھی چاہوں۔ رمضان میں تراویح کے بعد چچامیاں کو خصوصیت سے بلاتے، فرماتے، علی میاں اور ان کی پارٹی کہاں ہے۔ پھر ضیافت کرتے۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ کا بڑا لحاظ کرتے تھے۔ حضرت مدنی نے، میاں یعنی مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحبؒ سے کہا تھا کہ ان کا خیال رکھئے گا۔ چنانچہ میاں آپ کا بڑا خیال کرتے۔ سبھی مشائخ اور بزرگان دین کو آپ سے خصوصی تعلق تھا۔ شاہ یعقوب صاحب مجددی تو بھوپال اسٹیشن پہنچ جایا کرتے تھے۔ کہ خود وہاں جاکر ملیں، اور استقبال کریں۔ ایسے ہی شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوریؒ کا معاملہ تھا۔ اور دوسرے بزرگوں کا۔ مولانا الیاس صاحبؒ کے آپ کے نام جو خطوط ہیں اس سے ان کے تعلق کو خوب سمجھا جاسکتا ہے۔

خاندانی اثرات، وخصائص

بزرگوں کی شفقت وتوجہ، ذکر وعبادت انہماک یہ سب چیزیں آپ کے اندر ا ہوگئی تھیں کہ آپ ان خوبیوں کے مج بن گئے۔ جو کسی ایک میں مشکل سے آتی تواضع، مروت، مہمان نوازی کہ نہ ہونے پ بہت کچھ کرتے تھے۔ ذات نبوی صلی اللہ سے عشق ومحبت، صبر وتحمل کہ مخالف کی بات سنتے اور برداشت کرتے، اور جس تکلیف واذیت پہونچتی اس کے س معاملہ اچھا ہی رکھتے، ان سے ملنا جل خیال رکھنا، اس کا اہتمام کرتے اور ا لیے کبھی سخت رویہ یا نامناسب طریقہ نہیں کیا۔ ندوہ کی زندگی ہو، ملک کی زندگ دعوتی میدان ہو، ہر جگہ آپ کو صبر سے گزرنا پڑا۔ اور آپ ثابت قدم ر شروع میں دعوت کا بڑا ہی غلبہ تھا۔ تہج کے ہمیشہ سے پابند رہے۔ اور اس کا ب اہتمام کرتے تھے۔ ہم نے خود دیکھا مدین طیبہ کے قیام میں کہ تہجد کے لیے مسجد نبو جاتے تھے، اور دیر تک وہاں رہتے ذکر کی بھی مواظبت رکھی، جہری بھی، سری بھ جہری شروع میں زیادہ کرتے تھے۔ لیکن آ میں اعتدال کو ملحوظ رکھتے تھے۔ اسی طرح تلا کا ہمیشہ اہتمام رکھا۔ اور مختلف اوقات م الگ الگ سورتوں کے پڑھنے کا بھی التزام روضۂ اقدس پر حاضری کے وقت مواجہ شری کے سامنے کم بیٹھتے تھے، ریاض الجنۃ کے پا بیٹھتے تھے۔ اور وہیں ذکر کرتے تھے۔ ذکر میں اللہ کی محبت کے اشعار زبان پر آجا کرتے تھے۔ اسی طرح دعا بھی اہتمام سے کرتے۔

عزیزوں کے ساتھ حسن سلوک فرمانا

(باقی ۲۹۳ پر)

...ت مولانا سیّد ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

اہلِ خانہ اور اعزّہ کے درمیان

عمار عبد العلی حسنی ندوی

اگر اس قد آور، مختلف النوع خصوصیات
...ب مردِ آہن، عالم ربانی، مفکرِ اسلام
...ر ابوالحسن علی ندویؒ کی گھریلو زندگی
...جائے تو وہ ایک ایسے روشن آفتاب کے
...جس کی ضیاء ہر ایک کو فائدہ پہونچا رہی
...ر فرد کو اس آفتاب کی کرنوں سے آس
...معاشی اعتبار سے آپ کی زندگی کو دیکھا
...ا میں نشیب و فراز بھی ہیں۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے
...صاحب مرحوم نظامت ندوۃ العلماء
...م روپئے ماہوار کے ملازم تھے پھر اس
...کر دیا تھا، ایسی حالت میں میرے والد
...لعقد ثانی کا پیغام حضرت شاہ ضیاء النبیؒ
... پہونچا تو انھوں نے دنیاوی اعتبار
...ے بڑے رشتہ کو جو ضلع کے ایک تعلقدار
...میں کے چچازاد بھائی کا تھا یہ کہتے ہوئے
...سید ایک صالح نوجوان عالم اور ہونہار
...ن پر کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا (حضرت
...والد صاحب کی عرفیت اور حقیقہ کا نام
...تھا) جب کہ والد صاحب کے گھر میں تنگی
...ا، فرماتے ہیں کہ جب والدہ صاحبہ
...ر آئیں تو انھوں نے وہی سب کچھ پایا
...ا تھا (تنگی و فاقہ) والدہ صاحبہ نے کئی
...جب میں کسی کو اپنے میکے سے آتا دیکھتی
...پر ہانڈی رکھ دیتی اور آگ جلا دیا

کرتی تاکہ آنے والے کو احساس ہو کہ ہمارے یہاں فاقہ نہیں ہے، حضرت شاہ ضیاء النبیؒ اور علامہ عبد الحی حسنیؒ قریبی عزیز اور پیر بھائی تھے۔

اسی گھر میں جون ۱۹۱۰ء کو حضرت مولاناؒ کی بڑی ہمشیرہ امۃ العزیز صاحبہ والدہ حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی صاحبؒ مظاہری سابق ایڈیٹر ماہنامہ "رضوان"، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی صاحب ناظم ندوۃ العلماء و حضرت مولانا سید محمد واضح رشید صاحب ایڈیٹر (الرائد) کی ولادت ہوئی، اور ۱۹۱۰ء کو دوسری ہمشیرہ امۃ اللہ تسنیم (عائشہ بی) مصنفہ "زاد سفر" اور "بچوں کی قصص الانبیاء"، "ہمارے حضورؐ" کی ولادت ہوئی، اس کے بعد محرم ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۴ء کو وہ چاند طلوع ہوا جس کی روشنی سے تقریباً پوری دنیا کو منور ہونا تھا، وہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات تھی، (یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ جس کمرے میں حضرت مولاناؒ کی ولادت ہوئی اسی کمرہ میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو سفر آخرت کے لئے غسل دیا گیا)۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت کے وقت خاندان میں دینی رجحان ایسا نہیں تھا جو بعد میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے وجود مسعود کے فیوض و برکات کی وجہ سے ہو گیا، خصوصاً یہ وہ زمانہ تھا جس میں انگریز اور فکر فرنگی سے لوگ مرعوب تھے، جس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت مولاناؒ کے ایک قریبی عزیز سید محمد احمد جب ۱۹۱۵ء میں انگلستان سے بیرسٹری پاس کر کے آئے تو ان کا استقبال اس انداز سے ہوا کہ گویا وہ آسمان سے تارے توڑ لائے ہوں، یہ زمانہ انگریزی اقتدار اور اس کی تہذیب کے اقبال و عروج کا زمانہ تھا، ہر اس چیز کو عزت سے دیکھا جاتا تھا جس کا اس ملک و قوم سے انتساب ہو اسی کا اثر تھا کہ خاندان کے کئی لوگ جس میں حضرت مولاناؒ کے حقیقی ماموں زاد بھائی سید سراج النبی حصول تعلیم کے لئے امریکا گئے اور ایک دوسرے قریبی عزیز سید محمد عمر حسنی صاحب جاپان سے واپس آنے کے بعد جرمنی گئے اور وہاں سے انجینئرنگ کی اعلیٰ ڈگریاں حاصل کیں۔

لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود اس وقت خاندان کی بچیوں میں قرآن مجید کے حفظ کا خاص شوق اور اس میں زیادہ سے زیادہ آگے بڑھ جانے کا جذبہ تھا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ "میں اپنے بچپن میں دیکھتا تھا کہ مستورات میں پانچ بیبیاں حافظ قرآن تھیں، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ صاحبہ، خالہ، ممانی اور والدہ سید ابوالخیر صاحب اور ایک حقیقی خالہ زاد بہن اور والدہ سید مسلم حسنی صاحب اور سب کی سب بہت صحیح اور بڑے حد تک تجوید کے اصول کے مطابق پڑھتی تھیں۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ:

"جب سے مجھے شعور آیا ہے میں نے یہ دیکھا کہ میرے ننہال میں کافی فراخی اور میرے دادیہال میں تنگی اور پریشانی تھی، اسی وجہ سے کچھ عرصہ کے بعد والد صاحب نے مطب شروع کرنے کا ارادہ

فرمایا، والدہ صاحبہ کہتی تھیں کہ مجھ سے مشورہ لیا، میں نے اس کی تائید کی اور مطب کا سلسلہ شروع ہوگیا اور بہت جلد اتنی برکت اور ترقی ہوئی کہ گھر کا نقشہ بدل گیا۔ یہ والد صاحب کی دوسری شادی تھی، بڑے بھائی ڈاکٹر عبد العلی صاحبؒ کی والدہ کا انتقال ۱۹۱۰ء میں ہوگیا تھا۔"

اس وقت ان کے بھائی صاحب (ڈاکٹر عبد العلی صاحبؒ) کی عمر ۸ سال تھی، اور جب حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ گھر آئیں اس وقت ان کے بھائی صاحبؒ کی عمر گیارہ سال تھی، اگر خاندان میں دیکھا جائے تو اس وقت خاندان کی سب سے محترم اور متقدر شخصیت حضرت مولاناؒ کے چچا مولوی خلیل الدین صاحبؒ کی تھی، وہ بہت بارعب اور باوقار، شفیق، معاملہ فہم منتظم، راسخ العقیدہ انسان تھے، تکیہ انہی کے نام سے موسوم خلیل میاں کا تکیہ کہلاتا تھا۔

لکھنؤ (امین آباد) کے اس محلہ میں جس کو اس وقت بازار جھاؤلال کہتے تھے، اب وہ محمد علی لین کے نام سے جانا جاتا ہے، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے والد صاحب کا گھر اور مطب تھا، اس میں چار افراد، دو بھائی اور دو بہنوں پر مشتمل حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا گھرانا رہتا تھا، آپ کے والد صاحب کا سارا وقت تصنیف و تالیف، مطب، اور ندوۃ العلماء کی نظامت کے کاموں میں صرف ہوتا تھا بڑے بھائی ڈاکٹر عبد العلی صاحبؒ لکھنؤ میڈیکل کالج میں زیر تعلیم تھے، کیونکہ اس وقت میڈیکل تعلیم (خصوصاً اس زمانہ میں) ایسی محنت طلب تھی کہ ان کا سارا وقت مطالعہ، تیاری اور میڈیکل کالج کی آمد و رفت میں گذرتا تھا، ڈاکٹر صاحب کی اس وقت شادی ہوچکی تھی۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

"ہماری بھاوج بھی اس مختصر خاندان کی ایک فرد تھیں، کیونکہ وہ اپنی نیک دلی پاکیزہ نفسی اور محبت کی وجہ سے ہماری بہنوں میں ایک اضافہ تھیں۔"

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا گھرانہ ہمیشہ علماء و مصنفین کا گہوارہ رہا ہے، آپ کے والد ماجد خود ایک عظیم مؤرخ و مصنف تھے، یہ آبائی اثر اور والد صاحب کا ذوق و شوق حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ پر سایہ فگن تھا۔

حضرت مولاناؒ لکھتے ہیں:۔

"کتب بینی کا شوق اور اس سے بڑھ کر لت بیماری کی حد تک پہونچ گیا تھا، کوئی چھپی ہوئی چیز سامنے آجاتی اسے پڑھے بغیر چین و سکون نہ ہوتا تھا۔"

حضرت مولاناؒ نے گھر کی مجلسوں میں اس واقعہ کو متعدد بار بیان فرمایا کہ ایک بار کچھ پیسے آگئے، سوچا کہ کتاب خریدی جائے، یہ سوچ کر جھنڈا والا پارک امین آباد کے سامنے والی لائن میں جہاں اس وقت زیادہ تر دواؤں کی دکانیں تھیں۔ کسی ایک دوکان پر جو کہ غالباً سالومن کمپنی تھی۔ پیسے بڑھائے کہ کتاب دیدیجئے، دوکان پر کام کرنے والے شخص نے یہ سوچ کر کہ کسی شریف گھرانہ کا پڑھنے کا شوقین بچہ معلوم ہوتا ہے، اس نے دواؤں کی فہرست دیدی اور پیسے بھی واپس کر دیئے۔ حضرت نے فرمایا کہ میں اتنا چھوٹا تھا کہ سمجھ نہیں سکا اور اس کو ایک قیمتی کتاب سمجھ کر گھر خوشی خوشی آیا کہ کتاب بھی مل گئی اور پیسے بھی واپس ہوگئے۔ اور اس کو اپنے ذاتی کتب خانہ کی زینت بنایا جس کا نام انھوں نے کتب خانہ ابوالحسن علی رکھا تھا، فرماتے تھے مجھ کو اس کتب خانہ میں اضافہ کرنے کا بڑا شوق تھا اس کم عمری میں اچھے برے کی تمیز تو نہیں تھی لیکن جو کتاب بھی مجھے گھر میں کہیں بے کار پڑی ملتی تو اس کو اپنے کتب خانہ میں سجا لیتا۔

حضرت مولاناؒ اکثر رائے بریلی بھی جایا کرتے تھے، اگر لکھنؤ اور رائے بریلی کی مدت قیام کا موازنہ کیا جائے تو لکھنؤ کا قیام زیادہ لگے گا جس میں ان کے والد محترم کے مطب، نظامت اور کتابوں کی کثرت اور لکھنے پڑھنے کے موزوں ماحول کو دخل ہے۔

لکھنؤ اور رائے بریلی کے علاوہ ایک تیسری منزل قصبہ ہسوہ ضلع فتح پور تھی، جہاں ان کے والد صاحب اور بھائی صاحب کا ننھیال اور سسرال تھی اور سادات حسینی کی ایک معزز شاخ آباد تھی اور دینی اور دنیاوی وجاہت سے سرفراز، دینی وجاہت کا سبب حضرت شاہ عبد السلام صاحب واسطیؒ کی ذات تھی جو کہ حضرت شاہ احمد سعید صاحب مجددی کے اصل خلفاء میں تھے، دنیاوی وجاہت کا سبب زمینداری تھی، حضرت اپنے والد صاحب کے ساتھ ہسوہ جایا کرتے تھے، ایک بار حضرتؒ نے اپنے والد صاحب سے کہا کہ آپ ہسوہ آکر اتنا خوش کیوں ہوتے ہیں، والد صاحب نے جواب دیا احمد سعید اور حبید تمہارے کون ہیں، تم رائے بریلی جاکر کیوں خوش ہوتے ہو؟ وہ تمہارے ماموں کا گھر ہے، یہ ہمارے ماموں کا گھر ہے۔

والد ماجد کی وفات

۲؍فروری سنہ ۱۹۲۳ء کو جمعہ کے دن اس چھوٹے سے خاندان کی تاریخ کا زریں ورق پلٹ گیا، گویا گھر کی بساط الٹ گئی، حضرت مولاناؒ کے والد مرحوم نے چند گھنٹوں کی مختصر علالت کے بعد جان جاں آفریں کے سپرد کر دی، حضرت

فرماتے تھے کہ اس وقت تنہا میں ان کے پاس ۱۰ برس کا بچہ تھا، بھائی صاحب بمبئی میں تھے، وہاں ان کو یہ خبر والد صاحب کے ایک دوست نے دی، اور وہ فوراً رائے بریلی واپس ہوئے، اور سیدھے قبر پر گئے، میں بھی ساتھ ہولیا مجھے آج بھی ان کا قبر پر پھوٹ پھوٹ کر رونا یاد ہے۔

حضرت کے والد صاحب کے انتقال سے پہلے ڈاکٹر صاحب صرف تعلیم کی تکمیل کے لئے ہر تن یکسو تھے لیکن انتقال کے بعد حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے تھے۔ اب وہ ہم چھوٹے بھائی بہنوں کے شفیق باپ، اور والدہ صاحبہ کے ایک سعادت مند فرزند تھے۔

یہاں اس خط کا اقتباس نقل کرنا مناسب ہے جو کہ نواب سید علی حسن خاں صاحب نے جو کہ والد صاحب کے دوستوں میں تھے، انھیں لکھا تھا:

"تم اپنے دل میں یہ ہرگز خیال نہ کرو کہ بابا نہیں ہیں (حضرتؒ اپنے والد کو بابا کہتے تھے) تو ہم کیونکر اور کیسے پڑھیں گے میں نے سنا ہے تم لوگوں سے کہتے ہو کہ اب ہماری تعلیم کیسے ہوگی، تم ہرگز پریشان نہ ہو تمہارے بھائی تمہاری پڑھائی کا مناسب بندوبست کریں گے، علاوہ اس کے لوگوں کی نگاہیں تمہاری طرف ہیں، تم بالکل نہ گھبراؤ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو تم بہت آرام و آسائش سے بڑھو گے، اخیر میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری عمر میں برکت عطا فرمائے اور تم خاندان کا نام روشن کرو۔ (آمین)"

حضرت مولاناؒ فرماتے تھے کہ میرا بچپن بڑا مایوس کن اور غیر درخشاں تھا، والد صاحب کے سایہ کے اٹھ جانے سے والدہ صاحبہ کو فطری طور پر میری بڑی فکر لاحق ہوگئی تھی۔ خاندان کی عزیز خواتین اور بعض بزرگ حضرات بھی اس احساس کو تبصروں سے تازہ کرتے رہتے تھے، اس کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ والدہ صاحبہ نے میری اصلاح وتربیت، حصول علم اور قبولیت وکامیابی کے لئے دعائیں مانگنے کو اپنا وظیفہ بنالیا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو نظم ونثر میں ایسی ایسی دعائیں مانگنے کی توفیق بخشی جس کی مثال اس دور میں ملنا دشوار ہے۔

علی ٹھنڈک ہو آنکھوں کی
علی راحت ہو سینوں کی

أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ۔

ایک احساس محرومی

حضرت مولاناؒ کو یہ قلق رہا کہ وہ اپنے عہد کم سنی کے ایک بزرگ، یادگار سلف اور ایک عالم ربانی، مولانا محمد امین صاحب نصیر آبادیؒ سے شرف ملاقات حاصل نہیں کر سکے، جو اپنے دور کے ممتاز ترین حامی سنت اور ماحی بدعت تھے، اور وہ "مَنْ رأى منكم منكراً فليغيره بيده فمن لم يستطع فبلسانه فمن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الإيمان" کے حکم کی حرف بہ حرف تعمیل کرنا چاہتے تھے، آج بھی ان کے عقیدت مند، سلطان پور، پرتاب گڑھ اعظم گڑھ میں پائے جاتے ہیں،

تیمار داری کا موقع

حضرت رحمۃ اللہ علیہ سنہ ۱۹۴۰ء میں رمضان المبارک کے موقع پر تعطیل میں رائے بریلی آئے اور وہ پورے انہماک کے ساتھ اس تعطیل کو مطالعہ وعبادت میں گزارنا چاہتے تھے۔ لیکن اچانک ان کے بھانجے (برادر اکبر مولانا محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی ناظم ندوۃ العلماء) سید محمد حسنی (م ۱۹۷۹ء) کے گردہ میں سخت تکلیف شروع ہوگئی، جن کو لے کر وہ مع ہمشیرہ صاحبہ کے لکھنؤ آگئے، اور کم سن مریض کے ساتھ (جن کی عمر ۹ سال رہی ہوگی) نو عمر تیمار دار اس کو لے کر کئی رات اسپتال میں رہا اور اسپتال ہی میں عید کا دن بھی گزرا، کسی اسپتال میں رہنے کا یہ پہلا تجربہ تھا۔

دوسری تیسری مرتبہ والدہ معظمہ کے موتیابند کے آپریشن کے موقع پر حضرتؒ کو کئی کئی ہفتے اسپتال میں رہنے کی نوبت آئی، والدہ کی خوب خدمت کی اور دعائیں لیں۔

انگریزی پڑھنے کا غلبہ اور والدہ کی فکرمندی

ایک زمانہ میں حضرت مولاناؒ پر انگریزی پڑھنے کا غلبہ ہوا تو میٹرک کی انگریزی کتابیں خرید کر ایک استاذ سے پڑھنے لگے، جب والدہ صاحبہ کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے اپنے جگر پارے کو خط لکھا۔ جس کا اقتباس یہ ہے:

"علی! تم کسی کے کہنے میں مت آؤ، اگر تم اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنا چاہتے ہو، اور تم کو میرے حقوق ادا کرنے کا شوق ہے، تو تم ان لوگوں کی سیرت کا مطالعہ کرو جنہوں نے علم دین حاصل کرنے میں عمریں گذار دیں، ان کے مرتبے کیا تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ، شاہ عبدالعزیز صاحبؒ، شاہ عبدالقادر صاحبؒ اور تمہارے بزرگوں میں خواجہ احمد صاحبؒ اور مولانا محمد امین صاحبؒ جن کی زندگی اور موت دونوں قابل رشک ہوئیں کس شان سے دنیا برتی اور کیسی کیسی خوبیوں کے ساتھ رحلت فرمائی، یہ مرتبے انگریزی پڑھ کر حاصل نہیں کئے جا سکتے انگریزیا

بڑھنے والے تمہارے خاندان میں بہت ہیں، مگر اس مرتبہ کا کوئی نہیں۔

علی! اگر میری سو اولادیں ہوتیں تو میں سب کو یہی تعلیم دیتی، اب تم کہا ہو! اللہ تعالیٰ میری خوش کیتی کا پھل دے اور سنو کی خوبیاں تم سے حاصل ہوں اور میں دارین میں سرخرو اور نیک نام ہوں اور صاحب اولاد کہلاؤں۔ آمین یارب العالمین۔"

شادی

۱۹۴۳ء میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی شادی ان کی حقیقی ماموں زاد بہن سید احمد سعید صاحبؒ کی بیٹی، شاہ ضیاء النبیؒ کی پوتی اور منشی سید عبدالرزاق صاحبؒ کلامی صاحبؒ صمصام الاسلام کی نواسی سے ہوئی، نکاح مولانا حیدر حسن خاں صاحبؒ نے پڑھایا، اور بڑے بھائی ڈاکٹر عبدالعلی صاحبؒ نے ولیمہ کا اہتمام ازراہ شفقت اعلیٰ پیمانہ پر بڑی فراخ دلی اور خوشی کے ساتھ کیا، تاکہ والد صاحبؒ کے نہ ہونے کا احساس کسی بھی صورت میں نہ ہو۔

حضرت مولاناؒ کی ذاتِ بابرکات خاندان والوں کے درمیان

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ذات خاندان والوں کے لئے سراپا رحمت و برکت تھی اور ایک ایسے انمول موتی جیسی تھی جو بہت کم خانوادوں کو میسر آتی ہے، عزیز و اقارب ان کی شخصیت کو اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام و احسان اور ایک قیمتی تحفہ تصور کرتے تھے۔

آپ کا قافلہ جب رائے بریلی پہونچتا تو پورا خطہ جگمگا اٹھتا، اور آپ کی روحانیت کا نور پھیل جاتا، آپ کا فیض جاری ہو جاتا، عوام و خواص سبھی جوق در جوق اور پروانہ وار آپ کی طرف آنے لگتے اور آپ کے علم و روحانیت سے فیض یاب ہوتے۔

آپ کو ہر ایک کی اصلاح و تربیت کی فکر دامن گیر رہتی اور ہر شخص کی مسیحائی فرماتے تھے، آپ کی رائے بریلی آمد رائے بریلی شہر اور اطراف شہر کے لئے جہاں باعث خیر و برکت تھی، وہیں دور دراز کے علاقوں اور دیہاتوں کے لئے بھی باعث تسکین تھی، لوگ آپ کی آمد کی خبر سن کر دور دور سے امنڈنے لگتے اور لوگوں کی آمد کا تانتا بندھ جاتا تھا، آپ کی ہر بات کو لوگ نصیحت سمجھ کر سراپا گوش سنتے اور بعض نوٹ کر لیا کرتے تھے۔

یہی صورت حال رشتہ داروں کی بھی تھی وہ سب ایک ایک آکر مصافحہ کرتے اور آپ کی مجالس میں بیٹھتے اور اس کو اپنے لئے باعث خیر و برکت سمجھتے تھے۔ مستورات کا بھی یہی حال ہوتا جب حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ گھر تشریف لیجاتے تو اس وقت جشن کا سماں ہوتا۔

حضرتؒ کا یہ مستقل معمول تھا جب وہ کسی سفر پر تشریف لے جانے والے ہوتے تو بالکل اخیر میں گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے گھر تشریف لیجاتے جہاں مستورات پہلے سے ان کی منتظر ہوتی تھیں، خاص طور سے دونوں ہمشیران گرامی، اہلیہ محترمہ، بھتیجیاں اور گھر کے تمام بچے، جو کہ اباجان کے گھر میں داخل ہونے کی سب سے پہلے اطلاع دیتے تھے، انھیں میں کے کچھ بچے جو کہ حضرت کو بہت محبوب بھی تھے، گھر میں داخل ہوتے وقت آپ کی انگلی پکڑ لیتے اور ایک انوکھے انداز سے مسکرا کر اظہار مسرت کرتے تھے۔ حضرت مولاناؒ جب گھر میں داخل ہوتے تو سب سے پہلے آپا جان (ہمشیرہ صاحبہ) والدہ مولانا محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی سے ملتے جو پہلے سے ان کی منتظر ہوتی تھیں، فرماتیں: علی تم جا رہے ہو پھر کندھے پر ہاتھ رکھ کر دم فرماتیں اور اللہ تعالیٰ کے حفظ و امان میں کرتیں اور دعاؤں کے ساتھ رخصت فرماتیں اور گھر کی دوسری تمام خواتین یہ منظر دیکھتی رہتیں اور بہت اچھا معلوم ہوتا تھا، بسا اوقات ہمشیرہ صاحبہ حضرتؒ سے فرماتیں: بھیا علی تم چلے جاتے ہو تو تکیہ کی رونق چلی جاتی ہے تکیہ پر اچھا نہیں لگتا ہے۔ کبھی فرماتیں: بھیا علی تم سفر بہت کرتے ہو، جواب میں حضرت مولاناؒ فرماتے تھے نہیں آپا جان ہم کو کوئی سفر کا شوق نہیں ہے مجبوری میں سفر ہوتا ہے، کیا کریں سفر کرنا پڑتا ہے۔

تقریباً یہی معمول سفر سے واپسی پر بھی رہتا تھا جب کسی سفر سے لوٹتے تو کبھی شیروانی اتارنے سے پہلے اور کبھی شیروانی اتار کر فوراً گھر تشریف لیجاتے تھے اور گھر کی مستورات اور عزیز و اقارب سے ملاقات کرتے اور دس پندرہ منٹ تک یہ سلسلہ رہتا اس کے بعد باہر تشریف لیجاتے اور باہر کھڑے ہوئے مہمانوں سے ملاقات فرماتے اور پھر سفر کے تکان کو دور کرنے کی خاطر تھوڑی دیر آرام فرماتے تھے، پھر جب تک رائے بریلی میں قیام رہتا دو وقت گھر جانے کا معمول رہتا تھا، ایک بارہ و ساڑھے بارہ کے درمیان، دوسرا مغرب کے بعد، اس معمول میں کبھی کسی زمانہ میں کوئی فرق نہیں آیا، سوائے آخر زمانہ کے جب صحت درجہ کمزور ہوگئی اور ہمشیرہ صاحبہ کا بھی انتقال ہوگیا تھا، اس معمول میں کبھی کبھار تبدیلی ہونے لگی تھی، گھر کی یہ دونوں مجلسیں بڑی باوقار اور مفید ہوا کرتی تھیں، جس میں عام طور سے بزرگوں کے تذکرے سید احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے حالات و واقعات ہوتے تھے، اور اپنے

بچپن کے حالات اور اپنے والد و والدہ، دونوں بہنوں اور بڑے بھائی ڈاکٹر صاحب کا خصوصی ذکر ہوا کرتا تھا، اور ان کا ذکر اس انداز میں حضرت فرماتے تھے کہ سننے والوں کو آپس کی محبتوں کا پورا اندازہ ہوجاتا بلکہ لطف آتا، اپنے بھائی صاحبؒ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ جو کچھ بھی آج ہم ہیں وہ بی بی (والدہ صاحبہ کو کہتے تھے) کی دعاؤں اور بھائی صاحبؒ کی تربیت کا نتیجہ ہے، بھائی صاحب نے جس طرح ہماری تعلیم و تربیت فرمائی ہے وہ بے مثال ہے، باپ اپنے بیٹے کے ساتھ جو کرسکتا ہے وہ ہمارے بھائی صاحبؒ نے ہمارے ساتھ کیا، انھوں نے ہمارے ساتھ انتہائی شفقت و محبت کا معاملہ فرمایا اور والد صاحب کی کمی کبھی محسوس نہیں ہونے دی، گھر کی مجلس میں اس وقت خصوصی لطف آجاتا جب اس میں مولانا ابوبکر صاحب حسنی مدظلہ العالی اور سید سلم صاحب حسنی بھی ہوتے، یہ دونوں حضرتؒ کے ہم عمر، بچپن کے ساتھی، دوست ساتھ کھیلے ہوئے تھے، اس وقت مجلسوں میں بچپن کے حالات و واقعات کا ذکر خصوصیت سے ہوتا تھا، کہ کس طرح سے ہم لوگ کھیلتے تھے اور کیا کیا کھیلتے تھے، لکھنؤ میں کس طریقے سے ہم لوگ ساتھ رہتے تھے، اور ہمارے بڑے کس طرح سے ہم لوگوں سے شفقت و محبت کا معاملہ فرماتے تھے، غرض کہ رائے بریلی، لکھنؤ اور ندوہ تینوں جگہ کی زندگیاں سامنے آجاتیں، کبھی کبھی ہنسی مذاق کی بات بھی ہوجایا کرتی تھی، جس سے مجلس میں موجود لوگوں کو بہت لطف آتا تھا، اور جب مجلس میں حضرت مولانا محمد رابع صاحب حسنی اور مولانا واضح صاحب حسنی بھی تشریف فرما ہوتے تو زیادہ تر گفتگو علمی ہوا کرتی اور حالات حاضرہ، موضوع بحث ہوتے اور بیچ بیچ میں اسلاف کے کارناموں اور اسکے سلسلہ میں ان کی کاوشوں کا ذکر بھی ہوتا تھا۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود حضرت کو اس بات کا خیال رہتا کہ یہ مستورات کی مجلس ہے ہر ایک سے آپ اس کے مرتبہ کے مطابق مخاطب ہوتے رہتے اور اس کی خیریت پوچھتے، حالات دریافت کرتے اور ان کو نصیحتیں فرماتے رہتے، دوران مجلس آنے والی کوئی عزیزہ اگر سلام کرتیں تو ان کے سلام کا جواب پوری توجہ سے دیتے اور پھر اپنی بات کو جاری رکھتے، عورتوں کو ہر طرح کی نصیحت فرماتے، جس میں گھریلو معاملات بھی شامل ہوتے اور دینی امور کو مرکزیت حاصل رہتی، اخلاص وللّٰہیت پر خاص زور ہوتا، ہمیشہ کمزوروں پر ظلم کرنے سے بچنے کی تاکید فرماتے، کہتے کہ مظلوم کی آہ اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا ہے، کہتے ظالم مت بنو چاہے مظلوم بننا پڑے، ایک بات اور بہت قوت و تاکید سے فرماتے تھے، وہ یہ کہ تم لوگ ہمیشہ خود بھی حرام مال سے بچنا، اور اپنی اولاد کو بھی ہمیشہ اس کی تاکید کرتی رہنا، کیونکہ حرام مال کھانے سے خود بھی آدمی برباد ہوتا ہے اور اولاد بھی ناقص الایمان پیدا ہوتی ہے، اس سے اس طرح گھن کھاؤ جس طرح غلاظت سے انسان گھن کھاتا ہے، اور فرماتے کہ مال کی حد سے بڑھی ہوئی محبت ایمان کو کھا جاتی ہے، حرام مال کے کھانے والے سے کسی خیر کی امید رکھنا بے کار ہے۔

عیدین میں بھی آپ کچھ باتوں کا اہتمام فرماتے تھے، عید کی نماز کے لئے پوری طرح سے تیار ہوکر پہلے آپ اپنے گھر تشریف لے جاتے اور وہاں اپنی ہمشیرہ صاحبہ سے ملتے پھر نماز کے لئے تشریف لے جاتے، نماز سے فارغ ہونے کے بعد پہلے آپ قبرستان تشریف لے جاتے، روضہ پر پہونچ کر فاتحہ پڑھتے پھر تکیہ پر موجود سات گھروں میں ہر گھر میں تشریف لے جاتے، اور اس خوشی کے دن ہر ایک کو عید کی مبارک باد دیتے تھے، آپ کے اس عمل سے ہر گھر کے لوگوں کو مسرت حاصل ہوتی اور لوگ اس مبارک ساعت کے لئے اس مبارک دن کا مہینوں سے انتظار کرتے تھے، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ تمام عزیزوں کا بڑا خیال فرماتے، ان کی خوشی سے حضرت کو خوشی ہوتی اور ان کے غم سے آپ کو غم ہوتا، اور اس طرح سے اعزہ بھی آپ کی ذات پر جو خاندان کے لئے باعث عزت و افتخار تھی اپنی جانوں کو نچھاور کرنے کے لئے تیار رہتے۔

حضرت مولاناؒ گھروں میں تشریف لے جاتے تو بچوں سے خصوصی شفقت و محبت کا معاملہ فرماتے، گھر جاتے وقت اپنے ساتھ ٹافیاں ضرور لے جاتے اور اگر کسی وجہ سے ٹافیاں لے جانا رہ جاتا تو کسی کو بھیج کر ٹافیاں منگواتے اور ایک ایک بچے کو اپنے ہاتھ سے ٹافیاں عنایت فرمایا کرتے تھے۔

بچوں کی ماؤں نے اپنے بچوں کو سکھا دیا تھا کہ جب ابا جان تشریف لائیں تو سلام کرنا، ادب سے بیٹھنا، اور ان کی باتوں کو غور سے سننا، شور بالکل نہ کرنا، بعض ماؤں نے اپنے بچوں کو یہ سکھایا تھا کہ جب ابا جان بیٹھ جائیں تو ان کے پیر دبانا (ایسے بچوں کی عمریں عام طور پر ۱۲ یا ۱۳ سال کی ہوتی تھیں) کبھی حضرتؒ ان بچوں کو شاباشی دے کر رخصت فرمادیتے اور کبھی تر جیحاً کچھ دیر پیر دبوا لیتے اور ان کی سعادت مندی پر خوشی کا اظہار فرماتے تھے، حضرتؒ کو اہل خانہ کی تعلیم و تربیت کی بڑی فکر رہتی تھی، ہر ایک کے بارے میں پوچھتے رہتے کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے، اس کے مطالعہ میں کون سی کتاب ہے، بسا اوقات کتابوں کے نام لے کر اس کو پڑھنے کی ہدایت فرماتے، جن کتابوں کا آپ بہت زیادہ نام لیتے ان میں نبی رحمت، سیرت النبی

کاروان زندگی، نزہۃ الخواطر، تاریخ دعوت وعزیمت،
سیرت سید احمد شہیدؒ، اور تذکرہ شاہ علم اللہؒ
حیات عبد الحیؒ اور اس کے علاوہ بعض دوسرے
مصنفین کی کتابوں کے مطالعہ کا حکم دیتے تھے۔

حضرت مولاناؒ جہاں اپنے گھر والوں کی دینی فکر رکھتے وہیں ان کے صحیح راستہ پر باقی رہنے کے اسباب اختیار کرتے اور گھر کے ہر فرد سے دینی امور کے بارے میں پوچھتے رہتے کہ وہ اس کی انجام دہی میں کوتاہی تو نہیں کرتا، اور اس کو نصیحت فرماتے رہتے کہ دین و دنیا کی فلاح وترقی اسی راستہ کو اپنانے میں ہے، اور اپنے والد صاحبؒ اور بھائی صاحبؒ کو مثال کے طور پر پیش کرتے کہ ان کی نیک نیتی اور اخلاص کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو دین و دنیا میں سرخرو فرمایا۔

اور حضرت مولاناؒ اپنے اس گھر سے جو محمد علی لین امین آباد میں واقع تھا خصوصی لگاؤ رکھتے تھے کیونکہ اس میں ان کے والد صاحبؒ اور بھائی صاحبؒ اور وہ خود تقریباً سو سال سے رہ رہے تھے، اور خود ان کے بچپن کی یادیں اس سے وابستہ تھیں، اور اس وجہ سے بھی خصوصی تعلق تھا کہ اس میں بڑے بڑے بزرگ حضرات تشریف لا چکے تھے، مولانا عبد القادر صاحب رائے پوریؒ، حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ مولانا الیاس صاحبؒ امیر و بانی تبلیغی جماعت، علامہ شبلی نعمانی، مولانا محمد علی مونگیریؒ، مولانا محمد احمد صاحب پھولپوریؒ اور مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی اور ان جیسے بہت سے بزرگ حضرات۔ اور حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ کا تو اس خصوصی تعلق کے باوجود جب حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم ہوا کہ مالک مکان مصطفیٰ عبد المجید صاحب کو مکان کی ضرورت ہے اور وہ اس کو اپنے اور اپنے بچوں کے لئے تجارتی کامپلکس بنانا چاہتے ہیں تو حضرت نے بغیر کسی پس و پیش کے اپنے نواسوں اور پوتوں کو اس گھر کے چھوڑنے کا حکم دیا، اگرچہ اس کے چھوڑنے کے بعد رہائش کا مسئلہ پیش آیا، لیکن متبادل کی تلاش شروع ہوئی اور خاتون منزل میں اللہ کا نام لے کر تعمیر شروع ہوگئی، اور یہاں قیام اختیار کیا گیا۔

حضرت مولانا نماز کا حد سے زیادہ اہتمام فرماتے تھے، اذان سے پندرہ بیس منٹ پہلے سے نماز کے لئے تیاری شروع فرمادیتے اور اذان سنتے ہی وہ مسجد کی طرف روانہ ہوجایا کرتے تھے، اذان کے بعد نہ تو وہ خود جائے قیام پر ٹھہرتے اور نہ دوسروں کا تاخیر کرنا پسند کرتے تھے، مسجد میں داخل ہوتے تو ہمیشہ سنت کے مطابق داہنا پیر داخل فرماتے اور نکلتے وقت بایاں پیر نکالتے تھے۔ ناشتہ کے بعد (جو اپنے مہمانوں کے ساتھ ہی تناول فرماتے تھے) سب سے پہلے وضو فرماکر دو رکعت نماز اشراق پڑھتے اور اس کے بعد ایک پارہ تلاوت کلام اللہ ضرور فرمایا کرتے تھے پھر کوئی کتاب یا مضمون لکھواتے تو بارہ ساڑھے بارہ سے پہلے نہیں اٹھتے تھے اور لکھوانے کے درمیان کھانے سے بالکل پرہیز کرتے البتہ پانی تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد پیتے رہتے تھے، شاید کھانے کو اپنے لکھوانے کے بیچ مانع مانتے تھے۔

اس کے بعد گھر تشریف لے جاتے اور وہاں مستورات کی مجلس ہوتی پھر اذان سے قبل اپنے مہمان خانہ آجایا کرتے اور وضو فرماکر نماز کے لئے تیار ہوجاتے تھے، نماز سے فراغت کے بعد کھانا اپنے مہمانوں کے ساتھ ہی تناول فرماتے اس کے بعد قیلولہ کے لئے تھوڑی دیر آرام فرماتے اور نماز عصر سے کافی پہلے اٹھ جاتے، اور استنجاء وغیرہ سے فراغت کے بعد وضو کرکے عصر کی نماز کے لئے تیار ہوجاتے تھے، بعد نماز عصر مجلس ہوتی تھی جس میں کافی دور دور سے لوگ شرکت کی غرض سے حاضر ہوتے تھے، اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی جاتی اور حضرت اس کے بعد گھر تشریف لے جاتے تھے عشاء کی نماز کے بعد کو کھانا ہوتا اور مختصر سی مجلس، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو چونکہ تہجد میں اٹھنا ہوتا تھا اس وجہ سے آپ جلدی سونا پسند فرماتے تھے۔

جمعہ کے دن لکھوانے اور خطوں کے جواب دینے کا سلسلہ منقطع رہتا، اور آپؒ تلاوت کلام پاک کے بعد غسل وغیرہ کی تیاری شروع فرمادیتے اور غسل کے بعد آپؒ سورہ یٰسین کی ۱۳ مرتبہ تلاوت فرماتے، اس کے ذریعہ ان شخصیات کو ایصال ثواب کرتے جو دنیا سے رخصت ہوچکیں اور وہ کسی نہ کسی تحریک سے وابستہ تھیں اور ایک ایک شخص کا نام لے کر ایصال ثواب کرتے تھے، ان میں حسن البناء شہیدؒ، حضرت عبد القادر جیلانیؒ، حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ، مولانا مدنیؒ، مولانا رائے پوریؒ، مولانا محمد الیاس صاحبؒ بانی تبلیغ وغیرہ کے نام نمایاں ہوتے تھے، اس کے بعد سورہ کہف کی تلاوت فرماکر نماز جمعہ کے لئے تیار ہوجاتے، جمعہ کے دن بعد نماز مغرب کھانے کا اہتمام ہوتا تھا جس میں مہمانوں کے علاوہ بڑی تعداد میں شہر و دیہات کے لوگ شریک ہوتے تھے۔

غریبوں سے ہمدردی حضرت مولاناؒ کا امتیازی وصف تھا وہ اس طرح کے لوگوں کی مدد کو ایک لازم فریضہ سمجھتے تھے، بڑی تعداد ایسے لوگوں کی تھی جن کو آپ نے ماہوار باندھ رکھا تھا، جب تک آپ رائے بریلی میں رہتے

لوگوں کی روزانہ بھیڑ لگ جاتی اور کوئی
بھی مایوس واپس نہیں جاتا، رمضان المبارک
جذبہ بہت بڑھ جاتا تھا اور دنوں سے
زیادہ غریبوں کی مدد فرماتے تھے،

مریضوں کی عیادت بھی آپ کا ایک
ی وصف تھا، خاندان میں اگر کوئی شخص
ہو جاتا خواہ وہ قریبی رشتہ دار ہوتا یا دور
آپ اس کے گھر جاکر پورے اہتمام سے
مزاج پرسی فرمایا کرتے تھے۔

اگر وہ اسپتال میں زیر علاج ہوتا تو
ی عیادت کے لئے اسپتال جانے میں ان
ی تکلف نہیں ہوتا تھا۔

اسی طرح خاندان کے کسی فرد کا اگر انتقال
تو آپ کتنے ہی دور ہوں، اگر اس کے
میں شریک ہونا ممکن ہوتا تو ضرور شرکت فرماتے
آپ تشریف لے آتے تو نماز جنازہ بھی آپ
پڑھاتے تھے۔

آپ کی موجودگی میں آج تک کسی اور نے
ی نماز جنازہ نہیں پڑھائی، خاندان کے ہر
کو ناز ہے کہ اس کے والد، والدہ اتنے
خوش قسمت تھے کہ ان کی نماز جنازہ حضرتؒ نے
ئی ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ خاندان کے ہر
کے ساتھ انتہائی اخلاق کا اور شفقت کا معاملہ
تے تھے، یہی تمام وجوہات ہیں جس کی بنا
حضرت مولاناؒ پورے خاندان کے محبوب تھے،
حضرتؒ کے وصال کی خبر پورے خاندان
ی بن کر گری، اس موقع پر ہر شخص کی زبان
کا صرف یہ تھا کہ حقیقتاً اب ہم لوگ یتیم ہوگئے

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

(بقیہ)

والدہ کے تربیتی خطوط

ہم نے دعا کا وہ ذوق اور دعا میں ایسا یقین نہیں دیکھا جیسا اپنی والدہ صاحبہ کی زندگی میں دیکھا ہے، ان کی زندگی اس حدیث کی تعمیل کا نمونہ تھی جس میں کہا گیا ہے کہ تمہاری ہانڈی کا نمک کم ہو جائے تو اس کو دعا ہی کے ذریعہ طلب کرو، اور تمہاری جوتی کا تسمہ ٹوٹ جائے تو اس کو بھی اللہ ہی سے مانگو، ان کی ساری زندگی دعا اور مناجات میں گذری، وہ خود اپنا حال بیان کرتی ہیں ؎

ترا شیوہ کرم ہے اور مری عادت گدائی کی
نہ ٹوٹے آس اے مولا ترے در کے فقیروں کی

اپنی ایک مناجات میں وہ حضرت مولانا کا ذکر اس طرح کرتی ہیں ؎

رہے زندہ باقی جہاں میں علی
رہے تیرے حفظ و اماں میں علی
ہو آباد کون و مکاں میں علی
ہو سر سبز باغ جہاں میں علی
علی سے ہو روشن چراغ جہاں
علی سے ہو سر سبز باغ جہاں

ایک دوسری مناجات میں فرماتی ہیں ؎

تو حافظ ہے اس کا تو ہی ہے رقیب
بلا کوئی آوے نہ اس کے قریب
دعا سن لے میری تو رب مجیب
الٰہی علی کو تو کر خوش نصیب
علی سے بڑھے خاندان علی
علی سے نمایاں ہو شان علی

ترجمہ از عربی
سید محمود حسن حسنی

(بقیہ)

چچا میاں۔ کیا دیکھا کیا پایا

کے کام آنا۔ حاجت مندوں کی حاجت براری، بڑوں کا احترام، چھوٹوں پر شفقت، مریضوں کی عیادت، دوسروں کا خیال اور ان کے جذبات و مزاج کی رعایت۔ پھر یہ کہ ان کی ذات سے کسی طرح بھی دوسرے کو کوئی تکلیف نہ پہنچنے پائے، اور اپنے ذاتی طرز عمل سے اگر ایسا محسوس کیا تو فوراً تدارک کرتے۔ ایسا نہیں ہوا کہ صرف آپ کا اعزاز واکرام ہی ہوتا رہا ہو۔ مخالفتوں کا جگہ جگہ سامنا کرنا پڑا۔ لیکن آپ نے کسی کے بارے میں کبھی زبان نہیں کھولی۔ دلآزاری آپ کے یہاں بدترین جرم تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کی حسنات کا انھیں بہتر سے بہتر بدلہ عطا فرمائے۔

---

[1] موصوف مضمون نگار کا تعلق منصور پور مظفر نگر کے سادات خاندان سے ہے۔ اور وہ مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (برادر اکبر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ) کے داماد بھی ہیں۔ ندوۃ العلماء میں طویل عرصہ تک مددگار ناظم کے عہدہ پر فائز رہے۔ اور حضرت مولانا عبد القادر رائے پوریؒ و حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے انھیں قرب و اختصاص رہا۔ اطال اللہ بقاء ہ۔

دینی تحفظ :- آئندہ نسل کے دینی تحفظ اور اسلام سے اس کا ربط و تعلق کا انتظام کرنا ہے اور یہ ذمہ داری، غذا، لباس، دوا، علاج، تعلیم اور معاش سے زیادہ ضروری ہے۔

(حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی شخصیت کی تشکیل میں موروثی اثرات

مولوی بلال عبدالحی حسنی ندوی

انسان کے مزاج و مذاق کی تشکیل، اس کے فطری جوہر چمکانے اور اکثر اوقات زندگی کا رخ متعین کرنے میں اس کے خاندان اور قریبی اجداد کا اثر علم الحیات اور علم النفس کی ایک مسلمہ حقیقت ہے، جس کی تصدیق گذشتہ تاریخ نیز بے لاگ مشاہدات و تجربات سے ہوتی رہتی ہے، اس کا انکار ایک امر بدیہی کا انکار ہے۔

یہ اثر انسان پر دو راستوں سے ہوتا ہے ایک نسلی طور پر کہ یہ خصائص (کمالات و کمزوریاں) باپ سے بیٹے کی طرف منتقل ہوتے ہیں، دوسرے ذہنی و فکری طور پر کہ خاندانی روایات اور آباؤ اجداد کے قابل فخر کارناموں کا تذکرہ، ان کی اصولی زندگی، عقائد و مسلمات اور ان کے معیار و اقدار کا چرچا جن کو وہ ہمیشہ سینے سے لگائے رہے، خاندان کی محبوب و مقدر شخصیتوں کے نام پھر ان مقاصد کا ذکر جن کے لئے انھوں نے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے سے دریغ نہیں کیا، بچپن سے کانوں میں پڑتے ہیں، اور اس کے دل و دماغ کی تختی پر نقش کالحجر ہو جاتے ہیں اور یہ سب چیزیں شعوری اور غیر شعوری طور پر اس کی شخصیت و سیرت کی تعمیر اور اس کی صورت گری کرتی ہیں۔

مفکر اسلام امام العصر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس اللہ سرہٗ نے ایسے خاندان میں آنکھیں کھولیں جو ایک طویل زمانہ سے علمی و دینی خدمات انجام دے رہا تھا، بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کی پوری تاریخ میں شاید کوئی دور ایسا نہیں گذرا جس میں کوئی مصلح، مصنف اور داعی نہ پیدا ہوا ہو، درمیان میں اس میں ایسے ایسے مجددین اور حاملین دعوت بھی پیدا ہوئے جنھوں نے بعض مرتبہ صدیوں تک فکری قیادت کی اور جن کی تجدید و اصلاح کی فکر و دعوت کو بڑے عرصہ تک کام کرنے والوں نے رہنمائی حاصل کی۔

اسی سلسلۃ الذہب کی سب سے پہلی کڑی جس نے ہجرت و جہاد اور اصلاح کے ارادہ سے ہندوستان کا رخ کیا وہ امیر کبیر شیخ الاسلام قطب الدین محمد المدنی کی ذات تھی جو چھٹی صدی کی ابتداء میں ہزاروں معتقدین کے ساتھ تشریف لائے اور "کڑہ مانک پور" کے نواح میں جہاد کرکے اس ظلمت کدہ کو نور اسلام سے منور کیا۔ امیر قطب الدین مدنی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کے بھانجے اور بیک واسطہ خلیفہ تھے، براہ راست بھی شیخ سے استفادہ کیا تھا۔ جلیل القدر اولیاء اللہ میں سے تھے، کڑہ ہی میں وفات پائی اور وہیں پیوند خاک ہوئے۔

امیر قطب الدینؒ کی اولاد میں اتنے اولیاء، علماء اور مشائخ پیدا ہوئے کہ کم خاندانوں میں اس کی مثال ملے گی، ان کے حفید سید قاضی سید رکن الدین بڑے بلند پایہ بزرگ تھے پھر ان کے

اولاد میں حضرت قاضی سید احمد نصیر آباد
باحیثیت اور صاحب نسبت بزرگ تھے ان
حضرت سید محمد فضیل بھی زہد و ریاضت
اتباع سنت میں مرتبہ عالی رکھتے تھے۔ ا
پوتے حضرت سید محمد اسحٰقؒ بھی عار
تھے، ان کے صاحبزادہ دیوان خواجہ احمد
زبردست عالم اور صاحب سلسلہ شیخ
تھے، حضرت سید محمد فضیل کے صاحبزاد
سید شاہ علم اللہ اس سلسلۃ الذہب م
ایک شان رکھتے ہیں، آپ حضرت سی
بنوریؒ کے اجل خلفاء میں سے تھے، اتبا
میں دور دور ان کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ ا
کی اولاد میں حضرت مولانا سید محمد ج
شاہ لعل صاحب، حضرت مولانا سید محمد
مولانا سید محمد صابر، حضرت شاہ ابوس
شاہ محمد واضح، حضرت مولانا سید قط
محدثؒ، حضرت مولانا سید محمد طاہر
شاہ ضیاء النبیؒ بڑے بلند پایہ بزرگ گذ
لیکن ان میں سب سے نمایاں شخصیت حضرت
شہید کی ہے جو حضرت شاہ صاحب کی
میں ہیں، ان کے انفاس قدسیہ سے مس
جو فائدہ پہونچا ہے اس کی مثال ملنی مش
ان کی برکات سے وہی لوگ انکار کر سکے
جو علم و عرفان کی روشنی سے فیضیاب نہ
سید محمد اسحاقؒ کے صاحبزاد
ہدایت اللہؒ بڑے بلند پایہ عالم گذرے ہ
میں امور مذہبی کے صدر الصدور تھے
مولانا ہدایت اللہؒ کی اولاد میں مولانا
عبد العلیؒ ایک درویش سیرت فاضل
حضرت سید احمد شہیدؒ کے مرید و مجاز
الٰہی کا یہ حال تھا کہ جب ڈاک سامنے آ
نامۂ اعمال یاد کرکے گریہ طاری ہو جاتا
و خوش خطی کا بہت اعلیٰ ذوق تھا، زبا

مستحقین پر صرف کر دیتے، "دست بکار دل بیار" کا نمونہ تھے، اخلاق کریمانہ کے ساتھ زندگی گذاردی اور صرف ۴۸ سال کی عمر میں فالج کے مرض میں انتقال فرمایا، آخری کلام جو زبان سے ادا ہوا وہ "ھو الرفیق الاعلیٰ" تھا۔

حضرت کے جد امجد مولانا حکیم سید فخر الدین خیالیؒ انہی مولانا عبد العلی کے فرزند ہیں، دائرہ شاہ علم اللہ رائے بریلی میں ۱۲۵۶ھ کو ولادت ہوئی اپنے نانا مولانا سید محمد طاہرؒ کے دامن تربیت میں پرورش پائی طب اور شاعری میں بھی رسوخ پیدا کیا، مزاج میں خاموشی، متانت، حلم اور عجلت پسندی انتہا درجہ تھی، صبر و قناعت کی صفت ہر ادا سے ظاہر ہوتی تھی، تمکنت و غرور ان کو چھو نہیں گیا تھا بیعت طریقت اپنے پھوپھا حضرت خواجہ احمد صاحب سے کی تھی اجازت سے بھی سرفراز کئے گئے، حضرت مولانا سید محمد طاہر صاحب نے بھی اجازت بیعت مرحمت فرمائی تھی مگر کبھی پیری مریدی نہیں کی۔ ذکر و شغل کے ہمیشہ پابند رہے، کتب بینی اور تصنیف و تالیف سے خاص مناسبت تھی، تاریخ کا بڑا اچھا ذوق تھا، درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رہتا، متعدد تصانیف یادگار ہیں جن میں سب سے زیادہ اہم "مہر جہاں تاب" ہے۔ اظہار کمال سے سخت نفرت تھی یہی وجہ ہے کہ زندگی میں ان کو کم کسی نے جانا، ۱۰ رمضان المبارک ۱۳۲۶ھ کو ذکر کی حالت میں رحلت فرمائی۔

حضرت کے جد مادری حضرت شاہ ضیاء النبی حسنیؒ بھی اپنے دور میں عظمت و بزرگی کی علامت اور پورے خاندان ہی نہیں بلکہ قرب و جوار کے اضلاع میں بھی مرجعیت کے مقام پر فائز تھے۔ خاندان میں ان کے اتباع سنت کے اہتمام، نمازوں میں غایت درجہ خشوع و خضوع اور اخلاص و استقامت کے چرچے تھے حضرت کے دل و دماغ پر اس کا اثر پڑنا بھی لازمی اور قدرتی تھا۔

والد ماجد مولانا حکیم سید عبد الحی حسنیؒ ایک بلند پایہ مؤرخ اور حدیث و فقہ کا ذوق رکھنے والے عالی مرتبہ عالم تھے، عربی اور اردو پر یکساں قدرت تھی، تحریر نہایت شستہ و شگفتہ اور جچی تلی ہوتی۔ بڑے بلند اخلاق کے حامل تھے، ان کی امتیازی صفت ایذا رسانی اور دلآزاری سے حد درجہ اجتناب اور دوسروں کی دلداری تھی۔ صرف ۵۳ سال کی عمر پائی اور تصنیفات کا بے پایاں دفتر چھوڑا جن میں سب سے اہم اور ممتاز تصنیف "نزہۃ الخواطر" ہے۔

والدہ ماجدہ بھی اپنے زمانہ کی ممتاز خواتین میں تھیں قرآن مجید کی حافظہ تھیں اور شاعری کا نہایت ستھرا ذوق رکھتی تھیں، دعا و مناجات سے خاص مناسبت تھی۔

برادر اکبر مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب اپنی بہت سی خوبیوں و کمالات کی وجہ سے ایک نادرۂ روزگار شخصیت تھے جس میں قدیم و جدید، تہذیب و ثقافت اور مشرقی و مغربی علوم کا نہایت حسین و دلآویز امتزاج نظر آتا ہے جو "مرج البحرین یلتقیان بینھما برزخ لا یبغیان" کی ایک عملی تصویر تھا۔

خاندان کی نمایاں شخصیات کی امتیازی صفات و خصوصیات کا نسل میں منتقل ہونا ایک مسلمہ حقیقت ہے، حضرت کی حیات و شخصیت پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ خاندان کے بزرگوں کے اوصاف و کمالات کو حضرتؒ نے اپنے اندر سمیٹ لیا تھا، خاندان کی جن شخصیتوں نے حضرتؒ پر گہرے نقوش چھوڑے ان میں سرفہرست حضرت امیر المومنین سید احمد شہیدؒ کی ذات والا صفات ہے جس نے ذہنی اور فکری طور پر سب سے زیادہ متاثر کیا اور حضرتؒ نے تجدید و اصلاح کی جو کوششیں فرمائی ہیں ان میں اس کی گہری چھاپ نظر آتی ہے، حضرت سید احمد شہیدؒ اس خاندان کے وہ بدر کامل ہیں جن کی کرنوں سے ایک عالم منور ہوا۔ خاندان میں ان کے حالات و کمالات کا چرچا ہونا ایک قدرتی امر تھا۔ پھر حضرت کے والد ماجد مولانا حکیم سید عبد الحی حسنی اور برادر بزرگوار مولانا حکیم ڈاکٹر سید عبد العلی صاحبؒ کو حضرت سید صاحبؒ سے خصوصی عقیدت و مناسبت تھی، مولانا سید عبد الحی حسنیؒ کے دہلی اور اس کے اطراف کے سفرنامے سے اس عقیدت و محبت بلکہ عشق و وارفتگی کا جا بجا اظہار ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے بارے میں حضرتؒ سے بارہا سنا ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ کے بعد معلوم ہوتا تھا کہ بھائی صاحب کو حضرت سید صاحبؒ سے ہی سب سے زیادہ عقیدت ہے۔ حضرت سید احمد شہیدؒ کا نام بچپن ہی سے حضرتؒ کے کانوں میں پڑا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کی فکر و توجہ سے اس میں جلا پیدا ہوئی۔ اور حضرت سید صاحبؒ کی ذات اور ان کی سیرت و دعوت سے گہرا تعلق پیدا ہوا۔ اس کا واقعہ حضرتؒ خود تحریر فرماتے ہیں:۔

"اللہ تعالیٰ نے بھائی صاحب کو تعلیم و تربیت کا فطری اور خداداد ملکہ عطا فرمایا تھا اور اس میں وہ نئے نئے طریقہ اختیار کرتے تھے، وہ چاہتے تھے کہ میرا حضرت سید احمد شہید کی ذات اور ان کی سیرت و دعوت سے گہرا تعلق پیدا ہو کہ ہمارے اجداد انھیں کے سلسلہ کے حلقہ بگوش اور اس میں مجاز اجازت تھے اور ہماری جدی شاخ کا ان سے بہت گہرا ربط تھا۔ اسی زمانہ میں رسالہ "توحید" میں جو مولانا سید داؤد غزنوی

کی ادارت میں امرتسر سے نکلتا تھا مولوی محی الدین صاحب قصوری کا ایک سلسلۂ مضامین "ہندوستان کا مجاہد اعظم یا مجدد اعظم" کے نام سے نکلا تھا جس میں پہلی مرتبہ حضرت سید صاحب کی حیات ودعوت کو سلیقہ اور نئے اسلوب کے ساتھ پیش کیا گیا تھا۔ بھائی صاحب نے مجھے اس کے عربی ترجمہ کی ہدایت کی میں نے اس کا ترجمہ تیار کیا۔

اس رسالے سے حضرت سید احمد شہیدؒ کے حالات کے مطالعہ کا مبارک سلسلہ شروع ہوا۔

والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ کا سفرنامہ "دہلی اور اس کے اطراف" گھر کی کتاب تھی جو ایک قلمی رسالہ کی شکل میں ان کے مسودات میں محفوظ تھی اس کا نام انھوں نے ارمغان احباب رکھا تھا۔ جو بعد میں "دہلی اور اس کے اطراف" کے نام سے شائع ہوئی۔ اس کے مطالعہ نے گہرا اثر ڈالا۔ حضرت خود تحریر فرماتے ہیں کہ،

"مجھے سب سے زیادہ جس تحریر نے سید صاحب کی شخصیت سے متعارف اور متأثر کیا وہ یہی روزنامچہ یا سفرنامہ ہے۔" کلھ

بالآخر وہ زمانہ اور مبارک موقع بھی آیا جو حضرت کے الفاظ میں زندگی میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے بلکہ ایک نئے اور مبارک دور کا آغاز ۱۹۳۰ء کی گرمیوں کی تعطیل میں حضرت مولانا حیدر حسن خاں صاحب کی دعوت پر ٹونک کا سفر ہوا، ٹونک سے خاندان کے قریبی روابط تھے اعزہ کی بڑی تعداد کا مسکن تھا اور حضرت سید صاحب کی شہادت کے بعد ان کے قریبی اہل خاندان اور بقیہ مجاہدین نے اس کو اپنا مستقر بنالیا تھا، حضرت نے جس زمانہ میں ٹونک کا سفر فرمایا اس وقت وہاں حضرت سید صاحب کے حقیقی نواسہ کے صاحبزادہ سید محمد اسماعیل صاحب موجود تھے جو حضرت کے رشتہ میں چچا ہوتے تھے۔ دوسرے نواسہ کے صاحبزادہ حافظ محمد یونس صاحب کی صاحبزادی بھی وہاں موجود تھیں، جو حضرت کے دوسرے رشتہ کے چچا سید عبدالحفیظ صاحب کی اہلیہ تھیں۔ اگرچہ حضرت کا زیادہ تر قیام داعی ومیزبان حضرت مولانا حیدر حسن خاں صاحب کے یہاں رہا۔ جو بڑی محبت کرنے والے اور شفیق استاد تھے۔ لیکن یہ اعزہ بھی محبت وتعلق میں کم نہ تھے، خاص طور پر اہلیہ سید عبدالحفیظ صاحبؒ نے بزرگانہ شفقت فرمائی حضرت اکثر انھیں کے یہاں مہمان رہے۔ ان ہی کے گھر سے حضرت سید صاحبؒ کے حالات وواقعات کا سب سے مستند وضخیم مرقع "وقائع احمدی" کئی جلدوں میں ملا۔

اسی سفر میں "سیرت سید احمد شہید" کی تالیف کا آغاز ہوا۔ اس کا واقعہ خود حضرتؒ کے الفاظ میں نقل کیا جاتا ہے،

"ایک دن جب میں مولانا کے ساتھ دریائے بناس کے کنارے ٹھہرا ہوا تھا جہاں سید صاحب اور ان کے کبار مجاہدین نے بارہا وضو کیا ہوگا صبح کے سہانے وقت طلوع آفتاب سے پہلے ایک پتھر پر بیٹھ کر دریا میں پاؤں ڈال کر سیرت سید احمد شہیدؒ کا مقدمہ لکھا جس پر مئی ۱۹۳۰ء کی تاریخ پڑی ہوئی ہے جو سید صاحب کی سیرت پر ایک اجمالی نظر کے عنوان سے کتاب میں شامل ہے۔ یہ بڑا مبارک آغاز تھا اور اس سے میری زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے مجھے خود اندازہ نہ تھا کہ یہ اقدام خود میری زندگی میں انقلاب انگیز بلکہ عہد آفریں ثابت ہوگا۔"

وقائع احمدی سیرت سید احمد شہیدؒ کا بڑا ماخذ ثابت ہوئی اور بعد کے ایڈیشن میں اس سے بڑا فائدہ اٹھایا گیا اسی کے ساتھ اس کے مطالعہ سے حضرت پر گہرا اثر پڑا اس کے بارے میں حضرت سے راقم نے خود سنا ہے کہ "دارالعلوم کے مہمان خانہ میں راتوں کو لالٹین جلا کر میں اس کے مطالعہ میں محو ہو جاتا۔ بعض بعض مرتبہ معلوم ہوتا تھا کہ رحمت الٰہی کا کوئی جھونکا آیا، رقت طاری ہو جاتی اور خود بخود دعا کے لئے ہاتھ اٹھ جاتے۔" اسی سلسلہ میں یہ واقعہ بھی سنایا کہ "رائے بریلی کے سفر میں یہ کتاب مطالعہ میں تھی جب اسٹیشن پر اترا تو سواری والے دریافت کرنے لگے "کہاں جائیے گا؟" ہم پر اتنا گریہ طاری تھا کہ یہ بتانا بھی مشکل ہو رہا تھا۔"

حضرت سید صاحبؒ کے مجاہدانہ ومجددانہ کارناموں سے حضرتؒ کے تأثر کا اندازہ اس مختصر سے ٹکڑے سے بھی کیا جاسکتا ہے جو حضرت نے ٹونک کے سفر میں سیرت سید احمد شہیدؒ کے مقدمہ کے طور پر تحریر فرمایا تھا۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ اس تحریر کا لکھنے والا کوئی سن رسیدہ پختہ کار مصنف نہیں بلکہ صرف تیئیس سال کا نوجوان ہے جس نے ابھی تصنیف وتالیف کے میدان میں قدم رکھا ہے اس سے نوعمر مصنف کے طرز تحریر اور انداز فکر کا بھی اندازہ ہوگا۔

"کیفیات ربانی کے جاں نواز جھونکے تاریخ اسلام میں بارہا آچکے ہیں لیکن ایمان ویقین اور خلوص وللہیت کی ایسی بادِ بہاری ہمارے علم میں کم سے کم اس ملک میں اس سے پہلے نہیں چلی۔ نہ اس سے پہلے نئے پیمانہ پر عزم وتوکل، جوش جہاد، ایمان

داحتساب، شوقِ شہادت اور یقین آخرت کے ایسے نمونے دیکھنے میں آئے آدم گری، اور مردم سازی، اصلاح انقلاب کے ایسے محیر العقول واقعات اصلاح و تربیت کی تاریخ میں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں:

حضرت سید صاحب کی عقیدت و محبت
ت و بزرگی کا جو تخم بچپن میں پڑ گیا تھا وہ ن دبار لاتا رہا۔ اخلاص وللّٰہیت، دینی حمیت، ں دعوت، جذبۂ اصلاح و تجدید، اور اسلام کے ن کو اللہ کی سرزمین میں سربلند دیکھنے کی تمنا اور ت کا جو درد حضرت کے دل میں تھا اس کی بنیاد کا زمانہ میں پڑ گئی تھی، جب حضرت سید صاحبؒ ذات اور ان کی تحریک اصلاح و تجدید سے ارف ہوا تھا۔ اس کی تعمیر و ترقی میں اگرچہ بعض دسرے حضرات کا بھی حصہ ہے۔ لیکن حضرت سید ابؒ کی زندگی اور کارناموں کا جو اثر ابتدا میں ضرت پر پڑا تھا اس کی چھاپ ساری زندگی رہی۔

دوسری شخصیت جس کی خصوصیات امتیازات کی عکاسی حضرت کی زندگی پر نظر آتی ہے وہ والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ ذات بابرکات ہے اگرچہ حضرت نے ان کا زمانہ پایا۔ ان کی وفات کے وقت حضرت کی عمر دس سال سے بھی کم ہی تھی۔ لیکن ان کی خصوصیات موروثی در پر بھی حضرت میں منتقل ہوئیں اور دینی و فکری در پر بھی ان کمالات نے اثر ڈالا۔ خاص طور پر دو سی صفات ہیں جن میں والد صاحب کو خاص امتیاز تھا اور حضرت میں دونوں صفات پوری طرح منتقل ہوئیں ایک ایذا رسانی اور دل آزاری سے مدحم اجتناب دوسرے تصنیفی اور تاریخی ذوق۔

فرزند اکبر مولانا حکیم سید عبدالعلیؒ الد صاحبؒ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ کسی کا دل دکھانا، یا نقصان پہونچانا ان کے مذہب میں کفر تھا، حضرت کی زندگی بھی اسی کی آئینہ دار نظر آتی ہے۔

والد صاحب کی دوسری صفت بلکہ ان کا امتیاز وہ تصنیفی اور تاریخی ذوق ہے جس نے "نزہۃ الخواطر" جیسی تصنیف ان کے قلم سے نکلوائی جو اسلامیان ہند کی مکمل واحد تاریخ ہے، یہ آٹھ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے، اور اس میں ساڑھے چار ہزار اہل کمال اور مشاہیر رجال کے حالات لکھے گئے ہیں، حضرتؒ کو جو تاریخی ذوق بلکہ ذائقہ حاصل تھا وہ ان کو ورثہ میں ملا تھا، جد امجد مولانا حکیم سید فخر الدین خیالی بھی ایک بلند پایہ مصنف و مورخ تھے والد صاحبؒ بھی اس فن میں امتیازی مقام کے حامل تھے اس لئے اس کا ایک باکمال فرزند کی طرف منتقل ہونا ایک فطری اور قدرتی امر ہے، حضرت کے ادبی ذوق میں بھی والد صاحب کا بڑا حصہ ہے یہ کچھ تو موروثی طور پر منتقل ہوا اور کچھ ان کی تصنیفات کے مطالعہ سے پیدا ہوا، ان میں خاص طور پر "گل رعنا" کے بارے میں حضرت تحریر فرماتے ہیں کہ "یہ گھر کی کتاب تھی اس کو اتنی بار پڑھا کہ اردو شاعری کی تاریخ اور شعراء کے متعلق اتنی معلومات حاصل ہو گئیں کہ اس موضوع پر مجلس میں گفتگو کرنے اور گفتگو میں حصہ لینے کی استعداد پیدا ہو گئی ہے" "یاد ایام" کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ "اردو مضمون نویسی میں ابتدائی اثر" والد مرحوم کی کتاب "یاد ایام" کا تھا جو سنجیدہ زبان کا ایک شگفتہ نمونہ ہے جس میں تاریخ کی متانت کے ساتھ زبان کا بانکپن بھی موجود ہے"

اب خاندان کے ان دو بزرگوں کا ذکر کیا جارہا ہے جو براہ راست حضرتؒ پر اثر انداز ہوئے اور ان کی تربیت و نگہداشت کا حضرت کی آئندہ زندگی پر بنیادی اثر پڑا۔ ان میں پہلے والدہ ماجدہ کا تذکرہ مناسب ہے کہ ماں کی گود ہی انسان کی پہلی تربیت گاہ ہے اس کے بعد برادر اکبر جناب مولانا حکیم سید عبدالعلیؒ صاحب کا تذکرہ کیا جائے گا جو والد ماجد کے قائم مقام تھے، اور جن کی تربیت میں رہ کر ہی حضرتؒ نے تعلیم حاصل کی۔

والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی کی وفات ہوئی تو حضرت کی عمر دس سال سے بھی کم تھی، برادر بزرگوار اس وقت مدراس و بمبئی کے سفر پر تھے، وفات ہی کے دن راتوں رات تابوت تیار کیا گیا اور نعش رائے بریلی منتقل کی گئی پورا خاندان رائے بریلی منتقل ہو گیا۔ ڈاکٹر صاحب کی تعلیم کا سلسلہ ابھی جاری تھا اس لئے لکھنؤ قیام کی کوئی صورت نہ تھی اس طرح تقریباً دو سال رائے بریلی میں گذرے اور اس پورے عرصہ میں والدہ ماجدہ ہی نے تربیت فرمائی۔ حضرت "ذکر خیر" میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"گھر میں کسی بڑے فرد کے نہ ہونے کی وجہ سے والدہ صاحبہ ہی میری نگرانی اور اخلاقی و دینی تربیت کی ذمہ دار تھیں مجھے قرآن مجید کی بڑی بڑی سورتیں انھوں نے اسی زمانہ میں یاد کرائیں باوجود اس کے کہ ان کی شفقت خاندان میں ضرب المثل تھی اور والد صاحب کے انتقال کی وجہ سے وہ میری دلداری اور ایک حد تک ناز برداری قصداً دوسری ماؤں سے زیادہ کرتی تھیں۔

لیکن دو باتوں میں بہت سخت تھیں، ایک تو نماز کے بارے میں مطلق تساہل نہیں برتتی تھیں۔ میں عشاء کی نماز پڑھے بغیر ہی اگر سو گیا خواہ کیسی ہی گہری نیند ہو اٹھا کر نماز پڑھوائیں اور نماز پڑھے بغیر ہرگز سونے نہ دیتیں اسی طرح

فجر کی نماز کے وقت جگا دیتیں اور مسجد بھیجتیں اور پھر قرآن مجید کی تلاوت کے لئے بٹھا دیتیں۔ دوسری بات جس میں وہ قطعاً رعایت نہ کرتیں اور اس میں ان کی غیر معمولی شفقت و محبت حارج نہ ہوتی، یہ تھی کہ اگر میں خادم کے کسی لڑکے، یا کام کاج کرنے والے غریب بچوں کے ساتھ کوئی زیادتی کرتا یا حقارت کے ساتھ پیش آتا تو وہ نہ صرف مجھ سے معافی منگواتیں بلکہ ہاتھ تک جوڑواتیں اس میں مجھے کتنی ہی ذلت و خفت محسوس ہوتی مگر وہ اس کے بغیر نہ مانتیں اس کا مجھے اپنی زندگی میں بڑا فائدہ پہونچا۔ اور ظلم و تکبر اور غرور سے ڈر معلوم ہونے لگا اور دلآزاری اور دوسروں کی تذلیل و تحقیر کو کبیرہ گناہ سمجھنے لگا، اور اس کی وجہ سے مجھے اپنی غلطی کا اقرار کر لینا ہمیشہ آسان معلوم ہوتا۔"[۴]

حضرت مزید تحریر فرماتے ہیں:

"انھوں نے دل کھول کر میری اصلاح و تربیت، حصول علم اور قبولیت و کامیابی کے لئے دعائیں مانگنے کو اپنا وظیفہ اور ورد بنا لیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان سے نظم و نثر میں جو کچھ کہلوایا اس کی مثال اس دور میں مشکل سے ملے گی۔ میں سمجھتا ہوں کہ مجھے جو دو حرف آئے اور خدا کے نیک و مقبول بندوں سے قرب کی دولت اور ان کی شفقت اور دعاؤں کی نعمت حاصل ہوئی وہ انھیں کی مضطربانہ دعاؤں کی برکت ہے۔"[۵]

دعاؤں میں یہ اضطراب اور گریہ وزاری اور پھر وہ یقین جس کے ساتھ وہ دعا کرتی تھیں خاندان میں ضرب المثل تھا، روزانہ گھنٹوں دعاؤں میں مصروف ہوتے، بعض بعض مرتبہ دوپٹہ آنسوؤں سے تر ہو جاتا، اس میں ان کے والد بزرگوار حضرت شاہ ضیاء النبی حسنیؒ کی نسبت و توجہ کو بھی دخل تھا جو اپنے وقت کے عارف کامل تھے اور یقیناً ان کی نسبت حضرت کی طرف بھی منتقل ہوئی اور حضرت کی زندگی میں زہد و قناعت دنیا سے بے رغبتی، خوف آخرت اور معرفت الٰہی کی جو درخشانی ہے اس میں حضرت شاہ صاحب کا بھی موروثی اثر ہے جو والدہ صاحبہ کی وساطت سے منتقل ہوا۔

برادر اکبر مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی صاحبؒ کو جب لکھنؤ کے قیام میں اطمینان ہو گیا تو انھوں نے حضرت کو جلد ہی اپنے پاس بلوایا اور باقاعدہ تربیت و تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا۔ لیکن والدہ صاحبہ کی دعاؤں اور تربیتی خطوط کا سلسلہ جاری رہا۔ خاص طور سے دو موقعوں پر جو اس کا اثر ہوا اس کے واقعات حضرت کی زبانی درج کئے جاتے ہیں:-

"ہمارے گھر میں کئی پشتوں سے ایک قیمتی ذخیرۂ کتب چلا آ رہا تھا جس میں بعض اہم خاندانی مخطوطات غیر مطبوعہ قلمی کتابیں اور مشاہیر کے خطوط، سندات اور فتاویٰ کا اتنا بڑا ذخیرہ تھا جو کسی کے شخصی ذخیرۂ کتب (PRIVATE COLLECTION) میں مشکل سے ہوگا اور ہمارے بزرگ اس ذخیرہ کو سینے سے لگائے رہے اور سیلابوں اور نقل مکانی میں اس کی حفاظت کرتے رہے۔ بھائی صاحب مرحوم کی بڑی خواہش اور تاکید تھی کہ میں اس کی دیکھ بھال کرتا رہوں شاید ان کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح مجھے اپنے خاندانی تبرکات اور علمی مطبوعات و مخطوطات سے واقفیت حاصل ہوگی اور میں ان کی قدر و حفاظت کر سکوں گا، اپنی نو عمری اور ادبی ذوق کی بنا پر پرانی کتابوں کی ورق گردانی اور ان کے مطالعہ سے گھبراتا تھا، بھائی صاحب مرحوم نے جب میرا تساہل دیکھا تو والدہ صاحبہ کو لکھا وہ مجھے اس کی تاکید کریں۔ والدہ صاحبہ مرحومہ کا غالباً ١٩٢٩ء یا ١٩٣٠ء کا لکھا ہوا ایک طویل خط ذکر خیر میں درج ہے۔ اس کا ایک اقتباس یہاں پیش ہے:

"علی! ایک نصیحت اور کرتی ہوں بشرطیکہ تم عمل کرو اور اپنے بزرگوں کی کتابیں کام میں لاؤ اور احتیاط لازم رکھو جو کتاب نہ ہو، وہ عبد العلی کی رائے سے خریدو، باقی وہ کتابیں کافی ہیں اس سے تمہاری سعادت مندی ظاہر ہوگی اور کتابیں برباد نہ ہوں گی اور بزرگوں کو خوشی ہوگی، اس سعادت مندی کی بے حد خواہش ہے کہ تم ان کتابوں کی خدمت کرو۔"

مثل مشہور ہے کہ "کوئلوں کی دلالی میں ہاتھ کالے" ان کتابوں کے اٹھانے رکھنے اور ورق گردانی سے میری واقفیت عامہ میں بھی اضافہ ہوا اور خاندانی ذوق اور اسلاف کی خدمات دینی و علمی سے بھی شناسائی ہوئی، ان میں تاریخ ہند و تراجم علماء اور تذکرہ و سوانح کا بڑا ذخیرہ تھا۔ اس لئے والد صاحب کو "نزہۃ الخواطر" کی تالیف کے سلسلہ میں ان کی ضرورت پڑتی رہتی تھی جو لوگ ان کی اس مشغولیت سے واقف تھے وہ ایسی کتابیں ان کو بھیجتے رہتے تھے جن سے ان کے اسلا

تذکرہ محفوظ اور کتاب میں شامل ہو جائے ان کتابوں پہ سرسری نظر ڈالنے سے بھی مجھے بہت نفع ہوا اور ہندوستان کی اسلامی و دینی تاریخ سے ذوق و شغف پیدا ہو گیا جو بعد میں بہت کام آیا۔

میرے دادا کے بارے میں حضرت تحریر فرماتے ہیں:
"۱۹۲۹ء میں مجھے میٹرک پاس کرنے کا خیال پیدا ہوا یہ وہ زمانہ ہے کہ خاندان کے سب لوگ انگریزی تعلیم حاصل کر رہے تھے، عرب صاحب بھی اس کی ضرورت وافادیت کے قائل تھے، اسی زمانہ میں مجھ پر انگریزی پڑھنے کا دورہ پڑا اور اس کا بخار چڑھا میں نے میٹرک کے کورس کی کتابیں خریدیں اور پوری طرح اس کی تیاری میں منہمک ہو گیا ابھی امتحان میں بیٹھنے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ والدہ صاحبہ کو غالباً بھائی صاحب کے ذریعہ میرے اس انہماک کا علم ہوا انہوں نے مجھے بڑے موثر اور دردمندانہ خطوط لکھے ان میں سے ایک کا اقتباس یہاں پیش کیا جاتا ہے:۔
"علی! تم کسی کے کہنے میں نہ آؤ اگر خدا کی رضامندی حاصل کرنا چاہتے ہو اور میرے حقوق ادا کرنا چاہتے ہو تو ان مردان پر نظر کرو جنہوں نے علم دین حاصل کرنے میں عمر گذار دی ان کے مرتبے کیا تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ، شاہ عبدالعزیز صاحبؒ، شاہ عبدالقادر صاحبؒ، مولوی محمد ابراہیم صاحبؒ، اور تمہارے بزرگوں میں خواجہ احمد صاحبؒ اور مولوی محمد امین صاحبؒ جن کی زندگی اور موت اس وقت قابلِ رشک ہوئی کس شان و شوکت کے ساتھ دنیا برتی اور کیسی کیسی خوبیوں کے ساتھ رحلت فرمائی۔ یہ مرتبے کیسے حاصل ہو سکتے ہیں۔ انگریزی مرتبہ والے تمہارے خاندان میں بہت ہیں۔ اور ہوں گے مگر اس مرتبہ کا کوئی نہیں۔
..... علی! اگر میرے سو اولادیں ہوتیں تو میں یہی تعلیم دیتی، اب تم ہی ہو اللہ تعالیٰ میری خوش نیتی کا پھل دے، کہ سو کی خوبیاں تم سے حاصل ہوں، اور میں دارین میں سرخرو اور نیک نام ہوں اور صاحب اولاد کہلاؤں آمین ثم آمین یارب العالمین۔"

والدہ صاحبہ کی دعائے نیم شبی اور آہ سحرگاہی کا اثر تھا کہ میرا دل اچانک انگریزی کی مزید تعلیم سے اچاٹ ہو گیا۔"

والدہ مرحومہ نے اپنی توجہ، دعاؤں اور تربیت کا اثر اپنی نگاہوں سے دیکھا اور جس طرح اللہ نے ان کی ایک ایک دعا قبول فرمائی اور حضرت کو اصلاح و تجدید دین کی خدمت کے لئے قبول فرمایا وہ کسی صاحب نظر سے مخفی نہیں۔

یہاں پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ والدہ محترمہ کے ساتھ ہی ان کے شفیق ماموں کا بھی ذکر کر دیا جائے جو بڑی محبت کرنے والے تھے اور رائے بریلی کے قیام میں ان کی توجہ و سرپرستی بھی حاصل رہی، حضرت نے ان کے بارے میں خود ہی "کاروان زندگی" میں تحریر فرمایا ہے:
"ماموں مولوی حافظ محمد عبیداللہ صاحب مرحوم عجیب دلآویز اور جامع شخصیت کے مالک تھے، اسلامی زندگی کا ایک چلتا پھرتا نمونہ، بڑے جفاکش، با مذاق اور مستعد تھے۔ تہذیب و شائستگی ان پر ختم تھی، میری ذہنی و اخلاقی تربیت میں ان کا بھی بڑا حصہ ہے۔ ۳۱ مئی ۱۹۳۶ء کو وفات ہوئی۔"

اردو ادب، شعر فہمی اور ذوق آفرینی میں ماموں زاد بھائی حافظ سید حبیب الرحمن صاحب کی صحبت کا بھی اثر پڑا ان کا ایک خاص ذوق یہ تھا کہ بچوں سے اساتذہ کے اشعار کا مطلب پوچھتے اور اردو میں تقریر و تحریر کا مقابلہ کرواتے۔ ان کے بڑے بھائی مولانا سید ابو الخیر برق کا بھی اس میں حصہ ہے جو زبان کا اچھا ذوق اور الفاظ کی تذکیر و تانیث میں سند کا درجہ رکھتے تھے۔

مولانا سید طلحہ صاحب حضرت کے حقیقی پھوپھا تھے وہ صرف و نحو کے استاد ہی نہیں بلکہ امام تھے اور خاص طور پر اس کی مشق کروانے میں ان کو ید طولیٰ حاصل تھا وہ ادبی اور صرفی و نحوی غلطی معاف نہیں کرتے تھے اور کئی کئی دن اس پر طنز فرماتے اور چٹکیاں لیتے رہتے تھے، بڑے متنوع الکمالات اور صاحب ذوق تھے، مجلسی علم میں مشکل سے کوئی ان کا ہم پلہ ہوگا حضرت نے صرف و نحو کی ان سے مشقیں کی ہیں۔ تحریر فرماتے ہیں:۔
"صحیح عبارت پڑھنے اور صرف، نحو کے ضروری مسائل کے جزو دماغ بن جانے میں ان کا بڑا دخل ہے اس کے علاوہ ان سے اور بہت سے علمی فوائد حاصل ہوئے اور ذہنی تربیت ہوئی اور تاریخی شعور پیدا ہوا، اور اس متنوع ثقافت میں سے کچھ حصہ ملا۔ جس میں ان کو اپنے باکمال معاصرین میں بھی امتیاز حاصل تھا۔"

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:۔
"مجھے ان کی کتابی تعلیم سے زیادہ ان کی علمی صحبتوں سے نفع پہونچا اور اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ میرے ذہن کی تربیت و تشکیل اور میرے ذوق و معلومات میں جن

کو ایک منفرد لفظ "ثقافت" سے تعبیر کیا جاسکتا ہے ان کا بہت بڑا حصہ ہے ان کا ایک بڑا تعلیمی فیض یہ تھا کہ اپنی تحریر کو بار بار شک وتنقید کی نگاہ سے دیکھنے عربی الفاظ و صلات کے صحیح استعمال کا اطمینان کرنے اور عربی تراجم کی طرف بار بار مراجعت کرنے کی عادت پڑ گئی تھی۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کے عم محترم مولانا سید عزیز الرحمٰن صاحبؒ کا بھی تذکرہ کر دیا جائے جو حضرت کے والد مولانا حکیم سید عبدالحی صاحبؒ کے پھوپھی زاد بھائی اور مخصوص معاونین میں سے تھے، مولانا سے ان کو بڑی محبت وعقیدت تھی، حضرت کی تسمیہ خوانی انہی مولانا عزیز الرحمٰن صاحبؒ نے کرائی۔ حضرتؒ نے مولانا سے اردو کی بعض ابتدائی کتابیں بھی پڑھیں جن میں "سفینۂ اردو" خاص طور پر قابل ذکر ہے، اس کے بعد صرف ونحو کی بھی بعض کتابیں پڑھیں۔ حضرت "کاروان زندگی" میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"میری تسمیہ خوانی رائے بریلی میں ہمارے چچا مولوی سید عزیز الرحمٰن ندوی نے کرائی تھی، صرف ونحو کی قدیم نصابی کتابوں میں سے میں نے "میزان"، "منشعب" انھیں سے "صرف میر"، "نحو میر"، "پنج گنج" اپنے چچا مولوی سید عزیز الرحمٰن صاحب سے پڑھی جو بڑی محنت اور نگرانی سے ان کتابوں کو پڑھاتے تھے، اور جن کے یہاں تساہل وتسامح کا کوئی خانہ نہ تھا، جب کچھ زیادہ دنوں کے لئے رائے بریلی آتا، تو اس عربی کتاب کا حصہ بھی ان سے پڑھتا رہتا، جو عرب صاحب کے یہاں زیر درس ہوتی تھی"۔

لیکن جس شخصیت نے حضرت کی زندگی پر سب سے زیادہ اثر ڈالا اور جس کی تعلیم وتربیت میں رہ کر حضرت نے ترقی کے منازل طے کئے وہ برادر اکبر مولانا حکیم ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحبؒ کی ذات تھی، جو والد ماجد کی وفات کے بعد والد کے قائم مقام اور سرپرست تھے اللہ نے ان کو تعلیم وتربیت کا فطری اور خداداد ملکہ عطا فرمایا تھا اس کے لئے وہ نئے نئے طریقے اختیار کرتے تھے۔

والد ماجد مولانا سید حکیم عبدالحی حسنیؒ کی حیات میں وہ پوری طرح اپنی تعلیم میں منہمک رہے، ان کا سارا وقت اسی میں صرف ہوتا تھا لیکن والد صاحب کی وفات ہوتے ہی ان کے اندر ایک انقلاب پیدا ہوا۔

حضرت تحریر فرماتے ہیں کہ:

"اب وہ نرے بڑے بھائی نہ تھے جو اپنی تعلیم کی تکمیل میں ہمہ تن مشغول، یکسو اور گھر کے قصوں سے بے تعلق اور فارغ تھے بلکہ وہ ہم چھوٹے بھائی بہنوں کے شفیق باپ اور والدہ صاحبہ کے ایک سعادت مند فرزند بلکہ خادم تھے، میں نے ان سے صرف شفقت پدری کا اظہار ہوتے نہیں دیکھا بلکہ شفقت مادری کا بھی صاف صاف ظہور ہوتا تھا"۔

والد صاحبؒ کی وفات کے بعد رائے بریلی کے عبوری قیام میں ڈاکٹر صاحبؒ نے تعلیم کے سلسلہ میں فکر رکھی اور جب لکھنؤ کے قیام میں اطمینان حاصل ہوا تو جلد ہی حضرت کو اپنے پاس بلا لیا، نواب نور الحسن صاحب کی کوٹھی پر قیام تھا ڈاکٹر صاحب نے وہاں دو باتوں کا خاص اہتمام رکھا ایک یہ کہ نماز باجماعت ادا کی جائے، اس میں کبھی ایسا بھی ہوا کہ وہ میڈیکل کالج سے آئے اور نماز کے بارے میں پوچھا، کچھ شبہ ہوا تو تینوں نمازیں ظہر، عصر، مغرب دوبارہ پڑھوائیں۔

دوسرے حضرت کو یہ تاکید فرما دی کہ کوٹھی کے ملازمین کے پاس (جن کی بڑی تعداد تھی) نہ بیٹھیں اور بے تکلف نہ ہوں کہ اکثر ان میں بری عادتیں ہوتی ہیں۔ نوعمری اور لڑکپن کے زمانہ میں اس سے متاثر ہو جانے کا بڑا خطرہ ہوتا ہے، یہ بھی اہتمام تھا کہ کسی سے کوئی ناول وغیرہ لے کر نہ پڑھیں، ذاتی کتب خانہ سے وہ خود انتخاب کر کے اور پڑھنے کے لئے کتابیں دیتے، ان کتابوں میں سب سے پہلے انھوں نے جو کتاب پڑھنے کو دی وہ "سیرت خیر البشر" تھی اس کے بعد غالباً رحمۃ للعالمین مطالعہ میں آئی۔

علم النفس کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ ابتدائی نقوش دیرپا اور گہرے ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی اس حکیمانہ تربیت کا نتیجہ یہ ہوا کہ سیرت سے تعلق خاص پیدا ہو گیا اور اس کے مزید مطالعہ کا شوق پیدا ہوا اور اس کی عظمت دل میں بیٹھ گئی جس نے آگے چل کر امام ابن القیم کی "زاد المعاد" اور "سیرت ابن ہشام" کے مطالعہ پر آمادہ کیا، سیرت کے مطالعہ اور اس سے شغف کے نتیجہ میں اس کے گہرے نقوش دل پر ثبت ہوئے، نبوی مزاج پیدا ہوا۔ اور دین کی تڑپ اور درد کا وہ حصہ وافر ملا جو ماحب سیرت صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث ہے۔

خاندان میں فارسی کا بڑا رواج تھا، جد امجد مولانا حکیم سید فخر الدینؒ جہاں فارسی ادیب وشاعر تھے والد صاحبؒ کو بھی اس کا اچھا ذوق تھا۔ برادر اکبر مولانا حکیم ڈاکٹر سید عبدالعلیؒ خود بھی فارسی میں مہارت رکھتے تھے اور بے تکلف گفتگو کر لیتے تھے ان کی دوررس نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ اب فارسی کا ورق الٹ رہا ہے اور قریبی زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ اس کی اہمیت بالکل ختم ہو جائے گی اور صرف اس حد تک اس کی افادیت محدود ہو کر رہ جائے گی کہ بزرگوں کے ملفوظات اور مکاتب با خرا

دوادین سے استفادہ ممکن ہو سکے، حضرت
ارسی کی تعلیم اس حد کو پہونچ رہی تھی اس
ڈاکٹر صاحب نے فارسی کو وہیں روک دیا
ایک طرف انگریزی کی ایک ریڈر شروع کرائی
دوسری طرف انھوں نے عربی تعلیم کی طرف
وصی توجہ کی اور اس کا ایسا حکیمانہ انتظام کیا
ں کو توفیق الٰہی کے علاوہ کسی اور چیز سے
یر نہیں کیا جاسکتا۔ قرین قیاس تھا کہ حضرت
دار العلوم میں داخل کردیا جائے، جس کے وہ
دا اہم ذمہ داروں میں سے تھے اور بعد میں اس کے
لم بنائے گئے۔ لیکن یہ ایک غیبی انتظام تھا اور
رت کی طرف سے حضرت کو عالمی سطح پر جو اصلاح
تجدید دین کی خدمت انجام دینی تھی اور جس طرح
ربوں کو خطاب کرنا تھا اور ان کو ان کے فرائض
د دلانے تھے اور جھنجھوڑنا تھا، اس کی ایک غیبی
صورت تھی کہ ڈاکٹر صاحب نے حضرت کو شیخ
لیل بن محمد عرب یمنی کے سپرد کیا جو اس وقت
عربی کے کامیاب ترین استاد اور بقول حضرت
کے کہ اس کا ذوق ہی نہیں ذائقہ رکھتے تھے،
ڈاکٹر صاحب سے دوستانہ تعلقات اور بے تکلفی
تھی۔ اور اسی محلہ میں ان کی بھی سکونت تھی جس
میں ایک طویل عرصہ... مولانا عبدالحی صاحبؒ
نے گذارا تھا۔ پھر جلد ہی ڈاکٹر صاحب بھی اسی
محلہ میں منتقل ہوگئے۔ عرب صاحب کے درس میں
حضرت کے شریک صرف ان کے حقیقی بھائی شیخ
حسین عرب تھے، اس لئے عرب صاحب کی توجہ اور
خدمت تدریس کا بڑا حصہ حضرت کو ملا جو عام
طور پر بڑی جماعت کے طلبہ کو میسر نہیں آتا، پھر
حضرتؒ کے ذوق کو دیکھ کر یقیناً عرب صاحبؒ
نے اپنا دل نکال کر رکھ دیا۔

عربی تعلیم کی ابتداء پر خاندان کے بعض
بزرگوں نے ڈاکٹر صاحب پر نکتہ چینی بھی کی اور
مطالبہ کیا کہ ان کو I.C.S (آئی سی ایس) کے لئے
تیار کرنا چاہئے۔ یہ ذہین بچہ ہے اس کو عصری
تعلیم دلائی جانی چاہئے تاکہ ترقی کر سکے، ڈاکٹر صاحب
نے جو بڑے کم گو اور متین واقع ہوئے تھے
برجستہ کہا کہ ہم علی کو دہی تعلیم دے رہے ہیں
جو میاںؐ ان کو دیتے۔ یہ ایسا دو ٹوک جواب تھا
کہ لوگوں کی زبانیں بند ہوگئیں۔ پھر زمانے نے دیکھ
لیا کہ یہ فیصلہ کیسا حکیمانہ اور دور اندیشی پر
مبنی ثابت ہوا۔ بعد میں حضرت کا جب لاہور کا
پہلا سفر ہوا تو پھوپھا مولانا سید طلحہ صاحب
نے ایک روز اورینٹل کالج کے پرنسپل مولوی
محمد شفیع صاحب سے ملایا اور ان سے یہ مشورہ
طلب کیا کہ یہ بچہ کون سی لائن اختیار کرے تو
تو انھوں نے اس وقت کے بعض مضامین اور
تحریریں دیکھنے کے بعد کہا کہ یہ عربی کو ہی اپنا
مضمون بنائیں اور اس میں ترقی کریں اور کمال
پیدا کریں۔

عربی مضمون نگاری اور انشاء کی پختگی
کے لئے ڈاکٹر صاحب نے خاص انداز اپنایا اور
عربی کا پہلا مضمون جو حضرت سید احمد شہید کے
تذکرہ پر مشتمل تھا، ڈاکٹر صاحب کی رہنمائی میں
لکھا گیا، اس کا ایک فائدہ تو عربی تحریر کی مشق
و تمرین کا ہوا۔ اور دوسرا بڑا فائدہ یہ ہوا کہ حضرت
سید صاحب کی تحریک سے واقفیت اور ان
سے گہرا تعلق پیدا ہوا۔ اس کے بارے میں حضرت
"کاروان زندگی" میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"بھائی صاحب نے مجھے اس کے عربی ترجمہ
کی ہدایت کی اور مشورہ دیا کہ میں تاریخ و سیر
کی مستند اور سلیس کتابیں دیکھ لوں اور ان
کی خاص خاص تعبیرات اور مطالب کے
طریق ادا جس کی تاریخ اور سوانح میں ضرورت
پڑتی ہے نوٹ کرلوں، میں نے اس غرض
کے لئے ابن الاثیر کی "الکامل" دیکھی اور
خاص خاص الفاظ و محاورے نوٹ کرتا
گیا اس کے بعد مجھے ترجمہ میں بڑی آسانی
ہوگئی۔"[۲۴]

یہی وہ ترجمہ ہے جو علامہ تقی الدین ہلالیؒ
کے واسطے سے علامہ رشید رضا کو بھیجا گیا اور انھوں
نے اپنے مؤقر رسالہ "المنار" میں اس کو شائع کیا
پھر بڑے اہتمام سے الگ رسالہ کی شکل میں طبع
کرایا اور خط بھیج کر نوعمر مصنف کو داد دی، حضرت
تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس سے بڑھ کر ایک ہندی نوعمر طالب علم
کا کیا اعزاز ہو سکتا ہے کہ اس کا رسالہ
علامہ سید رشید رضا مصر سے شائع کریں۔"[۲۵]

اسی طرح ڈاکٹر صاحب نے ایک
دوسرے عربی مضمون کا اردو میں ترجمہ کرایا جو کہ
مکہ سے نکلنے والے اخبار "ام القریٰ" میں شائع
ہوا تھا اس میں باہر سے آنے والے حجاج کے
لئے ہدایتیں تھیں، یہ ترجمہ ڈاکٹر صاحب کی ہدایت
پر "زمیندار" میں بھیج دیا گیا اور اس میں "ابو الحسن
علی پسر مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب سابق ناظم
ندوۃ العلماء" کے نام سے شائع ہوا۔

ڈاکٹر صاحب کے ذہن میں بڑی وسعت
اور فکر میں عالمیت تھی، عالم اسلام کے حالات
سے باخبر رہتے، اس کے لئے عربی رسائل و اخبارات
شوق سے پڑھتے تھے، متعدد عربی رسائل گھر
میں آتے تھے، حضرت بھی ان سے فائدہ اٹھاتے،
ڈاکٹر صاحب رہنمائی فرماتے اور جدید تعبیرات
و اصطلاحات کی تشریح کرتے، حضرت تحریر فرماتے
ہیں کہ:۔

"میں رفتہ رفتہ ان کو بے تکلف پڑھنے
لگا اور مجھے اس سے انشاء و تحریر میں
بڑی مدد ملی کہ اخبارات میں تنوع بھی

ہوتا ہے اور نکھار بھی۔"

ڈاکٹر صاحب کو حضرت مجدد الف ثانیؒ، شاہ ولی اللہ دہلویؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ، امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیمؒ سے بڑی عقیدت اور ان کی کتابوں سے بڑا شغف تھا، حضرت کو بھی ان حضرات کی کتابیں پڑھنے کی تاکید فرماتے رہتے، حضرت فرماتے ہیں کہ:-

"بھائی صاحب کی تاکید کے نتیجہ میں میں نے ان کتابوں کا مطالعہ کیا اور مجھے ان سے بڑا نفع ہوا۔"

ڈاکٹر صاحب کو حضرت کی تربیت، اصلاح اور دینی ترقی کا بڑا اہتمام رہتا تھا، اس کے لئے انھوں نے حضرت کو سب سے پہلے سیرت کے مدرسہ میں داخل کیا تھا، اور سیرت کی کتابیں مطالعہ کے لئے دی تھیں اور اسی مقصد کی خاطر سب سے پہلا مضمون حضرت سید صاحبؒ پر لکھوایا، جو اسی خاندان کے خاص طور پر نمونہ (آئیڈیل) تھے۔

ڈاکٹر صاحب نے ابتداء میں بانی ندوۃ العلماء حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ یا اپنے استاد حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب سے بیعت کا ارادہ فرمایا تھا، لیکن اس کی نوبت نہیں آسکی اور ان دونوں حضرات کی وفات ہوگئی ان کے بعد ڈاکٹر صاحب کی نگاہ جانشین شیخ الہند حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ پر پڑی، اور ڈاکٹر صاحب نے ان سے بیعت و ارادت کا تعلق قائم کرلیا، مولانا کو ڈاکٹر صاحب سے بہت جلد اتنا تعلق اور اعتماد پیدا ہوگیا کہ لکھنؤ میں ان کے مکان کو مستقل قیام گاہ بنا لیا، حضرتؒ کو اسی زمانہ میں حضرت مدنی کی خدمت اور ان سے استفادہ کا موقع ملا، پھر ایک دن ڈاکٹر صاحب نے بطور خاص حضرت کو مولانا کی خدمت میں پیش کیا، اسی کے نتیجہ میں حضرتؒ نے دیوبند کا سفر کیا، اور چار مہینہ استفادہ کی نیت سے قیام فرمایا، لیکن حضرت مدنیؒ سے یہ تعلق استفادہ کی حد تک رہا، اس لئے کہ حضرت اس واقعہ سے ایک سال قبل حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ کے شیخ حضرت خلیفہ غلام محمد صاحب دینپوریؒ سے بیعت کا تعلق قائم فرما چکے تھے، اس سلسلہ میں یہ واقعہ بھی حضرتؒ سے سنا کہ جب میں دیوبند حضرت مدنیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت کو یہ خیال ہوا کہ میں بیعت کی نیت سے حاضر ہوا ہوں، لیکن پھر حضرت کو شاید خود ہی ادراک ہوگیا کہ میں بیعت ہوچکا ہوں، دریافت فرمایا تو میں نے عرض کیا کہ حضرت خلیفہ سے بیعت کی ہے تو فرمایا کہ مجھے بھی ان سے اجازت ہے۔

حضرتؒ کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کے اسی اصلاحی و تربیتی اہتمام کا نتیجہ تھا کہ جب ۱۹۳۸ء کو حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھنؤ تشریف لائے تو خود بھی پابندی کے ساتھ مجلس میں حاضری دیتے، اور حضرت کو بھی التزاماً اپنے ساتھ لے جاتے، حسن اتفاق کہ مولانا ظفر احمد عثمانی کا رسالہ "القول المنصور" زیر طبع تھا اور مولانا کی توجہ اور دلچسپی کا مرکز بنا ہوا تھا، اس میں طویل طویل عربی عبارتیں تھیں، داصل بلگرامی صاحب نے تصحیح و مقابلہ کا کام حضرتؒ کے سپرد کردیا، اس وقت حضرت کی عمر صرف چوبیس سال کی تھی، اس تقریب سے مزید قرب و حضوری اور استفادہ کا موقع ملا۔

حضرتؒ کی دینی ترقی اور خدمت اصلاح و تجدید کے لئے قبولیت کی ڈاکٹر صاحب کو بڑی فکر رہتی، حضرت مدنی کو بعض خطوط میں وہ صراحت کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں کہ چاہتا ہوں کہ جس طرح حضرت سید احمد شہیدؒ سے اللہ تعالیٰ نے اصلاح و تجدید کا کام لیا ویسے ہی بلکہ اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ علی سے یہ کام لے، حضرت مدنیؒ ایک خط کے جواب میں فرماتے ہیں:۔

"وہ کریم کارساز موصوف کو مفتاح خیر اور مغلاق شر بنائے اور حضرت سید صاحبؒ شہید قدس اللہ سرہ العزیز کی تجدید ملت اسلامیہ کی خدمت علیہ کا علمبردار بنا کر نعمائے لدنیہ سے مالامال کرے۔"

ڈاکٹر صاحب حضرت کی تربیت کے لئے نئے نئے طریقہ اختیار فرماتے تھے، ۱۹۲۹ء کے امتحان میں حضرتؒ نے نمایاں کامیابی حاصل کی، ڈاکٹر صاحب نے بیس روپیہ دیئے کہ حضرت اپنے اساتذہ و رفقاء کی دعوت کردیں پھر کچھ دن کے بعد دے کر فرمایا کہ اس سے کوئی خاص فائدہ نہیں، لوگ ایک وقت کھانا کھائیں گے اور ذائقہ بدل جائے گا، اس رقم کو مدرسہ علوم شرعیہ مدینہ منورہ بھیج دو کہ ثواب ملے اور حقیقی و دیرپا فائدہ حاصل ہو، حضرت نے ایسا ہی کیا۔

لکھنؤ میں محلہ کے قریب ہی ایک ڈاکٹر صاحب رہتے تھے جو طبی سارٹیفکٹ دینے میں بہت فراخدل اور غیر محتاط تھے ایک دن ان پر تنقید ہورہی تھی (غالباً ان کا انتقال ہوچکا تھا) حضرت تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"میں نے بھی اس موضوع سے دلچسپی لی، اور ان کے اس طرز عمل پر تنقید کرنے لگا بھائی صاحب نے فوراً مجھے ٹوکا اور کہا کہ تم بچپن میں ایک مرتبہ سخت بیمار ہوگئے تھے انھوں نے بڑی ہمدردی اور دلچسپی کے ساتھ علاج کیا تم کو اس کا شکر گذار ہونا چاہئے اور ان کے حق میں کلمۂ خیر کہنا چاہئے مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔"

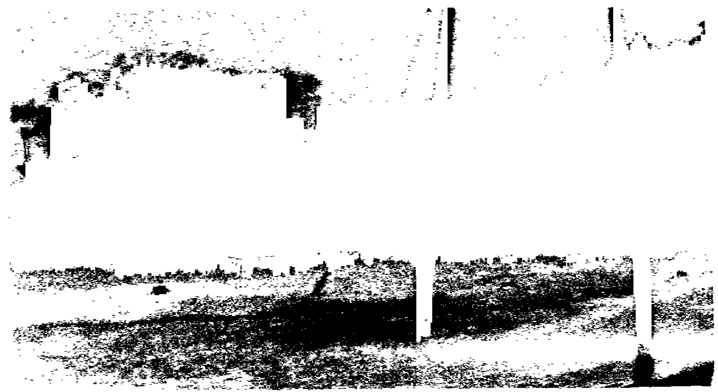
حضرتؒ کو ڈاکٹر صاحبؒ کی تربیت میں رہ کر نمایاں طریقہ پر جو امتیاز حاصل ہوا وہ فکر کا



دائرہ شاہ علم اللہؒ رائے بریلی میں حضرت مولاناؒ کی قیام گاہ

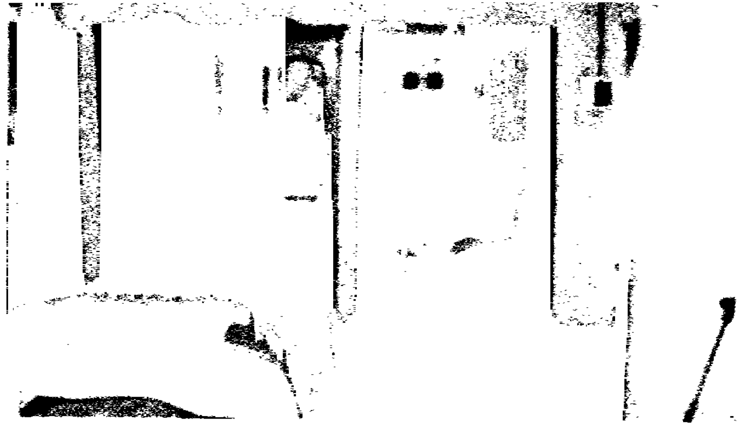


دائرہ شاہ علم اللہؒ رائے بریلی کی سئی ندی جس میں حضرت مولاناؒ جوانی میں پیراکی کی مشق کرتے تھے

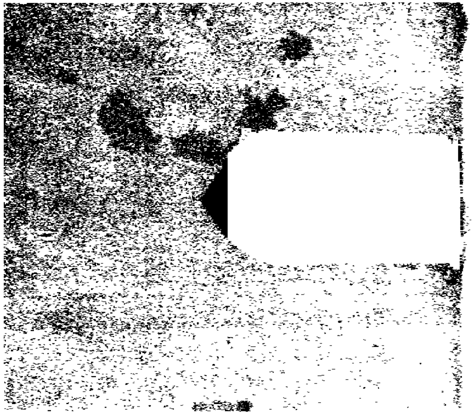




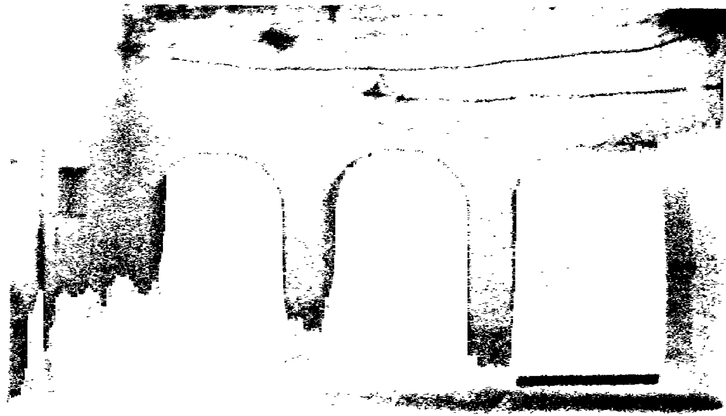
حضرت مولاناؒ کا ننھیال (تکیہ)



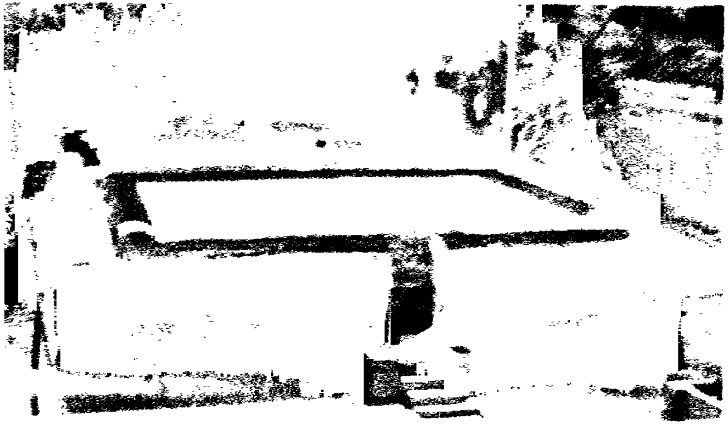
دائرہ شاہ علم اللہؒ رائے بریلی میں حضرت مولاناؒ کا وہ بستر جس پر انتقال فرمایا



مسجد دائرہ شاہ علم اللہؒ رائے بریلی کی وہ جگہ جہاں حضرت مولاناؒ نے
شعبان ۱۴۲۰ھ میں چاشت کی آخری نماز پڑھی



[illegible]



حضرت مولاناؒ کی آخری آرام گاہ (روضہ حضرت سید شاہ علم اللہ حسنیؒ)



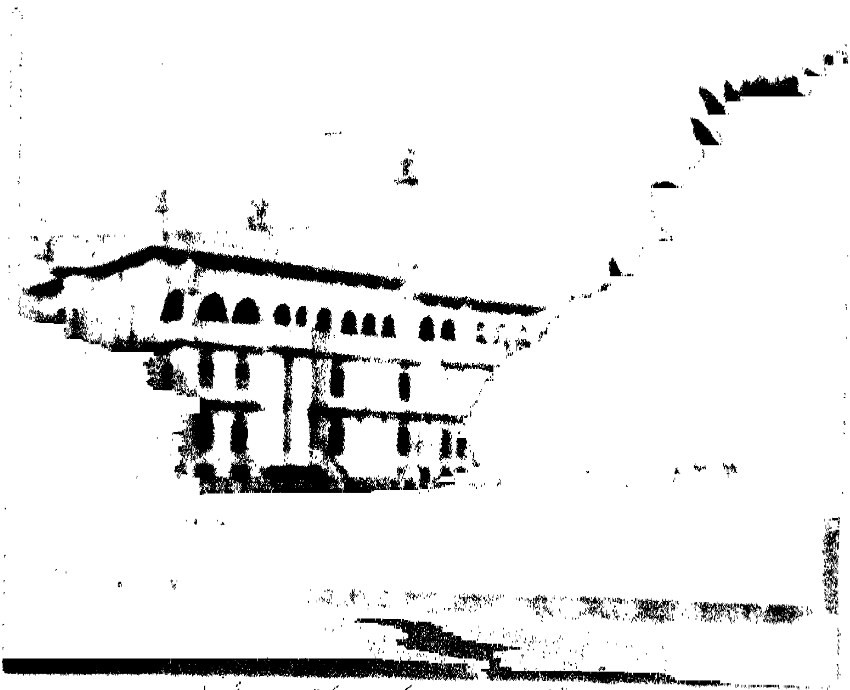
دائرہ شاہ علم اللہؒ رائے بریلی میں حضرت مولاناؒ کی آرام گاہ



دائرہ شاہ علم اللہؒ رائے بریلی میں حضرت مولاناؒ کی ہمشیرہ کا مکان جہاں
حضرت مولاناؒ اپنی ہمشیرہ اور اہل خانہ سے ملاقات کرتے تھے







حضرت مولاناؒ کے دورِ نظامت میں مسجد کی ۱۶ صفوں کی توسیع اور بالائی منزل
کی تعمیر کے بعد مسجد کے جنوبی حصہ کا ایک منظر



دار العلوم ندوۃ العلماء میں حضرت مولاناؒ کی قیام گاہ (مہمان خانہ)

وازن واعتدال، حقیقت پسندی، منصوصات و غیر منصوصات اور مقاصد و وسائل کا فرق ہے جو خود ڈاکٹر صاحب کی ایک نمایاں صفت تھی۔ حضرتؒ ڈاکٹر صاحب کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"وہ اپنی ذاتی زندگی میں جتنے متقشف پختہ اور قدامت پسند تھے اپنے تعلیمی خیالات و نظریات جدید چیزوں کے مطالعہ اور دنیا سے واقفیت کے بارے میں اتنے ہی وسیع الخیال، حقیقت پسند تھے، انھوں نے محبت و عقیدت میں بھی حدود قائم کر رکھے تھے، بعض حضرات کو دیکھا ہے کہ ان کو کسی شخصیت سے عقیدت ہوئی تو انھوں نے جوش عقیدت یا فرط محبت میں اپنے عمر بھر کے تعلیمی خیالات و نظریات یہاں تک کہ طرز فکر و نظر اسلوب تحریر میں بھی تبدیلی کر دی لیکن ڈاکٹر صاحب کے یہاں اس بارے میں پورا اعتدال و توازن تھا وہ کسی دور میں بھی اپنے کسی سوچے سمجھے تعلیمی نظریہ یا تحقیق سے دستبردار نہیں ہوئے، نصاب و نظام تعلیم، تصوف و اصلاح باطن تقلید و عدم تقلید کے درمیان نقطۂ اعتدال اور سیاسیات اسلامی کے بارے میں ان کا جو مسلک جوانی میں تھا وہی اخیر تک قائم رہا۔"[۴]

حضرت کی حیات میں بھی یہی صفات نمایاں طور پر نظر آتی ہیں، حضرتؒ خود اپنے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"میرا ایک علمی و فکری پس منظر تھا میں ہر دور میں منصوصات و غیر منصوصات اور مقاصد و وسائل میں فرق کرتا رہا میرے نزدیک خوب سے خوب تر کی تلاش اور نافع سے انفع کی جستجو کا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔"[۵]

ڈاکٹر صاحب کی اس حقیقت پسندی کا نتیجہ تھا کہ مغربی تہذیب کو قریب سے دیکھنے اور اس کے نظام تعلیم کے سایہ میں برسوں رہنے کے باوجود اس کے سخت ناقد تھے، لیکن ان کی تنقید جذباتی و سطحی نہیں تھی بلکہ وہ علم و مطالعہ پر مبنی تھی ان کی مجلسوں میں اس کے کمزور پہلوؤں کی نشاندہی اور اس پر اصولی تنقید ہوتی تھی، حضرتؒ فرماتے ہیں کہ:۔

"ان مجلسوں سے مجھے وہ فائدہ پہونچا جو مغربی تہذیب اور موجودہ نظام حیات پر درجنوں کتابیں پڑھنے سے نہیں ہوتا۔"[۶]

مضمون میں اگرچہ خاندان کے بعض ان بزرگوں کا بھی تذکرہ کر دیا گیا ہے جن سے حضرت کی شخصیت کی تشکیل میں مدد ملی لیکن اس میں بنیادی طور پر ان ہی چار شخصیتوں کا حصہ ہے، جن کا تفصیل سے ذکر کیا گیا۔ اس کا بھی خلاصہ ہم اس طور پر کر سکتے ہیں کہ اخلاص و للّٰہیت، دینی حمیت، جوش دعوت اور خدمت اصلاح و تجدید کی بنیاد حضرت سید احمد شہیدؒ کی سیرت اور تحریک تجدید و جہاد سے پڑی، تاریخی و ادبی ذوق آبائے کرام خاص طور پر والد ماجد حکیم مولانا سید عبد الحیؒ سے موروثی طور پر منتقل ہوا۔ قبولیت و شہرت میں سب سے بڑا حصہ والدہ ماجدہ کی دعائے نیم شبی اور آہ سحرگاہی کا ہے۔ برادر اکبر مولانا حکیم ڈاکٹر سید عبد العلیؒ کی تربیت کا اگرچہ حضرتؒ کی سیرت و شخصیت کی تشکیل میں سب سے بڑا اور بنیادی حصہ ہے، لیکن اس سے خاص طور پر فکری توازن و اعتدال کی صفت پیدا ہوئی۔

اس مضمون کا اختتام حضرتؒ کے اس ملفوظ سے کیا جاتا ہے جو اس عاجز نے اور دوسرے حاضر باشوں نے متعدد مجلسوں میں حضرت سے سنا ہوگا کہ:۔

"اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی خدمت کی توفیق دی اور عربوں کو خطاب کرنے اور ان کو ان کے فرض منصبی یاد دلانے کا کام لیا وہ سب والد صاحبؒ کے اخلاص والدہ کی دعائیں، بھائی صاحبؒ کی تربیت اور اساتذہ و مشائخ کی شفقت و محبت کا نتیجہ ہے۔"

---

[۱] حیات عبد الحیؒ ص ۱۹-۲۰
[۲] حضرت کے جد امجد مولانا حکیم سید فخر الدین خیالی۔ حضرت مولانا محمد ظاہر صاحب کے مجاز تھے جو براہ راست حضرت کے خلیفہ تھے دوسری طرف ان کو حضرت خواجہ احمد صاحب نصیر آبادی سے بھی اجازت تھی جو بیک واسطہ حضرت سید صاحب کے سلسلہ میں ہیں جب کہ ان کے والد مولانا عبد العلی صاحبؒ براہ راست حضرت سید صاحبؒ کی طرف سے اجازت و نسبت حاصل تھی۔
[۳] کاروان زندگی اول ص۱۱۸
[۴] ایضاً ص۱۶۷
[۵] ایضاً ص۱۶۰
[۶] سیرت سید احمد شہیدؒ جلد اول ص۵۴
[۷] کاروان زندگی اول ص۹۲
[۸] ایضاً ص۹۵
[۹] ذکر خیر ص۴۷-۴۸
[۱۰] ایضاً ص۵۱-۵۴
[۱۱] ڈاکٹر عبد العلی صاحبؒ کی عرفیت
[۱۲] کاروان زندگی ج۱ ص۱۱۱
[۱۳] شیخ خلیل بن محمد عرب حضرت کے استاد
[۱۴] ان سے مولانا ابو محمد ابراہیم صاحب امروہی مشہور اہل حدیث عالم مراد ہیں جو حضرت کے نانا حضرت شاہ ضیاء النبی کے مرید اور بڑے ربانی حقانی عالم تھے۔
[۱۵] مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادی تذکرہ کے لئے ملاحظہ ہو حضرت کی کتاب کاروان ایمان و عزیمت۔

(باقی ص۲۶۵ پر)

ارشادات و ملفوظات

مرتب : —— سید محمود حسن حسنی ندوی

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات، خطبات، تعلیمات کا ایک بڑا ذخیرہ ہمارے آپ کے سامنے ہے۔ اس مضمون میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی مجالس کی حکیمانہ باتوں میں سے انتخاب کرکے چند نمونے پیش کئے جا رہے ہیں۔ ان ارشادات کو استاذ گرامی مولانا ندرالحفیظ صاحب ندوی نے جمع فرمایا ہے اور بعض راقم سطور کے جمع کردہ ہیں۔
نفع اللہ بہا الامۃ۔

آبائی وطن (تکیہ شاہ علم اللہ) کی خصوصیت

تکیہ حضرت شاہ علم اللہ رائے بریلی کی خصوصیت اور اہل اللہ ومشائخ کبار کا اس جگہ سے تعلق کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہاں کی چار چیزیں بنیادی ہیں۔ (۱) اتباع سنت (۲) اعلاء کلمۃ اللہ (۳) توحید خالص۔ (۴) احیاء سنن۔

تعلیم کا آغاز قرآن سے

فرمایا میری علمی زندگی قرآن مجید ہی کے مطالعہ سے شروع ہوئی، میں نے کئی جگہ لکھا بھی ہے، مجھے اللہ نے ایک ایسا استاد عطا کیا تھا، جنھیں ذوق ایمانی اور ذوق قرآنی ملا تھا۔ وہ قرآن پڑھتے تھے اور روتے تھے، پہلا نقش جو مجھ پر پڑا وہ ان کی آواز کا تھا جو درد میں ڈوبی ہوئی تھی، میری خوش نصیبی تھی کہ پہلا معلم جو مجھے عطا کیا گیا، وہ رقیق القلب تھا۔ دلِ دردمند رکھتا تھا۔ یہ معلم شیخ خلیل عرب تھے

مرتب

علامہ سید سلیمان ندوی اور فہم قرآن

فرمایا: لوگ مولانا سید سلیمان ندویؒ کو ایک مؤرخ اور سوانح نگار کی حیثیت سے جانتے تھے یا متکلم کی حیثیت سے، لیکن میرا تأثر ہے کہ مجھے ہندوستان ہی نہیں بلکہ تحتی برّاعظم میں کوئی ایسا شخص نہیں نظر آیا جس کا مطالعۂ قرآن اتنا وسیع اور عمیق ہو جتنا سید صاحب کا تھا، مجھے ان کے مطالعۂ قرآن سے استفادہ کی سعادت ملی ہے۔

قرآن مجید کا اہم پہلو

قرآن مجید کے دو پہلو ہیں اصل کا تعلیمی اور تبلیغی پہلو ہے، یعنی وہ عقائد جن پر ہر شخص کو ایمان لانا چاہیئے، اور سمجھنا چاہیئے۔ اور قرآن سے اخذ کرنا چاہیئے۔ اس کے متعلق قرآن کا اعلان ہے کہ "بلسان عربی مبین" (روشن اور واضح عربی میں ہے) اس سے زیادہ واضح الفاظ میں بتادیا۔ "ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر" کہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کردیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔

قرآن ہر ایک کیلئے ہے

فرمایا: میری تحریروں کا تانا بانا قرآن مجید، سیرت نبویؐ اور تاریخ ہے اور تاریخ کو میں قرآن کی تف[سیر] سمجھتا ہوں، تاریخ کے بعد ادب سے بھی میں [نے] اپنی تحریروں میں استفادہ کیا ہے؟ قرآن میں ہر ای[ک] کے لئے ہر موقع کی بات ہے، یہ ایک البم ہے جس [میں] ہر ایک اپنی تصویر دیکھ سکتا ہے۔

اولین تصانیف

عرض کیا گیا کہ، حضرت والا کو اپنی کتابوں [میں] سب سے محبوب کون سی کتاب ہے، فرمایا "فضیلت "نبی رحمتؐ (السیرۃ النبویۃ) کو حاصل [ہے] ویسے "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" جس سے عالم عرب میں ہمارا سب سے پہلے تعارف [ہوا] اور عام وخاص سب حلقوں میں مقبول ہوئی ا[ور] خوب اس کی اشاعت ہوئی، اور سیرت سید احمد شہیدؒ ہے جس سے ہندوستان میں تعارف ہوا۔ اور د[ینی] دعوتی حلقوں نے اس کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا حضرت تھانویؒ نے تو بہت بلند الفاظ فرمائے مدنیؒ نے وقیع تقریظ لکھی، مولانا سید سلیمان ندویؒ [نے] بڑا جامع طاقتور مقدمہ لکھا جو ان کی تحریروں میں شاہکار ہے اور امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔

ندوۃ العلماء

فرمایا: ہم نے دنیا دیکھی ہے، یورپ کی دانشگاہوں کو دیکھا ہے، ازہر دیکھا، جامعات دیکھیں، ہم کسی عصبیت اور تنگ نظری کی بنا پر نہیں کہتے بلکہ اپنے مطالعہ اور تجربہ کی بنا پر کہ[تے]

ندوہ کے تخیل سے بڑھ کر کوئی تخیل نہیں ہے اور
بروقت اور مفید ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو باقی
رکھا اور اس کو قبولیت سے نوازا ہے، حضرت حاجی
امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے اپنے خط میں اس تحریک سے
بڑی امیدیں وابستہ کی ہیں، اور دعائیں کی ہیں، یہ مولانا
محمد علی مونگیریؒ کے خلوص و للہیت کا اثر ہے، وہ تو
اہل اللہ میں سے تھے، یہ تخیل اور فکر اللہ تعالیٰ
نے ان پر القاء کیا تھا۔

ندوہ مجددی و ولی اللّٰہی درسگاہ ہے۔

فرمایا: دارالعلوم ندوۃ العلماء ہندوستان کی
دو عہد ساز شخصیتوں کے مدرسۂ فکر پر قائم ہوا
ہے، ایک حضرت مجدد الف ثانیؒ، دوسرے حضرت
شاہ ولی اللہ دہلویؒ، یہی دراصل اس کے بانی اس کے
روح رواں اور معیار ہیں، علمی ارتقاء کا بھی اور فکری
ارتقاء کا بھی۔ اور یہ دارالعلوم انہی دونوں شخصیتوں
کے راستہ پر ہے۔ ان کی دعوت اور جد و جہد کی
بنیادی خصوصیات میں عقیدۂ اسلام کہ جو صحابہؓ کا عقیدہ
تھا، ائمہ اربعہ، مجددین و مصلحین کا عقیدہ تھا، دوسری
چیز اشاعت دین ہے اور تیسری بات جو ان حضرات
کا خاصہ تھا حمایت دین اور حمیت دین ہے، دین
مخالف اور منافی کوئی چیز برداشت سے باہر
ہوتی تھی۔

ندوہ کی خصوصیت

ایک موقع پر فرمایا: مطالعہ میں تعمق، توسع
اور تنوع ہونا چاہیئے۔ یہ ندوہ کی خصوصیت اور
امتیاز ہے۔

رضائے الٰہی کا خیال

ایک خاص نشست میں جس میں ادباء
زیادہ تھے فرمایا کہ دو چیزیں ہیں ایک لکھنا،
تصنیف کرنا، دوسری مطالعہ اور علم کا حصول تحریر
و تصنیف کے پیش کرنے کے ذریعہ لوگوں کے
سامنے آنا مقصد نہ ہو، بلکہ اس میں اللہ کی رضا پیش نظر
رہنی چاہیئے، اور اس کے دین اور کلمہ کے اعلاء کیلئے
اپنے قلم کا زور صرف کرنا چاہیئے۔ اسی طرح علم کا
حصول محض معلومات بڑھانے کیلئے اور اونچا مقام
پانے کیلئے نہیں ہونا چاہیئے، بلکہ علم کا تعلق
رب سے مستحکم ہونا چاہیئے اسی لئے فرمایا گیا
"اقراء باسم ربک الذی خلق"۔

ادبی مطالعہ کی افادیت

فرمایا کہ دینی دعوتی اور تبلیغی کام کرنے والوں
کو یہ ضروری ہے کہ شروع میں ان کا مطالعہ ادبی
ہو، اور ذوق ایسا بن جائے جس سے وہ دین کو عصری
زبان میں طاقتور طریقہ سے جدید تعلیم یافتہ طبقہ تک
پہونچا سکیں، دینی حلقوں میں اس بات کی بہت
کمی ہے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ جب وہ دینی موضوعات
پر لکھتے ہیں، تو ان کی تحریروں میں قوت و تاثیر نہیں
ہوتی ہے اور جدید طبقہ کو وہ متأثر نہیں کر پاتے ہیں
اگر دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ طبقہ ادب پڑھتا
ہے تو وہ اثر نہیں ہوتا جو ہونا چاہیئے اور نہ اس کا
فائدہ ہوتا ہے۔
"وکلموا الناس علی قدر عقولھم" میں
یہ بھی ہے کہ ان کی سطح اور نفسیات کے متعلق ان کی
زبان میں بات کی جائے، ادب، دعوت اور دین تینوں
میں ربط ضروری ہے، فرمایا: شیخ عبدالقادر جیلانیؒ،
علامہ ابن الجوزی جیسے مصلحین اور اولیاء اللہ نے بھی
ادب کی طرف توجہ کی تھی۔ اور ان کے اساتذہ میں
ایسے نام ملتے ہیں جن سے انھوں نے ادب پڑھا تھا۔

اشتراکی اور غیر اشتراکی ادب

مولانا ڈاکٹر سید ضیاء الحسن ندوی صاحب راوی ہیں
کہ ایک موقع پر حضرت مولانا نے فرمایا کہ جن ملکوں
میں کمیونسٹ یا اشتراکی نظام قائم ہے وہاں
تیار کئے جانے والے ادب کا غیر اشتراکی ملکوں
کے ادب سے اگر غیر جانبدارانہ تقابلی مطالعہ کیا جائے
تو صاف ظاہر ہوگا کہ فنی اور تاثیری لحاظ سے اشتراکی
ادب غیر اشتراکی ادب کے مقابلہ میں خاصا
بے حقیقت اور بے اثر ہے اور اس فرق کو سمجھنے
کے لئے کسی بڑی ذہانت کی ضرورت نہیں، محض
ذوق سلیم کافی ہے۔

ایک مرتبہ ایک طالب علم نے حضرت کے
سامنے عرض کیا کہ انگریزی ادب میں افسانہ، ناول
اور ڈرامہ سے متعلق ادب کیلئے فکشن (FICTION)
کی اصطلاح مستعمل ہے، فکشن کے الفاظ میں جھوٹ
اور غیر واقعی قصے کہانیوں کا مفہوم لغوی طور سے موجود
ہے، کیا اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ انگریزی
اور یورپی ادب کی بنیاد کذب و فریب پر ہے؟ حضرتؒ
نے جواب میں فرمایا کہ نہیں، یہ محض ایک ادبی اور فنی
اصطلاح ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ فکشن لٹریچر
ایک طرح کا تمثیلی ادب ہے جس پر کذب و افتراء یا
فریب اور دھوکہ کا اطلاق نہیں کرنا چاہیئے، آسمانی
نصوص میں بھی تمثیل و تعبیر سے کام لیا گیا ہے۔
(روایت ڈاکٹر ضیاء الحسن ندوی)

دل و دماغ کا فرق

دل و دماغ کے فرق کو واضح کرتے ہوئے ایک
موقع پر فرمایا: کہ دل اور دماغ میں جو بڑا فرق ہے
وہ یہ ہے کہ دماغ ہفت زبان ہے، دل ایک
زبان رکھتا ہے، دماغ انگریزی جانتا ہے، دماغ
فرانسیسی جانتا ہے، دماغ عربی جانتا ہے، دماغ
فارسی جانتا ہے، سنسکرت جانتا ہے ——
اعلیٰ سے اعلیٰ تقریریں کرو، لطیف نکتہ پیدا کرو،
بلند سے بلند فلسفیانہ بحثیں کرو، لیکن دل ایک ہی

زبان جانتا ہے، انصاف کی زبان جانتا ہے اور محبت کی زبان جانتا ہے، دل فلسفوں سے نہیں سمجھے گا باریکیوں سے نہیں سمجھے گا، سائنس سے منطق سے نہیں سمجھے گا۔ ہاں خدا کا نام لو تو دل جاگ اٹھے گا۔ خدا کے نام سے پکارو دل دوڑ پڑے گا۔ خدا کے نام کی دہائی دو دل سب کچھ نچھاور کر دیگا۔ دل کو جگالینے اور دل کو ایک مرتبہ خیر کے راستہ پر ڈال دینے اور اس کے ساتھ دل میں انسان کی بھی محبت پیدا کر لینے کے بعد پھر کسی خیر کی کمی کا احساس نہ ہوگا۔ نہ وسائل کی، نہ لطافت کی نہ تنظیم کی نہ دولت کی۔

اہل قلوب کی تاثیر و برکت

فرمایا: میرا یہ اعتقاد ہے، اور تھوڑا بہت مطالعہ بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ جہاں کہیں جو کچھ دین کا کام ہوا ہے وہ تو اہل قلوب نے کیا ہے یا اہل قلوب کے سایہ میں ان کی دعاؤں سے ہوا ہے، اہل قلوب کی دعا اور آہ سحر گاہی کی تاثیر و برکت ہے۔ دین کا نظام اور اس کا فروغ اہل اللہ کے قلوب سے وابستہ ہے۔

تصوف کیا ہے؟

ایک مجلس میں فرمایا:

تصوف کا لب لباب اور خلاصہ یہی ہے کہ جو کچھ ہم صبح سے شام تک کرتے رہے ہیں بغیر کسی نیت کے اور بغیر کسی احتساب کے وہ ہم احتساب اور نیت کے ساتھ کرنے لگیں، ہمارے اندر اصلیت پیدا ہو جائے اور اس کی اہمیت پیدا ہو جائے، گویا نمک ہے، مگر اس میں نمکینی نہیں ہے، شکر ہے مگر اس میں مٹھاس نہیں ہے، پانی ہے مگر اس کے اندر پیاس بجھانے کی صلاحیت نہیں ہے، یہ صلاحیت پیدا ہو جائے۔

توکل

اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل ـــــ کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایا:

قرآن سے معلوم ہوتا ہے (اور تجربہ بھی بتاتا ہے) امر بالصلوٰۃ اور اس پر محافظت اور استقامت سے اللہ کے یہاں رزق کا استحقاق پیدا ہو جاتا ہے جس کا مطلب یہ نکلا کہ داعی کو اللہ تبارک و تعالیٰ انشاء اللہ بے یار و مددگار اور فاقہ کش کبھی نہیں رکھے گا۔ بلکہ اس کے طفیل میں ہزاروں آدمی کھائیں گے، ایک شیر شکار کرتا ہے اس کے طفیل میں جنگل کے سیکڑوں جانور کھاتے ہیں، حضرت نظام الدین اولیاؒ کا دسترخوان، اس عہد آخر میں مظاہر العلوم میں حضرت شیخ الحدیثؒ کا دسترخوان اور جن خوش قسمتوں نے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے دسترخوان کو دیکھا، وہ خوب جانتے ہیں کہ ایک شیر شکار کرتا تھا اور جنگل کے کتنے اس کے ہم جنس کھاتے تھے۔

بچوں سے!

ایک موقع پر ابتدائی درجات کے طلباء کی مناسبت سے فرمایا

بڑے تجربہ کی بات ہے کہ بچپن کا خیال حقیقت بن کر سامنے آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو بچپن کی معصومیت اتنی پسند ہے کہ اس وقت بچہ جو سوچتا ہے بعینہ اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی موقع پر پورا فرما دیتا ہے۔ اس لئے میں بچوں سے کہتا ہوں کہ تم اونچے سے اونچا ارادہ کرو اور اچھی سے اچھی تمنا و آرزو کرو تم یہ ارادہ کرو کہ اسلام کا نام روشن کروگے، اور اس کے سچے اور مخلص داعی بنوگے اور اللہ کے ولی اور مقبول بندے بنوگے۔

آج حیرت اور حسرت کا مقام ہے

ایک مجلس میں فرمایا:

جتنا علم بڑھتا جا رہا ہے اتنا ہی آنکھوں پر پردے اٹھتے جا رہے ہیں چنانچہ اطمینان کے بجائے حیرت اور مسرت کے بجائے حسرت ہونے لگتی ہے، یہی وجہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ "لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلاً ولبکیتم کثیراً" کہ تم جان لیتے جو مجھے معلوم ہے تو پھر تم ہنستے کم رونے زیادہ

غور کیجئے کہ ایک ضعیف اور بڑی عمر والے کی جوان اور صحتمند اولاد ہو بیٹے پوتے وغیرہ ہوں تو اس پر لوگ کیسے رشک کرتے ہیں کہ کتنا خوش نصیب ہے کہ اس کا سہارا ہے اور اس کو بھی دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ اس نے جو باغ لگایا تھا وہ پھل پھول رہا ہے۔ لیکن وہ اس وقت دل پکڑ کر رہ جاتا ہے جب دیکھتا ہے کہ ان میں ایک بھی اس کے مرتے ہوئے اس کے حلق میں پانی ٹپکانے کا روادار نہیں۔ آج یہی حالت ہماری ہوتی جا رہی ہے کہ اسلام جب اپنی اولاد پر نظر ڈالتا ہے تو کہتا ہے کہ بہت ہیں اگر کام کے ہوتے تو ان سے بہت کم بھی کافی تھے۔ یہ سب میرے ہی نام سے پکارے جاتے ہیں، اور میرے ہی کہلاتے ہیں، لیکن ان میں سے میرے کام کے تھوڑے ہیں" خدا کا شکر ہے کہ آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے اور عیب چھپے ہوتے ہیں۔ اگر پردہ اٹھ جائے تو آنکھیں دیکھیں کہ کمزوریوں کا، نقائص کا، عیوب کا اور گناہوں کا، بازار اور میلہ لگا ہوا ہے اور زرق برق لباسوں میں بہت سے جانور اور درندے ہیں۔

روزے

فرمایا: روزے دو ہیں ایک بڑا روزہ اور چھوٹا روزہ۔ بڑے روزے کا افطار جو حوض کوثر پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے انشاء اللہ ہوگا۔ اور یہ چھوٹا روزہ اس بڑے روزے کی مشق ہے، اس کے مفسدات کھانا پینا وغیرہ ہیں، جبکہ بڑے روزہ کا سب سے بڑا مفسد شرک ہے اور پھر مکروہات، معاصی اور خلاف شریعت وخلاف سنت امور ہیں۔

مدارس ومکاتب کے قیام کی ضرورت وافادیت

فرمایا: مدارس ومکاتب کا قیام ضروری چیز ہے عقیدہ اس سے درست ہوگا، دین سے واقفیت ہوگی، ضروری مسائل کا علم ہوگا۔ اور اس کے بغیر دین کے ختم ہوجانے کا اندیشہ ہے، جیسا کہ اسپین میں ہوا، ہندوستان میں بھی پورا نقشہ تیار ہے کہ اسے اسپین بنایا جائے۔ ان کا یہ منصوبہ ہے کہ ان کی دینی نسل کشی ہوجائے، کلچرز کو ختم کردیں، صرف نام اپنا رکھ سکیں کہ ہم مسلمان کی اولاد ہیں۔

صحبت کا کوئی بدل نہیں

فرمایا: صحبت کا کوئی بدل نہیں۔ اگر کوئی بدل ہوتا تو پھر صحابہ کرامؓ کو صحابہ نہ کہا جاتا۔ اولیاء اصفیاء کو کوئی خطاب دیا جاتا۔ کثرت عبادت اور ذکر وتسبیح میں تابعین میں بھی لوگ بہت بڑھ گئے تھے۔ لیکن کوئی صحابہ کے مقام ومرتبہ کو نہ پہونچ سکا۔ صحبت میں اللہ تعالیٰ نے بڑی تاثیر رکھی ہے۔ چند لمحوں میں اس سے جو فائدہ ہوتا ہے وہ کسی بڑی ذہانت سے مطالعہ سے بھی نہیں ہوتا۔ اسی سے حرارت، نورانیت اور اعتدال پیدا ہوتا ہے اور اسی سے کسی چیز کا اعتبار اور اس کی قدر وقیمت معلوم ہوتی ہے، جو نہ کتابوں میں ملتی ہے، نہ علم سے حاصل ہوتی ہے۔ گویا یہ ایک چراغ ہے۔ چراغ چراغ سے جلتا ہے۔

اہل اللہ کے یہاں حاضری کا فائدہ

ایک سوال کے جواب میں فرمایا:

بزرگوں کے یہاں حاضری کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی اپنے کو حقیر سمجھنے لگتا ہے۔ ان کی زندگی کو دیکھ کر اپنے حالات پر شرمندگی ہوتی ہے۔ اور ان کے اخلاق، عبادت، روحانیت کو دیکھ کر اپنے وجود سے شرم آنے لگتی ہے اور سارے عیوب وکمزوریاں نظر آجاتی ہیں۔

ایک موقع پر فرمایا: صحبت کی تاثیر کے واقعات تواتر سے ثابت ہیں۔

علماء سلف

فرمایا: پہلے علماء بزرگوں کی صحبت میں رہنا ضروری سمجھتے تھے اور ان سے استفادہ کرنا اپنے لئے مفید جانتے تھے۔ لیکن اب اس کا رواج اٹھ گیا۔ حتیٰ کہ طلباء اپنے اساتذہ کے پاس بھی نہیں بیٹھتے۔

اللہ کا ایک بڑا فضل اور انعام

فرمایا: جو کچھ مجھ پر اللہ نے فضل فرمایا اس میں چار چیزوں کو دخل ہے (۱) والد کا اخلاص۔ (۲) والدہ کی دعائیں، (۳) بھائی صاحب کی تربیت (۴) اور اساتذہ ومشائخ کی شفقت وتوجہ۔

اخلاص اور اخلاق

فرمایا: کہ اللہ کے ساتھ اخلاص اور لوگوں کے ساتھ اخلاق ضروری ہے۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اخلاق تو اہل اللہ کے یہاں ہوتے ہیں۔ اور فرماتے لوگ بزرگوں کے پاس کشف وکرامات دیکھنے آتے ہیں جبکہ بزرگوں کے پاس ان کے اخلاق دیکھنے آنا چاہیئے۔

معاشرہ کی بڑی خرابی

اکثر فرمایا کرتے تھے:

آج معاشرے کی بڑی خرابی اور اسکے بگاڑ کا سبب بدنیتی نہیں بے نیتی ہے، پھر حضرتؒ نے کوئٹہ کے ان صاحب کا واقعہ سنایا جنھوں نے روزہ افطار کرتے وقت یہ کہا تھا کہ ہم تو روزہ اس لئے رکھتے ہیں کہ جو مزہ افطار کے وقت ملتا ہے وہ اور کہیں نہیں ملتا۔

عقیدہ اور مقصد کی وحدت

ایک مجلس میں فرمایا:

عقیدہ کی وحدت، مقصد کی وحدت، اور محبت کی وحدت سے حیرت انگیز نتائج وجود میں آتے ہیں، مقصد اور عقیدہ ایسا ہو کہ رگ وریشہ میں سرایت کرگیا ہو، ذوق ومزاج بن گیا ہو۔ اور مقصد سے صرف وابستگی کافی نہیں۔ مقصد سے عشق ہو۔

حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک اصلاح وجہاد

فرمایا:

حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک ودعوت کے خاص موضوعات توحید خالص، اعلاء کلمۃ اللہ اور جذبۂ جہاد ہیں۔ اور فرمایا کہ حضرت سید صاحبؒ نے حضرت شاہ ولی اللہؒ کے کاموں کی تکمیل دعوت توحید، اشاعت سنت اور اعلاء کلمۃ اللہ کی عملی جد وجہد سے کی اور اس کے اثرات بہت

دور تک پھیلے، جس کا انگریز مصنفین نے کھل کر اعتراف کیا، اور انگریزوں کو جو خطرہ تھا وہ یہیں سے تھا۔ اسی لئے انھوں نے حضرت سید صاحب کی تحریک کے اثرات کو زائل کرنے کے لئے توحید خالص اور جذبۂ جہاد کو کم کرنے بلکہ ختم کرنے کے لئے بریلی کے احمد رضا خاں اور قادیان سے مرزا غلام احمد کو کھڑا کیا۔ مرزا غلام احمد تو خود کہا کرتے تھے میں انگریزوں کا خود کاشتہ پودا ہوں۔ ان واقعات سے یہ بات بھی معلوم ہوجاتی ہے کہ حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک کے کتنے غیر معمولی اثرات مرتب ہوئے تھے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے احسانات

اقبالؔ نے حضرت مجدد الف ثانی کے متعلق بالکل صحیح کہا تھا کہ ؎

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا اس کو خبردار

یہ انھیں کی کوششیں تھیں کہ ہندوستان کا رشتہ دین حجازی اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے کٹنے نہیں پایا اور وہ تہذیبی لحاظ سے برہمنیت اور فکری و اعتقادی لحاظ سے ویدانت کی گود میں جانے سے بچ گیا۔ اور اسلام و شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی تحویل میں رہا، اس کے پیچھے انھیں کا ہاتھ تھا جس نے اکبر کے تخت پر محی الدین اورنگ زیب عالمگیر جیسے غیور اور فقیہ بادشاہ کو بٹھایا جن کو شیخ علی طنطاوی نے سادس الخلفاء الراشدین لکھا ہے۔

پھر حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کی خدمات ہیں، جن کے ذریعہ ملک میں تجدید و احیاء دین کا زبردست کام ہوا۔ دار العلوم دیوبند مظاہر علوم اور ندوہ بلکہ یہاں کی کتاب و سنت کی تعلیم کی سبھی درسگاہیں اسی ایک چراغ سے روشن ہیں۔ ان سب کا سلسلۂ نسب شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کے اخلاف نامدار اور تلامذہ پر ختم ہوتا ہے۔

محبوبیت اور مقبولیت کا راز

فرمایا کہ نماز، تلاوت، روزہ، حج وغیرہ اور لوگ بھی کرتے ہیں لیکن اولیاء اللہ اونچے مراتب پر ان اعمال کو استحضار نیت، بیداری احتساب کے ساتھ کرنے کی وجہ سے فائز ہے۔ اور ممتاز و فائق ہوتے ہیں۔ وہ دنیوی امور کو بھی استحضار نیت اور احتساب کی وجہ سے دینی امور بنا لیتے ہیں۔ اور یہی چیز ان کی محبوبیت اور مقبولیت میں اضافہ کا باعث بنتی ہے۔

اخلاص اور حسن نیت ضائع نہیں جاتا

اکثر فرمایا کرتے تھے:

"کہ اس کا بار بار مشاہدہ ہے کہ مخلص کی محنت اکثر ضائع نہیں ہوتی، مخلص کا سفینہ بارہا گرداب میں پڑنے کے باوجود کہ ساحل کے تماشائی ہر لحظہ ڈرتے ہیں اب ڈوبا کہ تب ڈوبا کنارہ پر لگ جاتا ہے۔ اور غیر مخلص کا سفینہ ساحل پر پہنچتے پہنچتے ڈوب جاتا ہے، بارہا دیکھا ہے کہ ایک شخص کی شہرت کا آفتاب نصف النہار پر ہے اور اس کا پورا عہد اس کا کلمہ پڑھتا ہے پھر اس کی زندگی ہی میں یا اس کی زندگی کے بعد اس کا زوال شروع ہو جاتا ہے۔ اور کوئی ناقد ایسا پیدا ہو جاتا ہے جو گویا اس کی تنقید یا تشریح (پوسٹ مارٹم) کے لئے مامور ہے اور اس کی شہرت و قبولیت کا طلسم ٹوٹ جاتا ہے۔ اس کے مقابل ایک شخص گوشۂ نشیں گمنامی میں بیٹھ کر کا کرتا ہے اور اس کی زندگی تک اس کے کام کا چرچا نہیں ہوتا۔ اچانک ایسے اسباب پیدا ہوتے ہیں کہ اس کے بہائے ہوئے پسینہ کا ایک ایک قطرہ اس کے لئے آب حیات بن جاتا ہے۔ اور اس قبولیت کیلئے قدرت کی طرف سے ایسے سامان ہوتے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔

نیت کے اہتمام کی ضرورت

ہم نے مولانا الیاس صاحب کی حیات میں نظام الدین میں تقریر میں کہا تھا:

مسلمان بدنیت نہیں ہوتے لیکن بے نیت ہوتے ہیں۔ ہم میں سے بڑی تعداد ایسی ہے جو قرآن کو بغیر نیت کے پڑھتی ہے، اور ختم کر لیتی ہے۔ اور ایصال ثواب کر لیتی ہے" فرمایا: ہم نے حدیثوں میں نیت کے بارے میں پڑھا تھا لیکن سب سے پہلے مولانا الیاس صاحب سے ایمان و احتساب کا صحیح مفہوم معلوم ہوا۔ مولانا نے سب سے پہلے اس کی طرف توجہ دلائی کہ ایمان و احتساب کا مطلب اللہ کے وعدوں پر یقین اور ثواب کی لالچ میں کوئی کام کرنا ہے، ہم میں سے بہت سے لوگ کام کرتے ہیں لیکن اس میں نیت نہیں ہوتی وضو کرتے ہیں لیکن جیسا کہ حدیث میں آتا ہے جب ہاتھ دھوئے تو اس نیت سے کہ اس سے جو گناہ سرزد ہوتے ہیں وہ دور ہو گئے، جب چہرہ دھوئے اور کلی کرے تو اس کا استحضار کہ آنکھوں اور منہ سے جو گناہ ہوئے ہیں وہ پانی کے قطرہ کے ساتھ دھل جائیں گے، ایسے ہی مریض کی عیادت ہے، تعزیت ہے، تکلیف دہ چیز کو راستہ سے ہٹانا ہے، غریب کی مدد خندہ پیشانی سے ملنا کہ ان سب باتوں میں اللہ کی اور ثواب کا استحضار ہے اور اسکی نیت سے کی جائے

دو انسانی چہرے

فرمایا: کہ ۱۹۴۷ء کے مارکاٹ کے زمانہ میں کتنے آدمیوں نے اپنی اسلامی وضع قطع اس خطرہ سے تبدیل کردی کہ اس میں مسلمان سمجھ کر مارے جانے کا خطرہ تھا لیکن اس پر بھی ان کی جان بخشی نہ ہوئی۔ شاعر نے کہا ہے ؎

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم
نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

اس کے مقابل قوتِ ایمانی کا ایک پرانا واقعہ سنئے! نصیر بلوچی اور پنجاب کی سکھ حکومت کے درمیان ایک مرتبہ جنگ ہوئی۔ ایک موقع پر اس جنگ میں نصیر خاں زخمی ہو کر گھوڑے سے گرے دو سکھ سپاہی پاس سے گذرے ایک نے چاہا کہ کام تمام کردے۔ اس زمانہ کے بلوچی بڑے بڑے بال رکھتے تھے نصیر خاں کی بھی لٹیں تھیں۔ دوسرے سکھ نے کہا نہیں، نہیں یہ ہمارا بھائی ہے۔ اس کو نہ مارو، جنگ ختم ہوئی اور نصیر خاں بلوچی اپنے دارالحکومت پہونچا تو اس نے خود بھی اپنے بال ترشوائے، اور پوری قوم کو بال ترشوانے کا حکم دیا۔ اس نے کہا ان نحوس بالوں نے میرے مسلمان ہونے کے بارے میں شبہ پیدا کردیا اور میں شہادت سے محروم رہا۔

ایک وہ لوگ تھے، ایک یہ دونوں کے ذہنیتوں میں کتنا بڑا فرق ہے۔

دین اور سیاست

مختلف سیاسی لیڈر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جمع ہوگئے تھے، اور ادھر اُدھر کی باتیں کر رہے تھے، ایک دو روز قبل ہی سورج گرہن ہوا تھا اس کی طرف توجہ دلاتے ہوئے حضرت نے ان میں سے ایک سے کہا: سورج گرہن پورا تھا؟ انھوں نے کہا جی! پورا تھا۔ دوسرے نے تردید کی کہ یہاں نہیں الہ آباد میں پورا تھا۔ اس پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نصیحت آموز واقعہ سنایا، فرمایا:

پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی سورج گرہن ہوا تھا۔ اور اس دن ہوا تھا۔ جس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے کا انتقال ہوا تھا، لوگوں نے کہنا شروع کیا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے کا انتقال ہوا ہے اس لئے اتنا بڑا واقعہ ہوا! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً اس کی تردید کی اور فرمایا کہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، کسی کے موت وحیات سے اس کا تعلق نہیں۔ جب ایسا ہو تو مسجد جاؤ نماز پڑھو اور دعا کرو، اور صدقہ خیرات کرو اور اپنے گناہوں کی معافی چاہو۔ اگر پیغمبر کی جگہ کوئی اور ہوتا، کوئی لیڈر ہوتا تو کہتا کہ یہ کتنا اچھا موقع ہے، ہم نے کہا بھی نہیں اور لوگ نسبت اس کی ہماری طرف کر رہے ہیں اور یہ کہتا کہ تمہارا کہنا صحیح ہے۔ اسی وجہ سے یہ ہوا ہوگا۔ اور کچھ نہیں تو خاموش ہی رہتا، فرمایا: یہ فرق ہے پیغمبر میں اور لیڈر میں (

تعلیم و تبلیغ والوں کی ذمہ داریاں

فرمایا: سارے مسلمانوں کا گھروں سے نکل جانا اور دورہ اختیار کرنا نہ ممکن ہے اور نہ ضروری، لیکن اس کی ترغیب اور دعوت دی گئی ہے کہ ہر گروہ اور اسلامی مجموعہ ہی سے کسی تعداد کا نکلنا ممکن اور مطلوب ہے، اور اس کے دو مقصد ہونے چاہئیں۔ خود دین کی سمجھ حاصل کرنا۔ اس کے احکامات اور تعلیمات سے واقف ہونا اور واپسی پر اپنی جماعت کو اور تعلق والوں کو متنبہ اور بیدار کرنا۔ اور غلط عقیدہ اور بے عملی کے وبال کے نقصان سے آگاہ کرنا اور ڈرانا ہے اور یہ تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے۔ "وما کان المومنون لینفروا کافۃ فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون"

اس آیت میں اللہ کے راستہ میں باہر نکلنے والوں کے لئے (خواہ ان کا نکلنا دعوت کے کام سے ہو یا تعلیم کے مقصد سے) دو بنیادی مقاصد و فوائد بیان کردیئے گئے ہیں جن کے حصول اور جن پر عمل کرنا ضروری ہے، باہر نکلنے والوں کو اور دین کے خاطر اپنا وقت لگانے والوں کو اپنا محاسبہ کرنا چاہئے، کہ وہ ان دونوں مقاصد اور مطالبات پر کتنا عمل کر رہے ہیں اور ان کے دینی علم اور فرائض اور ذمہ داریوں کی معلومات میں کتنا اضافہ ہو رہا ہے اور دوسروں میں دین پہونچانے اور اشاعت کی کتنی کوشش ہو رہی ہے۔

قابل قدر حاکم

حاکم شارقہ کا استقبال کرتے ہوئے حضرت مولانا نے فرمایا: کہ ہم لوگوں کا تعلق ایک ایسے سلسلہ سے ہے اور ایک ایسے مکتب فکر سے ہے جس کا یہ پرانا مقولہ ہے "مبارک ہے وہ حاکم جو درویش کے دروازہ پر جائے۔ اور بہت نامبارک ہے وہ درویش جو کسی حاکم کا دروازہ کھٹکھٹائے۔

(تعمیر حیات ۱۰ رجون ۱۹۸۲ء)

ایک کام اصلاح رسوم کا بھی ہے

فرمایا: ایک کام اصلاح رسوم کا بھی ہے، میں

تبلیغ والوں سے کہتا ہوں کہ اسے نمبر نہ دیں، لیکن ذہن میں رکھیں۔ حسب موقع اس کی ترغیب دیتے رہیں۔ لوگوں کو توجہ دلاتے رہیں کہ شادی کا مسئلہ جہیز، لاٹری، جوا، رشوت، وغیرہ اور اس قسم کے دوسرے معاملات جن سے معاشرہ میں فساد پھیلتا ہے انھیں نہ ہونے دیں ان امور کی اصلاح کریں۔ تب آپ تبلیغ کا فریضہ صحیح طور پر انجام دے سکیں گے۔

تبلیغ کے معنیٰ اور طریقہ

فرمایا: مولانا الیاس صاحب اس پر بہت زور دیتے تھے کہ تبلیغ کے معنی ہیں دوسروں کو بات پہونچانا۔ اسی طرح آپ کا بات کرنے کا طریقہ ایسا ہونا چاہیئے کہ مخاطب کو احساس نہ ہو کہ اسے نو مسلم یا جاہل ان پڑھ سمجھ رہے ہیں اس کے لئے سلیقہ چاہیئے۔

اندلس (اسپین) میں دعوتی کام کی ضرورت

اندلس کا جو کہ اب اسپین (SPAIN) کے نام سے مشہور ہے تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا۔ سب سے زیادہ وہیں یہیں روحانیت محسوس ہوئی اور اب تک ہو رہی ہے۔ ڈاکٹر سعید رمضان نے بتایا کہ جب وہ وہاں گئے تھے، تو جگہ جگہ تلاوت قرآن کی آواز آتی تھی، جبکہ وہاں پڑھنے والا کوئی نہیں تھا۔ اسی لئے کہ کوئی مسلمان بچا ہی نہیں تھا۔ البتہ اب کام ہو رہا ہے، مجلس میں مولانا سید سلمان ندوی صاحب موجود تھے۔ ان سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم ان سے رابطہ رکھو، ہم تو کہتے ہیں کہ لوگ اسپینی زبان صرف اس لئے سیکھیں کہ وہاں جاکر دعوت کا کام کریں گے۔

فرمایا: جامع قرطبہ میں ایک کونے میں بولنے سے دوسرے کونے میں تکبیر آواز آتی تھی ہم نے زور سے پڑھا "جاء الحق وزهق الباطل إن الباطل كان زهوقا" گائیڈ نے سمجھا پتہ نہیں یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ اس نے روکا، لیکن ہم نے پورے زور سے کہدیا، فرمایا کہ انشاء اللہ یہ ہوگا (اب وقت آگیا ہے)

بغیر معاوضہ درس وافادہ

تنخواہ نہ لینے پر فرمایا: اکثر ہمارے تبلیغی اسفار رہتے تھے۔ ہم نے مولانا الیاس صاحب سے کہا سوچتا ہوں کہ بغیر معاوضہ کے پڑھاؤں مولانا نے فرمایا کہ ہمارے بڑوں کا یہ اصول نہیں رہا ہے۔ تنخواہ لینی چاہیئے۔ اس کے دوسرے فوائد ہیں، ہم ٹھہر گئے۔ ایک دن مولانا الیاس صاحب نے ہم کو بلایا، کہا: کتنا معاوضہ ہے ہم نے کہا پچاس روپئے، مولانا نے فرمایا، مولوی صاحب! ایسے ہزاروں پچاس روپئے آپ کے غلاموں پر قربان ہوں، چنانچہ پھر میں نے لینا چھوڑ دیا۔

مولانا عمران خاں صاحب کا ایک پُر لطف واقعہ

مولانا عمران خاں صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم (ندوہ) کے متعلق فرمایا کہ ندوہ کے چندہ کے سلسلہ میں گئے ہوئے تھے ایک صاحب ملے انھوں نے کہا مولانا آپ تو عالم ہیں، آپ لوگ جانتے ہیں کہ کسی ایسے کام کے لئے نکلتے ہیں تو صلوٰۃ الحاجۃ پڑھ لیا کرتے ہیں، وہ تو پڑھ لیجئے کام آسان ہوگا۔ مولانا نے فوراً کہا۔ اسی لئے تو اللہ نے آپ کو بھیجا ہے۔

توجہ کے فوائد اور اثرات

سلسلۂ گفتگو میں توجہ کے فوائد اور اس کے اثرات بتاتے ہوئے حضرت سید احمد شہیدؒ کی توجہ کی زیادہ تعریف کی، اور فرمایا کہ اعلیٰ توجہ وہ ہوتی ہے جس سے فرائض میں وابستگی پیدا ہونے لگے۔ نماز میں خاص لطف محسوس ہونے لگے۔ اور وہ توجہ جس سے کشف و کرامت اور خارق عادت احوال زیادہ پیش آنے لگیں وہ توجہ زیادہ معتبر نہیں۔

ریاضت ومجاہدہ میں زمانہ، حالات، استعداد کا لحاظ

اس استفسار پر کہ راہ طریقت میں جو تقلیل منام پر زور دیا جاتا ہے اور مشق کرائی جاتی ہے اس کی کیا حد ہے فرمایا: اسکی کوئی تحدید نہیں ہے، زمانہ، حالات، استعداد کے مطابق ایسا کراتے ہیں۔ پوری رات جاگنے کو کوئی نہیں کہتا۔ نہ ہی کتابوں میں ملتا ہے کہ اس کی تاکید ہو، ہاں کم سونے اور اخیر شب میں جاگنے اور تہجد پر زور ملتا ہے۔

معمولات کی پابندی

ایک موقع پر فرمایا: بقدر گنجائش معمولات کی پابندی کرتے رہنا چاہیئے۔ کہ اس سے قلب میں نورانیت اور کام میں برکت ہوتی ہے۔

دینی شعور

فرمایا: دینداری کے ساتھ دینی شعور کا ہونا بھی ضروری ہے۔

کچھ ذمہ داریاں

فرمایا: باپ اگر بیٹے سے بلاوجہ بھی ناراض ہوتا ہے تو بھی بیٹے کو نقصان پہونچتا ہے۔

فرمایا: اولیاء اللہ اور عالم ربانی کے

سلسلہ میں زبان خاموش رکھنی چاہیئے اور اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔ کہ انھیں تمہارے طرز عمل سے ذرا بھی تکلیف نہ پہونچے۔

اپنے ایک مسترشد سے فرمایا کہ اپنے لئے مستحبات کو بھی ضروری سمجھو اور دوسرے اگر فرائض کی ادائیگی کرلیں تو اس کو غنیمت جانو۔

فرمایا: زندگی ایسی ہونی چاہیئے جس سے دوسروں پر اثر پڑے، وہ دعوت اسلام کا کام دے، اعمال کے اعتبار سے بھی، عقائد، اخلاق، معاملات، کوششوں اور ارادوں کے اعتبار سے بھی، گو ہر طرح سے کہ وہ مشعل راہ بنے اور مقناطیسیت کا کام دے، جاذبیت ہونی چاہیئے۔

فرمایا: ہزار برس سے ہندو مسلم بھائی اس دیش میں رہتے ہیں، پڑوسی ہیں، دیوار سے دیوار ملی ہے، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ایک دوسرے کی ابتدائی باتیں بنیادی چیزیں بھی نہیں جانتے۔

اس کی ایک مثال دیتا ہوں۔ ایک مرتبہ میں ٹرین میں چند ساتھیوں کے ساتھ سفر کر رہا تھا، نماز کا وقت ہوا ہم نے جماعت سے نماز پڑھی۔ جب ہم نماز میں رکوع اور سجدہ میں جاتے ہیں، تو اللہ اکبر کہتے ہیں، ہمارے ساتھ سفر کرنے والے ایک ہندو بھائی نے جو پڑھے لکھے آفیسر تھے، نماز کے بعد پوچھا، "مولوی صاحب! آپ جب نماز پڑھتے تھے تو کیا اکبر بادشاہ کو یاد کرتے تھے"۔

ملک میں ہر جگہ مسجدیں ہیں، ہر وقت اذان، نماز میں اللہ اکبر کی آواز ہوتی ہوگی لیکن انھوں نے کبھی یہ خیال نہیں کیا کہ پوچھیں اللہ اکبر کا کیا مطلب ہے، اور نہ ہمیں خیال آیا کہ ہم انھیں بتائیں، کتنی فکر اور افسوس کی بات ہے کہ ہم اتنے قریب رہتے ہوئے بھی ایک دوسرے کی ابتدائی باتیں اور بنیادی چیزیں نہ جان سکیں۔

اس استفسار پر کہ رمضان کے کچھ ایام حرمین شریفین میں، کچھ ہندوستان میں گذارنے پر چاند کے فرق کی وجہ سے کمی یا زیادتی ہوجایا کرتی ہے۔ اس صورت میں آپ کا معمول کیا ہے، فرمایا کہ ہم کو روزوں کی تعداد نہیں بتائی گئی، ہمیں حکم یہ دیا گیا ہے کہ جب رمضان کا چاند دیکھیں تو روزے رکھنے شروع کردیں اور شوال کا چاند دیکھیں تو روزے رکھنا بند کردیں اب وہ ۲۸ کے ہوں یا ۳۱ کے۔

عقیدہ ختم نبوت

فرمایا:

علامہ اقبال نے بڑی گہری بات کہی ہے جوان کی سطح سے بلند ہے۔ انھوں نے کیا کہا اللہ نے کہلوائی۔

وہ یہاں لکھتے ہیں۔

" دین و شریعت کی بقاء و دوام کتاب و سنت سے وابستہ و مربوط ہے جب تک کتاب و سنت باقی ہیں، دین و شریعت باقی اور محفوظ ہیں۔ لیکن امت کی بقاء اور وحدت ختم نبوت کے عقیدہ سے وابستہ ہے جب تک ختم نبوت کا عقیدہ ہے، یہ امت امتِ واحدہ کی حیثیت سے باقی ہے۔

زندگی کیسی ہو

فرمایا:

زندگی ایسی گذارنی چاہیئے کہ جو دوسروں کے لئے مشعل راہ بنے اور دعوت اسلام کا کام دے۔ مقناطیسیت، جاذبیت ہونی چاہیئے جو افراد کو بھی کھینچے، معاشرہ کو بھی، جب جب ایسا ہوا تو انقلاب آیا۔ اور اسلام کو بڑا فروغ ہوا۔ خواجہ معین الدین چشتیؒ اجمیر آئے اور لاکھوں کی تعداد میں لوگ مسلمان ہوئے۔ سید علی ہمدانی کشمیر گئے وہاں کی اکثریت نے اسلام قبول کیا اسی طرح حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے رفقاء کو دیکھ لیجئے۔ جہاں سے گذر گئے وہاں ہدایت پھیلی اور بڑی بڑی تعداد میں لوگ تائب ہوئے۔

آخر میں جناب محمد حسن انصاری صاحب کے جمع کردہ ملفوظات سے ایک انتخاب پیش کیا جاتا ہے جو انھوں نے اپنی کتاب "حضرت مولانا ندوی حیات کارنامے اور ملفوظات" میں درج کئے ہیں۔ یہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کے ہندی زبان میں خاص مترجم ہیں اور حضرتؒ کا اعتماد رکھتے تھے، اور اسی انتخاب پر ہم اپنے اس مضمون کو ختم کرتے ہیں۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و الیہ انیب،

بیکاری زیادہ تر خرابیوں کی جڑ ہے

فرمایا: بیکار رہنا خصوصًا نوجوانوں کیلئے زیادہ تر خرابیوں کی جڑ ہے، میری سمجھ میں نہیں آتا لوگ کیسے بیکار بیٹھ کر وقت برباد کرتے ہیں، مولانا عبدالماجد دریا آبادی مرحوم وقت کی بڑی قدر کرتے تھے۔ ان کا ادھر کچھ برسوں سے یہ معمول بن گیا تھا، کام کی خاطر ایک وقت کا کھانا ترک کردیا تھا، مجھے جب کبھی ان کے یہاں حاضری کا موقع ملتا اور پہلے سے پروگرام متعین ہوجاتا تو وقت معینہ سے چار چھ دن پہلے اپنے کام کی رفتار اور کام کرنے کا وقت کچھ بڑھا دیتے اور اس طرح وقت

مقرر آتے پندرہ بیس منٹ روزانہ زیادہ کام کرکے وہ اتنا وقت بچا رکھتے جو میری ملاقات میں صرف ہوتا۔ عام طور سے ملاقات کے ایک کاغذ پر پہلے سے نوٹ کی ہوئی کچھ باتیں ہوتیں کچھ کتابوں کے حوالہ دیتے، یہ سلسلہ دو طرح کی ہوتی ایک سے وہ خود استفادہ فرماتے دوسری میرے استفادہ کیلئے ہوتی اس طرح استاد اور شاگرد دونوں کا کام بیک وقت کرتے

علاقائی زبانوں کی طرف توجہ کی ضرورت

فرمایا۔ "اس تحتی براعظم میں اسلام کی اشاعت کے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ اسلامی لٹریچر کے تراجم علاقائی زبانوں میں کئے جائیں۔ یہ ہمارے اوپر ایک اہم ذمہ داری ہے اور اس کے لئے ہندو پاک کا دانشور طبقہ جواب دہ ہوگا ضرورت ہے کہ مراٹھی، تمل تیلگو، بنگالی وغیرہ علاقائی زبانوں میں اسلامی لٹریچر کے ترجمہ کا ایک باقاعدہ پروگرام مرتب کرکے اس کے تحت یہ جلد سے جلد شروع کیا جائے، شمالی ہند میں سب سے زیادہ ضرورت ہندی ترجموں کی ہے مگر زبان ایسی ہو جس میں رس ہو وہ رس جو پریم چند کی ہندوستانی زبان میں ملتا ہے۔"

حجاز مقدس سے قلبی تعلق ہونا چاہیئے

فرمایا: عرب کی مقدس سرزمین کا احترام لازم ہے، سید احمد شہیدؒ جب حجاز مقدس گئے اور دور وہ سرزمین نظر آئی تو آپ نے دو رکعت شکرانہ کی نماز پڑھی، حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ فرماتے تھے، جسم ہندوستان میں ہو اور دل حجاز مقدس میں، یہ کیفیت اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ جسم حجاز مقدس میں ہو اور دل ہندوستان میں!

ایک بزرگ نے ایک شب خواب میں دیکھا کہ جنت البقیع سے کچھ نعشیں دوسری جگہ منتقل کی جارہی ہیں اور کچھ دوسری جگہ سے وہاں لائی جارہی ہیں، ان کو فکر ہوئی کہ یہ کیا بات ہے۔ تو خواب میں آپ کو بتایا گیا کہ لوگ یہاں سے لے جائے جارہے ہیں ان کے جسم یہاں ضرور تھے مگر ان کے دل یہاں سے دور کہیں اور تھے، اور جو لوگ یہاں لائے جارہے ہیں وہ یہاں سے دور ضرور تھے مگر ان کے دل حجاز مقدس میں ہی لگے رہتے تھے۔

اپنے معائب اور دوسروں کے محاسن سامنے ہونے چاہئیں

فرمایا" انسان کو اپنے بارے میں "بدبین" اور دوسروں کے بارے میں "خوب بین" ہونا چاہیئے۔ یعنی اپنی برائی اور دوسروں کی اچھائی پر نظر ہونی چاہیئے۔ مگر آج کل معاملہ اس کے برعکس ہے ہم اپنی اچھائی اور دوسروں کی برائی پر نظر رکھتے ہیں۔ اور یہی صورتِ حال سارے فتنہ کی جڑ ہے۔

شئی کی حقیقت دیکھنی چاہیئے

فرمایا "حضرت علیؓ کا قول ہے کہ یہ نہ دیکھو کہ کس نے کہا ہے، یہ دیکھو کیا کہا ہے۔ مگر آج جماعتی عصبیت کا یہ حال ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ دیکھو کہ کس نے کہا ہے، یہ نہ دیکھو کہ کیا کہا ہے۔"

ذکر کا موثر طریقہ

ایک صاحب نے پوچھا "حضرت دل میں اللہ کی یاد کس طرح بٹھائیں؟" فرمایا " میں ابھی آپ کو بتا دیتا ہوں!! اطمینان سے بیٹھ کر بغیر زور ڈالے ہوئے تسبیح کی دانوں کو انگلی سے اوپر بڑھائیں اور دل میں "اللہ" کہیں اس طرح جس طرح گھڑی کی سوئی چلتی ہے کہ اس میں کوک بھری ہوتی ہے اور وہ اپنا کام بغیر کوئی زور و طاقت کے کرتی رہتی ہے۔ دراصل مومن کے قلب میں اللہ تعالیٰ کی یاد کی کوک پہلے سے بھری ہے اب ضرورت ہے کہ قلب کی سوئی اپنا کام کر[ے] نقشبندی طریقہ یہی ہے۔

دعوت کے دو طریقے

فرمایا" داعی کے لئے دعوت تبلیغ کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ ایمان کرسی تک پہونچ جائے یعنی ایمان والے برسرِ اقتدار آجائیں۔ دوسرا یہ کہ کرسی ایمان تک پہنچ جائے، شیخ جمال الدین ایرانی نے دوسرا طریقہ اپنایا تھا، (اس کے بعد حضرت مولانا نے تغلق تیمور کی تخت نشینی کا واقعہ سنایا، اور یہ کہ کس طرح پوری تاتاری قوم مشرف بہ اسلام ہوئی۔) آج کے دور کے لئے بھی یہی طریقہ کا[ر] مناسب ہے۔

تواضع، تشکر اور اخلاص کا باہمی ربط

فرمایا "حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی س[ب سے] نمایاں خصوصیت ان کا دینی جذبہ اور اخلاص [تھا] بزرگانِ دین کے یہاں تواضع واحسان مندی، [تشکر] اور اعتراف کی کثرت ہوتی ہے، احسان مندی [بڑی] اہم بات ہے۔ انسان کو اس کا اعتراف کرنا چا[ہیئے] بھلے ہی احسان تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔ انسانی اخلاق بنانے میں یہ بات بڑی اہم ہے۔ بزرگوں کا اح[سان] مشائخ کا احسان، استاد کا احسان، والدین کا [احسان] تعلق والوں کا احسان، دوست واحباب [و] ش[ناسا] کا احسان۔

حضرت شاہ علم اللہ کا اتباع سنت اور ز[ہد]

حضرت مولاناؒ نے فرمایا " شاہ علم اللہ ص[احب]

نام سے یہ بستی موسوم ہے زہد و اتباع سنت
میں ممتاز تھے، عالمگیرؒ نے ایک شب خواب
میں دیکھا کہ حضورؐ کا وصال ہوگیا۔ بادشاہ نے
کہا یہ تاریخ نوٹ کر لو اور معلوم کرو کہ اس کی
تعبیر کیا ہے؟ معلوم کیا گیا تو پتہ چلا کہ اسی
شب شاہ علم اللہ کا انتقال ہوا تھا۔

فرمایا "شاہ علم اللہ کے زہد کا یہ حال تھا کہ
ہم لوگوں کے بچپن میں جب کسی گھر میں کھانے
کو کچھ نہ ہوتا تھا تو بچوں کو بتایا گیا تھا یہ نہ کہنا
کہ کچھ نہیں ہے، بلکہ ہم لوگ یہ کہتے تھے آج ہمارے
گھر پر شاہ علم اللہ مہمان ہیں گویا ان کا زہد
ضرب المثل بن گیا تھا۔

بات کم کرنے کی ترغیب

فرمایا "بات کرنے سے دل، دماغ اور اعصاب
تینوں کی قوت خرچ ہوتی ہے اور یہ تینوں متأثر
ہوتے ہیں اس سے روحانیت کم ہوتی ہے
اسی لئے خانقاہوں میں بات کم کرنے کی ترغیب
دی جاتی ہے، حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ
فرماتے تھے "یہاں آؤ جتنا ہو کھاؤ اور رہو مگر
باتیں کم کرو۔"

خیر اور شر یکجا نہیں ہوسکتے

فرمایا، بھائیو! خیر و شر دو متضاد چیزیں
ہیں اور یکجا نہیں ہوسکتے، مسلمان کا تعلق خیر
سے ہے شر سے نہیں، اگر کمہار کے برتنوں کو کوئی
دیدہ و دانستہ روندنے لگے تو کمہار یقیناً روندنے
والے کی خوب خبر لے گا۔ یہی معاملہ خدا کا مخلوق
کے ساتھ ہے۔

خدا کی مخلوق اس کے برتن ہیں اب اگر ہم
اپنے شر سے اس کو نقصان پہونچاتے ہیں
تو باوجود اس کے کہ غفاری اس کی سنت ہے
خدا کے قہر کا ہم کو سامنا کرنا ہوگا، پیغمبر آخر الزماں
محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کو خیر کا
پیغام دیا، اللہ کا پیغام جب اس کے آخری
رسولؐ کے ذریعہ ہم تک پہونچ گیا تو ہماری
ذمہ داری ہوتی ہے کہ دنیا کو فسادات کی
زد سے بچائیں۔

چار صفات مطلوب ہیں

لاہور کے ایک جلسہ میں مولانا داؤد غزنوی
اور مولانا عطاء اللہ حنیف کے کہنے پر تقریر
فرماتے ہوئے کہا کہ اہل حدیث کے لئے چار
چیزیں ضروری ہیں (۱) عقیدۂ توحید خالص
(۲) اتباع سنت خالص (۳) نسبت مع اللہ
خالص، (۴) جذبۂ جہاد۔

دعوت دین:- اندلس کا ذکر کرتے ہوئے
فرمایا کہ جب میں اندلس گیا تو ایسا معلوم ہوتا تھا
کہ روحیں لپٹ رہی ہیں۔ اور کیوں نہ ہو
بڑے بڑے اولیاء اور مشائخ اس سرزمین پر
پیدا ہوئے اور مدفون ہیں۔ لیکن بڑے افسوس
کی بات ہے کہ ہمارے اداروں اور علماء کو بالکل
اس کی فکر نہیں کہ اندلس میں اسلام کا کام ہو
اور چند آدمی بھی ایسے نہیں کہ جو اسپینی زبان
سیکھ کر وہاں جاکر پڑھائیں، اسپین کے
بات بڑی ہے ترکی جاننے والے نہیں دو چار
نہیں ملتے۔

آخری بات:- حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس علم
و حیا کی مجلس ہوتی اور اس میں کسی فرد یا جماعت
پر تنقیداً اشارے کنائے میں بھی نہ ہوتی حتیٰ کہ ان
لوگوں کا بھی ذکر نہ ہوتا جو حضرت والا کے خلاف
مسلسل مضامین لکھتے اور تنقید کرتے۔ مثبت
اصولی اور دعوتی و تربیتی باتیں ہوتیں، امت مسلمہ کی
فکر، اس کے دینی تشخص کے بقاء و تحفظ کی
تدبیروں کا ذکر اور اپنے عقائد و اعمال و اخلاق
اور معاملات کو درست کرنے اور عبادات کے
اہتمام کی ترغیب، مدارس کے قیام پر زور،
اسلاف کرام و اصحاب دعوت و عزیمت مجددین
و مصلحین امت اور مجاہدین اسلام کا ذکر
احسان شناسی و شکر گذاری کے انداز میں ذکر
ہوتا۔ ان محسنوں کے ساتھ حسن ظن سے کام لینے بلکہ
ان کے لئے دعائے مغفرت کے اہتمام کی ترغیب
و تلقین فرماتے خود بھی عملاً طلباء کے سامنے
ترحم کے الفاظ کہتے اور دعائے مغفرت کے جملے
ارشاد فرماتے۔ ان مجالس میں طلبہ ہوتے تو ان پر زور
دیتے کہ اللہ کے ساتھ اخلاص کا معاملہ رکھیں اور
دینی علوم میں اختصاص پیدا کریں زہد و تقشف اور
ایثار و قربانی کی زندگی اختیار کریں، کثرت سے
دینی مدارس قائم کریں کہ یہ وقت کا سب سے
بڑا جہاد ہے کسی حال میں بھی سرکاری امداد نہ قبول
کریں، غیر مسلموں کو اسلام سے قریب اور مانوس کریں
علماء اور مدرسین ہوتے تو ان پر زور دیتے کہ
دعوتی اور تدریسی کام کو عبادت سمجھ کر انجام دیں
یہی ان کے لئے روحانی ترقی اور تقرب الٰہی کا ذریعہ
ہے، تاجروں اور ملازمین پر زور دیتے کہ عقائد درست
رکھیں نماز کا اہتمام کریں جو کام بھی کریں اس میں
رضائے الٰہی کی نیت کریں، شرک و بدعات
سے دور رہیں۔ اپنے بچوں کی دینی تعلیم و تربیت
کی فکر کریں غیر اسلامی رسوم و رواج سے پرہیز
کریں، شادی بیاہ کی تقریبات میں سادگی سے
اور سنت کے مطابق انجام دیں۔ وراثت میں شریعت
کے مطابق حصہ دیں۔ یہ باتیں ایسی دلسوزی
اور درد سے فرماتے کہ شرکائے مجلس بھی متأثر ہوتے
اور کچھ کرنے کا جذبہ انگڑائی لینے لگتا، پوری انسانیت
کی فکر دامن گیر اور اپنے وجود سے شرم آنے لگتی۔

مردِ مومن کا آخری سفر

روایت:
حاجی عبدالرزاق (خادم خاص)
مولوی سید بلال حسنی ندوی
مولوی سید محمود حسنی ندوی
ترتیب: مولانا نذر الحفیظ ندوی

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا معمول تھا کہ تہجد سے قبل بیدار ہو جاتے، استنجا، اور وضو سے فارغ ہو کر نوافل کی نیت باندھ لیتے۔ کبھی چار، کبھی چھ، کبھی آٹھ رکعت پڑھتے، اس رمضان میں نوافل کا اہتمام بہت بڑھ گیا تھا، سحری ختم ہونے سے دس منٹ قبل سحری کھاتے، اس کے بعد کبھی تو ہاتھ اٹھا کر اور کبھی بغیر ہاتھ اٹھائے دعا فرماتے، اذان کے بعد فجر کی سنت پھر فرض کے بعد منزل پڑھتے اور لیٹ جاتے۔ آخری عشرہ میں فجر بعد جو لوگ واپس ہوتے وہ مصافحہ کے لئے حاضر ہوتے، ان کو لیٹے لیٹے رخصت فرماتے اور دعائیہ کلمات کہتے۔ رمضان کے دنوں میں کوشش فرماتے کہ ساڑھے نو بجے اٹھ جائیں۔ استنجا، اور وضو سے فارغ ہو کر دو رکعت نفل پڑھتے، پھر قرآن شریف کم از کم آدھا پارہ ورنہ عام طور پر ایک پارہ تلاوت فرماتے۔ ادھر کچھ عرصہ سے یہ معمول ہو گیا تھا کہ قرآن پاک کی تلاوت کے بعد صبح کو متن بخاری شریف سماعت فرماتے قیام لکھنؤ میں مولوی سید عبداللہ حسنی اور رائے بریلی میں مولوی سید بلال حسنی کو قرأت کا شرف حاصل ہوتا، پھر لکھنے لکھانے اور تصنیف و تالیف کا کام شروع ہو جاتا، والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی صاحبؒ کے مرتب کردہ مجموعہ احادیث "تہذیب الاخلاق" کو بھی مطالعہ میں رکھنے لگے تھے۔ اس کے بعد سورہ یٰسین روزانہ گیارہ مرتبہ اور جمعرات کے دن تیرہ بار تلاوت فرما کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر اس وقت تک کے تمام مجددین و مصلحین، مجاہدین اور اصحابِ دعوت و عزیمت، ربانی و حقانی علماء، اور اپنے اساتذہ اور محسنوں، اور عزیز و اقارب اور عام مسلمانوں کو ایصال ثواب کرتے، اس معمول میں کچھ کمی رہ جاتی تو عصر سے کچھ قبل یا بعد مغرب اس کی تکمیل فرماتے، عام طور پر ان معمولات میں ناغہ نہیں ہوتا تھا، عصر بعد کی مجلس میں بھی زیر لب کچھ پڑھتے رہتے، مغرب بعد اوّابین سے فراغت پر سورۂ فتح پابندی سے پڑھتے سفر میں سورۂ فتح عام طور سے اوّابین سے پہلے اور بسا اوقات مغرب سے کچھ پہلے تلاوت کر لیتے۔ اسفار میں جس شہر اور بستی سے گذرتے وہاں کے مدفون مسلمانوں کے لئے ایصال ثواب کا اہتمام فرماتے۔

جان لیوا مرض سے سنبھالا لینے کے بعد اہل تعلق کا یہ تأثر تھا کہ یہ عارضی صحت ہے، کسی وقت بھی یہ دولت بے بہا ہم سے چھن سکتی ہے۔ خود حضرت والا بھی اس طرح کے جملے بڑے درد و کرب سے مختلف اوقات میں فرماتے تھے اللّٰھم لقائك، کبھی فرماتے، اب ہم بھی چلے، خدایا عاقبت محمود کر دی، کبھی فرماتے اے اللہ اب تو بلا لے، اس معذوری کے ساتھ کب تک؟ ایک خادم سے مختلف وقتوں میں فرمایا تم پر کام کا بوجھ بہت ڈال دیتے ہیں بس کچھ ہی دن تک ہے۔ کبھی فرماتے۔ اب ہم بھی چلے۔ بس کچھ دن اور، کچھ دن اور۔

شعبان کا آغاز ہوتے ہی یہ سوال خدام اور حضرت کے معالجین کے درمیان گردش کرنے لگا کہ رمضان کا مہینہ کہاں گذرے گا ڈاکٹروں نے اصرار کیا کہ ندوہ میں گذرے، آخر میں حضرت والا کے انشراح اور مرضی پر چھوڑ دیا گیا۔

حضرت نے فرمایا کہ رمضان سے قبل رائے بریلی جانا ہے۔ چنانچہ ۲۷ شعبان کو تشریف لائے، ۲۸ کو قیام کر کے خلاف معمول مولوی سید بلال حسنی سے فرمایا کہ مجھے مسجد لے چلو، مسجد کے صحن میں جانماز بچھا دی گئی، دو رکعت نماز ادا کی، پھر مسجد کے اندرونی حصے میں تشریف لے گئے، وہاں بھی دو رکعت نماز ادا کی، پھر فرمایا کہ ندی کی طرف لے چلو، چنانچہ جہاں نئے زینے ہیں وہاں کھڑے ہو کر چاروں طرف دیکھا۔ فرمایا ماشاء اللہ، ماشاء اللہ اس کے بعد فرمایا کہ مسجد کی پشت پر لے چلو، جہاں سید صاحب کے زمانہ کا ایک پتھر رکھا ہوا ہے۔ تکان کے خیال سے یہ فرمائش نہیں پوری کی گئی۔ مسجد سے نکلتے وقت سامنے ہی شاہ علم اللہؒ کا روضہ ہے جہاں محبوب والدین اور بھائی بہن کے علاوہ بھی گنجہائے گرانمایہ دفن ہیں۔ وہیں زینے کے پاس ٹیک لگا کر کھڑے کھڑے دیر تک ایصال ثواب کرتے رہے۔ وہاں سے واپسی پر تکان کے باوجود گھر کے اندر تشریف لے گئے جہاں گھر کی تمام مستورات جمع تھیں، مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب بھی موجود تھے پندرہ منٹ کے بعد گھر سے واپس بنگلہ پر تشریف لے آئے۔ بعد نماز ظہر آرام کر کے اول وقت عصر

ی نماز پڑھی، پھر گھر تشریف لے جاکر ملاقات
ی اور لکھنؤ روانہ ہوگئے۔

پہلا روزہ شروع ہوا تو فرمایا کہ معلوم نہیں
پورا رمضان ملتا ہے یا نہیں۔ اے اللہ! تو پورے
رمضان کی برکتوں سے نواز دے۔ اور فرمایا کہ
جو ہم دوائیں نہ کرسکیں وہ رمضان نے کردیا۔

وطن میں آخری عشرہ گذارنے کے
بارے میں حضرت والا نے اپنے معالجوں سے
اجازت لے لی تھی۔ ڈاکٹر نظر، ڈاکٹر عبدالمعبود
خاں، ڈاکٹر سید قمر الدین اور ڈاکٹر کرنل شمسی
اس مشورہ میں شریک تھے۔

۲۰ رمضان ۱۴۲۰ھ ۲۹ دسمبر ۱۹۹۹ء کو رائے بریلی
ایک بڑے قافلہ کے ساتھ روانگی ہوئی۔ یہاں
معتکفین سے مسجد بھر گئی پہلے دن حضرت
والا نے دریافت فرمایا کہ مسجد میں کتنے لوگ
ہیں۔ مولوی سید بلال حسنی نے عرض کیا کہ
مسجد بھر گئی ہے۔ فرمایا! "بانی کا اخلاص ہے۔"
آخری شب تراویح کے بعد ساڑھے نو بجے
مجلس میں معمول کے مطابق تشریف فرما مختلف سوالات
کے جوابات دیئے، دمشق سے چھپ کر حضرت
والا کی جو تصنیفات آئی تھیں ان کو دیکھ کر فرمایا
کہ یہ اللہ تعالیٰ نے لکھوائی ہیں۔ ایک خادم
نے جو باہر کے دورے سے حاضر ہوئے تھے، حضرت
کو یہ اطلاع دی کہ ایک صاحب خیر نے ۲۴ ہزار
ڈالر ترکی کے ایک ناشر اور مترجم کو دیئے ہیں کہ
وہ حضرت کی تمام تصنیفات شائع کرکے ترکوں
میں مفت تقسیم کریں۔ تو اس خبر پر بڑی مسرت
کا اظہار فرمایا۔ مجلس میں "العاقبۃ للمتقین" سے
متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ عاقبت مذموم بھی
ہوتی ہے اور محمود بھی، آخر میں استفسار فرمایا
کہ کیا کل جمعۃ الوداع ہے؟

وصال کے دن بھی مذکورہ بالا روزانہ
کے تمام معمولات پورے فرمائے۔ ساڑھے نو بجے
بیدار ہوکر استنجا کر گئے، وضو کے بعد نوافل پڑھے
پھر قرآن شریف کی تلاوت کی، سجدہ تلاوت بھی
کیا، لکھنؤ میں قرآن مجید ختم کر چکے تھے، تیرھواں
پارہ آخری دن پڑھا، مولوی سید جعفر مسعود
حسنی خدمت میں حاضر ہوئے اور تکیہ تشریف
آوری پر اہل تکیہ کی مسرت اور شادمانی کا ذکر کیا
اور عرض کیا کہ آپ تشریف لاتے ہیں تو بہار
آجاتی ہے، فرمایا کہ یہ تکیہ کی خصوصیت ہے
جو (انشاء اللہ) باقی رہے گی۔ تھوڑی دیر بعد لکھنؤ
سے ڈاکٹر عبدالمعبود خان بھی حاضر ہوگئے، حضرت
نے فرمایا کہ اتنی سخت سردی میں آپ آگئے، انھوں
نے عرض کیا کہ حضرت سے وعدہ کیا تھا، یہ بھی کہا
کہ ہم اپنے ساتھ آکسیجن اور مانیٹر بھی لائے ہیں
تاکہ حضرت کو کوئی زحمت نہ ہو، یہ سن کر حضرت
مسکرا دیئے۔ بھائی صابر جو برسوں سے حضرت کا
خط بناتے آئے تھے ان سے خط بنوایا، اس کے
بعد نہانے کی تیاری کی، بھائی ذکاء اللہ خاں صاحب
اندوری راوی ہیں: غسل خانہ جانے سے پہلے
سوال کیا کہ کیا آج ۲۲ رمضان ہے۔ پھر فرمایا
کہ کیا نماز جمعہ ۱۵ منٹ تاخیر سے ہوسکتی ہے؟
بھائی عبدالرزاق نے عرض کیا کہ آپ فرمائیں تو
تاخیر سے نماز ہوگی، ساڑھے گیارہ بجے غسل کے
لئے تشریف لے گئے، پندرہ منٹ بعد غسل سے
فارغ ہوکر آگئے۔ کپڑے زیب تن کئے، شیروانی
کے بٹن مولوی سید بلال حسنی نے لگائے۔ فرمایا
کہ تم لوگ تیار ہوجاؤ، نماز میں پندرہ منٹ
تاخیر کرادو، فرمایا کہ اب ہم سورہ کہف پڑھیں
گے۔ (اس سورہ کے پڑھنے کا معمول آٹھ سال کی
عمر سے تھا) یہ فرماکر بستر پر بیٹھ گئے، لیکن بجائے
سورہ کہف پڑھنے کے سورہ یٰسین پڑھنے
لگے، دس بارہ آیتیں ہوئی ہوں گی کہ زبان رک
گئی، (یہ آیت فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ
تھی جیسا کہ حاضر الوقت خدام نے بتایا) جس
طرح بیٹھے تھے اس سے تھوڑا پیچھے کی طرف جھک
گئے، مولوی بلال حسنی نے سر کو اور خادم خاص
بھائی عبدالرزاق نے پاؤں کو اٹھا کر تخت پر لٹادیا،
ڈاکٹر سید قمر الدین اور ڈاکٹر عبدالمعبود خاں
قریب ہی تھے، آکسیجن لگائی گئی۔ انجکشن جب
رگوں میں نہیں لگ سکے تو کولہے میں لگائے گئے،
ڈاکٹر قمر الدین صاحب نے ایک انجکشن دل پر
لگایا، ہاتھ سے قلب کی مالش کی، اور منہ سے ہوا
بھی بھرنے کی کوشش کی، لیکن راہِ حق کا یہ مسافر
ان تمام طبی کوششوں سے پہلے ہی
روانہ ہوچکا تھا، اس وقت بارہ بجنے میں دس منٹ
باقی تھے۔ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیلی اور محبین
و اہل تعلق کے قافلے دیوانہ وار رائے بریلی پہونچنا
شروع ہوگئے۔

مولوی سید حمزہ حسنی ندوی نے اس نازک
موقع پر غسل، تجہیز وتکفین، نماز جنازہ اور
تدفین کے سارے امور طے کئے۔

غسل دینے میں حسب ذیل حضرات
شریک تھے، مولوی سید ہنو ندوی (جنوبی افریقہ)
جو رمضان گذارنے آئے تھے، حضرت کے مجاز
بھی ہیں، خادم خاص بھائی عبدالرزاق، سید
حسن عسکری طارق صاحب (مدینہ منورہ) مولوی
سید بلال حسنی ندوی، حضرت کے کاتب خاص
مولوی نثار الحق ندوی، مولوی نیاز احمد ندوی
بھی شریک ہوگئے، اور اس موقع پر مولانا سید
محمد رابع حسنی ندوی، مولوی سید سلمان حسینی
ندوی، مولوی عبداللہ حسنی ندوی موجود تھے
اور بھائی عبدالمعید پرتاپ گڈھی (خادم) عزیزان
محمود حسنی، محمد معاذ کاندھلوی، سید شارق سلمہم
اور خادم مصباح الدین صدیقی موجود رہ کر معاونت

رہے تھے۔ اس موقع پر مولوی سید حمزہ حسنی، سید جعفر مسعود حسنی، سید عمار حسنی اور دیگر افراد خاندان موجود تھے۔

بعد مغرب سات بجے سے پونے دس بجے تک آخری دیدار کرنے والوں کا ہجوم رہا۔ جو برابر بڑھتا ہی جارہا تھا، نماز جنازہ کا اعلان دس بجے کیا گیا تھا، چنانچہ ٹھیک پونے دس بجے جنازہ اٹھایا گیا، دومنٹ کا راستہ پچیس منٹ میں طے ہوا، مسجد کے اندر منبر کے قریب جنازہ رکھا گیا، مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی نے نماز جنازہ پڑھائی۔

ساڑھے دس بجے جنازہ قبر میں اتارا گیا، قبر میں جن لوگوں نے جنازہ اتارا ان میں مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، مولوی سید عبداللہ حسنی ندوی، خادم خاص بھائی عبدالرزاق تھے، بھائی عبدالرزاق اور سید بلال حسنی لکڑی کے تختے لگا رہے تھے، محبوب منصور پوری پٹرے دے رہے تھے، آخری پٹرا لگانے سے پہلے کسی نے توجہ دلائی کہ کفن کا بند کھولا نہیں جاسکا، چنانچہ مولوی بلال حسنی نے قبر میں اتر کر بند کھول دیا، پھر آخری پٹرا بھی لگا دیا گیا، تدفین روضہ شاہ علم اللہ میں ہوئی، جہاں آخری جگہ باقی تھی۔

مجمع غیر معمولی تھا، ساڑھے آٹھ بجے تھانیدار ایس پی کو رپورٹ دے رہا تھا کہ پونے دو لاکھ آدمی آچکے ہیں اور جوں جوں نماز کا وقت قریب آرہا تھا موسم کی سختی، سردی اور شدید کہرے کے باوجود آنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا اور سلسلہ تو تدفین کے بعد تک جاری رہا، دور دراز کی گاڑیاں سحر تک آتی رہیں۔ ؏

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے

حادثہ جمعہ کو پیش آیا، جمعرات کو ڈاکٹر عبادالرحمن نشاط صاحب نے (جو حضرت کے معالج بھی ہیں) حج کے سفر کی بات رکھی تھی حضرت نے منظور فرمایا تھا اور ارادہ کر لیا تھا۔ اس کی بھی حضرت کو بڑی فکر تھی کہ روپے پیسے جمع نہ رہیں، جو آرہے ہیں جارہے، اس کے لئے بار بار بھائی عبدالرزاق کو آواز دیتے اور مولوی بلال اور مولوی محمود کو بھی تاکید کی کہ جہاں مناسب سمجھو بتادو، ہم دیں گے۔

اس طرح حضرت حج کے سفر کی نیت کرکے، اور روزے کی حالت میں، نماز کی تیاری اور انتظار میں، دیتے دلاتے اور اپنی عملی زندگی سے زہد وعبادت واستغنا اور تعلق مع اللہ کی دعوت دیتے ہوئے رخصت ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

وفات کے بعد

حضرت کے وصال کا صدمہ بہت غیر معمولی تھا۔ لیکن بزرگوں اور صلحاء کے انتقال کے وقت اہل تعلق اور مخلصین ومحبین کو اللہ تعالیٰ برداشت کی قوت اور صبر وضبط کا یارا عطا فرما دیتے ہیں، دوسری خصوصیت جو عام طور پر اولیاء اللہ اور ربانی علماء کے وصال پر دیکھی جاتی بلکہ کھلے عام محسوس کی جاتی ہے وہ یہ کہ وحشت وگھبراہٹ کے بجائے پوری فضا پر سکینت وطمانینت کا شامیانہ تنا ہوتا ہے کوئی گھبراہٹ و مایوسی نہیں ہوتی اور نہ ہی فکرمندی اور تشویش ہوتی ہے بلکہ ذکر ودعا اور انابت کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ حضرت کے وصال کے وقت بھی ان ہی کیفیات اور احساسات کا غلبہ تھا۔ تیسرا احساس عام طور پر بزرگوں کی وفات پر ہر شخص کو خواہ وہ کتنا ہی قریب اور برسوں سے ساتھ رہا ہو اپنی محرومی اور اس نعمت عظمیٰ کی ناقدری کا ہوتا ہے اس کے دل پر ایک چوٹ سی لگتی ہے اور ساری عمر کی تقصیریں یاد آتی ہیں اور حسرت ہوتی ہے کہ کاش اللہ تعالیٰ کی اس عظیم نعمت کی قدر کر لیتے۔ ؏

یک حرف کاشکے است کہ صد جا نوشتہ ایم

اور

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

کا غمناک احساس ستاتا ہے۔

اوروں کا حال تو نہیں معلوم البتہ ہم نیازمندوں کا ایک احساس یہ بھی ہے کہ اتنی مدت گزرنے کے باوجود حضرت ہمارے درمیان موجود ہیں کہیں تشریف لے گئے ہیں تھوڑی دیر میں تشریف لے آئیں گے۔

آخری دیدار کے لئے جو لوگ آرہے تھے چہرہ مبارک پر پہلی نظر پڑتے ہی بے اختیار سسکی کی آواز نکل جاتی تھی۔ آنکھیں ضبط کے باوجود چھلک جاتیں۔ جذبات پر قابو پانا مشکل ہو جاتا زندگی میں جس طرح نظر بھر کر دیکھنا مشکل ہوتا تھا اسی طرح وفات کے بعد بھی چہرۂ مبارک پر جھلکے سے زیادہ نظر جمانا ناممکن ہو رہا تھا آنکھیں بند کئے اور سر جھکائے غم سے نڈھال لغزیدہ قدموں سے کسی گوشے کی پناہ لینے نکل جاتے۔ تاکہ خاموشی سے گھٹ گھٹ کر کسی طرح اس کوہ غم کو اٹھا سکیں۔

دیدار کیلئے سب سے زیادہ مضطرب مسجد کے معتکفین تھے ان کی بیقراری اور بےچینی صبر وضبط کے سارے بندھن توڑنے والی تھی لیکن مرضیٔ مولیٰ از ہمہ اولیٰ سمجھ کر خون کے آنسو پی گئے پھر بھی ذکر وتلاوت اور دعاؤں میں ان کا قلبی اضطراب ظاہر ہو جاتا اور آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی۔ تسکین اس وقت ہوئی جب حضرت کا جنازہ مسجد کے اندر منبر کے قریب اس جگہ لایا گیا جہاں حضرت ہمیشہ نماز

تے تھے۔

دصال کے بعد ہی مولانا سید محمد رابع صاحب کے
سے نماز جنازہ اور تدفین کا وقت دس بجے
مقرر کر دیا گیا۔ اس کی اطلاع عام کر دی
شدید سردی اور کہرے کے باوجود مجمع
ہی گیا۔ لیکن یہ بھی اللہ تعالیٰ کا خاص فضل
ہاکہ لاکھوں کا یہ مجمع بے قابو نہیں ہونے پایا۔
ے جنازہ جیسے ہی نکالا گیا مضبوط فولادی
ں نے تابوت کے پایے اس طرح اپنے قبضے
لئے کہ اژدحام سے تابوت موجوں کی طرح
رے لے رہا تھا۔ اور دائیں بائیں جا رہا تھا
افش مبارک تابوت پر ہی رہی۔ آخری آرام گاہ
کا سفر بڑے سکون سے طے ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا
کا فضل و کرم اور بہت بڑا احسان تھا یہ بھی ہوا
ماز جنازہ کی ادائیگی بھی بڑے اطمینان اور
ع و خضوع کے عالم میں ہوئی۔ مائیک اور
ن کے انتظام سے بھی اس میں مدد ملی جنازہ
انتظار میں جو وقت گذرا اس میں بھی ذکر و
کا اہتمام ہو رہا تھا اور تسبیحات کی تلقین
مائیک سے کی جا رہی تھی۔

نماز جنازہ کے بعد بڑی تعداد اسی وقت
نہ ہوگئی۔ انتظامیہ نے دو کلو میٹر پہلے ہی
سواریوں کو روک دیا تھا اس لئے آنے جانے
یہ فاصلہ طے کرنا کمزوروں اور معمر حضرات
لئے آسان نہ تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی خاص مدد
ہی شدید کہرے کے باوجود تمام لوگ
خیر و خوبی اپنی منزلوں تک پہنچ گئے الحمد للہ
نہ کسی کو ٹھنڈک لگی اور نہ ہی کوئی حادثہ
پیش آیا۔ دہلی سے مرکز نظام الدین۔ اور
امو بلیہ سے کچھ حضرات نے بذریعہ ہوائی جہاز
آنے کی کوشش کی مگر شدید کہرے کی وجہ
ے جہاز پرواز نہ کر سکا اور مسافروں کو جہاز سے

اتر کر واپس جانا پڑا۔ ٹرین سے آنے والے بھی سولہ
سترہ گھنٹے سے پہلے نہیں پہنچ سکے تعزیت
کے لئے آنے والوں کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے
خطوط ہزاروں کی تعداد میں دنیا کے کونے کونے سے
آئے فیکس اور فون کے ذریعہ بھی تعزیت
کا سلسلہ دو ماہ تک جاری رہا۔

اس خاندان والا شان کی یہ تاریخ رہی ہے
کہ ہر دور میں تعلیم و تزکیہ کا سلسلہ جاری رہا
ہے۔ خاندان میں کسی نے بھی مشیخت کی دوکان
نہیں لگائی جو اہل ہوتا اسی کی طرف خاندان
اور خاندان کے باہر کے لوگ خود بخود بغیر کسی
رسمی اعلان کے رجوع کرنے لگتے۔ اور اسی کو بڑا
مان لیتے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا معاملہ یہ تھا کہ
دس سال کی عمر ہی سے خاندان کے بزرگ حضرات
دینی معاملات میں آگے کرنے لگے تھے حضرت
کی وفات کے بعد حضرت کے بھانجے اور خلیفہ
مولانا سید محمد رابع حسنی صاحب ندوی کے
ساتھ حضرت کے جانشین کی حیثیت سے
لوگوں نے معاملہ شروع کر دیا۔ اور بغیر
کسی رسمی کارروائی کے بیعت اور تجدید
بیعت لوگ کرنے لگے۔

اللہ تعالیٰ نے ندوۃ العلماء کی نظامت
کا مسئلہ بھی اسی طرح حل فرما دیا اور باتفاق آراء
سب نے اس کو تسلیم کر لیا۔ حالات بہت
جلد معمول پر آگئے۔ خادم خاص حضرت مولانا
سید محمد رابع صاحب کے رفیق سفر و حضر کی
حیثیت سے رہتے ہیں کاتب خاص مولانا
نثار الحق کا قیام تکیہ پر ہے، اندرون و
بیرون ملک دورے بھی شروع ہوگئے
ہیں عشاء کے بعد کی مجلس مہمان خانے میں
اور بعد عصر اساتذہ دار العلوم اور شہریوں

کی آمد کا سلسلہ معمول کے مطابق جاری ہوگیا
ہے۔

داتا رکھے آباد ساقی تری محفل کو

سرمایۂ ملت کے پاسباں (اقتباس)

درا رہنما اور مشفق و مربی سرپرست اور باخدا عارف
ربانی سے محروم ہوگئی، اور مجالس علم و عرفان اور
طبقہ اہل علم یتیم ہو گئے ہیں۔

حضرت مرحوم کی ذات سے اللہ تعالیٰ
نے وہ کام لیا جو پوری ایک جماعت کے لئے مشکل
ہے یہ ان کی مقبولیت عند اللہ اور موفق من اللہ
ہونے کی علامت ہے کہ ان کے لمحات زندگی کو دین
اور اشاعت کے لئے قبول فرما لیا گیا۔

(بشکریہ "بینات" پاکستان)

---

[1] افسوس کہ مولانا احقاق حق اور ابطال باطل کی سنجیدہ کوشش کرتے ہوئے کراچی پاکستان میں ۳۰ مئی ۲۰۰۴ء کو شہید کر دیئے گئے۔ (ادارہ)

اگر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہو جائے

یہ شکوہ کرنا کہ ہمیں بہت نازک زمانہ ملا
ہے اور ہماری راہ کانٹوں سے بھری ہوئی ہے:
کم ہمتی کی بات ہے، بلند ہمتی کی بات یہ ہے
کہ اگر راستہ آسان ہو تو آدمی کو شبہ ہونے لگے
اپنے بارے میں کہ مجھے اس قابل نہیں سمجھا گیا
کہ میں کسی مشکل پر چلوں، اگر زندگی ساری کی ساری
سہولتوں سے بسر ہوتی تو زندگی میں لطف
نہ رہتا، شاعر نے خوب کہا ہے ؎

چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موج حوادث سے
اگر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہو جائے

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

دو علمی خاندانوں کے باہمی روابط

پروفیسر ریاض الرحمن خاں شروانی

نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی (۱۸۶۷ء-۱۹۵۰ء) کئی حیثیتوں کے جامع تھے، وہ رئیس بھی تھے اور عالم بھی، ادیب بھی تھے اور خطیب بھی۔ ان کا تعلق مسلمانانِ ہند کے متعدد دینی، تعلیمی، ثقافتی اور ادبی اداروں اور انجمنوں سے رہا۔ ان کا حلقۂ احباب خاصا وسیع تھا اور اس میں مسلم و غیر مسلم کی شرط بھی نہیں تھی، ہاں! ایک شرط ضرور تھی: علم دوستی، اسلام پسندی اور میانہ روی۔ وہ زندگی کے ہر میدان میں عدل و توازن کے قائل تھے اور ایسے ہی لوگوں سے تعلقات استوار کرنا پسند کرتے تھے جو ان اوصاف سے متصف ہوں۔ ان کے سوانح نگار مولوی شمس تبریز خاں نے ان کی سوانح عمری "صدر یار جنگ" میں لکھا ہے کہ ان کے جن معاصرین سے ان کے دوستانہ روابط تھے ان میں ان سے بڑی عمر کے افراد بھی شامل تھے، ہم عمر بھی تھے اور ان سے چھوٹے بھی تھے لیکن ان کے ساتھ تعلقات میں مولانا شروانی نے فرقِ مراتب ہمیشہ ملحوظ رکھا۔[1] یہ بات بالکل صحیح ہے لیکن شمس تبریز خان صاحب نے ان کے احباب کی جو فہرست دی ہے وہ نامکمل ہے کیونکہ اس میں غیر مسلم حضرات کے نام شامل نہیں کئے گئے ہیں۔ اسی طرح بعض مسلم اکابر کے نام بھی چھوٹ گئے ہیں۔

مولانا شروانی کے ان سب حضرات سے تعلقات و مراسم کے اسباب اور نوعیتیں مختلف تھیں۔ اس مضمون میں ان سب کا جائزہ لینا مقصود نہیں ہے بلکہ اسے محض ندوۃ العلماء اور اس سے متعلق حضرات تک محدود رکھنا مطلوب ہے اور ان میں بھی خصوصیت سے خانوادۂ سید احمد شہیدؒ کے باپ بیٹوں (مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی، مولوی ڈاکٹر سید عبدالعلی اور مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی) پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ جیسا کہ عرض کیا گیا، مولانا شروانی کا تعلق مسلمانوں کے مختلف دینی، تعلیمی، تہذیبی اور ادبی اداروں سے رہا تھا لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ ان میں جو خصوصیت ایم۔ اے۔ او کالج (بعد میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی)، آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، ندوۃ العلماء اور دارالمصنفین اعظم گڑھ کے ساتھ تھی وہ کسی اور ادارے کے ساتھ نہیں تھی۔ اس وقت علی گڑھ سے صرف نظر کر کے اگر بات صرف ندوۃ العلماء اور دارالمصنفین کی کی جائے تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ذہنی اور فطری مناسبت کے علاوہ اس میں سب سے زیادہ دخل مولانا شروانی کے علامہ شبلی نعمانی کے ساتھ روابط و ہم خیالی کو تھا۔ علامہ شبلی سے وہ ان کے قیام علی گڑھ کے دوران مانوس ہو گئے تھے۔ علامہ کا تعلق علی گڑھ سے باقاعدہ ۱۸۸۳ء میں قائم ہوا تھا[2] اور مولانا شروانی نے علامہ شبلی پر اپنے تعزیتی مضمون میں لکھا ہے کہ ان کی علامہ سے سب سے پہلی ملاقات اندازاً ۱۸۸۷ء میں ہوئی تھی[3]

ندوۃ العلماء لکھنؤ کا پہلا سالانہ جلسہ کانپور میں ۱۸۹۴ء میں منعقد ہوا تھا اور مولا[نا] شروانی اس میں شریک تھے اور نہ صرف شریک تھے بلکہ اس کی کارروائیوں میں عملاً حصہ دا[ر] تھے۔ وہ اس کے بعد بھی اکثر جلسوں میں پابندی سے شریک ہوتے رہے اور اس کے علمی اور انتظامی دونوں امور میں بھرپور دلچ[سپی] لیتے رہے[4] اسی لئے ان کا شمار ندوۃ العلماء کے بانیوں میں کیا جاتا ہے۔

ندوۃ العلماء کے تعلق سے مولانا شروا[نی] کے جن حضرات سے مراسم استوار ہوئے ا[ن] میں مولانا سید محمد علی مونگیری کا شمار ان کے ممدوحین میں ہوتا ہے اور مولانا شروانی کے بعد کی نسل کے اکابر کا (باستثناء مولانا ابوالکلا[م] آزاد) مداحین میں علامہ شبلی کے علاوہ ا[س] نسل کے جن حضرات سے ان کے اخلاص و[محبت] کے رشتے قائم ہوئے ان میں سب سے زیا[دہ] نمایاں مولانا سید عبدالحی حسنی اور منشی اط[هر] علی علوی ہیں۔ اول الذکر سے ان کے تعلق[ات کی] بنا دینی اور علمی یگانگت اور ہم آہنگی تھی اور ثانی [الذکر] سے ثقافتی اور مجلسی یک رنگی و ہم خیالی۔

"صدر یار جنگ" میں مولانا شروانی [کے] مولانا عبدالحی کے نام جو خطوط نقل ہوئے ہ[یں] وہ بھی اسی کی شہادت دیتے ہیں۔ ان میں با[ہم] عربی اور فارسی کے قدیم نادر مخطوطات کا ذ[کر] ہے یا پھر ان کی سخن شناسی کا اعتراف کر[تے] ہوئے اپنا فارسی کلام ان کی نذر کیا گیا ہے۔ عبدالحی اور مولانا شروانی نے اپنی مختلف [تحریروں] میں ایک دوسرے سے متعلق جن جذبات [محبت] و مودت کا اظہار کیا ہے اور ان سے ایک دوسرے کے لئے جو احترام اور قدر دان[ی] مترشح ہوتی ہے وہ کسی اور کے لئے مشکل ہوتی ہے۔ مولانا عبدالحیؒ نے "نزہۃ الخواط[ر]

ولانا شروانی کا ذکر جن الفاظ میں کیا ہے ان الفاظ
ں کم لوگوں کا ذکر کیا ہوگا۔ "صدر یار جنگ" میں
ں کا جو اردو ترجمہ مولوی شمس تبریز خاں نے نقل
یا ہے اس کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:۔

"..... انھوں نے علم و معرفت دونوں فضیلتوں کا احاطہ کرلیا۔ مکارم و فضائل، حسن خلق اور علم و عبادت کا اشتغال، محتاجوں کی خبر گیری، مسلمانوں کے لئے فکرمندی میں ان جیسا شخص مشکل سے ملے گا۔"

رسالہ جامعہ نئی دہلی کے جنوری تا مارچ ۲۰۰۰ء کے شمارے میں "مولانا آزاد کی شخصیت کے چند پہلو" کے زیر عنوان پروفیسر ظفر احمد صدیقی کا جو مضمون شائع ہوا ہے اس میں وہ لکھتے ہیں:۔

"مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی صاحب نے "نزہۃ الخواطر" میں "الشیخ الفاضل" کا اطلاق صرف ممتاز علما ہی پر کیا ہے مثلاً ڈپٹی نذیر احمد، مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی وغیرہ (پروفیسر صدیقی کا کہنا ہے کہ مولانا عبدالحی نے یہی اصطلاح مولانا ابوالکلام آزاد کے لئے بھی استعمال کی ہے) علامہ شبلی نعمانیؒ اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے لئے "الشیخ الفاضل العلامہ" کے الفاظ تحریر کئے ہیں اور سر سید احمد خاں کے لئے "الرجل الکبیر" (مرد عظیم)۔"

ظفر احمد صدیقی صاحب نے تو یہ بحث علما میں مولانا آزاد کا مرتبہ متعین کرنے کے لئے چھیڑی ہے لیکن اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مولانا عبدالحیؒ مولانا شروانی کو بھی علماء کے اسی زمرے میں شامل سمجھتے تھے۔ اگر ایک طرف وہ انھیں زمرۂ علما میں شامل سمجھتے تھے تو ان کے بعض دوسری خصوصیات اور کمالات کے بھی کم معترف نہیں تھے۔ بقول مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ان کے والد ماجد نے "گل رعنا" میں بھی مولانا شروانی کے "ذکر کی تقریب" نکال لی اور تحریر فرمایا:۔

"..... فضیلت علمی کے ساتھ خدا نے ان کو ایسی صفتیں عنایت کی ہیں جن پر ہمیشہ مجھ کو رشک آتا ہے۔ سب سے نمایاں صفت ان کی متانت اور اصابت رائے ہے۔ دوسری صفت ان کی انتظامی قابلیت ہے۔ تیسری صفت ان کی یہ ہے کہ باوجود نوجوانی اور رنگین مزاجی اور دولت مندی کے مذہبی جذبات کی پرورش و پرداخت سے غفلت نہیں کی۔ چوتھی صفت یہ ہے کہ باوجود ان تمام مشغولیتوں کے اپنے اوقات کا بیشتر حصہ ایسے کاموں میں صرف کرتے ہیں جن سے مسلمانوں کی فلاح و بہبود وابستہ ہے۔"

مولانا عبدالحی کی تصانیف میں "یاد ایام" کو مخصوص اہمیت حاصل ہے۔ یہ گجرات کی اسلامی تاریخ ہے جو انھوں نے مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی جوائنٹ سکریٹری آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی فرمائش پر کانفرنس کے اجلاس منعقدہ سورت، ۱۹۱۸ء میں پڑھنے کے لئے تحریر فرمائی تھی۔ مولانا اس اجلاس میں کسی وجہ سے شرکت نہیں فرما سکے تھے اور یہ رسالہ وہاں نہیں پڑھا جا سکا تھا لیکن آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس نے اسے ۱۹۱۹ء میں طبع کراکے شائع کر دیا تھا۔ مولانا عبدالحیؒ نے کتاب کے آغاز میں تحریر فرمایا ہے:۔

"..... جناب مولانا حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی رئیس بھیکن پور نے اس سال مجھے دعوت دی کہ میں محمڈن (انڈیا مسلم) ایجوکیشنل کانفرنس کے اس اجلاس میں جو بمقام سورت منعقد ہونے کو تھا شرکت کروں مگر اس کے ساتھ یہ بھی حکم تھا کہ خالی ہاتھ نہ جاؤں بلکہ گجرات کے علمی دور کی تاریخ مرتب کرکے جلسے میں پیش کروں۔ ان کا یہ ارشاد میری افتادِ طبیعت کے خلاف تھا مگر کچھ اس طور پر فرمایا تھا کہ میرے زخم کہن تازہ ہوگئے۔ میں نے ان کے حکم کی تعمیل کی اور گجرات کے متعلق معلومات بہم پہونچائیں۔"

یہاں اتنا طویل اقتباس اس خیال سے نقل کیا گیا ہے کہ اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مولانا عبدالحی کے دل میں مولانا شروانی کا اتنا احترام تھا کہ جو امر ان کی "افتاد طبیعت کے خلاف تھا" اس کے لئے بھی ان کی فرمائش پوری کرنے کی خاطر آمادہ ہوگئے تھے اور نہ صرف آمادہ ہوگئے تھے بلکہ ایک ایسی تاریخ تالیف فرمائی جس کے بارے میں مولانا شروانی نے اپنے مقدمے میں تحریر فرمایا:۔

"فاضل مؤلف نے جس خوبی سے اس مختصر رسالے میں گجرات کی اسلامی تاریخ کے مختلف پہلو دکھائے ہیں وہ فی الواقع مؤرخانہ اور ادیبانہ دونوں حیثیتوں سے قابلِ داد ہیں۔"

یہ تو مقدمے کا اقتباس تھا لیکن "یاد ایام" کا مسودہ موصول ہونے پر اسے پڑھ کر مولانا شروانی نے فاضل مصنف کو جو خط لکھا وہ اس سے بڑھ کر ان کے جذبات مسرت و طمانیت کا ترجمان ہے۔ لکھتے ہیں:۔

"رب کریم عم نوالہ کی ایک نعمت عظیم تھی جو کل آپ کے رسالے کے پیرایہ میں ظاہر ہوئی۔ میں نے رات ہی کو اس

کو گل نقریباً پڑھ لیا۔ میرے سرور وانبساط کی عجیب کیفیت تھی، پڑھتا تھا اور فخر وخوشی کی موجیں دل میں اٹھتی تھیں اور بار بار رسالہ آنکھوں سے لگاتا تھا اور چومتا تھا۔ اگر آپ سامنے ہوتے تو یقین ہے کہ آپ کے ہاتھ چومتا، قدم چومتا۔" کیا وفور جذبات ہے اور کس پیرایہ میں اس کا اظہار ہوا ہے۔

علامہ شبلی نعمانی سے مولانا شروانی کو جو قلبی تعلق تھا اس سے اہل نظر بخوبی واقف ہیں تاہم ندوۃ العلماء کے بعض معاملات میں علامہ شبلی کے مقابلہ میں مولانا شروانی کی مولانا عبدالحی سے زیادہ ہم خیالی تھی۔ ان میں ایک مسئلہ ندوۃ العلماء میں انگریزی تعلیم کے اجراء کا تھا۔ اس بارے میں علامہ شبلی کو نہایت انہماک تھا جو مقتضائے وقت کے عین مطابق تھا لیکن مولانا عبدالحی اور مولانا شروانی دونوں اس میں کسی قدر متامل تھے اور اس میں بھی خلوص نیت ہی کو دخل تھا۔ مولانا شروانی علی گڈھ تحریک کے حامی تھے، خود انگریزی کی تعلیم حاصل کی تھی اور اپنے بیٹوں کو علی گڈھ کے کالجیٹ اسکول اور ایم۔ اے۔ او کالج میں داخل کرکے انگریزی پڑھوائی تھی۔ اس کے باوجود ان کا یہ تأمل علامہ شبلی کو بہت کھلتا تھا اور اس کا اظہار انھوں نے اپنے کئی خطوط میں کیا ہے۔ دراصل مولانا شروانی کے پیش نظر علی گڈھ اور ندوۃ العلماء کے مقاصد کا فرق تھا۔ جب علامہ شبلی کا اضطراب اس باب میں بہت بڑھا اور انھوں نے مولانا شروانی سے ذرا ناگواری سے احتجاج کیا تو انھوں نے کہا "میں آپ کی بدنامی کے ڈر سے متامل ہوں۔" غالباً ان کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ بیشتر علماء کرام اس دور میں انگریزی تعلیم کو عربی مدارس میں آمیخت کرنے کے لئے تیار نہیں تھے اور اتنی مدت گزر جانے کے بعد بھی ایسے مدارس اور ایسے علماء ہیں جن کا رویہ اس معاملے میں ابھی تک کچھ زیادہ تبدیل نہیں ہوا ہے اور جن مدارس نے اس پر اپنے کو آمادہ بھی کرلیا ہے ان کا بھی انگریزی کا معیار مشکل ہی سے قابل اطمینان قرار دیا جاسکتا ہے اگرچہ یہ تبدیلی اور معیار کی بلندی اب اور زیادہ ناگزیر ہوگئی ہے۔

—۲—

مولانا سید عبدالحی کی وفات کے بعد مولانا شروانی کا یہ تعلق خاطر ان کے صاحبزادگان والاتبار مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی طرف منتقل ہوگیا، اور ان حضرات نے بھی اس تعلق کی نگہداشت اور آبیاری میں کسر نہیں اٹھا رکھی بلکہ مولانا علی میاں نے تو اس تعلق کو خاندانی تعلق میں تبدیل فرمادیا۔ جیساکہ عرض کیا گیا، مولانا شروانی کا ندوۃ العلماء سے شروع سے قریبی تعلق رہا تھا۔ اس کے پیش نظر بھی ندوہ کے ارباب کار کے لئے لازم تھا کہ وہ مولانا شروانی سے ربط وتعلق برقرار رکھے۔ مولانا شروانی کے نام ندوۃ العلماء کے جملہ ناظمین از مولانا سید محمد علی مونگیری تا ڈاکٹر مولوی سید عبدالعلی کے خطوط خاصی کثیر تعداد میں محفوظ ہیں۔ مولانا علی میاں، ندوہ کے ناظم مولانا شروانی کی وفات (۱۹۵۰ء) کے بعد مقرر ہوئے۔ ان کا صرف ایک خط ابھی تک ہمارے ہاتھ آیا ہے جو اپنے مقام پر نقل ہوگا۔ ناظمین ندوہ کے خطوط پر ایک نظر ڈالنے سے واضح ہوجاتا ہے کہ تعداد میں سب سے زیادہ خطوط ڈاکٹر مولوی سید عبدالعلی کے ہیں۔ اس کا سبب یہ محسوس ہوتا ہے کہ بڑھتی ہوئی عمر اور گرتی ہوئی صحت کی بناپر غالباً مولانا شروانی کی شرکت ندوۃ العلماء کی مجالس میں کم ہوگئی تھی لیکن ڈاکٹر صاحب اہم امور میں مولانا شروانی سے مشورہ کرنا اور ندوہ کے حالات سے انھیں واقف کرنا ضروری خیال فرماتے تھے۔ اس لئے وہ برابر انھیں خطوط لکھتے رہتے تھے اور ان کی آراء سے مستفید ہوتے رہتے تھے۔

جہاں تک مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا تعلق ہے، میں اپنے ذاتی علم اور تجربے کی بنیاد پر بلاخوف تردید عرض کرسکتا ہوں کہ مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا سید سلیمان ندوی کے بعد کی نسل میں جو تعلق خاطر مولانا علی میاں کو مولانا شروانی سے تھا، وہ ان کے جتنے مرتبہ شناس تھے، اپنی مختلف مجلسوں میں ان کا جتنا ذکر فرماتے تھے اور انھوں نے ان کے بارے میں جتنا لکھا ہے اتنا کسی اور نے نہیں کیا ہے۔ "نزہۃ الخواطر" میں مولانا سید عبدالحی نے مولانا شروانی کا جو تذکرہ لکھا ہے اس پر مولانا علی میاں نے معتد بہ اضافہ کیا ہے۔ اس کا ایک سبب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ اضافہ مولانا شروانی کی وفات (۱۹۵۰ء) کے بعد کیا گیا ہے اور اس وقت تک مولانا شروانی کے کارنامے اور ان کے فضائل وکمالات مکمل صورت میں نظروں کے سامنے آچکے تھے۔ تاہم ہمارے نزدیک اس کا اصلی سبب وہ مقام اور وہ مرتبہ ہے جو مولانا علی میاں کے دل میں مولانا شروانی کا تھا۔ "صدر یار جنگ" میں مولانا علی میاں کے اضافے کا اردو ترجمہ بھی نقل ہوا ہے۔ اس کا حسب ذیل اقتباس ملاحظہ طلب ہے:۔

"......مجموعی طور پر (وہ) یگانہ روزگار شخصیت کے مالک تھے۔ اس ایک شخصیت میں متنوع اور مختلف خصوصیات کا بڑا نادر اجتماع ہوگیا تھا۔ دین متین کی

مالی حوصلگی، شعروادب
ر فطری ذوق،
راصابت رائے،
ن انتظام، شیریں کلامی
رگی، غرض ہر طرح کی
، آپ کو حاصل تھیں۔[۱۹]
نگ" کی تالیف مولانا
جہ اور اخلاص وعقیدت
نھوں نے خود اس کا مقدمہ
صفحوں پر محیط ہے۔ اس
ائے فرض" پر کس شیفتگی بلکہ
والٰہی میں اظہار تشکر فرمایا

وں بارگاہ الٰہی میں
ندوۃ العلماء کے ایک
یت سے آج حیات شروانی
منے پیش کرنے کی سعادت
ہے اور ایک دیرینہ
رو پایۂ تکمیل کو پہونچ رہی

ا ہے:۔
سے جن چند شخصیتوں کی
ردماغ پر نقش ہوئی اور
اور قابل تقلید (آئیڈیل)
ت سے تصور ونگاہ کے
نظر آئیں ان میں ایک نمایاں
ب صدر یار جنگ بہادر مولانا
خاں شروانی کی تھی۔ جس
ور میں سب سے زیادہ گرویدہ
بت واعتدال، توازن اور
ع ثقافت دیکھی، تھی اور
ب مرحوم اس آخری دور میں

(میرے محدود علم وتجربے میں) اس کا مظہر کامل تھے۔"[۲۱]

"پرانے چراغ" حصہ دوم کو مولانا علی میاں نے مختلف عنوانوں کے تحت تقسیم کیا ہے اور ان عنوانوں کے ذیل میں ان اکابر کے حالات اور ان کے بارے میں اپنے تأثرات رقم فرمائے ہیں جو ان کے نزدیک ان عناوین کے مطابق ہیں۔ ان میں پہلا عنوان "ہندوستان کے چند اہل کمال ومشاہیر رجال" ہے۔ اس عنوان کے تحت چار بزرگوں کا ذکر کیا گیا ہے: مولانا محمد علی جوہر، نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی، مولانا ابوالکلام آزاد اور ڈاکٹر ذاکر حسین۔ خیر یہ ترتیب تو ان بزرگوں کے سنہ وفات کے مطابق رکھی گئی ہے لیکن اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی نظر میں مولانا شروانی کا کیا مقام تھا۔ اگر والد ماجد (مولانا سید عبدالحی حسنیؒ) نے ان کے لئے وہ الفاظ منتخب فرمائے تھے جو اہل علم کے لئے مخصوص کئے تھے اور انھیں علماء کے ساتھ ادباء کے زمرے میں بھی شامل کیا تھا تو فرزند ارجمند نے انھیں ملک کے چند مخصوص اہل کمال اور مشاہیر رجال میں شمار کیا۔

اس مضمون کے مطالعے سے مولانا شروانی کے مولانا علی میاںؒ کے ساتھ تعلق خاطر کا بھی بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ پہلے یہ ملاحظہ کر لیجئے کہ جب مولانا علی میاں نے مولانا شروانی کو ۱۹۲۵ء میں ندوۃ العلماء کے سالانہ اجلاس منعقدہ لکھنؤ میں پہلی مرتبہ دیکھا، اور اس وقت مولانا علی میاں کی عمر صرف دس سال تھی، تو ان کا کیا تأثر ہوا۔

"ایک بزرگ کے چہرے پر میری توجہ مرکوز ہو کر رہ گئی جن کے حسن وجمال، وقار اور رکھ رکھاؤ، لباس کی پاکیزگی اور زیبائی کا نمونہ میری نظر سے اس وقت تک نہیں گزرا تھا۔ اس شخصیت میں علماء کی تمکنت اور قدیم رؤسا کی نستعلیقی اور وجاہت اس طرح جمع نظر آئی گویا وہ کسی اسلامی مملکت کا کوئی فاضل بادشاہ اور سربراہ ہے"[۲۳]

ظاہر ہے کہ یہ شخصیت مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی ہی کی تھی۔ مولانا شروانی کی تصنیف "علمائے سلف" کو وہ اپنی محسن کتابوں میں شمار کرتے ہیں اور "سیرۃ الصدیق" کو "ان کے قلب ووجدان کے سرچشمے سے سیراب ہو کر ان کی تراوش قلم"[۲۴] قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح اور اسی لہجے میں ان کی بعض دیگر تصانیف کا ذکر فرمایا ہے۔ ان کے ایک اور وصف پر خاص طور سے زور دیا ہے:

"انھوں نے صرف ان ہی علمی کمالات پر قناعت واکتفا نہیں کیا بلکہ علم وفن کے پہلو بہ پہلو ایمان واحسان کے ذریعہ اپنی باطنی دنیا بھی آباد کی۔ اپنے اوقات عزیز کو اللہ کے ذکر سے معمور کیا اور اس طرح دین ودنیا کے حسنات کو جمع کرنے کی کوشش کی۔"[۲۵]

انھیں اس کا ملال ہے کہ مولانا شروانی کی:

"......جامعیت ان کی شخصیت کا بڑا حجاب بن گئی"[۲۶]

اور اس طرح ان کے مختلف علمی، ادبی، اخلاقی اور روحانی امتیازات کا وہ اعتراف نہیں ہوا جو ہونا چاہئے تھا۔

مولانا شروانی کے ساتھ اپنی مختلف ملاقاتوں کا ذکر کرتے ہوئے ان کی شفقت کے کئی واقعات تحریر فرمائے ہیں۔ ان میں سے بعض واقعات وہ خاکسار راقم سے بھی مختلف موقعوں پر بڑے شوق اور انہماک سے بیان فرماتے رہتے تھے مثلاً یہ کہ مولانا شروانی انھیں ہمیشہ "سید علی" کہہ کر مخاطب فرماتے بعض مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ بزرگوں کے

موجودگی میں نماز کی امامت کے لئے انھیں آگے بڑھا دیا۔ ایک مرتبہ مولانا علی میاں علی گڈھ تشریف لائے اور مولانا ابوبکر محمد شیث ناظم سنی دینیات کے ساتھ قیام فرمایا۔ مولانا شروانی سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے دریافت فرمایا کہاں ٹھہرے ہو۔ علی میاں صاحب نے مولانا ابوبکر کا نام لیا تو تجاہل عارفانہ سے کام لے کر فرمایا کون مولانا ابوبکر ؟ جب علی میاں صاحب نے مزید تشریح فرمائی تو کہا :۔

"تم کو معلوم ہے کہ یہاں ایک شروانی بھی رہتا ہے ؟"

مولانا علی میاں کے لئے یہ تنبیہہ کافی تھی اور پھر وہ مولانا شروانی کے مکان "حبیب منزل" کو منتقل ہو گئے ایک صحبت میں مولانا شروانی نے مولانا علی میاں سے ان کے والد ماجد مولانا سید عبدالحی مرحوم کے ساتھ اپنے تعلق خاطر کا اظہار بہت لطیف انداز میں فرمایا۔ ارشاد ہوا :

"..... میں نے جب "گل رعنا" میں نواب سید نورالحسن خاں مرحوم کا تذکرہ پڑھا۔ تو مولانا مرحوم (مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب مصنف "گل رعنا") کے ان کے متعلق یہ الفاظ پڑھ کر بڑا رشک آیا کہ " مجھے ان کی خدمت میں پندرہ سال سے نیاز حاصل ہے"۔ لیکن جب میں نے اپنا حال پڑھا اور اس میں دیکھا کہ میرے ان کے تعلق کی مدت بیس برس سے ہے (کذا) تو رشک جاتا رہا"۔ ؎۱۱

مولانا علی میاں ؒ نے مولانا شروانی سے متعلق آل انڈیا ریڈیو دہلی سے ایک تقریر بھی بزبان عربی نشر فرمائی تھی جو بعد میں مکہ مکرمہ کے موقر مجلہ "الحج" میں شائع ہوئی تھی۔ اس کا اردو ترجمہ مولوی شمس تبریز خاں کے قلم سے بعض اضافوں کے ساتھ رسالے کی شکل میں شائع ہوا۔

جب ۱۹۴۰ء "الندوہ" کا سلسلہ باردگر اجراء ہوا اور مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی اور مولانا علی میاں اس کے مدیر مقرر ہوئے تو مولانا شروانی سے مولانا علی میاں کی مکاتبت کا آغاز ہوا۔ اس سلسلے کے چار خطوط مولانا علی میاں کے نام "صدر یار جنگ" میں شامل ہیں۔ جس رسالے کا ابھی ذکر ہوا اس میں دو مزید خطوں کا اضافہ ہے۔ ان تمام خطوط میں مولانا شروانی نے علی میاں صاحب ؒ کو "گرامی قدر" کے لقب سے مخاطب فرمایا ہے۔ مولانا شروانی کے نام مولانا علی میاں کا جو خط ہمارے پاس محفوظ ہے وہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے :۔

"مخدوم گرامی ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ
تحفۂ گرامی موصول ہوا۔ عرض نہیں کر سکتا کہ کس قدر مسرت وعزت حاصل ہوئی۔ بے شک اس مشرقی مطلع کا ذکر تشنہ رہ گیا تھا۔ اس کی تکمیل کے لئے اس سے زیادہ اہل کون ہو سکتا ہے جو براہ راست اس مطلع انوار سے مستنیر ہے۔ اطال اللہ بقائہٗ۔

مقالۂ گرامی بہت بروقت پہونچا، رسالے کی کتابت ہو رہی ہے، انشاء اللہ اسی اشاعت میں شائع ہو جائے گا خیال ہوتا ہے اسی تقریب سے آئندہ اشاعت میں والد مرحوم کا وہ مضمون شائع کر دیا جائے جس میں مرحوم نے اپنی حاضری گنج مراد آباد کے واقعات اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بعض ارشادات وملفوظات قلم بند کئے ہیں۔ یہ مضمون جناب کی نظر سے ضرور گذرا ہوگا مگر اب یادگار ہے اور قارئین کے لئے بالکل جدید۔

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

ابوالحسن علی ندوی
۱۹ر محرم الحرام ۱۳۵۹ھ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "پرانے چراغ" میں مولانا شروانی کا وہ مکتوب بھی ملخصاً نقل کر دیا جائے جس کے جواب میں یہ خط تحریر کیا گیا تاکہ ناظرین پر صورت حال واضح ہو جائے۔

"۱۷ر محرم الحرام ۱۳۵۹ھ
گرامی قدر سلمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عزیزی مولوی سید سلیمان صاحب نے "الندوہ" میں "ندوۃ العلماء کی تاریخ کے پہلے صفحے" پر مضمون لکھ کر اگلی صحبتوں کی یاد تازہ کر دی ہے۔ اسی مضمون میں جتایا ہے کہ "اس سلسلے کا رابطہ ایک اور روحانی مرکز سے بندھا ہوا تھا جس کا نام نامی حضرت مولانا فضل رحمٰن صاحب مجددی گنج مراد آبادی تھا۔ مشرق ومغرب کے یہی دونوں مطلع تھے جن سے ندوۃ العلماء کا آفتاب طلوع ہوا"۔

مغربی مطلع کا ذکر مولوی صاحب کے مضمون میں بہت کچھ آچکا۔ مشرقی مطلع کا ذکر میں اپنی ایک پرانی تحریر کے ذریعہ سے سناتا ہوں جو آج سے چونتیس برس پہلے لکھی گئی تھی۔

حبیب الرحمٰن

— ۳ —

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اپنے والد ماجد مولانا سید عبدالحی حسنی اور مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی کے تعلقات کو خاندانی مراسم میں تبدیل فرما دیا۔ انھوں نے مولانا شروانی۔

اور میرے والد الحاج مولوی عبیدالرحمٰن
شروانی (۱۸۹۷ـ۱۹۹۲ء) کو نہ صرف ندوۃ العلماء
انتظامیہ کا رکن منتخب کرایا بلکہ مسلمانوں کے
بر علمی، تعلیمی اور تہذیبی اداروں میں بھی
ساتھ مل کر کام کیا۔ ان اداروں میں دارالعلوم
دار المصنفین اعظم گڈھ اور وقف نواب
علی خاں مظفر نگر خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔
ڑھ مسلم یونیورسٹی کے اقلیتی کردار کی بازیابی
یک میں بھی دونوں کا اشتراکِ عمل رہا۔ وہ
عبیدالرحمٰن خاں شروانی کی انتظامی صلاحیت
انتظامی تجربے اور اصابت رائے کے بہت
تھے اور مختلف اداروں سے متعلق بعض اہم امور
ل میں ان کی رائے کو بہت اہمیت دیتے تھے۔
العلماء کی مجلسِ انتظامیہ کے کئی جلسوں کی
رت بھی ان سے کرائی۔ مولوی عبیدالرحمٰن
شروانی مولانا علی میاں سے عمر میں تقریباً
سال بڑے تھے، اس لئے مولانا علی میاں
بزرگی کا خیال رکھتے تھے اور خطوط میں
انھیں مخدومی لکھ کر مخاطب کرتے تھے،
ری طرف عبیدالرحمٰن خاں شروانی صاحب
نا علی میاں کے علم و فضل، خدمتِ ندوہ
دینی و روحانی رجحانات کے بہت قائل اور
تھے اور ان کے دل میں مولانا حبیب الرحمٰن
شروانی کا جو احترام تھا اس سے بھی بہت
تھے۔ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
بتایا کہ جب عبیدالرحمٰن خاں صاحب لکھنؤ
وہ کے کام سے تشریف لے جاتے تو ان کا
مولانا علی میاںؒ ہی کے ساتھ رہتا تھا۔ اس
ایک کو دوسرے کے اور زیادہ قریب آنے
وقع ملا اور رات دن کے مشاغل سے مزید
نیت حاصل ہوئی۔ مولانا علی میاں جب
گڈھ تشریف لاتے تو مدت سے ان کا معمول

تھا کہ پروفیسر ابرار مصطفیٰ خاں کے ساتھ قیام فرماتے تھے لیکن "حبیب منزل" تشریف لا کر عبیدالرحمٰن خاں صاحب سے ملاقات ضرور کرتے تھے، ان دونوں کے روابط کو مستحکم کرنے والی ایک کڑی حضرت شاہ محمد یعقوب مجددی بھوپالیؒ کی ذاتِ گرامی تھی۔ بھوپال کی ان مجالس میں اکثر دونوں کی یکجائی ہو جاتی تھی۔ مولانا علی میاںؒ نے ان صحبتوں کا جو حال اپنے دل نشین اور مؤثر انداز میں "صحبتے با اہل دل" میں بیان فرمایا ہے ان میں کئی جگہ مولوی عبیدالرحمٰن خاں شروانی کے شریکِ مجلس ہونے کا ذکر ملتا ہے۔

والد ماجد مولوی عبیدالرحمٰن خاں شروانی نے ۶ رمئی ۱۹۹۲ء کو تقریباً ۹۵ سال کی عمر میں سفر آخرت اختیار کیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مولانا علی میاںؒ نے مجھے تعزیتی مکتوب میں تحریر فرمایا۔

"نواب صاحب مرحوم سے ایسا موروثی، خاندانی اور روحانی تعلق تھا جو قدیم زمانے میں چھوٹوں کا بڑوں سے ہوا کرتا تھا اور وہ بھی ایسے ہی شفقت فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔"

"کاروانِ زندگی" حصہ پنجم میں اس حادثے کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے:۔

"۵ رمئی ۱۹۹۲ء یا ۷ رمئی ۱۹۹۲ء (دوسری تاریخ صحیح ہے۔ ر۔ ش) کو اچانک مخدوم و محترم نواب عبیدالرحمٰن خاں صاحب شروانی کی وفات کی اطلاع ملی اور ایسا محسوس ہوا کہ اپنے ہی خاندان کے ایک بزرگ شفیق اور سرپرست کے ارتحال کا واقعہ پیش آیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔"

علی گڈھ مسلم یونیورسٹی نے طے کیا کہ مولوی عبیدالرحمٰن خاں شروانی مرحوم کی یونیورسٹی کی طویل اور گوناگوں خدمات کے پیش نظر یونیورسٹی میں ریسرچ کے طلبہ کے لئے ایک نیا ہال تعمیر کرا کے مرحوم کے نام سے منسوب کرے، اس زمانے میں مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر پروفیسر محمد نسیم فاروقی اور پرو وائس چانسلر پروفیسر ابو الحسن صدیقی تھے۔ ہال کا سنگ بنیاد رکھنے کے لئے پورے ملک میں حضرت مولانا علی میاں سے زیادہ مناسب کوئی دوسری شخصیت نظر نہیں آئی اور اس غرض سے انھیں ۱۹۹۴ء میں علی گڈھ تشریف لا کر سنگ بنیاد رکھنے کی زحمت دی گئی جو انھوں نے اپنی صحت کی کمزوری اور بیش از بیش مصروفیات کے باوجود اس تعلق کی بنا پر جو انھیں مولوی عبیدالرحمٰن خاں شروانی مرحوم اور ان سے بھی بڑھ کر مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی مرحوم کے ساتھ تھا قبول فرمائی۔ اس جلسے کی کیفیت انھوں نے "کاروانِ زندگی" حصہ ششم میں اس طرح رقم فرمائی ہے:۔

"...... اس مرتبہ نواب مولوی عبیدالرحمٰن خاں صاحب شروانی مرحوم کے نام سے جو ہاسٹل (یا ہاسٹل نہیں ہال) تعمیر ہوا تھا (ہوا نہیں تھا ہونے والا تھا) اس کے افتتاح (افتتاح نہیں، سنگ بنیاد) کی تقریب میں یونیورسٹی کے ذمہ داروں (خصوصاً وائس چانسلر نسیم فاروقی صاحب اور پرو وائس چانسلر ابو الحسن صدیقی صاحب) کی طرف سے خاکسار کو دعوت دی گئی۔ نواب صاحب مرحوم اور (اس سے زائد) ان کے والد ماجد فخر ہندوستان نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن

خاں صاحب شروانی کی نسبت اور تعلق سے.....اس دعوت سے معذرت نہ کی جاسکی۔"

خاکسار راقم کو اپنے جس گرامی نامے کے ذریعہ اپنی علی گڑھ تشریف آوری کی اطلاع دی تھی اس میں اس سے بڑھ کر تعلق خاطر اور جذباتِ اخلاص ومودت کا اظہار فرمایا تھا۔ مولانا علی میاںؒ نے تو اس عمارت کا سنگ بنیاد براہِ کرم لکھنؤ سے زحمت سفر فرماکر رکھا لیکن اس کے فوراً بعد مسلم یونیورسٹی کے نظم ونسق میں ایسی تبدیلی ہوگئی کہ وہ ہال آج تک اُدھ بنا پڑا ہوا ہے اور جتنا تعمیر بھی ہوگیا ہے کسی دوسرے نام سے کسی دوسرے کام میں لایا جارہا ہے۔ البتہ مولانا مرحوم کا نصب کردہ سنگ بنیاد اپنی جگہ قائم ہے۔ مولانا مرحوم نے خاکسار راقم سے اس ہال کے بارے میں کئی مرتبہ دریافتِ حال فرمایا لیکن میرے لئے طرح دے جانے کے علاوہ کچھ عرض کرنے کو تھا ہی نہیں۔

——— ۴ ———

مجھے ٹھیک سے یہ یاد نہیں ہے کہ حضرت مولانا علی میاں کی خدمت میں کب سے نیاز حاصل ہوا۔ البتہ یاد آتا ہے کہ میں انھیں ۱۹۵۰ء کے دہے میں کبھی کبھی علی گڑھ میں چلتے پھرتے یا مختلف جلسوں میں شرکت کرتے ہوئے دور سے دیکھتا تھا۔ غالباً ۱۹۶۰ء کے دہے سے آہستہ آہستہ ان کے قریب آنے کا موقع ملا۔ لکھنؤ اور علی گڑھ کے مختلف جلسوں اور تقریبوں میں ان کے ساتھ شرکت کی خوش وقتی حاصل ہوئی۔ انھوں نے شروع ہی سے میرے ساتھ شفقت اور مہربانی کا برتاؤ روا رکھا۔ پھر میرا یہ معمول ہوگیا کہ جب بھی کسی کام سے لکھنؤ جانا ہوتا تو وقت نکال کر ان کی خدمت میں ندوۃ العلماء ضرور حاضر ہوتا۔ وہ بہت خوش دلی سے پذیرائی فرماتے اور اگر میرا وہاں دو ایک دن مزید قیام ہوتا تو اگلے روز صبح کو اپنے ساتھ ناشتہ کرنے کی دعوت ضرور دیتے۔ ایک مرتبہ ایک ایسے دوست کے ساتھ حاضر ہوا جن کی طرف ان کی طبیعت راغب نہیں تھی تو اس سے اگلی صحبت میں فرمایا کہ پچھلی مرتبہ صحبتِ ناجنس تھی، اس لئے کھل کر باتیں نہیں ہوسکی تھیں۔ ایک اور موقع پر اتفاق سے ایک صاحب کے ساتھ قیام تھا اور ان ہی کی معیت میں حاضر خدمت ہوا تھا تو ان کے کمرے سے باہر چلے جانے پر فرمایا کہ بجائے ندوہ کے ان کے وہاں کیسے ٹھہر گئے۔ اسی دوران میری ان سے مکاتبت کا آغاز ہوا۔ کبھی میں ان سے کسی مسئلہ پر رہنمائی حاصل کرنے کے لئے خط لکھتا۔ وہ اس کا جواب ضرور مرحمت فرماتے اور کبھی وہ والد صاحب مرحوم کی خیریت معلوم کرنے یا ان کا پروگرام دریافت کرنے کے لئے خود اپنی طرف سے خط تحریر فرماتے۔ ان کے جو خطوط میرے پاس محفوظ ہیں ان میں زیادہ تر قمری کیلنڈر کی تاریخیں درج ہیں۔ ایک نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اوّلین مکاتیب ۱۳۹۲ھ مطابق ۱۹۷۲ء کے ہیں۔ جب میں ۱۹۸۰ء کے دہے میں صدر شعبۂ عربی و اسلامیات کی حیثیت سے سری نگر میں مقیم تھا تو میری دلی تمنا تھی کہ حضرت مولانا وہاں تشریف لاکر ہمارے طلبہ واساتذہ سے خطاب فرمائیں۔ اس سے قبل ۱۹۸۲ء میں پروفیسر وحیدالدین ملک کے دور وائس چانسلری میں کشمیر یونیورسٹی ان کی خدمت میں ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری پیش کرچکی تھی۔ (افسوس ہے کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اس شرف سے محروم رہی) میرے ایک ایسے ہی خط کے جواب میں مولانا نے اپنی صحت کی کمزوری اور اپنی مصروفیات کی خاصی تفصیل بیان کرتے ہوئے وہاں تشریف آ[وری] سے معذرت ظاہر فرمائی ہے۔

۱۹۸۸ء میں سری نگر سے واپس آنے کے بعد جب بھی مولانا کو کوئی اعزاز پیش [کیا] جاتا یا وہ کوئی اعزاز قبول فرمانے سے [معذرت] ظاہر فرماتے یا ان کے والا مرتبت خاندان میں [کوئی] حادثہ پیش آتا یا ندوۃ العلماء کسی آزمائش [سے] گزرتا تو میں نیاز نامہ لکھ کر حسب موقع اپ[نے جذبات] کا اظہار کرتا اور وہ جواب ضرور عنایت فرما[تے] جس میں قدیم خاندانی تعلقات کا ذکر لازما[ً ہوتا]۔ جب انھیں حکومت ہند کی طرف سے "پدم بھوش[ن]" کے اعزاز کی پیش کش ہوئی اور اس وقت [کے] وزیر اعظم نے خود ٹیلی فون کرکے ان سے [اسے] قبول کرنے کی درخواست کی لیکن انھوں نے [معذرت] کردی تو میں نے انھیں عریضہ لکھا کہ یہ اعزاز[ات] یقیناً اہم اور قابلِ فخر ہیں لیکن بعض شخصیتی[ں] اعزازات سے عظیم تر ہوتی ہیں اور ان ہی م[یں] جناب والا کی گرامی قدر شخصیت شامل ہے۔ می[ں نے] انھیں یہ بھی لکھا تھا کہ اس سے قبل غیر ملکی حکو[مت] کے دور میں میرے جد امجد مولانا حبیب الرحمٰن [خاں] شروانی مرحوم کبھی کوئی خطاب قبول کرنے [کے] لئے آمادہ نہیں ہوئے اور جب آزاد ہندوست[ان] میں ۱۹۵۴ء میں ان اعزازات کا آغاز ہوا تو [مولانا] ابوالکلام آزادؒ کا نام "بھارت رتن" کی فہرس[ت میں اور] مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کا "پدم بھوشن" [کی] فہرست میں شامل تھا لیکن ان دونوں حضرا[ت نے] معذرت کردی تھی۔ یہ تفصیل پڑھ کر مولانا [نے] حضرت جد امجدؒ کے تعلق سے تحریر فرمایا کہ "مجھے اس سلسلے میں اپنے عالی مرتبہ بزرگ و مخدوم نواب صدر یار جنگ رحمۃ ال[لہ] علیہ کے واقعے کا علم نہیں تھا۔ برطانو[ی] عہد میں ایک رئیس اور بڑے زمیندا[ر]

کی حیثیت سے ان کا اعزاز کے قبول کرنے سے معذرت کرنا ایک غیر معمولی جرأت کی بات تھی۔"

اسی طرح بابری مسجد کے واقعہ ہائلہ پر جب طبیعت بہت مضطرب تھی تو حضرت مولانا ہی کو نیاز نامہ لکھ کر تسلی حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ جواب میں انھوں نے تحریر فرمایا تھا:۔

"آپ نے اپنے مکتوب میں جو تأثرات ظاہر کئے ہیں ان میں سے اکثر سے اتفاق ہے اور توارد معلوم ہوتا ہے۔ حالات ایسے غیر معمولی ہیں جو صدیوں میں پیش آتے ہیں۔"

۱۹۹۲ء میں والد صاحب مرحوم کی وفات کے بعد انھوں نے مجھے ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامیہ کی رکنیت کا اعزاز بخشا اور اس طرح پچھلے آٹھ، نو برس میں متعدد بار انھیں مزید قریب سے دیکھنے اور ان کی شفقت اور مہمان نوازی سے بہرہ اندوز ہونے کا موقع نصیب ہوا۔ اب خاندان میں یا خاندان کے باہر کوئی ایسا بزرگ موجود نہیں ہے جو ان جیسی شفقت اور کرم کا اظہار کرتا ہو۔ اس لئے محرومی کا احساس زیادہ شدید ہے۔ ان کی وفات پر میں اپنے جذبات رنج والم کا اظہار ماہنامہ "معارف" اعظم گڈھ کی فروری ۲۰۰۰ء کی اشاعت میں کر چکا ہوں۔ اللہ تعالیٰ انھیں اعلیٰ علیین میں مخصوص مقام عطا فرمائے اور ان کی وفات سے ملت کی صفوں میں جو عظیم خلا پیدا ہو گیا ہے اسے اپنی رحمت بے پایاں سے پُر فرمانے کے اسباب مہیا فرمائے۔

حواشی

[1] شمس تبریز خاں: صدر یار جنگ، مکتبہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، ۱۹۷۲ء: ۲۳۰۔

[2] سید سلیمان ندوی: حیات شبلی، دار المصنفین اعظم گڈھ، ۱۹۴۳ء: ۲۲۰

[3] حبیب الرحمٰن خاں شروانی: مقالات شروانی، شروانی پرنٹنگ پریس علی گڈھ، ۱۹۴۷ء: ۱۷۷

[4] صدر یار جنگ: ۱۴۵ [5] ایضاً: ۲۴۷

[6] رسالہ جامعہ، جنوری تا مارچ ۲۰۰۰ء، ڈاکٹر حسین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی: ۱۲۷

[7] صدر یار جنگ: ۲۳۸۔۲۳۹ [8] ایضاً: ۲۴۳

[9] حیات شبلی: ۴۱۷ [10] صدر یار جنگ: ۲۴۹

[11] ایضاً: ۶

[12] سید ابوالحسن علی ندوی: پرانے چراغ حصہ دوم مکتبہ فردوس لکھنؤ، ۱۹۸۰ء: ۲۳ [13] ایضاً: ۲۴

[14] ایضاً: ۲۷ [15] ایضاً: ۲۹ [16] ایضاً: ۳۵

اک نور کا منار تھے حضرت علی میاں

بشر فردوسی، اکسیوی

مہکی ہوئی بہار تھے حضرت علی میاںؒ
اس دیش کا وقار تھے حضرت علی میاںؒ

انسانیت کا لے کے چلے تھے وہ اک مشن — انساں کے غم گسار تھے حضرت علی میاںؒ
کتنی ہی زرد فصلوں کو سرسبز کر گئے — اک ایسا آبشار تھے حضرت علی میاںؒ
علم و ادب کی تاجوری تھا انہی کا حق — وہ علم کا دیار تھے حضرت علی میاںؒ
پروردگار نے انھیں بخشیں تھیں عظمتیں — ملت کا افتخار تھے حضرت علی میاںؒ
آواز دے رہے تھے کہ سب جاگتے رہو — امت کے پہرے دار تھے حضرت علی میاںؒ
انسان دوستی کا سبق یاد کیجئے — کہتے یہ بار بار تھے حضرت علی میاںؒ
نفرت کی آندھیوں میں گھرا ہے مرا وطن — یہ سن کے بے قرار تھے حضرت علی میاںؒ
دنیا کے گوشے گوشے سے آتی ہے یہ صدا — رہبر وہ شاندار تھے حضرت علی میاںؒ
سب احترام کرتے تھے دنیا کے تاجدار — عالم کے تاجدار تھے حضرت علی میاںؒ
جب تک جئے جہاں کو ضیا بانٹتے رہے — اک نور کا منار تھے حضرت علی میاںؒ
رتبے میں آج ان کے برابر کوئی نہ تھا — سب کے بزرگوار تھے حضرت علی میاںؒ

تھے بیسویں صدی کے وہی رہنما بشر
ہر دل کی وہ پکار تھے حضرت علی میاںؒ

تاریخ وصال

اخلاص کے لہجے کی خنک ختم ہوئی
سچائی کے لفظوں کی مہک ختم ہوئی
دنیا سے اٹھا کون کہ لگتا ہے رئیس
پیشانیٔ ملت کی چمک ختم ہوئی
۱۹۹۹ء

رئیس الشاکری

حضرت مولانا کا آبائی وطن

تکیہ شاہ علم اللہ ایک تعارف

نقل و ترتیب: محمد ابرار الحق، دار العلوم ندوۃ العلماء

اس بستی کا جس کا امتیاز توحید خالص، جذبۂ جہاد، بدعت سے نفرت رہا ہے۔ اور جہاں تین سو سے زائد عرصہ گزرنے کے باوجود بھی بدعت کا نام نشان نہیں ملتا ہے۔ اور یہی نہیں بلکہ وہ مسلسل ایسی اولوالعزم ہستیاں پیدا کرتا رہا ہے جنھوں نے دعوت توحید، تہذیب نفس، اصلاح معاشرہ تعلیم و تبلیغ، احیاء سنن، اور اعلاء کلمۃ اللہ کا عظیم کام انجام دیا۔ جن میں اس بستی کے بانی حضرت شاہ علم اللہ حسنیؒ حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام زیادہ نمایاں اور تاباں ہیں۔ ایک مختصر تعارف فخر عہد مخدوم العالم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کاروانِ زندگی سے لے کر ان کی ہی تحریر میں پیش کیا جا رہا ہے کہ یہ بستی ان کا مولد و موطن ہے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

قبل اس کے کہ میں اپنے بچپن کا حال اس وقت کا ماحول اور ابتدائی نقوش اور یادوں کا ذکر کروں، اس چھوٹی سی دیہاتی بستی کا نقشہ دکھانا چاہتا ہوں جس کی بنیاد سنہ ۱۰۵ھ میں

عارف کامل حضرت سید شاہ علم اللہ حسنی نقشبندیؒ (خلیفہ حضرت سید آدم بنوریؒ) کے ہاتھوں اسی جذبہ پر پڑی جو ان کے مورث اعلیٰ اور اس ملت کے موسسِ اول سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے سینہ میں موجزن تھا اور جس کا مقصد "ربَّنا لیقیموا الصلوٰۃ" کے الفاظ میں ظاہر کیا گیا ہے وہ بستی جس نے اپنے اپنے وقت میں کبار اولیاء اللہ مصلحین و مجاہدین پیدا کیے جن میں حضرت سید احمد شہیدؒ کا نام اور کام سب سے زیادہ روشن اور تاباں ہے۔

آپ جب شہر رائے بریلی سے مشرق و شمال کی طرف سے آئیں تو میل ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر سئی ندی کے کنارہ سادات کے چند گھروں کی ایک چھوٹی سی بستی نظر آئے گی، شہر کو اس بستی سے ملانے والا راستہ کھیتوں کے درمیان پگڈنڈیوں کا ہے جو بالکل خام اور بارش میں تقریباً ناقابل گذر ہو جاتا ہے۔ اس بستی میں میرے بچپن میں صرف آٹھ گھر تھے جن کو دو دو پر تقسیم کیا جا سکتا ہے کہ ان میں ایک گھر سے دوسرے گھر جانے کا دروازہ تھا۔ پہلے جانب غرب دو مکان ذرا ہٹے ہوئے نظر آئیں گے جو اسی خاندان کی ایک شاخ کے

افراد ہیں اگر مشرق و شمال کی طرف سے اس بستی میں داخل ہوں تو پہلے املی کا ایک نہایت تناور اور چھتنار درخت ملیگا جسکے نیچے پوری پوری باراتیں اور قافلے ٹھہر سکتے تھے ایک طرف سے متصل بلکہ اس درخت کے زیر سایہ ہمارے دادا صاحب کا بیٹھکہ جو خام اور خس پوش تھا ملیگا جو ان کا دار التصنیف بھی تھا اور مطب بھی تھا، ملاقات کا کمرہ بھی، اس بیٹھکے کے (جس کو ابھی تک ہم لوگ تکیہ کی اصطلاح میں بنگلہ کہتے ہیں) بالمقابل ہمارا آبائی مکان ہے۔ اس کے اور بیٹھک کے درمیان صرف تین چار گز کی تیلی گلی ہے۔ اس گھر سے متصل ہی اس خاندان کے اس وقت کے سب سے زیادہ باوجاہت بزرگ اور ضلع کے زمیندار اور رئیس نیز آنریری مجسٹریٹ مولوی سید خلیل الدین صاحب اور ان کے چھوٹے بھائی سید امین الدین صاحب کی حویلی ہے۔ ہمارے گھر سے اس گھر میں جانے کا زینہ ہے اور دونوں گھروں کی ہر وقت کی آمد و رفت ہے اس حویلی سے متصل سید خلیل الدین صاحب کا دیوان خانہ ہے جو اس چھوٹی سی بستی میں سب سے شاندار اور باوقار بیٹھکہ یا بنگلہ ہے، دونوں بھائیوں کا اسی میں قیام ہے۔ یہیں زمینداری کے معاملات طے ہوتے ہیں، ضلعدار اور لگان دینے والے کسان یہیں آتے ہیں۔ بستی کے معزز مہمان اور خاندان کے باوجاہت بزرگ یہیں مہمان رہتے ہیں، اس کے بالکل بالمقابل انکے چچا زاد بھائیوں سید احمد سعید صاحب اور حافظ سید عبید اللہ صاحب کا مکان اور بنگلہ ہے۔ ان چاروں بھائیوں کی جائیداد مشترک ہے اور ضلع کے بڑے زمینداروں میں ان کا شمار ہے، ان دونوں مکانوں کے درمیان ایک کھلا میدان ہے جو بستی کے بچوں کے کھیلنے

ر تقریبات کے منعقد ہونے کا محل ہے اس کو
ی رکھا گیا ہے تاکہ بستی کی ہوا اور فضا
ہے اور لوگوں کو جمع ہونے اور بچوں کو
موقع ملے۔ میدان کے نیچے مغربی جانب
ر جنوب کی طرف جانے والا راستہ ہے
ے گاڑیاں بھی گزر سکتی ہیں۔ اس راستہ
۔ جنوب کی طرف آگے بڑھیں گے تو
پر سید محمد نعیم صاحب عرف اچھے میاں
کا بنگلہ ہے جو بہت خوش سلیقگی اور
ی کے ساتھ بنایا گیا ہے اس سے آگے
گا تو بائیں طرف ایک ٹیلہ سا نظر آئے گا
بھی اسی خاندان کے بعض بزرگوں کا مکان
ب منہدم ہو چکا ہے۔ آگے بڑھیں گے
طرف ایک تالاب سا نظر آئے گا جس کو
ھیا کہا جاتا ہے، اور جس میں سال کے
ینوں میں پانی بالکل نہیں رہتا یا بر اسکے نام
تا ہے۔ غالباً یہیں سے مٹی لے کر مکانوں
بر ہوئی۔ اس لئے یہ ایک نشیبی قطعہ زمین بن گیا
ہے۔ اس کے کنارے اسلی کا ایک دوسرا
ن تناور اور چھتناری درخت ہے جسکے
یوں میں جنوبی حصہ کے رہنے والے
یاں بچھا کر یا مونڈھے ڈال کر بیٹھتے
ور تفریح کرتے ہیں، یہیں مشرقی جانب
پر جہاں بڑے سیلاب میں بھی پانی
پہونچتا تکیہ کے قدیم ترین مکانات اور
رہ ملے گا جس میں اسی نوآبادی کے
ضرت سید شاہ علم اللہؒ اور ان کی اولاد کا
اور حضرت سید احمد شہیدؒ کا مولد و منشا ہے
بھی دو ہی مکانات تھے جو ایک دوسرے
پیوست اور جڑواں تھے اور درمیان
روازہ ہے، اس کے پہلو میں جانب
۔ وہ بیٹھک یا بنگلہ ہے جو اس بستی کی

سب سے زیادہ پر رونق اور آباد جگہ ہے۔ ٹونک
کے اعزہ آتے ہیں تو عام طور پر یہیں ان کا قیام
ہوتا ہے۔ سامنے وہ تاریخی اور بابرکت مسجد ہے
جس کی پختہ تعمیر ۱۰۸۳ھ میں حضرت شاہ علم اللہ صاحبؒ
کے مبارک ہاتھوں سے ہوئی۔ اس کی بنیاد وں
میں زمزم ڈالا گیا اور اس کو بیت اللہ شریف
کے نقشہ پر تقریباً اسی طول و عرض کے ساتھ بلا مینار و
گنبد کے تعمیر کیا گیا صرف ادباً چند انگل کم رکھا یہی
مدرسہ بھی تھا خانقاہ بھی تھی اور حضرت سید احمد شہیدؒ
کے زمانہ میں جہاد کی تربیت گاہ بھی، اور جماعت
مجاہدین کی قیام گاہ بھی مسجد کے بالکل بالمقابل
مشرقی جنوبی گوشہ میں ایک چار دیواری یا حظیرہ
ہے جس کو اہل خاندان قدیم زمانہ سے " روضہ "
کہتے ہیں، اس کے اندر حضرت شاہ علم اللہؒ انکے
بڑے صاحبزادہ سید آیت اللہ شاہ صاحبؒ کی
اہلیہ محترمہ اور نامور اور بلند مرتبت صاحبزادہ
سید محمد عدل عرف شاہ لعل اور اسی خاندان کے چند
افراد کی قبریں ہیں جو سب کی سب خام ہیں اور کسی پر لوح
مزار یا کسی قسم کا امتیازی نشان نہیں ہے۔ مسجد کے
دوسرے سرے شمالی مشرقی گوشہ پر حضرت شاہ
علم اللہ صاحب کے تیسرے صاحبزادہ سید ابو حنیفہ
اور حضرت سید احمد شہیدؒ کے والد محترم سید محمد عرفان
صاحبؒ ایک چھوٹے سے چبوترہ میں مدفون ہیں
جہاں قبور کا کوئی نشان نہیں رہا ہے مسجد کے قبلہ
رخ مغربی جانب خاندان کا عام قبرستان ہے
اور راقم کے دادیہالی و ننیہالی بزرگ شمالی
جانب اور شاہ علم اللہ صاحبؒ کے پوتے
صاحبزادہ شیخ وقت سید محمد نقشبندیؒ اور انکے
سلسلہ کے لوگ جنوبی، مغربی جانب مولسری
کے درخت کے قریب آسودۂ خاک و محوِ خواب
ہیں ؎

سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

مسجد کے نیچے سئی ندی بہتی ہے جو دیکھنے
میں ایک حقیر و بے ضرر اور بے آزار ندی معلوم
ہوتی ہے، لیکن سخت بارش و سیلاب کے زمانہ
میں اس کی طغیانی و فتنہ سامانی کا یہ حال ہوتا
ہے کہ اسکی حقیر حالت کو دیکھ کر فارسی کا یہ شعر
پڑھنے کو جی چاہتا ہے ؎

گربۂ مسکیں اگر پر داشتے
تخم کنجشک از جہاں بر داشتے

گرمیوں میں شام کو مسجد کا جنوبی حصہ اور ندی
کا کنارہ پوری بستی کی تفریح گاہ اور اجتماع
کا مرکز بن جاتا ہے۔ شاید چند بڑے بوڑھوں
کے علاوہ پوری آبادی یہاں مولسری کے
اس درخت کے نیچے جو جانب جنوب مغرب ہے
سمٹ کر آجاتی ہے ندی میں نہانے کا ایک
ہنگامہ برپا ہوتا ہے، پیرنے والے اپنے کمالات
دکھاتے ہیں اور جن کو پیرنا نہیں آتا ان کو
فی سبیل اللہ پیرنا سکھاتے ہیں گویا یہ بڑا
کار ثواب اور ان کا اخلاقی فریضہ ہے اور
جو اس خطرناک کام سے ڈر کر بھاگتے ہیں ان کو
ان مجاہدین کی پولیس پکڑ کر لاتی ہے، اور
زبردستی پیرنا سکھاتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ
کام بڑا اچھا تھا کہ یہاں سیلاب آتے رہتے
ہیں اور یہاں ہر شخص کے لیے بقدر ضرورت
پیرنا جاننا ضروری ہے۔ اس کار خیر میں ہمارے
ٹونک کے اعزہ اور برادر محترم حافظ سید حبیب الرحمان
صاحب پیش پیش رہتے تھے۔ مغرب کی اذان
تک یہ ہنگامہ کارزار گرم رہتا ہے، ندی کے
پار مغربی جانب تخمی آموں کا ایک گھنا باغ ہے جو
میرے دادا صاحب اور ان کی اولاد کی ملکیت
ہے۔ آموں کے موسم میں جب ندی بھری ہوتی
ہے اور اس کا پاٹ بہت بڑا ہو جاتا ہے۔
پیراک لوگ ندی پار کر کے باغ میں جاتے ہیں۔

اور آموں سے ان کی ضیافت کی جاتی ہے۔ بستی کے مکانوں کے مغربی جانب باغات کا سلسلہ ہے مشرقی اور شمالی جانب ہرے بھرے کھیتوں کا جنگل وجہ سے یہ بستی اس بحر اخضر میں ایک جزیرہ معلوم ہوتی ہے بارش کے زمانہ میں خاص طور پر اس کی خوشنمائی اور بڑھ جاتی ہے لیکن ہر تھوڑی مدت کے بعد آنے والا سیلاب اس قابل رشک جائے وقوع اور ان دلفریب مناظر کی قیمت وصول کر لیتا ہے اور اکثر بستی کے رہنے والوں کو اپنا محبوب مسکن چھوڑ کر کہیں شہر میں یا آس پاس کسی بلند سطح گاؤں میں پناہ لینی پڑتی ہے، اس جبری منتقلی اور سیلاب کی لائی ہوئی پریشانیوں کی وجہ سے کبھی کبھی بستی والوں کو خیال ہوا کہ وہ مستقل طور پر اپنی سکونت کے لیے کوئی اور بلند جگہ انتخاب کر لیں جہاں وہ سیلاب کے گزند سے محفوظ رہیں لیکن پھر وطن کی کشش اور مسجد و مقابر کی حفاظت کا جذبہ نیز وہاں کی سہولتوں کا خیال دامن گیر ہوتا ہے۔ اس طرح اس خاندان نے تین سو برس یہاں گزار دیئے ہیں آگے کا حال اللہ کو معلوم ہے

(ماخوذ از: کاروانِ زندگی)

---

۱ حال ہی میں پختہ سڑک بن گئی ہے جو اس بستی کو جانے والی سڑک سے ملا دیتی ہے۔ پگڈنڈی کا پرانا راستہ بھی موجود ہے۔

۲۔ اس بنگلہ کی پشت پر مولانا سید محمد طاہر صاحب کا زیر تعمیر مکان ہے۔

۳ اب یہ حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب مدظلہ اور ان کے بھائیوں کی رہائش گاہ ہے۔

۴ یہ دیوان خانہ بعد میں حضرت مولانا کے قریبی عزیز ڈاکٹر سید حسن صاحب کا مکان بنا۔

۵ اب یہ مولانا سید ابوبکر حسنی صاحب کی رہائش گاہ ہے۔

۶ یہ دونوں بزرگ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی ماموں تھے۔ اور سید احمد سعید صاحب خسر بھی تھے۔

۷ اب یہ حضرت مولانا کے قریبی عزیزوں سید حسن مجتبیٰ، سید محمد مسلم حسنی کے مکانات ہیں۔

۸ اب اسی جگہ پر مدرسہ تحفیظ القرآن حضرت سید احمد شہیدؒ کے نام پر قائم ہے۔

۹ یہی ایک خاندانی بزرگ سید محمد جعفر صاحب کی نشست گاہ اور مہمان خانہ تھا۔ سید محمد جعفر صاحب حال مقیم کراچی حضرت شاہ ابوسعید صاحب کی اولاد میں ہیں۔ خاندان کے باوجاہت وبا اثر لوگوں میں تھے۔

۱۰ ۱۱۸۰ھ میں جب شاہ صاحب یہاں منتقل ہوئے تو ضرورت کے لیے خام مسجد تیار کر لی تھی۔

۱۱ چونکہ یہ چار دیواری ایک چبوترہ پر واقع ہے اس لیے یہاں سیلاب کا پانی عام طور پر نہیں جاتا۔ بہت دیر میں جاتا ہے اس لیے سیلاب کے زمانہ میں جن خوش نصیب افراد کا انتقال ہوا ان کو اسی حظیرہ میں جگہ ملی، عرصہ کے بعد مولانا حکیم سید عبدالحئی صاحب حسنیؒ کے انتقال پر باتفاق خاندان یہ حظیرہ کھولا گیا اور ان کی تدفین عمل میں آئی۔ اس کے بعد حکیم صاحب کے ہی گھر کے متعدد افراد جن کا ذکر اپنی جگہ پر آئے گا دفن ہوئے، اور آخر میں صرف ایک جگہ رہ گئی تھی وہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے حصہ میں آئی اور وہ ۳۱ر دسمبر ۱۹۹۹ء و یکم جنوری ۲۰۰۰ء کی درمیانی شب وہاں آسودۂ خاک ہوئے۔

(بقیہ)

حواشی دو شاہکار تصنیفات

مقابلہ کے لیے پورے طور سے تیار رکھی گیا اس لیے کہ اس سورہ میں ایسی روح اور اسپرٹ ہے جو جاہلیت اور اس کے علمبرداروں کے طرز فکر اور طریقۂ زندگی کی بڑی وضاحت اور قوت کے ساتھ نفی کرتی ہے اور اس پر سخت ضرب لگاتی ہے۔

۲ مثلاً حریت، اشتراکیت، جمہوریت، معیار زندگی کی بلندی، معاشی خوش حالی، فلاحی ریاست، یہاں تک کہ تہذیب و تمدن، فنون لطیفہ اور قانون و دستور جیسے الفاظ صرف نعروں کے طور پر استعمال کیے جا رہے ہیں۔

۳ عربی، اردو انگریزی، ترکی، ملیشین۔

۴ مصنف نے طالب علمی کے دور میں صحاح ستہ بلفظہ پڑھی، اور عرصہ تک حدیث کا درس دیا ملاحظہ ہو الرسعیان ندوی کی کتاب مولانا علی میاں اور علوم حدیث

۵ مثال کے لیے ملاحظہ ہو ص۲ تا ص۲۳ (ارکان اربعہ ساتواں ایڈیشن، پوری کتاب میں اسی طرح کے مکرر مباحث ہیں۔

(بقیہ)

حواشی کتاب کی کہانی

ہوکر (جس میں اعتدال و توازن، مؤرخانہ انصاف اور علمی تحقیق کی بالعموم کمی ہوتی ہے) تاریخی مباحث پر کس طرح قلم اٹھانا چاہیے اور کس انداز سے ان کو مرتب کرنا چاہیے۔ (ترجمہ۔ ماذا خسر العالم کے اردو ایڈیشن" انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" سے ماخوذ ہے)۔

۲ وہ لکھتے ہیں:

"میں شہادت دیتا ہوں کہ کتاب کا پہلا ایڈیشن جب نکلا تھا تو اسی وقت میں نے ایک دن کے کم وقفہ میں یہ کتاب پوری پڑھ لی تھی اور اس کا بہت قدردان بلکہ اس کا عاشق ہو گیا تھا یہاں تک کہ مطالعہ کے بعد اپنی کتاب کے آخر میں میں نے لکھا تھا کہ" اس کتاب کا مطالعہ ہر اس مسلمان پر واجب ہے جو از سر نو اسلامی شان و شوکت کو بحال کرنے کے لئے کچھ کرنا چاہتا ہو"

۳ اس وقت مندرجہ ذیل زبانوں میں یہ کتاب پڑھی جاتی ہے۔ عربی، اردو، انگریزی، فرنچ، روسی، ترکی، انڈونیشی

ہمارے ابّا جان

اللہ ان کی قبر کو نور سے بھر دے

از سید رشید احمد ، سید خلیل احمد ، سید محمد امین ، خواہر سید منصور حسن

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے بھانجوں بھتیجوں کی اولادیں ابا جان کہا کرتی تھیں۔ اور وہ ان سب پر بڑے ہی مہربان اور شفیق تھے، ذیل میں خاندان کے چند نونہالوں کے تاثرات پیش کئے جا رہے ہیں۔ (ادارہ)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی جنکو ہم لوگ اباجان کہا کرتے تھے دنیا میں دور دور شہرت اور اونچا مقام رکھتے تھے وفات کے بعد سے ان پر جگہ جگہ جلسے اور پروگرام ہو رہے ہیں۔ جب آپ باحیات تھے تب بھی ان پر باہر ملکوں میں بڑے بڑے جلسے ہوتے تھے، سارے بزرگ انھیں دل و جان سے چاہتے تھے۔

اباجان کی والدہ بہت بزرگ خاتون تھیں۔ شادی سے پہلے انھوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ ایک آیت دہرا رہی ہیں اور وہ آیت ان کی زبان پر صبح تک جاری تھی لیکن ترجمہ معلوم نہیں تھا صبح کو اٹھ کر اس کا ترجمہ دیکھا تو بہت خوش ہوئیں اور ساری پریشانی ختم ہوئی وہ آیت یہ تھی۔ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (السجدۃ: ۱۷) ترجمہ، سو کسی کو نہیں معلوم جو چھپا دھرا ہے ان کے واسطے آنکھوں کی ٹھنڈک بدلے اس کا جو وہ کرتے ہیں۔

ہم سب اباجان کے پاس جب آکر بیٹھتے تو وہ اپنا واقعہ سناتے تھے ایک مرتبہ اپنے بچپن کا واقعہ سناتے ہوئے فرمایا کہ مجھے کتابوں کا بہت شوق تھا۔ جب والد صاحب کوئی کتاب ردی میں ڈال دیتے تو میں اس کو اپنے ایک چھوٹے سے کتب خانہ میں سجا لیتا ایک مرتبہ مجھ کو گھر سے ایک یا دو آنے ملے میں خوشی خوشی اس کو لیکر کتاب خریدنے نکل پڑا لیکن اتنا چھوٹا تھا کہ کتاب کے بجائے دوا کی دکان پر پہنچ گیا اور پیسے بڑھاتے ہوئے کہا کہ مجھے اچھی کتاب دے دو، اس نے مجھے دواؤں کی فہرست دے دی اور پیسے بھی واپس کر دیئے میں بہت خوش ہوا۔ کہ پیسے بھی بچ گئے اور کتاب بھی مل گئی۔

ایک مرتبہ اباجان نے اپنی سب سے پہلی تقریر کی دلچسپ کہانی سناتے ہوئے فرمایا کہ میلاد یا سیرت کا جلسہ کرنے کا شوق ہوا۔ اپنے ہم جولی ساتھیوں کے گھر جا جا کر انھیں بلا لایا۔ میری ایک بہن نے میرے سر پر چھوٹی سی پگڑی باندھ دی، پھر میں نے ایک کتاب لی اور پڑھنی شروع کر دی اس وقت میں اتنا کم فہم تھا کہ عبدالمطلب کے بجائے عبد المطّلَبْ پڑھ رہا تھا اور والد صاحب کھڑے یہ سب دیکھ رہے تھے۔

اباجان کہا کرتے تھے کہ میری والدہ تربیت میں بہت ماہر تھیں۔ میں اگر کوئی غلطی کرتا تو وہ تادیب ضرور فرماتیں۔ ایک مرتبہ میں نے اپنے گھر کی خادمہ کے بچے پر ہاتھ اٹھا دیا تھا جس پر وہ میری والدہ کے پاس آئیں اور کہنے لگیں "بی بی دیکھو علی میاں نے میرے لڑکے کو مارا ہے"، یہ سننا ہی تھا کہ والدہ کے تیور بدل گئے، مجھ کو بلوایا اور اس بچہ سے کہا کہ مارو علی کو۔ اس کے بعد مجھ سے کہا کہ علی اس سے معافی مانگو اور کہو کہ آئندہ ایسا نہیں کریں گے۔

اباجان جب گھر آتے تو نانا دادا (مولانا سید ابوبکر حسنی مدظلہٗ) اور ابا (سید مسلم حسنی صاحب) خوب خوب باتیں کرتے، ابا کہتے کہ بچپن میں آپ کو جتنا مطالعہ کا شوق تھا اتنا ہی کھیل کا بھی تھا۔ ہاکی خوب شوق سے کھیلتے تھے، بہترین پیراک بھی تھے اور شکار کا بھی شوق تھا۔ اس کے علاوہ ماہر نشانہ باز بھی تھے۔ اور ہمیں اس کے واقعات بھی سنایا کرتے تھے۔ پڑھائی میں اتنے تیز تھے کہ صرف ۱۴ سال کی عمر میں لکھنؤ یونیورسٹی سے فاضل ادب کا امتحان پاس کر لیا تھا۔

اباجان جب گھر آتے تو سب بچوں کو ٹافی کھلاتے تھے اور ہم بچوں کو بہت چاہتے تھے۔ جب سفر سے آتے تو ہمارے لئے کھلونے لاتے۔

اباجان نے بہت ساری کتابیں لکھی ہیں، سیرت سید احمد شہیدؒ اور تاریخ دعوت و عزیمت بہت مشہور کتابیں ہیں۔ گھر پر میں ان کا خوب تذکرہ سنا کرتا ہوں، میں نے یہ کتاب پڑھنی بھی شروع کی تھی لیکن سمجھ میں نہیں آئی۔ شاید

اس لئے کہ میں ابھی بہت چھوٹا ہوں اور اباجان کی کتاب بہت اونچے معیار کی ہے۔

اباجان سے ملنے گھر پر بڑے بڑے لوگ آتے تھے۔ اور سب ان کا خوب احترام کرتے تھے، اس ملک میں بڑے بڑے لوگ ان کی عزت کرتے ہیں اور عرب میں تو سب ان پر جان دیتے ہیں۔ اسی لئے تو۔ ان سے صرف ملنے کے لئے عرب سے لوگ ہمارے گاؤں آتے ہیں اور ایک مرتبہ تو رمضان میں ان کو لینے دبئی کا شاہی جہاز بھی آیا تھا۔

اباجان ہمیشہ دین واسلام کی باتیں کرتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ نیک کام کیا کرو۔ اور گندی چیزوں کے قریب بالکل نہ جایا کرو، لڑائی جھگڑا نہ کیا کرو اور کسی کو گالی بھی نہ دینا۔ اور کہا کرتے تھے کہ نماز پابندی سے پڑھا کرو۔ نماز کبھی بھی مت چھوڑنا ورنہ اللہ میاں ناراض ہو جائیں گے۔

اب ہمارے اباجان نہیں ہیں، ہمیں ان کی بہت یاد آتی ہے۔ ان کی ساری باتیں یاد آتی ہیں اور ان کی محبت وشفقت اب بھی ہمارے ذہنوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اباجان پر ڈھیر سارے انعامات کرے اور ہم کو بھی ان کے جیسا بنائے۔ آمین۔

از۔ سید رشید احمد تکیہ رائے بریلی

آج ہمیں بہت افسوس کے ساتھ لکھنا پڑ رہا ہے کہ اباجان یعنی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ ہم میں نہیں ہیں ہم سب بچوں کو اباجان سے بڑی محبت تھی۔ اس لئے کہ وہ ہم سب کو بہت چاہتے تھے۔ اور ہم میں سے ہر بچہ سے محبت وشفقت کا معاملہ کرتے تھے یہاں تک کہ ہر بچہ سمجھتا تھا کہ اس کو سب سے زیادہ چاہتے ہیں۔ آپ جب اپنے وطن تکیہ کلاں رائے بریلی آتے تو ہم سب کے لئے وہ دن بڑی خوشی کا دن ہوتا۔ آپ کی گاڑی کو سب بچے گھیر لیتے، جب آپ گاڑی سے اترتے تو سب سے چھوٹا بچہ آپ کی انگلی پکڑ لیتا۔ اور سب بچوں کے گھیرے میں آپ گھر تشریف لے جاتے۔ ہر بچہ کوشش کرتا کہ آپ کے بیٹھنے کے بعد ان کی چھڑی لے لے، بعض مرتبہ ہم لوگوں میں جھگڑا بھی ہو جاتا جب ایسا ہوتا تو بڑے چھڑی چھین لیتے۔ اور اونچائی پر ٹانگ دیتے آپ جب گھر تشریف لاتے تو سب بچوں کے لئے ٹافیاں لاتے، اور ہر ایک کو بلاکر ایک ایک ٹافی دیتے ، اگر ٹافی کم ہو جاتی اور کوئی بچہ رہ جاتا تو باہر سے منگا کر دیتے لیکن سب بچوں کو ضرور دیتے۔ اور اگر کبھی ٹافی بچ جاتی تو خود بھی کھاتے، اس کے ساتھ ساتھ اگر کوئی بچہ ٹوپی نہ پہنے ہو تو فوراً ٹوکتے۔

ہم سوچتے تھے کہ سب اباجان کی عزت کیوں کرتے ہیں۔ خاندان میں اور بھی بڑے بوڑھے ہیں۔ آخر ایسا کیوں؟ جبکہ اباجان نہ بادشاہ ہیں، نہ ہی بہت زیادہ پیسے والے، نہ کوئی بڑا دنیوی عہدہ۔ پھر کیوں لوگ ان سے محبت کرتے ہیں۔ ان کے جوتے اٹھاتے ہیں ان کے پیر دباتے ہیں؟ یہی نہیں بلکہ اہم سرکاری عہدے والے اور وزیر اعظم تک اباجان کے پاس آتے ہیں۔ اور ان کی بات ایسے سنتے ہیں کہ جیسے شاگرد اپنے استاد کی بات سنتا ہے۔ ہم نے اپنے بڑوں سے وجہ پوچھی تو انھوں نے کہا کہ جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کا ہو جاتا ہے۔

اباجان کو بے ادبی بالکل گوارہ نہ تھی ایسا کتنی بار دیکھا کہ کوئی بچہ چارپائی کے سرہانے بیٹھ جاتا اور اس کا بڑا پائنتے بیٹھا ہوتا تو چھوٹے کو پائنتے بیٹھنے کا حکم دیتے۔ سلام کرنے کو کہتے اور بچوں کے سلام کرنے پر انھیں شاباشی دیتے۔

پڑھائی کے بارے میں پوچھتے، زور سے بولنے کو ناپسند فرماتے، بچوں پر اتنے زیادہ شفیق تھے کہ ہم ان کی شفقت کو بیان نہیں کرسکتے، ہم لوگ غائب ہوتے تو بلاتے اور شفقت فرماتے کھیلنے سے کبھی روکتے نہیں تھے۔ بلکہ اگر کھیل کے وقت کوئی آکر بیٹھ جاتا تو فرماتے جاکر کھیلو لیکن پڑھائی کے وقت کھیل کو بہت ناپسند فرماتے تھے۔

ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ہم آج اباجان کی کتابیں "قصص النبیین"، "القراۃ الراشدہ" پڑھ رہے ہیں۔ اس میں بڑا مزہ آتا ہے، نبیوں کے حالات اور واقعات کتنے اچھے انداز میں لکھے ہیں کہ انھیں پڑھ کر نبیوں سے محبت اور خوب تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح طریقے سے زندگی گزارنے کی اور نبیوں کے طریقہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور ہمیں "اباجان" جیسا بنائے جن کے اندر اللہ میاں سے تعلق اتنا زیادہ تھا کہ انھیں ہر وقت اللہ میاں کے دین پھیلانے کی فکر لگی رہتی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

(از سید خلیل احمد حسنی، تکیہ رائے بریلی)

آج اباجان ہمارے بیچ نہیں ہیں، لیکن ان کی محبتیں، شفقتیں اور ان کی دعائیں ہمارے ساتھ ہیں، اور اباجان کی شفقتیں صرف ہم ہی لوگوں کے ساتھ نہیں تھیں۔ وہ ہر کسی کے ساتھ شفقت سے پیش آتے تھے۔ اور ہر ایک کے کام آتے، غریبوں کو ان سے بہت آرام ملتا تھا۔ گھر تشریف لاتے تو ایک ایک بچہ کو یاد کرتے

ر کسی وجہ سے اگر گھر نہیں آسکے تو ہم بچوں
ر بنگلہ پر بلاتے تھے، ٹافیاں ضرور لاتے
نے، کہ اس سے بچوں کو خوش کریں اور بچوں
ر دینے کے بعد بچ جاتی تو ہم لوگوں سے
لیتے اگر اجازت ہو تو ایک ہم بھی کھالیں، اس
ے بعد وہ ٹافی خود بھی کھاتے۔
اگر ہم میں سے کوئی پیر دلبنے لگتا، تو فوراً
روکتے، بلکہ ایک دو بار دبانے دیتے پھر بڑی
بت سے فرماتے کہ بس جاؤ کھیلو! اور
ہت دعائیں دیتے۔ اور اگر ہم بچوں میں سے
وئی کسی بچہ کو مار دیتا تو پھر آپ سختی سے
یش آتے، ظلم و زیادتی آپ کو بہت زیادہ
اپسند تھی، ہماری امی، خالہ، دادی، نانی،
بھوپھی سب سے فرمایا کرتے تھے کہ اپنے بچوں
و ظلم سے بچاؤ، آپ نرمی سے گفتگو فرماتے
ور شفقت سے پیش آتے، اور اس کی نصیحت
ھی فرمایا کرتے تھے، ہم لوگ ابا جان کو دنیا
کا سب سے بڑا بزرگ سمجھتے تھے، کہ جن کو
للہ تعالیٰ نے دین پھیلانے کے لئے پیدا
رمایا ہے۔ ابا جان کی ہم کس کس خوبی کو
بتائیں۔ ان کی تقریر بھی بڑی زبردست ہوتی
تھی اور لکھتے بھی بہت اچھا تھے، اور ہر وقت
پ کو دین کی مسلمانوں کی اور ہم تو یہ دیکھتے تھے کہ
سارے انسانوں کی فکر رہا کرتی تھی۔ بہت کم
سوپاتے تھے، دوائیں بہت کھانی پڑتی تھیں،
سو کر اٹھنے کے بعد، ناشتہ کر کے اور سوتے وقت
رات کو بھی دوا کھانی پڑتی تھی۔ صحت آپ کی برابر
خراب رہتی تھی، لیکن دین کیلئے سفر کرتے رہتے تھے
اور جو کوئی ملنے آتا اس کا بہت خیال کرتے اور اس
کی بات کو بہت غور سے سنتے، کبھی کسی کا دل نہیں
دکھاتے تھے۔
ابا جان کو بڑے بڑے ایوارڈ ملے، خیصل

ایوارڈ ملا۔ دبئی کی حکومت نے ایوارڈ دیا، لیکن
ہم دیکھتے تھے کہ ابا جان کو ان چیزوں سے بالکل
دلچسپی نہیں ہے۔ ابا جان صبر اور شکر کو اپنانے
پر بھی بہت زور دیتے تھے۔ اور بڑوں کا ادب
کرنے کو کہتے تھے۔ اور ہر کام میں نیت صحیح رکھنے
کو کہتے تھے اور فرماتے کہ حدیث شریف میں آیا
ہے "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّات" گھر جب
تشریف لاتے تو بزرگوں کے واقعات ایسے
مزے لے لے کر بیان کرتے کہ سب بچوں میں
یہ شوق پیدا ہونے لگتا کہ وہ انہی بزرگوں کی
طرح بن جائے۔ ابا جان کو عربی سے پھر اردو سے
بہت تعلق تھا، ہم نے دیکھا کہ ہم میں سے
کسی نے اگر ورق کو پنّہ کہہ دیا تو اس پر ٹوکا اور
فرمایا کہ پنّہ کیا چیز ہوتی ہے، ورق کہا کرو، اس
طرح ہم لوگوں کو ابا جان کو دیکھ کر بھی اور سن کر بھی
بہت کچھ ادب سیکھنے کو ملتا تھا۔ "ابا جان" تو
انتقال فرما گئے۔ اب ان کی یادیں ہیں، اللہ میاں
ہم کو ان کے صحیح نقشِ قدم پر چلائے۔
سید محمد امین، تکیہ رائے بریلی۔

بیسویں صدی جاتے جاتے اپنے ساتھ ایسی
شفیق ہستی کو لے گئی جس کی شفقت ہم سب
پر ایک سایہ دار گھنے درخت کی مانند تھی، ایسی
محترم ہستی کو ہم سے لے گئی جن کی دعاؤں کے
سایہ میں ہم سب بڑے ہوئے۔ اب ہم سب تپتے
صحرا کے مانند ہیں یہ ہمارے "ابا جان" حضرت
مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی تھے۔ جو
اب ہمارے درمیان نہیں ہیں۔ لیکن ان کی
تقاریر، تصانیف تو ہمارے درمیان ہیں، ایسی
شفیق اور محبت کرنے والی ہستی کو ہم سب کیسے
بھول سکتے ہیں ابا جان جب جب بھی سفر پر
تشریف لے جاتے تو گھر ضرور تشریف لاتے،

اور جب بھی سفر سے آتے تو گھر پہلے تشریف لاتے
ابا جان کے آتے ہی ہم لوگ جلدی کھڑے ہو جاتے
اور سلام کرتے، ابا جان بہت ہی محبت سے
جواب دیتے رہتے۔ چھوٹے بچے سلام کرتے
تو فرماتے جیتے رہو! اور سب بچوں کو جو وہاں
ہوتے ٹافیاں دیتے، سر پر ہاتھ پھیرتے اور
دعائیں دیتے۔ اور جب باہر جانے کے لئے
تشریف لے جانے لگتے تو ہم سب لوگ
جلدی سے کھڑے ہو جاتے۔ اور پیچھے پیچھے
چند قدم ساتھ رہتے۔ اس پر ابا جان کی
دعائیں ملتیں۔ فرماتے! عزت سے رہو، ایمان
کے ساتھ رہو، یہ دعا دیتے ہوئے تشریف
لے جاتے۔ ابا جان کے آنے سے تکیہ میں بہار
آجاتی تھی۔ اور جب تشریف لے جاتے تھے
تو سناٹا طاری ہو جاتا تھا، پھر ایک ایک
دن ابا جان کے آنے کے گنتے تھے، اس کے
بعد ابا جان جب تشریف لاتے تو پھر گویا عید
ہو جاتی۔ ابا جان کو بچوں سے بڑی محبت تھی، اور
آپ ان پر بہت زیادہ شفقت فرماتے تھے، جس
کی وجہ سے ہر بچہ یہ سمجھتا تھا، کہ ابا جان ہم ہی
سے زیادہ محبت کرتے ہیں، ابا جان کے پاس اگر
کوئی بچہ پیر دبانے پہونچ جاتا تو اس کی خوشی کیلئے
بہت تھوڑا سا دبواتے۔ اور پھر روک دیتے، جس سے
بچہ یہ سمجھتا، کہ واقعی میرے ہاتھوں میں جادو ہے تبھی
تو ابا جان کو اتنی جلدی سکون پہونچ گیا، لیکن
وہاں بات کچھ اور ہی ہوتی۔ آپ بچوں میں اسلامی
عنصر خاص طور سے ملاحظہ فرماتے تھے۔ اور ان
کی اچھے انداز سے تربیت اور فکر کرتے تھے۔
اور گھر تشریف لاتے۔ پھر یہ بھی فرمایا کرتے
کہ اپنی اولاد کو حرام اور مشتبہ مال سے بچاؤ، ابا جان
بچوں کی چھوٹی چھوٹی باتوں پر نظر رکھتے اور خلاف
ادب بات پر فوراً ٹوک دیتے، مثلاً اگر کوئی ٹوپی

پہن کر نہیں آتا تو اس کو ٹوپی پہننے کو کہتے۔ اگر کوئی مجلس میں خلاف ادب کام کرتا تو اس کو اسی وقت ادب سکھاتے۔ اور کسی کو زیادتی کرتا ہوا دیکھتے جیسے کہ بچوں کی یہ عادت ہوا کرتی ہے تو تنبیہ فرماتے اسی طرح بچوں کے چیخنے چلانے کو ناپسند کرتے لیکن ان کے رونے کو دیکھ کر فکرمند ہو جایا کرتے تھے۔

ابا جان کے پاس عورتیں بیعت کیلئے آتیں تو ان کو توحید آخرت پر ایمان اور رسالت پر پورا یقین واعتماد رکھنے کی تاکید فرماتے۔ کہ اللہ کی مرضی کے بغیر نہ کوئی پتہ ہل سکتا ہے نہ گر سکتا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت ہی آخری شریعت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کو حلال کر دیا وہ حلال ہے، جس کو حرام کر دیا وہ حرام ہے، قیامت تک اس میں کوئی تبدیلی ہونے والی نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔ اور وہی آخری نبی تھے اور اللہ کے سب سے محبوب نبی تھے۔ ان جیسے الفاظ کے ساتھ بیعت فرماتے، اور کچھ تسبیحات کے اہتمام کی تاکید فرماتے۔

ہمارے گھر میں بڑے چھوٹے سب یہ کہتے ہیں، اور ہم نے خود بھی دیکھا کہ ابا جان کسی کا دل دکھانا نہیں جانتے تھے، ہمارے بڑے بتلاتے ہیں، ابا جان بھی فرمایا کرتے تھے۔ کہ "بی بی" (والدہ صاحبہ) کی سب سے زیادہ تاکید یہ رہتی تھی۔ کہ کسی پر ظلم نہ کرنا، کسی کا دل نہ دکھانا۔ ایک دفعہ گھر کی خادمہ پر ہاتھ اٹھانے پر اسی وقت اس سے معافی منگوائی۔

ابا جان کا رمضان گذارنے کا معمول اپنے وطن تکیہ رائے بریلی کا ہوتا تھا۔ لیکن اس مرتبہ بیمار رہنے کی وجہ سے یہ مبارک

سبھی پہ یکساں تھی جن کی شفقت

سیدہ ہاجرہ حسنی بنت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

وہ محترم وہ شفیق ہستی — کرم سراپا خلیق ہستی
نگاہ و دل سے عزیز تر وہ — تھی وجہ برکت لئیق ہستی
سبھی پہ یکساں تھی جن کی شفقت — سروں پہ جیسے تھا ابر رحمت
تھی وجہ تسکین ان کی قربت — کہ جیسے واہو در سکینت
ہمارے گھر میں وہ جب بھی آتے — بس اچھی باتیں ہمیں بتاتے
بزرگ ہستی کا قرب پاکر — سب اہل خانہ سکون پاتے
یہاں کی رونق وہاں کی رونق — تھی اُن کے دم سے جہاں کی رونق
ہے لب پہ تکیہ کے ہر مکیں کے — گئی ہمارے مکاں کی رونق
ابھی تصور ہٹا نہیں ہے — ابھی یہ دل میں جما نہیں ہے
وہ اب یہاں سے چلے گئے ہیں — محبتیں وہ لُٹا رہے ہیں
ہے سب کی تجھ سے دُعا خدایا — سکونِ دل کی عطا ہو دولت
ہمیں ہو توفیقِ صبر مولیٰ — انہیں عطا ہو جوارِ رحمت

ایام لکھنؤ میں ندوہ کے احاطہ میں گذارنے پڑے تکیہ پر رمضان نہ گذارنے کا ہم سب پر جو اثر تھا وہ بیان سے باہر ہے، ابا جان کو بھی اس کا خیال تھا۔ اور وہ چاہتے تھے کہ گھر والوں کے بیچ ہی رمضان گذاریں اسی لئے تکیہ پر آخری عشرہ گذارنے کا شدید تقاضا ہوا۔ اور ۲۰ رمضان کو جب رائے بریلی تشریف لائے۔ تو تکیہ کی رونق پھر پوری طرح لوٹ آئی اور محسوس ہوتا تھا کہ ہر چیز بڑھ کر ابا جان کا استقبال کر رہی ہے اور عجیب سا سماں تھا۔ لیکن خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اس نے ہمارے ابا جان کو جو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سکون تھے۔ اپنے پاس بلا لیا۔ دنیا روتی رہی لیکن اس کی مرضی ہو کر رہی۔ اللہ میاں نے ابا جان کو دنیا کی تنگی سے نکال کر آخرت کی وسعت میں جگہ عطا فرمائی۔ آپ نے اپنی پوری زندگی ملت کی فکر و ہمدردی میں گذار دی آج۔ آپ کے حیات و کارناموں پر جگہ جگہ رسائل و کتب شائع ہو رہے ہیں۔ دنیا اس کو اپنا اور اپنا حق سمجھ کر کر رہی ہے جو آپ کی مقبولیت اور محبوبیت کی کھلی دلیل ہے۔ اب ان کے افکار و تعلیمات ہمارے سامنے ہیں جس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ اور یہی ان سے ملاقات اور ان کی مجلس کی جگہ پر ہے اللہ تعالی عمل کی توفیق عطا فرمائے اور صحیح راستہ پر چلائے۔

ش۔ ع۔ حسنی

روح رواں مجلس علم وادب تھا وہ
ہر فکر زندگی کا ادب ہی سبب رہا

مسلمانانِ ہند کی علمی و دینی خدمات

مرتبہ: حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۴۲۰ھ ۱۹۹۹ء)

۱۳۶۷ھ مطابق اپریل ۱۹۴۸ء میں جمعیۃ علماء ہند کا آل انڈیا جلسہ لکھنؤ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی صدارت میں ہوا تھا مجلس استقبالیہ کے صدر حضرت مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحبؒ ناظم ندوۃ العلماء تھے۔ اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہارویؒ جمعیۃ کے سکریٹری جنرل تھے، ندوۃ العلماء نے مہمانوں کے لئے دارالاقامہ خالی کر دیئے تھے' اس موقع پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے جن کی عمر اس وقت صرف ۳۰۔۳۵ سال رہی ہوگی، بڑی محنت، توجہ اور عرق ریزی سے ہندوستان میں علمی و اسلامی تاریخ کے چارٹس تیار کیے، جس نے بعد میں علمی نمائش کی شکل اختیار کر لی جو معلوماتی اور علمی لحاظ سے جاذب نگاہ اور جذبہ و فکر کے امتزاج کی ایک حسین و جمیل علمی و تعلیمی نمائش بن گئی، پھر انھیں علمی چارٹس کو سامنے رکھ کر ۸۵ سالہ جشن تعلیمی کے موقع پر ایسی نمائش کا اہتمام کیا گیا جو زیادہ شاندار رہ کر گھنٹوں میں پھیل گئی، اور اس سے مختلف اہل علم نے علمی فائدے حاصل کئے اور بہت سے دانشوروں نے اس کی نقلیں حاصل کیں ۔ یہ چارٹس حضرت مولانا کے طویل مطالعہ و مشاہدہ کا ماحصل اور عرق ریزی اور دیدہ وری کا اعلیٰ نمونہ ہیں جن کی افادیت آج بھی اسی طرح قائم ہے جس طرح آج سے پچاس سال پہلے تھی۔ ریسرچ کرنے والوں کو ایک نظر میں اتنا مواد مل جائے گا جو آسانی سے دوسری جگہ یکجا نہیں مل سکتا۔

نوٹ: حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا نام اور آپ کے بعض علمی کارناموں کا ذکر کر کے ادارہ تعمیر حیات نے اضافہ کیا ہے۔

أعلام المفسرین فی الہند
ہندوستان کے چند باکمال مفسرین

	الاسم	المتوفی فی سنہ		اسم التفسیر
۱	الشیخ علاء الدین علی بن احمد المہائمی	سنہ	۸۳۵ھ	تبصیر الرحمن وتیسیر المنان
۲	القاضی شہاب الدین الدولۃ آبادی	،،	۸۴۹ھ	البحر المواج
۳	جان محمد اللاہوری	،،	۱۱۲۰ھ	زبدۃ التفاسیر
۴	جمال الدین الگجراتی	،،	۱۱۲۴ھ	تفسیر نصیری
۵	محمد محکم بن محمد بن شاہ علم اللہ الحسنی	،،	۱۱۵۰ھ	محکم التنزیل
۶	ولی اللہ بن عبد الرحیم الدہلوی	،،	۱۱۷۶ھ	فتح الرحمن فی تفسیر القرآن
۷	أہل اللہ بن عبد الرحیم	،،	۱۱۸۷ھ	تفسیر القرآن
۸	ثناء اللہ البانی پتی	،،	۱۲۲۵ھ	تفسیر مظہری
۹	عبد القادر بن ولی اللہ الدہلوی	،،	۱۲۳۰ھ	حواشی موضح القرآن
۱۰	عبد العزیز المحدث الدہلوی	،،	۱۲۳۹ھ	فتح العزیز
۱۱	ولی اللہ الحسینی الفرخ آبادی	،،	۱۲۴۹ھ	نظم الجواہر
۱۲	السید صدیق حسن القنوجی	،،	۱۳۰۷ھ	فتح البیان
۱۳	محمد سعید الأسلمی المدراسی	،،	۱۳۱۴ھ	تفسیر القرآن
۱۴	احمد بن المتقی المعروف بسید احمد خاں	،،	۱۳۱۵ھ	تفسیر القرآن
۱۵	الشیخ محمد حسن الامروہوی	،،	۱۳۲۳ھ	مصالحات الاسرار
۱۶	ابو القاسم بن حسین الکشمیری	،،	۱۳۲۴ھ	لوامع التنزیل وسواطع التاویل
۱۷	فتح محمد اللکھنوی	،،	۱۳۲۸ھ	خلاصۃ التفاسیر
۱۸	احمد حسن الدہلوی	،،	۱۳۲۸ھ	احسن التفاسیر
۱۹	عبد الحق بن محمد امیر الدہلوی	،،	۱۳۳۵ھ	فتح المنان المعروف تفسیر حقانی
۲۰	امیر علی بن معظم علی الحسینی الملیح آبادی	،،	۱۳۳۷ھ	مواہب الرحمن
۲۱	وحید الزماں بن مسیح الزماں اللکھنوی	،،	۱۳۳۸ھ	تفسیر وحیدی
۲۲	حمید الدین الفراہی	،،	۱۳۴۹ھ	نظام القرآن
۲۳	محمد اشرف علی التھانوی	،،	۱۳۶۲ھ	بیان القرآن
۲۴	ثناء اللہ الامرتسری	،،	۱۳۶۸ھ	تفسیر القرآن بکلام الرحمن
۲۵	شبیر احمد العثمانی	،،	۱۳۶۹ھ	حواشی علی ترجمۃ معانی القرآن للشیخ محمود حسن الدیوبندی
۲۶	ابو الکلام آزاد	،،	۱۳۷۷ھ	ترجمان القرآن
۲۷	محمد اویس النگرامی الندوی		۱۳۹۶ھ	تفسیر ابن قیم
۲۸	عبد الماجد دریاآبادی		۱۳۹۷ھ	تفسیر ماجدی
۲۹	ابو الأعلی المودودی		۱۴۰۰ھ	تفہیم القرآن
۳۰	امین احسن الاصلاحی		۱۴۱۸ھ	تدبر قرآن

الأعلام في علم أسماء الرجال للحديث في الهند
فن اسماء الرجال اور اسانید کے چند ہندوستانی عالم

رقم	الاسم	المتوفى في عام	أهم مؤلفاته
١	الشيخ محمد بن طاهر علي الفتني الكجراتي	سنة ٩٨٦ هـ	المغني
٢	" عبد الحق بن سيف الدين الدهلوي	" ١٠٥٢ هـ	الإكمال في أسماء الرجال
٣	" ولي الله بن عبد الرحيم الدهلوي	" ١١٧٦ هـ	الإرشاد في مهمات الإسناد
٤	" عبد الوهاب بن محمد غوث الشافعي	" ١٢٨٥ هـ	أكمل الوسائل لرجال الشمائل
٥	" علي كبير الإله آبادي	" ١٢٨٥ هـ	مطلوب الطالبين في أسماء رجال الأربعين
٦	" محسن بن يحيى الترهتي	من رجال القرن الثالث عشر	اليانع الجني في أسانيد الشيخ عبد الغني
٧	" عبد الرحمن المباركفوري	سنة ١٣٠٠ هـ	مقدمة تحفة الأحوذي
٨	" عبد الحي الفرنگي محلي	" ١٣٠٤ هـ	مقدمة التعليق الممجد، الرفع والتكميل
٩	" أحمد بن صبغة الله الشافعي المدراسي	" ١٣٠٧ هـ	فهرس الأسماء المبهمة
١٠	" السيد صديق حسن البوفالي	" ١٣٠٧ هـ	سلسلة العسجد
١١	" أبو الحسين أحمد النوري المارهروي	" ١٣٢٤ هـ	النور والبهاء في أسانيد الحديث وسلاسل الأولياء
١٢	" إدريس بن عبد العلي النگرامي	" ١٣٣٠ هـ	الكلام المسدد في رواة موطأ الإمام محمد
١٣	" السيد أمير علي اللكهنوي	" ١٣٣٧ هـ	التعقيب حاشية تقريب التهذيب
١٤	" السيد عبد الحي الحسني البريلوي	" ١٣٤١ هـ	الأسانيد
١٥	" خليل أحمد السهارنفوري	" ١٣٤٦ هـ	مسلسلات، أوائل

أعلام علم الفقه في الهند

علم فقہ کے چند ہندوستانی عالم ومصنف

الرقم	الاسم	المتوفى في عام	أهم آثاره
١	الشيخ القاضي حميد الدين مخلص الدهلوي	سنة ٧٦٤ھ	شرح الهداية
٢	" يوسف بن ابي يوسف الچشتي	" ٧٧٤ھ	تحفة النصائح
٣	" حسين بن عمر الغياث پوري	" ٧٩٨ھ	حاشية الهداية
٤	" وجيه الدين العلوي الگجراتي	" ٩٩٨ھ	حاشية شرح الوقاية
٥	" نظام الدين البرهانپوري والشيخ محمد حسين	من رجال القرن الحادي عشر	فتاوى عالمگيري
٦	" معين الدين بن خاوند محمود الكشميري	سنة ١٠٨٥ھ	فتاوى النقشبندية
٧	" عنايت الله اللاهوري	" ١١٤١ھ	ملتقط الحقائق
٨	" ابو الوفاء الحنفي الكشميري	" ١١٧٩ھ	كتاب الفقه
٩	" عليم الله بن عتيق الله الجالندهري	" ١٢٠٣ھ	زبدة الروايات
١٠	" ثناء الله الپاني پتي	" ١٢٢٥ھ	مالا بد منه
١١	" عبد العزيز بن ولي الله الدهلوي	" ١٢٣٩ھ	فتاوى عزيزية
١٢	" عبد الحي الفرنگي محلي	" ١٣٠٤ھ	السعاية، الفتاوى
١٣	" محمد حسن السنبھلي	" ١٣٠٥ھ	مرح الحاية
١٤	" وحيد الزمان اللكھنوي	" ١٣٣٧ھ	نور الأبصار
١٥	" أحمد رضا بن نقي علي البريلوي	" ١٣٤٠ھ	النيرة الوضية
١٦	" عبد الحميد بن عبد الرحيم اللكھنوي	" ١٣٥٢ط	تكملة عمدة الرعاية
١٧	" أشرف علي التھانوي	" ١٣٦٢ھ	بہشتی زیور، الفتاوى، بوادر النوادر

أعلام الفقه في المذهب الشافعي في الهند

فقہ شافعی کے چند ہندوستانی عالم و مصنف

م	الإسم	المتوفى في عام	أهم آثاره
	الشيخ علاء الدين علي بن أحمد الشافعي المهائمي	سنة ٨٣٥ هـ	الرسالة
	" حبيب الله بن محمد درويش الشافعي الأليوري	" ١٢٢٢ هـ	آئين توجيه في شرح التنبيه
	" محمد غوث بن ناصر الدين الشافعي المدراسي	" ١٢٣٨ هـ	كفاية المبتدي، تعليقات
٤	" القاضي صبغة الله بن محمد غوث الشافعي	" ١٢٨٠ هـ	المطالع البدرية والكواكب الدرية
٥	" إبراهيم بن عبد الله باعكظة الشافعي	" ١٢٨٢ هـ	تحفة الإخوان
٦	" القاضي عبد الوهاب بن محمد غوث الشافعي	" ١٢٨٥ هـ	صبغة الله
٧	" عبد الله بن صبغة الله بن محمد غوث	" ١٢٨٨ هـ	الفوائد الغوثية
٨	" أحمد بن صبغة الله الشافعي المدراسي	" ١٣٠٨ هـ	الفتاوى الصبغية
٩	" عبيد الله بن صبغة الله الشافعي المدراسي	" ١٣٤٦ هـ	رسالة في الفقه الشافعي
١٠	" عبد القادر بن عبد الأحد الشافعي السورتي	من رجال القرن الرابع عشر	تحفة المشتاق في أحكام النكاح والطلاق
١١	" زين الدين بن عبد العزيز المليباري	" "	فتح المعين شرح قرة العين
١٢	" شريف محي الدين الشافعي	سنة ١٣٨٦ هـ	توضيح المسائل، تسهيل الفقه

أعلام علم الفرائض في الهند

علم الفرائض کے چند ہندوستانی عالم ومصنف

الرقم	الاسم	المتوفى في عام	أهم مؤلفاته
١	الشيخ شاہی بیگ	من رجال القرن التاسع	تعليقات على الشريفية
٢	" السيد عبد الأول بن علي الحسني	سنة ٩٦٨ ھ	رسالة منظومة في علوم الفرائض
٣	" عبد الفتاح بن مبارک الجرياکوٹی	" ١٠٥٧ ھ	میراث نامہ
٤	" السيد احمد بن مسعود الہرگامی	" ١١٥٧ ھ	الوجيز
٥	" القاضي نور الحق الكيرانوي	" ١١٨٠ ھ	رسالة في الفرائض
٦	" عبد الباسط رستم القنوجي	" ١٢٢٣ ھ	زبدة الفرائض
٧	" السيد اسحق بن محمد عرفان الحسني	" ١٢٣٤ ھ	المائتان
٨	" معشوق علي الجونپوري	" ١٢٦٨ ھ	الفرائض الاسلمية
٩	" المفتي عنایت احمد الکاکوروی	" ١٢٧٩ ھ	علم الفرائض
١٠	" القاضي صبغة الله المدراسي	" ١٢٨٠ ھ	عمدة الرائض في الفرائض
١١	" نعيم الله بن حبيب الله اللكهنوي	" ١٢٨٢ ھ	خلاصة الفرائض
١٢	" انور علي المرادآبادي ثم اللكهنوي	" ١٣٠٣ ھ	ضوء السراج
١٣	" عبد الحي الفرنگی محلی اللكهنوي	" ١٣٠٤ ھ	تعليقات على الشريفية
١٤	" عبد الله الغازي پوری	" ١٣٣٧ ھ	تسهيل الفرائض
١٥	" عبد الغفار بن احمد حسين الجرآبادی	من رجال القرن الرابع عشر	كنز الفرائض
١٦	" اصغر حسين الديوبندي	سنة ١٣٦٤ ھ	الوارثين ، ميراث المسلمين

مؤلفات علماء الهند القيمة المنفردة في موضوعاتها

ہندوستان کی مایۂ ناز تصانیف جو اپنے موضوع پر منفرد ہیں

	اسم الكتاب	اسم المصنف	المتوفى في عام	موضوع الكتاب
	العباب الزاخر	الشيخ حسن بن محمد الصغاني اللاهوري	سنة ٦٥٠ هـ	معجم عربي
	مكتوبات سه صدى	〃 شرف الدين أحمد بن يحيى المنيري	〃 ٧٧٢ هـ	التصوف والحقائق
	تبصير الرحمن وتيسير المنان	〃 علي بن أحمد المهائمي	〃 ٨٣٥ هـ	التفسير ولطائف القرآن
	كنز العمال	〃 علي المتقي البرهانفوري	〃 ٩٧٥ هـ	الحديث
	مجمع بحار الأنوار	〃 محمد طاهر البتني	〃 ٩٨٦ هـ	اللغة وشرح الحديث
	مكتوبات (رسائل)	〃 أحمد السرهندي	〃 ١٠٣٤ هـ	الشريعة والحقيقة
	أشعة اللمعات	〃 عبد الحق الدهلوي	〃 ١٠٥٢ هـ	شرح الحديث
	الشمس البازغة	〃 ملا محمود الجونفوري	〃 ١٠٦٢ هـ	الفلسفة
	الفتاوى الهندية	علماء عصر عالمگير (سلطان الهند)	القرن الحادي عشر	الفقه
	مسلم الثبوت	القاضي محب الله البهاري	سنة ١١١٩ هـ	أصول الفقه
	التفسيرات الأحمدية	الشيخ أحمد المعروف بملا جيون	〃 ١١٣٠ هـ	التفسير والأحكام
	حجة الله البالغة	〃 ولي الله الدهلوي	〃 ١١٧٦ هـ	أسرار الشريعة
	إزالة الخفاء	〃 〃 〃	〃 〃	الخلافة الراشدة ونظام الخلافة
	الفوز الكبير	〃 〃 〃	〃 〃	أصول التفسير
	الإنصاف	〃 〃 〃	〃 〃	أسباب اختلاف الفقهاء والمجتهدين
	كشاف اصطلاحات الفنون	〃 محمد أعلى التهانوي	من رجال القرن الثاني عشر	مصطلحات العلوم
	تاج العروس في شرح القاموس	السيد مرتضى الزبيدي البلگرامي	سنة ١٢٠٥ هـ	اللغة
	ترجمة معاني القرآن الكريم	الشيخ عبد القادر الدهلوي	〃 ١٢٣٠ هـ	التفسير
	تحفہ اثنا عشریہ	〃 عبد العزيز الدهلوي	〃 ١٢٣٩ هـ	الكلام
	صراط مستقیم	السيد أحمد الشهيد	〃 ١٢٤٦ هـ	التصوف والأخلاق
	منصب امامت	الشيخ اسماعيل الشهيد	〃 〃	الخلافة والامامة
	منتهى الكلام	〃 حيدر علي الفيض آبادي	〃 ١٢٩٩ هـ	علم الكلام
١	ابجد العلوم	〃 السيد صديق حسن القنوجي	〃 ١٣٠٧ هـ	العلوم والفنون
١	إظهار الحق	〃 رحمت الله الكيرانوي	〃 ١٣٠٩ هـ	الرد على النصارى
١	شعر العجم	〃 شبلي النعماني	〃 ١٣٣٢ هـ	الشعر الفارسي
١	نزهة الخواطر	〃 عبد الحي الحسني الرائے بريلوي	〃 ١٣٤١ هـ	تراجم أهل الهند وسيرهم
٢	الثقافة الاسلامية في الهند	〃 〃	〃 〃	تاريخ الهند العلمي
٢١	جنة المشرق (الهند في العهد الاسلامي)	〃 〃	〃 〃	خطوط الهند وآثارها
٢١	معجم المصنفين	〃 محمود حسن خان التونكي	〃 ١٣٦٦ هـ	المؤلفين في الاسلام وسيرهم
٣١	سيرة النبي	〃 السيد سليمان الندوي	〃 ١٣٧٣ هـ	السيرة النبوية

أعلام الشعر العربي والإنشاء في الهند

ہندوستان کے چند عربی شعراء وأدباء

الرقم	الاسم	المتوفى في عام	أهم مؤلفات
١	الشيخ مسعود بن سعد بن سلمان اللاهوري	من رجال القرن الخامس	القصائد
٢	〃 خسرو بن سيف الدين الدهلوي	سنة ٧٢٥ هـ	القصائد
٣	〃 القاضي عبد المقتدر الكندي الدهلوي	〃 ٧٩١ هـ	القصيدة اللامية
٤	〃 أحمد بن محمد التهانيسري	〃 ٨٢٠ هـ	القصيدة الدالية
٥	〃 أبو الفتح بن عبد الحي بن عبد المقتدر الدهلوي	〃 ٨٥٨ هـ	قصائد عربية
٦	〃 أبو الفيض بن المبارك الناگوری	〃 ١٠٠٤ هـ	سواطع الإلهام
٧	〃 غلام نقشبند بن عطاء الله الگهوسوي ثم اللكهنوي	〃 ١١٢٦ هـ	القصيدة المدحية اللامية
٨	〃 ولي الله بن عبد الرحيم الدهلوي	〃 ١١٧٦ هـ	ديوان الشعر العربي
٩	〃 عبد الجليل بن مير أحمد الواسطي البلگرامي	〃 ١١٨٨ هـ	مختصر المستطرف
١٠	〃 غلام علي بن نوح الواسطي البلگرامي	〃 ١٢٠٠ هـ	السبعة السيارة
١١	〃 باقر بن مرتضى المدراسي	〃 ١٢٢٠ هـ	العشرة الكاملة
١٢	〃 رفيع الدين بن ولي الله الدهلوي	〃 ١٢٣٣ هـ	مجموعة القصائد العربية
١٣	〃 عبد العزيز بن ولي الله الدهلوي	〃 ١٢٣٩ هـ	قصائد عربية
١٤	〃 رشيد الدين الدهلوي	〃 ١٢٤٣ هـ	كتب ورسائل إخوانية
١٥	〃 أوحد الدين البلگرامي	〃 ١٢٥٠ هـ	مفتاح اللسان في المحاورات العربية ونشوة السكران في شعر النسوا
١٦	〃 عبد الرحيم بن عبد الكريم الصفي بوري	〃 ١٢٦٧ هـ	شرح المعلقات السبع
١٧	〃 حسن علي بن حاجي شاه اللكهنوي	〃 ١٢٧٥ هـ	رسائل
١٨	〃 أحمد حسن بن أولاد حسن القنوجي	〃 ١٢٧٧ هـ	قصائد عربية
١٩	〃 فضل الحق الخير آبادي	〃 ١٢٨٨ هـ	الثورة الهندية
٢٠	〃 المفتي صدر الدين "آزرده" الدهلوي	〃 ١٢٨٥ هـ	القصيدة العينية
٢١	〃 فيض الحسن السهارنپوري	〃 ١٣٠٤ هـ	ديوان الشعر
٢٢	〃 عباس التستري اللكهنوي	〃 ١٣٠٦ هـ	الظل الممدود
٢٣	〃 النواب صديق حسن القنوجي	〃 ١٣٠٧ هـ	سر من رأى - تذكار الغزلان
٢٤	〃 القاضي طلا محمد البشاوري	〃 ١٣١٠ هـ	نشأة الأدب في أسواق العرب
٢٥	〃 نذير أحمد الدهلوي	〃 ١٣٢٢ هـ	قصائد عربية
٢٦	〃 ذو الفقار علي الديوبندي	〃 ١٣٢٣	قصائد عربية
٢٧	〃 عبد الحميد بن أحمد الله العظيم آبادي	〃 ١٣٢٣ هـ	شعر عربي
٢٨	〃 عبد الرحمن الكاشغري الندوي	من رجال القرن الرابع عشر	الزهرات، أشال اللغتين
٢٩	〃 مسعود عالم الندوي	سنة ١٣٧٣ هـ	مقالات وأبحاث
٣٠	〃 السيد أبو الحسن علي الحسني الندوي	〃 ١٤٢٠ هـ	كتب ومؤلفات

أعلام الفنون الرياضية والهيئة الهندسية في الهند

ریاضیات اور ہیئت وہندسہ کے چند ممتاز ہندستانی عالم

الرقم	الاسم	المتوفى في عام	أهم مآثره
١	الشيخ عبد الباقي التهتهوي	سنة ٩٨٣ هـ	الأشكال الجديدة
٢	، أبو الفيض فيضي الناگوري	، ١٠٠٤ هـ	ترجمة ليلاوتي
٣	، فريد الدين الدهلوي	، ١٠٣٩ هـ	زيج شاهجهاني
٤	، عصمت الله السهارنفوري	، ١١٣٣ هـ	ضابطة القواعد
٥	، تفضل حسين اللكهنوي	، ١٢١٥ هـ	شرح مخروطات رسائل جبر ومقابلة
٦	، نجم الدين الكاكوردي	، ١٢٢٩ هـ	الستة الجبرية
٧	، رفيع الدين المرادآبادي	، ١٢٣٣ هـ	دستور المحاسبين، كنز الحساب
٨	، أحمد بن محمد المالكي المدراسي	، ١٢٤٠ هـ	زبدة الحساب
٩	، خواجه فريد الدين الدهلوي	، ١٢٤٤ هـ	فوائد الأفكار
١٠	، نياز أحمد البريلوي	، ١٢٥٠ هـ	رسالة في الحساب
١١	، رستم علي بن طفيل علي السنبهلي	، ١٢٦٢ هـ	زيج سليمان جاهي
١٢	، غلام حسين الجونفوري	، ١٢٧٩ هـ	زيج بهادر خاني
١٣	، عنايت أحمد الكاكوردي	، ١٢٧٩ هـ	ملخصات الحساب
١٤	، النواب فخر الدين الحيدرآبادي	، ١٢٧٩ هـ	شمس الهندسة والستة الشمسية
١٥	، غلام امام خاں الحيدرآبادي	، ١٢٨٥ هـ	خورشيد حساب
١٦	، گلشن علي الجونفوري	، ١٢٩١ هـ	شرح خلاصة الحساب
١٧	، ذكاء الله الدهلوي	، ١٣٢٨ هـ	كتاب في علم الحساب

اعلام المورخین فی الہند

ہندوستان کے ممتاز مؤرخین

الرقم	الاسم	المتوفی فی عام	أہم مؤلفات
۱	الشیخ نورالدین محمد العوفی	من رجال القرن السابع	لباب الألباب
۲	〃 القاضی منہاج الدین عثمان الجوزجانی	〃 〃 〃	طبقات ناصری
۳	〃 ضیاء الدین البرنی	سنۃ ۷۵۸ ھ	تاریخ فیروزشاہی
۴	〃 ملا داؤد البیدری	〃 ۸۱۷ ھ	تحفۃ السلاطین
۵	〃 غیاث الدین الہروی	〃 ۹۴۴ ھ	حبیب السیر
۶	〃 السید رفیع الدین الشیرازی	〃 ۹۰۴ ھ	تذکرۃ الملوک
۷	〃 السید عبدالقادر بن ملوک شاہ البدایونی	〃 ۱۰۰۴ ھ	منتخب التواریخ
۸	〃 ابوالفضل بن المبارک الناگوری	〃 ۱۰۱۱ ھ	آئین اکبری
۹	〃 محمد قاسم بن غلام علی البیجاپوری	〃 ۱۰۱۷ ھ	گلشن ابراہیمی المعروف بہ تاریخ فرشتہ
۱۰	〃 عبدالحق بن سیف الدین الدہلوی	〃 ۱۰۵۲ ھ	أخبار الملوک
۱۱	〃 بختاور خان العالمگیری	〃 ۱۰۹۶ ھ	مرآۃ العالم
۱۲	〃 محمد ہادی کامور خان	〃 ۱۱۳۴ ھ	ہفت گلشن
۱۳	〃 الأمیر عبدالرزاق الخوافی	〃 ۱۱۷۱ ھ	مآثر الأمراء
۱۴	〃 غلام حسین الطباطبائی	〃 ۱۲۰۰ ھ	سیر المتأخرین
۱۵	〃 عبدالرحمان الدہلوی	〃 ۱۲۳۹ ھ	مرآۃ آفتاب نما
۱۶	〃 عبدالقادر بن محمد اکرم الرامپوری	〃 ۱۲۶۵ ھ	کتاب فی أخبار الملوک
۱۷	〃 عبدالرحیم بن عبدالکریم الصفی پوری	〃 ۱۲۶۷ ھ	زبدۃ التواریخ
۱۸	〃 محمد حسین آزاد الدہلوی	〃 ۱۳۲۶ ھ	دربار اکبری
۱۹	〃 المنشی ذکاء اللہ الدہلوی	〃 ۱۳۲۸ ھ	تاریخ ہندوستان
۲۰	〃 العلامہ شبلی النعمانی	〃 ۱۳۳۲ ھ	الفاروق/المامون/سیرۃ النبی ج ۱-۲
۲۱	〃 السید عبدالحی الحسنی	〃 ۱۳۴۱ ھ	نزہۃ الخواطر، یادایام (تاریخ گجرات)
۲۲	〃 عبدالحلیم شرر اللکھنوی	〃 ۱۳۴۵ ھ	تاریخ مندرسات تیموریہ
۲۳	〃 السید سلیمان الندوی الدسنوی	〃 ۱۳۷۳ ھ	سیرت عائشہ
۲۴	〃 السید ابوالحسن علی الحسنی الندوی	〃 ۱۴۲۰ ھ	رجال الفکر والدعوۃ فی الاسلام، اذا ھبت لنا… سیرت سید احمد شہید، المسلمون فی الہند

اعلام الشعر الفارسی فی الہند

ہندوستان کے چند فارسی شعرا

المتوفی فی عام	الاسم	الرقم
سنۃ ۴۸۴ھ	الشیخ ابو الفرج بن مسعود اللاہوری	۱
من رجال القرن الخامس	، مسعود بن سعد اللاہوری	۲
سنۃ ۷۲۵ھ	، الأمیر خسرو الدہلوی	۳
، ۷۳۷ھ	، حسن بن علاء السجزی الدہلوی	۴
، ۱۰۰۴ھ	، ابو الفیض فیضی الناگوری	۵
، ۱۰۷۹ھ	، محمد طاہر غنی الکشمیری	۶
، ۱۱۰۸ھ	، ناصر علی السرہندی	۷
، ۱۱۳۳ھ	، مرزا عبد القادر بیدل	۸
، ۱۱۹۵ھ	، مرزا جان جاناں الشہید	۹
، ۱۲۸۵ھ	، اسد اللہ خاں غالب الدہلوی	۱۰
من رجال القرن الرابع عشر	، ولایت علی الصفی پوری	۱۱
، ، ،	، غلام قادر گرامی	۱۲
، ، ،	، خواجہ عزیز الدین عزیز لکھنوی	۱۳
سنۃ ۱۳۲۶ھ	، فخر الدین فخر الرائے بریلوی	۱۴
، ۱۳۳۲ھ	، شبلی النعمانی	۱۵
، ۱۳۵۷ھ	، الدکتور محمد اقبال اللاہوری	۱۶

اعلام العلوم العقلیة والفنون النظریة وآدابها في الهند

علوم عقلیہ حکمت وفلسفہ کے چند باکمال ہندوستانی عالم ومصنف

الرقم	الاسم	المتوفی فی عام	اہم مؤلفاتہ
۱	الشیخ ملا محمود الجونفوری	سنة ۱۰۶۲ھ	الشمس البازغة
۲	،، القاضی محب اللہ البہاری	،، ۱۱۱۹ھ	سلم العلوم
۳	،، الملا حمد اللہ السندیلوی	،، ۱۱۶۰ھ	شرح السلم
۴	،، القاضی مبارک الگوپاموی	،، ۱۱۶۲	شرح السلم
۵	،، غلام یحییٰ البہاری	،، ۱۱۸۰ھ	حاشیة میرزاهد
۶	،، الملا حسن اللکھنوی	،، ۱۱۹۹ھ	شرح السلم
۷	،، عبد العلی بحر العلوم الفرنگی محلی	،، ۱۲۲۵ھ	العجالة النافعة
۸	،، العلامة رفیع الدین الدہلوی	،، ۱۲۳۳ھ	ابطال البراهین الحکمیة
۹	،، الفاضل فضل امام الخیرآبادی	،، ۱۲۴۳ھ	تلخیص الشفاء، مرقاة المنطق
۱۰	،، عماد الدین اللبکنی الرامفوری	القرن الثالث عشر	العقیدة الوثیقة فی بعض المسائل الحکمیة
۱۱	،، محمد غوث المدراسی	سنة ۱۲۳۸ھ	برهان الحکمة
۱۲	،، محمد اشرف بن نعمت اللہ اللکھنوی	،، ۱۲۴۴ھ	الأصول الراسخة
۱۳	،، المفتی سعد اللہ المرادآبادی	،، ۱۲۹۴ھ	رسالة فی بحث قوس قزح
۱۴	،، السید علی البلگرامی	،، ۱۳۲۹ھ	الحقائق

أعلام اللغة العربية وآدابها في الهند

عربی لغت وزبان کے چند ہندوستانی محققین

الرقم	الاسم	المتوفى في عام	أهم آثاره	مكان الولادة	المدفون في	الاختصاص في
۱	الشیخ حسن بن محمد الصغانی	سنة ۶۵۰ھ	العباب الزاخر	لاہور	بغداد	المعاجم واللغات
۲	القاضی إبراہیم بن فتح الله الملتانی	؍ ۹۳۲ھ	معارف العلوم	ملتان	ملتان	اللغة والحديث
۳	محمد طاہر البتنی الگجراتی	؍ ۹۸۶ھ	مجمع بحار الانوار	پٹن	پٹن	اللغة وشرح الحديث
۴	حبیب الله القنوجی	؍ ۱۱۴۰ھ	القابوس ترجمة القاموس	قنوج	الہ آباد	اللغة
۵	السید محمد حکم بن محمد بن علم الله الرائے بریلوی	؍ ۱۱۵۰ھ	تلخيص الصراح	رائے بریلی	رائے بریلی	التفسير واللغة
۶	السید محمد أعلیٰ التھانوی	القرن الثاني عشر	كشاف اصطلاحات الفنون	تھانہ بھون	تھانہ بھون	اللغة والتاريخ
۷	القاضی عبد النبی الأحمد نگری	؍ ؍ ؍	دستور العلماء	احمد نگر	احمد نگر	اللغة والفقه
۸	السید مرتضی البلگرامی	سنة ۱۲۰۵ھ	تاج العروس شرح القاموس	بلگرام	القاهرة	الادب واللغة والحديث
۹	أوحد الدين البلگرامی	؍ ۱۲۵۰ھ	نفائس اللغات مفتاح اللسان	بلگرام	بلگرام	الادب واللغة
۱۰	عبد الرحیم الصفی پوری	؍ ۱۲۶۷ھ	منتهى الأرب في لغات العرب	صفی پور	کلکتہ	اللغة
۱۱	المفتی سعد الله بن نظام الدین المراد آبادی	؍ ۱۲۹۴ھ	القول المانوس في صفات القاموس	مراد آباد	لکھنؤ	النحو، اللغة
۱۲	النواب السید صدیق حسن القنوجی	؍ ۱۳۰۷ھ	لف القماط	قنوج	بھوپال	التفسير والحديث والادب والفقه
۱۳	السید کرامت حسین الکنتوری	؍ ۱۳۳۵ھ	نقد اللسان	جھانسی	لکھنؤ	الفلسفة، اللغة
۱۴	وحید الزمان بن مسیح الزمان اللکھنوی	؍ ۱۳۳۸ھ	انوار اللغة	کانفور	وقار آباد	الحكمة واللغة
۱۵	المفتی اسماعیل بن الوجیہ اللندنی	القرن الثالث عشر	تاج اللغات	مراد آباد		الحكمة واللغة

ہندوستان کے عبقری سلاطین وامراء

عباقرة الاسلام فی الہند الملوک والأمراء

رقم	الاسم	المتوفی فی	السمات الشخصية	أهم مآثره	المصادر
١	خوجه عماد الدين محمد گاؤن الگيلانی	سنة ٨٨٠ ھ	النبوغ العلمی، حسن الإدارة احتضان العلم والعلماء	احتضان العلم والعلماء وتأسيس جامعة اسلامية كبيرة فی بيدر	تاريخ آصفی الضوء اللامع
٢	السلطان سكندر اللودھی	" ٩٢٣ ھ	مكارم الأخلاق، اتباع الشريعة الإسلامية وتقدير الكفاءات العلمية	ترويج العلم الدينی وتحكيم مبادی الشريعة الاسلامية	گلزار ابراہیمی بتاريخ فرشتہ
٣	السلطان مظفر حليم الگجراتی	" ٩٣٢ ھ	العلم والتقی، السماح والكرم مع الأعداء	فتح ماندو، الايثار	ظفر الواله فی تاريخ المظفر وآله
٤	شير شاه السوری	" ٩٥٢ ھ	الادارة القوية الرفيعة من القوانين الحكيمة والعناية بالدين	تنظيم المملكة، الأمور النافعة	تاريخ شير شاہی
٥	عبد العزيز آصف خان	" ٩٦١ ھ	التفنن فی العلوم والفرائد، الاهتمام بالأمور الدينية، أداء الواجب على أكمل أوجه	نشر العلم فی الحرمين	رسالة ابن حجر المكی مناقب عبد العزيز آصف
٦	عبد الرحيم خان خانان	" ٩٣٦ ھ	الجمع بين الرياستين، السيف والقلم	تشجيع الشعراء والأدباء وتقدير العلم والأدب	مآثر الأمراء
٧	السلطان أورنگ زيب عالمگير	" ١١١٨ ھ	الشعر البليغ فی عدة لغات علو الهمة والعمل بالعزيمة والعزة الدينية	توسيع المملكة، وترتيب الفتاوى	مآثر عالمگيری، مرآة العالم
٨	فتح علی خان ٹيپو سلطان	" ١٢١٣ ھ	علو الهمة، دقة الفهم، الذكاء النادر	الدفاع عن الوطن، والغيرة الدينية، والكفاح الميت للحفاظ على الكيان الوطنی	سلطنت خداداد ٹيپو سلطان

دور حاضر میں ہندوستان کی نابغۂ روزگار شخصیات

نوابغ الشعب الاسلامی فی الہند فی القرن الحاضر

الرقم	الاسم	التوفی فی	المیزات البارزہ	أہم مآثرہ	المصادر
۱	الشیخ عبد الحی الفرنگی محلی	سنۃ ۱۳۰۴ھ	النبوغ فی الفقہ والحدیث کثرۃ التالیف	السعایۃ، التعلیق الممجد، الفوائد البہیۃ	نزہۃ الخواطر
۲	السید صدیق حسن البوفالی	۱۳۰۷ھ	خدمۃ الحدیث، احیاء التراث الإسلامی	ابجد العلوم، اتحاف النبلاء	نزہۃ الخواطر
۳	شبلی النعمانی	۱۳۳۲ھ	سعۃ الاطلاع فی العلوم الاسلامیہ، النبوغ فی الشعر والأدب، سرعۃ الملاحظۃ، قوۃ الحجۃ والبیان	سیرۃ النبی ۱-۲، شعر العجم، الفاروق	حیات شبلی
۴	محمود حسن الدیوبندی	۱۳۳۹ھ	تنوع الاختصاصات العلمیۃ، علو الہمۃ، الغیرۃ علی الإسلام، الزود عن الخلافۃ والکفاح لتحریر البلاد	ترجمۃ معانی القرآن الی اللغۃ الأردیۃ	نزہۃ الخواطر
۵	اکبر الٰہ آبادی	۱۳۴۰ھ	الأدب الساخر الرفیع التہکم بالحضارۃ الغربیۃ فہم نفسیۃ الشعب الضرب علی الوتر الحساس، استخدام وسیلۃ الأدب فی سبیل الاسلام والمسلمین	کلیات اکبر	الصراع بین الفکرۃ الغربیۃ والفکرۃ الاسلامیۃ
۶	السید عبد الحی الحسنی	۱۳۴۱ھ	التضلع من العلوم، دقۃ النظر فی تاریخ الہند وسعۃ الاطلاع باحوالہا ورجالہا وطبقاتہا رسوخ القدم فی آداب اللغۃ العربیۃ والفارسیۃ وہب الحیاۃ للعلم والتالیف	نزہۃ الخواطر، یاد ایام	حیات عبد الحی
۷	الشیخ انور شاہ الکشمیری	۱۳۵۲ھ	قوۃ الذاکرۃ، التفنن فی العلوم واتساع النظر	فیض الباری، إکفار الملحدین	حیات انور
۸	الدکتور محمد اقبال	۱۳۵۷ھ	الشعر البلیغ المثیر للجنان والایمان الدعوۃ الی الاعتزاز بالاسلام	الدواوین الشعریۃ بالاردیۃ والفارسیۃ	اقبال کامل
۹	أشرف علی التھانوی	۱۳۶۲ھ	کثرۃ الافادۃ، قوۃ التربیۃ اصلاح العواید الجاھلیۃ، کثرۃ التالیف	بیان القرآن، تربیۃ السالک	اشرف السوانح
۱۰	محمد الیاس الکاندھلوی	۱۳۶۳ھ	دعوۃ المسلمین إلی علو الہمۃ والتطوع فی سبیل الدعوۃ ونشر الدین	جماعۃ التبلیغ	مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت
۱۱	السید سلیمان الندوی	۱۳۷۳ھ	تنوع الاختصاصات، السیرۃ النبویۃ، والتاریخ الاسلامی علم التوحید	سیرۃ النبی، خطبات مدراس، سیرۃ عائشہ، خیام	حیات سلیمان
۱۲	ابو الکلام آزاد	۱۳۷۷ھ	الذکاء النادر الذاکرۃ الواعیۃ حسن التصرف فی المعلومات الأدب الرفیع	ترجمان القرآن، تذکرۃ، مقالات الہلال	سوانح مولانا آزاد
۱۳	الشیخ ابو الحسن علی الحسنی الندوی	۱۴۲۰ھ	الذکاء الوقاد، والذاکرۃ النادرۃ، والفکر الاسلامی والدعوۃ الی الاسلام من جدید الغیرۃ علی الحق، الأسالیب المبتکرۃ فی الدعوۃ الی اللہ الموہبۃ العلمیۃ والأدبیۃ،	ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین، الأرکان الأربعۃ، الصراع بین الفکرۃ الاسلامیۃ والغربیۃ	کاروان زندگی، میر کارواں

ہندوستان کے چند باکمال جن کی نظیر دوسرے ممالک میں مشکل ہے علما و مشائخ

نمبر	نام	سنہ وفات	خاص وصف	کارنامہ	حالات کا ماخذ
۱	شیخ شرف الدین احمد بن یحیٰ منیری	سنہ ۷۷۲ھ	حقائق و معارف علوم عالیہ	مکتوبات سہ صدی	اخبار الاخیار
۲	شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ	〃 ۱۰۳۴ھ	روحانی کمالات نصرت دین علوم وہبیہ	استیصال الحاد و تحریف	مکتوبات امام ربانی
۳	مولانا عبد الحکیم سیالکوٹیؒ	〃 ۱۰۶۸ھ	استحضار مسائل، حل مشکلات، کثرت درس،	حاشیہ بیضاوی، حواشی کتب درسیہ،	عمل صالح، خلاصۃ الأثر
۴	ملا محمود جونپوری	〃 ۱۰۶۲ھ	علوم حکمیہ و ادبیہ میں رسوخ	شمس بازغہ، فرائد	ابجد العلوم، سبحۃ المرجان
۵	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	〃 ۱۱۷۶ھ	علوم و مذاہب میں مجتہدانہ نظر	حجۃ اللہ البالغہ، ازالۃ الخفاء	الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف
۶	قاضی ثناء اللہ پانی پتی	〃 ۱۲۲۵ھ	رسوخ در فقہ و حدیث	تفسیر مظہری	اتحاف النبلاء
۷	مولانا عبد العلی بحر العلوم لکھنوی	〃 ۱۲۲۵ھ	تبحر و قوت تدریس	شرح و حواشی کتب درسیہ	الرسالۃ القطبیہ
۸	شاہ رفیع الدین دہلوی	〃 ۱۲۳۳ھ	تعمق علمی دقت فہم	تکمیل الصناعۃ، اسرار المحبۃ	اتحاف النبلاء
۹	شاہ عبد العزیز دہلوی	〃 ۱۲۳۹ھ	جامعیت تبحر علمی	فتح العزیز، فتاویٰ، تحفہ اثنا عشریہ	نزہۃ الخواطر
۱۰	سید احمد شہید	〃 ۱۲۴۶ھ	علو ہمت طریق نبوت سے مناسبت	صراط مستقیم، جہاد فی سبیل اللہ	سیرت احمد شہید
۱۱	مولانا محمد اسمٰعیل شہید	〃 ۱۲۴۶ھ	ذکاوت و استعداد علمی، حمیت و تصلب دینی۔	تقویۃ الایمان عبقات منصب امامت	〃
۱۲	مولانا محمد قاسم نانوتوی	〃 ۱۲۹۷ھ	مباحث کلامیہ مضامین نادرہ	تقریر دلپذیر، آب حیات	سوانح قاسمی
۱۳	مولانا عبد الحی فرنگی محلی	〃 ۱۳۰۴ھ	رسوخ در فقہ و حدیث کثرت تصنیف و تالیف	السعایۃ الفوائد البہیۃ	نزہۃ الخواطر
۱۴	نواب سید صدیق حسن بھوپالی	〃 ۱۳۰۷ھ	خدمت حدیث، اسلامی علوم کا احیاء	ابجد العلوم، اتحاف النبلاء	〃
۱۵	مولانا شبلی نعمانی	〃 ۱۳۳۲ھ	علوم اسلامیہ تاریخ و تنقید ادب میں گہری بصیرت اردو کے مثالی انشاء پرداز	سیرۃ النبی، الفاروق، الکلام شعر العجم	حیات شبلی
۱۶	مولانا محمود حسن دیوبندی	〃 ۱۳۳۹ھ	بلند ہمتی، غیرت اسلامی، جہاد آزادی	ترجمہ قرآن مجید	نزہۃ الخواطر
۱۷	اکبر الہ آبادی	〃 ۱۳۴۰ھ	فطری فلسفی، پاک مشرب صوفی زندہ دل شاعر	کلیات اکبر	اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش
۱۸	مولانا سید عبد الحی	〃 ۱۳۴۱ھ	تاریخ میں گہری بصیرت ادب عربی و فارسی میں رسوخ، علمی اشتغال	نزہۃ الخواطر	حیات عبد الحی
۱۹	مولانا انور شاہ کشمیری	〃 ۱۳۵۲ھ	ذہانت و ذکاوت تفنن علمی وسیع النظری	فیض الباری، اکفار الملحدین	حیات انور
۲۰	مولانا اشرف علی تھانوی	〃 ۱۳۶۲ھ	کثرت افادہ مصلح رسوم و اخلاق کثرت تصنیف و تالیف	بیان القرآن، تربیت السالک	اشرف السوانح
۲۱	مولانا محمد الیاس کاندھلوی	〃 ۱۳۶۳ھ	مسلمانوں کو بلند ہمتی اور دینی فداکاری کی دعوت	تبلیغی جماعت کا قیام	حضرت مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت
۲۲	مولانا سید سلیمان ندوی	〃 ۱۳۷۳ھ	علوم اسلامیہ میں تبحر و تحقیق اور وسعت معلومات	سیرۃ النبی خطبات مدراس سیرۃ عائشہ خیام	حیات سلیمان
۲۳	مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی	〃 ۱۴۲۰ھ	غیرت دینی کی اعلیٰ ترین مثال سے دین کے تحفظ کا فطری امنگ کے ساتھ مسلسل عمل۔	مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، تاریخ دعوت و عزیمت	میر کارواں، کاروان زندگی

دُنیائے اِسلام کے محبوب و محترم

—— پروفیسر خورشید احمد۔ مدیر ترجمان القرآن۔ لاہور ——

بیسویں صدی نے ملت اسلامیہ کے جسم وجان پر بہت سے تیشے چلائے اور خصوصیت سے اس کے آخری عشرے میں کشتوں کے پشتے لگ گئے، ایک طرف افغانستان کے جہاد میں بے پناہ قربانیاں دی گئیں فلسطین لہولہان ہے، مسجد اقصیٰ محبوس ومحصور ہے، بوسنیا اور کوسوو میں خون کی ندیاں بہائی گئیں، کشمیر جل رہا ہے اور شیشان میں خون مسلم کی ارزانی حد سے گذر گئی ہے، تو دوسری طرف اس صدی میں اسلامی فکر کی معمار اور اسلامی احیاء کی تاریخ ساز شخصیت ایک ایک کرکے رخصت ہوگئیں۔ چلتے چلتے بھی بیسویں صدی ایک اور چرکا لگا گئی۔ برّاعظم پاک وہند کے صف اول کے دینی رہنماؤں کی آخری نشانی مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی بھی جدا ہوگئے، ۲۲ رمضان المبارک بروز جمعہ ۳۱ دسمبر ۱۹۹۹ء نماز جمعہ سے کچھ ہی قبل تلاوت قرآن مجید میں مصروف مولانا علی میاں ایک عالم کو سوگوار چھوڑ کر رب حقیقی سے جاملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، آنکھیں اشک بار ہیں، روح مضطرب وافسردہ ہے لیکن دل اللہ کے فیصلے پر مطمئن ہے کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ وَّیَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (الرحمٰن ۵۵: ۲۶-۲۸)

(ہر چیز جو اس زمین پر ہے فنا ہو جانے والی ہے اور تیرے رب کی جلیل وکریم ذات ہی باقی رہنے والی ہے، پس اے جن وانس، تم اپنے رب کے کن کن کمالات کو جھٹلاؤ گے؟)

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی ۶ محرم ۱۳۳۳ھ (۵ دسمبر ۱۹۱۳ء) رائے بریلی یوپی کے ایسے معزز ومحترم خانوادہ سادات میں پیدا ہوئے جو رشد وہدایت اور دعوت وجہاد میں بڑا نام رکھتا تھا، مجاہد ملت حضرت سیّد احمد شہیدؒ کا تعلق اسی خاندان سے تھا۔ علی میاں کے والد اور والدہ دونوں علم وتقویٰ کے اعلیٰ مرتبہ پر تھے آپ کے والد مولانا حکیم عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ "نزہۃ الخواطر" کے مؤلف تھے جو پانچ ہزار نامور ہندوستانی مسلمانوں کے تذکرے پر مبنی ایک انسائیکلوپیڈیا ہے، اور "گل رعنا" بھی آپ ہی کی تالیف ہے جو اردو کے نامور شعراء کا پہلا مربوط تذکرہ ہے۔ مولانا عبدالحی ندوۃ العلماء کے ناظم اور دینی وعلمی حلقوں میں ایک اونچا مقام رکھتے تھے، آپ کی والدہ محترمہ خیر النساء حافظ قرآن اور حسن اخلاق اور تقویٰ وشرافت کا نمونہ تھیں بڑے بھائی ڈاکٹر عبدالعلیؒ والد کے انتقال کے بعد اس کے ناظم تھے۔ علی میاںؒ نے اپنے گھر میں عربی، فارسی اور اردو کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اور پھر ندوہ، دیو بند اور مدرسہ قاسم العلوم لاہور (مولانا احمد علی)، سے علوم دینی کی تحصیل کی ۱۹۳۴ء میں ندوۃ العلماء لکھنؤ میں تدریسی زندگی کا آغاز کیا ۱۹۵۱ء میں ندوہ کے دعوت وتبلیغ اور درس وتدریس کے ذریعہ لاکھوں انسانوں تک اللہ کے دین کو پہنچانے کا فرض ادا کیا، مشرق ومغرب اور عرب وعجم میں یکساں مقبولیت حاصل کی۔ عالم اسلام کے اعلیٰ ترین اعزازات حاصل کئے اور سب سے بڑھ کر دنیا کے ہر گوشے میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پروانوں کے دلوں میں عزت اور محبت کا مقام پیدا کیا۔ دنیا میں رہے لیکن دنیا کی آلائشوں سے دامن بچائے رکھا دعوت وتبلیغ کو زندگی کا مشن بنایا اور حق یہ ہے کہ حق ادا کردیا۔ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاھَدُوا اللّٰہَ عَلَیْہِ فَمِنْھُمْ مَّنْ قَضٰی نَحْبَہٗ۔" (الاحزاب ۳۳۔۲۳) ایمان لانے والوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جنھوں نے اللہ سے کئے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا ہے ان میں سے کوئی اپنی نذر پوری کرچکا۔

مجھے نصف صدی کے چوٹی کے اہل علم وفضل سے ملنے اور ان سے استفادہ کرنے کی سعادت حاصل رہی ہے لیکن علی میاںؒ ان منتخب بزرگوں میں سے ہیں جن کی شخصیت سب میں منفرد تھی:

آفاق ہا گردیدہ ام
مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام
لیکن تو چیزے دیگری

مولانا علی میاںؒ سے میرا تعارف ان سے بالمشافہ ملاقات سے بہت پہلے ان کی تصانیف کے ذریعے ہوا اسلامی جمعیتہ طلبہ کے اولین دور ہی میں ان کی کتاب "سیرت سیّد احمد شہیدؒ" پڑھی اور اس کتاب سے نہ صرف سید احمد شہیدؒ ہی سے گہرا تعلق قائم ہوا بلکہ خود مولانا علی میاں کی شخصیت بھی دل میں گھر کر گئی۔

مولانا علی میاںؒ کے بڑے عزیز دوست اور ساتھی مولانا مسعود عالم ندوی نے جن سے میرا بہت ہی قریبی تعلق تھا۔ اور جمعیت کے اس دور کے تمام ہی ذمہ داران سے بہت گہرا ربط رکھتے تھے اور وہ بھی ہم سب پر بڑی شفقت فرماتے تھے، مولانا علی میاں کی محبت اور عظمت کے نقوش ہمارے دلوں پر مرتسم کردیئے ان کے علم وفضل ان کی للّٰہیت اور کیفیت عبادت ان کی عربی دانی اور شوق دعوت وتبلیغ، یہ سب دل ودماغ پر نقش ہوگئے۔ ان کی کتاب "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر" جو ان کی شہرہ آفاق عربی کتاب "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین"

کا اردو ترجمہ تھا یہ ایسی تحریر تھی جس نے فکر و نظر ہی کو جلا بخشی بلکہ روح کو تڑپا اور گرما بھی دیا۔ اس کے بعد مولانا علی میاںؒ کی ہر تحریر بڑے ذوق و شوق سے پڑھی۔ اور اس طرح دل و نگاہ میں ان کی شخصیت کا ایک خاص مقام بن گیا۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے بعد میں نے جس شخصیت کی تحریروں سے سب سے زیادہ استفادہ کیا، وہ مولانا علی میاں ہی ہیں۔

مولانا علی میاں سے پہلی ملاقات ۱۹۵۴ء میں لاہور میں ہوئی، میں اس وقت جمعیت کا ناظم اعلیٰ تھا۔ بالمشافہ ملاقات میں ان کو اس ذہنی تصور سے ہم آہنگ پایا جو ان کی کتب کے مطالعے سے بنائی تھی آخری ملاقات برطانیہ میں ۱۹۹۶ء میں ہوئی جب وہ اسلامک فاؤنڈیشن میں تشریف لائے اور خطاب فرمایا، ہمارے ساتھ خصوصی نشست بھی ہوئی اور پھر اس کے بعد نوٹنگھم میں مسجد دارالعلوم کے افتتاح کی تقریب میں میں نے، خرم اور مناظر احسن نے شرکت کی یہ ان سے آخری ملاقات تھی۔ درمیان کے ۴۲ برسوں میں درجنوں بار ان سے ملنے اور استفادہ کرنے کا موقع ملا اور الحمد للہ ان کی شفقت اور ان کے پیار میں اضافہ ہی کا گمان رہا۔ میرے لئے تو استاذ، مربی اور محسن تھے لیکن ان کی عظمت ہے کہ انھوں نے اس طرح کا معاملہ کیا کہ لطف عام بھی لطف خاص کا مزہ دے گا۔

مولانا علی میاں ایک نامور عالم دین، ایک بلند پایہ مصنف اور دانشور، ایک صاحب طرز ادیب، ایک سحر انگیز خطیب اور ایک منفرد مؤرخ اور سیرت نگار تھے لیکن سب سے بڑھ کر وہ ایک داعی، ایک مبلغ، ایک مصلح اور ایک صاحب دل مزکی اور مربی تھے۔ ان تمام اوصاف کے اجتماع نے ان کو بیسویں صدی کے اسلامی احیاء کے معماروں میں ایک درخشاں مقام پر متمکن کیا۔ میں جب بیسویں صدی کی اسلامی فکر کی قوس قزح پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے ان کا فکر و اسلوب ایک ایسا گلدستہ معلوم ہوتا ہے جس میں اس دور کے کئی اہم مفکرین اور داعیوں کے متفرق پہلوؤں کا اجتماع نظر آتا ہے۔ ان کے یہاں علامہ اقبالؒ کا سوز و گداز مولانا مودودی کی عقلیت اور تصور دین کی جامعیت علامہ شبلیؒ اور مولانا سید سلیمان ندویؒ کا ذوق تاریخ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا محمد الیاسؒ، مولانا عبدالقادر رائے پوری اور مولانا محمد زکریاؒ کی روحانیت کا امتزاج نظر آتا ہے۔ علی میاںؒ کے یہاں یہ سب ایک دوسرے کے ناقض نہیں ایک دوسرے کی تکمیل کرنے والے ہیں اور یہی وہ نکتہ ہے جسے ناقدین علم و فن نے نظر انداز کر دیا ہے۔

مولانا علی میاںؒ کا اصل میدان تاریخ اور دعوت ہے، سیرت اور انسان سازی ہے، روح کی بیداری اور امت کی ترقی کے لئے اسلاف کے نمونے کا احیا ہے۔ ان کے یہاں خانقاہ اور جہاد، تزکیہ اور انقلاب دونوں دھارے ساتھ ساتھ رواں نظر آتے ہیں، کبھی وہ ایک کو نمایاں کرتے ہیں اور کبھی دوسرے کو، پہلی تالیف سے (جو ۱۹۳۹ء میں شائع ہونے والی "سیرت سید احمد شہیدؒ" تھی) (تاریخ دعوت و عزیمت) تک تزکیہ اور جہاد کا چولی دامن کا ساتھ باقی رہتا ہے ان کا ذوق اور خاندانی اور دعوتی ماحول جب ان کو "دین کی جدید تعبیر و تفہیم" کے باب میں کچھ خدشات اور خطرات سے دوچار کرتا ہے، اور وہ کچھ تصور اور اسالیب کے بارے میں تردد اور اضطراب کا اظہار کرتے ہیں تب بھی دین اور قوت کے تعلق احیاء اور اقامت کی خواہش اور طلب اسلامی حکومت کے قیام اور غلبے کی تمنا کے اظہار پر اپنے کو مجبور پاتے ہیں "دعوت و عزیمت" کی آخری جلد میں "سیرت سید احمد شہیدؒ" کے پہلے ایڈیشن کی ان عبارتوں کو جوں کا توں رکھتے ہیں جن میں "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحات" کا عکس دیکھا جا سکتا ہے۔ ۱۹۷۵ء میں شائع ہونے والی "سیرت سید احمد شہیدؒ" (سلسلہ تاریخ دعوت و عزیمت) حصہ اول میں کتاب سے اسی مقصد کا اعادہ کیا گیا ہے جو ۱۹۳۶ء میں رقم کیا گیا تھا یعنی "اسلام کی خدمت اور نوع انسانی کی سعادت کا ایک ہی لائحہ عمل ہے جو اس کتاب میں بیان کیا ہے۔ اور وہ وہی ہے جس کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے خلفائے راشدین اور بعض مجددین امت نے عمل کیا۔ یعنی دنیا میں اسلامی شریعت اور خلافت کا صحیح نظام قائم کرنے اور اسلام کے اخلاقی و روحانی، مادی، سیاسی نظام کی کوشش کرنا" (ص ۲۰۷) پھر "سید صاحبؒ کی سیرت اجمالی نظر کے باب میں دعوت دین کا کام کرنے والے تمام بزرگوں کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے صاف الفاظ میں لکھتے ہیں کہ "نفس کے مجاہدے کے ساتھ کفار سے جہاد" اور "شرعی حکومت کا قیام اسوۂ رسالت مآبؐ کا جزء لاینفک ہے۔ دعوت اور خدمت کے تمام کام اہم اور لائق تحسین لیکن "ان سب کے حلقے اور عمل کے دائرے محدود ہیں" "سید صاحبؒ نے اس نکتے کو اچھی طرح سمجھا کہ حکومت الٰہی کے قیام اور اسلامی نظام، قوانین و حدود کے اجراء اور ماحول کی تبدیلی کے بغیر یہ سب کوششیں کوہ کندن و کاہ بر آوردن "ثابت ہوں گی" (ص ۱۰۰-۱۱)

میں نے مولانا مودودی اور مولانا علی میاں دونوں کے افکار اور کارناموں سے خوشہ چینی کی لیکن دونوں کے مزاج اور اسلوب میں جو فرق ہے میں کبھی کبھی اس طرح بیان کرتا ہوں کہ مولانا مودودی انسان کے دماغ کے ذریعے اس کے دل میں اترتے ہیں اور قلب پر چھا جاتے ہیں جبکہ مولانا علی میاں دل کے راستے فکر و نظر کی دنیا میں قدم رکھتے ہیں اور روح کو تازگی فراہم کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس دور کے مسلمانوں کے ان محسنوں کو بہترین اجر سے نوازے ان کے درجات بلند کرے اور جو شمعیں انھوں نے روشن کی ہیں وہ ہمیشہ تابندہ رہیں۔ اللہ تعالیٰ مولانا علی میاں کو جنت الفردوس کے اعلیٰ ترین درجات میں جگہ دے۔ آمین

نوٹ: یہ مضمون، مضمون نگار اور مضمون کی اہمیت کے پیش نظر ترتیب میں مقدم تھا مگر طباعت کے وقت ترتیب میں غلطی کی وجہ سے یہ مضمون آخر میں چلا گیا۔ اس لئے بموزہ مضمون کی تلخیص پہلے کرنی پڑی ہے۔ (ا

مفکّر اسلام حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی حسنی ندوی رح

[عرفا]ت کیسٹ تقاریر اُردو

(۱) ... [illegible] کا خطرہ
(۲) صبر واستقامت کامیابی کی ضمانت
(۳) غیرت کا تقاضہ
(۴) قرآن کا مطالبہ
(۵) خلفاء اربعہ کی ترتیب میں حکمت الٰہی
(۶) مسلم معاشرہ جاہلی رسم ورواج
(۷) حدیث شریف کی ادبی وفنی خصوصیات
(۸) دینی تعلیم آئندہ نسل کی حفاظت کی ضامن
(۹) میری تصانیف کا مرکزی مضمون
(۱۰) ہمارا فرض منصبی
(۱۱) نجات کا راستہ
(۱۲) دعوت وتبلیغ کا موثر اسلوب
(۱۳) شکر کا مقام اور اسکی حقیقت
(۱۴) انسان چمن کے کانٹے یا پھول
(۱۵) انبیاء کا مقام اور ان کا پیغام
(۱۶) ملک کی حقیقی آزادی
(۱۷) ہندوستان میں مدارس عربیہ کا کردار
(۱۸) سید احمد شہیدؒ کی دعوت اور ان کا پیغام
(۱۹) آخرت کا ٹکٹ
(۲۰) ہندوستانی مسلمانوں کے لئے صحیح راہ عمل
(۲۱) اسلام کے جانباز سپاہی
(۲۲) کامیابی کا راز اخلاص واختصاص
(۲۳) رمضان کا پیغام
(۲۴) روشن ستارے
(۲۵) طالبان علوم نبوت کا مقام
(۲۶) اصلاح معاشرہ ہماری ذمہ داری
(۲۷) دم توڑتی انسانیت-غازی پور
(۲۸) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی-امیدیں، توقعات
(۲۹) صد سالہ جشن کا پیغام ہندوستانی مسلمانوں کے نام
(۳۰) مسلم پرسنل لاء اہمیت وضرورت
(۳۱) ظلم کا انجام پیام انسانیت
(۳۲) درپیش خطرات اور ان کا حل
(۳۳) مقصد حیات
(۳۴) محسن عالم
(۳۵) مسلمان کی امتیازی شان
(۳۶) انسان نما بھیڑیا
(۳۷) جمعۃ الوداع کا پیغام مسلمانوں کے نام

حضرت مولانا کی عربی تقاریر

١ الحل الوحيد لقضية فلسطين
٢ المسلون في رباط دائم
٣ أزمة هذا العصر الحقيقية
٤ ظلال الإيمان و الإخلاص
٥ الأمة الإسلامية في حاجة إلى شحن
٦ محاضرة= مكانة الحرمين في قلوب المسلمين
٧ نظرة مؤمن و داع إلى الحضارة الغربية
٨ الإمام حسن البنا رحمه الله و حركته
٩ الفراغ في عالمنا المعاصر
٩ دور المرأة في بناء المجتمع الإسلامي
١٠ قصة تطفلي على مائدة القرآن
١١ خطاب سماحة الشيخ الندوي
١٢ واقع العالم الإسالمي
١٣ الإنسانية تنتظر كم أيها العرب
١٤ المسلمون في الهند
١٥ أكبر خطر على العالم العربي
١٦ دور الأمة الإسلامية في انقاذ البشرية
١٧ حكمة الدعوة وصفات الدعاة
١٨ دور الشباب المسلمين في هدا العصر
١٩ السيرة النبوة و واقع المسلمين
٢٠ كيف يستعيد المسلمون مكانتهم
٢١ خطبة الشيخ لحذيفي ضد اليهود والنصارى و الشيعة
٢٢ خطبة الجمعة للشيخ الحذيفي

ضروری اعلان

تعمیر حیات کا یہ خصوصی شمارہ مفکر اسلام نمبر اعلان کے مطابق تین سو صفحات پر مشتمل تھا، جس کیلئے تین اشاعتوں (شمارہ نمبر ۱۷، ۱۸، ۱۹) کو روکا گیا تھا لیکن بعض اہم مضامین کے اضافہ کے سبب اب یہ شمارہ تین سو باون صفحات پر مشتمل شائع کیا جارہا ہے لہٰذا ایک اشاعت مزید اس میں شامل کی گئی ہے، یعنی ۱۰ر جولائی تا ۲۵ر اگست ۲۰۰۰ء کے چار شمارے اس خصوصی نمبر میں شامل کئے گئے ہیں جس کی قیمت مبلغ ایک سو روپئے ہے۔ (ادارہ)

Internet Web-site: http://nadwa.virtualave.net
e-mail address airp@lw1.vsnl.net.in

(No (0522)330020 FORTNIGHTLY Guest House : 323864

NADWATUL-ULAMA, LUCKNOW-226 007 (India)



Printed And Published by *Athar Husain* on behalf of Majlis Sahafat- Wa- Nashriat,
Nadwatul Ulama at Parekh offset Press, Tagore Marg, Lucknow - U. P.

لکھنؤ

تعمیرِ حیات

پندرہ روزہ

خواص امت کی ذمہ داری

ملت کو جو خطرات و مصائب پیش آتے ہیں ان میں سے بہت سے خطرات و مصائب وہ ہیں جن کو عامی اور کم پڑھے لکھے افراد بھی محسوس کرتے ہیں۔ ان کے احساس کے لئے کسی خاص ذہانت و فراست اور کسی خاص دور بینی اور باریک بینی کی ضرورت نہیں ہے۔ مثلاً اتلاف جان و مال، فسادات و ہنگامے، تنگ دستی اور بے روزگاری وغیرہ وغیرہ ـــ لیکن کچھ خطرات اور مصائب وہ ہیں جن کو صرف وہ خواص ہی محسوس کرسکتے ہیں، جنھیں اللہ تعالیٰ نے فہم و فراست کی دولت بخشی ہے، ان کی نگاہ، حالات کی تہ تک پہنچتی ہے، اقوام و ملل کی تاریخ پر ان کی نظر ہے اور اللہ نے ان کو دینی حمیت اور ملی غیرت کا جوہر بھی عطا فرمایا ہے وہ ان خطرات اور مصائب سے بدرجہا زیادہ معنوی خطرات اور مصائب کو محسوس کرتے ہیں اور مستقبل کے تصور سے ان کی راتوں کی نیند اڑ جاتی ہے، مثلاً ذہنی و تہذیبی ارتداد کا خطرہ، اس زبان و کلچر سے محرومی جو دینی معلومات سے مالا مال اور اسلامی روح و مزاج کی حامل ہو اور جس سے نئی نسلوں کا اپنے اسلاف اور اپنے ماضی سے رشتہ قائم ہوتا ہے۔ نیا نظام تعلیم جس کے اثر سے مسلمانوں کی نئی نسل کا اسلامی تعلیمات سے ناآشنا اور خلاف اسلام اور منافی توحید عقائد و افکار سے متاثر ہونا بالکل قدرتی امر ہے، مسلمانوں کی اپنی مستقل شخصیت اور ملّی خصائص اور اسلامی تہذیب سے محرومی اور اکثریت کی تہذیب، فلسفہ اور شخصیت میں تحلیل ہو جانے کا خطرہ ہے، یہ وہ خطرات ہیں جن کی سنگینی کو صرف طبقۂ خواص کے لوگ محسوس کرسکتے ہیں اور وہ اکثر اقبالؔ کے الفاظ میں اس طرح گویا ہوتے ہیں ؎

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

(از:۔ خطبات مفکر اسلام صفحہ ۵۹؍ ۳)

۱۰/ستمبر ۲۰۰۶ء | سالانہ ۱۳۰/ روپے | فی شمارہ ۶/ روپے



حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی قسم کے ذریعہ بات کو مؤکد فرماتے تھے

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمۃ اللہ علیہ ———— ترجمہ: شمس الحق ندوی

(سلسلہ کے لئے ۲۵ جون ۲۰۰۰ء کا شمارہ ملاحظہ فرمائیں)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات بات کی اہمیت کو بتلانے اور ہوشیار کرنے کے لئے کلام کی ابتدا قسم سے کرتے تھے۔

امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم جنت میں اس وقت تک نہیں داخل ہوگے جب تک کہ آپس میں محبت نہ کرو، کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتادوں کہ جب اس کو کرو تو آپس میں محبت پیدا ہوجائے؟ آپس میں سلام کو رواج دو!

امام نووی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اس میں مسلمانوں کو سلام کرنے پر بہت زور دیا گیا ہے۔ خواہ پہلے سے تعارف ہو یا نہ ہو، کہ سلام کو شعار بنالینے سے مسلمانوں میں ایک دوسرے سے محبت بڑھتی ہے، اور ان کا خاص امتیازی نشان ظاہر ہوتا ہے جو ان کو دوسری قوموں سے الگ اور نمایاں کرتا ہے، مزید برآں اس سے نفس کی تربیت ہوتی ہے۔ دل میں تواضع کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور مسلمانوں کا احترام بڑھتا ہے۔

قاضی عیاض کہتے ہیں محبت ایک دینی فریضہ اور شریعت کا رکن ہے جو اسلامی معاشرہ کو منظم کرتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے اس امت کی پہچان یا امتیازی نشان سلام کا عام کرنا ہے۔

اس حدیث اور اس طرح کی دیگر احادیث جو اننی کے قریب شمار کی گئی ہیں ان سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے کہ استنادًا علم قسم دلائے بغیر اپنی بات کو مؤکد کرنے کے لئے قسم کھا سکتا ہے۔

امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کوئی بندہ مؤمن (کامل) نہیں ہوسکتا جب تک اپنے پڑوسی کے لئے یا اپنے بھائی کے لئے وہی نہ پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ راوی کو شک ہوگیا کہ لفظ پڑوسی فرمایا تھا یا بھائی کا۔

علما نے بھائی کی تشریح میں مؤمن وکافر دونوں کو عام رکھا ہے یعنی جس طرح اپنے لئے ایمان کو پسند کیا ایسے ہی اپنے کافر بھائی کے لئے اس کو پسند کرے جیساکہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے اسلام پر باقی رہنے کو پسند کرتا ہے اسی وجہ سے [illegible] بھائی کے لئے ایمان کی دعا کرنا [illegible]

امام بخاری نے ابوشریح خزاعی رضی اللہ عنہ [illegible] روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] فرمایا "خدا کی قسم وہ مؤمن نہیں، خدا [illegible] وہ مؤمن نہیں! خدا کی قسم وہ مؤمن نہیں [illegible] صحابۂ کرام نے عرض کیا اللہ کے رسول [illegible] کون؟ آپ نے فرمایا وہ مؤمن نہیں جس [illegible] شر اور ایذا رسانی سے اس کا پڑوسی [illegible] نہ ہو۔"

ان احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کی تاثیر اور اہمیت کو [illegible] کے لئے قسم کھائی ہے جو اسلام کا [illegible] ہے، باہم محبت وتعلق کو مضبوط کر[illegible] کا ذریعہ ہے، اس بات سے بھی آگاہ کیا [illegible] ہے کہ پڑوسی اور بھائی کے ساتھ محبت [illegible] ضروری سمجھے، پڑوسی کو تکلیف پہونچ[illegible] کا جو نقصان ہے اس سے بھی آگاہ کیا [illegible] ہے اور اس کو اتنی اہمیت دی کہ جو اس [illegible] خلاف کرے اس کے ایمان کی نفی کی گئی [illegible]

نعت شریف

نشور واحدی

رہبرِ راہِ یقیں کہنا پڑا
دشمنوں کو بھی امیں کہنا پڑا
عرش کے نیچے تجلی دیکھ کر
خاکِ طیبہ ہے یہیں کہنا پڑا
آپ کے اصحاب کی تابندگی سے
جگمگاتی ہے زمیں کہنا پڑا
غیر مخلص ہم نواؤں کو نشور
خنجر اندر آستیں کہنا پڑا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پندرہ روزہ — لکھنؤ

تعمیر حیات

مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۳۷ — شمارہ نمبر ۲۱

۱۰ر ستمبر ۲۰۰۰ء — مطابق — ۱۰ر جمادی الآخر ۱۴۲۱ھ

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ ۱۳۰/- روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں ——

زر تعاون

سالانہ —— ۱۳۰/- روپے

فی شمارہ —— ۶/- روپے

—— بیرونی ممالک فضائی ڈاک ——

ایشیائی، یورپ، افریقی و امریکی ممالک

۳۰ ڈالر

—— بیرونی ممالک بحری ڈاک ——

بحری ڈاک جملہ ۱۵ ڈالر

خط و کتابت کا پتہ

منیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس نمبر ۹۳

ندوۃ العلماء لکھنؤ، ۲۲۶۰۰۷ یوپی

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے

بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں ——

گذارش

خط و کتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کے ساتھ مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے۔ منیجر

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے ندوہ آفسٹ میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا۔

اس شمارے میں

بیرون ملک نمائندے

Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb. P.O Box No 842, Madina Munawwara (K.S.A.)	مدینہ منورہ
Mr. M. AKRAM NADWI OCIS, St Cross College, Oxford Ox1 3TU-U K	برطانیہ
Mr. M. YAHYA SALLO NADWI Sb. P.O Box 388, Vereninging,(S Africa)	ساؤتھ افریقہ
Mr. ABDUL HAI NADWI Sb. P.O Box No 10894, DOHA-QATAR	قطر
Mr. QARI ABDUL HAMEED NADWI Sb. P.O Box No 12525, DUBAI (U A E) PH NO: — 3970927	دبئی
Mr. ATAULLAH Sb. Sector A-50, Near sau Quater No 109, Town Ship Kaurangi, KARACHI-31 (Pakistan)	پاکستان
Mr. A. M. SIDDQUI Sb. 3-Conklin Ave, Woodmere NEW YORK 11598 (U.S.A.)	امریکہ

Internet Web-site: http://nadwa.virtualave.net
E-mail address: airn@lw1.vsnl.net.in

اداریہ

اسلام کا سب سے بڑا معجزہ

کوئی اگر ہم سے پوچھے کہ اسلام کا سب سے بڑا معجزہ کیا ہے؟ یا دوسرے الفاظ میں اسلام کی حقانیت کی سب سے بڑی دلیل کیا ہے؟ تو میں پوری دیانت و بصیرت کے ساتھ ہوش و حواس کی سلامتی اور خدا کے سامنے جوابدہی کے احساس کے ساتھ اور ہر طرح کے دلائل و براہین، علمی و تاریخی دقائق کے چیلنجوں کی حقیقت سمجھتے ہوئے عرض کروں گا کہ اسلام کا سب سے بڑا معجزہ یہ ہے کہ اسلام آج بھی زندہ اور باقی ہے، دنیا بھر میں اس کی جو دشمنی اور مخالفت کی گئی ہے اگر اس کا نصف یا چوتھائی بلکہ دس درجہ کم بھی مخالفت کسی مذہب کی کی گئی ہوتی تو وہ مذہب تاریخ کے ملبوں کے نیچے دب کر فنا ہو چکا ہوتا۔

آپ کے سامنے دنیا بھر کے انسائیکلو پیڈیا زہیں، تاریخ ادیان و ملل پر کتابیں ہیں، اور اب تو انٹرنٹ نے بیچ بیچ دریاؤں کو کوزوں میں بند کر کے دکھا دیا ہے، تلاش کر کے بتایئے کہ کسی مذہب کی آج تک اس درجہ دشمنی ہوئی ہے، جس قدر اسلام کی دشمنی پر لوگ کمربستہ رہے ہیں؟ ہر مذہب، یا بہت احتیاط سے کہئے تو بہت سے مذاہب کی مقدس کتابیں ہیں، تورات، انجیل، زبور کو تو ہم بھی آسمانی صحائف مانتے ہیں لیکن جن سے ہم واقف نہیں ہیں، پارسی، بودھ، فینٹو اور اس طرح درجن سے زیادہ مذاہب کی مقدس کتابیں ہیں جو جاپان، ہندوستان قدیم سے لے کر افریقی ممالک تک میں رائج ہیں، کسی کی مذہبی کتاب کے درپئے دنیا کے نام نہاد دانشور اس درجہ پڑے ہیں جس درجہ قرآن کے پیچھے پڑے ہیں؟ یورپ کی اٹھارہ زبانوں میں سے ہر زبان میں قرآن سے دور رکھنے کے لئے ترجمہ کے نام سے کذب و بہتان کے بنڈل بندھے ہیں (ڈاکٹر محمد حمید اللہ حیدر آبادی کے فرانسیسی ترجمۂ قرآن کے مقدمہ میں اس کی فہرست موجود ہے) انگریزی، فرنچ، اٹیلین میں گذشتہ دس سال کے اندر کئی نئے ترجمے ہوئے ہیں اور ریسرچ کے نام پر جو ہفوات جمع کی گئی ہیں سیرت نبوی ﷺ کے نقوش کو جس طرح مسخ کرنے کی کوششیں کی گئی ہیں، دنیا کے کسی مذہب، اس کی مقدس کتاب، اس کی مقدس شخصیات کے خلاف نہیں کہا گیا ہے۔

ان مذاہب کی کتابوں کو سمجھنے اور پڑھنے کے لئے کتنے لوگ ہیں جنہوں نے اس کی اصل زبان پڑھی ہے؟ اور قرآن پر ہنوں کا بار ڈالنے کے لئے یورپین اسکالرس نے تیرہ تیرہ سال تک عرب ملک میں آکر عربی کے صرف و نحو کی تعلیم حاصل کی ہے۔

آج سلمان رشدی پر برطانیہ لاکھوں پونڈ خرچ کر رہا ہے، ایک نیم تعلیم یافتہ بنگالن کے لئے یورپ کے آٹھ ملک آنکھیں بچھائے ہوئے ہیں کہ اس نے بقول ان کے "اسلام کے تابوت پر ایک کیل ٹھونکی ہے"۔

نماز، روزہ بھی اب بنیاد پرستی میں داخل ہے، عورتوں کا سر ڈھکنا اور مردوں کا داڑھی رکھنا، اخلاقی جرم بنایا گیا ہے، جن ملکوں میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہے اور جن کو اصطلاح میں "اسلامی ملک" یا "مسلم اسٹیٹ" کہا جاتا ہے وہاں کے اسلام دشمن یہود و نصاریٰ مسلمانوں کے نام پر حکمرانی کر رہے ہیں، شام میں "موروثی جمہوریت" پوری ڈھٹائی اور بے حیائی کے ساتھ خم ٹھونک کر اسلامی قدروں سے نبرد آزما ہے۔ جو ریاستیں اللہ کا نام لینے پر مصر ہیں ان کو "ورلڈ آرڈر" اپنے شکنجوں میں کس لیا ہے، یہ "ورلڈ آرڈر" کیا ہے؟ عصر حاضر کی وہ تعبیر ہے جس کو فرعون نے اپنے زمانے میں "اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی" کہا تھا۔

بعض اوقات ہی نہیں بلکہ اکثر اوقات کوشش سے زیادہ نکلا، کوشش کا جو پیمانہ تھا اس کا جو سائز تھا اس سے بہت بڑھ کر نتیجہ نکلا، وہ نتیجہ کوشش کے سائز سے بہت بڑھا ہوا تھا۔ اس سے بڑھ کر بشارت کیا ہوسکتی ہے؟ آپ اگر پکڑ لیں اس بات کو اور دل پر لکھ لیں کہ ہم کوشش کریں گے تو کوشش کا نتیجہ ضرور نکلے گا امید ہے کہ کوشش کی حیثیت سے بڑھ کر نکلے گا، توقع سے بڑھ کر، قیاس سے بڑھ کر نکلے گا اور اس کے لئے نہ کسی بڑی جگہ کی ضرورت ہے، نہ کسی بڑی دانشگاہ کی ضرورت ہے، نہ کسی بڑے اونچے خاندان کی ضرورت ہے، نہ بہت اعلیٰ درجہ کے اساتذہ کی ضرورت ہے، نہ بہت وسیع کتب خانہ کی ضرورت ہے، اس کے لئے کوشش کی ضرورت ہے۔ نیت کی ضرورت ہے، سنجیدگی اور دیانت داری کی ضرورت ہے۔

محنت اور حسن نیت واخلاق، یہ دو چیزیں جمع ہو جائیں تو پھر وہ ضائع نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے جو کہ عالم الغیب اور قادر مطلق ہے، دیکھئے ایک تو عالم الغیب ہونا یہی ایک بڑی بات ہے لیکن وہ قادر مطلق بھی ہے، عالم الغیب بھی ہے، مخبر صادق بھی ہے اور رب العالمین بھی ہے۔ وہ جب فرماتا ہے، اعلان کرتا اور اس کی ذمہ داری لیتا ہے" وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى " اور اس کی کوشش کا نتیجہ ظاہر ہو کر رہے گا تو پھر دنیا میں اس کے بعد کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں رہی، کچھ اس میں اضافہ ہو ہی نہیں سکتا۔

یہ ایک حیات آفریں پیغام ہے، تمام انسانی نسلوں اور تاریخ کے تمام دوروں کے لئے کہ انسان کی کوشش کا نتیجہ ضرور برآمد ہوگا، اور اس کے اثرات و نتائج مشاہدہ میں آئیں گے۔

"ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى "

پھر اس کو اس کوشش کا بھرپور بدلہ ملے گا۔

چراغ زندگی اور دستور العمل

قرآن مجید کی اس آیت میں پورا پیغام ہے۔ زندگی کا پورا پیغام اس کے اندر ہے، زندگی اچھی طرح گزارنی چاہئے، زندگی کے لئے کیا سامان پیدا کرنا چاہئے، زندگی دینی زندگی ہو، علمی زندگی ہو، دعوتی زندگی ہو، اصلاحی زندگی ہو، ان سب کے لئے ہر طرح تیاری کرنی چاہئے اور اس تیاری کا کیا نتیجہ نکلے گا؟ اس لئے کہ انسان کی فطرت میں ہے کہ اس کو فائدہ بھی معلوم ہونا چاہئے، کون سی کوشش کا کیا فائدہ ہے؟ فلاں دوا کا کیا خاصہ ہے؟ فلاں بیج کا کیا مادہ ہے؟ اور فلاں میدان کا کیا تقاضا ہے؟ یہ انسان کی فطرت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت ذہن میں القاء فرمائی اور دل میں ڈالی جس میں پوری زندگی کا نظام آگیا ہے اور پورا قانون آگیا ہے۔ اور آپ اس آیت کو سمجھ لیں، اس کو اپنا دستور العمل اور اپنا رہنما بنالیں اور اس آیت کی صداقت پر آپ ایمان لے آئیں اور یقین کرلیں اور دل میں اس کو اتارلیں، اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمایا ہوا ہے، دنیا کے تمام حکماء اور بڑے بڑے ذہین لوگ بھی کوئی بات کہتے ہیں کہ یہ ہوگا اور ایسا ہوگا، اس کا نتیجہ یہ نکلے گا تو اس کا پورا سو فیصدی اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ یہ زندگی کا تجربہ اور تاریخ کا مطالعہ ہے کہ کتنے آدمیوں کی پیشین گوئی غلط نکلی اور کیسے کیسے فائدے فلاں فلاں چیز کے بتائے گئے تھے ان میں سے کچھ حاصل نہیں ہوا۔ پوری تاریخ اس سے بھری ہوئی ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ فرمادے کہ اس کا یہ خاصہ ہے۔ یہ کروگے تو اس کا یہ نتیجہ نکلے گا تو پھر اس کے خلاف ہو ہی نہیں سکتا ہے ایسی کیا بات ہے کہ کہی جائے کہ اس کو آپ اپنا دستور العمل بنالیں اس کو اپنا چراغ زندگی بنالیں اور اس کی روشنی میں آپ چلیں۔

انسانی سعی کی جس نتیجہ خیزی اور بارآوری کا اس آیت میں اظہار کیا گیا ہے وہ ایک حوصلہ افزا اور حیات بخش پیغام ہے۔ اقبال نے انسان کے لئے کہا تھا ؎

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

(از: قرآنی افادات)

تبرکات ماجدی

حضرت آدمؑ کی تخلیق

● مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ

دنیا بن کر تیار ہو چکی، زمین کا فرش اپنی رنگینیوں اور بوقلمونیوں کے ساتھ بچھ چکا ہے۔ آسمان کی چھت اپنی بلندیوں کے ساتھ قائم ہو چکی ہے۔ آفتاب اور ماہتاب کے ہنڈے روشن ہو چکے ہیں، تاروں کے قمقمے۔ مدت ہوئی کہ رات کے اندھیرے کو اجالے میں تبدیل کر چکے ہیں گھوڑے، ہاتھی، مچھلی، کچھوے، فاختہ، کبوتر، سارے جاندار زمین پر، سمندر میں، فضا میں زندگی کی سانس لے رہے ہیں دریا کی جگہ دریا موجوں کا لطف دکھا رہے ہیں پہاڑ کی جگہ پہاڑ اپنی ہیبت دلوں میں بٹھا رہے ہیں، نور کے بنے ہوئے فرشتے نار کے بنے ہوئے جنات سب خلعت وجود سے مشرف ہو چکے ہیں، غرض مجلس کائنات ہر طرح آراستہ۔

انتظامات مکمل ہو چکے تو اب حکمت کاملہ کو منظور ہوا کہ محفل میں قدم رونق محفل کے آئیں اور زمین پر نفاذ آسمان والے کے قانون کا شروع ہو۔ قانون تکوینی تو شروع ہی سے نافذ تھا۔ اب منظور ہوا کہ سکہ قانون تشریعی کا چلے، اضطراری تعمیل اول دن سے ہو رہی تھی۔ اب وقت اس کا آیا کہ تعمیل عقل و ارادہ کے ساتھ قصد و اختیار کے ساتھ ہو، مخلوقات کی صف میں سب سے معزز سب سے مقرب فرشتے تھے، ارشاد انھیں سے ہوا، کچھ خبر ہے؟ وجود میں ایک تازہ مخلوق آنے کو ہے، وہ روئے زمین پر ہمارا خلیفہ ہوگا، ہمارا قانون چلائے گا، فرشتے عیب داں نہ تھے لیکن بہر حال فہم و فراست کے حصہ دار تو تھے ہی اور حاضر پر غائب کو قیاس کر ہی سکتے تھے قوائے بشری کی ترکیب اور زمینی مخلوقات کی ضروریات و مقتضیات کا اندازہ لگا دل میں سمجھے اور صحیح سمجھے کہ اس نئی مخلوق کی ذریات میں کچھ سرکش و غدار، عاصی و نافرمان ضرور ہی پیدا ہوں گے۔ بولے۔ اور وفا سرشت بندوں کی طرح آقا پرستی کے جوش سے لبریز ہو کر بولے، کہ "حضور والا! ہم خدام قدیم آخر کس دن کیلئے ہیں؟ جو بھی خدمت ہو ہمارے جسم و جان اس کیلئے حاضر ہیں۔ یہ نئے حضرت جو آرہے ہیں نفس اور ارادہ بھی تو ساتھ لا رہے ہیں۔ آپس میں لڑیں گے، بھڑیں گے، جھگڑیں گے اور ایک دوسرے کا سر اور سرکار کا قانون توڑیں گے، طبع مبارک کی گرانی کا سبب بنیں گے، یہ منظر ہم جاں نثاروں سے کس دل سے دیکھا جائے گا"۔ جواب میں ارشاد ہوا۔ "تمہاری خیر خواہی مسلم لیکن تمہارا علم بہرحال محدود تم نے وہی کیا جو تمہیں اپنی بصیرت کے مطابق نظر آیا، تمہیں کیا علم ہماری لامحدود حکمتوں کا، بے پایاں مصلحتوں کا؟ جو کام اس نئی مخلوق سے لینے ہیں اس کو قوی بھی تو ملیں گے۔ انھیں کے مناسب، انھیں کے متناسب:

خاموشی ملاء اعلیٰ پر چھا گئی نار و نور دونوں سے الگ، دونوں کے خواص ترکیبی سے جدا خاک کا ایک پتلا تیار ہوا۔ اور اس کے اندر روح الٰہی دم ہوئی، روح کا دم ہونا تھا کہ گیلی مٹی کا خمیر کیا ہوا۔ اور اب خشک اور کھنکھناتا ہوا پتلا دم کے دم میں جیتا جاگتا، دانا، بینا آدم بن گیا سلسلۂ نسل انسانی کا مورث اعلیٰ، علوم معارف سے لبریز، آخر خلیفۃ اللہ تھا نا۔ میں کیا لفظ بول گیا؟ اصل قصہ کا سررشتۂ بیان چھوڑ، چند لمحوں کے لئے ذرا اسی لفظ کو دُہرا لیجئے۔ اور اس کی معنویت پر دھیان جما لیجئے "خلیفۃ اللہ" کہ یہی حیثیت تو آدم کی اصلی اور اہم ترین حیثیت تھی قرآن مجید میں جہاں خلقت آدم کا بیان پہلی بار آیا ہے یہ نہیں وارد ہوا ہے کہ جب ہمیں نوع انسانی کی آفرینش منظور ہوئی، یا سلسلۂ بشری کا پہلا انسان پیدا کرنا منظور ہوا، بلکہ ارشاد ہوا۔ إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيْفَةً یعنی یاد کرو وہ وقت جب پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں، آدم کو ابوالبشر مسلمانوں کے علاوہ یہود اور مسیحیوں نے بھی مانا ہے، لیکن ملاحظہ ہو کہ بائبل میں یہ ذکر کس انداز اور کس محل پر آتا ہے اوپر سے ذکر آسمان و زمین اور جمادات و نباتات، حیوانات کی پیدائش کا چلا آتا ہے کہ اسی لپیٹ میں یہ تذکرہ بھی آجاتا ہے "خداوند خدا نے زمین پر پانی برسایا تھا۔ اور آدم نہ تھا کہ زمین کی کھیتی کرے، اور زمین سے بخار اٹھتا تھا اور تمام روئے زمین کو سیراب کرتا تھا اور خداوند خدا نے زمین کی خاک سے آدم کو بنایا۔ اور اس کے نتھنوں میں زندگی کا دم پھونکا سو آدم جیتی جان ہوا۔ (پیدائش ۲: ۷)

گویا جس طرح سے اور سب جانوروں کے

نو میں پیدا ہو رہی تھیں۔ ایک جاندار انسان نامی کی بھی نوع پیدا ہوگئی۔ اور اس سلسلہ کے بانی کا نام آدم رہا۔ اور گویا اس کا کام زیادہ سے زیادہ یہ تھا کہ زمین کی کھیتی کرے۔ کہاں مادیت، حیوانیت کی یہ پستی اور کہاں نصب العین کی یہ بلندی کہ انسان ایک ذمہ دار مخلوق ہے۔ اسے اپنے اعمال کیلئے جوابدہ اپنے خالق کے روبرو ہونا ہے پہلی بات تو لفظ خلیفہ کے تلفظ کے ساتھ ہی یہ سمجھ میں آئی پھر اتنا ہی نہیں۔ وہ دوسروں کی بھی تکمیل کرے گا اخلاقی، عقلی، روحانی اصلاح میں لگائے گا۔ اور روئے زمین پر معدلت اور سیاست کی شریعت کا سکہ چلائے گا۔ یہ سارا مفہوم ذرا سے لفظ خلیفۃ اللہ کے اندر شامل!

پھر ایک اور گوشہ سے روشنی اس حقیقت پر ڈالئے۔ ایک اور زاویے سے اسے جانچئے، ایک اور پیمانے سے اسے ناپئے آفرینش تو جس طرح آدم کی ہوئی ہے اسی طرح آخر ساری مخلوق کی ہوئی ہے۔ جمادات وحیوانات کی بھی، ملائکہ اور جنات کی بھی، عرش کی بھی، کرسی کی بھی، لیکن اور کسی کے بھی ارادۂ تخلیق کا ذکر قرآن نے اہتمام کے ساتھ کیا ہے؟ یہ فخر تو صرف خلقت آدم کے موضوع کو ملا۔ اور کیوں نہ ملتا؟ نائب السلطنت کا ورود اور عوام الناس کی نقل وحرکت کہیں ایک درجہ کی چیزیں ہیں؟ اللہ اللہ خاک کے پتلے کا یہ شرف ومرتبہ! مذہب شرکیہ کا تو ذکر ہی کیا۔ انسان کے شرف واحترام کا یہ مقام یہودیت نے کب جانا ہے؟ مسیحیت نے کب پہچانا ہے؟ اہل کتاب کی کتاب کا حوالہ ابھی سے اوپر گذر چکا ہے:

اچھا اب پھر آجائیے اصل قصہ کی طرف آدم (VICEGERENT DESIGNATE) خلیفہ نامزد ہو چکے ہیں۔ اب فرشتے بلائے گئے کہ وہی مخلوقات میں سب سے دانا تر، عالم تر، کامل تر تھے، ارشاد ہوا کہ اچھا اشیائے کائنات کے خواص تو بیان کرو۔ نہ بیان کر سکے۔ کہ اس علم سے کورے تھے۔ اس علم سے کام انہیں پڑنے والا ہی نہ تھا، ذکر و شغل میں لگے رہنے والے صوفیوں اور زاہدوں کو حدیث کے نقد سے، رجال کی جرح سے، فقہ کے فتاویٰ سے، قانون کے احکام سے آخر واسطہ ہی کیا؟ اشارہ آدم کو ہوا۔ آپ نے سبق فر فر سُنا دیا۔ تسبیح وتقدیس کرتی رہنے والی معصوم مخلوق بے اختیار نعرہ لگا اٹھی۔

سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ

ترجمہ: پاک ہیں آپ ہمارے سرکار پاک ہیں اس سے کہ آپ کا کوئی فعل حکمت سے خالی ہو۔ مصلحت سے عاری ہو، ہمیں علم ہی کیا ہے؟ ہاں بس وہی تھوڑا بہت جو آپ ہی نے ہمیں عطا کر رکھا ہے۔ ہمارے علم جزئی کو آپ کے علم کلی سے کیا نسبت؟ حقیقتاً علم والے تو آپ ہیں کہ آپ کے لئے غائب وحاضر، قریب وبعید، ماضی ومستقبل سب یکساں عالم کل آپ ہیں، ہر مخلوق کے ظرف کے، استعداد کے، صلاحیت طبع کے اور حکمت والے بھی آپ ہی کہ بشر وملک ہر مخلوق میں تقسیم علم اسی کے استعداد کے مطابق اسی کے ظرف کے مناسب کردی!

یہ منظر برخاست۔ اب پردہ دوسرے منظر سے اٹھتا ہے۔ آدم کے سر پر اب خلافت الٰہی کا تاج ہے، حکم فرشتوں کو ملتا ہے کہ ہمارے اسی نائب کے آگے جھکو، نذرانۂ عقیدت اسی کے سامنے پیش کرو۔ اُسْجُدُوا لِآدَمَ میں سجدہ اپنے لغوی معنی میں ہے، سجدۂ تخضع، نماز کا اصطلاحی سجدہ مراد نہیں۔ نماز کے سجدہ کو بھی سجدہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ تذلل اور تواضع کا بہترین مظہر ہے اور پھر اہل تحقیق کی یہ تصریح بھی موجو[د] کہ لِآدَمَ میں حرف لام، معنی میں الیٰ یا سمت وجہ کی ہے، سجدہ آدم کو نہیں، صرف سمت آدم [illegible] تھا۔ آج عالم اجسام میں تکلیفات شرعیہ کے [illegible] ظہور کے وقت بھی، سجدہ کعبہ کو نہیں رب کعبہ [illegible] جاتا ہے، کعبہ صرف سمت ہے، کل اسی طرح ارواح میں جب تکلیفات شرعیہ کا آغاز بھ[ی] نہیں ہوا تھا، مسجود آدم نہیں آدم [illegible] ہی پیکر آدم صرف سمت سجدہ تھا۔

بہر حال حکم اظہار اطاعت کا فرشتو[ں] کو ملا۔ تو ظاہر ہے کہ ان سے ادنیٰ مخلوق کو پہ[نچ] ہی [چ]کا (اور یہ بات ایسی کھلی ہوئی اور اتنی [illegible] ہے کہ قرآن مجید نے اس کی صراحت ضروری نہیں سمجھی) خیر حکم کی تعمیل سب نے کی۔ ایک نہ کی تو آگ کے ہوئے ایک جن (ابلیس نامی نے) انانیت [illegible] جل کر بولا "میں آتشی ہو کر خاکی کے آگے جھکوں [illegible] ادنیٰ کے آگے اعلیٰ اپنے کو جھکائے گرائے؟" نا سمجھ اپنی عقل پہ نازاں بے وقوف اتنا نہ سوچا کہ خو[د] کی کیا دلیل ہے عقلی یا نقلی کہ آگ ہر حال میں خاک سے افضل ہی ہے اور بالفرض ہو بھی، تو کس قاعدے سے ثابت ہے کہ کسی خاص مصلحت سے یا کسی مخصوص حکمت کے بناء پر بھی بڑا چھو[ٹے] کے آگے کسی حال میں نہ جھکے؟ غرض اس منطق ابلیس کے صغریٰ وکبریٰ دونوں غلط نکالا گیا ملاء اعلیٰ [سے] پھینکا گیا آسمان سے، حکم کی نافرمانی کی علت میں حکم بھی کس کا؟ حاکم برحق کا حکیم مطلق کا!

ابلیس نکلنے کو تو نکلا لیکن اکڑ کے سا[تھ] اکڑ وہی جس کا نام آج کی ادبی بولی میں "پندار نفس" ہے، کہتا ہوا نکلا کہ "میں تو جا رہا ہوں لیکن ا[پنے] ساتھ اور بھی تیرے بہت سے بندوں کو [لے] مروں گا" ارشاد ہوا "چل دور ہو، جو تیری راہ چل[نا] چاہیں گے۔ وہ اپنا کیا ہوا خود ہی بھگتیں گے، با[illegible]

جو لوگ اپنے ارادہ و اختیار سے صحیح کام لیتے رہیں گے۔ اور ہمارے نازل کئے ہوئے پیغمبروں کی راہ پر قائم رہیں گے، ان پر تیرا جادو کچھ بھی نہ چل سکے گا۔ تیرے پاس قوت ہی کیا ہے؟ بجز وسوسہ اندازی کے"۔ ادھر یہ ہوا۔ ادھر آدم مع اپنی صاحبہ حوا کے مزے اور چین سے جنت میں رہنے لگے، ممانعت صرف اس خاص درخت کے پاس جانے کی تھی۔

دونوں غافل و بے خبر اسی عیش میں تھے کہ موقع مل گیا۔ ابلیس کو وار کرنے کا۔ ابلیس کا صفاتی نام اب شیطان تھا، پٹی ایک روز یہ پڑھائی کہ مزے سے جائیے آئیے نہ اس درخت کے پاس۔ وہ ممانعت جو ہوئی تھی وہ تو عارضی تھی۔ اس وقت آپ کے قوی میں پختگی نہیں آئی تھی۔ اب آپ ہر طرح پختہ ہو چکے، جائیے اور بے تکلف کھائیے پھل اس درخت کے۔ اور سنیئے، کان ادھر لائیے، بات کان میں کہنے کی ہے۔ اس پھل میں تاثیر یہ ہے کہ ایک بار زبان پر رکھ لیجئے تو بس سمجھئے کہ ہمیشہ ہمیش کیلئے جنت کے ہو گئے۔ بس یہیں جم گئے۔ آپ کو میری بات کا اور میری خیر خواہی کا یقین کیوں آنے لگا، تو لیجئے، میں قسم کھا کر کہتا ہوں اپنے اور آپ کے پروردگار کی اور اور آپ تو عاشق ٹھہرے ان کے نام کے"۔

محبوب کا نام سن کر عاشق پھسل پڑا۔ اس کا طائر فکر یہاں تک پہونچ ہی نہ سکا کہ اس کے محبوب کا نام کوئی بے وقعتی یا بے قدری کے ساتھ لے سکتا ہے، حضرت آدم تو حریص ہی تھے، دل و جان سے مقام قرب حق میں قیام کے۔ ادھر ذہن ہی نہ گیا کہ کہنے والا ہے کون؟ اور کس نیت سے یہ افسوں پھونک رہا ہے، بس اس کے پھسلاوے میں آ پھل کھا بیٹھے، پھل کا کھانا تھا کہ عمل کے طبعی اثرات ظاہر ہونے لگے، برہنگی اب تک چھپی ہوئی تھی۔ اب ظاہر ہو گئی، اور گذری جو کچھ گذری اب احساس غلطی کا ہوا۔ اور دور ہوا شروع توبہ کا، ندامت کا، استغفار کا، اس پر قصور معاف ہوا۔ مرتبۂ مقبولیت پر بحال ہوئے، لیکن بہر حال طبعی اثرات، گناہ دھل جانے کے بعد بھی قانون تکوینی کے ماتحت ظہور کر ہی دیتے ہیں، سنکھیا کھا کر توبہ و ندامت سے خودکشی کا گناہ ممکن ہے کہ معاف ہو جائے لیکن جسم پر موت کے مادی اثرات تو طاری ہو کر ہی رہیں گے، جنت کی آب و ہوا کے ناموافق اور وہاں کی فضا کیلئے غیر مناسب و غیر صالح غذا کھا کر وہاں مزید قیام کی گنجائش نہ تھی، حکم ہوا۔ "میاں بیوی دونوں زمین پر اتر جاؤ، اب وہیں تمہاری نسل رہے بسے گی، ہر ایک کیلئے ایک مقدار کی عمر مقرر ہو گی، اس کے بعد ہماری طرف واپس آنا ہوگا۔ وہاں ہماری ہدایتیں ہمارے قاصدوں کے ذریعہ سے پہنچتی رہیں گی، جو کوئی ہمارے قانون کے مطابق زندگی بسر کرے گا وہ یہاں آکر ہر طرح آرام پائے گا۔" دنیا کھیتی ہے اور آخرت حاصل کشت"۔

انھیں خدائی قاصدوں کا نام پیغمبر پڑا اور سب سے پہلے پیغمبر حضرت آدم ہی ٹھہرے وہی سب سے پہلے انسان بھی ہیں جو زمین پر آئے۔ اور وہی سب سے پہلے نبی ہیں جو خدا کا قانون زمین پر لائے۔ آدم کا زمانہ تاریخ کی پیدائش سے قبل کا زمانہ ہے اور ہمارا آسمانی نوشتہ ان کے زمینی زندگی سے متعلق بے نتیجہ تفصیلات میں نہیں پڑتا بعض روایتوں میں آتا ہے کہ وہ روئے زمین پر ملک سراندیپ میں آباد ہوئے۔ آج اسی کو سیلون کہتے ہیں اہل فن کے قرائن و قیاسات یہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے آبادی کی بنیاد ملک عراق یا دجلہ و فرات کے دوابہ میں پڑی۔

اولادیں آپ کی حضرت حوا کی بطن سے متعدد ہوئیں۔ توریت میں نام تین بیٹوں کا آتا ہے۔ قابیل، ہابیل۔ شیث اور یہ حضرت شیث آگے چل کر پیغمبر بھی ہوئے، توریت ہی کی روایت ہے کہ آپ نے عمر ۹۳۰ سال کی پائی واللہ اعلم بالصواب۔

نبی اول کی سرگذشت حیات ختم ہوگئی۔

قرآن مجید نے چند سبق جو اس سادہ روداد حیات کے ذریعہ سے دیدیئے ہیں، کچھ ضمناً اور کچھ مستقلاً وہ بجائے خود اس قابل ہیں کہ ایک نظر ان پر بھی ہوتی جائے، پہلی بصیرت تو یہ حاصل ہوتی ہے کہ انسان کی ہستی ذات باری سے بالکل جدا اور متمایز ہے۔ اور وہ ذات پاک اس سے بالکل منزہ ہے کہ انسان اس کے ساتھ کوئی رشتہ مشارکت یا مجانست کا رکھے، آدم بس آدم ہی تھے، خدا، یا دیوتا، معبود اکبر یا معبود اصغر کسی معنی میں نہ تھے، لیکن یہ کیا بات ہوئی؟ کیا کسی نے انسان کو خدا یا جزو خدا سمجھا ہے؟ جی ہاں اس دنیا میں ایسے دانشمند بھی آباد ہیں، قوموں کی قومیں ایسے مشرکوں کی ایسی گذر چکی ہیں، جن کے نزدیک انسان اول جو تھا دیوتا ہی تھا۔ اب بھی قبیلہ در قبیلہ ایسے ہیں جو انسان کے جد اول کی پرستش میں لگے ہوئے ہیں قرآن نے آفرینش آدم کا قصہ بیان کرکے اس مشرکانہ عقیدہ پر کاری ضرب لگا دی، اور یہ تعلیم عام کردی کہ مخلوق اور خالق کے درمیان رشتہ داری کیسی؟ آدم اور آدم آفریں کے درمیان بجز وجود کوئی شے مشترک ہی نہیں۔

دوسری تعلیم یہ ملتی ہے کہ آدم خلق ہوئے ہیں

(باقی صـ۱۴ پر)

اسلام میں علوم وفنون کے سیکھنے پر زور اور تاکید

• مولانا محمد عیسیٰ منصوری

اسلام کی آمد سے قبل کے دَور کو دورِ جہالت یا جاہلیت سے موسوم کیا جاتا ہے، نزولِ وحی سے قبل عرب میں گنتی کے چند افراد لکھنا پڑھنا جانتے تھے، نزولِ قرآن کی برکت سے اس طرح علم کا دور دورہ ہوا کہ دیکھتے ہی دیکھتے ہزاروں، لاکھوں افراد زیورِ علم سے آراستہ ہو گئے۔ اور تعلیم وتعلم کا ایسا ماحول قائم ہوا کہ اب ڈھونڈنے سے بھی کوئی ناخواندہ نہیں ملتا تھا۔ گویا دنیا میں پہلی بار لازمی تعلیم کا انطباق دورِ نبوت اور خلفائے راشدینؓ میں ہوا۔ یہ سب فیضان تھا قرآن اور صاحبِ قرآن حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمی جدوجہد کا۔ آیئے مختصر طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اس تعلیمی انقلاب کا جائزہ لیں۔

اسلام کا آغاز اس وقت ہوا جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر چالیسؓ سال کی عمر میں وحی نازل ہوئی، اس بات کا کوئی پتا نہیں چلتا کہ نوعمری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھنے پڑھنے کے فن میں حصہ لیا ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمر بھر اُمّی ہی رہے۔ اس کے باوجود کس قدر اثرانگیز واقعہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے پاس سے جو آپ کو سب سے پہلی وحی آئی اس میں آپ اور آپ کے متبعین کو حکم تھا کہ "اقرأ" یعنی پڑھ اور قلم کی ان الفاظ میں تعریف کی گئی کہ جملہ انسانی علوم اس سے ہیں پڑھ، اپنے رب کے نام سے جو خالق ہے، جس نے انسان کو خون کے جمے ہوئے لوتھڑے سے پیدا کیا، پڑھ، یہ تیرا بزرگ رب ہی ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے تعلیم دی اور انسان کو وہ چیز بتائی جو وہ نہ جانتا تھا۔ (سورۂ علق)

یہ امر قابلِ لحاظ ہے کہ قریب قریب وہ تمام آیات جن میں لکھنے پڑھنے یا علم سیکھنے کا ذکر ہے وہ مکی آیات ہیں، اس کے برخلاف مدنی آیات میں کام کرنے اور تعمیل کرنے پر زیادہ زور ہے حصولِ علم کیلئے سفر ناگزیر ہے اس سلسلے میں قرآن کریم نے ایک مکی سورت "کہف" میں حضرت موسیٰ کا قصہ بیان کیا ہے کہ کس طرح انھوں نے طلبِ علم کے لئے گھر سے نکلنے کی صعوبتیں برداشت کیں۔ اس قصے کا ماحصل یہ ہے کہ کوئی شخص کتنا ہی بڑا عالم ہو جائے ہر چیز نہیں جان سکتا، اور یہ کہ علم کی زیادتی کی خواہش ہو تو دور دراز کا سفر ناگزیر ہے، بلاشبہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا بڑا مقصد تعلیم ہی ہوتا تھا، چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں، حقیقت میں تعلیم وتعلم لازم وملزوم ہیں۔

اسلام کے ابتدائی دور میں بیعتِ عقبہ ثانیہ جو ہجرت سے دو سال قبل ہوئی تھی تقریباً ایک درجن اہلِ مدینہ نے اسلام قبول کیا تھا، ان کی خواہش پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ مکہ مکرمہ سے ایک تربیت یافتہ معلم مصعب بن عمیرؓ کو بھیجا تھا جو انھیں قرآن کریم کی تعلیم دے سکیں، بلاشبہ اس ابتدائی زمانے میں تعلیم سے مراد عقائدِ دین اور عبادت کے طریقوں کی تعلیم ہی ہو سکتی ہے۔

اس سلسلے میں ایک اہم حقیقت یہ ہے کہ ہجرت سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کاتبوں کو مقرر کر رکھا تھا جن کا کام یہ تھا کہ جیسے جیسے وحی نازل ہوتی جائے وہ اس کو لکھ لیں، چنانچہ تاریخ بتاتی ہے کہ جب حضرت عمرؓ اسلام لانے لگے تو انہیں قرآن مجید کی چند سورتیں اپنی بہن کے گھر لکھی ہوئی ملیں تھیں اور بظاہر ان کی بہن بھی پڑھنا جانتی تھیں۔

صفہ، اسلام کی سب سے پہلی درسگاہ

مدینہ منورہ آنے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سب سے پہلا کام کیا وہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیر تھی مسجد ہی کے ایک حصے میں سائباں اور چبوترہ (صفہ) بنایا گیا تھا۔ یہ اولین اسلامی اقامتی جامعہ تھی، رات کو طلباء یہیں رہتے تھے وہاں ایسے اساتذہ مقرر کئے گئے جو لکھنے پڑھنے اور مسائل دینیہ کی تعلیم دیتے تھے۔ حضرت سعید بن عاصؓ اور حضرت عبادہ بن صامتؓ وغیرہ تھے جو خوش نویس تھے، اسی مدرسے میں متعلم شب باش طلباء نشر، اسّی تک ہو جاتے تھے۔ اس اقامتی درسگاہ میں لکھنے پڑھنے کے علاوہ جو تعلیم دی جاتی تھی وہ فقہ، دینی مسائل، قرآن مجید کی سورتیں زبانی یاد کرنا تھیں، تجوید اور دیگر اسلامی علوم تھے۔ اس طرح عبادات اور معاشرت بھی سکھائی جاتی تھی جس کی نگرانی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم شخصی طور پر فرماتے تھے، اور وہاں رہنے والوں کی غذا وغیرہ کا بندوبست کیا کرتے تھے یہ طلباء اپنی ضرورت کے اوقات میں

طلب روزگار میں بھی مصروف ہوا کرتے تھے مقیم طلباء کے علاوہ مدینہ منورہ کے لوگ بھی مسجد میں شریک درس ہوتے تھے، اس کے علاوہ دور دراز کے قبائل سے بھی شائقین علم آتے اور نصاب کی تکمیل کے بعد اپنے وطن واپس ہو جایا کرتے۔ یہ لوگ عموماً "صفہ" میں ٹھہرا کرتے تھے اس لئے بعض اوقات طلباء کی تعداد میں کافی اضافہ ہو جاتا، بعض مؤرخین صفہ کے چار سو طلباء کا ذکر کرتے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی شخصی طور پر تعلیم دیا کرتے تھے، جس میں جلیل القدر صحابہؓ شریک ہوتے تھے، نیز آپ مسجد نبویؐ کے حلقہ ہائے درس کا اکثر معائنہ بھی فرمایا کرتے تھے۔ ترمذی شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے قضاء و قدر (تقدیر) کے مسئلے میں بحث و مباحثہ ہوتے دیکھا تو آپ نے اس موضوع پر بحث و مباحثہ سے منع فرما دیا اور ارشاد فرمایا کہ بہت سی گذشتہ امتیں اس مسئلے میں الجھ کر گمراہ ہوئی ہیں، غرض پہلے معلم اور ناظم تعلیمات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تھی۔

عہد نبوی میں مدینہ کی دیگر درس گاہیں

مدینہ منورہ میں مسجد نبویؐ واحد درسگاہ نہیں تھی بلکہ یہاں کم از کم نو مسجدیں خود عہد نبویؐ میں بن چکی تھیں اور ہر مسجد اپنے محلے اور آس پاس والے لوگوں کے لئے درس گاہ بھی تھی۔ خاص کر بچے بھی وہاں پڑھنے آیا کرتے تھے، بعض احادیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عام احکامات ان لوگوں کے بارے میں محفوظ ہیں جو اپنے محلے کی مسجدوں میں تعلیم پاتے تھے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم بھی صادر فرمایا تھا کہ لوگ اپنے پڑوسیوں سے بھی تعلیم حاصل کریں۔ سنہ ۲ھ میں ایک اور اقامتی درس گاہ دار القراء کا بھی پتہ چلتا ہے جو مخرمہ بن نوفل کے مکان میں قائم تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کی توسیع و اشاعت کیلئے ہر ممکن ذرائع استعمال فرمائے، چنانچہ بدر میں ستر کے قریب اہل مکہ گرفتار ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی رہائی کیلئے جو مالدار نہ تھے یہ فدیہ مقرر فرمایا کہ مدینے کے دس دس مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں، اس کے علاوہ جب قبائل کے وفود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کسی تربیت یافتہ معلم کو ان کے ساتھ کر دیتے تھے کہ وہ اس علاقے میں جاکر دینیات کی تعلیم کا بندوبست کریں۔ اپنا کام مکمل کرنے کے بعد وہ معلم مدینہ منورہ واپس آجاتے تھے بئر معونہ کے مشہور واقعے میں ستر قراء (معلم) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ کر دیئے تھے جنھیں نجد کے علاقے اور دیگر قبائل میں کام کرنا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمی کوششوں کے نتائج

یہ کوششیں بے کار نہ گئیں تعلیم و تعلم میں اس تیزی سے ترقی ہوئی کہ ہجرت کو چند ہی سال گزرے تھے کہ قرآن مجید میں لین دین اور تجارت کے معاملے میں جس میں رقم ادا ہو، تحریری طور پر انجام دینے کے متعلق ایک طویل اور مفصل ہدایت والی آیت اتری (البقرہ) جو قرآن کریم کی سب سے بڑی آیت ہے اور اس میں حکم ہے کہ تجارتی دستاویز پر کم از کم دو اشخاص کی گواہی لی جائے۔ اس کا منشاء قرآن کے الفاظ میں یہ تھا کہ اس طرح تحریری گواہی خدا تعالیٰ کے نزدیک زیادہ منصفانہ ہے اور بوقت ضرورت شہادت (گواہی) کے اغراض کے لئے زیادہ مستحکم وسیلہ ہے اور شبہات پیدا ہونے کی صورت میں رفع شک کا بہترین ذریعہ ہے۔ ظاہر ہے کہ ملک میں خواندگی کی وسعت کے بغیر ایسا حکم نہیں دیا جا سکتا تھا، نیز اس زمانے میں پیشہ ور کاتبوں، منشی، اور وکیل کا بھی پتہ چلتا ہے۔ تاریخ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی ڈھائی تین سو خطوط محفوظ رکھے ہیں، صحیح مقدار اس کی نسبت زیادہ ہونی چاہیئے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت دس لاکھ مربع میل علاقہ پر پھیلی ہوئی تھی، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم وقتاً فوقتاً احکامات صادر فرماتے تھے تقریباً دس سال تک آپ نے حکمرانی کے فرائض انجام دیئے۔

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں فنی ذوق یا تخصیص بھی ترقی کر گیا تھا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ جس کو قرآن سیکھنا ہو وہ فلاں صحابی کے پاس جائے۔ اور جس کو تجوید یا تعلیم ترکہ کا حساب یا فقہ سیکھنا ہو وہ فلاں صحابی کے پاس جائے، اسی طرح ساری دنیا کی اقوام کو خدا کا پیغام پہنچانے اور ایک مملکت کے حاکم اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے آپ کو مترجمین کی بھی ضرورت ہوا کرتی تھی جو غیر زبانیں جانتے ہوں، حضرت زید بن ثابتؓ جو دربار نبوت کے میر منشی (سکریٹری) کہے جا سکتے ہیں۔ وہ فارسی عبرانی، رومی، یونانی زبانیں جانتے تھے۔ اس زمانے کی یہی تین علمی اور عالمی زبانیں تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حکم دیا تھا کہ وہ عبرانی خط لکھنا پڑھنا سیکھیں اور چند ہفتوں میں وہ اس میں طاق ہو گئے تھے۔ اسی طرح حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کے بارے میں بھی مشہور ہے کہ وہ کئی زبانیں جانتے تھے۔

نظام تعلیم کا مسئلہ ایسا ہے کہ اس کے متعلق پوری تفصیل کے ساتھ بیان کرنا دشوار ہے ہمارے پاس جو محدود و مختصر مواد ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہر جگہ ایک ہی نصاب جاری نہ تھا یعنی ہر علاقے کی ضروریات و نفسیات کا لحاظ رکھا گیا تھا) معینہ کتب پڑھانے کی جگہ متعین مدرس کے پاس لوگ جایا کرتے تھے۔ اور جو علوم وہ پڑھا سکتا تھا پڑھتے تھے، علم کے زیادہ شائقین لوگ اس کے بعد دوسرے مدرس کے پاس، پھر تیسرے مدرس کے پاس جاتے بہر حال اتنا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن و سنت کے

ہمہ گیر نصاب کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ نشانہ بازی، پیراکی، تقسیم ترکہ، ریاضی، طب، علم ہیئت، علم حساب اور علم تجوید و قرأت کی تعلیم دی جائے۔

عورتیں بھی اس تعلیمی انقلاب کا اہم حصہ تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن مقرر فرمایا تھا، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے مخصوص مجمع میں تشریف لے جاتے اور ان کو تعلیم دیتے اور ان کے سوالات کے جوابات دیتے، قرآن کریم نے بھی رسول کریمؐ کی بیویوں پر ایک فریضہ عائد کیا ہے کہ وہ دوسروں کو تعلیم دیا کریں، ایک حدیث میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ آنحضرت نے ایک خاتون سے خواہش ظاہر کی کہ وہ آپؐ کی بیوی کو لکھنے پڑھنے کی تعلیم دیں۔ ام المؤمنین حضرت حفصہؓ نے آپؐ کی اجازت سے اپنی ایک رشتہ دار خاتون شفاء بنت عبداللہ سے (جو خوب پڑھی لکھی تھیں) لکھنا سیکھ لیا تھا۔ حضرت عائشہؓ کو فقہ اور دیگر اسلامی علوم نیز ادب، شاعری اور طب میں بڑا دخل تھا یہاں تک کہ ایک مرتبہ رسول کریمؐ نے فرمایا: تہائی علم عائشہؓ سے حاصل کرو۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ جس کے پاس کوئی لونڈی ہو وہ اسے اچھی طرح تعلیم دے اور اچھی طرح تربیت کرے پھر اس کو آزاد کرکے باضابطہ نکاح کرے تو اس کو دوگنا ثواب ملے گا۔

(بحوالہ الشریعہ گوجرانوالہ اکتوبر ۱۹۹۹ء)

(بقیہ) حضرت آدمؑ کی تخلیق

نیست سے ہست ہوئے ہیں۔ عدم سے وجود میں آئے ہیں۔ یہ نہیں کہ پہلے سے کوئی مادہ موجود تھا آدم کا قالب اس سے ترکیب دے لیا گیا، نہ یہ کہ پہلے سے حیوانی نوعیں موجود تھیں ان میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ نوع کے سبب سے ترقی یافتہ فرد کا نام آدم ٹھہرا دیا گیا، عقیدہ کی یہ دونوں گمراہیاں پہلے بھی عام رہ چکی ہیں۔ اور آج بھی خدا معلوم کتنے مشرک مزاج انھیں گمراہیوں کے شکار ہیں۔

تیسرا سبق یہ ملتا ہے کہ آدم اللہ کے عبد اور خلیفہ تھے اس کے مظہر یا اوتار نہ تھے قوانین تکوینی کے پابند، احکام شرعی کے مکلّف بالکل اسی طرح جیسے آپ کے بعد سے سارے آدم زاد آج تک چلے آ رہے ہیں۔ مشرک قوموں کے نزدیک، مشرکانہ مذہبوں کے نزدیک انسانیت اور الوہیت گویا ایک ہی سلسلہ کی دو کڑیاں ہیں، فرق صرف اعلیٰ اور ادنیٰ کا ہے، قرآن نے شرک کی یہ ریڑھ کی ہڈی توڑ کر رکھ دی۔

چوتھی ضرب اس قصہ نے ملائکہ پرستی پر لگادی، مشرک قومیں اپنے عقیدہ میں دیوتا انہی ہستیوں کو کہتی تھی اور انھیں عالم میں متصرف اور کائنات کے مختلف شعبوں میں حاکم سمجھتی تھیں اسلام نے آکر بتایا کہ قوت تصرف اور قدرت تو الگ رہی۔ ملائکہ کا علم بھی کامل نہیں۔ انسان کی طرح وہ بھی قیاس اور فراست ہی سے کام لے سکتے ہیں اور انسان ہی کی طرح ان کا علم بھی خدائی تصحیح کا محتاج رہتا ہے۔

پانچواں علم یہ حاصل ہوا کہ بشر کی ہستی اپنے خالق کے مقابلہ میں اس سے بھی زیادہ حقیر و پست ہے جتنی آفتاب کے مقابلہ میں ذرہ کی ہوتی ہے تاہم مخلوقات میں بشر کا مرتبہ سب سے افضل سب سے اعلیٰ ہے یہاں تک کہ ملائکہ کو حکم ہوا ہے اس کی تعظیم کا، انسان کا جھکنا ملائکہ پرستی کی جانب، عناصر پرستی کی جانب، کواکب پرستی کی جانب، اصنام پرستی کی جانب ذہن بشری کی پستی کا اور فہم انسانی کے انحطاط کا آخری نقطہ ہے۔

چھٹا پہلو یہ ہے کہ کوئی انسان بزرگ سے بزرگ بھی خطا و میلان عصیان سے محفوظ نہیں اجتہادی لغزشیں پیمبروں تک سے ممکن نہیں، یہ اور بات ہے کہ جس کا تعلق اللہ سے جتنا زیادہ جڑا ہوا اور مضبوط ہوتا ہے اسی نسبت سے وہ جلد تر وہ سنبھل جاتا ہے اور نبی کو معصیت پر جمنے نہیں دیا جاتا۔

ساتویں بات یہ معلوم ہوئی کہ معصیت یا لغزش کے بعد توبہ کا دروازہ بالکل کھلا رہتا ہے اور اگر ندامت دل سے ہے تو اس داغ کو دھلتے کچھ دیر نہیں لگتی اور توبہ کے بعد مرتبۂ مقبولیت پر بحالی ہو جاتی ہے

آٹھواں مسئلہ یہ حل ہوا کہ قبول توبہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ معصیت کے جسمانی و مادی اثرات بھی زائل ہو جائیں اور تکوینی و طبعی نتائج سے رہائی مل جائے۔

نواں سبق یہ حاصل ہوا کہ اسی قصہ کے ضمنی قصہ واقعۂ ہابیل سے کہ محض بزرگ زادگی ہرگز کام نہیں آتی، قابیل حضرت آدمؑ کا آخر صلبی ہی بیٹا تھا لیکن قوت ارادی کو صحیح مصرف میں نہ لایا اختیار سے صحیح کام نہ لیا نتیجہ یہ ہوا کہ قتل انسانی، برادر کشی جیسی خونی معصیت سے اپنے ہاتھ رنگین کئے۔

دسویں بات کام کی یہ معلوم ہوتی کہ آدمؑ و نسل آدمؑ اپنے خالق کی نظر میں ایک معزز مخلوق ہے وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ اس پر آیت ناطق ہے نعوذ باللہ ایسا نہیں ہے کہ اللہ میاں انسان کو انسان بنا کر پچھتائے ہوں۔ اور افسوس کیا ہو کہ میں نے ناحق ایسی مخلوق بنا ڈالی۔ یہ مفروضہ کوئی موہوم نہیں ہے۔ یہودیت جیسے قدیم و مستند اور مسیحیت جیسے عالمگیر دونوں مذہبوں کی کتاب مقدس میں آج تک چلا آرہا ہے۔

"خداوند زمین پر انسان پیدا کرکے پچھتایا اور نہایت دل گیر ہوا۔

(پیدائش، ۶:۶)

...ا کے ذریعے اسلامی دعوت

● محمد ارشد امان اللہ

...طور پر میڈیا کی دو قسمیں ہیں:
...ٹرانک میڈیا کا جدید ترین اور
...سیلہ انٹرنیٹ ہے ذیل
...ٹ کے بارے میں کچھ عرض

...نیا ہے؟

...ٹ دراصل کئی چھوٹے چھوٹے
...ے اور مواصلاتی نظام کا مجموعہ ہے
...وں میں دنیا بھر کی معلومات حاصل
...ور اس نظام سے منسلک ہر
...ے رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے
...کا سب سے بڑا کمپیوٹر نیٹ ورک
...یبا ۱۶۰ ملکوں کے ۵۰ ملین افراد
...ڑے ہوتے ہیں۔

...ٹ مختلف نظاموں سے مربوط
...، ایک مواصلاتی نظام ہی نہیں
...ذریعہ اپنے افکار و خیالات کی
...عالمی پیمانے پر کی جا سکتی ہے،
...و دنیا کے ہر فرد تک پہونچایا
...، دوسروں کی فکر پر اثر انداز
...ہے۔ اور ان کی ذہن سازی کی جا سکتی
...سے اس کرشمے نے جغرافیائی
...عنی اور پوری دنیا کو گھر آنگن بنا
...نظام درحقیقت ایک ایسے انقلاب

کا پیش خیمہ ہے جو انسان کے طرز معاشرت کو ہی بدل کر رکھ دے گا۔

دعوت کے میدان میں انٹرنیٹ کا استعمال

لگتا ہے کہ اکیسویں صدی انٹرنیٹ کی صدی ہوگی۔ انفارمیشن سپر ہائی وے (Information Super High-Way) کے اس دور میں دعوت حق کے لئے اس کا منظم استعمال ناگزیر ہے۔ اس کے لئے درج ذیل طریقے اپنائے جا سکتے ہیں۔

عالمی نیٹ ورک (World Wide Web):

انٹرنیٹ کی مشہور ترین اور سب سے زیادہ استعمال کی جانے والی سروس ہے۔ اس کے ذریعہ معلومات نشر کرنے کے لئے ہوم پیج (Home Page) کام میں لایا جاتا ہے جن میں تین آڈیو، ویڈیو اور گرافکس کی شکل میں معلومات بھر دی جاتی ہیں۔ ہوم پیج کو پڑھنے کیلئے ایک خاص قسم کا پتہ (Address) ہوتا ہے۔ جس کو کمپیوٹر میں دیتے ہی تمام معلومات اس کمپیوٹر میں آجاتی ہیں۔ ایسے ہوم پیج بھی بنائے جا سکتے ہیں جن کے مخصوص حصے پر ان کا آپریٹر اپنے ملاحظات و سوالات لکھ سکتا ہے۔ دعوت کے میدان کے سرگرم افراد اور تنظیمیں اس سروس کا استعمال یوں کر سکتی ہیں:

۱۔ ہر زندہ زبان میں ایسے ویب پیجز (Web Pages) تیار کئے جائیں جن میں عقائد عبادات، جدید ذہن میں اسلام کے تعلق سے جنم لینے والے شبہات اور اس پر کئے جانے والے اعتراضات کی تشفی بخش جواب، عالم اسلام کو درپیش خطرات کے بارے میں مفصل معلومات ڈال دی جائیں۔

۲۔ ایسے ویب پیجز تیار کئے جائیں جنھیں لوگوں کے ذہن میں اسلام کے بارے میں پیدا ہونے والے سوالوں کو حاصل کرنے کا خاص انتظام ہو تاکہ ماہر و تجربہ کار علماء کے پاس بھیج کر کتاب و سنت کی روشنی میں ان کا جواب معلوم کیا جا سکے۔

۳۔ حجرہ ہائے مذاکرہ (Studios) پر مشتمل ایسے ویب پیجز تیار کئے جائیں جن میں فوری مذاکرے (Chat Shows) کرانے کا اہتمام ہو۔

انٹرنیٹ پر اسلام مخالف محاذ

عصر حاضر میں اسلام کی دعوت پیش کرنے کیلئے اسلام کی جانکاری کے ساتھ ساتھ دور حاضر کے تقاضوں سے مکمل آگاہی بھی ناگزیر ہے۔ چونکہ انٹرنیٹ کی حیثیت اب "لسان العصر" کی سی ہوگئی ہے۔ اس لئے دعوت کے میدان میں انٹرنیٹ کا منصوبہ بند اور دانشمندانہ استعمال وقت کی ضرورت بن گیا ہے اگر ہم نے یہ ضرورت نہ پوری کی تو اس کے بھیانک نتائج ہمیں صدیوں بھگتنے ہوں گے خصوصاً اس لئے بھی کہ باطل نے بڑی ہوشیاری سے انٹرنیٹ پر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت انگیز مہم چھیڑ رکھی ہے۔ الازہر کے سینٹر فار اسلامک اکاڈمی کے ڈائرکٹر جنرل کا بیان ہے کہ اب تک انٹرنیٹ پر آنے والے ۲۷ ایسے پروگراموں کا پتہ چل چکا ہے جو اسلام کے خلاف غلط فہمیاں پھیلا رہے ہیں۔ اس نفرت انگیز مہم کے حجم اور انعقاد

(Dimensions) کا اندازہ ذیل کی مثالوں سے لگایا جا سکتا ہے۔

۱۔ اگست ۱۹۹۷ء میں امریکہ میں متعصب عیسائیوں نے ایک فورم تشکیل دی اور اس کا نام "تلوار کے مقابلے میں قلم" رکھا۔ یہ فورم اسلام کے بارے میں انکشاف حقائق" کے عنوان سے عربی، انگریزی، فرانسیسی اور ہسپانوی زبانوں میں انٹرنیٹ پر اپنا پروگرام پیش کرتا ہے، پروگرام کے عناوین کچھ یوں ہوتے ہیں: اسلام کے مخفی چہرے کی نقاب کشائی، اسلام کے بارے میں حقائق اور جعل سازیاں، حقائق حیات، قرآن کی نظر میں، ہیبت ناک تعلیمات، کیا آپ کسی مسلمان کی بیوی بننا پسند کریں گی؟ وغیرہ۔

۲۔ امریکہ آن لائن (America On Line) انٹرنیٹ پر اپنی خدمات پیش کرنے والی سب سے بڑی کمپنی ہے، اس کے چینل پر ۲۵ر ستمبر ۱۹۹۷ء سے دو اسلام مخالف پروگرام شروع کئے گئے، ان میں سے ایک کا آغاز تو آیت کریمہ "وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہٖ (قرآن کی شکل میں) جو کچھ ہم نے اپنے بندے (محمدؐ) پر نازل کیا ہے، اگر اس کے (منزل من اللہ ہونے میں) تمہیں شک ہے تو اس جیسی ایک سورت ہی بنا لاؤ" کے انگریزی ترجمے سے ہوتا تھا۔ اس کے بعد قرآنی آیات کے وزن پر نصرانی الفاظ سے بنی چار سورتیں پیش کی جاتی تھیں۔ مقصد یہ باور کرانا ہوتا تھا کہ ان جعلی سورتوں کے ذریعہ قرآن کے اس چیلنج کو قبول کر لیا گیا، ان سورتوں کے نام یہ ہیں الایمان، التجسد، المسلمین، الوصایا۔

مسلمانوں نے احتجاجی خطوط لکھے تو کمپنی نے یہ دونوں پروگرام بند کر دیئے مگر "جیوسٹیز" اور ٹرائی نامی دو کمپنیوں کے چینلوں پر مجرم نے پھر وہی حرکت کی۔ دوبارہ احتجاج کیا گیا تو "ٹرائی بورڈ" نے اپنے چینل پر نشر ہونے والے پروگرام کو بند کر دیا، لیکن "جیوسٹیز" نے کوئی نوٹس نہیں لیا۔

عالم اسلام کیا کرے:

مسئلے کی نزاکت کو سمجھنے کے لئے یہ دونوں مثالیں کافی ہیں دعوت کے میدان میں اگر جلد ہی انٹرنیٹ کا منصوبہ بند استعمال نہ کیا گیا تو مسلمانان عالم کو اپنے دین وایمان اور ملی تشخص کی خیر منانی پڑے گی کیونکہ انفارمیشن سپرہائی وے کے اس دور میں اس میڈیائی طوفان کا مقابلہ روایتی ذرائع ابلاغ سے ناممکن ہے، یہاں تو نامعلوم فرد یا گروہ کا سامنا ہے اگر ہم ایک پروگرام بند کراتے ہیں تو کئی دوسرے پروگرام شروع کر دیئے جاتے ہیں۔ اس لئے مثبت خطوط پر سوچنے اور کام کرنے کی ضرورت ہے۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ:

۱۔ دعوت دین کے لئے انٹرنیٹ کے منصوبہ بند طرز استعمال کے بارے میں سنجیدگی سے سوچیں اور انٹرنیٹ پر اپنے پروگرام پیش کریں۔

۲۔ تمام دعوتی مراکز کو انٹرنیٹ سے جوڑنے کی کوشش کریں۔

۳۔ اس کیلئے باضابطہ کمپنیاں اور تنظیمیں بنائیں بلکہ حکومتوں کو اس جانب متوجہ کریں کیوں کہ کسی فرد واحد کے بس کی بات نہیں۔

لائق تحسین اقدام:

انٹرنیٹ پر آنے والے اسلام مخالف مذکورہ پروگراموں کا اتنا فائدہ تو ضرور ہوا کہ انٹرنیٹ کی افادیت اور بے پناہ تاثیر سے مسلمانان عالم بخوبی واقف ہو گئے۔ خوشی کی بات ہے کہ بعض اسلامی تنظیموں اور حکومتوں نے اس سمت میں پیش قدمی شروع کر دی۔ اس میدان میں پہل کرنے کا شرف سعودی عرب کو حاصل ہے۔ گذشتہ حج سے پہلے ہی ٹیلی ویژن کمپنی سی این این (Cable News Network) اور بی بی سی لندن کے اسٹار ٹی وی سے سعودی حکومت نے یہ معاہدہ کیا کہ تجربے کے طور پر حج کے تمام مناظر کو پوری دنیا میں ٹی وی پر دکھایا جائے۔ بعد میں رفتہ رفتہ اس کی مدت بڑھا دی جائے

اسی طرح قطر میں "خدمۃ الاسلام علی انترنت" نامی ایک پراجیکٹ ڈاکٹر حامد الانصاری کی نگرانی میں شروع ہو رہا ہے۔ یہ پراجیکٹ پہلے عربی، انگریزی ملاوی اور پھر تمام زندہ زبانوں میں انٹرنیٹ پر اپنے پروگرام پیش کرے گا۔ اس میں غیر مسلموں، نومسلموں اور فتاوی کے لئے الگ الگ چینل قائم کئے جائیں گے مؤثر اسلوب میں جاذب معلومات کی تیاری کے لئے متخصصین کی ایک کمیٹی تشکیل دی جائے گی۔

ڈاکٹر محمد عبدہ یمانی کی صدارت میں "اقرأ" نامی ایک فلاحی ادارے نے بھی اعلان کیا ہے کہ وہ انٹرنیٹ پر "اعلام الاسلام" (مشاہیر اسلام) کے نام سے ایک پروگرام پیش کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اس کا ہیڈ کوارٹر شکاگو میں ہے۔ انٹرنیٹ پر اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کیلئے ترکی کی ایک اسلامی تنظیم "موسسۃ الموسوعۃ الاسلامیۃ" کے تعاون سے ایک پراجیکٹ شروع کرنے جا رہی ہے اللہ تعالیٰ ان تنظیموں کو اپنے مقصد میں کامیاب کرے۔ آمین۔

(بشکریہ الفیصل حیدرآباد)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رح

معاصر ادبا، اور اہل قلم کی نظر میں

مرتب:۔ مسعود حسن حسنی ندوی

> یہ مضمون تعمیر حیات کی خصوصی اشاعت "مفکر اسلام نمبر" کے لئے لکھا گیا تھا افسوس کہ گنجائش نہ ہونے کے سبب شامل اشاعت نہیں کیا جاسکا۔ اس لئے اب ہم اس شمارہ میں ہدیۂ ناظرین کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

مولانا سعید احمد اکبر آبادی سابق پروفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڈھ

مولانا علی میاں کو دیکھ، بلاد مشرق سے لے کر یورپ اور امریکہ تک ان کے علم سے نور اور ان کے قدموں میں گرنے پر تیار ہے۔ حضرت مولانا علی میاں صاحب (جن پر ہزاروں پروفیسر ان میں سے ہر ایک قربان کئے جاسکتے ہیں) وہ زندہ وجاوید ہیں ان کا کام دائمی ہے، پوری دنیا ان کی تعریف میں مداح سرا ہے۔ (تعمیر حیات ۲۵ راپریل ۱۹۸۶ء ص ۲)

مجاہد آزادی اردو ادیب وانشاء پرداز جناب شورش کاشمیری کی رائے

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی ہندوستان کے حجازی خطیب ہیں، انھیں عربی میں قلم وزبان کی شہسواری حاصل ہے، خود عرب ادیب وخطیب ان پر رشک کرتے ہیں، بعض اسلامی وعربی مسائل پر ان کی تجزیاتی کتابیں اور مختلف عصری وسیاسی مسائل پر ان کی تقریریں ادب وخطابت کا سرمایۂ عظیم ہیں اور ان سے کئی چیزیں حاصل ہوتی ہیں مثلاً اظہار کا طریق، اسلوب کا رنگ، الفاظ کا استعمال، معانی کا جماؤ، سلاست کا نکھار، متانت کی چاشنی اور ایجاز واختصار کی رونق۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی ہر تحریر سے فردوس کی روشوں کا گمان ہوتا ہے، ان سے زبان تنوع حاصل کرتی ہے اور دماغ فکر ونظر کے جادوں پر ٹہلنے لگتا ہے۔

اس زمانہ میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی مولانا ابوالحسن علی ندوی، پروفیسر رشید احمد صدیقی اور ڈاکٹر سید عبد اللہ کو پڑھ کر آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ اردو کسی موضوع یا کسی مضمون میں زبان کے اعتبار سے ادھوری ہے یا مربوط نہیں، وہ زمانہ لد گیا جب ہمارے ادیب وخطیب زبان کے دبدبے سے مرعوب کرتے تھے اور ان کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا تھا کہ وہ سامع یا قاری کو کچھ دینے کے بجائے اس پر اپنے بیان یا انشاء کی ہیبت طاری کرنا چاہتے ہیں۔

(فن خطابت از شورش کاشمیری ص ۹۴۔۱۰۸)

فخر مشرق جناب شفیق جونپوری صاحب کی نظر میں

گر نہیں سیف وعلم، نوک قلم سے کام لے
اے علی ندوی تجھے کچھ باخبر پاتا ہوں میں
رخ نہ کر بحث بریلی ہو کہ بحث دیوبند
اس سے بالاتر تجھے اے نامور پاتا ہوں میں
خاکساری تیری دیتی ہے پیام بوترابؓ
تیری دانائی میں انداز عمرؓ پاتا ہوں میں
منزل جاناں کی جانب ہے تری پرواز شوق
تجھ میں کچھ آثار مرغ نامہ بر پاتا ہوں میں
تیری تقریروں سے جاگ اٹھتا ہے اپنا ذوق عشق
تجھ سے گویا کوئے سلمیٰ کی خبر پاتا ہوں میں
مرد حق ہیں کے تجسس میں شفیق زار کو
اک بگولے کی طرح آوارہ تر پاتا ہوں میں

پروفیسر رشید احمد صدیقی (سابق پروفیسر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی)

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی جس گھرانے کے چشم وچراغ ہیں، وہ صدیوں سے اب تک غیر منقطع طور پر مذہب واخلاق، رشد وہدایت، تصنیف وتالیف اور زبان وادب کا گہوارہ رہا ہے، ان حسنات کی جلوہ گری ان کی شخصیت ہی میں نہیں، علمی، ادبی اور دینی خدمات میں بھی ملتی ہے، عربی زبان وادب، نیز تحریر وتقریر میں موصوف کو جو غیر معمولی درک ہے، اور عالم اسلام کے دینی وثقافتی مسائل پر جیسا عبور ہے، اس کے سبب سے موصوف کے فرمودات کو ہندوستان ہی نہیں باہر کے ممالک اسلامیہ میں جو وزن اور وقعت حاصل ہے وہ موجودہ ہندوستان کے شاید ہی کسی عالم دین کے حصہ میں آئی ہو، اس بناء پر سید صاحب کو ملت کا سفیر کبیر بننے کا حق پہونچتا ہے۔

(مقدمہ نقوش اقبال ص ۱۱)

جناب ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب کا تبصرہ نقوش اقبال پر

جس خاندان سے سید صاحب کا تعلق ہے اسے ہند و پاکستان کا ہر مسلمان عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتا ہے، سید صاحب اپنی خاندانی روایت کے مطابق عالم دین ہیں، لیکن ان کا ذہن وقت کے جدید تقاضوں سے بھی آشنا ہے یہی وجہ ہے کہ آپ نے فکر اقبال کے مختلف پہلوؤں کو ایسے انداز میں پیش کیا ہے جیسے اغلباً اقبال محسوس کرتے یا چاہتے تھے۔

(نقوش اقبال)

عالم اسلام کے اتحاد کے نقیب

اقبالیات پر مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی جیسی ثقہ علمی و دینی شخصیت کا قلم اٹھانا بجائے خود تاریخ ادب کا بڑا واقعہ ہے، حکیم الامت علامہ اقبال کی شاعری، فکر و فلسفہ اور ذاتی حالات کا کون سا ایسا شعبہ ہے، جس پر مفکرین اور ناقدین نے قلم نہیں اٹھایا، یا کون سا ملک ہے جہاں علامہ مرحوم کے کلام و پیغام پر تحقیق و تالیف کا سلسلہ جاری نہیں ہوا، لیکن مولانا ابوالحسن علی ندوی کا اس موضوع پر بحث و محاکمہ بالکل علاحدہ بات ہے، پھر یہ کہ مولانا نے اصل کتاب عربی زبان میں تصنیف کرکے عالم اسلام کے اتحاد کے نقیب، اقبال کو دنیائے عرب میں ایک نئے انداز سے متعارف کرانے کی سعی جمیل کی ہے۔

(روزنامہ "جنگ" کراچی ۱۱ر دسمبر ۱۹۷۳ء)

برصغیر ہند و پاک کے عظیم انشاء پرداز و شاعر اور عالم مولانا ماہر القادری کی رائے

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (متع اللہ المسلمین بطول حیاتہ) نہ صرف پاکستان و ہندوستان بلکہ تمام عالم اسلام میں شہرت و مقبولیت رکھتے ہیں، وہ ایک صاحب تقویٰ اور مفکر عالم ہی نہیں بلکہ ان کی عربی انشاء پردازی کی سارے عرب میں دھوم ہے، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان کی زندگی خدمت دین کے لئے وقف ہے، سفر ہو، حضر ہو، جلوت ہو یا خلوت ہر عالم میں وہ اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت ہی میں کسی نہ کسی عنوان سے منہمک رہتے ہیں۔

(ماہنامہ "فاران" ۱۹۶۰ء)

کتاب پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے شبلی کا قلم، غزالی کی فکر اور ابن تیمیہ کا جوش و اخلاص اس تصنیف میں کارفرما ہے، اقبال پر بڑی اچھی کتابیں آئی ہیں مگر یہ کتاب اس مجاہد عالم کی لکھی ہوئی ہے جو اقبال کے "مرد مومن" کا مصداق ہے، اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ "نقوش اقبال" میں خود اقبال کی فکر و روح اس طرح گھل مل گئی ہیں جیسے پھول میں خوشبو اور ستاروں میں روشنی۔

(ماہنامہ "فاران" مئی ۱۹۷۱ء)

مشہور نقاد ادیب و انشاء پرداز عامر عثمانی ایڈیٹر "تجلی" کی رائے

یوں تو مولانا علی میاں کی تمام ہی تحریریں علمی و فکری اعتبار سے اہمیت کی حامل ہوتی ہیں، لیکن موجودہ عالم اسلام کے احوال و کوائف سے واقفیت اور وہاں رونما ہونے والے فکری و تہذیبی تغیرات کے فہم میں انھیں خصوصی امتیاز حاصل ہے، ہند و پاک میں کم لوگ ہوں گے جنھوں نے ایک ماہر طبیب کی طرح عالم اسلام کی نبضیں ٹٹولی ہوں اور سطح سے اتر کر تہہ تک مطالعہ کیا ہو۔

(تجلی ستمبر ۱۹۶۴ء)

پروفیسر جناب آل احمد سرور صاحب ڈائرکٹر اقبال انسٹی ٹیوٹ کشمیر یونیورسٹی

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا نام آتا ہے تو احترام و عقیدت اور خلوص و محبت کا ایک سمندر موجیں مارنے لگتا ہے، مولانا نہ صرف برصغیر بلکہ عالم اسلام کی ایک ایسی بلند و بالا شخصیت ہیں، جو اپنے علم و فضل، فکر روشن اور گداز قلب، پاکیزہ سیرت اور دلنوازی کی وجہ سے محبوب خاص و عام ہیں، مولانا مفکر بھی ہیں، مصنف بھی، مؤرخ بھی، معلم بھی اور ادب کا ایسا رچا ہوا ذوق رکھتے ہیں کہ ان کی تحریر و تقریر میں حکمت کے ساتھ شعریت کی آب و تاب بھی جلوہ گر رہتی ہے۔

(پیش لفظ، علم کا مقام)

ڈاکٹر یوسف حسین خاں سابق پرووائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

پہلے علی گڑھ میں پھر لکھنؤ میں متعدد بار مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے ملنے کا شرف حاصل ہوا، مولانا علمائے سلف کا نمونہ ہیں، نہایت خلیق اور ملنسار، ان کی ملنساری، خاکساری کی حدوں کو چھوتی ہے، اپنے علم و فضل کو سادگی کی ردا میں چھپاتے ہیں، لیکن یہ ایسی چیز نہیں کہ کسی کی ردا میں چھپ جائے، جب ان کی تقریر اسٹریچی ہال میں ہوئی تو ہال طلبہ سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، تقریر میں کہیں ندرہیان اور ادعا پسندی کا شائبہ نہ تھا جو عام طور پر علماء کی تقریروں میں ہوتا ہے، نہ کہیں علمیت کے اظہار کی کوشش تھی، ان کی ہر بات سے عقیدت اور خلوص ٹپکتا تھا۔ میں نے ہمیشہ انھیں اپنا بزرگ سمجھا، ان کی خلقی بزرگی ان کے علم و فضل، اخلاص و تقویٰ کا تحفہ ہے، جو عمر کی کمی بیشی سے بے نیاز ہے، میں انھیں

اس زمانہ کے علماء کی آبرو سمجھتا ہوں۔ ان کی بصیرت کی طرح ان کی بصارت بھی ملت کے لئے بڑی قیمتی ہے (یادوں کی دنیا ص ۲۶۵ مطبوعہ ۱۹۹۶ء)

سید صباح الدین عبدالرحمن کا تأثر

"مولانا علی میاں نہ صرف علم کی آبرو ہیں، بلکہ اپنی گوناگوں ذاتی خوبیوں کی وجہ سے عطر مجموعہ ہیں ؎

رزم دم گفتگو، گرم دم جستجو رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاکباز

ان کی ادا دل فریب، ان کی نگہ دل نواز

وہ اپنی گفتار کی شان اور کردار کی آن میں ان بزرگوں کی یاد تازہ کرتے ہیں جو دین کے برہان رہے ہیں وہ ایام کے مرکب کبھی نہیں بنے، بلکہ اس کے راکب بن کر زندگی بسر کر رہے ہیں۔

ان کے قلم کی گل فشانیاں بہت سی کتابوں میں ظاہر ہو چکی ہیں، ان میں نغمۂ عشرت بھی ہے اور نالۂ ماتم بھی ہے، سراپا گداز بھی ہے اور نوائے درد بھی، وہ جب کوئی چیز اردو میں لکھتے ہیں تو پڑھنے والے پر یہ اثر طاری ہوتا ہے کہ وہ اس کے ضمیر لالہ میں چراغ آرزو روشن کر رہی ہے، عربی میں لکھتے ہیں تو ظاہر ہوتا ہے کہ حدیث سوز و ساز زندگی بیان کر رہی ہیں، شام کے مشہور ادیب نے لکھا ہے کہ وہ ان کی عربی نثر میں کھویا ہوا نغمہ پاتے ہیں اور بے ردیف و قافیہ کی شاعری بھی۔ (شذرات معارف فروری ۱۹۸۰ء)

جناب مولانا محمد اشرف صاحب ایم۔اے صدر شعبۂ عربی اسلامیہ کالج پشاور کے تأثرات

مخدوم و محترم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اپنی جلالت شان، علمی و نظری خدمات، دینی و دعوتی سرگرمی کی بناء بر عرب و عجم میں یکساں مقبول اور عالمگیر شہرت کے مالک ہیں، ان کی کتابیں، متعدد مشرقی و مغربی زبانوں میں ترجمہ ہو کر دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیل چکی ہیں، اردو، عربی دونوں زبانوں میں یکساں مہارت و عبور ہے، عربی میں ایک خاص اسلوب نگارش کے موجد ہیں، یہ طرز عربی ادب عالیہ کی ایسی صف ہے جس میں دینی علوم و کمال فصاحت و بلاغت عمدہ زبان میں جدید و قدیم طبقے کے سامنے پیش کئے جا سکتے ہیں، علی میاں کی زبان میں عذوبت و حلاوت، درد و سوز، بلندی فکر، داعیانہ ولولہ، عاشقانہ جذبہ، مؤرخانہ تحقیق، عالمانہ احتیاط، حکیمانہ دانش، ادیبانہ رعنائی، ساحرانہ تاثیر پائی جاتی ہے، وہ خود سراپا سوز و درد ہیں، ان کا خمیر محبت و نرمی سے عبارت ہے، علم و تقویٰ نے ان سے فروغ پایا ہے، اور جامعیت علوم کی سند ان سے مزین ہے، مشرق و مغرب کے دینی و عصری تقاضوں اور جدید طبقے کے نبض آشنا ہیں، ان کی تحریر دل کے اندر اتر جاتی ہے، اور بیک وقت دل و دماغ دونوں کی تسلی کا سامان مہیا کر دیتی ہے۔ (حدیث ناگفتنی ص ۳۸)

پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی ڈائرکٹر ذاکر حسین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ جامعہ ملیہ دہلی

بنیادی طور پر علی میاں فن تاریخ و سیرت نگاری میں شبلی و سلیمان کے مکتب خیال سے تعلق رکھتے ہیں، ایک لحاظ سے ہم اسے تاریخ نگاری کا ندوہ اسکول آف تھاٹ بھی کہہ سکتے ہیں، اس کی بعض جہتیں نمایاں تھیں اور بعض دبی ہوئی تھیں جنہیں علی میاں صاحب نے ابھار کر ان کی توسیع کی اور اسی کے ساتھ خود اپنا خاص مقام پیدا کیا۔

(تعمیر حیات ۲۵ دسمبر ۱۹۸۸ء)

جناب ضیاء الرحمن انصاری سابق مرکزی وزیر ہند

مولانا کی شخصیت مولانا آزاد کی شخصیت کے مثل ہے اگر مولانا نے قلم رکھ کر سیاسی زندگی میں قدم رکھا ہوتا تو آج وہ اتنے ہی اعلیٰ پائے کے سیاست داں ہوتے جتنا کہ مولانا آزاد تھے۔

مگر مولانا مدظلہ العالی اپنے قلم سے جو خدمت انجام دے رہے ہیں وہ آج ہی نہیں بلکہ آنے والی نسلوں کے لئے مثال بنے گی۔

(تعمیر حیات ۲۵ نومبر ۱۹۸۸ء)

پروفیسر خلیق احمد نظامی سابق وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا کاروان زندگی جب حرکت کرتا ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک قندیل رہبانی ہے جس کی ضوفشانی نے دور دور تک گزرگاہوں کو روشن کر دیا ہے ؎

یک چراغ است دریں خانہ کہ از پرتو آں
ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

علی میاں آج اس عظیم الشان خاندانی روایت کے امین، اس کے بصیرت افروز علمی کارناموں کے پاسبان اور اس کے روح پرور مسلک دعوت و عزیمت کے ترجمان ہیں، ان کے علمی تبحر، بلند اخلاق اور سوز دروں میں خاندان کی مقناطیسی قوت کچھ اس طرح کام کر رہی ہے کہ بے اختیار زبان پر آتا ہے،

تو نخل خوش ثمر کیستی؟ کہ باغ و چمن
ہمہ ز خویش برید ند و در تو پیوستند

(تعمیر حیات ۲۵ نومبر ۱۹۸۸ء)

نومسلمہ ماہر تعلیم مریم جمیلہ صاحبہ کا تأثر ارکان الاربعہ پر

علم دین حاصل کرنے کی مہم میں ہمیشہ سے میری یہ رائے رہی اور آج بھی ہے کہ امام غزالی

کی "احیاء علوم الدین" چاروں ارکان خصوصاً "صلوٰۃ" پر حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہے اور اس سے بہتر نہیں لکھا جاسکتا، حتیٰ کہ شاہ ولی اللہؒ کی تحریروں کا مقام بھی اس کے بعد گو مثابعد ہے، لیکن آپ ان دونوں علماء کے تمام افکار کو عہد حاضر کی زبان میں عہد حاضر کے لئے لکھنے میں کامیاب ہوئے ہیں، اور آپ کا یہ اضافہ کہ آپ ہندو کو کبھی کبھی بدھ سے یہودی اور نصرانی مذاہب کی عبادات سے مقابلہ کرتے چلے گئے ہیں، ایک اور امتیاز ہے، اسلامی عبادات پر پاکستان کے بعض مسلم مصنفین کی کتابیں بھی پڑھی ہیں جو غنیمت تو ہیں، مگر افسوس کہ ان کو بھی پیش یا افتادہ

از دست فرسودہ اور مناظرانہ طرز بیان نے خراب کردیا ہے، آپ کی کتاب ان تمام معائب سے پاک ہے اور یہ ایک حقیقی کامیابی ہے۔

مولانا عزیز الحسن مہتمم مدرسہ دینیہ غازیپور کو صدمہ

مولانا عزیز الحسن صدیقی مہتمم مدرسہ دینیہ غازی پور و رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم ندوۃ العلماء کی اہلیہ صاحبہ کا مختصر علالت کے بعد اچانک انتقال ہوگیا۔ یہ حادثہ مولانا موصوف اور دیگر پسماندگان کیلئے بڑا المناک اور روح فرسا حادثہ ہے، مرحومہ نیک دل پارسا صوم و صلوٰۃ کی پابند خاتون تھیں

ادارہ تعمیر حیات مولانا موصوف اور پسماندگان سے اظہار تعزیت کرتا ہے اور مرحومہ کیلئے قارئین کرام سے دعائے مغفرت کی درخواست کرتا ہے۔

[یو]رپ میں قبول اسلام کا بڑھتا ہوا رجحان

[تحری]ر: فیصل ادریس غزالی ——— ترجمہ: صاحب عالم اعظمی ندوی

یورپ میں قبول اسلام کا رجحان بہت [تیز]ی سے بڑھ رہا ہے۔ اور لوگ کثرت سے [حلق]ہ بگوش اسلام ہو رہے ہیں جس کا بیّن [ثبو]ت حال میں فرانس کے ایک لاکھ فرانسیسی [قوم] کے لوگوں کا قبول اسلام ہے اس کا انکشاف [آک]سفورڈ یونیورسٹی کے مشہور اسکالر عبد الکریم مراد [نے ک]یا ہے، جو یورپ میں اسلامیات کے [ما]ہر خیال کئے جاتے ہیں، انھوں نے اسلام [ک]ے موضوع پر بہت ساری کتابوں اور دوسرے [مو]اد کا ترجمہ فرنچ زبان میں کیا ہے جو مغربی [یو]نیورسٹیوں کے ذہین لوگوں کیلئے بہت [ق]اسرمایہ ہیں۔

بوسنیائی وزیر تعلیم ڈاکٹر انس کیریٹیچ (DR- ANAS KARATACH) [کے] ساتھ سوال وجواب (جو سوال وجواب ایک [بو]سنین جنرل لیلیان (LAILAYAN) میں [سرا]جیوں (SARAJEVO) سے شائع ہو چکا [ہے) میں انھوں نے کہا کہ مذکورہ بالا خبریں یورپ [اور م]سلم دنیا کے مابین تعلقات استوار کرنے [کی]لئے راہ ہموار کرتی ہیں۔ مراد کے مطابق [ف]رانسیسی صحافی حالیہ سالوں کے درمیان مغربی [س]ماج میں عیسائیت کو چھوڑ کر دوسرے مذاہب [ک]و قبول کرنے والوں پر ایک کتاب ترتیب دے [ر]ہے ہیں۔ ان صحافیوں کے تحقیقی جائزے کے مطابق حالیہ سالوں میں سب سے زیادہ جس مذہب کی مقبولیت میں اضافہ ہوا ہے وہ مذہب اسلام ہے اور بدھ مذہب کے ماننے والے لوگوں نے سب سے زیادہ اسلام قبول کیا ہے، انہی صحافیوں کے اعداد وشمار کے مطابق ایک لاکھ فرانسیسی قوم کے لوگوں نے حال میں ہی اسلام قبول کیا ہے۔ آکسفورڈ اسکالر نے مزید بتایا کہ خود انگلینڈ میں ایک کثیر تعداد ایسی موجود ہے جو اسلام لا چکی ہے مگر ان کے اسلام لانے کے بارے میں کسی کو بھی صحیح پتہ نہیں کیونکہ ان میں سے اکثر لوگوں نے انگریزی سماج کے رسم ورواج کی وجہ سے اپنے قبول اسلام کو چھپا رکھا ہے، جو انگریزی سماج اب بھی اسلام قبول کرنے والوں کو خطرناک ونا پسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے بطور مثال کے طور پر میں خود آکسفورڈ یونیورسٹی کے ایک پروفیسر اور ان کی اہلیہ کے قبول اسلام کے بارے میں پچھلے تیس سالوں سے جانتا ہوں لیکن ان کے قریبی دوست واحباب ابھی تک اس بات سے ناواقف ہیں۔ اس کے علاوہ برطانیہ میں دانشوروں کی ایک کثیر تعداد ایسی بھی گذری ہے جن کے قبول اسلام کو لوگوں نے ان کی موت کے بعد جانا۔

لیکن یہاں فرانس کی صورتحال دوسری ہے۔ فرانس ہی کے ایک مشہور فلاسفر نے علی الاعلان اسلام قبول کیا۔ اور ان رجعت پسندوں کے خلاف (جو مسلم نو آبادیوں کے خلاف سخت دشمن جانے جاتے تھے) سخت بیان جاری کرائے جن کے بیانوں نے نرم رویے و سمجھوتے کی راہ ہموار کی۔

اسلام کے متعلق مغرب کے اکیڈمی حلقوں کے تأثرات کے متعلق مراد نے بتایا کہ یوروپین یونیورسٹیوں میں اسلامک اسٹڈیز کے ڈپارٹمنٹ دوسرے ڈپارٹمنٹ سے مختلف ہیں، وہ اس طرح کہ اسلامی مضامین کی تعلیم دینے والے ٹیچروں کی اکثریت غیر مسلم ہے، بعض اوقات یہ لوگ اسلام کے خلاف تعصبانہ رویہ ونا روا امتیاز برتتے ہیں۔ لیکن جب یہ لوگ عیسائیت ویہودیت اور دوسرے مذاہب پڑھاتے ہیں تو ہم لوگ فی الجملہ مختلف طرز عمل کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

مراد نے مزید بتایا کہ بہت سارے مسلم اسکالروں کو مذہب اسلام سے جڑے ہونے پر ان کو ملازمتوں سے نکال دیا گیا۔ دراصل مغربی ایجنسیوں کو یہ یقین ہے کہ مسلم اساتذہ اسلامی مضامین کو پڑھانے کیلئے موزوں نہیں ہیں۔ یہ تعصب صرف اسلام کے ساتھ رائج ہے یہودی اور عیسائی اور دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے خلاف کبھی بھی اس تعصب کا مشاہدہ نہیں کیا گیا۔

اکیڈمی سیکشن میں مسلم اساتذہ کی اکثریت کی وجہ سے اکیڈمی پیدائشی مسلمانوں کے بجائے نومسلموں کا تقرر کرتی ہے جو ایک خطرناک صورتحال ہے، کیونکہ اسلامک اسٹڈیز (جس کو ابھی تک گیٹو (GHETTO) اکیڈمی اقلیت کیلئے پاس کرتی ہے) پچھلے کئی سالوں سے ہی مذہب سیاست سے متاثر ہو چکی ہے۔ انھوں نے کہا کہ مسلم دانشوروں کی یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے، جب وہ یونیورسٹیوں میں تعلیم دے رہے ہوں تو

باقی ص ۲۰ پر

محمد طارق ندوی

سوال و جواب

س:۔ میں کیرالا میں ایک مقام پر ملازم ہوں میرا آبائی وطن اس مقام سے تقریباً ۸۰۰ کلومیٹر ہے ہر مرتبہ بارہ دن کے بعد ایک بار اپنے وطن واپس چلا جاتا ہوں اور وطن میں تین چار دن رہ کر واپس آجاتا ہوں، سال بھر ایسا ہی میرا معمول ہے، ایسی صورت میں مجھے نماز کس طرح ادا کرنی چاہئے، میں کہاں مسافر ہوں اور کہاں مقیم، میں مذکورہ صورت میں اپنے آبائی وطن میں قصر ادا کروں یا تکمیل نماز کروں۔

ج:۔ آپ اپنے آبائی وطن میں نماز پوری پڑھنے چاہیے وہاں آپ صرف ایک دن ہی کے لئے رکیں اور چونکہ مذکورہ مقام پر آپ پندرہ دن سے کم ہی ٹھہرتے ہیں لہٰذا وہاں آپ مسافر ہی رہیں گے اور قصر کریں گے۔

س:۔ کیا مسجد کا لاؤڈ اسپیکر گمشدہ اشیاء کے اعلان کے لئے استعمال کر سکتے ہیں؟

ج:۔ مذکورہ گمشدہ اشیاء کے لئے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال جائز نہ ہوگا۔

س:۔ ایک امام خضاب لگاتا ہے اس کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

ج:۔ صورت مسئولہ میں اگر امام مہندی (سرخ رنگ کا خضاب) لگاتا ہے تو شرعاً اس کا یہ عمل جائز ہے اور ایسے امام کے پیچھے نماز بلاکراہت جائز ہوگی، ہاں اگر سیاہ رنگ کا خضاب لگاتا ہے تو سیاہ رنگ کے خضاب لگانے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہوگا، یہ مکروہ تحریمی ہے۔

س:۔ مؤذن نے غلطی سے مغرب کی اذان قبل از وقت دے دی، اکثر لوگوں نے یہ سمجھ کر کہ وقت ہوگیا ہے افطار کرلیا، کچھ نے شبہ ہونے پر منہ میں لقمہ رکھنے کے بعد تھوک دیا اور کچھ نے کھانا جاری رکھا، ایسی صورت میں روزہ ہوگیا یا قضا لازم ہے؟

ج:۔ صورت مسئولہ میں سورج غروب ہونے سے پہلے افطار کرلینے کی وجہ سے جن لوگوں نے افطار کرلیا ان کا روزہ ختم ہوگیا صرف قضا لازم ہوگی، کفارہ نہیں چاہے انھوں نے افطار کرنے کے بعد کھانا جاری رکھا ہو، جن لوگوں نے لقمہ منہ میں رکھنے کے بعد تھوک دیا ان کا روزہ برقرار رہا، قضا نہیں کرنا ہے۔

س:۔ اگر کوئی آدمی بڑی عمر میں عقیقہ کرے تو کتنی مقدار میں بال کاٹنا ہوں گے؟

ج:۔ صرف جانور ذبح کرنے سے عقیقہ ہوجائے گا۔

س:۔ مردوں کی طرح زندوں کے لئے بھی ایصال ثواب کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

ج:۔ زندگی میں بھی زندوں کے لئے ایصال ثواب کیا جاسکتا ہے۔

س:۔ لڑکے کے بلوغ کی اقل مدت اور اکثر مدت کیا ہے؟

ج:۔ لڑکے کے بلوغ کی اقل مدت ۱۲ سال اور اکثر مدت پندرہ سال ہے۔ "ويفتى بالبلوغ فيهما اى فى الغلام والجارية بخمسة عشر سنة وادنى المدة فى حقه أى فى حق الغلام، اثنتا عشرة سنة (البحر الرائق ج ۸ ص ۸۵)

س:۔ مکھی یا مچھر وغیرہ اگر دودھ یا سرکہ میں گر جائیں تو اس کو استعمال کرسکتے ہیں یا نہیں؟

ج:۔ صورت مسئولہ میں دودھ یا سرکہ استعمال کرسکتے ہیں، شرعاً کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ مکھی اور مچھر میں دم سائل نہیں ہوتا ہے۔

علامہ کاسانی بدائع الصنائع میں تحریر فرماتے ہیں "أما الذى ليس له دم سائل كالذباب والعقرب والزنبور والسرطان ونحوها فانه ليس بنجس عندنا ("ج ۱ ص ۶۱")

حمد

عبدالقیوم فرحت لکھنوی

یہ دھوپ چھاؤں یہ شام و سحر بھی اس کے ہیں
یہ برق و باد یہ شمس و قمر بھی اس کے ہیں
زمیں سے تا بہ فلک جو بھی ہے سب اُس کا ہے
مہ و نجوم بھی یہ بحر و بر بھی اس کے ہیں
جز اُس کے کون کرے دعوئ چمن بندی
شجر بھی اس کے ہیں برگ و ثمر بھی اس کے ہیں
مزہ تو یہ ہے کہ اس کا کوئی شریک نہیں
کہ صرف کوزے نہیں کوزہ گر بھی اُس کے ہیں
یہ خلق کی ہوئی کل کائنات اُسی کی ہے
یہ دشت و کوہ، یہ گھر اور نگر بھی اُس کے ہیں
نہ جسم جسم ہی میرا، نہ جان ہی مری جان
یہ سر بھی اُس کا ہے اور زخم سر بھی اُس کے ہیں
تم اُس سے بچ کے کہاں جاؤ گے بھلا فرحت
تمام دشت و جبل خشک و تر بھی اُس کے ہیں

ندوہ کے شب و روز

از: محمد فرمان نیپالی ۔ عالیہ رابعہ شریعہ

بحمداللہ دار العلوم کا تعلیمی کارواں بحسن وخوبی نصف مرحلہ طے کرچکا ہے، حسب روایت اس سال بھی ششماہی امتحان اور تعطیل گرما کے بعد جمعیۃ الاصلاح کی سرگرمیاں دوبارہ شروع ہوگئیں، طلباء دارالعلوم کی ہمت افزائی کیلئے ششماہی انعامی مقابلے بھی ہوئے جن میں طلباء نے ذوق وشوق سے حصہ لیا چنانچہ جہاں ایک طرف جمعیۃ الاصلاح طلبائے اندر دعوتی روح کو جلا بخشنے کیلئے بزم خطابت وسلیمانی کا انعقاد کرتی ہے وہیں ان کو دینی اور دنیاوی جنرل معلومات فراہم کرنے اور ان کے اندر بلند حوصلگی پیدا کرنے کیلئے محاضرات کے پروگرام بھی منعقد کرتی ہے، جس میں اہل علم وقلم حضرات کے پُرمغز محاضرات وخطبات ہوتے ہیں، جن سے طلباء خاطر خواہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔

پروفیسر انیس چشتی کے سائنسی محاضرات

حال ہی میں ماہر فلکیات ودرسیات پروفیسر انیس چشتی صاحب نے دارالعلوم کے جمالیہ ہال اور کلیۃ اللغہ ہال میں تین محاضرے دیئے جس میں پہلا "سمندری پانی پر موسم کے اثرات" دوسرا "عرض البلد اور موسم کی تبدیلی" تیسرا "بینکنگ اور شیئر بازار" پر مشتمل تھا، پروفیسر انیس چشتی صاحب نے اپنے سامنے بلیک بورڈ گلوب اور دنیا کا نقشہ رکھ کر محاضرات دیئے جن سے طلباء نے خاطر خواہ استفادہ کیا، طلباء نے آخر میں سوالات بھی کئے، جن کا محاضر موصوف نے تشفی بخش جوابات دیئے۔

مولانا سید سلمان حسینی ندوی کا محاضرہ

جمعیۃ الاصلاح کے تحت ایک جلسہ ۵ صفر المظفر ۱۴۲۱ھ کو بعنوان "طالبان علوم دینیہ کیلئے کمپیوٹر ٹکنالوجی اور عصری علوم کی ضرورت" بعد نماز مغرب جمالیہ ہال میں منعقد ہوا۔ مولانا نے قرآن وحدیث اور عصر حاضر کی روشنی میں ایک وقیع محاضرہ دیا جس میں مولانا نے فرمایا کہ سب سے پہلے ہم قرآن وحدیث میں راسخین فی العلم کا ثبوت دیں پھر جدید آلات کا استعمال بحسن وخوبی کریں۔

جامعہ ازہر مصر میں ایک ماہ

دار العلوم ندوۃ العلماء کے استاذ مولانا کفیل احمد صاحب ندوی نے ایک ماہ جامعہ ازہر اور اس کے مضافات میں بحیثیت نمائندہ گذارا، واپسی پر ایک محاضرہ بعنوان "جامعہ ازہر مصر میں ایک ماہ" دیا، مولانا نے کہا کہ دار العلوم کی یہ زندگی بہت غنیمت ہے لہٰذا آپ علوم شرعیہ میں رسوخ پیدا کریں، تاکہ آپ کا مستقبل روشن ہو، طلباء نے ذوق وشوق کے ساتھ یہ محاضرہ سنا اور اخیر میں سوالات کی ایک نشست بھی ہوئی، جس میں مولانا نے ہند اور جامعہ ازہر سے متعلق جوابات بھی دیئے۔

ناظم ندوۃ العلماء کا جاپان اور افریقہ سے واپسی پر تأثراتی جلسہ

ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے جاپان اور اپنے دو رفیق سفر مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی اور مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ندوی کے ساتھ جنوبی افریقہ کا بھی سفر کیا، سفر سے واپسی پر ۲۶ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ کو روداد سفر کے موضوع پر ایک تأثراتی جلسہ منعقد ہوا۔ ناظم ندوۃ العلماء نے فرمایا کہ آج جاپان میں دعوت وتبلیغ کی شدید ضرورت ہے، کیونکہ وہاں کی عوام اس کی متلاشی ہے؛ ناظم صاحب نے مزید فرمایا کہ جاپانی عوام کی دو خصوصیات قابل ذکر ہیں۔ ایک قومیت کا احساس، دوسری محنت وجانفشانی اگر یہ دو چیزیں کسی فرد کے اندر پیدا ہوجائیں تو وہ فلاح وبہبود سے ہمکنار ہوجائے گا۔

مولانا نے جنوبی افریقہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہاں کے افراد تین زمروں میں منقسم نظر آتے ہیں پہلا سفید فام، دوسرا سیاہ فام، اور تیسرا رنگینی افراد پر مشتمل ہے ایسی صورت میں وہاں مساوات و بھائی چارگی کی شدید ضرورت ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ اس موقع پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی یاد میں ایک پروقار جلسہ ہوا جس میں حضرت مولانا کی زندگی کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی گئی۔

بیرون ممالک سے آئے ہوئے علماء ومحققین کے محاضرات

• النادی العربی کے تحت بھی محاضرات کا ایک سلسلہ ہے۔ ان میں سے خاص محاضرے دار العلوم کے جمالیہ ہال اور عباسیہ ہال میں منعقد ہوئے، کویت سے آئے ہوئے مہمان ڈاکٹر راشد فرحان کا ایک علمی محاضرہ ہوا جس میں ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ موجودہ دور علم وعمل کا دور ہے اس لئے طلباء علوم نبوت اور علماء ربانیین اپنی اپنی ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دیں۔ تاکہ

آئندہ آنے والی نسل کا مستقبل تابناک ہو سکے۔

• قطر سے تشریف لانے والے مہمان شیخ مجدی کا بھی ایک محاضرہ ہوا۔ محاضرہ سے قبل مہتمم دارالعلوم مولانا سعید الرحمن اعظمی ندوی کے ایماء پر دارالعلوم کے تین طلباء محمد سلمان نسیم، محمد اسعد اور راقم سطور (محمد فرمان نیپالی) نے برجستہ تقریریں کیں۔ آخر میں شیخ نے دعوت و تبلیغ کی اہمیت کو والہانہ انداز میں بیان کیا جس سے دلوں پر رقت طاری ہو گئی۔

• قبلۂ اول مسجد اقصیٰ کے امام محمد محمود الصیام کا ایک پر مغز خطاب دارالعلوم کی مسجد میں بعد نماز فجر ہوا جس میں امام صاحب نے اسلوب دعوت دین کو سورۂ یوسف کی روشنی میں بیان کیا۔ بالخصوص دونوں نوجوانوں کو خواب کی تعبیر بتانے سے پہلے کس طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے توحید کی دعوت دی اور کس حکمت کے ساتھ جیل خانہ سے اپنی برأت کا اعلان کروالیا۔ اور تخت سلطنت پر متمکن ہوئے۔

• الجامعۃ الإسلامیۃ الریاض کے استاذ محقق جناب عبدالعزیز صاحب (جو ندوہ کی شبلی لائبریری سے استفادۂ علم کی غرض سے آئے تھے) کا محاضرہ ۹ر جمادی الاولیٰ کو مسجد دارالعلوم میں بعد نماز مغرب ہوا جس میں محاضر نے علم کی اہمیت و افادیت اور عقیدۂ توحید و رسالت اور اس کے امتیاز پر بالتفصیل روشنی ڈالی۔

تقریب یوم آزادی

یوم آزادی کے موقع پر ۱۵ر اگست ۲۰۰۰ء کو دارالعلوم کی بالائی عمارت پر حسب روایت پرچم کشائی کی تقریب دارالعلوم کے صدر شعبۂ دینیات مفتی محمد ظہور صاحب ندوی کی قیادت میں منعقد ہوئی۔ اس موقع پر جنگ آزادی میں اہل ملک خصوصاً مسلمانوں کی خدمت کا تذکرہ کرتے ہوئے مفتی صاحب نے فرمایا کہ مسلمانوں نے اس ملک کو اپنے خون جگر سے سینچا ہے جسے فراموش نہیں کیا جا سکتا ہے۔

بزم مناقشہ:

طلباء کو اسلامی تاریخ سے آگاہ کرنے اور حالات حاضرہ پر گہری نظر رکھنے کیلئے الاصلاح جدید موضوعات کے تحت بزم مناقشہ کا بھی اہتمام کرتی ہے، چنانچہ ۱۰ر اگست ۲۰۰۰ء کو اس کا ایک پروگرام زیر صدارت مولانا محمد خالد صاحب ندوی غازیپوری بعنوان "اسلام اخلاق سے پھیلا یا تلوار سے" رکھا گیا، جس میں طلباء نے دلائل کی روشنی میں مباحثے کئے۔ بالآخر منفی ٹیم اپنی قوت گفتار سے جس کے قائد مجیب الرحمن عتیق تھے۔ اول اور مثبت ٹیم جس کے قائد عامر بیگ تھے دوم قرار پائی۔

بزم خطابت و سلیمانی کے انعامی مقابلے،

بزم خطابت علیا کے زیر اہتمام بعنوان "اصلاح معاشرہ کیوں اور کیسے؟" زیر صدارت مولانا علاء الدین صاحب ندوی ایک مقابلہ منعقد ہوا جس میں مجیب الرحمن عتیق اول، محمد اسعد حسین دوم، عامر بیگ سوم انعام کے مستحق قرار پائے۔

• بزم خطابت سفلیٰ کا ایک مقابلہ زیر اہتمام بعنوان "موجودہ دور میں نوجوانوں کی ذمہ داریاں" زیر صدارت، مولانا علاء الدین صاحب ندوی منعقد ہوا جس میں محمد ارشد اول، ندیم اختر دوم اور ملک محمد الیاس سوم قرار پائے۔

• بزم سلیمانی علیا کے زیر اہتمام بعنوان "حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی علیہ الرحمہ اور مسلم پرسنل لاء بورڈ" زیر صدارت: مولانا محمد غفران صاحب ندوی ایک مقابلہ منعقد ہوا جس میں اول مجیب الرحمن عتیق، غلام ... دوم اور محمد اسرائیل سوم قرار پائے۔

• بزم سلیمانی سفلیٰ کے زیر اہتمام بعنوان "حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ ایک سیرت نگار" زیر صدارت مولانا محمد غفران صاحب ندوی ایک مقابلہ منعقد ہوا جس میں اول ابو... محمد اسلم دوم، اور محمد ارشد سوم قرار پائے۔

"اسلامک کوئز":

اس کے تحت کتابوں کو متعین کر کے سوالات بنائے جاتے ہیں پھر یکے بعد دیگرے سوال کئے جاتے ہیں۔ طلباء نہایت مستعد ہو کر حصہ لیتے ہیں۔ چنانچہ ۳۰ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ کو مولانا محمد ... صاحب ندوی کی صدارت میں ایک جلسہ ہوا جس میں محمد عابد کریم اول، طارق انور ملکی دوم اور انیس... سوم انعام کے مستحق قرار پائے۔

نعتیہ مشاعرہ:

طلباء میں ادبی ذوق پیدا کرنے اور سیرت رسولؐ سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے الا... کے زیر اہتمام نعتیہ مشاعرہ کا پروگرام ۱۵ر اگست ۲۰۰۰ء کی رات میں منعقد ہوا، جس کی صدارت مولانا محمد غفران صاحب ندوی نے کی۔ جس میں برادرم ندیم اللہ سنبھلی اول، مظہر علی ندوی اور مسلم پرتاپ گڈھی سوم آئے۔ دوسرے گروپ میں راحت سنبھلی اول، محمد ارشد دوم اور اشرف کشمیری سوم آئے۔

بیت بازی کا مقابلہ:

انجمن الاصلاح، خورد، رواق سلیمانی کے زیر اہتمام بیت بازی کا مقابلہ طلباء کے درمیان ہوا۔

جس کے تحت چار ٹیمیں تھیں (۱) زمرۂ علامہ اقبال: قائد توحید عالم (۲) زمرۂ کلیم عاجز: قائد محمد خالد (۳) زمرۂ حفیظ میرٹھی: قائد ہارون رشید (۴) زمرۂ غالب مرزا غالب: قائد راحل رضوان: ان کے درمیان مقابلہ ہوا۔ آخرکار مؤخرالذکر دو ٹیمیں بالترتیب کامیاب ہوئیں،

اسلامک کوئز:

سوال وجواب کے عنوان سے ایک پروگرام "اصحاب دعوت وعزیمت حیات وخدمات کے آئینے میں" زیر صدارت مولانا نذر الحفیظ صاحب ندوی ازہری منعقد ہوا جس میں توحید عالم اوّل، محمد اعظم دوم، منت اللہ دربھنگوی سوم اور محمد ارشاد رائے بریلوی تشجیعی انعام کے مستحق قرار پائے۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کا مدینہ منورہ اور لندن کا سفر

مدینہ منورہ میں عالمی رابطہ ادب اسلامی کی مجلس منتظمہ کا گیارہواں سالانہ اجلاس ۱ تا ۲ اگست ۲۰۰۰ء کو منعقد ہوا۔ جس میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ (ہندوستان) سے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء، مولانا سید واضح رشید ندوی صدر کلیۃ اللغۃ العربیۃ دارالعلوم ندوۃ العلماء، مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء، مولانا سید محمد اجتباء ندوی (دہلی) نے رابطہ کی خصوصی دعوت پر شرکت کی۔

یہ اجلاس حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ بانی وصدر عالمی رابطہ ادب اسلامی کی وفات کے بعد صدر کے انتخاب کے تعلق سے منعقد ہوا۔ رابطہ کے اس اجلاس میں شرکت کے بعد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی اسلامک سینٹر آکسفورڈ یونیورسٹی کے جلسہ میں شرکت کیلئے لندن تشریف لے گئے، حضرت مولانا مدظلہ العالی کی واپسی انشاء اللہ ۴ ستمبر ۲۰۰۰ء تک ہوگی۔

ندوۃ العلماء کے منصرم افتخار حسین قدوائی کا انتقال

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے سابق منصرم جناب افتخار حسین قدوائی کا ۶ ستمبر ۲۰۰۰ء کو تقریبا ۸۵ سال کی عمر میں انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ نماز جنازہ مولانا سعید الرحمٰن صاحب اعظمی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء نے پڑھائی، اور تدفین ڈالی گنج قبرستان میں ہوئی۔ جس میں اساتذہ اور طلباء کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی۔

مرحوم نے تقریباً ۶۰ سال دارالعلوم کی خدمت میں گذارے، مرحوم اصول وضابطے کے بڑے پابند تھے، ان کے انتقال سے طلباء واساتذہ اور ذمہ دار حضرات کو بڑا قلق وافسوس ہوا۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرماکر اعلیٰ علیین میں جگہ نصیب فرمائے۔ قارئین کرام سے دعائے مغفرت وایصال ثواب کی درخواست ہے

دعائے مغفرت

مطبخ قدیم دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ناظر حافظ عتیق الرحمٰن طیبی کی والدہ کا مورخہ ۲ ستمبر ۲۰۰۰ء کو ۹۰ سال کی عمر میں آبائی وطن طیب پور بلرام پور میں انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون مرحومہ بڑی صوم وصلوٰۃ کی پابند تھیں۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے۔

قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے

تعمیر حیات کا خصوصی شمارہ مفکر اسلام نمبر شائع ہوگیا۔

تعمیر حیات کا خصوصی شمارہ "مفکر اسلام نمبر" منظر عام پر آگیا ہے یہ نمبر کافی ضخیم ہے چونکہ سادی ڈاک سے روانہ کرنے میں ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا جن حضرات کی مدت خریداری دسمبر ۲۰۰۰ء تک ہے اور Rs 30/= رجسٹری خرچ روانہ کردیا ہے ان کو خاص نمبر رجسٹرڈ ڈاک سے روانہ کیا جارہا ہے، اور جن کی خریداری مدت ختم چل رہی ہے وہ سالانہ زرتعاون اور مزید Rs 30/= رجسٹری خرچ روانہ کریں تاکہ ان کو یہ نمبر جو تقریبا 365 صفحات پر مشتمل ہے روانہ کیا جاسکے جو حضرات اس نمبر کے خواہشمند ہیں اور نئے خریدار بننا چاہتے ہیں وہ Rs 300/= روانہ کریں جس میں دو سال تک تعمیر حیات جاری رہے گا۔ اور اگر Rs 200/= روانہ کریں گے تو ایک سال تک جاری رہے گا اور یہ خاص نمبر بھی رجسٹرڈ ڈاک سے روانہ کیا جائے گا۔

نوٹ:۔ ندوہ ڈاکخانہ یومیہ صرف پچاس تعمیر حیات کے پیکٹ رجسٹرڈ لیتا ہے اس لئے اس میں کچھ تاخیر بھی ہو رہی ہے۔ اس لئے تاخیر سے شمارہ ملنے کی وجہ سے ادارہ تعمیر حیات معذرت چاہتا ہے۔

مدارس کی کامیابی

آج تمام مدارس میں ایک خلا ہے، اور وہ یہ ہے کہ اساتذہ اور طلباء میں ربط نہیں ہے بلکہ ان کے درمیان ایک خلیج حائل ہے اور وہ صرف درس کے اساتذہ اور درس کے طلباء ہو کر رہ گئے ہیں۔ اس خلا کو پُر کردینے کی اور اس خلیج کو پاٹنے کی ضرورت ہے اسی میں مدارس کی کامیابی وترقی مضمر ہے۔

(حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

کی

حیات و خدمات پر آکسفورڈ میں سمپوزیم

(ادارہ)

لندن میں (ستمبر ۲۰۰۰ء) سینٹر فار اسلامک اسٹڈیز نے آکسفورڈ کے ایک عظیم الشان ہوٹل میں "مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی حیات و خدمات" کے موضوع پر ایک بین الاقوامی سمپوزیم کا انعقاد کیا جس میں برطانیہ کے علاوہ سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، قطر، کویت، شام، عراق، جنوبی افریقہ اور برصغیر ہندوپاک کے علماء و دانشوروں اور مختلف دینی و تعلیمی تنظیموں اور جماعتوں کے نمائندوں نے شرکت کی۔ آکسفورڈ سینٹر فار اسلامک اسٹڈیز کی تاسیس مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی سربراہی میں ۱۹۸۵ء میں عمل میں آئی تھی۔ سینٹر کی تاسیس کے روز اول سے اس کی مجلس انتظامی کے مولانا صدر رہے اور سینٹر کو اپنے انتظامی اور علمی امور میں ہمیشہ رہنمائی حاصل رہی۔

سمپوزیم کا افتتاح تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ آکسفورڈ سینٹر فار اسلامک اسٹڈیز کے ڈائریکٹر فرحان احمد نے اپنے خطبۂ استقبالیہ میں مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی وفات سے پہلے ہونے والے علمی خلاء پر روشنی ڈالتے ہوئے اس پر زور دیا کہ مولانا کی شخصیت عالمگیر و ہمہ گیر تھی اور سینٹر سے مولانا مرحوم کے تعلق کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ آج کا سمپوزیم اس عظیم شخصیت کیلئے ایک خراج عقیدت ہے اس کے بعد صدر سمپوزیم ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف نائب صدر مجلس شوریٰ سعودی عرب نے خطاب کیا

مولانا مرحوم کے بعد ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف سینٹر کی مجلس انتظامی کے صدر منتخب ہوئے، ناظم ندوۃ العلماء مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے "مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی شخصیت کی تعمیر کیسے ہوئی" کے موضوع پر عربی زبان میں ایک پر اثر مقالہ پیش کیا، جس میں مولانا نے وضاحت کے ساتھ ان کی شخصیت سازی میں آپ نے خاندانی ماحول اور اساتذہ و مشائخ کی تربیت کے کردار کو خصوصیت سے نمایاں کیا، عصر حاضر کے عظیم فقیہ و داعی علامہ ڈاکٹر یوسف القرضاوی جن کو مولانا مرحوم سے بے پناہ عقیدت ہے، بعض مجبوریوں کی وجہ سے سمپوزیم میں شرکت نہ کر سکے لیکن انھوں نے "مولانا ابوالحسن علی ندویؒ عرب میں اہل عجم کے سفیر" کے عنوان سے اپنی ایک مؤثر تحریر بھیجی جسے شیخ علی القرہ داغی نے پیش کیا۔ شیخ یوسف القرضاوی نے مولانا مرحوم کی للہیت زہد و تقویٰ کی صفات پر زور دیا۔ شیخ قرضاوی نے مولانا کی ربانی اور مجددانہ صفات کو اجاگر کرنے کے ساتھ ان نقاط کی تفصیل سے وضاحت کی، جن کی وجہ سے تمام علماء و مفکرین اور مختلف علمی و دعوتی تنظیموں اور اداروں کا اس پر اتفاق تھا کہ شیخ ابوالحسن علی ندویؒ صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ تمام عرب و عجم کے نمائندہ تھے، شیخ یوسف القرضاوی نے مزید فرمایا کہ شیخ ابوالحسن علی ندویؒ اپنے جد امجد امام حسن بن علیؓ کے

کریمانہ اخلاق کے مظہر تھے، جس سے مزید آپ کے حسب و نسب کی تائید ہوتی ہے، آپ اخلاق و آداب میں حسنی تھے جس طرح کہ آپ اصل و نسب میں حسنی تھے اس کے بعد جسٹس محمد تقی عثمانی نے مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی داعیانہ زندگی کے بنیادی عناصر کے موضوع پر عالمانہ تقریر کی۔

سمپوزیم کے دوسرے سیشن کا آغاز مولانا سید محمد واضح رشید ندوی صدر شعبۂ عربی دار العلوم ندوۃ العلماء کے مقالہ سے ہوا۔ مولانا نے اس سمپوزیم کی مناسبت سے "حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور پیام انسانیت" کے موضوع پر عربی میں ایک فکر انگیز مقالہ تیار کیا تھا لیکن سمپوزیم کے ذمہ داروں کی درخواست پر "مولانا کی شخصیت سازی میں والدہ کے خطوط کا حصہ" کے عنوان سے "تعمیر حیات" میں شائع شدہ اپنا مضمون پیش کیا، مضمون اس قدر مؤثر تھا کہ سامعین دم بخود تھے اور بہت سی آنکھیں اشکبار تھیں، مولانا نے ان خطوط کی اہمیت و قیمت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا۔ ادب و تربیت دونوں اعتبار سے آپ کے خطوط میں وہ دینی جذبہ اور حکیمانہ اسلوب ملتا ہے جو اثر ڈالے بغیر نہیں رہ سکتا اس میں زندگی ہے، تحریک ہے حساسیت ہے اور درد و سوز ہے، مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی بیماری کی وجہ سے تشریف نہ لا سکے ان کے مقالہ کا خلاصہ آکسفورڈ اکیڈمی کے صدر ڈاکٹر احمد بسام ساعی نے پیش کیا جس میں قاضی صاحب کے اس جملہ پر سامعین جھوم اٹھے کہ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے خود کو اللہ کیلئے وقف کر دیا تھا۔ تو اللہ نے ان کو اپنے دین کیلئے منتخب کر لیا۔ اس کے دار العلوم دیوبند کے مہتمم مولانا محمد سالم قاسمی نے مولانا کی شخصیت کی جامعیت پر روشنی ڈا[لی] مولانا نے امت کے افتراق کے بعد اجتماعیت

...الی کے سلسلہ میں حضرت مولانا کی فکر
...ن کے کردار کا قدرے تفصیل سے جائزہ
...اکٹر عبدالقدوس ابو صالح نے رابطہ ادب
...ی کی تاسیس و ترقی میں مولانا کی خدمات
...ر کیا، تیسرے سیشن میں مشہور عالم حدیث
ڈاکٹر محمد عجاج الخطیب نے بڑے پرجوش
...ں مولانا کو خراج عقیدت پیش کیا اس دوران
...ان پر گریہ طاری ہوگیا۔ ڈاکٹر احمد الراوی
...ب میں مولانا کے اثرات، کے موضوع پر
...یلی جائزہ پیش کیا۔ شام کے ڈاکٹر عبدالستار
...ے مولانا کی علمی خدمات کا جائزہ لیا
...ے آئے ہوئے فقیہہ عالم شیخ علی القرہ
...نا کی شہرہ آفاق تصنیف "انسانی دنیا
...لمانوں کے عروج و زوال کا اثر" کا ایک
...ادر علمی تجزیہ پیش کیا، مانچسٹر اکیڈمی
...در علامہ خالد محمود نے اپنی تقریر کے
...یں اس پر زور دیا کہ ۱۹۱۴ء میں جبکہ
...عالمی جنگ کی شکل میں اس عظیم خسارہ
...امدہ کر رہی تھی، جو مسلمانوں کے زوال
...ے رونما ہوا تھا۔ اسی وقت عالم غیب
...ں ہستی کا ظہور ہوتا ہے جس نے سب سے
...اس خسارہ کی نشاندہی کی۔ علامہ خالد
...نے اس پر زور دیا کہ مولانا کی تحریریں
...ونقل دونوں کے دلائل سے آراستہ ہیں
...ریں متعدد عرب شعراء نے مولانا کو خراج عقیدت
...ں کیا، سمپوزیم کا اختتام مولانا سید محمد
...ندوی کی دعاء پر ہوا۔

...علی زندگی: — اسلام کے اعلیٰ اصولوں میں دنیا اسی
وقت کشش محسوس کرے گی جب ان کا
...اہرہ ہم اپنی عملی زندگی میں کریں گے۔
(حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ)

(بقیہ)
یورپ میں اسلام کا بڑھتا ہوا رجحان

تجربات و بحث و مباحثے کے دوران نمایاں کردار ادا کریں۔

مراد یہ نہیں مانتے کہ یہاں مشرق و مغرب میں کوئی مقابلہ ہے تاہم ان کا خیال ہے کہ آج دنیا میں دو طرح کے اختلاف پائے جا رہے ہیں اول یہ کہ غریب نصف کرہ جنوب و صنعتی مشرق کے مابین ذریعہ و تدبیر کیلئے دوڑ و مقابلہ، دلیل کے طور پر یہ کہ تمام قسم کے تعاون کے باوجود جو وسیع تر تعاون صنعتی دنیا نصف کرہ جنوب کو دیتی ہے حقیقت یہ ہے کہ ہر مہینہ سات بلین سے زیادہ امریکی ڈالر مالدار شمال کو جنوب سے منی آرڈر کے ذریعہ بھیجا جاتا ہے۔ دوم یہ کہ آج مادیت و مذاہب کے درمیان زبردست اختلاف ہے۔ یہاں کے بڑے مذاہب مذکورہ بالا صورتحال سے دوچار ہیں۔ آخر میں آکسفورڈ اسکالر نے مسلمانوں کو یہ مشورہ دیا کہ دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ گفت و شنید کریں اور اس طرح کے معاملات میں ان کی مدد چاہئیں۔

انھوں نے مسلمانوں و ویٹیکن وفد کے درمیان ۱۹۹۴ء میں قاہرہ میں ہوئی پاپولیشن کانفرنس (POPULATION CONFERENCE) کو یاد کیا۔ جس نے خاندانی زندگی و مذہب کے تئیں جذبہ دشمنی سے دستبرداری میں مدد کی تھی۔

انھوں نے کہا کہ گفت و شنید کا انعقاد ایسا ہو جس سے باہمی تعاون کی راہ ہموار ہوسکے، اور مستقبل میں عام فوائد حاصل ہوں۔

(بشکریہ ماہنامہ ریڈینس (انگریزی) دہلی)

مولانا سید اسعد مدنی کی اہلیہ کا انتقال

جمعیۃ علماء ہند کے صدر مولانا سید اسعد مدنی کی اہلیہ محترمہ کا ۲۲ اگست سنہ ۲۰۰۰ء کو اپولو اسپتال دہلی میں ۶۵ سال کی عمر میں طویل علالت کے بعد انتقال ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ۝

مرحومہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے سابق استاد حدیث اور مدرسہ عالیہ کلکتہ کے سابق شیخ التفسیر مولانا حمیدالدین رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی تھیں وہ بڑی صالحہ، عابدہ، زاہدہ اور مخیر خاتون تھیں

اللہ تعالیٰ مرحومہ کے درجات بلند کرکے ان کی مغفرت فرمائے قارئین کرام سے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کی درخواست ہے

مدینہ منورہ میں عالمی رابطہ ادب اسلامی کی مجلس منتظمہ کا

گیارہواں سالانہ اجلاس

رپورٹ تیار کردہ:۔ ڈاکٹر سید محمد اجتباء حسینی ندوی

عالمی رابطہ ادب اسلامی کی مجلس منتظمہ کا گیارہواں سالانہ اجلاس مدینہ منورہ میں ۱۷ تا ۲۱ اگست ۲۰۰۰ء منعقد ہوا، اس میں مراکش، مصر، اردن، سعودی عرب ترکی، ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش اور ملیشیا کی شاخوں کے صدور، نیز دیگر اہم ارکان شریک ہوئے۔ روزانہ حرم مدنی سے متصل "ایلاف طیبہ ہوٹل" کے کانفرنس ہال میں تین نشستیں منعقد ہوئیں، اراکین مجلس و شرکاء کے قیام کا نظم بھی اسی ہوٹل میں تھا۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ بانی صدر عالمی رابطہ ادب اسلامی کی وفات کے بعد رابطہ کا یہ پہلا اجلاس تھا، اس لئے اس کے ایجنڈہ کا سب سے اہم موضوع حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی جگہ پر نئے صدر کا انتخاب تھا، اجلاس کے دوسرے روز کے جلسہ میں یہ موضوع پیش ہوا، اس کے سلسلہ میں عالمی رابطہ ادب اسلامی کے نائب صدر اور ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی مدظلہ العالی نے اظہار رائے کا آغاز کیا، اور رابطہ ادب اسلامی کے اول نائب صدر، اس کے عربی و مغربی ممالک کے جزء کے صدر ڈاکٹر عبدالقدوس ابو صالح کو اس منصب کے لئے زیادہ موزوں قرار دیتے ہوئے ان کا نام پیش کیا، بعض ارکان نے تجویز کی تائید کی، لیکن اکثر ارکان نے خود حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کو عالمی رابطہ ادب اسلامی کے نائب صدر ہونے کے ساتھ رابطہ کے بانی صدر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا جانشین بھی ہونے کی بنا پر صدارت کے لئے زیادہ موزوں قرار دیا، خود ڈاکٹر عبدالقدوس ابوصالح نے مولانا موصوف کی اس منصب کے لئے نہ صرف تائید کی بلکہ اس کے لئے اصرار کیا، مگر حضرت مولانا محمد رابع صاحب نے اپنی گوناگوں ذمہ داریوں اور مصروفیتوں کی وجہ سے معذرت کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالقدوس ابوصالح صاحب سے اس ذمہ داری کے سنبھال لینے پر اصرار کیا، اس کے باوجود اراکین اور ڈاکٹر عبدالقدوس ابوصالح صاحب نے اپنا اصرار جاری رکھا، اور انتخاب ایک روز کے لئے مؤخر کر دیا گیا تاکہ مولانا سید محمد رابع صاحب اس پر غور کر لیں، حضرت مولانا محمد رابع صاحب حسنی ندوی نے دوسرے دن کے جلسہ میں ایک مؤثر گفتگو کی، اور فرمایا کہ ڈاکٹر عبدوس ابوصالح صاحب نہ صرف رابطہ ادب اسلامی کے اول نائب صدر رہے ہیں، بلکہ رابطہ کے قیام، اس کی تنظیم و تحریک اور اسلامی ادب کے فروغ و ترقی کے سلسلہ میں ان کی خدمات قابل قدر ہیں، اور عربی کے ممتاز و نامور اہل قلم اور ادیب ہیں، رابطہ ادب اسلامی کے سابق بانی صدر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کو ان پر اعتماد اور ان کی حسن کارکردگی اور خوبیوں کا اعتراف بھی تھا، اس لئے مجھے اس بات پر اصرار ہے کہ اس منصب کے لئے ڈاکٹر عبدالقدوس ابوصالح صاحب کا انتخاب نہایت موزوں و مناسب ہے، مولانا سید محمد رابع صاحب ندوی نے اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے پُرزور الفاظ میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ادب کے بارے میں موقف اور مسلک پر بھرپور روشنی ڈالی، اور ادب اسلامی کی ترویج و اشاعت کے لئے ان کی قائدانہ خدمات و ادبی و فکری بصیرت کو تفصیل سے بیان کیا، اس سلسلہ میں ڈاکٹر عبدالقدوس ابوصالح کی خدمات اور ادب اسلامی کے فروغ میں ان کے نمایاں حصہ کو بھی اجاگر کیا، اور وعدہ کیا کہ وہ ڈاکٹر عبدالقدوس کا پورا تعاون کریں گے، اور اس رابطہ کے تمام امور اور معاملات میں اسی طرح حصہ لیتے رہیں گے جیسا کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں دلچسپی لیتے رہے تھے۔

جناب مولانا سعید الرحمن صاحب اعظمی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور رکن مجلس منتظمہ، اور جناب مولانا سید محمد واضح رشید ندوی ایڈیٹر "الرائد" اور رکن مجلس منتظمہ رابطہ ادب اسلامی نے حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی کی رائے کی

تائید کی۔

ڈاکٹر عبدالحلیم عویس (مصر) نے ڈاکٹر عبدالقدوس ابوصالح کے انتخاب کے بارے میں مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی کی تائید کرتے ہوئے بڑی مؤثر اور رقت آمیز گفتگو کی، آخر میں راقم سطور (محمد اجتباء ندوی) نے ڈاکٹر عبدالقدوس ابوصالح کی ادبی، علمی اور دینی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے رابطہ ادب اسلامی کی تاسیس میں ان کے نمایاں حصہ، مؤثر کردار اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے قریبی تعلق اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے ان کی وابستگی اور حضرت کے ان پر اعتماد اور رابطہ ادب اسلامی کے فروغ و ترقی میں ان کی خدمات کی تحسین کا تذکرہ کیا، اور کہا کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ ان کا ذکر بڑی محبت و اپنائیت سے کرتے تھے، اور رابطہ کی قیادت اور خدمات پر مکمل بھروسہ کی جانب اشارہ کیا۔ اس کے بعد تمام اراکین مجلس نے اسی رائے سے اتفاق کیا، اور پھر سب نے متفقہ طور سے ڈاکٹر عبدالقدوس ابوصالح کو عالمی رابطہ ادب اسلامی کا صدر منتخب کر لیا۔

ڈاکٹر عبدالقدوس ابوصالح صاحب نے انتخاب کے بعد بڑے جذباتی انداز سے گفتگو کی، اور بار بار ان پر رقت طاری ہوئی، آنکھیں اشکبار ہوئیں، انھوں نے سابق بانی صدر رابطہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرتبہ، رہنمائی، سرپرستی اور محبت و شفقت کا پُرزور الفاظ میں تذکرہ کیا، رابطہ کی ترقی و فروغ میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی رہنمائی ہی کا سب سے بڑا حصہ ہے، نیز حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی کے اس ایثار و اخلاص کا اعتراف کیا، اور کہا کہ میری اور تمام اراکین کی دلی خواہش یہی تھی کہ مولانا محمد رابع صاحب ہی رابطہ کے صدر ہوتے، کیونکہ وہی حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے جانشیں ہیں، اور بجا طور پر اس کی صدارت کے اہل و مستحق ہیں لیکن ان کے اصرار و ایثار کی وجہ سے اس انتخاب کے لئے ہم تیار ہوئے، ہم گذارش کرتے ہیں کہ ان کا تعاون رابطہ کے امور و معاملات کے لئے جاری رہے، اور ہمیں ان سے اسی بات کی توقع ہے۔

ڈاکٹر عبدالقدوس ابوصالح نے اپنے انتخاب کے بعد مولانا سید محمد رابع صاحب ندوی کو عالمی رابطہ ادب اسلامی کا اول نائب صدر اور ہند و پاکستان، بنگلہ دیش اور ملیشیا و انڈونیشیا کے علاقہ کا صدر مقرر کیا، ڈاکٹر عبدالباسط بدر کو نائب صدر دوم اور صدر عالم عرب و افریقہ متعین کیا، مراکش کے ڈاکٹر حسن امرانی کو سکریٹری جنرل، اور مولانا سید محمد واضح رشید صاحب ندوی کو نائب سکریٹری جنرل کے منصب پر فائز کیا۔

اس انتخاب و تنظیم نو کے بعد اجلاس میں رابطہ کی مختلف شاخوں کے صدور نے اپنی کارکردگی و سرگرمیوں کی سالانہ رپورٹ پیش کی جو منظور کی گئی۔

اجلاس میں ادب اسلامی کی سرگرمیاں اور ادبی خدمات کے لئے برائے خواتین ہر حلقہ و علاقہ میں کمیٹیاں قائم کرنے کی تجاویز پیش کی گئیں جو غور و فکر اور تبادلۂ خیال کے بعد منظور کی گئیں

اجلاس میں "وقف ادب اسلامی" کی بھی تجویز پیش ہوئی، اس پر غور کیا گیا اور متفقہ طور سے منظور کی گئی، نیز مختلف ممالک میں رابطہ کی شاخ قائم کرنے پر غور ہوا، اور رابطہ ادب اسلامی کے تعارف کے لئے کتابچہ تیار کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

اجلاس نے سعودی عرب کی جانب سے رابطہ ادب اسلامی اور اس کی خدمات کے لئے دلچسپی و تعاون کے لئے مسرت و خوشی کا اظہار کیا، اجلاس کے اختتام کا حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب ندوی کی دعا پر اعلان ہوا۔

۲۱ اگست کو مدینہ منورہ کی "النادی الأدبی" نے مندوبین کے اعزاز میں ایک نشست منعقد کی، نیز مدینہ منورہ ریسرچ سینٹر نے بھی تمام اراکین کو مدعو کیا، مجلس عاملہ کے آئندہ جلسہ کے انعقاد کے بارے میں طے پایا کہ ہر سال اسی ماہ میں منعقد کیا جاتا رہے گا، جگہ کا تعین مشورہ کے بعد کیا جائے گا۔

اجلاس کی جانب سے مدینہ منورہ کے مذہبی مقامات و تاریخی آثار کی تمام اراکین کو زیارت کرائی گئی، مدینہ طیبہ میں ان خوشگوار لمحات کے گذارنے پر سب کو بڑی مسرت ہوئی۔

ہم پرورش لوح و قلم کرتے رہیں گے
جو دل پہ گزرتی ہے رقم کرتے رہیں گے
فیض احمد فیض

مطالعے کی میز

تبصرے کیلئے کتابوں کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے!

محمد شاہد ندوی بارہ بنکوی

نام کتاب	اصلاحی مضامین
مرتب	مولانا کلیم اللہ قاسمی
صفحات	۲۴۰
سائز	۱۸×۲۲/۸
قیمت	۴۵ روپے
ملنے کا پتہ	مکتبہ الاصلاح، محلہ لال باغ مراد آباد (یوپی) 244001

دعوت و اصلاح کا کام (خواہ خطابۃً ہو یا کتابۃً) ایک عظیم الشان کام ہے۔ اس سے انسانی زندگی میں اصلاح ہوتی ہے مردہ دلوں کو زندگی و تازگی حاصل ہوتی ہے، ایمان میں جلاء اور نورانیت پیدا ہوتی ہے۔ اسی پہلو کو مدنظر رکھ کر مولانا کلیم اللہ قاسمی نے قرآن و حدیث کی روشنی میں اکیس ۲۱ موضوعات پر اصلاحی مضامین مرتب فرمائے ہیں۔ جو دعوت فکر و عمل دیتے ہیں۔

اللہ کا ڈر اور فکر آخرت، سچائی جس کی وجہ سے نجات ملی، صحابہ کرامؓ میں جذبۂ اطاعت شعاری، شراب کی حرمت، جوا اور سٹہ بازی، زلزلوں کی کثرت، اسباب اور وجوہات، صلہ رحمی اور حسن سلوک، نکاح ایک فطری ضرورت، فضائل و مسائل رمضان المبارک، پیغام عید، ماہ محرم اور اس کے ناجائز رسومات، مسافرین آخرت، میت اور اہل میت مضامین کے اجمالی عنوانات ہیں، جن کے تحت موصوف مرتب نے آسان فہم اور سلیس اردو میں بڑی قیمتی باتیں قلمبند کی ہیں جو عوام و خواص سب کے لئے نفع بخش ثابت ہوں گی۔

خدا کرے یہ اصلاحی مضامین عند اللہ اور عند الناس مقبول ہوں اور مرتب کے لئے ذریعۂ نجات بنیں۔

نام کتاب	پرواز تخیل
انتخاب و ترتیب	حافظ زبیر احمد ملی
صفحات	۶۴، سائز ۱۸×۲۲/۸
قیمت عمومی	۱۵ روپے
قیمت خصوصی	۵۰ روپے
ملنے کا پتہ	الفرقان بکڈپو۔ نزد نورانی مسجد مالیگاؤں (مہاراشٹر)

پیش نظر کتاب "پرواز تخیل" حافظ زبیر احمد ملی کا مرتب کردہ دینی علمی اصلاحی اور ادبی عنوانات پر اردو اور فارسی کے قدیم و جدید شعراء کے پانچ سو منتخب جستہ جستہ اشعار کا گرانقدر مجموعہ ہے جو مدارس عربیہ، اسکولز اور کالجز کے اردو طلباء کے لئے بہترین تحفہ ہے۔ اگر ہر شعر کے آگے شاعر کا نام بھی ہوتا تو طلبہ کے علم میں مزید اضافہ ہوتا اور ان شعراء سے واقف ہونے کی جستجو بھی پیدا ہوتی۔ اس مجموعہ میں یہ ایک کمی ہے جو محسوس کی جائے گی۔ نمونہ کے طور پر چند اشعار ملاحظہ فرمائیں ؎

خدا سے مانگ جو کچھ مانگنا ہے اے اکبر
یہی وہ در ہے جہاں آبرو نہیں جاتی

رسول مجتبیٰ کہیے محمد مصطفیٰ کہیے
خدا کے بعد بس وہ ہیں پھر اُس کے بعد کیا کہیے

قہاری و جباری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلماں

جب پڑا وقت وطن پر تو لہو ہم نے دیا
اب بہار آئی تو کہتے ہیں ترا کام نہیں

دعائے مغفرت

● دار العلوم ندوۃ العلماء کے استاذ مولانا سلیم اللہ ندوی کی والدہ محترمہ تقریباً ۸۵ سال کی عمر میں یکم اگست ۲۰۰۰ء کو اسیوان میں انتقال فرما گئیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

● دفتر نظامت ندوۃ العلماء کے کارکن قاضی زبیر احمد صاحب کے جواں سال بیٹے محمد عزیر کا ایک سڑک حادثہ میں زخمی ہو... کے بعد ۱۴ راگست ۲۰۰۰ء کو انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

● جناب مولانا محمد شوکت صاحب قاسم امام عیدگاہ شہر سیتاپور کی اہلیہ کا ۲ راگست ۲۰۰۰ء بروز بدھ مختصر علالت کے بعد تقریباً ۳ بجے اچانک انتقال ہوگیا اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور متعلقین کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ قارئین کرام سے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کی درخواست ہے۔

منتخبات

عالمی خبریں

معید اشرف ندوی

● سعودی عرب کی شوریٰ کونسل نے غیر ملکیوں کی ملکیت جائیداد سے مربوط قانون کی نئی دفعات کی توثیق کر دی ہے۔ سعودی عرب کی سرکاری نیوز ایجنسی ایس پی اے کے مطابق خادم حرمین شریفین شاہ فہد بن عبد العزیز نے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے سوا تمام سعودی شہروں میں غیر ملکیوں کو حصول جائیداد کی اجازت سے متعلق منظوری دے دی ہے۔ رپورٹ کے مطابق اپریل میں سعودی عرب نے بیرونی سرمایہ کاری کے ایک قانون کی منظوری بھی دی تھی جس کے تحت غیر ملکیوں کو مقامی پروجیکٹس میں سو فیصد ملکیت کا حق دیا گیا ہے۔ اس سے قبل غیر ملکیوں کی حق ملکیت ۴۹ فیصد تھی، نئے قانون کے مطابق غیر ملکی متعلقہ جائیداد کے مالک بن سکتے ہیں۔

● برطانیہ کے وزیر خارجہ رابن کک نے کہا ہے کہ برطانوی حکومت مسلمانوں کے مسائل کے حل میں گہری دلچسپی رکھتی ہے اس سلسلہ میں ہم نے حج کمیٹی تشکیل دی اور مکہ مکرمہ میں آفس کھول کر عازمین حج کیلئے انتظامات کو بہتر بنایا ہے۔ علماء کرام کی رہنمائی میں جبری شادی کے مسئلہ پر قوانین وضع کئے۔ انھوں نے یہ بات جمعیت علمائے برطانیہ کے تحت ختم نبوت کانفرنس کی دوسری نشست میں اپنے پیغام کے دوران کہی، کانفرنس سے مفتی اعظم فلسطین شیخ سلیم لیابری نے بھی خطاب کیا۔ رابن کک نے کہا کہ پہلے شادی کرنے والے مسلمانوں کو ویزے کے حصول میں سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا جسے اب آسان بنادیا گیا ہے۔ اب وزٹ ویزے کی دس میں سے نو درخواستیں منظور کر لی جاتی ہیں۔

● فلسطینی صدر یاسر عرفات نے کہا ہے کہ فلسطینی عوام بیت المقدس کی تقسیم قبول نہیں کریں گے۔ اور مقبوضہ بیت المقدس ہی فلسطینی ریاست کا دار الحکومت ہوگا۔ انھوں نے کہا کہ ہم صرف مسجد الاقصیٰ نہیں بلکہ پورا بیت المقدس چاہتے ہیں۔ علاوہ ازیں اسرائیلی وزیر اعظم نے ایک اور سربراہ کانفرنس کی تجویز پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس بات کا امکان ہے کہ نئی کانفرنس میں کوئی معاہدہ ہو سکے۔ اس سے قبل امریکی صدر نے فلسطین کی یکطرفہ اعلان آزادی کو بہت بڑی غلطی قرار دیا ہے۔ اور کہا کہ اس سے پوری دنیا متاثر ہوگی۔ لہٰذا فلسطینی صدر کو احتیاط سے کام لینا چاہئیے۔ اور یکطرفہ آزادی کا اعلان نہیں کرنا چاہیئے۔

● اسکندریہ کے ساحل پر کتب خانہ اسکندریہ کی تعمیر جدید کا کام شروع ہو گیا ہے اس کی شکل دائرہ نما گول ستون جیسی ہوگی۔ تعمیر کا کام تقریباً پانچ برس پہلے شروع ہوا تھا اور آئندہ برس کے آغاز تک اس کے اختتام کی توقع ہے اسکندریہ کا کتب خانہ بھی ایک دائرہ نما ڈھانچہ ہے جو ایک بلند مینار جیسا نظر آتا ہے۔ اسکندریہ کے ساحل پر سیکڑوں کی تعداد میں مزدور رات دن اس کی تعمیر کے کام میں مصروف رہتے ہیں تاکہ وقت مقررہ تک یہ مکمل ہو جائے۔ کتب خانہ کی عمارت اس طرح بنائی گئی ہے کہ دور سے قدیم زمانے کی گرینائٹ سے تعمیر کوئی عمارت معلوم ہو۔ شمال میں سمندر کی جانب یہ عمارت تقریباً ۲۰ درجہ جھکی ہوئی ہے اور سامنے کا حصہ زمین میں دھنسا ہوا نظر آتا ہے۔ جنوبی دیوار کھڑکیوں کے بغیر صرف گرینائٹ کے پتھروں سے بنائی گئی ہے اور اس پر دنیا کے تمام زبانوں کے حروف تہجی کو کندہ کیا گیا ہے آرکیٹکٹ کے مطابق لائبریری کو دائرہ نما شکل اس لئے بھی دی گئی ہے کہ یہ دنیا کے تمام علوم کی علامت قرار پائے۔ عمارت کا ڈیزائن ناروے کے ایک آرکیٹکٹ نے تیار کیا ہے جسے تعمیری کام کے ذمہ داروں نے منصوبے کے لئے موصول ہونے والے ۵۲۴ ڈیزائنوں میں سے منتخب کیا ہے آئندہ برس افتتاح کے بعد توقع ہے کہ دو قدیم یادگاروں کی یہ نشانی خود ایک یادگار بن جائے گی۔ واضح رہے کہ ماضی قریب کے مؤرخ علامہ شبلی نعمانی نے واقعات کی تحقیق کے بعد یہ ثابت کیا ہے کہ اسکندریہ کا کتب خانہ مسلمانوں نے نہیں بلکہ عیسائیوں نے جلایا تھا۔

● امریکہ کا صدارتی انتخاب آئندہ ماہ ۷ نومبر ۲۰۰۰ء کو ہونے جا رہا ہے دنیا کی نگاہیں اسی پر لگی ہوئی ہیں اس عہدے کے لئے دو روایتی پارٹیوں نے اپنے اپنے امیدوار کو میدان انتخاب میں اتار دیا ہے ڈیموکریٹک پارٹی کے امیدوار اور موجودہ نائب صدر "الگور" ہیں جبکہ ریپبلکن پارٹی کے امیدوار سابق صدر جارج بش کے بیٹے کو قسمت آزمائی کیلئے نامزد کیا ہے جو ٹکساس صوبہ کے گورنر "جارج ڈبلو بش" ہیں اس انتخاب میں دلچسپ بات یہ ہے کہ جنوبی ایشیا کے لوگوں کو اپنا ہم خیال بنانے کیلئے دونوں پارٹیوں نے اپنی مہم شروع کر دی ہے، جبکہ حالت یہ ہے کہ یہودی قوم پچھلے سو برس سے امریکی سماج میں وہ مقام حاصل نہ کر سکی جو جنوبی ایشیا کے لوگوں کو حاصل ہے اس انتخاب میں ان کی کافی اہمیت پائی جا رہی ہے

egd. No. LW / NP/ 63
x No.: (0522)330020

FORTNIGHTLY

Principal off : 788166
Guest House : 323864

MEER-E-HAYA

NADWATUL-ULAMA, LUCKNOW-226 007 (India) Rs. 6/-

Printed And Published by *Athar Husain* on behalf of Majlis Sahafat- Wa- Nashriat,

لکھنؤ

تعمیرِ حیات

پندرہ روزہ

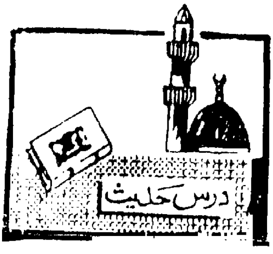
نبوّت محمدیؐ کے خلاف چیلنج

اگر محمّد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عالم اسلام کی روح ہیں اور بلا ادنیٰ شائبہ و شک کے ایسا ہی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک نئے نبی کے آنے کا امکان مسلمانوں کے لئے خطرہ کا سب سے بڑا سگنل، مسلم معاشرہ اور عالم اسلام میں عظیم انتشار کا باعث ہے اور ایسی تحریک کا وجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و شریعت پر کلی اعتماد و اطمینان کے لئے کھلا ہوا چیلنج ہے اور اس کا نشو ونما اور ترقی ہر غیرت مند کے لئے سخت ذہنی تشویش اور قلبی اذیت کا موجب ہے۔

مولانا سید محمد الحسنی رحمۃ اللہ علیہ

(ماخوذ از : سیرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ)

۲۵ر ستمبر ۲۰۰۰ء | سالانہ ۱۳۶ر روپے | فی شمارہ ۶ر روپے



کبھی کبھی بات کو مؤکد اور اس کی اہمیت کو ظاہر کرنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین مرتبہ دہراتے ہیں

شیخ عبدالفتاح ابو غدہ رحمۃ اللہ علیہ ——— ترجمہ: شمس الحق ندوی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی گفتگو کے مضمون کو مؤکد کرنے اور مخاطب کے ذہن میں اس کی اہمیت کو بٹھانے کے لئے تاکہ وہ اس کو سمجھ جائے اور ذہن میں بٹھالے تین مرتبہ دہراتے تھے، امام بخاری نے (باب من أعاد الحديث ثلاثاً ليفهم عنه) جس نے اپنی بات کو سمجھانے کے لئے تین مرتبہ دہرایا۔ دو حدیثیں نقل فرمائی ہیں۔

• حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے" وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ جب کوئی بات کہتے تو تین مرتبہ دہراتے تاکہ اچھی طرح سمجھ لی جائے۔

• حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرمایا" ہمارے ایک سفر میں جس میں آپؐ بھی تھے، آپؐ پیچھے رہ گئے اور ہم لوگوں تک ایسے وقت پہونچے کہ عصر کا وقت تنگ ہو رہا تھا، اور ہم لوگ وضو کر رہے تھے، ہم اپنے پاؤں پر مسح کرنے لگے، آپؐ نے دو یا تین مرتبہ زور سے فرمایا ایڑیوں کو آگ سے بچاؤ"۔ آپؐ نے ایسے لوگوں کو ہوشیار و متنبہ فرمایا ہے جو پاؤں دھونے میں زیادہ اہتمام نہیں کرتے سوکھا رہ جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔

• امام احمد نے اپنی مسند میں عبدالرحمن بن غنم سے اور انھوں نے معاذ بن جبلؓ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ساتھ غزوہ تبوک کی طرف نکلے جب صبح ہوئی تو لوگوں کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی اس کے بعد لوگوں نے کوچ کیا، جب سورج طلوع ہوا تو لوگوں پر اونگھ طاری ہوگئی۔ اس لئے کہ شروع رات میں سفر شروع کرنے کی وجہ سے سوئے نہیں تھے۔

حضرت معاذؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لگے رہے آپؐ کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب چہرہ سے کپڑا ہٹایا اور ادھر ادھر دیکھا تو لشکر میں حضرت معاذؓ سے زیادہ قریب کوئی اور نہ تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آواز دی فرمایا! اے معاذ! حضرت معاذؓ نے عرض کیا اللہ کے رسول حاضر ہوں، فرمایا قریب آجاؤ، حضرت معاذؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنا قریب ہو گئے کہ دونوں حضرات کی سواریاں مل گئیں۔

اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نہیں سمجھتا تھا کہ لوگ ہم سے اتنے فاصلہ پر ہو جائیں گے، حضرت معاذؓ نے جواب دیا اللہ کے نبیؐ! لوگوں پر اونگھ طاری ہوگئی تو سواریاں ان کو لے کر ادھر ادھر ہوگئیں چرتی ہیں اور چلتی ہیں۔ یہ سنکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے بھی اونگھ آگئی تھی حضرت معاذؓ نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشاشت اور توجہ دیکھی اور تنہائی بھی ملی تو عرض کیا اللہ کے رسولؐ آپ مجھے ایک بات پوچھنے کی اجازت دیجئے جس نے مجھے مریض و بیمار کر رکھا ہے اور جس کے سبب غم میں مبتلا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو چاہو پوچھو۔ حضرت معاذؓ نے عرض کیا اللہ کے رسولؐ مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جو مجھے جنت میں داخل کر دے اس کے بعد کوئی اور بات نہ پوچھوں۔ آپؐ نے فرمایا: واہ واہ کیا خوب؟ تم نے تو بہت بڑی بات کے بارے میں سوال کیا اور تین بار آپؐ نے یہ فرمایا: اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرمائے وہ عمل تو بہت آسان ہے، یہ بھی آپؐ نے تین مرتبہ فرمایا: لیکن حضرت معاذ سے کچھ کہا نہیں، آپؐ کا مقصد یہ تھا کہ اس عمل کو معلوم کرنے اور دل میں بٹھا لینے کے لئے ان کا ذہن بالکل تیار ہو جائے۔

پھر آپؐ نے فرمایا اللہ اور آخرت پر ایمان لاؤ، نماز کی پابندی کرو، اللہ اکیلے کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ حتی کہ اسی عقیدہ اور حال میں موت آجائے، حضرت معاذؓ نے عرض کیا اللہ کے رسولؐ دوبارہ ارشاد فرمائیے۔ پھر آپؐ نے اس کو تین مرتبہ دہرایا۔ اور اس کے بعد فرمایا اے معاذ اگر چاہو تو اس سب کا خلاصہ، اصل اور بنیادی بات بتا دوں، حضرت معاذؓ نے فرمایا میرے ماں باپ آپؐ پر قربان آپؐ ارشاد فرمائیں، آپؐ نے فرمایا اس دین کی بنیاد کلمہ شہادت پر ہے۔ یعنی تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ اکیلے کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ اس کا کوئی شریک

(باقی ص ۳۰ پر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پندرہ روزہ لکھنؤ

تعمیر حیات

مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۳۷ شمارہ نمبر ۲۲

۲۵ ستمبر ۲۰۰۰ء مطابق ۲۵ جمادی الآخر ۱۴۲۱ھ

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ ۱۳۰/ روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں

زر تعاون

سالانہ ——— ۱۳۰/ روپئے

فی شمارہ ——— ۶/ روپئے

بیرونی ممالک فضائی ڈاک ———

ایشیائی، یورپ، افریقی و امریکی ممالک ۳۰ ڈالر

بیرونی ممالک بحری ڈاک ———

بحری ڈاک جملہ ۱۵ ڈالر

خط و کتابت کا پتہ

منیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس نمبر ۹۳

ندوۃ العلماء لکھنؤ، ۲۲۶۰۰۷ یوپی

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں ———

گذارش

خط و کتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کے ساتھ مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے۔ منیجر

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے پاکیزہ آفسیٹ میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا۔

اِس شمارے میں

شرائط ایجنسی

۱۔ پانچ کاپی سے کم کی ایجنسی جاری نہیں کی جاتی۔

۲۔ فی کاپی Rs. 15/= کے حساب سے زر ضمانت روانہ کرنا ضروری ہے۔

۳۔ کمیشن جوابی خط سے معلوم کریں۔

نرخ اشتہار

۱۔ تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر اندرونی صفحہ Rs 30/=

۲۔ تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر پشت پر رنگین صفحہ Rs. 40/=

۳۔ کمیشن تعداد اشاعت کے مطابق ہوگا جو آرڈر دینے پر متعین ہوگا۔

۴۔ اشتہار کی نصف رقم پیشگی جمع کرنا ضروری ہے۔

۵۔ انٹرنیٹ اور تعمیر حیات دونوں کا نرخ اشتہار فی کالم سنٹی میٹر 80/=

بیرون ملک نمائندے

مدینہ منورہ	Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb. P O Box No 842, Mādina Munawwara (K.S.A.)
برطانیہ	Mr. M. AKRAM NADWI O C I S., St Cross College, Oxford Ox1 3TU-U.K.
ساؤتھ افریقہ	Mr. M. YAHYA SALLO NADWI Sb. P O Box 388, Vereninging,(S. Africa)
قطر	Mr. ABDUL HAI NADWI Sb. P O Box No 10894, DOHA-QATAR
دبئی	Mr. QARI ABDUL HAMEED NADWI Sb. P O Box No 12525, DUBAI (U A E) P.H: NO: — 3970927
پاکستان	Mr. ATAULLAH Sb. Sector A-50, Near sau Quater H No 109, Town Ship Kaurangi, KARACHI-31 (Pakistan)
امریکہ	Dr. A. M. SIDDQUI Sb. 98-Conklin Ave, Woodmere NEW YORK 11598 (U.S.A.)

Internet Web-site: http://nadwa.virtualave.net

e-mail address: airp@lw1.vsnl.net.in

اداریہ

ع ح ن

پیام انسانیت

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے سیرۃ النبیؐ کی جلد ششم میں جس کا عنوان "اخلاق" ہے قرآن کریم سے ان تمام اخلاقی مطالبات کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے، لہٰذا اگر کوئی پوچھے کہ انسانیت کا پیام کیا ہے؟ تو ہم سیرۃ النبیؐ کا یہ صفحہ اس کے سامنے پیش کر دیں گے۔

"سچ بولنا، جھوٹ کی برائی، علم بے عمل کی مذمت، عفو عام، درگذر، توکل، صبر، شکر، حق پر استقامت، خدا کی راہ میں جان دینا، سخاوت اور خیرات کا حکم، بخل کی برائی، اسراف اور فضول خرچی کی ممانعت، میانہ روی کی تاکید، قرابت مندوں، یتیموں اور پڑوسیوں کے ساتھ نیکی، مسافروں، سائلوں اور غریبوں کی امداد، غلاموں اور قیدیوں کے ساتھ احسان، فخر و غرور کی برائی، امانت داری، وعدہ کا ایفا کرنا، عہد کا پورا کرنا، معاہدوں کا لحاظ رکھنا، صدقہ و خیرات، نیکی و بھلائی کی بات کرنا، آپس میں لوگوں کے درمیان محبت پیدا کرنا، کسی کو برا بھلا نہ کہنا، کسی کو نہ چڑھانا، نہ برے ناموں سے یاد کرنا، والدین کی خدمت و اطاعت، ملاقاتوں میں باہم بھلائی اور سلامتی کی دعا دینا، حق گوئی، انصاف پسندی، سچی گواہی دینا، گواہی کو نہ چھپانا، جھوٹی گواہی کا دل کی گنہگاری پر اثر، نرمی سے بات کرنا، زمین پر اکڑ کر نہ چلنا، صلح جوئی، اتحاد و اتفاق، اسلامی برادری، اکل حلال، روزی خود حاصل کرنا، تجارت کرنا، گداگری کی ممانعت، لوگوں کو اچھی بات کی تعلیم دینا اور بری بات سے روکنا، اولاد کشی، خودکشی اور کسی دوسرے کی جان لینے کی ممانعت، یتیم کی کفالت، اس کے مال و جائداد کی نیک نیتی کے ساتھ حفاظت، ناپ تول میں بے ایمانی نہ کرنا، ملک میں فساد برپا نہ کرنا، بے شرمی کی بات سے روکنا، زنا کی حرمت، آنکھیں نیچی رکھنا، کسی کے گھر میں بے اجازت نہ داخل ہونا، ستر و حجاب، خیانت کی برائی، آنکھ، کان اور دل کی باز پرس، نیکی کے کام کرنا، لغو سے اعراض، امانت اور عہد کی رعایت، ایثار، تحمل، دوسروں کو معاف کرنا، دشمنوں سے درگذر، بدی کے بدلہ نیکی کرنا، غصہ کی برائی، مناظروں اور مخالفوں سے گفتگو میں آداب کا لحاظ، مشرکوں کے بتوں تک کو برا نہ کہنا، فیصلہ میں عدل و انصاف، دشمنوں تک سے عدل و انصاف، صدقہ و خیرات کے بعد لوگوں پر احسان دھرنے کی برائی، اُلاہنے کی مذمت، فسق و فجور سے نفرت، چوری ڈاکہ، رہزنی اور دوسروں کے مال کو بے ایمانی سے لینے کی ممانعت، حسن نیت اور دل کی پاکیزگی، پاکبازی جتانے کی برائی، رفتار میں وقار و متانت، مجالس میں حسن اخلاق، ضعیفوں، کمزوروں اور عورتوں کے ساتھ نیکی، شوہر کی اطاعت، بیوی کا حق ادا کرنا، ناحق قسم کھانے کی برائی، چغلخوری سے طعنہ زنی اور تہمت دھرنے کی ممانعت، جسم، جان اور کپڑوں کی پاکیزگی اور طہارت، شرم گاہوں کی ستر پوشی، سائل کو نہ جھڑکنا، یتیم کو نہ دبانا، خدا کی نعمت کو ظاہر کرنا، غیبت نہ کرنا، بدگمانی نہ کرنا، سب پر رحم کرنا، ریا اور نمائش کی ناپسندیدگی، قرض دینا، قرض معاف کر دینا، سود اور رشوت کی ممانعت، ثبات قدم، استقلال اور شجاعت و بہادری کی خوبی، لڑائی کے گھمسان سے نامردی سے بھاگ کھڑے ہونے کی برائی، شراب پینے اور جوا کھیلنے کی ممانعت، بھوکوں کو کھانا کھلانا، ظاہری اور باطنی ہر قسم کی بے شرمی کی باتوں سے پرہیز، بے غرض نیکی کرنا، مال و دولت سے محبت نہ ہونا، ظلم سے منع کرنا، لوگوں سے بے رخی نہ کرنا، گناہ سے بچنا، ایک دوسرے کو حق پر قائم رکھنے کی فہمائش، معاملات میں سچائی اور دیانتداری۔"

کوئی انسان اگر واقعی انسان ہے اور انسانیت کی خو اس کے اندر ہے تو پیام انسانیت کا انکار نہیں کر سکتا۔

قادیانیت پر ایک نظر

ختم نبوت انعام خداوندی اور اُمتِ اسلامیہ کا امتیاز ہے

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

یہ عقیدہ کہ دین مکمل ہو چکا ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے آخری پیغمبر اور خاتم النبیین ہیں اور یہ کہ اسلام خدا کا آخری پیغام اور زندگی کا مکمل نظام ہے، ایک انعام خداوندی اور موہبت الٰہی ہے جس کو خدا نے اس امت کے ساتھ مخصوص کیا ہے،

اس سلسلہ میں ایک واضح اور صریح اعلان قرآن مجید کی حسب ذیل آیت ہے، "مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ"[1] (محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، البتہ اللہ کے رسول ہیں، اور (سب) نبیوں کے ختم پر ہیں۔) نیز ارشاد فرمایا:

"اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا" (المائدہ۔ ۳)

آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا۔ اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کر لیا۔

ذہنی انتشار سے حفاظت

اس عقیدے نے اسلام کو انتشار پیدا کرنے والی اور ملت کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے والی ان تحریکات اور دعوتوں کا شکار ہونے سے بچایا جو تاریخ اسلام کی طویل مدت اور عالم اسلام کے وسیع ترین رقبہ میں وقتاً فوقتاً سر اٹھاتی رہی ہیں اسی عقیدہ کا فیض تھا کہ اسلام ان مدعیان نبوت اور محرفین دین کا بازیچۂ اطفال بننے سے محفوظ رہا جو تاریخ کے مختلف وقفوں اور عالم اسلام کے مختلف گوشوں میں پیدا ہوتے رہے "ختم نبوت" کے اسی حصار کے اندر یہ ملت ان مدعیوں کی دست برد اور یورش سے محفوظ رہی جو اس ڈھانچہ کو بدل کر ایک نیا ڈھانچہ بنانا چاہتے تھے، اور وہ ان تمام سازشوں اور خطرناک حملوں کا مقابلہ کر سکی جن سے کسی پیغمبر کی امت اس سے پہلے محفوظ نہیں رہی اور اتنے طویل عرصہ تک اس کی دینی اور اعتقادی وحدت اور یکسانی قائم رہی اگر یہ عقیدہ اور حصار نہ ہوتا تو یہ امت واحدہ ایسی صدہا امتوں میں تقسیم ہو جاتی جن میں سے ہر امت کا روحانی مرکز الگ ہوتا، علمی و تہذیبی سرچشمہ الگ ہوتا، ہر ایک کی الگ تاریخ ہوتی، ہر ایک کے الگ اسلاف اور مذہبی پیشوا اور مقتدا ہوتے، ہر ایک کا الگ ماضی ہوتا۔

ادیانِ سابقہ میں دعویداران نبوت کی کثرت

یہودی اور مسیحی تاریخ کو پڑھنے والا اس بات کو صاف طریقہ پر دیکھتا ہے کہ مدعیان نبوت کا کثرت سے پیدا ہونا یہودی دنیا کیلئے اپنے حلقۂ اثر میں اور مسیحی دنیا کے لئے اپنے حلقۂ اثر میں ایک عظیم الشان آزمائش اور فتنہ بنا ہوا تھا۔ یہ ان کے لئے ایک زبردست بحران (CRISIS) اور ایک اہم مسئلہ (PROBLEM) کی حیثیت رکھتا ہے، راقم کو سب سے پہلے اس کی طرف توجہ علامہ اقبال (اللہ تعالیٰ ان کے درجے بلند فرمائے) کی تحریر سے منعطف ہوئی کہ انھوں نے یہ بصیرت افروز اور عمیق نکتہ لکھا ہے کہ ختم نبوت اس امت کا طرۂ امتیاز اور اس کے حق میں نعمت عظمیٰ ہے، اللہ تعالیٰ نے اس امت کو یہ عظیم الشان نعمت عطا فرمائی ہے کہ ختم نبوت کا مختتم اعلان کر دیا۔ گویا انسانوں کو یہ بتایا کہ اب تمہیں بار بار وحی کے انتظار میں آسمان کی طرف دیکھنا نہیں ہے۔ اب زمین کی طرف دیکھو اپنی توانائیاں اور صلاحیتیں زمین کو (جس میں تم خلیفۃ اللہ فی الارض بنائے گئے ہو) آباد کرنے اور اپنی صلاحیتوں سے انسانوں کی قسمت بدلنے، سہولت بہم پہونچانے اور ان کیلئے وہ ماحول مہیا کرنے میں صرف کرو۔ جو ان کو نجات اخروی اور سعادت دنیوی کے حصول میں معاون ہو۔ اب تم اپنی توانائی اس میں ضائع نہ کرو کہ ہر تھوڑے وقفہ کے بعد آسمان کی طرف دیکھا کرو کہ کوئی نیا نبی تو نہیں آ رہا ہے، کوئی نیا الہام تو نہیں ہو رہا ہے؟ آسمان سے براہ راست کوئی نئی رہنمائی ہونے والی ہے؟ انھوں نے یہ لکھا ہے کہ ختم نبوت ایک ایسی نعمت ہے جس نے اس امت کو انتشار، ذہنی کشمکش اور جعل سازوں کی سازشوں کا شکار ہونے سے بچا لیا[2]۔

---

[1] سورۂ احزاب۔ آیت ۴۰ [2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو علامہ اقبال کے مدراس کے لکچرز (RECONSTRUCTION OF RELIGIOUS THOUGHT IN ISLAM)

قادیانیت کا وجود اور اس کا اصل محرک و سرپرست

علمی اور تاریخی حیثیت سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہونچ چکی ہے کہ قادیانیت فرنگی سیاست کے بطن سے وجود میں آئی ہے، صورت یہ ہے کہ انیسویں صدی کے ربع اول میں ہندوستان کے مشہور و معروف مجاہد حضرت سید احمد شہیدؒ (۱۲۴۶ھ/۱۸۳۰ء) نے جو جہاد کی تحریک چلائی، اس سے مسلمانوں میں جہاد اور قربانی کی آگ بھڑک اٹھی۔ ان کے سینوں میں اسلامی شجاعت اور حوصلہ مندی موجزن ہونے لگی، اور وہ ہزاروں کی تعداد میں سر ہتھیلیوں پر لئے ہوئے اس تحریک کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوگئے، جس کی سرگرمیاں برطانوی حکومت کیلئے پریشانی اور تشویش کا باعث تھیں۔

اس مقصد کیلئے برطانوی حکومت نے یہ طے کیا کہ مسلمانوں ہی میں سے کسی شخص کو ایک بہت اونچے دینی منصب کے نام سے ابھارا جائے کہ مسلمان عقیدت کے ساتھ اس کے گرد جمع ہوجائیں اور انھیں حکومت کی وفاداری اور خیر خواہی کا ایسا سبق پڑھائے کہ پھر انگریزوں کو مسلمانوں سے کوئی خطرہ نہ رہے یہ حربہ تھا جو برطانوی حکومت نے اختیار کیا کیونکہ مسلمانوں کا مزاج بدلنے کیلئے کوئی حربہ اس سے زیادہ کارگر نہیں ہوسکتا تھا۔

مرزا صاحب نے اپنا پارٹ بڑی خوبی سے ادا کیا اور انگریزوں نے بھی اس تحریک کی سرپرستی میں کوئی کمی نہیں کی، اس کی حفاظت بھی کی اور ہر طرح کی سہولتیں اس کام میں بہم پہونچائیں۔ مرزا صاحب نے بھی گورنمنٹ کے ان احسانات کو فراموش نہیں کیا اور ہمیشہ وہ اس بات کے معترف رہے کہ ان کا وجود برطانیہ کی عملی کار رہین منت ہے، چنانچہ انہوں نے ایک تحریر میں خود کو حکومت برطانیہ کا خودکاشتہ پودا قرار دیا ہے۔

دین کی وحدت، آفاقیت اور عالمگیر اثر و نفوذ کے خلاف گہری سازش

آخر میں اپنے مطالعہ کے ایک حاصل اور ایک تاریخی حقیقت کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ اپنے وسیع، متنوع اور اس عمیق تاریخی مطالعہ کے بعد جو تاریخ اسلام میں ان کوششوں اور سازشوں کو معلوم کرنے کیلئے کیا گیا تھا جو اس دین سماوی، دین عالمی اور شریعت ابدی کے عمیق نفوذ اور لامثال اثر کو ختم کرنے کیلئے مختلف زمانوں و مکانوں میں کی گئی تھیں، اور جن کا مقصد یہ تھا کہ یہ امت اپنی وحدت، آفاقیت، اور روحانی اجتماعی و سیاسی اثر و نفوذ سے محروم ہوجائے، جس کی مذاہب اور دعوتوں کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ اور ان شاطرانہ کوششوں کے مطالعہ کے بعد جو دین کی تحریف اور مسلمانوں کے اضلال کیلئے کی گئی تھیں اور تاریخ کے مختلف وقفوں میں جو دعویداران نبوت پیدا ہوئے ان کے علم کے بعد (اور یہ اضطراری لیکن ضروری کام اور بحث و مطالعہ "تاریخ دعوت و عزیمت" کی تصنیف کے دوران کیا گیا، جس کے بغیر مصلحین امت، اہل عزیمت قائدین، محافظین و مدافعین شریعت کے کارناموں کی قدر و قیمت معلوم نہیں ہوسکتی تھی) خاکسار اس نتیجہ پر پہونچا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے جو دعوتی اور عالمی منصوبہ اور دعوت پیش کی وہ اس دین کی محفوظیت، اس کی قوت، اس کی عالمیت و آفاقیت اور اس کے امکان کیلئے کہ وہ ہر زمانہ میں اپنا اصلاحی و تعمیری کردار ادا کرسکتا ہے، اور عالم کو اور انسانیت کو جاہلیت کے دور سے محفوظ رکھ سکتا ہے، اور دہی اپنے عقائد، عبادات، احکام و مظاہر اور تمدن و تہذیب کے لحاظ سے دنیا کا سب سے بڑا طاقتور دین ہے، سب سے بڑا چیلنج اور سب سے خطرناک سازش ثابت ہوتی ہے۔

اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ قادیانیت کی دعوت و تحریک میں انفرادی جاہ طلبی، حصول سیادت، اثر و نفوذ کے ساتھ حکومت برطانیہ کا اشارہ تائید و سرپرستی، استعماری اور سیاسی اغراض بھی شامل ہوگئے ہیں جیسا کہ اس سے پہلے خود بانی مذہب اور مدعی نبوت کا یہ بیان گذر چکا ہے کہ وہ حکومت برطانیہ کا خودکاشتہ پودا ہیں، اس طرح یہ تحریک اور قادیانیت کی دعوت ساری امت مسلمہ کیلئے ایک بڑی گہری اور وسیع سازش بن گئی جو اسلام اور مسلمانوں کی وحدت اور دین اسلام کی عمومیت و آفاقیت اور اس کے تسلسل و دوام کے حق میں ایک گہری سازش اور ایک خطرناک منصوبہ ہے۔

اس حقیقت کا علامہ محمد اقبال نے بڑے مبصرانہ اور حکیمانہ طریقہ پر اظہار کیا ہے، انھوں نے کہا کہ "اس دین و شریعت کا بقا و تسلسل تو کتاب و سنت کے ساتھ مربوط ہے لیکن اس امت کا امت واحدہ کی حیثیت سے باقی رہنا ختم نبوت کے عقیدہ سے وابستہ اور منسلک ہے"۔

دعائے مغفرت

مدرسہ مظہر الاسلام بلوچپورہ لکھنؤ کے استاذ قاری محمد عثمان صاحب (جگمنڈی لکھنؤ) کی والدہ محترمہ کا ۱۹ ستمبر ۲۰۰۰ء کو ۹۰ سال کی عمر میں انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحومہ بڑی نیک، عابدہ، زاہدہ خاتون تھیں، اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے اور متعلقین کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

قارئین کرام سے دعائے مغفرت و ایصال ثواب کی درخواست ہے۔

تجارتی سرگرمیاں اور اس کے اصول و ضوابط
سیرت نبوی کی روشنی میں

مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری

تجارت ایک معزز پیشہ ہے جس سے صارفین کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں، ہر دور کے معززین نے اس پیشہ کو اختیار کیا ہے، قبل از اسلام بعض انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی تجارت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں تو ایکسپورٹ، امپورٹ کا کاروبار بہت مستحکم تھا۔ اس کے لئے بحری بیڑے تیار کئے گئے تھے۔ محافظین کا مخصوص دستہ بھی ہوتا تھا جو تجارتی سامانوں اور تاجروں کے تحفظ پر مامور ہوتا تھا۔ بیرونی تجارت کے لئے دور دراز کے علاقوں میں تجارتی ایجنٹ بھی مقرر کئے جاتے تھے۔ بحیرہ روم اور خلیج فارس میں مشہور تجارتی بندرگاہیں قائم تھیں۔

حضرت شیث علیہ السلام خاص طور پر ایسی قوم کی طرف مبعوث کئے گئے تھے جس کا آبائی پیشہ سوداگری و تجارت تھا۔ تجارت ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ ذہنی و فکری الحاد اور ضلالت و گمراہی اور مادی زندگی میں باہم مسابقت نے انھیں استحصال کی نئی نئی راہوں پر ڈال رکھا تھا۔ ناپ تول میں اس طرح کمی بیشی کرتے کہ دیکھنے والے کو شبہ بھی نہ ہوسکتا تھا۔ تطفیف (یعنی ناپ تول میں کمی) کو جائز ہی نہیں بلکہ ہاتھ کی صفائی، آرٹ اور ماہرانہ فن باور کرتے تھے۔

اہل عرب خصوصاً قریش مکہ کا ہر فرد تاجر تھا ان کی تجارت بھی ملک شام اور یمن تک پھیلی ہوئی تھی، اس کا دائرہ مصر، ہندوستان اور ایران نیز وسط ایشیا کے دیگر ممالک تک پہونچا ہوا تھا۔ قرآن پاک میں قریش کے موسم سرما اور گرما کے تجارتی سفروں کا تذکرہ موجود ہے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:۔

"لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۝ اٖلٰفِهِمْ
رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ۝
فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝
الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ
وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝"

(سورۂ قریش)

چونکہ قریش خوگر ہوتے ہیں یعنی جاڑے اور گرمی کے سفر کے لہٰذا (اس نعمت کے شکریہ میں) ان کو چاہئے کہ اس خانہ کعبہ کے مالک کی عبادت کریں، جس نے ان کو بھوک میں کھانے کو دیا اور خوف سے انھیں امن عطا کیا۔

عربوں کے تجارتی قافلے بحرین، براعظم افریقہ (مصر سوڈان)، ایران اور دنیا کے دیگر ممالک کی طرف جاتے تھے، عربوں کے تجارتی قافلے جب بیرونی ممالک جاتے تو ان کے ہمراہ محافظین کے ساتھ دلیل و گائڈ بھی ہوتے تھے۔ جو نازک موقعوں اور معاملے میں ان کی رہنمائی کرتے تھے، تجارتی مواصلات میں اونٹ کو اہمیت حاصل تھی، وہ صحرا کا جہاز تھا، جس کے ذریعہ تجارتی مال منگوایا جاتا اور دیگر ممالک میں بھجوایا بھی جاتا تھا۔ مکہ مکرمہ میں عکاظ کا میلہ لگتا تھا، یہ ایک تجارتی میلہ تھا سنہ ۱۲۹ھ تک یہ میلہ لگتا رہا، اس دور کی مشہور تجارتی منڈیاں مندرجہ ذیل تھیں۔ مثلاً دومۃ الجندل، ہجر، صحار، ربا، شحر، عدن، صنعاء، رابیہ، حضرموت، عکاظ، ذوالمجاز، بصریٰ وغیرہ۔

مندرجہ ذیل ممالک سے مندرجہ ذیل اشیاء منگوائی جاتی تھیں۔

یمن — ریشم
عدن — قیمتی کپڑا
جنوبی یمن — خوشبوئیں، گرم مصالحہ جات، جڑی بوٹیاں دیگر قیمتی اشیاء
ہند اور افریقہ — عطریات، خوشبوئیں، گرم مصالحہ جات، ہاتھی دانت وغیرہ۔
شام — سامان تعیش، اناج، تیل
مصر — متفرق اشیاء
روم — ریشم، روئی، مخمل اور نفیس کپڑے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت تاجر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس زمانہ میں آنکھ کھولی چاروں طرف مادیت کا غلبہ تھا۔ تجارت زوروں پر تھی، اس کی سرگرمیاں شباب پر تھیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ خود بھی تاجر تھے، اور جس وقت ان کا انتقال ہوا اس وقت شام کی طرف تجارت ہی کی غرض سے گئے ہوئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

ے چچا ابو طالب کے ہمراہ بیرونی تجارتی
فار بھی کئے، اور جب عمر شریف بیس سے
ہوئی تو تجارتی اسفار بطور شرکت مضاربت
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئے۔ حضرت
یجۃ الکبریٰ مکہ مکرمہ کی سرمایہ دار خاتون تھیں
کا مال لے کر آپ نے شام کا سفر کیا، اور
رتی سوجھ بوجھ اور امانت و دیانت کی وجہ
اس تجارت میں خوب فائدہ بھی ہوا، جس
متأثر ہو کر حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے
سہیلی حضرت نفیسہؓ کو نکاح کا پیغام
ے کر بھیجا۔ اور آپ نے قبول فرمایا، اس
ت آپ کی عمر شریف پچیس۲۵ سال تھی اور
رت خدیجۃ الکبریٰؓ کی عمر چالیس سال تھی؛
رت خدیجۃ الکبریٰؓ کے کاروبار کو حضور
لی اللہ علیہ وسلم نے باحسن وجوہ سنبھالا
نہیں بلکہ فروغ دیا، یہاں تک کہ آپ کو
رے جہاں کے انسانوں کی ہدایت کے
مبعوث کیا گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک
خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ بھی اچھے
جر تھے۔ کپڑوں کی تجارت کرتے تھے حضرت
ؓ کی تجارت ایران سے تھی، اور حضرت عثمانؓ
کاروبار تھوک کا تھا، اشیاء خوردنی ان
خاص کاروبار تھا۔ مصر سے غلہ منگایا کرتے
ے، اللہ تعالیٰ نے ان کی تجارت میں بڑی
رکت دی تھی۔ ایک دفعہ قحط پڑا تو حضور
رم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر ہزاروں
ن غلہ قحط رسیدہ لوگوں میں تقسیم کرایا
ئر بیر رومہ کو ۳۵ ہزار درہم میں خرید
سے مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا، حضرت
بدالرحمٰن بن عوفؓ ایک کامیاب تاجر تھے۔
کی تجارت کا معتد بہ حصہ تبلیغ اسلام کے لئے

وقف کر رکھا تھا۔

مسلمانوں کی تجارتی دلچسپیاں روز بروز بڑھتی گئیں یہاں تک کہ تیسری صدی ہجری میں ابو القاسم بن خرداذبہ نے بحری اور بری تجارت کے لئے راستوں کا تعین کیا اور تجار کے لئے "دلیل المسافرین" کتاب تیار کی، مسلمان تجارت کے لئے جہاں بھی گئے، اپنی دیانت، امانت مروت، اور اخلاق فاضلہ کے بموجب وہاں کی پوری سوسائٹی پر چھا گئے، وہ پہلے داعی تھے بعد میں تاجر۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ جہاں انھوں نے تجارتی کامپلکس بنائے، وہاں اشاعت دین کے مراکز بھی قائم کئے، اور ان کی جدوجہد سے پورا پورا علاقہ حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ جنوبی ہند کا بیشتر حصہ، مالدیپ، لکشدیپ کے جزائر، انڈونیشیا، ملیشیا میں اسلام انھیں باکردار تاجروں کا رہین منت ہے۔

ایک بزرگ صحابی حضرت وہب بن ابی کبشہؓ چین کے بادشاہ کے پاس بطور سفیر گئے اور وہیں رحلت فرمائی۔ پروفیسر آرنلڈ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "دی پریچنگ آف اسلام" میں لکھتے ہیں کہ "اسلام تجارت کے ذریعہ اور تبلیغ کے ذریعہ پھیلا نہ کہ تلوار کے ذریعہ"۔

تجارت کی فضیلت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "علیکم بالتجارة فان فیها تسعة أعشار الرزق"۔ تجارت کرو اس میں رزق کا بڑا حصہ ہے۔

ایک جگہ اور ارشاد فرمایا:

"جو تاجر مشقت اٹھا کر ایک شہر سے دوسرے شہر تک اناج لے جاتا ہے اور اس دن کے بھاؤ سے فروخت کرتا ہے، اس کا درجہ اللہ عزوجل کے نزدیک شہید کا سا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"التاجر الامین الصدوق المسلم مع الشهداء یوم القیامة"۔
(سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۷۲۴، تحقیق محمد فؤاد عبدالباقی)

سچا امانت دار مسلمان تاجر قیامت کے دن شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔

تجارتی ضوابط

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تاجروں کے لئے تجارتی ضوابط بھی مقرر فرمائے سورۃ النساء میں ہے۔

"إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا"۔
بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

لہٰذا تاجر کو یہ سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس کے اعمال سے واقف ہے، اور اسے قیامت کے دن جوابدہ ہونا پڑے گا، لہٰذا وہ ہر قسم کی بدعہدی، بے ایمانی، جھوٹ سے باز رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تاجر کو گیہوں کا ڈھیر لئے بیٹھا ہوا پایا، غلہ منڈی سے آپ کا گذر ہو رہا تھا، آپ نے اس ڈھیر میں ہاتھ ڈالا تو اندر کا گیہوں بھیگا ہوا تھا آپ نے فرمایا کہ ایسا کیوں کیا، انھوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بارش کی وجہ سے گیہوں بھیگ گیا تھا اس لئے اس کو اندر کر دیا اور اس کے اوپر خشک گیہوں ڈال دیا تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"من غش فلیس منا" (جامع الترمذی ج ۱ ص ۱۵۷)

جو کسی کو دھوکہ دے اس سے ہمارا کوئی

تعلق نہیں ہے۔
گویا وہ طریقہ ہو مومن پر نہیں ہے، مسلم سماج سے خارج ہے، کتنی شدید وعید ہے اس تاجر کے لئے جو کاروبار میں کسی قسم کا دھوکہ دہی سے کام لیتا ہو۔

ذخیرہ اندوزی کی ممانعت

مشکوٰۃ شریف میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"من احتكر أربعين يوما يريد به الغلاء فقد برئ من الله وبرئ الله منه" (مشکوٰۃ ج ۱ ص۲۵۱)

جس نے اشیا خوردنی کی ذخیرہ اندوزی چالیس روز تک کئے رکھی (یعنی صارفین کو شدید ضرورت کے باوجود وہ اشیا نہیں پہونچ سکیں) اللہ تعالیٰ اس کی ذمہ داری سے بری ہوں گے۔

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے:

"الجالب مرزوق والمحتكر ملعون"۔ (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۵۱)

سوداگر کو رزق ملتا ہے، اور ذخیرہ اندوز لعنتی ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک ذخیرہ اندوز کا غلہ جلادیا تھا۔

مسلم شریف میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"من احتكر وهو خاطئ"۔ (مسلم شریف ج ۳ ص ۳۱)

جو شخص ضرورت کے باوجود اس غرض سے غلہ جمع کرکے روک لے کہ نرخ بڑھنے پر بیچے تو وہ خطاکار ہے۔

حرمت سود

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"من أكل الربا بعث يوم القيامة مجنونا يتخبط"۔ (ترغیب وترہیب)

سود خور قیامت کے دن پاگل اٹھایا جائے گا۔ (ابوداؤد)

ابن ماجہ میں ہے:

وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الربا سبعون بابا أدناها كالذي يقع على أمه۔ (رواه البيهقي: الترغيب والترهيب ج ۳ ص۳)

حضرت ابو ہریرہؓ نے ارشاد فرمایا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سود کا گناہ ایسے ستر گناہوں کے برابر ہے جن میں سب سے کم درجہ کا گناہ یہ ہے کہ کوئی مرد اپنی ماں سے زنا کرے۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے
سود ایک کا لاکھوں کے لئے مرگ مفاجات

ناپ تول میں کمی

سورۃ المطففین میں ارشاد ہے:

"وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ"۔ (سورۃ المطففین)

ہلاکت ہے ان کے لئے جو ناپ تول میں کمی کرتے ہیں یہ لوگ جب لوگوں سے لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں، اور جب دیتے ہیں یا وزن کرتے ہیں کو کم تولتے ہیں۔

قسمیں کھانا

حضرت عبید بن رفاعہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ان التجار يبعثون يوم القيامة فجارا الا من اتقى الله وبر وصدق"۔ (جامع الترمذی ج ۱ ص ۱۴۵، ابوعیسیٰ بن سورۃ الترمذی)

قیامت کے دن تاجروں کا حشر نافرمانوں کے ساتھ ہوگا مگر جو تاجر اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو، حرام سے بچے، جھوٹی قسم نہ کھائے اور سچ بولے تو اس کا حشر فاجروں کے ساتھ نہیں ہوگا۔

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"من باع عيبا لم يبينه لم يزل في مقت الله ولم تزل الملائكة تلعنه"۔ (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۴۹)

جو شخص عیب دار چیز بیچے اور اس کے عیب کو ظاہر نہ کرے تو وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے غضب میں رہے گا، اور فرشتے اس پر لعنت کرتے رہیں گے۔ (ابن ماجہ)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"الحلف منفقة للسلعة ممحقة للبركة"۔ (مشکوٰۃ ج ۱)

جو شخص قسم کھاکر سامان کو بیچے تو اس کا سامان بہت جلد فروخت ہوجاتا ہے لیکن برکت ختم ہوجاتی ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے:

"رحم الله رجلا سمحا اذا باع وسمحا اذا اشترى وسمحا اذا اقتضى"۔

(رواہ البخاری: مشکوٰۃ ج۲ ص ۲۴۳)

اللہ تعالیٰ اس شخص پر مہربانی کرتا ہے جو خرید و فروخت میں اور قیمت وصول کرنے میں نرمی اور سہولت اختیار کرے۔

حقیقت ہے کہ "اسلام میں جس طرح عبادات و فرائض پر زور دیا گیا ہے اسی طرح کسب حلال اور طلب معاش کو بھی اہمیت دی گئی ہے، آج سے چودہ سو سال پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

" علیکم بالتجارۃ فان فیھا تسعۃ أعشار الرزق "

اور یہ عجیب بات ہے کہ آج کی مہذب ترقی یافتہ دنیا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک بے غل وغش ستارے کی طرح دمک رہا ہے، دنیا کی وہی قومیں آج ترقی یافتہ سمجھی جاتی ہیں جو تجارت میں آگے ہوں، خود نبی کریمؐ نے تجارت کو بطور پیشے کے اپنایا اور آپ کے اکثر و بیشتر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا محبوب مشغلہ بھی تجارت ہی تھا۔ امت کے لئے حضور اکرمؐ کی حیات طیبہ میں اسوۂ حسنہ موجود ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرامؓ اور بزرگان دین کی پاک زندگیاں ہمارے لئے معیار حق ہیں، تجارت کی یہ فضیلتیں اور تاجروں کے یہ سارے مرتبے جو قرآن و حدیث میں بیان کئے گئے ہیں، حکم کے اعتبار سے عام نہیں بلکہ مشروط ہیں کہ تجارت ہر قسم کی فریب کاری، احتکار، جھوٹ، استحصال، مکاری، ملاوٹ، سٹہ، اور ان ناپسندیدہ عناصر سے پاک ہو جو اس مقدس ترین معاش کو ناپاک بنا دیتے ہیں۔

ضروری اعلان

دارالعلوم ندوۃ العلماء کا ترجمان پندرہ روزہ تعمیر حیات اب انٹرنیٹ پر دستیاب ہے، اور ای میل کا پتہ بھی درج ہے۔

نوٹ:۔ جو حضرات تعمیر حیات کے ذریعہ انٹرنیٹ پر اپنا اشتہار دینا چاہتے ہیں ان کو تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر ۸۰ روپئے کے حساب سے بل ادا کرنا ہوگا۔ اطلاع ملنے کے بعد ہی ان کا اشتہار انٹرنیٹ پر دیا جا سکے گا۔

Web-Site: http://nadwa.virtualave.net
E-mail Address: airp@lw1.vsnl.net.in

میں نے اسلام کیوں قبول کیا

تحریر: سمیہ خالد (سابقہ ایولین ٹونیلیر) ترجمہ: ڈاکٹر حافظ حقانی میاں قادری

اسلام قبول کرنے کے بعد میری زندگی میں مکمل تبدیلی آگئی اور میں اس زندگی کے ہر ہر لمحے سے پیار کرتی ہوں میں ہر عورت کو خواہ وہ مسلمان، عیسائی، یہودی یا ہندو ہو، یہی مشورہ دوں گی کہ وہ قرآن مجید اٹھائے اور اس کو تھوڑا تھوڑا پڑھنا شروع کرے اور اس کو مکمل کرے کینیڈین نومسلمہ سمیہ خالد کے ایمان افروز تاثرات۔ (ادارہ)

بہت سے لوگ یہ سوچتے ہوں گے کہ ایک جوان عورت جو کینیڈا میں پیدا ہوئی، سفید جلد والی (CAUCASIAN) عورت نے مذہب اسلام کیوں قبول کرلیا؟ ایسا مذہب جس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ یہ عورتوں پر ظلم روا رکھتا ہے، ان کی آزادی سلب کرلیتا ہے اور ان کو دوسرے درجہ کا شہری بنادیتا ہے، میں نے مذہب اسلام پر لگائے گئے ان تمام الزامات کو مسترد کردیا اور درج ذیل سوالات پر اپنی تمام تر توجہ مرکوز کردی۔

آخر کینیڈا، امریکہ اور یورپ میں پیدا ہونے والی خواتین جو خود کو مہذب متمدن (CIVILISED) معاشرے کا فرد سمجھتی ہیں کثیر تعداد میں ایک ایسے مذہب (اسلام) کو قبول کررہی ہیں جو ان کی آزادی چھین لیتا ہے، ان پر ناروا ظلم کرواتا ہے اور ان کے حقوق سے تعصب برتتا ہے۔ کینیڈا کا شہری ہونے کی حیثیت سے اور پھر ایک نومسلم ہونے کی حیثیت سے میں اپنے تاثرات پیش کررہی ہوں کہ آخر میں نے کن وجوہات کی بنا پر اس نام نہاد آزادی کو مسترد کردیا جس کا مغرب کی سوسائٹی کی عورتیں دعویٰ کرتی ہیں اور ایک ایسے سچے مذہب (اسلام) کو اپنے لئے منتخب کیا جو عورتوں کو صحیح اور سچی آزادی عطا کرتا ہے اور ان کو ایک ایسا مقام عطا کرتا ہے جو بالکل منفرد (UNIQUE) ہے۔

جب میں چھوٹی بچی تھی تو باوجود عیسائی ہونے کے میرا گھرانہ غیر مذہبی (NON. RELIGIOUS) تھا۔ میں اکثر اپنے والدین سے پوچھتی تھی کہ اگر واقعی خدا ہے تو وہ کون ہے؟ کہاں ہے اور آخر کہاں سے آیا ہے۔

ان کا جواب ہمیشہ یہ ہوتا کہ ان باتوں کو چھوڑو اور جو عقیدہ رکھنا چاہتی ہو رکھو۔ ان کا یہ جواب مجھے مطمئن نہیں کرتا تھا کیونکہ میرے مختلف دوست مختلف مذاہب سے تعلق رکھتے تھے اور میں ہمیشہ یہ سوچتی تھی کہ میں غیر مذہبی مزاج (NON. RELIGIOUS) کیوں ہوں؟

مجھے یاد پڑتا ہے کہ جب میں چھ سات سال کی تھی تو میں کچھ عرصہ مقامی چرچ کے اتوار اسکول (SUNDAY SCHOOL) میں اپنے دوستوں کے ساتھ پڑھنے جاتی تھی، میں نے اس تجربہ کو بہت غیر دلچسپ پایا، میں اپنے انسٹرکٹر اور ان بچوں کے درمیان خود کو بہت بوجھل، غیر مطمئن اور غیر آرام دہ محسوس کرتی تھی، جب کہ میں اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام (JESUS CHRIST) کے متعلق زیادہ جانتی بھی نہ تھی۔ اس صورت حال سے تنگ آکر میں نے اتوار اسکول جانا بند کردیا اور غیر مذہبی انداز سے پروان چڑھتی رہی، میں خدا کے تصور سے بالکل بیگانہ تھی، اس صورت حال نے مجھے تنہائی پسند بنادیا، یہ صورت حال میرے ہائی اسکول جانے تک رہی، جب میں ہائی اسکول میں پہنچی تو مجھے سوشل اسٹڈیز کی کلاس میں مذاہب کے بارے میں بتایا گیا، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میری استانی نے کتنی شدومد اور زور دار طریقے سے یہ بتایا تھا کہ اسلام میں عورت کو کوئی حق حاصل نہیں ہے، ان کو تعلیم سے محروم رکھا جاتا ہے، ان کی جبری طور پر ختنہ کی جاتی ہے ان کو زبردستی مرد کی اطاعت پر مجبور کیا جاتا ہے اور مردوں کے لئے انھیں مارپیٹ کی بھی کھلی اجازت ہے، ان باتوں نے مجھے کچھ سوچنے پر مجبور کردیا۔

میں اکثر اوقات یہ سوچتی تھی کہ ہوسکتا ہے کہ جو کچھ استانی نے مجھے بتایا ہے سب سچ ہو، میں ایک جانب مذہب اسلام سے متعلق طنزیہ باتیں سن رہی تھی اور اس کا اثر بھی قبول کررہی تھی، اسی دوران میری ملاقات ایک مسلمان نوجوان سے ہوئی جس کا نام خالد تھا، وہ اسی جگہ کام کرتا تھا جہاں میں کام کرتی تھی، میں نے اس سے وہ تمام باتیں پوچھیں جو میری استانی نے اسکول میں

مجھے بتائی تھیں، اس کو یہ سب کچھ سن کر سخت افسوس ہوا کہ جدید دنیا میں مذہب اسلام کے متعلق کتنا غلط پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے، خالد نے مجھے بتایا کہ یہ سب غلط ہے۔

اب جب میں نے اسکول جاکر اپنی استانی کو یہ سب کچھ بتایا اور اپنے ساتھی طالب علموں سے بھی اس موضوع پر بات چیت کی تو میری استانی نے میرے ذرائع کو غلط بتایا اور اپنی معلومات کو درست قرار دینے پر اصرار کیا اور کہا کہ اس نے ساری معلومات حوالہ جاتی کتابوں (REFERENC BOOKS) سے حاصل کی ہیں۔ میری استانی نے مزید کہا کہ اگر میں اپنی معلومات کے ذرائع پر اصرار کروں گی تو وہ ہماری کلاس کو سوشل اسٹڈیز نہیں پڑھائیں گی۔ میری استانی نے اس سلسلے میں مجھے کافی پریشان کیا لیکن میرے ہم جماعت ساتھیوں نے اس پر یقین کیا۔

میں نے خالد سے مسلم خواتین کے بارے مزید معلومات جمع کیں، در اصل میں خواتین اور مذہب اسلام میں ان کے حقوق کے بارے میں بہت متجسس (CURIOUS) تھی۔ خالد کے ذریعہ مجھے کافی معلومات حاصل ہوئیں مگر میں نے اس کی باتوں پر مکمل یقین نہیں کیا، میں اس وقت بھی مذہب سے بیگانہ تھی اور ابھی مجھے اسلام کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ہوئی تھیں، لیکن ایک خاص بات میرا دل موہ لیتی تھی کہ مسلمان عورتیں کتنے اچھے طریقے سے لباس پہنتی ہیں اور خود کو ڈھانپتی ہیں اور ان کے چہروں پر کتنا اطمینان، سکون و چین نظر آتا ہے، میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ایک دن ایسا آئے گا کہ میں بھی ان مطمئن خواتین کی طرح ستر پوشی والے لباس پہنوں گی۔

دو سال کے بعد میں نے اور خالد نے شادی کرلی اور ہمارے بیٹا پیدا ہوا، اس کے بعد پھر ہمارے ہاں ایک اور بیٹے کی ولادت ہوئی، میں نے پھر خود کو غیر مطمئن اور دل شکستہ پایا اور اپنے اندر ایک روحانی خلا محسوس کیا، میں نے محسوس کیا کہ میری زندگی کی کوئی متاع ابھی گم گشتہ ہے۔

اس مرحلہ پر آکر میں نے مختلف مذاہب کا مطالعہ کرنا شروع کیا اسی دوران میں نے قرآن مجید با ترجمہ خریدا اور باقاعدگی سے اس کا ترجمہ پڑھنا شروع کیا، مجھے زندگی کا صحیح اور حقیقی مفہوم سمجھ میں آیا، میں نے دیگر مذاہب کا مطالعہ بند کردیا، میرے دل نے گواہی دی:

"لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ"
اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔"

میرے ذہن میں جتنے بھی سوالات تھے قرآن مجید نے تمام کا جواب دے دیا تھا، اسی اثناء میں رمضان کے مقدس مہینہ کی آمد میں صرف ایک ہفتہ رہ گیا، میں نے نماز سیکھ لی اور چند سورتیں بھی زبانی یاد کرلیں اور اسلام قبول کرلیا۔ الحمد للہ! اب میں شکستہ خاطر اور آزردہ دل نہیں ہوں، اللہ کی ذات پر مجھے کامل یقین ہے، اللہ تعالیٰ نے مجھے راہ ہدایت سے نوازا۔

اسکارف (حجاب) کے معاملہ میں شروع میں مجھے کچھ دشواری ہوئی لیکن سکون و اطمینان نے مجھ پر غلبہ پایا، میں پہلے کیا تھی؟ مجھے نہیں معلوم، مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ میں مسلمان ہوں اور مسلمان ہونے پر مجھے فخر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے برائیوں سے محفوظ فرمادیا ہے، میں خود کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے بہت قریب محسوس کرتی ہوں، اسی نے اپنی کتاب قرآن مجید میں مومن عورتوں کو حکم دیا کہ خود کو ڈھانپیں اور نگاہوں کی حفاظت کریں۔ چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ سورۂ نور میں ارشاد فرماتے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے،

"اے پیغمبر! مسلمانوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اس میں ان کی زیادہ صفائی (پاکبازی) ہے اور جو کچھ بھی کیا کرتے ہیں بیشک اللہ کو سب خبر ہے۔ اے پیغمبر! مسلمان عورتوں سے کہو وہ بھی اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زیبائش کسی کے سامنے ظاہر نہ ہونے دیں، بجز اس جیز کے جو جار و ناچار کھلی رہتا ہے اور اپنے سینوں کو دوپٹوں سے ڈھانکے رہیں اور اپنی زینت (بناؤ سنگھار) کو کھلا نہ رکھیں۔ مگر اپنے شوہروں کے سامنے یا اپنے باپ کے یا اپنے شوہر کے باپ یا اپنے بیٹوں کے یا اپنے خاوند کے بیٹوں کے یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے یا اپنی میل جول کی عورتوں کے یا اپنے ہاتھ کے مال (باندی غلام) یا ایسے خدمت میں مشغول رہنے والوں کے سامنے جو مرد تو ہیں مگر عورتوں سے کچھ غرض نہیں رکھتے یا لڑکوں کے آگے جو عورتوں کے پردے کی باتوں سے آگاہ نہیں اور چلنے میں اپنے پاؤں زمین پر ایسے زور

سے نہ رکھیں کہ پاؤں کے زیور کی
آواز سے لوگوں کو ان کے چھپے ہوئے
سنگھار کی خبر ہو جائے اور اے
مسلمانو! تم سب مل کر اللہ کی جناب
میں توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔"

میں یہ جانتی ہوں کہ یہ چیز میرے شوہر کو بہت پریشان کرتی ہے کہ اس کی بیوی نے نہ صرف اسلام قبول کر لیا ہے بلکہ وہ ایک عملی مسلمہ ہے، جب کہ وہ نہیں ہے۔ میرے اور میرے شوہر کے درمیان اس مسئلہ پر کوئی اختلاف نہیں ہے کہ بچوں کی تعلیم و تربیت اسلامی طریقہ سے ہونی چاہئے لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ موجود ہے کہ جب سے میں نے اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا شروع کیا ہے وہ مجھ سے خوش نہیں ہے۔

اسلام قبول کرنے کے بعد میری زندگی میں مکمل تبدیلی آگئی اور میں اس زندگی کے ہر ہر لمحہ سے پیار کرتی ہوں، میں ہر عورت کو خواہ وہ مسلمان، عیسائی، یہودی یا ہندو ہو یہی مشورہ دوں گی کہ وہ قرآن مجید اٹھائے اور اس کو تھوڑا تھوڑا پڑھنا شروع کرے اور اس کو مکمل کرے۔

اللہ تعالیٰ ہر ایک کو ہمت عطا فرمائے تاکہ وہ سیدھے، سچے اور ہدایت کے راستے پر چل پڑے جس طرح گذشتہ سال اللہ نے مجھے راہِ ہدایت پر گامزن کیا۔
(بشکریہ ختم نبوت۔ کراچی)

تعمیر حیات کا خصوصی شمارہ

مفکر اسلام نمبر شائع ہو گیا

تعمیر حیات کا خصوصی شمارہ "مفکر اسلام نمبر" منظر عام پر آگیا ہے، یہ نمبر کافی ضخیم ہے چونکہ سادی ڈاک سے روانہ کرنے میں ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا جن حضرات کی مدت خریداری دسمبر ۲۰۰۰ء تک ہے اور Rs. 30/- رجسٹری خرچ روانہ کر دیا ہے ان کو خاص نمبر رجسٹرڈ ڈاک سے روانہ کیا جارہا ہے اور جن کی خریداری مدت ختم چل رہی ہے وہ سالانہ زر تعاون اور مزید Rs. 30/- رجسٹری خرچ روانہ کریں تاکہ ان کو یہ نمبر جو تقریباً 365 صفحات پر مشتمل ہے روانہ کیا جاسکے، جو حضرات اس نمبر کے خواہش مند ہیں اور نئے خریدار بننا چاہتے ہیں وہ Rs. 300/- روانہ کریں جس میں دو سال تک تعمیر حیات جاری رہے گا۔ اور اگر Rs. 200 روانہ کریں گے تو ایک سال تک جاری رہے گا اور یہ خاص نمبر بھی رجسٹرڈ ڈاک سے روانہ کیا جائے گا۔

نوٹ:۔ ندوہ ڈاکخانہ یومیہ صرف پچاس تعمیر حیات کے پیکٹ رجسٹرڈ لیتا ہے اس لئے اس میں کچھ تاخیر بھی ہو رہی ہے۔ اس لئے تاخیر سے شمارہ ملنے کی وجہ سے ادارہ تعمیر حیات معذرت چاہتا ہے۔

قرآن کریم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی و دینی معلومات میں اضافہ اور تبلیغ کیلئے شائع کی جاتی ہیں ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں انکو صحیح اسلامی طریقہ کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

امتیازی خصوصیات کے آئینہ میں

محمد الیاس بھٹکلی ندوی

جمعہ کا دن ہے حرم مکی نمازیوں کے بے پناہ
ہجوم سے اپنی وسعت کے باوجود تنگ دامانی کی
شکایت کر رہا ہے عمرہ کرنے والوں کی ایک
ڑی تعداد طواف بیت اللہ میں مصروف ہے
ور اس سے زیادہ تعداد میں شمع حرم کے پروانے
ر تلاوت میں منہمک ہیں، رحمت و سکینت کی نظر
آنے والی ایک چادر سب پر تنی ہوئی ہے زوال
فتاب ہوتا ہے اور امام حرم منبر کعبہ پر چڑھتے
یں اور اپنی پوری ایمانی قوت اور روحانی طاقت
کے ساتھ عالم اسلام کے اس چیدہ مجمع سے مخاطب
وتے ہیں وہ ان کو اپنی سنہری تاریخ سامنے
رکھتے ہوئے بتا رہے ہیں کہ ان کے منصب قیادت
سے ہٹ جانے سے نوع انسانی کو کس قدر نقصان
ہنچ رہا ہے اس سلسلہ میں قرآنی آیات اور احادیث
بویہ کے علاوہ صحابہ وائمہ کے اقوال بھی نقل کر رہے
یں، مجمع گوش بر آواز ہے۔ امام صاحب اپنی بات
یں مزید وزن پیدا کرنے کے لیے اچانک کہتے
یں کما قال سماحۃ شیخنا العلامۃ ابوالحسن
لی الحسنی الندوی فی کتابہ ماذا خسر العالم
بانحطاط المسلمین" مجمع میں موجود اکثریت یہی
سمجھتی ہے کہ امام حسن بصریؒ اور ابن تیمیہؒ کی طرح
یہ بھی ملت کے ماضی کے کوئی نامور عالم ہیں، اس
شہر میں وہ بدو بھی شامل ہے جو اس مسجد کے
کے بازو میں حرم کے ایک گوشہ میں بیٹھا ہے اچانک
وہ دیکھتا ہے کہ اس کے بغل میں بیٹھا مصلی اپنی
جیب سے رومال نکال کر آنسو پونچھ رہا ہے، وہ
سمجھتا ہے کہ ملت کی بے بسی پر اس کو رونا آرہا
ہے، اس کو پتہ نہیں کہ امام حرم کی زبان سے
وہ امام احمد بن حنبلؒ اور امام غزالیؒ کی طرح جس
شیخ ابوالحسنؒ کا نام سن رہا ہے وہ نہ صرف بقید
حیات ہے بلکہ اس کے بغل میں بیٹھا خدا کے اس
انعام واعزاز پر اپنے بہنے والے آنسوؤں کے
قطرات کو قابو میں رکھنے کی کوشش کر رہا ہے،
اس کو پتہ نہیں کہ آج اس کو کتنی بڑی سعادت
سے اللہ تعالیٰ نے نوازا ہے اور وہ غیر شعوری
طور پر اس روحانی شخصیت کی صحبت میں حرم میں نماز
ادا کر رہا ہے، جس کا نام اس وقت کعبۃ اللہ کے
منبر سے گونج رہا ہے اور عالم اسلام کے کروڑوں
لوگ اس کو ٹی وی اور ریڈیو پر سن رہے ہیں۔
اس عزت افزائی پر جب علامہ ندوی امام حرم
عبداللہ عبدالغنی الخیاط سے اپنی ایک ملاقات میں
شکریہ کے کلمات کہتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ شیخ یہ
کوئی نئی بات نہیں ہے اس سے پہلے بھی خطبات حرم
میں ہم اپنی بات میں طاقت پیدا کرنے کے لیے بارہا
آپ کے حوالے دے چکے ہیں۔

بدر کا تاریخی میدان ہے حجاج و معتمرین کے
قافلے جوق در جوق اسی میدان کی زیارت کے لئے
آرہے ہیں، اسی دوران اذان ہوتی ہے اور قریب
کی ایک بڑی مسجد میں لوگ نماز کے لیے پہنچ جاتے
ہیں۔ جماعت کے معًا بعد امام مسجد سیرت کی ایک
کتاب کا درس معمول کے مطابق دیتے ہوئے اسکے
مندرجات آج بھی سنا رہے ہیں، اپنے مفہوم
کی ادائیگی کے لئے جامع الفاظ کے انتخاب اور
روح نبوی سے مصنف کے والہانہ عشق کا لفظ
لفظ سے اظہار ہو رہا ہے اور کتاب پڑھنے والے
کے علاوہ خود مجمع پر بھی اس کا غیر معمولی تاثر ہے
لیکن نہ پڑھنے والے کو پتہ ہے اور نہ سامعین
کو اس بات کا علم کہ سیرت کی اس کتاب
السیرۃ النبویۃ کا مصنف ان مسافر نمازیوں کے
مجمع میں سر جھکائے بیٹھا رب اوزعنی ان اشکر
نعمتک التی انعمت علی وعلی والدی کا مسلسل ورد
کر رہا ہے۔

۱۹۵۰ء کا زمانہ ہے اور محرم کے ابتدائی
ایام، حرم کا صحن جماعت کے بعد آہستہ آہستہ خالی
ہو رہا ہے، اچانک کلید بردار کعبہ اور اس کے متولی
عالی مرتبت شیبی صاحب مطاف میں بیٹھے ایک
ہندی حاجی کے قریب پہونچ کر سلام کہتے ہیں اور
اس کی پیشانی کو بڑی عقیدت سے بوسہ دے کر کہتے
ہیں کہ شیخ آج آپ کے لئے میں کعبۃ اللہ کا
دروازہ کھولنا چاہتا ہوں اسی نیت سے اسکی
چابی لے کر حاضر ہوں۔ آپ اپنے متعلقین کو لے کر
اس میں داخل ہو جائیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے حرم
کی پولیس حرکت میں آجاتی ہے اور مجمع کو قابو میں
کرتی ہے اور اس شیخ کو جو حقیقت میں کامل جوان
بھی نہیں صرف ۳۶ سال کی عمر کا ہے اور اس کا
ابھی عالم اسلام میں مکمل تعارف بھی نہیں ہوا ہے
اس کی صرف چند ہی کتابیں عربی میں منظر عام پر آئی
ہیں۔ اس کے متعلقین کے ساتھ جس میں شیخ

وقت حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ بھی ہیں کعبۃ اللہ میں داخل کراتی ہے، بعد میں جب بعض دیگر شناساؤں کو اس کی اطلاع ہوتی ہے تو وہ نیازمندانہ شکوہ کرتے ہیں کہ ہمیں اس سعادت سے کیوں محروم رکھا گیا بالآخر دوسرے دن مولانا ہی کی خواہش پر دوبارہ کعبۃ اللہ کھولا جاتا ہے اور یہ ۷۶ سالہ پیر جوان کعبۃ اللہ کے دروازہ پر کھڑے ہوکر اس ہزاروں کے مجمع میں سے ایک ایک طرف اشارہ کرکے پولیس سے کہتا ہے کہ یہ میرا شناسا ہے اور یہ میرا تعلق والا ہے، اس کو اندر آنے دو،

انتقال سے تین سال قبل سنہ ۱۹۹۶ء کو کعبۃ اللہ کی از سر نو بنیادوں کے ساتھ تعمیر جدید کے بعد اس کے افتتاح کی جو سعادت اللہ تعالیٰ نے آپ کو نصیب فرمائی وہ ہر مسلمان کے لئے باعث رشک ہے۔ سنہ ۱۹۹۴ء حجاج بن یوسف کی تعمیر کعبۃ اللہ کے بعد اس کی ساڑھے تیرہ سو سالہ اسلامی تاریخ میں کسی بھی انسان کو ملنے والی اپنی نوعیت کی یہ سب سے منفرد سعادت تھی۔ یہ تو زندگی میں قبولیت عند اللہ کے آثار و قرائن تھے لیکن جس قابل رشک حالت میں پوری تیاری کے ساتھ اس دنیا سے اپنے مالک سے بن سنور کر ملنے پہنچے اس پر تو پوری دنیا بیک زبان کہہ اٹھی کہ ان کی موت تو اسکی زندگی سے زیادہ قابل رشک نکلی، جمعہ کا دن، قبولیت کی گھڑی رمضان کا بابرکت مہینہ، روزہ کی حالت غسل سے فراغت، جسم معطر، نماز کی تیاری، باوضو باادب اپنے محبوب کی محبوب ترین سورہ جو اس کو بھی عزیز تھی سورہ یٰس کی اس آیت کی تلاوت جس میں نہ صرف مغفرت بلکہ اجر کریم کا خداوندی وعدہ اپنے بندۂ مومن کے لئے ہے پل جھپکنے میں روح پرواز کر گئی۔ اس کے بعد حرم مکی و مدنی میں ۳۰ لاکھ لوگوں کی طرف سے نماز غائبانہ نے تو نور علیٰ نور ہی نہیں بلکہ نور علیٰ نور علیٰ نور کر دیا۔ اسلام کے پانچوں بنیادی ارکان کی ادائیگی اس عالم فانی سے کوچ کے وقت بھی کسی کو نصیب ہو اس سے زیادہ نیک بختی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کلمۂ طیبہ کا اقرار نماز کی تیاری، روزہ کی حالت، ایک دن قبل حج کا ارادہ و نیت اور زکوٰۃ و صدقات کی ادائیگی کرتے آپ اللہ کے دربار میں پہنچے۔ بہانوں کی تلاش میں رہنے والا رحمان و رحیم آقا آپ کو اس اعزاز کے ساتھ اپنے پاس بلانے سے کیسے محروم رکھتا کہ آپ نے زندگی بھر روزانہ بار بار اس دعا کے دہرانے کا معمول بنا رکھا تھا کہ اے اللہ ایمان کے ساتھ مجھے اپنے پاس بلا اور نیک لوگوں کے ساتھ میرا حشر فرما، سفر آخرت کے وقت نہ رسوائی ہو اور نہ شرمندگی اور نہ آزمائش رب توفنی مسلماً والحقنی بالصالحین غیر خزایا ولا ندامٰا ولا مفتونین، وہ منظر مجھے ہمیشہ یاد رہیگا جب حضرت مولانا دعا کے اس جملۂ غیر خزایا کو دہراتے تو اپنے گھٹنے پر ہاتھ مار کر رونے کی کیفیت میں آجاتے حیات و ممات میں یہ اکرام دراصل تعبیر تھی اس خواب کی جو آپ کی والدہ نے آپکے بچپن میں دیکھا تھا کہ ہاتف غیبی نے قرآن کی اس آیت کو آپکی زبان پر جاری کر دیا ہے کہ ہم نے تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک کے لئے جو مخفی خزانہ چھپا رکھا ہے اس کا اندازہ تمہیں نہیں ہے فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ اس قبولیت کے آثار دنیا والوں کے ساتھ خود اس مہربان ماں نے بھی دیکھ لئے جس نے اپنے اس لخت جگر کے لئے روزانہ دو رکعت صلوٰۃ الحاجہ پڑھ کر اس دعا کے مانگنے کا معمول بنا لیا تھا اے خداوندا تو میرے علی کی صحیح رہنمائی فرما کہ اس سے کوئی غلط کام نہ ہو، اسی والدہ نے وصیت کی تھی کہ اے میرے

نور نظر اس دعا کو اپنی زندگی کے روزانہ کے میں شامل کرنا کہ اے اللہ تو مجھے اپنے بندوں کو دیے جانے والے حصوں میں بہ ترین حصہ عنایت فرما، اللھم اتنی بفضلہ ماتوتی عبادک الصالحین، کسی کی ولایت کے لیے کرامتوں یا خرق عادت چیزوں کا ظہور ضمنی چیزیں ہیں، اصل ولایت تو یہ ہے کہ دیکھنے سے خدا یاد آئے آخرت کا شوق پیدا خود اس کی زندگی سنت نبوی کے عین مطابق حضرت مولانا کی ولایت کے لئے اس سے بڑ اور کیا ثبوت چاہیئے کہ وفات سے قبل آخری میں فالج کے اثر سے جسم کے حرکت نہ کر سکنے کے نماز باجماعت اور تہجد کے ساتھ روزانہ کے معمولات اور مسنون دعاؤں کے پڑھنے تک ناغہ نہیں ہوا اور آخری دم تک رخصت کے عزیمت پر عمل کیا۔ تقویٰ و احتیاط کا یہ عالم کہ کے مہمان خانہ میں قیام پر جانے ناشتہ کا خرچ تک دیا، سلیج سے کبھی کھانا نہیں کھایا، ہمیشہ امین کے اپنے گھر سے منگوا کر کھایا یا اپنے ملنے والے کے کھانے کا یا لی پالی بل ادا کیا اور ان کی ایک کپ چائے اور بسکٹ تک کا پیسہ اپنی جیب اپنے گھر جانے کے لیے خود اپنی وقف کی ہوئی کے استعمال پر اس کا معاوضہ بھی ہمیشہ دیا۔ آخری رمضان کے ندوہ میں گذارنے پر اپنے م و محبین کے کھانے تک کے برتن کو رائے سے منگوایا۔

اس کی امیدیں قلیل اسکے مقاصد جلیل
اس کی ادا دلفریب اس کی نگاہ دلنواز
نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاک باز

زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

استاد مکرم مولانا عبداللہ عباس صاحب

ندوی مدظلہ العالی نے راقم الحروف کی کتاب مفکر اسلام کے ملت اسلامیہ کے نام روحانی و علمی تحفے کے مقدمہ میں ایک جملہ لکھا تھا کہ حضرت مولانا پر آپ کی حیات ہی میں اتنی کتابیں رسالے اور مقالات نکل چکے ہیں کہ بہت سے لوگوں کی وفات کے بعد نہیں نکلتے۔ اس کو بعض لوگوں نے اس وقت مبالغہ پر محمول کیا، لیکن جب اسکی تفصیلات سامنے آئیں تو اعتراف کئے بغیر چارۂ کار نہیں رہا، یہ ناقابل انکار حقیقت تھی کم از کم اس صدی میں ہمیں کوئی ایسی علمی شخصیت نظر نہیں آئی کہ جس پر صرف وفات سے قبل ایک سال کے اندر پانچ چھ کتابیں عربی و اردو میں منظر عام پر آئی ہوں مختلف عالمی یونیورسٹیوں میں ایک سال قبل تک ایک درجن کے قریب لوگ آپ پر ڈاکٹریٹ کر رہے تھے۔ آپ کی حیات ہی میں ترکی جیسے لادینی ملک میں ایک عالمی تنظیم نے آپ پر ایک مستقل سمینار منعقد کیا جس میں محمد قطب اور علامہ یوسف القرضاوی جیسے چوٹی کے علماء کے علاوہ، مصر، مراکش انڈونیشیا، ملیشیا وغیرہ سے بڑی تعداد میں مفکرین وادباء شریک ہوئے۔ آج سے کئی سال قبل شام کی سپریم کورٹ کے معروف وکیل استاذ علی طنطاوی نے جدہ ریڈیو پر انٹرویو کے دوران جب یہ کہا کہ حرمین کے بعد اگر مجھے ہنا پسند ہے تو وہ لکھنؤ ہے، تو انٹرویو لینے والا لکھنؤ کو سمجھ نہ سکا تو علامہ طنطاوی نے کہا کہ یہ شیخ ندوی کا شہر ہے تو وہ فوراً سمجھ گیا، سامعین کو اندازہ ہوا کہ مولانا عالم اسلام میں لکھنؤ جیسے ہزار سالہ قدیم تاریخی شہر سے زیادہ معروف ہیں۔ آپ کی بعض تصانیف بالخصوص ماذا خسر العالم تو شہرت میں خود مولانا کی ذاتی شخصیت پر بھی غالب آ گئی، عرب فضلاء کا کہنا ہے کہ عالم عرب میں اس کتاب سے ناواقف شخص کو تعلیم یافتہ سمجھا ہی نہیں جاتا، چنانچہ اسی کتاب کے حوالے عدالتوں کی بحثوں اور پارلیمان کی تقریروں تک میں دیے گئے۔ ۱۹۹۵ء میں مغرب پر مدلل تنقید اور علمی انداز میں اس پر جارحانہ حملہ کی وجہ سے فرانس کی نمائش میں اس کتاب کو ضبط کیا گیا۔ ۱۹۸۲ء تک عربی کے بائیس قانونی ایڈیشنوں کے علاوہ ایک سو سے زائد مختلف زبانوں کے اس کے ایڈیشن نکل چکے تھے۔ ۱۹۸۰ء میں کشمیر جیسی باوقار یونیورسٹی نے عالمی سطح پر اپنا وقار بڑھانے کے لئے آپ کو اعزازی ڈاکٹریٹ کی ڈگری دی، یہ تو وفات سے قبل آپکی شہرت کے چند واقعات ہیں، وفات کے بعد سمیناروں کے انعقاد اور مختلف اخبارات کی طرف سے نمبرات کے نکالنے کا جو مقابلہ چل رہا ہے وہ اظہر من الشمس ہے اس کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ صرف اس اپریل کے آخری ہفتہ میں ۲۶ تا ۲۸ تاریخوں میں علی گڑھ بمبئی اور لکھنؤ میں آپ پر بیک وقت ملکی سطح کے تین سمینار چل رہے تھے۔ لندن، ملیشیا اردن اور پاکستان میں جو سمینار ہوئے ہیں وہ اسکے علاوہ ہیں، درجنوں محبین نے آپ کی وفات کے بعد اپنے متعلقین میں نومولود بچوں کے نام علی اور ابوالحسن رکھے، دسیوں ادارے آپ کے نام سے قائم ہوئے اور اس سے زیادہ کا اعلان کیا گیا حیدرآباد میں مولانا رضوان القاسمی صاحب کے توسط سے جو مولانا سے غیر معمولی عقیدت رکھتے ہیں، ایک شخص نے حضرت مولانا کے نام سے ہر سال پچاس ہزار روپیے کا ایوارڈ دینے کا اعلان کیا جو بہترین اسلامی کتاب پر کسی کو دیا جائے گا غرض یہ کہ اس صدی میں اپنی ثقاہت وامانت کو ثابت کرنے کے لیے آپ سے شخصیات یا اداروں کا انتساب ایک معیار بن گیا کیا عرب کیا عجم ہر ایک آپ سے نسبت پر آج بھی فخر

محسوس کرنے لگا۔ الحیت یعرفہ والحل والحر

کسی جمشید کا ساغر نہیں میں

اگر شیر نے بچہ کو دبوچ لیا تو یہ کوئی اہم خبر
حیرت انگیز بات نہیں لیکن اگر جری وبہادر نے خو
شیر کا مقابلہ کیا اور اس کو زخمی کر دیا تو یہ تار
واقعہ بن جاتا ہے اسی طرح اگر کسی کے پاس د
اپنی آسائشوں اور آرائشوں کے ساتھ آئی
نہیں اور اس نے اس سے نفرت و بے نیاز
کا دعویٰ کیا تو یہ کوئی کمال نہیں اس کی خوبیوں
اس کو اسی وقت شمار کیا جائے گا جب دنیا
پاس پوری نعمتوں کے ساتھ آتی رہے اور وہ
سے منہ موڑتا رہے، اس معنی میں پوری ا
میں دنیا سے نفرت کی مثال نبی رحمت
بڑھ کر کسی کے یہاں نہیں مل سکتی، آپ
لیے حکم خداوندی سے پہاڑوں کو سونے سے بد
اور وادیوں کو اس سے بھر دینے کی عملی پیش کش
جبریل امین حاضر ہوئے، اس کے بعد پھر انبیا
صحابہ و مجددین ملت کا نمبر آتا ہے میرے نا
مطالعہ کی روشنی میں کم از کم برصغیر میں اس صدی
کسی عالم دین یا اللہ والے کے پاس اتنی دنیا
نہیں آئی جتنی حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ
پاس آئی لوگ اب تک یہی سمجھتے رہے کہ د
ایوارڈ میں ایک کروڑ، بیرونی ایوارڈ میں دو
اور فیصل ایوارڈ میں ایک ملین روپئے آپ
ملے اور آپ نے اس کو راہ خدا میں خرچ
لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سب مجموعی رقم مولانا
سکنے والی کسی ایک کتاب کی رائلٹی سے بھی
اس کے لیے آپ کی مشہور کتاب ماذا خسر ال
کی مثال کافی ہے جس کے کم از کم سو سے زائد
دنیا کی مختلف زبانوں میں نکلے اور بعض ای
تو ایک ایک لاکھ کی تعداد میں بھی چھپے ایک

ناشر کا کہنا تھا کہ اس نے اس کتاب کے اسّی ہزار نسخے صرف ایک دن میں فروخت کئے، اگر ایک ایڈیشن پانچ ہزار نسخوں کا بھی مان لیا جائے اور فی کتاب چار پانچ ڈالر کا نفع بھی فرض کر لیا جائے تو صرف نفع کی رقم ہی ایک سو ملین یعنی دس کروڑ روپے سے تجاوز کر جاتی، لیکن سنئے کہ جس کی صرف کتابوں سے دنیا کے مختلف ناشر کروڑ پتی بن گئے اس کا کیا حال تھا، سنہ ۱۹۴۷ء میں اپنی مالی عسرت کا حال خود آپ نے کاروان زندگی میں تحریر فرمایا ہے۔ تنگی کے ایسے دن بھی گذرے کہ میں نے جیب گھڑی کے فروخت کرنے کا ارادہ کیا اور اسی ارادہ سے امین آباد چلا گیا۔ لیکن یہ سوچ کر کہ کہیں دکاندار اس کو چوری کی گھڑی نہ سمجھے واپس آگیا۔ یاد رہے کہ اس وقت مولانا کی متعدد عربی و اردو تصانیف شائع ہو کر مدارس کے نصاب میں داخل ہو چکی تھیں۔

یہی حال کچھ وفات سے قبل کا بھی تھا کہ آخری سات آٹھ ماہ کے اندر ڈیڑھ کروڑ روپے سے زائد رقم اللہ کے راستے میں خرچ کی۔ عالمی و ملکی سطح پر جتنے اعزازات و ایوارڈوں سے آپ کو نوازا گیا غیر مسلموں میں بھی اس کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں سرکاری سطح کا ملک کا ایک اہم ترین ایوارڈ پدم بھوشن نے مولانا کی قدم بوسی کی دو دو بار کوشش کی اور خود وزیر اعظم نرسمہا راؤ نے فون کر کے اس کو قبول کرنے پر اصرار کیا لیکن مولانا نے اس کو لینے سے انکار کر دیا غرض یہ کہ دنیا یک طرفہ اپنی پوری آسائش کے ساتھ آپکے قدموں پر بچھا در ہونے کی آخر تک کوشش کرتی رہی لیکن اللہ نے محض اپنے فضل سے آپ کے دامن کو اس سے آلودہ ہونے سے بچا رکھا، اسی طرح کے ایک واقعہ کا میں خود عینی شاہد ہوں کہ گذشتہ سال جنوری سنہ ۱۹۹۵ء) سفر کے دوران آپ سے غائبانہ تعارف رکھنے والے منگلور کے ایک مخلص نوجوان نے جس نے اس سفر میں پہلی دفعہ مولانا کی زیارت کی تھی، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے ایسا متاثر ہوا کہ اپنا ایک بیش قیمت فلیٹ ندوۃ العلماء کو ہدیہ کیا، اس طرح کے اور بہت سے واقعات حضرت کے ساتھ پیش آتے تھے جس سے ندوہ کو فائدہ پہنچا۔

نگاہِ دور بیں اور مومنانہ فراست و بصیرت

ایک زمانہ ایسا بھی آیا کہ حضرت مولانا کی ظاہری بصارت بظاہر جواب دے رہی تھی اللہ کی عطا کردہ اس خصوصی نعمت بصیرت میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا رہا جس سے اپنے تمام معاصرین میں ممتاز تھے، آپ نے ملت اسلامیہ کے عمومی حالات کا جائزہ لیتے ہوئے بہت پہلے اس کی پیشین گوئی کر دی تھی کہ اس صدی کا ایک نیا فتنہ فکری ارتداد کا ہے جو تیزی سے عالم اسلام میں پھیل رہا ہے اس پر اگر فوراً بندھ نہ باندھا گیا تو یہ سیلاب مسلم نوجوانوں کو بہا لے جائے گا۔ مولانا نے اس بات کا علی الاعلان اپنی تقریروں اور تحریروں اور مسلم سربراہوں کے نام خطوط میں اظہار کیا کہ دنیا اب مسلمانوں کے مذہبی ارتداد سے مایوس ہو چکی ہے، اب مسیحیت اور صیہونیت کے اشتراک سے ایک طویل مدتی منصوبہ ان کو عملاً نام کے مسلمان رکھتے ہوئے اور ظاہر میں فرائض کی پابندی کراتے ہوئے انکے ذہن و دماغ اور فکر و نظر کو فکری ارتداد میں مبتلا کرانے کا ہے کہ شعائر اسلام اور احکام شریعت پر ان کا دل مطمئن نہ ہو اور یہ فتنہ بقول حضرت مولانا اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ کا عہد صدیقی کے ارتداد اور فتنہ تاتار کے بعد کا تیسرا خطرناک ترین مسئلہ ہے، چنانچہ مولانا کی دعوتی زندگی کا حاصل اور ان کی تمام تصنیفات کا خلاصہ اگر چند لفظوں میں کیا جائے تو اسی فکری ارتداد پر روک لگانے کی کامیاب کوشش اور اس کے نتیجے میں نئی مسلم نسل میں پیدا ہونے والی اسلام سے متعلق خود اعتمادی اور ان کا غیر متزلزل یقین ہے، اس موضوع پر آپ نے عرب و عجم میں سینکڑوں محاضرات دیئے ردۃ ولا ابابکر لہا یعنی فکری ارتداد کا مقابلہ نامی آپ کا مشہور کتابچہ لاکھوں کی تعداد میں چھپ کر مقبول ہوا اور دنیا کی اکثر زبانوں میں اس کے ترجمے بھی ہوئے تامل زبان میں جب اس کا ترجمہ منظر عام پر آیا تو سری لنکا کے ایک مخیر مسلمان الحاج محمد نظیم کو اس کتابچہ نے بہت متاثر کیا اور انھوں نے سنہ ۱۹۸۲ء میں اسی فکری ارتداد کا مقابلہ کرنے کے خاطر ایک مستقل یونیورسٹی کئی کروڑ روپے خرچ کر کے قائم کی تاکہ دنیا کے مختلف ممالک کے مسلم طلباء کی وہاں لاکر ذہنی تربیت کی جائے خود حضرت مولانا نے سری لنکا جا کر اس یونیورسٹی کا افتتاح فرمایا۔

مصر میں جمال عبد الناصر کی طرف سے قومیت عربیہ کا نعرہ جب بلند ہوا تو بیشتر عالم عرب اس سے نہ صرف متاثر ہوا بلکہ اس کا داعی و مبلغ بھی بن گیا، استاذ حسن زیات جیسے اسلامی ادیب تک کو اس پرکشش نعرہ نے متاثر کیا۔ عالم اسلام میں اس نعرہ کے پس پردہ ناپاک عزائم کو بھانپنے والے سب سے پہلے حضرت مولانا ہی تھے، اور آپ نے بلا خوف و خطر عالم عرب سے اپنے خصوصی تعلقات سربراہان مملکت سے اپنے دینی روابط اور وہاں کے مسلسل تاریخی دعوتی دوروں کے باوجود اس قومیت عربیہ کو جاہلیت قرار دے کر قومیت اسلامیہ کی دعوت دی۔ جب اس آواز نے اپنا اثر دکھانا شروع کیا

تو حکومت مصر نے دہلی میں موجود اپنے سفارت خانہ کے توسط سے اپنے دیرینہ تعلقات کا حوالہ دے کر حکومت ہند کو مجبور کرنے کی کوشش کی کہ مولانا کی شدت میں نرمی آئے لیکن حق کی خاطر جلنے والے اس دیئے کی لو دھیمی کیا ہوتی اور تیز ہوگئی۔

ترکی میں مصطفیٰ کمال اتاترک کے بدنام زمانہ اصلاحی کوششوں کے خلاف پہلی بار مولانا ہی نے شدید تنقید کرتے ہوئے فرمایا اس نام نہاد مسلم نجات دہندہ نے اس کی آڑ میں کہ دہاں مسلمانوں کو ان کے دین و مذہب سے دور کرنے کا منصوبہ بنایا ہے بعد میں خود ترک مسلمانوں نے مولانا کی اس بصیرت کی داد دی اور وہاں کی وزارت داخلہ نے حکومت کو رپورٹ دی کہ ترکی میں مسلم نوجوانوں کے اندر آنے والی اسلامی بیداری میں مولانا کی کتابوں کا بڑا دخل ہے۔

۱۹۶۰ء میں آپ نے برما کا دورہ کیا اور وہاں کے مسلمانوں کے حالات کا جائزہ لینے کے بعد آپ کو یہ اندازہ لگانے میں دیر نہیں لگی کہ ان حالات میں اگر برمی مسلمانوں نے اب بھی غیر مسلموں میں اسلام کے تعارف اور اسلام و مسلمانوں سے متعلق پائی جانے والی غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش نہیں کی تو وہاں پر سکون ماحول میں ان کے رہنے کے امکانات نہ ہونے کے برابر ہیں وہاں کی گئی اپنی تقریروں میں آپ نے اس خطرہ سے ان کو صاف صاف آگاہ کیا لیکن برمی مسلمانوں نے اس مسئلہ کو سنجیدگی سے نہیں لیا نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی ماہ میں کیونسٹوں کی طرف سے فوجی انقلاب کے بعد برمی مسلمانو کا جینا دوبھر ہوگیا اور مسلمان مولانا کی ان باتوں کو یاد کرکے خون کے آنسو رونے لگے، اسی دینی بصیرت کی بنیاد پر بابری مسجد کے سلسلہ میں مولانا کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ مسجد کو نقصان نہ پہونچانے کا وعدہ ہندوؤں سے لینے کے بعد جزدی حقوق کے سلسلے میں مسلمان سختی کا معاملہ نہ کریں، ذاتی طور پر مولانا نے ملکی سطح کے ہندو پیشواؤں سے مل کر اس سلسلہ کی کامیاب کوشش بھی کی تھی لیکن مسلم قیادت کے ایک طبقے نے اپنے غیر لچکدار رویے سے مولانا کو اس معاملہ میں اپنی دستبرداری پر مجبور کر دیا۔ نتیجہ ملت نے دیکھ لیا کہ غیر دانشمندانہ قیادت نے مسجد ہی کو اپنی آنکھوں سے شہید ہوتے دیکھ لیا۔

صدام حسین نے جب کویت پر حملہ کیا تو امت کا ایک بڑا طبقہ صدام کی حمایت پر آمادہ ہوگیا۔ لیکن مولانا جانتے تھے کہ صدام خود صہیونیت کے ناپاک عزائم کی تکمیل کے لئے کس طرح ان کا آلہ کار بنا ہوا ہے اس لیے امریکی افواج کی حجاز میں موجودگی کی مخالفت کی آڑ میں صدام کی حمایت اور اس کے لیے کویت پر حملہ کا جواز فراہم نہیں کیا جا سکتا اس سلسلہ میں البعث الاسلامی، الرائد اور تعمیر حیات میں شائع شدہ آپ کی مختلف تقریریں و تحریریں خود شاہد ہیں۔

رابطہ عالم اسلامی کے قیام کے بعد جب یاسر عرفات کی پہلی دفعہ مکہ مکرمہ میں آمد ہوئی تو رابطہ کی طرف سے ایک بڑا اعزازی جلسہ منعقد ہوا اور شیخ بن باز کے اصرار پر اس وقت رابطہ کی نمائندگی حضرت مولانا ہی نے فرمائی، اس موقع پر آپ نے جو برجستہ ایمان افروز خطاب فرمایا اس کا خلاصہ یہ تھا کہ جب تک بیت المقدس جیسی پاک سرزمین کی آزادی کے لیے فاروقی و ایوبی صفات پیدا نہیں کی جائیں گی اس وقت تک اس کی آزادی ناممکن ہے اگر فلسطینی قیادت کی موجودہ بے دینی کی حالت برقرار رہی تو مسجد اقصیٰ کا حصول محال ہے، دنیا دیکھ رہی ہے کہ مولانا کی کڑوی لیکن سچی باتیں آج کے حالات میں کتنی سچ ثابت ہو رہی ہیں، غرض یہ کہ دینی بصیرت آنیوالے حالات کی پیشین گوئی اور طوفان سے قبل اس کا اندازہ لگانے کا مولانا کا خاص خدا کا عطا کردہ یہ امتیازی وصف اب ملت کے قائدین میں دور دور نظر نہیں آتا۔

ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی

یورپ و امریکہ میں اسلام کی تبلیغ کی انفرادی و اجتماعی جو کوششیں عرصہ دراز سے ہو رہی تھیں اس کا زیادہ تر انحصار مسلم شخصیات یا خود ان کے قائم کردہ اداروں یا تحریکات پر تھا مغرب کی تعلیم گاہوں میں گھس کر اسلام کی تبلیغ کا فریضہ ادا کرنے کے ساتھ اگر کسی یونیورسٹی یا اس کے شعبہ کو ہی مسلمان کر دیا جاتا جہاں سے آہستہ آہستہ ہی سہی اسلام کی کرنیں اس تاریک و پراگندہ ماحول کو منور کرتی رہتیں تو یہ زیادہ مفید اور دیرپا اثرات کی حامل کوشش ہوتی، اسی ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے ۱۹۸۳ء میں مغرب کی دوسری بڑی عالمی شہرت یافتہ یونیورسٹی آکسفورڈ میں اس کی سات سو سالہ تاریخ میں پہلی دفعہ ایک مستقل اسلامک سنٹر کا قیام عمل میں آیا تاکہ مغرب کے تعلیم یافتہ طبقہ میں اسلام کے مطالعہ اور اس پر تحقیق کی سنجیدہ و کامیاب کوشش کی جائے یہ سہرا بھی حضرت مولانا ہی کے سر رہا جس کے نتیجہ میں آپ اس سنٹر کے تاحیات صدر منتخب کیے گئے اس طرح آپ نے مغرب و مشرق کے درمیان اسلام کے لئے ایک پل کی تعمیر کا تاریخی کارنامہ انجام دیا

عالم اسلام بالخصوص عالم عرب کا یہ المیہ تھا کہ وہاں ادب پر ایسے ادباء کی اجارہ داری تھی جن کا خود اسلام پر اعتماد متزلزل تھا اور ان کی تحریروں میں تشکیکی رجحانات پائے جاتے تھے اسی ادب کے ذریعہ نئی مسلم نسل میں الحاد

کا سیلاب آ رہا تھا، عالمی سطح پر صحیح العقیدہ مسلم ادبا کا کوئی ایسا پلیٹ فارم نہیں تھا جس کے ذریعہ وسیع پیمانہ پر وہ اپنی دینی، ادبی اور فکری صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر اسلام کی خدمت انجام دے سکیں اگرچہ بعض جگہ ملکی سطح پر یہ کام ہو رہا تھا لیکن اس کا دائرہ بھی بڑا ہی محدود تھا، بین الاقوامی سطح پر اس طرح کے کسی ادارہ کے قیام کا خیال ۱۹۸۱ء میں سب سے پہلے حضرت مولاناؒ ہی کو آیا اور آپ نے ندوۃ العلماء میں اس سلسلہ کا ایک بین الاقوامی سمینار منعقد کیا جس میں عالم عرب کے چوٹی کے مفکرین اور یونیورسٹیوں کے اہم ترین سربراہان بھی شریک ہوئے، اس کے بعد ۱۹۸۴ء میں اسی کو عالمی رابطہ ادب اسلامی کے نام سے مستقل تحریک و ادارہ کی شکل دی گئی اور آپ تاحیات اس کے صدر منتخب ہوئے اس رابطہ کے قیام کے بعد عالمی سطح پر مسلم ادباء میں جو خود اعتمادی پیدا ہوئی اور اس کا جو اثر ہوا اس کا اندازہ ان ہی لوگوں کو ہے جو اس فن کے ماہرین کہے جاسکتے ہیں۔

ہمارے ملک میں آزادی کے بعد ناگفتہ بہ حالات تھے اخلاقی و نسلی فسادات سے ملک کی جو فضا بن گئی تھی اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کو اپنے ــــ بقاء کے ساتھ دعوتی فرائض کی ادائیگی میں بھی غیر معمولی دشواریوں کا سامنا تھا، اس کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت مولانا نے تحریک پیام انسانیت کا آغاز کیا جو نبوت سے قبل مکہ میں حلف الفضول کی اصلاحی تنظیم کے طرز پر ہندستانی تاریخ کی اولین تحریک تھی تاکہ ملک کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اخلاقی گراوٹ سے بلند کرکے فرقہ وارانہ ہم آہنگی قائم کی جائے اس تحریک سے اگرچہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان قائم منافرت کی خلیج کو پوری طرح پاٹا نہ جاسکا۔

لیکن بقول سید حامد صاحب سابق وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اس سے ملک کی کشیدہ فضا میں کچھ کمی ضرور آگئی اور ملک کے تعلیم یافتہ طبقہ کو مسلمانوں کی حب الوطنی کو سمجھنے میں اس تحریک سے بڑی مدد ملی۔

جب ۳۵ سال کی عمر میں مولانا کی شہرۂ آفاق کتاب ماذا خسر العالم منظر عام پر آئی تو جامع ازہر جیسی دنیا کی سب سے قدیم اور باوقار یونیورسٹی کے شیخ الازہر کو یہ اعتراف کرنا پڑا کہ یہ کتاب اس صدی کا بہترین تحفہ ہے، مشہور مغربی مورخ اور لندن یونیورسٹی میں میڈل ایسٹ سیکشن کے چیرمین ڈاکٹر بکنگھم نے بہانگ دہل اس بات کا اعلان کیا کہ اس پوری صدی میں مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے لیے جو کوشش بہتر طریقہ پر کی گئی ہے یہ کتاب اس کا ایک بہترین نمونہ اور تاریخی دستاویز ہے مشہور مفسر قرآن سید قطب تک نے اس کتاب کے اقتباسات اپنی معرکۃ الآرا تفسیر فی ظلال القرآن میں نقل کئے عالمی سطح پر اس کے اس قدر قبولیت کی وجہ یہی تھی کہ سب سے پہلے اس کتاب نے غیر مسلموں کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ عالمی نقشہ میں مسلمانوں کے عروج و زوال سے مسلم امت کے ساتھ خود عالم انسانیت کو بھی غیر معمولی نقصان پہونچا ہے اور اس امت دعوت کے ہاتھ سے قیادت کے چھن جانے سے عالمی انسانی قیادت میں بھی خلاء واقع ہوگیا ہے اس موضوع پر ضمنی حیثیت سے تو متعدد کتابوں میں روشنی ڈالی گئی تھی لیکن اس کو مستقل موضوع بنا کر سب سے پہلے تحقیقی کام کا شرف بھی آپ ہی کو حاصل ہوا سب سے پہلے یہی کتاب تھی جس میں جاہلیت کی اصطلاح کو ماقبل عہد نبوی کے ساتھ خاص کرنے کے بجائے یہ دکھایا گیا کہ جاہلیت انسانی فکر کی اس مخصوص ساخت کا نام ہے جو اس وقت ابھرتی ہے جب انسان اخلاقی قدروں کو پار کر جاتا ہے اور اس معنی میں یہ جاہلیت آج بھی مغرب میں اپنی علمی و صنعتی ترقی کے باوجود موجود ہے چنانچہ مشہور مغربی مستشرق سار جنٹ کو یہ کہنا پڑا کہ یہ کتاب مغرب کے لئے چیلنج اور مشرق کے لئے تازیانہ ہے، اگر برطانیہ میں کتابوں پر پابندی کا رواج ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کتاب پر پابندی لگانے کی سفارش کرتا۔

مفکر اسلام علیہ الرحمہ برصغیر ہی کے نہیں بلکہ عالم اسلام کے سب سے کم عمر طالب علم تھے جن کا آج سے ستر سال قبل صرف سولہ سال کی عمر میں اپنی غیر مادری اور بین الاقوامی شہرت کی حامل عربی زبان میں ایک رسالہ اس وقت کے عربی ادب کے مرکز قاہرہ مصر سے علمی دنیا کے ممتاز ترین مجلہ ماہنامہ المنار میں نہ صرف چھپا بلکہ وہیں سے الگ کتابچہ کی شکل میں بھی شائع ہوا، جو حضرت سید احمد شہیدؒ سے متعلق تھا اس مضمون کے معیار کو دیکھ کر ہی یہ معلوم ہونے کے باوجود کہ مضمون نگار بہت ہی نوعمر ہے علامہ رشید رضا مصری جیسے استاذ وادیب نے آپ کے نام کے آگے الاستاذ کا لفظ بڑھا دیا۔ اس مجلہ المنار کی اہمیت کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ہمارے کتب خانہ جامعہ اسلامیہ بھٹکل کے لئے اس کی پرانی فائل مولانا عبدالمتین صاحب منیری نے ساٹھ ہزار روپیہ میں خریدی، یہ عالمی ریکارڈ یقیناً گینز بک میں درج ہونے کا مستحق اور برصغیر کے دینی مدارس سے تعلق رکھنے والوں کا سر فخر سے اونچا کرنے کے لئے کافی تھا لیکن بقول مولانا عبدالماجد صاحب دریابادیؒ کمال و شہرت لازم و ملزوم نہیں ہے۔

ملت کا ترجمان

حضرت مولانا اگرچہ اپنے خاندانی پس منظر

تعلیم و تربیت اور موجودہ دعوتی تقاضوں کے پیش نظر امتزاج بین القدیم والجدید کے داعی اور جدید صالح و قدیم نافع سے استفادہ کے مبلغ و محرک اور ندوی مزاج و فکر کے نہ صرف حامل بلکہ اس طبقہ کے میر کارواں تھے لیکن عملاً آپ پوری امت کے ترجمان اور ان کے سرپرست تھے اسی لئے آپ کے دعوتی اسفار، خطبات و تالیفات وغیرہ میں اپنے ذوق و مسلک کی دعوت و ترجمانی اور عامۃ الناس کو اس کی طرف راغب کرنے کا شائبہ دور دور تک نہیں ملتا اگر آپ کی زندگی کا یہ مشن ہوتا تو برصغیر کے اندر قائم مدارس کی ایک بڑی تعداد کو بڑی آسانی سے آپ ندوۃ العلماء کے نظام تعلیم کو اختیار کرنے پر آمادہ کرکے اس سے ان کا تعلیمی الحاق کرا سکتے تھے یا مختلف مسلم ممالک میں جہاں آپ کا غیر معمولی اثر و رسوخ تھا ندوہ کی شاخیں کھول سکتے تھے لیکن آپ نے کبھی اس کی فکر نہیں کی۔

اسی طرح جن تحریکات سے آپ کو فکری اختلاف تھا اس کی آپ نے تشہیر کرکے اس تحریک یا ادارہ کو نقصان پہونچانے کی بھی کبھی کوشش نہیں کی۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے بانی سے بعض افکار و تصورات سے اختلاف کے باوجود جب ۱۹۷۲ء میں لوک سبھا میں مسلم یونیورسٹی ایکٹ پاس کیا گیا تو سب سے پہلے خانقاہ کے اس صوفی نے اس کی خطرناکی سے امت مسلمہ کو آگاہ کیا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے بعد الحمدللہ یہ یونیورسٹی اس فوری خطرہ سے نکل گئی۔

۱۹۸۰ء میں جب دارالعلوم دیوبند کا صد سالہ جشن منایا گیا اور اس میں دارالعلوم سے عقیدت کی بنا پر انسانوں کا ایک جنگل امنڈ آیا تو اس موقع پر مولانا نے محسوس کیا کہ اب تک صرف دارالعلوم کے اکابر کا ذکر خیر ہو رہا ہے جس سے یہ سادہ دل بندگان خدا اپنی زندگی کے لئے نتیجہ نہیں نکال سکے ہیں چنانچہ آپ نے اپنی طے شدہ عربی تقریر کے باوجود برجستہ اردو ہی میں ایک ایسی تقریر کی جس میں دارالعلوم کے تاریخی پس منظر اور اس کے بانیان کی مخلصانہ کوششوں کو سامنے رکھتے ہوئے ہندوستانی مسلمانوں کو اپنا ملی تشخص باقی رکھتے ہوئے قائدانہ و داعیانہ کردار بحال کرنے کی پرزور دعوت دی گئی پھر آپ نے فضلاء دارالعلوم کو ان کی جماعت کے وہ امتیازی اوصاف بھی بتلائے جو ان کی ثقافت و مسلک کی تعمیر میں بنیادی عناصر کی حیثیت رکھتے تھے چنانچہ جسٹس تقی عثمانی صاحب جب اس جشن کے بعد پاکستان واپس لوٹے تو انھوں نے اپنے سفرنامہ میں یہ لکھا کہ "اس پورے جشن کا حاصل دارالعلوم کے مسلک کی حقیقی ترجمانی میں مفکر اسلام ہی کی تقریر تھی اگر وہ نہ ہوتی تو تشنگی باقی رہتی"

جماعت اسلامی سے اپنی علاحدگی کے اسباب کی خود مولانا نے اپنی آپ بیتی میں وضاحت کی ہے، لیکن اس کے باوجود ملت کے ایک روحانی سرپرست و رہنما کی حیثیت سے مولانا نے ہمیشہ اپنے مشفقانہ تعلق کا ہی ثبوت دیا چنانچہ جب بابری مسجد کی شہادت کے بعد توازن کو برقرار رکھنے کے لیے اس پر بھی حکومت کی طرف سے پابندی عائد کی گئی تو مولانا نے اس کے خلاف آواز بلند کی اور اخبارات میں مولانا کا یہ بیان شائع ہوا کہ جماعت اسلامی ایک اصلاحی دینی تربیتی اور فکری جماعت ہے اور اس کا جارحانہ اور فرقہ وارانہ سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے اس سلسلہ میں مولانا نے حکومت کے ذمہ داران کو بھی ذاتی طور پر متوجہ کیا۔

اسی طرح بعض مفاد پرست عناصر نے علماء دیوبند اور تحریک دعوت و تبلیغ کے خلاف عربوں کو بدظن کرنے کی کوشش کی اور دہلی نظام الدین پر سے ان کے اعتماد کو ختم کرنے کے لئے بعض مفروضات اور من گھڑت واقعات کا سہارا لیا تو اس کے خلاف بھی مولانا نے اس وقت اپنی بیماری کے باوجود ایک مستقل رسالہ عربی میں الاضواء (البصائر) کے نام سے تحریر کرکے بڑے پیمانے پر عربوں میں اس کو عام کیا جس میں بانی تحریک حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور ان کے مسلک کے علماء کے عقائد صحیحہ کی وضاحت کے ساتھ علماء دیوبند کی خدمات کے غیر معمولی اثرات کا تذکرہ تھا۔

جرأت و بے باکی

مولانا اپنی فطرت و طبیعت کے اعتبار سے ریشم سے زیادہ نرم اور ملائم تھے آپ نے اپنی ذات کے لیے زندگی میں کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا ہم دوستوں کے درمیان مولانا کے متعلق یہ مقولہ مشہور تھا کہ مولانا اپنی مجلس میں سب سے زیادہ اس شخص کے ساتھ اخلاق کا معاملہ کرتے ہیں جو ان کے خلاف پیٹھ پیچھے بولتا ہے اور ان کی زیادہ مخالفت کرتا ہے، آپ کے اس حسن خلق سے متاثر ہوکر معاندین و مخالفین آپ کے اسیر بن گئے، عین وفات سے قبل بیماری کی حالت میں جب عیادت کے لئے بعض معاندین بھی شرفِ حضوری میں آئے تو خدام و حاضرین کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا کہ آپ بے ساختہ ان کے استقبال کے لئے ضعف کے باوجود اٹھ بیٹھنے کی کوشش کرتے اور ان کی تواضع اور خاطر داری کا اس حالت میں بھی خیال رکھتے۔ یہ جمال ذات اور حلم اپنی ذات سے اختلاف اور انتقام کا جذبہ رکھنے والوں کے لئے تھا لیکن جب اسلام پر آنچ آتی اور اس کی بنیادی اصولوں سے سمجھوتہ کا معاملہ آتا تو آپ کا جلال دیکھنے سے تعلق رکھتا، عین اپنے محبوب اور جد امجد نبی رحمت ﷺ کی طرح مکہ مکرمہ میں یاسر عرفات کو مسجد اقصیٰ کے

الہ میں ایک استقبالیہ جلسہ میں تقاریر کے لئے
رجمال عبدالناصر کے قومیت عربیہ کے نعرہ
خلاف آواز اٹھانے پر مصری حکومت کے
شارہ پر دہلی میں وزارت خارجہ کی درخواست
آپ کی بے باکی واستقلال کی تفصیلات
رشتہ صفحات میں آچکی ہیں، وفات سے ایک
ال قبل جب حکومت دبئی کے اصرار پر خود
کم وقت کے ذاتی طیارہ پر وہاں جاکر ان کو
طرح جھنجوڑا اس سے توربعی بن عامر کی تقریر
یاد تازہ ہوگئی، آپ نے عرب شیوخ وحکمرانوں
خود ان کا ذاتی مہمان بن کر ان کا ماضی یاد
لاتے ہوئے کہا کہ تم اسرائیل کو عالم عرب سے
کال دو اور اپنے رشتہ کو محمد عربی ﷺ سے جوڑو اسلئے
تمھارا ان ہی سے وجود ہے، تمھارا یہ رشتہ دن بدن
زور ہو رہا ہے۔

دو سال قبل وندے ماترم کے مسئلہ پر جب
پنی زبان کو جنبش دی تو آپ کو خود اندازہ تھا کہ
س سے ایوان سلطنت میں زلزلہ آجائے گا لیکن
پ نے بے نیازی کے ساتھ اپنا فرض ادا کیا اور
ہا کہ اے مسلمانان ہند! اپنے گلشن کی ان معصوم
لیوں کو ان شرک آلودہ اسکولوں کے حوالہ کرنا حرام
ور ناجائز ہے، شاہ بانو کیس کے سلسلہ میں پرسنل لا
رڈ کی طرف سے آپ کی قیادت میں جو ملک گیر تاریخی
ور بے نظیر کامیاب تحریک چلی اس موقع پر بھی آپ
نے اس وقت کے وزیر اعظم راجیو گاندھی سے صاف
صاف کہہ دیا تھا کہ راجیو جی آپ ہمیں اس سلسلے
یں موجودہ عربوں اور اسلامی حکومتوں کے حوالے
مت دیجئے کہ یہ ہمارے لیے نمونہ نہیں ہیں اور
نہ ہم نے اپنی قسمتوں کو ان سے مربوط کر رکھا ہے،
ہمارے لئے قرآن وحدیث کافی ہے اور ہم توحید
خالص کے معاملہ میں ایک نقطہ سے بھی دست برداری
کے لیے تیار نہیں ہیں۔

اسی طرح سنہ ۱۹۹۰ء میں عراق کے کویت پر حملہ کے بعد رابطہ عالم اسلامی نے عالمی سطح کے مفکرین وعلماء کا اجلاس مکہ میں طلب کیا اور اس سلسلہ میں ان کے تائیدی بیانات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی لیکن مولانا نے بڑی جرأت وصاف گوئی کے ساتھ اس اجلاس میں اور پھر واپس ملک پہونچ کر ان عرب سربراہان مملکت کے نام اپنے خطوط میں اپنے موقف کی وضاحت کی کہ اس وقت ان مسائل سے ہٹ کر سب سے اہم چیز صحیح اسلامی نظام حکومت کے قیام کی ہے تاکہ ایک صالح تعلیم وتربیت کا نظام وجود میں آئے اور عالم اسلام بالخصوص عالم عرب ایک مثالی اور معیاری معاشرہ کا نمونہ انسانیت کے سامنے پیش کرسکے۔ مولانا کی حیات اور مختلف کتابچے ومقالے اور دیگر محاضرات اس پر گواہ ہیں۔

جہاں بینی میری فطرت ہے لیکن

دارالعلوم دیوبند کے مہتمم محترم مولانا مرغوب الرحمان صاحب مدظلہ العالی نے دارالعلوم کے ماہنامہ ترجمان میں سچ لکھا تھا کہ دعوتی اسفار میں حضرت مولانا کی مثال پورے ہندوستان میں نہیں ملتی، اسلامی یا غیر اسلامی ممالک میں شاید ہی کوئی اہم ملک ایسا ہو جہاں کا آپ نے دعوتی سفر نہ کیا ہو اور وہ بھی اتنی بار کہ چند سالوں کے بعد سننے والوں کو شاید یقین بھی نہ آئے آخر عمر میں پیرانہ سالی میں بھی آپ نے تین تین براعظموں کے ایک ساتھ سفر کئے، وفات کے آخری سال کو چھوڑ کر رمضان کے علاوہ کبھی آپ نے ۲/۳ ہفتہ مسلسل اپنے گھر یا ندوہ میں نہیں گزارے۔ اگر ریاضی کا طالب علم اس کارواں زندگی کو سامنے رکھ کر حساب لگائے تو مجموعی مسافت ایک کروڑ کلومیٹر سے بھی زائد ہو جاتی ہے آپ نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی سیرت

لکھنے کے ساتھ ساتھ ان کی طرح سربراہان مملکت سے نہ صرف اسلام کی خاطر اصلاحی روابط رکھے بلکہ ان سے بالمشافہ مل کر اسلام پر ان کا اعتماد بحال کرنے کی کوشش بھی کی اسی دینی تعلق نے جنرل ضیاء الحق شہید کو مجبور کیا کہ جب مولانا کے اصرار پر بھی ایوان صدر نہیں آرہے ہیں تو کراچی میں ان کی اس قیام گاہ میں جاکر حاضری دیں جو ایک تنگ گلی میں واقع تھی، حاکم شارقہ صرف آپ سے ملنے لکھنؤ آئے، اردن کے والی شاہ عبداللہ وشاہ حسین ملک فیصل مراکش کے ملک حسن یمن کے صدر علی عبداللہ وغیرہم سے اپنی دعوتی ملاقاتوں کی تفصیلات تو خود مولانا آنے والی نسلوں کے لئے بطور امانت کاروان زندگی میں چھوڑ گئے ہیں۔

احسان شناسی ونسبتوں کا لحاظ

احسان شناسی اور نسبتوں کا جو لحاظ حضرت مولانا کے یہاں تھا ان واقعات پر شاید نہ دیکھنے والوں کو مبالغہ کا گمان ہو، سنہ ۱۹۹۸ء میں مدراس میں قاری محمد قاسم صاحب کے تفسیری درس کے اختتامی اجلاس میں مولانا نے یہ کہہ کر ان ہزاروں حاضرین کو حیرت میں ڈال دیا کہ میں اس وقت اتنے طویل سفر کی سکت نہیں رکھتا تھا، نہ میری صحت اس کی اجازت دے رہی تھی اور نہ ہمت، صرف یہ سوچ کر میں یہاں حاضر ہوا کہ قاری صاحب کا میرے استاذ خلیل عرب صاحب کے شہر بھوپال سے تعلق ہے، مولانا سالم صاحب قاسمی مدظلہ خود بیان کرتے ہیں کہ سخت بیماری کی حالت میں بھی ان سے کھڑے ہوکر منع کرنے کے باوجود معانقہ یہ کہہ کر کرتے کہ ایک دفعہ آپ کے دادا مرحوم نے میرے والد کی دیوبند میں میزبانی کی تھی حضرت رائے پوریؒ مولانا محمد الیاس صاحبؒ مولانا حسین احمد مدنیؒ وغیرہم سے دور سے بھی تعلق رکھنے والا مہمان خانہ آتا تو وہ منفرد دیکھنے سے تعلق رکھتا

ان سے ——— مولانا بڑے احترام سے ملتے خود ان کو کھانا کھلاتے اور ان کا ہر طرح خیال رکھتے، راقم الحروف کی کتاب "سیرت سلطان ٹیپو شہید" کا مسودہ جب مکمل ہوا تو میں نے اس کو آپکی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا کہ حضرت دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو قبولیت سے نوازے، فرمانے لگے کہ ادھر مسلسل کئی ماہ سے آپ کے لئے تو اس نسبت سے خصوصی دعا کر ہی رہا ہوں لیکن سلطان کے لئے روزانہ یٰسین شریف پڑھ کر ایصال ثواب اور دعا کرنے کا معمول تو ہماری جوانی ہی سے ہے اس لئے کہ سلطان شہیدؒ کے ہمارے اجداد سے روحانی روابط تھے۔ پاکستان کے وزیر کوثر نیازی صاحب جب ندوہ تشریف لائے تو مولانا خود خلاف معمول ان کو ندوہ کی سیر کرانے یہ کہہ کر لے گئے کہ دار المصنفین کے تعلق سے آپ نے ایک دفعہ جدہ میں ہمارا کام کروادیا تھا حالانکہ کوثر نیازی صاحب خود اس کو بھول گئے تھے

غرض یہ کہ ان سب امتیازی صفات نے آپ کو ایک گلدستہ کے مانند بنا دیا تھا جس میں رنگ برنگے پھول سجائے گئے ہوں، اس طرح کی ہمہ جہت اور مختلف صفات کی جامع شخصیت ہندستان ہی نہیں عالم اسلام کی ماضی قریب کی تاریخ میں دور دور تک نظر نہیں آتی۔ ؏

مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے

خلوص اور سچی دینی غیرت و حمیت ہو تو مخلص اپنے معاصرین کا کس کشادہ دلی سے اعتراف کرتا ہے۔ اور اگر خلوص نہ ہو تو جماعتی و گروہی حجاب حائل ہو جاتا ہے۔

مولانا شفیق احمد قاسمی قابل مبارکباد ہیں کہ انھوں نے مختلف مقامات سے ان مکاتیب کو حاصل کر کے یکجا کر دیا ہے۔ اگر ہر مکتوب کے شروع میں مکتوب نمبر لکھ کر مکتوب سے متعلق جس طرح فہرست میں عنوانات لکھے ہیں مختصر جلی عنوان لگا دیتے تو پڑھنے والا فوراً سمجھ لیتا کہ فلاں مکتوب فلاں موضوع پر ہے۔

دعا ہے کہ مولانا شفیق احمد قاسمی کی یہ کاوش مقبول عند اللہ ہو اور عوام و خواص اس مجموعہ سے برابر استفادہ کرتے رہیں۔

غریبی اور خوشحالی

غریبی آتی ہے سات چیزوں کے کرنے سے

(۱) جلدی جلدی نماز پڑھنے سے، (۲) کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے (۳) پیشاب کرنے کی جگہ وضو کرنے سے (۴) کھڑے ہو کر پانی پینے سے (۵) منھ سے چراغ بجھانے سے (۶) دانت سے ناخن کاٹنے سے (۷) دامن یا آستین سے ہاتھ منھ صاف کرنے سے۔

خوشحالی آتی ہے سات چیزوں کے کرنے سے

(۱) قرآن کی تلاوت کرنے سے (۲) نماز پنجگانہ پڑھنے سے (۳) خدا کا شکر ادا کرنے سے (۴) غریبوں اور مجبوروں کی مدد کرنے سے (۵) گناہوں سے معافی مانگنے سے (۶) ماں باپ اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے سے (۷) صبح کے وقت سورۂ یٰسین اور شام کے وقت سورۂ واقعہ پڑھنے سے۔

(بقیہ) مکتوبات حکیم الاسلام

سے زیادہ کوئی عالم آخر کیا لکھے گا۔ حق یہ ہے کہ حق ادا کر دیا۔ حاجت پوری ہو چکی۔"

(تفصیل کیلئے مکتوبات حکیم الاسلام ص ۲۶۴ تا ص ۲۸۰ ملاحظہ فرمائیں)

حضرت تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس خط سے صاف عیاں ہو جاتا ہے کہ جب دل میں

آکسفورڈ اسلامک سینٹر کی مجلس انتظامی کا اٹھارہواں اجلاس

اسلامی تاریخ کی تدوین ۔ برونائی ایوارڈ کا اعلان ۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اسکالرشپ دینے کا فیصلہ

از: مولانا محمد اکرم ندوی (لندن)

آکسفورڈ سینٹر فار اسلامک اسٹڈیز، آکسفورڈ برطانیہ کی معروف ترین اور اہم قدیم یونیورسٹی ۔ آکسفورڈ سے وابستہ شعبہ کے طور پر اٹھارہ سال قبل قائم ہوا تھا۔ یہ ادارہ اپنے مالی اور انتظامی معاملات میں آزاد ادارہ ہے، البتہ علمی اور تعلیمی لحاظ سے وہ آکسفورڈ یونیورسٹی سے خصوصی ربط کا حامل ہے اسلام اور مسلمانوں کے علمی کام کے متعلق مزید تحقیق اور مطالعے کے مقصد میں دونوں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اس ادارہ کی تشکیل کے وقت ہی سے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اس کے صدر رہے ــــ علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر اور حکومت ہند کے سابق سفیر شام اور تاریخ کے مشہور استاذ و محقق ڈاکٹر خلیق احمد نظامی اس کے اہم رکن رہے، اور ڈاکٹر فرحان احمد نظامی اس کے ڈائرکٹر منتخب ہوئے

گذشتہ اٹھارہ سال میں ادارہ کے کاموں میں خاصی پیش رفت ہوئی، اس کے ٹرسٹی بورڈ کا اٹھارہواں سالانہ اجلاس ۴؍ستمبر ۲۰۰۰ء کو منعقد ہوا، جس میں مصر و قطر کے نمائندے اور عالم عربی کے ممتاز عالم دین ڈاکٹر یوسف القرضاوی، رابطہ عالم اسلامی کے سابق سکریٹری جنرل اور مجلس شوریٰ سعودی عرب کے نائب صدر ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف، سعودی شہزادہ امیر ترکی بن فیصل برونائی کے وزیر تعلیم یہین عبدالعزیز، متحدہ عرب امارات کے صدر کے مشیر خاص عبدالرحمن عتیقی، برطانیہ میں متحدہ عرب امارات کے سفیر عیسیٰ صالح القرک، امریکہ میں مقیم افریقہ کے مشہور دانشور پروفیسر علی مزروعی، ملیشیا کے احمد سرجی عبدالحمید اور دوسرے ارکان شریک ہوئے، ہندوستان سے اس کے خصوصی رکن ناظم ندوۃ العلماء مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے شرکت کی۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد یہ پہلا جلسہ تھا، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر اظہار رنج و غم، اور احساس خسارہ کے اظہار کے ساتھ جلسہ کا افتتاح ہوا، نائب صدر ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف کو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی جگہ ٹرسٹی بورڈ کا صدر پہلے سے منتخب کیا جا چکا تھا، اس انتخاب کی توثیق کی گئی ۔

نائب صدر کے عہدہ کیلئے برونائی کے وزیر تعلیم یہین عبدالعزیز کو منتخب کیا گیا جلسہ میں یہ تجویز منظور کی گئی کہ سینٹر کی طرف سے مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی اسکالرشپ جاری کی جائے، جس کیلئے سینٹر خاص اپنے بجٹ سے رقم فراہم کرے، اس اسکالرشپ کو علمی تحقیق کیلئے خاص کیا جائے ۔

اس سال کے بین الاقوامی سلطان آف برونائی پرائز کیلئے عالم اسلام کے تین دانشوروں کو (جنھوں نے سیرت نبوی پر اہم کام انجام دیا ہے) منتخب کیا گیا، یہ انعام اس سال تینوں میں برابر تقسیم ہوگا ان دانشوروں میں اردن کے مشہور فاضل ڈاکٹر ضیاء اکرم عمری خاص طور پر قابل ذکر ہیں جو مشہور مصنف اور استاذ ہیں ۔

بورڈ کے جلسہ میں تقریباً تمام ہی ارکان شریک تھے، ڈاکٹر یوسف القرضاوی بعض مشغولیتوں کی وجہ سے شریک نہ ہوسکے، انھوں انھوں نے اپنی نمائندگی کیلئے ڈاکٹر علی القرہ داغی کو بھیجا ۔

سینٹر نے عالم اسلام کا ثقافتی، سیاسی اور علمی تاریخ کا جو اطلس تیار کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا وہ اب تکمیل کے قریب پہنچ گیا ہے، اس کیلئے عالم اسلام کے ہر علاقے سے اس کے تاریخی و ثقافتی موضوع پر عبور رکھنے والے پروفیسروں اور اہل علم حضرات سے پوری مدد لی گئی، تاکہ نہایت ذمہ دارانہ معلومات درج کی جاسکیں، اس کام کا بڑا حصہ کمپیوٹر پر لایا جا چکا ہے ۔ یہ مکمل ہونے پر ایک غیر معمولی کام ہوگا۔ اور عالم اسلام کی اجتماعی سیاسی ثقافتی اور علمی معلومات کا ایک زبردست مرقع ہوگا اس کو نقشوں کے ذریعہ سجایا گیا ہے ۔

جلسہ میں سینٹر کی مخصوص عمارت کے سلسلہ میں جو پیش رفت ہوئی ہے اس کی تفصیل سے مطلع کیا گیا ہے عمارت یونیورسٹی کے ہی ایریا میں دفاتر لائبریری میٹنگ ہال، اسکالروں کی رہائش گاہ اور مسجد پر مشتمل ہوگی. تعمیر کا کام جلد ہی شروع کر دیا جائے گا برطانیہ کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہوگا کہ اس کی کسی یونیورسٹی کے اندر اسلامیات کے مطالعہ کے لئے اور مطالعہ کرنے والوں کی صرف علمی ہی نہیں، دینی ضرورت کی عمارتوں کو مع مسجد تعمیر کیا جائے گا. اس نئے اقدام کو بعض ذمہ داران یونیورسٹی نے محل نظر قرار دیا تھا، جس پر یونیورسٹی کی سینیٹ نے، نیز آکسفورڈ کی سٹی کونسل نے تفصیل سے غور کیا. اور بالآخر اس نتیجے پر پہنچے کہ اس عمارت کو یونیورسٹی کے اندر قائم کرنے میں حرج نہیں، اور مسلمان طلباء اور دانشوروں کی ضرورت کیلئے یہ سہولت مناسب اور موزوں ہے. اس سے کسی غیر مذہب کے لوگوں پر کوئی اثر نہیں پڑے گا.

سینٹر نے آج سے کئی سال قبل سمرقند اور ازبکستان میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اعلیٰ علمی مقام کے سلسلہ میں ایک بین الاقوامی سیمینار منعقد کیا تھا جس میں ان کے نام سے ایک اعلیٰ تعلیمی ادارہ کے قیام کا منصوبہ بھی منظور کیا گیا تھا، جس کے لئے حکومت ازبکستان نے جائے وقوع پر مطلوبہ مقدار میں زمین دینے کا فیصلہ کیا تھا، اب ادارہ کی ضرورت کے لحاظ سے عمارت کی تعمیر ہونی ہے. اس کیلئے ازبکستان کی حکومت کے ساتھ رابطہ قائم ہے، غور و خوض کے بعد اس کی تعمیر کا آغاز بھی جلد ہونے کی امید ہے.

سینٹر کے اگلے منصوبوں میں عالم اسلام کے تاریخی اطلس کے علاوہ، عالم اسلام کی ایک معیاری تاریخ کی تدوین بھی شامل ہے، جو علمی لحاظ سے آکسفورڈ یونیورسٹی کے معیار کے مطابق اور اسلامی واقعات اور معلومات پیش کرنے کے اعتبار سے مستند اور اسلامی انداز اور طریقہ سے صحیح واقفیت رکھنے والوں کے قلم سے تیار کی جائے گی. یہ تاریخ چار پانچ جلدوں پر مشتمل ہوگی اور علاقہ علاقہ کے فرق سے اس کی جلدیں تیار کی جائیں گی.

جلسہ نے سینٹر کے ڈائرکٹر ڈاکٹر فرحان احمد نظامی کی رپورٹ کو منظور کیا اور ان کی خدمات کو سراہا

مکتوبات حکیم الاسلامؒ

ایک تبصرہ

محمد شاہد ندوی بارہ بنکوی

نام کتاب: مکتوبات حکیم الاسلامؒ
مرتب: شفیق احمد قاسمی
صفحات: ۸۴۴، سائز ۱۸×۲۲/۸، قیمت 120/= روپے
ملنے کا پتہ:- پیغام بکڈپو، اردو بازار، جلال پور، امبیڈکر نگر (یو۔پی)

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی اور ان کی گوناگوں علمی عرفانی، اخلاقی، فکری، خطابی اور کتابی خصوصیات محتاج تعارف نہیں۔

حضرت مولاناؒ کے مواعظ اور خطبات جس طرح علم وحکمت سے پُر ہوتے تھے اسی طرح ان کے مکتوبات بھی اپنی نفع بخشی اور فیض رسانی میں اکسیر کا حکم رکھتے ہیں۔

• مکتوبات حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علمی، اصلاحی، دینی اور تاریخی مکتوبات کا مجموعہ ہی نہیں بلکہ وعظ و نصیحت، عبرت و موعظت، علم وحکمت اور دینی معلومات کا ایک بیش قیمت تحفہ ہے۔

یہ خطوط قاری صاحبؒ نے اپنے معاصر علماء اور بزرگوں میں حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی، مولانا عبد الماجد دریا آبادیؒ، حضرت مولانا شاہ وصی اللہؒ، مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، مولانا محمد منظور نعمانیؒ، مولانا منت اللہ رحمانیؒ وغیرہ کے علاوہ ملک و بیرون ملک کی دیگر اہم شخصیتوں کو لکھے تھے یہ سینتالیس۴۷ خطوط برائے خطوط ہی نہیں ہیں بلکہ خطوط کے ضمن میں نصیحتیں، عبرتیں اور بہت سی انمول باتیں قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قلمبند فرمائی ہیں جو لائق مطالعہ بھی ہیں اور معلومات افزا بھی اور فکر وعمل کی داعی بھی ہیں۔

ان خطوط سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قاری طیب صاحبؒ کے یہاں اپنے معاصر علماء اور بزرگوں کا کتنا احترام تھا اور ان کی عظمت شان کا کتنا لحاظ فرماتے تھے اور ان کے علمی اور دینی کارہائے نمایاں کا اعتراف کتنی کشادہ دلی کے ساتھ کرتے تھے اس کا اندازہ مولانا عبد الماجد دریا بادی رحمۃ اللہ علیہ کے نام ایک مکتوب سے ہوتا ہے جو انھوں نے ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۴۹ھ کو لکھا تھا جس کی تفصیل اس طرح ہے جو قابل عبرت بھی اور باعث نصیحت بھی اور اہل علم اور صاحب قلم حضرات کیلئے خاصے کی چیز بھی ہے۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے استاد حافظ اسلم صاحب جیراجپوری نے جامعہ سے شائع ہونے والے رسالہ میں "دریائے کذب" کے عنوان سے ایک مضمون شائع کیا تھا جس میں ذخیرۂ احادیث کو جھوٹ اور کذب کا سیلاب کہہ کر ناقابل اعتبار قرار دیا تھا۔ اور صحابہ کرامؓ کی تنقیص و تذلیل کی تھی۔

حضرت مولانا عبد الماجد دریا بادی رحمۃ اللہ علیہ نے اسلم صاحب کے "دریائے کذب" کے جواب میں ایک علمی و تحقیقی مضمون اپنے رسالہ "ہفت روزہ سچ لکھنؤ" میں شائع فرمایا۔ اس مضمون کو پڑھنے کے بعد حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ نے مولانا عبد الماجد دریا بادیؒ کو ایک خط لکھا جس کی تحریر اس طرح ہے۔

مخدومی و معظمی دامت فیوضکم وبرکاتہم

"بعد سلام مسنون عرض ہے "کل کا پرچہ" سچ "نظر سے گذرا اس میں مضمون بعنوان "دریائے کذب" پڑھا جس عالمانہ و فاضلانہ انداز میں جناب نے اس موضوع پر قلم زنی فرمائی اور دفاع عن الدین کا فریضہ ادا فرمایا وہ آپ کا حصہ تھا۔ خدا تعالیٰ شاہد ہے کہ اس مضمون کے ایک ایک کلمہ کو پڑھ کر بے اختیار جی چاہتا ہے کہ مضمون نگار کے ہاتھوں کو معتقدانہ بوسہ دوں اور اس کے پیروں سے آنکھیں ملوں جَزَاكُمُ اللهُ عَنَّا وَعَنِ الْعُلَمَاءِ وَعَنْ جَمِيعِ الْمُسْلِمِينَ أَحْسَنَ الْجَزَاءِ حمایت وصیانت دین کی جو ذمہ داری حق تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ رکھی ہے اس کا فضل ہے کہ اس نے اس باب میں آپ کا انتخاب فرمایا اور وسائل عمل میں داخل فرمالیا۔

اسلم صاحب کے "دریائے کذب" سے جس قدر کوفت اور کلفت ہوئی تھی الحمد للہ آپ کے "بحر صدق" نے سب دھوڈالی اس زیغ کے مقابلہ میں آپ نے جس علمی رسوخ اور صدق و یقین کو پیش فرمایا اس

(باقی صفحہ ۲۳ پر)

تعمیر حیات کے "مفکر اسلام نمبر" کا مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء کے ہاتھوں اجرا

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے

اسلام و انسانیت کی سربلندی کے لئے اپنی زندگی وقف کی

نمائندہ تعمیر حیات

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے اسلام کی ترویج واشاعت اور اس کی سربلندی کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی تھی انھوں نے ملت کے غم کو اپنا غم بنا لیا تھا وہ فکر صالح، علم وعمل، ورع وتقویٰ اور جہد مسلسل کا نمونہ تھے۔ انھوں نے ایک طرف عرب وعجم تک اسلام کے پیغام کو پہونچایا اور خواب غفلت سے بیدار کرنے کی کوشش کی تو دوسری طرف اہل وطن کو اسلام کے انسانیت واخوت کے پیغام سے واقف کرایا تاکہ اسلام کی صحیح روح سے وہ واقف ہو سکیں۔

ان خیالات کا اظہار دار العلوم ندوۃ العلماء کے ناظم اعلیٰ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے ۱۶ ستمبر کو دار العلوم ندوۃ العلماء کے شبلی ہال میں تعمیر حیات کے خصوصی شمارہ "مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نمبر" کا اجراء کرتے ہوئے کیا۔ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے کہا کہ حضرت مولانا کی وفات ملت کے لئے ایک ایسا سانحہ ہے جس کو پوری دنیا نے شدت کے ساتھ محسوس کیا اور گوشہ گوشہ میں تعزیتی جلسے اور سیمنار ہوئے۔ انھوں نے کہا کہ پاکستان بنگلہ دیش، ملیشیا، انڈونیشیا، یورپ، امریکہ، عرب ممالک وغیرہ میں مجلوں اور رسالوں کے خصوصی شمارے حضرت مولاناؒ پر شائع ہوئے اس لئے ہمارا بھی فرض تھا کہ مولانا کی زندگی اور ان کے پیغام کو لوگوں تک پہونچائیں۔ معتمد تعلیمات دار العلوم ندوۃ العلماء مولانا عبداللہ عباس ندوی نے اپنی تقریر میں حضرت مولاناؒ کی زندگی کے مختلف گوشوں کو بڑی خوبی کے ساتھ اجاگر کیا۔ انھوں نے خصوصی شمارہ کا ذکر کرتے ہوئے شرکاء اہل قلم کا تذکرہ کیا اور کہا کہ یہ وقیع نمبر مولانا کے فکر ونظر، ندرت خیال، بلندیٔ افکار، انسانیت کی دعوت کو اپنے جلو میں لئے ہوئے ہے۔ جلسہ کا آغاز عبدالحلیم ندوی نے تلاوت قرآن پاک سے کیا اور شکیل احمد نے نظم پیش کی جبکہ نظامت مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری نے کی، مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء مولانا سعید الرحمن اعظمی ندوی کی دعا پر جلسہ کا اختتام ہوا۔ اس موقع پر ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، مولانا عبدالعلیم فاروقی اور کثیر تعداد میں شہر کے سربرآوردہ افراد موجود تھے۔

مفکر اسلام نمبر

تعمیر حیات کا خصوصی شمارہ مفکر اسلام نمبر صفحات ۳۵۱، رنگین ٹائٹل، دیدہ زیب کتابت ۱۴ مضامین اور ۳۰ منظوم نذرانۂ عقیدت پر مشتمل ہے یہ ضخیم اور جامع نمبر مواد کے اعتبار سے بہت قیمتی ہی نہیں بلکہ بیش قیمت ہو گیا ہے اور مفکر اسلام کی زندگی کے مختلف گوشوں پر بھرپور روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ نمبر جہاں ایک طرف حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کو سمجھنے میں کسی شخص کو ممد ومعاون ثابت ہوگا تو دوسری جانب محققین اور طلباء کے لئے یہ مشعل راہ ثابت ہوگا۔

مقالہ نگاروں میں اکثریت مولانا مرحوم کے شاگردوں، ان کو بہت قریب سے دیکھنے والوں اور شب وروز ان کے ساتھ رہنے والوں کی ہے لہٰذا یہ کہنا کہ کس کا مضمون زیادہ اہم ہے بڑا مشکل ہے ہر مضمون اپنی جگہ مکمل اور نیا پن لئے ہوئے ہے۔ منظوم حصے میں ماں کی دعا کوئی معمولی نظم نہیں بلکہ اس کے ہر شعر سے تاریخ کے کئی ابواب روشن ہوتے ہیں اور جذبہ وجذبات کا عالم یہ ہے کہ وہ قرون اولیٰ کی مسلم خواتین کے جذبات سے بہت قریب ہے، پاکیزہ خیالات کی صحیح ترجمانی کرنے والے الفاظ کا استعمال مثالی ہے۔ اسی طرح مولانا محمد ثانی مرحوم اور جدید دور کے اردو کے اہم ناقد وشاعر جگن ناتھ آزاد کا نذرانہ عقیدت کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔ مجموعی طور پر مفکر اسلام کی حیات وکارناموں پر منحصر مواد کو تعمیر حیات نے شائع کر کے بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ تعمیر حیات، الرائد، اور البعث الاسلامی دار العلوم کے عام جرائد نہیں جو صرف کاغذ، روشنائی کے ڈھانچے ہیں بلکہ ان کی حیثیت ابنائے دار العلوم کے نبض فرزندگی ہے جو اپنے میدان میں اہم کارنامے انجام دے رہے ہیں۔

منتصر عالمی خبریں

معید اشرف ندوی

● آسٹریلیا میں مقیم مسلمانوں نے وہاں کے مقامی باشندوں کو اسلام کی حقیقی تصویر دکھانے کیلئے میڈیا کا مؤثر سہارا لینا شروع کردیا ہے۔ ایک اخبار کی اطلاعات کے مطابق اس مقصد کیلئے آسٹریلیا کے مسلمانوں نے امداد باہمی سے ریڈیو اسٹیشن قائم کیا ہے جس کا نام آسٹریلین اسلامک ریڈیو تجویز کیا گیا ہے جبکہ آسٹریلین مسلم ٹائمز کے نام سے ایک اخبار کا بھی اجراء کیا گیا ہے جس کو غیر مسلم حلقوں میں مقبولیت حاصل ہو رہی ہے۔ آسٹریلیا کے مسلم حلقوں کے مطابق آسٹریلیا کے باشندوں کی اسلام کے بارے میں معلومات گمراہ کن ہیں جو مغرب کے ذرائع ابلاغ کی مہیا کردہ ہیں تاہم اب لوگوں کو اسلام کے حقیقی تصورات سے روشناس کروانے کا کام شروع کردیا گیا ہے اور اس کے مثبت اثرات سامنے آنے شروع ہوگئے ہیں۔

● امریکی کانگریس نے آئندہ سال کیلئے دفاع کی مد میں ۳۰۸ ارب ڈالر کا اضافہ کردیا ہے جس میں فوجیوں کی تنخواہوں میں ۳،۷ فیصد اضافہ بھی شامل ہے اس کے علاوہ کشیدگی کے مقام پر فوری تعینات کی جانے والی فوج کی تیاری کیلئے ڈیڑھ ارب ڈالر کی رقم مختص کی گئی ہے، مجموعی طور پر پنٹاگون کے اخراجاتی بل کیلئے ۲ کھرب ۸۸ ارب ڈالر کے بل کی منظوری دی گئی ہے، ۵۹ ارب ڈالر ہتھیاروں کے حصول اور ۱۴ ارب ڈالر غیر ملکی جاسوسی سرگرمیوں کیلئے رکھے گئے ہیں۔ بل میں ڈیڑھ ارب ڈالر کی رقم دنیا کے کسی بھی کشیدگی کے شکار خطے میں فوری طور پر تعیناتی کیلئے ۸ ہزار فوجیوں پر مشتمل نئی دو "میڈیم بریگیڈ" فوج کی تیاری کیلئے مختص کئے گئے ہیں۔ مذکورہ فوج محض ۹۶ گھنٹوں میں دنیا کے کسی بھی مطلوبہ مقام پر تعینات کی جاسکے گی۔

● نیویارک میں منعقد مذہبی پیشواؤں کی عالمی امن ہزاریہ کانفرنس کے شرکاء سے خطاب کرتے ہوئے رابطہ عالم اسلامی کے سکریٹری جنرل ڈاکٹر عبداللہ صالح العبید نے کہا کہ اقوام عالم کی سلامتی کے نام پر کسی ایسی بات سے گریز کیا جائے جو اسلامی عقائد سے متصادم ہو۔ اس سلسلہ میں رابطہ عالم اسلامی نے پرامن بقائے باہم کیلئے سیمینار منعقد کرنے کی پالیسی اپنائی ہے۔ تاکہ مغرب کو سمجھ سکیں اور اسلام کے بارے میں غلط فہمیوں کا ازالہ ہوسکے۔ ڈاکٹر عبداللہ نے واضح کیا کہ انھوں نے اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل کوفی عنان کو مجوزہ اعلانیہ کیلئے اسلامی ترمیمات اور اضافے سے آگاہ کردیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ رابطہ مشترکہ اسلامی عمل کیلئے اقوام متحدہ کی کانفرنس میں شریک اسلامی تنظیموں اور امریکا کی اسلامی تنظیموں کے ساتھ تعاون واشتراک کو اشد ضروری سمجھتا ہے۔ اقوام متحدہ میں متعین سعودی سفیر فوزی بن عبدالمجید نے خبردار کیا کہ بداعتمادی کے شکوک وشبہات، صلیبی جنگوں، استعماری سازشوں اسرائیل کے قیام عرب اور مسلم دنیا کے قدرتی وسائل کی کوششوں کے باعث اسلام اور مغربی دنیا کے تعلقات نہایت پیچیدہ ہوگئے ہیں۔ ان کے سدباب کیلئے بھی شب وروز محنت کرنی ہوگی۔ اور ہر ہر سطح پر مسلمانوں اور مغربی دنیا کے رہنماؤں کے درمیان مباحثے، مکالمے، ملاقاتیں، کانفرنسیں، سیمینار منعقد کرنا ہوں گے۔

● امریکی اخبار لاس اینجلس ٹائمز کی ایک رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ امریکا کے ۱۵ لاکھ بچوں کے والدین فیڈرل یا ریاستی جیلوں میں قید ہیں۔ اخبار نے امریکا کے محکمۂ انصاف کے حوالے سے اعداد وشمار بتاتے ہوئے کہا کہ جن ۱۸ سال سے کم بچوں کے والدین جیلوں میں بند ہیں ان کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے یہ تعداد ۱۹۹۱ء کے مقابلے میں ۶۰ فیصد زیادہ ہے جو اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ والدین کا اپنے بچوں سے تعلق ختم ہونے کے ساتھ جرائم میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔

مطالعہ کی میز

تبصرے کیلئے کتابوں کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے!

• محمد شاہد ندوی بارہ بنکوی

نام کتاب : اللباب فی شرح الکتاب "مختصر القدوری"
تالیف : الشیخ عبد الغنی الغنیمی المیدانی
صفحات کی تعداد صحیح نہیں ہے سائز ۲۰×۳۰/۸، قیمت ۱۸۵/- روپیے
ملنے کا پتہ : مکتبہ دار الایمان نزد مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور (یوپی)

"مختصر القدوری" مدارس عربیہ کے نصاب میں داخل فنِ فقہ کی مشہور و معروف اور متداول کتاب ہے جو متبحر عالم حضرت شیخ عبد الغنی الغنیمی المیدانی کی تصنیف کردہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو زبردست مقبولیت عطا فرمائی کہ یہ سالہا سال سے داخل نصاب ہے اور اس کی دسیوں عربی اردو شرح لکھی جا چکی ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب "اللباب فی شرح الکتاب" "مختصر القدوری" کی عربی شرح ہے جو شیخ عبد الرزاق المہدی نے احادیث کی تشریح اور مسائل کے حل کے ساتھ بڑی عرق ریزی کے ساتھ اور آسان فہم عربی میں تیار کی ہے

خصوصیات! آسان اور سلیس زبان میں کتاب کا حل • ائمہ احناف کے مابین اختلافی مسائل میں ہر ایک کے دلائل اور وجوہ ترجیح مختلف اقوال میں مفتی بہ اور مستند قول کی نشاندہی کا اہتمام • مقدمہ میں مشہور ائمہ فقہ و مصنفین کے تراجم حروف تہجی کی ترتیب کے ساتھ • کتب فقہ و فتاویٰ کا تعارف بھی اسی ترتیب سے • جو طلبا عربی زبان میں امتحانات کے پرچے حل کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں ان کے لئے بیحد معاون و مفید • تین رنگ میں نہایت دیدہ زیب اور مضبوط جلد کے ساتھ مزین ہے جو مدارس عربیہ کے اساتذہ، طلباء اور فن فقہ سے دلچسپی رکھنے والے قارئین کیلئے ایک قیمتی تحفہ ہے اس لئے شائقین حضرات پہلی فرصت میں کتاب حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

نام کتاب : فانوسِ حرم
نام مصنف : وصف الرحمٰن واصف نظامی طاہر پوری
صفحات: ۱۱۲، سائز ۱۸×۲۲/۸، قیمت ۶۰/- روپئے۔
ملنے کا پتہ : اردو مرکز سلمان سنگم ہاؤس ہمصران اسٹریٹ سہارنپور (یو۔پی)

"فانوس حرم" حمد و نعت پر مشتمل وصف الرحمٰن واصف نظامی طاہر پوری کا ایک شاندار مجموعۂ کلام ہے جو دلوں کو یادِ الٰہی اور عشقِ نبوی کے ساتھ ساتھ ایوان ادب کو بھی مزین اور منور کرے گا ؎

آنکھوں میں ہیں قندیلِ مدینہ کی فضائیں
دل میں مرے انوار ہیں "فانوس حرم" کے

نام کتاب : جنگِ آزادی میں مسلمانوں کا حصہ
مصنف : ساحل احمد، صفحات : ۱۶۰،
سائز ۲۰×۳۰/۱۶، قیمت : ۷۵/- روپئے
ملنے کا پتہ : لٹریری سینٹر، ۱۲۶ چک الہ آباد ۳

ہندوستان کی جنگ آزادی میں مسلمانوں اور علمائے دین کا کیا کردار رہا ہے۔ انھوں نے کیسی قربانیاں دی ہیں، ساحل صاحب کی اس کتاب میں تفصیل سے ملاحظہ فرمائیں۔

طرز بیان، ذیلی سرخیوں، مناسب ترتیب کا خیال رکھا جاتا تو بہتر ہوتا۔

نام کتاب : مسائل و معلومات حج و عمرہ
تالیف : محمد معین الدین احمد، صفحات: ۱۶۸،
سائز : ۲۰×۳۰/۱۶، قیمت درج نہیں
ملنے کا پتہ : محمد عبد الباقی 78/5 A برمبور بائی روڈ مدراس ۱۲

حج بیت اللہ اسلامی تعلیمات میں سب سے روشن و ہمہ گیر عبادت کا نام ہے فضیلت کے اعتبار سے حج ایک مکمل عبادت ہے جس میں نماز کے ساتھ ذکر و شکر بھی ہے۔ تسبیح و تحمید بھی ہے، طواف و سعی بھی ہے خدا کی راہ میں قربانی بھی ہے اور جسمانی مشقت کے ساتھ انفاق مال بھی ہے۔

زیر نظر کتاب میں فریضۂ حج ادا کرنے سے متعلق تمام ارکان اور معلومات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جو حاجیوں کیلئے ایک قیمتی تحفہ ہے

؎ رات ایک دیوانہ کہہ رہا تھا مستی میں
میری آنکھ کعبہ میں ہے میرا دل مدینہ میں

نام کتاب : مناسک حج (شافعی)
تالیف : مولانا محمد ایوب ندوی شافعی
صفحات ۲۲۸، سائز ۲۰×۳۰/۱۶، قیمت ۴۵/- روپے
ملنے کا پتہ : دار العلم ۳۱/ محمد علی روڈ بھٹکل ۵۸۱۳۲۰

یہ کتاب بھی حج کے موضوع پر ایک اچھی کتاب ہے۔ اس میں شافعی مسلک کے مطابق حج کے ارکان اور مسائل آسان انداز میں بیان کئے گئے ہیں شافعی المسلک حضرات کے لئے یہ ایک بہترین تحفہ ہے۔

خدا کرے یہ دونوں کتابیں مقبول عام ہوں۔

سوال و جواب

محمد طارق ندوی

س:۔ ایک شخص کے مصنوعی دانت لگے ہوئے ہیں تو کیا غسل میں دانت کی تہہ تک پانی پہونچانا ضروری ہے؟

ج:۔ نہیں، غسل کرتے وقت صرف کلی کرے، دانتوں کا نکالنا اور تہہ تک پانی پہونچانا ضروری نہیں ہے۔

س:۔ کیا گھنی داڑھی کو اندر سے دھونا ضروری ہے یا صرف خلال کرلے؟

ج:۔ داڑھی اگر گھنی ہو کہ اندر کی جلد نظر نہ آئے تو اس کو اوپر سے دھونا فرض ہے اور اس کا خلال کرنا سنت ہے اور اگر ہلکی ہو تو پوری داڑھی کو پانی سے تر کرنا ضروری ہے۔

س:۔ آج کل بہت سے گھروں میں واش بیسن لگے ہوتے ہیں لوگ اسی سے کھڑے ہو کر وضو کرلیتے ہیں کیا یہ طریقہ شرعاً درست ہے؟

ج:۔ وضو تو مذکورہ طریقہ پر بھی درست ہو جائے گا لیکن افضل یہ ہے کہ قبلہ رُخ بیٹھ کر وضو کرے۔

س:۔ کیا مسواک نہ ہونے کی صورت میں اگر کوئی شخص برش کرے تو سنت ادا ہو جائے گی؟

ج:۔ افضل مسواک کا استعمال کرنا ہے لیکن اگر مسواک موجود نہ ہو اور باسانی میسر نہ ہو سکے اور برش کرے تو سنت ادا ہو جائے گی۔

س:۔ کیا برش کا استعمال دانت کی صفائی کے لئے جائز ہے جبکہ سننے میں آتا ہے کہ اس میں سور کے بال ہوتے ہیں؟

ج:۔ چونکہ یہ صرف ایک خیال ہے کہ برش میں سور کے بال استعمال کئے جاتے ہیں۔ اور ظن غالب یہ ہے کہ واقعہ ایسا نہیں ہے اس لئے استعمال کرسکتے ہیں۔

س:۔ کیا میت پر دوبارہ نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں؟

ج:۔ میت پر دوبارہ نماز جنازہ پڑھنا منع ہے۔ ہاں اگر میت کے ولی نے نہ پڑھی ہو تو اس کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں۔

س:۔ کیا ایک ستّر سال کی نامحرم عورت ہشتر سال کے نامحرم مرد کے ساتھ حج، عمرہ کرسکتی ہے؟

ج:۔ نامحرم کے ساتھ حج و عمرہ کا سفر بوڑھی عورت کے لئے بھی جائز نہیں ہے۔ اگر کرلیا تو حج کی فرضیت تو ادا ہو جائے گی لیکن گناہ ہوگا۔ توبہ و استغفار کرے اللہ کی رحمت سے قوی امید ہے کہ وہ معاف فرمائے گا۔

س:۔ سال بھر کی بچی انتقال کر گئی کیا اس بچی کو مرد غسل دے سکتا ہے یا نہیں؟

ج:۔ ہاں مذکورہ بچی کو غسل دے سکتا ہے کیوں کہ عورتوں کے لئے چھوٹے بچوں کو اور مردوں کیلئے چھوٹی بچی کو غسل دینا جائز ہے۔

س:۔ ریل گاڑی کے سفر میں اگر وضو کا پانی موجود نہ ہو اور نماز کا وقت جارہا ہو تو کیا کرے؟

ج:۔ ریل گاڑی میں پانی موجود نہ ہو تو تیمّم کرسکتا ہے۔

س:۔ نماز ظہر میں امام کے سلام پھیرنے کے بعد معلوم ہوا کہ تین رکعت ہوئی ہیں تو اب اقامت کہہ کر جماعت شروع کرے یا بلا اقامت؟

ج:۔ صورت مسئولہ میں اگر جماعت بلاتاخیر شروع ہوئی ہے تو اقامت کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے اور اگر تاخیر ہوگئی ہے تو اقامت دوبارہ کہے۔

(بقیہ) درس حدیث

اور محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں۔

اور بلاشک اس دین کا خاص شعار نماز اور زکوٰۃ ہے اور اس کی چوٹی کی بلندی اللہ کی راہ میں جہاد ہے مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جہاد کروں حتیٰ کہ وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں۔

اگر وہ ایسا کرلیں گے تو بچ جائیں گے، اور اپنی جان و مال بچالیں گے اِلّا یہ کہ جہاں اللہ تعالیٰ ان کے لگانے کا حکم دے، ان کا حساب اللہ رب العالمین پہ ہے جو بڑی عزت و جلال والا ہے۔"

کتب برائے تبصرہ

تبصرے کے لئے براہ کرم کتاب کے دو نسخے ارسال کریں صرف ایک کتاب بھیجنے کی صورت میں تبصرہ شائع نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی کتاب واپس کرنے کی ذمہ داری ادارہ پر ہوگی (ادارہ)

تب کہیں ہوتا ہے پیدا ایک مردِ کامیاب

محمد عبدالقدیر ایڈوکیٹ ہائی کورٹ، الہ آباد

ہر طرف علمِ جدیدہ کا تھا شورِ انقلاب   کشتیِ اقدارِ آدم کھا رہی تھی پیچ و تاب
اور سارا عالمِ انسانیت تھا محوِ خواب   دہر میں اگنے کو تھا تازہ صدی کا آفتاب
گلشنِ ہستی سے وہ جانِ چمن رخصت ہوا
ارضِ ہندستاں سے سید بوالحسنؒ رخصت ہوا

یعنی وہ رخصت ہوا، تھا جو امیرِ کارواں   جس کے دم سے فکر و دانش کا تھا اک دریا رواں
جس کے علم و فضل کا قائل تھا ہر پیر و جواں   مختصر یہ جس کو کہئے نازشِ ہندوستاں
آشنائے راہِ منزل صاحبِ کردار تھا
ملتِ اسلامیہ کا قافلہ سالار تھا

رومیؔ و اقبالؔ کے افکار کا تھا جانشیں   اس کی تحریروں میں تھی روحِ غزالیؔ جاگزیں
تیمیہؔ اور ابن قیمؒ کی امانت کا امیں   اس کی شخصیت کے قائل تھے سبھی علمائے دیں
واعظ و ناصح، فقیہ و نکتہ داں جاتا رہا
یعنی فخرِ کشورِ ہندوستاں جاتا رہا

سارے انسانوں کو دیتا تھا محبت کا پیام   اس کا کرتے تھے سبھی مسلک کے علما احترام
اس کی تحریروں سے مہکا دور تک عالم تمام   وہ ہو یورپ یا کہ ایراںؔ و عراقؔ و مصر و شامؔ
نقش چھوڑا ایسا قصرِ علم کی تعمیر میں
دیر تک زندہ رہے گا پیکرِ تحریر میں

آشنائے رمزِ قرآں اور مفسر بے بدل   اک محدث، اک معلّم اور عالم باعمل
صاحبِ علم و بصیرت گفتگو میں برمحل   اس کے قول و فعل سے ایوانِ باطل میں خلل
خامشی میں اس کی معنیٰ خیز سوز و ساز تھا
اور جب بولا تو عالم گوش بر آواز تھا

ایک تنہا فرد لیکن علم و فن کی درسگاہ   ذات اس کی تشنگانِ علم کی آماجگاہ
نطق و گویائی بنا لیتی تھی شہرِ دل میں راہ   اس کی ہستی میں تھے یکجا، مدرسہ اور خانقاہ
دردِ ملت اس کے دل میں صورتِ بسمل بھی تھا
"رونقِ محفل، شریکِ سوزشِ محفل بھی تھا"

اس کی شہرت ہر طرف تھی وہ عرب ہو یا عجم   جس کے آگے ہیچ تھا شاہوں کا بھی جاہ و حشم
سینۂ گیتی میں کر کے نصب عظمت کا علم   خامشی سے وہ روانہ ہو گیا ملکِ عدم
مدتوں کرتا ہے گردش آسماں پر آفتاب
تب کہیں ہوتا ہے پیدا، ایک مردِ کامیاب

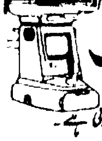
Regd. No. ... | FORTNIGHTLY
Fax No.: (0522)330020

TAMEER-E-HAYAT

NADWATUL-ULAMA, LUCKNOW-226 007 (India) Rs. 6/-







Printed And Published by *Athar Husain* on behalf of Majlis Sahafat-Wa-Nashriat,
Nadwatul Ulama at Parekh offset Press, Tagore Marg, Lucknow - U. P.
Editor: Shamsul Haq Nadwi

لکھنؤ

تعمیرِ حیات

پندرہ روزہ

محمد خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم

پیغام محمدی دنیا میں خدا کا پہلا اور آخری پیغام ہے جو کالے گورے عرب و عجم، ترک و تاتار، ہندی و چینی، زنگ و فرنگ سب کے لئے عام ہے جس طرح اس کا خدا تمام دنیا کا خدا ہے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن" تمام دنیا کا پروردگار ہے اسی طرح اس کا رسول تمام دنیا کا رسول "رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْن" تمام دنیا کے لئے رحمت ہے اور اس کا پیغام بھی تمام دنیا کے لئے پیغام ہے۔ اور بتایا کہ محمد خاتم الانبیاء یعنی نبوت کے سلسلہ کو بند کرنے والے ہیں "وَخَاتَمَ النَّبِیِّیْن" خود قرآن نے کہا ہے اور خُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ (اور میری ذات سے انبیاء ختم کئے گئے) حدیث نے کہا ہے "اَلا لا نبی بعدی" (ہوشیار کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں) متعدد حدیثوں میں ہے آپ نے فرمایا "میں نبوت کی عمارت کا آخری پتھر ہوں" قرآن نے اپنے صحیفہ کی کسی آیت میں کسی بعد میں آنے والے پیغمبر کے لئے کوئی جگہ نہیں چھوڑی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صرف وہی پیغام ربانی جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دنیا میں آیا۔ خدا کا آخری اور دائمی پیغام ہے اور اسی لئے "وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْن" کے وعدے سے خدا نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود لے لی ہے۔

مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ
(از: خطبات مدراس ص ۱۳۱-۱۳۰)

فی شمارہ ۶ روپے

سالانہ ۱۳۰/ روپے

۱۰ اکتوبر ۲۰۰۰ء



بات کی اہمیت کے پیش نظر بیٹھنے کا انداز بدلنا اور بات کو کئی بار دہرانا

شیخ عبدالفتاح ابو غدہ رحمۃ اللہ علیہ ——— ترجمہ: شمس الحق ندوی

کبھی کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نشست کا انداز اور حالت بدل دینے کے ساتھ... بات کو کئی بار دہراتے تھے، یہ انداز اس بات کی اہمیت اور مضرت کو ظاہر کرنے کے لئے اختیار فرماتے جس کو بیان کر رہے ہوتے یا اس سے ڈرا رہے ہوتے تھے۔

بخاری اور مسلم کی روایت ہے جو حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے انھوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیا میں تم کو سب سے بڑا گناہ نہ بتا دوں؟ کیا میں تم کو سب سے بڑا گناہ نہ بتا دوں؟ (تین بار آپ نے فرمایا) صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کیوں نہیں اللہ کے رسول ضرور بیان فرمایئے، آپ نے فرمایا اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک کرنا (کبھی اس سے کفر کے معنیٰ بھی لئے جاتے ہیں)، ماں باپ کو تکلیف پہونچانا (یعنی ان کی نافرمانی کرنا اور دل دکھانا) آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے پھر بیٹھ گئے اور فرمایا سنو! جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی، سنو! جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی، سنو! جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی، آپ برابر یہ فرماتے رہے یہاں تک میں سمجھا اب خاموش ہی نہ ہوں گے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ اس کو برابر دہراتے رہے حتیٰ کہ ہم لوگوں نے (دل میں) کہا کاش آپ خاموش ہو جاتے، یہ بار بار دہرانا اور بیٹھنے کا انداز بدلنا سننے والوں کے ذہنوں کو بات کی اہمیت اور خطرناکی کو ظاہر کرنے کے لئے تھا۔

متوجہ ہو کر بات سننے کے لئے مخاطب کو بار بار آواز دینے اور جواب میں تاخیر کا انداز

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی مخاطب کو بار بار آواز دیتے اور جو کچھ بتانا ہوتا ذرا تاخیر سے بتاتے تاکہ مخاطب پوری طرح متوجہ ہو کر بات کو سنے اور اس کو اچھی طرح سمجھے اور جو بتایا جا رہا ہے اس کو ذہن میں بٹھا لے۔

امام بخاری اور مسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انھوں نے بیان کیا کہ "اس اثنا میں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سواری پر پیچھے بیٹھا ہوا تھا، ہمارے اور آپ کے درمیان کجاوہ پر لگی ہوئی ٹیک لگانے والی لکڑی کے سوا کوئی اور چیز حائل نہ تھی، آپ نے فرمایا اے معاذ! میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ارشاد فرمائیں اطاعت کے لئے حاضر ہوں، اس کے بعد کچھ دیر چلے پھر فرمایا: اے معاذ! عرض کیا یا رسول اللہ ارشاد فرمائیں اطاعت کے لئے حاضر ہوں، کچھ دور چل کر پھر فرمایا: اے معاذ بن جبل میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ارشاد فرمائیں اطاعت کے لئے حاضر ہوں۔

اس طرح تین مرتبہ فرمانے کے بعد جب حضرت معاذؓ بات سننے کے لئے پوری طرح چوکس اور چوکنے ہو گئے۔ تب آپ نے فرمایا: کیا تم کو معلوم ہے کہ بندوں پر اللہ کا کیا حق ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں، آپ نے فرمایا: بندوں پر اللہ کا حق یہ ہے کہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔

اس کے بعد پھر آپ تھوڑی دیر چلے پھر فرمایا: اے معاذ بن جبل میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ارشاد فرمائیں اطاعت کے لئے حاضر ہوں، فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ عبادت کرنے کے بعد بندوں کا اللہ تعالیٰ پر کیا حق ہے؟ میں نے عرض کیا اس کا علم اللہ اور اللہ کے رسول کو ہے۔ آپ نے فرمایا: بندوں کا اللہ پر یہ حق ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں عذاب نہ دے (اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے اس کا وعدہ فرمایا ہے)۔

ہاتھ یا کندھا پکڑ کر بات کرنے کا انداز

کبھی کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب کو پوری طرح متوجہ کرنے کے لئے اس کا ہاتھ یا کندھا پکڑ لیتے، تاکہ جو کچھ آپ فرما رہے ہیں اس کو غور سے سنے، اور کان، آنکھ، دل تینوں متوجہ ہو جائیں، اور اچھی طرح سمجھے اور یاد کرلے۔

بخاری اور مسلم نے عبداللہ بن سخبرہ ابو معمرؒ سے روایت کیا ہے انھوں نے کہا میں نے ابن مسعودؓ کو کہتے ہوئے سنا

(باقی صفحہ ۳۰ پر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پندرہ روزہ — لکھنؤ

تعمیر حیات

مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۳۷ — شمارہ نمبر ۲۳

۱۰ اکتوبر سنہ ۲۰۰۰ء — مطابق — ۱۱ رجب سنہ ۱۴۲۱ھ

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ ۱۳۰/- روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں ——

زرِ تعاون

سالانہ —— ۱۳۰/- روپے

فی شمارہ —— ۶/- روپے

—— بیرونی ممالک فضائی ڈاک ——

ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک

۳۰ ڈالر

—— بیرونی ممالک بحری ڈاک ——

بحری ڈاک جملہ ۱۵ ڈالر

خط و کتابت کا پتہ

منیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس نمبر ۹۳

ندوۃ العلماء لکھنؤ، ۲۲۶۰۰۷ یوپی

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں ——

گذارش

خط و کتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کے ساتھ مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے (منیجر)

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے پاکیزہ آفسٹ میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِس شمارے میں

شرائط ایجنسی

۱۔ پانچ کاپی سے کم کی ایجنسی جاری نہیں کی جاتی۔
۲۔ فی کاپی =/Rs. 15 کے حساب سے زر ضمانت روانہ کرنا ضروری ہے۔
۳۔ کمیشن جوابی خط سے معلوم کریں۔

نرخ اشتہار

۱۔ تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر اندرونی صفحہ =/Rs. 30
۲۔ تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر پشت پر رنگین صفحہ =/Rs 40
۳۔ کمیشن تعداد اشاعت کے مطابق ہوگا جو آرڈر دینے پر متعین ہوگا۔
۴۔ اشتہار کی نصف رقم پیشگی جمع کرنا ضروری ہے۔
۵۔ انٹرنیٹ اور تعمیر حیات دونوں کا نرخ اشتہار فی کالم سنٹی میٹر =/80

بیرون ملک نمائندے

Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb. P O Box No. 842, Madina Munawwara (K.S.A.)	مدینہ منورہ
Mr. M. AKRAM NADWI O C I S , St Cross College, Oxford Ox1 3TU-U.K.	برطانیہ
Mr. M. YAHYA SALLO NADWI Sb. P O Box 388, Vereninging,(S Africa)	ساؤتھ افریقہ
Mr. ABDUL HAI NADWI Sb. P O BoxNo 10894, DOHA-QATAR	قطر
Mr. QARI ABDUL HAMEED NADWI Sb. P O BoxNo 12525, DUBAI (U A E) P.H.NO: — 3970927	دبئی
Mr. ATAULLAH Sb. Sector A-50, Near sau Quater H No 109, Town Ship Kaurangi, KARACHI-31 (Pakistan)	پاکستان
Dr. A. M. SIDDQUI Sb. 98-Conklin Ave, Woodmere NEW YORK 11598 (U.S.A.)	امریکہ

Internet Web-site: http://nadwa.virtualave.net
e-mail address: airp@lw1.vsnl.net.in

ادارتی کالم

شمس الحق الندوی

دنیا محتاج ہے نبوّتِ محمدیؐ کے سایہ کی

اس وقت پورے عالم میں اخلاقی انارکی اور فساد و بگاڑ کی طوفانی ہوائیں چل رہی ہیں، بے حیائی و فحش کاری، ہوس پرستی وجاہ طلبی، انانیت و من مانی کی گرم بازاری نے انسانیت اور اخلاقی اقدار کی بساط پلٹ کر رکھ دی ہے، مشرق سے لے کر مغرب تک، شمال سے لے کر جنوب تک ایک زلزلہ سا آیا ہوا ہے، انسان انسانوں سے ٹکرا رہے ہیں، قومیں قوموں سے برسرپیکار ہیں، کچھ وہ بھی ہیں جو لڑنے بھڑنے پر مارنے اور مرنے کی تیاریوں میں مصروف ہیں، حیرت کی بات یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا دعوایہ ہے کہ ہم انسانوں کے فائدے اور بھلائی کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں، یہ سب کچھ اس طرح ہو رہا ہے جس طرح جنگل کی اندھیری رات میں ایک فوج دوسری فوج پر حملہ آور ہو اور تاریکی میں اپنی ہی بٹالینیں ایک دوسرے پر گولہ باری شروع کر دیں، اس لئے کہ تعمیری منصوبہ بندی کرنے والوں کے ہاتھ میں اصول و اقدار کی کوئی قندیل و سرچ لائٹ نہیں ہے، اس گھٹاٹوپ اندھیرے میں بندوق کی گولیوں یا گولہ بارود کی گھن گرج نے غیظ و غضب کی آگ کو بھڑکا کر اس منزل پر پہونچا دیا ہے کہ جہاں انسان کی سوچنے اور غور کرنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے، اپنے پرائے، صحیح غلط، سچ اور جھوٹ کی تمیز جاتی رہتی ہے اور ہر ایک کا نعرہ ہوتا ہے "انا خیر منه" میں اس سے بہتر ہوں، ہر ایک خود کو برحق اور فقط اپنی سوچ کو درست سمجھتا ہے۔ اس صورتِ حال کی قرآن کریم کیسی سچی تصویر کشی کر رہا ہے:۔

"كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ" (سورۂ روم ۳۲)

سب فرقے اس سے خوش ہیں جو ان کے پاس ہے۔

اس آگ کو اگر کوئی چیز بجھا سکتی ہے تو مکہ کے ریگزاروں سے اٹھنے والی ابرکرم کی وہ گھٹا ہی بجھا سکتی ہے جو فخر انسانیت خاتم الانبیاء محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ انسانیت کی کھیتی پر برسی اور اس کو سرسبز و شاداب کیا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے دنیا کا جو حال تھا اس کو ہر پڑھا لکھا انسان جانتا ہے لیکن آپؐ کی آمد کے بعد جو کایا پلٹ ہوئی، بچھڑے ہوئے ملے، کٹے ہوئے جڑ گئے، مظلوم کو انصاف ملا، ظالم کا ہاتھ پکڑ کر راہ راست پر لگایا گیا، اخوت و بھائی چارگی کا چلن ہوا، کراہتی اور سسکتی ہوئی انسانیت کو چین نصیب ہوا، ظلم و جور کا خاتمہ ہوا، فحش کاری و بے حیائی نے منہ چھپایا، وہ جو خود بھٹکے ہوئے تھے دوسروں کو راہ دکھانے لگے، اور تاریخ انسانی میں ایک ایسے سنہرے باب کا اضافہ ہوا ہے جو رہتی دنیا تک انسانوں کے لئے روشنی کے مینار کا کام دیتا رہے گا، اور جو آج بھی بنی نوع انسان اور تمدن انسانی پر نبوت محمدیؐ کے احسانات، نبوت کے پیدا کردہ ذہن و مزاج اور طریقۂ فکر، آپ کے تیار کردہ انسانی نمونوں اور آپ کے لافانی کارناموں کی ضرورت و اہمیت اور اس کے انقلاب انگیز اثرات کا آئینہ دکھا رہا ہے کہ اس وقت بھی اگر دم توڑتی ہوئی انسانیت کے حلق میں پانی کا کوئی ایسا قطرہ جو نئی زندگی عطا کرنے کے لئے ٹپکایا جا سکتا ہے تو وہ نبوت محمدیؐ کے چشمۂ حیواں ہی سے حاصل ہو سکتا ہے انسانیت کے سکون اور اس کو نئی زندگی عطا کرنے کے لئے اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ صدا لگائی تھی تو اس کو نامانوس سمجھا گیا تھا اور جواب میں اینٹ پتھر کی بارش ہوئی تھی

لیکن جیسے جیسے وقت گذرتا گیا لوگ اس اجنبی آواز سے مانوس ہوتے گئے اور حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کے الفاظ:

"رفتہ رفتہ یہ اجنبیت دور ہوئی، بیگانگی کافور ہوئی، آواز کی کشش اور نوائے حق کی بانسری نے دلوں میں اثر کیا، کان والے سننے لگے اور جو سننے لگے سر دھننے لگے یہاں تک کہ وہ دن آیا کہ سارا عرب اس کیفیت سے معمور اور اس شراب سے مخمور ہو گیا اور اسلام کا مسافر اپنے گھر پہونچ کر اپنے عزیزوں اور دوستوں میں ٹھہر گیا۔ اب وہ قافلہ بن کر آگے چلا، عرب کے ریگستانوں سے نکل کر عراق کی نہروں اور شام کے گلستانوں میں پہونچا پھر آگے بڑھا اور ایران کے مرغزاروں اور مصر کی وادیوں میں آکر ٹھہرا، اس سے آگے بڑھا تو ایک طرف خراسان و ترکستان ہو کر ہندوستان کے پہاڑوں اور ساحلوں پر اس کا جلوہ نظر آیا اور دوسری طرف افریقہ کے صحراؤں کو طے کر کے اس کا نور بحر ظلمات کے کنارے چمکا" (سیرت سید احمد شہید ج ا ص ۲۹-۳۰)

یہ جو کچھ ہوا اب تاریخ میں ریکارڈ ہے، آج پھر اس بات کی ضرورت ہے کہ نبوت محمدیؐ کے ذریعہ آنے والی نوائے حق کی اس بانسری کو اس زور سے بجایا جائے کہ آج کی جدید خرافات کی دنیا میں مدہوش انسانوں کو ہوش آئے اور اپنی فطرت "فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا" کی طرف واپس آجائیں اگر یہ ہو جائے تو اس میں شبہ نہیں کہ آج کی دکھی انسانیت کو پھر چین نصیب ہو سکتا ہے اور اسے راحت و سکون کی عظیم دولت حاصل ہو سکتی ہے۔

نعت: سراپا علم بن کر صاحب ام الکتاب آیا

جگن ناتھ آزاد

غرض دنیا میں چاروں سمت اندھیرا ہی اندھیرا تھا — نشانِ نور گم تھا اور ظلمت کا بسیرا تھا
کہ دنیائے عرب کے آسماں پر ایک نور ابھرا — جہانِ کفر و باطل میں صداقت کا ظہور ابھرا
خبر سچائی کی دینا زمانے کو خبیر آیا — شہنشاہی بھی جس کے پاؤں چومے وہ فقیر آیا
بھٹکتے دور کو رستہ دکھانے رہ نما آیا — سفینے کو تباہی سے بچانے ناخدا آیا
جسے حق نے کیا تسلیم ختم المرسلیں آیا — جسے دنیا نے مانا رحمت للعالمیں آیا
خلیق آیا، کریم آیا، رؤف آیا، رحیم آیا — کہا قرآں نے جس کو صاحبِ خلق عظیم آیا
بصیرت عام فرماتا ہوا مرد بصیر آیا — اندھیرے کی حکومت میں تجلّی کا سفیر آیا
بشر بن کر زمانے کا جمالِ اولیں آیا — متاعِ صدق لے کر صادق الوعد امیں آیا
وہ آیا فقر و فخری رتبہ ہے جس کی قناعت کا — وہ آیا جو معلم ہے جہاں میں دینِ فطرت کا
وہ آیا جس کو کہئے فخر آدم ہادیِ اکرم — وہ آیا جس کو کہئے زندگی کا محسن اعظم
سراپا علم بن کر صاحب ام الکتاب آیا — زمینِ تشنہ لب کی زندگی بن کر سحاب آیا
تجلّی عام فرماتا ہوا شمس الضحیٰ آیا — امام الانبیاء آیا محمد مصطفیٰ آیا
محمد مصطفیٰ یعنی وہ محبوب خدا آیا — دلوں نے سرخوشی پائی کہ احمد مجتبیٰ آیا
کبھی پھرتا رہا جو زندگی کی چشم حیراں میں — وہی جلوہ سمٹ کر آ گیا خود بزم امکاں میں
نویدِ جانفزا پائی یتیموں نے، غریبوں نے — غلاموں، بے سہاروں، بے کسوں آفت نصیبوں نے
پیامِ زندگانی مل رہا تھا زیر دستوں کو — فضا آنکھیں دکھاتی پھر رہی تھی خود پرستوں کو

دلِ دنیا سے ہر ارمان اٹھتا تھا دعا بن کر
مسرت ناچتی تھی چار جانب یہ نوا بن کر

ضروری اعلان

دار العلوم ندوۃ العلماء کا ترجمان پندرہ روزہ تعمیرِ حیات اب انٹرنیٹ پر دستیاب ہے، اور ای میل کا پتہ بھی درج ہے۔

نوٹ:- جو حضرات تعمیر حیات کے ذریعہ انٹرنیٹ پر اپنا اشتہار دینا چاہتے ہیں ان کو تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر ۸۰ روپئے کے حساب سے بل ادا کرنا ہوگا۔ اطلاع ملنے کے بعد ہی ان کا اشتہار انٹرنیٹ پر دیا جا سکے گا۔

Web-Site: http://nadwa.virtualave.net
E-mail Address: anp@wi.vsnl.net.in [redacted]

منتخب و مامور اُمّت

● حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

ایک مثالی رہنما اُمت کی ضرورت!

جن باتوں کی طویل انسانی تاریخ اور علم النفس اور علم الاخلاق پوری تائید کرتے ہیں ان میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ بلند ترین مقاصد، شریفانہ تعلیمات اور عمل کے اعلیٰ ترین نمونے اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتے۔ اور اگر قائم ہو بھی جائیں تو دائم و باقی نہیں رہ سکتے، جب تک کہ ان کی پشت پر ایک انسانی جماعت (بلکہ صحیح الفاظ میں ایک ایسی اُمت) نہ ہو جو اس دعوت و تحریک کی علمبردار اس کے راستہ میں جہد و جہاد کرنے والی اور اس کا عملی نمونہ ہو۔

اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ بعض انبیاء علیہم السّلام چہ جائیکہ مصلحین و معلمین اخلاق اور حکمائے کبار کی تعلیمات بھی اس وجہ سے زیادہ عرصہ تک باقی نہیں رہیں کہ ان کے پیچھے کوئی امت نہ تھی جو ان کے پیغام کی ذمہ داری سنبھالتی، اس راستہ میں جاں نثاری کرتی، اور اپنی زندگی، اپنے تمدن اور حکومت و معاشرہ کے ذریعہ ان کا عملی نمونہ پیش کرتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جن علاقوں میں وہ بھیجے گئے تھے، وہاں کی زندگی ایک ایسے آب رواں کی طرح بن کر رہ گئی، جس کی سطح ایک ہوتی ہے، اور وہ اقوام و قبائل جانوروں کے اس ریوڑ کی طرح ہو گئے جن کا کوئی نگراں و نگہباں نہ ہو۔

جب اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری رسول اور خاتم النبیین ہوں، اور آپ کے بعد نہ کوئی اور نبی آئے اور نہ کوئی اور کتاب نازل ہو۔ تو اس طرح اللہ تعالیٰ نے انسانیت کو اس خطرہ سے محفوظ کر دیا۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک پوری امت کو بھی مبعوث کیا گویا بعثت محمدیہ دُہری بعثت تھی جس میں نبی کی بعثت اُمت کی بعثت کے ساتھ شامل تھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس اُمّت کی ایسی تعریف کی ہے (جو نبوت کے بغیر) کسی مبعوث اور مامور من اللہ ہی کی ہو سکتی ہے۔

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ (آل عمران-۱۱۰)

تم لوگ بہترین جماعت ہو جو لوگوں کیلئے پیدا کی گئی ہے، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو، اور برائی سے روکتے ہو، اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

دوسری جگہ ارشاد ہوا:-

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا (البقرۃ- ۱۴۳)

اور اسی طرح، ہم نے تمہیں ایک امت عادل بنا دیا ہے تاکہ تم گواہ رہو لوگوں پر اور رسول گواہ رہیں تم پر۔

حدیث نبویؐ میں بھی اسی طرح کے الفاظ آئے ہیں جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت سے فرمایا:-

إِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِينَ وَلَمْ تُبْعَثُوا مُعَسِّرِينَ (صحیح بخاری)

تم آسانی پیدا کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو۔ نہ کہ تنگی پیدا کرنے والے۔

بعثت و دعوت کی ذمہ داری اور اپنی ماموریت و مسئولیت کا یہ شعور و احساس صحابہ کرامؓ و تابعین عظامؒ کے دلوں میں اس وقت بھی موجزن تھا۔ جب ایرانی قائد جنگ رستم نے سیدنا ربعی بن عامرؓ (آپ صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ ملاحظہ ہو الاصابۃ ۱/۵۰۳) سے (جنھیں سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ نے رستم کی طلب پر اپنا سفیر بنا کر بھیجا تھا) یہ پوچھا کہ تمہارے یہاں آنے کا محرک و مقصد کیا ہے؟ تو انھوں نے یہ مومنانہ اور داعیانہ جواب دیا کہ:-

اللہ ابتعثنا لنخرج من شاء من عبادۃ العباد الی عبادۃ اللہ وحدہٗ ومن ضیق الدنیا الی سعتھا ومن جور الادیان الی عدل الاسلام (البدایۃ والنہایۃ ۷/۳۹)

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس لئے بھیجا ہے کہ ہم جس کو وہ چاہے بندوں کی بندگی سے نکال کر ایک خدا کی بندگی پر آمادہ کریں اور دنیا کی تنگی سے اس کی وسعت کی طرف اور مذاہب کے ظلم سے بچا کر سایۂ عدل میں لائیں۔

تمدّن و معاشرہ کی سطح پر صالح انقلاب کی ضرورت!

اس نقطۂ نظر نے انسانیت کے مستقبل کو بیحد متأثر کیا، اور یہ لوگوں کیلئے مذاہب و تحریکات اور رجحانات کی تاریخ میں ایک نئے تجربہ کی حیثیت رکھتا تھا، جس نے تاریخ میں ایک انقلاب برپا کر دیا، اس لئے کہ چھٹی صدی مسیحی کی عالمی صورتِ حال (جو تقریباً ہر زمانہ میں رہی ہے) ایسی نہ تھی کہ اس پر چند صالح افراد اثرانداز ہوتے رہیں، چنانچہ قرآن مجید خدائی غضب کے شکار یہودیوں کے درمیان بھی کچھ صالح افراد کی موجودگی کی گواہی دیتا ہے۔

لَيْسُوا سَوَآءً ۭ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ۝ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ (آل عمران - ۱۱۳-۱۱۴)

سب (اہل کتاب) یکساں نہیں (انھیں) اہل کتاب میں ایک جماعت قائم ہے۔ یہ لوگ اللہ کی آیتوں کو اوقات شب میں پڑھتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں، یہ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، اور بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور بدی سے روکتے ہیں، اور اچھی باتوں کی طرف دوڑتے ہیں یہی لوگ نیکوکاروں میں سے ہیں۔

مگر ان صالح افراد کا انسانی معاشرہ اور انسانی عمل پر کوئی اثر نہ تھا کیونکہ وہ صرف چند افراد تھے، اور قومیں افراد کو خاطر میں نہیں لاتیں، چنانچہ ہر دور و دیار میں ایسے صالح افراد رہے ہیں اور اب بھی ہیں، جو اپنے کچھ اعمال و اخلاق اور عبادات میں دوسرے لوگوں سے ممتاز ہوتے ہیں لیکن جو خلاء اور مسئلہ قوموں اور نسلوں اور تمدن و معاشرہ کی سطح پر ہو وہ اس وقت تک پر نہیں ہو سکتا، جب تک کہ وہ خیر و صلاح، اسوۂ حسنہ، اور عملی نمونہ بھی اُمّت اور انسانی معاشرے کی سطح کی نہ ہو جو بلند ترین نبوی تعلیمات، شریفانہ اصول و اخلاق، اور مثالی انفرادی و اجتماعی عمل کی نمائندگی حکومت و سیاست، تجارت و معاملات انفرادی و اجتماعی زندگی، افراد اور جماعتوں کے ساتھ برتاؤ اور قوموں اور حکومتوں کے ساتھ معاملات رضامندی و ناراضگی، صلح و جنگ، فقر و غنا، ہر حالت اور ہر صورت میں کرتا ہو اور اس امت و جماعت کی عام علامت اور ممتاز خصوصیت نہ بن چکا ہو۔

صحابہ کرامؓ اور وہ مبارک لوگ جنھوں نے گہوارۂ نبوت میں پرورش اور مدرسۂ ایمان و قرآن میں تربیت پائی تھی، انہی مذکورہ علامات و خصوصیات کے مالک تھے۔

ایک انصاف پسند اور تاریخ عالم سے واقف مغربی اہل علم نے اس طبقہ کی بڑی کامیاب تصویر پیش کی ہے اور ان کی نمایاں و مشترک خصوصیت کی طرف اشارہ کیا ہے، جو نبوت کا باغ تازہ، اور قرآن کی فصل بہار کہلانے کا مستحق ہے جرمن فاضل کائتانی (CAETANI) اپنی کتاب "سنین اسلام" میں لکھتا ہے:۔

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اخلاقی وراثت کے سچے نمائندے مستقبل میں اسلام کے مبلّغ اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا رسیدہ لوگوں تک جو تعلیمات پہونچائی تھیں ان کے امین تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت اور ان سے محبت نے ان لوگوں کو فکر و جذبات کے ایک ایسے عالم میں پہونچا دیا تھا جس سے اعلیٰ اور متمدن ماحول کسی نے دیکھا نہیں تھا۔

درحقیقت ان لوگوں میں ہر لحاظ سے بہترین تغیر ہوا تھا، اور بعد میں انھوں نے جنگ کے مواقع پر مشکل ترین حالات میں اس بات کی شہادت پیش کی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے افکار کی تخم ریزی اک زرخیز زمین میں کی گئی تھی، جس سے بہترین صلاحیتوں کے انسان وجود میں آئے، یہ لوگ مقدس صحیفہ کے امین اور اس کے حافظ تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو لفظ یا حکم انھیں پہونچا تھا۔ اس کے زبردست محافظ تھے۔

یہ تھے اسلام کے قابل احترام پیش رو جنھوں نے مسلم سوسائٹی کے اولین فقہا، علماء اور محدثین کو جنم دیا۔ (ماخوذ از CAETANI ANNALI DEL ISLAM VOL II. P 429 T.W. ARNOLD: PREACHING OF ISLAM (LONDON 1913) PP. 41-42

احتساب کائنات:

امت اسلامیہ پر عالمی نگرانی اخلاق و رجحانات انفرادی و بین الاقوامی طرز عمل کے احتساب الناس کے قیام، شہادت حق، امر معروف و نہی منکر کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے اور اس کو قیامت کے دن اس ذمہ داری کی ادائیگی میں کوتاہی پر جواب دہ بنایا گیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (المائدہ - ۸)

اے ایمان والو! اللہ کیلئے پوری پابندی کرنے والے اور عدل کے ساتھ شہادت دینے والے رہو اور کسی جماعت کی دشمنی تمہیں اس پر نہ آمادہ کرے کہ تم (اس کے ساتھ) انصاف ہی نہ کرو (انصاف کرتے رہو کہ) وہ تقویٰ سے بہت قریب ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ کو اس کی (پوری) خبر ہے کہ تم کیا کرتے ہو۔

اور اس امت کے اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی پر تنبیہ کی گئی ہے جس کے نتیجے میں انسانیت

بت و مشکل میں پھنس سکتی ہے اور روئے زمین پر
۔ د فساد اور انار کی پھیل سکتی ہے، چنانچہ اس چھوٹے
ے انسانی مجموعہ کو (جو مدینہ کی ابتدائی زندگی میں تھا
جس کی تعداد چند سو سے زائد نہیں تھی) مخاطب
تے ہوئے اور اسے دعوت وعقیدہ کی بنیاد پر
لامی اخوت قائم کرنے کی تاکید کرتے ہوئے
رمایا گیا۔

اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِى الْاَرْضِ
۔ فَسَادٌ كَبِيْرٌ (الانفال۔۷۳)

اگر یہ نہ کروگے تو زمین میں (بڑا) فتنہ اور
ا فساد پھیل جائے گا۔

پھر کیا آج کی ملت اسلامیہ اس کی مخاطب
ہیں، جس سے معمورۂ عالم آباد ہے اور جو بڑی بڑی
کومتیں اور افرادی طاقت رکھتی ہے؟ جب وہ
نے قائدانہ و داعیانہ منصب و مقام کو خالی چھوڑ دے
) اور اپنی اجتماعی ذمہ داری (اخلاقی نگرانی اور
حانات کے احتساب مظلوم کی حمایت اور ظالم کی
مت و سرزنش) سے منھ موڑ لے گی تو دنیا پر
س بڑی کوتاہی اور خطرناک غلطی کا کیسا برا اثر
ڑے گا۔

قرآن اس امت کو اس داعیانہ و قائدانہ
قام، اصلاح کی ذمہ داری اور امر بالمعروف و
ی عن المنکر کی مسئولیت کی یاد گذشتہ اقوام
ا حوالہ دیتے ہوئے، اور اس کے شعور واحساس کو
یدار کرتے ہوئے دلاتا ہے:۔

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ
وْلُوْ بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ
فِى الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ
وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا اُتْرِفُوْا فِيْهِ
وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۝ (ہود۔۱۱۶)

پس کاش تمہارے پیشتر کی امتوں سے ایسے باشعور
لوگ ہوتے جو منع کرتے ملک میں فساد (پھیلانے)
سے بجز چند لوگوں کے جن کو ہم نے ان میں سے بچا لیا
تھا اور جو لوگ (اپنی جانوں پر) ظلم کرنے والے تھے
وہ جس ناز و نعمت میں تھے اس کے پیچھے پڑے رہے
اور (عادی) مجرم ہو گئے۔

شاعر اسلام ڈاکٹر علامہ اقبالؔ نے اس حقیقت کو اپنی نظم "ابلیس کی مجلس شوریٰ" میں بڑی خوبی سے پیش کیا ہے اور صدر مجلس ابلیس کی زبان سے اس خطرہ کی نشاندہی کی ہے، جو مسلمانوں کے وجود، ان کی بیداری اور ان کی عالمی ذمہ داری سے ابلیسی نظام کو لاحق ہے چنانچہ ابلیس اپنے مشیروں سے کہتا ہے ؎

توڑ ڈالیں جس کی تکبیریں طلسم شش جہات
ہو نہ روشن اس خدا اندیش کی تاریک رات
تم اسے بیگانہ رکھو عالم کردار سے
تا بساطِ زندگی پر اس کے سب مہرے ہوں مات
خیر اسی میں ہے قیامت تک رہے مومن غلام
چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہانِ بے ثبات
ہے وہی شعر و تصوف اس کے حق میں خوب تر
جو چھپا دے اس کی آنکھوں سے تماشائے حیات
ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتسابِ کائنات

(ارمغان حجاز)

اُمّت کی مسلسل ذمہ داری و نگرانی!

اس نقطۂ نظر سے یہ بات لازمی ہو جاتی ہے کہ انسانی تمدن میں تاثیری عمل جاری رہے، اور وقفہ وقفہ سے اس کا از سر نو جائزہ لیا جاتا رہے اور تخریبی اور شر پسند عناصر اور فاسد و مہلک رجحانات سے برابر اس کی حفاظت کی جاتی رہے

اس کے خاص طور پر دو اسباب ہیں ایک تو یہ کہ اقوام عالم صلاح و فساد کے نئے اور متضاد عناصر کے تابع اور ان سے متاثر ہوتی رہتی ہیں، اور زندگی ہر دم رواں دواں ہے اور اس کا کوئی کارواں کہیں اور کبھی ٹھہرتا نہیں، اس لئے تھوڑے تھوڑے وقفہ سے اس کی سمت و رفتار کو دیکھتے رہنا اور اس کی نئی ضرورتوں کو پورا کرنا ناگزیر ہوتا ہے، افسوس کا مقام ہے کہ اس عہد اخیر میں تخریبی و مفسد تحریکوں اور فلسفوں کے زیر اثر آکر ملت اسلامیہ عالمی قیادت کے میدان سے الگ ہو کر گویا اپنے خول میں بند ہو کر رہ گئی ہے!

دوسرا سبب یہ ہے کہ امت اسلامیہ ہی آخری آسمانی پیغام کی حامل ایک ابدی امت اور انسانیت کی مرکز امید ہے اس لئے اسے اپنے پیغام کو سینے سے لگائے رہنا چاہیئے، اور قافلۂ انسانیت کی قیادت اور دنیا کی نگرانی اور عقائد و اخلاق، اور انفرادی و بین الاقوامی تعلقات پر نظر رکھنا چاہئے۔ اس لئے کہ قومیں صرف تاریخ کے سہارے یا اپنی عظمت رفتہ اور گذشتہ کامرانیوں کی بدولت نہیں، بلکہ جہد مسلسل، دائمی سرگرمی، مستقل احساس ذمہ داری، ہمہ دم قربانی کیلئے آمادگی، جدت و ندرت، اپنی تازہ دم اور تازہ کار قوتِ افادیت و صلاحیت کے بل پر زندہ و تابندہ رہتی ہیں، وہ جب اپنے منصب و مقام کو چھوڑ کر گوشۂ عافیت میں چلی جاتی ہیں تو تاریخ کے دفتر پارینہ کا حصہ بن جاتی ہیں، اور زمانہ انھیں طاق نسیاں پر رکھ دیتا ہے اس لئے امت محمدیہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ از سر نو اپنے دعوتی، تہذیبی اور قائدانہ کردار کے ساتھ سرگرم سفر ہو۔

دعائے مغفرت

جناب عبد الغنی صاحب بیجاپوری ۲۰ر ستمبر ۲۰۰۰ء کو انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم بزرگان دین، دینی اداروں، خصوصاً دار العلوم ندوۃ العلماء کے بڑے بہی خواہ اور حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ قارئین کرام سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

اسریٰ و معراج

نماز پنجگانہ کی فرضیت، ہجرت کی دعا، نبوت، قرآن قیامت، معراج اور معجزات، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات سے استشہاد، معراج کے انعامات اور اس کا پُراسرار منظر۔

● مولانا عبداللہ عباس ندوی

قرآن کریم میں اسریٰ کا واقعہ سورۂ بنی اسرائیل میں مذکور ہے، اسریٰ کے معنیٰ ہیں "رات کو سفر پر لے جانا" اس سورۃ کا نام سورۃ الاسریٰ بھی ہے، قرآن کریم کو انگریزی زبان میں ترجمہ کرنے والوں نے "انائٹ جرنی" کا لفظ اختیار کیا ہے بہر حال یہ تین آیتیں ہیں۔ ان کا ترجمہ یہ ہے۔

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ

وہ ذات پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے کو مسجد الحرام (یعنی خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک جس کے گرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں لے گیا، تاکہ ہم اسے اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائیں، بیشک وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے"۔ (ترجمہ: مولانا فتح محمد خاں جالندھری)

معراج (بلندی کی طرف سفر کرنا) اس کا واقعہ سورۃ النجم ۵۳ ویں سورہ پارہ ۲۷) کی ۱۸ آیتوں میں مذکور ہے ان آیات کا ترجمہ از مولانا فتح محمد خاں حسب ذیل ہے۔

(والنجم ــــ الکبریٰ) تارے کی قسم جب غائب ہونے لگے کہ تمہارے رفیق (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نہ رستہ بھولے نہ بھٹکے ہیں اور نہ خواہش نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں۔ یہ قرآن تو حکم خدا ہے۔ ان کو نہایت قوت والے نے سکھایا ہے (یعنی جبرئیلؑ) طاقتور نے۔ پھر وہ پورے نظر آئے، اور وہ آسمان کے اونچے کنارے میں تھے پھر قریب ہوئے اور آگے بڑھے تو دو کمان کے فاصلے پر یا اس سے بھی کم، پھر خدا نے اپنے بندے کی طرف جو بھیجا سو بھیجا جو کچھ اس نے دیکھا، ان کے دل نے ان کو جھوٹ نہ جانا کیا جو کچھ وہ دیکھتے ہیں، تم اس میں ان سے جھگڑتے ہو؟ اور انھوں نے اس کو ایک اور بار بھی دیکھا ہے، پرلی حد کی بیری کے پاس اس کے پاس رہنے کی جنت ہے اس بیری پر چھا رہا تھا، جو چھا رہا تھا۔ ان کی آنکھ نہ تو اور طرف مائل ہوئی۔ اور نہ حد سے آگے بڑھی انھوں نے اپنے پروردگار کی قدرت کی کتنی ہی بڑی نشانیاں دیکھیں"۔

اس سلسلہ میں سیرت نگار نبویؐ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے سیرت النبیؐ میں جن موضوعات پر روشنی ڈالی ہے، وہ یہ ہیں۔

انبیائے کرام کی سیر ملکوت، معراجِ نبوی اس کا وقت، تاریخ اور تعداد وقوع، صحیح روایتیں واقعے کی کیفیت، کفار کی تکذیب کیا نبیؐ نے خدا کو دیکھا؟ معراج جسمانی تھی یا روحانی؟ خواب تھا یا بیداری؟ اس کے بعد پورے سورۂ بنی اسرائیل کو واقعہ معراج پر منطبق کر دیا ہے مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی القبلتین ہوئے۔ بنی اسرائیل کی مدت تولیت ختم ہوگئی۔ کفار مکہ کے متعلق آخری اعلان کر دیا گیا۔ معراج کے احکام و وصایا، ہجرت او رعذاب،

صحیح روایات

حضرت سید صاحبؒ لکھتے ہیں:۔

"احادیث و سیر کی کتابوں میں اس واقعے کو کثیر التعداد صحابیوں نے بیان کیا ہے۔ علامہ زرقانی نے پینتالیس صحابیوں کا نام گنایا ہے، علامہ ابن کثیر نے تفسیر بنی اسرائیل میں اکثر روایتوں کو یکجا کر دیا ہے۔ ان میں "صحیح" "مرفوع" "ضعیف" "موقوف" "مرسل" "منکر" سبھی قسم کی روایتیں ہیں صحاح ستہ میں سے معراج کا واقعہ مستقلاً صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مذکور ہے۔ ترمذی اور نسائی وغیرہ سب میں ضمناً اور مختصراً یہ واقعات مختلف ابواب میں کہیں کہیں آ گئے ہیں، امام بخاری اور امام مسلم نے اسے حضرت ابوھریرہ، حضرت مالک بن مالک بن صعصعہ حضرت انس بن مالک، حضرت عبداللہ ابن عباس حضرت ابو ہریرہ، حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما اکابر صحابہ سے روایت کیا ہے ان میں سے پچھلے چار صحابیوں نے صرف چند متفرق جزئیات بیان کئے ہیں"۔

اصل واقعہ

سیرت نگار نبویؐ ارشاد فرماتے ہیں۔

"جب اسلام کی سخت اور پُر خطر زندگی کا باب ختم ہونے کو تھا اور ہجرت کے بعد اطمینان و سکون کے ایک نئے دور کا آغاز ہونے والا تھا، تو وہ شب مبارک اور وہ ساعت ہمایوں آئی، جو دیوان قضا میں سرور عالمؐ کی سیر ملکوت کیلئے

موتی، روح الامین علیہ السلام وہ سواری جو بجلی سے زیادہ تیز گام اور روشنی سے زیادہ سبک خرام تھی (جو خطۂ لاہوت کے مسافروں کیلئے مخصوص ہے) حرم کعبہ میں لے کر حاضر ہوئے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے انھوں نے آپ کا سینۂ مبارک چاک کیا پھر آبِ زمزم سے دھویا۔ سونے کا ایک طشت ایمان و حکمت سے بھر کر لائے۔ سینۂ مبارک میں ڈال کر بند کر دیا۔ پھر آپ کا ہاتھ پکڑ کر آسمان پر لے گئے۔ وہاں حضرت صالح، حضرت آدم، حضرت ابراہیم، حضرت ادریس، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ، سے ملاقات ہوئی حضرت جبرئیل آپ کو اور اوپر لے گئے۔ اس مقام پر پہنچ گئے جہاں قلمِ قدرت کے چلنے کی آواز آتی تھی۔ اسی موقع پر امت کیلئے پانچ وقت کی نماز فرض ہوئی پھر آپ کو سدرۃ المنتہیٰ کی سیر کرائی گئی حضرت جبرئیل آپ کو جنت بھی لے گئے۔

بعض دوسری روایتوں میں بتایا گیا ہے کہ آپ براق پر سوار ہو گئے خواب و بیداری کی درمیانی حالت میں تھے اور آپ حطیم میں لیٹے ہوئے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق بتایا گیا ہے کہ بیت معمور سے پشت لگائے بیٹھے ہوئے تھے۔ سدرۃ المنتہیٰ پر شانِ ربانی کا پرتو تھا آسمان سے اتر کر آنحضرت ﷺ زمین پر تشریف لائے اور بیت المقدس میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ انبیاء علیہم السلام کا مجمع ہے حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نماز میں مصروف ہیں۔ اسی اثناء میں نماز (غالباً صبح کی نماز) کا وقت آگیا سرور انبیاء علیہ السلام منصب امامت سے سرفراز ہوئے۔

سورۂ بنی اسرائیل اور واقعہ معراج

حضرت سید صاحبؒ ارشاد فرماتے ہیں:

"عموماً سمجھا جاتا ہے کہ قرآن میں معراج کا بیان سورۂ بنی اسرائیل کی صرف ابتدائی تین چار آیتوں میں ہے لیکن ہم نے سورۂ بنی اسرائیل کو شروع سے آخر تک بار بار پڑھا اور ہر بار اس یقین کے ساتھ ختم کیا کہ یہ پوری سورۃ معراج کے اسرار و حقائق، نتائج و عبر اور احکام و اعلانات سے معمور ہے۔" اس کے بعد سید صاحبؒ نے اس سورۃ کے جلی عنوانات تحریر فرمائے جن کا خلاصہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

۱۔ آنحضرت ﷺ کا نبی قبلتین ہونا (بنی اسرائیل)
۲۔ بنی اسرائیل کی مدت تولیت کا اختتام (بنی اسرائیل: ۲، ۷)
۳۔ قریش کے نام آخری اعلان (بنی اسرائیل (۸ ؛ ۲۱)
۴۔ معراج کا احکام و وصایا (بنی اسرائیل: ۲۲ - ۳۹)
۵۔ ہجرت اور عذاب (بنی اسرائیل: ۵۷ - ۷۷)
۶۔ نماز پنجگانہ کی فرضیت (بنی اسرائیل: ۷۸)
۷۔ ہجرت کی دعا (بنی اسرائیل ؛ ۷۹)
۸۔ نبوت، قرآن، قیامت اور معجزات (بنی اسرائیل ۸۲-۱۰۰)
۹۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات سے استشہاد۔ (بنی اسرائیل ؛ ۱۰۱ - ۱۰۴)

معراج کے خاص انعامات

سید صاحبؒ لکھتے ہیں کہ معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دو اور خاص عطئے عنایت ہوئے اول یہ بشارت کہ امت محمدیہ میں سے جو شخص شرک کا مرتکب نہ ہوگا دامنِ مغفرت کے سایے میں اسے پناہ مل سکے گی، دوم سورۂ بقرہ کا اختتامی رکوع اسی بارگاہ میں زبان خاص کے طور پر مرحمت ہوا۔ اس رکوع میں سب سے پہلی مرتبہ ایمان کی تکمیل کے اصول اور عفو و مغفرت کے سبق انسانوں کو سکھائے گئے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پہلے عطیہ کی بشارت درحقیقت ان ہی آیات میں مذکور ہے۔

معراج کا پُر اسرار منظر

سورۂ بنی اسرائیل کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے معراج کے روحانی مناظر کا بیان صرف دو لفظوں میں ختم کر دیا۔

لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا۔

ہم نے اپنے بندے کو سیر اس لئے کرائی کہ ہم اپنی کچھ نشانیاں اسے دکھائیں (بنی اسرائیل۔۱)

یہ نشانیاں کیا تھیں؟ کیا ان کی تفصیل کیلئے عاجز و درماندہ انسان کی زبان میں کچھ الفاظ ہیں؟ ہاں ہیں! مگر نا تمام۔ ہمارا فہم، ہمارا علم، ہمارا خیال، ہمارا قیاس، غرض جو کچھ ہمارے پاس ہے اس کا دائرہ ہمارے محسوسات اور ہمارے تعلقات سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اور سارے ذخیرۂ لغت میں انھیں کے لئے الفاظ ہیں، اس بنا پر وہ معانی جو نہ عام محسوساتِ انسانی کے حدود میں داخل ہیں اور نہ تعقل و تصور کے احاطے کے اندر ہیں الفاظ و کلمات میں کیونکر سما سکتے ہیں؟ اگر اللہ تعالیٰ اپنے کمالِ قدرت سے۔ انھیں حروف و کلمات کا جامہ پہنا بھی دے تو دماغ انسانی ان کے فہم و تحمل کی قدرت کہاں سے لائے گا (تلخیص از سیرۃ النبی جلد سوم)

حضرت سید صاحبؒ آخر میں سلف صالحین کا عقیدہ بیان فرماتے ہوئے ابن اسحاق کی عبارت نقل کرتے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے:

"خدا کی قدرت اور سلطنت میں سے کوئی الٰہی شان ہے اور اس میں اہل عقل کے لئے عبرت ہے جو اللہ پر ایمان لایا۔ اور تصدیق کی، خدا کے کاموں پر یقین رکھتا ہے اس کیلئے اس میں ہدایت، رحمت اور ثبات قدمی ہے، بس اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو رات کے وقت لے گیا۔ جس طرح چاہا اور جیسے جیسے چاہا تاکہ اسے اپنی نشانیوں میں سے جو چاہے

دکھائے یہاں تک کہ آپ نے خدا کے شان اور اس کی عظیم القدر قوت کے مناظر دیکھے۔ اس قدرت کو دیکھا جس سے وہ جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے۔"

حافظ ابن القیم کی رائے

قدماء میں حافظ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں لکھا ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قول ابن اسحٰق نے نقل کیا ہے کہ معراج میں آپ کی روح لے جائی گئی، اور آپ کا جسم کھویا نہیں گیا، یعنی وہ اسی دنیا میں اپنی جگہ موجود تھا لیکن یہ کہنا کہ معراج منام (خواب) تھی، اور یہ کہنا کہ بذریعہ روح کے تھی، جسم کے ساتھ نہ تھی۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ سونے والا جو کچھ دیکھتا ہے، اس کی محسوس صورتیں سامنے آجاتی ہیں۔ اسراء روحی سے مراد یہ ہے کہ روح مبارک کو ان جملہ مقامات کی سیر کرائی گئی، خواب میں یہ بات نہیں ہوتی، یہ درجہ اتم و اکمل و اشرف و اعلیٰ ہے علمائے جمہور کا قول یہ ہے کہ اسریٰ جسم و روح کے ساتھ تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شبِ معراج میں جو کچھ حاصل ہوا، وہ اس سے بھی زیادہ کا حامل تھا، جو روح کو مفارقت جسم کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرقِ عادت کے مقام میں تھے۔ یہاں تک کہ آپ کا سینہ چاک کیا گیا اور زندہ ہونے کے باوجود آپ کو تکلیف نہیں ہوتی۔ اسی طرح خود روح مبارک اوپر چڑھائی گئی بغیر اس کے کہ آپ پر موت طاری کی جائے۔ آپ کے سوا کسی کی روح کو موت اور مفارقتِ تن کے بغیر یہ عروج نصیب نہ ہوا۔ انبیاء کی روحیں جو وہاں ٹھہری ہوئی تھیں وہ مفارقت جسم کے بعد تھیں۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک زندگی کے عالم میں وہاں گئی اور واپس آئی۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

شاہ صاحب فرماتے ہیں:

"معراج میں آپ کو مسجد اقصیٰ لے جایا گیا پھر سدرۃ المنتہیٰ اور جہاں خدا نے چاہا۔ یہ سب کچھ جسم مبارک کیلئے بیداری کی حالت میں ہوا، لیکن اس مقام میں، جو عالم مثال اور عالم ظاہر کے درمیان اور دونوں عالموں کے احکام کا جامع ہے۔ اس لئے جسم پر روح کے احکام ظاہر ہوئے اور روح پر معاملات روحانی جسم کے ظاہر ہوئے۔" اس سلسلے میں جو واقعات کتب سیرت و احادیث میں مذکور ہیں اُن کی بابت حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

ا سینہ چیرنے اور اسے ایمان سے بھرنے کی حقیقت یہ ہے کہ ملکیت کے انوار کا غلبہ ہوا، اور طبیعتِ بشری کا شعلہ بجھ گیا۔

ب براق پر سوار ہونے کی حقیقت یہ ہے کہ آپ کے نفس ناطقہ نے اس روح حیوانی پر استیلا حاصل کر لیا جو کمالِ حیوانی ہے یعنی آپ کی روح بشری کے احکام روح حیوانی پر غالب آگئے۔

ج مسجد اقصیٰ اس لئے لے جائے گئے کہ یہ مقام شعائر الٰہی کا مظہر، ملاءِ اعلیٰ کے ارادوں کی تعلق گاہ اور انبیاء علیہم السلام کی نظرگاہ ہے گویا وہ ملاءِ اعلیٰ کی طرف ایک روشن دان ہے جہاں سے روشنی چھن چھن کر کرۂ انسانی پر فائز ہوتی ہے۔

د انبیاء علیہم السلام سے ملاقات اور امامت کی حقیقت یہ ہے کہ وہ سب ایک ہی رشتے میں حظیرۃ القدس سے مربوط ہیں۔ اور آپ کے حیثیاتِ کمال کا ظہور ہیں جو ان تمام پیغمبروں میں آپ کی ذات سے مخصوص تھیں۔

ہ آسمانوں پر درجہ بدرجہ چڑھنے اور کھنچ کر عرش الٰہی تک پہنچنے کی حقیقت یہ ہے کہ ہر آسمان پر جو فرشتے متعین ہیں اور کامل انسانوں میں سے جو جس جس درجہ پر پہنچ کر ان سے مل گیا ہے۔ ان کے حالات سے نیز اس تدبیر سے، جو ہر آسمان میں تنہا دحی کی اور اس جاننے سے جو اس آسمان میں فرشتوں کی جماعت میں ہوتا ہے اس سے آگاہی حاصل ہو۔

و سدرۃ المنتہیٰ وجود کا درخت ہے اس کا ایک دوسرے پر مترتب ہونا پھر تدبیر واحد میں مجتمع ہونا ہے، جس طرح درخت شاخوں کے اختلاف کے باوجود کہ ایک وجود دوسرے پر مترتب ہے پھر سب کا سب قوتِ غاذیہ اور قوتِ نامیہ کی تدبیر میں متحد و مجتمع ہوتا ہے۔

ز جو انوار اس درخت کو ڈھانکے ہوئے تھے وہ تنزلات الٰہیہ اور تدبیرات رحمانیہ ہیں جو اس عالم ظاہر میں وہاں چمکتی ہیں، جہاں ان کے قبول کی استعداد ہوتی ہے۔

ح نہروں کا سوتوں میں وہاں نظر آنا رحمت حیات اور نشو و نما کا منبع ہے جو عالم ملکوت میں اسی طرح جاری ہے جس طرح عالم ظاہر میں۔

ط بیتِ معمور کی حقیقت وہ تجلّیِ الٰہی ہے، جس کی طرف انسانوں کے تمام سجدے اور بندگیاں متوجہ ہوتی ہیں۔ وہ گھر کی صورت میں اس لئے نمایاں ہوا کہ ان قبیلوں کے طرح ہو جو انسانوں کے درمیان کعبہ۔ اور بیت المقدس کی صورت میں ہیں۔

مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے معاصرین میں جن اصحاب نے اس موضوع پر لکھا ہے ان میں قاضی سلیمان منصور پوریؒ مؤلف "رحمۃ للعالمین" مولانا حکیم عبدالرؤف دانا پوری صاحب "اصح السیر" ان کے

بل ذکر ہیں کہ ان دونوں بزرگوں کی لکھی ہوئی سیرت النبیؐ
ا ر د عوام دونوں میں مقبول و معروف ہے۔

قاضی سلیمان منصور پوریؒ لکھتے ہیں: "۱۲ رجب
نلہ نبوت کو معراج ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ
یہ وسلم کو ملکوت السمٰوات والارض کی سیر کرائی۔ اول
بد حرام سے بیت المقدس تک تشریف لے گئے وہاں
م بن کر جماعت انبیاء کو نماز پڑھائی پھر آسمانوں کے
ہر کی اور انبیاء سے ان کے مقامات پر ملتے ہوئے
ردۃ المنتہیٰ اور بیت معمور تک پہنچے۔ وہاں سے
ب حضوری خاص حاصل ہوا اور گوناگوں وحی سے
شرف ہوئے"۔

قاضی صاحب مرحوم حاشیے میں فرماتے ہیں:
واضح ہو کہ عروج جسدی کا انکار آج کل کے فلسفہ خشک
بنیاد پر فضول ہے کیوں کہ جس قادر مطلق نے اجرام
ماویہ کے بھاری بھرکم اجسام کو خلا میں تھام رکھا ہے
جسم انسانی کے صغیر جرم کو خلا میں لے جانے کی بھی
درت رکھتا ہے۔ آج کل نائٹروجن کی طاقت سے
وائی جہاز اور غباروں کے اندر آدمی اڑ رہے ہیں
س لئے ایسے خدائے کریم کا اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو
سواری براق (جو برق سے مشتق اور الیکٹرسٹی کی طاقت
نفیہ کی جانب اشارہ کن ہے) ملکوت السمٰوت کی سیر
رانا کچھ مستبعد نہیں۔ میرا عقیدہ یہ ہے کہ معراج جسم کے
ساتھ اور بحالت بیداری ہوئی۔

مولانا حکیم عبدالرؤف مرحوم داناپوری سے
رماتے ہیں: "جب آپؐ کی عمر ۵۱ برس ۹ مہینے کی
ہوئی تو معراج کا واقعہ پیش آیا۔ زم زم اور مقام
براہیم کے درمیان سے آپؐ براق پر حضرت جبرئیلؑ کے
ساتھ پہلے بیت المقدس گئے۔ پھر وہاں سے
قرب الٰہی کے انتہائی منازل میں بلائے گئے۔ جہاں
لائکہ مقربین بھی نہیں جا سکتے۔ اور اسی رات میں
پانچ وقت کی نماز فرض ہوئی۔

مرحوم غلام رسول مہر صاحب نے مولانا ابوالکلام آزادؒ
کے مقالات کو ایک ضخیم جلد میں مرتب کیا ہے۔ معراج کے
سلسلے میں مولانا آزاد کی ایک تحریر پر نظر پڑی جو تبرکاً
مسک الختام کے طور پر نقل کر رہا ہوں۔

ہجرت مدینہ سے تقریباً ایک سال پہلے پیغمبر اسلام
صلی اللہ علیہ وسلم کو اسریٰ کا معاملہ پیش آیا جو عام طور
پر معراج کے نام سے مشہور ہے۔ اس سورت (سورۃ
بنی اسرائیل) کی ابتدا اسی واقعہ کے ذکر سے کی گئی ہے اور
واضح کیا ہے کہ اس معاملے سے مقصود کیا تھا۔ لنریہ
من اٰیاتنا تاکہ اللہ کی نشانیاں اُن کے مشاہدے
میں آجائیں یعنی دلائل حقیقت کا عینی مشاہدہ کر لیں
اس سے معلوم ہوا کہ یہ معاملہ وحی کی تکمیل تھا۔ چنانچہ
یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد فرمایا: اٰتَیْنَا مُوْسَی
الْکِتَاب (سورۃ انعام: ۱۵۴) اسی طرح حضرت
موسیٰ علیہ السلام کا معاملۂ وحی بھی کوہ طور کے
اعتکاف میں مکمل ہوا تھا۔ وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی
لِمِیْقَاتِنَا وَکَلَّمَہٗ رَبُّہٗ (سورۃ اعراف: ۱۴۲)
اور انھیں کتاب شریعت دی گئی تھی۔

یہاں مسجد حرام سے مقصود مکہ اور مسجد اقصیٰ
سے بیت المقدس کا ہیکل ہے۔ اسے اقصیٰ اس
لئے فرمایا کہ عرب کیلئے قریب ترین عبادت گاہ
خانۂ کعبہ تھی اور دور کی عبادت گاہ ہیکل۔

نوعیت واقعہ :-

واقعۂ اسریٰ کی نوعیت کیا تھی؟ یہ عالم بیداری
میں پیش آیا۔ یا عالم خواب میں؟ صرف روح پر طاری
ہوا تھا یا جسم بھی اس میں شریک تھا؟ اس بارے میں
صحابہ و سلف کا اختلاف معلوم ہے۔ اکثر صحابہ و تابعین
اس طرف گئے کہ روح و جسم دونوں پر طاری ہوا لیکن
حضرت عائشہؓ، حذیفہ بن الیمانؓ، حسنؒ، معاویہ ابن
اسحاقؒ وغیرہم سے مروی ہے کہ یہ ایک روحانی معاملہ
تھا۔ اصل یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے احوال
و واردات ایک ایسے عالم سے تعلق رکھتے ہیں جن کیلئے
ہماری عام تعبیرات کام نہیں دے سکتیں۔ ہماری ہر تعبیر
کسی ایسی حالت کا تصور پیدا کر دے گی جو عام طور پر
ہمیں پیش آتی رہتی ہیں۔ لیکن انبیائے کرام کو جو
حالات پیش آتے ہیں ان کی نوعیت ہی دوسری ہے
وہ ہمارے محسوسات و مفہومات کے دائرہ سے باہر
کے معاملات ہیں۔

حقیقت نبوت :

خود نبوت کی حقیقت کیا ہے؟ وحی کا معاملہ
کیونکر انجام پاتا ہے؟ کیا اس بارے میں ہماری کوئی
بھی تعبیر حقیقت حال کی کامل تعبیر ہو سکتی ہے؟
صحیحین کی ایک حدیث میں آیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:
جب وحی آتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے
صلصلۃ الجرس (گھنٹی کی آواز) کی آواز ہو، ظاہر ہے
کہ یہ ایک تمثیل ہے جو اس لئے اختیار کی گئی کہ اس
معاملہ کا ایک قریبی تخیل ہمارے اندر پیدا ہو جائے
ورنہ وحی کی آمد محض گھنٹیوں کی آواز کی طرح نہیں
ہو سکتی۔

سونے اور جاگنے کا درمیانی معاملہ

پس اسریٰ کے معاملے کیلئے بھی ہماری محدود
تعبیرات کام نہیں دے سکتیں۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ
کے تاثرات مختلف ہوئے۔ جن لوگوں نے ان کی سے
نفی کی ہے کہ بیداری میں پیش آیا تھا وہ اس طرف
گئے کہ یہ ہماری جسمانی نقل و حرکت کی طرح کا معاملہ نہ
تھا۔ جن لوگوں نے اس پر زور دیا کہ یہ بیداری میں
پیش آیا تھا، وہ اس طرف گئے کہ اسے محض خواب
کا معاملہ نہیں کہہ سکتے۔ اور اس میں شک نہیں کہ
دونوں اپنے تاثرات میں برسر حق تھے۔ خود صحیحین کی
حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: میں اس وقت ایک
ایسے عالم میں تھا کہ نہ تو سوتا تھا اور نہ جاگتا تھا "بین
النائم والیقظان" اس سے معلوم ہو گیا کہ اس

معاملے کو نہ تو ایسا معاملہ قرار دے سکتے ہیں جیسا ہمیں جاگنے میں پیش آیا کرتا ہے۔ نہ ایسا جیسا سوتے میں دیکھا کرتے ہیں۔ وہ ان دونوں حالتوں سے ایک مختلف قسم کی حالت تھی اور ہماری تعبیرات میں اس کیلئے کوئی تعبیر نہیں۔ اس مقام کی مزید تشریح "البیان" میں ملے گی۔

رؤیا پر بحث

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ میں "رویا" سے مقصود یہی واقعہ ہے۔ چنانچہ عبداللہ ابن عباس، سعید بن جبیر، مسروق، قتادہ، مجاہد، عکرمہ ابن جریج وغیرہم سے ایسا ہی مروی ہے۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس پر محققین تفسیر کا اجماع ہو چکا ہے پس جن مفسروں نے رؤیا سے مراد کوئی دوسری رؤیا لی ہے۔ مثلاً فتح مکہ کی رؤیا وہ قابل اعتنا نہیں کیونکہ سورت بالاتفاق مکی ہے اور وہ معاملہ ایک عرصہ کے بعد مدینہ میں پیش آیا تھا اور تطبیق کے لئے طرح طرح کے تکلفات کرنا قرآن کو چیستان بنانا ہے۔

ان مفسروں نے یہ تکلفات اس لئے کئے کہ رؤیا کا اطلاق خواب پر ہوتا ہے۔ اور اگر اس رؤیا سے مراد واقعہ "اسریٰ" ہو تو ان صحابہؓ کا قول تسلیم کر لینا پڑے گا۔ جو اس کے بیداری میں ہونے کے قائل نہیں۔ لیکن تعجب ہے کہ ان لوگوں نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی تفسیر پر نظر ڈالی حضرت عبداللہ ابن عباسؓ ان صحابہؓ میں سے ہیں جو معراج کو عالم بیداری کا معاملہ سمجھتے تھے اور اس مذہب کے سب سے بڑے پیش رو تھے، بایں ہمہ انھوں نے بھی رویا کی یہی تفسیر کی ہے کہ واقعہ اسریٰ مراد ہے "رؤیا عین اریہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بخاری) آنکھوں سے دیکھی ہوئی رؤیا جو اسریٰ میں آنحضرتؐ کو دکھائی گئی تھی۔ اگر حضرت ابن عباسؓ کو اس آیت کی اس تفسیر میں کوئی دقت پیش نہ آئی جو اس مذہب کے سب سے بڑے قائل تھے تو پھر اور لوگوں کو کیوں دوراز کار توجیہ کی ضرورت پیش آئے۔

اور یہ جو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا "رؤیا عین اریہا" تو اس نے سارا مسئلہ حل کر دیا۔ حقیقت آشکارا ہو گئی جس کی طرف ہم ابھی اشارہ کر چکے ہیں یعنی جو کچھ پیش آیا تھا تو رؤیا ہی ہے۔ کیسی رؤیا؟ ویسی ہی رؤیا جیسی عالم خواب میں ہم دیکھا کرتے ہیں؟ نہیں "رؤیا عین" ایسی رویا جس میں آنکھیں غافل نہیں ہوتیں بیدار رہتی ہیں، جو کچھ دیکھا جاتا ہے وہ ایسا ہوتا ہے جیسے آنکھوں سے دیکھا جا رہا ہو۔

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى (النجم۔ ١٧-١٨)
بھکی نہیں نگاہ اور نہ حد سے آگے بڑھی۔ بیشک دیکھے اس نے اپنے رب کے بڑے نمونے ؂۲

؂۱ وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ۔ اور رؤیا جو ہم نے تمھیں دکھائی تو اس لئے دکھائی کہ لوگوں کے لئے ایک آزمائش ہو (بنی اسرائیل: ٦٠)

؂۲ مطلب یہ کہ آنکھ نے جو کچھ دیکھا پورے تمکن و اتقان سے دیکھا۔ نہ نگاہ ٹیڑھی ترچھی ہو کر دائیں بائیں یا اوپر نیچے ہٹی۔ اور نہ مقصود مشاہدہ سے تجاوز کر کے آگے بڑھی بس اسی چیز پر جمی رہی جس کا دکھانا اللہ تعالیٰ کو مقصود تھا

دعائے مغفرت

۲۳ ستمبر ۲۰۰۰ء کو مولوی علی حسن یزدانی ندوی (ایم اے) ایک طویل علالت کے بعد انتقال کر گئے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ انھوں نے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں اپنی تعلیم مکمل کی تھی پھر لکھنؤ یونیورسٹی سے انگلش میں ایم اے بھی کیا تھا۔ عرصہ تک دبئی کے ایک اسکول میں مدرس رہے ادھر ۳ سال قبل اپنے وطن رانچی آ گئے تھے اور "کلیۃ البنات للتربیۃ" (ریہے پاٹ رانچی) میں کافی دنوں تک پرنسپل کی حیثیت سے خدمت انجام دی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے۔ قارئین کرام سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

تعلیم اخلاق کے طریقے اور اسلوب

مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تعلیم اور تزکیہ کیلئے ہوئی یعنی لوگوں کو سکھانا اور بتانا۔ اور نہ صرف سکھانا اور بتانا بلکہ عملاً بھی ان کو اچھی باتوں کا پابند اور بُری باتوں سے روک کر آراستہ و پیراستہ بنانا، اسی لئے آپ کی خصوصیت یہ بتائی گئی کہ۔

یُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ (بقرہ۔ ۱۵)

وہ (رسول) اُن کو کتاب اور حکمت کی باتیں سکھاتا اور پاک صاف کرکے نکھارتا ہے۔

اور اسی لئے حدیث میں آیا ہے کہ۔

وَاِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّماً (ابن ماجہ باب فضل العلماء)

اور میں تو معلم بناکر بھیجا گیا ہوں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس معلم ربانی نے کن طریقوں سے اپنی اخلاقی تعلیم کے فرض کو انجام دیا۔

ایک کامیاب معلم کیلئے پہلی شرط یہ ہے کہ اس میں اپنے اپنے موقع پر سختی اور نرمی دونوں ہوں۔ وہ ایک جرّاح ہے جس کے ایک ہاتھ میں نشتر ہو جس سے زخم کو چیر کر فاسد مواد کو باہر نکال دے اور دوسرے ہاتھ میں مرہم ہو جس سے زخم میں ٹھنڈک پڑجائے اور تندرست گوشت اور چمڑے کی پرورش ہو، اگر کسی جرّاح کے پاس ان دو میں سے صرف ایک ہی چیز ہو تو وہ نہ زخم کو پاک کرسکتا ہے اور نہ فاسد گوشت پوست کی جگہ تندرست گوشت پوست پیدا کرسکتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اخلاق کے طریقوں پر غور کی ایک نظر ڈالنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تعلیم میں سختی اور نرمی کے موقع و محل کو خوب پہچانتے تھے، اور اس پر عمل فرماتے تھے، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آپ نے کبھی اپنی ذات کیلئے کسی سے بدلہ نہیں لیا مگر یہ کہ کوئی شریعت کے حدود کو توڑے تو اس کو سزا دیتے تھے[1]، قریش کی ایک بیوی چوری میں پکڑی گئی، بعض مسلمانوں نے ان کی سفارش کرنی چاہی تو آپ نے فرمایا تم سے پہلے کی قومیں اسی لئے تباہ ہوئیں کہ جب اُن میں معمولی لوگ گناہ کرتے تھے تو ان کو سزا دیتی تھیں، اور جب بڑے لوگ گناہ کرتے تھے تو ان کے احکام ٹال جاتے تھے[2]۔

یہ تو سختی کی مثالیں ہیں، نرمی کی مثال یہ ہے کہ ایک دفعہ مسجد نبوی میں ایک بدوی آیا۔ اتفاق سے اس کو استنجے کی ضرورت معلوم ہوئی تو وہ وہیں مسجد کے صحن میں بیٹھ گیا، صحابہؓ یہ دیکھ کر چاروں طرف سے اُس کو مارنے کو دوڑے، آپؐ نے روکا، اور فرمایا کہ تم سختی کیلئے نہیں بلکہ نرمی کیلئے بھیجے گئے ہو، اس کے بعد اس بدوی کو بلاکر فرمایا۔ کہ یہ عبادت کے گھر ہیں، یہ نجاست کیلئے موزوں نہیں، یہ خدا کی یاد اور نماز اور قرآن پڑھنے کیلئے ہیں، پھر لوگوں سے فرمایا کہ اس پر پانی بہادو (صحیح بخاری کتاب الادب باب یسروا ولا تعسروا و کتاب الطہارۃ و صحیح مسلم باب وجوب غسل البول)

اسی طرح ایک دفعہ ایک صاحب سے رمضان میں بحالتِ روزہ ایک غلطی ہوگئی، اس نے لوگوں سے کہا کہ مجھے حضورؐ کے پاس لے چلو، انھوں نے کہا یہ ہم سے نہ ہوگا۔ تو وہ اکیلا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہونچا، اور واقعہ بیان کیا، فرمایا ایک غلام آزاد کرو، عرض کی یارسول اللہ میرے پاس تو ایک غلام بھی نہیں، فرمایا دو مہینے لگاتار روزے رکھو، عرض کی روزہ ہی میں تو یہ گناہ ہوا، فرمایا تو اچھا ساٹھ ۶۰ مسکینوں کو کھانا کھلادو۔ عرض کی ہم تو خود کنگال ہیں، فرمایا کہ اچھا بنی زریق کے صدقہ کے منتظم کے پاس جاؤ اور اس سے صدقہ لے کر پہلے ساٹھ ۶۰ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ، اور جو بچے وہ تم اور تمہارے گھر والے کھائیں وہ خوش ہوکر اپنے قبیلہ میں آیا اور کہا کہ تم کتنے سخت تھے حضورؐ نے کتنی نرمی کی۔ (ابوداؤد باب فی الظہار)

یہ اور اسی قسم کے اور واقعات کو سامنے رکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جہاں حدود الٰہی کی شکست کا خوف ہوتا تھا۔ وہاں نرمی نہیں برتی جاتی تھی لیکن جن امور میں وسعت ہوتی یا جہاں مستحبات۔ اور اخلاقی فضائل و رذائل کا موقع ہوتا تھا، آپ نرمی سے سمجھا دیتے۔ اور لطف و محبت سے فرما دیتے تھے۔

ما ہری باد بسری پیغمبری است

اخلاقی فضائل و رذائل کی تعلیم کے بھی مختلف طریقے اختیار کئے گئے، کہیں کسی اخلاقی تعلیم کو حکم خداوندی بتاکر کہیں اچھی اچھی مؤثر تشبیہوں

---

[1] صحیح بخاری باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسروا ولا تعسروا

[2] صحیح بخاری کتاب الحدود

کے ذریعہ کہیں اس کے اچھے یا برے نتیجوں کو کھول کر اس طرح بیان کیا کہ سننے والے متأثر ہو کر اس پر عمل کرنے کو فوراً تیار ہو جاتے تھے۔

چنانچہ قرآن نے اپنی تعلیم میں کہیں فرمان الٰہی کی صورت اختیار کی، اور کہا۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ (نحل ۱۳)

بیشک اللہ عدل اور احسان کرنے اور رشتہ دار کو دینے کا حکم کرتا ہے اور بیحیائی کی بات، اور ناپسندیدہ بات اور سرکشی سے منع کرتا ہے، تمہیں وہ نصیحت فرماتا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے ایک شہنشاہ مطلق کی حیثیت سے اپنے فرمان کو نافذ فرمایا ہے اور حکم دیا ہے کہ یہ کرو، اور اس سے بچو، تمام انسانوں کا جو اس قادر مطلق کے عاجز و درماندہ بندے ہیں، یہ فرض ہے کہ وہ اس کے حکم کی پوری پوری تعمیل کریں اس تعمیل میں بندوں کے چوں وچرا کی گنجائش نہیں۔

تعلیم کا دوسرا اسلوب یہ ہے کہ فضائل کو عمدہ تشبیہوں کے ساتھ اور رذائل کو قبیح مناظر اور قابل نفرت صورتوں میں اس طرح پیش کیا جائے کہ سننے والا بالطبع فضائل کی طرف مائل اور رذائل سے روگرداں ہو جائے۔ مثلاً خدا کی راہ میں دینا ایک اخلاقی فضیلت ہے، جس کی تصویر یوں کھینچی گئی کہ كَمَثَلِ حَبَّةٍ (بقرہ۔۳۶) یعنی نیکی ایک دانہ ہے، زمین سے ہر دانہ ایک بال ہو کر اگتا ہے اور ہر بال میں سینکڑوں دانے ہوتے ہیں، اسی طرح نیکی کا یہ ایک دانہ سینکڑوں ربانی انعامات کا باعث ہوتا ہے۔

ریاء و نمائش کی نیکی بے نتیجہ ہوتی ہے، نہ مخلوق پر اس کا اثر پڑتا ہے، اور نہ خدا کے یہاں اس کا کوئی بدلہ ہے، قرآن نے اس کو یوں ادا کیا ہے۔

كَمَثَلِ صَفْوَانٍ (بقرہ۔۳۶) اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی کسان اپنا بیج ایسی چٹان پر چھینٹ دے جس پر ذرا سی مٹی پڑی ہو۔ جہاں ذرا زور کی بارش ہوئی تو بیج اور مٹی سب بہہ گئی۔ اور چٹان دھل کر صاف ہو گئی، اس بیج سے ایک دانہ بھی پیدا نہ ہوگا۔

بے ایمانی سے یتیموں کے مال کھا جانے کو یوں ادا کیا کہ "جو ایسا کرتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں" (نساء) پیٹھ پیچھے مسلمان کی برائی کرنے کی کراہت یوں ظاہر کی "کیا کوئی اپنے مردہ بھائی کی لاش کا گوشت نوچ نوچ کر کھاتا ہے" (حجرات۔۲۰) کسی کو کوئی چیز دے کر واپس لینا شرافت اور فیاضی کے خلاف ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی برائی کو یوں ظاہر فرمایا ہے" جو دے کر واپس لیتا ہے وہ گویا قے کرکے پھر چاٹتا ہے۔ اس سے زیادہ کوئی مکروہ تشبیہ اس بداخلاقی کی ہو سکتی ہے؟

قبیلہ اسلم کے ایک شخص سے ایک اخلاقی گناہ سرزد ہوا۔ اور بعد کو اس پر یہ اثر ہوا کہ خود عدالت نبوی میں اپنے گناہ کا اقرار کیا اور شریعت کی حد اپنے اوپر جاری کرنے کی درخواست کی، حضور نے تحقیقات کے بعد اس کے سنگسار کئے جانے کا حکم دیا۔ جب وہ سنگسار ہو چکا تو آپ نے ایک صاحب کو دوسرے سے یہ کہتے سنا کہ "اس کو دیکھو کہ خدا نے اس کے گناہ پر پردہ ڈال دیا تھا لیکن اس نے اپنے آپ کو نہیں چھوڑا۔ اور کتے کی طرح سنگسار کیا گیا" حضور یہ سن کر خاموش رہے۔ تھوڑی دور چلے تھے کہ ایک گدھے کی لاش پڑی ملی۔ آپ نے پکارا کہ فلاں فلاں صاحب کہاں ہیں، انھوں نے کہا ہم یہ ہیں یا رسول اللہ! فرمایا تم اترو اور اس گدھے کی لاش سے کچھ کھاؤ" انھوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول اس کو کون کھائے گا۔ فرمایا کہ تم نے ابھی اپنے بھائی کے حق میں جو کہا وہ اس لاش کے کھانے سے زیادہ گھنونی بات ہے (سنن ابی داؤد کتاب الحدود)

غیبت کی برائی کو ذہن نشین کرنے کے لئے اس سے زیادہ مؤثر طرز کوئی ہو سکتا ہے؟

تعلیم کا تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اچھے کاموں کے اچھے اور برے کاموں کے برے نتیجہ کو کھول کر بیان کر دیا جائے جس سے اچھے اخلاق کے اختیار اور برے کام کے ترک کا جذبہ ابھرے، اسلام نے اس طریقہ کو بھی اختیار کیا ہے۔ مثلاً شراب نوشی اور قماربازی سے روکنا تھا۔ تو اس کے برے نتیجوں کو قرآن میں بوضاحت بیان کیا "مسلمانو! شراب جوا اور پانسے کے تیر ناپاک ہیں اور شیطان کے کام ہیں، شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ تمہارے آپس میں عداوت اور دشمنی بڑھے۔ اور تم کو اللہ کی یاد اور نماز سے غافل رکھے" (مائدہ۔۱۲) شراب اور جوے کے برے نتیجے یہ ہیں کہ ان کا خاتمہ اکثر کھیلنے والوں کی باہمی دشمنی اور لڑائی پر بلکہ قتل اور خودکشی تک پر ہوتا ہے اور انسان ان میں پھنس کر اپنے دینی دنیا کے فرض سے غافل اور بیکار ہو جاتا ہے، نتیجہ جانی و مالی بربادی ہوتی ہے۔

اسلام نے اخلاق کی تعلیم کا ایک اور طریقہ یہ اختیار کیا ہے کہ وہ فضائل اخلاق کو الوہیت ملکوتیت اور نبوت کے محاسن میں اور رذائل کو شیطان کے خصائص میں داخل کرتا ہے جس سے فضائل کے اختیار اور رذائل سے اجتناب کرنے کا شوق ہوتا ہے، مثلاً عفو و درگذر کی تعلیم دی تو یوں فرمایا۔

إِن تُبْدُوا خَيْرًا أَوْ تُخْفُوهُ أَوْ تَعْفُوا عَن سُوءٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيرًا (نساء۔۲۱)

اگر تم کوئی بھلائی ظاہر کرو یا اس کو چھپاؤ یا کسی برائی کو معاف کرو تو اللہ بھی معاف کرنے والا قدرت والا ہے

قدرت کے باوجود عفو اللہ تعالیٰ کا خاص وصف ہے۔ بندوں سے کہا جاتا ہے کہ تم سب ایسا ہی کرو، تخلقوا باخلاق اللہ گو صرف ایک مشہور اخلاقی مقولہ ہے مگر استنباط اس آیت سے ہوتا ہے اور بعض مفسرین نے اس نکتہ کو یہاں بیان کیا ہے۔ (تفسیر بحر محیط ابی حیان اندلسی زیر آیت مذکورہ ج ثالث صفحہ ۱۳۸۵)

حدیث میں ہے کہ ایک صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ اگر کوئی یہ چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے اور سلیقہ کے ہوں اس کا جوتا اچھا ہو تو کیا یہ بھی غرور ہے فرمایا نہیں۔

ان اللہ جمیلٌ یحبُّ الجمال (صحیح مسلم و ترمذی)

اللہ جمال والا ہے وہ جمال کو پسند کرتا ہے۔

اس لئے بندوں کو بھی چاہئیے کہ اپنے طور و طریق و لباس میں سلیقہ اور جمال کا لحاظ رکھیں۔

مسلمانوں میں عزم و استقلال اور بہادری کی تعلیم دینی تھی تو اس کو قرآن نے اس طرح کہا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (احزاب-۳)

تمہارے لئے اللہ کے رسول میں پیروی کا اچھا نمونہ ہے۔

حق کے مقابلہ میں ماں باپ رشتہ دار کسی کے خیال نہ کرنے کی تعلیم حضرت ابراہیمؑ کے نمونہ سے دی گئی۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗ (ممتحنۃ)

تمہارے لئے ابراہیمؑ اور ان کے ساتھیوں میں پیروی کا اچھا نمونہ ہے۔

ان دونوں آیتوں میں اخلاق کی بعض صفتوں کو پیغمبرانہ اوصاف سے تعبیر کرکے اس کی بڑائی ظاہر کی ہے اور ان کی پیروی کی ترغیب دی ہے۔

نضول خرچی کی بری صفت سے مسلمانوں کو بچانا تھا تو اس کی برائی کو یوں ذہن نشین کرایا۔

اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ (بنی اسرائیل-۲)

بے شبہ فضول خرچ شیطانوں کے بھائی ہیں اب کون ہے جو شیطانوں کا بھائی ہونا پسند کرے گا۔

(ماخوذ سیرت النبی ج ۶ ص ۱۸۶ تا ۱۹۳)

حق کی تلاش

افریقہ کے ایک متحرک و فعال پادری سیلی ابراہیم کا قبول اسلام

تحریر: ڈاکٹر عبدالعزیز مرحان (عکاظ) — ترجمہ: صاحب عالم اعظمی ندوی

یہ کہانی اگرچہ آپ کو بہت عجیب لگے، مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ حقائق پر مبنی ہے، جن صاحب کی یہ کہانی ہے انھوں نے خود اپنی زبانی مجھے سنائی یہ صاحب جو ساؤتھ افریقہ سے تعلق رکھتے ہیں، سابق صدر نیلسن منڈیلا کے قریبی رشتہ دار ہیں۔ اور حال ہی میں اسلام قبول کیا ہے، ہماری ان سے ملاقات ساؤتھ افریقہ میں واقع رابطہ عالم اسلامی (MWL) کے دفتر میں ہوئی جہاں میں نیجر کی حیثیت سے کام کرتا ہوں، ہماری یہ ملاقات (MWL) کے جنرل سکریٹری عبدالخالق متر نے کرائی، عبدالخالق نے مجھے بتایا کہ حال ہی میں انھوں نے اسلام قبول کیا ہے۔ یہ شخص پادری سیلی کے نام سے جانے جاتے تھے۔ اور یہ عیسائیت کے زبردست مبلغ وداعی تھے۔ چونکہ اب یہ حج کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے انھوں نے مجھے مکہ میں واقع (MWL) کو اطلاع دینے کی درخواست کی ہے تاکہ دوران حج ان کی خاطر خواہ میزبانی اور ضیافت کی جاسکے

بہرکیف اوقت مقررہ پر مسلم افریقہ کے باکسنگ فیڈریشن (BOXING FEDERATION) کے سابق ممبر سلیمان کے ساتھ حاضر ہوئے۔ پادری سیلی کا قد پستہ اور سیاہ فام رنگ تھا جیسا کہ عام نیگروؤں کا ہوتا ہے۔ مگر ان کے چہرے پر تبسم کی جھلک نظر آتی تھی گفت وشنید کے دوران میں نے ان سے عرض کیا کہ کیا وہ اپنے قبول اسلام کے سلسلہ میں ہمیں اپنی تفصیلات بتانا پسند کریں گے۔ برجستہ انھوں نے کہا کیوں نہیں! ایک فعال اور سرگرم پادری کی حیثیت سے وہ مسلسل چرچ کی خدمت وعیسائیت کی تبلیغ واشاعت میں لگے رہے۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ اپنی فعالیت اور سرگرمی کی بدولت ساؤتھ افریقہ کے عیسائیوں میں انھوں نے کافی عزت ومقبولیت حاصل کی۔ مزید واقعات کی تفصیلات انہیں کے الفاظ میں سنا جائے۔

میری بہترین کارگزاری کی وجہ سے ویٹیکن سٹی (VATICANCITY) (جو دنیا کا سب سے چھوٹا ملک اور عیسائی مذہب کا سب سے عظیم مرکز ہے) نے مجھے خوب سراہا اور براہ راست میرا ویٹیکن (VATICAN) سے ربط وتعلق ہوگیا۔ اب ویٹیکن (VATICAN) مجھے بھرپور مالی امداد فراہم کرنے لگا جس سے میری تحریک میں مزید شدت آگئی اور زور وشور سے لوگوں میں عیسائیت کی تبلیغ کرنے لگا۔

میں نے اپنے مقصد کی حصولیابی کی خاطر تمام ممکن حربے اور آلات استعمال کر ڈالے۔ اس سلسلے میں میں برابر اسکول ہاسپٹل یہاں تک کہ صحرانشینوں اور خانہ بدوشوں کے خیمے میں بھی جاتا رہتا تھا۔ تاکہ میں برابر لوگوں کو عیسائیت کی تعلیم دیتا ہوں ویٹیکن (VATICAN) سے برابر روپیہ پیسہ اور تحفہ وتحائف آتے رہتے تھے جس کو میں لوگوں میں تقسیم کر دیا کرتا تھا تاکہ لوگ عیسائیت سے متاثر ہوں اور اس کو قبول کریں۔ میں نے وہ تمام طریقے اختیار کئے جن سے میں لوگوں کو عیسائیت سے متاثر کرسکوں اور اس کے قریب لاسکوں۔ اس طرح میری مقبولیت میں مزید اضافہ ہوا میں اس تبلیغی تحریک اور دعوتی مشن کی بدولت مالامال بھی ہوگیا۔ چرچ کی طرف سے رہائش کیلئے مکان اور آرام دہ کار مہیا کرائی گئی اور معقول تنخواہ بھی دی جانے لگی۔ جس سے میں دوسرے پادریوں سے ممتاز ہوگیا۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ میں اپنے شہر کی ایک بڑی دکان (SHOPPING CENTER) سے کچھ تحفے تحائف لینے گیا۔ جہاں میں ایک عجیب وغریب واقعہ سے دوچار ہوا۔ چونکہ میں اپنے مخصوص سفید لباس میں تھا جو ہمیں اوروں سے ممتاز کرتا ہے۔ لہٰذا جب میں نے دکاندار سے قیمت دریافت کیا اور سامان خرید لیا تو دکاندار (جو شکل سے ہندوستانی مسلمان نظر آتا تھا۔ اور یہاں ساؤتھ افریقہ میں ہم لوگ کہتے تھے کہ اسلام تو ایک ہندوستانی مذہب ہے) نے مجھ سے سوال کیا؟ کیا آپ پادری ہیں؟ میں نے کہا جی ہاں! میں پادری ہوں۔ اس نے دوبارہ سوال کیا؟ آپ کا رب کون ہے؟ میں نے کہا عیسیٰ مسیح ہمارے رب وخدا ہیں۔ اس نے کہا میں آپ کو چیلنج کرتا ہوں کہ آپ اپنی مذہبی کتاب بائبل سے ایک بھی ایسی آیت بتائیں جس میں حضرت عیسیٰ مسیح نے یہ کہا ہو کہ اے لوگو میں تمہارا خدا ہوں اور تم لوگ میری عبادت کرو۔ ان کے اس سوال سے مجھے زبردست دھچکا لگا۔ اور حیرت وتعجب کی انتہا نہ رہی اور نہ ہی کوئی معقول جواب مجھ سے بن پڑا، میں نے اپنی یادداشت پر خوب زور ڈالا مگر مجھے کوئی ایسی بات یاد نہیں آئی جو بائبل یا اور ہماری دوسری کسی مذہبی کتاب میں موجود ہو، میں

حد درجہ پریشان ہوگیا۔ اور سوچنے لگا کہ ایسا آخر کیونکر ہوا۔ اور کبھی میں نے اپنے آپ سے یہ سوال کیوں نہیں کیا۔

اس واقعہ کے بعد میں نے مصمم عزم کر لیا کہ اس کا جواب تلاش کرنا ہے، پہلی فرصت میں میں چرچ کی مجلس (COUNCIL) گیا مجلس کے اندر میں نے اپنے پادری ساتھیوں سے بتایا کہ میرے ساتھ آج ایک عجیب واقعہ پیش آیا وہ یہ کہ ایک شخص نے مجھ سے عیسیٰ مسیح کے متعلق اس طرح کے سوالات کئے میں نے اپنے پادری ساتھیوں کو تمام واقعات سُنائے اور ان سے جواب طلب کیا۔ جواب دینے کے بجائے وہ لوگ الٹا مجھ پر چڑھ دوڑے اور کہا کہ اس ہندوستانی مسلمان نے اپنے مذہب کے ذریعہ تمہارے ساتھ دغا بازی کی ہے، میں نے کہا مجھے اس سے بحث نہیں کہ اس نے میرے ساتھ کیا کیا اور کیوں کیا؟ بس تم لوگ مجھے اس سوال کا جواب دو۔ مگر جواب ان کے پاس تھا ہی کیا جو وہ مجھے دیتے۔

پھر مزید ایک اور واقعہ پیش آیا جس نے میرے قلب و ضمیر کو تشویش میں مبتلا کر دیا۔ حسب معمول اتوار کو جب میں چرچ میں خطاب عام کیلئے کھڑا ہوا تو میری زبان بند ہوگئی اور میرے پیروں تلے زمین نکل گئی۔ ایسا لگا کہ میرے منھ پر تالے پڑ گئے ہوں۔ شرکاء مجلس تعجب خیز نگاہوں سے میری طرف دیکھنے لگے کہ آج آخر یہ بول کیوں نہیں پا رہے ہیں۔ لوگ طرح طرح کے شکوک و شبہات میں مبتلا ہوگئے۔ آخر کار میں فوراً واپس اندر کی جانب چلا گیا اور اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ میں بہت تھک گیا ہوں لہٰذا آج تم میری جگہ تقریر کردو، مگر واقعہ یہ ہے کہ میں ذہنی طور سے حد درجہ پریشان تھا۔ اسی پریشانی کے عالم میں میں گھر چلا گیا۔ اور وہاں ایک پرسکون کمرہ میں جا بیٹھا اور خدا سے دعا کی کہ اے خدا سچائی کی طرف میری رہنمائی کر اور دعا مانگتے مانگتے اسی حالت میں سو گیا خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ میں اپنے گھر کے بڑے ہال میں بیٹھا ہوں کہ اچانک ایک شخص نمودار ہوا۔ اس کے چہرے پر نور کی کرن تھی جو اپنی ضیا پاشی سے میری نگاہوں کو خیرہ کئے دے رہی تھی۔ اس وجہ سے میں اس پُر نور چہرہ کو دیکھنے سے قاصر تھا پہلے پہل تو میں نے سوچا کہ یقیناً یہ خدا ہوگا جس سے میں نے رہنمائی کی دعا کی تھی، اس نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ تمہارا نام ابراہیم ہے، چونکہ تم نے خدا تعالیٰ سے اپنی رہنمائی کی دعا کی تھی۔ لہٰذا اسی پروردگار نے مجھے تمہاری رہنمائی کیلئے بھیجا ہے، اب تم اپنی داہنی جانب نگاہ ڈالو۔ میں نے اپنے داہنے جانب چند اشخاص کو سفید کپڑے و سفید عماموں میں ملبوس ٹہلتے دیکھا۔ اس شخص نے مجھ سے پھر اشارۃً کہا کہ ان اشخاص کے نقش قدم پر چلو، سچائی پالوگے، جب میں بیدار ہوا تو میں نے بہت خوشی محسوس کی اور خدا کا شکر ادا کیا لیکن اچانک میرے دل میں ایک خیال پیدا ہوا۔ کہ جن لوگوں کو میں نے خواب میں دیکھا ہے ان کو کہاں تلاش کروں، لیکن میں نے فیصلہ کر لیا کہ جب تک سچائی کو پا نہیں لوں گا اس وقت تک اپنی تلاش جاری رکھوں گا چنانچہ اپنی تمام سرگرمیوں کو پس پشت ڈال کر ان سفید کپڑے و سفید عمامے والے اشخاص کو تلاش کرنا شروع کردیا، تلاش حق کا یہ سفر بہت لمبا ہوا، سفر کے دوران میں جتنے مسلمان بھائیوں سے ملا۔ وہ سب کے سب پینٹ شرٹ میں ہی ملبوس نظر آئے۔ یہاں تک کہ میں اپنی اس تلاش میں جوہنسبرگ (JOHANNES BURG) پہنچ گیا۔

یہاں افریقی مسلم کے ایک آفس میں استقبالیہ کاؤنٹر پر اپنے خواب میں دیکھے ہوئے اشخاص کے بارے میں سوال کیا، کاؤنٹر پر بیٹھے شخص نے مجھے بھکاری سمجھ کر کچھ پیسے دینے کی کوشش کی میں نے ان سے کہا بھائی! کیا تمہاری کوئی عبادت گاہ قریب میں واقع ہے اس نے قریبی مسجد کی طرف میری رہنمائی کی جہاں مجھے حیرت کا شدید جھٹکا لگا کیوں کہ مسجد کے گیٹ پر مجھے اپنے خواب میں دیکھے ہوئے اشخاص میں سے ایک شخص سفید و سفید عمامے میں کھڑا نظر آیا میں فوراً اس کی جانب لپکا قبل اس کے کہ میں کچھ بولتا اس شخص نے کہا خوش آمدید ابراہیم صاحب! میں نے تمہیں خواب میں دیکھا کہ تم ہم لوگوں کو اور سچائی کو تلاش کر رہے ہو۔ اور جس سچائی کی تم تلاش میں ہو وہ سچائی تو صرف اور صرف اسلام میں ہے پھر میں نے ان کو اپنا خواب سنایا اور ان سے پوچھا کہ جس شخص کو خدائے واحد نے میری رہنمائی کیلئے بھیجا تھا وہ کون ہو سکتا ہے انھوں نے کہا ہو سکتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں، یہ سننا تھا کہ میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی اور اس جذبۂ خوشی میں میں نے انھیں گلے لگا لیا۔ چونکہ نماز کا وقت تھا۔ لہٰذا انھوں نے مجھ سے کہا کہ آپ مسجد کے عقب میں کھڑے رہیں۔ میں نماز پڑھ کر آتا ہوں۔ نماز کے دوران میں نے دیکھا کہ متعدد مسلمان سفید کپڑے و عماموں میں نماز ادا کر رہے ہیں۔ اپنی پیشانیوں کو زمین پر ٹیک رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر میں خود سے ہم کلام ہوا کہ یہی وہ اصل عبادت ہے جس کے متعلق میں نے کتابوں میں پڑھا تھا کہ انبیاء علیہم السلام اپنے رب کے سامنے پیشانیوں کو ٹیکتے ہیں۔ نماز کے بعد میں نے پرسکون ماحول میں راحت کی سانس لی۔ اور خوشی محسوس کی بعد نماز ان

صاحب نے مجھے اسلام کی دعوت دی اور میں بغیر کسی پس و پیش کے مشرف بہ اسلام ہوگیا۔

قبول اسلام کے بعد میں برابر اسلام کا مطالعہ کرتا رہا۔ یہاں تک کہ دعوت کے کام میں لگ گیا۔ اور دل و جان سے لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دینے لگا۔ اپنے ان دعوتی اسفار میں متعدد جماعت اور تنظیم کے لوگوں سے ملاقات کا موقع ملا۔ اور ان لوگوں سے میں نے اسلام کے متعلق بہت کچھ سیکھا۔

کچھ مہینوں کے بعد جب میں اپنے گھر آیا تو گھر والوں نے میری حالت پر افسوس کا اظہار کیا۔ اور میرے لباس کی مذمت کی۔ فوراً چرچ کی میٹنگ میں مجھے بلایا گیا۔ پادریوں نے مجھے عار دلائی کہ میں نے اپنے موروثی مذہب کو ترک کر دیا ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ ہندوستانی مسلمان نے تمہارے ساتھ مکاری کی اور تم کو تمہارے مذہب سے پھیر دیا ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ کسی نے بھی میرے ساتھ مکاری و دغابازی نہیں کی ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم خود میرے پاس خواب میں تشریف لائے اور مجھے سچائی کی راہ دکھائی، اور سچائی کی راہ صرف اور صرف مذہب اسلام میں ہے وہ اسلام جو ایک عالمگیر مذہب ہے نہ کہ ہندوستانی مذہب! میرے اس جواب نے انھیں سکتہ میں ڈال دیا، لیکن انھوں نے مجھے دوسرے حیلوں میں پھنسانا چاہا۔ انھوں نے کہا کہ ویٹیکن نے تمہیں چھ ماہ کی پیشگی تنخواہ کے ساتھ ویٹیکن میں رہنے کی پیشکش کی ہے۔ وہ تمہیں نئے مکان مع نئی کار کے خاطر خواہ رقم بھی دیں گے۔ مزید برآں یہ کہ چرچ میں ایک اعلیٰ عہدہ عطا کریں گے۔ میں نے ان کی تمام سہولیات و ترغیبات کو رد کر دیا اور کہا کہ اب جب کہ میں نے سچائی کو پا لیا ہے اور ایک ایسے مذہب کو اختیار کیا ہے۔ جو کہ مکمل و جامع ہے تو اب میں اس مذہب سے آخری دم تک روگردانی نہیں کر سکتا۔ میں نے انھیں بھی اسلام کی دعوت دی اور الحمد للہ دو مزید پادریوں کو اسلام جیسی سچی اور سیدھی راہ پر لے آیا، چرچ والوں کو جب یقین ہوگیا کہ میں نے مذہب اسلام پر چلنے کا مکمل ارادہ کر لیا ہے تو انھوں نے میری تمام سہولیات و اختیارات چھین لئے، میں بے حد خوش تھا کیونکہ میں بھی خود یہی چاہتا تھا، اور انھیں ان کی حالت پر چھوڑ کر چلا آیا۔

یہ ہے ابراہیم سیلی کے قبول اسلام کی کہانی خود ان کی زبانی۔ یہ ابراہیم سیلی جو کبھی فعال پادری ہوا کرتے تھے۔ اب اسلام کے زبردست مبلغ و داعی ہیں۔ دوبارہ ابراہیم سیلی صاحب سے میری ملاقات افریقہ کے ایک سیمنار میں ہوئی، بہت گرمجوشی سے ان سے ملا اور پوچھا کہ وہ آج کل کیا کر رہے ہیں انھوں نے جواب دیا کہ میں نے اپنی زندگی دعوت کے کام کیلئے وقف کر دیا ہے۔ آپ سے دعا کی درخواست ہے کہ میں اپنے کام میں پوری مستعدی سے لگا رہوں۔ اس مختصر ملاقات کے بعد وہ مجھ سے جدا ہوگئے، میں نے دیکھا کہ اسلام لانے کے بعد ابراہیم سیلی میں بڑی تبدیلی آگئی ہے اور دعوتی کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں۔

(بشکریہ مسلم ڈائجسٹ (انگلش)، بنگلور)

دعائے مغفرت

جناب محمد اسلم صاحب دلکی مقیم کویت کے والد ماجد (جناب حاجی بابا مرحوم) کا انتقال گذشتہ مہینے اپنے وطن دلکی (ضلع کاروار کرناٹک) میں ایک طویل علالت کے بعد ہوگیا۔ مرحوم بڑے نیک دل اور اعلیٰ اخلاق کے حامل تھے۔ علماء کی بڑی قدر کرتے تھے۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے والہانہ تعلق تھا۔ اپنے بیٹے محمد اسلم کو دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم دلائی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

گوشۂ خواتین

عورت، اسلام اور مغربی تہذیب

سارہ رئیس، شاداب کالونی، لکھنؤ

سب سے پہلے میں اللہ عز وجل کا شکر ادا کرتی ہوں اور اس کا وہ عظیم احسان یاد کرتی ہوں کہ اللہ رب العزت نے اپنے برگزیدہ نبی ہادی برحق جناب محمد رسول اللہ کے ذریعہ سے عورتوں کو ذلت و پستی اور محکومی کے غار سے نکالا اور اس کو وہ بلند مقام نصیب کیا جس کا اسلام کے علاوہ کسی مذہب یا معاشرہ میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یقیناً یہ اسلام ہی ہے جس نے زندگی کی تعمیر کا جو نقشہ مرتب کیا ہے اس کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے خاندانی نظم سے ہو یا معاشرتی آداب سے اقتصادی قوانین سے ہو یا اصول تہذیب سے اس نے کسی بھی گوشہ میں عورت کی حیثیت کو مجروح نہ ہونے دیا لیکن افسوس کہ آج بڑے زور و شور کے ساتھ یہ پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے کہ اسلام نے عورتوں کو گھر کی چہار دیواری میں مقید کرکے ہر طرح کی آزادی سے محروم کر رکھا ہے۔

میں ان آزادیٔ نسواں کے علمبرداروں سے پوچھنا چاہتی ہوں کہ اسلام سے پہلے کی تاریخ کا مطالعہ کرکے آئیں خواہ وہ یہودی معاشرہ کی تاریخ ہو یا عیسائیت کی، ہندوستان کی تاریخ ہو یا عرب کی یا آج کی آزادی کے سب سے بڑے علمبردار بننے والے یورپ کی، پھر مجھے بتائیں کہ عورت کے بارے میں دنیا کی اس عام روش کے خلاف سب سے پہلے صدائے احتجاج کس نے بلند کی۔ عورت کے بارے میں رائج ظالمانہ و جاہلانہ تصورات کا خاتمہ کس نے کیا زمین میں زندہ درگور کر دی جانے والی لڑکیوں کی پرورش عمدہ طریقے سے کرنے پر جنت کی خوشخبری کس نے دی۔ شوہر کی چتا پر زندہ جلا دی جانے والی کو نکاح ثانی کا حق کس نے دیا، باندیوں کی طرح بکنے والی عورتوں کو نکاح اور خلع جیسے معاملات میں خود مختاری کس نے دی،

بلاشبہ یقیناً اسلام ہی ہے جو عورتوں کی فطری حیثیت بحال کرکے ان کو اپنے مقام پر فائز کرتا ہے جہاں ان کو عزت نفس مالی حیثیت و وقار اور مساویانہ حقوق، سبھی چیزیں حاصل ہیں قرآن بانگ دہل اعلان کرتا ہے۔ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ٥

یعنی نوعِ انسانی کی دونوں اصناف میں سے جو صنف بھی اپنے نامۂ اعمال کو پاکیزگیٔ کردار سے پُر کرے تو سُرخروئی اور کامیابی اس کا مقدر ہوگی، خالق کائنات کی جانب سے یہ سوال نہیں کیا جائے گا۔ کہ تمہارا تعلق کس طبقہ اور کس صنف سے تھا خواہ وہ مرد ہو یا عورت اجر و ثواب میں دونوں برابر ہیں۔ جہاں ایک طرف ارحم الراحمین کا یہ ارشاد ہے تو دوسری طرف رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ کا بھی فرمان ملاحظہ ہو حُبِّبَ اِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا النساء والطيب وجعلت قرة عيني في الصلوٰة (یعنی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تین چیزیں پسند تھیں۔ (۱) عورت (۲) خوشبو (۳) اور یہ کہ نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

غرض اسلام ایک ابر کرم ہے جہاں اس کو محبوبیت حاصل ہے، جہاں اس کو پردہ میں تعلیم و تربیت کے مواقع حاصل ہیں جہاں حسن معاملت، حسن معاشرت، عفت و عصمت کی بقا کا سارا سامان موجود ہے وہ اسلامی سماج و معاشرہ میں ایسے روپ میں دکھائی دینے کا حق رکھتی ہے جو اس کا فطری اور پیدائشی روپ ہے، برخلاف اس کے کہ مغربی تہذیب نے آج عورت کو ضلالت کے ایسے بحر بیکراں میں لا پھینکا ہے جہاں سے اس کی واپسی ناممکن ہے۔ آج مغربی تہذیب کی عورت زبانِ حال سے پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ آہ۔ ؎

تجھے تہذیب حاضر نے عطا کی ہے وہ آزادی
کہ ظاہر میں تو آزادی ہے باطن میں گرفتاری

لیکن چند ناعاقبت اندیش جن کی نظریں مغربی تہذیب کی ظاہری چمک دمک سے خیرہ ہو رہی ہے وہ اس رمز سے ناآشنا ہیں کیا انھیں نظر نہیں آتا کہ آج دنیا بھر میں تمام گھٹیا کام عورت کے سپرد ہیں۔ ریستورانوں میں کوئی مرد ویٹر شاذ و نادر ہی نظر آئے، ہوٹلوں میں مسافروں کا کمرہ صاف کرنے، ان کے بستروں کی چادریں بدلنے غرض روم کی تمام خدمات عورت کے سپرد ہیں ویٹر سے لیکر کلرک تک کی تمام ذمہ داریاں بھی عورت ہی سے نبھائے پھر ناچ اور گا نا گا کر گاہکوں کا دل بھی لبھائے یہ ہے مغربی تہذیب کا عجب فلسفہ کہ عورت اگر اسلامی تعلیمات کے مطابق گھر میں

رہ کر اپنے ماں، باپ، شوہر، بھائی، بہن اور اولاد کیلئے خانہ داری کے امور انجام دے تو آزادیٔ نسواں کے ان نام نہاد علمبرداروں کے نزدیک قید اور ذلت ہے لیکن وہی عورت گھر سے باہر نکل کر غیر مردوں کیلئے کھانا پکائے ہوٹلوں اور قہوہ خانوں میں مسافروں کی میزبانی کرے، دکانوں پر اپنی مسکراہٹوں سے گاہکوں کو متوجہ کرے، دفاتر میں افسروں کی ناز برداری کرے تو یہ ہے عورت کی آزادی اور اعزاز اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ افسوس صد افسوس اس سمجھ پر۔

وہ آزادیٔ نسواں کے جھوٹے علمبردار ہیں جنہوں نے معاشرہ میں بے حیائی، عریانیت، فحاشی، بدکاری و اخلاقی انحراف پیدا کرنے کیلئے آزادیٔ نسواں اور حقوق نسواں کے کھوکھلے نعرے لگاتے ہیں۔ کانفرنسیں منعقد کرتے ہیں۔ ایوان سیاست میں ان کو برابر نشست دیئے جانے کیلئے صدائیں بلند کرتے ہیں۔ لیکن ذرا غور تو کیجئے کہ اس عرصہ میں خود مغربی ممالک میں کتنی عورتیں صدر یا وزیر اعظم بنیں، کتنی خواتین کو اعلیٰ ترین انتظامی عہدوں سے نوازا گیا۔ کتنوں کو جج کا بلند منصب نصیب ہوا۔ اعداد و شمار جمع کئے جائیں تو ایسی عورتوں کا تناسب بمشکل چند فی لاکھ ہوگا۔

غرض کہ چند عورتوں کو کچھ مناصب دینے کے نام پر کروڑوں عورتوں کو بے دردی کے ساتھ گھسیٹ سڑکوں اور بازاروں میں لایا جا رہا ہے۔ یہ ہے آزادیٔ نسواں کے فراڈ کا المناک ترین پہلو۔

عورت و مرد کے آزادانہ اختلاط نیز فحش لٹریچر اور اخلاق فروش تعلیم کے نتیجہ میں مغربی معاشرہ اتنا گھناؤنا بن چکا ہے کہ اس نے شہوانیت کی آگ کو بھڑکا کر کھلی جنسی آوارگی تک نوبت پہنچا دی صرف پیرس میں شام ہوتے ہی دسیوں ہزار عصمت فروش عورتیں اپنے اپنے ہوٹلوں اور اپنے اپنے مکانوں سے نکل کر اپنے جسم کا کاروبار شروع کر دیتی ہیں اس سے بھی آگے بڑھ کر فرانس کے میڈیکل بورڈ نے پورے فرانس کے بارے میں یہ اعلان کیا ہے کہ اہل فرانس کو اس بات پر فخر ہے کہ اس کی گود میں ایک بھی باعصمت عورت نہیں آہ! زوال انسانیت کہاں تک جا پہنچی ہے۔ تف ہے ایسی آزادی پر لعنت ہو ایسی ترقی پر کیا خوب کہا ہے علامہ اقبال نے ؎

فساد قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف
رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید
ضمیر پاک خیال بلند ذوق لطیف

مغربی تہذیب کے دلدادہ اسلامی تہذیب کو عورت پر ظلم قرار دینے والے اور اس کی اس مظلومیت پر مگرمچھ کے آنسو بہانے والے اسلام کو ترقی کی راہ میں رکاوٹ تصور کرتے ہیں۔ کیا حضرت عائشہ سے ۲۲۱۰ روایات اور فقہی مسائل مستنبط نہیں۔ ہیں کیا رابعہ بصری نے اسلامی شعائر میں بڑھ کر بڑے بڑے بزرگوں کو مات نہیں کیا۔ کیا ہارون رشید کی بیوی زبیدہ نے اسلامی احکام کو لاگو کر کے تعلیم و تعلّم کے میدان میں ترقی نہیں کی۔ اس طرح کی کروڑوں مثالیں ایسی ہیں جن میں مسلم خواتین نے اسلامی دائرہ میں نیز پردہ کے ساتھ زندگی کے ہر ہر شعبہ میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیتے ہیں جن کی مثال دور دور تک نظر نہیں آتی۔ اب ہماری مسلمان بہنوں کو اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھنا ہوگا۔ اور یہ بتانا ہوگا کہ مغربی تہذیب دل میں بٹھانے، سینہ سے لگانے اور آنکھوں میں سجانے کے قابل ہے یا پھر مقدس اسلامی تعلیمات، ہم اگر ذرا بھی باشعور ہیں اور ہم میں ندامت کا احساس باقی ہے تو یقیناً مغرب کی تہذیب سے آشنا و بیزار اور مذہب اسلامی پر عامل اور اسکے قدرداں ہوں گے اس لئے کہ یہ بات بالکل یقینی ہے کہ آج بھی عورت کا مستقبل اسلامی تہذیب کے سانچہ میں ڈھل کر ہی تابناک ہو سکتا ہے اور اس عظیم ذمہ داری کا انحصار امت مسلمہ کی ماؤں اور بہنوں پر ہے ان کی ہی گود وہ پہلی درسگاہ ہے جہاں پھر سے مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، سید احمد شہیدؒ رائے بریلوی، مولانا اسمٰعیل شہیدؒ مولانا محمد الیاس کاندھلوی، مولانا محمد زکریا کاندھلوی جیسی بزرگ اور صالح شخصیتیں پروان چڑھیں گی۔ اس لئے اب وقت آچکا ہے کہ ہم اپنا بے لاگ جائزہ لیں اور احتساب کریں رب کریم کے آگے با دیدہ نم اور با چشم تر طالب عفو ہوں، ندامت کے آنسوؤں سے ذہن و ضمیر اور قلب و روح کے سیاہیوں کو دھوکریں اور اس عظیم ذمہ داری کو پوری کرنے کیلئے عزم مصمم کریں یہی وقت کی ضرورت ہے اور یہی اسلام کا پیغام۔

مغرب زدہ عورت تو ہے اوصاف سے خالی
بننا ہے تمہیں آئینہ اور وہ بھی مثالی
یعنی ہو حیات عائشہ اور رابعہ والی

جذبۂ عشق (نعت)

● کاوش رودولوی

دل میں اپنے صورتِ محبوبِ رب دیکھا کریں
وہ عقیدت وہ محبت ان سے ہم پیدا کریں
اپنی بد اعمالیوں کا خود ہمیں احساس ہے
کیوں نہ ان کو یاد کرکے ہم سدا رویا کریں
ایک عاشق کو مبارک ہو وہ جذبۂ عشق کا
جو براہیمی نظر دے وہ نظر پیدا کریں
آرزوئے دید سے ہم شاداں ہوں گے ضرور
ہم غلامانِ نبی کیوں دل کو رنجیدہ کریں
روز محشر روبرو ان کے وہ عالم ہو کہ بس
وجد میں کاوش ہو ان کا اور ہم دیکھا کریں۔

مردِ مومن حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ

طاہرہ رضوی

یہ مضمون مفکرِ اسلام نمبر میں شائع ہونا تھا، افسوس کہ ضخامت کی وجہ سے شاملِ اشاعت نہیں کیا جا سکا

حضرت مولاناؒ ایسے ذی مرتبہ مردِ مومن کے لئے کچھ لکھنے اور کچھ کہنے کے لئے قلم میں طاقت اور زبان میں ہمت و صلاحیت ہونا چاہیے وہ قطعاً مجھ کم علم میں نہیں ہے۔ حضرت مولانا علی میاںؒ صاحب قدس سرہٗ اسلامی تاریخ و ادب کے ماہر عالمِ دین، ادیب، انشاء پرداز، بہترین مقرر، زبردست اسکالر، عظیم مردِ مجاہد اور مومنانہ شان کے حامل تھے۔

ان کے قلم میں اللہ نے جو طاقت بخشی تھی اور جو ادیبانہ اندازِ تحریر دل کے اندر کے بات پہونچانے کا جو منفرد اسلوب تھا وہ بہت کم اس دنیا میں لوگوں کو نصیب ہوا ہے "قلم کی طاقت تلوار سے زیادہ ہے" یہ محاورہ انہیں کے مصداق ہے۔ حضرت مولاناؒ بہت ساری کتابوں کے مصنف تھے اس کمتر اور گناہگار نے بھی ان کی بیشتر کتابیں پڑھیں ہیں۔ اس کے علاوہ تعمیرِ حیات میں ان کے لکھے ہوئے مضامین اس کمتر نے کئی کئی بار پڑھا۔ تعمیرِ حیات کے سرورق پر جب اُن کی کسی کتاب سے کوئی اقتباس نکلتا تھا تو تعمیرِ حیات کی ایک الگ ہی کوشان ہوتی تھی۔

اُن کا ایک مضمون جو اکثر تعمیرِ حیات میں میں نے پڑھا جس کا لبِ لباب یہ تھا کہ کسی جگہ ایک جماعت اپنی نگاہوں کو اس طرح نیچی رکھتی تھی کہ دیکھنے والوں کو شبہہ ہونے لگا تھا کہ یہ لوگ شاید آشوبِ چشم میں مبتلا ہیں، جب جب یہ مضمون تعمیرِ حیات میں شائع ہوا تو ہر دفعہ مجھے نیا لطف ملا اور سوچا کہ اب تک کسی عالم، کسی مدبر نے اس انداز سے یہ پیغام عام لوگوں تک نہ پہونچایا ہوگا۔ بلکہ پردہ، حیاء، شرم کے بارے میں جب کسی نے لکھا تو یہ حیاداری کی ذمہ داری عورت کے ہی حصے میں ڈال دی گئی لیکن مردوں کو حیاء و شرم و نیچی نگاہ رکھنے کا اس طرح پیام دینے والے صرف ہمارے حضرت مولاناؒ قدس سرہ تھے۔

حضرت مولانا کا ایک اور مضمون جس کا اثر کئی دن تک میرے دل و دماغ میں رہا "کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کروگے؟" جب جب میں نے یہ مضمون پڑھا میرے اندر ایک عجیب کیفیت پیدا ہوتی تھی اور میں تصور ہی تصور میں اپنے کو بسترِ مرگ پر پاتی تھی۔ اور اپنے بچوں سے یہی کہنے کی خواہش کرتی تھی واقعی حضرت مولاناؒ کی تحریر قلب کو گرماتی بھی تھی اور روح کو تڑپاتی بھی تھی زندگی کے اُس دور میں جب میں اپنا وقت صرف بچوں کے پالنے پوسنے میں لگی ہوئی تھی اور فالتو وقت کچھ مطالعے میں صرف ہوتا تھا ایسے میں سب سے پہلے مجھے حضرت مولاناؒ کی کتاب "ارکانِ اربعہ" پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔ میری زندگی میں عجیب قسم کی تبدیلی آنا شروع ہوئی اور اس کتاب کو پڑھ کر مجھے اپنی زندگی کا جیسے مقصد مل گیا۔

اس کتاب میں نماز کے تقدس میں دل کو چھو لینے والی عبارت "کہ نماز مومن کے لئے اس محبت کرنے والی ماں سے بھی زیادہ پناہ دینے والی، سر چھپانے اور آرام پانے کی جگہ اور اس کی گود سے بھی زیادہ راحت رساں اور جنت بداماں ہے۔ جو کہ یتیم و ضعیف و عاجز و بے سہارا اور لاڈلے بچے کیلئے ہر وقت کھلی رہتی ہے۔"

مجھے نماز پڑھنے میں عجیب لطف آنے لگا، جو نماز کبھی مجھ پر بار گزرتی تھی اب اس نماز کے بغیر میں اپنے کو ادھورا، ادھورا خالی، خالی محسوس کرنے لگتی تھی اور اسی مبارک کتاب کو پڑھنے کے دوران مجھے حضرت مولاناؒ سے ملنے کا شرف حاصل ہوا۔ واقعہ ایسا ہوا کہ ۱۹۷۰ء میں امریکہ کی سکونت ختم کرکے میرے شوہر اپنے وطن لکھنؤ میں ڈائریکٹر کے عہدے پر فائز ہوئے اور ۱۹۷۴ء میں میرے چھیتے برادر جو کشمیر میں رہتے تھے کینسر کے موذی مرض میں مبتلا ہوئے، میں دن رات روتی تھی ایسے میں مجھے بیگم مقصود اللہ جنگؒ ندوۃ العلماء حضرت مولاناؒ سے ملانے کے لئے لے گئیں، اس وقت میرے مطالعے میں "ارکانِ اربعہ" تھی۔ اور اپنے سامنے ندوہ کے مہمان خانے میں "ارکانِ اربعہ" کے مصنف سے ملاقات!..... میرے لئے کسی اعجاز سے کم نہ تھا۔

مجھے ایک الگ طرح کی مسرت و خوشی حاصل ہو رہی تھی۔ میں نے جب حضرت مولاناؒ سے کتاب کی تعریف کی تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ بہت جگہوں سے اس کتاب کے لئے تعریف کے خطوط آرہے ہیں اور مجھے اپنی دوسری کتاب جو پاس رکھی تھی عنایت فرمائی جس کا نام "تذکرہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادیؒ" اور اس پر اپنے دستِ مبارک سے لکھا "عواہر عزیزہ

طاہرہ صاحبہ کے مطالعہ کے لئے از مصنف ابوالحسن علی ندوی" میں نے بیگم جنگ کے سامنے شرماتے اور ڈرتے ہوئے اپنے عزیز بھائی کا کا ذکر کیا اور اپنی بیقراری ظاہر کی تو چہرۂ اقدس پر عجیب طرح کا کرب و رنج پیدا ہوا...... "او ہو کیا" اور فرمایا میرے بڑے برادر صاحب کو بھی یہی تکلیف تھی۔ اور وہ نہیں رہے۔ میرا ماتھا ٹھنکا... لیکن حضرت مولاناؒ نے مجھے بہت تسلی دی اور ہدیہ کی ہوئی کتاب کے سادے ورق پر یہ دعا مریض کو پڑھنے کے لئے لکھ دی "سَلَامٌ عَلَىٰ نُوحٍ فِي الْعَالَمِينَ"۔

پھر جب "بیگم جنگ" ندوہ جاتی تھیں مجھے اپنے ساتھ لے جاتی تھیں، لیکن حضرت مولانا سے ملاقات نہیں ہوتی تھی وہ اکثر باہر سفر پر ہوا کرتے تھے۔ اور ہم لوگ ندوہ گھوم پھر کے آتے تھے، عجیب طرح کا سکون مجھے حاصل ہوتا تھا۔ ایسے میں کئی کشمیری طالب علم بچوں سے بھی ملاقات ہوئی اور ہم زبان اور ہم وطن ہونے کے ناطے یہ معصوم بچے میرے غریب خانے پر بھی آنے لگے، اور دھیرے دھیرے لکھنؤ بھی مجھے کشمیر کی طرح اپنا ہی لگنے لگا۔ یہ عالیہ رابعہ میں پڑھنے والے طالب علم اکثر میری فرمائش پر ندوۃ العلماء سے کتابیں خرید کر مجھے دے دیتے تھے اور اس طرح تعمیر حیات بھی میرے نام جاری ہوا۔ اور ان بچوں کے سامنے میں اپنا قرآن بھی دُہرانے لگی اور اپنا تلفظ بھی ٹھیک کرنے کی کوشش کرتی رہی۔ حضرت مولاناؒ کے بارے میں ان سے پوچھتی رہتی تھی کہ ان کے معمول کیا ہوتے ہیں؟ وہ اتنے سفر میں کیوں رہتے ہیں؟ ان کی صحت کیسی ہے؟ ... آپ لوگوں کو کیا کیا پڑھاتے ہیں؟ اور کیسا سلوک فرماتے ہیں؟

ہر طالب علم رطب اللسان رہتا تھا۔ حضرت مولاناؒ کا ذکر ہر بچہ جس ادب اور محبت سے کرتا تھا وہ بس سننے کے لائق ہوتا تھا۔ حضرتؒ کی سادہ مزاجی، حضرت کی مہمان نوازی، حضرتؒ کی نصیحتیں وہ لوگ جب بیان کرتے تھے تو مجھے کئی کئی دن تک کے لئے ایک عجیب روحانی غذا ملا کرتی تھی۔

۱۹۷۵ء میں آخر میرے منجھلے بھائی نے موت کو لبیک کہا پانچ لڑکیوں اور جوان بیوہ کو چھوڑ کر وہ چل بسے اور پھر میں بہت عرصے تک بیمار رہی۔ حضرت مولاناؒ سے ملاقات کا سلسلہ منقطع سا ہوا۔ لیکن مضامین، کتابیں برابر میرے مطالعے میں رہیں پھر ۱۹۸۲ء میں مجھے حج بیت اللہ کا شرف حاصل ہوا کچھ عرصہ مکہ شریف میں گذار کر (جہاں میری بیٹی داماد قیام پذیر تھے) جب میں وطن لکھنؤ لوٹی تو میرے شوہر دفتر کے ذمہ داریوں میں مشغول ہوئے لیکن میں اپنے اندر بیقراری اور بے چینی محسوس کرتی تھی۔

میرا دل و دماغ بس مکہ مکرمہ کی یاد میں حیران و پریشان رہتا تھا۔ ایسے میں پھر حضرت قدس سرہٗ کی کتابیں اور مضامین مطالعے میں آنے لگے اور میرا دل اچانک ان سے بیعت ہونے کیلئے بے قرار ہوا۔ دل میں ان کی محبت، عزت، قدر پیدا ہوئی اور مجھے یہ حدیث یاد آگئی کہ جب اللہ پاک کسی خاص بندے سے محبت کرتا ہے تو فرشتوں سے کہتا ہے جاؤ دنیا کے لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت و عزت پیدا کرو میں نے ہمت کر کے حضرت کے نام خط لکھا۔ اور مکہ و مدینہ کی واپسی کے بعد اپنی بیقراری کا حال لکھا۔ اور یہ مشہور حدیث بھی لکھ دی اور یہ بھی لکھا کہ حضرت میں باضابطہ پردہ نہیں کرتی ہوں۔ کار بھی خود چلاتی ہوں۔ شوہر بہت عدیم الفرصت ہیں اس لئے گھر کے اور بچوں کے باہر کے کام مجھے ہی انجام دینے پڑتے ہیں اور میں ایک "سوشل ورکر" یعنی فلاحی کام بھی کرتی رہتی ہوں، لیکن خط کو ڈاک میں ڈالنے کی ہمت نہیں ہوئی۔

بیعت ہونے کے لئے میں نے اپنے شوہر سے اجازت لی جو انھوں نے خوشی سے منظور کر لیا۔ اور پھر ایک دن میں اپنے صاحبزادے کو لیکر ندوہ پہونچ گئی۔ پہلے سے وقت ایک طالب علم سے طے کر دیا تھا۔ حضرت مولاناؒ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ میں نے اپنی پہلی ملاقات کا بھی ذکر کیا۔ ظاہر ہے کہ ان کو یاد نہیں تھا۔ البتہ بہت پُرتپاک طریقے سے ملے بہت نصیحتیں کیں، خوب دعائیں دیں چلتے وقت میں نے اپنا لکھا ہوا خط پیش کیا اور عرض کیا کہ حضرت اس کا جواب دیں تو عنایت ہوگی۔ انھوں نے خط لے لیا اور فرمایا کہ سفر سے واپسی کے بعد میں اس کا جواب ضرور دوں گا۔ اور خط کو بغیر پڑھے اپنے پاس رکھ لیا۔

کافی عرصہ گزرنے کے بعد ایک اچھے مبارک دن بذریعہ ڈاک ایک خط تکیہ سے موصول ہوا میں نے خط کھولا اور خوشی سے جھوم اٹھی یہ خط تکیہ سے ملا تھا جس میں لکھا تھا "اگر یہ میسر الخط مل جائے تو آپ مغرب بعد یا صبح تشریف لا سکتی ہیں، میں آپ کی فرمائش بیعت کے سلسلے میں پوری کر دوں گا۔ سفر سے تھکا ہوا اور کسی قدر بیمار واپس ہوا ہوں، ٹیلی فون سے پروگرام معلوم کر سکتی ہیں۔ الحمد للہ مجھے حضرت بیعت کرنے پر راضی ہیں۔

یہ مبارک دن میری تمام زندگی کے دنوں

پر بھاری ہوا۔ میں نے کئی مرتبہ خط پڑھا اور سوچا کہ اتنی عظیم شخصیت اتنی موٹی موٹی کتابوں کے مصنف عرب و عجم کو جھنجھوڑنے والے اور اس قدر سادگی اپنی بیماری اور اپنی تھکاوٹ کا اس طرح اظہار فرمایا ہے جیسا کہ کوئی عام اور معمولی آدمی اظہار کرتا ہے۔۔ کبھی ملاقات کے دوران بھی جب میں مزاج پوچھتی تھی تو ایسے میں بہت معصومیت اور سادگی سے کبھی اپنے "گوڈٹ" یا اور کسی تکلیف کا ذکر فرماتے تھے۔

پھر وہ مبارک دن بھی آیا جب میں اپنے بیٹے کے ساتھ جو اس وقت دسویں کلاس میں پڑھتا تھا۔ ندوۃ العلماء بیعت ہونے کے لئے پہونچی، حضرت نے بیعت کرکے بہت دعائیں دیں کچھ تسبیحات پڑھنے کو بتائیں اور رخصت کیا کئی سال تک اکثر و بیشتر ملاقات کا شرف حاصل ہوتا رہا بیعت سے پہلے آمنا سامنا ہوا کرتا تھا لیکن بیعت کے بعد حضرتؒ باہر ہی کرسی پر تشریف رکھتے تھے اور میں مہمان خانے کے بغل والے کمرے میں باادب کھڑے ہوکر بات کرتی تھی۔ اسی دوران میرے اوپر ایک اور بہت بڑا سانحہ گزرا، میری لڑکی جو صرف پانچ سال سے شادی شدہ تھی کا شوہر امریکہ میں زیر علاج رہنے کے باوجود اس دار فانی سے رخصت ہو گیا۔

ان کا ایک بچہ جو صرف چھ ماہ کا تھا میں اس کو حضرتؒ کے پاس ملوانے لے گئی حضرتؒ حالات سن کے بہت غمگین ہوئے بچے کو بہت دعائیں دیں اور صبر کی تلقین کی اور حضرت مولاناؒ سے حضرت کی انگلی اس کے منھ کے اندر پھروادی حضرتؒ مسکرائے اور پھر جب بچہ بڑا ہو کر بولنے لگا تو بہت صاف بولتا تھا۔ ماشاءاللہ جلدی قرآن کو اچھے تلفظ کے ساتھ پڑھا اور بیحد ذہین سمجھدار اور دیندار بچہ اب آٹھویں کلاس میں مشہور دہرہ دون اسکول میں پڑھتا ہے۔ دہرہ دون اسکول جانے سے پہلے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔

حضرت اس وقت ندوے میں علیل تھے لیکن حضرتؒ نے اپنے پاس بلاکر سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دے کر رخصت کیا۔

حضرت مولاناؒ قدس سرہٗ کی کئی کرامات میں نے اس دوران دیکھ لیں اور محسوس بھی کیں۔ مرحوم بھائی کی پانچوں لڑکیوں نے خوب تعلیم حاصل کی۔ دو ڈاکٹر۔ ایک انجینئر، ایک ماہر قانون، ایک درس و تدریس کے فرائض انجام دے رہی ہے یہ سب مولاناؒ کی دعاؤں کی کرامات تھیں

میرے بچے کو انگریزی تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم کا شوق پیدا ہوا۔ بدعت اور شرک سے دور رہنے لگے۔ ندوہ جانے کا شوق سے اور خصوصاً حضرتؒ سے ملنے کا شوق رہتا تھا جب لکھنؤ سے باہر تعلیم کے لئے دوسرے شہروں میں گئے تو پہلے ندوۃ العلماء جاکر حضرتؒ سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے لئے ضرور جاتے تھے۔

میرے شوہر میں بھی حیرت انگیز تبدیلی پیدا ہوئی۔ سماجی، فلاحی کاموں میں بغیر کسی نام و نمود کے بھرپور حصہ لینے لگے ہیں لکھنؤ کی ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد جب وہ بنگلور میں اسلامک انجینئرنگ کالج کے پرنسپل مقرر ہوئے تو وہاں ایک اخبار "غریب نیوز" مطالعہ میں رہنے لگا اس میں دینی مضامین کے علاوہ زکوٰۃ کے بھی مسائل نکلتے تھے تو ہمارے شوہر خوب چونکے اور اگلی پچھلی زکوٰۃ نکالنا شروع کی۔ اور آج الحمدللہ سیکڑوں مدرسوں میں ان کا زکوٰۃ فنڈ برابر جاتا ہے اور کئی غریبوں کو سودی قرض سے نجات دلائی ہے۔

ایک ٹرسٹ بھی قائم کیا ہے اور وصیت کی ہے کہ اگر ان کے بعد ان کے بچے اس ٹرسٹ کو نہ قائم رکھ سکیں تو ندوۃ العلماء کو دیا جائے حضرت مولانا قدس سرہٗ سے برابر والہانہ تعلق رکھتے تھے۔ اور مولانا مفتی محمد ظہور صاحب دام ظلہٗ، مولانا برہان الدین صاحب دام ظلہٗ، مولانا غفران صاحب دام ظلہٗ، مولانا سلمان حسینی صاحب سے بھی برابر ملاقات کرنے جاتے ہیں۔ میں تو بس یہی سمجھتی ہوں کہ یہ اللہ کا کرم اور عنایتیں حضرت مولانا قدس سرہٗ کی دعاؤں کا نتیجہ اور کرامات ہیں۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

عزم و عمل

— • مشتاق ہاشمی کلکتوی

بوالحسن ندوی خدائے پاک کو پیارے ہوئے
ہو گئے رخصت اچانک بزم کائنات سے
پونچھ لیجئے آنسوؤں کو اپنی آنکھوں سے جناب
کیجئے اصلاح اپنی ان کی تصنیفات سے

اک محدث اک مفسر، اک مدبر باوقار
آہنی عزم و عمل اور شخصیت باغ و بہار
عالم اسلام ہے غمگین ان کی موت پر
وہ جو ملت کیلئے تھے اک درخت سایہ دار

مطالعہ کی میز

تبصرے کیلئے کتابوں کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے!

محمد شاہد ندوی بارہ بنکوی

نام کتاب : ہندوپاک کے فقہی مکاتب فکر
تالیف : مولانا سید محمد عبد الرشید ندوی
صفحات ۔ ٥٠، سائز ٢٠×٣٠/١٦، قیمت ٢٠/- روپے
ملنے کا پتہ : کمپیوٹر اردو کتابت سینٹر ندوی منزل مکان نمبر ٨١/٢١/٥ ساہا ندوہ روڈ لکھنؤ۔

زیر نظر کتاب میں ہندوپاک میں فقہی مکاتب فکر کی آمد و ترقی اور اسلامی و غیر اسلامی فرقوں کی مختصر تاریخ بیان کی گئی ہے، احناف و اہل حدیث، اہل قرآن شیعہ، قادیانی اور دیگر مسلک اور مکتبہ فکر کے کردار و عمل کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اگرچہ یہ کتاب مختصر ہے لیکن مصروف لوگوں کیلئے اپنے اختصار اور جامعیت کے لحاظ سے انتہائی مفید ہے۔ ایسی کتابیں بہت زیادہ عام کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اسلام کی پاکیزہ تعلیمات پر عمل کے وقت ذہن و دماغ کشمکش کا شکار نہ ہو اور غیر اسلامی افکار و خیالات اور عقائد و نظریات سے واقفیت بھی ہو سکے۔ یہ کتاب عوام و خواص سبھی حضرات کیلئے مفید اور قابل مطالعہ ہے۔

نام کتاب : تقسیم میراث
نام تالیف : مولانا محمد ایوب ندوی
صفحات : ٤٨، سائز ٢٠×٣٠/١٦، قیمت ١٥/- روپے
ملنے کا پتہ : دار العلم ۳۱ محمد علی روڈ بھٹکل ٥٨١٣٢٠

ہر گھر میں یہ مسئلہ درپیش ہوتا ہے اور اس سے عام طور پر لوگ واقف نہیں ہوتے۔ اس کو جاننا بہت ضروری ہے۔ اس کام میں تاخیر مناسب نہیں ہوتی، مولانا محمد ایوب ندوی نے نہایت اچھے انداز سے اس کے شرعی اور عملاً طریقے سمجھائے جس میں حنفی مسلک کے ساتھ ساتھ شافعی مسلک کے طریقے بھی قلمبند کر دیئے ہیں، تقسیم میراث کے موضوع پر یہ ایک مفید کتاب ہے۔

نام کتاب : کتاب الزکوٰۃ
تالیف : مولانا محمد ایوب ندوی
صفحات : ٨٠، سائز ٢٠×٣٠/١٦، قیمت ١٥/- روپئے
ملنے کا پتہ : دار العلم ۔ ۳۱ ۔ محمد علی روڈ بھٹکل نمبر ٥٨١٣٢٠

اسلام کے بنیادی ارکان میں توحید و نماز کے بعد زکوٰۃ ایک اہم رکن ہے جس کی ادائیگی ہر صاحب نصاب مالدار پر سال میں ایک بار فرض ہوتی ہے۔ اور نہ ادا کرنے پر آدمی گنہگار ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بہت سی اشیاء پر مختلف مقدار میں زکوٰۃ فرض کی ہے اس کو جاننا اور اس پر عمل کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔

زیر نظر کتاب میں اختصار کے ساتھ آسان انداز میں زکوٰۃ کے مسائل پر مولانا محمد ایوب ندوی نے روشنی ڈالی ہے۔ صاحب نصاب اور تاجر حضرات خصوصی طور پر اس کتاب سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

نام کتاب : قواعد الفرقان
تالیف : احمد عثمان ندوی
صفحات : ٨٨، سائز ٢٠×٣٠/١٦، قیمت درج نہیں ہے
ملنے کا پتہ : مکتبہ ترجمان الاوقاف ٤٦/٢٣ ١٣ نظیر آباد لکھنؤ

زیر نظر کتاب میں قرآن کریم کو تجوید کے ساتھ پڑھنے کے لئے اس کے قواعد و اصول مولانا احمد عثمان ندوی نے بڑے اچھے انداز میں بتائے ہیں۔ ابتدائی درجات کے طلباء کیلئے اس کتاب کا پڑھانا مفید ہے اور نصاب تعلیم میں داخل کرنے کے لائق ہے۔

نام کتاب : تبلیغی تقاریر حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ
مرتب : مفتی محمد روشن شاہ قاسمی
صفحات : ١٣٥، سائز ١٨×٢٢/٨، قیمت ٣٥/- روپئے،
ملنے کا پتہ : ۔ ادارہ اشاعت دینیات (پرائیویٹ) لمیٹڈ ٢/١٦٨ حجا ہاؤس حضرت نظام الدین نئی دہلی ١٣

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ کی شخصیت تعارف کی محتاج نہیں، ہندوستان پاکستان، عرب ممالک، اور ہر جگہ ان کی کتابیں پھیلی ہوئی ہیں، تبلیغی جماعت سے ان کا تعلق حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے زمانے ہی سے قائم تھا۔ مولانا علم و تصوف کے ساتھ ہی ساتھ دعوت و ارشاد سے بھی گہرا تعلق رکھتے تھے۔

مولانا کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ قلم کے بادشاہ ہونے کے ساتھ ساتھ تقریر کے میدان میں بھی اپنی الگ شان رکھتے تھے۔ اس کتاب میں حضرت مولاناؒ کی پانچ تبلیغی تقریریں جمع کی گئی ہیں جنکو مرتب کتاب نے مختلف کتابوں اور رسالوں سے ایک جگہ جمع کرکے کتابی شکل دی ہے۔ صورت و حقیقت، نیا ایمان، نفس پرستی یا خدا پرستی، ضرورت تبلیغ، امت کا وجود خود ایک بڑا صدقہ ہے۔ تقریروں کے جلی عنوانات ہیں جنکے تحت حضرت مولانا نے بہت سی دینی علمی دعوتی اور اصلاحی باتیں بیان فرمائی ہیں جو سب کیلئے قابل مطالعہ بھی ہیں اور لائق استفادہ بھی۔

خدا تعالیٰ ان تقریروں کو قبولیت عام فرمائے۔

سوال و جواب

محمد طارق ندوی

س:۔ کیا بچے بغیر وضو، کے قرآن مجید چھو سکتے ہیں؟

ج:۔ ہاں! بچے بغیر وضو کے قرآن مجید چھو سکتے ہیں۔

س:۔ ایک شخص نے اس وقت حج کیا تھا جب وہ نابالغ تھا تو کیا بلوغ کے بعد پھر اسے حج کرنا ہوگا؟

ج:۔ بلوغ کے بعد مذکور شخص پر اگر استطاعت ہو تو حج فرض ہوگا، نابالغ کا کیا ہوا حج نفل ہوتا ہے لہٰذا فرض حج کی ادائیگی نہیں ہوئی۔

س:۔ زید اور بکر دو بھائی ہیں چھوٹے بھائی زید کی اہلیہ بڑے بھائی بکر کے ساتھ حج کرنے جانا چاہتی ہیں کیا شرعاً جا سکتی ہیں؟

ج:۔ عورت کا جیٹھ نامحرم ہے اور نامحرم کے ساتھ سفر حج کرنا جائز نہیں ہے۔

س:۔ ایک شخص نے پیشاب کرنے کے بعد استنجا، پاک کیا پھر قطرات آگئے لیکن اس نے استنجا پاک نہ کیا تو کیا اب وہ وضو کر کے نماز پڑھ سکتا ہے؟

ج:۔ مذکورہ صورت میں نجاست پاک کرے پھر وضو کر کے نماز پڑھے۔

س:۔ اگر ایک شخص جنازہ پڑھنے کے لئے وضو کرے تو کیا اس سے فرض نماز پڑھ سکتا ہے؟

ج:۔ مذکور وضو سے فرض نماز پڑھ سکتا ہے۔

س:۔ قرآن مجید کی جلد سازی کیلئے وضو کرنا ہوگا یا نہیں؟

ج:۔ قرآن مجید کے اوراق کو بغیر وضو کے ہاتھ لگانا جائز نہیں ہے۔ لہٰذا قرآن کریم کی جلد سازی کیلئے وضو کرنا ہوگا۔

س:۔ ایک شخص کچھ کھاتا جا رہا ہے اور قرآن کریم کی تلاوت بھی کر رہا ہے کیا یہ از روئے شرع درست ہے؟

ج:۔ کھاتے ہوئے تلاوت کرنا خلاف ادب ہے۔

س:۔ کیا عمرہ کا احرام باندھتے وقت غسل کرنا مسنون ہے؟

ج:۔ ہاں! حج و عمرہ کا احرام باندھتے وقت غسل کرنا مسنون ہے۔

س: کیا حالت جنابت میں اللہ تعالیٰ کا نام لینا، دعا کرنا، چلتے پھرتے کچھ پڑھتے رہنا درست ہے یا نہیں؟

ج:۔ ہاں، جنابت کی حالت میں اللہ کا نام لے سکتے ہیں دعا کر سکتے ہیں ایسا کرنا ممنوع نہیں ہے۔

س: کیا جنابت کی حالت میں سلام کا جواب دے سکتے ہیں؟

ج:۔ ہاں، جنابت کی حالت میں سلام کا جواب دینا جائز ہے۔

س: کیا نذر کی قربانی کا گوشت غیر مسلم کو دے سکتے ہیں؟

ج:۔ نہیں دے سکتے ہیں، غیر مسلم کو صرف قربانی کا گوشت دے سکتے ہیں۔

س:۔ اہل کتاب کے ہاتھ کا کیا ہوا ذبیحہ کھانا جائز ہے یا نہیں؟

ج:۔ جو حلال جانور کسی مسلمان یا کتابی نے بسم اللہ کہہ کر ذبح کیا ہو اس کا کھانا حلال ہے۔

س:۔ کیا امام صرف بچوں اور عورتوں کی امامت کر سکتا ہے؟

ج:۔ ہاں، امام امامت کر سکتا ہے، امام کے پیچھے بچوں کی صف ہو اور اس کے پیچھے عورتوں کی صف ہونا چاہیئے۔ لیکن عورتوں کا جماعت میں شریک ہونا ممنوع ہے۔

مختصر عالمی خبریں

معید اشرف ندوی

● قاہرہ میں عرب ممالک کے وزارت خارجہ کے ۲ روزہ اجلاس کے اختتام پر جاری ہونے والے مشترکہ اعلانیہ میں ایک قرارداد منظور کی گئی جس میں کہا گیا کہ بیت المقدس کے مستقبل کا فیصلہ کئے بغیر کوئی سمجھوتہ عرب لیگ کو قبول نہیں ہوگا۔ اور ایسے کسی بھی سمجھوتے کو ناکام تصور کیا جائے۔ وزرائے خارجہ نے بیت المقدس پر فلسطینیوں کے موقف کی بھرپور حمایت کرتے ہوئے تمام ممالک کو متنبہ کیا کہ وہ اس سمجھوتے سے قبل بیت المقدس کو اسرائیل کا دارالحکومت تسلیم کرنے سے باز رہیں کیونکہ بیت المقدس پر فلسطینیوں کی حاکمیت قائم کئے بغیر امن قائم نہیں ہو سکتا عرب لیگ نے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے ۵ مستقل ارکین پر بھی زور دیا ہے کہ وہ آزاد فلسطینی ریاست کو تسلیم کریں جس کا دارالحکومت مشرقی بیت المقدس ہو۔ عرب لیگ نے اپنے اعلامیہ میں ۱۹۸۰ء میں اقوام متحدہ کے اجلاس کے اعلان کا ذکر کیا ہے جس میں سلامتی کونسل نے دنیا کے تمام ممالک کو اپنے سفارتخانے مقبوضہ بیت المقدس منتقل کرنے سے منع کیا تھا جبکہ عرب لیگ ۱۹۸۰ء ہی میں عمان میں ہونے والے اپنے اجلاس کے فیصلوں پر بھی قائم ہے جس کے تحت مقبوضہ بیت المقدس کو اسرائیل کا دارالحکومت تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ عرب لیگ کے وزرائے خارجہ نے امن قائم کرنے کے پیمان کا اعادہ کیا اور مطالبہ کیا کہ تمام مقبوضہ علاقے اسرائیل سے خالی کروائے جائیں جس پر اس نے ۶۷ء کی جنگ میں قبضہ کیا تھا۔

● برطانوی اخبار "آبزرور" نے اپنے ایک تجزیہ میں لکھا ہے کہ پیدائش کی موجودہ شرح اور نقل مکانی کی موجودہ سطح کی بنیاد پر برطانیہ میں اس صدی کے آخر تک سفید فام نسلی طور پر اقلیت میں تبدیل ہو جائیں گے، تاریخ میں ایسا پہلی مرتبہ ہوگا کہ ایک بڑی قوم جنگ، قحط سالی یا بیماری کا شکار ہو کر اقلیت میں آنے کے بجائے رضاکارانہ طور پر اقلیت میں آجائے گی۔

● دنیا میں امن کا سب سے بڑا داعی ملک جاپان اسلحہ کے عالمی خریداروں کی فہرست میں تیسرے نمبر پر ہے، تفصیلات کے مطابق جاپان کے وزیر اعظم نے حال ہی میں جنوبی ایشیا کا دورہ کر کے ان ممالک پر زور دیا تھا کہ وہ ایٹمی تجربات پر پابندی کے جامع سمجھوتے سی ٹی بی ٹی پر دستخط کریں لیکن دوسری جانب دلچسپ حقیقت یہ ہے کہ جاپان دنیا بھر میں اسلحہ کا تیسرا سب سے بڑا خریدار ہے، امریکہ کے محکمہ خارجہ کی ایک رپورٹ کے مطابق جاپان نے تین سالوں میں ۸ر۶ ارب ڈالر مالیت کا مہلک اسلحہ خریدا، رپورٹ کے مطابق سعودی عرب دنیا میں اسلحہ کے سب سے بڑے خریدار کی صورت میں سامنے آیا ہے جس نے اس عرصے میں ۳۱ ارب ڈالر اور تائیوان نے ۵ر۱۲ ارب ڈالر مالیت کا اسلحہ خریدا" امریکی دفتر خارجہ کی رپورٹ میں مزید کہا گیا ہے کہ اگرچہ جاپان ایٹمی تباہ کاریوں کا نشانہ بننے کے باعث ایٹمی عدم پھیلاؤ کے سب سے بڑے حامیوں میں شمار کیا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ آج جاپان خود ایٹمی چھتری کے باعث ہی محفوظ ہے، رپورٹ میں مزید کہا گیا ہے کہ ۱۹۹۷ء میں دنیا بھر میں فوجی اخراجات بڑھ کر ۸۴۲ ارب ڈالر تک پہونچ گئے۔

خدا طائر کو رزق دیتا ہے

مگر اس کے گھونسلے میں نہیں ڈالتا

(افلاطون)

دنیا عالم اسباب ہے کوئی کام بغیر کوشش کے نہیں ہوتا، معمولی سی چیونٹی کو بھی معاش کی فکر کرنی ہوتی ہے، جان کو بھی خطرہ میں ڈالنا پڑتا ہے حالانکہ اس کا رزق بہت محدود ہے۔ انسان کی ضرورتوں اور ان کے مسائل کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ اس لئے اس کو ہر قسم کی جد وجہد کرنی پڑتی ہے، زندگی اگر دیکھا جائے تو مسلسل محنت اور مشقت سے عبارت ہے، باعزت زندگی کے لوازمات کچھ زیادہ بھی ہیں، خاص طور پر ایک مسلمان کی زندگی کے تقاضے اوروں سے بہت مختلف ہیں، اس کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ خدا کی رضا اس کے احکام کی بجا آوری اس کی خوشنودی کی فکر اور اس کا حصول ہے کھانا، پینا، عیش وعشرت ضمنی ہے لیکن یہ کام گھر بیٹھے نہیں ہوتا۔ پہلے اس کی معرفت کی ضرورت ہے، اس کے لئے مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے پھر اس کے دوسرے فرائض ہیں اس کے لئے بھی محنت کرنی پڑتی ہے، مسئلہ اس کی ذات تک محدود نہیں اسے اپنی آئندہ نسلوں کو بھی انہیں خطوط پر رکھنا ہوتا ہے اس لئے ان تمام قدروں کا تحفظ اور ان تمام اقدار کی بحفاظت منتقلی بھی اس کی ذمہ داری ہے، قدرت نے ہر چیز فراوانی سے مہیا کر دی ہے لیکن اس کے باوجود کوشش اور محنت کی شرط بھی عائد کر دی ہے جو جتنی محنت کرے گا اسے اسی اعتبار سے کامیابی حاصل ہوگی، جس طرح رزق حاصل کرنے کے لئے تگ ودو کرنی پڑتی ہے۔ اسی طرح جان ومال کے تحفظ اور تشخص کی حفاظت کے لئے بھی محنت ضروری ہوتی ہے بلکہ جان سے لڑائی پڑتی ہے، مسلمان کہیں بھی ہوں ان کے معاشی تحفظ کے ساتھ ان کا اسلامی تشخص بھی ضروری ہے دونوں لازم ملزوم ہیں۔ بلکہ ان کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ انھوں نے اسلامی تشخص کو اوّلیت دی ہے، پیدائش کے وقت سے لیکر آخری سانس تک اس کو ہمیشہ مقدم رکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے اسلامی تشخص کے بغیر ان کا وجود اور عدم وجود برابر ہے۔

قرآن مجید : بڑے بڑے فرمانرواؤں سرمایہ داروں اور دولت مندوں کو دینے کیلئے اگر کوئی چیز ہے جو دنیا بدل سکتی ہے اور قسمت چمکا سکتی ہے وہ قرآن مجید کی بھیک ہے۔

(حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ)

(بقیہ) درس حدیث

ہے کہ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تشہد
ی التحیات للّٰه والصلوات والطیبات
سلام علیك أیها النبی ورحمة اللّٰه
برکاته، السلام علینا وعلی عباد
له الصالحین، أشهد أن لا إلٰه
إلا اللّٰه، وأشهد أن محمداً عبده
رسوله" کی تعلیم اس طرح دی کہ میری
ہلی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں ہتھیلیوں
، درمیان تھی اس طرح جس طرح آپؐ
کو سورۂ قرآنی سکھاتے تھے)۔

بخاری اور ترمذی نے حضرت عبداللہ
عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ
وں نے فرمایا" حضور صلی اللہ علیہ وسلم
میرا کندھا پکڑا اور فرمایا: دنیا میں اس
ح رہو جیسے تم پردیسی ہو، یا سفر میں
اپنے آپ کو اہل قبر یعنی مردوں میں شمار
، (یعنی گویا تم مر چکے ہو اور حساب کتاب
ہلے ہے اس تصور کے بعد انسان آخرت
یسی تیاری کرے گا) اس لئے کہ موت
نا ہی ہے کب آجائے کچھ خبر نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے
ہ جب رات آجائے تو دن آنے کی امید
ہو (یعنی دن آنے تک زندہ رہنے کا
ن نہ رکھو کہ موت کا کچھ پتہ نہیں کہ کب آجائے)
جب صبح ہو جائے تو رات آنے کی امید
ہو، حالت صحت میں حالت مرض کے لئے
ی کر لو، اور زندگی سے موت کے بعد کے
لائی کر لو، اس لئے اے عبداللہ تمہیں
نہیں کہ کل کس نام سے پکارے جاؤگے
(یعنی صالحین کے زمرہ میں ہوگے یا گنہ گاروں
کے)۔

مسلم نے جلیل القدر تابعی ابوالعالیہ
سے روایت کیا ہے انھوں نے بیان کیا کہ گورنر
ابن زیاد نے نماز میں تاخیر کر دی تو میرے
پاس عبداللہ بن صامت آئے میں نے ان
کے لئے ایک کرسی رکھ دی وہ اس پر بیٹھ گئے
اور پھر میں نے ابن زیاد کے نماز تاخیر سے
پڑھنے کا تذکرہ کیا (میرا بیان سن کر) انھوں
نے اپنے ہونٹوں کو دانتوں سے دبایا، اور
میری ران پر اس طرح ہاتھ مارا اور فرمایا:
میں نے ابوذرؓ سے اس طرح سوال کیا جس طرح
تم نے مجھ سے سوال کیا ہے تو انھوں نے میری
ران پر اس طرح ہاتھ مارا جس طرح میں نے
تمہاری ران پر ہاتھ مارا ہے، اور فرمایا:۔
بلاشبہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے
اسی طرح سوال کیا جس طرح تم نے مجھ سے
سوال کیا ہے تو آپؐ نے میری ران پر اسی
طرح ہاتھ مارا جس طرح میں نے تمہارے
ران پر ہاتھ مارا ہے اور فرمایا نماز وقت
پر پڑھا کرو، جب لوگوں کے ساتھ نماز کا وقت
آجائے تو ان کے ساتھ نماز پڑھ لو یہ نہ کہو کہ
میں پڑھ چکا ہوں لہٰذا نماز نہ پڑھوں گا،
نماز کی اس طرح پابندی خیر کو بڑھاتی ہے۔

تعمیر حیات کا خصوصی شمارہ

مفکر اسلام نمبر شائع ہوگیا

تعمیر حیات کا خصوصی شمارہ "مفکر اسلام نمبر" منظر عام پر آگیا ہے، یہ نمبر کافی ضخیم ہے چونکہ سادی ڈاک سے روانہ کرنے میں ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا جن حضرات کی مدت خریداری دسمبر ۲۰۰۰ء تک ہے اور 30/= Rs. رجسٹری خرچ روانہ کر دیا ہے ان کو خاص نمبر رجسٹرڈ ڈاک سے روانہ کیا جا رہا ہے اور جن کی خریداری مدت ختم چل رہی ہے وہ سالانہ زر تعاون اور مزید 30/= Rs. رجسٹری خرچ روانہ کریں تاکہ ان کو یہ نمبر جو تقریباً 365 صفحات پر مشتمل ہے روانہ کیا جا سکے، جو حضرات اس نمبر کے خواہش مند ہیں اور نئے خریدار بننا چاہتے ہیں وہ 300/= Rs. روانہ کریں جس میں دو سال تک تعمیر حیات جاری رہے گا۔ اور اگر 200/= Rs. روانہ کریں گے تو ایک سال تک جاری رہے گا اور یہ خاص نمبر بھی رجسٹرڈ ڈاک سے روانہ کیا جائے گا۔

نوٹ:۔ ندوہ ڈاکخانہ یومیہ صرف پچاس تعمیر حیات کے پیکٹ رجسٹرڈ لیتا ہے اس لئے اس میں کچھ تاخیر بھی ہو رہی ہے۔ اس لئے تاخیر سے شمارہ ملنے کی وجہ سے ادارہ تعمیر حیات معذرت چاہتا ہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی یاد میں

عمر نقوی دہلوی

عظیم رہبرِ امت، وقارِ دینِ نبیؐ
ہمارے مصحفِ تاریخ کا وہ حرفِ جلی

مجاہدوں کی زمیں کا وہ ناز پروردہ
اسے تھی سیّدِ احمدؒ سے نسبتِ نسبی

وہ مرتضیٰؓ کا سوانح نگارِ فرزانہ
وہ اک چراغِ فروزانِ دودمانِ علیؓ

عظیم باپ کا عظمت مآب وارث تھا
پدر سے پائی تھی اس نے جلالتِ علمی

جہانِ دانش و حکمت کا اعتبار تھا وہ
دیارِ فکر و نظر میں تھی خسروی اس کی

اسی کے پرتو سے روشن ہے ندوۃ العلماء
وہ کاروانِ صراطِ محمدِ عربی

وہ اس زمیں پہ جیا مثلِ بندۂ مومن
چراغِ جادۂ منزل تھا اسوۂ نبویؐ

قلم سے اس نے جلائے عزیمتوں کے دیئے
فسادِ فکر میں حق کی صدا بھی اس نے دی

وہ زلزلوں میں بھی عنوانِ استقامت تھا
اسے یہ ہیبتِ باطل ڈرا سکی نہ کبھی!

زوالِ ملتِ بیضا، خسارۂ عالم
ہے شاہکار یہ تصنیفِ بے بہا اس کی

وہ داستان سرائے عزیمت و دعوت
گراں بہا ہے یہ تالیف اس مجاہد کی

شکوہِ علم اور اس کی وہ شانِ درویشی
کہ اس کے فقر سے مرعوب تھا مقامِ شہی

امیرِ ملتِ بیضا مفکرِ دوراں
امامِ عصرِ رواں بوالحسن علی ندوی

چلا گیا وہ اجالوں کے سلسلے لے کر
دیارِ دل میں نہ تھی پہلے تیرگی اتنی

بڑا خسارہ ہے اس کی وفات سب کے لئے
گراں اثاثہ ہے اس کی وراثتِ قلمی

ڈاکٹر محبوب علی مختسر (اڑیسہ)

بوئے گل نکلی ہے گل سے گل کے مرجھانے کے بعد
ہیں سبھی ماتم کناں، تم سے بچھڑ جانے کے بعد

زہد و تقویٰ کے سراپا تم حسیں مینار تھے
اور ستونِ دین و ملت کے قوی معمار تھے

بوئے وحدت سے سراپا، اس طرح سرشار تھے
تم ہی گل تھے، تم ہی بلبل، تم ہی تو گلزار تھے

علم و عرفاں کے چمن کی اک بہارِ خوش گوار
اور غمِ دوراں میں بھی تم، رستمِ کردار تھے

حامیٔ حق تھے سراپا، دین کی روحِ رواں
فسق و باطل کے مقابل حیدریؓ تلوار تھے

سر خمیدہ ہو گئے صدہا مخالف رو برو
تم تو جرأت تھے سراپا، عزم کے کہسار تھے

اہلِ بزمِ حق تمہارے فیض سے مخمور ہیں
تم ہی ساقی، تم سبو، اور تم ہی بادہ خوار تھے

تھی تمہاری طرزِ کامل سے "حقیقت" آشکار
تم مفکر، تم مدبر، محرمِ اسرار تھے

مذہبی ہو یا سیاسی، باطنی یا ظاہری
تم تو میدانِ عمل میں، برسرِ پیکار تھے

اہلِ ندوہ کا نہیں، یہ غم ہے پوری قوم کا
عالمِ انسانیت کے تم سدا غم خوار تھے

یوں بھی زندہ ہیں ہزاروں، اس جہاں میں مردِ حق
تم تو بحرِ علم تھے، اور صاحبِ کردار تھے

روئے اقدس می کند مختسر ضیا باشئی حق
صاف گوئی میں تھے یکتا، مجمعِ افکار تھے

ملک کی ناؤ
ملک کی ناؤ جو منجدھار میں گھر کر ڈانواں ڈول ہو رہی ہے اس کو بچانے کیلئے اپنا کچھ وقت لگائیں پیسے کا خرچ کریں اپنے پیسے کو خرچ کریں اپنی خدمات کو بھی پیش کریں۔
(حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ)

gd. No. LW / NP/ 63
No.: (0522)330020

FORTNIGHTLY

Principal off : 788166
Guest House : 323864

AMEER-E-HAYAT

NADWATUL-ULAMA, LUCKNOW-226 007 (India) Rs. 6/-

حاجی صاحب کی پرانی دکان

ناولٹی نقاب سینٹر

سعودی نقاب

ہمارے یہاں سعودی نقاب، جھبلے دار نقاب
شیروانی نقاب، اب آیا نقاب، دوپٹے دار نقاب
گول رومال نقاب، تین کونہ نقاب، رومال نقاب
کے علاوہ فینسی نقاب کے دوپٹے، چادریں، ڈھاٹا
اور رنگین اسکارف وغیرہ رعایتی قیمت پر ہول سیل
اور ریٹیل میں دستیاب ہیں۔

نوٹ:۔ آرڈر دینے پر بھی نقاب تیار کئے جاتے ہیں
ایک بار تشریف لاکر خدمت کا موقع دیں

فون نمبر 215298

ناولٹی نقاب سینٹر نظیر آباد لکھنؤ

آپ کی خدمت میں جدید و دلکش
سونے چاندی کے زیورات کیلئے

ہمارا نیا شوروم

گہنہ پیلس

حاجی عبدالرؤف خاں، حاجی محمد فہیم خاں محمد معروف خاں

ایک مینارہ مسجد کے سامنے اکبری گیٹ چوک لکھنؤ

فون نمبر ۲۶۰۴۳۳ - ۲۲۲۹۴۶

زوزامین

فساد خون اور جلدی امراض



HASANI PHARMACY
41 . Gwyne Road,
ow - 226018, Ph. 202677
حسنی فارمیسی کی ایجنسی کے لئے رابطہ

کیپ کے اوپر AFZALS اور MAU CITY دیکھ کر خریدیے



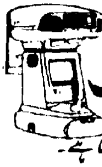
مئو کا بنا



درد، زخم، چوٹ کٹنے جلنے کی مشہور دوا

نورانی تیل

انڈین کیمیکل کمپنی، مئوناتھ بھنجن (یوپی)



چشمہ ساگر

جاپانی کمپیوٹر کے ذریعہ آنکھوں کی جانچ ہوتی ہے۔

AUTO REFRCCTO METER AR-860

فوٹوکرامک، کوٹیڈ لینس، ہائی انڈیکس ریزن لینس، فینسی
بادر دھوپ کے چشموں کا خاص مقام۔
ایک بار خدمت کا موقع دیں

آپٹیشین۔ اے۔ رحمٰن (علیگ)
شنکر جی کی مورتی کے نزدیک معتبر گنج۔ اعظم گڑھ

Printed And Published by *Athar Husain* on behalf of Majlis Sahafat- Wa- Nashriat,

لکھنؤ

تعمیرِ حیات

پندرہ روزہ

انسان کی عظمت

میرے بھائی! مٹی پانی کا اقبال کچھ کم نہیں، اور آدم اور آدمیوں کا مرتبہ معمولی نہیں عرش وکرسی ولوح وقلم، آسمان وزمین سب انسان ہی کے طفیل میں ہیں، استاد ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے آدم کو اپنا خلیفہ کہا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ کا لقب دیا۔ "وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا" اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے ارشاد ہوا کہ میں نے تم کو اپنے لئے منتخب کیا اور مومنین کے متعلق ارشاد ہے "يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ"، لوگوں نے کہا کہ اگر اس حدیث محبت کو دلوں سے مناسبت نہ ہوتی تو دل 'دل' کہلانے کا مستحق نہ ہوتا۔ اور اگر آفتابِ محبت آدم واولاد آدم کے جان ودل پر ضیاپاشی نہ کرتا تو آدم کا معاملہ بھی دوسری موجودات ہی کی طرح ہوتا۔

حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ

(از: تاریخ دعوت وعزیمت ص ۲۰۲ ج ۳)

۲۵ اکتوبر ۲۰۰۰ء

سالانہ ۱۳۶ روپئے

فی شمارہ ۶ روپئے

درس حدیث

سننے والے کو غور کرنے پر آمادہ کرنے کے لئے بات کو مبہم رکھ کر سوال کرنا

شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ ۔ ترجمہ: شمس الحق ندوی

کبھی کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سننے والے کے اندر شوق پیدا کرنے کی غرض سے اس سے سوال کرتے کہ اس طریقے سے بات اس کے دل پر زیادہ اثر کرتی ہے اور اس پر عمل کرنے کے لئے آمادہ کرتی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، آپؐ نے فرمایا، ابھی تمہارے سامنے ایک جنتی شخص آئے گا، تھوڑی دیر بعد ایک انصاری آئے، (یہ سعد بن ابی وقاص تھے) ان کی داڑھی سے وضو کا پانی ٹپک رہا تھا اور بائیں ہاتھ میں جوتا لئے ہوئے تھے، اگلے دن پھر یہی صورت حال پیش آئی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کل جیسی بات آج بھی فرمائی، یہی صاحب کل ہی کی طرح آج بھی مسجد میں داخل ہوئے، تیسرے دن بھی یہی صورت حال پیش آئی اور آپؐ نے جنتی شخص کے داخل ہونے کی بات کہی، چنانچہ پہلی ہی حالت میں وہی انصاری پھر داخل ہوئے، پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجلس سے اٹھے تو عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ ان انصاری کے ساتھ ہو لئے، اور ان سے کہا کہ آج والد صاحب سے میری کچھ بحث ہو گئی ہے میں نے قسم کھالی ہے کہ تین دن ان کے پاس نہیں جاؤں گا۔ اگر آپ یہ تین دن اپنے پاس گذارنے دیں تو گذار لوں، انھوں نے کہا ہاں رہ سکتے ہو، حضرت انسؓ نے فرمایا: عبداللہؓ کہا کرتے تھے کہ انھوں نے ان کے ساتھ تین راتیں گذاریں اور رات کو تہجد پڑھتے نہیں دیکھا، ہاں جب سوتے میں کروٹ بدلتے اور الٹتے پلٹتے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے اور اللہ اکبر کہتے یہاں تک کہ نماز فجر کے لئے اٹھتے۔

حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ مگر ہاں! ہم نے یہ بھی دیکھا کہ وہ جب بھی بات کرتے تو اچھی ہی بات کرتے، جب تینوں راتیں گذر گئیں تو ان کا جو عمل دیکھا تھا ممکن تھا کہ اس کو حقیر سمجھتا، لیکن میں نے ان سے سوال کیا اور کہا عبداللہ! نہ میری والد صاحب سے کوئی بحث ہوئی نہ ان سے قطع تعلق کیا تھا لیکن آپ کے بارے میں تین دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا تھا کہ تمہارے پاس ایک جنتی آدمی آئے گا، اور تینوں دن آپ ہی آئے۔

تب میں نے ارادہ کیا کہ آپ کے یہاں رہوں اور آپ کے معمولات دیکھوں اور اس کی اقتدا کروں لیکن ہم نے آپ کو کچھ زیادہ عمل کرتے تو دیکھا نہیں، تو آخر کس چیز نے آپ کو اس درجہ کو پہونچا دیا کہ آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی، انھوں نے جواب دیا جو کچھ آپ نے دیکھا یہی ہمارا معمول ہے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کرتا، لیکن جب میں ان کے پاس سے چلا تو مجھ کو واپس بلایا اور کہا میرے بھتیجے آپ نے جو کچھ دیکھا یہی ہمارا معمول ہے۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ میں اپنے دل میں کسی مسلمان کے بارے میں کوئی کھوٹ نہیں رکھتا اور نہ اللہ تعالیٰ نے جس کو اپنی نعمتوں سے نوازا ہے اس پر حسد کرتا ہوں۔

یہ سن کر حضرت عبداللہ نے فرمایا اسی چیز نے آپ کو اس مرتبہ کو پہونچایا ہم میں اس کی صلاحیت نہیں۔

پہلے اختصار پھر تفصیل سے بات کو بیان کرنے کا انداز

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اپنی گفتگو میں بات کو بہت اختصار کے ساتھ بیان کرتے جس کا مقصد یہ ہوتا کہ اس طرح آپ مخاطب کو سوال کرنے پر آمادہ فرمائیں اور اس کے اندر پوری بات معلوم کرنے کا شوق پیدا ہو، اس کے بعد آپ اس بات کو اچھی طرح واضح کرکے بیان فرماتے جس سے مخاطب اس کو اچھی طرح سمجھتا اور وہ بات ذہن نشین ہو جاتی۔

بخاری، مسلم اور ابن ماجہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انھوں نے بیان کیا کہ "لوگ ایک جنازہ لے کر گذرے (دیکھنے والوں نے) جنازہ (یعنی میت) کی تعریف کی، تعریف سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واجب ہو گئی، واجب

(بقیہ ص ۱۲ پر)

پندرہ روزہ — لکھنؤ

تعمیر حیات

مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۳۷ — شمارہ نمبر ۲۴

۲۵ اکتوبر ۲۰۰۰ء ——— مطابق ——— ۲۶ رجب ۱۴۲۱ھ

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ ۱۲۰/- روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں ———

زر تعاون

سالانہ ——— ۱۲۰/- روپے
فی شمارہ ——— ۶/- روپے
——— بیرونی ممالک فضائی ڈاک ———
ایشیائی، یورپ، افریقی و امریکی ممالک
۳۰ ڈالر
——— بیرونی ممالک بحری ڈاک ———
بحری ڈاک جملہ ۱۵ ڈالر

خط و کتابت کا پتہ

منیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس نمبر ۹۳
ندوۃ العلماء لکھنؤ ۲۲۶۰۰۷ یوپی
ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے
بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں ———

گذارش

خط و کتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کے ساتھ مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے۔

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے ندیم آفسٹ میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا۔

اس شمارے میں

شرائط ایجنسی

۱۔ پانچ کاپی سے کم کی ایجنسی جاری نہیں کی جاتی۔

۲۔ فی کاپی =/Rs. 15 کے حساب سے رقم ضمانت روانہ کرنا ضروری ہے۔

۳۔ کمیشن جوابی خط سے معلوم کریں۔

نرخ اشتہار

۱۔ تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر اندرونی صفحہ =/Rs. 30

۲۔ تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر پشت پر رنگین صفحہ =/Rs. 40

۳۔ کمیشن تعداد اشاعت کے مطابق ہوگا جو آرڈر دینے پر متعین ہوگا۔

۴۔ اشتہار کی نصف رقم پیشگی جمع کرنا ضروری ہے۔

۵۔ انٹرنیٹ اور تعمیر حیات دونوں کا نرخ اشتہار فی کالم سنٹی میٹر =/۸۵

بیرون ملک نمائندے

مدینہ منورہ	Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb. P O Box No 842, Madina Munawwara (K.S.A.)
برطانیہ	Mr. M. AKRAM NADWI O C I S , St Cross College, Oxford Ox1 3TU-U.K
ساؤتھ افریقہ	Mr. M. YAHYA SALLO NADWI Sb. P O Box 388, Vereninging,(S. Africa)
قطر	Mr. ABDUL HAI NADWI Sb. P O Box No 10894, DOHA-QATAR
دبئی	Mr. QARI ABDUL HAMEED NADWI Sb. P O Box No 12525, DUBAI (U A E) P-H' NO: — 3970927
پاکستان	Mr. ATAULLAH Sb. Sector A-50, Near sau Quater H No 109 Town Ship Kaurangi, KARACHI-31 (Pakistan)
امریکہ	Dr. A. M. SIDDQUI Sb. 98-Conklin Ave, Woodmere NEW YORK 11598 (U S A)

Internet Web-site: http://nadwa.virtualave.net

E-mail address: airp@lw1.vsnl.net.in

(مولانا) سید محمد رابع حسنی ندوی

مسلمان اپنے خیر امت ہونے کا عملی ثبوت دیں

انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی دیگر مخلوقات میں اعلیٰ مقام دیا ہے وہ اس کی اس خصوصیت کی بنا پر ہے جو اللہ تعالیٰ نے صرف
رکھی ہے دوسری کسی مخلوق میں نہیں رکھی، یہ خصوصیت انسان کی وہ صلاحیت ہے جس کی بنا پر وہ اللہ تعالیٰ کی خلافت فی الارض
، قرار پایا۔ اللہ کی خلافت فی الارض کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عالم ارضی یعنی دنیا میں رہنے والوں کے لئے جو نظام زندگی پسند
، اس کو انسان قائم کرے، جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں بیان کیا ہے کہ وہ خاص ذمہ داری ہم نے آسمانوں کے سامنے رکھی
ے سامنے رکھی اور پہاڑوں کے سامنے رکھی، سب اس کو اٹھانے سے معذرت خواہ ہوئے اور اس کو قبول کرنے سے ڈرے۔ لیکن انسان
، کو اٹھا لیا، انسان بہت زیادتی اختیار کرنے والا، اور ناواقفیت کا کام کرنے والا ہے۔ دنیا میں خدا کی پسند کا نظام زندگی قائم کرنا وہ
، جس کو خدا کے بھیجے ہوئے رسولوں نے اپنے اپنے زمانہ میں بتایا اور واضح کیا پھر آخر میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے
، کرام نے کر کے دکھا دیا اور اس طرح یہ ثابت کر دیا کہ انسان میں اس کو قائم کرنے کی قابلیت ہے اور وہ اس ذمہ داری کو اٹھا سکتا ہے
روی مثال ہے، اس سے قبل اس سے چھوٹے پیمانہ پر بعض دوسری مثالیں بھی ہوئی ہوں گی لیکن عموماً انسان نے اس ذمہ داری کی قابلیت رکھے
، اور اس کا بوجھ اپنے اوپر لینے کے باوجود اس کو پامال کیا ہے، بلکہ اس کو بے دردی کے ساتھ نظر انداز کیا ہے۔ یہی اس کا ظلوم اور جہول ہونا ہے۔

خدا کے پسندیدہ نظام زندگی صرف انسانی مخلوق ہی کے لئے نہیں بلکہ دیگر تمام مخلوقات کے لئے اور حتیٰ کہ شجر حجر سب کے لئے
ت رساں اور مفید ہے۔

قرآن وحدیث سے اس نظام زندگی کی جو وضاحت و رہنمائی ہوتی ہے کہ اس کے ذریعے دنیا اپنے تمام پہلوؤں کے ساتھ مکمل خوش حال اور
ب اسی وقت ہو سکتی ہے اور ہوئی ہے، جب وہ نظام خدائی قائم ہو جس کی مثال ہم کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کردہ نظام
ملی۔

انسان کی یہ قابلیت کہ وہ اس نظام کو قائم کرنے کی کوشش کرے تو اس کو قائم کر سکتا ہے اور یہ کہ اس کے اس ذمہ داری کو
طور پر اٹھا لینے اور پورا کر دکھانے کی مثالیں بھی قائم ہوئیں، یہی سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی مخلوق کو پیدا کرنے کا تذکرہ اپنی پسندیدگی
ساتھ فرشتوں سے کیا اور اس کو ایسی اہمیت دی کہ فرشتوں سے فرمایا کہ اس پہلے فرد انسانی کے سامنے جھکو اور تعظیم بجالاؤ، یہ خاص میرا
کیا ہوا ہے۔

اس سب کے بعد انسان اپنی اس اہم ذمہ داری کی انجام دہی سے حاصل کرنے کے بجائے محض بجکانا اور نالائق
کاموں میں تلاش کرتا پھرتا ہے، وہ اپنے حقیقی خالق کے سامنے جھکنے کے... بجائے شجر و حجر اور ہر چھوٹی بڑی اور بے قیمت اور
صلاحیت اشیاء کے سامنے سر جھکاتا ہے۔ کس قدر نادانی اور اپنے ہاتھوں اپنے کو بے عزت اور تباہ کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو مقام عطا فرمایا ہے اور جس اہمیت کے ساتھ اس کو پیدا کیا ہے اس کا تقاضا قطعی طور پر یہ
ہے کہ وہ اپنے پروردگار اور خالق کی بھیجی ہوئی ہدایات جس کو اس آخری زمانہ میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کو پہونچایا

ہے اور جس کا عنوان اسلام رکھا ہے مانے اور پھر اس کو اپنی زندگی پر اور اپنی ارد گرد کی زندگی پر نافذ کرے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ" یعنی زندگی کا اصل طریقہ اللہ کے یہاں اسلام ہے اور فرمایا کہ "وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ" کہ جو اسلام کے علاوہ زندگی کے کسی دوسرے طریقہ کو اختیار کرے گا وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔

یہ حقیقت سامنے آجانے کے بعد یہ ضرورت متعین ہو جاتی ہے کہ ہر انسان اس طریقۂ زندگی کو معلوم کرے اور اس کو اپنانے اور پھیلانے کی کوشش کرے، وہ اپنی زندگی کو بھی اس طریقہ کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرے اور دوسروں کو بھی اس سے فائدہ پہنچائے اور اس طرح دنیا کے نظام زندگی کو اللہ کے پسندیدہ نظام دنیا کے مطابق لائے، اس طرح وہ اپنی اس قابلیت کو صحیح رستہ پر لاسکے گا جس کی وجہ سے اس اس عظیم ذمہ داری کا استحقاق دیا گیا ہے جس کو افت اللہ فی الارض فرمایا گیا ہے۔

اس نظام زندگی کی جھلک ہم کو ے کے قائم کرنے میں ملتی ہے، روزوں کی م دہی میں اور غریبوں کی مدد کے لئے زکوٰۃ ائیگی کا نظام قائم کرنے میں اور استطاعت اپنے پروردگار کی عبادت کے لئے سب پہلے بنائے جانے والے گھر کی زیارت ہاں عبادت کرنے کے لئے زندگی بھر سے کم ایک بار حاضری دینے میں ملتی ہے، دا کی عبادت کی علامت ہے، روزہ خدا کے ساتھ اپنی ہم آہنگی اور اپنی کے اظہار کی علامت ہے، زکوٰۃ غریبوں اور ضرورت مندوں کی ہمدردی اور مدد کی علامت ہے، اور حج اپنے خالق اور محسن حقیقی سے محبت و عقیدت اور شیفتگی کے اظہار کی علامت ہے۔ ان سب سے وہ مجموعہ بنتا ہے جو اس دنیا میں خدا کے پسندیدہ نظام زندگی کی علامت ہے۔

اس سارے عمل میں روزے کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے اس کا تعلق بیک وقت خود اس فرد انسانی سے جو روزہ رکھ رہا ہے اور ارد گرد کے ماحول سے جس میں وہ رہ رہا ہے دیگر افراد انسانی کے دکھ درد میں اپنی شرکت سے ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ اپنے پروردگار کے حکم کی تعمیل مشکل حالات میں بھی بسر و چشم کرنے سے ہے۔

مذکورہ بالا خصوصیات اپنانے اور ان کو اپنی زندگی کا دستور العمل بنانے کے ساتھ اس کی ترویج دوسروں میں بھی کرنے کی ذمہ داری بھی اس امت پر ڈالی گئی ہے اور جب یہ کام قابو میں آنے لگے اور اس کی قدرت و صلاحیت حاصل ہو جائے تو اسی کے مطابق معاشرہ کو قائم کرنے اور اس کو کنٹرول کرنے کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے فرمایا کہ "اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ" کہ اس میں مذکورہ بالا طریقۂ زندگی اپنانے اور اس سلسلہ میں ذمہ داری پوری کرنے والوں کے بارے میں فرمایا کہ ان کو زمین میں جب قابو دیں تو نماز کو قائم کریں گے اور زکوٰۃ کو ادا کریں گے اور اچھی باتوں کا حکم دیں گے اور بری باتوں سے روکیں گے اور نتیجہ تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

اس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں پر جو ذمہ داری عائد کی گئی ہے اس کی طرف ہر نبی نے اپنی امت کو متوجہ کیا پھر آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو قیامت تک کے لئے اس کا ذمہ دار بنایا اس طرح امت مسلمہ اس عظیم کام پر مامور قرار پائی کہ وہ انسانوں کو راہ حق دکھائے اور انسانی زندگی کو اپنے خالق اور رب کی مرضی کے مطابق مرتب و منظم کرے، اس ذمہ داری کو پورا کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد و رحمت کے وعدے ہیں اور اس کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے پر وعیدیں ہیں اس طور پر انسانوں کو راہ حق دکھانے اور راہ حق پر لانے کی اصل ذمہ داری امت مسلمہ کی ہے لیکن ضرورت ہے کہ پہلے وہ خود اپنی زندگیوں کو اور ان کے اعمال کو صحیح راستہ پر لائیں پھر دوسروں کو اس طرف بلائیں بلکہ ان کو اس خیر کی طرف لانے کے لئے تمام ممکنہ ذرائع استعمال کریں، اس طرح مسلمان اگر عامۃ الناس ہوں گے تو پند و نصیحت کے ذریعہ بھی دعوت دیں گے اور اگر بااثر ہوں گے تو اپنے اثر سے کام لے کر یہ خدمت انجام دیں گے اور اگر ان کو زمین پر اپنا حکم چلانے کا موقع ملے گا تو وہ اپنے اقتدار و حکومت کے ذریعہ یہ کام انجام دیں گے، اور ان سب صورتوں کے لئے شریعت میں اصول و طریقے متعین کئے گئے ہیں۔

چنانچہ ہم سب مسلمانوں کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ اپنے اخلاق و کردار کو اپنے پروردگار کے حکم و مرضی کے مطابق بنانے کے ساتھ دوسروں کو بھی اس کی طرف لانے کی کوشش کریں اور زمین پر وہ نظام لانے کی کوشش کریں جو اللہ تعالیٰ کے حکم و مرضی کا ہو۔ یہی وہ عمل ہے جس کی ادائیگی ہمارے خیر امت ہونے کا ثبوت ہے۔

معاشرت انسانی

مرکب ہے مرد و عورت سے

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ مَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ ضُكُم مِّن بَعْضٍ.

ہم نے آپ کے سامنے سورۂ آل عمران کی آیت ایک ٹکڑا پیش کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے پہلے اہل ایمان ، دعاؤں کا تذکرہ کیا ہے۔ ان اہل ایمان نے ب دل کھول کر دعائیں کیں۔ معمولی دعائیں نہیں میں۔ بڑی مومنانہ دعائیں، بڑی مبصرانہ دعائیں ری مردانہ دعائیں (مردانہ لفظ میں نے جان بوجھ کر ستعمال کیا ہے۔ رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا۔ ایک مردانہ دعا ہے۔ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ رَبَّنَا وَآتِنَا مَا وَعَدتَّنَا عَلَىٰ رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ۔ ایسی بلند ہمتی کی دعائیں نیں۔ انھوں نے ایک بات اور کہی تھی۔ رَبَّنَا نَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ ـنے ایک پکارنے والے کو، تیرے ایک ادی کو پکارتے ہوئے سنا کہ "آمِنُوا بِرَبِّكُمْ" بھی پر ایمان لاؤ" "فَآمَنَّا" (ہم ایمان لائے)

"وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا" ہمارے گناہوں کو معاف کر اور ہمارے گناہوں سے درگذر کر۔

ظاہر ہے کہ ان دعاؤں میں ذہن مردوں ہی کی طرف جائے گا۔ منادی اور قبول کرنے والے مرد، اور میں یہ کہوں کہ پیش پیش رہنے والے اور اس کو مردانہ وار لبیک کہنے والے مرد تھے تو یہ بھی صحیح ہے، لیکن اللہ تبارک تعالیٰ جب اجر کا اور دعاؤں کی قبولیت کا ذکر کرتا ہے تو مردوں کے ساتھ۔ حالانکہ وہاں پر کوئی سیاق وسباق اور قرینہ نہیں ہے۔ خاص طور سے عورتوں کا ذکر کرتا ہے دوسری جنس، جنس لطیف کا بھی ذکر کرتا ہے — "فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ" دعا کرنے والے مرد ہیں اور فرماتا ہے اللہ نے ان کی دعا قبول کی۔

رحمتِ الٰہی میں مساوات کامل ہے

یہاں پر کوئی ادیب ہوتا، کوئی انشا پرداز ہوتا کوئی مقنن ہوتا، کوئی ماہر نفسیات ہوتا۔ کوئی بڑا عورتوں کی آزادی کا حامی اور محرک ہوتا تو مجھے یقین ہے کہ وہ یہاں پر عورتوں کو فراموش کر دیتا۔ کیا موقع تھا کیا ذکر تھا، ساری دعائیں مردوں کی اور سارے کاموں میں مرد ہی پیش پیش تھے لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت دیکھئے وہ خالق ذکور واناث دونوں جنسوں کا خالق ہے، دونوں پر اس کی یکساں شفقت کی نظر ہے، وہ رب العالمین ہے فرماتا ہے۔ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُمْ" ان کے پروردگار نے ان کی دعا قبول کی اور جواب دیا کسی کام کرنے والے کے کام کو ضائع نہیں کرتا" عامل" کا لفظ تذکیر کا ہے۔ یہاں تک مردوں ہی کا ذکر تھا "لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم" میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا، کسی محنت کرنے والے کی محنت کو کسی کوشش کرنے والے کی کوشش کو کسی قربانی دینے والے کی قربانی کو ضائع نہیں کرتا۔ "مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ"۔ یہاں پر ایک دم سے عورتوں کو یاد فرمایا۔ اور ان کو شرف بخشا، وہ عمل کرنے والا، وہ دعا کرنے والا چاہے مرد ہو یا عورت، اس سے زیادہ، یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت میں، (میں اور کسی چیز میں نہیں کہتا، لیکن میں اس کو پورے وثوق کے ساتھ اور خم ٹھونک کر کہتا ہوں) اور کسی چیز میں مساوات ہو یا نہ ہو اور بعض چیزوں میں مساوات، اسلامی شریعت سے تحفظ اور فطرت انسانی کی معرفت پر مبنی بصیرت سے کام لیتی ہے لیکن ایک چیز ڈنکے کی چوٹ پر کہی جاسکتی ہے کہ رحمت الٰہی اور بخشش الٰہی میں مساوات کامل ہے اس میں کوئی تحفظ نہیں ہے، کسی قسم کا ریزرویشن نہیں، کسی قسم کا امتیاز نہیں اور اس کی دلیل یہ آیت ہے، "فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ"۔

پورا سیاق وسباق دیکھئے تو آنکھیں کھل جائیں گی اور اعجاز قرآنی سے بڑھ کر رحمت یزدانی کا آدمی قائل ہو جائے گا اور کوئی جھوم اٹھے گا اور کسی پر وجد کی کیفیت طاری ہو جائے اور خاص طور پر میں اپنی عزیز بہنوں سے کہتا ہوں اگر ان پر وجد کی کیفیت طاری ہو جائے اور اگر کسی بڑے شکر کی حالت میں مدہوشی کی حالت طاری ہو جائے اور ا... کے رونگٹے

رونگٹے سے شکر کے ترانے نکلیں بلکہ ابلیں تو بھی بالکل بجا ہے اور برمحل ہے، یہاں یہ کوئی موقع نہ تھا مردوں نے بھی (اللہ ان کو معاف کرے) اپنی دعاؤں میں اپنی بہنوں کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ اپنی ماؤں تک کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ حالانکہ ماں تو ماں ہے ہی انہوں نے دعا لینے لئے کی تھی ساری ضمیر میں مذکر کی۔ لیکن اس رب العالمین کی رب العالمینی دیکھئے اور اس کی رحمۃ للعالمینی دیکھئے فرماتا ہے "فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنْكُمْ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ" اور پھر اس کے بعد مہر لگاتا ہے "بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ" تم بھول کیوں گئے تھے یعنی گویا تنبیہ کی گئی ان دعا کرنے والے مردوں کو کہ تم اپنے جسم کے اتنے بڑے حصہ کو، حیات انسانی کے ایک اتنے اہم عنصر کو بھول کیوں گئے تھے؟ بلکہ اپنے نئے شریک حیات کو بھول گئے تھے، تو تم بھولے، ہم نہیں بھولے، تم سو بار بھولو، ہزار بار بھولو لیکن ہم بھولنے والے نہیں ہیں۔ "فِي كِتَابٍ لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنْسَى" حضرت موسیٰ نے جواب دیا تو ان کے رب العزت نے جواب دیا "أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنْكُمْ" میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کو ضائع کرنے والا نہیں ہوں، بغیر سیاق وسباق کے فرماتا ہے، "مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ" چاہے وہ عمل کرنے والا مرد ہو یا عورت، کیا تعجب کی بات ہے؟ تم ہو ہی ایک دوسرے سے مستغنی نہیں۔ معاشرت انسانی بلکہ حیات انسانی مرکب ہے ان دونوں عنصروں سے، ان کا انفصال ہو ہی نہیں سکتا ہے۔

عربی کا لفظ "اضاعت"

جب میرا ذہن اس آیت کی طرف گیا تو معانی اور مضامین کا ایک عالم سامنے آگیا کہ لَا أُضِيعُ کی وسعت اور اس کی بے پایانی دیکھئے کہ اس نے یہاں پر "لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنْكُمْ" فرمایا، میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا۔ عربی کا لفظ "اضاعت" کا استعمال ہوا ہے یعنی اس کی کوشش کا نتیجہ یہاں دنیا میں بھی ظاہر ہوگا۔ اور آخرت میں بھی ہوگا۔ یہ آیت دنیا وآخرت دونوں پر حاوی ہے۔ آیت یہ نہیں کہتی کہ عورتیں عبادت کرکے دنیا میں کوئی نتیجہ نہ پائیں گی۔ محنت کریں علم کیلئے اور علم حاصل نہیں ہوگا، محنت کریں تربیت میں اور اس کا نتیجہ حاصل نہیں ہوگا۔ محنت کریں زندگی کو پُرلطف بامعنی اور بارونق بنانے کی اور اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلے اور سارا اجر آخرت کیلئے اٹھا رکھا جائے بلکہ جس میدان میں تم دونوں محنت کروگے، اس میں انہی کوششوں کا نتیجہ دیکھوگے۔ چنانچہ میں عبادت کے متعلق تو کیا کہوں عبادت میں اگر آپ صرف اسلام کی تاریخ دیکھئے اور حقیقت میں محفوظ تاریخ تو وہی ہے، ہماری مجبوری، انسانیت کی مجبوری علم انسانی کی مجبوری، تقدیرات انسانی کی مجبوری کی تاریخ تو محفوظ امت محمدیؐ سے ہے، وہ علمی ترقیوں کی ہے، روحانی ترقیوں کی ہے اور مسائل کے نتائج ظاہر ہونے کی ہے، آپ دیکھئے کہ اس کا پورا تھا کہ ولایت کے میدان پر پوری اجارہ دا مردوں کی ہوتی اس لئے کہ ولایت کا میدان عند اللہ کا میدان، بڑی خصوصیات کا طالب اور اس کو مردوں سے کچھ مناسبت ہے، کرنا، جہاد کرنا، رات رات بھر نمازیں پڑھنا، رکھنا، اور یہ مردوں کیلئے آسان ہے۔

میں اس میں تفصیل کے ساتھ نہیں ج چاہتا، میں تو قرآن مجید کے اس اعجاز کا لطف چاہتا ہوں اور بتانا چاہتا ہوں کہ اللہ تو فرماتا ہے "لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنْ "عمل" بھی یہاں نکرہ، "عامل" بھی یہاں نکرہ کسی عمل کرنے والے کے عمل کو میں ضائع نہیں جس میں تم کوششیں کروگے، کوشش کرو اگر تم نے عبادت میں کوشش کی تو ہم تم کو را بصریہ کے مقام اور اس سے بھی آگے کے مقا تک پہونچا سکتے ہیں۔ (قرآنی افادات)

تعدّدِ ازواجِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت

مولانا عبداللہ عباس ندوی

ناقدین اسلام ازواج مطہرات کے مسئلہ کو نہایت کریہ اور غلط انداز میں پیش کرتے ہیں۔ اگر وہ تعصب کی عینک اتار کر اس موضوع پر غور کریں اور حقیقت معلوم کرنے کی فکر کریں تو ان پر اس کی حکمتیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمدلی و دلداری کا نقشہ سامنے آجائے جو کسی غیر نبی کیلئے ممکن نہیں۔

ذیل میں ہم ازواج مطہرات اور تعدد ازدواج سے متعلق مولانا عبداللہ عباس ندوی مدظلہ العالی کا ایک اہم مضمون ہدیہ ناظرین کر رہے ہیں، جس سے تعدد ازدواج کی حکمت و مصلحت عیاں ہو جاتی ہیں۔

(ادارہ)

ازواجِ مطہرات کے ذکر سے پہلے طبیعت کا تقاضہ ہے کہ معاصر عرب مصنفین میں استاد عباس محمود العقاد کا ایک جملہ نقل کر دوں۔

اہلِ علم جانتے ہیں کہ معاصر عرب اصحاب فکر و قلم میں العقاد کو عقلیتِ عربیہ کا سب سے بڑا ترجمان سمجھا جاتا ہے اور جس نے ان کے محققانہ جائزوں اور علمی تجربوں کو پڑھا ہے وہ اعتراف پر مجبور ہوگا۔ کہ مستشرقین اور اہل باطل کا منھ توڑ جواب دینے میں آج ان کا کوئی ثانی نہیں ہے، وہ لکھتے ہیں:-

" فلا حجة للمسلم على صدق محمد عليه السلام في رسالته اصدق من سيرته في زواجه وفي اختيار زوجاته وليس للنبوة من آية اشرف من آيتها في معيشة نبي الاسلام من مطلع حياته الى يوم وفاته "(۱)

"یعنی ایک مسلمان کیلئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی سب سے بڑی دلیل اور سیرتِ پاک کا تابناک اور پُر صداقت حصہ وہ ہے جو آپ کی خانگی زندگی سے تعلق رکھتا تھا۔ آپ کے تعددِ ازدواج سے بہتر اور آپ کے برتاؤ سے زیادہ کوئی دلیل آپ کی نبوت و صداقت میں نہیں پیش کی جا سکتی"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعددِ ازدواج کا زمانہ وہ ہے جب آپ اپنے عروج و اقبال کی اعلیٰ منزل پر پہنچ چکے تھے، آپ کیلئے ایک عیش و عشرت سے پر زندگی کا حصول دشوار نہ تھا۔ مکان، غذا، لباس، اور اسبابِ زینت اس کثرت سے آپ حاصل کر سکتے تھے۔ جس قدر اس وقت کے رؤسائے سلطنت حاصل کر سکتے تھے، کیا آپ نے اپنی کامیابی کے بعد داد عیش دیا؟ کیا ابتدائی شباب کے عالم میں آپ نے کسی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا؟ کیا آپ نے اپنی ازواج کیلئے عیش و عشرت کا سامان حاصل کیا؟ واقعہ یہ ہے کہ عیش و عشرت کجا نانِ شبینہ کو سب محتاج تھیں، ان کی شکایتیں بھی آپ نے سنیں، ان کے مطالبے بھی ہوئے مگر آپ نے سوائے صبر و قناعت کے کوئی دولت ان کو نہیں دی، وہ ذات اقدس جس پر یہ مسیحی مبلغین زبان درازی کرتے ہیں اور نعوذ باللہ جنسی ہوسناکی کا بہتان لگاتے ہیں۔ آپ نے کوئی ایک شادی بھی کسی خاتون کی خوبصورتی اور جوانی کی وجہ سے نہیں کی، حالانکہ آپ اگر چاہتے تو روم اور فارس کی سرحدوں سے ملنے والی حسین سے حسین عورتوں کا انتخاب فرما سکتے تھے۔

پہلی شادی آپ نے ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کی، جن کی عمر چالیس سال سے زیادہ اور بعض روایت کے مطابق پچاس کے لگ بھگ تھی، اور جبکہ آپ کی عمر شریف پچیس سال سے زیادہ نہ تھی۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی پہلے دو شادیاں ہو چکی تھیں۔ ان کے ساتھ آپ نے اپنی پوری جوانی گزار دی اور ایک بہترین شوہر، بامروت اور حوصلہ مند انسان کی طرح زندگی گزاری۔ آپ کے حسنِ اخلاق اور پاکیزہ زندگی کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہوگا کہ آپ کی نبوت پر سب سے پہلے ایمان لانے والی یہی بی بی تھیں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی زندگی تک آپ نے کسی دوسری شادی کا ارادہ بھی نہیں فرمایا۔ اور نہ اس کو سوچا اور ان کی وفات کے بعد بھی آپ نے کسی دوسری شادی کا ارادہ نہیں فرمایا تھا حضرت ام المؤمنین خدیجہؓ سے آپ کو وہ روحانی مسرت حاصل تھی کہ ان کی وفات کے بعد حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں اور رشتہ دار خواتین کو تحائف بھی دیا کرتے تھے اور جو حسنِ سلوک کا معمول ـــ حضرت خدیجہؓ نے

---

(۱) عباس محمود العقاد۔ الاسلام۔ واباطیل خصومہ، مطبوعہ دار الاسلام قاہرہ، ۱۹۵۷ء

یہ زندگی میں قائم کیا تھا۔ اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بخوبی نبھایا۔ (ترمذی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے شادی دراصل اپنے حبیب ومحب سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خاطرداری اور اُن سے محبت کا ثمرہ تھا۔ اس وقت کسی کی بیٹی کو قبول کرنا بیٹی والے پر ایک احسان کرنا تھا، رواج جو صدیوں سے چلا آرہا تھا۔ اس میں وہاں عمر کے تفاوت کو کوئی دخل نہ تھا۔

ازواج مطہرات کی فہرست میں صرف ہی ایک نام اُمّ المومنین عائشہ صدیقہؓ کا ملتا ہے جو کنواری تھیں اور جب آپؐ کو سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا۔ اس وقت آپؓ کی عمر بھی رخصتی کے لائق نہیں تھی۔ سوریہ (شام) کے ایک سابق وزیر اعظم استاذ معروف الدوالیبی جو اچھا تاریخی ذوق رکھتے ہیں، "حقائق الاسلام" کے عنوان سے اپنے ایک لکچر میں لکھتے ہیں کہ آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنی شادیاں کی تھیں، وہ سب خالص دینی مصلحت، غمگساری اور عطائے پناہ بخشش کی بنیاد پر تھیں مگر حضرت عائشہؓ سے آپ کا نکاح ان سب سے زیادہ ایثار اور دینی مصلحت کا مقتضیٰ تھا، اگر حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا آپؐ کی ازواج مطہرات میں داخل نہ ہوتیں تو عورتوں سے متعلق فقہ کا ایک اہم باب تشنہ رہ جاتا، حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ بعض ازواج مطہرات وہ ہیں جن کو اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبول فرماکر عزت نہ دیتے تو کوئی بھی ان کو باعزت مقام نہیں دے سکتا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پہلے ایک پاک دل بی بی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کا جذبہ اپنے اندر موجزن پایا۔ اور آنحضرتؐ کی اس عمر میں رفاقت کیلئے اپنی خدمات حضرت عائشہؓ کے ذریعہ پیش کیں، وہ تھیں حضرت سودہؓ جن کا جسم بھاری تھا۔ اور ان کے پہلے شوہر ہجرتِ حبشہ کے وقت انتقال کرگئے تھے اور ان خاتون کے لئے کوئی جائے پناہ نہ تھی۔ اگر اپنے ماں باپ کے پاس مکہ مکرمہ واپس جاتیں تو ماں باپ ارتداد پر مجبور کرتے اور ایک حقیر کسمپرسی کی زندگی ہوتی۔ آپؐ نے ان کی بے بسی پر رحم فرماکر اپنے ازواج میں داخل کرکے عزت بخشی، جس کی وہ زندگی بھر دل سے قدرداں اور شکر گزار رہیں، ابن ہشام لکھتے ہیں کہ حضرت سودہؓ کو کوئی اہلِ کفو میں سے پیغام دینے کیلئے تیار نہیں تھا آپؐ نے حضرت سودہؓ کو قبول فرماکر ہجرت کرنے والے صحابی کی قدردانی کی اور راہِ حق میں جان دینے والے کا حق ادا کیا۔

حضرت اُمّ سلمہؓ جن کا پورا نام ھند بنت ابی اُمیہؓ تھا۔ ان کے پہلے شوہر عبداللہ المخزومی جو حضرت ہند کے چچازاد بھائی لگتے تھے، غزوۂ اُحد میں زخمی ہوکر شہید ہوئے۔ ان کی عمر بھی زیادہ تھی، سن یاس کو پہنچ چکی تھیں، ان کی اشک شوئی اور دلجوئی کیلئے آنحضرتؐ نے پیغام دیا۔

آپ سے پہلے حضرت ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما نے بھی اس جذبۂ رحم کے ماتحت ان کو پیغام بھیجا تھا۔ مگر انھوں نے معذرت کردی تھی کہ میری عمر بہت زیادہ ہوچکی ہے۔ لیکن جب آنحضرتؐ نے دوبارہ ان کو پیغام دیا جو کہ محض غمخواری اور شرکتِ غم کے باعث تھا تو حضرت ہندؓ نے آپ کے حرم میں داخل ہونا قبول کرلیا۔

حضرت رملہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا جن کا لقب اُمّ حبیبہؓ تھا، نے اپنے والد سے محض دین کی بنا پر مفارقت اختیار کرنا تھی اور اپنے شوہر کے ساتھ حبشہ گئی تھیں، جہاں ان کے شوہر عیسائیت قبول کرلی۔ اور ان کو اس حال میں چھوڑا کہ مسافرانہ بے کسی کا عالم تھا۔ اور چادرِ عصمت اڑھانے کیلئے کوئی تیار نہ تھا۔ آنحضرتؐ کو جب یہ افسوسناک حالت معلوم ہوئی تو نجاشی سے مطالبہ کیا کہ ان کو اس بے بسی کے عالم سے نکالیں۔ اور یہ معلوم تھا کہ اگر اپنے والد کے پاس جاتی ہیں تو وہ اسلام چھوڑنے پر مجبور کریں گے اور ایسے وقت میں جبکہ نہ کوئی ان کا کفیل تھا۔ اور نہ کوئی ایسا کفو تھا جو ان سے نکاح کرتا۔ آنحضرتؐ نے ان کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔ امام ابن قیمؒ کا رجحان ہے کہ آپ کا مقصد یہ بھی تھا کہ اس کے ذریعہ ابو سفیان کی عداوت کم ہوجائے گی اور ہوسکتا ہے کہ یہ رشتہ داری ان کو شرک کی ظلمت سے نکال کر اسلام کی روشنی میں لے آئے۔

حضرت جویریہ بنت الحارث، ان کا قصہ یہ ہے کہ حارث اپنی قوم کے سرداروں میں تھے اور یہ خاتون جنگی قیدی کی حیثیت سے مدینہ آئیں۔ ایک سردار قوم کی بیٹی کو لونڈی بناکر رکھا جانا غیرت مصطفوی کے خلاف تھا۔ آپؐ نے ان کو آزاد کرکے اپنے حرم میں داخل کرلیا۔ اور صحابہؓ کو ہدایت کی کہ اپنی باندیوں کو آزاد کردیں، چنانچہ یہ سب غلام اور باندیاں آزاد کردی گئیں، ان کے والد نے ان کو اختیار دیا کہ اگر چاہیں تو اپنے گھر چلیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی بن کر رہ جائیں، حضرت جویریہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں رہنے کو ترجیح دی۔

حضرت حفصہ بنت عمر بن خطابؓ سے نکاح کا واقعہ یہ ہے کہ ان کے شوہر کا انتقال ہوچکا تھا۔ حضرت عمرؓ نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے التماس کیا کہ وہ ان کو قبول کرلیں۔

...صدیق اکبرؓ نے خاموشی اختیار کرلی، پھر حضرت عثمانؓ سے خواہش کی کہ وہ اپنے نکاح میں قبول کرلیں، انھوں نے بھی خاموشی اختیار کی۔ اس موقع پر حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افسوس کا اظہار کیا۔ آنحضرتؐ نے جس طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ کو یہ شرف بخشا تھا اسی طرح حضرت عمرؓ کی دلجوئی میں کمی نہیں کی اور فرمایا: "یتزوج حفصة من هو خير لها من ابي بكر و عثمان" یعنی حفصہ سے وہ شخص شادی کرے گا جو ان کے حق میں (حضرت) ابوبکر و عثمان (رضی اللہ عنہما) سے بہتر ہوگا۔

ان ازواجِ مطہرات میں ایک حضرت صفیہؓ اسرائیلیہ تھیں۔ ان کے والد بنی قریظہ کے سردار تھے۔ ان کو آنحضرتؐ نے اختیار دیا کہ اگر وہ چاہیں تو اپنے خاندان میں واپس جائیں اور اگر رہنا چاہیں تو آپؐ ان کو اپنی زوجیت میں لے کر پناہ دے سکتے ہیں، حضرت صفیہؓ نے حضورؐ کی خدمت میں بیوی بن کر رہنا شرف و عزت کی بات سمجھی اور خود درخواست کی کہ انھیں زوجیت کی عزت بخشی جائے۔ اگر حضورؐ کے اخلاقِ کریمانہ اور رحمتِ عامہ کا ظہور نہ ہوتا تو آپ قبول نہ فرماتے، کیونکہ حضرت صفیہؓ قد و قامت میں بہت چھوٹی تھیں اور خواتین ان کو بونی کہہ کر طنز کرتی تھیں، آپ نے جب یہ لفظ ازواجِ مطہرات میں ایک بیوی سے سنا تو آپ نے فرمایا کہ تم نے ان کے حق میں ایسی بات کہی کہ اگر وہ سمندر میں ڈال دی جائے تو اس کا رنگ گدلا ہو جائے اور آپؐ نے حضرت صفیہؓ کی مسافرانہ بے بسی کی وہ غمخواری کی جو صرف ایک پیغمبر ہی کر سکتا تھا۔

حضرت زینبؓ بنت جحش آپؐ کی پھوپھی زاد بہن تھیں ان کی شادی آپؐ نے خود اپنے متبنّٰی غلام حضرت زید بن حارثہؓ سے کر دی تھی۔ مگر حضرت زینبؓ زید بن حارثہؓ سے نفرت کرتی تھیں، زید کے طلاق دینے کے بعد آپؐ نے ان سے نکاح کر لیا۔ کیونکہ ان کی پہلی شادی کے ذمہ دار خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ جہاں تک حضرت زینبؓ کی صورت و شکل کا تعلق ہے وہ آپ سے چھپی ہوتی نہیں تھی آپؐ نے ان کے بچپن اور جوانی کا زمانہ دیکھا تھا۔ اگر صرف حضرت زینبؓ کی شکل و صورت کا معاملہ ہوتا جس کو مستشرقین اپنی دریدہ دہنی کا نشانہ بناتے ہیں تو آپؐ ان سے اس وقت نکاح کر سکتے تھے جب وہ نوعمر اور دوشیزہ تھیں۔

اسی طرح حضرت زینبؓ بنت خزیمہ کے شوہر حضرت عبداللہ بن جحش غزوۂ بدر میں شہید ہو گئے۔ اور اس وقت تھوڑے مسلمان موجود تھے، ان میں کوئی بھی ان کی کفالت کیلئے تیار نہ تھا۔ اس لئے رحمۃ للعالمین نے بڑھ کر ان کا بار خود اٹھا لیا۔ اور ان کو اپنے حرم میں داخل کر کے عزت بخشی جس کا وہ خود اعتراف کرتی تھیں اور اللہ کا شکر ادا کرتی تھیں۔

یہ تھیں وہ ازواجِ مطہرات اور یہ تھا تعددِ ازدواج کا قصہ جو بدباطن، یہودیوں اور خبیث النفس نصرانیوں کی رنگ آمیزی کا موضوع رہا ہے۔ اور اس کو انتہائی گھناؤنے انداز میں بڑھا چڑھا کر پیش کیا کرتے ہیں اور جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے کہ مسلمان مبلغوں کی زبان بندی کیلئے ایک آلہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں اوپر کی جو تفصیلات عرض کی گئیں اس کی روشنی میں ایک سیاہ باطن ہی آپ کے تعددِ ازدواج کو عیش و عشرت کی دلیل بنا سکتا ہے رسولِ پاکؐ کے حرم میں یہ ازواجِ مطہرات انتہائی فقر و افلاس اور صبر و قناعت کی زندگی گزارنے پر مجبور تھیں۔ اگر آنحضرتؐ چاہتے تو ان کو شاہزادیوں کی طرح لباس و زینت کی چیزیں عطا کر سکتے تھے، لیکن عالم یہ تھا بقولِ حضرت عائشہؓ کے ڈیڑھ ڈیڑھ مہینے ایسے گذر جاتے کہ آپ کے گھر میں چولہا نہیں جلتا تھا۔ گدلا پانی اور معمولی قسم کا کھجور جس کو دقل کہتے ہیں، اس پر گذر تھا، اُمّہات المؤمنین بیشک بلند کردار، عصمت و عفت کی پیکر، شکر و عبادت کی خوگر اور رضائے الٰہی کی جویاں تھیں لیکن پھر بھی بنی نوعِ انسان میں تھیں، بشریت ان کا جوہر تھا، ان کو بھوک بھی لگتی تھی اور پیاس بھی ستاتی تھی انہوں شکوہ بھی کیا، غذا اور کسا (پیراہن) کے مطالبے بھی کئے۔ آنحضرتؐ نے تنگی اور ترش روئی کے لمحات بھی برداشت کئے اور جب ازواجِ مطہرات کی طرف سے مطالبہ بڑھا اور مطالبہ نے شدت اختیار کر لی تو آپ نے ان کو اختیار دیا کہ یا تو وہ رسولِ پاکؐ کی عطا کردہ ردائے رحمت کے سایہ میں رہیں یا پھر عیش و عشرت کی زندگی پسند کرلیں۔ سورۂ احزاب کی یہ آیات اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتی ہیں:۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۝ وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا۔ (احزاب: ۲۸-۲۹)

ترجمہ: اے نبیؐ! اپنی بیبیوں سے فرما دیجئے کہ اگر تم دنیوی زندگی (کا عیش) اور اس کی بہار چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو کچھ مال و متاع (دنیوی)

دیدوں اور تم کو خوبی کے ساتھ رخصت کردوں اور اگر تم اللہ، اس کے رسولؐ اور عالم آخرت کو چاہتی ہو تو تم میں نیک کردار والی کیلئے اللہ نے اجر عظیم مہیا کر رکھا ہے۔

یہ واقعہ سیرت کی تمام مستند کتابوں میں مذکور ہے اور اس کو قرآن کریم نے اپنی آیات میں داخل کر کے خلود بخش دیا ہے، یہ اس وقت کے معاشرے کی تصویر بھی ہے اور اہل بیت رسولؐ اللہ کی زندگی کا نقشہ بھی؛ اس سلسلہ میں مزید تفصیل اگر بیان کی جائے تو ایک مستقل موضوع ہو جائے گا یہاں صرف اس نکتہ کی وضاحت مقصود ہے کہ یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے جبکہ مسجد نبویؐ میں مال غنیمت کا انبار لگا ہوا تھا۔ اور آپؐ فتح و قیادت کی چوٹی پر تھے اگر مقصود زندگی کی بہاریں سمیٹنا ہوتا۔ اور نعوذ باللہ ہوس رانی کا شائبہ بھی ہوتا تو روم و فارس کی حسین و جمیل دوشیزائیں آپؐ کی خدمت میں لائی جاتیں۔ لیکن یہاں تو مقصد نبوت کی تکمیل اور ایک ایسا اسوہ چھوڑنا تھا جو قیامت تک کیلئے کام آئے۔ یہ واقعہ جس کو قرآن نے محفوظ کر دیا ہے سیرت نبویؐ کا ایک مثالی اور معجزانہ باب ہے۔

(ماخوذ از پیغمبر اخلاق و انسانیت)

(بقیہ) درس حدیث

ہوگئی، واجب ہوگئی، پھر ایک دوسرا جنازہ گذرا، اس جنازہ کی برائی بیان کی گئی، آپؐ نے برائی سنکر فرمایا واجب ہوگئی، واجب ہوگئی، واجب ہوگئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا اللہ کے رسول میرے ماں باپ آپ پر قربان ایک جنازہ گذرا اس کی تعریف کی گئی تو آپؐ نے واجب ہوگئی، واجب ہوگئی، واجب ہوگئی فرمایا۔ دوسرا جنازہ گذرا اس کی برائی بیان کی گئی تو بھی آپؐ نے واجب ہوگئی، واجب ہوگئی، واجب ہوگئی، فرمایا۔

تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمائی کہ جس کی تم نے تعریف کی اس کے لئے جنت واجب ہوگئی اور جس کی برائی بیان کی اس پر جہنم واجب ہوگئی، تم روئے زمین پر اللہ کے گواہ ہو۔

امام مسلم نے معبد بن کعب بن مالک سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے ابو قتادہ ابن ربعی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک جنازہ گذرا تو آپؐ نے فرمایا: اس کو راحت نصیب ہوئی، اور لوگوں کو اس سے راحت ملی۔

صحابہ کرامؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ! اس کو راحت نصیب ہوئی لوگوں کو اس سے راحت ملی، کا کیا مطلب ہے آپؐ نے فرمایا بندۂ مومن کو (موت کے بعد) دنیا کی پریشانیوں سے فرصت مل جاتی ہے وہ اللہ کی رحمت کے سایہ میں چلا جاتا ہے، اور بدکردار آدمی (کی موت) سے اللہ کے بندوں، ملکوں درخت اور جانوروں کو راحت مل جاتی ہے۔

اجمال کے بعد تفصیل کی ایک مثال

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑوسی کو ستانے سے ڈرانا بھی ہے۔ امام بخاریؒ نے ابو شریح خزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا کی قسم وہ مؤمن نہیں، خدا کی قسم وہ مؤمن نہیں، خدا کی قسم وہ مؤمن نہیں۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کون مؤمن نہیں؟ آپؐ نے فرمایا جس کے شر اور ستانے سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو۔

اسی قسم میں وہ حدیث بھی آجاتی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کے ساتھ حسن سلوک میں کوتاہی کرنے کے سلسلہ میں ڈرایا ہے۔

امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے بیان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ ذلیل ہو، وہ ذلیل ہو، وہ ذلیل ہو، صحابہ کرام نے سوال کیا اللہ کے رسول کون؟ آپ نے فرمایا جس نے اپنے والدین کو بڑھاپے میں پایا ان میں سے کسی ایک کو بڑھاپے میں پایا یا دونوں کو اور (ان کی خدمت کر کے) جنت میں نہ داخل ہوا۔

کتب برائے تبصرہ

تبصرہ کیلئے براہ کرم کتاب کے دو نسخہ ارسال کریں صرف ایک کتاب بھیجنے کی صورت میں تبصرہ شائع نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی کتاب واپس کرنے کی ذمہ داری ادارہ پر ہوگی (ادارہ)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ
اور
مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

عمیر الصدیق ندوی، رفیق دار المصنفین، اعظم گڑھ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی شخصیت اور ان کے دینی و علمی افکار ونظریات پر ان کے اہل خاندان اور اساتذہ کے علاوہ جن اکابر کے اثرات ونقوش زیادہ نمایاں ہیں ان میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی ذات گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

حضرت شیخؒ مدۃ العمر درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں مشغول رہے ساتھ ہی وہ رشد وہدایت کا سرچشمہ رہے غیر معمولی استعداد، بلند ہمتی، عالی حوصلگی، ایثار وزہد وتوکل، وقار وسکینت، ضبط وتحمل، اصابت رائے دور اندیشی، توازن واعتدال، وسعت قلب ونظر کے ذاتی اوصاف کے علاوہ دینی حمیت اور اسلاف کرام اور علمائے حق کے مسلک سے وابستگی اور سب سے بڑھ کر جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے بے پناہ عقیدت وعشق ان کی سیرت کے نمایاں ترین ابواب وعناوین ہیں، ان اوصاف ومحاسن کی جلوہ سامانیوں نے حضرت شیخؒ کی شخصیت میں عوام وخواص کے لئے ایسی کشش پیدا کر دی تھی جس کی مثال مشکل سے ملتی ہے، ارباب فضل وکمال بھی ان سے ربط وتعلق کے لئے کوشاں اور ان سے اپنی وابستگی پر نازاں ہوتے، حضرت شیخؒ کے سرچشمۂ فیض سے سیراب ہونے والوں کا احاطہ آسان نہیں، تاہم ان میں سرفہرست حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا نام نامی ہے۔

حضرت مولانا ندوی کی متفرق تحریروں میں حضرت شیخ کا ذکر جا بجا ملتا ہے۔ لیکن جب حضرت شیخ کا انتقال ہوا تو ان کے سوانح واحوال حضرت مولانا ندویؒ نے ایک مستقل کتاب کی شکل میں "حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا سہارنپوریؒ" کے نام سے مرتب کئے، سیرت سید احمد شہیدؒ، تذکرہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی، سوانح مولانا عبد القادر رائپوری، سوانح حضرت مولانا محمد الیاس اور تاریخ دعوت وعزیمت کے عالی مقام مصنف کو ہی زیب تھا کہ حضرت شیخ کے کمالات کا مرقع ان کے قلم سے تیار ہو، یہ کتاب ۱۹۸۲ء میں شائع ہوئی، اس کی ضرورت واہمیت کا اندازہ حضرت مولانا کے ان الفاظ سے کیا جاسکتا ہے کہ "یہ عصر حاضر کے ایک باکمال فرد کی سوانح نہیں، ایک مردم خیز دور، ایک مرد آفریں معاشرہ، ایک حیات بخش نظام تعلیم وتربیت اور ایک پرثمر اور شاداب شاخ نہال کی آخری بہار کی کہانی ہے، اس لئے سوانح نگار کی محنت وقوت، مطالعہ اور ذمہ داری فرد واحد کی سوانح نگاری تک محدود نہیں، اس سے کہیں زیادہ وسیع وعمیق اور نازک ہے۔"

حضرت مولانا جہاں اس تصنیف کو سعادت دارین کا سامان تصور فرماتے وہیں ان کو یہ شبہ واضطراب بھی تھا کہ حضرت شیخ کی سوانح نگاری کا فرض کما حقہ ادا ہوسکا یا نہیں!

حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب میں حضرت شیخ کے سوانح جس حسن ترتیب وخوش سلیقگی سے پیش کئے گئے ہیں وہ حضرت مولانا کے بلند پایہ تاریخی وتحقیقی ذوق وملکہ کے شاہد ہیں، کتاب میں کیفیت وسرشاری کی جو لذت ہے اس کا لطف تو صاحب دل ہی لے سکتا ہے لیکن الفاظ وعبارت کے ظاہر میں بھی قارئین اس کتاب کے روح پرور اور حد درجہ جاذب وپرکشش ماحول میں خود کو کسی اور عالم میں پاتا ہوا محسوس کرتے ہیں۔

اس مضمون کا مقصد کتاب کے مشمولات کا جائزہ لینا نہیں بلکہ حضرت شیخ کی زندگی اور ان کی نظر میں حضرت مولانا کا جو مرتبہ اور مقام تھا اس کی چند جھلکیاں پیش کرنا ہے، اکابر کے بلند درجات کی پاسداری، ان سے استفادہ کی صحیح راہ اور مرشد اور مسترشد کے احوال ومقامات کی نزاکت کا یہ باب دوسرے طالبین وسالکین کے لئے لائق تقلید وتتبع ہے۔

یہاں اس حقیقت کا اعادہ ضروری ہے کہ حضرت مولانا ندویؒ کی زندگی کی یہ خصوصیت بڑی نمایاں ہے کہ وقت کے علماء ومشائخ کبار نے ان کے ساتھ شفقت ومحبت

کے ساتھ احترام وعقیدت کا معاملہ فرمایا، مولانا تھانویؒ، مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ، مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ، مولانا سید سلیمان ندویؒ اور مولانا عبدالماجد دریابادیؒ وغیرہم کے یہاں حضرت مولانا کے متعلق جن الفاظ میں محبت وعقیدت کا اظہار ملتا ہے اس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں، حضرت شیخ الحدیث کے یہاں یہ جذبہ اور زیادہ واضح رنگ میں نظر آتا ہے، حضرت شیخ کا یہ جملہ ہی اس دعویٰ کی دلیل کے لئے کافی ہے کہ "بلا تصنع اور بلا مبالغہ عرض کرتا ہوں کہ آپ کے تعلق کو اپنے لئے وسیلۂ نجات سمجھتا ہوں۔"

آپ بیتی میں حضرت شیخ نے مختلف مقامات پر جس طرح حضرت مولانا کا ذکر کیا ہے وہ بھی پڑھنے کے لائق ہے حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری نے ایک بار حضرت مولانا ندوی سے سفر حج میں معیت کی خواہش ظاہر فرمائی تو مصارف کے پیش نظر حضرت مولانا ندوی نے ٹال فرمایا اس موقع پر حضرت شیخ نے جس طرح مداخلت فرمائی وہ ان کے الفاظ میں ملاحظہ ہو "میں نے کہا کہ لاحول ولا قوۃ پیسوں کا خیال نہیں کیا کرتے، میں نے دونوں حج قرض سے ہی کئے ہیں، علی میاں نے کہا کہ قرض میرے بس کا نہیں، میں نے کہا کہ

تو مشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پر

.....اللہ تعالیٰ مولانا کو بہت بلند درجات عطا فرمائے ان کے احسانات بھی اس سیہ کار پر لاتعد ولاتحصیٰ ہیں۔"

حضرت شیخ کی اس محبت کا احساس حضرت مولانا کو بھی تھا، ایک موقع پر انھوں نے توجہ وعنایت کی اس نعمت پر صرف یہ شعر کہہ کر اپنا حال بیان کر دیا کہ ؎

بہر تسکین دل نے رکھ لی ہے غنیمت جان کر
جو نوک ناز کچھ جنبش رہے ابرو میں تھی

حضرت شیخ سے ربط وعقیدت

کی یہ مدت کم وبیش چالیس سال ہے جو آمد ورفت اور خط وکتابت کے ذریعہ پختہ تر ہوتی گئی، حضرت شیخ کے خطوط کا یہ عالم ہے کہ سو فیصد محفوظ نہ رہ پانے کے باوجود حضرت مولانا کے ہاں ان کی موجودہ تعداد ساڑھے تین سو سے زیادہ ہے، حضرت مولانا کی پوری کوشش ہوتی کہ یہ گرامی نامے ضائع نہ ہونے پائیں، ان مکاتیب عالیہ میں ذاتی محبت وتعلق دلی جذبات وخیالات اور مشورے اور رہنمائیاں سب شامل ہیں، ان خطوط کا مجموعہ شائع نہیں ہوا لیکن "سوانح مولانا محمد زکریا" میں ان کی جھلک بڑی واضح اور محسوس ہے۔

حضرت شیخ کی مجالس کا کیف

رمضان المبارک کی ساعتوں میں اور سوا ہو جاتا تھا، اسی لئے حضرت مولانا کی خواہش رہتی کہ یہ مبارک دن حضرت شیخ کی خدمت وحضوری میں گزریں، ۱۹۶۲ء میں حضرت مولانا نے رمضان المبارک کا پورا مہینہ نظام الدین میں حضرت شیخ کے ساتھ گزارا، ان لمحات کو یاد فرماتے ہوئے لکھا کہ حضرت شیخ کی خصوصی شفقت وتعلق کی وجہ سے بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، حالانکہ تعلقات کا آغاز اس سے پہلے ہو چکا تھا، ۱۹۴۴ء میں حضرت مولانا محمد الیاسؒ کا انتقال ہوا دین وملت کے عظیم خسارہ کے علاوہ حضرت شیخ کے لئے ذاتی حیثیت سے بھی یہ بڑا سخت سانحہ تھا، تدفین کے وقت حضرت مولانا ندوی بھی موجود تھے، فرط غم سے وہ بنگلہ والی مسجد کی سوگوار اور دل فگار فضا میں ٹھہرنے کی تاب نہ لا سکے اور اپنے چند احباب کے ساتھ ہمایوں کے مقبرہ کی طرف چلے۔ واپس آئے تو حضرت شیخ نے بڑی شفقت فرمایا کہ "مولوی صاحب کہاں چلے گئے تھے اتنے متاثر کیوں ہو گیا تمہیں وہ حدیث نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی صدمہ پیش آئے وہ میری وفات کا یاد کرے کہ امت کے لئے اس سے بڑا کوئی صدمہ نہیں ہو سکتا۔" اتنے میں دسترخوان پھر بڑی شفقت سے فرمایا کہ آؤ اور اصرار چیزیں پیش کرتے رہے، اس انتہائی غم واندوہ کی حالت میں حضرت شیخ کی اس قوت برداشت کو جو اصلاً ایمانی قوت اور تعلق باللہ کا مظہر تھی دیکھ کر حضرت مولانا لکھتے ہیں کہ اپنے تاثر اور غم واندوہ پر شرم آنے لگی۔

اس واقعہ سے پہلے ۱۹۴۳ء میں شیخ نے لکھنؤ اور اودھ کا ایک تبلیغی سفر حضرت مولانا الیاسؒ کے ایما پر کیا تھا گو شیخ کو عام سفروں سے مناسبت نہ تھی سفر کے نام سے گویا وحشت تھی، شدید اور تقاضوں کے تحت ہی وہ سفر کی صعوبت برداشت کرتے، لیکن اس تبلیغی سفر پر جب وہ لکھنؤ تشریف لائے تو حضرت مولانا آبائی گاؤں تکیہ شاہ علم اللہ بھی تشریف لے گئے، کئی برس بعد وہ پھر تکیہ تشریف لائے اور ایک شب وروز قیام فرمایا، حضرت کے لئے ظاہر ہے قیام کے یہ لمحات کیف سے مملو تھے، فرماتے ہیں کہ صبح جب مولانا کو وضو کرانے لگا تو شیخ نے بھی ہوئی آواز میں فرمایا کہ مولوی صاحب اس سے جانے کے لئے دل بہت بے تاب ہو رہا ہے

حضرت مولانا ندوی کو جب پہلی بار
فرِ حج و حجاز کی سعادت نصیب ہوئی تو
ھوں نے مدینہ طیبہ سے حضرت شیخ کی
دمت میں خط بھیجا جس میں مدینہ طیبہ کے
استے کی کیفیت اور چند نعتیہ اشعار تھے،
ضرت شیخ کو جب یہ خط ملا تو عجب کیفیت
تھی، اپنے ایک عزیز حاضر باش سے جو خوش
الحان تھے فرمائش کی کہ ان اشعار کو ترنم سے
پڑھیں، جب یہ اشعار پڑھے گئے تو سنو سنین
حبیب الٰہی کے ذکر سے فرطِ شوق اور شدت
جوش سے ایک لرزش سارے بدن میں پیدا
ہوگئی۔

اس باہمی محبت و عقیدت کا نتیجہ یہ
تھا کہ حضرت شیخ مہمات امور میں حضرت
مولانا سے مشورہ فرماتے، ۱۹۶۷ء میں حضرت
شیخ نے اپنے چوتھے حج کا ارادہ فرمایا، حج کا
اشتیاق اور بعض غیبی اشارات و مبشرات
اس ارادہ کو مہمیز دے رہے تھے، لیکن چند
اسباب سے ہندوستان میں اس وقت
قیام میں ہی مصلحت تھی، اس موقع پر حضرت
شیخ نے جن احباب خاص سے مشورہ کیا
ان میں امیر التبلیغ مولانا انعام الحسنؒ اور مولانا
محمد منظور نعمانیؒ کے ساتھ حضرت مولانا ندوی
بھی تھے جن کو حضرت نے تخلیہ میں یاد فرمایا اور
خاص طور پر مشورہ کیا۔

اسی طرح ۱۹۶۹ء میں حج کے لئے
حضرت شیخ کی خواہش تھی کہ حضرت مولانا ان
کے ساتھ ہوں، مولانا نے فرمایا کہ وہاں کے سفر
کی کوئی تقریب پیدا نہیں ہوئی نہ رابطہ کا جلسہ
ہے نہ جامعہ اسلامیہ کا، لیکن چند دنوں کے
اندر اچانک جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی ایک
ہنگامی نشست کے لئے دعوت نامہ آگیا، حضرت
مولانا نے اس غیبی انتظام کی فوری اطلاع حضرت
شیخ کو دی جس سے وہ قدرتاً بہت مسرور
ہوئے اور آخر کار یہ سفرِ حج حضرت مولانا کی
معیت و رفاقت میں ہوا۔

حضرت مولانا ایک بار حجاز مقدس میں
تھے تو حضرت شیخ کا ایک مکتوب موصول ہوا
جس میں روضۂ مبارک پر سلام نیاز پیش
کرنے کی درخواست تھی، اس خط میں حضرت
شیخ نے جس طرح حضرت مولانا کو مخاطب کیا
وہ مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کے مقامات بلند
کا عکاس ہے لکھتے ہیں "..... اولاً اپنی تقصیرات
اور بے عنوانیوں کی معافی چاہتا ہوں، ثانیاً ؎

جاتے ہو تو جاؤ پر اتنا سن جاؤ
یاد جو آجائیں تو مرنے کی دعا کرنا

اس شعر پر حضرت مولانا کا یہ حاشیہ بھی کیا
خوب ہے "کس پر؟ یہ کیا بتاؤں"۔

ایک اور سفرِ حج کے سلسلہ میں حضرت
شیخ نے خط لکھا کہ "..... یقین تھا کہ دہلی
میں الوداعی زیارت ہوگی اور اپنی بدحالی کو پیش
کرکے کچھ مانگنے کی درخواست کروں گا، دہلی
کے اس سفر میں اہم مقصد آپ کی زیارت ہی
تھی" بارگاہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں
سلام پیش کرنے کی درخواست کے ساتھ
حضرت شیخ کے الفاظ بھی ملاحظہ فرمائیں کہ...
اور یہاں کے مسلمانوں کے لئے کیا کہنا ہے یہ
تو آپ کا دل مجھ سے زیادہ جانتا ہوگا"

ایک اور خط میں جو ان ہر دو اکابر
کی عظمت شان کا ترجمان ہے حضرت شیخ نے
لکھا کہ "..... ایک خصوصی درخواست آپ
سے یہ بھی ہے کہ ملتزم پر ایک مرتبہ یہ بھی اس
ناپاک کے لئے مانگ دیجئے ؎

من نگویم کہ طاعتم بپذیر
قلم عفو بر گناہم کش

کیا بعید ہے کہ گناہوں سے پاک صاف
لوگوں کی زبان کسی ناپاک کی معافی کا ذریعہ
بن جائے"

اسفار حج کے سلسلے میں ایک بار
حضرت مولانا نے حضرت شیخ کے چند رفقاء
کے لئے ویزے کے اجراء میں آسانیاں فراہم
کیں تو حضرت شیخ نے لکھا کہ "اس میں نہ ذرا
مبالغہ اور نہ ذرا تصنع کہ اس مرتبہ حاضری کے
بعد سے کثرت سے صلوٰۃ وسلام پیش کرنے
کے ساتھ رفع مراتب و درجات عالیہ کا بہت
ہی اہتمام سے اور بہت ہی کثرت سے دعائیں
کرتا رہا، لکھتے ہوئے تو شرم آتی ہے لیکن
اس مرتبہ کی حاضری کا سہرا صرف جناب کے
سر ہے اس لئے اگر اس حاضری میں اعمال حسنہ
ہو بھی گئے ہوں تو انشاء اللہ اس کے ثواب
میں آپ کی شرکت بغیر کہے ہے"۔

ربط و تعلق کا سلسلہ دراز ہوتا گیا
حضرت شیخ اپنی پریشانیوں اور بیماریوں کا
بے تکلف اظہار فرمانے لگے، دیوبند کا قضیہ
نامرضیہ ان کی پریشانی کا بڑا سبب تھا، اس
موقع پر تحریر فرمایا کہ "آپ سے ملنے کو اور دیوبند
کے متعلق گفتگو کو بہت جی چاہ رہا ہے" ان کو
نزول الماء کی شکایت ہوئی تو بڑے پیار سے
لکھا کہ "علی میاں بہت ہی امراض کا شکار ہوں
لیکن تمام تکالیف کے اندر آرام و راحت ہے"
خود حضرت مولانا کی ہر خوشی، غم اور تکلیف کا
احساس حضرت شیخ کو رہتا، حضرت مولانا
کے عزیز بھانجے مولانا محمد ثانی حسنی کا انتقال
ہوا تو انھوں نے جو تعزیتی خط لکھا اس کو حضرت
مولانا نے یادگار تاریخی مکتوب سے تعبیر کیا، پورا
خط پیش کرنا مشکل ہے، لیکن تعلق کے بعض
جملے نقل کئے جاتے ہیں کہ "علی میاں! حادثہ جانکاہ

بیر سن کر دل پر کیا گذری بیان نہیں کر سکتا،
مگر آپ کی پیرانہ سالی اور پے در پے حادثات
مسلسل اور بھی موجب رنج و قلق ہے مگر محض
و قلق سے نہ تو جانے والے کو فائدہ نہ رہنے
والے کو سکون ..... اس وقت رہ رہ کر عزیز
مرحوم کی خوبیاں اور باتیں یاد آ رہی ہیں اور
یہ خیال بھی بار بار آ رہا ہے کہ آپ پر کیا گذری
ہوگی۔"

حضرت شیخ کی شفقت کو حضرت
مولانا نے ایک جگہ ماں کی شفقت سے تعبیر کیا ہے،
اس سے زیادہ بہتر اور سچی تعبیر کیا ہو سکتی ہے،
اس کی شان ملاحظہ ہو، حضرت مولانا کو موتیابند
کا آپریشن کے ناکام ہونے کی وجہ سے
ایک آنکھ کی بصارت کمزور بلکہ زائل ہو گئی، یہ
سن کر حضرت شیخ نے فرمایا "میں تم کو حکم دیتا
ہوں کہ تم خواہ حجاز کا ہو خواہ یورپ و امریکا کا
یا اندرون ملک کا کوئی سفر تنہا نہ کروگے،
اپنے داعیوں کو بے تکلف لکھ دیا کرو کہ میرے
ساتھ دو رفیق ضروری ہیں اگر وہ دو کا
انتظام نہ کر سکیں تو ایک کی بہر حال شرط
ہے، اگر ان کو غرض ہوگی تو سو بار بلائیں گے
ورنہ تو شما بخیر سلامت، خبردار اس میں
خلاف نہ ہو۔"

اس کے بعد اتفاق سے حضرت مولانا
نے حیدرآباد کا ہوائی سفر تنہا کیا، حضرت شیخ
کو معلوم ہوا تو بڑی محبت سے جواب طلب
کیا کہ میری ممانعت کے باوجود یہ سفر تنہا کیوں
کیا گیا؟

اسی ضعف بصارت کے عالم میں
ایک بار مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ کے سفر میں حضرت
شیخ کا ساتھ تھا، رات کے وقت مکہ معظمہ
پہنچے تو حضرت شیخ نے حکم دے کر حضرت
مولانا کو آرام کرنے کے لئے فرمایا اور میزبان
کو تاکید کی کہ قصور نہ ہو۔

حضرت شیخ کو حضرت مولانا کی راحت
وصحت کی فکر رہتی، مدینہ طیبہ کے قیام کے زمانہ
میں ذکر کی مجلس میں حضرت مولانا روزانہ صبح کو
حاضر ہوتے تو ان کے الفاظ میں "روزانہ کا معمول
تھا کہ عین ذکر کی حالت میں ایک چمچہ تلے ہوئے
انڈے کا اور ایک خیرہ کا میرے منہ میں لگا دیا
جاتا"۔ ریاض کا سفر ہوا تو خدام کو ارشاد ہوا کہ
جتنے دن علی میاں کا ریاض رہنا ہو اتنے دن کی
خوراک ساتھ کر دو۔

دوسری آنکھ کے آپریشن کے لئے
حضرت مولانا کو امریکا جانے کا حکم حضرت شیخ
نے ہی دیا اور جب آپریشن ہونے والا تھا تو
حضرت شیخ نے حرم شریف میں مسلسل دعا کا
اہتمام فرمایا۔

سنہ ١٩٧٣ء میں حضرت شیخ ارض مبارک
مستقل قیام کی نیت سے تشریف لے گئے،
ان دنوں وہاں حضرت مولانا کا بھی قیام تھا،
وہاں کی مجالس میں حضرت مولانا نہ ہوتے تو
حضرت شیخ کو بڑا شاق گزرتا، اسی لئے
حضرت مولانا بالعموم مدینہ طیبہ میں کسی دوسری
جگہ رات کی دعوت قبول نہ فرماتے، کیونکہ اس
وقت حضرت شیخ کی طبیعت مبارک پورے
نشاط و انبساط پر ہوتی، وہاں اور ہندوستان
میں بھی جب حضرت مولانا تشریف لاتے تو حضرت
شیخ ان کی مرغوب چیزوں کا اہتمام ان کی آمد
سے پہلے شروع کر دیتے، ایک مرتبہ حضرت
مولانا نے اپنی آمد کی اطلاع کے ساتھ برسبیل
تذکرہ یہ لکھ دیا کہ نقرس کے مرض کی وجہ سے
گوشت سے پرہیز کر رہا ہوں، جب حضرت مولانا
پہونچے اور دسترخوان بچھا تو معلوم ہوا کہ حضرت
شیخ نے ترکاریوں سے تیار آٹھ دس کھانوں
کا اہتمام فرمایا ہے، پھر جب تک حضرت مولانا
کا قیام رہا حضرت شیخ اپنی مرغوب غذا گوشت
سے دست کش ہو کر سبزی پر اکتفا فرماتے رہے

حضرت شیخ کے متعلق حضرت مولانا
نے ایک جگہ لکھا کہ حضرت شیخ کے حالات و کمالات
میں ایک نمایاں وصف اپنے سلسلہ کے
مشائخ اور مربیوں و محسنوں کے ساتھ وفا شعاری
ان کی علمی یادگاروں کی نہ صرف حفاظت بلکہ
زیادہ سے زیادہ اشاعت اور علمی دنیا میں ان
کے تعارف اور ان کے علمی و دینی فیوض کے
دائرے کو وسیع کرنے کا وہ بے پایاں جذبہ
تھا جس کی نظیر اس زمانہ میں ملنی مشکل ہے،
وہ ان کے ایک ایک حرف کو آنکھوں سے لگانے
اور دنیا میں دور دور پہونچانے کے لئے ساعی
و کوشاں رہتے تھے۔

یہی بات خود حضرت مولانا کی ذات
گرامی پر حرف بحرف صادق آتی ہے، خصوصاً
حضرت شیخ کی تمام تحریروں کے طبع و اشاعت
کے لئے انھوں نے ہر ممکن کوشش کی، حضرت
شیخ کے ایماء پر ان پر مقدمے بھی تحریر فرمائے،
لامع الدراری، الکوکب الدری علی
جامع الترمذی، جزء العمرات، اوجز
اور الابواب والتراجم للبخاری پر حضرت
مولانا کے مفصل مقدمے ہیں، مولانا حسین احمد
مدنیؒ کے برادر خورد مولانا محمود مدنی کی وفات
کے بعد ان کے ایک رسالہ الحظ الاوفر
فی الحج الاکبر کو حضرت شیخ نے بڑے
اہتمام سے شائع فرمایا تو اس پر بھی مقدمہ تعارف
حضرت مولانا سے ہی لکھوایا۔

ادھر حضرت شیخ بھی حضرت مولانا
کی ہر تحریر کو محبت کی نظر سے دیکھتے، سنتے

اور اس کی اشاعت کے فکر مند رہتے "نئی دنیا امریکہ سے صاف صاف باتیں" شائع ہوئی تو حضرت شیخ نے پڑھوا کر سنا اور پھر خط لکھا کہ آپ کی امریکا کی تقریریں بہت پسند آئیں بڑے غور سے سنا مگر سمجھ میں نہیں آیا کہ اہل امریکہ کے ان سے متاثر ہونے کی کیا صورت ہے، میری تو رائے ہے کہ جتنے زیادہ سے زیادہ اس کی انگریزی عربی میں طباعت کی صورت ہو سکے، بہتر ہے اس کی اشاعت کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

حضرت مولانا کی ہر کتاب کے لئے قدر کی یہی کیفیت تھی، نزہۃ الخواطر اور تاریخ دعوت و عزیمت کے متعلق بھی مشورے دیئے کہ نزہۃ الخواطر کی طباعت کا تو بہت ہی اشتیاق ہے، اللہ کرے میری زندگی میں طبع ہو جائے، تاریخ دعوت و عزیمت ملی تو لکھا "...... آپ کی کتاب تاریخ دعوت و عزیمت ایسی حالت میں پہونچی کہ میں لب گور تھا، بیٹھنا مشکل سننا مشکل، لیکن مجھے آپ کی ہر کتاب کا اہتمام رہتا ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے ...... اللہ تعالیٰ آپ کو تادیر زندہ سلامت رکھے۔

حضرت شیخ اور حضرت مولانا کی اس داستان میں کہیں حضرت شیخ کی محبت و شفقت میں ماں باپ کی محبت کا رنگ نظر آتا ہے، کہیں بے تکلف حبیب و رفیق کا اور کہیں ناصح و مشیر کا مثلاً ایک خط میں لکھتے ہیں "اگر آپ تفریحی فقرہ نہ سمجھیں تو واقعی مشورہ پوچھتا ہوں کوئی ایسی جگہ بتاؤ جہاں دو تین دوستوں کے سوا اور جو اللہ جل شانہ قوت عطا فرمائیں تو ان کو بھی دفع، کوئی میرے پاس نہ آئے، لاحول ولا قوۃ الا باللہ میری حالت آج کل عجیب گذر رہی ہے، گفتگو آئین درویشی نبود ورنہ تو ماجرا ہا داشتیم۔

اسی خط کے آخر میں لکھتے ہیں میرے لئے کوئی گوشۂ عافیت ہی تجویز فرمائیں"۔

یہاں یہ بھی عرض کرنے کو دل چاہتا ہے کہ حضرت شیخ کے انداز تخاطب میں فرق ہوتا رہا، کبھی وہ علی میاں لکھتے، کبھی مولوی صاحب، کہیں مولانا صاحب اور کبھی المخدوم المکرم حضرت مولانا کے الفاظ استعمال فرماتے، الفاظ کا یہ سفر کم معنیٰ خیز نہیں۔

پہلے جاں پھر جانِ جاں پھر جانِ جاناں ہوگئے

اس کیفیت کی شرح آسان نہیں لیکن حضرت شیخ نے اپنے مکاتیب میں حضرت مولانا کو مخاطب کرتے ہوئے جو اشعار لکھے ہیں وہی اس کیفیت کے اصل غماز ہیں، چند اشعار یہاں بھی پیش کئے جاتے ہیں جن میں ساری داستان گویا سمٹ کر آگئی ہے:

وہ لکھیں گے تجھے خط کا جواب اے داغ کیا کہنا
یہ تو نے خواب دیکھا یا کہ مضمون خیالی ہے

یاں لب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب میں
واں ایک خامشی مرے سب کے جواب میں

میں گو رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

رفتہ رفتہ راہ و رسم دوستی کم ہو تو خوب
ترک کرنا خط کتابت یک قلم اچھا نہیں

ان کے خط کی آرزو ہے ان کی آمد کا خیال
کس قدر پھیلا ہوا ہے کاروبار انتظار

مدت سے لگ رہی تھی لب بام تک نگی
تھک تھک کے گر گئی نگہ انتظار آج

رہ گئی بات کٹ گئی شب ہجر
تم نہ آئے تو کیا سحر نہ ہوئی

گرے مری نظروں سے خوبانِ عالم
پسند آگئی تیری صورت کچھ ایسی

دیر و حرم میں روشنی شمس و قمر سے ہو تو کیا
مجھ کو تو تم پسند ہو اپنی نظر کو کیا کروں

گل پھینکے ہے اوروں کی طرف بلکہ ثمر بھی
اے ابر کرم بحر سخا کچھ تو ادھر بھی

انگنت دینی کتابوں کے مصنف آفریں
جھانکتی ہے شخصیت تیری ہر اک کردار سے

دوست، دشمن کیوں نہ ہوں معتقد تیرے بھلا
پھول ہی جھڑتے رہے ہر دم تری گفتار سے

سوال و جواب

محمد طارق ندوی

۔ آج کل شادیوں میں کھڑے ہوکر کھانے کا
ہوگیا ہے اسے "بفے" سسٹم کہتے ہیں شرعاً
کیسا ہے؟
. یہ طریقہ غیر اسلامی اور غیر مہذب ہے،
۔ شریف کی کتابوں میں تفصیل سے وہ روایات
ہیں جن میں حضورؐ کے کھانے کی مفصل کیفیت
ہے۔ اس میں ایک روایت بھی ایسی نہیں ہے
ں میں آپؐ سے کھڑے ہوکر کھانا ثابت ہو
ں احادیث میں کھڑے ہوکر پینے کی
ت ہے جس سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ
ے ہوکر کھانا بدرجہ اولیٰ ممنوع ہوگا۔

:۔ زید سودی کاروبار کرتا ہے کیا ایسے شخص
ر کا متولی بنا سکتے ہیں؟
۔ سودی کاروبار کرنے والے کو متولی نہیں
سکتے ہیں۔ متولی بھی دیندار ہونا چاہیئے۔

:۔ ایک مسجد کا کچھ حصہ شہید کیا گیا
ا جو ملبہ نکلا اس کی مسجد میں ضرورت نہیں ہے
اسے فروخت کرکے جبکہ مسجد میں پیسوں کی
ت ہے مذکور رقم کو مسجد میں استعمال کرسکتے ہیں؟
۔ صورت مسئولہ میں ملبہ کو فروخت کرکے
ہیں رقم لگائی جاسکتی ہے۔

:۔ کیا ٹی وی، یا ریڈیو کے ذریعہ سلام کا
دینا ضروری ہے مثلاً بی بی سی لندن سے خبر
ھنے والا کہتا ہے کہ وقار احمد کا سلام قبول ہو۔
۔ صورت مسئولہ میں ٹی۔ وی یا ریڈیو پر جو
سلام کرتے ہیں اس کا جواب دینے کی
ضرورت نہیں ہے۔

س:۔ عورتوں کا اگرچہ جماعت سے نماز پڑھنا
مکروہ ہے لیکن اگر پڑھیں تو اذان و اقامت کہیں گی
یا نہیں؟

ج:۔ عورت اگر مع الکراہت جماعت سے
نماز پڑھتی ہے تو اذان و اقامت نہیں کہیں گی۔

س:۔ اگر کسی شخص نے سجدۂ تلاوت میں
قہقہہ لگایا تو وضو ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟

ج:۔ صورت مسئولہ میں سجدۂ تلاوت تو
معتبر نہ ہوگا لیکن وضو نہیں ٹوٹے گا۔

س:۔ کیا بعد نماز عصر قضاء عمری پڑھ
سکتے ہیں یا نہیں؟

ج:۔ ہاں! بعد نماز عصر قضاء عمری پڑھ سکتے ہیں۔

س:۔ مردوں کو کن کن دھاتوں کی انگوٹھی پہننا درست ہے؟

ج:۔ صرف چاندی کی انگوٹھی پہننا چاہیئے دوسری
دھاتوں کی انگوٹھی پہننا مکروہ ہے۔

س:۔ اگر نماز پڑھنے والا قرأت کرتے وقت
حرف اس طرح سے حذف کرکے پڑھتا ہے کہ
آیت کے معنی بدل جاتے ہیں تو نماز درست
ہوگی یا نہیں؟

ج:۔ مذکورہ بالا صورت میں نماز فاسد ہوجائیگی
"وَمنها حذف حرف وان غير
المعنى تفسد صلاته عند عامة
المشائخ" (فتاویٰ عالمگیریہ ص ۶۲ جلد اول)

س:۔ کیا وتر کی نماز بیٹھ کر پڑھ سکتے ہیں

ج:۔ بلا عذر وتر کی نماز بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں
ہے نماز وتر نہیں ادا ہوگی۔

قرآن کریم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ، دینی
معلومات میں اضافہ اور تبلیغ کیلئے شائع کیجاتی ہیں ان کا
احترام آپ پر فرض ہے، لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج
ہوں انکو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں

دورۂ برطانیہ اور آکسفورڈ

سے واپسی پر

حضرت مولانا سیّد محمد رابع حسنی ندوی سے ایک انٹرویو

ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سیّد محمد رابع صاحب حسنی ندوی مدظلہٗ العالی ابھی حالیہ دنوں میں برطانیہ اور آکسفورڈ کے دورہ سے واپس آئے ہیں۔ اسی مناسبت سے گلوبل فیچر پریس کے خصوصی نمائندہ نے مولانا سے اس دورہ سے متعلق کچھ سوالات کئے اور ان کے تأثرات معلوم کئے، جن کے جواب مولانا نے عنایت فرمائے، چونکہ اس میں بعض مفید پہلو اور کام کی باتیں بھی آگئی ہیں۔ اس لئے افادۂ عام کی غرض سے انہیں شائع کیا جارہا ہے۔

(ادارہ)

سوال :۔ مولانا آپ ابھی حالیہ دنوں برطانیہ تشریف لے گئے تھے، اور اس سے پہلے بھی کئی بار آپ کا وہاں جانا ہوا ہے، تو آپ نے وہاں کیا دیکھا؟ اور کیا محسوس کیا؟ اور گذشتہ دوروں اور اس مرتبہ کے دورہ میں وہاں کیا فرق آپ کو نظر آیا؟ اس سلسلہ میں ہم آپ کے تأثرات جاننا چاہیں گے۔

جواب :۔ برطانیہ یورپ کا ایک حصہ ہے، وہاں وہی تہذیب ہے جو مغربی تہذیب کے نام سے پورے براعظم یورپ اور شمالی امریکہ میں رائج ہے، جس میں فرد کی آزادی اور دنیاوی راحت کی طلب دوسری تمام باتوں پر غالب ہے، فرد کی آزادی میں مرد و عورت کا اختلاط دونوں کی مرضی پر موقوف رکھا گیا ہے، اور اس میں کوئی دوسرا دخل نہیں دے سکتا، حتیٰ کہ ماں باپ اس میں دخل نہیں دے سکتے کہ ان کی لڑکی یا لڑکا کس لڑکے یا لڑکی سے تعلقات قائم کرلیتا ہے، اور بچوں اور بچیوں پر جبر کرنا تو قانونًا ممنوع ہے، لڑکی یا لڑکا خواہ بہت کم عمر ہوں ماں یا باپ کے کسی معاملہ میں سختی کرنے پر فون سے شکایت کر سکتے ہیں، فوراً پولیس آکر سختی کرنے والے کو ماخوذ کرلیتی ہے۔ پھر ٹیلی ویژن کے ذریعہ جو پروگرام مرد و زن کے اختلاط کے اور ناجائز حرکتوں کے دکھائے جاتے ہیں اس کے بعد مغربی سوسائٹی میں ذاتی معاملات اور تعلقات میں پوری من مانی کا دور دورہ ہے اس کی وجہ سے بے حیائی کے واقعات زندگی کا وطیرہ بن گئے ہیں، اس کے نتیجہ میں حرام طریقہ سے ہونے والی اولاد کا اوسط بہت آگے پہنچ چکا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آخری جائزہ سے معلوم ہوا کہ نئے پیدا ہونے والے بچوں میں نصف کے متعلق معلوم نہیں کہ ان کے باپ کون ہیں؟ ان باتوں کی وجہ سے وہاں کے سنجیدہ اور حیا پسند لوگ حیران ہیں کہ کیا کریں؟ اور برصغیر نیز عرب مسلمانوں کیلئے جو وہاں بس گئے ہیں یہ مسئلہ بن گیا ہے کہ اپنی نئی نسل کو ان خرابیوں سے کیسے بچائیں؟

میں اپنے گذشتہ سفروں میں ان باتوں سے واقف ہوتا رہا، تازہ سفر میں میں نے یہ بات بھی دیکھی کہ اصلاح طلب لوگوں نے مختلف ادارے قائم کئے ہیں جن کے ذریعہ جدید مسلمان نسل کو اس ماحول کی خرابیوں سے بچانے کی کوشش کی جارہی ہے، ان میں سے بعض اداروں کا کام خاصا سود مند بھی ہو رہا ہے، مغربی تمدن میں لوگ دنیا طلبی، آخرت فراموشی اور فرد کی ذاتی زندگی میں پوری چھوٹ ہونے کے ساتھ ساتھ اجتماعی نظم و ضبط میں بہت بڑھے ہوئے ہیں، وہ فرد کو پوری آزادی دیتے ہیں۔ لیکن اس پابندی کے ساتھ کہ وہ دوسرے فرد کو نقصان نہ پہونچائے، وہ اپنی ذات کے دائرے میں جو چاہے کرے۔ لیکن دوسرے فرد کے معاملہ میں کوئی دخل نہ دے۔ انتظامی لحاظ سے حکومت کا یہ فرض سمجھا جاتا ہے کہ وہ ملک کے افراد کو ان کی ضرورت، حفاظت اور سہولت کا پورا نظم کرے اور کوئی دشواری ہوتی ہو تو اس کو رفع کرے۔

اس ضمن میں بعض دوسری باتیں بھی قابل ذکر ہیں جن کو میں اپنے گذشتہ سفروں میں بھی دیکھتا اور محسوس کرتا رہا ہوں، وہاں کا نظم و ضبط اور پبلک کی ضرورتوں کا لحاظ ہمارے ملکوں کے ذمہ داروں کے سیکھنے کی باتیں ہیں۔ اور یہ صرف برطانیہ ہی نہیں پوری مغربی ممالک کے نظام زندگی میں داخل ہے، برطانیہ کی خصوصیت اس میں یہ ہے کہ برصغیر اور جنوبی افریقہ جو برطانیہ کے زیر اقتدار رہے ہیں ان کے لوگوں کی ایک خاصی تعداد وہاں بس گئی ہے، اور اس کو بآسانی وہاں کی شہریت حاصل ہوگئی ہے پھر مزید یہ کہ وہاں کے اصل باشندوں کو بحیثیت شہری کے جو سہولتیں حاصل ہیں وہ سب ان نئے شہریوں کو بھی حاصل ہیں، آدمی اگر بے روزگار ہے تو حکومت کی طرف سے اس کے ضروری اخراجات کا تکفل کیا جاتا ہے اور وہ بھی اس معیار سے کہ اس کو کوئی خاص زحمت نہ ہو، بچے پیدا ہوتے ہیں تو حکومت کی طرف سے ان کی صحت اور ضرورت کیلئے مدد جاری کردی جاتی ہے، شہری معاملات میں کوئی دشواری پیش

بائے مثلاً مکان کا تالا نہ کھلے یا چابی کھو جائے تو
ٹیلی فون کر کے ایسی ضرورت میں مدد کیلئے فوراً
لیس آجاتی ہے اور پوری مدد کرتی ہے۔

سوال :۔ آپ نے ابھی وہاں کی پولیس کا تذکرہ فرمایا
ہم یہ معلوم کرنا چاہیں گے کہ وہاں کی پولیس کا وہاں
، باشندوں اور خصوصاً باہر سے آکر وہاں بس جانے
الوں کے ساتھ عمومی رویہ کیسا ہے؟ اور یہاں کی اور
ہاں کی پولیس میں کیا فرق ہے؟

جواب :۔ وہاں کی پولیس کا رول پوری طرح
مدردانہ ہے، آپ راستہ بھول جائیں تو پولیس مدد
رے گی، بلکہ بعض وقت آپ کو آپ کی مطلوبہ جگہ
ہونچا دے گی اور اس کے عوض میں صرف تھینک یو
(THANK YOU) یعنی "آپ کا شکریہ" ہی کے
لفاظ کو کافی سمجھے گی۔ برصغیر کے کسی باشندے کے
لئے یہ ایک غیر معمولی بات ہوتی ہے جہاں کہ پولیس کو
دیکھ کر آدمی گھبرا جاتا ہے کہ کوئی مصیبت تو نہیں
آرہی ہے۔ وہاں کی پولیس اپنے رویّہ کے سلسلے میں یہ
محسوس کرتی ہے کہ اس کے متعلق پبلک کا تصور اچھا
ہے، لہٰذا وہ بھی چاہتی ہے کہ اس اچھے تأثر کے مطابق
اس کا رویہ ہو۔ اس طرح پولیس نے اپنا رول پبلک کے
رضاکار کا اختیار کر رکھا ہے، یہ ضرور ہے کہ جرم وغیرہ
پر گرفت میں بھی وہ پوری مستعدی کا ثبوت دیتی
ہے اور اس میں بھی بالکل کوتاہی نہیں کرتی اور پوری
غیر جانبداری سے اپنے فرائض انجام دیتی ہے۔ ہمارے
ملک کی طرح برطانوی سیاست داں پولیس کے
فرائض میں قطعی مداخلت نہیں کرتے۔

سوال :۔ مذہبی معاملات میں حکومت کا کیا
رول رہا ہے؟ اور کیا وہاں کی اقلیتوں کو اپنے
مذہب پر عمل کرنے کی آزادی ہے؟

جواب :۔ برطانیہ میں مذہبی رواداری اور پبلک
کی سہولت کا بھی خاصہ خیال رکھا جاتا ہے، اس کے
بموجب وہاں مختلف مذاہب کے ماننے والوں کو اپنے
اپنے مذہب کے مطابق عمل کرنے کی پوری آزادی ہے، چنانچہ
وہاں مسلمانوں اور دیگر مذاہب کے لوگوں کے ادارے اور
عبادت گاہیں قائم کرنے میں دشواری نہیں ہے، عام شہری
ماحول کے علاوہ یونیورسٹی کے ماحول میں بھی اسلامی سینٹر
اور اسلامی اکیڈمیاں قائم کرنے کی اجازت مل جاتی ہے
انہی میں آکسفورڈ سینٹر فار اسلامک اسٹڈیز بھی ہے۔
جس کے پہلے چیئرمین مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تھے
اور ان کی عزت یونیورسٹی کے حلقہ میں خاص کی جاتی تھی۔
اس سینٹر کے قائم کرنے کا جب مسئلہ یونیورسٹی کورٹ میں
آیا تو اسی کے ساتھ ایک دوسرا مسئلہ اس وقت کی
وزیر اعظم مارگریٹ تھیچر جو ایک مضبوط اور بڑی
باا ثر وزیر اعظم تھیں۔ ان کو اعزازی ڈگری دینے کا مسئلہ
بھی زیر بحث تھا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ان کو ڈگری
دینے کی تجویز منظور نہیں ہوئی۔ یہ رکاوٹ محسوس کی گئی کہ
اس کی خصوصیت علمی نہیں سیاسی ہے اور اسلامک
سینٹر کی خصوصیت علمی تسلیم کرتے ہوئے اس کی منظوری
دے دی گئی، حالانکہ یہ مسئلہ وہاں کے اکثریتی مذہب
کا نہیں بلکہ اقلیتی مذہب سے تعلق رکھنے والا تھا۔

سوال :۔ آجکل ہر جگہ رشوت کا بازار گرم ہے تو کیا
رشوت کا یہ ناسور وہاں بھی موجود ہے؟

جواب :۔ برطانیہ میں پبلک کاموں میں رشوت کا
کوئی سلسلہ نہیں۔ آدمی اپنا کام کرائے اور تھینک یو
کر کے چلا آئے۔ ہم کو یہ باتیں دیکھ کر یہ احساس ہوا
کہ ہمارے مشرقی ممالک کے لیڈر اور حکومت کے ارکان
بار بار یورپ جاتے ہیں اور یہ سب دیکھتے ہیں پھر
بھی اپنے ملک کی پبلک کو ہمدردی اور سہولت کے
یہ فائدے کیوں نہیں دلوتے؟ اور وہاں کی اچھی باتوں کو
کیوں نہیں سیکھتے؟

سوال :۔ برطانیہ کی علمی معاشی اور اقتصادی حالت
پر کچھ روشنی ڈالیں۔

جواب :۔ برطانیہ کو جب اپنی نوآبادیوں سے ہاتھ دھونا
پڑا تو وہ ذرائع دولت اور وسائل اقتدار حکومت کے
بڑے حصے سے محروم ہوگیا اور بڑی حکومت سے سمٹ کر
ایک چھوٹی حکومت میں تبدیل ہوگیا لیکن اس نے اپنے
ملک کے نظم و انتظام اور اپنی پبلک کی ضرورت و راحت
کے نظام میں کوئی خاص فرق نہیں آنے دیا۔ اس نے فوراً
ایسی تدابیر اختیار کیں جن سے اس کے وسائل ترقی و ذرائع
قوت باقی رہیں اس کیلئے اس کو کیا کرنا پڑا یہ بات
جاننے اور سیکھنے کی ہے۔

یہ ضرور ہے کہ اس کو طرح طرح کی دشواریوں کا
سامنا ہے اور اس کی اقتصادیات میں جو گراوٹ آئی
اس کو حل کرنے کیلئے اس کو حسن تدبیر اختیار کرنے کی
فکر کرنا پڑی ہے۔ معلوم ہوا کہ چند سال پہلے اس کی
اقتصادیات کو زوال کا سامنا تھا وہ اب رک گیا ہے
اس موضوعات کی مانگ اور کھپت پہلے جیسی نہیں
رہی، متعدد کارخانے بند کرنے پڑے، فی الوقت اس کو
تدریسی افراد کی کمی کا بھی سامنا ہے۔ اس کیلئے وہ اپنی
سابق کالونیوں سے افراد حاصل کر کے ضرورت پوری
کرلیتا ہے، کمپیوٹر کے کام میں بھی افراد کی کمی ہے اس کو
بھی باہر کے افراد سے وہ پوری کرتا ہے۔ وہ ان تمام
باتوں میں حقیقت پسند ہے، ہمارے برصغیر کے لوگوں
کیلئے اس میں بھی سبق ہے، ہمارے ملک میں باوجود
سیکولر دستور و نظام ہونے کے مذہبی جانبداری
اور استحصال کا عمل بڑھتا جا رہا ہے، ہر کام رشوت کے
بغیر مشکل ہوتا جا رہا ہے، رشوت کے رواج نے
جرم اور غلط کاموں میں بھی اضافہ کر دیا ہے کہ مجرم اور
رشوت سے کام لیکر اپنے بچنے کا انتظام کر لیتا ہے۔ یہ
باتیں ملک کیلئے بہت نقصان دہ ہیں۔ افسوس ہے
کہ اکثریتی لوگوں کی ایک تعداد ان باتوں کی خطرناکی
اور ان کے دور رس اثرات کو نہیں دیکھتی ہے کہ وہ اپنی
مذہبی باتوں کو سب پر عائد کرے، اور ملک کو ایک
مذہب کی تہذیب و اقتدار میں کسی طرح رنگ دے
خواہ اس کیلئے دوسروں کی حق تلفی ہو، ظلم ہو اور
ملک تفرقہ و انتشار کا شکار ہو جائے۔

ہمارے قومی لیڈروں کو ان باتوں پر غور کرنا چاہیئے اور اصلاح حال کیلئے کوشش کرنا چاہیئے حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کو ان باتوں کی بڑی فکر تھی وہ ملک کے سربراہوں سے ملاقات پر اس کی طرف برابر توجہ دلاتے تھے، اسی لئے انھوں نے "پیام انسانیت" کی تحریک چلا رکھی تھی، اس کام کی آج بھی بڑی ضرورت ہے، کاش ہمارے قومی لیڈر اس کو محسوس کریں اور اس کیلئے کوشش کریں، ملک کا مفاد اسی میں ہے ملک اسی سے مضبوط ہے گا. حضرت مولانا نے ایک وزیر اعظم سے اپنی ملاقات پر یہ کہا کہ آپ حضرات بڑے لوگ ہیں، آپ کے شایانِ شان تو یہ ہے کہ حکومت کی گدی کی اتنی فکر نہ کریں جتنی قوم کی درستگی کی کریں اور ملک کیلئے خیر خواہی کا جذبہ پیدا کرنے کے کام کی فکر کریں۔

حضرت مولانا جب ملک کے ذمہ داروں سے ملتے تو اپنے اس افسوس کا اظہار کرتے کہ ملک کی اخلاقی اور نظم وضبط کی پابندی کیلئے کوئی کوشش نہیں ہو رہی ہے. اس کی وجہ سے ملک کے استحکام کو اور اس کی شہرت کو نقصان پہونچ رہا ہے اس لئے اس طرف توجہ کی بڑی ضرورت ہے۔

دعائے مغفرت

● جناب ثناء اللہ رسول پوری (گجرات) کے والد محترم کا ۵ر اکتوبر ۲۰۰۰ء کو انتقال ہوگیا۔

● جناب محمد عابد صاحب (آگرہ) کے بھانجے لئیق اللہ کا ١٦ رسال کی عمر میں انتقال ہوگیا

اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالی مرحومین کی مغفرت فرمائے۔

قارئین کرام سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے

پاجا سراغِ زندگی

● آپ اپنی قوموں کی صلاحیتوں سے آشنا بنئے، خود اپنی ہستی، اپنی ترقی اور فتوحات کے عظیم اور وسیع امکانات کا انکشاف کیجئے اور اپنی نامعلوم نئی دنیا کو دریافت کرکے ایک انقلاب پیدا کیجئے"۔

● آپ مجھے یا میری باتیں سمجھیں یا نہ سمجھیں اپنے کو سمجھنے کی کوشش کیجئے اور اپنے کو پا لیجئے"

(اور اقبال کے الفاظ میں) اپنے من میں ڈوب کر پاجا سراغِ زندگی

تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

(حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت علی میاں ندویؒ

● گمنام نصیر آبادی

ہراک نفس کے دل وجاں علی میاں ندویؒ ہمارے درد کا درماں علی میاں ندویؒ

زمانہ کہتا ہے جن کو مفکرِ اسلام وہ باوقار تھے انساں علی میاں ندویؒ

کلید خانۂ کعبہ جنھیں نصیب ہوئی وہ عصر نو کے تھے سلطاں علی میاں ندویؒ

دعائیں کرتے ہیں کعبے میں اور مدینے میں تمہارے حق میں مسلماں علی میاں ندویؒ

ہے گاؤں گاؤں میں مسجد کا مدرسے کا قیام نہیں یہ کام تھا آساں علی میاں ندویؒ

ہو دور تیرہ شبی کس طرح ضلالت کی ہمیشہ رہتے تھے کوشاں علی میاں ندو

ہے نقش دل پہ ہمارے ترانۂ اقبال تمہیں ہو فخر گلستاں علی میاں ند

ہر ایک ملک بٹھاتا تھا ان کو آنکھوں پہ عرب ہو یا کہ ہو ایراں علی میاں ندو

سنا جو ہند میں بدلے گا اب پرسنل لاء تو بن کے آگئے طوفاں علی میاں ندو

سنائی دیتا ہے انسانیت کا وہ پیغام دیا جو آپ نے ہرآں علی میاں ند

خوشا نصیب کہ حسنی بھی تھے حسینی بھی ہو تم پہ رحمتِ یزداں علی میاں ند

طلب نہ جاہ کی مطلق نہ زر کے تھے طالب مگر نہ تھے تہی داماں علی میاں ند

مہِ صیام جمعہ اور آخری تھی صدی بنے خدا کے جو مہماں علی میاں ن

جو تکیہ اب بھی بزرگوں کا جائے مدفن ہے وہیں ہے شہر خموشاں علی میاں ن

غروب ہوگیا لیکن شفق تو باقی ہے وہ آفتاب درخشاں علی میاں

نصیر آباد کے گلشن کی آپ زینت تھے یہ آج لگتا ہے ویراں علی میاں

حقیر بندۂ ناچیز آپ کا گمنام

لے دعائے بزرگاں علی میاں ندویؒ

بچوں کا ادب

کے موضوع پر

بھٹکل میں رابطہ ادب اسلامی کا سترہواں مذاکرہ علمی

رپورٹ: بقلم: نذر الحفیظ ندوی

عالمی رابطہ ادب اسلامی کا سترہواں سالانہ مذاکرۂ علمی "بچوں کا ادب" کے موضوع پر جنوبی ہند کے اسلامی شہر بھٹکل میں ۸ تا ۱۰ ر اکتوبر ۲۰۰۰ء کو حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے زیر صدارت منعقد ہوا، اس مذاکرۂ علمی کا انعقاد رابطہ کی بھٹکل شاخ کی دعوت پر عمل میں آیا تھا اگرچہ رابطہ کے قیام سے لیکر اب تک سولہ سیمینار ہندوستان کے مرکزی شہروں میں ہو چکے تھے، لیکن اس اعتبار سے یہ جلسہ منفرد تھا کہ رابطہ کی شاخ (بھٹکل) کی دعوت پر ہو رہا تھا، دوسری طرف رابطہ ادب اسلامی کے بانی و مؤسس حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی وفات کے بعد پہلی بار یہ جلسہ منعقد ہو رہا تھا ان وجوہات کی بنا پر جلسہ کے داعیوں اور رابطہ کے ذمہ داروں کو طرح طرح کے اندیشے لاحق ہو رہے تھے لیکن جس طرح ملک کے ہر گوشے اور ہندوستان کے تعلیمی و ادبی مراکز سے بڑی تعداد میں مندوبین شریک ہوئے اور جس طرح مجلس مذاکرہ کی تمام نشستیں بھرپور طریقے سے کامیاب ہوئیں ان سے دو باتیں آشکارا ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں کے عمل کو ضائع نہیں کرتا اور اخلاص کے بقدر ان کے اندر برکت، قبولیت اور محبوبیت عطا فرماتا ہے، دوسرے یہ کہ کارکنوں اور داعیوں کا اخلاص و جذبہ قربانی اور اتحاد و یک جہتی رنگ لاکر رہتی ہے، اس پورے جلسہ پر سکینت کا شامیانہ تنا ہوا تھا تمام پروگرام وقت پر ہو رہے تھے۔

اس مجلس مذاکرہ میں مندوبین کی تعداد ایک سو پانچ تھی جو اپنے ذاتی اخراجات سے ہزاروں میل کا سفر کرکے تشریف لائے تھے۔ کل اکتیس مقالے پیش کئے گئے جن میں اردو میں چھبیس، عربی میں ۴ اور انگریزی میں ایک مقالہ تھا، مندرجہ ذیل مقامات سے یہ مندوبین تشریف لائے تھے، لکھنؤ، رائے بریلی، اعظم گڑھ، علی گڑھ، میرٹھ، بجنور، دہلی، بھوپال، اندور، برہان پور، اورنگ آباد، ناگپور، پونہ، بمبئی، امراوتی، گجرات، بھٹکل، بنگلور، حیدرآباد، کٹک، بھیونڈی، شکاری پور، بلگام، مالیگاؤں، مظفر نگر، جودھپور، مینگلور۔

مجلس مذاکرہ کی علمی کمیٹی کی تشکیل مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کی صدارت میں کردی گئی تھی، اس کے ارکان مندرجہ ذیل حضرات تھے۔ پروفیسر سید محمد اجتباء حسینی ندوی، پروفیسر سید ضیاء الحسن ندوی، ڈاکٹر محمد نعمان خاں، پروفیسر مظہر صدیقی، مولانا عبدالباری ندوی بھٹکل مولانا آس محمد گلزار قاسمی۔

تجاویز کمیٹی کو متعدد مندوبین کی طرف سے بھی تجویزیں موصول ہوئیں۔ اس کمیٹی نے بحث و مشورے سے جو تجاویز منظور کیں وہ علاحدہ شائع کی جارہی ہیں۔

افتتاحی جلسہ ۸ ر اکتوبر بروز یکشنبہ ساڑھے نو بجے جامعہ اسلامیہ بھٹکل کے وسیع کیمپس میں مولوی نعمت اللہ عسکری ندوی کی تلاوت اور ڈاکٹر سرور عالم ندوی کی نظم سے شروع ہوا۔

ناظم اجلاس پروفیسر سید ضیاء الحسن ندوی نے اختصار اور جامعیت کے ساتھ رابطہ ادب اسلامی کے قیام کے پس منظر اور مقاصد پر روشنی ڈالی اور سترہ سال کے عرصہ میں رابطہ نے جو سرگرمیاں انجام دی ہیں ان کا تعارف کرایا۔ اور موجودہ مجلس مذاکرہ کے موضوع "بچوں کا ادب" کی اہمیت کو ملک کے پس منظر میں واضح کیا، اس موضوع پر جن ادیبوں اور شاعروں نے کام کیا ہے ان کا تذکرہ کیا۔

صدر رابطہ ادب اسلامی شعبہ جنوبی و مشرقی ایشیا مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے مشورے اور ایما سے نوجوان ندوی فاضل اور متعدد کتابوں کے مصنف مولوی محمد الیاس ندوی کو بھٹکل کی شاخ کا ذمہ دار

بنادیا تھا۔ اس شاخ نے دو سیمینار ڈھائی سال کے عرصہ میں منعقد کئے، اس کی طرف سے اصرار تھا کہ رابطہ ادب اسلامی کا ایک سیمینار بھٹکل میں رکھا جائے۔ چنانچہ گذشتہ سال فروری ۱۹۹۹ء میں بنگلور کے سیمینار کے موقع پر بھٹکل شاخ کی دعوت بنیادی طور پر منظور کر لی گئی، تاریخ کا تعین بعد میں ہوا، حضرت مولانا کی بیماری اور وفات کے سانحہ کی بنا پر یہ جلسہ سات ماہ تاخیر سے منعقد ہوا۔ لیکن "دیر آید درست آید" کا مصداق ثابت ہوا۔

مجلس استقبالیہ کے صدر جناب محتشم عبدالغنی تھے جو جامعہ اسلامیہ کے رکن رکین اور ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامی کے رکن ہیں، اس کے علاوہ متعدد تعلیمی، سماجی اور رفاہی اداروں کے نگراں و سرپرست ہیں، انھوں نے رابطہ ادب اسلامی کے مندوبین اور حاضرین کا شکریہ بھٹکل کے مسلمانوں اور جامعہ کے ذمہ داروں کی طرف سے ادا کیا۔ پھر رابطہ ادب اسلامی بھٹکل شاخ کے ذمہ دار مولوی محمد الیاس ندوی نے خطبۂ استقبالیہ پڑھا جو بڑا موثر اور منفرد اسلوب لئے ہوئے تھا۔

خطبۂ استقبالیہ میں رابطہ ادب اسلامی کے اس اجتماع کو کمیت اور کیفیت دونوں اعتبار سے بھٹکل میں منفرد قرار دیا گیا اسی کے ساتھ اس پر افسوس کا اظہار کیا گیا کہ یہ جلسہ مفکر اسلام کی عدم موجودگی میں ہو رہا ہے، اگر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اور جامعہ اسلامیہ بھٹکل کے بانی محی الدین منیری اس موقع پر موجود ہوتے تو جامعہ کا علمی اور دینی وقار اور بلند ہو جاتا۔

بھٹکل میں رابطہ ادب اسلامی کی شاخ کے قیام اور پورے جنوبی ہند کو اس کا مرکز بنانے کا ذکر مجلس استقبالیہ کے کنوینر مولانا عبدالعلیم قاسمی نے پُرزور انداز میں کیا اس کے بعد مولوی محمد الیاس ندوی نے بھٹکل کا تعارف کرایا۔ اور وہاں کے منفرد علمی، دینی تہذیبی اور اجتماعی خصوصیات اور یہاں کے باشندوں کا عربی مزاج و طبیعت اور اسلامی غیرت و حمیت، امن پسندی، مہمان نوازی، تواضع اور انکساری اور اسلامی تشخص و امتیاز کو باقی رکھنے کی جو جدوجہد کر رہے ہیں ان کی طرف اشارے کئے اور اقبال کے الفاظ میں بتایا کہ

بوئے یمن آج بھی اس کی فضاؤں میں ہے
رنگ حجاز آج بھی اس کی نواؤں میں ہے

اسلامی مزاج و خصوصیات و امتیازات کو باقی رکھنے میں جو تعلیمی، دینی، اور سماجی و رفاہی ادارے کام کر رہے ہیں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا گیا کہ مجلس اصلاح و تنظیم ایک صدی سے اس علاقہ کے مسلمانوں کی اجتماعی سیاسی و سماجی معاملات میں برقرار رکھنے کی کوشش کر رہی ہے۔ غیر سودی بنک نے اٹھارہ سال کے عرصہ میں چالیس ہزار سے زائد لوگوں کو بیس کروڑ روپئے کا قرض دے کر مدد کی ہے۔ بچیوں کے لئے معیاری درسگاہ جامعۃ الصالحات ہے، چھوٹے بچوں کے لئے درجنوں تعلیمی ادارے، نوجوانوں کے لئے انجینیرنگ کالج وغیرہ کام کر رہے ہیں، خلیجی ملکوں میں بھٹکل کے جو حضرات مقیم ہیں وہاں بھی ان کی تنظیمیں اسلامی تشخص و امتیاز کو باقی رکھنے میں اپنا کردار ادا کر رہی ہیں، ان بنیادی خصوصیات کے علاوہ اس شہر کی سب سے بڑی خوش قسمتی یہ رہی ہے کہ اپنے وقت کے علماء، علماء اور اولیاء اللہ کی اس کو غیر معمولی دعائیں اور شفقتیں حاصل رہی ہیں، اس میں سب سے زیادہ عنایتیں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی رہی ہیں۔ اس شہر سے ان کی انس و محبت ایسی تھی کہ وہ اس کو بیت الکل اور اپنے وطن رائے بریلی سے تشبیہ دیتے تھے۔

خطبۂ استقبالیہ کے بعد رابطہ ادب اسلامی کے جنوبی و مشرقی ایشیا کے جنرل سکریٹری مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی نے رپورٹ پیش کی جس میں انھوں نے اختصار و جامعیت کے ساتھ رابطہ کی دو سالہ سرگرمیوں پر روشنی ڈالی، اور بتایا کہ دو سال کے اندر علاقائی سطح پر ملک کے مختلف حصوں میں ادب اسلامی کے قابل ذکر پروگرام ہوئے، ان پروگراموں میں وہ لوگ بھی شریک ہوئے جو اسلامی ادب کے قائل نہیں تھے۔ لیکن رابطہ کے سیمیناروں میں شرکت کے بعد ان کی رائے اور سوچ میں حیرت انگیز تبدیلی ہوئی اور وہ خود بھی اسلامی ادب کے فروغ میں حصہ لینے کے لئے تیار ہو گئے، رابطہ کو ایسے حضرات سے بڑا تعاون مل رہا ہے۔ اس کی کوشش ہے کہ اس ملک میں اس کی جد و جہد کا دائرہ وسیع کیا جائے تاکہ بیس کروڑ مسلمانوں تک اس کا پیغام پہونچ سکے۔

سکریٹری جنرل نے برصغیر اور جنوب مشرق کے دوسرے ممالک ملیشیا اور انڈونیشیا کا بھی ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ ملیشیا میں رابطہ کی سرگرمیاں جاری ہیں۔ انڈونیشیا کے شمالی حصہ سوماٹرا میں وہاں کی اسلامی یونیورسٹی رابطہ ادب اسلامی کی سرپرستی قبول کر کے ایک عالمی سیمینار منعقد کرنے کا عزم ظاہر

کیا ہے۔

سکریٹری جنرل نے مجلس مذاکرہ کے موضوع "بچوں کا ادب" پر روشنی ڈالتے ہوئے رابطہ کے بانی کی اس میدان میں بنیادی کوششوں کا ذکر کیا اور کہا کہ اس موضوع پر یہ سیمینار ہمارے ملک کے خصوصی حالات کی بنا پر وقت کا تقاضا ہے، اور یہ سیمینار صحیح وقت اور مناسب جگہ پر ہو رہا ہے۔ ہم اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور جامعہ اسلامیہ کے ذمہ داروں کو مبارکباد دیتے ہیں کہ انھوں نے اس سیمینار کے انعقاد کے لئے اعلیٰ انتظامات کئے (یہ رپورٹ عربی میں تھی، سامعین کا خیال کر کے اس کی اردو تلخیص پیش کی گئی)۔ اس رپورٹ کے بعد صدر جلسہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی نے اپنا فاضلانہ و ادیبانہ خطبہ پڑھا جو مختصر مگر ہر پہلو سے جامع تھا۔

صدر نے اپنے خطبہ کے آغاز میں "بچوں کے ادب" کا فنی تحلیل و تجزیہ کرتے ہوئے بتایا کہ اس موضوع پر دس سال قبل شعبہ بلاد عربیہ کے زیر اہتمام استنبول میں سیمینار ہوا تھا، لیکن یہ ایسا نازک اور حساس موضوع ہے کہ ایک مجلس مذاکرہ اس کے لئے کافی نہیں، اس لئے رابطہ کے صدر مرحوم کی تجویز پر ان کی زندگی ہی میں اس موضوع پر مجلس مذاکرہ منعقد کرنا طے ہو گیا تھا، ہمیں خوشی ہے کہ عالمی رابطہ ادب اسلامی کے مشرقی خطہ کے اہل تحقیق و ادب اچھی تعداد میں اس اجلاس میں شرکت کر رہے ہیں۔

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے بچوں کے ادب کے میدان میں کام کرنے والے برصغیر کے مشہور مصنفوں، علماء، ادباء اور شعراء کے ساتھ ان اداروں اور جماعتوں کا بھی ذکر کیا جنہوں نے اس موضوع پر قابل قدر لٹریچر وقت کے تقاضوں کے مطابق تیار کیا۔

صدر نے اپنے خطبہ میں بچوں کے ادب کو تین حصوں (تعلیمی ادب، تفریحی ادب، تربیتی و اصلاحی ادب) میں تقسیم کرتے ہوئے ان تینوں کی بنیادی خصوصیات اور بچوں کی سیرت و کردار سازی میں ان عناصر کی تشکیل اور اثرات کا ذکر کیا، جدید تعلیمی نظریات، موجودہ ذرائع ابلاغ کے بچوں پر اثرات اور ماحول و معاشرہ کے اسلامی تقاضوں پر بھی مولانا نے روشنی ڈالی، عالم عربی میں اس سلسلہ میں جن لوگوں نے کام کیا ہے ان کا تجزیہ کرتے ہوئے مولانا نے بتایا کہ بچوں کا ادب تیار کرنے میں جس اعتدال و توازن کی ضرورت ہے وہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ ہندوستان میں ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم اور ان جیسے متعدد اہل قلم کی کوششوں سے جامعہ ملیہ اسلامیہ میں بچوں کے ادب کا رجحان پیدا ہوا اور بہت سے کام انجام پائے۔ اس ادب کے پیش کرنے میں جامعہ اسلامیہ دار المصنفین اعظم گڑھ اور جماعت اسلامی کی انجمن تعمیر ادب کے ادیبوں کا بھی حصہ رہا ہے۔

مولانا نے ادب اطفال کے میدان میں حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کی خدمات کا قدرے تفصیل سے تعارف کراتے ہوئے سب سے پہلے ان عناصر کا ذکر کیا جنہوں نے مولانا کی سیرت سازی میں بنیادی کردار ادا کیا۔ اس کے بعد بتایا کہ مولانا نے اسلامی ادب کے موضوع پر نوجوانوں اور بچوں کے لئے قابل قدر کارنامہ انجام دیا بلکہ اس کو عالمی تحریک کی شکل دیدی۔

فاضلانہ خطبہ صدارت کے بعد د
الی اللہ مولانا عبد الکریم پاریکھ نے قرآن و
کی روشنی میں بچوں کی تعلیم و تربیت پر
ڈالی اور اس موضوع کی غیر معمولی اہمیت
تذکرہ کرتے ہوئے رابطہ کے اس اجلا
کو وقت کا تقاضا قرار دیا۔ مشہور عالم د
مولانا عبد اللہ مغیثی نے حضرت مولانا ر
علیہ کی شخصیت اور کارناموں پر موثر اندا
روشنی ڈالی۔

مشہور ادیب ڈاکٹر پروفیسر
انجم اس اجلاس میں پہلی بار شریک ہو
انھوں نے اس جلسہ میں اپنی شرکت کو خو
نصیبی سے تعبیر کیا۔ اور رابطہ ادب اسلام
کے مقاصد اور صدر کے فاضلانہ خطبہ میں
کئے گئے تجزیہ سے مکمل اتفاق کیا۔ انھو
اس موضوع کو وقت کا سب سے بڑا تقا
بتایا اور ذرائع ابلاغ جس طرح نئی نسل
بگاڑ رہے ہیں، ان کے دور رس خطرات
اس کے بالمقابل کی جانے والی کوششو
کو بالکل ناکافی قرار دیا۔ انھوں نے رابط
اسلامی کی سرپرستی و نگرانی میں ایسے
کے انعقاد کی تجویز پیش کی جس میں بچوں
ادب پر لکھنے والے ماہرین کو مدعو کر کے
سے اس موضوع پر کتابیں تیار کرائی جا
پروفیسر خلیق انجم نے اس میدان میں کی جا
والی کوششوں کا ذکر کیا لیکن کہا کہ وہ
بچوں کے تقاضوں کی تکمیل کرنے سے قا
کرناٹک کے امیر شریعت اور دار العلوم
سبیل الرشاد کے مہتمم مولانا محمد اشرف با
کی مختصر تقریر اور مولانا ابرار الحق کے خا
ڈاکٹر علی ملپا کی دعا پر افتتاحی جلسہ کا اخ
ایک بجے ہوا۔ اس جلسہ میں عمائدین شہ

اده آس پاس کے علما، وفضلا، اور دینی
عوتی اور تعلیمی میدانوں میں کام کرنے والوں
، علاوہ کالجوں کے پروفیسر اور ملی و سماجی
رکن بھی شریک ہوئے۔ حاضرین کی تعداد
ے ہزار سے متجاوز تھی۔
شام سے مقالات کی نشستوں کا آغاز
ا، جن کی صدارت مختلف یونیورسٹیوں اور
لیمی اداروں سے آئے ہوئے علمی وادبی
بوں کے سربراہوں اور مقامی علما، وادبا،
نے کی۔ کل آٹھ نشستیں صبح وشام منعقد ہوئیں
بح کی نشست ۹ بجے سے گیارہ بجے، پھر پندرہ
نٹ کے وقفہ کے بعد ایک بجے تک، بعد نماز
غرب سے عشاء تک یہ مجلسیں ہوئیں جو اگرچہ
مدود تعداد کے لئے تھیں لیکن شہر کے حضرات
اصی تعداد میں بڑی دلچسپی سے ان مجلسوں
ں پابندی اور اہتمام سے شریک ہوتے
ہے، پہلے دن بعد نماز عصر جامعہ اسلامیہ
ے طلبہ کی طرف سے استقبالیہ مہمانوں کے
عزاز میں دیا گیا، دوسرے دن انجمن اصلاح
نظیم کی طرف سے شہر میں خیر مقدمی تقریب
نعقد ہوئی، وہیں سے تمام مہمان ساحلی شہر
رڈیشور روانہ ہوگئے، ساحل سمندر پر عصرانہ

کا اہتمام کیا گیا۔ بعد مغرب مدرسہ تنویر الاسلام
کے وسیع ہال میں رابطہ کے مندوبین کے
اعزاز میں خیر مقدمی جلسہ ہوا، تعارفی کلمات
کے بعد یہ جلسہ مقالات کی نشست میں
تبدیل ہوگیا۔ یہاں مقالات کی دو نشستیں
ہوئیں۔ نماز عشاء کے بعد مدرسہ کی طرف
سے تمام مندوبین کو پر تکلف عشائیہ دیا گیا
ایک ہینڈ بیگ بھی انھیں تحفہ کے طور پر پیش
کیا گیا۔ اجلاس کے تیسرے دن سب سے
پہلے عربی مقالات کی نشست منعقد ہوئی جس
میں چار مقالے پیش کئے گئے، اس کے بعد
ایک بجے تک مقالات کی دو نشستیں منعقد
ہوئیں، ان میں بارہ مقالے پڑھے گئے۔
آخری نشست کی صدارت رابطہ کے صدر
حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے
کی، انھوں نے اپنا مقالہ بھی اختصار کے ساتھ
سنایا جس کا موضوع حضرت مولانا کی شخصیت
کے تشکیلی عناصر سے متعلق تھا۔ چونکہ آج کا دن
حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اور بچوں کے ادب
میں ان کے حصے سے مخصوص رکھا گیا تھا اس
لئے بیشتر مقالہ نگاروں نے اس موضوع کے
مختلف پہلوؤں پر اپنے مقالات سنائے۔ دارالعلوم

ندوۃ العلماء کے مہتمم مولانا سعید الرحمٰن اعظمی
ندوی کا مقالہ مولانا محمود الازھار ندوی نے
سنایا، اس کا موضوع تھا "بچوں کے ادب میں
مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا اسلوب"،
مولانا خود اس سیمینار میں دارالعلوم کی انتظامی
ذمہ داریوں کی وجہ سے شریک نہ ہوسکے تھے۔
پہلے یہ نظام طے ہوا تھا کہ عصر بعد
رابطہ کا اختتامی جلسہ ہوگا جس میں تجاویز
سنائی جائیں گی اور مندوبین کے تاثرات
پیش کئے جائیں، پھر اس کے بعد متصلاً اصلاح
معاشرہ کا عوامی جلسہ ہوگا۔ لیکن وقت کی تنگی
کو دیکھتے ہوئے اختتامی جلسہ کا پروگرام
ملتوی کر دیا گیا۔ اس کے بجائے حضرت مولانا
سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کی صدارت
میں اصلاح معاشرہ کے موضوع پر جلسہ شروع
ہوا، اس میں خطبۂ صدارت کے علاوہ مشہور
عالم و داعی مولانا عبداللہ مغیثی اور مولانا عبدالکریم
باریکھ نے تفصیل سے اصلاح معاشرہ کے
موضوع پر تقریریں کیں، اس جلسہ میں بڑی
تعداد میں بھٹکل کے عوام وخواص اور آس پاس
کے علاقوں سے لوگ شریک ہوئے۔ مولانا صادق ندوی
نے تمام مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔

اسمائے گرامی مندوبین کرام — عناوین مقالہ جات

۱۔ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی	لکھنؤ	حضرت مولاناؒ کی سیرت کی تعمیر وتشکیل کے بنیادی عناصر
۲۔ جناب مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی	"	دور القصة فی أدب سماحة الشیخ أبی الحسن علی الحسنی الندوی (عربی)
۳۔ جناب مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	"	بچوں کے ادب میں حضرت مولاناؒ کا اسلوب
۴۔ مولانا نذر الحفیظ ندوی	"	بچوں کے شرافت حسین
۵۔ مولانا سید احمد علی حسنی ندوی	"	قصص النبیین کا اسلوب
۶۔ مولانا محمد عمیر صدیق ندوی	اعظم گڑھ	بچوں کا ادب اور دار المصنفین
۷۔ پروفیسر سید محمد اجتباء حسینی ندوی	دہلی	مساهمة الأستاذ محمد شفیع الدین فی إثراء أدب الأطفال (عربی)
۸۔ پروفیسر سید ضیاء الحسن ندوی	"	بچوں اور بڑوں کے شاعر۔ ابوالمجاہد زاہد

۔ پروفیسر خلیق انجم	″	بچوں کے ادب میں مشاہیر کا حصہ
۔ ڈاکٹر محمد نعمان خاں	″	العلامة الشاعر محمد إقبال وشعره للأطفال (عربی)
۔ ڈاکٹر عبدالماجد ندوی	″	تعریف بکتاب (عربی)
ا۔ پروفیسر محمد یاسین مظہر صدیقی ندوی	علی گڑھ	حضرت مولاناؒ کی سیرت نگاری (ادب اطفال کے تناظر میں)
اا۔ پروفیسر عبدالباری	″	محب الدین الخطیب اور بچوں کا ادب (الحدیقۃ کی روشنی میں ایک جائزہ)
اا۔ مولانا ابوسفیان اصلاحی	″	القراءۃ الرشیدۃ۔ ایک مطالعہ
ا۔ ڈاکٹر سید کفیل احمد قاسمی	″	جدید عربی ادب میں بچوں کے ادب کا جائزہ
ا۔ ڈاکٹر عبیداللہ فہد فلاحی	″	بچوں کے ادب میں بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کی خدمات
ا۔ ڈاکٹر سرور عالم ندوی	″	ادب اطفال کا نبوی اسلوب اور اصول ومبادی
ا۔ ڈاکٹر جمشید احمد ندوی	″	بچوں کے اردو رسائل
ا۔ مولانا سراج الدین ندوی	بجنور	بچوں کا قصصی ادب۔ فن اور تکنیک
۲۔ جناب محمد یٰسین ذکی صاحب	″	آخری سفر (حضرت مولانا علی میاںؒ پر ایک فیچر)
۲۔ مولانا عبداللہ مغیثی	میرٹھ	بچوں کی سیرت وکردار ادب کی روشنی میں
۲۱۔ مولانا سید عقیل احمد قاسمی	″	بچوں کا ادب اور حضرت مولانا علی میاںؒ
۲۲۔ مولانا سید مشتاق علی ندوی	بھوپال	حدیث نبوی کی روشنی میں ادب اطفال
۲۴۔ ڈاکٹر مولانا محمد عارف جنید ندوی	″	بچوں کی نفسیاتی تربیت اور ان کا ادب
۲۵۔ ڈاکٹر سلیم محمد گنوری ندوی	برہانپور	بچوں کا ادب نصابیات کی روشنی میں
۲۶۔ پروفیسر عبدالوہاب	اورنگ آباد	بچوں کا ادب رسائل کی روشنی میں (انگریزی)
۲۷۔ مولانا معزالدین فاروقی ندوی	″	بچوں کے رسائل اور ان کا اسلوب
۲۸۔ مولانا محمد شعیب کوٹیؒ	بمبئی	قصص النبیین
۲۹۔ مولانا محمد اقبال ندوی	گجرات	بچوں کی ابتدائی تعلیم وادبیات
۳۔ پروفیسر انیس چشتی	پونہ	مراٹھی زبان میں بچوں کے ادب کی سمت ورفتار
۳۔ ڈاکٹر محمد حسین فطرت	بھٹکل	بچوں کا ادب اور ہمارے ادبا وشعرا
۳۔ ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی	″	ڈاکٹر ذاکر حسین بحیثیت بچوں کے ادیب
۳۱۔ مولانا عبدالمتین منیری بھٹکلی	″	بچوں کا ادب اور اس کے تقاضے

تجاویز وسفارشات

سیمینار کے دوران ایک سات رکنی تجاویز کمیٹی تشکیل دی گئی تھی، جس نے مقالات اور مندوبین کی سفارشات کی روشنی میں حسب ذیل تجاویز تجویز کیں جو منظور کی گئیں۔

ا۔ رابطہ ادب اسلامی کے زیر اہتمام بچوں کے ادب سے متعلق ایک ورکشاپ منعقد کیا جائے اور اس میں بچوں کے ادب کے ماہرین کو شرکت کی دعوت دی جائے، اور بچوں کے ادب کی تخلیق کے لئے لائحہ عمل طے کیا جائے۔

۲۔ قرآن مجید، حدیث شریف، سیرت نبوی، علماء اسلام، خلفاء کرام، صوفیان عظام اور شاہان مسلمین کے دلچسپ، اسلامی اقدار پر مبنی اور دل میں اتر جانے والے واقعات کو قصوں اور کہانیوں کی شکل میں ہندی، انگریزی اور مقامی زبانوں میں پیش کیا جائے، اور ان کی اشاعت بہت وسیع پیمانہ پر کی جائے تاکہ

اسلام اور مسلمانوں کی صحیح تصویر سامنے آئے، اس میں بچوں کے ذوق و شوق، رجحان و میلان، بچوں کی نفسیات، ان کی عمر کے مختلف ادوار اور صلاحیتوں اور اہلیتوں کی رعایت کی جائے۔

۳۔ دار العلوم ندوۃ العلما، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے اساتذہ پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی جائے جو ادب اطفال کی تیاری کے سلسلہ میں خاکہ تیار کرے۔

۴۔ رابطہ ادب اسلامی کے دفتر واقع دار العلوم ندوۃ العلما لکھنؤ میں بچوں کے ادب پر ایک لائبریری قائم کی جائے، اور اس میں اردو، عربی اور انگریزی کے علاوہ ہندستان کی علاقائی زبانوں میں لکھی گئی کتابوں کو جمع کیا جائے۔

۵۔ اردو کے مسلم اساتذہ، شعراء اور ادباء کی، بچوں کے ادب سے متعلق نگارشات کو جو گذشتہ عہد میں منظر عام پر آئیں اور اب مفقود ہیں ان کو ایک جگہ جمع کیا جائے، اور ان کو مرتب اور منتخب کرکے شائع کیا جائے۔

۶۔ بچوں کے غیر مسلم ادبا کی تخلیقات کے لئے ایک جائزہ کمیٹی تشکیل دی جائے جو اچھے اور برے دونوں پہلوؤں کا جائزہ لے کر مناسب استفادہ اور ضروری نوٹس کی روشنی میں اپنی رپورٹ تیار کرے۔

۷۔ رابطہ ادب اسلامی کے تمام مندوبین سے اس بات کی گذارش کی جاتی ہے کہ وہ اپنے اپنے علاقوں میں بھی ادب اسلامی کی جو خدمات انجام دے رہے ہیں اس کی رپورٹ رابطہ کے دفتر کو ارسال کریں تاکہ دوسرے لوگوں میں بھی ادب اسلامی کی خدمت کا داعیہ پیدا ہو اور ان کی رپورٹ اس کام میں نشاط اور تحریک کا سبب بن سکے۔

۸۔ تمام مندوبین، واردین اور حاضرین کی طرف سے رابطہ ادب اسلامی کا یہ اجلاس جامعہ اسلامیہ بھٹکل کے طلبہ و اساتذہ اور رابطہ کی مقامی شاخ اور ذمہ داروں اور کارکنوں کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہے کہ انھوں نے انتہائی فیاضانہ مہمانداری کی، اللہ تعالیٰ ان سب کو سعادت دارین سے نوازے۔

۹۔ مدرسہ تنویر الاسلام مرڈیشور کے ذمہ داروں کا بھی سیمینار کی طرف سے پرخلوص شکریہ ادا کیا جاتا ہے کہ انھوں نے انتھک محنت کرکے اس سیمینار کی دو نشستیں نہایت کامیابی سے اپنے یہاں منعقد کیں۔

دعائے مغفرت

● مولانا برہان الدین سنبھلی استاذ تفسیر دار العلوم ندوۃ العلماء کے پھوپھی زاد بھائی اور سنبھل کی ہر دلعزیز شخصیت حافظ محمود علی خاں کا، ۱۱ر اکتوبر ۲۰۰۰ء کو دہلی میں ایک سڑک حادثہ میں (بعمر ۵۰ سال) انتقال ہو گیا۔ مرحوم حافظ قرآن اور مجید قاری ہونے کے علاوہ بچوں کی تعلیم و تربیت کے ماہر تھے جن سے سیکڑوں طلباء و طالبات نے فائدہ اٹھایا۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے قارئین کرام سے دعائے مغفرت و ایصال ثواب کی درخواست ہے۔

تعمیر حیات کا خصوصی شمارہ

مفکر اسلام نمبر شائع ہو گیا

تعمیر حیات کا خصوصی شمارہ "مفکر اسلام نمبر" منظر عام پر آگیا ہے، نمبر کافی ضخیم ہے چونکہ سادی ڈاک سے روانہ کرنے میں ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا جن حضرات کی مدت خریداری دسمبر ۲۰۰۰ء تک ہے اور Rs. 30/- رجسٹری خرچ روانہ کر دیا ہے ان کو خاص نمبر رجسٹرڈ ڈاک سے روانہ کیا جا رہا ہے اور جن کی خریداری مدت ختم چل رہی ہے وہ سالانہ زر تعاون اور مزید Rs. 30/- رجسٹری خرچ روانہ کریں تاکہ ان کو یہ نمبر جو تقریباً 365 صفحات پر مشتمل ہے روانہ کیا جا سکے، جو حضرات اس نمبر کے خواہش مند ہیں اور نئے خریدار بننا چاہتے ہیں وہ Rs. 300/- روانہ کریں جس میں دو سال تک تعمیر حیات جاری رہے گا۔ اور اگر Rs. 250/- روانہ کریں گے تو ایک سال تک جاری رہے گا اور یہ خاص نمبر بھی رجسٹرڈ ڈاک سے روانہ کیا جائے گا۔

نوٹ:- ندوہ ڈاکخانہ یومیہ صرف پچاس تعمیر حیات کے پیکٹ رجسٹرڈ لیتا ہے اس لئے اس میں کچھ تاخیر بھی ہو رہی ہے۔ اس لئے تاخیر سے شمارہ ملنے کی وجہ سے ادارہ تعمیر حیات معذرت چاہتا ہے۔

عالمی خبریں

معید اشرف ندوی

● جنوبی افریقہ کے مشہور ریاضی
ان اور سرگرم (نومسلم) داعی اسلام عبداللہ
سا بیلا نے گزشتہ دنوں مجلہ "الدعوۃ" ریاض
کے ساتھ ایک انٹرویو میں کہا کہ جنوبی افریقہ
جو عرصہ دراز سے استعماری طاقت اور نسلی
امتیاز کا شکار تھا، اب اسلام کے لئے اس
کا دامن دن بدن کشادہ ہو رہا ہے، ایک طرف
اسلام کے تئیں عوام کے دلوں میں نرم گوشہ
پایا جاتا ہے تو دوسری طرف اس کے تعلق سے
موجودہ حکومت کا رویہ بھی غیر جانبدارانہ
اور سابق حکومتوں کے مقابلے میں کافی تشفی
بخش ہے۔ آج جنوبی افریقہ کے عوام کو
آزادی حاصل ہے کہ وہ حسب منشاء کوئی
بھی مذہب اختیار کر سکتے ہیں۔ حکومت کے
اس نرم رویے کا ہی نتیجہ ہے کہ جنوبی افریقہ
میں مسلمان ۱۹۹۴ء کے مقابلہ میں آج کل
بہت زیادہ ہیں۔ اسلام کی طرف لوگوں کا
رجحان بڑھ رہا اور لوگ سیکڑوں کی
تعداد میں اسلام قبول کر رہے ہیں۔ اور ایسا
لگتا ہے کہ جنوبی افریقہ کچھ دنوں کے بعد اسلامی
ملک ہو جائے گا۔

انھوں نے کہا کہ قبول اسلام کا شوق
و جذبہ جنوبی افریقہ کے مردوں سے زیادہ
خواتین میں پایا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ خواتین
چونکا دینے والی تعداد میں اسلام قبول کر
رہی ہیں۔ انھوں نے مزید بتایا کہ جنوبی افریقہ
کے مسلمانوں کے سامنے سب سے بڑا چیلنج
نسلی امتیاز اور گورے کالے کی تفریق ہے۔
البتہ سفید فاموں کے مقابلہ میں سیاہ فاموں
میں تبلیغ دین زیادہ آسان ہے کیونکہ وہ بھی
ایک ہی قبائلی معبود کے معتقد ہیں۔ مزید برآں
عیسائی نظام سے عاجز آچکے ہیں۔ اس لئے
کہ اب تک ان پر مذہب جبراً تھوپ کر ان کا
جائز استحصال کیا جاتا رہا ہے۔

انھوں نے ایک سوال کے جواب میں
اسلام کے تعلق سے میڈیا کے رول کے بارے
میں بتایا کہ جنوبی افریقہ کے میڈیا میں اسلام
کا کوئی تشفی بخش اہتمام نہیں ہے۔ اس لئے
ملی اتحاد کو برقرار رکھنے، اور ایک دوسرے
کے احوال سے واقفیت کے لئے میڈیا میں
ہماری شرکت نہایت ضروری ہے اور یہ
عظیم کام مسلم برادری کے تعاون سے ہی
انجام پا سکتا ہے۔

● آسٹریلیا کے شہر سڈنی میں ختم ہونے والے
اولمپک کھیلوں میں دنیا کے مختلف ملکوں کے مسلمانوں
کھلاڑیوں نے بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا اور سونے
کے ۱۵، چاندی کے ۷، اور کانسہ کے ۱۶ میڈل حاصل
کئے۔ میڈل حاصل کرنے والے کھلاڑیوں کی یہ تعداد اس تعداد
سے بھی زیادہ ہو سکتی ہے کیونکہ کھلاڑیوں کے نام رومن
حروف تہجی کے علاوہ یونانی، ولندیزی، ہسپانوی، روسی
اور فرانسیسی حروف تہجی میں دیئے گئے ہیں جس کی وجہ
سے بہت سے مسلمان کھلاڑیوں کے نام سمجھنے میں سخت
مشکل ہوئی۔ اولمپک میں سونے کے میڈل حاصل کرنے
والے ترکی کے ویٹ لفٹر جلیل نے عالمی ریکارڈ قائم کیا۔
اسی طرح ایران کے ویٹ لفٹر حسن رضازادہ نے
۲۶۰ کلوگرام وزن اٹھاکر اولمپک کھیلوں کا ۵ سالہ ریکارڈ
برابر کیا۔ اور ان کو دنیا کا سب سے طاقتور شخص قرار دیا گیا۔

مطالعہ کی میز

تبصرے کیلئے کتابوں کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے!

● محمد شاہد ندوی بارہ بنکوی

نام کتاب : خاتم النبیین
مصنف : علامہ انور شاہ کشمیریؒ
مترجم : حکیم عزیز الرحمٰن
صفحات : ۲۱۶، سائز ۱۸×۲۲/۸، قیمت درج نہیں
ملنے کا پتہ : مکتبہ فردوس مکارم نگر لکھنؤ

خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اشخاص انبیاء کے خاتم اور آخری فرد ہیں، علم الٰہی میں انبیاء کی جو تعداد مقرر تھی وہ آپ کی تشریف آوری کے بعد مکمل ہو گئی ہے اور انبیاء علیہم السلام کی گنتی ایک ایک کرکے پوری ہو چکی ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سلسلۂ نبوت کے خاتم ہیں اور چونکہ آئندہ نبوت کی تجدید نہ ہوگی۔ اس لئے قیامت تک آپ کی نبوت ہی قائم و دائم رہے گی آپ کے بعد کوئی شخص اپنے کو نبی یا نبی جیسا کہے تو وہ جھوٹا اور کذاب ہے۔ ایسے شخص کو ماننے والے دین اسلام سے خارج ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی کا مذہب اور اس کا نبوت کا دعویٰ جھوٹا ہے۔ اور اسلام اور قرآن کے خلاف سازش اور نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغاوت اور عقیدہ ختم نبوت کے خلاف ایک بہت بڑا چیلنج ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو فتنۂ قادیانیت سے ہر وقت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

زیر تبصرہ کتاب "خاتم النبیین" مذکورہ اجمالی تحریر کی تفصیل و تشریح ہے جس میں ختم نبوت اور امت اسلامیہ کا امتیاز "عقیدہ ختم نبوت" اور اس کی عظمت، فتنۂ قادیانیت اور اس کی فریب کاری کو بڑی تفصیل اور وضاحت کے ساتھ علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے۔

ختم نبوت کی عظمت اور فتنۂ قادیانیت کی ضلالتوں کو سمجھنے کیلئے عوام و خواص سبھی لوگوں کو اس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیئے خدا کرے یہ کتاب قادیانیت کی ضلالت میں پھنسے لوگوں کیلئے سامان ہدایت بنے۔

نام کتاب : تحفۂ تراویح
مرتب : مولانا عبدالرحیم فلاحی
صفحات : ۱۰۴، سائز ۱۸×۲۲/۸، قیمت درج نہیں
ملنے کا پتہ :۔ مکتبۃ الاسلام جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا (مہاراشٹر)

قرآن کریم ھُدًی لِّلنَّاسِ ہے اسلئے سارے لوگوں کو اس کا پڑھنا اس کے مضامین سے واقف ہونا۔ اور اس کے احکام پر عمل کرنا بے حد ضروری ہے۔ اسی ضرورت کے پیش نظر بڑے اختصار کے ساتھ یہ کتاب ترتیب دی گئی ہے۔

چونکہ عام طور پر روزانہ تراویح میں سوا پارہ پڑھا جاتا ہے۔ اس مناسبت سے مولانا عبدالرحیم فلاحی نے روزانہ سوا پارہ کے لحاظ سے مضامین قرآن اور مسائل کا ایسا عطر اور خلاصہ نکال کر رکھ دیا کہ بہت تھوڑے وقت میں تراویح میں سنی گئی تلاوت کا مفہوم اور مطلب واضح ہو کر سامنے آجائے۔

یہ کتاب معلومات افزا، تربیتی پہلو کی حامل اور عام مسلمانوں میں قرآن فہمی کا ذوق و شوق پیدا کرنے اور غور و خوض پر آمادہ کرنے کا بیش قیمت انمول تحفہ ہے۔

نام کتاب : تحفۂ حفاظ (احکام التراویح)
افادات : حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
انتخاب و ترتیب : مفتی محمد زید ندوی مظاہری
صفحات : ۱۰۴، سائز ۱۸×۲۲/۸، خوبصورت سرورق
قیمت ۔ ۲۶/- روپئے۔
ملنے کا پتہ :۔ مکتبہ ندویہ پوسٹ بکس ۹۳ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

قرآن کریم کا تراویح میں سننا اور سنانا ایک عظیم الشان عبادت ہے۔ اگر اس عبادت کو ہم نے درست طریقہ پر انجام دیا تو بجائے ثواب کے گناہ کا اندیشہ ہے، اسی جذبہ کے پیش نظر مفتی محمد زید ندوی مظاہری نے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کتابوں اور ملفوظات و مواعظ سے اس مضامین کا انتخاب کرکے جمع کر دیا ہے جو تراویح کے فضائل و احکام اور حفاظ و ائمہ تراویح کیلئے ہدایات پر مشتمل ہے۔

تراویح کے فضائل و مسائل ● تراویح کے احکام اور اس کے ثبوت کے دلائل ● تراویح کی جماعت اور ائمہ و مقتدیان کے لئے ہدایات ● شبینہ اور اس کے متعلقات ● عورتوں کی تراویح وغیرہ کتاب کے اجمالی عنوانات ہیں۔

کتاب اپنے موضوع پر بہت مفید ہے اور حفاظ و ائمہ اور تراویح سننے اور سنانے والوں کے لئے ایک قیمتی تحفہ ہے۔

دورۂ اڑیسہ

مشاہدات و تاثرات

• (مولانا) محمد خالد ندوی غازی پوری

جامعہ اسلامیہ شمس العلوم جاجپور اڑیسہ ایک نوخیز ادارہ ہے جہاں دینی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم کا نظم دارالعلوم ندوۃ العلماء کے نصاب و منہج کے مطابق کیا گیا ہے۔ صوبہ اڑیسہ میں اپنی نوعیت کا یہ منفرد ادارہ ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہے چند مہینوں سے اس کے ذمہ داروں کی طرف سے اصرار تھا کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے اساتذہ پر مشتمل ایک وفد اڑیسہ کا دورہ کرے اور اس ادارہ کا معائنہ بھی کرے، اور اڑیسہ جیسے دور افتادہ مقام پر عصری تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے دینی تعلیم کے فروغ کے امکانات کا جائزہ لے۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء کے حکم پر ۳۰ر ستمبر ۲۰۰۰ء کو راقم سطور (مولانا محمد خالد صاحب ندوی غازی پوری استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) اور مولوی عبدالرحمٰن ندوی کٹکی نے اڑیسہ کا سفر کیا۔ جامعہ اسلامیہ شمس العلوم جاجپور میں اس روز شب میں جلسہ بھی تھا، اس میں شرکت کی اس جلسہ میں اڑیسہ کے اہم مدارس کے علماء و مشائخ اور دردمند حضرات شریک تھے، جمعیۃ العلماء تبلیغی جماعت کے مقامی ذمہ داران نے بھی خطاب کیا آخر میں راقم سطور نے خطاب کیا اس سے پہلے مولوی عبدالرحمٰن کٹکی ندوی نے ندوۃ العلماء اور مہمانوں کا تعارف کراتے ہوئے سپاس نامہ پیش کیا۔ راقم سطور نے مدرسہ کی اہمیت اور عصر حاضر میں اس کی افادیت پر روشنی ڈالی اور جنگ آزادی میں مدارس کے کردار پر بھی گفتگو کی۔ طلباء کے بھی پروگرام ہوئے

مدرسہ میں مکتب کی تعلیم کے ساتھ درجہ حفظ بھی قائم ہے اور ابتدائی عربی کی تعلیم کا آغاز بے سروسامانی کے عالم میں کیا جاچکا ہے۔

ادارہ کے بانی اور ناظم حافظ عبدالعلیم صاحب ہیں مدرسہ کے جملہ مصارف انھیں کے ذمہ ہیں۔ بڑی تنگی اور عسرت کے ساتھ مخصوص احباب کے تعاون سے اس مدرسہ کو ترقی دینے اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کی فکر کو عام کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں، جامعہ اسلامیہ شمس العلوم کے مہتمم مولانا محمد شمیم صاحب ندوی اس علاقہ میں بڑی فکر سے کام کررہے ہیں۔ ایسے اداروں کی اس علاقہ میں بہت شدید ضرورت ہے، غربت و افلاس کی وجہ سے ارتداد کا خطرہ بھی ہے اور قادیانی بھی سرگرم عمل ہیں مقامی طور پر علماء کی کوششیں قابل قدر ہیں، مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کٹکی اور ان کے رفقاء اور تلامذہ نے اس سلسلہ میں بڑی کوششیں اور قربانیاں پیش کی ہیں

یکم اکتوبر ۲۰۰۰ء کو کٹک شہر میں نوجوانوں کی طرف سے ایک اجلاس ہوا جس میں راقم سطور کی بڑی مؤثر تقریر ہوئی۔ سامعین پر بہت اچھا اثر ہوا۔ باہمی اختلاف کا ازالہ سنت نبوی اور اسوۂ صحابہ کی روشنی میں گفتگو مؤثر ہوئی۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے کسی بھی فاضل استاد کا یہ پہلا پروگرام تھا جو بہت پسند کیا گیا، اس کے علاوہ بالو بیشی مدرسہ قاسم العلوم کے ناظم جناب مفتی اشرف علی صاحب کی دعوت پر مدرسہ کے استاد مولانا نورالامین کے ہمراہ مولانا شمیم صاحب کی رفاقت میں مدرسہ میں حاضری ہوئی یہ بھی ایک نوخیز ادارہ ہے، قرآن پاک کی تعلیم کا بہتر نظم ہے یہاں مسلمانوں کی خاصی آبادی ہے۔ ایسے مدرسوں کی یہاں اہم ضرورت ہے۔ علاقہ کے ایک اہم عالم کی وفات کی وجہ سے مدرسہ کے اہم ذمہ داروں سے ملاقات نہیں ہوسکی، البتہ عصر بعد طلباء میں گفتگو ہوئی۔ ڈاکٹر محسن صاحب جو مدرسہ کے ذمہ داروں میں سے ہیں اور صاحب ذوق ادیب اور صاحب دیوان شاعر ہیں ان کے یہاں عصرانہ پر حاضری ہوئی واپسی پر بھونیشور کے مدرسہ دعوۃ الحق (جو جامع مسجد کے زیر سایہ قائم ہے اور دعوۃ الحق ہردوئی کی شاخ ہے) کے مہتمم جناب مولانا محمد اطہر صاحب بستوی جو مدرسہ کے ذمہ دار اور صاحب نسبت بزرگوں میں سے ہیں۔ ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ اور موصوف کے حکم پر طلباء سے خطاب بھی ہوا۔ بھونیشور جیسے شہر میں یہ واحد ادارہ ہے جو اہم دینی خدمات انجام دے رہا ہے۔

رواق حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ کا سنگِ بُنیاد

دینی اور عصری تعلیم کے میدان میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کی خدمات محتاج تعارف نہیں. اس نے اپنے قیام کے روز اول سے لیکر اب تک گرانقدر خدمات انجام دی ہیں. اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے دور نظامت میں اس نے ایک عظیم اسلامی مرکز کی حیثیت حاصل کی نیز اس کے کارکنان اساتذہ اور طلباء اسلامی تعلیمات کی نشر واشاعت کیلئے حتی الوسع برابر کوشاں ہیں۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ہندو بیرون ہند کے طلباء کی ایک بڑی تعداد زیر تعلیم ہے اور ان کی تعداد میں برابر غیر معمولی اضافہ اور قیام گاہوں کی تنگی کے پیش نظر معہد دارالعلوم (جس میں ثانوی درجات کے طلباء کو تعلیم دی جاتی ہے) دو سال قبل دارالعلوم ندوۃ العلماء سے دس کلومیٹر کے فاصلے پر واقع سکروری (ہردوئی روڈ) لکھنؤ میں ایک وسیع آراضی حاصل کرکے درسگاہوں (درجات) کی تعمیر کرنے کے بعد منتقل کر دیا گیا تھا جس میں ابتدائی درجات کی تعلیم سے ثانوی درجات کی تعلیم تک کا معقول بندوبست ہے۔

لیکن طلباء کیلئے دارالاقامہ کے نہ ہونے کی وجہ سے ایک بڑی کمی محسوس ہو رہی تھی اور جو معہد کی ایک بڑی ضرورت تھی۔

الحمدللہ اس اہم ضرورت کے پیش نظر دارالعلوم ندوۃ العلماء کے عظیم محسن اور مربی مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (سابق ناظم ندوۃ العلماء) کے نام نامی اسم گرامی سے منسوب " رواق حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ " کا سنگ بنیاد حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی مدظلہ معتمد تعلیم دارالعلوم ندوۃ العلماء نے اپنے دست مبارک سے مورخہ ۲ر جولائی ۲۰۰۰ء کو رکھا۔

معہد دارالعلوم ندوۃ العلماء واقع سکروری (ہردوئی روڈ) لکھنؤ کی یہ عمارت چالیس کشادہ کمروں پر مشتمل ہوگی جس کے ہر کمرہ میں دس طلباء سہولت کے ساتھ قیام کر سکیں گے اس کے علاوہ چار نگراں حضرات کیلئے قیام کا بھی بندوبست ہوگا، اس طرح " رواق مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ " کی پوری عمارت میں چار سو طلباء اور چار نگراں حضرات کیلئے رہائش کی سہولت ہوگی۔

تقریب سنگ بنیاد کے اس موقع پر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء، مولانا عبداللہ عباس ندوی معتمد تعلیم دارالعلوم ندوۃ العلماء پروفیسر وصی احمد صدیقی معتمد مال ندوۃ العلماء، مولانا سعید الرحمن اعظمی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء، مولانا مفتی محمد ظہور ندوی صدر کلیۃ الشریعہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے علاوہ دارالعلوم کے اساتذہ کرام، شہر کے معززین، اہل علم اور دانشور حضرات نے خاصی تعداد میں شرکت کی۔

بفضلہ تعالیٰ " رواق مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ " کی عمارت کی تعمیر بڑی تیزی کے ساتھ جاری ہے۔ امید ہے کہ اہل خیر حضرات جن کو اللہ تعالیٰ نوازا ہے وہ دارالاقامہ کی اس تعمیر میں دل کھول کر حصہ لیں گے اور اپنے مرحومین کے نام سے کمرے بنوائیں گے یا کسی ایک حصہ کی تکمیل کا بار اٹھا کر عنداللہ ماجور ہوں گے۔

(ادارہ)

gd. No. LW / NP/ 63
No.: (0522)330020

FORTNIGHTLY

Principal off : 788166
Guest House : 323864

AMEER-E-HAYAT

NADWATUL-ULAMA, LUCKNOW-226 007 (India) Rs. -/-

Printed And Published by *Athar Husain* on behalf of Majlis Sahafat-Wa-Nashriat